وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد پنجم

التوبہ تا یوسف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار لاہور۔ ۲

ISBN 969-563-014-6

تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی فاضل علوم شرقیہ
مطبع : روی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاول : ذوالقعدۃ 1421ھ / فروری 2000ء
الطبع السادس : صفر 1429ھ / فروری 2008ء

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۳۱۲۱۷۳-۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	سورۃ التوبہ	۳۳
۱	سورۃ التوبہ کے اسماء اور وجہ تسمیہ	۳۵
۲	سورۃ التوبہ کے اسماء کے متعلق احادیث	۳۶
۳	سورۃ التوبہ اور سورۃ الانفال کی باہمی مناسبت	۳۷
۴	سورۃ التوبہ کا زمانہ نزول	۳۸
۵	سورۃ التوبہ کے نزول کا پیش منظر و پس منظر	۳۹
۶	سورۃ التوبہ کے مسائل اور مطالب	۴۱
۷	براءۃ من اللہ و رسولہ (۱-۶)	۴۲
۸	سورۃ التوبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھنے کی توجیہات	۴۳
۹	سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے میں مذاہب ائمہ	۴۵
۱۰	سورۃ التوبہ کے مدنی ہونے سے بعض آیتوں کا استثناء	۴۷
۱۱	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۴۷
۱۲	آیات سابقہ سے مناسبت	۴۸
۱۳	ان مشرکین کا مصداق جن کو چار ماہ کی مہلت دی گئی	۴۹
۱۴	چار ماہ کے تعین میں متعدد اقوال	۵۱
۱۵	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اعلان براءت کرنا حضرت ابوبکر کی خلافت میں وجہ طعن نہیں ہے	۵۲
۱۶	حج اکبر کے مصداق کے متعلق احادیث	۵۴
۱۷	حج اکبر کے مصداق کے متعلق مذاہب فقہاء	۵۵
۱۸	حج اکبر کے مختلف اقوال میں تطبیق	۵۵
۱۹	جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس کے حج اکبر ہونے کی تحقیق	۵۵
۲۰	جمعہ کے دن مغفرت اور نیکیوں میں اضافہ کے متعلق احادیث	۵۶
۲۱	جس جمعہ کو یوم عرفہ ہو اس دن حج اکبر ہونے پر ایک حدیث سے استدلال	۵۸
۲۲	جمعہ کے حج کے متعلق مفسرین کے اقوال	۵۹
۲۳	جمعہ کے حج کے متعلق فقہاء کے اقوال	۶۰
۲۴	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۶۳
۲۵	حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتال کا منسوخ کرنا	۶۴
۲۶	فاقتلوا المشرکین سے منسوخ ہونے والی آیات کا بیان	۶۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۷	فاقتلوا المشرکین میں قتل کے عمومی حکم سے مستثنیٰ افراد	۶۶
۲۸	فاقتلوا المشرکین - الایۃ سے ائمہ ثلاثہ کا تارک نماز کو قتل کرنے پر استدلال اور اس کے جوابات	۶۶
۲۹	مانعین زکوٰۃ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قتال سے ائمہ ثلاثہ کا استدلال اور اس کے جوابات	۶۹
۳۰	آیاتِ سابقہ سے ارتباط	۷۰
۳۱	مشرکین کو دار الاسلام میں آنے کی اجازت دینے کے مسائل اور احکام	۷۰
۳۲	کیف یکون للمشرکین عہد (۷-۱۶)	۷۲
۳۳	ان مشرکین کا بیان جنہوں نے معاہدۂ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی اور جنہوں نے اس معاہدہ کی پابندی کی	۷۳
۳۴	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۷۵
۳۵	بعض سوالوں کے جوابات	۷۶
۳۶	اہل قبلہ کی تکفیر اور عدم تکفیر میں مذاہب	۷۶
۳۷	صحابہ کرام کو دینی بھائی کے بجائے میرے اصحاب کیوں فرمایا؟	۷۸
۳۸	کسی شخص کے تعارف میں اس کی خصوصی صفات ذکر کی جائیں	۷۸
۳۹	کفر کے علم برداروں کا مصداق	۷۹
۴۰	توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے ثبوت میں احادیث اور آثار	۷۹
۴۱	توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء	۸۱
۴۲	توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب	۸۱
۴۳	شریعت کی توہین کرنے والا تورات کی تصریح کے مطابق واجب القتل ہے	۸۵
۴۴	آیاتِ سابقہ سے ارتباط	۸۶
۴۵	فتح مکہ کے لیے جہاد کرنے کے فوائد	۸۶
۴۶	اللہ تعالیٰ کو مستقبل کے واقعات کا علم ہے اور جس چیز کا مطلقاً وقوع نہ ہو اس کے وقوع کو اللہ کا علم شامل نہیں	۸۸
۴۷	سورۃ التوبہ کی آیت: ۱۶ کے چند تراجم	۸۹
۴۸	ما کان للمشرکین ان یعمروا (۱۷-۲۴)	۸۹
۴۹	تعمیر کا معنی	۹۳
۵۰	کافروں سے مسجد کے لیے چندہ لینے میں مذاہب فقہاء	۹۳
۵۱	کافروں سے مسجد کے لیے چندہ لینے میں علماء دیوبند کا نظریہ	۹۴
۵۲	مسجد بنانے کا جواز اور استحقاق کن امور پر موقوف ہے	۹۵
۵۳	مسجد بنانے کے انحصار میں ایمان بالرسول ذکر نہ کرنے کی توجیہات	۹۵
۵۴	مسجد بنانے کے فضائل اور مسجد کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث	۹۵
۵۵	مسجد کے احکام کے متعلق احادیث	۹۷
۵۶	اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا کعبہ کو آباد کرنے سے افضل ہے	۹۸
۵۷	سابقین صحابہ کی فضیلت اور اللہ کی رضا کا جنت سے افضل ہونا	۹۹
۵۸	کفار اور مشرکین سے محبت کا تعلق رکھنا منع	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	ہے اور بغیر محبت کے معاملات جائز ہیں	۱۰۰
۵۹	اپنے باپ، بیٹے، بھائی، بیوی، قریبی اعزہ، وطن، تجارت اور مال و دولت سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہونا	۱۰۲
۶۰	صحابہ کرام محبت کے اس معیار کا کامل نمونہ تھے	۱۰۳
۶۱	لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ (۲۹-۲۵)	۱۰۵
۶۲	آیات سابقہ سے ارتباط	۱۰۷
۶۳	وادی حنین کا محل وقوع	۱۰۷
۶۴	اہل حنین کی مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری	۱۰۷
۶۵	نبی ﷺ کی اہل حنین سے جہاد کی تیاری	۱۰۷
۶۶	نبی ﷺ کا غزوۂ حنین کے لیے روانہ ہونا	۱۰۸
۶۷	بعض نو مسلم صحابہ کا حنین کے راستے میں ذات انواط کی تمنا کرنا	۱۰۸
۶۸	حنین میں ابتدائی شکست، شکست کے اسباب اور آپ کو چھوڑ کر بھاگنے والوں کی تعداد	۱۰۸
۶۹	غزوۂ حنین میں ابتدائی شکست کے بعد فتح اور کامرانی	۱۰۹
۷۰	یوم حنین میں فرشتوں کا نزول	۱۱۰
۷۱	اہل حنین کو عذاب دینے کا معنی	۱۱۰
۷۲	اہل حنین میں سے ہوازن اور ثقیف کا اسلام قبول کرنا	۱۱۱
۷۳	مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۱۱۲
۷۴	مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۱۱۳
۷۵	مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء حنبلیہ	
	کا نظریہ	۱۱۲
۷۶	مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ	۱۱۳
۷۷	ربط آیات اور مناسبت	۱۱۵
۷۸	جزیہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۱۵
۷۹	جزیہ کن سے وصول کیا جائے گا	۱۱۶
۸۰	جزیہ کی مقدار میں مذاہب فقہاء	۱۱۷
۸۱	وقالت الیہود عزیر ابن اللہ (۳۵-۳۰)	۱۱۸
۸۲	حضرت عزیر کا نام و نسب، ان کا تعارف اور ان کو ابن اللہ کہنے کا سبب	۱۱۹
۸۳	آیا حضرت عزیر نبی ہیں یا نہیں	۱۲۱
۸۴	احبار اور رہبان کا معنی	۱۲۱
۸۵	قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں اپنے دینی پیشواؤں کو ترجیح دینے کی مذمت	۱۲۲
۸۶	نبی کے سوا کسی بشر کا قول خطا سے معصوم نہیں	۱۲۳
۸۷	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے صدق پر دلائل	۱۲۵
۸۸	تمام ادیان پر دین اسلام کا غلبہ	۱۲۶
۸۹	یہودی اور عیسائی علماء کے مال کھانے کے ناجائز طریقے	۱۲۶
۹۰	کنز کا معنی	۱۲۷
۹۱	زکوٰۃ نہ دے کر مال جمع کرنے والوں کی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے مذمت	۱۲۷
۹۲	جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ موجب عذاب نہیں ہے	۱۲۸
۹۳	ادائیگی زکوٰۃ کے بعد مال جمع کرنے میں اختلاف صحابہ	۱۲۹
۹۴	ان عدۃ الشہور عند اللہ (۳۷-۳۶)	۱۳۱
۹۵	عبادات اور معاملات میں قمری تقویم کا اعتبار	

نمبر شار	عنوان	صفحہ
	ہے	۱۳۲
۹۶	حرمت والے مہینوں کا بیان اور ان کا شرعی حکم	۱۳۲
۹۷	مشرکین کا حرمت والے مہینوں کو موخر کرنا	۱۳۳
۹۸	یایھا الذین امنوا مالکم (۴۲-۳۸)	۱۳۳
۹۹	غزوہ تبوک کی تیاری	۱۳۵
۱۰۰	جہاد کے لیے نکلنے کا وجوب	۱۳۶
۱۰۱	غار ثور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت	۱۳۷
۱۰۲	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی وجوہ	۱۴۰
۱۰۳	خفافا وثقالا کے معنی	۱۴۲
۱۰۴	جہاد کی اقسام	۱۴۳
۱۰۵	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل	۱۴۴
۱۰۶	عفا اللہ عنک لم اذنت لھم (۴۹-۴۳)	۱۴۴
۱۰۷	عفا اللہ عنک کے متعلق مفسرین سابقین کی تقاریر	۱۴۶
۱۰۸	عفا اللہ عنک کے متعلق مصنف کی تقریر	۱۴۷
۱۰۹	جب منافقین کا جہاد کے لیے نکلنا اللہ کو ناپسند تھا تو ان کی مذمت کیوں کی گئی؟	۱۴۹
۱۱۰	تمام مخلوق میں نیکی کی صلاحیت کیوں نہیں پیدا کی گئی	۱۵۰
۱۱۱	ان تصبک حسنۃ تسؤھم (۵۹-۵۰)	۱۵۱
۱۱۲	مسئلہ تقدیر	۱۵۴
۱۱۳	مسلمانوں اور منافقوں کی دو حالتوں کی تفصیل	۱۵۵
۱۱۴	شان نزول	۱۵۵
۱۱۵	کافر کی زمانہ کفر میں کی ہوئی نیکیوں پر اجر ملنے یا	

نمبر شار	عنوان	صفحہ
	نہ ملنے کی تحقیق	۱۵۶
۱۱۶	مال اور اولاد کا سبب عذاب ہونا	۱۵۸
۱۱۷	رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کرنے والوں کے متعلق احادیث	۱۵۹
۱۱۸	جس شخص نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا آپ نے اس کو سزا کیوں نہیں دی؟	۱۶۰
۱۱۹	جس شخص نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا اسی کی نسل سے خارجی پیدا ہوئے	۱۶۱
۱۲۰	خارجیوں کے ظہور کا سبب	۱۶۱
۱۲۱	خارجیوں کے متعلق اہل سنت کا نظریہ	۱۶۱
۱۲۲	خارجیوں کی علامت	۱۶۲
۱۲۳	عذاب کے خوف، ثواب کے شوق اور محض رضاء الٰہی کے لیے عبادت کرنے کے تین مراتب	۱۶۲
۱۲۴	رسول اللہ ﷺ کی طرف عطا کرنے کی نسبت	۱۶۳
۱۲۵	انما الصدقات للفقراء (۶۶-۶۰)	۱۶۳
۱۲۶	آیات سابقہ کے ساتھ ارتباط	۱۶۵
۱۲۷	زکوۃ دینے والے کے حق میں زکوۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں	۱۶۶
۱۲۸	زکوۃ لینے والے کے حق میں زکوۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں	۱۶۸
۱۲۹	فقیر کا معنی	۱۶۹
۱۳۰	مسکین کا معنی	۱۷۰
۱۳۱	فقیر اور مسکین کے معنی میں مذاہب ائمہ اور تحقیق مقام	۱۷۰
۱۳۲	والعاملین علیھا کا معنی اور اس کے شرعی احکام	۱۷۱
۱۳۳	مولفۃ القلوب کی تعریف اور ان کو زکوۃ میں سے دینے کے متعلق مذاہب فقہاء	۱۷۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۳۴	غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے زکوٰۃ میں حصہ	۱۷۴
۱۳۵	غلاموں، مقروضوں، اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے لیے تملیک ضروری نہیں	۱۷۴
۱۳۶	زکوٰۃ کے تمام مصارف میں تملیک ضروری ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل	۱۷۶
۱۳۷	تملیک کی رکنیت کے دلائل کا تجزیہ	۱۷۷
۱۳۸	ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک کا رکن نہ ہونا	۱۷۸
۱۳۹	آخری چار مصارف میں تملیک کا اعتبار نہ کرنے کا ثمرہ	۱۷۹
۱۴۰	زکوٰۃ میں مقروضوں کا حصہ	۱۷۹
۱۴۱	زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کا حصہ	۱۷۹
۱۴۲	زکوٰۃ میں مسافروں کا حصہ	۱۸۰
۱۴۳	کسی ایک صنف کے ایک فرد پر زکوٰۃ تقسیم کرنے کا جواز	۱۸۰
۱۴۴	منافقین کا نبی ﷺ کو "کان" کہنا اور اس پر اللہ کا رد کرنا	۱۸۱
۱۴۵	شان نزول اور اللہ اور رسول کے لیے ضمیر واحد لانے کی توجیہ	۱۸۲
۱۴۶	نبی ﷺ کو منافقین کا علم عطا کیا جانا	۱۸۳
۱۴۷	نبی ﷺ کی شان میں توہین کا لفظ کہنا کفر ہے خواہ توہین کی نیت ہو یا نہیں	۱۸۴
۱۴۸	المنفقون والمنفقت بعضهم من بعض (۷۴-۶۷)	۱۸۵
۱۴۹	اللہ تعالیٰ کے بھلانے کا معنی	۱۸۷
۱۵۰	عذاب مقیم کا معنی	۱۸۸
۱۵۱	منافقین کی پہلے زمانہ کے کافروں کے ساتھ مشابہت	۱۸۸
۱۵۲	سابقہ قوموں کے عذاب سے منافقوں کو نصیحت فرمانا	۱۸۹
۱۵۳	منافقوں اور مومنوں میں تقابل	۱۹۰
۱۵۴	دائمی جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہیں اور جنت کی نعمتیں	۱۹۰
۱۵۵	اللہ کی رضا اور اس کے دیدار کا سب سے بڑی نعمت ہونا	۱۹۲
۱۵۶	جنت کی تخفیف نہ کی جائے	۱۹۴
۱۵۷	یایها النبی جاهد الکفار (۸۰-۷۳)	۱۹۴
۱۵۸	منافقوں کے خلاف جہاد کی توجیہ	۱۹۶
۱۵۹	اس حدیث کی تحقیق کہ میں صرف ظاہر پر حکم کرتا ہوں (الحدیث)	۱۹۷
۱۶۰	منافقین نے جو کلمہ کفر کہا تھا اس کے متعلق مفسرین کے اقوال	۱۹۸
۱۶۱	منافق جس مقصد کو حاصل نہ کر سکے اس کے متعلق مفسرین کے اقوال	۲۰۰
۱۶۲	منافقین کو غنی کرنے کی تفصیل	۲۰۰
۱۶۳	جلاس بن سوید کی توبہ	۲۰۰
۱۶۴	اللہ سے عہد کر کے اس کو توڑنے والا منافق	۲۰۱
۱۶۵	یہ منافق حضرت ثعلبہ بن حاطب تھے یا کوئی اور شخص؟	۲۰۲
۱۶۶	حضرت ثعلبہ بن حاطب کے بدری صحابی ہونے پر تصریحات	۲۰۳
۱۶۷	حضرت ثعلبہ بن حاطب کو منافق قرار دینے والی روایت کا شدید ضعف	۲۰۴
۱۶۸	اس روایت کے راویوں پر جرح	۲۰۵
۱۶۹	اس روایت پر درایتاً جرح	۲۰۶
۱۷۰	اس روایت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	کے مزاج کے خلاف ہونا	۲۰۷
۱۷۱	سورۃ التوبہ کی ان آیات کا صحیح مصداق	۲۰۸
۱۷۲	اس روایت کی تحقیق میں حرف آخر	۲۰۹
۱۷۳	صحابہ کرام کے صدقات پر منافقین کے طعنے	۲۰۹
۱۷۴	عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کا شانِ نزول	۲۱۰
۱۷۵	عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیے قمیص عطا فرمانے کی وجوہ	۲۱۰
۱۷۶	اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود عبداللہ بن ابی کے لیے استغفار کی توجیہات	۲۱۱
۱۷۷	ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق امام رازی کا تسامح	۲۱۲
۱۷۸	فرح المخلفون بمقعدھم (۸۱-۸۹)	۲۱۳
۱۷۹	ربط آیات	۲۱۵
۱۸۰	دوزخ کی گرمی	۲۱۵
۱۸۱	کم ہنسنے اور زیادہ رونے کی تلقین	۲۱۵
۱۸۲	غزوۂ تبوک کے بعد منافقوں کو کسی غزوہ میں شرکت سے ممانعت کی توجیہ	۲۱۶
۱۸۳	منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت کا شانِ نزول	۲۱۷
۱۸۴	عبداللہ بن ابی کے نفاق کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی توجیہات	۲۱۷
۱۸۵	مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت کے باوجود عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کی توجیہات	۲۱۸
۱۸۶	کیا ابن ابی کے حق میں مغفرت کی دعا کا قبول نہ ہونا آپ کی محبوبیت کے منافی ہے؟	۲۲۰
۱۸۷	دفن کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اللہ کا ذکر کرنا اور اس سے قبر پر اذان کا استدلال	۲۲۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۸۸	سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ایمان پر استدلال	۲۲۲
۱۸۹	وجاء المعذرون من الاعراب (۹۰-۹۳)	۲۲۳
۱۹۰	معذورین کی اقسام	۲۲۴
۱۹۱	جہاد اور نماز میں معذورین کے متعلق احادیث	۲۲۴
۱۹۲	اللہ تعالیٰ کے لیے نصیحت کا معنی	۲۲۶
۱۹۳	کتاب اللہ کے لیے نصیحت کا معنی	۲۲۶
۱۹۴	رسول اللہ ﷺ کے لیے نصیحت کا معنی	۲۲۶
۱۹۵	ائمہ مسلمین کے لیے نصیحت کا معنی	۲۲۶
۱۹۶	عام مسلمانوں کے لیے نصیحت کا معنی	۲۲۷
۱۹۷	بڑے سے بڑا نیک بھی اللہ کی بخشش اور اس کی رحمت سے مستغنی نہیں	۲۲۷
۱۹۸	عبادت سے محروم ہونے کی بناء پر رونا	۲۲۸
۱۹۹	یعتذرون الیکم اذا رجعتم الیھم (۹۴-۹۹)	۲۲۹
۲۰۰	اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا	۲۳۱
۲۰۱	منافقین سے ترکِ تعلق کا حکم	۲۳۱
۲۰۲	العرب اور الاعراب کا معنی	۲۳۲
۲۰۳	الاعراب سے مراد مدینہ کے گرد رہنے والے دیہاتی ہیں	۲۳۴
۲۰۴	اعراب کی سنگ دلی اور شقاوت	۲۳۴
۲۰۵	الدوائر اور دائرۃ السوء کے معانی	۲۳۵
۲۰۶	شانِ نزول اور ربط آیات	۲۳۵
۲۰۷	قربات اور صلوات کے معنی	۲۳۵
۲۰۸	والسبقون الاولون من المهاجرين (۱۰۰-۱۰۶)	۲۳۶
۲۰۹	مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین کے مصادیق میں اقوال	۲۳۸
۲۱۰	مہاجرین اور انصار میں سے ایمان میں سبقت	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	کرنے والوں کی تفصیل	۲۳۹
۲۱۱	مہاجرین اور انصار کے فضائل	۲۴۱
۲۱۲	اللہ کی رضا اس پر موقوف ہے کہ مہاجرین اور انصار کی نیکیوں میں ان کی اتباع کی جائے	۲۴۲
۲۱۳	مدینہ سے باہر کے منافقین اور ان سے متعلق اعتراضات کے جوابات	۲۴۳
۲۱۴	دو مرتبہ عذاب دینے کی تفصیل	۲۴۴
۲۱۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بنام منافقین کو مسجد سے نکالنا	۲۴۵
۲۱۶	حضرت ابولبابہ کی توبہ	۲۴۶
۲۱۷	حضرت ابولبابہ کی توبہ اور شان نزول	۲۴۷
۲۱۸	انبیاء علیہم السلام کے غیر پر استقلالاً اور انفراداً صلوٰۃ بھیجنے کی تحقیق	۲۴۸
۲۱۹	صلوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنی	۲۴۸
۲۲۰	انبیاء علیہم السلام پر انفراداً صلوٰۃ بھیجنے میں مذاہب فقہاء	۲۴۸
۲۲۱	انبیاء علیہم السلام کے غیر پر صلوٰۃ اور سلام بھیجنے میں جمہور کا موقف	۲۴۹
۲۲۲	انبیاء علیہم السلام کے غیر پر استقلالاً صلوٰۃ پڑھنے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات	۲۴۹
۲۲۳	انبیاء علیہم السلام کے غیر پر انفراداً صلوٰۃ نہ بھیجنے کے دلائل	۲۵۰
۲۲۴	صدقہ کی ترغیب	۲۵۱
۲۲۵	صدقہ کی فضیلت میں احادیث	۲۵۲
۲۲۶	نیک اعمال کا حکم دینے اور برے اعمال سے روکنے کی وجہ	۲۵۴
۲۲۷	انسان کے اعمال کو زندہ اور مردہ لوگ دیکھتے رہتے ہیں	۲۵۵
۲۲۸	غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ جانے والوں کی چار	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	قسمیں	۲۵۵
۲۲۹	والذین اتخذوا مسجدا ضرارا (۱۱۰-۱۰۷)	۲۵۶
۲۳۰	مسجد ضرار کا پس منظر و پیش منظر	۲۵۶
۲۳۱	مسجد ضرار میں کھڑے ہونے کی ممانعت	۲۵۸
۲۳۲	اس مسجد کا مصداق جس کی بنیاد اول یوم سے تقویٰ پر رکھی گئی	۲۵۹
۲۳۳	مسجد نبوی اور روضہ رسول کی زیارت کے فضائل	۲۶۰
۲۳۴	مسجد قبا کے فضائل	۲۶۱
۲۳۵	پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کی فضیلت	۲۶۱
۲۳۶	مشکل الفاظ کے معانی	۲۶۲
۲۳۷	منافقین کے شک میں پڑنے کی وجوہ	۲۶۲
۲۳۸	ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم (۱۱۴-۱۱۱)	۲۶۳
۲۳۹	اللہ تعالیٰ کا مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ خریدنا	۲۶۴
۲۴۰	تورات اور انجیل میں اللہ کے عہد کا ذکر	۲۶۵
۲۴۱	جنت کے بدلہ میں جان و مال کی بیع کی تاکیدات	۲۶۵
۲۴۲	اس بیع کے بعد معصیت کا بہت سنگین ہونا	۲۶۶
۲۴۳	التائبون کا معنی	۲۶۶
۲۴۴	العابدون کا معنی	۲۶۷
۲۴۵	الحامدون کا معنی	۲۶۷
۲۴۶	السائحون کا معنی	۲۶۸
۲۴۷	الراکعون الساجدون کا معنی	۲۶۸
۲۴۸	الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر کا معنی	۲۶۹
۲۴۹	الحافظون لحدود اللہ کا معنی	۲۷۰
۲۵۰	ابوطالب کا مرتے وقت کلمہ نہ پڑھنا	۲۷۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۵۱	ابو طالب کے ایمان کے متعلق ایک روایت کا جواب	۲۷۱
۲۵۲	سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ایمان پر اعتراض کا جواب	۲۷۲
۲۵۳	مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کی توجیہات	۲۷۳
۲۵۴	زندہ کافروں کے لیے مغفرت اور ہدایت کی دعا کا جواز	۲۷۴
۲۵۵	آزر کے لیے حضرت ابرہیم علیہ السلام کے استغفار کی توجیہ	۲۷۵
۲۵۶	اواہ کا معنی	۲۷۵
۲۵۷	قیامت کے دن آزر کی شفاعت کی توجیہ	۲۷۵
۲۵۸	وما کان اللہ لیضل قوما (۱۱۸-۱۱۵)	۲۷۶
۲۵۹	اشیاء میں اصل اباحت ہے	۲۷۷
۲۶۰	آیاتِ سابقہ سے ارتباط کی وجوہ	۲۷۸
۲۶۱	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے توبہ قبول فرمانے کی توجیہات	۲۷۸
۲۶۲	مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول کرنے کا محمل	۲۷۹
۲۶۳	غزوۂ تبوک کی تنگی اور سختی	۲۸۰
۲۶۴	اللہ تعالیٰ کا بار بار توبہ قبول فرمانا	۲۸۱
۲۶۵	رسول اللہ ﷺ، تبوک کے غازیوں اور تین مخلفین کی توبہ کا باہمی فرق	۲۸۲
۲۶۶	حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ قبول ہونے کی تفصیل	۲۸۲
۲۶۷	یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ (۱۲۲-۱۱۹)	۲۸۷
۲۶۸	صدق کے متعلق احادیث	۲۸۸
۲۶۹	صدق کی عقلی فضیلت	۲۸۹
۲۷۰	لشکر اسلام کے ساتھ تمام مسلمانوں کے روانہ ہونے کے وجوب کی تحقیق	۲۹۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۷۱	اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چھوٹی اور بڑی نیکی مقبول ہے	۲۹۱
۲۷۲	تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کا فرض کفایہ ہونا	۲۹۲
۲۷۳	حصول علم دین کا فرض کفایہ ہونا	۲۹۲
۲۷۴	حصول علم دین کے فرض عین ہونے کا محمل	۲۹۳
۲۷۵	حصول علم دین کے فرض کفایہ ہونے کا محمل	۲۹۳
۲۷۶	علم دین کے فضائل	۲۹۳
۲۷۷	فقہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۹۴
۲۷۸	تقلید شخصی پر دلائل	۲۹۴
۲۷۹	مسائل فقہیہ میں ائمہ مجتہدین کے اختلاف کے اسباب	۲۹۶
۲۸۰	یایھا الذین امنوا قاتلوا (۱۲۹-۱۲۳)	۲۹۸
۲۸۱	قریب کے کافروں سے جہاد کی ابتداء کرنے کی وجوہ	۳۰۰
۲۸۲	دنیا اور آخرت میں منافقین کے عذاب کی تفصیل	۳۰۱
۲۸۳	قرآن مجید سے منافقین کی نفرت اور بیزاری	۳۰۱
۲۸۴	سابقہ آیات سے ارتباط	۳۰۲
۲۸۵	نبی ﷺ کی پانچ صفات	۳۰۲
۲۸۶	من انفسکم کا معنی	۳۰۲
۲۸۷	من انفسکم کا معنی (نبی ﷺ کا نفیس ترین ہونا)	۳۰۳
۲۸۸	امت پر سخت احکام کا آپ پر دشوار ہونا	۳۰۵
۲۸۹	دنیا اور آخرت میں امت کی فلاح پر آپ کا حریص ہونا	۳۰۶
۲۹۰	اللہ تعالیٰ کا نبی ﷺ کو تسلی دینا	۳۰۷
۲۹۱	عرش کا معنی	۳۰۷
۲۹۲	عرش کے متعلق احادیث و آثار	۳۰۸
۲۹۳	عرش کی تفسیر میں اقاویل علماء	۳۰۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۹۴	آیا سورۂ توبہ کی آخری آیت قرآن مجید کی آخری آیت ہے یا نہیں	۳۰۹
۲۹۵	حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی سے لقد جاء کم رسول من انفسکم الایہ کا سورۂ توبہ میں درج ہونا	۳۱۰
۲۹۶	حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی کا دو گواہوں کے برابر ہونا	۳۱۱
۲۹۷	لقد جاء کم رسول من انفسکم۔ الایہ کے وظیفہ سے رسول اللہ ﷺ کی زیارت	۳۱۲
۲۹۸	حسبی اللہ لا الہ الا ھو پڑھنے کی فضیلت	۳۱۲
۲۹۹	کلماتِ تشکر	۳۱۳

سورۃ یونس

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	سورۃ یونس	۳۱۵
۳۰۰	سورۃ کا نام اور اس کی وجہ تسمیہ	۳۱۷
۳۰۱	سورۂ یونس کا زمانہ نزول	۳۱۸
۳۰۲	سورۃ التوبہ اور سورۂ یونس کی مناسبت	۳۱۸
۳۰۳	سورۂ یونس کے مسائل اور مقاصد	۳۱۹
۳۰۴	الر تلک آیت الکتاب الحکیم (۱-۱۰)	۳۲۰
۳۰۵	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل	۳۲۲
۳۰۶	آپ کی نبوت پر مشرکین کا تعجب اور اس کا ازالہ	۳۲۳
۳۰۷	قدم صدق کے متعدد محامل	۳۲۴
۳۰۸	آپ کو ساحر کہنے کا جواب	۳۲۵
۳۰۹	مشرکین کے تعجب کو زائل کرنا	۳۲۵
۳۱۰	حشر اجساد پر دلائل	۳۲۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۱۱	عدل کے ساتھ جزا دینے کی توجیہ	۳۲۷
۳۱۲	سورج سے الوہیت اور توحید پر استدلال	۳۲۸
۳۱۳	تاریخ کا تعین قمری حساب سے کرنا چاہیے	۳۲۸
۳۱۴	منکرین حشر کے احوال	۳۲۹
۳۱۵	حشر پر ایمان لانے والوں کے احوال	۳۲۹
۳۱۶	اہلِ جنت کی گفتگو کا معمول	۳۳۰
۳۱۷	ولو یعجل اللہ للناس (۱۱-۲۰)	۳۳۰
۳۱۸	اپنے آپ کو، اپنی اولاد کو اور اپنے اموال کو بد دعا دینے کی ممانعت	۳۳۳
۳۱۹	کافر کے مشرف ہونے کی وجوہ	۳۳۴
۳۲۰	نزول مصیبت کے وقت مسلمانوں کی فکر اور عمل کیا ہونا چاہیے؟	۳۳۴
۳۲۱	کافر کو مشرف فرمانے کی وجوہ	۳۳۶
۳۲۲	اللہ تعالیٰ کے آزمانے پر اعتراض کا جواب	۳۳۷
۳۲۳	اللہ تعالیٰ کے علم پر ایک اشکال کا جواب	۳۳۷
۳۲۴	لننظر کے چند مشہور تراجم	۳۳۸
۳۲۵	مشرکین کا یہ مطالبہ کہ آپ قرآن مجید کو بدل ڈالیں	۳۳۸
۳۲۶	قرآن مجید میں تبدیلی کے مطالبہ کی وجوہات	۳۳۹
۳۲۷	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایک دلیل	۳۳۹
۳۲۸	قرآن مجید کا وحی الٰہی ہونا	۳۴۰
۳۲۹	غیر اللہ کی عبادت کے باطل ہونے پر دلائل	۳۴۰
۳۳۰	بتوں کو اللہ کے ہاں سفارشی قرار دینے میں مشرکین کے نظریات	۳۴۰
۳۳۱	جس چیز کے وجود کا اللہ کو علم نہ ہو اس کا وجود محال ہے	۳۴۱
۳۳۲	ابتداء میں تمام لوگوں کے مسلمان ہونے پر احادیث اور آثار	۳۴۱
۳۳۳	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل	۳۴۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۳۴	واذا اذقنا الناس رحمة (۳۰-۲۱)	۳۴۳	۳۵۶	قرآن مجید کی پیش گوئیاں جو مستقبل میں پوری ہوئیں	۳۶۵
۳۳۵	مصائب کے بعد کفار پر رحم فرمانا	۳۴۶	۳۵۷	قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی	۳۶۶
۳۳۶	مصائب اور شدائد میں صرف اللہ کو پکارنا	۳۴۷	۳۵۸	وان کذبوک فقل لی عملی (۵۳-۴۱)	۳۶۷
۳۳۷	علامہ آلوسی، شیخ شوکانی اور نواب بھوپالی کا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد کو ناجائز قرار دینا	۳۴۸	۳۵۹	ہر شخص اپنے اعمال کا جوابدہ ہے	۳۶۹
۳۳۸	علامہ آلوسی وغیرہ کی عبارات پر تبصرہ	۳۴۹	۳۶۰	کفار کے ایمان نہ لانے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا	۳۷۰
۳۳۹	وفات یافتہ بزرگوں سے استمداد کے معاملہ میں راہ اعتدال	۳۵۱	۳۶۱	قیام دنیا کو کم سمجھنے کی وجوہات	۳۷۱
۳۴۰	بغاوت کا معنی اور اس کے متعلق احادیث	۳۵۲	۳۶۲	ہر امت کے پاس اس کے رسول آنے کے دو محمل	۳۷۲
۳۴۱	زمین کی پیداوار کی دنیا کے ساتھ مثال	۳۵۳	۳۶۳	اس سوال کا جواب کہ مشرکین پر عذاب جلدی کیوں نہیں آتا	۳۷۳
۳۴۲	جنت کے داعی کے متعلق احادیث	۳۵۳	۳۶۴	نزول عذاب کے بعد ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں	۳۷۳
۳۴۳	جنت کو دارالسلام کہنے کی وجوہات	۳۵۴	۳۶۵	وہابی علماء کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ضرر اور نفع پہنچانے کی مطلقاً نفی کرنا	۳۷۴
۳۴۴	محشر میں مومنین کی عزت اور سرفرازی	۳۵۴	۳۶۶	آپ سے ضرر اور نفع بالذات پہنچانے کی نفی کی گئی ہے نہ کہ مطلقاً	۳۷۵
۳۴۵	اللہ تعالیٰ کا دیدار	۳۵۵	۳۶۷	اللہ تعالیٰ کی عطاء سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۳۷۶
۳۴۶	اللہ تعالیٰ کے حجاب سے کیا مراد ہے؟	۳۵۵	۳۶۸	اللہ تعالیٰ کی عطاء سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی کے متعلق احادیث اور آثار	۳۷۷
۳۴۷	محشر میں کفار کی ذلت اور رسوائی	۳۵۶	۳۶۹	وصال کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد و استغاثہ کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار	۳۷۸
۳۴۸	قیامت کے دن شرکاء کی مشرکین سے بیزاری اور شرکاء کا مصداق	۳۵۸	۳۷۰	وفات یافتہ بزرگوں سے استمداد کی تکفیر کا بطلان	۳۸۰
۳۴۹	شرکاء کے کلام پر کذب کا اعتراض اور اس کے جوابات	۳۵۹	۳۷۱	عذاب کی وعید کا برحق ہونا	۳۸۲
۳۵۰	قل من یرزقکم من السماء والارض (۴۰-۳۱)	۳۵۹			
۳۵۱	توحید کے اثبات پر دلائل	۳۶۱			
۳۵۲	شرک کا بطلان	۳۶۳			
۳۵۳	قیاس اور خبر واحد کے حجت ہونے پر ایک اعتراض کا جواب	۳۶۳			
۳۵۴	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلائل	۳۶۴			
۳۵۵	تورات میں نبی ﷺ کی آمد کی خوشخبری	۳۶۴			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۷۲	ولوان لکل نفس ظلمت ما فی الارض (۶۰-۵۴)	۳۸۲
۳۷۳	ظالموں سے فدیہ نہ قبول کیا جانا	۳۸۳
۳۷۴	ظالموں کے پشیمانی چھپانے کی توجیہ	۳۸۳
۳۷۵	ظالموں کے درمیان عدل سے فیصلہ کی توجیہ	۳۸۴
۳۷۶	وعید عذاب کے برحق ہونے پر دلائل	۳۸۴
۳۷۷	ظاہری ملکیت پر نازاں ہونے والوں کو متنبہ فرمانا	۳۸۵
۳۷۸	روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا	۳۸۵
۳۷۹	قرآن مجید سے قلبی اور روحانی امراض کے علاج کے چار مدارج	۳۸۶
۳۸۰	قرآن مجید سے جسمانی شفاء حاصل کرنے کی تحقیق	۳۸۷
۳۸۱	تمیمہ اور تولہ وغیرہ کے معنی اور ان کا شرعی حکم	۳۸۸
۳۸۲	قرآن مجید سے جسمانی شفاء کے حصول کے متعلق احادیث اور آثار	۳۸۹
۳۸۳	کلمات طیبہ سے دم کرنے کے جواز کے متعلق احادیث	۳۹۲
۳۸۴	دم اور تعویذ کی ممانعت کے متعلق حضرت ابن مسعود کا ارشاد اور امام بغوی سے اس کی توجیہ	۳۹۳
۳۸۵	تعویذ اور دم کی ممانعت کے متعلق ابن حکیم اور حضرت عقبہ بن عامر کا ارشاد اور امام بیہقی، امام ابن الاثیر اور دیگر علماء سلف کی توجیہ	۳۹۳
۳۸۶	تعویذ لٹکانے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت اور اس کے حوالہ جات	۳۹۴
۳۸۷	حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت کے صحیح اور	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	حسن نہ ہونے اور مدرج ہونے کے جوابات	۳۹۵
۳۸۸	تعویذ کے جواز کی روایت کا ایک حدیث سے معارضہ اور اس کا جواب	۳۹۷
۳۸۹	روایت حدیث میں امام محمد بن اسحٰق کا مقام	۳۹۷
۳۹۰	امام محمد بن اسحٰق کو کاذب کہنے کا جواب	۳۹۹
۳۹۱	عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ پر جرح کا جواب	۴۰۰
۳۹۲	عمرو بن شعیب کی اس روایت سے استدلال کرنے والے علماء	۴۰۲
۳۹۳	بعض تابعین کے اقوال کی توجیہ	۴۰۳
۳۹۴	تعویذ لٹکانے کے جواز کے متعلق فقہاء تابعین کے فتاویٰ	۴۰۳
۳۹۵	دم اور تعویذ کے جواز کے متعلق علامہ شامی حنفی کی تصریح	۴۰۳
۳۹۶	دم اور تعویذ کے جواز کے متعلق مشہور دیوبندی عالم شیخ محمد زکریا سہارنپوری کی تصریح	۴۰۴
۳۹۷	دم اور تعویذ کے جواز کے متعلق مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی تصریح	۴۰۵
۳۹۸	تعویذ لٹکانے کے جواز کے متعلق علامہ ذہبی کی تصریح اور خواب میں ڈرنے کا تعویذ	۴۰۵
۳۹۹	تعویذ لٹکانے کے متعلق علامہ ابن قیم جوزی کی تصریحات اور بخار کا تعویذ	۴۰۶
۴۰۰	وضع حمل میں تنگی اور مشکل کے متعلق تعویذ	۴۰۶
۴۰۱	نکسیر کے متعلق تعویذ	۴۰۸
۴۰۲	دل یا سینہ میں درد (انجائنا) کے لیے تعویذ	۴۰۸
۴۰۳	میعادی بخار (ٹائیفائیڈ) مثلاً تین دن کے بخار کے لیے تعویذ	۴۰۸
۴۰۴	عرق النساء کے لیے تعویذ	۴۰۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۰۵	گھٹیا کے لیے تعویذ	۴۰۸
۴۰۶	ڈاڑھ کے درد کے لیے تعویذ	۴۰۸
۴۰۷	پھوڑے، پھنسیوں اور آبلوں اور ہر قسم کی انفیکشن کے لیے تعویذ	۴۰۸
۴۰۸	اللہ تعالیٰ کے فضل اور آس کی رحمت کا مصداق	۴۰۹
۴۰۹	رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی، آپ کی آمد اور آپ کی بعثت پر فرحت اور مسرت کا اظہار	۴۰۹
۴۱۰	مشرکین کی خود ساختہ شریعت کی مذمت	۴۱۰
۴۱۱	تقشف اور بناوٹی زہد اللہ کی ناشکری ہے	۴۱۲
۴۱۲	وماتکون فی شان وماتتلوا منه (۷۰-۶۱)	۴۱۳
۴۱۳	مشکل الفاظ کے معانی اور آیاتِ سابقہ سے مناسبت	۴۱۵
۴۱۴	زمین کے ذکر کو آسمان کے ذکر پر مقدم کرنے کی وجہ	۴۱۵
۴۱۵	ولی کا لغوی معنی	۴۱۶
۴۱۶	ولی کا اصطلاحی معنی	۴۱۶
۴۱۷	ولی کے مصداق اور ان کے فضائل کے متعلق احادیث اور آثار	۴۱۷
۴۱۸	اللہ اپنے محبوب بندے کے کان اور آنکھیں ہو جاتا ہے، اس کی توجیہ	۴۱۸
۴۱۹	اللہ تعالیٰ کے تردد کرنے کی توجیہ	۴۱۹
۴۲۰	ولی کے فضائل کے متعلق مزید احادیث	۴۲۰
۴۲۱	ابدال کے متعلق احادیث اور آثار اور ان کی فنی حیثیت	۴۲۱
۴۲۲	احادیث ابدال کا معناً متواتر ہونا	۴۲۳
۴۲۳	احادیث ابدال کی مزید توثیق	۴۲۵
۴۲۴	نجباء اور نقباء وغیرہ کی تعداد	۴۲۵
۴۲۵	ولی کی صفات	۴۲۵
۴۲۶	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زہد و تقویٰ اور خوفِ خدا	۴۲۷
۴۲۷	حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عبادت، زہد اور خوفِ خدا	۴۲۸
۴۲۸	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عبادت، زہد اور خوفِ خدا	۴۲۹
۴۲۹	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عبادت، زہد اور خوفِ خدا	۴۳۰
۴۳۰	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک روایت پر علامہ قرطبی کا تبصرہ	۴۳۱
۴۳۱	امام اعظم کے اخلاق، زہد و تقویٰ، عبادت اور خوفِ خدا	۴۳۲
۴۳۲	افعالِ خارقہ (خلافِ عادت کاموں) کی اقسام اور کرامت کی تعریف	۴۳۴
۴۳۳	اولیاء اللہ کی کرامات کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات	۴۳۵
۴۳۴	اولیاء اللہ کی کرامات کے ثبوت میں احادیث صحیحہ اور کرامت کے اختیاری ہونے میں علماء کی تصریحات	۴۳۷
۴۳۵	اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں غم اور خوف کا ثبوت	۴۴۱
۴۳۶	اولیاء اللہ کے دنیا کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ	۴۴۲
۴۳۷	اولیاء اللہ کے لیے آخرت کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ	۴۴۳
۴۳۸	اولیاء اللہ کے غم اور خوف کی امام رازی کی طرف سے توجیہ	۴۴۴
۴۳۹	اولیاء اللہ کے لیے دنیا اور آخرت میں بشارت	۴۴۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۴۰	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت فرمانا کفار کے خوف کی وجہ سے نہ تھا	۴۴۷
۴۴۱	شرک کے ابطال پر دلائل	۴۴۷
۴۴۲	اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا محال ہونا	۴۴۸
۴۴۳	کفار کے ناکام ہونے کی واضح دلیل	۴۴۹
۴۴۴	واتل علیھم نبانوح (۸۲-۷۱)	۴۴۹
۴۴۵	حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ	۴۵۱
۴۴۶	ربط آیات اور انبیاء سابقین کے قصص بیان کرنے کی حکمتیں	۴۵۱
۴۴۷	حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کو مقدم کرنے کی وجہ	۴۵۲
۴۴۸	حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم کی ناگواری کی وجوہ	۴۵۲
۴۴۹	حضرت نوح علیہ السلام کو تبلیغ دین میں کفار کا کوئی خوف تھا نہ ان سے کسی نفع کی توقع تھی	۴۵۲
۴۵۰	حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کا انجام	۴۵۳
۴۵۱	کافروں کے دلوں پر مہر لگانے کی توجیہ	۴۵۴
۴۵۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ	۴۵۴
۴۵۳	فرعون اور اس کے درباریوں کے قول میں تعارض کا جواب اور حضرت موسیٰ کے معجزہ کا جادو نہ ہونا	۴۵۴
۴۵۴	قوم فرعون کے بیان کردہ دو عذر	۴۵۵
۴۵۵	جادو کا حکم دینے کی توجیہ	۴۵۵
۴۵۶	فما امن لموسیٰ الا ذریۃ (۹۲-۸۳)	۴۵۵
۴۵۷	ربط آیات اور فرعون کے واقعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا	۴۵۷
۴۵۸	حضرت موسیٰ کی قوم کی بعض اولاد کا مصداق	۴۵۷
۴۵۹	اسلام اور ایمان کا معنی اور اس معنی پر توکل کا متفرع ہونا	۴۵۸
۴۶۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی دعا کے دو محمل	۴۵۸
۴۶۱	بنی اسرائیل کے گھروں کو قبلہ بنانے کے محامل	۴۵۹
۴۶۲	فرعون کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعائے ضرر کی توجیہ	۴۶۰
۴۶۳	اللہ کے راستے سے گمراہ کرنے کی دعا کی توجیہات	۴۶۰
۴۶۴	دعا کی قبولیت میں جلدی کی امید رکھنا جہالت ہے	۴۶۱
۴۶۵	بنی اسرائیل کی قوم فرعون سے نجات اور فرعون کا غرق ہونا	۴۶۱
۴۶۶	فرعون کے ایمان کو قبول نہ کرنے کی وجوہ	۴۶۲
۴۶۷	فرعون کے منہ میں حضرت جبرئیل کا مٹی ڈالنا اور اس پر اشکال کا جواب	۴۶۳
۴۶۸	قرآن مجید کی صداقت	۴۶۳
۴۶۹	ولقد بوانا بنی اسرائیل (۱۰۶-۹۳)	۴۶۳
۴۷۰	بظاہر رسول اللہ ﷺ کی طرف قرآن میں شک کرنے کی نسبت اور اس سے عام لوگوں کا مراد ہونا	۴۶۶
۴۷۱	شک کی نسبت کا عام لوگوں کی طرف ہونا	۴۶۷
۴۷۲	شک کی نسبت کے متعلق بعض تراجم	۴۶۷
۴۷۳	اللہ تعالیٰ کے کلمات کا معنی	۴۶۸
۴۷۴	حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ	۴۶۹
۴۷۵	حضرت یونس علیہ السلام کا نام ونسب	۴۶۹
۴۷۶	حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات	۴۶۹
۴۷۷	حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت میں احادیث	۴۷۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۷۸	حضرت یونس علیہ السلام کی سوانح	۴۷۰
۴۷۹	ربط آیات	۴۷۳
۴۸۰	آثار عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا توبہ کرنا	۴۷۴
۴۸۱	حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول کرنے اور فرعون کی توبہ قبول نہ کرنے کی وجہ	۴۷۴
۴۸۲	حضرت یونس علیہ السلام پر گرفت کی توجیہ اور نگاہ رسالت میں ان کا بلند مقام	۴۷۵
۴۸۳	حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش پر سید مودودی کی تنقید	۴۷۶
۴۸۴	سید مودودی کی تنقید پر مصنف کا تبصرہ	۴۷۷
۴۸۵	روئے زمین کے تمام لوگوں کو مومن بنانا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے لیکن اس کی حکمت میں نہیں	۴۷۸
۴۸۶	انسان مجبور محض ہے نہ مختار مطلق	۴۷۹
۴۸۷	اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلیل	۴۷۹
۴۸۸	مومنوں کو ثواب عطا فرمانے کا وجوب اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی وجہ سے ہے	۴۸۰
۴۸۹	اسلام کا فطرت کے مطابق ہونا اور کفر کا خلاف فطرت ہونا	۴۸۱
۴۹۰	ریاکاری کا شرک خفی ہونا	۴۸۱
۴۹۱	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک سے منع کرنے میں امت کی طرف تعریض ہے	۴۸۱
۴۹۲	وان یمسسک اللہ بضر (۱۰۷-۱۰۹)	۴۸۲
۴۹۳	اللہ تعالیٰ کا اصل مقصود اپنے بندوں کو نفع پہنچانا ہے نہ کہ ضرر پہنچانا	۴۸۲
۴۹۴	اپنے گناہوں کو چھپانا واجب ہے اور ظاہر کرنا حرام ہے	۴۸۳
۴۹۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی تبلیغ کردی ہے	۴۸۵
۴۹۶	لفظ "وکیل" کے چند تراجم	۴۸۵
۴۹۷	زیادتیوں پر صبر کرنے کا حکم	۴۸۵
۴۹۸	سورۂ یونس کی اختتامی دعا	۴۸۶
	سورۃ ھود	۴۸۷
۴۹۹	سورۃ کا نام	۴۸۹
۵۰۰	سورۂ ھود کی آیات، زمانہ نزول اور نزول کا مقام	۴۹۰
۵۰۱	سورۂ ھود کی سورۂ یونس کے ساتھ مناسبت	۴۹۰
۵۰۲	سورۂ ھود کے متعلق احادیث	۴۹۰
۵۰۳	سورۂ ھود کے مضامین	۴۹۱
۵۰۴	الر کتب احکمت ایتہ ثم فصلت (۱-۵)	۴۹۲
۵۰۵	قرآن مجید کی آیات کے محکم ہونے کے معانی	۴۹۳
۵۰۶	استغفار کے حکم کے بعد توبہ کے حکم کی توجیہ	۴۹۴
۵۰۷	دنیا میں کافروں کی خوشحالی اور مسلمانوں کی بدحالی کی توجیہ	۴۹۴
۵۰۸	زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ اجر دینے کی تحقیق	۴۹۶
۵۰۹	تہدید اور تبشیر کا امتزاج	۴۹۷
۵۱۰	منافقین کے سینہ موڑنے کے محامل	۴۹۷
۵۱۱	ومامن دابۃ فی الارض (۶-۸)	۴۹۸
۵۱۲	ربط آیات	۴۹۹
۵۱۳	دابۃ کا معنی	۴۹۹
۵۱۴	مستقر اور مستودع کا معنی	۴۹۹
۵۱۵	اللہ تعالیٰ کے رزق پہنچانے کی مثالیں	۴۹۹
۵۱۶	آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنا	۵۰۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۱۷	عرش کے پانی پر ہونے کے متعلق احادیث	۵۰۰
۵۱۸	عرش کے پانی کے اوپر ہونے کے متعلق علماء کی آراء ونظریات	۵۰۱
۵۱۹	ربط آیات	۵۰۵
۵۲۰	قرآن مجید اور احادیث میں لفظ "امت" کے اطلاقات	۵۰۵
۵۲۱	ولئن اذقنا الانسان منا رحمہ (۱۷-۹)	۵۰۶
۵۲۲	مصیبت میں کفار کا مایوس ہونا اور راحت میں ناشکری کرنا	۵۰۸
۵۲۳	مومن کے لیے مصیبت اور راحت دونوں کا خیر ہونا	۵۰۹
۵۲۴	کیا کفار کے طعن و تشنیع کے خوف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی تبلیغ میں کمی کرنے والے تھے؟	۵۱۰
۵۲۵	قرآن مجید کا معجز ہونا	۵۱۲
۵۲۶	ریاکاری کی مذمت اور اس پر وعید	۵۱۲
۵۲۷	تمام اہلِ ملل پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا وجوب	۵۱۴
۵۲۸	غیر متمدن دنیا میں رہنے والوں کے لیے توحید پر ایمان لانا ضروری ہے نہ کہ رسالت پر	۵۱۵
۵۲۹	ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا (۲۴-۱۸)	۵۱۵
۵۳۰	روز قیامت کفار کے خلاف گواہی دینے والوں کے مصادیق	۵۱۷
۵۳۱	کفار مکہ کی چودہ وجوہ سے مذمت	۵۱۸
۵۳۲	کفار کو دگنا عذاب دینا ایک برائی پر ایک عذاب کے قاعدہ کے خلاف نہیں ہے	۵۱۹
۵۳۳	جب کفار حق کو سننے اور دیکھنے کی طاقت نہیں	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	رکھتے تھے تو ان سے گرفت کیوں ہوئی؟	۵۱۹
۵۳۴	نیکیوں کے لازماً قبول ہونے کی توقع نہ رکھی جائے	۵۲۰
۵۳۵	ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ (۳۵-۲۵)	۵۲۱
۵۳۶	حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ	۵۲۳
۵۳۷	انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص بیان کرنے کی حکمت	۵۲۳
۵۳۸	حضرت نوح کی قوم کے کافر سرداروں کے شبہات	۵۲۳
۵۳۹	بشر کا معنی اور نبی کے بشر ہونے کی حقیقت	۵۲۴
۵۴۰	نبی کی خصوصیات	۵۲۵
۵۴۱	قوتِ باصرہ	۵۲۵
۵۴۲	قوتِ سامعہ	۵۲۶
۵۴۳	قوتِ شامہ	۵۲۶
۵۴۴	قوتِ ذائقہ	۵۲۶
۵۴۵	قوتِ لامسہ	۵۲۷
۵۴۶	فرشتہ کو نبی نہ بنانے کی وجوہ	۵۲۷
۵۴۷	پس ماندہ اور کمزور لوگوں کا ایمان لانا نبوت میں طعن کا موجب نہیں	۵۲۸
۵۴۸	اللہ تعالیٰ کے نزدیک اغنیاء کی بہ نسبت فقراء کا مقرب ہونا	۵۲۸
۵۴۹	طبقاتی فرق اور نام و نسب فضیلت کا موجب نہیں	۵۲۹
۵۵۰	بشر ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے	۵۳۰
۵۵۱	تبلیغ دین پر اجر طلب نہ کرنے سے حضرت نوح کا اپنی نبوت پر استدلال	۵۳۰
۵۵۲	مومنوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنے کی وجوہ	۵۳۰
۵۵۳	شریعت میں مومن کی تکریم اور کافر کی تذلیل	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	مطلوب ہے	۵۳۱
۵۵۴	حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی ذات سے اللہ کے خزانے اور علم غیب کی نفی کرنا اور اس کی توجیہ	۵۳۲
۵۵۵	جدال کا معنی	۵۳۳
۵۵۶	حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات پر کفار کے اعتراضات	۵۳۳
۵۵۷	جب اللہ تعالیٰ کفار کو گمراہ کرنے کا ارادہ فرمائے تو پھر گمراہ ہونے میں ان کا کیا قصور ہے؟	۵۳۴
۵۵۸	انسان کے افعال کی قدرت میں مذاہب متکلمین اور جبر وقدر کی وضاحت	۵۳۴
۵۵۹	واوحی الی نوح انہ لن یومن من قومک (۳۶-۴۳)	۵۳۵
۵۶۰	امتناع کذب اور مسئلہ تقدیر	۵۳۷
۵۶۱	جان بچانے کے وجوب پر بعض مسائل کی تفریع	۵۳۷
۵۶۲	اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں متاخرین کا مسلک	۵۳۸
۵۶۳	اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں متقدمین کا مسلک	۵۳۹
۵۶۴	اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۵۴۱
۵۶۵	اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کے متعلق احادیث	۵۴۲
۵۶۶	متاخرین کے اختلاف کا منشاء	۵۴۳
۵۶۷	کشتی بنانے کی کیفیت، اس کی مقدار اور اس کو بنانے کی مدت کی تفصیل	۵۴۴
۵۶۸	کشتی بنانے کا مذاق اڑانے کی وجوہ	۵۴۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۶۹	حضرت نوح علیہ السلام کے جواباً مذاق اڑانے کا محمل	۵۴۵
۵۷۰	تنور کے معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق	۵۴۶
۵۷۱	حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والوں کی تفصیل	۵۴۶
۵۷۲	ہر کام کے شروع سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لینا	۵۴۷
۵۷۳	حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کشتی پر کیوں بلایا جبکہ وہ کافر تھا؟	۵۴۸
۵۷۴	وقیل یارض ابلعی ماءک (۴۴-۴۹)	۵۴۸
۵۷۵	مشکل الفاظ کے معنی	۵۵۰
۵۷۶	اللہ اور اس کے رسول کا جمادات کو خطاب کرنا	۵۵۰
۵۷۷	جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہرنے کی تفصیل	۵۵۱
۵۷۸	تکبر کی مذمت اور تواضع کی تعریف	۵۵۲
۵۷۹	ان بچوں اور جانوروں کا کیا قصور تھا جن کو طوفان میں غرق کیا گیا؟	۵۵۳
۵۸۰	اللہ تعالیٰ کسی کافر پر رحم نہیں فرمائے گا	۵۵۳
۵۸۱	حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کی تفصیل	۵۵۳
۵۸۲	منکرین عصمت کا حضرت نوح علیہ السلام پر اعتراض اور اس کا جواب	۵۵۴
۵۸۳	حضرت نوح علیہ السلام کے سوال کے متعلق امام رازی کی تقریر	۵۵۵
۵۸۴	حضرت نوح علیہ السلام کے سوال پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کا تبصرہ	۵۵۶
۵۸۵	حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے متعلق جمہور مفسرین کی توجیہ	۵۵۷
۵۸۶	حرام اور امور مشتبہ کے متعلق دعا کرنے کا عدم جواز	۵۵۷
۵۸۷	ایمان اور تقویٰ کے بغیر نسلی امتیاز اور نسبی برتری کی کوئی وقعت نہیں	۵۵۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۸۸	اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور برکتوں کا معنی	۵۵۹
۵۸۹	وصول نعمت میں عوام اور خواص کا فرق	۵۶۰
۵۹۰	غیب کی خبروں اور علم غیب کے اطلاق کی بحث	۵۶۱
۵۹۱	والی عاد اخاھم ھودا (۶۰-۵۰)	۵۶۱
۵۹۲	حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی کہنے کی توجیہ	۵۶۳
۵۹۳	امتی کے لیے نبی کو اپنا بھائی کہنے کے جواز پر بعض علماء کے دلائل	۵۶۴
۵۹۴	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنے کے عدم جواز پر دلائل	۵۶۴
۵۹۵	بڑے بھائی جتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی تلقین کرنا غلط ہے	۵۶۶
۵۹۶	حضرت صالح علیہ السلام نے دلائل قائم کیے بغیر توحید کی دعوت کیوں دی تھی؟	۵۶۷
۵۹۷	نعمتیں عطا کرنے کے بعد ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمانا	۵۶۸
۵۹۸	حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ	۵۶۹
۵۹۹	خلاصہ آیات	۵۶۹
۶۰۰	قوم عاد پر نزول عذاب کا پس منظر اور پیش منظر	۵۷۰
۶۰۱	والی ثمود اخاھم صالحا (۶۸-۶۱)	۵۷۱
۶۰۲	انسان کو زمین سے پیدا کرنے کے دو محمل	۵۷۳
۶۰۳	انسان اور زمین کی پیدائش سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال	۵۷۳
۶۰۴	نیکو کاروں اور بدکاروں کے لیے دنیا کا ظرف ہونا	۵۷۴
۶۰۵	عمریٰ کا معنی	۵۷۴
۶۰۶	عمریٰ کے متعلق احادیث	۵۷۵
۶۰۷	عمریٰ میں مذاہب ائمہ	۵۷۵
۶۰۸	حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی قوم کی امیدوں کی وجوہات	۵۷۶
۶۰۹	شک اور مریب کا فرق	۵۷۶
۶۱۰	اپنی نبوت پر یقین کے باوجود حضرت صالح علیہ السلام نے بصورت شک کیوں بات کی؟	۵۷۷
۶۱۱	انبیاء کرام علیہم السلام کی تبلیغ کی ترتیب	۵۷۷
۶۱۲	حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے معجزہ ہونے کی وجوہ	۵۷۷
۶۱۳	اونٹنی سے قوم کی دشمنی کا سبب	۵۷۸
۶۱۴	اونٹنی کو قتل کرنے کی وجوہ	۵۷۸
۶۱۵	اونٹنی کو قتل کرنے کی تفصیل	۵۷۸
۶۱۶	قوم ثمود پر عذاب نازل ہونے کی تفصیل	۵۷۹
۶۱۷	"الخزی" کا معنی	۵۸۰
۶۱۸	ولقد جاءت رسلنا (۷۶-۶۹)	۵۸۱
۶۱۹	حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ	۵۸۲
۶۲۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد اور ان کی بشارت میں مختلف اقوال	۵۸۲
۶۲۱	فرشتوں کے سلام کے الفاظ	۵۸۳
۶۲۲	سلام کے متعلق احادیث	۵۸۳
۶۲۳	جن لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے اور جن لوگوں کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہے یا مکروہ ہے	۵۸۴
۶۲۴	سلام کرنے کے شرعی الفاظ اور اس کے شرعی احکام اور مسائل	۵۸۵
۶۲۵	اسلام میں مہمان نوازی کی حیثیت	۵۸۶
۶۲۶	مہمان نوازی کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح	۵۸۷
۶۲۷	مہمان نوازی کے متعلق مذاہب فقہاء	۵۸۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۲۸	مہمان نوازی کے وجوب کے متعلق احادیث	۵۸۸
۴۲۹	مہمان نوازی کے وجوب کے دلائل کے جوابات	۵۸۸
۴۳۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خوف زدہ ہونے کی وجوہ	۵۸۹
۴۳۱	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مہمانوں کے فرشتے ہونے کا علم تھا یا نہیں	۵۹۰
۴۳۲	پچھلی امتوں میں بھی کھانے سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنا تھا	۵۹۰
۴۳۳	حضرت سارہ کے ہنسنے کی وجوہ	۵۹۱
۴۳۴	"یاویلتی" کا معنی اور ترجمہ	۵۹۱
۴۳۵	اہلِ بیت کے مصداق کی تحقیق	۵۹۲
۴۳۶	فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مباحثہ پر ایک اعتراض کا جواب	۵۹۴
۴۳۷	فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مباحثہ	۵۹۴
۴۳۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدح سرائی	۵۹۵
۴۳۹	ولما جاءت رسلنا لوطا سیء بھم (۷۷-۸۳)	۵۹۶
۴۴۰	مشکل الفاظ کے معانی	۵۹۷
۴۴۱	فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچنا	۵۹۷
۴۴۲	حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی کی وجوہ	۵۹۸
۴۴۳	حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی صلبی بیٹیوں کو نکاح کے لیے پیش کیا تھا یا قوم کی بیٹیوں کو؟	۵۹۸
۴۴۴	قوم کی بیٹیوں کے ارادہ پر دلائل	۵۹۹
۴۴۵	حضرت لوط علیہ السلام کا مضبوط قبیلہ کی پناہ کو طلب کرنا	۶۰۰
۴۴۶	اللہ تعالیٰ کی پناہ کی بجائے مضبوط قبیلہ کی پناہ کو طلب کرنے کی توجیہات	۶۰۱
۴۴۷	حضرت لوط علیہ السلام کا نجات پانا اور بدمعاش کافروں کا بھاگنا	۶۰۲
۴۴۸	قوم لوط کی بستی اُلٹنے کے متعلق روایات	۶۰۳
۴۴۹	"سجیل" کا معنی	۶۰۳
۴۵۰	قوم لوط کو سنگسار کرنے کے متعلق روایات	۶۰۴
۴۵۱	اس امت کو سنگسار کرنے کے متعلق روایات	۶۰۴
۴۵۲	والی مدین اخاھم شعیبا (۸۴-۸۸)	۶۰۴
۴۵۳	ناپ اور تول میں کمی کرنے کی ممانعت	۶۰۶
۴۵۴	لوگوں کو نقصان نہ پہنچانے اور فساد نہ کرنے کے محامل	۶۰۷
۴۵۵	"بقیۃ اللہ" کا معنی	۶۰۸
۴۵۶	حضرت شعیب علیہ السلام کے وعظ کی تشریح	۶۰۹
۴۵۷	قوم کے سامنے حضرت شعیب علیہ السلام کی تقریر	۶۰۹
۴۵۸	ویقوم لا یجرمنکم شقاقی (۸۹-۹۵)	۶۱۰
۴۵۹	حضرت شعیب علیہ السلام کے خطاب کا تتمہ اور قوم کو نصیحت	۶۱۱
۴۶۰	"فقہ" کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۶۱۲
۴۶۱	کفار حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کو کیوں نہیں سمجھتے تھے؟	۶۱۳
۴۶۲	حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب کی تفصیل	۶۱۳
۴۶۳	ولقد ارسلنا موسی بایتنا (۹۶-۱۰۹)	۶۱۴
۴۶۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ	۶۱۶
۴۶۵	"سلطان" کا معنی اور علماء کی سلطنت کا بادشاہوں کی سلطنت سے زیادہ قوی ہونا	۶۱۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۶۶	آیت 'سلطان اور سلطان مبین کا باہمی فرق	۶۱۸
۶۶۷	فرعون کی گمراہی اور دوزخ میں اس کا اپنی قوم کا مقتدا ہونا	۶۱۸
۶۶۸	انبیاء سابقین اور ان کی اقوام کے قصص اور واقعات بیان کرنے کے فوائد	۶۱۹
۶۶۹	کفار کو عذاب دینا عدل اور حکمت کا تقاضا ہے	۶۲۰
۶۷۰	گزشتہ قوموں کی برائیوں کے مرتکبین پر آنے والے عذاب سے ڈرنا چاہیے	۶۲۱
۶۷۱	وقوع قیامت کی دلیل	۶۲۲
۶۷۲	کیا حشر کے دن لوگوں کا باتیں کرنا مطلقاً ممنوع ہے؟	۶۲۲
۶۷۳	آیا حشر کے دن لوگ "سعید" اور "شقی" میں منحصر ہوں گے یا نہیں؟	۶۲۳
۶۷۴	لوگوں کے سعید اور شقی ہونے کے متعلق احادیث	۶۲۳
۶۷۵	جب انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی تقدیر میں شقی ہونا لکھ دیا تو پھر معصیت میں اس کا کیا قصور ہے؟	۶۲۵
۶۷۶	"تقدیر معلق" اور "تقدیر مبرم" کے متعلق احادیث	۶۲۵
۶۷۷	قضاء مبرم کو کوئی ٹال نہیں سکتا	۶۲۶
۶۷۸	تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے	۶۲۶
۶۷۹	تقدیر میں بحث کرنا ممنوع ہے	۶۲۷
۶۸۰	"سعادت" اور "شقاوت" کا معنی	۶۲۹
۶۸۱	"زفیر" اور "شہیق" کا معنی	۶۲۹
۶۸۲	اس اعتراض کا جواب کہ کفار کے عذاب کو آسمان اور زمین کے قیام پر موقوف کرنا دوام عذاب کے منافی ہے	۶۳۰
۶۸۳	دائمی عذاب پر امام رازی کے دو اعتراضوں کا جواب	۶۳۱
۶۸۴	کفار کے دائمی عذاب پر قرآن مجید سے دلائل	۶۳۱
۶۸۵	زیر تفسیر آیت میں کفار کے دائمی عذاب سے استثناء کی توجیہات	۶۳۲
۶۸۶	اہل جنت کے جنت میں اور اہل نار کے نار میں دوام کے متعلق احادیث	۶۳۳
۶۸۷	کفار کے حصوں کا بیان	۶۳۴
۶۸۸	ولقد اتینا موسی الکتاب فاختلف فیہ (۱۲۳-۱۱۰)	۶۳۵
۶۸۹	توحید و رسالت کا انکار کفار کی پرانی روش ہے	۶۳۷
۶۹۰	کفار مکہ پر فوراً عذاب نازل نہ کرنے کی وجوہ	۶۳۷
۶۹۱	وعد اور وعید کی جامع آیت	۶۳۸
۶۹۲	"استقامت" کا لغوی اور عرفی معنی	۶۳۹
۶۹۳	"استقامت" کا شرعی معنی	۶۴۰
۶۹۴	صوفیا کے نزدیک استقامت کا معنی	۶۴۰
۶۹۵	"رکون" کا لغوی اور عرفی معنی	۶۴۱
۶۹۶	"رکون" کا شرعی معنی	۶۴۱
۶۹۷	کفار' بدمذہبوں اور فاسقوں سے میل جول کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۶۴۲
۶۹۸	کفار' بدمذہبوں اور فاسقوں سے میل جول کی ممانعت کے متعلق احادیث	۶۴۲
۶۹۹	اکابر صحابہ پر شیعہ کا سب و شتم اور زیر تفسیر آیت سے اس کا جواب	۶۴۳
۷۰۰	نماز کی اہمیت	۶۴۳
۷۰۱	دن کی دو طرفوں میں فقہاء صحابہ و تابعین کے اقوال	۶۴۳
۷۰۲	نماز فجر کو سفید اور روشن وقت میں پڑھنے' عصر کو دو مثل سایہ کے بعد پڑھنے اور وتر	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	کے وجوب میں امام ابو حنیفہ کی تائید	۶۴۴
۷۰۳	پانچ وقت کی نمازوں سے گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق احادیث	۶۴۵
۷۰۴	پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ دیگر عبادات سے گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق احادیث	۶۴۸
۷۰۵	نیکیوں سے صغیرہ گناہ مٹتے ہیں یا کبیرہ؟	۶۴۹
۷۰۶	مرجیہ کے استدلال کا جواب	۶۵۰
۷۰۷	سابقہ امتوں پر عذاب نازل ہونے کے دو سبب	۶۵۰
۷۰۸	دنیا میں شرک قابل در گزر ہے، ظلم لائق در گزر نہیں	۶۵۱
۷۰۹	دنیا کے مشہور فرقے	۶۵۱
۷۱۰	اختلاف مذموم ہونے کے باوجود مجتہدین کا اختلاف کیوں محمود ہے؟	۶۵۲
۷۱۱	اللہ، رسول اور کتاب ایک ہے پھر اسلام میں فرقے کیوں ہیں؟	۶۵۳
۷۱۲	ابتداءً اسلام قبول کرنے والا کس فرقے میں جائے	۶۵۳
۷۱۳	جہنم کا جنوں اور انسانوں سے بھرنا	۶۵۳
۷۱۴	انبیاء سابقین کے قصص بیان کرنے کی حکمت	۶۵۴
۷۱۵	حق، نصیحت اور عبرت کا فرق	۶۵۵
۷۱۶	حرفِ آخر	۶۵۶
	سورۃ یوسف	۶۵۷
۷۱۷	سورۃ یوسف کا نام، اس کا مقامِ نزول اور زمانہ نزول	۶۵۹
۷۱۸	حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کا تذکرہ	۶۶۰
۷۱۹	سورۃ یوسف کے مقاصد اور اہداف	۶۶۱
۷۲۰	حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق احادیث	۶۶۲
۷۲۱	الر۔ تلک ایت الکتب المبین (۶-۱)	۶۶۳
۷۲۲	قرآن مجید کے مبین ہونے کی وجوہ	۶۶۴
۷۲۳	اللہ تعالیٰ کے لیے لَعَلَّ کا معنی	۶۶۴
۷۲۴	"قصہ" کا لغوی معنی	۶۶۵
۷۲۵	سورۃ یوسف کو "احسن القصص" فرمانے کی وجوہات	۶۶۵
۷۲۶	حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب میں ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھنا	۶۶۶
۷۲۷	ان ستاروں کے اسماء	۶۶۶
۷۲۸	خواب دیکھنے کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر	۶۶۷
۷۲۹	"نیند" کی تعریف	۶۶۷
۷۳۰	"خواب" کی تعریف	۶۶۷
۷۳۱	خواب کی اقسام	۶۶۷
۷۳۲	اچھے اور برے خوابوں کا شرعی حکم	۶۷۰
۷۳۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب اور بیداری میں زیارت	۶۷۰
۷۳۴	چند خوابوں کی تعبیروں کے متعلق احادیث	۶۷۲
۷۳۵	خواب کی تعبیر بتانے کی اہلیت	۶۷۵
۷۳۶	بھائیوں کو خواب سنانے سے منع کرنے کا سبب	۶۷۵
۷۳۷	کفار اور فساق کے خواب سچے ہونے کی توجیہ	۶۷۶
۷۳۸	صرف ہمدرد اور خیر خواہ کے سامنے خواب بیان کیا جائے	۶۷۶
۷۳۹	عمداً خواب کی غلط تعبیر بیان نہ کرے	۶۷۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۴۰	کسی کو ضرر سے بچانے کے لیے دوسرے کے عیب بیان کرنے کا جواز	۶۷۷
۷۴۱	حسد کے خطرہ سے نعمتوں کے چھپانے کا جواز	۶۷۷
۷۴۲	حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی سربلندی اور ان کے بھائیوں کے حسد کا پیشگی علم ہونا	۶۷۸
۷۴۳	سچے خوابوں کے بشارت ہونے کی تفصیل	۶۷۸
۷۴۴	حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے انبیاء ہونے کے دلائل	۶۷۹
۷۴۵	حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے انبیاء نہ ہونے کے دلائل	۶۸۱
۷۴۶	حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت کے متعلق مصنف کا موقف	۶۸۴
۷۴۷	حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح	۶۸۴
۷۴۸	تاویل الاحادیث کے محامل	۶۸۵
۷۴۹	تکمیل نعمت کا معنی	۶۸۵
۷۵۰	لقد کان فی یوسف واخوتہ (۱۴-۷)	۶۸۶
۷۵۱	حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں نشانیاں	۶۸۷
۷۵۲	حضرت یوسف کے بھائیوں کی حضرت یوسف سے نفرت کا سبب	۶۸۷
۷۵۳	حضرت یعقوب کو حضرت یوسف سے زیادہ محبت کیوں تھی؟	۶۸۸
۷۵۴	حضرت یوسف کے بھائیوں کا حسد ہی ان کے تمام گناہوں کی جڑ تھا	۶۸۸
۷۵۵	حسد، رشک اور منافست کی تعریفیں	۶۸۸
۷۵۶	حسد نہ کرنے کی فضیلت	۶۸۹
۷۵۷	حسد مذموم	۶۹۰
۷۵۸	غیر اختیاری صبر کی بہ نسبت اختیاری صبر کی فضیلت	۶۹۰
۷۵۹	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر حضرت یوسف کے صبر سے بہت عظیم ہے	۶۹۱
۷۶۰	حسد ایک نفسانی بیماری ہے	۶۹۱
۷۶۱	حسد کے متعلق احادیث	۶۹۲
۷۶۲	حضرت یوسف کے بھائیوں کا انہیں قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کا منصوبہ بنانا	۶۹۲
۷۶۳	مشکل الفاظ کے معانی	۶۹۳
۷۶۴	"لقیط" کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۶۹۳
۷۶۵	"لقیط" کے شرعی احکام	۶۹۴
۷۶۶	"لقطہ" کا لغوی معنی	۶۹۵
۷۶۷	لقطہ کے متعلق احادیث	۶۹۵
۷۶۸	لقطہ کو اٹھانے کے حکم میں مذاہب فقہاء	۶۹۶
۷۶۹	لقطہ کو اٹھانے کے حکم میں فقہاء احناف کا موقف	۶۹۷
۷۷۰	لقطہ کی اقسام اور ان کے احکام	۶۹۷
۷۷۱	لقطہ کا اعلان کرنے کے مقامات اور طریقہ کار	۶۹۸
۷۷۲	لقطہ کے اعلان کی مدت میں مذاہب فقہاء	۶۹۹
۷۷۳	آج کل کے دور میں لقطہ کے اعلان کا طریقہ کار	۷۰۰
۷۷۴	اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لقطہ کے مصرف میں فقہاء احناف کا نظریہ	۷۰۱
۷۷۵	امام شافعی کے دلائل کے جوابات	۷۰۱
۷۷۶	لقطہ کو صدقہ کرنے کے وجوب کے متعلق احادیث و آثار	۷۰۲
۷۷۷	حضرت ابی کی حدیث کی وضاحت اور فقہاء احناف کے جوابات کی تفصیل اور تنقیح	۷۰۳
۷۷۸	اونٹ پکڑنے کے متعلق سوال کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے کی وجہ	۷۰۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۷۹	حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیئے کے کھانے کا خطرہ کیوں ہوا؟	۷۰۵
۷۸۰	فلما ذھبوا بہ واجمعوا (۲۰-۱۵)	۷۰۶
۷۸۱	حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں کا راستہ میں زدوکوب کرنا	۷۰۷
۷۸۲	حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی سے مراد وحی نبوت ہے یا الہام؟	۷۰۸
۷۸۳	حضرت یوسف کے بھائیوں کو خبر نہ ہونے کے محامل	۷۰۸
۷۸۴	والد سے اپنے حالات کو مخفی رکھنے میں حضرت یوسف کی حکمت	۷۰۸
۷۸۵	حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی خبر دینا	۷۰۹
۷۸۶	دوڑ میں مسابقت کے متعلق احادیث اور ان کی شرح	۷۰۹
۷۸۷	دوڑ میں مسابقت کی شرط کے متعلق مذاہب فقہاء	۷۱۱
۷۸۸	انعامی بانڈز کے جواز کی بحث	۷۱۳
۷۸۹	لاٹری اور قمار بازی کے متعلق تعزیراتِ پاکستان کی دفعات کی تشریح	۷۱۴
۷۹۰	دفعہ ۲۹۴ (ب) تجارت وغیرہ کے لیے انعام کی پیشکش کرنا	۷۱۵
۷۹۱	انعامی بانڈز کے متعلق جسٹس پیر محمد کرم شاہ کا فیصلہ	۷۱۶
۷۹۲	انعامی بانڈز کے جواز کے متعلق جسٹس شفیع الرحمٰن کا فیصلہ	۷۱۸
۷۹۳	حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی خبر کے من گھڑت ہونے کی وجوہ	۷۱۹
۷۹۴	حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبر کرنے کے بجائے اپنے بیٹوں کے جرم کے خلاف تفتیش کیوں نہیں کی؟	۷۲۰
۷۹۵	"صبر جمیل" کی تعریف	۷۲۱
۷۹۶	صبر جمیل کے حصول کے اسباب	۷۲۱
۷۹۷	صبر جمیل کی اقسام	۷۲۲
۷۹۸	قافلہ والوں کے ہاتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کرنا	۷۲۲
۷۹۹	وقال الذی اشترٰہ من مصر (۲۹-۲۱)	۷۲۳
۸۰۰	حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدار کے متعلق متعدد روایات	۷۲۵
۸۰۱	کنعان سے مصر تک حضرت یوسف علیہ السلام کے پہنچنے کی تفصیل	۷۲۶
۸۰۲	عزیز مصر کی فراست	۷۲۷
۸۰۳	اللہ کے امر کے غالب ہونے کے محامل	۷۲۸
۸۰۴	قصہ یوسف میں تقدیر کے غالب آنے کی مثالیں	۷۲۸
۸۰۵	پختگی کی عمر میں متعدد اقوال	۷۲۹
۸۰۶	حکم اور علم کی تفسیر میں متعدد اقوال	۷۲۹
۸۰۷	محسنین کی تفسیر میں متعدد اقوال	۷۳۰
۸۰۸	حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت اور پارسائی کا کمال	۷۳۰
۸۰۹	عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف کو ورغلانا	۷۳۱
۸۱۰	مخلوق کی بہ نسبت خالق سے حیاء کرنا لائق ستائش ہے	۷۳۲
۸۱۱	حضرت یوسف علیہ السلام کے جوابات کی وضاحت	۷۳۲
۸۱۲	"ھم" کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کے متعلق احادیث	۷۳۲
۸۱۳	"وھم بھا" کے ترجمہ کے دو محمل	۷۳۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸۱۴	آیا حضرت یوسف علیہ السلام سے گناہ صادر ہوا تھا یا نہیں؟	۷۳۴
۸۱۵	"وھم بھا" کی باطل تفسیریں	۷۳۴
۸۱۶	"لولا ان رابرھان ربہ" کی باطل تفسیریں	۷۳۵
۸۱۷	"وھم بھا" کے اکثر صحیح اور بعض غلط محامل	۷۳۶
۸۱۸	انبیاء علیہم السلام کو گناہ گار قرار دینے کی توجیہات اور ان کا ابطال	۷۳۷
۸۱۹	حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف گناہ کی تہمت کا رد اور ابطال	۷۳۷
۸۲۰	حضرت یوسف علیہ السلام کے پاک دامن ہونے پر متعدد شہادتیں	۷۳۸
۸۲۱	"لولا ان رابرھان ربہ" کو ذکر کرنے کا فائدہ	۷۳۹
۸۲۲	"لولا ان رابرھان ربہ" کے مزید محامل	۷۴۰
۸۲۳	السوء الفحشاء اور المخلصین کا معنی	۷۴۰
۸۲۴	عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگانا	۷۴۱
۸۲۵	حضرت یوسف علیہ السلام کی تہمت سے براءت اور ان کے صدق کے شواہد	۷۴۲
۸۲۶	عزیز مصر کی بیوی کو معافی مانگنے کی تلقین	۷۴۳
۸۲۷	عورتوں کے مکر کا عظیم ہونا	۷۴۴
۸۲۸	وقال نسوۃ فی المدینۃ امرات العزیز (۳۵-۳۰)	۷۴۴
۸۲۹	مصر کی عورتوں کی نکتہ چینی	۷۴۶
۸۳۰	مصر کی عورتوں کی نکتہ چینی کا منشاء	۷۴۶
۸۳۱	مصری خواتین کی دعوت کا اہتمام	۷۴۷
۸۳۲	حضرت یوسف علیہ السلام کے غیر معمولی حسن کے متعلق احادیث و آثار	۷۴۸
۸۳۳	مصری خواتین کا پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھوں کو کاٹ لینا	۷۴۹
۸۳۴	حضرت یوسف علیہ السلام کو "فرشتہ" کہنے کی توجیہ	۷۴۹
۸۳۵	حضرت یوسف علیہ السلام کی سخت آزمائش	۷۵۰
۸۳۶	اللہ تعالیٰ کی عنایت کے بغیر گناہ سے بچنا ممکن نہیں	۷۵۰
۸۳۷	حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کرنے کا سبب	۷۵۱
۸۳۸	حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک بازی کی علامات	۷۵۲
۸۳۹	قید کی مدت	۷۵۲
۸۴۰	ودخل معہ السجن فتین (۳۶-۴۲)	۷۵۲
۸۴۱	حضرت یوسف کی قید خانہ میں ساقی اور نانبائی سے ملاقات	۷۵۴
۸۴۲	ساقی اور نانبائی کے بیان کیے ہوئے خواب آیا سچے تھے یا جھوٹے؟	۷۵۵
۸۴۳	قید خانہ میں کھانا آنے سے پہلے حضرت یوسف کا کھانے کی خبر دینا	۷۵۵
۸۴۴	خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے کھانے کے متعلق پیش گوئی کی توجیہ	۷۵۶
۸۴۵	حضرت یوسف کے دعویٰ نبوت کے اشارات	۷۵۸
۸۴۶	کافروں کے دین کو ترک کرنے کی توجیہ	۷۵۸
۸۴۷	مبدء اور معاد کے اقرار کی اہمیت	۷۵۹
۸۴۸	اللہ کی نعمتوں کے اظہار کا جواز	۷۶۰
۸۴۹	دین کا معنی	۷۶۰
۸۵۰	شرک سے اجتناب کے اختصاص کی توجیہ	۷۶۰
۸۵۱	ایمان پر شکر ادا کرنے کا وجوب	۷۶۱
۸۵۲	حضرت یوسف علیہ السلام کے کلام میں توحید باری کی تقاریر	۷۶۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸۵۳	بتوں کے صرف اسماء ہونے پر ایک اعتراض کا جواب	۷۶۴
۸۵۴	کفار کے اس قول کا رد کہ اللہ نے بتوں کی تعظیم کا حکم دیا ہے	۷۶۴
۸۵۵	اللہ کے مستحق عبادت ہونے کی دلیل	۷۶۴
۸۵۶	اس بات کی توجیہ کہ اکثر لوگ اللہ کے استحقاق عبادت کو نہیں جانتے	۷۶۴
۸۵۷	ساقی اور نانبائی کے خواب کی تعبیر	۷۶۵
۸۵۸	خواب کی تعبیر کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کے ظن کی توجیہ	۷۶۵
۸۵۹	شیطان کے بھلانے کے متعلق دو تفسیریں	۷۶۶
۸۶۰	حضرت یوسف علیہ السلام کو بھلانے کے متعلق روایات	۷۶۶
۸۶۱	شیطان کے بھلانے کے متعلق اختلاف مفسرین	۷۶۷
۸۶۲	نبی کو بھلانے کی توجیہ	۷۶۷
۸۶۳	نبی ﷺ کے نسیان کی تحقیق	۷۶۸
۸۶۴	سہو اور نسیان کا فرق	۷۶۸
۸۶۵	افعال تبلیغیہ میں سہو اور نسیان کا جواز اور اقوال تبلیغیہ میں سہو اور نسیان کا عدم جواز	۷۶۹
۸۶۶	بھولنے اور بھلائے جانے کے دو محمل	۷۶۹
۸۶۷	"لیلۃ التعریس" میں نماز فجر قضا ہونے کی تحقیق	۷۷۰
۸۶۸	غزوۂ خندق میں نمازیں قضا ہونے کی تحقیق	۷۷۱
۸۶۹	غزوۂ خندق میں نماز قضاء ہونے کا سبب	۷۷۲
۸۷۰	جہاد میں مشغول ہونے کی وجہ سے آیا اب نماز قضاء کی جاسکتی ہے؟	۷۷۲
۸۷۱	نبی ﷺ کی نمازوں میں سہو کی تحقیق	۷۷۲
۸۷۲	اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ مصائب اور مشکلات میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے	۷۷۳
۸۷۳	غیر اللہ سے استمداد کا جواز	۷۷۴
۸۷۴	مخلوق سے استمداد کی بناء پر حضرت یوسف سے مواخذہ کی توجیہ	۷۷۵
۸۷۵	حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت	۷۷۶
۸۷۶	وقال الملک انی اری سبع بقرات (۴۳-۴۹)	۷۷۷
۸۷۷	مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا	۷۷۸
۸۷۸	اضغاث احلام کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۷۷۸
۸۷۹	مدت گزرنے کے بعد حضرت یوسف کا ذکر کرنے کی توجیہ	۷۷۹
۸۸۰	جس سے علم حاصل کیا جائے اس کی تعظیم و تکریم لازم ہے	۷۸۰
۸۸۱	حضرت یوسف علیہ السلام کے مکارم اخلاق	۷۸۰
۸۸۲	مستقبل کے لیے پس انداز کرنے اور قومی ضرورت کے لیے ذخیرہ اندوزی کرنے کا جواز	۷۸۱
۸۸۳	خواب کا پہلی تعبیر پر واقع ہونا ضروری نہیں	۷۸۱
۸۸۴	تمام مقاصد حیات کے لیے شریعت کا متکفل ہونا	۷۸۲
۸۸۵	حضرت یوسف علیہ السلام کا غیب کی خبریں دینا	۷۸۲
۸۸۶	وقال الملک ائتونی بہ (۵۰-۵۲)	۷۸۲
۸۸۷	علم دین کی وجہ سے روز قیامت علماء کی مغفرت	۷۸۳
۸۸۸	ہمارے نبی ﷺ کا حضرت یوسف کی تحسین کرنا	۷۸۴
۸۸۹	رہائی میں حضرت یوسف علیہ السلام کے توقف کرنے کی وجوہات	۷۸۴
۸۹۰	"جیل بھرو تحریک" کا عدم جواز	۷۸۵
۸۹۱	حضرت یوسف کا تہمت لگانے والیوں کی تعیین	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	نہ کرنا	۷۸۵
۸۹۲	مصر کی عورتوں کی سازش کی وجوہ	۷۸۵
۸۹۳	عزیز مصر کی بیوی کا اعتراف اور حصحص کا معنی	۷۸۶
۸۹۴	پس پشت خیانت نہ کرنے کے دو محمل	۷۸۶
۸۹۵	حضرت یوسف علیہ السلام نے پس پشت کسی کی خیانت نہیں کی	۷۸۷
۸۹۶	حضرت یوسف کی پاکیزگی پر دلائل	۷۸۷
۸۹۷	وما ابرئ نفسی (۵۷-۵۳)	۷۸۸
۸۹۸	حضرت یوسف کے اس قول کی توجیہ کہ "میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں کہتا"	۷۸۹
۸۹۹	عصمت کی تعریف	۷۹۰
۹۰۰	نفس امارہ اور نفس مطمئنہ	۷۹۱
۹۰۱	بادشاہ کا حضرت یوسف کو اپنے پاس بلانا	۷۹۱
۹۰۲	حضرت یوسف سے بادشاہ کے متاثر ہونے کی وجوہات	۷۹۲
۹۰۳	حضرت یوسف کا رہا ہو کر بادشاہ کے دربار میں جانا	۷۹۲
۹۰۴	حضرت یوسف کا بادشاہ کے سامنے خواب اور اس کی تعبیر بیان کرنا	۷۹۳
۹۰۵	بادشاہ کا حضرت یوسف کو صاحب اقتدار اور امانت دار قرار دینا	۷۹۴
۹۰۶	طلب منصب کا عدم جواز اور حضرت یوسف کے طلب منصب کی توجیہ	۷۹۴
۹۰۷	موجودہ طریق انتخاب پر حضرت یوسف کے طلب منصب سے استدلال اور اس کے جوابات	۷۹۵
۹۰۸	موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا	۷۹۶
۹۰۹	امیدوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے غلط نتائج	۷۹۶
۹۱۰	موجودہ طریق انتخاب کی اصلاح کی ایک صورت	۷۹۶
۹۱۱	کافر یا فاسق فاجر کی طرف سے عہدہ یا منصب قبول کرنے کی تحقیق	۷۹۷
۹۱۲	حضرت یوسف کے حفیظ اور علیم ہونے کے محامل	۷۹۸
۹۱۳	خود ستائی کے ممنوع ہونے کے محامل اور حضرت یوسف کی اپنی تعریف کا جواز	۷۹۹
۹۱۴	حضرت یوسف کا اپنی مدح فرمانا تواضع اور انکسار کے خلاف نہیں ہے	۷۹۹
۹۱۵	ایام قحط میں حضرت یوسف کا حسن انتظام	۸۰۰
۹۱۶	عزیز مصر کی بیوی سے حضرت یوسف کا نکاح	۸۰۱
۹۱۷	حضرت یوسف کی طہارت اور نزاہت پر دلائل	۸۰۳
۹۱۸	وجاء اخوة یوسف فدخلوا علیه (۶۸-۵۸)	۸۰۴
۹۱۹	مشکل الفاظ کے معانی	۸۰۶
۹۲۰	حضرت یوسف کے بھائیوں کا غلہ لینے مصر پہنچنا اور حضرت یوسف کا انہیں پہچان لینا	۸۰۶
۹۲۱	بھائیوں کا حضرت یوسف کو نہ پہچاننا اور اس کی وجوہ	۸۰۷
۹۲۲	بنیامین کو بلوانے کی وجوہ	۸۰۷
۹۲۳	حضرت یوسف نے بنیامین کو بلوا کر حضرت یعقوب کو مزید رنج میں کیوں مبتلا کیا؟	۸۰۸
۹۲۴	مشکل الفاظ کے معنی	۸۰۹
۹۲۵	بھائیوں کی بوریوں میں رقم کی تھیلی رکھنے کی وجوہ	۸۰۹
۹۲۶	برائی کا جواب اچھائی سے دینے میں ہمارے نبی	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ	۸۱۰
۹۲۷	حضرت یعقوب علیہ السلام کے بنیامین کو بھیجنے کی وجوہ	۸۱۲
۹۲۸	بنیامین کو ساتھ بھیجنے کے لیے باپ کو تیار کرنا	۸۱۳
۹۲۹	مصیبت میں گھر جانے کا معنی	۸۱۳
۹۳۰	نظر لگنے کے متعلق احادیث	۸۱۴
۹۳۱	"نظر بد" میں مذاہب اور اس کے متعلق شرعی احکام	۸۱۵
۹۳۲	نظر بد کی تاثیرات کی تحقیق	۸۱۶
۹۳۳	ولما دخلوا علی یوسف (۷۹-۶۹)	۸۱۷
۹۳۴	حضرت یوسف کا بنیامین کو یہ بتانا کہ میں تمہارا بھائی ہوں	۸۱۹
۹۳۵	اس اعتراض کا جواب کہ حضرت یوسف نے بنیامین کو روک کر باپ کی مزید دل آزاری کی	۸۱۹
۹۳۶	بے قصور قافلہ والوں کو چور کہنے کی توجیہ	۸۲۰
۹۳۷	جعل (کسی چیز کو ڈھونڈنے کی اجرت) کی تحقیق	۸۲۰
۹۳۸	مال اور شخص کی ضمانت کے متعلق احادیث	۸۲۱
۹۳۹	ضمانت کی تعریف اور اس کے شرعی احکام	۸۲۲
۹۴۰	حضرت یوسف کے بھائیوں کے چور نہ ہونے کے دلائل	۸۲۳
۹۴۱	حضرت یوسف کا بھائیوں کے سامان کی تلاشی لینا	۸۲۳
۹۴۲	بھائیوں سے چوری کی سزا معلوم کرنے کی وجہ	۸۲۳
۹۴۳	بھائی کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے اس پر چوری کے الزام کی تحقیق	۸۲۴
۹۴۴	بھائی کی طرف چوری کی نسبت کو علامہ ماوردی کا گناہ قرار دینا	۸۲۵
۹۴۵	حیلہ کے جواز کی تحقیق	۸۲۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹۴۶	حیلہ کو جائز کہنے کی وجہ سے علامہ قرطبی کے امام ابو حنیفہ پر اعتراضات	۸۲۶
۹۴۷	حیلہ کو جائز کہنے کی وجہ سے امام بخاری کے امام ابو حنیفہ پر اعتراضات	۸۲۷
۹۴۸	حیلہ کے جواز پر علامہ قرطبی کے اعتراضات کے جوابات	۸۲۷
۹۴۹	حیلہ کے جواز پر امام بخاری کے اعتراضات کے جوابات	۸۲۸
۹۵۰	دنیاوی احکام ظاہر پر مبنی ہیں اور باطنی معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں	۸۲۹
۹۵۱	حیلہ کے جواز پر قرآن اور سنت سے دلائل	۸۲۹
۹۵۲	حیلہ کی تعریف اور اس کے جواز پر علامہ سرخسی کے دلائل	۸۳۱
۹۵۳	حیلہ کے جواز میں معترضین کے منشاء غلطی کا ازالہ	۸۳۱
۹۵۴	"وفوق کل ذی علم علیم" کے ترجمہ میں مصنف کی تحقیق	۸۳۲
۹۵۵	حضرت یوسف کی طرف منسوب کی گئی چوری کے متعلق روایات	۸۳۳
۹۵۶	بھائیوں کا حضرت یوسف سے فدیہ لینے کی درخواست کرنا	۸۳۵
۹۵۷	فلما استیئسوا منہ خلصوا نجیا (۹۳-۸۰)	۸۳۵
۹۵۸	بڑے بھائی کا واپس جانے سے انکار کرنا	۸۳۸
۹۵۹	بھائیوں کا حضرت یعقوب کے پاس واپس جانے کا فیصلہ	۸۳۹
۹۶۰	واقعاتی شہادت کے حجت ہونے پر قرآن و سنت اور عقل صریح سے دلائل	۸۳۹
۹۶۱	غیب کے نگہبان نہ ہونے کے محامل	۸۴۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹۶۲	بستی سے پوچھنے کے معانی	۸۴۱
۹۶۳	بدگمانی دور کرنے کے لیے وضاحت کرنے کا استحباب	۸۴۱
۹۶۴	بنیامین کے متعلق بات گھڑنے کی توجیہ	۸۴۲
۹۶۵	صبر جمیل کی تعریف	۸۴۳
۹۶۶	صبر جمیل کے اجر کے متعلق احادیث	۸۴۳
۹۶۷	حضرت یعقوب کے "ہائے افسوس" کہنے کی توجیہ	۸۴۴
۹۶۸	مشکل الفاظ کے معانی	۸۴۵
۹۶۹	جن قرائن کی بناء پر حضرت یعقوب کو حضرت یوسف سے ملاقات کا یقین تھا	۸۴۵
۹۷۰	اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کے کفر ہونے کی وجوہ	۸۴۶
۹۷۱	حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو ڈھونڈنے کے بجائے غلہ کا سوال کیوں کیا؟	۸۴۷
۹۷۲	سوال کرنے کی شرائط اور احکام	۸۴۷
۹۷۳	بھائیوں سے ان کے مظالم پوچھنے کی وجوہ	۸۴۸
۹۷۴	بھائیوں کا حضرت یوسف کو پہچان لینا	۸۵۰
۹۷۵	حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرنا	۸۵۰
۹۷۶	حضرت یوسف کے بھائیوں کا اعتراف خطاء کرنا اور حضرت یوسف کا انہیں معاف فرمانا	۸۵۰
۹۷۷	حضرت یوسف کی قمیص سے حضرت یعقوب کی آنکھوں کا روشن ہونا	۸۵۱
۹۷۸	ہمارے نبی ﷺ کے کپڑوں اور آپ کے بالوں سے بیماروں کا شفایاب ہونا اور دیگر برکتیں	۸۵۲
۹۷۹	ولما فصلت العیر قال ابوھم (۹۴-۱۰۴)	۸۵۴
۹۸۰	بہت فاصلہ سے حضرت یعقوب تک حضرت یوسف کی خوشبو پہنچنے کی توجیہ	۸۵۶
۹۸۱	"تفندون" کے معانی	۸۵۷
۹۸۲	"ضلال" کے معانی	۸۵۷
۹۸۳	حضرت یعقوب کی بینائی کا لوٹ آنا	۸۵۷
۹۸۴	اپنے مظالم کو دنیا میں معاف کرا لینا	۸۵۸
۹۸۵	بیٹوں کے لیے استغفار کو مؤخر کرنے کی وجوہ	۸۵۸
۹۸۶	حضرت یعقوب کا مصر روانہ ہونا اور حضرت یوسف کا استقبال کرنا	۸۶۰
۹۸۷	حضرت یوسف کی ماں کی وفات کے باوجود ان کے والدین کو تخت پر بٹھانے کی توجیہ	۸۶۰
۹۸۸	نبی ﷺ کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے پر علامہ قرطبی کے دلائل	۸۶۱
۹۸۹	حضرت یوسف کے خواب کی تعبیر پوری ہونے کی مدت میں متعدد اقوال	۸۶۳
۹۹۰	حضرت یوسف کے لیے حضرت یعقوب کے سجدہ کی توجیہات	۸۶۴
۹۹۱	ہماری شریعت میں "سجدۂ تعظیم" کا حرام ہونا	۸۶۴
۹۹۲	قیام تعظیم کی ممانعت کے متعلق احادیث	۸۶۴
۹۹۳	قیام تعظیم میں مذاہب فقہاء	۸۶۴
۹۹۴	آنے والے کے استقبال کے لیے کھڑے ہونے کے متعلق احادیث	۸۶۶
۹۹۵	دعا میں سوال سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا	۸۶۷
۹۹۶	موت کی دعا کرنے کے متعلق امام رازی کا نظریہ	۸۶۸
۹۹۷	موت کی دعا کرنے کے متعلق مصنف کی تحقیق	۸۶۸
۹۹۸	حضرت یوسف علیہ السلام کی تدفین	۸۶۹
۹۹۹	حضرت موسیٰ کا ایک بڑھیا کی رہنمائی سے	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	حضرت یوسف کا تابوت نکالنا	۸۶۹			
۱۰۰۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ کو جنت عطا کرنے کا اختیار تھا	۸۷۰			
۱۰۰۱	دفن سے پہلے اور دفن کے بعد میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی تحقیق	۸۷۲			
۱۰۰۲	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل	۸۷۴			
۱۰۰۳	اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا	۸۷۴			
۱۰۰۴	وکاین من ایۃ فی السموت والارض (۱۱۱-۱۰۵)	۸۷۴			
۱۰۰۵	آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدت کی نشانیاں	۸۷۶			
۱۰۰۶	ایمان لانے کے باوجود شرک کرنے والوں کے مصادیق	۸۷۶			
۱۰۰۷	نبوت کے متعلق مشرکین کے شبہ کا ازالہ	۸۷۸			
۱۰۰۸	”وظنوا انھم قد کذبوا“ کی توجیہات	۸۷۹			
۱۰۰۹	اس آیت کے ترجمہ میں بعض مترجمین کی لغزش	۸۸۰			
۱۰۱۰	حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کا احسن القصص ہونا	۸۸۳			
۱۰۱۱	قرآن مجید میں ہر شے کی تفصیل کا محمل	۸۸۳			
۱۰۱۲	حرفِ آخر	۸۸۳			
۱۰۱۳	مآخذ و مراجع	۸۸۵			

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين الذی استغنی فی حمده عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیٔ عند العارفین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوة الله عن صلوة المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیه من القرآن وبین لنا ما نزل علیه بتبیان وکان خلقه القرآن وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خلیل الله حبیب الرحمٰن لواء فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والآخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرة له فی کتاب مبین وعلی اله الطیبین الطاهرین وعلی اصحابه الکاملین الراشدین وازواجه الطاهرات امهات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امته وعلماء ملته اجمعین۔ اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له واشهد ان سیدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسی ومن سیات اعمالی من یهده الله فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له اللّٰهم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعه اللّٰهم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابه اللّٰهم اجعلنی فی تبیان القرآن علی صراط مستقیم وثبتنی فیه علی منهج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریره واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تعریره اللّٰهم الق فی قلبی اسرار القرآن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القرآن ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القرآن، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللّٰهم اجعله خالصا لوجهک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعله شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعله لی ذریعة للمغفرة ووسیلة للنجاة وصدقة جاریة الی یوم القیامة وارزقنی زیارة النبی صلی الله علیه وسلم فی الدنیا وشفاعته فی الآخرة واحینی علی الاسلام بالسلامة وامتنی علی الایمان بالکرامة اللّٰهم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عهدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفر لی فانه لا یغفر الذنوب الا انت آمین یا رب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد ﷺ پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثل لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثل لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے' اور اس کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی بارگاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفریں بنا دے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیرے پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ التَّوبَةِ

(٩)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة التوبہ

سورة التوبہ کے اسماء اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام البراءة ہے' اس کے علاوہ اس کے اور بھی اسماء ہیں۔ التوبہ' المقشقشہ' البحوث' المبعثرة' المنقرة' المثیرة' الحافرة' المخزیہ' الفاضحہ' المنکلہ' المشردة' المدمدة اور سورة العذاب۔

(انوار التنزیل و اسرار التاویل ج ٣ ص ١٢٦' مع الکازرونی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٦ھ)

اس سورت کا نام التوبہ اس لیے ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا ہے' خصوصاً حضرت کعب بن مالک' ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع رضی اللہ عنہم۔ ان تین صحابہ کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا ہے:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (التوبہ: ١١٨)

اور ان تین شخصوں (کی توبہ قبول فرمائی) جن کو مؤخر کیا گیا تھا حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور خود وہ بھی اپنے آپ سے تنگ آ گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے' پھر ان کی (بھی) توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ (ہمیشہ) تائب رہیں' بے شک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اور اس سورت کا نام البراءة ہے کیونکہ البراءة کا معنی کسی سے بری اور بیزار ہونا ہے اور اس سورت کے شروع میں ہی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے بری اور بیزار ہیں:

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (التوبہ: ١)

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کی طرف بیزاری کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔

اور اس سورت کا نام المقشقشہ ہے کیونکہ تقشقش کا لغوی معنی ہے کسی شخص کو خارش اور چیچک کی بیماری سے نجات اور شفا دینا اور یہاں اس سے مراد ہے مسلمانوں کو منافقین سے نجات دینا کیونکہ اس سورت میں منافقین کی سزا کے متعلق ایک

آیت نازل ہوئی جس کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھتیس منافقوں کو نام لے لے کر مسجد نبوی سے نکال دیا۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۚ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۚ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ○ (التوبہ: ۱۰۱)

اور تمہارے گرد بعض دیہاتی منافق ہیں، اور مدینہ والوں میں سے بعض لوگ نفاق کے خوگر اور عادی ہیں، آپ انہیں (از خود) نہیں جانتے' انہیں ہم جانتے ہیں، عنقریب ہم انہیں دو عذاب دیں گے، پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اخروی عذاب عظیم سے قبل منافقین کم از کم دو بار ضرور عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے، ایک عذاب قبر، دوسرا وہ عذاب جو اسی دنیاوی زندگی میں پہنچ کر رہے گا مثلاً (حضرت) ابن عباس کی ایک روایت کے موافق حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جمعہ کے روز منبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا: اخرج فانک منافق یعنی تو منافق ہے مسجد سے نکل جا۔ یہ رسوائی ایک قسم عذاب کی تھی۔

اور اس کا نام البحوث ہے کیونکہ اس میں منافقین کے احوال سے بحث کی گئی ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام المنقرۃ ہے کیونکہ تنقیر کا معنی لغت میں بحث اور تفتیش ہے، اور اس کا نام المبعثرۃ اور المثیرۃ ہے، کیونکہ ان کا لغت میں معنی کسی مخفی چیز کو ظاہر کرنا ہے اور اس سورت میں ان کے مخفی نفاق کو ظاہر کیا گیا ہے، اور الحافرہ کا مجازی معنی بحث ہے، اور اس سورت کا نام المخزیہ اور الفاضحہ ہے، کیونکہ ان کا معنی رسوا کرنا ہے اور جب ان کے نفاق کا پردہ چاک کیا گیا تو وہ رسوا ہو گئے، اور المنکلۃ، المشردۃ اور المدمدۃ کا معنی ہے ہلاک کرنے والی اور چونکہ منافقین رسوائی کے عذاب سے ہلاک ہو گئے تھے اور اس سورت میں ان کے اس عذاب کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کے یہ اسماء ہیں، اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ العذاب بھی ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۴ ص ۲۹۶-۲۹۵ موضحاً، مطبوعہ دار صادر بیروت)

سورۃ التوبہ کے اسماء کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان فرماتے ہیں:

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق سورہ ہود، سورہ براءۃ، یٰسین، الدخان اور عم یتساءلون کو حفظ نہیں کر سکتا۔

امام ابو عبید، امام سعید بن منصور، امام ابوالشیخ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو عطیہ الہمدانی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ سورہ براءۃ کو سیکھو اور اپنی خواتین کو سورۃ النور سکھاؤ۔

امام ابن ابی شیبہ، امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں، امام حاکم نے اور امام ابن مردویہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا جس سورت کو تم سورہ توبہ کہتے ہو اس کا نام سورۃ العذاب ہے۔

امام ابو عبید، امام ابن المنذر، امام ابوالشیخ اور امام ابن مردویہ نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا سورۃ التوبہ؟ انہوں نے کہا توبہ! بلکہ یہ الفاضحہ ہے۔

امام ابوالشیخ اور امام ابن مردویہ، زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ایک شخص نے حضرت عبداللہ سے کہا سورہ توبہ؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سورہ توبہ کون سی سورت ہے؟ انہوں نے کہا سورۃ البراءۃ، حضرت ابن عمر نے فرمایا: کیا لوگوں کو یہی کچھ سکھایا گیا ہے، ہم اس سورت کو المقشقشۃ کہتے تھے۔

امام ابوالشیخ نے عبداللہ بن عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ البراءۃ کو سورۃ المنقرہ کہا جاتا تھا، کیونکہ اس میں مشرکین کے دلوں کی باتوں سے بحث کی گئی ہے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ سورہ توبہ کو سورۃ العذاب کہتے تھے۔

امام ابن المنذر ر امام محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سورۃ البراءۃ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں المبعثرۃ کہا جاتا تھا، کیونکہ اس نے لوگوں کی پوشیدہ باتوں کو منکشف کر دیا تھا۔

(الدر المنثور ج ۴ ص ۱۲۱-۱۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

سورۃ التوبہ اور سورۃ الانفال کی باہمی مناسبت

سورۃ التوبہ اور سورۃ الانفال میں قوی مشابہت ہے، کیونکہ ان دونوں سورتوں میں اسلامی ملک کے داخلی اور خارجی احکام بیان کیے گئے ہیں، اور صلح اور جنگ کے اصول اور قواعد بیان کیے گئے ہیں اور مومنین صادقین اور کفار اور منافقین کے احوال بیان کیے گئے ہیں، اور دیگر ممالک کے ساتھ معاہدوں اور مواثیق کا بیان کیا گیا ہے، البتہ سورۃ الانفال میں غیر مسلموں کے ساتھ کیے ہوئے معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور سورۃ التوبہ میں کفار کی طرف سے عہد شکنی کی ابتدا کی صورت میں ان معاہدوں کو توڑنے کا حکم دیا ہے بلکہ اس سورت کی ابتداہی اس حکم سے ہوتی ہے، اور ان دونوں سورتوں میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مشرکین کو مسجد حرام میں آنے سے روکا جائے اور ان دونوں سورتوں میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور مشرکین اور اہل کتاب سے جہاد اور قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور منافقین کی سازشوں سے خبردار فرمایا ہے، اسی قوی مشابہت کی وجہ سے سورۃ التوبہ سورۃ الانفال کے تتمہ کے حکم میں ہے لیکن درحقیقت یہ دونوں مستقل الگ الگ سورتیں ہیں اور سورۃ التوبہ، سورۃ الانفال کا جز نہیں ہے، کیونکہ سورۃ التوبہ کے یہ کثرت اسماء ہیں جو اس سورت کو سورۃ الانفال سے ممیز اور ممتاز کرتے ہیں، اور عہد صحابہ سے آج تک تمام مسلمان اس سورت کو سورت الانفال سے الگ شمار کرتے آئے ہیں۔

یزید فارسی بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: سورۃ الانفال مثانی سے ہے، اور سورہ البراءۃ مئین سے ہے، پھر اس کا کیا سبب ہے کہ آپ نے ان دونوں سورتوں کو ملا کر درج کیا ہے، اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی؟ اور آپ نے اس سورت کو السبع الطوال میں درج کیا ہے، اس کا باعث کیا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک زمانہ تک لمبی لمبی سورتیں نازل ہوتی رہیں، جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ لکھنے والوں کو بلا کر فرماتے، اس آیت کو فلاں فلاں سورت میں رکھو، اور مدینہ کے ابتدائی ایام میں سورت الانفال نازل ہوئی تھی، اور سورۃ البراءۃ قرآن کے آخر میں نازل ہوئی تھی، اور اس کا قصہ، الانفال کے قصہ کے مشابہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ یہ الانفال کا حصہ ہے، سو ہم نے یہ گمان کیا کہ یہ اس کا حصہ ہے، سو اس وجہ سے میں نے ان دونوں سورتوں کو ملا کر لکھا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۲۱، حافظ ذہبی نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۲۲۱، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۸۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۰۰۷)

فائدہ: سورہ فاتحہ کے بعد پہلی سات سورتیں جن میں ایک سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہیں ان کو السبع الطوال کہا جاتا

ہے، وہ یہ ہیں: البقرہ، آل عمران، النساء، المائدۃ، الانعام، الاعراف اور الانفال، اور جن سورتوں میں ایک سو آیتیں ہیں، ان کو ذوات المئین کہتے ہیں، اور جن میں اس سے کم آیتیں ہوں ان کو مثانی کہتے ہیں اور ان کے بعد مفصل ہیں، سورۃ الحجرات سے سورۃ البروج تک طوال مفصل ہیں اور سورۃ البروج سے سورۃ البینہ تک اوساط مفصل ہیں، اور سورۃ البینہ سے آخر قرآن تک قصار مفصل ہیں۔ (درمختار و ردالمحتار ج ا ص ۳۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

سورۃ التوبہ کا زمانہ نزول

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ البراءۃ مکمل نازل ہوئی اور جو آپ پر آخری آیت نازل ہوئی وہ سورۃ النساء کی یہ آیت ہے: یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ (النساء: ۱۷۶)... (مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، طبع قدیم)

امام ابوالسعادات المبارک بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے بخاری، مسلم اور ترمذی کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آخری سورت جو مکمل نازل ہوئی وہ سورۃ التوبہ ہے اور جو آخری آیت نازل ہوئی وہ آیت الکلالہ ہے۔

(جامع الاصول ج ۱۱ رقم الحدیث: ۸۸۶۱، تاہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں کاملہ یا تامہ کا لفظ نہیں ہے، دیکھئے صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۵۴،۴۳۶۴، ۶۷۴۴، ۴۶۰۵ اور صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱۸، اور سنن ترمذی میں یہ روایت نہیں ہے، یہ پورا متن مسند احمد میں ہے، حافظ سیوطی نے مصنف ابن ابی شیبہ کا حوالہ بھی دیا ہے (الدر المنثور ج ۴ ص ۱۱۹) اور اس میں صرف یہ مذکور ہے کہ قرآن مجید کی آخری آیت یستفتونک... ہے۔)

ہجرت کے بعد اوائل مدینہ میں الانفال نازل ہوئی اور سورۃ البراءۃ یا التوبہ قرآن مجید کی آخری سورت ہے، یہ سورۃ نو ہجری میں نازل ہوئی ہے، جس سال غزوۂ تبوک ہوا، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت گرمی اور مسلمانوں کی بہت تنگی اور عسرت میں غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تھے، اس وقت کھجوریں پک چکی تھیں، اس میں مسلمانوں کے لیے سخت آزمائش تھی، اور اسی غزوہ سے منافقوں کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے آخری غزوہ تھا۔ اس سورت کا ابتدائی حصہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکہ روانہ کیا تاکہ وہ ایام حج میں مشرکین سے کیے ہوئے معاہدہ کو فسخ کرنے کا اعلان کردیں۔

یہ سورت نزول کے اعتبار سے بالاتفاق آخری سورت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق یہ سورت سورۃ الفتح کے بعد نازل ہوئی ہے، اور بہ اعتبار نزول کے اس کا نمبر ۱۱۴ ہے۔ روایت ہے کہ یہ سورت اوائل شوال ۹ ہجری میں نازل ہوئی، ایک قول یہ ہے کہ یہ ذوالقعدہ ۹ ہجری میں نازل ہوئی، اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ کر چکے تھے اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت الانعام کی طرح مکمل یکبارگی نازل ہوئی ہے، اور بعض مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس سورت کی بعض آیات مختلف اوقات میں نازل ہوئی ہیں اور مکمل یکبارگی نازل ہونے کی یہ توجیہ ہے کہ اس سورت کے نزول کے دوران کوئی اور سورت درمیان میں نازل نہیں ہوئی ہے۔

اس پر روایات متفق ہیں کہ جب رمضان نو ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے لوٹے، تو آپ نے یہ ارادہ کیا کہ آپ اس سال ذوالحجہ کے مہینہ میں حج کرلیں، لیکن آپ نے اپنے حج میں مشرکین کے ساتھ اختلاط کو ناپسند کیا، کیونکہ وہ

اپنے تلبیہ میں اپنے بنائے ہوئے خدا کے شرکاء کا بھی ذکر کرتے تھے' ان کا تلبیہ یہ تھا لبیک لا شریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک "میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں البتہ تیرا وہ شریک ہے جس کا تو مالک ہے اور اس کے مملوک کا بھی تو مالک ہے" اور وہ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے' اور اس وقت تک آپ کا مشرکین سے کیا ہوا معاہدہ قائم تھا اور مقام رسالت اس کے خلاف ہے کہ آپ کفریہ کلمات سنیں اور غیر شرعی امور دیکھیں اور ان کو تبدیل نہ کریں کیونکہ برائی کو اپنی قوت سے مٹا دینا ہی ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے۔

سورۃ التوبہ کے نزول کا پیش منظر و پس منظر

۶ھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں مشرکین کے ساتھ صلح اور امان کا دس سال تک کا معاہدہ کیا تھا' بنو خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں داخل تھے اور بنو بکر مشرکین قریش کے عہد میں داخل تھے' پھر اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے قریش نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۸ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا غزوہ موتہ کی طرف لشکر بھیجنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمادی الآخرۃ اور رجب تک قیام فرمایا' پھر ۸ھ میں بنو بکر نے بنو خزاعہ کے ایک شخص کو قتل کر کے اس کا مال لوٹ لیا' اور قریش نے بھی رات کو چھپ کر بنو بکر کے ساتھ مل کر قتال کیا' حتیٰ کہ بنو خزاعہ نے حرم میں پناہ لی لیکن قریش اور بنو بکر نے حرم کا بھی احترام نہیں کیا۔ امام ابن اسحاق نے کہا جب قریش اور بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا اور ان کا مال لوٹ لیا' اور انہوں نے اس معاہدہ کو توڑ دیا جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا تب عمرو بن سالم الخزاعی اور بنو کعب کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو بن سالم تمہاری امداد کر دی گئی ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۷' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۳۴) قریش نے پھر معاہدہ کی تجدید کے لیے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی تجدید نہیں کی۔)

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام مع الروض الانف ج ۴ ص ۱۴۹-۱۴۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور ۸ھ میں مکہ فتح کر لیا' پھر ۸ھ میں ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس سے زیادہ راتوں تک طائف کا محاصرہ کیا اور ان سے بہت شدید قتال کیا' تیروں اور منجنیق سے ان پر حملہ کیا اور طائف کو فتح کر لیا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ آپ کا آخری غزوہ تھا اور سورۃ التوبہ کی اکثر آیات اسی غزوہ میں نازل ہوئی ہیں۔

تبوک ایک مشہور مقام ہے جو مدینہ اور دمشق کے درمیان ہے اور مدینہ سے چودہ منزل پر ہے۔ غزوہ موتہ کے بعد سے رومی' مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا پروگرام بنا رہے تھے اور قیصر روم نے غسانیوں کو اس مہم پر روانہ کیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رومیوں کے عزائم کا علم ہوا تو آپ نے از خود ان پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور تیس ہزار مسلمانوں کی فوج لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ تبوک پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن قیام کیا' ایلہ (خلیج عقبہ کے پاس ایک مقام) کا سردار جس کا نام یوحنا تھا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ جرباء اور اذرح کے عیسائی سردار بھی حاضر ہوئے اور انہوں نے جزیہ ادا کرنا منظور کر لیا' اسی طرح ایک عرب سردار جو رومیوں کے زیر اثر تھا اس نے بھی اطاعت قبول کی' اس کا نام اکیدر تھا۔ جب تبوک کے گرد تمام عیسائی ریاستوں کے سرداروں نے آپ کی اطاعت قبول

کرلی اور آپ کی ہیبت سے قیصر روم اور اس کے گماشتوں کو آپ کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہیں ہوئی تو آپ فاتحانہ شان کے ساتھ مدینہ منورہ میں پہنچے اور آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ غزوۂ تبوک کی پوری تفصیل ہم ان شاء اللہ اس سے متعلق آیتوں کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا' پھر آپ نے خیال فرمایا کہ اپنی عادت کے مطابق ان دنوں میں مشرکین بھی حج کے لیے آئیں گے اور برہنہ طواف کریں گے اور تلبیہ میں شرکیہ کلمات پڑھیں گے' اس لیے آپ نے ان کے ساتھ حج کرنے کو ناپسند فرمایا' اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے حج کا امیر بنا کر بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو مناسک حج کی تعلیم دیں اور یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا اور چونکہ عرب معاہدہ کے فسخ میں اصل شخص کی بات کا اعتبار کرتے تھے یا اس کے قریبی رشتہ دار کی' اس لیے حضرت ابوبکر کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ یہ اعلان کر دیں کہ اب اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری ہیں اور حدیبیہ کا معاہدہ اب ختم ہو چکا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ٢ ص ١٢٨۔١٢٥ ملخصاً' السیرۃ النبویہ لابن ہشام مع الروض الانف ج ٤ ص ٣٢٠۔٢٩١ ملخصاً)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس میں بھیجا۔ ہم منیٰ میں یہ اعلان کرنے والے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا' اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرے گا۔ حمید بن عبدالرحمن نے کہا' پھر بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ براءت کا اعلان کر دیں۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا' پھر حضرت علی نے ہمارے ساتھ قربانی کے دن منیٰ والوں میں اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک طواف کرے گا نہ برہنہ طواف کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٤٦٥٥' مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت' ١٤١٨ھ' صحیح مسلم رقم الحدیث:١٣٤٧' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:١٩٤٦)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو براءت کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا' پھر ان کو بلایا اور فرمایا یہ اعلان صرف اسی شخص کو کرنا چاہیے جو میرے اہل سے ہو' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:٣١٠١' اس کی سند میں حماد بن سلمہ ہیں' بڑھاپے میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا' اسی وجہ سے امام بخاری نے ان کو ترک کر دیا تھا' تقریب التہذیب ج ١ ص ٢٣٨' تہذیب التہذیب ج ٣ ص ٩' تہذیب الکمال:١٤٨٢' لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو (امیر حج بنا کر) بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ ان کلمات کا اعلان کریں' پھر ان کے پیچھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بھیجا' حضرت ابوبکر ابھی راستے ہی میں تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصواء کی آواز سنی۔ حضرت ابوبکر گھبرا کر باہر آئے' انہوں نے یہ گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے' دیکھا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب دیا' جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ان کلمات کے ساتھ اعلان کریں' پھر وہ دونوں گئے اور ان دونوں نے حج کیا' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایام تشریق میں یہ اعلان کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہر مشرک سے بری ہو چکا ہے' اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی بیت اللہ میں برہنہ طواف کرے گا' اور مومن کے سوا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر یہ

اعلان کرتے تھے اور جب وہ تھک جاتے تھے تو حضرت ابوبکر کھڑے ہو کر یہ اعلان کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۰۲' یہ حدیث بھی ضعیف ہے' اس کا ایک راوی سفیان بن حسین ہے' امام محمد بن سعد نے کہا یہ اپنی حدیث میں بہت خطا کرتا تھا' یعقوب بن شیبہ نے کہا یہ صادق ہے مگر اس کی حدیث میں ضعف ہے' تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۷۰' تہذیب الکمال رقم الحدیث:۲۳۹۹' سفیان بن الحسین نے اس حدیث کو الحکم بن عتیبہ سے روایت کیا ہے' العجلی نے کہا اس میں تشیع تھا' امام ابن حبان نے کہا یہ تدلیس کرتا تھا' تقریب التہذیب ج ۱ ص ۲۳۲' رقم:۱۴۵۸' تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۲' تہذیب الکمال رقم:۱۴۳۷)

سورۃ التوبہ کے مسائل اور مطالب

سورۃ التوبہ میں مشرکین کو مسجد حرام میں داخل ہونے اور مناسک حج ادا کرنے سے روک دیا گیا ہے' مشرکین کے ان مناصب کو معطل اور فسخ کر دیا جن پر وہ زمانہ جاہلیت میں فخر کیا کرتے تھے' مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان حالت جنگ کا اعلان کر دیا گیا' اہل کتاب جب تک جزیہ ادا نہ کریں ان سے بھی حالت جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور یہ کہ وہ مشرکین سے کم برے نہیں ہیں اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ان کا مال اور ان کی قوت کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے' حرمت والے مہینوں کی تعظیم کا بیان کیا' زمانہ جاہلیت میں مشرکین اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لیے سال کے مہینوں کو جو آگے پیچھے کرتے رہتے تھے اس کو باطل اور منسوخ کرنا' اللہ کی راہ میں قتال کے لیے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب کرنے پر مسلمانوں کو جہاد کے لیے روانہ ہونے کی ترغیب دینا' یہ فرمانا کہ اللہ خود اپنے رسول کی مدد فرمانے والا ہے' جنگ حنین میں اللہ کی نصرت کو یاد دلانا' غزوۂ تبوک میں لشکر اسلام کے ساز و سامان اور رسد کی تیاری کے لیے مسلمانوں کو ترغیب دینا' بلاعذر غزوۂ تبوک میں نہ جانے والے منافقوں کی مذمت کرنا' صدقات پر منافقوں کی حرص اور ان کے بخل پر ان کو ملامت کرنا' منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہہ کر آپ کو اذیت پہنچائی' پھر جھوٹی قسمیں کھا کر منکر ہوئے' انہوں نے برائی کی ترغیب دی اور نیکی سے روکا اور ضعفاء مسلمین کا مذاق اڑایا' ان کی ان کارستانیوں کا بیان کرنا' اہل کتاب پر جزیہ مقرر کرنا' اور ان کے احبار اور رہبان نے دین میں جو عقائد باطلہ شامل کر دیئے تھے ان کی مذمت کرنا۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے' مسلمانوں کو اپنے جہاد میں کافروں سے مدد لینے کی ممانعت کی ہے اور کفار اور منافقین کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے' گزشتہ امتوں کی مثالیں بیان کی ہیں' جن منافقوں نے مسجد ضرار بنائی تھی ان کی بدنیتی کا ذکر فرمایا ہے' مسجد قبا اور مسجد نبوی کی فضیلت بیان کی ہے' اعراب (دیہاتیوں) میں سے نیکوں اور بروں کا ذکر فرمایا ہے' کفار اور منافقین کے مقابلہ میں مسلمانوں کی ان کے برعکس صفات بیان کی ہیں اور مسلمانوں کی نیک صفات کے مقابلہ میں کفار اور منافقین کی بری صفات بیان کی ہیں' اور مسلمانوں کی جزاء اور ان کی سزا کا ذکر فرمایا ہے' نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور مہاجرین اور انصار اور ان کی اتباع بالاحسان کرنے والے مسلمانوں کی فضیلت کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے' توبہ کرنے اور نیک کام کرنے کی ترغیب دی ہے' اور جہاد کے فرض کفایہ ہونے کے متعلق آیات ہیں' غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی مایوسی کے بعد ان کی مدد کرنے کی نعمت کو یاد دلایا ہے' غزوۂ تبوک اور اس کے لشکر کی اہمیت بیان فرمائی ہے' جن تین مسلمانوں نے بغیر کسی عذر کے غزوۂ تبوک میں اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے شرکت نہیں کی تھی' ان کی ندامت اور تنگی کے بعد ان کی توبہ قبول فرمانے کا ذکر فرمایا ہے' اور مسلمانوں پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا جس کی ہر صفت میں ان کے لیے رحمت' خیر اور برکت ہے'

زکوٰۃ کی مشروعیت کو بیان فرمایا ہے اور علم دین حاصل کرنے کو فرض کفایہ قرار دیا ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو علم دین حاصل کرے پھر اس کی تبلیغ اور نشرو اشاعت کرے۔

سورۃ التوبہ کے اس تعارف کو پیش کرنے کے بعد اب ہم اس کی تفسیر شروع کرتے ہیں' ہم اس سورت کی تفسیر میں کتب حدیث' کتب سیرت اور کتب فقہ سے زیادہ تر مواد پیش کریں گے' ہماری کوشش ہوگی کہ ہمارے قارئین کو زیادہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ کی سیرت تک رسائی ہو جائے' فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتَّۃَ عَشَرَ رُکُوْعًا

سورۃ التوبہ مدنی ہے' اس میں ایک سو انتیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَى الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ①

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے' ان مشرکین سے اعلان برأت (بیزاری) ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔ ○

فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی

سو (اے مشرکو!) اب تم (صرف) چار ماہ (آزادی سے) چل پھر لو۔ اور یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور

اللّٰہِ ۙ وَاَنَّ اللّٰہَ مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ ② وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ

یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ○ اور سب لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف

رَسُوْلِہٖٓ اِلَى النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ

سے اعلان ہے کہ حج اکبر کے دن' اللہ مشرکین سے بری الذمہ

الْمُشْرِكِیْنَ ۙ وَرَسُوْلُہٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَھُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ

ہے اور اس کا رسول (بھی)' پس اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر

تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

تم اعراض کرتے ہو تو تم یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو' اور آپ کافروں کو دردناک عذاب

بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ③ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ

کی خوش خبری دیجئے ○ ماسوا ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا' پھر انہوں نے

يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ

اس معاہدہ کو پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان سے ان کے معاہدہ کو

عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٤ فَاِذَا انْسَلَخَ

اس کی مدت معینہ تک پورا کرو، بے شک اللہ متقین کو پسند فرماتا ہے ○ پس جب حرمت والے

الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ

مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، ان کو گرفتار کرو، اور

خُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا

ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کر لیں

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بہت بخشنے

رَّحِيْمٌ ۝٥ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى

والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ

يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا

دے دیجئے حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر آپ اسے اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے، یہ (حکم) اس لیے ہے کہ وہ لوگ

ع ۱ ۷ يَعْلَمُوْنَ ۝٦ ع

علم نہیں رکھتے ○

سورۃ التوبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھنے کی توجیہات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: سورۃ الانفال مثانی (جس سورت میں ایک سو سے کم آیتیں ہوں) سے ہے اور سورۃ البراءۃ مئین (جس سورت میں ایک سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہوں) سے ہے، اور آپ نے اس سورت کو السبع الطوال (سورۃ الفاتحہ کے بعد کی سات سورتیں جن میں ایک سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہیں) میں درج کیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک زمانہ تک لمبی لمبی سورتیں نازل ہوتی رہیں، جب بھی آپ پر کوئی چیز نازل ہوتی تو آپ کسی لکھنے والے کو بلاتے اور فرماتے ان آیات کو

فلاں فلاں نام کی سورتوں میں لکھ دو، اور جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ فرماتے اس آیت کو فلاں نام کی سورت میں لکھ دو، اور سورۃ الانفال مدینہ کے اوائل میں نازل ہوئی تھی، اور سورۃ البراءۃ قرآن کے آخر میں نازل ہوئی ہے، اور التوبہ کا قصہ الانفال کے قصہ کے مشابہ تھا، پس میں نے یہ گمان کیا کہ سورۃ البراءۃ الانفال کا جز ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے اور انہوں نے ہم سے یہ نہیں بیان فرمایا کہ سورۃ التوبہ سورۃ الانفال کا جز ہے، پس اس وجہ سے میں نے ان دونوں سورتوں کو ملا کر رکھا، اور میں نے ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم کی سطر نہیں لکھی اور میں نے اس سورت کو السبع الطوال میں درج کر دیا۔

امام ابو عیسیٰ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ہمارے علم کے مطابق حضرت ابن عباس سے اس حدیث کو صرف یزید فارسی نے روایت کیا ہے، نیز امام ترمذی نے کہا ہے کہ یزید فارسی یزید بن ہرمز ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۰۹۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۸۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۰۰۷، المستدرک ج ۲ ص ۲۲۱، حافظ ذہبی نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے، تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۳۳۰)

حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

امام عبد الرحمن بن ابی حاتم نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یزید بن ہرمز، یزید فارسی ہے یا نہیں، عبد الرحمن بن مہدی نے کہا یزید فارسی ہی ابن ہرمز ہے، امام احمد بن حنبل نے بھی اسی طرح کہا ہے، یحییٰ بن سعید القطان نے اس کا انکار کیا ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں، انہوں نے کہا یہ شخص امراء کے ساتھ ہوتا تھا، ابو ہلال نے کہا یہ شخص عبید اللہ بن زیاد کا منشی تھا، امام ابن ابی حاتم نے کہا کہ یزید بن ہرمز، یزید فارسی نہیں ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۲۰ ص ۳۹۴۔ ۳۹۳، رقم: ۷۶۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی بھی یہی تحقیق ہے کہ یزید فارسی یزید بن ہرمز نہیں ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۱، تقریب التہذیب ج ۲ ص ۳۳۳)

اس بحث سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ متعین نہیں ہو سکا کہ اس حدیث کا راوی یزید فارسی ہے یا یزید بن ہرمز۔

سند پر بحث کے علاوہ اس حدیث کا متن بھی مخدوش ہے، امام رازی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر اس بات کو جائز قرار دیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ سورۃ التوبہ کو سورۃ الانفال کے بعد رکھا جائے اور بعض سورتوں کی ترتیب وحی کے موافق نہیں کی گئی بلکہ صحابہ نے اپنے اجتہاد سے ان میں ترتیب قائم کی تھی تو باقی سورتوں میں بھی یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ ان کی ترتیب بھی وحی سے نہ کی گئی ہو، بلکہ ایک سورت کی آیات میں بھی یہ احتمال ہو گا کہ ان آیتوں کی ترتیب بھی صحابہ نے اپنی رائے سے قائم کی ہو اور اس سے رافضیوں کے اس عقیدہ کو تقویت ہو گی کہ قرآن مجید میں زیادتی اور کمی کا ہونا جائز ہے اور پھر قرآن مجید حجت نہیں رہے گا، اس لیے صحیح یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے مطلع ہو کر خود یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اس سورت کو سورۃ الانفال کے بعد رکھا جائے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے مطلع ہو کر اس سورت کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہ لکھنے کا حکم فرمایا تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھنے کی صحیح وجہ تو یہی ہے جو امام رازی نے ذکر فرمائی ہے، اس کے علاوہ علماء کرام نے اور بھی توجیہات کی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سورۃ البراء ۃ کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کیوں نہیں لکھی گئی؟ انہوں نے فرمایا اس لیے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم امان ہے اور البراء ۃ میں تلوار سے مارنے کی آیتیں ہیں اس میں امان نہیں ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۳۳۱، مطبوعہ دار الباز مکہ المکرمہ)

مبرد سے بھی ایسی ہی توجیہ مروی ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم رحمت ہے اور البراء ۃ اظہار غضب سے شروع ہوتی ہے' اسی کی مثل سفیان بن عیینہ نے کہا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم رحمت ہے اور رحمت امان ہے اور یہ سورت منافقین اور تلوار کے متعلق نازل ہوئی ہے اور منافقین کے لیے امان نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو اس لیے نہیں لکھا گیا کہ اس سورت سے پہلے جبریل بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لے کر نازل نہیں ہوئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس میں اختلاف تھا کہ الانفال اور التوبہ الگ سورتیں ہیں یا دونوں مل کر ایک سورت ہیں' کیونکہ مجموعی طور پر ان کی آیات دو سو چھ (۲۰۶) ہیں اور یہ طوال میں سے ایک ہیں' اور ان دونوں سورتوں میں قتال اور مغازی کا مضمون ہے' اس اختلاف کی بنا پر انہوں نے ان دونوں سورتوں کے درمیان خالی جگہ رکھی تاکہ اس سے ان لوگوں کے قول پر تنبیہ ہو جو کہتے ہیں کہ یہ دو سورتیں ہیں اور سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی تاکہ ان لوگوں کے قول پر تنبیہ ہو جو یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں مل کر ایک سورت ہیں' تو انہوں نے ایسا عمل کیا جو صحابہ کرام کے اس اختلاف اور اشتباہ پر دلالت کرتا ہے' اور ان کا یہ عمل اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دین کو منضبط کرنے میں اور قرآن مجید کو تغییر اور تحریف سے محفوظ رکھنے میں بہت متشدد تھے' اس سے رافضیوں کا قول باطل ہو جاتا ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سورۃ التوبہ اور سورۃ الانفال دونوں مل کر ایک سورت ہیں' ان کے قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ سورۃ الانفال کے آخر میں ہے مومن ایک دوسرے کے ولی اور وارث ہیں اور وہ کفار سے بالکل منقطع ہیں۔ سورۃ التوبہ براء ۃ من اللہ ورسولہ سے شروع ہوتی ہے اور التوبہ کی ابتداء الانفال کے آخر کی تاکید ہے کیونکہ براءت کا معنی ہے عصمت اور حفاظت کا منقطع ہونا تو الانفال کا آخر اور التوبہ کا اول دونوں کا حاصل مسلمانوں کا مشرکین کی ولایت اور ان کی حفاظت کو منقطع کرنا ہے۔ (غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۳ ص ۴۲۸، مطبوعہ ۱۴۱۶ھ)

سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے میں مذاہب ائمہ

سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ سخاوی سے جمال القراء میں یہ منقول ہے کہ سورۃ التوبہ کے اول میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ترک کرنا مشہور ہے اور عاصم کی قرأت میں سورۃ التوبہ کے اول میں بسم اللہ الرحمن الرحیم مذکور ہے' اور قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ بسم اللہ کو یا تو اس لیے ترک کیا جائے گا کہ اس سورت میں تلوار سے قتل کرنے کے احکام نازل ہوئے ہیں یا اس وجہ سے بسم اللہ کو ترک کیا جائے گا کہ صحابہ کرام کو یہ یقین نہیں تھا کہ سورۃ التوبہ مستقل سورت ہے یا سورۃ الانفال کا جز ہے' اگر پہلی وجہ ہو تو پھر بسم اللہ کو ترک کرنا ان لوگوں کے ساتھ مختص ہوگا جن کو کفار اور منافقین کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور ہم تو سورۃ التوبہ کو تبرکاً پڑھتے ہیں' اور اگر بسم اللہ کو اس وجہ سے ترک کیا گیا ہے کہ یہ سورۃ الانفال کا جز ہے تو سورتوں کے اجزا اور بعض آیات کو پڑھنے سے پہلے بھی تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا جائز ہے

اور روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم مذکور ہے۔

ابن مناذر کا موقف ہے کہ سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا چاہیے اور الاقناع میں بھی اس کا جواز لکھا ہوا ہے' اور صحیح یہ ہے کہ سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ کو نہ پڑھنا مستحب ہے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن مذکور نہیں ہے' اور اس کے سوا اور کسی مصحف کی اقتدا نہیں کی جاتی' بعض مشائخ شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ کو پڑھنا حرام ہے اور اس کا ترک واجب ہے' لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے' کیونکہ اگر کوئی شخص سورت کے درمیان سے قرأت شروع کرے پھر بھی قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ١٠ ص ۴٢' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میری رائے میں علامہ آلوسی کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے اور سورۃ التوبہ کے اول کو سورت کے درمیان سے قرأت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے' کیونکہ سورۃ التوبہ کے اول میں بسم اللہ کو نہ پڑھنا مصحف عثمان کے مطابق ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر محمول ہے لہٰذا سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہ پڑھنا توقیفی ہے اور اتباع سنت ہے جبکہ کسی سورت کے درمیان سے جب قرأت کی جائے تو وہاں بسم اللہ کو نہ پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے' بلکہ بسم اللہ کو پڑھنے کی دلیل موجود ہے کیونکہ قرآن مجید خواہ کہیں سے پڑھا جائے ایک مہتم بالشان کام ہے اور ہر مہتم بالشان کام سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھنا مستحب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ مہتم بالشان کام جس کو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناتمام رہتا ہے۔

حافظ سیوطی نے اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ معتبر ہیں۔

(الجامع الصغیر ج ٢ ص ٢٧٧' رقم: ٦٢٨٢' الجامع الکبیر ج ٦ ص ٣٣٠' رقم: ١٥٧٦١' تاریخ بغداد ج ٥ ص ٧٧' کنز العمال ج ١' رقم الحدیث: ٢٣٩١)

حافظ سیوطی نے کہا ہے اس حدیث کو عبدالقادر رہاوی نے اپنی اربعین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فائدہ: جس طرح بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ابتداء کے متعلق حدیث ہے اسی طرح الحمد للہ سے ابتداء کے متعلق بھی حدیث ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ مہتم بالشان کام جس کو الحمد للہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناتمام رہتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴٨۴٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٨٩۴' مسند احمد ج ٣ رقم الحدیث: ٨٧٢٠' سنن کبریٰ للبیہقی ج ٣ ص ٢٠٩)

ان دونوں حدیثوں میں اس طرح موافقت کی گئی ہے کہ بسم اللہ سے ابتداء' ابتداء حقیقی پر محمول ہے اور الحمد للہ سے ابتداء' ابتداء اضافی یا ابتداء عرفی پر محمول ہے اور یہی اسلوب قرآن مجید کے مطابق ہے۔

اس لیے ہر اس کام کو جو شرعاً محمود ہو بسم اللہ سے شروع کرنا چاہیے البتہ جو کام شرعاً مذموم ہو اس کی ابتداء بسم اللہ سے کرنا جائز نہیں ہے۔

سورۃ التوبہ کے مدنی ہونے سے بعض آیتوں کا استثناء

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، قتادہ اور بہت سے علماء نے یہ کہا ہے کہ سورۃ التوبہ مدنی سورت ہے، ابن الفرس نے کہا یہ سورت مدنی ہے لیکن اس کی آخری دو آیتیں لقد جاء کم رسول من انفسکم اور فان تولوا فقل حسبی اللہ (التوبہ: ۱۲۹-۱۲۸) یہ دو آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں، لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ حاکم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام ابوالشیخ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی آخری آیت جو نازل ہوئی ہے وہ لقد جاء کم رسول من انفسکم ہے۔ اور دوسرے علماء نے ان دو آیتوں کا استثناء کیا ہے ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین۔ الایہ (التوبہ: ۱۱۴-۱۱۳) کیونکہ یہ دو آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے یہ فرمایا تھا: میں تمہارے لیے ضرور اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے اور یہ آیتیں ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھیں۔ (روح المعانی جز ۱۰ ص ۴۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے اعلان براءت (بیزاری) ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا○ سو (اے مشرکو!) اب تم (صرف) چار ماہ (آزادی سے) چل پھر لو اور یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے○ اور سب لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہے کہ حج اکبر کے دن، اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول (بھی) پس اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرتے ہو تو تم یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور آپ کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیجئے○

(التوبہ: ۳-۱)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

براءۃ: علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے براءۃ کا اصل معنی یہ ہے کہ انسان اس چیز سے منفصل ہو جائے جس سے اتصال اس کو ناپسند ہو، اس لیے کہا جاتا ہے کہ میں مرض سے بری ہو گیا اور میں فلاں شخص سے بری ہوں، قرآن مجید میں ہے:

اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ (یونس: ۴۱) — تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔

(المفردات ج ۱ ص ۵۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

مرض سے بری ہونے کا معنی ہے مرض سے نجات پانا، عہد سے بری ہونے کا معنی ہے عہد کو ختم کرنا یا فسخ کرنا، گناہ سے بری ہونے کا معنی ہے گناہ کو ترک کرنا، قرض سے بری ہونے کا معنی ہے قرض کو ساقط کرنا۔

عاھدتم: عہد کا معنی ہے کسی چیز کی بتدریج رعایت اور حفاظت کرنا، وہ پختہ وعدہ جس کی رعایت کرنا لازم ہو اس کو بھی عہد کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا۔ (بنو اسرائیل: ۳۴) — پختہ وعدہ کو پورا کرو، بے شک پختہ وعدہ کے متعلق پوچھا جائے گا۔

اللہ سے کیا ہوا پختہ وعدہ کبھی ہماری عقلوں میں مقرر ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کتاب اور سنت کے واسطے سے ہم سے پختہ وعدہ لیتا ہے، اور کبھی ہم کسی چیز کو از خود اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں اور شریعت نے اس چیز کو ہم پر لازم نہیں کیا تھا، اس کی مثال نذریں ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ۔ (التوبہ: ۷۵) اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا۔

اصطلاح شرع میں معاہد، ذمی کو کہتے ہیں یعنی مسلمان جس کافر سے جزیہ لے کر اس کے جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیں اور اس کی حفاظت کا عہد کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کو کافر کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ معاہد (ذمی) کو اس کے عہد میں قتل کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۰۶، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۶۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۹۹۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۰)

(المفردات ج ۲ ص ۴۵۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ دو فریق چند شرائط کے ساتھ جس عقد کا التزام کریں اس کو معاہدہ کہتے ہیں، یہاں معاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے بغیر کسی مدت کے تعین کے عہد کیا تھا، یا جن لوگوں کا عہد چار ماہ کی مدت سے کم تھا، سو ان دونوں کو چار ماہ مکمل کرنے کی مہلت دی گئی اور جن لوگوں کا عہد چار ماہ سے زیادہ کی مدت کے لیے تھا (حدیبیہ میں مشرکین سے دس سال کی مدت کے لیے معاہدہ کیا گیا تھا) لیکن انہوں نے عہد کی خلاف ورزی کی ان کو بھی صرف چار ماہ کی مہلت دی گئی اور جن لوگوں نے عہد کی پابندی کی، ان کے ساتھ ان آیتوں میں مدت عہد کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فسیحوا فی الارض: ساحۃ کھلی جگہ کو کہتے ہیں، مکان کے صحن کو بھی ساحۃ کہتے ہیں۔ جو پانی کھلی جگہ میں مسلسل بہتا رہتا ہو اس کو سائح کہتے ہیں، جو شخص مسلسل بہتے ہوئے پانی کی طرح آزادی سے چلتا رہتا ہو اس کو بھی سائح کہتے ہیں اور اس کو سیاح بھی کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۲۴، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اس سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں سے بغیر تعین مدت کے عہد کیا تھا یا جن سے چار ماہ سے کم مدت کا عہد تھا ان لوگوں کو اس مدت میں امان کے ساتھ زمین میں چلنے کی مہلت ہے۔ اس مدت کی ابتداء زہری کے قول کے مطابق شوال ۹ھ سے ہوئی، کیونکہ سورۃ التوبہ شوال میں نازل ہوئی تھی، اور پھر چار ماہ کے بعد تمہارے لیے امان نہیں ہوگی۔ سیاحت کے معنی زمین میں آزادی کے ساتھ چلنا ہے۔

الحج الاکبر: حج کا معنی لغت میں زیارت کا قصد کرنا ہے، اور اصطلاح شرع میں بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنا ہے اور ۹ ذوالحج کو احرام باندھے ہوئے میدان عرفات میں وقوف کرنا اور ۹ تاریخ کے بعد طواف زیارت کرنا ہے، یہ حج کے ارکان ہیں، اس کے علاوہ حج کی شرائط، حج کے واجبات، سنن، آداب اور موانع ہیں جن کی تفصیل ہم البقرہ: ۱۹۶ اور آل عمران: ۹۷-۹۶ میں بیان کر چکے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ حج اکبر سے مراد یوم قربانی اور یوم عرفہ ہے اور روایت ہے کہ عمرہ حج اصغر ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۴۱، مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۴۴۲، مطبوعہ مدینہ منورہ) اور زبان زد خلائق ہے کہ جس سال نو ذوالحج جمعہ کے دن ہو وہ حج اکبر ہوتا ہے اور اس کا ثواب ستر حجوں کے برابر ہے، اس کی تحقیق ہم ان شاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں کریں گے۔

آیات سابقہ سے مناسبت

سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ○ (الانفال: ۵۸)

اور اگر آپ کسی قوم سے عہد شکنی کرنے کا خطرہ محسوس کریں تو ان کا عہد ان کی طرف برابر سرابر پھینک دیں، بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو ٹوک الفاظ میں مشرکین سے مسلمانوں کے کیے ہوئے معاہدہ کو فسخ کرنے کا اعلان فرمادیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۶ھ میں مسلمانوں نے مشرکین سے حدیبیہ میں صلح کی تھی، پھر ۹ھ میں بنو ضمرہ اور بنو کنانہ کے سوا سب نے عہد شکنی کی، تب مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ مشرکین سے کیے ہوئے معاہدہ سے بری الذمہ ہو جائیں، اور ان کو چار ماہ کی مہلت دی، اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ اگر مشرکین اسلام قبول کرلیں تو فبہا ورنہ ان کو قتل کردیا جائے، مشرکین اس انتظار میں تھے کہ روم اور ایران کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا جائے تو اس دوران مسلمانوں پر حملہ کر کے مسلمانوں کو ہزیمت سے دوچار کردیا جائے، لیکن اللہ اور اس کے رسول نے اس وقت کے آنے سے پہلے ہی ان کی بساط ان پر الٹ دی اور ان سے اعلان براءت کر کے انہیں اس پر مجبور کردیا کہ یا تو وہ اسلام قبول کرلیں یا مسلمانوں سے لڑ کر فنا کے گھاٹ اتر جائیں، پھر وہ وقت آیا کہ ان کی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ اس وقت کی دو بڑی طاقتیں فارس و روم بھی مسلمانوں کی قوت کے سامنے سرنگوں ہوگئیں اور جو یہ چاہتے تھے کہ قیصر و کسریٰ کی یلغار کے سامنے مسلمان تنکوں کی طرح بہہ جائیں، انہوں نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں کی قوت کے سامنے قیصر و کسریٰ تنکوں کی طرح بہہ گئے اور یوں اللہ اور اس کے رسول کی حکمت اور تدبیر سے ان کی بازی ان پر الٹ گئی۔

ان مشرکین کا مصداق جن کو چار ماہ کی مہلت دی گئی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: سو (اے مشرکو!) اب تم (صرف) چار ماہ (آزادی سے) چل پھر لو۔ (التوبہ: ۲) اس میں مفسرین کے چار اقوال ہیں کہ اس آیت میں کن مشرکین کو چار ماہ کے لیے امان دی گئی ہے۔

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قتادہ اور ضحاک نے یہ کہا ہے کہ جن مشرکین سے مسلمانوں نے چار ماہ کی مدت سے زیادہ معاہدہ کیا تھا ان کی مدت کم کر کے چار ماہ کردی گئی اور جن سے چار ماہ سے کم کا معاہدہ کیا تھا ان کے معاہدہ میں چار ماہ تک توسیع کردی گئی اور جن سے کوئی معاہدہ نہیں تھا ان کو محرم ختم ہونے تک پچاس راتوں کی مہلت دی گئی۔

(۲) مجاہد، زہری اور قرطبی نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں چار ماہ کے لیے تمام مشرکین کو امان دی گئی خواہ ان کا عہد ہو یا نہ ہو۔

(۳) امام ابن اسحاق نے کہا اس آیت میں ان کے لیے امان ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار ماہ سے کم مدت کے لیے امان دی تھی یا ان کی امان غیر محدود تھی اور جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امان نہیں دی تھی ان سے بدستور حالت جنگ ہے۔

(۴) ابن السائب نے کہا اس آیت میں ان لوگوں کو امان دی ہے جن کے لیے پہلے امان نہیں تھی یا ان سے کوئی معاہدہ نہیں تھا اور جن سے معاہدہ کیا گیا تھا ان کے لیے معاہدہ کی آخری مدت تک امان ہے، اس قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس دن اعلان کرتے ہوئے فرمایا: جن لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ ہے وہ اپنے معاہدہ کی مدت پوری کریں گے اور بعض روایات میں ہے ان کی مدت چار ماہ ہے۔

(زاد المسیر ج ۳ ص ۳۹۴، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

حافظ اسماعیل بن کثیر القرشی الشافعی المتوفی ٧٧٤ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے' امام ابن جریر رحمہ اللہ کا مختار یہ ہے کہ اس آیت میں ان مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دی ہے جن سے بغیر تعیین مدت کے معاہدہ کیا گیا تھا یا جن سے چار ماہ سے کم مدت کے لیے معاہدہ تھا تو وہ چار ماہ کی مدت کو پورا کریں' اور جن سے کسی خاص مدت تک کے لیے معاہدہ تھا تو وہ اپنی مدت پوری کریں خواہ وہ مدت جتنی بھی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ماسوا ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا' پھر انہوں نے اس معاہدہ کو پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان سے اس معاہدہ کو مدت معینہ تک پورا کرو۔ (التوبہ: ٤) اور جیسا کہ عنقریب حدیث میں آئے گا کہ جس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ ہے تو وہ اس مدت کو پورا کرے۔ یہ قول تمام اقوال میں زیادہ عمدہ اور زیادہ قوی ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت اس طرح ہے: جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا ان کو اللہ تعالیٰ نے چار ماہ کی مہلت دی اور جن لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ نہیں تھا ان کو یوم النحر (قربانی کے دن) سے لے کر آخر محرم تک مہلت دی ہے اور محرم گزرنے کے بعد یا تو وہ اسلام قبول کرلیں ورنہ ان کو قتل کردیا جائے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ٣ ص ٣٥٧' مطبوعہ دار الاندلس بیروت' ١٣٨٥ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ان مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے جنہوں نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی تھی اور جن لوگوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی ان کی مدت پوری ہونے تک ان کو امان دینے کا حکم دیا ہے جیسا کہ التوبہ: ٤ سے ظاہر ہے اور یہی قول تمام اقوال میں راجح ہے۔ (جامع البیان جز ١٠ ص ٨١' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کی طرف براءت کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا تھا تو میں ان کے ساتھ تھا' ان کے بیٹے نے پوچھا آپ لوگ کیا اعلان کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہم یہ اعلان کرتے تھے کہ مومن کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا اور کوئی شخص بیت اللہ کا برہنہ طواف نہیں کرے گا اور جس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی معاہدہ تھا اس کی انتہائی مدت چار ماہ ہے اور جب چار ماہ گزر جائیں گے تو اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہیں اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا' پس میں یہ اعلان کرتا رہا حتیٰ کہ میری آواز کی تیزی ختم ہوگئی۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ٢٩٥٨' مسند احمد ج ٣ رقم الحدیث: ٧٩٨٢' طبع جدید)

زید بن یشیع بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کو حج میں کس چیز کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا؟ انہوں نے کہا مجھے چار چیزوں کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا' بیت اللہ کا کوئی شخص برہنہ طواف نہیں کرے گا' جس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ ہو اس کو چار ماہ کی مہلت ہے اور سوائے مومن کے جنت میں کوئی شخص داخل نہیں ہوگا اور اس سال کے بعد مسلمان اور مشرک جمع نہیں ہوں گے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٠٩٢' مسند احمد ج ١ رقم الحدیث: ٥٩٤' طبع جدید' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ٤٨' سنن الدارمی رقم الحدیث: ١٩٢٩' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ٤٥٢' سنن کبریٰ للبیہقی ج ٩ ص ٢٠٧' مسند البزار رقم الحدیث: ٤٨٥' المستدرک ج ٣ ص ١٧٨)

ہو سکتا ہے کہ یہ سوال کیا جائے کہ پہلی حدیث جو امام نسائی اور امام احمد سے مروی ہے اس میں مذکور ہے جس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ تھا اس کی انتہائی مدت چار ماہ ہے اور دوسری حدیث جو امام ترمذی اور امام احمد سے مروی ہے اس میں مذکور ہے جس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ ہو وہ اپنی مدت پوری کرے گا اور یہ تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ حدیبیہ کیا اور پھر اس کی خلاف ورزی کی ان کو صرف چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے اور دوسری حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا اور اس معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی وہ اپنے معاہدہ کی انتہائی مدت کو پورا کریں گے۔

چار ماہ کے تعین میں متعدد اقوال

جن چار ماہ کی مشرکین کو مہلت دی گئی تھی ان کے تعین میں بھی مختلف اقوال ہیں، امام عبدالرحمن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ مہینے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔

(۲) مجاہد، سدی اور قرظی نے کہا ان کی ابتداء یوم النحر (دس ذوالحجہ) سے ہے اور ان کی انتہا دس ربیع الثانی کو ہے۔

(۳) زہری نے کہا یہ مہینے شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں، کیونکہ یہ آیت شوال میں نازل ہوئی تھی۔ ابو سلیمان الدمشقی نے کہا یہ سب سے ضعیف قول ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ان میں اعلان کرنے کے لیے ذوالحجہ تک تاخیر نہ کی جاتی کیونکہ ان پر اس حکم کی پیروی اعلان کے بعد ہی لازم تھی۔

(۴) علامہ ماوردی نے کہا ہے اس مہلت کی ابتدأ دس ذوالقعدہ سے ہوئی اور اس کی انتہا دس ربیع الاول کو ہوئی، کیونکہ اس سال حج اس دن ہوا تھا پھر اس کے اگلے سال دس ذی الحج کو ہوا اور اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کیا تھا اور فرمایا تھا زمانہ گھوم کر اپنی اصل ہیئت پر آگیا ہے۔ (زاد المسیر ج ۳ ص ۳۹۵-۳۹۴، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

ان چار مہینوں کی ابتدا ۱۰ ذوالقعدہ سے ہوئی اور ذوالحجہ، محرم، صفر اور دس دن ربیع الاول کے۔ اور اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مکہ میں لوگوں کے ساتھ سورۃ التوبہ پڑھی تھی، پھر اس کے اگلے سال جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا اس سال حج ذوالحجہ میں تھا اور یہ وہی وقت تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے حج مقرر فرمایا تھا کیونکہ مشرکین مہینوں کو موخر کرتے رہتے تھے، اور جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا اس سال حج لوٹ کر اپنے اصل وقت میں آگیا تھا جس وقت میں ابتداءً اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حج فرض کیا تھا اور ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو حج کے لیے ندا کریں:

وَاَذِّنۡ فِى النَّاسِ بِالۡحَجِّ يَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاۡتِيۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِيۡقٍ۔ (الحج: ۲۷)

(اے ابراہیم!) لوگوں میں بہ آواز بلند حج کا اعلان کیجئے وہ آپ کے پاس پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر آئیں گے جو ہر دور دراز سے پہنچیں گی۔

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں کھڑے ہو کر فرمایا: سنو زمانہ گھوم کر اپنی اصل ہیئت پر آچکا ہے جس ہیئت پر وہ اس دن تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا تھا پس ثابت ہو گیا کہ حج نو ذوالحجہ کو ہوتا ہے۔ وہ یوم

عرفہ ہے اور دس ذوالحجہ یوم النحر ہے اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ مشرکین کو جن چار مہینوں میں زمین پر آزادی سے چلنے پھرنے کی مہلت دی گئی ہے وہ یہی چار ماہ ہیں۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۷۷، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

امام جصاص نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کا متن مع تخریج یہ ہے:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ اپنی اصل ہیئت میں گھوم کر آ چکا ہے جس ہیئت پر وہ اس دن تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا سال میں بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں تین مہینے مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور قبیلہ مضر کا رجب جو جمادیٰ اور شعبان کے درمیان ہے، (پھر آپ نے پوچھا:) یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ اس مہینہ کے (معروف) نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے پوچھا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں! آپ نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس شہر کے (معروف) نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا کیا یہ بلد حرام نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں! آپ نے پوچھا آج کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ اس دن کے (معروف) نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا کیا یہ یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن کی، اس مہینہ اور اس شہر میں حرمت ہے، اور عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا سنو! تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں اڑا دو، سنو! حاضر (یہ پیغام) غائب کو پہنچا دے، شاید بعض وہ لوگ جن کو یہ پیغام پہنچایا جائے وہ بعض سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں (امام بخاری جب اس حدیث کا ذکر کرتے تو کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا) پھر آپ نے فرمایا: سنو کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے! سنو کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۰، ۴۶۶۲، ۳۱۹۷، صحیح مسلم، الحدود: ۲۹ (۱۶۷۹) ۴۳۰۳، مسند احمد ج ۵ ص ۳۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۴۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۵۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اعلانِ براءت کرنا حضرت ابوبکر کی خلافت میں وجہ طعن نہیں ہے

چھٹی صدی کے شیعہ عالم ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب الطبرسی لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے استحقاق خلافت میں حضرت ابوبکر کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر کے سامنے اپنی وجوہ ترجیح بیان کیں اور ان میں فرمایا:

میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ یہ بتاؤ کہ حج کے موسم میں مجمع عظیم کے سامنے سورۃ البراءۃ کا اعلان کرنے والا میں تھا یا تم تھے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا بلکہ تم تھے۔ (الاحتجاج ج ۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، ۱۴۰۳ھ)

پھر تمام وجوہ ترجیح بیان کرنے کے بعد حضرت علی نے فرمایا: ان دلائل کی وجہ سے تم امت محمد کی امارت کے مستحق ہوتے ہو؟ وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے تم اللہ، اس کے رسول اور اس کے دین سے بھٹک گئے اور تم ان چیزوں سے خالی ہو جن کے دین دار محتاج ہوتے ہیں، پھر (حضرت) ابوبکر رونے لگے اور کہا: اے ابوالحسن! تم نے سچ کہا مجھے ایک دن کی مہلت دو تاکہ میں اس پر غور کروں۔ (الاحتجاج ج ۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ بیروت، ۱۴۰۳ھ)

ایک اور شیعہ عالم محمد باقر الموسوی خراسانی نے اس کتاب پر حاشیہ لکھا ہے وہ سورۃ البراءۃ کے اعلان کے متعلق لکھتے

ہیں:

(حضرت) ابو سعید اور (حضرت) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا۔ جب وہ مقام ضجنان پر پہنچے تو انہوں نے حضرت علی کی اونٹنی کی آواز سنی، وہ ان کو پہچان کر ان کے پاس آئے اور کہا کیا بات ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا خیر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سورۃ البراءۃ کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ جب وہ دونوں واپس آئے تو حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا یا رسول اللہ! میرا کیا مقام ہے؟ فرمایا اچھا ہے تم میرے غار کے صاحب ہو مگر بات یہ ہے کہ یہ اعلان یا میں پہنچا سکتا تھا یا میرا رشتہ دار یعنی حضرت علی۔ اس حدیث کو امام ابو حاتم نے روایت کیا ہے (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٦ ص ١٧٤٥ رقم الحدیث: ٩٢١٥) اور انہوں نے حضرت جابر سے ایک روایت اس طرح بیان کی ہے کہ: حضرت ابوبکر نے حضرت علی سے کہا آپ امیر ہیں یا سفیر ہیں؟ انہوں نے کہا بلکہ میں سفیر ہوں، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے بھیجا ہے تاکہ میں حج کے موقع پر لوگوں کے سامنے سورۃ البراءۃ کا اعلان کروں، اور امام احمد نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: ابھی میرے پاس حضرت جبرئیل آئے تھے اور یہ کہا کہ معاہدہ فسخ کرنے کا اعلان آپ خود کریں گے یا آپ کا کوئی قرابت دار۔ (ذخائر العقبیٰ ص ٩٦)

(تعلیقات الموسوی علی الاحتجاج ج ١ ص ١١٦، مطبوعہ بیروت، ١٤٠٣ھ)

دیگر شیعہ مفسرین نے بھی یہی لکھا ہے کہ مشرکین پر یہ اعلان اسی وقت حجت ہو سکتا تھا جب آپ کا کوئی قرابت دار یہ اعلان کرتا۔

شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ٤٦٠ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے قربانی کے دن مکہ میں لوگوں کے سامنے سورۃ البراءۃ پڑھی، کیونکہ اس سال حج کے موسم میں ابوبکر لوگوں کے امیر تھے، ان کے پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا میری طرف سے صرف میرا رشتہ دار ہی اعلان کر سکتا ہے۔ (التبیان ج ٥ ص ١٩٩ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی (چھٹی صدی کے اکابر علماء امامیہ میں سے تھے) لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ سورۃ البراءۃ کی پہلی دس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور جس کا بھی کوئی معاہدہ تھا اس کو فسخ کر دیں، پھر ان کے پیچھے حضرت علی کو بھیجا تاکہ وہ ان سے یہ کام لے لیں اور وہ لوگوں کے سامنے پڑھیں، پس حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء پر بیٹھ کر گئے، حتیٰ کہ وہ ذوالحلیفہ کے مقام پر حضرت ابوبکر سے جا ملے اور ان سے یہ کام لے لیا، اور ایک قول یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میرے متعلق کوئی حکم نازل ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا خیر کے سوا کوئی چیز نازل نہیں ہوئی، لیکن میری طرف سے میں خود اعلان کر سکتا ہوں یا میرا کوئی رشتہ دار۔ (مجمع البیان ج ٥ ص ٦، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ١٤٠٦ھ)

ان مستند علماء شیعہ کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کی امارت میں فریضہ حج ادا کیا تھا، اور ان کا اعلان کرنا ایک خاص سبب سے تھا، اس سے حضرت ابوبکر کی امارت کو عزل کرنا لازم نہیں آتا جیسا کہ شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ٩٧٧ھ نے سمجھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا: آپ نے مجھے ایسا منصب دیا تھا جس سے لوگوں کی

گردنیں میری طرف اٹھنے لگیں، پھر ابھی میں نے کچھ راستہ ہی طے کیا تھا تو آپ نے مجھے معزول کر دیا؟ آپ نے فرمایا: یہ میں نے نہیں کیا، یہ اللہ نے کیا ہے۔ (منہج الصادقین ج ۴ ص ۲۲۰، مطبوعہ کتاب فروشے علمیہ اسلامیہ طہران)

اور نہ یہ واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دلیل ہے جیسا کہ شیخ طبری صاحب الاحتجاج نے سمجھا ہے۔

کتب امامیہ سے اس واقعہ کی روایات پڑھنے کے بعد اب اہل سنت کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو سعید یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ جب وہ مقام بجنان پر پہنچے تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کی آواز سنی، تو انہوں نے اس کو پہچان لیا اور وہ حضرت علی کے پاس گئے اور پوچھا میرے متعلق کوئی بات ہے؟ انہوں نے کہا خیر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سورۃ البراءۃ کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا ہے، جب ہم واپس آ گئے تو حضرت ابو بکر گئے اور پوچھا یا رسول اللہ! میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا خیر ہے، تم میرے غار کے صاحب ہو البتہ میرا غیر میری طرف سے اعلان نہیں کر سکتا، میں اعلان کروں گا یا وہ شخص جو میرے خاندان سے ہو، آپ کی مراد حضرت علی تھے۔

(صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۱۷، رقم الحدیث: ۶۶۴۴، خصائص علی للنسائی رقم الحدیث: ۷، فضائل الصحابہ رقم الحدیث: ۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۵۶)

حج اکبر کے مصداق کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سب لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہے کہ حج اکبر کے دن اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی، پس اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرتے ہو تو تم یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور آپ کافروں کو عذاب کی خوش خبری دے دیجئے○ (التوبہ: ۳-۱)

حج اکبر کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں، امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حسن اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جس سال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تھا اس میں مسلمان اور مشرکین جمع تھے اور اسی دن یہود اور نصاریٰ کی عید بھی تھی اس لیے اس حج کو حج اکبر فرمایا۔

حارث حضرت علی سے اور معمر زہری سے روایت کرتے ہیں کہ یوم النحر (قربانی کا دن) حج اکبر ہے۔

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے حج اکبر اور حج اصغر کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا: حج اکبر یوم النحر ہے اور حج اصغر عمرہ ہے۔

عطا نے کہا حج اکبر یوم عرفہ ہے۔

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے حج اکبر کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا وہ یوم عرفہ ہے۔ میں نے پوچھا یہ آپ کی رائے ہے یا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی؟ انہوں نے کہا سب کی، پھر میں نے حضرت عبد اللہ بن شداد سے سوال کیا تو انہوں نے کہا حج اکبر یوم النحر ہے اور حج اصغر عمرہ ہے۔

(تفسیر امام عبد الرزاق ج ۱ ص ۲۴۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۱۱ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج ادا کیا تو آپ یوم النحر (۱۰ ذوالحجہ) کو جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: یہ حج اکبر کا دن ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۴۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۹۴۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۶۶، سنن ابن ماجہ رقم

الحدیث: ۳۰۵۵، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، المستدرک ج ۲ ص ۳۳۱)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور سعید بن جبیر سے، عبداللہ بن شداد سے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے، عامر سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حج اکبر یوم النحر ہے۔

(المصنف ج ۳ ص ۳۶۰، رقم الحدیث: ۱۵۱۱۱۔ ۱۵۱۰۲)

حج اکبر کے مصداق کے متعلق مذاہب فقہاء

حافظ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حمید بن عبدالرحمن کہتے تھے کہ یوم النحر، یوم الحج الاکبر ہے۔ (البخاری: ۳۶۹، ۴۶۵۵، مسلم: ۱۳۴۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۴۶، سنن النسائی: ۲۳۳۴، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹) یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حج اکبر کا دن یوم النحر ہے، جیسا کہ حمید نے کہا ہے، اور یہ سعید بن جبیر اور امام مالک کا قول ہے، اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ حج اکبر یوم عرفہ ہے اور یہی حضرت عمر کا قول ہے، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے، مجاہد نے کہا حج اکبر قران ہے اور حج اصغر افراد ہے، اور شعبی نے کہا حج اکبر، حج ہے اور حج اصغر عمرہ ہے، اور پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں میں حج اکبر کا اعلان کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج اکبر یوم النحر ہے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۹۴۵)

(المفہم ج ۳ ص ۴۶۰۔ ۴۵۹، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حج اکبر کے مختلف اقوال میں تطبیق

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ یوم حج اکبر کے متعلق چار قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ حج اکبر یوم عرفہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ یوم نحر ہے تیسرا قول یہ ہے کہ حج اکبر طواف زیارت کا دن ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ حج کے تمام ایام یوم حج اکبر ہیں، اور درحقیقت ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ اکبر اور اصغر امر اضافی ہیں، لہٰذا جمعہ کے دن کا حج دوسرے ایام کی بہ نسبت اکبر ہے اور حج قران حج افراد سے اکبر ہے اور مطلقاً حج، عمرے سے اکبر ہے اور جمیع ایام حج بھی اکبر ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام کے اعتبار سے مختلف ہے، اسی طرح ایام میں یوم عرفہ، حج اکبر کی تحصیل کا دن ہے جو مطلقاً حج ہے، اور یوم نحر حج اکبر کے افعال کے مکمل ہونے اور ان سے حلال ہونے کا دن ہے۔

(الحظ الاوفر فی الحج الاکبر مع المسلک المتقسط ص ۴۸۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۷ھ)

جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس کے حج اکبر ہونے کی تحقیق

احادیث اور آثار صحابہ میں مختلف ایام پر حج اکبر کا اطلاق آیا ہے اور کسی دن کے حج اکبر ہونے پر اتفاق نہیں ہے، اور عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جب جمعہ کے دن یوم عرفہ ہو تو وہ حج اکبر ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں ہرچند کہ کوئی صریح حدیث نہیں ہے تاہم بکثرت دلائل شرعیہ سے اس دن کا حج اکبر ہونا ثابت ہے، اس لیے اس کو حج اکبر کہنا صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ جس سال جمعہ کے دن یوم عرفہ ہو اس سال کے حج کا ثواب ستر حج سے زیادہ ہوتا ہے۔

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس کے حج اکبر ہونے کے ثبوت میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں:

جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس پر حج اکبر کا اطلاق کرنا بہت مشہور ہے اور زبان زد خلائق ہے' اور خلق خدا کی زبانیں' حق کا قلم ہوتی ہیں اور (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) جس چیز کو مسلمان حسن (اچھا اور نیک) سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی حسن ہے اور جس چیز کو مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹' شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۳۶۰۰' مطبوعہ دار الحدیث القاہرہ' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام احمد' امام بزار اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۷-۱۷۸' ج ۸ ص ۲۵۲' حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے' المستدرک' ج ۳ ص ۷۸-۷۹' تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۶۵' کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۶۳) اس رسالہ میں ہمارا مقصود اس مسئلہ کی تحقیق کرنا ہے۔

امام رزین بن معاویہ نے تجرید الصحاح میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الایام' یوم عرفہ ہے اور جب یہ جمعہ کے دن ہو تو یہ بغیر جمعہ کے ستر حج سے افضل ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۲۷۴' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر)

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ بعض محدثین نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے' اگر بالفرض یہ واقع میں ضعیف ہو بھی تو کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوتی ہے اور بعض جاہلوں کا یہ کہنا کہ یہ حدیث موضوع ہے' باطل اور مردود ہے (علامہ مناوی اور حافظ ابن قیم نے اس حدیث کو باطل کہا ہے) کیونکہ رزین بن معاویہ عبدری کبراء محدثین اور عظماء مخرجین میں سے ہیں' اور محققین کے نزدیک ان کا کسی حدیث کو نقل کر دینا معتمد سند ہے' جبکہ انہوں نے اس کو صحاح ستہ کی تجرید میں بیان کیا ہے' اس لیے یہ سند اگر صحیح نہیں ہے تو ضعیف سے کسی حال میں کم نہیں ہے اور اس حدیث کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جمعہ کے دن عبادات کا ثواب ستر یا سو گنا بڑھ جاتا ہے' اور علامہ نووی نے اپنے مناسک میں بیان کیا ہے کہ جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو تمام اہل موقف کی مغفرت کر دی جاتی ہے' علامہ ابو طالب مکی نے اس حدیث کو قوت القلوب میں بیان کیا ہے۔ ابن جماعہ نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مسند کر کے بیان کیا ہے' اور علامہ سیوطی نے اس کو ابن جماعہ سے نقل کر کے مقرر رکھا ہے اور یہ چیز قواعد میں سے ہے کہ جب کسی حدیث کے متعدد طرق ہوں تو وہ قوی ہو جاتی ہے اور اس پر دلیل ہوتی ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے۔

(الحظ الاوفر فی الحج الاکبر مع المسلک المتقسط ص ۳۸۲' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

جمعہ کے دن مغفرت اور نیکیوں میں اضافہ کے متعلق احادیث

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فضائل جمعہ میں چند احادیث ذکر کی ہیں جن کو ہم تخریج کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝ (البروج: ۳-۲)

وعدہ کیے ہوئے دن کی قسم اور حاضر ہونے والے کی اور حاضر کیے ہوئے کی قسم۔

اس کی تفسیر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم موعود قیامت کا دن ہے' اور یوم مشہود یوم عرفہ ہے اور شاہد یوم الجمعہ ہے' اور آپ نے فرمایا سورج کسی ایسے دن پر طلوع ہوا' نہ غروب ہوا جو جمعہ کے دن سے افضل ہو' اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ بندہ اس میں جس خیر کی بھی دعا کرے اللہ اس کو قبول فرماتا ہے اور

جس چیز سے بھی پناہ طلب کرے اس کو اس سے پناہ میں رکھتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۵۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹-۲۹۸، سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۷۰، شرح السنہ للبغوی ج ۷ ص ۲۲۶، کامل ابن عدی ج ۲ ص ۶۷۴، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے، المستدرک ج ۲ ص ۵۱۹، المشکوۃ رقم الحدیث:۱۳۶۲، شعب الایمان ج ۳ ص ۸۸، کنز العمال رقم الحدیث:۲۱۰۶۵)

ملا علی قاری اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ ظاہر دلیل ہے کہ تنہا جمعہ یوم عرفہ سے افضل ہے، پس ثابت ہوا کہ جمعہ سید الایام ہے جیسا کہ زبان زد خلائق ہے۔ (الحظ الاوفر فی الحج الاکبر مع المسلک المتقسط ص ۴۸۳)

میں کہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں بھی احادیث وارد ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کا دن سید الایام ہے، اس میں حضرت آدم کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا اسی دن وہ جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت صرف جمعہ کے دن ہی قائم ہوگی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۵۵۰۷، شعب الایمان ج ۳ ص ۹۰ رقم الحدیث:۲۹۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان سید الشہور (مہینوں کا سردار) ہے اور جمعہ سید الایام ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۹ ص ۲۰۵، رقم الحدیث:۹۰۰۰، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۴۵، کنز العمال ج ۷، رقم الحدیث:۲۱۰۶۷، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۵۵۰۸)

اس کے بعد ملا علی قاری نے جمعہ کے دن مغفرت کے متعلق یہ احادیث ذکر کی ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جمعہ کے دن ہر مسلمان کی مغفرت فرمادیتا ہے۔

(المعجم الاوسط، ج ۵ ص ۱۱۴، رقم الحدیث:۴۸۱۷، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۳۳۰۴، کنز العمال رقم الحدیث:۲۱۰۵۳، اس کا ایک راوی محمد بن بحر الہجیمی بہت ضعیف ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن اور اس کی رات کے چوبیس گھنٹوں کی ہر ساعت میں چھ سو گنہ گار دوزخ کی آگ سے آزاد ہوتے ہیں، ان میں سے ہر گنہ گار پر دوزخ واجب ہوتی ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۶ ص ۲۰۲-۲۰۱، رقم الحدیث:۳۴۸۴، اس کی سند میں عبدالواحد بصری ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۶۵، المطالب العالیہ رقم الحدیث:۸۵۲، کنز العمال ج ۷، ص ۷۱۹، رقم الحدیث:۲۱۰۸۰)

امام محمد بن سعد نے طبقات کبریٰ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یوم عرفہ کو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کی وجہ سے فخر فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندے بکھرے ہوئے غبار آلود بالوں کے ساتھ میری رحمت کی طلب میں آئے ہیں، میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کے نیکوں کو بخش دیا اور ان کے نیکوں کو ان کے بروں کے لیے شفاعت کرنے والا بنا دیا اور جمعہ کے دن بھی اسی طرح فرماتا ہے (مجھ کو طبقات یا کسی اور کتاب میں یہ حدیث نہیں ملی۔)

ان احادیث کو ذکر کرنے کے بعد ملا علی قاری فرماتے ہیں: اس حدیث میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جمعہ اور عرفہ کا اجتماع زیادہ مغفرت کا موجب ہے' اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے' وہ جاہل ہے اور منقول اور معقول پر مطلع نہیں ہے۔ اس کے بعد ملا علی قاری جمعہ کے دن اجر میں زیادتی کے متعلق احادیث بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن نیکیوں کو دگنا کر دیا جاتا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۸ ص ۴۳۵' رقم الحدیث: ۷۸۹۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ رقم الحدیث: ۵۵۱۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۵۷)

ملا علی قاری فرماتے ہیں: بعض احادیث میں ستر گنا اضافہ کا بھی ذکر ہے اور امام احمد بن زنجویہ نے فضائل اعمال میں مسیب بن رافع سے روایت کیا ہے اس کو باقی ایام کی بہ نسبت دس گنا زائد اجر دیا جائے گا میں کہتا ہوں کہ یہ ستر گنا اضافہ بلکہ سو گنا اضافہ کو بھی شامل ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو شامل ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس کا اجر ستر گنا زائد ہوتا ہے۔ (الحظ الاوفر فی الحج الاکبر مع المسلک المتقسط ص ۴۸۳)

میں کہتا ہوں کہ جمعہ کے دن اجر و ثواب میں زیادتی کے متعلق یہ حدیث بہت واضح ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی عیدوں میں جمعہ کی عید سے بڑھ کر کوئی عید نہیں ہے' جمعہ کے دن ایک رکعت نماز پڑھنا باقی دنوں میں ہزار رکعات سے افضل ہے اور جمعہ کے دن ایک تسبیح پڑھنا باقی دنوں میں ہزار تسبیحات پڑھنے سے افضل ہے۔

(الفردوس بماثور الخطاب ج ۳ ص ۳۸۳ رقم الحدیث: ۵۱۶۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ)

جس جمعہ کو یوم عرفہ ہو اس دن حج اکبر ہونے پر ایک حدیث سے استدلال

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن حج کیا وہ جمعہ کا دن تھا۔ علامہ حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

الیوم اکملت لکم دینکم۔ (المائدۃ: ۳) یہ آیت جمعہ کے دن یوم عرفہ کو عصر کے بعد حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں اپنی اونٹنی عضباء پر تشریف فرما تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک یہودی کے سامنے یہ آیت پڑھی: الیوم اکملت لکم دینکم۔ (المائدۃ: ۳) اس یہودی نے کہا اگر ہم میں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس دن عید مناتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے' جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۵۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵' ۴۴۰۷' ۴۶۰۶' ۷۲۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۱۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۰۰۲' ۵۰۲۷' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۱۳۷' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۵ ص ۱۱۸' صحیح ابن حبان' ج ۱ ص ۱۸۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن حج کیا اور جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اسی دن حج کرنا حج اکبر ہے۔

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

شہاب بن عباد العصری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: حضرت عمر نے فرمایا یوم عرفہ حج اکبر ہے' میں نے اس بات کا سعید بن مسیب سے ذکر کیا انہوں نے کہا مجھ سے عون بن محمد نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن سیرین سے حج اکبر کے متعلق سوال کیا تھا' انہوں نے کہا جس دن حج اس دن کے موافق ہو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اہل ملل نے حج کیا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۶۰' رقم الحدیث: ۱۵۱۰۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اور اس حدیث سے محدث رزین کی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس حج کا ثواب ستر

حج سے افضل ہے۔

جمعہ کے حج کے متعلق مفسرین کے اقوال

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے حج اکبر کے متعلق ایک یہ قول ذکر کیا ہے:

ابن عون بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن سیرین سے حج اکبر کے متعلق سوال کیا، انہوں نے کہا جو حج اس دن کے موافق ہو جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تمام دیہاتیوں نے حج کیا تھا۔ (وہ حج اکبر ہے)

(جامع البیان، ج ۱۰، ص ۹۳، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابن شیبہ کی روایت میں اہل ملل کے الفاظ ہیں اور امام ابن جریر کی روایت میں اہل وبر (دیہاتیوں) کے الفاظ ہیں اور امام ابن جریر کی روایت ہی صحیح ہے کیونکہ تمام اہل ملل نے اس سال حج کیا تھا جس سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تھا اور جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا اس سال صرف مسلمانوں نے حج کیا تھا جن میں اہل وبر بھی تھے۔

بہرحال اس روایت کا ذکر حسب ذیل علماء نے کیا ہے:

- امام بغوی شافعی، متوفی ۵۱۶ھ۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۲۱، مطبوعہ بیروت)
- علامہ قرطبی مالکی، متوفی ۶۶۸ھ (الجامع لاحکام القرآن جز ۸، ص ۱۱)
- علامہ ابو الحیان اندلسی، متوفی ۷۵۴ھ۔ (البحر المحیط ج ۵ ص ۳۶۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت)
- حافظ ابن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۴ھ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۶۳، مطبوعہ دارالاندلس بیروت)
- حافظ جلال الدین شافعی، متوفی ۹۱۱ھ۔ (الدر المنثور ج ۴ ص ۱۲۸، مطبوعہ دارالفکر بیروت)
- نواب صدیق حسن خان بھوپالی (غیر مقلد)، متوفی ۱۳۰۷ھ۔

(فتح البیان ج ۵ ص ۲۳۳، مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں:

جو حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے موافق ہو اس کو حج اکبر کہا گیا ہے اور یہ دن جمعہ کا دن تھا۔

(لباب التاویل ج ۲ ص ۲۱۷، مطبوعہ مکتبہ دارالکتب العربیہ پشاور)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں وارد ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس کا اجر ستر حج کے برابر ہے اور یہی حج اکبر ہے۔

(روح البیان، ج ۳ ص ۳۸۵، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

اور ایک قول یہ ہے کہ اس حج کو حج اکبر اس لیے کہا گیا کہ اس سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا تھا اور چونکہ یہ جمعہ کو واقع ہوا تھا اس لیے مسلمان اس حج کو جو روز جمعہ ہو حج وداع کا مذکر (یاد دلانے والا) جان کر حج اکبر کہتے ہیں۔

(خزائن العرفان ص ۳۰۱، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ اگر حج جمعہ کا ہو تو حج اکبر ہے کیونکہ جمعہ کے ایک حج کا ثواب ستر حج کے برابر ہے، حضور کا حجۃ الوداع جمعہ ہی کو ہوا تھا۔ (نور العرفان ص ۲۹۷، مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جس سال یوم عرفہ بروز جمعہ واقع ہو صرف وہی حج اکبر ہے' اس کی اصلیت اس کے سوا نہیں ہے کہ اتفاقی طور پر جس سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج وداع ہوا ہے اس میں عرفہ بروز جمعہ ہوا تھا۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۳۱۵' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۴۱۳ھ)

شیخ محمد ادریس کاندھلوی (دیوبندی) متوفی ۱۳۹۴ھ لکھتے ہیں:

عوام الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ حج اکبر وہ حج ہے جو خاص جمعہ کے دن ہو اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

(تفسیر معارف القرآن ج ۳ ص ۴۸۶' مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور' ۱۴۰۲ھ)

جمعہ کے حج کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام ایام میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ باقی دنوں کی بہ نسبت ستر حج سے افضل ہے۔ اس حدیث کو رزین بن معاویہ نے تجرید الصحاح میں ذکر کیا ہے اور علامہ نووی نے اپنے مناسک میں ذکر کیا ہے۔ جب یوم عرفہ یوم جمعہ کو ہو تو تمام اہل موقف کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ (تبیین الحقائق ج ۲ ص ۳۹' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ایضاً حاشیۃ الشلبی ج ۲ ص ۳۹ مطبوعہ ملتان)

علامہ زین الدین بن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور ایک قول یہ ہے کہ جب یوم عرفہ یوم جمعہ کو ہو تو تمام اہل موقف کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور جمعہ کا حج باقی ایام کی بہ نسبت ستر حج سے افضل ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۴۰' مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

علامہ رملی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ باقی دنوں کی نسبت ستر حج سے افضل ہے۔ اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ تمام اہل موقف کی مغفرت فرما دیتا ہے اور شیخ عز الدین بن جملہ نے کہا میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ جمعہ کے دن کے حج کی باقی دنوں پر کیا فضیلت ہے؟ انہوں نے کہا جمعہ کے حج کو باقی دنوں کے حج پر پانچ وجہ سے فضیلت ہے: پہلی اور دوسری وجہ تو مذکور الصدر حدیثوں سے واضح ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح جگہ کی فضیلت سے بھی عمل کی فضیلت ہوتی ہے مثلاً مکہ میں عمل کی دوسرے شہروں کے عمل کی بہ نسبت فضیلت ہے اسی طرح زمانہ کی فضیلت سے بھی عمل کی فضیلت ہوتی ہے اور جمعہ کا دن ہفتہ کے باقی دنوں سے افضل ہے (بلکہ سید الایام ہے) پس واجب ہوا کہ جمعہ کے دن کا عمل باقی دنوں کے عمل سے افضل ہو' اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہوتی ہے جس میں مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ سے جو سوال بھی کرے اللہ اسے وہ عطا فرماتا ہے اور یہ فضیلت باقی دنوں میں نہیں ہے اور پانچویں فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے حج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج سے موافقت ہے کیونکہ حجۃ الوداع جمعہ کے دن تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے افضل عمل اختیار کیا جاتا تھا۔ بعض طلبہ نے میرے والد سے سوال کیا کہ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ تمام اہل موقف کی مغفرت فرما دیتا ہے' پھر اس میں جمعہ کے دن کی کیا خصوصیت ہے جیسا کہ مذکور الصدر حدیث میں ہے تو میرے والد نے جواب دیا کہ ہو سکتا ہے کہ جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ بلاواسطہ مغفرت فرمائے اور باقی ایام کے حج میں بعض لوگوں

کے واسطہ سے مغفرت فرمائے۔ شیخ نورالدین الزیاری الشافعی کے حاشیہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔
(منحۃ الخالق علی ہامش البحرالرائق ج ۲ ص ۳۴۰، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی المتوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ باقی دنوں کی بہ نسبت ستر حج سے افضل ہے، اس حدیث کو معراج الدرایہ نے اپنے اس قول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیح مروی ہے کہ تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ ستر حج سے افضل ہے۔ یہ حدیث تجرید الصحاح میں علامتہ الموطا کے ساتھ مذکور ہے (الموطا کے موجودہ مطبوعہ نسخوں میں یہ حدیث مذکور نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے اگر اس حدیث کی کوئی اصل ہے تو ہو سکتا ہے ستر سے مراد ستر درجے ہوں یا مبالغہ مراد ہو اور حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۷۱)... (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی ص ۴۴۵، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۶ھ)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو ستر حج کا ثواب ہے اور (میدان عرفات میں) ہر فرد کے لیے بلاواسطہ مغفرت کر دی جاتی ہے۔
(الدرالمختار مع ردالمحتار ج ۲ ص ۲۵۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اس کے حاشیہ پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

الشرنبلالیہ نے زیلعی سے نقل کیا ہے کہ تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس دن حج کرنا باقی دنوں کے ستر حج سے افضل ہے۔ اس حدیث کو رزین بن معاویہ نے تجرید الصحاح میں روایت کیا ہے۔ علامہ مناوی نے بعض حفاظ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۷۴۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ) البتہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے کہ بعض سلف نے کہا ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو تمام اہل عرفہ کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور یہ دن دنیا کے تمام دنوں سے افضل ہے، اسی دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا جو حجۃ الوداع تھا، اور جب آپ وقوف فرما رہے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی: الیوم اکملت لکم دینکم۔ (المائدہ: ۳) اہل کتاب نے کہا اگر ہم میں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم عید مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے: یوم عرفہ اور یوم جمعہ۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں وقوف فرما رہے تھے۔ (علامہ شامی نے معراج کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ردالمحتار، ج ۲ ص ۱۷۸)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ سندی نے المنسک الکبیر میں لکھا ہے کہ تمام اہل موقف کی مطلقاً مغفرت کر دی جاتی ہے پھر جمعہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کا یہ جواب ہے کہ جمعہ کے دن بلاواسطہ مغفرت کی جاتی ہے اور باقی ایام میں بعض لوگوں کی بعض کے واسطے سے مغفرت کی جاتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دوسرے دنوں میں صرف حجاج کی مغفرت کی جاتی ہے اور جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو حجاج اور غیر حجاج سب کی مغفرت کی جاتی ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ میدان عرفات میں بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوتا تو سب کی مغفرت کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مغفرت تو ہو جائے گی لیکن ان کو حج مبرور کا ثواب نہیں ملے گا اور مغفرت حج کے مقبول ہونے کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ ان احادیث میں تمام اہل موقف کی مغفرت کا ذکر ہے، اس لیے اس قید کا اعتبار کرنا واجب ہے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۲۵۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید احمد الطحطاوی الحنفی المتوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اس دن حج کرنا دوسرے ایام کی بہ نسبت ستر حج سے افضل ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۹، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۵ھ)

امام محمد بن محمد غزالی شافعی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ جب جمعہ کے دن یوم عرفہ ہو تو تمام میدان عرفات والوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور یہ دن دنیا کے تمام دنوں سے افضل ہے اور اسی دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا تھا۔

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۳۲۰، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اس کی شرح میں علامہ سید محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

رزین بن معاویہ العبدری نے تجرید الصحاح میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے اور جس دن عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ ستر حج سے افضل ہے۔ اس حدیث پر موطا کی علامت ہے لیکن یہ حدیث یحییٰ بن یحییٰ کی موطا میں نہیں ہے، شاید یہ کسی اور موطا میں ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۲۷۴، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اور بے شک یہ کہا گیا ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو تمام اہل موقف (میدان عرفات کے تمام لوگوں) کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

(شرح المہذب ج ۸ ص ۱۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الایضاح فی مناسک الحج والعمرۃ ص ۲۸۶، مطبوعہ المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

مناسک نووی کی یہی وہ عبارت ہے جس کا اکثر علماء نے حوالہ دیا ہے اور اس عبارت سے استدلال کیا ہے۔

علامہ عبد الفتاح مکی مناسک الحج والعمرۃ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے، اگر اس میں وقوف جمعہ کے دن ہو تو وہ دوسرے دنوں کی بہ نسبت ستر دنوں سے افضل ہے۔

(الافصاح علی مسائل الایضاح، ص ۲۸۷، مطبوعہ المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابن حجر الہیتمی المکی الشافعی المتوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

جمعہ کے دن کے فضائل میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تمام دنوں میں افضل یوم عرفہ ہے، اگر وقوف عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ غیر جمعہ کے ستر حج سے افضل ہے۔

(حاشیہ ابن حجر الہیتمی علی شرح الایضاح فی مناسک الحج للامام النووی ص ۳۲۸، مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۹ھ)

میں نے شرح صحیح مسلم کی تیسری جلد میں بھی حج اکبر کے موضوع پر لکھا تھا اور یہ واضح کیا تھا کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ حج اکبر ہوتا ہے اور وہ حج دیگر ایام کی بہ نسبت ستر حج سے افضل ہوتا ہے۔ اس وقت میرے وسائل عمرہ یا حج کرنے کے نہیں تھے اور میرے وہم و گمان میں بھی عمرہ یا حج کی سعادت نہیں تھی۔ میں نے کتاب الحج کے اخیر میں دعا لکھی اے اللہ! مجھے عمرہ اور حج کی سعادت عطا فرما، یہ دعا ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ کو لکھی تھی (شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۷۷۳) اور ۱۴۱۰ھ میں اللہ

تعالیٰ نے مجھے عمرہ کی سعادت عطا فرمائی اور ۱۴۱۴ھ میں مجھے حج کی سعادت عطا فرمائی اور یہ حج، حج اکبر تھا! اور اب سورۃ التوبہ کی تفسیر میں حج اکبر کا لفظ آیا تو ذہن میں وہ پچھلی یادیں تازہ ہوگئیں اور میں نے دوبارہ حج اکبر کے موضوع پر لکھا اور حسن اتفاق یہ ہے کہ جن دنوں میں اس موضوع پر لکھ رہا تھا وہ ایام بھی حج کے تھے اور اس سال (۱۴۱۹ھ) کا حج بھی حج اکبر تھا، اللہ تعالیٰ میری اس تحریر کو قبول فرمائے، میں نے اس بحث میں یہ حدیث لکھی ہے کہ جب یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے بے پایاں کرم سے دنیا کے تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما دیتا ہے اور میں اپنی اس تحریر یا کسی اور نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا طالب نہیں ہوں، میں صرف اس کے فضل و کرم کی وجہ سے اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا امیدوار ہوں۔ ۷ ذوالحجہ بروز ہفتہ بعد عصر ۱۴۱۹ھ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ماسوا ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا، پھر انہوں نے اس معاہدہ کو پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان سے ان کے معاہدہ کو اس کی مدت معینہ تک پورا کرو، بے شک اللہ متقین کو پسند فرماتا ہے O (التوبہ: ۴)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے بری ہے ماسوا ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا اور وہ اپنے عہد پر قائم رہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن مشرکین سے معاہدہ کیا گیا تھا ان میں سے بعض نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ان سے اللہ تعالیٰ نے برأت کا اظہار کر دیا اور بعض نے معاہدہ کی پابندی کی ان سے اللہ تعالیٰ نے معاہدہ کی پابندی پورا کرنے کا حکم دیا۔

امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت کا مصداق بنو ضمرہ تھے جن کا تعلق کنانہ سے تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان سے معاہدہ کی مدت کو پورا کریں، اور نزول آیت کے وقت ان کی مدت ختم ہونے میں نو ماہ باقی تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۲۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، ان کو گرفتار کرو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O (التوبہ: ۵)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

انسلخ: سلخ کا معنی ہے جانور کی کھال اتارنا، پھر اس کو زرہ اتارنے کے لیے بھی استعارہ کیا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۱۴) یہاں اس کا معنی ہے جب حرمت والے مہینے گزر جائیں زمانہ کے گزرنے کو جانور کی کھال اتارنے سے تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح کھال جانور کو محیط ہوتی ہے، اسی طرح مہینہ اپنے دنوں کو محیط ہوتا ہے اور جب ایک مہینہ گزر جاتا ہے تو وہ ان دنوں سے منفصل ہو جاتا ہے جن کو وہ محیط تھا۔

الاشھر الحرم: حرمت والے مہینے، ان مہینوں سے مراد یا تو وہ مہینے ہیں جن مہینوں کی مشرکین کو مہلت دی گئی تھی، اور امام ابوبکر رازی کی تحقیق کے مطابق وہ مہینے ۲۰ ذوالقعدہ سے لے کر ۱۰ ربیع الاول تک ہیں، اور یا ان مہینوں سے مراد وہ مہینے ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے قتال حرام تھا، ان کا بیان اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ اپنی اصل ہیئت پر گھوم کر آ

چکا ہے، جس ہیئت پر وہ اس دن تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا، سال میں بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین مہینے مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور قبیلہ مضر کا رجب جو جمادیٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔ الحدیث۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۰، ۴۶۶۲، ۳۱۹۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۴۷)

وخذوھم: ان کو گرفتار کر کے پکڑ لو، الاخیذ کا معنی ہے الاسیر۔

واحصروھم: الحصر اور الاحصار کا معنی ہے گھر کے راستہ کو بند کر دینا، ظاہری ممانعت اور باطنی ممانعت دونوں کے لیے یہ لفظ مستعمل ہے، ظاہری ممانعت جیسے دشمن کا محاصرہ کرنا اور باطنی ممانعت جیسے مرض کسی مریض کو کسی کام سے روک دے۔ الحصر کا معنی تنگی کرنا بھی ہے اور واحصروھم کا معنی ہے ان پر تنگی کرو اور زمین پر آزادی کے ساتھ ان کے چلنے پھرنے کو بند کر دو۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۵۸) یعنی ان کو باہر نکلنے اور دوسرے شہروں میں منتقل ہونے سے منع کرو، ان کے گھروں اور ان کے قلعوں کا محاصرہ کرو حتیٰ کہ وہ قتل کیے جائیں یا اسلام قبول کر لیں۔

واقعدوالھم کل مرصد: رصد کا معنی ہے کسی چیز پر نگاہ رکھنے کی تیاری کرنا اور مرصد کا معنی ہے کسی چیز پر نگاہ رکھنے کی جگہ۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۶۰) یعنی ان تمام جگہوں پر نظر رکھو جہاں سے مشرکین گزر سکتے ہیں اور کسی دوسرے شہر کی طرف نکل سکتے ہیں۔

اس آیت کی آیت سابقہ سے مناسبت یہ ہے کہ یہ آیت اس سے پہلی آیتوں پر متفرع ہے، کیونکہ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے برأت کا اعلان فرما دیا تھا اور ان کو چار ماہ کی امان دی تھی اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد مسلمانوں پر کیا لازم ہے۔

حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتال کا منسوخ کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں گے تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ (التوبہ: ۵)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جن مشرکین نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی اور ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی، اس مدت کے گزرنے کے بعد ان مشرکین کو قتل کر دو، اسی طرح جن مشرکین نے معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی تھی جو بنو کنانہ ہیں ان کو معاہدہ کی مدت پوری کرنے کی مہلت دی گئی تھی اور ان سے معاہدہ کی میعاد ابھی نو ماہ تک باقی تھی سو نو ماہ گزرنے کے بعد ان کو بھی قتل کر دو، اور اس آیت میں حرمت والے چار ماہ یعنی ذوالقعدہ، ذوالحج، محرم اور رجب مراد نہیں ہیں کیونکہ ان کی حرمت فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سے منسوخ ہو گئی کیونکہ اس آیت کا معنی ہے تمام مشرکین کو جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کر دو، خواہ ان کو حرم میں پاؤ یا غیر حرم میں اور ان کو حرمت والے مکان میں قتل کرنے کا حکم اس کو مستلزم ہے کہ ان کو حرمت والے زمانہ میں بھی قتل کر دیا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ طائف میں حرمت والے مہینوں میں قتال جاری رکھا تھا۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال آٹھ ہجری میں طائف پر حملہ کیا اور اٹھارہ دن تک ان کا محاصرہ کیا اور چالیس دن تک ان پر منجنیق کو نصب کیے رکھا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۲۱۔ ۱۲۰، دار الکتب العلمیہ، المنتظم ج ۳ ص ۳۰۷، دار الفکر بیروت)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ شوال کے دو ماہ بعد تک ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں طائف پر حملہ جاری رہا اور ذوالقعدہ اور ذوالحجہ حرمت والے مہینے ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے امام ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ طائف کا محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ طائف کے محاصرہ کی مدت چالیس دن تھی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۵، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ ۲۰ ذوالحجہ تک طائف پر حملہ جاری رہا۔

اور علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں کہ صحت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۰ محرم تک طائف کا محاصرہ کیا۔ (عنایت القاضی ج ۴ ص ۳۰۱، مطبوعہ دار صادر بیروت)

ان حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت والے مہینوں میں طائف پر حملہ جاری رکھا اور یہ اس کی ظاہر دلیل ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے، نیز اس کی ممانعت کے منسوخ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

فاقتلوا المشرکین سے منسوخ ہونے والی آیات کا بیان

امام ابوبکر رازی متوفی ۳۷۰ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت فاقتلوا المشرکین نے حسب ذیل آیات کو منسوخ کر دیا:

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔ (الغاشیہ: ۲۲) — آپ ان کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں۔

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ۔ (ق: ۴۵) — آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ۔ (المائدہ: ۱۳) — آپ ان کو معاف کر دیجئے اور درگزر کیجئے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ۔ (الجاثیہ: ۱۴) — آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ وہ ان لوگوں کو معاف کر دیں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے۔

اسی طرح حسب ذیل آیت بھی ان مذکور الصدر آیتوں کے لیے ناسخ ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ (التوبہ: ۲۹) — ان لوگوں سے قتال کرو جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور وہ اس کو حرام نہیں کہتے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور وہ دین حق کو قبول نہیں کرتے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو کتاب دی گئی (ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے قتال نہیں کرتے تھے جو آپ سے قتال میں پہل نہیں کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا۔ (النساء: ۹۰) — پس اگر وہ تم سے الگ ہو جائیں اور تم سے قتال نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان کے خلاف کوئی راستہ نہیں رکھا۔

پھر اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سے منسوخ کر دیا۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۱۸۱، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

فاقتلوا المشرکین میں قتل کے عمومی حکم سے مستثنیٰ افراد

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے لیکن (التوبہ: ۲۹) نے اس حکم سے ان اہل کتاب کو مستثنیٰ کر لیا جو جزیہ ادا کر دیں۔

اسی طرح حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کفار سے قتال کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان سے قتال نہ کرو اور اگر وہ قبول نہ کریں تو پھر ان کو دعوت دو کہ وہ اپنا ملک چھوڑ کر دار مہاجرین میں منتقل ہو جائیں۔ اگر وہ قبول کر لیں تو ان سے قتال نہ کرو، اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو۔ اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو پھر ان سے قتال سے رک جاؤ، اور اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو پھر اللہ کی مدد سے ان سے قتال کرو۔ اور ان سے خیانت نہ کرو اور ان سے عہد شکنی نہ کرو اور ان کا مثلہ نہ کرو اور ان کے بچوں کو قتل نہ کرو۔

(صحیح مسلم الجہاد: ۲ (۱۷۳۱) ۴۴۴۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۱۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۷، ملخصاً)

ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غزوہ میں ایک عورت کو مقتول پایا تو آپ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۱۴، صحیح مسلم، الجہاد: ۲۵ (۱۷۴۴) ۴۴۶۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۶۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۶۹، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث ۸۶۱۸)

فاقتلوا المشرکین۔ الآیہ سے ائمہ ثلاثہ کا تارک نماز کو قتل کرنے پر استدلال اور اس کے جوابات

جو شخص فرضیت نماز کا قائل ہو لیکن نماز کا تارک ہو اور کہنے کے باوجود بھی نماز نہ پڑھتا ہو، امام احمد کا اس کے متعلق مختار قول یہ ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے، امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس کو حداً قتل کر دیا جائے اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر تعزیر لگائی جائے حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے لگے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم نے تبیان القرآن ج ۱ میں البقرہ: ۳ کی تفسیر میں کر دی ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے فاقتلوا المشرکین۔ الآیہ سے تارک نماز کے متعلق امام شافعی کے موقف کی تائید میں استدلال کی تقریر کی ہے، ہم پہلے امام رازی کے استدلال کی تقریر پیش کریں گے پھر اس کے جوابات کا ذکر کریں گے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ تارک نماز کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خون بہانے کو ہر طریقہ سے مباح کر دیا، پھر تین چیزوں کا مجموعہ پائے جانے کی صورت میں ان کے خون کو حرام کر دیا: (۱) کفر سے توبہ کر دیں، (۲) نماز قائم کریں (۳) زکوٰۃ ادا کریں اور جب یہ مجموعہ نہ پایا جائے تو ان کا خون بہانے کی اباحت اپنی اصل پر باقی رہے گی۔

اگر یہ جواب دیا جائے کہ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے ان کی فرضیت کا اعتقاد مراد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تارک زکوٰۃ کو قتل نہیں کیا جاتا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اقاموا الصلوٰۃ اور اتوا الزکوٰۃ سے ان کی فرضیت کا اعتقاد مراد لینا مجاز ہے اور بلا ضرورت حقیقت سے عدول کرنا جائز نہیں اور تارک زکوٰۃ کو اس لیے قتل نہیں کیا جاتا کہ اس میں تخصیص ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۲۹-۵۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہم نے اس آیت میں اقاموا الصلوٰۃ اور اتوا الزکوٰۃ سے یہ مراد لیا ہے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد رکھیں، یہ بلا ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا ظاہری اور حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتا، اس کا ظاہری اور حقیقی معنی یہ ہے کہ جب وہ شرک اور کفر سے توبہ کرلیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو ورنہ ان کا راستہ نہ چھوڑو، پس ایک مشرک شرک سے تائب ہوگیا لیکن اس نے فوراً نماز نہیں پڑھی کیونکہ ابھی نماز کا وقت نہیں آیا، یا ابھی نماز کا وقت ختم ہونے میں کافی دیر ہے تو ظاہر معنی کے اعتبار سے اس کو قتل کرنا واجب ہے یا اس نے شرک سے توبہ کرنے کے بعد فوراً زکوٰۃ ادا نہیں کی کیونکہ وہ بقدر نصاب مال کا مالک نہیں یا مال کا مالک تو ہے لیکن ابھی اس پر سال نہیں گزرا تو اس آیت کے ظاہر معنی کے اعتبار سے اس کو قتل کرنا واجب ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس آیت کا یہ معنی کیا جائے کہ جس شخص نے شرک سے توبہ کرلی اور نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد رکھا اس کا راستہ چھوڑ دو ورنہ اس کو قتل کردو۔

اس معنی کا موجب اور تارک نماز کو قتل نہ کرنے کا باعث یہ حدیث بھی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، جو مسلمان شخص اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں ایسے کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے ماسوا تین شخصوں کے: جو شخص اسلام کو ترک کرنے والا ہو اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونے والا ہو اور شادی شدہ زنا کرنے والا اور جس شخص کو کسی شخص کے قصاص میں قتل کیا جائے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۷۸، صحیح مسلم، القسامہ: ۲۵ (۱۶۷۶) ۴۲۹۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۰۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۱۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۳۴، مسند احمد، ج ۱ ص ۴۰، ج ۶ ص ۵۸)

اس حدیث میں کسی بھی مسلمان شخص کو ان تین وجہوں کے علاوہ قتل کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ہے اور جو نماز کا تارک ہو وہ ان تین وجہوں میں داخل نہیں ہے لہٰذا اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۸ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام احوال اور تمام صورتوں میں کفار کے قتل کو مباح فرمادیا پھر اس صورت میں ان کے قتل کو حرام فرمایا جب وہ کفر سے توبہ کرلیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں، اور جس صورت میں یہ مجموع نہیں پایا جائے گا اس صورت میں ان کو قتل کرنا اپنی اصل پر مباح ہوگا، پس تارک نماز کو قتل کردیا جائے گا اور شاید اسی آیت کی بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا تھا، اور ان دو فرضوں کی تخصیص اس لیے کی گئی کہ ان کا اظہار کرنا لازم ہے اور باقی فرائض کی ادائیگی پر مطلع ہونا دشوار ہے۔

علامہ مزنی شافعی نے فقہاء شافعیہ پر اس مسئلہ میں ایک اعتراض کیا ہے جس کا جواب دینے میں فقہاء شافعیہ حیران اور مبہوت ہوگئے، جیسا کہ علامہ سبکی شافعی نے طبقات میں اس کا اعتراف کیا ہے، علامہ مزنی نے کہا جس نماز کا وقت گزر چکا ہے یا تو

تارک نماز کو اس کے ترک کرنے پر قتل کیا جائے گا اور یا اس نماز کے ترک پر قتل کیا جائے گا جس کو اس نے ادا نہیں کیا اور اس کا وقت موجود ہے۔ اول الذکر صورت میں اس کو قتل کرنا اس لیے درست نہیں کہ قضا نماز کی ادائیگی کو ترک کرنے پر قتل نہیں کیا جاتا اور ثانی الذکر صورت میں اس کو قتل کرنا اس لیے درست نہیں کہ جب تک کہ نماز کا وقت ختم نہ ہو جائے اس کے لیے نماز کو موخر کرنا جائز ہے۔ فقہاء شافعیہ نے اس اعتراض کا ایک جواب یہ دیا کہ یہ اعتراض امام ابو حنیفہ پر بھی وارد ہو گا جو یہ کہتے ہیں کہ تارک نماز کو قید کیا جائے یا اس کو مارا پیٹا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ جس شخص نے بغیر کسی عذر کے عمداً نماز کو ترک کر دیا تو اس نماز کا وقت نکلنے کے بعد اس کو قید کر لیا جائے گا اور جب تک وہ ترک نماز سے توبہ نہیں کرے گا اور وقت پر نماز پڑھنے کا عادی نہیں ہو جائے گا اس کو قید سے نہیں چھوڑا جائے گا اور اس جواب میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ فقہاء شافعیہ نے دوسرا جواب یہ دیا کہ جس نماز کا وقت نکل گیا اس کے بعد اس کو قتل کیا جائے گا کیونکہ اس نے اس نماز کو بلاعذر ترک کیا ہے۔ یہ جواب اس لیے مردود ہے کہ قضاء نماز کو فوراً ادا کرنا واجب نہیں ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے یہ تصریح کی ہے کہ کسی شخص کو قضا نماز کی وجہ سے مطلقاً قتل نہیں کیا جائے گا اور امام شافعی کے اصحاب کا مذہب بھی یہ ہے کہ قضا نماز میں تاخیر کی وجہ سے کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ فقہاء شافعیہ نے تیسرا جواب یہ دیا کہ اگر کسی شخص نے وقت پر نماز ادا نہیں کی اور نماز کا آخری وقت آ گیا تو آخری وقت میں اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ تارک نماز قتل کی سزا کا مرتد سے بھی زیادہ حقدار ہو کیونکہ مرتد کو بھی فوراً قتل نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو توبہ کرنے کے لیے تین دن کی مہلت دی جاتی ہے اور اس شخص کو اتنی مہلت بھی نہیں دی گئی کہ اس نماز کا وقت نکل جائے کیونکہ اگر نماز کا وقت نکل جائے گا تو وہ نماز قضا ہو جائے گی اور قضاء نماز کی ادائیگی میں تاخیر پر ان کے نزدیک بھی قتل نہیں کیا جاتا۔ امام شافعی کے مسلک پر علامہ مزنی شافعی کا یہ وہ قوی اعتراض ہے جس کا فقہاء شافعیہ میں سے کسی سے بھی جواب نہیں بن پڑا۔ (عنایت القاضی ج ۴ ص ۳۰۴، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۲۸۳ھ)

فقہاء احناف نے اس آیت کا ایک یہ جواب بھی دیا ہے کہ یہ معنی کرنا: اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر ان کو چھوڑ دو، ورنہ ان کو قتل کر دو۔ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور فقہاء احناف مفہوم مخالف سے استدلال کے قائل نہیں ہیں اور اس آیت کی صحیح توجیہ یہی ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کو مان لیں اور ان کا التزام کر لیں تو ان کو چھوڑ دو ورنہ ان کا راستہ نہ چھوڑو کیونکہ توبہ کرتے ہی فوراً تو نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا متصور نہیں ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت کسی نماز کا وقت نہ ہو اور اگر نماز کا وقت ہو بھی تو اس کو آخر وقت تک موخر کرنا جائز ہے، اور زکوٰۃ کا ادا کرنا تو اس وقت واجب ہوتا ہے جب مسلمان بہ قدر نصاب مال کا مالک ہو اور اس پر سال گزر جائے۔ علامہ ابوبکر جصاص، علامہ نسفی، علامہ خفاجی اور علامہ آلوسی نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔ ایک اور جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر وہ توبہ نہ کریں اور نماز قائم نہ کریں اور زکوٰۃ ادا نہ کریں تو ان کا راستہ نہ چھوڑو، اور راستہ نہ چھوڑنے کا مطلب لازماً قتل کرنا نہیں ہے بلکہ ان کو قید کرنا اور مارنا بھی اس میں شامل ہے۔

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آٹھواں مسئلہ مذکورہ پانچویں آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کسی غیر مسلم کے مسلمان ہو جانے پر اعتماد تین چیزوں پر موقوف ہے: ایک توبہ، دوسرے اقامت صلوٰۃ، تیسری اداء زکوٰۃ۔ جب تک اس پر عمل نہ ہو محض کلمہ پڑھ لینے سے ان کے ساتھ جنگ بند نہ کی جائے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا ان کے مقابلہ پر

صدیق اکبر نے جہاد کرنے کے لیے اسی آیت سے استدلال فرما کر تمام صحابہ کو مطمئن کر دیا تھا۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۳۱۴، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۴۱۴ھ)

مفتی محمد شفیع صاحب حنفی ہیں، لیکن اس آیت کی جو انہوں نے تفسیر کی ہے وہ شافعی مذہب کے مطابق ہے۔ ہم علامہ ابوبکر جصاص حنفی، علامہ نسفی حنفی، علامہ خفاجی حنفی اور علامہ آلوسی حنفی کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں کہ احناف کے نزدیک اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مشرکین کو قتل نہ کرنا اس پر موقوف ہے کہ وہ شرک سے توبہ کریں اور اقامت نماز اور اداء زکوٰۃ کی فرضیت کو مانیں اور اس کا التزام کریں اور اقامت نماز اور اداء زکوٰۃ کا عمل اس آیت میں مراد نہیں ہے اور نہ ہی ان کا عمل متصور ہو سکتا ہے جبکہ مفتی صاحب نے یہ لکھا ہے "جب تک اس پر عمل نہ ہو محض کلمہ پڑھ لینے سے ان کے ساتھ جنگ بند نہ کی جائے گی"۔

باقی مفتی صاحب نے مانعین زکوٰۃ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جہاد سے جو استدلال کیا ہے، یہ بھی دراصل فقہاء شافعیہ کا استدلال ہے۔ ہم پہلے اس حدیث کو باحوالہ ذکر کریں گے، پھر اس حدیث سے فقہاء شافعیہ کے استدلال اور پھر احناف کی طرف سے اس حدیث کے جوابات کا ذکر کریں گے، فنقول وباللہ التوفیق۔

مانعینِ زکوٰۃ سے حضرت ابوبکر کے قتال سے ائمہ ثلاثہ کا استدلال اور اس کے جوابات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا اور عرب کے قبائل میں سے جو کافر ہوئے وہ کافر ہو گئے، تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کیسے لوگوں سے قتال کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں، پس جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس نے مجھ سے اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیا ماسوا اس کے حق کے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم! میں نے یہ جان لیا کہ اللہ عزوجل نے قتال کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے اور میں سمجھ گیا کہ یہی حق ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۹۹، ۱۴۵۶، ۶۹۲۴، ۷۲۸۴، ۷۲۸۵، صحیح مسلم، الایمان: ۳۲ (۲۰) ۱۲۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۵۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴۴۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۶، مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۱۰۸۴۴، صحیح ابن حبان ج ۱ رقم الحدیث: ۲۱۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث ۱۸۷۱۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۱۰۴)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا اس حدیث سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ جو شخص نماز کے وجوب کا معتقد ہو اور عمداً نماز کا تارک ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا، جمہور کا یہی موقف ہے اور امام ابوحنیفہ اور علامہ مزنی شافعی نے یہ کہا ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کرے اور اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ جمہور فقہاء (امام شافعی، امام مالک اور امام احمد) پر یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے اس حدیث سے نماز کے تارک کو قتل کرنے پر استدلال کیا ہے اور وہ مانع زکوٰۃ کو قتل کرنے کا نہیں کہتے، حالانکہ یہ حدیث ان دونوں کو شامل ہے اور ان کا مذہب یہ ہے کہ مانع زکوٰۃ سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے اس کو تعزیر دی جائے گی، نیز اس حدیث سے عمداً تارک نماز کو قتل کرنے پر استدلال کرنا اس لیے بھی درست نہیں ہے کہ اس حدیث میں مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنے کا ذکر ہے نہ کہ ان کو قتل کرنے کا اور قتال اور قتل میں فرق ہے، قتال

جانبین سے ہوتا ہے اور قتل جانب واحد سے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ص ۱۸۲-۱۸۱، ملخصاً مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک عمداً تارک نماز کو حداً قتل کر دیا جائے گا اور ہمارے امام اعظم کے نزدیک اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو تین دن قید رکھا جائے گا، اگر اس نے نماز پڑھ لی تو فبہا ورنہ اس پر ضرب لگائی جائے گی۔ (فیض الباری ج ۱ص ۹۰۶ مطبوعہ ہند ۱۳۵۷ھ)

شیخ بدر عالم میرٹھی نے فیض الباری کے حاشیہ میں علامہ عینی کے مذکور صدر کلام کا خلاصہ لکھا ہے۔

(حاشیہ فیض الباری ج ۱ص ۱۰۸)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام احمد، امام شافعی، امام مالک کے نزدیک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تارک صلوٰۃ اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دے اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اسے خوب زدوکوب کرے اور قید میں رکھے حتیٰ کہ مرجائے یا توبہ کرے، بہرحال تخلیۂ سبیل (تارک نماز کا راستہ چھوڑ دینا) کسی کے نزدیک نہیں، رہے مانعین زکوٰۃ ان کے اموال میں سے حکومت جبراً زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ لوگ مل کر حکومت سے آمادۂ پیکار ہوں تو راہ راست پر لانے کے لیے جنگ کی جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے جو جہاد کیا تھا اس کا واقعہ کتب حدیث و تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔

(حاشیہ شبیر احمد عثمانی ص ۲۴۹، مطبوعہ المملکۃ العربیہ السعودیہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دے دیجئے حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر آپ اسے اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے یہ (حکم) اس لیے ہے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے ○ (التوبہ: ۶)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ واجب کر دیا تھا کہ مشرکین کو جن مہینوں کی مہلت دی گئی ہے اس مہلت کے گزر جانے کے بعد ان کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو چکی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے ایسے دلائل اور براہین بیان کر دیئے جو ان کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لیے کافی ہیں اور اب ان سے صرف اسلام کا مطالبہ ہے یا پھر ان کو قتل کر دیا جائے گا، اس لیے یہاں پر یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر کسی شخص کو دین اسلام سمجھنے کے لیے کسی مزید دلیل یا حجت کی ضرورت ہو تو وہ آپ کے پاس اپنے اطمینان کے لیے نہیں آسکتا، اس شبہ کو دور کرنے کے لیے فرمایا اگر کوئی شخص اسلام کے متعلق اپنے شرح صدر اور اطمینان قلب کے لیے آنا چاہے تو آپ اس کو اسلامی ریاست میں آنے کی اجازت دے دیں اور بعد میں جس جگہ وہ اپنے لیے امن اور عافیت سمجھتا ہے وہاں اسے پہنچا دیں۔

مشرکین کو دارالاسلام میں آنے کی اجازت دینے کے مسائل اور احکام

علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

مشرک جب مسلمانوں کے ملک میں آنے کی اجازت طلب کرے تاکہ وہ دین اسلام کو سمجھے تو اس کو اجازت دینی چاہیے اور اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل بیان کرنے چاہئیں اور اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے کہ جو شخص ہم سے جو دینی مسئلہ معلوم کرے، ہمیں اس کو وہ مسئلہ بتانا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیں۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ جو مشرک ہماری اجازت سے ہمارے ملک میں آیا ہے ہم

پر اس کی جان، اس کے مال اور اس کی عزت کی حفاظت کرنا لازم ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ کسی مشرک کو زیادہ مدت تک دارالاسلام میں نہیں ٹھہرانا چاہیے اور اس کو صرف اتنی مدت تک ٹھہرانا چاہیے جتنی مدت میں اس کا اسلام کے احکام سمجھنا ضروری ہو، اور یہ کہ کسی عذر اور سبب کے بغیر کسی مشرک کو دارالاسلام میں نہیں ٹھہرانا چاہیے۔

(احکام القرآن ج ٣ ص ٨٤ - ٨٣، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ١٤٠٠ھ)

علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ٥٩٣ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی مسلمان آزاد مرد یا آزاد عورت کسی کافر کو یا کافروں کی جماعت یا قلعہ بند لوگوں کو یا کسی شہر کے لوگوں کو امان دے دیں (یعنی دارالاسلام میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں) تو ان کی یہ اجازت صحیح ہے اور مسلمانوں میں سے کسی شخص کے لیے ان سے قتال کرنا جائز نہیں ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام مسلمانوں کا خون ایک جیسا ہے اور غیر مسلموں کے خلاف وہ ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں، ان کا ادنیٰ فرد بھی اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا اور جو شخص (لشکر میں) دور ہو گا اس کو بھی غنیمت پہنچائی جائے گی اور عمرو بن شعیب کی روایت میں ہے اور مسلمانوں کا ادنیٰ فرد بھی کسی شخص کو امان دے سکتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٦٨٥، ٢٦٨٣، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٥٣٠، سنن النسائی رقم الحدیث: ٤٧٣٨، مسند احمد، ج ٢ ص ١٩٢، ٢١١، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ٨ ص ٢٩)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی، اس وقت آپ غسل فرما رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کپڑے سے آپ پر پردہ کر رہی تھیں۔ میں نے آپ کو سلام کیا، آپ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا میں ہوں ام ہانی بنت ابی طالب، آپ نے فرمایا مرحبا ام ہانی، جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو آپ نے (چاشت کی) آٹھ رکعات پڑھیں، جب آپ فارغ ہو گئے تو میں نے عرض کیا کہ میری ماں کا بیٹا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) یہ کہتا ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کرے گا جس کو وہ امان دے چکی ہیں، وہ ابن ہبیرہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے اس کو پناہ دی جس کو اے ام ہانی تم نے پناہ دی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٥٧، صحیح مسلم صلاۃ المسافرین: ٨٢ (٣٣٦) ١٦٣٩، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٩١، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٤٧٣، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٣٨٦، مسند احمد ج ٦ ص ٣٤١، المستدرک ج ٤ ص ٥٤ - ٥٣، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ٩ ص ٥٩، موطا امام مالک رقم الحدیث: ٢٥، تہذیب تاریخ دمشق ج ٣ ص ١٠، الطبقات الکبریٰ ج ٣ ص ٩، کامل ابن عدی ج ٧ ص ٢٥١٨، المنتقی رقم الحدیث: ١٠٥٥، کنز العمال رقم الحدیث: ١٠٩٥٠)

امام ابن ہشام نے امام ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص بن الربیع کو امان دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امان کو نافذ کر دیا اور فرمایا: مسلمانوں کا ادنیٰ فرد بھی امان دے سکتا ہے۔ (السیرۃ النبویہ ج ٢ ص ٢٦٩، المعجم الکبیر ج ٢٢ ص ٤٣٠)

ہاں اگر کسی شخص کو امان دینے میں اگر کوئی بڑا خطرہ یا فساد ہو تو اس سے امان واپس لے لی جائے گی، جیسے خود امام نے امان دی پھر امان واپس لینے میں کوئی مصلحت دیکھی تو وہ امان واپس لے سکتا ہے۔ ذمی کا کسی شخص کو امان دینا جائز نہیں ہے، اور نہ اس مسلمان کا امان دینا جائز ہے جو خود دارالحرب میں قید ہو یا وہاں تجارت کے لیے گیا ہو، اور مجنون اور کم عمر بچے کا امان دینا

بھی صحیح نہیں ہے البتہ جو بچہ جنگ کر سکتا ہو اس کا امان دینا صحیح ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۵۶۶۔ ۵۶۳، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جس مشرک نے دین کو سمجھنے کے لیے مسلمانوں کے ملک میں داخل ہونے کی اجازت اور امان طلب کی ہو اس کے جواز میں سب کا اتفاق ہے لیکن جس مشرک نے تجارت یا کسی اور غرض سے مسلمانوں کے ملک میں دخول کی اجازت طلب کی ہو تو اگر مسلمان حکمران یہ سمجھیں کہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت اور منفعت ہے تو یہ جائز ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

فقہاء نے کہا ہے کہ جب کافر حربی اپنا مال لے کر دار الاسلام میں داخل ہو تو اس کا مال بھی مال غنیمت ہوتا ہے، ماسوا اس کے کہ وہ کسی غرض شرعی کی بنا پر امان لے کر داخل ہو مثلاً وہ اسلام قبول کرنے کیلئے اللہ کا کلام سننا چاہتا ہو یا وہ تجارت کیلئے داخل ہو، اور جو کافر حربی دار الاسلام میں کافروں کا سفیر بن کر آئے تو سفارت بھی امان ہے اور جس شخص کا مال دار الاسلام میں امان ہو تو اس کا اپنا مال لینے کیلئے آنا بھی صحیح ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن حسن الشیبانی المتوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

قاعدہ یہ ہے کہ جب تک ہمارے ملک میں امان حاصل کرنے والے کافر رہیں، مسلمانوں کے امیر پر ان کی نصرت کرنا واجب ہے اور اس پر واجب ہے کہ اگر کوئی شخص ان پر ظلم کرے تو اس کو انصاف مہیا کرے جس طرح مسلمانوں پر اہل ذمہ کے حق میں یہ واجب ہے۔

شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی المتوفی ۴۸۳ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

کیونکہ امان حاصل کرنے والے کافر جب تک دار الاسلام میں رہیں وہ مسلمانوں کی ولایت میں ہیں اور ان کا حکم ذمیوں کی طرح ہے۔ (شرح السیر الکبیر ج ۵ ص ۱۸۵۳، مطبوعہ بالحرکتہ الثورۃ اسلامیہ، افغانستان)

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا

اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ان مشرکین کے ساتھ کیونکر کوئی عہد ہو سکتا ہے؟ ماسوا ان

الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا

لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تو جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں

لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ

تم بھی ان سے کیے ہوئے عہد کے پابند رہو، بے شک اللہ متقین کو پسند فرماتا ہے ○ ان کے عہد کا

وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ

کیسے اعتبار ہو سکتا ہے، جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ جب وہ تم پر غالب ہوں تو وہ نہ تمہاری رشتہ داری کا لحاظ کریں گے اور نہ تم سے

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ ﴿۸﴾

لیے ہوئے عہد کا پاس کریں گے وہ تمہیں صرف اپنی زبانی باتوں سے خوش کرتے ہیں اور ان کے دل اس کے خلاف ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں ○

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ

انہوں نے تھوڑی قیمت کے عوض اللہ کی آیتوں کو فروخت کر دیا پھر اللہ کے راستہ سے روکا بے شک وہ

سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ

بہت برے کام کرتے تھے ○ وہ نہ کسی مؤمن کی رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں نہ اس کے کسی عہد کا پاس کرتے ہیں

وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا

اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں ○ پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا

الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾

کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم صاحبانِ علم کے لیے تفصیل سے آیات بیان کرتے ہیں ○

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

اور اگر یہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو تم

فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، شاید کہ وہ باز آ جائیں ○

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ

کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور انہوں نے رسول کو بے وطن کرنے کا قصد کیا

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ

اور پہلی بار جنگ کی انہوں نے ہی ابتداء کی تھی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ سو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم

تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ

اس سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو ○ ان سے جنگ کرو، اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو

بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ

عذاب دے گا، ان کو رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا، اور مومنوں کے دلوں کو

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي

ٹھنڈک پہنچائے گا ○ اور ان کے دلوں کے غیظ کو دُور فرمائے گا اور اللہ جس کی چاہے گا توبہ

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٥﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ

قبول فرمائے گا، اور اللہ بہت جاننے والا، بے حد حکمت والا ہے ○ (اے مسلمانو!) کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ تم (ایسے ہی) چھوڑ دیے

لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ

جاؤ گے، حالانکہ اللہ نے ابھی تک تم میں سے ان لوگوں کو متمیز نہیں فرمایا جنہوں نے کامل طریقہ سے جہاد کیا ہو، اور انہوں نے اللہ، اور اس

اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا

کے رسول، اور مومنوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز نہ بنایا ہو، اور اللہ تمہارے سب کاموں کی خوب

تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ ع ٢ ٨

خبر رکھتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ان مشرکین کے ساتھ کیونکر کوئی عہد ہو سکتا ہے؟ ماسوا ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تو جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی ان سے کیے ہوئے عہد کے پابند رہو، بے شک اللہ متقین کو پسند فرماتا ہے ○ (التوبہ: ٧)

ان مشرکوں کا بیان جنہوں نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی اور جنہوں نے اس معاہدہ کی پابندی کی

جن لوگوں نے مسجد حرام کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر کے پھر اس عہد کو توڑا، ان کے متعلق امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا کہ عام معاہدہ یہ کیا گیا تھا کہ نہ مسلمان مشرکوں کو حرم میں جانے سے روکیں گے اور نہ مشرک مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکیں گے اور نہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کریں گے۔ یہ معاہدہ حدیبیہ کے مقام پر ہوا تھا جو مسجد حرام کے پاس ہے۔ یہ معاہدہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہوا تھا۔ اس معاہدہ میں بنو بکر قریش کے حلیف تھے اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے، پھر معاہدہ کی مدت پوری ہونے سے پہلے بنو بکر نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔

اور جن لوگوں نے عہد کی پاس داری کی وہ بنو خزاعہ تھے۔ امام ابو جعفر نے کہا وہ لوگ بنو بکر کے بعض افراد تھے جن کا تعلق کنانہ سے تھا جب بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا تو کنانہ نے بنو بکر کا ساتھ نہیں دیا اور اپنے عہد پر قائم رہے۔ یہ قول اس سے اولیٰ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سورۃ البراءۃ کا پیغام سنانے کے لیے مکہ مکرمہ گئے تھے تو اس وقت تک اہل مکہ میں سے قریش اور بنو خزاعہ سے جنگ ہو چکی تھی اور فتح مکہ کے بعد ان آیات کے نزول سے پہلے وہ سب مسلمان ہو چکے تھے، اس وقت کنانہ ہی شرک پر تھے لیکن انہوں نے چونکہ معاہدہ حدیبیہ کی پاس داری کی تھی اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا جب تک وہ عہد پر قائم رہیں تم بھی ان کے ساتھ عہد نبھاؤ اور جو شخص اپنے فرائض کی ادائیگی میں اللہ سے ڈرتا ہے اور خوف خدا سے معاہدہ کی پابندی کرتا ہے، اللہ کی نافرمانی سے اجتناب کرتا ہے، اور معاہدہ کر کے غداری نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے۔ (جامع البیان جز ۱۰ ص ۷-۱۰۶ ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے: جنہوں نے عہد کی پاسداری کی تھی وہ بنو کنانہ اور بنو ضمرہ تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۰ھ)

جن لوگوں نے عہد شکنی کی تھی ان کے متعلق امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے تین قول لکھے ہیں: (۱) بنو ضمرہ، (۲) قریش، (۳) خزاعہ۔ (زاد المسیر، ج ۳ ص ۴۰۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے عہد کا کیسے اعتبار ہو سکتا ہے، جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب وہ تم پر غالب ہوں تو وہ نہ تمہاری رشتہ داری کا لحاظ کریں گے اور نہ تم سے کیے ہوئے عہد کا پاس کریں گے وہ تمہیں صرف اپنی زبانی باتوں سے خوش کرتے ہیں، اور ان کے دل اس کے خلاف ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں○ انہوں نے تھوڑی قیمت کے عوض اللہ کی آیتوں کو فروخت کر دیا، پھر اللہ کے راستہ سے روکا بے شک وہ بہت برے کام کرتے تھے○ وہ نہ کسی مومن کی رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں نہ اس کے کسی عہد کا پاس کرتے ہیں اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں○ (التوبہ: ۱۰-۸)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

وان یظھروا علیکم: ظہر کا معنی ہے جسم کی پشت، جس سے قوت حاصل ہو اس کے لیے بھی ظہر کا استعارہ کیا جاتا ہے۔ ظھر علیہ کا معنی ہے اس پر غالب ہوا۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۳) وان یظھروا علیکم کا معنی ہے اگر وہ تم پر فتح اور غلبہ حاصل کریں۔ لیظھرہ علی الدین کلہ۔ (التوبہ: ۳۳) تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے، ظہر کا معنی کسی چیز کو ظاہر کرنا بھی ہے، اس میں نکتہ یہ ہے کہ جس شخص کو دوسرے پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اس کو ایک کمال حاصل ہوتا ہے اور جس کے پاس کوئی کمال ہو وہ اس کو ظاہر کرنا چاہتا ہے اور جو شخص مغلوب ہو اس کو نقص حاصل ہوتا ہے، اور نقص کو انسان چھپانا چاہتا ہے اس لیے ظہور، غلبہ اور کامیابی سے کنایہ ہوگا۔

لا یرقبوا فیکم: رقب کا معنی گردن ہے، پھر رقبہ کو غلام سے کنایہ کیا گیا، رقیب کا معنی محافظ ہے، قرآن مجید میں ہے: الا لدیہ رقیب عتید۔ (ق: ۱۸) مگر اس کے پاس اس کا محافظ (نگہبان) لکھنے کے لیے تیار ہوتا ہے، مرقب اس بلند جگہ کو کہتے ہیں جس پر کھڑا ہو کر نگہبان کسی کو جھانک کر دیکھتا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۶۵) اس لیے رقوب کا معنی انتظار کرنا بھی ہے۔ وارتقبوا انی معکم رقیب۔ (ھود: ۹۳) اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں، اس آیت میں اس کا معنی حفاظت کرنا ہے یعنی وہ تمہارے قرابت کی حفاظت کریں گے اور نہ تمہارے عہد کی حفاظت کریں گے۔

الا: ال کا معنی ہے صاف شفاف اور چمک دار چیز، جب گھوڑا تیز دوڑے یا بجلی چمکے تو ال کہا جاتا ہے، قسم کھا کر عہد کیا

جائے یا قرابت کو بھی اِلّ کہا جاتا ہے اور چونکہ عہد بھی غدر سے صاف اور چمکدار ہوتا ہے اس لیے اس کو بھی اِلّ کہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ الّ اور ایل اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ (المفردات ج ١ ص ٢٥)

ذمہ: ذمہ کا معنی ہے عہد، یعنی ہر وہ کام جو کسی شخص کو لازم ہو اور اس کے ترک کرنے کی وجہ سے اس کو مذمت کا سامنا ہو اس کو ذمہ کہتے ہیں۔

یرضونکم بافواھھم وتابی قلوبھم: یعنی وہ اپنی زبانوں سے میٹھی باتیں کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کے خلاف ہوتا ہے، کیونکہ ان کے دلوں میں صرف شر اور فساد ہوتا ہے اگر ان کو موقع ملے تو وہ مسلمانوں کو زک پہنچانے میں کوئی کمی نہ کریں۔

بعض سوالوں کے جوابات

اللہ تعالیٰ نے التوبہ: ٨ کے آخر میں فرمایا ہے: اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں، اس پر یہ اعتراض ہے کہ ان لوگوں سے مراد ہیں مشرک اور کافر اور شرک اور کفر فسق سے بہت بڑا گناہ ہے تو مشرکین کی مذمت میں فسق کی صفت ذکر کرنا کیسے مناسب ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مشرکین اور کفار اپنے دین کے قواعد کے لحاظ سے نیک ہوتے ہیں مثلاً وہ امانت دار ہوں، سچ بولتے ہوں اور عہد پورا کرتے ہوں، اور بعض مشرکین اپنے دین کے قواعد کے اعتبار سے بھی بدکار اور اخبث ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ جھوٹ بولتے ہوں اور عہد شکنی کرتے ہوں، سو یہ مشرکین شرک کرنے کے علاوہ اپنے دین کے قواعد کے اعتبار سے بھی فاسق ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں، تو کیا تمام مشرک فاسق نہیں ہیں۔ اس کا جواب بھی پہلے اعتراض کے جواب سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مشرکین میں سے بعض لوگ اپنے دین کے قواعد کے اعتبار سے نیک ہوتے ہیں۔ مثلاً امانت دار ہوں، سچے ہوں اور عہد پورا کرنے والے ہوں لیکن مشرکین میں سے اکثر فاسق ہوتے ہیں جو جھوٹے، خائن اور عہد شکن ہوتے ہیں۔

التوبہ: ٩ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انہوں نے تھوڑی قیمت کے عوض اللہ کی آیتوں کو فروخت کر دیا، اگر اس سے مراد یہود ہوں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ تورات کی آیات کی عمداً غلط تشریح کرتے تھے اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ تورات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا صفات بیان کی ہیں تو وہ دجال کی صفات بیان کر دیتے تاکہ ان کے عام لوگ ان کے دین سے برگشتہ نہ ہوں، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ کلام کا سیاق و سباق یہود کے متعلق نہیں ہے بلکہ ان مشرکین کے متعلق ہے جنہوں نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین کے لیے یہ موقع حاصل تھا کہ وہ اللہ کی آیات پر ایمان لے آتے لیکن وہ دنیاوی مفاد کی خاطر اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے تھوڑی قیمت کے عوض اللہ کی آیات کو فروخت کر دیا، نیز ان کے متعلق فرمایا: اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں، اس سے مراد ان کی دیگر برائیوں کے علاوہ عہد شکنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم صاحبان علم کے لیے تفصیل سے آیات بیان کرتے ہیں ○ (التوبہ: ١١)

اہل قبلہ کی تکفیر اور عدم تکفیر میں مذاہب

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت نے اہل قبلہ کا خون حرام کر دیا۔

(جامع البیان جز ۱۰ ص ۱۱۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص شرک اور کفر سے تائب ہو، نماز پڑھے اور زکوۃ ادا کرے وہ مسلمانوں کا دینی بھائی ہے، اس کی تکفیر جائز نہیں ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

اہلسنت و جماعت کے قواعد میں سے یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر قرار دینا جائز نہیں ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں:

ان کا یہ کہنا کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، پھر یہ کہنا کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے، یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کو محال کہے یا حضرت ابوبکر اور عمر کو گالی دے یا ان کو لعنت کرے وہ کافر ہے، ان دونوں قولوں کو جمع کرنا مشکل ہے۔

(شرح عقائد نسفی ص ۱۲۲-۱۲۱، مطبوعہ کراچی)

علامہ عبد العزیز پرہاروی نے اس کے حسب ذیل جواب دیئے ہیں:

(۱) اہل قبلہ کو کافر نہ کہنا شیخ اشعری اور ان کے متبعین کا مذہب ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی المنتقیٰ میں اسی طرح منقول ہے، اور فقہاء نے ان لوگوں کو کافر کہا ہے، اس لیے تعارض نہیں ہے۔

(۲) قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونا، کتاب، سنت اور اجماع سلف کے دلائل قطعیہ سے ثابت اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا ایمان اور ان کا شرف عظیم بھی دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، سو جو شخص ان امور کا منکر ہو وہ اللہ اور اس کے رسول کا مصدق نہیں ہے اور اس کا اہل قبلہ سے ہونا معتبر نہیں ہے۔

(۳) فقہاء نے جو تکفیر کی ہے وہ تغلیظ اور تہدید پر محمول ہے، اس کا ظاہر مراد نہیں ہے۔

(نبراس ص ۵۷۲، مطبوعہ شاہ عبد الحق اکیڈمی بندیال، ۱۳۹۷ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اہل قبلہ سے مراد وہ مسلمان ہیں جو ضروریات دین پر متفق ہوں مثلاً عالم کا حادث ہونا، قیامت کے بعد لوگوں کا دوبارہ زندہ ہونا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو تمام کلیات اور جزئیات کا علم ہے، اور اس طرح کے دیگر اعتقادی امور، پس جو شخص ساری عمر لمبی لمبی عبادات اور ریاضات میں مشغول رہا حالانکہ اس کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ عالم قدیم ہے یا اس کا اعتقاد تھا کہ حشر نہیں ہو گا یا اس کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ سبحانہ کو جزئیات کا علم نہیں ہے وہ اہل قبلہ سے نہیں ہے۔ (اسی طرح جو شخص غلام احمد قادیانی کو نبی یا مجدد مانتا ہے یا جو شخص قرآن مجید کی تحریف کا قائل ہے یا حضرت عائشہ پر بدکاری کی تہمت لگاتا ہے، یا یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چھ کے سوا تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے یا جو شخص ائمہ اربعہ کے مقلدین کو حقیقتاً مشرک کہتا ہے یا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں صریح کلمات کفریہ کہتا ہے ایسے تمام لوگ قرآن مجید کے مصدق نہیں ہیں خواہ وہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہوں لیکن وہ اہل قبلہ سے نہیں ہیں) اور اہل سنت نے جو یہ کہا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک اس میں کفر کی علامات اور کفر کی وجوہات نہیں پائی جائیں گی اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، ہم نے جو اصول بیان کیے ہیں اہل قبلہ ان پر متفق ہیں، ان کا دیگر اصول میں اختلاف ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات، اعمال کا مخلوق ہونا، اس کے ارادہ کا عموم، اللہ کے کلام کا قدیم ہونا اور آخرت میں اس کے دیدار کا ممکن ہونا، اس قسم کے اور دیگر امور جن کے متعلق اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حق صرف ایک ہے، اور اس میں بھی ان کا اختلاف ہے

کہ جو ان امور میں حق کا منکر ہو اس کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں۔ امام اشعری اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ ان امور میں جو حق کا منکر ہو وہ کافر نہیں ہے۔ امام شافعی کے ایک قول سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ اہل الاھواء (نئے مذاہب اختیار کرنے والوں) میں سے میں صرف خطابیہ کی شہادت کو مسترد کرتا ہوں کیونکہ وہ جھوٹ بولنے کو حلال کہتے ہیں اور المنتقیٰ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے اور اکثر فقہاء کا اسی پر اعتماد ہے اور ہمارے بعض اصحاب ان امور میں مخالفین کو کافر کہتے ہیں اور قدماء معتزلہ انہیں کافر کہتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی صفات قدیمہ کے قائل تھے اور اعمال کو مخلوق کہتے تھے اور استاذ ابواسحٰق نے کہا ہم اس کو کافر کہیں گے جو ہمیں کافر کہے اور جو ہمیں کافر نہ کہے ہم اس کو کافر نہیں کہیں گے' اور امام رازی کا مختار یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے' اور اصل اشکال کا جواب یہ ہے کہ تکفیر نہ کرنا متکلمین کا مذہب ہے اور تکفیر کرنا فقہاء کا مذہب ہے' پس کوئی تعارض نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تکفیر کرنا مخالفین کے رد میں تغلیظ کے لیے ہے اور تکفیر نہ کرنا اہل قبلہ کے احترام کے لیے ہے' کیونکہ وہ بعض امور میں ہمارے موافق ہیں۔ (شرح فقہ اکبر ص ١٥٥۔١٥٤' مطبوعہ مصر)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید نے کہا نماز اور زکوٰۃ دونوں فرض کی گئی ہیں اور ان کی فرضیت میں فرق نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ نے بغیر زکوٰۃ کے نماز کو قبول کرنے سے انکار فرمادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ کس قدر زیادہ فقیہ تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کو نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی نماز مقبول نہیں ہے۔ (جامع البیان جز ١٠ ص ١١٣۔١١٢' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

صحابہ کرام کو دینی بھائی کے بجائے میرے اصحاب کیوں فرمایا؟

اس آیت میں توبہ کرنے والوں' نماز قائم کرنے والوں اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے متعلق فرمایا وہ تمہارے دینی بھائی ہیں' بظاہر ایک حدیث اس آیت کے خلاف ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے اور فرمایا: السلام علیکم اے مومنو! ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے پاس آنے والے ہیں' میری خواہش ہے کہ ہم اپنے دینی بھائیوں کو دیکھیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے دینی بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم میرے صحابہ ہو اور ہمارے (دینی) بھائی وہ لوگ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے... الحدیث۔

(صحیح مسلم' الطہارۃ: ٣٩ (٢٤٩) ٥٧٣' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٣٠٦' مسند احمد ج ٢ ص ٤٠٨' سنن کبریٰ ج ٤ ص ٧٨)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کے مسلمانوں کو اپنا دینی بھائی فرمایا اور صحابہ کو دینی بھائی نہیں فرمایا حالانکہ جن مشترک اوصاف کی وجہ سے آپ نے بعد کے مسلمانوں کو اپنا دینی بھائی فرمایا وہ اوصاف صحابہ کرام میں بھی تھے بلکہ زیادہ احسن اور زیادہ اکمل تھے' اس کے باوجود آپ نے فرمایا کہ تم میرے اصحاب ہو دینی بھائی تو بعد کے لوگ ہیں' کیونکہ دینی بھائی ہونے میں صحابہ کرام کی کوئی انفرادیت اور خصوصیت نہیں تھی' وہ تو قیامت تک کے سارے مسلمان ہیں ان کی خصوصیت صحابی ہونے میں تھی' کیونکہ بعد کے مسلمان کتنے ہی کامل کیوں نہ ہوں درجہ صحابیت کو نہیں پاسکتے۔

کسی شخص کے تعارف میں اس کی خصوصی صفات ذکر کی جائیں

اس حدیث سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے اوصاف کا ذکر کیا جائے تو ان اوصاف کا ذکر کرنا چاہیے

جو اس کے خصوصی اوصاف ہوں نہ کہ وہ اوصاف جو کہ عام ہوں، مثلاً کسی مفتی اور عالم کا ذکر کیا جائے اور کہا جائے کہ یہ لکھنے پڑھنے والے ہیں تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ لکھنے پڑھنے والے تو بہت لوگ ہیں، اس کی خصوصیت مفتی اور عالم ہونے میں ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں اگر آپ کو صرف بشر کہا جائے تو یہ درست نہیں ہے، بشر کی تو مسلمانوں کے ساتھ بھی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ کافر بھی بشر ہیں، آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ سید البشر ہیں، بشر کامل ہیں، افتخار بشر ہیں، بشر تو اپنی جگہ ہے صرف نبی ہونا بھی آپ کی خصوصیت نہیں ہے، آپ سید الانبیاء ہیں، قائد المرسلین ہیں، خاتم النبیین ہیں، سو جب آپ کا ذکر کیا جائے تو آپ کے خصوصی اوصاف کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جائے کیونکہ عام اوصاف کے ساتھ تو آپ نے اپنے صحابہ کا ذکر کرنا بھی پسند نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین پر طنز کریں تو تم کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے شاید کہ وہ باز آجائیں○ (التوبہ: ۱۲)

کفر کے علم برداروں کا مصداق

جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا کہ وہ تم سے جنگ نہیں کریں گے اور تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے اور وہ مشرک اس معاہدہ کو توڑ دیں اور تمہارے دین اسلام کی مذمت اور برائی کریں تو تم کفر کے ان علم برداروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح تمہارے دین کی مذمت کرنے سے اور تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں کی مدد کرنے سے باز آجائیں۔ قتادہ نے کہا کفر کے ان علم برداروں سے مراد ابو سفیان بن حرب، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام اور سہیل بن عمرو ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کر کے توڑا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنے کا قصد کیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۸۴۷) نکث کا معنی ہے نقض اور توڑنا جب کوئی شخص اپنی مضبوط رسی کو توڑ دے تو اس موقع پر نکث کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

توہین رسالت کرنیوالے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے ثبوت میں احادیث اور آثار

امام رازی نے لکھا ہے کہ زجاج نے کہا ہے کہ جب ذمی دین اسلام میں طعن کرے تو یہ آیت اس کے قتل کو واجب کرتی ہے کیونکہ ان کی جان اور مال کی حفاظت کا جو مسلمانوں نے عہد کیا تھا وہ اس شرط کے ساتھ مشروط تھا کہ وہ دین اسلام میں طعن نہیں کرے گا اور جب اس نے دین اسلام میں طعن کیا تو اس نے اپنے عہد کو توڑ دیا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۳۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس آیت کی رو سے اسلامی ملک میں رہنے والے ان غیر مسلموں کو بھی قتل کرنا واجب ہے جو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کی بھی توہین کریں یعنی ان کی شان کے خلاف کوئی ایسا لفظ بولیں یا لکھیں جو لفظ عرف میں توہین کے لیے متعین ہو، اور حسب ذیل احادیث اور آثار اس پر شاہد ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت محمد بن مسلمہ، کعب کے پاس گئے اور کہا اس شخص نے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تھکا دیا ہے اور ہم سے صدقہ کا سوال کرتا رہتا ہے، نیز کہا بخدا تم اس کو ضرور ملال میں ڈال دو گے، اور کہا ہم نے اس کی پیروی کی ہے اور اب ہم اس کو چھوڑنا ناپسند کرتے ہیں، حتیٰ کہ ہم جان لیں کہ آخر کار ان کا ماجرا کیا ہو گا، وہ

اسی طرح کعب بن اشرف سے باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ موقع پا کر اس کو قتل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ٧ ٣٠٤٠٣، ٤٠٣٧، ٢٥١٠، ٣٠٣١، ٣٠٣٢، صحیح مسلم رقم الحدیث ١٨٠١، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٢٧٦٨)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا کی باندی ام ولد تھی' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہتی تھی اور آپ کو سب و شتم کرتی تھی۔ وہ نابینا اس کو منع کرتے رہتے تھے اور وہ باز نہیں آتی تھی۔ ایک رات جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کر رہی تھی انہوں نے ایک مغول (گیتی یا بھادو' پیکان والی لاٹھی) لے کر اس کو اس کے پیٹ پر رکھ کر دبایا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا اور اس کی ٹانگوں میں ایک بچہ آ کر اس کے خون میں لتھڑ گیا۔ صبح کو لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے سب لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: جس شخص نے بھی یہ کام کیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ وہ نابینا لوگوں کو پھلانگتا ہوا آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور کہا یا رسول اللہ! میں اس باندی کا مالک ہوں! وہ آپ کو سب و شتم کرتی تھی اور برا کہتی تھی۔ میں اس کو منع کرتا تھا لیکن وہ باز نہیں آتی تھی اور اس سے موتیوں کی مانند میرے دو بچے بھی ہوئے اور وہ میری رفیقہ تھی۔ گزشتہ رات وہ پھر آپ کو سب و شتم کر رہی تھی اور برا کہہ رہی تھی۔ میں نے اس کے پیٹ پر گیتی رکھ کر اس کو دبایا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! گواہ ہو جاؤ کہ اس کا خون رائیگاں ہے۔ (یعنی اس کا کوئی قصاص یا تاوان نہیں ہو گا)

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٤٣٦١، سنن نسائی رقم الحدیث: ٤٠٨١، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ١٩٨٥)

حضرت عرفہ بن الحارث کو مصر کا ایک نصرانی ملا جس کا نام مذقون تھا' انہوں نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نصرانی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ انہوں نے حضرت عمرو بن العاص کے پاس یہ معاملہ پیش کیا۔ انہوں نے حضرت عرفہ سے کہا ہم ان سے عہد کر چکے ہیں۔ حضرت عرفہ نے کہا ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی ایذاء پر عہد کریں' ہم نے ان سے صرف اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان کو ان کے گرجوں میں عبادت کرنے دیں گے' اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالیں گے اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم ان کی حفاظت کے لیے لڑیں گے' اور اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ آپس میں اپنے مذہب کے مطابق عمل کریں گے لیکن جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ حضرت عمرو بن العاص نے کہا: تم نے سچ کہا۔

(المعجم الاوسط ج ٩ رقم الحدیث: ٨٧٤٣، مطبوعہ ریاض، سنن کبریٰ للبیہقی ج ٩ ص ٢٠٠، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ١٩٨٧)

حضرت عمیر بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بہن مشرکہ تھی' جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے تو وہ آپ کو سب و شتم کرتی اور آپ کو برا کہتی۔ انہوں نے ایک دن اس کو تلوار سے قتل کر دیا' اس کے بیٹے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ہم کو معلوم ہے اس کو کس نے قتل کیا ہے۔ کیا امن دینے کے باوجود اس کو قتل کیا گیا ہے' اور ان لوگوں کے ماں باپ مشرک تھے' حضرت عمیر کو یہ خوف ہوا کہ یہ لوگ کسی اور بے قصور کو قتل کر دیں گے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس واقعہ کی خبر دی' آپ نے فرمایا: کیا تم نے اپنی بہن کو قتل کیا تھا؟ میں نے کہا: ہاں! آپ نے پوچھا کیوں؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! وہ آپ کے متعلق مجھے ایذاء پہنچاتی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹوں کے پاس کسی کو بھیجا تو انہوں نے کسی اور کا نام لیا جو اس کا قاتل نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔

(المعجم الکبیر ج ١٧، رقم الحدیث ١٢٤، ص ٦٥، ٦٤، مطبوعہ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرتی تھی۔ ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ دیا حتیٰ کہ وہ مر گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔

(السنن الکبریٰ ج ٩ ص ٢٠٠، طبع بیروت)

حصین بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کے پاس ایک راہب کو لایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرتا ہے۔ انہوں نے کہا اگر میں سنتا تو اس کو قتل کر دیتا۔ ہم نے ان کو اس لیے امان نہیں دی کہ یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کریں۔ (المطالب العالیہ رقم الحدیث: ١٩٨٦، طبع بیروت)

توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ عام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ امام مالک، لیث، امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ سے یہ منقول ہے کہ جو ذمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں کہ اکثر علماء کا یہ مذہب ہے کہ جو ذمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے، یا آپ کو تعریضاً اور کنایتاً برا کہے یا آپ کی شان میں کمی کرے یا آپ کی ایسی صفت بیان کرے جو کفر ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ ہم نے اس بات پر اس کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا نہ اس پر اس سے معاہدہ کیا ہے، البتہ امام ابوحنیفہ، ثوری اور اہل کوفہ میں سے ان کے متبعین نے کہا ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کا مذہب جس پر وہ قائم ہے، وہ شرک ہے اور وہ سب سے بڑا جرم ہے لیکن اس کو سزا دی جائے گی اور اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ٨ ص ٢١۔٧٠ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ)

میں کہتا ہوں کہ جمہور فقہاء احناف نے امام ابوحنیفہ کے اس قول پر فتویٰ نہیں دیا بلکہ ان کا یہی مسلک ہے کہ جو ذمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے وہ واجب القتل ہے اور توہین سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کفریہ اور شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی ایسی بات کہے جو عرف میں توہین ہو۔

توہین رسالت کرنے والے غیر مسلم کو اسلامی ملک میں قتل کرنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ٥٩٣ھ لکھتے ہیں:

جو ذمی جزیہ ادا کرنے سے رک جائے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا، جس غایت کی وجہ سے اس سے قتال موقوف ہوا ہے وہ جزیہ کا التزام ہے نہ کہ اس کو ادا کرنا اور التزام باقی ہے، اور امام شافعی نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا عہد ذمہ کو توڑنا ہے اور جب اس نے عہد توڑ دیا تو اس کو دی ہوئی امان بھی ٹوٹ گئی، اس نے ذمہ کا عقد کر کے اس کی خلاف ورزی کی، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا اس کا کفر ہے، اور جو کفر ابتداءً اس کے ساتھ قائم تھا وہ اس عقد ذمہ سے مانع نہیں تھا جو کفر بعد میں طاری ہوا وہ بھی اس عقد سے مانع نہیں ہوگا لہٰذا اس کفر طاری سے اس کا عہد ذمہ نہیں ٹوٹے گا۔ (ہدایہ اولین ص ٥٩٨، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام الحنفی المتوفی ٨٦١ھ لکھتے ہیں:

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا السام علیک (سام کے معنی موت ہیں، یعنی تم کو موت آئے) آپ نے فرمایا: وعلیکم (یعنی تم پر) حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے سمجھ لیا تھا انہوں نے کیا کہا ہے۔ میں نے کہا علیکم السام واللعنۃ (یعنی تم پر موت آئے اور لعنت ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہرو اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا تھا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کا جواب دے چکا ہوں وعلیکم۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۲۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۰۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸۸، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۱۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۴۶۰، مسند احمد ج ۶ ص ۸۵، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۰۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ یہود کا توہین پر مبنی کلمہ تھا اور اگر اس سے عہد ذمہ ٹوٹ جاتا تو آپ ان کو قتل کر دیتے، کیونکہ اس صورت میں وہ حربی ہو چکے تھے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابن عمر سے ایک شخص نے کہا: میں نے سنا کہ ایک راہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے رہا تھا حضرت ابن عمر نے فرمایا اگر میں سنتا تو اس کو قتل کر دیتا، ہم نے ان سے اس پر عہد نہیں کیا تھا۔ (المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۹۸۶) علامہ ابن ہمام جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے ان سے عہد میں یہ شرط لگائی ہو کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم نہیں کریں گے۔ (علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:) اس مسئلہ میں جو ہمارا مذہب ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے یا اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرے یا کسی ایسی چیز کی جو اس کی شان کے لائق نہیں، جب ذمی ایسی بات کو ظاہر کرے گا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر وہ اس کا اظہار نہ کرے وہ چھپا کر ایسی بات کہہ رہا ہو اور کوئی اس پر مطلع ہو جائے تو پھر اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے جزیہ اس شرط کے ساتھ قبول کیا گیا تھا کہ وہ ذلت کے ساتھ رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ — حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں درآنحالیکہ وہ ذلیل ہوں۔

(التوبہ: ۲۹)

اور اللہ اور رسول پر سب و شتم کرنے کا اظہار کرنا جزیہ قبول کرنے کی شرط اور ان سے قتل کی مدافعت کے منافی ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ وہ چھوٹے بن کر رہیں اور ذلت سے جزیہ دیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جن یہود کا ذکر کیا گیا ہے وہ ذمی نہ تھے اور نہ جزیہ ادا کرتے تھے، بلکہ ان سے مال لیے بغیر دفع شر کے لیے ان سے صلح کی گئی تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان پر قادر کر دیا۔ اور اس بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی ذمی مسلمانوں کے خلاف سرکشی کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ ان سے قتل کو اس صورت میں دور کیا گیا ہے کہ وہ چھوٹے بن کر ذلت سے رہیں۔

(فتح القدیر ج ۶ ص ۵۹-۵۸، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں حق اصحاب شافعی کے ساتھ ہے، امام شافعی نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرنا عہد کو توڑتا ہے، اگر وہ بالفرض مسلمان بھی ہوتا تو اس کی امان ٹوٹ جاتی، اسی طرح ذمی کی امان بھی ٹوٹ جائے گی۔ امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ (بنایہ، ج ۶، ص ۶۹۰-۶۸۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے مزید لکھا ہے:

امام شافعی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرنے سے ذمی کا عہد ٹوٹ جائے گا کیونکہ اس سے ایمان جاتا رہتا ہے تو امان بطریق اولیٰ نہیں رہے گی' اور یہی امام مالک اور امام احمد کا قول ہے اور میں نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے' کیونکہ جب کوئی مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے تو اس کی تکفیر کر دی جائے گی اور اگر حاکم اس کو قتل کرنے کا حکم دے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا تو اگر کسی دین کے دشمن اور مجرم (غیر مسلم ذمی) سے یہ سب و شتم صادر ہو تو اس کو قتل کیوں نہیں کیا جائے گا؟ (شرح العینی علی کنزالدقائق ج ۱ ص ۲۵۸' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

علامہ ابن ہمام حنفی اور علامہ عینی حنفی نے دلائل کے ساتھ اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ فقہاء کرام محض مقلد جامد نہیں ہیں اور یہ امام اعظم کی ان ہی مسائل میں موافقت کرتے ہیں جہاں امام اعظم کا قول قرآن اور حدیث پر مبنی ہو' اور جہاں امام اعظم کا قول قرآن و حدیث کے مطابق نہ ہو وہاں ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ شمس الائمہ سرخسی' علامہ حصکفی اور علامہ شامی نے بھی سب و شتم کرنے والے ذمی کے قتل کو جائز لکھا ہے۔ البتہ علامہ ابن نجیم نے علامہ عینی کے اس قول کا رد کیا ہے کہ "میں نے اسی قول کو اختیار کیا ہے" اور علامہ شامی نے علامہ عینی کا دفاع کیا ہے اس کی تفصیل بھی عنقریب ہم ذکر کریں گے۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

اس طرح اگر کوئی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہراً سب و شتم کرتی ہو تو اس کو قتل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ابو اسحٰق ہمدانی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا یارسول اللہ! میں نے ایک یہودی عورت کو سنا وہ آپ کو گالی دے رہی تھی اور بخدا یارسول اللہ! وہ میرے ساتھ نیکی کرتی تھی لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔

(شرح السیر الکبیر ج ۳ ص ۴۱۸-۴۱۷' مطبوعہ افغانستان' ۱۴۰۵ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

میں اس کے ساتھ ہوں جو یہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم کرنے والے کو مطلقاً قتل کرنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ جب کوئی شخص علی الاعلان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ سیر' ذخیرہ میں یہ تصریح ہے کہ امام محمد نے فرمایا جب کوئی عورت علی الاعلان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن عدی نے سنا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتی تھی' انہوں نے رات میں اس کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کی تعریف فرمائی۔

(الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۳ ص ۲۸۰-۲۷۹' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو شخص علی الاعلان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے یا عادتاً سب و شتم کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا خواہ وہ عورت ہو۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۷۸' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ علامہ عینی نے یہ کہا ہے کہ میں نے اس قول کو اختیار کیا ہے جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے اس کو قتل کر دیا جائے، علامہ ابن نجیم نے کہا کہ علامہ عینی کے اس قول کی کسی روایت (قضیہ) میں اصل نہیں ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ابن نجیم کا یہ قول فاسد ہے کیونکہ تمام فقہاء احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ اس شخص پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس کو سزا دی جائے گی اور یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ دوسروں کی عبرت کے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ جب جرم بڑا ہو تو تعزیر کی قتل تک ترقی جائز ہے۔

(منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۵، مطبوعہ کوئٹہ)

ایک انگریز نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک سخت توہین آمیز عبارت لکھی۔ ایک مسلمان ممتحن نے انگریزی سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے اس عبارت پر مشتمل امتحانی پرچہ بنایا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے اس کے متعلق سوال کیا گیا۔ سوال اور جواب حسب ذیل ہیں:

مسئلہ: از جونپور رملاٹولہ مرسلہ مولوی عبدالاول صاحب ۶ رمضان مبارک ۳۵ھ

یہ جواب صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہو تو اور بھی دلائل سے مبرہن و مزین فرما کر مہر و دستخط سے ممتاز فرمایا جائے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص مسلمان ممتحن نے زیر نگرانی دو شخص مسلمان کے پرچہ زبان دانی انگریزی سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے مرتب کیا جس میں سب سے بڑے سوال جس میں نصف نمبر رکھے تھے، حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی اور توہین کے فقرات استعمال کیے تاکہ مسلمان طالب علم لامحالہ مجبور ہو کر اپنے قلم سے جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معصوم و مقدس شان میں بدگوئی لکھیں جو برائے فتویٰ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

اس سخت توہین آمیز عبارت کو نقل کرنے کا اس عاجز میں حوصلہ نہیں ہے، جو قارئین اس عبارت کو پڑھنا چاہیں وہ فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۷۳ میں ملاحظہ فرمائیں، اعلیٰ حضرت کا جواب درج ذیل ہے:

الجواب: رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ O وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ O اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا O اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ O ان نام کے مسلمان کہلانے والوں میں جس شخص نے وہ ملعون پرچہ مرتب کیا وہ کافر مرتد ہے، جس نے اس پر نظر ثانی کر کے برقرار رکھا وہ کافر مرتد، جس جس کی نگرانی میں تیار ہوا وہ کافر مرتد، طلبہ میں جو کلمہ گو تھے اور انہوں نے بخوشی اس ملعون عبارت کا ترجمہ کیا اپنے نبی کی توہین پر راضی ہوئے یا اسے ہلکا جانا یا اسے اپنے نمبر گھٹنے یا پاس نہ ہونے سے آسان سمجھا وہ سب بھی کافر مرتد، بالغ ہوں خواہ نابالغ، ان چاروں فریق میں ہر شخص سے مسلمانوں کو سلام کلام حرام، میل جول حرام، نشست برخاست حرام، بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت حرام، اسے غسل دینا حرام، کفن دینا حرام، اس پر نماز پڑھنا حرام، اس کا جنازہ اٹھانا حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام، مسلمانوں کی طرح اس کی قبر بنانا حرام، اسے مٹی دینا حرام، اس پر فاتحہ حرام، اسے کوئی ثواب پہنچانا حرام بلکہ خود کفر قاطع اسلام، جب ان میں کوئی مرجائے اس کے اعزہ اقربا مسلمین اگر حکم شرع مانیں تو اس کی لاش دفع عفونت کے لیے مردار کتے کی طرح بھنگی چماروں سے ٹھیلے میں اٹھوا کر کسی تنگ گڑھے میں ڈلوا کر اوپر سے آگ پتھر جو چاہیں

پھینک پھینک کر پاٹ دیں کہ اس کی بدبو سے ایذا نہ ہو۔ یہ احکام ان سب کے لیے عام ہیں اور جو جو ان میں نکاح کیے ہوئے ہوں ان سب کی جورو ئیں ان کے نکاحوں سے نکل گئیں، اب اگر قربت ہوگی حرام حرام حرام و زنائے خالص ہوگی اور اس سے جو اولاد پیدا ہوگی ولد الزنا ہوگی، عورتوں کو شرعاً اختیار ہے کہ عدت گزر جانے پر جس سے چاہیں نکاح کر لیں، ان میں جسے ہدایت ہو اور توبہ کرے اور اپنے کفر کا اقرار کرتا ہوا پھر مسلمان ہو اس وقت یہ احکام جو اس کی موت سے متعلق تھے منتہی ہوں گے اور وہ ممانعت جو اس سے میل جول کی تھی جب بھی باقی رہے گی یہاں تک کہ اس کے حال سے صدق ندامت و خلوص توبہ و صحت اسلام ظاہر و روشن ہو مگر عورتیں اس سے بھی نکاح میں واپس نہیں آ سکتیں، انہیں اب بھی اختیار ہوگا کہ چاہیں تو دوسرے نکاح کر لیں یا کسی سے نہ کریں، ان پر کوئی جبر نہیں پہنچتا، ہاں ان کی مرضی ہو تو بعد اسلام ان سے بھی نکاح کر سکیں گی۔

وجیز امام کردری جلد ۳ ص ۳۲۱ میں مذکور ہے:

جو شخص معاذ اللہ مرتد ہو جائے اس کی عورت حرام ہو جاتی ہے، پھر اسلام لائے تو اس سے تجدید نکاح کیا جائے۔ اس سے پہلے اس کلمۂ کفر کے بعد کی صحبت سے جو بچہ ہوگا حرامی ہوگا اور یہ شخص اگر عادت کے طور پر کلمہ شہادت پڑھتا رہے کچھ فائدہ نہ دے گا جب تک اپنے اس کفر سے توبہ نہ کرے کہ عادت کے طور پر مرتد کے کلمہ پڑھنے سے اس کا کفر نہیں جاتا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے دنیا میں بعد توبہ بھی اسے سزا دی جائے گی یہاں تک کہ اگر نشہ کی بے ہوشی میں کلمہ گستاخی بکا جب بھی معافی نہ دیں گے اور تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا کافر ہے اور کافر بھی ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق جلد چہارم ص ۴۰۷ میں لکھتے ہیں: یعنی جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کینہ ہو وہ مرتد ہے، تو گستاخی کرنے والا بدرجہ اولیٰ کافر ہے اور اگر نشہ بلا اکراہ پیا اور اس حالت میں کلمہ گستاخی بکا جب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۳۹-۴۷، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

شریعت کی توہین کرنے والا تورات کی تصریح کے مطابق واجب القتل ہے

پاکستان میں توہین رسالت کا قانون بنایا گیا ہے جس کے مطابق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کی بھی توہین کرنے والے کو پھانسی کی سزا دی جا سکے گی، اس پر پاکستان میں رہنے والے غیر مسلم خصوصاً عیسائی آئے دن احتجاج کرتے رہتے ہیں اور باقی دنیا کے غیر مسلم بھی اس کو مسلمانوں کی بنیاد پرستی قرار دیتے ہیں اور اس قانون کو اقلیت پر ظلم قرار دیتے ہیں جبکہ بائبل میں یہ لکھا ہوا ہے کہ قاضی یا کاہن کی توہین کرنے والا بھی واجب القتل ہے اور نبی کی حرمت اور اس کا مقام تو کاہن اور قاضی سے کہیں زیادہ ہے، سو معلوم ہوا کہ توہین رسالت کا یہ قانون قرآن، حدیث، آثار اور مذاہب ائمہ کے علاوہ بائبل کے بھی مطابق ہے۔ بائبل کی عبارت یہ ہے:

شریعت کی جو بات وہ تجھ کو سکھائیں اور جیسا فیصلہ تجھ کو بتائیں اسی کے مطابق کرنا اور جو کچھ فتویٰ وہ دیں اس سے دہنے یا بائیں نہ مڑنا○ اور اگر کوئی شخص گستاخی سے پیش آئے کہ اس کاہن کی بات جو خداوند تیرے خدا کے حضور خدمت کے لیے کھڑا رہتا ہے یا اس قاضی کا کہنا نہ سنے تو وہ شخص مار ڈالا جائے تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دور کر دینا○ اور سب لوگ سن کر ڈر جائیں گے اور پھر گستاخی سے پیش نہیں آئیں گے○

(استثناء باب: ۱۷ آیت: ۱۳-۱۱، پرانا عہد نامہ ص ۱۸۳، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

شرح صحیح مسلم ج ۳ میں ہم نے توہین رسالت کرنے والے مسلمان کا حکم بیان کیا تھا اور الاعراف کی تفسیر میں توہین

رسالت کرنے والے ذمی کا حکم لکھا تھا اور اس میں احادیث اور آثار کے علاوہ مذاہب اربعہ کے فقہاء کی تصریحات پیش کی تھیں اور یہاں پر ہم نے احناف کے مذہب کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے اور بائبل کا حوالہ بھی پیش کیا ہے اور ان تینوں مباحث کا مطالعہ کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور انہوں نے رسول کو بے وطن کرنے کا قصد کیا اور پہلی بار جنگ کی انہوں نے ہی ابتداء کی تھی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو سو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو○ (التوبہ: ۱۳)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: کفر کے علم برداروں سے قتال کرو، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان سے قتال کا محرک اور باعث بیان فرمایا ہے، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے قتال کے تین اسباب بیان فرمائے ہیں: پہلا سبب یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے معاہدہ حدیبیہ کو پکا کرنے کے بعد اس کو توڑ ڈالا، اور انہوں نے بنو خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی مدد کی اور دوسروں کی بہ نسبت ان سے قتال کرنا زیادہ اولیٰ ہے جنہوں نے عہد شکنی کی۔ اور دوسرا سبب یہ بیان فرمایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے وطن کرنے کا قصد کیا اور یہ ان سے جنگ کرنے کا بہت بڑا داعیہ اور محرک ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے وطن کرنے سے مراد یا تو یہ ہے کہ ان کی وجہ سے آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے بار بار مدینہ منورہ پر حملے کیے اور آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کی تاکہ آپ یا شہید ہو جائیں یا ان کی مخالفت سے تنگ آ کر مدینہ منورہ سے بھی چلے جائیں اور تیسرا سبب یہ ہے کہ جنگ کی ابتدا انہوں نے خود کی تھی جب انہوں نے بدر میں حملہ کیا حالانکہ قافلہ ان کے پاس صحیح سلامت پہنچ چکا تھا لیکن انہوں نے کہا ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ اسلام کو جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان سے جنگ کرو، اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو عذاب دے گا، ان کو رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومنوں کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچائے گا○ اور ان کے دلوں کے غیظ کو دور فرمائے گا اور اللہ جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا، اور اللہ بہت جاننے والا بے حد حکمت والا ہے○ (التوبہ: ۱۵-۱۴)

اس آیت میں ان سابقہ آیات کی تاکید ہے، جن میں کفار کے ظالمانہ افعال ذکر فرما کر کفار سے جنگ کے لیے مسلمانوں کی غیرت کو ابھارا تھا، علاوہ ازیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ میں فتح کی بشارت دی ہے اور کفار کی ہزیمت کی نوید سنائی ہے اور کفار کے خلاف اللہ نے اپنی مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف اس جنگ میں مسلمانوں کے متعدد فوائد بیان فرمائے ہیں۔

فتح مکہ کے لیے جہاد کرنے کے فوائد

(پہلا فائدہ) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ذریعہ سے کافروں کو عذاب دے گا، اس عذاب سے مراد دنیا کا عذاب ہے اور یہ عذاب کافروں کو قتل کرنے کی صورت میں حاصل ہوگا اور ان کو قید کرنے کی صورت میں اور میدان جنگ میں ان کے اموال پر بطور مال غنیمت کے قبضہ کی صورت میں حاصل ہوگا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں عذاب دینے کا ذکر فرمایا ہے، اور ایک آیت میں ان پر عذاب بھیجنے کی نفی فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو عذاب دے درآنحالیکہ آپ ان میں موجود ہیں۔ (الانفال: ۳۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ التوبہ میں جس عذاب دینے کا ذکر ہے اس سے مراد جنگ میں ان کے قتل اور قید ہونے کا عذاب ہے اور سورۃ الانفال میں جس عذاب دینے کی نفی ہے اس سے مراد ہے آسمانی عذاب۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ سورۃ التوبہ میں جس عذاب دینے کا ذکر ہے وہ صرف بعض لوگوں کو پہنچے گا اور سورۃ الانفال میں جس عذاب کی نفی ہے اس سے مراد ہے ان پر ایسا عذاب نہیں آئے گا جس سے پوری قوم کفار ملیامیٹ ہو جائے۔

(دوسرا فائدہ:) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان کو رسوا کرے گا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مسلمانوں کے ہاتھ سے ذلت آمیز اور عبرت ناک شکست سے دوچار کیا' اور جن مسلمانوں کو وہ بہت کمزور اور پس ماندہ سمجھتے تھے انہوں نے ان کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا اور ان کا فخر اور غرور خاک میں مل گیا۔

(تیسرا فائدہ:) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ تمہاری مدد فرمائے گا' اللہ تعالیٰ کی اس بشارت کی وجہ سے مسلمانوں کو حالت جنگ میں طمانیت حاصل ہوگی۔

(چوتھا فائدہ:) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا' ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بنوخزاعہ اسلام لاچکے تھے اور وہ مسلمانوں کے حلیف تھے اور بنوبکر کفار قریش کے حلیف تھے۔ بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے بنوبکر کی مدد کی' پھر مسلمانوں نے معاہدہ حدیبیہ کو فسخ کر کے مکہ پر حملہ کیا' کفار قریش کو شکست ہوئی اور بنوخزاعہ کا دل ٹھنڈا ہو گیا۔

(پانچواں فائدہ:) اور ان کے دلوں کے غیظ کو دور فرمائے گا' ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچانا اور ان کے دلوں سے غیظ دور کرنا یہ ایک ہی بات ہے' اور یہ تکرار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے مفہوموں میں فرق ہے' دشمنوں کی شکست سے مسلمانوں کے دلوں کا غم و غصہ اور غیظ دور ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے فتح کا جو وعدہ فرمالیا ہے اس کی وجہ سے وہ انتظار کی کوفت سے بچ جائیں گے' کیونکہ انتظار موت سے زیادہ سخت ہوتا ہے' اور جب اللہ نے ان کو فتح کی بشارت دے دی تو ان کے دلوں میں ٹھنڈک پڑ گئی۔

(چھٹا فائدہ:) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اللہ جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا' اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ بعض مسلمان طبعی طور پر کفار سے جہاد کرنے سے گھبراتے تھے اور اس میں تساہل کرتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انہیں غیرت دلائی اور جہاد کے فوائد اور اجر و ثواب کی ترغیب دی تو وہ جہاد کے لیے شرح صدر سے تیار ہو گئے اور ان کا جہاد کرنا اللہ تعالیٰ سے توبہ کے قائم مقام ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے فتح اور نصرت کی جو بشارت دی ہے وہ بہت بڑا انعام ہے اور جب بندہ اپنی بے شمار کوتاہیوں اور گناہوں کے باوجود اللہ عزوجل کے انعامات کو دیکھتا ہے تو اس پر ندامت طاری ہوتی ہے اور وہ صدق دل سے توبہ کرتا ہے۔

(ساتواں فائدہ:) یہ آیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے اور آپ کا معجزہ ہے کیونکہ اس آیت میں جن امور کی پیشگی خبر دی گئی ہے وہ سب فتح مکہ میں حاصل اور واقع ہو گئے' سو اس آیت میں غیب کی خبر دی گئی ہے اور غیب کی خبر معجزہ ہے' نیز اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے کہ اللہ عزوجل کے علم میں صحابہ کرام حقیقی مومن تھے کیونکہ ان کے قلوب کفار کے خلاف غیظ و غضب سے بھرے ہوئے تھے اور یہ ان کی دینی حمیت تھی' اور دین اسلام کی سربلندی کے لیے وہ بہت راغب اور سخت کوشاں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ تم (ایسے ہی) چھوڑ دیئے جاؤ گے' حالانکہ اللہ نے ابھی

تک تم میں سے ان لوگوں کو متمیز نہیں فرمایا جنہوں نے کامل طریقہ سے جہاد کیا ہو' اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز نہ بنایا ہو اور اللہ تمہارے سب کاموں کی خوب خبر رکھتا ہے○ (التوبہ:۱۶)

ولیجہ کا معنی ہم نے محرم راز کیا ہے۔ کیونکہ ولوج کا معنی ہے داخل ہونا اور ولیجہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی شخص کے گھر میں بار بار آتا جاتا ہو۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۹۰) اور یہ وہی شخص ہوتا ہے جو اس کا محرم راز ہو۔

اس سے پہلی آیتوں میں جہاد کی ترغیب دی گئی تھی اور اس آیت میں بھی جہاد پر مزید برانگیختہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو مستقبل کے واقعات کا علم ہے اور جس چیز کا مطلقاً وقوع نہ ہو اس کے وقوع کو اللہ کا علم شامل نہیں

اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے: اور ابھی تک اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو نہیں جانا۔ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان ہی کاموں کا علم ہوتا ہے جو ہو چکے ہوں اور جو کام ہونے والے ہوں ان کا اس کو علم نہیں ہوتا۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ ہشام بن الحکم نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اسی چیز کا علم ہوتا ہے جو وجود میں آچکی ہو' پھر امام رازی نے اس کا رد کیا ہے اور فرمایا کہ اس آیت میں علم سے مراد معلوم ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو موجود نہیں فرمایا' اور اس کو علم سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ کسی شے کے موجود ہونے کو یہ لازم ہے کہ اللہ کو اس کا علم ہو اس لیے اللہ کو کسی چیز کے وجود کا علم اس چیز کے موجود ہونے سے کنایہ ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کے موجود ہونے کا اللہ کو علم نہ ہو وہ چیز موجود نہیں ہوتی' کیونکہ وہ چیز موجود نہ ہو اور اللہ کو یہ علم ہو کہ وہ چیز موجود ہے تو یہ علم معلوم کے موافق نہیں ہوگا اور جو علم معلوم کے مطابق نہ ہو وہ جہل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جہل سے منزہ اور پاک ہے۔

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں بعض مومنین سے خطاب ہے جنہوں نے قتل کرنے کو ناپسند کیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں منافقین سے خطاب ہے' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ابھی تک تم میں سے مخلصین غیر مخلصین سے متمیز نہیں ہوئے۔ مخلصین وہ ہیں جو جہاد کرنے والے ہوں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم کی نفی کی ہے اور اس سے مبالغتاً معلوم کی نفی کا ارادہ کیا ہے' اور اس میں یہ دلیل ہے کہ کسی چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق اس کے وقوع کو مستلزم ہوتا ہے۔

(انوار التنزیل علی ہامش عنایت القاضی ج ۴ ص ۳۰۹' مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کی نفی کی ہے اور اس سے معلوم کی نفی کا ارادہ کیا ہے' یعنی انہوں نے بہت زیادہ کامل طریقہ سے جہاد نہیں کیا' کیونکہ اگر انہوں نے کامل جہاد کیا ہوتا تو اس کا اللہ کو علم ہوتا' کیونکہ کسی چیز کے ساتھ اللہ کے علم کا تعلق اس کے وقوع کا تقاضا کرتا ہے اور اس کے وقوع کو مستلزم ہوتا ہے ورنہ اللہ کا علم واقع کے مطابق نہیں ہوگا اور یہ محال ہے' اور جس چیز کا اللہ کو علم نہ ہو وہ اس چیز کے عدم وقوع کو مستلزم ہوتا ہے' کیونکہ اگر وہ چیز واقع ہو تو کائنات میں ایسی چیز ہوگی جس کا اللہ کو علم نہ ہو اور یہ بھی محال ہے۔ (علامہ آلوسی نے بھی اس آیت کی یہی تقریر کی ہے)

(روح المعانی ج ۱۰ ص ۶۳' عنایت القاضی ج ۴ ص ۳۱۰-۳۰۹' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۲۸۳ھ)

قاضی بیضاوی نے جہاد کے ساتھ مبالغہ کی قید لگائی ہے اور علامہ خفاجی نے کامل کی قید لگائی ہے کیونکہ مسلمانوں نے فتح مکہ سے پہلے جہاد تو کیا تھا لیکن بہت زیادہ مبالغہ سے جہاد نہیں کیا تھا یا کامل طریقہ سے جہاد نہیں کیا تھا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہو اور اگر اس میں منافقوں سے خطاب ہو تو پھر معنی یوں ہوگا حالانکہ اللہ نے ابھی تک تم میں سے ان لوگوں کو متمیز نہیں فرمایا جنہوں نے خوش دلی سے جہاد کیا ہو۔

سورۃ التوبہ کی آیت:۱۶ کے چند تراجم

شیخ سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ لکھتے ہیں:

آیا پنداشید شما آنکہ شما بہ گزاردہ شوید و نہ۔ بیند خدائے آنانرا کہ جہاد می کنند از شما در راہ او۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

آیا گمان کردید کہ گزاشتہ شوید و ہنوز متمیز نساختہ است خدا آنانرا کہ جہاد کردہ اند از شما۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

کیا جانتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کیے اللہ نے تم میں سے جو لوگ لڑے ہیں۔

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۳ھ لکھتے ہیں:

کیا گمان کرتے ہو تم یہ کہ چھوڑے جاؤ اور حالانکہ ابھی نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں کو کہ جہاد کرتے ہیں تم سے۔

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے حالانکہ ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

کیا اس گمان میں ہو کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے پہچان نہ کرائی ان کی جو تم میں سے جہاد کریں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اس کی راہ میں) جاں فشانی کی۔

ہمارے شیخ علامہ اسلام سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ متوفی ۱۴۰۶ھ تحریر فرماتے ہیں:

(اے مسلمانو!) کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم (یوں ہی) چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو ابھی ظاہر نہیں فرمایا جنہوں نے جہاد کیا۔

اور ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

(اے مسلمانو!) کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ تم (ایسے ہی) چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تک تم میں سے ان لوگوں کو متمیز نہیں فرمایا جنہوں نے کامل طریقہ سے جہاد کیا ہو۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ

مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد تعمیر کریں در آں حالیکہ وہ خود

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي

اپنے خلاف کفر کی گواہی دینے والے ہوں، ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ

النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ اللہ کی مساجد صرف وہی لوگ تعمیر کر سکتے ہیں، جو اللہ اور روز

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ

آخرت پر ایمان لائے اور انہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا وہ

اِلَّا اللّٰهَ ۫ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

کسی سے نہیں ڈرے اور عنقریب یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے ○

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ

کیا تم نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص (کی نیکیوں) کی مثل کر دیا جو

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ

اللہ اور روز قیامت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وقف لازم

برابر نہیں ہوں گے اور اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ جو لوگ ایمان لائے

وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ

اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ جہاد کیا،

اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے، اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ○

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا

ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضا کی خوش خبری دیتا ہے اور ان جنتوں کی جن میں ان

نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ

کے لیے دائمی نعمت ہے ○ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، بے شک اللہ کے پاس بہت

عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ

بڑا اجر ہے ○ اے ایمان والو اپنے باپ دادا اور اپنے بھائیوں کو بھی دوست

اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ

نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہوں اور تم میں سے جو لوگ ان کو دوست

مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ

بنائیں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں ○ (اے رسول مکرم!) آپ کہیے کہ اگر تمہارے باپ دادا اور

اَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ

تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے کمائے

اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ

ہوئے مال اور تمہاری تجارت جس کے گھاٹے کا تمہیں خطرہ ہے اور تمہارے پسندیدہ

تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ

مکان تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ

سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى

محبوب ہوں تو تم انتظار کرو حتّٰی کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ

ع ٨ ٩ الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾

نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد تعمیر کریں۔ درآنحالیکہ وہ خود اپنے خلاف کفر کی گواہی دینے والے ہوں، ان کے اعمال ضائع ہوگئے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں○

(التوبہ: ١٧)

تعمیر کا معنی

عمر الدار کا معنی ہے مکان تعمیر کرنا اور عمر المنزل کا معنی ہے گھر بسانا اور آباد کرنا۔ (المنجد ص۵۲۹ بیروت) انما یعمر مساجد اللہ (التوبہ:۱۸) میں اس کا معنی ہے تعمیر کرنا یا زیارت کرنا۔ (المفردات ج ۲ ص۴۵۱) عمارت کا جو حصہ ٹوٹ پھوٹ جائے اس کی مرمت کرنا اور اس کی حفاظت کرنا' اس کی صفائی اور آرائش و زیبائش کرنا' اس میں روشنی کا انتظام کرنا۔ اور مسجد کی تعمیر میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو دنیاوی باتوں سے محفوظ رکھا جائے اور اس میں اللہ کے ذکر اور علم دین کی تدریس میں مشغول رہا جائے۔ (مجمع بحار الانوار ج ۳ ص۶۷۸ مطبوعہ المدینۃ المنورہ)

علامہ ابوبکر احمد بن علی جصاص حنفی رازی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

مسجد کی تعمیر کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے مسجد کی زیارت کرنا اور اس میں رہنا اور دوسرا معنی ہے مسجد کو بنانا اور اس کا جو حصہ بوسیدہ ہو گیا ہو اس کو نیا بنانا۔ کیونکہ اعتمر اس شخص کے لیے کہا جاتا ہے جس نے مسجد کی زیارت کی اور اس سے لفظ عمرہ ماخوذ ہے کیونکہ عمرہ بیت اللہ کی زیارت کرنے کو کہتے ہیں اور جو شخص مسجد میں بکثرت آتا جاتا ہو اور مسجد میں ہی رہتا ہو اس کو عمار کہتے ہیں' پس اس آیت کا یہ تقاضا ہے کہ کفار کو مسجد میں داخل ہونے اور مسجد کو بنانے اور مسجد کی دیکھ بھال کا انتظام کرنے اور مسجد میں قیام کرنے سے منع کیا جائے کیونکہ یہ لفظ دونوں معنوں کو شامل ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص۸۷' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یعمر' عمارۃ سے بنا ہے اور مسجد کی عمارۃ کی دو قسمیں ہیں: (۱) مسجد میں بکثرت آنا جانا اور مسجد کو لازم پکڑ لینا' (۲) مسجد کو بنانا اور اس کی تعمیر کرنا۔ اگر دوسرا معنی مراد ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ کافر کے لیے مسجد کی مرمت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسجد عبادت کی جگہ ہے اس لیے اس کا معظم ہونا واجب ہے اور کافر مسجد کی اہانت کرتا ہے اور اس کی تعظیم نہیں کرتا' نیز کافر حکماً نجس ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مشرکین محض نجس ہیں۔ (التوبہ:۲۸) اور مسجد کی تطہیر واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کرو۔ (البقرہ:۱۲۵) نیز کافر نجاسات سے احتراز نہیں کرتا اور اس کا مسجد میں داخل ہونا مسجد کو نجاست سے ملوث کرنے کا موجب ہے نیز کافر کا مسجد میں داخل ہونا بعض اوقات مسلمانوں کی عبادت میں خلل اور فساد کا موجب ہوگا۔ نیز کافر کا مسجد کی مرمت کرنا مسلمانوں پر کافر کے احسان کا موجب ہوگا اور کافر کو مسلمان پر احسان کرنے کا موقع دینا جائز نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: درآنحالیکہ وہ خود اپنے خلاف کفر کی گواہی دینے والے ہوں' کیونکہ جب تم کسی عیسائی سے پوچھو تمہارا کیا مذہب ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں عیسائی ہوں اور یہودی سے پوچھو تو وہ کہتا ہے کہ میں یہودی ہوں۔ ستارہ پرست یا آتش پرست سے پوچھو تو وہ کہے گا میں ستارہ پرست ہوں یا آتش پرست ہوں اور بت پرست سے پوچھو تو وہ کہے گا میں بت پرست ہوں۔

کافروں سے مسجد کے لیے چندہ لینے میں مذاہب فقہاء

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک کافر کا کسی جگہ کو عبادت کے لیے وقف کرنا جائز ہے۔ مثلاً کسی جگہ کو مسجد بنانا جائز ہے۔

علامہ ابو عبداللہ شمس الدین مقدسی متوفی ۷۶۳ھ لکھتے ہیں:

مسلمان یا ذمی کی جانب سے کسی جگہ کو نیک کام کے سوا وقف کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً مسجد وغیرہ بنانے کے لیے، کیونکہ اس کا نفع مسلمانوں کو پہنچے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ مباح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے، البتہ کسی جگہ کو یہودیوں یا عیسائیوں کی عبادت گاہ کے لیے وقف کرنا جائز نہیں ہے۔

(کتاب الفروع ج ۴ ص ۵۸۷-۵۸۶، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں:

دوسری شرط یہ ہے کہ کسی جگہ کو نیک کام کے لیے وقف کرنا چاہیے خواہ وقف کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی، اس کی امام احمد رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے۔ مثلاً مسکینوں کے لیے وقف کرنا، مسجدوں کے لیے، پلوں کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے، یہی مذہب ہے اور اسی پر جمہور اصحاب حنبلیہ کا اتفاق ہے۔

(الانصاف ج ۷ ص ۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۷۶ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک کفار کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ اس سے پہلے ہم امام رازی شافعی کی عبارت نقل کر چکے ہیں، اور علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

سورۂ توبہ کی اس آیت کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ کفار کے لیے مسجدوں کی تعمیر جائز نہیں ہے، کیونکہ مساجد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور ان کو صرف ایمان کے ساتھ تعمیر کیا جا سکتا ہے، دوسرا معنی یہ ہے کہ کفار کے لیے مسجدوں میں داخل ہونا اور زیارت کے لیے مسجدوں میں آنا جائز نہیں ہے۔ (النکت والعیون ج ۲ ص ۳۴۶، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک بھی کفار کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے، علامہ دسوقی مالکی متوفی ۱۲۱۹ھ لکھتے ہیں:

کافر ذمی کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۴ ص ۷۹-۷۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء احناف کے نزدیک بھی کافر کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے، اس سے پہلے ہم علامہ ابو بکر جصاص حنفی کی عبارت لکھ چکے ہیں اور علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں:

ذمی کا اس چیز کے لیے وقف کرنا صحیح ہے جو اس کے اور ہمارے دونوں کے نزدیک عبادت ہو لہٰذا ذمی کا حج اور مسجد کے لیے وقف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ صرف ہمارے لیے عبادت ہیں ذمی کے لیے نہیں ہیں، اور نہ ذمی کا گرجا کے لیے وقف کرنا صحیح ہے کیونکہ وہ صرف اس کے نزدیک عبادت ہے، البتہ مسجد قدس کے لیے ذمی کا وقف کرنا صحیح ہے کیونکہ مسجد قدس اس کے نزدیک بھی عبادت ہے اور ہمارے نزدیک بھی۔

(منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۹، مطبوعہ کوئٹہ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ ج ۱ ص ۱۱۹، مطبوعہ مطبع حبیبیہ کوئٹہ)

غیر مقلدین کے نزدیک بھی کافر کا مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ اگر کافر نے مسجد بنانے کی وصیت کی تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

(فتح البیان ج ۵ ص ۲۵۲، مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

کافر نے مسجد کے لیے وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ اس کے خیال میں کار ثواب نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۳۳۸، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

وہ کام جس کے لیے وقف کرتا ہے فی نفسہ ثواب کا کام ہو، یعنی واقف کے نزدیک بھی وہ ثواب کا کام ہو اور واقع میں بھی ثواب کا کام ہو۔ اگر ثواب کا کام نہیں تو وقف صحیح نہیں (الی قولہ) اگر نصرانی نے حج و عمرہ کے لیے وقف کیا جب بھی وقف صحیح نہیں کیا کہ اگرچہ یہ کار ثواب ہے مگر اس کے اعتقاد میں ثواب کا کام نہیں۔ (الی قولہ) ذمی نے اپنے گھر کو مسجد بنایا اور اس کی شکل صورت بالکل مسجد کی سی کر دی اور اس میں نماز پڑھنے کی مسلمانوں کو اجازت بھی دے دی اور مسلمانوں نے اس میں نماز پڑھی بھی جب بھی مسجد نہیں ہوگی اور اس کے مرنے کے بعد میراث جاری ہوگی، یونہی اگر گھر کو گرجا وغیرہ بنادیا جب بھی اس میں میراث جاری ہوگی۔ (بہار شریعت جز ۱۰ ص ۳۰-۲۹، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

کافروں سے مسجد کے لیے چندہ لینے میں علماء دیوبند کا نظریہ

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنادے یا مسجد بنانے کے لیے مسلمانوں کو چندہ دے دے تو اس کا قبول کرنا بھی اس شرط سے جائز ہے کہ اس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام کا یا آئندہ اس پر قبضہ کر لینے کا یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو۔

(درالمختار، شامی، مراغی) (معارف القرآن ج ۴ ص ۳۳۱، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۴۱۴ھ)

علامہ احمد مصطفیٰ المراغی نے اسی طرح لکھا ہے (تفسیر المراغی ج ۱۰ ص ۷۴، مطبوعہ بیروت) لیکن علامہ المراغی کوئی مسلم فقیہ نہیں ہیں اور درالمختار میں اس طرح لکھا ہوا نہیں ہے، رہے علامہ شامی تو انہوں نے اس کے خلاف لکھا ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے منحۃ الخالق اور تنقیح الفتاوی الحامدیہ کے حوالوں سے لکھ چکے ہیں اور اب ایک مزید حوالہ پیش کر رہے ہیں:

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں:

درمختار میں صحت وقف کی ایک یہ شرط بھی بیان کی ہے کہ اس کا فی نفسہ عبادت ہونا معروف ہو، علامہ شامی فرماتے ہیں یہ صرف مسلمان کے وقف کرنے کی شرط ہے ورنہ البحرالرائق میں مذکور ہے کہ ذمی کے وقف کی صحت کی شرط یہ ہے کہ وہ اس کے نزدیک اور ہمارے نزدیک عبادت ہو جیسے فقراء پر وقف کرنا یا مسجد بیت المقدس پر وقف کرنا برخلاف اس کے کہ ذمی کسی گرجا پر وقف کرے کیونکہ وہ صرف اس کے نزدیک عبادت ہے، یا وہ حج اور عمرہ پر وقف کرے کیونکہ وہ صرف ہمارے نزدیک عبادت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کے نزدیک عبادت ہونا صرف ذمی کے وقف کے لیے شرط ہے کیونکہ مسلمان کے وقف کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ان کے نزدیک بھی عبادت ہو بلکہ وہ صرف ہمارے نزدیک عبادت ہو جیسے حج اور عمرہ۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۳۹۴، مطبوعہ کوئٹہ، ردالمحتار ج ۳ ص ۳۶۰، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ، ردالمحتار ج ۶ ص ۴۱۰، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ طبع جدید)

اور چونکہ کافروں کے مذہب میں مسجد بنانا یا مسجد کے لیے چندہ دینا عبادت نہیں ہے اس لیے ان امور میں ان سے چندہ لینا فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ اور فقہاء احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے اور دینی حمیت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ اپنی عبادات میں کافروں سے مدد نہ لی جائے اور اپنے دین میں ان کا احسان نہ اٹھایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کی مساجد صرف وہی لوگ تعمیر کر سکتے ہیں، جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور انہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرے اور عنقریب یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے○ (التوبہ: ۱۸)

مسجد بنانے کا جواز اور استحقاق کن امور پر موقوف ہے

اللہ تعالیٰ نے تعمیر مساجد کا جواز پانچ چیزوں میں منحصر فرمایا ہے: (۱) اللہ پر ایمان، (۲) قیامت پر ایمان، (۳) نماز قائم کرنا، (۴) زکوٰۃ ادا کرنا، (۵) اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا۔

مساجد بنانے کے لیے اللہ پر ایمان رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ مسجد وہ جگہ ہے جہاں اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی جاتی ہے، سو جو شخص اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ رکھتا ہو اس کے لیے اللہ کی عبادت کی جگہ بنانا ممنوع ہو گا۔

قیامت پر ایمان رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ جس شخص کا قیامت پر ایمان نہیں ہو گا اس شخص کے لیے اللہ کی عبادت کا کوئی محرک اور باعث نہیں ہو گا۔

نماز قائم کرنا اس لیے ضروری ہے کہ مسجد بنانے کی غرض ہی نماز کی ادائیگی ہے، سو جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو اس کے لیے مسجد بنانا ممنوع ہو گا۔ زکوٰۃ ادا کرنا اس لیے ضروری ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے لیے بدن کی طہارت ضروری ہے اور نماز کے لیے وضو اور پاک اور صاف لباس ضروری ہے اور اس کے لیے مال خرچ کرنا ہو گا اور اس کے لیے فراخ دلی سے مال وہی خرچ کرے گا جو زکوٰۃ ادا کرتا ہو، نیز فقراء، مساکین اور مسافروں کو زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اور مسجد کے نمازیوں میں فقراء، مساکین، مسافر اور دیگر مستحقین زکوٰۃ ہوتے ہیں اور مسجد میں آنے والے کو انہیں زکوٰۃ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔

مسجد بنانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مسجد بنانے والا اللہ عزوجل کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو، کیونکہ بعض اوقات غیر مسلم مسجد بنانے میں مزاحم ہوتے ہیں جیسا کہ بھارت اور دیگر غیر مسلم ممالک میں اس کا بکثرت مشاہدہ کیا گیا ہے، ایسے میں مسجد بنانے کی جرأت وہی شخص کرے گا جو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو، نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مسجد بنانے والا نام و نمود اور اپنی تعریف و شہرت کے لیے مسجد نہ بنائے بلکہ صرف اللہ عزوجل کی رضا اور خوشنودی کے لیے مسجد بنائے۔

مسجد بنانے کے انحصار میں ایمان بالرسول ذکر نہ کرنے کی توجیہات

اس آیت میں مسجد بنانے کے لیے ایمان باللہ اور دیگر امور کا تو ذکر فرمایا ہے لیکن ایمان بالرسول کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان باللہ ایمان بالرسول کو مستلزم ہے، کیونکہ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے تمام ارشادات پر ایمان لایا جائے اور اللہ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے محمد رسول الله (الفتح: ۲۹) سو جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں مانا اس نے اللہ عزوجل کو نہیں مانا، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں نماز کا ذکر ہے اور نماز سے پہلے اذان اور اقامت ہوتی ہے اور اذان اور اقامت میں ہے محمد رسول الله، تیسرا جواب یہ ہے کہ اس میں نماز کا ذکر ہے اور نماز سے مراد وہ نماز ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۱، ۷۲۴۶) چوتھا جواب یہ ہے کہ خود نماز کے تشہد میں ہے: السلام علیک ایها النبی اور نماز کے دوران میں ہے اللهم صل علی محمد وعلی ال محمد اور صراحتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا تاکہ مشرکین کے اس قول کا رد ہو کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دین اسلام کی دعوت اپنی ریاست اور حکومت کی طلب کی خاطر دیتے ہیں۔

مسجد بنانے کے فضائل اور مسجد کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد (مسجد نبوی) کو از سر نو بنانے کے سلسلہ میں بہت اعتراض کیے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے بہت اعتراض کیے ہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے

سنا ہے: جس شخص نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے مسجد بنائی اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۵۰، صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۳۳، مسند احمد ج ۱ ص ۶۱ رقم الحدیث:۴۳۴، سنن الدارمی رقم الحدیث:۱۳۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۷۳۶، سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۸، جامع الاصول رقم الحدیث:۹۱۷۸)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے اس لیے مسجد بنائی تاکہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۵۴۳۱، سنن النسائی رقم الحدیث:۵۶۳۵، مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کو مسجد میں جائے یا شام کو مسجد میں جائے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر صبح اور شام کو جنت سے مہمانی تیار کرتا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۶۲، صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن اللہ کے سایہ کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہوگا: (۱) امام عادل، (۲) جو شخص اللہ کی عبادت میں جوان ہوا، (۳) جس شخص کا دل مسجد سے نکلنے کے بعد بھی مسجد میں معلق رہا حتیٰ کہ وہ دوبارہ مسجد میں آیا، (۴) وہ دو آدمی جو اللہ کی محبت میں جمع ہوئے اور اللہ کی محبت میں الگ الگ ہوئے، (۵) جس شخص نے تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں نے آنسو بہائے، (۶) جس شخص کو خوبصورت اور مقتدر عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں، (۷) جس شخص نے چھپا کر صدقہ دیا حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۶۰، ۱۴۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کو اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے ایک نماز کا اجر ملتا ہے اور قبائل کی مسجد میں نماز پڑھنے سے پچیس نمازوں کا اجر ملتا ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے پانچ سو نمازوں کا اجر ملتا ہے، اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا اجر ملتا ہے اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا اجر ملتا ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نمازوں کا اجر ملتا ہے۔
(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۴۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد نبوی کے گرد جگہ خالی ہوئی تو بنو سلمہ نے مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان سے فرمایا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں! یا رسول اللہ! ہمارا یہ ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا: اے بنو سلمہ! اپنے گھروں میں ہی رہو، تم جس قدر قدم چلتے ہو تمہاری اتنی ہی نیکیاں لکھی جاتی ہیں، (پھر فرمایا) اپنے گھروں میں ہی رہو تم جس قدر قدم چلتے ہو تمہاری اتنی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۶۵)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اندھیروں میں چل کر مسجدوں تک جاتے ہیں انہیں قیامت کے دن نور تام کی بشارت دے دو۔
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۵۶۱، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۳، المعجم الکبیر ج ۲ رقم الحدیث:۵۸۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں زمین والوں کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں پھر میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو میرے گھروں کو آباد رکھتے ہیں

اور جو میری وجہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور جو سحر کے وقت اٹھ کر مجھ سے استغفار کرتے ہیں تو میں ان سے عذاب کو پھیر دیتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو مسجد کی حفاظت کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الاخر۔ (التوبہ: ۱۸)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۲، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۲۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنت کے باغات سے گزرو تو اس میں چرا کرو۔ کہا گیا یا رسول اللہ! جنت کے باغات کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مساجد۔ پوچھا گیا ان میں چرنا کس طرح ہے؟ فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر (کہنا) (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۰۹)

مسجد کے احکام کے متعلق احادیث

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز (تحیۃ المسجد) پڑھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس بدبودار درخت (لہسن اور پیاز) میں سے کچھ کھایا وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے، کیونکہ جس چیز سے انسانوں کو ایذاء پہنچتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی ایذاء پہنچتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۵۵، ۸۵۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۴)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے تمام اعمال اچھے اور برے مجھ پر پیش کیے گئے، میں نے نیک اعمال میں دیکھا کہ تکلیف دہ چیز راستہ سے ایک طرف کر دی گئی، اور برے اعمال میں، میں نے دیکھا کہ بلغم کو مسجد میں دفن کیے بغیر چھوڑ دیا گیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسجد میں جس نیت سے آیا اس کا وہی حصہ ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب تم دیکھو کہ کوئی شخص اپنی گم شدہ چیز کی تلاش کے لیے مسجد میں چلا رہا ہے تو کہو اللہ تیری چیز کو واپس نہ کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۲۱، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۴۰۱)

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ مسجد میں دنیاوی باتیں کریں گے تم ان کے پاس مت بیٹھو اللہ کو ان کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۷۴۳)

امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد کے باہر ایک کھلی جگہ بنوادی تھی، جس کا نام 'بطیحا' تھا آپ نے فرمایا جو آدمی پہیلیاں اور بجھارتیں ڈالنا چاہتا ہو یا شعر پڑھنا چاہتا ہو یا آواز بلند کرنا چاہتا ہو وہ اس کھلی جگہ میں چلا جائے۔

(موطا امام مالک اثر: ۴۲۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، موطا مع الزرقانی رقم: ۴۲۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بچوں کو اور اپنے لڑائی جھگڑوں کو اور اپنی حدود (کے نفاذ) کو اور اپنی خرید و فروخت کو اپنی مسجدوں سے دور رکھو اور جمعہ کے دنوں میں مسجدوں میں کثرت سے جمع ہو اور اپنی مسجدوں کے دروازوں پر وضو کرنے کی جگہیں بناؤ۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ١٩٧٢٦، المعجم الکبیر ج ٢٠ رقم الحدیث: ٣٦٩، مسند الشامیین رقم الحدیث: ٣٥٨١)

حضرت ابوالدرداء، حضرت ابو امامہ اور حضرت واثلہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بچوں کو اور اپنے پاگل لوگوں کو اور اپنے برے لوگوں کو اور اپنی خرید و فروخت کو اور اپنے لڑائی جھگڑوں کو اور اپنی آوازوں کو اور اپنی تلوار سونتنے کو اور اپنی حدود قائم کرنے کو اپنی مسجدوں سے دور رکھو اور جمعہ کے دنوں میں کثرت سے اپنی مسجدوں میں جمع ہو اور اپنی مسجدوں کے دروازوں پر اپنی وضو کی جگہیں بناؤ۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٧٥٠، المعجم الکبیر ج ٨ رقم الحدیث: ٧٦٠١، مسند الشامیین رقم الحدیث: ٣٣٢٩، مجمع الزوائد ج ٢ ص ٢٦)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص (کی نیکیوں) کی مثل کر دیا جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں ہوں گے اور اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا○ (التوبہ: ١٩)

اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا کعبہ کو آباد کرنے سے افضل ہے

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا' ایک شخص نے کہا اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے کسی اور عمل کی ضرورت نہیں ہے سوا اس کے کہ میں حجاج کو پانی پلاتا رہوں گا۔ دوسرے شخص نے کہا مجھے اسلام لانے کے بعد کسی اور عمل کی ضرورت نہیں ہے مگر میں مسجد حرام کی زیارت کروں گا اور اس کو آباد رکھوں گا۔ تیسرے شخص نے کہا تم نے جو چیزیں بیان کی ہیں ان سے جہاد کرنا زیادہ افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آوازیں بلند نہ کرو اور وہ جمعہ کا دن تھا' لیکن میں جمعہ کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں دریافت کروں گا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح مسلم الامارۃ: ١١١ (١٨٧٩) ٤٧٨٨، مسند احمد رقم الحدیث ١٩٨٣٥، المعجم الاوسط ج ١ رقم الحدیث: ٢٢٣، جامع البیان جز ١٠ رقم الحدیث: ١٢٨٦٠، تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ١٠٠٦٣)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: غزوۂ بدر میں جب حضرت عباس بن عبدالمطلب کو قید کیا گیا تو انہوں نے کہا ہر چند کہ تم اسلام کو قبول کرنے میں اور ہجرت کرنے میں اور جہاد کرنے میں ہم پر سبقت کر چکے ہو لیکن ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں، حجاج کو پانی پلاتے ہیں اور قیدیوں کو چھڑاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ مشرکین نے کہا کہ بیت اللہ کی تعمیر کرنا اور حجاج کو پانی پلانا' ایمان لانے اور جہاد کرنے سے افضل ہے اور وہ لوگ حرم کی دیکھ بھال کرنے کی وجہ سے فخر اور تکبر کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیتیں بھی نازل فرمائیں:

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ○ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ○ (المومنون: ٦٧-٦٦)

بے شک تم پر میری آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ کر بھاگ جاتے تھے درآنحالیکہ تم تکبر کرتے تھے اور رات کو (اللہ کی آیتوں کے متعلق) بے ہودہ باتیں کرتے تھے۔

پس مشرکین نے جو کعبہ کی دیکھ بھال کی ہے اور حجاج کو پانی پلایا ہے' اس سے اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا کہیں افضل ہے۔

(جامع البیان جز ۱۰ ص ۱۲۳-۱۲۲' تفسیر امام ابن ابی حاتم ص ۱۷۶۷' تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۴-۳۸۳ طبع بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کیا' اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں O ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضا کی خوشخبری دیتا ہے اور ان جنتوں کی جن میں ان کے لیے دائمی نعمت ہے O وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں' بے شک اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے O (التوبہ: ۲۲-۲۱-۲۰)

سابقین صحابہ کی فضیلت اور اللہ کی رضا کا جنت سے افضل ہونا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ وہ مشرک جنہوں نے کعبہ کی حفاظت کی اور حجاج کو پانی پلایا ان مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کیا' ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس کی مزید وضاحت کی اور فرمایا: ان کا بہت بڑا درجہ ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ کی حفاظت کرنے والے مشرکوں کا بھی اللہ کے نزدیک کوئی درجہ ہے لیکن مسلمانوں کا بڑا درجہ ہے حالانکہ مشرکوں کے تمام نیک اعمال اکارت ہو جاتے ہیں اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں اللہ کے نزدیک ان کا کوئی درجہ نہیں ہے' البتہ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ ان کاموں کی وجہ سے اللہ کے نزدیک ان کا کوئی درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تمہارے گمان میں تمہارا جو بھی درجہ ہے ایمان لانے والوں' ہجرت کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کا تم سے بہت بڑا درجہ ہے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ O (النمل: ۵۹) — (آپ کہیے) کیا اللہ بہتر ہے یا جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے وضاحت کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک ایمان لانے والوں' ہجرت کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کا درجہ تمام مخلوق سے بڑا ہے' اور ان کا درجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ کی رحمت اور اس کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے' فوز کا معنی ہے اپنے مطلوب کو پا لینا اور ان کا مطلوب عذاب سے نجات اور ثواب کا حصول ہے اور اس کا مصداق فتح مکہ سے پہلے جہاد کرنے والے صحابہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ (الحدید: ۱۰)

(اے مسلمانو!) تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور جہاد کیا' ان کے برابر کوئی نہیں ہو سکتا ان کا ان سے بہت بڑا درجہ ہے جنہوں نے بعد میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ نے ان سب سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو سب و شتم نہ کرو (برا نہ کہو) پس اگر تم میں سے کوئی شخص (اللہ کی راہ میں) احد پہاڑ جتنا بھی خرچ کرے تو وہ ان کے خرچ کیے ہوئے ایک کلو

یا نصف کلو کے برابر نہیں ہو سکتا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۷۳، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۴۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۶۵۸، سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۸۶۱، مسند احمد ج ۳ ص ۵۴، ۶۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۰۹، تاریخ بغداد ج ۷ ص ۱۴۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۶۱)

آیت:۲۱ میں فرمایا ہے: ان کا رب ان کو رحمت اور رضا کی خوشخبری دیتا ہے۔ یہ رب کریم کا وعدہ ہے اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تیری اطاعت کے لیے موجود ہیں اور تمام خیر تیرے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے: اے رب! ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے حالانکہ تو نے ہمیں وہ کچھ دیا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تم کو اس سے زیادہ افضل چیز نہ دوں؟ وہ کہیں گے: اے رب! اس سے زیادہ افضل اور کیا چیز ہے؟ اللہ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رحمت اور رضا نازل کرتا ہوں، اس کے بعد میں کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۵۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۷۷۴۹، مسند احمد ج ۳ ص ۸۸)

سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ورضوان من اللہ اکبر۔ (التوبہ:۷۲) اللہ کی تھوڑی سی رضا بھی بہت بڑی چیز ہے، لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جنت کو معمولی نعمت سمجھا جائے اور جنت کی تحقیر کی جائے۔ جیسا کہ جاہل صوفی کرتے ہیں، جنت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس سے بھی بڑی نعمت اللہ کی رضا ہے لیکن یہ نعمت ہم کو جنت میں ہی حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں جنت کی طلب اور زیادہ فرمائے اور اپنے فضل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہمیں جنت عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے باپ دادا اور اپنے بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہوں، اور تم میں سے جو لوگ ان کو دوست بنائیں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں O

کفار اور مشرکین سے محبت کا تعلق رکھنا منع ہے اور بغیر محبت کے معاملات جائز ہیں

اس آیت میں تمام مومنین سے خطاب ہے اور اس کا حکم قیامت تک باقی ہے اور اس آیت میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے، لیکن مسلمان ملکوں میں جو کافر مسلمانوں کی اجازت سے رہتے ہیں ان کے ساتھ خرید و فروخت، مزدوری کرنے اور مزدوری کرانے اور ملکی، ملی اور سماجی امور میں ان سے تعاون کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے دوستی اور محبت رکھنے سے منع کیا ہے، اس آیت میں فرمایا ہے: تم اپنے کافر باپ دادا اور بھائیوں سے دوستی اور محبت نہ رکھو۔ اس آیت میں بیٹوں کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ بیٹے باپ کے تابع ہوتے ہیں اور فرمایا ہے: تم میں سے جو لوگ ان کو دوست بنائیں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ لوگ مشرک ہیں کیونکہ جو شخص شرک کے ساتھ راضی ہو وہ مشرک ہے لیکن یہ اس پر محمول ہے کہ جب وہ ان کے شرک کی وجہ سے ان کو پسند کرے اور اس وجہ سے ان سے محبت کرے اور اگر وہ کسی اور وجہ سے ان سے دوستی اور محبت رکھتا ہے تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا کافر اور مشرک نہیں ہوگا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ۔(المائدہ:۵۱)
اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔

یہود و نصاریٰ اور دیگر کافروں سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھے بغیر مسلمانوں کے مفاد میں ان سے دفاعی اور تجارتی معاہدے کرنے جائز ہیں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں سے معاہدے کیے اور حدیبیہ میں مکہ کے کافروں سے معاہدہ کیا اور آپ نے معاہدہ کی پابندی فرمائی تو ضرورت کی بنا پر کافر ملکوں سے معاہدے کرنا جائز ہیں۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے ماں باپ کافر ہیں تو ان سے صلہ رحم کرنا اور کافر رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا بھی جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔(لقمان:۱۵)
دنیا میں مشرک ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اور حدیث شریف میں ہے:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں، انہوں نے کہا میرے پاس میری ماں آئیں درآنحالیکہ وہ مشرکہ تھیں اور جب قریش نے مسلمانوں سے معاہدہ کیا تھا تو وہ ان کے ساتھ تھیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! میرے پاس میری ماں آئی ہیں درآنحالیکہ وہ اسلام سے اعراض کرنے والی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحم کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحم کرو۔
(صحیح مسلم، زکوٰۃ: ۵۰(۱۰۰۳)۲۲۸۸، صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۸)

اسی طرح جن مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ قتال کیا نہ کوئی اور ظلم کیا ان کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔(الممتحنہ:۸)
جن لوگوں نے دین میں تم سے جنگ نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تم کو ان کے ساتھ نیکی کرنے سے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

امام بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی۔ وہ ایک ایسی بستی میں داخل ہوئے جس میں ایک ظالم بادشاہ تھا۔ اس نے حضرت سارہ کے متعلق کہا ان کو آجر (ہاجر) دے دو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زہر آلود بکری ہدیہ کی گئی، اور ابو حمید نے کہا: ایلہ کے بادشاہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خچر ہدیہ کیا اور آپ کو ایک چادر پہنائی اور آپ نے اس سرزمین پر اس بادشاہ کی حکومت کے لیے لکھا۔ (صحیح البخاری باب قبول الهدیة من المشرکین ص ۵۴۳، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ کفار اور مشرکین سے دوستی اور محبت کرنا منع ہے، اور بغیر دوستی اور محبت کے ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا، ان سے تحائف لینا اور ان کو تحائف دینا، ان سے قرض اور خرید و فروخت کا معاملہ کرنا جائز ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ایک ماہ کے ادھار پر طعام خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھ دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰۳) اور حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک سے ایک بکری خریدی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۵۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) آپ کہئے کہ اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور تمہاری تجارت جس کے گھاٹے کا تمہیں خطرہ ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان، تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا○ (التوبہ: ۲۴)

اپنے باپ، بیٹے، بھائی، بیوی، قریبی اعزہ، وطن، تجارت اور مال و دولت سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہونا

انسان کو فطری طور پر اپنے باپ دادا، بیٹے، بیویاں اور دیگر قریبی رشتہ دار بہت محبوب ہوتے ہیں، اسی طرح اس کو اپنا کمایا ہوا مال اور اپنا کاروبار بھی بہت مرغوب ہوتا ہے اور اپنے رہائشی مکان بھی اس کو بہت پسند ہوتے ہیں اور ان سب کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں چلے جانا اس کے لیے بہت دشوار ہوتا ہے اس لیے ہجرت کرنا اس پر طبعاً گراں ہوتا ہے اور اپنی جان بھی اس کو بہت پیاری ہوتی ہے اس لیے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس پر بہت شاق ہوتا ہے، اور شیطان بھی اس کو ہجرت کرنے اور جہاد کرنے سے ورغلاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت سبرہ بن ابی فاکہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شیطان ابن آدم کے راستوں میں بیٹھ جاتا ہے، وہ اسلام کے راستہ میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے تم اپنے دین اور اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑ رہے ہو؟ ابن آدم شیطان کی بات رد کر کے اسلام قبول کر لیتا ہے، پھر وہ اس کی ہجرت کے راستہ میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے تم ہجرت کر کے اپنے وطن کی زمین اور آسمان کو چھوڑ رہے ہو، مہاجر کی مثال تو اس گھوڑے کی طرح ہے جو رسی سے بندھا ہوا ہو (یعنی تم ایک اجنبی شہر میں جا کر مقید ہو جاؤ گے اور کسی جگہ آ جا نہیں سکو گے) ابن آدم شیطان کی اس بات کو بھی رد کر کے ہجرت کرتا ہے، پھر شیطان اس کے جہاد کے راستہ میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے تم جہاد کرنے جا رہے ہو، تم اپنی جان اور مال کو خطرہ میں ڈالو گے، تم جہاد میں مارے جاؤ گے، تمہاری بیوی دوسرا نکاح کر لے گی، تمہارا مال تقسیم ہو جائے گا۔ ابن آدم اس کی اس بات کو بھی رد کر کے جہاد کے لیے چلا جاتا ہے۔ جس مسلمان نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے...... الحدیث۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۴)

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں پر یہ واجب کیا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں، مال و دولت، اپنے مکانوں بلکہ خود اپنی جانوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو محبوب رکھیں، اور اللہ کے رسول کی محبت میں اپنے وطن سے ہجرت کریں اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔

اللہ کی محبت کا کیا معنی ہے، اللہ بندوں سے کس طرح محبت کرتا ہے اور بندے اس سے کس طرح محبت کریں، اس کی پوری تفصیل ہم نے آل عمران: ۳۱ میں بیان کر دی ہے، اس کو وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا کیا معنی ہے، آپ سے محبت کی کیا وجوہات ہیں اور آپ سے محبت کی کیا علامات ہیں، اس کو ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۱-۴۲۵ میں بیان کر دیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں اور تبرکاً چند حدیثیں یہاں بھی ذکر کی جاتی ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک

مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵ صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۴، سنن النسائی رقم الحدیث:۵۰۱۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۶۷، مسند احمد رقم الحدیث:۱۲۸۱۴، طبع جدید)

زہرہ بن معبد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم یا رسول اللہ! اپنی جان کے سوا آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں۔ پھر حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب اے عمر! (مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۶، طبع قدیم)

صحابہ کرام محبت کے اس معیار کا کامل نمونہ تھے

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باپ دادا اور اولاد سے زیادہ محبوب ہوں اور جنگ بدر میں جب عتبہ بن ربیعہ نے مبارزت کی اور مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا تو حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ مقابلہ کے لیے آگے بڑھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم بیٹھ جاؤ۔
(کتاب المغازی للواقدی ج ۱ ص ۷۰، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۴۰۴ھ)

ابن شوذب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے باپ ان کو اپنے بت دکھا رہے تھے اور حضرت ابوعبیدہ ان سے اعراض کر رہے تھے، لیکن جب ان کے باپ باز نہ آئے، بت دکھاتے رہے اور ان کی تعریف کرتے رہے تو حضرت ابوعبیدہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور پھر ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (المجادلہ: ۲۲)

(اے رسول مکرم!) جو لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرنے والا نہ پائیں گے خواہ (وہ دشمن) ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتہ دار ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو جاگزیں کر دیا ہے اور اپنی طرف کی پسندیدہ روح سے ان کی تائید فرمائی ہے، اور وہ ان کو ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں۔ سنو! اللہ کے لشکر کے لوگ ہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث:۳۶۰، المستدرک ج ۳ ص ۲۶۵۔ ۲۶۴، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام طبرانی کی سند جید ہے، الاصابہ ج ۳ ص ۴۷۶، رقم:۴۴۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو حافظ بیہقی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ان کے رشتہ داروں سے زیادہ محبوب ہوں اور

حدیث میں ہے کہ جنگ بدر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے مسلمانوں کو لڑنے کے لیے للکار رہے تھے۔ حضرت ابوبکر نے ان کے مقابلہ پر جانا چاہا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ذات سے ہمیں فائدہ پہنچاؤ۔ (الاستیعاب ج ۲ ص ۳۶۸، رقم: ۱۴۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنے ماموں العاص بن ہشام بن المغیرہ کو قتل کر دیا تھا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۲۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ مذکور الصدر آیت (المجادلہ: ۲۲) کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

ابن جریج نے کہا مجھے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ ابو قحافہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تو حضرت ابوبکر نے ابو قحافہ (حضرت ابوبکر کا باپ) کو اس زور سے تھپڑ مارا کہ وہ گر پڑا، پھر انہوں نے اس واقعہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے پوچھا: کیا تم نے ایسا کیا؟ عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اس کو قتل کر دیتا، تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی شان میں نازل ہوئی جب انہوں نے جنگ احد میں اپنے باپ عبداللہ بن الجراح کو قتل کر دیا اور حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی جب جنگ بدر میں ان کے بیٹے عبدالرحمن نے مسلمانوں کو جنگ کے لیے للکارا تو حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ذات سے ہمیں فائدہ پہنچاؤ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ تم میرے لیے میری آنکھوں اور میرے کانوں کے مرتبہ میں ہو۔ اور حضرت مصعب بن عمیر کی شان میں نازل ہوئی جب انہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو جنگ احد میں قتل کر دیا اور حضرت عمر کی شان میں نازل ہوئی جب انہوں نے اپنے ماموں العاص بن ہشام بن المغیرہ کو جنگ بدر میں قتل کر دیا اور حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کی شان میں نازل ہوئی جب انہوں نے عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا اور یہ صحابہ اس آیت کے اس حصہ کے مصداق ہیں خواہ وہ (دشمن) ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے قریبی رشتہ دار۔

(اسباب النزول للواحدی ص ۴۳۴ رقم الحدیث: ۷۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، اسباب النزول للسیوطی ص ۸۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سورۂ توبہ کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنے باپ دادا، اپنے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنی بیویوں اور اپنے قریبی رشتہ داروں سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھیں اور ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مختلف جنگوں میں صحابہ کرام نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اپنے باپ، بھائی اور دیگر قریبی رشتہ داروں کو قتل کر دیا اور ہم اس سے پہلے التوبہ: ۱۲ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ ایک نابینا صحابی کے ایک باندی سے دو کمسن بچے تھے لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتی تھی تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۶۱) اور حضرت عمیر بن امیہ کی ایک بہن تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرتی تھی تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ (المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۶۵-۶۴) اسی طرح صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور اپنے رشتہ داروں کے علاوہ اپنے وطن، اپنے پسندیدہ مکانوں اور اپنے جمع شدہ مال اور اپنے کاروبار اور تجارت کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عدی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت صہیب بن سنان سے روایت کیا ہے کہ میں بعثت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تھا' کہا جاتا ہے کہ جب حضرت صہیب نے ہجرت کی تو مشرکین کی ایک جماعت نے ان کا پیچھا کیا۔ حضرت صہیب نے کہا: اے قریش کی جماعت! میں تم سب سے بڑا تیر انداز ہوں اور جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہے تو تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ تیر ختم ہونے کے بعد میں اپنی تلوار سے تم پر وار کروں گا سو اگر تم میرا مال چاہتے ہو تو میں تم کو اس کا پتا بتاتا ہوں۔ کفار قریش اس پر راضی ہو گئے۔ حضرت صہیب نے ان سے معاہدہ کیا اور ان کو اپنے مال کا پتا بتا دیا' وہ واپس گئے اور حضرت صہیب کا مال اپنے قبضہ میں کر لیا۔ جب حضرت صہیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری تجارت فائدہ مند رہی' اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ٢٠٧) اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی رضا کی طلب میں اپنی جان کو بیچ ڈالتے ہیں۔

(الاصابہ ج ٣ ص ٣٦٥' رقم: ٤١٢٤' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' کامل ابن عدی ج ٧ ص ٢٦٢٦' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

سو واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کو اپنے باپ' بیٹوں اور تمام رشتہ داروں' وطن' مکان' تجارت اور مال و دولت ہر چیز سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ

بے شک اللہ نے بہ کثرت مواقع پر تمہاری مدد فرمائی اور (غزوہ) حنین کے دن (بھی)' جب

اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْــًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ

تمہاری کثرت نے تمہیں گھمنڈ میں مبتلا کر دیا تھا (حالانکہ) اس کثرت نے تم سے کسی چیز کو دور نہیں کیا اور زمین اپنی

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ

وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی' پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹے ○ پھر اللہ نے اپنے رسول پر

سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا

طمانیت قلب نازل فرمائی اور ایمان والوں پر (بھی) اور اس نے ایسے لشکر اتارے

لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾

جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے ○

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ

پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ

بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ○ اے ایمان والو تمام مشرک

نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ

محض نجس ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ

هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ

آئیں، اور اگر تم فقر کا خوف کرو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ تم کو عنقریب اپنے

فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٨﴾ قَاتِلُوا

فضل سے غنی کر دے گا، بے شک اللہ بے حد جاننے والا بہت حکمت والا ہے ○ ان لوگوں سے قتال

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا

کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر اور نہ

يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ

وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دین حق کو

الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

قبول کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب دی گئی (تم ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے

يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾ ع ع ٥ ١٠

ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ نے بکثرت مواقع پر تمہاری مدد فرمائی اور (غزوہ) حنین کے دن (بھی) جب تمہاری کثرت نے تمہیں گھمنڈ میں مبتلا کر دیا تھا، (حالانکہ) اس کثرت نے تم سے کسی چیز کو دور نہیں کیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹے ○ پھر اللہ نے اپنے رسول پر طمانیت قلب نازل فرمائی، اور ایمان والوں پر (بھی) اور اس نے ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے ○ پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ○ (التوبہ: ٢٧-٢٥)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنے مشرک باپ، بیٹوں، بھائیوں، بیویوں اور قریبی رشتہ داروں سے احتراز کریں اور اپنے اموال، تجارت، مکانوں اور کاروبار کو دین کے مفاد کے لیے ترک کر دیں اور چونکہ یہ امر طبعی طور پر مسلمانوں کے لیے مشکل اور دشوار تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے غزوہ حنین کی مثال سے یہ بیان فرمایا کہ جو شخص دین کی خاطر دنیا کو ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیاوی مطلوب بھی عطا فرماتا ہے، کیونکہ غزوہ حنین میں جب مسلمانوں نے اپنی کثرت پر اعتماد اور بھروسہ کیا تو وہ شکست کھا گئے، پھر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف گڑگڑا کر رجوع کیا تو انہوں نے کفار کے لشکر کو شکست دے دی اور کافی مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا، اس سے معلوم ہوا کہ جب انسان دنیا پر اعتماد کرتا ہے تو دین اور دنیا دونوں اس کے ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں اور جب وہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور دین کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے تو اللہ اس کو دین اور دنیا دونوں عطا فرماتا ہے۔

وادی حنین کا محل وقوع

مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک وادی ہے جس کا نام حنین ہے۔ (کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۸۵، طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۴۹) حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ذوالمجاز کے پہلو میں طائف کے قریب یہ وادی ہے۔ عرفات کی جہت میں یہ مکہ سے دس بارہ میل ہے، ابو عبید بکری نے کہا ہے کہ حنین بن قابشہ بن مہلائیل کے نام پر اس وادی کا نام حنین پڑ گیا۔
(فتح الباری ج ۸ ص ۲۷)

اہل حنین کی مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری

ہرچند کہ مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا لیکن جب تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا قبائل عرب مطمئن تھے، ان کا خیال تھا کہ اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو وہ واقعی سچے نبی ہیں، اور جب مکہ فتح ہو گیا تو بہت سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا، لیکن ہوازن اور ثقیف دو قبیلے بہت جنگجو اور فنون حرب کے ماہر تھے، انہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اس وقت مسلمان مکہ میں جمع ہیں اس لیے سب مل کر ان پر حملہ کر دیں، ان کے لشکر میں ہوازن اور ثقیف کی تمام شاخیں شریک تھیں لیکن کعب اور کلاب ان سے الگ رہے۔ ان کے لشکر کے سپہ سالار مالک بن عوف تھے۔ (یہ بعد میں طائف میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے دمشق کو فتح کیا اور جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے۔ الاصابہ رقم: ۷۶۸۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل حنین سے جہاد کی تیاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مکہ میں ہوازن اور ثقیف کی جنگی تیاریوں کی خبر پہنچی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو تحقیق کے لیے حنین بھیجا۔ انہوں نے حنین میں کئی دن جاسوسی کی پھر آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالات سے مطلع کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کی تیاری کی، مکہ میں صفوان بن امیہ امیر شخص تھا اور اس کے پاس کافی اسلحہ تھا۔ وہ اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا آپ نے اس سے اسلحہ مستعار لیا، امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اے صفوان! کیا تمہارے پاس ہتھیار ہیں؟ اس نے پوچھا: آپ عاریتاً لینا چاہتے ہیں یا غصب کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں عاریتاً لینا چاہتا ہوں۔ اس نے آپ کو تیس چالیس زرہیں عاریتاً دیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین میں گئے۔ جب مشرکین شکست کھا گئے تو صفوان کی زرہیں جمع کی گئیں تو اس نے کئی زرہیں گم پائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے فرمایا: ہم سے تمہاری کئی زرہیں گم ہو گئیں، کیا ہم تم کو ان کا تاوان ادا

کریں؟ اس نے کہا: نہیں یارسول اللہ! کیونکہ میرے دل میں جو اب (آپ کی محبت) ہے وہ اس وقت نہیں تھی۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۶۳، سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ج ۴ ص ۲۰۸، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۷۵۲ طبع جدید)

اسماعیل بن ابراہیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین کے لیے گئے تو ان سے تیس یا چالیس ہزار درہم قرض لیے، پھر جب آپ واپس آئے تو آپ نے وہ سب قرض ادا کر دیا، پھر ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تمہارے اہل اور مال میں برکت دے۔ قرض کی جزا یہ ہے کہ اس کو واپس کیا جائے اور (قرض خواہ کا) شکریہ ادا کیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۲۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ حنین کے لیے روانہ ہونا

امام ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ ان تیاریوں کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوازن کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ دس ہزار وہ صحابہ تھے جو مدینہ سے آپ کے ساتھ فتح مکہ کے لیے آئے تھے اور دو ہزار وہ نو مسلم صحابہ تھے جو مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کو طلقاء کہا جاتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۷۵۲) نیز امام محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ بیس رمضان آٹھ ہجری کو مکہ فتح ہوا تھا اور پانچ شوال آٹھ ہجری کو آپ ہوازن کی طرف روانہ ہوئے، اس طرح ان کا گمان یہ ہے کہ فتح مکہ کے پندرہ دن بعد آپ ہوازن کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ابن مسعود سے یہی روایت ہے اور عروہ بن الزبیر کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد کا اور امام ابن جریر کا بھی یہی مختار ہے اور امام واقدی نے یہ کہا ہے کہ آپ چھ شوال کو روانہ ہوئے اور دس شوال کو حنین پہنچ گئے۔ بارہ ہزار کا کثیر تعداد لشکر دیکھ کر حضرت ابوبکر نے یہ کہا کہ آج ہم لشکر کی قلت کی وجہ سے شکست یاب نہیں ہوں گے، تو مسلمانوں کو شکست ہوئی، پہلے بنو سلیم کو شکست ہوئی، پھر اہل مکہ کو، پھر تمام مسلمانوں کو۔
(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۲۴، طبع جدید ۱۴۱۸ھ)

بعض نو مسلم صحابہ کا حنین کے راستے میں ذات انواط کی تمنا کرنا

امام ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حارث بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف گئے۔ ہم اس وقت زمانہ جاہلیت سے نئے نئے نکلے ہوئے تھے۔ کفار قریش اور دیگر عرب کے لیے ایک سرسبز درخت تھا جس کو ذات انواط کہتے تھے۔ وہ ہر سال اس درخت پر آتے اور اس پر اپنا اسلحہ لٹکاتے اور وہاں جانور ذبح کرتے اور وہاں ایک دن اعتکاف کرتے۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف جا رہے تھے تو ہم نے بیری کا ایک بہت بڑا سرسبز درخت دیکھا ہم نے کہا یارسول اللہ! اس درخت کو ہمارے لیے ذات انواط کر دیجئے جیسے ان کا ایک درخت ذات انواط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر! تم نے ایسی بات کہی ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہی تھی: ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں، حضرت موسیٰ نے فرمایا: تم جاہل لوگ ہو۔ (الاعراف: ۱۳۸) یہ ان لوگوں کی عادتیں تھیں اور تم میں بھی ان کی عادتیں سرایت کریں گی۔ (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ج ۴ ص ۲۴)
(مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۸، ۱المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۷۵، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۷۶۳، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۴۸)

حنین میں ابتدائی شکست، شکست کے اسباب اور آپ کو چھوڑ کر بھاگنے والوں کی تعداد

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابو عمارہ! کیا تم جنگ حنین کے دن بھاگ پڑے تھے، انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری تھی، بلکہ امر واقعہ یہ تھا کہ

آپ کے اصحاب میں سے چند جلد باز اور نہتے نوجوان آگے نکلے اور ان کا مقابلہ ہوازن اور بنو نضر کے تیر اندازوں سے ہوا جن کا کوئی تیر خطا نہیں جاتا تھا۔ انہوں نے اس طرح تاک تاک کر تیر برسائے کہ ان کا کوئی تیر خطا نہیں گیا' پھر یہ جوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہٹ آئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفید خچر پر سوار تھے' اور ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب اس کے آگے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خچر سے اترے اور اللہ سے مدد طلب کی' اس وقت آپ یہ فرما رہے تھے: میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے' میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۳۰' صحیح مسلم مغازی: ۷۸' (۱۷۷۶) ۴۵۳۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۸۸' مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۰)

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ قیس کے ایک شخص نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا' کیا تم غزوۂ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ حضرت براء نے کہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے سامنے سے نہیں ہٹے۔ ہوازن کے جوان اس دن تیر اندازی کر رہے تھے' ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے' اور جب ہم مال غنیمت لوٹنے لگے تو انہوں نے ہمیں تیروں پر رکھ لیا اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور حضرت ابو سفیان بن حارث اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور آپ فرما رہے تھے: میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے' میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ (صحیح مسلم' مغازی: ۸۰' (۱۷۷۶) ۴۵۳۷)

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

جب ہوازن کی تیر اندازی سے بھگدڑ مچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب ہو گئے' پھر آپ نے فرمایا: لوگ کہاں ہیں؟ میرے پاس آئیں' میں اللہ کا رسول ہوں اور میں محمد بن عبداللہ ہوں' کچھ نہیں ہوا' اونٹ ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے' اور مسلمان بھاگ گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مہاجرین اور انصار اور آپ کے اہل بیت میں سے چند لوگ تھے۔ مہاجرین میں سے جو آپ کے ساتھ ثابت قدم رہے وہ حضرت ابوبکر اور عمر تھے اور اہل بیت میں سے حضرت علی بن ابی طالب' حضرت عباس بن عبدالمطلب' حضرت ابو سفیان بن الحارث اور ان کے بیٹے' اور حضرت فضل بن عباس اور ربیعہ بن الحارث اور حضرت اسامہ بن زید اور ایمن بن عبید تھے اور ایمن اس دن شہید ہو گئے تھے۔

(سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ج ۴ ص ۲۱۲' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۲۹ طبع جدید' سیرت ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۶' بیروت)

امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جب مسلمان شکست کھا گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارثہ بن النعمان سے فرمایا: اے حارثہ ثابت قدم رہنے والے کتنے ہیں؟ تو انہوں نے دائیں بائیں دیکھ کر کہا ایک سو ہیں' حتیٰ کہ جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازے پر حضرت جبرئیل سے کلام کر رہے تھے اس وقت وہاں سے حضرت حارثہ گزرے تو حضرت جبرئیل نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حارثہ بن النعمان ہے' تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ ان سو مسلمانوں میں سے ہیں جو یوم حنین میں ثابت قدم رہے اور روایت ہے کہ ان سو میں سے تینتیس مہاجرین تھے اور باقی انصار تھے۔ (کتاب المغازی للواقدی ج ۳ ص ۹۰۰-۹۰۱ ملخصاً مطبوعہ عالم الکتب بیروت' ۱۴۰۴ھ)

غزوۂ حنین میں ابتدائی شکست کے بعد فتح اور کامرانی

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا' میں اور

حضرت سفیان بن الحارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے' اور آپ سے بالکل الگ نہیں ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سفید رنگ کی خچر پر سوار تھے جو آپ کو فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیہ کی تھی۔ جب مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر کو کفار کی جانب دوڑا رہے تھے' حضرت عباس نے کہا میں خچر کی لگام تھام کر اس کو تیز بھاگنے سے روک رہا تھا اور حضرت ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عباس اصحاب سمرہ کو آواز دو' حضرت عباس بلند آواز شخص تھے۔ وہ کہتے ہیں میں نے بہ آواز بلند پکارا اصحاب سمرہ کہاں ہیں (سمرہ وہ درخت ہے جس کے نیچے صحابہ نے بیعت رضوان کی تھی' اس کا معنی یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو آواز دو جنہوں نے حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کی تھی) حضرت عباس نے کہا بخدا یہ آواز سنتے ہی وہ اس طرح پلٹے جیسے گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے۔ وہ یالبیک! یالبیک! کہتے ہوئے دوڑے آئے اور انہوں نے کافروں سے لڑنا شروع کر دیا۔ انہوں نے انصار کو بلایا وہ کہتے تھے اے انصار کی جماعت! اے انصار کی جماعت! پھر بنو حارث بن خزرج کو بلایا گیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ درآنحالیکہ آپ خچر پر سوار تھے' آپ ان کی جنگ کا منظر دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تنور گرم ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اٹھائیں اور کفار کے چہروں کی طرف پھینکیں اور فرمایا: رب محمد کی قسم! یہ شکست کھا گئے۔ حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ لڑائی اسی تیزی کے ساتھ جاری تھی کہ آپ نے چند کنکریاں اٹھا کر کفار کے چہروں پر ماریں (اس باب کی آخری روایت میں ہے آپ نے فرمایا "ان کا منہ کالا ہو گیا") بخدا میں نے دیکھا کہ ان کا زور ٹوٹ گیا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔

(صحیح مسلم' مغازی: ۷۶ (۱۷۷۵) ۴۵۳۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۶۵۳' تفسیر عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۶۴)

یوم حنین میں فرشتوں کا نزول

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: پھر اللہ نے اپنے رسول پر طمانیت قلب نازل فرمائی اور ایمان والوں پر (بھی) اور اس نے ایسے لشکر اتارے' جن کو تم نے نہیں دیکھا۔

ہوازن کی تیر اندازی سے جو مسلمان اچانک گھبرا گئے تھے اور مسلمانوں کے بھاگنے سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تشویش لاحق ہوئی تھی' اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے کفار کو مغلوب کر دیا اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشویش دور ہو گئی اور مسلمانوں کے دل مطمئن ہو گئے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ غزوۂ حنین میں فرشتوں کا نزول صرف اس لیے ہوا تھا کہ وہ مسلمانوں کے دلوں کو مطمئن کریں۔ (تفسیر کبیر' ج ۶ ص ۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ فرشتوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ فرشتے پانچ ہزار تھے' ایک قول ہے آٹھ ہزار تھے اور ایک قول ہے سترہ ہزار فرشتے تھے۔ (بیضاوی علی ہامش الخفاجی ج ۴ ص ۳۱۵) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ فرشتوں کا نزول حنین میں اس لیے ہوا تھا کہ وہ مسلمانوں کے دل مضبوط کریں اور کافروں کے دل کمزور کریں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۳۷)

اہل حنین کو عذاب دینے کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور کافروں کو عذاب دیا یعنی مسلمانوں کی تلواروں سے ہوازن اور ثقیف کو قتل کیا گیا اور ان کو قید کیا گیا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جنگ حنین میں حضرت علی نے اپنے ہاتھ سے چالیس کافروں کو قتل کیا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار ہزار کو گرفتار کیا۔ ایک قول چھ ہزار کا ہے اور ایک قول بارہ ہزار اونٹ سواروں کا ہے۔ (الجامع

لاحکام القرآن جز ۳ ص ۳۵) امام ابن اسحٰق نے کہا کہ غزوۂ حنین میں ثقیف کے ستر کافر قتل کیے گئے۔ (البدایہ ج ۳ ص ۵۴۰) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مال غنیمت جمع کیا جائے لہٰذا اونٹ، بکریوں اور غلاموں کو جمع کیا گیا اور آپ نے حکم دیا کہ تمام مال غنیمت کو جعرانہ میں محفوظ کیا جائے اور مال غنیمت کی نگرانی پر آپ نے حضرت مسعود بن عمر غفاری کو مامور فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۴۳، طبع جدید)

اہل حنین میں سے ہوازن اور ثقیف کا اسلام قبول کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا۔ یعنی حنین کے رہنے والے ہوازن اور ثقیف جو شکست کھا چکے تھے ان میں سے جس کی اللہ چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا اور ان کو اسلام کی ہدایت دے گا۔ چنانچہ حنین کے رئیس مالک بن عوف نصری اور ان کی قوم نے اسلام قبول کر لیا۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام ابن اسحاق نے مغازی میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں تھے۔ جب آپ نے ہوازن کا مال و متاع بطور غنیمت لے لیا اور ان کے لڑنے والوں کو غلام اور باندیاں بنا لیا اور یہ مال غنیمت اور قیدی جعرانہ بھیج دیئے۔ ہوازن مسلمان ہو گئے اور ان کا وفد جعرانہ میں آیا، ادھر ہوازن کا مال غنیمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے تقسیم ہو چکا تھا اور اس سے پہلے کہ آپ جعرانہ سے عمرہ کے لیے روانہ ہوئے، امام ابن اسحٰق نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے لوٹے اور جعرانہ پہنچے اس وقت آپ کے پاس ہوازن کے بہت سے قیدی تھے۔ آپ سے ایک شخص نے کہا تھا یا رسول اللہ! ثقیف کے لیے دعاء ضرر کیجئے۔ آپ نے دعا کی اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو یہاں لے آ، پھر آپ کے پاس ہوازن کا وفد جعرانہ میں آیا۔ اس وقت آپ کے پاس ان کے چھ ہزار قیدی تھے اور ان کے اموال میں سے چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ ہوازن کے وفد کی درخواست اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب درج ذیل حدیث میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۶)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آپ کے پاس آیا تو آپ کھڑے ہو گئے، انہوں نے یہ سوال کیا کہ ان کے اموال اور ان کے قیدی ان کو واپس کر دیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک سب سے پسندیدہ بات وہ ہے جو سب سے سچی ہو، تم دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لو۔ قیدی یا مال۔ رہا مال تو میں تمہارا انتظار کرتا رہا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے لوٹے تو دس پندرہ دن ان کا انتظار کرتے رہے تھے۔ جب ہوازن کو یہ یقین ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو چیزوں میں سے صرف ایک چیز واپس کریں گے تو انہوں نے کہا ہم اپنے قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں کھڑے ہوئے، پہلے آپ نے اللہ کی وہ حمد و ثناء کی جس کے وہ لائق ہے پھر آپ نے فرمایا، حمد و ثنا کے بعد میں یہ بتاتا ہوں کہ تمہارے یہ بھائی ہمارے پاس توبہ کر کے آئے ہیں اور میں نے یہ مناسب جانا ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس کر دوں، تم میں سے جس کو یہ فیصلہ پسند ہو وہ ان کے قیدی واپس کر دے اور تم میں سے جو شخص اپنا حصہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہو تو اس کے بعد اللہ ہمیں جو مال غنیمت عطا فرمائے گا ہم اس میں سے اس کو دے دیں گے تو وہ ایسا کر لے۔ مسلمانوں نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ان لوگوں کو ان کے آدمی خوشی سے واپس کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم از خود نہیں جانتے تم میں سے کس نے (خوشی سے) اجازت دی ہے اور کس نے اجازت نہیں دی، تم واپس جاؤ اور ہمارے پاس ان لوگوں کو بھیجو جو تمہارے معاملات کی دیکھ

بھال کرتے ہیں، لوگ واپس گئے اور انہوں نے اپنے مختاران کار اور اپنے وکیلوں سے مشورہ کیا پھر واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ انہوں نے خوشی سے قیدی واپس کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۹۸-۲۳۰۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۳، تفسیر عبد الرزاق ج ۱ ص ۲۴۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تمام مشرک محض نجس ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں اور اگر تم فقر کا خوف کرو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ تم کو عنقریب اپنے فضل سے غنی کر دے گا بے شک اللہ بے حد جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ○ (التوبہ: ۲۸)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ۹ ہجری کے بعد کافروں اور مشرکوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع فرما دیا ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ ممانعت صرف مسجد حرام کے ساتھ مختص ہے یا کسی مسجد میں بھی مشرکوں کا داخل ہونا جائز نہیں ہے اور یہ کہ مشرکین کسی صورت میں مسجد میں داخل نہیں ہو سکتے یا یہ ممانعت کسی قید کے ساتھ مقید ہے، اس میں فقہاء کے حسب ذیل مسالک ہیں:

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

امام فخر الدین رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ کفار کو صرف مسجد حرام میں دخول سے منع کیا جائے گا، اور امام مالک کے نزدیک ان کو تمام مساجد میں دخول سے منع کیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مسجد حرام میں دخول سے منع کیا جائے گا نہ کسی اور مسجد سے، اس آیت کے صریح الفاظ سے امام ابو حنیفہ کا مذہب باطل ہے اور اس آیت کے مفہوم مخالف سے امام مالک کا قول باطل ہے: ہم یہ کہتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ کفار کو مسجد میں دخول سے نہ منع کیا جائے لیکن اس صریح نص قطعی کی وجہ سے ہم نے اس اصل کی مخالفت کی اور کفار کو مسجد میں دخول کی اجازت دی اور مسجد حرام کے علاوہ باقی مساجد میں ہم نے اصل پر عمل کیا اور ان مساجد میں کفار کو داخل ہونے کی اجازت دی۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۵ھ)

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اہل مدینہ (مالکیہ) نے کہا کہ یہ آیت تمام مشرکین اور تمام مساجد کے حق میں عام ہے۔ عمر بن عبد العزیز نے اپنے عمال کو یہی حکم لکھوایا تھا اور اس حکم کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۔ (النور: ۳۶) اللہ کے ان گھروں میں، جنہیں اللہ نے بلند کرنے کا حکم دیا ہے، ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔

اور کفار کا مساجد میں داخل ہونا اللہ کی مساجد کے بلند کرنے کے منافی ہے اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہے: "ان مساجد میں پیشاب کرنا یا کسی قسم کی کوئی اور نجاست ڈالنا جائز نہیں ہے" اور کافران نجاستوں سے خالی نہیں ہے (یعنی وہ استنجا کرتا ہے نہ پاکیزگی حاصل کرتا ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مسجد کو حائض اور جنبی کے لیے حلال نہیں کرتا، اور کافر جنبی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انما المشرکون نجس (التوبہ: ۲۸) مشرکین نجس ہیں، اب یا تو یہ نجس العین ہیں یا حکماً نجس ہیں اور ہر صورت میں ان کو مساجد سے منع کرنا واجب ہے کیونکہ منع کرنے کی علت "نجاست" ان میں موجود ہے اور مساجد میں حرمت موجود ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

حرم میں ذمیوں کا داخل ہونا کسی صورت میں جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ مشرکین نجس ہیں تو اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ جائیں۔

(التوبہ: ۲۸)

غیر حرم کی مساجد کے متعلق دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اجازت کے بغیر ان کا مساجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک مجوسی مسجد میں داخل ہو کر منبر پر بیٹھ گیا تو حضرت علی نے اس کو منبر سے اتار کر مارا اور مسجد کے دروازوں سے نکال دیا اور مسلمانوں کی اجازت سے ان کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے اور یہی صحیح مذہب ہے، کیونکہ اسلام لانے سے پہلے اہل طائف کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا اور سعید بن مسیب نے کہا کہ ابوسفیان حالت شرک میں مدینہ کی مسجد میں آتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عمیر بن وہب آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے مسجد نبوی میں داخل ہوئے (اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتا دیا کہ تم کس ارادہ سے آئے ہو) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دولت اسلام سے سرفراز کر دیا۔

اور دوسری روایت ہے کہ کافروں کا کسی صورت میں بھی مسجد میں دخول جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوموسیٰ، حضرت عمر کے پاس گئے۔ ان کے پاس ایک مکتوب تھا جس میں عمال کا حساب لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمر نے کہا اس کے لکھنے والے کو لاؤ تاکہ وہ اس کو پڑھ کر سنائے۔ حضرت ابوموسیٰ نے کہا وہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر نے پوچھا: کیوں؟ حضرت ابوموسیٰ نے کہا وہ نصرانی ہے، اس اثر میں یہ دلیل ہے کہ کافروں کا مسجد میں داخل نہ ہونا صحابہ کرام کے درمیان مشہور و معروف اور مقرر ہے، نیز جنابت، حیض اور نفاس کا حدث مسجد میں دخول سے مانع ہے تو شرک کا حدث بطریق اولیٰ مانع ہوگا۔

(المغنی ج ۹ ص ۲۸۷-۲۸۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ مشرک مسجد حرام میں داخل نہیں ہوگا اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی اور مسجد میں بھی داخل نہیں ہو سکتا، البتہ ذمی کسی ضرورت کی بنا پر مسجد میں جا سکتا ہے، مثلاً کسی مقدمہ کی پیروی کے لیے حاکم کے پاس مسجد میں جا سکتا ہے، اور ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) نے یہ کہا ہے کہ ذمی کے لیے تمام مساجد میں داخل ہونا جائز ہے، اور اس آیت کے دو محمل ہیں: اول یہ کہ یہ آیت غیر ذمی مشرکین کے لیے ہے جو مشرکین عرب ہیں، ان کو مکہ مکرمہ اور تمام مساجد میں دخول سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ یہ ذمی نہیں ہو سکتے ان کے لیے صرف دو راستے ہیں: اسلام یا تلوار! دوسرا محمل یہ ہے کہ اس آیت میں مشرکین کو حج کے لیے مکہ میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس سال حضرت ابوبکر نے حج کیا تو اس سال حضور نے حضرت ابوبکر کے ساتھ حضرت علی کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا پھر اس کے اگلے سال جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو کسی مشرک نے حج نہیں کیا اور اس معنی پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اس کے متصل بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تو اگر تم کو تنگ

دستی کا خوف ہو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ اپنے فضل سے تمہیں غنی کردے گا"۔ اور تنگ دستی کا خوف اس وجہ سے ہو سکتا تھا کہ حج کے موسم میں بکثرت لوگ حج کے لیے آتے تھے اور اہل مکہ ان سے تجارت اور خرید و فروخت کے ذریعہ نفع اٹھاتے تھے اور جب کہ مشرکین کو حج پر آنے سے روک دیا گیا تو اہل مکہ کی تجارت میں کمی کا خطرہ پیدا ہو گیا' سو اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو اپنے فضل سے غنی کردے گا اور اس معنی کی مزید تائید اس بات سے ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مشرکین کو عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کرنے اور حج کے تمام افعال سے منع کیا جائے گا خواہ وہ افعال مسجد میں نہ کیے جاتے ہوں' اور ذمیوں کا ان جگہوں میں جانا منع نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مشرکین کو حج کرنے سے منع کیا گیا ہے اور حج کے بغیر مسجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا گیا' نیز اس آیت میں مسجد حرام کے قریب جانے کی ممانعت ہے مسجد حرام میں جانے کی ممانعت نہیں ہے اور مسجد حرام کے قریب جانا حج کے لیے جانے میں متحقق ہو سکتا ہے۔

حماد بن سلمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان بن ابی العاص سے روایت کیا ہے کہ جب ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ نے ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگوایا۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو نجس لوگ ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کی نجاست زمین پر نہیں لگتی ان کی نجاست ان میں ہی رہتی ہے اور زہری نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ ابو سفیان زمانہ کفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں داخل ہوتا تھا البتہ ان کا مسجد حرام میں داخل ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وہ (غیر ذمی مشرک) مسجد حرام کے قریب نہ ہوں"۔

علامہ ابوبکر رازی کہتے ہیں کہ ثقیف کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (آٹھ ہجری میں) فتح مکہ کے بعد آیا تھا اور یہ آیت نو ہجری میں نازل ہوئی ہے جب حضرت ابوبکر صدیق امیر حج بن کر گئے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا اور یہ خبر دی کہ کفار کی نجاست ان کو مسجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کرتی اور ابو سفیان فتح مکہ سے پہلے صلح کی تجدید کے لیے آئے تھے وہ اس وقت مشرک تھے اور یہ آیت اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس آیت کا تقاضا صرف مسجد حرام کے قریب جانے سے ممانعت ہے اور یہ آیت کفار کو باقی مساجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کرتی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زید بن یثیع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ ندا کی کہ حرم میں کوئی مشرک داخل نہیں ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان الفاظ کے ساتھ روایت صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حرم میں کوئی مشرک حج کیلئے داخل نہیں ہو گا کیونکہ حضرت علی سے احادیث میں یہ روایت ہے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا' اسی طرح حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس حدیث میں حج کیلئے حرم میں دخول سے ممانعت ہے اور شریک نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں' البتہ کسی ضرورت کی وجہ سے غلام یا باندی مسجد حرام میں داخل ہو سکتی ہے"۔ اس حدیث میں آپ نے ضرورت کی وجہ سے غلام یا باندی کا مسجد حرام میں دخول جائز قرار دیا ہے اور حج کیلئے اجازت نہیں دی' اور یہ اس پر دلیل ہے کہ آزاد ذمی بھی ضرورت کی وجہ سے مسجد حرام میں داخل ہو سکتا ہے' کیونکہ اس مسئلہ میں کسی نے بھی آزاد اور غلام میں فرق نہیں کیا اور حدیث میں غلام اور باندی کا بالخصوص اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ عام طور پر حج کیلئے نہیں جاتے اور امام عبدالرزاق نے سورۂ توبہ کی اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت ذکر کی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے تھے البتہ غلام یا کوئی ذمی شخص ہو تو وہ جا سکتا ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۱۰۶۹)' (احکام القرآن ج ۳ ص ۸۹-۸۸' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اس آیت میں مشرکین کو حج اور عمرہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو اس سال (یعنی نو ہجری) کے بعد سے مقید کیا ہے اور جو کام سال بہ سال کیا جاتا ہے وہ حج یا عمرہ ہے۔ اگر مشرکین کو مسجد میں مطلقاً داخل ہونے سے منع کرنا مقصود ہوتا تو اس سال کے بعد کی قید لگانے کی ضرورت نہ تھی اور دوسری دلیل یہ ہے کہ مشرکین کو اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب جانے سے ممانعت کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتا ہے "اور اگر تم کو تنگ دستی کا خوف ہو تو اگر اللہ نے چاہا تو وہ عنقریب تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا" اور تنگ دستی کا خوف اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ مشرکین کو حج کے لیے آنے سے روک دیا جائے، کیونکہ حج کے موقع پر مشرکین کے آنے سے مسلمانوں کو تجارت میں بہت فائدہ ہوتا تھا اور ان کے نہ آنے سے اس تجارت کے منقطع ہونے کا خدشہ تھا، اس لیے امام اعظم کے نزدیک مشرکین اہل ذمہ کا مسجد حرام اور دیگر مساجد میں دخول جائز ہے۔

(روح المعانی جز ۱۰ ص ۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی وغیرہ نے قرآن مجید کی آیت کریمہ لایقربوا المسجد الحرام "مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں" سے استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نہی تکوینی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان میں مسجد حرام کے قریب جانے کا فعل پیدا نہیں کرے گا اور یہ منقول نہیں ہے کہ اس ممانعت کے بعد مشرکین میں سے کسی نے برہنہ ہو کر حج یا عمرہ کیا ہو، اور اس نہی کو تکوینی اس لیے قرار دیا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک کفار احکام فرعیہ کے مکلف نہیں ہیں۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۳۴۱-۳۴۰، مطبوعہ استنبول، ج ۵ ص ۲۴۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب دی گئی (تم ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں○

ربط آیات اور مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے احکام بیان فرمائے تھے کہ نو ہجری کے بعد ان کو مسجد حرام میں حج اور عمرہ کے لیے آنے کی اجازت نہیں ہو گی اور نہ مشرکین کے لیے مساجد کو بنانا جائز ہے، اور یہ کہ مشرکین جہاں پائے جائیں ان کو قتل کرنا واجب ہے، اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل کتاب کا حکم بیان فرما رہا ہے کہ اہل کتاب اگر ایمان نہ لائیں تو ان سے قتال کرو حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔

جزیہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابو عبید القاسم بن سلام ہروی متوفی ۲۲۴ھ نے لکھا ہے کہ جزیہ کا لغوی معنی ہے اکتفا۔ (غریب الحدیث ج ۱ ص ۴۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) اور علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ جزیہ وہ رقم ہے جو اہل ذمہ سے لی جاتی ہے اور وہ رقم ان کی جان کی حفاظت کے لیے کفایت کرتی ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۲۱، مطبوعہ بیروت---) امام رازی نے واحدی سے نقل کیا ہے کہ جزیہ جزی سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے کسی واجب کو ادا کرنا اور اصطلاح میں جزیہ اس رقم کو کہتے ہیں جو ذمی اپنی حفاظت کے لیے ادا کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۵)

علامہ علاء الدین محمد بن علی الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جزیہ کا لغوی معنی ہے الجزاء یعنی بدلہ اور یہ قتل کا بدل ہے، کیونکہ جب کوئی ذمی جزیہ ادا کر دیتا ہے تو اس سے قتل ساقط ہو جاتا ہے اور الجزاء سزا کو بھی کہتے ہیں اور جزیہ کی رقم ذمی کے کفر کی سزا ہے۔ جزیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جو صلح سے لی جاتی ہے اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے اور نہ اس میں تغیر کیا جاتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے اس پر صلح کی کہ وہ ہر سال دو ہزار حلے ادا کیا کریں گے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۰۴۱) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنو تغلب کے نصاریٰ سے اس پر صلح کی کہ ان کے ہر شخص سے زکوۃ سے دگنی رقم لی جائے گی اور جزیہ کی دوسری قسم وہ ہے جو اہل کتاب سے جبراً ہر سال لی جاتی ہے اور اس کے عوض ان کو ان کے املاک پر برقرار رکھا جاتا ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار ج ۶، ص ۲۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ، طبع جدید)

جزیہ کن سے وصول کیا جائے گا

امام شافعی، امام احمد اور امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جائے گا خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی اور سنت کی رو سے مجوس سے بھی جزیہ لیا جائے گا اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مرتد کے سوا ہر کافر اور مشرک سے جزیہ لیا جائے گا خواہ اس کا کفر اور شرک کسی قسم کا ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۴۵)

علامہ علاء الدین محمد بن علی الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جزیہ اہل کتاب پر مقرر کیا جائے گا ان میں یہود السامرہ بھی داخل ہیں کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو مانتے ہیں، اور نصاریٰ پر مقرر کیا جائے گا ان میں افرنگی اور رومی بھی داخل ہیں اور رہے الصابئہ تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا کیونکہ وہ یہودی ہیں یا عیسائی، اس لیے وہ اہل کتاب میں داخل ہیں اور امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک وہ ستارہ پرست ہیں اور اہل کتاب میں داخل نہیں ہیں اس لیے ان پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا اور مجوسی پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا خواہ وہ عربی ہوں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں پر جزیہ مقرر کیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل بحرین میں سے اسبذیین (بحرین کا ایک شہر) کا ایک شخص آیا اور وہ اہل ہجر (یمن کی زمین) کا ایک مجوسی تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند دن ٹھہر کر چلا گیا۔ میں نے اس سے پوچھا اللہ اور اس کے رسول نے تمہارے متعلق کیا فیصلہ کیا۔ اس نے کہا برا فیصلہ کیا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا یا اسلام لاؤ ورنہ قتل کر دیا جائے گا اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا آپ نے اس سے جزیہ قبول فرما لیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے کہا پھر مسلمانوں نے حضرت عبدالرحمن کے قول پر عمل کیا اور اس کے قول کو ترک کر دیا جو میں نے خود اس السبذی سے سنا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۰۴۴) اور حضرت عمرو بن اوس اور حضرت ابوالشعثاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک مجوس سے جزیہ قبول نہیں کیا جب تک کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ شہادت نہیں دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ وصول کیا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۰۴۳، صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۱۵۶، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۵۸۶) اور امام ابوعبید نے زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے جزیہ وصول کیا تھا اور وہ مجوسی تھے۔ (الاموال رقم الحدیث:۸۵) اور عجمی بت پرست پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا کیونکہ اس کو غلام بنانا جائز ہے اور عربی بت پرست پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ اہل زبان تھے اور قرآن مجید کا معجزہ ہونا ان کے حق میں بہت ظاہر تھا۔ اس لیے ان کا عذر مقبول نہیں ہے اور نہ مرتد سے جزیہ قبول کیا جائے گا اس سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا

یا اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر ہم ان پر غالب آ جائیں تو ان کی عورتوں اور بچوں کو باندیاں اور غلام بنا لیا جائے گا کیونکہ حضرت ابوبکر نے بنو حنیفہ کے مرتدین کی عورتوں اور بچوں کو باندیاں اور غلام بنا لیا تھا اور ان کو مجاہدوں میں تقسیم کر دیا تھا۔
(در مختار مع رد المحتار ج ٦ ص ٢٤٢-٢٤١، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٩ھ، طبع جدید)

عجمی بت پرست پر جزیہ مقرر کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے:

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کی طرف یہ خط لکھا جو شخص ہماری نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے پس وہ مسلمان ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ میں ہے اور جو انکار کرے اس پر جزیہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ٣٢٦٤٣، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٦ھ)

جزیہ کی مقدار میں مذاہب فقہاء

جزیہ کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ آزاد اور بالغ پر ہر سال ایک دینار مقرر کیا جائے گا خواہ وہ غنی ہو یا فقیر، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان کو حکم دیا کہ وہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے مساوی کپڑا وصول کریں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٠٣٨، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٦٢٣، سنن النسائی رقم الحدیث: ٢٤٥١، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٨٠٣) امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ سونا رکھنے والوں سے ہر سال چار دینار وصول کیے جائیں گے، اور چاندی رکھنے والوں سے ہر سال چالیس درہم وصول کیے جائیں گے، اس میں کوئی زیادتی اور کمی نہیں ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ٨ ص ٤٧) امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ امیر آدمی سے اڑتالیس درہم سالانہ لیے جائیں گے، متوسط سے چوبیس اور فقیر سے بارہ درہم، اور اثرم نے امام احمد سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی مالی حیثیت کے لحاظ سے اس میں کمی زیادتی بھی ہو سکتی ہے اور یہ امام وقت کے اجتہاد پر موقوف ہے۔ (زاد المسیر ج ٣ ص ٣٢٢)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی المتوفی ١٠٨٨ھ لکھتے ہیں:

فقیر سے بارہ درہم سالانہ لیے جائیں گے، متوسط سے چوبیس درہم سالانہ اور امیر سے اڑتالیس درہم سالانہ لیے جائیں گے اور جو شخص دس ہزار درہم یا اس سے زیادہ کا مالک ہو وہ غنی ہے اور جو شخص دو سو یا اس سے زیادہ درہم کا مالک ہو وہ متوسط ہے اور جو شخص دو سو درہم سے کم کا مالک ہو یا کسی چیز کا مالک نہ ہو وہ فقیر ہے۔
(در مختار مع رد المحتار ج ٦ ص ٢٤٠-٢٣٩، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٩ھ طبع جدید)

فقہاء احناف کی دلیل یہ حدیث ہے:

محمد بن عبید اللہ الثقفی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مردوں پر جزیہ مقرر کیا، غنی پر اڑتالیس درہم، متوسط پر چوبیس درہم اور فقیر پر بارہ درہم۔
(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ٣٢٦٣٣، الطبقات الکبریٰ ج ٣ ص ٢١٤، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٨ھ)

اس زمانہ میں درہم کی مالیت کا یہ حساب ہے: ایک درہم = ٠٫٢٦٢٥ (صفر اعشاریہ چھ دو پانچ تولہ چاندی)، دس درہم = ٢٫٦٢٥ (۲ اعشاریہ چھ دو پانچ تولہ چاندی)، بارہ درہم = ٣٫١٥ (تین اعشاریہ ایک پانچ تولہ چاندی)، دو سو درہم = ٥٢٫٥ (باون اعشاریہ پانچ تولہ چاندی)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں۔ ہاتھ سے مراد احسان ہے، یعنی ان پر مسلمانوں کا احسان

ہے کہ وہ ان کو قتل کرنے کے بدلہ ان سے صرف جزیہ لے رہے ہیں اور ذلت کے ساتھ کا معنی یہ ہے کہ وہ اس طرح جزیہ کی رقم نہ دیں جیسے کوئی افسر اپنے ماتحت کو انعام دیتا ہے کیونکہ اس میں دینے والے کی بڑائی ہے بلکہ وہ اس طرح جزیہ کی رقم دیں جس طرح مجرم حاکم کو جرمانہ ادا کرتا ہے اور اس میں اس پر حاکم کا احسان ہے کہ وہ جرمانہ وصول کر کے اس کی سزا معاف کر رہا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى

اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ

الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ج

مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ محض ان کے منہ سے کہی ہوئی (بے سروپا) باتیں ہیں،

يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ط قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ج

یہ اپنے سے پہلے کافروں کی کہی ہوئی باتوں کی مشابہت کرتے ہیں، ان پر اللہ کی پھٹکار

أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿۳۰﴾ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ

یہ کہاں اوندھے جارہے ہیں ○ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور

أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ج

پیروں کو خدا بنا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو (بھی)

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا ج لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ط

حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں، اس کے سوا کوئی عبادت کا

سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۱﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ

مستحق نہیں ہے وہ ان کے خود ساختہ شرکاء سے پاک ہے ○ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو

اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهٗ وَلَوْ كَرِهَ

اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو

الْكٰفِرُونَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهٗ بِالْهُدٰى وَدِينِ

ناگوار ہو ○ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ

الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ النصف

بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کردے خواہ مشرکین کو ناگوار ہو ○

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ

اے ایمان والو! بے شک (اہل کتاب کے) بہت سے علماء اور پیر

لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن

لوگوں کا ناحق مال کھاتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے

سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَ

راستے سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور

لَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۙ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾

اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے ○

يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ

جس دن وہ (سونا اور چاندی) دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو

وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ

اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا، یہ ہے وہ (سونا اور چاندی) جس کو تم نے

فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

اپنے لیے جمع کرکے رکھا تھا سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ محض ان کے منہ سے کہی ہوئی (بے سروپا) باتیں ہیں، یہ اپنے سے پہلے کافروں کی کہی ہوئی باتوں کی مشابہت کرتے ہیں، ان پر اللہ کی پھٹکار یہ کہاں اوندھے جا رہے ہیں○ (التوبہ: ۳۰)

حضرت عزیر کا نام و نسب، ان کا تعارف اور ان کو ابن اللہ کہنے کا سبب

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن العساکر المتوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت عزیر کا نام و نسب یہ ہے: عزیر بن جردہ (ایک قول ابن شوریق ہے) بن عریاء بن ایوب بن درتنا بن عزی بن بقی

بن ایشوع بن فنحاس بن الغازر بن ہارون بن عمران- اور ان کو عزیر بن سروخا بھی کہا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ دمشق میں ان کی قبر ہے-

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت عزیر انبیاء کی اولاد میں سے ہیں- انہوں نے تورات کو محکم کیا تھا اور ان کے زمانہ میں تورات کا ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا- ان کا انبیاء کے ساتھ ذکر کیا جاتا تھا- جب انہوں نے اللہ سے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو اللہ نے ان کا نام مٹادیا- جب یہ نو عمر لڑکے تھے تو ان کو بخت نصر نے قید کر لیا تھا اور جب یہ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا فرمائی- (یہ ضعیف روایت ہے' ابن کثیر) نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں (از خود) نہیں جانتا کہ عزیر نبی تھے یا نہیں-

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۴' البدایہ والنہایہ ج ۱ص ۴۹۵' طبع جدید)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا عزیر بن سروخا ہی وہ شخص ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ہٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ۚ فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ- الآیہ- (البقرہ: ۲۵۹)

یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی پر گزرا اور آنحالیکہ وہ بستی اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی' اس نے (تعجب سے) کہا' اللہ اس بستی والوں کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟ تو اللہ نے سو برس تک اس پر موت طاری کر دی' پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا-

ہم نے تبیان القرآن جلد اول میں اس بستی کا بیان کیا ہے اور حضرت عزیر کے زندہ ہونے کی کیفیت بھی بیان کر دی ہے- اس کی تفصیل وہاں ملاحظہ کریں-

حضرت عزیر سو سال کے بعد جب زندہ ہوئے تو اپنے محلہ میں گئے- لوگ ان کے شناسا نہ تھے اور نہ یہ لوگوں کے شناسا تھے' اور اپنا مکان بھی انکل پچو سے تلاش کیا' وہاں ایک سو بیس سال کی عمر کی ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی جو فالج زدہ تھی' وہ دراصل حضرت عزیر کی باندی تھی- حضرت عزیر نے اس سے پوچھا اے خاتون! کیا یہی عزیر کا گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں یہ عزیر کا گھر ہے- نیز اس نے کہا میں نے اتنے سالوں سے کسی کو عزیر کا ذکر کرتے نہیں سنا' لوگ اس کو بھول چکے ہیں- انہوں نے کہا میں عزیر ہوں- اس نے کہا سبحان اللہ! عزیر کو تو ہم ایک سو سال سے گم کر چکے ہیں اور ہم نے کسی سے ان کا ذکر نہیں سنا-

انہوں نے کہا میں عزیر ہوں' اللہ نے مجھ پر ایک سو سال تک موت طاری کر دی تھی پھر زندہ کر دیا- اس عورت نے کہا عزیر مستجاب الدعوات تھے ان کی دعا سے بیمار تندرست ہو جاتا تھا اور مصیبت زدہ کی مصیبت دور ہو جاتی تھی- آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ میری بینائی لوٹا دے تاکہ میں آپ کو دیکھ لوں' اور اگر آپ واقعی عزیر ہیں تو میں آپ کو پہچان لوں گی- حضرت عزیر نے دعا کی اور اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا- وہ تندرست ہو گئی- پھر حضرت عزیر نے اس فالج زدہ سے کہا تم اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جاؤ- سو وہ بالکل تندرست ہو کر کھڑی ہو گئی- اس نے آپ کو دیکھ کر کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ عزیر ہیں-

جب یہودیوں کو حضرت عزیر کا پتا چلا تو انہوں نے کہا ہم میں عزیر کے سوا کوئی تورات کا حافظ نہیں تھا' اور بخت نصر نے تورات کو جلا دیا تھا' اور اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے سوا چند سورتوں کے جو لوگوں کو حفظ ہیں- آپ ہمیں مکمل تورات لکھوا دیں-

حضرت عزیر کے والد سروخا نے بخت نصر کے ایام میں ایک جگہ تورات کو دفن کر دیا تھا جس کا حضرت عزیر کے سوا کسی کو علم نہیں تھا' حضرت عزیر اس جگہ لوگوں کو لے گئے اور تورات کو کھود نکالا' اس کے اوراق گل گئے تھے اور لکھائی مٹ چکی تھی- وہ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور بنو اسرائیل ان کے گرد بیٹھ گئے- آسمان سے دو ستارے نازل ہوئے اور ان کے

پیٹ میں گھس گئے اور ان کو تورات یاد آگئی اور انہوں نے بنو اسرائیل کے لیے از سر نو تورات لکھوادی۔ جب بنو اسرائیل نے حضرت عزیر سے یہ غیر معمولی امور دیکھے تو وہ کہنے لگے کہ عزیر اللہ عزوجل کے بیٹے ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۷، ص ۳۹۔ ۳۵، ملخصاً دار الفکر بیروت، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۹۷، طبع جدید دار الفکر بیروت)

آیا حضرت عزیر نبی ہیں یا نہیں

حافظ عمر بن اسماعیل بن کثیر الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

عطا بن رباح، حسن بصری اور عثمان بن عطاء الخراسانی کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت عزیر نبی نہیں تھے، کیونکہ عطا بن ابی رباح نے کہا کہ زمانہ فترت (انقطاع نبوت کا زمانہ) میں نو چیزیں تھیں: ان میں سے ایک بخت نصر کو بیان کیا اور اسحاق بن بشر نے اپنی سند کے ساتھ حسن بصری سے روایت کیا کہ عزیر اور بخت نصر کا واقعہ زمانہ فترت میں ہوا اور حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عیسیٰ بن مریم کے تمام لوگوں سے زیادہ قریب ہوں اُن کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۴۶۷۵، مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۹۹۸۱، طبع جدید) اور وہب بن منبہ نے کہا کہ حضرت عزیر حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ کے درمیان تھے، اور حافظ ابن عساکر نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عزیر حضرت موسیٰ بن عمران کے زمانہ میں تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۷ ص ۳۹)

البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۹۸، طبع جدید دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

بہر حال روایات مختلف ہیں اور حضرت عزیر کا نبی ہونا حتمی اور یقینی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے تمام اہم پہلو اور ان کے ابن اللہ ہونے کی بحث ہم نے آل عمران: ۵۸۔ ۴۵ میں بیان کر دی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اپنے سے پہلے کافروں کی کہی ہوئی باتوں کی مشابہت کرتے ہیں۔ اس مشابہت میں تین اقوال ہیں: (۱) بت پرست کہتے تھے کہ لات، منات اور عزیٰ خدا کے شریک ہیں۔ (۲) بعض کافر کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ (۳) یہ اس قول میں اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور پیروں کو خدا بنا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو (بھی) حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ ان کے خود ساختہ شرکاء سے پاک ہے ○ (التوبہ: ۳۱)

اس سے پہلی آیت میں یہودیوں کی یہ بد عقیدگی بیان فرمائی تھی کہ انہوں نے عزیر کو ابن اللہ کہا اور اس آیت میں ان کی یہ بد اعمالی بیان فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے احبار اور رہبان کو خدا بنا رکھا تھا۔

احبار اور رہبان کا معنی

امام ابو عبید متوفی ۲۲۴ھ نے لکھا ہے کہ احبار، حبر کی جمع ہے۔ حبر عالم کو کہتے ہیں، کعب کو حبر کہا جاتا تھا۔

(غریب الحدیث ج ۱ ص ۶۰)

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے حبر کا معنی ہے: نیک اثر اور اچھی نشانی۔ جب علماء لوگوں کے دلوں میں اپنے علوم سے اچھے تاثرات اور اپنے افعال کے نیک آثار چھوڑتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی نیکیوں کی اقتداء کی جاتی ہے تو ان کو احبار کہتے ہیں، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علماء تو قیامت تک باقی رہیں گے اور احبار گم ہو گئے اور ان

کے آثار دلوں میں موجود ہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۳۸)

نیز علامہ راغب نے لکھا ہے کہ رہب کا معنی ہے گھبراہٹ کے ساتھ ڈر اور خوف' اور راہب کا معنی ہے اللہ سے ڈرنے والا اور رہبان راہب کی جمع ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۶۹) امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ ھ نے لکھا ہے کہ حبر اس عالم کو کہتے ہیں جو عمدہ بیان کرتا ہو اور راہب اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں خوف خدا جاگزیں ہو اور اس کے چہرے اور لباس سے خوف خدا ظاہر ہوتا ہو' اور عرف میں احبار کا لفظ علماء یہود کے ساتھ خاص ہے اور رہبان کا لفظ ان علماء نصاریٰ کے ساتھ خاص ہے جو گرجوں میں رہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۱۔ ۳۰)

قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں اپنے دینی پیشواؤں کو ترجیح دینے کی مذمت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا یہودیوں نے اپنے احبار (علماء) کی اور عیسائیوں نے اپنے رہبان (گرجا میں رہنے والے علماء) کی عبادت کی تھی؟ اور اس آیت کی کیا توجیہ ہے؟ انہوں نے کہا: انہوں نے اپنے علماء کی عبادت نہیں کی لیکن جب وہ ان کے لیے حرام کو حلال کر دیتے تو وہ اس کو حلال کہتے اور جب وہ ان کے لیے حلال کو حرام کر دیتے تو وہ اس کو حرام کہتے تھے اور یہی ان کا اپنے اپنے علماء کو خدا بنانا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۵۴' مطبوعہ بیروت)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ نے فرمایا: اے عدی! اس بت کو اتار کر پھینک دو' میں نے آپ سے اس آیت کے متعلق پوچھا: اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله والمسيح ابن مريم۔ (التوبہ: ۳۱) آپ نے فرمایا: وہ اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال کر دیتے تو وہ اس کو حلال کہتے اور جب وہ کسی چیز کو حرام کر دیتے تو وہ اس کو حرام کہتے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

قرآن مجید کی اس آیت اور اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مقابلہ میں اپنے کسی دینی پیشوا کے قول کو ترجیح دینا اور اس پر اصرار کرنا اس دینی پیشوا کو خدا بنا لینا ہے' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح حدیث کے مقابلہ میں اپنے کسی دینی پیشوا کے قول کو ترجیح دینا اس کو رسول کا درجہ دینا ہے' اس گمراہی کا قلع قمع کرنے کے لیے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ جب میرے قول کے خلاف کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور امام شافعی نے فرمایا اگر میرا قول کسی حدیث کے خلاف ہو تو میرے قول کو دیوار پر مار دو اور حدیث پر عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے متقدمین فقہاء پر رحمتیں نازل فرمائے' انہوں نے کتنے ہی مسائل میں ائمہ کے اقوال کے خلاف احادیث پر عمل کیا ہے اور اس گمراہی کی جڑ کاٹ دی ہے' لیکن اس زمانہ میں ہم نے دیکھا کہ اگر کسی شخص کے دینی پیشوا کے کسی قول کے خلاف قرآن اور حدیث کتنا ہی کیوں نہ پیش کیا جائے وہ اپنے دینی پیشوا کے قول کے ساتھ چمٹا رہتا ہے اور کہتا ہے کیا یہ قرآن کی آیت اور یہ حدیث ان کو معلوم نہیں تھی اور وہ قرآن اور حدیث کو تم سے بہت زیادہ جاننے والے تھے!

امام عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے متعدد اسانید کے ساتھ عتیبہ اور مجاہد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص کا قول قبول بھی کیا جاتا ہے اور ترک بھی کیا جاتا ہے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۹۲۷۔ ۹۲۵' دار ابن الجوزیہ جدہ)

نبی کے سوا کسی بشر کا قول خطا سے معصوم نہیں

مروان بن الحکم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے پاس تھا' حضرت عثمان حج تمتع سے

منع کر رہے تھے، حضرت علی نے یہ دیکھ کر حج تمتع کا احرام باندھا اور فرمایا میں کسی شخص کے قول کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک نہیں کروں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:١٥٦٣، صحیح مسلم رقم الحدیث:١٢٢٣، سنن النسائی رقم الحدیث:٢٧٣٣، سنن دارمی رقم الحدیث:١٩٢٣)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حج تمتع کیا اور قرآن نازل ہوا اور ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا۔ امام مسلم کی روایت میں ہے ان کی مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:١٥٧١، صحیح مسلم رقم الحدیث:١٢٢٦، سنن نسائی رقم الحدیث:٢٧٣٩، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٢٩٧٨، سنن دارمی رقم الحدیث:١٨١٣)

سالم بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے متعلق سوال کیا، انہوں نے کہا جائز ہے۔ اس نے کہا آپ کے باپ تو حج تمتع سے منع کرتے تھے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ میرا باپ ایک کام سے منع کرتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو کیا ہو تو آیا میرے باپ کے حکم پر عمل کیا جائے گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کیا جائے گا؟ اس شخص نے کہا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کیا جائے گا۔ حضرت ابن عمر نے کہا: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:٨٢٥، دار الفکر بیروت، ١٤١٤ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تو میں نے حضرت عائشہ سے ذکر کیا کہ حضرت عمر کہتے تھے کہ میت کے گھر والوں کے رونے سے میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر پر رحم فرمائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میت کے گھر والوں کے رونے سے اللہ اس میت کو عذاب دیتا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ کافر پر اس کے گھر والوں کے رونے سے اللہ اس کے عذاب میں زیادتی کرتا ہے، اور تمہارے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ (الانعام:١٦٤) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:١٢٨٨-١٢٨٧، صحیح مسلم رقم الحدیث:٩٢٩-٩٢٨، سنن الترمذی رقم الحدیث:١٠٠٢، سنن النسائی رقم الحدیث:١٨٥٥، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:١٥٩٤)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو جلوا دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ کے عذاب سے سزا نہ دو، البتہ میں ان کو قتل کر دیتا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص اپنا دین بدلے اس کو قتل کر دو۔ ترمذی کی روایت میں ہے حضرت علی کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: ابن عباس نے سچ کہا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٦٩٢٢، ٣٠١٧، سنن الترمذی رقم الحدیث:١٤٦٣، سنن النسائی رقم الحدیث:٤٠١٧، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٢٥٣٥، مسند احمد ج ١ رقم الحدیث:١٨٧١، المستدرک ج ٣ ص ٥٣٨، سنن بیہقی ج ٨ ص ١٩٥، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:٢٥٣٢)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک زانیہ حاملہ کو رجم کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا جو بچہ اس کے

پیٹ میں ہے اس کو ہلاک کرنے کا آپ کے پاس کیا جواز ہے؟ تو حضرت عمر نے فرمایا: اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا!

(جامع بیان العلم و فضلہ ج ۲ ص ۹۲۰، رقم: ۱۷۴۵-۱۷۴۲، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ ریاض، ۱۴۱۹ھ)

ایک عورت کے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو گیا۔ حضرت عمر کے پاس یہ مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمر نے اس عورت کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا تو حضرت علی نے فرمایا: اس کو رجم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے: عورتیں پورے دو سال تک بچوں کو دودھ پلائیں۔ (البقرہ: ۲۳۳) اور فرمایا: حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی (مجموعی) مدت تیس ماہ ہے۔ (الاحقاف: ۱۵) تو حضرت عمر نے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

(جامع بیان العلم و فضلہ ج ۲ ص ۹۲۰، رقم: ۱۷۴۶، مطبوعہ ریاض)

عبداللہ بن مصعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: عورتوں کا مہر چالیس اوقیہ (دس چھٹانک چاندی) سے زیادہ نہ باندھو، اور جس نے اس سے زیادہ مہر باندھا میں وہ زیادہ مقدار بیت المال میں داخل کر دوں گا تب ایک چپٹی ناک والی دراز قد عورت پچھلی صف میں کھڑی ہوئی اور اس نے کہا: آپ کے لیے یہ حکم دینا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا۔ (النساء: ۲۰)

اور تم ان میں سے کسی بیوی کو ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔

حضرت عمر نے فرمایا: عورت نے صحیح کہا اور مرد نے خطا کی۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۹۸۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۲۳۳، سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۵۹۸-۵۹۷، جامع بیان العلم و فضلہ ج ۱ ص ۵۳۰، رقم: ۸۶۳، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۸، دار الفکر، ۱۴۱۸ھ، الدر المنثور ج ۲ ص ۴۶۶، دار الفکر، ۱۴۱۴ھ)

غور کیجئے جب اکابر صحابہ کے اقوال خطاء سے معصوم نہیں ہیں تو بعد کے ائمہ، فقہاء اور علماء کے اقوال کی خطاء سے معصوم ہونے کی کیا ضمانت ہے؟ اس لیے کسی امام، عالم اور فقیہ کے متعلق یہ عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے کہ اس کے قول میں خطاء نہیں ہو سکتی اور ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی الرسالت کے مترادف ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں اور غیر معصوم سے کوئی نہ کوئی کلمہ غلط یا بے جا صادر ہونا کچھ نادر کالمعدوم نہیں، پھر سلف صالحین وائمہ دین سے آج تک اہل حق کا یہ معمول رہا ہے کہ ہر شخص کا قول مقبول بھی ہوتا ہے اور مردود بھی ماسوا اس قبر والے کے صلی اللہ علیہ وسلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۲۸۳، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ نے لکھا ہے کہ پیر کے نام کا بکرا حرام ہے خواہ بوقت ذبح تکبیر کہی جائے، اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ نیت ذابح کا اعتبار ہے، اگر اس نے اراقت دم تقربا الی اللہ کی (اللہ کے لیے جانور کا خون بہایا) اور وقت ذبح نام الٰہی لیا، جانور بنص قطعی قرآن عظیم حلال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ (الانعام: ۱۱۹)

تمہیں کیا ہوا کہ تم اس کو نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔

تفصیل فقیر کے رسالہ سبل الاصفیاء میں ہے، شاہ صاحب سے اس مسئلہ میں غلطی ہوئی اور وہ نہ فقط فتاویٰ بلکہ تفسیر

عزیزی میں بھی ہے اور نہ ایک ان کا فتاویٰ بلکہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں، جس میں سے کچھ متروک نہ ہو۔ سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر شخص کا قول مقبول بھی ہے اور مردود بھی سوا اس قبر والے کے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۸ ص ۳۵۶، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو ناگوار ہو○ (التوبہ: ۳۲)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر دلائل

اس آیت میں یہودیوں کی ایک اور اسلام دشمنی بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ کی نبوت کے دلائل کی اہم پانچ قسمیں ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کی نبوت ان کے معجزات سے ثابت ہوئی۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کے اثبات کے لیے بے شمار معجزات پیش کیے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے اور آپ نے قرآن مجید کو پیش کیا جس کی فصاحت اور بلاغت کی نظیر آج تک کوئی نہیں لاسکا۔ اس کی دی ہوئی پیشین گوئیاں درست ثابت ہوئیں اور اس کے اس دعویٰ کو بھی کوئی رد نہیں کر سکا کہ اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیم اور شریعت کا حاصل یہ ہے کہ صرف اللہ عزوجل کی عبادت کی جائے، آپ سے جو بھی علمی اور عملی کمالات ظاہر ہوئے آپ نے فرمایا: یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے، آپ نے علم اور عمل کے ہر کمال کی اپنی ذات سے نفی کر دی، آپ نے اپنے نیک اعمال کو بھی موجب نجات قرار نہیں دیا بلکہ یہی فرمایا کہ میری نجات بھی صرف اللہ کے فضل سے ہوگی۔ آپ کی پوری سیرت کو دیکھ لیں آپ اپنی نبوت اور رسالت سے اپنے لیے کوئی کبریائی، کوئی بڑائی نہیں چاہتے تھے بلکہ یہی فرماتے تھے کہ ساری کبریائی اور عظمت و جلالت صرف اللہ کے لیے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا دعویٰ نبوت سچا ہے جبکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ چاہتا ہے لوگوں میں اس کے کمالات کا چرچا ہو اور لوگ کہیں کہ یہ اس کے کمالات ہیں خواہ ان کمالات کا ذریعہ کوئی اور ہو!

(۴) آپ نے بہت سے شہر فتح کیے لیکن اپنے لیے دنیا جمع نہیں کی، آپ کے کھانے، پینے، لباس اور گھر کے ساز و سامان میں کوئی آسودگی، عیش اور تنعم نہیں تھا۔ ڈھیروں مال غنیمت آتا لیکن آپ اس کو تقسیم کیے بغیر مسجد سے نہیں اٹھتے تھے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ سچے نبی تھے اور اس دعویٰ نبوت سے آپ کا مقصود اپنی ذات کی منفعت نہیں تھی۔

(۵) آپ نے لوگوں کو جس قدر عبادت کا حکم دیا، خود اس سے زیادہ عبادت کی، لوگوں کو پانچ نمازوں کا حکم دیا خود تہجد سمیت چھ نمازیں پڑھتے تھے، لوگوں کو چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا حکم دیا، خود پاس کچھ نہیں رکھتے تھے، لوگوں سے کہا تمہارا ترکہ وراثت ہے اور میرا ترکہ صدقہ ہے، لوگوں کو طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزہ کا حکم دیا اور خود وصال کے روزے رکھے جس میں سحری ہوتی ہے نہ افطار، کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں ہوتا تھا اور راتوں کو اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ پاؤں مبارک سوج جاتے تھے، لوگوں کو چار بیویوں میں عدل کرنے کا حکم دیا اور خود بیک وقت نو ازواج میں عدل کر کے دکھایا، آپ کا عبادت اور ریاضت میں اس قدر کوشاں ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا دعویٰ نبوت اپنے عیش و آرام، اپنی آسودگی اور اپنی بڑائی کے لیے نہیں تھا۔ آپ سچے نبی ہیں اور آپ کا پیغام سچا ہے اور جس طرح کوئی شخص سورج کے نور کو بجھانے کے لیے پھونکیں مارتا

رہے تو سورج کا نور کم نہیں ہوگا اسی طرح یہودی اور دیگر مخالفین اسلام کی اسلام دشمن کوششوں سے اسلام کی اشاعت اور فروغ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو ناگوار ہو○ (التوبہ: ۳۳)

تمام ادیان پر دین اسلام کا غلبہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور بعثت کا ذکر فرمایا، رسالت دلائل اور معجزات سے ثابت ہوتی ہے اور آپ کے دلائل اور معجزات سب رسولوں سے زیادہ تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ سب سے عظیم اور کامل رسول ہیں۔

نیز فرمایا آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا یعنی آپ کا دین اور آپ کی شریعت متوازن اور معتدل ہے، فطرت سلیمہ کے مطابق ہے، آپ کا کوئی حکم خلاف عقل نہیں ہے اور آپ کی تعلیم میں دین اور دنیا کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ واضح ہوا کہ آپ کی شریعت ہی کامل ہے۔

پھر فرمایا: تاکہ آپ کا دین ہر دین پر غالب ہو جائے اور غلبہ سے مراد دلائل اور حجت کے اعتبار سے غلبہ ہے تو تمام ادیان کے مقابلہ میں اسلام کے دلائل غالب ہیں اور اسلام کے آنے سے ہر دین پر عمل منسوخ ہو گیا ہے اور اگر سے مراد مادی غلبہ ہو تو یہ پیش گوئی اس وقت پوری ہوگی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور امام مہدی کا ظہور ہوگا۔

امام سعید بن منصور، امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو ہر یہودی اور ہر عیسائی مسلمان ہو جائے گا حتیٰ کہ بکریاں بھیڑیوں سے مامون ہو جائیں گی اور گائے شیروں سے اور انسان سانپوں سے اور حتیٰ کہ چوہا جراب کو نہیں کترے گا اور جزیہ موقوف ہو جائے گا اور صلیب توڑ دی جائے گی اور خنزیر قتل کر دیئے جائیں گے۔

(الدر المنثور ج ۴ ص ۱۷۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! بے شک (اہل کتاب کے) بہت سے علماء اور پیر لوگوں کا ناحق مال کھاتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے○ (التوبہ: ۳۴)

یہودی اور عیسائی علماء کے مال کھانے کے ناجائز طریقے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے عالموں کی مذموم صفات بیان فرمائی تھیں کہ وہ اپنے آپ کو عام لوگوں سے بلند اور برتر سمجھتے ہیں اور تکبر کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کرتے، اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس تکبر کے باوجود وہ لوگوں سے مال لینے میں بہت حریص ہیں اور لوگوں سے ناجائز طور پر مال حاصل کرنے کے لیے ان کے کئی طریقے ہیں:

(۱) وہ رشوت لے کر شرعی احکام میں تخفیف کر دیتے تھے، اگر تورات میں رجم یا کوڑوں کی سزا ہو تو وہ صرف جرمانہ عائد کر کے چھوڑ دیتے تھے۔

(۲) انہوں نے عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ بٹھا دیا تھا کہ انہیں آخرت میں نجات اسی وقت حاصل ہوگی، جب وہ ان کی

خدمت اور اطاعت کریں گے۔

(٣) تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ ان کی ایسی باطل تاویل کرتے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق نہ ہوتی، وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے عوام ان سے کٹ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہو جائیں اور ان کے نذرانے شکرانے بند ہو جائیں۔

(٤) انہوں نے لوگوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ صحیح دین یہودیت یا عیسائیت ہے اور اس دین کی تقویت اسی وقت ہو گی جب اس دین کے حاملین کی مالی خدمت کی جائے، سو وہ ان باطل طریقوں سے اپنے عوام کا ناجائز طریقہ سے مال کھاتے تھے، ہرچند کہ وہ اس ناجائز مال کو کھانے کے علاوہ دیگر مصارف میں بھی خرچ کرتے تھے لیکن عرف میں کسی سے ناجائز مال لینے کو مال کھانے سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے فرمایا وہ لوگوں کا ناحق مال کھاتے ہیں، اور مفسرین نے اس کی یہ توجیہ بھی کی ہے کہ کسی کا مال لینے سے بڑا مقصود اس مال کو کھانے اور پینے پر صرف کرنا ہوتا ہے، اس لیے فرمایا وہ لوگوں کا ناحق مال کھاتے ہیں۔

لوگوں کا اس دنیا میں بڑا مقصود مال اور عزت اور سرداری کا حصول ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال حاصل کرتے تھے اور عزت اور سرداری کے حصول کے لیے لوگوں کو اسلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے روکتے تھے کیونکہ اگر ان کے عوام مسلمان ہو جاتے تو پھر لوگ ان کی تعظیم اور تکریم چھوڑ دیتے۔

کنز کا معنی

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ کنز کا معنی ہے مال کو اوپر تلے رکھنا، مال جمع کر کے اس کی حفاظت کرنا، خزانہ کو کنز کہتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال جمع کرنے اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔

(المفردات ج ٢ ص ٧٠)

زکوٰۃ نہ دے کر مال جمع کرنے والوں کی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے مذمت

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (آل عمران: ١٨٠)

جو لوگ ان چیزوں (کو خرچ کرنے) میں بخل کرتے ہیں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں، وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ یہ بخل ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ وہ ان کے حق میں بہت برا ہے، وہ (مال) قیامت کے دن ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۚ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۚ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۔ (الھمزہ)

ہر طعنہ دینے والے، غیبت کرنے والے کے لیے تباہی ہے O جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا O وہ گمان کرتا ہے کہ وہ (مال) اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا O ہرگز نہیں! وہ چورا چورا کرنے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا O اور آپ کیا جانیں کہ چورا چورا کرنے والی کیا چیز ہے O وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جائے گی O بے شک وہ ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہو گی O (بھڑکتے ہوئے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ نے مال عطا کیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن اس کے لیے ایک گنجا سانپ بنایا جائے گا جس کے دو زہریلے ڈنک ہوں گے، اس سانپ کو اس کا طوق بنا دیا جائے گا، پھر وہ اس کو اپنے جبڑوں سے پکڑے گا، پھر کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے آل عمران: ۱۸۰ کی تلاوت فرمائی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۰۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴۸۲، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۶۰۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۲۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۹۸، تمہید ابن عبدالبر ج ۶ ص ۵۴۶، المنتقیٰ للباجی رقم: ۵۳۰، فتح المالک رقم: ۳۰۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کے پاس سونا اور چاندی ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرتا ہو، جب قیامت کا دن ہو گا تو اس کے لیے آگ کے پترے تیار کیے جائیں گے، اور ان کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر ان کے ساتھ اس شخص کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور جب وہ پترے ٹھنڈے ہو جائیں گے تو ان کو دوبارہ آگ میں گرم کیا جائے گا، یہ عذاب اس دن دیا جائے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہو گی، اس کو یہ عذاب دیا جاتا رہے گا حتیٰ کہ تمام لوگوں کا فیصلہ کر دیا جائے گا، پھر وہ دیکھے گا اس کا ٹھکانا جنت کی طرف ہو گا یا دوزخ کی طرف، اور جو اونٹوں کا حق ادا نہیں کرے گا اس کو اس پورے دن اونٹ اپنے پیروں سے روندتے رہیں گے اور اپنے مونہوں سے کاٹتے رہیں گے، حتیٰ کہ تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر وہ دیکھے گا اس کا ٹھکانا جنت کی طرف ہو گا یا دوزخ کی طرف اور جو شخص بکریوں اور بھیڑوں کا حق ادا نہیں کرے گا وہ اس کو اس پورے دن تک اپنے سینگوں سے زخمی کرتی رہیں گی اور اپنے پیروں سے روندتی رہیں گی، حتیٰ کہ تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر وہ دیکھے گا اس کا ٹھکانا جنت کی طرف ہو گا یا دوزخ کی طرف۔ الحدیث۔

(صحیح مسلم، الزکوٰۃ: ۲۴ (۹۸۷) ۲۲۵۴، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۷۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۶۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۵۸، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۸۳، السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۸۱، التمہید لابن عبدالبر، ج ۶ ص ۵۴۸)

جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ موجب عذاب نہیں ہے

اس آیت میں پہلے یہودی اور عیسائی علماء کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور پھر ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان مال جمع کرنے والوں سے مراد یہودی اور عیسائی علماء ہوں اور ان کی زیادہ مذمت کرنا مقصود ہو کہ وہ مال پر حریص بھی ہیں اور مال پر بخیل بھی ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ مسلمان ہوں جو مال جمع کرتے ہیں اور اس کا حق ادا نہیں کرتے، اور یہودی اور عیسائی رشوت خوروں کے ساتھ بربناء تغلیظ ان کا ذکر کیا گیا ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت شاق گزری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی والذین یکنزون الذهب والفضة (التوبہ: ۳۴) تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت شاق گزری، حضرت عمر نے فرمایا چلو میں تمہارے لیے اس معاملہ کو کشادہ کراتا ہوں، پھر انہوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: اے اللہ کے نبی! آپ کے اصحاب پر یہ آیت بہت شاق گزری ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ صرف اس لیے فرض کی ہے کہ تمہارا باقی مال پاکیزہ ہو جائے اور وراثت

تمہارے بعد والوں کے لیے فرض کی ہے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١۶۶۴، مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ٢۴٩٩، المستدرک ج ٢ ص ٣٣٣، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ٨٣)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سونے کی پازیب پہنتی تھی، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا یہ کنز (خزانہ، جمع شدہ مال جس پر آگ کے عذاب کی وعید ہے) ہے؟ آپ نے فرمایا: جو مال زکوٰۃ کی حد تک پہنچ گیا اور اس کی زکوٰۃ ادا کردی گئی وہ کنز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١۵۶۴، الاستذکار رقم الحدیث: ١٢٠٨٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی تو تم نے اس حق کو ادا کردیا جو تم پر واجب تھا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶١٨، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٧٨٨، السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۴، ص ٨۴، معرفۃ السنن والآثار رقم الحدیث: ٧٨۴٢)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس مال کی تم نے زکوٰۃ ادا کردی ہو تو خواہ وہ مال سات زمینوں کے نیچے ہو وہ کنز نہیں ہے اور جس مال کی تم نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو خواہ وہ ظاہر ہو وہ پھر بھی کنز ہے۔
(مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ١٠۶، الاستذکار رقم الحدیث: ١٢٠٧٣)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن وہ (سونا اور چاندی) دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا یہ ہے وہ (سونا اور چاندی) جس کو تم نے اپنے لیے جمع کرکے رکھا تھا سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو○ (التوبہ: ٣۵)

اس آیت میں پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو سونے اور چاندی کے ساتھ داغنے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ اشرف اعضاء ہیں۔ جو اعضاء رئیسہ دل، دماغ اور جگر پر مشتمل ہیں اور چونکہ انسان اپنے ان ہی اعضاء کی سلامتی کے لیے مال جمع کرتا ہے اس لیے ان اعضاء کو اس مال کے ساتھ جلایا جائے گا اس لیے کہ انسان کے بدن کی چار اطراف ہیں، اگلا حصہ اور پچھلا حصہ، چہرہ اگلے حصہ پر اور پیٹھ پچھلے حصہ پر دلالت کرتی ہے اور دو پہلو دائیں اور بائیں جانبوں پر دلالت کرتے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ ہر جانب سے اس کو عذاب محیط ہوگا۔

ادائیگی زکوٰۃ کے بعد مال جمع کرنے میں اختلاف صحابہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس میں اختلاف تھا کہ جس کنز (جمع شدہ مال) کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے اور اس پر عذاب کی وعید سنائی ہے اس کا مصداق کیا ہے؟ اکثر صحابہ کا موقف یہ تھا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی گئی وہ کنز مذموم نہیں ہے اور جس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی وہ کنز مذموم ہے اور بعض صحابہ کا مسلک یہ تھا کہ جس مال کو بھی جمع کیا گیا وہ کنز مذموم ہے اور موجب عذاب ہے خواہ اس کی زکوٰۃ ادا کی گئی ہو یا نہ، ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے کیونکہ اس آیت میں بغیر کسی قید اور استثناء کے اللہ تعالیٰ نے مال جمع کرنے پر عذاب کی وعید فرمائی ہے کہ دوزخ کی آگ سے سونا چاندی جمع کرنے والوں کے بدنوں کو داغا جائے گا۔ نیز حدیث میں ہے:

عبداللہ بن ابی ہذیل بیان کرتے ہیں کہ میرے صاحب نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: سونے اور چاندی کے لیے ہلاکت ہو! میرے صاحب نے کہا پھر وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے فرمایا ہے کہ سونے اور چاندی کے لیے ہلاکت ہو، پھر ہم

کس مال کو حاصل کریں؟ آپ نے فرمایا: ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور آخرت میں مدد کرنے والی بیوی۔
(مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۳۱۳، ۶۳۱۲، ۶۱۱۲)

زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ میں الربذۃ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مشہور جگہ) کے پاس سے گزرا تو وہاں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے پوچھا آپ یہاں کس سبب سے آگئے؟ انہوں نے کہا میں شام میں تھا، میرا اور حضرت معاویہ کا اس آیت میں اختلاف ہوا: الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ۔ (التوبہ: ۳۴) حضرت معاویہ نے کہا یہ آیت اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے، میں نے کہا یہ آیت ان کے اور ہمارے دونوں کے متعلق نازل ہوئی ہے، پھر میرے اور ان کے درمیان بحث ہوئی، انہوں نے حضرت عثمان کی طرف میری شکایت لکھ کر بھیجی، حضرت عثمان نے مجھے مدینہ بلایا، میں مدینہ آگیا تو بہت زیادہ لوگ میرے گرد اکٹھے ہوگئے جیسے اس سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہی نہیں تھا، میں نے حضرت عثمان سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا اگر آپ چاہیں تو مدینہ کے قریب کسی اور جگہ چلے جائیں تو اس سبب سے میں یہاں آگیا اور اگر مجھ پر کسی حبشی کو بھی حاکم بنا دیا جاتا تو میں اس کی (بھی) اطاعت کرتا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۹۷، ۳، المستدرک ج ۱ ص ۳۸۹، شرح السنہ ج ۵ ص ۴۸۰)

احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا، میں وہاں قریش کی ایک جماعت میں بیٹھ گیا، وہاں ایک شخص آیا جس کا جسم اور چہرہ سخت تھا، اور اس نے موٹا لباس پہنا ہوا تھا۔ اس نے قریش کے پاس کھڑے ہو کر کہا مال جمع کرنے والوں کو اس گرم پتھر کی بشارت دو جس کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور اس پتھر کو ان میں سے کسی ایک کے پستان کے سر پر رکھ دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ ان کے کندھے کی باریک ہڈی سے نکل جائے گا پھر کندھے کی باریک ہڈی پر رکھا جائے گا اور ان کے پستان کے سرے نکل جائے گا اور اسی طرح حرکت کرتا رہے گا لوگوں نے اس شخص کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اور میں نے کسی شخص کو اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے نہیں دیکھا پھر وہ چلا گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے گیا حتیٰ کہ وہ ایک ستون کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے کہا میرا گمان ہے کہ ان لوگوں نے آپ کی بات کو ناپسند کیا ہے، اس نے کہا ان لوگوں کو سمجھ نہیں ہے، ایک دن میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر! تم احد (پہاڑ) کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے سورج کی طرف دیکھا اور میں یہ سمجھا کہ شاید آپ مجھے کسی کام سے بھیجنا چاہتے ہیں، میں نے کہا میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو تو مجھے یہ پسند نہیں ہوگا کہ میں اس میں سے تین دینار سے زیادہ اپنے پاس رکھوں اور میں وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دوں گا پھر یہ لوگ دنیا کو جمع کر رہے ہیں ان کو عقل نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کا ان قریشی بھائیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہے، کیونکہ آپ ان کے پاس جاتے ہیں نہ کوئی سوال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: تمہارے پروردگار کی قسم! میں ان سے دنیا کا کوئی سوال کروں گا نہ دین کا حتیٰ کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۰۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۲، مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۰)

اس قسم کی احادیث سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ استدلال کرتے تھے کہ جو شخص اپنی ضرورت سے زائد مال کو جمع کرے اس پر عذاب کی وعید ہے، لیکن یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی منفرد رائے تھی۔ حضرت ابوذر کی طرف سے یہ توجیہ کی گئی ہے کہ وہ ان حکام اور سلاطین پر رد کرتے تھے جو بیت المال سے اپنے لیے مال لے لیتے تھے۔ حضرت علی، حضرت ابوذر، ضحاک اور بعض اہل زہد سے منقول ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں حق ہے اور حضرت ابوذر سے ایسے آثار منقول ہیں کہ جو چیز کھانے پینے اور گزر بسر سے زائد ہو اس کو جمع کرنا مال مذموم ہے اور اس آیت میں اسی کے متعلق وعید ہے۔ حضرت ابوذر

رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ مال والے قیامت کے دن سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے ماسوا ان لوگوں کے جو مال کو دائیں بائیں آگے پیچھے تقسیم کردیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۰)

(الاستذکار ج ۹ ص ۱۲۳، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۴ھ، المفہم ج ۳ ص ۳۴ مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

تاہم صحیح نظریہ وہ ہے جو جمہور صحابہ کا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بغیر سوال اور بغیر طلب کے مال لینا جائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطا فرماتے تو میں عرض کرتا جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو اس کو عطا کردیں تو آپ نے فرمایا: یہ مال لے لو، جب تمہیں اس مال سے کوئی چیز بغیر طلب اور سوال کے ملے تو اس کو لے لو اور جو اس طرح نہ ہو تو اس کے پیچھے نہ پڑو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۷۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۰۸، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۱)

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ

بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد، اللہ کی کتاب میں

اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ

بارہ مہینہ ہے، جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، ان میں سے چار مہینے

حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ

حرمت والے ہیں یہی دین مستقیم ہے سو ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو،

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ

اور تم تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۶﴾ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ

اور یاد رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے ○ مہینہ کو موخر کرنا

فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا

محض کفر ہے، اس سے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے وہ کسی مہینہ کو ایک سال حلال قرار دیتے ہیں

وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا

اور اسی مہینہ کو دوسرے سال حرام قرار دیتے ہیں: تاکہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری کرلیں، پھر جس کو اللہ نے حرام کیا ہے

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا

اس کو حلال کرلیں، ان کے برے کام ان کے لیے خوش نما بنادیے گئے ہیں، اور اللہ

يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ ع

کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ○

ع ۵/۱۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہیں، جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا؛ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، یہی دین مستقیم ہے، سو ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اور تم تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں اور یاد رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے○

(التوبہ: ۳۶)

عبادات اور معاملات میں قمری تقویم کا اعتبار ہے

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عبادات اور معاملات کے احکام ان مہینوں اور سالوں کے اعتبار سے مقرر کیے جائیں گے جو مہینے اور سال اہل عرب کے نزدیک معروف تھے نہ کہ وہ مہینے جو عجمیوں، رومیوں، قبطیوں اور ہندیوں کے نزدیک معروف تھے، غیر عرب کے نزدیک مہینہ تیس دنوں سے زیادہ کا بھی ہوتا ہے اور عرب کے نزدیک مہینہ کا اعتبار چاند کے حساب سے ہوتا ہے اور ایک مہینہ تیس دن سے زیادہ کا نہیں ہوتا، البتہ تیس دن سے کم کا مہینہ بھی ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ۔ (یونس: ۵)

وہی جس نے سورج کو روشنی دینے والا بنایا اور چاند کو روشن اور چاند کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ (البقرہ: ۱۸۹)

لوگ آپ سے نئے چاندوں کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ وہ لوگوں (کی عبادات اور معاملات اور خصوصاً) حج کے لیے اوقات کی نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان بارہ مہینوں کو مقرر کیا اور ان کے نام رکھے، جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں پر جو کتابیں نازل کیں ان میں ان مہینوں کا ذکر کیا، اللہ کی کتاب سے مراد لوح محفوظ بھی ہو سکتی ہے۔

حرمت والے مہینوں کا بیان اور ان کا شرعی حکم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ گھوم کر اپنی اصل شکل پر آچکا ہے، جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، تین مہینے متواتر ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور (قبیلہ) مضر کا رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۷، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: سو تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، ہرچند کہ کسی مہینہ میں بھی ظلم کرنا جائز نہیں ہے، لیکن یہ مہینے چونکہ حرمت والے ہیں اس لیے ان مہینوں میں گناہ کرنا زیادہ شدت سے ممنوع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی ایک وجہ سے عظمت اور حرمت مقرر فرماتا ہے تو وہ ایک وجہ سے محرم اور مکرم ہوتی ہے اور جس چیز کی دو یا دو سے زیادہ وجہ سے حرمت اور عظمت مقرر فرماتا ہے تو وہ دو یا دو سے زیادہ وجہ سے مکرم اور محرم ہوتی ہے، پس اس میں برے کاموں پر عذاب بھی دگنا چوگنا ہوتا ہے جس طرح اس میں نیک کاموں کا اجر و ثواب بھی دگنا اور چوگنا ہوتا ہے سو جو شخص حرمت والے مہینہ مثلاً ذوالحجہ میں یا حرمت والی جگہ مثلاً مکہ مکرمہ یا مسجد حرام میں عبادت کرے گا اس کا اجر و ثواب دوسرے اوقات اور دوسری جگہوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوگا اور جو شخص اس حرمت والے مہینہ اور حرمت والی جگہ میں برے کام کرے گا اس پر مواخذہ بھی دگنا چوگنا ہوگا اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔ اے نبی کی بیویو! اگر تم میں سے کوئی ایک کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے تو اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔

(الاحزاب: ۳۰)

پہلے ان مہینوں میں قتال کرنا جائز نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم منسوخ کر دیا اور تمام مہینوں میں قتال کو مباح کر دیا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں قتال کیا اور شوال اور ذوالقعدہ کے بعض ایام میں ان کا محاصرہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مہینہ کو موخر کرنا محض کفر ہے، اس سے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے، وہ کسی مہینہ کو ایک سال حلال قرار دیتے ہیں اور اسی مہینہ کو دوسرے سال حرام قرار دیتے ہیں، تاکہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری کر لیں، پھر جس کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو حلال کر لیں، ان کے برے کام ان کے لیے خوش نما بنا دیئے گئے ہیں، اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا○ (التوبہ: ۳۷)

مشرکین کا حرمت والے مہینوں کو موخر کرنا

النسیئی کا معنی ہے موخر کرنا، مشرکین حرمت والے مہینوں کو موخر کرتے رہتے تھے ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ محرم حرمت والا مہینہ تھا، اس میں قتال حرام تھا، مشرکین عرب لوٹ مار اور قتل و غارت کرنے والے لوگ تھے، اور ذوالقعدہ، ذوالحج اور محرم یہ تین مہینے متواتر حرمت والے تھے، ان تین مہینوں میں قتال سے صبر کرنا مشرکین عرب کے لیے بہت مشکل اور دشوار تھا، انہیں جب محرم کے مہینے میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ محرم کے مہینہ کو موخر کر دیتے اور صفر کے مہینہ کو محرم قرار دیتے اور اصل محرم کے مہینہ میں قتال کر لیتے۔ اسی طرح وہ ہر سال محرم کے مہینہ کو ایک ماہ موخر کرتے رہتے، حتیٰ کہ جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا، اس سال گیارہ مرتبہ محرم کا مہینہ موخر ہو کر اپنی اصل ہیئت پر آچکا تھا، اس لیے آپ نے فرمایا: زمانہ گھوم کر اپنی اصل ہیئت پر آچکا ہے، جس ہیئت پر وہ اس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے

سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ

کہا جاتا ہے تو تم بوجھل ہو کر زمین سے چپک جاتے ہو! کیا تم نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی کو پسند

الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي

کر لیا ہے؟ سو دنیا کی زندگی کا نفع تو آخرت کے مقابلہ میں

الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ

بہت تھوڑا ہے ○ اگر تم (اللہ کی راہ میں) نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا

وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ

اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کو بالکل نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ

ہر چیز پر قادر ہے ○ اگر تم نے رسول کی مدد نہیں کی تو بے شک اللہ ان کی مدد کر چکا ہے،

اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

جب کافروں نے ان کو بے وطن کر دیا تھا، درآں حالیکہ وہ دو میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ

جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، سو اللہ نے

اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ

ان پر طمانیت قلب نازل کی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد فرمائی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور

كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ

کافروں کی بات کو نیچا کر دیا اور اللہ کا دین ہی بلند و بالا ہے،

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا

اور اللہ بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے ○ (اللہ کی راہ میں) نکلو خواہ ہلکے ہو کر خواہ بوجھل ہو کر اور اپنے مالوں

بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا

اگر تم جانتے ہو تو ○ (اے رسول مکرم! آپ نے جس طرف نکلنے کے لیے کہا تھا) اگر وہ سہل الحصول مال ہوتا اور متوسط

قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ

سفر ہوتا تو (یہ منافقین) ضرور آپ کے پیچھے چل پڑتے لیکن دور دراز کا سفر ان کو بھاری لگا،

وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ

اور عنقریب یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ روانہ ہوتے،

٦ ع ٥ ١٢ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٤٢﴾ ع

وہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم بوجھل ہو کر زمین سے چپک جاتے ہو، کیا تم نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ سو دنیا کا نفع تو آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہے ○ (التوبہ: ٣٨)

غزوۂ تبوک کی تیاری

یہ آیت غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی ہے، یہ غزوہ نو ہجری میں ہوا تھا۔ تبوک ایک چشمہ ہے جو وادی قریٰ میں تھا، یہ مدینہ سے بارہ مرحلہ پر شام کے نزدیک واقع ہے۔

امام ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ طائف کی مہم سے فارغ ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نو ہجری میں ذوالحجہ سے رجب تک مدینہ میں قیام فرمایا، پھر آپ نے مسلمانوں کو روم کے عیسائیوں سے جہاد کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ یہ بہت تنگی کا زمانہ تھا، گرمی بہت شدید تھی، اور شہروں میں کھجوریں پکنے والی تھیں اور لوگ چاہتے تھے کہ مدینہ میں ٹھہریں اور درختوں کے سائے اور پکی ہوئی کھجوروں سے راحت حاصل کریں، اور اس موسم میں مدینہ سے باہر نکلنا ان پر بہت شاق اور دشوار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی غزوہ کے لیے نکلتے تھے تو اس کا صراحتاً ذکر نہ کرتے بلکہ اس کا کنایتاً ذکر فرماتے تھے لیکن تبوک کا آپ نے صراحتاً ذکر فرمایا کیونکہ یہ بہت دور کا سفر تھا اور اس میں مشقت بہت تھی اور جس دشمن سے آپ نے جنگ کا ارادہ کیا تھا اس کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لیے آپ نے صراحتاً بیان فرما دیا کہ آپ رومیوں سے جنگ کے لیے جا رہے ہیں۔ منافقوں نے ایک دوسرے سے کہا اس قدر سخت گرمی میں جہاد کے لیے نہ جاؤ۔ اسحاق بن ابراہیم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ منافقین سویلم یہودی کے گھر جمع ہو رہے ہیں اور وہ مسلمانوں کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں جانے سے منع کر رہے ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو چند اصحاب کے ساتھ بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ سویلم کے گھر آگ لگادیں، سو حضرت طلحہ نے ایسا ہی کیا۔

امام ابن اسحاق کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی تیاری شروع کی، اور مال دار مسلمانوں کو جہاد میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں دل کھول کر مال خرچ کیا۔

حضرت عبدالرحمن بن خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے مسلمانوں کو برانگیختہ فرما رہے تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اللہ کی راہ میں ایک سو اونٹ مع کجاووں اور کپڑوں کے پیش کرتا ہوں۔ آپ نے پھر مسلمانوں کو برانگیختہ کیا تو حضرت عثمان نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں دو سو اونٹ اللہ کی راہ میں مع ان کے کجاووں اور کپڑوں کے پیش کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مسلمانوں کو لشکر کی مدد کے لیے برانگیختہ کیا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور کہا: میں اللہ کی راہ میں تین سو اونٹ مع ان کے کجاووں اور کپڑوں کے پیش کرتا ہوں۔ تب میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے منبر سے اترے: آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہیں ہوگا، آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہیں ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۶۹۶، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۵۲)

حضرت عبدالرحمن بن السمرہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے لشکر کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار لے کر آئے، میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو اپنی گود میں الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہیں ہوگا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۱، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۹۷، طبع جدید)

اس حدیث کا معنی یہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان نیک کام کریں یا بد ان کو اس کا ضرر نہیں ہوگا، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ ان کو برائی سے محفوظ رکھے گا اور اگر بشری تقاضے سے کوئی غلطی ہوگئی تو مرنے سے پہلے ان کو توبہ کی توفیق دے دے گا۔

واضح رہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے جہاد کے لیے نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم زمین سے چپک جاتے ہو، اس سے مراد تمام مسلمان نہیں ہیں، بلکہ بعض مسلمان ہیں کیونکہ اکثر مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق غزوۂ تبوک پر خوشی سے روانہ ہوگئے تھے جن کی تعداد تیس ہزار تھی، اور بعض مسلمان بغیر کسی عذر کے اپنی سستی کی وجہ سے رہ گئے تھے جن کو بہت سخت ملامت کی گئی اور منافقین جھوٹے حیلے بہانے کر کے رہ گئے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم (اللہ کی راہ میں) نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کو بالکل نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے○ (التوبہ: ۳۹)

جہاد کے لیے نکلنے کا وجوب

اس آیت سے مسلمانوں کو یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنان اسلام کی سرکوبی کرنے اور ان سے جنگ کرنے والوں کی مدد کرنے کے لیے خود کافی ہے، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب کرنے پر جہاد کے لیے جانے میں سستی کی تو اللہ تعالیٰ کو کوئی کمی نہیں ہے وہ اپنے نبی کی مدد کے لیے کوئی اور قوم لے آئے گا

اس لیے وہ یہ گمان نہ کریں کہ دین کا غلبہ صرف ان ہی سے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم اللہ کو بالکل نقصان نہیں پہنچا سکو گے' اس سے مراد یہ ہے کہ تم اللہ کے رسول کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو نقصان پہنچانا تو متصور ہی نہیں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اگر تم جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا' اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کرنا واجب ہے' نیز اس سے پہلی آیت میں ان مسلمانوں کی مذمت کی ہے جو جہاد پر بلانے کے باوجود جہاد کے لیے نہیں جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی مسلمانوں کا امیر مسلمانوں کو جہاد کے لیے بلائے تو ان پر واجب ہے کہ وہ اس کی دعوت پر لبیک کہیں' نیز اس آیت میں جہاد نہ کرنے پر عذاب کی وعید سنائی ہے اور جس طرح جہاد فرض ہے اسی طرح نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج بھی فرض ہیں اور جب جہاد نہ کرنے پر عذاب کی وعید ہے تو باقی فرائض کے ادا نہ کرنے پر بھی عذاب ہو گا' کیونکہ بہ حیثیت فرض ان عبادات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اگر تم نے رسول کی مدد نہیں کی تو بے شک اللہ ان کی مدد کر چکا ہے' جب کافروں نے ان کو بے وطن کر دیا تھا در آنحالیکہ وہ دو میں سے دوسرے تھے' جب وہ دونوں غار میں تھے' جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: غم نہ کرو' بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے' سو اللہ نے ان پر طمانیت قلب نازل کی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد فرمائی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو نیچا کر دیا اور اللہ کا دین ہی بلند و بالا ہے اور اللہ بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے ○** (التوبہ: ۴۰)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی ہے' اور یہ بتایا ہے کہ اگر مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں جا کر ان کی مدد نہیں کی تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کمی نہیں ہوئی' اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد فرمائی تھی جب قریش مکہ نے آپ کو بے وطن کر دیا تھا' آپ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور غار ثور میں تین راتیں گزاریں اس سفر میں اور غار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے رفیق تھے' ان کا ذکر بھی اس آیت میں ہے اور غار ثور میں حضرت ابوبکر کی رفاقت کی تفصیل اس طرح ہے:

غار ثور میں حضرت ابوبکر کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۸ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو کسی کو اس کا علم نہیں تھا' ماسوا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آل ابوبکر کے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں چھوڑ دیا تھا اور ان کو یہ حکم دیا تھا کہ لوگوں کی جو امانتیں آپ کے پاس ہیں وہ ان کو ادا کر دیں' اس کے بعد مدینہ آ جائیں اور مکہ میں جس شخص کے پاس بھی کوئی اہم چیز ہوتی تھی وہ اس کو آپ کے پاس رکھوا دیتا تھا کیونکہ سب لوگ آپ کی صداقت اور امانت پر یقین رکھتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو آپ حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور ان کے مکان کے پیچھے سے غار ثور کی طرف نکلے جو مکہ کے نشیب میں ایک پہاڑ ہے' وہ دونوں اس پہاڑ میں داخل ہو گئے' حضرت ابوبکر نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ وہ بغور سنیں کہ لوگ ان کے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں پھر شام کو آ کر ہمیں خبریں دیں اور اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ دن میں بکریاں چرائیں اور شام کو ان کے پاس آ جائیں اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما شام کو ان

کے پاس کھانا لے کر آتی تھیں۔

امام ابن ہشام فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات کو غار میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابوبکر غار میں داخل ہوئے اور غار کو ٹٹول کر دیکھا کہ اس میں کہیں سانپ یا بچھو تو نہیں ہے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے اثر سے محفوظ رکھیں۔

(سیرت ابن ہشام ج ٢ ص ٩٩، دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٥ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم حضرت ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن، عمر کی تمام عمر سے افضل اور بہتر ہے، کیا میں تمہیں ان کی ایک رات اور ایک دن کے متعلق بتاؤں؟ راوی نے کہا ہاں! اے امیر المومنین! حضرت عمر نے فرمایا: رات تو وہ ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کے ساتھ ہجرت فرمائی، حضرت ابوبکر کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتے، کبھی آگے چلتے، کبھی دائیں چلتے، کبھی بائیں چلتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے ابوبکر! ایسا کیوں کر رہے ہو؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں آپ کے چاروں طرف اس لیے چل رہا ہوں کہ اگر کوئی اچانک آپ پر حملہ آور ہو تو اس کا پہلا نشانہ میں بنوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رات چلتے رہے حتیٰ کہ آپ کے مبارک پاؤں گھس گئے، یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور آپ کو اٹھا کر دوڑنا شروع کیا حتیٰ کہ غار ثور کے دہانہ پر پہنچ گئے، وہاں انہوں نے آپ کو اتارا اور کہا: آپ کو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، آپ غار میں پہلے داخل نہ ہوں، پہلے میں داخل ہوں گا، تاکہ اگر اس میں کوئی مضر چیز ہے تو پہلے مجھے اس کا ضرر پہنچے۔ حضرت ابوبکر غار میں گئے اور کوئی مضر چیز نہیں پائی، غار میں بہت سوراخ تھے جن میں مختلف اقسام کے سانپ تھے۔ ابوبکر کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ان سوراخوں سے کوئی سانپ نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء نہ پہنچائے، انہوں نے سوراخ میں اپنا قدم رکھ دیا، سانپ ان کے پیر پر ڈنک مارنے لگے اور ڈسنے لگے اور تکلیف کی شدت سے حضرت ابوبکر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: یہ حضرت ابوبکر کی رات ہے، الحدیث۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٢ ص ٤٧٧، البدایہ والنہایہ ج ٢ ص ٥٦٣، طبع جدید، الریاض النضرۃ للمحب الطبری ج ١ ص ١٠٦، الدر المنثور ج ٤ ص ١٩٨، مختصر تاریخ دمشق ج ١٣ ص ٥٥)

امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی المتوفی ٥٩٧ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم غار میں ہیں، اگر کسی نے اپنے قدموں کے نشان کو دیکھا تو وہ ہمارے قدموں کے نشانوں کو بھی دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہارا ان دونوں کے متعلق کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٦٥٣، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٣٨١، مسند احمد ج ١ ص ٤) نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غار کی شب حضرت ابوبکر نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے پہلے غار میں داخل ہونے دیں، آپ نے فرمایا: تم داخل ہو، حضرت ابوبکر داخل ہو کر اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر غار کے سوراخوں کو دیکھتے رہے، پھر انہوں نے اپنے کپڑے کو پھاڑ کر غار کے تمام سوراخ بند کر دیئے، ایک سوراخ باقی رہ گیا تو اس میں اپنی ایڑی رکھ دی۔ جب رسول اللہ داخل ہوئے تو آپ نے پوچھا: اے ابوبکر تمہارا کپڑا (قمیص) کہاں ہے، تو حضرت

ابوبکر نے یہ واقعہ بیان کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی: اے اللہ! ابوبکر کو جنت میں میرے ساتھ میرے درجہ میں رکھنا۔

(المستدرک ج ۳ ص ۶ـ۱۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۳ ص ۲۴۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام ابن جوزی نے الوفاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے سوراخ پر اپنی ایڑی رکھ دی تو سانپ ان کی ایڑی میں ڈنک مارنے لگے، اور حضرت ابوبکر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: اے ابوبکر غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کے دل میں سکون نازل فرمایا۔

(الوفاج اص ۲۳۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ نے بھی اتنا ہی لکھا ہے۔

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۵۸، مکتبہ نوریہ رضوایہ سکھر، ۱۳۹۷ھ)

امام ابو جعفر احمد، المحب الطبری المتوفی ۶۹۴ھ لکھتے ہیں:

ابن السمان نے کتاب الموافقہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر غار میں داخل ہوئے اور اس میں جو سوراخ بھی دیکھا اس میں اپنی انگلی داخل کر دی حتیٰ کہ ایک بڑا سوراخ دیکھا اس میں ران تک اپنی ٹانگ داخل کر دی پھر کہا یا رسول اللہ! اب آپ غار میں آجائیے، میں نے آپ کے لیے جگہ تیار کر دی ہے۔ (الیٰ ان قال) رات بھر سانپ حضرت ابوبکر کی ٹانگ میں ڈنک مارتے رہے اور حضرت ابوبکر نے بڑی تکلیف میں رات گزاری، صبح کو انہیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! یہ کیا ہوا؟ ان کی پوری ٹانگ سوجی ہوئی تھی، حضرت ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ! یہ سانپ کے ڈنک مارنے کا اثر ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے آپ کی نیند کو خراب کرنا ناپسند کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر پر اپنا ہاتھ پھیرا تو ان کے جسم کا سارا درد جاتا رہا اور وہ بالکل ٹھیک ہو گئے۔

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۱ ص ۱۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس سلسلہ میں دوسری روایت المحب الطبری نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات کی عظمت اور خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں پہنچے تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پہلے غار میں داخل نہ ہوں پہلے میں داخل ہوتا ہوں تاکہ اگر اس میں کوئی مضر چیز ہو تو اس کا ضرر مجھے لاحق ہو، نہ کہ آپ کو۔ جب حضرت ابوبکر غار میں داخل ہوئے تو اس میں بہت سوراخ تھے، انہوں نے اپنی چادر پھاڑ کر وہ تمام سوراخ بھر دیئے۔ دو سوراخ باقی رہ گئے تو انہوں نے ان پر اپنا پیر رکھ دیا، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور حضرت ابوبکر کی گود میں سر رکھ کر سو گئے، سانپ نے حضرت ابوبکر کے پیر میں ڈنک مارنے شروع کر دیئے اور حضرت ابوبکر نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کی کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں۔ ان کے آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر گرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے، آپ نے پوچھا: اے ابوبکر! کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں مجھے سانپ نے ڈس لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیر پر لعاب دہن لگایا تو ان کی تمام تکلیف دور ہو گئی۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۱ ص ۱۰۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

نیز روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے غار میں داخل ہوئے تاکہ آپ کو ضرر سے محفوظ رکھیں، انہوں نے ایک سوراخ دیکھا تو اس میں اپنی ایڑی رکھ دی تاکہ اس میں سے کوئی سانپ نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرر نہ پہنچائے، پھر سانپ حضرت ابوبکر کی ایڑی پر ڈنک مارنے لگے اور حضرت ابوبکر کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر حضرت ابوبکر کی گود میں تھا' جب سانپ نے حضرت ابوبکر کی ایڑی پر ڈنک مارا تو حضرت ابوبکر کے آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر گرے' آپ نے پوچھا: اے ابوبکر! کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں مجھے سانپ نے کاٹ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ اپنا لعاب دہن لگا دیا اس سے حضرت ابوبکر کی تکلیف جاتی رہی۔ اس حدیث کو رزین بن معاویہ متوفی ۵۳۰ھ نے روایت کیا ہے۔

(المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۱۴۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ' شرح الزرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۳۵' دارالمعرفہ بیروت)

علامہ علی بن برہان الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ نے بھی اس روایت کو درج کیا ہے۔

(انسان العیون ج ۲ ص ۲۰۵' مطبوعہ مصر' ۱۳۸۴ھ)

امام ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین دن غار میں رہے اور قریش نے آپ کو واپس لانے والے کے لیے ایک سو اونٹ کا انعام مقرر کر دیا تھا اور حضرت ابوبکر کے بیٹے عبداللہ بن ابی بکر دن میں قریش کی باتیں سنتے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے متعلق کرتے تھے اور شام کو آ کر ان کی خبر پہنچاتے تھے۔ عبداللہ بن ابی بکر کے جانے کے بعد حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ اس جگہ بکریوں کو لے جاتے اور بکریوں کے چلنے کی وجہ سے عبداللہ بن ابی بکر کے غار کے پاس چلنے کے نشان مٹ جاتے اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا تین دن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے لیے کھانا پہنچاتی رہیں' پھر تین دن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۰۰۔ ۹۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قریش جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے میں ناکام ہو گئے تو وہ کھوجی کو لائے جو قدموں کے نشان سے اپنے ہدف تک پہنچتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ شخص غار پر جا کر ٹھہر گیا۔ اس نے کہا یہاں آ کر نشانات ختم ہو گئے ہیں' مکڑی نے اسی وقت غار کے منہ پر جالا تن دیا تھا' اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکڑی کو مارنے سے منع فرمایا ہے' جب انہوں نے مکڑی کے جالے کو دیکھا تو ان کو یقین ہو گیا کہ اس غار میں کوئی نہیں ہے اور وہ واپس چلے گئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۷۵)

حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت کی وجوہ

(۱) کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے درپے تھے اور آپ ان سے چھپ کر غار ثور میں داخل ہوئے تھے۔ اگر آپ کو حضرت ابوبکر کے ایمان اور ان کی جانثاری پر مکمل اعتماد نہ ہوتا تو ان کو اپنے ساتھ لے کر کبھی غار میں داخل نہ ہوتے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کرنا اللہ کے حکم سے تھا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی قرابت دار بھی بہت تھے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں رفاقت کے لیے صرف حضرت ابوبکر کو ساتھ لیا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر کو ساتھ لینا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور حضرت ابوبکر کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کو چن لیا۔

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کو ثانی اثنین (دو میں سے دوسرا) فرمایا ہے' اور دین کے اکثر مناصب میں

حضرت ابوبکر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی تھے۔ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے، پھر حضرت ابوبکر نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عثمان بن عفان کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اس طرح اسلام کی دعوت دینے میں اول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ثانی حضرت ابوبکر تھے۔ اسی طرح ہر غزوہ میں حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کی خدمت میں حاضر رہے، اس طرح وہ غزوات میں بھی ثانی اثنین ہیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ نے حضرت ابوبکر کو امام مقرر فرمایا، پس امامت میں بھی حضرت ابوبکر ثانی اثنین ہیں، اور جب حضرت ابوبکر فوت ہوئے تو وہ آپ کے پہلو میں دفن ہوئے اس طرح وہ قبر میں بھی ثانی اثنین ہیں، اور حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے قبر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیں گے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر اٹھیں گے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۹۲) اور جنت میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوں گے اور امت میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر داخل ہوں گے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۶۵۲) خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ دین میں، ہجرت کرنے میں، مغازی میں، امامت میں، امارت میں، قبر میں، حشر میں، دخول جنت میں، تمام اہم دینی مناصب میں اول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ثانی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۴) اس آیت میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوبکر غمگین ہوئے تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی اور فرمایا: غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے اور یہ حضرت ابوبکر کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی دینے والے ہوں۔

(۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح کی ہے حضرت ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب ہیں اور یہ نص قطعی ہے جس کا انکار کفر ہے اور تمام صحابہ میں صرف حضرت ابوبکر کی صحابیت منصوص ہے اور آپ کے صحابی ہونے کا انکار کفر ہے۔

(۶) اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ ہمارے مع (ساتھ) ہے، اور اس معیت سے حفاظت اور نصرت کی معیت مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حفاظت اور نصرت فرمائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں حضرت ابوبکر کو بھی شامل فرمالیا اور یہ حضرت ابوبکر کی بہت بڑی فضیلت ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ متقین اور محسنین کے مع (ساتھ) ہوتا ہے۔ اس سے حضرت ابوبکر کا متقی اور محسن ہونا بھی منصوص ہوا۔

(۷) احادیث اور کتب سیر سے ثابت ہے کہ غار ثور میں قیام کے دوران حضرت ابوبکر کے بیٹے، عبداللہ بن ابی بکر اور ان کی بیٹی حضرت اسماء، ان کا غلام عامر بن فہیرہ آپ تک مکہ کی خبریں پہنچانے اور آپ کے لیے طعام پیش کرنے میں لگے رہے اور یہ بھی حضرت ابوبکر کی فضیلت ہے کہ ان کی اولاد اور ان کے خدام اس خطرے کے موقع پر جان کی بازی لگا کر آپ کی خدمت میں مشغول رہے۔

(۸) حضرت ابوبکر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینے پہنچے تو سب لوگوں نے جان لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کو سفر و حضر میں ساتھ رکھتے ہیں وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۹) اس آیت میں حضرت ابوبکر کی خلافت کی دلیل ہے کیونکہ حاکمیت میں اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ثانی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ سالم بن عبید بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو انصار نے کہا: ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہوگا، تو حضرت عمر نے کہا: ایسا کون شخص ہے جس کے متعلق یہ تین آیتیں ہوں: اذھما فی الغار (جب وہ دونوں غار میں تھے) وہ دونوں کون تھے؟ اذ یقول لصاحبہ (جب وہ اپنے صاحب سے کہہ رہے تھے) وہ صاحب کون ہیں؟ لا تحزن ان اللہ معنا (غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے) یہ دونوں کون ہیں؟ پھر

حضرت ابوبکر نے ہاتھ بڑھایا اور سب لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرنی شروع کر دی۔ اور یہ بہت عمدہ بیعت تھی۔

(السنن الکبریٰ ج ٦ ص ۳۵۵، رقم الحدیث: ۱۱۲۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ)

(۱۰) غار ثور کی ان تین راتوں میں حضرت ابوبکر میں انوار رسالت اس طرح جذب ہو گئے تھے کہ جب حضور اور حضرت ابوبکر مدینہ پہنچے تو استقبال کے لیے آئے ہوئے مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کو سمجھا کہ یہ رسول اللہ ہیں اور وہ سب آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر سے ملنے لگے، تب حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر چادر کا سایہ کیا تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میں تو ان کا ایک غلام اور امتی ہوں۔

امام بخاری حدیث ہجرت کے اخیر میں عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمانوں کی ایک جماعت میں حضرت زبیر سے ملاقات ہوئی جو شام سے تجارت کر کے لوٹ رہے تھے، پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کو سفید کپڑے پہنائے اور مدینہ کے مسلمانوں نے سن لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے تشریف لا رہے ہیں، وہ ہر روز صبح مدینہ کی پتھریلی زمین پر جاتے اور آپ کا انتظار کرتے اور دوپہر کو لوٹ آتے، حتیٰ کہ ایک روز جب ان کا انتظار بہت طویل ہو گیا اور وہ اپنے گھروں کو لوٹ گئے، ایک یہودی کسی ٹیلہ پر کھڑا ہوا کسی کا انتظار کر رہا تھا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو سفید لباس میں آتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ یہودی بے اختیار بلند آواز سے چلا کر بولا: اے معاشر العرب! یہ ہیں وہ تمہارے بزرگ جن کا تم انتظار کر رہے تھے۔ مسلمان اپنے ہتھیاروں کی طرف دوڑے اور انہوں نے اس پتھریلی زمین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب مڑ گئے اور بنو عمرو بن عوف کے محلہ میں ٹھہرے۔ یہ ماہ ربیع الاول کا پہلا دن تھا۔ حضرت ابوبکر لوگوں کے سامنے کھڑے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بیٹھے رہے۔ پھر انصار کے جن لوگوں نے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا وہ حضرت ابوبکر کو تعظیم دینے لگے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آ گئی۔ تب حضرت ابوبکر نے اپنی چادر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا، اس وقت لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا...... الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۵، مطبوعہ دار ارقم، بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا انہوں نے حضرت ابوبکر کو رسول اللہ گمان کیا اسی لیے انہوں نے ابتداءً حضرت ابوبکر کو سلام کیا اور جب دھوپ آ گئی اور حضرت ابوبکر نے چادر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا تب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۴۴، طبع لاہور)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر میں انوار رسالت اس طرح جذب ہو گئے تھے کہ دیکھنے والے حضرت ابوبکر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ کی راہ میں) نکلو خواہ ہلکے ہو کر خواہ بوجھل ہو کر اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو تو O (التوبہ: ۴۱)

خفافا وثقالا کے معانی

اس آیت میں پھر مسلمانوں کو جہاد کی جانب متوجہ کیا ہے اور فرمایا ہے: تم خفیف ہو یا ثقیل جہاد کے لیے نکلو، خفیف اور ثقیل کے مفسرین نے متعدد معانی بیان کیے ہیں۔ (۱) تمہارے لیے نکلنے میں خواہ آسانی ہو یا مشقت ہو (۲) اہل و عیال کی کمی ہو یا

زیادتی ہو (۳) ہتھیاروں کی زیادتی ہو یا کمی ہو (۴) سوار ہو کر نکلو یا پیادہ (۵) جوان ہو یا بوڑھے (۶) طاقتور ہو یا کمزور (۷) تندرست ہو یا بیمار (۸) خوشی سے نکلو یا ناخوشی سے (۹) خواہ غنی ہو یا فقیر (۱۰) کاروبار دنیا سے فارغ ہو یا اس میں مشغول (۱۱) کھیتی باڑی سے فارغ ہو یا مشغول ہو (۱۲) بہادر ہو یا بزدل- خلاصہ یہ ہے کہ جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے بلائیں تو خواہ تم کسی حال میں ہو یا کسی کیفیت میں ہو' تم پر جہاد کے لیے جانا واجب ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت لیس علی الاعمی حرج- (الفتح:۱۷) "اندھے پر کوئی گناہ نہیں" سے منسوخ ہے اور بعض نے کہا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ (التوبہ:۱۲۲) اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب مسلمان ایک ساتھ نکل کھڑے ہوں-

اور تحقیق یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے اور اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام مسلمان جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں خواہ وہ معذور ہوں یا غیر معذور بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جن مسلمانوں کو جہاد کے لیے بلائیں تو ان کا جہاد کے لیے جانا واجب ہے خواہ وہ کسی حالت یا کسی صفت پر ہوں-

جہاد کی اقسام

نیز اس آیت میں فرمایا ہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو' اس آیت کا محمل یہ ہے کہ جس کے پاس مال بھی ہو اور اس کا بدن بھی تندرست اور قوی ہو تو وہ اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرے اور جس کے پاس مال نہ ہو لیکن وہ توانا اور تندرست ہو تو وہ اپنی جان کے ساتھ جہاد کرے اور جس کا بدن کمزور ہو یا وہ بیمار یا معذور ہو لیکن مالدار ہو تو وہ اپنے مال کے ساتھ جہاد کرے' حدیث میں ہے:

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی غازی کو اللہ کی راہ میں سامان دیا تو اس نے بھی جہاد کیا' اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی غازی کے پیچھے اس کے گھر کی دیکھ بھال کی اور ان کے ساتھ نیکی کی تو اس نے بھی جہاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۹۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۹' سنن الترمذی: ۱۶۲۷)

جہاد کی پہلی قسم فرض عین ہے' اور یہ اس وقت ہے کہ جب دشمن اسلام مسلمانوں کے کسی شہر پر حملہ کرکے اس پر غلبہ حاصل کرے' اس وقت اس شہر کے تمام لوگوں پر جہاد کرنا فرض عین ہے خواہ نہتے ہوں یا مسلح' جوان ہوں یا بوڑھے' اگر اس شہر کے لوگ دشمن سے مقابلہ کے لیے ناکافی ہوں تو اس سے متصل شہر کے مسلمانوں پر دشمن سے جہاد کرنا فرض عین ہے وعلی ھذا القیاس-

جہاد کی دوسری قسم فرض کفایہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے امیر پر واجب ہے کہ وہ سال میں ایک مرتبہ تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کرے حتیٰ کہ مخالفین اسلام میں داخل ہوں یا ذلت کے ساتھ جزیہ دیں-

الانفال: ۷۰-۷۵ میں ہم نے جہاد سے متعلق تمام امور پر مفصل گفتگو کی ہے' اس موضوع کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم! آپ نے جس طرف نکلنے کے لیے کہا تھا) اگر وہ سہل الحصول مال ہوتا اور متوسط سفر ہوتا تو (یہ منافقین) ضرور آپ کے پیچھے چل پڑتے لیکن دور دراز کا سفر ان کو بھاری لگا' اور عنقریب یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ روانہ ہوتے' وہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور

اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ○ (التوبہ: ٤٢)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

یہ آیت ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے' اور اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسافت قریب ہوتی اور مال غنیمت کے منافع ملنے کا ظن غالب ہوتا تو یہ منافقین ان منافع کے لالچ میں آپ کے ساتھ ضرور جاتے لیکن ایک تو سفر بہت دور کا تھا' دوسرے ان کے خیال میں رومی بہت طاقتور اور تعداد میں بہت زیادہ تھے اس لیے مسلمانوں کا ان پر غالب آنا اور ان سے مال غنیمت حاصل کرنا بہت مشکل تھا اس وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں نہیں گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جب آپ جہاد سے لوٹ کر آئیں گے تو یہ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمیں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ جاتے اور یہ ابتداءً کہیں گے تاکہ ان کے لیے غزوۂ تبوک میں نہ جانے کا عذر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے کذب اور نفاق کی وجہ سے جو جھوٹی قسمیں کھائی ہیں اس کی وجہ سے یہ اللہ کے عذاب میں ہلاک ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے ذریعہ پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ یہ عنقریب قسمیں کھائیں گے سو یہ غیب کی خبر ہے اور پیش گوئی ہے اور پھر بعد میں انہوں نے قسمیں کھائیں اور آپ کی پیش گوئی سچی ہو گئی اور یہ آپ کی نبوت کے صدق پر دو طرح دلیل ہے: ایک آپ نے غیب کی خبر دی' دوسرے آپ کی پیش گوئی سچی ہوئی اور یہ عظیم پیش گوئی ہے' کیونکہ آپ نے ایسی پیش گوئی کی جس کا پورا ہونا یا نہ ہونا دشمن کے اختیار میں تھا۔ اگر منافقین بعد میں قسمیں نہ کھاتے تو آپ کی پیش گوئی جھوٹی ہو جاتی لیکن منافقین نے قسمیں کھائیں اور آپ کی پیش گوئی سچی ہو گئی۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ

اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے انہیں (غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی) کیوں اجازت دیدی (اگر آپ اجازت نہ دیتے تو) آپ کو

الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ

معلوم ہو جاتا کہ عذر پیش کرنے میں سچے کون ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے ○ جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا

پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے میں

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾

(کبھی رخصت کی) اجازت نہیں طلب کریں گے اور اللہ متقین کو خوب جاننے والا ہے ○

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

آپ سے وہی لوگ (جہاد میں رخصت کی) اجازت طلب کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان

الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

نہیں رکھتے اور ان کے دلوں میں (اسلام کے متعلق) شکوک ہیں پس وہ اپنے شکوک میں حیران ہوتے رہیں گے ○

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ

اور اگر وہ (جہاد کے لیے) نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے زادِ راہ کی تیاری کرتے، لیکن اللہ کو ان کا

اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

نکلنا ناپسند تھا تو اس نے ان کو پست ہمت کر دیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں (بیماروں اور عورتوں) کے ساتھ بیٹھے رہو ○

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا

اور اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو وہ تم میں فساد زیادہ پھیلاتے اور تم میں فتنہ ڈالنے کے لیے

خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَ

بہت تیزی کے ساتھ تم میں افواہیں پھیلاتے اور تم میں ان کے لیے باتیں سننے والے موجود ہیں اور

اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ

اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے ○ بے شک انہوں نے پہلے بھی (اوائل ہجرت میں) فتنہ پھیلانے کی کوشش کی

وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ

تھی اور انہوں نے آپ کے لیے کئی تدبیریں الٹ پلٹ کی تھیں حتیٰ کہ اللہ کی مدد آ گئی اور اللہ کا دین غالب آ گیا

وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا

اور وہ (اس کو) ناپسند کرنے والے تھے ○ اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ مجھے (جہاد سے رخصت کی) اجازت دیجئے اور مجھے

تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ

آزمائش میں نہ ڈالیے، سنو! یہ فتنے میں گر چکے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

ضرور محیط ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے انہیں (غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی) کیوں اجازت دے دی، (اگر آپ اجازت نہ دیتے) تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ عذر پیش کرنے میں سچے کون ہیں، اور آپ جھوٹوں کو جان لیتےO (التوبہ: ۴۳)

شانِ نزول

منافقین کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں غزوۂ تبوک میں شامل ہونے سے رخصت دی جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی، اس موقع پر یہ آیت بصورت عتاب نازل ہوئی کہ آپ نے ان کو کیوں اجازت دی، اور عتاب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ آپ کو معاف فرمائے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مطمئن رہے۔

عفا اللہ عنک کے متعلق مفسرین سابقین کی تقاریر

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

منکرینِ عصمت انبیاء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ انبیاء سے گناہ کا صدور ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ معاف کرنا گناہ کی فرع ہے اگر آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا تو پھر معاف کرنے کا کیا معنی ہوا۔ قتادہ اور عمرو بن میمون نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کام بغیر وحی کے کیے تھے: ایک منافقین کو غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت دی اور دوسرا کام یہ تھا کہ آپ نے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا۔

امام رازی نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ عفا اللہ عنک (اللہ آپ کو معاف فرمائے) کلام عرب میں تعظیم اور تکریم کا کلمہ ہے جس کو کلام کی ابتداء میں ذکر کیا جاتا ہے اور جو شخص متکلم کے نزدیک بہت معظم اور مکرم ہو اس کے متعلق کہتا ہے اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے میرے معاملہ میں کیا کیا ہے، یا اللہ آپ سے راضی ہو میری بات کا کیا جواب ہے۔ لہٰذا اس آیت میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے عفا اللہ عنک اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے کوئی گناہ کیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین کو جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت دینا آیا گناہ تھا یا نہیں۔ اگر یہ گناہ تھا تو عفا اللہ عنک سے اللہ نے اس کو معاف فرما دیا تھا پھر کیوں فرمایا آپ نے ان کو اجازت کیوں دی، اور اگر یہ گناہ نہیں تھا تو یہ کیوں فرمایا اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر تقدیر پر آپ نے ان کو اجازت کیوں دی یہ فرمانا گناہ کو مستلزم نہیں ہے، لہٰذا اس قول کو ترکِ اولیٰ اور ترکِ اکمل پر محمول کیا جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں:

ابو محمد مکی نے کہا عفا اللہ عنک افتتاح کلام کا کلمہ ہے، جیسے کہتے ہیں اصلحک اللہ واعزک اللہ (اللہ تمہاری اصلاح کرے، اللہ تمہیں عزت دے)

علامہ سمرقندی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے اس کا معنی ہے: اللہ آپ کو عافیت سے رکھے آپ نے ان کو کیوں اجازت دی اور اگر کلام اس طرح شروع ہوتا کہ آپ نے ان کو کیوں اجازت دی تو اس کا اندیشہ تھا کہ اس کلام کی ہیبت سے آپ کا قلب شق ہو جاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے پہلے یہ ذکر فرمایا اللہ آپ کو معاف کرے تاکہ آپ کا دل مطمئن اور پرسکون رہے پھر فرمایا آپ نے ان کو جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت کیوں دی حتیٰ کہ آپ پر یہ منکشف ہو جاتا کہ کون اپنے

عذر میں سچا ہے اور کون جھوٹا ہے' اور اس اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ نفطویہ نے کہا کہ بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت میں عتاب کیا گیا' حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عتاب کیے جانے سے بہت بعید ہیں بلکہ آپ کو اختیار تھا کہ آپ ان کو اجازت دیں یا نہ دیں اور جب آپ نے اجازت دے دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اگر آپ اجازت نہ دیتے پھر بھی یہ اپنے نفاق کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوتے اور آپ کے اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں عفا اللہ عنک فرمانا ایسے ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: مجھے یوسف علیہ السلام کے کرم اور صبر پر تعجب ہے اور اللہ ان کی مغفرت فرمائے جب ان سے دُبلی اور موٹی گایوں کے متعلق سوال کیا گیا تھا اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں اس وقت تک ان کو خواب کی تعبیر نہ بتاتا جب تک ان سے یہ شرط نہ منوا لیتا کہ وہ مجھ کو قید سے رہا کر دیں گے۔ (اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ حضرت یوسف کی مغفرت فرمائے اور پھر جس کام پر مغفرت کا ذکر فرمایا ہے وہ کوئی گناہ نہیں ہے' اسی طرح اس آیت میں جس کام کے متعلق عفا اللہ عنک فرمایا ہے وہ بھی کوئی گناہ نہیں ہے... سعیدی) عون بن عبداللہ نے کہا: اس سے زیادہ حسین اور کون سا عتاب ہو گا جس میں اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ (ہمارے نزدیک یہ حقیقتاً عتاب نہیں ہے صورتاً عتاب ہے... سعیدی غفرلہ) سفیان بن عیینہ نے کہا کہ یہ کیسا لطف ہے کہ پہلے معافی کا ذکر فرمایا پھر اس چیز کا ذکر فرمایا جس پر معافی دی۔ اس کے بعد علامہ آلوسی نے زمخشری پر سخت رد کیا ہے جس نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: یہ آپ کے جرم سے کنایہ ہے۔ (الکشاف ج ۲ ص ۲۷۴)

(روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۰۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ احمد خفاجی نے بھی امام رازی اور قاضی عیاض کی طرح تقریر کی ہے اور قاضی بیضاوی نے زمخشری کی اتباع میں جو یہ لکھا ہے کہ عفا اللہ عنک فرمانا اس بات سے کنایہ ہے کہ آپ کا اجازت دینا خطا تھی کیونکہ معاف کرنا خطا کی فرع ہے' علامہ خفاجی نے زمخشری اور بیضاوی دونوں کا رد بلیغ کیا ہے۔

(عنایت القاضی ج ۴ ص ۵۷۴-۵۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محی الدین شیخ زادہ متوفی ۹۵۱ھ نے قاضی بیضاوی کی عبارت کی توجیہ کی ہے اور کہا ہے کہ قاضی بیضاوی کی خطا سے مراد اجتہادی خطا ہے اور اجتہادی خطا گناہ نہیں ہوتی بلکہ اس پر اجر ملتا ہے اور آپ کا یہ فعل ترک اولیٰ کے قبیل سے تھا۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۴ ص ۴۶۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ سے ترک اولیٰ صادر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس خطاب میں عفو کو مقدم کیا جو صورتِ عتاب میں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۸۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عفا اللہ عنک کے متعلق مصنف کی تقریر

میرے نزدیک اس آیت کی تقریر اس طرح ہے کہ جس کام سے اللہ نے لازماً منع کیا ہو اس کام کا کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور جس کام سے اللہ نے لازماً منع نہ کیا ہو بلکہ ترجیحاً منع کیا ہو یعنی اس کا نہ کرنا راجح ہو تو اس کام کا کرنا گناہ تو نہیں لیکن مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہے' اب اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو منافقین کو اجازت دینے سے لازماً منع کیا ہوتا تو یہ فعل حرام اور

گناہ کبیرہ ہوگا اور اگر ترجیحاً منع کیا ہوتا تو گناہ تو نہ ہوتا مگر یہ فعل مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہوتا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو منع کیا ہی نہیں تھا تو آپ کا ان کو اجازت دینا کسی قسم کا گناہ ہے نہ یہ فعل مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہے، بلکہ آپ کے لیے ان کو اجازت دینا یا نہ دینا دونوں فعل مباح تھے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے محبت آمیز خطاب فرمایا ہے کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے ان کو جہاد میں شامل نہ ہونے کی کیوں اجازت دے دی حالانکہ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو یہ پھر بھی جہاد میں شریک ہونے والے نہ تھے یعنی ان کے حق میں آپ کا اجازت دینا اور نہ دینا دونوں امر برابر تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے میں (کبھی رُخصت کی) اجازت طلب نہیں کریں گے، اور اللہ متقین کو خوب جاننے والا ہے○ (التوبہ: ۴۴)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ آپ سے جہاد میں شامل نہ ہونے کی یا اپنے گھروں میں بیٹھنے کی اجازت طلب نہیں کریں گے، بلکہ جب بھی آپ کسی بات کا حکم دیں گے وہ اس کی تعمیل میں جھپٹ پڑیں گے اور اس وقت جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت طلب کرنا علاماتِ نفاق سے تھا اسی لیے اس کے بعد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ سے وہی لوگ (جہاد میں رخصت کی) اجازت طلب کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دلوں میں (اسلام کے متعلق) شکوک ہیں، پس وہ اپنے شکوک میں حیران ہوتے رہیں گے○ (التوبہ: ۴۵)

اس آیت میں فرمایا ہے: ان کے دلوں میں شکوک ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکوک کا محل قلب ہے اور جب شک کا محل قلب ہوگا تو معرفت اور ایمان کا محل بھی قلب ہوگا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت فرما دیا ہے۔ (المجادلہ: ۲۲)

نیز فرمایا ہے: وہ اپنے شکوک میں حیران ہوتے رہیں گے، کیونکہ جس شخص کو کسی مسئلہ میں شک ہوتا ہے وہ نہ اس کی مخالف جانب کوئی حکم لگا سکتا ہے نہ موافق جانب اور وہ نفی اور اثبات کے درمیان متردد اور حیران رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ (جہاد کے لیے) نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے زادِ راہ کی تیاری کرتے، لیکن اللہ کو ان کا نکلنا ناپسند تھا تو اس نے ان کو پست ہمت کر دیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں (بیماروں اور عورتوں) کے ساتھ بیٹھے رہو○ (التوبہ: ۴۶)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر منافقین کا جہاد کرنے کا ارادہ ہوتا تو وہ اس کے لیے زادِ راہ کی تیاری کرتے اور سامانِ سفر جمع کرتے اور ان کا سامانِ سفر کی تیاری نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ غزوۂ تبوک میں شامل ہونا نہیں چاہتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے جہاد میں نکلنے کو ناپسند کرتا تھا تو اس نے ان پر بزدلی طاری کر کے ان کو جہاد میں شامل ہونے سے روک دیا، تثبیط کے معنی ہیں کسی شخص کو اس کے ارادہ پر عمل کرنے سے روک دینا اور ان سے کہا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ، بیٹھنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو جہاد میں شامل ہونے سے معذور ہوں، جیسے اندھے، اپاہج، بیمار، عورتیں اور بچے، اس میں اختلاف ہے کہ ان سے یہ کہنے والا کون تھا ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے خود ایک دوسرے سے یہ کہا تھا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ، دوسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ناراض ہو کر فرمایا تھا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ، انہوں نے آپ کے اس قول کو حجت بنا لیا اور کہا ہمیں بیٹھنے کی اجازت مل گئی ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ نے یہ بات ان

کے دلوں میں ڈال دی تھی۔

جب منافقین کا جہاد کے لیے نکلنا اللہ کو ناپسند تھا تو ان کی مذمت کیوں کی گئی؟

حافظ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر منافقین جہاد کے لیے نکلتے تو ان کا یہ فعل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور عبادت ہوتا تو اللہ عزوجل نے اپنی اطاعت کو کیسے ناپسند فرمایا؛ اور جب ایک چیز مکروہ ہو تو اس کی ضد محبوب ہوتی ہے، اور جب منافقین کا جہاد کے لیے نکلنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ تھا تو اس کی ضد یعنی جہاد کے لیے نہ نکلنا اور مدینہ میں بیٹھے رہنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب قرار پایا اور جب ان کا جہاد کے لیے نہ جانا اور بیٹھے رہنا اللہ کے نزدیک محبوب تھا تو اللہ تعالیٰ ان کو جہاد کے لیے نہ نکلنے پر کیونکر عذاب دے گا؟ یہ بہت اہم سوال ہے اور مختلف فرقوں نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں:

جبریہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کسی حکمت اور مصلحت پر موقوف نہیں ہوتے اور ہر ممکن اللہ کے لیے جائز ہے، اس لیے یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس فعل پر عذاب دے جو اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہو اور اس فعل پر عذاب نہ دے جو اس کے نزدیک مبغوض اور غیر پسندیدہ ہو، اور اللہ کے اعتبار سے سب کچھ جائز ہے۔

اور قدریہ (معتزلہ) نے اپنے قواعد کے مطابق یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد کے لیے نکلنے سے حقیقتاً منع نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ کو جہاد کے لیے نکلنے سے منع کیا اور روکا اور وہ کام کیا جو اللہ کا ارادہ نہ تھا، اور جب کہ ان کے نکلنے میں خرابی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے نکلنے کی کراہت اور ناپسندیدگی ڈال دی اور اللہ تعالیٰ کا ان کے دلوں میں کراہت کا ڈالنا اس کی مشیت کی کراہت ہے اور خود اللہ تعالیٰ کو ان کا نکلنا ناپسند نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا تھا، اللہ تعالیٰ ان کو اس چیز کا حکم کیسے دے گا جس کو وہ ناپسند کرتا ہو، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا "لیکن اللہ کو ان کا نکلنا ناپسند تھا" اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نکلنے کی ناپسندیدگی اور کراہت ڈال دی جب کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا نکلنا پسند تھا۔

جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ نے علم کی نورانیت رکھی ہو اس پر ان دونوں جوابوں کا فساد مخفی نہیں ہے، اور اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا اور ان کا جہاد کے لیے نکلنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت تھا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع تھا اور آپ کی اور مومنین کے لیے نصرت تھی، اور ان کا یہ عمل محبوب اور پسندیدہ تھا لیکن اللہ سبحانہ کو یہ علم تھا کہ اگر یہ جہاد کے لیے نکلے تو ان کی نیت اللہ کی رضاجوئی، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور مسلمانوں کی نصرت نہیں ہوگی، بلکہ ان کا نکلنا اس لیے ہوگا کہ وہ راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں، اِدھر کی اُدھر لگائیں اور مسلمانوں میں فساد ڈالنے کی کوشش کریں اور ان کا مطمح نظر یہ ہوگا کہ کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو ناکام کیا جائے اور اس جہاد میں مسلمانوں کو شکست سے دوچار کیا جائے، اس لیے ان کا جہاد کے لیے نکلنا اگرچہ بظاہر اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اتباع تھا لیکن در حقیقت ان کا نکلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی بدخواہی پر مبنی تھا اور ان کا نکلنا اس چیز کو مستلزم تھا جو اللہ کے نزدیک مکروہ اور مبغوض تھی سو ان کا نکلنا اس اعتبار سے اللہ کے نزدیک مکروہ اور ناپسندیدہ تھا اور جس اعتبار سے مسلمان جہاد کے لیے نکلے تھے اس اعتبار سے ان کا نکلنا محبوب اور پسندیدہ تھا اور اللہ کو علم تھا کہ منافقین نے اسی اعتبار سے جہاد کے لیے نکلنا تھا جو اللہ کو ناپسندیدہ اور مبغوض ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو ان کا نکلنا ناپسند تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس لیے مذمت کی کہ جس طرح ان کو

جہاد کے لیے نکلنا چاہیے تھا وہ اس طرح جہاد کے لیے نہیں نکلے اور ان کے اس طرح نہ نکلنے اور بیٹھے رہنے کی وجہ سے ان کو عذاب دے گا۔ اس بنا پر جواب میں یہ کہا جائے گا کہ ان کو جہاد کے لیے جس طرح نکلنا چاہیے تھا اس طرح ان کا نہ نکلنا اللہ کو مبغوض اور ناپسندیدہ ہے اور اس کی ضد ہے جہاد کے لیے اس طریقہ سے نکلنا یہ اللہ کو پسندیدہ ہے لیکن وہ اس طرح نہیں نکلنا چاہتے تھے' وہ بربناء فساد جہاد کے لیے نکلنا چاہتے تھے اور یہ نکلنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ تھا' غرض یہ کہ ان کا جہاد کے لیے نکلنا بھی ناپسندیدہ تھا اور نہ نکلنا بھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی اور موجبِ عذاب تھا۔

تمام مخلوق میں نیکی کی صلاحیت کیوں نہیں پیدا کی گئی

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ نے ان کو ایسی توفیق کیوں نہ دی کہ وہ جہاد کے لیے اس طرح نکلتے جس طرح نکلنا اللہ کو محبوب اور پسندیدہ تھا اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ غیر محل اور غیر اہل میں اپنی توفیق نہیں رکھتا' اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ اس نے اپنی ہدایت' اپنی توفیق اور اپنے فضل کو کہاں رکھنا ہے اور ہر محل اس کی صلاحیت نہیں رکھتا' اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر محل میں ہدایت اور توفیق کی صلاحیت کیوں نہ پیدا کر دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کمال ربوبیت اور عالم خلق اور امر میں اس کے اسماء اور صفات کا ظہور اس بات سے انکار کرتا ہے اور اگر اللہ سبحانہ ایسا کرتا تو یہ اس کو محبوب ہوتا کیونکہ وہ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے' اس کی توحید بیان کی جائے اور اس کی عبادت کی جائے لیکن ایسا کرنا اس سے زیادہ محبوب چیز کے فوت ہونے کا باعث تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے دشمنوں سے جہاد کیا جائے اور ان سے انتقام لیا جائے اور اس کے اولیاء کے مرتبہ اور شرف کا اظہار کیا جائے اور ان کے فضل کی تخصیص کی جائے اور وہ اپنی جانوں کو اللہ کے دشمنوں سے جنگ میں خرچ کریں اور اللہ کی عزت' قدرت اور سطوت کا ظہور ہو اور اس کی زبردست پکڑ اور اس کے دردناک عذاب کا اظہار ہو' اس کے علاوہ اور بے شمار حکمتیں ہیں جن تک مخلوق کے علم اور عقل کی رسائی نہیں ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے جبراً ہر شخص میں ہدایت اور توفیق نہیں پیدا کی۔ (بدائع التفسیر ج ۲ ص ۳۵۷-۳۵۵' مطبوعہ دار ابن الجوزیہ ریاض' ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو وہ تم میں فساد زیادہ پھیلاتے اور تم میں فتنہ ڈالنے کے لیے بہت تیزی کے ساتھ تم میں افواہیں پھیلاتے اور تم میں ان کے لیے باتیں سننے والے موجود ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے○ (التوبہ: ۴۷)

خبال کے معنی ہیں فساد ڈالنا' چغلی کرنا' لوگوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا۔ اس آیت میں مومنوں کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر منافقین تمہارے ساتھ جہاد کے لیے نہیں گئے تو یہ مآل کار تمہارے لیے بہتر ہوا' کیونکہ اگر وہ تمہارے ساتھ جاتے تو فساد ڈالتے' چغلیاں کرتے اور تم کو ایک دوسرے سے لڑانے کی کوشش کرتے اور فتنہ ڈالنے کے لیے بہت تیزی سے افواہیں پھیلاتے' نیز فرمایا ہے اور تم میں ان کے لیے باتیں سننے والے موجود ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے اندر ان کے جاسوس موجود ہیں جو تمہاری خبریں ان تک پہنچاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک انہوں نے پہلے بھی (اوائل ہجرت میں) فتنہ پھیلانے کی کوشش کی تھی اور انہوں نے آپ کے لیے کئی تدبیریں الٹ پلٹ کی تھیں حتیٰ کہ اللہ کی مدد آ گئی اور اللہ کا دین غالب آ گیا اور وہ (اس کو) ناپسند کرنے والے تھے○ (التوبہ: ۴۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے رسول مکرم! یہ منافقین اس سے پہلے بھی ایسی سازشیں کرتے تھے

جس کے نتیجہ میں آپ کے اصحاب آپ کے دین سے پھر جائیں' جیسے جنگ احد میں عبداللہ بن ابی عین معرکہ کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدانِ کارزار سے نکل گیا اور وہ آپ کے دین کو اور آپ کی مہم کو ناکام کرنے کے لیے مختلف سازشیں کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ اللہ کی مدد آگئی اور اللہ کا دین غالب آگیا' اسی طرح اب بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو رومیوں کے مقابلہ میں فتح اور نصرت عطا فرمائی اور آپ تبوک سے کامیاب و کامران ہو کر واپس آئے اور تبوک کی عیسائی ریاستوں نے آپ کا باج گزار بننا قبول کر لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ مجھے (جہاد سے رخصت کی) اجازت دیجئے اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالیے۔ سنو' یہ فتنے میں گر چکے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور محیط ہے○ (التوبہ: ۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا تو آپ نے جد بن قیس سے فرمایا: اے جد بن قیس! بنوالاصفر (زرد رو قوم) سے جہاد کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس عورتیں ہیں' اور جب میں بنوالاصفر کی عورتیں دیکھوں گا تو فتنہ میں پڑ جاؤں گا تو آپ مجھے یہاں بیٹھنے کی اجازت دیں اور فتنہ میں نہ ڈالیں' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ مجھے (جہاد سے رخصت کی) اجازت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیے۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ رقم الحدیث: ۱۱۶۵۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۰)

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کرتے ہیں: جن دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے ایک دن آپ نے بنو سلمہ کے بھائی جد بن قیس سے فرمایا: اے جد! اس سال بنوالاصفر (زرد رو عیسائیوں) سے جہاد کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے اس سے اجازت دیں گے! اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں' میری قوم کو معلوم ہے کہ میں عورتوں میں سب سے زیادہ دلچسپی رکھتا ہوں اور جب میں بنوالاصفر کی عورتیں دیکھوں گا تو ان سے صبر نہیں کر سکوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا اور فرمایا: میں نے تم کو اجازت دی' تو اس موقع پر جد بن قیس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ کہتا ہے مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے' سنو یہ فتنے میں گر چکے ہیں۔ یعنی اگر واقعی وہ بنوالاصفر کی عورتوں کے فتنہ سے ڈرتا تھا تو یہ فتنہ تو اس کو لاحق نہیں ہوا لیکن وہ اس سے بڑے فتنہ میں پڑ گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شامل نہیں ہوا اور اس نے حضور کے حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے کو ترجیح دی اور یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ (جامع البیان جز ۱۰ ص ۱۹۲۔۱۹۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ

اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے (آسمانی مدد یا مالِ غنیمت) تو ان کو بُرا لگتا ہے۔ اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچے

يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا

تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی احتیاط کر لی تھی (کہ جہاد میں نہیں گئے تھے) اور یہ خوشیاں

وَّهُمْ فَرِحُونَ ۝٥٠ قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ

مناتے ہوئے لوٹتے ہیں ○ آپ کہیے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچتی ماسوا اس کے جو

اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اللہ نے ہمارے لیے مقدر کر دی ہے، وہی ہمارا مالک ہے، اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى

توکل کرنا چاہیئے ○ آپ کہیے کہ تم ہماری دو بھلائیوں (فتح یا شہادت) میں سے ایک کا انتظار کر رہے ہو،

الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ

اور ہم تمہارے متعلق صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تمہیں اپنے پاس سے

بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ

عذاب پہنچاتا ہے یا ہمارے ہاتھوں عذاب دلواتا ہے۔ سو تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ

مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ

انتظار کرنے والے ہیں ○ آپ کہیے کہ تم (اللہ کی راہ میں) خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا

مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ

جائے گا، کیونکہ تم فاسق لوگ ہو ○ ان کے خرچ کیے ہوئے کو صرف اس

تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ

وجہ سے قبول نہیں کیا گیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے تھے

وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا

اور صرف سستی اور کاہلی کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے آتے تھے اور (اللہ کی راہ میں) صرف ناخوشی سے

وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ

خرچ کرتے تھے ○ سو ان کے مال اور اولاد سے آپ متعجب نہ ہوں۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ

اللہ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ ان کو ان کے مال اور ان کی اولاد کے سبب سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور

تَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ

ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کفر کرنے والے ہوں ○ اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں

إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿۵۶﴾

کہ بے شک وہ ضرور تم ہی میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ تقیہ کرتے ہیں (اگر تم ان سے مشرکوں جیسا سلوک نہ کرو) ○

لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَوَلَّوْا إِلَيْهِ

اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ مل جائے، یا تہ خانے یا دخول کی کوئی بھی جگہ تو وہ اس میں تیزی سے

وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ

رسیاں تڑاتے ہوئے گھس جائیں ○ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں،

فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ

اگر ان کو ان صدقات سے دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو ان صدقات سے نہ دیا جائے تو

يَسْخَطُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ

وہ ناراض ہو جاتے ہیں ○ اور اگر وہ اس چیز پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے،

وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ

اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے، عنقریب اللہ اور اس کا رسول ہمیں اپنے فضل سے

رَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿۵۹﴾

عطا فرمائیں گے اور ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (تو یہ ان کے لیے بہت بہتر ہوتا) ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے (آسمانی مدد یا مالِ غنیمت) تو ان کو بُرا لگتا ہے، اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی احتیاط کر لی تھی، (کہ جہاد میں نہیں گئے تھے) اور یہ خوشیاں مناتے ہوئے لوٹتے ہیں ○ (التوبہ: ۵۰)

اس آیت میں منافقین کے خبث بواطن کی ایک اور نوع بیان فرمائی ہے، کہ بعض غزوات میں اگر آپ کو کامیابی حاصل ہو یا مالِ غنیمت حاصل ہو، یا جن بادشاہوں کے خلاف آپ نے جہاد کیا تھا وہ مطیع اور باج گزار ہو گئے ہوں تو ان کو بُرا لگتا ہے اور اگر مسلمانوں کو کوئی مصیبت یا پریشانی لاحق ہو تو اس پر یہ خوش ہوتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے

کہ بھلائی سے مراد جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح ہے اور مصیبت سے مراد جنگِ احد میں مسلمانوں کی شکست ہے۔ اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس آیت کو اسی معنی پر محمول کرنا واجب ہے ورنہ اس آیت میں عموم مراد لینا زیادہ مناسب ہے، کیونکہ منافقین کو مسلمانوں کی ہر بھلائی سے رنج ہوتا تھا اور ان کو مسلمانوں کی ہر مصیبت سے خوشی ہوتی تھی۔

امام ابن جریر نے اس آیت کے شانِ نزول میں اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جد بن قیس نے کہا کہ غزوۂ تبوک کے اس سفر میں مسلمانوں کو کوئی بھلائی پہنچی یعنی فتح حاصل ہوئی، تو اس کو اور دیگر منافقین کو بُرا لگے گا۔ (جامع البیان جز ١٠ ص ١٩٣ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچتی ماسوا اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے مقدر کر دی ہے، وہی ہمارا مالک ہے اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے O (التوبہ: ٥١)

مسئلہ تقدیر

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم کو کوئی خیر یا شر، کوئی رنج یا راحت، کوئی سختی یا آسانی نہیں پہنچتی مگر وہ ہمارے لیے مقدر ہوتی ہے اور اللہ کے پاس لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہوتی ہے اور اس کے خلاف ہونا محال ہے، کیونکہ اللہ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اپنے اختیار اور ارادہ سے کیا کریں گے اور کیا نہیں کریں گے اور اس نے اس کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا، اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس کے خلاف ہو سکتا ہے تو گویا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ کے علم کے خلاف ہو سکتا ہے اور علم کے خلاف ہونا جہل ہے اور جہل اللہ کے لیے محال ہے، سو اللہ کے علم اور تقدیر کے خلاف ہونا بھی محال ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ ہمارا مالک ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کے ارادہ اور اس کے فعل دونوں کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، اب اگر کوئی یہ کہے کہ جب بندہ کا ارادہ بھی اللہ نے پیدا کیا ہے اور اس کا فعل بھی اللہ نے پیدا کیا ہے تو بندے کو بُرے کاموں پر عذاب اور نیک کاموں پر ثواب کیوں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ ہمارا مالک ہے اور ہم اس کے مملوک ہیں اور مالک اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مخلوق کے عام احوال میں یہی ہوتا ہے کہ جو شخص کسی چیز کا مالک ہو وہ اس میں جس طرح تصرف کرے کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے تو اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں جس طرح تصرف فرمائے اس پر کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے۔

ابن دیلمی بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں تقدیر کے متعلق ایک شک پیدا ہوا اور مجھے یہ شک ہوا کہ اس سے میرا دین فاسد ہو جائے گا، میں حضرت ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھے ایک حدیث سنائی اور کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی پوچھنا، حضرت عبداللہ نے بھی وہی حدیث سنائی اور کہا کہ حضرت حذیفہ سے بھی پوچھنا۔ انہوں نے بھی جواب میں وہی حدیث سنائی جو ان دونوں نے سنائی تھی اور کہا کہ حضرت زید بن ثابت کے پاس جاؤ۔ انہوں نے بھی وہی حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اللہ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا، اور اگر وہ ان پر رحمت فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے، اور اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جس کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو اللہ اس کو تم سے اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک تم اللہ کی ہر تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ، اور تم یہ یقین رکھو کہ تم کو جو چیز بھی پہنچی ہے وہ تم سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو چیز تم کو نہیں پہنچی وہ تم پر آ نہیں سکتی تھی اور اگر تم اس عقیدہ کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر مرے تو دوزخ میں داخل ہوگے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٧٧، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ٤٦٩٩، مسند احمد ج ٨ رقم الحدیث: ٢١٦٦٧)

متکلمین نے اس اشکال کو دُور کرنے کے لیے یہ کہا ہے کہ ارادہ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا بندہ اس کا خود احداث کرتا ہے' اور معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ ارادہ کو بندہ خود پیدا کرتا ہے اور اعمال کو بھی خود پیدا کرتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے' اس میں ایک اشارہ یہ ہے کہ منافقین اور کفار دنیاوی اسباب پر توکل کرتے ہیں اس لیے ایمان والوں کو چاہیے کہ صرف اللہ پر توکل کریں' دوسرا اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہرچند کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے لیکن مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر آس لگائے رکھیں اور ہرچند کہ ہوگا وہی جو تقدیر میں لکھا ہوا ہے لیکن بندوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار رہیں اور اس سے دعا کرنا نہ چھوڑیں کیونکہ دعا اور دوا بھی مقدرات میں سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم ہماری دو بھلائیوں (فتح یا شہادت) میں سے ایک کا انتظار کر رہے ہو' اور ہم تمہارے متعلق صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تمہیں اپنے پاس سے عذاب پہنچاتا ہے یا ہمارے ہاتھوں عذاب دلواتا ہے' سو تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں○ (التوبہ: ۵۲)

مسلمانوں اور منافقوں کی دو حالتوں کی تفصیل

مسلمانوں کے مصائب پر منافقین جو خوشی کا اظہار کرتے تھے اس آیت میں اس کا دوسرا جواب ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان جب میدانِ جہاد میں جاتا ہے تو اگر وہ مغلوب ہو کر قتل کر دیا جائے تو اس کو دنیا میں شہید کہا جاتا ہے اور موت کے بعد دنیا میں بھی اس کی بہت تکریم ہوتی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے' وہ اپنی قبر میں جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہوتا ہے اور اس کی رُوح سبز پرندوں میں بیٹھ کر جنت کی کیاریوں میں سیر کرتی ہے اور اگر مسلمان میدانِ جنگ میں غالب ہو تو وہ فتح و کامرانی' مالِ غنیمت اور نیک نامی کے ساتھ لوٹتا ہے' اور منافق جب جہاد کے لیے نہیں جاتا اور گھر میں بیٹھ رہتا ہے تو دنیا میں وہ بزدلوں میں شمار ہوتا ہے اور اندھوں' اپاہجوں' بیماروں' کمزوروں' عورتوں اور بچوں کے ساتھ اس کا شمار ہوتا ہے' اور اس کے باوجود اس کو اپنی جان' مال اور اولاد کا خوف دامن گیر رہتا ہے کہ کہیں ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا تو پھر ان کو مشرکوں کے ساتھ لاحق کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ یہ وہ عذاب ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو لاحق ہو گا اور مرنے کے بعد ان کو قیامت میں دائمی عذاب ہو گا پس منافق مسلمان کی جن دو حالتوں کا منتظر ہے ان میں سے ہر حالت عزت و تکریم کی حامل ہے اور مسلمان منافق کی جن دو حالتوں کا منتظر ہے وہ دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب کی حالتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم اللہ کی راہ میں خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو○ ان کے خرچ کیے ہوئے کو صرف اس وجہ سے قبول نہیں کیا گیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے تھے اور صرف سستی اور کاہلی کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے آتے تھے اور (اللہ کی راہ میں) صرف ناخوشی سے خرچ کرتے تھے○ (التوبہ: ۵۴-۵۳)

شانِ نزول

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس آیت کے شانِ نزول میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جد بن قیس نے کہا میں عورتوں کو دیکھ کر اپنے نفس پر ضبط نہیں کر سکتا' لیکن میں اپنے مال کے ساتھ آپ کی امداد کروں گا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے'

تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو۔

کافر کی زمانۂ کفر میں کی ہوئی نیکیوں پر اجر ملنے یا نہ ملنے کی تحقیق

کافر جب دنیا میں کوئی نیک کام کرتا ہے مثلاً رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے، کسی کے نقصان کی تلافی کرے، کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے اور کسی بھوکے پیاسے کو کھلائے اور پلائے تو اس کو آخرت میں ان نیک کاموں کا اجر نہیں ملے گا البتہ ان نیکیوں کے عوض دنیا میں اس کو نعمتیں اور راحتیں دی جائیں گی، اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتا تھا اور مسکینوں کو کھلاتا تھا، کیا یہ کام اس کو نفع دیں گے؟ آپ نے فرمایا: (یہ کام) اس کو نفع نہیں دیں گے، اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا اے اللہ! حساب کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔

(صحیح مسلم، الایمان: ٣٦٥ (٢١٤) ٥٠٧، مسند احمد ج ٦ ص ١٢٠، ٩٣)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کسی مومن کی نیکی میں کوئی کمی نہیں کرے گا، اس کو اس نیکی کا عوض دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی اس کو اجر دیا جائے گا اور رہا کافر تو اس نے اللہ کے لیے جو نیکیاں دنیا میں کی ہیں ان کا تمام عوض اللہ اس کو دنیا میں دے دے گا حتیٰ کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کا اس کو اجر دیا جائے۔ (صحیح مسلم، صفات المنافقین: ٥٦، (٢٨٠٨) ٦٩٥٦)

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کفر کی نیکیوں پر بھی اجر ملتا ہے:

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں زمانہ جاہلیت میں چند امور بطور عبادت کرتا تھا، کیا ان کا مجھ کو کچھ اجر ملے گا؟ تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے پہلے جو نیکیاں کی تھیں تم نے ان کو سلامت رکھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٢٢٠، صحیح مسلم، الایمان: ١٩٤ (١٢٣) ٣١٦)

امام مسلم کی دوسری روایت (١٩٥) میں ہے: وہ صدقہ کرتے تھے، غلام آزاد کرتے تھے اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو کافر کفر پر ہی مرے اس کو اس کی نیکیوں کا آخرت میں اجر نہیں ملتا اور جو کافر اسلام لے آئے اس کو زمانہ کفر کی نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کافر مسلمان ہو جائے اور مسلمان ہو کر نیک عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر پچھلی نیکی کو بھی لکھ لیتا ہے اور اس کے ہر پچھلے گناہ کو مٹا دیتا ہے اور اسلام کے بعد جو نیکی کرے گا اس کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ملے گا اور ایک گناہ کو ایک ہی لکھا جائے گا سوا اس کے کہ اللہ اس کو معاف کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤١، سنن النسائی رقم الحدیث: ٥٠١٣)

اس پر پھر یہ اعتراض ہے کہ بعض کافر کفر پر مرے اور ان کو نیکیوں کا پھر بھی اجر دیا گیا جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے ابو طالب کو کچھ نفع پہنچایا، وہ آپ کی حفاظت کرتا تھا اور آپ کا دفاع کرتا تھا اور آپ کی وجہ سے لوگوں پر غضب ناک ہوتا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٨٨٣، ٦٢٠٨، ٦٥٧٢، صحیح مسلم، الایمان: ٣٥٧، (٢٠٩) ٥٠٠)

اس کا جواب یہ ہے کہ جس کافر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تعلق کی وجہ سے شفاعت فرمادیں اللہ تعالیٰ اس کے عذاب میں تخفیف فرمادیتا ہے جیسا کہ ابوطالب کے معاملہ میں ہوا اور جو کافر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اظہارِ محبت کا کوئی نیک عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کو بھی محروم نہیں کرتا۔ حدیث میں ہے:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی۔ ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابولہب مرگیا تو اس کے بعض رشتہ داروں نے اس کو بہت بُرے حال میں دیکھا۔ اس سے پوچھا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ ابولہب نے کہا تم سے جُدا ہونے کے بعد مجھے کوئی خیر نہیں ملی البتہ مجھے اس انگلی سے پلایا جاتا ہے کیونکہ میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۱۰۱) محدث رزین کی روایت میں کچھ اضافہ ہے' عروہ نے کہا: ثویبہ ابولہب کی باندی تھی' اس باندی نے جب ابولہب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی بشارت دی تو اس نے اس کو آزاد کر دیا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابولہب کفر پر مرا تو (حضرت) عباس (بن عبدالمطلب) نے اسلام لانے کے بعد اس کو خواب میں بُری حالت میں دیکھا' اس سے پوچھا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا: تمہارے بعد میں نے کسی بھلائی کو نہیں دیکھا سوا اس کے کہ مجھے اس انگلی سے ہر پیر کی رات پلایا جاتا ہے' کیونکہ میں نے ثویبہ کو اس انگلی کے اشارے سے آزاد کیا تھا۔ (جمع الفوائد ص ۳۵-۳۴ رقم الحدیث:۴۱۹۸)

ابوطالب اور ابولہب کے عذاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور آپ کے ساتھ اظہارِ محبت کے نیک عمل کی وجہ سے تخفیف کی گئی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ حدیثیں قرآنِ مجید کی اس آیت کے خلاف ہیں جس میں کفار کے متعلق فرمایا ہے:

خَالِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۶۲)

کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے عذاب میں کمیت اور مدت کے اعتبار سے تخفیف نہیں کی جائے گی اور جو تخفیف کی گئی ہے وہ کیفیت کے اعتبار سے ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ بطریق عدل ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور جو تخفیف کی گئی ہے وہ بطریق فضل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس کافر نے زمانہ کفر میں کوئی نیکی کی ہو اور وہ پھر مسلمان ہو جائے یا وہ مسلمان تو نہیں ہوا لیکن اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کی ہو یا اس نے آپ کی محبت میں کوئی نیک عمل کیا ہو تو اس کی نیکیوں پر اجر ملتا ہے یا اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے' اور جو کافر کفر پر مرا ہو نہ اس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کی ہو اور نہ اس نے آپ کی محبت میں کوئی نیک عمل کیا ہو' تو اس کی زمانہ کفر کی تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے:

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ○ (الفرقان: ۲۳)

ہم ان کے (نیک) کاموں کی طرف قصد فرمائیں گے پھر ہم انہیں فضا میں بکھرے ہوئے غبار کے باریک ذرے بنادیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمادی ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہوتا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۹۷)

جس نے کوئی نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور ہم ان کے کیے ہوئے نیک کاموں کا ان کو ضرور اجر عطا فرمائیں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور وہ صرف سستی اور کاہلی کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے آتے تھے۔
حضرت ابن عباس نے فرمایا: اگر وہ لوگوں کے ساتھ ہوتے تو نماز پڑھ لیتے اور اگر اکیلے ہوتے تو نماز نہ پڑھتے، ایسا شخص نماز پڑھنے پر کسی اجر کی امید رکھتا ہے اور نہ نماز نہ پڑھنے سے اس کو کسی عذاب کا خوف ہوتا ہے، اور منافق عبادت کی ادائیگی میں کاہلی اور سستی پیدا کرتا ہے۔ اس آیت کی مکمل تفسیر النساء: ۱۴۲ میں بیان کی جاچکی ہے۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ کی راہ میں صرف ناخوشی سے خرچ کرتے تھے کیونکہ وہ زکوٰۃ اور صدقات کو جُرمانہ سمجھتے تھے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ان کے مال اور اولاد سے آپ متعجب نہ ہوں، اللہ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ انہیں ان کے مال اور ان کی اولاد کے سبب سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کفر کرنے والے ہوں○ (التوبہ: ۵۵)

مال اور اولاد کا سبب عذاب ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی تحقیر کی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کو جو اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کی کثرت عطا کی ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب میں مبتلا فرمائے، دنیا کی زندگی میں ان پر جو مصائب آتے ہیں ان پر ان کو آخرت میں کوئی اجر نہیں ملتا، اس لیے یہ مصائب ان کے لیے محض عذاب ہیں، اس کے علاوہ شریعت نے ان کو زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کی ادائیگی کا بھی مکلف کیا ہے جس کو وہ عذاب سمجھتے ہیں۔
جو شخص مال اور اولاد کی محبت میں مبتلا ہو وہ دن رات جائز اور ناجائز طریقہ سے مال اور دولت کو جمع کرنے میں لگا رہتا ہے اور جیسے جیسے اس کے دل میں مال اور اولاد کی محبت بڑھتی جاتی ہے وہ آخرت اور یادِ خدا سے غافل ہوتا جاتا ہے، جس شخص کے دل میں مال اور اولاد کی محبت نہ ہو بلکہ وہ دنیاوی امور سے بے رغبت اور بے پروا ہو اسے مرتے وقت اور دنیا سے جدا ہوتے وقت کوئی تکلیف نہیں ہوتی، لیکن جو شخص مال و دولت اور اولاد سے شدت کے ساتھ محبت کرتا ہو اس پر موت بہت بھاری اور دُشوار ہوتی ہے۔ اس کا دل دنیا میں لگا ہوا ہوتا ہے اور اب وہ دنیا سے رُخصت ہوا چاہتا ہے، اسے یوں لگتا ہے جیسے وہ باغ سے نکل کر قید خانہ کی طرف جارہا ہو اور اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی مجالس سے نکل کر تنہائی اور غربت کی جگہ جارہا ہو تو اس کا رنج و غم بہت بڑھ جاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ بے شک وہ ضرور تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ تقیہ کرتے ہیں (کہ تم ان سے مشرکوں جیسا سلوک نہ کرو)○ اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا تہ خانے یا دخول کی کوئی بھی جگہ تو وہ اس میں تیزی سے رسیاں تڑاتے ہوئے گھس جائیں○ (التوبہ: ۵۷-۵۶)
اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ منافقین دنیا اور آخرت کی زندگی میں نقصان اٹھانے والے ہیں اور ان کے لیے آخرت میں کوئی اجر و ثواب نہیں ہے اور اس آیت سے پھر ان کے قبیح اوصاف اور بُرے کام بیان کرنے شروع فرمائے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ وہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں یعنی تمہارے دینِ اسلام پر ہیں اور حالانکہ وہ دینِ اسلام پر قائم نہیں ہیں، وہ صرف اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنے پوشیدہ کفر کو ظاہر کردیا تو ان کے ساتھ مشرکین جیسا سلوک ہوگا، ان کو قتل کردیا جائے گا اور ان کا مال بطور مالِ غنیمت کے ضبط کرلیا جائے گا۔
دوسری آیت میں ملجاء سے مراد قلعے، اور مغارات سے مراد ہے پہاڑوں میں غار اور مدخل سے مراد ہے زمین

کے تہ خانے۔۔۔اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے اس قدر خوف زدہ ہیں کہ وہ جلد سے جلد مسلمانوں کی پہنچ اور ان کی گرفت سے نکلنا چاہتے ہیں، انہیں کوئی قلعہ مل جائے، یا کسی پہاڑ میں غار یا زمین کے نیچے کوئی تہ خانہ تو وہ تیزی سے دوڑتے ہوئے اس میں گھس جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں، اگر ان کو ان صدقات سے دے دیا جائے تو یہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو ان صدقات سے نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیںO (التوبہ: ۵۸)

لمز کے معنی ہیں کسی کو طعنہ دینا اور اس کے منہ پر اس کی بُرائی بیان کرنا اور ھمز کے معنی ہیں کسی کے پسِ پشت اس کی بُرائی بیان کرنا اور اس کی غیبت کرنا اور توسعًا ان کا ایک دوسرے پر بھی اطلاق آتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ منافقین صدقات کی تقسیم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا کرتے تھے، بکثرت احادیث میں ان منافقین کا ذکر کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کرنے والوں کے متعلق احادیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپسی پر جعرانہ میں تھے، اسی اثناء میں ایک شخص آپ کے پاس آیا در آنحالیکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں چاندی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مٹھی بھر بھر کر لوگوں کو دے رہے تھے، ایک شخص نے کہا: اے محمد! عدل کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تمہیں عذاب ہو اگر میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کرے گا؟ اگر میں عدل نہ کرتا تو میں (اپنے مشن میں) ناکام اور نامراد ہو جاتا۔ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس شخص کو قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہوں، یہ شخص اور اس کے اصحاب قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترتا اور یہ لوگ قرآن سے اس طرح صاف نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے۔

(صحیح مسلم، الزکوٰۃ: ۱۴۲ (۱۰۶۳) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۲، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۰۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۴۔ ۳۵۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کچھ تقسیم فرما رہے تھے کہ بنو تمیم سے ذوالخویصرہ نامی ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! عدل کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے عذاب ہو اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون عدل کرے گا! اگر میں عدل نہیں کروں گا تو میں (اپنے مشن میں) ناکام اور نامراد ہو جاؤں گا۔ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہنے دو، کیونکہ اس کے ایسے ساتھی ہیں جن کی نمازوں کے مقابلہ میں تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے، اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں تم اپنے روزوں کو حقیر گردانو گے، یہ لوگ قرآن مجید پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اُترے گا، اور یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے اس طرح نکل جاتا ہے کہ تیر انداز تیر کے پھل کو دیکھتا ہے اور اس میں خون کا اثر نہیں ہوتا پھر پھل کی جڑ کو دیکھتا ہے تو اس میں بھی خون نہیں ہوتا، پھر اس کے پر کو دیکھتا ہے تو اس میں بھی کچھ نہیں ہوتا، حالانکہ تیر شکار کی بیٹ اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے، ان لوگوں کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک کالا آدمی ہو گا جس کا ایک شانہ عورت کے پستان کی طرح ہو گا، یا

جیسے ہلتا ہوا گوشت کا لوتھڑا ہو، یہ گروہ اس وقت ظاہر ہو گا جب لوگوں میں تفرقہ ہو گا۔ حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور میں اس وقت حضرت علی کے ساتھ تھا۔ حضرت علی نے اس آدمی کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ وہ مل گیا اور اس کو حضرت علی کے پاس لایا گیا اور میں نے اس شخص کو ان ہی صفات کے ساتھ پایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۶۳، صحیح مسلم، الزکوۃ: ۱۴۸ (۱۰۶۴) ۲۴۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۹، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۰۸۹)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یمن سے کچھ سونا بھیجا جس میں کچھ مٹی بھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سونا چار آدمیوں میں تقسیم فرما دیا۔ اقرع بن حابس، حنظلی، عیینہ بن بدر الفزاری اور علقمہ بن علاثہ العامری، پھر بنو کلاب کے ایک شخص کو اور زید الخیر الطائی کو، پھر بنو نبہان کے ایک شخص کو۔ حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ قریش ناراض ہو گئے کہ حضور نجد کے سرداروں کو دے رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ میں ان لوگوں کی تالیف قلب کروں۔ پھر ایک شخص آیا جس کی ڈاڑھی گھنی تھی، گال ابھرے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں، پیشانی اونچی تھی اور سر منڈا ہوا تھا۔ اس نے کہا: اے محمد! اللہ سے ڈرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں گا تو پھر کون اللہ سے ڈرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین پر امین بنا کر بھیجا ہے اور تم مجھے امین نہیں مانتے، پھر وہ شخص پشت پھیر کر چل دیا۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی، راوی کا گمان ہے وہ حضرت خالد بن ولید تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی نسل سے ایک ایسی قوم پیدا ہو گی جو قرآن پڑھے گی اور قرآن اس کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا، یہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور کافروں کو چھوڑ دیں گے اور یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، اگر میں ان لوگوں کو (یعنی ان کا زمانہ) پا لیتا تو قوم عاد کی طرح ان کو قتل کر ڈالتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۴، الزکوۃ: ۱۴۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۸، مسند احمد ج ۳ ص ۴)

جس شخص نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا آپ نے اس کو سزا کیوں نہیں دی؟

قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں: جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا آپ نے اس کو قتل کرنے کی اجازت اس لیے نہیں دی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں کیونکہ وہ شخص منافق تھا اور مسلمانوں کی وضع اختیار کر کے رہتا تھا، آپ نے صبر کیا اور تحمل کیا اور دوسرے نو مسلموں کی تالیف کے لیے اس کو قتل نہیں فرمایا۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر اور حلم اور مواضع تہمت سے بچنے کا ثبوت ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۶۰۸، مطبوعہ دار الوفا بیروت، ۱۴۱۹ھ)

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے یا آپ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اس پر ہم اس سے پہلے تفصیل سے لکھ چکے ہیں، اس کے لیے مطالعہ فرمائیں: الاعراف: ۱۵۷، التوبہ: ۱۲ شرح

صحیح مسلم ج ۲ص ۱۰۱۰-۱۰۰۰۔

جس شخص نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا اسی کی نسل سے خارجی پیدا ہوئے

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ اس منافق کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو مسلمانوں کو قتل کریں گے اور کافروں کو چھوڑ دیں گے۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی قرطبی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی خبر دیتے تھے کیونکہ آپ نے جو پیش گوئی کی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں خارجیوں کا ظہور ہوا جو کافروں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو قتل کرتے تھے اور یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بہت قوی دلیل ہے۔ ان کا امام وہ شخص تھا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ظلم اور ناانصافی کی نسبت کی، اگر اس میں ادنیٰ بصیرت ہوتی تو وہ جان لیتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ظلم اور بے انصافی کی نسبت کرنا اسی طرح جائز نہیں ہے جس طرح اللہ کی طرف ظلم اور بے انصافی کی نسبت جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک ہے اور اس پر کسی کا حق نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے متعلق بے انصافی اور ظلم کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے ہیں تو جس طرح اللہ کے متعلق ظلم کا تصور نہیں کیا جا سکتا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ظلم اور بے انصافی کا تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آپ کا ہر قول اور فعل وحی کے مطابق ہوتا ہے۔ ان خارجیوں کی جہالت اور گمراہی کے لیے یہ کافی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب کو کافر کہتے تھے جن کے صحتِ ایمان اور جنتی ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی تھی، مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ (المفہم ج ۳ ص ۱۱۳)

خارجیوں کے ظہور کا سبب

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے یہ لوگ مسلمانوں کے بہترین فرقے کے خلاف خروج کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۱۳، ۶۹۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۴ الزکوٰۃ: ۱۴۸) علامہ قرطبی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان لوگوں نے اس وقت خروج کیا تھا جب مسلمان دو فرقوں میں بٹ گئے تھے: ایک فرقہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو درست قرار دیتا تھا اور ایک فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو درست قرار دیتا تھا اور ہر فریق دوسرے سے قتال کر رہا تھا اور اس گروہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور آپ کے ساتھ اکابر صحابہ تھے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آپ ہی امام عادل تھے اور آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل تھے بلکہ اس زمانہ میں ہر شخص سے افضل تھے، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرقہ پر یہ صادق آتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا سب سے بہتر فرقہ تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ان سے وہ جماعت قتال کرے گی جو مسلمانوں کی دو جماعتوں میں حق کے زیادہ قریب ہو گی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت نے ان سے قتال کیا لہٰذا ان ہی کا فرقہ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں بہتر تھا۔ (المفہم ج ۳ ص ۱۱۷-۱۲۶)

خارجیوں کے متعلق اہلسنت کا نظریہ

نیز علامہ قرطبی خارجیوں کے متعلق لکھتے ہیں:

ہمارے ائمہ نے خارجیوں کو کافر قرار دیا ہے اور بعض ائمہ نے اس میں توقف کیا ہے، لیکن اس باب کی احادیث کی روشنی میں پہلا قول درست ہے، اس قول کی بنا پر ان سے قتال کیا جائے گا اور ان کے اموال کو ضبط کر لیا جائے گا اور دوسرے

قول کی بنا پر ان میں سے بھاگنے والوں کا پیچھا نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے قیدیوں کو قتل کیا جائے گا اور نہ ان کا مال لوٹا جائے گا اور یہ حکم اس وقت ہے جب یہ لوگ مسلمانوں کی مخالفت کریں اور ان کے اتحاد کی لاٹھی کو توڑیں اور بغاوت کا جھنڈا بلند کریں، لیکن ان میں سے جو شخص اپنی بدعت کو مخفی رکھے، اور بغاوت کا جھنڈا بلند نہ کرے، اس کی اس بدعت کو رد کرنے اور اس کو راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کی جائے گی اور اس سے قتال نہیں کیا جائے گا۔ (المفہم ج ۳ ص ۱۱۰)

خارجیوں کی علامت

حضرت سہل بن حنیف کی روایت میں ہے: یہ لوگ سر منڈایا کریں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۸، الزکوٰۃ: ۱۵۹) علامہ قرطبی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ان لوگوں نے سر منڈانا اس لیے اختیار کیا کہ یہ ان کی دنیا سے بے رغبتی اور زہد کی علامت ہو جائے اور ان کی شناخت اور شعار بن جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے متعلق ارشاد ہے ان کی علامت سر منڈانا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۶، مسند احمد ج ۳ ص ۶۴) یہ ان کی جہالت ہے کہ جس چیز میں زہد نہیں ہے یہ اس کو زہد شمار کرتے ہیں اور یہ اللہ کے دین میں بدعت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کا طریقہ اس کے خلاف تھا اور کسی سے یہ مروی نہیں ہے کہ اس نے سر منڈانے کو اپنی شناخت بنالیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تھے جن میں آپ مانگ نکالتے تھے، اور کبھی آپ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے اور کبھی اس سے زیادہ لمبے ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس کے بال ہوں وہ ان کی تکریم کرے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۶، مسند احمد ج ۳ ص ۶۴) اور امام مالک کے نزدیک احرام سے باہر آنے کے سوا یا کسی ضروری حاجت کے سوا سر منڈانا مکروہ ہے۔

(المفہم ج ۳ ص ۱۲۲، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ اس چیز پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے، عنقریب اللہ اور اس کا رسول ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائیں گے اور ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (تو یہ ان کے لیے بہت بہتر ہوتا)○ (التوبہ: ۵۹)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت سے جتنا ان کو عطا فرمایا تھا اگر یہ لوگ اسی پر راضی ہو جاتے اور خواہ وہ مال کم ہوتا لیکن وہ اس پر خوش ہوتے اور یہ کہتے کہ ہمیں یہ مال کافی ہے، اور عنقریب ہمیں اللہ تعالیٰ کسی اور مالِ غنیمت سے عطا فرمائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو دوبارہ اس مرتبہ سے زیادہ عطا فرمائیں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے فضل و کرم کی طرف رغبت کرتے ہیں تو یہ ان کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دنیا کی لذات کی وجہ سے دنیا کو طلب کرتا ہے یا دنیا برائے دنیا طلب کرتا ہے تو وہ نفاق کے خطرہ میں ہے اور جو شخص دنیا اس لیے طلب کرتا ہے کہ اس سے عبادات کی انجام دہی میں آسانی ہو، دین کی زیادہ اور موثر طریقہ سے تبلیغ کر سکے تو یہ مستحسن اور محمود ہے۔ نیز اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو جو کچھ عطا فرمائیں انہیں اس پر اور قضاء و قدر پر راضی رہنا چاہیے اور اپنی رضا کا زبان سے بھی اظہار کرنا چاہیے اور یہ کہنا چاہیے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور عبادات میں اس کا مقصود صرف اللہ کی رضا ہونا چاہیے۔

عذاب کے خوف، ثواب کے شوق اور محض رضاالٰہی کے لیے عبادت کرنے کے تین مراتب

امام رازی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک جماعت سے گزر ہوا جو اللہ کا ذکر کر رہی تھی۔ آپ نے پوچھا کہ تمہیں اللہ کے ذکر پر کس نے برانگیختہ کیا؟ انہوں نے کہا: اللہ کے عذاب کے خوف نے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

فرمایا: تمہاری نیت درست ہے' پھر ایک اور جماعت کے پاس سے گزر ہوا جو اللہ کا ذکر کر رہی تھی' ان سے پوچھا کہ تم کو اس ذکر پر کس نے ترغیب دی؟ انہوں نے کہا: حصولِ ثواب نے۔ آپ نے فرمایا: تمہاری نیت صحیح ہے' پھر ایک تیسری قوم کے پاس سے گزر ہوا جو اللہ کا ذکر کر رہی تھی۔ آپ نے ان سے اس ذکر کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا: ہم عذاب کے خوف سے ذکر کر رہے ہیں نہ ثواب کے شوق میں ذکر کر رہے ہیں' ہم محض ذلتِ عبودیت کی وجہ سے اور عزتِ ربوبیت کی وجہ سے ذکر کر رہے ہیں اور اپنے دل کو اس کی معرفت سے مشرف کرنے کے لیے اور اپنی زبان کو اس کی صفاتِ قدسیہ کے الفاظ سے مکرم کرنے کے لیے اس کا ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم ہی حقیقت میں حق رسیدہ ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس حکایت سے یہ مطلب نہیں اخذ کرنا چاہیے کہ انسان عذاب کے خوف اور ثواب کے شوق سے بالکل عبادت نہ کرے اور صرف اظہارِ عبودیت اور حصولِ رضا کے لیے عبادت کرے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن اور حدیث میں جو دوزخ کے عذاب کی شدت اور ہولناکی بیان کی ہے وہ عبث نہیں ہے اور قرآن اور حدیث میں جنت کی نعمتوں کا جو بکثرت ذکر فرمایا ہے وہ بھی بے فائدہ نہیں ہے اور بشمول ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں نے دوزخ کے عذاب سے نجات اور جنت کے حصول کی دعائیں کی ہیں' اس لیے انسان کو خدا کے سامنے بے باک اور جری نہیں بننا چاہیے اور دوزخ کے خوف سے بھی عبادت اور دعا کرنی چاہیے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستغنی ہونا چاہیے اور جنت کی طلب کے لیے بھی عبادت کرنا چاہیے اور کبھی کبھی اس کے دل میں یہ کیفیت بھی ہونی چاہیے کہ ثواب اور عذاب سے قطع نظر کر کے وہ اللہ کی عبادت صرف اس لیے کرے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کی خدمت میں لگا رہے خواہ اس کو مولیٰ کچھ دے یا نہ دے اور اس کا مطمحِ نظر صرف یہ ہونا چاہیے کہ اس کا مولیٰ اس سے راضی رہے' یہی صراطِ مستقیم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عطا کرنے کی نسبت

اس آیت کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دینے اور عطا کرنے کی نسبت درست ہے اور اس کو شرک کہنا درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی ترغیب دی ہے کہ یوں کہنا چاہیے کہ عنقریب اللہ اور اس کا رسول ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائیں گے اور اللہ اور رسول کے دینے میں فرق ہے' اللہ بالذات عطا فرماتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی دی ہوئی طاقت' اس کے اذن اور اس کے حکم سے عطا فرماتے ہیں۔ قرآنِ مجید کی اور آیات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عطا کرنے کی نسبت کی گئی ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (التوبہ: ۷۴)

اور ان کو صرف یہ بات بری لگی کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ۔ (الاحزاب: ۳۷)

اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے (بھی) اس پر انعام کیا۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ

زکوٰۃ کے مصارف صرف فقراء اور مساکین ہیں اور زکوٰۃ کی وصولیابی

عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ

پر مامور لوگ، اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو اور جن غلاموں کو آزاد کرنا ہو، اور مقروض لوگ

وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ

اور اللہ کی راہ میں اور مسافرین، یہ اللہ کی جانب سے ایک فریضہ ہے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ

اور اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہے ○ اور بعض منافقین نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں

وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اور کہتے ہیں کہ وہ کانوں کے کچے ہیں، آپ کہیے کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے ہر ایک کی بات سنتے ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں

وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ

اور مومنین کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور تم میں سے ایمان والوں کے لیے رحمت ہیں،

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○○

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ

(اے مسلمانو!) منافقین تمہیں راضی کرنے کے لیے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ حقدار تھے

اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ

کہ وہ ان کو راضی کرتے اگر وہ مومن تھے ○ کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو

مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بے شک اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ

فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ

ہمیشہ رہے گا یہ بہت بڑی رسوائی ہے ○ منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ

الثلثة

اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

مسلمانوں پر ایسی سورت نازل ہو جائے گی جو مسلمانوں کو منافقوں کے دل کی باتوں کی خبر دے دے گی

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

آپ کہیے تم مذاق اڑاتے رہو، بے شک اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر رہے ہو ○

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ

اور اگر آپ ان سے (ان کے مذاق اڑانے کے متعلق) سوال کریں تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ ہم تو محض خوش طبعی اور دل لگی کرتے تھے

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾

آپ کہیے کہ کیا تم اللہ کا اور اس کی آیتوں کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے ○

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ

اب عذر نہ پیش کرو، بے شک تم اپنے ایمان کے اظہار کے بعد کفر کر چکے ہو، اگر ہم تمہاری ایک جماعت سے

طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ ع

(اس کی توبہ کی وجہ سے) درگزر کر لیں تو بے شک ہم دوسرے فریق کو عذاب دیں گے، کیونکہ وہ مجرم تھے (وہ کفر اور مذاق اڑانے پر اصرار کرتے تھے) ○

ع ۱۴/۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زکوٰۃ کے مصارف صرف فقراء اور مساکین ہیں اور زکوٰۃ کی وصولیابی پر مامور لوگ، اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو، اور جن غلاموں کو آزاد کرنا ہو، اور مقروض لوگ، اور اللہ کی راہ میں اور مسافرین، یہ اللہ کی جانب سے ایک فریضہ ہے اور اللہ بہت علم والا، بے حد حکمت والا ہے ○

(التوبہ: ۶۰)

آیاتِ سابقہ کے ساتھ ارتباط

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ منافقین زکوٰۃ اور صدقات کی تقسیم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے، تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کا بیان فرمایا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کو اس کے مصارف میں تقسیم فرماتے ہیں اور زکوٰۃ اور صدقات میں سے اپنے نفس کے لیے کوئی چیز نہیں رکھتے، اس لیے زکوٰۃ کی تقسیم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن اور اعتراض کا کوئی جواز نہیں ہے۔

زکوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنی، زکوٰۃ کا نصاب اور وجوبِ زکوٰۃ کی شرائط ہم البقرہ: ۴۳ میں بیان کر چکے ہیں، اس مقام پر ہم زکوٰۃ کی حکمتیں، زکوٰۃ کی مصلحتیں اور زکوٰۃ کے فوائد بیان کر رہے ہیں، ان میں سے بعض حکمتوں کا تعلق زکوٰۃ دینے والے کے ساتھ ہے اور بعض حکمتوں کا تعلق زکوٰۃ لینے والے کے ساتھ ہے۔

زکوٰۃ دینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں

امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے زکوٰۃ کے حسب ذیل اسرار اور فوائد بیان فرمائے ہیں:

(۱) انسان جب کلمۂ شہادت پڑھ لیتا ہے تو گویا وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (البقرہ: ۱۶۵) — اور جو لوگ ایمان لائے وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

یعنی مومن اپنی جان اور اپنے مال سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، تو مسلمانوں پر جہاد فرض کر کے ان کی جان سے زیادہ محبت کو آزمایا گیا اور زکوٰۃ کو فرض کر کے ان کی مال سے زیادہ اللہ سے محبت کو آزمایا گیا، اور اللہ کی محبت میں مال خرچ کرنے والے مسلمانوں کے تین درجات ہیں:

(الف) وہ لوگ جو اللہ کی محبت میں سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں اور اپنے پاس ایک درہم اور ایک دینار بھی نہیں رکھتے اس لیے جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ دو سو درہم پر کتنی زکوٰۃ ہے تو وہ کہتے ہیں کہ عوام پر تو پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور ہم پر تمام مال کو خرچ کرنا واجب ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اس دن اتفاق سے میرے پاس مال تھا، میں نے دل میں کہا اگر میں کسی دن حضرت ابوبکر پر سبقت کر سکتا ہوں تو وہ آج کا دن ہے۔ میں اپنا آدھا مال لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا، آپ نے پوچھا تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا اتنا ہی مال ہے۔ حضرت عمر نے کہا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا تمام مال و متاع لے کر آ پہنچے۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے، تب میں نے دل میں کہا میں حضرت ابوبکر پر کبھی سبقت نہیں کر سکتا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۵، المستدرک ج ۱ ص ۴۱۴، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۸۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۶۱۱، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۰۲۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکمل صدق کے مقام پر فائز تھے۔ انہوں نے اپنے پاس صرف اسی چیز کو رکھا جو انہیں سب سے زیادہ محبوب تھی اور وہ ان کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ہیں۔

(ب) دوسرا درجہ اس پہلے درجہ والوں سے کم ہے، یہ اپنے پاس مال کو بچا کر رکھتے ہیں تاکہ ان کی ضروریات کے موقع پر کام آئے اور جب نیک کاموں پر خرچ کرنے کے مواقع آئیں تو وہ مال کو خرچ کر سکیں، پس وہ مال کو اس لیے جمع کر کے رکھتے ہیں تاکہ ضرورت کے مواقع پر خرچ کر سکیں نہ کہ عیش و عشرت پر خرچ کرنے کے لیے اور یہ ضرورت سے زائد مال کو نیکی کے راستوں پر خرچ کرتے ہیں، اور یہ لوگ صرف زکوٰۃ کی مقدار پر اقتصار نہیں کرتے، اور تابعین میں سے نخعی، شعبی، عطا اور مجاہد کا یہ نظریہ ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور حقوق بھی ہیں، ان کا استدلال قرآن مجید کی درج ذیل آیتوں سے ہے:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ۔ (البقرہ: ۱۷۷) — اور مال سے (طبعی) محبت کے باوجود (اللہ کی محبت میں) اپنا مال رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں اور غلام آزاد کرانے کے لیے دے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ-(المنافقون: ١٠) اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے تم (ہماری راہ میں) خرچ کرو۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ-(الانفال: ٣) اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے وہ اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

(ج) اور تیسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جو صرف مقدار واجب ادا کرنے پر اقتصار کرتے ہیں' ان پر جتنی زکوٰۃ فرض ہے وہ صرف اتنی ہی ادا کرتے ہیں اس سے زیادہ نہ اس سے کم اور یہ سب سے کم مرتبہ ہے اور تمام عام لوگوں کا یہی طریقہ ہے کیونکہ وہ مال کی طرف مائل ہوتے ہیں اور مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں اور آخرت کے ساتھ ان کی محبت کمزور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْO هٰاَنْتُمْ هٰؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ-(محمد: ٣٨-٣٧)

اگر اللہ تم سے تمہارا مال طلب کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے دلوں کے زنگ کو ظاہر کردے گاO ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جن کو اللہ کی راہ میں خرچ کے لیے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے کوئی بخل کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے وہ صرف اپنی جان سے ہی بخل کرتا ہے۔

(٢) زکوٰۃ ادا کرنے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان سے بخل کی صفت زائل ہو جاتی ہے اور بخل سے نجات کی اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ-(الحشر: ٩) اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے گئے سو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

نیز حدیث صحیح میں بھی بخل کی مذمت کی گئی ہے۔ حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے اور خواہش نفس کی اتباع کی جارہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو اچھا سمجھ رہا ہے' تو تم عام لوگوں سے الگ ہو کر عزلت نشین ہو جاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٣٤١' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٠٥٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٠١٤)

(٣) زکوٰۃ ادا کرنے کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرکے انسان اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے بدن اور مال کی نعمت عطا فرمائی' عبادات بدنیہ انجام دے کر وہ نعمت بدن کا شکر ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرکے وہ نعمت مال کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ ایک فقیر کو دیکھے جس پر رزق کی تنگی ہو اور وہ اس سے سوال کرنے کا محتاج ہو' پھر اس کے دل میں رحم نہ آئے اور وہ اس بات پر اللہ کا شکر ادا نہ کرے کہ اللہ نے اس کو سوال کرنے سے اور دوسرے کی طرف محتاج ہونے سے مستغنی کردیا ہے اور وہ اس ضرورت مند فقیر کو زکوٰۃ' عشر اور صدقہ و خیرات دے کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے۔ (احیاء علوم الدین ج١ ص ٢٠٣-٢٠٢' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٩ھ)

اور امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

(٤) جب انسان کے پاس مال اس کی ضروریات سے بہت زیادہ ہو گا تو وہ اس مال سے اپنے عیش و عشرت کے ذرائع اور وسائل مہیا کرے گا اور یوں اس کا دل دنیا کی رنگینیوں میں اور دنیا کی مرغوب چیزوں اور لذتوں میں لگا رہے گا اور آخرت کی

طرف بالکل متوجہ نہیں ہوگا یا کم متوجہ ہوگا' اور وہ سوچے گا کہ عبادات اور نیک کاموں اور زکوٰۃ' عشر اور صدقہ و خیرات ادا کرنے سے اس کے مال میں کمی ہوگی اور اس وجہ سے وہ نیک کاموں میں اپنے مال کو بالکل خرچ نہیں کرے گا یا کم کرے گا۔

(۵) مال کی کثرت سے انسان میں غرور اور تکبر پیدا ہوگا اور سرکشی اور بغاوت پیدا ہوگی اور زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے سے اس کے تکبر اور سرکشی میں کمی ہوگی اور اس کا دل اللہ سے مغفرت طلب کرنے اور اس کی رضاجوئی کی طرف متوجہ ہوگا۔

(۶) جب انسان زکوٰۃ اور عشر ادا کرے گا اور صدقہ و خیرات کرے گا تو ضرورت مند لوگ اس کے لیے دعائیں کریں گے اور اس کی دعاؤں سے اس کا مال نقصان اور بربادی سے محفوظ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔ (الرعد: ۱۷) اور رہی وہ چیز جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے تو وہ زمین میں برقرار رہتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زکوٰۃ سے اپنے اموال کی حفاظت کرو' اور صدقات سے اپنے بیماروں کی دوا کرو اور مصائب کے لیے دعا کو تیار رکھو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۰ رقم الحدیث: ۱۰۱۹۶' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۰۴' ج ۴ ص ۲۳۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۹۶۷' تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۳۴' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کا ایک راوی متروک الحدیث ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۴' حافظ سیوطی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے' الجامع الصغیر ج ۱ رقم الحدیث: ۳۷۸۲)

(۷) مال بہت جلد ختم ہو جاتا ہے' لیکن جب انسان اس مال کو نیکی کی راہ میں خرچ کرے گا تو وہ نیکیاں باقی رہیں گی' دنیا میں ان کی تعریف کی جائے گی اور آخرت میں اجر ملے گا۔ ایک شخص نے کہا: کاش! میں اپنے تمام مال کو قبر میں لے جا سکتا! میں نے کہا: یہ ممکن ہے' تم اپنے تمام مال کو اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا میں خرچ کردو تم کو یہ مال قبر میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی۔

(۸) مال داروں کے پاس بہت زیادہ مال ان کی ضروریات سے زائد ان کی تجوریوں اور بینکوں میں معطل پڑا رہتا ہے اور فقراء اور ضرورت مندوں کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی مال نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی متقاضی ہوئی کہ زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعہ مال داروں کے زائد مال میں سے بقدرِ ضرورت زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعہ ضرورت مندوں تک پہنچایا جائے۔

(۹) اگر مال دار ضرورت مندوں اور فقیروں کی مالی امداد نہ کریں تو ہو سکتا ہے کہ ضرورت مند فقراء اپنی تنگی اور فقر سے تنگ آکر بغاوت پر اتر آئیں اور چوریاں' ڈاکے اور لوٹ مار اور بھتہ خوری شروع کردیں اور زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کے ذریعہ اس بغاوت کا سدِباب ہو سکتا ہے۔

(۱۰) زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کرکے انسان اللہ کی مخلوق پر شفقت کرتا ہے اور ان کی پرورش کرتا ہے' ان کے لیے رزق فراہم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت سے متصف ہوتا ہے اور انبیاء اور صالحین کے اخلاق سے متخلق ہوتا ہے۔

زکوٰۃ لینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں

(۱) مغیرہ بن عامر نے کہا: شکر نصف ایمان ہے اور صبر نصف ایمان ہے اور یقین مکمل ایمان ہے۔

(موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ ص ۳۰' مؤسسۃ الثقافیہ بیروت ۱۴۱۴ھ' شعب الایمان ج ۴ ص ۱۰۹' رقم الحدیث: ۴۴۴۸)

زکوٰۃ دینے والا اپنے مال کے کم ہونے پر صبر کرتا ہے اور ضرورت مند فقیر زکوٰۃ کی صورت میں مال لے کر شکر ادا کرتا ہے

یا یوں کہا جائے کہ مال دار نے پہلے مال ملنے پر اللہ کا شکر ادا کیا، پھر زکوٰۃ کی ادائیگی سے جو مال میں کمی ہوئی اس پر صبر کیا تو زکوٰۃ کی وجہ سے اس کا ایمان مکمل ہو گیا، اسی طرح حاجت مند فقیر نے پہلے مال نہ ہونے پر صبر کیا اور زکوٰۃ کی شکل میں مال ملنے پر اللہ کا شکر ادا کیا تو زکوٰۃ کی وجہ سے اس کا ایمان بھی مکمل ہو گیا۔ نیز حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مصیبت میں مبتلا ہو تو اس نے صبر کیا اور اس کو نعمت دی گئی تو اس نے شکر ادا کیا، اس پر ظلم کیا گیا تو اس نے معاف کر دیا اور اس نے خود ظلم کیا تو اس پر استغفار کیا، پوچھا گیا اس کے لیے کیا اجر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہی لوگ عذاب سے مامون ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

(۲) ہرچند کہ اللہ تعالیٰ نے غنی کو بہت مال دیا ہے اور فقیر کو مال نہیں دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے غنی کو اس بات کا مکلف کیا ہے کہ وہ فقیر کو زکوٰۃ ادا کرے اور فقیر کا غنی پر احسان ہے کہ وہ اس سے زکوٰۃ قبول کر کے اس کو دوزخ کے عذاب سے چھڑاتا ہے، غنی کا فقیر کو زکوٰۃ دینے کی وجہ سے اس کی دنیا پر احسان ہے اور فقیر کا غنی کی آخرت پر احسان ہے اور اخروی احسان دنیاوی احسان سے زیادہ بڑا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فقیر کو اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ وہ غنی کے پاس جا کر اس سے زکوٰۃ مانگے، بلکہ غنی کو اس بات کا مکلف کیا ہے کہ وہ فقیر کے پاس جا کر زکوٰۃ ادا کرے۔ فقیر اپنی دنیا میں غنی کا محتاج ہے تو غنی اپنی آخرت میں فقیر کا محتاج ہے۔

فقیر کا معنی

فقیر کا لفظ چار معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) حاجتِ ضروریہ کا وجود مثلاً جن کو غذا، لباس اور مکان کی حاجت ہو اور اس معنی میں ہر شخص فقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۔(فاطر: ۱۵) اے لوگو! تم سب اللہ کی طرف محتاج ہو۔

(۲) جس شخص کے پاس مال جمع نہ ہو، فقہی اصطلاح میں جو شخص دو سو درہم (باون اعشاریہ ۵ تولہ چاندی) کا مالک نہ ہو یا اس کے پاس اس کی حاجت اصلیہ سے زائد دو سو درہم کے مساوی رقم نہ ہو اور وہ مستحق زکوٰۃ ہو، فقہاء احناف کے نزدیک فقیر کا یہی معنی ہے اور سورہ توبہ: ٦٠ میں یہی معنی مراد ہے، اسی طرح یہ آیت بھی ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۔ (البقرہ: ۲۷۳)

(یہ خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیے ہوئے ہیں جو (اس میں شدت اشتغال کی وجہ سے) زمین میں سفر کی طاقت نہیں رکھتے، ناواقفِ حال ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو غنی سمجھتا ہے۔

(۳) نفس کا بہت زیادہ حریص ہونا، اس حدیث میں فقر اسی معنی میں ہے۔ یزید بن ابان رقاشی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے کہ فقر (زیادہ حرص) کفر ہو جائے اور قریب ہے کہ حسد تقدیر پر غالب ہو جائے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۵۳، طبع قدیم، ج ۳ ص ٦۲-٦۱، رقم: ۳۱٦۹، طبع جدید، تاریخ اصفہان ج ۱ ص ۹۰، الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۲۰٦، کنز العمال رقم الحدیث: ۱٦٦۸۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۵۱، العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۳۲۰) اور اس فقر کے مقابل غنی کا یہ معنی ہے: "غنی وہ شخص ہے جس کا دل غنی ہو۔"

(۴) اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہونا، قرآن مجید میں ہے:

فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ۔ (القصص: ٢٤) موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میں اس خیر و برکت کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے: اے اللہ! مجھے اپنی طرف محتاج کر کے (دنیا سے) مستغنی کر دے اور اپنے آپ سے (یعنی اللہ سے) مستغنی کر کے مجھے (دنیا کا) محتاج نہ کر۔

(المفردات ج ٢ ص ٤٩٦-٤٩٥، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز، ١٤١٨ھ)

مسکین کا معنی

مسکین کا معنی ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور یہ فقیر کی بہ نسبت زیادہ تنگ دست ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ۔ (الکہف: ٧٩) رہی کشتی تو وہ مسکینوں کے لیے تھی۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسکین کے پاس کوئی چیز ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کشتی چھن جانے کے بعد ان کو مسکین فرمایا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ان پر اس قدر زیادہ غربت اور مسکینی تھی کہ اس کے مقابلہ میں اس کشتی کا ہونا لائق شمار نہ تھا۔ (المفردات ج ١ ص ٣١٣) اور علامہ طاہر پٹنی متوفی ٩٨٦ھ نے لکھا ہے کہ مسکین کا معنی ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے پاس تھوڑی سی چیز ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے کہ اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مجھے مسکینی کی حالت میں موت عطا فرما۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٥٢، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤١٢٦، سنن بیہقی ج ٧ ص ١٢، المستدرک ج ٤ ص ٣٢٢) آپ نے اس سے تواضع کا ارادہ فرمایا اور یہ کہ آپ جبارین اور متکبرین میں سے نہ ہوں۔ (مجمع بحار الانوار ج ٣ ص ٩٦، مطبوعہ مدینہ منورہ، ١٤١٥ھ)

فقیر اور مسکین کے معنی میں مذاہب ائمہ اور تحقیق مقام

حسن بصری نے کہا: فقیر وہ ہے جو اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور مسکین وہ ہے جو سعی کرتا رہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: مساکین گھومنے پھرنے والے ہیں اور فقراء، فقراء مسلمین ہیں۔ جابر بن زید نے کہا: فقراء وہ ہیں جو سوال نہیں کرتے اور مساکین وہ ہیں جو سوال کرتے ہیں۔ زہری اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ نے کہا: فقیر اپاہج ہے اور مسکین وہ ہے جو تندرست اور محتاج ہو، اور عکرمہ نے کہا کہ فقراء کا اطلاق فقراء مسلمین پر ہوتا ہے اور مساکین کا اطلاق، اہل کتاب کے مساکین پر ہوتا ہے۔ امام ابو جعفر طبری کا مختار یہ ہے کہ جو سوال نہیں کرتے وہ فقراء ہیں اور جو سوال کرتے ہیں وہ مساکین ہیں۔ (جامع البیان جز ١٠ ص ٢٠٥-٢٠٢، ملخصاً، مطبوعہ بیروت)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ مال ہو لیکن وہ نصاب زکوٰۃ سے کم ہو، اور مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، اور امام شافعی کا قول اس کے برعکس ہے اور امام مالک کے نزدیک فقیر اور مسکین مساوی ہیں، اور امام احمد کا مذہب بھی امام شافعی کی مثل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ٨ ص ٩٨-٩٦، عنایت القاضی ج ٤ ص ٥٨٦-٥٨٥، زاد المسیر ج ٣ ص ٤٥٦)

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ مسکین کے متعلق قرآن مجید میں ہے: رہی کشتی تو وہ مسکینوں کے لیے تھی۔ (الکہف: ٧٩)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسکین کے پاس کچھ مال ہوتا ہے، امام ابو حنیفہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کشتی ان کی ملکیت نہیں تھی وہ اس کو کرائے پر چلاتے تھے یا انہوں نے اس کشتی کو عاریتاً لیا ہوا تھا یا دراصل وہ فقیر تھے ان کو ازراہِ ترحم

مجازاً مسکین فرمایا۔ امام شافعی کا دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! مجھے بحالت مسکین زندہ رکھ اور بحالت مسکین مجھے موت عطا فرما اور قیامت کے دن مساکین کی جماعت میں میرا حشر فرما۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے یہ دعا کیوں کی ہے؟ آپ نے فرمایا: مساکین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اے عائشہ! مسکین کو رد نہ کرو، خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دو، اے عائشہ! مساکین سے محبت رکھو اور ان کو قریب رکھو، قیامت کے دن اللہ تمہیں قریب رکھے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۵۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۲۶، المستدرک ج ۴ ص ۳۲۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین کے حال میں رہنے کی دعا کی ہے اور ایک اور حدیث میں آپ نے فقر سے پناہ مانگی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں فقر، قلت اور ذلت سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، اے اللہ! میں ظلم کرنے یا ظلم سہنے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۴۴، سنن النسائی رقم الحدیث:۵۴۷۵، صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۳۶۸)

امام شافعی کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر مسکین مالی طور پر فقیر سے کم ہو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقر سے پناہ مانگیں اور مسکین ہونے کی دعا فرمائیں جو کہ فقیر سے زیادہ ابتر حال ہے اور یہ تناقض کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر سے پناہ مانگی ہے اس حدیث میں فقر سے مراد قلت مال نہیں ہے بلکہ اس سے مراد فقر النفس ہے یعنی وہ شخص جو مال پر بہت حریص ہو، اور اس فقر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی فرماتے تھے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ سوال سے بچنے اور غناء کا سوال کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۲۱، سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۴۸۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۸۳۲، الادب المفرد رقم الحدیث:۶۷۴، مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۱) اور اس حدیث میں غنیٰ سے مراد کثرتِ مال نہیں ہے بلکہ اس سے غنی النفس مراد ہے یعنی نفس کا مستغنی ہونا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین کے حال میں رہنے کی جو دعا کی ہے اس سے مراد آپ کی تواضع اور انکسار ہے۔ امام شافعی کی طرف سے یہ دلیل بھی دی گئی ہے کہ سورۂ توبہ کی اس آیت میں فقیر کو مسکین پر مقدم کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقیر کا حال مسکین سے زیادہ بُرا ہوتا ہے اور فقیر وہ ہے جس کے پاس بالکل مال نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ مال ہو۔ اس کا یہ جواب ہے کہ تقدم کے کئی اعتبار ہوتے ہیں اور یہاں تقدم ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کے طور پر ہے، پہلے فقیر کا ذکر کیا جس کے پاس کچھ مالیت ہوتی ہے، اس کے بعد مسکین کا ذکر کیا جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا اور مسکین کے اس معنی پر امام ابوحنیفہ کی طرف سے یہ دلیل دی جاتی ہے: مسکینا ذا متربۃ۔ (البلد: ۱۶) یعنی مسکین وہ شخص ہے جس نے بھوک کی شدت سے اپنا پیٹ زمین سے چمٹایا ہوا ہے۔

والعاملین علیھا کا معنی اور اس کے شرعی احکام

یعنی جو لوگ زکوٰۃ اور صدقات کو وصول کر کے لاتے ہیں ان کو ان کی محنت اور مشقت کے مطابق مالِ زکوٰۃ سے اُجرت دی جائے لیکن یہ اُجرت اتنی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ زکوٰۃ کی وصول کردہ تمام رقم یا اس کے نصف پر محیط ہو۔ (عنایت القاضی ج ۴ ص ۵۸۷) اگر عامل کو اس مہم کے دوران کوئی شخص ذاتی طور پر کچھ ہدیہ اور تحفہ دے تو وہ اس کے لیے جائز نہیں ہے، وہ اس کو بھی وصول شدہ زکوٰۃ کی مد میں شامل کر دے۔

حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیہ کو بنو سلیم کے صدقات وصول کرنے کا عامل بنایا، جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ نے اس سے حساب لیا تو اس نے کہا: یہ وہ مال ہے جو آپ کے لیے دیا گیا ہے اور یہ وہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے حتیٰ کہ تمہارے پاس ہدیے آتے اگر تم سچے ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: میں تم میں سے کسی شخص کو کسی کام پر عامل بناتا ہوں جس کام کا اللہ نے مجھے ولی بنایا ہے، پھر تم میں سے کوئی شخص میرے پاس آ کر کہتا ہے یہ حصہ تمہارے لیے ہے اور یہ حصہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے، پس وہ شخص کیوں نہ اپنے باپ کے گھر میں یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر بیٹھا حتیٰ کہ اس کے پاس ہدیہ آتا، اگر وہ سچا ہے، اللہ کی قسم! تم اس مال میں سے جو چیز بھی ناحق لو گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس چیز کو اس کے اوپر لاد دے گا، سنو! میں اس شخص کو قیامت کے دن ضرور پہچان لوں گا، جس کے اوپر اللہ بلبلاتا ہوا اونٹ لاد دے گا اور جس کے اوپر ڈکراتی ہوئی گائے لاد دے گا یا ممیاتی ہوئی بکری لاد دے گا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی (کی جگہ) دیکھی، پھر آپ نے فرمایا: سنو! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۹۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۹۴۶، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۶۶۹)

حضرت عدی بن عمیر کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے جس شخص نے ہمارے لیے کوئی عمل کیا پھر اس میں سے کوئی چیز چھپالی خواہ وہ سوئی ہو یا اس سے بھی کمتر چیز تو وہ خیانت ہے اور وہ قیامت کے دن اس چیز کو لے کر آئے گا، تب ایک سیاہ فام انصاری اٹھا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! اپنا عمل مجھ سے لے لیجئے، آپ نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: میں نے آپ کو اس اس طرح فرماتے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے یہ کہا ہے کہ جس کو ہم کوئی کام سونپیں تو وہ قلیل اور کثیر ہر چیز لے کر آئے، پھر اس کو جو دے دیا جائے وہ لے لے اور جو نہ دیا جائے وہ نہ لے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۵۸۱)

مؤلفۃ القلوب کی تعریف اور ان کو زکوٰۃ میں سے دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

ادائیگی زکوٰۃ کا چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب ہیں یعنی وہ لوگ جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ آزاد اور معزز لوگ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ حنین میں عطا فرمایا تھا، یہ پندرہ آدمی تھے: ابو سفیان، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن، حویطب بن عبد العزیٰ، سہل بن عمرو، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو الجمحی، ابو السنابل، حکیم بن حزام، مالک بن عوف، صفوان بن امیہ، عبد الرحمن بن یربوع، جد بن قیس، عمرو بن مرداس اور العلاء بن الحارث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر شخص کو سو اونٹ دیئے اور ان کو اسلام کی ترغیب دی، ماسوا عبد الرحمن بن یربوع کے، اس کو آپ نے پچاس اونٹ دیئے اور حکیم بن حزام کو آپ نے ستر اونٹ دیئے۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے خیال میں آپ کی عطاء کا مجھ سے زیادہ کوئی اور مستحق نہیں ہے تو آپ نے ان کو بھی سو اونٹ پورے کر دیئے۔

مؤلفۃ القلوب کی دو قسمیں ہیں: مسلمان اور کفار۔ مسلمانوں کو صدقات میں سے اس لیے دیا جاتا ہے کہ ان کا ایمان قوی رہے، یا ان کے مماثل لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے اور کفار کو اسلام کی ترغیب دینے کے لیے یا ان کے شر سے بچنے کے لیے ان کو زکوٰۃ اور صدقات سے دیا جاتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ کو عطا فرمایا ہے

جب آپ نے ان کا اسلام کی طرف میلان دیکھا۔

علامہ واحدی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین کے قلوب کی تالیف سے مستغنی کر دیا ہے، اگر مسلمانوں کا سربراہ یہ دیکھے کہ اس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ ہے اور ان کے مسلمان ہو جانے سے مسلمانوں کو نفع پہنچے گا تو ان کو مال فئے سے عطا کرے، زکوٰۃ سے نہ دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا مصرف، مصارفِ زکوٰۃ سے اب ساقط ہو چکا ہے اور یہی شعبی کا قول ہے۔ امام مالک، ثوری، امام ابو حنیفہ اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے، اور حسن بصری سے یہ مروی ہے کہ ان کا حصہ اب بھی ثابت ہے۔ زہری، ابو جعفر محمد بن علی اور ابو ثور کا یہی مذہب ہے اور امام احمد نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمانوں کو ان کی ضرورت ہو تو ان کو زکوٰۃ سے دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۰ ص ۱۲۶-۱۲۵، دار الکتاب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

قاضی بیضاوی شافعی نے کہا: مؤلفۃ القلوب وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اسلام قبول کرنے میں ان کی نیت ضعیف تھی، تو ان کے قلوب کو اسلام پر قائم اور برقرار رکھنے کے لیے ان کو عطا کیا جاتا ہے، یا ایسے معزز لوگ کہ اگر ان کو عطا کیا جائے تو ان کو دیکھ کر ان جیسے دوسرے معزز لوگ اسلام لے آئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصین، اقرع بن حابس اور عباس بن مرداس کو اسی وجہ سے عطا فرمایا تھا، اور ایک قول یہ ہے کہ معزز لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے عطا کیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو عطا کرتے تھے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خمس کے اس پانچویں حصہ سے عطا فرماتے تھے جو خالص آپ کا حصہ تھا، اور کفار اور مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنے کی طرف مائل کرنے کے لیے جن کو عطا کیا جائے وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو اس لیے دیا جاتا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد میں کثرت ہو اور اب جبکہ اللہ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرما دیا ہے اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی ہے تو ان کا حصہ ساقط ہو گیا۔ (انوار التنزیل مع عنایت القاضی ج ۴ ص ۵۸۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

مصارفِ زکوٰۃ میں سے مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب ساقط ہو چکا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے اور ان سے مستغنی کر دیا ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۲۰۴، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو چکا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو رد کر دیا تھا۔ عیینہ اور اقرع نے حضرت ابو بکر سے ایک زمین کو طلب کیا، حضرت ابو بکر نے ان کو خط لکھ دیا۔ حضرت عمر نے اس خط کو پھاڑ دیا، اور کہا: یہ وہ چیز ہے جو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا کرتے تھے، تاکہ تم کو اسلام پر راغب کریں لیکن اب اللہ نے اسلام کو غلبہ عطا کر دیا ہے اور تم سے مستغنی کر دیا ہے، اب اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہتے ہو تو فبہا ورنہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے۔ پھر وہ حضرت ابو بکر کے پاس گئے اور کہا: خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ حضرت ابو بکر کی رائے حضرت عمر کے موافق ہو گئی اور صحابہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، اگر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی رائے برحق نہ ہوتی تو صحابہ اس پر ضرور انکار کرتے اور یقیناً ان کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو گی جس سے ان کو علم ہو گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے اس حکم کو منسوخ کر دیا تھا، یا یہ حکم آپ کی حیات کے ساتھ مقید تھا، یا یہ حکم کسی علت کے

ساتھ معلل تھا اور اب وہ علت نہیں تھی' اور حضرت عمر نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی تھی:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (الکھف: ۲۹)

آپ کہیے کہ حق تمہارے رب کی جانب سے ہے سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

علامہ علاء الدین عبدالعزیز نے کہا: ان کی تالیف قلوب سے مقصود دین کا اعزاز اور غلبہ تھا' کیونکہ غلبہ کفر کے زمانہ میں اسلام کمزور تھا' اس وقت تالیف قلوب کے لیے عطا کرنے میں دین کا اعزاز تھا اور جب حال بدل گیا اور اللہ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا تو اب دین کا اعزاز ان کو نہ دینے میں ہے اور اصل مقصود دین کا اعزاز ہے' وہ اپنے حال پر باقی ہے اور منسوخ نہیں ہوا' اس کی مثال یہ ہے کہ جب پانی نہ ہو تو طہارت کے حصول کے لیے مٹی سے تیمم کرنا ضروری ہے' اور جب حال بدل جائے اور پانی مل جائے تو اب مٹی سے تیمم کرنے کا حکم ساقط ہو جائے گا اور پانی کا استعمال کرنا ضروری ہو گا کیونکہ اب طہارت کے حصول کے لیے پانی کا استعمال کرنا متعین ہے' اسی طرح دین کا اعزاز پہلے مؤلفۃ القلوب کو دینے میں تھا اب نہ دینے میں ہے اور اصل حکم دین کا اعزاز ہے' وہ منسوخ نہیں ہوا۔ (العنایۃ ج ۲ ص ۲۶۶-۲۶۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے زکوٰۃ میں حصہ

جس غلام کے متعلق اس کے مالک نے یہ کہا ہو کہ اگر اس نے اتنے روپے مجھے ادا کر دیے تو یہ آزاد ہے' اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں اور اس کی آزادی میں تعاون کرنے کے لیے زکوٰۃ میں سے اس کو حصہ دینا مشروع کیا گیا ہے۔

حسین بیان کرتے ہیں کہ ایک مکاتب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس گیا' وہ اس وقت جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ اس نے حضرت ابوموسیٰ سے کہا: اے امیر! لوگوں کو میرے لیے برانگیختہ کیجئے۔ تو حضرت ابوموسیٰ نے مسلمانوں کو برانگیختہ کیا' پس لوگوں نے اس کو کپڑے اور انگوٹھیاں دیں' حتیٰ کہ بہت مال جمع ہو گیا۔ حضرت ابوموسیٰ نے اس مال کو جمع کر کے فروخت کیا اور اس کی مکاتبت ادا کر دی اور باقی مال بھی غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کر دیا' اور لوگوں کو یہ رقم واپس نہیں کی' اور یہ کہا کہ لوگوں نے یہ رقم غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے دی ہے۔

(جامع البیان جز ۱۰ ص ۲۱۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ لکھتے ہیں:

الرقاب (غلاموں کو آزاد کرانے) کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں: (۱) اس سے مراد مکاتب ہیں تاکہ ان کو زکوٰۃ کے مال سے آزاد کرایا جائے' (۲) امام مالک وغیرہ نے یہ کہا کہ مالِ زکوٰۃ سے غلام خرید کر ان کو آزاد کرایا جائے' (۳) امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے مکمل غلام آزاد نہ کرایا جائے بلکہ مالِ زکوٰۃ سے کچھ رقم غلام کے لیے دی جائے اور اس سے مکاتب کی گردن آزاد کرانے میں مدد کی جائے' کیونکہ وفی الرقاب فرمانے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا مالِ زکوٰۃ میں کچھ دخل ہونا چاہیے اور یہ اس کے منافی ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے مکمل غلام آزاد کیا جائے۔

غلاموں' مقروضوں' اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے لیے تملیک ضروری نہیں

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ مکاتب کی اجازت سے زکوٰۃ میں اس کا حصہ اس کے مالک کو دے دیا

جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے چار مصارف کا ذکر لام تملیک کے ساتھ کیا ہے اور جب رقاب کا ذکر کیا تو لام کے بجائے "فی" کا ذکر کیا اور فرمایا وفی الرقاب اور اس فرق کا کوئی فائدہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں زکوٰۃ میں سے ان کا حصہ ان کو دے کر ان کو ان حصص کا مالک بنا دیا جائے اور باقی مصارف میں زکوٰۃ میں ان کا حصہ ان کے مصالح اور ان کی بہتری اور ان کے فوائد میں خرچ کیا جائے اور ان کو ان کا مالک نہ بنایا جائے۔

زمخشری نے کہا ہے کہ آخری چار مصارف میں لام کے بجائے "فی" کا ذکر کیا ہے اور اس میں یہ بتانا ہے کہ آخری چار مصارف پہلے چار مصارف سے صدقہ اور زکوٰۃ دیئے جانے کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ "فی" ظرفیت کے لیے آتا ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ وہ صدقات کا ظرف اور محل ہیں اور فی سبیل اللہ وابن السبیل میں جو "فی" کا تکرار کیا ہے اس میں یہ تنبیہ ہے کہ ان دو مصرفوں کو یعنی فی سبیل اللہ اور ابن السبیل کو پہلے دو مصرفوں پر زیادہ ترجیح ہے اور غلام آزاد کرانے اور مقروض کا قرض ادا کرنے کی بہ نسبت مالِ زکوٰۃ کو اللہ کے راستہ میں اور مسافروں پر خرچ کرنا زیادہ راجح ہے۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ١٠ ص ١٢٦، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٩ھ)

قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی حنفی متوفی ١٠٦٩ھ لکھتے ہیں:

پہلے چار مصارف کے ساتھ لام اور آخری چار مصارف کے ساتھ "فی" ذکر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ سے ان کا حصہ ادا کر کے ان کو ان حصوں کا مالک بنا دیا جائے اور آخری چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ میں سے ان کے حصہ کا مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ ان کا حصہ ان کی فلاح اور ان کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا، مکاتب کا مال اس کے مالک کو دیا جائے گا اور مقروض کا مال (اس کے حصہ کی زکوٰۃ) اس کے قرض خواہ کو دیا جائے گا اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا بالکل واضح ہے، اور مسافر بھی اللہ کے راستے میں داخل ہے، اس کو علیحدہ اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ اس کی خصوصیت پر تنبیہ ہو۔

(عنایت القاضی ج ٤ ص ٥٨٨، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٧ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ٦٠٦ھ پہلے چار مصارف میں لام اور آخری چار مصارف میں "فی" کو ذکر کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: پہلے چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ سے ان کا حصہ دے کر ان کو مالک بنا دیا جائے گا کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے ان کا حصہ ان کو نہیں دیا جائے گا اور نہ ان کو اس پر تصرف کی قدرت دی جائے گی کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں بلکہ ان کی طرف سے ان کی قیمت ادا کر دی جائے گی، اسی طرح مقروضوں کی زکوٰۃ کا حصہ ان کے قرض خواہوں کو دے دیا جائے گا اسی طرح مجاہدین کی زکوٰۃ کا حصہ ان کی ضرورت کا اسلحہ خریدنے میں خرچ کیا جائے گا اور اسی طرح مسافروں کی ضرورت کی چیزوں میں ان کا حصہ خرچ کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں ان کے حصص ان کو دے دیئے جائیں گے کہ وہ جس طرح چاہیں خرچ کریں اور آخری چار مصارف میں ان کو ان کے حصص نہیں دیئے جائیں گے بلکہ جس جہت سے وہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں اس جہت میں ان کے حصہ کی زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ٦ ص ٨٧-٨٦، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٥ھ)

مفسرینِ حنبلیہ میں سے علامہ عمر بن علی الدمشقی حنبلی نے اور مفسرینِ شافعیہ میں سے امام رازی کے علاوہ، علامہ خازن شافعی متوفی ٧٢٥ھ نے یہی لکھا ہے کہ زکوٰۃ کے پہلے چار مصارف میں تملیک ضروری ہے اور آخری چار مصارف میں تملیک کے بجائے ان کی ضروریات اور مصالح میں زکوٰۃ خرچ کی جائے۔ (تفسیر خازن ج ٢ ص ٢٥٣) اور مفسرینِ احناف میں سے علامہ خفاجی کے علاوہ علامہ محی الدین شیخ زادہ حنفی متوفی ٩٥١ھ اور علامہ ابوالسعود محمد بن عمادی حنفی متوفی ٩٨٢ھ اور علامہ آلوسی حنفی

متوفی ١٢٧٠ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (حاشیہ محی الدین شیخ زادہ ج ۴ ص ۴۸۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٩ھ، تفسیر ابو السعود ج ٣ ص ١٦٢، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٩ھ، تفسیر روح المعانی ج ١٠ ص ١٢٣، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ١٣٠٧ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (فتح البیان ج ۵ ص ٣٣٢)

جن مفسرین نے ژرف نگاہی سے کام لیا اور اس پر غور کیا کہ پہلی چار اصناف کے لیے اللہ تعالیٰ نے لام کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور باقی چار اصناف کے لیے "فی" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، انہوں نے اس سے یہ مستنبط کیا کہ پہلی چار قسموں میں سے جس کو زکوٰۃ ادا کی جائے اس کو اس مالِ زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے اور دوسری چار قسموں کے شروع میں چونکہ لام تملیک نہیں ہے بلکہ "فی" کا ذکر ہے اس لیے ان میں ان کو مالِ زکوٰۃ کا مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ ان کے حصہ کی زکوٰۃ کو ان کی ضروریات اور ان کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔ حنبلی، شافعی اور حنفی مفسرین کی تصریحات اس مسئلہ میں گزر چکی ہیں اور فقہاء مالکیہ کا بھی یہی موقف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ غلام کو زکوٰۃ کا حصہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے حصہ سے غلام کو خرید کر آزاد کر دیا جائے۔ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

امام مالک نے فرمایا کہ غلام کو آزاد کر دیا جائے اور اس کی ولاء مسلمانوں کے لیے ہوگی، (الی قولہ) اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکاتب کو آزاد کرانے میں اس کی معاونت کی جائے یا نہیں، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ رقبہ (غلام) کا ذکر فرماتا ہے تو اس سے مکمل غلام آزاد کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور رہا مکاتب تو وہ غارمین (مقروضوں) کے کلمہ میں داخل ہے کیونکہ اس کے اوپر مکاتبت کا قرض ہوتا ہے اس لیے وہ رقاب میں داخل نہیں ہوگا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ٨ ص ١٠٩)

زکوٰۃ کے تمام مصارف میں تملیک ضروری ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

ہر چند کہ علامہ خفاجی حنفی، علامہ ابو سعود حنفی، علامہ شیخ زادہ حنفی اور علامہ آلوسی حنفی نے یہ تصریح کی ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ میں مالک بنانے کا تعلق اصنافِ زکوٰۃ میں سے صرف پہلی چار اصناف کے ساتھ ہے اور باقی چار اقسام میں تملیک نہیں کی جائے گی بلکہ مالِ زکوٰۃ کو ان کی ضروریات اور مصالح میں خرچ کیا جائے گا لیکن جمہور فقہاء احناف تملیک کو ادائیگی زکوٰۃ کا رکن قرار دیتے ہیں اور یہ زکوٰۃ کی تمام اصناف کے لیے رکن ہے۔

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

زکوٰۃ کا رکن یہ ہے کہ نصاب میں سے ایک جز کو اللہ کی طرف نکالا جائے اور اس کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور فقیر کو مالک بنا کر اس کے سپرد وہ مال کر کے مالک کا قبضہ اس جز سے منقطع ہو جائے، یا فقیر کے نائب کے سپرد کر دے جو زکوٰۃ وصول کرنے والا ہے اور ملک فقیر کے لیے اللہ کی طرف سے ثابت ہوگی اور صاحبِ مال فقیر کو مالک بنانے اور اس کے سپرد کرنے میں اللہ کی طرف سے نائب ہوگا۔ اس پر دلیل یہ آیت ہے:

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ۔ (التوبہ: ١٠٤)

کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات لیتا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فقیر کی ہتھیلی پر آنے سے پہلے صدقہ رحمٰن کے ہاتھ میں آتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فقیر کو مالک بنانے کا حکم دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اتوا الزکوۃ۔ (البقرہ: ٤٣) زکوٰۃ دو، اور الایتاء (دینا) تملیک ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقہ فرمایا ہے، انما الصدقات للفقراء۔ (التوبہ: ٦٠) اور تصدق کا معنی تملیک ہے، پس نصاب کا مالک زکوٰۃ کی مقدار کو اللہ کی طرف نکالنے والا ہوتا ہے۔

ہم نے یہ کہا ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ سپرد کرتے وقت اس سے زکوٰۃ کی نسبت منقطع ہو جائے گی اور یہ خالص اللہ کے لیے ہو جائے گی' اور اللہ کی طرف زکوٰۃ نکالنے کا معنی عبادت اس وقت بنے گا جب فقیر کو مالک بنا کر وہ اس سے اپنی ملک کو باطل کر دے' بلکہ حقیقت میں مالک اللہ بناتا ہے اور صاحبِ مال تو اللہ کی طرف سے نائب ہے۔

اس قاعدہ کے مطابق مساجد' سرائے اور پانی کی سبیلیں بنانے' پلوں کی مرمت کرنے' مردوں کو دفن کرنے اور دیگر نیکی کے کاموں میں زکوٰۃ کو صرف کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ ان میں تملیک (کسی کو مالک بنانا) بالکل نہیں پائی جاتی (کیونکہ یہ چیزیں وقف ہوتی ہیں اور وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا) اسی طرح اگر کسی شخص نے مالِ زکوٰۃ سے طعام خریدا اور فقراء کو صبح اور شام کھانا کھلایا اور ان کو بعینہ طعام نہیں دیا تو یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں ہوئی' اور اگر اس نے مالِ زکوٰۃ سے کسی زندہ فقیر کا قرض اس کے حکم کے بغیر ادا کر دیا تو یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں بھی فقیر کو مالک نہیں بنایا گیا اور اگر فقیر کے حکم سے اس کا قرض ادا کیا گیا ہے تو جائز ہے کیونکہ اب فقیر کے لیے تملیک پائی گئی گویا کہ فقیر نے مالِ زکوٰۃ پر قبضہ کیا اور اس کو قرض کی ادائیگی کے لیے وکیل بنا دیا' اسی طرح اگر کسی شخص نے مالِ زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دیا تو یہ جائز نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک یہ جائز ہے اور قرآن مجید میں جو ہے: وفی الرقاب۔ (التوبہ: ۶۰) ان کے نزدیک اس کا یہی معنی ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے' اور ہمارے نزدیک تملیک واجب ہے اور آزاد کرنا ملک کو زائل کرنا ہے اور ہمارے نزدیک وفی الرقاب کا معنی یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے مکاتبین کی امداد کی جائے۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۵۷-۴۵۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اسی طرح علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

مالِ زکوٰۃ سے مسجد بنائی جائے گی اور نہ میت کو کفن دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں تملیک نہیں ہے اور وہ رکن ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صدقہ فرمایا ہے اور صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ فقیر کو مال کا مالک بنا دیا جائے۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

تملیک کی رکنیت کے دلائل کا تجزیہ

علامہ کاسانی نے تملیک پر یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: واتوا الزکوۃ اور الایتاء کا معنی ہے کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا' ہم اب کتب لغت میں الایتاء کا معنی دیکھتے ہیں۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں: الایتاء کا معنی ہے کسی کو کوئی چیز عطا کرنا۔ (قاموس ج ۴ ص ۴۳۰) علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: الایتاء کا معنی ہے: الاعطاء۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۰) علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ کشاف میں ہے: الایتاء کا معنی الاعطاء میں مشہور ہو گیا۔ اس کا اصل معنی ہے کسی چیز کو حاضر کرنا۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۸' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ) کتب لغت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ الایتاء کا معنی تملیک ہے' اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اور وہاں اس کا معنی مالک بنانا متصور نہیں ہو سکتا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ۔ (ھود: ۲۸)

(نوح نے) کہا: اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت دی ہو سو وہ تم پر مخفی کر دی گئی۔

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا

پھر جب وہ حاملہ ہو گئی تو ان دونوں نے اپنے رب سے دعا کی

صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ (الاعراف: ١٨٩) اگر تو نے ہمیں نیک بیٹا دیا تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہو جائیں گے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا۔ (الاعراف: ١٩٠) پس اللہ نے جب انہیں بہترین بچہ دیا۔

فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ۔ (البقرہ: ٢٦٥) تو اس باغ نے دگنا پھل دیا۔

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ۔ (الکہف: ٩٦) مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا کر دو۔

اس لفظ کے تمام صیغوں اور قرآن مجید اور احادیث میں اس کے اطلاقات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ الایتاء کا معنی حاضر کرنا اور کسی چیز کو دینا اور مہیا کرنا ہے اور اس کے مفہوم میں تملیک داخل نہیں ہے۔

علامہ کاسانی اور علامہ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ صدقہ کا معنی تملیک ہے۔ علامہ فیروز آبادی نے لکھا ہے: صدقہ وہ چیز ہے جس کو تم اللہ عزوجل کی ذات کے لیے دو۔ (قاموس ج ٣ ص ٣٦٨) علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ صحاح میں مذکور ہے: جس چیز کو تم فقراء پر صدقہ کرو اور مفردات میں مذکور ہے: جس چیز کو انسان اپنے مال سے بطور عبادت نکالتا ہے جیسے زکوٰۃ، لیکن صدقہ اصل میں نفلی خیرات کو کہتے ہیں اور زکوٰۃ خیراتِ واجبہ کو۔ (المفردات ج ٢ ص ٣٦٥، تاج العروس ج ٦ ص ٤٠٥) ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ صدقہ کے لغوی معنی میں تملیک کا مفہوم داخل نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک کا رکن نہ ہونا

ائمہ ثلاثہ نے زکوٰۃ کی جو تعریف بیان کی ہے اس میں تملیک کا ذکر نہیں کیا، ان کے نزدیک تملیک زکوٰۃ کا رکن ہے نہ شرط۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی الشافعی المتوفی ٤٥٠ھ لکھتے ہیں:

کسی مخصوص چیز کو مخصوص مال سے اوصافِ مخصوصہ کے ساتھ جماعتِ مخصوصہ کے لیے لینا شرعاً زکوٰۃ ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ٤ ص ٣، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المالکی المتوفی ١١٢٢ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ زکوٰۃ کا اطلاق صدقہ واجبہ پر، صدقہ مستحبہ پر، نفقہ پر، عفو پر اور حق پر کیا جاتا ہے اور اس کی شرعی تعریف یہ ہے: سال گزرنے کے بعد نصاب کے ایک جز کو فقیر اور اس کی مثل کو دینا وہ فقیر غیر ہاشمی اور غیر مطلبی ہو، اس کا رکن اخلاص ہے، اس کا سبب ایک سال تک نصاب کا مالک ہونا ہے، اس کی شرط عقل، بلوغ اور حریت ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ دنیا میں واجب ساقط ہو جاتا ہے اور آخرت میں ثواب ملتا ہے اور اس کی حکمت مال کو میل کچیل سے پاک کرنا ہے۔

(شرح الزرقانی علی الموطا امام مالک ج ٢ ص ١٣٥-١٣٤، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٧ھ)

حافظ احمد بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ نے بھی ابن عربی مالکی کی اس تعریف کو ذکر کر کے لکھا ہے۔ یہ بہت عمدہ تعریف ہے لیکن وجوب کی شرط میں اختلاف ہے۔ (فتح الباری ج ٣ ص ٢٦٢، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ١٤٠١ھ)

علامہ منصور بن یونس بہوتی متوفی ١٠٤٦ھ لکھتے ہیں:

زکوٰۃ کا شرعی معنی یہ ہے کہ یہ وہ حق ہے جو مالِ مخصوص میں جماعتِ مخصوصہ (فقراء وغیرہ) کے لیے وقتِ مخصوص میں واجب ہے یعنی نصاب پر سال گزرنے کے بعد، اور مالِ مخصوص سے مراد مویشی، سونا، چاندی (درہم، دینار) اور مالِ تجارت ہے۔ (کشاف القناع ج ٢ ص ٦-٥، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ١٤١٧ھ)

آخری چار مصارف میں تملیک کا اعتبار نہ کرنے کا ثمرہ

فقہاء احناف نے تملیک کے ثبوت میں جو دلیل دی ہے کہ ایتاء اور صدقہ کرنے کا معنی فقیر کو مالک بنانا ہے وہ کتب لغت اور قرآن مجید کی آیات سے ثابت نہیں ہے' اور ائمہ ثلاثہ نے زکوٰۃ میں تملیک کو رکن یا شرط قرار نہیں دیا' البتہ سورۂ توبہ کی اس آیت میں مذاہب اربعہ کے مفسرین نے للفقراء والمساکین والعملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم میں لام کو تملیک کے لیے قرار دیا ہے اور وفی الرقاب والغرمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل میں لام کی جگہ "فی" لانے کی وجہ ان مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ غلام آزاد کرنے اور مقروضوں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر خرچ کرنے کے لیے زکوٰۃ کی رقم کا ان کو مالک بنانا ضروری نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ کی رقم کو ان کی ضروریات اور مصلحتوں میں بھی خرچ کیا جاسکتا ہے' خصوصاً حنفی مفسرین میں سے علامہ خفاجی' علامہ شیخ زادہ' علامہ ابوسعود اور علامہ آلوسی کا یہی مختار ہے' سو اگر ہمارے علماء احناف اس نظریہ سے اتفاق کرلیں تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دینی مدارس' مساجد' ہسپتالوں اور دیگر فلاحی کاموں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکے گی اور حیلہ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہمارے اہل علم اور اہل فتویٰ حضرات کو اس پر غور کرنا چاہیے۔

زکوٰۃ میں مقروضوں کا حصہ

مقروض سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی جائز ضروریات میں مقروض ہوں نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے کسی گناہ کے ارتکاب کے لیے قرض لیا ہو' مثلاً کسی نے سینما ہاؤس' وڈیو شاپ یا شراب کی دکان کھولنے کے لیے قرض لیا ہو یا مثلاً کسی نے بے جا خرچ اور اسراف کے لیے قرض لیا ہو مثلاً کسی نے اپنے بچوں کی شادی کے سلسلہ میں مروجہ رسومات بڑے پیمانہ پر منعقد کی ہوں اور مقروض ہوگیا ہو اور اس قرض کو ادا کرنے کے لیے اس کے پاس رقم نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دینی چاہیے' البتہ علامہ نووی شافعی نے "الروضہ" میں یہ لکھا ہے کہ اگر وہ توبہ کرلے تو پھر اس کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے' مقروض خواہ غنی ہو لیکن اگر اس کے پاس قرض اتارنے کے لیے رقم نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ حدیث میں ہے:

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے مگر پانچ کے لیے: جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو' یا وہ صدقہ وصول کرنے والا عامل ہو' یا مقروض ہو یا جس شخص نے صدقہ کو اپنے مال سے خرید لیا ہو' یا جس شخص کا کوئی مسکین پڑوسی ہو اور اس پر کوئی چیز صدقہ کی گئی ہو اور وہ مسکین غنی کو وہ چیز ہدیہ کر دے۔ (یہ روایت مرسل ہے)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۴۱' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۰۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی غنی کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے مگر اس غنی کے لیے جو اللہ کی راہ میں ہو' یا مسافر ہو' یا وہ کسی فقیر کا پڑوسی ہو اس فقیر پر صدقہ کیا جائے اور وہ غنی کو ہدیہ دے یا اس کی دعوت کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۴۱' فردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۷۶۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۵۶' المستدرک ج ۱ ص ۴۰۷۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں)

زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کا حصہ

اس سے مراد یہ ہے کہ جہاد کرنے والوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے اور ان کے لیے اسلحہ' گھوڑے اور کھانے پینے کی

چیزیں خریدی جائیں۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے اور امام محمد کے نزدیک جو مسلمان حج کے لیے جائیں وہ بھی اللہ کی راہ میں ہیں اور ان کو بھی زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ اگر مجاہد یا حاجی کے پاس اس کے وطن میں نصاب کے برابر مال ہے اور سفر میں نہیں ہے تو وہ مسافر میں داخل ہے اور اگر سفر اور حضر دونوں میں وہ صاحب نصاب نہیں ہے تو پھر وہ فقیر میں داخل ہے تو پھر فی سبیل اللہ ایک مستقل اور الگ مصرف نہ ہوا' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شخص اپنے وطن میں مال دار ہے لیکن جب وہ جہاد کے لیے روانہ ہوتا ہے تو اس کو اسلحہ اور سواری کی ضرورت ہوتی ہے' اس کے برخلاف مسافر کو اسلحہ اور سواری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک غازی اور مجاہد کو اسی وقت زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جب وہ محتاج ہو' باقی ائمہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

فی سبیل اللہ کے الفاظ صرف غازیوں اور مجاہدین میں منحصر نہیں ہیں' اسی وجہ سے قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ فقہاء نے زکوٰۃ کو نیکی کے تمام راستوں میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے' مثلاً مردوں کو کفن دیا جائے' قلعے بنائے جائیں اور مساجد بنائی جائیں۔ ان تمام امور میں زکوٰۃ کو خرچ کرنا جائز ہے کیونکہ فی سبیل اللہ کا لفظ ان سب کو شامل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٦ ص ٨٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ھ)

زکوٰۃ میں مسافروں کا حصہ

اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس سفر میں مال اور اسباب نہ ہوں اور اس کو مدد کی ضرورت ہو' اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

مسافر سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس مال نہ ہو' وہ زکوٰۃ قبول کرنے کے بجائے قرض مانگ لے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ "فتح القدیر" میں مذکور ہے کہ مسافر کے لیے اپنی ضرورت سے زیادہ زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور مسافر کے ساتھ ہر وہ شخص لاحق ہے جس کے پاس مال نہ ہو خواہ اس کے شہر میں اس کے پاس مال ہو' اور "محیط" میں مذکور ہے کہ اگر تاجر کی رقوم لوگوں کے پاس قرض ہوں اور وہ ان سے قرض وصول کرنے پر قادر نہ ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ مسافر کی طرح اس حال میں فقیر ہے' اور "خانیہ" میں اس کی تفصیل ہے' اس میں مذکور ہے کہ اگر تاجر کا لوگوں پر میعادی قرض ہو اور وہ کھانے پینے میں محتاج ہو تو اس کے لیے قرض وصول ہونے کی مدت تک زکوٰۃ وصول کرنا جائز ہے اور اگر قرض غیر میعادی ہو لیکن مقروض تنگ دست ہو تب بھی اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ مسافر کی طرح ہے اور اگر مقروض امیر ہو تو پھر اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے' اور اگر گواہ عادل نہیں ہیں پھر بھی زکوٰۃ لینا جائز نہیں الا یہ کہ مقروض قاضی کے سامنے حلف اٹھالے کہ اس نے اس تاجر کا قرض نہیں دینا پھر وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے' اس مسئلہ میں قرض کی رقم نصاب سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ (روح المعانی ج ١٠ ص ١٢٣' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

کسی ایک صنف کے ایک فرد پر زکوٰۃ تقسیم کرنے کا جواز

مشہور یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک لام تملیک کے لیے ہے اور یہی ان کے مذہب کا مقتضیٰ ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ جب یہ تمام اصناف موجود ہوں تو ان تمام اصناف پر زکوٰۃ کو تقسیم کرنا واجب ہے اور چونکہ اس آیت میں ہر صنف کو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اس لیے ہر صنف کے تین افراد پر تقسیم کرنا واجب ہے اور ہمارے اور مالکیہ اور حنبلیہ کے نزدیک یہ

جائز ہے کہ زکوٰۃ دینے والا ہر صنف پر زکوٰۃ تقسیم کرے یا کسی ایک صنف پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صنف کے تین افراد پر زکوٰۃ کو تقسیم کرے' وہ کسی ایک فرد کو بھی پوری زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے کیونکہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ کن لوگوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے' اور یہ نہیں فرمایا کہ ان سب کو زکوٰۃ دینا ضروری ہے' اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (البقرہ: ۲۷۱)

اگر تم صدقات خفیہ طریقہ سے دو اور وہ صدقات فقراء کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

اس آیت میں فقراء کو زکوٰۃ دینے کو زیادہ بہتر فرمایا ہے اور فقراء ایک صنف ہیں' اور ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کا مال آیا تو آپ نے صرف ایک صنف میں دیا اور وہ مؤلفۃ القلوب تھے' پھر دوسری مرتبہ مال آیا تو آپ نے صرف مقروضوں کو دیا' اس میں یہ دلیل ہے کہ صرف ایک صنف پر اقتصار کرنا جائز ہے اور اس آیت میں جمع کے صیغوں پر الف لام جنس کا ہے' کیونکہ عہد اور استغراق کا الف لام متصور نہیں ہے' اور جنس صدقہ کو کسی صنف کی جنس پر خرچ کرنے کو بیان فرمایا ہے' اس لیے کسی صنف کے ایک فرد پر بھی زکوٰۃ کی پوری رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔

(روح المعانی جز ۱۰ ص ۱۲۵۔ ۱۲۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۹۵' زاد المسیر ج ۳ ص ۴۵۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض منافقین نبی کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کانوں کے کچے ہیں' آپ کہیے کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے ہر ایک کی بات سنتے ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور تم میں سے ایمان والوں کے لیے رحمت ہیں اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (التوبہ: ۶۱)

منافقین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو "کان" کہنا اور اس پر اللہ کا رد کرنا

اس آیت میں مذکور ہے کہ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اُذُنٌ (کان) ہیں' عربی میں اُذُنٌ (کان) اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ہر اس بات کو سنے جو اس سے کہی جائے اور اس کی تصدیق کرے جیسا کہ جاسوس کو وہ عین (آنکھ) کہتے ہیں کیونکہ وہ ہر چیز کو بغور دیکھتا ہے' گویا کہ وہ سراپا آنکھ ہے' اسی طرح جو ہر بات کو سن کر اس کی تصدیق کر دیتا ہے گویا کہ وہ سراپا کان ہے۔

علامہ خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ منافقین کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نامناسب باتیں کہیں' پھر انہوں نے یہ کہا کہ ہمیں یہ خوف ہے کہ ہماری باتیں ان تک پہنچ جائیں گی تب جلاس بن سوید نے کہا: ہم جو چاہیں گے کہیں گے پھر اگر ان تک یہ باتیں پہنچ گئیں تو ہم قسم کھا لیں گے اور وہ ہماری بات قبول کر لیں گے کیونکہ وہ تو سراپا کان ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہتے ہیں وہ برحق ہے تو ہم تو گدھے سے بھی بدتر ہیں۔ یہ سن کر اس کی بیوی کے بیٹے نے کہا: بخدا! وہ برحق ہیں اور تم گدھے سے بھی بدتر ہو۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی تب ان میں سے ایک شخص نے کہا: بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو کان ہیں اگر تم ان کے لیے حلف اٹھا لو تو وہ تمہاری تصدیق کر دیں گے۔

(عنایت القاضی ج ۴ ص ۵۹۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: آپ کہیے کہ وہ تمہاری بھلائی کے لیے ہر ایک کی بات سنتے ہیں' لیکن وہ اس طرح نہیں سنتے جس طرح تم ان کے سننے کا بطورِ مذمت ذکر کرتے ہو' بلکہ وہ نیکی کی بات سنتے ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں' آپ کے نزدیک جس بات پر دلائل قائم ہوں آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں' مومنین کی باتوں کی آپ تصدیق کرتے ہیں کیونکہ آپ کو ان کے خلوص کا علم ہے' اس میں یہ تعریض ہے کہ منافقین بُرے کان ہیں' وہ اللہ کی آیات سنتے ہیں اور ان پر ایمان نہیں لاتے' اور مسلمانوں کی باتیں سنتے ہیں اور ان کو قبول نہیں کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتیں از راہ شفقت سنتے ہیں لیکن ان کو قبول نہیں کرتے۔ منافقین میں سے جو ایمان کا اظہار کرتا ہے اس کو قبول کرتے ہیں اور اس کا پردہ فاش نہیں کرتے اور اس میں یہ تنبیہہ ہے کہ وہ تمہارے حال سے ناواقفیت کی بنا پر تمہارے قول کو قبول نہیں کرتے بلکہ تم پر شفقت اور رحمت کی وجہ سے تمہاری باتوں کو قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے خیر اور رحمت ہیں اور وہ بہت خبیث اور گمراہ ہیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا بدلہ بُرائی سے دیا۔ آپ نے بطور شفقت ان کی بات سنی اور انہوں نے کہا کہ یہ کانوں کے کچے ہیں' اس لیے وہ عذابِ شدید کے مستحق ہو گئے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا درحقیقت اللہ کو ایذاء پہنچانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) منافقین تمہیں راضی کرنے کے لیے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں' حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ حق دار تھے کہ وہ ان کو راضی کرتے اگر وہ مومن تھے○ (التوبہ: ٦٢)

شانِ نزول اور اللہ اور رسول کے لیے ضمیر واحد لانے کی توجیہ

اس آیت میں منافقین کی ایک اور بُرائی بیان فرمائی ہے' اور وہ یہ ہے کہ وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت پہلی آیت سے مربوط ہے' پہلی آیت کے شانِ نزول میں ذکر کیا تھا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نامناسب باتیں کہیں' اور جب انہیں یہ خوف ہوا کہ یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیں گی تو جلاس بن سوید نے کہا: ہم قسم کھالیں گے کہ ہم نے یہ باتیں نہیں کہیں اور وہ تو کان ہیں' وہ ہماری قسمیں قبول کر لیں گے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ تمہیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں...... دوسرا قول یہ ہے کہ منافقین کی ایک جماعت غزوۂ تبوک میں نہیں گئی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس مدینہ آگئے تو انہوں نے اپنے نہ جانے پر جھوٹے بہانے تراشے اور اس پر جھوٹی قسمیں کھائیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ منافقین تمہیں راضی کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔

اس آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا ہے: اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ اس کو راضی کرتے اور یرضوہ میں واحد کی ضمیر ہے اور چونکہ پہلے اللہ اور اس کے رسول دونوں کا ذکر ہے اس لیے بہ ظاہر تثنیہ کی ضمیر ہونی چاہیے تھی جس کا معنی ہو تاکہ وہ ان کو راضی کرتے' اس کا جواب یہ ہے کہ واحد کی ضمیر اس لیے لائے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بے شک اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا یہ بہت بڑی رُسوائی ہے○ (التوبہ: ٦٣)

اس آیت میں بھی منافقین کی بُرائیوں کا بیان ہے کہ واضح دلائل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق ظاہر ہو چکا ہے' وہ کتنے عرصے سے آیات اور معجزات کا مشاہدہ کر رہے ہیں اس کے باوجود منافقین اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں۔

منافقین اگرچہ اللہ کو مانتے تھے اور اپنے گمان میں وہ اللہ کی مخالفت نہیں کرتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا ہی درحقیقت اللہ کی مخالفت کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر ایسی سورت نازل ہو جائے گی جو مسلمانوں کو منافقوں کے دل کی باتوں کی خبر دے دے گی، آپ کہیے تم مذاق اڑاتے رہو بے شک اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر رہے ہو○ (التوبہ: ٦٤)

اس آیت کے شانِ نزول میں تین قول ہیں:

(۱) منافقین آپس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بُرائی بیان کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ عنقریب اللہ ہماری باتوں سے ان کو مطلع کر دے گا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) ایک منافق نے کہا: میں یہ چاہتا ہوں کہ خواہ مجھے سو کوڑے مار دیئے جائیں لیکن ہمارے متعلق کوئی ایسی چیز نہ نازل ہو جس سے ہماری رُسوائی ہو، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) ابن کیسان نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آرہے تھے تو اندھیری رات میں منافقین کی ایک جماعت راستہ میں کھڑی ہوگئی تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر آپ کو خبر دے دی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر ج ۳ ص ٤٦٣، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ١٤٠٧ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم عطا کیا جانا

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ٥١٦ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ستر منافقین کا نام بنام ذکر کیا اور ان کے آباء کا نام بھی ذکر کیا، پھر ان کے ناموں کا ذکر مٹا دیا تاکہ مومنین پر رحم ہو، اور بعض مسلمان دوسرے مسلمانوں کو عار نہ دلائیں کیونکہ ان کی اولاد مومن تھی۔

ابن کیسان نے کہا: یہ آیت بارہ منافقوں کے متعلق نازل ہوئی جو ایک گھاٹی کے اوپر کھڑے ہوئے تھے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے لوٹیں تو وہ آپ پر حملہ کریں، ان کے ساتھ ایک مسلمان بھی تھا جس نے اپنا حال ان سے چھپایا ہوا تھا، وہ اندھیری رات میں بھیس بدل کر کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے منصوبہ کی خبر دی، اور یہ کہا کہ آپ ان کے پاس ان لوگوں کو بھیجیں جو ان کی سواریوں پر ضرب لگائیں۔ حضرت عمار بن یاسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے آگے تھے اور حضرت حذیفہ پیچھے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی سواریوں کے اوپر ضرب لاؤ۔ حضرت حذیفہ نے ان کی سواریوں کو مار کر بھگا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ سے پوچھا: تم نے ان کو پہچانا؟ حضرت حذیفہ نے کہا: میں ان میں سے کسی کو نہیں پہچانا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ فلاں اور فلاں تھے حتیٰ کہ ان سب کے نام بتا دیئے۔ حضرت حذیفہ نے پوچھا: آپ ان کے پیچھے کسی شخص کو بھیج کر ان کو قتل کیوں نہیں کرا دیتے۔ آپ نے فرمایا: میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ عرب یہ کہیں کہ جب (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب فتح یاب ہوتے ہیں تو وہ ان کو قتل کرنا شروع کر دیتے ہیں، بلکہ ہمارا بدلہ اللہ ان سے لے گا۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ٢٦١، بیروت، ١٤١٤ھ، الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ١٢٢، مطبوعہ بیروت، ١٤١٥ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ بارہ منافقین اپنے نفاق پر جمع ہوئے، حضرت جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نفاق کی خبر دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ اس اس بات پر جمع ہوئے ہیں، وہ کھڑے ہو کر اعتراف کریں اور اپنے رب سے استغفار کریں حتیٰ کہ میں ان کی شفاعت کروں۔ جب وہ کھڑے نہیں ہوئے تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فلاں کھڑے ہو، اے فلاں کھڑے ہو، حتیٰ کہ آپ ان سب کے پاس گئے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ ہم اعتراف کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اب کہہ رہے ہو حالانکہ میں پہلے تمہاری شفاعت کرنے والا تھا، اور اللہ قبول فرمالیتا، میرے پاس سے نکل جاؤ۔ پھر ان سب کو نکال دیا۔ (تفسیر کبیر ج ٦ ص ٩٣، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٥ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے تھے تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس بات سے ڈرتے کہ کہیں اللہ ان کے احوال کی آپ کو وحی سے خبر نہ کر دے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ وہ کافر تھے لیکن ان کو بارہا تجربہ ہوا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل کی باتوں کی وحی کے ذریعہ سے خبر دی، سو وہ اپنے سابقہ تجربہ کی بنا پر ڈرتے تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ اس بات کے معترف تھے کہ آپ سچے نبی ہیں لیکن وہ حسد اور عناد کی وجہ سے آپ کا کفر کرتے تھے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ان کو آپ کی نبوت کی صحت کے متعلق شک تھا اور شک کرنے والا ڈرتا رہتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ ان سے (ان کے مذاق اڑانے کے متعلق) سوال کریں تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ ہم تو محض خوش طبعی اور دل لگی کرتے تھے۔ آپ کہیے کہ کیا تم اللہ کا اور اس کی آیتوں کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے!○ اب عذر نہ پیش کرو بے شک تم اپنے ایمان کے اظہار کے بعد کفر کر چکے ہو، اگر ہم تمہاری ایک جماعت سے (اس کی توبہ کی وجہ سے) درگزر کرلیں تو بے شک ہم دوسرے فریق کو عذاب دیں گے، کیونکہ وہ مجرم تھے (وہ کفر اور مذاق اُڑانے پر اصرار کرتے تھے)○ (التوبہ: ٦٦-٦٥)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین کا لفظ کہنا کفر ہے خواہ توہین کی نیت ہو یا نہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑانے والے منافقین کے متعلق امام ابن جریر متوفی ٣١٠ھ نے حسب ذیل روایات بیان کی ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: غزوۂ تبوک کی ایک مجلس میں ایک شخص نے کہا: ہمارے قرآن پڑھنے والے جتنے پیٹ کے حریص ہیں اور جتنی باتوں میں جھوٹے ہیں اور مقابلہ کے وقت جتنے بزدل ہیں، اتنا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اس مجلس میں دوسرے شخص نے کہا: تم نے جھوٹ بولا اور تم منافق ہو، میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچاؤں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچ گئی اور قرآن نازل ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے پیچھے چل رہا تھا اور پتھروں سے اس کے پاؤں زخمی ہو رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا: یارسول اللہ! ہم تو محض خوش طبعی اور دل لگی کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے: کیا تم اللہ کا اور اس کی آیتوں کا اور اس کے رسول کا مذاق اُڑاتے تھے۔

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے سفر میں جا رہے تھے اور آپ کے آگے کچھ منافق تھے۔ ان میں سے کسی نے کہا: اس شخص کو یہ امید ہے کہ یہ شام کے محلات اور قلعے فتح کر لے گا حالانکہ یہ بہت بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے مطلع کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان

سواروں کو روکو، پھر آپ نے پوچھا: تم نے اس اس طرح کہا تھا۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم تو محض خوش طبعی اور دل لگی کرتے تھے۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: ایک منافق نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں یہ حدیث سناتے ہیں کہ فلاں شخص کی اونٹنی، فلاں وادی میں، فلاں فلاں دن ہے، یہ غیب کو کیا جانیں!

(جامع البیان ج ۱۰ ص ۲۲۱-۲۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: منافقین نے یہ کلماتِ کفریہ سنجیدگی سے کہے تھے یا مذاق سے اور جس طرح بھی انہوں نے یہ کلمات کہے ہوں یہ کفر ہے کیونکہ اس میں ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مذاق سے کلمہ کفریہ کہنا بھی کفر ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۱۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی ایسا کلمہ کہنا جو عرف میں توہین کے لیے متعین ہو وہ کفر ہے اور اس کا قائل واجب القتل ہے خواہ اس نے توہین کی نیت کی ہو یا نہیں، کیونکہ منافقین نے کہا: ہم نے توہین کی نیت سے ایسا نہیں کہا تھا، مذاق سے کہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب بہانے نہ بناؤ تم ایمان کا اظہار کرنے کے بعد کفر کر چکے ہو۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: یہ تین آدمی تھے، دو نے مذاق اڑایا اور ایک ان کی بات پر ہنستا تھا۔ جو آدمی ہنستا تھا وہ صدقِ دل سے نادم اور تائب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔ اس نے دعا کی تھی کہ اللہ اس کو شہادت عطا فرمائے اور اس کی قبر کا کسی کو پتا نہ چلے۔ وہ جنگِ یمامہ میں شہید ہو گیا اور مذاق اڑانے والے کفر اور نفاق پر قائم رہے اور مستحق عذاب ہوئے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۱۲۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وقف لازم

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ

منافق مرد اور منافق عورتیں (نفاق میں) سب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، برائی کا

بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ

حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۶۷

انہوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا بے شک منافقین ہی فاسق ہیں ○

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار کو دوزخ کی آگ کی وعید سنائی ہے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ان کے لیے کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے

مُّقِيمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ كَانُوٓا۟ أَشَدَّ مِنكُمْ قُوَّةً

دائمی عذاب ہے ○ (اے منافقو!) تم ان لوگوں کی مثل ہو جو تم سے پہلے تھے، وہ تم سے زیادہ قوت والے تھے،

وَأَكْثَرَ أَمْوَٰلًا وَأَوْلَٰدًا فَٱسْتَمْتَعُوا۟ بِخَلَٰقِهِمْ فَٱسْتَمْتَعْتُم

اور تم سے زیادہ مال دار اور اولاد والے تھے۔ سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا تو تم نے بھی

بِخَلَٰقِكُمْ كَمَا ٱسْتَمْتَعَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُم بِخَلَٰقِهِمْ

اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کر لیا۔ جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ حاصل کیا تھا

وَخُضْتُمْ كَٱلَّذِى خَاضُوٓا۟ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَٰلُهُمْ فِى

اور تم بھی فضول کاموں میں مشغول ہو گئے جیسا کہ وہ فضول کاموں میں مشغول ہو گئے تھے، ان لوگوں کے اعمال دنیا اور

ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْخَٰسِرُونَ ﴿۶۹﴾ أَلَمْ يَأْتِهِمْ

آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ کیا ان لوگوں کے پاس

نَبَأُ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ

ان سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی، نوح کی قوم کی اور عاد اور ثمود کی، اور ابراہیم

إِبْرَٰهِيمَ وَأَصْحَٰبِ مَدْيَنَ وَٱلْمُؤْتَفِكَٰتِ ۚ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم

کی قوم کی اور اصحاب مدین کی اور (ان کی)، جن کی بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا۔ ان کے پاس ان کے رسول

بِٱلْبَيِّنَٰتِ ۖ فَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ

معجزات لے کر آئے تھے، سو ان پر ظلم کرنا اللہ کے شایان شان نہیں تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر

يَظْلِمُونَ ﴿۷۰﴾ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وقف لازم

ظلم کرتے تھے ○ اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے کارساز ہیں،

يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ

وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ
قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں،
اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ
ان ہی لوگوں پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا، بے شک اللہ بہت غلبہ والا بے حد حکمت والا ہے ○ اللہ نے
اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے سے
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ
دریا بہتے ہیں، جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور دائمی جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہوں کا (وعدہ فرمایا ہے)
وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾ ع
اور اللہ کی رضا (ان سب سے) بڑی ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○

ربع ١٥

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: منافق مرد اور منافق عورتیں (نفاق میں) سب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا، بے شک منافقین ہی فاسق ہیں ○ (التوبہ: ٦٧)

اللہ تعالیٰ کے بھلانے کا معنی

اس آیت سے اللہ تعالیٰ منافقین کی ایک اور قسم کی خرابیاں بیان فرما رہا ہے اور اس آیت سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ان کی عورتیں بھی ان کے مردوں کی طرح نفاق کی خرابیوں میں ملوث ہیں، نیز فرمایا ہے کہ منافق برائی کا حکم دیتے ہیں یعنی وہ لوگوں کو کفر کرنے اور معصیت کا حکم دیتے ہیں، اس سے مراد ہر قسم کی برائی اور معصیت ہے اور خصوصیت کے ساتھ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تکذیب کا حکم دیتے ہیں اور ہر قسم کے نیک کاموں سے منع کرتے ہیں اور خصوصاً سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے سے منع کرتے ہیں اور فرمایا وہ اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں یعنی ہر خیر سے اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ، صدقات اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں، اور اس سے یہ بھی مراد ہے کہ وہ ہر اس نیک کام کو نہیں کرتے جو فرض یا واجب ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف فرض یا واجب کے ترک پر ملامت فرماتا ہے، اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ جہاد میں شریک نہیں ہوتے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: انہوں نے اللہ کو بھلا دیا اس پر اعتراض ہے کہ بھول پر تو مواخذہ نہیں ہوتا اور نہ اس پر ملامت کی جاتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کا فسق فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھلانے کا لازمی معنی مراد ہے اور وہ ہے اللہ کے احکام پر عمداً عمل نہ کرنا اور ان کو اسی وجہ سے فاسق فرمایا ہے، پھر فرمایا ہے سو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا، اس

پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھولنا محال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی بھلانے سے اس کا لازمی معنی مراد ہے یعنی ان پر لطف و کرم نہ فرمانا اور ان کو عذاب میں مبتلا کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار کو دوزخ کی آگ کی وعید سنائی ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور وہ ان کے لیے کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے O (التوبہ: ۶۸)

عذاب مقیم کا معنی

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے جرائم بیان فرمائے تھے کہ وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور اس آیت میں ان جرائم کی سزا بیان فرمائی ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے، اور اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے بالکل دور کر دیا، پھر فرمایا ان کے لیے عذاب مقیم ہے، اس پر اعتراض ہے کہ عذاب مقیم کا معنی ہے دائمی عذاب اور اس کا ذکر تو خالدین فیھا میں ہو چکا لہٰذا یہ تکرار ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے فرمایا تھا ان کو دوزخ کی آگ کا دائمی عذاب ہو گا اور عذاب مقیم سے مراد کسی اور قسم کا عذاب ہے جو ان کو دائمی ہو گا، دوسرا جواب یہ ہے کہ عذاب مقیم سے مراد ان کا دنیاوی عذاب ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کو اپنے نفاق کی وجہ سے ہر وقت یہ خوف رہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نفاق سے مطلع کر دے گا اور ان کو ہر وقت اپنی رسوائی کا خطرہ رہتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے منافقو! تم) ان لوگوں کی مثل ہو جو تم سے پہلے تھے، وہ تم سے زیادہ قوت والے تھے، اور تم سے زیادہ مالدار اور اولاد والے تھے، سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا تو تم نے بھی اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کر لیا، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا، اور تم بھی فضول کاموں میں مشغول ہو گئے جیسا کہ وہ فضول کاموں میں مشغول ہو گئے تھے، ان لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O (التوبہ: ۶۹)

منافقین کی پہلے زمانہ کے کافروں کے ساتھ مشابہت

اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کو ان کفار کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو ان سے پہلے زمانہ میں تھے۔ وہ بھی برائی کا حکم دیتے تھے اور نیکی سے منع کرتے تھے، اور خیرات کرنے سے اپنے ہاتھ بند رکھتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ وہ کافران منافقین سے زیادہ قوت والے تھے اور ان سے زیادہ مال اور اولاد والے تھے، پھر انہوں نے اس فانی زندگی سے چند روز فائدہ اٹھایا اور پھر بالآخر دائمی عذاب کی طرف لوٹ گئے، اور تم جبکہ ان کی بہ نسبت کمزور ہو اور تمہارے پاس دنیاوی اچھائیاں بھی ان کی بہ نسبت کم ہیں تو تمہارا دائمی عذاب کی طرف لوٹنا زیادہ لائق ہے۔

دوسری وجہ تشبیہ یہ ہے کہ منافقین نے دنیاوی عیش و آرام اور لذتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اعراض کیا تھا جس طرح ان سے پہلے زمانہ کے کافروں نے دنیاوی لذتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے عدول کیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے مال اور اولاد کی کثرت اور قوت کو بیان کر کے فرمایا انہوں نے اپنے حصے کی دنیاوی بھلائی سے فائدہ اٹھایا اسی طرح اے منافقو! اب تم بھی اپنے حصہ کی دنیاوی لذتوں سے فائدہ اٹھالو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے، یعنی ان کی کی ہوئی نیکیاں ان کے مرنے کے بعد باطل ہو گئیں کیونکہ مرنے کے بعد کافر کو اس کی نیکیوں پر کوئی اجر نہیں ملتا، پھر فرمایا: سو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں،

کیونکہ ان منافقوں اور کافروں نے انبیاء علیہم السلام اور رسل عظام کا رد کرنے میں اپنے آپ کو سخت مشقت میں ڈالا لیکن اس کے عوض میں انہوں نے دنیا اور آخرت کی نیکیوں کے ضائع ہونے کے سوا اور کچھ نہیں پایا، اور دنیا اور آخرت میں جو عذاب ان کو ملا وہ اس پر مستزاد ہے۔ اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ ان سے پہلے کے کافروں کو اعمال ضائع ہونے اور رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا جبکہ وہ کافران منافقوں سے زیادہ طاقت ور تھے اور ان کے اموال اور اولاد بھی بہت زیادہ تھی، تو یہ منافقین اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ یہ دنیا اور آخرت کے فوائد سے محروم ہوں اور دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ان لوگوں کے پاس ان سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی نوح کی قوم کی اور عاد اور ثمود کی اور ابراہیم کی قوم کی اور اصحاب مدین کی اور (ان کی) جن کی بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تھے سو ان پر ظلم کرنا اللہ کے شایان شان نہیں تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے○ (التوبہ: ۷۰)

سابقہ قوموں کے عذاب سے منافقوں کو نصیحت فرمانا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا ان لوگوں کے پاس ان سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی اور پہلے لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے چھ قوموں کا ذکر فرمایا ہے: (۱) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، ان کو اللہ تعالیٰ نے طوفان میں غرق کر دیا تھا (۲) قوم عاد، ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہولناک آندھی کے عذاب سے ہلاک کر دیا تھا (۳) قوم ثمود، ان کو اللہ تعالیٰ نے گرج اور کڑک کے عذاب سے ہلاک کر دیا تھا (۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم، اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہوئی نعمتیں ان سے چھین کر ان کو ہلاک کر دیا تھا اور نمرود کے دماغ میں ایک مچھر مسلط کر دیا تھا (۵) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم، اور یہ اصحاب مدین تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مدین بن ابراہیم کی اولاد تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے یوم الظلۃ کے عذاب سے ہلاک کر دیا، الظلۃ کے معنی ہیں سائبان، ان کے پاس سائبان کی طرح ابر آیا اور اس میں سے آگ برسی اور زمین میں زلزلہ آیا جس سے سخت ہولناک آواز آئی اور پوری قوم تباہ ہو گئی۔ (۶) المؤتفکات، یہ مؤتفکہ کی جمع ہے اور لغت میں الائتفاک کا معنی ہے انقلاب، اس سے مراد ہے قوم لوط۔ ان کی زمین کو اللہ تعالیٰ نے پلٹ دیا تھا زمین کا نچلا حصہ اوپر، اور اوپر کا حصہ نیچے کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا ان لوگوں کے پاس ان سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ان چھ قوموں کا ذکر فرمایا، کیونکہ عرب والوں کے پاس ان لوگوں کی خبریں آتی رہتی تھیں۔ وہ لوگوں سے بھی ان کے متعلق خبریں سنتے رہتے تھے، کیونکہ جن علاقوں سے متعلق یہ خبریں تھیں وہ ان کے آس پاس تھے، مثلاً شام اور عراق وغیرہ اور وہ ان علاقوں کے سفر میں ان کے آثار کا مشاہدہ کرتے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو ان پر ظلم کرنا اللہ کے شایان نہیں تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ آیت کے اس حصہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان قوموں پر جو عذاب نازل فرمایا وہ اللہ کی طرف سے ان پر کوئی ظلم نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے ناجائز افعال کی وجہ سے اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بے حد تکذیب کرنے کی وجہ سے اس عذاب کے مستحق ہو چکے تھے، اس وجہ سے انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے کارساز ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ان ہی لوگوں پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا بے شک اللہ بہت غلبہ والا بے حد حکمت والا ہے○ (التوبہ: ۷۱)

منافقوں اور مومنوں میں تقابل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی صفات قبیحہ، ان کے عقائد فاسدہ اور ان کے اعمال خبیثہ بیان فرمائے تھے، اور اب اس کے بعد کی آیات میں ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کی صفات حسنہ، ان کے عقائد صحیحہ اور ان کے اعمال صالحہ بیان فرما رہا ہے، نیز پہلے منافقوں کے بد اعمال بیان فرما کر ان کی سزا کا بیان فرمایا تھا اور اب مومنوں کے نیک اعمال بیان فرما کر ان کی جزاء کا ذکر فرمائے گا۔

پہلی آیتوں میں فرمایا تھا کہ منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور اب اس آیت میں فرما رہا ہے کہ مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے کارساز ہیں، منافق ہوائے نفس کی بناء پر ایک دوسرے کی تقلید کرتے تھے اور مومنوں کو جو ایک دوسرے کی موافقت حاصل ہوئی وہ اندھی تقلید کی بناء پر نہیں تھی بلکہ وہ سب حق کی تلاش کے لیے استدلال کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کو توفیق اور ہدایت عطا فرماتا تھا، منافق برائی کا حکم دیتے تھے اور نیکی سے منع کرتے، نمازوں میں سستی کرتے تھے اور زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے میں اپنے ہاتھ بندھے رکھتے اور مومن نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ اور صدقات خوش دلی اور فراخ دستی سے ادا کرتے ہیں، سو اللہ تعالیٰ مومنین کی جزاء کا ذکر فرماتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور دائمی جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہوں کا (وعدہ فرمایا ہے) اور اللہ کی رضا (ان سب سے) بڑی ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے○ (التوبہ: ۷۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے ان جنتوں (باغات) کا ذکر فرمایا ہے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور ان دائمی جنتوں کا ذکر فرمایا ہے جو مومنوں کی دائمی پاکیزہ رہائش گاہیں ہیں، ہوسکتا ہے کہ پہلی قسم کی جنتیں مسلمانوں کی سیر و تفریح اور احباب سے ملاقات کے لیے ہوں اور دوسری قسم کی جنتیں مسلمانوں کی رہائش کے لیے ہوں۔

دائمی جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہیں اور جنت کی نعمتیں

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسکن طیبۃ فی جنات عدن کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ موتیوں کا ایک محل ہے، اس میں سرخ یاقوت کی ستر حویلیاں ہیں، ہر حویلی میں سبز زمرد کے ستر گھر ہیں، ہر گھر میں ستر تخت ہیں، ہر تخت پر ہر رنگ کے ستر بستر ہیں، ہر بستر پر بڑی آنکھوں والی ایک گوری بیوی ہے، ہر گھر میں ستر دسترخوان ہیں، ہر دسترخوان پر ستر قسم کے کھانے ہیں، ہر گھر میں ستر خدمت گار ہیں اور مومن کو ہر صبح اتنی قوت دی جائے گی کہ وہ ان تمام چیزوں کو صرف کر سکے۔

(جامع البیان ج ۱۰، ص ۲۲۹، تفسیر امام بن ابی حاتم ج ۶، ص ۱۸۴۰)

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہیں، ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں، ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ سونے کا ہے، لوگوں کے اور ان کے رب کے درمیان صرف کبریائی کی چادر ہے جو اللہ کے چہرہ پر جنت عدن میں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۷۸، ۷۴۴۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۸، سنن ابن ماجہ رقم

الحدیث:۱۸۶)

حضرت عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کے لیے جنت میں کھوکھلے موتیوں کا ایک خیمہ ہے جس کا طول ساٹھ میل ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۳۸، صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۷۹، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۲۸، سنن الدارمی رقم الحدیث:۲۸۳۳)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنت میں سو درجے ہیں: ہر دو درجوں میں زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہے اور فردوس ان میں سب سے بلند درجہ ہے، اسی سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۳۰، سنن نسائی رقم الحدیث:۳۱۳۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۳۱، المستدرک ج ۳، ص ۸۰، مسند احمد رقم الحدیث:۲۱۹۸۶، ۲۲۵۹۳، مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ، حافظ شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو پہلا گروہ جنت میں داخل ہوگا اس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی، پھر جو ان کے قریب ہوں گے ان کی صورت چمک دار ستارے کی طرح ہوگی، وہ پیشاب اور پاخانہ نہیں کریں گے، تھوکیں گے نہ ان کی ناک نکلے گی، ان کی سونے کی کنگھی ہوگی اور ان کا پسینہ مشک کی طرح ہوگا، ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگتا ہوگا، ان کی بیویاں بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی، ان سب کی تخلیق ایک شخص کی طرح ہوگی، وہ سب اپنے باپ (حضرت) آدم کی صورت پر ہوں گے، جن کا قد آسمان میں ساٹھ گز کے برابر ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۳۲۷، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۳۴، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۳۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۳۳، سنن الدارمی رقم الحدیث:۲۸۲۳، شرح السنہ ج ۱۵، ص ۲۱۲)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک جنتی شخص کو کھانے پینے، جماع اور شہوت میں سو آدمیوں کی طاقت ہوگی۔ ایک یہودی نے یہ سن کر کہا جو شخص کھائے گا اور پئے گا اس کو قضاء حاجت بھی ہوگی، آپ نے فرمایا: اس کے جسم سے پسینہ نکلے گا جس سے اس کا جسم سکڑ جائے گا۔

(سنن دارمی رقم الحدیث:۲۸۲۵، مسند احمد رقم الحدیث:۱۹۲۱۰، مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ)

امام ترمذی نے حضرت انس سے اس باب کی حدیث کو روایت کیا ہے، (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۳۶) اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ مسند احمد رقم الحدیث:۱۹۲۱۰، مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت میں سے ادنیٰ شخص وہ ہوگا جس کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور اس کی بہتر (۷۲) بیویاں ہوں گی اور اس کے لیے موتی، زمرد اور یاقوت کا اتنا بڑا گنبد بنایا جائے گا جتنی جابیہ اور صنعاء میں مسافت ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۶۲)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا جنت میں سب سے کم درجہ کس شخص کا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ ایک شخص ہوگا جو تمام جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے کے بعد جنت میں جائے گا، اس سے کہا جائے گا جنت میں چلے جاؤ۔ وہ شخص کہے گا اے میرے رب میں جنت میں کہاں جاؤں، جنت کے محلات اور مناصب پر تو لوگوں نے پہلے ہی قبضہ کرلیا ہے۔ اس سے کہا

جائے گا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم کو جنت میں اتنا علاقہ مل جائے جتنا دنیا میں کسی بادشاہ کے ملک کا علاقہ ہوتا ہے۔ وہ شخص عرض کرے گا: اے میرے رب! میں راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ یہ علاقہ لے لو اور اس کا پانچ گنا علاقہ اور لے لو اور اس کے علاوہ وہ چیز بھی لے لو جو تمہارے دل کو پسند آئے اور تمہاری آنکھوں کو اچھی لگے۔ وہ شخص کہے گا اے میرے رب! میں راضی ہوں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اور جن لوگوں کا جنت میں سب سے بڑا درجہ ہوگا وہ کون لوگ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ گروہ ہے جس کو میں نے پسند کر لیا اور ان کی عزت و کرامت پر میں نے مہر لگا دی، ان کو وہ نعمتیں ملیں گی جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی کے ذہن میں اس کا تصور آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان نعمتوں کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ○ (السجدۃ: ۱۷)

کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے کیا کیا نعمتیں چھپائی ہوئی ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۸، مسند احمد ج ۳، ص ۹۵، ۸۸)

اللہ کی رضا اور اس کے دیدار کا سب سے بڑی نعمت ہونا

اللہ تعالیٰ نے جنات اور مساکن طیبہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ان سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ کہیں گے لبیک اے ہمارے رب، ہم تیری اطاعت کے لیے حاضر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے: ہم کیوں نہیں راضی ہوں گے، تو نے ہمیں اتنا کچھ عطا فرمایا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں کسی کو عطا نہیں فرمایا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم کو اس سے افضل چیز عطا فرماؤں گا۔ وہ عرض کریں گے: اس سے افضل چیز اور کیا ہو گی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تم پر اپنی رضا حلال کر دی ہے، میں اب تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۸، صحیح مسلم الحدیث: ۲۸۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۴)

اللہ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے، بندہ کو جب یہ علم ہو جائے کہ اس کا مولیٰ اس سے راضی ہے تو اس کو ہر نعمت سے زیادہ خوشی ہوتی ہے، جیسا کہ اس کو جسمانی آرام اور آسائش حاصل ہو لیکن اس کو یہ علم ہو کہ اس کا مولیٰ اس سے ناراض ہے تو تمام عیش اور آرام مکدر ہو جاتا ہے اور اس کو پھولوں کی سیج بھی کانٹوں کی طرح چبھتی ہے اور جب اس کو اپنے مولیٰ اور محبوب کی رضا کا علم ہو تو جسمانی تکالیف اور بھوک و پیاس کا بھی احساس نہیں ہوتا چہ جائیکہ جسمانی نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ اس کو یہ علم ہو کہ اس کا مالک اور مولیٰ اور محبوب بھی اس سے راضی ہے تو اس کی خوشی اور راحت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

حسن بصری نے کہا: اللہ کی رضا سے ان کے دلوں میں جو لذت اور خوشی حاصل ہوتی ہے وہ جنت کی تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے اور ان کی آنکھیں سب سے زیادہ اس نعمت سے ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ زمخشری نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے، اس میں مقربین کے درجات کی طرف اشارہ ہے ہرچند کہ تمام جنتی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتے ہیں لیکن ان کے درجات مختلف ہوتے ہیں، ہر فلاح اور سعادت کا سبب اللہ کی رضا ہے۔

(البحر المحیط ۵ ص ۴۶۲-۴۶۱، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کی رضا اس وقت حاصل ہو گی جب اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے

چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا۔ آپ نے فرمایا: تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اگر تم سے ہو سکے تو طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے کی نمازوں (فجر اور عصر کی نمازوں) سے عاجز نہ ہونا؛ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ (ق: ۳۹) — طلوع شمس سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے اور غروب سے پہلے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: تم کوئی اور چیز چاہتے ہو جو میں تم کو عطا فرماؤں! وہ عرض کریں گے: کیا تو نے ہمارا چہرہ سفید نہیں کیا! کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا! کیا تو نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی!!! آپ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ حجاب منکشف کر دے گا اور اہل جنت کو ایسی کوئی چیز نہیں عطا کی گئی ہوگی جو ان کو اپنے رب عزوجل کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۹۶۳، ۱۸۹۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! اپنے علم غیب سے اور مخلوق پر اپنی قدرت سے مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہو اور مجھے اس وقت وفات دینا جب تیرے علم میں میرے لیے وفات بہتر ہو، اے اللہ! میں تجھ سے غیب میں (جب کوئی دیکھ نہ رہا ہو) اور شہادت میں (لوگوں کے سامنے) تیرے خوف کا سوال کرتا ہوں، اور میں رضا اور غضب میں کلمہ حق کہنے کا سوال کرتا ہوں، اور فقر اور غنا میں میانہ روی کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے ختم نہ ہونے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں، اور زائل نہ ہونے والی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سوال کرتا ہوں، اور تقدیر واقع ہونے کے بعد اس پر راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں اور موت کے بعد ٹھنڈی زندگی کا سوال کرتا ہوں اور تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کا اور تجھ سے ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں جو بغیر کسی ضرر اور گمراہ کرنے والے فتنہ کے حاصل ہو، اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت کے ساتھ مزین کر اور ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا دے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۴، مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۴)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دیدار کرنے اور اس کی ملاقات کے شوق کے حصول کی دعا کی ہے۔

ابو یزید نے کہا: اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ اگر اللہ جنت میں اپنے چہرے کو حجاب میں کرے تو وہ جنت میں اس طرح فریاد کریں گے جس طرح دوزخی دوزخ میں فریاد کرتے ہیں۔

بعض حکایات میں ہے کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ معروف کرخی کے متعلق کہا گیا کہ یہ معروف کرخی ہیں، جب یہ دنیا سے گئے تو اللہ کی طرف مشتاق تھے تو اللہ عزوجل نے اپنا دیدار ان کے لیے مباح کر دیا۔

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جو لوگ مجھ سے روگردانی کیے ہوئے ہیں کاش وہ جانتے کہ مجھ کو ان کا کتنا انتظار ہے اور ان کے لیے کیسی نرمی ہے اور ان کے گناہ ترک کرنے کا مجھ کو کتنا شوق ہے تو وہ میرے اشتیاق میں مرجاتے اور میری محبت میں ان کی رگیں کٹ جاتیں، اے داؤد! یہ تو مجھ سے روگردانی کرنے والوں کے لیے میرا

ارادہ ہے تو جو میری طرف بڑھنے والے ہیں ان کے متعلق میرا ارادہ کیسا ہوگا!

استاذ ابو علی الدقاق یہ کہتے تھے: حضرت شعیب علیہ السلام روئے حتیٰ کہ نابینا ہو گئے، پھر اللہ عزوجل نے ان کی بینائی لوٹا دی، وہ پھر روئے حتیٰ کہ نابینا ہو گئے، اللہ عزوجل نے پھر ان کی بینائی لوٹا دی، وہ پھر روئے حتیٰ کہ نابینا ہو گئے، پھر اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی اگر تمہارا یہ رونا جنت کے لیے ہے تو میں تمہارے لیے جنت مباح کر دیتا ہوں، اور اگر تمہارا یہ رونا دوزخ کی وجہ سے ہے تو میں تمہیں دوزخ سے پناہ دے دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: نہیں بلکہ میں تجھ سے ملاقات کے شوق میں رو رہا ہوں۔ اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی: اسی وجہ سے میں نے اپنے نبی اور اپنے کلیم کو دس سال تمہاری خدمت میں رکھا۔

اور کہا گیا ہے کہ جو اللہ کی طرف مشتاق ہو اس کی طرف ہر چیز مشتاق ہوتی ہے، اور حدیث میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے: علی، عمار اور سلمان۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۲۳، تاریخ دمشق ج ۵، ص ۲۵۹)

(رسالہ قشیریہ ص ۳۶۱-۳۵۹، ملخصاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

جنت کی تخفیف نہ کی جائے

سورۂ توبہ کی اس آیت کریمہ: ۷۲ اور مذکورہ الصدر احادیث اور اقوال صوفیہ کا یہ تقاضا ہے کہ عذاب نار سے نجات اور جنت کی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا ہے اور یہ بالکل برحق ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عذاب نار سے نجات اور جنت کوئی معمولی نعمت ہے اور جنت کی تخفیف کی جائے یا العیاذ باللہ جنت کی تحقیر کی جائے، قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بہت زیادہ جنت کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور تمام نبیوں اور رسولوں نے دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی ہے اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تلقین کی ہے کہ ہم عذاب نار سے پناہ مانگیں اور جنت الفردوس کے حصول کی دعا کریں اور یہ ذہن میں رکھیں کہ اللہ کی رضا اور اس کا دیدار بھی ہمیں جنت میں ہی حاصل ہوگا اس لیے بھی جنت مقصود ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی قیام گاہ بھی جنت ہے اور محبوب کا دیار اور اس کا گھر بھی محبوب ہوتا ہے اس لیے بھی جنت ہمیں مطلوب اور محبوب ہونی چاہیے۔ اے اللہ! ہمیں دوزخ کے اور ہر قسم کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھ اور ہمیں جنت الفردوس عطا فرما، ہم سے راضی ہو جا اور ہمیں اپنا دیدار عطا فرما! بے شک تیری رضا اور تیرا دیدار سب سے بڑی نعمت ہے سو ہم سے وہ کام کرا جن سے تو راضی ہو! اور ان کاموں سے بچا جن سے تو ناراض ہو۔ آمین یارب العلمین بحرمۃ نبیک سیدنا محمد خاتم النبیین، قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی الہ الطاهرین واصحابه الراشدین وعلی اولیاء امته وعلماء ملته وسائر المؤمنين والمسلمين اجمعين۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ جَٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے،

وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿٧٣﴾ يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ مَا

ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے ○ وہ (منافق) اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ

قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ

انہوں نے نہیں کہا، حالانکہ بے شک انہوں نے کلمہ کفر یہ کہا ہے اور وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ

اور انہوں نے اس کام کا قصد کیا جو ان کو حاصل نہ ہو سکا، اور ان کو صرف یہ ناگوار گزرا کہ اللہ

وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ

اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا، پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا، اور اگر

يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

وہ اعراض کریں تو اللہ دنیا اور آخرت میں ان کو دردناک عذاب دے گا۔

وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اور ان کے لیے زمین میں کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہوگا ○ اور ان میں سے

عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ

بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ

ضرور بہ ضرور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے ○ پس جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں (مال) عطا کیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا

وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ

اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی، درآں حالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے ○ سو اس کے بعد اللہ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے

اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا

لیے نفاق ڈال دیا جس دن وہ اس کے حضور پیش ہوں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے

يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ

بھی کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ○ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ ان کے دل کے راز کو اور ان کی سرگوشیوں کو (بھی) جانتا ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ

اور بے شک اللہ تمام غیبوں کو بہت زیادہ جاننے والا ہے ○ بے شک جو (منافق) خوشی سے صدقہ دینے والے

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ

مومنوں کو طعنہ دیتے ہیں اور ان کو جن کے پاس (صدقہ کے لیے) اپنی محنت کی مزدوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے

فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

سو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ ان کو ان کے مذاق اڑانے کی سزا دے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ

آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں

مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ

تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ ع ۸ ۱۲

اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے ○ (التوبہ: ۷۳)

منافقوں کے خلاف جہاد کی توجیہ

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی قبیح صفات بیان کیں، اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں کا بیان فرمایا اور آخرت میں ان کی سزا کا ذکر فرمایا پھر اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی نیک صفات اور آخرت میں ان کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا، اب پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور کافروں کا ذکر فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو کفار اور منافقین سے جہاد کرنے اور ان کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا۔ اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ منافق اپنے کفر کو خفیہ رکھتا ہے اور زبان سے کفر کا انکار کرتا ہے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ کیا جاتا ہے اور منافق کا قصہ تو الگ رہا کسی شخص کے بھی باطن پر حکم نہیں لگایا جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صرف ظاہر پر حکم لگاتا ہوں اور باطن کا حال اللہ کے سپرد ہے۔

(احیاء علوم الدین ج ۴، ص ۱۸۶، مطبوعہ ۱۳۱۹ھ)

نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک سے واپس آئے تو اسی (۸۰) سے زیادہ لوگوں نے قسم کھا کر آپ کے ساتھ نہ جانے کے متعلق عذر پیش کیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کا اعتبار کر کے ان کے عذر قبول

کیے اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کردیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۹)
ان احادیث سے معلوم ہوا کہ منافقین کے ساتھ ان کے ظاہر کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے تو پھر ان کے خلاف جہاد کرنے کی کیا توجیہ ہوگی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان دونوں سے الگ الگ نوعیت کا جہاد مطلوب ہے، کافروں کے ساتھ تلوار کے ساتھ جہاد مطلوب ہے اور منافقوں کے ساتھ جہاد کا معنی یہ ہے کہ ان کے سامنے اسلام کی حقانیت پر دلائل پیش کیے جائیں، اور اب ان کے ساتھ نرم رویہ کو ترک کردیا جائے اور ان کو زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کی جائے۔

اس حدیث کی تحقیق کہ میں صرف ظاہر پر حکم کرتا ہوں (الحدیث)

ہم نے مذکورہ الصدر پیراگراف میں احیاء العلوم کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صرف ظاہر پر حکم کرتا ہوں اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: اہل اصول اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔
(الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ ص ۲۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)
اور حافظ زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی المتوفی ۸۰۶ھ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: مجھے اس حدیث کی اصل نہیں ملی اور جب مزی سے سوال کیا گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ (المغنی عن حمل الاسفار مع احیاء العلوم ج ۴، ص ۱۸۶)
میں کہتا ہوں کہ متعدد احادیث سے اس حدیث کا معنی ثابت ہے: حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں حتی کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کریں۔ جب وہ یہ کرلیں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے ماسوا حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲)
نیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کے مناقشہ کی آواز دروازہ کے باہر سے سنی۔ آپ ان کے پاس گئے اور فرمایا: میں محض بشر ہوں اور میرے پاس ایک فریق (اپنا مقدمہ لے کر) آتا ہے، پس ہو سکتا ہے کہ بعض فریق بعض سے زیادہ چرب زبان ہو اور میں یہ گمان کروں کہ وہ سچا ہے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں پس (اگر بالفرض) میں اس کو کسی مسلمان کا حق دے دوں تو وہ محض آگ کا ٹکڑا ہے، وہ خواہ اس کو لے یا ترک کردے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۵۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۳)
ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف ظاہر کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے اور باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیتے تھے۔
اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کی چھان بین کروں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۵۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۴)
علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مجھے ظاہر پر حکم کرنے کا امر کیا گیا ہے اور باطن کے معاملات اللہ کے سپرد ہیں، نیز ایک حدیث میں ہے: حضرت اسامہ بن زید نے جہینہ کے ایک کافر پر حملہ کیا۔ اس نے کہا لا الہ الا اللہ، انہوں نے اس کو قتل کردیا انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: اس نے لا الہ الا اللہ کہا تم نے اس کو قتل کردیا۔ حضرت اسامہ نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے ہتھیار کے ڈر سے کہا تھا! آپ نے فرمایا: تم نے

کیوں نہ اس کا دل چیر کے دیکھ لیا کہ آیا اس نے ڈر سے کہا تھا یا نہیں!

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۳، مسند احمد ج ۴، ص ۴۳۳)

"مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کی چھان بین کروں" اس کی شرح میں علامہ ابو العباس قرطبی متوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ظواہر کا اعتبار کروں اور ان کے بواطن کو اللہ کے سپرد کردوں۔ (المفہم ج ۳، ص ۱۱۳) علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے بھی یہی تقریر کی ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳، ص ۵۶۵)

قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے بھی علامہ نووی کی تقریر نقل کی ہے۔ (نیل الاوطار ج ۴، ص ۱۰، مطبوعہ مکتبہ الکلیات الازہریہ مصر، ۱۳۹۸ھ) نیز قاضی شوکانی نے لکھا ہے کہ تمام امور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ظواہر احوال کا اعتبار کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب جنگ بدر میں آپ کے چچا عباس نے یہ عذر پیش کیا کہ مجھ کو جبراً لایا گیا تھا، تو آپ نے فرمایا: ہم پر تمہارا ظاہر حجت ہے، اور یہ حدیث کہ ہم صرف ظاہر پر حکم کرتے ہیں ہر چند کہ اس کی عبارت کسی معتبر سند سے ثابت نہیں ہے لیکن اس پر ایسے شواہد ہیں جن کی صحت پر سب اتفاق ہے اور ظاہر کا اعتبار کرنے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ منافقین کے ساتھ ان کے ظاہر کے اعتبار سے معاملہ کرتے تھے۔ (نیل الاوطار ج ۲، ص ۱۴، مطبوعہ مصر)

اس مسئلہ میں بہت واضح دلیل یہ حدیث ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگوں پر وحی سے مواخذہ (بھی) کیا جاتا تھا اور اب وحی منقطع ہو چکی ہے، اب ہم تمہارا ان چیزوں پر مواخذہ کریں گے جو تمہارے ظاہری اعمال ہیں، پس جو شخص ہمارے لیے خیر کو ظاہر کرے گا اس کو ہم امن سے رکھیں گے اور اس کو اپنے قریب کریں گے اور اس کے باطنی امور سے کوئی چیز ہمارے ذمہ نہیں ہے، اس کے باطن کا اللہ حساب کرے گا، اور جس نے ہمارے لیے برائی کو ظاہر کیا، ہم اس کو امن سے رکھیں گے نہ اس کی تصدیق کریں گے خواہ وہ یہ کہے کہ اس کا باطن نیک ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۴۱)

اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے المقاصد الحسنہ ص ۱۱۰-۱۱۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، اور کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۱، ص ۱۹۲-۱۹۴۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث "میں ظاہر پر حکم کرتا ہوں اور باطن کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔" ہر چند کہ ان الفاظ کے ساتھ کسی معتبر سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے لیکن یہ احادیث صحیحہ اور آثار قویہ سے معناً ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ (منافق) اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ بے شک انہوں نے کلمہ کفریہ کہا ہے اور وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور انہوں نے اس کام کا قصد کیا جو ان کو حاصل نہ ہو سکا اور ان کو صرف یہ ناگوار گزرا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو گا، اور اگر وہ اعراض کریں تو اللہ دنیا اور آخرت میں ان کو دردناک عذاب دے گا اور ان کے لیے زمین میں کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہو گا○ (التوبہ: ۷۴)

منافقین نے جو کلمۂ کفر کہا تھا اس کے متعلق مفسرین کے اقوال

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ منافقین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف توہین پر مبنی کلمہ کہا جس کو اللہ تعالیٰ نے کلمہ کفریہ قرار دیا، وہ کلمہ کفریہ کیا تھا اس کے متعلق مفسرین کے کئی اقوال ہیں:

(۱) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت جلاس بن سوید بن الصامت کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس نے کہا تھا کہ (سیدنا) محمد (صلی

اللہ علیہ وسلم) جو پیغام لے کر آئے ہیں اگر وہ پیغام برحق ہے تو ہم لوگ گدھے سے بھی بدتر ہیں۔ یہ سن کر اس کی بیوی کے بیٹے نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو نے جو کچھ کہا ہے میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچاؤں گا اگر میں نے ایسا نہیں کیا تو ضرور مجھ پر کوئی آفت آ پڑے گی ورنہ تیری گرفت کی جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلاس کو بلا کر پوچھا: اے جلاس! کیا تم نے ایسا ایسا کہا تھا؟ تو جلاس نے قسم کھالی کہ اس نے یہ نہیں کہا تھا تب یہ آیت نازل ہوئی: وہ منافق اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ بے شک انہوں نے کلمہ کفریہ کہا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۱۹۰)

امام ابن ابی حاتم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ پھر جلاس نے توبہ کرلی تھی اور توبہ کے بعد اس نے اسلام میں نیک کام کیے۔

(۲) نیز امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: دو آدمیوں نے آپس میں قتال کیا، ان میں سے ایک جہینہ میں سے تھا اور دوسرا غفار سے تھا، اور جہینہ انصار کے حلیف تھے۔ غفاری جہنی پر غالب آ گیا، تب عبداللہ بن ابی نے ندا کی اے بنو اوس! اپنے بھائی کی مدد کرو اور کہا خدا کی قسم ہماری اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثال صرف ایسی ہے جیسا کہ کسی نے کہا اپنے کتے کو خوب موٹا کرو، وہ تمہیں کھا جائے گا اور کہا اگر ہم مدینہ کی طرف واپس آ گئے تو ضرور عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے۔ ایک مسلمان شخص نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو بلوایا، اور اس سے پوچھا۔ اس نے قسم کھالی کہ اس نے یہ بات نہیں کی تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۱۱۰)

(۳) امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ تیسری یہ روایت ذکر کی ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کسی گھاٹی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری سے گرا دینے کا ارادہ کیا تھا، جب کہ آپ رات کے وقت تبوک سے واپس آ رہے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کے منصوبہ کو سن لیا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے تھے اور حضرت عمار بن یاسر سواری کے آگے تھے۔ حضرت حذیفہ نے اونٹوں کے چلنے کی آواز سنی۔ حضرت حذیفہ نے کہا اے اللہ کے دشمنو! پرے ہٹو۔ انہیں ایک طرف ہٹایا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزر گئے حتیٰ کہ آپ صبح کے وقت اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ صبح کے وقت آپ نے ان سب کو بلوایا اور فرمایا: تم نے اس طرح کا ارادہ کیا تھا؟ انہوں نے اللہ کی قسم کھائی کہ انہوں نے اس طرح نہیں کہا تھا اور نہ اس کا ارادہ کیا تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۱۱۱)

اس آیت کے شان نزول میں پہلی دو حدیثیں جو بیان کی گئی ہیں، ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں صرف جلاس کے کلمہ کفر کے کہنے کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں صرف عبداللہ بن ابی کے کلمہ کفر کہنے کا ذکر ہے، جبکہ قرآن مجید میں جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے کہ منافقوں نے کلمہ کفر کہا، اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ باقی منافقین بھی اس کلمہ کفر کے ساتھ متفق تھے اس لیے قرآن مجید نے جمع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا: انہوں نے کلمہ کفر کہا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ کلمہ کفریہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ایک اور روایت میں ہے کہ تبوک کے سفر میں ایک جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی، مسلمان اس کو تلاش کرتے پھر رہے تھے، اس پر منافقوں کے ایک گروہ نے اپنی مجلس میں بیٹھ کر خوب مذاق اڑایا اور آپس میں کہا "یہ حضرت آسمان کی خبریں تو خوب سناتے ہیں مگر ان کو اپنی اونٹنی کی کچھ خبر نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔" (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۲۲۶)

اس روایت کا ذکر ان تفسیروں میں ان الفاظ سے ہے: مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک منافق نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

بیان کرتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں فلاں وادی میں فلاں فلاں دن تھی، ان کو غیب کی کیا خبر۔ یہ روایت التوبہ: ٦٥ کی تفسیر میں امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم اور امام ابن جوزی نے ذکر کی ہے۔

(جامع البیان جز ١٠ ص ٢٢١، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٦، ص ١٨٣٠، زاد المسیر ج ٣، ص ٤٦٥)

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے انکار کرنے کو یا اس پر اعتراض کرنے کو اللہ تعالیٰ نے کفر قرار دیا ہے اور یہ کہ آپ کے علم غیب کا انکار اور اس پر اعتراض منافقین کا طریقہ ہے۔

منافق جس مقصد کو حاصل نہ کرسکے اس کے متعلق مفسرین کے اقوال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور انہوں نے اس کام کا قصد کیا جو ان کو حاصل نہ ہو سکا۔ امام ابن ابی حاتم نے اس آیت کا ایک محمل یہ بیان کیا کہ عروہ نے کہا کہ جلاس نے ایک گھوڑا خریدا تھا تاکہ اس پر بیٹھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے مگر وہ اپنے اس مقصد میں ناکام رہا (رقم الحدیث: ١٠٠٠٠) دوسرا محمل یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اسود نام کے ایک منافق نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور وہ ناکام رہا۔ (جامع البیان: ١٣١٩٧، ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٠٠٠٢) تیسرا محمل یہ ہے کہ مجاہد نے کہا کہ جب جلاس نے کہا تھا کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہتے ہیں وہ برحق ہے تو ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں، اس وقت ایک مسلمان شخص نے کہا: بے شک وہ حق کہتے ہیں اور تم ضرور گدھے سے بدتر ہو تو اس منافق نے اس مسلمان شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ (رقم الحدیث: ١٠٠٠٣ جامع البیان رقم الحدیث: ١٣١٩٢) چوتھا محمل یہ ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کے سر پر تاج رکھنے کا ارادہ کیا تھا مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ (رقم الحدیث: ١٠٠٠٤)

مفسرین نے اس کا یہ معنی بھی بیان کیا ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے موقع پر منافقین نے یہ ارادہ کیا تھا کہ رات کے اندھیرے میں کسی بلند گھاٹی سے آپ کو سواری سے نیچے گرا دیں گے تاکہ آپ ہلاک ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کے ذریعہ آپ کو بروقت خبردار کر دیا اور منافقین اپنی سازش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

منافقین کو غنی کرنے کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ان کو صرف یہ ناگوار گزرا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیا، امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ اس کی تفسیر میں عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنو عدی بن کعب کے ایک شخص نے ایک انصاری کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم ادا کی تب یہ آیت نازل ہوئی یعنی ان کو دیت کی یہ رقم لینی ناگوار ہوئی۔ (رقم الحدیث: ١٠٠٠٥ جامع البیان رقم الحدیث: ١٣٢٠١) اور عروہ نے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جلاس پر قرض تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا قرض ادا کر دیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (رقم الحدیث: ١٠٠٠٢)

جلاس بن سوید کی توبہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا۔ امام ابو حاتم نے اس کی تفسیر میں عروہ سے روایت کیا ہے کہ جب جلاس نے وہ کفریہ کلمہ کہا کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) برحق ہیں تو ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں، تو ایک صحابی عمیر بن سعد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتا دیا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاس کو بلا کر پوچھا تو اس نے انکار کیا اور قسم کھائی کہ اس نے یہ کلمہ کفر نہیں کہا لیکن جب بعد میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا تو جلاس نے اعتراف کیا کہ اس نے یہ کلمہ کفر کہا تھا اور اپنے اس قول سے صدق دل سے توبہ کرلی اور پھر نیک عمل کیے اور نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر سے فرمایا: تمہارے رب نے تمہاری تصدیق کردی۔
(رقم الحدیث: ۱۰۴۰۳، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۱۹۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور بہ ضرور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے○ پس جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے (مال) عطا کیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور انہوں نے پیٹھ پھیرلی درآنحالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے○ سو اس کے بعد اللہ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق ڈال دیا جس دن وہ اس کے حضور پیش ہوں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ بولتے تھے○ کیا انہیں یہ نہیں معلوم کہ اللہ ان کے دل کے راز کو اور ان کی سرگوشیوں کو (بھی) جانتا ہے، اور بے شک اللہ تمام غیبوں کو بہت زیادہ جاننے والا ہے○ (التوبہ: ۷۸-۷۵)

اللہ سے عہد کرکے اس کو توڑنے والا منافق

عام کتب حدیث، کتب تفسیر اور کتب سیرت میں یہ مذکور ہے کہ قرآن مجید کی ان آیات میں جس منافق کی وعدہ خلافی کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام ثعلبہ بن حاطب بن عمرو انصاری تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ اس کا نام ثعلبہ بن ابی حاطب تھا اور یہ واقعی منافق تھا، اور اول الذکر یعنی حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری بدری صحابی تھے اور جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے، پہلے ہم عام روایت کے مطابق اس واقعہ کا ذکر کریں گے، پھر یہ واضح کریں گے کہ یہ واقعہ ثعلبہ بن ابی حاطب کا ہے نہ کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ کا۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ثعلبہ بن حاطب الانصاری، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا: یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے مال عطا فرمائے آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے اے ثعلبہ کم مال ہو اور تم اس کا شکر ادا کرو یہ اس سے بہتر ہے کہ زیادہ مال ہو اور تم اس کا شکر نہ ادا کر سکو، وہ پھر دوبارہ آپ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ آپ دعا کیجئے کہ اللہ مجھے مال عطا فرمائے آپ نے فرمایا: ثعلبہ! تم پر افسوس ہے کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ہو جاؤ؟ اللہ کی قسم! اگر میں سوال کروں کہ پہاڑ میرے لیے سونا اور چاندی بہائیں تو وہ ضرور بہائیں گے، وہ پھر آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! میرے لیے اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے مال عطا کرے، اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھے مال دیا تو میں ہر حقدار کا حق ادا کروں گا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ ثعلبہ کو مال عطا فرما۔ اس نے بکریاں پالیں ان میں اس قدر افزائش ہوئی کہ مدینہ کی گلیاں ان سے تنگ ہونے لگیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا پھر بکریوں کی طرف چلا جاتا تھا، ان میں اور افزائش ہوئی تو اس نے نماز جمعہ اور باجماعت نماز پڑھنا ترک کر دیا، اس کے پاس سے سوار گزرتے تو وہ ان سے حالات معلوم کرتا تھا حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ (التوبہ: ۱۰۳) ان کے اموال سے زکوٰۃ لیجئے جو ان کو پاکیزہ کرے اور ان کے باطن کو اس کے سبب سے صاف کرے۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصول یابی پر دو شخص مقرر کیے، ایک شخص انصار میں سے تھا اور ایک شخص بنو سلیم سے، اور ان کے لیے زکوٰۃ کی مقدار اور جانوروں کی عمریں لکھ دیں اور ان کو حکم دیا کہ وہ لوگوں سے زکوٰۃ

وصول کریں۔ اور ثعلبہ کے پاس جائیں اور اس سے بھی اس کے مال کی زکوٰۃ لیں۔ سو انہوں نے ایسا کیا، جب وہ ثعلبہ کے پاس گئے اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پڑھوایا، تب اس نے کہا پہلے اور لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر لو پھر میرے پاس آنا، جب وہ لوگوں سے فارغ ہو کر اس کے پاس گئے تو اس نے کہا خدا کی قسم! یہ زکوٰۃ تو جزیہ کی بہن ہے، ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر یہ واقعہ عرض کیا، تب اللہ عزوجل نے اپنے رسول پر یہ آیات نازل فرمائیں اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے مال دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے۔ الآیہ (التوبہ: ۷۷-۷۵) پھر انصار کا ایک شخص جو ثعلبہ کے قریب رہتا تھا، وہ ثعلبہ کے پاس گیا اور کہا تجھ پر افسوس ہے اے ثعلبہ! تو ہلاک ہو گیا، تیرے متعلق قرآن مجید میں اس طرح آیات نازل ہوئی ہیں، تب ثعلبہ گیا، اس نے اپنے بالوں میں خاک ڈالی اور رونے لگا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! یا رسول اللہ! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زکوٰۃ کو قبول نہیں فرمایا، حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا: اے ابوبکر! آپ کو معلوم ہے کہ اپنی قوم میں میرا کیا مقام ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک میرا کیا مقام تھا، آپ مجھ سے زکوٰۃ قبول کر لیجئے۔ حضرت ابوبکر نے اس سے زکوٰۃ قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر حضرت عمر کے زمانہ میں ان کے پاس گیا، انہوں نے بھی انکار کر دیا، پھر حضرت عثمان کے دور میں ان کے پاس گیا، انہوں نے بھی انکار کر دیا، پھر ثعلبہ حضرت عثمان کے دور خلافت میں مر گیا۔

(المعجم الکبیر ج ۸، ص ۲۱۹-۲۱۸، رقم الحدیث: ۷۸۷۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵، ص ۲۹۲-۲۸۹، معرفۃ الصحابہ ج ۱، ص ۴۹۴، رقم: ۱۵۹، مطبوعہ دار الوطن بیروت، مجمع الزوائد ج ۷، ص ۳۲-۳۱، احیاء علوم الدین ج ۳، ص ۲۴۲-۲۴۱، جامع البیان جز ۱۰، ص ۲۴۲-۲۴۱، ۱۳۲۰۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۲، ص ۱۸۴۹-۹۸۴۷، معالم التنزیل ج ۲، ص ۲۶۴-۲۶۳، اسباب نزول القرآن ص ۲۵۹-۲۵۷، تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۴۱۹، مطبوعہ دار الفکر، تفسیر کبیر ج ۶، ص ۱۰۶-۱۰۵، تفسیر بیضاوی و خفاجی ج ۴، ص ۶۰۶-۶۰۴، الدر المنثور ج ۴، ص ۲۴۷-۲۴۶، روح المعانی جز ۱۰، ص ۱۴۴-۱۴۳، خزائن العرفان، معارف القرآن، تفسیر عثمانی وغیرہ)

ان کے علاوہ اور بھی بہت کتب تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ اس منافق کا نام ثعلبہ بن حاطب تھا۔

یہ منافق حضرت ثعلبہ بن حاطب تھے یا کوئی اور شخص؟

علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

سب نے یہ قصہ اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ (اسد الغابہ ج ۱، ص ۴۶۴، ۴۶۳) ابن الکلبی نے کہا کہ ثعلبہ بن حاطب بدری صحابی تھے اور غزوہ احد میں شہید ہوئے، اگر ثعلبہ بن حاطب وہی ہیں جن کے متعلق سورۂ توبہ کی مذکورہ آیات نازل ہوئیں تو پایا تو ابن الکلبی کو ان کے جنگ احد میں شہید ہونے کے متعلق وہم ہوا ہے یا پھر ثعلبہ بن حاطب کے متعلق یہ قصہ صحیح نہیں ہے اور یا پھر اس قصہ میں ثعلبہ بن حاطب کے علاوہ کوئی اور شخص ہے۔

(اسد الغابہ ج ۱، ص ۴۶۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے ثعلبہ بن حاطب انصاری کا بدری صحابہ میں ذکر کیا ہے، اسی طرح ابن الکلبی نے ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے، اس کے بعد حافظ ابن حجر نے اس قصہ کا خلاصہ ذکر کیا ہے، پھر لکھتے ہیں: ثعلبہ بن حاطب کے متعلق یہ قصہ ہو میرے گمان میں یہ صحیح نہیں ہے، حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ بدری

صحابی تھے اور وہ جنگ احد میں شہید ہوئے اور اس قصہ میں جس شخص کا ذکر ہے، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مرا تھا اور اس کی تقویت اس بات سے ہوتی ہے کہ امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے سورۂ توبہ کی اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص تھا جس کا نام ثعلبہ بن ابی حاطب انصاری تھا' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور پھر پورا قصہ بیان کیا اور کہا کہ یہ شخص ثعلبہ بن ابی حاطب تھا' اور جو بدری صحابی ہیں' ان سے متعلق اتفاق ہے کہ وہ ثعلبہ بن حاطب تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص غزوہ بدر یا حدیبیہ میں حاضر ہوا وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا نیز آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے متعلق فرمایا: تم جو چاہو' عمل کرو' میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٠٠٧' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٩٤) پس جس بدری صحابی کی یہ شان ہو' وہ ان آیات کا کیسے مصداق ہو سکتا ہے جن میں مذکور ہے کہ قیامت تک ان کے دل میں نفاق رہے گا پس ظاہر ہے کہ اس قصہ میں جس شخص کا ذکر ہے وہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کا غیر تھا اور تفسیر ابن مردویہ میں حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق وہ شخص ثعلبہ بن ابی حاطب تھا۔ (الاصابہ ج ۱ ص ٥١٧-٥١٦' رقم: ٩٣١-٩٣٠' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٥ھ)

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی المتوفی ٩٤٢ھ اور علامہ السید محمد بن محمد الزبیدی المتوفی ١٢٠٥ھ نے بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس تحقیق سے اتفاق کیا ہے۔

(سبل الھدیٰ والرشاد ج ۴ ص ٩٥-٩٤' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٤ھ' اتحاف السادۃ المتقین ج ٨' ص ٢٢' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٤ھ)

ہمیں بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق پر اعتماد ہے۔

حضرت ثعلبہ بن حاطب کے بدری صحابی ہونے پر تصریحات

امام ابن ہشام متوفی ٢١٨ھ لکھتے ہیں: غزوہ بدر میں بنوامیہ سے جو صحابہ شریک ہوئے ان میں حضرت ثعلبہ بن حاطب بھی ہیں۔ (سیرت ابن ہشام ج ٢ ص ٣٠٠' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ھ)

امام محمد بن عمرو واقد المتوفی ٢٠٧ھ لکھتے ہیں: بنو امیہ میں سے غزوہ بدر میں جو صحابہ شریک ہوئے' ان میں حضرت ثعلبہ بن حاطب بھی ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مقام روحاء سے واپس کر دیا تھا اور ان کو مدینہ پر عامل مقرر کیا تھا اور مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا تھا۔ (کتاب المغازی ج ۱ ص ١٥٩ مطبوعہ عالم الکتب بیروت' ١٤٠٤ھ)

امام محمد بن سعد متوفی ٢٣٠ھ لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثعلبہ بن حاطب اور حضرت معتب بن الحمراء خزاعی کے درمیان مواخات کرائی تھی اور حضرت ثعلبہ بن حاطب غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شریک ہوئے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ٣' ص ٤٦٠' مطبوعہ دار صادر بیروت' ١٣٨٧ھ)

امام یوسف بن عبدالبر القرطبی المالکی المتوفی ٤٦٣ھ لکھتے ہیں:

حضرت ثعلبہ بن حاطب اور حضرت معتب بن عوف بن الحمراء کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات قائم کی تھی اور حضرت ثعلبہ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شریک ہوئے تھے۔

(الاستیعاب ج ۱' ص ٢٨٤' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٥ھ)

یہ معتمد اور مستند تصریحات ہیں جن سے واضح ہوگیا کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور بدریوں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ سب نجات یافتہ اور جنتی ہیں تو ان کو ایک منافق کے متعلق نازل

شدہ آیات کا مصداق قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

حضرت ثعلبہ بن حاطب کو منافق قرار دینے والی روایت کا شدید ضعف

حضرت ابو امامہ باہلی کی طرف منسوب جس روایت میں حضرت ثعلبہ کو منافق قرار دیا ہے اس کو ائمہ حدیث نے بالاتفاق ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی المتوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: امام ابن عبدالبر نے کہا ایک قول یہ ہے کہ ثعلبہ بن حاطب ہی وہ شخص ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (منھم من عاھد اللہ۔ التوبہ: ۷۵) کیونکہ اس نے زکوٰۃ دینے سے منع کیا تھا اور ان کے متعلق یہ وارد ہے کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے اور وہ اس آیت کے معارض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں حشر تک نفاق ڈال دیا۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور ان صحابہ میں سے ہیں جن کے ایمان کی اللہ اور اس کے رسول نے شہادت دی ہے، جیسا کہ المتحنہ کے شروع میں آئے گا پس ان کے متعلق حضرت ابو امامہ باہلی اور حضرت ابن عباس کی طرف جو روایت منسوب ہے، وہ صحیح نہیں ہے اور امام ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ قول صحیح نہیں ہے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب نے زکوٰۃ ادا کرنے سے منع کیا تھا اور ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور ضحاک نے کہا کہ یہ آیت چند منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ یہ ہیں نبتل بن الحارث اور جد بن قیس اور معتب بن قشیر۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۸، ص ۱۳۴۔ ۱۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

یہ روایت طبرانی نے اور بیہقی نے دلائل النبوۃ اور شعب الایمان میں اور ابن ابی حاتم اور طبری اور ابن مردویہ نے روایت کی ہے اور ان سب نے اس سند سے روایت کی ہے۔ علی بن یزید از قاسم بن عبدالرحمن از ابو امامہ اور یہ بہت زیادہ ضعیف سند ہے۔ سہیلی نے ابن اسحق سے روایت کیا ہے کہ حضرت ثعلبہ بدری صحابی ہیں اور ابن اسحق ہی سے یہ منقول ہے کہ یہ آیت ثعلبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، پس یہ ثعلبہ بن حاطب کے نام کے دو الگ الگ شخص ہیں۔

(الکافی والشاف فی تخریج احادیث الکشاف علی تفسیر کشاف ج ۲، ص ۲۹۲، مطبوعہ من منشورات البلاغہ ایران)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ نے کہا ہے کہ ثعلبہ بن حاطب کے متعلق جو زکوٰۃ نہ دینے کی طویل حدیث مروی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نو ہجری میں فرض ہوئی ہے لیکن وہ حدیث ضعیف ہے، اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

(فتح الباری ج ۳، ص ۲۶۶، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

واحدی نے نقل کیا ہے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری ہی وہ شخص ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (منھم من عاھد اللہ التوبہ: ۷۵) اور انہوں نے اس پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی اور نہ ہی یہ ذکر کیا کہ وہ بدری صحابی ہیں، ہاں امام ابن اسحق نے ان کا بدریین میں ذکر کیا ہے اور میرے نزدیک حضرت ثعلبہ بن حاطب اس شخص کے غیر ہیں جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوا تھا اور حضرت ثعلبہ بن حاطب کے متعلق ابن الکلبی نے ذکر کیا ہے کہ وہ غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے، نیز واحدی اور اس کے شیخ ثعلبی اور المہدوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن اس پر بھی اعتراض ہے کیونکہ حضرت حاطب بھی بدری صحابی ہیں اور مہاجرین میں سے ہیں۔ (فتح الباری ج ۶، ص ۳۵، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسن بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث مفسرین کے درمیان مشہور ہے اور وہ اس کو متعدد اسانید موصولہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور وہ سب ضعیف اسانید ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۵، ص ۲۹۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

امام عبدالرحیم بن الحسین العراقی المتوفی ۸۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار مع احیاء العلوم ج ۳، ص ۲۴۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں علی بن یزید الالہانی ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷، ص ۳۲، مطبوعہ دارالکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی، امام ابن مردویہ، امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس حدیث کو سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (اسباب النزول ص ۴۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

نیز حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حافظ عسقلانی نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ ابن الکلبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب بدری صحابی ہیں اور وہ احد میں شہید ہوئے تھے اور اس قصہ میں جس ثعلبہ کا ذکر ہے وہ حضرت عثمان کی خلافت میں مرا تھا، پس ظاہر ہو گیا کہ یہ دونوں الگ الگ شخص ہیں۔ ملخصاً (ہم الاصابہ کی مفصل عبارت نقل کر چکے ہیں)

(الحاوی للفتاوی ج ۲، ص ۹۷-۹۶، مطبوعہ المکتبۃ النوریہ الرضویہ، لائل پور پاکستان)

علامہ شمس الدین عبدالرؤف مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے کہا اس حدیث کی سند پر اعتراض ہے، اور یہ مفسرین کے درمیان مشہور ہے اور الاصابہ میں اشارہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اس قصہ کا مصداق حضرت ثعلبہ کو بنانا درست نہیں۔

(فیض القدیر ج ۸، ص ۴۳۸۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اس روایت کے راویوں پر جرح

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ طبرانی، بیہقی، ابن ابی حاتم اور طبری نے یہ حدیث اس سند کے ساتھ روایت کی ہے: علی بن یزید الالہانی از قاسم بن عبدالرحمن از ابوامامہ باہلی، اب ہم اسماء رجال کی کتب سے علی بن یزید الالہانی اور قاسم بن عبدالرحمن کے احوال نقل کرتے ہیں جس سے اس امر پر بصیرت حاصل ہو جائے گی کہ حضرت ثعلبہ بن حاطب کی طرف اس روایت کو منسوب کرنے والے کس درجہ ساقط الاعتبار ہیں۔

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

حافظ ابوزرعہ نے کہا یہ قوی نہیں ہے، عبدالرحمن بن ابی حاتم نے کہا: میں نے اپنے والد سے علی بن یزید کے متعلق پوچھا، انہوں نے کہا یہ ضعیف الحدیث ہے، اس کی احادیث منکرہ ہیں، اور جب علی بن یزید قاسم سے روایت کرے تو وہ قابل غور ہیں، محمد بن ابراہیم الکتانی نے کہا: میں نے ابوحاتم سے پوچھا آپ اس سند کے متعلق کیا کہتے ہیں: علی بن یزید از قاسم از

ابوامامہ انہوں نے کہا یہ سند قوی نہیں ہے، ضعیف ہے، امام بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث، ضعیف ہے، امام ترمذی نے کہا حسن بن علی بن نصر الطوسی اس کو حدیث میں ضعیف کہتے تھے۔ ایک اور جگہ پر کہا بعض اہل علم نے علی بن یزید میں کلام کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام نسائی نے کہا یہ ثقہ نہیں ہے، ایک اور جگہ کہا یہ متروک الحدیث ہے، ابوالحسن الدار قطنی نے اس کو متروک کہا۔ حاکم ابو احمد نے کہا یہ ذاہب الحدیث ہے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱۳، ص ۴۲۶۔ ۴۲۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھا الساجی نے کہا کہ تمام اہل علم کا اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۴۴، رقم: ۶۹۴، التقریب رقم: ۴۸۳۴، التاریخ الکبیر رقم: ۲۴۰۷، الجرح رقم: ۱۱۴۲، المیزان رقم: ۵۹۶۶)

اور قاسم بن عبدالرحمن کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا یہ جعفر، بشیر بن نمیر اور مطرح سے منکر احادیث روایت کرتا ہے، نیز کہا یہ ثقات سے منکر احادیث روایت کرتا ہے، ابراہیم بن جنید نے کہا یہ مشائخ ضعفاء سے ایسی احادیث روایت کرتا ہے جو ضعیف ہیں، العجلی نے کہا یہ قوی نہیں ہے، ابوحاتم نے کہا کہ اگر یہ ثقات سے روایت کرے تو اس کی احادیث میں کوئی حرج نہیں، اس کی ان روایات پر انکار کیا جائے گا جو یہ ضعفاء سے روایت کرتا ہے، غلابی نے کہا یہ منکر الحدیث ہے، یعقوب بن شیبہ نے ایک بار کہا یہ ثقہ ہے، دوسری بار کہا اس میں اختلاف ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۸، ص ۲۸۱، رقم: ۵۸۶، تہذیب الکمال رقم: ۴۸۰۰، التاریخ الکبیر رقم: ۷۱۲، الجرح رقم: ۶۳۹)

اس روایت پر درایتاً جرح

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت (التوبہ: ۷۵) حضرت ثعلبہ بن حاطب کے متعلق نازل ہوئی ہے، یہ روایت باطل ہے کیونکہ حضرت ثعلبہ معروف بدری صحابی ہیں، نیز از علی بن یزید از قاسم بن عبدالرحمن از ابوامامہ روایت ہے کہ ثعلبہ بن حاطب اپنا صدقہ لے کر حضرت عمر کے پاس گئے تو انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ اس صدقہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں کیا اور نہ حضرت ابوبکر نے اور نہ ہی میں اس کو قبول کروں گا۔ یہ روایت بلاشک باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی زکوٰۃ قبول کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت یہ حکم دیا کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہیں، پس ثعلبہ مسلمان ہوں گئے یا کافر، اگر وہ مسلمان ہیں تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ ان سے زکوٰۃ قبول نہ کرتے اور اگر وہ کافر تھے تو اس مفروض کے خلاف ہے کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہیں، پس بلاشک یہ روایت ساقط ہوگئی اور اس روایت کی سند میں معان بن رفاعہ، قاسم بن عبدالرحمن اور علی بن یزید ہیں اور یہ سب ضعیف ہیں۔ (المحلی ج ۱۱، ص ۲۰۸۔ ۲۰۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۵۲ھ)

شیخ محمد عبدہٗ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں کئی اشکالات ہیں جو ان آیات کے نزول سے متعلق ہیں:

(۱) قرآن مجید کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کے سفر کے موقع کا ہے، اور اس حدیث کے ظاہر سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے بعد پیش آیا اور مشہور یہ ہے کہ زکوٰۃ دو ہجری کو فرض ہوئی تھی اور غزوہ تبوک رجب نو ہجری میں ہوا تھا اور یہ واضح تعارض ہے۔ (۲) اس حدیث میں ہے کہ ثعلبہ نے پہلی بار جو زکوٰۃ نہیں دی اور اس کو جزیہ کی بہن کہا تھا وہ اس پر نادم ہوئے اور روئے اور توبہ صادقہ کی پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توبہ قبول نہیں کی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کے خلاف ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے ساتھ ان کے ظاہر حال کے اعتبار سے معاملہ فرماتے تھے۔ (۳) اس حدیث میں مذکور ہے کہ ثعلبہ نے توبہ صادقہ کرلی تھی جب کہ ان آیات کے ظاہر کا یہ معنی ہے کہ ان کی موت نفاق پر ہوگی اور وہ اپنے بخل اور زکوٰۃ سے اعراض سے توبہ نہیں کریں گے حالانکہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ وہ بخل سے توبہ کرچکے تھے اور بار بار زکوٰۃ پیش کرتے تھے۔ (۴) نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے ان کی زکوٰۃ کو قبول نہیں کیا اور ظاہر شریعت پر عمل نہیں کیا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کفر' نفاق اور معصیت سے توبہ قبول فرمالیتا ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور اسلام میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ (۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں' الحدیث۔ (صحیح البخاری: ۲۵) اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جب ثعلبہ نے زکوٰۃ نہیں دی اور اس کو جزیہ کہا تو آپ اس سے قتال کرتے نہ یہ کہ بعد میں جب وہ نادم ہو کر زکوٰۃ دینے آتا تو آپ اس کی زکوٰۃ کو رد کردیتے' سو اس حدیث میں صرف حضرت ثعلبہ پر افتراء نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی افتراء ہے' اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر بھی افتراء ہے کیونکہ اس روایت کے مطابق انہوں نے بھی اس سے زکوٰۃ قبول نہیں کی۔

(المنارج ۱۰ ص ۵۶۱' موضحاً و مزیداً' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس روایت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے خلاف ہونا

یہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور مزاج کے بالکل خلاف ہے۔ ابوسفیان نے متعدد بار مدینہ پر حملہ کیا لیکن جب وہ اسلام لائے تو آپ نے ان کا اسلام قبول کرلیا۔ وحشی نے آپ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا لیکن جب وہ اسلام لانے کے لیے آیا تو آپ نے اس کا اسلام قبول کرلیا۔ ہند نے آپ کے چچا کا کلیجہ دانتوں سے چبایا اس کا اسلام قبول کرلیا' عمیر بن وہب آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے مدینہ آئے تھے آپ نے ان کا اسلام قبول کرلیا' صفوان بن امیہ عمیر کو بھیجنے والے تھے آپ نے ان کا اسلام قبول کرلیا اور ایسی بہت سی مثالیں ہیں تو اگر ثعلبہ بن حاطب نے ایک بار زکوٰۃ دینے سے انکار کیا' پھر بعد میں اس پر توبہ کرلی اور سخت نادم ہوا تو پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آپ اس کی توبہ قبول نہ کرتے اور اس سے زکوٰۃ نہ لیتے۔ اس مسئلہ پر قیاس کرنے کے لیے ہم ایک اور حدیث پیش کر رہے ہیں:

مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار شخصوں اور دو عورتوں کے سوا سب کے لیے امن کا اعلان کردیا' اور فرمایا ان کو قتل کردو خواہ تم ان کو کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا پاؤ' وہ چار شخص یہ تھے: عکرمہ بن ابی جہل' عبداللہ بن خطل' مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی السرح' رہا عبداللہ بن خطل۔ وہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹا ہوا پایا گیا۔ حضرت سعید بن حریث اور حضرت عمار بن یاسر نے اس کو پکڑا اور حضرت سعید نے حضرت عمار پر سبقت کرکے اس کو قتل کرڈالا اور رہا مقیس بن صبابہ تو مسلمانوں نے اس کو بازار میں پکڑ کر قتل کردیا اور رہا عکرمہ تو وہ سمندر میں کشتی میں سوار ہوا اور تند و تیز آندھیوں کی وجہ سے وہ کشتی طوفان میں پھنس گئی' پھر

کشتی والوں نے کہا اب اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرو، تمہارے خود ساختہ معبود یہاں تمہارے کسی کام نہیں آسکتے، تب عکرمہ نے دل سے کہا اللہ کی قسم! اگر سمندر میں اخلاص کے سوا کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی، اے اللہ! میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے اس طوفان سے مجھے عافیت میں رکھا، تو میں سیدھا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا اور میں ان کو ضرور معاف کرنے والا اور کریم پاؤں گا پس وہ حاضر ہوئے اور اسلام لے آئے۔ اور رہے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گئے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عام بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان نے ان کو لا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا کر دیا، اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ کو بیعت کر لیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار سر اٹھا کر دیکھا اور ہر بار انکار کیا، پھر تین مرتبہ کے بعد اس کو بیعت کر لیا، پھر آپ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا تم میں کوئی سمجھ دار شخص نہیں تھا جو اس کو قتل کر دیتا جب اس نے یہ دیکھا کہ میں اس کو بیعت کرنے سے ہاتھ کھینچ رہا ہوں! صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں کیا پتا، آپ کے دل میں کیا ہے! آپ ہمیں آنکھ سے اشارہ کر دیتے! آپ نے فرمایا: نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کی خیانت کرنے والی آنکھ ہو۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۷۸، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۳)

غور فرمایئے، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا، اس کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ لپٹا ہوا ہو لیکن وہ بھی جب آپ کے سامنے اسلام لانے کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے اس کو بیعت کر لیا۔ اب اگر بالفرض ثعلبہ بن حاطب نے پہلی بار زکوٰۃ نہیں دی اور اس کو جزیہ کی بہن کہا تو وہ زیادہ سے زیادہ اس جرم کی بنا پر قتل کا مستحق تھا لیکن جب وہ اس پر نادم ہوا اور توبہ کر کے روتا ہوا زکوٰۃ دینے کے لیے حاضر ہوا تو آپ کے مزاج اور آپ کی سیرت کا تقاضا یہی تھا کہ آپ اس کی توبہ قبول کر لیتے اور اس سے زکوٰۃ لے لیتے۔ آپ نے اس سے کہیں زیادہ جرائم کے مرتکب اور معاصی میں ملوث لوگوں کو معاف فرمادیا تھا۔ کیا آپ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر آپ اس کے متعلق ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو میں نہیں بخشوں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر مجھے علم ہو تا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اللہ اس کو بخش دے گا تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ اس کے لیے استغفار کرتا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۳۶۶) اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب ماعز نے زنا کر لیا تو ان کے دوست ہزال نے ان کو مشورہ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر بتائیں، اور جب ماعز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو آپ نے ان سے چار مرتبہ (زنا کا) اقرار کرایا پھر ان کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور ہزال سے فرمایا: اگر تم اس پر پردہ رکھ لیتے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوتا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۷۷، ۴۳۷۸) اور اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ ثعلبہ نے اپنے بالوں میں خاک ڈالی اور روتا ہوا یا رسول اللہ! یا رسول اللہ! کہتا ہوا زکوٰۃ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ نے اس سے زکوٰۃ قبول نہیں فرمائی، ایسا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج نہ تھا!

سورۃ التوبہ کی ان آیات کا صحیح مصداق

صحیح بات یہ ہے کہ کچھ منافقوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں مال دیا تو وہ ضرور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں مال دیا تو انہوں نے بخل کیا اور زکوٰۃ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا میں ان کے دلوں میں تاحیات نفاق کو پختہ کر دیا، وہ منافق کون تھے؟ امام ابن مردویہ کی تفسیر کے مطابق جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ وہ ثعلبہ بن ابی

حاطب تھے جیسا کہ حافظ عسقلانی کے حوالے سے گزر چکا ہے اور امام ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے (دوسری روایت میں) فرمایا: وہ بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص تھا؛ اس کا شام میں مال تھا؛ ایک بار اس مال کے پہنچنے میں دیر ہو گئی اور اس نے بہت تنگی اٹھائی تب اس نے قسم کھائی کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے اس کو وہ مال عطا کر دیا تو وہ ضرور صدقہ کرے گا اور نماز پڑھے گا پھر جب اس کے پاس اس کا مال آگیا تو اس نے بخل کیا اور اپنی قسم پوری نہیں کی۔ ابن السائب نے کہا اس شخص کا نام حاطب بن ابی بلتعہ تھا؛ امام رازی نے بھی اس روایت کو اختیار کیا ہے؛ امام ابن جوزی نے ضحاک کی ایک اور روایت ذکر کی ہے کہ نبتل بن الحارث، جد بن قیس، ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں مال دیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا۔ (ہماری تحقیق کے مطابق اس روایت میں ثعلبہ بن حاطب کا شمار درست نہیں ہے یا پھر ہو سکتا ہے کہ وہ ثعلبہ بن ابی حاطب ہو)

(زاد المسیر ج ۳، ص ۴۷۷؛ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اس روایت کی تحقیق میں حرف آخر

ہمارے زمانہ میں اردو کی عام دستیاب تفسیروں میں بھی حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف اس واقعہ کو منسوب کیا گیا ہے اور جو خطباء اور واعظین ان اردو کی تفاسیر پر اعتماد کرتے ہیں، وہ ایک عظیم بدری صحابی پر افتراء باندھتے ہیں، سو میں نے یہ چاہا کہ اس عظیم بدری صحابی سے اس افتراء کو دور کروں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مغفرت فرمائے اور ہم کو تحقیق کرنے کی توفیق دے اور سنی سنائی اور بے سند باتوں سے ہم کو اجتناب کی توفیق عطا فرمائے، میں نے ان آیات کی تفسیر میں حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی نفاق اور بخل سے براءت میں بہت مفصل گفتگو کی ہے تاکہ حضرت ثعلبہ کی براءت ہر اعتبار سے مکمل ہو جائے اور اس کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو (منافق) خوشی سے صدقہ دینے والے مومنوں کو طعنہ دیتے ہیں، اور ان کو جن کے پاس (صدقہ کے لیے) اپنی محنت کی مزدوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے، سو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ ان کو ان کے مذاق اڑانے کی سزا دے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔O (التوبہ: ۷۹)

صحابہ کرام کے صدقات پر منافقین کے طعنے

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب ہم کو صدقہ دینے کا حکم دیا گیا تو ہم مشقت کر کے صدقہ لاتے تھے، ابو عقیل نصف صاع (دو کلو گرام) لے کر آئے اور کوئی انسان اس سے زیادہ لے کر آتا تو منافقین نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ اس صدقہ سے مستغنی ہے اور جو شخص زیادہ لے کر آیا ہے، وہ محض دکھاوے کے لیے لے کر آیا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: بے شک جو (منافق) خوشی سے صدقہ دینے والے مومنوں کو طعنہ دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: 1018)

عمرو بن ابی سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرو کیونکہ میں ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں، حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس چار ہزار درہم ہیں، میں دو ہزار اللہ کو قرض دیتا ہوں اور دو ہزار اپنے عیال کے لیے رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم نے اللہ کے لیے دیئے، اللہ اس میں بھی برکت دے اور جو تم نے اپنے عیال کے لیے رکھ لیے، اللہ اس میں بھی برکت دے، تب ایک انصاری نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس دو صاع کھجوریں ہیں، ایک صاع میں اپنے رب کے لیے دیتا ہوں اور ایک صاع میں

اپنے لیے رکھ لیتا ہوں، تب منافقین نے طعنہ دیتے ہوئے کہا: ابن عوف نے محض ریاکاری کے لیے صدقہ دیا ہے اور کہا: اس شخص کے ایک صاع سے اللہ تعالیٰ مستغنی ہے۔

(جامع البیان جز ١٠ ص ٢٤٩، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٦ ص ١٨٥٠، اسباب النزول للواحدی ص ٢٤٠، تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ٤٢١)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ (بھی) مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O (التوبہ: ٨٠)

عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھنے کا شانِ نزول

شعبی بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی ابن سلول نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے باپ کی نماز جنازہ کے لیے بلایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے: آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ (بھی) مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ اور میں اس کے لیے ستر، ستر اور ستر مرتبہ استغفار کروں گا دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا میں ان کے لیے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا شاید اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ان کے حق میں برابر ہے آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ (المنافقین: ٦)... (جامع البیان جز ١٠ ص ٢٥٥-٢٥٤ ملخصاً)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے اس کو اپنی قمیص دی اور فرمایا: اس میں اس کو کفن دینا، پھر آپ اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر بن الخطاب نے آپ کے دامن کو پکڑا اور عرض کیا: آپ اس کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں حالانکہ یہ منافق ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے، آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ (بھی) مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا، آپ نے فرمایا: میں عنقریب ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا، پھر آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھائی اور ہم نے بھی اس پر نماز جنازہ پڑھی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ان میں سے جو شخص مرجائے آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (التوبہ: ٨٤)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٦٧٢، ١٢٦٩، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٧٤)

عبداللہ بن اُبی کے کفن کے لیے قمیص عطا فرمانے کی وجوہ

عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا پھر اس کی کیا وجہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی قمیص عطا فرمائی، علماء کرام نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں:

(١) عبداللہ بن ابی نے عمرہ حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کی پیشکش کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر عمرہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اس کی جزا میں آپ نے قمیص عطا فرمائی۔

(٢) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کی دلجوئی کی خاطر قمیص عطا فرمائی تھی کیونکہ وہ خالص مومن اور صحابی تھے۔

(٣) کفن کے لیے قمیص کا نہ دینا مکارم اخلاق کے خلاف تھا اس لیے آپ نے قمیص عطا فرمائی۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی چیز کا سوال کیا جائے اور وہ چیز آپ کے پاس ہو تو آپ منع نہیں فرماتے تھے۔
(۵) قرآن مجید میں ہے: واما السائل فلا تنھر۔ (الضحیٰ: ۱۰) اور سائل کو نہ جھڑکیں‘ آپ نے اس آیت پر عمل کیا۔
(۶) اکثر علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس دراز قامت تھے اور بدر کے دن ابن ابی کی قمیص کے سوا اور کسی کی قمیص ان کو پوری نہیں آئی‘ ابن ابی نے اپنی قمیص ان کے لیے دی تھی‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بدلہ اتارنے کے لیے اپنی قمیص اس کو دی‘ اس وجہ کا ثبوت حسب ذیل حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: بدر کے دن قیدیوں کو اور عباس کو لایا گیا‘ عباس کے اوپر کوئی کپڑا نہیں تھا‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے قمیص کو دیکھا تو صرف عبداللہ بن ابی کی قمیص ان کے ناپ کی تھی‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ قمیص ان کو پہنادی‘ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر عبداللہ بن ابی کو پہنائی تھی۔ ابن عیینہ نے کہا: عبداللہ بن ابی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان تھا‘ آپ نے اس احسان کا بدلہ اتارنا پسند کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۰۸)

(۷) علامہ بدر الدین عینی نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری قمیص اس سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکتی‘ مجھے امید ہے کہ اس سبب سے اللہ تعالیٰ (لوگوں کو) اسلام میں داخل کر دے گا۔ روایت ہے کہ خزرج کے لوگوں نے جب دیکھا کہ ابن ابی آپ کی قمیص کو طلب کر رہا ہے اور آپ سے نماز کی درخواست کر رہا ہے تو ایک ہزار آدمی اسلام میں داخل ہو گئے۔ (عمدۃ القاری ج ۸‘ ص ۵۴)

اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود عبداللہ بن ابی کے لیے استغفار کی توجیہات

اکثر روایات صحیحہ میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ استغفر لھم اولا تستغفر لھم (التوبہ: ۸۰) آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں" سے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو استغفار کرنے یا استغفار نہ کرنے کا اختیار دیا ہے‘ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے‘ اکابر علماء کی ایک جماعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر اشکال پیدا ہوا‘ کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت سے آپ کو استغفار کا اختیار دینا واضح نہیں ہوتا‘ اس لیے بعض اکابر علماء نے اس حدیث پر جرح کی‘ حالانکہ یہ حدیث بکثرت طرق صحیحہ سے مروی ہے۔ امام بخاری‘ امام مسلم‘ اور صحیحین کے مخرجین کا اس کی صحت پر اتفاق ہے‘ اس لیے اس حدیث کا انکار علم حدیث سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ علامہ ابن منیر نے کہا‘ اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں لوگوں کو لغزش ہوئی‘ حتیٰ کہ قاضی ابوبکر نے اس حدیث کا انکار کیا اور کہا اس حدیث کو قبول کرنا جائز نہیں ہے‘ اور امام الحرمین نے کہا یہ حدیث "صحیح" نہیں ہے‘ علامہ داؤدی نے کہا یہ حدیث غیر محفوظ ہے‘ اس انکار کی وجہ وہی ہے جو حضرت عمر نے سمجھی تھی کہ "آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں تو اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔" اس آیت سے منافقین کی مغفرت کی نفی میں مبالغہ مراد ہے‘ ستر کے عدد کی خصوصیت اور اختیار دینا مراد نہیں ہے‘ جیسا کہ اس آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے‘ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر اشکال ہے کہ میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ بعض متاخرین نے یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کی قوم کی تالیف کے لیے یہ فرمایا تھا‘ اور آپ کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ اگر آپ نے ستر بار سے زیادہ استغفار کیا تو اس کی مغفرت ہو جائے گی‘ اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ "اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر بار سے زیادہ استغفار کرتا۔" (صحیح بخاری ج ۲‘ ص ۶۷۴) لیکن ثابت وہ روایت ہے جس کے یہ الفاظ ہیں: "میں عنقریب ستر

بار سے زیادہ استغفار کروں گا۔" بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد استصحاب حال پر مبنی ہے' کیونکہ اس آیت کے نزول سے پہلے ان کے لیے استغفار کرنا جائز تھا اس لیے وہ اپنی اصل کے مطابق اب بھی جائز ہے' اور یہ اچھا جواب ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے نفی مغفرت کے مبالغہ کو سمجھنے کے باوجود اصل کے حکم کو باقی قرار دے کر اس پر عمل کرنے میں کوئی تنافی نہیں ہے گویا کہ آپ نے ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے پر حصول مغفرت کو جائز قرار دیا لیکن اس پر یقین نہیں کیا۔ بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا فی نفسہ عبادت ہے' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ قصد عبادت ستر بار سے زیادہ استغفار کیا اور اس سے آپ کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ عبداللہ بن ابی کی مغفرت ہو جائے' اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ اس اعتبار سے پھر جس کی مغفرت محال ہو' اس کے لیے بھی مغفرت طلب کرنا جائز ہو گا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸' ص ۳۳۸' لاہور)

ہمارے نزدیک اس اشکال کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ منافقین کی مغفرت نہیں کرے گا اور آپ کو اس وقت تک ان کے لیے استغفار کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا اس لیے آپ نے فرمایا: میں ان کے لیے استغفار کروں گا اور استغفار کرنے سے آپ کی غرض ان کے لیے مغفرت حاصل کرنا نہیں تھی بلکہ ابن ابی کے بیٹے اور اس کی قوم کی دلجوئی اور اس حسن خلق کی وجہ سے اس کی قوم کو مسلمان کرنا آپ کا مطلوب تھا۔

ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق امام رازی کا تسامح

امام رازی اس بحث میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض ہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ علم تھا کہ عبداللہ بن ابی کافر ہے اور کفر پر مرا ہے تو آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے میں کیوں رغبت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی نماز جنازہ پڑھنا اس کے اعزاز و اکرام کے مترادف ہے اور کافر کی تکریم جائز نہیں ہے' نیز اس کی نماز جنازہ پڑھنا اس کے لیے دعائے مغفرت کو مستلزم ہے اور یہ بھی جائز نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو خبر دے چکا ہے کہ وہ کفار کی بالکل مغفرت نہیں کرے گا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب عبداللہ بن ابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ آپ اس کو اپنی وہ قمیص عطا فرمائیں جو آپ کے جسم مبارک کے ساتھ لگی ہو تاکہ اس قمیص میں اس کو دفن کیا جائے تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ظن غالب ہوا کہ وہ اس وقت میں ایمان کی طرف منتقل ہو گیا ہے کیونکہ یہ وہ وقت ہے جس میں فاسق توبہ کر لیتا ہے اور کافر ایمان لے آتا ہے' سو جب آپ نے اس سے اظہار اسلام دیکھا اور اس کی ان علامات کا مشاہدہ کیا جو دخول اسلام پر دلالت کرتی ہیں تو آپ کا یہ ظن غالب ہو گیا کہ اب وہ مسلمان ہو گیا ہے تو آپ نے اپنے ظن غالب کے مطابق اس کی نماز جنازہ پڑھانے میں رغبت کی' اور جب جبرائیل علیہ السلام نے نازل ہو کر یہ خبر دی کہ وہ کفر اور نفاق پر مرا ہے تو پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے باز رہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶' ص ۱۴۶' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی یہ تقریر صحیح نہیں ہے' صحیح بخاری' صحیح مسلم اور دیگر کتب احادیث صحیحہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھی ہے اور کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو یہ خبر دی تھی کہ ابن ابی کفر اور نفاق پر مرا ہے۔۔۔ باقی رہا یہ سوال کہ ابن ابی کا نفاق مشہور تھا پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیوں رغبت کی' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات مقرر ہے کہ جب منافق ایمان کا اظہار کرے تو اس میں کفر کے باوجود اس پر اسلام کے احکام جاری کیے جاتے ہیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے کیونکہ احکام شرعیہ ظاہر حال پر مبنی ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ کی طرف مفوض ہے' اور ابن ابی کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری

قیص اور میری نماز اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمیوں کو اسلام میں داخل کر دے گا اس سے ظاہر ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول مغفرت کے لیے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی تھی، آپ پر اعتراض تب ہوتا جب آپ حصول مغفرت کے لیے اس کی نماز جنازہ پڑھاتے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ

جن کو (جنگ میں) رسول اللہ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دی گئی تھی وہ اللہ کی راہ میں اپنے بیٹھے رہنے سے خوش ہوئے اور انہوں

يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا

نے اس کو ناپسند کیا کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انہوں نے کہا گرمی میں

فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝٨١

نہ نکلو، آپ کہیے کہ جہنم کی آگ اس سے بہت زیادہ گرم ہے اگر وہ سمجھتے ○

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨٢

پس ان کو چاہیے کہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ یہ ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے ○

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ

سو اے رسول مکرم! اگر اللہ آپ کو ان منافقوں کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے اور یہ آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کریں

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ

تو آپ ان سے کہیں کہ اب تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ جا سکو گے اور کبھی میرے ہمراہ دشمن سے قتال نہیں کرو گے۔

اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝٨٣

تم پہلی بار بیٹھے رہنے پر راضی ہوئے سو اب پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ○

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ

اور جو ان میں سے مر جائے تو آپ ان میں سے کبھی بھی کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں،

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨٤ وَلَا تُعْجِبْكَ

بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ نافرمانی کی حالت میں مرے ○ آپ ان کے

أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا

اموال اور اولاد پر تعجب نہ کریں، اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیا میں عذاب دے

وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ

اور حالت کفر میں ان کی جانیں نکلیں ○ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ

آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الطَّوْلِ

تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو تو ان میں سے متمول لوگ آپ سے اجازت

مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٨٦﴾ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا

مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دیجیے ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ رہ جائیں ○ انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے

مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾ لَٰكِنِ

والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے سو وہ نہیں سمجھتے ○ لیکن

الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ

رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا،

وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾ أَعَدَّ اللَّهُ

اور ان ہی کے لیے سب اچھائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں ○ اللہ نے ان کے لیے

لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ

ان جنتوں کو تیار کر رکھا ہے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں

ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٨٩﴾ ع ۱۱ ع ۱۴

اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن کو (جنگ میں) رسول اللہ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دی گئی تھی، وہ اللہ کی راہ میں اپنے بیٹھے رہنے سے خوش ہوئے اور انہوں نے اس کو ناپسند کیا کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انہوں نے کہا گرمی میں نہ نکلو، آپ کہیے کہ جہنم کی آگ اس سے بہت زیادہ گرم ہے، اگر وہ سمجھتے ○ (التوبہ: ۸۱)

ربط آیات

یہ آیت ان منافقین کی مذمت میں نازل ہوئی ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور پیچھے بیٹھے رہ گئے تھے، اور ان کو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلنا ناگوار ہوا تھا اور بعض منافقین نے بعض سے کہا اس گرمی میں نہ نکلو، کیونکہ غزوہ تبوک کی طرف روانگی سخت گرمی میں ہوئی تھی اس وقت پھل پک چکے تھے اور درختوں کا سایہ اور پھل اچھے لگتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ ان سے کہئے کہ جہاد سے پیچھے رہنے کی وجہ سے تم جس جہنم میں جانے والے ہو، وہ اس گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے۔

دوزخ کی گرمی

جہنم کی گرمی اور تپش کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنو آدم جس آگ کو جلاتے ہیں، وہ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے، الحدیث۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ١٨٣٩، صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٢٦٥، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ٢٨٤٣)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سرخ ہو گئی، پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سفید ہو گئی، پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہو گئی، پس وہ سیاہ تاریک ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٥٩١، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٣٢٠)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ان کو چاہیے کہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ، یہ ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے۔ (التوبہ: ٨٢)

امام رازی نے فرمایا اس آیت میں اگرچہ امر کے صیغے ہیں لیکن ان کا معنی خبر ہے یعنی عنقریب ان منافقین کو یہ حالت حاصل ہو گی یعنی دنیا کی عمر کم ہے اس لیے ان کے ہنسنے کے مواقع کم ہوں گے اور آخرت غیر متناہی ہے اور اس میں ان کو درد اور عذاب کی وجہ سے رونا پڑے گا سو یہ غیر متناہی زمانہ تک روتے رہیں گے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ان کاموں کی یعنی ان کے کفر اور نفاق کی سزا ہے جو یہ دنیا میں کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ٦ ص ١١٤) حافظ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ دنیا قلیل ہے، یہ منافق اس میں جتنا چاہیں، ہنس لیں اور جب یہ دنیا منقطع ہو جائے گی اور یہ اللہ عزوجل کی طرف جائیں گے تو پھر یہ روئیں گے اور یہ رونا کبھی ختم نہیں ہو گا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ٢، ص ٤٢٣، مطبوعہ ١٤١٨ھ)

کم ہنسنے اور زیادہ رونے کی تلقین

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے، اور میں ان چیزوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سن سکتے، آسمان چرچرا رہا ہے اور اس کو چرچرانے کا حق ہے، اس میں ہر چار انگشت پر ایک فرشتہ اپنی پیشانی کو اللہ کے لیے سجدہ میں رکھے ہوئے ہے، اللہ کی قسم! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تم کم ہنسو اور روؤ زیادہ اور تم بستروں پر عورتوں سے لذت لینا چھوڑ دو، اور تم اللہ سے فریاد کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاؤ۔ حضرت ابوذر نے کہا: کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣١٢، مسند احمد ج ٥، ص ١٧٣، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤١٩٠، حلیۃ الاولیاء ج ٢، ص ٢٣٦، ج ٦،

ص ٢٦٩، شرح السنہ رقم الحدیث: ٤١٧٢)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اے لوگو روؤ اگر تم کو رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کرکے روؤ، کیونکہ دوزخی دوزخ میں روئیں گے حتیٰ کہ ان کے آنسو ان کے چہروں پر اس طرح بہیں گے گویا کہ وہ نہریں ہیں، حتیٰ کہ ان کے آنسو ختم ہو جائیں گے، پھر ان کا خون بہنے لگے گا اور وہ خون اتنا زیادہ بہہ رہا ہو گا کہ اگر اس میں کشتی چلائی جائے تو وہ چل پڑے گی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤١٩٦، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٤١٣٤، مجمع الزوائد ج ١٠، ص ٣٩١، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ٤٦٧٣)

سالم بن ابی الجعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس شخص کے لیے خوشی ہو جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اور اپنے گھر میں وسعت رکھی اور اپنے گناہ پر رویا۔ (کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ١٢٤)

عبداللہ تیمی نے کہا جس کو ایسا علم دیا گیا جس کی وجہ سے وہ رویا نہیں، وہ اس لائق ہے کہ اس کو نفع آور علم دیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رونے والے علماء کی تعریف کی ہے، وہ فرماتا ہے: بے شک اس سے پہلے جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا، جب ان پر اس قرآن کی تلاوت کی جاتی تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے اور کہتے ہمارا رب پاک ہے بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہونا تھا○ اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں اور یہ قرآن ان کے خشوع کو اور بڑھاتا ہے○ (بنو اسرائیل: ١٠٩-١٠٧) (کتاب الزہد رقم الحدیث: ١٢٥، حلیۃ الاولیاء ج ٥، ص ٨٨)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو (اے رسول مکرم!) اگر اللہ آپ کو ان منافقوں کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے، اور یہ آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان سے کہیں کہ اب تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ جا سکو گے، اور کبھی میرے ہمراہ دشمن سے قتال نہیں کرو گے، تم پہلی بار بیٹھے رہنے پر راضی ہوئے، سو اب پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو○ (التوبہ: ٨٣)

غزوۂ تبوک کے بعد منافقوں کو کسی غزوہ میں شرکت سے ممانعت کی توجیہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے برے کاموں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں کا بیان فرمایا تھا اور یہ بتایا تھا کہ مسلمانوں کی بھلائی اس میں ہے کہ منافق ان کے ساتھ کسی غزوہ میں نہ جائیں کیونکہ ان کا کسی غزوہ میں شریک ہونا انواع و اقسام کے شر اور فساد کا موجب ہوتا ہے، اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر آپ کو اللہ تعالیٰ منافقین کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے، منافقین کے ایک گروہ کی قید اس لیے لگائی کہ مدینہ میں مخلص مسلمان بھی موجود تھے، جو معذور تھے اور عذر کی وجہ سے غزوہ تبوک میں نہیں جا سکے تھے، سو جب آپ مدینہ میں واپس آئیں اور یہ منافقین آپ سے پھر کسی غزوہ میں شریک ہونے کی اجازت طلب کریں تو آپ کہہ دیں کہ تم اب کبھی بھی کسی غزوہ میں میرے ساتھ نہیں جا سکو گے، یہ ارشاد ان کے نفاق کے اظہار، ان کی اہانت اور مذمت اور ان پر لعنت کرنے کے قائم مقام ہے، کیونکہ جب انہوں نے جھوٹے حیلے بہانے کرکے آپ سے جہاد میں نہ شریک ہونے کی اجازت طلب کی تو ان کا چھپا ہوا کفر ظاہر ہو گیا، کیونکہ دین اسلام میں مسلمانوں کی جہاد کی طرف رغبت تو سب کو بداہتاً معلوم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آئندہ ان کو جہاد میں شرکت سے منع فرمانا اس لیے تھا کہ مسلمان ان کے شر اور فساد اور ان کے مکر و فریب اور ان کی سازشوں سے محفوظ رہیں اور چونکہ یہ پہلی بار یعنی غزوہ تبوک میں اس بات کو پسند کرتے تھے کہ مدینہ میں معذوروں کے ساتھ بیٹھے رہیں سو وہ آئندہ بھی

اسی کو پسند کریں، گویا جب ایک بار انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جانا پسند نہیں کیا تو اس کی سزا ان کو یہ دی گئی کہ اب اگر آئندہ یہ آپ کے ساتھ جانا چاہیں گے پھر بھی ان کو اجازت نہیں ملے گی، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص اس کے خلاف سازشیں کرتا ہے تو وہ آئندہ اس کو اپنا رفیق اور مصاحب بنانے سے گریز کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو ان میں سے مرجائے تو آپ ان میں سے کبھی بھی کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں، بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ نافرمانی کی حالت میں مرے۔ (التوبہ: ۸۴)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اہانت اور ان کی مذمت کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں ان کی مزید اہانت کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع فرما دیا اور اس سے بڑی اور کیا مذمت ہو گی!

منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت کا شان نزول

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کے فرزند حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے انہیں اپنی قمیص دے کر یہ فرمایا کہ اس میں اس کو کفن دیا جائے، پھر آپ اس کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر بن الخطاب نے آپ کا دامن پکڑ کر کہا: آپ اس کی نماز پڑھا رہے ہیں، حالانکہ وہ منافق تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے: استغفرلھم اولا تستغفرلھم ان تستغفرلھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم۔ (التوبہ: ۸۰) آپ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ کریں، اگر آپ ان کے لیے ستر بار استغفار کریں تب بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔" آپ نے فرمایا: "میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں گا۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور ہم نے آپ کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۔ (التوبہ: ۸۴)

اور آپ ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھیں، اور نہ (کبھی) ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے ہوں، بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمان ہونے کی حالت میں مر گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۷۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۴)

عبداللہ بن اُبی کے نفاق کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی توجیہات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یقین سے کہا کہ ابن ابی منافق ہے، اس کا یہ یقین ابن ابی کے ظاہر احوال پر مبنی تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس یقین پر عمل نہیں کیا کیونکہ وہ بظاہر مسلمانوں کے حکم میں تھا اور آپ نے بطور استصحاب اسی ظاہری حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، نیز آپ کو اس کے بیٹے کی عزت افزائی منظور تھی، جو نہایت مخلص اور صالح مومن تھے، اور اس کی قوم کی تالیف قلوب میں مصلحت تھی، اور ایک شر کو دور کرنا مقصود تھا اور ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی دی ہوئی اذیتوں پر صبر کرتے تھے اور ان کو معاف اور درگزر کرتے تھے، پھر آپ کو مشرکین سے قتال کا

حکم دیا گیا اور جو لوگ اسلام کو ظاہر کرتے تھے، خواہ باطن میں اسلام کے مخالف ہوں، ان کے ساتھ آپ کے درگزر کرنے کا معاملہ بدستور جاری رہا اور ان کو متنفر نہ کرتے اور ان کی تالیف قلوب کرنے میں مصلحت تھی، اسی لیے آپ نے فرمایا تھا "کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں۔" اور جب مکہ فتح ہو گیا اور مشرکین اسلام میں داخل ہو گئے اور کفار بہت کم اور پست ہو گئے تب آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ منافقین کو ظاہر کر دیں اور خاص طور پر ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کا واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی صراحتاً ممانعت نہیں کی گئی تھی، اس تقریر سے ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو اشکال ہے، وہ دور ہو جاتا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ جس شخص کا دین کے ساتھ معمولی سا بھی تعلق ہو، آپ اس پر نہایت شفقت فرماتے تھے، نیز آپ اس کے بیٹے کی دل جوئی کرنا چاہتے تھے جو نیک صحابی تھے اور اس کی قوم خزرج کی تالیف قلوب کرنا چاہتے تھے جن کا وہ رئیس تھا، اگر آپ اس کے بیٹے کی درخواست قبول نہ فرماتے اور اللہ تعالیٰ کے صراحتاً منع فرمانے سے پہلے اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار فرما دیتے تو اس کے بیٹے کی دل شکنی ہوتی اور اس کی قوم کے لیے باعث عار ہوتا، اس لیے آپ نے صراحتاً ممانعت کے وارد ہونے سے پہلے انتہائی مستحسن امر کو اختیار فرمایا۔

بعض محدثین نے یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی اس میں دلیل ہے کہ اس کا ایمان صحیح تھا، لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ ان آیات اور احادیث کے خلاف ہے جن میں اس کے ایمان نہ ہونے کی صراحت ہے۔

امام ابن جریر طبری نے اس قصہ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری قمیص اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی لیکن مجھے امید ہے کہ اس کی وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں گے۔

(فتح الباری ج ٨ ص ٣٣٦، مطبوعہ لاہور، عمدۃ القاری ج ١٨ ص ٢٧٣، مطبوعہ مصر، ارشاد الساری ج ٧، ص ١٤٨، مطبوعہ مصر، فیض الباری ج ٤ ص ٥٢ ، مطبوعہ لاہور)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ابن جریر طبری کی جس روایت کا حوالہ دیا ہے، اس کو امام ابن جریر کے علاوہ دیگر ائمہ نے بھی روایت کیا ہے اور متعدد مفسرین نے اس روایت کا ذکر کیا ہے:

امام ابن جریر نے دو سندوں کے ساتھ اس کو قتادہ سے روایت کیا ہے: جامع البیان رقم الحدیث: ١٣٢٦١، ١٣٢٦٢، اسباب النزول للواحدی ص ٢٤٣، امام ابن جوزی نے اس کو قتادہ اور زجاج کے حوالے سے ذکر کیا ہے، زاد المسیر ج ٣ ص ٤٨٠، معالم التنزیل ج ٢ ص ٢٦٧، تفسیر خازن ج ٣ ص ٢٦٩، الدر المنثور ج ٤ ص ٢٥٩، روح المعانی ج ١٠ ص ١٥٤، حاشیۃ الشیخ زادہ علی البیضاوی ج ٤ ص ٤٩٧، مطبوعہ بیروت، ١٤١٩ھ۔

مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت کے باوجود عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کی توجیہات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور یہ فرمایا کہ میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں گا، حالانکہ عبداللہ بن ابی کی وفات ٩ھ میں ہوئی ہے

اور ہجرت سے پہلے جب ابو طالب کی وفات ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک مجھے منع نہ کیا جائے، میں تمہارے لیے استغفار کرتا رہوں گا، اس وقت قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ۔ (التوبہ: ۱۱۳)

نبی اور ایمان والوں کی شان کے یہ لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں، خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں، جب کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔

تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے منع کر دیا تھا تو پھر آپ نے ہجرت کے نو سال بعد عبداللہ بن ابی کے لیے استغفار کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو اس استغفار سے منع کیا گیا ہے جس میں حصول مغفرت اور قبولیت دعا کی توقع کی جائے جیسا کہ ابو طالب کے لیے استغفار کے معاملہ میں تھا، اس کے برخلاف آپ نے عبداللہ بن ابی کے لیے جو استغفار کیا تھا، اس سے غرض اس کی مغفرت کا حصول نہیں تھا، بلکہ اس سے غرض یہ تھی کہ اس کے بیٹے کی دلجوئی کی جائے اور اس کی قوم کی تالیف قلوب کی جائے۔

علامہ زمخشری نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا تھا کہ "اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا۔" زبان و بیان کے اسلوب کے مطابق ستر بار کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ نے بکثرت استغفار کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہیں معاف کرے گا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام مخلوق سے زیادہ فصیح ہیں۔ آپ سے یہ معنی کیسے مخفی رہا حتیٰ کہ آپ نے اس کو عدد کی خصوصیت پر محمول کیا اور فرمایا میں اکثر مرتبہ استغفار کروں گا، اسی طرح دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا "آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ استغفار سے ان کو نفع نہیں ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو اس پر محمول کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ آپ استغفار کریں یا نہ کریں، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر معنی مخفی نہیں تھے، ان آیتوں کے قریب اور متبادر معنی یہی تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور توریہ کے بعید معنی مراد لیے تاکہ امت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت شفقت اور غایت رحمت کا اظہار ہو، جیسا کہ حضرت ابراہیم نے کہا:

وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (ابراہیم: ۳۶)

اور جس نے میری معصیت کی تو یقیناً تو بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

کیونکہ حضرت ابراہیم نے اس آیت میں معصیت سے مراد اللہ کی معصیت یعنی بت پرستی کو مراد نہیں لیا بلکہ اپنی معصیت مراد لی جبکہ سیاق و سباق سے یہاں اللہ تعالیٰ کی معصیت مراد ہے اور یہ اپنی امت پر رحمت اور شفقت کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا توریہ ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر رحمت اور شفقت کے غلبہ کی وجہ سے بعید معنی مراد لیا۔

بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے استغفار کرنے سے منع کیا ہے جس کا خاتمہ شرک پر ہوا ہو، اور یہ ممانعت اس کے لیے استغفار کرنے سے ممانعت کو مستلزم نہیں ہے جو دین اسلام کا اظہار کرتے ہوئے مرا ہو، اور یہ بہت اچھا جواب ہے۔ (فتح الباری ج ۸، ص ۳۳۹-۳۳۸، مطبوعہ لاہور)

ہمارے نزدیک بہترین جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس استغفار سے منع کیا ہے جس سے مقصود مغفرت کا حصول ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کے لیے جو استغفار کیا تھا' اس سے مراد اس کے بیٹے کی دلجوئی اور اس کی قوم کے ایک ہزار آدمیوں کا اسلام تھا' جیسا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری قمیص اور میری نماز اس سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی لیکن مجھے امید ہے کہ اس وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اس روایت کو امام جریر طبری نے روایت کیا ہے۔

کیا ابن ابی کے حق میں مغفرت کی دعا کا قبول نہ ہونا آپ کی محبوبیت کے منافی ہے؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کی مغفرت کے لیے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول نہیں فرمایا' اور یہ آپ کی شان محبوبیت کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ کسی لفظ سے اس کا صریح معنی مراد ہوتا ہے اور کبھی اس لفظ سے متکلم کا خاص منشاء مراد ہوتا ہے۔ آپ نے جو ابن ابی کے لیے مغفرت کی تھی اس سے مراد اس کے لیے مغفرت کا حصول نہیں تھا' بلکہ اس سے آپ کا منشاء اس کی قوم کے لیے ایمان کا حصول تھا' اور جو اس دعا سے آپ کا منشاء تھا وہ اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا۔ اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا۔ (کہف: ٢٩)

اور فرما دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کی ہے جس کی چار دیواری ان کو (ہر طرف سے) گھیر لے گی۔

اس آیت کا منطوق صریح یہ ہے جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے' یعنی انسان کو کفر کرنے کا بھی اختیار دیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے لیکن اس آیت کا منشاء تہدید ہے اور کفر کرنے پر آگ کے عذاب کی وعید ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں:

یہ آیت پچھلی آیت سے اس طرح مربوط ہے کہ مال دار مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ فقراء کو اپنے پاس سے بھگا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے یہ فرمایا کہ آپ ان کی طرف التفات نہ کریں اور ان لوگوں سے یہ کہیں کہ دین حق اللہ کی طرف سے ہے' اگر تم نے اس کو قبول کر لیا تو تم کو نفع ہو گا اور اگر تم نے اس کو قبول نہیں کیا تو تم کو نقصان ہو گا اور یہ جو فرمایا ہے "جو چاہے کفر کرے۔" تو قرآن مجید میں بہت جگہ امر کا لفظ فعل کی طلب کے لیے نہیں آیا' حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا: یہاں امر کا لفظ تہدید اور وعید کے لیے ہے' تخییر کے لیے نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٥' ص ٤٨٤' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٣٩٨ھ)

علامہ آلوسی' علامہ خفاجی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

یعنی اس آیت میں امر اور تخییر اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہے بلکہ یہاں مجازاً یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان مالدار کافروں کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور کفر کا حکم دینا مراد نہیں ہے' بلکہ یہ ان کو رسوا کرنے سے کنایہ ہے۔ (روح المعانی ١٥' ص ٢٦٧)

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ (البقرہ: ٢٣)

اگر تم کو اس کلام کے متعلق شک ہو' جس کو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس کلام کی مثل کوئی سورت لے آؤ۔

اس آیت کا منطوق صریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شک کرنے والوں کو یہ حکم دیا کہ وہ قرآن مجید کی مثل ایک سورت بنا کر لائیں لیکن اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ اس کی مثل سورت نہیں بنا سکتے اور اس سے مکمل عاجز ہیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

علامہ خفاجی نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے مراد عرب کے بلغاء کو چیلنج دینا ہے اور ان کو قرآن مجید کی مثل سورت لانے سے عاجز کرنا ہے۔ (روح المعانی ج ۱، ص ۱۹۳)

ہم نے دو مثالیں ذکر کی ہیں، ورنہ قرآن مجید میں بکثرت ایسی مثالیں ہیں، جہاں کسی لفظ سے اس کا منطوق اور مدلول صریح مراد نہیں ہوتا بلکہ اس سے کوئی خاص منشاء مراد ہوتا ہے، اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بظاہر ابن ابی کی مغفرت کے لیے دعا کی تو اس دعا سے اس کا منطوق اور مدلول صریح مراد نہیں تھا بلکہ اس لفظ سے آپ کا خاص منشاء مراد تھا اور وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے حسن اخلاق کی وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار لوگوں کو مسلمان کردے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کرلی اور وہ مسلمان ہوگئے۔ وللہ الحمد علی ذالک۔

دفن کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اللہ کا ذکر کرنا اور اس سے قبر پر اذان کا استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ منافقین میں سے کسی کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔ (التوبہ: ۸۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ میت کے دفن کیے جانے کے بعد اس کی قبر پر کھڑے رہتے اور اس کے لیے دعا فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ان کو منکر نکیر کے سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور فرماتے: اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۱) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، اس دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کی نماز جنازہ پڑھائی، ان کو قبر میں اتارا، جب ان کی قبر کی مٹی برابر کردی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ کہا اور ہم نے بہت دیر تک سبحان اللہ کہا پھر آپ نے اللہ اکبر کہا اور ہم نے بھی اللہ اکبر کہا، آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے سبحان اللہ اور اللہ اکبر کس وجہ سے کہا؟ آپ نے فرمایا: اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی، حتیٰ کہ اللہ نے اس پر کشادگی کردی۔

(مسند احمد ج ۳، ص ۳۶۰، احمد شاکر نے کہا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۱۲، رقم الحدیث: ۱۴۸۰۹، مطبوعہ دار الحدیث القاہرہ، ۱۴۱۶ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے:

(اللآلی المصنوعہ ج ۲، ص ۳۶۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد عراق الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ نے بھی اس حدیث کو دار قطنی، ابن شاہین، نسائی، حاکم، بیہقی اور طبرانی کے حوالوں سے درج کیا ہے۔ (تنزیہ الشریعہ ج ۲، ص ۳۷۲-۳۷۱)

تاہم تسبیح اور تکبیر کا ذکر صرف مسند احمد کی روایت میں ہے اور وہ روایت صحیح ہے اور ہمارے علماء نے اس حدیث سے

یہ استدلال کیا ہے کہ دفن کے بعد قبر پر اذان دینا جائز ہے کیونکہ اذان میں بھی اللہ کا ذکر ہے اور اس سے میت سے عذاب ساقط ہوتا ہے اور توحید اور رسالت کے ذکر سے میت کو سوالات کے جوابات کی تلقین ہوتی ہے، تاہم اس عمل کو کبھی کبھی کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ایمان پر استدلال

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی زیارت کے لیے اجازت طلب کی تو آپ کو اجازت دے دی گئی اور اس اجازت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ سیدتنا آمنہ رضی اللہ عنہا موحدین میں سے تھیں، نہ کہ مشرکین میں سے اور یہی میرا مختار ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ کو کافروں کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے اور آپ کو آپ کی والدہ کی قبر پر قیام کی اجازت دی گئی اور یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ کی والدہ کافروں میں سے نہیں تھیں، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قبر پر کھڑے ہونے کی اجازت نہ دی جاتی، اور ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہو کہ زمانہ جاہلیت میں آپ کی والدہ توحید پر تھیں اور آپ کو وحی کے ذریعہ اس کی صحت پر اطلاع دی گئی، اس لیے اب یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ آپ کا اجازت طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی والدہ مشرکین میں سے تھیں ورنہ آپ بغیر اجازت کے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کر لیتے، کیونکہ آپ کا اجازت طلب کرنا اپنے علم کو مقرر اور ثابت کرنے کے لیے تھا۔

(روح المعانی جز ۱۰، ص ۱۵۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان کے اموال اور اولاد پر تعجب نہ کریں، اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیا میں عذاب دے اور حالت کفر میں ان کی جانیں نکلیں ○ (التوبہ: ۸۵)

التوبہ: ۵۵ میں اس آیت کی تفسیر گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو تو ان میں سے متمول لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہوئے کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دیجیے، ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ رہ جائیں ○ (التوبہ: ۸۶)

اس آیت کا مضمون التوبہ: ۸۳ میں گزر چکا ہے اور اللہ پر ایمان لاؤ کا معنی ہے اللہ پر ایمان کو برقرار رکھو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے سو وہ نہیں سمجھتے ○ (التوبہ: ۸۷)

ان کے دلوں پر مہر لگانے کا معنی یہ ہے کہ ان کا دل کفر کی طرف رغبت کرتے کرتے اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس کے بعد ایمان لانے کا امکان باقی نہیں رہا یا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی سخت نافرمانی اور گستاخی کی ہے کہ سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، اب وہ ایمان لانا بھی چاہیں تو ایمان نہیں لا سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لیکن رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور ان ہی کے لیے سب اچھائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں ○ اللہ نے ان کے لیے ان جنتوں کو تیار کر رکھا ہے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ (التوبہ: ۸۹-۸۸)

ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ کافروں اور منافقوں کی صفات بیان کرنے کے بعد

مومنوں کی صفات کا ذکر فرماتا ہے اور کافروں اور منافقوں کی سزا کے بعد مومنوں کی جزا کا ذکر فرماتا ہے، پہلے بیان فرمایا تھا کہ منافق حیلے بہانے کر کے جہاد سے بھاگتے ہیں اور ان کی سزا دوزخ ہے، اب بیان فرمایا کہ مومن اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور ان کی جزا جنّت ہے۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ

اور بہانہ بناتے ہوئے دیہاتی آئے تاکہ ان کو (بھی جہاد سے) رخصت دی جائے اور جن لوگوں نے اللہ اور

كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ

اس کے رسول کی تکذیب کی تھی وہ (گھروں میں) بیٹھ گئے، ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو عنقریب عذاب

اَلِيْمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى

ہوگا ○ کمزوروں اور بیماروں اور جو لوگ خرچ کرنے کی طاقت نہیں

الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ

رکھتے، ان پر (جہاد میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے) کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول

رَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾

کے لیے اخلاص سے عمل کریں، نیکی کرنے والوں پر (طعنہ کرنے کی) کوئی راہ نہیں ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ

اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے جو آپ کے پاس آئے تاکہ آپ انہیں جہاد کے لیے سواری مہیا کریں تو آپ نے فرمایا تمہارے

اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا

لیے میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، وہ اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہہ رہے تھے

اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ

کہ ان کے پاس جہاد میں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے ○ مذمت کے مستحق تو صرف وہ لوگ ہیں جو

يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ

مال دار ہونے کے باوجود آپ سے جہاد میں رخصت کو طلب کرتے ہیں، وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ

وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

(گھروں میں) رہیں، اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو وہ کچھ نہیں جانتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بہانہ بناتے ہوئے دیہاتی آئے تاکہ ان کو (بھی جہاد سے) رخصت دی جائے اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی تھی وہ (گھروں میں) بیٹھ گئے، ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو عنقریب دردناک عذاب ہوگا ○ (التوبہ: ۹۰)

اس سے پہلی آیتوں میں مدینہ میں رہنے والے منافقوں کے احوال بیان فرمائے تھے، اب مدینہ کے اردگرد رہنے والے دیہاتیوں کا حال بیان کیا جارہا ہے۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ المعذر (ذال پر تشدید کے بغیر) وہ شخص ہے جو کسی کام کی کوشش کرنا چاہے مگر اس کو عذر درپیش ہو، اور المعذّر (ذال پر تشدید کے ساتھ) وہ شخص ہے جو فی الواقع معذور نہ ہو اور جھوٹے عذر پیش کرے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۲۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری المتوفی ۲۷۶ھ لکھتے ہیں:

المعذرون: یہ وہ لوگ ہیں جو جدوجہد نہیں کرتے، یہ ان چیزوں کو پیش کرتے ہیں جن کو کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے، جب کوئی شخص کسی کام میں تقصیر کرے تو کہا جاتا ہے عذّرت (ذال پر زبر) اور جب کسی کام میں احتیاط کرے تو کہا جاتا ہے اعذرت۔ (تفسیر غریب القرآن ص ۲۶۶ دار و مکتبہ الہلال بیروت، ۱۴۱۱ھ)

امام ابن اسحٰق نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یہ بنو غفار کی ایک جماعت تھی، انہوں نے آکر عذر پیش کیے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معذور قرار نہیں دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۶۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کمزوروں اور بیماروں اور جو لوگ خرچ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ان پر (جہاد میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے) کوئی حرج نہیں ہے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے اخلاص سے عمل کریں، نیکی کرنے والوں پر (طعنہ کرنے کی) کوئی راہ نہیں ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (التوبہ: ۹۱)

معذورین کی اقسام

قرآن مجید کا اسلوب ہے ایک چیز بیان کرکے پھر اس کی ضد کو بیان کرنا، اس اسلوب پر پہلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو جھوٹے عذر پیش کرتے تھے اور اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جن کو حقیقی اعذار لاحق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: ان سے جہاد کے احکام ساقط ہیں۔

ان معذورین کی اللہ تعالیٰ نے تین قسمیں بیان فرمائیں: (۱) اول وہ ہیں جو بدن کے اعتبار سے تو تندرست ہوں لیکن بوڑھے ہونے کی وجہ سے کمزور ہوں، یا وہ لوگ جو اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے کمزور اور نحیف ہوں۔ (۲) ثانی وہ ہیں جو بیمار ہوں، ان میں اندھے، لنگڑے، لولے اور اپاہج بھی داخل ہیں۔ (۳) ثالث وہ ہیں جو طاقتور اور تندرست ہوں لیکن ان کے پاس سواری اور زادِ راہ نہ ہو جس کی وجہ سے آپ کے ساتھ جہاد کے سفر پر نہ جاسکیں۔

جہاد اور نماز میں معذورین کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ (تبوک) کے دوران فرمایا: ہم مدینہ

میں کچھ لوگوں کو چھوڑ آئے ہیں، ہم جس وادی اور گھاٹی میں بھی گئے وہ ہمارے ساتھ رہے، وہ عذر کی وجہ سے نہیں جاسکے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۸، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مدینہ میں ایسے لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہو کہ تم نے جو سفر بھی کیا یا جو خرچ بھی کیا یا تم جس وادی میں بھی گئے وہ تمہارے ساتھ تھے۔ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! وہ ہمارے ساتھ کیسے ہوں گے حالانکہ وہ مدینہ میں ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ عذر کی وجہ سے نہیں جاسکے۔
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۲۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۶۴)

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ انصار میں سے آخر میں اسلام لائے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غزوۂ بدر میں شرکت کے لیے بلایا اور انہوں نے دیگر صحابہ کے ساتھ غزوۂ بدر کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا تو ان کے بیٹوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے ان کو منع کیا کیونکہ ان کی ٹانگ میں شدید لنگ تھا، پھر جب جنگِ احد کا دن آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: تم لوگوں نے مجھے غزوۂ بدر کی طرف نکلنے نہیں دیا تھا، سو اب تم مجھے غزوۂ احد کی طرف نکلنے سے منع نہیں کرنا۔ انہوں نے کہا: اللہ نے آپ کو جہاد میں شرکت سے معذور رکھا ہے، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر عرض کیا: یارسول اللہ! میرے بیٹے مجھے اس لنگ کی وجہ سے آپ کے ساتھ جہاد میں جانے سے منع کرتے ہیں اور اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں اپنی اس لنگڑی ٹانگ کے ساتھ جنت میں چلوں گا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو اللہ نے جہاد سے معذور قرار دیا ہے اور تم پر جہاد فرض نہیں ہے اور ان کے بیٹوں سے کہا: تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم ان کو منع نہ کرو، شاید کہ اللہ انہیں شہادت عطا فرمائے۔ پھر حضرت عمرو بن الجموح نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور احد کے لیے روانہ ہو گئے اور دعا کی: اے اللہ! مجھے شہادت عطا فرما! اور مجھے اپنے اہل کی طرف نامراد واپس نہ کر، اور جب یہ جنگِ احد میں شہید ہو گئے تو ان کی بیوی ہند بنت عمرو جو حضرت جابر کی پھوپھی تھیں وہ آئیں اور انہوں نے ان کو اور اپنے بھائی عبداللہ بن عمرو بن حرام (حضرت جابر کے والد) کی لاشوں کو اٹھایا اور ان دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے بیشک میں نے اس کو دیکھا وہ اپنی لنگڑی ٹانگ کے ساتھ جنت میں چل رہا تھا۔
(اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۹۶۔ ۱۹۵، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۳۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! مجھے مسجد میں کوئی لے جانے والا نہیں ہے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اس کو گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت دی جائے۔ آپ نے اس کو رخصت دے دی۔ جب وہ واپس چلا گیا تو آپ نے اس کو بلایا اور پوچھا: کیا تم اذان سنتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں! فرمایا: پھر تم اذان پر لبیک کہو۔ (یعنی مسجد میں جا کر نماز پڑھو)
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۵۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم یہ جانتے تھے کہ نماز کو صرف منافق ہی ترک کرتا تھا جس کا نفاق معلوم ہو، یا وہ بیمار ہو اور بے شک ایک بیمار شخص دو آدمیوں کے درمیان سہارے سے چلتا ہوا نماز پڑھنے کے لیے آتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنن الہدیٰ کی تعلیم دی اور جس مسجد میں اذان دی گئی ہو اس میں نماز پڑھنا سنن الہدیٰ میں سے ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۴، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کے لیے نصیحت کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے: جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے نصیحت کریں۔
نصیحت کا معنی ہے اخلاص۔ (اساس البلاغۃ للزمخشری ج ۲ ص ۴۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)
حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین نصیحت ہے۔ ہم نے پوچھا: کس کے لیے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، ائمہ مسلمین کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۴۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۹۸)
اللہ کے لیے نصیحت کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ پر ایمان لائے، اس سے شریک کی نفی کرے، اس کی صفات میں الحاد نہ کرے (اس کی طرف ایسی صفت منسوب نہ کرے جو اس کی شان کے لائق نہ ہو) اور تمام عیوب اور نقائص سے اللہ تعالیٰ کی براءت بیان کرے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے لیے محال مانے، اس کے احکام کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرے، اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت اور اس کی وجہ سے بغض رکھے، اس کی اطاعت کرنے والوں سے دوستی اور اس کی نافرمانی کرنے والوں سے دشمنی رکھے، اس کے منکروں سے جہاد کرے، اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور اس کا شکر بجالائے، اور تمام اُمور میں اس کے ساتھ اخلاص رکھے۔

کتاب اللہ کے لیے نصیحت کا معنی

اللہ کی کتاب کے لیے نصیحت کا یہ معنی ہے کہ بندہ اس پر ایمان رکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور مخلوق کا کوئی کلام اس کے مشابہ نہیں، اور مخلوق میں سے کوئی شخص اس کلام کی مثل لانے پر قادر نہیں ہے، اس کی آیتوں میں زیادتی یا کمی محال ہے، اس کی تعظیم کرے اور اس کی اس طرح تلاوت کرے جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے، مخالفین اسلام اس پر جو اعتراض کرتے ہیں ان کے جواب دے اور متبدعین جو اس کی آیات کی باطل تاویل کرتے ہیں ان کا رد کرے۔ اس کے علوم اور اس کی مثالوں کو سمجھے، اس کے مواعظ (نصیحتوں) میں غور و فکر کرے، اس کے عجائب میں تدبر کرے، عقائد اسلام پر اس سے دلائل تلاش کرے، اس کی آیات سے احکام شرعیہ مستنبط کرے، اس کے عموم، خصوص اور ناسخ و منسوخ سے بحث کرے، اس کے اوامر پر عمل کرے اور نواہی سے اجتناب کرے، اس کے علوم کی نشرو اشاعت کرے اور لوگوں کو اس کی دعوت دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نصیحت کا معنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نصیحت کا معنی ہے، آپ کی رسالت کی تصدیق کرنا، آپ اللہ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کو ماننا، اوامر اور نہی میں آپ کی اطاعت کرنا، آپ کے دوستوں سے دوستی اور آپ کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا، آپ کی تعظیم و توقیر کرنا، آپ کی سُنّت اور آپ کے طریقہ کو زندہ کرنا، آپ کی شریعت کی نشرو اشاعت کرنا اور اس سے اعتراضات کو دُور کرنا، آپ کی احادیث سے فقہی احکام نکالنا اور ان کی طرف عمل کی دعوت دینا، آپ کی احادیث کی حجیت بیان کرنا اور ان کی نشرو اشاعت کرنا، حدیث پڑھتے وقت آداب کا لحاظ رکھنا، آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق اور آداب کو اپنانا، آپ کے اہل بیت، آپ کے اصحاب اور آپ کی ازواج سے عقیدت رکھنا، متبدعین نے آپ کی احادیث کی جو باطل تاویلات کی ہیں ان کا رد کرنا، احادیث صحیحہ، حسنہ، ضعیفہ اور موضوعہ کو الگ الگ پہچاننا اور ان کے مراتب اور درجات کی رعایت کرنا۔

ائمہ مسلمین کے لیے نصیحت کا معنی

ائمہ مسلمین کے لیے نصیحت کا معنی یہ ہے: حق بات پر ان کی معاونت کرنا اور اس میں ان کی اطاعت کرنا، ان کی خطا پر

نرمی سے ان کو متوجہ کرنا' جن سے وہ غافل ہوں اس کی ان کو خبر دینا' جن مسلمانوں کے حقوق ان کو مستحضر نہ ہوں وہ ان کو یاد دلانا' ان کی بیعت پر قائم رہنا اور ان کے خلاف بغاوت نہ کرنا' ان کی اطاعت پر لوگوں کو مائل کرنا' ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا' اور ان کے ساتھ جہاد کے لیے روانہ ہونا' ان کو زکوٰۃ اور عشر لا کر دینا' اگر ان سے ظلم یا کوئی برائی ظاہر ہو تو ان کے خلاف طاقت استعمال کرنے سے گریز کرنا الا یہ کہ العیاذ باللہ ان سے علی الاعلان کفر صادر ہو' ان کے سامنے ان کی جھوٹی تعریف نہ کرنا' ان کو نیکی کی تلقین کرنا' یہ تمام امور اس وقت ہیں جب ائمہ مسلمین سے خلفاء اور حکام مراد ہوں' اور اگر ائمہ مسلمین سے علماء اور مجتہدین مراد ہوں تو ان کے لیے نصیحت کا معنی یہ ہے کہ ان کی روایت کردہ احادیث کو ماننا اور ان کے احکام اور فتاویٰ کی تقلید کرنا اور ان کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا۔

عام مسلمانوں کے لیے نصیحت کا معنی

عامۃ المسلمین کے لیے نصیحت کا معنی یہ ہے: دنیا اور آخرت میں ان کی سعادت اور فلاح پر رہنمائی کرنا' ایذاء دینے والی چیزوں کو ان سے دُور کرنا' جن شرعی احکام سے وہ لاعلم ہوں وہ ان کو بتانا اور ان میں ان کی قول اور فعل سے مدد کرنا' ان کے عیوب کو چھپانا' اور مضر چیزوں کو ان سے دُور کرنا اور مفید چیزوں کو ان کے لیے مہیا کرنا' نرمی اور اخلاص کے ساتھ ان کو نیکی کا حکم دینا اور ان کو بُرائی سے روکنا' ان کے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم کرنا' ان سے حسد نہ کرنا' نہ دھوکا دینا' ان کے لیے اسی اچھی چیز کو پسند کرنا جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہو اور اس بُری چیز کو ان کے لیے ناپسند کرنا جس کو وہ اپنے لیے ناپسند کرتا ہو' ان کی جان' مال اور عزت سے ضرر اور بُرائی کو دُور کرنا' اور ان امور کی طرف ان کو بھی متوجہ کرنا۔

ہر شخص پر اس کی طاقت کے مطابق نصیحت کرنا لازم ہے' جب کہ اس کو یہ علم ہو کہ اس کی نصیحت قبول کی جائے گی اور اس کے حکم کی اطاعت کی جائے گی اور اس کو یہ اطمینان ہو کہ نصیحت کرنے کی وجہ سے اس کو کوئی ناگوار صورتِ حال پیش نہیں آئے گی' اور اگر اس کو یہ خطرہ ہو کہ نصیحت کرنے کی وجہ سے وہ کسی مصیبت میں پڑ جائے گا تو پھر نصیحت کرنا اس پر لازم نہیں ہے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ وہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ ادا کریں گے اور ہر مسلمان کے لیے نصیحت کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۲۵)

بڑے سے بڑا نیک بھی اللہ کی بخشش اور اس کی رحمت سے مستغنی نہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نیکی کرنے والوں پر (طعنہ کرنے کی) کوئی راہ نہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بخشش اور رحمت کا تعلق تو بُرائی کرنے والوں اور گنہ گاروں کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ۔ اس کے دو جواب ہیں: اوّل یہ کہ بخشش اور رحمت کا تعلق بُرائی کرنے والوں اور گنہ گاروں کے ساتھ ہے بشرطیکہ وہ توبہ کرلیں اور یہ محذوف ہے اور اس کا تعلق محسنین (نیکی کرنے والوں) کے ساتھ نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اپنی نیکیوں کی وجہ سے اپنے اوپر دنیا میں مذمت کا اور آخرت میں عذاب کا دروازہ بند کر دیا ہے لہٰذا ان کی مذمت کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نیکی کرنے والے خواہ نیکیوں کی انتہا کو پہنچ جائیں وہ اپنے اور اللہ کے درمیان کسی گناہ سے اور اپنے اور بندوں کے درمیان کسی بُرائی سے خالی نہیں ہوتے لیکن اگر وہ گناہ کبیرہ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے صغیرہ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچو جن سے تم کو منع

کیا گیا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیں گے۔ (النساء: ۳۱) نیز حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بنی آدم خطاکار ہے اور بہترین خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۳۰، مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۲۹۲۲، المستدرک ج ۴ ص ۲۴۴، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۸۵۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۴۰۹، ج ۸ ص ۵۹۶، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۳۴۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۲۲۰)

اس حدیث سے ہماری اس بات کی تائید ہوگئی کہ کوئی شخص کتنا بڑا نیکی کرنے والا کیوں نہ ہو وہ کسی نہ کسی درجہ میں گنہگار ہے، اور وہ توبہ کرنے سے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت سے مستغنی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے جو آپ کے پاس آئے تاکہ آپ انہیں جہاد کے لیے سواری مہیا کریں تو آپ نے فرمایا تمہارے لیے میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، وہ اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہہ رہے تھے کہ ان کے پاس جہاد میں خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے○ (التوبہ: ۹۲)

عبادت سے محروم ہونے کی بناء پر رونا

امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کے ساتھ جہاد میں جائیں، آپ کے پاس آپ کے اصحاب کی ایک جماعت آئی جن میں حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں کوئی سواری عطا کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کروں۔ وہ روتے ہوئے واپس چلے گئے کیونکہ جہاد سے رہ جانا ان پر بہت شاق تھا، اور ان کے پاس نہ زادِ راہ تھا نہ سواری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور جہاد پر حرص کی وجہ سے ان کے عذر میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۶۴۔ ۱۸۶۳، رقم الحدیث: ۱۰۲۰۰، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

زہدم بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مرغی کا ذکر چل پڑا۔ ان کے پاس بنو تیم اللہ کا ایک سرخ رنگ والا شخص تھا گویا کہ وہ آزاد شدہ غلاموں میں سے تھا۔ اس کو کھانے کے لیے بلایا۔ اس نے کہا: میں نے اس مرغی کو کوئی چیز کھاتے ہوئے دیکھا تھا مجھے اس سے گھن آئی اور میں نے اس کو نہ کھانے کی قسم کھائی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا: آؤ میں تمہیں اس کے متعلق ایک حدیث سناؤں: میں اشعریوں کی ایک جماعت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم آپ سے سواری طلب کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا اور نہ میرے پاس کوئی سواری ہے جس پر میں تمہیں سوار کروں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مالِ غنیمت سے اونٹ آگئے، آپ نے ہمارے متعلق پوچھا اور فرمایا: اشعریوں کی جماعت کہاں ہے؟ پھر ہمارے لیے پانچ اونٹوں کا حکم دیا جو سفید کوہان والے اور فربہ تھے۔ جب ہم چل پڑے تو ہم نے آپس میں کہا: یہ ہم نے کیا کیا، ہمیں برکت نہ دی جائے، ہم دوبارہ آپ کے پاس گئے، ہم نے عرض کیا: ہم نے آپ سے سواری کا سوال کیا تھا، آپ نے قسم کھائی تھی کہ آپ ہم کو سواری نہیں دیں گے، کیا آپ بھول گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: میں نے تم کو سواری نہیں دی تھی، یہ سواری تم کو اللہ نے دی

تھی، اور اللہ کی قسم! میں جس کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھاؤں پھر اس کام کے کرنے میں خیر دیکھوں تو میں اس کام کو کروں گا اور اس قسم کا کفارہ دوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۱۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۴۹)

اس آیت میں اور اس کے شانِ نزول میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس میں مذکور ہے کہ جہاد میں شرکت سے محروم ہونے کی وجہ سے صحابہ شدتِ غم سے رو رہے تھے، ہم لوگ جان، مال اور اولاد کے نقصان کے غم میں روتے ہیں، کبھی ایسا ہوا ہے کہ نماز قضا ہونے پر ہم روئے ہوں یا حج سے یا جہاد سے محروم ہونے پر ہم روئے ہوں!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مذمت کے مستحق تو صرف وہ لوگ ہیں جو مال دار ہونے کے باوجود آپ سے جہاد میں رخصت کو طلب کرتے ہیں، وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ (گھروں میں) رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو وہ کچھ نہیں جانتے○ (التوبہ: ۹۳)

اس آیت کی تفسیر التوبہ: ۸۶-۸۷ میں گزر چکی ہے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا

(اے مسلمانو!) جب تم ان (منافقین) کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے بہانے بنائیں گے، (اے رسول مکرم!) آپ کہیے کہ تم بہانے مت

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ

بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے، اللہ نے ہم کو تمہارے حالات سے مطلع کر دیا ہے اور اب اللہ اور اس کا رسول

عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

تمہارے (طرز) عمل کو دیکھے گا، پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے،

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا

پس وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے رہے تھے○ جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ

انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ

تمہارے سامنے عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم (ان کے جھوٹے بہانوں سے) ان سے صرف نظر کرو، پس تم ان کی طرف توجہ

رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾

نہ کرو، بے شک وہ ناپاک ہیں، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے (یہ) ان کے ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے○

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ

وہ تم کو راضی کرنے کے لیے تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے پس اگر تم ان سے راضی ہو (بھی) گئے تو اللہ فاسق

لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ

لوگوں سے راضی نہیں ہوتا ○ مدینہ کے (گرد رہنے والے) دیہاتی کفر اور نفاق میں

نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ

بہت سخت ہیں وہ اسی لائق ہیں کہ ان احکام شرعیہ سے جاہل رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ

اور اللہ بہت علم والا، بے حد حکمت والا ہے ○ اور بعض دیہاتی وہ ہیں جو (راہ حق میں) اپنے خرچ

مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ

کرنے کو جرمانہ قرار دیتے ہیں اور وہ تم پر گردش ایام کے منتظر ہیں حالانکہ بری گردش ان ہی پر مسلط ہے اور

اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ

اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے ○ اور بعض دیہاتی وہ ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ

ایمان لاتے ہیں اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کو اللہ کے نزدیک تقرب کا اور رسول کی نیک دعاؤں کے حصول

الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

کا ذریعہ قرار دیتے ہیں، سنو! یہ ان کے تقرب کا ذریعہ ہے، اللہ عنقریب ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾ ع

بیشک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) جب تم ان (منافقین) کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے بہانے بنائیں گے، (اے رسولِ مکرم!) آپ کہیے کہ تم بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے، اللہ نے ہم کو تمہارے حالات سے مطلع کر دیا ہے اور اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے (طرز) عمل کو دیکھے گا پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے، پس وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جو تم کرتے رہے تھے ○ (التوبہ: ۹۴)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کے بہانوں کو اس لیے قبول نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرما دیا تھا کہ منافق جھوٹ بول رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ مستقبل میں

منافقوں کی کیا روش ہوگی۔ آیا جس صدق اور اخلاص کا وہ اظہار کر رہے ہیں وہ اس پر قائم رہیں گے یا نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے اعمال کا جائزہ لے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا

اس کے بعد فرمایا: وہ (اللہ تعالیٰ) ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے' اور ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ الغیب میں لام استغراق کا ہے اس لیے مخلوق کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

علم غیب بالذات اللہ عزوجل کے لیے خاص ہے' کفار اپنے معبودانِ باطل وغیرہم کے لیے مانتے تھے لہٰذا مخلوق کا عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ کے بتائے سے امورِ غیب پر انہیں اطلاع ہے۔

(الامن والعلیٰ ص ۱۸۸' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت عالم الغیب کو اس لیے بیان فرمایا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اللہ ان کے باطن میں چھپی ہوئی خباثتوں کو اور ان کے دلوں میں جو مکر و فریب اور سازشیں ہیں ان سب کو جاننے والا ہے' اس آیت میں ان کو ڈرایا گیا ہے اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم (ان کے جھوٹے بہانوں سے) ان سے صرفِ نظر کرو پس تم ان کی طرف توجہ نہ کرو بے شک وہ ناپاک ہیں' اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے (یہ) ان کے ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے ○ (التوبہ: ۹۵)

منافقین سے ترکِ تعلق کا حکم

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ منافقین غزوۂ تبوک میں نہ جانے کے متعلق جھوٹے بہانے بناتے تھے' اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے ان بہانوں کو جھوٹی قسموں کے ساتھ موکد کرتے ہیں۔

منافقین نے قسم کھا کر یہ کہا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں جانے پر قادر نہ تھے' اور انہوں نے یہ قسمیں اس لیے کھائی تھیں تاکہ مسلمان ان سے درگزر کریں اور ان کی مذمت نہ کریں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے لوٹے تو لوگوں سے ملاقات کے لیے بیٹھ گئے' پھر آپ سے ملنے وہ لوگ آئے جو آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے' وہ آ کر قسمیں کھا کھا کر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے' وہ اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ لوگ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری عذر کو قبول کر کے انہیں بیعت کر لیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دینے کے بعد مجھ پر جو سب سے بڑا احسان کیا وہ یہ تھا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی جھوٹا عذر پیش نہیں کیا۔

(جامع البیان جز ۱۱ ص ۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان سے اعراض کرو یعنی ان کی طرف توجہ نہ کرو۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد

خلیفہ بنایا اور ان کو اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔ منافقین نے کہا: آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضگی کی بناء پر اپنے ساتھ نہیں لے گئے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ راستے میں آپ سے جا ملے اور منافقین کی باتوں سے آپ کو مطلع کیا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے پاس گئے تو انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تھا اور میں نے اپنے بعد تم کو خلیفہ بنایا ہے، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسا کہ حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے، ہاں مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا استقبال کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سواری پر اپنے ساتھ بٹھایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ منافقین اور مخالفین پر لعنت فرمائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین سے فرمایا: ان کے ساتھ بات کرو نہ ان کے ساتھ بیٹھو اور ان سے اس طرح اعراض کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۶۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک وہ ناپاک ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کا باطن خبیث اور نجس ہے اور ان کی رُوح ناپاک ہے، اور جس طرح جسمانی نجاستوں سے احتراز کرنا واجب ہے اسی طرح رُوحانی نجاستوں سے بھی احتراز کرنا واجب ہے تاکہ ان کی نجاستیں انسان میں سرایت نہ کر جائیں اور تاکہ ان کے بُرے کاموں کی طرف انسان کی طبیعت راغب نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ تم کو راضی کرنے کے لیے تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے، پس اگر تم ان سے راضی ہو (بھی) گئے تو اللہ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا○ (التوبہ: ۹۶)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! یہ منافقین جھوٹے عُذر پیش کر کے تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اور اگر تم ان سے راضی ہو گئے اور تم نے ان کی معذرت کو قبول کر لیا، کیونکہ تم کو ان کے سچ اور جھوٹ کے درمیان امتیاز نہیں ہے، سو تمہارا راضی ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے باطنوں کو اور ان کے خفیہ اُمور کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے، یہ اللہ کے ساتھ کفر پر قائم ہیں اور ایمان سے کفر کی طرف اور اطاعت سے معصیت کی طرف جانے والے ہیں، پس اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ان سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مدینہ کے (گرد رہنے والے) دیہاتی کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں وہ اسی لائق ہیں کہ ان احکام شرعیہ سے جاہل رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں اور اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہے○ (التوبہ: ۹۷)

العرب اور الاعراب کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الاعراب کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں۔ الاعراب، الاعرابی کی جمع ہے، العرب اور الاعراب کے معنی حسب ذیل ہیں:

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

العرب، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور الاعراب اصل میں اس کی جمع ہے۔ پھر یہ گاؤں اور دیہات میں رہنے والوں کے لیے اسم بن گیا، عرف میں جنگلوں اور صحراء میں رہنے والوں کو الاعرابی کہا جاتا ہے، اور الاعراب کا معنی ہے بیان۔ حدیث میں ہے:

الثيب تعرب عن نفسها۔ بے نکاح عورت اپنے متعلق خود بیان کرے گی۔

(صحیح مسلم، النکاح: ٦٨)

(المفردات ج ٢ ص ٤٢٦، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ١٤١٨ھ)

علامہ نظام الدین الحسن بن محمد القمی نیشاپوری المتوفی ٧٢٨ھ لکھتے ہیں:

اہلِ لغت نے کہا ہے کہ جب کسی شخص کا نسب عرب کی طرف ثابت ہو تو اس کو عربی کہتے ہیں، اور جب کوئی شخص جنگل یا صحرا کا رہنے والا ہو تو اس کو اعرابی کہتے ہیں، خواہ وہ عرب سے ہو یا عرب کے آزاد شدہ غلاموں میں سے ہو اور اس کی جمع اعراب ہے، جیسے مجوسی اور مجوس اور یہودی اور یہود، لہٰذا جب اعرابی سے کہا جائے یااعرابی تو وہ خوش ہوتا ہے اور جب عربی سے کہا جائے یااعرابی تو وہ غضب ناک ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے عرب کے شہروں کو وطن بنایا وہ عربی ہے، اور جس نے جنگلوں اور صحرا میں رہنے کو اختیار کیا وہ اعرابی ہے، اسی وجہ سے مہاجرین اور انصار کو اعراب کہنا جائز نہیں ہے، وہ عرب ہیں۔ حدیث میں ہے: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو کوئی عورت مرد کی امام نہ بنے اور نہ کوئی اعرابی مہاجر کا امام بنے اور نہ کوئی فاجر مومن کا امام بنے سوا اس کے کہ اس کو سلطان مجبور کرے، وہ اس کی تلوار اور کوڑوں سے ڈرتا ہو۔ الحدیث: (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٠٨١) ایک قول یہ ہے کہ عرب کو عرب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں جن کی العربہ میں نشوونما ہوئی۔ العربہ، تہامہ کا ایک حصہ ہے، ان کی اپنے شہر کی طرف نسبت کی گئی ہے، اور ہر وہ شخص جو جزیرۂ عرب میں رہتا ہو اور ان کی زبان بولتا ہو وہ ان میں سے ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی زبان ان کے مافی الضمیر کا بیان کرنے والی ہو کیونکہ ان کی زبان میں فصاحت اور بلاغت بہت زیادہ تھی (اور الاعراب کا معنی ہے بیان کرنا) اور بعض حکماء سے منقول ہے کہ روم کی حکمت ان کے دماغوں میں ہے اور ہند کی حکمت ان کے اوہام میں ہے اور یونان کی حکمت ان کے دلوں میں ہے، اور عرب کی حکمت ان کی زبانوں میں ہے اور یہ ان کے الفاظ اور ان کی عبارات کی مٹھاس کی وجہ سے ہے، اور الاعراب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ وحشیوں کے مشابہ ہیں، کیونکہ ان پر گرم ہوا کا غلبہ ہوتا ہے جو کثرتِ طیش اور اعتدال سے خروج کا موجب ہوتی ہے اور جن لوگوں پر صبح و شام انوارِ نبوت کا فیضان ہوتا ہو اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ سنتے رہتے ہوں اور دن رات آپ کی تربیت سے بہرہ مند ہوتے ہوں ان کے برابر جنگل میں رہنے والے وہ لوگ کب ہو سکتے ہیں جن کی کوئی تربیت کرتا ہو نہ ادب سکھاتا ہو اور اگر تم چاہو تو جنگلی اور پہاڑی پھلوں کا باغات کے پھلوں سے مقابلہ کر لو، حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! شقاوت اور دلوں کی سختی فدادین (چرواہوں) میں ہے جو اونٹوں کی دموں کے پاس چیخ و پکار کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٣٠٢، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٥١، مسند احمد ج ٢ ص ٢٥٨)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الاعراب کو شقی اور سخت دل قرار دیا ہے۔

(غرائب القرآن ج ٣ ص ٥٢١-٥٢٠، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٦ھ)

علامہ ابو حفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ٨٨٠ھ لکھتے ہیں:

عرب اور اعراب میں یہ فرق ہے کہ اعراب کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مذمت فرمائی ہے، اور عرب کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدح فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین وجوہ سے عرب سے محبت رکھو: کیونکہ میں عربی ہوں' اور قرآن عربی ہے اور اہلِ جنت کی زبان عربی ہو گی۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۴۴۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۵۷۹' اس کی سند میں العلاء بن عمرو الحنفی ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۵۲)

علامہ نیشاپوری نے عرب کی وجہ تسمیہ میں جو اقوال ذکر کیے ہیں علامہ ابو حفص حنبلی نے ان کا رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت ہاجرہ جرہم کے پاس رہیں اور حضرت اسمٰعیل نے ان کے پاس نشوونما پائی۔ وہ سب حضرت اسمٰعیل سے پہلے عرب تھے' اور حضرت اسمٰعیل نے جرہم سے عربی سیکھی تھی' اور صحیح یہ ہے کہ عرب حضرت اسمٰعیل سے پہلے تھے' اور عاد' ثمود' طسم' جدیس' جرہم' عمالیق یہ سب عرب تھے اور نسابین نے کہا ہے کہ سام بن نوح ابو العرب تھے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عربی اور دوسری زبانوں میں کلام کیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عربی زبان تمام زبانوں میں فصیح اور بلیغ زبان ہے۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۰ ص ۱۸۰-۱۷۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

الاعراب سے مراد مدینہ کے گرد رہنے والے دیہاتی ہیں

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جب جمع کا صیغہ معرف باللام ہو تو اس میں اصل یہ ہے کہ اس سے مراد معہود سابق ہو' اور اگر معہود سابق موجود نہ ہو تو اس کو ضرورتاً استغراق پر محمول کیا جائے گا کیونکہ جمع کا صیغہ تین یا تین سے زیادہ افراد کے لیے ہوتا ہے اور الف' لام' تعریف کے لیے ہوتا ہے پس اگر جمع کے معنی میں کوئی معہود سابق ہو تو اس کو مراد لینا واجب ہے اور اگر معہود موجود نہ ہو تو اس کو استغراق پر محمول کیا جائے گا اور جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں الاعراب سے مراد منافقین اعراب کی ایک جماعتِ معینہ ہے جو مدینہ کے منافقین سے دوستی رکھتی تھی لہٰذا اس لفظ سے مدینہ کے گرد رہنے والے منافق دیہاتی مراد ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۲۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض دیہاتی وہ ہیں جو (راہ حق میں) اپنے خرچ کرنے کو جرمانہ قرار دیتے ہیں اور وہ تم پر گردشِ ایام کے منتظر ہیں حالانکہ بری گردش ان ہی پر مسلط ہے اور اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے○ (التوبہ: ۹۸)

اعراب کی سنگ دلی اور شقاوت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنگلوں میں رہتا ہے وہ سخت دل ہوتا ہے اور جو شخص شکار کے پیچھے جاتا ہے وہ غافل ہو جاتا ہے اور جو شخص سلطان کے دروازوں پر جاتا ہے وہ فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۵۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۲۰' مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۸۷' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۷۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۵۸۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۷۰۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا۔ اس نے پوچھا: کیا آپ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں ہم تو ان کو بوسہ نہیں دیتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحمت نکال لی ہے تو کیا میں اس کا مالک ہوں؟

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۵' مسند احمد ج ۶ ص ۷۰)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ چونکہ بادیہ نشینوں اور اعراب میں شقاوت اور سخت دلی غالب ہوتی ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بادیہ نشینوں میں سے کوئی رسول نہیں بھیجا بلکہ جو رسول بھیجے وہ شہر کے رہنے والوں میں سے بھیجے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى -(یوسف: ۱۰۹)

ہم نے آپ سے پہلے مردوں کے سوا کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے جو بستیوں کے رہنے والے تھے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۲۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

الدوائر اور دائرۃ السوء کے معانی

الدوائر: دائرہ کی جمع ہے' نعمت سے مصیبت کی طرف پلٹنے والی حالت کو دائرہ کہتے ہیں۔ اصل میں دائرہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کا احاطہ کرے' اور دوائر الزمان' زمانہ کی گردش کو کہتے ہیں اور اس کا استعمال صرف ناپسندیدہ چیزوں اور مصائب میں ہوتا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ منافقین تم پر زمانہ کی گردش کا انتظار کر رہے ہیں' زمانہ کی گردش سے کبھی راحت آتی ہے اور کبھی مصیبت' وہ اس انتظار میں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا جائیں اور مشرکین کا غلبہ ہو جائے۔

علیھم دائرۃ السوء: سوء (سین پر زبر کے ساتھ) کا معنی فساد اور ردی ہوتا ہے اور سوء (سین پر پیش کے ساتھ) کا معنی بلاء اور ضرر ہے' ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں اسم ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں مصدر ہوں' اور بعض نے کہا کہ سوء (زبر کے ساتھ) کا معنی مذمت ہے اور سوء (پیش کے ساتھ) کا معنی عذاب اور ضرر ہے اور سوء (زبر کے ساتھ) اسم ہے اور سوء (پیش کے ساتھ) مصدر ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ منافقین' مسلمانوں پر بُری گردش کے منتظر تھے' اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بُری گردش صرف ان ہی پر ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض دیہاتی وہ ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کو اللہ کے نزدیک تقرب کا اور رسول کی نیک دعاؤں کے حصول کا ذریعہ قرار دیتے ہیں' سنو! یہ ان کے تقرب کا ذریعہ ہے اللہ عنقریب ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (التوبہ: ۹۹)

شانِ نزول اور ربط آیات

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: بعض اعراب وہ ہیں جو راہ حق میں اپنے خرچ کرنے کو (مغرم) جُرمانہ قرار دیتے ہیں' امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ زید بن اسلم سے روایت کیا ہے: یہ اعراب میں سے منافقین تھے جو دکھاوے کے لیے راہ حق میں خرچ کرتے تھے اور اس ڈر سے خرچ کرتے تھے کہ ان کو قتل کر دیا جائے گا اور اپنے خرچ کرنے کو جُرمانہ قرار دیتے تھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۶۶' جامع البیان جز ۱۰ ص ۷) اور اب اس آیت میں اعراب کی دوسری قسم بیان فرمائی ہے جو اپنے خرچ کرنے کو اللہ سے قُرب کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔ امام ابن ابی حاتم نے کہا: یہ مزینہ سے بنو مقرن تھے' اور امام ابن جریر نے کہا' حضرت عبداللہ بن مغفل نے فرمایا: یہ مقرن کے دس بیٹے تھے اور یہ آیت ہم میں نازل ہوئی ہے۔

(جامع البیان جز ۱۰ ص ۹' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۶۷)

قربات اور صلوات کے معنی

قربات: قربۃ کی جمع ہے اور یہ وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب حاصل کیا جائے اور اس کا معنی یہ ہے کہ

وہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف قُرب کا ذریعہ قرار دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے حصول کا سبب قرار دیتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کرنے والوں کے لیے دعا فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ آپ ان کے لیے دعا کیجئے، آپ کی دعا ان کے لیے طمانیت ہے۔ (التوبہ: ۱۰۳)

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی شخص صدقہ لے کر آتا تو آپ فرماتے: اے اللہ! آلِ فلاں پر صلوٰۃ نازل فرما یعنی اس پر رحم فرما اور اس کی مغفرت فرما، اور جب میرے باپ آئے تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! آلِ ابواوفیٰ پر صلوٰۃ بھیج۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۹۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۹۶)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ صلوات الرسول کا معنی ہے آپ کا استغفار کرنا اور دعا کرنا، اور صلوٰۃ کی کئی قسمیں ہیں۔ اللہ عزوجل کی صلوٰۃ کا معنی ہے رحمت، خیر اور برکت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ۔ وہی ہے جو تم پر صلوٰۃ نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے۔ (الاحزاب: ۴۳)

اور فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا معنی ہے دُعا کرنا، اور یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوٰۃ بھیجنے کا معنی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۱۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ

اور مہاجرین اور انصار میں سے (نیکی میں) سبقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

والے اور جن مسلمانوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے

عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں

فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ اور تمہارے گرد بعض اعرابی

مع الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۭ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا

(دیہاتی، بدوی) منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ (بھی منافق ہیں) وہ نفاق پر

عَلَى النِّفَاقِ ۗ قف لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم

ڈٹ چکے ہیں۔ آپ انہیں نہیں جانتے انہیں ہم جانتے ہیں۔ عنقریب ہم ان کو دو مرتبہ

مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾ ج وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا

عذاب دیں گے، پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ○ اور بعض دوسرے وہ (مسلمان) ہیں جنہوں

بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا ۚ عَسَى اللَّهُ

نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا۔ انہوں نے نیک کاموں کو دوسرے برے کاموں کے ساتھ ملا دیا۔ عنقریب اللہ ان کی

أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠٢﴾ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ

توبہ قبول فرمائے گا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ آپ ان کے مالوں سے

صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ

زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کریں گے اور ان کے باطن کو صاف کریں گے اور آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے بے شک

صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٣﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ

آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعث طمانیت ہے اور اللہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے ○ کیا یہ نہیں جانتے کہ

اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ

بیشک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو لیتا ہے

وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى

اور بے شک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○ اور آپ کہیے کہ تم عمل کرو پس عنقریب اللہ

اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ

تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور مومنین (بھی)، اور عنقریب تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر غیب اور ہر

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾ ج وَآخَرُونَ

ظاہر کو جاننے والا ہے۔ پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم کرتے رہے تھے ○ اور بعض دوسرے وہ ہیں

مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ

جن کو اللہ کا حکم آنے تک مؤخر کیا گیا ہے . یا اللہ ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

بہت علم والا بے حد حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مہاجرین اور انصار میں سے (نیکی میں) سبقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے اور جن مسلمانوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے○ (التوبہ: ۱۰۰)

مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین کے مصداق میں اقوال

اس آیت میں مہاجرین اور انصار میں سے جو سابقین اولین ہیں اس کا مصداق کون سے صحابہ ہیں، اس میں متعدد اقوال ہیں:

امام ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ عامر اور شعبی سے روایت کیا ہے کہ یہ وہ صحابہ ہیں جو بیعت رضوان کے موقع پر حاضر تھے، اور حضرت ابو موسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، ابن سیرین اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں بیت اللہ اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی سو وہ مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ (جامع البیان جز۱۱ ص۹-۱۰، تفسیر ابن ابی حاتم ج۶ ص۱۸۶۸)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: اس آیت کے مصداق میں چھ قول ہیں:

(۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، ابن سیرین اور قتادہ کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔

(۲) شعبی نے کہا: یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت رضوان کی تھی اور یہ بیعت حدیبیہ ہے۔

(۳) عطاء بن ابی رباح نے کہا: ان سے مراد اہل بدر ہیں۔

(۴) محمد بن کعب القرظی نے کہا: ان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب ہیں، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں سبقت حاصل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کی مغفرت کر دی ہے اور ان کے لیے جنت کو واجب کر دیا ہے خواہ وہ نیکوکار ہوں یا خطاکار۔

(۵) علامہ ماوردی نے کہا: ان سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے موت اور شہادت میں سبقت کی اور اللہ کے ثواب کی طرف سبقت کی۔

(۶) قاضی ابو یعلیٰ نے کہا: ان سے مراد وہ صحابہ ہیں جو ہجرت سے پہلے اسلام لائے۔

(زاد المسیر ج۳ ص۴۹۱-۴۹۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

تاہم اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ ان تمام اقسام کو اس آیت کا مصداق قرار دیا جائے۔ ابو منصور بغدادی نے کہا کہ ہمارے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ تمام صحابہ میں افضل خلفاء اربعہ ہیں، پھر عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ، (حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم) (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۷۴۷) پھر اصحاب بدر، پھر اصحاب احد، پھر حدیبیہ میں اہل بیعت رضوان۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۵۶۳، مطبوعہ دارالوفاء بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس آیت کا مصداق وہ شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت اور آپ کی نصرت میں سب سے سابق اور سب سے اول ہو، اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور ہر مقام اور ہر جگہ میں آپ کے ساتھ ہوتے تھے، اس لیے حضرت ابوبکر کا مقام دوسرے صحابہ سے بہت زیادہ بلند ہے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اگرچہ مہاجرین اولین میں سے ہیں لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہجرت کی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمات کو انجام دینے کے لیے مکہ میں رہے لیکن ہجرت میں سبقت کرنے کا شرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں بھی سبقت کا شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۳۸-۱۳۷، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مہاجرین اور انصار میں سے ایمان میں سبقت کرنے والوں کی تفصیل

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے کون اسلام لایا، جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ آپ پر سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں۔ بعض علماء نے کہا: سب سے پہلے جو ایمان لائے اور جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ حضرت جابر کا قول ہے اور امام ابن اسحق نے کہا: حضرت علی دس سال کی عمر میں اسلام لائے تھے، اور بعض نے کہا: حضرت خدیجہ کے بعد جو سب سے پہلے اسلام لائے وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ حضرت ابن عباس، ابراہیم نخعی اور شعبی کا قول ہے، اور بعض نے کہا: سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور یہ زہری اور عروہ بن الزبیر کا قول ہے اور اسحق بن ابراہیم حنظلی نے ان اقوال کو جمع کیا ہے، انہوں نے کہا: مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور عورتوں میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔ امام ابن اسحق نے کہا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت دی، اور حضرت ابوبکر قریش میں عمدہ نسب کے تھے، نرم مزاج تھے، تاجر تھے اور ان کی خوش اخلاقی بہت مشہور تھی، لوگ ان کے پاس آتے تھے اور متعدد معاملات میں ان سے اُلفت رکھتے تھے کیونکہ وہ ان کے حُسنِ معاملہ کو جانتے تھے۔ حضرت ابوبکر کو جس شخص پر اعتماد ہوتا وہ اس کو اسلام کی دعوت دیتے، لہٰذا حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور نماز پڑھ لی تو حضرت ابوبکر ان کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے۔ یہ وہ آٹھ شخص تھے جنہوں نے اسلام کی طرف سبقت کی تھی، پھر لوگ پے در پے اسلام میں داخل ہونے لگے، اور رہے انصار میں سے سبقت کرنے والے تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ العقبہ میں بیعت کی تھی، العقبۃ الاولی (مکہ کے قریب ایک گھاٹی تھی، مدینہ سے لوگ حج کے لیے آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھاٹی میں تبلیغ فرماتے۔ پہلی بار چھ شخص مسلمان ہوئے تھے، ان کو اصحاب العقبۃ الاولی کہا جاتا ہے) میں چھ شخص مسلمان ہوئے تھے اور دوسرے سال چھ اور آکر مسلمان ہوئے، یہ بھی اصحاب العقبۃ الاولی ہیں، ان کے بعد ستر (۷۰) شخص مسلمان ہوئے تھے، یہ اصحاب العقبۃ الثانیۃ ہیں۔ حضرت مصعب بن عمیر ان کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے، پھر ان کے ساتھ انصار کے مردوں، عورتوں اور بچوں کی ایک بڑی تعداد اسلام لے آئی۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۷۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۰ ص ۱۸۷-۱۸۶، مطبوعہ بیروت)

مہاجرین سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنی قوم، اپنے قبیلہ اور اپنے وطن کو چھوڑ دیا اور انصار سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دشمنانِ اسلام کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور آپ کو اور آپ کے اصحاب کو مدینہ میں پناہ دی۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام حج میں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کو مدینہ سے آئے ہوئے چھ شخص ملے۔ آپ نے ان سے پوچھا: کیا تم یہود کے حلیف ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے ان کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان پر اسلام پیش کیا، اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی، سو وہ مسلمان ہو گئے اور یہ بنو النجار میں سے اسعد بن زرارہ اور عوف بن الحارث اور بنو زریق میں سے رافع بن مالک اور بنو سلمہ سے قطبہ بن عامر بن حدیدہ اور بنو حرام میں سے عقبہ بن عامر بن نابی اور بنو عبید بن عدی بن سلمہ سے جابر بن عبداللہ بن رئاب تھے اور ان سے پہلے مدینہ سے آکر کوئی مسلمان نہیں ہوا تھا، ان پر سب کا اجماع ہے۔ پھر یہ چھ صحابہ مدینہ گئے اور انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی، پس جس نے اسلام لانا تھا وہ اسلام لے آیا۔ ان دنوں انصار کے ہر گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو رہا تھا۔

اس کے دوسرے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس گھاٹی میں ان چھ کے ساتھ چھ اور نفر آئے، ان میں بنی عوف بن الخزرج میں سے عبادہ بن الصامت، اور یزید بن ثعلبہ اور بنو عامر سے عباس بن عبادہ بن نضلہ تھے اور بنو زریق میں سے ذکوان بن عبد قیس تھے۔ یہ دس افراد خزرج میں سے تھے اور اوس میں سے دو شخص تھے۔ ابو الہیثم بن التیہان، یہ بنو عبد الاشہل کے حلیف تھے اور بنو عمرو بن عوف میں سے عویم بن ساعدہ تھے، یہ سب مسلمان ہو گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، اور نہ چوری کریں گے نہ زنا کریں گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گے اور نہ کسی پر بہتان لگائیں گے اور نیک کام میں کسی کی مخالفت نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے اور جس نے ان ممنوع کاموں میں سے کوئی کام کر لیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، وہ چاہے تو ان کو معاف کر دے اور چاہے تو ان کو عذاب دے۔ اس وقت تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا، وہ مدینہ چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور حضرت اسعد بن زرارہ مدینہ میں مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے، اور یہ سب سے پہلے جمعہ کی نماز تھی۔ یہ بارہ صحابہ اصحابِ عقبہ اولیٰ ہیں اور انصار میں سے سابقین اولین ہیں، ان کے بعد ستر نفر مدینہ سے مکہ کی

گھاٹیوں میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسلمان کیا' یہ اصحابِ عقبہ ثانیہ ہیں۔
(الطبقات الکبریٰ ج ١ص ١٧١-١٧٠' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' ١٤١٨ھ)

مہاجرین اور انصار کے فضائل

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ پر ایمان لایا اور اس نے آپ کی حیاتِ ظاہری میں آپ کی صحبت اختیار کی بایں طور کہ آپ کو دیکھا یا آپ کی گفتگو سنی یا آپ کے ساتھ سفریا حضر کی کسی مجلس میں رہا خواہ یہ صحبت ایک لحظہ کی ہو اور وہ شخص ایمان پر ہی تادمِ مرگ قائم رہا حتیٰ کہ حالتِ ایمان میں اس کو موت آئی ہو وہ شخص صحابی ہے۔ ان میں سے مہاجرین وہ ہیں جنہوں نے مکہ سے ہجرت کی اور انصار وہ ہیں جنہوں نے مدینہ میں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو پناہ دی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو بُرا نہ کہو' اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی خیرات کرے تو وہ ان کے دیئے ہوئے ایک مد یا نصف (ایک کلوگرام یا نصف) کے برابر نہیں ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٦٧٣' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٤١' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٦٥٨' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٨٦١' مسند احمد ج ٣ ص ١١' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ١١٩٨' ١٠٨٧' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٧٢٥٣)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو' میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو' میرے بعد ان کو اپنے طعن کا نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت رکھی تو اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی عنقریب وہ اس کو پکڑ لے گا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٨٦٢' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٧٢٥٦' مسند احمد ج ٤ ص ٨٧' حلیۃ الاولیاء ج ٨ ص ٢٨٧)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کو بُرا کہتے ہیں تو کہو تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٨٦٦' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٨٣٦٢' تاریخ بغداد ج ١٣ ص ١٩٥' تہذیب الکمال ج ١٢ ص ٣٢٧)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے سامنے مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے' ہم میں ایک جماعت انصار کی تھی' ایک جماعت مہاجرین کی اور ایک جماعت بنو ہاشم کی۔ ہم میں یہ بحث ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کون زیادہ قریب ہے اور کون آپ کو زیادہ محبوب ہے۔ ہم نے کہا: ہمارا انصار کا گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور ہم نے آپ کی اتباع کی اور ہم نے آپ کے ساتھ جہاد کیا اور آپ کے دشمنوں سے لڑے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب اور زیادہ محبوب ہیں۔ اور ہمارے برادر مہاجرین نے کہا: ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی اور ہم نے اپنے خاندان' اہل و عیال اور اموال کو چھوڑ دیا اور جن معرکوں میں تم حاضر رہے ان میں ہم بھی حاضر تھے تو ہم اور لوگوں کی بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب اور زیادہ محبوب ہیں۔ اور ہمارے برادر بنو ہاشم نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہیں' اور جن مواقع پر تم حاضر تھے ان میں ہم بھی حاضر تھے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں اور آپ کے زیادہ محبوب ہیں۔ تب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم کیا کہہ رہے تھے؟ ہم (گروہ انصار) نے اپنی بات دہرائی، آپ نے فرمایا: تم نے سچ کہا، تمہاری بات کو کون مسترد کر سکتا ہے! پھر ہمارے برادر مہاجرین نے اپنی بات دہرائی، آپ نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا، ان کی بات کو کون مسترد کر سکتا ہے! پھر ہمارے برادر بنوہاشم نے اپنی بات دہرائی، آپ نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا، ان کی بات کو کون مسترد کر سکتا ہے! پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمہارے درمیان فیصلہ نہ کروں؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اے انصار کے گروہ! میں صرف تمہارا بھائی ہوں، تو انہوں نے کہا: اللہ اکبر! ربِ کعبہ کی قسم! ہم بازی لے گئے۔ اور رہے تم اے گروہ مہاجرین! تو میں صرف تم میں سے ہوں، تو انہوں نے کہا: اللہ اکبر! ربِ کعبہ کی قسم ہم جیت گئے۔ اور رہے تم اے بنوہاشم! تو تم مجھ سے ہو اور میری طرف ہو، تو ہم سب کھڑے ہو گئے اور ہم سب راضی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحسین کرتے تھے۔

(المعجم الکبیر ج ١٩ ص ١٣٣، حافظ الہیثمی نے کہا: میں اس حدیث کے ایک راوی کو نہیں پہچانتا، باقی راوی ثقہ ہیں اور بعض میں اختلاف ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٦٤٧٣، طبع جدید دار الفکر بیروت، ١٤١٤ھ)

حضرت مسلمہ بن مخلد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہاجرین عام لوگوں سے چالیس سال پہلے (جنت کی) نعمتوں میں ہوں گے اور لوگ حساب میں گرفتار ہوں گے، الحدیث۔

(المعجم الکبیر ج ١٩ ص ٤٣٨، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کا ایک راوی عبد الرحمن بن مالک ہے، اس کو میں نہیں پہچانتا اور باقی راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٦٤٧٢)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی علامت انصار سے محبت کرنا ہے اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٧، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٧٤، سنن النسائی رقم الحدیث: ٥٠١٩)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار سے صرف مومن محبت رکھتا ہے اور ان سے صرف منافق بغض رکھتا ہے، پس جو ان سے محبت کرے گا تو اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ اس سے بغض رکھے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٧٨٣، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٧٥، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٩٠٠، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٦٣، مسند احمد ج ٤ ص ٢٨٣، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٧٢٧٢، تاریخ بغداد ج ٢ ص ١٤٣، شرح السنہ رقم الحدیث: ٣٩٦٧، مسند ابن الجعد رقم الحدیث: ٤٧٩)

اللہ کی رضا اس پر موقوف ہے کہ مہاجرین اور انصار کی نیکیوں میں ان کی اتباع کی جائے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جن مسلمانوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ جو مسلمان مہاجرین اور انصار کے لیے جنت اور رحمت کی دعا کرتے ہیں اور ان کے محاسن بیان کرتے ہیں، اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت تک کے جو مسلمان مہاجرین اور انصار کے دین اور ان کی نیکیوں میں ان کی اتباع کرتے ہیں۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو ان کی اتباع کرے وہ اللہ کے راضی کرنے کے مرتبہ اور ثواب اور جنت کا اس وقت مستحق ہو گا جب وہ نیکی میں مہاجرین اور انصار صحابہ کی اتباع کرے گا اور احسان سے مراد یہ ہے کہ وہ ان صحابہ کے حق میں نیک کلمات کہے اور ان کے محاسن بیان کرے اس لیے جو شخص صحابہ کرام کے متعلق نیک

کلمات نہیں کہے گا وہ اللہ کی رضا کے مرتبہ اور جنت کا مستحق نہیں ہو گا کیونکہ ایمان والے صحابہ کرام کی تعظیم میں بہت مبالغہ کرتے ہیں اور اپنی زبانوں پر کوئی ایسا کلمہ نہیں لاتے جو ان کی شان اور ان کے مقام کے نامناسب ہو۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

ان لوگوں پر افسوس ہے جو صحابہ کرام سے بغض رکھتے ہیں اور ان کو برا کہتے ہیں خاص طور پر اس صحابی کو جو سید الصحابہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں سب سے افضل ہیں اور سب سے برتر اور خلیفہ اعظم ہیں یعنی حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما، کیونکہ رافضی افضل الصحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور ان کو برا کہتے ہیں، اور جب یہ لوگ ان ذواتِ قدسیہ کو برا کہیں گے جن سے اللہ راضی ہو گیا تو ان کا قرآن پر ایمان کیسے رہے گا اور رہے اہلسنت تو وہ ان سے راضی ہیں جن سے اللہ راضی ہے اور اس کو برا کہتے ہیں جس کو اللہ اور اس کا رسول برا کہتے ہیں، اللہ کے دوستوں سے دوستی رکھتے ہیں اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔ وہ متبع بالسنت ہیں مبتدع نہیں ہیں اور وہی حزب اللہ ہیں اور فلاح پانے والے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۳۰-۴۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا اور اس سے راضی ہو گا جو مہاجرین اور انصار کی اتباع بالاحسان کرے گا اور ان کے متعلق نیک کلمات کہے گا، سو جس کو جنت اور اللہ کی رضا چاہیے وہ مہاجرین اور انصار صحابہ کی نیکی میں اتباع کرے اور ان کے محاسن بیان کرے، نیز اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مہاجرین اور انصار صحابہ سے اللہ راضی ہے اور جن سے اللہ راضی ہے انہیں اس کی کیا پروا ہو گی کہ کوئی ان سے راضی ہو یا ناراض ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہارے گرد بعض اعرابی (دیہاتی، بدوی) منافق ہیں اور بعض اہلِ مدینہ (بھی منافق ہیں) وہ نفاق پر ڈٹ چکے ہیں، آپ انہیں نہیں جانتے انہیں ہم جانتے ہیں، عنقریب ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے، پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ○ (التوبہ: ۱۰۱)

مدینہ سے باہر کے منافقین اور ان سے متعلق اعتراضات کے جوابات

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے احوال بیان فرمائے اس کے بعد اعرابیوں اور بدویوں میں سے منافقین کا حال بیان فرمایا، پھر اعرابیوں میں سے خالص مومنوں کا ذکر فرمایا، پھر بیان کیا کہ اکابر مومنین وہ ہیں جو مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین ہیں، اور اس آیت میں بیان فرمایا کہ مدینہ کے اندر اور باہر دونوں جگہ منافقین ہیں۔

مردوا علی النفاق کا معنی ہے انہیں نفاق کی خوب مشق ہو چکی ہے، وہ نفاق میں خوگر اور نفاق کے ماہر ہیں۔

امام ابن جوزی لکھتے ہیں: ان میں سے بعض عبداللہ بن ابی، جد بن قیس، الجلاس، معتب، وحوح اور ابو عامر راہب ہیں۔ (زاد المسیر ج ۳ ص ۴۹۱-۴۹۲) اور مدینہ کے گرد جو منافقین تھے ان کے متعلق امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ جہینہ، اسلم، اشجع اور غفار تھے، یہ لوگ مدینہ کے گرد رہتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۳۰) امام بغوی، امام واحدی، امام ابن الجوزی، نسفی، خازن اور سیوطی وغیرہم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ انہیں نہیں جانتے انہیں ہم جانتے ہیں۔ امام رازی نے فرمایا: یہ نفاق میں اس قدر ماہر اور مشاق ہو چکے ہیں کہ باوجود اس کے کہ آپ بہت ذہین ہیں اور آپ کی عقل اور فراست بہت کامل اور روشن ہے پھر بھی آپ انہیں نہیں جانتے، انہیں ہم جانتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۳۱)

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق اس آیت میں جہینہ، اسلم، اشجع اور غفار کو ماہر

منافق فرمایا ہے اور احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش، انصار، جہینہ، مزینہ، اسلم، اشجع اور غفار میرے دوست ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے سوا ان کا کوئی دوست نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا: غفار کی اللہ مغفرت فرمائے، اور اسلم کو اللہ سلامت رکھے، اور عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۱۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث جہینہ، اسلم اور غفار وغیرہ کے غالب اور اکثر افراد پر محمول ہیں، اور ان قبیلوں کے بعض افراد منافق تھے جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اس جگہ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۗ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۗ (محمد: ۳۰)

اور اگر ہم چاہتے تو ہم ضرور آپ کو منافقین دکھا دیتے، اور ان کی صورت سے تو آپ ان کو پہچان چکے ہیں اور ان کی باتوں کے لہجہ سے بھی آپ ان کو ضرور پہچان لیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ توبہ میں منافقین کے جس علم کی نفی ہے وہ قطعی ہے یعنی آپ قطعیت کے ساتھ منافقوں کو نہیں جانتے اور سورۂ محمد میں جس علم کا ثبوت ہے وہ ظنی ہے یعنی آپ علامتوں اور قرینوں سے منافقوں کو پہچان لیتے ہیں۔ واضح رہے کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو قطعیت کے ساتھ منافقین کی شناخت کرا دی تھی اور ان کا علم دے دیا تھا۔

دو مرتبہ عذاب دینے کی تفصیل

(۱) امام ابن منذر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو بھوک کا عذاب دیا جائے گا اور دوسری مرتبہ ان کو قتل کرنے کا عذاب دیا جائے گا۔

(۲) امام ابن منذر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو عذابِ قبر دیا جائے گا اور دوسری بار عذابِ نار دیا جائے گا۔ قتادہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

(۳) امام ابن ابی حاتم، ابو الشیخ اور ربیع سے منقول ہے: ایک بار ان کو دنیا میں آزمائش میں ڈالا جائے گا اور ایک بار عذابِ قبر دیا جائے گا۔

(۴) امام ابو الشیخ نے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ ایک بار ان کو مال اور اولاد کی آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا اور دوسری بار ان کو مصائب میں مبتلا کیا جائے گا۔

(۵) امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام طبرانی اور امام ابو الشیخ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو دنیا میں رُسوائی کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور دوسری مرتبہ عذابِ قبر میں مبتلا کیا جائے گا۔

(الدر المنثور ج ۵ ص ۲۷۴-۲۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

منافقین کی رُسوائی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر منافق کا نام لے کر اس کو مسجد سے نکال دیا، اس کو ہم بکثرت حوالہ جات کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بنام منافقین کو مسجد سے نکالنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت (التوبہ: ۱۰۱) کی تفسیر میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ نے فرمایا: اے فلاں! تو نکل جا تو منافق ہے، اے فلاں! تو نکل جا تو منافق ہے۔ آپ نے منافقوں کا نام لے لے کر ان کو مسجد سے نکال دیا اور ان کو رُسوا کر دیا، اس دن کسی کام کی وجہ سے اس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں نہیں پہنچے تھے، جس وقت حضرت عمر آئے تو وہ مسجد سے نکل رہے تھے، وہ حضرت عمر سے چھپ رہے تھے، ان کا یہ گمان تھا کہ حضرت عمر کو حقیقت واقعہ کا پتا چل گیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت عمر سے کہا: آپ کو خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے آج منافقین کو رُسوا کر دیا، یہ ان پر عذابِ اوّل تھا اور عذابِ ثانی عذابِ قبر ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۱ ص ۴۴۲ رقم الحدیث: ۷۹۶، حافظ الہیثمی نے کہا کہ اس حدیث کا ایک راوی الحسین بن عمرو بن محمد العنقزی ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے، الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ج ۲ ص ۳۰۶)

حسبِ ذیل مفسرین نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض نے اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

(۱) امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، (جامع البیان جز ۱۱ ص ۱۵)

(۲) امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ، (تفسیر القرآن ج ۶ ص ۱۸۷۰)

(۳) امام ابواللیث سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ، (تفسیر سمرقندی ج ۲ ص ۷۱)

(۴) علامہ ابوالحسن الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ، (الوسیط ج ۲ ص ۵۲۱)

(۵) امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ، (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۷۲)

(۶) علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ، (الکشاف ج ۲ ص ۲۹۱)

(۷) قاضی ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ، (المحرر الوجیز ج ۸ ص ۲۴۲)

(۸) امام عبدالرحمن جوزی متوفی ۵۹۷ھ، (زاد المسیر ج ۳ ص ۴۹۲)

(۹) امام فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۳۱)

(۱۰) علامہ علاء الدین خازن متوفی ۷۲۵ھ، (لباب التاویل ج ۲ ص ۲۹۱)

(۱۱) علامہ نظام الدین نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ، (غرائب القرآن ج ۳ ص ۵۲۴)

(۱۲) علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ، (البحر المحیط ج ۵ ص ۴۹۷)

(۱۳) حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ، (تفسیر القرآن ج ۲ ص ۴۹۷)

(۱۴) علامہ ابو حفص عمر دمشقی متوفی ۸۸۰ھ، (اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۰ ص ۱۹۰)

(۱۵) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، (الدر المنثور ج ۴ ص ۲۷۳)

(۱۶) قاضی ابوالسعود متوفی ۹۸۲ھ، (تفسیر ابوالسعود ج ۳ ص ۱۸۶)

(۱۷) قاضی محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، (فتح القدیر ج ۲ ص ۵۶۷)

(۱۸) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، (روح المعانی ج ۱۱ ص ۱۱)

(۱۹) نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ، (فتح البیان ج ۵ ص ۲۸۶)

(٢٠) صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ١٣٦٧ھ' (خزائن العرفان ص ٣٢٥)
(٢١) شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ١٣٦٩ھ' (تفسیر عثمانی بر حاشیہ قرآن ص ٢٦٢)

بعض علماء دیوبند اس حدیث کا انکار کرتے ہیں اس لیے ہم نے متعدد حوالہ جات ذکر کیے ہیں جنہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے بھی منافقین کے علم کے متعلق دو حدیثیں ذکر کی ہیں:

امام احمد کی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہمیں مکہ کی عبادت کا کوئی اجر نہیں ملے گا! آپ نے فرمایا: تم کو تمہاری عبادتوں کے اجر ملیں گے خواہ تم لومڑی کے سوراخ میں ہو۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب اپنا سر کرکے کان لگا کر سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب میں منافقین بھی ہیں۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ پر بعض منافقین منکشف ہو گئے تھے اور وہ لوگ جو بے پر کی افواہیں اڑاتے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو چودہ، پندرہ معین منافقوں کا علم عطا فرمایا تھا اور یہ تخصیص اس کا تقاضا نہیں کرتی کہ آپ تمام منافقوں کے اسماء پر شخصی طور پر مطلع نہ ہوں، اور امام ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک شخص جس کا نام حرملہ تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: ایمان یہاں ہے اور اس نے اپنے ہاتھ سے اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا، اور نفاق یہاں ہے، یہ کہہ کر اس نے اپنے دل کی طرف اشارہ کیا اور اس نے اللہ کا ذکر بہت کم کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کی: اے اللہ! اس کی زبان کو ذکر کرنے والا بنا دے، اور دل کو شکر کرنے والا بنا دے اور اس کو میری محبت عطا فرما اور جو مجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی محبت عطا فرما، اور اس کا معاملہ خیر کی طرف کر دے۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! میں منافقوں کا سردار تھا، کیا میں ان کو آپ کے پاس لاؤں؟ آپ نے فرمایا: جو ہمارے پاس آئے گا ہم اس کے حق میں استغفار کریں گے اور جو اصرار کرے گا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور تم کسی کا پردہ فاش نہ کرنا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ٤٣٠، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٩ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض دوسرے وہ (مسلمان) ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا، انہوں نے نیک کاموں کو دوسرے برے کاموں کے ساتھ ملا دیا، عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (التوبہ: ١٠٢)

حضرت ابولبابہ کی توبہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا ذکر فرمایا تھا جو جھوٹے بہانے تراش کر غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے۔ بعض مسلمان بھی بغیر کسی سبب اور عذر کے غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے، لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر اپنے قصور کا اعتراف کر لیا اور منافقوں کی طرح جھوٹے عذر پیش نہیں کیے اور انہوں نے یہ امید رکھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ یہ دس مسلمان تھے جو غزوۂ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا، اور وہ ایسی جگہ تھی جہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزرتے تھے، جب آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا: یہ کون لوگ

ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھا ہوا ہے؟ مسلمانوں نے کہا: یہ ابولبابہ اور ان کے اصحاب ہیں جو آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے۔ یہ اس وقت تک بندھے رہیں گے جب تک آپ ان کا عُذر قبول کر کے ان کو نہیں کھولیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اس وقت تک ان کو نہیں کھولوں گا اور ان کا عُذر قبول نہیں کروں گا جب تک کہ اللہ ہی ان کو کھولنے کا حکم نہ دے، ان لوگوں نے مجھ سے اعراض کیا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہیں گئے۔ جب ان مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: ہم خود اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے حتیٰ کہ اللہ ہی ہمیں کھولے گا، تب اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بعض دوسرے وہ (مسلمان) ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا، انہوں نے نیک کاموں کو دوسرے بُرے کاموں کے ساتھ ملا دیا عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ چھ افراد تھے اور ان میں سے ایک حضرت ابولبابہ تھے۔

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ جن مسلمانوں نے خود کو ستونوں سے باندھا تھا وہ آٹھ افراد تھے، ان میں کردم، مرداس اور ابولبابہ تھے۔

قتادہ سے روایت ہے کہ یہ سات افراد تھے، ان میں ابولبابہ بھی تھے لیکن وہ تین صحابہ (ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع اور کعب بن مالک) ان میں نہیں تھے۔

ضحاک نے روایت کیا ہے کہ یہ ابولبابہ اور ان کے اصحاب تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی تھی اور ان کو کھول دیا تھا۔

مجاہد نے روایت کیا ہے کہ ابولبابہ کا گناہ یہ تھا کہ انہوں نے بنو قریظہ کو اشارہ سے یہ بتایا تھا کہ اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہنے سے قلعہ سے نکل آئے تو وہ تم کو ذبح کردیں گے، انہوں نے اپنے ہاتھ کو حلقوم پر رکھ کر اشارہ کیا تھا۔

امام ابو جعفر نے کہا: ان روایات میں اولیٰ یہ ہے کہ حضرت ابولبابہ نے غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کے ساتھ نہ جانے کی وجہ سے اپنے آپ کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھا تھا۔

(جامع البیان جز ۱۱ ص ۲۲۔ ۱۹، ملخصاً، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۷۳۔ ۱۸۷۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کریں گے اور ان کے باطن کو صاف کریں گے اور آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے، بے شک آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعثِ طمانیت ہے، اور اللہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے○ (التوبہ: ۱۰۳)

حضرت ابولبابہ کی توبہ اور شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ اور ان کے اصحاب کو کھول دیا، تو حضرت ابولبابہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اموال لے کر آئے اور کہا: آپ ہمارے اموال لیجئے اور ان کو ہماری طرف سے صدقہ کر دیجئے۔ وہ کہتے تھے کہ آپ ہمارے لیے استغفار کیجئے اور ہم کو پاک کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس وقت تک ان میں سے کوئی چیز نہیں لوں گا جب تک کہ مجھے اس کا حکم نہ دیا جائے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کریں گے اور ان کے باطن کو صاف کریں گے اور آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں بے شک آپ کی دعائے رحمت ان کے لیے طمانیت ہے۔ یعنی ان سے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں آپ ان کے لیے استغفار فرمائیں۔

(جامع البیان جز ۱۱ ص ۲۴، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۷۵)

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر استقلالاً اور انفراداً صلوٰۃ بھیجنے کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے: آپ ان پر صلوٰۃ پڑھئے' بے شک آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعثِ طمانیت ہے۔ (التوبہ: ۱۰۳)

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر' امت کے عام افراد پر بھی مستقل طور پر صلوٰۃ پڑھنا جائز ہے۔ ہم پہلے صلوٰۃ کا معنی بیان کریں گے' پھر اس مسئلہ میں فقہاء اسلام کے مذاہب بیان کریں گے اور فریقین کے دلائل ذکر کریں گے اور آخر میں اپنا موقف بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

صلوٰۃ کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ اہلِ لغت نے کہا ہے کہ صلوٰۃ کا معنی دعاء تبریک اور تمجید ہے اور اللہ اور رسول کے بندوں اور امت پر صلوٰۃ بھیجنے کا معنی ان کا تزکیہ کرنا اور ان کی تعریف اور توصیف کرنا ہے اور فرشتوں اور مسلمانوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا معنی دعا اور استغفار کرنا ہے اور نماز کو بھی صلوٰۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل دعا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۷۴)

علامہ ابن قیم جوزی متوفی ۷۵۱ھ کی تحقیق یہ ہے کہ صلوٰۃ کا معنی ثناء (تعریف اور توصیف) کرنا ہے' امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو العالیہ سے روایت کیا ہے: اللہ عزوجل کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا ان کی ثناء اور ستائش کرنا اور ان کو سراہنا ہے اور فرشتوں کا آپ پر صلوٰۃ پڑھنا آپ کی ثناء اور ستائش کی دعا کرنا ہے۔ (صحیح البخاری کتاب التفسیر' الاحزاب: ۵۶) اور الاحزاب: ۵۶ میں صلوٰۃ کا معنی رحمت نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا معنی ہے: اللہ اور اس کے فرشتے آپ کی ثناء اور تعریف کرتے ہیں۔ (جلاء الافہام ص ۷۶' دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس تحقیق کی بناء پر اللھم صل علی محمد کا معنی ہوگا: اے اللہ! سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور توصیف فرما۔

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر انفراداً صلوٰۃ بھیجنے میں مذاہبِ فقہاء

علماء شیعہ کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ بعض متعصبین اہلسنت نے لکھا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر مستقلاً صلوٰۃ بھیجنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے اے اللہ! امیر المومنین علی پر صلوٰۃ بھیج یا فاطمۃ الزہراء پر صلوٰۃ بھیج تو یہ ممنوع ہے حالانکہ قرآنِ مجید کی اس آیت سے عام مسلمانوں پر بھی صلوٰۃ بھیجنا جائز ہے چہ جائیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اور آپ کے ولی پر صلوٰۃ بھیجنا جائز ہو۔ (تفسیر نمونہ ج ۸ ص ۱۳۱-۱۳۰' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران' ۱۳۷۵ھ)

علامہ موسیٰ بن احمد صالحی حنبلی متوفی ۹۶۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر بھی انفراداً صلوٰۃ بھیجنا جائز ہے۔

(الاقناع مع کشاف القناع ج ۱ ص ۴۳۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے غیر پر مستقلاً صلوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۰۵' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام مالک اور جمہور کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے غیر پر استقلالاً صلوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۶۲' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام احمد کے نزدیک غیر انبیاء پر استقلالاً صلوٰۃ بھیجنا جائز ہے اور امام ابو حنیفہ' ان کے اصحاب' امام مالک' امام شافعی اور اکثرین کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے غیر پر انفراداً صلوٰۃ نہ بھیجی جائے لیکن ان پر تبعاً صلوٰۃ بھیجی جا سکتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۹ ص ۹۵' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر صلوٰۃ اور سلام بھیجنے میں جمہور کا موقف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر انفراداً صلوٰۃ بھیجنے پر اجماع ہے' اسی طرح تمام انبیاء اور ملائکہ پر استقلالاً صلوٰۃ بھیجنے کے جواز اور استحباب پر لائق شمار علماء کا اجماع ہے اور انبیاء علیہم السلام کے غیر کے متعلق جمہور کا موقف یہ ہے کہ ان پر ابتداءً صلوٰۃ نہ بھیجی جائے' مثلاً ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا جائے گا اور ممانعت میں اختلاف ہے' ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ یہ حرام ہے اور اکثر علماء نے یہ کہا کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے' اور بہت سے علماء نے یہ کہا کہ یہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں خلافِ اولیٰ ہے' کیونکہ یہ اہلِ بدعت کا شعار ہے اور ہم کو اہلِ بدعت کے شعار سے منع کیا گیا ہے اور مکروہ وہ ہوتا ہے جس میں قصداً ممانعت وارد ہو' ہمارے اصحاب نے کہا: اس کے مکروہ تنزیہی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سلف کی زبانوں میں صلوٰۃ کا لفظ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے' جیسے اللہ عزوجل کا لفظ اللہ سبحانہ کے ساتھ مخصوص ہے' پس جس طرح محمد عزوجل نہیں کہا جائے گا ہر چند کہ آپ عزیز اور جلیل ہیں' اسی طرح ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم یا علی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا جائے گا اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے' اور اس پر اتفاق ہے کہ غیر انبیاء پر تبعاً صلوٰۃ بھیجی جا سکتی ہے اس لیے یہ کہا جائے گا کہ اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد واصحابہ وازواجہ وذریتہ واتباعہ' کیونکہ اس کے متعلق احادیثِ صحیحہ وارد ہیں اور ہم کو تشہد میں اس کا حکم دیا گیا ہے اور خارج از نماز بھی اس پر سلف صالحین کا عمل رہا ہے اور جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو محمد جوینی نے یہ کہا ہے کہ غائب کے حق میں یہ بھی صلوٰۃ کی طرح ہے' اور غیر انبیاء پر انفراداً سلام نہیں بھیجا جائے گا' پس علی علیہ السلام نہیں کہا جائے گا اور اس میں زندہ اور مردہ برابر ہیں اور حاضر کو سلام کے ساتھ مخاطب کیا جائے گا مثلاً السلام علیک یا السلام علیکم کہا جائے گا۔

(الاذکار ج ۱ ص ۱۳۶-۱۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ شمس الدین ابن قیم جوزی حنبلی متوفی ۷۵۱ھ نے سلام بھیجنے کے مسئلہ میں علامہ جوینی سے اختلاف کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

دوسرے علماء نے صلوٰۃ اور سلام میں فرق کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ سلام کا لفظ ہر مومن کے حق میں مشروع ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ' حاضر ہو یا غائب' کیونکہ یہ کہنا معروف اور معمول ہے کہ فلاں شخص کو میرا سلام پہنچا دو' اور یہ اہلِ اسلام کی تحیت (تعظیم) ہے بخلاف صلوٰۃ کے کیونکہ وہ رسول کا حق ہے اس لیے نماز کے تشہد میں پڑھتے ہیں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اور یوں نہیں پڑھا جاتا الصلوۃ علینا وعلی عباد اللہ الصالحین' اور اس سے ان دونوں کے درمیان فرق معلوم ہو گیا۔ (جلاء الافہام ص ۲۶۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر استقلالاً صلوٰۃ پڑھنے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات

مجوزین کی ایک دلیل سورۂ توبہ کی زیر بحث آیت ۱۰۳ ہے:

صَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے' آپ کی صلوٰۃ ان کے لیے باعثِ طمانیت ہے۔

اور دیگر آیتیں یہ ہیں:

أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔ (البقرہ: ۱۵۷) (یہ) وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے صلوات ہیں اور رحمت۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ۔ (الاحزاب: ۴۳) وہی ہے جو تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔

ان آیتوں کے علاوہ حسبِ ذیل احادیث سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب لوگ صدقہ لے کر آتے تو آپ ان کے لیے دعا کرتے: اے اللہ! ان پر رحمت بھیج۔ سو میرے باپ ابواوفیٰ صدقہ لے کر آئے تو آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ابواوفیٰ کی آل پر رحمت بھیج۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۹۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۹۶)

امام دارمی نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں ہے' ایک خاتون نے کہا: یا رسول اللہ! مجھ پر اور میرے خاوند پر صلوٰۃ بھیجئے تو آپ نے ان پر صلوٰۃ بھیجی۔

(سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۶' مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۸' ۳۰۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۵۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۹)

قیس بن سعد بن عبادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! سعد بن عبادہ کی آل پر اپنی صلوات اور رحمت بھیج۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۵' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۳۲۵)

ان آیات اور احادیث کا جواب یہ ہے کہ ان آیات اور احادیث میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوٰۃ بھیجنے کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حکم اور کسی قاعدہ کا پابند نہیں ہے' وہ جس کو چاہے صلوٰۃ بھیجے اور جو چاہے کرے اور صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے' وہ اپنا حق جس کو چاہیں عطا کر دیں' سو یہ آیات اور احادیث ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ ہمارا موضوع یہ ہے کہ امت کسی غیرنبی پر صلوٰۃ بھیجے اور یہ چیز ان آیات اور احادیث سے ثابت نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے غیر پر انفراداً صلوٰۃ نہ بھیجنے کے دلائل

امام ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ (النور: ۶۳) تم آپس میں رسول کی دُعا کو ایسا نہ قرار دو جیسا کہ تم ایک دوسرے کے لیے دُعا کرتے ہو۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دُعا میں صلوٰۃ کا ذکر ہو اور مسلمان ایک دوسرے کے لیے دُعا میں بھی صلوٰۃ کا ذکر کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کے لیے دُعا میں کوئی امتیاز نہیں رہے گا حالانکہ اس آیت کا یہ تقاضا ہے کہ ان میں امتیاز ہونا چاہیے۔

(الاستذکار ج ۶ ص ۲۶۲' طبع بیروت ۱۴۱۴ھ' التمہید ج ۷ ص ۹۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی شخص کا کسی شخص پر صلوٰۃ بھیجنا میرے علم

میں جائز نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۱۱۹، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۳، الاستذکار ج ۶ ص ۲۶۳، التمہید ج ۷ ص ۹۹)

امام عبدالرزاق نے یہ اثر اس طرح روایت کیا ہے:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انبیاء کے سوا کسی شخص پر صلوٰۃ بھیجنا جائز نہیں ہے۔ سفیان نے کہا: نبی کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے۔

(المصنف رقم الحدیث: ۳۱۱۹، المعجم الکبیر ج ۱۱ رقم الحدیث: ۱۸۸۱۳)

امام مالک وغیرہ نے عبداللہ بن دینار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر (مبارک) پر کھڑے ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کرتے۔ (الاستذکار ج ۶ ص ۲۶۳، التمہید ج ۷ ص ۹۹)

موطا امام مالک کے موجودہ نسخوں میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابن عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر کھڑے ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر صلوٰۃ بھیجتے۔ (رقم الحدیث: ۳۹۶) امام ابن عبدالبر نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ کو اس روایت کے درج کرنے میں مغالطہ ہوا ہے، صحیح روایت اس طرح ہے جس طرح مذکور الصدر عبارت میں ذکر ہے۔ (الاستذکار ج ۶ ص ۲۶۳، التمہید ج ۷ ص ۹۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص کسی شخص پر صلوٰۃ نہ بھیجے، باقی لوگوں کے لیے دعا کی جائے اور ان پر رحمت بھیجی جائے۔ (الاستذکار ج ۶ ص ۶۳)

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے غیر پر تبعاً صلوٰۃ و سلام بھیجنا جائز ہے اور انفراداً اور استقلالاً صلوٰۃ بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے اور صرف سلام بھیجنا بلا کراہت جائز ہے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے اور یہی ہمارا موقف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا یہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو لیتا ہے، اور بے شک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے ○ (التوبہ: ۱۰۴)

صدقہ کی ترغیب

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: جن بندوں نے اپنے گناہوں پر توبہ کی اور اس کے کفارہ میں صدقہ کیا، عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس آیت میں توبہ کو قبول کرنے کی امید دلائی تھی، توبہ قبول کرنے کی خبر نہیں دی تھی، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حتمی طور پر یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات کو لیتا ہے، تاکہ بندے زیادہ ذوق و شوق اور رغبت سے صدقہ و خیرات کریں۔

نیز پہلی آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ آپ ان سے صدقات لیں، اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ صدقات لیتا ہے اور یہ بظاہر تعارض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقات لینا اللہ ہی کا صدقات لینا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور آپ کے ساتھ کیے جانے والے معاملات کو اپنے افعال اور اپنے ساتھ کیے جانے والا معاملہ قرار دیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ۔ (الفتح: ۱۰) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ۔ (الاحزاب: ۵۷) بے شک جو لوگ اللہ کو ایذاء دیتے ہیں۔

اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایذاء دینا تو محال ہے۔

یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ۔ (البقرہ: ۹) وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔

اس سے مراد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا ہے، کیونکہ وہ اپنے عقیدہ میں اللہ کو دھوکا نہیں دیتے تھے۔

صدقہ کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی کسی پاک چیز کو صدقہ کرتا ہے، اور اللہ پاک چیز کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کرتا، تو رحمٰن اس کو اپنے ہاتھ سے لیتا ہے، خواہ وہ ایک کھجور ہے، پھر وہ کھجور رحمٰن کے ہاتھ میں بڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کو یا اس کے بچھیرے کو بڑھاتا رہتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۱۴، سنن الترمذی رقم الحدیث:۶۶۲، سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۲۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۴۲، مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۸، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۲۴۲۶)

ترمذی کی دوسری روایت میں ہے: حتیٰ کہ ایک لقمہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے: وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو لیتا ہے۔ (التوبہ: ۱۰۴) اور اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا رہتا ہےO (البقرہ: ۲۷۶)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی یہ اضافہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تنگ دست کی کمائی، اور فرمایا: اپنے عیال سے ابتداء کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۵۶، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۴۶۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۷۷، سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۴۴، سنن الدارمی رقم الحدیث:۱۶۵۱)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: (اصل) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرلو، (اصل) نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ، قیامت کے دن، فرشتوں، (آسمانی) کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے، اور مال سے محبت کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے مال دے۔ (البقرہ: ۱۷۷)

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۶۵۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۷۸۹، سنن الدارمی رقم الحدیث:۱۶۴۷)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے، اور اپنے عیال سے ابتدا کرو، بہترین صدقہ وہ ہے جو انسان خوشحالی کے وقت دے، جو شخص سوال سے رُکے گا اللہ اس کو سوال سے باز رکھے گا اور جو مستغنی رہے اللہ اس کو مستغنی رکھے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۲۸، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۳۵، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۴۶۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۰۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۷۶، سنن الدارمی رقم الحدیث:۲۷۵۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی خاتون اپنے گھر کے طعام سے خرچ کرے درآنحالیکہ وہ اس کو ضائع کرنے والی نہ ہو تو اس کو طعام خرچ کرنے کا اجر ملتا ہے، اور اس کے خاوند کو اپنے کمانے کا اجر ملتا ہے اور خازن کو بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے اور ان میں سے کسی کا اجر دوسرے کے اجر میں کمی نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۲۵، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۲۴، سنن الترمذی رقم الحدیث:۶۷۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۸۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۲۹۴)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس صرف وہ مال ہے جو مجھے (حضرت) زبیر نے دیا ہے، کیا میں صدقہ کروں؟ آپ نے فرمایا: صدقہ کرو اور ہاتھ نہ روکو ورنہ تم سے بھی روک لیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۵۹۰، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۶۰، سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۵۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۹۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میرے پاس ایک سائل آیا، اس وقت میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے، میں نے اس سائل کو کچھ چیز دینے کے لیے کہا، پھر میں نے اس سائل کو بلایا اور اس چیز کو دیکھا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ نہیں چاہتیں کہ تمہارے گھر میں جو کچھ آئے اور تمہارے گھر سے جو کچھ جائے اس کا تم کو علم ہو؟ میں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: ٹھہرو اے عائشہ! تم گن گن کر نہ دیا کرو، ورنہ اللہ عزوجل بھی تم کو گن گن کر دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۷۰۰، سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۴۹)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان کا صدقہ عمر میں زیادتی کرتا ہے، بُری موت کو دُور کرتا ہے اور اللہ اس کی وجہ سے تکبر اور فخر کو دُور کرتا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۷ص ۲۲، حافظ الہیثمی نے کہا: اس میں ایک راوی ضعیف ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث:۴۶۰۹)

حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ، صدقہ دینے والوں کی قبروں سے گرمی کو دُور کرتا ہے اور مسلمان قیامت کے دن صرف اپنے صدقہ کے سائے میں ہو گا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۷ص ۲۸۶، اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے اس میں کلام ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث:۴۶۱۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ گھر والوں نے ایک بکری کو ذبح کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس میں سے کچھ بچا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا: اس کا صرف ایک شانہ باقی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس شانہ کے علاوہ باقی سب باقی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۴۷۰، مسند احمد ج ۶ ص ۵۰، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۲۳)

حافظ عماد الدین اسمٰعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عساکر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی قیادت میں مسلمانوں نے جہاد کیا، ایک مسلمان نے مالِ غنیمت میں سے سو رومی دینار خیانت کر لیے۔ جب لشکر واپس چلا گیا اور سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے تو وہ مسلمان بہت نادم ہوا، اس نے امیر لشکر کے پاس یہ دینار پہنچائے۔ اس نے ان کو لینے سے انکار کر دیا کہ جن اہلِ لشکر میں یہ دینار تقسیم کیے جاسکتے تھے وہ سب تو اپنے اپنے گھر چلے گئے، اب میں ان کو نہیں

لے سکتے تم قیامت کے دن یہ دینار خدا کو پیش کر دیتا۔ اس شخص نے بہت سے صحابہ سے یہ مسئلہ معلوم کیا سب نے یہی جواب دیا۔ وہ دمشق گیا اور حضرت معاویہ سے ان کو قبول کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے بھی انکار کیا' وہ روتا ہوا عبداللہ بن الشاعر السکسکی کے پاس سے گزرا' انہوں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے سارا ماجرا سنایا۔ اس نے کہا: تم حضرت معاویہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو اس میں سے پانچواں حصہ جو بیت المال کا حق ہے وہ لے لیں اور بیس دینار ان کے حوالے کر دو اور باقی اسی (۸۰) دینار ان اہلِ لشکر کی طرف سے صدقہ کر دو جو ان کے مستحق ہو سکتے تھے' کیونکہ اللہ ان کے ناموں اور ان کے پتوں سے واقف ہے' وہ ان کو ان دینار کا ثواب پہنچا دے گا اور اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے' سو اس مسلمان نے ایسا ہی کیا۔ حضرت معاویہ نے کہا: اگر یہ فتویٰ میں نے دیا ہوتا تو مجھے یہ فتویٰ اپنی ساری مملکت سے زیادہ محبوب تھا۔

(مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۱۴ ص ۲۵۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۳۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کہیے کہ تم عمل کرو پس عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور مومنین (بھی) اور عنقریب تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم کرتے رہے تھے○ (التوبہ: ۱۰۵)

نیک اعمال کا حکم دینے اور بُرے اعمال سے روکنے کی وجہ

آیاتِ سابقہ سے اس آیت کے ارتباط کی دو صُورتیں ہیں:

(۱) اس آیت کا تعلق ان مسلمانوں سے ہے جنہوں نے توبہ کی تھی یعنی کیا یہ مسلمان نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ توبہ صحیحہ کو قبول کرتا ہے' اور خلوصِ نیت سے جو صدقات دیئے جاتے ہیں ان کو قبول فرماتا ہے۔

(۲) اس سے مراد دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے توبہ نہیں کی تھی تاکہ ان کو توبہ کی ترغیب دی جائے۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ معبودِ برحق کو ایسا ہونا چاہیے کہ اس میں زیادتی اور کمی محال ہو' مخلوق کی عبادت سے اس میں کسی چیز کا زیادہ ہونا اور مخلوق کی نافرمانی سے اس میں کسی چیز کا کم ہونا محال ہو' عبادت کی طرف اس کی رغبت اور معصیت سے اس کی نفرت محال ہو حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ اس کی نفرت اور اس کا غضب اس کو انتقام پر برانگیختہ کرتا ہے' بلکہ اس کا معصیت سے منع کرنا اور عبادت کی طرف راغب کرنا اس لیے ہے تاکہ مخلوق کو نیک لوگوں کے مقامات حاصل ہوں اور وہ بُرے لوگوں کے انجام سے بچیں۔ پس نافرمانی کرنے والا صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے اور اطاعت کرنے والا صرف اپنے آپ کو فائدہ پہنچاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم نیک کام کرو گے تو وہ نیک کام تمہارے نفع کے لیے ہیں' اور اگر تم بُرے کام کرو گے تو ان کا نقصان تمہیں پہنچے گا۔ (الاسراء: ۷) پس اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: تم عمل کرو اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اس میں نیک کام کرنے والوں کے لیے ترغیب ہے' اور نافرمانی کرنے والوں کو ڈرایا ہے' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم مستقبل کے لیے جدوجہد کرو کیونکہ تمہارے اعمال کا ایک ثمرہ دنیا میں ہے اور ایک ثمرہ آخرت میں ہے۔ دنیا میں ثمرہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اور مسلمان تمہارے اعمال کو دیکھ رہے ہیں' اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو دنیا میں تمہاری بہت تعریف ہوگی اور دنیا اور آخرت میں تمہیں اجرِ عظیم ملے گا' اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرو گے تو دنیا میں تمہاری مذمت ہوگی اور آخرت میں تمہیں شدید عذاب ہوگا۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۴۲' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

انسان کے اعمال کو زندہ اور مُردہ لوگ دیکھتے رہتے ہیں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم کسی بند چٹان کے اندر عبادت کرو جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی تب بھی لوگوں کے لیے عمل ظاہر ہو جائیں گے خواہ وہ جو عمل بھی ہوں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۲۵، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۹۴۲، شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۷۳۰، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اعمال تمہارے مرے ہوئے قرابت داروں اور رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں، اگر وہ نیک اعمال ہوں تو وہ ان سے خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ نیک اعمال نہ ہوں تو وہ دعا کرتے ہیں: اے اللہ! تو ان پر اس وقت تک موت طاری نہ کرنا جب تک تو ان کو اس طرح ہدایت نہ دے جس طرح تو نے ہمیں ہدایت دی ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۸، الطیالسی رقم الحدیث: ۱۵۶۱، حافظ الہیثمی اور شیخ احمد شاکر نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۶۱۹، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم کسی شخص پر اس وقت تک تعجب نہ کرو جب تک کہ اس کا خاتمہ نہ ہو جائے، کیونکہ ایک عمل کرنے والا ایک زمانہ تک ایسے عمل کرتا رہتا ہے کہ اگر وہ ان اعمال پر مرجائے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا پھر وہ پلٹتا ہے اور بُرے عمل کرتا ہے، اور ایک بندہ ایک زمانہ تک بُرے عمل کرتا ہے اگر وہ ان اعمال پر مرجائے تو وہ دوزخ میں داخل ہو جائے گا پھر وہ پلٹتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اور جب اللہ کسی بندہ کے ساتھ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو موت سے پہلے اس سے (نیک) عمل کرا لیتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ اس سے کیسے عمل کراتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اس کو نیک عمل کی توفیق دیتا ہے پھر اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۷، امام ترمذی اور شیخ شاکر نے تصریح کی ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۱۵۳، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب تمہیں کسی شخص کا عمل اچھا لگے تو یہ آیت پڑھو: تم عمل کرو عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور مومنین بھی۔ (التوبہ: ۱۰۵) (صحیح البخاری کتاب التوحید، باب: ۴۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض دوسرے وہ ہیں جن کو اللہ کا حکم آنے تک موخر کیا گیا ہے، یا اللہ ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول فرمالے گا اور اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہے ○ (التوبہ: ۱۰۶)

غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ جانے والوں کی چار قسمیں

جو لوگ غزوۂ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے ان کی چار قسمیں ہیں:

(۱) وہ منافق تھے جن کا اللہ تعالیٰ نے التوبہ: ۱۰۱ میں ذکر فرمایا ہے۔

(۲) وہ مسلمان تھے جو سستی اور غفلت کی بناء پر غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے، وہ بعد میں نادم ہوئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کر لی۔ ان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے التوبہ: ۱۰۲ میں فرمایا ہے۔

(۳) وہ مسلمان تھے جو سستی اور غفلت کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں نہیں گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جلدی حاضری نہیں دی اور توبہ کرنے میں اول الذکر مسلمانوں کے ساتھ شامل نہیں ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے

بھی ان کا معاملہ موخر کر دیا۔ یہ کعب بن مالک، مرارہ بن الربیع اور ہلال بن امیہ تھے۔

(۴) وہ مسلمان جو بہت بوڑھے، کمزور، نابینا یا اپاہج تھے، ان کو ان کے شرعی عذر کی وجہ سے رخصت دی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی خذ من اموالھم صدقة تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ اور ان کے اصحاب سے صدقہ لے لیا، اور تین اصحاب باقی رہ گئے جنہوں نے حضرت ابولبابہ کی طرح اپنے آپ کو ستونوں کے ساتھ نہیں باندھا تھا، انہوں نے کسی چیز کا ذکر نہیں کیا، ان کا عذر نازل نہیں ہوا اور انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض دوسرے وہ ہیں جن کو اللہ کا حکم آنے تک موخر کیا گیا ہے، یا ان کو اللہ عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول فرما لے گا، تب لوگوں نے کہا: یہ لوگ ہلاک ہو گئے کیونکہ ان کے متعلق کوئی عذر نازل نہیں ہوا اور دوسروں نے کہا: ہو سکتا ہے اللہ ان کی مغفرت فرما دے کیونکہ ان کا معاملہ موخر کیا گیا ہے۔ (جامع البیان جز ۱۱ ص ۲۹)

حضرت کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں کی توبہ کی تفصیل التوبہ: ۱۱۸-۱۱۷ میں بیان کی جائے گی، ان شاء اللہ۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ

اور وہ لوگ جنہوں نے ضرر پہنچانے کے لیے مسجد بنائی اور کفر کرنے کے لیے اور مسلمانوں کے درمیان

الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن

پھوٹ ڈالنے کے لیے اور اس شخص کی کمین گاہ بنانے کے لیے جو پہلے سے ہی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ

قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ يَشْهَدُ

کر رہا ہے اور وہ ضرور یہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے صرف بھلائی کا ارادہ کیا ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے

إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ

کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ○ آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد

عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ

پہلے روز سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں

رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾ أَفَمَنْ

ایسے مرد ہیں جو خوب پاکیزہ ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ زیادہ پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○ تو کیا جس

أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ

نے اللہ سے ڈر کے اور اس کی رضا پر اپنی مسجد کی بنیاد رکھی وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے

أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ

اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے کے قریب ہے تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ

جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ

میں گر پڑا اور اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ جس عمارت کو انہوں نے بنایا ہے گرنے کے

الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

خطرہ کی وجہ سے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی سوا اس کے کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ بے حد جاننے والا

۱۳ ع ۱۱ ۲ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾

بڑی حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جنہوں نے ضرر پہنچانے کے لیے مسجد بنائی اور کفر کرنے کے لیے اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے اور اس شخص کی کمین گاہ بنانے کے لیے جو پہلے سے ہی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر رہا ہے اور وہ ضرور یہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے صرف بھلائی کا ارادہ کیا ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ○ (التوبہ: ۱۰۷)

مسجد ضرار کا پس منظر و پیش منظر

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے، مدینہ میں قبیلہ خزرج کا ایک شخص رہتا تھا جس کا نام ابو عامر راہب تھا، یہ شخص ایام جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور اہل کتاب کا علم حاصل کر چکا تھا۔ ایام جاہلیت میں یہ ایک عبادت گزار شخص تھا اور اس کو اپنے قبیلہ میں بہت فضیلت حاصل تھی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور مسلمان آپ کے گرد جمع ہونے لگے اور اسلام کی مقبولیت ہونے لگی اور غزوۂ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا تو ابو عامر پر یہ تمام امور بہت شاق گزرے اور وہ برملا مسلمانوں سے عداوت ظاہر کرنے لگا، اور مدینہ سے بھاگ کر کفار مکہ اور مشرکین سے جا ملا، یہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر مائل کرتا تھا، سو عرب کے سارے قبیلے اکٹھے ہو گئے اور جنگ احد کے لیے پیش قدمی کی۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کیا اور مسلمانوں کو اس جنگ میں نقصان ہوا۔ اس فاسق نے دونوں طرف کی صفوں کے درمیان کئی گڑھے کھود رکھے تھے، ان میں سے ایک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گر پڑے، اور آپ کو چوٹ لگی، آپ کا چہرہ زخمی ہو گیا، نیچے کی طرف سے سامنے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کا ایک دانت شہید ہو گیا (اس کا ایک کنارہ جھڑ گیا تھا) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سر بھی زخمی ہو گیا تھا۔ ابو عامر نے جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنی قوم انصار کی طرف بڑھ کر انہیں مخاطب کیا اور ان کو اپنی موافقت کی دعوت دی، جب انصار نے ابو عامر کی یہ حرکت دیکھی تو انہوں نے کہا: اے فاسق! اے دشمن خدا! اللہ تجھ کو برباد کرے، اور اس کو بہت برا کہا اور اس

کی مذمت کی۔ ابو عامر یہ کہتا ہوا واپس گیا کہ میرے بعد میری قوم بہت بگڑ گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بھاگنے سے پہلے اس کو اسلام کی دعوت دی تھی اور اس کو قرآن پڑھ کر سنایا تھا لیکن اس نے سرکشی کی اور انکار کیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعاء ضرر فرمائی کہ وہ جلاوطنی کی حالت میں مرے۔ اس دعاء ضرر کا اثر اس طرح ہوا کہ جب ابو عامر نے دیکھا کہ جنگ احد میں مسلمانوں کے نقصان اٹھانے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی تو وہ روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس گیا اور اپنی قوم میں سے منافقین کو مکہ بھیجا کہ میں لشکر لے کر آرہا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب جنگ ہوگی اور میں ان پر غالب آجاؤں گا اور منافقین کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ اس کے لیے ایک پناہ کی جگہ بنائیں اور جو لوگ میرا پیغام اور احکام لے کر آئیں ان کے لیے امن کی ایک پناہ گاہ بناؤ تاکہ جب وہ خود مدینہ آئے تو وہ جگہ اس کے لیے کمین گاہ کا کام دے، چنانچہ ان منافقین نے مسجد قبا کے قریب ہی ایک اور مسجد بنا ڈالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک روانگی سے پہلے وہ اس کام سے فارغ بھی ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ درخواست لے کر آئے کہ آپ ہمارے پاس آئیے اور ہماری مسجد میں نماز پڑھیے تاکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ مسجد مستند ہو جائے۔ انہوں نے آپ سے کہا کہ ہم نے کمزوروں اور بیماروں کی خاطر یہ مسجد بنائی ہے اور جو ضعیف لوگ سردیوں کی راتوں میں دور کی مساجد میں نہیں جاسکتے ان کے لیے آسانی ہو، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسجد میں نماز پڑھنے سے بچانا چاہتا تھا اس لیے آپ نے فرمایا: ہمیں تو اس وقت غزوۂ تبوک کا سفر درپیش ہے، جب ہم واپس ہوں گے تو ان شاء اللہ دیکھا جائے گا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف واپس ہوئے، اور ایک دن یا اس سے کچھ کم مدینہ کی مسافت رہ گئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور بتایا کہ منافقوں نے یہ مسجد ضرار بنائی ہے اور مسجد قبا کے قریب ایک اور مسجد بنانے سے ان کا مقصد مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا کرنا ہے اور اس سے ان کا مقصود ابو عامر راہب کی کمین گاہ بنانا ہے۔ اس وحی کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی چند مسلمانوں کو اس مسجد ضرار کی طرف بھیج دیا تاکہ وہ اس کو منہدم کردیں اور اس کو جلا ڈالیں۔ آپ نے بنو سالم کے بھائی مالک بن دخشم اور معن بن عدی یا اس کے بھائی عامر بن عدی کو بلایا اور فرمایا: تم دونوں ان ظالموں کی مسجد کی طرف جاؤ اور اس کو منہدم کردو اور جلا ڈالو۔ ان دونوں نے اس مسجد کو گرایا اور جلا ڈالا۔ اس وقت اس مسجد میں یہ کفار موجود تھے اور مسجد کے جلنے سے یہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسجد ضرار کو بنانے والے یہ بارہ افراد تھے: خذام بن خالد، ثعلبہ بن حاطب (یہ وہ نہیں جو بدری صحابی ہیں) معتب بن قشیر، ابوحبیبہ بن الازعر، عباد بن حنیف، حارثہ بن عامر اور اس کے دو بیٹے مجمع اور زید، نبتل الحارث، مخرج، بجاد بن عمران اور ودیعہ بن ثابت۔۔۔ یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ ہم نے تو نیک ارادے سے یہ مسجد بنائی تھی، ہمارے پیش نظر صرف مسلمانوں کی خیر خواہی تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹ بولتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۳۵ - ۴۳۲ ملخصاً، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۹ھ، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۶۱۹ - ۶۱۸، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہوں، البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے روز سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے مرد ہیں جو خوب پاکیزہ ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ زیادہ پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○ (التوبہ: ۱۰۸)

مسجد ضرار میں کھڑے ہونے کی ممانعت

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی بنائی ہوئی مسجد ضرار میں کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے۔ ابن جریج

نے کہا ہے کہ منافقین جمعہ کے دن اس مسجد کو بنا کر فارغ ہو گئے تھے' انہوں نے جمعہ' ہفتہ اور اتوار کو اس مسجد میں نمازیں پڑھیں' اور پیر کے دن یہ مسجد گرا دی گئی- اللہ تعالیٰ نے اس مسجد میں نماز پڑھنے کی پہلے یہ وجہ بیان فرمائی تھی کہ یہ مسجد مسلمانوں کو ضرر پہنچانے' کفر کرنے' مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتا تھا اس کی کمین گاہ بنانے کے لیے بنائی گئی ہے اور اس آیت میں دوسری وجہ بیان فرمائی ہے کہ دو مسجدوں میں سے ایک مسجد پہلے روز سے ہی تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی ہو اور دوسری مسجد میں نماز پڑھنا مسجد تقویٰ میں نماز پڑھنے سے مانع ہو تو اس دوسری مسجد میں نماز پڑھنا بدا ہتًا ممنوع ہو گا۔

اس مسجد کا مصداق جس کی بنیاد اول یوم سے تقویٰ پر رکھی گئی

حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابن عمر' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے سعید بن مسیب اور خارجہ بن زید کا موقف یہ ہے کہ لمسجد اسس علی التقوی کا مصداق مسجد نبوی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی بعض ازواج کے حجرہ میں حاضر ہوا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون سی مسجد ہے جس کی بنیاد پہلے روز سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ آپ نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لیں اور ان کو زمین پر مارا' پھر فرمایا: وہ تمہاری یہ مسجد ہے۔

حضرت ابن عباس' ابن بریدہ اور ابن زید کا موقف یہ ہے کہ وہ مسجد قبا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ان مختلف روایتوں میں راجح قول یہ ہے کہ مسجد تقویٰ' مسجد نبوی ہے' کیونکہ اس سلسلہ میں احادیث صحیحہ وارد ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو شخصوں کا اس میں اختلاف ہوا کہ وہ کون سی مسجد ہے جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی؟ ایک شخص نے کہا وہ مسجد نبوی ہے' دوسرے شخص نے کہا وہ مسجد قباء ہے' پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: وہ مسجد میری مسجد ہے۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۹۴-۲۲۹۵)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسجد کے متعلق سوال کیا گیا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔ آپ نے فرمایا: وہ میری مسجد ہے۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۸۶۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۷۳)

(جامع البیان جز ۱۱ ص ۳۹-۳۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرا اور بنو عمرو بن عوف کے ایک شخص کا اس میں اختلاف ہوا کہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی وہ کون سی ہے؟ میں نے کہا کہ وہ مسجد رسول اللہ ہے اور بنو عمرو بن عوف کے شخص نے کہا وہ مسجد قبا ہے' پھر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: وہ یہ مسجد ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اور فرمایا: اس میں (مسجد قبا میں) خیر کثیر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳' ۳۰۹۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۹۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۲۶' ۱۶۰۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۷۲' مطبوعہ کراچی' مسند احمد ج ۳ ص ۹۱' ۲۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۹۸۵' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۵۴۴' المستدرک ج ۱ ص ۴۸۷' ج ۲ ص ۳۳۴' شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۵۵)

واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرما دیا ہے کہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ میری مسجد ہے یعنی

مسجد نبوی' اس سلسلہ میں صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی منفرد رائے ہے کہ اس سے مراد مسجد قبا ہے' اور تابعین میں سے ابن بریدہ' ابن زید اور ضحاک کا بھی یہی موقف ہے' اس کے برخلاف کثیر صحابہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف تصریح یہ ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے جیسا کہ ہم احادیث صحیحہ سے بیان کر چکے ہیں' اور اب ہم مسجد نبوی اور مسجد قبا کے فضائل میں احادیث کا ذکر کریں گے۔

مسجد نبوی اور روضۂ رسول کی زیارت کے فضائل

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کا ثواب ہے' اور محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازوں کا ثواب ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کا ثواب ہے' اور اس کا مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے اور اس کا میری مسجد میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے اور اس کا مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اس مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اور ان میں سے کوئی نماز قضا نہ ہوئی ہو اس کے لیے آگ سے نجات لکھ دی جائے گی اور عذاب سے نجات لکھ دی جائے گی اور نفاق سے برأت لکھ دی جائے گی۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۵' شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۵۲۱' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۴۴۰' حافظ منذری نے کہا اس حدیث کے راوی صحیح ہیں' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۱۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بیت اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر حوض پر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۱۶' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۲۴۳' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۵۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۳۹' کراچی' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۵۰' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۱۱۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۶' التمہید ج ۱ ص ۵۷۸)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اس منبر کے پائے جنت میں نصب ہیں۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۹۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۲۴۲' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۹۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۴۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۲۹۹' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۳۸' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۰۹' المستدرک ج ۳ ص ۵۳۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۸۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۹۵۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

(سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۸' رقم الحدیث: ۲۶۶۹' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۸۳۰' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲' تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۹۰۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۴۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۸۳' کامل ابن عدی ج ۶ ص ۲۳۵۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری وفات کے بعد حج کر کے میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۴۹۷، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۴۰۰، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲، سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۶۶، سنن کبری للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۶، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۲۵۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۸۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۹۰۳، کتاب المجروحین لابن حبان ج ۳ ص ۷۳)

مسجد قبا کے فضائل

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اہل قبا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ ان کے لیے مسجد بنائی جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہو اور اونٹنی پر سوار ہو، حضرت ابوبکر نے اس پر سوار ہو کر اس کو اٹھانا چاہا وہ نہیں اٹھی، پھر وہ آ کر بیٹھ گئے، پھر حضرت عمر نے اس پر سوار ہو کر اس کو چلانا چاہا وہ نہیں چلی، وہ بھی واپس آ کر بیٹھ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنے اصحاب سے فرمایا: تم میں سے بعض لوگ کھڑے ہوں اور اس اونٹنی پر سوار ہوں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اس کی رکاب میں پیر رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! اس کی مہار ڈھیلی چھوڑ دو، اور اس کے گھومنے کے گرد مسجد بناؤ کیونکہ یہ اونٹنی اللہ کے حکم کی پابند ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۰۳۳، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۵۸۹۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا جاتے تھے خواہ پیدل یا سوار، اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۹۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۰)

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا اجر عمرہ کے برابر ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۱)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس (قبا) میں ایسے مرد ہیں جو خوب پاکیزہ ہونے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ زیادہ پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کی فضیلت

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا سے فرمایا: میں نے اللہ سے سنا کہ وہ تمہاری پاکیزگی حاصل کرنے کی تعریف فرماتا ہے، تم کس طرح پاکیزگی حاصل کرتے ہو؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں اور کسی چیز کا پتا نہیں لیکن ہم نے دیکھا کہ ہمارے پڑوسی براز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی سرینوں کو پانی سے دھوتے ہیں، پس ہم بھی اس طرح دھوتے ہیں جس طرح وہ دھوتے ہیں۔

(جامع البیان جز ۱۱ ص ۴۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۴۸۵، المستدرک ج ۱ ص ۱۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آیت: (التوبہ: ۱۰۸) اہل قبا کے

متعلق نازل ہوئی ہے، وہ پانی کے ساتھ استنجاء کرتے تھے، تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۱۰۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو کیا جس نے اللہ سے ڈرنے اور اس کی رضا پر اپنی مسجد کی بنیاد رکھی وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے کے قریب ہے تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر پڑا اور اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (التوبہ: ۱۰۹)

مشکل الفاظ کے معانی

شفا کے معنی ہیں طرف یا کنارہ۔ جرف کے معنی ہیں وہ جگہ جس کو سیلاب بہا کر لے جاتا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۱) شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے اس کا ترجمہ کھائی کیا ہے اور اعلیٰ حضرت اور ہمارے شیخ علامہ کاظمی نے اس کا ترجمہ گڑھا کیا ہے۔ ھار: یہ اصل میں ھائر تھا جو چیز گرنے والی ہو۔ فانھار بہ اپنے بنانے والے کے ساتھ گر گیا۔ ریبۃ: شک۔ تقطع: ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان دو مسجدوں کے بنانے والوں میں سے ایک نے اپنی مسجد بنانے سے اللہ سے ڈرنے اور اس کی رضا کا ارادہ کیا اور دوسرے نے اپنی مسجد بنانے سے نافرمانی اور کفر کا ارادہ کیا، پس پہلی بنا نیک ہے اور اس کا باقی رکھنا واجب ہے اور دوسری بنا خبیث ہے اور اس کا گرانا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس عمارت کو انہوں نے بنایا ہے گرنے کے خطرہ کی وجہ سے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی سوا اس کے کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ بے حد جاننے والا بڑی حکمت والا ہے O (التوبہ: ۱۱۰)

منافقین کے شک میں پڑنے کی وجوہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ منافقین نے جو مسجد ضرار بنائی تو اس کے بنانے کے بعد ان کے دلوں میں یہ خوف رہا کہ اس مسجد کا راز کھل جائے گا اور اس کو منہدم کر دیا جائے گا اور اس کو بنانے کا سبب یہ تھا کہ ان کو دین اسلام کے متعلق شک تھا اور وہ شک ان کے دلوں سے نکل نہیں سکتا تھا تاوقتیکہ ان کو موت نہ آ جائے اور اس سے مراد یہ ہے کہ یہ مسجد ضرار دین میں شکوک اور شبہات کا مصدر تھی اور کفر اور نفاق کا مظہر تھی، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منہدم کرنے کا حکم دیا تو یہ ان پر بہت شاق گزرا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا بغض اور زیادہ ہو گیا اور آپ کی نبوت میں ان کے شکوک اور شبہات اور بڑھ گئے اور ان کو اپنے متعلق یہ پریشانی رہتی تھی کہ آیا ان کو اسی نفاق کی حالت میں برقرار رکھا جائے گا یا ان کو قتل کر دیا جائے گا تو گویا اس مسجد ضرار کو بنانا بجائے خود ایک شک تھا کیونکہ وہ شک کا سبب تھا۔ اس شک کے پیدا ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) منافقین مسجد ضرار کو بنا کر بہت خوش ہوئے تھے، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کو گرانے کا حکم دیا تو ان کو یہ حکم بہت ناگوار گزرا اور آپ کی نبوت اور رسالت کے متعلق ان کے شکوک اور شبہات اور زیادہ ہو گئے۔

(۲) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کو منہدم کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ آپ نے ان سے حسد کی وجہ سے یہ حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو امان دی ہوئی تھی وہ ان کے خیال میں مرتفع ہو گئی اور ان کو ہر وقت یہ خوف اور خطرہ رہا کہ آیا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا یا ان کو قتل کر دیا جائے گا اور ان کے اموال سلب کر لیے جائیں گے۔

(۳) ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اس مسجد کو بنانا ایک نیک کام ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو گرانے کا حکم دیا تو یہ اس شک میں پڑ گئے کہ کس وجہ سے اس مسجد کو گرانے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۴) وہ مسلسل اس شک میں رہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس جرم کو معاف کردے گا یا نہیں، لیکن صحیح پہلی وجہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم

بے شک اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت

بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَ

کے بدلہ میں خرید لیا، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ پس قتل کرتے ہیں اور

يُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ

قتل کیے جاتے ہیں، اس پر اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں،

وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي

اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہے، پس تم اپنی اس بیع کے ساتھ خوش ہو جاؤ جو

بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ

تم نے بیع کی ہے، اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ (یہی لوگ ہیں) توبہ کرنے والے عبادت کرنے

الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ

والے حمد کرنے والے روزے رکھنے والے رکوع کرتے والے سجدہ کرنے والے نیکی کا

بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ

حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے

اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا

اور آپ ایمان والوں کو خوش خبری سنادیں ○ نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے

أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ

کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں، جب کہ ان پر

مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ

یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ (مشرکین) دوزخی ہیں ○ اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے

اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ

استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے ابراہیم سے کیا تھا اور جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ

اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾

اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اس پر اللہ کا سچا وعدہ ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہے، پس تم اپنی اس بیع کے ساتھ خوش ہو جاؤ جو تم نے بیع کی ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ (التوبہ: ١١١)

اللہ تعالیٰ کا مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ خریدنا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ان برائیوں اور خرابیوں اور سازشوں کا ذکر فرمایا تھا جو غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے کی بنا پر انہوں نے کی تھیں، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی فضیلت اور اس کی ترغیب کو بیان فرمایا تاکہ ظاہر ہو کہ منافقین نے جہاد کو ترک کر کے کتنے بڑے نفع کو ضائع کر دیا۔

مجاہدین اپنی جانوں اور مالوں کو جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کے اجر میں اللہ تعالیٰ نے جو ان کو جنت عطا فرمائی اس کو اللہ تعالیٰ نے شراء (خریدنے) سے تشبیہ دی ہے۔ عرف میں خریدنے کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص ایک چیز کو اپنی ملک سے نکال کر دوسرے کو کسی اور چیز کے عوض دیتا ہے جو نفع میں اس چیز کے برابر ہوتی ہے یا کم یا زیادہ، پس مجاہدین نے اپنی جانوں اور مالوں کو اللہ کے ہاتھ اس جنت کے بدلے میں فروخت کر دیا جو اللہ نے مومنین کے لیے تیار کی ہے، بایں طور کہ وہ اہل جنت میں سے ہو جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور اس کو اپنے گھر سے نکالنے کا محرک صرف اس کی راہ میں جہاد کرنے کا جذبہ ہوتا ہے اور اس کے کلام کی تصدیق کرنا ہوتا ہے، اللہ اس شخص کے لیے اس بات کا ضامن ہو گیا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے یا اس کو اس کے گھر اجر اور مال غنیمت کے ساتھ لوٹا دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣١٢٣، ٧٤٦٣، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٨٧٦، سنن النسائی رقم الحدیث: ٥٠٢٩، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٧٥٣، موطا امام مالک رقم الحدیث: ٣٤٣، سنن کبریٰ للبیہقی ج ٩ ص ١٥٧، سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ٢٣١١)

یہ آیت آخری بیعت عقبہ کے موقع پر بعثت نبوی کے تیرہویں سال میں نازل ہوئی تھی، اس موقع پر مدینہ سے آئے ہوئے ستر آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن کعب قرظی وغیرہ نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ اپنے رب کے لیے اور اپنی ذات کے لیے جو چاہیں شرط لگالیں۔ آپ نے فرمایا: میں اپنے رب کے لیے شرط لگاتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ' اور میں اپنے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری حفاظت اس طرح کرو گے جس طرح تم اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔ انہوں نے کہا جب ہم یہ کرلیں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: جنت! انہوں نے کہا یہ نفع والی بیع ہے' ہم اس کو خود فسخ کریں گے نہ اس کے فسخ کرنے کو پسند کریں گے۔

(جامع البیان جز ۱۱ص ۴۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حسن بصری نے کہا روئے زمین پر جو مومن بھی ہے وہ اس بیع میں داخل ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۸۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

تورات اور انجیل میں اللہ کے عہد کا ذکر

اس آیت میں مذکور ہے کہ یہ وعدہ برحق ہے تورات' انجیل اور قرآن میں۔

موجودہ تورات اور انجیل میں اس وعدہ کی تصریح نہیں ہے' مفتی محمد عبدہ نے لکھا ہے اس وعدہ کی صحت موجودہ تورات اور انجیل پر نہیں ہے' کیونکہ تورات اور انجیل کا کافی حصہ ضائع ہو چکا ہے اور اس میں تحریفات بھی ہو چکی ہیں' بلکہ اس کے اثبات کے لیے قرآن مجید کی تصریح کافی ہے۔ (المنار ج ۱۱ص ۴۹' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

تاہم تورات کی بعض آیات میں اس عہد کی طرف اشارے ملتے ہیں:

اس لیے جو فرمان اور آئین اور احکام میں آج کے دن تجھ کو بتاتا ہوں تو ان کو ماننا اور ان پر عمل کرنا ○ اور تمہارے ان حکموں کو سننے اور ماننے اور ان پر عمل کرنے کے سبب سے خداوند تیرا خدا بھی تیرے ساتھ اس عہد اور رحمت کو قائم رکھے گا' جن کی قسم اس نے تیرے باپ دادا سے کھائی ○ اور تجھ سے محبت رکھے گا اور تجھ کو برکت دے گا اور بڑھائے گا' الخ۔

(تورات: استثناء باب: ۷' آیت ۱۳-۱۱' ص ۱۷۳' مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

اسی طرح انجیل کی بعض آیات میں بھی اس عہد کی طرف اشارے ملتے ہیں:

اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا ○ (متی کی انجیل: باب: ۱۹' آیت: ۲۹' ص ۲۳' مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے سبب ستائے گئے کیونکہ آسمان کی بادشاہت ان ہی کی ہے ○

(متی کی انجیل: باب: ۵' آیت: ۱۰' ص ۷' مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

قرآن مجید کی اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جہاد کا حکم تمام شریعتوں میں موجود ہے اور ہر امت سے اس پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

جنت کے بدلہ میں جان و مال کی بیع کی تاکیدات

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہے! آیت کے اس جز میں مجاہدین کو جہاد کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ خوشی سے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کو خرچ کریں' پہلے اس نے یہ خبر دی کہ اس نے مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے' اور جنت ان کی ملکیت ہو چکی ہے' پھر فرمایا: اس کا یہ وعدہ آسمانی کتابوں میں مذکور ہے' پھر تیسری بار فرمایا: اس سے بڑھ کر کون سچا وعدہ کرنے والا ہے' کیونکہ کریم کے اخلاق سے یہ ہے کہ وہ وعدہ کر

کے اس کو ضرور پورا کرتا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی کریم نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مزید خوش کرنے کے لیے فرمایا: پس تم اپنی اس بیع کے ساتھ خوش ہو جاؤ کیونکہ تم نے اس بیع سے ایسا نفع حاصل کیا ہے جو کسی شخص کے ساتھ بیع کر کے نہیں حاصل کر سکتے، پھر فرمایا: یہی بہت بڑی کامیابی ہے یعنی اللہ کا تمہارے ساتھ یہ بیع کرنا تمہاری بہت بڑی کامیابی ہے یا یہ جنت بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس بیع کے بعد معصیت کا بہت سنگین ہونا

اس بیع کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی جانوں اور مالوں کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیا، اللہ تعالیٰ کا اس کو بیع اور شراء قرار دینا بھی مجاز ہے اور اس کا بہت کرم اور احسان ہے کیونکہ ہماری جانوں اور ہمارے مالوں کا تو وہی مالک ہے اور جنت کا بھی وہی مالک ہے تو پھر حقیقت میں وہی مشتری ہے اور وہی بائع ہے، یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے ہماری جانوں اور ہمارے مالوں کو ہماری ملکیت قرار دیا پھر اس جان و مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔ بایں طور کہ ہم اس جان و مال کو اللہ کے احکام کے مطابق اور اس کی راہ میں خرچ کریں، اگر وہ ہماری جان و مال کو نہ خریدتا پھر بھی ہم کلیتًا اس کے مملوک تھے اور ہم پر لازم تھا کہ ہم اس کی اطاعت کرتے، اس کی راہ میں قتال اور جہاد کرتے اور نہ صرف جہاد بلکہ ہم زندگی میں ہر کام اس کے حکم کے مطابق کرتے اور پھر جب اس نے انتہائی کرم یہ کیا کہ اس نے ہماری جان و مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا تو اب کسی طور پر بھی یہ جائز نہیں کہ ہم اس کے حکم کے خلاف کوئی عمل کریں، اور اگر اس بیع کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کریں اور اس کی کھلی کھلی نافرمانی کریں تو کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم نے اس بیع کو قبول نہیں کیا بلکہ ہم نے اس بیع کو عملاً مسترد کر دیا ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہی لوگ ہیں) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزے رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے اور آپ ایمان والوں کو خوش خبری سنا دیں ○ (التوبہ: ١١٢)

التائبون کا معنی

توبہ کا معنی ہے: رجوع، اور تائب کا معنی ہے: جو معصیت کی حالت مذمومہ سے اطاعت کی حالت محمودہ کی طرف رجوع کرے۔ توبہ کے چار ارکان ہیں:

(١) معصیت کے صدور سے نادم ہو اور معصیت کے صدور سے اس کا دل جل رہا ہو اور وہ اپنے آپ سے متنفر ہو۔

(٢) آئندہ اس معصیت کو نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔

(٣) اس معصیت کی تلافی اور تدارک کرے مثلاً جو نماز رہ گئی تھی اس کی قضا کرے، جس کی رقم دبالی تھی اس کو واپس کرے، جس کی غیبت کی تھی اس کے حق میں دعا کرے۔

(٤) ان تین کاموں کا محرک محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم پر عمل کرنا ہو اور اگر اس کی غرض لوگوں کی مذمت کرنا ہو یا لوگوں کی تعریف اور تحسین حاصل کرنا ہو یا اور کوئی غرض ہو تو وہ التائبین میں سے نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ابن آدم خطاکار ہے، اور خطاکاروں میں اچھے وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٩٩، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٥١، مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٣ ص ١٨٧، مسند احمد ج ٣ ص ١٩٨، سنن دارمی رقم الحدیث: ٢٧٣٠، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ٢٩٢٢، المستدرک ج ٤ ص ٢٤٤)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک غرغرۂ موت کا وقت نہ آئے اللہ بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۳ مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۳ '۱۳۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۰۹ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۸ حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۹۰ المستدرک ج ۴ ص ۲۵۷ شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۰۶۳ شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۳۰۶ الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۵۹۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۰ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۴ حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۱۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۱۴۹ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۰۰ الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۹۷ اتحاف ج ۸ ص ۵۰۳ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۳۶۳)

العابدون کا معنی

عبادت کا معنی ہے غایت تذلل کا اظہار کرنا' جو لوگ اللہ کے سامنے انتہائی عجز اور ذلت کا اظہار کریں وہ عابدین ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۵) جو لوگ اخلاص کے ساتھ اللہ وحدہ کے احکام پر عمل کریں اور اس عمل پر حریص ہوں وہ عابدین ہیں۔ (کشاف ج ۲ ص ۲۹۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو لوگ اللہ کی عبادت کو اپنے اوپر واجب سمجھتے ہوں وہ عابدین ہیں۔ متکلمین نے کہا عبادت کا معنی ہے ایسا کام کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا اظہار ہو اور وہ انتہائی تعظیم ہو' سو ایسے کام کرنے والے عابدین ہیں۔ حسن بصری نے کہا عابدین وہ ہیں جو راحت اور تکلیف میں اللہ کی عبادت کریں۔ قتادہ نے کہا جو دن رات اللہ کی عبادت کریں وہ عابدین ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۵۳)

قرآن مجید میں ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ (الحجر: ۹۹)

اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے حتیٰ کہ آپ کے پاس پیغام اجل آجائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کی بہترین زندگی کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص گھوڑے کی لگام پکڑ کر اللہ کی راہ میں نکل جائے' وہ اس کی پشت پر اڑا جا رہا ہو' جس طرف دشمن کی آہٹ یا خوف محسوس کرے اسی طرف گھوڑے کا رخ کر دے اور قتل یا موت کی تلاش میں نکل جائے' یا اس آدمی کی زندگی بہتر ہے جو چند بکریاں لے کر پہاڑ کی کسی چوٹی یا کسی وادی میں نکل جائے' وہاں نماز پڑھے' زکوٰۃ ادا کرے اور اللہ کی عبادت کرتا رہے حتیٰ کہ اس کو موت آجائے اور لوگوں کے کسی معاملہ میں بھلائی کے سوا دخل نہ دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۷)

قرآن مجید اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عابدین وہ ہیں جو تادم مرگ عبادت کرتے رہیں۔

الحامدون کا معنی

حمد کے معنی ہیں صفات کمالیہ کا اظہار اور حسن و خوبی کا بیان کرنا' اور اگر حمد نعمت کے مقابلہ میں کی جائے تو وہ شکر ہے اور شکر کا معنی ہے نعمت کی بنا پر منعم کی تعظیم کرنا' اور منعم نے جس مقصد کے لیے نعمت دی ہے اس مقصد میں اس نعمت کو صرف کرنا' پس حمادون وہ لوگ ہیں جو اللہ کی قضا پر راضی رہتے ہیں اور اس کی نعمت کو اس کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں

اور ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ہر ذی شان کام جس کی ابتداء الحمدللہ سے نہیں کی گئی وہ ناتمام رہتا ہے۔
(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۷۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل الذکر لا الہ الا اللہ ہے' اور افضل الدعاء الحمدللہ ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۷۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے جنت میں ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو راحت اور تکلیف میں اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۷۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! تو نے مجھے جو علم عطا کیا ہے اس سے مجھے نفع عطا فرما' اور مجھے نفع آور علم عطا فرما' اور میرے علم کو زیادہ فرما' ہر حال میں اللہ کی حمد ہے' اور اے میرے رب! میں دوزخ کے حال سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۷۶)

السائحون کا معنی

الساحۃ کا معنی ہے وسیع جگہ' ساحۃ الدار کا معنی ہے مکان کا صحن' السائح: مسلسل جاری رہنے والے پانی کو کہتے ہیں' سائح اور سیاح کا معنی ہے زمین میں سفر کرنے والا' السائحون (التوبہ: ۱۱۲) کا معنی ہے روزہ رکھنے والے۔ روزہ کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور حکمی۔ حقیقی روزہ یہ ہے کہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور عمل ازدواج کو ترک کر دیا جائے' اور حکمی روزہ یہ ہے کہ تمام اعضاء اللہ کی معصیت کو ترک کر دیں اور اس آیت میں السائحون سے یہی معنی مراد ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۲۴)

عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے السائحون کے متعلق دریافت کیا گیا' آپ نے فرمایا: وہ روزہ دار ہیں۔

امام ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم' سعید بن جبیر' مجاہد' حسن بصری' ضحاک اور عطاء سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے بلکہ حضرت ابن عباس سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی السیاحت کا ذکر آیا ہے اس سے مراد روزہ دار ہیں۔
(جامع البیان جز ۱۱ ص ۵۳-۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے سیاحت کی اجازت دیجئے! آپ نے فرمایا: میری امت کی سیاحت اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۴۸۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۷۶۰' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۵۲۲' المستدرک ج ۲ ص ۷۳)

الراکعون الساجدون کا معنی

رکوع اور سجدہ سے مراد نمازوں کا قائم کرنا ہے' نماز کی اشکال میں قیام' قعود' رکوع اور سجود ہیں' یہاں پر باقی شکلوں میں سے صرف رکوع اور سجود کا ذکر فرمایا ہے' کیونکہ کھڑے ہونا اور بیٹھنا یہ وہ حالتیں ہیں جو نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں' انسان عادتاً اپنے معمولات میں کھڑا ہوتا ہے اور بیٹھتا ہے' اس کے برخلاف رکوع اور سجود کی حالت نماز کے ساتھ مخصوص ہے' لہٰذا جب رکوع اور سجدہ کا ذکر کیا جائے گا تو ذہن صرف نماز کی طرف منتقل ہو گا۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے

ہونا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں تواضع اور تذلل کا پہلا مرتبہ ہے اور تواضع اور تذلل کا متوسط درجہ رکوع میں ہے اور غایت تواضع اور تذلل سجدہ میں ہے' پس رکوع اور سجدہ کا بالخصوص اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہ غایت عبودیت پر دلالت کرتے ہیں تاکہ اس پر تنبیہہ ہو کہ نماز سے مقصود انتہائی خضوع اور تعظیم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے وقت پر نماز پڑھی' پورا وضو کیا اور مکمل رکوع' سجود اور خشوع کیا تو وہ نماز سفید روشن صورت میں پیش ہوتی ہے اور کہتی ہے اللہ تیری حفاظت کرے' جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے۔

(المعجم الاوسط' رقم الحدیث:٣١١٩' الترغیب والترہیب ج١ص ٢٥٨' المغنی عن حمل الاسفار علی الاحیاء ج١ص ١٤٢)

معدان بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: مجھے ایسا عمل بتلایئے جس کو کرنے کے بعد میں جنت میں داخل ہو جاؤں' وہ خاموش رہے' جب دو تین بار یہ سوال کیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا' آپ نے فرمایا: تم بکثرت اللہ کے لیے سجدے کیا کرو کیونکہ جب تم اللہ کے لیے ایک سجدہ کرتے ہو تو اللہ اس کی وجہ سے تمہارا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور تمہارا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:٤٨٨' سنن الترمذی رقم الحدیث:٣٨٩' ٣٨١' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:١٤٢٣' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:٣١٦' مسند احمد ج٢ص ٥١' سنن کبریٰ للبیہقی ج٢ص ٤٥٨' شرح السنہ رقم الحدیث:٣٨٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے' سو تم (سجدہ میں) بکثرت دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:٤٨٢' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٨٧٥' سنن النسائی رقم الحدیث:١١٣٧)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے عمداً نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

(تلخیص الحبیر ج١ص ١٤٧' اتحاف السادۃ المتقین ج٣ص ١٠' کنز العمال رقم الحدیث:٥٠٠٨' الترغیب والترہیب ج١ص ٣٨٢)

یہ حدیث اس پر محمول ہے جب کوئی شخص نماز کے ترک کو جائز سمجھے یا معمولی سمجھے یا اس کی فرضیت کا انکار کرے۔

الآمرون بالمعروف والناهون عن المنكر کا معنی

ابو العالیہ نے کہا کہ قرآن مجید میں جہاں بھی امر بالمعروف کا ذکر ہے' اس سے مراد اسلام کی طرف دعوت دینا ہے اور جہاں بھی نہی عن المنکر کا ذکر ہے اس سے مراد بتوں کی عبادت سے منع کرنا ہے۔ امام ابن جریر نے کہا: امر بالمعروف سے مراد ہر اس نیک کام کا حکم دینا ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے اور نہی عن المنکر سے مراد ہر اس برائی سے روکنا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے۔ (جامع البیان جز١١ص ٥٥' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ظالم حاکم کے سامنے انصاف کا کلمہ کہنا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٤٣٤٤' سنن الترمذی رقم الحدیث:٢١٧٤' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤٠١١' مسند احمد ج٥ص ٢٥٦' شعب الایمان رقم الحدیث:٧٥٨٢- اس حدیث کی تمام سندیں صحیح ہیں)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کا خوف تمہیں اس حق

بات کو کہنے سے منع نہ کرے جس کا تمہیں علم ہو۔ امام بیہقی کی روایت میں ہے کیونکہ کوئی شخص تمہاری موت کو مقدم کر سکتا ہے نہ تمہیں رزق سے محروم کر سکتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۱۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۰۰۷، مسند احمد ج ۳ ص ۵، شعب الایمان رقم الحدیث:۷۵۸۰)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے روکتے رہنا ورنہ عنقریب تم پر عذاب بھیجا جائے گا پھر تم دُعا کرو گے اور تمہاری دُعا قبول نہیں ہوگی۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۷۵۵۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۹۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نیکی کا اس وقت تک حکم نہ دیں جب تک اس پر عمل نہ کرلیں! اور کسی برائی سے نہ روکیں حتیٰ کہ تمام برائیوں سے اجتناب نہ کرلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ نیکی کا حکم دیتے رہو، خواہ تم اس نیکی پر عمل نہ کرو اور برائی سے منع کرتے رہو خواہ تم تمام برائیوں سے اجتناب نہ کرو۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث:۹۸۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث:۶۶۲۴، شعب الایمان رقم الحدیث:۷۵۷۰، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۷)

الحافظون لحدود اللہ کا معنی

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جن احکام کا مکلف کیا ہے وہ بہت زیادہ ہیں، ان کو دو قسموں میں منضبط کیا جا سکتا ہے: عبادات اور معاملات۔ عبادات جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ اور معاملات جیسے خرید و فروخت، نکاح، طلاق وغیرہ اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے: قتل، زنا، چوری، ڈاکہ، شراب نوشی اور جھوٹ وغیرہ، یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں۔ جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کو مکمل طریقہ سے ادا کرنا اور جن سے منع کیا ہے ان سے باز رہنا یہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے آٹھ امور کو تفصیلاً بیان فرمایا اور نواں اور آخری امر یعنی حدود اللہ کی حفاظت ان سب امور کو جامع ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں، جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص مشتبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کرلیا، اور جو شخص شبہات کا مرتکب ہو گیا اس کی مثال اس چرواہے کی طرح ہے جو شاہی چراگاہ کے گرد اپنے جانوروں کو چراتا ہے، قریب ہے کہ وہ جانور اس چراگاہ میں بھی منہ ماریں، سنو! ہر بادشاہ کی ایک مخصوص چراگاہ ہوتی ہے، اللہ کی مخصوص چراگاہ زمین پر اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں، سنو! جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو تو پورا جسم خراب ہوتا ہے۔ سنو وہ دل ہے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۲، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۵۹۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۳۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۲۰۵، سنن النسائی رقم الحدیث:۴۴۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۸۴، مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۹، سنن دارمی رقم الحدیث:۲۵۳۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۷۲۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث:۲۲۸۵، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۷۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں، جب کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ (مشرکین) دوزخی ہیں O (التوبہ: ۱۱۳)

ابوطالب کا مرتے وقت کلمہ نہ پڑھنا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زندہ کافروں اور منافقوں سے ترک تعلق اور محبت نہ رکھنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردہ کافروں سے بھی اظہار براءت کرنے کا حکم دیا ہے' اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسا کہ اس صحیح حدیث سے واضح ہوتا ہے:

سعید بن مسیب اپنے والد مسیب بن حزن سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوطالب پر موت کا وقت آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت اس کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے چچا! لا الہ الا اللہ کہیے' میں اس کلمہ کی وجہ سے اللہ کے پاس آپ کی سفارش کروں گا تو ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کرتے ہو؟ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک مجھے منع نہ کیا جائے میں تمہارے لیے استغفار کرتا رہوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین۔ الآیہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۳۵' مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۳' اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۵۳۰' سیرت ابن اسحٰق ج ۱ ص ۲۳۸-۲۳۷)

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ابوطالب کی موت ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی ہے اور سورۃ التوبہ ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ میں آخر میں نازل ہوئیں' امام واحدی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سے استغفار کرتے رہے ہوں حتیٰ کہ مدینہ میں اس سورت کے نازل ہونے تک استغفار کرتے رہے ہوں' اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے استغفار ترک کر دیا۔ اس جواب کو اکثر اجلہ علماء نے پسند کیا ہے' امام رازی اور علامہ آلوسی اور علامہ ابوحفص دمشقی وغیرہم ان میں شامل ہیں۔ علامہ آلوسی نے ایک اور جواب یہ ذکر کیا ہے کہ سورہ توبہ کے مدنی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کی اکثر اور غالب آیات مدنی ہیں' اس لیے اگر یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہو تو وہ سورہ توبہ کے مدنی ہونے کے منافی نہیں ہے۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ ابوطالب نے تادم مرگ کلمہ نہیں پڑھا اور اسلام کو قبول نہیں کیا۔

ابوطالب کے ایمان کے متعلق ایک روایت کا جواب

امام ابن اسحٰق نے اپنی سند کے ساتھ حسب ذیل روایت بیان کی ہے' اس سے شیعہ ابوطالب کا ایمان ثابت کرتے ہیں:

از عباس بن عبداللہ بن معبد از بعض اہل خود از ابن اسحٰق' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کی بیماری کے ایام میں اس کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا: اے چچا! لا الہ الا اللہ پڑھیے' میں اس کی وجہ سے قیامت کے دن آپ کی شفاعت کروں گا۔ ابوطالب نے کہا اے بھتیجے! اگر مجھے یہ خوف نہ ہو تا کہ میرے بعد تمہیں اور تمہارے اہل بیت کو یہ طعنہ دیا جائے گا کہ میں نے موت کی تکلیف سے گھبرا کر یہ کلمہ پڑھا ہے تو میں یہ کلمہ پڑھ لیتا اور میں صرف تمہاری خوشنودی کے لیے یہ کلمہ پڑھتا' جب ابوطالب کی طبیعت زیادہ بگڑی تو اس کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے گئے' عباس نے ان کا کلام سننے کے لیے اپنے کان ان کے ہونٹوں سے لگائے' پھر عباس نے اپنا سر اوپر اٹھا کر کہا یارسول اللہ! بے شک اللہ کی قسم! اس نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے جس کا آپ نے ان سے سوال کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نہیں سنا۔

(سیرت ابن اسحٰق ج ۱ ص ۲۳۸' مطبوعہ دار الفکر)

یہ روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، نیز یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ امام ابن اسحٰق نے اس کو ایک مجہول شخص سے روایت کیا ہے، ثانیاً جس وقت کی یہ روایت ہے اس وقت حضرت عباس اسلام نہیں لائے تھے، پھر ان کا یارسول اللہ کہنا کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ ثالثاً یہ کہ اس روایت میں خود تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نہیں سنا، رابعاً یہ روایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت کے خلاف ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ امام بیہقی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس روایت کی سند منقطع ہے اور حضرت عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوطالب کی عاقبت کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ابوطالب کو کیا نفع پہنچایا، وہ آپ کی موافقت کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں! وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا، اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳، ۶۲۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹) اور یہ ضعیف روایت اس صحیح حدیث سے تصادم کی قوت نہیں رکھتی۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۴۶)

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ایمان پر اعتراض کا جواب

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت کے شان نزول میں امام واحدی متوفی ۴۶۸ھ نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں گئے، ہم بھی آپ کے ساتھ گئے۔ آپ نے ہمیں بیٹھنے کا حکم دیا، ہم بیٹھ گئے۔ پھر آپ چند قبروں سے گزر کر ایک قبر کے پاس گئے اور بڑی دیر تک مناجات کرتے رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے اور آپ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی رونے لگے، پھر آپ ہماری طرف آئے، حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو کس چیز نے رلایا تھا؟ ہم بھی گھبرا کر رونے لگے تھے۔ پھر آپ ہمارے پاس آکر بیٹھ گئے اور فرمایا: میرے رونے کی وجہ سے تم گھبرا گئے تھے؟ ہم نے عرض کیا ہاں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم نے جس قبر کے پاس مجھے مناجات کرتے دیکھا تھا وہ (حضرت) آمنہ بنت وہب کی قبر تھی، میں نے اپنے رب سے ان کی (قبر کی) زیارت کی اجازت طلب کی تھی سو مجھے اس کی اجازت دی گئی، پھر میں نے ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی اور یہ آیت نازل ہوئی: نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں الآیہ۔ (التوبہ: ۱۱۳) پس بیٹے کے دل میں اپنی ماں کی وجہ سے جو رقت ہوتی ہے وہ میرے دل میں اپنی ماں کی وجہ سے طاری ہوئی، اس وجہ سے میں رونے لگا۔

(اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۵۳۲، المستدرک ج ۲ ص ۳۳۶)

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ معاذ اللہ مشرکہ تھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق صحیح حدیث وہی ہے جس کو ہم نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے پہلے ذکر کیا ہے اور رہی یہ روایت تو اس کی سند ضعیف ہے، اس کی سند میں ابن جریج مدلس ہے اور ایوب بن ہانی ضعیف۔ امام ذہبی نے بھی اس پر تعقب کیا ہے اور کہا ہے کہ ایوب بن ہانی ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے کہ ابن معین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷۷)

حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کرنے کے متعلق صحیح حدیث یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، پھر آپ روئے اور جو لوگ آپ کے گرد تھے وہ بھی روئے، پھر آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو میرے رب نے مجھے اجازت دے دی، پھر میں نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں دی، پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو، یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۷۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۶۹، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۴۳، مطبوعہ کراچی، المستدرک ج ۱ ص ۳۷۵)

اس صحیح حدیث میں آپ کو حضرت سیدہ آمنہ کی قبر پر کھڑے ہونے کی اجازت دی ہے، اگر حضرت آمنہ مشرکہ ہوتیں تو یہ اجازت نہ دی جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ولا تقم علی قبرہ۔ (التوبہ: ۸۴) آپ ان کی قبر پر کھڑے نہ ہوں، رہا یہ کہ آپ کو حضرت آمنہ کے لیے استغفار کی اجازت نہیں دی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر معصوم کے لیے استغفار کرنا موہم معصیت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ آپ کی والدہ کے لیے استغفار کیا جائے جس کی وجہ سے لوگوں کو یہ وہم ہو کہ آپ کی والدہ نے غلط اور ناجائز کام کیے تھے جس کی وجہ سے آپ کے لیے مغفرت طلب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کی توجیہات

ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کافر زندہ ہوں یا مردہ، ان سے محبت اور دوستی نہیں رکھنی چاہیے اور نہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنی چاہیے، حالانکہ حدیث صحیح میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنے کا نچلا دانت شہید ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے سے خون کو پونچھتے ہوئے فرما رہے تھے: اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۲۹، مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۱، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۷، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۱۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۸۸۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے دن جب مشرکین چلے گئے تو خواتین مردوں کی معاونت کے لیے گئیں، ان میں حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، انہوں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ سے لپٹ گئیں اور پانی سے آپ کے زخم دھونے لگیں، لیکن خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخم پر رکھی تو خون رک گیا، اس حدیث کے آخر میں ہے اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس قوم پر اللہ کا بہت زیادہ غضب ہو گا جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا، پھر تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا: اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ یہ نہیں جانتے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۷۳)

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۶۹۴، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۷، مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۳، شیخ احمد محمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۴۳۳۱، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود یہ دعا نہیں کی' بلکہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی (حضرت نوح علیہ السلام) کی دعا کی حکایت کی ہے' اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گویا اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا' آپ انبیاء سابقین میں سے اس نبی کی حکایت کر رہے تھے جس کو اس کی قوم نے ضرب لگائی تھی' آپ اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے فرما رہے تھے: اے میرے رب! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ یہ نہیں جانتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۵' مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۱۰۷' مطبوعہ قاہرہ)

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ مردہ مشرکین کے لیے استغفار کرنا ممنوع ہے اور زندہ مشرکین کے لیے استغفار کرنا جائز ہے' کیونکہ ان کا ایمان لانا متوقع ہے' اس لیے ان کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے اور ان کی تالیف قلب کے لیے ان سے اچھے اور نیک کلمات اور دعائیہ الفاظ کہنا جائز ہے۔

زندہ کافروں کے لیے مغفرت اور ہدایت کی دعا کا جواز

علامہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے کہ اگر انسان اپنے کافر ماں باپ کے لیے دعا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' اور جب تک وہ زندہ ہوں ان کے لیے استغفار کرتا رہے' البتہ جو شخص مر گیا تو اس کے اسلام لانے کی امید نہیں رہی سو اس کے لیے دعا نہیں کی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسلمان اپنے مردوں کے لیے استغفار کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد انہوں نے اپنے مردوں کے لیے استغفار کرنا چھوڑ دیا اور ان کو زندہ مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے نہیں منع کیا گیا حتی کہ وہ مر جائیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۴۷۲)

(الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۱۹۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

زندہ مشرکین کے لیے دعا کرنے کے جواز میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ طفیل اور ان کے اصحاب نے آکر کہا: یا رسول اللہ! دوس نے کفر کیا اور اسلام لانے سے انکار کیا' ان کے خلاف اللہ سے دعا کیجئے۔ پس کہا گیا اب دوس ہلاک ہو گئے' آپ نے فرمایا: اے اللہ! دوس کو ہدایت دے' اور ان کو (یہاں) لے آ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲۴' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۳' دلائل النبوة ج ۱ ص ۷۹' الطبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۱۹' تہذیب تاریخ دمشق ج ۷ ص ۶۵' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۰۵۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! ثقیف کے تیروں نے ہمیں جلا ڈالا ہے' ان کے خلاف اللہ سے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۴۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۲۰۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۳' الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۳۱۲' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۹۸۶' الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۰۰۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! اسلام کو عزت دے ابو جہل بن ہشام سے یا عمر بن الخطاب سے' پھر اگلی صبح کو حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۳، مسند احمد ج ۲ ص ۹۵، الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۴۴۸، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۸۸۵، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۰۴۵، المستدرک ج ۳ ص ۵۰۲، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۳۶۱، الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱)

ان دلائل کی بناء پر اگر کسی غیر مسلم کو کسی موقع پر سلام کرنا پڑے یا اس کے سلام کا جواب دینا پڑے تو اس کے لیے طلب ہدایت کی نیت سے سلام کیا جا سکتا ہے یا سلام کا جواب دیا جا سکتا ہے، اس غیر مسلم کے دائیں بائیں جو فرشتے ہوتے ہیں ان فرشتوں کی نیت کر کے بھی اس کو سلام کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے ابراہیم سے کیا تھا، اور جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے، بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے ○ (التوبہ: ۱۱۴)

آزر کے لیے حضرت ابراہیم کے استغفار کی توجیہ

جب مسلمانوں کو مشرک رشتہ داروں کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے منع کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے عرفی باپ آزر کے لیے استغفار کیا تھا، اللہ سبحانہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ آزر کے لیے استغفار کرنا محض اس کے اسلام لانے کے وعدہ کی وجہ سے تھا اور جب ان پر یہ منکشف ہو گیا کہ وہ ایمان لانے والا نہیں ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے اور ان پر یہ انکشاف اللہ تعالیٰ کے وحی فرمانے کی وجہ سے ہوا تھا یا آزر کی کفر پر موت کی وجہ سے ہوا تھا۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے حتیٰ کہ وہ مر گیا، جب وہ مر گیا تو پھر آپ نے اس کے لیے دعا نہیں کی۔

اواہ کا معنی

حضرت عبداللہ بن شداد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اواہ کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈرنے والا اور گڑگڑا کر دعا کرنے والا، اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: اواہ کا معنی ہے بہت زیادہ توبہ کرنے والا، اور مجاہد نے کہا جو شخص تنہائی میں گناہ کرے اور پھر تنہائی میں اس گناہ سے توبہ کرے وہ اواہ ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۹۷-۱۸۹۶ ملخصاً، مکہ مکرمہ، جامع البیان جز ۱۱ ص ۷۰، بیروت)

قیامت کے دن آزر کی شفاعت کی توجیہ

اس آیت میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے عرفی باپ آزر سے بیزار ہو گئے تھے، حالانکہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ قیامت کے دن اس کے لیے شفاعت کریں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قیامت کے دن اپنے (عرفی) باپ آزر سے اس حال میں ملاقات ہو گی کہ آزر کا چہرہ سیاہ اور غبار آلود ہو گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے فرمائیں گے کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم میری نافرمانی نہ کرو، ان کے (عرفی) باپ کہیں گے میں آج تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا، پھر حضرت ابراہیم عرض کریں گے اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو حشر کے دن مجھے شرمندہ نہیں کرے گا اور اس سے بڑی کون سی شرمندگی ہو گی کہ میرا (عرفی) باپ (جنت سے) دور ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے، پھر کہا جائے گا اے ابراہیم! دیکھیں آپ کے پیروں کے نیچے کیا ہے۔ آپ دیکھیں گے تو آزر (مسخ

کر گندگی میں لتھڑا ہوا بجو ہو گا پھر اس کو پیروں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۳۵۰ سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۳۷۵ المستدرک ج ۲ ص ۳۳۸ کنزالعمال رقم الحدیث:۳۲۲۹۲ مشکوۃ رقم الحدیث:۵۵۳۸)

اللہ تعالیٰ مشرکین کی مغفرت نہیں فرمائے گا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس اصول سے لاعلم نہیں تھے پھر انہوں نے آزر کی شفاعت کیوں کی' نیز اس آیت میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر سے بیزار ہو گئے تھے پھر قیامت کے دن انہوں نے آزر کی شفاعت کیوں کی۔ اس کے جواب میں علماء نے بہت بحث کی ہے لیکن کوئی شافی جواب نہیں بن سکا اس اشکال کو دور کرنے کے لیے جو قریب ترین بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہوگی' اور ان کے لیے شفاعت کرنا جائز نہیں ہے' اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو کہا تھا اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا الخ' اس سے آزر کی شفاعت کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ اس سے آزر کے سامنے عذر پیش کرنا مقصود تھا' ان کا اللہ تعالیٰ سے یہ کلام محض صورتاً شفاعت تھا حقیقتاً شفاعت نہیں تھا' حقیقت میں آزر کے سامنے یہ عذر پیش کرنا تھا کہ میں نے تو تمہیں جنت میں داخل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا اور فرمایا: اللہ نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے۔ اس کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کے لیے نجات کی دعا کرنے سے بیزار ہو گئے تھے اور اس حدیث میں جس دعا کا ذکر ہے وہ نجات کے لیے نہیں تھی بلکہ تخفیف عذاب کے لیے تھی لیکن اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے' اللہ تعالیٰ کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کے لیے حصولِ جنت کی دعا کی تھی۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا

اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اس کو گمراہ کر دے حتیٰ کہ ان کے لیے یہ بیان کر دے کہ

يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ

انہیں کس چیز سے بچنا چاہیے بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ○ بے شک آسمانوں اور زمینوں کی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اللہ کے سوا تمہارا

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

کوئی مالک اور مددگار نہیں ہے ○ بے شک اللہ نے نبی پر فضل فرمایا اور ان مہاجرین اور

وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا

انصار پر جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی جب کہ اس کے بعد یہ قریب

كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ

تھا کہ ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی بے شک وہ ان پر

رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا

نہایت مہربان بہت رحم والا ہے ○ اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا،

ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ

حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں

وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ

اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر ان کی توبہ قبول فرمائی

لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١١٨﴾

تاکہ وہ توبہ پر قائم رہیں بے شک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے حتیٰ کہ ان کے لیے یہ بیان کر دے کہ انہیں کس چیز سے بچنا چاہیے، بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ○ (التوبہ: ۱۱۵)

اشیاء میں اصل اباحت ہے

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فوت شدہ مشرک قرابت داروں کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے منع فرما دیا تو انہوں نے یہ سوچا کہ اس ممانعت سے پہلے جو وہ ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے تھے کیا اس پر ان سے مواخذہ ہوگا اور جو مسلمان اس ممانعت سے پہلے فوت ہو گئے اور وہ اس طرح کی دعائیں کرتے رہے تھے آیا ان پر بھی گرفت ہوگی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم نازل کر دے اور پھر اس کے بعد اس کی خلاف ورزی کی جائے تو اللہ اس پر مواخذہ فرماتا ہے اور اس کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اس حکم کے نازل کرنے سے پہلے کیے ہوئے کاموں پر مواخذہ فرمائے، اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت سے پہلے مشرکین کے لیے دعائے مغفرت جائز تھی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے، اس کی کئی تفسیریں ہیں: (۱) اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کو جنت کا راستہ دکھانے کے بعد اس کو اس راستہ سے گمراہ کر دے۔ (۲) اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اس پر گمراہی کا حکم لگا دے۔ (۳) اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد ان کے دلوں میں گمراہی پیدا کر دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا

ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مالک اور مددگار نہیں ہے○ (التوبہ: ۱۱۶)

آیاتِ سابقہ سے ارتباط کی وجوہ

سابقہ آیات سے اس آیت کے ربط کی حسبِ ذیل وجوہات ہیں:

(۱) گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے زندہ اور مردہ کافروں سے برأت ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے، ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کو اس سے یہ خوف ہو کہ کافر انہیں کوئی نقصان پہنچائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ ہے اور جب وہ تمہارا حامی اور ناصر ہے تو پھر تمہیں کسی سے ڈرنا نہیں چاہیے۔

(۲) جب مسلمان اپنے مشرک قرابت داروں سے لاتعلق ہو گئے تو ان کو احساسِ محرومی ہوا کہ اب وہ کس سے تعلق رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ان سے محروم ہو گئے ہو تو کیا ہوا اللہ جو تمہارا مالک اور مددگار ہے، تم اس سے محبت اور تعلق رکھو۔

(۳) اللہ تعالیٰ جب تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے تو اے مسلمانو! وہ تمہارا بھی مالک ہے اور تم اس کے مملوک اور بندے ہو، سو اس کے تمام احکام پر عمل کرنا اس کی بندگی کا تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ نے نبی پر فضل فرمایا اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی جبکہ اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ٹل جائیں پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی بے شک وہ ان پر نہایت مہربان، بہت رحم والا ہے○ (التوبہ: ۱۱۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے توبہ قبول فرمانے کی توجیہات

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے نبی کی توبہ قبول فرمائی، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب منافقین نے جھوٹے بہانے پیش کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ تبوک میں نہ جانے کی اجازت لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے ان کو اجازت دے دی، اس کے متعلق اس سے پہلے یہ آیت آچکی ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے ان کو کیوں اجازت دے دی! (التوبہ: ۴۳)

اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ آپ ان کے ظاہر حال کا اعتبار نہ کریں اور ان کے پیش کردہ بہانوں کو مسترد کر دیں، اگر آپ کو پہلے منع فرمایا ہوتا اور پھر آپ اجازت دے دیتے تو پھر آپ کا یہ اجازت دینا مکروہ تنزیہی یا ترکِ اولیٰ یا ترکِ افضل ہوتا، بلکہ صحیح یہی ہے کہ آپ کو ظاہر حال پر عمل کرنے اور باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا حکم ہے۔

امام شافعی نے کتاب الام میں حضرت ام سلمہ کی روایت بیان کر کے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ وہ ظاہر پر حکم کرتے ہیں اور باطن کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور حافظ ابو طاہر نے ادارة الاحکام میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کندی اور حضرمی کے درمیان فیصلہ فرمایا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا آپ نے میرے خلاف فیصلہ کیا ہے حالانکہ حق میرا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں اور باطن اللہ کے سپرد ہے۔ (تحفة الطالب بہ معرفۃ احادیث مختصر ابن الحاجب ص ۱۴۵، مطبوعہ دار ابن حزم بیروت، ۱۴۱۶ھ)

سو یہی کہا جائے گا کہ آپ نے اپنے اجتہاد سے ان کو اجازت دی تھی بالفرض اگر یہ اجتہادی خطا بھی ہو تب بھی آپ اس پر ایک اجر کے مستحق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے اس نے نبی کی توبہ قبول فرمائی اس کا معنی آپ کے درجات کی بلندی

ہے، آپ اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے ہر روز توبہ اور استغفار کرتے تھے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ کی قسم! میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے توبہ اور استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۱، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۴۷، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۲۵)

حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر غین (غفلت) طاری ہو جاتی ہے اور میں اللہ سے ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ امام نسائی کی روایت میں ہے: میں ہر دن سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم الدعوات: ۴۱ (۲۷۰۲) ۶۷۳۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۴۴۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۵۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرو، کیونکہ میں ایک دن میں اس کی طرف سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ امام نسائی کی روایت میں ہے: میں ایک دن میں سو مرتبہ سے زیادہ اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم، الدعوات: ۴۲ (۲۷۰۲) ۶۷۳۰، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۴۴۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۵، ۸۹۰۸۱/۷)

قاضی عیاض نے کہا: غین سے مراد غفلت ہے، (یعنی لوگوں کو تبلیغ کرنے، کھانے پینے اور دیگر عوارضِ بشریہ لاحق ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف آپ کی توجہ نہ رہتی) اور آپ اس پر استغفار کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے دل پر طمانیت طاری ہو جاتی اور آپ اظہارِ عبودیت کے لیے استغفار کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے دل پر خشیت الٰہی کی کیفیت طاری ہوتی اور آپ استغفار کر کے اس کا شکر ادا کرتے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ استغفار معصیت کے وقوع کا تقاضا کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں، اس اشکال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) ابن بطال نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام تمام مخلوق سے زیادہ عبادت میں کوشش کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ کماحقہ عبادت نہیں کر سکتے اور اس تقصیر پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں۔

(۲) وہ کھانے پینے، وظیفہ زوجیت، نیند، راحت، لوگوں سے گفتگو، ان کی مصلحتوں میں غور و فکر، دشمنوں سے جنگ اور دیگر مباح کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی طرف رجوع اور مشاہدہ اور مراقبہ سے محجوب ہو جاتے ہیں اور اپنے بلند مقام کی وجہ سے اس کو ذنب خیال فرماتے ہیں اور اس پر استغفار فرماتے ہیں۔

(۳) وہ امت کی تعلیم کے لیے استغفار فرماتے ہیں یا امت کے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں۔

یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توبہ اور استغفار کرنے کا معنی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی توبہ قبول فرمائی اس کا معنی ہے اس نے آپ پر فضل و کرم فرمایا اور آپ کے درجات اور مراتب میں ترقی فرمائی، ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول کرنے کا محمل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

انسان اپنی طویل زندگی میں سہو، تسامح اور لغزشوں سے خالی نہیں ہوتا اور یہ امور صغائر کے باب سے ہوتے ہیں یا ترکِ افضل اور خلافِ اولیٰ سے، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے اس سفر میں بہت تکلیفیں، مشقتیں اور سختیاں اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کی یہ تکلیفیں اور سختیاں ان کی اس طویل زندگی کی تمام لغزشوں اور خلافِ اولیٰ کاموں کے لیے کفارہ بن گئیں اور یہ تکلیفیں ان کی اخلاص کے ساتھ توبہ کے قائم مقام ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے نبی کی توبہ قبول کی اور ان مہاجرین اور انصار کی جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سفر میں ان پر بہت سختیاں اور صعوبتیں آئیں تھیں اور مسلمانوں کے دلوں میں وسوسے آتے رہتے تھے اور جب بھی کسی کے دل میں کوئی وسوسہ آتا تو وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا اور اس وسوسہ کے ازالہ کے لیے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کرتا تو ان کی کثرتِ توبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ بعید نہیں ہے کہ اس سفر میں مسلمانوں سے کچھ گناہ ہوگئے ہوں، لیکن اس سفر کی صعوبتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ گناہ معاف فرمادیے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے نبی کی توبہ قبول کی اور ان مہاجرین اور انصار کی جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی، ہرچند کہ ان مہاجرین اور انصار کے گناہ معاف کیے تھے لیکن ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر دین میں ان کے عظیم مرتبہ پر متنبہ کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ اتنے عظیم درجہ پر فائز ہیں کہ قبولیت توبہ میں ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر کیا گیا۔

(تفسیر کبیر ج ٦ ص ١٦٢، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٥ھ)

غزوۂ تبوک کی تنگی اور سختی

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مہاجرین اور انصار نے تنگی کے وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی، اس تنگی کے وقت سے مراد غزوۂ تبوک ہے، کیونکہ اس سفر میں مسلمانوں پر بہت سختیاں اور صعوبتیں آئی تھیں۔ حضرت جابر نے کہا: اس سفر میں سواری کے لیے بھی مشکلات تھیں، پانی کے لیے بھی اور زادِ راہ کے لیے بھی۔ سواری کی مشکلات یہ تھیں کہ حسن نے کہا: دس مسلمان ایک اونٹ پر باری باری سواری کرتے تھے، اور زادِ راہ کی یہ مشکلات تھیں کہ بعض اوقات مسلمانوں کی ایک جماعت باری باری کھجور کی ایک گٹھلی چوستی تھی، ان کے پاس سڑے ہوئے جو تھے، وہ ناک پکڑ کر اس کا لقمہ کھاتے تھے اور پانی کی مشکلات یہ تھیں کہ حضرت عمر نے کہا: شدتِ پیاس کی وجہ سے ہم میں سے ایک شخص اپنے اونٹ کو ذبح کرکے اس کی اوجھڑی کو نچوڑ کر پیتا۔ (جامع البیان جز ١١ ص ٧٥، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٦ ص ١٨٩٩۔١٨٩٨، ملخصاً)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر (غزوۂ تبوک) میں تھے، قوم کا زادِ راہ ختم ہوگیا حتیٰ کہ بعض مسلمانوں نے اپنی سواریوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمر نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر آپ قوم کے باقی ماندہ زادِ راہ کو جمع کرلیں، پھر اللہ سے اس پر (برکت کی) دعا کریں۔ آپ نے ایسا ہی کیا، پھر کوئی گندم والا گندم لے کر آیا، اور کھجور والا کھجور لے کر آیا۔ مجاہد نے کہا: اور گٹھلی والا گٹھلی لے کر آیا۔ راوی کہتے ہیں میں نے مجاہد سے پوچھا: وہ گٹھلیوں کے ساتھ کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: وہ گٹھلی چوس کر اوپر سے پانی پی لیا کرتے تھے۔ آپ نے دعا کی حتیٰ کہ قوم کے تمام زادِ راہ پر ہوگئے، اس وقت آپ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، جو شخص بھی بغیر کسی شک کے ان شہادتوں کے ساتھ اللہ سے ملاقات کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(صحیح مسلم، الایمان: ٤٤ (٢٧) ١٣٧، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٥ ص ٢٢٩، مسند احمد رقم الحدیث: ١٠٨٠، البدایہ والنہایہ ج ٣

ص ۶۰۳، طبع جدید دار الفکر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ ہمیں تنگی کے وقت کے لشکر کے متعلق کچھ بتایئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم سخت گرمیوں میں تبوک کی طرف گئے، ہم ایک ایسی جگہ ٹھہرے جہاں ہمیں سخت پیاس لگی، حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ ہماری گردنیں ٹوٹ جائیں گی، یہاں تک کہ ایک شخص دوسرے شخص کے پاس پانی طلب کرنے جاتا تو اس حال میں واپس آتا کہ اس کی گردن ڈھلکی ہوئی ہوتی، حتیٰ کہ ایک شخص اپنے اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھڑی کو نچوڑ کر پیتا، اور باقی ماندہ کو اپنے جگر پر ڈال لیتا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے۔ آپ نے پوچھا: کیا تم یہ چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! پس آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، ابھی آپ نے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ آسمان سے پانی برسنے لگا، حتیٰ کہ تمام اہلِ لشکر نے اپنے برتن بھر لیے۔

(دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۹۵-۱۹۴، مسند البزار رقم الحدیث: ۱۸۴۱، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۵-۱۹۴، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲۶-۱۲۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا بار بار توبہ قبول فرمانا

اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اللہ نے نبی کی توبہ قبول کی اور مہاجرین اور انصار کی، اور اس آیت کے آخر میں پھر فرمایا...... پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی، اور یہ بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے گناہ کا ذکر کیے بغیر ان کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا، تاکہ ان کے دل خوش ہوں، پھر فرمایا: انہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی، اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں، یعنی غزوۂ تبوک کی سختیوں اور صعوبتوں کو دیکھ کر بعض مسلمان گھبرا گئے تھے اور ان کے دلوں میں وسوسے آنے لگے تھے، اور یہ وسوسہ گناہ کے قائم مقام تھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا، گویا پہلے گناہ کا ذکر کیے بغیر توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا اور دوبارہ گناہ کا ذکر کر کے توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا اور اس سے محض ان کی عظمت اور شان بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار توبہ قبول فرماتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ایک بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے اللہ! میرے گناہ بخش دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت کرتا ہے، وہ بندہ دوبارہ گناہ کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اے میرے رب! میرے گناہ کو بخش دے، پس اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے، وہ بندہ پھر تیسری بار گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رب! میرے گناہ کو بخش دے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے، تو جو چاہے کر میں نے تجھ کو بخش دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۸، مسند احمد ج ۲ ص ۴۹۲، ۴۰۲، اتحاف ج ۵ ص ۵۹)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تک بندہ گناہ کر کے توبہ کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرتا رہے گا لیکن یہ واضح رہے کہ اس کی توبہ صحیح ہو بایں طور کہ وہ اپنے گناہ پر نادم ہو اور دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم صمیم کرے اور اس گناہ کی تلافی

اور تدارک بھی کرے اور اگر توبہ کرتے وقت اس کی یہ نیت ہو کہ میں دوبارہ پھر یہ گناہ کروں گا تو یہ ایسی توبہ ہے کہ یہ توبہ بھی گناہ ہے اور اس توبہ سے بھی اس پر توبہ کرنا لازم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثال ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو اور جو شخص گناہ سے استغفار کرے درآنحالیکہ وہ گناہ پر برقرار ہو وہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے رب سے مذاق کر رہا ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۱۷۸، الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۴۳۳)

ذوالنون نے کہا: گناہ کو جڑ سے اکھاڑے بغیر توبہ کرنا کذابین کی توبہ ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۱۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ موخر کر دیا گیا تھا، حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں، اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ توبہ پر قائم رہیں، بے شک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہےO (التوبہ: ۱۱۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تبوک کے غازیوں اور تین مخلفین کی توبہ کا باہمی فرق

اس آیت کا عطف پچھلی آیت پر ہے اور اس کا معنی اس طرح ہے: اللہ نے نبی کی توبہ قبول فرمائی اور ان مہاجرین اور انصار کی جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ موخر کر دیا گیا تھا، اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ ان کی توبہ کو نبی کی توبہ کے ساتھ ملا کر بیان کیا جائے تاکہ یہ ان کی تعظیم اور اجلال پر دلالت کرے اور اس عطف کا فائدہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ قبول ہونے اور مہاجرین اور انصار کی توبہ اور ان تین کی توبہ قبول ہونے کا ایک حکم ہو اور معطوف اور معطوف علیہ میں تغایر ہوتا ہے اور وہ یہاں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ بغیر کسی گناہ کے محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہے اور غزوۂ تبوک میں جانے والے مہاجرین اور انصار کی توبہ راستہ کی صعوبتوں کی وجہ سے وسوسوں کی بناء پر ہے اور ان تین کی توبہ بغیر عذر کے غزوۂ تبوک میں نہ جانے کی وجہ سے ہے۔ وہ تین صحابہ یہ ہیں: حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن الربیع۔ ان کے غزوۂ تبوک میں نہ جانے اور توبہ کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ قبول ہونے کی تفصیل

حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے کا واقعہ بیان کیا، حضرت کعب بن مالک نے کہا: میں غزوۂ تبوک کے علاوہ کبھی کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا، البتہ میں غزوۂ بدر میں بھی پیچھے رہ گیا تھا اور غزوۂ بدر میں پیچھے رہ جانے والوں میں سے کسی پر بھی آپ نے عتاب نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان، قریش کے قافلہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان اچانک مقابلہ کرا دیا، اور جب ہم نے اسلام کا عہد کیا تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عقبہ کی شب میں بھی حاضر ہوا تھا، ہرچند کہ مسلمانوں میں شرکاء بدر کی وقعت بہت زیادہ ہے لیکن میں شب عقبہ کی حاضری کے بدلہ میں اور کوئی فضیلت پسند نہیں کرتا۔ میرا واقعہ یہ ہے کہ جب میں غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گیا تھا، اس وقت میں جس قدر قوی اور خوش حال تھا اس سے پہلے کبھی اس قدر قوی اور خوشحال نہیں تھا، اس وقت جہاد کے لیے میرے پاس دو اونٹنیاں تھیں جو اس سے پہلے کبھی کسی جہاد کے وقت میرے پاس نہیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سخت گرمی میں جہاد کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ دُور دراز سفر کے لیے صحرا میں کثیر دشمنوں سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ نے مسلمانوں پر پورا معاملہ واضح کر دیا تھا تاکہ وہ دشمنوں سے جہاد کے لیے پوری تیاری کر لیں۔ آپ نے مسلمانوں کو اپنے ارادہ سے آگاہ کر دیا تھا' اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور کسی رجسٹر میں مسلمانوں کی تعداد کا اندراج نہیں تھا۔ حضرت کعب نے کہا: بہت کم کوئی ایسا شخص ہو گا جو اس غزوہ سے غائب ہونے کا ارادہ کرے اور اس کا یہ گمان ہو کہ بغیر اللہ کی وحی نازل کرنے کے آپ سے اس کا معاملہ مخفی رہے گا۔ جب درختوں پر پھل آ گئے تھے اور ان کے سائے گھنے ہو گئے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کا ارادہ کیا' میں اس وقت پھلوں اور درختوں میں مشغول تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان جہاد کی تیاری میں تھے' میں ہر صبح جہاد کی تیاری کا سوچتا اور واپس آ جاتا۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا اور سوچتا کہ میں جس وقت جانے کا ارادہ کروں گا جا سکوں گا' میں یہی سوچتا رہا حتیٰ کہ مسلمانوں نے سامانِ سفر باندھ لیا اور ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر روانہ ہو گئے۔ میں نے ابھی تیاری نہیں کی تھی' میں صبح کو پھر گیا اور لوٹ آیا اور میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا' میں یونہی سوچ بچار میں رہا حتیٰ کہ مجاہدین آگے بڑھ گئے' اور میں یہی سوچتا رہا کہ میں روانہ ہو کر ان کے ساتھ جا ملوں گا' کاش میں ایسا کر لیتا' لیکن یہ چیز میرے مقدر میں نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا کہ میں جن لوگوں کے درمیان چلتا تھا یہ صرف وہی لوگ تھے جو نفاق سے متہم تھے یا وہ ضعیف لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے جہاد سے معذور رکھا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہنچنے سے پہلے میرا ذکر نہیں کیا' جس وقت آپ تبوک میں صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: کعب بن مالک کو کیا ہوا؟ بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اس کو دو چادروں اور اپنے پہلوؤں کو دیکھنے نے روک لیا۔ حضرت معاذ بن جبل نے کہا: تم نے بُری بات کہی ہے! بخدا! یا رسول اللہ! ہم اس کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے' ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ آپ نے ایک سفید پوش شخص کو ریگستان سے آتے ہوئے دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو ابو خیثمہ ہو جا" تو وہ ابو خیثمہ انصاری ہو گیا۔ یہ وہی شخص تھے جنہوں نے ایک صاع (چار کلوگرام) چھوارے صدقہ کیے تھے تو منافقین نے انہیں طعنہ دیا تھا۔

حضرت کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آ رہے ہیں تو میری پریشانی پھر تازہ ہو گئی' میں جھوٹی باتیں بنانے کے لیے سوچنے لگا اور یہ سوچنے لگا کہ میں کل حضور کی ناراضگی سے کیسے بچوں گا' اور اپنے گھر کے اصحابِ رائے سے اس سلسلہ میں مشورہ لینے لگا' پھر جب مجھے یہ بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب تشریف لا رہے ہیں تو میرے ذہن سے وہ سب جھوٹے بہانے نکل گئے اور میں نے یہ جان لیا کہ میں کسی (جھوٹی) بات سے کبھی نجات نہیں پا سکوں گا' پھر میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ جب سفر سے آتے تھے تو پہلے مسجد میں جاتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے تھے' پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ جب حضور معمول کے مطابق فارغ ہو گئے تو جو لوگ غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے وہ آ آ کر عذر پیش کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ لوگ اسی سے زیادہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری اعتبار سے ان کے عذر کو قبول کر لیا تھا' آپ نے ان سے بیعت لی اور ان کے لیے استغفار کیا' اور ان کے باطنی معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا' حتیٰ کہ میں آیا۔ جب میں نے سلام کیا تو آپ مسکرائے جیسے کوئی ناراض شخص مسکراتا ہے۔ آپ نے فرمایا: آؤ! میں آ کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا: تمہارے نہ آنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! بخدا!

اگر میں آپ کے علاوہ کسی دنیادار کے پاس بیٹھا ہوتا تو مجھے معلوم ہے کہ میں کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا، کیونکہ مجھے کلام پر قدرت عطا کی گئی ہے، لیکن بخدا مجھے معلوم ہے کہ اگر میں نے آج آپ سے کوئی جھوٹی بات کہہ دی حتیٰ کہ آپ اس سے راضی ہو بھی گئے تو عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ سے سچی بات کہوں تو آپ مجھ سے ناراض ہوں گے اور بے شک مجھ کو سچ میں اللہ تعالیٰ سے حُسنِ عاقبت کی امید ہے، بخدا میرا کوئی عذر نہیں تھا، اور جس وقت میں آپ کے پیچھے رہ گیا تھا تو مجھ سے زیادہ خوش حال کوئی نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہرحال اس شخص نے سچ بولا ہے، تم یہاں سے اٹھ جاؤ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کر دے۔ میں وہاں سے اٹھا اور بنو سلمہ کے لوگ بھی اٹھ کر میرے پاس آئے، انہوں نے مجھ سے کہا بخدا ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہو، کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس قسم کا عذر پیش کرتے جس طرح دیگر نہ جانے والوں نے عذر پیش کیے تھے، تمہارے گناہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہارے لیے استغفار کرنا کافی تھا، بخدا وہ مجھ کو مسلسل ملامت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوبارہ جاؤں اور اپنے پہلے قول کی تکذیب کر دوں، پھر میں نے ان سے پوچھا: کیا کسی اور کو بھی میرے جیسا معاملہ پیش آیا ہے؟ انہوں نے کہا: دو اور شخصوں نے بھی تمہاری مثل کہا ہے، ان سے بھی حضور نے وہی فرمایا ہے جو تم سے فرمایا تھا۔ میں نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: وہ مرارہ بن ربیع عامری اور ہلال بن امیہ واقفی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے ان دو نیک شخصوں کا ذکر کیا جو غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے تھے، وہ میرے لیے نمونہ (آئیڈیل) تھے، جب ان لوگوں نے ان دو صاحبوں کا ذکر کیا تو میں اپنے پہلے خیال پر قائم رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے گفتگو کرنے سے منع فرما دیا، جو آپ سے پیچھے رہ گئے تھے، پھر مسلمانوں نے ہم سے اجتناب کر لیا اور ہمارے لیے اجنبی ہو گئے، حتیٰ کہ زمین بھی میرے لیے اجنبی ہو گئی۔ یہ وہ زمین نہیں تھی جس کو میں پہلے پہچانتا تھا، ہم لوگوں کو اسی حال پر پچاس راتیں گزر گئیں، میرے دو ساتھی تو خانہ نشین ہو گئے تھے، وہ اپنے گھروں میں ہی پڑے روتے رہتے تھے، لیکن ان کی بہ نسبت میں جوان اور طاقتور تھا، میں باہر نکلتا تھا، نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا، مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا اور نماز کے بعد جب آپ اپنی نشست پر بیٹھتے تو میں آپ کو سلام عرض کرتا۔ میں اپنے دل میں سوچتا کہ آیا حضور نے سلام کا جواب دینے کے لیے اپنے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا اور نظریں چرا کر آپ کو دیکھتا، سو جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو مجھ سے اعراض کرتے، حتیٰ کہ جب مسلمانوں کی بے رُخی زیادہ بڑھ گئی تو میں ایک روز اپنے عم زاد حضرت ابو قتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا، وہ مجھ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا، بخدا انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے ان سے کہا: ابو قتادہ! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں، وہ خاموش رہے۔ میں نے ان کو قسم دے کر سوال کیا، وہ پھر خاموش رہے۔ میں نے پھر ان کو قسم دی تو انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ علم ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، میں نے دیوار پھاندی اور واپس آ گیا۔

ایک دن میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا، تو اہلِ شام کا ایک شخص مدینہ میں غلہ بیچنے کے لیے آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی ہے جو مجھے کعب بن مالک سے ملا دے۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا، میں چونکہ پڑھا لکھا تھا اس لیے میں نے اس کو پڑھا، اس میں لکھا تھا: "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر

ظلم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلت اور رسوائی کی جگہ میں رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا، تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری دلجوئی کریں گے۔" میں نے جب یہ خط پڑھا تو میں نے کہا یہ بھی میرے لیے ایک آزمائش ہے، میں نے اس خط کو تنور میں پھینک کر جلا دیا حتیٰ کہ جب پچاس میں سے چالیس دن گزر گئے اور وحی رکی رہی تو ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قاصد میرے پاس آیا، اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا: آیا میں اس کو طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ تم اس سے علیحدہ ہو جاؤ، اور اس کے قریب نہ جاؤ۔ حضرت کعب نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھیوں کو بھی یہی حکم بھیجا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے میکے چلی جاؤ اور وہیں رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی حکم نازل فرمائے۔

حضرت کعب نے کہا: پھر حضرت ہلال بن امیہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک حضرت ہلال بن امیہ بہت بوڑھے ہیں اور ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے، کیا آپ اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت کروں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن وہ تم سے مقاربت نہ کرے۔ ان کی بیوی نے کہا: بخدا وہ تو کسی چیز کی طرف حرکت بھی نہیں کر سکتے، اور جب سے یہ معاملہ ہوا ہے بخدا وہ اس دن سے مسلسل روتے رہتے ہیں۔ مجھ سے میرے بعض گھر والوں نے کہا: تم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح اجازت لے لو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ میں نے کہا: میں اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لوں گا، مجھے پتا نہیں کہ اگر میں نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں کیا فرمائیں گے، اور میں ایک جوان شخص ہوں، پھر میں اسی حال پر دس راتیں ٹھہرا رہا۔ پھر جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے گفتگو کی ممانعت کی تھی، اس کو پچاس دن گزر چکے تھے۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ پچاس روز کے بعد ایک صبح کو میں اپنے گھر کی چھت پر صبح کی نماز پڑھ رہا تھا، پھر جس وقت میں اسی حال میں بیٹھا ہوا تھا، جس کا اللہ عزوجل نے ہمارے متعلق ذکر کیا ہے کہ مجھ پر میرا نفس تنگ ہو گیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی، اچانک میں نے سلع پہاڑ کی چوٹی سے ایک چلانے والے کی آواز سنی، جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا: اے کعب بن مالک! بشارت ہو (مبارک ہو) حضرت کعب نے کہا: میں اسی وقت سجدہ میں گر پڑا اور میں نے جان لیا کہ اب کشادگی ہو گئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھنے کے بعد لوگوں میں اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول کر لی ہے، پھر لوگ آ کر ہم کو مبارک باد دیتے تھے، پھر میرے ان دو ساتھیوں کی طرف لوگ مبارک باد دینے کے لیے گئے اور ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا میری طرف روانہ ہوا اور قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے مجھے ندا کی، اور اس کی آواز گھوڑے سوار کے پہنچنے سے پہلے مجھ تک پہنچی۔ جب میرے پاس وہ شخص آیا جس کی بشارت کی آواز میں نے سنی تھی، میں نے اپنے کپڑے اتار کر اس شخص کو بشارت کی خوشی میں پہنا دیئے، بخدا اس وقت میرے پاس ان کپڑوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی، اور میں نے کسی سے عاریتاً کپڑے لے کر پہنے، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے قصد سے روانہ ہوا، ادھر میری توبہ قبول ہونے پر فوج در فوج لوگ مجھ کو مبارک باد دینے کے لیے آ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم کو اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول کرنا مبارک ہو۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ کے اردگرد صحابہ بیٹھے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ جلدی سے اٹھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ بخدا مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں اٹھا تھا۔ حضرت کعب طلحہ کو نہیں بھولتے تھے، حضرت کعب نے کہا: جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو سلام کیا تو خوشی سے آپ کا چہرہ چمک رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے: مبارک ہو، جب سے تم کو تمہاری ماں نے جنا ہے، اس سے زیادہ اچھا دن تمہارے لیے نہیں آیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ (قبولیت توبہ) آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ اس طرح منور ہو جاتا تھا جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ حضرت کعب نے کہا: ہم اس علامت کو پہچانتے تھے۔ انہوں نے کہا: جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اپنی توبہ کی خوشی میں اپنے مال کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے لیے کچھ مال کو رکھ لو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے کہا: میں اپنے اس مال کو رکھ لیتا ہوں جو خیبر میں ہے اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے صدق کی وجہ سے نجات دی ہے اور اب میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی باقی زندگی میں ہمیشہ سچ بولوں گا۔ انہوں نے کہا: بخدا! مجھے یہ معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اس طرح سزا میں مبتلا کیا ہو اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تھا اس وقت سے لے کر آج تک میں نے جھوٹ نہیں بولا، اور آئندہ کے لیے بھی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں:

(ترجمہ:) بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی کی توبہ قبول کی اور ان مہاجرین اور انصار کی جنہوں نے تنگی کے وقت نبی کا ساتھ دیا اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ ان پر نہایت مہربان بے حد رحم فرمانے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی بھی توبہ قبول فرمائی جن کا معاملہ موخر کیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئی تھیں اور ان کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ (التوبہ: ١١٩-١١٧)

حضرت کعب نے کہا: جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت اسلام کی نعمت دی ہے اس وقت سے لے کر اللہ تعالیٰ نے میرے نزدیک مجھے اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولا کیونکہ میں نے آپ سے جھوٹ بولا ہوتا تو میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح وہ لوگ ہلاک ہو گئے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی تو جتنی ان جھوٹوں کی مذمت فرمائی ہے کسی کی اتنی مذمت نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان (کی بداعمالیوں) سے اپنی توجہ ہٹائے رکھو، تو تم ان کی طرف التفات نہ کرو، بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ ان کے کاموں کی سزا ہے، وہ تم کو راضی کرنے کے لیے قسمیں کھائیں گے، سو اگر تم ان سے راضی ہو (بھی) جاؤ تو بے شک اللہ نافرمانی کرنے والوں سے راضی نہیں ہو گا۔

حضرت کعب نے کہا: ہم لوگوں کا معاملہ ان لوگوں سے موخر کیا گیا تھا جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسمیں کھائی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول کر لیا تھا ان سے بیعت کر لی تھی اور ان کے لیے استغفار کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے معاملہ کو موخر کر دیا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کا فیصلہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ بھی قبول فرمائی جن کا معاملہ موخر کیا گیا تھا۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غزوۂ تبوک میں جو پیچھے رہ گئے تھے اس کا ذکر ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قسم کھانے والوں کی بہ نسبت ہمارے

معاملہ کو موخر کیا گیا تھا جنہوں نے قسمیں کھائیں اور آپ نے ان کے عذر کو قبول فرمالیا تھا۔

(صحیح مسلم، التوبہ: ۵۳، (۲۷۶۹) ۶۸۸۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۷۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۴۲۲، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۱۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۳، مسند احمد ج ۶ ص ۳۹۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۷۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۲۷۹-۲۷۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۷۴۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۵۴۵-۵۴۰، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۴۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۱۸۱، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۲۶۷، المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۵۶-۵۳)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور (ہمیشہ) سچوں کے ساتھ رہو ○

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ

اہل مدینہ اور اس کے گرد رہنے والے بدووں (اعراب) کے لیے یہ جائز نہ تھا

اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ

کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ نہ جاتے اور نہ ان کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ اپنی جانوں کی

نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ

فکر کرتے، یہ حکم اس سبب سے کہ انہیں جب بھی اللہ کی راہ میں کبھی پیاس لگے گی یا کوئی تھکاوٹ ہو گی یا

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا

بھوک لگے گی، اور وہ جب بھی کسی ایسی جگہ جائیں گے جس سے کفار غضب ناک ہوں، اور وہ

يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ

جب بھی دشمن سے مال غنیمت حاصل کریں گے تو ان کے لیے اس کے سبب سے نیک عمل لکھا جائے گا،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً

بے شک اللہ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ○ اور وہ جب بھی (اللہ کی راہ میں) کوئی چھوٹا یا

صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ

بڑا خرچ کرتے ہیں یا کسی مسافت کو طے کرتے ہیں تو ان کا وہ عمل لکھ دیا جاتا ہے

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ

تاکہ اللہ ان کو ان کے عمل کی بہترین جزا عطا فرمائے ○ اور یہ تو نہیں ہو سکتا

الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ

کہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) تمام مسلمان روانہ ہو جائیں، تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت

طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا

روانہ ہوتی تاکہ وہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹتے تو ان کو

اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع

(اللہ کے عذاب سے) ڈراتے تاکہ وہ گناہوں سے بچتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور (ہمیشہ) سچوں کے ساتھ رہو ○ (التوبہ: ۱۱۹)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اس نے تین مسلمانوں کی توبہ قبول فرمائی، اور ان کی توبہ ان کے سچ بولنے کی وجہ سے قبول فرمائی تھی اس لیے اس آیت میں سچوں کے ساتھ رہنے کا ذکر فرمایا، نیز ان کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل نہیں کیا تھا اور آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے، اس لیے اس آیت میں پہلے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کرو۔

سچوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ہیں، ضحاک نے کہا حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور ان کے اصحاب مراد ہیں، حسن بصری نے کہا اگر تم دنیا میں سچوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو دنیا میں بے رغبتی رکھو اور دوسرے ادیان سے بچو۔

صدق کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدق کو لازم رکھو، کیونکہ صدق نیکی کی ہدایت دیتا ہے، اور نیکی جنت کی ہدایت دیتی ہے، ایک انسان ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کا قصد کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے نزدیک سچا لکھ دیا جاتا ہے، اور تم جھوٹ سے بچو اور جھوٹ گناہوں کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں، ایک بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا قصد کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۹۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۰۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۸۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۵۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۴، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۰۴۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۷۳، ۱۳۳۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۰۰۱، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۶۷۳، المستدرک ج ۲ ص ۵۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ جھوٹ

بولتا ہے تو اس کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۳۹۴، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۹۷، الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۵)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب دیکھا کہ میرے پاس دو شخص آئے اور انہوں نے کہا آپ نے جس شخص کو دیکھا تھا کہ اس کا جبڑا چیرا جا رہا تھا یہ وہ شخص تھا جو جھوٹ بولتا تھا پھر وہ جھوٹ اس سے نقل ہو کر دنیا میں پھیل جاتا تھا اس کے ساتھ قیامت تک یہی کیا جاتا رہے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۹۶، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تم کو جھوٹ پر اس طرح گرتے ہوئے دیکھتا ہوں جس طرح پروانے آگ پر گرتے ہیں۔ ہر جھوٹ لامحالہ لکھا جاتا ہے سوا اس کے کہ کوئی شخص جنگ میں جھوٹ بولے، کیونکہ جنگ ایک دھوکا ہے، یا کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولے، یا کوئی شخص اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۷۹۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنجیدگی سے جھوٹ بولنا جائز ہے نہ مذاق سے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۷۹۰)

علامہ شامی نے امام غزالی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر کسی مسلمان کی جان یا اس کی امانت کو بچانا جھوٹ بولنے پر موقوف ہو تو جھوٹ بولنا واجب ہے، نیز اگر اس نے تنہائی میں کوئی بے حیائی کا کام کیا ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے کیونکہ بے حیائی کا اظہار کرنا بھی بے حیائی ہے اور مبالغہ میں جھوٹ جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا رہا ابوجہم وہ تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں اور توریہ کرنے میں جھوٹ سے بچنے کی وسیع گنجائش ہے۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۷۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ پر ایمان لانا چاہتا ہوں مگر میں شراب نوشی، زنا کرنے، چوری کرنے اور جھوٹ بولنے سے محبت رکھتا ہوں، اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ ان چیزوں کو حرام کہتے ہیں اور مجھ میں ان تمام چیزوں کے ترک کرنے کی طاقت نہیں ہے، اگر آپ اس پر قناعت کرلیں کہ میں ان میں سے کسی ایک چیز کو ترک کردوں تو میں آپ پر ایمان لے آتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جھوٹ بولنا چھوڑ دو، اس نے اس کو قبول کر لیا اور مسلمان ہو گیا۔ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گیا تو اس کو شراب پیش کی گئی، اس نے سوچا اگر میں نے شراب پی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شراب پینے کے متعلق سوال کیا اور میں نے جھوٹ بولا تو عہد شکنی ہو گی اور اگر میں نے سچ بولا تو آپ مجھ پر حد قائم کر دیں گے، پھر اس نے شراب کو ترک کر دیا، پھر اس کو زنا کرنے کی پیشکش ہوئی، اس کے دل میں پھر یہی خیال آیا، اس نے پھر اس کو بھی ترک کر دیا، اسی طرح چوری کا معاملہ ہوا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے جھوٹ بولنے سے روک دیا اور اس نے مجھ پر تمام گناہوں کے دروازے بند کر دیئے اور پھر وہ تمام گناہوں سے تائب ہو گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۶۸، اللباب ج ۱۰ ص ۲۳۵)

صدق کی عقلی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے شیطان کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ (ص: ۸۳-۸۲) — تیری عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو بہکا دوں گا ماسوا تیرے ان بندوں کے جو برگزیدہ ہیں۔

اگر شیطان صرف اتنا کہتا کہ میں تیرے سب بندوں کو گمراہ کر دوں گا تو یہ جھوٹ ہوتا اس نے جھوٹ سے بچنے کے لیے کہا ماسوا تیرے ان بندوں کے جو برگزیدہ ہیں تو غور کرنا چاہیے کہ جھوٹ اتنی بری چیز ہے کہ شیطان بھی اس سے احتراز کرتا ہے تو مسلمانوں کو اس سے کتنا زیادہ بچنا چاہیے۔ صدق کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ایمان قول صادق ہے اور ایمان سب سے بڑی عبادت ہے، اور جھوٹ کی سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ کفر (یعنی خدا کے شریک ہیں) قول کاذب ہے اور کفر اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اہل مدینہ اور اس کے ساتھ رہنے والے بدوؤں (اعراب) کے لیے یہ جائز نہ تھا کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ نہ جاتے اور نہ ان کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان سے زیادہ اپنی جانوں کی فکر کرتے، یہ حکم اس لیے ہے کہ انہیں جب بھی اللہ کی راہ میں کبھی پیاس لگے گی یا کوئی تھکاوٹ ہوگی یا بھوک لگے گی، اور وہ جب بھی کسی ایسی جگہ جائیں گے جس سے کفار غضب ناک ہوں اور وہ جب بھی دشمن سے مال غنیمت حاصل کریں گے تو ان کے لیے اس سبب سے نیک عمل لکھا جائے گا بے شک اللہ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۝ (التوبہ: ۱۲۰)

لشکر اسلام کے ساتھ تمام مسلمانوں کے روانہ ہونے کے وجوب کی تحقیق

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ سچوں کے ساتھ رہو، اس کا تقاضا یہ تھا کہ تمام غزوات اور مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا واجب ہے، اسی حکم کی تاکید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے سے منع فرمادیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں جن اعراب کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: مزینہ، جہینہ، اشجع، اسلم اور غفار۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں مدینہ کے گرد رہنے والے تمام اعراب مراد ہیں کیونکہ لفظ مَن عام ہے۔

بہرحال اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جانے کی ممانعت کر دی ہے، اور اب کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوپ، گرمی، بھوک اور پیاس، سفر کی مشقت اور دشمن کے حملوں سے محفوظ اور مامون رکھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سخت گرمی کے سفر میں بھوک، پیاس اور دشمن کے حملوں کی زد میں جاتا ہوا دیکھتا رہے گویا اس کی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ قیمتی اور حفاظت کے قابل ہے۔

اس آیت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص پر امیر لشکر کے ساتھ جہاد کے لیے جانا واجب ہو لیکن دیگر شرعی دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پر جہاد کے لیے روانہ ہونا واجب نہیں ہے کیونکہ بیماروں، کمزوروں اور عاجزوں پر جہاد کے لیے جانا واجب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ: ۲۸۶) — اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ۔ (الفتح: ۱۷) — اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گرفت ہے اور نہ بیمار سے کوئی مواخذہ ہوگا۔

نیز جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی تو ہر شخص پر واجب تھا کہ وہ جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جائے لیکن جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ (التوبہ: ۱۲۲) اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تمام مسلمان (اللہ کی راہ میں) روانہ ہو جائیں۔

قتادہ نے کہا ہے کہ تمام مسلمانوں پر جہاد کے لیے نکلنے کا وجوب اس وقت تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ جہاد کے لیے روانہ ہوں اور اس وقت بغیر عذر کے کسی کے لیے آپ کا ساتھ چھوڑنا جائز نہ تھا' اور ابن عطیہ نے یہ کہا کہ تمام مسلمانوں پر جہاد کے لیے روانہ ہونا اس وقت واجب تھا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو روانہ ہونے کا حکم دیں' اور یہی قول صحیح ہے' کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں اور بلائیں تو آپ کے حکم کی اطاعت کرنا اور آپ کے بلانے پر جانا واجب ہے اسی طرح بعد میں مسلمانوں کے حکمران جب مسلمانوں کو لشکر اسلام میں شامل ہونے کے لیے بلائیں تو ان کے حکم کی اطاعت کرنا اور ان کے بلانے پر جہاد کے لیے جانا واجب ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۶۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' اللباب ج ۱۰ ص ۲۳۶-۲۳۷' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ جب بھی (اللہ کی راہ میں) کوئی چھوٹا یا بڑا خرچ کرتے ہیں یا کسی مسافت کو طے کرتے ہیں تو ان کا وہ عمل لکھ دیا جاتا ہے' تاکہ اللہ ان کو ان کے عمل کی بہترین جزا عطا فرمائے○ (التوبہ: ۱۲۱)

اللہ کے نزدیک ہر چھوٹی اور بڑی نیکی مقبول ہے

یعنی اللہ کی راہ میں کوئی چھوٹی سی چیز بھی صدقہ کی جائے یا اللہ کی راہ میں تھوڑی سی مسافت بھی طے کی جائے تو اللہ اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پاک کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کیا اور اللہ صرف پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے' تو اللہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے' پھر اس کی پرورش کرتا رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ صدقہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۴' مشکوۃ رقم الحدیث: ۱۸۸۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب سورج طلوع ہوتا ہے تو انسان کے ہر جوڑ کے اوپر ایک صدقہ واجب ہوتا ہے' انسان کسی شخص کو سواری میں سوار ہونے پر مدد کرے یا اس کا سامان سواری پر لاد دے تو یہ صدقہ ہے اور نیک بات کہنا صدقہ ہے اور نماز کی طرف ہر قدم چلنا صدقہ ہے' اور راستہ سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۹' مشکوۃ رقم الحدیث: ۱۸۹۷)

اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی بہترین جزا عطا فرماتا ہے' نیک اعمال میں فرائض' واجبات' سنن' مستحبات سب شامل ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ ان میں مباح کام (مثلاً لذیذ کھانے کھانا' عمدہ لباس پہننا' بہترین مکان میں رہنا) شامل نہیں ہیں لیکن تحقیق یہ ہے کہ مباح کام بھی اچھی نیت کے ساتھ کیے جائیں تو ان پر بھی ثواب ملتا ہے اور اللہ کی نعمتوں کا اظہار کرنا یہ بھی اچھی نیت ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ نیک کاموں پر بہترین جزا عطا فرماتا ہے' بہترین جزا کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں

کوئی چیز خرچ کرتا ہے اس کے لیے وہ چیز سات سو گنا لکھی جاتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۲۵٬ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۸۶٬ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۱۸٬ مسند احمد ج ۴ ص ۳۴۵٬ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۴۷٬ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۱۵۳٬ المستدرک ج ۲ ص ۸۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ (اللہ کی راہ میں) تمام مسلمان روانہ ہو جائیں تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت روانہ ہوتی تاکہ وہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹتے تو ان کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراتے تاکہ وہ گناہوں سے بچتے O (التوبہ: ۱۲۲)

تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کا فرض کفایہ ہونا

اس آیت کے شان نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں، پہلی روایت یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ کی طرف جاتے تھے تو آپ کے ساتھ نہ جانے والوں میں منافق ہوتے تھے یا معذور لوگ، اور جب اللہ سبحانہ نے غزوۂ تبوک میں آپ کے ساتھ نہ جانے والے منافقین کی سخت مذمت فرمائی تو مسلمانوں نے کہا اللہ کی قسم! آئندہ ہم کسی غزوہ سے پیچھے رہیں گے نہ کسی سریہ سے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور آپ نے کفار کی طرف لشکر بھیجے تو تمام مسلمان لڑنے کے لیے روانہ ہو گئے اور مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ گئے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ سب کے سب جہاد کے لیے روانہ ہو جائیں بلکہ ان پر واجب ہے کہ ان کی دو جماعتیں ہو جائیں: ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے اور جو احکام نازل ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشادات فرمائیں ان کو محفوظ اور منضبط کرتے رہیں اور جب پہلی جماعت جہاد سے واپس آئے تو ان کو احکام سکھائیں اور دوسری جماعت جہاد کے لیے روانہ ہو جائے، احکام شرعیہ تدریجاً نازل ہو رہے تھے، اس لیے ان احکام کو حاصل کرنے کے لیے مدینہ میں آپ کے پاس رہنا بھی ضروری تھا اور اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ دین کے لیے جہاد کرنا بھی ضروری تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۷۰، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ، جامع البیان جز ۱۱ ص ۹۰، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حصول علم دین کا فرض کفایہ ہونا

اس آیت کے شان نزول کے متعلق دوسری روایت یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عرب کے قبائل میں سے ہر قبیلہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل دین اور احکام شرعیہ سیکھتی تھی، اور ان کو اپنے پیش آمدہ مسائل میں جس شرعی رہنمائی کی ضرورت ہوتی تھی آپ سے وہ رہنمائی حاصل کرتی تھی، پھر جب وہ قوم اپنے قبیلہ میں واپس جاتی تو وہ ان کو نماز، زکوٰۃ اور اسلام کے دیگر احکام کی تعلیم دیتی اور اسلام کی تبلیغ کرتی اور اللہ کے عذاب سے ڈراتی اور یہ کہتی کہ جو اسلام لے آیا وہ ہم میں سے ہے حتیٰ کہ ایک شخص اپنے ماں باپ سے جدا ہو جاتا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۹۱۱، رقم الحدیث: ۱۰۱۲۲، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

یہ آیت طلب علم کے وجوب میں اصل ہے، اور یہ کہ کتاب اور سنت کا علم اور اس کی فقہ (سمجھ) حاصل کرنا فرض ہے اور یہ فرض عین نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر یہ واجب نہیں کیا کہ وہ علم دین کے حصول کے لیے سفر کریں بلکہ مسلمانوں کی ایک جماعت پر یہ فرض کیا ہے، اس لیے یہ فرض کفایہ ہے۔ طلب علم پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ اگر تم کو علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھو۔

(النحل: ۴۳)

حصول علم دین کے فرض عین ہونے کا محمل

طلب علم کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم فرض عین ہے' اس کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے' مثلاً نماز ہر شخص پر فرض ہے تو نماز کے احکام اور مسائل کا سیکھنا ہر شخص پر فرض ہے' اسی طرح روزہ بھی ہر مسلمان پر فرض ہے تو اس کے مسائل کا علم حاصل کرنا بھی ہر شخص پر فرض ہے اور جو شخص مالدار ہو اس پر زکوۃ کے مسائل کا سیکھنا فرض ہے اور جو حج کے لیے روانہ ہو اس پر حج کے ارکان' فرائض' واجبات اور موانع کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور جو شخص نکاح کرے اس پر لازم ہے کہ وہ نکاح' طلاق اور حقوق زوجین کے جملہ مسائل کا پہلے علم حاصل کرے اور اس کی فرضیت پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور نااہل کو علم سکھانا ایسا ہے جیسے خنزیروں کو جوہر' موتی اور سونے کے ہار ڈال دیئے جائیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۴۳۹' تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۷۸' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۲۳' تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۷۵' مشکوۃ رقم الحدیث: ۲۱۸' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۰۶۵' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۹۶' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۶۵۱)

حصول علم دین کے فرض کفایہ ہونے کا محمل

طلب علم کی دوسری قسم فرض کفایہ ہے یعنی تمام احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ کا ان کے دلائل کے ساتھ علم حاصل کرنا حتیٰ کہ جس کسی عام شخص کو زندگی میں جو بھی عملی یا اعتقادی مسئلہ درپیش ہو تو وہ عالم دین اس مسئلہ کا حل پیش کر سکے' اس میں عبادات' معاملات' حدود و تعزیرات' قصاص اور حدیث اور تفسیر کا علم شامل ہے۔ اس علم کا حامل رتبہ اجتہاد پر فائز ہوتا ہے اور اس اجتہاد سے مراد مسائل عصریہ میں اجتہاد ہے جیسے اس زمانہ میں ٹیلی فون پر نکاح' ریڈیو اور ٹیلی وژن پر رمضان اور عید' اور سحر اور افطار کا اعلان' خاندانی منصوبہ بندی' اسقاط حمل' ٹیسٹ ٹیوب بے بی' ریل اور ہوائی جہاز میں نماز' الکوحل آمیز دوائیاں' انتقال خون اور ایسے دیگر مسائل میں شرعی حکم بیان کرنا۔

اس آیت میں مسلمانوں کی ایک جماعت کو علم دین کے حصول کے لیے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے' اس سے یہی علم مراد ہے اور جب یہ لوگ اس علم کو حاصل کر کے آئیں اور اپنے علاقہ کے لوگوں کو احکام شرعیہ بتائیں تو ان پر ان کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اور یہی تقلید ہے کیونکہ ہر شخص اتنا وسیع علم حاصل نہیں کر سکتا جو تمام احکام شرعیہ اور پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے متکفل ہو اس لیے وہ ان مسائل میں علماء کی طرف رجوع کرے گا اور ان کی تقلید کرے گا۔

علم دین کے فضائل

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص کسی راستہ پر علم کی تلاش میں نکلتا ہے اللہ اس کو جنت کے راستہ کی طرف لے جاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے پر جھکاتے ہیں اور بے شک جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں اور جو مچھلیاں پانی کی گہرائی میں ہیں' یہ سب عالم کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں' اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور بے شک انبیاء دینار اور درہم کے وارث نہیں بناتے' وہ صرف علم کے وارث بناتے ہیں' سو جس شخص نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصہ کو حاصل کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۲ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۸ مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶ مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۰۹۹ مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۱۰۹ الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۰۴ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۲۴)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے، میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا فرماتا ہے، اور یہ امت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور کسی کی مخالفت ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی حتی کہ قیامت آ جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱، ۷۳۱۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۱، المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۳۲۹، رقم الحدیث: ۷۵۷، شرح السنہ ج ۱ ص ۲۸۴ رقم الحدیث: ۱۳۱)

فقہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس آیت میں ایک لفظ ہے لیتفقھوا فی الدین اور اس کا مادہ فقہ ہے، فقہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی حسب ذیل ہیں:

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے فقہ کا لغوی معنی ہے علم حاضر سے علم غائب تک پہنچنا، اور اس کا اصطلاحی معنی ہے احکام شرعیہ کا علم، (المفردات ج ۲ ص ۴۹۶) میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے لکھا ہے، فقہ کا لغوی معنی ہے متکلم کے کلام سے اس کی غرض کو سمجھنا، اور اس کا اصطلاحی معنی ہے: احکام شرعیہ عملیہ کا علم جو ان کے دلائل تفصیلیہ سے حاصل ہو، ایک قول یہ ہے کہ فقہ اس مخفی معنی پر واقف ہونے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حکم متعلق ہے اور یہ وہ علم ہے جو رائے اور اجتہاد سے مستنبط ہوتا ہے، اس میں غور و فکر کی ضرورت پڑتی ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کو فقیہ نہیں کہا جاتا کیونکہ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ (التعریفات ص ۱۱۹ مطبوعہ بیروت) اور امام اعظم ابوحنیفہ سے یہ تعریف منقول ہے الفقہ معرفۃ النفس مالھا وما علیھا (التوضیح مع التلویح ص ۲۲، مطبوعہ کراچی) "نفس کا اپنے نفع اور نقصان کی چیزوں کو جان لینا۔"

تقلید شخصی پر دلائل

سورہ توبہ کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ (اللہ کی راہ میں) تمام لوگ روانہ ہو جائیں تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت روانہ ہوتی تاکہ وہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹتے تو ان کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراتے تاکہ وہ گناہوں سے بچتے۔ (التوبہ: ۱۲۲)

اس آیت کی رو سے جب یہ لوگ واپس آ کر اپنے علاقہ کے لوگوں کو احکام شرعیہ بتائیں تو ان کے علاقہ والے لوگوں پر ان کے بیان کیے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اور یہی تقلید ہے کہ عام آدمی جو دلائل شرعیہ کو نہیں جانتا اور قرآن اور حدیث سے براہ راست احکام حاصل نہیں کر سکتا وہ عالم دین کے بتائے ہوئے حکم شرعی پر عمل کرے اور اس کے لیے دلائل شرعیہ کو جاننا ضروری نہیں ہے۔

تقلید پر دوسری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے: اگر تم کو علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھو۔ (النحل: ۴۳)

نیز حدیث شریف میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو حیض آگیا' انہوں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا' آپ نے فرمایا: کیا یہ ہم کو (واپسی سے) روک لیں گی (انہوں نے طواف وداع نہیں کیا تھا) صحابہ نے بتایا کہ وہ طواف زیارت کر چکی ہیں' آپ نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۵۷' مطبوعہ بیروت)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس عورت کے متعلق سوال کیا جو طواف زیارت کر چکی تھی پھر اس کو حیض آگیا۔ (آیا وہ طواف وداع کیے بغیر اپنے وطن واپس جا سکتی ہے؟) حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہاں وہ جا سکتی ہے۔ (حضرت زید بن ثابت یہ کہتے تھے کہ وہ طواف وداع کیے بغیر نہیں جا سکتی) انہوں نے کہا ہم آپ کے قول پر عمل کر کے حضرت زید کے قول کو نہیں چھوڑیں گے' حضرت ابن عباس نے فرمایا جب تم مدینہ جاؤ تو اس مسئلہ کو معلوم کر لینا' انہوں نے مدینہ پہنچ کر اس مسئلہ کو معلوم کیا' انہوں نے حضرت ام سلیم سے پوچھا' حضرت ام سلیم نے حضرت صفیہ کی حدیث (مذکور الصدر) بیان کی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۵۸' مطبوعہ دار ارقم بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے سنن ابوداؤد طیالسی کے حوالے سے لکھا ہے کہ انصار نے کہا اے ابن عباس! جب آپ زید کی مخالفت کریں گے تو ہم آپ کی اتباع نہیں کریں گے' اور سنن نسائی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب حضرت زید بن ثابت کو حضرت صفیہ کی حدیث کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۵۸۸' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اہل مدینہ پیش آمدہ مسائل میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے تھے' اور حضرت زید بن ثابت کے قول کے خلاف جب حضرت ابن عباس نے فتویٰ دیا تو انہوں نے حضرت ابن عباس کے قول پر عمل نہیں کیا اور یہی تقلید شخصی ہے۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ مسئلہ تقلید پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عام آدمی کے لیے عالم دین کی تقلید پر دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ عام آدمی احکام شرعیہ کا مکلف ہے اور اگر ہر آدمی درجہ اجتہاد کا علم حاصل کرنے کا مکلف ہو تو زراعت' صنعت و حرفت اور تجارت بلکہ دنیا کے تمام کاروبار معطل ہو جائیں گے کیونکہ ہر شخص مجتہد بننے کے لیے دن رات علم کے حصول میں لگا رہے گا' اور نہ کسی کے لیے کچھ کھانے کو ہو گا نہ پہننے کو اور دنیا کا نظام برباد ہو جائے گا اور حرج عظیم واقع ہو گا اور یہ بداہتاً باطل ہے' اور یہ بطلان اس بات کے ماننے سے لازم آیا کہ عام آدمی درجہ اجتہاد کا مکلف ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ عام آدمی درجہ اجتہاد کا مکلف نہیں ہے اور عام آدمی پر مجتہدین کی تقلید لازم ہے۔ (المستصفیٰ ج ۲ ص ۳۸۹' مطبوعہ مصر)

امام غزالی کی اس تقریر سے یہ اور واضح ہو گیا کہ سورۂ توبہ: ۱۲۲ میں اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین صرف ایک جماعت پر لازم کیا ہے اور تمام مسلمانوں پر تفقہ فی الدین حاصل کرنا لازم نہیں کیا اور نہ وہی حرج لازم آتا جس کا امام غزالی نے ذکر کیا ہے اور وہ جماعت مجتہدین کی جماعت ہے۔ تفقہ فی الدین میں وسعت اور گہرائی اور گیرائی حاصل کرنا ان کی ذمہ داری ہے' باقی تمام عام لوگوں پر صرف ان کی تقلید لازم ہے۔

شیخ احمد بن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے اور یہ چیز تمام ائمہ

مسلمین کے درمیان اتفاق ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت' اللہ اور اس کے رسول کے حلال کردہ کو حلال قرار دینا اور اللہ اور اس کے رسول کے حرام کردہ کو حرام قرار دینا اور جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے واجب قرار دیا ہے اس کو واجب ماننا تمام جن وانس پر واجب ہے' اور یہ ہر شخص پر ہر حال میں واجب ہے' ظاہر ہو یا باطن' لیکن چونکہ بہت سے احکام ایسے ہیں جن کو عام لوگ نہیں جانتے' اس وجہ سے عام لوگ ان احکام میں ان علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں جو ان کو یہ احکام بتلا سکیں' کیونکہ علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا زیادہ علم رکھتے ہیں' پس مسلمان جن ائمہ کی اتباع کرتے ہیں وہ عام لوگوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وسیلہ' راستہ اور رہ نما ہیں۔ وہ عام لوگوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پہنچاتے ہیں اور اپنے اجتہاد سے بقدر استطاعت احادیث کا مفہوم اور مراد بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان علماء کو ایسا علم اور ایسا فہم عطا فرماتا ہے جو دوسروں کو نہیں دیتا اور بسا اوقات یہ علماء کسی مسئلہ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح دوسرے اس مسئلہ کو نہیں جانتے۔ (مجموع الفتاوی ج ۲۰ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳ مطبوعہ سعودی عربیہ)

نیز شیخ ابن تیمیہ حنبلی لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی مذہب معین کا التزام کر لیا اور پھر بغیر کسی شرعی عذر یا بغیر کسی دلیل مرجح کے کسی اور عالم کے فتویٰ پر عمل کیا تو وہ شخص اپنی خواہش کا پیروکار ہے۔ وہ مجتہد ہے نہ مقلد اور وہ بغیر عذر شرعی کے حرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے' اور یہ چیز لائق مذمت ہے۔ شیخ نجم الدین کے کلام کا یہی خلاصہ ہے۔ نیز امام احمد اور دیگر ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ پہلے کوئی شخص کسی چیز کو حرام یا واجب اعتقاد کرے اور پھر اس کو غیر حرام یا غیر واجب اعتقاد کرے تو یہ اصلاً جائز نہیں ہے' مثلاً پہلے کوئی شخص پڑوس کی بناء پر شفعہ کا مطالبہ کرے (جیسا کہ حنفی مذہب میں ہے) اور جب اس پر پڑوس کی وجہ سے شفعہ ہو تو کہے یہ ثابت نہیں ہے (جیسا کہ شافعی مذہب میں ہے) اسی طرح نبیذ پینے' شطرنج کھیلنے' یا بھائی کے ساتھ دادا کی میراث کے تقسیم کرنے کے اختلافی مسائل میں کبھی ایک پہلو اختیار کرے اور کبھی محض اپنی خواہش سے دوسرا پہلو اختیار کرے' یہ شخص محض اپنی خواہش کا پیروکار ہے اور امام احمد اور دیگر ائمہ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (اور یہی تقلید شخصی ہے)

(مجموع الفتاوی ج ۲۰ ص ۲۲۱۔ ۲۲۰' مطبوعہ سعودی عربیہ)

مسائل فقہیہ میں ائمہ مجتہدین کے اختلاف کے اسباب

علامہ عبدالوہاب الشعرانی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

تمام ائمہ مجتہدین اپنے اصحاب کو اس پر برانگیختہ کرتے تھے کہ وہ کتاب اور سنت کے ظاہر پر عمل کریں اور وہ یہ کہتے تھے کہ جب تم ہمارے کلام کو ظاہر کتاب اور سنت کے خلاف دیکھو تو تم ظاہر کتاب اور سنت پر عمل کرو اور ہمارے کلام کو دیوار پر مار دو' ان کا یہ کہنا احتیاط پر مبنی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب کا تقاضا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شریعت میں کسی چیز کا اضافہ کر دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو اور جس سے آپ راضی نہ ہوں۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۶۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

بعض فقہی مسائل میں ائمہ مجتہدین کا باہم اختلاف ہوتا ہے' اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اصول اجتہاد میں اختلاف ہوتا ہے اور اس اختلاف کے اور بھی اسباب ہیں' ہم ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کر رہے ہیں:

(۱) بعض اوقات مجتہد کو وہ حدیث نہیں ملتی اور جس کو ایک حدیث نہیں پہنچی وہ اس کا مکلف نہیں ہے کہ وہ اس کے مقتضیٰ پر عمل کرے اور ایسی صورت میں وہ کسی ظاہر آیت پر عمل کرتا ہے یا کسی اور حدیث پر یا استصحاب حال کے موافق اجتہاد

کرتا ہے اور بعض اوقات اس کا یہ اجتہاد اس حدیث کے موافق ہوتا ہے یا مخالف؟ اور یہی سبب غالب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث کا احاطہ امت کے کسی شخص نے نہیں کیا حتیٰ کہ خلفاء راشدین نے بھی اس کا احاطہ نہیں کیا تھا جو امت میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کی سنن کو جاننے والے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ میں انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا ہمارے پاس حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ خوف زدہ حالت میں آئے، ہم نے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ حضرت عمر نے مجھے بلوایا تھا میں ان کے دروازے پر گیا میں نے ان کو تین مرتبہ سلام کیا انہوں نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا تو میں لوٹ آیا۔ حضرت عمر نے پوچھا تم ہمارے پاس کیوں نہیں آئے تھے؟ میں نے کہا میں آیا تھا اور میں نے دروازہ پر کھڑے ہو کر تین مرتبہ سلام کیا کسی نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا تو میں لوٹ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ سلام کرے پھر اس کو اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے۔ حضرت عمر نے کہا تم اس حدیث پر گواہ پیش کرو، ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا اس حدیث کی گواہی قوم کا سب سے کم عمر دے گا۔ حضرت ابوسعید نے کہا میں سب سے کم سن ہوں۔ انہوں نے کہا تم ان کے ساتھ جاؤ۔ دوسری روایت (مسلم: ۵۵۲۳) میں ہے حضرت ابوسعید نے کہا پھر میں گیا اور میں نے حضرت عمر کے سامنے گواہی دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۴۵، صحیح مسلم، الادب: ۳۳ (۲۱۵۳) ۵۵۲۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۰)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چند زندیقوں کو لایا گیا۔ حضرت علی نے ان کو جلا ڈالا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا اگر میں وہاں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص اپنا دین بدلے اس کو قتل کر دو۔ امام ابوداؤد کی روایت میں ہے جب حضرت علی تک حضرت ابن عباس کی حدیث پہنچی تو انہوں نے حضرت ابن عباس کی تعریف فرمائی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۲۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۵۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۳۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۰۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۲، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۳۲)

اور بہت احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد کبار صحابہ کو بعض احادیث کا علم نہیں تھا اور جب ان پر وہ احادیث پیش کی گئیں تو انہوں نے اس حدیث کی موافقت کی۔ اس کی ایک مثال اس مسئلہ میں گزر چکی ہے کہ طواف زیارت کے بعد اگر عورت کو حیض آ جائے تو وہ طواف وداع کے بغیر اپنے گھر کے لیے روانہ ہو سکتی ہے۔

(۲) دوسرا سبب یہ ہے کہ ایک حدیث کی دو سندیں ہوتی ہیں: ایک سند صحیح ہوتی ہے اور دوسری غیر صحیح۔ ایک مجتہد کے علم میں وہ حدیث سند غیر صحیح کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے وہ اس کو ترک کر دیتا ہے اور دوسرے مجتہد کے علم میں وہ حدیث سند صحیح کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ اس حدیث پر عمل کرتا ہے۔ اس کی مثال ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حضرت علی سے منقول حدیث ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۵۴) امام ابوحنیفہ اور امام احمد نے اس پر عمل کیا ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔

(۳) حدیث کی ایک ہی سند ہوتی ہے لیکن ایک مجتہد کے نزدیک اس حدیث کے متن یا اس کی سند میں کلام ہوتا ہے اس

لیے وہ اس کو ترک کر دیتا ہے اور دوسرے مجتہد کے نزدیک اس میں کوئی کلام نہیں ہوتا اس لیے وہ اس حدیث پر عمل کرتا ہے۔ اس کی مثال حدیث مصراۃ (جس جانور کے تھنوں میں دودھ روک لیا جائے اس کو ایک صاع کھجور دے کر واپس کرنا) ہے، ائمہ ثلاثہ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ حدیث مضطرب اور معلل ہے اور صریح قرآن کے خلاف ہے اس لیے وہ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے۔

(۴) ایک مجتہد کے نزدیک خبر واحد عموم قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے اور دوسرے کے نزدیک نہیں کر سکتی، مثلاً حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۴) ائمہ ثلاثہ اس حدیث کے موافق یہ کہتے ہیں کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کے عموم کے خلاف ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (المزمل: ۲۰) سو قرآن سے جس قدر آسان لگے اتنا پڑھو۔

اس لیے امام ابو حنیفہ نے نماز میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کو اس آیت کے بموجب فرض نہیں کہا اور اس حدیث کے مقتضیٰ سے واجب کہا ہے۔

(۵) ایک مجتہد کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہے اور دوسرے کے نزدیک معمول ہے۔ اس کی مثال رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کی حدیث ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حدیث معمول ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ اس حدیث کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خود رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کو تکبیر افتتاح کے علاوہ رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص ۲۳۷، طبع کراچی، الحاوی فی بیان آثار الطحاوی ج۱ ص ۵۳۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ہم نے یہ چند مثالیں اس مسئلہ کو سمجھانے کے لیے ذکر کی ہیں، ورنہ ائمہ مجتہدین کے اصول ہائے اجتہاد کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس کی بقدر کفایت مثالیں ہم نے تذکرۃ المحدثین میں ذکر کی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ

اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں،

وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ رکوع

اور چاہیے کہ وہ تمہارے دلوں میں سختی محسوس کریں، اور اچھی طرح یقین رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے ○

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے

هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ

کس کے ایمان کو زیادہ کیا؟ سو جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان کو تو اس سورت نے (درحقیقت) زیادہ ہی کیا ہے

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ

اور وہ خوش ہوتے ہیں ○ اور رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس سورت نے ان کی

رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ

(سابق) نجاست پر ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیا اور وہ حالت کفر میں ہی مر گئے ○ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے

اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ

کہ ان کو ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے

وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ

اور نہ ہی نصیحت قبول کرتے ہیں ○ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں

اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ

ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا، پھر وہ پلٹ کر بھاگ جاتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو

قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٢٧﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

پلٹ دیا ہے کیونکہ یہ لوگ سمجھنے والے نہیں تھے ○ بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے

مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ

ایک عظیم رسول آ گئے ہیں تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے، تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ

مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں ○ اب اگر یہ لوگ آپ سے منہ پھیرتے ہیں تو آپ کہہ دیں مجھے اللہ

ع ۱۶ ۵ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾ ع

کافی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں اور چاہیے کہ وہ تمہارے دلوں میں سختی محسوس کریں اور اچھی طرح یقین رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے○

(التوبہ: ۱۲۳)

قریب کے کافروں سے جہاد کی ابتدا کرنے کی وجوہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنین سے یہ فرما رہا ہے کہ جہاد کی ابتدا ان کافروں سے کرو جو تمہارے درجہ بدرجہ قریب ہیں نہ کہ ان سے جو تم سے درجہ بدرجہ بعید ہوں' اس آیت کے زمانہ نزول میں قریب سے مراد روم کے کافر ہیں کیونکہ وہ شام میں رہتے تھے اور شام عراق کی بہ نسبت قریب تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے کئی شہر فتح کر دیئے تو ہر علاقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے قریبی کافر ملکوں سے جہاد کی ابتداء کریں' اور اس کی متعدد وجوہ ہیں:

(۱) بیک وقت تمام دنیا کے کافروں سے جہاد کرنا تو عادتاً ممکن نہیں اور جب قریب اور بعید دونوں کافر ہوں تو پھر قرب مرجح ہے۔

(۲) قرب اس لیے راجح ہے کہ اس میں جہاد کے لیے سواریوں' سفر خرچ اور آلات اور اسلحہ کی کم ضرورت پڑے گی۔

(۳) جب مسلمان قریبی کافروں کو چھوڑ کر بعید کے کافروں سے جہاد کے لیے جائیں گے تو عورتوں اور بچوں کو خطرہ میں چھوڑ جائیں گے۔

(۴) بعید کی بہ نسبت انسان قریب کے حالات سے زیادہ واقف ہوتا ہے' سو مسلمانوں کو اپنے قریبی ممالک کی فوج کی تعداد' ان کے اسلحہ کی مقدار اور ان کے دیگر احوال کی بہ نسبت بعید ممالک سے زیادہ واقفیت ہوگی۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تبلیغ بھی ابتداءً اقربین پر فرض کی تھی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ - (الشعراء: ۲۱۴) اور آپ اپنے زیادہ قریب رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

اور غزوات اسی ترتیب سے واقع ہوئے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنی قوم سے جہاد کیا پھر آپ شام کے غزوہ کی طرف منتقل ہوئے اور صحابہ جب شام کے جہاد سے فارغ ہوئے تو پھر عراق میں داخل ہوئے۔

(۶) جب کوئی کام زیادہ آسانی سے ہو سکتا ہو تو اس سے ابتداء کرنا واجب ہے اور بعید ملک کی بہ نسبت قریب ملک سے جہاد کرنا زیادہ آسان ہے' سو اس سے جہاد کی ابتداء کرنا واجب ہے۔

(۷) حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھا رہا تھا اور میں پیالہ کی ہر طرف سے گوشت کو لے رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے قریب کی جانب سے کھاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۶۷' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۴' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۳' تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۳۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۷۹۸)

سو جس طرح دسترخوان میں اپنے قریب سے کھانا چاہیے اسی طرح جہاد بھی اپنے قریب کے کافروں سے کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا؟ سو جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان کو تو اس سورت نے (درحقیقت) زیادہ ہی کیا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں ○ اور رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس سورت نے ان کی (سابق) نجاست پر ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیا اور وہ حالت کفر میں ہی مر گئے ○ (التوبہ: ۱۲۵-۱۲۴)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ منافقین کے برے کام بیان فرما رہا ہے اور ان برائیوں میں سے ایک برائی یہ ہے کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا اور اس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو ایمان سے متنفر کریں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے لیے ان سے

استہزاءً اس طرح کہتے ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی سورت کے نازل ہونے سے مسلمانوں کو دو امر حاصل ہوتے ہیں: ایک تو یہ ہے کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو مسلمان اس سورت پر ایمان لاتے ہیں، اس کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور یہ امران کے ایمان میں اضافہ اور تقویت کا موجب ہوتا ہے اور ان کو اس سے خوشی حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس سورت میں جو احکام مذکور ہیں ان پر عمل کر کے وہ اللہ تعالیٰ کی مزید خوشنودی اور اجر آخرت کے مستحق ہوں گے اور ان احکام پر عمل کرنے سے وہ دنیا میں بھی نصرت اور کامرانی حاصل کریں گے۔ پھر دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ کسی نئی سورت کے نازل ہونے سے منافقوں کو بھی دو امر حاصل ہوتے ہیں: ایک امر یہ ہے کہ ان کی سابق نجاست میں اضافہ ہوتا ہے، نجاست سے مراد ان کے عقائد باطلہ اور اخلاق مذمومہ ہیں، وہ پہلے بھی قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے کے منکر تھے اور جب یہ ایک اور سورت نازل ہوئی تو انہوں نے اس کا مزید انکار کیا اور یوں ان کے کفر میں اضافہ ہوا اور ان کے اخلاق مذمومہ میں سے حسد کرنے کا مرض تھا اور جب نئی سورت نازل ہوتی تو ان کے حسد میں اور اضافہ ہوتا اور دوسرا امر یہ ہے کہ ان کی موت کفر پر واقع ہوگی اور یہ حالت پہلی حالت سے زیادہ قبیح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کو ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے، اور نہ ہی نصیحت قبول کرتے ہیں ○ (التوبہ: ۱۲۶)

دنیا اور آخرت میں منافقین کے عذاب کی تفصیل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ منافقین کفر پر مریں گے اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ ان کو آخرت میں عذاب ہوگا اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ان کو دنیا میں بھی ایک یا دو بار عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

دنیا میں ان کو جو عذاب دیا جاتا ہے اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ بیماری میں مبتلا ہوتے تھے اور پھر بھی اپنے نفاق سے توبہ نہیں کرتے تھے اور نہ اس مرض سے کوئی نصیحت حاصل کرتے تھے، جس طرح جب مومن بیمار پڑتا ہے تو وہ اپنے گناہوں کو یاد کرتا ہے اور اس کو یہ خیال آتا ہے کہ اس نے ایک دن اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے تو اس وقت اس کا ایمان اور اس کے دل میں اللہ کا خوف زیادہ ہوتا ہے اور اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی خوشنودی کا زیادہ امیدوار ہوتا ہے۔ مجاہد نے یہ کہا کہ ان کو ہر سال قحط اور بھوک میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا کہ ان کو ہر سال ایک یا دو بار جہاد کی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے کیونکہ اگر وہ جہاد میں نہ شریک ہوتے تو لوگ ان کو لعن طعن کرتے اور اگر وہ جہاد میں شریک ہوتے تو ان کو جہاد میں اپنے مارے جانے کا خوف ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا پھر وہ پلٹ کر بھاگ جاتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو پلٹ دیا ہے کیونکہ یہ لوگ سمجھنے والے نہیں تھے ○ (التوبہ: ۱۲۷)

قرآن مجید سے منافقین کی نفرت اور بیزاری

اس سے پہلی آیتوں میں منافقین کے قبیح افعال بیان فرمائے تھے، اسی سلسلہ میں یہ آیت بھی ہے، اس میں یہ فرمایا ہے کہ جب وہ قرآن مجید کی کوئی سورت سنتے ہیں تو ان کو اس کے سننے سے کوفت اور اذیت ہوتی ہے اور ان کے چہروں پر نفرت اور کدورت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، پھر وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر اشاروں سے یہ کہتے ہیں کہ تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا یعنی ان کے چہروں پر قرآن مجید سننے سے نفرت اور بیزاری کے جو آثار ظاہر ہو رہے ہیں ان کو کسی

نے جانچ تو نہیں لیا، یا قرآن مجید سننے کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر قرآن مجید کا مذاق اڑانے کے لیے جو اشارے کیے اور استہزائیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اس کو کسی نے دیکھ تو نہیں لیا یا قرآن مجید سننے سے ان کو جو اذیت اور تکلیف ہوتی تھی اس کی وجہ سے وہ چپکے سے مجلس سے نکل بھاگنے کا ارادہ کرتے تھے تو پھر یہ کہتے تھے کہ ان کو نکلتے ہوئے کوئی دیکھ تو نہیں رہا، یعنی اگر ان کو کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو وہ چپکے سے نکل جائیں تاکہ قرآن مجید سننے سے ان کو جو کوفت اور اذیت پہنچی ہے وہ دور ہو جائے، اور جب ان کو یہ اطمینان ہو جاتا تو وہ مجلس سے نکل جاتے۔ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس مجلس ہی میں موجود رہتے تھے اور قرآن مجید پر اعتراض کرنے اور زبان طعن دراز کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے ان کے دلوں کو پلٹا دیا ہے کیونکہ یہ لوگ سمجھنے والے نہیں تھے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے تو ان کی مذمت کیوں کی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو ایمان لانے کے بہت مواقع دیئے گئے، معجزات دکھائے گئے اور دلائل پیش کیے گئے، لیکن انہوں نے ان تمام دلائل اور معجزات کا مذاق اڑایا اور ایسا بھاری کفر کیا کہ اس کی سزا میں ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں، تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں○ (التوبہ: ١٢٨)

سابقہ آیات سے ارتباط

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو سخت اور مشکل احکام کی تبلیغ کریں جن کا برداشت کرنا بہت دشوار تھا، ماسوا ان مسلمانوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی توفیق اور کرامت سے نوازا تھا، اور اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایسی آیت نازل فرمائی جس سے ان مشکل احکام کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ رسول تمہاری جنس سے ہیں اور اس رسول کو دنیا میں جو عزت اور شرف حاصل ہو گا وہ تمہارے لیے باعث فضیلت ہے، نیز اس رسول کی یہ صفت ہے کہ جو چیز تمہارے لیے باعث ضرر ہو وہ ان پر سخت دشوار ہوتی ہے اور ان کی یہ خواہش ہے کہ دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیاں تمہیں مل جائیں اور وہ تمہارے لیے ایک مشفق طبیب اور رحم دل باپ کے مرتبہ میں ہیں کیونکہ حاذق طبیب اور شفیق باپ کبھی اولاد کی بہتری کے لیے ان پر سختی کرتا ہے، سو اسی طرح یہ مشکل اور سخت احکام بھی تمہاری دنیا اور آخرت کی سعادتوں کے لیے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں: (١) من انفسکم (٢) عزیز علیہ ما عنتم (٣) حریص علیکم (٤) رءوف (٥) رحیم۔

من انفسکم کی دو قرأتیں ہیں: من انفُسکم "ف" پر پیش کے ساتھ، اس کا معنی ہے تمہارے نفسوں میں سے یعنی تمہاری جنس اور تمہاری نوع میں سے اور من انفَسکم "ف" پر زبر کے ساتھ، اس کا معنی ہے وہ تم میں سب سے زیادہ نفیس ہیں۔

من انفُسکم کا معنی

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

اس سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری مثل بشر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ۔(یونس: ۲)
کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد پر وحی نازل کی۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ۔(الکہف: ۱۱۰)
آپ کہیے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں، مجھ پر یہ وحی کی جاتی ہے کہ میرا اور تمہارا معبود واحد ہے۔

اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کی جنس سے ہوتے تو لوگوں پر آپ کی اتباع کرنا بہت دشوار ہو جاتا جیسا کہ سورۃ الانعام میں اس کی تقریر گزر چکی ہے:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ O(الانعام: ۹)
اور اگر ہم اس رسول کو فرشتہ بناتے تو اس کو مرد ہی (کی صورت میں) بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب مبتلا ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۷۸، البحر المحیط ج ۵ ص ۵۳۲، عنایت القاضی ج ۴ ص ۶۶۵، اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۰ ص ۲۴۷)

من انفسکم (تمہاری جنس سے رسول آیا) کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تمہارے پاس ایسا رسول آیا جو تمہاری قوم سے تھا، تمہاری زبان بولتا تھا اور تم اس کے حسب اور نسب کو پہچانتے تھے:

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں کہا: اے بادشاہ! ہم جاہل لوگ تھے، بتوں کی عبادت کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، رشتے منقطع کرتے تھے، پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے، ہمارا قوی، ضعیف کا مال کھا جاتا تھا، ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہماری طرف ایک رسول بھیج دیا جس کے نسب، اس کے صدق، اس کی امانت اور اس کی پاک دامنی کو ہم پہچانتے تھے، اس نے ہم کو دعوت دی کہ ہم اللہ وحدہ کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے ان کو ترک کر دیں اور ہم کو سچ بولنے، امانت داری اور پاکیزگی اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنے، پڑوسیوں سے حسن معاملہ کرنے، حرام کاموں اور خوں ریزی کرنے کو ترک کرنے کا حکم دیا اور ہم کو بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورت پر بدچلنی کی تہمت لگانے سے منع کیا اور ہم کو حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم کو نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا پھر ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے، الحدیث۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۲، شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۱۷۴۰ مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ، الروض الانف ج ۲ ص ۱۱۹، المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۲۹، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۴)

من انفسکم کا معنیٰ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نفیس ترین ہونا)

امام رازی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی قرأت من انفَسکم ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آئے درآنحالیکہ وہ تم میں سب سے اشرف اور افضل ہیں۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۴۰) (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۷۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں نفیس ترین، افضل اور اشرف ہیں اور اس مطلوب پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہر قرن میں بنو آدم کے

بہترین لوگوں میں سے مبعوث کیا گیا ہوں حتی کہ جس قرن میں، میں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٣٥٥٧، مسند احمد ج ٢ ص ٣٧٣، مشکوۃ رقم الحدیث:٥٥٣٩)

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے ابراہیم کی اولاد میں سے اسمٰعیل کو فضیلت دی، اور اسمٰعیل کی اولاد سے بنو کنانہ کو فضیلت دی اور بنو کنانہ میں سے قریش کو فضیلت دی، اور قریش سے بنو ہاشم کو فضیلت دی اور بنو ہاشم میں سے مجھے فضیلت دی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٢٧٦، سنن الترمذی رقم الحدیث:٣٦٠٥، مسند احمد ج ٤ ص ١٠٧)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا، پھر جب ان کو گروہوں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا، پھر جب قبائل پیدا کیے تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا اور جب جانیں پیدا کیں تو مجھے سب سے بہتر جان میں رکھا، پھر جب گھر پیدا کیے تو مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا پس میرا گھر بھی سب سے بہتر ہے اور میری جان بھی سب سے بہتر ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:٣٦٠٧، مسند احمد ج ١ ص ٢١٠، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ١ ص ١٦٧، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث:١٦)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں آدم سے لے کر حتی کہ میں اپنی ماں سے پیدا ہوا، زنا سے پیدا نہیں ہوا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث:٤٧٢٥، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ٩٣، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٧ ص ١٩٠، مجمع الزوائد ج ٨ ص ٢١٧، جامع البیان جز ١١ ص ١٠١، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١٠١٥٨)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ماں باپ کبھی زنا سے نہیں ملے، اللہ عزوجل مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا در آں حالیکہ وہ صاف اور مہذب تھے، اور جب بھی دو شاخیں نکلیں میں ان میں سے سب سے بہتر شاخ میں تھا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث:١٥، تہذیب تاریخ دمشق ج ١ ص ٣٤٩، الخصائص الکبریٰ ج ١ ص ٦٤)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے ہمارے پاس دوپہر کو آرام فرمایا۔ آپ کو پسینہ آ رہا تھا میری والدہ ایک شیشی لے کر آئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر ہاتھ پھیر کر پسینہ کو ایک شیشی میں جمع کر رہی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا: اے ام سلیم! یہ تم کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے کہا یہ آپ کا پسینہ ہے ہم اس کو اپنی خوشبو کے لیے جمع کر رہے ہیں اور یہ ہماری سب سے اچھی خوشبو ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٣٣١، الخصائص الکبریٰ ج ١ ص ٦٧)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گندمی رنگ کے تھے اور جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو تھی ایسی خوشبو کسی مشک اور عنبر میں نہیں تھی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ١ ص ٣١٧، مسند احمد ج ٣ ص ٢٥٩، البدایہ والنہایہ ج ٦ ص ١٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی راستے پر جاتے، پھر آپ کے بعد کوئی اس راستہ پر جاتا تو وہ اس راستہ میں آپ کی پھیلی ہوئی خوشبو سے یہ پہچان لیتا تھا کہ آپ اس راستے سے گزر گئے ہیں۔

(سنن الدارمی رقم الحدیث:٦٦، الخصائص الکبریٰ ج ١ ص ١١٤)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستہ سے گزرتے تو وہاں مشک کی خوشبو پھیلی ہوئی ہوتی تھی اور لوگ کہتے تھے کہ آج اس راستے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ہیں۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۱۲۵، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۲، الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کسی چیز سے میری مدد کریں، آپ نے فرمایا: اس وقت میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے لیکن تم کل آنا اور ایک کھلے منہ کی شیشی اور ایک لکڑی لے کر آنا، پھر آپ نے اس شیشی میں اپنا پسینہ ڈال دیا حتیٰ کہ وہ شیشی بھر گئی۔ پھر آپ نے فرمایا: اپنی بیٹی سے کہنا کہ وہ اس لکڑی کو اس شیشی میں ڈبو کر اس سے خوشبو لگائے، پھر جب وہ لڑکی خوشبو لگاتی تو تمام مدینہ میں اس کی خوشبو پھیل جاتی اور ان کے مکان کا نام خوشبو والوں کا گھر پڑ گیا۔

(الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۸۶۳ - ۸۶۲، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۲۹۵، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۰۵۶، طبع جدید)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے کہا میں نے زمین کے مشارق اور مغارب پلٹ ڈالے میں نے کسی شخص کو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں پایا اور نہ بنو ہاشم سے افضل کوئی گھر دیکھا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۲۸۱، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۷، طبع قدیم)

امت پر سخت احکام کا آپ پر دشوار ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے اور تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی، جب آگ نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا تو یہ پروانے اور کیڑے مکوڑے اس آگ میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو اس آگ میں گرنے سے روک رہا تھا اور وہ اس پر غالب آ کر اس آگ میں گر رہے تھے، پس میں تم کو کمر سے پکڑ کر آگ سے کھینچ رہا ہوں اور تم اس میں گر رہے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۴، مشکوۃ رقم الحدیث: ۱۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا یا فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۹۰)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک موخر کر دیتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳، مسند احمد ج ۴ ص ۹۹، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۹۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی، لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی، پھر دوسری رات کو بھی آپ نے نماز پڑھی تو بہت زیادہ لوگوں نے آپ کی اقتداء کی، پھر تیسری یا چوتھی رات کو بھی لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے، پھر صبح کو آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے تم نے جو کچھ کیا تھا لیکن میں صرف اس وجہ سے باہر نہیں آیا کہ مجھے یہ خوف تھا کہ تم پر یہ نماز فرض کر دی جائے

گی، پھر تم اس کو پڑھ نہیں سکو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۹۰۱، صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۷۱، ۱۷۷۰، سنن النسائی رقم الحدیث:۲۲۰۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اللہ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ میری امت ان کی طاقت نہیں رکھتی کچھ تخفیف فرمائیے حتیٰ کہ پچاس کی جگہ پانچ نمازیں فرض ہو گئیں اور فرمایا کہ یہ تعداد میں پانچ نمازیں اور اجر میں پچاس نمازیں ہیں۔ (ملخصاً)

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۴۹، ۳۳۴۲، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۳۱۴، ۳۱۳، سنن النسائی رقم الحدیث:۴۴۸، سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۴۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وصال کے روزے نہ رکھو (یعنی بغیر سحر و افطار کے روزے پر روزے نہ رکھو) مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بھی تو وصال کے روزے رکھتے ہیں! آپ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں، بے شک مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۹۶۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۳۶۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۰، سنن الترمذی رقم الحدیث:۷۷۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۳۵۷۴، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۲۸۷۴)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لوگوں میں سے جو شخص حج کو جانے کی استطاعت رکھے، اس پر حج کرنا فرض ہے۔ مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال؟ آپ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۸۱۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۸۸۴، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۵۱۷، مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۳، مسند البزار رقم الحدیث:۹۱۳، المستدرک ج ۲ ص ۲۹۳)

دنیا اور آخرت میں امت کی فلاح پر آپ کا حریص ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے سخت اور مشکل احکام دشوار تھے اور آپ ان کی آسانی پر بہت حریص تھے، اس سلسلہ میں بہت احادیث ہیں مگر ہم نے جو احادیث ذکر کر دی ہیں وہ کافی ہیں، اسی طرح امت کی دنیاوی اور اخروی فلاح پر جو آپ حریص تھے اس سلسلے میں ہم چند احادیث پیش کر رہے ہیں: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت لمبی نماز پڑھی، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے اتنی لمبی نماز پڑھی ہے جتنی آپ عام طور پر نہیں پڑھا کرتے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یہ اللہ کی طرف رغبت کرتے ہوئے اور اس سے ڈرتے ہوئے نماز پڑھی تھی، میں نے اس نماز میں اللہ سے تین چیزوں کا سوال کیا تھا، اللہ نے دو چیزیں مجھے عطا کر دیں اور ایک چیز کے سوال سے مجھے روک دیا۔ میں نے اللہ سے سوال کیا کہ میری امت کو (عام) قحط سے ہلاک نہ کرے تو اللہ نے مجھے یہ چیز عطا کر دی اور میں نے اللہ سے یہ سوال کیا کہ میری (پوری) امت پر کسی ایسے دشمن کو مسلط نہ کرے جو ان کا غیر ہو، تو اللہ نے مجھے یہ چیز بھی عطا کر دی اور میں نے اللہ سے یہ سوال کیا کہ میری امت کے لوگ ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں تو اللہ نے مجھے اس سوال سے روک دیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۱۷۵، سنن النسائی رقم الحدیث:۱۶۳۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۳۲۱، صحیح ابن حبان رقم

الحدیث: ۲۳۶۷، مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۸، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۴۲۱-۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک (خصوصی) مقبول دعا ہوتی ہے، سو ہر نبی نے دنیا میں وہ دعا کرلی، اور میں نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت کے ہر اس فرد کو حاصل ہوگی جس نے شرک نہ کیا ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۷، مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۶، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۴۷۱، شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۱۳، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۷)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ (یہ حدیث حضرت انس سے بھی مروی ہے)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۵-۲۴۳۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۶۸، مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۵۱۳، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۲۸۴، المستدرک ج ۱ ص ۶۹، الشریعہ للآجری ص ۳۳۸، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۰۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اب اگر یہ لوگ آپ سے منہ پھیرتے ہیں تو آپ کہہ دیں کہ مجھے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ (التوبہ: ۱۲۹)

اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس آیت میں روئے سخن مشرکین اور منافقین کی طرف ہے، یعنی اگر یہ مشرکین اور منافقین آپ سے اعراض کریں یا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اعراض کریں یا یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے اعراض کریں یا یہ لوگ مشکل اور سخت احکام کو قبول کرنے سے اعراض کریں یا یہ منافق لوگ جہاد میں آپ کے ساتھ جانے اور آپ کی نصرت سے انکار کریں تو آپ کہہ دیں کہ مجھے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، میں نے اسی پر توکل کیا ہے۔

اس آیت سے یہ مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جائے اگر یہ مشرکین اور منافقین آپ کی تصدیق نہیں کرتے تو آپ غم نہ کریں، کیونکہ اسلام کی نشرو اشاعت اور دشمنوں کے خلاف آپ کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

عرش کا معنی

عرش کا لغوی معنی ہے: کسی شے کا رکن، گھر کی چھت، خیمہ، وہ گھر جس سے سایہ طلب کیا جائے، اور بادشاہ کا تخت، اللہ تعالیٰ کے عرش کی تعریف نہیں کی جاسکتی، وہ سرخ یاقوت ہے جو اللہ کے نور سے چمک رہا ہے۔

(قاموس ج ۲ ص ۴۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عزت، سلطان اور مملکت کا کنایہ عرش سے کیا جاتا ہے، ثل عرشہ کا معنی ہے اس کی عزت جاتی رہی، روایت ہے کہ کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے رب نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا، تو آپ نے کہا اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت میرا تدارک نہ کرتی تو ثل عرشی (میری عزت جاتی رہتی) اللہ کے عرش کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا، ہمیں صرف یہ معلوم ہے کہ اس کو عرش کہتے ہیں، اور عرش اس طرح نہیں ہے جس طرح عام لوگوں کا وہم ہے، ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ عرش فلک اعلیٰ ہے اور کرسی فلک الکواکب ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! سات آسمان کرسی کے مقابلہ

میں ایسے ہیں جیسے کسی جنگل میں انگوٹھی کا ایک چھلا پڑا ہوا ہو، اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسے ہے جیسے جنگل کی فضیلت چھلے پر ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۴۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(المفردات ج ۲ ص ۴۲۹-۴۲۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

عرش کے متعلق احادیث اور آثار

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عرش کو اپنے نور سے پیدا کیا اور کرسی عرش سے ملی ہوئی ہے، اور پانی کرسی کے نیچے اور ہوا کے اوپر ہے اور فرشتوں نے اپنے کندھوں کے اوپر عرش کو اٹھایا ہوا ہے اور عرش کے گرد چار دریا ہیں، اور ان دریاؤں میں فرشتے کھڑے ہوئے اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں، اور عرش بھی اللہ عزوجل کی تسبیح کرتا ہے۔

(کتاب العظمہ رقم الحدیث: ۱۹۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ کرسی جو آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے قدموں کی جگہ ہے اور عرش کی مقدار کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا، سوا اس کے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور تمام آسمان گنبد کی طرح ہیں۔

(کتاب العظمہ رقم الحدیث: ۱۹۸، المستدرک ج ۲ ص ۲۸۲، یہ حدیث صحیح ہے)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یا رسول اللہ! لوگ مشکل میں پڑ گئے، بال بچے ضائع ہو گئے، اور مویشی ہلاک ہو گئے، آپ ہمارے لیے اللہ سے بارش کی دعا کیجئے، ہم آپ کو اللہ کی بارگاہ میں شفیع بناتے ہیں اور اللہ کو آپ کی بارگاہ میں شفیع بناتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار سبحان اللہ فرمایا، پھر فرمایا: تم پر افسوس ہے اللہ کو کسی کے حضور سفارشی نہیں بنایا جاتا، اللہ سبحانہ کی شان اس سے بلند ہے، تم پر افسوس ہے تم اللہ کو نہیں جانتے، اس کا عرش تمام آسمانوں اور زمینوں کو گنبد کی طرح محیط ہے اور وہ اس طرح چرچراتا ہے جس طرح پالان سواری کی وجہ سے چرچراتا ہے۔

(کتاب العظمہ رقم الحدیث: ۲۰۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۶، کتاب السنہ رقم الحدیث: ۵۷۵، الشریعہ ص ۲۹۳)

عرش کی تفسیر میں اقاویل علماء

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

اہل تفسیر نے کہا ہے کہ عرش ایک تخت ہے اور وہ جسم مجسم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا اور اس کو اٹھانے کا حکم دیا اور اس کی تعظیم کے لیے طواف کرنے کا حکم دیا جیسے زمین میں ایک بیت پیدا کیا اور بنو آدم کو اس کا طواف کرنے اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اکثر آیات، احادیث اور آثار میں اس نظریہ کی صحت پر دلائل ہیں۔

(کتاب الاسماء والصفات ص ۳۹۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ابوالحسن علی بن محمد الطبری نے کہا کہ رحمٰن کے عرش پر مستوی ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ عرش پر بلند ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ سورج ہمارے سر پر بلند ہے، اللہ سبحانہ عرش پر بلند ہے نہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے نہ وہ اس پر کھڑا ہوا ہے، نہ وہ عرش کے ساتھ مماس ہے نہ وہ اس سے مباین بمعنی متباعد ہے کیونکہ مس کرنا اور بعید ہونا اور کھڑا ہونا اور بیٹھنا اجسام کی صفات ہیں اور اللہ عزوجل احد اور صمد ہے، وہ نہ مولود ہے نہ والد اور نہ اس کا کوئی مماثل ہے اور جسم کے عوارض اور احوال اس کے لیے ممکن نہیں ہیں۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۴۱۱، مطبوعہ بیروت)

علامہ عبدالوہاب احمد بن علی الشعرانی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

رحمٰن کے عرش پر استواء کا معنی یہ ہے کہ اللہ کا خلق کرنا عرش پر مکمل ہو گیا اور اس نے عرش کے ماوراء کسی چیز کو پیدا نہیں کیا اور اس نے دنیا اور آخرت میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ دائرہ عرش سے خارج نہیں ہے کیونکہ وہ تمام کائنات کو حاوی ہے' استوی کا معنی ہم نے تمام ہونا اور مکمل ہونا کیا ہے اور یہ اس آیت سے مستفاد ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى - (القصص: ۱۴) اور جب وہ اپنے شباب کو پہنچا اور تام اور مکمل ہو گیا۔

اللہ نے قرآن مجید میں چھ جگہ[1] عرش پر استواء کا ذکر کیا ہے اور ہر جگہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے بعد عرش پر استواء کا ذکر کیا ہے مثلاً پہلی بار سورۃ الاعراف میں ذکر فرمایا ہے:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ - (الاعراف: ۵۴) بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا پھر اس کا پیدا کرنا عرش پر تام اور مکمل ہو گیا۔

یعنی اس کے پیدا کرنے کا سلسلہ عرش پر تمام ہو گیا اور اس نے عرش کے بعد کسی چیز کو پیدا نہیں کیا۔ یعنی عرش تمام ممالک میں سب سے اعظم ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر بہ اعتبار رتبہ کے بلند ہے' مثلاً جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمارے اوپر ہوا ہے' پھر اس کے اوپر آسمان ہے اور جب ہمارا وہم سات آسمانوں سے ترقی کرتا ہے تو اس کے اوپر کرسی ہے اور جب ہم کرسی سے ترقی کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے اوپر عرش ہے جو مخلوقات کی انتہا ہے' اس کے آگے ہماری فکر کی کوئی سیڑھی نہیں ہوتی اور عرش پر جا کر ہماری فکر کی پرواز ٹھہر جاتی ہے اور عرش کے اوپر اور اس سے بہ اعتبار رتبہ کے بلند اللہ تعالیٰ ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے کا سلسلہ عرش پر جا کر ٹھہر گیا اور یہی عرش پر استواء کا معنی ہے۔

(الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۱۸۵۔ ۱۸۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ شعرانی کی مراد یہ ہے کہ کائنات کے عناصر اور اجسام اور اس کی وضع کو پیدا کرنے کا سلسلہ عرش پر جا کر ٹھہر گیا' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ مطلقاً خلق اور پیدائش کا سلسلہ عرش کو پیدا کرنے کے بعد موقوف ہو گیا۔

آیا سورہ توبہ کی آخری آیت قرآن مجید کی آخری آیت ہے یا نہیں

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی جو آخری آیتیں نازل ہوئیں وہ یہ ہیں: لقد جاءکم رسول من انفسکم - الایہ - (التوبہ: ۱۲۹-۱۲۸)

(جامع البیان جز ۱۱ ص ۱۰۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس کے معارض یہ حدیث ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت البراءۃ (التوبہ) ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت: یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ - الایہ - (النساء: ۱۷۶) ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱۸)

نیز امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آخری آیت یہ ہے: واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ - (البقرہ: ۲۸۱) (جامع البیان جز ۳ ص ۱۵۶ رقم الحدیث: ۴۹۴۱)

امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نو راتیں

[1] وہ چھ جگہیں یہ ہیں: (۱) الاعراف: ۵۴ (۲) یونس: ۳ (۳) طٰہٰ: ۵ (۴) الفرقان: ۵۹ (۵) السجدہ: ۴ (۶) الحدید: ۴

زندہ رہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۵۵۴، رقم الحدیث: ۲۹۴۴)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ آیت الربو ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۴۴، مطبوعہ دار ارقم، بیروت)

واضح رہے کہ البقرہ: ۲۸۰-۲۷۸ تک آیات الربو ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ البقرہ: ۲۸۱ کا بھی پہلی آیتوں پر عطف ہے، اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۰۵، طبع لاہور)

ابن جریج نے کہا یہ آیت (البقرہ: ۲۸۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے نو گھنٹے پہلے نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی چیز نازل نہیں ہوئی، اور ابن جبیر نے کہا یہ آیت آپ کی وفات سے تین گھنٹے پہلے نازل ہوئی، سورۂ توبہ کی آخری آیت کو بھی قرآن مجید کی نازل ہونے والی آخری آیت کہا گیا ہے لیکن البقرہ کی آیت: ۲۸۱ کا آخری آیت ہونا زیادہ صحیح، زیادہ معروف اور زیادہ علماء کا مختار ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۳ ص ۳۴۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورہ نساء کی آخری آیت قرآن مجید کی آخری آیت ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ۔ (البقرہ: ۲۸۱) قرآن مجید کی آخری آیت ہے، اور اس کی تائید صحیح بخاری میں بھی ہے کہ آخری آیت، آیت الربو ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں قرآن مجید کی آخری آیتیں ہوں اور دونوں قرآن مجید کے آخر میں ایک ساتھ نازل ہوئی ہوں اور ہر آیت دوسری آیت کے اعتبار سے آخری آیت ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ، حقیقی آخری آیت ہو اور یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ کے آخری آیت ہونے کا یہ معنی ہو کہ وراثت کے احکام کی آخری آیت ہے اور اس کے برعکس ہونا اس لیے راجح نہیں ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے جو نزول قرآن مجید کے خاتمہ کو مستلزم ہے، پوری آیت اس طرح ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ (البقرہ: ۲۸۱)	اور اس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کاموں کی پوری جزا دی جائے گی اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۰۵، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

سورۃ النساء کے آخر میں ہم نے قرآن مجید کی آخری آیت کے سلسلے میں مختلف روایتوں میں باہم تطبیق بیان کی ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی سے لقد جاءکم رسول من انفسکم۔ الآیہ کا سورۂ توبہ میں درج ہونا

جب صحابہ کرام قرآن مجید کو جمع کر رہے تھے تو ان کو سورہ توبہ کی یہ آخری دو آیتیں نہیں ملیں پھر حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ آیتیں ملیں اور ان کی شہادت پر انہوں نے اس کو قرآن مجید میں شامل کیا، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے پیغام بھیجا تو میں نے قرآن مجید کو جمع کرنا شروع کیا حتیٰ کہ جب میں سورہ توبہ کے آخر پر پہنچا تو لقد جاءکم رسول من انفسکم مجھے صرف حضرت

خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس ملی اور ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں ملی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۲۵، ۲۸۰۷، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن مجید تو تواتر سے ثابت ہے، صرف ایک صحابی کے کہنے سے یہ آیت قرآن مجید کا جز کیسے بن گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کو تواتر سے معلوم تھا کہ یہ آیت سورہ توبہ کی آخری آیت ہے، لیکن مصحف میں ہر آیت کو درج کرنے کے لیے انہوں نے یہ ضابطہ بنایا تھا کہ دو صحابی اس پر گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا تھا یا دو صحابی اس پر گواہی دیں کہ جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس سال آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تھی۔ حضرت خزیمہ بن ثابت کے علاوہ اور کسی صحابی کے پاس اس کی شہادت نہیں تھی لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے قائم مقام قرار دیا تھا اس لیے اس آیت کو سورۂ توبہ میں درج کرلیا گیا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی داؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر اور حضرت زید سے کہا کہ آپ دونوں مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جائیں اور جب دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ یہ آیت کتاب اللہ کی ہے تو اس کو لکھ لیں۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زید کسی آیت کے صرف اپنے پاس لکھے ہونے پر اکتفا نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ دو گواہ اس پر گواہی دیں اور یہ چیز ان کی غایت احتیاط پر دلالت کرتی ہے۔ علامہ سخاوی نے کہا مراد یہ ہے کہ دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی یا دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی تھی، اور لیث بن سعد نے کہا کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے قرآن جمع کیا اور اس کو حضرت زید بن ثابت نے لکھا اور جب تک دو عادل (نیک) گواہ گواہی نہ دیتے حضرت زید اس آیت کو مصحف میں درج نہیں کرتے تھے اور سورہ توبہ کی آخری آیت صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس پائی گئی تو مسلمانوں نے کہا اس کو لکھ لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا ہے۔ (الاتقان ج۱ ص ۵۸، ملخصاً مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی کا دو گواہوں کے برابر ہونا

عمارہ بن خزیمہ کے چچا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مہلت طلب کی تاکہ گھوڑے کی قیمت لے کر آئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی گھوڑے کی قیمت لینے گئے، اس اعرابی نے اس کو تاخیر سمجھا پھر دوسرے لوگ اس اعرابی سے اس گھوڑے کی قیمت لگانے لگے اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں، پھر اس اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا اگر آپ اس گھوڑے کو خرید رہے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں اس گھوڑے کو بیچ رہا ہوں۔ آپ نے اس اعرابی کی بات سن کر فرمایا: کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اس اعرابی نے کہا نہیں خدا کی قسم! میں نے آپ کو یہ نہیں فروخت کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں، میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں۔ اس اعرابی نے کہا اچھا پھر آپ گواہ لائیں۔ حضرت خزیمہ بن ثابت نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا آپ کو فروخت کر دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: تم کس وجہ سے گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیونکہ میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۶۰۷، سنن النسائی رقم الحدیث:۴۶۶۱، الطبقات الکبری رقم الحدیث:۵۸۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث:۳۷۳۰، مجمع الزوائد ج۹ ص۳۲۰، المستدرک ج۲ ص۱۸، سنن کبریٰ ج۱۰ ص۱۴۶، تہذیب تاریخ دمشق ج۵ ص۱۳۶، کنز العمال رقم الحدیث:۳۷۰۳۸، الاصابہ رقم:۲۲۵۶، اسد الغابہ رقم:۱۴۴۶)

صحیح بخاری میں بھی اس کی تائید ہے:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مصحف میں آیات درج کر رہا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ الاحزاب کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا تھا، وہ مجھے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ملی جن کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کے برابر قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہ تھی: من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه۔ (الاحزاب: ۲۳) (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۸۰۷)

اس سے معلوم ہوا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا تھا، اس وقت نگاہ نبوت میں یہ تھا کہ ایک وقت آئے گا جب جمع قرآن کے وقت سورہ توبہ کی آخری آیت اور الاحزاب کی آیت: ۲۳ پر حضرت خزیمہ کے سوا کوئی گواہ نہیں ہوگا اور اگر ان کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار نہ دیا جائے تو سورہ توبہ اور سورہ احزاب میں یہ آیتیں درج ہونے سے رہ جائیں گی۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم-الایہ
کے وظیفہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

ابوبکر محمد بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں ابوبکر بن مجاہد کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ شبلی آگئے، ابوبکر بن مجاہد ان کے لیے کھڑے ہوئے اور ان سے معانقہ کیا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں نے کہا اے سیدی! آپ شبلی کی اس قدر تعظیم کر رہے ہیں حالانکہ آپ کا اور تمام اہل بغداد کا یہ خیال ہے کہ یہ دیوانہ ہے! انہوں نے کہا: میں نے اس کے ساتھ اسی طرح کیا ہے جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے ساتھ کرتے ہوئے دیکھا ہے، کیونکہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، پھر دیکھا کہ شبلی آرہا تھا۔ آپ اس کے لیے کھڑے ہوئے اور اس کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ شبلی کی اس قدر تعظیم کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ نماز کے بعد یہ پڑھتا ہے: لقد جاء کم رسول من انفسکم۔ الایہ۔ (التوبہ: ۱۲۹-۱۲۸) اور اس کے بعد مجھ پر درود (شریف) پڑھتا ہے، اور ایک روایت میں ہے یہ ہر فرض کے بعد یہ دو آیتیں پڑھتا ہے، اس کے بعد مجھ پر درود پڑھتا ہے اور تین مرتبہ اس طرح پڑھتا ہے صلی اللہ علیک یا محمد، انہوں نے کہا پھر جب شبلی آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نماز کے بعد کیا ذکر کرتے ہیں تو انہوں نے اسی طرح ذکر کیا۔ (جلاء الافہام ص ۲۵۸، مکتبہ نوریہ رضویہ، لائل پور، پاکستان)

حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی متوفی ۹۰۲ھ نے القول البدیع ص ۲۵۲-۲۵۱ میں اور علامہ احمد بن محمد بن حجر ہیتمی متوفی ۹۷۳ھ نے الدر المنضود ص ۱۵۲-۱۵۱ میں اور شیخ محمد زکریا نے فضائل درود ص ۱۱۶ میں اس روایت کا ذکر کیا ہے اور شیخ زکریا نے علامہ سخاوی کے حوالے سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شبلی کا اسی (۸۰) سال سے یہ معمول ہے۔

حسبی اللہ لا الہ الا ھو پڑھنے کی فضیلت

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہر صبح اور ہر شام کو

سات مرتبہ یہ پڑھا حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم' اس کے دنیا اور آخرت کے اہم کاموں میں اللہ کافی ہو گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۰۸۱' عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث:۷۱' الاذکار للنووی رقم الحدیث:۲۱۹)

سنن ابوداؤد میں یہ حدیث موقوف ہے اور باقی کتابوں میں مرفوع ہے۔

اور یہاں پہنچ کر سورۂ توبہ کی تفسیر ختم ہو گئی۔

کلمات تشکر

الحمد للہ علی احسانہ آج بروز جمعہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ / ۳۰ جولائی ۱۹۹۹ء کو سورہ توبہ کی تفسیر مکمل ہو گئی' الہ العالمین! جس طرح آپ نے کرم فرمایا اور سورہ توبہ تک یہ تفسیر کرا دی ہے باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔ میں ذیابیطس اور بلند فشار دم کا عرصہ ۱۴ سال سے مریض ہوں اور سولہ سال سے لمباگو (کمر کے درد) کا مریض ہوں اور اب تین سال سے سیدھے ہاتھ کے جوڑ میں بازو کے درد میں مبتلا ہوں اور شوگر کی وجہ سے دیگر امراض لاحق ہیں اس کے باوجود چار مہینوں میں سورہ توبہ کی یہ تفسیر مکمل ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں یہ انسانی طاقت کی کاوش نہیں ہے' یہ محض اللہ کا کرم اور اس کا فضل ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ گندی اور بدبودار کھاد سے مہکتے ہوئے خوشبودار اور پاکیزہ پھول پیدا کر دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس گنہ گار اور سیاہ کار بندے کے ہاتھوں یہ پاکیزہ اور نورانی تفسیر لکھوا دی۔ سورۂ توبہ کی تفسیر ختم کرتے ہوئے میں اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے حسن خاتمہ اور نیک عاقبت کی دعا کرتا ہوں۔ الہ العالمین! مجھے تمام امراض سے شفا عطا فرما اور اس تفسیر کو مکمل کرا دے' اس کو اپنی اور اپنے حبیب اکرم کی بارگاہ میں قبول فرما اور قیامت تک تمام مسلمانوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا فرما اور اس میں مذکور عقائد اور اعمال کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق پیدا فرما' موافقین کے لیے اس تفسیر کو موجب استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنا دے۔ شرح صحیح مسلم اور اس تفسیر کو مخالفین کے بغض اور عناد سے محفوظ رکھ' اس تفسیر کے مصنف' اس کے والدین اور اقرباء' اس کے کمپوزر' اس کے مصحح اور اس کے ناشر اور قارئین کی مغفرت فرما' ان کو دنیا اور آخرت کی ہر آزمائش اور مصیبت اور عذاب سے محفوظ رکھ اور دنیا اور آخرت کی نعمتیں' راحتیں اور سعادتیں ان کے لیے مقدر فرما دے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبک سیدنا محمد افضل الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین صلوات اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وامتہ اجمعین۔

سُورَةُ يُونُسَ

(١٠)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ یونس

سورت کا نام اور اس کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ یونس ہے، کیونکہ یونس علیہ السلام کی قوم باقی انبیاء علیہم السلام کی اقوام سے اس صفت میں منفرد تھی کہ یونس علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور انہوں نے عذاب الٰہی کے آثار دیکھ لیے تو وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت یونس علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور ان کا ایمان لانا نفع آور ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور ان سے عذاب اٹھا لیا جس کا اس آیت میں ذکر ہے:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (یونس: ۹۸)

یونس کی قوم کے سوا اور کسی بستی کے لوگ ان کی طرح کیوں نہ ہوئے کہ وہ لوگ (بھی) ایمان لے آتے اور انہیں (بھی) ان کا ایمان نفع دیتا؟ (جس طرح) وہ (قوم یونس) ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے ان کی دنیا کی زندگی میں عذاب اٹھا لیا اور ایک مخصوص وقت تک انہیں فائدہ پہنچایا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ سورۃ الصافات میں سورۃ یونس سے بہت زیادہ ہے تو اس کا نام سورۃ یونس کیوں نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وجہ تسمیہ میں یہ ضروری ہے کہ جس چیز کا نام رکھا جائے اس میں اس چیز کی مناسبت ہونی چاہیے، یہ ضروری نہیں کہ جہاں وہ مناسبت پائی جائے وہاں وہ نام بھی ہو کیونکہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ خمر (انگور کی شراب) کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ مخامرہ کا معنی ہے ڈھانپنا اور خمر عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بھنگ بھی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے سو اس کو بھی خمر کہنا چاہیے، اردو میں اس کی یہ مثال ہے کہ پاجامہ کو پاجامہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ پیروں کا لباس ہے، اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شلوار، تہبند، غرارہ، ساڑھی اور پتلون وغیرہ یہ بھی پیروں کا لباس ہے تو ان کو پاجامہ کیوں نہیں کہتے۔

سورہ یونس کا نام یونس رکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سورہ یونس، سورہ ہود، سورہ یوسف اور سورہ ابراہیم یہ چاروں

سورتیں الٓرٰ سے شروع ہوتی ہیں اور ان میں باہم امتیاز کے لیے ہر سورت کا وہ نام رکھا گیا جس سورت میں ایک نبی کا یا اس کی قوم کا تذکرہ آیا ہو بجائے اس کے کہ ان میں اس طرح امتیاز ہو تا الٓرٰ اولیٰ، الٓرٰ ثانیہ، الٓرٰ ثالثہ اور الٓرٰ رابعہ۔

سورہ یونس کا زمانہ نزول

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام النحاس، امام ابوالشیخ اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ سورہ یونس مکہ میں نازل ہوئی، اور امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورہ یونس مکہ میں نازل کی گئی۔ (الدرالمنثور ج ۴ ص ۳۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

نیز لکھتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ امام ابن مردویہ نے مجاہد کی سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ مکی ہے اور عطا کی سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ مدنی ہے۔

(الاتقان ج ۱ ص ۴۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

بعض علماء نے سورہ یونس کے مکی ہونے سے تین آیتوں کا استثناء کیا ہے، اور ابن الفرس اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ سورہ یونس کے شروع سے لے کر چالیس آیتوں تک مکی آیتیں ہیں اور باقی آیتیں مدنی ہیں، اس کی ایک سو نو آیتیں ہیں اور شامی کے نزدیک اس کی ایک سو دس آیتیں ہیں۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۸۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

سورہ التوبہ اور سورہ یونس کی مناسبت

سورہ توبہ کا اختتام رسالت کے ذکر پر ہوا تھا لقد جاء کم رسول من انفسکم۔ (التوبہ: ۱۲۸) اور سورہ یونس کی ابتداء بھی رسالت کے ذکر سے ہوئی ہے: اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منہم۔ (یونس: ۲) "کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہوا ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک (مقدس) مرد پر وحی نازل کی ہے"۔ نیز سورہ توبہ میں مصیبت نازل ہونے کے باوجود اس سے عبرت اور نصیحت حاصل نہ کرنے اور توبہ نہ کرنے پر منافقین کی مذمت کی تھی:

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔ (التوبہ: ۱۲۶)	کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں پھر بھی وہ نہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔

اور اس سورت میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے جو کسی مصیبت کے موقع پر اللہ سے فریاد کرتے ہیں اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر وہ اس طرح ہو جاتے ہیں جیسے انہوں نے کبھی اللہ کو پکارا ہی نہیں تھا۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ۔ (یونس: ۱۲)	اور جب انسان کو کوئی مصیبت آ پہنچتی ہے تو وہ ہم سے فریاد کرتا ہے خواہ پہلو کے بل یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے اور جب ہم اس سے مصیبت دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزر جاتا ہے گویا اس نے کسی مصیبت کے پہنچتے وقت ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔

اس طرح سورہ توبہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسول کی طرف سے مشرکین سے بیزاری کے اعلان سے کی اور اس میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ مشرکین کو جہاں پائیں قتل کر دیں۔ (التوبہ: ۵) اور اس سورت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ وہ مشرکین سے بیزاری کا اظہار کریں:

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيْٓئُونَ مِمَّآ أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۔(یونس: ۴۱)

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے، تم ان کاموں سے بری الذمہ ہو جو میں کرتا ہوں اور میں ان کاموں سے بیزار ہوں جن کو تم کرتے ہو۔

سورہ یونس کے مسائل اور مقاصد

★ اس سورت کی ابتداء الر سے کی گئی ہے جو حروف تہجی ہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ قرآن مجید جس کو ہمارے نبی نے اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے ان ہی حروف سے بنا ہے جن سے تم اپنا کلام بناتے ہو اگر یہ تمہارے دعویٰ کے مطابق کسی انسان کا کلام ہے تو تم بھی ایسا ہی کلام بنا کر لے آؤ، سو یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل ہے۔

★ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ثبوت کو مستلزم ہے۔

★ مخلوقات کی حکمتیں بیان فرمائی ہیں اور جزا اور سزا کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔

★ مشرکین کے لیے وعید بیان کی ہے اور مومنوں کو بشارت دی ہے۔

★ کافروں پر جلد عذاب نہ بھیجنے کی حکمت بیان فرمائی ہے۔

★ پچھلی امتوں کو رسولوں کے جھٹلانے کی سزائیں یاد دلائی ہیں۔

★ خشکی اور سمندر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جو نشانیاں ہیں ان کا ذکر فرمایا ہے۔

★ دنیا کے زیب و زینت کے زوال اور اخروی نعمتوں کی بقا کو بیان فرمایا ہے۔

★ آخرت میں مومنوں اور کافروں کے احوال کا تفاوت اور باطل خداؤں کی اپنے عبادت گزاروں سے بیزاری کا ذکر فرمایا ہے۔

★ اللہ عزوجل کے غیر کی الوہیت کا اس دلیل سے رد فرمایا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں کسی کے کسی کام نہیں آسکتے۔

★ قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے پر دلائل قائم کیے ہیں اور مشرکین کے اس قول کو باطل کیا ہے کہ قرآن میں من گھڑت باتیں ہیں۔

★ مشرکین کو چیلنج دیا ہے کہ وہ قرآن مجید کی کسی ایک سورت کی مثل لا کر دکھا دیں۔

★ مشرکین کو اس بات سے ڈرایا ہے کہ پچھلی جن امتوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی ان پر خوفناک عذاب آیا، اور عذاب آنے کے بعد پھر کسی قوم کے ایمان لانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر یہ عذاب اس لیے نہیں آیا تھا کہ وہ عذاب آنے سے پہلے فوراً ایمان لے آئے تھے۔

★ مشرکین کی اس پر مذمت کی ہے کہ انہوں نے اللہ کے حلال رزق کو حرام کر لیا تھا۔

★ اولیاء اللہ کو دنیا اور آخرت کی بشارت دینے کا ذکر فرمایا ہے۔

★ کفار کی دل آزار باتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے۔

★ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے۔

★ انبیاء سابقین میں سے حضرت نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے احوال پر غور کی دعوت ہے۔

★ اہل کتاب کی شہادت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے صدق کو بیان فرمایا ہے۔

★ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تلقین کی ہے کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم میرے دین میں شک

کرتے ہو تو میں تو اللہ ہی کی عبادت کروں گا اور اگر (بالفرض) اللہ آپ کو کوئی نقصان پہنچائے تو آپ کو اللہ سے کوئی بچا نہیں سکتا اور اگر وہ آپ کے لیے کسی خیر کا ارادہ کرے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا جس نے ہدایت پائی تو اپنے فائدہ کے لیے اور جو گمراہ ہوا تو اس کا وبال صرف اسی پر ہے۔

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعُ اٰيَاتٍ وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ یونس مکی ہے اس میں ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا المنزل ۳

الف لام را، یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت سے معمور ہے ○ کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے

اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک (مقدس) مرد پر وحی نازل کی ہے کہ آپ (غافل) لوگوں کو ڈرائیں اور ایمان والوں کو

اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس (ان کے نیک اعمال کا) بہترین اجر ہے (اس پر) کافروں نے کہا

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بے شک یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے ○ بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور

وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ

زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر جلوہ گر ہوا وہ کائنات کو چلانے کا انتظام

الْاَمْرَ ۗ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۗ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

کرتا ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے، یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے،

فَاعْبُدُوْهُ ۗ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۗ وَعْدَ

سو تم اس کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ○ اسی کی طرف تم سب نے لوٹ کر جانا ہے، یہ اللہ کا

اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ
برحق وعدہ ہے، بے شک وہ مخلوق کو ابتداءً پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، تاکہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ جزا دے
اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ
جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان
شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝۴
کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ کفر کرتے تھے ○
هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ
وہی ہے جس نے سورج کو روشنی دینے والا بنایا اور چاند کو روشن، اور اس کی منزلیں مقرر
مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ
کیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب کو جان لو، اللہ نے یہ سب برحق
اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۵
ہی پیدا کیا ہے وہ علم والوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانیاں واضح کرتا ہے ○
اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ
بے شک رات اور دن کے بدلنے میں اور ہر اس چیز میں جس کو اللہ نے آسمانوں اور
وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝۶ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ
زمینوں میں پیدا کیا ہے ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو (فکر میں غلطی سے) بچتے ہیں ○ درحقیقت جو لوگ ہم سے ملاقات
لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِیْنَ
کی توقع نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی سے راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن ہیں اور جو لوگ
هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ۙ اُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا
ہماری آیتوں سے غافل ہیں ○ یہ وہی ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کاموں کی وجہ سے

یَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ

جو وہ کرتے رہے تھے ۝ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کا رب ان کو

رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ

ان کے ایمان کی وجہ سے دائمی جنتوں کی طرف ہدایت دے گا جن کے نیچے سے دریا

النَّعِیْمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا

بہتے ہیں ۝ اور جنتوں میں ان کی بے ساختہ یہ پکار ہوگی "پاک ہے تو اے اللہ"! اور جنتوں میں ان کی ایک دوسرے کیلئے

سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰ ع ۱ ۱۰ ۶

یہ دعا ہوگی: "سلام علیکم" اور ہر بات کے آخر میں ان کا یہ کہنا ہوگا: "الحمد للہ رب العالمین" ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام را، یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت سے معمور ہے ۝ (یونس: ۱)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الر کی تفسیر میں فرمایا: انا اللہ اری "میں اللہ دیکھتا ہوں" حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ الر، حم اور نون مل کر اللہ تعالیٰ کا نام "الرحمٰن" بنتا ہے، اور قتادہ سے یہ روایت ہے کہ یہ حروف قرآن مجید کے اسماء ہیں، ان کی مکمل تفسیر البقرہ: ۱ میں گزر چکی ہے۔

(جامع البیان ج ۱۱ ص ۱۰۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۹۲۱)

کتاب حکیم کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد تورات اور انجیل ہے اور اس کا معنی یہ ہے: اس سورت میں جو قصص بیان کیے گئے ہیں وہ تورات اور انجیل کے موافق ہیں، حالانکہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں کو پڑھا تھا نہ کسی عالم سے ان کو سنا تھا تو پھر اس موافقت کا حصول اس کے سوا ممکن نہیں ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی تھی اور یہ آپ کی نبوت اور رسالت پر دلیل ہے۔

(۲) الر میں یہ اشارہ ہے کہ یہ کتاب حروف تہجی سے مرکب ہے، اگر یہ اللہ کا کلام نہیں ہے اور کسی انسان کا کلام ہے تو تم بھی ان حروف تہجی سے اس کی مثل کلام بنا کر لے آؤ، اور یہ بھی آپ کی نبوت اور رسالت پر دلیل ہے۔

(۳) اس آیت میں حکیم بہ معنی حاکم ہے، یعنی یہ کتاب اس بات کا حکم دیتی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہیں، کیونکہ آپ کی نبوت کی دلیل قرآن مجید ہے جس کی مثال لانے سے پوری دنیا عاجز ہے۔

(۴) حکیم بہ معنی محکم ہے یعنی یہ کتاب منسوخ نہیں ہے، اس میں کذب، تناقض اور تضاد نہیں ہے اور حادثات زمانہ سے یہ کتاب مٹ نہیں سکتی اور یہ بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ قیامت تک کے نبی ہیں اس لیے آپ کی کتاب بھی بلا کسی تغیر کے قیامت تک باقی رہے گی، اس کے برخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کیونکہ ایک مخصوص

زمانہ کے لیے نبی تھے اس لیے ان کی کتابیں بھی ان کے بعد تغیرات سے محفوظ نہیں رہیں حتیٰ کہ اب وہ زبان بھی موجود نہیں جس زبان میں یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔

(۵) حکیم کا معنی ہے یہ کتاب حکمت پر مشتمل ہے، حکمت کا معنی ہے علم اور عقل سے حق تک پہنچنا، اللہ تعالیٰ کی حکمت کا معنی یہ ہے کہ اس کو تمام اشیاء کا علم ہے اور اس نے ان اشیاء کو انتہائی خوبی اور بہتری کے ساتھ پیدا کیا ہے اور انسان کی حکمت یہ ہے کہ اس کو موجودات کی معرفت ہو اور وہ نیک کام کرے اور قرآن مجید کی حکمت یہ ہے کہ اس نے صحیح اور برحق باتیں بیان کی ہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۶۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک (مقدس) مرد پر یہ وحی نازل کی ہے کہ آپ (غافل) لوگوں کو ڈرائیں اور ایمان والوں کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس (ان کے نیک اعمال کا) بہترین اجر ہے (اس پر) کافروں نے کہا بے شک یہ شخص تو کھلا جادوگر ہےO (یونس: ۲)

آپ کی نبوت پر مشرکین کا تعجب اور اس کا ازالہ

مشرکین مکہ حسب ذیل وجوہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر تعجب کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ایک بشر کو رسول بنائے۔ (جامع البیان جز ۱۱ ص ۱۰۷، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۹۲۲)

قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۹۴) کفار نے کہا کیا اللہ نے بشر کو رسول بنایا؟

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تعجب کو حسب ذیل آیتوں میں زائل فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَO (الانعام: ۹) اور اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے تو اسے مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًاO آپ کہئے اگر زمین میں (رہنے والے) فرشتے ہوتے جو اس میں اطمینان سے چلنے والے ہوتے تو ہم ضرور ان کے اوپر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر نازل کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا جائے وہ اسی قوم کی جنس سے ہوتا ہے تاکہ اس رسول کا عمل اس قوم کے لیے نمونہ اور حجت ہو، نیز اگر رسول کسی اور جنس سے ہو تو قوم اس سے استفادہ نہیں کر سکتی جیسا کہ عام انسان فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں نہ ان کا کلام سن سکتے ہیں نہ ان کو مس کر سکتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ انسان اور بشر کی طرف انسان اور بشر ہی کو رسول بنا کر بھیجا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی سنت رہی ہے چنانچہ اس نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ۔ (یوسف: ۱۰۹) اور ہم نے آپ سے پہلے (بھی) صرف مردوں ہی کو رسول بنایا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

نیز ان کو اس بات پر بھی تعجب ہوتا تھا کہ ایک غریب اور یتیم شخص کو کیوں رسول بنایا، کسی امیر کبیر شخص کو رسول کیوں نہیں بنایا؟ چنانچہ وہ کہتے تھے:

لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ (الزخرف: ۳۱) مشرکین نے کہا یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ فقر نیک صفات کے منافی نہیں ہے اور غنا نیک صفات کا موجب نہیں ہے، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقر کے باوجود اپنی نیکی، خیر، تقویٰ، امانت، دیانت، صلہ رحم اور ایثار وغیرہا کے ساتھ معروف اور مشہور تھے اور آپ کا یتیم ہونا کسی نقصان کا موجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم اس لیے رکھا کہ آپ پر والدین کی پرورش کا احسان نہ ہو، کیونکہ آپ کو تمام دنیا پر فضل اور احسان کرنے کے لیے بھیجا تھا کسی کا احسان اٹھانے کے لیے نہیں بھیجا تھا اور مالدار اور غنی ہونا کسی خوبی اور نیکی کو مستلزم نہیں ہے، مکہ میں کتنے مال دار اور غنی تھے لیکن ان کی نیکی اور پرہیزگاری کی شہرت نہیں تھی اور نہ مال اور دولت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓي ۔ (سبا: ۳۷)

اور نہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تم کو ہمارے قریب کر دیں۔

قدم صدق کے متعدد محامل

اس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ ایمان والوں کو بشارت دیجئے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس قدم صدق ہے، قدم صدق کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قدم صدق سے مراد منزل صدق ہے، یعنی بہترین مقام اور یہ تفسیر اس آیت سے ماخوذ ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ ۔ (بنی اسرائیل: ۸۰)

آپ کہئے کہ اے میرے رب مجھے بہترین مقام میں داخل فرما اور مجھے بہترین مقام سے باہر لا۔

زجاج نے کہا قدم صدق سے مراد بلند مرتبہ ہے۔ (معانی القرآن للزجاج، ج ۳ ص ۶ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

ماوردی نے کہا اس سے مراد نیک بیٹا ہے جو بچپن میں فوت ہو گیا کیونکہ قدم کا معنی ہے مقدم اور پیش رو، اور نابالغ بچے قیامت کے دن ماں باپ کے لیے مقدم اور پیش رو ہوں گے۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ تلقین کی کہ وہ اپنے نابالغ بیٹے کی نماز جنازہ میں یہ دعا مانگیں: اے اللہ! اس کو ہمارے لیے مقدم اور پیش رو بنا دے اور اس کو (نیکیوں کا) ذخیرہ اور اجر بنا دے۔ (صحیح البخاری کتاب الجنائز باب: ۶۵)

حسن اور قتادہ نے کہا اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ مسلمانوں کی شفاعت کرنے والے اور ان پر مقدم ہیں: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حوض پر تمہارا پیشرو اور مقدم ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۹)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ میدان محشر میں سب پر مقدم ہوں گے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (بعثت میں) آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہیں، (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۵) نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں: میں محمد اور احمد ہوں، اور ماحی (مٹانے والا) ہوں، اللہ میرے سبب سے کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا اور میں عاقب (سب نبیوں کے بعد آنے والا خاتم النبیین) ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۸۹۱)

مجاہد نے کہا: قدم صدق سے مراد نیک اعمال ہیں۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد نیک اعمال کا اجر ہے۔

یہ تمام محامل امام ابن ابی حاتم نے بیان کیے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۹۲۴۔ ۱۹۲۲)

آپ کو ساحر کہنے کا جواب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اس پر) کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادوگر ہے۔ کافروں کی مراد یہ تھی کہ قرآن مجید اپنی فصاحت اور بلاغت میں اتنے عظیم مرتبہ پر ہے کہ اس جیسا کلام بنانا غیر ممکن ہے اور اسی وجہ سے یہ جادو ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہیں' ان کے اس کلام کا فاسد اور باطل ہونا بالکل بدیہی اور ظاہر تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب نہیں دیا' کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشوونما ان کے درمیان ہوئی' اور آپ کا کبھی جادوگروں سے واسطہ نہیں پڑا اور نہ ہی مکہ میں جادو سکھانے والے تھے حتیٰ کہ یہ کہا جاتا کہ آپ نے ان سے جادو سیکھ لیا' پھر آپ کا ایسا کلام پیش کرنا جس کی نظیر لانے سے سب عاجز تھے معجزہ کے سوا اور کچھ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا' پھر وہ عرش پر جلوہ گر ہوا وہ کائنات کو چلانے کا انتظام کرتا ہے' اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے' یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے سو تم اس کی عبادت کرو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ○ (یونس: ۳)

مشرکین کے تعجب کو زائل کرنا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وحی' بعثت اور رسالت پر کفار کے تعجب کو بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں ان کے تعجب کو زائل فرمایا ہے بایں طور کہ جس ذات نے تمام مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اس کا اس مخلوق کی طرف ایک رسول کو بھیجنا کوئی بعید نہیں ہے جو اس کی مخلوق کو نیک اعمال پر ثواب کی بشارت دے اور برے اعمال پر عذاب سے ڈرائے کیونکہ اس جہان کا ایک پیدا کرنے والا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے احکام نافذ ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور وہی اس کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے' نیز وہی ثواب اور عذاب دینے والا ہے کیونکہ اس دنیا کی زندگی کے بعد سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' اس لیے تمام مخلوق کو اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔

آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے اور عرش پر جلوہ گر ہونے کی تفسیر ہم الاعراف: ۵۴ میں بیان کر چکے ہیں' نیز عرش کی مزید تفسیر ہم نے التوبہ: ۱۲۹ میں بیان کی ہے اور شفاعت کی تفسیر البقرہ: ۴۸ میں اور عبادت کی تفسیر الفاتحہ: ۴ میں بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی کی طرف تم سب نے لوٹ کر جانا ہے' یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے' بے شک وہ مخلوق کو ابتداءً پیدا کرتا ہے' پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا' تاکہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ کفر کرتے تھے ○ (یونس: ۴)

حشر اجساد پر دلائل

کفار اور مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے' حشر اور جزاء اور سزا کا انکار کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حشر اجساد پر بہت زور دیا ہے اور دوبارہ زندہ کرنے پر بہت دلائل قائم کیے ہیں' ان میں سے چند دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) ہم دیکھتے ہیں کہ زمین ایک موسم (خزاں) میں مردہ ہوتی ہے اس پر خشکی غالب ہوتی ہے' پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے موسم (بہار) میں اس پر بارش ہوتی ہے اور وہ زمین زندہ ہو جاتی ہے' اس میں کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور بکثرت پھل' پھول اور غلہ پیدا ہوتا ہے' پھر پہلا موسم لوٹ آتا ہے اور وہ زمین مردہ ہو جاتی ہے اور دوسرے موسم میں پھر بارشیں ہوتی ہیں اور پھر

وہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے تو جو زمین کو ایک بار زندہ کرتا ہے پھر مار دیتا ہے اور پھر زندہ کر دیتا ہے تو کیا اس میں یہ نشانی نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو بھی مار کر پھر زندہ کرے گا۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ۔ (فاطر: ۹)

اور اللہ جو ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادل اٹھا لاتی ہیں، پھر ہم بادل کو مردہ شہر کی طرف لے جاتے ہیں، پھر ہم اس کے سبب سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کر دیتے ہیں، اسی طرح (قبروں سے) اٹھنا ہے۔

(۲) ہم میں سے ہر شخص اپنا مشاہدہ کرتا ہے کہ کسی بیماری یا عارضہ کی وجہ سے اس کا جسم دبلا ہو جاتا ہے، پھر صحت مند ہونے کے بعد مقوی غذائیں اور فربہ کرنے والی خوراک کھانے سے وہ پھر موٹا اور فربہ ہو جاتا ہے اور پھر کسی عارضہ کی وجہ سے کمزور اور دبلا ہو جاتا ہے اور پھر دوبارہ موٹا ہو جاتا ہے اور کمزوری بمنزلہ موت اور فربہی بمنزلہ حیات ہے تو اللہ تعالیٰ ہمارے جسموں کو کمزور اور دبلا کرنے کے بعد دوبارہ پھر موٹا اور طاقتور کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ ہم کو مارنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کر دینے پر بھی قادر ہے، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ برسات کے موسم میں مینڈک اور دوسرے برساتی جانور اچانک مٹی سے پیدا ہو جاتے ہیں اور برسات کا موسم ختم ہوتے ہی مرکھپ جاتے ہیں پھر دوبارہ برسات آنے پر وہی جانور دوبارہ پھر پیدا ہو جاتے ہیں تو کیا ان نشانیوں سے یہ واضح نہیں ہو جاتا کہ وہ تمام انسانوں کو مارنے کے بعد دوبارہ پھر پیدا کر دے گا!

(۳) اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی سابق مثال اور نمونہ کے ابتداءً انسانوں کو پیدا فرمایا ہے تو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلِ اللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ○ (یونس: ۳۴)

آپ کہئے کہ اللہ ہی ابتداءً پیدائش کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ فرمائے گا سو تم لوگ کہاں بھٹک رہے ہو۔

قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ○ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ (یٰس: ۷۹-۷۸)

اس (مشرک) نے کہا ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد ان کو، کون زندہ کرے گا؟○ آپ کہئے کہ وہی ان کو زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے بڑے پہاڑ اور آسمان اور زمین پیدا کیے تو وہ مردہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں ہے!

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی ؕ (الاحقاف: ۳۳)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور ان کو پیدا کرنے کے بعد تھکا نہیں وہ (ضرور) مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا۔ (النازعات: ۲۷)

کیا (تمہارے نزدیک) تمہارا بنانا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا بنانا۔

(۵) نیند ایک قسم کی موت ہے، انسان پر نیند کے بعد بیداری اور بیداری کے بعد موت کے احوال طاری ہوتے رہتے ہیں تو جو سوئے ہوئے شخص کو دوبارہ بیدار کر دیتا ہے وہ مردہ کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر سکتا!

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ

اللہ موت کے وقت روحوں کو قبض کرتا ہے اور جن کی

تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ (الزمر: ۴۲)

موت نہیں آئی ان کی نیند میں روح قبض کرتا ہے، پھر جس کی موت کا حکم فرمادیا اس کی روح کو روک لیتا ہے اور دوسرے کی روح کو ایک میعاد مقرر تک چھوڑ دیتا ہے' بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○

(۶) حیات موت کی ضد ہے' اور اللہ تعالیٰ ایک چیز کے بعد اس کی ضد کو پیدا کرنے پر قادر ہے جس طرح نور کے بعد ظلمت اور ظلمت کے بعد نور اور دن کے بعد رات' اور رات کے بعد دن' سو اسی طرح وہ موت کے بعد حیات پیدا کرنے پر قادر ہے۔

عدل کے ساتھ جزا دینے کی توجیہ

حشر اجساد قائم کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان اور کافر اور نیک اور بد کے درمیان فرق کو ظاہر کیا جائے' نیک شخص کو اس کی نیکی پر اجر دیا جائے اور بدکار کو اس کی بدی پر سزا دی جائے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک وہ مخلوق کو ابتداءً پیدا کرتا ہے پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ وہ ان لوگوں کو عدل و انصاف کے ساتھ جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ نیک مسلمانوں کو اجر عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے یعنی ان کو ان کی نیکیوں کا پورا پورا اجر ملے گا اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی' اسی طرح قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی ہے:

وَتِلْکَ الْجَنَّةُ الَّتِیْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (الزخرف: ۷۲)

اور یہ ہے وہ جنت جس کے تم ان (نیک) کاموں کے سبب سے وارث کیے گئے ہو جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (النحل: ۳۲)

وہ (نیک مسلمان) جن کی فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں درآں حالیکہ وہ خوش ہوتے ہیں' کہتے ہیں کہ تم ان (نیک) کاموں کے سبب سے جنت میں داخل ہو جاؤ جن کو تم کرتے تھے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّ عُیُوْنٍ ○ وَّفَوَاکِهَ مِمَّا یَشْتَهُوْنَ ○ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ (المرسلات: ۴۴-۴۱)

بے شک نیک مسلمان سائے اور چشموں میں ہوں گے ○ اور اپنی خواہش سے پھلوں میں ○ مزے سے کھاؤ پیو ان (نیک) کاموں کے سبب سے جو تم کرتے تھے ○ بے شک ہم نیک کام کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ ایک حدیث ان آیات کے معارض ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور نہ دوزخ سے پناہ میں رکھے گا اور نہ مجھ کو' سوا اس کے کہ اللہ رحم فرمائے' ایک اور روایت میں ہے سوا اس کے کہ اللہ فضل فرمائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۷' مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۹' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۳۷۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۳۸۴)

اور متکلمین اہلسنت نے کہا ہے کہ نیکوں کو ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور کافروں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ نیکوں پر اجر و ثواب عطا کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور حدیث اسی معنی پر محمول ہے' اور ان

آیات میں نیک کاموں کو جو اجر و ثواب کا سبب قرار دیا ہے یہ اسناد بہ اعتبار ظاہر کے ہے اور بندے کی نیکیوں کو اجر و ثواب کا سبب قرار دینا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم اور اس کا فضل ہے تاکہ بندہ خوش رہے اور نیک کاموں کے لیے اس کا جذبہ برقرار رہے اور اس کا حوصلہ بڑھتا رہے کہ وہ جو نیک کام کر رہا ہے وہ بے ثمر اور بے مقصد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان نیکیوں سے خوش ہوتا ہے اور ان پر انواع و اقسام کی جنت کی دائمی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے سورج کو روشنی دینے والا بنایا اور چاند کو روشن، اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب کو جان لو، اللہ نے یہ سب برحق ہی پیدا کیا ہے، وہ علم والوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانیاں واضح کرتا ہےO بے شک رات اور دن کے بدلنے میں اور ہر اس چیز میں جس کو اللہ نے آسمانوں اور زمینوں میں پیدا کیا ہے ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو (فکر میں غلطی سے) بچتے ہیںO (یونس: ۶-۵)

سورج سے الوہیت اور توحید پر استدلال

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے الوہیت اور توحید پر استدلال کیا تھا، اور اس آیت میں سورج اور چاند کو پیدا کرنے سے توحید پر استدلال کیا ہے، اس استدلال کی تقریر یہ ہے کہ سورج، چاند اور باقی تمام سیارے بحیثیت جسم سب مساوی ہیں، اب سورج کو اس وضع مخصوص اور صفات مخصوصہ عطا کرنے کے لیے کوئی مرجح ہونا چاہیے اور وہ مرجح واجب الوجود اور قدیم بالذات ہونا چاہیے کیونکہ ممکن اور حادث تو اپنے وجود میں پھر کسی مرجح کا محتاج ہوگا اور واجب الوجود کا واحد ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر دو واجب الوجود ہوں تو ان میں ایک امر مشترک ہوگا اور ایک امر مخصص اور ممیز ہوگا اور جو دو چیزوں سے مرکب ہو وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور مرکب اور محتاج حادث اور ممکن ہوتا ہے واجب اور قدیم نہیں ہوتا پس ثابت ہوا کہ سورج کی وضع مخصوص اور اس کی صفات مخصوصہ ذاتی نہیں ہیں کیونکہ سورج جسم ہونے میں تمام اجسام کے مساوی ہے سو اگر یہ اس کی جسمیت کا تقاضا ہوں تو تمام اجسام سورج کی طرح ہونے چاہئیں، اس لیے اس وضع اور ان صفات کے لیے کوئی مرجح ہونا چاہیے اور ہم بتا چکے ہیں کہ وہ مرجح واجب الوجود، قدیم اور واحد ہونا چاہیے اور واجب الوجود، قدیم اور واحد اللہ عزوجل ہی کی ذات ہے اور جب وہ سورج کا خالق ہے تو تمام کائنات کا وہی خالق ہے کیونکہ جو دلیل سورج میں جاری ہوئی ہے وہی ساری کائنات میں جاری ہوگی پس ثابت ہوگیا کہ تمام کائنات کا خالق اللہ ہے اور وہ واحد لاشریک ہے۔

تاریخ کا تعین قمری حساب سے کرنا چاہیے

سورج اور چاند کی روشنیوں میں مخلوق کے بہت فائدے ہیں، سورج کی روشنی سے دن میں کاروبار ہوتا ہے اور اس کی حرکت سے مختلف موسم وجود میں آتے ہیں جس سے اس دنیا کی مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں اور چاند کی حرکت سے مہینوں اور سالوں کی گنتی اور حساب کا حصول ہوتا ہے، قرآن مجید کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقویم اور تاریخ کا تعین قمری حساب سے کرنا چاہیے نہ کہ شمسی حساب سے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دن اور رات کے اختلاف میں اور آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نشانیاں ہیں اور ان میں اس کی الوہیت اور توحید پر دلیلیں ہیں، اس پر مفصل گفتگو ہم البقرہ ۱۶۴ میں کر چکے ہیں، اس کی تفسیر کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: درحقیقت جو لوگ ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی سے راضی ہوگئے

اور اس پر مطمئن ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں O یہ وہی ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کاموں کی وجہ سے جن کو وہ کرتے رہے تھے O (یونس: ۸-۷)

منکرین حشر کے احوال

ان آیتوں سے اللہ سبحانہ نے ان لوگوں کے احوال شروع کیے ہیں جو حشر (مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے) پر ایمان نہیں لاتے اور جو حشر پر ایمان لاتے ہیں، اور ان لوگوں کا پہلے ذکر کیا جو حشر پر ایمان نہیں لاتے کیونکہ اس سورت میں ان لوگوں کے ساتھ خطاب ہے، جو ان باتوں پر تعجب کرتے ہیں جن پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور ان چیزوں میں غور و فکر نہیں کرتے جن میں غور و فکر کرنا چاہیے۔ مذکور الصدر آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان شقی القلب لوگوں کا حال بیان کیا ہے جو قیامت کے دن اللہ سبحانہ سے ملاقات کا انکار کرتے تھے اور اللہ عزوجل سے ملاقات کی بالکل توقع نہیں رکھتے تھے، وہ اس دنیا کی زندگی پر راضی تھے اور ان کے دل اس سے مطمئن تھے۔ حسن بصری نے کہا یہ لوگ کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں تدبر اور تفکر نہیں کرتے تھے اور اللہ عزوجل کے احکام پر عمل نہیں کرتے تھے، سو حشر کے دن ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا کیونکہ انہوں نے دنیا میں جرائم اور گناہ کیے اور اس کے علاوہ وہ اللہ، رسول اور آخرت کا انکار کرتے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لا یرجون لقاءنا۔ رجاء کے معنی یہاں خوف ہیں یعنی وہ اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ رجاء کے معنی یہاں طمع ہیں یعنی وہ اللہ سبحانہ کے اجر و ثواب کی طمع نہیں رکھتے تھے یا اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طمع نہیں رکھتے تھے تاہم مناسب یہ ہے کہ یہاں رجاء کا معنی توقع لیا جائے جو حقیقت کے قریب ہے یعنی وہ ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے تھے کیونکہ وہ حشر کے منکر تھے لہٰذا وہ عذاب سے ڈرتے تھے نہ ثواب کی طمع رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کا رب ان کو ان کے ایمان کی وجہ سے دائمی جنتوں کی طرف ہدایت دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں O (یونس: ۹)

حشر پر ایمان لانے والوں کے احوال

اس رکوع کی آخری دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے احوال بیان فرمائے ہیں جو اللہ اور رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو مانا اور نیک عمل کیے، اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کے سبب انہیں قیامت کے دن جنت کی طرف ہدایت دے گا بایں طور کہ ان کو سلامتی کے ساتھ پل صراط سے گزار دے گا اور وہ جنت تک پہنچ جائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بایمانھم میں با استعانت کے لیے ہو، کیونکہ قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ مومن کے اعمال کو حسین صورتوں میں متمثل کر دیا جائے گا جن سے خوشبو آرہی ہوگی، جب وہ قبر سے اٹھے گا تو وہ حسین صورت اس سے ملاقات کر کے اس کو جنت کی بشارت دے گی۔ مومن پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ صورت کہے گی میں تمہارا عمل ہوں، پھر اس کے سامنے نور بچھا دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور یہی اس آیت کا معنی ہے کہ ان کا رب ان کو دائمی جنتوں کی طرف ہدایت دے گا اور کافر کے اعمال کو بھیانک اور ڈراؤنی شکل میں متشکل کر دیا جائے گا جس سے بدبو آرہی ہوگی۔ وہ ڈراؤنی شکل کافر سے چمٹ جائے گی اور اس کو دوزخ میں ڈال کر آئے گی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۶۱۹، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۲۳۷)

جنت میں دخول کا سبب کیا چیز ہے، اس میں اہلسنت اور معتزلہ کا اختلاف ہے۔ معتزلہ کے نزدیک ایمان اور اعمال صالحہ

دونوں مل کر جنت میں دخول کا سبب ہیں اور اہلسنت کے نزدیک صرف ایمان دخول جنت کا سبب ہے، اگر کوئی شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل نہیں کیے یا برے عمل کیے تو وہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے یا اپنے گناہوں کی سزا پا کر جنت میں چلا جائے گا اور یہ آیت اہلسنت کی مؤید ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ ان کو ان کے ایمان کے سبب سے دائمی جنتوں کی ہدایت دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جنتوں میں ان کی (بے ساختہ) یہ پکار ہوگی: "پاک ہے تو اے اللہ!" اور جنتوں میں ان کی ایک دوسرے کے لیے یہ دعا ہوگی: "سلام (علیکم)" اور ہر بات کے آخر میں ان کا یہ کہنا ہوگا: "الحمد للہ رب العلمین O" (یونس: ١٠)

اہل جنت کی گفتگو کا معمول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ نیک عمل کرنیوالے مومنین جنت میں ہوں گے اور اس آیت میں یہ بیان فرما رہا ہے کہ ان کے جنت میں کیا معمولات ہوں گے، اور اس آیت میں بتایا ہے کہ جس طرح مومنین دنیا میں سبحان اللہ کہتے تھے اور ہر قسم کے عیب سے اللہ تعالیٰ کی براءت اور تنزیہ بیان کرتے تھے سو اسی طرح جنت میں بھی وہ ہر وقت تسبیح اور تقدیس کرتے رہیں گے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ دعوٰھم کا معنی ہے ان کی تمنا یعنی ان کی تمنا اور آرزو یہ ہوگی کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کرتے رہیں۔ اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں سے ثواب عظیم کا وعدہ فرمایا تھا (تاکہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، یونس: ۴) پس جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جنت کی ان عظیم نعمتوں کو دیکھیں گے تو ان کو تصدیق ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جو ان نعمتوں کے دینے کا وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا، تو وہ اس وقت بے ساختہ کہہ اٹھیں گے سبحانک اللھم یعنی اے اللہ! تو اس بات سے پاک ہے کہ تو وعدہ کر کے پورا نہ فرمائے یا تیرا قول صادق نہ ہو۔

اس کے بعد فرمایا: جب وہ ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے تو کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو، اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو وہی دعا دیں گے جو فرشتے ان کو دعا دیں گے اور فرشتوں کی دعا یہ ہے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ (الرعد: ٢٥-٢٤) | اور فرشتے ہر دروازہ سے ان پر (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے "سلام علیکم" (تم پر سلامتی ہو)

پھر فرمایا: اور ہر بات کے آخر میں ان کا یہ کہنا ہوگا: "الحمد للہ رب العلمین" یعنی ان کی گفتگو کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے ہوگا اور ان کی گفتگو کا اختتام اللہ تعالیٰ کی حمد پر ہوگا۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ

اور اگر اللہ لوگوں (کی بداعمالیوں کی سزا میں ان) کو نقصان پہنچانے میں بھی اتنی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ (دنیا کے) نفع کی طلب میں

اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ

کرتے ہیں تو انہیں (کب کی) موت آ چکی ہوتی (لیکن) جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں، تاکہ وہ

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾ وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا

اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ○ اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ

لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ

پہلو کے بل یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے ہم سے دعا کرتا ہے، پس جب ہم اس سے اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں تو وہ

كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ

اس طرح گذر جاتا ہے گویا جب اس کو وہ مصیبت پہنچی تھی تو اس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا، اسی طرح حد سے تجاوز کرنے

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ

والوں کے کرتوت ان کے لیے خوش نما بنا دیے گئے ہیں ○ (لوگو!) ہم نے تم سے پہلے کی ان قوموں کو ہلاک کر دیا تھا

لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا

جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تھے اور انہوں نے

لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ

ایمان لا کر نہ دیا، اور ہم مجرم قوم کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ پھر ہم نے ان کے بعد

خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾

تم کو زمین میں ان کا جانشین بنایا، تاکہ ہم یہ ظاہر فرمائیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ○

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ

اور جب ان پر ہماری روشن آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو جن لوگوں کو ہمارے سامنے حاضر ہونے کی

لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ

توقع نہیں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی کو تبدیل کر دو، آپ کہیے کہ اس کو

لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ

تبدیل کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے،

إِنِّيٓ أَخَافُ إِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّي عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيمٖ ١٥ قُل

اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ○ آپ کہیے

لَّوۡ شَآءَ ٱللَّهُ مَا تَلَوۡتُهُۥ عَلَيۡكُمۡ وَلَآ أَدۡرَىٰكُم بِهِۦۖ فَقَدۡ لَبِثۡتُ

اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر اس (قرآن) کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تم کو اس کی اطلاع دیتا، پھر بیشک اس (نزول قرآن) سے پہلے

فِيكُمۡ عُمُرٗا مِّن قَبۡلِهِۦٓۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ ١٦ فَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنِ

میں تم میں عمر (کا ایک حصہ) گزار چکا ہوں، کیا تم (پھر) نہیں سمجھتے ○ پس اس سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو

ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا أَوۡ كَذَّبَ بِـَٔايَٰتِهِۦٓۚ إِنَّهُۥ لَا يُفۡلِحُ

جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک مجرم فلاح

ٱلۡمُجۡرِمُونَ ١٧ وَيَعۡبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ

نہیں پاتے ○ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں

وَلَا يَنفَعُهُمۡ وَيَقُولُونَ هَٰٓؤُلَآءِ شُفَعَٰٓؤُنَا عِندَ ٱللَّهِۚ

نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں،

قُلۡ أَتُنَبِّـُٔونَ ٱللَّهَ بِمَا لَا يَعۡلَمُ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَلَا فِي

آپ کہیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کا اللہ کو نہ آسمانوں میں علم ہے نہ

ٱلۡأَرۡضِۚ سُبۡحَٰنَهُۥ وَتَعَٰلَىٰ عَمَّا يُشۡرِكُونَ ١٨ وَمَا كَانَ

زمینوں میں، وہ ان تمام چیزوں سے بری اور بلند ہے جن کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو ○ اور پہلے تمام

ٱلنَّاسُ إِلَّآ أُمَّةٗ وَٰحِدَةٗ فَٱخۡتَلَفُواْۚ وَلَوۡلَا كَلِمَةٞ

لوگ صرف ایک امت تھے، پھر مختلف ہو گئے، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے

سَبَقَتۡ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيۡنَهُمۡ فِيمَا فِيهِ يَخۡتَلِفُونَ ١٩

ایک امر پہلے ہی مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جن چیزوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ○

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا

اور کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا آپ کہیے کہ

الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع

غیب تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے، سو تم بھی انتظار کرو اور میں انتظار کرنے والوں میں سے ہوں○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ لوگوں (کی بد اعمالیوں کی سزا میں ان) کو نقصان پہنچانے میں بھی اتنی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ (دنیا کے) نفع کی طلب میں کرتے ہیں تو انہیں (کب کی) موت آچکی ہوتی (لیکن) جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں○ (یونس: ۱۱)

اپنے آپ کو، اپنی اولاد کو اور اپنے اموال کو بد دعا دینے کی ممانعت

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس شبہ کا جواب دیا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنانے کی کیا خصوصیت تھی، اس کے بعد درمیان میں مومنوں کا ذکر فرمایا اور اب اس آیت میں پھر مشرکین کے دوسرے شبہ کا جواب دیا ہے، وہ یہ کہتے تھے کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں اور ہم ان کی مخالفت کرتے ہیں تو ان کی مخالفت کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا! اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر تمہارے مطالبہ کی وجہ سے تم پر جلد عذاب بھیج دیا جاتا تو اب تک تمہارا کام تمام ہو چکا ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ تم کو اس لیے ڈھیل دیتا ہے کہ تم اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہو۔ (اللباب ج ۱۰ ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

مجاہد نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی اولاد پر غضبناک ہو تو ان کے خلاف یہ دعا نہ کرے کہ اے اللہ! ان کو برکت نہ دے اور اے اللہ ان پر لعنت فرما ورنہ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کر لی تو وہ ان کو ہلاک کر دے گا۔ (جامع البیان جز ۱۱ ص ۱۲۲، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۲۵۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بواط کی جنگ میں گئے۔ آپ مجدی بن عمرو جہنی کو ڈھونڈ رہے تھے، ایک اونٹ پر ہم پانچ، چھ اور سات آدمی باری باری بیٹھتے تھے، ایک انصاری اونٹ پر بیٹھنے لگا اس نے اونٹ کو بٹھایا پھر اس پر سوار ہوا پھر اس کو چلانے لگا۔ اونٹ نے اس کے ساتھ کچھ سرکشی کی، اس نے اونٹ کو کہا شاء اللہ تجھ پر لعنت کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اونٹ پر لعنت کرنے والا کون شخص ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! یہ میں ہوں! آپ نے فرمایا: اس اونٹ سے اتر جاؤ، ہمارے ساتھ کسی ملعون جانور کو نہ رکھو، اپنے آپ کو بد دعا دو، نہ اپنی اولاد کو بد دعا دو اور نہ اپنے اموال کو بد دعا دو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ وہ ساعت ہو جس میں اللہ سے کسی عطا کا سوال کیا جائے تو وہ دعا مستجاب ہوتی ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۰۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ پہلو کے بل یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے ہم سے دعا کرتا ہے، پس جب ہم اس سے اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزر جاتا ہے گویا جب اس کو وہ مصیبت پہنچی تھی تو اس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا اسی طرح حد سے تجاوز کرنے والوں کے کرتوت ان کے لیے خوش نما بنا دیئے گئے ہیں○ (یونس: ۱۲)

کافر کے مشرف ہونے کی وجوہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ اگر کفار کے مطالبہ پر دنیا میں جلد عذاب نازل کر دیا جاتا تو اب تک وہ سب مر چکے ہوتے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ وہ بہت کمزور اور نہایت عاجز ہیں، ان پر اگر تھوڑی سی مصیبت بھی آئے تو وہ گھبرا کر اس مصیبت کو دور کرنے کی دعائیں کرنے لگتے ہیں۔

یہ آیت مومن اور کافر دونوں کے احوال کو عام ہے، کیونکہ اکثر مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے کہ وہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہیں اور جب اللہ اپنے فضل سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو وہ اس کو اس طرح بھول جاتے ہیں جیسے کسی مصیبت کے وقت میں انہوں نے اللہ کو پکارا ہی نہ تھا!

نزول مصیبت کے وقت مسلمانوں کی فکر اور عمل کیا ہونا چاہیے

مسلمانوں پر جب کوئی مصیبت نازل ہو تو ان پر حسب ذیل امور کی رعایت کرنا لازم ہے۔

(۱) مسلمانوں کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ ان پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے وہ ان کی تقدیر میں لکھی ہوئی تھی اور ان سے ٹل نہیں سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ (الحدید: ۲۳-۲۲)

ہر مصیبت جو زمین میں اور تمہاری جانوں میں پہنچتی ہے وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے، اس سے پہلے کہ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں، بے شک یہ اللہ پر بہت ہی آسان ہے ۝ یہ اس لیے ہے کہ جو چیز تمہارے پاس سے جاتی رہے تم اس پر غم نہ کرو اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس پر تم اترایا نہ کرو۔

سو مسلمان کو اللہ کی تقدیر پر راضی اور مطمئن رہنا چاہیے، وہ زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرے نہ دل میں اللہ عزوجل سے کوئی شکایت کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور وہ اپنے ملک میں جو چاہے کرے کسی کو اس پر اعتراض یا شکایت کا کوئی حق نہیں ہے، اور وہ حکیم مطلق ہے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اور اس کا کوئی فعل عبث اور باطل نہیں۔ اگر وہ اس کو اس مصیبت، تکلیف یا مرض پر باقی رکھے تو یہ اس کا عدل ہے اور اگر وہ اس سے اس مصیبت یا آفت کو زائل کر دے تو یہ اس کا فضل ہے اور بندے پر لازم ہے کہ وہ اس مصیبت پر صبر کرے اور رنج اور قلق کے اظہار کو ترک کر دے۔

(۲) بندہ کو اس مصیبت پر صبر کرنا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بہت اجر عطا فرماتا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ (البقرہ: ۱۵۷-۱۵۵)

اور ہم تم کو ضرور کچھ ڈر اور بھوک اور مال اور جان کے نقصان اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے ۝ کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ۝ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے صلوات (ثنا اور تحسین) اور رحمت ہے اور یہی وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (الزمر: ۱۰)

اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ صبر کرنے والوں کو ان کا پورا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

(۳) نیز بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے دل میں یہ سوچے کہ اس پر جو مصیبت آئی ہے وہ اس کے کسی گناہ کا نتیجہ ہے۔ سو اسے اس گناہ پر توبہ کرنا چاہیے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ۔ (الشوریٰ: ۳۰)

اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھ کی کمائی کی وجہ سے پہنچتی ہے اور (تمہاری) بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف کر دیتا ہے۔

مَّآ أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ ٱللَّهِ ۖ وَمَآ أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ۔ (النساء: ۷۹)

(اے مخاطب!) تجھ کو جو بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھ کو جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی شامت اعمال کی وجہ سے ہے۔

(۴) جب کسی مسلمان بندے پر مصیبت آئے تو اس کو اس مصیبت سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ یہ سوچ کر خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس مرض' آفت یا مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو کوئی کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ تکلیف ہو تو اللہ اس تکلیف کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۶۵' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۷۰' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۱۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۲۵' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۹۹۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے خواہ وہ تھکاوٹ ہو' غم ہو یا قرض یا بیماری ہو حتیٰ کہ کوئی فکر ہو جس کی وجہ سے وہ پریشان ہو رہا ہو' تو اللہ اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۶۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۲۵۶)

(۵) جب مسلمان پر کوئی مصیبت آئے تو اس کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے' اللہ تعالیٰ اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ بندہ اس سے دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ٱدْعُوا۟ رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ۔ (الاعراف: ۵۵) اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس کے فضل سے سوال کرو کیونکہ اللہ عزوجل اس کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے' اور افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۰۸۸' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۶۵)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روئے زمین پر جو مسلمان بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی وہ دعا پوری کر دیتا ہے' یا اس دعا کی مقدار کے برابر اس سے کوئی مصیبت دور کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ اللہ سے کسی گناہ کا سوال نہ کرے یا قطع رحم کا سوال نہ کرے' مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا: پھر تو ہم بہت زیادہ دعا کریں گے۔ آپ نے فرمایا: اللہ بہت زیادہ قبول فرمانے والا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۷۳، مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۹، المعجم الاوسط رقم الحدیث:۷۰۱۴، کتاب الدعا للطبرانی رقم الحدیث:۷۶، شرح السنہ رقم الحدیث:۱۳۸۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی شخص بیمار ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر دایاں ہاتھ پھیرتے اور یہ دعا فرماتے: اے لوگوں کے رب! اس مصیبت کو دور کر دے، اور شفاء دے تو ہی شفاء دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی شفاء دینے والا نہیں ہے، ایسی شفاء دے جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۱۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۶۱۹)

(۶) جب کسی مسلمان پر کوئی افتاد پڑے اور وہ اپنی مصیبت کو دور کرنے کی دعا کے بجائے قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے مضامین کے مطالعہ اور استنباط مسائل میں مصروف رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دعا کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس شخص کو میری یاد اور مجھ سے سوال کرنے کو قرآن نے مشغول رکھا تو میں اس کو سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۹۲۶، مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۱۰، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۳۵۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۴۷۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۱)

(۷) اللہ سبحانہ جب مسلمان سے مصیبت کو دور کر دے تو اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرے اور خلوت اور جلوت اور تنگی اور آسانی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے، کیونکہ شکر کرتے رہنے سے نعمت میں اضافہ ہوتا اور ناشکری کرنے سے زوال نعمت کا خطرہ ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

محققین نے بیان کیا ہے کہ جو شخص حصول نعمت کے وقت نعمت میں مشغول رہتا ہے نہ کہ منعم کی طرف، وہ نزول مصیبت کے وقت مصیبت میں مبتلا رہتا ہے نہ کہ مصیبت نازل کرنے والے کی طرف، اور ایسا شخص مستقل طور پر خوف میں مبتلا رہتا ہے کیونکہ حصول نعمت کے وقت بھی اس کو نعمت کے زوال کا دھڑکا لگا رہتا ہے، اور جو شخص حصول نعمت کے وقت اس نعمت سے لذت حاصل کرنے کے بجائے نعمت دینے والے کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اس کو یاد کرتا ہے اور اس کی رضا کا طلبگار رہتا ہے تو وہ مصیبت نازل ہونے کے وقت بھی مصیبت سے گھبراتا نہیں بلکہ مصیبت نازل کرنے والے کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اس کو یاد کرتا ہے اور اس کی رضا کا طالب رہتا ہے، سو نعمت کا حصول ہو یا مصیبت کا نزول، اس کا مطلوب واحد ہوتا ہے اور یہ بہت اعلیٰ اور ارفع مرتبہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

کافر کو مُسرف فرمانے کی وجوہ

اس آیت میں کافر کو مسرف فرمایا ہے، کیونکہ کافر اپنی جان اور اپنے مال کو ضائع کر دیتا ہے، جان کو اس طرح ضائع کرتا ہے کہ وہ بتوں کی پرستش کر کے خود کو جہنم کا مستحق بنالیتا ہے اور مال کو اس لیے ضائع کرتا ہے کہ وہ بتوں کی زیب و زینت کرتا ہے، اور جانور خرید کر بتوں کی بھینٹ چڑھاتا ہے اور یہ مال کو ضائع کرنا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس شخص کی یہ عادت ہو کہ وہ مصیبت نازل ہونے کے وقت بکثرت دعا اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے، اور جب مصیبت زائل ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کا شکر ادا کرنے سے اعراض کرے تو ایسا شخص اپنی جان

کو اور اپنے دین کو ضائع کرنے والا ہے۔
مسرف وہ شخص ہے جو اپنے کثیر مال کو کسی خسیس اور گھٹیا مقصد کے حصول میں خرچ کرے، اور یہ معلوم ہے کہ دنیا کی رنگینیاں اور دنیا کی لذتیں اخروی نعمتوں کے مقابلہ میں خسیس اور گھٹیا ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواس، عقل اور تصرف کی قوتیں اس لیے عطا کی ہیں کہ وہ ان سے اخروی نعمتوں کے حصول میں کوشش کرے، سو جس شخص نے اپنی ان قوتوں کو ان گھٹیا چیزوں کے حصول کی جدوجہد میں خرچ کیا تو اس نے اپنی ان قوتوں کو ضائع کر دیا اور ایسے شخص کے مسرف ہونے میں کیا شک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (لوگو!) ہم نے تم سے پہلے کی ان قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جنہوں نے ظلم کیا تھا، اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تھے اور انہوں نے ایمان لا کر نہ دیا، اور ہم مجرم قوم کو اسی طرح سزا دیتے ہیں○ پھر ہم نے ان کے بعد تم کو زمین میں ان کا جانشین بنایا تاکہ ہم یہ ظاہر فرمائیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو○ (یونس: ۱۴-۱۳)

اللہ تعالیٰ کے آزمانے پر اعتراض کا جواب

کفار اور مشرکین یہ کہتے تھے کہ اگر دین اسلام برحق ہے اور ہم اس کے منکر ہیں تو آپ ہم پر آسمان سے پتھر برسائیں یا کوئی دردناک عذاب لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ اپنے اس مطالبہ میں جھوٹے ہیں کیونکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ گھبرا کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں اور پہلو کے بل، بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں کے احوال یاد دلائے کہ ان کے پاس ان کے رسول دلائل اور معجزات لے کر آئے اور انہوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے ان قوموں کو ہلاک کر دیا اور یہ اس لیے فرمایا تاکہ مشرکین مکہ نزول عذاب کے مطالبہ سے باز آجائیں۔

اللہ کے علم پر ایک اشکال کا جواب

دوسری آیت میں فرمایا: پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں تم کس طرح عمل کرتے ہو، اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے علم نہیں تھا اور جب مشرکین عمل کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ کو علم ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جیسا معاملہ معلومات حاصل کرنے والا اور امتحان لینے والا لوگوں کے ساتھ کرتا ہے تاکہ ان کو ان کے عمل کے مطابق جزا دے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہمیشہ سے علم ہے۔ قرآن مجید میں اس کی بہت نظائر ہیں: لیبلوکم ایکم احسن عملا۔ (ھود: ۷) "تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے"۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت طویل خطبہ روایت کیا اس میں آپ کا یہ ارشاد ہے: یہ دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور اللہ تمہیں اس میں جانشین بنانے والا ہے پھر وہ دیکھنے والا ہے کہ تم اس میں کس طرح عمل کرتے ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۰، ۲۸۷۳، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۷۵۲، مسند احمد، ج ۳ ص ۷، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۰۱، سنن کبریٰ ج ۷ ص ۹۱، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۱۷)

اس حدیث کا بھی یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جیسا معاملہ امتحان لینے والا اور آزمانے والا لوگوں کے ساتھ کرتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہمیشہ سے علم ہے۔

لِنَنۡظُرَ کے چند مشہور تراجم

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:
باز جانشیں ساختیم شمارا در زمین پس از ایشاں تا بہ بینیم چگونہ کاری کنند○
شیخ محمود حسن متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:
تم کو ہم نے نائب کیا زمین میں ان کے بعد تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو○
شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:
پھر ان کے بعد دنیا میں بجائے ان کے تم کو آباد کیا تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:
پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں جانشین کیا کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو۔
حضرت ابوالمحامد سید محمد محدث اعظم کچھوچھوی لکھتے ہیں:
پھر بنادیا ہم نے تم کو جانشین زمین میں ان کے بعد تاکہ نظر کے سامنے کردیں کہ کس طرح کام کرتے ہو۔
سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:
اب ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں ان کی جگہ دی ہے، تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔
اور ہمارے شیخ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:
پھر ان کے بعد ہم نے زمین میں تم کو (ان کا) جانشین بنایا تاکہ ہم ظاہر فرمائیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔

ان تمام تراجم میں صرف ہمارے حضرت صاحب نے ایسا ترجمہ کیا ہے جس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا، دیگر مترجمین کا ترجمہ بھی غلط نہیں ہے لیکن انہوں نے لننظر کا لفظی ترجمہ کیا ہے جس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ مشرکین کے عمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو علم ہوگا کہ وہ کیا کرتے ہیں، اور ہمارے حضرت صاحب نے نظر کا معنی علم ظہور کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کی کارروائی کو ظاہر فرمائے گا، اصطلاح میں اس کو علم تفصیلی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہماری روشن آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو جن لوگوں کو ہمارے سامنے حاضر ہونے کی توقع نہیں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی کو تبدیل کردو، آپ کہئے کہ اس کو تبدیل کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں○ (یونس: ۱۵)

مشرکین کا یہ مطالبہ کہ آپ قرآن مجید کو بدل ڈالیں

جس طرح سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر مشرکین کا طعن ذکر کرکے ان کے جوابات ذکر فرمائے تھے، اس آیت میں بھی ان کا ایک طعن ذکر کرکے اس کا جواب ذکر فرمایا ہے۔

امام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:
قتادہ نے کہا ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے مشرکین مکہ تھے، اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ پانچ شخص تھے: عبداللہ بن امیہ المخزومی، ولید بن مغیرہ، مکرز بن حفص، عمرو بن عبداللہ بن ابی قیس العامری اور العاص بن عامر بن ہشام، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس قرآن کے علاوہ کوئی

اور قرآن لے آئیں جس میں لات، عزیٰ اور مناۃ کی عبادت سے ممانعت نہ ہو، اور نہ ان کی مذمت کی گئی ہو اور اگر اللہ ایسی آیتیں نازل نہ کرے تو آپ ایسی آیتیں بنالیں، یا اس قرآن کو بدل ڈالیں اور عذاب کی آیتوں کی جگہ رحمت کی آیتیں بنادیں یا حرام کی جگہ حلال اور حلال کی جگہ حرام لکھ دیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے محمد! آپ کہئے کہ اس قرآن کو بدلنا میرے اختیار میں نہیں ہے، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھ پر وحی کی جاتی ہے، اس کے مطابق میں حکم دیتا ہوں یا کسی چیز سے منع کرتا ہوں۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۹۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

قرآن مجید میں تبدیلی کے مطالبہ کی وجوہات

کفار جو آپ سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ آپ کوئی اور قرآن لے آئیں یا اسی قرآن کو بدل ڈالیں تو ان کا یہ مطالبہ بطور استہزاء تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ آپ سے یہ مطالبہ کرتے ہوں اور اس سے ان کی غرض یہ ہو کہ اگر آپ نے ان کا یہ مطالبہ مان لیا تو آپ کا یہ دعویٰ باطل ہو جائے گا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کا نازل کیا ہوا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی کوئی اور کتاب چاہتے ہوں کیونکہ یہ قرآن ان کے معبودوں کی مذمت پر مشتمل ہے اور ان کے معمولات کو باطل قرار دیتا ہے، اس لیے وہ کوئی اور کتاب چاہتے تھے جس میں یہ چیزیں نہ ہوں۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: آپ کہئے میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ لازم آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد نہیں کرتے تھے اور نہ قیاس سے کام لیتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں قرآن مجید کے پہنچانے اور اس کی تلاوت کرنے میں وحی کی اتباع کرتا ہوں، اور اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی اور تغیر تبدل نہیں کرتا اور نہ مجھ کو اس کا اختیار ہے۔

باقی اجتہاد اور قیاس پر مکمل بحث ان کی تعریف، ارکان، شرائط، ان کے دلائل اور ان کے نظائر ہم نے الانعام: ۵۰ میں بیان کر دیئے۔ جو حضرات ان مباحث پر مطلع ہونا چاہیں، وہ ان کو وہاں دیکھ لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر اس (قرآن) کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تم کو اس کی اطلاع دیتا پھر بے شک اس (نزول قرآن) سے پہلے میں تم میں عمر (کا ایک حصہ) گزار چکا ہوں، کیا تم (یہ) نہیں سمجھتے O (یونس: ۱۶)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک دلیل

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر نہ بھیجتا اور میں تم پر قرآن کی تلاوت نہ کرتا، اور نہ میں تمہیں اللہ کے متعلق کوئی خبر دیتا، اس آیت میں کفار اور مشرکین کے اس خیال کا رد ہے کہ یہ قرآن مجید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے کیونکہ مشرکین مکہ نے اول سے آخر تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مشاہدہ کیا تھا اور ان کو آپ کے تمام احوال معلوم تھے، وہ یہ جانتے تھے کہ آپ نے کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ کسی استاذ سے علم حاصل کیا پھر آپ پر اسی طرح چالیس سال کا عرصہ گزر گیا، پھر چالیس سال بعد آپ اچانک اس عظیم کتاب کو لے آئے جس میں اولین اور آخرین کی خبریں ہیں اور تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور ملکی سیاست کے متعلق مفصل احکام اور پیش گوئیاں ہیں اور بہت دقیق علوم ہیں اور تمام علماء، فصحاء اور بلغاء اس کی نظیر لانے میں عاجز اور ناکام رہے تو ہر وہ شخص جس کے پاس عقل سلیم ہو وہ بداہتاً یہ جان لے گا کہ ایسا معجز کلام اللہ کی وحی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، اس لیے فرمایا کہ میں بے شک اس (نزول قرآن) سے پہلے تم میں عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے!

اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اس نزول قرآن سے پہلے میں نے تم میں چالیس سال زندگی گزاری اور تم میرے

صدق اور امانت اور میری پاکیزگی کو جان چکے ہو، میں پڑھتا تھا نہ لکھتا تھا پھر میں تمہارے پاس اس معجز کلام کو لے کر آیا تو اب کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ کلام میرا نہیں ہو سکتا اور یہ صرف اور صرف وحی الٰہی ہے، پھر میں نے تم میں اپنے شباب کی پوری عمر گزاری ہے جس میں، میں نے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کی تو اب تم مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں گا اور اس کے کلام کو بدل ڈالوں گا؟ کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اس سے زیادہ اور کون ظالم ہو گا جو جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک مجرم فلاح نہیں پاتے O (یونس: ۱۷)

قرآن مجید کا وحی الٰہی ہونا

مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ساختہ کلام ہے اور آپ نے اس کو اللہ کی طرف منسوب کر کے اللہ پر افتراء باندھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ پر افتراء باندھے اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا، یعنی اگر بفرض محال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہوتا تو آپ (العیاذ باللہ) سب سے بڑے ظالم ہوتے، اور جبکہ دلائل سے ثابت ہو چکا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی وحی ہے تو جو مشرکین اس قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتے وہ اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں، آپ کہئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کا اللہ کو نہ آسمانوں میں علم ہے نہ زمینوں میں، وہ ان تمام سے بری اور بلند ہے جن کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو O (یونس: ۱۸)

غیر اللہ کی عبادت کے باطل ہونے پر دلائل

مشرکین یہ کہتے تھے کہ اس قرآن کو اس لیے بدل دیں کہ اس میں ان کے باطل معبودوں کی مذمت کی گئی ہے اور وہ اپنے بتوں کی مدح اور تعظیم و تکریم چاہتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتوں کی عبادت کی مذمت کی اور ان کی عبادت کے باطل ہونے کو واضح فرمایا ہے۔ مشرکین بتوں کی عبادت بھی کرتے تھے اور ان کو اللہ کی بارگاہ میں شفیع بھی مانتے تھے، پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کرنے کا رد فرمایا ہے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ ان کے تراشیدہ بت جن کی وہ عبادت کرتے ہیں، عبادت کرنے کی بنا پر وہ ان کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور عبادت نہ کرنے کی وجہ سے وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ معبود کو عابد سے اعلیٰ اور افضل ہونا چاہیے اور کفار جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ خود ان کی بہ نسبت زیادہ طاقت اور قدرت رکھتے ہیں، اولاً اس لیے کہ ان بتوں کو بنانے والے وہ خود ہیں، وہ چاہیں تو ان بتوں کو بنائیں اور چاہیں تو ان بتوں کو توڑ ڈالیں، تو یہاں معبود کے نفع اور نقصان پر عابد کو قدرت ہے اور چاہیے یہ تھا کہ عابد کے نفع اور نقصان پر معبود کو قدرت ہوتی، اور تیسری دلیل یہ ہے کہ عبادت تعظیم کی سب سے بڑی نوع ہے، اس لیے عبادت اسی کی کرنی چاہیے جس کا سب سے بڑا انعام ہو، اور جس ذات نے انسان کو حیات، علم اور قدرت کی نعمتیں عطا فرمائیں اور زندگی بسر کرنے کے لیے دنیا میں ذرائع اور وسائل پیدا کیے اس سے بڑھ کر انعام دینے والا اور کون ہے تو اس کے علاوہ عبادت کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے!

بتوں کو اللہ کے ہاں سفارشی قرار دینے میں مشرکین کے نظریات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ کفار کا یہ عقیدہ تھا کہ صرف اللہ عزوجل کی عبادت کرنے کی بہ نسبت، اللہ تعالیٰ کی تعظیم اس میں زیادہ ہے کہ بتوں کی عبادت کی جائے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم میں یہ اہلیت نہیں ہے یا ہم اس قابل نہیں ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں، بلکہ ہم بتوں کی عبادت میں مشغول ہوں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہماری شفاعت کریں گے، پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ بت کس کیفیت سے اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے، اور اس میں ان کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ان کا عقیدہ تھا کہ عالم افلاک میں ہر عالم کے لیے ایک معین روح ہے پھر انہوں نے ہر روح کے مقابلہ میں ایک بت معین کر لیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ وہ روح سب سے بڑے خدا کی عبد ہے، پھر انہوں نے اس بت کی پرستش شروع کر دی۔

(۲) وہ ستارہ پرست تھے اور انہوں نے ستاروں کے مقابلہ میں بت تراش لیے اور ان کی پرستش شروع کر دی۔

(۳) انہوں نے نبیوں اور بزرگوں کی صورتوں کے مطابق بت تراش لیے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جب وہ ان بتوں کی عبادت کریں گے تو وہ بت اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے۔ اس زمانہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ اس زمانہ میں بہت لوگ بزرگوں کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جب وہ ان کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے۔ (غالباً امام رازی کی مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو قبروں کی تعظیم میں غلو کرتے ہیں۔ مثلاً قبروں کا طواف کرتے ہیں، حد رکوع تک قبروں کے آگے جھکتے ہیں، قبروں کو سجدہ کرتے ہیں اور صاحب قبر کی نذر مانتے ہیں، لیکن جو مسلمان بزرگوں کی قبروں پر جا کر قرآن شریف پڑھتے ہیں اور ایصال ثواب کرتے ہیں اور ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں وہ اس میں داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ تمام امور دلائل شرعیہ سے ثابت ہیں۔)

(۴) ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نور عظیم ہے اور فرشتے انوار ہیں تو انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں صنم اکبر بنایا اور فرشتوں کے مقابلہ میں اور بت تراش لیے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۲۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

جس چیز کے وجود کا اللہ تعالیٰ کو علم نہ ہو اس کا وجود محال ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کا اللہ کو نہ آسمانوں میں علم ہے نہ زمینوں میں۔ اللہ تعالیٰ کی علم کی نفی سے مراد یہ ہے کہ اس چیز کا فی نفسہ وجود نہیں ہے، کیونکہ وہ چیز اگر کسی زمانہ میں بھی موجود ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہوتا، اور جب اللہ تعالیٰ کو اس چیز کے موجود ہونے کا علم نہیں ہے تو واجب ہے کہ وہ چیز موجود نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا شریک فی نفسہ محال ہے، اسی طرح اجتماع ضدین وغیرہ کا حکم ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۲۷، روح المعانی ج ۷ ص ۱۲۹، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور پہلے تمام لوگ صرف ایک امت تھے، پھر مختلف ہو گئے اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک امر پہلے ہی مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جن چیزوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ○ (یونس: ۱۹)

ابتداء میں تمام لوگوں کے مسلمان ہونے پر احادیث اور آثار

تمام لوگ پہلے صرف ایک امت تھے، صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام لوگ پہلے صرف مسلمان تھے، امام عبدالرحمن ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں ہیں۔ یہ سب ہدایت پر تھے اور برحق شریعت پر تھے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے بعد ان کے درمیان اختلاف ہوا اور وہ پہلے رسول تھے جن کو

اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا' ان کو اس وقت بھیجا گیا جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور انہوں نے حق کو ترک کر دیا تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور اپنی کتاب نازل کی جس سے حق پر استدلال کیا گیا۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۰۷۲' رقم الحدیث: ۱۹۸۹' مطبوعہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان فرماتے ہیں:

امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین کبھی ایسے چالیس آدمیوں سے خالی نہیں رہی جو خلیل الرحمٰن کی مثل ہیں' ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ ان میں سے جو شخص مرتا ہے' اللہ اس کے بدلہ میں دوسرا پیدا فرما دیتا ہے۔
(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۱۱۳)

امام احمد نے کتاب الزھد میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی ایسے سات آدمیوں سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ عذاب دور فرماتا ہے۔

امام ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین کبھی ایسے تیس آدمیوں سے خالی نہیں رہی جو ابراہیم خلیل اللہ کی مثل تھے' ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے' ان ہی کی وجہ سے تم کو رزق دیا جاتا ہے اور ان ہی کی وجہ سے تم پر بارش ہوتی ہے۔

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہمیشہ روئے زمین پر سات یا اس سے زیادہ مسلمان رہے ہیں' اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام احمد نے کتاب الزھد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین ایسے سات آدمیوں سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ زمین والوں سے عذاب دور فرماتا ہے۔
(الدر المنثور ج ۱ ص ۷۶۹-۷۹۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

پھر فرمایا: اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی مقدر نہ ہو چکی ہوتی تو جن چیزوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے کہ عذاب اور ثواب کا فیصلہ قیامت کے دن ہو گا۔

اس آیت کی مزید تفصیل کے لیے البقرہ: ۲۱۳ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا' آپ کہئے کہ غیب تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے' سو تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں○
(یونس: ۲۰)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

اس آیت میں بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر مشرکین کے ایک شبہ کا جواب دیا گیا ہے' وہ کہتے تھے کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور معجزہ پیش کریں' مثلاً ان پہاڑوں کو سونے کا بنا دیں یا آپ کا گھر سونے کا ہو جائے یا ہمارے مردہ باپ دادا کو زندہ کر دیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید خود بہت عظیم معجزہ ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان پیدا ہوئے اور آپ نے وہیں نشو و نما پائی اور ان کے سامنے آپ نے چالیس سال تک زندگی گزاری اور ان کو معلوم تھا کہ آپ نے کسی استاذ سے پڑھا ہے نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا ہے' پھر آپ نے یکایک اس قرآن کو پیش کر دیا جس کی فصاحت اور بلاغت بے

نظیر تھی اور جس میں اولین اور آخرین کی خبریں تھیں اور تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور ملکی اور بین الاقوامی معاملات کے احکام تھے اور جس شخص کو تعلیم کے اسباب میسر نہ ہوئے ہوں اس سے اس قسم کے کلام کا صادر ہونا بغیر وحی الٰہی کے محال ہے، سو یہ قرآن مجید آپ کی نبوت پر قاہر معجزہ ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی اور معجزہ کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اس کے بعد کوئی اور معجزہ نازل کرنا یا نہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، وہ چاہے تو کوئی معجزہ ظاہر کرے اور چاہے تو نہ کرے، سو یہ اب باب غیب سے ہے، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہو چکی ہے اور آپ کے دعویٰ رسالت کا صدق ظاہر ہو چکا ہے۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ

اور جب ہم لوگوں کو مصیبت پہنچنے کے بعد رحمت کی لذت چکھاتے ہیں تو وہ اسی وقت ہماری آیتوں (کی مخالفت)

مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ

میں سازشیں کرنے لگتے ہیں، آپ کہیئے کہ اللہ بہت جلد خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔ بے شک ہمارے فرشتے تمہاری

مَا تَمْكُرُوْنَ ۝۲۱ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا

سازشوں کو لکھ رہے ہیں ○ وہی ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے، حتیٰ کہ جب تم

كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا

کشتیوں میں (محو سفر) ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ لوگوں کو لے کر جا رہی ہوں اور لوگ ان سے خوش ہو رہے

جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

ہوں تو (اچانک) ان کشتیوں پر تیز آندھی آئے اور (سمندر کی) موجیں ہر طرف سے ان کو گھیر لیں اور

وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ

لوگ یہ یقین کر لیں کہ وہ (طوفان میں) پھنس چکے ہیں، اس وقت وہ دین میں اللہ کے ساتھ مخلص ہو کر اس سے دعا کرتے

لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۲۲ فَلَمَّآ

ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچا لیا تو ہم ضرور تیرا شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ پھر جب

اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا

اللہ نے انہیں بچا لیا تو وہ پھر یکایک زمین میں ناحق بغاوت (فساد) کرنے لگتے ہیں، اے لوگو!

النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ

تمہاری بغاوت صرف تمہارے لیے ہی (مضر) ہے دنیا کی زندگی کا کچھ فائدہ (اٹھا لو) پھر تم

اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ

نے ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر ہم تمہیں ان کاموں کی خبر دیں گے جو تم کرتے تھے ○ دنیا کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

زندگی کی مثال محض اس پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کی وجہ سے زمین کی وہ پیداوار

الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ

خوب گھنی ہوگئی جس کو انسان اور جانور سب کھاتے ہیں حتیٰ کہ عین اس وقت جب کھیتیاں اپنی تروتازگی

الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ

اور شادابی کے ساتھ لہلہانے لگیں اور ان کے مالکوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ ان پر

عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ

قادر ہیں تو اچانک رات یا دن کو ان پر ہمارا عذاب آگیا پس ہم نے ان کھیتوں کو کٹا ہوا (ڈھیر) بنا دیا جیسے

لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں، غور و فکر کرنے والوں کے لیے ہم اسی طرح آیتوں کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں ○

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ

ہدایت دیتا ہے ○ جن لوگوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے اچھی جزا ہے اور اس کے علاوہ زائد اجر ہے اور ان کے چہروں پر

وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا

نہ سیاہی چھائے گی نہ ذلت وہی جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ

رہیں گے ○ اور جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان ہی کی مثل بری سزا ملے گی

وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ

اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا؛ گویا ان کے

اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیے گئے، وہی

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ

دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر ہم

لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ

مشرکوں سے کہیں گے تم اور تمہارے شریک سب اپنی اپنی جگہ ٹھہریں، پھر ہم ان کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے

وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ

اور ان کے شریک کہیں گے تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ○ پس ہمارے اور

شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے کہ بے شک ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے ○

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ

اس وقت ہر شخص اپنے بھیجے ہوئے اعمال (کے نتیجہ) میں مبتلا ہوگا، وہ سب اللہ کی طرف لوٹا دیے جائیں گے

مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۸ النصف

جو ان کا مالک حقیقی ہے اور وہ جو کچھ بہتان باندھتے رہتے تھے وہ ان سے گم ہو جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم لوگوں کو مصیبت پہنچنے کے بعد رحمت کی لذت چکھاتے ہیں تو وہ اسی وقت ہماری آیتوں (کی مخالفت) میں سازشیں کرنے لگتے ہیں، آپ کہئے کہ اللہ بہت جلد خفیہ تدبیر کرنے والا ہے، بے شک ہمارے فرشتے تمہاری سازشوں کو لکھ رہے ہیں ○ (یونس: ۲۱)

مصائب کے بعد کفار پر رحم فرمانا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ مشرکین آپ سے قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور معجزہ طلب کرتے ہیں اور ان کی یہ طلب محض عناد اور کٹ حجتی کے لیے تھی اور اس سے ان کا مقصد ہدایت کو طلب کرنا نہیں تھا' اب اسی معنی کو موکد کرنے کے لیے فرماتا ہے کہ جب اللہ مصیبت کے بعد ان پر رحمت فرماتا ہے تو یہ اللہ کی آیتوں کی مخالفت میں سازشیں کرنے لگتے ہیں۔

مصیبت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر پر ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ان سے بارشیں روک لیں اور ان کو خشک سالی اور قحط میں مبتلا کر دیا، پھر اللہ عزوجل نے ان پر رحم فرمایا اور ان پر بارشیں نازل فرمائیں جس سے قحط دور ہو گیا اور ان کے کھیت ہرے بھرے ہو گئے' پھر چاہیے تھا کہ یہ ایمان لے آتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے' لیکن انہوں نے اس کے بجائے ان رحمتوں کی نسبت اپنے ان بتوں کی طرف کر دی جو کسی نفع اور ضرر پر قادر نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش نے اسلام قبول کرنے میں بہت تاخیر کر دی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا فرمائی تو ان کو قحط نے جکڑ لیا' حتیٰ کہ وہ اس میں ہلاک ہونے لگے۔ انہوں نے مردار اور ہڈیاں کھائیں' پھر آپ کے پاس ابوسفیان آیا اور اس نے کہا اے محمد! آپ صلہ رحم کا حکم دیتے ہیں' اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے' آپ اللہ سے دعا کیجئے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا۔ (الدخان: ۱۰) پھر وہ دوبارہ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے۔ منصور کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو ان پر بارش ہوئی، اور پورا آسمان بادلوں سے ڈھک گیا پھر لوگوں نے بارش کی کثرت کی شکایت کی تو آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش نازل فرما' ہم پر بارش نہ نازل فرما' تو بادل آپ کے سر سے چھٹ گئے۔ پھر لوگوں کے اردگرد بارش ہوئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۲۰' مطبوعہ دار ارقم بیروت)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی' اس وقت آسمان پر رات کی بارش کا اثر تھا' نماز سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے' پھر آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا میرے بندوں نے صبح کی' بعض مجھ پر ایمان لانے والے تھے اور بعض میرا کفر کرنے والے تھے' جنہوں نے کہا اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور ستارے کا کفر کرنے والے ہیں اور جنہوں نے کہا کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے وہ میرا کفر کرنے والے ہیں اور ستارے پر ایمان لانے والے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۲۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: نزول رحمت کے بعد وہ ہماری آیتوں کے خلاف سازشیں کرنے لگتے ہیں' مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا وہ اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور تکذیب کرتے ہیں اور مقاتل نے کہا وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ اللہ کا رزق ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہئے کہ اللہ بہت جلد خفیہ تدبیر کرنے والا ہے یعنی وہ ان کو بہت جلد سزا دینے والا ہے اور وہ ان کی سازشوں کی گرفت پر بہت زیادہ قادر ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ پہلو کے بل یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے

ہوئے ہم سے دعا کرتا ہے پس جب ہم اس سے مصیبت کو دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزر جاتا ہے گویا جب اس کو وہ مصیبت پہنچی تھی تو اس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ (یونس: ۱۲) اس آیت میں تو انسان کے صرف شکر نہ کرنے کا بیان فرمایا تھا اور زیر تفسیر آیت میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ وہ صرف اعراض اور شکر نہ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اللہ کی نعمتوں کو اور اس کے احسان کو جھٹلاتے ہیں اور اس کی کی ہوئی رحمت کو اپنے باطل معبودوں، یعنی بتوں اور ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنی سازشوں سے اللہ تعالیٰ کی آیات میں شر اور فساد کو طلب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے، حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں (محو سفر) ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ لوگوں کو لے کر جا رہی ہوں اور لوگ ان سے خوش ہو رہے ہوں تو (اچانک) ان کشتیوں پر تیز آندھی آئے اور (سمندر کی) موجیں ہر طرف سے ان کو گھیر لیں اور لوگ یہ یقین کر لیں کہ وہ (طوفان میں) پھنس چکے ہیں، اس وقت وہ دین میں اللہ کے ساتھ مخلص ہو کر اس سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچا لیا تو ہم ضرور تیرا شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے○ پھر جب اللہ نے انہیں بچا لیا تو وہ پھر یکایک زمین میں ناحق بغاوت (فساد) کرنے لگتے ہیں، اے لوگو! تمہاری بغاوت صرف تمہارے لیے ہی (مضر) ہے، دنیا کی زندگی کا کچھ فائدہ (اٹھا لو)، پھر تم نے ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر ہم تمہیں ان کاموں کی خبر دیں گے جو تم کرتے تھے○ (یونس: ۲۳-۲۲)

مصائب اور شدائد میں صرف اللہ کو پکارنا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا: اور جب ہم مصیبت پہنچنے کے بعد لوگوں کو رحمت کی لذت چکھاتے ہیں تو وہ اسی وقت ہماری آیتوں (کی مخالفت) میں سازشیں کرنے لگتے ہیں۔ اب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان کے اس مکر کی مثال بیان فرما رہا ہے کہ جب انسان سمندر میں کسی کشتی میں بیٹھ کر سفر کرتا ہے ہوائیں اس کے موافق ہوتی ہیں پھر اچانک تیز آندھیاں آتی ہیں، ہر طرف سے طوفانی لہریں اٹھتی ہیں اور وہ گرداب میں پھنس جاتا ہے اس وقت اس کو اپنے ڈوبنے کا یقین ہو جاتا ہے اور نجات کی بالکل امید نہیں ہوتی، اس پر سخت خوف اور شدید مایوسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، جن باطل معبودوں کی وہ اب تک پرستش کرتا آیا تھا ان کی بے چارگی اس پر عیاں ہو جاتی ہے اور کٹر سے کٹر مشرک بھی اس وقت اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کو نہیں پکارتا، اور اس کے علاوہ اور کسی سے دعا نہیں کرتا، اور جب تمام مخلوق سے امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں تو وہ اپنے جسم اور روح کے ساتھ صرف اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور صرف اسی سے فریاد کرتا ہے۔

ام حکیم بنت الحارث عکرمہ بن ابی جہل کے عقد میں تھیں، فتح مکہ کے دن وہ اسلام لے آئیں اور ان کے خاوند عکرمہ مکہ سے بھاگ گئے۔ وہ ایک کشتی میں بیٹھے، وہ کشتی طوفان میں پھنس گئی۔ عکرمہ نے لات اور عزیٰ کی دہائی دی، کشتی والوں نے کہا اس طوفان میں جب تک اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کو نہیں پکارو گے کچھ فائدہ نہیں ہوگا، اللہ کے سوا اس طوفان سے کوئی نجات نہیں دے سکتا، تب عکرمہ کی آنکھیں کھل گئیں، انہوں نے دل میں سوچا اگر سمندر میں صرف اللہ فریاد کو سنتا ہے تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی کام نہیں آ سکتا، انہوں نے قسم کھائی کہ اگر اللہ نے مجھے اس طوفان سے بچا لیا تو میں پھر سیدھا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور اسلام قبول کر لوں گا، پھر انہوں نے ایسا ہی کیا۔

(دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۹۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تمہیں چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں تم اللہ (کے احکام) کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری

حفاظت کرے گا تم اللہ (کی رضا) کی حفاظت کرو تم اس (کی رحمت) کو اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو صرف اللہ سے مدد طلب کرو۔ الحدیث۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۱۶، مسند احمد ج ا ص ۲۹۳، ۳۰۳، ۳۰۷، المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۲۹۸۸، ۱۲۹۸۹، مشکوۃ رقم الحدیث:۵۳۰۲، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث:۴۲۵، شعب الایمان رقم الحدیث:۱۷۴، ۱۹۵، الآجری رقم الحدیث:۱۹۸، المستدرک ج ۳ ص ۵۴۱، حلیۃ الاولیاء ج ا ص ۳۱۴، کتاب الآداب للبیہقی رقم الحدیث:۱۰۷۳)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب تم سوال کرو تو صرف اللہ سے سوال کرو کیونکہ تمام عطاؤں کے خزانے اسی کے پاس ہیں اور تمام داد و دہش کی کنجیاں اسی کے قبضہ میں ہیں، اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت وہی بندوں تک پہنچاتا ہے اور دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور مصیبت اسی کی رحمت سے دور ہوتی ہے، اس کی عطا میں کسی غرض اور کسی سبب کا شائبہ نہیں ہے، کیونکہ وہ جواد مطلق اور بے نہایت غنی ہے سو صرف اسی کی رحمت کا امیدوار ہونا چاہیے اور صرف اسی کے غضب سے ڈرنا چاہیے اور تمام مہمات اور مشکلات میں اسی کی پناہ حاصل کرنی چاہیے اور تمام حاجات میں اسی پر اعتماد کرنا چاہیے اور اس کے غیر سے سوال نہ کیا جائے، کیونکہ اس کا غیر دینے پر قادر ہے نہ روکنے پر، دفع ضرر پر قادر ہے نہ تحصیل نفع پر کیونکہ وہ خود اپنی جانوں کے لیے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں، نہ موت اور حیات کے مالک ہیں نہ روز قیامت اٹھانے کے مالک ہیں اور زبان حال سے اور زبان قال سے کسی وقت بھی اللہ سے سوال کرنے کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ حدیث میں ہے جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۳، مشکوۃ رقم الحدیث:۲۲۳۸)

سوال کرنے میں انکسار کے طریقہ کا اظہار ہے اور عجز کی سمت کا اقرار ہے اور رنج اور فاقہ کی پستی سے قوت اور طاقت کی بلندی کی طرف افتقار ہے، کسی نے کہا ہے کہ بنو آدم سوال کرنے سے غضب ناک ہوتے ہیں اور اللہ عزوجل سوال نہ کرنے سے غضب ناک ہوتا ہے اور جب تم دنیا اور آخرت کے کسی بھی کام میں مدد طلب کرنے کا ارادہ کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو کیونکہ ہر زمانہ میں اور ہر مقام پر اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے اور اسی پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۱۰ ص ۵۴، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۴۱۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے یہاں بڑے نکتہ کی بات رقم فرمائی ہے کہ نفسیات انسانی کے اس تجزیہ سے معلوم ہوا کہ یہ چیز انسانی فطرت میں رکھ دی گئی ہے کہ جب تکالیف کے مہیب سائے اسے گھیر لیتے ہیں تو اس کے دل میں اس وقت صرف اپنے رب حقیقی کا ہی خیال پیدا ہوتا ہے، اور اسی کے دامن رحمت میں پناہ کی امید بندھتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مضطر اور پریشان حال کی التجا قبول فرماتا ہے خواہ وہ کافر ہی ہو کیونکہ اس وقت جھوٹے سہارے ختم ہو چکتے ہیں اور صرف اسی (اللہ تعالیٰ) کی رحمت کا سہارا باقی رہ جاتا ہے۔ (ضیاء القرآن ج ۲ ص ۲۹۱، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۴۰۲ھ)

علامہ آلوسی، شیخ شوکانی اور نواب بھوپالی کا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد کو ناجائز قرار دینا

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایسی صورت حال میں کٹر سے کٹر مشرک بھی صرف اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور

اسی کو پکارتا ہے لیکن تم جانتے ہو گے کہ آج کل بعض مسلمان جب خشکی یا سمندر میں کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو ان کو پکارتے ہیں جو کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے کے مالک نہیں ہیں، وہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔ ان میں سے بعض خضر اور الیاس کو پکارتے ہیں اور بعض ابوالخمیس اور عباس کو پکارتے ہیں اور بعض مشائخ امت میں سے کسی شیخ کو پکارتے ہیں اور تم نہیں دیکھو گے کہ ان میں سے کوئی صرف اللہ عزوجل کو پکارتا ہو اور کسی کے دل میں خیال نہیں آتا کہ اس پریشانی سے صرف اللہ تعالیٰ ہی نجات دے سکتا ہے، سوچو کہ جس حالت کا اللہ تعالیٰ نے نقشہ کھینچا ہے، اس حال میں ان مشرکین کا عمل ہدایت کے زیادہ قریب تھا یا ان مسلمانوں کا عمل ہدایت کے زیادہ قریب ہے، اب جو گمراہی کی موجیں شریعت کی کشتی سے ٹکرا رہی ہیں اور غیر اللہ سے استمداد کو جو نجات کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے اس کی صرف اللہ سے ہی شکایت ہے اور عارفین پر نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۱۴۲، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اور نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مخلوق کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ وہ مشکلات اور شدائد میں صرف اللہ کی طرف رجوع کریں اور جو شخص مصیبت کے گرداب میں پھنسا ہوا ہو اور وہ اس وقت صرف اللہ کو پکارے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو سن لیتا ہے خواہ وہ مشرک اور کافر ہو اور یہ کہ ایسی صورت حال میں مشرکین بھی اپنے بتوں کو نہیں پکارتے تھے صرف اللہ سے دعا کرتے تھے۔ تو اس پر کس قدر تعجب ہوتا ہے کہ اب اسلام میں ایسی چیزیں پیدا ہو گئی ہیں کہ لوگ ایسی حالت میں خدا کے بجائے وفات یافتہ بزرگوں کو پکارتے ہیں اور جس طرح مشرکین نے اخلاص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی وہ ایسا نہیں کرتے، غور کرو کہ ان شیطانی معتقدات نے لوگوں کو کہاں پہنچا دیا ہے اور ان کے دل و دماغ پر کس طرح قبضہ کر لیا ہے کہ وہ ایسا عمل کر رہے ہیں جس کی مشرکین سے بھی توقع نہیں تھی، انا للہ وانا الیہ راجعون O

(فتح القدیر ج ۲ ص ۶۱۱ مطبوعہ دارالوفاء بیروت، ۱۴۱۸ھ، فتح البیان ج ۶ ص ۴۰-۳۹، مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ آلوسی وغیرہ کی عبارات پر تبصرہ

علامہ آلوسی کا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد کو بالکل ناجائز قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے، اور اسی طرح علامہ شوکانی اور نواب صدیق حسن بھوپالی کا مشکلات میں فوت شدہ بزرگوں سے استمداد کو شیطانی معتقدات قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس سے بشمول صحابہ کرام بکثرت صالحین امت کے عقائد کو شیطانی قرار دینا لازم آئے گا۔

امام محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت خالد بن ولید نے دشمن کو للکارا پھر مسلمانوں کے معمول کے مطابق پکارا یا محمداہ پھر وہ جس شخص کو بھی للکارتے اس کو قتل کر دیتے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۴۶ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۴)

امام ابن ابی شیبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ کراماً کاتبین کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کیے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں جب تم میں سے کسی شخص کو سفر میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے "اے اللہ کے بندو! تم پر اللہ رحم فرمائے میری مدد کرو۔"

(المصنف ج ۱۰ ص ۳۹۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

خود علامہ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام بزار نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کسی شخص کی سواری ویران زمین میں بھاگ جائے تو وہ یہ ندا کرے "اے اللہ کے بندو! اس کو روک لو" کیونکہ زمین میں اللہ کے لیے کچھ روکنے والے ہیں جو اس کو روک لیتے ہیں۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۴ ص ۳۴) اس حدیث کو امام ابویعلیٰ موصلی (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۵۲۶۹) امام طبرانی (المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۰۵۱۸) اور امام ابن السنی (عمل الیوم واللیلہ ص ۱۶۲، مطبوعہ حیدر آباد دکن) نے روایت کیا ہے۔ علامہ الہیثمی نے کہا اس میں ایک راوی معروف بن حسان ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲) علامہ نووی نے اس حدیث کو امام ابن السنی کی کتاب سے نقل کرنے کے بعد کہا مجھ سے بعض بہت بڑے علماء نے یہ کہا ہے کہ ایک ریگستان میں ان کی سواری بھاگ گئی۔ ان کو اس حدیث کا علم تھا' انہوں نے یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اس سواری کو روک دیا' اور ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ تھا' ہمارے ساتھ جو سواری تھی وہ بھاگ گئی' سب اس کو روکنے سے عاجز آ گئے' میں نے یہ کلمات کہے تو اسی وقت وہ سواری بغیر کسی سبب کے رک گئی۔

(الاذکار ص ۲۰۱)

امام طبرانی نے حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو گم کر دے اور وہ کسی اجنبی جگہ پر ہو تو اس کو یہ کہنا چاہیے "اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو' اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو' اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو" کیونکہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے۔ (المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۱۱۸-۱۱۷) حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ یہ امر مجرب ہے' اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے باوجود اس کے کہ بعض میں ضعف ہے البتہ زید بن علی نے عتبہ کو نہیں پایا۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲) اور امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک کراماً کاتبین کے سوا زمین میں اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں' جب تم میں سے کسی کو جنگل کی زمین میں کوئی مصیبت پیش آئے تو اس کو چاہیے وہ بلند آواز سے کہے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار رقم الحدیث:۳۱۲۸، شعب الایمان رقم الحدیث:۱۶۷) حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲) اس حدیث میں ان لوگوں سے مدد طلب کرنے پر دلیل ہے جن کو انسان نہیں دیکھتے جو اللہ کے بندوں میں سے فرشتے اور نیک جن ہیں' اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے' جیسا کہ انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ جب اس کی سواری گر جائے یا پھسل جائے یا گم ہو جائے تو وہ بنو آدم سے مدد طلب کرے۔

(تحفۃ الذاکرین ص ۱۵۶-۱۵۵، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی مصر' ۱۳۵۰ھ و ص ۲۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ اپنے منسیہ میں لکھتے ہیں:

علامہ زیادی نے مقرر رکھا ہے کہ انسان کی جب کوئی چیز ضائع ہو جائے اور وہ یہ ارادہ کرے کہ اللہ سبحانہ اس کی چیز واپس کر دے تو اس کو چاہیے کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے کسی بلند جگہ کھڑا ہو' اور سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائے پھر اس کا ثواب سیدی احمد بن علوان کو پہنچائے اور یہ کہے: اے سیدی! اے احمد بن علوان! اگر آپ نے میری گم شدہ چیز واپس نہ کی تو میں آپ کا نام دیوان اولیاء سے نکال دوں گا تو جو شخص یہ کہے گا اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے اس کی گم شدہ چیز واپس کر دے گا' اجہوری مع زیادۃ' اسی طرح داؤدی رحمہ اللہ کی شرح المنہج میں ہے۔

(رد المحتار' دار الکتب العربیہ مصر' ج ۳ ص ۳۵۵' مصر ۱۳۲۷ھ' ج ۳ ص ۳۲۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حافظ ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام اپنی مہمات

میں یامحمداہ پکارتے تھے، علامہ شوکانی نے متعدد احادیث کے حوالوں سے لکھا ہے کہ فرشتوں اور نیک جنوں سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور علامہ شامی نے متعدد علماء کے حوالوں سے لکھا ہے کہ سیدی احمد علوان کی وفات کے بعد ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے، اب اگر علامہ آلوسی، علامہ شوکانی اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی تصریحات کے مطابق انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے مدد طلب کرنے کو ناجائز اور شیطانی عقیدہ قرار دیا جائے تو بشمول صحابہ تمام صالحین امت کو شیطانی عقیدہ کا حامل قرار دینا لازم آئے گا۔

وفات یافتہ بزرگوں سے استمداد کے معاملہ میں راہ اعتدال

ہرچند کہ قرآن مجید میں وفات شدہ بزرگوں کو پکارنے اور ان سے مدد طلب کرنے کی کہیں تصریح نہیں ہے لیکن اس سلسلہ میں احادیث اور آثار موجود ہیں جو ہم الفاتحہ: ۴ میں بیان کر چکے ہیں اس کے علاوہ علماء اسلام کی بکثرت نقول ہیں اور ان سب کو شرک اور گمراہی پر مجتمع قرار دینا درست نہیں ہے، اب حال یہ ہے کہ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی قید اور بغیر کسی استثناء کے وفات شدہ بزرگوں سے استمداد کو شرک کہتے ہیں اور دوسری طرف وہ جہلاء ہیں جو مصائب اور شدائد میں اور اپنی حاجات میں اللہ عزوجل کو چھوڑ کر وفات شدہ بزرگوں کو پکارتے ہیں اور ان ہی کے نام کی دہائی دیتے ہیں، اور ان کے نزدیک افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ وفات شدہ بزرگوں سے مدد طلب کی جائے اور اللہ کو پکارنے اور اس سے مدد طلب کرنے کو وہ وہابیت اور نجدیت قرار دیتے ہیں، حالانکہ بعض احادیث اور آثار اور بعض صوفیاء کرام اور بعض علماء کی نقول سے اگر کچھ ثابت بھی ہوتا ہے تو وہ یہ ہے کہ وفات شدہ بزرگوں کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے، شرک نہیں ہے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ عزوجل کو چھوڑ کر صرف ان کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا افضل اور اولیٰ ہے، اور یہ بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد کا ثبوت قطعی اور یقینی ہے اور اس کو پکارنا اس کی عبادت اور کار ثواب ہے اور وفات شدہ بزرگوں کا مدد کرنا قطعی اور یقینی نہیں ہے اور مشکلات اور مصائب میں ان کو پکارنا بہرحال اللہ تعالیٰ کی عبادت اور کار ثواب نہیں ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم، غوث اعظم اور دیگر اولیاء کرام سے کوئی مدد طلب کرے تو وہ اس کے رد میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام پر وہ آیات چسپاں کرتے ہیں جو بتوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

یہ درست ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر مانا جائے اور یہ اعتقاد ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے حاجت روائی کرتے ہیں اور اگر اللہ نہ چاہے تو کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا لہٰذا یہ شرک اور کفر نہیں ہے، لیکن ایسی صورت حال میں جس کا اللہ نے نقشہ کھینچا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارنا اور اس سے حاجت طلب کرنا مستحسن بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ بہرحال ایک ظنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری پکار پر ان فوت شدہ بزرگوں کو مطلع کردے اور ہماری مدد کرنے کی ان کو اجازت دے دے اور طاقت عطا فرمائے لیکن جو چیز قطعی اور یقینی ہے اور جس میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ سے اور ہر حال میں سننے والا ہے اور ہر قسم کی بلا اور مصیبت کو دور کرنے والا ہے، اسے سننے کے لیے کسی کے اذن کی ضرورت نہیں ہے اور مدد کرنے کے لیے کسی کی قوت آفرینی کی حاجت نہیں ہے تو پھر کیوں نہ صرف اسی کو پکارا جائے اور اسی سے مدد طلب کی جائے جبکہ پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی دعوت دی ہے کہ اسی کو پکارو، اسی سے دعا کرو اور اسی سے مدد طلب کرو، اور جگہ جگہ بیان فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی شدائد، مشکلات اور اپنی حاجات میں اسی کی طرف رجوع کرتے تھے، اسی کو پکارتے تھے اور اسی سے دعا کرتے تھے تو کیوں نہ ہم بھی اپنی مشکلات اور حاجات میں اس کارساز حقیقی کی طرف رجوع کریں اور انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی اتباع کریں!

نیز اس پر غور کرنا چاہیے کہ انبیاء و اولیاء کو مستقل سمجھ کر ان سے مدد مانگنا شرک ہے' لیکن انہیں ایک وسیلہ' سبب اور مظہر امداد الٰہی جان کر ان کی طرف رجوع کرنا کسی طرح ایمان و اسلام کے خلاف نہیں ہے۔

بغاوت کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے لوگو! تمہاری بغاوت صرف تمہارے لیے ہی (مضر) ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

فساد میں حد سے تجاوز کرنے کو بغاوت کہتے ہیں' عورت کی فحاشی اور بدکاری کو بھی بغاوت کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی فساد میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا۔ (النور: ۳۳) جب تمہاری باندیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہوں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔

تکبر کو بھی بغاوت کہتے ہیں کیونکہ اس میں حد سے تجاوز ہے' اور جس چیز میں بھی حد سے تجاوز ہو اس کو بغاوت کہتے ہیں۔ امام کی اطاعت سے خروج کرنے کو بھی بغاوت کہتے ہیں۔ خواہش نفس کے مقابلہ میں اللہ عزوجل کے احکام کو ترک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرکشی کرنا یہ بھی بغاوت ہے' ان آیات میں بغاوت اسی معنی میں ہے:

يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (یونس: ۲۳) زمین میں ناحق بغاوت کرتے ہیں۔

إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ۔ (یونس: ۲۳) اے لوگو! تمہاری بغاوت صرف تمہارے لیے (ہی) مضر ہے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بغاوت اور رشتہ توڑنے سے زیادہ اور کوئی گناہ اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس گناہ کے مرتکب پر اللہ جلد عذاب نازل فرمائے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۶۹۷)

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایک پہاڑ بھی دوسرے پہاڑ کے خلاف بغاوت کرے تو بغاوت کرنے والا ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۸۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۶۹۳)

امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابوجعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دعا کرنے سے افضل کوئی عبادت نہیں ہے' تقدیر کو صرف دعا ٹال دیتی ہے' نیکی کا ثواب بہت جلد ملتا ہے' اور بغاوت کی سزا بہت جلد ملتی ہے' کسی شخص کے عیب کے لیے یہ کافی ہے کہ اسے دوسرے لوگوں میں وہ چیزیں نظر آئیں جو اسے اپنے اندر نظر نہیں آتیں' اور وہ لوگوں کو ایسی چیزوں کا حکم دے جن کو وہ خود نہیں چھوڑ سکتا' اور وہ بے فائدہ باتوں سے اپنے ساتھ بیٹھنے والوں کو ایذاء پہنچائے۔

(الدر المنثور ج ۴ ص ۳۵۳ - ۳۵۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ سازش کرو اور نہ سازش کرنے والے کی مدد کرو، نہ بغاوت کرو اور نہ بغاوت کرنے والے کی مدد کرو، نہ عہد شکنی کرو اور نہ عہد شکنی کرنے والے کی مدد کرو۔

(المستدرک ج ۲ ص ۳۳۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۶۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: دنیا کی زندگی کی مثال محض اس پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کی وجہ سے زمین کی وہ پیداوار خوب گھنی ہو گئی جس کو انسان اور جانور سب کھاتے ہیں حتیٰ کہ عین اس وقت جب کھیتیاں اپنی تروتازگی اور شادابی کے ساتھ لہلہانے لگیں اور ان کے مالکوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ ان پر قادر ہیں تو اچانک رات یا دن کو ان پر ہمارا عذاب آ گیا پس ہم نے ان کھیتوں کو کٹا ہوا (ڈھیر) بنا دیا جیسے کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں، غور و فکر کرنے والوں کے لیے ہم اسی طرح آیتوں کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں○ اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے○ (یونس: ۲۵-۲۴)

زمین کی پیداوار کی دنیا کے ساتھ مثال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اے لوگو! تمہاری بغاوت صرف تمہارے لیے ہی مضر ہے، اب اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے متعلق ایک عجیب مثال بیان فرمائی ہے جو دنیا کی لذتوں اور مرغوبات میں منہمک ہو کر آخرت سے اعراض کر لیتا ہے۔

آسمان سے جو پانی نازل ہوتا ہے اس کی وجہ سے زمین کی پیداوار خوب گھنی ہو جاتی ہے اور بارش کی وجہ سے رنگ برنگ کے پھول، خوشنما بیلیں، خوش ذائقہ پھل اور طرح طرح کے غلوں کی اجناس پیدا ہوتی ہیں، حتیٰ کہ باغوں اور کھیتوں کا مالک جب ان ہری بھری لہلہاتی ہوئی فصلوں اور پھلوں سے لدے ہوئے درختوں کو دیکھتا ہے تو خوشی سے پھولا نہیں سماتا، پھر وہ خوش نما منصوبے بناتا ہے کہ ان باغوں اور کھیتوں سے اپنے منافع اور فوائد حاصل کرے گا، پھر اچانک ٹڈی دل کے بادل امڈ آتے ہیں اور تمام کھیتوں اور باغوں کو چاٹ کر چلے جاتے ہیں، یا آسمان سے زبردست ژالہ باری ہوتی ہے، اور سب کچھ اجڑ جاتا ہے یا دریاؤں میں سیلاب آتا ہے اور تمام فصلوں کو بہا کر لے جاتا ہے، اور وہ غم اور افسوس میں ہاتھ ملتا ہوا رہ جاتا ہے، اسی طرح جو آدمی آخرت سے اعراض کر کے دنیا کمانے کی دھن میں لگا رہتا ہے، جب وہ آخرت میں اجر و ثواب سے محروم اور عذاب میں گرفتار ہو گا تو اس کا بھی یہی حال ہو گا۔

جنت کے داعی کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

سلامتی کے گھر سے مراد ہے جنت، جس میں ہر قسم کے رنج، بلا اور نقصان سے سلامتی ہے۔ جنت کی طرف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں اور آپ کا بلانا اللہ کا بلانا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: آپ کی آنکھوں کو سونا چاہیے اور آپ کے قلب کو بیدار رہنا چاہیے اور آپ کے کانوں کو سنتے رہنا چاہیے، سو میری آنکھیں سو گئیں اور دل ہوشیار رہا، اور کان سنتے رہے، پھر کہا گیا کہ ایک سردار نے گھر بنایا پھر دسترخوان سجایا، پھر ایک بلانے والے کو بھیجا، پس جس نے اس بلانے والے کو لبیک کہا اور گھر میں داخل ہو گیا اور دسترخوان سے کھایا اس سے سردار راضی ہو گیا اور جس شخص نے اس داعی کو لبیک نہیں کہا، گھر میں داخل نہیں ہوا اور دسترخوان سے نہیں کھایا اس سے سردار راضی نہیں ہوا، پس اللہ سردار ہے اور گھر اسلام ہے

اور دسترخوان جنت ہے اور داعی (بلانے والے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۵۹۷، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۶۵۱)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی دونوں جانب دو فرشتے ندا کر رہے ہوتے ہیں: اے لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ! بے شک جو چیز تھوڑی اور کافی ہو وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غافل کرنے والی ہو اور اس ندا کو جن اور انسانوں کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے، اور اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ آیت نازل فرمائی: اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔
(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۷۸۱، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۶۵۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۵، المستدرک ج ۲ ص ۴۴۵، شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۴۱۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جبرئیل میرے سر کی جانب ہیں اور میکائیل میرے پیروں کی جانب ہیں، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ان کی کوئی مثال بیان کرو، پس اس نے (مجھ سے) کہا تمہارے کان سنتے رہیں اور تمہارا دل سمجھتا رہے، تمہاری اور تمہاری امت کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک بادشاہ نے ایک حویلی بنائی ہو، اور اس حویلی میں ایک گھر بنایا ہو، پھر اس میں ایک دسترخوان سجایا ہو، پھر ایک داعی بھیجا ہو جو لوگوں کو اس دسترخوان کی طرف دعوت دے، پس بعض لوگوں نے اس داعی کی دعوت قبول کی، اور بعض نے اس کی دعوت کو ترک کر دیا، پس اللہ وہ بادشاہ ہے، اور وہ حویلی اسلام ہے، اور وہ گھر جنت ہے اور آپ اے محمد! وہ داعی ہیں، جس شخص نے آپ کی دعوت قبول کی وہ اسلام میں داخل ہو گیا اور جو اسلام میں داخل ہو گیا وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جو جنت میں داخل ہو گیا اس نے اس جنت کی نعمتوں سے کھایا۔
(المستدرک ج ۲ ص ۳۳۸، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۶۵۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۳۷۰)

جنت کو دارالسلام کہنے کی وجوہات

جنت کو دارالسلام کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ جنت کے سات نام ہیں اور ان میں سے ایک نام دارالسلام ہے، وہ سات نام یہ ہیں: (۱) دارالسلام، (۲) دارالجلال، (۳) جنت عدن، (۴) جنت الماویٰ، (۵) جنت الخلد، (۶) جنت الفردوس، (۷) جنت النعیم۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جنتی ایک دوسرے کو دعا دیتے ہوئے کہیں گے سلام (تحیتھم فیھا سلم، ابراہیم: ۲۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اہل جنت ہر ناپسندیدہ چیز سے سلامت اور محفوظ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے اچھی جزاء ہے اور اس کے علاوہ زائد اجر ہے، اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی نہ ذلت، وہی جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے○ (یونس: ۲۶)

محشر میں مومنین کی عزت اور سرفرازی

نیک عمل سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو احکام فرض اور واجب مقرر کیے ہیں ان کو اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور سنن اور مستحبات پر عمل کرتے ہیں، اور جن کاموں کو حرام اور مکروہ تحریمی قرار دیا ہے ان سے دائماً مجتنب رہتے ہیں اور مکروہات اور خلاف اولیٰ کاموں سے بھی بچتے رہتے ہیں اور اگر کوئی فروگزاشت ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں اور حسنیٰ (اچھی جزاء) سے مراد جنت ہے۔

اور زیادۃ (زائد اجر) سے مراد ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جو زائد اجر عطا فرمائے گا‘ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ۔ تاکہ اللہ انہیں ان کا پورا اجر عطا فرمائے اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے۔ (فاطر: ۳۰)

اور دوسرا قول یہ ہے کہ زیادہ اجر سے مراد ہے اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس گنا اجر عطا فرماتا ہے اور بعض اوقات سات سو گنا اجر عطا فرماتا ہے اور کبھی اس کو بھی دگنا کر دیتا ہے اور کبھی بے حساب اجر عطا فرماتا ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رضا زائد اجر ہے اور چوتھا قول یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دنیا میں بے حساب نعمتیں عطا فرماتا ہے اور پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ عزوجل کا دیدار کرنا ہے:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ (یونس: ۲۶) کی تفسیر میں فرمایا: جب اہل جنت‘ جنت میں داخل ہو جائیں گے‘ تو ایک منادی ندا کرے گا تمہارے لیے اللہ کے پاس ایک وعدہ ہے‘ اہل جنت کہیں گے: کیا اللہ نے ہمارے چہروں کو سفید نہیں کیا‘ کیا اس نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی‘ کیا اس نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ فرشتے کہیں گے: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: پھر حجاب کھول دیا جائے گا‘ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ نے اپنی طرف دیکھنے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی محبوب چیز ان کو نہیں دی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷‘ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۱‘ مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲)

اللہ تعالیٰ کا دیدار

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اہل جنت اپنے رب کو دیکھیں گے‘ اور تمام اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقلاً اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے آخرت میں مومنین کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ثابت ہے‘ اس پر امت کے تمام متقدمین کا اجماع ہے اور دس سے زیادہ صحابہ نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ معتزلہ‘ خوارج اور بعض مرجیہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی عقلاً نفی کرتے ہیں‘ وہ کہتے ہیں کہ دکھائی دینے والا دیکھنے والے کی مقابل جانب میں ہونا چاہیے اور دیکھنے والے کی بصری شعاعیں اس سے متصل ہونی چاہئیں اور اہل حق کہتے ہیں کہ یہ شرائط ممکنات کے لیے ہیں‘ اللہ تعالیٰ ان شرائط سے بری ہے‘ آخر وہ دیکھتا بھی تو ہے اور جب وہ بغیر سمت اور جانب کے دیکھتا ہے تو اس کے دکھائی دینے سے کیا چیز مانع ہے۔ (اکمال المعلم بہ فوائد مسلم ج ا ص ۵۳۱‘ ۵۴۰‘ مطبوعہ دار الوفا بیروت‘ ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کے حجاب سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث میں ہے پھر حجاب کھول دیا جائے گا‘ اس حجاب سے مراد نور کا حجاب ہے کیونکہ حدیث میں ہے اللہ کا حجاب نور ہے اگر وہ اس حجاب کو کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار منتہائے بصر تک تمام مخلوق کو جلا ڈالیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۳‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۵‘ مسند احمد ج ۴ ص ۴۰۱) اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حجاب دنیا کے معروف حجاب کی طرح نہیں ہے‘ اور اللہ تعالیٰ اپنی عزت اور جلال کے انوار کی وجہ سے مخلوق سے محتجب ہے اور اس کی عظمت اور کبریاء کی شعاعیں ہی وہ حجاب ہیں جن کے سامنے عقلیں مدہوش ہو جاتی ہیں اور نظریں مبہوت ہو جاتی ہیں اور بصیرتیں حیران ہو جاتی ہیں‘ اگر وہ حقائق صفات اور عظمت ذات کے ساتھ تجلی فرمائے تو ہر چیز خاکستر ہو جائے گی۔

حجاب اصل میں اس ستر کو کہتے ہیں جو دیکھنے والے اور دکھائی دینے والے کے درمیان حائل ہو جائے اور اس حدیث میں حجاب سے مراد یہ ہے کہ اللہ کو دیکھنے سے اس کا نور جلال مانع ہے اور اس مانع کو ستر اور حائل کے قائم مقام کیا گیا ہے اور کتاب اور سنت کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ یہ حجاب اور دیکھنے سے مانع اس دنیا میں ہے جو فنا کے لیے بنائی گئی ہے نہ کہ آخرت میں جو بقا کے لیے بنائی گئی ہے یعنی آخرت میں یہ حجاب کھول دیا جائے گا اور مومنین اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں گے اور یہ حجاب مخلوق کی طرف راجع ہے کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ سے محجوب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان ہی کی مثل بری سزا ملے گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی، ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا گویا ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیئے گئے، وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ (یونس: ۲۷)

محشر میں کفار کی ذلت اور رسوائی

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اخروی احوال اور ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں اللہ عزوجل کفار کے اخروی احوال اور ان کے عذاب کا بیان فرما رہا ہے، کفار کے اخروی احوال میں سے اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل چار امور بیان فرمائے ہیں:

(۱) ایک جرم کی ایک ہی سزا ملے گی، اور اس کو بیان کرنے سے مقصود نیکی اور برائی کی جزا اور سزا کا فرق بیان کرنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کی جزا دس گنا سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ عطا فرماتا ہے اور ایک برائی کی ایک ہی سزا دیتا ہے، تاکہ انسان نیکی کی طرف راغب ہو اور برائی سے متنفر ہو۔

(۲) ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی، اس میں ان کی تحقیر اور توہین کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ذلت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا۔ (بنی اسرائیل: ۹۷)	ہم قیامت کے دن ان کو چہروں کے بل اٹھائیں گے، اس حال میں کہ وہ اندھے اور گونگے اور بہرے ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اٹھنے والے لوگوں کی تین قسمیں ہوں گی: ایک قسم ان لوگوں کی ہو گی جو پیدل چل رہے ہوں گے (یعنی عام مسلمان) اور ایک قسم ان لوگوں کی ہو گی جو سواری پر ہوں گے (یعنی اولیاء اللہ) اور ایک قسم ان لوگوں کی ہو گی جو اپنے چہروں کے بل چل رہے ہوں گے، (یعنی کفار) عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ اپنے چہروں کے بل کیسے چلیں گے؟ فرمایا: جس ذات نے ان کو، ان کے قدموں سے چلایا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کو چہروں کے بل چلائے؟ وہ ہر بلندی اور ہر کانٹے سے اپنے چہروں سے بچ رہے ہوں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۲، مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۷ رقم الحدیث: ۸۶۶۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۵۶)

اس حدیث میں ان کی تذلیل اور تحقیر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے چہروں سے ہاتھوں اور پیروں کا کام لیں گے، کیونکہ جس ذات نے ان کو پیدا کیا اور ان کو حسین صورت دی انہوں نے اس ذات کے لیے اپنے چہرہ کو نہیں جھکایا تو قیامت کے دن وہ چہرہ ذلیل ہو کر پیروں کا کام کرے گا جس سے وہ چل رہے ہوں گے اور ہاتھوں کا کام کرے گا جس سے وہ راستے کی تکلیف دہ چیزوں کو ہٹائیں گے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ان کی رسوائی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ	مجرم اپنی علامتوں سے پہچانے جائیں گے انہیں پیشانی کے

بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ - (الرحمٰن: ۴۱) بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا۔

حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا: اس کے سر اور پیر کو اکٹھا کر کے رسی سے باندھ دیا جائے گا۔

(البدور السافرۃ رقم الحدیث: ۱۴۲۸)

ضحاک نے اس کی تفسیر میں کہا: اس کی پیشانی اور اس کے پیروں کو پکڑ کر اس کی پشت کے پیچھے سے زنجیر کے ساتھ باندھ دیا جائے گا۔ (البدور السافرۃ رقم الحدیث: ۱۴۲۹)

(۳) ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہے، ہاں جس کو اللہ تعالیٰ اپنے حضور شفاعت کی اجازت دے گا اس کی شفاعت سے گنہگار عذاب سے نجات پائیں گے اور سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے، ان کی عذاب سے نجات ہوگی یا عذاب میں تخفیف ہوگی اور بعض کفار مثلاً ابوطالب کے عذاب میں بھی تخفیف کی شفاعت فرمائیں گے اور آپ کی وجہ سے ابولہب کے عذاب میں بھی تخفیف ہوگی اور حسب ذیل احادیث میں اس پر دلیل ہے:

حضرت عباس بن عبدالمطلب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے ابوطالب کو کچھ فائدہ پہنچایا وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے غضب ناک ہوتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں وہ بہ مقدار ٹخنوں کے آگ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳، ۶۲۰۸، ۶۵۷۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹)

عروہ نے کہا: ثویبہ ابولہب کی باندی تھی، ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابولہب مر گیا تو اس کے بعض اہل نے اس کو برے حال میں (خواب میں) دیکھا اس سے پوچھا: تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ ابولہب نے کہا تم سے جدا ہونے کے بعد مجھے کوئی راحت نہیں ملی البتہ ثویبہ کو میرے آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اس (انگلی) سے پلایا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۰۱، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۹۵۵)

محدث رزین کی روایت میں ہے کہ ابولہب کو خواب میں حضرت عباس نے اسلام لانے کے بعد دیکھا تھا، اس کی بری حالت تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا، اس نے کہا تمہارے بعد مجھے کوئی راحت نہیں ملی البتہ ہر پیر کی رات کو اس (یعنی انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی) سے پلایا جاتا ہے، کیونکہ میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔

(جمع الفوائد رقم الحدیث: ۴۱۹۸، مطبوعہ دار ابن حزم کویت، ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حضرت عباس نے اسلام قبول کرنے سے پہلے ابولہب کو خواب میں دیکھا تھا اور کفار کے عذاب میں بطریق عدل تخفیف نہیں ہوتی لیکن چونکہ ابولہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نیکی کی تھی اس لیے بطریق فضل اس کے عذاب میں تخفیف فرمادی۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۶-۱۴۵، ملخصاً، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

(۴) گویا ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیئے گئے، اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں کفار کا حال مسلمانوں کے برعکس ہوگا کیونکہ اس سے پہلی آیت میں مسلمانوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی نہ ذلت۔ قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں میں بھی یہ بیان فرمایا ہے کہ کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ

بہت سے چہرے اس دن چمکتے ہوئے ہوں گے ۝ مسکراتے ہوئے شاداں و فرحاں ۝ اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ۝ ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی ۝ یہی لوگ ہیں جو کافر

الْفَجَرَةُ۝ (عبس: ۴۲-۳۸)

بدکار ہیں۝

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ

الآیہ۔ (آل عمران: ۱۰۶)

جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے چہرے سیاہ ہوں گے' رہے وہ چہرے جو سیاہ ہوں گے (تو ان سے کہا جائے گا) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ۔ (الزمر: ۶۰)

اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا آپ دیکھیں گے قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے' پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے تم اور تمہارے شریک سب اپنی اپنی جگہ ٹھہریں' پھر ہم ان کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۝ پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے کہ بے شک ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۝ (یونس: ۲۹-۲۸)

قیامت کے دن شرکاء کی مشرکین سے بیزاری اور شرکاء کا مصداق

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں اور ان کے معبودوں کو جمع فرمائے گا اور اس دن وہ معبود اپنے عابدوں سے براء ت کا اظہار کریں گے اور اس دن یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ان مشرکوں نے ان معبودوں کے علم' ارادہ اور ان کی رضا اور رغبت سے ان کی عبادت نہیں کی' اور اس سے مقصود یہ ہے کہ دنیا میں مشرکین یہ کہا کرتے تھے کہ یہ بت اللہ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ ظاہر فرمائے گا کہ قیامت کے دن ان کے خود ساختہ معبود اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی شفاعت نہیں کریں گے بلکہ ان کی عبادت سے براءت کا اظہار کریں گے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا۔ (البقرہ: ۱۶۶)

جن لوگوں کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی' جب وہ ان لوگوں سے بیزار ہوں گے جنہوں نے پیروی کی تھی۔

اس آیت میں شرکاء سے مراد کون ہیں' اس میں تین قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں اور اس پر دلیل یہ آیت ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ۝ (سبا: ۴۱-۴۰)

اور جس دن وہ ان سب کو جمع فرمائے گا اور فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۝ وہ عرض کریں گے تو (شرکاء سے) پاک ہے' ان کے بغیر تو ہمارا مالک ہے' بلکہ یہ جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ان پر ہی ایمان رکھتے تھے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان شرکاء سے مراد فرشتے نہیں ہیں کیونکہ اس آیت میں جو خطاب ہے وہ تہدید اور وعید پر مشتمل ہے اور وہ ملائکہ مقربین کے مناسب نہیں ہے اور اس آیت میں شرکاء سے مراد بت ہیں' اب رہا یہ سوال کہ وہ بت کیسے کلام کریں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں حیات' عقل اور نطق پیدا کر دے گا یا ان میں صرف نطق پیدا کر دے گا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ شرکاء سے مراد ہر وہ ذات ہے جس کی اللہ کو چھوڑ کر پرستش کی گئی' خواہ وہ بت ہوں' سورج ہو' چاند ہو' انسان ہو' جن ہو یا فرشتہ ہو۔

شرکاء کے کلام پر کذب کا اعتراض اور اس کے جوابات

اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ جن کی یہ مشرکین عبادت کرتے تھے وہ یہ کہیں گے "تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے" حالانکہ فی الواقع ان مشرکین نے ان کی عبادت تو کی تھی تو پھر ان کا یہ کلام خلاف واقع اور جھوٹ ہوا؟ اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) میدان محشر میں سب حیرت اور دہشت میں مبتلا ہوں گے سو یہ کلام ان سے دہشت کی صورت میں صادر ہو گا جیسے مجنون اگر کوئی بات خلاف واقع کہے تو اس پر کذب کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

(۲) ان کے نزدیک کفار کے اقوال اور افعال ساقط الاعتبار تھے، وہ ان کو لائق شمار نہیں سمجھتے تھے، سو ہر چند کہ مشرکین نے ان کی عبادت کی تھی لیکن ان کے نزدیک کفار کا یہ فعل کسی گنتی اور شمار میں نہیں تھا۔

(۳) کفار نے اپنے اوہام اور تخیلات میں ان معبودوں کے لیے ایسی صفات فرض کی ہوئی تھیں جو در حقیقت ان معبودوں کو حاصل نہیں تھیں مثلاً یہ کہ وہ نفع اور ضرر پہنچانے پر قادر ہیں اور اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے، تو گویا مشرکین ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ ان چیزوں کی عبادت کرتے تھے جو ان فرضی چیزوں کے ساتھ موصوف تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس وقت ہر شخص اپنے بھیجے ہوئے اعمال (کے نتیجہ) میں مبتلا ہو گا، وہ سب اللہ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے اور وہ جو کچھ بہتان باندھتے رہے تھے وہ ان سے گم ہو جائیں گے○ (یونس: ۳۰)

اس آیت کے دو معنی ہیں: ایک یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کے نتیجہ کی پیروی کرے گا، اگر اس کے نیک اعمال تھے تو وہ جنت کی طرف جائے گا اور اگر اس کے برے اعمال تھے تو دوزخ کی طرف جائے گا، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال نامے کو پڑھے گا اور اس کے مطابق اپنی جزا یا سزا کو جان لے گا۔

امام ابن جریر نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ہر وہ قوم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پرستش کرتی تھی ان کے لیے ان کے معبودوں کو متمثل کر دیا جائے گا، وہ ان کے پیچھے جائیں گے حتیٰ کہ وہ ان کو دوزخ میں داخل کر دیں گے۔

(جامع البیان جز ۱۱ص ۱۴۸، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اور تمام مشرکین اس دن اللہ عزوجل کی طرف رجوع کریں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے اور دنیا میں وہ اللہ کو چھوڑ کر جن چیزوں کی عبادت کرتے تھے ان کا جھوٹ اور بطلان ان پر منکشف ہو جائے گا۔

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ

آپ (ان سے) کہیے کہ تمہیں آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ یا کان اور آنکھوں کا

الْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ

کون مالک ہے؟ اور مردے سے زندہ کو کون نکالتا ہے اور زندہ سے مردے کو کون

مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ

نکالتا ہے؟ اور نظام کائنات کو کون چلاتا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، پھر آپ کہیں

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ

کہ تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں! ○ یہی اللہ ہے جو تمہارا برحق رب ہے، تو حق کو چھوڑ کر گمراہی کے سوا

اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ

اور کیا ہے! سو تم کہاں پھرائے جارہے ہو! ○ کافروں پر اسی طرح آپ کے رب کے

رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ

دلائل قائم ہو چکے ہیں، وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے ○ آپ کہیے کہ

مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ

تمہارے (خود ساختہ) شرکاء میں سے کوئی ہے جو مخلوق کی پیدائش کی ابتداء کر سکے پھر (فنا کے بعد) اس کو دوبارہ پیدا کر سکے؟ آپ

يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ

کہیے کہ اللہ ہی پیدائش کی ابتداء کرتا ہے پھر (فنا کے بعد) اس کو دوبارہ پیدا کرے گا سو تم کہاں اوندھے پھر رہے ہو○ آپ کہیے کہ تمہارے

شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ

(خود ساختہ) شرکاء میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف ہدایت دے سکے؟ آپ کہیے کہ اللہ ہی حق کی ہدایت دیتا ہے،

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ

تو کیا جو حق کی ہدایت دے وہ فرمانبرداری کا زیادہ مستحق ہے یا وہ جو بغیر ہدایت دیے خود

اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ

ہی ہدایت نہ پا سکے؟ تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو! ○ ان میں سے اکثر لوگ صرف

اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

گمان کی پیروی کرتے ہیں، بے شک گمان کبھی یقین سے مستغنی نہیں کرتا، بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے

بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ

جو کچھ وہ کرتے ہیں ○ اور قرآن ایسی چیز نہیں کہ اللہ کی وحی کے بغیر اس کو گھڑ لیا جائے

اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا

لیکن یہ موجودہ (آسمانی) کتابوں کی تصدیق ہے، اور الکتاب کی تفصیل ہے اور

رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العلمین کی جانب سے ہے ○ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اس کتاب کو خود گھڑ لیا ہے؟ آپ

بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

کہیے کہ پھر اس کی مثل تم کوئی ایک صورت (بنا کر) لے آؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکتے ہو ان کو (بھی) بلا لو اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا

تم سچے ہو ○ بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جس کا انہیں پوری طرح علم نہیں ہو سکا تھا، اور ابھی

يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ

تک اس کے جھٹلانے کا انجام نہیں آیا، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا، پھر دیکھ لو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ

ظالموں کا کیسا انجام ہوا ○ اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور

مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾ ع

ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے ○

ع ٩

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ (ان سے) کہیے کہ تمہیں آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ یا کان اور آنکھوں کا کون مالک ہے؟ اور مردے سے زندہ کو کون نکالتا ہے اور زندہ سے مردے کو کون نکالتا ہے؟ اور نظام کائنات کو کون چلاتا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، پھر آپ کہیں کہ تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں!○ یہی اللہ ہے جو تمہارا برحق رب ہے، تو حق کو چھوڑ کر گمراہی کے سوا اور کیا ہے! سو تم کہاں پھرائے جا رہے ہو!○ فاسقوں پر اسی طرح آپ کے رب کے دلائل قائم ہو چکے ہیں، وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے ○ (یونس: ۳۳-۳۱)

توحید کے اثبات پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت فرمائی تھی اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان کے مذہب کا بطلان اور اسلام کی حقانیت کو واضح فرما رہا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رزق، حواس اور موت اور حیات کے احوال سے استدلال فرمایا ہے۔

رزق سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی نشوونما غذا سے ہوتی ہے اور غذا سبزیوں اور پھلوں سے حاصل ہوتی ہے یا گوشت سے اور گوشت کا مآل بھی نباتات ہیں کیونکہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کی غذا بھی زمین کی پیداوار ہے اور زمین کی پیداوار آسمان سے برسنے والے پانی اور زمین کی روئیدگی پر موقوف ہے' اور زمین اور آسمان کے نظام کو چلانے والا صرف اللہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ رزق دینے والا صرف اللہ ہے' اور حواس میں سب سے اشرف کان اور آنکھیں ہیں کیونکہ یہی علم اور ادراک کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں اور حضرت علی نے فرمایا: سبحان ہے وہ ذات جس نے چربی سے دکھایا اور ہڈی سے سنایا اور گوشت کے ایک پارچہ کو گویائی بخشی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے جس طرح اس نے انسان اور پرندے کو نطفہ اور انڈے سے نکالا جو بظاہر بے جان ہیں یا جس طرح اس نے مومن کو کافر سے پیدا کیا' اور اس نے فرمایا وہ زندہ سے مردے کو نکالتا ہے جس طرح اس نے نطفہ اور انڈے کو انسان اور پرندے سے نکالا یا جس طرح اس نے کافر کو مومن سے پیدا فرمایا۔

اور اے مشرکو! جب تمہیں یہ اعتراف اور اقرار ہے کہ زمین اور آسمان سے رزق دینے والا' اور انسان کو حواس دینے والا' اور موت اور حیات کو پیدا کرنے والا اور اس تمام نظام کائنات کو چلانے والا صرف اللہ ہے' تو پھر تم اللہ کے لیے شریک کیوں بناتے ہو اور شریک بنانے پر اللہ کی گرفت اور عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے!

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی اللہ ہے جو تمہارا برحق رب ہے' یعنی جس کی ایسی عظیم الشان قدرت ہے جس سے اس نے اس ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے اور جس کی ایسی وسیع رحمت ہے جس سے وہ اس ساری مخلوق کی پرورش کر رہا ہے یہی تو درحقیقت تمہارا رب ہے تم اس کو چھوڑ کر کہاں مارے مارے پھر رہے ہو' ان گنت دروازوں پر گدا کرنے کی کیا ضرورت ہے' اسی ایک در کے ہو رہو۔

پھر فرمایا: فاسقوں پر اسی طرح آپ کے رب کے دلائل قائم ہو چکے ہیں وہ یقیناً ایمان نہیں لائیں گے۔

اصطلاح میں فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو مومن ہو اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو لیکن اس آیت میں فاسقین سے مراد ایسے کافر ہیں جو ضد اور ہٹ دھرمی سے اپنے کفر پر قائم تھے اور معجزات اور دلائل پیش کیے جانے کے باوجود اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید سے توبہ نہیں کرتے تھے اور وہ اپنے کفر اور عناد سے اس حد پر پہنچ چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو ان کا ایمان لانا محال ہے حالانکہ وہ ایمان لانے کے مکلف ہیں' اس سے لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو محال کا مکلف کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس آیت سے قطع نظر کر کے فی نفسہ ایمان لانے کے مکلف ہیں' اس کی مفصل تفسیر البقرہ: ۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تمہارے (خود ساختہ) شرکاء میں سے کوئی ہے جو مخلوق کی پیدائش کی ابتداء کر سکے؟ پھر (فنا کے بعد) اس کو دوبارہ پیدا کر سکے؟ آپ کہیے کہ اللہ ہی پیدائش کی ابتداء کرتا ہے پھر (فنا کے بعد) اس کو دوبارہ پیدا کرے گا! سو تم کہاں اوندھے پھر رہے ہو؟ ○ آپ کہیے کہ تمہارے (خود ساختہ) شرکاء میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف ہدایت دے سکے؟ آپ کہیے کہ اللہ ہی حق کی ہدایت دیتا ہے' تو کیا جو حق کی ہدایت دے وہ فرمانبرداری کا زیادہ مستحق ہے یا وہ جو بغیر ہدایت دیئے خود ہی ہدایت نہ پا سکے' تمہیں کیا ہوا ہے! تم کیسے فیصلے کر رہے ہو! ○ ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان کی پیروی

کرتے ہیں، بے شک گمان کبھی یقین سے مستغنی نہیں کرتا بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں O
(یونس: ۳۴-۳۶)

شرک کا بطلان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات پر دلائل قائم کیے تھے اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر دلائل قائم فرما رہا ہے کہ جو ذات ابتداءً مخلوق کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ بھی اس کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: اے محمد! ان مشرکین سے کہئے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو کیا وہ بغیر مادے کے کسی چیز کو پیدا کر سکتے ہیں اور پیدا کرنے کے بعد کیا اس کو فنا کر سکتے ہیں اور پھر دوبارہ اس کو اسی شکل و صورت پر پیدا کر سکتے ہیں اور کیا ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے اور اس میں یہ واضح اور قطعی دلیل ہے کہ ان کا جو یہ دعویٰ ہے کہ یہ بت اللہ کے سوا رب ہیں اور یہ استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں، وہ اپنے اس دعویٰ میں کذاب اور مفتری ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اے محمد! ان مشرکین سے یہ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں کی عبادت کرتے ہو کیا یہ کسی ایسے شخص کو سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں جو سیدھا راستہ گم کر چکا ہو، یہ خود اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے کہ ان کے خود ساختہ معبود کسی گم کردہ راہ کو راستہ دکھا سکتے ہیں کیونکہ بالفرض اگر یہ ایسا دعویٰ کریں بھی تو مشاہدہ اور واقعہ ان کی تکذیب کر دے گا، اور جب یہ اقرار کر لیں کہ ان کے اختراعی معبود کسی گم کردہ راہ کو راستہ نہیں دکھا سکتے تو پھر ان سے کہئے کہ اللہ تو گمراہوں کو حق کی ہدایت دیتا ہے، تو جو گمراہوں کو حق کی ہدایت دیتا ہو وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی دعوت پر لبیک کہی جائے یا وہ جو بغیر ہدایت دیئے خود بھی ہدایت نہ پا سکے۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ جو حق کی ہدایت دیتا ہے وہ اس کی بہ نسبت اطاعت اور فرمانبرداری کا زیادہ مستحق ہے جو بغیر کسی کی ہدایت دینے کے از خود ہدایت نہ پا سکتا ہو لہٰذا تم ان بتوں کی عبادت کو ترک کر کے اس کی اطاعت اور عبادت کرو جو خشکی اور سمندروں میں بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ دکھاتا ہے اور اخلاص کے ساتھ صرف اسی کی عبادت کرو نہ کہ ان بتوں کی جن کو تم نے بغیر کسی دلیل کے اللہ کا شریک بنا لیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان مشرکین میں سے اکثر صرف ظن اور تخمین کی پیروی کرتے اور انکل پچو سے بتوں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں اور اس کی صحت اور واقعیت کے متعلق ان کو خود شکوک اور شبہات لاحق رہتے ہیں اور ظن کبھی بھی یقین سے مستغنی نہیں کر سکتا۔

قیاس اور خبر واحد کے حجت ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

اس آیت سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں اتباع ظن کی مذمت کی گئی ہے اور قیاس اور خبر واحد بھی ظنی ہیں لہٰذا قیاس اور خبر واحد بھی حجت نہ رہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مطلقاً ظنی دلیل کی اتباع سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اس ظنی دلیل کی اتباع سے منع کیا گیا ہے جو ظن یقین اور قطعیت کے خلاف اور اس کے معارض ہو جیسے مشرکین کا اپنے بتوں کی پرستش کرنا محض اپنے ظن کی بناء پر تھا اور ان کا یہ ظن ان دلائل یقینیہ اور براہین قطعیہ کے خلاف تھا، جو شرک کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں، سو قیاس اور خبر واحد درجہ ظن میں حجت ہوتے ہیں اور اس سے مراد وہی قیاس ہے جو کسی دلیل قطعی کے خلاف نہ ہو، جیسے ابلیس نے قیاس کر کے خود کو حضرت آدم سے افضل کہا تھا، سو یہ قیاس دلیل قطعی کے خلاف تھا، اور وہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ سب آدم کو سجدہ کریں، اسی طرح جو خبر واحد قرآن مجید یا کسی خبر متواتر کے خلاف ہو وہ بھی حجت

نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قرآن ایسی چیز نہیں کہ اللہ کی وحی کے بغیر اس کو گھڑ لیا جائے لیکن یہ موجودہ (آسمانی) کتابوں کی تصدیق ہے' اور الکتاب کی تفصیل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی جانب سے ہے○ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اس کتاب کو خود گھڑ لیا ہے؟ آپ کہیئے کہ پھر اس کی مثل تم کوئی ایک سورت (بنا کر) لے آؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکتے ہو ان کو (بھی) بلا لو اگر تم سچے ہو○ بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جس کا انہیں پوری طرح علم نہیں ہو سکا تھا' اور ابھی تک اس کے جھٹلانے کا انجام نہیں آیا' اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا' پھر دیکھ لو ظالموں کا کیسا انجام ہوا○ اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے' اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے○ (یونس: ۳۷-۴۰)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر دلائل قائم کیے تھے اور شرک کا بطلان ظاہر فرمایا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل قائم کیے ہیں اور آپ کی نبوت پر جو ان کے شبہات تھے ان کا ازالہ فرمایا ہے۔ ان کا ایک شبہ یہ تھا کہ اس قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود تصنیف کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا اس طرح ازالہ فرمایا کہ یہ قرآن ایسی چیز نہیں ہے کہ اللہ کی وحی کے بغیر اس کو گھڑ لیا جائے' لیکن یہ موجودہ (آسمانی) کتابوں کی تصدیق ہے' اور اس کی حسب ذیل تقاریر ہیں:

(۱) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک امی شخص تھے' آپ نے حصول تعلیم کے لیے کسی شہر کا سفر نہیں کیا تھا' اور مکہ علماء کا شہر نہیں تھا' اور نہ اس میں علم کی کتابیں تھیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرآن پیش کیا جس میں پہلی امتوں اور ان کے نبیوں کی خبریں ہیں' لوگ آپ کے شدید دشمن تھے' اگر قرآن مجید کی دی ہوئی خبریں تورات اور انجیل کے موافق نہ ہوتیں تو وہ قرآن مجید پر زبردست اعتراض کرتے اور کہتے کہ آپ نے گزشتہ امتوں کے جو واقعات بیان کیے ہیں وہ سابقہ آسمانی کتابوں کے مطابق نہیں ہیں اور جب کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا حالانکہ وہ قرآن کریم کے بہت بڑے مخالف تھے اور اس کو باطل ثابت کرنے کے درپے تھے تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی دی ہوئی خبریں تورات اور انجیل کے مطابق ہیں جب کہ آپ نے تورات اور انجیل کا مطالعہ نہیں کیا تھا اور نہ ان کا علم حاصل کرنے کے لیے کسی کی شاگردی اختیار کی تھی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے احوال اور واقعات کی جو خبریں دی تھیں وہ اللہ عزوجل کی وحی سے دی تھیں لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور آپ کا بنایا ہوا نہیں ہے۔

تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری

(۲) سابقہ کتابوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی گئی تھی' آپ کی شریعت اور آپ کے اصحاب کے متعلق تفصیل سے بتایا گیا تھا' تورات میں ہے:

اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا' فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا' دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دہنے ہاتھ ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی۔

(کتاب مقدس' استثناء باب: ۳۳' آیت: ۲ ص ۱۹۲' مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی' انار کلی لاہور' ۱۹۲۷)

اور تورات کے عربی ایڈیشن میں یہ آیت اس طرح لکھی ہوئی ہے:

اتی من ربوات القدس۔ دس ہزار قدسیوں سے آیا۔

(مطبوعہ دار الکتاب المقدس فی العالم العربی، ص ۳۳۴، ۱۹۸۰ء)

تورات کی یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح منطبق ہوتی ہے کہ آپ دس ہزار اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے، یہودیوں نے جب یہ دیکھا کہ یہ آیت آپ کی نبوت پر دلیل ہے تو انہوں نے اس آیت کو بدل دیا چنانچہ تورات کے موجودہ ایڈیشنوں میں انہوں نے دس ہزار کی بجائے لاکھوں لکھ دیا۔

قرآن مجید کی پیش گوئیاں جو مستقبل میں پوری ہوئیں

(۳) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید میں بہت سی ایسی غیب کی خبریں دیں جو مستقبل میں پوری ہونے والی تھیں اور پھر آپ کی دی ہوئی خبروں کے مطابق ایسا ہی ہو گیا اور آپ کی پیش گوئیوں کا صادق ہونا آپ کی نبوت کے برحق ہونے کی واضح دلیل ہے، اس نوع کی چند آیتیں حسب ذیل ہیں:

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ○ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ۔ (الروم: ۳-۱)

الف، لام، میم، اہل روم (اہل فارس سے) قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے، اور وہ چند سالوں میں اپنے مغلوب ہونے کے بعد غالب ہو جائیں گے۔

اس زمانہ کی دو بڑی سلطنتیں فارس (ایران) اور روم میں عرصہ دراز سے کشمکش اور جنگ چلی آرہی تھی، مکہ والوں میں بھی ان کی جنگ کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اہل فارس مجوسی اور آتش پرست تھے، اور اہل روم نصاریٰ اور اہل کتاب تھے۔ مشرکین مکہ بت پرست ہونے کی وجہ سے ذہنی طور پر اہل فارس کے قریب تھے اور مسلمان ذہنی طور پر اہل روم کے زیادہ قریب تھے۔ ایرانیوں کی فتح کی خبر سے مشرکین خوش ہوتے تھے اور رومیوں کی فتح کی خبر سے مسلمان خوش ہوتے تھے۔ اعلان نبوت کے پانچ سال بعد ایرانیوں نے رومیوں کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی اور بہت سے علاقے روم کے قبضہ سے نکل گئے حتیٰ کہ بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے مقدس صلیب بھی ایرانی لے گئے۔ اس خبر سے مشرکین بہت خوش ہوئے اور مسلمان مغموم ہوئے، اس وقت قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں اور قرآن کریم نے ایرانیوں کے خلاف رومیوں کی فتح کی پیش گوئی کی جب کہ عام اسباب ظاہری ایرانیوں کے حق میں اور رومیوں کے خلاف تھے اور پھر چھ سال کے بعد یہ پیش گوئی پوری ہو گئی اور رومی ایرانیوں پر غالب آگئے۔ قرآن مجید کی اس عظیم الشان اور محیر العقول پیش گوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۳، ملخصاً)

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ۔ (الفتح: ۲۷)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کا خواب حق کے ساتھ سچا کر دکھایا کہ (اے مسلمانو!) تم ان شاء اللہ ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اس حال میں کہ تم بے خوف ہو گے، سروں کے بال منڈاتے ہوئے اور کترواتے ہوئے بغیر کسی ڈر کے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور سر منڈا کر اور بال کتروا کر حلال ہو رہے ہیں، اتفاق سے آپ نے اسی سال عمرہ کا قصد کر لیا۔ صحابہ نے عموماً یہ سمجھ لیا کہ ہم اسی سال مکہ پہنچیں گے اور عمرہ ادا کریں گے۔ مشرکین نے آپ کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیا اور بالآخر ان سے اس شرط پر صلح ہوگئی کہ

اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کرلیں۔ حضرت عمر کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ہم اس سال عمرہ کریں گے، تم ان شاء اللہ امن کے ساتھ مکہ پہنچ کر عمرہ کرو گے سو اگلے سال ایسا ہی ہوا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ (النور: ۵۵)

اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں حکومت عطا فرمائے گا، جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو حکومت عطا فرمائی تھی، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور راسخ کر دے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے اور اس کے بعد ان کے خوف کو ضرور امن سے بدل دے گا۔

نیک مسلمانوں کے حق میں قرآن مجید کی یہ پیش گوئی اس وقت پوری ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدین کو حکومت عطا فرمائی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں زمین کے مشارق اور مغارب سے خراج اکٹھا کر کے مدینہ منورہ لایا جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کا صدق ظاہر ہو گیا: بے شک اللہ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو سمیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا اور جتنی زمین میرے لیے سمیٹی گئی تھی عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی۔ (ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۶)

فرعون کے متعلق فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً۔ (یونس: ۹۲)

پس ہم آج تیرے بدن کو نجات دے رہے ہیں تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے ایک نشانی بن جائے۔

صدیاں گزر گئیں اور قرآن مجید کی یہ پیش گوئی آج تک صادق ہے اور فرعون کا جسم اسی طرح محفوظ ہے۔

قرآن مجید کے تفصیل الکتاب ہونے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ الکتاب کی تفصیل ہے، قرآن مجید بنیادی طور پر ہدایت کی کتاب ہے، اس میں عقائد اور شرائع کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ عقائد میں اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کا عقیدہ ہے اور اس کے واحد ہونے کا عقیدہ اور اس کی صفات کا عقیدہ ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی حیات، علم، قدرت، کلام، سمع، بصر، ارادہ اور تکوین کی صفات ہیں۔ قرآن مجید میں ان تمام صفات اور ان کے دلائل کا ذکر ہے، اسی طرح فرشتوں کے متعلق عقائد کا ذکر ہے، اور نبیوں اور رسولوں کا تفصیل سے ذکر ہے، اور یہ کہ اللہ کے حکم سے فرشتے نبیوں پر وحی نازل کرتے ہیں، قیامت کا، حشر و نشر کا، حساب و کتاب اور جنت اور دوزخ کا ذکر ہے، اور شرائع میں عبادت کے تمام طریقوں کا بیان ہے اور اخلاق اور آداب سے متعلق احکام کا بھی ذکر ہے اور قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کی احادیث کے حجت ہونے سے متعلق بھی آیات ہیں اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں کی اصل بھی قرآن مجید میں ہے اور اجماع اور قیاس کے حجت ہونے کے دلائل بھی قرآن مجید میں ہیں، گویا تمام عقائد اور شرائع کی اصل اور اساس قرآن مجید میں ہے اور ان میں سے بعض قرآن مجید میں تفصیلاً مذکور ہیں اور بعض اجمالاً مذکور ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر جزئی، جزئی حکم کی تفصیل قرآن مجید میں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمام جزئیات کے اصول اور قواعد اور ان کے دلائل کی تفصیل قرآن مجید میں ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ تمام دنیا کے علوم قرآن مجید میں ہیں، قرآن مجید اصالتاً ہدایت کی کتاب ہے، فلسفہ اور سائنس اور تاریخ اور جغرافیہ کی کتاب نہیں ہے، اس کتاب

کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے نازل فرمایا اور اس کی تشریح اور تعبیر کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے، آپ نے اس کی آیات کی تعلیم دی ہے اور ان کی تفسیر بیان فرمائی ہے اور قرآن مجید کے احکام کا عملی نمونہ پیش فرمایا ہے اور ان تمام چیزوں کا خلاصہ اللہ، اس کے نبی، فرشتوں، کتابوں، تقدیر، قیامت، حشر اور جزا اور سزا پر ایمان لانا ہے، نیک اعمال کرنا اور برے اعمال سے اجتناب کرنا ہے تاکہ انسان کی عاقبت اچھی ہو جائے اور قرآن مجید میں صرف ان ہی چیزوں کی تفصیل ہے اور اس سے یہ مراد لینا صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید میں تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ اور تمام حوادث اور کوائف کی تفصیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ کہئے کہ پھر اس کی مثل تم کوئی ایک سورت (بنا کر) لے آؤ۔ الآیہ: اس کی مفصل تفسیر البقرہ: ۲۳ میں گزر چکی ہے۔

پھر فرمایا: بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جس کا انہیں پوری طرح علم نہیں ہو سکا تھا اور ابھی تک اس کو جھٹلانے کا انجام سامنے نہیں آیا، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا پھر دیکھو ظالموں کا کیسا انجام ہوا○

یعنی ان لوگوں نے قرآن مجید کی تکذیب کی نہ اس کو سمجھا نہ جانا، اور اس قرآن میں عقائد اور شرائع کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اور دین حق کی جو رہنمائی کی گئی ہے نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کی، اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان کی تکذیب کا نتیجہ ابھی تک ان کے سامنے نہیں آیا۔ امام ابن جریر نے فرمایا: اس قرآن میں ان کی تکذیب پر جو وعید سنائی گئی ہے ابھی تک اس کا مصداق ان کے پاس نہیں پہنچا، اور اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) جس طرح ان لوگوں نے اللہ کی وعید کی تکذیب کی ہے اس طرح ان سے پہلی امتوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی وعید کی تکذیب کی تھی اور اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور ان پر ایمان نہیں لائے تھے، پس آپ غور کیجئے، کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا! کیا ہم نے بعض کافروں کو زلزلہ سے ہلاک نہیں کر دیا اور بعض کو زمین میں دھنسا نہیں دیا اور بعض کو غرق نہیں کر دیا، کیا یہ لوگ پہلے کافروں کا انجام دیکھ کر عبرت نہیں پکڑتے اور شرک اور کفر سے توبہ نہیں کرتے!

اس کے بعد فرمایا: اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ امام ابن جریر نے فرمایا: یعنی: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) قریش میں سے بعض وہ ہیں جو اس قرآن پر عنقریب ایمان لے آئیں گے اور بعض وہ ہیں جو اس قرآن پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور کبھی اس کا اقرار نہیں کریں گے، اور آپ کا رب ان مکذبین کو خوب جاننے والا ہے اور ان کو عنقریب اس کے عذاب کا سامنا ہوگا۔

وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلْ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ‌ ۚ اَنۡـتُمۡ بَرِيۡٓـئُوۡنَ

اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہیے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے، تم ان کاموں سے بری الذمہ ہو

مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ

جو میں کرتا ہوں اور میں ان کاموں سے بری الذمہ ہوں جو تم کرتے ہو○ اور ان میں سے بعض آپ کی طرف کان

اِلَيۡكَ‌ ؕ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنۡهُمۡ

لگاتے ہیں تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے خواہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں○ اور ان میں سے

مَّنۡ يَّنۡظُرُ اِلَيۡكَ ؕ اَفَاَنۡتَ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۴۳﴾

بعض آپ کی طرف دیکھتے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو ہدایت دیں گے خواہ وہ کچھ بھی نہ دیکھتے ہوں ○

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـئًا وَّلٰـكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ

بے شک اللہ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم

يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ كَاَنۡ لَّمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ

کرتے ہیں ○ اور جس دن وہ (اللہ) ان کو جمع فرمائے گا (تو وہ یہ گمان کریں گے کہ) وہ (دنیا میں) دن کی

النَّهَارِ يَتَعَارَفُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ ؕ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ

صرف ایک گھڑی بھر رہے ہیں، وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے: بے شک وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے

اللّٰهِ وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ

کو جھٹلایا تھا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے ○ اور اگر ہم آپ کو اس عذاب کا بعض حصہ دکھا دیں جس

نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى

سے ہم نے ان کو ڈرایا ہے یا آپ کی مدت حیات پوری کر دیں (تو ان کو تو بہر حال) اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر اللہ ان کے

مَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوۡلُهُمۡ

افعال پر گواہ ہے ○ اور ہر ایک امت کے لیے رسول ہے تو جب ان کا رسول آ جائے گا تو ان

قُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى

کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر (بالکل) ظلم نہیں کیا جائے گا ○ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ

هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّاۤ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِىۡ

کب (پورا ہو گا) اگر تم سچے ہو ○ آپ کہیے میں اپنی جان کے لیے نہ کسی ضرر کا

ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ

مالک ہوں نہ نفع کا مگر اسی کا جو اللہ چاہے، ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا مقرر وقت آ جائے گا

فَلَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

تو وہ نہ ایک گھڑی مؤخر ہو سکیں گے اور نہ (ایک گھڑی) مقدم ہو سکیں گے ○ آپ کہیے کہ بھلا بتاؤ تو سہی

اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ

اگر اس کا عذاب (اچانک) رات کو آجائے یا دن کو تو مجرم کس چیز کو جلدی سے (اپنے بچاؤ کے لیے)

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ

کریں گے ○ کیا پھر جب یہ عذاب آجائے گا تو پھر تم اس کا یقین کرو گے! (ان سے کہا جائے گا) اب مانا ہے

بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ

بے شک تم اسی کو جلدی طلب کرتے تھے ○ پھر ظالموں سے کہا جائے گا دائمی عذاب کا مزہ چکھو

الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ

تمہیں صرف ان ہی کاموں کی سزا دی جائے گی جو تم کرتے تھے ○ اور وہ آپ سے معلوم کرتے ہیں کیا

اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥٣﴾

واقعی وہ عذاب برحق ہے؟ آپ کہیے کہ ہاں! میرے رب کی قسم وہ عذاب برحق ہے اور تم (میرے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو ○

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم — ربع ٥

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہئے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے، تم ان کاموں سے بری الذمہ ہو جو میں کرتا ہوں اور میں ان کاموں سے بری الذمہ ہوں جو تم کرتے ہو○ (یونس: ۴۱)

ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہے

یعنی میں نے جو دین اسلام کی تبلیغ کی ہے اور تم کو اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننے اور اس کی عبادت اور اطاعت کرنے کی دعوت دی ہے مجھے اس کا ثواب ملے گا اور تم کو تمہارے شرک کرنے کی سزا ملے گی اور کسی شخص سے دوسرے شخص کے اعمال کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ مضمون قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ○ (ھود: ۳۵)

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس (قرآن) کو از خود گھڑ لیا ہے! آپ کہئے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہے، اور میں تمہارے گناہوں سے بری الذمہ ہوں۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ (سبا: ۲۵)

آپ کہئے (اگر بالفرض) ہم نے کوئی جرم کیا ہے تو تم سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور تمہارے کاموں کے متعلق ہم سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى - (الانعام: ۱۶۴) اور ہر شخص جو برائی کرتا ہے وہ اسی پر ہے، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

مقاتل نے کہا کہ زیر تفسیر آیت، جہاد کی آیات سے منسوخ ہے۔ (جامع البیان جز ۱۱ ص ۱۵۵) لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے اعمال کا جواب دہ نہیں ہے اور یہ حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہے، دراصل اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ مشرکین آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود مسلمان نہیں ہوتے تو آپ غم اور فکر نہ کریں، آپ کو اپنی تبلیغ پر ثواب ملے گا اور ان کو اسلام نہ قبول کرنے کی سزا ملے گی، کیونکہ ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے خواہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں○ اور ان میں سے بعض آپ کی طرف دیکھتے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو ہدایت دیں گے خواہ وہ کچھ بھی نہ دیکھتے ہوں○ بے شک اللہ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں○ (یونس: ۴۴-۴۲)

کفار کے ایمان نہ لانے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

یونس: ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی دو قسمیں کی تھیں: بعض آپ پر ایمان لائیں گے اور بعض آپ پر ایمان نہیں لائیں گے اور ان آیتوں میں ایمان نہ لانے والوں کی دو قسمیں کی ہیں: بعض وہ ہیں جو بغض و عناد کی آخری حد کو پہنچے ہوئے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اس طرح نہیں ہیں، جو بغض و عناد کی آخری حد کو پہنچے ہوئے ہیں ان کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں: ایک وہ ہیں جو بہروں کی مانند ہیں کیونکہ جب ایک انسان دوسرے انسان سے حد سے زیادہ بغض اور عناد رکھے تو وہ ہر اعتبار سے اس کی برائی کا طالب ہوتا ہے اور ہر لحاظ سے اس کی اچھائی سے اعراض کرتا ہے اور بہرا شخص کسی کی بات سن نہیں سکتا، اسی طرح سے یہ مشرکین بھی آپ کے کلام کے محاسن اور فضائل کا ادراک نہیں کرتے گویا کہ انہوں نے آپ کا کلام سنا ہی نہیں، اور دوسری مثال یہ دی کہ یہ اندھوں کی مانند ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کمالات اور خوبیاں عطا فرمائی ہیں یہ ان کا ادراک نہیں کرتے گویا کہ یہ آپ کو دیکھتے ہی نہیں اور جو لوگ بغض اور عداوت میں اس حد کو پہنچ چکے ہوں ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی اتباع کریں گے، سو اس آیت سے بھی مقصود یہی ہے کہ آپ کو تسلی دی جائے کہ اگر آپ کی تبلیغ سے یہ مشرکین اسلام قبول نہیں کرتے تو آپ غم اور فکر نہ کریں، آپ کی تبلیغ میں کوئی کمی نہیں ہے، کمی تو ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں میں ہے، بغض اور عداوت نے ان کو بہرا اور اندھا کر دیا ہے، یہ توجہ سے آپ کی بات سنتے نہیں، بصیرت سے آپ کو دیکھتے نہیں پھر اگر یہ آپ کی تبلیغ سے متاثر نہیں ہوتے تو اس میں کیا تعجب ہے!

اس کے بعد فرمایا: اللہ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو کفر، شرک اور بدکاریوں پر مجبور نہیں کیا، لوگ خود اپنے اختیار سے برے کام کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ (اللہ) ان کو جمع فرمائے گا (تو وہ یہ گمان کریں گے کہ) وہ (دنیا میں) دن کی صرف ایک گھڑی بھر رہے ہیں، وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، بے شک وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کو جھٹلایا تھا، اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے○ اور اگر ہم آپ کو اس عذاب کا بعض حصہ دکھا دیں جس سے ہم نے ان کو ڈرایا ہے یا آپ کی مدت حیات پوری کر دیں تو ان کو تو (بہرحال) اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، پھر اللہ ان کے افعال پر گواہ ہے○ (یونس: ۴۶-۴۵)

قیامِ دنیا کو کم سمجھنے کی وجوہات

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کفار دنیا میں قیام کو بہت کم خیال کریں گے، اسی طرح ایک اور آیت میں بھی فرمایا ہے:

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ○ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ○ (المومنون: ۱۱۳-۱۱۲)

اللہ فرمائے گا (بتاؤ) تم کتنے سال زمین میں ٹھہرے؟○ وہ کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے تھے سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے۔

وہ دنیا میں قیام کو کم کیوں گمان کرتے تھے، اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) چونکہ کفار نے اپنی عمروں کو دنیا کی طلب اور لذتوں کی حرص میں ضائع کر دیا اور دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کا انہیں آخرت میں نفع ہوتا تو ان کا دنیا میں زندگی گزارنا اور نہ گزارنا دونوں برابر تھے اس لیے انہوں نے دنیا کی زندگی کو کم سمجھا۔

(۲) جب وہ آخرت کے دہشت ناک امور دیکھیں گے تو انہیں دنیا کی گزاری ہوئی زندگی بھول جائے گی۔

(۳) آخرت کے دائمی عذاب کے مقابلہ میں انہیں دنیا کا قیام کم معلوم ہو گا۔

(۴) محشر کے طویل دن کے مقابلہ میں (جو پچاس ہزار سال کے برابر ہو گا) انہیں دنیا میں قیام کم معلوم ہو گا۔

(۵) ہرچند کہ انسان کو دنیا میں لذتیں بھی حاصل ہوتی ہیں مگر وہ لذتیں آلام اور مصائب کے ساتھ مقرون ہوتی ہیں اور آخرت کا عذاب خالص عذاب ہوتا ہے اس لیے دنیا کی لذتیں بہت بھی ہوں تو تھوڑی معلوم ہوں گی۔

اس کے بعد فرمایا: وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، بے شک وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کو جھٹلایا تھا۔ مشرکین جو ایک دوسرے کو پہچانیں گے اس میں ان کے لیے زجر و توبیخ ہے، ایک دوسرے سے کہے گا تو نے مجھے گمراہ کر دیا اور مجھے دوزخ کا مستحق بنا دیا۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۳۶) جب وہ قبر سے اٹھیں گے تو ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، جیسا کہ دنیا میں ایک دوسرے کو پہچانتے تھے، پھر قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک مناظر کو دیکھ کر وہ ایک دوسرے کو شناخت نہیں کر سکیں گے، بعض روایات میں ہے کہ انسان اس شخص کو پہچانتا ہو گا جو اس کے پہلو میں کھڑا ہو گا لیکن خوف اور دہشت کی وجہ سے اس سے بات نہیں کر سکے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر ہم آپ کو اس عذاب کا بعض حصہ دکھا دیں جس سے ہم نے ان کو ڈرایا ہے یا آپ کی مدت حیات پوری کر دیں تو ان کو تو (بہرحال) اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو دنیا میں کفار کی ذلت اور رسوائی کی کچھ انواع دکھائے گا اور آپ کے وصال کے بعد ان کو مزید ذلت اور رسوائی میں مبتلا فرمائے گا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بھی وہ ذلت اور رسوائی میں مبتلا ہوئے جیسا کہ جنگ بدر اور احزاب وغیرہ میں اور آپ کے بعد بھی ذلیل ہوئے جیسا کہ متعدد جنگوں میں ہوا اور قیامت تک رسوا ہوتے رہیں گے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ نیک لوگوں کا انجام محمود اور مستحسن ہو گا اور رسوائی بدکاروں کا مقدر ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر ایک امت کے لیے رسول ہے تو جب ان کا رسول آ جائے گا تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر (بالکل) ظلم نہیں کیا جائے گا○ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا ہو گا؟) اگر تم سچے ہو○ (یونس: ۴۸-۴۷)

ہرامت کے پاس اس کے رسول آنے کے دو محمل

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین مکہ کی مخالفت کا حال بیان فرمایا تھا اب فرمارہا ہے کہ ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم کا ایسا ہی معاملہ تھا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہر ایک امت کے لیے ایک رسول ہے تو جب ان کا رسول آجائے گا تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا' اس کے دو محمل ہیں: (۱) تو جب ان کا رسول دنیا میں آجائے گا' (۲) تو جب ان کا رسول ان کے پاس میدان حشر میں آجائے گا۔

معنی اول مراد ہو تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب دنیا میں ہر قوم کے پاس ایک رسول بھیجا جائے گا تو وہ تبلیغ کر کے اور دین اسلام کے حق ہونے پر دلائل قائم کر کے ہر قسم کے شک اور شبہ کا ازالہ کر دے گا پھر کفار کے پاس دین حق کی مخالفت کرنے اور اس کی تکذیب کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہے گا اور وہ قیامت کے دن یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ ہمارے پاس تو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی دعوت دینے کے لیے کوئی آیا ہی نہیں تھا اور نہ کوئی عذاب سے ڈرانے والا آیا تھا' اس معنی کی تائید میں حسب ذیل آیات ہیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (بنو اسرائیل: ۱۵)

اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک ہم رسول نہ بھیج دیں۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ (النساء: ۱۶۵)

(ہم نے) بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول (بھیجے) تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے عذر پیش کرنے کا موقع نہ رہے۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى۔ (طٰہٰ: ۱۳۴)

اور اگر ہم رسول کو بھیجنے سے پہلے انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم (عذاب میں) ذلیل و خوار ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی پیروی کر لیتے۔

اور معنی ثانی کی توجیہ یہ ہے کہ جب میدان حشر میں اللہ تعالیٰ حساب کے وقت رسولوں کو اور ان کی امتوں کو جمع فرمائے گا تاکہ رسول ان امتوں پر گواہی دیں اور امتوں کو یہ اعتراف کرنا پڑے کہ بے شک ان کے پاس رسول آئے تھے' اور یہ ان کی بداعمالیوں پر من جملہ دلائل میں سے ایک دلیل ہے جیسا کہ ان کے اعضاء خود ان کی بداعمالیوں پر گواہی دیں گے اور میزان پر ان کے اعمال کا وزن ہو گا اور کراماً کاتبین ان کی بداعمالیوں کے رجسٹر کھولیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے بازپرس بھی کرے گا اور اللہ تعالیٰ خود ان کے اعمال پر گواہ ہے' ان ہی دلائل میں سے ایک دلیل ہے کہ قیامت کے دن ہر رسول اپنی امت پر گواہ ہو گا اور اس معنی کی تائید میں حسب ذیل آیات ہیں:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۝ (النساء: ۴۱)

اس وقت کیسا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول) ہم ان تمام پر آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا

اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں

شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرہ: ۱۴۳) پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تم پر گواہ ہوں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟

جب بھی رسول منکرین نبوت کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے اور ایک عرصہ تک عذاب نازل نہ ہوتا تو وہ کہتے کہ نزول عذاب کا یہ وعدہ کب پورا ہو گا' ان کا منشاء اس سے آخرت کے عذاب کے متعلق پوچھنا نہیں تھا کیونکہ آخرت پر تو ان کو یقین ہی نہ تھا' وہ نبی علیہ السلام کی تکذیب اور آپ کا مذاق اڑانے کے لیے یہ کہتے تھے کہ آپ نے جو کہا ہے کہ اللہ کے دشمنوں پر عذاب نازل ہو گا اور اللہ کے دوستوں کی مدد کی جائے گی آخر آپ کا یہ وعدہ کب پورا ہو گا' اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات میں دیا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے میں اپنی جان کے لیے نہ کسی ضرر کا مالک ہوں نہ نفع کا مگر اسی کا جو اللہ چاہے' ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے' جب ان کا مقرر وقت آ جائے گا تو وہ نہ ایک گھڑی موخر ہو سکیں گے اور نہ (ایک گھڑی) مقدم ہو سکیں گے ○ آپ کہیے کہ بھلا بتاؤ تو سہی اگر اس کا عذاب (اچانک) رات کو آ جائے یا دن کو تو مجرم کس چیز کو جلدی سے (اپنے بچاؤ کے لیے) کریں گے ○ کیا پھر جب یہ عذاب آ جائے گا تو پھر تم اس کا یقین کرو گے! (ان سے کہا جائے گا) اب مانا تم نے! بے شک تم اسی کو جلدی طلب کرتے تھے ○ پھر ظالموں سے کہا جائے گا دائمی عذاب کا مزہ چکھو' تمہیں صرف ان ہی کاموں کی سزا دی جائے گی جو تم کرتے تھے ○ (یونس: ۵۲-۴۹)

اس سوال کا جواب کہ مشرکین پر عذاب جلدی کیوں نہیں آتا

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دشمنوں پر عذاب کا نازل کرنا اور دوستوں کے لیے مدد کو ظاہر کرنا صرف اللہ عزوجل کی قدرت اور اختیار میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ اور وعید کو پورا کرنے کے لیے ایک وقت معین کر دیا ہے اور اس وقت کا تعین اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اور جب وہ وقت آ جائے گا تو وہ وعدہ لامحالہ پورا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ میں اپنی جان کے لیے نہ کسی نفع کا مالک ہوں نہ کسی ضرر کا مالک ہوں مگر اسی کا جو اللہ چاہے۔ اس استثناء کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا چاہے مجھے مالک اور قادر بنا دیتا ہے' اللہ تعالیٰ رزاق ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قاسم ہیں۔ آپ دنیا اور آخرت کی نعمتیں تقسیم کرتے ہیں۔ آپ نے دنیا میں لوگوں کو غنی کیا اور آپ کی شفاعت سے مسلمانوں کو جنت ملے گی' جو شخص آپ کا انکار کرے وہ نقصان اٹھائے گا اور دوزخ میں جائے گا اور جو شخص آپ پر ایمان لائے گا وہ نفع پائے گا اور جنت میں جائے گا۔ سو یہ وہ نفع اور ضرر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی قدرت اور اختیار میں دیا ہے ہاں اللہ تعالیٰ کے قادر کیے بغیر آپ کو اپنی جان پر بھی کسی نفع اور ضرر کا اختیار نہیں ہے اور اس آیت میں یہی مراد ہے کہ اے کافرو! تم مجھ سے یہ مطالبہ کیوں کرتے ہو کہ میں جلد دوستوں کے لیے امداد ظاہر کروں اور دشمنوں پر عذاب لاؤں کیونکہ یہ چیز صرف اللہ عزوجل کی مشیت پر موقوف ہے اور اس کے چاہے بغیر تو مجھے اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع اور ضرر کا اختیار نہیں ہے۔

نزول عذاب کے بعد ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ بھلا بتاؤ تو سہی اگر اس کا عذاب اچانک رات کو آ جائے یا دن کو تو مجرم کس چیز کو جلدی سے (اپنے بچاؤ کے لیے) کریں گے ○ یعنی آپ ان مشرکین سے کہیے کہ اگر رات یا دن کے کسی وقت میں تمہارے پاس عذاب آ جائے اور قیامت قائم ہو جائے تو کیا تم قیامت کو اپنے اوپر سے دور کرنے پر قادر ہو' اور اگر تمہارے مطالبہ کی بناء پر بالفرض

عذاب آجائے تو تم کو اس سے کیا فائدہ ہوگا اس وقت ایمان لانا تو کار آمد ہے نہیں تو پھر کس لیے تم اس عذاب کے جلد آجانے کا مطالبہ کر رہے ہو؟

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا پھر یہ عذاب آجائے گا تو پھر تم اس کا یقین کرو گے! (ان سے کہا جائے گا) اب مانا تم نے! بے شک تم اسی کو جلدی طلب کرتے تھےO

یعنی جب ان پر اللہ کا عذاب واقع ہو جائے گا تو ان سے کہا جائے گا اب تم ایمان لے آئے اور اب تم نے اس کی تصدیق کر دی حالانکہ اس وقت تمہاری تصدیق کوئی فائدہ نہیں دے گی اور تم اس سے پہلے اس عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کرتے تھے اور اس کے نزول کی تکذیب کرتے تھے، سو اب تم اس چیز کو چکھو جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ظالموں سے کہا جائے گا دائمی عذاب کا مزہ چکھو، تمہیں صرف ان ہی کاموں کی سزا دی جائے گی جو تم کرتے تھےO دوزخ کے فرشتے کافروں سے کہیں گے: اب اللہ کے دائمی عذاب کو گھونٹ بھر بھر کر پیو، یہ وہ عذاب ہے جو نہ کبھی زائل ہوگا نہ فنا ہوگا اور یہ تمہارے ان کاموں کا نتیجہ ہے جو تم اپنی زندگی میں اللہ کی معصیت میں کرتے تھے۔

وہابی علماء کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ضرر اور نفع پہنچانے کی مطلقاً نفی کرنا

قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا (یونس: ۴۹) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں ان لوگوں کے لیے سخت زجر و توبیخ ہے جو ان مصائب کو دور کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہیں جن مصائب کو اللہ کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کو طلب کرتے ہیں جن کو دینے پر اللہ سبحانہ کے سوا اور کوئی قادر نہیں ہے، کیونکہ یہ رب العالمین کا مقام ہے جس نے انبیاء، صالحین اور تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے، اسی نے ان کو رزق دیا، اسی نے ان کو زندہ کیا، وہی ان کو وفات دے گا پس انبیاء میں سے کسی نبی سے یا فرشتوں میں سے کسی فرشتے سے یا ولیوں میں سے کسی ولی سے اس چیز کو کیسے طلب کیا جائے گا جس کے دینے پر وہ قادر نہیں ہیں اور رب الارباب سے جو ہر چیز پر قادر ہے، خالق، رازق، معطی اور مانع ہے اس سے طلب کو ترک کر دیا جائے گا اور تمہارے لیے اس آیت میں کافی نصیحت ہے کیونکہ یہ سید ولد آدم اور خاتم الرسل ہیں۔ جب ان سے اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ آپ لوگوں سے کہیں کہ میں اپنی جان کے لیے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں تو آپ کا غیر کیسے نفع اور نقصان کا مالک ہوگا جس کا مرتبہ آپ سے بہت کم ہے اور جس کا درجہ آپ سے بہت نیچے ہے، چہ جائیکہ وہ شخص اپنے علاوہ کسی اور کے نفع اور نقصان پر قادر ہو، پس ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو وفات یافتہ بزرگوں کی قبروں پر بیٹھتے ہیں اور ان سے ایسی حاجتیں طلب کرتے ہیں جن کے پورا کرنے پر اللہ کے سوا اور کوئی قادر نہیں ہے، وہ اس شرک سے آگاہ کیوں نہیں ہوتے جس میں وہ واقع ہو چکے ہیں اور لا الہ الا اللہ کے معنی کی مخالفت میں اتر چکے ہیں، اور زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ اہل علم ان کو منع نہیں کرتے اور ان کے اور جاہلیت اولیٰ کے درمیان حائل نہیں ہوتے، بلکہ ان کی حالت جاہلیت اولیٰ سے زیادہ شدید ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے بتوں کو اللہ کے نزدیک شفاعت کرنے والے مانتے تھے اور ان کو اللہ کے تقرب کا سبب سمجھتے تھے، اور یہ لوگ ان وفات یافتہ بزرگوں کے لیے نفع اور ضرر پر قدرت مانتے ہیں اور کبھی ان کو بالاستقلال پکارتے ہیں اور کبھی اللہ کے ساتھ پکارتے ہیں، اللہ شیطان کو رسوا کرے اس کی اس ذریعہ سے آنکھیں ٹھنڈی ہوگئی ہیں اور اس امت مبارکہ کے اکثر لوگوں کو کافر بنا کر اس کا دل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۶۳۱، مطبوعہ دار الوفاء بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نواب صدیق بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے قاضی شوکانی کا حوالہ دیئے بغیر بعینہ یہی لکھا ہے۔

(فتح البیان ج ۶ ص ۷۵ - ۷۴، مطبوعہ المطبعہ العصریہ، ۱۴۱۵ھ)

آپ سے ضرر اور نفع بالذات پہنچانے کی نفی کی گئی ہے نہ کہ مطلقاً

قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے افکار کی اتباع کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے، پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفع اور ضرر کی مطلقاً نفی کرنا صحیح نہیں ہے، اس آیت میں آپ سے بالذات نفع اور ضرر کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی آپ بالذات کسی کو نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے لیکن اللہ کی دی ہوئی قدرت سے نفع اور ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ مفسرین نے اس معنی کی تقریر اس طرح کی ہے:

علامہ محی الدین شیخ زادہ متوفی ۹۵۱ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے اور منقطع بھی، اگر استثناء متصل ہو تو اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا: میں کسی کو نقصان یا نفع پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا مگر اللہ تعالیٰ جس کو نفع یا نقصان پہنچانا چاہے میں اس پر قادر ہوں اور اس کا مالک ہوں اور اگر یہ استثناء منقطع ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا: میں کسی کو نقصان یا نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہوں لیکن اللہ جو نفع یا نقصان چاہے وہ ہو جاتا ہے یعنی وہ اس کی مشیت سے ہوگا۔

(حاشیۃ الشیخ زادہ علی البیضاوی ج ۴ ص ۵۷۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ قرطبی نے اس استثناء کا صرف بطور استثناء متصل معنی کیا ہے، قاضی بیضاوی، علامہ خفاجی اور علامہ ابو سعود نے لکھا ہے کہ یہ استثناء متصل اور منقطع دونوں ہو سکتے ہیں اور قاضی شوکانی اور نواب بھوپالی نے لکھا ہے کہ یہ استثناء صرف منقطع ہے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفع اور نقصان پہنچانے کی مطلقاً نفی کر دی۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض متقدمین کا یہ نظریہ ہے کہ بندہ کے لیے قدرت ہوتی ہے جو اللہ کے اذن سے موثر ہوتی ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں کسی ضرر یا نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہوں مگر جس کو اللہ چاہے تو میں اس کی مشیت سے نفع اور ضرر پہنچانے پر قادر ہوتا ہوں۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۱۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

استثناء متصل میں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے اور استثناء منقطع میں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ سے مغائر ہوتا ہے۔

ہمارے نزدیک بھی یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور آیت کا معنی اس طرح ہے: آپ کہیے میں ضرر یا نفع پہنچانے پر بالذات قدرت نہیں رکھتا مگر جس کو اللہ چاہے میں اس کو ضرر یا نفع پہنچانے پر بالعطا قدرت رکھتا ہوں اور میرا یہ نفع اور ضرر پہنچانا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔

اور بالذات کی قید اس لیے لگائی ہے کہ بکثرت آیات، احادیث اور آثار سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی دی ہوئی قدرت سے دشمنان اسلام کو نقصان پہنچایا ہے اور اسلام کے حامیوں اور ناصروں کو نفع پہنچایا، اگر اس آیت میں بالذات کی قید نہ لگائی جائے تو ان تمام آیات، احادیث اور آثار کا انکار لازم آئے گا اب ہم ایک ایسی نظیر پیش کر رہے ہیں جس سے نقصان اور نفع پہنچانے میں بالذات کی قید لگانے کا برحق ہونا بالکل واضح ہو جائے گا۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرماتے: میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ کسی کو ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ

دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ اس حدیث کو صحاح ستہ کی جماعت نے روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵۹۷، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۲۷۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۸۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث:۸۶۰، سنن النسائی رقم الحدیث:۲۹۳۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۹۴۳)

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن یہ حجر اسود اس حال میں آئے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھ رہا ہو گا اور اس کی ایک زبان ہو گی جس سے یہ کلام کرے گا اور یہ ان لوگوں کے حق میں گواہی دے گا جو اس کی حق کے ساتھ تعظیم کریں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۹۶۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۹۴۴، مسند احمد ج۱ص ۲۴۷، سنن الدارمی رقم الحدیث:۱۸۴۶، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۷۳۵، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۲۷۱۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۳۷۱۱، المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۱۴۳۲، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۷۹، المستدرک ج۱ص ۴۵۷، حلیۃ الاولیاء ج۶ ص ۲۴۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۷۵)

قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث صحیح ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ (تو ایک پتھر ہے نہ کسی کو ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے) اس لیے فرمایا تھا کہ لوگوں نے تازہ تازہ بتوں کی عبادت کو چھوڑا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ حجر اسود کی تعظیم کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عرب بتوں کی تعظیم کرتے تھے پس انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ لوگوں کو یہ بتلائیں کہ ان کا حجر اسود کی تعظیم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی اتباع کی وجہ سے تھا نہ اس لیے کہ حجر اسود ضرر اور نفع بالذات دیتا ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں بتوں کی عبادت کی جاتی تھی۔ (نیل الاوطار ج۶ ص ۱۳۲، مطبوعہ مکتبہ الکلیات الازہریہ مصر، ۱۳۹۸ھ)

دیکھیے حضرت عمر نے فرمایا حجر اسود ضرر اور نفع نہیں پہنچا سکتا تو قاضی شوکانی نے ایک پتھر کی نفع رسانی ثابت کرنے کے لیے اس قول میں بالذات کی قید لگائی اور کہا کہ حضرت عمر کی مراد یہ تھی کہ حجر اسود بذاتہ ضرر اور نفع نہیں پہنچا سکتا، اور یہی قاضی شوکانی ہیں جنہوں نے بغیر کسی قید کے زیر تفسیر آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرر اور نفع پہنچانے کی مطلقاً نفی کر دی، انا للہ وانا الیہ راجعون!

اللہ تعالیٰ کی عطا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (التوبہ: ۷۴)

اور ان کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ۔ (التوبہ: ۵۹)

اور کیسا اچھا ہوتا اگر وہ اس چیز پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے عطا کی اور وہ یہ کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے، عنقریب ہم کو اللہ اپنے فضل سے عطا کرے گا اور اس کا رسول۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ۔ (الاحزاب: ۳۷)

اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے انعام کیا۔

اللہ تعالیٰ کی عطا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفع رسانی کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل میں جھنڈا اس شخص کے ہاتھوں میں دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ خیبر کو فتح کرے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتا ہوگا پھر مسلمانوں نے رات اس طرح گزاری کہ وہ ساری رات مضطرب رہے کہ کس کو آپ صبح جھنڈا عطا فرمائیں گے۔ صبح کو سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے، ان میں سے ہر شخص کو یہ امید تھی کہ آپ اس کو جھنڈا عطا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا یا رسول اللہ! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا ان کو بلاؤ۔ ان کو لایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا اور ان کے لیے دعا کی، وہ تندرست ہو گئے گویا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد ہی نہ تھا۔ آپ نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔ حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ! میں ان سے قتال کرتا رہوں گا حتیٰ کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا تم اپنی مہم پر روانہ ہو حتیٰ کہ تم ان کے علاقے میں پہنچ جاؤ، پھر تم ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو بتاؤ کہ ان پر اللہ کے کیا حقوق واجب ہیں، اللہ کی قسم! اگر اللہ تمہاری وجہ سے کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہت بہتر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۴۰۳)

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کمان ہدیہ کی گئی، جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کمان مجھے عطا فرما دی، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے آپ کے سامنے اس کمان سے تیر مارتا رہا حتیٰ کہ وہ کمان ٹوٹ گئی، پھر بھی میں آپ کے سامنے کھڑا رہا اور آپ کے چہرہ کی طرف آنے والے تیروں کے سامنے اپنا چہرہ کرتا رہا حتیٰ کہ ایک تیر میری آنکھ کے ڈھیلے پر لگا۔ وہ ڈھیلا میرے چہرے پر لٹک گیا۔ میں اس ڈھیلے کو اپنی ہتھیلی میں رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے دعا کی: اے اللہ! قتادہ نے اپنے چہرے سے تیرے نبی کے چہرے کی حفاظت کی ہے، پس اس کی اس آنکھ کو اس کی دونوں آنکھوں میں سے سب سے حسین اور سب سے تیز نظر والی بنا دے تو حضرت قتادہ کی وہ آنکھ دونوں آنکھوں میں زیادہ حسین اور زیادہ تیز نظر والی تھی۔ (امام ابویعلیٰ کی روایت میں یہ واقعہ جنگ بدر کا ہے، حافظ بیہقی کی دلائل النبوۃ میں یہ واقعہ جنگ احد کا ہے اور یہی قرین قیاس ہے)

(المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۸، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۵۴۹، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۴۱۷، المستدرک ج ۳ ص ۲۹۵، السیرۃ النبویہ لابن کثیر ج ۳ ص ۶۶، الاصابہ رقم: ۷۰۹۱، اسد الغابہ رقم: ۴۲۷۷، الاستیعاب رقم: ۲۱۳۱)

حارث بن عبید اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی آنکھ زخمی ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعاب دہن لگا دیا تو وہ دونوں آنکھوں میں زیادہ صحیح تھی۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۵۵۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸)

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ (میری آنکھوں کو) ٹھیک کر دے۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں دعا کر دوں اور اگر تم چاہو تو میں اس کو موخر کر دوں وہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ اس نے کہا نہیں، آپ اللہ سے دعا کیجئے۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت (سیدنا) محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں' اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ پوری کی جائے' آپ اس حاجت میں میری شفاعت کیجئے' (اے اللہ) آپ کی میری حاجت میں شفاعت کو قبول فرما۔ وہ شخص شفاعت کے یہ کلمات باربار کہتا رہا حتیٰ کہ اس کی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۱۹۵' احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۸' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۲۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۵' عمل الیوم واللیلہ للنسائی رقم الحدیث: ۶۵۸' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۳۷۹' المستدرک ج ۱ ص ۳۱۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۱۶۶' مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۰۳' تحفۃ الذاکرین ص ۱۸۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' الاذکار للنووی رقم الحدیث: ۴۸۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' ریاض)

وصال کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد اور استغاثہ کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ مالک الدار جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے' وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط پڑ گیا' ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ' ان کو سلام کہو اور یہ خوشخبری دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی اور ان سے کہو کہ تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے' تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے۔ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ بشارت دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: اے اللہ! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔

(المصنف ج ۱۲ ص ۳۲' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' المصنف ج ۶ ص ۳۵۹' رقم الحدیث: ۳۱۹۹۳' الاستیعاب ج ۳ ص ۲۳۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۴۷' الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۳۹۰-۳۸۹' فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۶-۴۹۵' حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کی سند کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے' البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۶۷' طبع جدید' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

نیز حافظ ابن کثیر نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں (۱۸ھ میں) جب عام قحط پڑا تو حضرت بلال بن حارث کے گھر والوں نے ان سے کہا کہ وہ بکری ذبح کریں' انہوں نے کہا اس میں کچھ نہیں ہے۔ گھر والوں کے اصرار پر جب بکری کو ذبح کیا تو اس کی ہڈیاں سرخ تھیں۔ انہوں نے پکارا یا محمداہ' خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی' آپ نے فرمایا: عمر کو میرا سلام کہو اور اس سے کہنا میرا عہد تمہارے ساتھ پورا ہونے والا ہے' اس کی گرہ سخت ہے اے عمر! تم سمجھ داری سے کام لو' اے عمر! تم سمجھ داری سے کام لو۔ پھر حضرت عمر نے نماز استسقاء پڑھی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۶۷' طبع جدید دار الفکر' ۱۴۱۸ھ' الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۸۹ بیروت' ۱۴۰۰ھ' المنتظم لابن الجوزی ج ۳ ص ۱۵۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت بلال بن حارث مزنی کی اس صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قحط کے ایام میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جا کر آپ کو پکارا اور آپ نے ان کو بارش کی خوش خبری دی۔ حضرت بلال بن حارث مزنی نے محضر صحابہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنایا اور تمام صحابہ نے اس پر عمل کیا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ وصال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد اور آپ سے استغاثہ پر تمام صحابہ کا اجماع تھا اور اس حدیث میں مصائب میں وفات یافتہ بزرگوں سے استمداد کے جواز کی قوی اصل ہے اور اس سلسلہ میں دوسری حدیث یہ ہے:

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے' اور نہ اس کے کام کی طرف دھیان دیتے تھے۔ ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی' اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس بات کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے اس سے کہا: تم وضو خانہ جا کر وضو کرو' پھر مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو' پھر یہ کہو اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی' نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں' اے محمد! میں آپ کے واسطے سے آپ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی کرے اور اپنی حاجت کا ذکر کرنا پھر میرے پاس آنا حتی کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں۔ وہ شخص گیا اور اس نے حضرت عثمان بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا' پھر وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس گیا' دربان نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور ان کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان نے اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور پوچھا تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے اپنا کام ذکر کیا' حضرت عثمان نے اس کا کام کر دیا اور فرمایا تم نے اس سے پہلے اب تک اپنے کام کا ذکر نہیں کیا تھا اور فرمایا جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو تم ہمارے پاس آ جانا' پھر وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلا گیا اور جب اس کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے حتی کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی۔ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا بخدا میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی' لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا' آپ کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے اپنی نابینائی کی آپ سے شکایت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا تم اس پر صبر کرو گے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم وضو خانے جاؤ اور وضو کرو' پھر دو رکعت نماز پڑھو' پھر ان کلمات سے دعا کرو۔ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ نابینا شخص آیا در آں حالیکہ اس میں بالکل نابینائی نہیں تھی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۸۴۔ ۱۸۳، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۰۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ' المعجم الکبیر ج ۹ ص ۳۰' رقم الحدیث: ۸۳۱۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۱۶۸۔ ۱۶۷' فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۶۸' قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ لابن تیمیہ ص ۹۸' مصر' ۱۳۷۳ھ' حافظ منذری متوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۷۶۔ ۴۷۴' اور حافظ الہیثمی نے بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷۹' شیخ مبارک پوری متوفی ۱۳۵۳ھ نے بھی امام طبرانی اور امام منذری سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے' تحفۃ الاحوذی ج ۱۰ ص ۳۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ سے استمداد اور استغاثہ جائز ہے اور یہ

حدیث بھی وفات یافتہ بزرگوں سے استمداد اور استغاثہ کے جواز کی اصل ہے۔
علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:
عتبی سے منقول ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھا ہوا تھا' ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا: السلام علیک یارسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اور اگر بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا' تیرے پاس آتے پس وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے لیے رسول بھی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔ (النساء: ۶۴) پس میں آپ کے پاس اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہوا اور آپ سے شفاعت طلب کرتا ہوا آپ کے پاس آیا ہوں۔ پھر اس نے آپ کی مدح سرائی میں دو شعر پڑھے' پھر وہ شخص چلا گیا۔ (عتبی کہتے ہیں) میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' پھر میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی' آپ نے فرمایا: جا کر اس اعرابی سے ملو اور اس کو بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔
(الاذکار ص ۱۸۵' بیروت' شفاء السقام ص ۶۲' تفسیر الثعالبی ج ۲ ص ۲۵۷' تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۸۹' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے ابو عبداللہ رازی سے نقل کیا ہے کہ آپ کی قبر سے آواز آئی کہ تمہاری مغفرت کر دی گئی ہے' البحر المحیط ج ۳ ص ۶۹۴' علامہ نسفی متوفی ۷۱۰ھ اور مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے' مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۱ ص ۳۹۹' معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰)
الشیخ ظفر احمد عثمانی تھانوی متوفی ۱۳۹۴ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر اپنا چہرہ رکھا تو کسی نے اس پر انکار کیا۔ انہوں نے کہا میں کسی اینٹ یا پتھر کے پاس نہیں آیا' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہوں جیسا کہ عنقریب آئے گا' اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت (النساء: ۶۴) کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی باقی ہے' لہٰذا جس شخص نے کوئی گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کر لیا ہو اس کو چاہیے کہ وہ آپ کی قبر مبارک کی زیارت کرے اور آپ کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے لیے استغفار فرمائیں گے۔ (اعلاء السنن ج ۵ ص ۵۴۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)
عتبی کی اس نقل صحیح سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام اور اسی طرح اولیاء کرام سے استمداد اور استغاثہ جائز ہے اور جہاں تک دور سے پکارنے کا تعلق ہے تو الشیخ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:
یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ نداء غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ یہ شرک نہیں' مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جاوے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسر و حرمان میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک نہ معصیت الخ۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۶۸ مطبوعہ کراچی)

وفات یافتہ بزرگوں سے استمداد کی تکفیر کا بطلان

قاضی شوکانی اور نواب بھوپالی نے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی اتباع میں وفات شدہ بزرگوں سے استمداد اور استغاثہ کو کفر اور شرک قرار دیا ہے' ظاہر ہے کہ ان نقول صحیحہ کے ہوتے ہوئے ان کی یہ تکفیر باطل ہے تاہم اس کے بطلان کو واضح

کرنے کے لیے ہم شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ کے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ کی عبارت پیش کر رہے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں تمہارا موقف اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا اور نذر و نیاز قطعاً کفر نہیں، حتیٰ کہ اس کے مرتکب مسلمان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شبہات کی بناء پر حدود ساقط کر دو اور حاکم نے اپنی صحیح میں اور ابو عوانہ اور بزار نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص کی سواری کسی بے آب و گیاہ صحرا میں گم ہو جائے تو وہ تین بار کہے اے عباد اللہ! (اے اللہ کے بندو) مجھ کو اپنی حفاظت میں لے لو، تو اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جو اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں، اور طبرانی نے روایت کیا ہے کہ اگر وہ شخص مدد چاہتا ہو تو یوں کہے کہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اس حدیث کو فقہاء اسلام نے اپنی کتب جلیلہ میں ذکر کیا ہے اور اس کی اشاعت عام کی ہے اور معتمد فقہاء میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، چنانچہ امام نووی نے "کتاب الاذکار" میں اس کا ذکر کیا ہے اور ابن القیم نے اپنی کتاب "الکلم الطیب" میں اس کا ذکر کیا ہے اور ابن مفلح نے "کتاب الآداب" میں اور ابن مفلح نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (یعنی امام احمد بن حنبل) سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں نے پانچ بار حج کیے ہیں، ایک بار میں پیدل جا رہا تھا اور راستہ بھول گیا، میں نے کہا: اے عباد اللہ! مجھے راستہ دکھاؤ، میں یونہی کہتا رہا، حتیٰ کہ میں صحیح راستہ پر آ گیا۔

اب میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص کسی غائب یا فوت شدہ بزرگ کو پکارتا ہے اور تم اس کی تکفیر کرتے ہو، بلکہ تم محض اپنے قیاس فاسد سے یہ کہتے ہو کہ اس شخص کا شرک ان مشرکین کے شرک سے بھی بڑھ کر ہے جو بحر و بر میں عبادت کی غرض سے غیر اللہ کو پکارتے تھے اور اس کے رسول کی علی الاعلان تکذیب کرتے تھے۔ کیا تم اس حدیث اور اس کے مقتضیٰ پر علماء اور ائمہ کے عمل کو اس شخص کے لیے اصل نہیں قرار دیتے جو بزرگوں کو پکارتا ہے اور محض اپنے فاسد قیاس سے اس کو شرک اکبر قرار دیتے ہو، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جبکہ شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، تو اس مضبوط اصل کی بناء پر ایسے شخص سے تکفیر کیونکر نہ ساقط ہوگی۔ نیز مختصر الروضہ میں کہا ہے: جو شخص توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہو، اس کو کسی بدعت کی بناء پر کافر نہیں کہا جائے گا اور ابن تیمیہ نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ جبکہ جو شخص فوت شدہ بزرگوں کو پکارتا ہے، وہ کسی بدعت کا مرتکب بھی نہیں ہے، کیونکہ اس کا یہ فعل ایک مضبوط اصل یعنی حدیث صحیح (جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) اور سلف کے عمل پر مبنی ہے۔ (الصواعق الالٰہیہ ص ۴۰۔۳۹، مطبوعہ مکتبہ ایشیق، استنبول)

ہر چند کہ وفات یافتہ بزرگوں سے استمداد اور استغاثہ جائز ہے لیکن یہ مستحسن اور افضل نہیں ہے، افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ ہر بلا اور ہر مصیبت کو ٹالنے کے لیے اور ہر رنج اور ہر تکلیف کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے، کیونکہ اس کی امداد اور اعانت مسلم ہے اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اور ظنی سہاروں کے بجائے قطعی آسرے سے تمسک کرنا مستحسن ہے، باقی وفات یافتہ بزرگ اس کے اذن کے تابع ہیں وہ کسی کا تابع نہیں ہے، اس سے مدد طلب کرنا مصائب سے نجات کا ذریعہ بھی ہے، عبادت بھی ہے، کار ثواب بھی ہے، اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی سنت اور ان کا اسوہ اور طریقہ بھی ہے۔ قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا (الاعراف: ۱۸۸) میں بھی ہے، وہاں ہم نے ایک اور پہلو سے اس آیت پر مفصل گفتگو کی ہے، نیز یونس: ۲۳۔۲۲ پر جو ہم نے گفتگو کی ہے اس کو بھی بغور پڑھ لیا جائے

اور ان تینوں آیتوں کی تفسیر میں ہم نے جو بحث کی ہے اس کو ایک ساتھ پڑھنے سے ان شاء اللہ اس موضوع پر کافی بصیرت افروز معلومات حاصل ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ آپ سے معلوم کرتے ہیں کیا واقعی وہ عذاب برحق ہے؟ آپ کہئے کہ ہاں! میرے رب کی قسم وہ عذاب برحق ہے اور تم (میرے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو ○ (یونس: ۵۳)

عذاب کی وعید کا برحق ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس قول کو نقل فرمایا تھا: اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا ہوگا) اگر تم سچے ہو؟ (یونس: ۴۸) پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا تھا جس کی تفصیل گزر چکی ہے، پھر انہوں نے دوبارہ سوال کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے یہاں حکایت فرمائی ہے، اس سوال کا جواب بھی ان آیات کے سابقہ مضمون میں گزر چکا ہے جن میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت پر عقلی دلائل بیان کیے گئے تھے اور قرآن مجید کے معجزہ ہونے پر براہین قائم کیے گئے تھے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت ثابت ہو گئی، تو ہر جس چیز کے وقوع کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اس کا قطعی اور یقینی ہونا ثابت ہو گیا۔

اس کے بعد فرمایا: اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی جس نے تم کو عذاب سے ڈرایا ہے تم اس کو عذاب نازل کرنے سے عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کام کرنا چاہے تو نہ کوئی اس کام کو روک سکتا ہے نہ اس میں مزاحمت کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس کے اذن اور اس کی رضا کے بغیر کسی کی شفاعت کر سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کافر اور مشرک کو دائمی عذاب سے بچا سکتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ

اور اگر ہر ظالم کی ملکیت میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں تو وہ (عذاب سے بچنے کے لیے) ان سب کو ضرور

اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ

دے ڈالتا، اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی پشیمانی کو چھپائیں گے، اور ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کیا جائے گا

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ○ سنو! بے شک آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ (سب) اللہ کی ملکیت

اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ

ہے، سنو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ○ وہی زندگی دیتا ہے

وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ

اور وہی زندگی لیتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے

مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

ایک عظیم نصیحت آگئی اور دلوں کی بیماریوں کی شفا آگئی اور وہ مومنین کے لیے ہدایت اور

لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا

رحمت ہے ○ آپ کہیے (یہ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے سبب سے ہے سو اس کی وجہ سے مسلمان خوشی

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾ قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُم مِّن

منائیں یہ اس (مال) سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ (کفار) جمع کرتے ہیں ○ آپ کہیے کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق

رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ ۖ أَمْ

نازل کیا، پس تم نے اس میں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال قرار دے دیا، آپ کہیے کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا یا

عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ

تم اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو ○ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ

الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

رہے ہیں ان کا قیامت کے متعلق کیا گمان ہے؟ بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے

ع ۶ ۷ ۱۱ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾

لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہر ظالم کی ملکیت میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں تو وہ (عذاب سے بچنے کے لیے) ان سب کو ضرور دے ڈالتا، اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی پشیمانی کو چھپائیں گے، اور ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا○ (یونس: ۵۴)

ظالموں سے فدیہ نہ قبول کیا جانا

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قیامت کے دن کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: (۱) ظالم کے اگر بس میں ہوتا تو وہ دنیا کی پوری دولت دے کر بھی اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لیتا۔ (۲) ظالم عذاب کو دیکھ کر اپنی پشیمانی چھپائیں گے۔ (۳) ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کیا جائے گا۔

ظالم تمام دنیا کی دولت دے کر بھی اپنے آپ کو عذاب سے نہیں چھڑا سکے گا اس کی وجہ اولاً تو یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن تنہا آئے گا اور کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ـ (مریم: ٩٥) اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اکیلا حاضر ہو گا۔

اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ قیامت کے دن ان سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا۔

وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۝ (البقرہ: ٤٨) اور نہ کسی نفس سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

ظالموں کے پشیمانی چھپانے کی توجیہ

قیامت کے دن کی دوسری صفت یہ بیان کی ہے: اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی پشیمانی اور پچھتاوے کو چھپائیں گے۔ اپنی پشیمانی کو چھپانے کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ دنیا میں اس عذاب کا انکار کرتے رہے تھے اور جب ان پر اچانک سخت عذاب آ جائے گا تو وہ حیران اور ششدر رہ جائیں گے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو اپنے متبعین سے حیاء آئے گی اور ان کو ان کی لعنت ملامت کا خوف ہو گا اس وجہ سے وہ ان کے سامنے اپنی پشیمانی کا اظہار نہیں کریں گے، تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ بہت اخلاص کے ساتھ ندامت کا اظہار کریں گے اور جو شخص اخلاص کے ساتھ کوئی کام کرتا ہے وہ اس کو مخفی رکھتا ہے، اس آیت میں ان کی مذمت کی گئی ہے کہ اخلاص کے ساتھ توبہ کرنے کی جگہ دنیا تھی، اب یہ اخلاص بے محل ہے۔

ظالموں کے درمیان عدل سے فیصلہ کی توجیہ

قیامت کے دن کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس دن ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ مومنوں اور کافروں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ صنادید کفار اور ان کے متبعین کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ کفار اور ان کے عذاب کے درمیان عدل سے معاملہ کیا جائے گا۔

ہرچند کہ تمام کفار دوزخ کے عذاب میں مشترک ہوں گے لیکن عذاب کی کیفیات میں ان کے درمیان فرق ہو گا، کیونکہ دنیا میں بعض کافروں نے بعض کافروں پر ظلم کیا ہو گا اور بعض کافروں نے بعض کافروں سے خیانت کی ہوگی، اس لیے بعض کافر ظالم اور بعض کافر مظلوم ہوں گے اور عدل اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ مظلوم کا عذاب ظالم سے کم ہو اور ظالم کا عذاب مظلوم کے عذاب سے زیادہ ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سنو بے شک آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ (سب) اللہ کی ملکیت ہے، سنو بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۝ وہی زندگی دیتا ہے اور وہی زندگی لیتا ہے، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۝ (یونس: ٥٦-٥٥)

وعید عذاب کے برحق ہونے پر دلائل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اور اگر ہر ظالم کی ملکیت میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں تو وہ (عذاب سے بچنے کے لیے) ان سب کو ضرور دے ڈالتا، اور اس آیت میں یہ بتا رہا ہے کہ ظالم کی ملکیت میں کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں تو صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں اور اس سے پہلے دلائل سے یہ بتایا جاچکا ہے کہ اس جہان میں جو جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، ملائکہ اور جنات ہیں اور نور اور ظلمت اور دن اور رات کا جو سلسلہ ہے، ان سب کا اللہ تعالیٰ مالک ہے اور وہ تمام ممکنات پر قادر ہے اور تمام معلومات کا عالم ہے اور وہ تمام حاجات سے مستغنی ہے اور

تمام آفات اور نقائص سے منزہ ہے اور جب وہ تمام ممکنات پر قادر ہے اور تمام معلومات کا عالم ہے اور وہ تمام حاجات سے مستغنی ہے اور تمام آفات اور نقائص سے منزہ ہے اور جب وہ تمام ممکنات پر قادر ہے تو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنے دشمنوں پر عذاب نازل فرمائے اور اپنے نیک بندوں اور اولیاء اللہ پر دنیا اور آخرت میں انعام اور اکرام فرمائے اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ قطعی دلائل اور قوی معجزات سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور تقویت فرمائے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت ظاہر فرمائے اور ان کے دین اور ان کی شریعت کو استحکام عطا فرمائے اور جب وہ ان تمام امور پر قادر ہے تو مشرکین کا استہزاء کرنا، آپ کے دین کا مذاق اڑانا اور نزول عذاب کی وعید پر تعجب کا اظہار کرنا باطل ہو گیا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیب اور نقائص سے پاک ہے تو وہ اپنی وعید کو پورا نہ کرنے سے بھی پاک ہے اور بری ہے۔ سو اس نے مشرکین کو عذاب دینے کا جو وعدہ کیا ہے وہ برحق ہے لیکن ان میں سے اکثر اس کو نہیں جانتے۔

ظاہری ملکیت پر نازاں ہونے والوں کو متنبہ فرمانا

نیز یہ جو فرمایا ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے، اس میں یہ بھی بتلانا مقصود ہے کہ اس دنیا میں لوگ اسباب ظاہرہ کی طرف نظر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فلاں کی بلڈنگ ہے، یہ فلاں کی فیکٹری ہے، یہ فلاں کی زمین ہے، یہ فلاں کا باغ ہے، سو وہ ہر چیز کی کسی اور مالک کی طرف نسبت کرتے ہیں کیونکہ وہ جہل اور غفلت کی وجہ سے امور ظاہرہ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور مجازات میں منہمک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس غفلت پر متنبہ کیا ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کی ملکیت ہیں، وہ زندگی دینے والا ہے وہی زندگی لینے والا ہے۔ جب وہ تمہاری یہ زندگی واپس لے لے گا تو تمہاری ملکیت میں کیا رہ جائے گا، تم نہ اپنے مالک ہو نہ اپنی چیزوں کے مالک ہو، سب کا وہی مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک عظیم نصیحت آگئی اور دلوں کی بیماریوں کی شفا آگئی، اور وہ مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○ آپ کہیے (یہ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے سبب سے ہے، سو اس کی وجہ سے مسلمان خوشی منائیں یہ اس (مال) سے کہیں بہتر ہے، جس کو وہ (کفار) جمع کرتے ہیں ○ (یونس: ۵۸-۵۷)

روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا

اس سے پہلے یونس: ۳۸-۳۷ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل قرآن مجید ہے، اور اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی چار صفات بیان فرمائی ہیں: (۱) قرآن مجید اللہ کی جانب سے نصیحت ہے، (۲) قرآن مجید دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے، (۳) قرآن مجید ہدایت ہے، (۴) قرآن مجید مومنوں کے لیے رحمت ہے۔ اور قرآن مجید کی ان چاروں صفات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کے ساتھ بہت قوی ربط ہے، اس کی تفصیل اور تمہید یہ ہے کہ چٹورا انسان جس طرح زبان کی لذت اور چٹخارے حاصل کرنے کے لیے لذیذ، چٹ پٹی اور مسالے دار اشیاء اور مرغن اور میٹھی چیزیں بکثرت کھاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں ہائی بلڈ پریشر، شوگر اور معدہ کے السر کا مریض بن جاتا ہے اور شہوانی لذتوں کے ناجائز حصول کی کثرت کی وجہ سے آتشک، سوزاک اور ایڈز کا مریض بن جاتا ہے پھر جسمانی صحت کے حصول کے لیے اسے کھانے پینے کی ان مرغوب اشیاء اور تکمیل شہوت سے پرہیز کرایا جاتا ہے اور ایسی دوائیں استعمال کرائی جاتی ہیں جن سے اس کی زائل شدہ جسمانی صحت بحال ہو سکے، اسی طرح انسان کی نفسانی اور روحانی بیماریوں کا معاملہ ہے، جب انسان کا اللہ کے نبی سے رابطہ نہ ہو اور وہ صرف اپنی عقل سے اپنے عقائد وضع کرے اور اپنی زندگی گزارنے کے لیے خود ضابطہ حیات

مقرر کرے تو اس کے دل و دماغ پر شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے اور اس کے عقائد گمراہ کن اور ملحدانہ ہوتے ہیں اور اس کے اعمال کفر، شرک اور زندیقی پر مبنی ہوتے ہیں اور اس کو حلال اور حرام کی بالکل تمیز نہیں ہوتی، سو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی نفسانی، روحانی اور قلبی امراض کے علاج اور اصلاح کے لیے نبی مبعوث فرماتا ہے اور ان کو بطور نسخہ شفاء کتاب عطا فرماتا ہے لہٰذا اسی سنت الٰہیہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور روحانی بیماریوں کے علاج اور ان کی اصلاح کے لیے قرآن مجید آپ پر نازل فرمایا۔

قرآن مجید سے قلبی اور روحانی امراض کے علاج کے چار مدارج

جو ماہر معالج ہو اس کے علاج کے حسب ذیل طریقے ہیں:

(۱) وہ مریض کو مضر اور مخرب اشیاء کے استعمال سے منع کرتا ہے جن سے اصل حیات خطرہ میں پڑ جاتی ہے، اس طرح قرآن مجید انسان کو شرک اور کفر سے روکتا ہے کیونکہ شرک اور کفر کے ارتکاب سے انسان سرمدی عذاب اور دائمی دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے جگہ جگہ انسان کو کفر اور شرک سے منع کیا ہے تاکہ انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اخروی عذاب کا مستحق نہ ہو جائے اور اس کے عقائد کی اصلاح کی ہے۔

(۲) مریض کو ایسی دوائیں دی جائیں جن کی وجہ سے اس کے خون میں اعتدال پیدا ہو اور وہ خرابی دور ہو جائے جس کی وجہ سے مرض پیدا ہوا ہے مثلاً مریض کے جسم میں جگہ جگہ زخم ہیں جو ٹھیک نہیں ہو رہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خون میں اس کی شکر کا لیول بڑھا ہوا ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ خون میں اس کی شکر کو کنٹرول کیا جائے اور جب شکر اعتدال پر آ جائے گی تو زخم ٹھیک ہو جائیں گے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام جب لوگوں کو ممنوع کاموں کے ارتکاب سے منع کرتے ہیں تو ان کا ظاہر گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، پھر وہ ان کو باطن کی طہارت کا حکم دیتے ہیں جس کو تزکیہ نفس کہتے ہیں۔ نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج کو ترک کرنے سے بچنا اور چوری، ڈاکہ، نشہ کرنے، قتل اور زنا سے بچنا اسی طرح جھوٹ، چغلی اور غیبت سے بچنا ان کاموں سے ظاہر بدن پاک ہوتا ہے اور کینہ، حسد، بخل، حرص اور بغض سے بچنے سے بدن کا باطن اور قلب پاک ہوتا ہے اور جب تک ظاہر پاک نہ ہو باطن صاف نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں ایسے احکام بھی ہیں جن سے ظاہر بدن پاک ہوتا ہے اور ایسے احکام بھی ہیں جن سے باطن صاف ہوتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران: ۱۶۴)

بے شک اللہ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دیا جو ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ (باطن صاف) کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ (التوبہ: ۱۰۳)

ان کے اموال سے زکوٰۃ لیجئے جس سے ان کو پاک کیجئے اور اس سے ان کا تزکیہ (صفائے باطن) کیجئے۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ عقائد فاسدہ، اعمال خبیثہ اور اخلاق مذمومہ امراض کے قائم مقام ہیں اور جب یہ چیزیں زائل ہو جاتی ہیں تو قلب کو شفا حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی روح ان تمام آلودگیوں سے پاک ہو جاتی ہے جو اس کو انوار الٰہیہ کے مطالعہ سے مانع ہوتی ہیں اور ان ہی دو مرتبوں کی طرف قرآن مجید کی ان صفات میں اشارہ ہے: موعظة من ربكم

وشفاء لما في الصدور' یہ تمہارے رب کی جانب سے نصیحت ہے اور دل کی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔

(۳) جب انسان عقائد فاسدہ' اعمال خبیثہ اور اخلاق رذیلہ سے منزہ' پاک اور صاف ہو جاتا ہے تو اس کا دل روشن ہو جاتا ہے اور اس میں انوار الٰہیہ منعکس ہونے لگتے ہیں اور اس کی روح تجلیات قدسیہ سے فیض یاب ہونے کے قابل ہو جاتی ہے اور اسی مرتبہ کو اس آیت میں ہدایت کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے' اس ہدایت کا پہلا مرتبہ یہ ہے:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ۝ ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ ۝ (الفجر: ۲۸-۲۷) — اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔

اور ہدایت کا متوسط مرتبہ یہ ہے:

فَفِرُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ (الذاریات: ۵۰) — سو اللہ کی طرف بھاگو۔

اور آخری مرتبہ یہ ہے:

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرۡهُمۡ فِىۡ خَوۡضِهِمۡ يَلۡعَبُوۡنَ۔ (الانعام: ۹۱) — آپ کہیے: اللہ! پھر ان کو ان کی کج بحثی میں الجھا ہوا چھوڑ دیجئے۔

(۴) اور جب انسان درجات روحانیہ اور معارج ربانیہ کے اس درجہ پر پہنچ جائے کہ اس کے انوار سے دوسرے قلوب بھی روشن ہونے لگیں جس طرح چاند' سورج کے انوار سے مستفیض ہو کر ایک جہان کو منور کرتا ہے' وہ بھی انوار رسالت سے مستنیر ہو کر عام مسلمانوں کے دلوں کو منور کرنے لگے اور اس کے انوار سے بھی دوسرے ناقص مسلمان کامل ہونے لگیں تو یہی وہ مرتبہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن مومنین کے لیے رحمت ہے' اور مومنین کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کہ منبع فیوض تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور مسلمان کا انتہاء کمال یہ ہے کہ وہ انوار رسالت میں جذب ہو جائے تبھی وہ معارف ربانیہ سے واصل ہوتا ہے' اور کفار تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہیں آتے اور آپ سے دور بھاگتے ہیں اور آپ کا انکار کرتے ہیں اور جس کو معرفت محمدی حاصل نہ ہو وہ معارف ربانیہ کا کب اہل ہو سکتا ہے سو یہ مرتبہ مومنین ہی کے ساتھ مختص ہے' اس لیے فرمایا ورحمة للمؤمنين۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص قرآن مجید سے اپنے نفس کے کمالات حاصل کرنا چاہے اس کے لیے چند مراتب ہیں' اس کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ وہ نامناسب کاموں کو چھوڑ کر اپنے ظاہر کو درست کرے اور اس کی طرف موعظت سے اشارہ فرمایا کیونکہ موعظة کا معنی ہے گناہوں سے منع کرنا' اور دوسرا مرتبہ ہے عقائد فاسدہ اور صفات ردیہ سے اپنے باطن کو صاف کرنا اور اس کی طرف شفاء لما في الصدور سے اشارہ فرمایا اور تیسرا مرتبہ ہے نفس کو برحق عقائد اور عمدہ اخلاق سے مزین کرنا اور اس کی طرف هدى سے اشارہ فرمایا اور چوتھا مرتبہ ہے اللہ کی رحمتوں کے انوار سے قلب کا روشن ہونا اور اس کی طرف ورحمة للمؤمنين سے اشارہ فرمایا۔

قرآن مجید سے جسمانی شفا حاصل کرنے کی تحقیق

علامہ جلال الدین سیوطی نے اس آیت میں شفاء لما في الصدور کو عام قرار دیا ہے اور قرآن مجید کو روحانی امراض کے علاوہ جسمانی امراض کے لیے بھی شفاء قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں احادیث اور آثار کو بیان کیا ہے جن کو ہم ان شاء اللہ عنقریب نقل کریں گے' اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ بعض دل کی بیماریاں' جسمانی بیماریوں کا سبب ہو جاتی ہیں' کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حسد اور

کینہ دل کی بیماری ہے اور اس سے بعض جسمانی بیماریاں بھی ہو جاتی ہیں، اور ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید پڑھنے کی برکت سے جسمانی امراض دور فرمادیتا ہے۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۲۰۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

در حقیقت قرآن ہر بیماری کی شفاء ہے خواہ قلبی و روحانی ہو یا بدنی اور جسمانی (الی قولہ) علماء امت نے کچھ روایات و آثار سے اور کچھ اپنے تجربوں سے آیات قرآنی کے خواص و فوائد مستقل کتابوں میں جمع بھی کر دیئے ہیں، امام غزالی کی کتاب خواص قرآنی اس کے بیان میں مشہور و معروف ہے، جس کی تلخیص حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نے اعمال قرآنی کے نام سے فرمائی ہے اور مشاہدات و تجربات اتنے ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن کریم کی مختلف آیتیں مختلف امراض جسمانی کے لیے بھی شفاء کلی ثابت ہوتی ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ نزول قرآن کا اصلی مقصد قلب و روح کی بیماریوں کو ہی دور کرنا ہے اور ضمنی طور پر جسمانی بیماریوں کا بھی بہترین علاج ہے۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۵۴۳، مطبوعہ ادارۃ المعارف القرآن ۱۴۱۴ھ)

ہم اس بحث میں پہلے تمیمہ اور تولہ کا معنی بیان کریں گے پھر قرآن مجید سے جسمانی شفا کے حصول کے متعلق احادیث اور آثار کا ذکر کریں گے، پھر دم اور تعویذات کی ممانعت کے متعلق بعض آثار کی توجیہ کریں گے، پھر تعویذ لٹکانے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت مع حوالہ جات کے پیش کریں گے، اس کے بعد اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کی تحقیق کریں گے اور اس کے راویوں میں سے امام محمد بن اسحاق اور عمرو بن شعیب کی تعدیل پر اعتراضات کا جائزہ لیں گے اور تعویذات لٹکانے کے متعلق فتاویٰ تابعین کا ذکر کریں گے اور تعویذات کے جواز میں فقہاء احناف اور علماء دیوبند اور علماء غیر مقلدین کی تصریحات پیش کریں گے، اور آخر میں حافظ ابن قیم جوزی کے ذکر کردہ چند تعویذات کو پیش کریں گے۔

تمیمہ اور تِوَلَہ وغیرہ کے معنی اور ان کا شرعی حکم

علامہ مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

تمائم کا معنی ہے تعاویذ اور خروز (ڈوری میں پروئی ہوئی سیپیاں اور کوڑیاں) اور ان کے عقد کا معنی ہے ان کو گلے میں لٹکانا۔ (جامع الاصول ج ۷ ص ۵۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

عقد التمائم کا معنی ہے ڈوری میں پروئی ہوئی سیپیوں اور کوڑیوں کو اور تعویذوں کو گلے میں لٹکانا۔

(مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۲۷۴، مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۵ھ)

امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

تمائم ان سیپیوں یا کوڑیوں کو کہتے ہیں جن کو عرب اپنے بچوں کے گلوں میں لٹکاتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ اس سے نظر نہیں لگتی، شریعت نے اس کو باطل کر دیا۔ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباس کے گلے سے تمیمہ کو کاٹ دیا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۲۱۷) حضرت عائشہ نے فرمایا: مصیبت نازل ہونے کے بعد جو تعویذ گلے میں لٹکایا جائے وہ تمیمہ نہیں ہے، لیکن تمیمہ وہ ہے جو مصیبت نازل ہونے سے پہلے لٹکایا جائے، تاکہ اس سے اللہ کی تقدیر کو رد کیا جائے۔ (اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تقدیر رد کرنے کا اعتقاد نہ ہو تو مصیبت نازل ہونے سے پہلے بھی تعویذ لٹکانا جائز ہے۔) عطاء نے کہا جو تعویذ قرآن مجید سے لکھے جائیں ان کو تمائم میں سے شمار نہیں کیا جائے گا۔ سعید بن مسیب سے سوال کیا گیا کہ

عورتوں اور چھوٹے بچوں کے گلوں میں ایسے تعویذ لٹکائے جائیں جن میں قرآن مجید لکھا ہوا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا جب وہ تعویذ چمڑے میں منڈھا ہوا ہو یا لوہے کی ڈبیہ میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اور تِوَلہ جادو کی ایک قسم ہے، اصمعی نے کہا یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے خاوند کے دل میں عورت کی محبت ڈال دی جاتی ہے، اور حضرت جابر سے مروی ہے کہ نشرہ شیطان کا عمل ہے (مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۸) نشرہ ایک قسم کا دم ہے، جس شخص کے متعلق یہ گمان ہو کہ اس کو جن کا آسیب ہے اس سے اس کا علاج کیا جاتا ہے، متعدد فقہاء نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ حسن نے کہا یہ جادو ہے، سعید بن مسیب نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۵۹-۱۵۸، ملخصاً، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۳ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

تمیمہ ان سیپیوں اور کوڑیوں کو کہتے ہیں جن کو (زمانہ جاہلیت میں عرب) گلوں میں لٹکاتے تھے، اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس سے مصائب دور ہوتے ہیں اور جو تعویذ لٹکائے جاتے ہیں ان کو بھی تمیمہ کہتے ہیں (الی قولہ) ان کو لٹکانے کی اس وجہ سے ممانعت کی گئی ہے کہ اہل جاہلیت کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ مصائب دور ہونے کی علت ہیں اور ان سے مکمل عافیت حاصل ہوتی ہے، اور اگر ان کو اللہ کے ذکر سے برکت حاصل کرنے کے لیے لٹکایا جائے اور اعتقاد یہ ہو کہ اللہ کے سوا کوئی مصیبت کو ٹالنے والا نہیں ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۳۵۰، ملخصاً، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں جس تمیمہ کو شرک فرمایا ہے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۳) یہ وہ تعویذ ہے جس کو بچے کے گلے میں ڈالا جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء، قرآنی آیات اور ماثورہ (منقولہ) دعائیں نہ ہوں، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ سیپیاں یا کوڑیاں ہیں جن کو عرب بچوں کے گلوں میں اس لیے ڈالتے تھے کہ ان کو نظر نہ لگے، اور یہ باطل ہے، اس کو شرک اس لیے فرمایا ہے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ یہ سبب قوی ہیں یا ان کی (خود بہ خود) تاثیر ہے، یا ان میں ایسے کلمات ہوتے تھے جو شرک خفی یا شرک جلی کو متضمن ہوتے تھے۔ (مرقات ج ۸ ص ۳۵۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

نیز ملا علی قاری فرماتے ہیں: جو تعویذات آیات قرآنیہ، اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اور منقولہ دعاؤں پر مشتمل ہوں ان میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ وہ تعویذ ہوں، دم ہو یا نشرہ ہو، البتہ غیر عربی میں جائز نہیں ہیں کیونکہ ان میں شرک کا احتمال ہے۔ (مرقات ج ۸ ص ۳۶۱-۳۶۰، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

علامہ سید احمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں: ہندیہ میں مذکور ہے کہ تعویذ لٹکانا جائز ہے لیکن بیت الخلاء جاتے وقت یا عمل زوجیت کے وقت تعویذ اتار لینا چاہیے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۴ ص ۱۸۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۵ھ)

یہ اس صورت پر محمول ہے جب تعویذ کپڑے یا چمڑے میں سلا ہوا نہ ہو یا کسی دھات کی ڈبیا میں بند نہ ہو۔

قرآن مجید سے جسمانی شفا کے حصول کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوتے تو اپنے اوپر قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر دم فرماتے اور اپنا ہاتھ اپنے جسم پر پھیرتے، پھر جب آپ اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ کی وفات ہو گئی تو میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ دم فرماتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ آپ کے جسم پر پھیرتی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٥٧٣٩، ٤٤٣٩، صحیح مسلم رقم الحدیث:٢١٩٢، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٣٩٠٢، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٥٢٩، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:٧٥٤٤، موطاامام مالک رقم الحدیث:١٧٥٥)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس کے اوپر قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر دم فرماتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:٢١٩٢، مشکوۃ رقم الحدیث:١٥٣٢)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اصحاب سفر میں تھے، ان کا عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ کے پاس سے گزر ہوا، صحابہ نے ان سے مہمانی طلب کی، انہوں نے صحابہ کو مہمان نہیں بنایا۔ اس قبیلہ کے سردار کو بچھو نے ڈنک مارا ہوا تھا، انہوں نے اس کے لیے تمام جتن کیے لیکن کسی چیز سے اس کو فائدہ نہیں ہوا، پھر ان میں سے کسی نے کہا یہ جماعت جو یہاں ٹھہری ہوئی ہے ہوسکتا ہے ان کے پاس کوئی چیز ہو، وہ ان کے پاس گئے اور کہا اے لوگو! ہمارے سردار کو بچھو نے ڈنک مار دیا ہے اور ہم ہر قسم کی کوشش کر چکے ہیں اس کو کسی چیز سے فائدہ نہیں ہوا، کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہے۔ بعض صحابہ نے کہا ہاں! اللہ کی قسم میں دم کرتا ہوں، لیکن اللہ کی قسم ہم نے تم سے مہمانی طلب کی تھی، تم نے ہماری مہمانی نہیں کی، اب میں تم پر بالکل دم نہیں کروں گا حتیٰ کہ تم مجھے کوئی انعام نہ دو۔ انہوں نے بکریوں کی ایک معین تعداد (سنن ابن ماجہ میں ہے تیس بکریاں) پر صلح کرلی، پھر وہ گئے اور الحمد للہ رب العالمین (مسلم میں ہے سورہ فاتحہ) پڑھ کر اس پر دم کیا، وہ بالکل تندرست ہو گیا اور اس طرح چلنے لگا گویا اس کو کوئی بیماری نہیں تھی۔ سردار نے کہا ان سے جس انعام کا وعدہ کیا ہے وہ ان کو پورا پورا دو۔ بعض صحابہ نے کہا اس انعام کو پورا پورا تقسیم کرلو، بعض نے کہا نہیں یہ دم کی اجرت ہے اس کو اس وقت تک تقسیم نہ کرو حتیٰ کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیں اور ہم آپ کے سامنے یہ تمام ماجرا بیان کریں پھر دیکھیں کہ آپ اس میں کیا حکم فرماتے ہیں۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ سے اس کو بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: تمہیں کس نے بتایا یہ (زمانہ جاہلیت کا) دم ہے، پھر آپ نے فرمایا: تم نے درست کیا اس کو تقسیم کرلو اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٥٧٤٩، ٢٢٧٦، صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٢٠١، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٣٩٠٠، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٠٦٤، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٢١٥٦، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:١٠٨٦٨، مسند احمد ج ٣ ص ١٠، مصنف ابن ابی شیبہ ج ٨ ص ٥٤-٥٣، کراچی، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:٦١١٢، سنن دار قطنی ج ٣ ص ٦٤-٦٣)

یہ حدیث صحیح ہے جس سے معلوم ہوا کہ دم کرنے کی اجرت لینا جائز ہے اور جن احادیث میں ممانعت ہے وہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ بیان فرماتے ہیں:

حضرت ابوالاحوص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میرے بھائی کے پیٹ میں تکلیف ہے۔ انہوں نے اس کو خمر (شراب) پینے کا مشورہ دیا، پھر کہا سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے نجس چیز میں شفا نہیں رکھی، شفا صرف دو چیزوں میں ہے: قرآن میں اور شہد میں۔ ان میں دل کی بیماریوں کے لیے شفا ہے اور لوگوں کے لیے شفا ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث:٨٩١٠)

امام ابن المنذر اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا میرے سینہ میں تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا: قرآن پڑھو' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: شفاء لما فی الصدور۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حلق میں درد کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: تم قرآن پڑھنے کو لازم رکھو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۸۰)

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن میں دل کی بیماریوں کے لیے شفاء ہے اور شہد میں ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۴۱۸)

امام بیہقی نے طلحہ بن مصرف سے روایت کیا ہے کہ مریض کے پاس جب قرآن پڑھا جائے تو وہ آرام محسوس کرتا ہے' حضرت خیثمہ جب بیمار ہوئے تو میں ان کے پاس گیا' میں نے کہا آج آپ تندرست لگ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا آج میرے پاس قرآن مجید پڑھا گیا تھا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۷۹' الدر المنثور ج ۴ ص ۳۶۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں کہ تعوذ کے کلمات پڑھ کر پانی پر دم کیا جائے پھر اس کے ساتھ مریض کا علاج کیا جائے۔ مجاہد نے کہا اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ قرآن مجید کی آیات لکھ کر ان کو دھولیا جائے اور اس کا غسالہ (دھوون) مریض کو پلا دیا جائے' اسی کی مثل ابو قلابہ سے مروی ہے اور نخعی اور ابن سیرین نے اس کو مکروہ قرار دیا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت کو وضع حمل میں مشکل پیش آ رہی تھی تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کچھ آیتیں اور کچھ کلمات طیبات لکھ کر انہیں دھو کر اس کا غسالہ (دھوون) اس عورت کو پلایا جائے۔ ایوب نے کہا میں نے ابو قلابہ کو دیکھا انہوں نے قرآن مجید کی کچھ آیتیں لکھیں پھر ان کو پانی سے دھویا اور اس شخص کو پلا دیا جس کو جنون تھا۔ (شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۶۶' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۳ھ)

امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے' آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر رکھا تو اس پر بچھو نے ڈنک مارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوتی سے اس بچھو کو مار دیا' پھر آپ نے واپس مڑتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ بچھو پر لعنت فرمائے یہ نمازی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نمازی کو' نبی کو نہ غیر نبی کو مگر اس کو ڈنک مار دیتا ہے' پھر آپ نے پانی اور نمک منگا کر اس کو ایک برتن میں ڈالا پھر جس انگلی پر بچھو نے ڈنک مارا تھا اس کو پانی میں ڈبویا اور اس پر پانی لگایا اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۵۴۲' بیروت' شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۷۵)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین دوا قرآن ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۰۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن ابو بکر ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

یہ بات معلوم ہے کہ بعض کلام کے خواص ہوتے ہیں اور اس کی تاثیرات ہوتی ہیں تو تمہارا رب العالمین کے کلام کے متعلق کیا گمان ہے' جس کی ہر کلام پر فضیلت اس طرح ہے' جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام مخلوق پر ہے' اس کا کلام مکمل شفاء ہے'

عصمت، نافعہ، نور، ہادی اور رحمت عامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔(بنو اسرائیل: ۸۲) ہم قرآن مجید کی ان آیات کو نازل فرماتے ہیں جو مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہیں۔

اور قرآن مجید کی تمام آیات شفا ہیں اور سورہ فاتحہ کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جس کی مثل قرآن میں ہے نہ تورات میں نہ انجیل میں اور نہ زبور میں۔ ایک مرتبہ میں مکہ میں بیمار ہو گیا مجھے دوا اور طبیب میسر نہ آ سکے، تو میں سورہ فاتحہ سے اپنا علاج کرتا تھا، میں ایک گھونٹ زمزم کا پانی پیتا اور اس پر کئی بار سورہ فاتحہ پڑھتا، پھر ایک گھونٹ زمزم کا پانی پیتا، میں نے کئی بار یہ عمل کیا حتیٰ کہ میرے تمام درد اور تکلیفیں دور ہو گئیں اور مجھے مکمل فائدہ ہو گیا۔

(زاد المعاد ج ۴ ص ۱۴۱۔ ۱۴۰، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

کلمات طیبہ سے دم کرنے کے جواز کے متعلق احادیث

الشفاء بنت عبداللہ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم اس کو پھوڑے کا دم کیوں نہیں سکھاتیں جس طرح تم نے اس کو لکھنا سکھایا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۱۶۳)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دم صرف نظر بد یا سانپ یا بچھو کے ڈسنے میں (زیادہ موثر) ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۷)

سہیل بن حنیف سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دم صرف بیمار شخص یا سانپ یا بچھو کے ڈسے ہوئے میں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۸ مختصراً)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۰، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۴۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۱۵، المستدرک ج ۴ ص ۴۱۸۔ ۴۱۷، ج ۴ ص ۲۱۷۔ ۲۱۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۵۰)

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

اس قسم کی جھاڑ پھونک اور دم کرنے کی ممانعت ہے جس میں کلمات شرک ہوں یا اس میں سرکش شیاطین کا ذکر ہو یا اس میں عربی کے علاوہ کسی اور زبان کے کلمات ہوں، یا ان کلمات کا کچھ پتا نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ اس میں جادو کے کلمات ہوں یا کفریہ کلمات ہوں، لیکن جس میں قرآن مجید کے کلمات ہوں یا اس میں اللہ عزوجل کا ذکر ہو تو ان کلمات کے ساتھ دم کرنا جائز اور مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر اپنے اوپر دم فرماتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۲) اور جن صحابہ نے بکریوں کے عوض سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا، ان سے آپ نے فرمایا: تم کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ (زمانہ جاہلیت کا) دم ہے، اس کو تقسیم کرو، اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو اور فرمایا: جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۷، ۲۲۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۱) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین پر یہ کلمات پڑھ کر دم کرتے تھے: اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان وھامۃ ومن کل عین لامۃ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۱) "میں ہر شیطان اور ہر زہریلے کیڑے اور ہر نظر بد کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔" اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو حضرت جبرئیل نے یہ پڑھ کر آپ پر دم کیا:

بسم الله ارقيك من كل شيء يؤذيك من شر كل نفس او عين حاسد الله يشفيك بسم الله ارقيك۔ الله کے نام سے آپ پر دم کرتا ہوں، اللہ آپ کو شفا دے ہر اس چیز سے جو آپ کو ایذا دے اور ہر نفس کے شر سے اور ہر حاسد نظر سے، اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۵، ۲۱۸۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۳، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۸۴۳) اور عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہم زمانہ جاہلیت میں دم کرتے تھے، یا رسول اللہ! آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا: اپنے دم کے کلمات مجھے پڑھ کر سناؤ، اس وقت تک دم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک کہ ان میں شرکیہ کلمات نہ ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۶)

(شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۶۰-۱۵۹، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۳ھ)

دم اور تعویذ کی ممانعت کے متعلق حضرت ابن مسعود کا ارشاد اور امام بغوی سے اس کی توجیہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دم کرنا تمائم (تعویذ لٹکانا) اور تِوَلَہ (بیوی سے خاوند کی محبت کا جادو) شرک ہیں، حضرت عبداللہ کی بیوی نے کہا آپ اس طرح کیوں کہتے ہیں، خدا کی قسم! میری آنکھ میں کچھ پڑ گیا تھا میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی وہ میری آنکھ پر دم کرتا تھا اور جب وہ مجھ پر دم کرتا تھا تو مجھے آرام آجاتا تھا۔ حضرت عبداللہ نے کہا یہ شیطان کا عمل تھا، وہ اپنے ہاتھ سے آنکھ میں چھوتا تھا اور جب وہ یہودی دم کرتا تھا تو وہ اپنے ہاتھ کو ہٹالیتا تھا، تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم اس طرح پڑھو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے:

اذهب الباس رب الناس اشف انت الشافي لاشفاء الا شفاءك لا يغادر سقما۔ اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کردے، شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کسی کی شفا نہیں ہے جو بیماری کو باقی رہنے نہیں دیتی۔

تعویذ اور دم کی ممانعت کے متعلق ابن حکیم اور حضرت عقبہ بن عامر کا ارشاد اور امام بیہقی، امام ابن الاثیر اور دیگر علماء سلف کی توجیہ

عیسیٰ بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیم ابو معبد الجہنی کی عیادت کرنے کے لیے گیا ان پر ورم تھا۔ ہم نے کہا آپ کوئی چیز کیوں نہیں لٹکاتے؟ (ایک روایت میں ہے آپ تعویذ کیوں نہیں لٹکاتے، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۵۵۶) انہوں نے کہا موت اس سے زیادہ قریب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز کو لٹکایا وہ اسی کے سپرد کردیا جائے گا۔

امام ترمذی نے کہا عبداللہ بن حکیم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت نہیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا، اور اس باب میں حضرت عقبہ بن عامر سے بھی روایت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۲، مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۰، المستدرک ج ۴ ص ۲۱۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۵۱، شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۶۰)

امام ترمذی نے حضرت عقبہ بن عامر کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے تمیمہ (تعویذ) کو لٹکایا، اللہ اس کے مقصد کو پورا نہ کرے اور جس شخص نے کوڑی (سیپی) کو لٹکایا اللہ اس کی

حفاظت نہ کرے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۴، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۷۵۹، المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۲۹۷، ج ۴ ص ۴۱۷، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۰۳)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اس قسم کی احادیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس قسم کی احادیث میں ان تمائم (تعویذات) کو شرک فرمایا، جن تعویذات کو لٹکانے والوں کا یہ اعتقاد ہو کہ مکمل عافیت اور بیماری کا مکمل زوال ان تعویذات کی وجہ سے ہوگا جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین کا عقیدہ تھا، لیکن جس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے برکت حاصل کرنے کے لیے تعویذ کو لٹکایا اور اس کا یہ اعتقاد ہو کہ مصیبت کو ٹالنے والا اور مرض کو دور کرنے والا صرف اللہ عزوجل ہے تو پھر تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۵۰ مطبوعہ ملتان) نیز امام بیہقی فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً روایت ہے کہ دم، تولہ، اور تمائم شرک ہیں، اس سے ان کی یہ مراد ہے کہ وہ دم اور تعویذ وغیرہ شرک ہیں جو عربی زبان میں نہ ہوں اور ان کے معنی غیر معلوم ہوں۔

(سنن صغیر ج ۲ ص ۴۲۳، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

تمائم (تعویذات) کو شرک اس لیے فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں وہ تمائم کے متعلق مکمل دوا اور شفا کا اعتقاد رکھتے تھے، اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ تمائم اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی تقدیر کو ٹال دیتے ہیں اور وہ اللہ کے غیر سے مصائب کو دور کرنا چاہتے تھے۔ (النہایہ ج ۱ ص ۱۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

تعویذ اور کوڑی لٹکانے پر آپ نے شرک کا اطلاق اس لیے فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ان کے لٹکانے کا جو طریقہ معروف اور مروج تھا وہ شرک کو متضمن تھا کیونکہ ان کے متعلق ان کا اعتقاد شرک کی طرف لے جاتا تھا، میں کہتا ہوں کہ شرک سے مراد یہ اعتقاد ہے کہ یہ تعویذات قوی سبب ہیں اور ان کی اصل تاثیر ہے اور یہ توکل کے منافی ہے۔

(شرح الطیبی ج ۸ ص ۳۰۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۳ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۲۷۴، مطبوعہ دار الایمان مدینہ منورہ، ۱۴۱۵ھ)

تعویذ لٹکانے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت اور اس کے حوالہ جات

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

علی بن حجر، اسماعیل بن عیاش، از محمد بن اسحاق از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود سے روایت ہے: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈر جائے تو وہ یہ دعا کرے: اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضبہ وعقابہ وشر عبادہ ومن ھمزات الشیطان وان یحضرون، تو پھر شیاطین اس کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے بالغ بچوں کو اس دعا کی تلقین کرتے تھے اور جو نابالغ بچے تھے ان کے گلے میں ایک کاغذ پر یہ دعا لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۸، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۱ طبع قدیم، مسند احمد رقم

الحدیث:۲۲۹۱، طبع دارالحدیث قاہرہ، اس کے حاشیہ میں شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، المستدرک ج ا ص ۵۴۸، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور ذہبی نے اس پر جرح نہیں کی، بلکہ حافظ ذہبی نے خود اس حدیث سے استدلال کیا ہے، الطب النبوی ص ۲۸۱، کتاب الآداب للبیہقی رقم الحدیث: ۹۹۳، شیخ البانی نے اس حدیث کو اپنی صحیح ترمذی میں درج کیا ہے، رقم الحدیث: ۲۷۹۳، مصابیح السنہ ج ۲ ص ۲۲۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۴۷۷، المصنف لابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۵۳۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۲۳۸۴، دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۴ھ، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۴۵۶-۴۵۵، مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ، ۱۴۰۷ھ، حافظ منذری نے اس حدیث کو امام نسائی کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے، عمل الیوم واللیلہ رقم الحدیث: ۷۶۵، مختصر سنن ابوداؤد للمنذری رقم الحدیث: ۳۷۴۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت کے صحیح اور حسن نہ ہونے اور مدرج ہونے کے جوابات

کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نے "تعویذ گنڈا شرک ہے" کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا ہے، اور انہوں نے گلے میں تعویذ لٹکانے کو شرک کہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی مذکور الصدر حدیث کے اوپر انہوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے: "تعویذ کے بیوپاریوں کو اکلوتا سہارا" پھر انہوں نے اس حدیث کو رد کرنے کے لیے پانچ علتیں ذکر کی ہیں، ہم نمبروار ان پانچوں علتوں کا ذکر کرکے ان پر مفصل بحث کریں گے، فنقول وباللہ التوفیق۔

کیپٹن عثمانی لکھتے ہیں:

اس ایک روایت کے اندر متعدد علتیں ہیں: (۱) یہ پورے سرمایہ روایت میں اپنے طرز کی ایک منفرد روایت ہے اور صحیح ہونا تو دور رہا یہ حسن روایت بھی نہیں ہے۔ امام ترمذی جو صحیح روایات کے بارے میں بہت ہی فراخ دل واقع ہوئے ہیں اس روایت کو حسن بھی شمار نہیں کرتے بلکہ حسن غریب کہتے ہیں۔ (تعویذ گنڈا شرک ہے ص ۵، مطبوعہ کراچی)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے اس کے باوجود کیپٹن مسعود کا یہ کہنا کہ امام ترمذی اس روایت کو حسن بھی شمار نہیں کرتے بہت عجیب ہے۔ شاید انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ غریب ہونا اس حدیث کے حسن ہونے کے منافی ہے تو اس کی وجہ اصطلاح محدثین سے ناواقفیت ہے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام ترمذی نے یہ تصریح کی ہے کہ حدیث حسن کی شرط یہ ہے کہ وہ متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہو، پھر وہ اپنی بعض احادیث کے متعلق یہ کیسے کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اسی سند کے ذریعہ پہچانتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی نے مطلقاً حدیث حسن کے لیے یہ شرط نہیں بیان کی، بلکہ یہ حدیث حسن کی ایک خاص قسم کی شرط ہے اور یہ وہ قسم ہے جس حدیث کے متعلق وہ اپنی کتاب میں صرف حسن لکھتے ہیں اور اس کے ساتھ صحیح یا غریب کی صفت نہیں لاتے، کیونکہ وہ بعض حدیث کے متعلق صرف حسن لکھتے ہیں اور بعض کے متعلق صرف صحیح لکھتے ہیں اور بعض کے متعلق صرف غریب لکھتے ہیں، اور بعض کے متعلق حسن صحیح لکھتے ہیں اور بعض کے متعلق حسن غریب لکھتے ہیں اور بعض کے متعلق صحیح غریب لکھتے ہیں اور بعض کے متعلق حسن صحیح غریب لکھتے ہیں اور انہوں نے جو متعدد اسانید کی شرط عائد کی ہے وہ اس حدیث کے متعلق ہے جس کو وہ صرف حسن لکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب کے آخر میں خود اس کی تصریح کی ہے اور جس حدیث کے متعلق وہ حسن غریب کہتے ہیں اس میں انہوں نے جمہور کی تعریف سے عدول نہیں کیا۔

(شرح نخبۃ الفکر ص ۳۸-۳۶، مطبوعہ قرآن محل کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک یہ حدیث حسن ہے اگرچہ ایک سند سے مروی ہے۔
نیز یہ حدیث امام ابوداؤد کے نزدیک بھی حسن ہے کیونکہ جس حدیث پر وہ کوئی حکم نہ لگائیں وہ ان کے نزدیک حسن اور عمل کی صلاحیت رکھتی ہے۔ امام ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن الشرزوری متوفی ۶۴۳ھ لکھتے ہیں:
امام ابوداؤد نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے میں نے اپنی اس کتاب میں جس حدیث کو درج کیا اس حدیث میں جو شدید ضعف ہے اس کو میں نے بیان کر دیا ہے اور جس حدیث کے متعلق میں نے کوئی چیز ذکر نہیں کی، وہ صالح ہے اور بعض ایسی احادیث بعض دوسری احادیث سے زیادہ صحیح ہیں۔
(علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۳۳، مطبوعہ المکتبۃ العلمیہ، المدینۃ المنورۃ، ۱۳۸۶ھ)
علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ امام ابوداؤد کی اس عبارت کے متعلق لکھتے ہیں:
امام ابوداؤد کی اس تحریر کی بناء پر ہم نے امام ابوداؤد کی سنن میں جس حدیث کو مطلقاً پایا اور معتمدین میں کسی ایک نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا نہ ضعیف کہا تو وہ امام ابوداؤد کے نزدیک حسن ہے۔
(تقریب النواوی مع تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۶۷، مطبوعہ المکتبۃ العلمیہ، المدینۃ المنورۃ، ۱۳۹۲ھ)
علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام ابوداؤد کی ایسی حدیث استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے اور معتمدین میں سے کسی کی تصریح کے بغیر اس حدیث کو صحیح نہیں کہا جائے گا اس لیے اس حدیث کو حسن کہنے میں زیادہ احتیاط ہے اور اس سے بھی زیادہ احتیاط اس کو صالح کہنے میں ہے۔
(تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۶۷، مطبوعہ المکتبۃ العلمیہ، المدینۃ المنورۃ، ۱۳۹۲ھ)
واضح رہے کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس پر کسی قسم کے ضعف کا حکم نہیں لگایا، پس مذکور الصدر تصریحات کے مطابق یہ حدیث امام ابوداؤد کے نزدیک بھی حسن ہے۔
کیپٹن مسعود نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: "اس حدیث کا صحیح ہونا تو درکنار رہا" گزارش یہ ہے کہ اس سند کے ساتھ امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور شیخ احمد شاکر جو متاخرین میں کافی شہرت رکھتے ہیں انہوں نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، حاکم نے بھی اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی مخالفت نہیں کی بلکہ خود اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور شیخ البانی جو مخالفین کے نزدیک مسلم ہیں انہوں نے بھی امام ترمذی کی سند کو صحیح کہا ہے۔ ان سب کے حوالے ہم نے شروع میں ذکر کر دیئے ہیں۔
کیپٹن مسعود نے اس حدیث کی دوسری علت یہ بیان کی ہے:
(۲) دوسری علت اس روایت میں یہ ہے کہ: عبداللہ بن عمرو بن العاص کے متعلق یہ جملہ کہ وہ اس دعا کو نابالغ بچوں کے گلے میں لکھ کر لٹکا دیا کرتے تھے۔ حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ راوی کی طرف سے ایک "مدرج" جملہ ہے۔
(تعویذ گنڈا شرک ہے ص ۵، مطبوعہ کراچی)
کیپٹن مسعود صاحب نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ جملہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ راوی کے الفاظ ہیں اور یہ حدیث مدرج ہے اس پر انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی اور بلا دلیل حدیث کے کسی جملہ کو راوی کا کلام قرار دینا غیر مسموع اور غیر مقبول ہے۔ اگر وہ اس سلسلہ میں ناقدین اور ناقلین حدیث میں سے کسی کی شہادت پیش کرتے تو اس کی طرف التفات کیا جاتا محض ان کی ذہنی اختراع تو لائق جواب نہیں ہے۔

تعویذ کے جواز کی روایت کا ایک حدیث سے معارضہ اور اس کا جواب

کیپٹن مسعود صاحب نے اس حدیث کی تیسری علت یہ بیان کی ہے:

(۳) تیسری علت: عبداللہ بن عمرو بن العاص جن کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ اپنے کمسن بچوں کے گلے میں دعا کا تعویذ لٹکاتے تھے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعویذ لٹکانے کی برائی میں صحیح حدیث روایت کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک صحابی کسی چیز کی برائی کی حدیث بھی روایت کرے اور دوسری طرف اس چیز میں مبتلا بھی ہو۔ روایت یوں ہے: (رواہ ابوداؤد ص ۵۴۰ و مشکوۃ ص ۳۸۹) ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن العاص (علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ روایت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے نہیں بلکہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ہے اور اسی طرح ابوداؤد کے نسخوں میں ہے۔ مشکوۃ میں غلطی سے عبداللہ بن عمر چھپ گیا ہے) روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر میں کہیں یہ تین باتیں کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب مجھے حق و ناحق کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں: (۱) تریاق استعمال کروں (اس میں شراب اور سانپوں کا گوشت ہوتا ہے)، (۲) تعویذ لٹکاؤں، (۳) شاعری کروں۔

(تعویذ گنڈا شرک ہے ص ۶-۵، مطبوعہ کراچی)

اس اعتراض کے جواب میں اولاً گزارش یہ ہے کہ جس حدیث پر امام ابوداؤد سکوت فرمائیں وہ اس وقت حسن ہوتی ہے جب معتمدین میں سے کسی نے اس کو ضعیف نہ قرار دیا ہو اور اس حدیث کو حافظ منذری اور امام بخاری نے ضعیف قرار دیا ہے اور وہ معتمدین میں سے ہیں، چنانچہ حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن رافع التنوخی ہے جو افریقیا کا قاضی تھا، امام بخاری نے کہا اس کی حدیث میں بعض مناکیر ہیں۔ (مختصر سنن ابوداؤد ج ۵ ص ۳۵۴، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت)

ثانیاً اس حدیث کی شرح میں ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں تمیمہ (کوڑیاں یا تعویذ) لٹکانے کی ممانعت ہے، قرآن مجید سے تبرک حاصل کرنے یا شفا طلب کرنے کے لیے جو تعویذ لٹکائے جائیں وہ اس میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ وہ اللہ سبحانہ کا کلام ہے اور اس سے استعاذہ کرنا (پناہ طلب کرنا) اللہ سے استعاذہ کرنے کے قائم مقام ہے اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ وہ تعویذ مکروہ ہیں جو غیر عربی میں ہوں اور ان کا معنی معلوم نہ ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ جادو ہو یا اس میں اور کوئی چیز ممنوع ہو۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۵ ص ۳۵۴، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو تمیمہ سے ممانعت کی گئی ہے اس سے مراد زمانہ جاہلیت کا تمیمہ ہے، کیونکہ تمیمہ (تعویذ) کی جو قسم اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کے کلمات کے ساتھ مختص ہے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے، بلکہ وہ تعویذ مستحب ہے اور اس میں برکت کی امید ہے اور اس کی اصل سنت سے معروف ہے۔

(مرقات ج ۸ ص ۳۶۱، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

روایت حدیث میں امام محمد بن اسحاق کا مقام

کیپٹن مسعود صاحب نے اس حدیث کی چوتھی علت یہ بیان کی ہے:

(۴) چوتھی علت اس روایت میں یہ ہے کہ اس کے دو راوی محمد بن اسحٰق اور عمرو بن شعیب ایسے راوی ہیں جن پر ائمہ

حدیث نے شدید جرح کی ہے۔ محمد بن اسحٰق بن یسار۔ امام مالک فرماتے ہیں "دجال من الدجاجلة" دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔ (تہذیب جلد ۹ ص ۴۱، میزان جلد ۳ ص ۲۱) سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ یحیٰ قطان کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب (بہت بڑا جھوٹا) ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۱) وہیب بن خالد اس کو کاذب کہتے ہیں۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۵) جریر بن عبدالحمید کا بیان ہے کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جب لوگ محمد بن اسحاق سے حدیث کی سماعت کریں گے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۶) اب ذرا ایسے کاذب راوی کے بارے میں ائمہ حدیث کا نظریہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ واذا قالوا متروک الحدیث او واهیا او کذاب فهو ساقط لا یکتب حدیثه (تقریب النواوی ص ۲۳۳) جب محدثین کسی راوی کے بارے میں یہ کہیں کہ وہ متروک ہے یا واہی ہے یا کذاب ہے تو وہ راوی ساقط الاعتبار ہوتا ہے، اس کی روایت لکھی بھی نہیں جاسکتی۔ (تقریب النواوی ص ۲۳۳)

اس جرح کے جواب میں گزارش ہے کہ پہلے ہم امام محمد بن اسحاق کا ترجمہ (تعارف) پیش کریں گے اور روایت حدیث میں ماہرین اور ناقدین کے نزدیک جو ان کا مقام ہے وہ بیان کریں گے اور اس کے بعد کیپٹن مسعود کی نقل کردہ جرح کا جواب ذکر کریں گے۔

امام محمد بن اسحٰق بن یسار کے متعلق حافظ جمال الدین یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

محمد بن اسحٰق نے صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور تابعین میں سے سالم بن عبداللہ بن عمر اور سعید بن المسیب کی زیارت کی، امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے تعلیقاً روایت کی ہے اور امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے ان سے اصالتاً روایت کی ہے۔

زہری کہتے تھے کہ جب تک مدینہ میں محمد بن اسحٰق موجود ہیں ان کے علم کا خزانہ قائم رہے گا۔ امام شافعی فرماتے تھے کہ جو شخص مغازی میں تبحر حاصل کرنے کا ارادہ کرے گا وہ محمد بن اسحٰق کا پروردہ ہوگا۔ ابو معاویہ کہتے تھے کہ محمد بن اسحٰق کا حافظہ لوگوں میں سب سے زیادہ ہے۔ امام بخاری نے کہا علی بن عبداللہ، محمد بن اسحٰق کی احادیث سے استدلال کرتے تھے اور ابن عیینہ نے کہا میں نے کسی شخص کو محمد بن اسحٰق پر تہمت لگاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ابو زرعہ دمشقی نے کہا کہ محمد بن اسحٰق وہ شخص تھے کہ بڑے بڑے علماء ان سے علم حاصل کرنے کے لیے جمع ہوتے تھے، ان میں سفیان، شعبہ، ابن عیینہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، ابن المبارک، ابراہیم بن سعد تھے اور اکابر محدثین ان سے روایت کرتے تھے۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر کہتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق پر قدری ہونے کی تہمت لگائی جاتی تھی حالانکہ وہ قدریہ کے عقائد سے بہت دور تھے۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے علی بن مدینی سے سوال کیا کیا آپ کے نزدیک محمد بن اسحٰق کی حدیث صحیح ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میرے نزدیک محمد بن اسحٰق کی حدیث صحیح ہے۔ میں نے کہا پھر امام مالک نے جو ان پر اعتراض کیا ہے اس کی کیا توجیہ ہے؟ انہوں نے کہا امام مالک ان کے پاس بیٹھے نہ انہوں نے ان کو پہچانا۔ میں نے کہا کہ ہشام بن عروہ نے ان پر اعتراض کیا ہے (کہ محمد بن اسحٰق ہشام کی بیوی سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے اس کو نہیں دیکھا) علی بن مدینی نے کہا کہ ہشام حجت نہیں ہے اور ہوسکتا ہے کہ محمد بن اسحٰق نے بچپن میں ان کی بیوی سے حدیث کا سماع کیا ہو۔ ابوبکر مروزی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک موسیٰ بن عبیدہ اور محمد بن اسحٰق میں سے کون پسندیدہ ہے؟ انہوں نے کہا محمد بن اسحٰق۔ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ علی بن مدینی نے کہا کہ محمد بن اسحٰق صالح وسط ہیں۔ یعقوب بن شیبہ السدوسی کہتے ہیں کہ میں نے یحیٰ بن معین سے پوچھا کیا آپ کو محمد بن اسحٰق کے صدق کے متعلق کوئی تردد ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، وہ صدوق (بہت زیادہ سچے) ہیں۔ عجلی نے،

کہا وہ ثقہ ہیں۔ شعبہ کہتے تھے کہ محمد بن اسحٰق حدیث میں امیر المومنین ہیں۔ محمد بن سعد نے کہا کہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں۔ بعض لوگوں نے ان پر اعتراض کیا ہے' ایک اور مقام پر کہا جس شخص نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کو جمع کیا وہ محمد بن اسحٰق ہیں (واضح رہے کہ سیرت اور مغازی کی تمام روایات کی اصل محمد بن اسحٰق ہیں) ابو احمد بن عدی نے کہا کہ محمد بن اسحٰق کی فضیلت کے لیے یہ کافی ہے کہ انہوں نے سلاطین کو فضول کتابوں کے مطالعہ سے ہٹا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کی طرف متوجہ کر دیا اور بعد کے تمام سیرت نگاروں نے ان ہی سے استفادہ کیا ہے۔ احمد بن خالد نے کہا کہ ۱۵۱ ہجری میں محمد بن اسحٰق کی وفات ہوئی۔

(تہذیب الکمال رقم: ۵۶۴۴' ج ۱۶ ص ۸۳۔۷۰' ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ' تہذیب التہذیب رقم: ۵۹۲۰' ج ۹ ص ۳۸۔۳۳' ملخصاً مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن اسحٰق کو کذب کہنے کا جواب

امام محمد بن اسحٰق کو جس وجہ سے کذاب اور مدلس کہا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ لکھتے ہیں:

سلیمان بن داؤد کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن سعید القطان نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحٰق کذاب ہے۔ میں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا کہ مجھ سے وہیب بن خالد نے کہا کہ وہ کذاب ہے۔ انہوں نے کہا میں نے وہیب سے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا مجھ سے مالک بن انس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے۔ میں نے مالک سے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا مجھ سے ہشام بن عروہ نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے۔ میں نے ہشام سے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا وہ میری بیوی فاطمہ بنت المنذر سے ایک حدیث روایت کرتا ہے' حالانکہ وہ نو سال کی عمر میں میرے پاس رخصتی کے بعد آئی تھی' اور اس کو تاحیات کسی مرد نے نہیں دیکھا۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۶ ص ۲۴۷' الضعفاء الکبیر ج ۴ ص ۲۵' المنتظم ج ۵ ص ۲۰۹' تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۷۵' تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۴' میزان الاعتدال ج ۶ ص ۵۸۔۵۷' کتاب الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۱۹۳۔۱۹۲)

ان ہی کتابوں میں اس اعتراض کا جواب بھی مذکور ہے' امام ابن عدی لکھتے ہیں:

امام احمد نے فرمایا: امام محمد بن اسحٰق کے لیے یہ ممکن تھا کہ جس وقت ہشام کی بیوی فاطمہ مسجد میں جا رہی ہو' اس وقت انہوں نے اس سے اس حدیث کو سن لیا ہو یا کسی وقت وہ گھر سے جا رہی ہو تو ان سے سن لیا ہو۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۶ ص ۲۴۰) علامہ ذہبی نے کہا کہ امام احمد نے فرمایا ممکن ہے کہ محمد بن اسحٰق نے ان سے مسجد میں یہ حدیث سنی ہو' یا انہوں نے بچپن میں ان سے یہ حدیث سنی ہو یا انہوں نے پردہ کی اوٹ سے یہ حدیث بیان کی ہو' اور اس میں کیا چیز مانع ہے حالانکہ وہ بوڑھی اور عمر رسیدہ ہو چکی تھیں۔ (میزان الاعتدال ج ۶ ص ۵۸) علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ امام احمد نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ امام محمد بن اسحٰق ہشام کی بیوی کے پاس گئے ہوں اور ہشام کو اس کی خبر نہ ہوئی ہو۔ (المنتظم ج ۵ ص ۲۰۹) حافظ مزی لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن احمد نے کہا میں نے اپنے والد کے سامنے ابن اسحٰق کی ایک حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا ہشام نے اس کا انکار نہیں کیا ہو سکتا ہے کہ محمد بن اسحٰق ہشام کی بیوی سے اجازت لے کر گئے ہوں اور انہوں نے اجازت دے دی ہو اور ہشام کو اس کا علم نہ ہوا ہو۔ (تہذیب الکمال ج ۱۶ ص ۷۵' ایضاً تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵) نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام محمد بن اسحٰق کو سلیمان التیمی' یحییٰ قطان اور وہیب بن خالد نے کاذب کہا ہے' رہے وہیب اور قطان تو انہوں نے اس تکذیب میں ہشام بن

عروہ اور مالک کی تقلید کی ہے اور رہے سلیمان التیمی تو مجھے نہیں معلوم انہوں نے کسی وجہ سے محمد بن اسحٰق پر اعتراض کیا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ روایت حدیث کے علاوہ اس کا کوئی اور سبب ہے، کیونکہ سلیمان جرح اور تعدیل کے اہل نہیں ہیں، امام ابن حبان نے محمد بن اسحٰق کا ثقات میں ذکر کیا ہے، ہشام اور مالک نے ان پر جرح کی ہے، رہے ہشام تو ان کا قول لائق جرح نہیں ہے، کیونکہ تابعین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھے بغیر ان سے حدیث روایت کرتے تھے، اسی طرح محمد بن اسحٰق نے فاطمہ کو دیکھے بغیر ان سے حدیث روایت کی اور ان کے درمیان پردہ لٹکا ہوا تھا اور رہے مالک تو انہوں نے ایک مرتبہ یہ کہا اور پھر وہ ان کی طرف پلٹ گئے۔ وہ روایت حدیث کی وجہ سے ان پر اعتراض نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں کی جو اولاد مسلمان ہو گئی تھی اور ان کو غزوۂ خیبر وغیرہ کے واقعات یاد تھے، محمد بن اسحٰق ان کو بھی تلاش کرتے تھے ہرچند کہ ان سے وہ استدلال نہیں کرتے تھے اور امام مالک کے نزدیک ان ہی سے روایت حدیث جائز تھی جو بہت ثقہ ہوں، اور جب امام ابن المبارک سے ان کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے تین مرتبہ کہا وہ بہت سچے ہیں اور امام ابن حبان نے کہا مدینہ میں محمد بن اسحٰق کے پائے کا کوئی عالم نہیں تھا اور نہ روایات کو جمع کرنے میں کوئی شخص ان کی ٹکر کا تھا (الیٰ قولہ) امام ذہبی نے ہشام کی تکذیب کا رد کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ ہشام کا یہ کہنا بداہتاً غلط ہے کہ فاطمہ نو سال کی عمر میں اس کے نکاح میں آئی کیونکہ فاطمہ، ہشام سے تیرہ سال بڑی تھی، اور امام ابن اسحٰق نے فاطمہ سے اس وقت حدیث کی روایت کی ہے جب ان کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی اور فاطمہ سے امام محمد بن اسحٰق کے علاوہ دوسروں نے بھی حدیث روایت کی ہے، ان میں سے محمد بن سوقہ ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ٩ ص ٣٨-٤٧)

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ پر جرح کا جواب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کے ایک اور راوی پر جرح کرتے ہوئے کیپٹن مسعود لکھتے ہیں:

دوسرے راوی عمرو بن شعیب جو محمد بن اسحٰق کے استاد ہیں ان کا معاملہ بھی اپنے شاگرد سے مختلف نہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ لیس بحجۃ عمرو بن شعیب کی روایت اپنے باپ سے اور ان کی اپنے دادا سے حجت نہیں ہے اور اس روایت میں ایسا ہی ہے اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ آدھی حجت بھی نہیں ہے۔ یحیٰی بن سعید کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب ہمارے نزدیک واہی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کی روایت حجت نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ٨ ص ٥٠-٤٩) ابو زرعہ کہتے ہیں کہ عمرو نے اپنے باپ سے صرف چند روایتیں سنی ہیں لیکن وہ باپ اور دادا سے منسوب کر کے تمام غیر مسموع روایتیں بے تحاشا بیان کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ٣ ص ٢٨٩) ابن حجر کہتے ہیں کہ انہوں نے عن ابیہ عن جدہ کے طریقہ سے کچھ بھی نہیں سنا وہ کتاب سے نقل کر کے محض تدلیس سے کام لیتے ہیں۔

(طبقات المدلسین ص ١١)

یہ درست ہے کہ بعض لوگوں نے عمرو بن شعیب پر جرح کی ہے، لیکن ماہرین حدیث نے عمرو بن شعیب کی تعدیل کی ہے۔

حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف المزی المتوفی ٧٤٢ھ لکھتے ہیں:

عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص القرشی، ان سے امام بخاری نے قراءت خلف الامام میں احادیث روایت کی ہیں، اور امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ امام بخاری نے کہا امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، اسحٰق بن راہویہ، ابوعبید اور ہمارے عام اصحاب کو میں نے عمرو بن شعیب عن

ابیہ عن جدہ سے احادیث روایت کرتے ہوئے دیکھا ہے اور مسلمانوں میں سے کسی شخص نے بھی ان سے روایت حدیث کو ترک نہیں کیا۔ امام بخاری نے فرمایا ان کے بعد اور کون رہ جاتا ہے؟! اسحق بن منصور نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا کہ ان کی احادیث لکھی جاتی ہیں، عبدالرحمن بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میرے والد سے سوال کیا گیا کہ آپ کے نزدیک کون بہتر ہے، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ یا ابو بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ؟ تو انہوں نے کہا میرے نزدیک عمرو زیادہ بہتر ہیں، احمد بن عبداللہ العجلی اور امام نسائی نے کہا وہ ثقہ ہیں، امام اوزاعی نے کہا میں نے عمرو بن شعیب سے افضل اور کامل کوئی شخص نہیں دیکھا، امام دار قطنی نے کہا میں نے ابوبکر النقاش سے یہ سنا ہے کہ عمرو بن شعیب تابعین میں سے نہیں ہیں، اور وہ بیس تابعین سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ امام دار قطنی نے کہا جب میں نے تحقیق کی تو ان کی تعداد بیس سے زیادہ ہے۔ (حافظ مزی کہتے ہیں کہ:) امام دار قطنی کا بھی یہ گمان ہے کہ عمرو بن شعیب تابعی نہیں ہیں، لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ انہوں نے زینب بنت ابی سلمہ اور الربیع بنت معوذ بن عفراء سے حدیث کا سماع کیا ہے اور وہ صحابیہ ہیں۔ ان کی وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی تھی۔

(تہذیب الکمال رقم: ۴۹۶۹، ج ۱۴ ص ۳۴۹۔۳۴۳، ملخصاً و ملتقطاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ شہاب الدین بن احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن شاہین نے کہا عمرو بن شعیب ثقات میں سے ہیں۔ احمد بن صالح نے کہا عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند ثابت ہے۔ یعقوب بن ابی شیبہ نے کہا ہمارے اصحاب میں سے کوئی شخص عمرو بن شعیب کی احادیث پر تنقید نہیں کرتا ان کے نزدیک عمرو بن شعیب ثقہ ہیں اور ان کی احادیث ثابت ہیں، اور عمرو بن شعیب کی جن احادیث کا لوگوں نے انکار کیا ہے اس کی وجہ ان کی احادیث کی اسانید میں بعد کے ضعیف راوی ہیں اور جن ثقہ راویوں نے ان سے احادیث کو روایت کیا ہے وہ احادیث صحیح ہیں۔ علی بن مدینی نے کہا شعیب کے والد نے ان کے دادا عبداللہ بن عمرو سے سماع کیا ہے اور علی بن مدینی نے کہا ہمارے نزدیک عمرو بن شعیب ثقہ ہیں اور ان کی کتاب صحیح ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ عمرو بن شعیب کے متعلق اپنی رائے لکھتے ہیں کہ وہ صدوق ہیں یعنی بہت زیادہ سچے ہیں۔ (تقریب التہذیب ج ۱ ص ۷۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے عمرو بن شعیب کی تعدیل کے متعلق بہت اقوال لکھے ہیں، ہم ان میں سے چند نقل کر رہے ہیں۔

ابو حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے عمرو بن شعیب کے متعلق سوال کیا تو وہ بہت ناراض ہوئے اور کہا میں ان کے خلاف کچھ کہہ سکتا ہوں جن سے ائمہ نے حدیث کو روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے امام بخاری کی تاریخ کبیر (ج ۶ ص ۳۴۲) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام احمد، علی بن مدینی، اسحق، اور حمیدی، میں نے ان سب کو عمرو بن شعیب سے احادیث روایت کرتے ہوئے دیکھا پھر ان کے بعد کے لوگوں کی کیا حیثیت ہے۔ امام ابو زرعہ نے کہا ان کی روایات میں وہ احادیث منکر ہیں جو مثنی بن الصباح اور ابن لہیعہ سے مروی ہیں اور وہ فی نفسہ ثقہ ہیں۔ ابو حاتم بن حبان نے کہا کہ عمرو بن شعیب کے متعلق صحیح یہ ہے کہ ان کو تاریخ ثقات کی طرف راجع کیا جائے، کیونکہ ان کی عدالت (نیکی اور پرہیزگاری) کا بیان ہو چکا ہے، اور ان کی احادیث میں جو منکر روایات ہیں تو ان میں جو روایات عن ابیہ عن جدہ ہیں ان کا حکم ثقات کا ہے، جب وہ مقاطیع اور مراسیل روایات کریں تو ان کی احادیث میں سے مقطوع اور مرسل کو چھوڑ دیا جائے اور حدیث صحیح سے استدلال کیا جائے، (حافظ ذہبی

فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ عمرو بن شعیب کی اپنے باپ اور دادا سے جو روایات ہیں ان میں کوئی روایت مرسل ہے نہ منقطع، رہا یہ کہ وہ بعض احادیث کتاب سے بیان کرتے ہیں اور بعض سن کر تو یہ محل نظر ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کی احادیث، حدیث صحیح کی اعلیٰ اقسام میں سے ہیں بلکہ ان کی حدیث حسن کے قبیل سے ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۵ ص ۳۲۳۔۳۲۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

عمرو بن شعیب کی اس روایت سے استدلال کرنے والے علماء

عمرو بن شعیب کی اس روایت سے حسب ذیل علماء نے استدلال کیا ہے:

حافظ ابن قیم جوزی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس بیماری (خواب میں ڈرنے) کے لیے اس تعویذ کے علاج کی مناسبت مخفی نہیں ہے۔ (زاد المعاد ج ۴ ص ۱۶۸۔۱۶۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۸۷، بیروت، ج ۱ ص ۷۵، مصر)

حافظ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے بھی اس حدیث سے تعویذ لٹکانے پر استدلال کیا ہے۔

(الطب النبوی ص ۲۸۱، مطبوعہ بیروت، ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، شیخ شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اور نواب بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی اس حدیث سے شیطان سے پناہ مانگنے پر استدلال کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ، فتح القدیر ج ۳ ص ۶۷۷۔۶۷۶، مطبوعہ دار الوفا بیروت، ۱۴۱۸ھ، فتح البیان ج ۹ ص ۱۳۸، المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ان کے علاوہ اور بھی مفسرین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جن کو ہم نے اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا۔

محدثین میں سے ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن تعویذات میں اللہ تعالیٰ کے اسماء ہوں ان کو لٹکانے کے لیے یہ حدیث اصل ہے۔

(مرقات ج ۵ ص ۲۳۶، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور کلمات کو ایک کاغذ پر لکھ کر گردن میں لٹکا لیا جائے، اس حدیث سے گردن میں تعویذات لٹکانے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس باب میں علماء کا اختلاف ہے، مختار یہ ہے کہ سیپیوں اور اس کی مثل چیزوں کا لٹکانا حرام یا مکروہ ہے، لیکن اگر تعویذات میں قرآن مجید یا اللہ تعالیٰ کے اسماء لکھے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۲۹۰، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

شیخ عبد الرحمٰن مبارک پوری متوفی ۱۳۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شیخ عبد الحق دہلوی نے لمعات میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں بچوں کے گلوں میں تعویذات لٹکانے کی دلیل ہے، لیکن رسوم جاہلیت کے مطابق حرز اور کوڑیوں کو لٹکانا بالاتفاق حرام ہے۔

(تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۴۷۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ان تمام دلائل سے واضح ہو گیا کہ از محمد بن اسحٰق از عمرو بن شعیب از والد از جد یہ روایت صحیح یا حسن ہے اور اس سے اہل علم نے استدلال کیا ہے تاہم اس سند سے اس روایت کو پھر بھی کوئی تسلیم نہ کرے تو ہم اس روایت کو ایک اور سند سے

پیش کر رہے ہیں، جس میں امام محمد بن اسحٰق نہیں ہیں۔

امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

احمد بن خالد از محمد بن اسمٰعیل از عمرو بن شعیب از والد از جد خود وہ کہتے ہیں کہ ولید بن ولید ایسے شخص تھے جو خواب میں ڈر جاتے تھے، تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سونے لگو تو یہ پڑھو: بسم الله اعوذ بكلمات الله التامة من غضبه وعقابه ومن شر عباده ومن همزات الشيطان وان يحضرون، جب انہوں نے یہ کلمات پڑھے تو ان کا ڈر جاتا رہا اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے بالغ بچوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے اور نابالغ بچوں کے گلوں میں یہ تعویذ لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔ (خلق افعال العباد ص ۸۹، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

بعض تابعین کے اقوال کی توجیہ

نیز کیپٹن مسعود لکھتے ہیں: پانچویں علت یہ ہے کہ کسی صحابی، کسی تابعی نے تمیمہ کو جائز قرار نہیں دیا، یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض صحابہ بھی ان تعویذوں کو جائز سمجھتے تھے جن میں قرآن یا اسماء اللہ تعالیٰ یا اللہ کی صفات لکھی ہوئی ہوتی تھیں صحیح نہیں ہے۔ (الیٰ قولہ) وکیع، سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی انسان کی گردن سے تمیمہ کو کاٹ دیا اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ (تعویذ گنڈا شرک ہے ص ۷)

سعید بن جبیر کے اس قول میں تمیمہ سے مراد رسم جاہلیت کے مطابق کوڑیاں ہیں یا وہ تعویذات جن میں قرآن مجید اور اسماء الٰہیہ کے علاوہ کچھ لکھا ہو یا غیر عربی میں لکھا ہو، باقی اسی صفحہ پر ابراہیم نخعی کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ ہر قسم کے تمائم مکروہ ہیں خواہ قرآن سے لکھے جائیں یا غیر قرآن سے، یہ بلا حوالہ لکھا ہے، سو یہ ہم پر حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ یہ احادیث صحیحہ اور بکثرت آثار تابعین اور متعدد مفسرین کی عبارات اور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے۔

تعویذ لٹکانے کے جواز کے متعلق فقہاء تابعین کے فتاویٰ

ابو عصمہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے تعویذ کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا جب اس کو گردن میں لٹکا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۵۳۳)

عطا سے اس حائض عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس پر تعویذ ہو، انہوں نے کہا اگر وہ چمڑے میں ہو تو وہ اس کو اتار لے اور اگر وہ چاندی کی نلکی (یا ڈبیا) میں ہو تو اگر چاہے تو وہ اس کو رکھ دے اور اگر چاہے تو نہ رکھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۵۳۴)

یونس بن خباب بیان کرتے ہیں کہ بچوں کے گلوں میں جو تعویذ لٹکائے جاتے ہیں ان کے متعلق میں نے ابو جعفر سے پوچھا تو انہوں نے مجھے اس کی رخصت دی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۵۴۱)

جو یبر بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کتاب اللہ سے لکھ کر تعویذ لٹکائے اور غسل کے وقت اور بیت الخلاء کے وقت اس کو اتار دے تو تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۵۴۳) (اگر تعویذ چمڑے میں منڈھا ہوا ہو یا چاندی کی ڈبیا میں ہو تو پھر ان احوال اور اوقات میں اتارنا ضروری نہیں ہے۔)

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۴۳-۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

دم اور تعویذ کے جواز کے متعلق علامہ شامی حنفی کی تصریح

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ حصکفی نے کہا ہے کہ مجتبیٰ میں یہ مذکور ہے کہ وہ تمیمہ مکروہ ہے جو غیر عربی میں ہو' میں کہتا ہوں کہ میں نے مجتبیٰ میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ وہ تمیمہ مکروہ ہے جو غیر قرآن ہو' اور ایک قول یہ ہے کہ تمیمہ وہ کوڑیاں ہیں جن کو زمانہ جاہلیت میں گلے میں لٹکاتے تھے' اور مغرب میں مذکور ہے کہ تعویذات ہی تمائم ہیں' اس طرح نہیں ہے' تمیمہ صرف کوڑیاں ہیں' اور تعویذات میں جب قرآن مجید یا اللہ تعالیٰ کے اسماء لکھے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے الی قولہ' شلبی میں ابن اثیر سے منقول ہے کہ تمائم تمیمہ کی جمع ہے اور یہ وہ سیپیاں یا کوڑیاں ہیں جن کو عرب اپنے بچوں کے گلے میں ڈال دیتے تھے' اس سے وہ اپنے زعم میں ان کو نظر بد سے بچاتے تھے' اسلام نے اس کو باطل کر دیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: جس نے تمیمہ کو لٹکایا اللہ اس کے مقصود کو پورا نہ کرے' کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ یہی مکمل دوا اور شفا ہے' بلکہ انہوں نے اس کو اللہ کا شریک بنا دیا' کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ کی لکھی ہوئی تقدیر اس سے ٹل جاتی ہے' اور وہ اللہ تعالیٰ کے غیر سے مصائب کے دور کرنے کو طلب کرتے تھے حالانکہ اللہ کے سوا ان کا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے۔ مجتبیٰ میں مذکور ہے کہ قرآن مجید سے شفا حاصل کرنے میں اختلاف ہے بایں طور کہ مریض پر یا سانپ سے ڈسے ہوئے پر قرآن مجید یا سورہ فاتحہ پڑھی جائے یا کسی کاغذ میں لکھ کر اس کے گلے میں لٹکا دیا جائے یا کسی طشت میں لکھ کر اس کو دھویا جائے اور اس کا غسالہ (دھوون) مریض کو پلا دیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے تھے اور اس زمانہ میں مسلمانوں کا عمل اس کے جواز پر ہے' اسی کے مطابق احادیث اور آثار ہیں اور اگر جنبی یا حائض کے بازو پر تعویذ بندھا ہوا ہو اور وہ کسی چیز میں لپٹا ہوا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۳۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ' و ردالمحتار ج ۵ ص ۲۵۷-۲۵۶' دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۲۷ھ' مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ' ردالمحتار ج ۹ ص ۴۴۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ' طبع جدید)

شیخ محمد زکریا انصاری (دیوبندی) سہارنپوری نے بھی علامہ شامی کی اس عبارت کو نقل کر کے اس سے استشہاد کیا ہے۔

(اوجز المسالک ج ۱۶ ص ۳۰۳-۳۰۲' مطبوعہ المکتبہ الیحیویہ' سہارنپور' یوپی۔ انڈیا)

دم اور تعویذ کے جواز کے متعلق مشہور دیوبندی عالم شیخ محمد زکریا سہارنپوری کی تصریح

مکتب فکر دیوبند کے مشہور عالم شیخ محمد زکریا سہارنپوری لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جھاڑ پھونک' تمائم اور تولہ شرک ہیں۔ تمائم کا معنی سیپیاں' گھونگے اور کوڑیاں ہیں یا ان کا ہار۔ (دوسرے علماء اور فقہاء نے تعویذات کو بھی تمائم کا مصداق قرار دیا ہے' سعیدی غفرلہ) ان کو شرک اس لیے فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی اعانت کے بغیر حصول نفع اور دفع ضرر کے سبب ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے' اس حکم میں وہ دم اور تعویذات داخل نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کے کلام پر مشتمل ہوں' اور کسی بلا اور مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے بھی ان کا استعمال کرنا جائز ہے' کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر لیٹتے تو تین مرتبہ معوذات (الاخلاص' الفلق' الناس) پڑھ کر اپنے اوپر دم فرماتے اور پھر اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے اور جسم پر جہاں تک آپ کے ہاتھ پہنچتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۸) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پر یہ کلمات پڑھ کر دم کرتے تھے: اعوذ بکلمات اللہ التامة من کل شیطان وهامة ومن کل عین لامة۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۱)

(اوجز المسالک ج ۱۶ ص ۴۰۲' مطبوعہ المکتبہ الیحیویہ' سہارنپور' یوپی۔ انڈیا)

امام بغوی اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر مصیبت نازل ہونے کے بعد تعویذ لٹکایا جائے تو وہ تمیمہ نہیں ہے اور اگر بلا اور مصیبت نازل ہونے سے پہلے تعویذ لٹکایا جائے تو وہ تمیمہ ہے تاکہ اس تعویذ سے اللہ کی تقدیر کو دفع اور مسترد کیا جائے۔ (شرح السنہ ج ۶ ص ۱۵۸، سنن کبریٰ ج ۹ ص ۳۵۰) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول بلا سے پہلے دم فرمایا ہے' اور آپ کا یہ دم فرمانا اللہ کی تقدیر کو حاصل کرنے کے لیے تھا نہ کہ اللہ کی تقدیر کو دفع کرنے کے لیے، اس لیے یہ احادیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے خلاف نہیں ہیں۔

دم اور تعویذ کے جواز کے متعلق مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی تصریح

مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد عبدالرحمٰن مبارک پوری متوفی ۱۳۵۳ھ لکھتے ہیں:

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے اپنی کتاب "الدین الخالص" میں لکھا ہے کہ جن تعویذات میں قرآن مجید کی آیات یا اللہ تعالیٰ کے اسماء لکھے ہوں ان کو لٹکانے کے جواز میں صحابہ کرام' تابعین اور بعد کے علماء کا اختلاف رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ظاہر روایت میں اس کا جواز ہے' امام ابو جعفر باقر اور امام احمد وغیرہ نے حضرت ابن مسعود کی اس روایت میں توجیہ کی ہے کہ جھاڑ پھونک' تمائم (تعویذات) اور تولہ (خاوند کے دل میں بیوی کی محبت کا عمل) شرک ہیں' انہوں نے کہا یہ ان تعویذات پر محمول ہے جس میں شرکیہ کلمات ہوں' اور حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' حضرت حذیفہ' حضرت عقبہ بن عامر اور ابن حکیم کے ظاہر اقوال میں عدم جواز ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ ان اقوال میں بھی حسب سابق توجیہ کی جائے گی اور ممانعت کو ان تعویذات پر محمول کیا جائے گا جن میں شرکیہ کلمات ہوں' سعیدی غفرلہ) بعض علماء نے ممانعت کو تین وجوہ سے ترجیح دی ہے اول اس لیے کہ ممانعت میں عموم ہے اور ممانعت کا کوئی مخصص نہیں ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ جن احادیث میں جواز کی تصریح ہے وہ مخصص ہیں' سعیدی غفرلہ) ثانیاً شرک کے ذرائع کا سدباب کرنے کے لیے۔ (میں کہتا ہوں کہ شرکیہ کلمات کا تمائم میں لکھنا صرف زمانہ جاہلیت میں تھا' کیا شرک کے ذرائع کا سدباب کرنے کے لیے دم کرنے اور دوا دارو کرنے کی بھی ممانعت کی جائے گی کیونکہ حضرت ابن مسعود کی روایت میں دم کرنے کو بھی شرک فرمایا ہے' سعیدی غفرلہ) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص تعویذ لٹکاتا ہو' ہو سکتا ہے کہ وہ تعویذ کو قضاء حاجت اور استنجاء کرتے وقت نہ اتارے' نواب بھوپالی نے اس وجہ کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وجہ بہت کمزور ہے کیونکہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ وہ شخص قضاء حاجت کے وقت تعویذ اتار لے اور فارغ ہو کر پھر پہن لے۔ پھر نواب بھوپالی نے لکھا ہے کہ اس باب میں راجح یہ ہے کہ تعویذ لٹکانا خلاف اولیٰ ہے کیونکہ جس طرح تقویٰ کے کئی مراتب ہیں اسی طرح اخلاص کے بھی کئی مراتب ہیں۔ (یوں کہنا چاہیے کہ توکل کے بھی کئی مراتب ہیں' سعیدی غفرلہ) حدیث میں ہے: ستر ہزار مسلمان جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے' یہ وہ ہیں جو نہ خود دم کرتے ہوں گے' نہ دم طلب کرتے ہوں گے۔ حالانکہ دم کرنا جائز ہے اور اس سلسلہ میں بہت احادیث اور آثار ہیں (لیکن یہ توکل کا اعلیٰ مرتبہ ہے' اسی طرح تعویذ نہ لٹکانا بھی توکل کا اعلیٰ مرتبہ ہے' سعیدی غفرلہ) واللہ اعلم بالصواب' یہاں پر نواب بھوپالی کی عبارت ختم ہو گئی۔

(تحفۃ الاحوذی ج ۶ ص ۲۳۲-۲۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس بحث کے اخیر میں ہم حافظ ذہبی اور حافظ ابن قیم کے ذکر کیے ہوئے چند تعویذات کا بیان کر رہے ہیں۔

تعویذ لٹکانے کے جواز کے متعلق علامہ ذہبی کی تصریح اور خواب میں ڈرنے کا تعویذ

حافظ ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

تمائم (تعویذات) لٹکانے کے متعلق امام احمد نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ مکروہ ہے اور کہا جس نے کسی چیز کو لٹکایا وہ اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ حرب نے کہا میں نے امام احمد سے پوچھا جن تعاویذ میں قرآن مجید لکھا ہوا ہو یا اس کا غیر لکھا ہوا ہو آیا وہ مکروہ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضرت ابن مسعود اس کو مکروہ کہتے تھے، امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر سے روایت کیا ہے کہ وہ اس میں نرمی کرتے تھے اور شدت نہیں کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص خواب میں ڈر جائے تو وہ یہ پڑھے:

اعوذ بكلمات الله التامة من غضبه وعقابه وشر عباده ومن همزات الشيطن وان يحضرون۔	میں اللہ کے غضب سے اس کے عقاب سے اس کے بندوں کے شر سے اور شیطان کے وسوسوں اور ان کے حاضر ہونے سے اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

تو پھر شیاطین اس کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے اور حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے بالغ بچوں کو ان کلمات کی تعلیم دیتے تھے اور نابالغ بچوں کے گلے میں ایک کاغذ پر یہ کلمات لکھ کر لٹکا دیتے تھے، اس حدیث کو امام ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے اور امام النسائی نے اس حدیث کو عمل الیوم واللیلۃ میں روایت کیا ہے، اور اس کے مکروہ یا غیر مکروہ ہونے کا حکم اس وقت ہے جب کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ تعویذ بنفسہ نفع یا ضرر پہنچاتا ہے، یا اس میں ایسے کلمات ہوں جن کا معنی معلوم نہ ہو۔ (الطب النبوی ص ۲۸۱، دار احیاء العلوم، بیروت، ۱۴۰۶ھ)

تعویذ لٹکانے کے متعلق علامہ ابن قیم جوزی کی تصریحات اور بخار کا تعویذ

علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم جوزی المتوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

ابو عبداللہ کو یہ خبر پہنچی کہ مجھے بخار چڑھ گیا تو انہوں نے مجھے بخار کے لیے ایک کاغذ لکھ کر بھیجا جس میں یہ لکھا ہوا تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم، بسم الله وبالله، محمد رسول الله قلنا يا نار كوني بردا وسلاما على ابراهيم O وارادوا به كيدا فجعلنا هم الاخسرين (الانبیاء: ۶۹-۷۰) اللهم رب جبرائيل وميكائيل، واسرافيل، اشف صاحب هذا الكتاب بحولك وقوتك وجبروتك اله الحق امين۔

مروزی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ یونس بن حبان نے ابو جعفر محمد بن علی سے پوچھا کہ آیا میں تعویذ لٹکاؤں؟ انہوں نے کہا اگر وہ تعویذ اللہ کی کتاب سے ہو یا اللہ کے نبی کے کلام سے ہو تو اس کو لٹکا لو، اور حسب استطاعت اس سے شفا طلب کرو، میں نے کہا میں بخار کا تعویذ اس طرح لکھتا ہوں باسم الله وبالله و محمد رسول الله الخ، انہوں نے کہا درست ہے۔ امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس معاملہ میں نرمی کی ہے۔

حرب نے کہا امام احمد بن حنبل نے اس معاملہ میں سختی نہیں کی، امام احمد نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں بہت سختی کرتے تھے، اور ان سے ان تعویذات کے متعلق سوال کیا گیا جو مصائب نازل ہونے کے بعد لٹکائے جاتے ہیں تو انہوں نے کہا مجھے امید ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔

خلال نے کہا ہم سے عبداللہ بن (امام) احمد نے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے والد (امام احمد) کو مصائب نازل ہونے کے بعد ان لوگوں کے لیے تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا ہے جو ڈر جاتے تھے اور جن کو بخار چڑھ جاتا تھا۔ (زاد المعاد ج ۴ ص ۲۹۱، دار الفکر بیروت)

وضع حمل میں تنگی اور مشکل کے متعلق تعویذ

شیخ ابن قیم جوزی متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

خلال بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن (امام) احمد نے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے والد (امام احمد) کو اس عورت کے لیے تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا جس کو وضع حمل میں تنگی اور مشکل پیش آ رہی ہو' وہ یہ تعویذ سفید پیالے میں یا کسی صاف چیز پر لکھتے تھے' وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث لکھتے ہیں: لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم' الحمد للہ رب العلمین (کانھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار بلاغ) (الاحقاف: ۳۵) (کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحاھا) (النازعات: ۴۶)

خلال نے کہا کہ ہم سے ابوبکر المروزی نے بیان کیا کہ ابو عبداللہ (امام احمد) کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے ابو عبداللہ! کیا آپ اس عورت کے لیے تعویذ لکھ دیں گے جس کو دو روز سے وضع حمل میں مشکل پیش آ رہی ہے۔ فرمایا: اس سے کہو کہ وہ ایک بڑا پیالہ اور زعفران لے کر آئے اور میں نے دیکھا کہ وہ متعدد لوگوں کے لیے تعویذ لکھتے تھے۔

عکرمہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ صلی اللہ علی نبینا وعلیہ وسلم کا ایک گائے کے پاس سے گزر ہوا' اس کے پیٹ میں اس کا بچہ پھنسا ہوا تھا (وضع حمل میں مشکل ہو رہی تھی) اس گائے نے حضرت عیسیٰ سے کہا: اے کلمۃ اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے جس میں' میں مبتلا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: یا خالق النفس من النفس' ویا مخلص النفس من النفس ویا مخرج النفس من النفس خلصھا' تو اس گائے نے بچہ جن دیا' اور وہ کھڑی ہوئی اس بچے کو سونگھ رہی تھی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا پس جب کسی عورت کو وضع حمل میں دشواری ہو تو اس کو یہ کلمات لکھ دو۔ خلال نے کہا اسی طرح اس سے پہلے جن کلمات کا ذکر کیا گیا ہے ان کا لکھنا بھی فائدہ مند ہے۔

متقدمین کی ایک جماعت نے قرآن مجید کی آیات کو لکھنے اور ان کے غسالہ (دھوون) کو پینے کی بھی اجازت دی ہے' اور اس کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ شفا میں سے شمار کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ صاف برتن میں لکھا جائے۔ اذا السماء انشقت ○ واذنت لربھا وحقت ○ واذا الارض مدت ○ والقت ما فیھا وتخلت۔ (الانشقاق: ۴-۱) حاملہ عورت کو اس برتن سے پانی پلایا جائے اور اس پانی کو اس کے پیٹ پر چھڑکا جائے۔ (زاد المعاد ج ۴ ص ۲۹۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اسی طرح حافظ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

جب بعض کلام میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے اذن سے نفع دیتے ہیں تو تمہارا اللہ کے کلام کے متعلق کیا گمان ہے! اور امام احمد نے یہ تصریح کی ہے کہ جب قرآن مجید کو کسی چیز پر لکھا جائے پھر اس کو دھو کر اس کا غسالہ پی لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' اور ایک شخص کسی برتن میں قرآن مجید لکھے پھر اس کو دھو کر اس کا دھوون مریض کو پلا دے' اسی طرح کسی چیز پر قرآن مجید لکھ کر اس کو پی لے تو ان میں سے کسی چیز میں کوئی حرج نہیں ہے' اسی طرح پانی پر قرآن مجید پڑھ کر اسے مریض پر چھڑکا جائے' اور اسی طرح جب عورت کو وضع حمل میں دشواری ہو تو قرآن مجید لکھ کر اس کا دھوون اس حاملہ عورت کو پلا دیا جائے۔

حضرت ابن عباس سے یہ روایت ہے کہ جب کسی عورت کو وضع حمل میں دشواری ہو تو ایک صاف برتن لیکر اس میں یہ لکھا جائے' کانھم یوم یرون ما یوعدون ○ (الاحقاف: ۳۵) کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحھا ○ (النازعات: ۴۶) لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب ○ (یوسف: ۱۱۱) پھر اس کو دھو کر اس کا غسالہ عورت کو پلایا

جائے اور اس کا پانی عورت کے پیٹ پر چھڑکا جائے۔ (الطب النبوی ص ۲۷۹، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۰۶ھ)

نکسیر کے متعلق تعویذ

شیخ ابن قیم جوزی متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) اپنی پیشانی پر لکھتے تھے: وقیل یا ارض ابلعی ماءک ویاسماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر۔ (ھود: ۴۴) اور میں نے ابن تیمیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے میں نے متعدد لوگوں کو یہ آیت لکھ کر دی اور وہ تندرست ہو گئے اور انہوں نے کہا اس آیت کو نکسیر کی خون سے لکھنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ جہلاء کرتے ہیں کیونکہ خون نجس ہے پس اس سے اللہ کے کلام کو لکھنا جائز نہیں ہے۔ ان کا ایک اور تعویذ یہ ہے: یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب۔ (الرعد: ۳۹) (زاد المعاد ج ۴ ص ۳۹۲، مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۹ھ)

دل یا سینہ میں درد (انجائنا) کے لیے تعویذ

اس طرح لکھا جائے: فاصابہا اعصار فیہ نار فاحترقت (البقرۃ: ۲۶۶) بحول اللہ وقوتہ۔

دوسرا تعویذ اس وقت لکھا جائے جب سورج زرد ہو جائے، اس میں یہ لکھا جائے: یایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وامنوا برسولہ یؤتکم کفلین من رحمتہ ویجعل لکم نورا تمشون بہ ویغفر لکم واللہ غفور رحیم○ (الحدید: ۲۸)

میعادی بخار (ٹائیفائڈ) مثلاً تین دن کے بخار کے لیے تعویذ

تین باریک کاغذوں پر لکھا جائے: بسم اللہ فرت، بسم اللہ مرت، بسم اللہ قلت، اور ہر روز ایک کاغذ منہ میں رکھ کر نگل لے۔

عرق النساء کے لیے تعویذ

بسم اللہ الرحمن الرحیم: اللہم رب کل شیء وملیک کل شیء وخالق کل شیء انت خلقتنی وانت خلقت النساء فلاتسلطہ علی باذی ولاتسلطنی علیہ بقطع واشفنی شفاء لایغادر سقما ولا شافی الاانت۔

گٹھیا کے لیے تعویذ

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بخار اور ہر قسم کے درد کے لیے یہ پڑھنے کی تعلیم دیتے تھے: بسم اللہ الکبیر اعوذ باللہ العظیم من شر کل عرق نعار ومن شر حر النار۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۶)

ڈاڑھ کے درد کے لیے تعویذ

جس جگہ درد ہے اس کے بالمقابل رخسار پر لکھے: بسم اللہ الرحمن الرحیم قل ھو الذی انشاکم وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلا ما تشکرون۔ (الملک: ۲۳) اور اگر چاہے تو یہ لکھے: ولہ ما سکن فی اللیل والنھار وھو السمیع العلیم○ (الانعام: ۱۳)

پھوڑے، پھنسیوں اور آبلوں اور ہر قسم کی انفیکشن کے لیے تعویذ

اس کے لیے یہ لکھا جائے گا: ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفہا ربی نسفا فیذرھا قاعا

صفصفا لا ترى فيها عوجا ولا امتا- (الانعام: ۴۳)(زاد المعادج ۲ص ۲۹۲-۲۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

تعویذات اور دم کے جواز کے متعلق ہم نے یہاں پر مفسرین کی تصریحات اور مذاہب اربعہ کے فقہاء کی عبارات کو طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا ان کو ہم ان شاء اللہ بنواسرائیل: ۸۲ کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کا مصداق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہئے کہ یہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل کے سبب سے ہے سو اسی کی وجہ سے مسلمان خوشی منائیں- ہلال بن یساف، حسن بصری اور مجاہد وغیرہ نے کہا: اللہ کے فضل سے مراد اسلام ہے اور اس کی رحمت سے مراد قرآن ہے- (جامع البیان جز ۱۱ص ۱۴۳-۱۴۲)

اس آیت میں فبذلک سے دوبارہ اشارہ کیا ہے کہ خوشی منانے کا محرک اور باعث صرف اللہ کی رحمت اور اس کا فضل ہونا چاہیے یعنی انسان صرف اللہ کی رحمت اور اس کے فضل کی وجہ سے مسرور ہو نہ کہ اور کسی مادی سبب کی وجہ سے، کیونکہ مادی لذتیں فانی ہیں ان کے زوال کا خطرہ انسان کو لاحق رہتا ہے اور روحانی لذتیں جب انسان کو حاصل ہوں تو وہ ان پر اس حیثیت سے خوش نہ ہو کہ یہ روحانی لذتیں ہیں بلکہ اس حیثیت سے خوش ہو کہ یہ اللہ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اور اس حیثیت سے اس کا خوش ہونا بہت بڑا کمال اور بہت بڑی سعادت ہے- اس کے بعد فرمایا: اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے اس لیے خوش ہونا کہ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے اس دنیاوی مال و دولت سے بہت بہتر ہے جس کو کفار جمع کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی، آپ کی آمد اور آپ کی بعثت پر فرحت اور مسرت کا اظہار

اس آیت میں اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مراد لیا گیا ہے- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں: خطیب اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قل بفضل اللہ میں فضل اللہ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں- (الدر المنثور ج ۴ ص ۳۶۸، دار الفکر بیروت، روح المعانی ج ۷ ص ۲۰۵ دار الفکر، ۱۴۱۷ھ) اور ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وبرحمتہ میں رحمت سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین- (الانبیاء: ۱۰۷) (الدر المنثور ج ۴ ص ۳۶۷، روح المعانی ج ۷ ص ۲۰۵) علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے کہ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رحمت سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۰، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اس تفسیر کے مطابق اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی ولادت اور بعثت پر مسلمانوں کو خوشی منانا چاہیے اور اس کی اصل اس آیت میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ- (الرعد: ۳۶)

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور ان گروہوں میں بعض وہ ہیں جو اس کے بعض کا انکار کرتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول سے خوش ہوئے اور انہوں نے اس کی تصدیق

کی اور یہود اور نصاریٰ اس کا انکار کرتے ہیں۔ یہ قتادہ کا قول ہے۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۵۱۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یہ وہ اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور اس پر خوش ہوتے تھے، اور الاحزاب سے مراد یہود، نصاریٰ اور مجوس کے گروہ ہیں، ان میں سے بعض آپ پر ایمان لائے اور بعض نے انکار کیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۵۲۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی ولادت اور آپ کی بعثت پر فرحت اور مسرت کا اظہار کرنا مطلوب اور محمود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا۔ (ابراہیم: ۲۸) جن لوگوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے تبدیل کر دیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ لوگ کفار قریش ہیں اور عمرو نے کہا وہ قریش ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نعمت ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۷۷، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

اس صحیح حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی نعمت ہیں اور اللہ کی نعمت پر خوش ہونا اور فرحت اور مسرت کا اظہار کرنا مطلوب ہے۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ۔ (آل عمران: ۱۷۱) وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر خوشیاں مناتے ہیں۔

ان آیات، احادیث اور آثار سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فضل اور رحمت ہیں اور اللہ کے فضل اور رحمت پر خوشی منانے کا حکم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور مومنین اہل کتاب آپ کی وجہ سے فرحت اور مسرت کا اظہار کرتے تھے، اور آپ اللہ کی نعمت ہیں اور مومنین کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کی نعمت پر خوشی مناتے ہیں، سو جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اس دن آپ کی ولادت پر خوشی کرنا اور عید میلاد منانا اور جشن آمد رسول کا اظہار کرنا یہ ان آیات، احادیث اور آثار کے مطابق ہے، اس کی مزید تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ۳ ص ۱۹۰-۱۶۹ میں کر دی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نازل کیا پس تم نے اس میں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال قرار دے دیا، آپ کہئے کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا یا تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ رہے ہو○ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ رہے ہیں ان کا قیامت کے متعلق کیا گمان ہے؟ بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے○ (یونس: ۶۰-۵۹)

مشرکین کی خود ساختہ شریعت کی مذمت

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بہ کثرت دلائل قائم فرمائے تھے، ان کے سوالات کے جوابات دیئے اور ان کے شبہات کو زائل فرمایا، اس کے بعد ان کے خود ساختہ مذہب کا رد فرمایا کہ انہوں نے بعض چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اور بعض چیزوں کو حرام کہا ہے، حالانکہ ان کی بنائی ہوئی اس حلت اور حرمت پر عقل شاہد ہے نہ نقل۔

انہوں نے جن چیزوں کو حلال اور حرام کیا ہوا تھا اس کا ذکر ان آیتوں میں ہے:

وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○ (الانعام: ۱۳۹-۱۳۸)

اور انہوں نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں، اس کو وہی کھا سکتا ہے جس کو ان کے زعم کے مطابق ہم چاہیں، اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن کی پیٹھوں کو (سواری اور بوجھ کے لیے) حرام کیا گیا، اور کچھ مویشی ایسے ہیں جن پر وہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے، اللہ پر افتراء کرتے ہوئے، عنقریب اللہ ان کو ان کے افتراء کی سزا دے گا○ اور انہوں نے کہا ان مویشیوں کے پیٹ میں جو (بچہ) ہے وہ ہمارے مردوں کے ساتھ خاص ہے اور ہماری بیویوں پر وہ حرام ہے، اور اگر وہ (بچہ) مردہ ہو تو وہ (مرد اور عورتیں) سب اس میں شریک ہیں، عنقریب اللہ ان کو ان احکام گھڑنے کی سزا دے گا، بے شک وہ بڑی حکمت والا بہت علم والا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۔ (المائدہ: ۱۰۳)

اللہ نے کوئی بحیرہ مقرر نہیں کیا اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی لیکن کفار جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھتے ہیں اور ان کے اکثر لوگ عقل نہیں رکھتے۔

ابن المسیب نے کہا: بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنا بتوں کی وجہ سے روک دیا جائے اور کوئی شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا اور سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کو وہ بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور کوئی شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم میں عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے سائبہ کو بتوں کے لیے چھوڑا، اور وصیلہ وہ اونٹنی ہے جو مسلسل اونٹنیاں جنے اور درمیان میں نر پیدا نہ ہو، اور حامی وہ اونٹ ہے جو معین مرتبہ جفتی کرے، اس کو بھی بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر بوجھ نہیں لادا جاتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۲۳)

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ حلال اور حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے، اور کسی شخص کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے، اور جب کسی عالم یا مفتی سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ سستی اور لاپرواہی سے کام نہ لے، اور بغیر کسی شرعی دلیل کے از خود کسی چیز کو حلال یا حرام قرار نہ دے، ہمارے زمانہ میں یہ وبا بہت عام ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کے مدعی علماء سنن اور مستحبات کو اپنی طرف سے فرض اور واجب کہتے ہیں، اور مکروہات کو حرام کہتے ہیں۔ وہ اپنی رائے سے شریعت سازی کرتے ہیں اور انہیں کوئی خدا کا خوف نہیں ہوتا!

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ اللہ پر بہتان باندھ رہے ہیں ان کا قیامت کے متعلق کیا گمان ہے؟

یعنی یہ لوگ کیا سمجھتے ہیں کیا قیامت کے دن ان کو بغیر سزا کے چھوڑ دیا جائے گا اور یہ لوگ جو دنیا میں اللہ پر بہتان باندھتے رہے ہیں ان کو، کوئی سزا نہیں دی جائے گی!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۗ (الشوریٰ: ٢١)

کیا ان کے لیے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کے وہ احکام مقرر کر دیئے جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی، اور اگر (قیامت کے دن) فیصلہ کی بات نہ ہو چکی ہوتی تو ضرور ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔

پھر فرمایا: بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل عطا فرمائی اور اپنی رحمت سے ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک عظیم نبی بھیجا جس نے لوگوں کو حلال اور حرام کی تعلیم دی اور دین کے احکام بیان فرمائے اور ان کو اپنے فضل سے رزق عطا فرمایا اور ان کے لیے منافع کو مباح کر دیا لیکن چیزوں کے حلال اور حرام کرنے کا اختیار صرف اپنے پاس رکھا تاکہ لوگ احکام شرعیہ میں تصرف نہ کرنے لگیں جیسا کہ احبار اور رہبان تصرف کرتے تھے۔

تقشف اور بناوٹی زہد اللہ کی ناشکری ہے

پھر فرمایا: لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے، یعنی یہ لوگ اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کی ناقدری کرتے ہیں اور اس کے رسول کی پیروی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان میں سے بعض کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور بلاوجہ اپنے اوپر تنگی کرتے ہیں جیسے مشرکین نے بعض حلال جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور جیسے بعض عیسائیوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی اور اپنے اوپر دنیا کی نعمتوں کا دروازہ بند کر لیا، وہ تارک الدنیا ہو کر خانقاہوں میں گوشہ نشین ہو گئے، اسی طرح آج کل کے مسلمانوں نے دین میں بدعتیں نکالیں اور غاروں اور جنگلوں میں چلہ کشی اور نفس کشی شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی لذیذ اور عمدہ کھانے پینے کی چیزوں اور اچھے کپڑوں اور آرام اور آرائش کی دیگر چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور اس کو زہد اور فقر کا نام دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم نہیں دیا، اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے:

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ (الطلاق: ٧)

اور فراخ دست کو چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے خرچ میں میانہ روی کا حکم دیا ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان: ٦٧)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو بے جا خرچ نہیں کرتے اور نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ معتدل ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بلاوجہ تنگ دستی تقشف اور بدحالی کی زندگی گزارنے کو ناپسند فرمایا ہے:

ابوالاحوص اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس وقت میں نے معمولی اور گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا کس قسم کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا ہر قسم کا مال ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، گائے، بکریاں، گھوڑے اور غلام سب کچھ عطا فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: جب اللہ نے تمہیں مال دیا ہے تو تم پر اس کی نعمتوں اور کرامتوں کا اثر دکھائی دینا چاہیے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٠٦٣، سنن النسائی رقم الحدیث: ٥٢٣٩، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٠٠٦، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٢٢٦، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٥٤١٧، المستدرک ج ٤ ص ١٣٣، شرح السنہ رقم الحدیث: ٣١١٨، مسند احمد ج ٣ ص ٤٧٣)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے لیے تشریف لائے، آپ نے دیکھا ایک شخص کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود تھے۔ آپ نے فرمایا: کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے یہ اپنے بالوں کو درست کر لے اور ایک شخص کو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا: کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھولے!

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۳۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۲، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۵۷، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۳۵۱)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اس بات سے محبت کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دکھائی دے۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۸۱۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۳، المستدرک ج ۴ ص ۱۳۵، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۳۵۰)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے، کھانے پینے، لباس، مکان اور دیگر سامان آرائش اور زینت کو حسب حیثیت استعمال کرنا چاہیے، بے جا خرچ سے بچنا چاہیے، اور اپنے مال میں ناداروں کے حق کو فراموش نہیں کرنا چاہیے اور آرام اور آسائش کے دنوں میں اللہ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور ہر وقت ذکر و فکر اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ

(اے رسول اکرم!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور آپ اللہ کی طرف سے جو کچھ بھی قرآن سے تلاوت کرتے ہیں اور (اے

مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا

مسلمانو!) تم جو کام بھی کرتے ہو تو ہم (اس وقت) تم سب پر گواہ ہوتے ہیں جس وقت تم ان کاموں میں مشغول ہوتے ہو، اور آپ کے

يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ

رب سے ایک ذرہ کی مقدار بھی پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں

وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾ أَلَا إِنَّ

اور نہ اس ذرہ سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی چیز مگر وہ روشن کتاب میں درج ہے ○ سنو اللہ کے

أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا

ولیوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ جو ایمان لائے

وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ

اور (ہمیشہ) متقی رہے ○ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں (بھی) بشارت ہے اور آخرت میں بھی،

لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ

اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ ان کی باتوں سے آپ

قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾ أَلَا إِنَّ لِلّٰهِ

وقف لازم

رنجیدہ نہ ہوں، بے شک ہر قسم کا غلبہ اللہ ہی کے لیے ہے، وہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے ○ سنو! جو لوگ

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ

آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں سب اللہ ہی کے مملوک ہیں، یہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر (خود ساختہ) شریکوں کو

مِنْ دُونِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾

پکارتے ہیں یہ کس کی پیروی کر رہے ہیں؟ یہ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور یہ صرف غلط اندازے لگا رہے ہیں ○

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ

وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دکھانے والا دن بنایا، بے شک

فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا

اس میں (غور سے) سننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ○ انہوں نے کہا اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے

سُبْحٰنَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنْ

وہ (اس سے) پاک ہے، وہی بے نیاز ہے، آسمانوں اور زمینوں میں سب اسی کے مملوک ہیں، تمہارے

عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾

پاس اس (باطل قول) پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیا تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کو تم خود (بھی) نہیں جانتے ○

قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾

آپ کہیے بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ (کبھی) کامیاب نہیں ہوں گے ○

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ

(یہ) دنیا کا عارضی فائدہ ہے پھر ہماری ہی طرف انہوں نے لوٹنا ہے پھر ہم ان کے کفر کے کاموں کی بنا پر ان کو

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

سخت عذاب چکھائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسولِ اکرم!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور آپ اللہ کی طرف سے جو کچھ بھی قرآن سے تلاوت کرتے ہیں اور (اے مسلمانو!) تم جو کام بھی کرتے ہو تو ہم (اس وقت) تم سب پر گواہ ہوتے ہیں جس وقت تم ان کاموں میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب سے ایک ذرہ کی مقدار بھی پوشیدہ نہیں ہے' نہ زمین میں نہ آسمان میں' اور نہ اس ذرہ سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی چیز مگر وہ روشن کتاب میں درج ہے ○ (یونس: ۶۱)

مشکل الفاظ کے معانی اور آیات سابقہ سے مناسبت

وماتكون فی شان: شان کے معنی ہیں کام' حال' کسی امر مہم کو بھی شان کہتے ہیں۔ (النہایہ ج ۲ ص ۳۹۲)

اذ تفیضون فیه: جب تم کسی کام میں مشغول ہوتے ہو' کہا جاتا ہے' افضنا فی الحدیث: ہم باتوں میں لگ گئے۔

ومایعزب: نہیں دور ہوتا یا نہیں غائب ہوتا۔

من مثقال ذرة: چھوٹی چیونٹی کے برابر۔ (تفسیر غرائب القرآن للامام ابن قتیبہ ص ۱۷۱ مکتبہ الہلال بیروت ۱۴۱۱ھ)

اس سے پہلی آیات میں یہ فرمایا تھا کہ ان میں سے اکثر شکر ادا نہیں کرتے' اب اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بندوں کے تمام اعمال کو محیط ہے' خواہ وہ چھوٹا کام کریں یا بڑا کام کریں' یا وہ کسی کام کا ارادہ کریں اور اس کام کو نہ کریں' وہ ان کے دلوں کے احوال اور ظاہری افعال سب کو ہر حال میں اور ہر وقت میں جاننے والا ہے' اسے معلوم ہے کون اس کی اطاعت کرنے والا ہے اور کون اس کا شکر ادا کرنے والا ہے' کون گناہوں سے بچنے والا ہے اور کون گناہوں میں ڈوبنے والا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے' خواہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز ہو یا بڑی سے بڑی چیز ہو وہ سب لوح محفوظ میں مندرج ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کے لیے نوید ہے اور کفار کے لیے وعید ہے۔

زمین کے ذکر کو آسمان کے ذکر پر مقدم کرنے کی وجہ

اس آیت میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا اور اس کے بعد تمام مکلفین سے خطاب فرمایا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دو چیزوں کا ذکر فرمایا: آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: آپ جو بھی نیکی کا کام کرتے ہیں' حسن بصری نے کہا: آپ دنیا کا جو بھی کام کرتے ہیں یا اپنی حوائج اور ضروریات میں سے جس چیز میں بھی مشغول ہوتے ہیں یا آپ اللہ کی طرف سے قرآن مجید کی جس قدر بھی تلاوت کرتے ہیں' پھر تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا: تم لوگ جو کام بھی کرتے ہو ہم اس پر گواہ ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے اور ہر چیز کا عالم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا خالق ہے اور جو چیز بھی موجود ہے وہ اس کی ایجاد سے موجود ہے اور جو کسی چیز کا موجد ہوتا ہے وہ اس چیز کا عالم بھی ہوتا ہے' پس جب وہ تمام جہانوں کا موجد ہے تو پھر تمام جہانوں کا عالم بھی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کے رب سے ایک ذرہ کی مقدار بھی پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس ذرہ سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی چیز مگر وہ اس روشن کتاب میں درج ہے۔ اس آیت میں زمین کو آسمان پر مقدم کیا ہے اور اس مضمون کی ایک اور آیت میں آسمانوں کو زمینوں پر مقدم فرمایا ہے' ارشاد ہے:

عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي عالم الغیب کی قسم! اس سے ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز غائب

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (سبا: ۳)

نہیں ہے نہ آسمانوں میں نہ زمینوں میں اور نہ اس ذرہ سے کوئی چھوٹی چیز ہے نہ بڑی چیز مگر وہ روشن کتاب میں درج ہے۔

قرآن مجید میں بالعموم آسمانوں کا ذکر زمین پر مقدم ہی ہوتا ہے، لیکن اس آیت میں چونکہ پہلے زمین والوں کے احوال اور ان کے اعمال کا ذکر کیا گیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال پر گواہ ہے اس لیے اس آیت میں زمین کے ذکر کو آسمان کے ذکر پر مقدم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سنو اللہ کے ولیوں پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے ○ جو ایمان لائے اور (ہمیشہ) متقی رہے ○ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں (بھی) بشارت ہے اور آخرت میں بھی، اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○ (یونس: ۶۲-۶۴)

ولی کا لغوی معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ولایت کا معنی قرب ہے خواہ یہ قرب جگہ کے اعتبار سے ہو یا نسبت کے اعتبار سے یا دین کے اعتبار سے یا دوستی کے اعتبار سے یا اعتقاد کے اعتبار سے یا نصرت کے اعتبار سے۔ ولایت کا معنی کسی چیز کا انتظام کرنا بھی ہے، اور ولی بہ معنی فاعل بھی ہے یعنی منتظم اور متصرف اور مفعول کے معنی میں بھی ہے یعنی جو کسی کے زیر انتظام اور زیر تصرف ہو، مومن کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کا ولی ہے (جیسا کہ اس آیت میں ہے، یعنی وہ اللہ کی ذات کی معرفت اور اس کے جمال اور جلال کے نور میں مستغرق رہنے کی وجہ سے اس کے قریب اور مقرب ہو چکے ہیں، اور وہ اپنے قلب اور قالب میں اپنی خواہش سے تصرف نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء سے تصرف کرتے ہیں یا ان کے ہدایت پر قائم رہنے کا اللہ تعالیٰ متولی ہے، اور یا وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرنے کے لیے ہر وقت اپنے اعضاء میں متولی اور متصرف رہتے ہیں) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ مومنین کا ولی ہے، قرآن مجید میں ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (البقرہ: ۲۵۷)

(المفردات ج ۲ ص ۶۹۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے معنی میں لکھتے ہیں:

سنو! اللہ (کے دین) کے مددگاروں کو آخرت میں اللہ کے عذاب کا خوف نہیں ہوگا کیونکہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور اس نے ان کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھا اور نہ ان کو دنیا کے فوت ہو جانے کا کوئی غم ہوگا۔ اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولی کا معنی ہے نصیر یعنی مدد کرنے والا۔ (جامع البیان جز ۱۱ ص ۱۷۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ولی کا اصطلاحی معنی

علامہ مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

ولی وہ مومن کامل ہے جو عارف باللہ ہوتا ہے دائمی عبادت کرتا ہے، ہر قسم کے گناہوں سے مجتنب رہتا ہے، لذات اور شہوات میں انہماک سے گریز کرتا ہے۔ (شرح المقاصد ج ۵ ص ۷۲-۷۳، مطبوعہ منشورات الرضی ایران، ۱۴۰۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ولی سے مراد وہ شخص ہے جو عالم باللہ ہو اور اخلاص کے ساتھ دائمی عبادات کرتا ہو۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۴۲، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، ایضاً عمدۃ القاری جز ۲۳ ص ۸۹، مطبوعہ مصر)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

ولی کا لفظ فعیل کے وزن پر بہ معنی مفعول ہے یعنی وہ شخص جس کے کاموں کی اللہ حفاظت کرتا ہو اور ایک لحظہ کے لیے بھی اسے اس کے نفس کے سپرد نہ کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۔ (الاعراف: ۱۹۶) اللہ نیک لوگوں کی حفاظت کرتا ہے۔

اس معنی کے اعتبار سے ولی کو مراد (مطلوب) اور مجذوب سالک کہتے ہیں' اور یا یہ لفظ فاعل کے معنی میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی مسلسل حفاظت کرتا ہو اور اس کی زندگی میں کبھی گناہ شامل نہ ہو' اس معنی کے اعتبار سے ولی مرید (طالب) اور سالک مجذوب ہے' اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون افضل ہے' اور حقیقت میں ہر مراد مرید ہے' اور ہر مرید مراد ہے اور ان میں فرق ابتداء اور انتہاء کے اعتبار سے ہے۔

(مرقاۃ ج ۵ ص ۵۴' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے ولی کی تعریف میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) یہ وہ لوگ ہیں جو تقدیر پر راضی رہتے ہیں اور مصائب پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں۔

(۲) یہ وہ لوگ ہیں جن کے کام ہمیشہ حق کی موافقت میں ہوتے ہیں۔

(۳) یہ وہ لوگ ہیں جو محض اللہ کے لیے لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔

(النکت والعیون ج ۲ ص ۴۴۱-۴۴۰' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت)

ولی کے مصداق اور ان کے فضائل کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب یہ دکھائی دیں تو اللہ یاد آ جائے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۷۲۵' ج ۱۱ ص ۱۷۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بعض بندوں میں سے ایسے انسان ہیں جو نبی ہیں نہ شہید (لیکن) اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی ان کی تحسین کریں گے۔ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہمیں خبر دیں وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں سے محض اللہ کی وجہ سے محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ لوگ ان کے رشتہ دار ہوتے ہیں نہ ان کو ان سے کوئی مالی فائدہ حاصل ہوتا ہے' اللہ کی قسم ان کے چہرے منور ہوں گے' اور بے شک وہ نور پر فائز ہوں گے (بعض روایات میں ہے وہ نور کے منبر پر ہوں گے) اور جب لوگ خوف زدہ ہوں گے تو انہیں خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غم زدہ ہوں گے تو انہیں غم نہیں ہوگا' پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا: الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۲۸' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۶' طبع جدید' ج ۱ ص ۵ طبع قدیم' شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۹۹۸' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۱' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۰۱۲-۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۱۷۵' سنن الترمذی مختصراً رقم الحدیث: ۲۳۹۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی' میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں' جس چیز سے بھی بندہ میرا تقرب

حاصل کرتا ہے اس میں سب سے زیادہ محبوب مجھے وہ عبادت ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں' اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے' میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کرتا ہوں' اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں' اور میں جس کام کو بھی کرنے والا ہوں کسی کام میں اتنا تردد (اتنی تاخیر) نہیں کرتا جتنا تردد (جتنی تاخیر) میں مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں۔ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۲' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۹۵ طبع جدید' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۶' ج ۱۰ ص ۲۱۹' کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۴۹۱' صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۹۵' مشکوۃ رقم الحدیث: ۲۲۶۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۳۲۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور حافظ محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ عبدالواحد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سوچتا ہے اور میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۴۴' مطبوعہ لاہور' عمدۃ القاری جز ۲۳ ص ۹۰' مطبوعہ مصر)

اللہ اپنے محبوب بندے کے کان اور آنکھیں ہو جاتا ہے' اس کی توجیہ

اللہ تعالیٰ بندہ کے کان اور آنکھیں ہو جاتا ہے' اس کی کیا توجیہ ہے؟ عام طور پر شارحین اور علماء نے یہ کہا ہے کہ بندہ اپنے کانوں سے وہی سنتا ہے جس کے سننے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اپنی آنکھوں سے وہی دیکھتا ہے جس کے دیکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو بندہ کا سننا اللہ کا سننا اور بندہ کا دیکھنا اللہ کا دیکھنا ہوتا ہے' اس لیے فرمایا: میں اس کے کان ہو جاتا ہوں اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں' لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا محبوب نہیں بنے گا جب تک کہ اس کا سننا اس کا دیکھنا اس کا تصرف کرنا اور اس کا چلنا اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق نہ ہو اور جب اللہ اس کو اپنا محبوب بنا لے گا تو پھر اللہ اس کے کان ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہے کا معنی یہ نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کی بہترین توجیہ امام رازی نے کی ہے' وہ فرماتے ہیں:

بندہ جب عبادات پر دوام کرتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں اور اس کے کان ہو جاتا ہوں پس جب اللہ کا نور جلال اس کے کان ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور دور سے سن لیتا ہے اور جب اس کا نور جلال اس کی آنکھ ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور بعید کو دیکھ لیتا ہے اور جب اس کا نور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ مشکل اور آسان چیزوں پر اور قریب اور بعید کی چیزوں کے تصرف پر قادر ہو جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا ولی فرائض پر دوام اور نوافل پر پابندی کرنے سے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے' لیکن بندہ' بندہ ہی رہتا ہے خدا نہیں ہو جاتا جیسے آئینہ میں کسی چیز کا عکس ہو تو آئینہ وہ چیز نہیں بن جاتا اس کی صورت کا مظہر ہو جاتا ہے بلاتشبیہ تمثیل جب بندہ کامل کی اپنی صفات فنا ہو جاتی ہیں تو وہ اللہ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (القصص:۳۰)

پھر جب موسیٰ آگ کے پاس آئے تو انہیں میدان کے داہنے کنارے سے برکت والے مقام میں ایک درخت سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ بے شک میں ہی اللہ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار۔

دکھائی یہ دے رہا تھا کہ درخت کلام کر رہا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کلام کی اپنی طرف نسبت فرمائی، کیونکہ اللہ جل مجدہ نے اس درخت میں تجلی فرمائی تھی، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کیلئے وہ درخت واسطہ بن گیا تھا تو جس میں تجلی کی گئی تھی اس نے تجلی کرنے والے کا حکم لے لیا، اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ تجلی میں صرف صورت نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرورت کی وجہ سے آگ میں (یا درخت میں!) تجلی فرمائی تھی، اور جب تم نے تجلی کا معنی سمجھ لیا تو سنو جب درخت کیلئے یہ جائز ہے کہ اس میں یہ ندا کی جائے کہ بے شک میں اللہ ہوں، تو جو نوافل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے وہ اللہ کی سمع اور بصر کیوں نہیں ہو سکتا! وہ ابن آدم جو صورت رحمٰن پر پیدا کیا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت سے کم تو نہیں ہے (یعنی جب شجر موسیٰ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا مظہر ہو سکتا ہے تو سیدنا محمد ﷺ کی امت کا ولی جو اللہ کا محبوب ہو جائے وہ اللہ کی صفت سمع اور بصر کا مظہر کیوں نہیں ہو سکتا!) (فیض الباری ج ۴ ص ۴۲۹، مطبوعہ مجلس علمی ہند، ۱۳۵۷ھ)

اللہ تعالیٰ کے تردد کرنے کی توجیہ

اس حدیث کے آخر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں جس کام کو بھی کرنے والا ہوں کسی کام میں اتنا تردد (اتنی تاخیر) نہیں کرتا جتنا تردد (جتنی تاخیر) میں مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں۔ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کے رنجیدہ ہونے کو ناپسند کرتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کرتا جب تک کہ وہ اپنی موت پر راضی نہ ہو جائے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی صفت میں تردد جائز نہیں ہے اور نہ ہی بداء جائز ہے۔ (بداء کا معنی ہے اللہ کوئی کام کرے پھر اس کو اس کام میں کسی خرابی کا علم ہو تو وہ اس کام کو تبدیل کر دے، اس لیے ہم نے یہاں تردد کا معنی تاخیر کیا ہے) لہٰذا اس کی دو تاویلیں ہیں:

(۱) انسان اپنی زندگی میں کسی بیماری یا کسی آفت کی وجہ سے کئی مرتبہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے شفا کی اور اس مصیبت کو دور کرنے کی دعا کرتا ہے، تو اللہ عزوجل اس کو اس بیماری سے شفا عطا فرماتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور اس کا یہ فعل اس طرح ہوتا ہے جیسے ایک آدمی کو تردد ہوتا ہے، وہ پہلے ایک کام کرتا ہے پھر اسے اس کام میں کوئی خرابی نظر آتی ہے اور وہ اس کام کو ترک کر دیتا ہے لیکن بہرحال بندہ کے لیے موت سے چھٹکارا نہیں ہے، جب اس کی مدت حیات پوری ہو جاتی ہے تو اس پر لازماً موت آتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: دعا مصیبت کو ٹال دیتی ہے، اس کا بھی یہی معنی ہے۔[1]

---

[1] حضرت سلمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر کو صرف دعا بدل دیتی ہے، اور عمر صرف نیکی سے زیادہ ہوتی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۲۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر صرف خیر سے زیادہ ہوتی ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۹)

(۲) اس کی دوسری تاویل یہ ہے کہ میں جس کام کو کرنے والا ہوں میں اس کام کے متعلق اپنے رسولوں (فرشتوں) کو کسی صورت میں واپس نہیں کرتا جیسا کہ میں بندۂ مومن کی روح قبض کرنے کے معاملہ میں اپنے رسولوں (فرشتوں) کو واپس کر لیتا ہوں جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ملک الموت علیہما السلام کے واقعہ میں ہے اور حضرت موسیٰ نے تھپڑ مار کر ملک الموت کی آنکھ نکال دی تھی اور ملک الموت ایک بار واپس لوٹنے کے بعد دوبارہ ان کے پاس گیا تھا اور ان دونوں تاویلوں میں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ پر لطف و کرم اور اس پر اس کی شفقت کا اظہار ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ملک الموت کے واقعہ کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہما السلام کی طرف بھیجا گیا، جب ان کے پاس ملک الموت آیا تو حضرت موسیٰ نے ان کے تھپڑ مارا۔ (مسلم کی روایت میں ہے: پس ان کی آنکھ نکال دی) ملک الموت اپنے رب کے پاس لوٹ گئے اور کہا تو نے مجھے ایسے بندہ کی طرف بھیجا ہے جو مرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا: دوبارہ جاؤ اور ان سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھ دیں، آپ کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلہ میں آپ کی عمر میں ایک سال بڑھا دیا جائے گا۔ حضرت موسیٰ نے کہا: اے رب! پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر موت ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا: پھر اب ہی موت آ جائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو ارض مقدسہ کے اتنے قریب کر دے جتنے قریب ایک پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اس جگہ ہوتا تو تم کو حضرت موسیٰ کی قبر دکھاتا جو کثیب احمر (سرخ ریت کے ٹیلہ) کے پاس راستہ کے ایک جانب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۰۹، ۱۳۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۸۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۵، کتاب الاسماء والصفات ص ۴۹۳، ۴۹۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ولی کے فضائل کے متعلق مزید احادیث

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں گئے، وہاں دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ انہوں نے کہا تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ حضرت معاذ نے کہا میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور بے شک جس شخص نے بھی میرے ولی سے عداوت رکھی اس نے اللہ سے اعلان جنگ کر دیا، بے شک اللہ ان نیک متقی بندوں سے محبت کرتا ہے جو چھپے رہتے ہیں، اگر وہ غائب ہوں تو ان کو تلاش نہیں کیا جاتا، اور اگر وہ حاضر ہوں تو ان کو بلایا نہیں جاتا، نہ پہچانا جاتا ہے، ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر غبار آلود اندھیروں سے نکل آتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۹، المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۳۲۱، ص ۱۵۴، حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۳، طبع جدید، اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۲۶۴، ۲۶۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے ولی کو ایذاء پہنچائی، اس سے میری جنگ حلال ہو گئی۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۲، ص ۳۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۴۷۷)

حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میرے اولیاء میرے بندے اور میرے محبوب ہیں، یہ میری مخلوق میں سے وہ لوگ ہیں جو میرا ذکر کرتے ہیں اور میں ان کا ذکر

کرتا ہوں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۰، حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کتنے لوگ ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود ہوتے ہیں، وہ دو بوسیدہ چادریں پہنے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ وہ اگر اللہ پر (کسی کام کے کرنے کی) قسم کھائیں تو اللہ ان کی قسم سچی کردے گا ان میں سے براء بن مالک ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۴، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۹۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۵، المستدرک ج ۳ ص ۲۹۱، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۴۰۱، حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۹۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۹۷۵، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۷۵، مطبوعہ ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر فرماتا ہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم اس سے محبت کرو، پس اس سے جبرئیل محبت کرتا ہے، پھر وہ آسمان میں ندا کرتا ہے کہ اللہ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پس آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے، اور جب وہ کسی بندے سے بغض کرتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر فرماتا ہے میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں تم اس سے بغض رکھو۔ پھر جبرئیل اس سے بغض رکھتا ہے، پھر آسمان والوں میں ندا کرتا ہے اللہ فلاں سے بغض رکھتا ہے تم بھی اس سے بغض رکھو، تو آسمان والے اس سے بغض رکھتے ہیں پھر زمین میں اس کے لیے بغض رکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۷، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۸۵، مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۳۲۳، دارالحدیث قاہرہ، رقم الحدیث: ۷۶۱۴، عالم الکتب بیروت، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۷۷۰، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۰۰۵)

ابدال کے متعلق احادیث اور آثار اور ان کی فنی حیثیت

شریح بن عبید بیان کرتے ہیں کہ عراق میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل شام کا ذکر کیا گیا۔ لوگوں نے کہا اے امیر المومنین! ان پر لعنت کیجئے، آپ نے کہا نہیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابدال شام میں ہوں گے اور وہ چالیس مرد ہیں، جب بھی ان میں سے ایک شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے شخص کو اس کا بدل بنا دیتا ہے، ان کی وجہ سے بارش ہوتی ہے، ان کی وجہ سے دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے، ان کی وجہ سے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۲، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۹۶، طبع دارالحدیث قاہرہ، اس کے حاشیہ میں شیخ احمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ شریح بن عبید کے سوا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں اور شریح بھی ثقہ ہیں انہوں نے مقداد سے سماع کیا ہے، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۲۔ حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے کہ حضرت علی کی حدیث میں بھی ابدال کا ذکر وارد ہے، اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے اور اس حدیث کی اور بھی متعدد اسانید ہیں۔ اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۲۸۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ، علامہ علی بن محمد الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ نے لکھا ہے: حضرت علی کی حدیث کو امام احمد، امام طبرانی اور حاکم نے دس سے زیادہ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور بعض سندیں صحیح کی شرط پر ہیں، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ج ۲ ص ۳۰۷، شیخ شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے بھی حافظ سیوطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت علی کی حدیث حسن ہے، الفوائد المجموعۃ ص ۲۴۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ، امام شمس الدین سخاوی متوفی ۹۰۲ھ نے لکھا ہے: حضرت علی کی حدیث

کے رجال حدیث صحیح کے راوی ہیں سوا شریح کے اور وہ ثقہ ہے' امام الضیاء المقدسی نے کہا حضرت علی کی حدیث کو بغیر رفع کے روایت کیا ہے' حضرت علی نے فرمایا: اہل شام کے جم غفیر کو لعنت نہ کرو' کیونکہ اس میں ابدال ہیں' کیونکہ اس میں ابدال ہیں' کیونکہ اس میں ابدال ہیں' مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۲۴۹ رقم الحدیث: ۲۰۴۵۵ اسی سند کے ساتھ امام بیہقی نے اس کو دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے' اور ان کے علاوہ دیگر نے بھی روایت کیا ہے' بلکہ حاکم نے مستدرک میں حضرت علی کی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے' اس حدیث کی تقویت اور ائمہ کے درمیان اس کے مشہور ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے امام شافعی نے ایک شخص کے متعلق فرمایا: ہم اس کو ابدال میں سے شمار کرتے ہیں' اور امام بخاری نے ایک اور شخص کے متعلق فرمایا: اس کے ابدال میں سے ہونے کے متعلق کوئی شک نہیں کرتا' ان کے علاوہ نقاد' حفاظ اور ائمہ نے متعدد لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ ابدال میں سے ہیں' المقاصد الحسنہ ص ۳۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ' حدیث کی تقویت کے متعلق یہ تقریر علامہ سخاوی کے حوالے سے علامہ کنانی نے بھی نقل کی ہے' تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۳۰۷' علامہ العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ نے بھی حضرت علی کی اس حدیث کی صحت کے متعلق وہی تقریر کی ہے جو علامہ سخاوی نے لکھی ہے' کشف الخفاء و مزیل الالباس ج ۱ ص ۲۷ مطبوعہ مکتبہ الغزالی دمشق' علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے بھی لکھا ہے کہ شریح بن عبید کے سوا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں اور شریح بھی ثقہ ہے' اور لکھا ہے کہ امام طبرانی اور حاکم نے اس حدیث کو دس سے زیادہ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۶ مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ھ۔ شیخ احمد شاکر نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے' علامہ حمزہ احمد الزین نے مسند احمد رقم: ۸۹۶ مطبوعہ قاہرہ کے حاشیہ پر لکھا ہے یہ حدیث حسن ہے اور احمد شاکر کا اس کو ضعیف کہنا اس کے تعصب پر مبنی ہے)

شریح بھی ثقہ ہیں انہوں نے مقداد سے سماع کیا ہے' (مجمع الزوائد' ج ۱۰ ص ۶۲ مسند احمد رقم: ۸۹۶) کے حاشیہ پر حمزہ احمد الزین نے لکھا ہے کہ حافظ عراقی' الہیثمی اور زبیدی نے لکھا ہے کہ تمام احادیث ابدال حسن ہیں' احمد شاکر کا اس کو ضعیف کہنا تعصب کی بنا پر ہے۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں تیس ابدال ایسے ہیں جو خلیل الرحمن کی مثل ہیں' جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے شخص کو بدل بنا دیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۲ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۸۵۶ اس کے حاشیہ میں الزین نے کہا اس کی سند الہیثمی کے قول پر صحیح ہے' حافظ الہیثمی نے کہا عبدالواحد بن قیس کے سوا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں' العجلی اور ابوزرعہ نے اس کی توثیق کی ہے اور دیگر نے اس کی تضعیف کی ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۲)

حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت عبادہ بن الصامت سے حدیث روایت کی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۲۸۰) علامہ کتانی نے لکھا ہے کہ امام احمد نے حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث کو سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۳۰۷) علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۶)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ہمیشہ تیس ایسے شخص رہیں گے جن کی وجہ سے زمین قائم رہے گی' ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ قتادہ نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ حسن ان میں سے ہیں۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۶، حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے عمرو البزار از عنبسہ الخواص سے روایت کیا ہے اور ان دونوں کو میں پہچانتا ہوں اور اس کے بقیہ راوی صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۳ یہ حدیث الجامع الصغیر رقم: ۳۰۳۳ میں بھی ہے اور لایزال (ہمیشہ) کی جگہ الابدال کا لفظ ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین ہرگز چالیس ایسے آدمیوں سے خالی نہیں رہے گی جو خلیل الرحمن کی مثل ہیں، ان ہی کی وجہ سے تم پر بارش ہوتی ہے اور ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے، جب ان میں سے ایک شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرا بدل پیدا فرما دیتا ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۱۱۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۵، کنزالعمال رقم الحدیث: ۳۴۶۰۳، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مجمع ج ۱۰ ص ۶۳ علامہ زبیدی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۵)

امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کی مخلوق میں تین سو شخص ایسے ہیں جن کے دل حضرت آدم علیہ السلام کے دل کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں چالیس ایسے شخص ہیں جن کے دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سات ایسے شخص ہیں جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں پانچ ایسے شخص ہیں جن کے دل حضرت جبرئیل علیہ السلام کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تین ایسے شخص ہیں جن کے دل حضرت میکائیل علیہ السلام کے موافق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ایک ایسا شخص ہے جس کا دل حضرت اسرافیل علیہ السلام کے موافق ہے۔ جب ایک شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین میں سے اس کا بدل لے آتا ہے اور جب تین میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پانچ میں سے اس کا بدل لے آتا ہے اور جب پانچ میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سات میں سے اس کا بدل لے آتا ہے اور جب سات میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس میں سے اس کا بدل لے آتا ہے اور جب چالیس میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین سو میں سے اس کا بدل لے آتا ہے اور جب تین سو میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ عام لوگوں میں سے اس کا کوئی بدل لے آتا ہے، ان ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، بارش برساتا ہے اور فصل اگاتا ہے اور مصائب کو دور کرتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ان کی وجہ سے کیسے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو حضرت عبد اللہ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ امتوں میں کثرت ہو تو بہت لوگ پیدا ہوتے ہیں اور وہ ظالم اور جابر لوگوں کے خلاف دعا کرتے ہیں تو وہ ہلاک کر دیئے جاتے ہیں، وہ بارش کی دعا کرتے ہیں تو بارش ہوتی ہے، وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں تو زمین فصل اگاتی ہے، وہ دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بلاؤں اور مصائب کو ٹال دیتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۶، ج ۱ ص ۳۰، طبع جدید، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، کنزالعمال رقم الحدیث: ۳۴۵۹۱)

احادیث ابدال کا معناً متواتر ہونا

محدث ابن جوزی نے حضرت ابن مسعود کی اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں۔

(الموضوعات ج ۳ ص ۱۵۱)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ابدال کی احادیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ابدال کی حدیث صحیح ہے چہ جائیکہ اس سے کم ہو اور اگر تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ حدیث متواتر ہے، میں نے حدیث ابدال کے متعلق مستقل ایک رسالہ لکھا ہے جس میں، میں نے اس حدیث کو تمام سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عمر سے مروی ہے جس کو امام ابن عساکر نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور حضرت علی کی حدیث ہے جس کو امام احمد، امام طبرانی اور حاکم وغیرہم نے اس سے زیادہ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے (ہم اس حدیث کو بیان کر چکے ہیں) اس حدیث کی بعض سندیں حدیث صحیح کی شرط پر ہیں، اور حضرت انس کی حدیث ہے جو چھ سندوں سے مروی ہے، ان میں سے امام طبرانی کی معجم اوسط میں ہے اور اس کو حافظ الہیثمی نے حسن قرار دیا ہے (اس حدیث کو بھی ہم ذکر کر چکے ہیں) اور حضرت عبادہ بن الصامت کی حدیث ہے جس کو امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے (اس حدیث کو بھی ہم بیان کر چکے ہیں) اور حضرت ابن عباس کی حدیث ہے جس کو امام احمد نے کتاب الزھد میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر کی حدیث ہے جس کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں تین سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے (وہ حدیث یہ ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر صدی میں میری امت کے بہترین افراد پانچ سو ہوں گے اور ابدال چالیس ہوں گے، پانچ سو میں کمی ہوگی نہ چالیس میں، جب ان میں سے کوئی شخص فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پانچ سو میں سے بدل دے گا اور اس کی جگہ چالیس میں سے داخل کر دے گا صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں ان کے اعمال پر رہنمائی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: جو ان پر ظلم کرے گا وہ اس کو معاف کر دیں گے، اور بدی کا جواب نیکی سے دیں گے، اور اللہ نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس سے وہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کریں گے۔ (حلیۃ الاولیاء ج۱ ص۳۹ رقم الحدیث: ۱۵، اتحاف السادۃ المتقین ج۸ ص۳۸۶) یہ حدیث حلیہ میں بھی ہے اور حضرت ابن مسعود کی حدیث یہ المعجم الکبیر میں دو سندوں کے ساتھ ہے اور حلیہ میں ہے (اس حدیث کو ہم بیان کر چکے ہیں) اور حضرت عوف بن مالک کی حدیث اس کو امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے (وہ حدیث یہ ہے: ابدال اہل شام میں ہیں ان ہی کی وجہ سے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے اور ان ہی کی وجہ سے لوگوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ اتحاف السادۃ المتقین ج۸ ص۳۸۶) اور حضرت معاذ بن جبل کی حدیث اس کو دیلمی نے روایت کیا ہے (وہ حدیث یہ ہے: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ ان ابدال میں سے ہے جن کی وجہ سے دنیا قائم ہے، وہ تقدیر پر راضی رہتے ہیں، اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں پر صبر کرتے ہیں اور اللہ کی وجہ سے غضب ناک ہوتے ہیں۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۴۵۷، اتحاف السادۃ المتقین ج۸ ص۳۸۷) اور حضرت ابو سعید خدری کی حدیث جس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے: (وہ حدیث یہ ہے: میری امت کے ابدال جنت میں نماز اور روزے کی وجہ سے داخل نہیں ہوں گے بلکہ وہ جنت میں سخاوت، دلوں کی صفائی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔ اتحاف السادۃ المتقین ج۸ ص۳۸۵) اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث (زمین ایسے تیس آدمیوں سے ہرگز خالی نہیں ہوگی جو حضرت ابراہیم خلیل الرحمن کی مثل ہیں، ان ہی کی وجہ سے لوگ عافیت میں رہتے ہیں اور ان ہی کی وجہ سے ان کو رزق دیا جاتا ہے اور ان ہی کی وجہ سے ان پر بارش ہوتی ہے، اس حدیث کی سند حسن ہے، اتحاف السادۃ المتقین ج۸ ص۳۸۷) اور حضرت ام سلمہ کی حدیث جس کو امام احمد اور امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے (وہ حدیث یہ ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک خلیفہ کی موت کے وقت اختلاف ہوگا پھر ایک شخص (مہدی) اہل مدینہ سے نکل کر مکہ کی طرف بھاگتا ہوا جائے گا، پھر اہل مکہ اس کو زبردستی امام بنائیں گے اور رکن اور مقام کے درمیان اس سے بیعت کریں گے، اس کی طرف شام سے ایک

لشکر بھیجا جائے گا اس لشکر کو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام بیدا میں زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگ یہ واقعہ دیکھ لیں گے تو اس شخص کے پاس شام کے ابدال آئیں گے اور اہل عراق کی جماعتیں آئیں گی اور وہ سب اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ الحدیث، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۲۸۶) نیز ابدال کے متعلق حسن بصری، قتادہ، خالد بن معدان، ابن الزاہریہ، ابن شوذب اور عطاء وغیرہم تابعین اور تبع تابعین سے حد و شمار سے باہر آثار مروی ہیں اور اس کی مثل لامحالہ تواتر معنوی کو پہنچتی ہے جس سے ابدال کا وجود بداہتاً ثابت ہوتا ہے۔ (التعقبات علی الموضوعات، ج ۷، مطبوعہ المطبع العلوی لکھنؤ ہند، ۱۳۰۳ھ)

احادیث ابدال کی مزید توثیق

علامہ محمد بن محمد حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ ابدال کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں سے بعض صحیح ہیں اور بعض صحیح نہیں ہیں (یعنی حسن یا ضعیف ہیں) اور رہا قطب تو اس کے متعلق بعض آثار وارد ہیں اور رہا غوث تو صوفیاء کے نزدیک غوث کا جو وصف مشہور ہے وہ ثابت نہیں ہے، حافظ ابن حجر کی عبارت ختم ہوئی، اس سے ظاہر ہو گیا کہ ابن تیمیہ کا یہ زعم باطل ہے کہ ابدال کے متعلق کوئی حدیث صحیح ہے نہ ضعیف، اور یہ احادیث اگر بالفرض سب ضعیف بھی ہوں، تب بھی اگر حدیث ضعیف متعدد طرق اور متعدد صحابہ سے مروی ہو تو حدیث قوی ہو جاتی ہے، حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ زمین نے اپنے رب سے نبوت منقطع ہونے کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں عنقریب تمہاری پشت پر چالیس صدیق رکھوں گا جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہو گا تو اس کی جگہ ایک شخص بدل دیا جائے گا اسی وجہ سے اس کا نام ابدال ہے پس وہ زمین کی میخ ہیں ان ہی کی وجہ سے زمین قائم ہے اور ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۸۷، مطبوعہ مصر)

نجباء اور نقباء وغیرہ کی تعداد

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی المتوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

تاریخ بغداد میں الکتانی سے روایت ہے کہ نقباء تین سو ہیں، نجباء ستر ہیں، ابدال چالیس ہیں، اخیار سات ہیں اور عمد چار ہیں اور غوث ایک ہے، اگر ان کی دعا قبول ہو جائے تو فبہا ورنہ غوث دعا کرتا ہے اور وہ اس وقت تک سوال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ الاحیاء میں ہے کہ ہر روز غروب آفتاب سے پہلے ابدال میں سے ایک شخص بیت اللہ کا طواف کرتا ہے اور ہر رات اوتاد میں سے ایک بیت اللہ کا طواف کرتا ہے، میں نے ابدال سے متعلق احادیث کو ایک رسالہ میں جمع کیا ہے اور اس کا نام نظم اللآل فی الکلام علی الابدال رکھا ہے۔

(المقاصد الحسنہ ص ۳۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ولی کی صفات

قرآن مجید نے ولی کی تعریف میں فرمایا ہے: "جو ایمان لائے، اور (ہمیشہ) متقی رہے" ایمان سے یہاں مراد ہے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کی تصدیق کرنا، اس کا اقرار کرنا، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنا، اور ہمیشہ متقی رہنے سے مراد ہے کہ وہ تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے ہمیشہ مجتنب رہے اور مکروہ تنزیہی، خلاف سنت اور خلاف اولیٰ سے بچتا رہے، تمام فرائض اور واجبات پر دوام کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں پر پابندی سے عمل کرے، تمام سنتوں اور آداب پر عامل ہو اور نفلی عبادات کو دوام اور استمرار کے ساتھ ادا

کرے اور جب نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو تو اللہ تعالیٰ کی صفات جمال اور جلال میں ڈوبا ہوا ہو، کبھی خوف سے لرزہ براندام ہو اور گرد و پیش سے بیگانہ ہو اور کبھی شوق کی وارفتگی میں خود اپنا بھی ہوش نہ رہے، انہیں عام مسلمانوں کی بہ نسبت سب سے زیادہ اللہ عزوجل کی معرفت ہو اور ان کا دل نور معرفت سے اس طرح مستغرق ہو کہ جب وہ دیکھیں تو اللہ کی قدرت کے دلائل دیکھیں، اور جب وہ سنیں تو اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنیں اور ان کی حمد و ثنا سنیں اور جب وہ گفتگو کریں تو وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گفتگو کریں، ان کا عمل اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہو اور ان کا ہدف اور نصب العین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہو۔

وہ رات کے پچھلے پہر اٹھ کر اللہ کو یاد کرتے ہوں، قیامت کی ہولناکیوں اور دوزخ کے عذاب کو سامنے تصور کر کے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہوں اور آنسوؤں کے وضو سے خوف خدا میں ڈوب کر راتوں کو اٹھ کر نماز پڑھتے ہوں اور گڑگڑاتے ہوئے نالہ نیم شب میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوں، یہ مضمون قرآن مجید کی ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ○ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ إِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۔ (الفرقان: ۶۶-۶۴)

اور جو لوگ اپنے رب کے سجدے اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں ○ اور جو یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے، بے شک اس کا عذاب چمٹنے والی مصیبت ہے ○ بے شک وہ قیام اور سکونت کی بہت بری جگہ ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ إِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ○

(آل عمران: ۱۷-۱۶)

وہ متقی لوگ جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا ○ وہ صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، اطاعت کرنے والے، (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور رات کے آخری حصوں میں بخشش طلب کرنے والے ○

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ○ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○

(الذریات: ۱۸-۱۵)

بے شک متقی لوگ جنتوں اور چشموں میں ہوں گے! اپنے رب کی عطا فرمائی ہوئی نعمتیں لے رہے ہوں گے، بے شک وہ اس سے پہلے (دنیا میں) نیک عمل کرنے والے تھے ○ وہ رات کو کم سوتے تھے اور رات کے آخری حصوں میں بخشش طلب کرتے تھے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ (الزمر: ۲۳)

اللہ نے بہترین کلام نازل کیا، جس کی سب باتیں آپس میں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی ہوئی جس سے ان لوگوں کے جسموں پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید کو سننے اور اس کے احکام پر عمل کرنے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے باز رہنے میں ان کی یہ صفات ہیں:

اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ ۔ (الزمر: ۱۸)

جو بات کو غور سے سنتے ہیں پھر اس کی عمدہ طریقہ سے پیروی کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ۝ (النزعٰت: ۴۱-۴۰)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس (امارہ) کو اس کی خواہش سے روکا ۝ تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (الشورٰی: ۳۸-۳۷)

اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب وہ غضب ناک ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں ۝ اور جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم پر لبیک کہی اور نماز قائم رکھی اور ان کے معاملات باہمی مشوروں سے ہوتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے وہ اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں ۝

ہم نے ولی کی تعریف میں ذکر کیا ہے کہ ان کو بہت زیادہ خوفِ خدا ہوتا ہے اور وہ بہت زاہد اور متقی ہوتے ہیں، اب ہم خلفاء راشدین اور امام اعظم سے اس کی چند مثالیں پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زہد و تقویٰ اور خوفِ خدا

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو آپ کے لیے کما کر لاتا تھا۔ ایک رات وہ آپ کے لیے طعام لے کر آیا، آپ نے اس میں سے کچھ کھا لیا۔ غلام نے کہا کیا وجہ ہے کہ آپ ہر رات مجھ سے سوال کرتے تھے کہ یہ کہاں سے لائے ہو، آج آپ نے سوال نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: میں بھوک کی شدت کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا تم یہ کہاں سے لائے ہو۔ اس نے کہا میں زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا اور میں نے منتر پڑھ کر ان کا علاج کیا تھا، انہوں نے مجھ سے معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا، آج جب میرا وہاں سے گزر ہوا تو وہاں شادی تھی تو انہوں نے اس میں سے مجھے یہ طعام دیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: افسوس! تم نے مجھے ہلاک کر دیا۔ پھر حضرت ابوبکر اپنے حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے لگے، اور چونکہ خالی پیٹ میں وہ لقمہ کھایا گیا تھا، وہ نکل نہیں رہا تھا، ان سے کہا گیا کہ بغیر پانی پئے یہ لقمہ نہیں نکلے گا، پھر پانی کا پیالہ منگایا گیا، حضرت ابوبکر پانی پیتے رہے اور اس لقمہ کو نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان سے کہا گیا کہ اللہ آپ پر رحم کرے، آپ نے اس ایک لقمہ کی وجہ سے اتنی مشقت اٹھائی۔ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جسم کا جو حصہ مال حرام سے بنا ہے وہ دوزخ کا زیادہ مستحق ہے، پس مجھے یہ خوف ہوا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ اس لقمہ سے بن جائے گا۔

(صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۱۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۶۵، بیروت، ۱۴۱۸ھ، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۶، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۹۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۹۲۵۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نئی قمیص پہنی، وہ مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی اور میں اس کو دیکھ رہی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کیا دیکھ رہی ہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر نظر رحمت نہیں فرما رہا! پھر فرمایا:

کیا تم کو معلوم نہیں کہ جب بندہ دنیا کی زیب و زینت پر خوش ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس زینت کو چھوڑ دے۔ حضرت عائشہ نے کہا پھر میں نے اس قمیص کو اتار کر صدقہ کر دیا، تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہو سکتا ہے کہ اب یہ صدقہ تمہارا کفارہ ہو جائے۔

(حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۸۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی عبادت، زہد اور خوفِ خدا

حسن بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک زوجہ سے (ان کی وفات کے بعد) شادی کی اور ان سے کہا: میں نے مال اور اولاد کی رغبت کی وجہ سے تم سے شادی نہیں کی، میں نے تم سے صرف اس وجہ سے شادی کی ہے کہ تم مجھے بتاؤ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو نماز کس طرح پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا حضرت عمر عشاء کی نماز پڑھتے، پھر ہم سے فرماتے کہ میرے سرہانے پانی کا ایک برتن بھر کر رکھ دو، پھر رات کو بیدار ہوتے اور اس پانی سے وضو کرتے، پھر اللہ عزوجل کا ذکر کرتے رہتے حتیٰ کہ آپ کو اونگھ آجاتی پھر بیدار ہوتے حتیٰ کہ رات کی وہ ساعت آجاتی جس میں آپ قیام کرتے تھے۔ (کتاب الزہد للامام احمد ص ۱۴۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

عبداللہ بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے چہرے پر مسلسل رونے کی وجہ سے دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔ (کتاب الزہد لاحمد ص ۱۵۰، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۴۸)

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا میں نے حضرت عمر کو دیکھا وہ رمی جمار (شیطان کو کنکریاں مارنا) کر رہے تھے اور انہوں نے جو چادر پہنی ہوئی تھی اس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ (کتاب الزہد لاحمد ص ۱۵۱)

حسن بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت عمر خلیفہ تھے وہ لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے اور ان کے تہبند میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ (امام ابن جوزی نے چودہ پیوند کی روایت ذکر کی ہے) (کتاب الزہد لاحمد ص ۱۵۴، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۴۷)

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! اگر میں چاہوں تو سب سے زیادہ ملائم لباس پہنوں اور سب سے لذیذ کھانا کھاؤں اور سب سے اچھی زندگی گزاروں لیکن میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ان کے کاموں پر ملامت کی اور فرمایا:

اذهبتم طيبتكم في حياتكم الدنيا واستمتعتم بها۔	تم اپنی عمدہ لذیذ چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں لے چکے اور تم نے ان سے (خوب) فائدہ اٹھالیا۔

(حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۱۷، طبع جدید)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو تین صفوں تک ان کے رونے کی آواز پہنچتی تھی۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۴۴، طبع جدید)

داؤد بن علی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا: اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی ضائع ہو گئی تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے متعلق سوال کرے گا۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۴۱، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۴۸)

یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آسمان سے ایک منادی یہ ندا کرے کہ: اے لوگو! تم سب کے سب جنت میں داخل ہو جاؤ، سوا ایک شخص کے، تو مجھے ڈر ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا اور اگر منادی یہ ندا کرے کہ: اے لوگو! تم سب کے سب دوزخ میں داخل ہو جاؤ سوا ایک شخص کے تو مجھے امید ہے کہ وہ ایک

شخص میں ہوں گا۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر تاحیات لگاتار روزے رکھتے رہے۔

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر آدھی رات کے وقت نماز پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔

(صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۲۹)

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبداللہ بن عمر! ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ عمر بن الخطاب آپ کو سلام عرض کرتا ہے، اور ان سے یہ سوال کرو کہ میں اپنے صاحبوں (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر) کے ساتھ دفن کر دیا جاؤں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: میں اپنے لیے اس جگہ دفن ہونے کا ارادہ رکھتی تھی، لیکن آج میں عمر کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ جب حضرت ابن عمر واپس آئے تو حضرت عمر نے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا اے امیر المومنین! انہوں نے آپ کو اجازت دے دی۔ حضرت عمر نے کہا میرے نزدیک اس جگہ مدفون ہونے سے زیادہ اور کوئی اہم چیز نہیں تھی، جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے جنازہ کو ام المومنین کے پاس لے جانا، ان کو سلام عرض کرنا پھر کہنا عمر بن الخطاب آپ سے اجازت طلب کرتا ہے، اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے دفن کر دینا ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ پھر فرمایا میرے نزدیک اس خلافت کا ان مسلمانوں سے زیادہ کوئی اور مستحق نہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت راضی تھے، پس میرے بعد جس کو بھی خلیفہ بنا دیا جائے تم سب اس کے احکام کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا، پھر حضرت عمر نے یہ نام لیے: حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ اس وقت انصار کا ایک نوجوان آیا اور کہا اے امیر المومنین! آپ کو اللہ کی طرف سے خوشخبری ہو، آپ کو معلوم ہے کہ آپ اسلام لانے میں مقدم ہیں، پھر آپ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے عدل کیا، پھر ان تمام (خوبیوں) کے بعد آپ کو شہادت ملی۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! کاش کہ یہ سب برابر سرابر ہو جائے، مجھے عذاب ہو نہ ثواب ہو، الحدیث۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۳۹۲)

حضرت عبداللہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب کو دیکھا، انہوں نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: کاش! میں یہ تنکا ہوتا، کاش میں پیدا نہ کیا جاتا، کاش میری ماں مجھے نہ جنتی، کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا، کاش میں بھولا بسرا ہوتا۔

(صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۲۸)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عبادت، زہد اور خوفِ خدا

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن دنوں خلیفہ تھے وہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے اور ان کی پشت پر کنکریوں کے نشان تھے، اور یہ کہا جاتا تھا یہ امیر المومنین ہیں، یہ امیر المومنین ہیں۔

(کتاب الزھد لاحمد ص ۱۵۸، حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۷۹، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۳۷)

عبداللہ بن الرومی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رات کو اٹھتے اور وضو کے لیے پانی لیتے۔ ان کی اہلیہ نے کہا آپ خادموں کو کیوں نہیں کہتے وہ آپ کے لیے پانی لے آئیں گے۔ حضرت عثمان نے فرمایا: نہیں ان کو نیند میں آرام کرنے دو۔

(کتاب الزھد لاحمد ص ۱۵۸)

زہیمہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات کو قیام کرتے تھے اور رات کے اول حصہ میں صرف تھوڑی دیر سوتے تھے۔ (کتاب الزھد لاحمد ص ۱۶۱، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۳۶)

شرحبیل بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لوگوں کو امیروں والا کھانا کھلاتے تھے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو سرکہ اور زیتون کے تیل سے روٹی کھاتے تھے۔ (کتاب الزھد لاحمد، ص ۱۶۰ صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۱۳)

حضرت عثمان کے آزاد شدہ غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر اس قدر روتے ہیں، تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قبر آخرت کی منازل میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ جو اس منزل سے نجات پا گیا اس کے لیے اس کے بعد کی منازل زیادہ آسان ہیں اور اگر اس سے نجات نہیں ہوئی تو بعد کی منازل زیادہ دشوار ہیں۔ (کتاب الزھد لاحمد ص ۱۶۰ حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۸۶)

نافع بیان کرتے ہیں جس دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اس دن صبح کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے وہ خواب بیان کیا جو اس رات انہوں نے دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا میں نے گزشتہ رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عثمان! آج روزہ ہمارے پاس افطار کرنا، پھر حضرت عثمان نے اس دن روزہ رکھ لیا اور اس دن وہ شہید ہو گئے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۵۵)

کثیر بن الصلت الکندی بیان کرتے ہیں جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، اس دن وہ سو گئے اور وہ جمعہ کا دن تھا، جب وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے کہا: اگر تم یہ نہ کہو کہ عثمان تمنائیں اور آرزوئیں کر رہے ہیں تو میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں، ان کے اصحاب نے کہا اللہ آپ کی حفاظت کرے ہم لوگوں کی طرح باتیں بنانے والے نہیں ہیں۔ حضرت عثمان نے کہا: میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے فرمایا: تم اس جمعہ کو ہمارے پاس حاضر ہونے والے ہو۔ (الطبقات ج ۳ ص ۵۵)

حضرت عثمان کی زوجہ بنت الفرافصہ نے بیان کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اونگھ آ گئی، جب وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے کہا: یہ لوگ مجھے شہید کر دیں گے۔ میں نے کہا: ہرگز نہیں! اے امیر المومنین۔ حضرت عثمان نے کہا: میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی زیارت کی ہے، انہوں نے فرمایا: آج رات ہمارے پاس روزہ افطار کرنا۔ (الطبقات ج ۳ ص ۵۵)

زبیر بن عبد اللہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چھریوں سے وار کیے گئے تو انہوں نے کہا بسم اللہ توکلت علی اللہ، خون ان کی ڈاڑھی پر بہہ رہا تھا، قرآن مجید ان کے سامنے رکھا تھا، وہ قرآن مجید پڑھ رہے تھے اور خون قرآن مجید پر بہہ رہا تھا حتیٰ کہ خون اس آیت پر ٹھہر گیا: فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم (البقرہ: ۱۳۷) (الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۵۵۔ ۵۴، کتاب الزھد لاحمد ص ۱۵۹۔ ۱۵۸)

ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو ان کی اہلیہ نے کہا: تم نے ان کو شہید کر دیا، وہ ہر رات نماز میں قیام کرتے تھے اور ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۵۶، حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۶۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عبادت، زہد اور خوفِ خدا

جمیع بن عمر التیمی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون محبوب تھا؟ انہوں نے فرمایا: (سیدتنا) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) پوچھا

گیا اور مردوں میں؟ فرمایا: ان کے خاوند (حضرت علی رضی اللہ عنہ) بے شک جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والے اور بہت زیادہ راتوں کو قیام کرنے والے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۴، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸۵۷، المستدرک ج ۳ ص ۱۵۴)

مجمع بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال کا سارا مال تقسیم کرنے کا حکم دیتے، پھر اس میں جھاڑو دے کر اس کو دھو ڈالتے پھر اس میں نماز پڑھتے اور یہ امید رکھتے کہ قیامت کے دن یہ بیت المال گواہی دے گا کہ انہوں نے بیت المال کے مال کو مسلمانوں سے روکا نہیں۔ (کتاب الزھد لاحمد ص ۱۶۳، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۴۲)

حبہ بن جوین بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس فالودہ لایا گیا اور ان کے سامنے رکھا گیا تو حضرت علی نے فرمایا: تیری بہت اچھی خوشبو ہے اور بہت اچھا رنگ ہے اور بہت اچھا ذائقہ ہے لیکن مجھے یہ ناپسند ہے کہ مجھے تجھے کھانے کی عادت پڑ جائے۔ (کتاب الزھد لاحمد ص ۱۶۵)

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت علی کی شہادت کے بعد خطبہ دیا کہ تمہارے پاس سے ایک امین شخص چلا گیا پہلوں میں اس جیسا کوئی امین تھا اور نہ بعد میں کوئی ان جیسا ہوگا۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جہاد کے لیے بھیجتے تھے اور ان کو جھنڈا عطا فرماتے اور وہ ہمیشہ فتح و کامرانی کے ساتھ لوٹتے تھے۔ انہوں نے اپنے ترکہ میں کوئی سونا، چاندی نہیں چھوڑا سوا سات سو درہم کے جو انہوں نے مستحقین میں تقسیم کرنے کے لیے رکھے ہوئے تھے اور ان کے اہل کے لیے کوئی خادم نہیں تھا۔ (کتاب الزھد لاحمد ص ۱۶۶)

یزید بن محجن بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، آپ نے اپنی تلوار منگا کر اس کو میان سے نکالا پھر فرمایا: اس تلوار کو کون خریدے گا؟ بخدا! اگر میرے پاس لباس کو خریدنے کے لیے پیسے ہوتے تو میں اس کو نہ فروخت کرتا۔ (کتاب الزھد لاحمد ص ۱۶۴، حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۲۵۸، الریاض النضرۃ ج ۳ ص ۲۲۰)

ہارون بن عنترہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علی بن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ ایک چادر میں کپکپا رہے تھے۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! اللہ نے آپ کے لیے اور آپ کے اہل کے لیے بھی اس بیت المال میں حصہ رکھا ہے، اور آپ نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہے! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہارے مال میں سے کچھ کم نہیں کرنا چاہتا، میرے پاس صرف میری یہ چادر ہے جو میں مدینہ سے لایا تھا۔ (صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۴۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک روایت پر علامہ قرطبی کا تبصرہ

ابو جعفر احمد المشہور بالمحب الطبری المتوفی ۶۹۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔ (الدھر: ۸)

اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر (قیدی) کو کھانا کھلاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کی کچھ مقدار کے عوض ایک رات صبح تک ایک باغ میں پانی دیا۔ صبح کو انہوں نے جو وصول کیے اور گھر جا کر ان میں سے تہائی جو کو پیسا تاکہ اس سے کھانا کھائیں، جب حریرہ پک گیا تو ایک مسکین نے آ کر سوال کیا، انہوں نے وہ کھانا اس کو کھلا دیا۔ پھر دوسرے تہائی جو کا کھانا تیار کیا تو ایک یتیم نے آ کر سوال کیا تو انہوں نے وہ کھانا اس کو کھلا دیا، پھر آخری تہائی حصہ کے جو سے کھانا تیار کیا تو ایک قیدی نے آ کر سوال کیا اور خود تمام اہل و عیال سمیت بھوکے رہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (بعض روایات میں ہے یہ معاملہ تین

دن تک ہوتا رہا اور حضرت علی اور ان کے اہل و عیال تین دن تک بھوکے رہے، علامہ قرطبی نے اسی طرح یہ روایت بیان کی ہے۔ (ریاض النضرۃ ج ٣ ص ٢٠٩-٢٠٨، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں اس روایت کو بالعموم بیان کیا جاتا ہے لیکن علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ھ نے اس روایت کو رد کر دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

حکیم ترمذی نے کہا ہے کہ کسی جاہل نے اس روایت کو گھڑ لیا ہے، حالانکہ یہ روایت احادیث متواترہ کے خلاف ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو انسان اپنی خوش حالی اور تونگری کے وقت دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٤٢٦) نیز آپ نے فرمایا: پہلے اپنے نفس سے ابتدا کرو، (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٧٦١) اور آپ نے فرمایا: اپنے اہل و عیال کو کھلاؤ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٤٢٦، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٣٤) اور اللہ تعالیٰ نے شوہروں پر ان کی بیویوں اور ان کے بچوں کو کھانا کھلانا فرض کر دیا ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (البقرہ: ٢٣٣) اور جس کا بچہ ہے اس پر ان (دودھ پلانے والی ماؤں) کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق دینا فرض ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے گناہ کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اس کو ضائع کر دے جس کو وہ روزی دیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٦٩٢، سنن النسائی رقم الحدیث: ٢٥٣٣، مسند احمد رقم الحدیث: ٦٥٠٥، دار الفکر، مسند احمد رقم الحدیث: ٦٤٩٥، دار الحدیث قاہرہ و عالم الکتب، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ٢٠٨١٠، مسند حمیدی رقم الحدیث: ٥٩٩، المستدرک ج ا ص ٤١٥، اس حدیث کی سند صحیح ہے، احمد شاکر)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس کی روزی اس پر لازم ہے وہ اس کی روزی ضائع کر دے۔ کیا کوئی عاقل یہ گمان کر سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حکم سے غافل تھے، حتیٰ کہ وہ اور ان کے اہل و عیال تین دن تک بھوکے رہے، اگر مان لیا جائے کہ انہوں نے اپنے نفس پر یہ ایثار کیا تھا تو تین دن تک اپنی اہلیہ کو بھوکا رکھنے کا کیا جواز تھا؟ اور اگر اہلیہ کا بھی ایثار مان لیا جائے تو تین دن تک پانچ اور چھ سال کے کمسن بچوں کو بھوکا رکھنے کا کیا جواز تھا اور اگر ایک دن کی روایت مان لی جائے تو جن کی روزی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لازم تھی ان کو بھی ایک دن بھوکا رکھنا حضرت علی ایسے کامل متقی سے کب متصور ہو سکتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١٩ ص ١٢٠-١١٩، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ)

امام اعظم کے اخلاق، زہد و تقویٰ، عبادت اور خوفِ خدا

امام ابن بزاز کردری متوفی ٨٢٧ھ لکھتے ہیں:

امام زعفرانی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسف سے کہا کہ امام ابو حنیفہ کے اوصاف بیان کیجئے۔ فرمایا: امام اعظم محارم سے شدید اجتناب کرتے تھے۔ بلا علم، دین میں کوئی بات کہنے سے سخت ڈرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے، اہلِ دنیا کے منہ پر کبھی ان کی تعریف نہیں کرتے تھے۔ اکثر خاموش رہتے اور مسائلِ دینیہ میں غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ اتنے عظیم علم کے باوجود بے حد سادہ اور منکسر المزاج تھے۔ جب ان سے کوئی سوال پوچھا جاتا تو کتاب و سُنّت کی طرف رجوع کرتے اور اگر اس کی نظیر قرآن و حدیث میں نہ ملتی تو پھر قیاس کرتے۔ نہ کسی شخص سے طمع کرتے اور نہ بھلائی کے سوا کبھی کسی کا تذکرہ کرتے۔ ہارون الرشید یہ سنتے ہی کہنے لگا: صالحین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں، پھر اس نے

کاتب کو ان اوصاف کے لکھنے کا حکم دیا اور اپنے بیٹے سے کہا: ان اوصاف کو یاد کر لو۔ (مناقب کردری ج ا ص ۲۲۶)

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام اعظم اگر کسی کو کچھ عطا فرماتے اور وہ اس پر ان کا ممنون ہوتا تو آپ کو بے حد افسوس ہوتا۔ فرماتے: شکر کا مستحق تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کا دیا ہوا مال میں نے تم تک پہنچایا ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ امام اعظم بیس سال تک میری اور میرے اہل و عیال کی کفالت فرماتے رہے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ میں نے آپ جیسا فیاض کوئی شخص نہیں دیکھا۔ فرمایا: تم نے حماد کو نہیں دیکھا ورنہ ایسا کبھی نہ کہتے۔

شفیق بیان کرتے ہیں کہ میں امام اعظم کے ساتھ بازار جا رہا تھا' راستہ میں ایک شخص آپ کو دیکھ کر چھپ گیا۔ آپ نے اس کو بلا کر چھپنے کی وجہ پوچھی۔ اس نے بتایا کہ میں نے آپ کے دس ہزار درہم دینے ہیں' کافی عرصہ گزر چکا لیکن میں تنگ دستی کی وجہ سے نہیں دے سکا اس لیے شرم کی وجہ سے آپ کو دیکھ کر چھپ گیا تھا۔ اس کی اس گفتگو کو سن کر آپ پر بڑا گہرا اثر ہوا اور فرمایا: جاؤ میں خدا کو گواہ کر کے تمہارا سارا قرضہ معاف کرتا ہوں۔ (الخیرات الحسان ص ۹۵)

امام رازی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام اعظم کسی جگہ جا رہے تھے۔ راستہ میں کیچڑ تھی۔ ایک جگہ آپ کے پیر کی ٹھوکر سے کیچڑ اڑ کر کسی شخص کے مکان کی دیوار سے جا لگی۔ آپ پریشان ہو گئے کہ اگر کیچڑ اکھاڑ کر دیوار صاف کی جائے تو دیوار کی مٹی بھی اتر آئے گی اور اگر یونہی چھوڑ دیا جائے تو ایک شخص کی دیوار خراب ہوتی ہے۔ اس پریشانی میں تھے کہ صاحب خانہ باہر آیا' اتفاق سے وہ شخص یہودی تھا اور آپ کا مقروض تھا۔ آپ کو دیکھ کر سمجھا کہ قرض مانگنے آئے ہیں۔ پریشان ہو کر عذر پیش کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: قرض کو چھوڑو میں تو اس خلجان میں ہوں کہ تمہاری دیوار کو صاف کیسے کروں۔ کیچڑ کھرچوں تو خطرہ ہے دیوار سے کچھ مٹی بھی اتر آئے گی اور اگر یونہی رہنے دوں تو تمہاری دیوار گندی ہوتی ہے۔ یہ بات سن کر یہودی بے ساختہ کہنے لگا: حضور دیوار کو بعد میں صاف کیجئے گا پہلے کلمہ پڑھا کر میرا دل پاک کر دیں۔

امام اعظم عبادت و ریاضت میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ ان کی عبادت و ریاضت کا جو حال غیر حنفی علماء نے بیان کیا ہے وہ عادت سے اس قدر بعید اور اتنا حیرت انگیز ہے کہ آج کی عیش کوش اور تن آسان دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ حنفی شافعی بلکہ ملت اسلامیہ کے علماء کے درمیان یہ بات بے حد استفاضہ سے زیادہ معروف ہے کہ امام ابو حنیفہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے لیکن زمانہ قریب کے مشہور مورخ جناب شبلی صاحب نے اس واقعہ سے سراسر انکار اور اس کو عقل کے خلاف قرار دیا ہے۔ دراصل گمراہی کی سب سے پہلی بنیاد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل و فراست اور اپنے اخلاق و کردار کے میزان سے صالحین امت کے کارناموں کو تولنا شروع کر دیں۔ غور کیجئے امام بخاری کو تین لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔ کیا آج کی دنیا کے لوگوں کی قوت حافظہ کو سامنے رکھ کر یہ باور کرنا ممکن ہے۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ امام شمس الدین سرخسی نے تیس ضخیم مجلدات پر مشتمل "مبسوط" جیسی عظیم کتاب بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے زبانی املا کرائی در صرف "مبسوط" ہی نہیں' امام سرخسی نے "مبسوط" جیسی کئی ضخیم کتابیں قید خانہ میں بغیر مطالعہ کے زبانی املاء کرائیں۔ کیا آج کے لوگوں کی قوت علمیہ کو سامنے رکھ کر یہ باور کرنا ممکن ہے کہ کوئی شخص محض حافظہ کی بنیاد پر اتنا عظیم کام کر سکتا ہے' جس طرح سلف صالحین کا یہ گروہ اپنی قوت علمیہ کے اعتبار سے ہم سے آگے تھا اس طرح یہ نفوس قدسیہ اپنی قوت عملیہ کے لحاظ سے بھی ہمارے وہم و گمان سے بہت بلند تھے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی شب بیداری کا سبب یہ تھا کہ ایک بار ایک شخص نے آپ کو دیکھ کر کہا: یہ وہ شخص ہیں جو عبادت میں پوری رات جاگ کر گزارتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے یہ سنا تو فرمانے لگے: ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہیے۔ اس وقت سے آپ نے رات کو جاگ کر عبادت کرنی شروع کی یہاں تک کہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے اور چالیس سال تک لگاتار اس معمول پر قائم رہے۔ (الخیرات الحسان ص ۸۲)

فضل بن دکیل کہتے ہیں کہ میں نے تابعین میں امام ابو حنیفہ کی طرح کسی شخص کو شدتِ خشوع سے نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ دعا مانگتے وقت خوفِ خداوندی سے آپ کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور کثرتِ عبادت کی وجہ سے آپ کا بدن کسی سال خوردہ مشک کی طرح مرجھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ایک بار آپ نے رات کو نماز میں قرآن کریم کی آیتِ مبارکہ بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامر کی تلاوت کی پھر اس کی قرأت سے آپ پر ایسا کیف طاری ہوا کہ بار بار اس آیت کو دہراتے رہے یہاں تک کہ موذن نے صبح کی اذان کہہ دی۔ (الخیرات الحسان ص ۸۳)

افعالِ خارقہ (خلافِ عادت کاموں) کی اقسام اور کرامت کی تعریف

دراصل اللہ کا ولی وہی شخص ہوتا ہے جو کامل مسلمان ہو۔ وہ خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار ہو اور ہر قسم کے گناہوں کی آلودگی سے اس کا دامن پاک ہو خواہ اس سے کسی کرامت کا ظہور ہوا ہو یا نہیں، تاہم بعض اوقات اولیاء اللہ سے کرامتوں کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہم کرامت کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں، پہلے ہم خرقِ عادت کاموں کی اقسام بیان کریں گے جس کے ضمن میں کرامت کی تعریف آجائے گی پھر ہم کرامت کے ثبوت میں قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ سے دلائل پیش کریں گے، فنقول وباللہ التوفیق۔

خلافِ عادت کاموں کی حسبِ ذیل اقسام ہیں:

(۱) ارہاص: اعلانِ نبوت سے پہلے نبی سے جو خلافِ عادت امور صادر ہوں، جیسے یہ حدیث ہے: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو اعلانِ نبوت سے پہلے مجھ پر سلام عرض کرتا تھا میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۷)

(۲) معجزہ: اعلانِ نبوت کے بعد نبی سے جو خلافِ عادت امور صادر ہوں اور وہ اس کے دعویٰ نبوت کے موید ہوں جیسے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کے کلام کو اس چیلنج کے ساتھ پیش کرنا کہ کوئی شخص اس کلام کی نظیر نہیں لا سکتا اور اس کے علاوہ آپ کے بکثرت معجزات ہیں۔

(۳) کرامت: وہ کامل مسلمان جو کسی نبی کی شریعت کا متبع اور مبلغ ہو اس سے ایسے خلافِ عادت امور ظاہر ہوں جن سے اس کے مرتبہ اور مقام کا علم ہو اور وہ امور اس کے نبی کے موید ہوں وہ از خود مدعی نبوت نہ ہو۔

(۴) معونت: کسی عام مسلمان سے کسی خلافِ عادت کام کا ظہور ہو۔

(۵) استدراج: کافر سے کسی خلافِ عادت کام کا ظہور ہو۔

(۶) اہانت: جھوٹے نبی سے خلافِ عادت کام کا ظہور ہو اور وہ اس کے دعویٰ کا مکذب ہو جیسے مسیلمہ کذاب سے کسی کانے نے کہا: آپ نبی ہیں تو دعا کریں میری کانی آنکھ ٹھیک ہو جائے۔ اس نے دعا کی تو اس کی دوسری آنکھ کی بینائی بھی جاتی رہی۔ اسی طرح اس نے ایک کنوئیں میں تھوکا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس کا پانی میٹھا ہو جائے گا تو اس کا پانی کڑوا ہو گیا، یا جیسے غلام احمد قادیانی نے دعویٰ کیا کہ محمدی بیگم سے اس کا نکاح ہو جائے گا لیکن اس کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا، پھر اس نے دوبارہ

دعویٰ کیا کہ شادی کے اڑھائی سال بعد مرزا سلطان محمد مر جائے گا اور محمدی بیگم اس کے نکاح میں آجائے گی لیکن خود مرزا غلام احمد مر گیا اور اس کی موت کے بعد دیر تک مرزا سلطان محمد زندہ رہا'۹ اسی طرح مرزا قادیانی نے پیش گوئی کی کہ عیسائی پادری آتھم ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کو مر جائے گا' لیکن وہ زندہ رہا اور عیسائیوں نے بڑی شان و شوکت سے اس کا جلوس نکالا' مرزا قادیانی نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا اس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کو مخاطب کر کے لکھا: اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ آپ کہتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون' ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہو سکیں تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ لیکن خدا کا کرنا یہ ہوا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی زندگی میں مرزا غلام احمد قادیانی ہیضہ میں مبتلا ہو کر مر گیا اور وہ اس کے بعد دیر تک زندہ رہے اور مرزا قادیانی کی تمام پیش گوئیاں اُلٹ گئیں اور اس کے دعویٰ کی مکذب ہوئیں اور اسی کو اہانت کہتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی کرامات کے ثبوت میں قرآنِ مجید کی آیات

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات: ۱۳) بے شک تم میں سب سے زیادہ صاحبِ کرامت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صاحبِ کرامت کا اطلاق اس شخص پر ہو گا جو متقی ہو' اور اصطلاح میں جو کرامت کا معنی ہے یعنی جس متقی شخص سے کسی خلافِ عادت فعل کا ظہور ہو اس کے ثبوت میں حسبِ ذیل آیات ہیں:

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ (النمل: ۴۰) جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا: میں اس تخت کو آپ کے پاس پلک جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں تو جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے۔

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ تخت دو ماہ کی مسافت پر واقع تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ایک ولی نے اسے پلک جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر کر دیا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے: جمہور کے نزدیک اس شخص کا نام آصف بن برخیا تھا۔

حافظ اسمٰعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

مجاہد' سعید بن جبیر' محمد بن اسحٰق' زہیر بن محمد وغیرہم نے کہا ہے کہ وہ تخت یمن میں تھا اور حضرت سلیمان شام میں تھے۔ جب آصف بن برخیا نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ بلقیس کے تخت کو لے آئے تو وہ تخت زمین کے اندر سے گھسا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے نکل آیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شیخ اکبر قدس سرہ نے کہا ہے کہ آصف نے عین عرش (تخت) میں تصرف کیا' اس نے عرش کو اس کی جگہ پر معدوم کر دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے موجود کر دیا اور آصف کا قول ہی ان کا فعل تھا کیونکہ کامل کا قول اللہ تعالیٰ کے کن فرمانے کے حکم میں ہے۔ شیخ اکبر نے جو ذکر کیا ہے وہ میرے نزدیک جائز ہے البتہ یہ ظاہر آیت کے خلاف ہے اور اس آیت

سے اولیاء اللہ کی کرامات کے ثبوت پر استدلال کیا گیا ہے۔ (روح المعانی ج ۱۱ ص ۳۰۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

سوال سلیمان کا بطور امتحان اور اظہار عجز جنات کے ہوگا (الی قولہ) کہ آپ کو معلوم ہو کہ اس صحابی سے یہ کرامت صادر ہوگی اور سوال کرنا جنات کو سنانا اور دکھلانا ہو کہ جو قوت میرے مستفیدین میں ہے وہ تم میں بھی نہیں۔

(بیان القرآن ج ۲ ص ۷۴۷، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

راجح یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمان کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سماویہ کا عالم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھا، اس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں۔ آپ کسی طرف دیکھیے قبل اس کے آپ ادھر سے نگاہ ہٹائیں تخت آپ کے سامنے رکھا ہوگا۔ (حضرت سلیمان نے فرمایا: یہ میرے رب کا فضل ہے) اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا، اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لیے حضرت سلیمان پر بھی اس کی شکر گزاری عائد ہوئی۔

(حاشیہ عثمانی بر ترجمہ محمود حسن ص ۵۰۶، مطبوعہ باہتمام مملکۃ السعودیہ)

اولیاء اللہ کی کرامت کے ثبوت میں دوسری آیت یہ ہے:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (آل عمران: ۳۷)

جب بھی زکریا اس کے پاس اس کی عبادت کے حجرے میں داخل ہوتے تو اس کے پاس تازہ رزق (موجود) پاتے، انہوں نے کہا: اے مریم! تمہارے پاس یہ (رزق) کہاں سے آیا؟ مریم نے کہا: یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آیا ہے، بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

حافظ اسمٰعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابوالشعثاء، ابراہیم نخعی، ضحاک، قتادہ اور ربیع بن انس وغیرہم نے کہا ہے کہ حضرت زکریا حضرت مریم کے پاس گرمیوں کے پھل سردیوں میں دیکھتے تھے اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں دیکھتے تھے اور اس میں اولیاء اللہ کی کرامت پر دلیل ہے اور سنت میں اس کی بہت نظائر ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۷، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

یہ اولیاء اللہ کی کرامت کے جواز پر دلیل ہے۔ (فتح البیان ج ۲ ص ۲۲۶، مطبوعہ المکتبۃ العصریہ، ۱۴۱۵ھ)

اس سلسلہ میں یہ آیات ہیں:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ○ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ○ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى

کیا آپ نے سمجھا کہ اصحاب کہف (غار والے) اور کتبے والے، ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے ○ جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو کہا: اے ہمارے رب! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہماری کامیابی کے

اَذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۔(الکھف: ۱۲-۹)

اسباب مہیا فرما دے ۝ پھر ہم نے انہیں غار میں کئی سال تک گہری نیند سلا دیا ۝ پھر ہم نے انہیں (نیند سے) اٹھایا تاکہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ غار میں ان کے ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے ۝

ظاہر قرآن اور حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق اصحاب کہف سات نوجوان تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے دقیانوس بادشاہ کے زمانہ میں تھے۔ دقیانوس لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا' ان نوجوانوں کی فطرت سلیمہ تھی' ان کا عقیدہ تھا کہ عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہیے۔ یہ بادشاہ کے ظلم سے ڈر کر ایک غار میں چلے گئے وہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی اور یہ تین سو' یا تین سو نو سال تک سوتے رہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو نیند سے اٹھا دیا۔ یہ صبح کے وقت سوئے تھے اٹھے تو دن ڈھل رہا تھا' یہ سمجھے کہ یہ دن کا کچھ وقت سوئے ہیں۔ ان میں کا ایک جوان شہر میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں لینے گیا۔ وہاں جا کر پتا چلا کہ ان کو تو کئی صدیاں گزر چکی ہیں' ان کا سکہ دیکھ کر لوگ بہت حیران ہوئے کہ یہ کس بادشاہ کا سکہ ہے' بالآخر معلوم ہوا کہ یہ وہی جوان ہیں جو کسی زمانہ میں غائب ہو گئے تھے' اس زمانہ میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے میں بہت اختلاف ہوتا تھا' ان کے واقعات سے حیات بعد الموت پر دلیل قائم ہو گئی۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب صوفیہ نے اس آیت سے کرامات کے قول کی صحت پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال بالکل ظاہر ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اولیاء اللہ کی کرامات کے ثبوت میں احادیث صحیحہ اور کرامت کے اختیاری ہونے پر علماء کی تصریحات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص سفر پر جا رہے تھے۔ راستہ میں انہیں بارش نے آلیا' انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی۔ اس غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک بہت بڑا پتھر ٹوٹ کر گر پڑا اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ تب انہوں نے ایک دوسرے سے کہا سوچو تم نے اللہ کے لیے کوئی نیک عمل کیا ہو تو اس کے وسیلہ سے دعا کرو' شاید اللہ تمہاری نجات کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ ان میں سے ایک نے یہ دعا کی: اے اللہ! میرے دو بوڑھے ماں باپ تھے اور میری بیوی تھی اور ایک چھوٹی بچی تھی' میں ان سب کی خورد و نوش کا انتظام کرتا تھا۔ جب میں شام کو گھر آتا تو اپنے بچوں سے پہلے اپنے ماں باپ کو دودھ پلاتا' ایک دن مجھے دیر ہو گئی' میں شام سے پہلے نہ پہنچ سکا' میرے ماں باپ سو چکے تھے' میں حسب معمول دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا رہا اور میں نے ان کو نیند سے بیدار کرنا ناپسند کیا' اور میں نے یہ بھی ناپسند کیا کہ میں اپنی بچی کو ان سے پہلے دودھ پلا دوں' بچی میرے قدموں میں بھوک سے روتی رہی اور میں صبح تک اسی طرح کھڑا رہا۔ اے اللہ! تجھے خوب معلوم ہے کہ میرا یہ عمل محض تیری رضا کے لیے تھا' سو تو ہمارے لیے کچھ کشادگی کر دے تاکہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ تب اللہ نے کشادگی کر دی (وہ پتھر کچھ سرک گیا) اور انہوں نے اس کشادگی سے آسمان کو دیکھ لیا اور دوسرے نے دعا کی: اے اللہ! میری ایک عم زاد بہن تھی جس سے میں بہت محبت کرتا تھا' جیسا کہ مرد عورتوں سے محبت کرتے ہیں' میں اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا سوال کرتا تھا' اس نے کہا پہلے سو دینار لاؤ' میں نے محنت مشقت کر کے سو دینار جمع کیے اور وہ دینار اس کو دے دیئے' جب میں اس سے اپنی خواہش پوری کرنے لگا تو اس نے کہا اے اللہ کے بندے! اللہ سے

ڈر، اور ناحق مہر کو نہ توڑ، پس میں اس سے الگ ہو گیا، (اے اللہ!) تجھے خوب علم ہے کہ میرا یہ عمل تیری رضا جوئی کے لیے تھا، تو ہمارے لیے کچھ کشادگی کر دے! تو ان کے لیے کشادگی کر دی، اور تیسرے نے دعا کی: اے اللہ! میں نے چاولوں کے ایک ٹوکرے کے عوض ایک مزدور طلب کیا، جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا تو اس نے کہا مجھے میرا حق دو، میں نے اس کو وہ ٹوکرا دیا، اس نے اس سے اعراض کیا، میں نے ان چاولوں سے کاشت کرنی شروع کر دی اور اس کی آمدنی سے میں نے بہت سی گائیں اور چرواہے جمع کر لیے۔ ایک دن وہ آیا اور اس نے کہا اللہ سے ڈر اور مجھے میرا حق دے، میں نے کہا یہ گائیں اور چرواہے لے جاؤ، اس نے کہا اللہ سے ڈرو اور مجھ سے مذاق نہ کرو۔ میں نے کہا میں تم سے مذاق نہیں کر رہا، یہ گائیں اور چرواہے لے جاؤ، وہ ان کو لے گیا۔ (اے اللہ!) تجھے خوب معلوم ہے کہ میں نے یہ عمل صرف تیری رضا جوئی کے لیے کیا تھا سو تو یہ باقی رکاوٹ بھی دور کر دے تو اللہ تعالیٰ نے بقیہ کشادگی بھی کر دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۳)

اس حدیث میں اولیاء اللہ کی کرامت کا ثبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی دعا قبول فرمائی اور بغیر کسی ظاہری سبب کے غار کے منہ سے پتھر ہٹا دیا اور ان کے لیے خرق عادت کا ظہور ہوا، نیز اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی دعا قبول فرماتا ہے، اور یہ کہ نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کرنی چاہیے اور جب نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا قبول ہوتی ہے تو نیک ذوات کے وسیلہ سے بھی دعا قبول ہو گی اور سب سے زیادہ نیک ذات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے تو آپ کے وسیلہ سے بھی دعا کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہے، اس حدیث میں ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے، ان کی خدمت کرنے اور ان کو اپنے بچوں پر ترجیح دینے کی فضیلت ہے اور محض اللہ کے لیے قدرت کے باوجود گناہ کو ترک کر دینا اور پاک دامنی کو اختیار کرنے کی فضیلت ہے اور مزدور کی اجرت کو اچھی طرح سے ادا کرنا اور امانت کی حفاظت کرنے پر ترغیب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف تین (نوزائیدہ بچوں) نے پالنے میں کلام کیا ہے، حضرت عیسیٰ بن مریم، جریج کا صاحب (اور ایک اور بچہ) جریج ایک عبادت گزار شخص تھا، اس نے ایک عبادت گاہ بنائی، وہ اس میں عبادت کرتا تھا۔ اس کی ماں اس کے پاس اس وقت آئی جس وقت وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا: اے جریج! اس نے (دل میں) کہا اے میرے رب! (ایک طرف) میری ماں ہے اور (ایک طرف) میری نماز ہے! پھر وہ نماز پڑھتا رہا، اس کی ماں لوٹ گئی۔ دوسرے دن وہ پھر اس وقت آئی جب وہ نماز پڑھ رہا تھا، اس نے کہا اے جریج! اس نے (دل میں) کہا اے میرے رب! (ایک طرف) میری ماں ہے! اور (ایک طرف) میری نماز ہے اور پھر وہ نماز پڑھتا رہا، اس کی ماں لوٹ گئی۔ تیسرے دن وہ پھر اس وقت آئی جب وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے آواز دی اے جریج! اس نے (دل میں) کہا اے میرے رب! (ایک طرف) میری ماں ہے اور (ایک طرف) میری نماز ہے، اور وہ نماز پڑھتا رہا۔ اس کی ماں لوٹ گئی اور اس نے یہ بد دعا دی! اے اللہ اس کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک اس کا سابقہ بدکار عورتوں سے نہ پڑ جائے اور بنو اسرائیل میں جریج اور اس کی عبادت کا بہت چرچا تھا، اور ایک بدکار عورت تھی اس کے حسن و جمال کا بھی بہت ذکر کیا جاتا تھا، اس نے کہا اگر تم چاہو تو میں اس کو گناہ میں ملوث کر دوں، وہ اس کے پاس گئی اور اس کو بدکاری پر اکسایا۔ جریج نے اس کی طرف بالکل توجہ نہیں کی، ایک چرواہا اس عبادت گاہ میں رہتا تھا اس عورت نے اس سے خواہش پوری کر لی اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی۔ جب بچہ پیدا ہو گیا تو اس نے کہا یہ جریج سے ہوا ہے۔ لوگ جریج کے پاس گئے، اس کو عبادت گاہ سے نکالا اور مارنا شروع کر دیا اور اس کی عبادت گاہ کو منہدم کر دیا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا تم مجھے کیوں مار رہے ہو؟ انہوں نے کہا تم نے اس بدکار عورت سے زنا کیا

ہے اور اس سے تمہارا بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ جریج نے کہا وہ بچہ کہاں ہے؟ وہ اس بچہ کو لے کر آئے' اس نے کہا: اچھا مجھے نماز پڑھنے کی مہلت دو۔ اس نے نماز پڑھی' نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ اس بچہ کے پاس گیا اور اس کے پیٹ میں انگلی چبھوئی اور کہا: اے بچے! تیرا باپ کون ہے؟ بچہ نے کہا: فلاں چرواہا! تب لوگ جریج کی طرف بڑھے' اس کو تعظیم سے چوم رہے تھے اور اس کو مس کر رہے تھے اور کہنے لگے: ہم آپ کے لیے سونے کی عبادت گاہ بنا دیتے ہیں۔ جریج نے کہا: نہیں' اس کو اسی طرح مٹی کی بنا دو جس طرح وہ تھی۔ سو انہوں نے ویسی ہی بنا دی۔

اور پچھلی امتوں میں ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں دودھ پی رہا تھا' وہاں سے ایک قوی سواری پر خوب صورت پوشاک پہنے ایک سوار گزرا۔ اس کی ماں نے کہا: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس کی مثل بنا دے! اس بچے نے دودھ چھوڑ کر اس آدمی کی طرف دیکھا اور کہا: اے اللہ! مجھے اس کی مثل نہ بنانا' اور پھر دودھ پینا شروع کر دیا۔ پھر ان کا گزر ایک باندی کے پاس سے ہوا جس کو لوگ مار رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے اور تو نے چوری کی ہے۔ اس کی ماں نے کہا: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس کی مثل نہ بنانا' اس بچے نے دودھ چھوڑ کر اس باندی کی طرف دیکھا اور کہا: اے اللہ! مجھے اس کی مثل بنا دینا۔ اس کی ماں نے کہا: تیرا سر مونڈا جائے' ایک آدمی خوب صورت پوشاک پہنے اچھی سواری پر گزرا تو میں نے دعا کی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس کی مثل بنا تو تُو نے کہا: اے اللہ! مجھے اس کی مثل نہ بنانا' اور جس باندی کو لوگ مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تُو نے زنا کیا ہے' تُو نے چوری کی ہے اور میں نے دعا کی کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو اس کی مثل نہ بنانا تو تُو نے کہا: اے اللہ! مجھے اس کی مثل بنانا۔ اس بچے نے کہا: وہ آدمی ایک ظالم شخص تھا' تو میں نے دعا کی: اے اللہ! مجھے اس کی مثل نہ بنانا اور وہ باندی جس کے متعلق لوگ کہہ رہے تھے کہ تُو نے زنا کیا ہے' تُو نے چوری کی ہے' اس نے زنا کیا تھا نہ چوری کی تھی اس لیے میں نے کہا: مجھے اس کی مثل بنانا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۳۶' ۲۴۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۰' مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۷' دار الفکر طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۵۷' طبع جدید' دار الحدیث قاہرہ' عالم الکتب بیروت' جامع المسانید ج ۷ ص ۱۸۴)

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب جریج نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے ماں کے بلانے پر نہیں جا سکا تو ماں نے اس کو بددعا کیوں دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جریج پر لازم تھا وہ جلدی سے نماز ختم کر کے ماں کے بلانے پر ماں کے پاس چلا جاتا' لیکن وہ نماز ختم کرنے کے بعد بھی ماں کے پاس نہیں گیا حتیٰ کہ وہ دوسرے دن پھر بلانے گئی اور وہ دوسرے دن بھی نہیں گیا حتیٰ کہ وہ تیسرے دن پھر بلانے گئی اور جب اس کی طرف سے کوئی مثبت رد عمل ظاہر نہیں ہوا تو پھر تنگ آ کر ماں نے بددعا دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور جریج ایک بدکار عورت کے فتنہ میں مبتلا ہو گیا۔ یہ اس کی ماں کی کرامت ہے اور اس میں جریج کی بھی کرامت ہے کیونکہ اس کے کہنے سے ایک نوزائیدہ بچے نے باتیں کیں۔ جریج کی یہ نماز نفل تھی لیکن ان کی شریعت میں نفلی نماز میں بھی ماں کے بلانے پر نماز توڑنا جائز نہ تھا' ہماری شریعت میں ماں کے بلانے پر نفل نماز کو توڑنا جائز ہے' اور باپ کے بلانے پر نفل نماز توڑنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۸۳-۲۸۲) اور فرض نماز کو کسی کے بلانے پر توڑنا جائز نہیں ہے' الآیہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں۔

اس حدیث کی شرح میں قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

حدیث جریج سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنی نشانی ظاہر فرما کر ظالموں کے ہاتھوں سے چھڑا لیتا ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کی طلب اور ان کے اختیار سے کرامت واقع ہوتی ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۱۲' مطبوعہ دار الوفا بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی اور علامہ بدر الدین عینی نے بھی لکھا ہے کہ بعض اوقات اولیاء اللہ کی طلب اور ان کے اختیار سے کرامات واقع ہوتی ہیں۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۱۴، مطبوعہ کراچی، عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۸۳، مطبوعہ مصر) علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات ان کی طلب اور ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں۔

(ارشاد الساری ج ۵ ص ۴۱۳، مصر)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے:

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جریج کا یقین بہت قوی تھا اور اس کی اُمید صحیح تھی، کیونکہ اس نے نوزائیدہ بچہ سے بولنے کے لیے کہا حالانکہ عادت یہ ہے کہ نوزائیدہ بچے کلام نہیں کرتے، اور اگر جریج کی اُمید صحیح نہ ہوتی تو وہ بچہ سے کلام کرنے کے لیے نہ کہتا، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اولیاء اللہ مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی نجات کی سبیل پیدا کر دیتا ہے اور بعض اوقات ان کی نجات کا معاملہ موخر کر دیا جاتا ہے، اس میں ان کی تہذیب کی جاتی ہے اور ان کے لیے زیادہ ثواب رکھا جاتا ہے اور اس حدیث میں اولیاء کی کرامات کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت ہے کہ کرامت ان کی طلب اور ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۳، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس جاسوس بھیجے اور حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا۔ جس وقت وہ عسفان اور مکہ کے درمیان ایک مقام پر پہنچے تو ہذیل کے ایک قبیلہ بنو لحیان میں ان کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے سو تیر اندازوں کا ایک دستہ ان کے تعاقب میں روانہ کیا، وہ ان کے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے ہوئے گئے، حتیٰ کہ جس منزل میں ٹھہر کر انہوں نے کھجوریں کھائیں تھیں وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا: یہ یثرب کی کھجوریں ہیں، پھر وہ ان نشانات پر چل پڑے حتیٰ کہ حضرت عاصم اور ان کے اصحاب کو ان کے آنے کا پتا چل گیا، ان کافروں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور مسلمانوں سے کہا: تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے۔ حضرت عاصم بن ثابت نے کہا: میں کسی کافر کے وعدہ پر ہتھیار نہیں ڈالوں گا، پھر دعا کی: اے اللہ! ہمارے حال سے ہمارے نبی کو مطلع فرما دے۔ کافروں نے تیر مارنے شروع کیے اور حضرت عاصم کو شہید کر دیا اور تین صحابہ ان کی امان کے وعدہ پر ان کے پاس آ گئے۔ ان میں حضرت خبیب، حضرت زید بن دثنہ اور ایک اور صحابی تھے۔ جب کافروں نے ان کو باندھنا شروع کر دیا تو تیسرے صحابی نے کہا: یہ پہلی عہد شکنی ہے، اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میرے لیے ان شہداء میں نمونہ ہے۔ (حضرت عاصم کے ساتھ جو بقیہ سات شہید ہو گئے تھے) انہوں نے ان کو گھسیٹ کر لے جانا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ کو لے گئے حتیٰ کہ ان کو جنگِ بدر کے بعد بیچ دیا۔ بنو الحارث بن عامر بن نوفل نے حضرت خبیب کو خرید لیا۔ حضرت خبیب نے حارث بن عامر کو جنگِ بدر میں قتل کر دیا تھا، حضرت خبیب ان کے ہاں کئی دن قید رہے حتیٰ کہ ان لوگوں نے حضرت خبیب کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت خبیب نے حارث کی بعض بیٹیوں سے اُسترا مانگا تاکہ اس سے مُوئے زیرِ ناف صاف کریں، اس کا بچہ ان کے پاس چلا گیا۔ اور وہ اس سے غافل تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہ بچہ حضرت خبیب کی ران پر بیٹھا ہے اور اُسترا ان کے ہاتھ میں ہے، وہ بہت ڈری۔ حضرت خبیب اس کے ڈر کو جان گئے، انہوں نے کہا: کیا تم کو یہ ڈر ہے کہ میں اس کو قتل کر دوں گا؟ میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے خبیب سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! میں نے ایک دن دیکھا ان کے ہاتھ میں انگوروں کا ایک خوشہ تھا جس سے وہ کھا رہے تھے، اور وہ زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور ان دنوں مکہ میں کوئی پھل نہیں تھا۔ وہ یہ کہتی

تھی کہ یہ وہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے خبیب کو دیا تھا' جب وہ لوگ حضرت خبیب کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لے گئے تو ان سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو۔ انہوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت خبیب نے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم یہ گمان نہ کرتے کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں تو میں نماز میں زیادہ دیر لگاتا' پھر دعا کی: اے اللہ! ان سب کو قتل کر دے اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑ' پھر انہوں نے دو شعر پڑھے' ان کا ترجمہ یہ ہے:

''جب میں حالتِ اسلام میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کیا پروا ہو سکتی ہے' میں جس پہلو پر گروں میرا گرنا اللہ ہی کے لیے ہو گا' اور یہ مرنا اللہ کی رضا کے لیے ہے اور مجھے اپنے اعضاء کے کٹنے کا غم نہیں اگر اللہ چاہے گا تو ان کٹے ہوئے اعضاء کو مبارک کر دے گا۔'' پھر ابو سروعہ عقبہ بن الحارث نے کھڑے ہو کر ان کو قتل کر دیا اور حضرت خبیب وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ظلماً قتل کیے جانے سے پہلے نماز پڑھنے کی سُنّت قائم کی۔ جب کافروں کو پتا چلا کہ حضرت عاصم بن ثابت کو بھی قتل کر دیا ہے تو جن کافروں کے کسی بڑے آدمی کو حضرت عاصم نے قتل کیا تھا تو انہوں نے لوگوں کو بھیجا کہ وہ ان کی لاش سے کچھ حصہ کاٹ کر لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کو بھیج دیا' شہد کی مکھیاں ایک سائبان کی طرح ان کی لاش پر چھا گئیں' انہوں نے اس لاش کی حفاظت کی اور وہ کافر اس سے کچھ حصہ کاٹ کر لے جانے میں ناکام رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۸۶' مطبوعہ دار ارقم' بیروت)

اس حدیث میں اولیاء اللہ کی کرامت کا ثبوت ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ حضرت خبیب زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور انگور کے خوشے سے انگور کھا رہے تھے حالانکہ اس وقت مکّہ میں کوئی پھل موجود نہیں تھا نیز اس حدیث میں حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی کرامت کا بھی ثبوت ہے' شہد کی مکھیاں ایک سائبان کی طرح ان کی لاش پر چھا گئیں اور کفار ان کی لاش کی بے حرمتی کرنے میں ناکام اور نامراد رہے۔

اس حدیث میں یہ ثبوت بھی ہے کہ مسلمانوں کو کفار کے وعدہ پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے اور ان کی امان میں خود کو ان کے حوالے کرنے سے بہتر ہے کہ ان کے خلاف لڑ کر شہید ہو جائے جیسا کہ حضرت عاصم اور ان کے ساتھیوں نے کیا۔

نیز اگر مسلمان کفار کے ہاتھوں قید ہو جائے تو دورانِ قید اس کو ایسے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے کہ دشمن بھی اس کے اخلاق سے متاثر ہو' جیسا کہ حضرت خبیب کے اخلاق سے ان کے دشمن متاثر ہوئے۔

شہادت سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا اور یہ سُنّت حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قائم کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا۔

اولیاء اللہ کے لیے دُنیا میں غم اور خوف کا ثبوت

اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: ان کو' کوئی خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم کا تعلق ماضی سے ہے' یعنی ان کو ماضی میں کسی نعمت کے زوال کا ملال ہو گا نہ مستقبل میں کسی نعمت کے زوال کا خطرہ ہو گا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر اس سے مراد دنیا میں خوف اور غم کی نفی ہے تو یہ ثابت نہیں کیونکہ تمام اولیاء کے راس اور رئیس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کو دنیا میں خوف بھی لاحق ہوا اور غم بھی' خوف کی مثال ان حدیثوں میں ہے:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ جس دن سورج کو گہن لگا اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوف زدہ ہو گئے اور آپ نے گھبراہٹ میں کسی عورت کی قمیص لے لی پھر آپ کو چادر لا کر دی گئی' پھر آپ نے اس قدر طویل قیام کیا کہ اگر کوئی شخص آتا تو اس کو بالکل پتا نہ چلتا کہ آپ نے رکوع کیا ہے اولاً آپ کے طول قیام کی وجہ سے (معمول سے

زیادہ) رکوع کی روایت کی گئی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیز آندھی کو دیکھتے تو یہ دعا فرماتے: اے اللہ! میں تجھ سے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جو کچھ اس کے ساتھ ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے اور جو شر اس میں ہے اور جو شر اس کے متعلق ہے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور جب آسمان پر ابر چھا جاتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور آپ (خوف اور گھبراہٹ سے) کبھی حجرہ کے اندر جاتے اور کبھی حجرہ سے باہر جاتے اور جب بارش ہو جاتی تو آپ سے خوف دُور ہو جاتا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں نے اس کیفیت کو بھانپ کر آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں یہ ابر قوم عاد کے ابر کی طرح نہ ہو، انہوں نے جب اپنی بستیوں میں ابر کو آتے ہوئے دیکھا تو کہا: یہ ہم پر برسنے والے بادل ہیں۔ (اور در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا۔)

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۲۰۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ پر بڑھاپا طاری ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: مجھے سورۃ ھود، سورۃ الواقعہ، سورۃ المرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۹۷)

اور غم کی مثال اس حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو سیف لوہار کے پاس گئے اور وہ (آپ کے صاحبزادے) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے رضاعی والد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اٹھایا، ان کو بوسہ دیا اور ان کو سونگھا۔ پھر اس کے بعد ہم ان کے پاس گئے، اس وقت حضرت ابراہیم اپنے نفس کی سخاوت کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے (تعجب سے) کہا: یارسول اللہ! آپ بھی! (رو رہے ہیں) آپ نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ (آنسو) رحمت ہیں۔ آپ کی آنکھوں سے پھر آنسو جاری ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آنکھ رو رہی ہے اور دل غمزدہ ہے اور ہم وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو! اور ہم آپ کے فراق سے اے ابراہیم البتہ غمگین ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۳۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۱۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۱۲۶)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں خوف بھی ہوا اور غم بھی تو پھر اولیاء اللہ کے متعلق کیسے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں ان کو، کوئی خوف ہو گا نہ غم!

اولیاء کے لیے دنیا کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ

اس کا جواب یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو دنیا میں ایسا خوف نہیں ہو گا جو ان کے لیے باعث ضرر ہو (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لا خوف علیھم اور علی ضرر کے لیے آتا ہے) اور جن احادیث میں آپ کے خوف کا ذکر ہے وہ خوفِ خدا ہے اور خوفِ خدا باعثِ ضرر نہیں ہے بلکہ باعثِ نفع ہے اور جو شخص جتنا زیادہ اللہ کے قریب ہوتا ہے اس کو اللہ کا اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا۔ — بے شک تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا میں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما واللہ انی لاتقاکم للہ واخشاکم لہ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۸) — سنو! اللہ کی قسم! بے شک میں ضرور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ سے خشوع کرنے والا ہوں۔

نیز حدیث صحیح میں ہے: میں تم سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں' (کشف الخفاء رقم الحدیث: ۷۶۰) اور آپ نے فرمایا: پس اللہ کی قسم میں ان سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور ان سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۶) نیز آپ نے فرمایا: میں تم سب سے زیادہ اللہ کی حدود کو جاننے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۱۵۱)

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (فاطر: ۳۵) — اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

اور اولیاء اللہ سے غم کی نفی جو فرمائی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو اپنے گناہوں کا غم نہیں ہوگا اور اللہ کا ولی وہی ہوتا ہے جو اپنے آپ کو گناہوں سے باز رکھتا ہے اور اگر بالفرض بشری تقاضے سے اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ فوراً توبہ کرلیتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو سید المعصومین ہیں' آپ کے متعلق کسی معصیت پر غم کرنے کا کیا سوال ہے اور اس آیت میں جو غم کی نفی فرمائی ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کو دنیاوی نقصانات پر غم اور رنج نہیں ہوگا دنیاوی نقصانات پر ان کو رنج اور غم ہوتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتے ہیں اور اس میں ان کے لیے بہت اجر اور بڑے درجات ہوتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ (البقرہ: ۱۵۵-۱۵۷)

اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے' تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجئے ۝ جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون ۝ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بہت تحسین ہے اور بہت رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے' خواہ تھکاوٹ ہو یا (کسی چیز کا) غم ہو یا دائمی درد اور بیماری ہو یا کوئی سخت پریشانی تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (بعض روایات میں ہے: اور اس کے درجات بلند فرما دیتا ہے)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۶۶' مسند احمد ج ۳ ص ۴' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۲۰' عالم الکتب بیروت' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۹۴۹' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۲' مطبوعہ کراچی' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۲۵۶)

اولیاء اللہ کے لیے آخرت کے غم اور خوف کی مصنف کی طرف سے توجیہ

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو آخرت میں خوف اور غم نہیں ہوگا تو حشر کے دن انبیاء علیہم السلام خوف زدہ ہوں گے اور سب نفسی نفسی فرما رہے ہوں گے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو گناہوں پر عذاب اور

گرفت کا خوف نہیں ہوگا ان کو اللہ تعالیٰ کی جلال ذات سے خوف ہوگا اور یہ خوف ان کے قرب الٰہی کی علامت ہے اور ان کے لیے باعث نفع ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○ (المومنون: ٦٠)

اور وہ لوگ جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل خوف سے لرز رہے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

کیا اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو شراب پیتے تھے اور چوری کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا نہیں! اے صدیق کی بیٹی! لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے تھے' اور نماز پڑھتے تھے اور صدقہ دیتے تھے اور ان کو یہ خوف ہوتا تھا کہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ) ان کے یہ اعمال مقبول نہ ہوں' یہ وہ لوگ ہیں جو نیکی کے کاموں میں بہت جلدی کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣١٧٥' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤١٩٨)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار جنت کی بشارت دی تھی' اس کے باوجود وہ قبر کو دیکھ کر اس قدر روتے تھے کہ ان کی ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٠٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٦٧)

اور یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو گناہ نہ کرنے اور نیکیوں کی بہتات کے باوجود اللہ کی جلال ذات سے ڈرتے تھے اور یہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہیں۔

اولیاء اللہ کے غم اور خوف کی امام رازی کی طرف سے توجیہ

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

بعض عارفین نے کہا ہے کہ ولایت کا معنی قرب ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ولی وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ قریب ہو' اور جو اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اس طرح ڈوبا ہوا ہوتا ہے کہ ایک لحظہ کے لیے بھی اس کا دھیان غیر اللہ کی طرف نہیں جاتا' اور اسی کیفیت کا نام کامل ولایت ہے اور جب ولی کو یہ کیفیت حاصل ہوگی تو اس کو کسی چیز کا خوف ہوگا نہ کسی چیز کا غم ہوگا کیونکہ اس کا دل و دماغ اللہ کے سوا کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوگا حتیٰ کہ اس کو کسی چیز کا خوف یا غم ہو' اور یہ بہت بڑا درجہ ہے جو شخص اس درجہ تک نہیں پہنچا وہ اس کا تصور نہیں کر سکتا' اور جو اس مرتبہ پر فائز ہوتا ہے کبھی اس سے معرفت الٰہی میں استغراق کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے پھر اس کو خوف اور غم لاحق ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے عام آدمیوں کا حال ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ابراہیم خواص ایک جنگل میں تھے اور ان کے ساتھ ان کا مرید بھی تھا' ایک رات کو جب ان پر معرفت الٰہی میں استغراق کی کامل کیفیت طاری تھی کچھ درندے آگئے اور ان کے قریب آکر کھڑے ہوگئے۔ ان کا مرید تو ڈر کے مارے درخت پر چڑھ گیا اور وہ درندوں سے بے پروا اسی طرح بیٹھے رہے' صبح کو جب یہ کیفیت زائل ہوگئی تو ان کے ہاتھ پر ایک مچھر نے کاٹا جس کی تکلیف سے وہ بے قرار ہوگئے۔ مرید نے کہا رات درندوں سے آپ کو کوئی خوف نہیں ہوا اور آج ایک مچھر سے آپ بے قرار ہوگئے۔ شیخ نے کہا رات مجھ پر غیبی واردات کی قوت طاری تھی' اور جب یہ قوت غائب ہوگئی تو میں اللہ کی مخلوق میں سب سے کمزور ہوں۔

(تفسیر کبیر ج ٦ ص ٢٧٧-٢٧٦' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ھ)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اولیاء اللہ، معرفت الٰہی میں مستغرق ہوتے ہیں اور ان کا غالب حال یہی ہوتا ہے تو ان کو، کوئی خوف اور غم نہیں ہوتا، اور جب یہ کیفیت نہیں ہوتی تو وہ عام لوگوں کی طرح ہیں، اور ان کو خوف اور غم ہوتا ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کنعان کے قریب جنگل کے کنوئیں میں تھے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی ان کی طرف توجہ نہ ہوئی اور وہ ان کے فراق میں روتے رہے، اور ایک وہ وقت تھا کہ ان کے بیٹے مصر سے حضرت یوسف کی قمیص لے کر روانہ ہوئے تو آپ نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے، اور اس کی دوسری نظیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دن تک کھائے پئے بغیر وصال کے (مسلسل) روزے رکھے اور آپ کی جسمانی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا اور آپ نے فرمایا: میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں، وہی مجھے کھلاتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے اور صحابہ کو وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمادیا اور فرمایا: تم اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۹۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۰۳) اور ایک وقت کی یہ کیفیت ہے کہ بھوک کی شدت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۳۷۱)

امام رازی نے اس کی دوسری توجیہ اس طرح کی ہے کہ اولیاء اللہ کو قیامت کے دن خوف نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۳)

سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہیں کرے گی، اور فرشتے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے (اور کہیں گے) یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

نیز فرماتے ہیں کہ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ ان کو غم اور خوف ہوگا، لیکن یہ سب اخبار احاد ہیں اور جب قرآن مجید نے فرمادیا ہے کہ ان کو خوف اور غم نہیں ہوگا تو ظاہر قرآن ان احادیث پر مقدم ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قارئین پر مخفی نہ رہے کہ ہم نے امام رازی کی تفسیر سے پہلے اس آیت کی جو توجیہ بیان کی ہے اس سے قرآن مجید اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

اولیاء اللہ کے لیے دنیا اور آخرت میں بشارت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ان کے لیے دنیا کی زندگی میں (بھی) بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

اہل مصر میں سے ایک شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے مجھ سے اس چیز کے متعلق سوال کیا کہ کسی اور شخص نے مجھ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا، جب سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا: اس سے مراد نیک خواب ہیں جو مسلمان شخص دیکھتا ہے یا اس کے لیے وہ خواب دیکھے جاتے ہیں یہ اس کی دنیا کی زندگی میں بشارت ہیں اور آخرت میں اس کی بشارت جنت ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۵۲، مسند احمد رقم الحدیث:۲۷۶۱۰، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۲۷۴۸۷، مطبوعہ دارالحدیث: قاہرہ، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۰۵۰۱، مطبوعہ کراچی، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۷۵، شعب الایمان رقم الحدیث:۴۷۵۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: یہ نیک خواب ہیں جن کے ساتھ مومن کو بشارت دی جاتی ہے، یہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہیں، جو شخص یہ خواب دیکھے وہ

اس کی خبر دے اور جس نے اس کے سوا کوئی چیز دیکھی تو وہ شیطان کی طرف سے اس کو غم میں مبتلا کرنے کے لیے ہے، اس کو چاہیے کہ وہ بائیں جانب تھوک دے اور اس کی خبر کسی کو نہ دے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۰، دار الفکر، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۰۴۴، عالم الکتب بیروت و دار الحدیث قاہرہ، شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۷۶۴، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۰۵)

اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں بشارت کے متعلق یہ آیات ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ○ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ○ (حٰم السجدۃ: ۳۲-۳۰)

بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر دائماً قائم رہے ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غمگین ہو، اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ○ ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں (بھی) اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل پسند کرے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو ○ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے ضیافت ہے۔

اور اولیاء اللہ کے لیے آخرت میں بشارت کے متعلق یہ آیتیں ہیں:

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ (الانبیاء: ۱۰۳)

سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہیں کرے گی، اور فرشتے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ (الحدید: ۱۲)

(اے رسول مکرم!) جس دن آپ مومنین اور مومنات کو اس حال میں دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہاری خوشی کی چیز یہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں اس میں تم ہمیشہ رہو گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اولیاء اللہ کے متعلق میں تفصیل سے لکھنا چاہتا تھا الحمد للہ علی احسانہ اللہ تعالیٰ نے یہ آرزو پوری کی، اولیاء اللہ کے متعلق مجھے بچپن سے ایک شعر یاد ہے۔ اس شعر پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

احب الصالحین ولست منهم
لعل الله یرزقنی صلاحا

(میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں، حالانکہ میں خود ان میں سے نہیں ہوں،
اس امید پر کہ شاید اللہ مجھے بھی نیکی عطا فرمادے)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی باتوں سے آپ رنجیدہ نہ ہوں، بے شک ہر قسم کا غلبہ اللہ ہی کے لیے ہے، وہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے ○ سنو! جو لوگ آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں سب اللہ ہی کے مملوک ہیں، یہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر (خود ساختہ) شریکوں کو پکارتے ہیں یہ کس کی پیروی کر رہے ہیں؟ یہ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور یہ

صرف غلط اندازے لگا رہے ہیں○ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو، اور دکھانے والا دن بنایا بے شک اس میں (غور سے) سننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں○ (یونس: ۶۵-۶۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت فرمانا کفار کے خوف کی وجہ سے نہ تھا

اس سے پہلے کفار مکہ کے مختلف شبہات کے جوابات دیئے تھے، کفار مکہ جب دلائل سے عاجز آ گئے تو انہوں نے دھاندلی کا طریقہ اختیار کیا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکایا اور خوف زدہ کیا، انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ مالدار ہیں اور ان کا جتھہ ہے اور وہ اپنی طاقت اور اپنے زور سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام بنائیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد کے لیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو کوئی خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے، پھر یہ آیت نازل فرمائی کہ ان کی باتیں آپ کو غم زدہ نہ کریں، اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے اور ہر قسم کا غلبہ اسی کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے خلاف ان کو قدرت نہیں دے گا، بلکہ آپ کو ان کے خلاف قدرت عطا فرمائے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفار کے ضرر سے محفوظ رکھا اور وہ آپ کو قتل کرنے کے منصوبہ کو پورا کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مامون کر دیا تھا تو پھر آپ خوف زدہ کیوں ہوئے اور مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کیوں گئے اور اس کے بعد بھی آپ وقتاً فوقتاً خوف زدہ رہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ سے کامیابی اور نصرت کا وعدہ مطلقاً کیا تھا، کسی خاص وقت کو کامیابی اور نصرت کے لیے معین نہیں فرمایا تھا، اس لیے آپ ہر وقت خوف زدہ رہتے تھے کہ کہیں اس وقت میں شکست کا سامنا نہ ہو جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۷۹)

ہماری رائے میں یہ جواب درست نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے خوف سے ہجرت نہیں کی تھی، آپ ان سے خوف زدہ کیسے ہو سکتے تھے، وہ برہنہ تلواریں لیے آپ کے حجرہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور آپ سورۃ یٰسین پڑھتے ہوئے درانہ ان کے درمیان سے نکل آئے تھے، آپ کا ہجرت فرمانا اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق تھا کیونکہ ہر نبی ایک مرتبہ کفار کے علاقہ سے ہجرت کرتا ہے اور پھر دوبارہ فاتح کی حیثیت سے وہیں لوٹتا ہے۔ تین دن غار میں چھپنا بھی کفار کے ڈر اور خوف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کی وجہ سے تھا، اسی غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اسی طرح جنگ بدر میں فتح کے لیے گڑگڑا کر اللہ سے دعا کرنا بھی اظہارِ عبودیت کے لیے تھا، کفار کے خوف کی وجہ سے نہ تھا، آپ کو کبھی بھی کفار کا خوف نہیں ہوا، آپ صرف اللہ سے ڈرتے تھے اور کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

شرک کے ابطال پر دلائل

اس سے پہلے فرمایا تھا: الا ان للہ ما فی السموت والارض۔ (یونس: ۵۵) یعنی آسمانوں اور زمینوں کی تمام غیر ذوی العقول چیزیں اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں اور اس آیت میں فرمایا: الا ان للہ من فی السموت والارض۔ (یونس: ۶۶) یعنی آسمانوں اور زمینوں کی تمام ذوی العقول چیزیں بھی اللہ کی ملکیت میں ہیں، اور ذوی العقول سے مراد جن، انس اور ملائکہ ہیں، ان دونوں آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ عقل والے ہوں یا بے عقل، تمام جمادات، نباتات، حیوانات، جن، انسان اور فرشتے سب اللہ کے مملوک ہیں۔ اس میں مشرکین کا رد ہے جو بتوں کو پوجتے تھے، کیونکہ تمام پتھر اس کے مملوک ہیں، سو بت بھی اس کے مملوک ہیں اور جو مملوک ہو وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے، اسی طرح اس میں یہود اور نصاریٰ کا بھی رد ہے جو حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کو معبود مانتے تھے، کیونکہ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ بھی اللہ کے مملوک ہیں اور جو مملوک ہو وہ معبود کیسے

ہو سکتا ہے، اس پر تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر (خود ساختہ) شریکوں کی پیروی کر رہے ہیں یہ کس کی پیروی کر رہے ہیں؟ یعنی یہ جن شریکوں کی پیروی کر رہے ہیں وہ تو سب اللہ کے مملوک ہیں، وہ عبادت کے کیسے مستحق ہو گئے! یہ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کا اندازہ غلط ہے۔

وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو، اور دکھانے والا دن بنایا الخ، اس سے پہلے فرمایا تھا: ان العزۃ للہ جمیعا۔ (یونس: ۶۵) یعنی ہر قسم کا غلبہ اللہ ہی کیلئے ہے، اس آیت میں اس پر دلیل قائم فرمائی ہے کہ اس نے رات اس لیے بنائی ہے کہ تمہاری تھکاوٹ دُور ہو، اور دن اس لیے بنایا ہے کہ اس کی روشنی میں اپنی ضروریاتِ زندگی کو فراہم کر سکو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے، وہ (اس سے) پاک ہے، وہی بے نیاز ہے، آسمانوں اور زمینوں میں سب اسی کے مملوک ہیں، تمہارے پاس اس (باطل قول) پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیا تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کو تم خود (بھی) نہیں جانتے○ آپ کہیے بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ (کبھی) کامیاب نہیں ہوں گے○ (یہ) دنیا کا عارضی فائدہ ہے پھر ہماری ہی طرف انہوں نے لوٹنا ہے، پھر ہم ان کے کفریہ کاموں کی بناء پر ان کو سخت عذاب چکھائیں گے○ (یونس: ۷۰-۶۸)

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا محال ہونا

اس آیت میں بھی مشرکین کا رد ہے، عیسائی یہ کہتے تھے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے اور یہود یہ کہتے تھے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کفارِ مکہ یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر ان کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ولد بنانے سے مستغنی ہے، کیونکہ ولد تب ہوتا ہے جب والد کا ایک جز اس سے منفصل ہو پھر اس جز سے ولد بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ ذو اجزاء نہیں ہے کیونکہ جس کے اجزاء ہوں وہ اپنے قوام میں ان اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور وہ حادث ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا محتاج اور حادث ہونا محال ہے، اور دیگر دلائل حسبِ ذیل ہیں:

(۱) ولد اس لیے ہوتا ہے کہ والد کے فوت ہونے کے بعد وہ اس کا قائم مقام ہو اور اللہ تعالیٰ قدیم، ازلی، باقی اور سرمدی ہے، اس لیے وہ فوت نہیں ہو سکتا، اس کو کسی قائم مقام کی حاجت نہیں اس لیے وہ ولد سے مستغنی ہے۔

(۲) ولد کے لیے زوجہ اور شہوت کا ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے مستغنی ہے۔

(۳) ولد کی حاجت اس شخص کو ہوتی ہے جس کو اپنے ضعف کے وقت ولد کی اعانت کی ضرورت ہو اور اللہ تعالیٰ ضعف اور کسی کی اعانت سے مستغنی ہے۔

(۴) ولد جنس میں والد کے مماثل ہوتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کا ولد فرض کیا جائے تو وہ ممکن ہو گا یا واجب۔ اگر ممکن ہو تو اس کا مماثل نہیں اور اگر واجب ہو تو تعدد وجباء لازم آئے گا نیز ولد والد سے موخر اور حادث ہوتا ہے اور واجب کا موخر اور حادث ہونا محال ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے اس لیے وہ والدین سے مستغنی ہے اور جب وہ والدین سے مستغنی ہے تو واجب ہوا کہ وہ اولاد سے بھی مستغنی ہو، سو اللہ تعالیٰ کا غنی مطلق ہونا اس بات کو واجب کرتا ہے کہ اس کے لیے ولد ہونا محال ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسری دلیل دی کہ ولد والد کا مملوک نہیں ہوتا، اگر کوئی شخص کسی غلام کو خریدے جو اس کا بیٹا ہو تو وہ خریدتے ہی آزاد ہو جاتا ہے اور جب کہ آسمان اور زمین کی ہر چیز اللہ کی مملوک ہے تو پھر اس کا کوئی ولد کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ ولد مملوک نہیں ہوتا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بطور زجر و توبیخ فرمایا: کیا تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل ہے؟ یا تم

بلادلیل اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے دلائل سے واضح فرمادیا کہ اس کے لیے اولاد کا ہونا محال ہے تو اس پر متفرع فرمایا: جو لوگ اس پر جھوٹا افتراء باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔

کفار کے ناکام ہونے کی واضح دلیل

فلاح کا معنی ہے مقصود اور مطلوب تک پہنچنا اور فلاح نہ پانے کا مطلب ہے کہ وہ شخص اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہوگا بلکہ ناکام اور نامراد ہوگا۔ بعض لوگ گھٹیا مقاصد اور فوری نتائج کے طالب ہوتے ہیں تو جب انہیں اپنا ردی مطلوب جلد حاصل ہو جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ کامیاب ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ یہ خسیس اور گھٹیا مطلوب دنیاوی زندگی میں متاعِ قلیل ہے، پھر بہر حال انہوں نے مرنا ہے اور مرنے کے بعد اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور پھر انہوں نے اپنے کفر اور تکذیب کی وجہ سے دائمی عذاب بھگتنا ہے تو یہ کامیابی نہیں ہے بلکہ واضح ناکامیابی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ

اور ان کے سامنے نوح کا قصہ بیان کیجئے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر تم کو میرا

مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا

(تمہارے درمیان) رہنا اور تمہیں اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا، ناگوار ہے، تو میں نے تو صرف اللہ پر توکل کیا ہے تم اپنے

اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا

(خود ساختہ) معبودوں کے ساتھ مل کر اپنی سازش کو پختہ کرلو، پھر تمہاری وہ سازش (تمہارے گروہ پر) مخفی نہ رہے پھر تم جو کچھ میرے

اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٧١﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ

خلاف کرسکتے ہو وہ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو ○ پھر اگر تم اعراض کرو تو میں نے (تبلیغ دین کا) تم سے کوئی اجر طلب نہیں

اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٧٢﴾

کیا، میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں ○

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ

سو انہوں نے ان کی تکذیب کی، پس ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے سب کو (طوفان سے) نجات دی، اور ہم نے

وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾

انہیں (ان کا) جانشین بنادیا، اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تھی ان کو ہم نے غرق کردیا تو آپ دیکھئے کہ ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا ○

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

پھر نوح کے بعد ہم نے (اور) رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى

وہ اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے جس کی وہ پہلے تکذیب کر چکے تھے، ہم اسی طرح سرکشی

قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٧٤﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ

کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں ○ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا وہ مجرم

مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا

لوگ تھے ○ پس جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو کہنے لگے بے شک یہ تو ضرور

لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٦﴾ قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ

کھلا ہوا جادو ہے ○ موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے متعلق یہ کہتے ہو، جب وہ تمہارے پاس آیا! کیا یہ جادو ہے؟

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا

جادو کرنے والے تو کبھی کامیاب نہیں ہوتے ○ انہوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ تم ہمیں اس (دین) سے پھیر دو جس پر ہم نے

وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٨﴾

اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اور زمین میں تم ہی دونوں کے لیے بڑائی ہو جائے اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ○

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

فرعون نے حکم دیا کہ ہر ماہر جادوگر کو ہمارے پاس لے آؤ ○ پس جب وہ جادوگر آ گئے

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى

موسیٰ نے ان سے کہا تم ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو ○ پھر جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے کہا

مَا جِئۡتُمۡ بِهِ السِّحۡرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبۡطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصۡلِحُ عَمَلَ

تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے، بے شک عنقریب اللہ اس کو نیست و نابود کر دے گا، بے شک اللہ فساد کرنے والوں کے کام

الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الۡحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع ۱۲ ۱۳

کی اصلاح نہیں فرماتا ○ اور اللہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت فرمائے گا خواہ مجرموں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو ○

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے سامنے نوح کا قصہ بیان کیجئے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تم کو میرا (تمہارے درمیان) رہنا اور تمہیں اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں نے تو صرف اللہ پر توکل کیا ہے، تم اپنے (خود ساختہ) معبودوں کے ساتھ مل کر اپنی سازش کو پختہ کر لو، پھر تمہاری وہ سازش (تمہارے گروہ پر) مخفی نہ رہے، پھر تم جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہو وہ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو○ پھر اگر تم اعراض کرو تو میں نے (تبلیغ دین کا) تم سے کوئی اجر طلب نہیں کیا، میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں○ (یونس: ۷۲-۷۱)

ربط آیات اور انبیاء سابقین کے قصص بیان کرنے کی حکمتیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے شبہات کا ازالہ فرمایا تھا اور توحید اور رسالت پر دلائل قائم فرمائے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے دوسرا عنوان شروع فرمایا اور انبیاء علیہم السلام کے قصص کا بیان شروع فرمایا اور خطاب کی ایک نوع سے دوسری نوع کی طرف منتقل ہونے میں حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) جب خطاب کی ایک نوع میں کلام طویل ہو جائے تو بعض اوقات مخاطب کو اس سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے اور اس پر غفلت یا اونگھ طاری ہونے لگتی ہے اور جب خطاب کا انداز بدل جائے اور کلام کی دوسری قسم سے تقریر شروع کر دی جائے تو اس کا اونگھتا ہوا ذہن بیدار ہو جاتا ہے اور اس کو اس نئے موضوع سے دلچسپی ہونے لگتی ہے اور اس کا ذوق و شوق تازہ ہو جاتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص بیان فرمائے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے لیے انبیاء علیہم السلام میں نمونہ ہو، کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنیں گے کہ تمام کافر تمام رسولوں کے ساتھ اسی طرح انکار اور مخالفت کے ساتھ پیش آتے رہے ہیں اور واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود ان کو جھٹلاتے رہے ہیں تو کفار مکہ کی مخالفت اور ان کی شقاوت کو برداشت کرنا آپ پر سہل اور آسان ہو جائے گا۔

(۳) کفار جب انبیاء سابقین علیہم السلام کے ان واقعات کو سنیں گے تو ان کو یہ علم ہو گا کہ انبیاء متقدمین کو ان کے زمانہ کے کافروں نے ایذاء پہنچانے میں اپنی انتہائی طاقت صرف کر دی، لیکن بالآخر وہ ناکام اور نامراد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی مدد فرمائی اور کافر ذلیل اور رسوا ہوئے، تو ہو سکتا ہے کہ ان واقعات کو سن کر کفار کے دل خوف زدہ ہوں اور وہ اپنی ایذاء رسانیوں سے باز آ جائیں۔

(۴) ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ آپ نے کسی معلم سے پڑھا تھا نہ کسی عالم کی صحبت میں بیٹھے تھے۔ پھر آپ نے انبیاء سابقین کے یہ واقعات اسی طرح بیان فرمائے جس طرح تورات، زبور اور انجیل میں لکھے ہوئے

تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان قصص کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے جانا تھا اور یہ آپ کی نبوت کی صداقت اور قرآن مجید کی حقانیت کی واضح دلیل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کو مقدم کرنے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں تین قصص بیان فرمائے ہیں: پہلے حضرت نوح کا قصہ بیان فرمایا پھر حضرت موسیٰ کا اور اس کے بعد حضرت یونس کا قصہ بیان فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہما السلام پر مقدم ہیں، نیز اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جب کفر اور انکار پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو طوفان میں غرق کر دیا، سو اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ بیان فرمایا تاکہ اس کو سن کر کفار مکہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آ جائیں اور حضرت نوح کی قوم کے عذاب سے عبرت حاصل کریں، نیز اس لیے کہ کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارے انکار پر کوئی آسمانی عذاب لائیں اور کہتے تھے کہ ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، تو ان کو بتایا کہ حضرت نوح کی قوم بھی ایسا ہی کہتی تھی، پھر بالآخر ان پر طوفان سے غرقابی کا عذاب آ گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم کی ناگواری کی وجوہ

اس آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو یہ ناگوار تھا کہ حضرت نوح ان کے درمیان رہیں، ان کی ناگواری کی وجہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک ان کے درمیان رہے اور ان کے پاس اتنے لمبے قیام کی وجہ سے وہ بیزار ہو گئے تھے، دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ بت پرستی کے جس طریقہ پر کاربند تھے وہ طریقہ ان کو بہت مرغوب اور بہت محبوب تھا، وہ اس سے جذباتی وابستگی رکھتے تھے اور حضرت نوح علیہ السلام ان سے یہ فرماتے تھے کہ وہ اس طریقہ کو ترک کر دیں، اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی انسان کو اس کے پسندیدہ طریقہ سے ہٹانے کی کوشش کرے تو اس کو برا لگتا ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ انسان دنیاوی لذات سے محبت کرتا ہے، فحش کاموں میں اس کو مزہ آتا ہے اور ان کو چھوڑنا اس پر دشوار ہوتا ہے اور عبادت کی مشقتوں سے وہ متنفر ہوتا ہے، ایسے شخص کو وہ آدمی برا لگتا ہے جو اس کو برے کاموں سے منع کرے اور نیک کام کرنے کا حکم دے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو تبلیغ دین میں کفار کا کوئی خوف تھا نہ ان سے کسی نفع کی توقع تھی

حضرت نوح علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم کو ان کا قیام اور ان کا نصیحت کرنا ناگوار ہے تو انہوں نے ابتداء سے یہ فرمایا: فعلی اللہ توکلت "میں نے صرف اللہ پر توکل کیا ہے" کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر کامل بھروسہ ہے کیونکہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور تم اس وہم میں نہ رہنا کہ تم جو مجھے قتل کرنے اور ایذاء پہنچانے کی دھمکیاں دیتے ہو تو میں اس سے ڈر کر اپنے مشن کو ترک کر دوں گا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینے کو چھوڑ دوں گا، پھر دوسری بار تاکید کی: فاجمعوا امرکم گویا کہ یہ فرمایا کہ تم میری مخالفت میں اور مجھے ایذاء پہنچانے کے لیے جس قدر اسباب جمع کر سکتے ہو وہ جمع کر لو، اور نہ صرف تم بلکہ تم اپنے ساتھ اپنے مزعوم خداؤں کو بھی ملا لو، پھر تیسری بار فرمایا: پھر وہ تمہاری سازش (تمہارے گروہ پر) مخفی نہ رہے، یعنی تم نے میرے خلاف جو کچھ کرنا ہے وہ کھلم کھلا کرو، پھر چوتھی بار فرمایا: ثم اقضوا الی "پھر تم جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہو وہ کر گزرو" یعنی تم جو کچھ مجھے ضرر پہنچانا چاہتے ہو اور میرے خلاف جو بھی شر اور فساد کرنا چاہتے ہو وہ کر گزرو، اور پانچویں بار فرمایا: اور مجھے مہلت نہ دو یعنی تم جس قدر جلد میرے خلاف کارروائی کر سکتے ہو وہ کرو، اس سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کفار کی دھمکیوں سے بالکل نہیں ڈرتے تھے، اور انہیں اللہ تعالیٰ پر کامل

توکل تھا۔

اس کے بعد فرمایا: پھر اگر تم اعراض کرو تو میں نے (تبلیغ دین کا) تم سے کوئی اجر طلب نہیں کیا۔ اس قول میں بھی اس پر دلیل دی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کفار سے بالکل ڈر نہ تھا' کیونکہ خوف یا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دشمن کی طرف سے کوئی شر پہنچے گا تو حضرت نوح کے پہلے ارشادات سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کفار کے شر اور فساد کی کوئی پرواہ نہیں تھی' یا خوف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ متوقع منافع اور فوائد منقطع ہو جائیں گے' تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ آپ نے ان سے کوئی چیز نہیں لی تھی کہ ان کی ناگواری کی بناء پر اس کے چھن جانے کا خوف ہوتا۔

اس کے بعد فرمایا: میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ تم دین اسلام قبول کرو یا نہ کرو مجھے دین اسلام پر برقرار رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ دین اسلام کی دعوت دینے کی وجہ سے مجھے خواہ کوئی ضرر پہنچے مجھے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر برقرار رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو انہوں نے ان کی تکذیب کی' پس ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے سب کو (طوفان سے) نجات دی اور ہم نے انہیں (ان کا) جانشین بنا دیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تھی ان کو ہم نے غرق کر دیا تو آپ دیکھیے کہ ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا ○ پھر نوح کے بعد ہم نے (اور) رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے' جس کی وہ پہلے تکذیب کر چکے تھے' ہم اسی طرح سرکشی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں ○ (یونس: ۷۴-۷۳)

حضرت نوح کی قوم کے کافروں کا انجام

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان کیا معاملہ ہوا' اور اب یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب اور ان کی قوم کے کفار کے درمیان انجام کار کیا معاملہ ہوا' سو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب مومنین کے متعلق یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفار سے نجات دی' اور یہ کہ ان کو کفار کا جانشین بنا دیا بایں طور کہ کفار کو غرق کر دیا اور کفار کے متعلق یہ فرمایا کہ ان کو ہلاک کر دیا اور غرق کر دیا۔

اس آیت میں کفار کے لیے ترہیب اور عبرت کا سامان ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسول کی تکذیب کریں گے ان پر ایسا عذاب آ سکتا ہے جیسا حضرت نوح علیہ السلام کے مکذبین پر آیا تھا' اور اس آیت میں مومنوں کے لیے ترغیب ہے اور ایمان پر ثابت قدم رہنے کی تحریص ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے اصحاب کو مخالفین کے شر اور فساد سے نجات عطا کی تھی' اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو بھی مخالفین کے ضرر سے بچائے گا۔ قوم نوح کے غرقاب ہونے کی تفصیل باقی سورتوں میں مذکور ہے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر نوح کے بعد ہم نے (اور) رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والے رسولوں کا نام ذکر نہیں فرمایا' ان رسولوں میں سے حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت ابراہیم' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام وغیرہم ہیں' ان انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم معجزات دے کر بھیجا' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ان انبیاء کی قوم کے لوگوں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کی طرح اپنے نبیوں کی

تکذیب کی اور ان پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

کافروں کے دلوں پر مہر لگانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: ہم اسی طرح سرکشی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ نے خود ہی ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس قسم کا سخت کفر کیا جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، دوسرا جواب یہ ہے کہ مہر لگانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا اور یہ ایمان لانے کے منافی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (النساء: ١٥٥)

بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے تو وہ بہت ہی کم ایمان لائیں گے۔

اس آیت کی زیادہ تفصیل ہم نے البقرہ: ٧ میں بیان کر دی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا وہ مجرم لوگ تھے○ پس جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو کہنے لگے بے شک یہ تو ضرور کھلا ہوا جادو ہے○ موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے متعلق یہ کہتے ہو، جب وہ تمہارے پاس آیا کیا یہ جادو ہے؟ جادو کرنے والے تو کبھی کامیاب نہیں ہوتے○ (یونس: ٧٧-٧٥)

فرعون اور اس کے درباریوں کے قول میں تعارض کا جواب اور حضرت موسیٰ کے معجزہ کا جادو نہ ہونا

ان آیتوں کا معنی بالکل واضح ہے، صرف یہ بات وضاحت طلب ہے کہ آیت: ٧٦ میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھ کر فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا کہ بے شک یہ تو ضرور کھلا ہوا جادو ہے اور آیت: ٧٧ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم نے حق (معجزہ) کو دیکھ کر یہ کہا کیا یہ جادو ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا یہ جادو ہے؟ یہ فرعون اور اس کے درباریوں کا قول نہیں ہے بلکہ ان کا قول محذوف ہے اور وہ یہ ہے تم وہ کہتے ہو جو کہتے ہو، اور پورا مفہوم یوں ہے موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے متعلق وہ کہتے ہو جو کہتے ہو؟ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور انکار فرمایا: کیا یہ جادو ہے؟ پھر اس معجزہ کو جادو قرار دینے کا بطلان فرمایا: یہ جادو کیسے ہو سکتا ہے، جادو کرنے والے تو کبھی کامیاب نہیں ہوتے اور اللہ نے مجھے کامیاب فرمایا ہے، جادو کرنے والے تو نظر بندی کرتے اور ملمع کاری کرتے ہیں اور لاٹھی کو سانپ بنا دینا اور ید بیضا نظر بندی یا ملمع کاری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ تم ہمیں اس (دین) سے پھیر دو، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اور زمین میں تم ہی دونوں کے لیے بڑائی ہو جائے اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں○ فرعون نے حکم دیا کہ ہر ماہر جادوگر کو ہمارے پاس لے آؤ○ پس جب وہ جادوگر آ گئے موسیٰ نے ان سے کہا تم ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو○ پھر جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے کہا تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے بے شک عنقریب اللہ اس کو نیست و نابود کر دے گا، بے شک اللہ فساد کرنے والوں کے کام کی اصلاح نہیں فرماتا○ اور اللہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت فرما دے گا خواہ مجرموں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو○ (یونس: ٨٢-٧٨)

قومِ فرعون کے بیان کردہ دو عذر

اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور پیغام کو قبول نہ کرنے کے دو سبب بیان کیے: ایک یہ کہ ہم اس دین کو ترک نہیں کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو عمل کرتے ہوئے پایا، انہوں نے دلائل ظاہرہ کے مقابلہ میں اندھی تقلید کو ترجیح دی اور اس پر اصرار کیا، اور دوسرا سبب یہ بیان کیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ملک مصر میں اپنی بڑائی، اپنا تسلط اور اپنا اقتدار چاہتے ہیں کیونکہ جب مصر کے رہنے والے ان کے معجزات کو دیکھ کر ان پر ایمان لے آئیں گے تو پھر سب ان ہی کے مطیع اور فرماں بردار ہوں گے۔ انہوں نے پہلے اندھی تقلید سے استدلال کیا اور اس کے بعد اس سے کہ مصر کی حکومت کو وہ اپنے ہاتھوں سے کھونا نہیں چاہتے اور پھر صراحتاً کہہ دیا کہ ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرعون کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا جادو کے زور سے معارضہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر کر دیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ پیش کیا تھا وہ دراصل جادو کی قسم سے ہے، پھر فرعون نے جادوگروں کو جمع کیا تو ان سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم پیش کرو جو کچھ تم پیش کرنا چاہتے ہو!

جادو کا حکم دینے کی توجیہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ معجزہ کا جادو سے مقابلہ کرنا کفر ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کفر کا حکم کس طرح دیا؟ جبکہ کفر کا حکم دینا بھی کفر ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو لاٹھیاں اور رسیاں پھینکنے کا اس لیے حکم دیا تھا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے جو کچھ جادوگروں نے پیش کیا ہے وہ عمل فاسد اور سعی باطل ہے، اور جادوگروں کا یہ عمل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے اظہار کا ذریعہ بنا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فی نفسہٖ جادوگروں کا عمل مطلوب نہیں تھا بلکہ ان کا عمل اس لیے مطلوب تھا کہ وہ ان کے عمل کی ناکامی اور نامرادی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے اظہار اور سرفرازی کا سبب بنے۔

جب جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈال دیں تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم نے جو بھی عمل کیا وہ محض باطل جادو ہے، اور یہ اس لیے فرمایا کہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا آپ نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو ہے، اس لیے اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو ہے اور وہ محض ملمع کاری ہے جس کا بطلان ابھی ظاہر ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے باقی سورتوں میں یہ بیان کر دیا ہے کہ اس نے جادو کو کس طرح باطل فرمایا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بن کر ان تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو کھا گیا تھا۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ

سو (ابتداءً) موسیٰ کی قوم کی بعض اولاد کے سوا ان پر کوئی ایمان نہیں لایا (اور وہ بھی) فرعون اور اس کے

وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ

درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ وہ ان کو فتنہ میں مبتلا کر دیں گے اور بے شک فرعون زمین میں متکبر تھا اور وہ یقیناً

لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ

حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا ○ اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو صرف اسی پر

تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

توکل کرو اگر تم (واقعی) مسلمان ہو ○ انہوں نے کہا ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے، اے ہمارے رب! ہم کو ظالم لوگوں

فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَ

کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا نہ کر ○ اور ہم کو اپنی رحمت سے قوم کفار سے نجات عطا فرما ○ اور

اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا

ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف یہ وحی فرمائی کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو

بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

قبلہ (مساجد) قرار دو اور نماز پڑھو اور مومنین کو بشارت دو ○ اور موسیٰ نے کہا

رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال دیا ہے

رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ

اے ہمارے رب! تاکہ وہ انجام کار لوگوں کو تیرے راستہ سے بھٹکا دیں، اے ہمارے رب! ان کے مال و دولت کو برباد کر دے اور

عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٨٨﴾ قَالَ قَدْ

ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ درد ناک عذاب کو نہ دیکھ لیں ○ فرمایا

اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰۗنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾

تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے، تم دونوں ثابت قدم رہنا اور جاہلوں کے راستہ کی ہرگز پیروی نہ کرنا ○

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے دشمنی اور سرکشی سے ان

وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ

کا پیچھا کیا حتیٰ کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو اس نے کہا میں ایمان لایا کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان

اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۞ ٩٠ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ

لائے ہیں اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ○ (فرمایا) اب (ایمان لایا ہے)

عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۞ ٩١ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ

حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا ○ سو آج ہم تیرے (بے جان) جسم کو

بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ

بچا لیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے، اور بے شک بہت سے لوگ

عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۞ ٩٢ ع

ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو (ابتداءً) موسیٰ کی قوم کی بعض اولاد کے سوا ان پر کوئی ایمان نہیں لایا (اور وہ بھی) فرعون اور اس کے درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ وہ ان کو فتنہ میں مبتلا کر دیں گے اور بے شک فرعون زمین میں متکبر تھا اور وہ یقیناً حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا○ (یونس: ۸۳)

ربط آیات اور فرعون کے واقعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عظیم معجزات پیش کیے اور ان کا عصا جادوگروں کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو کھا گیا یہ ایسا عظیم حسی معجزہ تھا جس کو تمام لوگوں نے اپنی جاگتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا اس کے باوجود حضرت موسیٰ کی قوم کی بعض اولاد کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لایا، اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ کفار مکہ کے اعراض کرنے اور کفر پر اصرار کرنے پر غم نہ کریں کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے کہ ان کی پیہم تبلیغ اور بکثرت معجزات دکھانے کے باوجود معدودے چند افراد ہی ایمان لاتے ہیں، سو اگر آپ کی مسلسل تبلیغ کے باوجود چند افراد نے ہی اسلام قبول کیا ہے تو اس پر غم نہ کریں، آپ اس معاملہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ منسلک ہیں۔

حضرت موسیٰ کی قوم کی بعض اولاد کا مصداق

اس آیت میں ذکر فرمایا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان کی قوم کی بعض اولاد ایمان لائی۔ اس بعض اولاد کے تعین میں اختلاف ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ جن لوگوں کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا' لمبے عرصہ کے بعد وہ لوگ مر گئے اور ان کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: جن لوگوں کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھی وہ بنی اسرائیل نہیں تھے بلکہ وہ فرعون کی قوم کے چند لوگ تھے۔ ان میں فرعون کی بیوی' آل فرعون کا مومن' فرعون کا خازن اور فرعون کے خازن کی بیوی تھی۔

حضرت ابن عباس کی دوسری روایت یہ ہے کہ وہ لوگ بنی اسرائیل کی اولاد تھے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں: میرے نزدیک راجح مجاہد کی روایت ہے کہ جن لوگوں کی ذریت ایمان لائی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا اور وہ بنو اسرائیل ہیں' لمبا عرصہ گزرنے کے بعد وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے پہلے مر گئے' پھر ان کی اولاد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا اور ان میں سے بعض لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ (جامع البیان ج ۱۱ص ۱۹۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بنی اسرائیل کی اولاد میں سے جو بعض ایمان لائے تھے ان کو بھی یہ ڈر تھا کہ فرعون اور اس کے سردار ان کو فتنہ میں مبتلا کر دیں گے کیونکہ وہ فرعون سے بہت ڈرتے تھے اور فرعون کی گرفت بہت سخت تھی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا دشمن تھا' اور فتنہ کا معنی ہے آزمائش اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان پر طرح طرح کے عذاب مسلط کر کے ان کو ان کے سابق دین کی طرف لوٹانے کی کوشش کرے گا اور فرعون زمین میں متکبر تھا کیونکہ وہ اپنے مخالفین کو سخت سزائیں دیتا تھا اور بہت قتل کرتا تھا' اور وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا کیونکہ اس نے اللہ کا بندہ ہونے کے باوجود الوہیت کا دعویٰ کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو صرف اسی پر توکل کرو اگر تم (واقعی) مسلمان ہو○ انہوں نے کہا ہم نے اللہ پر ہی توکل کیا ہے' اے ہمارے رب! ہم کو ظالم لوگوں کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا نہ کر○ اور ہم کو اپنی رحمت سے قوم کفار سے نجات عطا فرما○ (یونس: ۸۶-۸۴)

اسلام اور ایمان کا معنی اور اس معنی پر توکل کا متفرع ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ گویا کہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے فرما رہا ہے کہ اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو صرف اللہ پر توکل کرو' کیونکہ اسلام کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا' اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا' اور ایمان کا معنی یہ ہے کہ بندہ یہ مان لے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور واجب الوجود ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ حادث ہے اور اس کی مخلوق ہے اور اس کے زیر تصرف اور اس کے زیر تدبیر ہے اور جب بندہ میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہو جائیں گی تو وہ اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے گا اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ پر توکل کا نور پیدا ہو جائے گا اور توکل کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور تمام احوال میں صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا تھا کہ انہوں نے کہا: فعلی اللہ توکلت "میں نے صرف اللہ پر توکل کیا ہے" (یونس: ۷۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم صرف اللہ پر توکل کرو' (یونس: ۸۴) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی ذات میں کامل تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی امت کو کامل بنانے والے تھے اور ان دونوں مرتبوں میں بڑا فرق ہے۔

حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والوں کی دعا کے دو محمل

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں نے دعا کی تھی: اے ہمارے رب! ہم کو ظالم لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنا'

اس کے دو محمل ہیں: ایک یہ ہے کہ قوم فرعون کو ہمارے ذریعہ آزمائش میں مبتلا نہ کر، کیونکہ اگر تو نے قوم فرعون کو ہم پر مسلط کر دیا تو ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ اگر ہم حق پر ہوتے تو وہ ہم پر مسلط نہ ہوتے اور یہ ان کے کفر پر اصرار کرنے کا قوی شبہ ہو جائے گا اور اس طرح ہم پر ان کا تسلط ان کے لیے آزمائش بن جائے گا یا اگر تو نے ان کو ہم پر مسلط کر دیا تو وہ آخرت میں عذاب شدید کے مستحق ہوں گے اور یہ ان کے لیے آزمائش ہے اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ان ظالموں کے ذریعہ ہم کو آزمائش میں مبتلا نہ کر یعنی ان کو ہم پر قدرت نہ دے تاکہ وہ ہم پر ظلم اور قہر کریں اور یہ خطرہ ہو کہ ہم اس دین سے پھر جائیں جس کو ہم نے قبول کیا ہے۔

اور پھر انہوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! ہم کو اپنی رحمت سے قوم کفار سے نجات عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف یہ وحی فرمائی کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (مساجد) قرار دو اور نماز پڑھو اور مومنین کو بشارت دو○ (یونس: ۸۷)

بنی اسرائیل کے گھروں کو قبلہ بنانے کے محامل

اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (مساجد) قرار دو، اس کی تفسیر میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

عکرمہ حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: بنو اسرائیل نماز پڑھنے میں فرعون اور اس کی قوم سے ڈرتے تھے تو ان کو حکم دیا کہ تم اپنے گھروں کو قبلہ بنالو، یعنی اپنے گھروں کو مسجد بنالو اور ان میں نماز پڑھو۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۷۷۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم یہ طاقت نہیں رکھتے کہ فرعونیوں پر ظاہر کر کے نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اجازت دی کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں کو قبلہ رو بنائیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۷۸۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ قبلہ سے مراد کعبہ ہے۔ جب حضرت موسیٰ اور ان کے متبعین کو اپنے معابد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے فرعون کا خوف ہوا تو ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں قبلہ رو مساجد بنائیں اور قبلہ کی طرف منہ کر کے خفیہ طریقہ سے نماز پڑھیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۷۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابن جریر نے کہا: بیوت کا غالب استعمال رہائشی گھروں کے لیے ہوتا ہے اور قبلہ کا غالب استعمال نماز کے قبلہ کے لیے ہوتا ہے اور قرآن مجید کے الفاظ کو ان ہی معانی پر محمول کرنا چاہیے جن کے لیے غالب استعمال ہو، اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اپنے گھروں میں قبلہ رو ہو کر نماز پڑھو اور اقیموا الصلوٰۃ کا معنی ہے فرض نماز کو اس کی شرائط کے ساتھ اس کے اوقات میں پڑھو، اور بشر المؤمنین کا معنی ہے اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) مومنین کو عظیم ثواب کی بشارت دیجئے۔ (اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ آپ بنی اسرائیل کو یہ بشارت دیجئے کہ عنقریب اللہ ان کو فرعون اور اس کے سرداروں پر غلبہ عطا فرمائے گا) (جامع البیان جز ۱۱ ص ۲۰۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال دیا ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ انجام کار لوگوں کو تیرے راستہ سے بھٹکا دیں، اے ہمارے رب! ان

کے مال و دولت کو برباد کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے تاکہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں○ فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی ہے، تم دونوں ثابت قدم رہنا اور جاہلوں کے راستہ کی ہرگز پیروی نہ کرنا○ (یونس: ٨٩-٨٨)

فرعون کے خلاف حضرت موسیٰ کی دعاء ضرر کی توجیہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑے بڑے معجزات کو ظاہر کرنے میں بہت مبالغہ کیا اور اس کے باوجود یہ دیکھا کہ فرعون اور اس کی قوم نے کفر پر اصرار کیا اور ایمان لانے سے انکار کیا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف دعا کی اور اس کے ساتھ ان کے وہ جرائم بھی بیان کیے جن کی وجہ سے ان کے خلاف دعا کی تھی اور ان کے جرائم یہ تھے کہ انہوں نے دنیا کی محبت کی وجہ سے دین کو ترک کردیا، اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں یہ ذکر کیا "تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال دیا ہے" اور یہاں زینت سے مراد ہے ان کی صحت اور ان کا حسن و جمال، عمدہ لباس، بکثرت سواریاں، گھر کا ساز و سامان اور سونے اور چاندی کا ڈھیروں مال۔

اللہ کے راستہ سے گمراہ کرنے کی دعا کی توجیہات

اس دعا میں فرمایا: اے ہمارے رب! تاکہ وہ لوگوں کو تیرے راستہ سے بھٹکا دیں۔ اور فرمایا: اور ان کے دلوں کو سخت کردے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے ان کو مال و دولت اس لیے عطا کی تھی کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کردیں، اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اس لیے مبعوث فرماتا ہے کہ وہ بندوں کو گمراہ کریں اور اس مفروضہ سے تو دین اور شریعت کا مقصود فوت ہو جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لیضلوا میں لام "کے" نہیں ہے جس کا معنی ہے تاکہ وہ گمراہ کریں بلکہ یہ لام عاقبت ہے اور اس کا معنی ہے انجام کار وہ گمراہ کردیں یا نتیجتاً وہ گمراہ کردیں۔ قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے:

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا۔ (القصص: ٨)
تو فرعون کے گھر والوں نے موسیٰ کو اٹھا لیا تاکہ انجام کار وہ ان کے دشمن اور ان کے لیے غم کا باعث ہو جائیں۔

اسی طرح جب کہ قوم فرعون کا انجام گمراہ ہونا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اس کی خبر دے دی تھی اس لیے انہوں نے دعا میں کہا کہ تو نے ان کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال دیا ہے تاکہ انجام کار یہ لوگوں کو تیرے راستہ سے گمراہ کردیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں "لا" محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہے: ربنا لئلا یضلوا عن سبیلک "اے ہمارے رب تاکہ یہ تیرے راستہ سے گمراہ نہ کرسکیں" اس کی مثال قرآن مجید میں یہ ہے:

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا۔ (النساء: ١٧٦)
اللہ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ ہو جاؤ۔

یہاں بھی عبارت میں لا محذوف ہے اور مراد ہے لا تضلوا تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ، اس کی ایک اور مثال یہ ہے:

قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ۔ (الاعراف: ١٧٢)
سب نے کہا کیوں نہیں! (یقیناً تو ہمارا رب ہے)، ہم نے گواہی دی (یہ اس لیے کہ) قیامت کے دن تم کہنے لگو ہم تو اس سے بے

خبر تھے۔

اصل میں لئلا تقولوا تھا " تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔"

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے اور لام، لام "کے" ہے اور اس کا معنی یوں ہے: کیا تو نے ان کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال اس لیے دیا تھا کہ یہ لوگوں کو گمراہ کر دیں!

دعا کی قبولیت میں جلدی کی امید رکھنا جہالت ہے

حضرت موسیٰ نے اپنی دعا میں کہا: "ربنا اطمس علی اموالھم" طمس کا معنی ہے مسخ کرنا۔ ضحاک نے بیان کیا ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ان کے دراہم اور دنانیر منقوش پتھر بن گئے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۷۹۶)

اور انہوں نے اپنی دعا میں کہا: "اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں" اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ وہ ایمان نہ لا سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔" اس کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے اور جو شخص کسی کی دعا پر آمین کہے وہ بھی دعا کرنے والا ہے اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے دعا کی ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۸۱۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں ثابت قدم رہنا یعنی رسالت پر اور تبلیغ دین پر اور دلائل قائم کرنے پر ثابت قدم رہنا، ابن جریج نے کہا اس دعا کے بعد فرعون چالیس سال زندہ رہا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۸۱۴)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم دونوں جاہلوں کے طریقہ کی ہرگز پیروی نہ کرنا۔" جاہل لوگ جب دعا کرتے ہیں تو یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی دعا فوراً قبول ہو جائے گی، حالانکہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات دعا کو فوراً قبول فرمالیتا ہے اور بعض اوقات اس کی دعا کا جو وقت مقدر ہوتا ہے اس وقت اس دعا کو قبول فرماتا ہے اور مقبولیت میں جلدی صرف جاہل لوگ کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا تھا:

فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ (ھود: ۴۶)	اے نوح! آپ مجھ سے وہ چیز نہ مانگیں جس کا آپ کو علم نہیں، میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ جاہلوں میں سے نہ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے دشمنی اور سرکشی سے ان کا پیچھا کیا حتیٰ کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو اس نے کہا میں ایمان لایا کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ○ (فرمایا:) اب! (ایمان لایا ہے) حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا ○ سو آج ہم تیرے (بے جان) جسم کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے، اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ○ (یونس: ۹۲-۹۰)

بنی اسرائیل کی قوم فرعون سے نجات اور فرعون کا غرق ہونا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی دعا قبول فرمائی، تو بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ ایک معین وقت میں مصر سے روانہ ہو جائیں اور اس کے لیے اپنا سامان تیار کر لیں۔ فرعون اس معاملہ سے غافل تھا، اس کو جب معلوم ہوا کہ بنو اسرائیل اس کے ملک سے نکل گئے تو وہ ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کے

ساتھ روانہ ہوئے اور سمندر کے کنارے پہنچے اور ادھر فرعون بھی اپنے لشکر کے ساتھ ان کے سروں پر آ پہنچا تو بنو اسرائیل بہت خوف زدہ ہوگئے، ان کے ایک طرف دشمن تھا اور دوسری طرف سمندر تھا، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی:

فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ۝ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِیْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۝ (الشعراء: ۶۶-۶۳)

تو ہم نے موسیٰ پر وحی فرمائی کہ آپ سمندر پر اپنا عصا ماریں، تو یکایک سمندر پھٹ گیا پس اس کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہوگیا ۝ اور اس جگہ ہم دوسروں (فرعون اور اس لشکر) کو قریب لائے ۝ اور ہم نے موسیٰ اور ان کے سب ساتھیوں کو نجات دی ۝ پھر دوسروں کو غرق کر دیا ۝

فرعون نے جب دیکھا کہ سمندر میں خشک راستے بن گئے اور بنی اسرائیل اس سے گزر گئے تو اس نے اپنے لشکر سے کہا آگے بڑھو، بنی اسرائیل تم سے زیادہ اس راستے پر چلنے کے مستحق نہیں ہیں اور جب وہ راستے کے بیچ میں پہنچے تو وہ خشک راستے غائب ہوگئے اور سمندر کے اجزاء ایک دوسرے سے مل گئے اور فرعون غرق ہونے لگا اور اس وقت اس نے کہا: میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تو اس نے کہا میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ (یونس: ۹۰) تو جبرئیل نے کہا اے محمد! کاش آپ اس وقت مجھے دیکھتے جب میں سمندر کی کیچڑ اس کے منہ میں ڈال رہا تھا اس خوف سے کہ اس پر رحمت ہو جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: [illegible]، مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۹۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ جبرئیل فرعون کے منہ میں کیچڑ ڈال رہا تھا اس خوف سے کہ وہ کہے گا لا الہ الا اللہ تو اللہ اس پر رحم فرمائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۱۵، المستدرک ج ۲ ص ۳۴۰، شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۳۹۱)

فرعون کے ایمان کو قبول نہ کرنے کی وجوہ

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ جب فرعون نے یہ کہہ دیا کہ میں اس پر ایمان لے آیا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ایمان کیوں قبول نہیں فرمایا، اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) فرعون نزول عذاب کے وقت ایمان لایا تھا اور اس وقت ایمان لانا مقبول نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَکَفَرْنَا بِمَا کُنَّا بِهٖ مُشْرِکِیْنَ ۝ فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِکَ الْکٰفِرُوْنَ ۔ (المومن: ۸۵-۸۴)

پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہا ہم اللہ پر ایمان لے آئے جو واحد ہے اور ہم نے ان کا انکار کیا جن کو ہم اس کا شریک ٹھہراتے تھے ۝ پس ان کے ایمان نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا، یہ اللہ کا وہ دستور ہے جو اس سے پہلے اس کے بندوں میں گزر چکا ہے اور وہاں کافروں نے سخت نقصان اٹھایا۔

(۲) فرعون نے جب عذاب کو دیکھ لیا تو اس نے وقتی طور پر عذاب کو ٹالنے کے لیے ایمان کا اظہار کیا' اس کا مقصود اللہ کی عظمت و جلال کو ماننے کا نہ تھا اور نہ ہی اس نے اللہ کی ربوبیت کا اعتراف کیا تھا۔

(۳) ایمان اس وقت مکمل ہوتا ہے جب توحید کے ساتھ رسالت کا بھی اقرار کرے' فرعون نے اللہ پر ایمان لانے کا اظہار کیا تھا' لیکن حضرت موسیٰ کی نبوت پر ایمان لانے کا اقرار نہیں تھا اس لیے اس کا ایمان مقبول نہیں ہوا' اگر کوئی شخص ہزار مرتبہ بھی اشھد ان لا الہ الا اللہ پڑھے اور اشھد ان محمدا رسول اللہ نہ پڑھے تو وہ مومن نہیں ہوگا۔

فرعون کے منہ میں جبرئیل کا مٹی ڈالنا اور اس پر اشکال کا جواب

ہم نے متعدد حوالوں سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ جب فرعون غرق ہو رہا تھا تو حضرت جبرئیل نے اس کے منہ میں کیچڑ ڈال دی تاکہ وہ توبہ نہ کر سکے' اس حدیث پر امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے حسب ذیل اعتراضات کیے ہیں:

فرعون اللہ پر ایمان لانے کا مکلف تھا تو حضرت جبرئیل پر یہ لازم تھا کہ وہ توبہ کرنے میں فرعون کی معاونت کرتے' نہ کہ اس کی توبہ کو روکنے کی کوشش کرتے' نیز توبہ صرف زبان سے اعتراف اور ندامت کا نام نہیں ہے' بلکہ دل سے نادم ہونے کا نام ہے ورنہ گونگے کی توبہ متصور نہیں ہوگی اور جب دل سے نادم ہونے کا نام توبہ ہے تو پھر اس کے منہ میں مٹی ڈالنا بے سود ہے' نیز جب جبرئیل اس کو توبہ کرنے سے روک رہے تھے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو کفر پر قائم رکھنا چاہتے تھے' اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔ (طٰہٰ: ۴۴) تم دونوں فرعون سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ فرعون ایمان لے آئے' پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت جبرئیل کو فرعون کے منہ میں مٹی ڈالنے کے لیے بھیجے تاکہ وہ اللہ پر ایمان نہ لا سکے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۹۷' دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام رازی کے یہ اعتراضات بہت قوی ہیں لیکن ہم احادیث کا خادم ہونے کی حیثیت سے ان احادیث کا تحفظ کریں گے' اور ان کے اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ فرعون اللہ کی آیتوں کا انکار کر کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخیاں کر کے اس درجہ پر پہنچ چکا تھا' کہ اب اگر وہ ایمان لاتا پھر بھی اس کے ایمان کو قبول نہ کیا جاتا' اس لیے جبرئیل کو اس وقت اس کے منہ میں مٹی ڈالنے کے لیے بھیجا تاکہ اس پر یہ واضح کر دیا جائے کہ تو اب راندۂ درگاہ ہو چکا ہے اور اب تیرا ایمان لانا مقبول نہیں ہے۔

قرآن مجید کی صداقت

سو آج ہم تیرے (بے جان) جسم کو بچا لیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تیری قوم تو سمندر کی گہرائی میں غرق ہو چکی ہے لیکن ہم تیرے بے جان جسم کو سمندر کی گہرائی سے نکال لیں گے تاکہ دیکھنے والے دیکھیں کہ جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا آج وہ بے جان مردہ پڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جسم کو بچا لینے کا اعلان فرمایا اور اس کا جسم آج تک محفوظ ہے' مصر پر غیر مسلموں کی حکومت بھی رہی لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ اس کے جسم کو ضائع کر دیتا' یہ قرآن مجید کی صداقت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کے لیے عمدہ جگہ دی اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ

سو انہوں نے اختلاف نہ کیا حتیٰ کہ ان کے پاس (ربہ ذریعہ تورات) علم آگیا، بے شک آپ کا رب قیامت کے دن

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ

اس چیز میں فیصلہ فرمائے گا جس میں یہ اختلاف کرتے تھے ○ پس (اے مخاطب!) اگر تم اس چیز کے متعلق شک میں ہو

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔـلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ

جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تم سے پہلے کتاب کو پڑھتے ہیں۔ بے شک

جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ

تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا ہے پس تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا ○ اور ان لوگوں میں سے

مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

ہرگز نہ ہو جانا جنہوں نے [illegible] آیتوں کی تکذیب کی، ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے ○ (اے رسول مکرم!)

حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ

[illegible] آپ کے رب [illegible] ایمان نہیں لائیں گے ○ خواہ ان کے پاس تمام نشانیاں آجائیں

حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ

حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب کو (نہ) دیکھ لیں ○ [illegible] بستی [illegible] عذاب کی نشانی دیکھ کر ایمان لے آتی تو اس کا

اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ

ایمان اس کو نفع دیتا سوا یونس کی قوم کے کہ جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے اس سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ

عذاب دور کر دیا، اور ہم نے ان کو ایک وقت مقرر تک فائدہ پہنچایا ○ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے

مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا

تمام لوگ ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے حتیٰ کہ وہ

مُؤْمِنِينَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ

ایمان لے آئیں ○ اور کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر ایمان لے آئے،

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انْظُرُوا

اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر وہ (کفر کی) نجاست ڈال دیتا ہے ○ آپ کہیے تم غور سے دیکھو

مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ

آسمانوں اور زمینوں میں (اس کی وحدت کی) کیسی نشانیاں ہیں! اور یہ نشانیاں اور ڈرانے والے ان لوگوں کو کوئی

عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ

فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو (ضد اور عناد سے) ایمان نہیں لاتے ○ پس یہ لوگ صرف اسی طرح کے ایام کا انتظار کر رہے ہیں

الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ

جیسے (عذاب کے) ایام ان سے پہلی قوموں پر گزر چکے ہیں، آپ کہیے کہ تم (بھی) انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرنے

الْمُنْتَظِرِينَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ حَقًّا

والوں میں سے ہوں ○ پس ہم (عذاب آنے پر) اپنے رسولوں کو اور ایمان والوں کو (عذاب سے) بچاتے رہے ہیں، اسی طرح اللہ کی

ع ١١ / ١٥ عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ

سنت جاریہ ہے، مومنوں کو نجات دینا ہمارے ذمہ کرم پر ہے ○ آپ کہیے اے لوگو! اگر تم میرے دین کے متعلق کسی شک میں ہو

مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ

تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، لیکن میں اللہ کی عبادت

أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٤﴾

کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے رہوں ○

وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٥﴾

اور آپ اپنا چہرہ دین کے لیے قائم رکھیں باطل سے منہ موڑتے ہوئے اور مشرکین میں سے ہرگز نہ ہو جائیں ○

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ

اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں جو آپ کو نہ نفع پہنچا سکے نہ نقصان پہنچا سکے، اگر (بالفرض) آپ نے ایسا کیا

فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾

تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کے لیے عمدہ جگہ دی، اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، سو انہوں نے اختلاف نہ کیا حتیٰ کہ ان کے پاس (بذریعہ تورات) علم آگیا بے شک آپ کا رب قیامت کے دن اس چیز میں فیصلہ فرمادے گا جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں ○ پس (اے مخاطب!) اگر تم اس چیز کے متعلق شک میں ہو جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تم سے پہلے کتاب کو پڑھتے ہیں، بے شک تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا ہے پس تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا ○ اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی، ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے ○ (اے رسول مکرم!) بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کا حکم صادر ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ خواہ ان کے پاس تمام نشانیاں آجائیں حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب کو (بھی) دیکھ لیں ○ (یونس: ۹۷-۹۳)

بظاہر رسول اللہ ﷺ کی طرف قرآن میں شک کرنے کی نسبت اور اس سے عام لوگوں کا مراد ہونا

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو مضبوط کرنے اور آپ کو تسلی دینے کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں جن سے قرآن مجید کی صداقت اور آپ کی نبوت کی حقانیت کا علم ہوتا ہے:

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس رکوع کی پہلی چار آیتوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے یا عام انسانوں سے خطاب ہے، اگر اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے تو یہ بظاہر آپ سے خطاب ہے اور اس سے مراد آپ کا غیر ہے یعنی عام انسان اور اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ- (الاحزاب: ١) اے نبی اللہ سے ڈریئے اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کیجئے۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ- (الزمر: ۶۵) اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا۔

اس خطاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں ہیں بلکہ آپ کا غیر عام انسان مراد ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اس رکوع کی آیت ۱۰۴ میں فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ- (یونس: ۱۰۴) اے لوگو! اگر تم میرے دین کے متعلق کسی شک میں ہو۔

اس آیت میں صراحتاً فرمادیا کہ شک کا تعلق لوگوں کے ساتھ ہے آپ کے ساتھ نہیں ہے، لہٰذا یہ آیت پہلی آیتوں کی تفسیر ہے کہ ان آیتوں میں شک کا تعلق لوگوں کے ساتھ ہے۔ پہلی آیتوں میں اشارتاً عام لوگ مراد ہیں اور اس آیت میں

صراحت کے ساتھ عام لوگوں کا ذکر فرمایا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت میں شک ہو گا تو دوسرے لوگوں کو بطریق اولیٰ آپ کی نبوت میں شک ہو گا اور اس سے شریعت بالکلیہ ساقط ہو جائے گی۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت میں شک ہو تو اہل کتاب کے خبر دینے سے یہ شک کس طرح زائل ہو گا کیونکہ اکثر اہل کتاب تو کفار ہیں، اور اگر اہل کتاب میں سے کوئی مومن بھی آپ کی نبوت کی خبر دے تب بھی اس کی خبر حجت نہیں ہوگی خصوصاً اس لیے کہ ان کے پاس تورات اور انجیل کے جو نسخے ہیں وہ سب محرف ہیں، پس واضح ہو گیا کہ ان پہلی تین آیتوں میں ہرچند کہ بظاہر آپ سے خطاب ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد آپ کی امت ہے یا عام لوگ مراد ہیں۔

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید میں شک کیا تھا نہ اہل کتاب سے سوال کیا تھا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ذکر کیا میں شک کرتا ہوں نہ میں نے سوال کیا۔

(جامع البیان جز ١١ ص ٢١٨، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ)

شک کی نسبت کا عام لوگوں کی طرف ہونا

اور بعض مفسرین نے یہ کہا کہ ان آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ عام انسان سے خطاب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین قسم کے لوگ تھے: ایک وہ جو آپ کی تصدیق کرتے تھے، دوسرے وہ جو آپ کی تکذیب کرتے تھے اور تیسرے وہ لوگ جن کو آپ کے نبی ہونے کے متعلق شک اور تردد تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان تین قسم کے لوگوں سے خطاب فرمایا اور جن اہل کتاب سے سوال کرنے کا حکم دیا ہے اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام، عبداللہ بن صوریا، حضرت تمیم داری اور کعب احبار وغیرہ ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسلمانوں کے نزدیک تو اس وقت کی آسمانی کتابیں محرف ہیں تو پھر ان محرف کتابوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کا ذریعہ کیسے بنایا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی تحریف یہ تھی کہ جو آیات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتی تھیں وہ ان آیات کو چھپاتے تھے، تو اگر وہ خود ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کر دیتے تو یہ مسلمانوں کے لیے بہت قوی دلیل ہوتی۔

شک کی نسبت کے متعلق بعض تراجم

ہم نے شروع میں بیان کیا تھا کہ بعض مفسرین نے اس آیت میں شک کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے اور بعض مفسرین نے عام مخاطب کی طرف شک کی نسبت کی ہے، اسی اعتبار سے مترجمین نے اس کے ترجمے بھی دو طرح کے کیے ہیں، پہلے ہم ان مترجمین کا ذکر کر رہے ہیں جنہوں نے شک کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے:

شیخ سعدی شیرازی متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

پس بہ پرس آنانکہ مے خوانند کتاب از پیش تو بدرستی کہ آمد بتو بیان راست از پروردگار تو پس مباش ہرگز از شک آرندگان۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ١١٧٦ھ لکھتے ہیں:

پس بہ پرس آنا نرا کہ مے خوانند کتاب از پیش تو ہر آئینہ آمدہ است پیش تو وحی درست از پروردگار تو پس مشو از شک آرندگان۔

شاہ رفیع الدین دہلوی متوفی ۱۲۳۳ھ لکھتے ہیں:

پس سوال کر ان لوگوں سے کہ پڑھتے ہیں کتاب پہلے تجھ سے، تحقیق آیا ہے تیرے پاس حق، پروردگار تیرے سے، پس مت ہو شک لانے والوں سے۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے آگے بے شک آیا ہے تجھ کو حق تیرے رب سے سو تو مت ہو شبہ لانے والا

سید محمد محدث کچھوچھوی لکھتے ہیں:

تو اگر تم شک میں ہوتے جسے اتارا ہم نے تمہاری طرف تو پوچھ لیتے ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تم سے پہلے۔

اور جن مترجمین نے شک کی نسبت عام لوگوں کی طرف کی ہے ان کے یہ تراجم ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں۔

اور ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ، متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

تو (اے سننے والے) اگر تو شک میں ہو اس چیز سے جو ہم نے (اپنے رسول کی وساطت سے) تیری طرف نازل فرمائی تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

ہم نے بھی ان ہی تراجم کی اتباع کرتے ہوئے لکھا ہے:

پس (اے مخاطب!) اگر تم اس چیز کے متعلق شک میں ہو جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تم سے پہلے کتاب کو پڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کلمات کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (یونس: ۹۵) ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین قسم کے لوگ تھے: ایک وہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے تھے، دوسرے وہ تھے جو آپ کی تکذیب کرتے تھے اور تیسرے وہ تھے جن کو آپ کی نبوت میں شک تھا اور شک کرنے والوں کا معاملہ مکذبین سے کم ہے اس لیے پہلے فرمایا: تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا اور چونکہ تکذیب کرنے والوں کا معاملہ شک کرنے والوں سے زیادہ سخت ہے اس لیے ان کے بعد تکذیب کرنے والوں کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں اور اس کے بعد فرمایا: بے شک جن لوگوں کے متعلق آپ کے رب کے کلمات صادر ہو چکے ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے، یعنی اللہ تعالیٰ کو ازل سے جن لوگوں کے متعلق علم تھا کہ ان کو ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار دیا جائے گا لیکن وہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہوں گے، وہ کثیر معجزات اور دلائل دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق شقاوت کا فیصلہ کر دیا، سو جو لوگ اللہ کے علم میں ازل میں شقی تھے اور ان کے لیے ازل میں شقاوت لکھی جا چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس آیت میں کلمات کا ذکر ہے اور کلمہ سے مراد اللہ کا حکم اور اس کی خبر ہے اور بندہ میں قدرت اور داعیہ (فعل کا محرک اور باعث) کا مجموعہ پیدا کرتا ہے جو اس اثر کا موجب ہے، حکم، خبر اور علم تو ظاہر ہے اور قدرت اور داعی کا مجموع بھی ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ بندہ میں کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کی قدرت پیدا کرتا ہے اور خیر اور شر میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کی طاقت دیتا ہے پھر خیر اور شر میں سے جس چیز کو بندہ اختیار کرتا ہے اس میں وہی چیز پیدا فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندہ نے خیر اور شر میں سے کس کو اختیار کرنا ہے، سو جن کے متعلق اللہ کو ازل میں علم تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے ان کے متعلق فرمایا: بے شک جن لوگوں کے متعلق آپ کے رب کے کلمات صادر ہو چکے ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ امام رازی نے اس کی دوسری تقریر کی ہے کہ بندہ میں قدرت اور داعی (یعنی فعل کا محرک) دونوں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے پس اللہ نے جس کو ازل میں شقی بنا دیا وہ ایمان نہیں لائے گا لیکن یہ تقریر عام ذہنی سطح سے ماوراء ہے۔ امام رازی معتزلہ اور قدریہ کے رد میں شدت کرتے ہوئے جبر کی طرف چلے گئے ہیں، اور اہل سنت کا مسلک جبر اور قدر کے درمیان ہے یعنی فعل کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور اس کو اختیار بندہ کرتا ہے، اگر اختیار کی نفی کر دی جائے اور کہا جائے کہ یہ اختیار اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو یہ جبریہ کا مذہب ہے اور اگر کہا جائے کہ فعل کو بندہ پیدا کرتا ہے تو پھر یہ قدریہ اور معتزلہ کا مذہب ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ وہ (عذاب کی نشانی دیکھ کر) ایمان لے آتی تو اس کا ایمان اس کو نفع دیتا سوا یونس کی قوم کے کہ جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے اس سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب دور کر دیا، اور ہم نے ان کو ایک وقت مقرر تک فائدہ پہنچایا ○ (یونس: ۹۸)

حضرت یونس علیہ السلام کا نام و نسب

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام لاوی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام کے نواسے ہیں، شام کے رہنے والے تھے اور بعلبک کے عمال میں سے تھے، ایک قول یہ ہے کہ یہ بچپن میں فوت ہو گئے تھے، ان کی والدہ نے اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام سے سوال کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا، ان کے سوا ان کی والدہ کی اور کوئی اولاد نہیں تھی، چالیس سال کی عمر میں حضرت یونس علیہ السلام نے اعلان نبوت کیا وہ بنی اسرائیل کے بہت عبادت گزاروں میں سے تھے، وہ اپنے دین کو بچانے کے لیے شام چلے گئے اور دجلہ کے کنارے پہنچ گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اہل نینوا کی طرف بھیجا۔ (دریا دجلہ کے مشرقی کنارے جہاں موصل نامی شہر ہے وہاں ایک قدیم شہر تھا)

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۸ ص ۱۰۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ)

حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۗ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الانبیاء: ۸۸-۸۷)

اور ذوالنون کو یاد کیجئے جب وہ غضب ناک ہو کر نکلے سو انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ہرگز ان پر تنگی نہیں کریں گے پھر تاریکیوں میں انہوں نے پکارا: (اے اللہ!) تیرے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں، تو پاک ہے بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے تھا ○ تو ہم نے ان کی فریاد سن لی اور ان کو غم سے نجات

دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں○

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ○ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ○ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ○ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ○ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ○ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ○ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ○ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ○

(الصّٰفّٰت: ۱۴۸-۱۳۹)

اور بے شک یونس ضرور رسولوں میں سے ہیں○ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگے○ پھر قرعہ اندازی کرائی تو وہ مغلوبین میں سے ہوگئے○ اور ان کو مچھلی نے نگل لیا درآنحالیکہ وہ خود کو ملامت کرنے والوں میں سے تھے○ پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے○ تو وہ ضرور یوم حشر تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے○ تو ہم نے ان کو کھلے میدان میں ڈال دیا درآنحالیکہ وہ بیمار تھے○ اور ہم نے ان پر زمین پر پھیلنے والا کدو کا درخت اگا دیا○ اور ہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف بھیجا○

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ○ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ○ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

(القلم: ۵۰-۴۸)

تو آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں جب انہوں نے غم کی کیفیت میں اپنے رب کو پکارا○ اگر ان کے رب کی نعمت ان کی مدد نہ فرماتی تو وہ ضرور میدان میں ڈال دیئے جاتے درآنحالیکہ وہ ملامت زدہ ہوتے○ پس ان کے رب نے انہیں عزت دی اور انہیں صالحین میں سے کرلیا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت میں احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندہ کو یہ کہنا نہیں چاہیے کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۴۰۷۳، دار الفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کسی بندہ کو یہ کہنا نہیں چاہیے کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۹)

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس بن متّٰی سے افضل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۵)

حضرت یونس علیہ السلام کی سوانح

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت یونس بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی کے ساتھ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ وہ حضرت یونس کو اہل نینوا کی طرف بھیجیں اور ان کو میرے عذاب سے ڈرائیں، ان لوگوں میں تورات کے احکام پر عمل کرانے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات اور حضرت داؤد کی زبور کے بعد اور کسی کتاب کو نازل نہیں کیا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام بہت تیز مزاج اور سریع الغضب تھے، وہ اہل نینوا کے پاس گئے اور ان کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ انہوں نے حضرت یونس کی تکذیب کی اور ان کی نصیحت کو مسترد کردیا،

ان پر پتھراؤ کیا اور ان کو اپنی بستی سے نکال دیا۔ حضرت یونس وہاں سے لوٹ آئے، ان سے بنی اسرائیل کے نبی نے کہا: آپ وہاں پر پھر جائیں، حضرت یونس علیہ السلام پھر چلے گئے۔ اہل نینوا نے پھر وہی سلوک کیا، تین بار اسی طرح ہوا، حضرت یونس علیہ السلام ان کو عذاب سے ڈراتے اور وہ ان کی تکذیب کرتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب حضرت یونس علیہ السلام ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنے رب سے اپنی قوم کو ہلاک کرنے کی دعا کی، اور ان لوگوں کو خبر دی کہ تین دن بعد ان پر عذاب آ جائے گا، اور اپنی اہلیہ اور چھوٹے بچوں کو لے کر وہاں سے چلے گئے۔ وہ ایک پہاڑ پر چڑھ کر اہل نینوا کو دیکھنے لگے اور ان پر عذاب نازل ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے عذاب نازل ہونے کا جو وقت مقرر کیا تھا ان کی قوم بھی اس وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ جب انہیں عذاب کے نزول کا یقین ہو گیا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے سچ فرمایا تھا، پھر اس وقت جو بنی اسرائیل کے انبیاء تھے انہوں نے ان کی طرف رجوع کیا اور ان سے اس مصیبت کا حل دریافت کیا جس میں وہ مبتلا ہو چکے تھے، انہوں نے کہا حضرت یونس علیہ السلام کو بلاؤ، وہ تمہارے لیے دعا کریں گے کیونکہ انہوں نے ہی تمہارے خلاف دعا کی تھی۔ انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا لیکن وہ ناکام رہے، تب انہوں نے کہا آؤ ہم سب مل کر اللہ کے حضور توبہ کریں، پھر وہ اپنے تمام مردوں اور عورتوں اور مویشیوں کو لے کر نکلے، انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہنے، اپنے سروں پر راکھ ڈالی، اپنے پیروں میں کانٹے بچھائے اور رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے صدق کو دیکھ کر ان کی توبہ قبول فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اہل نینوا نے یکم ذوالحجہ کو عذاب کی علامات دیکھی تھیں اور دس ذوالحجہ کو ان سے عذاب اٹھا لیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم سے عذاب ٹل گیا ہے تو اللہ کا دشمن ابلیس ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اگر اب آپ اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ آپ کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ آپ نے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ ہمارے اوپر نہیں آیا، پس حضرت یونس اپنی قوم پر ناراض ہو کر (وحی الٰہی کا انتظار کیے بغیر) دجلہ کے کنارے پہنچ گئے، ان کے ہمراہ ان کے بال بچے بھی تھے۔ ایک کشتی آئی تو حضرت یونس نے کہا ہمیں لے چلو، کشتی والوں نے کہا کشتی میں جگہ کم ہے، آپ اس کشتی میں اپنی اہلیہ کو سوار کرا دیں، پھر حضرت یونس اور ان کے دو بیٹے رہ گئے۔ پھر ایک اور کشتی آئی حضرت یونس اس کی طرف بڑھے، ان کا ایک بیٹا دجلہ کے کنارے آیا، اس کا پیر پھسل گیا اور وہ دریا میں ڈوب گیا، اور بھیڑیا آیا وہ دوسرے بیٹے کو کھا گیا۔ تب حضرت یونس علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے، وہ اس دوسری کشتی میں سوار ہو گئے۔ جب کشتی پانی کے درمیان میں پہنچی تو اللہ کے حکم سے کشتی چکر کھانے لگی، کشتی والوں نے آپس میں کہا اس کا کیا سبب ہے، لوگوں نے کہا ہمیں پتا نہیں۔ حضرت یونس نے فرمایا: مجھے معلوم ہے، ایک بندہ اپنے رب سے بھاگ نکلا ہے، یہ کشتی اس وقت چلے گی جب تم اس کو دریا میں پھینک دو گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے؟ حضرت یونس نے فرمایا: وہ میں ہوں۔ لوگوں نے کہا اگر وہ آپ ہیں تو ہم آپ کو ہرگز نہیں پھینکیں گے، بخدا ہم کو یقین ہے کہ آپ ہی کے وسیلہ سے ہم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی، پھر انہوں نے قرعہ اندازی کی اور کہا جس کے نام کا قرعہ نکلے گا ہم اس کو دریا میں ڈال دیں گے۔ انہوں نے قرعہ اندازی کی تو حضرت یونس کا نام نکل آیا، لیکن انہوں نے حضرت یونس کو دریا میں ڈالنے سے انکار کیا، پھر دوبارہ قرعہ اندازی کی پھر حضرت یونس کا نام نکلا۔ حضرت یونس نے کہا: مجھ کو دریا میں ڈال دو، اور اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ حضرت یونس کو نگل لے، مگر حضرت یونس کو خراش آئے نہ ان کی ہڈی ٹوٹے، وہ میرے نبی اور میرے برگزیدہ بندے

ہیں۔ وہ مچھلی چالیس دن تک دریا میں تیرتی رہی اور حضرت یونس مچھلی کے پیٹ میں جنات اور مچھلیوں کی تسبیح سنتے رہے، حضرت یونس تسبیح اور تہلیل کرتے رہے اور کہتے تھے: اے میرے مالک! تو نے مجھے پہاڑوں سے اتارا، شہروں میں پھرایا اور تین اندھیروں میں مجھے مقید کر دیا: رات کا اندھیرا، پانی کا اندھیرا اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، تو نے مجھے ایسی سزا دی ہے کہ مجھ سے پہلے کسی کو ایسی سزا نہیں دی تھی!

جب چالیس دن پورے ہو گئے تو:

فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (الانبیاء: ۸۷)

پھر تاریکیوں میں انہوں نے پکارا: (اے اللہ!) تیرے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔

پھر فرشتوں نے ان کے رونے کی آواز سنی اور ان کو آواز سے پہچان لیا اور ان کے گریہ و زاری کی وجہ سے فرشتے بھی رونے لگے اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! یہ ایک غمزدہ شخص کی کمزور آواز ہے جو کسی اجنبی جگہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرا بندہ یونس ہے، اس سے ایک (اجتہادی) خطا ہو گئی تو میں نے اس کو دریا میں مچھلی کے پیٹ میں قید کر لیا۔ فرشتوں نے کہا: اے رب! یہ نیک بندہ ہے، صبح اور شام اس کے بکثرت نیک اعمال آسمانوں کے اوپر جاتے ہیں۔ فرمایا: ہاں!

حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب اللہ اپنے اولیاء پر اس طرح گرفت فرماتا ہے تو غور کرو وہ اپنے دشمنوں پر کیسی گرفت فرمائے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی فرشتوں نے شفاعت کی، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس مچھلی کے پاس بھیجا کہ جس جگہ سے اس نے حضرت یونس کو نگلا تھا وہیں ان کو اگل دے۔ وہ مچھلی دریا کے کنارے آئی اور حضرت جبرئیل مچھلی کے منہ کے قریب پہنچے اور کہا: السلام علیک یا یونس! رب العزت آپ پر سلام پڑھتا ہے! حضرت یونس نے فرمایا: اس آواز کے لیے مرحبا ہو جس آواز کے متعلق میرا یہ گمان تھا کہ وہ اب مجھے کبھی سنائی نہیں دے گی۔ پھر مچھلی سے کہا: تم اللہ کا نام لے کر حضرت یونس کو اگل دو، مچھلی نے حضرت یونس کو اگلا اور حضرت جبرئیل نے ان کو اپنی گود میں لے لیا۔ اس وقت حضرت یونس علیہ السلام کا جسم اس طرح ملائم تھا جیسے نوزائیدہ بچہ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں صرف تین دن اور تین راتیں رہے تھے۔ (حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت میں اختلاف ہے، شعبی نے کہا ہے کہ چاشت کے وقت مچھلی نے ان کو نگلا تھا اور شام کے وقت اگل دیا، قتادہ نے کہا وہ اس میں تین دن رہے تھے، امام جعفر صادق نے کہا وہ اس میں سات دن رہے تھے اور سعید بن ابوالحسن اور ابو مالک نے کہا وہ اس میں چالیس دن رہے تھے، اور اللہ ہی کو علم ہے وہ اس میں کتنی مدت رہے تھے۔ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۲۱، دار الفکر طبع جدید، ۱۴۱۸ھ)

ایک قول یہ ہے کہ جب وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے تو انہوں نے کہا: تیری عزت کی قسم! میں تیرے لیے ایسی جگہ مسجد بناؤں گا جہاں کسی نے تیرے لیے مسجد نہ بنائی ہو گی، اور وہ مچھلی کے پیٹ میں ہی اللہ کے لیے سجدہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر وہ تسبیح کرنے والوں (نماز پڑھنے والوں) میں سے نہ ہوتے ○ تو وہ ضرور یوم حشر تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے ○ حسن نے کہا انہوں نے پہلے جو نمازیں پڑھی تھیں اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول فرمایا اور ان کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دی۔

میمون بن مہران نے کہا: تم اللہ تعالیٰ کو آسانی اور سہولت کے وقت یاد کیا کرو وہ تم کو شدت اور مصیبت کے وقت میں یاد

رکھے گا۔ فرعون نے اپنی ساری زندگی سرکشی اور نافرمانی میں گزاری اور جب سمندر میں ڈوبنے لگا تو کہا میں ایمان لے آیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اب ایمان لایا ہے اور پہلے نافرمانی کرتا رہا تھا۔ (یونس: ۹۱-۹۰) اور حضرت یونس علیہ السلام ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے اور جب مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مصیبت سے نجات دی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں جو دعا مانگی تھی (لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین۔ الانبیاء: ۸۷) جو مسلمان بھی کسی مصیبت کے وقت یہ دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۸)

مجاہد نے کہا: جب مچھلی نے دریا دجلہ کے کنارے حضرت یونس کو اگلا تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین پر پھیلنے والا کدو کا درخت اگا دیا اور ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ (ایک قول ہے ایک لاکھ ستر ہزار) لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا۔

حسن نے کہا کدو کی بیل کا بہت گھنا سایہ تھا حضرت یونس اس کی شاخوں کو اس طرح چوستے تھے جس طرح بچہ دودھ چوستا ہے۔ نیز حسن نے بیان کیا کہ ایک چرواہے نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے پاس جا کر یہ خبر دی کہ اس نے اللہ کے رسول حضرت یونس بن متی کو دیکھا ہے' لوگوں نے اس کو جھٹلایا تب اس نے کہا میرے پاس دلیل ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کی بکری کو گویائی دی اور اس نے کہا ہاں انہوں نے میرا دودھ پیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کے حق میں گواہی دوں' پھر ان کی قوم اس وادی میں گئی تو دیکھا کہ حضرت یونس علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے' وہ لوگ رونے لگے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگے' اور پھر ان کو اپنے ساتھ لے کر اپنے شہر میں آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آسمان سے برکتیں نازل کیں اور ان پر زمین کے خزانے کھول دیئے' حضرت یونس علیہ السلام وہاں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کرتے رہے اور ان کے لیے سنتیں اور شریعتیں قائم کیں' پھر اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی کہ وہ زمین میں گھوم پھر کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی اور وہاں سے چلے گئے اور بادشاہ نے اس چرواہے کو بادشاہت دے دی جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا تھا پھر بادشاہ بھی وہاں سے چلا گیا اور اس کے بعد پھر کسی نے حضرت یونس کو دیکھا نہ بادشاہ کو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ازرق پر تشریف لے گئے' آپ نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بلند آواز سے تلبیہ کہتے ہوئے پہاڑی سے اتر رہے ہیں' پھر آپ ثنیہ پر آئے اور فرمایا: گویا کہ میں حضرت یونس بن متی کو دیکھ رہا ہوں' وہ تلبیہ کہہ رہے ہیں' ان پر دو سفید چادریں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: لبیک یا یونس! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ (کنز العمال: ۳۲۳۸۲)

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۸ ص ۱۱۶-۱۰۷ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ وہ (عذاب کی نشانی دیکھ کر) ایمان لے آتی تو اس کا ایمان اس کو نفع دیتا سوا یونس کی قوم کے کہ جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے اس سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب دور کر دیا' اور ہم نے ان کو ایک وقت مقرر تک فائدہ پہنچایا۔ (یونس: ۹۸)

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کا حکم صادر ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے○ خواہ ان کے پاس تمام نشانیاں آ جائیں حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب کو (بھی) دیکھ لیں○ (یونس: ۹۷-۹۶) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کفر کے بعد ایمان لے آئی' اس طرح کافر قوموں کی اب دو

قسمیں ہو گئیں: ایک وہ جن کا خاتمہ کفر پر ہوا اور دوسری وہ جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔

آثار عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا توبہ کرنا

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اصحاب سیر و تفسیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سرزمین موصل کے مقام نینوا میں رہتی تھی، اللہ عزوجل نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت یونس نے ان کو بت پرستی ترک کرنے کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی، انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو خبر دی کہ تین دن کے بعد ان پر عذاب آ جائے گا، جب ان پر آثار عذاب ظاہر ہوئے، حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ حضرت یونس کی قوم اور عذاب کے درمیان صرف دو تہائی میل کا فاصلہ رہ گیا تھا، مقاتل نے کہا کہ ایک میل کا فاصلہ رہ گیا تھا، ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے عذاب کی تپش اپنے کندھوں پر محسوس کی، بعض نے کہا کہ آسمان پر سیاہ رنگ کے بادل نمودار ہو گئے اور بہت سخت دھواں ظاہر ہونے لگا جس نے ان کے شہر کو ڈھانپ لیا، اور ان کے مکانوں کی چھتیں سیاہ پڑ گئیں، جب ان کو ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہنے اور اپنے سروں پر راکھ ڈال لی، اور تمام لوگ بڑے اور چھوٹے، والدین اور بچے، تمام جانوروں کو لے کر میدان میں جمع ہوئے اور سب نے با آواز بلند اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور صدق دل سے معافی مانگی اور یہ کہا کہ ہم حضرت یونس علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ان کی توبہ یہاں تک تھی کہ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جو زیادتیاں کی تھیں ان کی بھی تلافی کر لی، حتیٰ کہ اگر کسی نے دوسرے کا پتھر اپنی دیوار میں لگایا تھا تو وہ پتھر دیوار سے نکال کر اس کو واپس کر دیا، اور ابوالجلد نے کہا: جب ان پر عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو وہ اپنے بڑے بوڑھے عالم کے پاس گئے اور اس سے اس عذاب سے نجات کے متعلق سوال کیا اس نے کہا یہ کہو:

یاحی حین لا حی یاحی محی الموتی یاحی لا الہ الا انت۔ اے زندہ! جب کوئی زندہ نہ ہو، اے زندہ! مردوں کو زندہ کرنے والے، اے زندہ! تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

جب انہوں نے یہ کلمات کہے تو ان سے عذاب اٹھا لیا گیا۔ مقاتل نے کہا: وہ چالیس دن تک اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہے، پھر ان سے عذاب دور کر دیا گیا۔ دس محرم جمعہ کے دن ان کی توبہ قبول ہوئی۔ حضرت یونس علیہ السلام ان کے پاس سے جا چکے تھے، ان سے کہا گیا کہ آپ اپنی قوم کے پاس چلے جائیں۔ حضرت یونس نے فرمایا: میں ان کے پاس کیسے جاؤں، وہ مجھ کو جھوٹا قرار دیں گے اور ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ جو شخص جھوٹا ثابت ہو اور اس کے پاس اپنی سچائی پر کوئی دلیل نہ ہو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا، تب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر ناراضگی کے باعث دریا کی طرف چلے گئے اور مچھلی نے ان کو نگل لیا۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۹۹-۹۸، جامع البیان جز ۱۱ ص ۲۲۴-۲۲۲ ملخصاً، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۹۸۹-۱۹۸۸، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۰۳، جامع البیان جز ۸ ص ۲۹۰-۲۸۹، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۸۱، روح المعانی ج ۷ ص ۲۸۳-۲۸۲)

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول کرنے اور فرعون کی توبہ قبول نہ کرنے کی وجہ

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ طبری نے کہا ہے کہ تمام امتوں میں سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی یہ خصوصیت ہے کہ عذاب کے معائنہ کے بعد ان کی توبہ قبول کر لی گئی اور مفسرین کی ایک جماعت سے اسی طرح منقول ہے۔ زجاج نے یہ کہا ہے کہ ان پر عذاب

واقع نہیں ہوا تھا' انہوں نے صرف وہ علامات دیکھی تھیں جو عذاب پر دلالت کرتی ہیں اور اگر وہ بعینہٖ عذاب کو دیکھ لیتے تو ان کو ایمان نفع نہ دیتا۔ (علامہ قرطبی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ زجاج کا قول بہت عمدہ ہے' کیونکہ جس عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان نفع نہیں دیتا' وہ عذاب میں مبتلا ہونا ہے' جیسا کہ فرعون کے قصہ سے ظاہر ہے' یہی وجہ ہے کہ حضرت یونس کی قوم کے قصہ کو فرعون کی قوم کے قصہ کے بعد ذکر فرمایا ہے' کیونکہ وہ اس وقت ایمان لایا تھا جب وہ عذاب کو دیکھ چکا تھا اس وجہ سے اس کے ایمان نے اس کو نفع نہیں پہنچایا' اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے اس سے پہلے توبہ کرلی تھی اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ (موت) نہ ہو۔ (غرغرہ: موت کے وقت غرغر کی آواز نکالنا)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۳' مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۰۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۸' الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۵۹۴' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۹۰' المستدرک ج ۴ ص ۲۵۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۰۶۴)

ہم نے جو ذکر کیا ہے اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جب حضرت یونس نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ تین دن کے بعد ان پر عذاب آجائے گا اور حضرت یونس ان کے درمیان سے چلے گئے اور اگلی صبح کو قوم نے حضرت یونس کو موجود نہ پایا تو انہوں نے توبہ کرلی' اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب روک لیا' حضرت یونس عذاب کا انتظار کر رہے تھے' جب انہوں نے کوئی چیز نہیں دیکھی اور ان کا دستور یہ تھا کہ جو شخص جھوٹا قرار دیا جائے اور اس کے پاس دلیل نہ ہو تو وہ قتل کردیا جاتا تھا' تب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر غم و غصہ کرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۸۵۳' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۵۹۷)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے عذاب کی علامت دیکھنے سے پہلے توبہ کرلی تھی' اور کشفنا عنھم عذاب الخزی کا معنی یہ ہے کہ جس عذاب کا حضرت یونس نے ان سے وعدہ کیا تھا وہ ان پر نازل ہوگا' وہ عذاب اللہ تعالیٰ نے ان سے دور کردیا' یہ معنی نہیں ہے کہ انہوں نے عذاب کو دیکھ لیا تھا' اور اس توجیہ کی بناء پر حضرت یونس کی قوم سے عذاب کو دور کرنے اور فرعون سے عذاب کو دور نہ کرنے میں کوئی تعارض نہیں ہے اور نہ یہ حضرت یونس کی قوم کی خصوصیت ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں اہل نینوا سعادت مند لوگوں میں سے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: احتیاط سے تقدیر نہیں بدلتی اور دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے' نیز حضرت علی نے فرمایا: ان سے عاشوراء کے دن عذاب دور ہوا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۲۹۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہرچند کہ علامہ قرطبی کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت یونس کی قوم نے عذاب کی علامات دیکھنے سے پہلے توبہ کرلی تھی لیکن ظاہر قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عذاب کی علامات اور نشانیاں دیکھ کر توبہ کی تھی' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس کی قوم کا باقی اقوام سے استثناء کیا ہے اور باقی تمام مفسرین کا بھی یہی مختار ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام پر گرفت کی توجیہ اور نگاہ رسالت میں ان کا بلند مقام

حضرت یونس علیہ السلام پر سخت غم و غصہ اور پریشانی کی کیفیت طاری تھی' جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ عذاب نہیں آیا تو ان کو خیال آیا کہ ان کی قوم اب ان کو جھوٹا کہے گی کہ جس وقت انہوں نے عذاب آنے کی پیش گوئی کی تھی اس وقت

عذاب نہیں آیا اور ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ جو شخص جھوٹا ثابت ہو اور اس کے جھوٹ پر کوئی دلیل نہ ہو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا؛ اس غم اور پریشانی کی کیفیت میں حضرت یونس نے اس علاقہ سے نکل جانا چاہا اور اس پریشانی میں وہ یہ بھول گئے کہ یہاں سے جانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت لینا ضروری ہے اور ہرچند کہ عام مسلمانوں سے بھول پر مواخذہ اور گرفت نہیں ہوتی لیکن انبیاء علیہم السلام کا مقام عام مسلمانوں سے بہت بلند ہوتا ہے اس لیے ان سے بھول پر بھی مواخذہ ہوتا ہے' ہرچند کہ بھول کوئی گناہ نہیں ہے' لیکن حضرت آدم نے بھولے سے شجر ممنوع سے کھالیا تو ان کالباس اتر گیا اور انہیں جنت سے باہر جانے کا حکم دیا پھر وہ اس بھول پر بھی عرصہ دراز تک توبہ کرتے رہے پھر انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام بھی بھولے سے کشتی میں بیٹھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر گرفت فرمائی اور ان کو مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا پھر ان کی تسبیح کی وجہ سے ان کو نجات عطا فرمائی' پھر ان کی ناز برداری فرمائی' جبرئیل ان کو مچھلی کے منہ سے نکال کر ایک چٹیل میدان میں لے گئے وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو سائے میں رکھنے کے لیے کدو کی پھیلنے والی بیل پیدا فرمائی اور اس کی شاخوں میں دودھ اتارا جس سے حضرت یونس علیہ السلام کی نشوونما فرمائی' پھر حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں جو تسبیح کی تھی اس تسبیح کو یہ مرتبہ اور مقام عطا فرمایا کہ قیامت تک جو مسلمان بھی کسی رنج اور غم میں مبتلا ہو جب وہ اس تسبیح کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے غم سے نجات عطا فرمائے گا' تسبیح اور استغفار کے کلمات تو بہت ہیں لیکن ان کلمات کو یہ مرتبہ اس لیے عطا فرمایا کہ یہ اس کے محبوب اور مکرم نبی کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات تھے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر بلند تھا۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کی رفعت اور عظمت کو ظاہر کرتے ہوئے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی ایک شخص بھی حضرت یونس بن متی سے افضل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۵) آپ نے یونہی تو نہیں فرمایا: کسی شخص کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ مجھے حضرت یونس بن متی پر فضیلت دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۶) نگاہ رسالت سے یہ امر پوشیدہ نہ تھا کہ کچھ لوگ حضرت یونس علیہ السلام کی اس آزمائش کے واقعہ کو دیکھ کر ان پر زبان طعن دراز کریں گے' اس لیے اس کے سدباب کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی فرما دیا کہ کوئی شخص بھی حضرت یونس سے افضل نہیں ہے' مجھے بھی ان پر فضیلت مت دو' ہرچند کہ آپ کے یہ کلمات بطور تواضع ہیں لیکن ان کلمات سے حضرت یونس کے بلند مقام اور ان کی رفعت شان کا پتا چلتا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش پر سید مودودی کی تنقید

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ سورۂ یونس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں خدائی دستور کے جو اصول و کلیات بیان کیے گئے ہیں ان میں ایک مستقل دفعہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اس پر اپنی حجت پوری نہیں کر لیتا پس جب نبی نے اس قوم کی مہلت کے آخری لمحے تک نصیحت کا سلسلہ جاری نہ رکھا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے بطور خود ہی وہ ہجرت کر گیا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس کی قوم کو عذاب دینا گوارا نہ کیا کیونکہ اس پر اتمام حجت کی قانونی شرائط پوری نہیں ہوئی تھیں۔

(تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۱۳' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء)

اور الصّٰفّٰت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مفسرین کے ان بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تین قصور تھے جن کی وجہ سے حضرت یونس پر عتاب ہوا: ایک یہ

کہ انہوں نے عذاب کے دن کی خود ہی تعیین کر دی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کوئی اعلان نہ ہوا تھا، دوسرے یہ کہ وہ دن آنے سے پہلے ہجرت کر کے ملک سے نکل گئے حالانکہ نبی کو اس وقت تک اپنی جگہ نہ چھوڑنی چاہیے جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ آ جائے، تیسرے یہ کہ جب اس قوم پر سے عذاب ٹل گیا تو واپس نہ گئے۔

(تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۱۱-۳۱۰، مطبوعہ لاہور، مارچ ۱۹۸۳ء)

اس سے چند صفحات پہلے لکھتے ہیں:

اس ابتلاء میں حضرت یونس اس لیے مبتلا ہوئے کہ وہ اپنے آقا (یعنی اللہ تعالیٰ) کی اجازت کے بغیر اپنے مقام ماموریت سے فرار ہو گئے تھے، اس معنی پر لفظ ابق بھی دلالت کرتا ہے جس کی تشریح حاشیہ نمبر ۷۸ میں گزر چکی ہے۔ (حاشیہ نمبر ۷۸ میں لکھا ہے اصل میں لفظ ابق استعمال ہوا ہے جو عربی زبان میں صرف اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ غلام اپنے آقا کے ہاں سے بھاگ جائے) اور اسی معنی پر لفظ ملیم بھی دلالت کرتا ہے ملیم ایسے قصوروار آدمی کو کہتے ہیں جو اپنے قصور کی وجہ سے آپ ہی ملامت کا مستحق ہو گیا ہو۔ (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۰۷، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۳ء)

سید مودودی کی تنقید پر مصنف کا تبصرہ

یہ امر سب کے نزدیک مسلم ہے کہ قرآن مجید میں جب کسی لفظ کا لغوی معنی اللہ اور رسول کے شایان شان نہ ہو تو اس کو مجاز پر محمول کیا جاتا ہے جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ استہزاء استعمال کیا ہے، اس کا معنی ہے مذاق اڑانا اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے اس لیے اس کا معنی مذاق اڑانے کی سزا کیا جاتا ہے، اسی طرح جو الفاظ انبیاء علیہم السلام کی شایان شان نہ ہوں ان میں بھی تاویل کی جائے گی۔ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ ان سے صغیرہ یا کبیرہ کسی قسم کا بھی گناہ صادر نہیں ہوتا اور وہ قصد اور ارادے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے البتہ ان سے نسیان کے ساتھ کوئی ممنوع کام ہو جاتا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا بھولے سے شجر ممنوع سے کھا لینا، یا حضرت یونس علیہ السلام کا بھولے سے بغیر اجازت لیے چلے جانا یہ کام گناہ نہیں ہیں، ان کاموں پر جو ان سے مواخذہ ہوا وہ ان کے مقام کی بلندی کی وجہ سے ہے کیونکہ ان کے بلند مقام کی وجہ سے ان سے بھول بھی قابل مواخذہ ہے اور ان کا اپنے آپ کو ظالم کہنا ان کی تواضع اور انکسار ہے، لیکن یہ ان کا اور ان کے رب کے درمیان معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کا مالک اور مولیٰ ہے، وہ جو چاہے انہیں فرمائے اور وہ اس کے بندے ہیں، وہ اس کے سامنے جس طرح چاہیں تواضع اور انکسار کریں ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اپنی طرف سے ان پر کوئی حکم لگائیں، ان کے کسی کام پر تنقید کریں یا تبصرہ کریں، ہم صرف ان سے متعلق آیات اور احادیث کا ترجمہ کر سکتے ہیں اور ان آیات اور احادیث کے علاوہ ان پر کوئی حکم لگانے کے یا ان پر کوئی تبصرہ کرنے کے ہم مجاز نہیں ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق جس طرح لکھا ہے اس سے یہ لگتا ہے جیسے عدالت ملزم پر فرد جرم عائد کر رہی ہو، ہم اس قسم کی عبارات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

علامہ ابن الحاج مالکی متوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے قرآن مجید کی تلاوت یا حدیث کے علاوہ کسی نبی کے متعلق یہ کہا کہ اس نے معصیت کی یا مخالفت کی تو وہ کافر ہو گیا، ہم اس سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ (المدخل ج ۲ ص ۱۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

خاص طور پر حضرت یونس علیہ السلام کا مقام بہت عظیم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص بھی حضرت یونس سے افضل نہیں ہے اور فرمایا: مجھے بھی یونس بن متی پر فضیلت مت دو۔ ایسے عظیم الشان نبی کے متعلق یہ لکھنا

"ان کے تین قصور تھے" لائق صد افسوس ہے، ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں ○ (یونس: ۹۹)

روئے زمین کے تمام لوگوں کو مومن بنانا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے لیکن اس کی حکمت میں نہیں

اس سورت کی ابتداء سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں کفار کے شبہات بیان کیے گئے ہیں، ان کا ایک شبہ یہ تھا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ کی نبوت کو نہ مانا گیا تو اللہ تعالیٰ منکرین پر آسمان سے عذاب بھیجے گا اور اپنے نبی اور مومنوں کی مدد فرمائے گا وہ یہ کہتے تھے کہ ہم آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں تو ہم پر آسمانی عذاب کیوں نہیں آتا! اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا قصہ بیان فرمایا: ان کی قومیں بھی جلد عذاب کے آنے کا مطالبہ کرتی تھیں، بالآخر ان پر عذاب آ گیا، اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے آثار عذاب دیکھتے ہی توبہ کرلی، اس لیے ان سے عذاب ٹل گیا، اور چونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے ایمان لانے پر بہت حریص تھے اور اس کے لیے بہت جدوجہد کرتے تھے اور ان کے ایمان نہ لانے سے آپ سخت رنجیدہ ہوتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر ملول خاطر نہ ہوں کیونکہ جس کے متعلق ازل میں اللہ عزوجل کو یہ علم تھا کہ وہ کفر کے مقابلہ میں ایمان کو اختیار کرے گا اسی کے لیے اللہ تعالیٰ ایمان پیدا کرے گا اور جس کے متعلق ازل میں اللہ تبارک و تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کرے گا وہ اس کے لیے ایمان کو پیدا نہیں کرے گا بلکہ کفر کو پیدا کرے گا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ وہ لوگوں کے اختیار کے بجائے اضطراری طور پر ان کو ایمان والا بنا دے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ابتداءً مومن اور مطیع پیدا فرمایا اور ان میں ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار نہیں رکھا اور نہ ان کے لیے ثواب اور عذاب کو مقدر فرمایا، سو اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت میں ہوتا تو وہ روئے زمین کے تمام انسانوں کو مومن بنا دیتا لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے اس کی حکمت میں نہیں ہے اور آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے صرف تبلیغ کے لیے بھیجا ہے اور اگر کوئی شخص آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود ایمان نہیں لاتا تو آپ غم نہ کریں کیونکہ آپ کو اس لیے تو نہیں بھیجا گیا کہ آپ ان پر جبر کر کے ان کو کلمہ پڑھا دیں، اسی مفہوم میں قرآن مجید کی اور بھی آیات ہیں:

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ○ (ق: ۴۵)

جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ہم اس کو خوب جانتے ہیں، اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں، سو آپ اس کو قرآن سے نصیحت فرمائیں جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ـ (الشوریٰ: ۴۸)

پس اگر وہ روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو (دین کو) صرف پہنچانا ہے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ (القصص: ۵۶)

بے شک آپ (اسے) ہدایت یافتہ نہیں بناتے جس کا ہدایت یافتہ ہونا آپ کو پسند ہو لیکن اللہ ہدایت یافتہ بناتا ہے جسے چاہے اور وہ ہدایت قبول کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر ایمان لے آئے اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر وہ (کفر کی) نجاست ڈال دیتا ہے ○ (یونس: ۱۰۰)

انسان مجبور محض ہے نہ مختار مطلق

یعنی کسی نفس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ، اس کی مشیت اور اس کی توفیق کے بغیر ایمان لے آئے، یا کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی مشیت کے بغیر ایمان لے آئے، انسان کو ایمان لانے کا اختیار دیا ہے اور وہ ایمان یا کفر میں سے جس کو اختیار کرتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ وہی پیدا کر دیتا ہے اور اس کو ازل میں اس کا علم تھا کہ وہ ایمان یا کفر میں سے کس چیز کو اختیار کرے گا اور اسی چیز کو اس نے اس کے لیے لکھ دیا اور اسی کا نام تقدیر ہے، سو نہ تو انسان مجبور محض ہے، کیونکہ اس کو اختیار دیا گیا ہے اور نہ وہ اپنے افعال کا خالق ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر وہ کفر کی نجاست ڈال دیتا ہے، یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدت کے دلائل پر غور نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی ذات پر جو نشانیاں رکھی ہیں اور خود انسان کے اندر جو اس کی ذات پر نشانیاں ہیں ان میں غور و فکر نہیں کرتے اور وہ باپ دادا کی اندھی تقلید پر جمے رہتے ہیں ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کفر کی نجاست ڈال دیتا ہے یا ان کے لیے عذاب مخلد کو مقدر کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم غور سے دیکھو آسمانوں اور زمینوں میں (اس کی وحدت کی) کیسی نشانیاں ہیں! اور یہ نشانیاں اور ڈرانے والے ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو (ضد اور عناد سے) ایمان نہیں لاتے ○ (یونس: ۱۰۱)

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلیل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی تقدیر اور مشیت کے بغیر ایمان نہیں حاصل ہو سکتا اور اس آیت میں زمین اور آسمانوں میں جو اس کی ذات اور اس کی قدرت پر نشانیاں ہیں ان میں تدبر اور تفکر کا حکم دیا ہے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ انسان مجبور محض ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک گونہ مختار بنایا ہے سو اس پر لازم ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی بناوٹ پر غور کرے اور ان میں جو کواکب اور سیارے ہیں ان میں تفکر کرے کہ وہ ایک مخصوص نظام کے تحت قائم ہیں اور گردش کر رہے ہیں، رات اور دن کے توارد اور ان کے اختلاف میں، بارشوں کے ہونے اور دریاؤں میں سیلاب اور سمندروں کے طوفانوں میں اور کھیتوں اور باغات میں غلہ اور پھلوں کی پیداوار میں یہ نشانی ہے کہ یہ تمام چیزیں نظام واحد کے تحت روبہ عمل ہیں۔ انسانوں، مویشیوں، چرندوں، درندوں اور پرندوں میں توالد اور تناسل کا نظام واحد ہے، موسموں کے بدلنے کا نظام واحد ہے، روئیدگی کا نظام واحد ہے، سورج اور چاند کے طلوع اور غروب کا نظام واحد ہے، خود انسان کے اندر نشو و نما کا نظام واحد ہے غذا کے انہضام کا نظام واحد ہے، فضلات کے اخراج کا نظام واحد ہے، انسان خواہ اپنے باہر کی دنیا کو دیکھے تو ہر چیز نظام واحد میں مربوط ہے اور اپنے اندر کی دنیا کو دیکھے تو ہر چیز نظام واحد میں منسلک ہے اور نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا بنانے والا بھی واحد ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۔ (حٰم السجدۃ: ۵۳)

عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے، اس جہان کے اطراف میں اور (خود) ان کے نفسوں میں، حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ یہی (قرآن) حق ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ○ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ○ (الذاریٰت: ۲۱۔۲۰)

اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں نشانیاں ہیں ○ اور خود ان کے نفسوں میں تو کیا تم (ان نشانیوں کو) نہیں دیکھتے ○

یہ جہان عالم کبیر ہے اور خود انسان عالم صغیر ہے اور عالم کبیر کے نظام میں بھی یکسانیت اور وحدت ہے اور عالم صغیر کے

نظام میں بھی یکسانیت اور وحدت ہے اور نظام کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس یہ لوگ صرف اس طرح کے ایام کا انتظار کر رہے ہیں، جیسے (عذاب کے) ایام ان سے پہلی قوموں پر گزر چکے ہیں، آپ کہئے کہ تم (بھی) انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں○ (یونس: ۱۰۲)

اس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ گزشتہ امتوں کی طرح انتظار کر رہے ہیں، اور اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام اپنے زمانوں میں کفار کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے، اور وہ ان کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہتے تھے یہ عذاب جلدی کیوں نہیں آتا، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کفار تھے وہ بھی اسی طرح کہتے تھے اس لیے فرمایا: تم بھی اس وعید کا انتظار کرو اور میں بھی اس وعید کے پورا ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ہم (عذاب آنے پر) اپنے رسولوں کو اور ایمان والوں کو (عذاب سے) بچاتے رہے ہیں، اسی طرح اللہ کی سنت جاریہ ہے، مومنوں کو نجات دینا ہمارے ذمہ (کرم پر) ہے○ (یونس: ۱۰۳)

مومنوں کو ثواب عطا فرمانے کا وجوب اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی وجہ سے ہے

جب کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کفار کی طرح عذاب کا انتظار کریں تو اس آیت میں اس کی تفصیل فرمائی کہ عذاب صرف کفار پر نازل ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین اہل نجات میں سے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مومنوں کو نجات دینا ہمارے ذمہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مومنوں کو نجات دینا اللہ پر واجب ہے، اور یہ معتزلہ کا مذہب ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ مومنوں کے نیک اعمال کے استحقاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ ان کو ثواب عطا فرمائے، جب کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور کرم کی وجہ سے مومنوں سے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور کریم وعدہ کرکے اسے پورا کرتا ہے اس وجہ سے اس پر ثواب عطا فرمانا واجب ہے نہ اس وجہ سے کہ مومنوں کا اللہ پر کوئی حق ہے جیسے کام کرنے والے کا کام کرانے والے پر حق ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنے اوپر مومنوں کی نجات کو واجب کرلیا ہے، قرآن مجید میں ہے:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ — تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔ (الانعام: ۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے تو یہ اس کے پاس عرش پر لکھا ہوا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۵۴، ۳۱۹۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۵۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے اے لوگو! اگر تم میرے دین کے متعلق کسی شک میں ہو تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، لیکن میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے رہوں○ اور آپ اپنا چہرہ دین کے لیے قائم رکھیں باطل سے منہ موڑتے ہوئے اور مشرکین میں سے ہرگز نہ ہو جائیں○ اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں جو آپ کو نہ نفع پہنچا سکے، نہ نقصان پہنچا سکے، اگر (بالفرض) آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے○ (یونس: ۱۰۴-۱۰۶)

اسلام کا فطرت کے مطابق ہونا اور کفر کا خلاف فطرت ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی صحت پر دلائل قائم کیے تھے اور اپنی وحدانیت پر براہین قائم کیے تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا صدق بیان فرمایا تھا اور اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے دین کا اظہار کریں اور یہ اعلان کریں کہ وہ مشرکین سے الگ اور علیحدہ ہیں' کیونکہ وہ پتھروں سے تراشے ہوئے ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو کسی قسم کا نقصان اور نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہیں' اور دراصل نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر وہی ذات ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے' اور میں اسی کی عبادت کرتا ہوں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ اہل مکہ سے بیان فرمائیں کہ اگر تم میرے دین کو نہیں پہچانتے تو میں تم کو تفصیل سے بیان کرتا ہوں کہ میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو' کیونکہ تم پتھروں کے جن تراشیدہ بتوں کی عبادت کرتے ہو وہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں بلکہ میں اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرتا ہوں جو تم پر موت طاری کرے گا جس طرح اس نے تم کو زندگی دی ہے اور اس موت کے بعد پھر تم کو زندہ کرے گا' اور اس میں یہ تعریض ہے کہ دین برحق وہ ہوتا ہے جس میں کوئی صاحب عقل شک نہ کر سکے اور جس کی فطرت سلیم ہو وہ اس کی تحسین کرے' اور مشرکین ان بتوں کی پرستش کرتے تھے جن کو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا سو جو بت اپنے وجود میں خود مشرکین کے محتاج تھے وہ ان کے خالق اور معبود کیسے ہو سکتے ہیں اور ان کی مشکلات کو کس طرح دور کر سکتے ہیں' یہ ایسا دین ہے جس کا ہر صاحب عقل انکار کرے گا۔

اس آیت میں پہلے غیر اللہ کی عبادت کی نفی کی پھر اللہ کی عبادت کا اثبات کیا' کیونکہ پہلے برائی کو دور کیا جاتا ہے' پھر اچھائی سے آراستہ کیا جاتا ہے' اس کے بعد ایمان اور معرفت کا ذکر فرمایا جو تمام اعمال صالحہ کی اساس ہے۔

ریاکاری کا شرک خفی ہونا

اس کے بعد فرمایا: آپ اپنا چہرہ دین کے لیے قائم رکھیں باطل سے منہ موڑتے ہوئے' یعنی مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں دین کے معاملہ میں مستقیم رہوں' جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان پر عمل کروں اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے مجتنب رہوں' اور اخلاص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں' یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عبادت کرنے میں اور دعا کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا واجب ہے اور جو شخص اپنی عبادت میں یا اپنی دعا میں غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوا اس نے مشرکوں کا سا کام کیا۔ اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور مشرکین میں سے ہرگز نہ ہو جائیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو' اس آیت میں بھی شرک کی نفی کی گئی ہے اور دوسری آیت میں جب فرمایا: اور مشرکین میں سے نہ ہو جائیں' تو اس میں بھی شرک کی نفی ہے اور یہ تکرار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں شرک جلی کی نفی مراد ہے اور دوسری آیت میں شرک خفی کی نفی مراد ہے۔ اور شرک خفی سے مراد ریاکاری ہے یعنی کسی کو دکھانے یا سنانے کے لیے کوئی نیک کام کرنا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک سے منع کرنے میں امت کی طرف تعریض ہے

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں جو آپ کو نہ نفع پہنچا سکے نہ نقصان پہنچا سکے اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے' کیونکہ ظلم کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے مقام اور محل کے غیر میں رکھنا' عبادت کا محل یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کی جائے پس جس شخص نے اللہ کے غیر کی عبادت کی اس نے عبادت کو غیر

محل میں رکھا سو یہی ظلم ہے۔

ان تینوں آیتوں میں تعریض ہے' ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا گیا ہے اور مراد آپ کی امت ہے' پہلی آیت میں فرمایا ہے: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں سے رہوں' آپ پیدائشی اور دائمی مومن ہیں اس میں امت کو بتایا ہے کہ جب ہمارے نبی پر یہ حکم ہے تو تم پر بھی یہی حکم ہے' دوسری آیت میں فرمایا: آپ مشرکین میں سے ہرگز نہ ہو جائیں' ظاہر ہے کہ آپ معصوم ہیں آپ کا شرک ہونا کیسے متصور ہو سکتا ہے' سو اس حکم سے بھی آپ کی امت مراد ہے اور تیسری آیت میں فرمایا: اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور اس میں تعریض بالکل ظاہر ہے۔

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ

اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس تکلیف کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے' اور اگر وہ آپ کے لیے کسی خیر کا ارادہ

فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْغَفُورُ

کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنا فضل پہنچاتا ہے اور وہی بے حد بخشنے والا

الرَّحِيمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَمَنِ

بہت رحم فرمانے والا ہے ○ آپ کہیے اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ چکا ہے تو جس شخص نے

اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت کو اختیار کیا اور جس شخص نے گمراہی کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی ضرر کے لیے گمراہی کو اختیار

وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ

کیا اور میں تم پر جبر کرنے والا نہیں ہوں ○ اور آپ اسی کی اتباع کیجیے جس کی آپ پر وحی کی جاتی ہے اور صبر کیجیے حتیٰ کہ

يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿۱۰۹﴾ ع ۱۱ ۶ ۱۶

اللہ فیصلہ فرمائے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس تکلیف کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے' اور اگر وہ آپ کے لیے کسی خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنا فضل پہنچاتا ہے' اور وہی بے حد بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○ (یونس: ۱۰۷)

اللہ تعالیٰ کا اصل مقصود اپنے بندوں کو نفع پہنچانا ہے نہ کہ ضرر پہنچانا

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر قسم کا نقصان اور ہر طرح کا نفع' اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی قضاء و قدر کے تحت واقع ہوتا ہے' اس میں کفر اور ایمان' اطاعت اور معصیت' راحت اور مصیبت' آلام اور لذات سب داخل ہیں' اور جس

شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کسی مصیبت کو مقدر کر دے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے، اور جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کسی راحت کو مقدر کر دے تو اس کو کوئی چھیننے والا نہیں ہے، آیت کے پہلے حصہ میں یہ فرمایا ہے کہ وہی تکلیفوں کو دور کرنے والا ہے اور دوسرے حصہ میں یہ فرمایا ہے کہ وہی خیر عطا کرنے والا اور فضل فرمانے والا ہے اور اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل مقصود خیر پہنچانا ہے اور شر پہنچانا اس کا اصل مقصود نہیں ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۵۴)

ان چاروں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ خیر اور شر، اور نفع اور ضرر بالذات صرف اللہ عزوجل کی طرف راجع ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے اور استحقاق عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وقت اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی خوشبودار ہواؤں کے پیچھے پڑے رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی خوشبودار ہوائیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے عیوب کو چھپائے اور تم کو تمہارے خوف کی چیزوں سے محفوظ رکھے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج۱۱ ص۹۵، تہذیب تاریخ دمشق ج۶ ص۳۳۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۹، تمہید ج۲ ص۶۴۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ، فتح المالک ج۹ ص۶۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۱۰۸)

اپنے گناہوں کو چھپانا واجب ہے اور ظاہر کرنا حرام ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہی بے حد بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے وہ اس کو بخش دیتا ہے خواہ اس نے کوئی گناہ کیا ہو حتیٰ کہ وہ توبہ کرنے سے شرک اور کفر کو بھی بخش دیتا ہے۔

انسان سے اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ کسی پر اس گناہ کو ظاہر نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے۔

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر المالکی القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

ہر مسلمان پر ستر کرنا (پردہ رکھنا) واجب ہے خصوصاً اپنے اوپر جب اس سے کوئی بے حیائی کا کام سرزد ہو جائے اور دوسرے پر بھی ستر کرے جب تک کہ حاکم نے اس پر حد جاری نہ کی ہو، اس سلسلہ میں بکثرت احادیث وارد ہیں، جن میں سے ہم بعض احادیث کا یہاں ذکر کریں گے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی سے دنیا کی کوئی پریشانی دور کی اللہ اس کی آخرت کی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور کر دے گا جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے اللہ اس کا دنیا اور آخرت میں پردہ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کی اس وقت تک مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۵، مسند احمد ج۲ ص۵۰۰)

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: جب بندے کو دوسرے کی پردہ پوشی پر اجر ملتا ہے تو اپنی پردہ پوشی کرنے پر بھی اجر ملے گا، بلکہ اس میں زیادہ اجر ملے گا، اور بندے پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے اور اللہ سے رجوع کرے اور اپنے پچھلے کاموں پر نادم ہو، اور اس سے ان شاء اللہ اس کے گناہ مٹ جائیں گے۔ العلاء بن بدر نے روایت کیا ہے کہ جو امت اپنے گناہوں سے استغفار کر رہی ہو اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک نہیں کرتا۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: اللہ تعالیٰ بندہ کے گناہ پر اس وقت تک پردہ رکھتا ہے جب تک وہ اس کو پھاڑتا نہیں ہے۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ گناہ کو کیسے پھاڑے گا؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگوں سے اپنا گناہ بیان کرے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجاہرین کے سوا میری امت کے ہر شخص کو معاف کر دیا جائے گا اور مجاہرہ یہ ہے کہ بندہ رات کو ایسا عمل کرے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہو اور دن میں وہ عمل لوگوں کے سامنے بیان کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٠٦٩، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٩٩٠، تاریخ اصبہان ج ٢ ص ١٦٤، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٠٢٣٣، مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٩٢)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں چار سچی قسمیں کھاتا ہوں اور اگر میں پانچویں قسم کھاؤں تو وہ بھی سچی ہے، بندہ خواہ کتنا بڑا گناہ کیوں نہ کرے جب وہ توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ملاقات سے محبت رکھے گا اور جو بندہ جس قوم سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندہ کو اسی قوم کے ساتھ رکھے گا اور اگر میں پانچویں قسم کھا کر کہوں تو میں اس میں سچا ہوں گا اللہ تعالیٰ جس بندہ کا دنیا میں پردہ رکھتا ہے قیامت کے دن بھی اس کا پردہ رکھے گا۔

(امام مسلم اور امام طبرانی نے اس حدیث کے آخری جملہ کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٩٠، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ١٧، مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٩٢)

ابو ادریس کہتے ہیں: جس بندہ کے دل میں رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی نیکی ہو اللہ تعالیٰ اس کا پردہ فاش نہیں کرتا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ٧٢١٩)

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ستر اور پردہ رکھنے کا حکم اس وقت تک ہے جب تک کہ بندہ کا معاملہ قاضی تک نہیں پہنچتا اور جب بندہ کا معاملہ قاضی کے پاس پہنچ جائے تو پھر اس کی سفارش ہو سکتی ہے نہ اس کی سزا معاف ہو سکتی ہے۔

(التمہید ج ٢ ص ٦٥١۔ ٦٤٣، فتح المالک ج ٩ ص ٦١۔ ٥٩، الاستذکار ج ٢٤ ص ٨٨۔ ٨٧، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت)

صفوان بن محرز بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے کہا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے النجوی (سرگوشی) کے متعلق کیا سنا ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن مومن اپنے رب عزوجل کے قریب ہوگا حتیٰ کہ اللہ اس کے اوپر (اپنی رحمت کا) بازو رکھ دے گا پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا، پھر فرمائے گا تو (ان گناہوں کو) پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا: اے رب میں پہچانتا ہوں! فرمائے گا: میں نے دنیا میں تجھ پر پردہ رکھا تھا اور آج میں تجھے بخش دیتا ہوں! پھر اسے اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا اور رہے کفار اور منافقین تو لوگوں کے سامنے ان کو بلایا جائے گا اور کہا جائے گا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٤٤١، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٦٨، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٨٣)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ١٢٥٢ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے تنہائی میں شراب پی ہو یا زنا کیا ہو اور حاکم اس سے اس کے متعلق بازپرس کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کہے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا، کیونکہ ان کاموں کا اظہار بھی بے حیائی ہے اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اس

سے اس کے بھائی کے راز کے متعلق پوچھا جائے تو وہ انکار کر دے۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۶۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ چکا ہے تو جس شخص نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت کو اختیار کیا اور جس شخص نے گمراہی کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی ضرر کے لیے گمراہی کو اختیار کیا اور میں تم پر جبر کرنے والا نہیں ہوں○ (یونس: ۱۰۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی تبلیغ کر دی ہے

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں توحید، رسالت اور قیامت پر دلائل قائم کیے اور منکرین کے شبہات کا ازالہ فرمایا اور کافروں پر حجت پوری کرنے کے بعد فرمایا: جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ ہدایت کو اختیار کرے گا، وہی ہدایت کو اختیار کرے گا اس لیے رسول اللہ سے فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ میں تم کو ہدایت پر مجبور کرنے والا نہیں ہوں تم تک ثواب عظیم کو پہنچانے کے لیے اور تم کو عذاب الیم سے چھڑانے کے لیے اس سے زیادہ کوشش کی ضرورت نہیں جتنی کوشش میں کر چکا ہوں۔

لفظ "وکیل" کے چند تراجم

اس آیت میں ہے وما انا علیکم بوکیل، ان سطور میں ہم وکیل کے چند تراجم پیش کر رہے ہیں:

شاہ رفیع الدین دہلوی متوفی ۱۲۳۳ھ لکھتے ہیں:

اور نہیں میں اوپر تمہارے داروغہ۔

شیخ محمود حسن متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

اور میں تم پر نہیں ہوں مختار۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اور کچھ میں کروڑا نہیں۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اور میں تمہارے اوپر کوئی حوالہ دار نہیں ہوں۔

اور ہم نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

اور میں تم پر جبر کرنے والا نہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اسی کی اتباع کیجئے جس کی آپ پر وحی کی جاتی ہے اور صبر کیجئے حتیٰ کہ اللہ فیصلہ فرمائے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے○ (یونس: ۱۰۹)

زیادتیوں پر صبر کرنے کا حکم

بظاہر اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف وحی کی اتباع کرنا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے لیے قیاس اور اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے، اور احکام کو مشروع کرنے کا بھی آپ کو اختیار نہیں ہے، اس پر تفصیلی

بحث ہم الانعام: ۵۰ اور الاعراف: ۲۰۳ میں کر چکے ہیں۔

اس آیت میں آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے یعنی عبادت کی مشقت پر آپ صبر کیجئے، یہ مکی سورت ہے، اس وقت تک قتال اور جہاد فرض نہیں ہوا تھا اس لیے اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمنان اسلام کی اذیت رسانیوں پر آپ صبر کیجئے، آپ نے امت کو بھی زیادتیوں پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے:

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں عرض کیا: آپ مجھے عامل نہیں بناتے جس طرح آپ نے فلاں شخص کو عامل بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا: عنقریب تم میرے بعد ترجیحات کو دیکھو گے سو تم صبر کرنا حتیٰ کہ تم مجھ سے ملاقات کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۹۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۸۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۴۴)

سورہ یونس کی اختتامی دعا

آج بروز بدھ بعد از نماز عصر مورخہ ۲۴ رجب ۱۴۲۰ھ / ۳ نومبر ۱۹۹۹ء سورہ یونس کا ترجمہ اور تفسیر ختم ہو گئی۔

الہ العالمین! جس طرح آپ نے سورہ یونس تک کی تفسیر اپنے فضل اور کرم سے مکمل کرا دی ہے، قرآن مجید کی باقی سورتوں کا ترجمہ اور تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔ الہ العالمین! اس تفسیر کو مخالفین کے لیے ہدایت اور موافقین کے لیے استقامت کا ذریعہ بنا دے اور محض اپنے فضل اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل اور آپ کی شفاعت سے مصنف، اس کے والدین، اساتذہ، تلامذہ، احباب اور اس کتاب کے معاونین، ناشرین اور قارئین کی مغفرت فرما، ہم سب کو دنیا اور آخرت کی ہر پریشانی اور بلا سے محفوظ رکھ اور دنیا اور آخرت کی ہر سعادت اور کامرانی عطا فرما۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وعلماء ملتہ واولیاء امتہ اجمعین۔

سُورَةُ هُودٍ

(١١)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

سورۃ ھود

سورۃ کا نام

اس سورت کا نام سورۃ ھود ہے کیونکہ اس سورت میں حضرت ھود علیہ السلام اور ان کی قوم عاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ (ھود: ۶۰-۵۰) ہرچند کہ اس سورت میں دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی، وجہ تسمیہ کے لیے صرف اتنا کافی ہوتا ہے کہ اسم اور مسمّٰی میں مناسبت ہو، علاوہ ازیں اس سورت میں حضرت ھود علیہ السلام کا نام مبارک پانچ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اور کسی سورت میں ایسا نہیں ہے۔ نیز اس سورت میں یہ تصریح ہے کہ عاد، حضرت ھود علیہ السلام کی قوم ہے اور کسی سورت میں اس طرح یہ تصریح نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ۔ (ھود: ۶۰) سنو! ھود کی قوم عاد کے لیے اللہ کی رحمت سے دُوری ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ عزوجل کی عبادت کی طرف دعوت دی اور ان کو بتوں کی پرستش سے منع فرمایا، اور جب انہوں نے اپنے کفر اور اپنی تکذیب پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر تیز اور سخت آندھیوں کا عذاب بھیجا، جو ان پر آٹھ دن اور سات راتوں تک مسلسل جاری رہا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍO وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍO (ھود: ۵۹-۵۸)

اور جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے ھود اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی اور ہم نے ان کو سخت عذاب سے بچا لیاO اور یہ ہیں قوم عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ظالم ضدی کے حکم کو ماناO

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍO سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ

اور رہی قوم عاد تو وہ ایک سخت گرجتی ہوئی نہایت تیز آندھی سے ہلاک کی گئی تھیO اللہ تعالیٰ نے اس کو ان پر متواتر سات

حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ۝(الحاقہ: ٦-٨)

راتوں اور آٹھ دنوں تک مسلط کر دیا تھا' اے مخاطب! تو ان کو کھجور کے گرے ہوئے درختوں کی جڑوں کی طرح پڑا ہوا دیکھتا ہے○ تو کیا تو ان میں سے کسی کو باقی دیکھتا ہے○

حضرت ھود علیہ السلام کی مفصل سوانح اور ان کی قوم کے ضروری احوال اور ان پر عذاب نازل کرنے کی مفصل کیفیت ہم نے الاعراف: ٦۵ میں بیان کر دی' اس کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

سورہ ھود کی آیات' زمانہ نزول اور نزول کا مقام

سورہ ھود مکی ہے اور اس میں ایک سو تئیس آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک سورہ ھود کی تمام آیات مکی ہیں اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے' لیکن بعض علماء نے اس کی تین آیتوں کا استثناء کیا ہے' ھود: ١٢' ھود: ١٧ اور ھود: ١١۴ اس کی دلیل یہ ہے کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ یہ تین آیتیں ابوالیسر کے متعلق نازل ہوئی ہیں' علامہ الدانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (روح المعانی ج ٧ ص ٢٩١' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١۴١٧ھ)

سورہ ھود' سورہ یوسف سے پہلے اور سورہ یونس کے بعد نازل ہوئی ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵٢ ہے۔ (التحریر والتنویر ج ١ ص ٣١٢' مطبوعہ تیونس)

سورہ ھود ہجرت سے کچھ پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی' مفسرین نے لکھا ہے کہ سورہ ھود' سورہ یونس کے متصل بعد نازل ہوئی ہے' یہ وہ زمانہ تھا جب مشرکین مکہ کی مسلمانوں پر زیادتیاں اور ان کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تھا' یہ وہی حالات تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا پیش خیمہ تھے۔

سورہ ھود کی سورہ یونس کے ساتھ مناسبت

سورہ ھود کے مضامین سورہ یونس کی طرح ہیں' سورہ یونس کی طرح یہ سورت بھی الف لام را سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اختتام' اللہ تعالیٰ کی توحید' قرآن کریم کی صداقت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت اور اسلام کے پیغام پر ہوتا ہے' جس میں تفصیل کے ساتھ قیامت' حساب و کتاب' جزاو سزا کا ذکر ہے اور قرآن مجید کے اعجاز کا ذکر ہے اور اس کی آیات کے محکم ہونے کا بیان ہے جیسا کہ سورہ یونس کا اختتام بھی اسی نوع کی آیات پر ہوا ہے۔

جس طرح سورہ یونس میں انبیاء سابقین کا ذکر تھا اس سورت میں بھی انبیاء سابقین کا ذکر ہے۔ سورہ یونس میں حضرت نوح' حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہم السلام کا ذکر تھا' اس سورت میں ان کے علاوہ حضرت ابراہیم' حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کا بھی ذکر ہے۔

سورہ ھود کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہوگئے! فرمایا: مجھے ھود' الواقعہ' المرسلات' عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٢٩٧' الطبقات الکبریٰ ج ١ ص ۴٣۵' المصنف ابن ابی شیبہ ج ١٠ ص ۵۵٣' مطبوعہ کراچی' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۴١' المستدرک ج ٢ ص ٣۴٣' ٤٧٦' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ٣۵٠' طبع قدیم' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ١ ص ٣۵٧' شرح السنہ رقم الحدیث: ۴١٧۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ١٠٧' ١٠٨)

کعب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن سورہ ھود پڑھو۔
(سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۴۰۲، ۳۴۰۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ)

ایمان نہ لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو قبول نہ کرنے پر سورہ یونس میں بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید کا ذکر ہے لیکن سورہ ھود میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ قہر و غضب کا اظہار فرمایا ہے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو علی السری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ سے روایت کیا گیا ہے کہ سورہ ھود نے آپ کو بوڑھا کر دیا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا: سورہ ھود کی کسی چیز نے آپ کو بوڑھا کر دیا؟ کیا انبیاء علیہم السلام کے قصص اور ان کی امتوں کی ہلاکت نے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے: فاستقم کما امرت۔ (ھود: ۱۱۲) "سو آپ اسی طرح قائم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔" (الدر المنثور ج ۴ ص ۴۹۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کے خوف کی شدت سے انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا۔ (المزمل: ۱۷) وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف تھا۔

سورہ ھود کے مضامین

سورہ یونس کی طرح اس سورت میں بھی دین اسلام کے اصول اور عقائد بیان کیے گئے ہیں، یعنی توحید، رسالت، بعثت، جزا اور سزا۔ اس سورت میں دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ۔ (ھود: ۱)

اور اس میں یہ بتایا ہے کہ انسان کی آزمائش کی جائے گی کہ کون اچھے عمل کرتا ہے:

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (ھود: ۷)

مومن اور کافر میں یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ مومن سختی اور تنگی کے دنوں میں صبر کرتا ہے اور آسانی اور فراخی کے وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اور کافر عیش اور راحت کے ایام میں تکبر کرتا ہے اور مصیبت اور سختی کے ایام میں مایوس ہو جاتا ہے۔ (ھود: ۱۱-۹)

دین کو قبول کرنے کے معاملہ میں انسانوں کی طبائع مختلف ہیں۔ (ھود: ۱۱۹-۱۱۸)

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار اور مشرکین کی طرف سے اذیتیں پہنچتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے انبیاء سابقین کے قصص بیان فرمائے۔ (ھود: ۱۲۰)

اس طرح کے اور مضامین ہیں جیسے مضامین اس سے پہلی سورت میں بیان فرمائے تھے۔

یہ سورت دوسری سورتوں سے اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اب ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے سورہ ھود کی تفسیر شروع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم پر حق اور صواب منکشف کرے اور وہی لکھوائے جو حق ہے اور باطل سے ہم کو مجتنب رکھے۔ آمین! یا رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ ہود مکی ہے، اس میں ایک سو تیئیس آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿۱﴾

الف لام را، یہ (آسمانی) کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم کر دی گئی ہیں اور خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے (ان کی) تفصیل کر دی گئی ہے ○

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴿۲﴾ وَّاَنِ

کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک میں تم کو اس کی طرف سے (عذاب سے) ڈرانے والا اور (ثواب کی) خوشخبری دینے والا ہوں ○ اور یہ کہ

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى

تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کے سامنے توبہ کرو، وہ تم کو ایک مقرر مدت تک بہت اچھا فائدہ

اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ط وَاِنْ تَوَلَّوْا

پہنچائے گا، اور ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم نے روگردانی کی تو میں

فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ج

تم پر بہت بڑے دن کے عذاب کا خطرہ محسوس کرتا ہوں ○ تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ○ سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ

لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ط اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ لا يَعْلَمُ مَا

وہ اس سے چھپائیں، سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اس وقت بھی) وہ اس کو جانتا ہے

يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ج اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾

جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف، لام، را، یہ (آسمانی) کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم کردی گئی ہیں، اور خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے (ان کی) تفصیل کردی گئی ہے○ (ھود: ۱)

قرآنِ مجید کی آیات کے محکم ہونے کے معانی

آیتوں کو مستحکم کرنے کے چند معانی ہیں:

(۱) اس کتاب کی عبارت مستحکم ہے، اس میں کوئی نقص اور خلل نہیں ہے، جیسے کوئی بہت مضبوط اور پختہ عمارت ہو۔

(۲) جس طرح تورات اور انجیل کو قرآنِ مجید نے منسوخ کردیا ہے اس طرح قرآنِ مجید کسی کتاب سے منسوخ نہیں ہے، یہ مستحکم کتاب ہے، ہرچند کہ اس کی بعض آیتوں کے احکام اس کی بعض دوسری آیتوں سے منسوخ ہیں مگر اس کی اکثر اور غالب آیات کے احکام منسوخ نہیں ہیں، اور وہ آیات بھی اس لحاظ سے مستحکم ہیں کہ ان آیات کی تلاوت باقی ہے اور ان کو پڑھنے سے اجر ملتا ہے۔

(۳) اس کتاب میں جو اصول اور عقائد بیان کیے گئے ہیں مثلاً توحید، رسالت، تقدیر، قیامت، حشر نشر اور جزا و سزا، یہ محکم ہیں اور یہ اصول نسخ کو قبول نہیں کرتے۔

(۴) اس کتاب کی آیتوں میں تناقض اور تضاد نہیں ہے، یہ سب مستحکم آیات ہیں۔

(۵) اس کتاب کی تمام آیتیں انتہائی فصیح اور بلیغ ہیں، تمام انسانوں اور جنات کو اس کی کسی ایک سورت کی نظیر لانے کا چیلنج کیا گیا لیکن آج تک کوئی اس کی نظیر نہیں لاسکا، حالانکہ اسلام اور قرآن کے مخالف بہت زیادہ ہیں اور علم اور تحقیق کے شعبہ جات بھی دن بدن بڑھتے جارہے ہیں۔

(۶) علومِ دینیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم کا تعلق اصول اور اعتقاد کے ساتھ ہے مثلاً اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، نبیوں اور رسولوں پر اور آسمانی کتابوں پر، تقدیر پر، قیامت پر اور جزا اور سزا پر ایمان لانا اور ان کی تمام تفاصیل اور ان کے دلائل کو جاننا، اور علمِ دین کی دوسری قسم کا تعلق فروع اور اعمال سے ہے اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک قسم کا تعلق اعمالِ ظاہرہ کی تہذیب اور اصلاح سے ہے، اس کا نام فقہ ہے اور دوسری قسم کا تعلق احوالِ باطنہ کی تہذیب اور اس کی اصلاح سے ہے اور اس کا نام علمِ تصوف ہے اور جو کتاب ان تینوں علوم پر مشتمل ہے اور عقائد اور ظاہری اور باطنی اعمال کے اصول اور کلیات پر حاوی اور متکفل ہے، وہ صرف قرآنِ مجید ہے اور اس پائے کی کوئی اور کتاب نہیں ہے، آسمانی کتابوں میں نہ دنیاوی کتابوں میں۔

(۷) یہ کتاب تغیر اور تبدل سے محفوظ ہے، اس کتاب کی کوئی آیت اس سے کم ہو سکتی ہے نہ اس میں کسی اور آیت کا اضافہ ہو سکتا ہے، اس لحاظ سے اس کی تمام آیات مستحکم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک میں تم کو اس کی طرف سے (عذاب سے) ڈرانے والا اور (ثواب کی) خوشخبری دینے والا ہوں○ (ھود: ۲)

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم کردی گئی ہیں پھر ان آیتوں کی تفصیل کردی گئی ہے تاکہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو، اس لحاظ سے اس کتاب کو نازل کرنے کا مقصدِ اصلی یہ ہے کہ بندے اللہ کی عبادت کریں اور جس نے اللہ کی عبادت نہیں کی وہ ناکام اور نامراد ہے۔

اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اس کتاب کی آیات مستحکم کی گئی ہیں تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہ حکم دیں کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور لوگوں سے یہ کہیں کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا اور اللہ کے اجر و ثواب کی

خوشخبری دینے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کے سامنے توبہ کرو، وہ تم کو ایک مقرر مدت تک بہت اچھا فائدہ پہنچائے گا اور ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم نے رُوگردانی کی تو میں تم پر بہت بڑے دن کے عذاب کا خطرہ محسوس کرتا ہوں○ تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے○ (ھود: ۴-۳)

استغفار کے حکم کے بعد توبہ کے حکم کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے مغفرت طلب کرنے اور توبہ کرنے کا حکم دیا ہے اور طلبِ مغفرت کو توبہ پر مقدم فرمایا ہے کیونکہ مغفرت مقصود بالذات ہے اور توبہ کرنا مغفرت کے حصول کا ذریعہ ہے، اس لیے وہ مقصود بالعرض ہے۔ اس ترتیب کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اپنے سابقہ گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کے لیے اس کے حضور توبہ کرو، تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلے ہر قسم کے شرک جلی اور خفی سے استغفار کرو پھر اپنے گناہوں پر توبہ کرو، چوتھی وجہ یہ ہے کہ پہلے کبیرہ گناہوں پر استغفار کرو پھر صغیرہ گناہوں پر توبہ کرو، پانچویں وجہ یہ ہے کہ فرائض اور واجبات میں کمی پر استغفار کرو اور محرمات اور مکروہات کے ارتکاب پر توبہ کرو۔

دنیا میں کافروں کی خوش حالی اور مسلمانوں کی بدحالی کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ تم کو ایک مقرر مدت تک بہت اچھا فائدہ پہنچائے گا۔ جب کہ ایک اور آیت اور احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں کافروں کو خوش حالی میں رکھے گا اور مسلمانوں کو تنگ دستی میں رکھے گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ○ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِــُٔوْنَ○ وَزُخْرُفًا وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ○ (الزخرف: ۳۵-۳۳)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ (کافروں کی) ایک جماعت بن جائیں گے تو ہم ضرور رحمٰن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو اور ان کی سیڑھیوں کو جن پر وہ چڑھتے ہیں چاندی کی بنا دیتے○ اور ان کے گھروں کے دروازوں کو اور ان کے تختوں کو جن پر وہ مسند آرائی کرتے ہیں (چاندی کا بنا دیتے)○ اور سونے کا اور بے شک یہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے، اور (اچھی) آخرت آپ کے رب کے پاس اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے○

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دُنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۴۳۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۸۰۳، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۵۰، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۱۰۴، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۸۸۹، المستدرک ج ۳ ص ۶۰۴)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر آتے ہیں، پھر علماء پر، پھر جو ان کے زیادہ قریب ہوں اور پھر جو ان کے زیادہ قریب ہوں۔

(المستدرک ج ۳ ص ۳۴۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۷۸)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! سب سے زیادہ مصیبت میں کون لوگ مبتلا ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء، پھر جو ان کے زیادہ مثل ہوں، پھر جو ان کے زیادہ مثل ہوں، ہر شخص اپنی دین داری کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوگا، اگر وہ شدت سے دین پر قائم ہو تو اس پر مصائب بھی شدید ہوں گے، اگر وہ معمولی سا دین پر قائم ہو تو اس پر اس کی دین داری کے لحاظ سے مصائب آئیں گے۔ بندہ پر اسی طرح مصائب آتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸، سنن ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۲۱۵، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۰۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۳، مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۰۱، المستدرک ج ۱ ص ۴۱، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۶۸، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۷۲، شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۷۵، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۴۳۳)

قرآن مجید اور احادیث کی یہ تصریحات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے وہ مصائب اور آلام میں مبتلا رہتا ہے، اور سورہ ھود کی زیر تفسیر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوگا وہ راحت اور آرام میں رہے گا کیونکہ اس میں فرمایا ہے: وہ تم کو ایک مقرر مدت تک بہت اچھا فائدہ پہنچائے گا، پس اس آیت اور ان تصریحات میں کس طرح موافقت ہوگی؟ اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) سورہ ھود کی اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اس طرح عذاب نازل نہیں فرمائے گا جس طرح اس سے پہلے کافروں کی بستیوں پر اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل فرمایا تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بہرحال رزق عطا فرمائے گا اور ان کو بھوک پیاس، قحط اور خشک سالی کے عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا۔

(۳) مسلمان کا مطمح نظر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا ہوتی ہے اور اس پر جو مصائب اور آلام آتے ہیں وہ ان سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر نہیں ہوتا، اس کو یقین ہوتا ہے کہ یہ مصائب اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور محبوب کے پاس سے جو کچھ بھی آئے وہ محب کے لیے کبھی رنج اور الم کا باعث نہیں ہوتا بلکہ وہ ان پر مسرور اور خوش ہوتا ہے کہ یہ اس کے محبوب کے پاس سے آئے ہوئے آلام ہیں، اور اس کے محبوب کی طرف سے آزمائش اور امتحان ہے، یہ کاملین کا مقام ہے اور عام مسلمان بھی دنیاوی مصائب سے ملول خاطر نہیں ہوتے، ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ مصائب ان کے گناہوں کا کفارہ ہیں اور ان مصائب اور آلام کی وجہ سے جب وہ دنیا سے رخصت ہوں گے تو گناہوں سے پاک اور صاف ہو کر اللہ تعالیٰ سے آخرت میں ملاقات کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۹۶)

جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا، البتہ جن لوگوں نے (عیش و آرام کی کمی یا مصائب پر) صبر کیا، ہم ان کو ضرور ان کے بہترین نیک کاموں پر اجر عطا فرمائیں گے۔

اور کفار اور مشرکین ہر چند کہ مادی اور دنیاوی طور پر بہت عیش و آرام اور مال و دولت کی فراوانی میں رہتے ہیں، لیکن ان کو ہر وقت یہ فکر اور پریشانی لاحق رہتی ہے کہ کہیں یہ مال ان کے پاس سے جاتا نہ رہے، پھر جو شخص جتنا مالدار ہوتا ہے اس

کے اتنے زیادہ دشمن ہوتے ہیں لہٰذا وہ دشمنوں اور ڈاکوؤں کی وجہ سے ہر وقت خطرات میں گھرا رہتا ہے، پھر کافر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی دُنیا میں ہے اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، اس لیے وہ موت سے ہر وقت گھبراتے رہتے ہیں، اس لیے وہ باوجود مال و دولت کی فراوانی کے طرح طرح کے تفکرات، اندیشوں اور پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور مادی عیاشیوں کی بہتات کی وجہ سے وہ مہلک بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کثرت شراب نوشی کی وجہ سے وہ کینسر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جنسی بے اعتدالی میں زیادتی کی وجہ سے وہ ایڈز کے مریض بن جاتے ہیں، ہائی بلڈ پریشر اور شوگر کا مرض ان میں عام ہوتا ہے، ان پر دل کے دورے بکثرت پڑتے ہیں اور کتنے ہی لوگ فالج اور برین ہیمبرج کی وجہ سے مرجاتے ہیں۔ جنسی بے راہ روی اور آوارگی کی وجہ سے ان کا ذہنی سکون برباد ہو جاتا ہے، ان کی گھریلو زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ ہمارے زمانہ میں (۹۹-۱۹۹۸ء) امریکہ کے صدر بل کلنٹن اور مونیکا لیونسکی کا جو اسکینڈل بنا تھا جس کی وجہ سے ساری دنیا میں امریکہ کے صدر کی جو رُسوائی ہوئی تھی، وہ اس کی واضح مثال ہے۔ ان لوگوں کی زندگی عدالتی طلاق کے مقدمات بھگتتے ہوئے گزر جاتی ہے، ان کا ذہنی سکون بالکل ختم ہو جاتا ہے، یہ طبعی نیند سے محروم ہو جاتے ہیں اور سکون آور دواؤں کی بھاری مقدار کھائے بغیر ان کو نیند نہیں آتی، غرض مال و دولت کی ریل پیل کے باوجود ان کی زندگی بڑے کرب اور اذیت میں گزرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ (طٰہٰ: ۱۲۴)

اور جس نے میرے ذکر سے رُوگردانی کی تو یقیناً اس کی زندگی بڑی تنگی میں گزرے گی۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ (الانعام: ۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک اور کبائر) کے ساتھ آلودہ نہیں کیا ان ہی کے لیے امن اور سکون ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ اجر دینے کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ فائدہ پہنچائے گا۔

زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ فائدہ پہنچانے کی حسبِ ذیل وجوہات ہیں:

(۱) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے ایک گناہ کیا اس کا ایک گناہ لکھ دیا جاتا ہے، اور جس شخص نے ایک نیکی کی تو اس کی ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے، اس نے دنیا میں جو ایک گناہ کیا تھا اگر اس کے گناہ کی دنیا میں سزا دے دی گئی تو اس کے مقابلہ میں اس کی دس نیکیاں باقی رہیں گی، اور اگر دنیا میں اس کو اس کے ایک گناہ کی سزا نہیں دی گئی تو اس کی دس نیکیوں میں سے ایک نیکی کم کر دی جائے گی اور اس کی نو نیکیاں پھر بھی باقی رہیں گی، پھر فرما رہے تھے: اس شخص کی ہلاکت ہو جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آ جائیں۔

(جامع البیان ج۱۱ص ۲۳۵، رقم الحدیث: ۱۳۸۷۲، تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۴۸۵، الدر المنثور ج ۴ ص ۳۹۹)

(۲) جب انسان غیر اللہ کے ساتھ بالکل مشغول نہ ہو اور معرفت الٰہی کے اسباب کو حاصل کرنے میں انتہائی راغب ہو تو اس کا قلب نقش ملکوت (اللہ تعالیٰ کی صفات) کے لیے نگینہ بن جاتا ہے اور اس کا دل لاہوت (اللہ تعالیٰ کی ذات) کی تجلیات کے لیے آئینہ ہو جاتا ہے، البتہ جسمانی عوارض سے یہ انوارِ الٰہیہ مکدر ہو جاتے ہیں اور جب یہ عوارض زائل ہو جاتے ہیں تو یہ انوار چمکنے لگتے ہیں پھر اس کی اُخروی سعادتوں کے اسباب بڑھنے لگتے ہیں، اور یہی اس آیت کا معنی ہے: اور وہ ہر زیادہ نیکی

کرنے والے کو زیادہ فائدہ پہنچائے گا۔

(۳) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُخروی سعادتوں کے درجات اور مراتب مختلف ہیں کیونکہ یہ درجات دنیا میں عبادت اور قُربِ الٰہی کے بالمقابل ہیں، اور جب دنیا کی طرف التفات نہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف رغبت کے درجات غیر متناہی ہیں تو ان کے مقابلہ میں اُخروی سعادتوں کے درجات بھی غیر متناہی ہیں، اسی وجہ سے فرمایا: وہ ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ فائدہ پہنچائے گا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے کہ دنیا میں بھی ایک مقرر وقت تک وہی فائدہ پہنچائے گا اور آخرت میں بھی زیادہ نیکی کرنے والے کو وہی زیادہ اجر عطا فرمائے گا یعنی دنیا اور آخرت میں ہر جگہ نفع پہنچانے والا وہی ہے، یہ اس لیے فرمایا کہ ظاہر بین فوائد اور ثمرات کی نسبت اسباب کی طرف کرتا ہے، مثلاً وہ کہتا ہے کہ سورج نے روشنی دی، اور بارش نے سبزہ اگایا، لیکن جس کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے وہ کہتا ہے: اللہ نے روشنی دی اور اللہ نے سبزہ اگایا، اور اس کا ایمان ہوتا ہے کہ ہر چیز کا خالق دراصل اللہ تعالیٰ ہے۔

تہدید اور تبشیر کا امتزاج

دوسری آیت میں فرمایا: تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس آیت میں تہدید (دھمکی) بھی ہے اور بشارت بھی ہے۔ تہدید اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہماری کوئی جائے پناہ نہیں ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے فیصلہ کو، کوئی ٹالنے والا نہیں ہے اور جو کام وہ کرنا چاہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے، اور جب ایسے زبردست حاکم کے سامنے پیش ہونا ہے اور ہمارے بہت عیوب ہیں اور بہت زیادہ گناہ ہیں تو پھر ہماری نجات بہت مشکل ہے، سو اس آیت سے بہت خوف پیدا ہوتا ہے اور اس آیت میں بشارت بھی ہے کیونکہ وہ بہت قاہر اور غالب حاکم ہے اور ہم بہت عاجز اور کمزور ہیں اور جب قاہر اور غالب حاکم کسی عاجز اور کمزور کو ہلاکت کے قریب دیکھے تو وہ اس پر رحم فرماتا ہے اور اس کو ہلاکت سے نجات دیتا ہے۔ تو اے رحم فرمانے والے اور عیوب کو چھپانے والے اور بے کسوں کی دعا کو قبول فرمانے والے! ہم پر رحم فرما اور ہم کو عذاب سے نجات عطا فرما!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سنو وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپائیں، سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں، (اس وقت بھی) وہ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں، اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننا ہے○ (ھود: ۵)

منافقین کے سینہ موڑنے کے محامل

امام محمد بن جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبداللہ بن شداد بن الہاد بیان کرتے ہیں کہ منافقین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتے تو اپنا سینہ موڑ لیتے اور سر جھکا لیتے تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپ جائیں تب یہ آیت نازل فرمائی۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ منافقین حق میں شک کرتے تھے اور اپنی استطاعت کے مطابق اللہ سے چھپنے کی کوشش کرتے تھے۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنا سینہ اس لیے موڑتے تھے کہ اللہ کی کتاب کو نہ سن سکیں۔

بعض نے کہا: منافقین اپنے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض اور عداوت کو چھپاتے تھے اور ظاہر یہ کرتے تھے کہ ان کو آپ سے محبت ہے اور وہ آپ پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ کفر کو اپنے سینوں میں لپیٹتے ہیں

تاکہ کفر کو اللہ سے چھپائیں حالانکہ اللہ تعالیٰ پر ان کا ظاہر اور باطن سب عیاں ہے۔

اور بعض نے کہا: جب وہ ایک دوسرے سے سرگوشی کرتے تھے تو اپنا سینہ موڑتے تھے تاکہ ان کی سرگوشیاں ظاہر نہ ہوں۔ (جامع البیان ج۱۱ ص ۲۳۸-۲۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

الجزء ۱۲ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ
اور زمین پر چلنے والے (ہر جاندار) کا رزق اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے، وہ اس کے قیام کی
مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴿٦﴾ وَهُوَ الَّذِي
جگہ کو (بھی) جانتا ہے اور اس کی سپردگی کی جگہ کو (بھی) جانتا ہے سب کچھ روشن کتاب میں (مذکور) ہے ○ وہی جس نے
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى
آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا
الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوثُونَ
تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل نیک ہے، اور اگر آپ ان سے کہیں کہ تم یقیناً
مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ
موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور یہ کہیں گے کہ یہ صرف کھلا ہوا
مُّبِينٌ ﴿٧﴾ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰٓ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ
جادو ہے ○ اور اگر ہم ایک معین مدت تک ان سے عذاب مؤخر کر دیں تو وہ
لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا
ضرور یہ کہیں گے کہ عذاب کو کس چیز نے روک لیا؟ سنو جس دن ان پر وہ عذاب واقع ہوگا تو پھر وہ ان سے دور نہیں
عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٨﴾ ع ۸ ۱
کیا جائے گا اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کرے گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین پر چلنے والے (ہر جاندار) کا رزق اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے، وہ اس کے قیام کی جگہ کو (بھی) جانتا ہے اور اس کی سپردگی کی جگہ کو (بھی) جانتا ہے، سب کچھ روشن کتاب میں (مذکور) ہے○

(ھود: ۶)

ربط آیات

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: وہ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں، اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں، اور اسی کے موافق اس آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا عالم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ہر جان دار کو اس کا رزق پہنچاتا ہے پس اگر وہ ہر جان دار کو، اس کی موت و حیات کو، اس کے قیام اور اس کے سفر کی جگہ کو نہ جانتا ہوتا تو وہ ان کو رزق کیسے پہنچاتا۔

دآبّۃ کا معنی

دآبّۃ عرف میں چوپایہ کو اور زمین پر چلنے والے کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد ہے جان دار خواہ وہ مذکر ہو یا مونث اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جان داروں کی بہت سی اقسام ہیں۔ یہ دریاؤں، سمندروں اور خشکی میں رہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی طبائع کی کیفیتوں کو، ان کے احوال کو اور ان کی غذاؤں کو اور ان کی موافق اور مخالف چیزوں کو اور ان کے مسکنوں کو جانتا ہے۔

مستقر اور مستودع کا معنی

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مستقر اور مستودع کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: منتہائے سیر (چل پھر کر جہاں رُک جائے) کو مستقر کہتے ہیں، اور جس کو ٹھکانا بنایا جائے وہ مستودع ہے، اور مجاہد نے کہا: مستقر سے مراد رحم مادر ہے اور مستودع سے مراد باپ کی پشت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۸۵) امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے ان کے علاوہ اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۲۰۰۴-۲۰۰۱) مستودع سے مراد موت کی جگہ ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی اجل (موت) کسی زمین میں ہو تو اس کی کوئی ضرورت اس کو وہاں پہنچا دیتی ہے، اور جب وہ اس جگہ کی منتہیٰ کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ سبحانہ اس کی رُوح کو قبض فرما لیتا ہے اور قیامت کے دن وہ زمین کہے گی: اے رب! یہ وہ ہے جس کو تُو نے میرے پاس ودیعت (امانت) رکھا تھا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۴۰۳، المستدرک ج ۱ ص ۳۶۷، شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۸۸۹، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

اللہ تعالیٰ کے رزق پہنچانے کی مثالیں

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی، ان کے دل میں اپنے گھر والوں کا خیال آیا (کہ انہوں نے کھانا کھایا ہے یا نہیں) اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایک چٹان پر لاٹھی ماریں، اس سے ایک پتھر ٹوٹ کر نکلا، پھر انہوں نے اس دوسرے پتھر پر لاٹھی ماری، اس سے ایک اور پتھر ٹوٹ کر نکلا، انہوں نے اس پر بھی لاٹھی ماری اس سے پھر ایک اور پتھر نکلا، اس پتھر میں چیونٹی کے برابر ایک کیڑا تھا، اس کے مُنہ میں غذا کی قائم مقام کوئی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کیڑے کا کلام سنایا، وہ کہہ رہا تھا: پاک ہے وہ جو مجھے دیکھتا ہے اور میرا کلام سنتا ہے اور میری جگہ کو جانتا ہے اور مجھے یاد رکھتا ہے اور مجھے نہیں بھولتا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۱۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حکیم ترمذی نے زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اشعریوں کی ایک جماعت جو حضرت ابو موسیٰ، حضرت

ابو مالک اور حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی، جب انہوں نے ہجرت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے ساتھ سفر میں جو کھانا تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانے کا سوال کرنے کے لیے ایک شخص کو بھیجا۔ جب وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پہنچا تو انہوں نے ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔ اس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک اشعریوں کی بہ نسبت چوپایوں کو رزق دینا زیادہ آسان تو نہیں ہے۔ وہ واپس آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گیا اور اس نے اپنے اصحاب سے کہا: تم کو خوشخبری ہو تمہارے پاس مدد آنے والی ہے۔ اس کے اصحاب نے یہی سمجھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا ہو گا اور آپ نے طعام بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہو گا، اسی دوران دو آدمی ان کے پاس برتنوں میں کھانا لے کر آ گئے جن میں گوشت کا سالن اور روٹیاں تھیں۔ انہوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا، پھر اس شخص نے اپنے بعض اصحاب سے کہا: تم یہ کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ کیونکہ ہم پیٹ بھر کر کھا چکے ہیں، پھر جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ہمارے لیے جو کھانا بھیجا تھا اس سے عمدہ اور لذیذ کھانا ہم نے کبھی نہیں کھایا۔ آپ نے فرمایا: میں نے تو تمہیں کوئی کھانا نہیں بھیجا۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو آپ کی خدمت میں بھیجا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ اس نے کیا کیا تھا اور اپنے اصحاب سے کیا کہا تھا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو اللہ نے یہ رزق دیا تھا۔

(الدر المنثور ج ۴ ص ۴۰۲-۴۰۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ، الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۸)

حرام رزق ہوتا ہے یا نہیں، اس پر مفصل بحث ہم نے البقرہ: ۳ میں کر دی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل نیک ہے، اور اگر آپ ان سے کہیں کہ تم یقیناً موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور یہ کہیں گے کہ یہ صرف کھلا ہوا جادو ہے ○ (ھود: ۷)

آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنا

دنوں کا تحقق افلاک کی حرکت اور سورج کے طلوع اور غروب سے ہوتا ہے اور جب آسمان اور زمین پیدا نہیں ہوئے تھے تو دنوں کا وجود بھی نہ تھا اس لیے چھ دنوں سے مراد چھ دورانیہ یا چھ اطوار ہیں، یا اس سے مراد تقدیراً چھ دن ہیں یعنی اگر اس دورانیہ میں دن ہوتے تو چھ دن لگتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ پیدا کیے اور درختوں کو پیر کے دن پیدا کیا اور ناپسندیدہ چیزیں منگل کے دن پیدا کیں اور نور کو بدھ کے دن پیدا کیا اور جمعرات کے دن اس میں حیوانات پھیلائے، اور جمعہ کے دن عصر کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، جمعہ کی ساعات میں سے آخری ساعت میں رات آنے سے پہلے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۹، مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۸۳۴۹، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۸۹۶)

آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے کی تفصیل الاعراف: ۵۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

عرش کے پانی پر ہونے کے متعلق احادیث

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے

اپنی اونٹنی کو دروازہ پر باندھ دیا۔ آپ کے پاس بنو تمیم کے لوگ آئے، آپ نے فرمایا: اے بنو تمیم! بشارت کو قبول کرو۔ انہوں نے کہا: آپ ہمیں بشارت تو دے چکے ہیں اب ہم کو عطا فرمائیں۔ یہ مکالمہ دوبارہ ہوا، پھر آپ کے پاس اہل یمن آئے، آپ نے فرمایا: اے اہل یمن! بشارت کو قبول کرو اگرچہ بشارت کو بنو تمیم نے قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے قبول کر لیا، ہم آپ کے پاس اس امر (دنیا) کے متعلق پوچھنے کے لیے آئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی، اور اس کا عرش پانی پر تھا، اور اس نے ذکر میں ہر چیز لکھ دی، اور آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور ذکر (لوح محفوظ) میں ہر چیز لکھ دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۱، ۷۴۱۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۵۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۲۰۳، مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۴۲، ۷۲۹۲، المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۴۹۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲، کتاب الاسماء والصفات ج ۱ ص ۳۶۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر کو لکھا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۹، کتاب الاسماء والصفات ص ۳۷۵۔ ۳۷۴)

چونکہ دنوں کا تحقق افلاک کی حرکت اور سورج کے طلوع اور غروب سے ہوتا ہے اس لیے اس حدیث میں پچاس ہزار سال سے مراد ہے کافی عرصہ پہلے یا پچاس ہزار سال تقدیراً مراد ہیں یعنی اگر اس وقت دن موجود ہوتے تو جتنا عرصہ پچاس ہزار سال گزرنے میں لگتا زمینوں اور آسمانوں کے بنانے سے اتنا عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر کو لکھا۔

حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا: وہ عماء میں تھا۔ (عماء کے معنی ہیں رقیق بادل۔ یزید بن ہارون نے کہا: یعنی اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی) اس کے نیچے ہوا تھی نہ اس کے اوپر ہوا تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۲، مسند احمد ج ۴ ص ۱۱، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۵۵، المعجم الکبیر ج ۱۹ رقم الحدیث: ۴۶۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۴۱، المستدرک ج ۴ ص ۵۶۰)

اس حدیث میں ما فوقہ ھواء میں ما نافیہ ہے اور اگر یہ ما موصولہ ہو تو اس کا معنی ہے اس بادل کے اوپر اور اس کے نیچے ہوا تھی اور ہوا سے مراد ہے فراغ متوھم یعنی خلاء۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس بادل کے اوپر اور نیچے کچھ بھی نہ تھا۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ قرآن مجید میں ہے کہ عرش پانی پر تھا تو پانی کس چیز پر تھا۔ انہوں نے کہا: وہ ہوا کی پشت پر تھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۹۰۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۶۹۷، تفسیر امام عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۸۵، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۸۷، المستدرک ج ۲ ص ۳۴۱، حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن المنذر، امام ابوالشیخ اور امام بیہقی کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔ الدرالمنثور ج ۴ ص ۴۰۳۔ ۴۰۲)

عرش کے پانی کے اوپر ہونے کے متعلق علماء کی آراء و نظریات

علامہ نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں: کعب احبار نے کہا اللہ تعالیٰ نے سبز یاقوت پیدا کیا پھر اس

کو نظر ہیبت سے دیکھا تو وہ لرزتا ہوا پانی بن گیا، پھر ہوا کو پیدا کیا اور اس کی پشت پر پانی رکھا، پھر عرش کو پانی پر رکھا۔ ابوبکر اصم نے کہا: اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عرش پانی کے ساتھ ملصق (ملا ہوا) ہے، اس لحاظ سے عرش اب بھی پانی پر ہے۔ زمخشری نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت عرش کے نیچے پانی کے سوا اور کوئی مخلوق نہیں تھی اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عرش اور پانی کو آسمانوں اور زمینوں سے پہلے پیدا فرمایا۔

(غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۴ ص ۸۔۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی، اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے ذکر (لوحِ محفوظ) میں ہر چیز کو لکھ دیا، پھر اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۱) یہ حدیث اس وقت آسمانوں اور زمینوں، فرشتوں، انسانوں اور جنوں اور تمام مخلوقات کی نفی کرتی ہے، سوا عرش کے، اس وجہ سے اکثر متقدمین اور متاخرین کا یہ مسلک ہے کہ عرش، قلم اور لوح پر مقدم ہے اور جس حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: "لکھ!" اس نے پوچھا: میں کیا لکھوں؟ فرمایا: "قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب لکھ دو۔" (امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے، رقم الحدیث: ۳۱۰۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۲، مسند احمد ج ۴ ص ۱۱، ۱۲) اس کا معنی یہ ہے کہ قلم کو آسمانوں اور زمینوں سے پہلے پیدا کیا۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۶۸، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا، کعب احبار سے روایت ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سبز یاقوت کو پیدا کیا، پھر اس کو نظر ہیبت سے دیکھا تو وہ پانی ہو گیا، پھر اس نے پانی پر اپنا عرش رکھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس وقت آسمان تھا نہ زمین تھی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۹، بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں اقوالِ مفسرین بہت زیادہ ہیں اور احادیث مرفوعہ متصلہ بہت کم ہیں، ان میں سے ہر چیز ممکن ہے اور حقیقتِ حال کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، اور جو چیز ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ ازلی کے مطابق اپنے ارادہ اور اپنی قدرت سے جو چاہا پیدا کیا، اور ہم جانتے ہیں کہ عرش، کرسی، پانی، ہوا یا زمین یا آسمان، ان میں سے کوئی چیز بھی ازل میں نہیں تھی، کیونکہ ان میں سے ہر چیز ممکن ہے اور ہر ممکن حادث ہے اور حوادث کا ازل میں ہونا محال ہے، اور ہم کو یہ معلوم ہے کہ جس طرح تخت اجسام کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں اس طرح عرش کا اللہ کو اٹھانا محال ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہونا لازم آئے گا اور الرحمن علی العرش استوی (طٰہٰ: ۵) کے محامل واضح ہیں اور اس کی تاویلات صحیحہ ہیں، البتہ شریعت نے کسی تاویل یا کسی محمل کو معین نہیں فرمایا، اس لیے اس میں توقف کرنا چاہیے اور صرف اس پر ایمان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔

(المفہم ج ۶ ص ۶۷۰، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس کا عرش پانی پر تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ اپنی عجیب و غریب قدرت کے اظہار کے لیے فرمایا ہے، کیونکہ کسی عمارت کو بنانے والا اپنی عمارت کو سخت زمین پر پانی سے دُور رکھ کر بناتا ہے، تاکہ اس کی عمارت منہدم نہ ہو جائے

اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پانی پر بنایا تاکہ عقل والے اس کی قدرت کے کمال کو جان لیں۔
(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۹۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نیز امام رازی فرماتے ہیں: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلالت ہے کیونکہ عرش تمام آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ بڑا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کو پانی پر قائم کیا ہے پس اگر اللہ تعالیٰ بغیر کسی ستون کے کسی وزنی چیز کو رکھنے پر قادر نہ ہوتا تو عرش پانی پر نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے پانی کو بھی بغیر کسی سہارے کے قائم کیا، نیز عرش کے پانی پر ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ عرش پانی کے ساتھ ملتصق اور متصل ہے، یہ اس طرح ہے جیسے کہا جاتا ہے آسمان زمین کے اوپر ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۲۰ - ۳۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر البیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

عرش اور پانی کے درمیان کوئی حائل نہیں تھا، ایسا نہیں ہے کہ عرش پانی کی پیٹھ پر رکھا ہوا تھا۔
(تفسیر البیضاوی مع عنایت القاضی ج ۵ ص ۱۲۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

عرش پانی پر تھا اور پانی کے نیچے کوئی اور چیز نہیں تھی خواہ عرش اور پانی کے درمیان کشادگی ہو یا عرش پانی کے اوپر رکھا ہوا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۳ ص ۲۸۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ پانی سے مراد وہی پانی ہے جو عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر ہے اور عرش سے مراد وہی عرش معروف ہے اور عرش کے پانی پر ہونے کا معنی عام ہے، خواہ عرش پانی سے متصل ہو یا منفصل۔
(روح المعانی ج ۷ ص ۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ہمارے نزدیک یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ پانی سے مراد یہی معروف پانی ہے یا اس سے مراد مادے کی مائع حالت ہے جس پر بطور استعارہ پانی کا اطلاق کیا گیا ہے، اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ زمین و آسمان سے پہلے پانی کی تخلیق ہو چکی تھی اور ایک اور آیت سے یہ معلوم ہوا کہ پانی ہی اصل کائنات اور منبع حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۳۰)

کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین (پانی برسانے اور سبزہ اگانے سے) بند تھے تو ہم نے (پانی برسا کر اور سبزہ اگا کر) دونوں کو کھول دیا، اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا، تو کیا وہ ایمان نہیں لاتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی، پانی نہ عرش اور نہ ان کے علاوہ کوئی اور چیز، اور نافع بن زید کی روایت میں ہے: اللہ کا عرش پانی پر تھا، پھر اس نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: "لکھ جو کچھ ہونے والا ہے" اور اس نے ذکر (لوحِ محفوظ) میں ہر چیز کو لکھ دیا۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر کو لکھا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۳، ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۶)

علامہ طیبی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی اور عرش اس عالم کا مبدء ہیں کیونکہ ان کو آسمانوں اور زمینوں

سے پہلے پیدا کیا گیا ہے، اور اس وقت عرش کے نیچے صرف پانی تھا، اور امام احمد اور امام ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا پھر اس سے فرمایا: "لکھ" تو اس نے قیامت تک کی تمام پیدا ہونے والی چیزوں کو لکھ دیا۔ اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، پھر اس نے سب کچھ لکھا اور اس کے بعد پانی کو اور پھر عرش کو پیدا کیا، اور جس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا وہ ثابت نہیں ہے۔

علامہ ابوالعلاء الہمدانی نے لکھا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ پہلے عرش کو پیدا کیا یا پہلے قلم کو، اکثر کے نزدیک پہلے عرش کو پیدا کیا اور امام ابن جریر اور ان کے متبعین نے کہا کہ پہلے قلم کو پیدا کیا۔ امام ابن حازم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ سو سال کی مسافت پر لوح کو پیدا کیا، اللہ تعالیٰ عرش پر تھا پھر اس نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے قلم سے فرمایا: "لکھ۔" اس نے پوچھا: "کیا لکھوں؟" فرمایا: قیامت تک مخلوق کے متعلق میرا علم لکھ دو، اور سبحان کی تفسیر میں انہوں نے کہا ہے کہ عرش کو قلم سے پہلے پیدا کیا ہے، اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اور اس سے فرمایا "لکھ۔" اس نے پوچھا: "میں کیا لکھوں؟" فرمایا: "تقدیر لکھو۔" تو اس نے قیامت تک ہونے والی تمام چیزیں لکھ دیں۔ اور امام سعید بن منصور نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ابتداء عرش، پانی اور ہوا سے کی اور زمین کو پانی سے پیدا کیا، اور ان مختلف آثار میں جمع اور تطبیق واضح ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۰-۲۸۹، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس پوری بحث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا اور ان تمام روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ ہر چیز کی اولیت اضافی ہے اور ہر وہ چیز جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے، اس کا معنی ہے کہ اس کو اپنی بعد والی چیزوں کے اعتبار سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور ہر چیز کو ذکر میں لکھ دیا، اس کا معنی ہے کل کائنات کی تقدیر کو لوح محفوظ میں ثابت کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۱۰۹، مطبوعہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

اس کے بعد فرمایا: تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل نیک ہے۔ یعنی یہ آسمان اور زمین عبث پیدا نہیں کیے گئے بلکہ اس سے مقصود انسانوں اور جنات کی آزمائش ہے کہ ان میں سے کون نیک عمل کرتا ہے، نیک عمل سے مراد یہ ہے کہ قرآن اور سنت کے مطابق اخلاص سے عمل کیے جائیں۔ فرائض، واجبات اور سنتوں پر عمل کیا جائے اور محرمات اور مکروہات کو ترک کیا جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سوئے ہوئے شخص کے پاس سے گزرے، فرمایا: اے سونے والے! اٹھ اور عبادت کر۔ اس نے کہا: اے روح اللہ! میں عبادت کر چکا ہوں۔ حضرت عیسیٰ نے پوچھا: تم نے کیا عبادت کی ہے؟ اس نے کہا: میں نے دنیا کو دنیا والوں کے لیے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: تم سو جاؤ، تم عابدین پر فائق ہو! (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۰)

ضحاک نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ شکر کرنے والا ہے۔ مقاتل نے کہا: تم میں سے کون اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم میں سے کون اللہ کی زیادہ اطاعت کرنے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: تم میں سے کون زیادہ اچھی عقل والا ہے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے زیادہ بچنے والا ہے اور اللہ کی اطاعت میں زیادہ جلدی کرنے والا ہے۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۹، رقم الحدیث: ۱۳۹۰۸) یہ حدیث تمام اقوال کو جامع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم ایک معین مدت تک ان سے عذاب موخر کردیں تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ عذاب کو کس چیز نے روک لیا؟ سنو جس دن ان پر وہ عذاب واقع ہوگا تو پھر وہ ان سے دُور نہیں کیا جائے گا اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اُڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کرلے گاO (ھود: ۸)

ربط آیات

اس سے پہلی آیت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اور اگر آپ ان سے کہیں کہ تم یقیناً موت کے بعد اُٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور یہ کہیں گے کہ یہ صرف کھلا ہوا جادو ہےO اب ان کی خرافات میں سے ایک اور باطل قول کو نقل فرماتا ہے کہ جب ان سے وہ عذاب موخر ہوگیا جس عذاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ڈرایا تھا تو انہوں نے آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: یہ عذاب کس وجہ سے ہم سے روک لیا گیا! اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کا جو وقت معین کیا ہے، جب وہ وقت آجائے گا تو پھر وہ عذاب آجائے گا جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔

اس عذاب سے مراد یا تو دنیا کا عذاب ہے یا آخرت کا عذاب ہے، اگر دنیا کا عذاب مراد ہو تو یہ وہ عذاب ہے جو غزوۂ بدر میں ان کو ذلت آمیز شکست کی صورت میں حاصل ہوا تھا اور اگر اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے تو وہ قیامت کے بعد ان پر نازل کیا جائے گا۔

قرآنِ مجید اور احادیث میں لفظ "امت" کے اطلاقات

اس آیت میں فرمایا ہے: اگر ہم امت معدودہ تک عذاب کو ان سے موخر کردیں، اس آیت میں امت کا معنی مدت ہے، لغت عرب میں لفظ امت کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

امت ہر اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی ایک چیز میں مشترک ہو یا کوئی ایک امر ان کا جامع ہو، خواہ وہ امر دینِ واحد ہو یا زمانِ واحد ہو یا مکانِ واحد ہو، خواہ یہ امر جامع اختیار ا ہو یا اضطرار ا ہو، اس کی جمع امم ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ (الانعام: ۳۸)
زمین پر ہر چلنے والا (چوپایہ) اور (فضا میں) اپنے بازوؤں سے اُڑنے والا ہر پرندہ تمہاری ہی مثل جماعتیں ہیں۔

جالا بننے والی مکڑی ہو یا گھن لگانے والا کیڑا ہو یا ذخیرہ اندوزی کرنے والی چیونٹی ہو یا چڑیا اور کبوتر ہوں، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے مسخر کرکے اپنی اپنی نوع میں ایک مخصوص وصف کے ساتھ جمع کردیا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ (البقرہ: ۲۱۳)
سب لوگ ایک امت تھے۔

یعنی سب لوگ کفر اور گمراہی کے ایک نظریہ پر مجتمع تھے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ (ھود: ۱۱۸)
اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت کر دیتا۔

یعنی سب لوگوں کو ایمان میں مجتمع کردیتا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ۔ (آل عمران: ۱۰۴)
اور تم میں سے لوگوں کا ایک گروہ ہونا چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے۔

یعنی تم میں سے لوگوں کی ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو علم اور اعمال صالحہ میں لوگوں کے لیے مقتدا ہو۔

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ۔ (الزخرف: ۲۲)
ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا۔

یعنی وہ سب ایک دین پر مجتمع تھے۔

وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ۔ (یوسف: ۴۵) اسے ایک مدت کے بعد (یوسف) یاد آیا۔

یعنی جب ایک زمانہ میں مجتمع لوگ یا ایک دین پر مجتمع لوگ گزر گئے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ۔ (النحل: ۱۲۰) بے شک ابراہیم (اپنی اجتماعی عبادات کے اعتبار سے) ایک امت تھے، اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں ایک جماعت کے قائم مقام تھے، جیسے کہتے ہیں فلاں شخص فی نفسہٖ ایک قبیلہ ہے یا فلاں شخص اپنی ذات میں انجمن ہے۔ (المفردات ج۱ ص۲۹-۲۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے خمر (انگور کی شراب) سے بچو کیونکہ یہ ام الخبائث ہے۔ (سنن النسائی، الاشربہ: ۴۴) یعنی یہ شراب تمام خبائث اور خرابیوں کی جامع ہے۔ نیز حدیث میں ہے:

اگر کتے تسبیح کرنے والی امت نہ ہوتے تو میں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔ (سنن ابوداؤد، الاضاحی: ۲۲، سنن الترمذی، الصید: ۱۶، سنن النسائی، الصید: ۱۰، مسند احمد ج۴ ص۸۵) ایک اور حدیث میں ہے:

ہم امی امت ہیں، لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۱۹، مسند احمد ج۲ ص۴۳)
آپ کی مراد یہ تھی وہ اسی اصل پر ہیں جس پر اپنی ماں سے پیدا ہوئے تھے، انہوں نے لکھنا اور گنتی کرنا نہیں سیکھا پس وہ اپنی جبلت اولیٰ پر ہیں۔ امی کا ایک معنی ہے جو لکھتا نہ ہو۔ (النہایہ ج۱ ص۶۹-۶۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۸ھ)

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ

اور اگر ہم اپنے پاس سے انسان کو رحمت (کی لذت) چکھائیں پھر اس سے اس رحمت کو واپس لے لیں (تو) یقیناً وہ ناامید اور

كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ

ناشکرا ہوگا ○ اور اگر ہم اس کو مصیبت پہنچنے کے بعد آسائش (کا ذائقہ) چکھائیں تو وہ ضرور (خوشی سے) کہے گا،

ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ

میرے تمام مصائب دور ہوگئے بے شک وہ اترانے والا شیخی خورہ ہے ○ ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ

نیک اعمال کیے، ان ہی کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے ○ کیا آپ وحی کے کسی حصہ

تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ

کو ترک کرنے والے ہیں اور آپ کا دل صرف اس بات سے تنگ ہونے والا ہے کہ وہ (کافر) یہ

يَقُولُوا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَآءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۗ إِنَّمَآ أَنْتَ

کہیں گے کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہ نازل کیا گیا یا آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ آپ تو صرف

نَذِيرٌ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيلٌ ﴿١٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ ۗ

ڈرانے والے ہیں! اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے ○ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کو از خود گھڑ لیا ہے

قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

آپ کہیے کہ پھر تم اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اپنی مدد کے لیے) اللہ کے سوا جس کو

مِّنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿١٣﴾ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا

بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو ○ پھر اگر وہ (تمہارے چیلنج کو) قبول نہ کریں

لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَآ أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَأَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ

تو یقین رکھو کہ قرآن اللہ ہی کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، اور اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو ائے

أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿١٤﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا

کافرو!) کیا تم اسلام لانے والے ہو؟ ○ جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں

نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾

تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ○

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ

صَنَعُوا فِيهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى

ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے ○ کیا جو شخص اللہ کی طرف سے

بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتٰبُ

دلیل پر ہو اور اس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہ (بھی) ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب جو رہنما اور رحمت ہے (وہ بھی)

مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ

گواہ ہو) (وہ ان منکروں کے برابر ہو سکتا ہے؟) یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور تمام فرقوں میں سے جس

بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ق

نے (بھی) اس کے ساتھ کفر کیا اس کی وعید کی جگہ دوزخ ہے، (سوائے مخاطب) تم اس کے متعلق شک میں نہ پڑنا

اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

بے شک وہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم اپنے پاس سے انسان کو رحمت (کی لذت) چکھائیں پھر اس سے اس رحمت کو واپس لے لیں (تو) یقیناً وہ ناامید اور ناشکرا ہو گا ○ اور اگر ہم اس کو مصیبت پہنچنے کے بعد آسائش (کا ذائقہ) چکھائیں تو وہ ضرور (خوشی سے) کہے گا: میرے تمام مصائب دور ہو گئے، بے شک وہ اترانے والا شیخی خورہ ہے ○ ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا اور نیک اعمال کیے، ان ہی کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے ○ (ھود: ۱۱-۹)

مصیبت میں کفار کا مایوس ہونا اور راحت میں ناشکری کرنا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کفار کو عذاب ضرور ہو گا خواہ تاخیر سے ہو، اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے وہ سبب بتایا جس سے ان کو عذاب ہو گا اور یہ کہ اس سبب کی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں الانسان سے مراد مطلق انسان ہے پھر آیت: ۱۱ میں اس سے نیک اور صبر کرنے والے مسلمانوں کا استثناء فرمایا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ (العصر: ۳-۱)

زمانہ کی قسم ○ بے شک انسان ضرور نقصان میں ہے ○ ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے۔

اور اس کی نظیر یہ آیت بھی ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ○ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ○ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ○ (المعارج: ۲۳-۱۹)

بے شک انسان بے صبرا پیدا ہوا ہے ○ جب اسے کوئی مصیبت پہنچے تو گھبرا جاتا ہے ○ اور جب اسے کوئی فائدہ پہنچے تو اس کو روکنے والا ہوتا ہے ○ ماسوا نمازیوں کے ○ جو اپنی نمازوں پر مداومت کرتے ہیں ○

اور دوسرا قول یہ ہے کہ الانسان میں الف لام عہد کا ہے اور اس انسان سے کافر انسان مراد ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (یوسف: ۸۷)

اور اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، کیونکہ اللہ کی رحمت سے صرف کافر مایوس ہوتے ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت تمام کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت کسی خاص کافر کے

متعلق نازل ہوئی ہو۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ص ۱۱، مطبوعہ بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ مصیبت میں اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور راحت میں ناشکرا ہونا کفار کا شیوہ ہے۔

مومن کے لیے مصیبت اور راحت دونوں کا خیر ہونا

اس کے بعد فرمایا: ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا اور نیک اعمال کیے ان ہی کے لیے بڑا اجر ہے' حدیث میں ہے:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے حال پر تعجب ہوتا ہے' اس کے ہر حال میں خیر ہے اور یہ مومن کے سوا اور کسی کا وصف نہیں ہے' اگر اس کو راحت پہنچے تو شکر کرتا ہے اور وہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے' اور وہ (بھی) اس کے لیے خیر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۹۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۲۹۷، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۷۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۷۱۰)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو کانٹا یا اس سے کم کوئی چیز چبھے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۶۵، مسند احمد ج ۶ ص ۴۲، سنن کبریٰ ج ۳ ص ۳۷۳، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۷۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۱۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۲۵)

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کو جو بھی درد ہو یا تھکاوٹ ہو یا بیماری ہو' یا غم ہو یا فکر اور پریشانی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی مصیبت کا بڑا اجر ہوتا ہے' اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو ان کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے' جو اس سے راضی ہو تو اللہ اس سے راضی ہوتا ہے اور جو اس سے ناراض ہو تو اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۳۱، المستدرک ج ۴ ص ۶۰۸، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۴۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مومن اور مومنہ پر اس کی جان میں' اس کی اولاد میں اور اس کے مال میں مصائب نازل ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس حال میں اللہ سے ملاقات کرتے ہیں کہ ان کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب مصائب میں مبتلا ہونے والوں کو ثواب دیا جائے گا تو آرام اور آسائش میں رہنے والے یہ کہیں گے کہ کاش دنیا میں ان کی کھالوں کو قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۲، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۴۱، سنن کبریٰ ج ۳ ص ۳۷۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ وحی کے کسی حصہ کو ترک کرنے والے ہیں اور آپ کا دل صرف اس بات سے تنگ ہونے والا ہے کہ وہ (کافر) یہ کہیں گے کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہ نازل کیا گیا یا آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے○ (ھود: ۱۲)

کیا کفار کے طعن و تشنیع کے خوف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی تبلیغ میں کمی کرنے والے تھے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے مزید کفریہ اقوال نقل فرمائے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ ان کے ان کفریہ اقوال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تنگ ہوتا تھا اور آپ کو رنج ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دل جوئی کی، آپ کو تسلی دی اور آپ کو اپنے الطاف و عنایات اور اپنے افضال اور اکرام سے نوازا۔

قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی متوفی ۱۰۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کو لفظ لعلّ سے شروع فرمایا ہے اور لعلّ کلام عرب میں توقع کے لیے آتا ہے، اور اس آیت کا بظاہر معنی یہ ہے کہ کفار جو آپ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہ نازل کیا گیا یا آپ کی تصدیق کے لیے آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ نازل ہوا، اس سے یہ توقع ہے کہ آپ وحی کے اس حصہ کو بیان کرنا ترک کر دیں گے جس میں کفار کے بتوں کی مذمت کی گئی ہے حالانکہ قرآن مجید کے کچھ حصہ کو بیان نہ کرنا خیانت اور کفر ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کے اعتبار سے ممکن نہیں ہے، اور جس طرح باقی انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور ان سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ تقیہ کر کے وحی کے بعض حصہ کو چھپا لیں اور پوری تبلیغ نہ کریں اسی طرح آپ بھی معصوم ہیں بلکہ سید المعصومین ہیں، آپ سے بطریق اولیٰ یہ متصور نہیں ہے پھر آپ سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ آپ اپنا دل تنگ ہونے کی وجہ سے وحی کا کچھ حصہ چھپا لیں گے! اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) لعلّ کے لفظ سے جو بات کہی جاتی ہے کبھی اس بات کی متکلم کو توقع ہوتی ہے، کبھی مخاطب کو توقع ہوتی ہے اور کبھی ان کے علاوہ کسی اور کو توقع ہوتی ہے اور اس آیت میں یہی آخری صورت مراد ہے یعنی کفار مکہ کو یہ توقع تھی کہ ہرچند کہ آپ قرآن مجید کی تبلیغ کرنے میں اور پوری پوری وحی پہنچانے میں انتہائی کوشش فرما رہے ہیں، لیکن ان کے طعن و تشنیع اور دل آزار باتوں سے تنگ ہو کر آپ وحی کے کچھ حصہ کو بیان نہیں کریں گے۔

(۲) کلام عرب میں لعلّ کا لفظ توقع کے لیے بھی آتا ہے اور تبعید کے لیے بھی آتا ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار کی ان دل آزار باتوں سے ہرچند کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے لیکن آپ اس وجہ سے وحی کی تبلیغ میں کمی نہ کریں۔

(۳) علامہ سمین وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت استفہام انکاری پر محمول ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا آپ ان کی دل آزار باتوں سے تنگ ہو کر وحی کے بعض حصہ کی تبلیغ کو ترک کر دیں گے؟ یعنی آپ ایسا نہیں کریں گے، اس کی نظیر حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو بلوایا، سو وہ اس حال میں آیا کہ اس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لعلنا اعجلناک (کیا ہم نے تم کو عجلت میں ڈال دیا؟) اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا: جب تم عجلت میں ہو تو تم پر وضو کرنا لازم ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۴۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۰۶)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا ہے کہ کفار آپ کی نبوت میں طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اس سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے تو کیا آپ اس وجہ سے بعض وحی کو بیان کرنا ترک کر دیں گے؟ یعنی آپ ایسا نہیں کریں گے تو پھر آپ ان کی باتوں کی پرواہ نہ کریں اور بلا خوف و خطر اور بے دھڑک تبلیغ کرتے رہیں۔

(عنایت القاضی ج ۵ ص ۱۳۳، ملخصاً و موضحاً، بیروت ۱۴۱۷ھ، روح المعانی ج ۷ ص ۲۸-۲۷، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۴) امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی اور تنزیل میں خیانت کریں اور وحی کی بعض چیزوں کو ترک کردیں' کیونکہ اس طرح پوری شریعت مشکوک ہو جائے گی اور نبوت میں طعن لازم آئے گا کیونکہ رسالت کا معنی ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام بندوں تک پہنچا دیئے جائیں۔ اس لیے اس آیت کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی' اگر آپ پوری پوری وحی کی تبلیغ کریں تو کفار کی طعن تشنیع اور ان کے مذاق اڑانے کا خدشہ ہے اور اگر آپ بتوں کی مذمت والی آیتوں کو نہ بیان کریں تو کفار تو آپ کا مذاق نہیں اڑائیں گے لیکن وحی میں خیانت لازم آئے گی اور جب دو خرابیوں میں سے کوئی ایک خرابی ضرور لازم ہو تو بڑی خرابی کو ترک کر کے چھوٹی خرابی کو برداشت کر لینا چاہیے اور بڑی خرابی وحی میں خیانت ہے سو آپ اس خرابی کو ترک کردیں اور کفار کے طعن اور تشنیع کی خرابی کو برداشت کرلیں۔

اور اس آیت میں لعلک کا جو لفظ ہے اس سے مراد تبعید ہے یعنی آپ کفار کے طعن و تشنیع کی وجہ سے وحی کے بعض حصہ کو ترک نہ کریں' ہرچند کہ آپ سے وحی کے کسی حصہ کی تبلیغ کو ترک کرنا ممکن نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے تاکید کے طور پر اس طرح فرمایا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۲۲-۳۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ ملخصاً موضحاً)

اس آیت کی تفسیر کرنا بہت نازک مقام ہے' بہت سے مفسرین اس مقام پر پھسل گئے اور انہوں نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی کہ احترام نبوت ان کے ہاتھوں سے جاتا رہا۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ ان بے ہودہ شبہات اور فرمائشوں سے سخت مغموم اور دل گیر ہوتے تھے' ممکن ہے کہ کبھی ایسا خیال بھی دل میں گزرتا ہو کہ ان کے معبودوں کے معاملہ میں اگر خدا کی جانب سے اس قدر سختی اختیار کرنے کا حکم نہ رہے' تردید کی جائے مگر فی الحال قدرے نرمی اور رواداری کے ساتھ تو شاید زیادہ موثر اور مفید ہو یا جو فرمائشیں یہ لوگ کرتے ہیں' ان کی یہ ضد بھی پوری کردی جائے تو کیا عجب ہے مسلمان ہو جائیں۔ (حاشیہ عثمانی بر ترجمہ محمود الحسن ص ۲۹۴' مطبوعہ سعودیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چاہنا اللہ تعالیٰ کے چاہنے کے تابع تھا اور اللہ تعالیٰ کی منشاء اور اس کی وحی کے خلاف آپ کے دل میں کبھی کوئی خیال نہیں آ سکتا تھا' اس لیے ہمارے نزدیک یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔

(۵) اس اعتراض کا ایک اور جواب یہ ہے کہ یہ آیت باب تنزیل سے ہے' یعنی ایک شخص میں کوئی وصف نہ ہو لیکن حال اور مقام کے اعتبار سے یہ وہم کیا جاتا ہو کہ اس شخص میں وہ وصف ہے تو اس شخص کو باوجود اس وصف کے نہ ہونے کے اس شخص کے منزلہ میں نازل کر کے کلام کیا جائے جس شخص میں وہ وصف ہو' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے کسی حصہ کی تبلیغ کو ترک نہیں کیا تھا لیکن اگر آپ کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو تنگ دلی اور دل آزاری سے بچنے کے لیے ان آیتوں کی تبلیغ کو ترک کر دیتا جن کی وجہ سے کفار طعن اور تشنیع کرتے تھے اس لیے آپ کو اس شخص کے منزلہ میں نازل کر کے فرمایا: شاید آپ وحی کے کسی حصہ کو ترک کرنے والے ہیں۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ (ھود: ۳۷)	اور آپ ہماری وحی کے مطابق ہماری نگرانی میں کشتی بنائیے اور ظالموں کے متعلق ہم سے کچھ نہ کہیں وہ ضرور غرق کیے جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ظالم کافروں کی سفارش نہیں کی تھی لیکن اس مقام پر ان کی سفارش کرنے کا وہم ہو سکتا تھا'

اس لیے باوجود سفارش نہ کرنے کے ان کو اس شخص کے مرتبہ میں نازل کر کے خطاب کیا گیا جو ان کی سفارش کرتا، سو یہ بھی باب تنزل سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کو از خود گھڑ لیا ہے، آپ کہئے کہ پھر تم اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور (اپنی مدد کے لیے) اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو○ (ھود: ۱۳)

قرآن مجید کا معجز ہونا

مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نبوت پر معجزہ طلب کرتے تھے، آپ کو بتایا گیا کہ آپ یہ کہیں کہ میری نبوت پر معجزہ یہ قرآن مجید ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن مجید کے ساتھ چیلنج کیا کہ اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ لیکن مخالفین کی کثرت اور علوم و فنون اور زبان و بیان کی روز افزوں ترقی کے باوجود کوئی شخص قرآن مجید کی مثل کلام بنا کر نہیں لا سکا، قرآن مجید نے کئی طرح سے یہ چیلنج پیش کیا ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ (بنو اسرائیل: ۸۸)

آپ کہئے اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے، خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد (بھی) کریں۔

اور زیر تفسیر آیت میں دس سورتوں کی مثل لانے کا چیلنج دیا گیا ہے، اور البقرہ: ۲۳ اور یونس: ۳۹ میں کسی ایک سورت کی مثل لانے کا چیلنج دیا ہے اور آخری چیلنج یہ دیا ہے:

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ۔ (الطور: ۳۴)

اس جیسی ایک بات ہی بنا کر پیش کر دو اگر تم سچے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر اگر وہ (تمہارے چیلنج کو) قبول نہ کریں تو یقین رکھو کہ قرآن اللہ ہی کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو (اے کافرو!) کیا تم اسلام لانے والے ہو؟○ (ھود: ۱۴)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) ان مشرکین سے کہہ دیجئے اگر قرآن مجید کی دس سورتوں کی مثل لانے میں تمہارے خود ساختہ معبود تمہاری مدد نہ کر سکیں اور تم خود بھی اس کی مثل دس سورتیں نہ لا سکو تو یہ جان لو اور یقین رکھو کہ یہ قرآن آسمان سے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے اذن کے ساتھ نازل ہوا ہے اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی طرف سے بنا کر ہم پر افتراء نہیں کیا اور یہ بھی یقین رکھو کہ مخلوق کی عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے سوائے مشرکو! تم بت پرستی کو ترک کر دو اور خدائے واحد کی عبادت کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی○ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے، اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے○ (ھود: ۱۶-۱۵)

ریا کاری کی مذمت اور اس پر وعید

اس مضمون کی قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں:

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصۡلٰٮهَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا○ وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰۤٮِٕكَ كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا○ (بنی اسرائیل: ۱۹-۱۸)

جو لوگ صرف دنیا کے خواہش مند ہیں، ہم ان کو اس دنیا سے جتنا ہم چاہیں اس دنیا میں دے دیتے ہیں، پھر ہم نے ان کے لیے دوزخ کو ٹھکانا بنا دیا ہے وہ اس دوزخ میں مذمت کیا ہوا اور دھتکارا ہوا داخل ہوگا○ اور جو شخص مومن ہو اور وہ آخرت کا ارادہ کرے اور اسی کے لیے کوشش کرے تو ان ہی لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی○

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ‌ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ‏۔ (الشوریٰ: ۲۰)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے، ہم اس کے لیے اس کی کھیتی کو زیادہ کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کو اس میں سے دیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ اس آیت کا حکم تمام مخلوق کے لیے عام ہے۔

(۲) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اہل قبلہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ یہود اور نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۴) مجاہد نے یہ کہا کہ یہ ریاکاروں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۸۴-۸۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

انسان جس کام کو جس نیت سے کرے گا اسی نیت کے اعتبار سے اس کو صلہ دیا جائے گا، اگر اللہ عزوجل کی رضا کے لیے کوئی عمل کرے گا تو آخرت میں اس پر اجر ملے گا اور اگر لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے عمل کرے گا تو وہ عمل اس کے لیے باعث وبال ہو گا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا مدار نیت پر ہے، ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ثمر ملتا ہے، سو جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف شمار ہوگی، اور جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف شمار کی جائے گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱، ۵۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۹۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۲۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۷۳۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۵۶۷، مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۶۸-۱۶۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۶۲۳۶)

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کا ہجوم تھا، جب لوگ ان سے چھٹ گئے تو اہل شام میں سے ناتل نامی ایک شخص نے کہا: اے شیخ! آپ مجھے وہ حدیث سنائیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ آپ نے فرمایا: ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے: قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کے

متعلق فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا اس کو بلایا جائے گا اور اسے اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی، جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، بلکہ تو نے اس لیے قتال کیا تھا تاکہ تو بہادر کہلائے سو تجھے بہادر کہا گیا، پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا حتیٰ کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ایک شخص نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور قرآن مجید پڑھا اس کو بلایا جائے گا اور اس کو اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی، جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) اس سے فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور اس علم کو سکھلایا اور تیرے لیے قرآن مجید پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے اس لیے علم حاصل کیا تھا تاکہ تو عالم کہلائے اور تو نے قرآن پڑھا تاکہ تو قاری کہلائے سو تجھے (عالم اور قاری) کہا گیا، پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ایک شخص پر اللہ نے وسعت کی اور اس کو ہر قسم کا مال عطا کیا، اس کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور وہ نعمتیں دکھائی جائیں گی اور جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے ہر اس راستہ میں خرچ کیا جس راستہ میں مال خرچ کرنا تجھ کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے یہ کام اس لیے کیے تاکہ تجھ کو سخی کہا جائے سو تجھ کو سخی کہا گیا، پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا، اور پھر اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۸، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۱۴۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۶۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جو شخص اللہ کی طرف سے دلیل پر ہو اور اس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہ (بھی) ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب جو رہنما اور رحمت ہے (وہ بھی گواہ ہو) (وہ ان منکروں کے برابر ہو سکتا ہے؟) یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور تمام فرقوں میں سے جس نے (بھی) اس کے ساتھ کفر کیا اس کی وعید کی جگہ دوزخ ہے (سوا مخاطب) تم اس کے متعلق شک میں نہ پڑنا بے شک وہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ○ (ھود: ۱۷)

تمام اہلِ ملل پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا وجوب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی طرف سے دلیل پر ہو اور اس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہ بھی ہو یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا مومنین اہل کتاب، کیا یہ لوگ ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جو دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں؟ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ شاہد سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ہے کیونکہ جس شخص میں ذرا بھی عقل ہو جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کی طرف دیکھے گا تو فوراً یقین کرلے گا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ بینہ (دلیل) سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے جس سے دل روشن ہیں اور شاھد سے مراد عقل اور فطرت سلیمہ ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے جانور سے ایک مکمل جانور پیدا ہوتا ہے، کیا تم اس میں کوئی نقص دیکھتے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۹)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت موسیٰ کی کتاب یعنی تورات نازل ہوئی تھی جو رہ نما اور رحمت ہے، اور جو لوگ اس نبی (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں وہ لوگ ان لوگوں کی طرح نہیں ہو سکتے جو دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں۔ اور فرمایا: اور تمام فرقوں میں سے جس نے (بھی) اس نبی کے ساتھ کفر کیا اس کی سزا دوزخ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اس امت میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو میری نبوت (کی خبر) سنے خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی پھر وہ شخص اس حال میں مرے کہ وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہ لایا ہو تو وہ شخص دوزخی ہی ہوگا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۷، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۰۸، مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۱۰۴)

قرآن مجید کی اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام دین داروں پر واجب ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائیں، یہود اور نصاریٰ کا خصوصیت سے اس حدیث میں اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں اور جب اہل کتاب پر یہ واجب ہے کہ وہ آپ کی رسالت پر ایمان لائیں تو دوسروں پر بطریق اولیٰ واجب ہے کہ وہ آپ کی رسالت پر ایمان لائیں۔

غیر متمدن دنیا میں رہنے والوں کے لیے توحید پر ایمان لانا ضروری ہے نہ کہ رسالت پر

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص زمین کے دور دراز علاقوں میں رہتا ہو یا سمندر کے جزیروں میں رہتا ہو جو آباد دنیا سے منقطع ہوں، اور اس کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور آپ کی بعثت کی خبر نہ پہنچی ہو تو اگر وہ آپ پر ایمان نہ لائے تو اس سے گرفت نہیں ہوگی کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: جس نے میری نبوت کی خبر سنی اور مجھ پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو وہ دوزخی ہوگا، لہٰذا آپ کی معرفت اور آپ پر ایمان لانا اس پر موقوف ہے کہ کوئی شخص آپ کے معجزہ کا مشاہدہ کرے اور آپ کے ایامِ حیات میں آپ کے صدق کو جانے اور جس نے مشاہدہ نہیں کیا اس تک آپ کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی ہو، اس کے برخلاف اللہ پر ایمان اور اس کی توحید کو ماننا ہر شخص پر ضروری ہے خواہ متمدن دنیا میں نہ ہو اور غیر آباد علاقوں میں رہتا ہو، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل عطا کی ہے اور غور و فکر کر کے ہر شخص اللہ کی ذات اور اس کی توحید کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۴۶۸، مطبوعہ دار الوفاء ۱۴۱۹ھ)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان تراشے، یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش

عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى

کیے جائیں گے اور تمام گواہ یہ کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا

رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ لا الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ

تھا، سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو ○ جو لوگ اللہ کی راہ سے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں اور وہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں ○

اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ

یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہ تھے، اور نہ اللہ کے سوا

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا وقف لازم

ان کا کوئی مددگار تھا، ان کے لیے عذاب کو دگنا کیا جائے گا یہ (شدت کفر کی وجہ سے حق کو)

يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ یہ (بغض کی وجہ سے حق کو) دیکھتے تھے ○ یہی وہ لوگ ہیں

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ

جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور جو کچھ یہ افترا کرتے تھے وہ ان سے جاتا رہا ○ بلاشبہ

اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

یقیناً یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ

نیک عمل کیے اور انہوں نے اپنے رب کی طرف عاجزی کی وہ لوگ جنتی ہیں اور وہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَ

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ ان دونوں فریقوں (یعنی کافر اور مومن) کی مثال ایسے ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو

الْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ ع ۲ (۱۴)

اور دوسرا دیکھنے والا سننے والا ہو، کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟ پس کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان تراشے، یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور تمام گواہ یہ کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو○ جو لوگ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں اور وہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں○ (ھود: ۱۹-۱۸)

روز قیامت کفار کے خلاف گواہی دینے والوں کے مصادیق

کافروں میں متعدد بدعقیدگیاں اور بداعمالیاں تھیں، وہ دنیا اور اس کے عیش اور زیبائش پر بہت حریص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ھود: ۱۵ میں رد فرمایا اور وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے معجزات کے منکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ھود: ۱۳ میں رد فرمایا، اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی شفاعت کریں گے سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بدعقیدگی کا رد فرمایا۔

اس آیت میں فرمایا ہے: یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو مکان اور جگہ سے پاک ہے، پھر یہ کفار اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے پیش ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو مقامات حساب اور سوال کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں ان کفار کو وہاں پیش کیا جائے گا، دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نبیوں، فرشتوں اور مومنوں میں سے جن کے سامنے چاہے گا پیش فرمائے گا۔ نیز اس آیت میں فرمایا ہے: تمام گواہ یہ کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

مجاہد، قتادہ، ابن جریج اور اعمش سے روایت ہے کہ ان گواہوں سے مراد فرشتے (کراماً کاتبین) ہیں۔

(جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۹-۲۸)

ضحاک نے کہا: اس سے مراد انبیاء اور رسول ہیں۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۹) اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ (النساء: ۴۱)

پس اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ (بنا کر) لائیں گے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مومنین بھی گواہی دیں گے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرہ: ۱۴۳)

(اور اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں۔

کفار کے خود اپنے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے، قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ (النور: ۲۴)

جس دن ان کی زبانیں، اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے اعمال کی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے: وہ گواہ یہ کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے کفار اور منافقین تو تمام لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳، ۴۳۰۰، مسند احمد ج ۲ ص ۷۴)

اور فرمایا: جو لوگ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں یعنی لوگوں کو حق کی اتباع کرنے اور ہدایت کے راستہ پر چلنے سے روکتے ہیں، مسلمانوں کے دلوں میں دین اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات پیدا کرتے ہیں اور

مختلف حیلوں اور ہتھکنڈوں سے ان کو اسلام سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں مشغول رہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لایعنی اور بے ہودہ اعتراضات کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہ تھے، اور نہ اللہ کے سوا کوئی ان کا مددگار تھا، ان کے لیے عذاب کو دگنا کیا جائے گا یہ (شدت کفر کی وجہ سے حق کو) سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اور نہ یہ (بغض کی وجہ سے حق کو) دیکھتے تھے○ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور جو کچھ یہ افتراء کرتے تھے وہ ان سے جاتا رہا○ بلاشبہ یقیناً یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں○ (ھود: ۲۲-۲۱-۲۰)

کفار مکہ کی چودہ وجوہ سے مذمت

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی دو آیتوں میں کفار مکہ کی سات وجوہ سے مذمت فرمائی تھی:

(۱) وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان تراشتے تھے: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان تراشے۔

(۲) وہ ذلت اور رسوائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جائیں گے، فرمایا: اور یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔

(۳) تمام گواہ ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا فرمایا: اور تمام گواہ یہ کہیں گے کہ انہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

(۴) وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہیں، فرمایا: سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

(۵) وہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں، فرمایا: جو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔

(۶) وہ اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالتے ہیں، فرمایا: اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں۔

(۷) وہ آخرت کے منکر ہیں، فرمایا: وہ آخرت کا کفر کرنے والے ہیں۔

اور ان آیتوں میں ان کی مزید سات وجوہ سے مذمت فرمائی ہے:

(۱) وہ اللہ کے عذاب سے بھاگ نہیں سکتے، فرمایا: یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہ تھے۔

(۲) اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے ان کا کوئی مددگار نہیں، فرمایا: اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار تھا۔

(۳) ان کا عذاب دگنا کیا جائے گا، فرمایا: ان کے لیے عذاب کو دگنا کیا جائے گا۔

(۴) ان میں حق کو سننے کی طاقت ہے نہ دیکھنے کی، فرمایا: یہ (شدت کفر کی وجہ سے حق کو) سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ یہ (بغض کی وجہ سے حق کو) دیکھتے تھے۔

(۵) انہوں نے اللہ کی عبادت کے بدلہ میں بتوں کی عبادت کو خرید لیا اور یہ ان کے گھاٹے اور خسارے کا سبب ہے، فرمایا: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا۔

(۶) انہوں نے دین کو دنیا کے بدلہ میں فروخت کر دیا اور اس میں ان کو دنیا میں یہ گھاٹا ہوا کہ انہوں نے عزت والی چیز کو دے کر ذلت والی چیز کو لے لیا اور آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ وہ ذلت والی چیز بھی ضائع اور ہلاک ہو گئی اور اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، فرمایا: اور جو کچھ یہ افتراء کرتے تھے وہ ان سے جاتا رہا۔

(۷) چونکہ انہوں نے نفیس چیز کو دے کر خسیس چیز کو لیا اس لیے ان کا خسارہ لازمی اور یقینی ہے، فرمایا: بلاشبہ یقیناً یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

کفار کو دگنا عذاب دینا ایک برائی پر ایک عذاب کے قاعدہ کے خلاف نہیں ہے

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: ان کے لیے عذاب دگنا کیا جائے گا اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ -(الانعام: ۱۶۰)

اور جو شخص برا کام کرے تو اسے صرف اسی ایک برے کام کی سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اور ان کے لیے عذاب کو دگنا کرنا اس آیت کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جس برائی کا انہوں نے ارتکاب کیا تھا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی سزا ہی دگنا عذاب ہے اور اگر انہوں نے ایک برائی کی تھی تو ان کو اس کی سزا میں اسی ایک برائی کا دگنا عذاب دیا جائے گا' دو برائیوں کا عذاب نہیں دیا جائے گا' جیسا کہ فرمایا ہے: اسے صرف اسی ایک برے کام کی سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا' ظلم تب ہوتا جب ایک برائی کرنے والوں کو دو برے کام کرنے کی سزا دی جاتی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفر کی سزا جہنم کا دائمی عذاب ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھنے' لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے اور کجی کو تلاش کرنے یعنی دین اسلام کی خلاف شکوک و شبہات ڈالنے اور آخرت کا انکار کرنے کی سزا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دگنا عذاب ہے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ - (الاحزاب: ۳۰)

اے نبی کی بیویو! اگر (بالفرض) تم میں سے کسی نے کھلی بے حیائی کا ارتکاب کیا تو اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔

یہ آیت بھی سورۃ الانعام کی آیت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ازواج مطہرات کی' کی ہوئی کھلی بے حیائی کا عذاب عام عورتوں کی بہ نسبت دگنا عذاب ہے' اور ایک مرتبہ کی ہوئی کھلی بے حیائی پر ایک مرتبہ ہی دگنا عذاب ہو گا دو مرتبہ دگنا عذاب نہیں ہو گا۔ سورۃ الانعام کی آیت کے خلاف تب ہوتا جب ایک مرتبہ کھلی ہوئی بے حیائی کے ارتکاب پر دو مرتبہ کھلی ہوئی بے حیائی کے ارتکاب کا عذاب دیا جاتا۔

جب کفار حق کو سننے اور دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے تو ان سے گرفت کیوں ہوئی؟

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ (حق کو) سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ (حق کو) دیکھتے تھے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب ان میں حق کو سننے اور دیکھنے کی طاقت ہی نہ تھی تو پھر ان کے ایمان نہ لانے اور کفر پر قائم رہنے میں ان کا کیا قصور ہے' اس سوال کے متعدد جوابات ہیں' پہلا جواب یہ ہے کہ وہ کفر اور عناد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض اور عداوت میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو ان پر کراہت اور ناگواری کی ایسی شدید کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ ان دلائل کو سن پاتے ہیں نہ دیکھ پاتے ہیں۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ سننے اور دیکھنے سے مقصود ہے حق کو قبول کرنا اور چونکہ وہ حق کو قبول نہیں کرتے تو گویا وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ سننے اور دیکھنے کی از خود طاقت اور قدرت تو کسی میں نہیں ہے' جب بندہ سننے اور دیکھنے کا قصد کرتا ہے تو اللہ اس میں وہ قدرت پیدا کر دیتا ہے' اور چونکہ کفار مکہ حق کو سننے اور دیکھنے کا قصد ہی نہیں کرتے تھے اس لیے ان کے متعلق خصوصیت سے فرمایا: ان میں سننے کی طاقت ہے نہ دیکھنے کی۔ اور اس کی چوتھی توجیہ یہ ہے کہ وہ سماعت اور بصارت سے نفع حاصل نہیں کرتے تھے' اور ہدایت یافتہ انسان کی طرح سنتے تھے نہ دیکھتے تھے۔ اس کی پانچویں توجیہ

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ عناد کی بناء پر اپنے اختیار سے حق کو سنیں گے نہ دیکھیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اور ان کی تقدیر میں لکھ دیا کہ وہ حق کو سنیں گے نہ دیکھیں گے اس لیے اب وہ حق کو سننے اور دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ چھٹی توجیہ یہ ہے کہ چونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض اور عداوت رکھتے تھے اس لیے وہ آپ کی باتوں کو سن سکتے تھے نہ سمجھ سکتے تھے۔ النحاس نے کہا: کلام عرب میں یہ معروف ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر بہت ناگوار اور بہت گراں ہو تو کہا جاتا ہے وہ اس کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا' نیز کہا جاتا ہے کہ محب مذمت کرنے والے کی بات نہیں سن سکتا' اسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ مذمت کرنے والا محب کی بات نہیں سن سکتا' اور اس کی آٹھویں توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حق سننے اور دیکھنے کی صفت عطا کی تھی۔ انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے خود حق کی طرف سے اپنے کانوں اور آنکھوں کو بند کر لیا تھا' اس لیے فرمایا: وہ (حق کو) سننے اور دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے اپنے رب کی طرف عاجزی کی وہ لوگ جنتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O (هود: ۲۳)

نیکیوں کے لازماً قبول ہونے کی توقع نہ رکھی جائے

اس آیت میں ہے واخبتوا الی ربھم۔ اخبت کا معنی ہے قوم کا پست اور فراخ زمین میں اترنا' اور مطمئن ہونا اور اخبت الی اللہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا اور اخبت کا معنی خضوع اور خشوع کرنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ مسلمانوں کے اطمینان اور خضوع اور خشوع کرنے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمان جب اللہ کی عبادت کریں تو عبادت کے وقت ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی طرف ملتفت نہ ہوں' اور ہر چیز سے خالی الذہن ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں' یا اللہ تعالیٰ نے جو ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور عذاب کی وعید فرمائی ہے اس پر ان کے دل مطمئن ہوں؛ اور اگر ہم اخبات کو خشوع کے معنی میں لیں تو پھر اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب مسلمان اعمال صالحہ کریں تو ان کو یہ ڈر اور خوف ہو کہ ان کی کسی کمی اور کوتاہی کی بناء پر ان کے نیک اعمال مسترد کر دیئے جائیں گے' اور اس کو اپنے نیک اعمال کے متعلق یہ اطمینان نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے یہ نیک اعمال لازماً قبول ہو جائیں گے۔

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس انصار کا ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! آپ کو اللہ کی بشارت ہو' آپ اسلام لانے والوں میں مقدم ہیں' جیسا کہ آپ کو علم ہے' پھر آپ خلیفہ بنے تو آپ نے عدل کیا' پھر ان تمام (نیکیوں) کے بعد آپ کو شہادت حاصل ہوئی۔ حضرت عمر نے کہا: اے میرے بھتیجے! کاش یہ سب برابر سرابر ہو جائے' ان کی وجہ سے مجھے کوئی عذاب ہو نہ ثواب ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۹۲، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان دونوں فریقوں (یعنی کافر اور مومن) کی مثال ایسے ہے' جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو' کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟ پس کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے! O (هود: ۲۴)

سابقہ آیات میں مومنوں اور کافروں' نیک لوگوں اور بدکاروں' دو گروہوں کا ذکر فرمایا تھا' اب ان دونوں کی ایک مثال ذکر کر کے مزید وضاحت فرمائی ہے۔ کافر دنیا میں حق اور صداقت کے دلائل کو دیکھنے اور سننے سے اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو وہ اندھے اور بہرے کی طرح ہے اور مومن اس کائنات میں اور خود اپنے نفس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی نشانیوں کو دیکھتا ہے اور

سنتا ہے تو وہ دیکھنے اور سننے والے کی مثل ہے۔

امام رازی نے کہا: ان میں وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح انسان جسم اور روح سے مرکب ہے اور جس طرح جسم کے لیے آنکھیں اور کان ہیں اسی طرح روح کی بھی سماعت اور بصارت ہے' اسی طرح جب جسم اندھا اور بہرا ہو تو وہ حیران کھڑا رہتا ہے اور کسی نیکی کی راہ پر نہیں لگ سکتا' بلکہ وہ اندھیروں کی پستیوں میں پریشان ہوتا ہے' کسی روشنی کو دیکھتا ہے نہ کسی آواز کو سنتا ہے' اسی طرح جو شخص جاہل ہو وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے' اس کا دل اندھا اور بہرا ہوتا ہے اور وہ گمراہی کے اندھیروں میں حیران اور پریشان ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾

اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (انہوں نے کہا) میں تم کو علی الاعلان ڈرانے آیا ہوں ○

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾

کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے ○

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تم کو اپنے جیسا ہی بشر سمجھتے ہیں

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى

اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کر رہے ہیں اور ہم اپنے اوپر

لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ

تمہاری کوئی فضیلت نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے گمان میں تم جھوٹے ہو ○ (نوح نے) کہا: اے میری قوم یہ بتاؤ اگر میں

اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ

اپنے رب کی طرف سے (واضح) دلیل رکھتا ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھ کو رحمت عطا کی ہو جو تم

فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَیٰقَوْمِ

سے مخفی رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس کو زبردستی تم پر مسلط کر دیں گے جب کہ تم اس کو ناپسند کرنے والے ہو ○ اور اے میری قوم

لَاۤ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ

میں اس (تبلیغ) پر کسی مال کو طلب نہیں کرتا میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور میں ایمان والوں کو

الَّذِينَ آمَنُوا ۚ إِنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٩﴾

دھتکارنے والا نہیں ہوں بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ جاہل ہو ○

وَيَا قَوْمِ مَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِن طَرَدتُّهُمْ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣٠﴾

اور اے میری قوم! اگر میں ان (مومنوں) کو دھتکار دوں تو اللہ سے مجھے کون بچائے گا؟ کیا تم غور نہیں کرتے ○

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں (از خود) غیب جانتا ہوں اور نہ

أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَن

میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں میں ان کے متعلق یہ

يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنفُسِهِمْ ۖ إِنِّي إِذًا لَّمِنَ

نہیں کہتا کہ اللہ ہرگز ان کو کوئی خیر نہیں عطا فرمائے گا، اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، (اگر بالفرض میں ایسا کہوں) تو

الظَّالِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا

بے شک اس صورت میں میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا ○ انہوں نے کہا اے نوح! تم نے ہم سے بحث کی اور بہت زیادہ بحث کی، اب اگر تم

بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ

سچے ہو تو وہ (عذاب) لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو ○ (نوح نے کہا) اگر اللہ نے چاہا تو تم پر وہ

اللَّهُ إِن شَاءَ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي

عذاب اللہ ہی لائے گا اور تم (اس کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو ○ اگر میں تم کو نصیحت کروں تو میں

إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ ۚ

اپنی نصیحت سے تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب کہ اللہ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہو،

هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣٤﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ

وہی تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس (قرآن) کو از خود

إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿۳۵﴾

گھڑ لیا ہے؟ آپ کہیے کہ اگر (بالفرض) میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو میرا گناہ میرے ذمہ ہے اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں O

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (انہوں نے کہا) میں تم کو علی الاعلان ڈرانے آیا ہوں O کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے O (ھود: ۲۶-۲۵)

انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص بیان کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس میں بھی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا تھا اور اس سورت میں اس قصہ کو پھر دہرایا ہے کیونکہ اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی زیادہ تفصیل ہے، انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات کو بار بار دہرانے میں یہ حکمت ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی رہے، کفار مکہ آپ کی تکذیب کرتے رہتے تھے اور دل آزار باتیں کرتے رہتے تھے، ایسی باتیں سن کر آپ کو رنج ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات پر مشتمل وحی نازل فرماتا کہ اس قسم کے معاملات انبیاء سابقین علیہم السلام کو بھی پیش آتے رہے ہیں، وہ کفار کی ایسی باتوں پر صبر کرتے تھے سو آپ بھی صبر کریں۔

اس آیت میں دردناک دن فرمایا ہے اور دن کو دردناک سے متصف فرمایا ہے، حالانکہ دردناک عذاب کی صفت ہے نہ کہ دن کی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ توصیف مجاز عقلی ہے جیسے عرب کہتے ہیں نہارک صائم ولیلک قائم چونکہ یہ دردناک عذاب اس دن میں نازل ہوگا اس لیے اس دن کو دردناک کے ساتھ متصف فرمایا۔

بظاہر اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عذاب سے مراد عام ہو خواہ دنیاوی عذاب ہو یا آخرت کا، حضرت نوح علیہ السلام کو علم تھا کہ اگر ان کی قوم ایمان نہ لائی تو اس پر طوفان کا عذاب آئے گا اور ان کی قوم بھی یہ سمجھتی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کو دنیاوی عذاب سے ڈرا رہے ہیں اسی بناء پر وہ یہ کہتے تھے کہ آپ جس عذاب سے ہم کو دھمکا رہے ہیں وہ عذاب لا کر دکھائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تم کو اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کر رہے ہیں اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے گمان میں تم جھوٹے ہو O (ھود: ۲۷)

حضرت نوح کی قوم کے کافر سرداروں کے شبہات

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کی اور اس سلسلہ میں انہوں نے تین شبہات وارد کیے: ایک شبہ یہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کی مثل بشر ہیں، دوسرا شبہ یہ تھا کہ ان کی پیروی کم حیثیت اور پس ماندہ لوگ کر رہے ہیں، تیسرا شبہ یہ تھا کہ ان کے نزدیک حضرت نوح علیہ السلام کی ان کے اوپر کوئی فضیلت نہیں تھی۔ اس شبہ کی بنیاد یہ تھی کہ ان کے نزدیک اسباب مادیہ سے فضیلت حاصل ہوتی تھی، یعنی کوئی شخص غیر معمولی جسیم اور قد آور ہو، یا وہ بہت امیر اور دولت مند ہو یا وہ کسی بہت بڑے جتھے اور قبیلہ کا سردار ہو، اور جب حضرت نوح علیہ السلام میں ایسی کوئی چیز نہ تھی تو انہوں نے کہا کہ آپ کی ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے، اب ہم ان کے ان تینوں شبہات کے تفصیل وار جواب پیش کر رہے ہیں۔

بشر کا معنی اور نبی کے بشر ہونے کی حقیقت

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ہم تم کو اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ بشر کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کھال کے ظاہر کو بشرہ کہتے ہیں اور کھال کے باطن کو ادمہ کہتے ہیں، واحد اور جمع دونوں کے لیے بشر آتا ہے البتہ تشنیہ بشرین آتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ بشر آیا ہے اس سے مراد انسان کا جثہ اور اس کا ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ (ص: ۷۱) میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

کفار انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ کم کرنے کے لیے ان کو بشر کہتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ۔ (القمر: ۲۴) پس وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے ہی میں سے ایک بشر کی اتباع کریں پھر تو بے شک ہم ضرور گمراہی اور عذاب میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتانے کے لیے کہ تمام لوگ نفس بشریت میں برابر ہیں لیکن وہ دوسروں سے علوم عالیہ اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ممتاز ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ۔ (الکہف: ۱۱۰) (اے رسول مکرم!) آپ کہئے میں بظاہر تم جیسا ہی بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

"میری طرف وحی کی جاتی ہے" اس لیے فرمایا ہے کہ ہرچند کہ نفس بشریت میں، میں تمہاری مثل ہوں لیکن اس وصف میں، میں تم سے ممتاز ہوں کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۶۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

جس طرح انسان حیوان ہونے میں تمام حیوانات کی مثل ہے لیکن نطق کی وجہ سے وہ باقی حیوانات سے ممتاز ہے اور نطق اس کے لیے فصل ممیز ہے اور نطق سے مراد وہ قوت ہے جس کی وجہ سے وہ معقولات کا ادراک کرتا ہے جس کو عقل کہتے ہیں اسی طرح نبی، انسان اور ناطق ہونے میں تمام انسانوں کی مثل ہے لیکن حصول وحی کی صلاحیت اور ادراک مغیبات میں وہ باقی انسانوں سے ممتاز ہے، اور جس طرح انسان ادراک معقولات اور عقل کی وجہ سے باقی حیوانات سے ممتاز ہے اسی طرح نبی ادراک مغیبات اور حصول وحی کی وجہ سے باقی انسانوں سے ممتاز ہے اور جس قوت سے نبی غیب کا ادراک کرتا ہے اور وحی کو حاصل کرتا ہے وہ قوت اس کے حق میں بمنزلہ فصل ممیز ہے۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ نبوت کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اور عقل کے ماوراء ایک اور عالم ہے جس میں ادراک کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے جس سے انسان غیب کا ادراک کرتا ہے اور مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ اور بہت سے امور کو جان لیتا ہے، جن تک عقل کی رسائی نہیں ہے۔ جیسے قوت تمیز معقولات کا ادراک نہیں کر سکتی اور جس طرح حواس قوت تمیز کے مدرکات کو نہیں پا سکتے۔ (اسی طرح عقل یعنی قوت ادراک غیب کے مدرکات کو نہیں پا سکتی۔) اور جس طرح صاحب تمیز کے سامنے عقل کے مدرکات پیش کیے جائیں تو وہ ان کو بعید سمجھ کر ان کا انکار کرتا ہے اسی طرح بعض عقل والوں کے سامنے نبوت کے مدرکات پیش کیے گئے تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا۔ اور یہ خالص جہالت ہے۔ (المنقذ من الضلال ص ۵۴، مطبوعہ ہیئت الاوقاف لاہور، ۱۹۷۱ء)

امام غزالی نے اس عبارت میں یہ واضح کر دیا ہے کہ جس طرح حواس کے بعد تمیز کا مرتبہ ہے اور تمیز کے بعد عقل کا مرتبہ

ہے‘ اسی طرح عقل کے بعد نبوت کا مرتبہ ہے اور جس طرح قوت عقلیہ سے معقولات کا ادراک ہوتا ہے اسی طرح نبوت کی قوت سے مغیبات کا ادراک ہوتا ہے‘ اور جس طرح عام حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے حواس کی قوت عطا کی ہے اور انسان کو اس سے ایک زائد قوت عطا کی ہے اور وہ عقل اور تمیز ہے اسی طرح نبی کو اللہ تعالیٰ نے ان قوتوں سے زائد ایک قوت عطا کی ہے جس قوت سے وہ غیب کا ادراک کرتا ہے اور جس طرح انسان عالم محسوسات میں ظاہری چیزوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے‘ حیوانات اور انسانوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے اسی طرح نبی غیب کی مخفی چیزوں کو دیکھتا ہے‘ فرشتوں اور جنات کو دیکھتا ہے‘ ان کی آوازیں سنتا ہے اور ان سے ہم کلام ہوتا ہے اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی اپنی حقیقت میں عام بشر اور انسان سے ممتاز ہوتا ہے اور جس طرح انسان عام حیوانوں سے ممتاز ہے نبی عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی خصائص نبوت بیان کرتے ہوئے ”احیاء العلوم“ سے امام غزالی کی عبارت نقل کرتے ہیں‘ ہم قارئین کے سامنے ”احیاء العلوم“ سے امام غزالی کی اصل عبارت کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں:

نبوت ان اوصاف کو کہتے ہیں جو نبی کے ساتھ خاص ہوں اور ان اوصاف کی وجہ سے نبی اپنے غیر سے ممتاز ہو‘ اور یہ کئی قسم کے خصائص ہیں‘ نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات‘ فرشتوں اور آخرت کے حقائق کو اس طرح جانتا ہے جس طرح ان کو کوئی نہیں جانتا‘ کیونکہ نبی کو ان کی جتنی معلومات ہوتی ہیں اور ان پر جتنا یقین ہوتا ہے اور جتنی تحقیق ہوتی ہے کسی اور کو نہیں ہوتی۔ اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جس طرح غیر نبی کو افعال اختیاریہ پر قدرت ہوتی ہے اسی طرح نبی کو افعال خارقہ للعادات (یعنی معجزات) پر قدرت ہوتی ہے‘ اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور عالم ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے جس طرح ہم میں بینا اور نابینا کا فرق ہے‘ اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ کا ادراک کر لیتا ہے اور لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے‘ جس طرح انسان میں ذہانت کی صفت ہوتی ہے اور اس صفت سے وہ بے وقوف شخص سے ممتاز ہوتا ہے۔

(احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۱۹۰۔۱۸۹ مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر‘ ج ۴ ص ۱۰۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۹ھ‘ فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۷۔۳۶۶)

نبی کی خصوصیات

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

علامہ حلیمی نے کتاب المنہاج میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا دوسرے انسانوں سے جسمانی اور روحانی قوتوں میں مختلف ہونا ضروری ہے۔

پھر امام رازی اس کی تفصیل میں علامہ حلیمی سے نقل کرتے ہیں کہ قوت جسمانیہ کی دو قسمیں ہیں: مدرکہ اور محرکہ‘ اور مدرکہ کی دو قسمیں ہیں: حواس ظاہرہ اور حواس باطنہ اور حواس ظاہرہ پانچ ہیں:

قوت باصرہ

قوت باصرہ کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی یہ دلیل ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے لیے تمام روئے زمین سمیٹ دی گئی اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰‘ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۸‘ دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۵۸۷) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی صفیں قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں

تم کو پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۶۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۹۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۳)

اس قوت کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔(الانعام: ۷۵) اور اسی طرح ہم (حضرت) ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی نشانیاں دکھاتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی بصر کو قوی کر دیا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم نے اعلیٰ سے لے کر اسفل تک تمام نشانیاں دیکھ لیں۔ (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجلی لی ما فی السموت والارض "میرے لیے تمام آسمان اور زمین منکشف ہوگئے۔" مسند احمد ج ۴ ص ۶۶ اور ایک روایت میں ہے: فعلمت مافی السموت والارض "میں نے تمام آسمانوں اور زمین کو جان لیا۔" مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸)

قوت سامعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت تمام انسانوں سے زیادہ تھی کیونکہ آپ نے فرمایا: آسمان چرچراتا ہے اور اس کا چرچرانا بجا ہے، آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی نہیں ہے مگر اس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲، ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے چرچرانے کی آواز سنی۔ نیز آپ نے فرمایا: ایک پتھر جہنم میں گرایا جا رہا ہے جو ابھی تک جہنم کی تہہ تک نہیں پہنچا آپ نے اس کی آواز سنی۔ اس قوت کی نظیر حضرت سلیمان کو بھی عطا کی گئی کیونکہ انہوں نے چیونٹی کی آواز سنی۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ۔(النمل: ۱۸) ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو چیونٹی کا کلام سنایا اور اس کے معنی پر مطلع کیا اور یہ قوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھی کیونکہ آپ نے بھیڑیے اور اونٹ سے کلام کیا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۳۲، المستدرک ج ۲ ص ۱۰۰-۹۹)

قوت شامہ

نبی کی قوت شامہ کی خصوصیت پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ دلیل ہے، کیونکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ میری قمیص لے جاؤ اور حضرت یعقوب کے چہرے پر ڈال دو اور قافلہ وہ قمیص لے کر روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ۔(یوسف: ۹۴) مجھے (حضرت) یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو کئی دن کی مسافت کے فاصلہ سے سونگھ لی۔

قوت ذائقہ

نبی کے چکھنے کی قوت کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا ایک ٹکڑا چکھا تو فرمایا: اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۶۸، مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۱)

قوت لامسہ

نبی کی قوت لامسہ کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو گئی۔

اور حواس باطنہ میں قوت حافظہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى -(الاعلیٰ: ۲)
ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے پس آپ نہیں بھولیں گے۔

اور قوت ذکاوت ہے، حضرت علی فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے علم کے ایک ہزار باب سکھائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب مستنبط کیے، اور جب ولی کی ذکاوت کا یہ حال ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکاوت کا کیا عالم ہو گا!
اور قوت محرکہ کی خصوصیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج پر جانا دلیل ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ چوتھے آسمان پر جانا، اور حضرت ادریس اور الیاس علیہما السلام کا آسمانوں پر جانا اس کی دلیل ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی روحانی اور عقلی قوتیں بھی انتہائی کامل ہوتی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ نفس قدسیہ نبویہ اپنی ماہیت میں باقی نفوس سے مختلف ہوتا ہے اور نفس نبویہ کے لوازم سے یہ ہے کہ اس کی ذکاوت، ذہانت اور حریت انتہائی کامل ہو اور وہ جسمانیات اور شہوانیات سے منزہ ہو اور جب نبی کی روح غایت صفا اور شرف میں ہو گی تو اس کا بدن بھی انتہائی صاف اور پاکیزہ ہو گا اور اس کی قوت مدرکہ اور قوت محرکہ بھی انتہائی کامل ہو گی، کیونکہ یہ قوتیں ان انوار کے قائم مقام ہیں جو انوار جو ہر روح سے صادر ہوتے ہیں اور نبی کے بدن سے واصل ہوتے ہیں اور جب فاعل (روح) اور قابل (بدن) انتہائی کامل ہوں گے تو ان کے آثار بھی انتہائی کامل، مشرف اور صاف ہوں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۰۰-۱۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ نے بھی علامہ طیبی کی یہ عبارت اسی تفصیل سے نقل کی ہے۔

(غرائب القرآن ج ۲ ص ۱۵۴-۱۵۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ)

امام غزالی، امام رازی، علامہ طیبی، علامہ نظام الدین نیشاپوری اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ نبی کی حقیقت عام انسانوں سے مختلف ہوتی ہے اور ہر چند کہ نبی انسان اور بشر ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت میں استعداد وحی کی صلاحیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور نبی میں ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں سے اس طرح ممتاز ہوتا ہے جس طرح دیکھنے والا اندھے سے اور ذکی، غبی سے متمیز ہوتا ہے۔

فرشتہ کو نبی نہ بنانے کی وجوہ

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت میں پہلا شبہ یہ پیش کیا تھا کہ "ہم تم کو اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں" اور یہ ایسا ہی شبہ ہے جیسا کہ مکہ کے کافروں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں پیش کیا تھا، اور وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمایا تھا:

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ (الانعام: ۹-۸)

اور انہوں نے کہا کہ اس (رسول) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو (ان کا) کام تمام ہو چکا ہوتا پھر ان کو مہلت نہ دی جاتی ۝ اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو اسے مرد ہی (کی صورت میں) بناتے اور ان پر پھر وہی شبہ ڈال

دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں○

کفار کا یہ شبہ ان کی جہالت پر مبنی ہے' کیونکہ نبی اپنی نبوت کو دلائل اور براہین سے ثابت کرتا ہے اور معجزات پیش کرتا ہے' وہ اپنی شکل و صورت اور خلقت سے اپنی نبوت کو ثابت نہیں کرتا' بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتا اور وہ خلافِ عادت کاموں کو اپنی نبوت پر دلیل بناتا تو اس کی نبوت میں طعن کرنے کا زیادہ موقع تھا کیونکہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ یہ معجزات انسانوں کے اعتبار سے خلاف عادت ہیں فرشتہ کے لیے خلاف عادت نہیں ہیں لہٰذا یہ معجزات فرشتہ کی نبوت پر دلیل نہیں ہیں' دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتہ جو عبادات سرانجام دیتا اور دوسرے نیک اعمال انجام دیتا وہ انسانوں پر حجت نہ ہوتے کیونکہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ فرشتہ کی حقیقت میں ایسا عنصر ہو جس کی وجہ سے وہ ان مشکل اور کٹھن عبادات کو انجام دے سکتا ہو اور انسان کی حقیقت میں وہ عنصر نہ ہو' نیز فرشتہ بھوک پیاس' غم اور غصہ اور شہوت اور غضب سے منزہ اور مجرد ہوتا ہے لہٰذا فرشتہ کا برائیوں سے بچنا اور نیک اعمال کرنا انسانوں پر حجت نہیں ہو سکتا' ان وجوہ کی بنا پر اگر فرشتہ کو نبی بنا دیا جاتا تو بندوں پر اللہ کی حجت پوری نہ ہوتی- یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بشر اور انسانوں سے رسولوں کو بھیجا ہے نہ کہ فرشتوں سے-

پس ماندہ اور کمزور لوگوں کا ایمان لانا نبوت میں طعن کا موجب نہیں

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کر رہے ہیں' اسی طرح کا شبہ کفار قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کیا تھا' اس کی تفصیل یہ ہے:

ابو سفیان بن حرب نے بیان کیا: جس مدت میں ابو سفیان اور کفار قریش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (صلح حدیبیہ کی وجہ سے) معاہدہ ہوا تھا اس مدت میں وہ شام میں تجارت کے لیے گئے- روم کے بادشاہ ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلایا' اس وقت وہ ایلیا میں تھے' اس نے ایک ترجمان کو بلا کر ابو سفیان سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند سوالات کیے' ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ کیا قوم کے معزز لوگ ان کی پیروی کر رہے ہیں یا پس ماندہ اور کمزور لوگ؟ ابو سفیان نے کہا: پس ماندہ اور کمزور لوگ پیروی کرتے ہیں- ہرقل نے کہا: ہمیشہ رسولوں کی پیروی پس ماندہ اور کمزور لوگ ہی کرتے ہیں-

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۶۴' ۹۷۶' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۹۵۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۵۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۵۶۳' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۴۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۰۷)

پس ماندہ اور کمزور لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مالدار نہ ہوں' تنگ دست اور مفلس ہوں' اور جن لوگوں کا تعلق ایسے پیشے سے ہو جس کو معاشرہ میں پیچ' خسیس اور گھٹیا سمجھا جاتا ہو' اور یہ بھی ان کی جہالت ہے' کیونکہ اللہ کے نزدیک بلندی' برتری اور عظمت مال و دولت اور بلند مرتبوں سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے نزدیک فقر اور افلاس مال و دولت سے زیادہ پسندیدہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اسی تعلیم کے ساتھ بھیجا کہ وہ دنیا کو ترک کر کے آخرت کی طرف راغب ہوں' تو مال و دولت کی کمی نبوت اور رسالت میں طعن کی کس طرح موجب ہو گی!

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اغنیاء کی بہ نسبت فقراء کا مقرب ہونا

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اغنیاء کی بہ نسبت فقراء کے مقرب اور افضل ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت

میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں میری روح قبض کرنا اور قیامت کے دن مجھے مسکینوں کی جماعت میں اٹھانا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ! اس دعا کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: مسکین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اے عائشہ! تم مسکین کو مسترد نہ کرو، خواہ ایک کھجور کا ایک ٹکڑا ہو، اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کرو اور ان کو قریب رکھو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں اپنے قریب رکھے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۲)

اس حدیث کی سند میں الحارث بن النعمان منکر الحدیث ہے اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقراء، اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، یہ میدان حشر کا نصف دن ہوگا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۴۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۲۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۰۱۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۶، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۹۱)

امام ترمذی نے اس حدیث کو ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس کے متعلق بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۴)

طبقاتی فرق اور نام ونسب فضیلت کا موجب نہیں

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایام تشریق کے وسط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے! تمہارا باپ ایک ہے! سنو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، اور نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر فضیلت ہے، مگر تقویٰ کے ساتھ، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو، سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے! مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں، یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: پھر حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب کو تبلیغ کر دے۔ (شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور باپ دادا پر فخر کرنے (کی خصلت) کو دور کر دیا ہے، سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے، مومن متقی ہے اور فاجر بدمزاج ہے۔ لوگ (اپنے) باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آجائیں ورنہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیڑے مکوڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔ (شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۶، مسند البزار ج ۲ ص ۴۳۵)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ "اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں سمجھتے" ان کا یہ شبہ بھی ان کی جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا معیار علم اور عمل ہے، اور علم اور عمل کے اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام کی فضیلت بالکل ظاہر تھی، انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین سے کہا: بلکہ ہم تم کو جھوٹا گمان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (نوح نے) کہا اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے (واضح) دلیل رکھتا ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھ کو رحمت عطا کی ہو جو تم سے مخفی رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس کو زبردستی تم پر مسلط کر دیں گے جب کہ تم اس کو ناپسند کرنے والے ہو۔ (ھود: ۲۸)

بشر ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں کے شبہات کا ذکر فرمایا تھا ان کا پہلا شبہ یہ تھا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ تم ہماری ہی مثل بشر ہو، تو پھر نبی کس طرح ہو سکتے ہو؟ حضرت نوح علیہ السلام نے جو اس کا جواب دیا اس کی تقریر یہ ہے کہ: بشریت میں مساوی ہونا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ مجھے نبوت اور رسالت حاصل نہ ہو سکے کیونکہ نبوت اور رسالت اس کی عطا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ وہ نبوت اور رسالت کس کو عطا کرے گا!

اے میری قوم! یہ بتاؤ کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے پاس سے نبوت عطا فرمائی ہو اور اس نبوت کی دلیل پر معجزہ بھی عطا فرمایا ہو، اور میری نبوت تم پر مشتبہ ہو یا مخفی ہو تو کیا میں اس بات پر قادر ہوں کہ جبراً اپنی نبوت کو تمہاری عقل سے تسلیم کرالوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (نوح نے کہا) اور اے میری قوم! میں اس (تبلیغ) پر کوئی مال طلب نہیں کرتا، میرا اجر صرف اللہ پر ہے، اور میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں، بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ جاہل ہو○ اور اے میری قوم! اگر میں ان (مومنوں) کو دھتکار دوں تو اللہ سے مجھے کون بچائے گا؟ کیا تم غور نہیں کرتے○ (ھود: ۳۰-۲۹)

تبلیغ دین پر اجر طلب نہ کرنے سے حضرت نوح کا اپنی نبوت پر استدلال

ھود: ۲۹ میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے کافر سرداروں کے دوسرے شبہ کا جواب دیا ہے، ان کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ آپ کی پیروی تو ہماری قوم کے پس ماندہ لوگ ہی کر رہے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے اس شبہ کا کئی وجوہ سے جواب دیا:

(۱) میں اللہ کے پیغام پہنچانے اور دین کی تبلیغ پر تم سے کوئی اجر نہیں طلب کر رہا نہ کوئی مال و دولت مانگ رہا ہوں حتیٰ کہ یہ فرق کیا جائے کہ میری پیروی کرنے والا فقیر ہے یا غنی، اس مشکل اور کٹھن عبادت پر میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے تو اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میری پیروی امیر کرتے ہیں یا غریب۔

(۲) تم میرے ظاہری حالات کو دیکھ کر یہ سمجھ رہے ہو کہ میں غریب آدمی ہوں اور تمہارا گمان یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کا یہ کام اس لیے شروع کیا ہے کہ میں تم سے مال و دولت حاصل کر کے خوشحال ہو جاؤں، سو تمہاری یہ بدگمانی غلط اور فاسد ہے، کیونکہ میں تم سے دین کا پیغام پہنچانے پر کسی اجر اور معاوضہ کا طلب گار نہیں ہوں، میرا اجر تو صرف اللہ رب العالمین پر ہے تو تم اس بدگمانی کی وجہ سے اپنے آپ کو آخرت کی سعادتوں اور کامیابیوں سے محروم نہ کرو اور اپنے اجر آخرت کو ضائع نہ کرو۔

(۳) اور تم نے یہ کہا ہے کہ ہم تمہیں صرف اپنی مثل بشر سمجھتے ہیں اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے، اللہ تعالیٰ نے مجھے انواع و اقسام کی فضیلتیں عطا کی ہیں، یہی وجہ ہے کہ میں دنیا کے حصول کی کوئی کوشش نہیں کرتا، میری تمام کوشش اور جدوجہد کا محور صرف دین کی طلب ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا کو ترک کرنا اور اس سے اعراض کرنا تمام فضائل کی اصل ہے۔

مومنوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنے کی وجوہ

نیز حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی قوم کے کافر

سردار نادار مومنوں کے ساتھ بیٹھنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ امام ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت نوح سے کہا کہ اے نوح! اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ ہم آپ کی پیروی کریں تو آپ اپنی مجلس سے ان فقراء کو نکال دیں، کیونکہ ہم اس پر کبھی راضی نہیں ہوں گے کہ وہ اور ہم کسی معاملہ میں بھی برابر ہوں۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۱۳۹۸۹) حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں ان مومنوں کو اپنی مجلس سے نکالنے والا نہیں ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں، نیز وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ نفاق سے آپ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: یہ معاملہ اللہ سے ان کی ملاقات ہونے پر کھل جائے گا، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو اپنی مجلس سے نہ نکالنے کی یہ وجہ پیش کی کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور اس وقت ان کا رب ان کو وہ انعامات عطا فرمائے گا، جس کا اس نے ان مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے، اب اگر میں نے ان کو اپنی مجلس سے نکال دیا تو وہ اللہ کے سامنے مجھ سے جھگڑا کریں گے، نیز انہوں نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ میں ان مومنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گا۔ اگر میں نے بالفرض ان کو اپنی مجلس سے نکال دیا تو اللہ تعالیٰ مجھ پر گرفت فرمائے گا اور اس کے مقابلہ میں میری مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو گا، اور یہ وہ تمام اسرار اور رموز ہیں اور مسلمانوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنے کی وجوہات ہیں جن کو میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔

شریعت میں مومن کی تکریم اور کافر کی تذلیل مطلوب ہے

اس کے بعد (ھود: ۳۰) میں فرمایا: اور اے میری قوم! اگر میں ان (مومنوں) کو دھتکار دوں تو اللہ سے مجھے کون بچائے گا؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عقل اور شرع اس بات پر متفق ہیں کہ نیک اور متقی مسلمان کی تعظیم اور تکریم ضروری ہے اور کافر اور فاجر کی توہین کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (المنافقون: ۸)
عزت تو اللہ اور رسول اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے۔

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ۔ (الزمر: ۲۶)
سو اللہ نے انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کا مزہ چکھایا اور یقیناً آخرت کا عذاب سب عذابوں سے بڑا ہے۔

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ○ (البقرہ: ۱۱۴)
ان (کافروں) کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

اسی طرح احادیث میں بھی مومنوں کی تکریم اور کفار کی تذلیل کا حکم ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مسلمان شخص کی تکریم کی تو اللہ تعالیٰ اس کی تکریم کرے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۶۴۰، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۱۶ھ)

وضین بن عطا بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کی طرف وحی کی کہ میں تمہاری قوم میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار نیکو کاروں کو اور ساٹھ ہزار بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں۔ حضرت یوشع نے عرض کیا: اے میرے رب! تو بدکاروں کو تو ہلاک فرمائے گا، نیکو کاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بدکاروں کے پاس جاتے تھے، ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضب ناک نہیں ہوتے تھے۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۵۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

حضرت نوح علیہ السلام کے جواب کا مفہوم یہ ہے کہ اگر میں بالفرض شریعت کے حکم کے برعکس کروں اور کافر اور فاجر کی تکریم کر کے اس کو اپنی مجلس میں مقرب بناؤں اور مومن متقی کی توہین کر کے اس کو اپنی مجلس سے نکال دوں تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہوگی اور اس صورت میں، میں اللہ عزوجل کے عذاب کا مستحق ہوں گا تو پھر بتاؤ مجھے اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں (از خود) غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں میں ان کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہرگز ان کو کوئی خیر نہیں عطا فرمائے گا اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے (اگر بالفرض میں ایسا کہوں) تو بے شک اس صورت میں، میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا O (ھود: ۳۱)

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی ذات سے اللہ کے خزانے اور علم غیب کی نفی کرنا اور اس کی توجیہ

دنیا میں فضائل حقیقیہ روحانیہ کا مدار تین چیزوں پر ہے: ان میں سے ایک استغناء مطلق ہے اور دنیا میں عادت جاریہ یہ ہے کہ جو شخص مال کثیر کا مالک ہو اس کو غنی کہا جاتا ہے، اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ میں استغناء مطلق کا دعویٰ نہیں کرتا، اور دوسری چیز ہے علم میں کمال اور مکمل علم۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں از خود غیب کو نہیں جانتا، اور تیسری چیز ہے کامل اور مکمل قدرت، اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات مقرر ہے کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ طاقت اور قدرت فرشتوں کو ہوتی ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، اور ان تین چیزوں کی نفی کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ان تینوں مراتب سے مجھے وہی کچھ حاصل ہے جو طاقت بشریہ اور قوت انسانیہ کے موافق ہے، رہا کمال مطلق تو میں اس کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ کلام بطور تواضع ہے ورنہ بشمول حضرت نوح علیہ السلام تمام انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

اگر تم میری تکذیب اس وجہ سے کرتے ہو اور میری پیروی اس لیے نہیں کرتے کہ میرے پاس زیادہ مال اور بڑا مرتبہ نہیں ہے تو میں نے کب اس کا دعویٰ کیا ہے اور میں نے کب تم سے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کے خزانے اور اس کا مال میرے پاس ہے حتیٰ کہ تم اس معاملہ میں مجھ سے بحث کرو اور میری نبوت کا انکار کرو، میں نے تو صرف رسالت اور اللہ عزوجل کے پیغام پہنچانے کا دعویٰ کیا ہے، اور نہ میں نے یہ کہا ہے کہ میں از خود غیب کو جانتا ہوں حتیٰ کہ تم اس کے مستبعد ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کرو، اور میں نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا ہے وہ وحی کے ذریعہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے خبر دینے کی وجہ سے ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے آپ سے متعدد غیب کی چیزوں کے متعلق سوال کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کی دلیل کی وجہ سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر غیب کو نہیں جانتا، اور فرمایا: میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، اس میں کفار کے اس قول کا رد ہے کہ ہم آپ کو اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی نبوت کو رواج دینے کے لیے یہ نہیں کہا کہ میں فرشتہ ہوں حتیٰ کہ تم یہ کہو کہ آپ تو ہماری طرح بشر ہیں اور فرشتے نہیں ہیں کیونکہ بشریت نبوت کے منافی نہیں ہے، تم نے ان تین چیزوں کے نہ ہونے کو میری تکذیب کا ذریعہ بنایا ہے، حالانکہ میں نے ان میں

سے کسی چیز کا دعویٰ نہیں کیا۔ (روح المعانی ج ۱۲ ص ۶۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اور جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں ان کے متعلق میں یہ نہیں کہتا کہ تمہارے حقیر سمجھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے ثواب کو کم کر دے گا یا ان کے اجور کو باطل کر دے گا اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے پس وہ اس کے موافق ان کو جزا دے گا اور اگر بالفرض میں ایسا کہوں تو پھر میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے نوح! تم نے ہم سے بحث کی اور بہت زیادہ بحث کی، اب اگر تم سچے ہو تو وہ (عذاب) لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو○ (نوح نے کہا) اگر اللہ نے چاہا تو تم پر وہ عذاب اللہ ہی لائے گا اور تم (اس کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو○ اگر میں تم کو نصیحت کروں تو میں اپنی نصیحت سے تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب کہ اللہ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہو، وہی تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے○ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس (قرآن) کو از خود گھڑ لیا ہے؟ آپ کہئے کہ اگر (بالفرض) میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو میرا گناہ میرے ذمہ ہے اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں○ (ھود: ۳۵-۳۲)

جدال کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: جدال کا معنی ہے بحث اور مناقشہ میں فریق مخالف پر غالب آنے کی کوشش کرنا۔ جدلت الحبل کا معنی ہے میں نے رسی کو مضبوطی سے بنایا، بٹ دیا، اور اجدل طاقت ور شکرے کو کہتے ہیں، اور اسی سے جدال بنا ہے گویا بحث اور مناقشہ کرنے والوں میں سے ہر فریق دوسرے کو اس کی رائے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جدال کا معنی پچھاڑنا ہے، اور اپنے مخالف کو سخت زمین پر گرانا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۰۷)

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: دین میں جدال کرنا محمود ہے، اسی وجہ سے حضرت نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں سے جدال کیا تاکہ حق کا غلبہ ہو اور جس نے ان کے موقف کو قبول کر لیا وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور جس نے ان کے موقف کو مسترد کر دیا وہ ناکام اور نامراد ہو گیا اور ناحق جدال کرنا تاکہ باطل کو غلبہ ہو مذموم ہے اور ایسا جدال کرنے والا دنیا اور آخرت میں ملامت اور مذمت کیا جاتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۶)

حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات پر کفار کے اعتراضات

سابقہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے دیئے ہوئے وہ جوابات بیان فرمائے تھے جو انہوں نے کفار کے شبہات میں دیئے تھے، ان کے جوابات پر کفار نے دو اعتراض کیے:

(۱) کفار نے حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات کو جدال سے تعبیر کیا اور کہا کہ آپ نے بہت زیادہ جدال کیا ہے، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے بہت زیادہ بحث فرمائی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کا جدال توحید، نبوت اور آخرت کو ثابت کرنے کے لیے تھا، اس سے معلوم ہوا کہ حق کو ثابت کرنے کے لیے دلائل پیش کرنا اور شبہات کا ازالہ کرنا یہ وہ جدال ہے جو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور آباء و اجداد کی اندھی تقلید، جہل اور گمراہی پر اصرار کرنا اور اس پر جدال کرنا کفار کا طریقہ ہے۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام ان کو جس عذاب سے ڈراتے تھے کفار نے ان سے اس عذاب کو بہ عجلت طلب کیا اور کہا: اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے پاس اس عذاب کو جلد لے کر آئیں جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا تھا: اگر اللہ نے چاہا تو وہ عذاب تم پر اللہ ہی لائے گا اور تم (اس کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو، اس کا معنی یہ

ہے کہ عذاب کو نازل کرنا میری طرف مفوض نہیں ہے' یہ اللہ کا کام ہے وہ جب چاہے گا اس کو کرے گا اور اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کفار کو گمراہ کرنے کا ارادہ فرمائے تو پھر گمراہ ہونے میں ان کا کیا قصور ہے؟

پھر نوح علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں تم کو نصیحت کروں تو میں تم کو اپنی نصیحت سے فائدہ نہیں پہنچا سکتا' جب کہ اللہ تم کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہو۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو پھر ان کے گمراہ ہونے میں ان کا کیا قصور ہے؟ نیز جب اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا تو پھر حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی ہدایت کے لیے بھیجنے کا کیا فائدہ تھا؟

امام رازی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ بندے سے اس کے کفر کا ارادہ کرتا ہے' اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے کفر کا ارادہ کرے تو پھر اس کا ایمان لانا محال ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے جو فرمایا تھا وہ ہمارے مذہب کی صحت پر صراحتاً دلالت کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۴۲-۳۴۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں نے دیکھا کہ مفسرین میں سے کوئی بھی اس اعتراض کا جواب دینے کے در پے نہیں ہوا' میرے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار عطا فرمائے گا' لیکن وہ ہدایت کو قبول کرنے کی بجائے اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید پر جمے رہنے کو اختیار کریں گے اور ہٹ دھرمی سے کام لیں گے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے سوء اختیار کی بناء پر ان کے حق میں کفر کو مقدر کر دیا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہی پر رکھنے کا ارادہ فرمایا' اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ فرمانا ان کے اپنے اختیار کی وجہ سے ہے' اس لیے قیامت کے دن وہ یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ جب تو نے ہی ہمیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا تو ہدایت کو قبول نہ کرنے میں ہمارا کیا قصور ہے' اور نہ ہی حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت کے لیے بھیجنے کا عبث ہونا لازم آیا' کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے مسلسل ہدایت دینے کے باوجود انہوں نے اپنے اختیار سے ہدایت کو قبول نہیں کیا۔

انسان کے افعال کی قدرت میں مذاہب متکلمین اور جبر اور قدر کی وضاحت

بندے کے افعال پر قادر ہونے یا نہ ہونے کے متعلق متکلمین اسلام کے نظریات مختلف ہیں۔ جبریہ کا نظریہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے افعال پر کوئی اختیار نہیں ہے اور وہ شجر و حجر کی طرح مجبور محض ہے' اور معتزلہ کا یہ نظریہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے' اور اہلسنت کا یہ نظریہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا کسب کرتا ہے اور اس کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' اور کسب کا معنی اختیار اور ارادہ ہے' جب بندہ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندہ کفر یا ایمان میں سے کس کو اختیار کرے گا اور اس کے اختیار کی بناء پر اللہ تعالیٰ اس کے اندر کفر یا ایمان میں سے کسی ایک کو پیدا کرے گا اور اس کے اسی علم کا نام تقدیر ہے۔ عام لوگوں کو تقدیر پر یہ خدشہ ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ہمارے متعلق یہ لکھ دیا تھا کہ ہم نیک اور بد افعال میں سے کیا کریں گے تو ہم نیکی یا بدی کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جبر اس وقت ہوتا جب ہم کو اختیار نہ دیا جاتا' جبر کی واضح مثال یہ ہے کہ ایک بچہ اپنے اختیار اور ارادہ سے سٹیڈیم میں کرکٹ میچ دیکھنے جانا چاہتا ہے لیکن اس کا باپ اس کو جبراً گھسیٹتے ہوئے اسکول لے کر جاتا ہے اور اس کو ہیڈ ماسٹر کے سپرد کر کے آتا ہے کہ اس کو چھٹی سے پہلے اسکول سے نکلنے نہ دینا' اب جتنے وقت وہ بچہ اسکول میں رہتا ہے اس کا دل و دماغ میچ ہی میں رہتا ہے اور وہ بے دلی سے اسکول میں وقت گزارتا ہے' یہ جبر ہے۔ اگر ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا کہ ہم اپنے

اختیار اور ارادہ سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانا چاہتے لیکن کوئی غیبی طاقت ہم کو سینما ہاؤس میں فلم دیکھنے لے جاتی اور ہم بے دلی سے فلم دیکھتے اور ہمارا دل اور دماغ نماز اور مسجد میں ہوتا تب تو یقیناً یہ جبر ہوتا' لیکن جب کہ ایسا نہیں ہوتا' ہمارا دل نماز پڑھنے کو چاہتا ہے تو ہم نماز پڑھتے ہیں اور ہمارا دل فلم دیکھنے کو چاہتا ہے تو ہم فلم دیکھتے ہیں' ہمارے تمام نیک اور بد افعال ہماری خواہش کے مطابق اور ہمارے اختیار اور ارادہ کے موافق ہوتے ہیں تو واضح ہوگیا کہ ہم پر جبر نہیں ہے اور ہم مختار ہیں اور اسی اختیار کی بناء پر ہم کو جزا یا سزا ملتی ہے' ہاں ہم پیدائش اور موت میں مجبور ہیں' ہم اپنے اختیار سے پیدا ہو سکتے ہیں' نہ اپنے اختیار سے مرسکتے ہیں' نہ اجل آنے پر موت کو موخر کرسکتے ہیں' لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل کے تعلیم یافتہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر فلاں شخص خاندانی منصوبہ بندی کی دوائیں اپنی بیوی کو کھلا دیتا تو اس کے اتنے بچے نہ ہوتے یا اگر فلاں شخص کو بروقت طبی امداد مل جاتی تو وہ نہ مرتا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جن کی پیدائش مقدر کردی ہے وہ ہر حال میں پیدا ہوں گے اور کوئی دوا یا کوئی طریقہ ان کو پیدا ہونے سے روک نہیں سکتا' اور جس شخص کی موت کا اللہ تعالیٰ نے وقت مقدر کردیا ہے' کسی دوا یا کسی طریقہ سے اس کو اس وقت کے بعد موت سے بچایا نہیں جاسکتا۔ ان تعلیم یافتہ لوگوں پر حیرت ہوتی ہے کہ جن کاموں میں وہ مختار ہیں مثلاً نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے میں' ان میں خود کو مجبور کہتے ہیں اور جن امور میں وہ مجبور ہیں مثلاً پیدائش اور موت میں' ان میں خود کو مختار کہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ امورِ تکوینیہ میں ہم مجبور ہیں اور امورِ تشریعیہ میں ہم مختار ہیں۔ امورِ تکوینیہ سے مراد وہ امور ہیں جن میں ہمارے فعل کا دخل نہیں ہے' مثلاً پیدا ہونا اور پیدائش میں مذکر یا مونث ہونا' مرنا' بارشوں کا ہونا' دریاؤں اور سمندروں میں طوفانوں کا آنا' زلزلوں کا آنا' آندھیوں کا آنا' گرمی' سردی اور برسات کے موسموں کا آنا اور امورِ تشریعیہ سے مراد احکامِ شرعیہ ہیں' جن میں ہمارے فعل کا دخل ہے۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا

اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ

چکے ہیں پس آپ ان کی کارروائی سے مغموم نہ ہوں ○ اور آپ ہماری نگرانی میں ہماری وحی

بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾

کے موافق کشتی بنایئے ' اور ظالموں کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ کریں کیونکہ وہ ضرور غرق کیے جائیں گے ○

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۖ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا

اور نوح کشتی بنارہے تھے اور جب بھی ان کی قوم کے (کافر) سرداران کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے؛

مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ؕ

نوح نے کہا اگر تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو جس طرح تم (اب) ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو (وقت آنے پر) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے ○

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ
پھر عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا
عذاب آئے گا ○ حتّٰی کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور ابلنے لگا تو ہم نے (نوح سے)
احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ
فرمایا: اس کشتی میں ہر قسم کے (نر اور مادہ) جوڑوں کو سوار کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوا ان کے
سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا
جن (کو غرق کرنے) کا فیصلہ ہو چکا ہے، اور ایمان والوں کو بھی سوار کر لو، اور ان پر کم لوگ ہی
قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا
ایمان لائے تھے ○ اور نوح نے کہا اس کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے
اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ
بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور وہ کشتی انہیں پہاڑ جیسی موجوں میں لے کر جا رہی تھی،
وَنَادٰى نُوْحُ ا بْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا
اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جب کہ وہ ان سے الگ تھا: اے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں
تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ
کے ساتھ نہ رہو ○ اس نے کہا میں عنقریب کسی پہاڑ کی پناہ میں آ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا،
الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَ
نوح نے کہا آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے سوا اس کے جس پر (خود) اللہ رحم فرمائے، اور
حَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾
ان دونوں (باپ، بیٹے) کے درمیان موج حائل ہو گئی سو وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا ○

قرء حفص بفتح الميم وامالة الراء

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں پس آپ ان کی کارروائی سے مغموم نہ ہوں○ (ھود: ۳۶)

امتناعِ کذب اور مسئلہ تقدیر

امام ابن جریر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے کافروں کے خلاف یہ دُعا کی:

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ (نوح: ۲۶)

اور نوح نے دعا کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

(جامع البیان جز ۱۲ رقم الحدیث: ۱۳۹۹۷)

جب حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دُعا کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی فرمائی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے جن کافروں کے متعلق یہ خبر دی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کا بعد میں حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ سے ایمان لانا ممکن تھا یا محال تھا؟ اگر ان کا ایمان لانا محال تھا تو یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ کسی شخص کو امر محال کے ساتھ مکلف کرنا درست نہیں ہے اور اگر ان کا ایمان لانا ممکن تھا تو یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر کا کذب ہونا ممکن ہو اور اس کے علم کا جہل ہونا ممکن ہو اور یہ محال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا ایمان لانا ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے، اللہ تعالیٰ کی خبر دینے سے قطع نظر فی نفسہ ان کا ایمان لانا ممکن ہے اور اسی لحاظ سے ان کا ایمان لانا ممکن ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اس اعتبار سے ان کا ایمان لانا ممتنع بالغیر ہے کیونکہ ان کے ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کی خبر کا کذب ہونا اور اس کے علم کا جہل ہونا لازم آئے گا اور وہ محال بالذات ہے۔

اور یہاں سے مسئلہ تقدیر بھی واضح ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے یہ کفار اپنے اختیار سے ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اس نے فرمادیا کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔ اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے البقرہ: ۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے موافق کشتی بنائیے، اور ظالموں کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ کریں کیونکہ وہ ضرور غرق کیے جائیں گے○ (ھود: ۳۷)

جان بچانے کے وجوب پر بعض مسائل کی تفریع

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ بتادیا کہ ان کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں، اس کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو عذاب دینے والا ہے اور چونکہ عذاب کئی طریقوں سے آسکتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو یہ بتایا کہ وہ عذاب از قبیل غرقابی ہوگا اور غرقابی اور ڈوبنے سے نجات کی صورت صرف کشتی سے ہو سکتی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو کشتی بنانے کا حکم دیا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ امر اباحت کے لیے تھا یا وجوب کے لیے، صحیح یہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لیے تھا، کیونکہ اس وقت جان بچانا صرف کشتی کے ذریعہ ممکن تھا، اور جان بچانا واجب ہے اور جس پر واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے اس لیے کشتی کا بنانا واجب ہے۔ اور اس قاعدہ پر کئی مسائل متفرع ہوتے ہیں مثلاً اگر کوئی مسلمان ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ اگر فلاں شخص

کے جسم میں خون نہ پہنچایا گیا تو وہ مر جائے گا تو اس کے جسم میں خون منتقل کرنا واجب ہے' اسی طرح اگر کسی عورت کا بغیر آپریشن کے بچہ پیدا نہ ہوتا ہو اور مسلمان ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ اب اس کے پیٹ میں مزید آپریشن کی گنجائش نہیں ہے تو اس کی نل بندی کرنا واجب ہے' اسی طرح اگر کسی شخص کے دونوں گردے ناکارہ ہو گئے ہوں اور اس کو صحیح گردہ فراہم کر دیا جائے تو اس کی جان بچانے کے لیے اس پر واجب ہے کہ وہ اس گردہ سے پیوند لگوالے' تاہم ہمارے نزدیک کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ پیوند کاری کے لیے اپنا گردہ نکلوا کر کسی کو ہبہ کرے۔ بعض علماء نے پیوند کاری کے لیے اپنے اعضاء نکلوانے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

امام عبداللہ بن احمد اور امام طبرانی نے ان الفاظ سے یہ حدیث روایت کی ہے: حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے جسم سے کسی چیز کو صدقہ کیا اس کو بقدر صدقہ اجر دیا جائے گا۔ (مجمع الزوائد ج٦ ص ٣٠٢' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ٨٥٩٥)

البتہ امام احمد نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ اس کو صدقہ کر دے تو جتنا وہ صدقہ کرے گا اللہ اتنا اس کے گناہوں کا کفارہ کر دے گا۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (مسند احمد ج٥ ص ٣١٦' طبع قدیم' مسند احمد ج٥ رقم الحدیث: ٢٢٠٧٧' مطبوعہ عالم الکتب بیروت' ١٤١٩ھ)

اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی شخص پر ظلم کیا اور اس کا کوئی عضو کاٹ کر اس کی منفعت زائل کر دی اور اس مظلوم نے اس ظالم کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بقدر جنایت اجر عطا فرمائے گا' امام احمد کی سند صحیح ہے۔

ہمارے نزدیک کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کا کوئی عضو نکلوا کر کسی شخص کو ہبہ کر دے' کیونکہ کوئی شخص اپنے جسم کا مالک نہیں ہے اور اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کو ہلاکت میں یا ہلاکت کے خطرہ میں ڈال دے۔ شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں ہم نے اعضاء کی پیوند کاری پر تفصیل سے بحث کی ہے' البتہ اگر کسی شخص کو کوئی عضو دے دیا گیا ہو اور اس کو ہلاکت کا خطرہ ہو تو جان بچانے کے لیے اس پر واجب ہے کہ وہ اس عضو سے پیوند کاری کرائے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں متاخرین کا مسلک

اس آیت میں فرمایا ہے: واصنع الفلک باعیننا "ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنائیے۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے لیے آنکھوں کے ثبوت کا ذکر ہے۔ امام فخرالدین رازی متوفی ٦٠٦ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

دلائل قطعیہ عقلیہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء' جوارح' اجزاء اور حصوں سے منزہ ہے لہٰذا اس آیت کی تاویل کرنا واجب ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(١) اس سے مراد ہے کہ آپ فرشتوں کی آنکھوں کے سامنے کشتی بنائیے جن کو معلوم ہے کہ کشتی کس طرح بنائی جاتی ہے۔

(٢) کسی چیز پر آنکھ رکھنا اس کی حفاظت کرنے سے کنایہ ہے' اور اس آیت کا معنی ہے آپ ہماری حفاظت میں کشتی بنائیے۔

(تفسیر کبیر ج٦ ص ٣٤٤' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے جسمانی اعضاء اور ان کے عوارض اور لوازم کا ذکر ہے' جیسے ید (ہاتھ)' ساق (پنڈلی)' عین (آنکھ) اور احادیث میں ہے: اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے' اس کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں' وہ آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے' ائمہ متقدمین کا مذہب یہ تھا کہ یہ سب اللہ کی صفات ہیں اور ان کی کیفیت کا اللہ ہی کو علم ہے لیکن اس

کی یہ صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں مثلاً اس کا ہاتھ ہے لیکن وہ کیسا ہاتھ ہے؟ یہ اللہ ہی کو معلوم ہے تاہم اس کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں ہے اور متاخرین علماء نے یہ سمجھا کہ ان صفات کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اس لیے انہوں نے ان صفات میں تاویلات کیں اور کہا کہ مثلاً ید (ہاتھ) سے مراد قدرت اور غلبہ ہے اور عین (آنکھ) سے مراد حفاظت ہے' اور جہاں حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے' اس سے مراد ہے اس کی رحمت نازل ہوتی ہے' علی ھذا القیاس' اب ہم اس مسئلہ میں ائمہ متقدمین کے مذاہب بیان کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں متقدمین کا مسلک

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی حد ہے' نہ کوئی ضد ہے' نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کوئی اس کی مثل ہے' اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے چہرہ' ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے' پس وہ اس کی صفات بلاکیف ہیں' اور یہ نہ کہا جائے کہ اس کے ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس قول سے اللہ تعالیٰ کی صفات کو باطل کرنا لازم آتا ہے۔ (فقہ اکبر مع شرحہ ص ۳۷-۳۶' مطبوعہ مصر' ۱۳۷۵ھ)

الامام الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ ثم استوی علی العرش کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کلبی اور مقاتل نے کہا: استوی کا معنی استقر ہے (رحمٰن عرش پر برقرار ہے) ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے عرش پر چڑھا اور معتزلہ نے الاستواء کی تاویل استیلاء سے کی ہے (وہ عرش پر غالب ہے) اور رہے اہلسنت تو وہ کہتے ہیں کہ عرش پر استواء اللہ تعالیٰ کی صفت بلاکیف ہے' انسان پر واجب ہے کہ وہ استواء پر ایمان لائے اور اس کا علم اللہ عزوجل کے سپرد کر دے۔ ایک شخص نے امام مالک بن انس سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: الرحمٰن علی العرش استوی کہ استواء کی کیا کیفیت ہے۔ امام مالک نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور ان کو پسینہ آگیا' پھر انہوں نے کہا: استواء کا معنی معلوم ہے (معتدل و مستقیم ہونا' جم کر بیٹھنا) اور اس کی کیفیت عقل میں نہیں آسکتی اور اس پر ایمان لانا واجب ہے' اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اور میرے گمان میں تم محض گمراہ ہو' پھر امام مالک کے حکم سے اس کو نکال دیا گیا۔ اور سفیان ثوری' اوزاعی' لیث بن سعد' سفیان بن عیینہ' عبد اللہ بن مبارک اور ان کے علاوہ دیگر علماء اہلسنت سے صفات متشابہات کے متعلق مروی ہے کہ جس طرح یہ صفات وارد ہوئی ہیں ان کو اسی طرح بلاکیف ماننا چاہیے۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۳۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی الحنبلی المتوفی ۷۲۸ھ نے اپنے فتاویٰ میں اس مسئلہ پر متعدد جگہ بحث کی ہے' اگر ان تمام ابحاث کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل اور مفصل کتاب بن سکتی ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

امام احمد رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اسی صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے جس صفت کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے یا جس صفت کے ساتھ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موصوف کیا ہے' اور قرآن اور حدیث سے تجاوز نہ کیا جائے۔

اور سلف کا مذہب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وہی صفت بیان کرتے تھے جو اللہ نے خود اپنی صفت بیان کی ہے یا جو صفت اس کے رسول نے بیان کی ہے' بغیر کسی تحریف اور تعطیل کے اور بغیر کسی تکییف اور تمثیل کے (تحریف سے مراد ہے مثلاً ہاتھ سے مراد قوت اور نعمت لینا' اور تعطیل سے مراد اللہ تعالیٰ کی ان صفات کی نفی کرنا اور کہنا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نہیں ہے' اور

تکییف سے مراد ہے یہ کہنا کہ اس کا ہاتھ اس کیفیت کا ہے یا وہ عرش پر اس طرح بیٹھا ہے یا وہ آسمانِ دنیا کی طرف اس طرح نازل ہوتا ہے اور تمثیل سے مراد ہے یہ کہنا کہ اس کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کی مثل ہے' اور یوں ایمان رکھا جائے کہ اللہ کا ہاتھ ہے اور وہ کیسا ہے اور کس طرح ہے یہ ہم کو معلوم نہیں ہے' البتہ وہ مخلوق میں سے کسی کی مثل نہیں ہے' وہ ہاتھ اس طرح ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے) ہم کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفت بیان کی ہے وہ برحق ہے' اس میں کوئی پہیلی یا بجھارت نہیں ہے اور اس کے باوجود اللہ سبحانہ کی کوئی مثل نہیں ہے' اس کی ذات کی کوئی مثل ہے نہ اس کے اسماء اور صفات کی اور نہ اس کے افعال کی' پس جس طرح ہم کو یہ یقین ہے کہ اس کی ذات اور اس کے افعال کی حقیقت ہے اسی طرح ہم کو یہ یقین ہے کہ اس کی صفات بھی حقیقی ہیں اور اس کی ذات' اور اس کی صفات کی اور اس کے افعال کی کوئی مثل نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو کسی نقص یا حدوث کو واجب کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے حقیقتاً منزہ ہے اور اللہ سبحانہ اس کمال کا مستحق ہے جس سے بڑھ کر کمال متصور نہیں ہے۔

اور سلف کا مذہب تعطیل اور تمثیل کے درمیان ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو مخلوق کی ذات کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتے' اور اللہ تعالیٰ سے ان صفات کی نفی نہیں کرتے جن صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے اور اس کے رسول نے ان صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور اس کی عالی صفات کو معطل نہیں کرتے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمات کو ان کے معانی سے موڑ کر تحریف کرتے ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی آیات میں الحاد کرتے ہیں۔

جو علماء اللہ تعالیٰ کی صفات کو معطل کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا وہی معنی سمجھتے ہیں جو معنی مخلوق کی صفات کا ہے' پس جب کسی کہنے والے نے یہ کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہو تو لازم آئے گا یا تو وہ عرش سے اکبر ہو یا اصغر ہو یا مساوی ہو اور ان میں سے ہر صورت محال ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے عرش کے اوپر ہونے کا وہی معنی سمجھا ہے جس طرح ایک جسم دوسرے جسم کے اوپر ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا وہ معنی لیا جائے جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کے ساتھ خاص ہے تو پھر یہ خرابی لازم نہیں آتی' اور ان کا یہ استدلال تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اگر اس جہان کا کوئی بنانے والا ہے تو پھر وہ جوہر ہے یا عرض ہے کیونکہ ہر موجود جوہر ہے یا عرض ہے اور ان دونوں کا صانع اور خالق ہونا محال ہے تو پھر ثابت ہوا کہ اس جہان کے لیے کسی خالق کا ہونا محال ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا صحیح معنی یہ ہے کہ وہ عرش پر اس استواء کے ساتھ مستوی ہے جو اس کی شانِ جلال کے موافق ہے اور اس کے ساتھ مختص ہے' پس جس طرح اس کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر چیز کا عالم ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور وہ سمیع اور بصیر ہے اسی طرح اس کی یہ صفت ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے علم اور قدرت کے اثبات سے یہ لازم نہیں آتا کہ علم اور قدرت کے جو مخلوق کے عوارض ہیں ان کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے لازم آئے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے استواء کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ مخلوق کے استواء کے جو عوارض ہیں' ان کا ثبوت اللہ کے لیے لازم آئے' اور اللہ عزوجل عرش کے اوپر ہے' یہ اس طرح نہیں ہے جس طرح مخلوق میں سے کوئی چیز دوسرے کے اوپر ہوتی ہے اور یاد رکھو کہ سلف کے طریقہ کی مخالفت پر کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۱-۲۰' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کی وہ آیات اور وہ احادیث پیش کریں جن میں ان صفات کا ذکر ہے جن کو متقدمین بغیر

کسی تاویل کے مانتے ہیں اور متاخرین ان میں تاویل کرتے ہیں اور ان کی عقلی توجیہات کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کے متعلق قرآن مجید کی آیات

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ (الشوریٰ: ۱۱) اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ بہت سننے والا، بہت دیکھنے والا ہے۔

اللہ عزوجل سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے لیکن اس کا سننا اور دیکھنا اپنی شان کے مطابق ہے۔ وہ مخلوق کی طرح کانوں سے نہیں سنتا اور نہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔(الحدید: ۳) اور وہ ہر چیز کا عالم ہے۔

اللہ عالم ہے، لیکن اس کا علم اس کی شان کے مطابق ہے، مخلوق کی طرح نہیں کہ ذہن میں کوئی چیز منکشف ہو یا قوت مدرکہ کے سامنے کوئی چیز حاضر ہو، یا مدرک کے سامنے حالت ادراکیہ یا حالت انجلائیہ ہو یا عقل میں کسی چیز کی صورت حاصل ہو۔

وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔(یوسف: ۶۴) وہ تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے لیکن اپنی شان کے مطابق رحم فرماتا ہے، اس کا رحم مخلوق کی طرح نہیں کہ دل میں رقت پیدا ہو۔

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ۔ (النساء: ۹۳) جس شخص نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اللہ اس پر غضب فرماتا ہے اور اس پر لعنت فرماتا ہے۔

اللہ اپنی شان کے لائق غضب فرماتا ہے، مخلوق کے غضب کی طرح نہیں کہ خون جوش مارنے لگے اور بلڈ پریشر ہائی ہو جائے۔

وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ (الفجر: ۲۲) اور آپ کا رب آیا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوئے۔

اللہ کا آنا بھی اس کی شان کے موافق ہے، مخلوق کے آنے کی طرح نہیں ہے کہ جہاں پہلے نہ ہو وہاں چل کر آجائے۔

وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ۔(الرحمٰن: ۲۷) اور آپ کے رب کا چہرہ باقی رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا چہرہ اس کی شان کے موافق ہے، مخلوق کے چہرے کی طرح نہیں جو جسمانی ساخت کو مستلزم ہے۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا۔ (الطور: ۴۸) آپ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کریں کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی آنکھیں اس کی شان کے لائق ہیں، مخلوق کی آنکھوں کی طرح نہیں جو جسمیت کو مستلزم ہیں۔

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ۔ (ص: ۷۵) تجھ کو جس چیز نے اس کو سجدہ کرنے سے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اس کی شان کے لائق ہیں مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں جو جسم کے اجزاء اور اعضاء ہیں۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی۔(طٰہٰ: ۵) رحمن عرش پر بیٹھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا عرش پر بیٹھنا اس کی شان کے لائق ہے، مخلوق کے بیٹھنے کی طرح نہیں ہے جو جسمانی وضع کو مستلزم ہے۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ (النساء: ۱۶۴) اور اللہ نے موسیٰ سے بکثرت کلام فرمایا۔

اللہ کا کلام کرنا اس کی شان کے لائق ہے، مخلوق کے کلام کی طرح نہیں ہے جو زبان اور ہونٹوں کی حرکت اور آواز کو مستلزم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر رات کو جب آخری تہائی حصہ ہوتا ہے تو ہمارا رب تبارک و تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۶۸)

اللہ تعالیٰ کا آسمانِ دنیا پر اُترنا اس کی شان کے لائق ہے، مخلوق کے اُترنے کی مثل نہیں ہے جو جسم ہونے کو مستلزم ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ دو آدمیوں کی طرف (دیکھ کر) ہنستا ہے، ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے اور دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کیسے ہوگا؟ فرمایا: ایک شخص اللہ کی راہ میں قتال کرتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے، پھر اللہ اس کے قاتل کو توبہ کی توفیق دیتا ہے، پس وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور اللہ عزوجل کی راہ میں قتال کر کے شہید ہو جاتا ہے۔ (جیسے حضرت حمزہ اور حضرت وحشی رضی اللہ عنہما) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۲۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۹۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۶۵)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا اس کا بھائی بیمار ہو وہ یہ دُعا کرے: اے ہمارے رب اللہ جو آسمان میں ہے، تیرا نام مقدس ہے، تیرا حکم آسمان اور زمین میں ہے، جس طرح تیری رحمت آسمان میں ہے تُو اپنی رحمت زمین میں کر دے، ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے، تُو پاک لوگوں کا رب ہے، اپنی رحمت میں سے رحمت نازل فرما اور اس تکلیف پر اپنی شفاء میں سے شفاء نازل فرما۔ پھر وہ شخص تندرست ہو جائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۲، مسند احمد ج ۶ ص ۲۱)

اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا اس کی شان کے موافق ہے، مخلوق کی طرح نہیں کہ آسمان اس کے لیے ظرف بن جائے۔

حضرت معاویہ بن حکم سلمی سے ایک طویل حدیث مروی ہے، انہوں نے غصہ میں اپنی ایک باندی کے تھپڑ مار دیا، پھر وہ اس پر سخت نادم ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں اس کو آزاد نہ کر دوں! آپ نے فرمایا: اس باندی کو میرے پاس لاؤ، میں اس کو لے کر آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں۔ پھر فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رسول اللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو، یہ مومن ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۸، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۱)

اس حدیث کا بھی یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق آسمان میں ہے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کشادہ ریتیلے نالہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت ایک بادل گزرا، آپ نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا: تم اس کو کیا کہتے ہو؟ ہم نے کہا: سحاب۔ آپ نے فرمایا: اور مزن؟ ہم نے کہا: مزن۔ (ان تمام لفظوں کا معنی بادل ہے) آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے کہا: ہم نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا: ان کے درمیان اکہتریا بہتریا تہتر سال کی مسافت ہے۔ (ترمذی کی روایت میں ہے پانچ سو سال کی مسافت ہے) اسی طرح آپ نے سات آسمانوں کو گنا اور ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے، اس کی گہرائی کا اتنا فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے، اور اس کے اوپر پہاڑی بکروں کی شکل میں آٹھ فرشتے ہیں ان کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے، پھر ان کی پشتوں کے اوپر عرش اور اس کے نچلے حصے اور اوپر کے حصے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے، پھر اس کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۳، مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۶۔۲۰۷)

اللہ تعالیٰ کا عرش کے اُوپر ہونا اس کی شان کے موافق ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا اور جہنم یہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ ہیں! پھر اللہ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا پھر وہ کہے گی: بس بس! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۴۸)

اللہ تعالیٰ کا قدم اس کی شان کے موافق ہے اور قدم سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟ یہ وہی جانتا ہے۔

متاخرین کے اختلاف کا منشاء

صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، فقہاء مجتہدین اور تمام متقدمین علماء کا یہی نظریہ تھا کہ قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کی جن صفات متشابہات کا ذکر ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور اس کی کوئی صفت مخلوق کی کسی صفت کے مشابہ نہیں ہے اور اس صفت سے اس کی کیا مراد ہے، یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، لیکن متاخرین علماء نے جب یہ دیکھا کہ مخالفین اسلام ان صفات کی وجہ سے اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے خدا کے ہاتھ اور پیر ہیں، اس کا چہرہ ہے اور اس کی آنکھیں ہیں، وہ ہنستا ہے، وہ چلتا ہے اور نیچے اُترتا ہے اور یہ تمام چیزیں جسم کے عوارض ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا خدا جسم ہے اور ہر جسم حادث اور ممکن ہوتا ہے تو مسلمان حادث اور ممکن کو خدا مانتے ہیں۔ پس متاخرین علماء نے ان اعتراضات کو دُور کرنے کے لیے ان صفات کی تاویلیں کیں اور ان کے محامل بیان کیے۔ انہوں نے کہا: ہاتھ سے مراد قوت اور نعمت ہے، آنکھوں سے مراد اس کی نگرانی اور حفاظت ہے، کشف ساق، (القلم: ۴۲) پنڈلی کھولنے سے مراد قیامت کی شدتیں اور ہولناکیاں ہیں، اسی طرح انہوں نے جہنم میں قدم رکھنے کی یہ تاویل کی کہ کسی چیز کو اپنے قدم کے نیچے رکھنے سے مراد اس چیز کو ذلیل کرنا ہوتا ہے اور یہاں یہ مراد ہے کہ جب جہنم تیزی اور طراری دکھائے گی اور کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دے گا، ہنسنے سے مراد اس کا راضی ہونا ہے اور اُترنے سے مراد اس کی رحمت کا متوجہ ہونا ہے، سو متاخرین علماء نے اسی قسم کی تاویلات کر کے اسلام سے اعتراضات دُور کرنے کی سعی کی، فجزاهم الله تعالى عنا وعن سائر المسلمين خير الجزاء۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ شرح عقائد میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے (جسم سے) منزہ ہونے پر

دلائل قطعیہ قائم ہیں اس لیے نصوص کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا واجب ہے جیسا کہ متقدمین کا طریقہ ہے، کیونکہ اسی میں سلامتی ہے یا ان کی صحیح تاویلات کی جائیں جیسا کہ متاخرین علماء نے جاہلوں کے اعتراضات دُور کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تاکہ جو کم علم مسلمان ہیں وہ اسلام سے برگشتہ نہ ہوں۔ (شرح عقائد نسفی ص ۳۴، مطبوعہ کراچی)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ علماء اہلسنّت کا اس پر اجماع ہے کہ ان صفات متشابہات کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں، پھر ان میں علماء کے دو مذہب ہیں: متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسم کی مشابہت سے منزہ ہے، ہم ان صفات پر ایمان لاتے ہیں اور ان صفات سے کیا مراد ہے اور یہ صفات کس کیفیت سے ہیں اس کو ہم اللہ پر چھوڑتے ہیں۔ انہوں نے کہا: پیروں پر قائم ہونا اور ہاتھ اور پیر اور باقی وہ تمام صفات جن کا قرآن اور حدیث میں ذکر ہے وہ سب اللہ سبحانہ کی صفات ہیں جن کی حقیقت کا ہم کو علم نہیں ہے، اور فقہ اکبر میں امام اعظم کی طرف یہ منسوب ہے کہ ان صفات کی تاویل کرنے سے ان صفات کو باطل کرنا لازم آتا ہے اور یہ معتزلہ کا قول ہے اور دوسرا مذہب متاخرین کا ہے جو ان صفات کی اللہ تعالیٰ کی شان کے موافق تاویل کرتے ہیں کیونکہ ان کے زمانہ میں بدمذہب اسلام پر اعتراض کرتے تھے اور عام مسلمانوں کو شکوک اور شبہات میں ڈالتے تھے۔ (نبراس ص ۱۸۶-۱۸۵، مطبوعہ شاہ عبدالحق اکیڈمی بندیال، ۱۳۹۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نوح کشتی بنا رہے تھے اور جب بھی ان کی قوم کے (کافر) سردار ان کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اُڑاتے، نوح نے کہا اگر تم ہمارا مذاق اُڑا رہے ہو تو جس طرح تم (اب) ہمارا مذاق اُڑا رہے ہو تو (وقت آنے پر) ہم بھی تمہارا مذاق اُڑائیں گے ○ پھر عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رُسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب آئے گا ○ (ھود: ۳۹-۳۸)

کشتی بنانے کی کیفیت، اس کی مقدار اور اس کو بنانے کی مدت کی تفصیل

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! کشتی کی کیا تعریف ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ لکڑی کا ایک گھر ہے جو سطح آب پر چلتا ہے، میں اپنے عبادت گزاروں کو اس میں نجات دوں گا اور اپنی نافرمانی کرنے والوں کو غرق کر دوں گا اور بے شک میں جو چاہوں اس پر قادر ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! لکڑی کہاں ہے؟ فرمایا: تم درخت اگاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بیس سال تک ساگوان کے درخت اگائے، اس عرصہ میں حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو دعوت دینا ترک کر دیا اور انہوں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کو تنگ کرنا چھوڑ دیا، البتہ ان کا مذاق اُڑاتے رہے۔ جب درخت تیار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ درختوں کو کاٹیں اور سکھائیں، پھر حضرت نوح نے پوچھا: اے میرے رب! میں یہ گھر کیسے بناؤں؟ فرمایا: اس کا سر مور کی طرح بناؤ اور اس کے اگلے حصہ کو پرندے کے سینہ کی طرح بناؤ اور اس کا دھڑ مرغ کے دھڑ کی طرح بناؤ اور اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو انہیں کشتی بنانے کی تعلیم کے لیے بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ کشتی بنانے کا عمل جلد مکمل کریں، کیونکہ نافرمانی کرنے والوں پر میرا غضب بہت شدید ہے۔ پھر حضرت نوح نے اُجرت پر کچھ لوگوں کو کام پر لگایا اور ان کے بیٹوں میں سے سام، حام اور یافث بھی ان کے ساتھ کشتی بنا رہے تھے۔ انہوں نے وہ کشتی چھ سو ہاتھ لمبی بنائی اور اس کا عرض اور اس کا عمق تینتیس تینتیس ہاتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے زمین سے تارکول نکالا جس کو انہوں نے کشتی پر ملا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کشتی کی تین منزلیں تھیں، پہلی منزل میں وحشی جانور، درندے اور حشرات الارض تھے، دوسری منزل میں چوپائے اور

دوسرے حیوان تھے اور سب سے اوپر تیسری منزل میں حضرت نوح اور ان کے ساتھ ایمان والے تھے۔ حسن سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا طول بارہ سو ہاتھ اور عرض چھ سو ہاتھ تھا۔ قتادہ نے کہا: اس کا طول تین سو ہاتھ اور عرض پانچ سو ہاتھ تھا اور اس کا عمق پانچ سو ہاتھ تھا۔ ابن جریج نے کہا: اس کا طول تین سو ہاتھ' اس کا عرض ڈیڑھ سو ہاتھ اور اس کا عمق تیس ہاتھ تھا۔ اس کی بالائی منزل میں پرندے' درمیانی منزل میں حضرت نوح اور ایمان والے تھے اور اس کی نچلی منزل میں درندے تھے۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۱۰۳۔۱۰۲' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

کشتی بنانے میں کتنا عرصہ لگا؟ اس میں بھی کئی اقوال ہیں۔ عمرو بن الحارث سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے چالیس سال میں کشتی بنائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو سال میں کشتی بنائی اور کعب سے روایت ہے کہ چالیس سال میں کشتی بنائی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

کشتی کے سائز میں جو مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں (اسی طرح اس کو بنانے کی مدت میں) ان کی معرفت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس کی معرفت میں کوئی فائدہ ہے' اور اس میں غور و فکر کرنا فضول ہے جبکہ ہمارے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے جس سے صحیح مقدار یا صحیح مدت معلوم ہو سکے' اور جس چیز کا ہمیں علم ہے وہ یہ ہے کہ کشتی میں اتنی گنجائش تھی کہ اس میں حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والے آسکیں' اور جن جانوروں کو وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے وہ بھی اس میں آسکیں' کیونکہ یہ چیز ہمیں قرآن مجید سے معلوم ہے' رہا یہ کہ اس کا سائز کیا تھا اور اس کو بنانے میں کتنی مدت لگی؟ اس کا قرآنِ مجید میں ذکر نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۴۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

کشتی بنانے کا مذاق اُڑانے کی وجوہ

نوح علیہ السلام جب کشتی بنا رہے تھے تو ان کی قوم کے کافر سردار ان کو کشتی بناتا دیکھ کر ان کا مذاق اُڑاتے تھے۔

امام فخر الدین رازی نے ان کے مذاق اُڑانے کی حسبِ ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

(۱) وہ یہ کہتے تھے کہ اے نوح! تم رسالت کا دعویٰ کرتے تھے اور بن گئے بڑھئی۔ (در کھان)

(۲) اگر تم رسالت کے دعویٰ میں سچے ہوتے تو اللہ تعالیٰ تم کو کشتی بنانے کی مشقت میں نہ ڈالتا۔

(۳) اس سے پہلے انہوں نے کشتی نہیں دیکھی تھی نہ ان کو یہ معلوم تھا کہ کشتی کس کام آتی ہے اس لیے وہ اس پر تعجب کرتے تھے اور ہنستے تھے۔

(۴) وہ کشتی بہت بڑی تھی اور جس جگہ وہ کشتی بنا رہے تھے وہ جگہ پانی سے بہت دُور تھی اس لیے وہ کہتے تھے یہاں پر پانی نہیں ہے اور اس کشتی کو دریاؤں اور سمندر کی طرف لے جانا تمہارے بس میں نہیں ہے' اس لیے ان کے خیال میں اس جگہ کشتی بنانا محض بے عقلی کا کام تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۴۵)

حضرت نوح علیہ السلام کے جواباً مذاق اُڑانے کا محمل

اس کے بعد فرمایا: نوح نے کہا: اگر تم ہمارا مذاق اُڑا رہے ہو تو (وقت آنے پر) ہم بھی تمہارا مذاق اُڑائیں گے' اس کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

(۱) تم ہمارے کشتی بنانے کا مذاق اُڑا رہے ہو' ہم تمہارے غرق ہونے کا مذاق اُڑائیں گے۔

(۲) تم ہمارا دنیا میں مذاق اُڑا رہے ہو ہم تمہارا آخرت میں مذاق اُڑائیں گے۔

(۴) تم ہمیں جاہل کہتے ہو حالانکہ تم خود اپنے کفر سے، اللہ کی ناراضگی مول لینے سے اور دنیا اور آخرت کے عذاب سے جاہل ہو، تو تم مذاق اُڑائے جانے کے زیادہ لائق ہو۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مذاق اُڑانا تو انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا مذاق اُڑانا، دراصل ان کے مذاق اُڑانے کا بدلہ اور سزا تھی اور اس پر مذاق اُڑانے کا اطلاق صورتاً مماثلت کی وجہ سے کیا گیا ہے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے:

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ (الشوریٰ: ۴۰) برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور اُبلنے لگا تو ہم نے (نوح سے) فرمایا: اس کشتی میں ہر قسم کے (نر اور مادہ) جوڑوں کو سوار کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوا ان کے جن (کو غرق کرنے) کا فیصلہ ہو چکا ہے، اور ایمان والوں کو بھی سوار کر لو، اور ان پر کم لوگ ہی ایمان لائے تھے O (ہود: ۴۰)

تنور کے معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور تنور اُبلنے لگا۔ تنور کے متعلق کئی اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس، حسن اور مجاہد کا قول ہے: اس سے مراد روٹی پکانے کا تنور ہے، پھر ان کا اختلاف ہے، بعض نے کہا: یہ حضرت نوح علیہ السلام کا تنور تھا، بعض نے کہا: یہ حضرت آدم کا تنور تھا اور بعض نے کہا: یہ حضرت حواء کا تنور تھا، اور بعد میں حضرت نوح کا تنور ہو گیا۔ پھر اس تنور کی جگہ میں اختلاف ہے۔ شعبی نے کہا: یہ کوفہ کی ایک جانب تھا، حضرت علی نے کہا: یہ کوفہ کی ایک مسجد میں تھا، اور اس مسجد میں ستر نبیوں نے نماز پڑھی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ تنور شام میں ایک جگہ پر تھا جس کا نام عین الوردان ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ تنور ہند میں تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ ایک عورت تنور میں روٹیاں پکا رہی تھی، اس نے حضرت نوح کو تنور سے پانی نکلنے کی خبر دی تو حضرت نوح نے اسی وقت کشتی میں تمام چیزیں رکھنی شروع کر دیں۔

(۲) تنور سے مراد ہے سطح زمین اور عرب سطح زمین کو تنور کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ۔ (القمر: ۱۲-۱۱)

پس ہم نے موسلادھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے تو وہ پانی اس امر کے ساتھ واصل ہو گیا جو (ان کی ہلاکت کے لیے) مقدر ہو چکا تھا۔

(۳) تنور سے مراد ہے زمین کی مکرم اور بلند جگہ۔ اور زمین کی بلند جگہ سے پانی نکلا تو اس کی بلندی کی وجہ سے اس کو تنور کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

ان اقوال میں راجح قول یہ ہے کہ تنور سے مراد روٹیوں کا تنور لیا جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۴۷-۳۴۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت نوح کی کشتی میں سوار ہونے والوں کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ ہر جاندار سے نر اور مادہ کا ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لیا جائے، سو ایسا ہی کیا گیا اور فرمایا: اور ایمان والوں کو بھی، اور ایمان لانے والے کم تھے۔ امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ایمان والوں کی تعداد میں آٹھ اقوال ہیں:

(۱) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اہل سمیت یہ اسی (۸۰) افراد تھے۔

(۲) یوسف بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھ اسی (۸۰) انسانوں کو سوار کیا' تین ان کے بیٹے تھے اور تین ان کے بیٹوں کی بیویاں تھیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تھی۔

(۳) ابوصالح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا: یہ اسی (۸۰) انسان تھے۔ مقاتل نے کہا: چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔

(۴) ابن جریج نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: کل چالیس نفر تھے۔

(۵) ابونہیک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: تیس مرد تھے۔

(۶) قرظی نے کہا: حضرت نوح اور ان کی بیوی' ان کے تین بیٹے اور ان کی بیویاں کل آٹھ نفر تھے۔

(۷) کل سات نفر تھے: حضرت نوح' تین بیٹے اور ان کی تین بیویاں' یہ اعمش کا قول ہے۔

(۸) ابن اسحٰق نے کہا: عورتوں کے علاوہ دس نفر تھے۔

(زادالمسیر ج ۴ ص ۱۰۷-۱۰۶' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حضرت نوح علیہ السلام کے ان تین بیٹوں کے نام سام' حام اور یافث تھے جو کشتی میں سوار ہوئے۔ ایک بیٹا کنعان تھا' وہ ایمان نہیں لایا اور کشتی میں سوار نہیں ہوا اور ڈوب گیا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی ایمان نہیں لائی اور کشتی میں سوار نہیں ہوئی اور ڈوب گئی۔ زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ کشتی میں سوار ہونے والے اسی (۸۰) نفر تھے' لیکن اس کی صحیح تعیین معلوم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نوح نے کہا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ' اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے' بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے○ (ھود: ۴۱)

ہر کام کے شروع سے پہلے اللہ کا نام لینا

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کے نام کے ساتھ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ' اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب انسان کسی کام کو شروع کرے تو کام کو شروع کرتے وقت اللہ کے نام کا ذکر کرے حتیٰ کہ اس ذکر کی برکت سے اس کا مقصود پورا ہو جائے اور خصوصاً کسی سواری پر بیٹھتے وقت۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ الزخرف: ۱۴-۱۳ میں آئے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ ذی شان کام جس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ شروع نہ کیا جائے وہ ناتمام رہتا ہے۔

(تاریخ بغداد ج ۵ ص ۷۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۸۴' کنزالعمال رقم الحدیث: ۲۴۹۱' حافظ سیوطی کی رمز کے مطابق یہ حدیث ضعیف ہے)

اللہ کے نام سے مراد اللہ کا ذکر ہے' اس طرح اس حدیث کی درج ذیل حدیث سے موافقت ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ذی شان کام جو اللہ کی حمد سے نہ شروع کیا گیا ہو وہ ناتمام رہتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: (۱) (۱۴) الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ کلام یا ہر وہ کام جو اللہ کے ذکر سے نہ شروع کیا جائے وہ ناتمام رہتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۹)

نیز حضرت نوح علیہ السلام نے اس پر متنبہ فرمایا کہ اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام کی برکت اور اس کے حکم اور اس کی قدرت سے ہے اور یہ کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو انہوں نے قوم کو یہ خبر دی کہ یہ کشتی نجات کے حصول کا سبب نہیں ہے، بلکہ نجات تو صرف اللہ کے فضل سے ہوگی' اور انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی قوت اور طاقت پر بھروسہ نہ کرے اور نہ ظاہری اسباب پر اعتماد کرے بلکہ تمام چیزوں سے صرفِ نظر کر کے مسبب الاسباب پر اعتماد اور توکل کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ کشتی انہیں پہاڑ جیسی موجوں میں لے کر جارہی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جب کہ وہ ان سے الگ تھا اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو○ اس نے کہا میں عنقریب کسی پہاڑ کی پناہ میں آجاؤں گا جو مجھے بچالے گا نوح نے کہا: آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے سوا اس کے جس پر (خود) اللہ رحم فرمائے اور ان دونوں (باپ' بیٹے) کے درمیان موج حائل ہو گئی سو وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا○ (ھود: ۴۳-۴۲)

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کشتی پر کیوں بلایا جب کہ وہ کافر تھا؟

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے خود یہ دُعا فرمائی تھی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا○ اے میرے رب! کافروں میں سے کسی کو زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ (نوح: ۲۶)

پھر انہوں نے اپنے بیٹے کو اس کے کفر کے باوجود کیوں پکارا؟ اس کے جوابات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) ہو سکتا ہے ان کا بیٹا منافق ہو، حضرت نوح کے سامنے ایمان کا اظہار کرتا ہو اور در حقیقت کافر ہو۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ وہ کافر ہے لیکن ان کو یہ گمان تھا کہ جب وہ طوفان کی ہولناکیوں اور اس میں غرق ہونے کے خطرہ کا مشاہدہ کرے گا تو ایمان لے آئے گا لہٰذا انہوں نے جو کہا: اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ' ان کا یہ قول اس کو ایمان پر راغب کرنے کے لیے تھا۔

نیز فرمایا: جب کہ وہ ان سے الگ تھا' اس کا ایک محمل یہ ہے کہ وہ کشتی سے الگ تھا کیونکہ اس کا گمان یہ تھا کہ وہ پہاڑ کی پناہ کے سبب غرق ہونے سے بچ جائے گا' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ اپنے باپ' اپنے بھائیوں اور مسلمانوں سے الگ تھا' اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ وہ کفار کی جماعت سے الگ کھڑا ہوا تھا اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ شاید وہ ایمان لے آئے' کیونکہ وہ ان سے الگ کھڑا ہوا ہے' اسی لیے انہوں نے اس کو ندا کی تھی اور فرمایا تھا: اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔

جب حضرت نوح کے بیٹے نے کہا: پہاڑ مجھے بچالے گا' تو حضرت نوح علیہ السلام نے متنبہ فرمایا: تم نے غلط کہا' آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے سوا اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے۔

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ

اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا، اور پانی خشک کر دیا گیا

وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ

اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھیر گئی اور کہہ دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لیے دُور رحمت سے ہے (

الربع

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ

دوری ہے ○ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا سو کہا بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً

وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ

تیرا وعدہ برحق ہے اور تو تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے ○ (اللہ نے) فرمایا اے نوح! وہ آپ کے

مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ

اہل سے نہیں ہے بے شک اس کے کام نیک نہیں ہیں تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو

بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ

علم نہیں ہے، بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں (تاکہ) آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں ○ نوح نے عرض کیا اے میرے رب! بیشک

اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ

میں (اس سے) تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے، اور اگر تو میری مغفرت نہ فرمائے

وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا

اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا ○ حکم دیا گیا اے نوح کشتی سے اتر جاؤ ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ

وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓي اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ

اور ان برکتوں کے ساتھ جو تم پر ہیں اور ان جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں، اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جنہیں ہم (عارضی) فائدہ

ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ

پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا ○ یہ (واقعات) من جملہ غیب کی خبروں سے ہیں جن کی ہم آپ کی طرف

اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ

وحی کرتے ہیں، جن کو اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم،

فَاصْبِرْ ۭ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

پس صبر کیجئے بے شک نیک انجام متقین کے لیے ہے ○

معانقة ۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے، اور اے آسمان تھم جا، اور پانی خشک کر دیا گیا، اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لیے (رحمت سے) دوری ہےO (ھود: ۴۴)

مشکل الفاظ کے معانی

ابلعی ماءک: تم سے جو پانی پھوٹ کر نکلا ہو اس کو پی لو یا نگل لو۔

اقلعی: بارش برسانا موقوف کر دو۔ غیض کا معنی ہے کم ہو گیا، یہاں مراد ہے پانی خشک ہو گیا۔

قضی الامر: تقدیر میں لکھا ہوا پورا ہو گیا یعنی حضرت نوح کی قوم کے کافروں کا ہلاک ہونا اور مومنوں کا نجات پانا۔

جودی: یہ ایک پہاڑ ہے جو کردستان کے علاقہ میں جزیرہ ابن عمر کے شمال مشرقی جانب واقع ہے، یہ علاقہ آرمینیا کی سطح مرتفع سے شروع ہو کر جنوب میں کردستان تک ہے اور جبل الجودی اسی سلسلہ کا ایک پہاڑ ہے، یہ پہاڑ آج بھی جودی ہی کے نام سے مشہور ہے۔ (تفہیم القرآن ملخصاً ج ۲ ص ۳۴۱)

اللہ اور اس کے رسول کا جمادات کو خطاب کرنا

اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اپنا پانی نگل لے اور آسمان کو حکم دیا کہ وہ بارش برسانا موقوف کر دے، اس سے معلوم ہوا کہ زمین اور آسمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور یہ اطاعت غیر اختیاری ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کائنات میں جو بھی تغیرات اور حوادث وقوع پذیر ہوتے ہیں وہ سب اللہ عزوجل کے احکام کے تحت ہوتے ہیں، زمین اور آسمان کو ندا کر کے جو اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا ہے اس کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ خطاب مجازی ہے کیونکہ زمین اور آسمان جمادات میں سے ہیں اور ان میں سننے اور سمجھنے کی خاصیت نہیں ہے لیکن یہ ہماری سوچ اور ہماری فکر ہے، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سننے اور سمجھنے کی ایسی خاصیت رکھی ہو جس کا ہمیں ادراک نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا میں کیسے پہچانوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں اس کھجور کے درخت کے خوشے کو بلاؤں اور وہ گواہی دے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو پھر! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھجور کے خوشہ کو بلایا، تب وہ خوشہ درخت سے اترا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گر گیا، پھر آپ نے فرمایا: لوٹ جا، تو وہ اسی طرح لوٹ گیا، تو وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۸، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۲، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۶۲۲، المستدرک ج ۲ ص ۶۲۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۵۳۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۹۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۱۷)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے ایک راستہ میں جا رہا تھا، آپ کے سامنے جو بھی پہاڑ یا درخت آتا تھا وہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۴۔ ۱۵۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷۱۰)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جمادات میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہو، اور صرف وہی ان سے کلام کر سکتے ہوں، آخر الذکر حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام کائنات کے لیے تھی اور ہر چیز آپ کی رسالت کی گواہی دیتی تھی اور اول الذکر حدیث سے یہ معلوم ہوتا

ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے خوشے بھی آپ کی اطاعت کرتے تھے تو اگر ہم آپ کی اطاعت نہ کریں تو ہم ان درختوں سے بھی گئے گزرے ہوئے۔

جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہرنے کی تفصیل

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کرتے ہیں: جودی ایک جزیرہ میں پہاڑ ہے، سب پہاڑ غرق ہو گئے تھے یہ پہاڑ اپنی تواضع اور عجز کی وجہ سے غرق ہونے سے بچ رہا حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی جگہ لنگر انداز ہوئی تھی۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک ماہ تک کشتی یہیں لگی رہی، کشتی سے سب اتر گئے اور لوگوں کی عبرت کے لیے کشتی ثابت و سالم یہیں رکی رہی، حتیٰ کہ اس امت کے اوائل میں سے لوگوں نے بھی اس کو دیکھ لیا، حالانکہ اس کے بعد کی بہترین اور مضبوط کشتیاں بنیں، بگڑیں اور راکھ ہوگئیں۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام سمیت اسی (۸۰) انسان تھے۔ ایک سو پچاس دن تک وہ سب کشتی ہی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ مکرمہ کی طرف کر دیا۔ وہ کشتی چالیس دن تک بیت اللہ کا طواف کرتی رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے جودی کی طرف روانہ کر دیا، وہاں جا کر وہ ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوے کو بھیجا کہ وہ خشکی کی خبر لائے، وہ ایک مردار کو کھانے میں لگ گیا اور دیر لگا دی۔ آپ نے ایک کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتا اور پنجوں میں مٹی لے کر آیا، اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ اندازہ لگایا کہ پانی سوکھ گیا ہے اور زمین ظاہر ہو گئی ہے۔ آپ جودی کے نیچے اترے اور وہیں ایک بستی کی بنیاد رکھ دی۔ ایک دن صبح کو جب لوگ بیدار ہوئے تو ہر شخص کی زبان بدلی ہوئی تھی، وہ اسی (۸۰) قسم کی زبانیں بول رہے تھے، ان میں سب سے بہتر زبان عربی تھی، اور کوئی شخص دوسرے کا کلام سمجھ نہیں رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وہ سب زبانیں سکھا دیں اور آپ ہر ایک کو دوسرے کا مطلب سمجھا رہے تھے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۷-۲۰۳۸-۲۰۳، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۰۵۰، ۱۴۰۵۵، ۱۴۰۵۶، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۶)

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یکم رجب کو حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے اور انہوں نے اور سب مسلمانوں نے روزہ رکھا اور چھ ماہ تک کشتی ان کو لے کر سفر کرتی رہی اور محرم تک سفر جاری رہا اور دس محرم کو وہ کشتی جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی۔ اس دن حضرت نوح علیہ السلام نے خود روزہ رکھا اور کشتی میں سوار سب لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا حتیٰ کہ وحشی جانوروں اور چوپایوں نے بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۰۴۲، الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۴۸، مختصر تاریخ دمشق ج ۲۶ ص ۲۰۷، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ یہودیوں کے پاس سے گزر ہوا جنہوں نے دس محرم کا روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا: یہ کیسا روزہ ہے؟ انہوں نے کہا: یہ وہ دن ہے جس دن میں اللہ نے حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو غرق سے نجات دی تھی اور اسی دن میں فرعون غرق ہوا تھا اور اسی دن میں حضرت نوح کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری تھی تو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس دن روزہ رکھا تھا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حضرت موسیٰ کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہوں اور اس دن کا روزہ رکھنے کا (بھی) زیادہ حق دار

ہوں، پھر آپ نے اپنے اصحاب کو اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۰-۳۵۹)

تکبر کی مذمت اور تواضع کی تعریف

جودی پہاڑ نے اللہ کی بارگاہ میں خضوع اور خشوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ عزت اور سرفرازی عطا فرمائی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اس پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی یہی سُنّت جاریہ ہے، جو اس کے سامنے تواضع اور عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سرفراز اور سربلند کرتا ہے اور جو اکڑتا ہے، فخر کرتا ہے اور تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل اور خوار کرتا ہے، نیز جو شخص ہمیشہ کامیاب اور سرفراز رہتا ہو اور کبھی ناکام نہ ہوتا ہو اور لوگ اس کو ناقابل شکست اور ناقابل تسخیر سمجھتے ہوں اللہ تعالیٰ اس کو ایک مرتبہ ناکام کر دیتا ہے اور یہ واضح فرما دیتا ہے کہ ہمیشہ سربلند رہنے والی صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ ہمارے زمانہ میں ۸۸ء تک روس بہت سربلند تھا، پھر ۹۱ء سے اس کا زوال شروع ہوا۔ وہ معاشی طور پر تباہ ہو کر ٹوٹ پھوٹ گیا اور اب ان شاء اللہ امریکہ کی باری ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا نام عضباء تھا اور وہ تمام سواریوں میں ہمیشہ سب سے آگے رہتی تھی اور کوئی اس سے آگے نہیں نکل سکتا تھا، ایک مرتبہ ایک اعرابی ایک اونٹ پر سوار تھا وہ عضباء سے آگے نکل گیا تو مسلمانوں کو اس سے بہت رنج ہوا اور انہوں نے افسوس سے کہا: عضباء پیچھے رہ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا ہے کہ جس چیز کو دنیا میں سربلند کرتا ہے اس کو (ایک بار) سرنگوں بھی کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۷۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۰۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۹۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۲۳، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کسی مال میں کمی نہیں کرتا، اور معافی مانگنے سے اللہ بندے کی عزت زیادہ کرتا ہے، اور جو شخص بھی اللہ کی بارگاہ میں تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۰۱۸، طبع جدید، مطبوعہ دار الفکر)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان قیام فرما ہوئے اور آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا: اللہ نے میری طرف یہ وحی کی ہے کہ تم تواضع اور انکسار کرو حتیٰ کہ کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرے اور کوئی شخص دوسرے پر ظلم نہ کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۹)

ان بچوں اور جانوروں کا کیا قصور تھا جن کو طوفان میں غرق کیا گیا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور کام پورا کر دیا گیا، یعنی تقدیر کا لکھا ہوا پورا ہو گیا، کافر غرق کر دیئے گئے اور مسلمانوں کو نجات دے دی گئی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے جس کے لیے جو مقدر کر دیا ہے وہ اپنے وقت میں ہو کر رہتا ہے، زمین و آسمان میں اس کے حکم کو نافذ ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا، اور اس کی قضاء کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس طوفان میں نابالغ بچے بھی ہلاک ہو گئے تھے تو کفار کے جرم کی وجہ سے ان کے بچوں کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کے اصول اور اس کی حکمت کے منافی ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ طوفان آنے سے چالیس سال پہلے کافر عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے بانجھ کر دیا تھا، اور اس طوفان سے چالیس سال سے کم عمر کا کوئی آدمی ہلاک نہیں ہوا۔ (تہذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۹۸) دوسرا جواب یہ ہے کہ طوفان میں بچوں کا ہلاک ہونا اسی طرح ہے جیسے اس طوفان میں پرندوں،

پرندوں اور درندوں کا ہلاک ہونا، اور ان کی ہلاکت ان کے حق میں عذاب نہیں تھی بلکہ ان سب کی مدت حیات پوری ہو گئی تھی، اور جس طرح حلال جانوروں کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے ذبح کرنا ان کے حق میں عذاب نہیں ہے اسی طرح ان بچوں کا طوفان میں غرق ہونا بھی ان کے حق میں عذاب نہیں تھا، تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا مالک مطلق ہے وہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرے، کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ (الانبیاء: ۲۳)

اللہ جو کچھ بھی کرتا ہے اس کے متعلق اس سے سوال نہیں کیا جائے گا اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کسی کافر پر رحم نہیں فرمائے گا

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ظالم لوگوں کے لیے (رحمت سے) دُوری ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی (کافر) قوم میں سے کسی ایک پر رحم فرماتا تو ایک بچے کی ماں پر رحم فرماتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام نو سو پچاس سال کی عمر تک اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیتے رہے، حتیٰ کہ جب ان کے زمانہ کا آخر آپہنچا تو انہوں نے درخت اگائے اور جب وہ درخت پوری طرح بڑھ گئے تو ان کو کاٹا پھر وہ کشتی بنانے لگے۔ کفار ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان سے اس کے متعلق سوال کرتے۔ وہ کہتے کہ میں کشتی بنا رہا ہوں، وہ ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے تم کشتی خشکی میں بنا رہے ہو، وہ کیسے چلے گی؟ حضرت نوح فرماتے: تم کو عنقریب پتا چل جائے گا۔ جب وہ کشتی بنا کر فارغ ہو گئے اور تنور ابلنے لگا اور گلیوں میں پانی بہنے لگا تو ایک بچے کی ماں نے اپنے بچہ پر خطرہ محسوس کیا، وہ اپنے بچے سے بہت زیادہ محبت کرتی تھی۔ وہ بچے کو لے کر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوئی اور پہاڑ کے ایک تہائی حصہ تک پہنچ گئی۔ جب وہاں بھی پانی پہنچ گیا تو وہ دو تہائی حصہ تک پہاڑ پر چڑھ گئی، جب وہاں بھی پانی پہنچ گیا تو وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی، جب پانی اس عورت کی گردن تک پہنچ گیا تو اس عورت نے اس بچے کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھالیا، حتیٰ کہ پانی اس کو بہا کر لے گیا، پس اگر اللہ کافروں پر رحم فرماتا تو اس بچہ کی ماں پر رحم فرماتا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۰۰۵، المستدرک ج ۲ ص ۳۴۲، ۵۴۷، حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۳۸، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۷۔۴۹۶، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۸۴۸)

ابو طالب اور ابولہب کے عذاب میں جو تخفیف کی گئی اس کی وجہ فی نفسہ ان پر رحمت نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت، آپ کے ساتھ حسن سلوک اور آپ کی شفاعت کی وجہ سے ان کے عذاب میں تخفیف کی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نوح نے اپنے رب کو پکارا سو کہا بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ برحق ہے اور تو تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے ○ (ھود: ۴۵)

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کی تفصیل

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن سعد اور امام ابن عساکر نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: جس زمانہ میں حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، اس زمانہ میں تمام لوگ شرک اور بت پرستی میں ملوث تھے، جب حضرت نوح

علیہ السلام کی عمر چار سو اسی (۴۸۰) سال ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلان نبوت کا حکم دیا، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک سو بیس سال تک اللہ کے دین کی طرف دعوت دی، پھر ان کو کشتی بنانے کا حکم دیا، جس وقت انھوں نے کشتی بنائی اور اس میں سوار ہوئے اس وقت ان کی عمر چھ سو سال تھی، جن کافروں نے اس طوفان میں غرق ہونا تھا وہ غرق ہو گئے، کشتی سے اترنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام مزید ساڑھے تین سو سال زندہ رہے، ان کے ایک بیٹے کا نام سام تھا اس کا رنگ سفید اور گندمی تھا دوسرے بیٹے کا نام حام تھا اس کا رنگ سیاہ اور سفید تھا اور تیسرے بیٹے کا نام یافث تھا اس کا رنگ سرخ تھا اور چوتھے بیٹے کا نام کنعان تھا یہ غرق ہو گیا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی: بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ برحق ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا اس لیے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ہم نے (نوح سے) فرمایا اس کشتی میں ہر قسم کے (نر اور مادہ) جوڑوں کو سوار کر لو اور اپنے اہل کو (بھی) سوار کر لو، سوا ان کے جن کو غرق کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ (ھود: ۴۰)

حضرت نوح علیہ السلام نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اہل کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم دیا ہے تو عرض کیا: میرا بیٹا (کنعان) بھی میرے اہل سے ہے، مطلب یہ تھا کہ اس کو بھی کشتی میں سوار کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تاکہ وہ بھی نجات پانے والوں میں سے ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اللہ نے) اے نوح! فرمایا وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے، بے شک اس کے کام نیک نہیں ہیں تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے، بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں (تاکہ) آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں ○ (ھود: ۴۶)

منکرین عصمت کا حضرت نوح پر اعتراض اور اس کا جواب

عصمت انبیاء کے منکرین نے اس آیت کی بناء پر حضرت نوح علیہ السلام پر یہ طعن کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان کافر تھا اور کافر کے لیے مغفرت کی دعا کرنا گناہ ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام سے گناہ سرزد ہوا تھا۔

امام رازی اور علامہ قرطبی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ کنعان منافق تھا اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کے سامنے ایمان کا اظہار کرتا تھا، اسی بناء پر حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے لیے مغفرت کی دعا کی اور کشتی میں سوار کرنے کی درخواست کی تھی۔ اگر ان کو یہ علم ہوتا کہ وہ کافر ہے تو وہ اس کی مغفرت کی کبھی دعا نہ کرتے، اور رہا یہ کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کفر کا علم نہیں تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت نوح نے خود اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ:

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۔ (نوح: ۲۶)

اور نوح نے دعا کی کہ اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

تو جب حضرت نوح علیہ السلام نے خود تمام کافروں کی ہلاکت کی دعا کی تھی تو یہ کیونکر ممکن ہے وہ ایک کافر کی مغفرت کے لیے دعا کرتے!

اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کو کنعان کے کفر کا علم تھا اس لیے فرمایا: وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے، اس کے کام نیک نہیں ہیں تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ یہ اس آیت کا واضح معنی ہے کیونکہ حضرت نوح کو اس کا تو یقیناً علم تھا کہ کافر اور مشرک کی مغفرت نہیں ہو سکتی اور وہ خود بھی تمام کافروں کی ہلاکت کی دعا کر چکے تھے، اس لیے اس آیت کی یہ تفسیر کرنا درست نہیں کہ حضرت نوح نے یہ جاننے کے باوجود کہ ان کا بیٹا کافر ہے محبت پدری سے مغلوب ہو کر

اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف بلکہ خود اپنی دعا کے بھی خلاف کنعان کی مغفرت کی دعا کی، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلاعلم اور بلا تحقیق اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، ایک خلاف اولیٰ کام تھا یا ان کی اجتہادی خطا تھی اور یہ ان کا کمال تواضع ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادب اور عبدیت کا اظہار ہے کہ انہوں نے اجتہادی خطا پر بھی معافی مانگی اور کہا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (نوح نے) عرض کیا: اے میرے رب! بے شک میں (اس سے) تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے، اور اگر تو میری مغفرت نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گاO (ھود: ۴۷)

حضرت نوح علیہ السلام کے سوال کے متعلق امام رازی کی تقریر

حضرت نوح علیہ السلام کی گناہ سے براءت پر امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جب کہ بکثرت دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو گناہوں سے منزہ کیا ہوا ہے تو حضرت نوح علیہ السلام کے اس سوال کو ترک افضل اور ترک اکمل پر محمول کرنا واجب ہے اور ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک برائی کا حکم رکھتی ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہہ فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام نے استغفار کیا، اور ان کا استغفار کرنا اس پر نہیں دلالت کرتا کہ انہوں نے پہلے کوئی گناہ کیا ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُۙ‏O وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًاۙ‏O فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ‌ؕ (النصر: ۳-۱)

جب اللہ کی مدد اور اس کی فتح آ جائےO اور آپ لوگوں کو دیکھ لیں کہ وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیںO تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح فرمائیں اور اس سے استغفار کریں۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ کی مدد کا آنا اور لوگوں کا دین میں داخل ہونا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہ نہیں تھا کہ اس پر استغفار کا حکم دیا جاتا، اس سے معلوم ہو گیا کہ استغفار کا حکم دینا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا کسی گناہ پر دلالت نہیں کرتا۔

در حقیقت حضرت نوح علیہ السلام کی امت میں تین قسم کے لوگ تھے: (۱) کافر تھے اور اپنے کفر کا اظہار کرتے تھے۔ (۲) مومن تھے اور اپنے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ (۳) منافقین کی جماعت تھی۔ مومنوں کا حکم طوفان سے نجات تھا اور کافروں کا حکم ان کو غرق کرنا تھا، اور یہ حضرت نوح کو معلوم تھا اور منافقین کا حکم مخفی تھا۔ حضرت نوح کا بیٹا کنعان منافقین میں سے تھا اور بظاہر وہ مومن تھا۔ حضرت نوح نے اس کے اعمال اور افعال کو کفر پر محمول نہیں کیا، بلکہ وجوہ صحیحہ پر محمول کیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ وہ مسلمانوں سے الگ کھڑا ہے تو اس سے کہا کہ وہ کشتی میں داخل ہو جائے۔ اس نے کہا میں عنقریب کسی پہاڑ کی پناہ میں چلا جاؤں گا، وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ اور اس کا یہ کہنا اس کے کفر پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے یہ گمان کیا ہو کہ پہاڑ پر چڑھنا کشتی میں بیٹھنے کے قائم مقام ہے، جس طرح کشتی میں بیٹھنا غرق ہونے سے بچاتا ہے اسی طرح پہاڑ پر چڑھنا بھی غرق ہونے سے بچا لے گا، اور حضرت نوح علیہ السلام نے جو فرمایا تھا: آج اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا سوا اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے، اس قول سے وہ اپنے بیٹے کو یہ بتلا رہے تھے کہ ایمان اور اعمال صالحہ کے سوا کوئی چیز نفع آور نہیں ہے، اور یہ قول اس پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ ان کا بیٹا کافر ہے، ان کو یہی گمان تھا کہ ان کا بیٹا مومن ہے، تب انہوں نے اللہ سے یہ سوال کیا کہ ان کا بیٹا غرق ہونے سے بچ جائے خواہ کشتی میں بیٹھ کر خواہ پہاڑ پر چڑھ

کر' تب اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ خبر دی کہ وہ منافق ہے اور ان کے اہل دین سے نہیں ہے۔ اس معاملہ میں حضرت نوح علیہ السلام سے جو زلت صادر ہوئی وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے متعلق پوری چھان بین نہیں کی کہ وہ کافر ہے یا منافق ہے بلکہ انہوں نے اجتہاد کیا اور اپنے اجتہاد سے انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ مومن ہے اور ان کو اس اجتہاد میں خطا ہوئی کیونکہ وہ کافر تھا' سو جس طرح حضرت آدم علیہ السلام سے جو زلت صادر ہوئی وہ اجتہادی خطا تھی اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی یہ زلت بھی اجتہادی خطا ہے اور ان کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۵۹۔۳۵۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت نوح علیہ السلام کے سوال پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کا تبصرہ

حضرت نوح علیہ السلام نے جو دعا کی تھی: "اے میرے رب! میرا بیٹا میرے اہل سے ہے" اس پر سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

اس ارشاد کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ حضرت نوح کے اندر روح ایمان کی کمی تھی' یا ان کے ایمان میں جاہلیت کا کوئی شائبہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں' اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیار کمال پر قائم رہے جو مومن کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ و اشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے لیکن جونہی اسے یہ احساس ہوتا ہے' یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے احساس کرا دیا جاتا ہے کہ اس کا قدم معیار مطلوب سے نیچے جا رہا ہے' وہ فوراً توبہ کرتا ہے اور اپنی غلطی کی اصلاح کرنے میں اسے ایک لمحہ کے لیے بھی تامل نہیں ہوتا۔ حضرت نوح کی اخلاقی رفعت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابھی جوان بیٹا آنکھوں کے سامنے غرق ہوا ہے اور اس نظارہ سے کلیجہ منہ کو آ رہا ہے' لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے' تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پروا ہو کر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضا ہے۔

پسر نوح کا یہ قصہ بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے نہایت موثر پیرایہ میں یہ بتایا ہے کہ اس کا انصاف کس قدر بے لاگ اور اس کا فیصلہ کیسا دو ٹوک ہوتا ہے۔ مشرکین مکہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کیسے ہی کام کریں' مگر ہم پر خدا کا غضب نازل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم حضرت ابراہیم کی اولاد اور فلاں فلاں دیویوں اور دیوتاؤں کے متوسل ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے بھی ایسے ہی کچھ گمان تھے اور ہیں' اور بہت سے غلط کار مسلمان بھی اس قسم کے جھوٹے بھروسوں پر تکیہ کیے ہوئے ہیں کہ ہم فلاں حضرت کی اولاد اور فلاں حضرت کے دامن گرفتہ ہیں' ان کی سفارش ہم کو خدا کے انصاف سے بچا لے گی۔ لیکن یہاں یہ منظر دکھایا گیا ہے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے لخت جگر کو ڈوبتے ہوئے دیکھتا ہے اور تڑپ کر بیٹے کی معافی کے لیے درخواست کرتا ہے' لیکن دربار خداوندی سے الٹی اس پر ڈانٹ پڑ جاتی ہے اور باپ کی پیغمبری بھی ایک بدعمل بیٹے کو عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۴۵۔۳۴۳' مطبوعہ لاہور' سولہواں ایڈیشن' ۱۴۰۲ھ)

ان اقتباسات میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق جو قابل اعتراض الفاظ ہیں وہ یہ ہیں: وہ ہر وقت مومن کے بلند ترین معیار پر نہ ہوتے تھے' (اگر نبوت کا بلند ترین معیار لکھتے تو اس کی گنجائش تھی) وہ بشری کمزوری سے مغلوب ہو گئے تھے' ان میں جاہلیت کا جذبہ تھا' ان پر دربار خداوندی سے الٹی ڈانٹ پڑی۔

ہم ان الفاظ پر کیا تبصرہ کریں، ہم حضرت نوح علیہ السلام کی بارگاہ میں بے ادبی کے ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں تمام انبیاء علیہم السلام کے ادب اور ان کی تعظیم کے طریقہ پر قائم رکھے۔ (آمین!)

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے متعلق جمہور مفسرین کی توجیہ

علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے لکھا ہے کہ امام ابو منصور ماتریدی نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ گمان تھا کہ ان کا بیٹا ان کے دین پر ہے ورنہ وہ اس کی نجات کا سوال نہ کرتے۔ (حاشیۃ الشہاب ج ۵ ص ۱۷۵) علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح کا بیٹا کفر کو چھپاتا تھا اور ایمان کا اظہار کرتا تھا اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو خبر دی کہ میں تمہارے بیٹے کے اس حال کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۴۲) علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے اہل کو نجات دے گا ماسوا ان کے جن کا غرق ہونا مقدر ہو چکا ہے، اور حضرت نوح علیہ السلام پر ان کے بیٹے کا حال منکشف نہیں تھا اور نہ وہ اس کے باطن پر مطلع تھے، بلکہ اس کے ظاہر حال کو دیکھ کر حضرت نوح کو یہ یقین تھا کہ وہ مومن ہے۔ (روح المعانی جز ۱۲ ص ۱۰۵) علامہ محی الدین شیخ زادہ متوفی ۹۵۱ھ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کی نجات کا سوال اس لیے کیا تھا کہ ان کو اس کے کفر کا علم نہیں تھا شیخ زادہ نے امام رازی کی پوری تقریر نقل کی ہے۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۴ ص ۶۵۲) قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا گمان یہ تھا کہ وہ مومن ہے اور وہ دراصل منافق تھا۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۶۹۶) صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے لکھا ہے: یہ لڑکا منافق تھا اپنے والد پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا اور باطن میں کافروں کے ساتھ متفق تھا۔ (خزائن العرفان ص ۳۶۲) مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ نے لکھا ہے: حضرت نوح علیہ السلام کو اس بیٹے کے کفر کا پورا حال معلوم نہ تھا اس کے نفاق کی وجہ سے اس کو مسلمان ہی جانتے تھے۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۳۰)

متقدمین اور متاخرین تمام مفسرین کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کی نجات کے لیے جو دعا کی تھی وہ اس وجہ سے نہ تھی کہ وہ اپنے بیٹے کے کفر پر مطلع ہونے کے باوجود شفقت پدری سے مغلوب ہو گئے تھے اور بقول سید مودودی وہ اس دعا کے وقت ایمان کے بلند ترین معیار پر نہ تھے، اور بشری کمزوری سے مغلوب ہو گئے تھے اور اس دعا کے وقت ان میں جاہلیت کا جذبہ تھا اسی وجہ سے ان پر بارگاہ خداوندی سے الٹی ڈانٹ پڑی، نعوذ باللہ من تلک الخرافات، بلکہ انہوں نے یہ دعا اس لیے کی تھی کہ وہ ان کے گمان میں مومن تھا اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ وہ مومن نہیں کافر ہے اور یہ تنبیہہ فرمائی کہ جس چیز کا آپ کو مکمل علم نہ ہو اس کے متعلق آپ سوال نہ کریں۔

حرام اور امور مشتبہ کے متعلق دعا کرنے کا عدم جواز

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مشتبہ امر کے متعلق دعا نہیں کرنی چاہیے، حدیث صحیح میں ہم کو مشتبہات سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے: حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے، اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں، جن کا بہت سے لوگوں کو علم نہیں ہے، سو جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا، اور جس شخص نے امور مشتبہ کو اختیار کر لیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا، جس طرح کوئی شخص کسی چراگاہ کے گرد جانور چرائے تو قریب ہے کہ وہ جانور اس چراگاہ میں بھی چر

لیس، سنو ہر بادشاہ کی چراگاہ کی ایک حد ہوتی ہے، اور یاد رکھو اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور سنو! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور یاد رکھو وہ گوشت کا ٹکڑا قلب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۰۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۵۵۸ عالم الکتب، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۹۱۸، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۵۳۴)

اور جب کسی مشتبہ امر کے لیے دعا کرنی جائز نہیں ہے، تو کسی حرام کام کے لیے دعا کرنی بطریق اولیٰ ناجائز ہے اور جو حرام قطعی ہو جیسے سود، زنا، شراب، جوا وغیرہ ان کے حصول یا ان میں کامیابی کی دعا کرنا کفر صریح ہے اور جو اس دعا پر آمین کہے وہ بھی کافر ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے لوگ اپنے مقدمات، معاملات، ملازمتوں اور ملازمتوں میں انٹرویوز کی کامیابی کے لیے ائمہ، مشائخ اور بزرگوں سے دعا کراتے ہیں اور بعض لوگوں کے مقدمات کسی ناجائز امر پر مبنی ہوتے ہیں، بعض لوگوں کے معاملات مشتبہ ہوتے ہیں، بعض لوگ بینک یا انشورنس کمپنی کی ملازمت کرتے ہیں یا اس کے لیے انٹرویو دیتے ہیں اسی طرح پولیس اور کسٹم کی نوکری ہے تو ایسے امور میں کامیابی کی دعا کرنا اور کسی سے دعا کرانا جائز نہیں ہے، اگرچہ پولیس اور کسٹم کی نوکری فی نفسہ ناجائز نہیں ہے لیکن ان میں رشوت کا لین دین بہت غالب ہے اور عرف میں غالب احوال پر حکم لگایا جاتا ہے۔

ایمان اور تقویٰ کے بغیر نسلی امتیاز اور نسبی برتری کی کوئی وقعت نہیں

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان نبی زادہ تھا لیکن چونکہ وہ ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت سے محروم تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے اس کا رشتہ کاٹ دیا اور فرمایا: وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ علم اور تقویٰ کی فضیلت عارضی ہے اور سادات کی فضیلت ذاتی ہے، یہ درست نہیں ہے۔ اگر معاذ اللہ کوئی سید مرتد ہو جائے یا کسی گمراہ فرقے سے متعلق ہو جائے تو کیا اس کی فضیلت زائل نہیں ہو جائے گی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نسب کی فضیلت اور برتری ایمان اور تقویٰ کے ساتھ مربوط ہے، اصل چیز ایمان اور تقویٰ ہے، نسب کی فضیلت ثانوی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری شناخت کے لیے الگ خاندان اور قبیلے بنائے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں: مومن، متقی، کریم اور فاجر، درشت خو اور ذلیل، سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سنو کسی عربی کی کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کی عربی

پر کوئی فضیلت ہے، کسی گورے کی کالے پر کوئی فضیلت ہے نہ کسی کالے کی گورے پر کوئی فضیلت ہے مگر تقویٰ سے، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ سنو کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں، یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: پھر حاضر غائب کو تبلیغ کر دے۔ (شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۹، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

آج دنیا میں کالے اور گورے کی تفریق پر نسلی امتیاز برتے جا رہے ہیں اور سفید فام اقوام سیاہ فاموں کو اپنے برابر کے حقوق دینے پر تیار نہیں ہیں، بھارت میں برہمن اونچی ذات کا سپوت ہے اور شودر نیچ ذات کا سمجھا جاتا ہے، گاؤں اور دیہاتوں میں زمیندار اور وڈیرے اپنے مزارعین کو بہت کم درجہ کی مخلوق سمجھتے ہیں، غریب پیشہ ور لوگوں کو کمی کہہ کر حقارت سے بلایا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک زمانہ میں غلاموں کو آزاد لوگوں کا درجہ نہیں دیا جاتا تھا۔ آج بھی امیروں اور غریبوں میں تفریق رکھی جاتی ہے۔ آج بھی جولاہوں، حجاموں اور موچیوں کو نیچ سمجھا جاتا ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ جولاہے نہ ہوں تو ہم سرعام برہنہ نظر آئیں، موچی نہ ہوں تو ہم اپنے پیروں کو گندگی اور گرمی سے بچا نہ سکیں، حجام نہ ہوں تو ہم اپنے بالوں کی درستگی نہ کرا سکیں۔ سلام ہو اس نبی امی پر جس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی جوتیوں کی مرمت کر لی کہ کہیں تم جوتی گانٹھنے والوں کو حقیر نہ سمجھ لینا۔ جس نے عرب کے معزز گھرانے میں ایک غلام کا رشتہ کرا کے انسانیت اور مساوات کا جھنڈا بلند کیا، جس نے خود اپنی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم یکے بعد دیگرے ایک غیر ہاشمی، اموی نوجوان کے نکاح میں دیں اور یہ کوئی ضرورت اور اضطرار کا مسئلہ نہ تھا کیونکہ آپ کے سامنے ہاشمی خاندان کے بھی رشتے تھے لیکن وہ انسان کامل اور محسن انسانیت خود اپنی صاحبزادیوں کا رشتہ غیر کفو میں کر کے یہ مثال اور نمونہ قائم کرنا چاہتا تھا کہ جب میں افضل خلق علی الاطلاق ہو کر رشتہ کے معاملہ میں نسب کے مقابلہ میں اسلام اور اعمال صالحہ کو دیکھتا ہوں تو تم بھی نسبی خصوصیات کی بجائے اسلام اور تقویٰ کو ترجیح دینا اور نسب، مال و دولت اور صنعت و حرفت کی بناء پر کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حکم دیا گیا کہ اے نوح! کشتی سے اتر جاؤ، ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور ان برکتوں کے ساتھ جو تم پر ہیں، اور ان جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جنہیں ہم (عارضی) فائدہ پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا○ (ھود: ۴۸)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور برکتوں کا معنی

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، اور اس وقت حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم لامحالہ کشتی سے اتر گئی، اس آیت میں جو اترنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ کشتی سے اتر جاؤ اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جودی پہاڑ سے زمین پر اتر جاؤ۔

اس سے متصل پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا تھا: اور اگر تو میری مغفرت نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ (ھود: ۴۷) اور یہ ایسی ہی دعا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے مانگی تھی: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے○ (الاعراف: ۲۳)

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام سے بصورت عتاب فرمایا تھا: تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے، بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں (تاکہ) آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں۔ (ھود: ۴۶) اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اس سے رحم کی درخواست کی اور اب حضرت نوح علیہ السلام کو

اس کی ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو سلامتی کی بشارت دے اس لیے فرمایا: اے نوح! سلامتی کے ساتھ کشتی سے اتر جاؤ' اس سلامتی سے دین اور دنیا دونوں کی سلامتی مراد ہے۔ دین کی سلامتی سے مراد یہ ہے کہ ان سے کوئی ایسا عمل نہیں ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو اور دنیا کی سلامتی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کی آفات اور بلیات سے محفوظ رکھے گا' کیونکہ اس طوفان سے روئے زمین کی ہر چیز غرق ہو گئی تھی اور جب حضرت نوح کشتی سے اترے تو وہاں کوئی درخت تھا نہ سبزہ تھا نہ کوئی حیوان تھا اور زندگی بسر کرنے اور کھانے پینے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سے اس وقت زمین پر کوئی چیز موجود نہ تھی اس لیے اس وقت وہاں بھوک اور پیاس کا خوف تھا اور یہ تشویش تھی کہ ضروریات زندگی کس طرح فراہم ہوں گی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سلامتی کی بشارت دی جو ہر قسم کے خوف کے ازالہ کو شامل ہے' اور یہ اسی وقت ہو گا جب وسعت رزق بھی حاصل ہو' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو سلامتی کے ساتھ برکت کی بھی بشارت دی اور برکت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نعمتوں کو دوام اور بقا عطا فرمائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترے تو ان کی اولاد کے علاوہ دوسرے مسلمان جو اس کشتی میں سوار تھے وہ سب کشتی میں ہی فوت ہو چکے تھے' اس لیے اس طوفان کے بعد جو نسل انسانی دنیا میں پھیلی وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ○ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ○ (الصفت: ۷۹-۷۶)

اور ہم نے نوح اور ان کے اہل کو بڑی تکلیف (طوفان) سے نجات دی○ اور ہم نے صرف ان ہی کی اولاد کو باقی رکھا○ اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان کا ذکر خیر چھوڑا○ سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں○

اس اعتبار سے برکات سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں برکتیں عطا فرمائیں اور حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اس زمین پر آدم ثانی یا آدم اصغر تھے اور قیامت تک کی نسل انسانی ان کی ذریت ہے۔

وصول نعمت میں عوام اور خواص کا فرق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان جماعتوں پر برکتیں ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں' مختار قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی نسل اور ان کی ذریت ہے' پھر یہ بتایا کہ آگے چل کر ان کی ذریت کی دو قسمیں ہو جائیں گی: بعض مومن ہوں گے اور بعض کافر' کافروں کو دنیا میں عارضی فائدہ ہو گا' پھر آخرت میں ان کو دردناک عذاب پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا: آپ سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتریئے' بلکہ یوں فرمایا ہے: آپ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتریئے' کیونکہ صدیقین اور مقربین نعمت بحیثیت نعمت سے خوش نہیں ہوتے بلکہ ان کو اس سے خوشی ہوتی ہے کہ ان کو وہ نعمت اللہ کی جانب سے ملی ہے بلکہ اصل میں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اور اس کی طرف توجہ کرنے سے ہی خوشی ہوتی ہے' عام لوگ صرف نفس نعمت سے خوش ہو جاتے ہیں اور خواص کو نعمت کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت سے خوشی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (واقعات) من جملہ غیب کی خبروں سے ہیں' جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں جن کو اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم' پس صبر کیجئے بے شک نیک انجام متقین کے لیے ہے○ (ھود: ۴۹)

غیب کی خبروں اور علم غیب کے اطلاق کی بحث

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے مفصل حالات بیان فرمائے اور حالات بتانے کے بعد فرمایا: یہ غیب کی خبریں ہیں' اور آپ کو معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس پر غیب کا اطلاق فرمایا' کیونکہ ماضی کے اعتبار سے وہ غیب ہے' جیسے کوئی ماسٹر پڑھانا چھوڑ دے پھر بھی اس کو ماسٹر صاحب کہتے ہیں کیونکہ ماضی میں وہ ماسٹر تھا اور اس کو اسی اعتبار سے ماسٹر کہا جاتا ہے۔ جو متقین' اللہ تعالیٰ پر' فرشتوں پر' قیامت پر اور جنت اور دوزخ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے ہی ان چیزوں کو جانا اور مانا ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یؤمنون بالغیب (البقرہ: ۳) "جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔" اس آیت میں جنت' دوزخ وغیرہ ان چیزوں پر غیب کا اطلاق فرمایا ہے جو متقین کو پہلے بتادی گئی تھیں' اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو چیز بتادی جائے یا جس کی خبر دے دی جائے وہ غیب نہیں رہتی' ان کا یہ کہنا ان آیتوں کی روشنی میں غلط ہے' دراصل یہ اعتراض غیب کی تعریف سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ غیب کی تعریف یہ ہے جس چیز کو حواس خمسہ اور بداہت عقل سے نہ جانا جا سکے وہ غیب ہے' اس چیز کے جاننے کا ذریعہ یا عقل سے غور و فکر کرنا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات' قیامت اور جنت اور دوزخ اور یا اس کے جاننے کا ذریعہ مخبر صادق کی خبر ہے' جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنات اور فرشتوں کی خبر دی' اور غیب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ غیب ہے جس کے جاننے کا کوئی ذریعہ ہو مثلاً عقل سے غور و فکر کرنا یا مخبر صادق کی خبر ہے' یہ غیب عطائی ہے اور ایک وہ غیب ہے جس کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہ ہو' یہ غیب ذاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہیہ۔

اسی طرح یہ کہنا بھی علمی طور پر غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبروں کا علم ہے علم غیب نہیں ہے' کیونکہ علم کے حصول کے تین ذرائع ہیں: حواس' عقل سلیم اور خبر صادق...... تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخبر صادق سے غیب کی خبروں کا علم ہو گیا تو آپ کو غیب کا علم ہو گیا' البتہ چونکہ غیب سے متبادر غیب ذاتی ہوتا ہے اس لیے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ آپ کو علم غیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آپ کو غیب کا علم دیا گیا ہے' اسی طرح آپ کو عالم الغیب کہنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ عرف اور شرع میں عالم الغیب کا لفظ اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آپ مطلع علی الغیب ہیں۔
ہم نے البقرہ: ۳ میں اس بحث کی زیادہ تفصیل کی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کا قصہ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے بھی لوگوں کو معلوم تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے یہ قصہ لوگوں کو اجمالی طور پر معلوم تھا اور ان آیات سے اس قصہ کی تفصیل معلوم ہوئی۔

اس آیت میں آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اور آپ کے متبعین کفار کی اذیتوں پر صبر کریں' جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم نے کافروں کی اذیتوں پر صبر کیا تھا اور صبر کرنے سے آپ کو اور آپ کے متبعین کو اللہ تعالیٰ کی مدد اور کامیابی حاصل ہو گی جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کو اللہ کی مدد اور کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی (ہم قوم) ہود کو بھیجا' انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری

إِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ يٰقَوْمِ لَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ؕ

عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، تم اللہ پر (شریک کا) محض بہتان باندھنے والے ہو ○ اے میری قوم! میں تم سے اس (تبلیغ) پر کسی اجرت کا

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾ وَيٰقَوْمِ

سوال نہیں کرتا، میری اجرت صرف اس (رب) کے ذمہ کرم (پر) ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ○ اے میری قوم!

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ

تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا، اور تمہاری

يَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا

قوت میں مزید طاقت کا اضافہ کرے گا اور مجرموں کی طرح (حق سے) پیٹھ نہ پھیرو ○ انہوں نے کہا اے ہود! تم

جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ

ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر نہیں آئے اور ہم (محض) تمہارے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور ہم

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ إِنْ نَّقُوْلُ إِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ

تم پر ایمان لانے والے ہیں ○ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تم کو مجنون بنا دیا ہے، ہود نے کہا

قَالَ إِنِّيْٓ أُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا أَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ لا

میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم (بھی) گواہ رہنا میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم (اللہ کا) شریک قرار دیتے ہو ○

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٥٥﴾ إِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى

اللہ کے سوا، تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو پھر تم مجھ کو بالکل مہلت نہ دو ○ بے شک میں نے اللہ پر

اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ إِنَّ

توکل کیا جو میرا اور تمہارا رب ہے، ہر جاندار کو اس نے اس کی پیشانی سے پکڑا ہوا ہے، بے شک میرا

رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٦﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّآ أُرْسِلْتُ

رب سیدھے راستے پر (ملتا) ہے ○ اگر تم پیٹھ پھیرو (تو کوئی بات نہیں) میں تم کو وہ پیغام پہنچا چکا ہوں جو

بِهٖٓ اِلَيۡكُمۡ ؕ وَيَسۡتَخۡلِفُ رَبِّىۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۚ وَلَا تَضُرُّوۡنَهٗ شَيۡـًٔا ؕ

مجھے دے کر بھیجا گیا تھا اور میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو لا کر آباد کر دے گا اور تم اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے،

اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَفِيۡظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا هُوۡدًا

بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے ○ اور جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے ہود کو اور ان کے

وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ ﴿٥٨﴾

ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دے دی اور ہم نے ان کو سخت عذاب سے بچا لیا ○

وَتِلۡكَ عَادٌ جَحَدُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ وَعَصَوۡا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ كُلِّ

اور یہ ہیں قوم عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ظالم

جَبَّارٍ عَنِيۡدٍ ﴿٥٩﴾ وَاُتۡبِعُوۡا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا لَعۡنَةً وَّيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ

ہٹ دھرم کا حکم مانا ○ اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (ان کے پیچھے لگی رہے گی)

اِنَّ عَادًا كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّعَادٍ قَوۡمِ هُوۡدٍ ﴿٦٠﴾ ع ٥ ١١ ٥

سنو بے شک قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا، سنو ہود کی قوم عاد کے لیے پھٹکار ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی (ہم قوم) ھود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے، تم اللہ پر (شریک کا) محض بہتان باندھنے والے ہو ○ اے میری قوم! میں تم سے اس تبلیغ پر کسی اُجرت کا سوال نہیں کرتا میری اُجرت صرف اس (کے ذمہ کرم) پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ○ (ھود: ۵۱-۵۰)

حضرت ھود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی کہنے کی توجیہ

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اس سورت میں یہ دوسرا حضرت ھود علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے:

اس آیت میں فرمایا ہے: والی عاد اخاھم ھودا۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے: "ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ھود کو بھیجا۔" اس میں حضرت ھود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی فرمایا ہے اور یہ بات معلوم تھی کہ حضرت ھود علیہ السلام ان کے دینی بھائی نہ تھے اور نہ ہی وہ ان کے نسبی بھائی تھے، ان کو قوم عاد کا بھائی صرف اس وجہ سے فرمایا کہ وہ ان کے قبیلہ کا ایک فرد تھے۔ ان کا قبیلہ عرب کا ایک قبیلہ تھا اور وہ لوگ یمن کی جانب رہتے تھے، قوم عاد اور حضرت ھود کے متعلق تمام تفاصیل ہم نے الاعراف: ۷۲-۶۵ میں بیان کر دی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اس سورت میں جو فرمایا ہے: ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے قبیلہ کے ایک فرد کو نبی بنا کر بھیجا، اسی طرح قوم ثمود کی طرف ان کے قبیلہ کے ایک فرد حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا،

اس سے مکہ والوں پر یہ حجت قائم کرنا مقصود ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسول بنانا بہت مستبعد سمجھتے تھے کیونکہ آپ انہی کے قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ اس میں حیرت اور تعجب کی کیا بات ہے، حضرت ہود علیہ السلام عاد کے قبیلہ کے ایک فرد تھے اور ان کو نبی بنایا گیا اور حضرت صالح علیہ السلام ثمود کے قبیلہ کے ایک فرد تھے اور ان کو نبی بنایا گیا تو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تمہارے قبیلہ کے ایک فرد ہیں اور ان کو نبی بنایا گیا ہے تو اس میں حیرت اور تعجب کی کیا بات ہے اور یہ کون سی نئی بات ہے! (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۶۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امتی کے لیے نبی کو اپنا بھائی کہنے کے جواز پر بعض علماء کے دلائل

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ امتی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ نبی کو اپنا بھائی کہے، چنانچہ شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۲ھ لکھتے ہیں:

مشکوٰۃ کے باب عشرۃ النساء میں لکھا ہے کہ امام احمد نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہ نے نقل کیا کہ پیغمبر خدا مہاجرین اور انصار میں بیٹھے تھے کہ آیا ایک اونٹ پھر اس نے سجدہ کیا پیغمبر خدا کو سو ان کے اصحاب کہنے لگے: اے پیغمبر خدا تم کو سجدہ کرتے ہیں جانور اور درخت سو ہم کو ضرور چاہیے کہ تم کو سجدہ کریں، سو فرمایا: بندگی کرو اپنے رب کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۲، مسند احمد ج ۶ ص ۷۶، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۹۷۵، ۲۵۴۵۷، عالم الکتب بیروت، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۲۷۰) شیخ اسماعیل دہلوی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ف کا عنوان قائم کر کے اس حدیث کا فائدہ لکھتے ہیں: یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اس کی چاہیے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء، امام و امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے نہ خدا کی سی۔

(تقویت الایمان کلاں ص ۴۲-۴۱، مطبوعہ مطبع علیمی لاہور)

شیخ اسماعیل دہلوی کے ایک وکیل شیخ سرفراز احمد صفدر نے اس حدیث کے علاوہ قرآن مجید کی آیات سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنے پر استدلال کیا ہے، لکھتے ہیں:

والی عاد اخاھم ھودا۔ الایہ، والی ثمود اخاھم صالحا۔ الایہ، والی مدین اخاھم شعیبا۔ الایہ، واخوان لوط۔ الایہ۔

قرآن کریم میں صریح طور پر یہ الفاظ موجود ہیں، کون مسلمان اپنی اپنی قوم کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس اخوت سے انکار کر سکتا ہے۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کی اخوت بہ ارشاد خود اور بہ فرمان الٰہی ثابت ہے اور اس کا انکار قرآن اور حدیث کا انکار ہے۔ (عبارت اکابر ص ۶۹، ۱۴۰۵ھ، مطبوعہ گوجرانوالہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنے کے عدم جواز پر دلائل

اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کا مالک اور مولیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام اس کے بندے ہیں، وہ انبیاء علیہم السلام کو جو کچھ فرمائے وہ اس کو زیبا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى۔ (طٰہٰ: ۱۲۱) اور آدم نے اپنے رب کی معصیت کی پس وہ بے راہ ہوئے۔

کیا اس آیت کو دیکھ کر حضرت آدم علیہ السلام کو عاصی اور بے راہ یا گمراہ کہنا جائز ہے؟ علامہ ابن الحاج مالکی متوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں: جس شخص نے اثناء تلاوت یا قراءت حدیث کے علاوہ حضرت آدم کے متعلق کہا کہ انہوں نے معصیت کی وہ کافر ہو گیا۔ (المدخل ج ۲ ص ۱۴ دار الفکر بیروت)

اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام تواضع اور انکسار سے اپنے متعلق جو کلمات فرمائیں اس سے یہ جواز نہیں نکلتا کہ امتی بھی ان کے متعلق وہ کلمات کہنے کی جرأت کرے، دیکھئے حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۔ (الاعراف: ۲۳) (آدم اور حوا) دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ۔ (القصص: ۱۶) (موسیٰ نے) کہا: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ (الانبیاء: ۸۷) تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو سبحان ہے، بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔

کیا ان آیتوں کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ظالم کہنا قرآن مجید سے ثابت ہے اور ان کو ظالم کہنے کا انکار کرنا قرآن مجید کا انکار کرنا ہے۔

نیز حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر حاضر ہوں گے تو وہ فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اس قدر غضب میں ہے کہ پہلے کبھی اتنے غضب میں تھا اور نہ آئندہ کبھی اتنے غضب میں ہوگا اس نے مجھ کو ایک درخت سے کھانے سے منع کیا تھا میں نے اس کی معصیت کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۷ ملخصاً)

اب کیا ان آیات کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم، حضرت موسیٰ اور حضرت یونس ظالم تھے اور اس حدیث کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم عاصی تھے! اور یہ کہ ان نبیوں کا ظالم اور عاصی ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور ان کے ظالم ہونے کا انکار کرنا قرآن اور حدیث کا انکار کرنا ہے، العیاذ باللہ، ہم اس قسم کے استدلال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں!

اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کبریائی سے حضرت ھود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی فرمایا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم بھی انبیاء علیہم السلام کو اپنا بھائی کہیں یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً خود کو صحابہ کرام کا بھائی فرمایا، یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ہم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں کہ آپ ہمارے بھائی ہیں، استدلال اس وقت صحیح ہوتا جب شیخ اسماعیل دہلوی یا ان کے وکیل شیخ سرفراز احمد صاحب یہ ثابت کرتے کہ قرآن مجید کی فلاں آیت یا فلاں صحیح حدیث میں تصریح ہے کہ فلاں صالح امتی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بھائی کہا ہے اور یہ چیز ہرگز ثابت نہیں ہے لہٰذا امتی کے لیے اپنے نبی کو اپنا بھائی کہنا بھی ثابت نہیں ہے۔

بڑے بھائی جتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی تلقین کرنا غلط ہے

شیخ اسماعیل دہلوی نے اس سیاق میں یہ بھی لکھا ہے جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہنا کہ ان کی تعظیم بڑے بھائی کی سی کی جائے نہ صرف یہ کہ صراحتاً غلط ہے بلکہ بارگاہ نبوت میں اہانت کے مترادف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ (الحجرات: ۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ کچھ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کر دی تو ان کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۵۴۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

ظاہر ہے کہ اگر بڑے بھائی سے پہلے قربانی کر دی تو اس قربانی کا نامقبول ہونا لازم نہیں آتا لیکن اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کر دی تو وہ قربانی عبث اور رائیگاں ہو گئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ (الحجرات: ۲)

اے ایمان والو! اس نبی کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ کرنا اور نہ اس کے سامنے اس طرح بلند آواز سے باتیں کرنا جس طرح تم ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز سے باتیں کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔

کیا بڑے بھائی کی آواز پر آواز اونچی ہونے سے بھی اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور ایمان جاتا رہتا ہے۔

بڑے بھائی کو مکان کے باہر سے آواز دے کر بلانا ممنوع نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان کے باہر سے آواز دے کر بلانا ممنوع ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ (الحجرات: ۴)

بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

بڑے بھائی کے بلانے پر جانا فرض اور واجب نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر جانا فرض ہے اور جو شخص آپ کے بلانے پر نہ جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے اور عذاب کی وعید سنائی ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (النور: ۶۳)

رسول کے بلانے کو ایسا نہ بناؤ جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بے شک اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو آڑ لے کر چپکے سے نکل جاتے ہیں، سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ ان کو کوئی مصیبت پہنچے یا ان کو دردناک عذاب پہنچ جائے۔

شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۶ھ لکھتے ہیں:

جو اس کا قائل ہو کہ نبی کریم علیہ السلام کو ہم پر بس اتنی فضیلت ہے جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے تو اس

کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ دائرۂ ایمان سے خارج ہے (الی قولہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل البشر اور تمام مخلوقات سے اشرف اور جمیع پیغمبروں کا سردار اور سارے نبیوں کا امام ہونا ایسا قطعی امر ہے جس میں ادنیٰ مسلمان بھی تردد نہیں کر سکتا۔ (عقائد علماء دیوبند ص ۲۸ مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام نے دلائل قائم کیے بغیر توحید کی دعوت کیوں دی تھی؟

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم عاد کو توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: "اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔" اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور ثبوت پر دلائل قائم کیے بغیر اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف کیسے دعوت دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل بالکل ظاہر ہیں اور یہ دلائل اس خارجی کائنات میں بھی پھیلے ہوئے ہیں اور خود انسان کے اپنے اندر بھی موجود ہیں:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔ (حم السجدۃ: ۵۳)

ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے اس خارجی کائنات میں اور خود ان کے اپنے نفسوں میں حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔

کچھ لوگ اس کائنات کے نظم اور تسلسل کو دیکھ کر اور اس میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لے آتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے جسم کے اعضاء کی منظم کارکردگی کو دیکھ کر اس کی قدرت پر ایمان لے آتے ہیں اور کچھ لوگ اس کی صفات اور اس کے ثمرات سے اس کو پہچان لیتے ہیں، بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کے فضل اور احسان اور اس کے جود و عطا سے پہچان لیتے ہیں، بعض لوگ اس کے عفو، اس کے حلم اور اس کے درگزر کرنے سے اس کو پہچان لیتے ہیں، بعض لوگ اس کی گرفت اور اس کے انتقام سے اس کو پہچان لیتے ہیں اور بعض لوگ مشکلوں اور مصیبتوں میں اس کی فریاد رسی سے اور اپنی ضرورتوں میں اس کی حاجت روائی سے اور اپنی دعاؤں کے قبول ہونے سے اس کو پہچان لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ○ (العنکبوت: ۶۱)

اور اگر آپ ان سے (یہ) پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے کام میں لگایا ہوا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے! تو وہ کہاں بھٹک رہے ہیں!

حضرات انبیاء علیہم السلام ان کو بت پرستی سے روکتے تھے، کافروں نے ماضی میں گزرے ہوئے نیک لوگوں کے مجسمے بنا لیے تھے اور وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کی پرستش کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا اور ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں یہ بتایا کہ یہ محض تمہارا جھوٹ اور افتراء ہے، یہ مجسمے اور مورتیاں جمادات ہیں، ان میں حس ہے نہ قوت ادراک پھر یہ کس طرح درست ہو گا کہ تم اپنی پیشانی اپنی ہی بنائی ہوئی مورتیوں کے آگے جھکاؤ۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بت پرستی سے منع کیا اور توحید کی دعوت دی پھر فرمایا: اے میری قوم! میں تم سے اس تبلیغ پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا، کیونکہ جو تبلیغ معاوضہ کی طمع سے خالی اور بے لوث اور بے غرض ہو وہ قلوب میں بہت زیادہ موثر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ہود نے کہا) اے میری قوم! تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت میں مزید طاقت کا اضافہ کرے گا اور مجرموں کی طرح (حق سے) پیٹھ نہ پھیرو○ (ھود: ۵۲)

نعمتیں عطا کرنے کے بعد ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے پہلے قوم عاد کو ایمان لانے کی دعوت دی پھر اس کے بعد انہیں توبہ اور استغفار کرنے کی ہدایت دی' ایمان کی پہلے دعوت دی کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا پھر اس کے بعد انہیں توبہ اور استغفار کرنے کا حکم دیا تاکہ پچھلے گناہوں کی آلودگیوں سے ان کا دل صاف ہو جائے۔ حضرت ھود علیہ السلام نے بتایا کہ جب تم گناہوں پر نادم ہو گے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو بکثرت نعمتیں عطا فرمائے گا اور ان نعمتوں سے استفادہ کرنے کی تم کو طاقت اور قوت عطا فرمائے گا اور یہی سعادت اور کامیابی اور کامرانی کی انتہا ہے' کیونکہ اگر سرے سے نعمت حاصل نہ ہو پھر بھی انسان کو کچھ فائدہ نہیں ہو گا اور اگر نعمت تو حاصل ہو لیکن اس میں اس نعمت سے فائدہ حاصل کرنے کی صلاحیت نہ ہو پھر بھی اس کو فائدہ حاصل نہیں ہو گا مثلاً بھوکے انسان کو کھانا میسر نہ ہو تب بھی اس کی بھوک نہیں مٹ سکتی' لیکن کھانا تو میسر ہو لیکن اس کا اوپر کا جبڑا نچلے جبڑے پر بیٹھ گیا ہو اور دانت ایک دوسرے پر جم گئے اور وہ منہ کھول سکتا ہو نہ چبا سکتا ہو پھر بھی اس کی بھوک دور نہیں ہو سکتی اور اس کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔ سبحان ہے وہ ذات جس نے نعمتیں بھی عطا کیں اور نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنے کی قوت بھی عطا کی اس لیے حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا: وہ تم پر موسلادھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت میں مزید طاقت کا اضافہ کرے گا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ مادی نعمتوں کا حصول زراعت کی کثرت پر موقوف ہے اور زراعت میں زیادتی بارش کے زیادہ ہونے پر موقوف ہے' اس کے بعد فرمایا: اور تمہاری قوت میں مزید طاقت کا اضافہ کرے گا' یہ اس لیے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

قوم عاد کے لوگ بہت قوی ہیکل تھے' اور وہ اس زمانے کے لوگوں کے اوپر اپنی جسمانی قوت سے فخر کرتے تھے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ (حم السجدۃ: ۱۵)

پس قوم عاد نے زمین میں ناحق سرکشی کی' اور انہوں نے کہا ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟

حضرت ھود علیہ السلام نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ اگر انہوں نے بت پرستی ترک کر دی اور استغفار اور توبہ میں مشغول ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان کے کھیتوں اور باغوں میں مزید اضافہ فرمائے گا اور ان کی جسمانی قوت کو بھی زیادہ کرے گا۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے حضرت ھود علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے کئی سالوں تک ان سے بارش روک لی' اور ان کی عورتوں کو بانجھ کر دیا' تب حضرت ھود علیہ السلام نے ان سے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ تمہاری غیر آباد اور بنجر زمینوں کو سرسبز اور شاداب کر دے گا اور تم کو مال اور اولاد سے نوازے گا حتیٰ کہ تم بہت طاقت ور ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا: اے ھود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر نہیں آئے اور ہم (محض) تمہارے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں O ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تم کو مجنون بنا دیا ہے' ھود نے کہا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم (بھی) گواہ رہنا میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم (اللہ کا) شریک قرار دیتے ہو O اللہ کے سوا تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو' پھر تم مجھ کو (بالکل) مہلت نہ دو O بے شک میں نے اللہ پر توکل کیا جو میرا اور تمہارا رب ہے' ہر جاندار کو اس نے اس کی پیشانی سے پکڑا ہوا ہے' بے شک میرا رب سیدھے راستے پر (ملتا) ہے O (ھود: ۵۶-۵۳)

حضرت ھود علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ

قوم عاد نے حضرت ھود علیہ السلام سے کہا کہ تم ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر نہیں آئے، جب کہ یہ معلوم ہے کہ حضرت ھود علیہ السلام نے ان کے سامنے معجزات پیش کیے تھے، لیکن ان کی قوم نے اپنی جہالت سے ان معجزات کا انکار کیا اور انہوں نے یہ زعم کیا کہ حضرت ھود علیہ السلام ان کے پاس قابل ذکر معجزات لے کر نہیں آئے۔

انہوں نے کہا: ہم محض تمہارے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، ان کا یہ قول بھی باطل تھا، کیونکہ وہ یہ اعتراف کرتے تھے کہ نفع اور نقصان پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بت کسی کو، کوئی نفع اور نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے، ایسی صورت میں بداہت عقل کا یہ تقاضا ہے کہ وہ بتوں کی عبادت کو ترک کر دیتے اور ان کا بتوں کی عبادت کرنے پر اصرار کرنا ان کی جہالت، حماقت اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں، اور ان کا یہ کہنا کہ ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں، محض اندھی تقلید کرنے کی ضد ہے۔

انہوں نے کہا: ہمارے بعض معبودوں نے آپ کو مجنون بنا دیا ہے، ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ کا ہمارے بتوں کو برا کہنا، آپ کی عقل کے فساد اور آپ کے مجنون ہونے کی دلیل ہے۔ حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو۔

پھر حضرت ھود نے فرمایا: تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو، یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا: تم سب مل کر اپنی تدبیر پکی کر لو اور اپنے معبودوں کو بھی ساتھ ملا لو پھر تمہاری تدبیر کسی طرح تم سے مخفی نہ رہے پھر تم جو کچھ میرے ساتھ کر سکتے ہو کر لو اور مجھے مہلت نہ دو۔ (یونس: ۷۱)

حضرت ھود علیہ السلام کا اپنی قوم کو یہ چیلنج دینا اور ان کو للکارنا ان کا بہت بڑا معجزہ ہے کیونکہ ایک تنہا شخص بہت بڑی قوم سے یہ کہے کہ تم میری دشمنی میں اور مجھے نقصان پہنچانے میں جو کچھ کر سکتے ہو وہ کر گزرو اور میرا جو کچھ بگاڑ سکتے ہو وہ بگاڑ لو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو، تو یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ پر پورا پورا اعتماد ہو کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا اور اس کو دشمنوں سے بچائے گا۔

فرمایا: ہر جاندار کو اس نے پیشانی سے پکڑا ہوا ہے۔ عرب یہ جملہ اس وقت کہتے ہیں جب یہ بتانا ہوتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا بالکل مطیع ہے اور اس کے قبضہ و قدرت میں ہے، کیونکہ جو شخص کسی کو اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑتا ہے تو اس کو بالکل مسخر اور مقہور کر لیتا ہے اور عرب جب کسی قیدی کو گرفتار کرتے اور پھر اس پر احسان کر کے اس کو آزاد کرنا چاہتے تو اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر چھوڑ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عرب کے محاورہ کے مطابق یہ کلام فرمایا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر جاندار اس کے قبضہ و قدرت میں ہے اور اس کی قضاء و قدر کے تابع ہے۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر (ملتا) ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ ہرچند کہ ہر جاندار اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو حق ہوتا ہے اور عدل اور صحیح ہوتا ہے، اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی اور کوئی شخص اس سے بھاگ کر اس کی پہنچ سے باہر نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ آیات

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کے دل و دماغ میں بت پرستی راسخ ہو چکی تھی اور وہ اپنے آباء و

اجداد کی اندھی تقلید پر جمے ہوئے تھے اور اس کے خلاف کوئی بات سننے کیلئے تیار نہ تھے اور نہ کسی دلیل کا کوئی اثر قبول کرتے تھے۔

حضرت ھود علیہ السلام نے ان کے سامنے معجزات پیش کیے اور سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے تن تنہا پوری قوم کو للکارا' وہ ان کا جو بگاڑ سکتی ہو وہ بگاڑ لے' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی تھے اور ان کو اس پر کامل اعتماد تھا کہ اللہ عزوجل کی مدد ان کے ساتھ ہے اور یہ کافر سب مل کر بھی ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

ان کو اللہ تعالیٰ پر کامل توکل تھا' اور اس پر ایمان تھا کہ ہر جاندار اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو حق اور عدل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم پیٹھ پھیرو تو (کوئی بات نہیں) میں تم کو وہ پیغام پہنچا چکا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا تھا' اور میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو لا کر آباد کر دے گا اور تم اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے ○ اور جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے ھود کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دے دی اور ہم نے ان کو سخت عذاب سے بچا لیا ○ اور یہ ہیں قوم عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ظالم ہٹ دھرم کا حکم مانا ○ اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (ان کے پیچھے لگی رہے گی) سنو! بے شک قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا' سنو ھود کی قوم عاد کے لیے پھٹکار ہے ○ (ھود: ۶۰-۵۷)

قوم عاد پر نزول عذاب کا پس منظر اور پیش منظر

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اگر تم پیٹھ پھیرو' اس کے بعد جزاء محذوف ہے یعنی اگر تم پیٹھ پھیرو تو مجھے پیغام پہنچانے میں کوتاہی پر کسی عتاب کا سامنا نہیں ہوگا' کیونکہ میں نے تم کو بار بار پیغام پہنچایا اور تم مسلسل میری تکذیب کرتے رہے' پھر فرمایا: اور میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو لا کر آباد کر دے گا یعنی تمہارے بعد اللہ تعالیٰ ایسی قوم پیدا کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گی' اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ھود علیہ السلام کے منکروں پر ایسا عذاب آنے والا ہے جس سے پوری قوم کو ملیامیٹ کر دیا جائے گا اور پوری قوم عاد کو ہلاک کر دینے سے اللہ تعالیٰ کے ملک میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

پھر فرمایا: اور جب ہمارا عذاب آ گیا' ان پر عذاب کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات راتوں اور آٹھ دنوں تک ایک زبردست آندھی بھیجی' یہ سخت اور تیز ہوا ان کے نتھنوں میں گھستی اور ان کے پچھلے سوراخ (دبر) سے نکل کر ان کو منہ کے بل زمین پر گرا دیتی حتیٰ کہ وہ اس طرح ہو گئے جس طرح کھجور کے تنے زمین پر گرے ہوئے ہوں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہوا نے ان کو کس طرح ہلاک کر دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہوا سخت گرم ہو یا بہت یخ بستہ اور ٹھنڈی ہو یا وہ ہوا بہت تیز اور بہت سخت ہو اور اس نے ان کو زمین پر پچھاڑ دیا ہو' ان میں سے ہر چیز ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ھود اور ایمان والوں کو نجات دی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ آندھی مسلمانوں اور کافروں دونوں پر آئی لیکن مسلمانوں پر یہ آندھی رحمت بن گئی اور یہی آندھی کافروں پر عذاب بن گئی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں پر جو عذاب نازل فرماتا ہے' مسلمانوں کو اس عذاب سے نجات عطا فرماتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ کافروں پر ان کے کفر کی وجہ سے عذاب نازل ہوا ہے۔

نجات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ساتھ مربوط فرمایا ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ایمان اور ان کے نیک اعمال کے باوجود وہ اس عذاب سے نجات نہیں پا سکتے تھے اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے شامل حال نہ ہوتی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ان کو نجات ان کے ایمان اور ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ملی تھی لیکن ایمان اور نیک اعمال کی

ہدایت ان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملی تھی اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عین نزول عذاب کے وقت ان پر رحم فرمایا اور ان کو کافروں سے الگ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے جب قوم عاد کا قصہ ذکر فرمایا تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا: یہ ہیں عاد' اس قول میں ان کی قبروں اور ان کے آثار کی طرف اشارہ ہے' گویا یوں فرمایا ہے: زمین میں سفر کرو اور غور و فکر کر کے قوم عاد کے آثار دیکھو اور ان سے عبرت حاصل کرو' پھر اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی تین برائیوں کا ذکر فرمایا:

(۱) انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا' اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے دعویٰ نبوت کے صدق پر جو معجزات پیش کیے انہوں نے ان کا انکار کیا اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس خارجی کائنات میں اور خود ان کے جسم کے داخل میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر جو نشانیاں ہیں ان نشانیوں سے اس صاحب نشان تک پہنچنے کے لیے انہوں نے غور و فکر نہیں کیا۔

(۲) انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی' ہر چند کہ انہوں نے صرف حضرت ھود علیہ السلام کی تکذیب کی تھی لیکن چونکہ تمام رسولوں کا ایک ہی پیغام ہے اور سب کا ایک ہی دین ہے اس لیے ایک رسول کی تکذیب کرنا تمام رسولوں کی تکذیب کے مترادف ہے۔

(۳) انہوں نے ہر ظالم ہٹ دھرم کا حکم مانا' اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے عوام اپنے بڑوں کی تقلید کرتے تھے اور ان کے بڑے یہی کہتے تھے کہ یہ جو شخص نبوت کا مدعی ہے وہ تمہاری ہی مثل بشر ہے اور یہ کہہ کر وہ اس نبی کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور عوام آنکھیں بند کر کے ان کی تقلید کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے ان تین اوصاف کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگی رہی اور قیامت کے دن بھی ان کے پیچھے لعنت لگی رہے گی' اس سے مراد یہ ہے کہ اس دنیا اور آخرت میں ان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکار دیا ہے اور ان کو ہر خیر سے محروم کر دیا گیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ قوم عاد پر اس عذاب اور لعنت کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رب سے کفر کیا' اس کو واحد ماننے اور صرف اس کی عبادت کرنے سے انکار کیا اور اس کی نعمتوں کی ناشکری کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عاد جو ھود کی قوم ہے' اس کے لیے پھٹکار ہے' عاد کو ھود کی قوم کے ساتھ اس لیے مقید فرمایا کہ عاد نام کی دو قومیں تھیں: ایک عاد قدیم تھی' یہ حضرت ھود علیہ السلام کی قوم تھی' اس کو عاد اولیٰ بھی کہتے ہیں اور عاد حدیث' اس کو عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں' یہ بہت جسیم اور قد آور لوگ تھے۔ یہی ارم ذات العماد ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے بعد والی قوم عاد سے احتراز کے لیے فرمایا: عاد جو ھود کی قوم ہے۔

وقف لازم

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا' صالح نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا

مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ

تمہارا کوئی معبود نہیں ہے' اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں

فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾

آباد کیا، سو تم اس سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو. پس میرا رب قریب ہے، دعا قبول کرنے والا ہے ○

قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن

انہوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے آپ ہماری امیدوں کا مرکز تھے، کیا آپ ہمیں ان کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہیں

نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾

جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ بے شک آپ ہمیں جس دین کی دعوت دے رہے ہیں اس نے ہمیں زبردست شک میں ڈال دیا ہے ○

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي

(صالح نے کہا) اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے

مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا تَزِيدُونَنِي

اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو، تو اللہ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا، اگر میں اس کی نافرمانی کروں، تو تم میرے لیے سوا نقصان کے

غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾ وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ

کس چیز میں زیادتی کر رہے ہو ○ اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے، سو اس کو چھوڑ دو یہ اللہ کی

فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾

زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تم کو عنقریب عذاب پہنچے گا ○

فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ

سو انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، تب (صالح نے) کہا تم صرف تین دن مزے اڑا لو (پھر تم پر عذاب آ جائے گا) یہ اللہ کی وعید

مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

ہے جو ہرگز جھوٹی نہیں ہوگی ○ پس جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے صالح کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾

اس دن کی رسوائی سے نجات دے دی. بے شک آپ کا رب ہی زبردست قوت والا، بہت غلبہ والا ہے ○

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾

اور ظلم کرنے والوں کو ہولناک چنگھاڑ نے آدبوچا تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل (اوندھے) پڑے رہ گئے ○

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾

گویا کہ وہ ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے، سنو بے شک قوم ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا سنو! قوم ثمود کے لیے پھٹکار ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا، صالح نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا سو تم اس سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، پس میرا رب قریب ہے دعا قبول کرنے والا ہے○ (ھود: ۶۱)

انسان کو زمین سے پیدا کرنے کے دو محمل

اس سورت میں انبیاء سابقین علیہم السلام کے جو قصص ذکر کیے گئے ہیں، ان میں یہ حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ہے اور یہ تیسرا قصہ ہے، اور اس قصہ میں وعظ اور استدلال کا وہی طریقہ ہے جو حضرت ھود علیہ السلام کے قصہ میں تھا، البتہ اس قصہ میں جب توحید کا ذکر کیا گیا تو اس پر دو دلیلیں قائم کی گئی ہیں۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اس کی دو تقریریں ہیں:
(۱) اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو حضرت آدم علیہ السلام کی صلب سے پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو زمین سے یعنی زمین کی مٹی سے پیدا کیا تھا۔ (۲) انسان منی اور حیض کے خون سے پیدا ہوتا ہے اور منی خون سے بنتی ہے اور خون غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا گوشت، روٹی، سبزیوں اور پھلوں سے حاصل ہوتی ہے اور ان سب چیزوں کا مآل زرعی پیداوار ہے اور زرعی پیداوار کا رجوع زمین کی طرف ہوتا ہے پس واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین سے پیدا کیا ہے۔

انسان اور زمین کی پیدائش سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واستعمرکم فیہا۔ قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین میں آباد کیا، اور ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہاری عمریں لمبی کیں اور قوم ثمود کی عمریں تین سو سال سے ایک ہزار سال تک ہوتی تھیں۔ زید بن اسلم نے کہا اس کا معنی ہے: زمین پر آباد ہونے کے لیے تمہیں جن چیزوں کی ضرورت تھی مثلاً مکان بنانے اور درخت اگانے کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا سامان تمہیں مہیا کیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں نہریں کھودنے، درخت اگانے اور فصل تیار کرنے کا خیال ڈالا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۵۱، مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۵ھ)

زمین میں زرعی پیداوار کی استعداد اور صلاحیت رکھنا، اس میں سرسبز و شاداب جنگلوں کو پیدا کرنا اور اس میں بلند و بالا اور مستحکم عمارتوں کی قابلیت پیدا کرنا اور انسانی آبادی کی ضروریات کے لیے تمام امور فراہم کرنا اور انسان کو ان سے منافع کے

حصول پر قادر بنانا اس زبردست صناع مطلق اور اس قادر و قیوم کے وجود پر بہت بڑی دلیل ہے اور یہ ایسی ہی دلیل ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰیO وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰیO وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰیO فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰیO (الاعلیٰ: ۵-۲)

جس نے پیدا کیا' پھر درست کیاO اور جس نے اندازہ مقرر کیا پھر ہدایت دیO اور جس نے (سبز) چارہ اگایاO پھر اسے خشک سیاہی مائل کر دیاO

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا' پھر دُنیا اور آخرت کے کاموں میں اس کی رہنمائی کے لیے اس میں عقل پیدا کی' پھر تصرف اور کام کاج کرنے کے لیے اس کو قدرت عطا کی' پھر اس کی بقا کے لیے زمین سے اس کی خوراک کو پیدا کیا' کیا یہ سب چیزیں اس پر دلالت نہیں کرتیں کہ اس کو پیدا کرنے والا بہت مدبر اور حکیم ہے۔ اس نے زمین میں ایسی صفات رکھیں جن سے مطلوبہ فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں' اس نے زمین میں کوئی چیز عبث بنائی ہے نہ انسان کے جسم میں کوئی چیز بے کار بنائی ہے۔ انسان کے جسم کی پنڈلیوں میں اللہ تعالیٰ نے زائد رگیں پیدا کی ہوئی ہیں اور اس زمانہ میں یہ عقدہ حل ہوا ہے کہ دل کی شریانیں جب خُون میں کولیسٹرول کی زیادتی سے بند ہو جائیں تو ان رگوں کو کاٹ کر پنڈلی سے وہ زائد رگیں نکال کر ان کو بلاک شدہ شریانوں کی جگہ پیوند کر دیا جاتا ہے اور انسان کو حیاتِ نو مل جاتی ہے۔ قدرت کا یہ راز میڈیکل سائنس کی ترقی کے ذریعہ اس زمانہ میں منکشف ہوا ہے' اور نہ جانے انسان کے جسم میں اور کتنے سربستہ راز ہیں جن کا عقدہ مستقبل میں کھلے گا' اس سے معلوم ہوا کہ انسان اور اسی طرح یہ ساری کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے' اس کا ہر ہر جز اور اس کی ہر ہر چیز ان گنت حکمتوں پر مشتمل ہے اور یہ سب امور اس پر گواہی دیتے ہیں کہ ان کو زبردست مدبر اور حکیم مطلق نے بنایا ہے۔

نیکو کاروں اور بدکاروں کے لیے دُنیا کا ظرف ہونا

اس آیت میں استعمر بہ معنی اعمر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کو پوری زندگی نیک اعمال کے ساتھ آباد رکھتا ہے اور اس کی موت کے بعد اس کو نیک نامی اور اچھی شہرت کے ساتھ باقی رکھتا ہے اور اس کے برخلاف فاسق و فاجر تاحیات بُری شہرت کے ساتھ برقرار رہتا ہے اور موت کے بعد بھی لوگ اس کا ذکر برائی کے ساتھ کرتے ہیں اور یہ دُنیا نیک لوگوں اور بدکاروں دونوں کے لیے ظرف ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی شخص کی نیک نامی اس کی نسل کے قائم مقام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی تھی:

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَO (الشعراء: ۸۴)

اور میرے بعد آنے والوں میں میرا ذکر جمیل جاری رکھ۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَO وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَO (الصّٰفّٰت: ۷۸-۷۷)

اور ہم نے ان کی اولاد ہی کو باقی رکھاO اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان کا ذکر چھوڑاO

وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰٓی اِسْحٰقَ ۚ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌO (الصّٰفّٰت: ۱۱۳)

اور ہم نے ابراہیم اور اسحٰق پر بہت برکتیں فرمائیں اور ان کی اولاد میں سے بعض نیکوکار ہیں اور بعض اپنی جانوں پر کھلا ظلم کرنے والے ہیںO

عمریٰ کا معنی

قرآن مجید کی اس آیت میں استعمر کا لفظ ہے' اور ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ استعمر' اعمر کے معنی میں ہے۔

اعمر کا معنی ہے عمر گزارنا اور اسی سے عمریٰ کا لفظ بنا ہے۔ علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ جو چیز تم کو تاحیات دی جائے وہ عمریٰ ہے۔ ثعلب نے کہا: عمریٰ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو مکان دے اور یہ کہے کہ یہ مکان تمہارے لیے تاحیات ہے اور جب وہ مرگیا تو وہ مکان، دینے والے کی طرف لوٹ جائے گا۔ عمریٰ اصل میں عمر سے ماخوذ ہے اور رقبی مراقبہ (انتظار کرنا) سے بنا ہے، رقبی یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں پہلے مرگیا تو تم اس کے مالک ہو اور اگر تم پہلے مرگئے تو میں اس کا مالک ہوں گا اور ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتا رہے۔

(تاج العروس ج ۳ ص ۴۲۱، مطبوعہ مطبعہ خیریہ، مصر، ۱۳۰۶ھ)

عمریٰ کے متعلق احادیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی گئی سو یہ چیز اسی کے لیے ہے جس کو دی گئی ہے۔ وہ چیز دینے والے کی طرف نہیں لوٹے گی، کیونکہ اس نے ایسی چیز دی ہے جس میں وراثت جاری ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۵۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۵۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۷۴۵، صحیح مسلم کتاب الہبۃ رقم الحدیث: ۲۰ (۱۶۲۵) رقم مسلسل: ۴۱۱۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی اور اس سے کہا کہ "میں نے تم کو اور تمہارے وارثوں کو اس وقت تک کے لیے یہ چیز دی ہے جب تک تم میں سے کوئی باقی رہے۔" سو یہ چیز اس کی ہو جائے گی جس کو دی گئی ہے اور اس چیز کے مالک کی طرف نہیں لوٹے گی کیونکہ اس نے ایسی چیز دی ہے جس میں وراثت جاری ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم، کتاب الہبۃ رقم الحدیث: ۲۲ رقم بلا تکرار ۱۶۲۵، رقم مسلسل: ۴۱۱۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی گئی وہ قطعی طور پر اس کی ہے، دینے والے کے لیے اس میں کوئی شرط لگانا جائز ہے نہ استثناء کرنا۔ ابوسلمہ نے کہا: کیونکہ اس نے ایسی چیز دی ہے جس میں وراثت جاری ہوتی ہے اور وراثت نے اس کا حق منقطع کر دیا۔

(صحیح مسلم، کتاب الہبۃ رقم الحدیث: ۲۴، رقم بلا تکرار: ۱۶۲۵، رقم مسلسل: ۴۱۱۴)

عمریٰ میں مذاہبِ ائمہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے کہ ایک شخص یہ کہے کہ میں نے تمام عمر کے لیے یہ مکان تم کو دیا، جب تم فوت ہو جاؤ گے تو یہ مکان تمہارے وارثوں کا ہوگا، یہ عمریٰ بالاتفاق صحیح ہے اور وہ شخص اس مکان کا مالک ہو جائے گا اور اس کی موت کے بعد اس کے وارث مالک ہوں گے اور اگر اس کے وارث نہ ہوں تو اس کی ملکیت بیت المال کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ امام مالک کا اس میں اختلاف ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸، مطبوعہ مطبع نور محمد کراچی، ۱۳۷۵ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے لکھا ہے:

امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ عمریٰ کرنے والا یوں کہے کہ میں نے تم کو یہ مکان مدت عمر کے لیے دیا، پھر یہ مکان تمہارے وارثوں کا ہے یا یوں کہے کہ میں نے تم کو یہ مکان مدت عمر کے لیے دیا اور قید نہ لگائے۔ ان صورتوں میں مکان لینے والے یا اس کے ورثاء کی موت کے بعد، مکان دینے والے یا اس کے وارثوں کی طرف لوٹ جائے گا، کیونکہ مسلمانوں کی لگائی

ہوئی شرائط کا اعتبار ہوتا ہے اور اس لفظ کا مدلول لغوی بھی یہی ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم لقاضی عیاض ج ۵ ص ۳۵۷، مطبوعہ دار الوفاء بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ جب عمریٰ کرنے والا اس کو مطلق رکھے تو جس کو وہ چیز دی گئی ہے وہ چیز اس کی اور اس کے ورثا کی ملکیت ہے اور جب اس نے یہ شرط لگائی کہ جب تم مرگئے تو یہ چیز میری ہو جائے گی تو اس کے متعلق امام احمد سے دو روایتیں ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ عقد اور شرط دونوں صحیح ہیں اور جب معمرلہ مرجائے گا تو وہ چیز دینے والے کی طرف لوٹ جائے گی اور دوسری روایت یہ ہے کہ عقد صحیح ہے اور شرط باطل ہے اور وہ چیز معمرلہ کے بعد اس کے وارثوں کی طرف لوٹ جائے گی۔ (المغنی ج ۵ ص ۱۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں: جب کسی شخص نے دوسرے شخص سے کہا: میں نے تم کو عمر بھر کے لیے یہ مکان دیا اور وہ مکان اس کے سپرد کر دیا تو یہ ہبہ صحیح ہے، اور جس کے لیے ہبہ کیا گیا ہے وہ اس کا فوراً مالک ہو جائے گا اور اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء اس کے مالک ہوں گے، اس لیے اس کی موت کے بعد اس کی واپسی کی شرط باطل ہے اور ہبہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔ (المبسوط ج ۱۲ ص ۹۵۔ ۹۳، ملخصاً مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ)

اس کے بعد فرمایا: اللہ سے استغفار کرو، یعنی اپنی بت پرستی پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو، پھر فرمایا: پھر اس کی طرف توبہ کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف رجوع کرو، بے شک میرا رب دعا کرنے والے کی دعا کو قبول فرماتا ہے، اس آیت کے ان الفاظ کی تفسیر اور دعا کے مقبول ہونے اور دعا کے آداب اور شرائط کے متعلق مکمل بحث البقرہ: ۱۸۶ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے آپ ہماری امیدوں کا مرکز تھے! کیا آپ ہمیں ان کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے، بے شک آپ ہمیں جس دین کی دعوت دے رہے ہیں اس نے ہمیں زبردست شک میں ڈال دیا ہے ○ (ھود: ۶۲)

حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی قوم کی امیدوں کی وجوہات

صالح علیہ السلام کی قوم نے حضرت صالح سے جو اپنی امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں اس کی دو وجوہات تھیں: (۱) حضرت صالح علیہ السلام بہت ذکی اور فہیم تھے اور فراخ دل اور بہت حوصلہ والے شخص تھے، اس لیے ان کی قوم کو یہ امیدیں تھیں کہ وہ ان کے دین کی مدد کریں گے، ان کے مذہب کو قوت اور استحکام پہنچائیں گے اور ان کے طریقوں اور مذہبی رسومات کی تائید کریں گے، کیونکہ جب کسی قوم میں کوئی باصلاحیت نوجوان پیدا ہو تو اس سے اسی قسم کی امیدیں قائم کی جاتی ہیں۔ (۲) حضرت صالح علیہ السلام غریبوں کی مالی امداد کرتے تھے، مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے تھے اور بیماروں کی عیادت اور خدمت کرتے تھے، اس وجہ سے ان کی قوم یہ سمجھتی تھی کہ وہ ان کے مددگاروں اور ان کے دوستوں سے ہیں۔ اور جب صالح علیہ السلام نے ان کو بت پرستی سے منع کیا تو ان کو سخت تعجب ہوا کہ ان کو اچانک یہ کیا ہو گیا اس لیے انہوں نے کہا: آپ تو ہماری امیدوں کا مرکز تھے، کیا آپ ہم کو ان کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے!

شک اور مریب کا فرق

اس آیت میں شک اور مریب کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ شک یہ ہے کہ انسان نفی اور اثبات کے درمیان متردد ہو اور مریب وہ شخص ہے جو کسی کے ساتھ بدگمانی کر رہا ہو، جب انہوں نے یہ کہا کہ ہم شک میں ہیں تو اس کا معنی یہ تھا کہ ہم کو آپ

کے قول کے صحیح ہونے کے متعلق تردد ہے اور جب اس کے ساتھ مریب کا لفظ کہا تو اس کا معنی یہ تھا کہ ان کے اعتقاد میں حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کا فاسد اور غلط ہونا راجح ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (صالح نے کہا) اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں، اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو، تو اللہ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا، اگر میں اس کی نافرمانی کروں، تو تم میرے لیے سوا نقصان کے کس چیز میں زیادتی کر رہے ہو○ (ھود: ۶۳)

اپنی نبوت پر یقین کے باوجود حضرت صالح نے بصورت شک کیوں بات کی؟

حضرت صالح علیہ السلام نے بصورت شک کہا: "اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں" حالانکہ حضرت صالح علیہ السلام کو اس پر مکمل یقین تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اور شک کی صورت کو اس لیے اختیار کیا، تاکہ ان کے مخالفین کے لیے ان کا کلام قبول ہونے کے زیادہ قریب ہو گویا کہ انہوں نے یوں کہا کہ فرض کرو میرے پاس میرے رب کی روشن اور پختہ دلیل ہو اور مجھے کامل یقین ہو کہ میں اللہ عزوجل کا نبی ہوں، اور یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کے احکام کی نافرمانی کر کے تمہارے طریقہ پر چلوں تو مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچائے گا تو اس صورت میں سوائے مجھے نقصان پہنچانے کے تم میرے حق میں کیا اضافہ کرو گے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت صالح نے کہا) اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے، سو اس کو چھوڑ دو یہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے، اور اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تم کو عنقریب عذاب پہنچے گا○ (ھود: ۶۴)

انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کی ترتیب

جو نبی بت پرستوں کے سامنے دعویٰ نبوت کرتا ہے، وہ سب سے پہلے ان کو بت پرستی ترک کرنے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیتا ہے، پھر اس کے بعد ان کے سامنے اپنی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اور جب وہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو پھر قوم اس سے اس کی نبوت پر دلیل اور معجزہ کو طلب کرتی ہے، سو حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ روایت ہے کہ ان کی قوم عید کے موقع پر گئی ہوئی تھی، اس وقت انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ وہ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں، انہوں نے پہاڑ کی ایک چٹان کی طرف اشارہ کر کے کہا اس چٹان سے انہیں اونٹنی نکال کر دکھائیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو ان کی فرمائش کے مطابق اس چٹان سے اونٹنی نکل آئی۔

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے معجزہ ہونے کی وجوہ

اس اونٹنی کا حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت پر معجزہ ہونا حسب ذیل وجوہ سے ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس چٹان سے اس اونٹنی کو پیدا کیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کے اندر اس اونٹنی کو پیدا کیا، پھر اس پہاڑ کو شق کر کے اس اونٹنی کو نکالا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی نر کے اس اونٹنی کو حاملہ بنایا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے بغیر ولادت کے مکمل جسامت اور شکل و صورت کے ساتھ اس اونٹنی کو پیدا کیا۔

(۵) روایت ہے کہ ایک دن وہ کنویں سے پانی پیتی تھی اور ایک دن پوری قوم پانی پیتی تھی۔

(۶) اس سے بہت زیادہ مقدار میں دودھ حاصل ہوتا تھا جو پوری قوم کے لیے کافی ہوتا تھا۔

یہ تمام وجوہات اس کے معجزہ ہونے پر بہت قوی دلیل ہیں، لیکن قرآن کریم میں صرف یہ مذکور ہے کہ وہ اونٹنی آیت

اور معجزہ تھی، باقی رہا یہ کہ وہ کس اعتبار سے معجزہ تھی، اس کا قرآنِ مجید میں ذکر نہیں ہے۔

اونٹنی سے قوم کی دشمنی کا سبب

پھر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: "سو اس کو چھوڑ دو یہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے۔" اس قول سے حضرت صالح علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ قوم سے مشقت کو دُور کریں، وہ اونٹنی ان کے لیے معجزہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کو نفع پہنچاتی تھی اور ان کو نقصان نہیں دیتی تھی، کیونکہ وہ اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاتے تھے جیسا کہ روایات میں ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ وہ کفر پر اصرار کر رہے ہیں تو ان کو اس اونٹنی کے لیے خطرہ محسوس ہوا، کیونکہ لوگ اپنے مخالف کی حجت اور دلیل کے غلبہ سے بغض رکھتے ہیں بلکہ وہ اپنے مخالف کی حجت کو کمزور اور باطل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، اس وجہ سے حضرت صالح علیہ السلام کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ یہ لوگ اس اونٹنی کو قتل کر دیں گے، اس لیے انہوں نے پیش بندی کے طور پر فرمایا: اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ عنقریب تم کو عذاب پہنچے گا اور اس میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید تھی جو اس اونٹنی کو قتل کرنے کا ارادہ کریں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے اس شدید وعید کے باوجود اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور اس کو قتل کر دیا، چنانچہ فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، تب (صالح نے) کہا کہ تم صرف تین دن مزے اٹھالو (پھر تم پر عذاب آجائے گا) یہ اللہ کی وعید ہے جو (ہرگز) جھوٹی نہیں ہوگی○ (ھود: ۶۵)

اونٹنی کو قتل کرنے کی وجوہ

انہوں نے اونٹنی کو جو قتل کر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ اونٹنی حضرت صالح علیہ السلام کے دعویٰ نبوت پر دلیل تھی، تو انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت اور ان کی دشمنی میں اس اونٹنی کو قتل کر دیا اور یا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس بات سے تنگ آگئے تھے کہ ایک دن وہ لوگ کنویں سے پانی پئیں اور ایک دن وہ اونٹنی کنویں سے پانی پئے اور وہ اونٹنی اس قدر غیر معمولی جسیم تھی کہ وہ اپنی باری کے دن جب پانی پیتی تو سارا کنواں خالی کر دیتی تب انہوں نے اس سے جان چھڑانے کے لیے اس کو قتل کر دیا اور یا انہوں نے اس کو اس لیے قتل کیا کہ وہ اس کا گوشت اور اس کی چربی کھانا چاہتے تھے، بہرحال انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

اونٹنی کو قتل کرنے کی تفصیل

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ امام محمد بن اسحٰق سے روایت کرتے ہیں: جب اونٹنی پانی پی کر لوٹ رہی تھی تو وہ اس کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے، اس کے راستہ میں ایک چٹان تھی اس کے پیچھے قدار نامی ایک شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا اور اس چٹان کے دوسرے نچلے حصہ میں مصدع نام کا ایک اور شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ اس کے پاس سے گزری تو مصدع نے اس کی پنڈلی کے گوشت پر تاک کر تیر مارا اور قدار تلوار کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا اور اس کی کونچوں (ایڑی کے اوپر کے پٹھوں) پر تلوار ماری۔ وہ چیخ مار کر گر پڑی، انہوں نے اس کی ٹانگوں کو باندھ دیا پھر اس کے لبّہ (گردن کے نچلے حصہ) پر نیزہ مارا اور اس کو نحر (ذبح) کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۹۸۸)

ابوالہزیل نے بیان کیا ہے کہ جب اس اونٹنی کی کونچیں کاٹی گئیں تو اس کا بچہ چیختا ہوا پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا، پھر دوبارہ اس کو نہیں دیکھا گیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۹۸۹)

قوم ثمود پر عذاب نازل ہونے کی تفصیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (صالح نے کہا) تم صرف تین دن مزے اٹھالو (پھر تم پر عذاب آجائے گا) یہ اللہ کی وعید ہے جو (ہرگز) جھوٹی نہیں ہوگی۔

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں جب ہم مقام حجر پر پہنچے تو آپ نے ہم سے فرمایا: میں لوگوں کو معجزات طلب کرنے سے منع کرتا ہوں' یہ صالح علیہ السلام کی قوم ہے جس نے اپنے نبی سے معجزہ طلب کیا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک اونٹنی کو بھیج دیا' وہ اس راستہ سے آتی تھی اور اپنی باری کے دن اس کا سارا پانی پی جاتی تھی' اور جس دن وہ پانی پیتی تھی اس دن وہ قوم اس اونٹنی کا دودھ دوہ کر پیتی تھی اور پھر لوٹ جاتی تھی۔ اس قوم نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں' تب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ وعید سنائی کہ وہ صرف تین دن اپنے گھروں میں مزے اُڑالیں (پھر اللہ کا عذاب آجائے گا) یہ اللہ کی وعید ہے جو (ہرگز) جھوٹی نہیں ہوگی (پھر تین دن کے بعد) ایک زبردست چنگھاڑ کی آواز آئی جس نے اس زمین کے مشرق اور مغرب کے لوگوں کو ہلاک کر دیا' سوا اس شخص کے جو اللہ کے حرم میں تھا' وہ اللہ کے حرم میں ہونے کی وجہ سے بچ گیا۔ آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ ابو رغال ہے۔ پوچھا: وہ کون ہے؟ فرمایا: وہ ابو ثقیف ہے۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اس عذاب کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے پیلے پڑ جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے' پھر ان کے چہروں پر نشان پڑ گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہولناک چیخ بھیجی جس نے ان کو ہلاک کر دیا۔

امام محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ اونٹنی کی کونچیں کٹی ہوئی ہیں تو وہ رونے لگے اور فرمایا: تم نے اللہ تعالیٰ کی نشانی کی بے حرمتی کی' اب تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی بشارت ہو۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا: اچھا یہ عذاب کب آئے گا اور اس کی کیا علامت ہے؟ اور انہوں نے دنوں کے اس طرح نام رکھے تھے: وہ اتوار کو اول کہتے تھے' پیر کو اہون (آسان) کہتے تھے' منگل کو دبار (مصیبت) کہتے تھے' بدھ کو جبار (درست) کہتے تھے' جمعرات کو مونس کہتے تھے اور جمعہ کو عروبہ کہتے تھے' ہفتہ کو شبار (عمر) کہتے تھے۔ انہوں نے بدھ کے دن اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے کہا: جب مونس (جمعرات) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے اور جب تم عروبہ (جمعہ) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے اور جب تم شبار (ہفتہ) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سیاہ ہوں گے' پھر پہلے دن (اتوار) تم پر عذاب آجائے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۲۰۵۱۔۲۰۵۰' رقم الحدیث: ۱۰۹۹۳' ۱۰۹۹۲' ۱۰۹۹۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب تین دن تک مسلسل حضرت صالح علیہ السلام کی بتائی ہوئی عذاب کی نشانیاں پوری ہوگئیں تو پھر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت پر ایمان لے آتے' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ضدی لوگ تھے' وہ اس وقت تک حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت میں متردد رہے جب تک ان کے سر پر عذاب نہیں آ پہنچا اور عذاب آنے کے بعد ایمان لانا معتبر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے صالح کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے اس دن کی رُسوائی سے نجات دے دی' بے شک آپ کا رب ہی زبردست قوت والا اور بہت غلبہ والا ہے○ (ھود: ۶۶)

الخزی کا معنی

"خزی" کا معنی ہے رُسوائی، اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو خزی اس لیے فرمایا ہے کہ اس کی رُسوائی بعد میں بھی باقی رہنے والی تھی اور ان معذبین کو بعد میں عبرت کا نشان بنا دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے اس عذاب سے نجات دی اور ان کی قوم میں سے کافروں پر عذاب نازل ہوا اور ان کے لیے وہ عار کا سبب ہو گیا اور ان کی طرف اس عذاب کی ذلت منسوب ہو گئی کیونکہ الخزی اس عیب کو کہتے ہیں جس سے کسی شخص کی رُسوائی ظاہر ہوتی ہے اور اس قسم کے عیب کے لگنے سے حیا کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ظلم کرنے والوں کو ہولناک چنگھاڑ نے آدبوچا تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل (اوندھے) پڑے رہ گئے O (ھود: ۶۷)

امام ابن ابی حاتم نے امام محمد بن اسحٰق سے روایت کیا ہے کہ اتوار کی صبح کو دن چڑھنے کے بعد ایک ہولناک چیخ آئی جس سے ہر چھوٹا اور بڑا ہلاک ہو گیا، ماسوا الذریعہ نامی ایک لڑکی کے، وہ حضرت صالح علیہ السلام سے سخت عداوت رکھتی تھی۔ اس نے تمام لوگوں کو عذاب میں گرفتار دیکھا پھر وہ ایک کنوئیں پر گئی اور اس سے پانی پیتے ہی مر گئی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۹۹۹)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ جبرئیل کی چیخ تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آسمان سے ایک چنگھاڑ آئی تھی جس میں ہر بجلی کی کڑک تھی، جس کی ہیبت اور ہولناکی سے ان کے دل پھٹ گئے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ جب ان کو عذاب آنے کا یقین ہو گیا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: اگر وہ عذاب آ گیا تو تم کیا کرو گے۔ پھر عذاب سے مقابلہ کے لیے انہوں نے اپنی تلواریں اور اپنے نیزے سنبھال لیے اور اپنے جتھوں کو تیار کر لیا، ان کے بارہ ہزار قبیلے تھے اور ہر قبیلہ میں بارہ ہزار جنگجو تھے، وہ تمام راستوں پر بیٹھ گئے اور وہ اپنے گمان میں عذاب سے لڑنے کے لیے تیار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو حکم دیا جو سورج کے ساتھ موکل ہے کہ ان کو گرمی کا عذاب پہنچائیں، پھر سورج کی گرمی سے ان کے ہاتھ جل گئے اور پیاس کی شدت سے ان کی زبانیں لٹک کر سینے تک پہنچ گئیں اور جن کے ساتھ جانور تھے وہ مر گئے اور چشموں کا پانی جوش سے اُبلنے لگا، پھر اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتے کو حکم دیا کہ غروبِ آفتاب تک ان کی رُوحیں قبض کر لی جائیں، پھر ایک گرج دار چنگھاڑ سنائی دی جس سے وہ سب مُنہ کے بل گر کر ہلاک ہو گئے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۵۶۔ ۵۵، مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ اس چیخ کے متعلق دو قول ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد بجلی کی کڑک ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بہت زبردست اور ہولناک چیخ تھی جس کو سن کر وہ سب اپنے گھروں میں مُنہ کے بل اوندھے گر گئے اور اسی حال میں مر گئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ چیخ ماریں اور ان کی چیخ سے سب اسی وقت مر گئے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ چیخ موت کا سبب کیسے بن گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس چیخ سے ہوا میں تموج پیدا ہو گیا اور جب وہ زبردست تموج ان کے کانوں تک پہنچا تو ان کے کانوں کے پردے پھٹ گئے اور اس کا اثر ان کے دماغ تک پہنچا اور وہ علی الفور مر گئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بادلوں کے پھٹنے سے وہ چیخ پیدا ہوئی ہو اور اس سے بجلی گری ہو اور اس بجلی سے وہ سب جل کر مر گئے ہوں۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۷۱۔ ۳۷۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ چیخ سے ہلاک ہوگئے اور الاعراف: ۷۸ میں فرمایا ہے: وہ زلزلہ سے ہلاک ہوگئے، ان دونوں آیتوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ اس چیخ سے زلزلہ آیا اور اس سے وہ سب ہلاک ہوگئے۔ پھر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: گویا کہ وہ ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے، سنو بے شک قوم ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا، سنو! قوم ثمود کے لیے پھٹکار ہے۔ (ھود: ۶۸)

اس کی تفسیر کے لیے ھود: ۶۰ کو ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کے مفصل احوال ہم نے الاعراف: ۷۳-۷۹ میں بیان کر دیے ہیں، ان کی تفصیل پر مطلع ہونے کے لیے اس سورت کا مطالعہ فرمائیں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ

اور بے شک ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے، انہوں نے کہا سلام (ابراہیم نے جواباً) کہا سلام،

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ

پھر تھوڑی دیر بعد وہ گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے ○ پھر جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے تک

اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى

نہیں بڑھ رہے تو ابراہیم نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے، فرشتوں نے کہا آپ مت ڈریں، بے شک ہمیں قوم

قَوْمِ لُوْطٍ ؕ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ

لوط کی طرف بھیجا گیا ہے ○ ابراہیم کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی پیدائش کی خوش خبری سنائی اور

مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا

اسحاق کے بعد یعقوب کی ○ (سارہ نے) کہا ارے دیکھو! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے یہ

بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ

شوہر بھی بوڑھے ہیں، بے شک یہ عجیب بات ہے ○ فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کی قدرت پر

اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

تعجب کر رہی ہو، اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں بے شک اللہ حمد و ثنا کا مستحق بہت بزرگ ہے ○

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ

پھر جب ابراہیم کا خوف دور ہو گیا اور ان کے پاس بشارت پہنچ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے متعلق

قَوۡمِ لُوۡطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤـاِبۡرٰهِيۡمُ اَعۡرِضۡ

بحث کرنے لگے ○ بے شک ابراہیم بردبار اللہ سے آہ وزاری کرنے والے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے ○ اے ابراہیم

عَنۡ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدۡ جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمۡ اٰتِيۡهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ

اس بات کو چھوڑ دیجیے بے شک آپ کے رب کا حکم آ چکا ہے، بے شک ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو

مَرۡدُوۡدٍ ﴿۷۶﴾

ٹلنے والا نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے، انہوں نے کہا سلام (ابراہیم نے جواباً) کہا سلام، پھر تھوڑی دیر بعد وہ گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے ○ پھر جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں بڑھ رہے تو ابراہیم نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے، فرشتوں نے کہا: آپ مت ڈریں، بے شک ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے ○ (ھود: ۷۰-۶۹)

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ

اس سورت میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصص بیان کیے گئے ہیں یہ ان میں سے چوتھا قصہ ہے۔ ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے، حضرت لوط علیہ السلام کی سوانح اور ان کی قوم کے مفصل حالات ہم نے الاعراف: ۸۴-۸۰ میں بیان کر دیئے ہیں اس جگہ ہم آیات کے ضمن میں ضروری تفصیل بیان کریں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عم زاد تھے، حضرت لوط علیہ السلام کی سکونت شام کی نواحی بستیوں میں تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین کے شہروں میں رہتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لیے فرشتوں کو بھیجا تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور ان کے مہمان ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو بھی مہمان ہوتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی بہت اچھے طریقہ سے ضیافت کرتے تھے، جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے ان کی تعداد میں حسب ذیل اقوال ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد اور ان کی بشارت میں مختلف اقوال

امام جمال الدین عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر نے کہا: یہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل تھے۔

(۲) مقاتل نے کہا: یہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل اور حضرت عزرائیل تھے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بارہ فرشتے تھے۔

(۴) محمد بن کعب نے کہا ہے کہ یہ آٹھ فرشتے تھے۔

(۵) ضحاک نے کہا: یہ نو فرشتے تھے۔

(۲) ماوردی نے کہا: یہ چار فرشتے تھے۔

یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو بشارت لے کر آئے تھے اس بشارت کے متعلق امام ابن الجوزی نے حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

(۱) حسن نے کہا: وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دینے آئے تھے۔

(۲) قتادہ نے کہا: وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی خوشخبری دینے آئے تھے۔

(۳) عکرمہ نے کہا: وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت کی خوشخبری دینے آئے تھے۔

(۴) الماوردی نے کہا: وہ یہ بشارت دینے آئے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی پشت سے خروج ہوگا۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۲۷، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

فرشتوں کے سلام کے الفاظ

فرشتوں نے آ کر کہا: سلاما۔ اس کی اصل عبارت اس طرح ہے: سلمنا علیک سلاما "ہم آپ کو سلام کرتے ہیں سلام کرنا۔" حضرت ابراہیم نے فرمایا: سلام۔ اس کی اصل عبارت یوں ہے: امری سلام "میرا امر بھی سلام ہے۔"

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر جو سلام کیا اس میں قرآن مجید کی اس آیت کی رعایت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (النور: ۲۷)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور ان گھر والوں پر سلام نہ کر لو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا سلام اس طرح ذکر فرمایا ہے:

وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ (الرعد: ۲۴-۲۳)

اور فرشتے جنتیوں کے اوپر ہر دروازے سے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے: "سلام علیکم۔"

سلام کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوار، پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے اور قلیل، کثیر کو سلام کریں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۳۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۱۹۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان پر اپنے بھائی کے لیے پانچ چیزیں واجب ہیں: سلام کا جواب دینا، چھینک لینے والے کو الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا، دعوت کو قبول کرنا، مریض کی عیادت کرنا اور جنازہ کے ساتھ جانا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۰۳۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل کتاب تم کو سلام کریں تو تم کہو: وعلیکم۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۵۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود اور نصاریٰ کو تم سلام میں پہل نہ کرو اور جب تم میں سے کوئی شخص اس کو راستے میں ملے تو اس کو تنگ راستے پر چلنے کے لیے مجبور کرے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۰۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لڑکوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے ان کو سلام کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۴۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۶)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی جماعت گزرے تو ان کے لیے یہ کافی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک شخص سلام کرلے اور جو لوگ بیٹھے ہوئے ہوں ان کے لیے یہ کافی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک شخص سلام کا جواب دے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۱۰، الاستذکار رقم الحدیث: ۴۰۵۱۳، سنن کبریٰ ج ۹ ص ۴۹، تمہید ج ۹ ص ۴۹، تمہید ج ۲ ص ۶۱۸، فتح المالک رقم الحدیث: ۶۷۷۶، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۶۴۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی جماعت پر سلام کرنے میں پہل کی اس کو اس جماعت پر دس نیکیوں کی فضیلت ہوگی، اور ایک اور حدیث میں ہے: جن دو شخصوں نے ترک تعلق کیا ہوا ہو ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (الاستذکار رقم الحدیث: ۴۰۵۲۷)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے پاس سے گزرے، وہاں عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی تو آپ نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۷، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۳۶۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۳۵، مسند احمد ج ۶ ص ۴۵۲، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۶۴۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۰۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۰۱، الاستذکار رقم الحدیث: ۴۰۵۴۰)

جن لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے اور جن لوگوں کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں یا مکروہ ہے

حافظ یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

عورتوں کو سلام کرنے میں سلف اور خلف کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: جب عورتیں محرم نہ ہوں تو مرد ان کو سلام نہ کریں، یہ احناف کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب عورتوں سے اذان اور اقامت اور نماز میں بلند آواز سے پڑھنا ساقط ہوگیا تو ان سے سلام کا جواب دینا بھی ساقط ہوگیا، لہٰذا ان کو سلام نہ کیا جائے۔ دوسرے فقہاء نے یہ کہا کہ بوڑھی عورتوں کو سلام کیا جائے اور جوان عورتوں کو فتنہ کے خوف سے سلام نہ کیا جائے، امام مالک کا یہی قول ہے۔ (فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا) (الاستذکار ج ۲۷ ص ۱۳۹، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اگر مسلمان کو ذمی سے کوئی کام ہو تو وہ اس کو سلام کرلیں ورنہ ان کو سلام کرنا مکروہ ہے، جس طرح مسلمان کا ذمی سے مصافحہ کرنا مکروہ ہے، اور اگر یہودی یا نصرانی یا مجوسی مسلمان کو سلام کریں تو ان کو جواب دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن جواب میں صرف اتنا کہے وعلیکم۔ کسی ذمی کو تعظیماً سلام کرنا کفر ہے، مانگنے والے کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، اسی طرح جمعہ کے خطبہ کے وقت جو سلام کرے، اس کے سلام کا جواب دینا بھی واجب نہیں ہے، جب انسان کسی کے گھر جائے تو پہلے اجازت طلب کرے، پھر سلام کرے پھر کلام کرے، سلام کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

وبرکاتہ پر اضافہ نہ کرے، سلام کا فوراً جواب دے، فاسق کو سلام کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ فاسق معلن ہو ورنہ نہیں، اسی طرح جو شخص سلام کا جواب دینے سے حقیقتاً عاجز ہو مثلاً کھانا کھا رہا ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے یا جو شخص سلام کا جواب دینے سے شرعاً عاجز ہو مثلاً نماز پڑھ رہا ہو یا قرآنِ مجید پڑھ رہا ہو، ان کو سلام کرنا مکروہ ہے، اور اگر کسی نے سلام کیا تو وہ جواب کا مستحق نہیں ہے۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۵ ص ۲۶۷-۲۶۴ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

نیز علامہ حصکفی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے: جو نماز پڑھ رہا ہو، قرآن مجید پڑھ رہا ہو، حدیث بیان کر رہا ہو، خطبہ دے رہا ہو، خطبہ سن رہا ہو، فقہ کا تکرار کر رہا ہو، مقدمہ کا فیصلہ کر رہا ہو، کسی فقہی مسئلہ میں بحث کر رہا ہو، اذان دے رہا ہو، اقامت (تکبیر) کہہ رہا ہو، دینی کتب کا درس دے رہا ہو، جوان اجنبی عورتوں کو سلام کرنا زیادہ مکروہ ہے (بوڑھی عورتوں کو سلام کرنا جائز ہے بلکہ اگر شہوت کا خوف نہ ہو تو ان سے مصافحہ کرنا بھی جائز ہے، شامی) جو شطرنج کھیل رہا ہو، یا جو فسق میں ان کے مشابہ ہو (ہر وہ شخص جو کسی گناہ میں مشغول ہو، مثلاً جوا کھیل رہا ہو، شراب پی رہا ہو، لوگوں کی غیبت کر رہا ہو، کبوتر اڑا رہا ہو، یا گانا گا رہا ہو، مذاق کرنے والے بوڑھے کو سلام نہ کرے، نہ جھوٹ بولنے والے کو نہ لغو باتیں کرنے والے کو نہ گالیاں دینے والے کو نہ اس کو جو اجنبی عورتوں کو دیکھتا ہو، شامی) جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کر رہا ہو، کافر کو اور جو شخص برہنہ ہو اور جو پیشاب، پاخانہ میں مشغول ہو اور جو کھانا کھا رہا ہو یعنی اس کے منہ میں لقمہ ہو، جو شخص استاذ سے سبق پڑھ رہا ہو، جو شخص تسبیح پڑھ رہا ہو، ذکر کر رہا ہو یا تلبیہ پڑھ رہا ہو یا اونگھ رہا ہو یا نیند میں ہو یا نشہ میں ہو یا مجنون ہو، ان تمام لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی شخص ان حالتوں میں سلام کرے تو وہ جواب کا مستحق نہیں ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج۱ ص ۴۱۵-۴۱۴ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

سلام کرنے کے شرعی الفاظ اور اس کے شرعی احکام اور مسائل

حفظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطاء بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ان کی مجلس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آئے اور ان کو سلام کیا اور کہا: سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میں نے جواب میں کہا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وعفوہ ومغفرتہ، حضرت ابن عباس نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: عطاء۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سلام، و برکاتہ کے لفظ پر ختم ہو جاتا ہے پھر یہ آیت پڑھی: رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید۔ (ھود: ۷۳) (اس سے معلوم ہوا کہ اذکار کے جو الفاظ منقول ہوں ان پر اضافہ کرنا درست نہیں ہے...... سعیدی غفرلہ) (الاستذکار ج۲۷ ص ۱۳۸، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

سلام میں پہل کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے، اگر سلام کرنے والی ایک جماعت ہو تو ان کے حق میں سلام کرنا سنت کفایہ ہے، اور اگر ان میں سے کوئی ایک شخص سلام کرے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گی، جس شخص پر سلام کیا گیا ہے اگر وہ ایک ہے تو اس پر جواب دینا متعین ہے، اور اگر ایک جماعت پر سلام کیا گیا ہو تو ان کا جواب دینا فرض کفایہ ہے، اگر ان میں سے کسی ایک شخص نے جواب دے دیا تو باقی لوگوں سے فرضیت ساقط ہو جائے گی، اور افضل یہ ہے کہ پوری جماعت سلام کرے اور پوری جماعت جواب دے۔ امام ابن عبد البر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ سلام میں پہل کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔

سلام کے کم از کم الفاظ یہ ہیں: السلام علیکم، جس کو سلام کیا ہے اگر وہ ایک ہے تو السلام علیک کہے، لیکن افضل یہ ہے کہ فرشتوں کو شامل کر کے السلام علیکم کہے اور کامل طریقہ یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے، ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے اضافہ پر اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ فرشتوں نے سلام کے بعد کہا تھا ورحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اهل البیت۔ (هود: ۷۳) اور تشہد میں پڑھا جاتا ہے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور ابتداء میں علیکم السلام کہنا مکروہ ہے۔ حدیث صحیح میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علیک السلام نہ کہو کیونکہ علیکم السلام مردوں کا سلام ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۸۴) اور جواب دینے کا افضل اور اکمل طریقہ یہ ہے کہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اور اگر وعلیکم السلام پر اقتصار کر لیا تو یہ بھی جائز ہے، سلام کرنے والا اگر سلام علیکم یا السلام علیکم کہے اور جواب دینے والا بھی اس کی مثل سلام علیکم یا السلام علیکم کہے تو یہ بھی جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے: قالوا سلما قال سلام۔ (الذاریات: ۲۵) لیکن الف، لام کے ساتھ کہنا افضل ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے بغیر الف لام کے سلام علیکم کہنا افضل ہے، کیونکہ سلام کی تنوین کمال، مبالغہ اور تمام پر دلالت کرتی ہے اور لفظ السلام صرف ماہیت پر دلالت کرتا ہے۔ اخفش نے کہا: عرب تنوین اور الف لام کے بغیر سلام علیکم کہتے ہیں، اس کا سبب کثرت استعمال ہے جو تخفیف کا مقتضی ہے۔ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۷۳-۳۷۲، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

سلام کا جواب فوراً دینا چاہیے، اگر کوئی شخص کسی کا سلام پہنچائے پھر بھی فوراً جواب دینا چاہیے۔ اگر خط میں سلام پہنچے تو اس کا بھی فوراً جواب لکھ دے۔ حدیث میں ہے کہ سوار پیدل کو سلام کرے اور کھڑا ہوا بیٹھے کو سلام کرے، کم زیادہ کو سلام کریں اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے، یہ افضل اور مستحب ہے اگر اس کے برعکس کیا پھر بھی جائز ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور السلام علیک کا معنی یہ ہے کہ تم پر اللہ کا نام ہو یعنی تم اس کی حفاظت میں رہو، اور ایک قول یہ ہے کہ سلام، سلامتی کے معنی میں ہے، یعنی یہ دعا ہے کہ تم پر سلامتی ہو۔

(شرح مسلم ج ۹ ص ۵۸۳۱-۵۸۲۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

السلام علیکم کا جواب وعلیکم السلام ہے، اس میں نکتہ یہ ہے کہ کلام کی ابتداء بھی اللہ تعالیٰ کے نام سے ہو اور اس کی انتہا بھی اللہ کے نام پر ہو یا متکلم مخاطب کے لیے سلامتی کی دُعا کرے اور جواباً مخاطب بھی اس کے لیے سلامتی کی دُعا کرے، سلامتی کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اس کو دُنیا کی ہر بلا اور ہر عیب سے اور آخرت کے ہر عذاب سے سلامت رکھے۔

اسلام میں مہمان نوازی کی حیثیت

اس کے بعد فرمایا: پھر تھوڑی دیر بعد وہ (ابراہیم) گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام گائے کا بچھڑا اس لیے لائے تھے کہ ان کے اموال میں زیادہ تر گائیں تھیں۔

اس آیت سے یہ مستفاد ہوا کہ میزبانی کے آداب میں سے یہ ہے کہ مہمان کو جلدی کھانا پیش کیا جائے اور جو چیز فوراً دستیاب ہو اس کو پیش کر دیا جائے، اس کے بعد دیگر لوازمات تلاش کیے جائیں اگر ان کی دسترس میں ہوں، اور زیادہ تکلفات کر کے اپنے آپ کو ضرر اور مشقت میں نہ ڈالے اور یہ کہ مہمان نوازی کرنا مکارم اخلاق، آدابِ اسلام اور انبیاء اور صلحاء کی سنتوں اور ان کے طریقوں میں سے ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمان نوازی کی۔ جمہور علماء

کے نزدیک مہمان نوازی کرنا واجب نہیں اور اس کی دلیل درج ذیل احادیث ہیں:

مہمان نوازی کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

حضرت ابو شریح العدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میرے کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ مہمان کی تکریم کرے اور اس کو جائزہ دے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! جائزہ کیا ہے؟ فرمایا: ایک دن اور ایک رات اس کی زیادہ خاطر مدارات کرے اور تین دن اس کی ضیافت کرے (کھانا کھلائے) اور اس سے زیادہ دن اس کی طرف سے صدقہ ہیں اور جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۱۹، صحیح مسلم، کتاب اللقطہ: ۱۴ برقم بلا تکرار: ۱۷۲۶، رقم مسلسل: ۴۴۳۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۴۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۸ ـ ۱۹۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۷۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۸۰۵۶، الموطاء رقم الحدیث: ۱۷۲۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۲۸۷، مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۵)

حضرت ابو شریح الخزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہمان نوازی تین دن ہے اور جائزہ (خاطر مدارات) ایک دن ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کے پاس اتنے دن قیام کرے کہ اس کو گناہ میں مبتلا کرے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ اس کو گناہ میں کیسے مبتلا کرے گا؟ فرمایا: وہ اس کے پاس ایسی حالت میں قیام کرے کہ اس کے پاس اس کی مہمان نوازی کے لیے کچھ نہ ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵، ۲۶۱۷۲۶، ۴۴۳۵)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

جائزہ کا معنی ہے مہمان کو تحفہ وغیرہ پیش کرنا، ایک قول یہ ہے کہ تین دن مہمان کو کھانا کھلانے کے بعد اس کو روانہ کرے اور اس کے سفر کے لیے ایک دن ایک رات کا زادِ راہ پیش کرے، یہ جائزہ ہے۔

تین دن سے زیادہ مہمان کا ٹھہرنا اس لیے حرام ہے کہ میزبان اس کی ضیافت کے لیے کسی ناجائز ذریعہ کو تلاش نہ کرے، یا تنگ آکر مہمان سے کوئی ناجائز بات نہ کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ مہمان کے لیے تین دن سے زیادہ قیام کرنا اس وقت حرام ہے جب اس کو یہ علم ہو کہ میزبان کے پاس تین دن سے زیادہ اس کو کھلانے کے جائز وسائل نہیں ہیں اور اس کی وجہ سے میزبان کسی حرام کام میں مبتلا ہو جائے گا۔

تین دن سے زیادہ کی مہمان نوازی ضرورت مند پر صدقہ ہے، اور جو غنی ہو اس کے لیے میزبان کی رضا اور خوشی کے بغیر مزید قیام کرنا حرام ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ ص ۲۲۔ ۲۱، مطبوعہ دار الوفاء بیروت، ۱۴۱۹ھ)

مہمان نوازی کے متعلق مذاہبِ فقہاء

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ مہمان کی خاطر تواضع کرنی چاہیے اور اس کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے، تمام مسلمانوں کا مہمان نوازی کرنے پر اجماع ہے۔ امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ اور جمہور علماء کے نزدیک مہمان نوازی سُنّت ہے، واجب نہیں ہے اور لیث اور امام احمد کے نزدیک ایک دن اور ایک رات کی مہمان نوازی کرنا واجب ہے۔ (ان کے دلائل اور ان کے جوابات عنقریب ذکر کیے جائیں گے)

ایک دن اور ایک رات مہمان کی خوب خاطر مدارات کرنی چاہیے اور حسب توفیق اس کو ہدیے وغیرہ دیئے جائیں اور دوسرے اور تیسرے دن اس کو معمول کے مطابق کھانا کھلائے۔ مہمان تین دن سے زیادہ قیام نہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے زیادہ قیام کی وجہ سے میزبان اس کی غیبت کرے یا اس کی وجہ سے مہمان کے معمولات میں خلل ہو یا مہمان کی مصروفیات کی وجہ سے میزبان کو ضرر پہنچے یا وہ اس کے متعلق بدگمانی کرے اور گناہ میں مبتلا ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔(الحجرات: ۱۲)

زیادہ گمان کرنے سے بچو' بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔

یہ اس صورت میں ہے جب مہمان' میزبان کے مطالبہ کے بغیر تین دن سے زیادہ قیام کرے لیکن اگر میزبان نے خود مہمان کو زیادہ قیام کے لیے کہا ہو یا اس کو علم ہو یا گمان ہو کہ اس کا زیادہ قیام میزبان پر بار نہیں ہے بلکہ وہ اس پر خوش ہے تو پھر اس کے زیادہ قیام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شرح مسلم ج ۸ ص ۴۷۵۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

مہمان نوازی کے وجوب کے متعلق احادیث

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ ہمیں (مختلف مہمات پر) روانہ کرتے ہیں' ہمیں (بعض اوقات) ایسے لوگوں کے پاس قیام کرنا پڑتا ہے جو ہماری ضیافت نہیں کرتے' (اس صورت میں) آپ کا کیا حکم ہے؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم لوگوں کے پاس جاؤ اور وہ تمہاری معمول کے مطابق مہمان نوازی کریں (تو فبہا) اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے اس قدر وصول کر لو جتنا مہمان کا میزبان پر حق ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۳۷' ۲۴۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۵۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۷۶)

حضرت ابوکریمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک رات تو مسلمان پر مہمان کا حق ہے' جو شخص کسی مسلمان کے گھر رہے تو وہ اس مسلمان پر قرض ہے' اب مہمان چاہے تو میزبان سے قرض وصول کرے اور چاہے چھوڑ دے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۵۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۷۷)

حضرت ابوکریمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی قوم کے ہاں مہمان ہو اور صبح تک وہ مہمان محروم رہے تو اس کی مدد کرنا ہر مسلمان پر حق ہے حتیٰ کہ اس مہمان کی ضیافت اس قوم کے مال اور ان کے کھیت سے وصول کر لی جائے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۵۱)

مہمان نوازی کے وجوب کے دلائل کے جوابات

یہ احادیث امام احمد اور لیث کی دلیل ہیں کہ ایک رات کی مہمان نوازی کرنا میزبان پر واجب ہے' قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: یہ احادیث ابتداء اسلام پر محمول ہیں جب بالعموم مسلمان تنگ دست تھے' اس وقت لوگوں پر یہ واجب تھا کہ وہ مسافروں اور مہمانوں کی ضیافت کریں اور اگر وہ ضیافت نہ کریں تو مہمان کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بقدر ضیافت ان سے جبراً وصول کر لے' اور جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات اور مالِ غنیمت کے ذریعہ مسلمانوں کو اس سے مستغنی کر دیا تو یہ حکم ساقط ہو گیا' خصوصاً اس آیت سے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ (البقرہ: ۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اضطرار کی حالت پر محمول ہے، یعنی جب مہمان یا مسافر کو کھانے کے لیے کچھ نہ ملے اور نہ کھانے کی صورت میں اس کو موت کا خطرہ ہو تب وہ اتنی مقدار جبراً بھی لے سکتا ہے جس سے اس کی جان بچ جائے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ پہلے اہلِ ذمہ پر یہ شرط لگائی گئی تھی کہ جب مجاہدین ان کے علاقے سے گزریں تو ان پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کی ضیافت کریں اور یہ ان علاقوں میں شرط تھی جن کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا گیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جو علاقے فتح کیے گئے تھے ان میں یہ شرط تھی۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ ص ۲۳، مطبوعہ دار الوفاء بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے ان احادیث کو استحباب کی تاکید پر محمول کیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ہر بالغ پر غسلِ جمعہ واجب ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ جو لوگ مہمان کی ضیافت نہ کریں ان کی مذمت کرنا مباح ہے اور تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہ احادیث اضطرار کی حالت پر محمول ہیں اور قاضی عیاض کے باقی جوابوں کا رد کیا ہے۔

(شرح مسلم ج ۸ ص ۴۷۵۹، ۴۷۵۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں بڑھ رہے تو ابراہیم نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خوف زدہ ہونے کی وجوہ

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ جب عربوں کے پاس کوئی مہمان جاتا اور وہ ان کے ساتھ کھانا نہ کھاتا تو وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ شخص کسی نیک ارادہ سے نہیں آیا اور وہ اپنے دل میں کوئی بُرا منصوبہ لے کر آیا ہے، اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے خوف زدہ ہوئے۔ جندب بن سفیان نے کہا: ان کے ہاتھوں میں تیر تھے اور وہ تیروں سے اس بھنے ہوئے بچھڑے کو کریدنے لگے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بات بہت عجیب لگی اس وجہ سے وہ خوف زدہ ہوئے۔

(جامع البیان جز ۱۲ رقم الحدیث: ۱۴۱۳۶، ۱۴۱۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ان مہمانوں نے کھانے کی طرف اس لیے ہاتھ نہیں بڑھائے تھے کہ وہ فرشتے تھے اور فرشتے کھانے پینے سے منزہ ہیں، وہ مہمانوں کی صورت میں اس لیے آئے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمانوں سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی مہمان نوازی میں بہت کوشش کرتے تھے، اب رہا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے کیوں خوف زدہ ہوئے تو اس کی دو تقریریں ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ پتا نہیں تھا کہ یہ فرشتے ہیں، وہ ان کو عام انسان سمجھے تھے اور ان کے خوف زدہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگوں سے دُور ایک الگ تھلگ جگہ رہتے تھے اور جب انہوں نے ان کے ساتھ کھانا نہیں کھایا تو حضرت ابراہیم نے یہ گمان کیا کہ شاید وہ ان کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمانہ قدیم میں یہ معمول تھا کہ جو شخص کسی کا نمک کھالیتا تھا وہ اس کو نقصان نہیں پہنچاتا تھا اور جب کوئی شخص کسی کے گھر کھانا نہیں کھاتا تھا تو اس سے نقصان کا خطرہ ہوتا تھا۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ یہ فرشتے ہیں اور وہ اس لیے خوف زدہ ہوئے کہ شاید اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی بات پسند نہیں آئی اور اس پر تنبیہ کرنے کے لیے فرشتوں کو بھیجا ہے یا اس لیے خوف زدہ ہوئے کہ ان کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے فرشتوں کو بھیجا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مہمانوں کے فرشتے ہونے کا علم تھا یا نہیں

جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ پتا نہیں تھا کہ یہ مہمان فرشتے ہیں، ان کے یہ دلائل ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم مہمانوں کے آتے ہی فوراً ان کے لیے کھانا لے کر آ گئے، اگر ان کو علم ہوتا کہ یہ فرشتے ہیں تو وہ کھانا نہ لاتے۔

(۲) وہ ان کے کھانا نہ کھانے سے خوف زدہ ہو گئے اور کسی نقصان کا خطرہ محسوس کیا، اگر ان کو علم ہوتا کہ یہ فرشتے ہیں تو ان کو ان کے کھانا نہ کھانے سے کوئی خوف نہ ہوتا۔

جن مفسرین نے یہ کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ وہ مہمان فرشتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم سے کہا: آپ ہم سے خوف زدہ نہ ہوں، ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں، یہ بات اسی وقت کہی جا سکتی تھی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو کہ وہ کون ہیں اور انہیں کس سبب سے بھیجا گیا ہے تبھی انہوں نے کہا: آپ مت ڈریئے ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے اور ایک اور سورت میں فرشتوں نے کہا:

اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمٍ مُّجۡرِمِیۡنَ ۝ لِنُرۡسِلَ عَلَیۡهِمۡ حِجَارَةً۔ (الذاریات: ۳۳-۳۲)

بے شک ہم مجرموں کی طرف بھیجے گئے ہیں ۝ تاکہ ہم ان پر پتھر برسائیں۔

پچھلی امتوں میں بھی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا تھا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

طبری نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کے سامنے بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا تو انہوں نے کہا: ہم قیمت دیئے بغیر کوئی کھانا نہیں کھاتے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: اس کی قیمت یہ ہے کہ تم کھانے کے شروع میں اللہ کا ذکر کرو اور آخر میں اللہ کا شکر ادا کرو، تب حضرت جبرئیل نے اپنے ساتھی فرشتوں سے کہا: اسی وجہ سے ان کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا اور کھانے کے آخر میں الحمدللہ پڑھنا پہلی امتوں میں بھی مشروع تھا۔

بعض اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے، جب ان کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا تو وہ کسی کو اپنے ساتھ کھانے کے لیے بلا لیتے تھے۔ ایک دن ان کے ساتھ ایک شخص کھانے کے لیے بیٹھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے فرمایا: بسم اللہ پڑھو۔ اس شخص نے کہا: میں نہیں جانتا کہ اللہ کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے فرمایا: چلو میرے کھانے سے اٹھ جاؤ۔ جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کے کفر کے باوجود اس کو ساری عمر رزق دیتا رہا اور تم نے اس کو ایک لقمہ دینے میں بخل کیا! پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام گھبرا کر اس شخص کی تلاش میں نکلے اور اس سے فرمایا: واپس آ جاؤ۔ اس نے کہا: میں اس وقت تک نہیں آؤں گا جب تک کہ تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم مجھے کس وجہ سے بلا رہے ہو؟ حضرت ابراہیم نے اس کو پوری تفصیل بتائی۔ اس نے کہا: یہ تو رب کریم ہے، پھر وہ ایمان لے آیا، حضرت ابراہیم کے گھر گیا اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ابراہیم کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحق کی پیدائش کی خوش خبری سنائی، اور اسحق کے بعد یعقوب کی ۝ (ھود: ۷۱)

حضرت سارہ کے ہنسنے کی وجوہ

امام رازی نے لکھا ہے کہ سارہ آزر بن باحوراء کی بیٹی تھیں، اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عم زاد تھیں، یہ پردے کے پیچھے کھڑی ہوئیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فرشتوں سے باتیں سن رہی تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ مہمانوں کی خدمت کر رہی تھیں اور حضرت ابراہیم فرشتوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت سارہ کے ہنسنے کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: آپ مت ڈریں، ہمیں قوم لوط کے پاس بھیجا گیا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف زائل ہو گیا اور حضرت ابراہیم کے خوش ہونے سے سارہ بھی خوش ہو گئیں اور ایسے موقع پر آدمی ہنس پڑتا ہے۔

(۲) حضرت سارہ قوم لوط کے عمل سے سخت ناراض اور متنفر تھیں اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ فرشتے ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے جا رہے ہیں تو وہ ہنس پڑیں۔

(۳) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اس کھانے کی قیمت اس کے اوّل میں اللہ کا ذکر اور آخر میں اللہ کا شکر ادا کرنا ہے اور فرشتوں نے کہا کہ ایسے ہی شخص کا یہ حق ہے کہ اس کو اللہ کا خلیل بنایا جائے تو حضرت سارہ یہ سن کر خوشی سے ہنس پڑیں۔

(۴) حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ اپنے بھانجے (حضرت لوط) کو اپنے پاس بلا لیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا کام کرنے والوں کو ضرور عذاب دیتا ہے اور جب فرشتوں نے یہ بتایا کہ وہ قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں تو انہیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ان کا مشورہ فرشتوں کی خبر کے موافق تھا اس لیے وہ ہنس پڑیں۔

(۵) جب فرشتوں نے یہ کہا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے اس پر دلیل طلب کی۔ فرشتوں نے دعا کی اور وہ بھنا ہوا بچھڑا زندہ ہو گیا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا یہ دیکھ کر سارہ ہنس پڑیں۔

(۶) انہیں اس پر تعجب ہوا کہ ایک قوم پر عذاب آنے والا ہے اور وہ غفلت میں مبتلا ہے، اس لیے ان کو ہنسی آ گئی۔

(۷) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے ان کو پہلے مطلقاً بچے کی بشارت دی ہو، اس پر ان کو بطور تعجب کے ہنسی آ گئی کیونکہ اس وقت ان کی عمر نوے سال سے اوپر تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو خوشی سے ہنسی آئی ہو، اور جب وہ ہنس پڑیں تو اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دی کہ وہ بیٹا اسحٰق ہے اور اس کے بعد یعقوب پیدا ہو گا۔

(۸) انہیں اس پر تعجب ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قدر رُعب اور دبدبہ کے باوجود صرف تین آدمیوں سے کیسے ڈر گئے، اس لیے ان کو ہنسی آ گئی۔

ان میں سے بعض وجوہ کا ذکر امام ابن جریر طبری نے کیا ہے۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۹۶-۹۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سارہ نے) کہا ارے دیکھو! کیا میں بچہ جنوں گی؟ حالانکہ میں بوڑھی ہوں، اور میرے یہ شوہر بھی بوڑھے ہیں، بے شک یہ عجیب بات ہے○ (ھود: ۷۲)

یٰویلتٰی کا معنی اور ترجمہ

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: وی ایسا کلمہ ہے جس کو حسرت، ندامت اور تعجب کے

اظہار کے طور پر بولا جاتا ہے اور ویل برائی کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے، اور کبھی حسرت کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے، اور جہنم کی ایک وادی کا نام بھی ویل ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۹۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ نے لکھا ہے: وی تعجب کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے، ویح کسی مصیبت زدہ پر اظہارِ ترحم کے لیے بولا جاتا ہے اور ویل کسی بُرائی یا خرابی کے نزول کے لیے بولا جاتا ہے۔

(کتاب العین ج ۳ ص ۱۹۹۰، مطبوعہ ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۸۳ھ نے لکھا ہے کہ ویل اظہارِ تعجب کے لیے آتا ہے۔

(الفائق ج ۳ ص ۳۸۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے: ویل غم، مصیبت، ہلاکت، عذاب اور ندامت کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے اور کبھی اظہارِ تعجب کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

(النہایہ ج ۵ ص ۲۰۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

شیخ سعدی متوفی ۶۹۱ھ نے یاویلتٰی کا ترجمہ کیا ہے: اے عجبا، شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اے وائے، شاہ عبد القادر متوفی ۱۲۳۰ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اے خرابی، شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اے وائے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ہائے خرابی، سید مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ہائے میری کم بختی، ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اے افسوس، باقی مترجمین نے بھی اسی طرح کے ترجمے کیے ہیں۔

قرآنِ مجید کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی رنج اور مصیبت کے اظہار کا موقع نہیں تھا بلکہ تعجب کے اظہار کا موقع تھا اور ہم نے کتب لغت کے حوالہ جات سے بھی بیان کیا ہے کہ ویل کا لفظ اظہارِ تعجب کے لیے بھی بولا جاتا ہے، اس لیے ہم نے اردو محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ ارے دیکھو! کیا ہے، اس موقع پر اے ہے بھی بولتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرشتوں نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہی ہو! اے اہلِ بیت تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، بے شک اللہ حمد و ثناء کا مستحق، بہت بزرگ ہے ○ (ھود: ۷۳)

حضرت سارہ نے جو تعجب کیا اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب ہے تو یہ کفر ہے اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جہل ہے تب بھی کفر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعجب عرف اور عادت کی بناء پر ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان تھا لیکن چونکہ یہ ولادت عرف اور عادت کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے اس پر اظہارِ تعجب کیا۔

اہلِ بیت کے مصداق کی تحقیق

فرشتوں نے حضرت سارہ سے کہا: اے اہلِ بیت! اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج بھی اہلِ بیت سے ہیں، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ بھی اہلِ بیت سے ہیں اور اس آیت میں داخل ہیں:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ (الاحزاب: ۳۳)

اے رسول کے اہلِ بیت! اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی بلا کی دُور فرما دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر کے خوب پاکیزہ کر دے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۶۳، روح المعانی جز ۱۲ ص ۱۵۹)

شیعہ مفسرین میں سے شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں نے حضرت سارہ کو اہلِ بیت کہا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کی زوجہ بھی اس کے اہلِ بیت میں داخل ہے، یہ جبائی کا قول ہے اور دوسروں نے یہ کہا ہے کہ حضرت سارہ کو اہلِ بیت سے اس لیے شمار کیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عم زاد تھیں۔ (التبیان ج ۶ ص ۳۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

شیخ فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں کہ مجمع میں بیان کیا ہے کہ حضرت سارہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہلِ بیت سے شمار کرنا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ کسی شخص کی بیویاں اس کے اہلِ بیت سے ہوتی ہیں، کیونکہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عم زاد تھیں اسی وجہ سے ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہلِ بیت سے شمار کیا گیا۔

(منہج الصادقین جز ۱۲ ص ۴۳۹، مطبوعہ کتاب فروشے علمیہ اسلامیہ، ایران)

اس کے برخلاف محققین شیعہ کی ایک جماعت نے لکھا ہے:

بعض مفسرین نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ انسان کی بیوی بھی اس کے اہلِ بیت میں شامل ہوتی ہے، اور یہ عنوان بیٹوں اور ماں باپ کے ساتھ خاص نہیں ہے، اور یقیناً یہ استدلال صحیح ہے، حتیٰ کہ اگر یہ آیت نہ بھی ہوتی تب بھی اہل کا استعمال اس معنی میں صحیح تھا۔ (تفسیر نمونہ ج ۹ ص ۱۷۳، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۷۵ھ)

اور یہی بات صحیح ہے کہ اہلِ بیت کا لفظ کسی شخص کی بیوی کو بھی شامل ہوتا ہے، کتبِ لغت میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

امام لغت خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کا اہل اس کی زوجہ ہے اور جو اس کے ساتھ مخصوص ہوں، اور اہلِ بیت سے مراد ہے اس کے گھر میں رہنے والے۔ (کتاب العین ج ۱ ص ۱۱۵، مطبوعہ مطبع باقری قم ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

اہلِ بیت کا معنی ہے اس کے گھر میں رہنے والے، کسی شخص کا اہل وہ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل، آپ کی ازواج، آپ کی صاحب زادیاں اور آپ کے داماد حضرت علی علیہ السلام ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی خواتین اور آپ کے مرد ہی آل ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۲۹، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم، ایران، ۱۴۰۵ھ)

سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کا اہل اس کی بیوی ہے، اور اس میں اولاد بھی داخل ہے، قرآنِ مجید میں ہے: وسار باھلہ یعنی وہ اپنی بیوی اور اولاد کو لے کر رات کو روانہ ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل آپ کی ازواج، آپ کی صاحب زادیاں اور آپ کے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں یا آپ کی ازواج ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے اہل وہ مرد ہیں جو آپ کی آل ہیں، اس میں آپ کے نواسے اور آپ کی ذریات بھی داخل ہیں، اسی معنی میں یہ آیات ہیں: وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا۔ (طٰہٰ: ۱۳۲) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت۔ (الاحزاب: ۳۳) رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت۔ (ھود: ۷۳)

(تاج العروس ج ۷ ص ۲۱۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب ابراہیم کا خوف دُور ہوگیا اور ان کے پاس بشارت پہنچ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے متعلق بحث کرنے لگے ○ (ھود: ۷۴)

فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مباحثہ پر ایک اعتراض کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے بحث کرنا اللہ تعالیٰ پر سخت جرأت کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ پر جرأت کرنا بہت بڑا گناہ ہے، کیونکہ اس بحث سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تبدیل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو تبدیل کرنے کی کوشش کرنا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں تھے، اور اگر یہ بحث فرشتوں کے ساتھ تھی تو اس سے مقصود یہ تھا کہ وہ قوم لوط کو ہلاک نہ کریں، تو اگر حضرت ابراہیم کا گمان یہ تھا کہ فرشتے از خود قوم لوط کو ہلاک کر رہے ہیں تو یہ فرشتوں کے متعلق بدگمانی تھی اور اگر ان کا گمان یہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قوم لوط کو عذاب دینے کے لیے جا رہے ہیں تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ حضرت ابراہیم یہ چاہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کریں اور یہ اور بھی زیادہ قابلِ اعتراض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منشاء یہ نہیں تھا کہ قوم لوط پر عذاب نازل نہ کیا جائے بلکہ ان کا منشاء یہ تھا کہ اس عذاب کو مؤخر کر دیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تاخیر کی وجہ سے ان میں سے بعض ایمان لے آئیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رائے یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کا حکم دیا ہے لیکن یہ تو نہیں فرمایا کہ ان پر فوراً عذاب نازل کر دیا جائے اور فرشتوں کی رائے یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر فوراً عذاب نازل کر دیا جائے۔

فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مباحثہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں کے درمیان نزولِ عذاب کے متعلق جو بحث ہوئی اس کے بارہ میں حسبِ ذیل روایات ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابراہیم نے فرشتوں سے پوچھا: تم کس کام سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہمیں قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر اس بستی میں ایک سو مسلمان ہوئے تو کیا تم اس بستی کو ہلاک کر دو گے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا: اگر پچاس مسلمان ہوں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر کم کرتے کرتے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اگر دس مسلمان ہوں؟ انہوں نے کہا: اگر اس بستی میں دس مسلمان ہوں تب بھی ہم ان کو ہلاک نہیں کریں گے، پھر فرشتوں نے کہا: اے ابراہیم! اس بحث کو چھوڑیں، اس بستی میں مسلمانوں کا صرف ایک گھر ہے اور وہ حضرت لوط اور ان کے گھر والے ہیں، پھر کہا: اے ابراہیم! اس بات کو چھوڑیں، ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹلنے والا نہیں ہے اور یہ آپ کے رب کا حکم ہے۔

امام ابن اسحٰق نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا: یہ بتاؤ اگر سو مومن ہوں تو تم ان کو ہلاک کر دو گے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر کہا: اگر نوے مومن ہوں تو تم ان کو ہلاک کر دو گے؟ انہوں نے کہا: نہیں! حضرت ابراہیم نے کہا: اگر اسی ہوں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ کہا: اگر ستر ہوں تو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ کہا: اگر ساٹھ ہوں تو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ کہا: اگر پچاس ہوں تو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ کہا: اگر ان میں صرف ایک مسلمان ہو تو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ان میں صرف ایک مسلمان ہے، حضرت ابراہیم نے کہا: اس بستی میں لوط ہیں؟ فرشتوں نے کہا: ان سے عذاب دُور کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ○ (العنکبوت: ۳۲)

فرشتوں نے کہا: ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو ان میں ہیں، ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور نجات دیں گے، ماسوا ان کی عورت کے وہ باقی رہ جانے والوں میں سے ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۱۶۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرشتوں سے مباحثہ کے متعلق یہ آیات بھی ہیں:

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ○ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۙ○ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ○ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ وَتَرَكْنَا فِيْهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○ (الذاریات: ۳۱-۳۷)

ابراہیم نے کہا: اے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا مدعا کیا ہے؟○ انہوں نے کہا: ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں○ تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں○ جن پر حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے آپ کے رب کے پاس سے نشان لگے ہوئے ہیں○ سو ہم نے اس بستی سے تمام ایمان والوں کو نکال لیا○ تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی گھر نہ پایا○ اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ہم نے ان کے لیے اس بستی میں ایک نشانی باقی رکھی○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ابراہیم بُردبار، اللہ سے آہ و زاری کرنے والے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے○ (هود: ۷۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدح سرائی

حلیم کا معنی ہے: انہیں بہت دیر میں غصہ آتا ہے، اَوّاہ کا معنی ہے: اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے اور اس کے سامنے آہ و زاری کرنے والے ہیں اور منیب کا معنی ہے اس کی طرف رجوع کرنے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت زیادہ مدح کی گئی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب یہ پتا چلا کہ فرشتے قوم لوط کو عذاب دینے کے لیے جا رہے ہیں تو ان کو بہت زیادہ رنج ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرے اس لیے فرمایا: وہ حلیم اور اَوّاہ ہیں اور ان کو منیب اس لیے فرمایا کہ جو شخص دوسروں پر عذاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اپنے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے کتنا ڈرنے والا اور اس کی طرف کتنا زیادہ رجوع کرنے والا ہوگا۔

فرشتوں سے بحث کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدح کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بحث کرنا اللہ تعالیٰ کو ناگوار اور ناپسندیدہ نہ تھا اور اس بحث میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ اعتراض ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ابراہیم! اس بات کو چھوڑو، بے شک آپ کے رب کا حکم آچکا ہے، بے شک ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹلنے والا نہیں ہے○ (هود: ۷۶)

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اے ابراہیم! اب اس بحث کو ختم کر دیں کیونکہ قوم لوط پر عذاب مقدر ہو چکا ہے اور یہ تقدیرِ مبرم ہے جو ٹلنے والی نہیں ہے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ

اور جب ہمارے فرشتے (خوبصورت لڑکوں کی شکل میں) لوط کے پاس گئے تو وہ ان کی آمد سے غمگین ہوئے اور ان کا دل تنگ ہوا، اور انہوں نے کہا

هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ

آج کا دن بڑا سخت ہے ○ اور ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے، اور وہ پہلے ہی

كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ

برے کام کرتے تھے، لوط نے کہا اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لیے بہت

لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ

پاکیزہ ہیں، اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے شرمندہ نہ کرو، کیا تم میں کوئی نیک شخص

رَّشِیْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ

نہیں ہے؟ ○ انہوں نے کہا آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ کی (قوم کی) بیٹیوں میں ہماری کوئی دلچسپی نہیں ہے، اور آپ خوب

لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ

جانتے ہیں کہ ہماری کیا خواہش ہے ○ لوط نے کہا کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں

شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ

پناہ لے لیتا ○ فرشتوں نے کہا اے لوط ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، یہ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے، آپ رات کے

بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ

ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں، اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے، البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیں،

اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ

بے شک اس کو (بھی) وہی (عذاب) پہنچنے والا ہے جو انہیں پہنچے گا، بے شک صبح کو ان کی وعید کا وقت ہے، کیا صبح

بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا

قریب نہیں ○ سو جب ہمارا عذاب آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کے حصہ کو اس کے نیچے کر دیا اور ہم نے

عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ

ان کے اوپر پتھر کے کنکر لگاتار برسائے ○ جو (کنکر) آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع

اور یہ سزا ان ظالموں سے کچھ دور نہ تھی ○

رکوع ۷ النصف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہمارے فرشتے (خوب صورت لڑکوں کی شکل میں) لوط کے پاس گئے تو وہ ان کی آمد سے غمگین ہوئے اور ان کا دل تنگ ہوا اور انہوں نے کہا آج کا دن بڑا سخت ہے ○ (ھود: ۷۷)

مشکل الفاظ کے معانی

ذرعا: ذرع کا معنی ہے ہاتھ کا پھیلاؤ یعنی کہنی سے لے کر انگلی کے سرے تک کی لمبائی، یہ قدرت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، واسع الذرع کا معنی ہے وہ قدرت والا ہے اور دل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ھو خالی الذرع کا معنی ہے اس کا دل غموں سے خالی ہے۔ (المنجد)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اس آیت میں وضاق بہ ذرعا کا معنی ہے فرشتوں کے آنے سے حضرت لوط کا دل تنگ ہو گیا، اس کی اصل یہ ہے کہ اونٹ چلتے وقت اپنے اگلے پیروں سے اپنے قدموں کی گنجائش کی پیمائش کرے اور جب اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بار لادا جائے تو وہ تنگ ہوتا ہے، ذرع کا معنی غلبہ بھی ہے، ذرعہ القیء کا معنی ہے اس کو قے آ گئی، یعنی وہ کسی ناموافق چیز کو اپنے اندر روکنے سے تنگ ہو گیا اور قے اس پر غالب آ گئی۔ حضرت لوط علیہ السلام کا دل اس لیے تنگ ہوا تھا کہ فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں ان کے پاس آئے اور وہ جانتے تھے کہ ان کی قوم امرد پرست اور اغلام باز ہے تو ان کو یہ پریشانی ہو گئی کہ وہ ان خوبصورت لڑکوں کو اپنی بدکردار قوم سے کیسے بچائیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹، ص ۶۶، مطبوعہ دارالفکر، ۱۴۱۵ھ)

عصیب، عصب کا معنی ہے لپیٹنا، موڑنا، باندھنا، اجتماع کرنا، احاطہ کرنا (المنجد) عصبة کا معنی ہے جماعت، کسی چیز کی کثرت ظاہر کرنے کو بھی عصیب کہتے ہیں، ناگوار شر کے مجموعہ کو بھی عصیب کہتے ہیں اور کسی چیز کی شدت ظاہر کرنے کو بھی عصیب کہتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹، ص ۶۷)

فرشتوں کا حضرت لوط کے پاس پہنچنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہ اپنی زمین میں کام کر رہے تھے، اور فرشتوں سے یہ کہا گیا کہ ان کی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہ کرنا جب تک حضرت لوط ان کے خلاف گواہی نہ دیں۔ فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ ہم آج رات آپ کے پاس بطور مہمان رہنا چاہتے ہیں، کچھ دیر بعد حضرت لوط نے ان سے کہا: کیا تم کو معلوم ہے کہ اس بستی والے کیسے کام کرتے ہیں؟ بخدا میں روئے زمین پر ان سے زیادہ خبیث لوگوں کو نہیں جانتا، پھر ان کو لے کر گھر کی طرف چلے، پھر دوبارہ ان سے یہی کہا اور ان کو لے کر چل پڑے۔ جب حضرت لوط کی بیوی نے ان کو دیکھا تو وہاں کے لوگوں کو جا کر بتا دیا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۱۶۷، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے اٹھ کر حضرت لوط علیہ السلام کی بستی میں گئے اور ان دونوں بستیوں کے درمیان چار فرسخ (بارہ شرعی میل) کا فاصلہ تھا' وہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس انتہائی خوبصورت بے ریش لڑکوں کی شکل میں گئے' حضرت لوط علیہ السلام یہ نہیں پہچان سکے کہ یہ فرشتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی کی وجوہ

حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنی قوم کی خباثت کی وجہ سے ان لڑکوں کی عزت کا خطرہ تھا اور وہ تن تنہا ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس رات ان کے پاس لڑکوں کی ضیافت کے لیے کوئی سامان نہیں تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی قوم نے ان سے کہا ہوا تھا کہ آپ اپنے ہاں کسی مہمان کو نہ ٹھہرائیں۔

(تفسیر کبیر ج ۶' ص ۳۸۷-۳۷۷' غرائب القرآن ج ۴' ص ۳۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے' اور وہ پہلے ہی برے کام کرتے تھے' لوط نے کہا اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں' یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں' اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے شرمندہ نہ کرو' کیا تم میں کوئی نیک شخص نہیں ہے؟ O (ھود: ۷۸)

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی صلبی بیٹیوں کو نکاح کے لیے پیش کیا تھا یا قوم کی بیٹیوں کو؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ پہلے ہی برے کام کرتے تھے۔ ابن جریج نے کہا یعنی مرد مردوں سے خواہش نفس پوری کرتے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۱۸۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوط نے کہا: اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں' یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں۔

مجاہد نے کہا: وہ حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی بیٹیاں نہیں تھیں' وہ ان کی امت کی بیٹیاں تھیں' اور ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۱۸۳' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۰۶۶)

قتادہ نے کہا: حضرت لوط نے فرمایا: ان عورتوں سے نکاح کر لو' (ان کی مراد یہ نہیں تھی کہ ان سے بدکاری کرو) اور اس سے اللہ تعالیٰ کے نبی کی مراد یہ تھی کہ ان بیٹیوں سے نکاح کے ذریعہ اپنے مہمانوں کی عزت بچائیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۱۸۶)

امام محمد بن اسحٰق نے کہا کہ جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے' اور ان کی قوم کو یہ خبر ملی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس حسین و جمیل بے ریش لڑکے آئے ہیں' ان کو یہ خبر حضرت لوط کی بیوی نے پہنچائی تھی' اس نے ان سے کہا: میں نے اس سے پہلے اتنے حسین اور جمیل لڑکے نہیں دیکھے اور وہ لوگ عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے' اور ان سے پہلے کسی نے یہ خلاف فطرت کام نہیں کیا تھا تو وہ دوڑتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا: کیا ہم نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ کے پاس کوئی شخص نہ آئے' اگر کوئی آیا تو ہم اس سے یہ بے حیائی کا کام کریں گے' تب حضرت لوط نے کہا: اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں' یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں' میں ان بیٹیوں سے نکاح کرنے کو اپنے مہمانوں کو فدیہ دیتا ہوں' اور حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو یہ دعوت دی تھی کہ وہ حرام کام کو ترک کر کے حلال نکاح کر لیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۱۹۰' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سعید بن جبیر نے کہا: یعنی قوم کی عورتوں سے نکاح کر لو جو ان کی بیٹیاں ہیں اور وہ ان کے نبی ہیں' کیونکہ نبی امت کا بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وازواجہ امھتھم۔ (الاحزاب: ۶) اور نبی کی ازواج امت کی مائیں ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۱۸۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۰۶۷)

قوم کی بیٹیوں کے ارادے پر دلائل

قتادہ کی تفسیر کے مطابق حضرت لوط نے اپنی صلبی بیٹیوں کو نکاح کے لیے پیش کیا تھا اور مجاہد اور سعید بن جبیر کی تفسیر کے مطابق حضرت لوط نے اپنی قوم کی بیٹیوں کو نکاح کے لیے پیش کیا تھا ہمارے نزدیک مجاہد اور سعید بن جبیر کی تفسیر راجح ہے اور اس پر حسب ذیل وجوہ سے استدلال کیا گیا ہے:

(۱) کوئی شریف انسان اپنی بیٹیوں کو اوباش اور بدمعاش قسم کے لوگوں کے ساتھ نکاح کے لیے پیش نہیں کرتا تو اتنے عظیم نبی کے متعلق یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو بے حیا اور بدفطرت لوگوں کے ساتھ نکاح کے لیے پیش کرے گا۔

(۲) حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا تھا: یہ میری بیٹیاں جو تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں' اور ظاہر ہے کہ جتنے بدمعاش اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے تھے' ان سب کے ساتھ نکاح کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیاں ناکافی تھیں۔ اسی لیے لازمی طور پر یہ مراد لینا پڑے گا کہ یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں' ان سے نکاح کرکے تم اپنی خواہش پوری کرلو۔

(۳) حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں۔ زنتا اور زعوراء اور حضرت لوط نے فرمایا تھا کہ یہ میری بنات ہیں اور جمع میں اصل یہ ہے کہ اس کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے اور اگرچہ دو پر بھی مجازاً جمع کا اطلاق ہو سکتا ہے' لیکن کسی شرعی مانع کے بغیر مجاز کا ارتکاب درست نہیں ہے' اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ لوگ کافر تھے تو قوم کی بعض بیٹیاں مسلمان تھیں تو حضرت لوط نے مسلمان لڑکیوں کو کافروں کے ساتھ نکاح کے لیے کیسے پیش کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی شریعت میں کافر کے ساتھ مسلمان کا نکاح جائز تھا اور ہمارے دین میں بھی ابتدائے اسلام میں یہ نکاح جائز تھا۔ جیسا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے کیا تھا اور وہ کافر تھا۔ (الاصابہ ج۸' ص۱۵۱) اور آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کیا تھا جو مشرک تھا (الاصابہ ج۸' ص۱۳۸) اور آپ نے اپنی تیسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی ابولہب کے دوسرے بیٹے سے کیا۔ اس کا نام بھی عتبہ تھا اور یہ بھی مشرک تھا ابولہب کے کہنے سے اس کے دونوں بیٹوں نے آپ کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی تھی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا پھر ان کے وصال کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ (الاصابہ ج۸' ص۴۶۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ) بعد میں مسلمان مردوں کا کافر عورتوں سے اور مسلمان عورتوں کا کافر مردوں سے نکاح منسوخ کر دیا گیا اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ (البقرہ: ۲۲۱)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں اور بے شک مسلمان باندی (آزاد) مشرکہ سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھی لگے' اور مشرک مردوں کو نکاح کا رشتہ نہ دو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں' اور بے شک مسلمان غلام (آزاد) مشرک سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو پسند ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (حضرت لوط نے کہا) اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارہ میں مجھے شرمندہ نہ کرو' کیا تم میں کوئی نیک شخص نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس بے حیائی کے ارتکاب سے باز رہو' اور اس کام کے نتیجہ میں جو عذاب آخرت ہوگا اس کا خوف کرو' اور میرے مہمانوں سے اپنی خواہش نفس پوری نہ کرو' اس اس آیت میں ضیف کا لفظ ہے

جس کا معنی ہے ایک مہمان لیکن بعض اوقات لفظ واحد سے جمع کا ارادہ بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں طفل کا لفظ ہے اور اس سے مراد اطفال ہیں:

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ۔ (النور: ۳۱)

(عورتوں کا اپنی زیبائش کو ظاہر کرنا ان (مذکور مردوں) پر ممنوع نہیں ہے)... یا وہ لڑکے جو عورتوں کی شرم کی باتوں پر مطلع نہیں ہوئے۔

کیا تم میں کوئی نیک شخص نہیں ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عفت اور پاکیزگی کی ہدایت دی کہ وہ اس خلاف فطرت فعل سے باز رہے، اور رشید بہ معنی مرشد اور فعیل بہ معنی مفعول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ کی (قوم کی) بیٹیوں میں ہماری کوئی دلچسپی نہیں ہے، اور آپ خوب جانتے ہیں کہ ہماری کیا خواہش ہے○ لوط نے کہا کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لے لیتا○ (ھود: ۸۰-۷۹)

حضرت لوط علیہ السلام کا مضبوط قبیلہ کی پناہ کو طلب کرنا

ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ ہمیں بیویوں سے قضاء شہوت کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے اور ان سے نکاح کرنے کے لیے ہمیں آپ پر ایمان لانا پڑے گا اور وہ ہمیں منظور نہیں ہے، اور آپ یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ ہم لڑکوں سے خواہش پوری کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت لوط نے کہا: کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یعنی کاش میں تنہا تم کو اس بے حیائی کے کام سے روکنے پر قادر ہوتا اور کہا یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لے لیتا یعنی کاش میرے پاس ایک لشکر ہوتا جس کی مدد سے میں برائی کو روکتا۔
قتادہ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ کاش میری حمایت میں کوئی قبیلہ ہوتا، ابن جریج نے کہا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد جو نبی بھی بھیجا گیا اس کی پشت پر کوئی قبیلہ ہوتا تھا حتیٰ کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر بھی بنو ہاشم کا قبیلہ تھا۔ (جامع البیان جز ۱۲، ص ۱۱۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت لوط کی مغفرت فرمائے، وہ بے شک رکن شدید کی پناہ کی خواہش کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۱)

امام ترمذی کی روایت میں اس حدیث کے بعد یہ اضافہ بھی ہے: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا اس کو اس کی قوم کے مضبوط قبیلہ سے بھیجا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۶، مسند احمد ج ۲، ص ۳۳۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۵۰، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۹۳۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۷۵، المستدرک ج ۲، ص ۳۴۶)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

قوم لوط میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس کا حضرت لوط کے نسب سے تعلق ہو، کیونکہ حضرت لوط شام کے علاقہ سدوم سے تعلق رکھتے تھے، اور حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کا خاندان عراق میں تھا، اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی تو ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی شام کی طرف ہجرت کی، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام

کو اہل سدوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا کاش میرے ساتھ لشکر یا میرے رشتہ دار اور میرا قبیلہ ہوتا تو میں اپنے مہمانوں کی عزت بچانے کے لیے ان سے مدد حاصل کرتا۔ امام ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا: اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے' رکن شدید سے ان کی مراد قبیلہ تھی' کیونکہ جس طرح رکن (ستون) سے سہارا لیتے ہیں اسی طرح قبیلہ سے بھی سہارا لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا اللہ تعالیٰ حضرت لوط کی مغفرت فرمائے اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اللہ کی پناہ نہیں لی' علامہ نووی نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے باطن میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی ہو اور ظاہر میں یہ کہا ہو کہ ان کی مدد کے لیے ان کے پاس کوئی قوت یا ان کی پشت پر کوئی قبیلہ نہیں ہے تاکہ مہمانوں پر ان کا عذر ظاہر ہو جائے۔ (فتح الباری ج ۶' ص ۴۱۶-۴۱۵' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

اللہ تعالیٰ کی پناہ کی بجائے مضبوط قبیلہ کی پناہ کو طلب کرنے کی توجیہات

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

حضرت لوط علیہ السلام نے جو کہا: "کاش میں کسی مضبوط رکن کی پناہ لے لیتا۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول پر تنقید کی اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت اور مغفرت طلب کی کیونکہ رکن سے ان کی مراد قبیلہ تھی تاکہ وہ قبیلہ قوم سے ان کی حفاظت کرے اور ان کے مہمانوں کو قوم کی بے حیائی کی بھینٹ چڑھنے سے بچائے اور چونکہ قوم کی زبردستی اور زیادتی کی وجہ سے ان کا دل تنگ تھا اور ان کی بدسلوکی کی وجہ سے ان کا دل آزردہ تھا' اس وجہ سے وہ اس موقع پر اللہ کی پناہ طلب کرنا اور اس سے مدد چاہنا بھول گئے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں طریقہ اور عادت یہ ہے کہ بعض لوگ بعض دوسرے لوگوں کی مدد کرتے ہیں' سو انہوں نے اس معاملہ کو بھی اسی پر محمول کیا اور سب سے زیادہ مضبوط' سب سے قوی اور سب سے زیادہ حفاظت کرنے والا رکن تو اللہ تعالیٰ ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱' ص ۴۶۶' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ قاضی عیاض کی اس شرح پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قاضی عیاض کی یہ عبارت مسلمانوں کے لیے غیر مانوس ہے' علاوہ ازیں یہ تقریر بھی غلط ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لوط پر تنقید نہیں کی اور نہ حضرت لوط علیہ السلام اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا بھولے تھے' انہوں نے جو کچھ کہا وہ مہمانوں کے دلوں کو مطمئن کرنے کے لیے تھا' اور ان کے سامنے اپنا عذر ظاہر کرنے کے لیے تھا' کیونکہ عرف اور عادت یہی ہے کہ لوگ اپنی طاقت اور اپنے قبیلہ کی بناء پر مدافعت کرتے ہیں اور یہ حقیقت میں حضرت لوط علیہ السلام کے عمدہ اخلاق تھے جن کی بناء پر وہ تعریف کے مستحق ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا: "اللہ لوط پر رحم فرمائے۔" یہ درحقیقت ان کی تعریف ہے' ان پر تنقید نہیں ہے' اور یہ خطاب میں عرب کے عرف کے مطابق ہے' وہ کہتے ہیں: "اللہ بادشاہ کی تائید کرے اور اللہ امیر کی اصلاح کرے۔" اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ۔ (التوبہ: ۴۳) اللہ آپ کو معاف کرے' آپ نے ان (منافقین) کو کیوں اجازت دی؟

کیونکہ آپ نے ان پر نرمی کرنے کے لیے اور ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے ان کو اجازت دی تھی اور یہ آپ کے مکارم اخلاق میں سے تھا' پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ آپ کو معاف کرے' یعنی آپ نے ان کو اجازت دے کر اپنے آپ کو مشقت اور تکلیف میں کیوں ڈالا اور یہ ایسا ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

طٰہٰ○ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ○ ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نہیں نازل کیا کہ آپ مشقت اٹھائیں۔ (طٰہٰ: ۲-۱)

(اکمال المعلم ج۱، ص ۴۳۶-۴۳۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابی کے شاگرد علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ علامہ ابی کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ علامہ ابی کو جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے اس حدیث کی شرح کا حق ادا کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ حضرت لوط پر رحم فرمائے، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی تاکید کرنا چاہتے تھے کہ حضرت لوط اللہ تعالیٰ کی پناہ کے طالب تھے، اس لیے آپ نے حدیث کے شروع میں تاکید کا کلمہ فرمایا یعنی بے شک، پس یہ حدیث اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے ہے کہ حضرت لوط غیر اللہ کی پناہ کے طالب تھے، جیسا کہ اس حدیث کے شروع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کی تنزیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ہم حضرت ابراہیم کی بہ نسبت شک کرنے کے زیادہ حقدار ہیں اور اس سے مقصود یہ تھا کہ حضرت ابراہیم نے جو اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا تھا کہ "اے رب! تو مجھے دکھا کہ تو کیسے مردوں کو زندہ کرے گا۔" یہ سوال اس لیے نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک تھا بلکہ کسی اور وجہ سے تھا۔

(مکمل اکمال الاکمال ج۱، ص ۴۳۵-۴۳۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، یہ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے، آپ رات کے ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے، البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیں، بے شک اس کو (بھی) وہی (عذاب) پہنچنے والا ہے جو انہیں پہنچے گا بے شک صبح کو ان کی وعید کا وقت ہے، کیا صبح قریب نہیں○ (ہود: ۸۱)

حضرت لوط علیہ السلام کا نجات پانا اور بدمعاش کافروں کا بھاگنا

جب لوط علیہ السلام نے یہ کہا تھا: کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی! یا میں کسی مضبوط قبیلہ کی پناہ میں ہوتا! تو اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان بدمعاشوں اور اوباش لوگوں کی یورش کی وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام کو بہت رنج اور افسوس تھا کہ انہیں اپنے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا جب فرشتوں نے ان کا یہ حال دیکھا تو ان کو متعدد بشارتیں دیں:

(۱) وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔

(۲) کفار اپنی خواہش پوری نہیں کر سکتے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا۔

(۴) اللہ عزوجل حضرت لوط کو اور ان کے اہل کو اس عذاب سے نجات دے گا۔

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: حضرت لوط علیہ السلام پر ان کی قوم غالب آنے لگی، وہ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے، اور حضرت لوط دروازہ کو بند رکھنے کی کوشش کر رہے تھے، اس وقت ان سے فرشتوں نے کہا: آپ دروازہ سے ہٹ جائیں، حضرت لوط ہٹ گئے اور دروازہ کھل گیا۔ پھر حضرت جبریل نے اپنا پر مارا تو وہ سب اندھے ہو گئے اور الٹے پاؤں بچاؤ بچاؤ چیختے ہوئے بھاگے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدۡ رَاوَدُوۡهُ عَنۡ ضَيۡفِهٖ فَطَمَسۡنَاۤ اَعۡيُنَهُمۡ فَذُوۡقُوۡا عَذَابِىۡ وَنُذُرِ۔ (القمر: ۳۷) اور انہوں نے لوط کے مہمانوں کے ساتھ برے کام کا ارادہ کیا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا، سو اب میرے عذاب اور

میری وعید کا مزہ چکھو۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۷۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے جب حضرت لوط نے کہا: کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی! یا میں کسی مضبوط قبیلہ کی پناہ میں ہوتا تو حضرت جبریل نے اپنے پر پھیلائے اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور وہ بچاؤ بچاؤ کہتے ہوئے الٹے پیر بھاگے، انہوں نے کہا کہ لوط کے گھر میں روئے زمین کا سب سے بڑا جادوگر ہے۔ فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں، یہ لوگ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکتے، آپ اپنے اہل کے ساتھ رات کے ایک حصہ میں روانہ ہو جائیں اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے، البتہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو شام کی طرف لے گیا۔ حضرت لوط نے کہا ان کو اسی وقت ہلاک کر دو۔ فرشتوں نے کہا: ہمیں صبح کے وقت انہیں ہلاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیا صبح قریب نہیں، پھر رات کے پچھلے پہر حضرت لوط اور ان کے اہل روانہ ہو چکے تھے اور ان کی قوم کو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ۔(القمر: ۳۴) بے شک ہم نے ان پر سنگ باری کا عذاب بھیجا ماسوا آل لوط کے، ہم نے رات کے پچھلے پہر ان کو نجات دی۔

یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲، ص ۵۶۳، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جب ہمارا عذاب آپہنچا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کے حصہ کو اس کے نیچے کر دیا، اور ہم نے ان کے اوپر پتھر کے کنکر لگاتار برسائے ۝ جو (کنکر) آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے، اور یہ سزا ان ظالموں سے کچھ دور نہ تھی۔ (هود: ۸۳-۸۲)

قوم لوط کی بستی الٹنے کے متعلق روایات

محمد بن کعب القرظی نے کہا جن بستیوں میں قوم لوط رہتی تھی، حضرت جبریل ان کے نیچے اپنا پر رکھ کر ان بستیوں کو آسمان کی طرف لے کر چڑھ گئے حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کی آوازیں سنیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر لگاتار نشان زدہ پتھر برسائے اور حضرت جبریل نے اس زمین کو الٹ دیا اور نیچے کا حصہ اوپر اور اوپر کا حصہ نیچے کر دیا، اور جن بستیوں کو پلٹا گیا تھا وہ پانچ تھیں: صبعہ، صعرہ، عمرہ، دوما اور سدوم، اور یہ سب سے بڑی بستی تھی۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ بدکاری کی مجلسیں برپا کرنے والوں، ان کی دعوت دینے والوں اور ان میں جانے والوں سب پر کنکریاں برسائی گئیں اور ان میں سے کوئی نہیں بچ سکا۔ (تفسیر امام ابی حاتم ج ۶، ص ۲۰۶۸-۲۰۶۷، رقم الحدیث: ۱۱۰۰۰، ۱۱۰۹۸، ۱۱۰۹۷)

سجیل کا معنی

مجاہد نے کہا: سجیل فارسی کا لفظ ہے، سنگ و گل یعنی پتھر اور کیچڑ۔ ابن زید نے کہا: سجیل آسمان دنیا کا نام ہے یعنی قوم لوط پر آسمان دنیا سے پتھر برسائے گئے۔ زجاج نے کہا سجیل کا معنی ہے بھیجی ہوئی، نیز زجاج نے کہا: سجل کتاب کو کہتے ہیں، اور یہ کنکریاں کیونکہ کتاب کی طرح لکھی ہوئی تھیں، اس لیے ان کو سجیل فرمایا۔ فراء نے کہا اس کا معنی ہے پکی ہوئی مٹی۔

(جامع البیان جز ۱۲، ص ۱۲۴-۱۲۲، ملخصاً، مطبوعہ بیروت)

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں: النحاس نے کہا ہے سجیل کا معنی ہے جو سخت اور زیادہ ہو۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے سخت، ان کے علاوہ وہ معانی لکھے ہیں جو ہم نے امام ابن جریر سے نقل کیے ہیں:
(الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۷۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

قوم لوط کو سنگسار کرنے کے متعلق روایات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سزا ظالموں سے کچھ دور نہ تھی۔ حسن نے کہا: اس کا معنی ہے سنگسار کرنے کی سزا، ظالموں سے یعنی قوم لوط سے کچھ دور نہ تھی۔ مجاہد نے کہا اس سے کفار قریش کو ڈرایا ہے یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم کے ظالموں سے بھی یہ سزا کچھ بعید نہیں ہے۔ قتادہ اور عکرمہ نے کہا: اس امت کے ظالموں سے یہ سزا کچھ بعید نہیں ہے۔

پتھر برسانے کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جب حضرت جبریل نے اس بستی کو اوپر اٹھایا تو اس پر پتھر برسائے گئے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ پتھر ان لوگوں پر برسائے گئے جو اس وقت بستیوں میں نہ تھے، بلکہ بستیوں سے باہر تھے۔

اس امت کو سنگسار کرنے کے متعلق روایات

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے کہ مرد مردوں سے جنسی لذت حاصل کریں گے اور عورتیں عورتوں سے، اور جب ایسا ہو تو تم ان پر قوم لوط کے عذاب کا انتظار کرنا کہ اللہ ان پر سجیل کی کنکریاں برسائے گا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی: وما ھی من الظلمین ببعید۔

دوسری روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دن اور رات کا سلسلہ چلتا رہے گا حتیٰ کہ اس امت کے مرد، مردوں کی پشت کو حلال کرلیں گے جیسا کہ انہوں نے عورتوں کی پشت کو حلال کرلیا ہے پھر امت کے ان لوگوں پر سنگ باری ہوگی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۷۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کی ذکر کردہ یہ حدیثیں کسی کتاب میں نہیں مل سکیں البتہ امام ابن عساکر نے اس حدیث کو روایت کیا ہے:

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم لوط دس کاموں کی وجہ سے ہلاک کی گئی اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی۔ (وہ دس کام یہ ہیں:) (۱) مردوں کا مردوں سے جنسی خواہش پوری کرنا۔ (۲) غلیل مارنا۔ (۳) کنکر مارنا۔ (۴) حمام میں کھیلنا۔ (۵) دف بجانا۔ (۶) خمر (شراب) پینا۔ (۷) داڑھی کاٹنا۔ (۸) مونچھیں لمبی رکھنا۔ (۹) سیٹی اور تالی بجانا۔ (۱۰) ریشم پہننا۔ اور میری امت ایک کام اور زیادہ کرے گی، وہ ہے عورتوں کا عورتوں سے جنسی خواہش پوری کرنا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۱، ص ۲۴۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۰۱۴)

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور (ہم نے) مدین والوں کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، تمہارے

مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ

لیے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو، بے شک میں تم کو خوش حال

بِخَيْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾

دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر احاطہ کرنے والے دن کے عذاب کا خوف ہے ○

وَ یٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

اے میری قوم! انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کرو، اور لوگوں کی چیزوں میں کمی

اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِیَّتُ اللّٰهِ

نہ کرو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو ○ اللہ کا جائز کیا ہوا نفع جو

خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ۬ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۸۶﴾

تمہارے پاس بچ رہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ○

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ

انہوں نے کہا اے شعیب! کیا آپ کی نماز آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ

اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ

دادا پرستش کرتے تھے اور ہم اپنے مالوں کو اپنی خواہش کے مطابق صرف کرنا چھوڑ دیں بے شک آپ تو بہت

الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی

بردبار اور راست باز ہیں ○ شعیب نے کہا اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن

بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ رَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ

دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے عمدہ رزق عطا کیا ہو (تو میں اس کا حکم کیسے نہ مانوں!) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ

اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ

جن کاموں سے میں تم کو منع کرتا ہوں میں خود اس کے خلاف کروں، میں تو صرف اپنی طاقت کے مطابق

مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَ مَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ

اصلاح کرنا چاہتا ہوں اور میری توفیق صرف اللہ کی مدد سے ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور

اِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ﴿۸۸﴾

میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (ہم نے) مدین والوں کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا؛ انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو، بے شک میں تم کو خوش حال دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر احاطہ کرنے والے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ (ھود: ۸۴)

ناپ اور تول میں کمی کرنے کی ممانعت

اس سورت میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصص ذکر کیے گئے ہیں یہ ان میں سے چھٹا قصہ ہے، جو حضرت شعیب علیہ السلام سے متعلق ہے، حضرت شعیب علیہ السلام کا سوانحی خاکہ ہم نے الاعراف: ۸۵ میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔

مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے، پھر یہ حضرت شعیب کے قبیلہ کا نام پڑ گیا، اور اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین نے اس شہر کی بنیاد ڈالی تھی۔

ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو سب سے پہلے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ توحید کی دعوت دیں، اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے سب سے پہلے یہ حکم دیا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، توحید کی دعوت دینے کے بعد ان کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو کام زیادہ اہم ہو اس کی دعوت دیں، کفر کے علاوہ ان کی بری عادت یہ تھی کہ جب کوئی شخص ان کے پاس کچھ بیچنے کے لیے آتا تو وہ تول میں اس سے اس چیز کو جتنا زیادہ لے سکتے، اتنا لے لیتے اور جب وہ خود کوئی چیز فروخت کرتے تو ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے۔ سو یوں وہ خرید و فروخت دونوں میں دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچاتے تھے، پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: میں تم کو خوش حال دیکھتا ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو بہت فراوانی سے مال و دولت کے ساتھ نوازا ہے پھر تم کو ان ناجائز طریقوں سے مال و دولت جمع کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس کے بعد فرمایا: مجھے تم پر احاطہ کرنے والے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ احاطہ کرنا یا تو عذاب کی صفت ہے یعنی جس عذاب سے کوئی عذاب کا مستحق بچ نہیں سکے گا یا محیط اس دن کی صفت ہے، پھر یہ کون سا عذاب ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے کیونکہ یہی وہ دن ہے جو تمام معذبین کے عذاب کو محیط ہوگا اور بعض علماء نے کہا اس سے مراد وہ عذاب ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے کافروں کو دنیا میں ملیامیٹ کرنے کے لیے آنے والا تھا جیسا کہ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کی امتوں کے کافر لوگوں پر ایسا عذاب آتا رہا ہے اور بعض مفسرین نے کہا اس عذاب سے مراد عام ہے خواہ وہ دنیاوی عذاب ہو یا قیامت کے دن کا عذاب ہو۔

انبیاء علیہم السلام کی دعوت دو اہم چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے: حقوق اللہ کی ادائیگی اور حقوق العباد کی ادائیگی۔ اول الذکر کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اور ثانی الذکر کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا اور ناپ تول میں کمی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپ تول میں کمی کرنا بہت قبیح جرم ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سورت ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب کی وعید سے معنون فرمائی ہے:

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى — ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب ہے ○ جو

النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المطففین: ۶-۱)

لوگ جب لوگوں سے ناپ کریں تو پورا لیں ۝ اور جب انہیں ناپ کر دیں یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں ۝ کیا وہ لوگ یہ گمان نہیں کرتے کہ ان کو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا ۝ عظیم دن میں ۝ جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچنے والے کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کوئی چیز تول کر فروخت کرے تو سودے کا پلڑا جھکتا ہوا رکھے۔

حضرت سوید بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور مخرمہ ہجر سے ایک بزاز کے پاس آئے، ہم نے ایک شلوار کی قیمت لگائی، اور میرے پاس ایک شخص تھا جو اُجرت پر وزن کرتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: وزن کرو اور جھکتا ہوا دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۴۳۴۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷، ص ۵۸۵، مسند احمد ج ۴، ص ۳۵۲، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۵۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۱۴۷، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۴۶۶، المستدرک ج ۲، ص ۳۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۰۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (شعیب علیہ السلام نے کہا) اے میری قوم انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کرو، اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو ۝ (ھود: ۸۵)

لوگوں کو نقصان نہ پہنچانے اور فساد نہ کرنے کے محامل

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں تکرار ہے، کیونکہ پہلی آیت میں فرمایا: اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو اور دوسری آیت میں فرمایا: انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ اور تول کرو، اور پھر اس آیت کے آخر میں فرمایا: اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور ان تینوں احکام کا ایک ہی معنی ہے۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ناپ اور تول میں کمی کے حکم کی تاکید کے لیے اس حکم کو تین بار ذکر فرمایا۔

(۲) تکرار اس وقت ہوتا جب یہ حکم ایک ہی عنوان اور ایک ہی اعتبار سے کئی بار ذکر کیا جاتا، پہلی بار نہی (ممانعت) کے صیغہ سے فرمایا اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو اور دوسری بار صراحتاً امر کے صیغہ سے فرمایا: انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ اور تول کرو، اور جب صیغہ اور عنوان بدل گئے تو تکرار نہ رہا، اس جواب پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ کسی چیز کی ضد سے منع کرنا اس چیز کا حکم دینا ہے تو امر اور نہی کے صیغوں کے فرق کے باوجود تکرار سے مفر ممکن نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک چیز کے حکم اور اس کی ضد سے ممانعت کو مبالغتاً جمع کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ اللہ کی توحید پر ایمان لاؤ اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور کہا جاتا ہے رشتہ داروں کے ساتھ مل جل کر رہو اور ان سے قطع تعلق نہ کرو، اسی طرح یہاں فرمایا ہے ناپ تول میں کمی نہ کرو اور پوری پوری ناپ تول کرو اور اس کے بعد بر سبیل عموم فرمایا: اور لوگوں کو نقصان نہ پہنچاؤ، اور لوگوں کو نقصان پہنچانا صرف ناپ اور تول میں کمی کرنے میں منحصر نہیں ہے، بلکہ کسی کی چوری کرنے، لوٹ مار کرنے، کسی کا مال غصب کرنے اور کسی کے ہاں ڈاکہ ڈالنے سے بھی کسی کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، کسی کو سود پر قرض دینے، کسی کو بلیک میل کرنے، نقلی اور ملاوٹ والی اشیاء فروخت کرنے سے بھی کسی کو نقصان میں مبتلا کیا جاتا ہے اور یہ تمام صورتیں شرعاً ممنوع ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ یہ تین حکم تین مختلف عنوانوں سے دیئے گئے ہیں، اس لیے ان آیتوں میں تکرار نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: "اور زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو۔" اس کے کئی محمل ہیں:

جو شخص کسی دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا تو وہ دوسرا شخص بھی اس کو نقصان پہنچانے کی سعی کرے گا تو کسی شخص کو نقصان پہنچانا دراصل خود اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے، اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم اپنی دنیا اور آخرت کی بھلائی، صلاح اور فلاح کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرو اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ تم اپنے دین کی مصلحتوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرو اور اس کا ایک واضح محمل یہ ہے کہ ناپ اور تول میں کمی کرنا زمین میں فساد پھیلانا ہے کیونکہ جب بیچنے والا ناپ اور تول میں کمی کرے گا تو خریدار جب اس کمی پر مطلع ہوگا تو وہ لازمی طور پر اس سے جھگڑا کرے گا اور بعض اوقات یہ جھگڑا فساد اور قتل وغارت پر منتج ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کا جائز کیا ہوا نفع جو تمہارے پاس بچ رہے، وہی تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم ایمان رکھتے ہو، اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ○ (ھود: ۸۶)

بقیۃ اللہ کا معنی

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا بقیۃ اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، یعنی تم جو ناپ تول میں کمی کر کے مال جمع کر رہے ہو، اس سے یہ بہتر ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کا ثواب تمہارے پاس ہمیشہ باقی رہے گا۔

قتادہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو حصہ مقدر کر دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تمہیں جو مال دیا ہے تم صرف اسی پر قناعت کرو، وہی تمہارے لیے بہتر ہے یا تمہارے لیے تمہاری عبادتوں کا جو ثواب مقدر کر دیا ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے، اس لیے ناپ تول میں کمی کر کے مال جمع کرنے کے بجائے اس مال پر قناعت کرو جو تمہاری تقدیر میں ہے، کیونکہ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ فلاں شخص صادق اور امین ہے اور وہ خیانت کرتا ہے نہ ناپ تول میں کمی کرتا ہے تو لوگ اس پر اعتماد کریں گے اور تمام معاملات میں اس کی طرف رجوع کریں گے تو اس پر رزق کے دروازے کھل جائیں گے، اور جب کوئی شخص بددیانتی اور خیانت میں مشہور ہوگا تو لوگ اس سے معاملہ نہیں کریں گے اور اس پر رزق کے دروازے بند ہو جائیں گے اور اگر بقیۃ اللہ کو ثواب پر محمول کیا جائے تو مطلب بالکل واضح ہے کیونکہ یہ ساری دنیا فنا ہو جائے گی اور ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب باقی رہے گا اور اگر بقیۃ اللہ سے مراد اللہ کی رضا لی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی رضا سے بڑھ کر دنیا اور آخرت کی کوئی نعمت نہیں ہے۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۱۳۲ موضحاً مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا واضح معنی یہ ہے کہ پوری پوری ناپ تول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو حلال نفع باقی رکھا ہے وہ اس مال سے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کمی کر کے حاصل کرتے ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں، اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم کو نیکی کی ہدایت دی ہے اور ایمان داری اور دیانت داری کی تلقین کی ہے اور تم سے اس بُری عادت کو چھڑانے اور تم کو دیانت دار بنا دینے کی مجھ میں قدرت نہیں ہے، اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ناپ اور تول میں کمی کرنے اور بے ایمانی کرنے سے، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں تو اگر تم نے یہ بری عادتیں نہ چھوڑیں تو تمہارے پاس جو اللہ کی نعمتیں ہیں وہ زائل ہو جائیں گی اور اس صورت میں، میں تمہاری نعمتوں کی حفاظت پر قادر نہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے شعیب! کیا آپ کی نماز آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن

کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے اور ہم اپنے مالوں کو اپنی خواہش کے مطابق صرف کرنا چھوڑ دیں، بے شک آپ تو بہت بُردبار اور راست باز ہیں○ (ھود: ۸۷)

حضرت شعیب علیہ السلام کے وعظ کی تشریح

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو دو چیزوں کا حکم دیا تھا: ایک حکم یہ دیا تھا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور شرک نہ کریں اور دوسرا حکم یہ دیا تھا کہ وہ ناپ اور تول میں کمی نہ کریں۔ پہلے حکم کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ کیا ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے اور اس سے ظاہر ہوا کہ ان کا بت پرستی کرنا باپ دادا کی اندھی تقلید پر مبنی تھا اور حضرت شعیب علیہ السلام کے دوسرے حکم کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ کیا ہم اپنے مالوں کو اپنی خواہش کے مطابق خرچ نہ کریں۔

اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ کیا آپ کی صلوٰۃ ہمیں یہ حکم دیتی ہے؟ صلوٰۃ سے اس آیت میں کیا مراد ہے، ایک قول یہ ہے کہ صلوٰۃ سے مراد دین اور ایمان ہے کیونکہ دین اور ایمان کا سب سے واضح اظہار نماز کے ذریعہ ہوتا ہے اس لیے صلوٰۃ دین اور ایمان سے کنایہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ صلوٰۃ سے مراد یہی معروف نماز ہے۔ روایت ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام بہت زیادہ نماز پڑھتے تھے اور ان کی قوم کے کفار جب ان کو نماز پڑھتے دیکھتے تو ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتے اور ہنستے اور حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑاتے۔

انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا آپ بہت بردبار اور راست باز ہیں۔ یہ انہوں نے طنزاً کہا تھا کیونکہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کو بے وقوف اور جاہل سمجھتے تھے، یہ ایسا ہے جیسے کوئی انتہائی بخیل اور خسیس شخص کو دیکھ کر کہے اگر حاتم بھی تم کو دیکھ لیتا تو تم کو سجدہ کرتا سو اسی معنی میں انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو حلیم اور رشید کہا۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان لوگوں میں پہلے یہ مشہور تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام حلیم اور رشید ہیں، اور جب حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو یہ حکم دیا کہ اپنے آباؤ اجداد کے طریقۂ عبادت کو ترک کردیں تو وہ بہت حیران ہوئے اور انہوں نے کہا آپ تو بہت حلیم اور رشید ہیں، آپ ہمیں کیسے یہ حکم دیتے ہیں کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ کو ترک کردیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شعیب نے کہا: اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے عمدہ رزق عطا کیا ہو (تو میں اس کا حکم کیسے نہ مانوں!) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے میں تم کو منع کرتا ہوں، میں خود اس کے خلاف کروں، میں تو صرف اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہوں، اور میری توفیق صرف اللہ کی مدد سے ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں○ (ھود: ۸۸)

قوم کے سامنے حضرت شعیب علیہ السلام کی تقریر

حضرت شعیب نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم، ہدایت، دین اور نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور فرمایا: اس نے مجھ کو اپنے پاس سے عمدہ رزق عطا فرمایا ہو، اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت زیادہ حلال مال عطا فرمایا تھا۔ اس آیت میں شرط کا ذکر ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے اور اس کا معنی اس طرح ہے کہ یہ بتاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام روحانی اور جسمانی کمالات عطا کئے ہیں تو پھر کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اس کی وحی میں خیانت کروں اور اس کا پیغام تم تک نہ پہنچاؤں اور مجھے یہ کس طرح زیبا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر کثیر نعمتیں عطا فرمائے اور میں اس کے حکم کی خلاف ورزی کروں اور اس کا معنی یوں بھی ہو سکتا ہے کہ جب میرے

نزدیک یہ ثابت ہے کہ غیر اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا اور ناپ و تول میں کمی کرنا ایک ناجائز کام ہے اور میں تمہاری اصلاح کا طالب ہوں اور میں تمہارے مال کا محتاج بھی نہیں ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بکثرت عمدہ رزق دے کر تم سے مستغنی کیا ہوا ہے تو ان حالات میں کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحی میں خیانت کروں اور اس کا حکم نہ مانوں! پھر فرمایا: اور میری توفیق صرف اللہ کی مدد سے ہے، میں نے صرف اسی پر توکل کیا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں! اس قول سے حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ بتایا کہ تمام نیک اعمال میں حضرت شعیب علیہ السلام کا توکل اور اعتماد صرف اللہ عزوجل کی ذات پر ہے۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ

اور اے میری قوم! میری مخالفت تم کو ان کاموں پر نہ ابھارے جن کاموں کی وجہ سے تم پر ایسا عذاب آجائے

قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ

جیسا عذاب قوم نوح پر یا قوم ہود پر یا قوم صالح پر آیا تھا اور قوم لوط تم سے

بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ

زیادہ دور تو نہیں ○ اور تم اپنے رب سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، بے شک میرا رب رحم فرمانے والا

وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ

محبت کرنے والا ہے ○ کافروں نے کہا اے شعیب تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اور بلاشبہ ہم سمجھتے ہیں تم

فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا

ہم میں کمزور ہو، اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر چکے ہوتے اور تم ہم پر کوئی

بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَ

بھاری نہیں ہو ○ شعیب نے کہا اے میری قوم! کیا تمہارے نزدیک میرا قبیلہ اللہ سے زیادہ طاقت ور ہے، اور

اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

تم نے اللہ کو بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے، بے شک میرا رب تمہارے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے ○

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ

اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کرتے رہو اور میں اپنا کام کرنے والا ہوں، عنقریب تم جان لو گے

مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَارْتَقِبُوا إِنِّي

کس کے پاس ایسا عذاب آئے گا جو اس کو رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے تم (بھی) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے

مَعَكُمْ رَقِيبٌ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ

ساتھ (انتظار کرنے والا ہوں ○ اور جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے شعیب کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کو (بھی)

آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ

جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، اور ظالموں کو ایک زبردست چنگھاڑ نے پکڑ لیا تو وہ

فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩٤﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا

اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے پڑے رہ گئے ○ گویا وہ ان گھروں میں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے سنو

ع ۱۲ ۸

بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ﴿٩٥﴾

دھتکار ہو اہل مدین کے لیے جیسے پھٹکار تھی ثمود کے لیے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت شعیب نے کہا) اور اے میری قوم! میری مخالفت تم کو ان کاموں پر نہ ابھارے جن کاموں کی وجہ سے تم پر ایسا عذاب آ جائے جیسا عذاب قوم نوح پر یا قوم ھود پر یا قوم صالح پر آیا تھا اور قوم لوط تم سے زیادہ دور تو نہیں ○ اور تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس کی طرف توبہ کرو، بے شک میرا رب رحم فرمانے والا محبت کرنے والا ہے ○

(ھود: ۹۰-۸۹)

حضرت شعیب علیہ السلام کے خطاب کا تتمہ اور قوم کو نصیحت

ان آیتوں کا معنی یہ ہے کہ حضرت شعیب نے فرمایا: اے میری قوم! میرا بغض اور مجھ سے عداوت اور میرے دین سے نفرت تمہیں اس پر نہ ابھارے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور بت پرستی اور ناپ تول میں کمی کرنے اور توبہ اور استغفار کو ترک کرنے پر جمے رہو اور ڈٹے رہو حتیٰ کہ تم پر بھی ایسا عذاب آ جائے جو تم کو جڑ سے اکھاڑ کر ملیامیٹ کر دے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان سے غرق کرنے کا عذاب آیا اور حضرت ھود علیہ السلام کی قوم پر ایک سخت اور زبردست آندھی کا عذاب آیا اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر ایک چنگھاڑ اور زلزلہ کا عذاب آیا اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے اوپر ان کی زمین کو پلٹ دیا گیا۔

اور فرمایا: اور قوم لوط تم سے زیادہ دور تو نہیں۔ اس سے بُعد مکانی مراد ہے کیونکہ لوط علیہ السلام کی بستی مدین کے قریب تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے بُعد زمانی مراد ہو، کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کو معلوم تھا کہ کچھ عرصہ پہلے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیا گیا تھا ہر صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آنے کا واقعہ ان سے مخفی نہیں تھا اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: تم ان حالات سے عبرت پکڑو اور سبق سیکھو

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی مخالفت کرنے سے گریز کرو ورنہ تم پر بھی پچھلی قوموں کی طرح عذاب آجائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس کی طرف توبہ کرو یعنی پہلے اپنے کفر اور شرک، ناپ تول میں کمی اور دیگر گناہوں پر نادم ہو کر ان کو ترک کرو اور آئندہ ان کو نہ کرنے کا عہدِ صمیم کرو، پھر اپنے سابقہ کفر اور معاصی کی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے سابقہ کفر کو اور معاصی کو معاف فرما دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت رحیم اور کریم ہے اور توبہ اور استغفار کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ خطاب بہت مرتب اور منظم ہے، انہوں نے سب سے پہلے یہ بیان کیا کہ ان کی نبوت کے دلائل بہت روشن اور واضح ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر قسم کی ظاہری اور باطنی نعمتیں بہت وافر تعداد میں عطا فرمائی ہیں، اور یہ چیز ان کو اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے میں تقصیر کرنے اور خیانت سے مانع ہے اور یہ بیان کیا کہ وہ مسلسل پابندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کر رہے ہیں اور تم کو بھی یہ اعتراف ہے کہ میں بہت بردبار اور نیک ہوں سو اگر دین کی یہ دعوت باطل ہوتی تو میں ہرگز اس میں مشغول نہ ہوتا، پھر فرمایا: تم مجھ سے جو عداوت رکھتے ہو اور میرے طریقہ کی مخالفت کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری یہ عداوت اور مخالفت تم کو پچھلی قوموں کی طرح عذاب سے دوچار کر دے، آخر میں ان کو پھر عذاب سے ڈرایا اور توبہ اور استغفار کرنے اور ایمان لانے کی دعوت دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کافروں نے کہا اے شعیب! تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اور بلاشبہ ہم سمجھتے ہیں تم ہم میں کمزور ہو، اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر چکے ہوتے اور تم ہم پر کوئی بھاری نہیں ہو○ (ھود: ۹۱)

فقہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا: ما نفقہ کثیرا اور نفقہ فقہ سے بنا ہے اس لیے ہم یہاں فقہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی ذکر کر رہے ہیں:

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حاضر کے علم سے غائب کے علم تک پہنچنا فقہ ہے اور فقہ علم سے اخص ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۔ (النساء: ۷۸) اس قوم کو کیا ہوا کہ یہ لوگ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں آتے۔

اور اصطلاح میں احکامِ شرعیہ کا (دلائل کے ساتھ) علم فقہ ہے، اور فقہ کا معنی دین کی فہم ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۹۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ المبارک بن محمد الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

فقہ کا اصل معنی ہے فہم۔ یہ لفظ شق کرنے اور (فتح) کھولنے سے ماخوذ ہے (یعنی کسی چیز کو شق کر کے اس کی گہرائی تک پہنچنا یا کسی گرہ کو کھولنا) عرف میں فقہ علمِ شریعت کو کہتے ہیں، اور یہ احکامِ شرعیہ فرعیہ کے ساتھ خاص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا فرمائی:

اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل۔ اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو تاویل کا

علم عطا فرما۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳، صحیح مسلم، فضائل الصحابہ: ۱۳۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۶)

(النہایہ ج ۳ ص ۴۱۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اصطلاح میں فقہ کا معنی ہے احکام شرعیہ فرعیہ کا وہ علم جو تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو۔ حسن بصری نے کہا: فقیہ وہ شخص ہے جو دُنیا میں رغبت نہ کرے اور آخرت میں رغبت کرے، دین پر بصیرت رکھتا ہو، اور دائماً اپنے رب کی عبادت کرتا ہو۔ (امام اعظم سے منقول ہے کہ نفس کا اپنے نفع اور ضرر کی چیزوں کو پہچان لینا فقہ ہے)

(عمدۃ القاری جز ۲ ص ۵۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

کفار حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کو کیوں نہیں سمجھتے تھے

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے ان کی زبان میں گفتگو کی تھی، پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے کہا: تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے گئے ہیں:

(۱) چونکہ وہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام سے بہت سخت متنفر تھے، اس لیے وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کو غور سے نہیں سنتے تھے اسی وجہ سے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافروں کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ۔ (الانعام: ۲۵)

اور ان میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ (آپ کے کلام کو) نہ سمجھیں۔

(۲) وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کو سمجھتے تھے لیکن وہ ان کی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور توہین اور تحقیر کی نیت سے کہتے تھے ہم آپ کی باتوں کو نہیں سمجھتے۔

(۳) ان کا مقصود یہ تھا کہ آپ نے توحید، رسالت، بعثت، ناپ تول میں کمی کرنے اور دیگر گناہوں کو ترک کرنے کے متعلق جو دلائل ذکر کیے ہیں، وہ ان کے نزدیک ناکافی ہیں اور وہ ان سے مطمئن نہیں ہیں۔

سعید بن جبیر اور شریک نے کہا کہ ان کی قوم نے ان کو ضعیف اس لیے کہا کہ وہ نابینا تھے۔ سفیان نے کہا: ان کی نظر کمزور تھی اور ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا۔

انہوں نے کہا: اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے، اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کہا: یعنی تم کو قتل کر دیتے یا تم کو گالیاں دیتے۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت شعیب علیہ السلام کے دلائل کے جواب میں ان کی قوم کے کافروں نے جو کچھ کہا وہ حضرت شعیب علیہ السلام کے دلائل کا جواب نہ تھا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص فریق مخالف کے دلائل کے جواب سے عاجز آکر اس کو گالیاں دینا شروع کر دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شعیب نے کہا: اے میری قوم! کیا تمہارے نزدیک میرا قبیلہ اللہ سے زیادہ طاقت ور ہے،

اور تم نے اللہ کو بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے' بے شک میرا رب تمہارے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے○ (ھود: ۹۲)

جب کفار نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ایذاء پہنچانے اور قتل کرنے کی دھمکی دی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو یہ جواب دیا' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم نے میرے قبیلہ کی رعایت کر کے مجھے چھوڑ دیا اور مجھے قتل کرنے سے باز رہے' جب کہ میرے قبیلہ کی رعایت کے بجائے تمہیں اللہ کی رعایت کرنی چاہیے تھی اور تم نے اللہ تعالیٰ کو اس طرح نظر انداز کر دیا جس طرح کوئی شخص کسی بے کار چیز کو اپنے پس پشت ڈال دیتا ہے! پھر کہا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کرتے رہو اور میں اپنا کام کرنے والا ہوں' عنقریب تم جان لوگے کس کے پاس ایسا عذاب آئے گا جو اس کو رُسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے' تم (بھی) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں○ (ھود: ۹۳)

یعنی تم جو کچھ کر رہے ہو وہ کرتے رہو' تم اپنے کفر اور ظلم پر کاربند رہو اور میں تم کو ان کاموں سے حسب سابق منع کرتا رہوں گا اور میں نے تم کو جس عذاب کی خبر دی ہے' تم بھی اس کا انتظار کرو اور تمہارے ساتھ میں بھی اس کا انتظار کرتا رہوں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے شعیب کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کو (بھی) جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے' اور ظالموں کو ایک زبردست چنگھاڑ نے پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے پڑے رہ گئے○ گویا وہ ان گھروں میں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے' سنو دھتکار ہو اہلِ مدین کے لیے جیسے پھٹکار تھی ثمود کے لیے○

(ھود: ۹۵-۹۴)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب کی تفصیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صرف دو قوموں پر ایک قسم کا عذاب نازل کیا ہے' قوم صالح پر اور قوم شعیب پر' ان دونوں کو ایک زبردست چنگھاڑ نے ہلاک کر دیا' رہی قوم صالح تو اس پر نیچے سے ایک چنگھاڑ کی آواز آئی اور رہی قوم شعیب تو اس پر اس کے اوپر سے ایک چنگھاڑ کی آواز آئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے عذاب سے نجات دی' اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کو جو نعمت بھی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے پہنچتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومنوں تک یہ رحمت ان کے ایمان اور ان کے نیک اعمال کے سبب سے پہنچی ہو لیکن ایمان اور نیک اعمال کی توفیق بھی اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ملتی ہے۔

جب جبرئیل علیہ السلام نے وہ گرج دار چیخ ماری تو ان میں سے ہر ایک کی رُوح اسی وقت نکل گئی اور ان میں سے ہر شخص اسی وقت اور اسی حال میں مرگیا اور یُوں لگتا تھا جیسے ان مکانوں میں کبھی کوئی شخص رہا ہی نہ تھا۔

پھر فرمایا: ان پر دُھتکار ہو جیسے قومِ ثمود پر پھٹکار تھی' یعنی جس طرح وہ رحمت سے مطلقاً دُور کر دیئے گئے تھے اسی طرح ان کو بھی رحمت سے مطلقاً دُور کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰی فِرْعَوْنَ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا تھا ○ فرعون اور

وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿٩٧﴾

اس کے سرداروں کی جانب تو انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی، اور فرعون کا کوئی کام صحیح نہ تھا ○

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ

وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں ٹھیرائے گا اور وہ کیسی بری

الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿٩٨﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ

پیاس بجھانے کی جگہ ہے ○ اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی ان کو کیسا

الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿٩٩﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ

برا انعام دیا گیا ○ یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جن کا قصہ ہم آپ کو بیان کر رہے ہیں ان میں سے

مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿١٠٠﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

بعض تو موجود ہیں اور بعض نیست و نابود ہو گئیں ○ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا،

فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

سو اللہ کے سوا وہ جن معبودوں کی پرستش کرتے تھے، جب اللہ کا عذاب آگیا تو وہ ان کے

مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿١٠١﴾

کسی کام نہ آسکے اور انہوں نے ان کی ہلاکت کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا ○

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ

اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے، جب وہ بستیوں پر اس حال میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں، بے شک اس کی

اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ

گرفت دردناک شدید ہے ○ جو شخص عذاب آخرت سے ڈرتا ہو اس کے لیے بے شک اس میں نشانی ہے،

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿١٠٣﴾ وَمَا

یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور اسی دن سب حاضر ہوں گے ○ ہم

نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا
اس دن کو مدت معین تک کے لیے مؤخر کر رہے ہیں ○ جب وہ دن آئے گا تو کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات

بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي
نہیں کر سکے گا، بعض ان میں سے بدبخت ہوں گے اور بعض نیک بخت ○ رہے بدبخت لوگ تو وہ دوزخ میں ہوں

النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ
گے اور ان کے لیے اس میں چیخنا اور چلانا ہوگا ○ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۗ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا
آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے بے شک آپ کا رب جو بھی ارادہ کرتا ہے اس کو خوب پورا کرنے

يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا
والا ہے ○ اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک

دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۗ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾
آسمان اور زمین رہیں گے، مگر جتنا آپ کا رب چاہے، یہ غیر منقطع عطا ہے ○

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ۗ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ
اے مخاطب! جن معبودوں کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں تم ان کے متعلق کسی شک میں نہ پڑنا، یہ ان کی محض اسی طرح عبادت کرتے

اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۗ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع
جس طرح اس سے پہلے ان کے آباء و اجداد عبادت کرتے تھے اور بے شک ہم ان کو ان کا پورا پورا حصہ دیں گے جس میں کوئی کمی نہیں ہوگی ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا تھا ○ (ھود: ۹۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جو قصص بیان فرمائے ہیں ان میں سے یہ ساتواں اور آخری قصہ ہے۔

اس آیت میں آیات کا لفظ ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد تورات کی آیتیں ہیں جو شرائع اور احکام پر مشتمل ہیں اور سلطان مبین کا لفظ ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد کھلے ہوئے اور روشن معجزات ہیں مثلاً عصا اور ید بیضاء، کیونکہ یہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے بہت مشہور معجزے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو کھلے ہوئے معجزے عطا فرمائے تھے: (۱) عصا۔ (۲) ید بیضاء۔ (۳) طوفان۔ (۴) ٹڈیاں۔ (۵) جوئیں۔ (۶) مینڈک۔ (۷) خون۔ (۸) پیداوار میں کمی۔ (۹) جانوں میں کمی، بعض مفسرین نے پیداوار اور جانوں میں کمی کی جگہ پہاڑ کو سائبان کی طرح اوپر اٹھالینا اور سمندر کو چیرنا شمار کیا ہے، ان معجزات کو سلطان مبین اس لیے فرمایا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے صدق پر روشن دلیل تھے۔

سلطان کا معنی اور علماء کی سلطنت کا بادشاہوں کی سلطنت سے زیادہ قوی ہونا

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: یہ لفظ تسلط سے بنا ہے، تسلط کا معنی ہے کسی چیز پر غالب آنا، قادر ہونا، قابض ہونا، اس لیے حجت اور قوی دلیل کو سلطان کہتے ہیں کیونکہ قوی اور مضبوط دلیل کا لوگوں پر غالب اثر ہوتا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۱۴، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اس میں اختلاف ہے کہ حجت کو سلطان کیوں کہا جاتا ہے، بعض محققین نے کہا: جس شخص کے پاس حجت ہوتی ہے وہ اس شخص پر غالب آجاتا ہے جس کے پاس حجت نہیں ہوتی، جیسا کہ سلطان (بادشاہ) اپنے عوام پر غالب اور قاہر ہوتا ہے، اس وجہ سے حجت کو سلطان کہتے ہیں۔ زجاج نے کہا: سلطان کا معنی حجت ہے اور سلطان (بادشاہ) کو سلطان اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین پر اللہ کی حجت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سلطان کا معنی تسلط ہے، علماء اپنی قوتِ علمیہ کے اعتبار سے سلاطین ہیں اور بادشاہ اپنی قوتِ حاکمہ اور قدرتِ نافذہ کے اعتبار سے سلاطین ہیں، البتہ علماء کی سلطنت اور ان کا تسلط بادشاہوں اور حکام کی سلطنت اور ان کے تسلط سے زیادہ قوی اور زیادہ کامل ہے، کیونکہ بادشاہ ملک بدر اور معزول ہوتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں اس کی مثال افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ اور ایران کا بادشاہ رضاشاہ پہلوی ہے، یہ بادشاہت پر قائم رہنے کے کچھ عرصہ بعد معزول کر دیئے گئے پھر ان کی سلطنت ختم ہو گئی اور جمہوری ملکوں میں اس کی مثال بے نظیر بھٹو اور نواز شریف ہیں۔ تین، تین سال حکومت کرنے کے بعد ان کو معزول کر دیا گیا پھر ان کا تسلط اور اقتدار ختم ہو گیا، اس کے برخلاف علماء کا تسلط اور اقتدار تاحیات برقرار رہتا ہے اور عوام ان کے احکام پر عمل کرتے رہتے ہیں، بلکہ میں کہتا ہوں کہ علماء کی سلطنت مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ، امام ابو یوسف متوفی ۱۸۲ھ، امام محمد متوفی ۱۸۹ھ، علامہ سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، علامہ کاسانی متوفی ۵۸۷ھ، علامہ مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، علامہ ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ، علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، اعلیٰ حضرت بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اور مولانا امجد علی متوفی ۱۳۶۷ھ کے فتاویٰ اور ان کے احکام پر مسلمان صدیوں سے عمل کر رہے ہیں اور ہر دور میں جب بھی بادشاہوں کے احکام شریعت کے خلاف ہوئے تو مسلمانوں نے بادشاہوں کے احکام کے خلاف علماء کے احکام پر عمل کیا۔ جہانگیر نے حکم دیا تھا کہ اس کو سجدۂ تعظیم کیا جائے، حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے حکم دیا کہ یہ سجدہ نہ کیا جائے اور مسلمانوں نے حضرت مجدد کے حکم پر عمل کیا۔ آج جہانگیر کے لیے کلمہ خیر کہنے والا کوئی نہیں ہے اور حضرت مجدد کے جاں نثار لاکھوں کی تعداد میں تمام رُوئے زمین میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ہمارے دور میں اس کی واضح مثال یہ ہے کہ حکومت نے عائلی قوانین کو نافذ کیا ہوا ہے جس کی اکثر دفعات کو علماء نے مسترد کر دیا ہے مثلاً تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا، یتیم پوتے کو وارث بنانا اور ان احکام میں مسلمان حکومت کے قوانین پر عمل نہیں کرتے بلکہ علماء کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں اس وقت کے صدر پاکستان فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان کے عہدِ حکومت میں ۲۹ روزوں کے بعد عید کا اعلان کر دیا گیا، علماء کے نزدیک یہ اعلان صحیح نہیں تھا کیونکہ پورے ملک میں کسی جگہ بھی چاند نہیں دیکھا گیا تھا اور مطلع صاف تھا، اس لیے علماء نے اگلے دن روزہ رکھنے کا حکم دیا اور عید منانے سے منع کر دیا اور مسلمانوں کی اکثریت نے علماء کے

حکم پر عمل کیا، اس سے معلوم ہوا کہ علماء ہی حقیقی سلطان ہیں اور حیات اور بعد از حیات ان ہی کی حکومت ہے اور ان ہی کا تسلط ہے، اور علماء سے ہماری مراد وہ علماء ہیں جن کو شہر میں صاحب فتویٰ ہونے کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہو، اور جتنا بڑا عالم ہوگا اس کی سلطنت کا دائرہ اتنا وسیع ہوگا، مساجد کے عام ائمہ اور خطباء کو بھی بہرحال جزوی سلطنت حاصل ہوتی ہے اور مسلمان اپنے روزمرہ کے دینی اور دنیاوی معاملات میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، البتہ کسی پیچیدہ اور مشکل مسئلہ میں کسی بڑے عالم اور مفتی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

آیت، سلطان اور سلطان مبین کا باہمی فرق

اس آیت میں آیات اور سلطان مبین کے الفاظ ہیں، ان میں باہمی فرق یہ ہے کہ آیات ان علامات کو کہتے ہیں جو غلبہ ظن اور یقین کی افادیت میں مشترک ہیں، مثلاً اولیاء اللہ سے کرامات کا صدور ہوتا ہے، وہ بھی آیات ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے معجزات کا صدور ہوتا ہے وہ بھی آیات ہیں جب کہ اول الذکر کی اللہ کے ولی ہونے پر دلالت غلبہ ظن کی مفید ہے اور ثانی الذکر کی اللہ کے نبی ہونے پر دلالت قطعی اور یقینی ہے، اور سلطان اس دلیل کو کہتے ہیں جو قطعی اور یقینی ہو لیکن سلطان ان دلائل میں مشترک ہے جو حواس سے مؤکد ہوں اور ان دلائل میں جو محض عقل سے مؤکد ہوں، مثلاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شق القمر حواس سے مؤکد تھا اور آپ کا معجزہ قرآن محض عقل سے مؤکد ہے اور جو معجزہ صرف حواس سے مؤکد ہو اس کو سلطان مبین کہتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو معجزات تھے وہ صرف حواس سے مؤکد تھے اس لیے ان کے معجزات کے متعلق فرمایا کہ وہ سلطان مبین ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون اور اس کے سرداروں کی جانب تو انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی اور فرعون کا کوئی کام صحیح نہ تھا○ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں ٹھہرائے گا اور وہ کیسی بُری پیاس بجھانے کی جگہ ہے○ اس دُنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ ان کو کیسا بُرا انعام دیا گیا○ (ھود: ۹۹-۹۷)

فرعون کی گمراہی اور دوزخ میں اس کا اپنی قوم کا مقتدا ہونا

یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھلے ہوئے اور واضح معجزات دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا، اور فرعون کا کوئی کام ٹھیک نہ تھا یعنی وہ ہدایت یافتہ نہ تھا۔ امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ فرعون دہریہ تھا، وہ اس جہان کے لیے کسی پیدا کرنے والے کا منکر تھا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا بھی منکر تھا، وہ کہتا تھا کہ اس جہان کا کوئی خدا نہیں ہے اور ہر ملک کے باشندوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کی اطاعت اور اس کی پرستش کریں اور وہ اس بات کا بھی انکار کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے میں رُشد اور ہدایت ہے اور چونکہ وہ ان چیزوں کا منکر تھا اس لیے وہ رُشد اور ہدایت سے بالکل خالی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرعون کا کوئی کام بھی رشید نہ تھا۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے دن فرعون اپنی اس قوم کا مقتدا ہوگا جو دوزخ کی طرف جارہی ہوگی یعنی جس طرح فرعون دنیا میں گمراہی میں ان کا مقتدا تھا اسی طرح آخرت میں عذاب میں ان کا مقتدا ہوگا، جس طرح دنیا میں سمندر میں غرق کیے جانے کے وقت وہ ان کا مقتدا تھا اسی طرح آخرت میں دوزخ میں دخول کے وقت وہ ان کا مقتدا ہوگا یعنی دنیاوی عذاب میں بھی وہ ان کا مقتدا تھا اور اُخروی عذاب میں بھی وہ ان کا مقتدا ہوگا۔

ورد کا معنی ہے پانی کا قصد کرنا اور مورود کا معنی ہے پانی پینے کی جگہ جس کو اردو میں گھاٹ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں

شخص نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے' فرمایا: وہ کیسی بُری پیاس بجھانے کی جگہ ہے' کیونکہ پانی کے گھاٹ پر جانے والا چاہتا ہے کہ اس کی پیاس بجھ جائے اور اس کا جگر ٹھنڈا ہو جائے اور دوزخ کی آگ تو اس کا بالکل اُلٹ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ○ (مریم: ۷۲-۷۱)

تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ کے اُوپر سے گزرے گا' آپ کے رب کے نزدیک یہ قطعی فیصلہ ہے' پھر ہم متقین کو نجات دے دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۗ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ○ (الانبیاء: ۹۸)

تم اور اللہ کے سوا تم جن بُتوں کی عبادت کرتے ہو وہ سب دوزخ کا ایندھن ہیں' تم سب اس میں جانے والے ہو۔

اس کے بعد فرمایا: اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور آخرت میں بھی' اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی لعنت اور فرشتوں کی اور نبیوں کی لعنت ان کے ساتھ چپکی ہوئی ہے اور وہ لعنت کسی حال میں ان سے الگ نہیں ہوتی۔ اس کے بعد فرمایا: یہ کیسا بُرا رفد مرفود (انعام) ہے' رفد کے معنی ہیں عطیہ' یہ اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے مطلوب میں معاون ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے پے در پے لعنت۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جن میں سے بعض تو موجود ہیں اور بعض نیست و نابود ہوگئیں ○ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا سو اللہ کے سوا وہ جن معبودوں کی پرستش کرتے تھے' جب اللہ کا عذاب آگیا تو وہ ان کے کسی کام نہ آسکے' اور انہوں نے ان کی ہلاکت کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا ○ (ھود: ۱۰۱-۱۰۰)

انبیاء سابقین اور ان کی اقوام کے قصص اور واقعات بیان کرنے کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم الصلوات والتسلیمات کے واقعات اور قصص بیان فرمائے اور ارشاد فرمایا: یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں اور ان واقعات کے بیان کرنے میں حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) توحید اور رسالت پر محض عقلی دلائل بیان کرنا صرف ان لوگوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے جو غیر معمولی ذکی اور ذہین ہوں اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور عام لوگوں کو تبلیغ سے اس وقت فائدہ ہوتا ہے جب دلائل کے ساتھ واقعات اور قصص بھی بیان کیے جائیں اس لیے اللہ تعالیٰ دلائل کے ساتھ ساتھ واقعات اور قصص بھی بیان فرماتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین اور ان کی اقوام کے جو قصص بیان فرمائے' ان میں توحید اور رسالت پر انبیاء علیہم السلام کے پیش کیے ہوئے دلائل کا بھی ذکر فرمایا' پھر ان دلائل پر ان کی اقوام کے اعتراضات اور شبہات کا بھی ذکر فرمایا اور انبیاء علیہم السلام نے ان شبہات کے جو جوابات دیئے ان کو بھی بیان فرمایا' اور جب ان کی اقوام نے دلائل کے جواب میں آباء و اجداد کی تقلید پر ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا جس کے نتیجہ میں ان پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان پر دُنیا میں ایسا عذاب نازل کیا گیا جس سے دُنیا میں ان کی زندگی کی فصل کٹ گئی' اس کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تو کفارِ مکہ کے لیے ان واقعات کا بیان توحید و رسالت کے دلائل کے پہنچانے کا ذریعہ بن گیا اور جو شبہات ان کے دماغوں میں تھے وہ سابقہ اقوام کے شبہات کی مثل تھے سو ان کے جوابات بھی ان واقعات کے ذکر میں آگئے اور یہ واقعات ان کے دلوں کی شقاوت اور سختی کے ازالہ کا سبب

بن گئے اور یہ توحید و رسالت کی دعوت اور تبلیغ کا نہایت موثر طریقہ ہے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے، آپ نے کسی کتاب کا مطالعہ کیا تھا نہ کسی عالم سے پہلے ان واقعات کو سنا تھا نہ کسی مکتب اور مدرسہ میں داخل ہوئے تھے اس کے باوجود آپ نے انبیاء سابقین کے واقعات بالکل درست بیان فرمائے اور یہ آپ کا معجزہ ہے۔

(۴) جو لوگ ان قصص اور واقعات کو سنیں گے ان کے دماغ میں یہ بات آ جائے گی کہ صدیق ہو یا زندیق، موافق ہو یا منافق، اس کو بہرحال ایک دن اس دنیا سے جانا پڑے گا اور جو نیک مومن ہوں گے ان کا مرنے کے بعد تعریف اور تحسین سے ذکر کیا جائے گا اور ان کا نام عزت اور احترام سے لیا جائے گا اور جو کافر اور منافق ہوں گے ان کا مرنے کے بعد اہانت اور رُسوائی سے ذکر کیا جائے گا اور ان کا نام بے توقیری اور بے عزتی سے لیا جائے گا جیسا کہ قرآن مجید میں سابقہ اقوام کے صالحین اور کافرین کا ذکر کیا گیا ہے اور جب بار بار یہ آیات پڑھی جائیں گی اور بار بار یہ چیز دماغوں میں جاگزین ہوگی تو سننے والوں کے دل نرم ہوں گے اور ان کے دماغ حق کو قبول کرنے کی طرف مائل ہوں گے، ان میں آخرت کا خوف پیدا ہوگا اور دینِ حق کو قبول کرنے کے لیے ان کے دل و دماغ آمادہ ہو جائیں گے، سو انبیاء سابقین اور ان کی اقوام کے قصص اور واقعات کے بیان کرنے سے یہ فوائد اور ثمرات حاصل ہوں گے۔

کفار کو عذاب دینا عدل اور حکمت کا تقاضا ہے

اس کے بعد فرمایا: ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اس کے حسبِ ذیل محامل ہیں:

(۱) ہم نے ان کو دنیا میں ہلاک کر کے اور آخرت میں عذاب میں مبتلا کر کے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے کفر اور معصیت کر کے خود اپنے آپ کو اس ہلاکت اور عذاب کا مستحق بنایا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کو جو ہلاک کیا اور عذاب میں مبتلا کیا یہ اس کا عین عدل اور حکمت کا تقاضا ہے، اس نے ان کو ان کے جرائم کی سزا سے زیادہ سزا نہیں دی یعنی اس نے ایک کافر کو ایک کافر کی سزا دی ہے، ایک کافر کو دو کافروں کی سزا نہیں دی۔ یہ اس کا عدل ہے حالانکہ اگر وہ چاہتا تو وہ ایک کافر کو دو کافروں کی سزا بھی دے سکتا تھا اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر وہ کافروں کو کفر کی سزا نہ دیتا تو لوگوں کو کفر سے دُور رکھنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دنیا میں نعمتیں عطا کرنے اور رزق پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی، تقصیر انہوں نے کی کہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔

اس کے بعد فرمایا: جب اللہ کا عذاب آگیا تو وہ (بُت) ان کے کسی کام نہ آسکے۔ یعنی ان کے بتوں نے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچایا اور انہوں نے ان کی ہلاکت کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا، اس کا معنی یہ ہے کہ کفار یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بُت ضرر اور مصیبت کو دُور کرنے اور نفع اور راحت کے پہنچانے میں ان کی مدد کریں گے اور جب ان کافروں کو مدد کی سخت ضرورت ہوگی اور وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر رہے ہوں گے تو یہ بُت ان کے کسی کام نہ آسکیں گے اور اس وقت ان کا یہ اعتقاد زائل ہو جائے گا کہ یہ بُت ضرر دُور کرنے اور نفع پہنچانے کا سبب ہیں، لیکن اس وقت اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور یہ ان کا سراسر نقصان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے جب وہ بستیوں پر اس حال میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں، بے شک اس کی گرفت دردناک شدید ہے○ (ھود: ۱۰۲)

گزشتہ قوموں کی برائیوں کے مرتکبین پر آنے والے عذاب سے ڈرنا چاہیے

جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ پچھلی اقوام نے جب اپنے رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کی تو ان پر ایسا ہمہ گیر عذاب آیا جس نے ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور یہ بیان فرمایا کہ چونکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اس لیے ان پر دُنیا میں ہلاکت آفریں عذاب آیا تو اب یہ فرمایا کہ یہ عذاب صرف ان قوموں کے ساتھ خاص نہیں ہے جن کا ذکر کیا گیا بلکہ جو قوم بھی اس طرح کا ظلم کرتی ہے اس پر ایسا عذاب آتا ہے۔ قرآنِ مجید کی اور آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس قاعدہ کو بیان فرمایا ہے:

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۔ (الانبیاء: ۱۱)

اور ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں جو ظلم کرنے والی تھیں، اور ان کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کر دیں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ۔ (القصص: ۵۹)

اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک ان بستیوں کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرنے والے ہیں جب ان میں رہنے والے ظلم کر رہے ہوں۔

اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو پھر اس کو مہلت نہیں دیتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۱۷۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۹۴، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۱۴۲)

اس آیت کو پڑھ کر یہ سوچنا چاہیے کہ جو شخص جہالت اور شامت نفس سے کوئی گناہ کر بیٹھے تو اس کو فوراً توبہ کر کے اس گناہ کا تدارک اور تلافی کرنی چاہیے تاکہ وہ اس آیت کی وعید میں داخل نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۵)

اور لوگ جب کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے اور اپنے کیے ہوئے کاموں پر جان بوجھ کر اصرار نہ کریں۔

(گناہ پر توبہ نہ کی جائے اور دوبارہ وہی گناہ کیا جائے تو یہ اصرار ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ سابقہ اقوام کے عذاب کی آیتوں کو پڑھ کر یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ یہ عذاب ان اقوام کے ساتھ مختص تھا، کیونکہ جو لوگ بھی اپنے آپ کو سابقہ اقوام کے ظلم میں شریک کریں گے تو پھر انہیں سابقہ اقوام کے عذاب کو بھگتنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی شدید پکڑ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص عذاب آخرت سے ڈرتا ہو اس کے لیے بے شک اس میں نشانی ہے، یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور اسی دن سب حاضر ہوں گے ۝ ہم اس دن کو معین مدت تک کے لیے مؤخر کر رہے ہیں ۝ (هود: ۱۰۳-۱۰۴)

وقوعِ قیامت کی دلیل

ان لوگوں کو دنیا میں اس لیے عذاب دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے تھے اور جب اس جرم کی بناء پر ان کو دنیا میں عذاب دیا گیا جو دار العمل ہے تو آخرت میں ان کو عذاب دینا زیادہ لائق ہے جو دار الجزاء ہے۔

اس آیت میں قیامت کا ذکر ہے۔ قیامت کے وقوع کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو پیدا کیا ہے اور وہ فاعل مختار ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ جب وہ اس کائنات کو پیدا کر سکتا ہے تو اس کو فنا بھی کر سکتا ہے اور فنا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں اس دنیا میں کئی لوگ ظلم کرتے رہتے ہیں اور ظلم کرتے کرتے مرجاتے ہیں اور انہیں اس پر کوئی سزا نہیں ملتی اور کئی لوگ ظلم سہتے رہتے ہیں اور انہیں اس پر کوئی جزا نہیں ملتی اور ظالم کا بغیر سزا کے رہ جانا اور مظلوم کا بغیر جزا کے رہ جانا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے' اس لیے ضروری ہوا کہ اس جہان کے بعد کوئی اور جہان ہو جہاں ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملے اور مظلوم کو اس کی مظلومیت پر جزا ملے اور جزا اور سزا کے عمل سے پہلے ضروری ہے کہ اس جہان کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے اور جب تک یہ جہان باقی رہے گا عمل ختم نہیں ہوں گے کیونکہ انسان کے مرنے کے بعد بھی عمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے مثلاً ایک انسان مسجد بنا دیتا ہے تو جب تک وہ مسجد زمین پر قائم رہے گی اور لوگ اس میں نمازیں پڑھتے رہیں گے اس شخص کی نیکیوں کا سلسلہ اس کے نامہ اعمال میں درج ہوتا رہے گا اس طرح کوئی شخص فحاشی کا اڈہ قائم کرتا ہے یا کوئی جوئے کا اڈہ قائم کرتا ہے تو جب تک برائیوں کا وہ اڈہ قائم رہے گا اور اس میں برائیاں ہوتی رہیں گی اس کے نامہ اعمال میں برائیاں لکھی جاتی رہیں گی اور یوں لوگوں کے اعمال کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک یہ پوری دنیا ختم نہ کر دی جائے اس لیے جزا اور سزا کے نظام کو برپا کرنے سے پہلے قیامت کا آنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور اس دن سب حاضر ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس دن نیک اور بد سب حاضر ہوں گے۔ دوسرے مفسرین نے کہا: اس دن آسمان والے اور زمین والے سب حاضر ہوں گے۔

اور فرمایا: ہم اس دن کو معین مدت تک کے لیے موخر کر رہے ہیں' یعنی ہمارے علم میں اس کے لیے جو دن مقرر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب وہ دن آئے گا تو کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا بعض ان میں سے بدبخت ہوں گے اور بعض نیک بخت○ (ھود: ۱۰۵)

کیا حشر کے دن لوگوں کا باتیں کرنا مطلقاً ممنوع ہے؟

یعنی جب وہ سخت مہیب اور ہولناک دن آئے گا جب سب خوف سے کانپ رہے ہوں گے اور سب پر دہشت طاری ہوگی اس وقت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی سے بات نہیں کر سکے گا لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ لوگ اس دن باتیں کریں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ۔ (الصّٰفّٰت: ۲۷) — اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں سوال کریں گے۔

يَوْمَ تَاْتِیْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا۔ (النحل: ۱۱۱) — جس دن ہر شخص اپنی طرف سے بحث کرتا ہوا آئے گا۔

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ وہ ایسا کلام نہیں کر سکیں گے جس سے وہ اپنی تقصیرات اور معاصی کے ارتکاب کا جواز پیش کر سکیں یا اپنے کفر اور شرک کو برحق ثابت کر سکیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کا دن بہت طویل ہو گا اور اس کے بہت سے مراحل ہوں گے۔ بعض اوقات میں ان کو بالکل بولنے کی اجازت نہیں ہو گی' اور بعض اوقات میں ان کو بات کی اجازت دی جائے گی تو وہ بات کریں گے' بعض اوقات میں وہ اپنی طرف سے بحث کریں گے اور بعض اوقات میں ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی' ان کے ہاتھ بات کریں گے اور ان کے پیر گواہی دیں گے۔

آیا حشر کے دن لوگ سعید اور شقی میں منحصر ہوں گے یا نہیں؟

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اہلِ محشر میں بعض لوگ نیک بخت ہوں گے اور بعض لوگ بدبخت ہوں گے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اہلِ محشر میں پاگل اور بچے بھی ہوں گے حالانکہ وہ نیک بخت اور بدبخت ان دونوں قسموں سے خارج ہیں۔
اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اہلِ محشر سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا حساب لیا جائے گا اور جن کا حساب لیا جائے گا وہ بہرحال ان دو قسموں سے خارج نہیں ہیں۔

اس جگہ یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ اہلِ اعراف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے نہ دوزخ میں' آیا وہ ان دو قسموں میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح پاگل اور بچے ان دو قسموں سے خارج ہیں اسی طرح اہلِ اعراف بھی ان قسموں سے خارج ہیں۔

اس جگہ ایک اور سوال یہ ہوتا ہے کہ سعید (نیک بخت) وہ ہے جس کا ثواب زیادہ ہو اور شقی (بدبخت) وہ ہے جس کا عذاب زیادہ ہو' ان کے علاوہ ایک اور قسم بھی ہے جس کا ثواب اور عذاب دونوں برابر ہیں' وہ کس قسم میں داخل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دو قسموں کا ذکر اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ تیسری قسم کا وجود نہ ہو' جس طرح قرآنِ مجید کی اکثر آیات میں صرف مومن یا کافر کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ منافقین کی قسم نہ ہو۔

لوگوں کے سعید اور شقی ہونے کے متعلق احادیث

اس آیت میں انسانوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں: سعید اور شقی اور ان کے متعلق حسبِ ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سچے ہیں اور آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کی تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک جمع ہوتی رہتی ہے پھر وہ (نطفہ) چالیس دن بعد جما ہوا خون ہو جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ جما ہوا خون گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے' وہ اس میں روح پھونک دیتا ہے' اور اس کو چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: وہ اس کا رزق لکھ دیتا ہے اور اس کی مدتِ حیات لکھ دیتا ہے اور یہ لکھ دیتا ہے کہ وہ کیا عمل کرے گا اور یہ لکھ دیتا ہے کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے' پس اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' تم میں سے ایک شخص اہلِ جنت کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' پھر اس پر لکھا ہوا (مقدر) غالب آ جاتا ہے اور اس کا خاتمہ اہلِ دوزخ کے عمل پر ہوتا ہے' اور وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے' اور تم میں سے ایک شخص اہلِ دوزخ کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے اور اس کا خاتمہ اہلِ جنت کے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۸' سنن الترمذی رقم الحدیث:

۷۴۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۰۹۴ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۳۲۶ مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۲،
سنن دارمی رقم الحدیث: ۷۰، مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۱۵۷، ۵۱۵۷ معجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۰۰ حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۶۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے کہ وہ جنت میں ہے یا دوزخ میں۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اسی پر اعتماد نہ کر لیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، تم عمل کرو، ہر شخص کے لیے اس کا عمل آسان کر دیا گیا ہے، پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں:

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰیۙ ○ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰیۙ ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلۡیُسۡرٰیؕ ○ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰیۙ ○ وَكَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰیۙ ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰیؕ ○ (اللیل: ۱۰-۵)

سو جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈرا ○ اور نیک بات کی تصدیق کی ○ تو ہم عنقریب اس کے لیے نیک اعمال آسان کر دیں گے ○ اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پروا رہا ○ اور اس نے نیک بات کی تکذیب کی ○ تو ہم عنقریب اس کے لیے بُرے اعمال کو آسان کر دیں گے ○

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۷، ۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۷، ۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۴ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۸، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۰۷۴ مسند احمد ج ۱ ص ۸۲، مسند بزار رقم الحدیث: ۵۸۳، مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۳۷۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۴ شرح السنہ رقم الحدیث: ۷۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتلایئے کہ ہم جو عمل کرتے ہیں، کیا یہ اعمال (اللہ تعالیٰ کے لکھنے سے پہلے) ابتداءً ہیں یا ان اعمال (کو لکھنے) سے فراغت ہو چکی ہے؟ آپ نے فرمایا: ان سے فراغت ہو چکی ہے، یا ابن الخطاب! اور ہر عمل آسان کیا جا چکا ہے! جو اہلِ سعادت ہیں وہ سعادت کے لیے عمل کرتے ہیں اور جو اہلِ شقاوت ہیں وہ شقاوت کے لیے عمل کرتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۵، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲، مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۵۴۶۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں ہمارے پاس تشریف لائے کہ آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! ہاں اگر آپ بتا دیں! آپ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی، یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے، اس میں تمام جنتیوں کے نام ہیں اور ان کے باپ دادا کے نام ہیں اور ان کے قبیلوں کے، پھر اس کے آخر میں کل تعداد لکھ دی گئی ہے اس میں کمی ہوگی نہ زیادتی، پھر اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی، یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے، اس میں دوزخیوں کے نام ہیں اور ان کے باپ دادا کے نام ہیں اور ان کے قبیلوں کے، پھر اس کے آخر میں کل تعداد لکھ دی گئی ہے، اس میں کمی ہوگی نہ زیادتی۔ آپ کے اصحاب نے کہا: یا رسول اللہ! جب سب کچھ لکھ کر فراغت ہو چکی ہے تو پھر ہم عمل کس لیے کریں؟ آپ نے فرمایا: نیک عمل کرو اور نیکی کے قریب رہو کیونکہ جنتی کا خاتمہ اہلِ جنت کے اعمال پر کیا جاتا ہے خواہ اس نے (زندگی بھر) کیسے ہی عمل کیے ہوں، اور دوزخی کا خاتمہ اہلِ دوزخ کے اعمال پر کیا جاتا ہے خواہ اس نے (زندگی بھر) کیسے ہی عمل کیے ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں کو ایک طرف ڈال دیا، پھر فرمایا: تمہارا رب بندوں (کے عمل لکھنے) سے فارغ ہو چکا ہے، ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۱، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۲۵)

جب انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی تقدیر میں شقی ہونا لکھ دیا تو پھر معصیت میں اس کا کیا قصور ہے؟

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ وہ سعید ہے یا شقی ہے یا اہلِ جنت میں سے ہے یا اہلِ نار سے ہے تو اب انسان کے عمل کرنے کا کیا فائدہ ہے، ہوگا تو وہی جو پہلے سے تقدیر میں لکھا ہوا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ انسان اپنے اختیار سے دنیا میں کیسے عمل کرے گا، وہ اہلِ جنت کے عمل کرے گا یا اہلِ نار کے عمل کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں وہی کچھ لکھا ہے جو خود بندہ نے اپنے اختیار سے کرنا تھا، اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی تقدیر انسان کے اعمال کے مطابق ہے، انسان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی تقدیر کے مطابق نہیں ہیں۔

تقدیرِ معلق اور تقدیرِ مبرم کے متعلق احادیث

انسان پر جو راحتیں اور مصیبتیں آتی ہیں اور خوشیاں اور غم آتے ہیں، بیماریوں اور تندرستیوں کا توارد ہوتا ہے، رزق کی تنگی اور فراخی ہوتی ہے، حوادثِ روزگار، فتح اور شکست، کامیابی اور ناکامی اور زندگی اور موت آتی ہے، ان تمام امور میں انسان کا اختیار نہیں ہے، ان سب کا تعلق اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے، البتہ جن احکام شرعیہ کا اسے مکلف کیا گیا ہے ان میں اس کو اختیار دیا گیا ہے مثلاً اس کا نماز پڑھنا یا نہ پڑھنا، روزہ رکھنا یا نہ رکھنا، یہ اس کے اختیار میں ہے اور ان ہی کاموں پر اس کو جزا یا سزا ملتی ہے البتہ پہلے جن امور کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی امورِ تکوینیہ، ان میں اس کا اختیار نہیں ہے لیکن ہر دو کا تعلق تقدیر کے ساتھ ہے اور تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے اور تقدیر حقیقت میں تقدیرِ مبرم ہے جو اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اس میں کوئی تغیر اور تبدل محال ہے کیونکہ اس میں تغیر اللہ تعالیٰ کے جہل کو مستلزم ہے اور وہ محال ہے، البتہ علماء نے تقدیر کی ایک اور قسم بھی ذکر کی ہے، اس کو تقدیرِ معلق کہتے ہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر صرف دُعا سے بدل جاتی ہے اور عمر میں زیادتی صرف نیکی سے ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۲۸)

عمر بھی تقدیر سے ہے سو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دُعا اور نیکی سے تقدیر بدل جاتی ہے حالانکہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کا بدلنا محال ہے سو تقدیر کا بدلنا بھی محال ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس پر ایمان نہ لائے کہ ہر اچھی اور بُری چیز تقدیر سے وابستہ ہے اور یہ یقین رکھے کہ جو مصیبت اس پر آئی ہے وہ اس سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت اس سے ٹل گئی ہے وہ اس کو پہنچ نہیں سکتی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تمہیں چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں، تم اللہ کے دین کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، تم اللہ کی رضا کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تم سوال کرو تو تم اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو، اور یقین رکھو کہ اگر پوری امت تم کو کوئی فائدہ پہنچانے پر جمع ہو جائے تو جو چیز اللہ نے تمہارے لیے نہیں لکھی وہ تم کو اس کا فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور اگر سب لوگ تم کو ضرر پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو جو

چیز اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نہیں لکھی وہ تمہیں اس کا ضرر نہیں پہنچا سکتے، قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۹۸۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۷۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طاقت ور مسلمان اللہ تعالیٰ کو کمزور مسلمان کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہے اور ہر مسلمان میں (قوی ہو یا ضعیف) خیر ہے، جو چیز تمہارے لیے فائدہ مند ہو اس کی حرص کرو اور اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجز نہ ہو، اور اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچی ہو تو یہ نہ کہو کہ اگر میں فلاں فلاں کام کر لیتا تو مجھ کو یہ مصیبت نہ پہنچتی، لیکن یہ کہو کہ یہ اللہ کی تقدیر ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کیونکہ "اگر" کا لفظ شیطان کے عمل کو کھولتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۷۹۹، دار الفکر)

اول الذکر احادیث سے معلوم ہوا کہ دعا اور نیکی سے تقدیر بدل جاتی ہے اور ثانی الذکر احادیث سے معلوم ہوا کہ تقدیر کسی چیز سے نہیں بدل سکتی، علماء اسلام نے ان احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں: تقدیر معلق اور تقدیر مبرم۔ تقدیر مبرم ہی اصل تقدیر ہے اور وہ کسی چیز سے نہیں بدل سکتی اور تقدیر معلق یہ ہے کہ انسان اگر دعا کرے گا یا نیکی کرے گا تو اس کی عمر بڑھ جائے گی ورنہ نہیں بڑھے گی مثلاً تقدیر معلق کے مرتبہ میں اس کی عمر چالیس سال لکھی ہوئی ہے، اس نے نیکی کی تو اس کی عمر چالیس سال کو مٹا کر ساٹھ سال لکھ دی گئی لیکن اللہ تعالیٰ کو بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیکی کرے گا اور اس کی عمر ساٹھ سال ہو گی اور یہ تقدیر مبرم ہے جس میں تغیر ہونا محال ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ۔ (الرعد: ۳۹)

اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔

قضاء مبرم کو کوئی ٹال نہیں سکتا

کتاب المحو والاثبات تقدیر معلق ہے اور ام الکتاب تقدیر مبرم ہے، اور تقدیر معلق میں نیکی اور دعا سے تبدیلی ہو جاتی ہے اور تقدیر مبرم کوئی نہیں بدل سکتا۔ مشہور ہے کہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں قضاء مبرم کو ٹال دیتا ہوں، اس سے مراد حقیقی مبرم نہیں ہے، مبرم اضافی ہے۔ وہ حقیقت میں تقدیر معلق ہے لیکن حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے کم درجہ کے اولیاء کرام کی دعا سے وہ تقدیر نہیں بدل سکتی تھی اور ان کے اعتبار سے وہ تقدیر مبرم تھی اور غوث اعظم کی دعا سے وہ تقدیر بدل سکتی تھی اس لیے فرمایا کہ میں قضاء مبرم کو ٹال دیتا ہوں، یعنی اس تقدیر کو جو ان سے کم درجہ کے اولیاء کرام کے اعتبار سے قضاء مبرم ہے اور حقیقتاً قضاء مبرم کو بدل دینا کسی کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہے۔ تقدیر معلق ہر چند کہ حقیقی تقدیر نہیں ہے لیکن اس کو اللہ کے نیک بندوں کی دعا اور نیک اعمال کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔

تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر امت میں مجوسی ہوتے ہیں اور اس امت کے مجوسی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ کوئی تقدیر نہیں ہے، ان میں سے جو شخص مرجائے تو اس کے جنازہ پر مت جاؤ اور اگر ان میں سے کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت نہ کرو، وہ دجال کی جماعت ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ ان کو دجال کے ساتھ لاحق کر دے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قدریہ (منکرین تقدیر) اس امت

کے مجوس (آتش پرست، یہ دو خدا مانتے ہیں: ایک یزداں جو نیکی پیدا کرتا ہے اور ایک اہرمن جو بدی پیدا کرتا ہے، اسی طرح منکرینِ تقدیر بھی دو خالق مانتے ہیں: ایک اللہ تعالیٰ، دوسرا انسان جو اپنے افعال کو پیدا کرتا ہے اس لیے منکرینِ تقدیر کو مجوس فرمایا) ہیں، اگر یہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت مت کرو اور اگر یہ مرجائیں تو ان کے جنازہ میں مت جاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۶۹۱)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک دوست نے شام سے ان کو خط لکھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو جواب لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم تقدیر پر نکتہ چینی کرتے ہو، اب تم مجھے خط نہ لکھنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو تقدیر کی تکذیب کریں گے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۶۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۰۶۱)

یحییٰ بن یعمر بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے تقدیر کا انکار کیا وہ بصرہ کا رہنے والا ایک شخص معبد جہنی تھا، میں اور حمید بن عبدالرحمٰن حج یا عمرہ کے لیے گئے، ہم نے کہا: کاش ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صحابی مل جاتا تو ہم اس سے تقدیر کا مسئلہ معلوم کرتے تو حسنِ اتفاق سے مسجد میں ہماری ملاقات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہوگئی، میں نے اور میرے ساتھی نے دائیں بائیں سے ان کو گھیر لیا۔ میں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہمارے علاقہ میں کچھ لوگ قرآن مجید پڑھتے ہیں اور بڑے علم کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے، جو کچھ ہوتا ہے وہ ابتداءً ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان سے کہنا کہ میں ان سے بری (لاتعلق) ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں اور جس چیز پر عبداللہ بن عمر قسم کھاتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی شخص کے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور وہ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے۔ الحدیث۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۶۹۵، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۱۰، سنن النسائی رقم الحدیث:۴۹۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۴، مسند احمد ج ۱ ص ۲۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۱۶۸)

تقدیر میں بحث کرنا ممنوع ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر قریش تقدیر کے متعلق بحث کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی:

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ (القمر: ۴۹-۴۸)

جس دن وہ آگ میں اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے، دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھو ۝ بے شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۱۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۳، خلق افعال العباد رقم الحدیث:۱۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، اس وقت ہم تقدیر کے متعلق بحث کر رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کا مبارک چہرہ سرخ ہوگیا، گویا کہ آپ کے رخساروں میں انار کے دانے کھل گئے ہوں، آپ نے فرمایا: کیا تم کو اس میں بحث کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا میں اس میں بحث

کرنے کے لیے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں، تم سے پہلی امتیں اس وقت ہلاک کر دی گئیں جب وہ اس میں بحث کر رہی تھیں، میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم اس میں بحث مت کرو۔ یہ حدیث حضرت عمر، حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۳، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۰۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے تقدیر میں بحث کی اس سے قیامت کے دن اس کے متعلق سوال ہوگا اور جس نے بحث نہیں کی اس سے اس کے متعلق سوال نہیں ہوگا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۴)

ابن الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا: میرے دل میں تقدیر کے متعلق ایک شبہ پیدا ہوا ہے، مجھے تقدیر کے متعلق کوئی حدیث بیان فرمائیے، شاید اللہ تعالیٰ میرے دل سے اس شبہ کو نکال دے۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: اگر اللہ تمام آسمان والوں کو اور تمام زمین والوں کو عذاب دے، تو وہ عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہے اور اگر وہ رحم فرمائے تو اس کا رحم لوگوں کے اعمال سے بہتر ہے اور اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا اللہ کی راہ میں خیرات کرو تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک تم سے قبول نہیں فرمائے گا جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور جب تک تم یہ یقین نہ رکھو کہ تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ تم سے ٹل نہیں سکتی تھی، اور جو مصیبت تم سے ٹل چکی ہے وہ تم کو پہنچ نہیں سکتی تھی اور اگر تم اس عقیدہ کے خلاف پر مرے تو تم دوزخ میں داخل ہو گے، پھر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی جو اس کی مثل تھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۶۶۷، مطبوعہ دار الفکر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ اور حضرت آدم علیہما السلام میں مباحثہ ہوا۔ حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے کہا: تم ہی وہ شخص ہو جس نے اپنے ذنب (اجتہادی خطا) کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے نکالا اور ان کو بدنصیب بنایا۔ حضرت آدم نے کہا: اے موسیٰ! تم ہی وہ شخص ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے سرفراز فرمایا، کیا تم مجھے اس چیز پر ملامت کر رہے ہو، جس کو اللہ نے مجھے پیدا کرنے سے پہلے مجھ پر لکھ دیا تھا یا کہا جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پیدا کرنے سے پہلے میرے لیے مقدر کر دیا تھا، پھر حضرت آدم نے حضرت موسیٰ پر غلبہ پا لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۴، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۶۰، مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۷۹، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۱۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۴۰، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۲۴۵، الشریعہ للآجری رقم الحدیث: ۱۸۱، شرح السنہ رقم الحدیث: ۶۸)

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کے درمیان یہ مباحثہ عالم برزخ میں ہوا یا حضرت موسیٰ حضرت آدم کی قبر پر گئے اور وہاں ان سے یہ بحث کی، رہا یہ سوال کہ جس طرح حضرت آدم نے اپنی اجتہادی خطا پر تقدیر کا عذر پیش کیا، کیا اس طرح ہم بھی اپنے گناہوں پر تقدیر میں لکھے کا عذر پیش کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم نے یہ عذر برزخ میں پیش کیا تھا اور جب تک وہ دنیا میں رہے وہ اس خطاء پر توبہ اور استغفار کرتے رہے، اور رہا یہ سوال کہ جب تقدیر میں بحث کرنا ممنوع ہے تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے تقدیر کے مسئلہ پر کیوں مباحثہ کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بحث دنیا میں ممنوع ہے اور حضرت موسیٰ

نے یہ مباحثہ برزخ میں کیا تھا' نیز یہ ہماری شریعت میں ممنوع ہے' ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تقدیر پر بحث کرنا ممنوع نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رہے بدبخت لوگ تو وہ دوزخ میں ہوں گے اور ان کے لیے اس میں چیخنا اور چلانا ہو گا○ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے' بے شک آپ کا رب جو بھی ارادہ کرتا ہے اس کو خوب پورا کرنے والا ہے○ اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے یہ غیر منقطع عطاء ہے○ (ھود: ۱۰۸-۱۰۶)

سعادت اور شقاوت کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: نیک کاموں کے حصول میں اللہ تعالیٰ کی مدد مل جانا سعادت ہے اور اس کا الٹ اور ضد شقاوت ہے۔ سعادت کی دو قسمیں ہیں: سعادت دنیوی اور سعادت اخروی۔ سعادت اخروی جنت ہے اور سعادت دنیوی کی تین قسمیں ہیں: رُوح کی سعادت' بدن کی سعادت اور خارجی سعادت۔ رُوح کی سعادت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے ہوتی ہے' اور بدن کی سعادت صحت اور قوت ہے اور مفید غذاؤں اور دواؤں سے حاصل ہوتی ہے' اور خارجی سعادت انسان کے نیک مطلوب پر معاونت کرنے سے حاصل ہوتی ہے' اور اس کا الٹ اور ضد شقاوت ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۰۶-۳۴۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے: سعادت کا معنی نفع' معاونت' اللہ تعالیٰ کا نیک کاموں کی توفیق دینا یا ان کاموں کی توفیق دینا جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ (تاج العروس ج ۲ ص ۷۶' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

زفیر اور شہیق کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: اتنا لمبا اور گہرا سانس لینا جس سے سینہ پھول جائے زفیر ہے اور گہرے سانس کو باہر نکالنا شہیق ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۵۵' ۲۸۱' مطبوعہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے لکھا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شدید اور سخت آواز زفیر ہے اور پست اور کمزور آواز شہیق ہے۔ امام ابو العالیہ نے کہا: جو آواز حلق سے نکلے وہ زفیر ہے اور جو آواز سینہ سے نکلے وہ شہیق ہے۔ قتادہ نے کہا: جہنم میں کافر کی ابتدائی آواز اور گدھے کی ابتدائی آواز زفیر ہے اور جہنم میں کافر کی آخری آواز اور گدھے کی آخری آواز شہیق ہے۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۱۵۲-۱۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ نے امام ابن جریر کے ذکر کردہ معانی پر حسبِ ذیل معانی کا اضافہ کیا ہے:

حسن نے کہا: جہنم کے شعلے اپنی قوت سے کفار کو اٹھا کر جہنم کے سب سے بلند طبقہ میں پہنچا دیں گے اور اس وقت کفار یہ چاہیں گے کہ وہ جہنم سے نکل جائیں تو فرشتے لوہے کے گرز مار کر ان کو پھر جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں پہنچا دیں گے' سو ان کا دوزخ میں اوپر اٹھنا زفیر اور نیچے گرنا شہیق ہے۔ ابو مسلم نے کہا: جب انسان پر سخت گریہ و زاری طاری ہو تو سینہ میں جو سانس گھٹ جاتا ہے وہ زفیر ہے اور انتہائی غم اور اندوہ کے وقت رونے سے جو آواز نکلتی ہے وہ شہیق ہے۔ بعض اوقات اس کیفیت کے بعد غشی طاری ہو جاتی ہے اور بعض اوقات آدمی مر جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ جو رونا ختم نہ ہو وہ زفیر ہے اور غم کم نہ ہو وہ شہیق ہے اور اہلِ تحقیق نے کہا: کفار کا دنیا اور اس کی لذتوں کی طرف مائل ہونا

زفیر ہے اور کمالاتِ روحانیہ میں ان کی معاونت کا کمزور ہونا شہیق ہے۔

(غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۴ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ کفار کے عذاب کو آسمان و زمین کے قیام پر موقوف کرنا دوامِ عذاب کے منافی ہے

"وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین رہیں گے۔" آیت کے اس حصہ سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ آسمان اور زمینوں کا قائم رہنا تو دائمی اور ابدی نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے دوزخ میں قیام کو آسمانوں اور زمینوں کے قیام پر معلق کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کفار کا دوزخ میں قیام بھی دائمی اور ابدی نہیں ہے بلکہ وقتی اور عارضی ہے۔

قرآنِ مجید کی دیگر نصوصِ قطعیہ اور بکثرت احادیث سے چونکہ یہ ثابت ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اس لیے مفسرین نے اس آیت کی متعدد تاویلات کی ہیں، بعض ازاں یہ ہیں:

(۱) اس آیت میں آسمان اور زمین سے مراد دنیا کے آسمان اور زمین نہیں ہیں بلکہ جنت اور دوزخ کے آسمان اور زمین مراد ہیں کیونکہ جنت اور دوزخ فضا اور خلا میں تو نہیں ہیں، ان میں فرش ہو گا جس پر لوگ بیٹھے ہوئے یا ٹھہرے ہوئے ہوں گے، اور ان کے لیے کوئی سائبان بھی ہو گا جس کے سائے میں وہ لوگ ہوں گے اور عربی میں ہر سایہ کرنے والی چیز پر سماء کا اطلاق کیا جاتا ہے اور جنت میں زمین کے وجود پر یہ آیت دلیل ہے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ○ (الزمر: ۷۴)

اور (جنتی) کہیں گے اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو (اس) زمین کا وارث بنایا تاکہ ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں، پس نیک عمل کرنے والوں کا ثواب کیسا اچھا ہے۔

آخرت کے زمین و آسمان دنیا کے زمین و آسمان سے مختلف ہیں، اس پر یہ آیت بھی دلیل ہے:

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ۔ (ابراہیم: ۴۸)

جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی۔

اور جب یہ واضح ہو گیا کہ جنت اور دوزخ کے زمین و آسمان اس دنیا کے زمین و آسمان کے مغائر ہیں اور جب جنت اور دوزخ ہمیشہ رہیں گی تو ان کے زمین اور آسمان بھی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جنت اور دوزخ میں رہنے والے بھی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔

(۲) اگر زمین و آسمان سے مراد اس دنیا کے زمین اور آسمان ہوں تب بھی یہ آیت جنت اور دوزخ میں جنتیوں اور دوزخیوں کے دوام کے منافی نہیں ہے، کیونکہ عربوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کا دوام بیان کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے تو فلاں چیز رہے گی اور قرآنِ مجید چونکہ عربوں کے اسلوب کے موافق نازل ہوا ہے اس لیے جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے اس سے مراد دوام اور خلود ہی ہے، اور معنی یہی ہے کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۳) مقدم کے ثبوت سے تالی کا ثبوت ہوتا ہے لیکن مقدم کی نفی سے تالی کی نفی نہیں ہوتی مثلاً ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ

انسان ہے تو پھر یہ حیوان ہے' یہ درست ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کہ اگر یہ انسان نہیں ہے تو پھر یہ حیوان نہیں ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ انسان نہ ہو گھوڑا ہو اور حیوان ہو' اسی طرح جب تک آسمان اور زمین ہیں وہ دوزخ میں رہیں گے' اس سے یہ لازم نہیں ہوگا کہ جب آسمان اور زمین نہ ہوں تو وہ دوزخ میں نہ ہوں۔

دائمی عذاب پر امام رازی کے دو اعتراضوں کا جواب

امام رازی نے لوگوں کی طرف سے ایک اعتراض اس طرح نقل کیا ہے کہ کافر نے زمانہ متناہی میں جرم کیا ہے اور اس کی سزا غیر متناہی زمانہ تک دینا ظلم ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عذاب کافر کی نیت کے اعتبار سے ہے' اس کی نیت دائماً کفر کرنے کی ہوتی ہے اگر بالفرض وہ غیر متناہی زمانہ تک زندہ رہتا تو غیر متناہی زمانہ تک کفر کرتا' اس وجہ سے اس کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب دیا جائے گا۔

امام رازی نے دوسرا اعتراض یہ ذکر کیا ہے کہ یہ عذاب نفع سے خالی ہے اس لیے یہ قبیح ہے' یہ نفع سے اس لیے خالی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو اس کا نفع ہو نہیں سکتا' کیونکہ وہ نفع اور ضرر سے مستغنی اور بلند ہے' اور دوزخی کافر کو بھی اس عذاب سے نفع نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے حق میں یہ عذاب ضرر محض ہے' اور جنتی مسلمانوں کو بھی کافر کے عذاب سے کوئی نفع نہیں ہوگا' کیونکہ وہ اپنی لذتوں میں منہمک اور مشغول ہوں گے تو کسی کے دائمی عذاب میں مبتلا ہونے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ امام رازی کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل کے اعتبار سے تو کافر کو مطلقاً عذاب ہونا ہی نہیں چاہیے اور اس دلیل کو دائمی عذاب کے ساتھ مخصوص کرنا باطل ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار کو عذاب دینا ان کے جرم کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عدل ہے' اس میں یہ لحاظ نہیں کیا گیا کہ اس سے کسی کو نفع پہنچے گا یا نہیں۔ یہ دو اعتراض امام رازی نے تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۰۱ میں ذکر کیے ہیں۔

کفار کے دائمی عذاب پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے۔

اس آیت میں جو استثناء کیا گیا ہے اس سے بعض لوگوں نے یہ مطلب نکالا ہے کہ کفار کو دوزخ میں لازمی طور سے دائمی عذاب نہیں ہوگا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو ایک محدود مدت تک عذاب دے گا۔ سید مودودی لکھتے ہیں:

یعنی کوئی اور طاقت تو ایسی ہے ہی نہیں جو ان لوگوں کو دائمی عذاب سے بچا سکے' البتہ اگر اللہ تعالیٰ خود ہی کسی کے انجام کو بدلنا چاہے یا کسی کو ہمیشگی کا عذاب دینے کے بجائے ایک مدت تک عذاب دے کر معاف کر دینے کا فیصلہ فرمائے تو اسے ایسا کرنے کا پورا اختیار ہے کیونکہ اپنے قانون کا وہ خود ہی واضع ہے' کوئی بالاتر قانون ایسا نہیں ہے جو اس کے اختیارات کو محدود کرتا ہو۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۶۹' مطبوعہ لاہور' سولہواں ایڈیشن' ۱۴۰۲ھ)

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں کوئی کلام نہیں ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی بکثرت آیات میں یہ خبر دی ہے کہ کافروں اور مشرکوں کو دائمی اور ابدی عذاب ہوگا' اب اگر اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے تو خود اس کے کلام کا خلاف لازم آئے گا اور یہ کذب ہوگا اور کذب اللہ تعالیٰ کے کلام میں محال ہے اس لیے جب اس آیت میں دوزخیوں کے عذاب سے استثناء کا ذکر کیا گیا ہے اس میں تاویل کرنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

اب اگر اللہ تعالیٰ کسی کافر یا مشرک کی سزا معاف کر کے اس کو بخش دے تو اس کی اس خبر کے خلاف لازم آئے گا اور یہ محال ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کسی کافر کے عذاب میں تخفیف نہیں فرمائے گا اب اگر وہ کسی کافر کی سزا معاف کر دے تو اس آیت کے خلاف ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ○ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ○ (البقرہ: ۱۶۲-۱۶۱)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر پر مر گئے' ان لوگوں پر اللہ کی' فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے' جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ○ (الاعراف: ۴۰)

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان (پر ایمان لانے) سے تکبر کیا ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک واضح مثال سے یہ بتایا ہے کہ جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا محال ہے اسی طرح کفار کا جنت میں داخل ہونا محال ہے' اب کفار کی مغفرت اور ان کے جنت میں داخل ہونے کے امکان کو ظاہر کرنا اس آیت کی تکذیب کے مترادف ہے' اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ (النساء: ۵۶)

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا' ہم عنقریب ان کو آگ میں داخل کر دیں گے' جب بھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی ہم ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کو چکھیں۔

اس آیت سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ کافروں پر عذاب کا سلسلہ تا ابد جاری رہے گا ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی قید اور بغیر کسی استثناء کے یہ کلی حکم لگایا ہے کہ کافروں کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب ہو گا اور اب یہ امکان پیدا کرنا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کافروں کو ایک مدت تک عذاب دے کر ان کو معاف فرما دے گا ان تمام آیتوں کی تکذیب کے مترادف ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان کو معاف نہیں کرے گا ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی' ان کو جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا اور جب بھی ان کی کھال جل جائے گی اس کو دوسری کھال سے بدل دیا جائے گا اور ان کے علاوہ بکثرت آیات ہیں جن میں فرمایا ہے کہ کافروں کو دائمی اور ابدی عذاب ہو گا۔

زیرِ تفسیر آیت میں کفار کے دائمی عذاب سے استثناء کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد دوزخیوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا یہ دوزخی کون ہیں؟ تحقیق یہ ہے کہ ان دوزخیوں سے مراد موحدین ہیں جن کو ان کے گناہوں کے سبب سے تطہیر کے لیے دوزخ میں ڈالا جائے گا پھر کچھ

عرصہ کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

(۱) قتادہ اور ضحاک نے بیان کیا کہ یہ استثناء ان موحدین کی طرف راجع ہے جنھوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا تھا' اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا ان کو دوزخ میں رکھے گا پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دے گا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۳۱۴، ۱۴۳۱۳، ۱۴۳۱۲، ۱۴۳۱۱، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۲۳۷، ۱۱۲۳۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو جنت میں داخل کر دے گا' وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہے گا جنت میں داخل فرمائے گا' اور اہلِ دوزخ کو دوزخ میں داخل کر دے گا' پھر فرمائے گا: تم دیکھو جس کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو' پھر وہ دوزخ سے اس حال میں نکالے جائیں گے کہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے پھر ان کو حیات کے دریا میں ڈال دیا جائے گا تو وہ اس طرح نشو ونما پانے لگیں گے جس طرح دریا کے کنارے اگا ہوا دانہ نشو ونما پاتا ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح زرد رنگ کا لپٹا ہوا نکلتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲، ۶۵۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴)

(۲) اس آیت کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے سوا ان اوقات کے جب وہ دنیا میں تھے یا برزخ میں تھے یا میدانِ حشر میں حساب کتاب کے لیے کھڑے ہوئے تھے' خلاصہ یہ ہے کہ دوزخیوں کا دوزخ کے عذاب سے استثناء ان تین اوقات اور احوال کی طرف راجع ہے۔

(۳) اس آیت کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ یہ استثناء ان کے چیخنے اور چلانے کی طرف راجع ہے یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ چیختے اور چلاتے رہیں گے' لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کی چیخ وپکار نہیں ہوگی۔

(۴) اس آیت کی چوتھی توجیہ یہ ہے کہ دوزخ میں آگ کا عذاب بھی ہوگا اور زمہریر کا عذاب بھی ہوگا جس میں بہت سخت ٹھنڈک ہوگی اور یہ استثناء آگ کے عذاب کی طرف راجع ہے' یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ آگ کے عذاب میں رہیں گے مگر جس وقت اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کو آگ کے عذاب سے نکال کر ٹھنڈک کے عذاب میں ڈال دے گا۔

(۵) اس آیت کی پانچویں توجیہ یہ ہے کہ یہ آیت سورۂ فتح کی اس آیت کی طرح ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ۔ (الفتح: ۲۷)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ سچا خواب دکھایا اگر اللہ چاہے گا تو تم ضرور مسجد حرام میں امن و امان کے ساتھ داخل ہو گے (بعض) اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور (بعض) اپنے سروں کو کترواتے ہوئے۔

بظاہر اس آیت کا یہ معنی ہے اگر اللہ چاہے گا تو تم امن کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے اور اگر اللہ چاہے گا تو نہیں داخل ہو گے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ مسلمان مسجد حرام میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق ہونا واجب ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم معاذ اللہ جہل سے بدل جائے گا سو جس طرح اس آیت میں "اللہ چاہے گا" کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمانوں کا مسجد حرام میں داخل نہ ہونا بھی ممکن ہے اسی طرح زیرِ تفسیر آیت میں بھی "مگر جتنا آپ کا رب چاہے" کا یہ معنی نہیں ہے کہ ایک محدود مدت کے بعد اللہ تعالیٰ یہ چاہے گا کہ دوزخیوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔

اہلِ جنت کے جنت میں اور اہلِ نار کے نار میں دوام کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے۔

اس آیت میں جو استثناء ہے اس کی بھی وہی توجیہات ہیں جو اس سے پہلی آیت میں بیان کی جا چکی ہیں اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کو ان اہلِ جنت پر محمول کیا جائے جو کچھ عرصہ دوزخ میں رہیں گے پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور اب اس آیت کا معنی اس طرح ہو گا کہ نیک بخت لوگ جنت میں ہمیشہ رہیں گے، سوا اس وقت کے جب وہ دوزخ میں تھے، پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: "یہ غیر منقطع عطاء ہے۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد اور ابو العالیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ اس لیے فرمایا کہ کسی شخص کو یہ وہم نہ ہو کہ اہلِ جنت کا جنت میں قیام منقطع ہو جائے گا بلکہ ان کا جنت میں قیام حتمی اور یقینی طور پر دائمی ہے اور غیر منقطع ہے اور حدیث صحیح میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کو ایک سرمئی مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا، پھر ایک منادی یہ ندا کرے گا: اے اہلِ جنت! پھر وہ سر اٹھا کر منادی کی طرف دیکھیں گے، منادی کہے گا: تم پہچانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور سب اس کو دیکھ لیں گے، پھر وہ منادی ندا کرے گا: اے اہلِ نار! وہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے، منادی کہے گا: تم پہچانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے، پھر اس مینڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا پھر وہ منادی کہے گا: اے اہلِ جنت! اب ہمیشہ رہنا ہے، موت نہیں ہے اور اے اہلِ نار! اب ہمیشہ رہنا ہے اور موت نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۶، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۱۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۷، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۱۱، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۷)

قرآنِ مجید میں اہلِ جنت کے متعلق ہے:

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی۔ (الدخان: ۵۶)

وہ جنت میں موت کا مزہ نہیں چکھیں گے سوا اس پہلی موت کے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک منادی ندا کرے گا: (اے اہلِ جنت!) تم ہمیشہ تندرست رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے، اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی، اور تم ہمیشہ جوان رہو گے تم کبھی بوڑھے نہیں ہو گے، اور تم ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے تم پر کبھی مصیبت نہیں آئے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴۶، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۹، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۹۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے مخاطب! جن معبودوں کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں، تم ان کے متعلق کسی شک میں نہ پڑنا یہ ان کی محض اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اس سے پہلے ان کے آباء و اجداد عبادت کرتے تھے، اور بے شک ہم ان کو ان کا پورا پورا حصہ دیں گے جس میں کوئی کمی نہیں ہو گی ○ (هود: ۱۰۹)

کفار کے حصوں کا بیان

پہلے اللہ تعالیٰ نے سابقہ قوموں کے بت پرستوں کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے، پھر اس کے بعد بد بختوں اور نیک بختوں کے اُخروی انجام کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کی طرف سلسلہ کلام کو متوجہ فرمایا، اس

آیت میں بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے لیکن مراد عام مخاطب ہے، کیونکہ بت پرستوں کی عبادت کے باطل ہونے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شک کرنا تو کسی طرح متصور ہی نہیں ہے، اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ بت پرست جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں ان کے پاس ان کی پرستش پر کوئی دلیل نہیں ہے، وہ صرف اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور بے شک ہم ان کو ان کا پورا پورا حصہ دیں گے جس میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ اس ارشاد کے حسب ذیل محمل ہیں:

(۱) ان کی بت پرستی کی سزا میں ہم نے ان کے لیے جو عذاب تیار کر رکھا ہے ان کو وہ عذاب پورا پورا دیا جائے گا اور اس میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

(۲) ہرچند کہ انہوں نے کفر کیا ہے اور حق سے رُوگردانی کی ہے لیکن دنیا میں ان کے رزق اور معیشت کا جو حصہ ہے ہم اس میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔

(۳) ان کو ہدایت پر لانے کے لیے دلائل مہیا کرنے، رسول کو بھیجنے، کتاب نازل کرنے اور ان کے شبہات کا ازالہ کرنے میں جو ان کا حصہ ہے ہم اس میں کوئی کمی نہیں کریں گے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں محامل مراد ہوں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک

سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ

بات طے نہ ہو گئی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور یہ (لوگ) بے شک اس (قرآن) کی طرف سے زبردست شک

مُرِيْبٍ ۝۱۱۰ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا

میں ہیں ○ اور بے شک آپ کا رب ان میں سے ہر ایک کو (قیامت کے دن) ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اور بے شک

يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱۱ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَ

جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے ○ پس آپ اسی طرح قائم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ (بھی) جنہوں نے

لَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱۲ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ

آپ کے ساتھ (اللہ کی طرف) رجوع کیا ہے، اور (اے لوگو!) تم سرکشی نہ کرنا، بے شک تم جو کچھ کر رہے ہو وہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے ○ اور تم ان لوگوں سے

ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ

میل جول نہ رکھو جنہوں نے ظلم کیا ہے ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی، اور اللہ کے سوا تمہارے کوئی مددگار نہیں ہوں گے،

ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ

پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی ○ اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھیے، بے شک

الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿١١٤﴾ ج

نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں ○

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٥﴾ فَلَوْلَا كَانَ

اور صبر کیجیے پس بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا ○ پس تم سے پہلی

مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ

امتوں میں ایسے نیک لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے (لوگوں کو)

فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ

روکتے ماسوا چند لوگوں کے جنہیں ہم نے ان سے نجات دی تھی، اور ظالموں نے اس

ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

عیش و نشاط کی پیروی کی جس پر وہ جمے ہوئے تھے اور وہ لوگ مجرم تھے ○ اور آپ کے رب کا یہ طریقہ نہیں

لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿١١٧﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

کہ وہ کسی ظلم کی وجہ سے بستیوں کو تباہ کر دے جب کہ ان کے رہنے والے نیک ہوں ○ اور اگر آپ کا رب چاہتا

لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿١١٨﴾ لا اِلَّا

تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا (لیکن) وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے ○ مگر

مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ

جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا، اور ان کو اسی لیے پیدا فرمایا، اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہو گئی کہ میں ضرور

جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ

جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا ○ اور ہم آپ کو رسولوں کی تمام خبریں

مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ

بیان فرماتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تسکین دیتے ہیں، اور ان قصوں میں آپ کے پاس حق آگیا

الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ

اور مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت ○ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے

لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ

آپ ان سے کہیے تم اپنی جگہ کام کرتے رہو، ہم (اپنی جگہ) کام کر رہے ہیں ○ اور تم (بھی) انتظار کرو،

اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَیْهِ

بے شک ہم (بھی) انتظار کر رہے ہیں ○ اور آسمانوں اور زمینوں کے سب غیب اللہ ہی کے ساتھ مختص ہیں اور اسی کی طرف

یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

ہر کام لوٹایا جاتا ہے، پس آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر توکل کیجئے ۔ اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اس سے

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع

آپ کا رب غافل نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک بات طے نہ ہو گئی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ (لوگ) بے شک اس (قرآن) کی طرف سے زبردست شک میں ہیں ○ اور بے شک آپ کا رب ان میں سے ہر ایک کو (قیامت کے دن) ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اور بے شک جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے ○ (ھود: ۱۱۱-۱۱۰)

توحید و رسالت کا انکار کفار کی پرانی روش ہے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکار پر اصرار کر رہے ہیں اور قرآن مجید کی تکذیب پر اصرار کر رہے ہیں، اور اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ کافروں کی کوئی نئی روش نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے کفار کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہی معاملہ رہا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تو ان کی قوم کے لوگوں نے اس میں اختلاف کیا، بعض اس پر ایمان لے آئے اور بعض اس کے انکار پر ڈٹے رہے، اور مخلوق کا ہمیشہ یہی وتیرہ رہا ہے۔

کفار مکہ پر فوراً عذاب نازل نہ کرنے کی وجوہ

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک بات طے نہ ہو گئی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ

ہو چکا ہوتا۔ اس ارشاد کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) ہر چند کہ کفار مکہ اپنے عظیم جرم کی وجہ سے اس سزا کے اور ایسے عذاب کے مستحق تھے کہ ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ پہلے یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ ان پر دنیا میں عذاب نازل نہیں فرمائے گا اور ان کے عذاب کو قیامت کے دن تک موخر فرمائے گا، سو اگر یہ فیصلہ نہ ہوا ہوتا تو ان کا کام تمام ہو چکا ہوتا۔

(۲) اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فیصلہ نہ کر لیا ہوتا کہ اختلاف کرنے والوں کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا تو اس دنیا میں ہی حق پرستوں اور باطل پرستوں کے درمیان امتیاز کر دیا جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ یہ امتیاز قیامت کے دن کرے گا، قرآن مجید میں ہے:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ (یٰسین: ۵۹) اے مجرمو! آج (نیک لوگوں سے) الگ ہو جاؤ۔

(۳) اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فیصلہ نہ کر لیا ہوتا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کفار مکہ پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا تو ان کے جرائم کی وجہ سے ان پر عذاب آ چکا ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ (الانفال: ۳۳) اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان کو اس حال میں عذاب دے کہ آپ ان میں موجود ہوں۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے یہ مقرر ہو چکا ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سابق اور غالب رہے گی اور اس کا احسان اس کے انتقام پر غالب رہے گا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے رب تبارک و تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اپنے ہاتھ سے اپنے نفس پر لکھ دیا ہے۔ (از راہ کرم اپنے اوپر لازم کر لیا ہے) کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۳۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

وعد اور وعید کی جامع آیت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک آپ کا رب ان میں سے ہر ایک کو (قیامت کے دن) پورا پورا بدلہ دے گا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے رسول کی تصدیق کی یا جس نے رسول کی تکذیب کی یا جس کو دنیا میں جلدی سزا مل گئی یا جس کی سزا موخر کی گئی، وہ سب اس امر میں برابر ہیں کہ ان کو پوری پوری جزا آخرت میں ملے گی، مصدقین کو ان کے ایمان اور اطاعت پر ثواب ہو گا اور مکذبین کو ان کے کفر اور معصیت پر عذاب ہو گا سو یہ آیت وعد اور وعید کی جامع ہے، پھر اس کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ ان کی خوب خبر رکھنے والا ہے، جب کہ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے تو اس کو ہر ایک کی اطاعت اور معصیت کا علم ہے، اس لیے اس کو یہ علم ہے کہ کون شخص کس جزا کا مستحق ہے، اس لیے وہ کسی کا حق اور اس کی جزا کو ضائع ہونے نہیں دے گا اور وہ ہر شخص کو اس کے کاموں کی پوری پوری جزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس آپ اسی طرح قائم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ (بھی) جنہوں نے آپ کے ساتھ (اللہ کی طرف) رجوع کیا ہے، اور (اے لوگو!) تم سرکشی نہ کرنا، بے شک تم جو کچھ کر رہے ہو، وہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے O (ھود: ۱۱۲)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے ان آیتوں کا جو ترجمہ کیا ہے وہ آداب نبوت سے بہت بعید ہے اور کوئی امتی

اپنے نبی کے متعلق ایسی زبان استعمال نہیں کر سکتا، وہ لکھتے ہیں:

پس اے محمد! تم اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر اور بغاوت سے ایمان و طاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں، ٹھیک ٹھیک راہ راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو جو کچھ تم کر رہے ہو، اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔ ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا ولی و سرپرست نہیں ملے گا جو خدا سے تمہیں بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی۔ (ھود: ۱۱۳-۱۱۲)" (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۷۱)

اور ہم نے ان آیتوں کا اس طرح ترجمہ کیا ہے:

پس آپ اسی طرح قائم رہیں، جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ (بھی) جنہوں نے آپ کے ساتھ (اللہ کی طرف) رجوع کیا ہے، اور (اے لوگو!) تم سرکشی نہ کرنا بے شک تم جو کچھ کر رہے ہو وہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے○ اور تم ان لوگوں سے میل جول نہ رکھو جنہوں نے ظلم کیا ہے، ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ لگ جائے گی، اور اللہ کے سوا تمہارے کوئی مددگار نہیں ہوں گے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی○

سید مودودی نے ولا تطغوا (اور سرکشی نہ کرو) اور ولا ترکنوا (اور ظالموں سے میل جول نہ رکھو) کا مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو قرار دیا ہے اور امام ابن جریر نے ان دونوں کا مخاطب لوگوں کو قرار دیا ہے جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے، اور باقی مفسرین نے ان دونوں کلموں کا مخاطب آپ کے اصحاب کو قرار دیا ہے اور یہ جسارت صرف سید مودودی نے کی ہے کہ اور سرکشی نہ کرو اور ظالموں سے میل جول نہ رکھو کے خطاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شامل کر لیا ہے۔

استقامت کا لغوی اور عرفی معنی

استقامت کا معنی ہے خط مستقیم جس میں دائیں بائیں بالکل التفات نہ ہو اور مطلقاً کجی نہ ہو، اور احکام شرعیہ پر ہو بہو عمل کرنا، اور ان میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہ ہو، عقائد، اعمال اور اخلاق میں معتدل اور متوسط طریقہ پر ہمیشہ قائم رہنا، اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات میں ذرا سی بھی کمی اور زیادتی عقائد میں استقامت سے خارج کر دیتی ہے، مثلاً معتزلہ اللہ تعالیٰ کا عدل ثابت کرنے میں افراط کا شکار ہوئے اور انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ نیکو کاروں کو ثواب عطا فرمائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں، اور وہ استقامت سے نکل گئے، ہمارے دور میں علماء دیوبند اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عموم ثابت کرنے میں افراط اور غلو کا شکار ہوئے اور انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر اور ہر برے کام کرنے پر قادر ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۸۴، جہد المقل ج ۲ ص ۴۴، ص ۴۱، تنقید متین ص ۱۸۴) حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ بولنا اور کوئی بھی برا کام کرنا محال ہے، اس طرح وہ استقامت سے نکل گئے اور شیعہ جب اہل بیت میں افراط اور غلو کا شکار ہوئے اور انہوں نے صحابہ کرام پر تبرا کیا اور ناصبی اہل بیت میں تنقیص اور تفریط کے مرتکب ہوئے۔ خارجی اپنے خود ساختہ تقویٰ میں زیادتی کے مرتکب ہوئے، انہوں نے حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ دونوں پر لعنت کی، اور صغائر کے ارتکاب کو بھی کفر قرار دیا۔ اسلم جیراج پوری، عبداللہ چکڑالوی اور غلام احمد پرویز اطاعت اور اتباع قرآن میں افراط کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے احادیث کے حجت ہونے کا انکار کر دیا بعض غالی واعظین جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان کرنے پر آتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سے بڑھا دیتے ہیں اور جب اولیاء کرام کی تعریف کرنے پر آتے ہیں تو ان کو انبیاء علیہم السلام سے بڑھا دیتے ہیں، بعض اپنے پیروں اور علماء کی تعریف نبیوں سے بھی زیادہ کرتے ہیں، ایسے تمام عقائد اور نظریات استقامت سے خارج ہیں۔

اسی طرح اعمال میں بھی استقامت مطلوب ہے اور بہت مشکل ہے، اللہ کی راہ میں سب مال خرچ کر کے خود بھیک مانگنا

شروع کر دینا افراط ہے اور اللہ کی راہ میں بالکل مال خرچ نہ کرنا تفریط ہے' اور یہ دونوں استقامت سے خارج ہیں۔ نفلی نماز روزے میں انسان اس قدر مشغول رہے کہ بیوی بچوں کے حقوق ادا نہ کر سکے یہ عبادت میں افراط ہے اور بیوی بچوں کی محبت اور ان کے ساتھ مشغولیت میں عبادت کرنے کا' نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا بالکل خیال نہ رہے یہ تفریط ہے اور یہ دونوں عمل استقامت سے خارج ہیں' اسی طرح جو شخص شہوت اور غضب کے تقاضے پورے کرنے میں افراط یا تفریط کرے وہ بھی استقامت سے خارج ہے' خلاصہ یہ ہے کہ ہر عمل میں اپنے آپ کو متوسط کیفیت اور اعتدال پر رکھنا استقامت ہے اور کسی ایک طرف میلان اور جھکاؤ اختیار کرنا استقامت کے خلاف ہے۔

استقامت کا شرعی معنی

حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اسلام کے متعلق کوئی ایسی بات ارشاد فرمایئے کہ میں آپ کے بعد کسی اور سے سوال نہ کروں' آپ نے فرمایا: کہو میں اللہ پر ایمان لایا' پھر اس پر مستقیم رہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۲)

آپ کا یہ ارشاد تمام احکام شرعیہ کو شامل ہے کیونکہ جس شخص نے کسی حکم پر عمل نہیں کیا یا کسی ممنوع کام کا ارتکاب کیا تو وہ استقامت سے خارج ہو گیا حتیٰ کہ وہ اس تقصیر پر توبہ کرے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ (الاحقاف: ۱۳)
جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے' پھر وہ اس پر مستقیم رہے۔

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے پھر وہ اس پر ڈٹ گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور تاحیات اس پر کاربند رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فاستقم کما امرت۔ (ھود: ۱۱۲) سے زیادہ شدید اور زیادہ شاق تمام قرآن میں کوئی آیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوئی' اس لیے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے آپ سے کہا کہ آپ پر بہت جلد بڑھاپا آ گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے سورہ ھود اور ان جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۷' ص ۲۸۷' دلائل النبوۃ ج ۱' ص ۳۵۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۷' حلیۃ الاولیاء ج ۴' ص ۳۵۰' المستدرک' ج ۲' ص ۳۴۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰' ص ۵۵۴' تاریخ بغداد ج ۳' ص ۱۵۵' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۶۵۰)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استقامت پر رہو' اور ہرگز نہ رہ سکو گے' اور جان لو کہ تمہارے دین میں سب سے بہتر چیز نماز ہے اور وضو کی وہی شخص حفاظت کر سکے گا جو مومن ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۷' ۲۷۸' مسند احمد ج ۵' ص ۲۷۷' ۱' المعجم الکبیر ج ۲' ص ۹۸' المستدرک ج ۱' ص ۳۰)

صوفیا کے نزدیک استقامت کا معنی

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

استقامت وہ درجہ ہے جس کے سبب سے تمام امور کمال اور تمام کو پہنچتے ہیں' اور اسی کی وجہ سے تمام نیکیاں حاصل ہوتی ہیں اور جس شخص کو اپنے کسی حال میں استقامت حاصل نہ ہو اس کی کوشش رائیگاں اور اس کی جدوجہد بے سود ہوتی ہے اور جو شخص اپنی کسی صفت میں مستقیم نہ ہو' وہ اپنے مقام سے ترقی نہیں کر سکتا۔ مبتدی میں استقامت کی علامت یہ ہے کہ اس کے معاملات میں سستی نہ آئے اور متوسط میں استقامت کی علامت یہ ہے کہ اس کی منازل میں وقفہ نہ آئے اور منتہی

میں استقامت کی علامت یہ ہے کہ اس کے مشاہدات میں حجاب نہ آئے۔

استاذ ابو علی دقاق رحمہ اللہ نے کہا کہ استقامت کے تین مدارج ہیں: (۱) التقویم یعنی نفوس کی تادیب کرنا؛ (۲) الاقامت یعنی قلوب کی تہذیب کرنا۔ (۳) الاستقامت یعنی اسرار کو قریب لانا۔

ایک قول یہ ہے کہ صرف اکابر ہی استقامت کی طاقت رکھتے ہیں کیونکہ استقامت کا معنی ہے اپنے معروف کاموں سے باہر آنا رسموں اور عادتوں کو چھوڑنا اور انتہائی صدق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونا۔ واسطی نے کہا استقامت وہ وصف ہے جس کی وجہ سے محاسن مکمل ہوتے ہیں اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بری باتیں اچھی لگتی ہیں۔ شبلی نے کہا استقامت یہ ہے کہ قیامت ہروقت تمہارے پیش نظر رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اقوال میں استقامت یہ ہے کہ غیبت کرنے کو ترک کر دیا جائے اور افعال میں استقامت یہ ہے کہ بدعات کو ترک کر دیا جائے اور اعمال میں استقامت یہ ہے کہ سستی کو ترک کر دیا جائے اور احوال میں استقامت یہ ہے کہ مشاہدات میں حجاب نہ رہے۔ استاذ محمد بن حسین فورک کہتے تھے الاستقامت میں سین طلب ماخذ کے لیے ہے یعنی اقامت اور قیام کو طلب کرنا؛ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ طلب کرو کہ وہ تم کو توحید پر برقرار رکھے پھر اللہ تعالیٰ سے یہ طلب کرو کہ وہ اس سے کیے ہوئے تمام عہود پر قائم رکھے اور اس کی تمام حدود کی حفاظت پر برقرار رکھے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے یہ توفیق مانگے کہ وہ اس کے تمام احکام اوامرو نواہی پر عمل کرے۔ (الرسالۃ القشیریہ ص ۲۴۱، ۲۴۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم ان لوگوں سے میل جول نہ رکھو جنہوں نے ظلم کیا ہے ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی، اور اللہ کے سوا تمہارے کوئی مددگار نہیں ہوں گے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔ (ھود: ۱۱۳)

رکون کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: رکن کسی چیز کی اس جانب کو کہتے ہیں جس پر ٹھہرا جاتا ہے۔ (المفردات ج ۱، ص ۲۶۸) امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے: جس رکون سے منع فرمایا ہے اس کا معنی ہے ظالموں کے طریقہ اور ان کی روش پر راضی ہونا؛ اور ان کے طریقہ کی تحسین کرنا اور اس کو خوبصورت سمجھنا اور اس طریقہ کے کسی ایک باب میں شریک ہونا؛ لیکن اگر کوئی شخص دفع ضرر یا وقتی منفعت کے حصول کے لیے ناپسندیدگی کے ساتھ ان کے طریقہ میں داخل ہو تو وہ رکون نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶، ص ۴۰۷)

رکون کا شرعی معنی

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی ہے مشرکین سے میل جول نہ رکھو۔ ابو العالیہ نے کہا: ان کے اعمال سے راضی نہ ہو ورنہ تمہیں بھی دوزخ کا عذاب ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے: ظالموں سے میل جول نہ رکھو۔ ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے مداہنت نہ کرو، یعنی جو شخص ظالموں سے میل جول رکھے اور ان کے ظلم پر انکار نہ کرے وہ مداہن ہے، یہ آیت ان ظالموں کے متعلق ہے، جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، اور اس کی کتاب کے ساتھ کفر کرتے ہوں، اور جو گنہگار مسلمان ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی ان کے گناہوں اور ان کے عملوں کو جاننے والا ہے، اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی معصیت کے ساتھ صلح کرے اور نہ کسی معصیت کرنے والے کے ساتھ میل جول رکھے۔ (جامع البیان جز ۱۲، ص ۱۶۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶، ص ۲۰۸۹، ۲۰۹۰)

کفار، بدمذہبوں اور فاسقوں سے میل جول کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ۔ (آل عمران: ۲۸)

ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، البتہ اگر تم کو جان کا خطرہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں اور اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ۔ (الممتحنہ: ۱)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۔ (الممتحنہ: ۱۳)

اے ایمان والو! ایسے لوگوں سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے، جیسے کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔

کفار، بدمذہبوں اور فاسقوں سے میل جول کی ممانعت کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے آخر میں کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں بیان کریں گے جن کو تم نے سنا ہوگا نہ تمہارے باپ دادا نے، تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں گے۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج۱ ص۹، مطبوعہ کراچی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر امت کے مجوس ہیں اور اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو منکر تقدیر ہیں، وہ اگر مرجائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ اور اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۲)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! جن لوگوں نے دین میں تفریق کی وہ ایک گروہ تھا وہ بدعتی اور اپنی خواہش کے پیروکار ہیں، ان کی کوئی توبہ نہیں ہے، میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۶۰، مجمع الزوائد ج۱ ص۱۸۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنو اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا وہ باز نہ آئے، وہ علماء ان کی مجالس میں بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ مل کر کھاتے پیتے رہے، تب اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کے دل بعض سے مشابہ کر دیئے، اور ان پر (حضرت) داؤد اور (حضرت) عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ (المائدہ: ۷۸) اور دوسری روایت (ترمذی: ۳۰۴۸) کے آخر میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ پھر آپ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ پس فرمایا: نہیں، حتیٰ کہ تم ظالم کے ہاتھ پکڑ لو اور اس کو حق پر سختی کے ساتھ مجبور کرو (یعنی اس کے علاوہ کسی صورت میں معصیت کاروں کے ساتھ نہ بیٹھو)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۴۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۷، ۴۳۳۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۶، مسند احمد ج۱ ص۳۹۱، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۰۳۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۲۶۶، ۱۰۲۶۵، ۱۰۲۶۴، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۳۳، جامع

البیان رقم الحدیث: ۹۶۰۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمالیا اور میرے لیے اصحاب اور سسرال کو منتخب فرمالیا، عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو میرے اصحاب اور سسرال والوں کو برا کہیں گے اور ان کے عیب نکالیں گے، تم ان کی مجلس میں مت بیٹھنا ان کے ساتھ پینا نہ ان کے ساتھ کھانا اور نہ ان کے ساتھ نکاح کرنا۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۱، ص ۱۲۶، رقم الحدیث: ۲۶۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

یہ حدیث صحیح ہے، امام عقیلی نے اس حدیث کی مزید تین سندیں بیان کی ہیں۔

ہم روزانہ وتر کی دعاء قنوت میں یہ کہتے ہیں:

نخلع ونترک من یفجرک۔ جو تیری نافرمانی کرتا ہے ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲، ص ۳۱۴، مطبوعہ کراچی، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۲۱۱، اعلاء السنن ج ۶، ص ۱۰۹)

اکابر صحابہ پر شیعہ کا سب و شتم اور زیر تفسیر آیت سے اس کا جواب

غالی شیعہ اور تبرائی رافضی چھ صحابہ کو چھوڑ کر تمام صحابہ کرام کو کافر اور منافق کہتے ہیں، خصوصاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت معاویہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کو بہت سب و شتم کرتے ہیں۔ ملا باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ لکھتا ہے:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں، ایک دروازے سے داخل ہونے والے فرعون، ہامان اور قارون ہیں، یہ ابو بکر، عمر اور عثمان سے کنایہ ہے اور دوسرے دروازے سے بنو امیہ داخل ہوں گے جو ان کے ساتھ مخصوص ہے۔ (حق الیقین ص ۵۰۰، مطبوعہ کتاب فروشے ایران، ۱۳۵۷ھ)

براءت میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ان چار بتوں سے بیزاری طلب کرتے ہیں، یعنی ابو بکر، عمر، عثمان اور معاویہ سے اور چار عورتوں سے یعنی عائشہ، حفصہ، ہند اور ام الحکم سے اور ان کے معتقدوں اور پیروکاروں سے اور یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں سب سے بدتر ہیں، اور اللہ، رسول اور ائمہ سے کیا ہوا عہد اس وقت تک پورا نہیں ہوگا جب تک کہ ان کے دشمنوں سے بیزاری کا اظہار نہ کیا جائے۔ (حق الیقین ص ۵۱۹، مطبوعہ تہران ایران، ۱۳۵۷ھ)

علل الشرائع میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب امام مہدی کا ظہور ہوگا تو وہ عائشہ کو زندہ کر کے ان پر حد جاری کریں گے اور ان سے فاطمہ کا انتقام لیں گے۔ (حق الیقین ص ۳۴۷، مطبوعہ ایران، ۱۳۵۷ھ)

امام مہدی ہر دو (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر) کو قبر سے باہر نکالیں گے، وہ اپنی اسی صورت پر تر و تازہ قبر سے نکالے جائیں گے، پھر فرمائیں گے کہ ان کا کفن اتارو، سو ان کا کفن حلق سے اتارا جائے گا وہ ان کو اللہ کی قدرت سے زندہ کریں گے، اور تمام مخلوق کو جمع ہونے کا حکم دیں گے، پھر ابتداء عالم سے لے کر اخیر عالم تک جتنے ظلم اور کفر ہوئے ہیں ان کا گناہ ان دونوں پر لازم کریں گے اور وہ یہ اعتراف کریں گے کہ اگر وہ روز اول خلیفہ کا حق غصب نہ کرتے تو یہ گناہ نہ ہوتے، پھر ان کو درخت پر چڑھانے کا حکم دیں گے، اور آگ کو حکم دیں گے کہ زمین سے باہر آئے اور ان کو درخت کے ساتھ جلا دے اور ہوا کو حکم دیں گے کہ ان کی راکھ کو اڑا کر دریا میں بہادے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۱۔ ۶۱۰، مطبوعہ تہران)

عیاش نے سند معتبر کے ساتھ حضرت امام محمد باقر سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا

سے تشریف لے گئے تو چار کے سوا تمام لوگ مرتد ہو گئے: علی بن ابی طالب، مقداد، سلمان اور ابوذر۔

(حق الیقین ص ۳۶۲-۳۶۱، مطبوعہ تہران، ۱۳۵۷ھ)

اور یہ بشمول شیعہ سب مسلمانوں کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب صحابہ کے ساتھ میل جول رکھا، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی صاحبزادیوں کو اپنے حبالۂ عقد میں داخل فرمایا اور اپنی دو صاحبزادیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں داخل کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن کو اپنے نکاح میں داخل فرمایا اور اپنی وفات تک ان تمام صحابہ کے ساتھ رشتۂ محبت قائم رکھا اور ان کے بہت فضائل اور مناقب بیان فرمائے، اگر بالفرض بقول شیعہ یہ صحابہ کافر، ظالم اور فاسق تھے تو لازم آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالموں سے میل جول رکھا اور ظالموں سے میل جول رکھنے والے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس آیت (ھود: ۱۱۳) میں فرمایا ہے کہ اس کو دوزخ کی آگ جلائے گی تو سوچئے کہ عداوتِ صحابہ کے جنون میں یہ لوگ کہاں تک پہنچ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھئے، بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں○ اور صبر کیجئے پس بے شک اللہ، نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا○ (ھود: ۱۱۵-۱۱۴)

نماز کی اہمیت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے استقامت کا حکم دیا تھا اور اس کے متصل بعد اس آیت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی عبادت نماز پڑھنا ہے، اور جب کبھی کسی شخص کو مصیبت یا پریشانی لاحق ہو تو اس کو نماز پڑھنی چاہیے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی چیز سے غم زدہ یا فکرمند ہوتے تو نماز پڑھتے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۹)

دن کی دو طرفوں میں فقہاء صحابہ و تابعین کے اقوال

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد اور محمد بن کعب القرظی نے کہا: دن کے دو طرفوں سے مراد فجر اور ظہر اور عصر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن اور ابن زید نے کہا: دن کی دو طرفوں سے مراد فجر اور مغرب ہیں۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد فجر اور عصر ہیں۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابن جریر نے کہا: ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ دن کی دو طرفوں سے مراد فجر اور مغرب کو لیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ دن کی دو طرفوں میں سے ایک فجر ہے اور یہ نماز طلوع آفتاب سے پہلے پڑھی جاتی ہے تو پھر دن کی دوسری طرف مغرب ہونی چاہیے کیونکہ مغرب کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۱۶۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نماز فجر کو سفید اور روشن وقت میں پڑھنے، عصر کو دو مثل سایہ کے بعد پڑھنے اور وتر کے وجوب میں امام ابو حنیفہ کی تائید

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

دن کی دو طرفوں کے متعلق متعدد اقوال ہیں اور ان میں صحت کے زیادہ قریب قول یہ ہے کہ اس سے مراد فجر اور عصر

کی نمازیں ہیں کیونکہ دن کی دو طرفوں میں سے ایک طرف طلوع شمس ہے اور دوسری طرف غروب شمس ہے، پس طرف اول فجر کی نماز ہے، اور طرف ثانی سے مغرب کی نماز مراد لینا جائز نہیں کیونکہ وہ زلفامن اللیل (ابتدائی رات کے کچھ حصے) میں داخل ہے۔ پس واجب ہے کہ طرف ثانی سے مراد عصر کی نماز ہو اور جب یہ بات واضح ہوگئی تو یہ آیت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس قول پر دلیل ہے کہ فجر کو روشن کر کے نماز پڑھنا افضل ہے۔ (فجر کے ابتدائی وقت میں اندھیرا ہوتا ہے اور اس کو موخر کیا جائے حتیٰ کہ سفیدی اور روشنی پھیل جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک فجر کے ابتدائی وقت میں جب اندھیرا ہوتا ہے نماز پڑھنا افضل ہے۔) اور یہ آیت اس پر بھی دلیل ہے کہ عصر کی نماز کو موخر کر کے پڑھنا افضل ہے، کیونکہ اس آیت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ نماز کو دن کی دو طرفوں میں پڑھنا واجب ہے اور دن کی دو طرفیں طلوع شمس کا اول وقت ہے اور اسی طرح غروب شمس کا اول وقت ہے، لاور اس پر امت کا اجماع ہے کہ ان وقتوں میں بغیر ضرورت شرعیہ کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اس آیت کے ظاہر پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ لہٰذا اس آیت کو مجاز پر محمول کرنا واجب ہے، اس لیے اب اس آیت کا معنی اس طرح ہوا کہ نماز کو اس وقت قائم کیجئے جو دن کی دو طرفوں کے قریب ہے کیونکہ کسی چیز کے قریب پر بھی اس چیز کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، لہٰذا صبح کی نماز اس وقت پڑھی جائے جو طلوع شمس کے قریب ہے اور یہ وہ وقت ہے جب سفیدی اور روشنی ہوتی ہے کیونکہ اندھیرے وقت کی بہ نسبت سفیدی کا وقت طلوع شمس کے زیادہ قریب ہے۔ اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جو غروب شمس کے قریب ہے۔ اور یہ وہ وقت ہے جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو چکا ہوتا ہے اور ایک مثل سایہ کی بہ نسبت دو مثل سایہ کا وقت غروب شمس کے زیادہ قریب ہے اور مجاز حقیقت کے جتنا زیادہ قریب ہو اس پر لفظ کو محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے، پس ثابت ہوگیا کہ اس آیت کا ظاہر ان دونوں مسئلوں میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تقویت اور تائید کرتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وزلفا من اللیل اور زلف جمع کا صیغہ ہے سو اس کا معنی ہے رات کے تین قریبی اوقات، کیونکہ کم از کم جمع کا اطلاق تین پر ہوتا ہے اور ایک وقت مغرب کے لیے ہے اور دوسرا وقت عشاء کے لیے ہے تو پھر تیسرا وقت وتر کے لیے ہونا چاہیے اور اس سے یہ ماننا پڑے گا کہ وتر کی نماز واجب ہے، اور یہ بھی امام ابوحنیفہ کے قول کی تائید کرتا ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۰۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

پانچ وقت کی نمازوں سے گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما محمد بن کعب قرظی، مجاہد، حسن، ضحاک، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور مسروق نے کہا: ان نیکیوں سے مراد پانچ نمازیں ہیں، یہ پانچ نمازیں گناہوں کو اس طرح مٹا دیتی ہیں جس طرح سے پانی میل کو مٹا دیتا ہے اور دھو ڈالتا ہے۔

(جامع البیان جز ۱۲، ص ۱۶۷-۱۷۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر ایک دریا ہو، جس میں وہ ہر روز دن میں پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو تم کیا کہتے ہو،

کیا اس کے بدن پر میل باقی رہے گا؟ صحابہ نے کہا: اس کے بدن پر میل باقی نہیں رہے گا۔ آپ نے فرمایا: پانچ نمازوں کی ایسی ہی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۱، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۹، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۱۸۷، مسند ابو عوانہ ج ۲ ص ۲۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۷۲۶، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۳۶۱، ج ۳ ص ۶۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۸۹)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حمران بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان کو دیکھا، انہوں نے پانی کا ایک برتن منگایا پھر اس میں سے تین مرتبہ پانی انڈیل کر اپنے ہاتھوں کو دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی لیا اور کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر تین مرتبہ اپنے چہرے کو دھویا، پھر تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر تین مرتبہ اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا، پھر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے اس وضو کی مثل وضو کیا، پھر اس نے دو رکعت نماز پڑھی کہ اس نماز میں اس نے اپنے آپ سے باتیں نہیں کیں (دل میں از خود خیال آنا ممنوع نہیں ہے، ممنوع یہ ہے کہ انسان خود دنیاوی باتوں کو سوچنا اور ان میں غور و فکر کرنا شروع کر دے) تو اس کے تمام پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۰۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۴۱۸، عالم الکتب ۱۴۱۹ھ، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۹، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۶۹۹، مسند البزار رقم الحدیث: ۴۲۹، ۴۳۰، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۵۸۳)

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا، حضرت سلمان نے ایک خشک شاخ کو پکڑ کر زور زور سے ہلانا شروع کیا، حتیٰ کہ اس کے پتے جھڑنے لگے، پھر کہا اے ابو عثمان تم مجھ سے پوچھتے نہیں کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں؟ میں نے کہا: آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: جب مسلمان وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر پانچ نمازیں پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح یہ پتے جھڑ رہے ہیں اور پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ (ھود: ۱۱۴)

اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھئے، بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں ۝

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۱۰۸، سنن ابو داؤد طیالسی رقم الحدیث ۶۵۲، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۷۲۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا میں نے مدینہ کے ایک سرے پر ایک عورت کو گرا لیا اور میں نے جماع کے سوا اس سے سب کچھ کر لیا، اور اب میں حاضر ہوں آپ میرے متعلق فیصلہ فرمائیں۔ حضرت عمر نے کہا اللہ تعالیٰ نے تجھ پر پردہ رکھ لیا تھا، کاش تو بھی اپنا پردہ رکھتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا، وہ شخص چلا گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیج کر اسے بلوایا اور اس پر یہ آیت پڑھی۔ واقم الصلوٰۃ طرفی النھار وزلفا من الیل ان الحسنات یذھبن السیئات

ذلک ذکری للذاکرین O (ھود: ۱۱۴) قوم میں سے ایک شخص نے کہا کیا یہ حکم اس کے ساتھ خاص ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، یہ حکم تمام لوگوں کے لیے ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۳۲۴، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۸۲۹، مسند احمد ج۱ ص۴۴۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۱۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۳۴۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۷۳۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج۸، ص۲۴۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، پس ایک شخص آیا اور اس نے کہا یارسول اللہ! میں نے حد کا ارتکاب کرلیا ہے، آپ مجھ پر حد جاری فرمائیں۔ آپ نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا، پھر نماز کا وقت آ گیا تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ شخص آپ کے سامنے جا کھڑا ہوا اور کہنے لگا یارسول اللہ! میں نے ایک حد کا ارتکاب کیا ہے، آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم نافذ کیجئے، آپ نے پوچھا کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ اس نے کہا: جی پڑھی ہے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ کو یا فرمایا تمہاری حد کو معاف فرما دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۴)

یہ وہی شخص ہے جس کا اس سے پہلی حدیث میں ذکر تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر اس واقعہ کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفا من الیل ان الحسنات یذھبن السیئات۔ (ھود: ۱۱۴) اس شخص نے پوچھا یارسول اللہ! کیا یہ حکم صرف میرے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ حکم میری تمام امت کے لیے ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۸، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۳۲۴)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بتائیے کہ ایک آدمی ایک عورت سے ملا، ان کے درمیان جان پہچان نہیں تھی اور ایک مرد ایک عورت کے ساتھ جماع کے علاوہ جو کچھ کر سکتا ہے وہ اس نے کر لیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: واقم الصلوٰۃ طرفی النہار۔ الآیہ۔ (ھود: ۱۴) آپ نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ وضو کر کے نماز پڑھے، حضرت معاذ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یارسول اللہ! یہ حکم اس کے ساتھ خاص ہے یا تمام مومنین کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا بلکہ یہ حکم تمام مومنین کے لیے ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۳، مسند احمد، ج۵، ص۲۴۴، المعجم الکبیر ج۲۰، رقم الحدیث: ۲۷۸، ۲۷۷، سنن الدارقطنی ج۱، ص۱۳۴، المستدرک ج۱، ص۱۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج۱، ص۱۲۵)

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت کھجوریں خریدنے کے لیے آئی، میں نے اس سے کہا اس سے زیادہ اچھی کھجوریں میرے گھر میں ہیں، پھر میں نے اس سے نفسانی خواہش کا قصد کیا اور اس کا بوسہ لے لیا، پھر میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، انہوں نے فرمایا تم اپنے اوپر پردہ رکھو، اللہ سے توبہ کرو، اور کسی سے یہ واقعہ بیان نہ کرنا، لیکن مجھ سے صبر نہ ہو سکا، میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، انہوں نے (بھی)

کہا اپنا پردہ رکھو، توبہ کرو اور کسی کو نہ بتاؤ، مجھ سے پھر صبر نہ ہو سکا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی غازی کے گھر والوں کی اس کی غیر موجودگی میں خبر گیری کی ہے؟ میں نے کہا نہیں! (امام ابن جریر کی روایت میں ہے پھر پوچھا کیا تم نے کسی غازی کو جہاد کا سامان مہیا کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں!) حتیٰ کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش میں اس وقت اسلام لایا ہوتا اور میں نے یہ گمان کیا کہ میں دوزخیوں میں سے ہوں۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس آیت کی وحی نازل فرمائی: واقم الصلوۃ طرفی النہار۔ الایہ۔ (ھود: ۱۱۴) حضرت ابوالیسر نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ آپ کے اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ آیت اس کے ساتھ خاص ہے یا تمام لوگوں کے لیے عام ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۵، المعجم الکبیر ج ۹، رقم الحدیث: ۱۷۰۳، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۳۸۰)

اس جگہ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ صحابہ کرام بھی اس قسم کے فحش کام کرتے تھے، کیونکہ صحابہ کرام کی خطائیں تکمیل دین کا ذریعہ تھیں، جن بعض صحابہ سے یہ لغزش ہوگئی، ان کی یہ لغزش سورۂ ھود کی اس آیت کے نزول کا سبب بنی اور قیامت تک کی امت کے لیے یہ رحمت عام ہوئی کہ نیکیاں گناہوں کے مٹنے کا ذریعہ بن گئیں۔

پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ دیگر عبادات سے گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق احادیث

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ پانچ وقت کی نمازیں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں لیکن احادیث میں دیگر عبادات کے متعلق بھی تصریح ہے کہ وہ گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر میں قیام کیا، اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۶۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۲۰۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۴۱۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۵۴۴، عالم الکتب، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۵۰، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۷۷۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۸۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۸۹۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے رمضان میں قیام کیا، اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۲۰۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۴۱۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۵۴۴، عالم الکتب، ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے روزہ رکھا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۶۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۲۰۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۴۱۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۵۴۴، عالم الکتب، ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے لیے حج کیا، اس نے دوران حج جماع کیا نہ جماع کی باتیں کیں، نہ کوئی گناہ کیا تو وہ حج کرکے اس طرح لوٹے گا جس

طرح اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۲۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۲۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۸۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۱۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۳۶، عالم الکتب، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۰۰۴، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۸۰۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۵۱۴)

ابن شماسہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اس وقت وہ موت کے قریب تھے اور رو رہے تھے، انہوں نے کہا جب اللہ نے میرے دل میں اسلام ڈالا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں، آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا ہوا؟ میں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں کچھ شرط لگاؤں، آپ نے پوچھا تم کیا شرط عائد کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا میری مغفرت کر دی جائے، آپ نے فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں، اے عمرو! اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت پہلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اور حج پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۵۱۵، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۱۶۴۲)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا سب سے افضل عمل ہیں، ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! یہ بتلایئے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اگر تم اس حال میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جاؤ کہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی نیت کرنے والے ہو، آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو اور دشمن سے پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا یہ بتایئے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! بشرطیکہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی نیت کرنے والے ہو، آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو اور دشمن سے پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو (تو سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے) ماسوا قرض کے، یہ حضرت جبریل نے مجھ سے ابھی کہا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۱۲، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۴۳، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۴۲۵، سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۵۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵، ص ۳۱۰، مسند احمد ج ۵، ص ۲۹۷، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۴۱۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۵۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۵۷، ۳۱۵۶)

نیکیوں سے صغیرہ گناہ مٹتے ہیں یا کبیرہ؟

گناہ دو قسم کے ہیں: گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ۔ فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے۔ فقہاء اسلام نے یہ کہا ہے کہ نیکیوں سے صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں اور گناہ کبیرہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے، نیکیوں سے گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتے، صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: پانچ نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان ان کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہیں جب کہ کبائر سے اجتناب کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۶، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۱۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۷۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۶۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۵)

علامہ نووی نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نیکیوں سے کبائر کے سوا تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، کبائر نیکیوں سے معاف نہیں ہوتے۔ قاضی عیاض نے کہا: جو حدیث میں مذکور ہے یہی اہل سنت کا مذہب ہے، کبائر کی معافی توبہ سے ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے۔ ملا علی قاری نے مرقات میں لکھا ہے کہ نماز، روزہ اور حج کبائر کا کفارہ نہیں ہوتے، کبائر کا کفارہ صرف توبہ ہے۔ امام ابن عبدالبر نے لکھا ہے اس پر اجماع ہے (میں کہتا ہوں کہ حج میں انسان میدان عرفات میں توبہ کرتا ہے اور اس توبہ سے کبائر سمیت تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں) علامہ طاہر پٹنی نے لکھا ہے کہ حقوق العباد میں قصاص ضرور لیا جائے گا خواہ صغیرہ ہوں، اور کبائر توبہ سے معاف ہوں گے۔ جب صغائر معاف ہونے کے بعد نیکیاں بچ جائیں تو ان نیکیوں سے کبائر میں تخفیف ہو جائے گی اور اگر کسی انسان کی صرف نیکیاں ہوں اور اس کا کوئی گناہ نہ ہو، صغیرہ نہ کبیرہ تو پھر نیکیوں سے اس کے درجات بلند ہو جائیں گے۔

(تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۶۵۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

مرجئہ کے استدلال کا جواب

امام رازی نے لکھا ہے: مرجئہ کا مذہب ہے کہ ایمان لانے کے بعد انسان کو کسی معصیت پر عذاب نہیں ہوگا، وہ اپنے مذہب پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ سب سے بڑی نیکی ایمان ہے اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے تو جب ایمان لانے سے کفر مٹ جاتا ہے تو کفر سے چھوٹے درجے کے جو گناہ ہیں وہ ایمان لانے سے بطریق اولیٰ مٹ جائیں گے پس ثابت ہو گیا کہ مومن کو کسی معصیت پر کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ امام رازی نے ان کی اس دلیل کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس کا جواب بہت واضح ہے کہ یہ نصوص صریحہ کے مقابلہ میں قیاس ہے۔ قرآن مجید میں بکثرت صریح آیات ہیں کہ نماز نہ پڑھنے، زکوٰۃ نہ دینے، قتل کرنے، سود کھانے اور مال یتیم کھانے سے سخت عذاب ہوگا اور اس باب میں احادیث بہت زیادہ ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور صبر کیجئے، اس کا ایک معنی ہے نماز کی مشقت پر صبر کیجئے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔ (طٰہٰ: ۱۳۲)

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور (خود بھی) اس کی مشقت پر صبر کریں۔

اور اس کا دوسرا معنی ہے کفر کی ایذاؤں پر صبر کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس تم سے پہلی امتوں میں ایسے نیک لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے (لوگوں کو) روکتے ماسوا چند لوگوں کے جنہیں ہم نے ان سے نجات دی تھی اور ظالموں نے اس عیش و نشاط کی پیروی کی جس پر وہ جمے ہوئے تھے اور وہ لوگ مجرم تھے۔ (ھود: ۱۱۶)

سابقہ امتوں پر عذاب نازل ہونے کے دو سبب

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اس نے پچھلی امتوں پر ایسا ہمہ گیر عذاب نازل فرمایا تھا جس نے ان قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ماسوا حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے کیونکہ ان کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھتے ہی اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لی تھی، اور اس آیت میں ان پر عذاب نازل کرنے کے دو سبب بیان فرمائے ہیں: پہلا سبب یہ بیان فرمایا ان میں نیک

لوگوں کی ایسی جماعت نہ تھی جو برے لوگوں کو برائیوں سے اور فساد پھیلانے سے روکتی اور دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ فانی لذات، شہوات اور طاقت اور اقتدار کے نشہ میں ڈوبے ہوئے تھے، اس آیت سے یہ سبق حاصل کرنا چاہیے کہ اگر لوگ نیکی کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا چھوڑ دیں اور فانی لذتوں اور باطل شہوتوں کی تکمیل میں ڈوب جائیں تو ان پر عذاب الہٰی کے نازل ہونے کا خطرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کے رب کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ کسی ظلم کی وجہ سے بستیوں کو تباہ کر دے جب کہ ان کے رہنے والے نیک ہوں۔ (ھود: ۱۱۷)

دنیا میں شرک قابل درگزر ہے ظلم لائق درگزر نہیں

اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے، جیسا کہ ایک اور آیت میں شرک کو ظلم عظیم فرمایا ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ (لقمان: ۱۳) بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کا حق دوسرے کو دینا ظلم ہے، اور عبادت اللہ کا حق ہے اور یہ حق دوسروں کو دینا ظلم ہے، اور جب مخلوق میں کسی کا حق دوسرے کو دینا ظلم ہے تو خالق کا حق دوسرے کو دینا سب سے بڑا ظلم ہے۔ اور اب اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اس وجہ سے کسی بستی کو تباہ نہیں کرتا کہ اس کے رہنے والے شرک کرتے ہوں اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرتے ہوں، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اس وجہ سے کسی قوم پر ہمہ گیر عذاب نازل نہیں فرماتا کہ وہ قوم شرک اور کفر کا اعتقاد رکھتی ہو بلکہ وہ اس قوم پر اس لیے عذاب نازل فرماتا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں، اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ حقوق اللہ میں وسعت اور درگزر کی گنجائش ہے اور حقوق العباد میں تنگی اور سختی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے حقوق معاف فرما دیتا ہے اور حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ بندے خود معاف نہ کر دیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفر کے ساتھ حکومت باقی رہتی ہے اور ظلم کے ساتھ حکومت باقی نہیں رہتی اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قوموں پر اس وقت عذاب آیا جب انہوں نے لوگوں کو ایذاء پہنچائی اور مخلوق پر ظلم کیا۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: لوگ جب کسی ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی طرف سے عذاب نازل فرمائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۶۸، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۷۵-۱۷۴۰، مسند احمد ج ۱ ص ۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۵، مسند البزاز رقم الحدیث: ۶۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۵۷، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۲۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۴، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۳۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا (لیکن) وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے ۝ مگر جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا، اور ان کو اسی لیے پیدا فرمایا، اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہو گئی کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا ۝ (ھود: ۱۱۹-۱۱۸)

دنیا کے مشہور فرقے

ان دو آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو جبراً مومن اور ایک امت بنا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اس کی

مخلوق میں کچھ ایسے لوگ ہوں جو اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں' اس لیے اس نے انسانوں اور جنات کو اختیار دیا' پھر یہ عقائد اور اصول میں اختلاف کرتے رہے' کچھ لوگ تو سرے سے خدا کے منکر ہیں اور اس کائنات کو ایک اتفاقی حادثہ مانتے ہیں یا ارتقائی عمل کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ بے دین اور دہریہ ہیں اور کچھ لوگ خدا کے وجود کے قائل ہیں لیکن توحید کے قائل نہیں ہیں' نہ رسولوں کو اور آسمانی کتابوں کو مانتے ہیں۔ یہ لوگ بت پرست' بدھ' ہندو اور سکھ ہیں اور کچھ لوگ خدا' رسول اور آسمانی کتابوں کو مانتے ہیں ان میں سے بعض تورات کو مانتے ہیں اور اس کو غیر منسوخ مانتے ہیں اور عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں' یہ یہودی ہیں اور بعض انجیل کو مانتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ان کو تین میں سے ایک مانتے ہیں' یہ عیسائی ہیں اور بعض کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر بھیجا اور آپ پر قرآن مجید نازل کیا اور قرآن مجید نے سابقہ آسمانی کتابوں کے احکام منسوخ کر دیئے اور اب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے سوا اور کسی شریعت پر عمل کرنے سے نجات نہیں ہو گی اور اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا اور کسی دین کو قبول نہیں فرمائے گا' یہ لوگ مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مگر "جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا" اس سے مسلمان ہی مراد ہیں۔

اختلاف مذموم ہونے کے باوجود مجتہدین کا اختلاف کیوں محمود ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اختلاف کی مذمت فرمائی ہے اور اختلاف کرنے والوں کو غیر مرحوم قرار دیا ہے' اسی طرح حدیث میں بھی اختلاف کی مذمت کی گئی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے' اسی طرح نصاریٰ بھی' اور میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۹۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۹۹۱' مسند احمد ج ۲' ص ۳۳۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۹۱۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۴۷' المستدرک ج ۱' ص ۱۲۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے لوگ ضرور وہ کام کریں گے جو بنو اسرائیل کرتے تھے' برابر' برابر' حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو یہ عمل کریں گے اور بے شک بنو اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور ایک فرقے کے سوا وہ سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے' فرمایا: جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۱' المستدرک ج ۱' ص ۱۲۹' مسند احمد ج ۳' ص ۱۲۰' ۱۴۵)

اب یہ سوال ہوتا ہے کہ جب قرآن مجید اور مستند احادیث میں اختلاف کی مذمت کی گئی ہے تو فقہاء مجتہدین کا ایک دوسرے سے اختلاف کرنا کس طرح درست ہو گا اور یہ کہنا کس طرح درست ہو گا کہ تمام ائمہ مجتہدین برحق ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں جس اختلاف کی مذمت کی گئی ہے وہ عقائد کا اختلاف ہے اور ائمہ مجتہدین کے درمیان عقائد میں اختلاف نہیں ہے بلکہ مسائل فرعیہ میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف باعث رحمت ہے کیونکہ اس سے امت کے لیے عمل میں آسانیاں فراہم ہوتی ہیں۔ اور مسائل فرعیہ میں اختلاف کے جواز کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احزاب سے واپس ہوئے تو

آپ نے ہم سے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز نہ پڑھے۔ بعض مسلمانوں نے راستہ میں عصر کی نماز کا وقت پالیا' ان میں سے بعض نے کہا ہم بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز نہیں پڑھیں گے اور بعض نے یہ کہا بلکہ ہم نماز پڑھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ ارادہ نہیں فرمایا تھا' پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان میں سے کسی کو ملامت نہیں فرمائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۰)

اللہ' رسول اور کتاب ایک ہے پھر اسلام میں فرقے کیوں ہیں؟

بعض لوگ علماء پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ اللہ بھی ایک ہے' رسول بھی ایک ہے' قرآن بھی ایک ہے' پھر مسلمانوں میں اتنے فرقے کیوں ہیں' کوئی سنی ہے' کوئی شیعہ ہے' کوئی دیوبندی ہے' کوئی بریلوی ہے' کوئی اہل حدیث ہے؟ اور یہ مسائل فرعیہ کا اختلاف نہیں ہے عقائد کا اختلاف ہے اور یہ سب ایک دوسرے کو کافر یا گمراہ کہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نظریات میں اختلاف انسان کی فطرت کا تقاضا ہے جیسا کہ زبان رسالت کے مطابق یہود اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے اور آپ نے اس امت میں بھی تہتر فرقوں کی پیش گوئی فرمائی' دنیاوی امور میں دیکھ لیں' فلسفیوں اور سائنس دانوں میں اختلاف ہوتا ہے' ڈاکٹروں کی تشخیص میں اختلاف ہوتا ہے' وکلاء میں اختلاف ہوتا ہے' ججوں میں اختلاف ہوتا ہے حتیٰ کہ ایک جج کسی مجرم کو پھانسی دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور دوسرا جج اس کی مخالفت کرتا ہے۔ ۱۹۷۸ء میں سپریم کورٹ کے ججوں کی اکثریت نے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینے کا فیصلہ کیا اور ایک جج صفدر علی شاہ نے بھٹو کو بے قصور قرار دیا' اسی طرح سیاست دانوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ ایک مسلم لیگ تھی جس نے پاکستان بنایا تھا' پھر جنرل ایوب کے دور میں تین مسلم لیگ بن گئیں۔ ایک کونسل مسلم لیگ اور ایک کونشن مسلم لیگ اور ایک قیوم لیگ اور اب ہمارے دور (۲۰۰۰-۱۹۹۹ء) میں بھی تین مسلم لیگ ہیں: ایک نواز لیگ' ایک جونیجو لیگ اور ایک پیرپگارا لیگ' اسی طرح ایک پیپلز پارٹی تھی۔ پھر ایک پروگریسو پیپلز پارٹی بنی' ایک نیشنل پیپلز پارٹی ہے۔ ایک پیپلز پارٹی شہید بھٹو گروپ ہے اور ایک پاکستان پیپلز پارٹی ہے' اسی طرح اور بھی بہت سی سیاسی جماعتیں مختلف دھڑوں میں بٹ گئیں اور یہ لوگ اپنے مخالفین کو غدار کہتے ہیں اور ڈاکٹرز' وکلاء' ججز' فلاسفر' اور سیاست دان' یہ سب ایک دوسرے سے اختلاف کریں تو کوئی بری بات نہیں ہے اور علماء کا ایک دوسرے سے اختلاف ہو تو اس کو طعن اور تشنیع کا سبب بنایا جائے' یہ کوئی انصاف کی بات تو نہیں ہے۔

ابتداءً اسلام قبول کرنے والا کس فرقے میں جائے

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اسلام میں اتنے فرقے ہیں اگر کوئی شخص ابتداءً اسلام قبول کرنا چاہے تو اس کے لیے یہ مشکل ہوگی کہ وہ کس فرقے کے اسلام کو قبول کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کے بنیادی احکام پر عمل کرے۔ نماز پڑھے' روزہ رکھے' صاحب نصاب ہو تو سال کے بعد زکوٰۃ ادا کرے اور استطاعت ہو تو حج کرے اور تمام حرام کاموں سے بچے اور مختلف فرقوں کی باریکیوں اور ان کے نظری مسائل میں نہ پڑے' باقی رہا یہ کہ وہ کس فقہ کے مطابق نماز پڑھے تو جس ملک میں جس فقہ کی اکثریت ہو' اس کے مطابق اپنی عبادت انجام دے اور تلاش حق کے لیے مختلف فرقوں کے دینی لٹریچر کا مطالعہ جاری رکھے اور مطالعہ کے بعد جو مسلک اس کو قرآن مجید اور احادیث کے قریب تر دکھائی دے اس کو قبول کرلے اور یہ کوئی ایسا مشکل اور لاینحل مسئلہ نہیں ہے۔

جہنم کا جنوں اور انسانوں سے بھرنا

اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگئی کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں

سے بھر دوں گا۔" اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ چیز پہلے سے تھی کہ اللہ تعالیٰ جنات اور انسانوں کو اختیار دے گا تو ان میں سے بعض اپنے اختیار سے دین حق کو قبول کریں گے، ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے اور بعض دلائل اور شواہد دیکھنے کے باوجود دین حق کو مسترد کر دیں گے اور اپنے آباء و اجداد کی تقلید کی وجہ سے کفریہ عقائد پر جمے رہیں گے، سو کچھ لوگ جنت کے مستحق ہوں گے اور کچھ لوگ دوزخ کے مستحق ہوں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا اور جب جنوں اور انسانوں کی اکثریت نے کفر کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ کی یہ بات پوری ہو گئی۔

حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت اور دوزخ نے اپنے رب کے سامنے ایک دوسرے سے بحث کی، جنت نے کہا: کیا وجہ ہے کہ جنت میں صرف کمزور اور پسماندہ لوگ ہی داخل ہوتے ہیں۔ دوزخ نے کہا: مجھے یہ فضیلت ہے کہ مجھ میں متکبرین داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تم میری رحمت ہو، اور دوزخ سے فرمایا: تم میرا عذاب ہو، میں جس کو چاہوں گا تم میں داخل کر کے سزا دوں گا تم میں سے ہر ایک کے لیے (لوگوں سے) بھرنا ہے، رہی جنت تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا اور وہ جس کو چاہے گا دوزخ کے لیے پیدا فرمائے گا اور ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا پھر دوزخ تین مرتبہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہیں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں (اپنی شان کے مطابق) اپنا قدم رکھ دے گا پھر دوزخ بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ بعض میں مدغم ہو جائے گا پھر دوزخ کہے گی، بس بس بس!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۹۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۳۹، عالم الکتب، ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم آپ کو رسولوں کی تمام خبریں بیان فرماتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تسکین دیتے ہیں اور ان قصوں میں آپ کے پاس حق آ گیا اور مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت ○ (هود: ۱۲۰)

انبیاء سابقین کے قصص بیان کرنے کی حکمت

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص بیان فرمائے اور اس آیت میں ان قصص کو نازل کرنے کا فائدہ بیان فرمایا، اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو فرائض رسالت کی ادائیگی پر اور کفار کی پہنچائی ہوئی اذیتوں اور سختیوں پر ثابت قدم رکھا جائے، کیونکہ انسان جب کسی مشکل اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، پھر دیکھتا ہے کہ اور لوگ بھی اس مشکل اور مصیبت میں مبتلا ہیں تو اس پر وہ مشکل اور مصیبت آسان ہو جاتی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جب کوئی سختی عام ہو تو وہ آسان ہو جاتی ہے تو جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات اور قصص بیان کیے گئے اور آپ نے یہ جان لیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے اسی طرح کا ظالمانہ اور اذیت ناک سلوک کیا تھا تو پھر آپ پر کفار مکہ کی پہنچائی ہوئی اذیتیں آسان ہو گئیں اور آپ کے لیے ان تکلیفوں پر صبر کرنا مشکل نہ رہا۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم آپ کو رسولوں کی تمام خبریں بیان فرماتے ہیں اور ایک اور آیت میں اس کے خلاف ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ۔(المومن: ۷۸)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بھی) رسول بھیجے، ان میں سے بعض کے قصے ہم نے آپ سے بیان فرمائے اور ان میں سے بعض کے قصے ہم نے آپ سے نہیں بیان فرمائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ مومن کی اس آیت میں ماضی میں بعض انبیاء کے قصص بیان کرنے کی نفی ہے اور سورۂ ھود کی اس آیت میں زمانہ حال میں تمام انبیاء کی خبریں بیان کرنے کا ثبوت ہے اس لیے ان آیتوں میں کوئی مخالفت اور تعارض نہیں ہے۔

حق، نصیحت اور عبرت کا فرق

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے اس سورت میں انبیاء سابقین کی خبریں بیان فرمائی ہیں حالانکہ دوسری سورتوں میں بھی انبیاء سابقین کی خبریں بیان فرمائی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں زیادہ تفصیل کے ساتھ انبیاء سابقین کی خبریں بیان فرمائی ہیں۔

پھر فرمایا: "ان قصوں میں آپ کے پاس حق آگیا اور مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت۔" حق سے مراد توحید، رسالت اور قیامت کے وہ دلائل ہیں جن کو اس سورت میں بیان کیا گیا ہے اور نصیحت سے مراد نیک اعمال کی تلقین اور ہدایت ہے اور عبرت سے مراد ہے وہ عذاب جو کفار کی بداعمالیوں پر دیا گیا، اس عبرت کو ذکریٰ سے تعبیر فرمایا، ذکریٰ کے معنی ہیں یاد دلانا، کیونکہ انسان نے عالم میثاق میں اللہ تعالیٰ کو رب ماننے کا وعدہ کیا تھا اور جب وہ اس عالم دنیا میں آیا تو اپنا کیا ہوا وہ وعدہ بھول گیا تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیج کر اس کو وہ وعدہ یاد دلایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے، آپ ان سے کہئے کہ تم اپنی جگہ کام کرتے رہو، ہم (اپنی جگہ) کام کر رہے ہیں○ اور تم (بھی) انتظار کرو، بے شک ہم (بھی) انتظار کر رہے ہیں○ اور آسمانوں اور زمینوں کے سب غیب اللہ ہی کے ساتھ مختص ہیں اور اسی کی طرف ہر کام لوٹایا جاتا ہے○ پس آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر توکل کیجئے، اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو، اس سے آپ کا رب غافل نہیں ہے○ (ھود: ۱۲۳-۱۲۱)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت موثر انداز میں تبلیغ فرمادی اور اللہ تعالیٰ کی حجت پوری کر دی اس کے باوجود کفار مکہ ایمان نہیں لائے اور آپ کو اذیتیں پہنچانے کے درپے رہے تو فرمایا: اچھا تم مجھے ضرر پہنچانے کے لیے جو کچھ کر سکتے ہو وہ کرو، اور ہم اسی طرح دین کی تبلیغ کرتے رہیں گے، اور یہ جو فرمایا ہے کہ تم جو کچھ ہمارے خلاف کر سکتے ہو وہ کرو یہ تہدید اور وعید کے طور پر فرمایا ہے، ان کو کسی شرعی حکم کا مکلف نہیں کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا تھا:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ۔ (بنی اسرائیل: ۶۴)

اور تو اپنی آواز کے ساتھ ان میں سے جن کو ڈگمگا سکتا ہے، ان کو ڈگمگا دے اور اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ ان پر حملہ کر دے اور ان کے اموال اور اولاد میں ان کا شریک بن جا اور ان سے جھوٹے وعدے کر۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بطور تہدید فرمایا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔(الکہف: ۲۹)

آپ کہئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اور اس کے بعد دوسری آیت میں فرمایا: اور تم (بھی) انتظار کرو اور بے شک ہم (بھی) انتظار کر رہے ہیں، یعنی شیطان نے تم کو جو فقر و فاقہ سے ڈرایا ہے، تم اس کا انتظار کرو اور ہم اس رحمت اور مغفرت کا انتظار کر رہے ہیں، جس کا اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا: تم اپنی ہلاکت کا انتظار کرو اور ہم تم پر عذاب کا انتظار کر رہے ہیں۔

اور اس کے بعد فرمایا: اور آسمانوں اور زمینوں کے سب غیب اللہ ہی کے ساتھ مختص ہیں۔ آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا اظہار فرمایا ہے اور اس کے بعد فرمایا: اور اسی کی طرف ہر کام لوٹایا جاتا ہے، اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کی متعدد صفات ہیں، یہاں خصوصیت کے ساتھ علم اور قدرت کا ذکر فرمایا کیونکہ علم اور قدرت ہی دو ایسی صفات ہیں جن پر مدار الوہیت ہے، کیونکہ اگر اس کو علم نہ ہو تو اس کو کیسے پتا چلے گا کہ اس کی مخلوق اس کے احکام پر عمل کر رہی ہے یا نہیں اور اگر قدرت نہ ہو تو وہ اپنے اطاعت گزاروں کو جزا کیسے دے گا اور اپنے نافرمانوں کو سزا کیسے دے گا۔

اس کے بعد فرمایا: پس آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر توکل کیجئے، کیونکہ انسان کی سعادت کا پہلا درجہ اللہ کی عبادت ہے اور آخری درجہ اللہ پر توکل ہے۔

اور آخر میں فرمایا: اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو، اس سے آپ کا رب غافل نہیں ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ اطاعت گزاروں کی اطاعت کو ضائع نہیں فرمائے گا اور منکروں اور سرکشوں کو مزید ڈھیل نہیں دے گا وہ قیامت کے دن سب کو میدان حشر میں زندہ کر کے جمع کرے گا اور ہر شخص سے ذرہ ذرہ کا حساب لے گا اور انجام کار نیکو کاروں کو جنت عطا فرمائے گا اور بدکاروں کو دوزخ میں دھکیل دے گا۔ اے اللہ! ہم کو اپنے فضل سے جنت عطا فرمانا اور دوزخ سے محفوظ رکھنا۔

حرفِ آخر

آج ۲۴ رمضان ۱۴۲۰ھ ۲ جنوری ۲۰۰۰ء بروز اتوار ظہر سے قبل سورۂ ھود کی تفسیر ختم ہوگئی، الہ العالمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرائی ہے، باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرا دے، اور اس تفسیر کے قارئین سے التماس ہے کہ وہ میرے لیے اسلام پر استقامت، ایمان پر خاتمہ، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کتاب کی مقبولیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے حصول کی دعا کریں۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین، افضل الانبیاء والمرسلین وعلی الہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

سُورَةُ يُوسُفَ

(١٢)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ یوسف

سورۃ یوسف کا نام، اس کا مقام نزول اور زمانہ نزول

اس سورت کا نام واحد ہے اور وہ سورہ یوسف ہے، اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں اس کے علاوہ اور کسی سورت میں آپ کا مفصل تذکرہ نہیں ہے، بلکہ سورۃ الانعام اور سورۃ مومن کے علاوہ اور کسی سورت میں آپ کا اسم مبارک بھی مذکور نہیں ہے، یہ سورت مکی ہے۔

حافظ سیوطی نے امام النحاس، امام ابوالشیخ اور امام ابن مردویہ کے حوالوں سے ذکر کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورہ یوسف مکہ میں نازل ہوئی ہے اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ یوسف مکہ میں نازل ہوئی۔ (الدر المنثور ج ۴ ص ۴۹۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

بعض روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ یوسف مکہ مکرمہ میں ہجرت سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی۔

امام حاکم سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رفاعہ بن رافع زرقی اور ان کے خالہ زاد بھائی مکہ مکرمہ گئے، یہ چھ انصار کے روانہ ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا ہم پر اسلام پیش کیجئے، آپ نے ان پر اسلام پیش کیا اور پوچھا آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ نے، آپ نے پوچھا تم کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ نے، پھر پوچھا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو، ان کو کس نے بنایا ہے؟ انہوں نے کہا ہم نے، پھر پوچھا خالق عبادت کا مستحق ہے یا مخلوق، کیابت اس بات کے مستحق ہیں کہ تم ان بتوں کی عبادت کرو حالانکہ تم نے خود ان کو بنایا ہے، جبکہ اللہ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے بہ نسبت ان چیزوں کے جن کو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اس کی دعوت دیتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں، اور رشتے جوڑنے اور دشمنی ترک کرنے اور لوگوں سے بغض نہ رکھنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ہم نے کہا جس دین کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں وہ کیسے باطل ہو سکتا ہے، یہ دین تو بہت بلند باتوں اور محاسن اخلاق سے ہے، آپ ہماری سواریوں کو ٹھہرائیں حتیٰ کہ ہم بیت اللہ

ہو آئیں، پھر معاذ بن عفراء آپ کے پاس بیٹھے اور میں نے کعبہ کا طواف کیا، اور میں نے سات تیر نکالے اور میں نے دعا کی کہ اگر (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین برحق ہے تو اس کا تیر نکل دے، اور سات مرتبہ اسی کی تائید میں تیر نکلا تو میں نے چلا کر کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے کہا یہ دیوانہ ہے، کسی نے کہا یہ شخص اپنے آبائی دین سے نکل گیا، میں نے کہا بلکہ یہ مومن ہے، پھر میں مکہ کی بالائی طرف گیا جب مجھے معاذ نے دیکھا تو کہا رافع کا چہرہ تو ایسا ہو گیا ہے کہ پہلے ایسا کبھی نہ تھا، پھر میں آیا اور ایمان لے آیا، اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ یوسف اور اقرء باسم ربک سکھائی، پھر ہم مدینہ لوٹ آئے۔

امام ابن سعد عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب مدینہ آئے تو وہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے لگے، عمرو بن الجموح نے ان کے پاس ایک آدمی بھیج کر پوچھا تم ہمارے پاس یہ کیا چیز لے کر آئے ہو۔ انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو ہم تمہارے پاس آ کر تم کو قرآن مجید سنائیں، انہوں نے کہا ہاں! پھر انہوں نے ان سے ایک دن مقرر کیا اور ان کے سامنے سورہ یوسف کی یہ آیات تلاوت کیں: الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس وقت آپ سورہ یوسف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اس نے کہا یا محمد! آپ کو اس کی کس نے تعلیم دی ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے اس کی تعلیم دی ہے، وہ یہودی عالم یہ سن کر متعجب ہوا، اس نے واپس جا کر یہود سے کہا اللہ کی قسم! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح قرآن مجید پڑھتے ہیں جس طرح تورات نازل ہوئی ہے، پھر وہ یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضور کے پاس آیا، انہوں نے آپ کو تورات میں مذکور صفت سے پہچان لیا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ یوسف کی تلاوت کو سننا شروع کر دیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ امام ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فجر کی نماز میں سورہ یوسف پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

(الدر المنثور ج ۴ ص ۴۹۵۔ ۴۹۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کا تذکرہ

امام عبدالرحمٰن بن علی الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور ان ہی کے زمانہ میں نبوت سے سرفراز کیے گئے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت یعقوب کی طرف مائل تھے اور ان ہی کے حق میں دعا کرتے تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے عیص سے کہا تم میرے لیے شکار کا گوشت لاؤ میں تمہارے لیے دعا کروں گا۔ حضرت یعقوب نے یہ بات سن لی، وہ حضرت اسحٰق کے لیے گوشت لے کر آئے۔ حضرت اسحٰق نے ان کو عیص سمجھ کر ان کے حق میں دعا کر دی، عیص کو جب پتا چلا تو انہوں نے حضرت یعقوب کو دھمکی دی کہ میں تم کو قتل کر دوں گا، حضرت یعقوب بھاگ کر اپنے ماموں لابان کے پاس چلے گئے۔ ان کے ماموں نے اپنی بیٹی لیّا سے ان کا نکاح کر دیا، اس کے بطن سے ان کے ہاں چھ بیٹے پیدا ہوئے: روبیل، شمعون، یہوذا، لاوی، یساخر اور زبالون یا زبلون، پھر لیّا فوت ہو گئیں تو حضرت یعقوب نے ان کی بہن راحیل سے نکاح کر لیا، ان کے بطن سے حضرت یوسف اور بن یامین پیدا ہوئے، اس لفظ کا معنی ہے درد کا بیٹا کیونکہ راحیل نفاس میں فوت ہو گئیں تھیں۔

امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ عربی میں بن یامین کا معنی شداد (بہت سخت) ہے، ان دو بیویوں کے علاوہ حضرت یعقوب کے ہاں ایک اور بیوی سے چار بیٹے مزید پیدا ہوئے اور ان کے کل بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یعقوب کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبت حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی۔

اہل کتاب یہ کہتے ہیں کہ یہ سب نبی تھے، ان کے ناموں میں اختلاف ہے، ان کے سب سے بڑے بیٹے کا نام روبیل ہے، پھر شمعون ہیں ان کو سمعان بھی کہتے ہیں۔ ان کے بعد یہوذا ہیں، ان کا ریاست میں سب سے بڑا مرتبہ تھا۔ حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام یہوذا کی اولاد سے ہیں، اس کے بعد لاوی ہیں اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام ان کی اولاد سے ہیں، پھر یساخر ہیں اس کے بعد زیلون یا زیالون ہیں، پھر جادر ہیں، پھر اشیز ہیں، پھر دان ہیں پھر نفتالی یا نفتال ہیں، پھر بنیامین اور حضرت یوسف ہیں۔ روبیل، شمعون، یہوذا، لاوی، یساخر اور زیلون کی ماں کا نام لیا بنت لابان ہے، ان کی ایک بہن بھی تھی جس کا نام دنیا تھا وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی بنی۔

جب حضرت یوسف راحیل سے پیدا ہوئے تو حضرت یعقوب نے ان کو اپنی بہن کی گود میں دے دیا، ان ہی نے حضرت یوسف کی پرورش کی، سب سے پہلی مصیبت جو حضرت یوسف علیہ السلام پر نازل ہوئی وہ یہ تھی کہ حضرت اسحٰق کی پہلی بیٹی اور حضرت یعقوب کی بڑی بہن اور حضرت یوسف کی پھوپھی کے پاس حضرت اسحٰق کا منطقہ (کمر پر باندھنے کا پٹکا یا پیٹی) تھا جو وراثت سے ان کے پاس آیا تھا، جب انہوں نے حضرت یوسف کو گود میں لیا تو وہ ان سے بہت زیادہ محبت کرنے لگیں، حتیٰ کہ انہوں نے حضرت یعقوب سے حضرت یوسف کو مانگا اور کہا میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی، حضرت یعقوب نے کہا میں بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتا، ان کی بہن نے کہا اس کو چند دن میرے پاس رہنے دو، جب حضرت یعقوب ان کے پاس سے چلے گئے تو ان کی بہن نے وہ منطقہ حضرت یوسف کے کپڑوں کے نیچے ان کی کمر سے باندھ دیا، پھر انہوں نے کہا حضرت اسحٰق کا منطقہ گم ہو گیا اس کو تلاش کرو وہ کہاں ہے، پھر وہ منطقہ حضرت یوسف سے برآمد ہوا، ان کی شریعت میں یہ مقرر تھا کہ جس کے پاس سے چوری کی چیز برآمد ہو اس کو مالک کی تحویل میں دے دیا جاتا تھا، لہٰذا حضرت یوسف، ان کی تحویل میں دے دیئے گئے اور حضرت یعقوب کی بہن کے پاس ہی رہے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئیں، اسی وجہ سے حضرت یوسف کے بھائیوں نے کہا تھا کہ:

اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ (یوسف: ۷۷) — اگر اس (بن یامین) نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا باقی قصہ سورۂ یوسف میں تفصیل سے آ رہا ہے۔ وہاں ان شاء اللہ ہم اس پر مفصل گفتگو کریں گے۔ (المنتظم ج ۱ ص ۱۹۷-۱۹۹، تاریخ الطبری ج ۱ ص ۲۳۱-۲۳۲، الکامل فی التاریخ لابن اثیر ج ۱ ص ۷۸)

سورۂ یوسف کے مقاصد اور اہداف

یہ سورت ہود کے بعد اور الحجر سے پہلے نازل ہوئی ہے، اور جمہور کے قول کے مطابق ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ترپن ہے اور جس قدر تفصیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں کسی اور نبی کا قصہ اس قدر تفصیل کے ساتھ نہیں ذکر کیا گیا۔

اس سورت کی اہم غرض حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو بیان کرنا ہے کہ ان کے بھائیوں نے ان سے کیسا ظالمانہ سلوک کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے ظلم پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر کی ان کو بہترین جزا عطا فرمائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان پر غلبہ پانے کے بعد ان کو کسی قسم کی ملامت نہیں کی اور ان کو معاف کر دیا، اسی طرح سیدنا محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی قوم کے کافروں نے ظالمانہ سلوک کیا وہ آپ کے راستے میں کانٹے بچھادیتے، کبھی نماز کی حالت قیام میں آپ کے گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر آپ کا گلا گھونٹنے لگتے، کبھی حالت سجدہ میں آپ کی مبارک پشت پر اوجھڑی رکھ دیتے، طائف میں تبلیغ کرنے گئے تو پتھر مار مار کر آپ کو لہولہان کر دیا، آپ انہیں نیکی اور دائمی نعمتوں کی طرف بلاتے تو وہ طعن تشنیع کے تیروں اور سب و شتم سے آپ کو جواب دیتے، وہ آپ کے قتل کے درپے ہوئے اور آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا لیکن ایک وقت آیا کہ ان تمام ظالموں اور جفاکاروں کے سر آپ کی تلوار کے نیچے تھے، آپ ان پر ہر طرح غالب اور حاکم تھے اور یہ محکوم اور مغلوب تھے، آپ ان سے ہر ظلم کا بدلہ لینے پر قادر تھے لیکن آپ نے ان کو معاف کر دیا اور صرف یہی فرمایا: آج کے دن میں تم کو کوئی ملامت نہیں کرتا۔

اس سورت سے معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر بھی ایک علم ہے اور یہ علم اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور یہ کہ رشتہ دار ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے لطف سے نوازتا ہے اور یہ کہ وفاء امانت، عفت، صدق، صبر اور توبہ سے بندہ اللہ کی بارگاہ میں قرب اور مقبولیت حاصل کرتا ہے اور تمام اعمال کا مدار خاتمہ پر ہوتا ہے، اور یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام عفت اور پارسائی کے سب سے بلند مقام پر تھے، ان کو حسین اور جوان عورت نے گناہ کی دعوت دی اور وہ ذی اقتدار بھی تھی، کوئی رکاوٹ نہ تھی، کوئی دیکھنے والا نہ تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام صرف خوف خدا سے اس سے دور بھاگے، اس نے کہا اگر اس نے میری خواہش پوری نہ کی تو میں اس کو قید کرا دوں گی، حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ کی سختیوں کو گلے لگالیا اور اپنی پاک بازی کے دامن کو معصیت سے آلودہ ہونے نہ دیا، نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ قید خانہ میں بھی تبلیغ دین کرتا رہتا ہے، آپ نے وہاں بھی قیدیوں کو توحید کی طرف بلایا اور لوگوں کو بت پرستی سے متنفر کیا، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شان کریمی تھی کہ جس سے آپ نے فرمایا تھا میرا بادشاہ کے سامنے ذکر کرنا، اور اس نے ایک عرصہ تک ذکر نہیں کیا، پھر جب وہ اپنے کام سے آپ کو بلانے آیا تو آپ نے اس کو ملامت نہیں کی، اور حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو کوئی نعمت حاصل کرنے سے پہلے اپنے اوپر لگی ہوئی تہمت اور بدنامی کو دور کرنا چاہیے، جب آپ کو قید خانہ سے آزادی کی نوید سنائی گئی تو آپ نے اس وقت تک قید خانہ سے نکلنے سے انکار کر دیا جب تک عزیز مصر کی بیوی کی لگائی ہوئی تہمت آپ سے دور نہ کر دی جائے۔

اس سورت میں گزشتہ امتوں کی تاریخ ہے، ان کے قوانین اور ان کے نظام حکومت کا بیان ہے، ان کی تجارت کے طریقوں اور ان کی سزاؤں کا ذکر ہے، اس سورت میں انتہائی فصیح و بلیغ اور دلچسپ اور سنسنی خیز قصہ کا بیان ہے جس کی دلکشی اور شیرینی میں انسان مسحور ہو کر رہ جاتا ہے۔ نضر بن حارث کفار مکہ کو رستم اور سہراب کی عجیب و غریب داستانیں سنایا کرتا تھا لیکن جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قصہ سنا تو انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ اس سے زیادہ حسین قصہ انہوں نے آج تک نہیں سنا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔ صحابہ نے کہا: ہم نے آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: پھر لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم اللہ کے نبی حضرت یوسف ہیں جو ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔ انہوں نے کہا: ہم آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کر رہے۔ آپ نے فرمایا: پھر تم معادن عرب

کے متعلق مجھ سے سوال کر رہے ہو؟ لوگ معادن ہیں جو زمانہ جاہلیت میں سب سے بہتر تھا وہ زمانہ اسلام میں بھی سب سے بہتر ہے بشرطیکہ وہ فقیہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٣٨٣، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٢٩٣، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١٢٥٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت لوط پر رحم فرمائے وہ مضبوط قبیلہ کی پناہ میں آنا چاہتے تھے اور اگر میں حضرت یوسف جتنی مدت قید میں ٹھہرتا تو میں ضرور بلانے والے کے بلانے پر چلا جاتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٣٨٧، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٥١، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٠٢٦، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٢٠٨، مسند احمد ج ٢ ص ٣٢٦، شرح السنہ رقم الحدیث: ٦٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے' اے اللہ سلمہ بن ہشام کو نجات دے' اے اللہ ولید بن ولید کو نجات دے' اے اللہ کمزور مسلمانوں کو نجات دے' اے اللہ! مضر پر اپنی گرفت کو سخت کر' اے اللہ! ان پر حضرت یوسف کے قحط کی سالوں کی طرح قحط کے سال مسلط کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٣٨٦، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ١٤٤٠، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٦٧٥، سنن النسائی رقم الحدیث: ١٠٧٥)

اب ہم اللہ کا نام لے کر سورہ یوسف کی تفسیر کی ابتداء کرتے ہیں' لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم' وما توفیقی الا باللہ العلیم الکریم' اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ وارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ۔ (٢٨ رمضان ١٤٢٠ھ / ٦ جنوری ٢٠٠٠ء)

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سورہ یوسف مکی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

الف لام را، یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○ بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی (زبان) میں نازل کیا ہے تاکہ

تَعْقِلُوْنَ ② نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ

تم اس کو سمجھ سکو ○ ہم آپ کو اس قرآن کی وحی کے ذریعہ سب سے حسین

اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ③

قصہ سناتے ہیں، اور بے شک آپ اس سے پہلے بے خبر تھے ○

اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِاَبِيهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ

جب یوسف نے اپنے والد سے کہا: اے میرے ابا! بے شک میں نے گیارہ ستاروں، اور

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ قَالَ يٰبُنَىَّ لَا تَقْصُصْ

سورج اور چاند کو دیکھا، میں نے دیکھا وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں ○ (باپ نے) کہا اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے

رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ

بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے، بے شک شیطان انسان کا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ

کھلا ہوا دشمن ہے ○ اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں منتخب فرمائے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیروں کا علم

الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا

عطا فرمائے گا اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے گا جس طرح اس سے پہلے اس

عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶﴾ ع ۱ / ۱۱

نے اس نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق پر مکمل فرمایا تھا، بے شک تمہارا رب خوب جاننے والا نہایت حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام را، یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○ (یوسف: ۱)

قرآن مجید کے مبین ہونے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کی یہ صفت ذکر کی ہے کہ وہ مبین ہے، اس کے تین سبب ہیں: (۱) یہ قرآن زبردست معجزہ ہے، اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بہت واضح اور روشن دلیل ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے اس میں ہدایت کے بہت واضح طریقے اور بہت روشن راستے بیان فرمائے ہیں اور حلال اور حرام کے صاف احکام اور حدود و تعزیرات کو بیان فرمایا ہے۔ (۳) اور اس میں پہلی امتوں اور ان کے نبیوں اور رسولوں کے قصص اور احوال بیان فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی (زبان) میں نازل کیا ہے تاکہ تم اس کو سمجھ سکو ○ ہم آپ کو اس قرآن کی وحی کے ذریعہ سب سے حسین قصہ سناتے ہیں، اور بے شک آپ اس سے پہلے بے خبر تھے ○ (یوسف: ۳-۲)

اللہ کے لیے لَعَلَّ کا معنی

کلام عرب میں لَعَلَّ کا لفظ کسی چیز کی امید کے لیے آتا ہے اور بظاہر اس کا یہ معنی ہوگا کہ اللہ کو امید ہے کہ تم سمجھ لوگے اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے اور اس کے حق میں محال ہے، اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ امید کا یہ معنی قرآن پڑھنے والوں اور سننے والوں کی طرف راجع ہے، یعنی جو لوگ قرآن مجید کو تدبر کے ساتھ پڑھیں ان کو یہ امید رکھنی

چاہیے کہ وہ اس قصہ کو سمجھ لیں گے، اسی طرح قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے لعل کا لفظ وارد ہوا اس کا یہی معنی ہے۔

قصہ کا لغوی معنی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں کوئی قصہ سنائیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "ہم آپ کو اس قرآن کی وحی کے ذریعہ سب سے حسین قصہ سناتے ہیں"۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۴۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قصص کا معنی ہے کسی چیز کے نشانات کو تلاش کرنا اور ان کی پیروی کرنا، قرآن مجید میں ہے:

فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا۔ (الکھف: ۶۴) سو وہ اپنے قدموں کے نشانات تلاش کرتے ہوئے لوٹے۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ۔ (القصص: ۱۱) اور ان کی ماں نے ان کی بہن سے کہا تم موسیٰ کو تلاش کرو۔

اسی طرح جو خبریں تتبع اور تلاش سے حاصل کی گئی ہوں ان کو بھی قصص کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ۔ (آل عمران: ۶۲) یہ برحق خبریں ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۲۳-۵۲۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

سورۂ یوسف کو احسن القصص فرمانے کی وجوہات

سورۂ یوسف کو احسن القصص فرمانے کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں جس قدر حکمتیں ہیں اور جس قدر عبرت انگیز واقعات ہیں اتنے عبرت انگیز واقعات اور کسی سورت میں نہیں ہیں، قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ۔ (یوسف: ۱۱۱) بے شک ان کے قصوں میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو احسن القصص اس لیے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ نہایت احسن سلوک فرمایا، ان کی دی ہوئی اذیتوں پر صبر کیا، اور جب ان کو اقتدار ملا اور وہ ان سے بدلہ لینے پر ہر طرح قادر ہوئے تو ان کو معاف کر دیا، حتیٰ کہ فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ (یوسف: ۹۲) آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سورت میں انبیاء، صالحین، ملائکہ، شیاطین، جن، انسان، جانوروں اور پرندوں کا ذکر ہے، اور اس میں بادشاہوں، تاجروں، علماء، جاہلوں اور مردوں اور عورتوں کی سیرت اور ان کی طرز زندگی کا بیان ہے، اور عورتوں کے حیلوں اور ان کے مکر کا بیان ہے، اور اس میں توحید، رسالت، فقہی احکام، خوابوں کی تعبیر، سیاست، معاشرت اور تدبیر معاش کا بیان ہے اور ان تمام فوائد کا بیان ہے جن سے دین اور دنیا کی اصلاح ہو سکتی ہے، اور اس میں حسن اور عشق کی داستان ہے اور محب اور محبوب کا ذکر ہے۔

اہل معانی نے کہا: اس سورت کو احسن القصص اس لیے فرمایا ہے کہ اس سورت میں جتنے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے ان سب کا مآل سعادت ہے اور سب کا انجام نیک اور عاقبت بہ خیر ہے، دیکھیے حضرت یوسف علیہ السلام، ان کے والدین، ان کے بھائی اور عزیز مصر کی بیوی سب کا مآل نیک ہوا، وہ بادشاہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور اس نے اسلام لا کر اچھے

عمل کیے، اسی طرح جس ساقی نے خواب کی تعبیر پوچھی تھی اور جو حضرت یوسف کے واقعہ میں شاہد تھا سب کا نیک انجام ہوا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز۹ ص ۱۰۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب یوسف نے اپنے والد سے کہا اے میرے ابا! بے شک میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا، میں نے دیکھا وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں○ (یوسف: ۴)

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب میں ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھنا

زمخشری نے کہا لفظ یوسف عبرانی زبان کا لفظ ہے کیونکہ اگر یہ عربی زبان کا لفظ ہوتا تو یہ منصرف ہوتا، کیونکہ یہ صرف علم ہے اور اس میں تنوین سے مانع کوئی چیز نہیں ہے، سو اس پر تنوین نہ آنا اور اس کا غیر منصرف ہونا اس کے عبرانی ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں یہ دیکھا کہ گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند نے ان کو سجدہ کیا ہے، اور حضرت یوسف کے گیارہ بھائی تھے اس لیے گیارہ ستاروں کی گیارہ بھائیوں کے ساتھ تعبیر کی گئی اور سورج اور چاند کی باپ اور ماں کے ساتھ تعبیر کی گئی اور سجدہ سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرت یوسف کے سامنے تواضع سے جھک جائیں گے اور ان کے احکام کی پیروی کریں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو کہا تھا کہ میں نے گیارہ ستاروں کو دیکھا اس دیکھنے کو خواب میں دیکھنے پر محمول کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں ستارے سجدہ نہیں کرتے اس وجہ سے اس کلام کو خواب پر محمول کرنا واجب ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا تھا: "اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا"۔

ان ستاروں کے اسماء

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بستانہ نام کا ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ان ستاروں کے نام بتائیے جن کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو ان ستاروں کے نام بتائے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو بلوایا اور فرمایا: اگر میں تم کو ان ستاروں کے نام بتادوں تو تم مان لو گے؟ اس نے کہا: ہاں! پھر آپ نے یہ نام بتائے: جربان، الطارق، الذیال، ذوا لکتفین، قابس، وثاب، عمودان، الفلیق، المصبح، الضروح، ذوالفرغ، الضیاء اور النور۔ اس یہودی نے کہا: اللہ کی قسم! ان ستاروں کے یہی نام ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۴۳۴، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۳۳۲، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۱۹، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۷۷، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۱ ص ۲۵۹، الکشاف ج ۲ ص ۴۱۷، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۱۹، امام حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے اس پر سکوت کیا ہے، المستدرک ج ۴ ص ۳۹۶، امام عقیلی نے لکھا ہے کہ یہ سند صحیح کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، ان کے نزدیک یہ ضعیف ہے، امام ابن جوزی کی نزدیک یہ حدیث موضوع ہے، کتاب الموضوعات ج ۱ ص ۱۴۶، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے ائمہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے)

خواب دیکھنے کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں یہ خواب دیکھا تھا' لیکن وہ کون سا معین زمانہ تھا' اس کا علم سوائے خبر کے نہیں ہو سکتا۔ وہب بن منبہ نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے سات سال کی عمر میں خواب دیکھا کہ گیارہ لاٹھیاں ایک دائرہ کی شکل میں زمین میں مرکوز ہیں اور ایک چھوٹی لاٹھی نے ان گیارہ بڑی لاٹھیوں کو نگل لیا' حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے اس خواب کو بیان کیا' حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: خبردار یہ خواب اپنے بھائیوں سے ہرگز نہ بیان کرنا' پھر بارہ سال کی عمر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں' انہوں نے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ خواب بیان کیا' حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے بھائیوں سے یہ خواب بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے' ایک قول یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب اور اس کی تعبیر مکمل ہونے میں چالیس سال کا عرصہ لگا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں اسی سال کا عرصہ لگا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۱۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیند کی تعریف

جب موثرات خارجیہ منقطع ہو جاتے ہیں اور حواس ظاہرہ سے اتصال نہیں رہتا' انسان آنکھیں بند کر لیتا ہے اور اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور حواس ظاہرہ کے ادراکات بتدریج منقطع ہو جاتے ہیں تو یہ وہ حالت ہے جس کو نیند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خواب کی تعریف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اہل سنت کے نزدیک خواب کی صحیح تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سوئے ہوئے شخص کے دل میں ادراکات پیدا کرتا ہے' جیسا کہ بیدار شخص کے دل میں ادراکات پیدا کرتا ہے۔ خواب کی نظیر یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو بارش کی علامت بنا دیا ہے لیکن کبھی بادل گھر کر آتے ہیں اور بارش نہیں ہوتی' خواب میں جو ادراکات حاصل ہوتے ہیں کبھی ان میں فرشتے کا دخل ہوتا ہے اور کبھی شیطان کا' فرشتے کے دخل سے جو ادراکات حاصل ہوتے ہیں ان کے بعد انسان خوش ہوتا ہے اور شیطان کے دخل کے بعد جو ادراکات حاصل ہوتے ہیں ان کے بعد انسان غمگین ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی نے بعض اہل علم سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو اشیاء کو سونے والے کے محل ادراک (ذہن) پر پیش کرتا ہے' اور ان اشیاء کو مختلف صورتوں میں متمثل کرتا ہے' بعض اوقات وہ صورتیں بعد میں واقع ہونے والی تعبیر کے موافق ہوتی ہیں' اور بعض اوقات وہ صورتیں معانی معقولہ کی مثالیں ہوتی ہیں اور ہر دو صورتیں خوش خبری دینے والی بھی ہوتی ہیں اور ڈرانے والی بھی ہوتی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خواب: خیال میں چند منضبط مثالوں کا ادراک ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مستقبل میں پیش آنے والے امور کے لیے علامت بنا دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۵۳' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

خواب کی اقسام

علماء اسلام نے خواب کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں:

(۱) بعض اوقات انسان کو نیند میں ایسی بے ربط اور خلاف واقع چیزیں نظر آتی ہیں جو لائق توجہ نہیں ہوتیں' مثلاً انسان

خواب میں یہ دیکھے کہ آسمان میں ایک درخت اگا ہوا ہے، یا دیکھے کہ زمین میں ستارے طلوع ہو رہے ہیں یا دیکھے کہ ہاتھی چیونٹی پر سوار ہو رہا ہے۔ ایسے خوابوں کو عربی میں اضغاث احلام کہتے ہیں، اردو میں ان کو خواب پریشان کہتے ہیں۔ علماء کہتے ہیں کہ اس قسم کے خواب شیطانی عمل کی وجہ سے نظر آتے ہیں، اور اطباء کہتے ہیں کہ ہاضمے کی خرابی یا بلڈ پریشر ہائی ہونے کی وجہ سے اس قسم کے خواب نظر آتے ہیں۔

(۲) انسان جو کچھ سوچتا رہتا ہے وہ اس کو خواب میں نظر آتا ہے، بعض اوقات وہ اپنی ناتمام خواہشوں کو خواب میں پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیتا ہے، مثلاً بھوکا شخص خواب میں اپنی پسندیدہ چیزوں کو کھاتے ہوئے دیکھتا ہے اور پیاسا شخص لذیذ اور خوش ذائقہ مشروبات پیتے ہوئے خود کو دیکھتا ہے اور محبوب کے فراق میں غم زدہ عاشق خود کو محبوب کے قرب میں دیکھتا ہے، اس قسم کے خواب نفس کے وسوسے اور نفس کے خیالات کہلاتے ہیں۔

(۳) کبھی سونے والے شخص کے منہ پر لحاف کا دباؤ ہوتا ہے جس سے اس کا سانس گھٹ رہا ہوتا ہے، اور وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہے، کبھی بارش کے چھینٹے کھڑکی کے شیشے سے ٹکراتے ہیں یا ہوا کے زور سے کوئی چیز کھڑکھڑاتی ہے اور وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ میدان کارزار میں ہے اور گولیاں چل رہی ہیں اور کبھی سونے والے کے چہرے پر دھوپ پڑنے سے اس کا چہرہ تمتمانے لگتا ہے اور وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ آگ میں جل رہا ہے، اس قسم کے خواب دیکھ کر بعض اوقات وہ ڈر جاتا ہے، اس قسم کے خوابوں کو محسوسات کا اثر کہا جاتا ہے۔

(۴) بعض اوقات انسان کے ذہن میں غیر شعوری خواہشیں ہوتی ہیں جن کو وہ کسی کے احترام یا کسی اور مانع کی وجہ سے پورا کرنا نہیں چاہتا پھر اس کو خواب میں ایسی مثالیں نظر آتی ہیں جن کی تعبیر بعینہٖ واقع نہیں ہو سکتی لیکن ان مثالوں میں کسی اور چیز کی طرف رمز اور اشارہ ہوتا ہے مثلاً باپ اپنے جوان بیٹے کو مارے تو غیر شعوری طور پر اس کے دل میں باپ سے انتقام لینے کا خیال آتا ہے لیکن باپ کا احترام اس خواہش کو پورا کرنے سے مانع ہوتا ہے، پھر بیٹا خواب میں دیکھتا ہے کہ اس نے کسی شیر کو مار دیا ہے یا کسی اژدہے کو مار دیا یا کسی ظالم بادشاہ کو قتل کر دیا اور ظالم بادشاہ یا اژدہا غیر شعوری طور پر اس کے باپ سے کنایہ ہوتا ہے۔

خواب میں صرف اشارے اور رمز کی مثال سورۂ یوسف کی یہ آیت ہے:

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ۝ (یوسف: ۴)

جب یوسف نے اپنے والد سے کہا: اے میرے ابا! بے شک میں نے گیارہ ستاروں اور چاند کو دیکھا وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔

سورج اور چاند سے ان کے باپ اور ماں کی طرف اشارہ ہے اور گیارہ ستاروں سے ان کے گیارہ بھائیوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے خواب کو رمزی خواب کہتے ہیں۔

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک شخص کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۸۳، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۹۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۲۹۷ عالم الکتب، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶ قدیم، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۴۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۷۳، مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۳۴۳۰، ۳۲۷۵۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۶۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲)

ان خوابوں میں مشکل حقائق منکشف ہو جاتے ہیں، مثلاً مشہور صوفی شاعر حضرت شرف الدین بوصیری کو فالج ہو گیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ کہنا شروع کیا، اثناء قصیدہ میں انہوں نے ایک مصرع کہا: "ومبلغ العلم فیہ انہ بشر" اور ان میں اس کے دوسرے مصرع کو مکمل کرنے کی طاقت نہ رہی، انہوں نے بہت کوشش کی لیکن دوسرا مصرع ان کی زبان پر نہیں آیا، وہ بستر پر سو گئے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زیارت سے مشرف فرمایا، ان کا حال پوچھا۔ حضرت بوصیری نے شکایت کی کہ وہ دوسرا مصرع نہیں بنا سکے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسرا مصرع اس طرح بنا دو: "وانہ خیر خلق اللہ کلھم" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چادر پہنائی اور جس جگہ ان کے جسم پر فالج تھا اس جگہ پر اپنا شفا آفریں دست مبارک پھیرا۔ حضرت بوصیری خوشی سے مدہوشی کی حالت میں نیند سے بیدار ہوئے اور وہ اپنے مرض سے مکمل شفایاب ہو چکے تھے اور انہوں نے اس قصیدہ کا نام "البردۃ" رکھا۔ اس قسم کے خوابوں کا ابن سینا، ابن رشد اور ابن خلدون نے بھی اعتراف کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ بہت سے خواب ایسے ہوتے ہیں جن میں لاینحل مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ (شاہ ولی اللہ نے "انفاس العارفین" میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم کا ایک ایسا ہی خواب ذکر کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شفا عطا فرمائی اور اپنے تین موہائے مبارک (بال) عطا فرمائے تھے) یہ وہ خواب ہیں جن کو حدیث میں رویا المومن (مومن کا خواب) فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۸۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۶۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۳۷ عالم الکتب، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۹۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲)

(۶) چھٹی قسم ہے الرؤیاء الصادقہ (سچے خواب) قرآن مجید میں چھ سچے خوابوں کا ذکر ہے، چار خوابوں کا ذکر سورۂ یوسف میں ہے، ایک خواب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا تھا جس میں گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا (یوسف: ۴) دو خواب قید خانہ میں دو قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سنائے تھے۔ ایک نے کہا تھا کہ میں خواب میں شراب (انگور) نچوڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا تھا کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جن کو پرندے کھا رہے ہیں۔ (یوسف: ۳۶) اور ایک خواب مصر کے بادشاہ نے دیکھا تھا کہ سات فربہ گائیں سات لاغر گایوں کو کھا رہی ہیں اور سات ہرے بھرے خوشے ہیں اور سات سوکھے ہوئے خوشے ہیں۔ (یوسف: ۴۳) موخر الذکر تینوں خوابوں کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام نے بیان فرمائی جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب تفسیر میں آئے گا اور ایک خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) کو ذبح کر رہے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۱۰۲) اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خواب کا ذکر ہے کہ مسلمان امن کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے۔ (الفتح: ۲۷)

(۷) بعض خواب ایسے ہوتے ہیں جن میں مستقبل میں ہونے والے کسی واقعہ کی طرف اشارے ہوتے ہیں۔ سورۂ یوسف میں جو چار خواب ذکر کیے گئے ہیں ان چاروں میں اس کی مثالیں ہیں اور حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے:

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء کی گئی تو سب سے پہلے آپ کو سچے خواب دکھائے گئے، آپ جو خواب بھی دیکھتے اس کی تعبیر سپیدۂ سحر کی طرح آ جاتی، الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۱۷۷ عالم الکتب، مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۳ قدیم، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۷۱۹، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۱۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳، الشریعہ للآجری ص ۴۳۹، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۲۷۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۵، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷۳۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۲)

اچھے اور برے خوابوں کا شرعی حکم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اس کو پسند ہو تو وہ اللہ کی جانب سے ہے، وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور وہ اس خواب کو بیان کرے اور جب وہ کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے وہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور وہ خواب کسی کے سامنے نہ بیان کرے پھر وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۸۴)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک خواب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے ہیں پس جب کوئی شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے اور شیطان سے پناہ طلب کرے، تو پھر وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا اور شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۰۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۹۳۲، عالم الکتب، مسند احمد ج ۵، ص ۲۹۶، قدیم، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۰۱۳، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۴۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۳۶، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱۴۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۵۹، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۷۲، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب اور بیداری میں زیارت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے مجھ کو نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھ کو بیداری میں دیکھے گا شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۶۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۴۳، ۸۸۵۸، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۴۱۳)

حافظ ابو العباس احمد بن عمر المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ انسان خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی حال میں بھی دیکھے آپ کو دیکھنا برحق ہے، وہ کوئی پریشان خواب نہیں ہے جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے: جس نے مجھ کو دیکھا اس نے یقیناً مجھ ہی کو دیکھا ہے۔ اور آپ نے جو فرمایا ہے: جس نے مجھ کو نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھ کو بیداری میں بھی دیکھے گا اس کے متعلق علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

یہ نعمت مجھ کو کئی مرتبہ مل چکی ہے، ایک مرتبہ جب میں حج کے ارادہ سے تونس پہنچا تو میں نے وہاں سنا کہ دشمن مصر پر حملہ کر رہا ہے حتیٰ کہ دمیاط پر قابض ہو گیا ہے تو میں نے ارادہ کیا کہ جب تک امن نہیں ہو جاتا تو میں تونس میں رہوں گا۔ وہاں مجھے خواب دکھلایا گیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ہوں، اور میں آپ کے منبر شریف کے قریب بیٹھا ہوا ہوں، اور لوگ آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کر رہے ہیں، پس جو لوگ سلام عرض کر رہے تھے ان میں سے کسی نے مجھ کو ڈانٹا اور کہا کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرو، میں نے کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا، ابھی میں آپ کو سلام عرض کر رہا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی، اللہ تعالیٰ نے میرے حج کے ارادہ کو پھر تازہ کر دیا، اور حج کی روانگی کے جو اسباب میرے لیے مشکل تھے وہ آسان کر دیئے اور میرے دل میں دشمن کے حملہ کا جو خوف تھا وہ زائل کر دیا۔ میں نے سفر شروع کیا اور تقریباً ایک ماہ بعد اسکندریہ پہنچ گیا، میں نے دیکھا کہ مصر کے لوگ بہت خوفزدہ تھے، اور دشمن کا بہت غلبہ تھا،

ابھی مجھے اسکندریہ میں پہنچے ہوئے دس دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کی شوکت توڑ دی اور محض ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین کے رحم اور کرم سے وہاں امن اور سلامتی ہو گئی' پھر اللہ نے مجھ پر اپنا احسان اور انعام مکمل کیا اور بیت اللہ کے حج کے بعد مجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور مسجد شریف میں پہنچادیا' اللہ کی قسم! پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعینہ بغیر کسی کمی اور زیادتی کے بیداری میں اسی حال میں دیکھا جس طرح میں نے آپ کو تونس میں خواب میں دیکھا تھا۔

اور اگر کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا پھر بیداری میں آپ کی زیارت نہیں ہوئی تو جاننا چاہیے کہ اس صورت سے اس کا معنی مقصود ہے بعینہ صورت مقصود نہیں ہے' اسی طرح خواب میں اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس صورت میں دیکھا وہ آپ کی اصل صورت کے مطابق نہیں تھی اس میں کوئی زیادتی تھی یا کوئی کمی تھی یا رنگ متغیر تھا یا اس میں کوئی عیب تھا یا کوئی عضو زیادہ تھا یا کوئی اور تغیر تھا تو اس صورت سے اس کا معنی مراد ہے' اور ہو سکتا ہے اس صورت سے مراد آپ کا دین اور آپ کی شریعت ہو اور دیکھنے والے نے آپ کی صورت میں جو زیادتی یا کمی یا اچھائی یا برائی دیکھی ہے اس کو اس کے دین سے تعبیر کیا جائے گا یعنی اس کے دین میں زیادتی یا کمی یا اچھائی یا برائی ہے' اسی طرح اگر کسی شخص نے آپ کو آپ کی معروف صورت کے علاوہ کسی اور شکل میں دیکھا تو وہ صورت بھی اس کے دین اور شریعت سے عبارت ہو گی۔

(المفہم ج ۶ ص ۲۶-۲۴' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ کو نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھ کو بیداری میں بھی دیکھے گا' اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ ہیں' اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے آپ کو نیند میں دیکھا اور اس نے ہجرت نہیں کی' اللہ تعالیٰ اس کو ہجرت کی توفیق دے گا اور وہ آپ کو بیداری میں بھی دیکھ لے گا۔

(۲) جس نے آپ کو نیند میں دیکھا وہ عنقریب بیداری میں آپ کی رویت کی تصدیق اور صحت کو دیکھ لے گا۔

(۳) جس نے آپ کو نیند میں دیکھا وہ آپ کو آخرت میں خصوصیت کے ساتھ دیکھے گا اور اس کو آپ کا قرب حاصل ہو گا۔

(۴) ابن ابی جمرہ اور ایک جماعت نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ جس نے آپ کو نیند میں دیکھا وہ دنیا میں آپ کو حقیقتاً دیکھ لے گا اور آپ سے کلام کرے گا اور اس کو اولیاء اللہ کی کرامات سے ایک کرامت شمار کیا گیا ہے۔ صالحین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں دیکھا' پھر اس کے بعد انہوں نے آپ کو بیداری میں دیکھا' پھر جن چیزوں میں وہ خوف زدہ تھے ان کے متعلق آپ سے سوال کیے اور آپ نے ان کا خوف دور کرنے کی طرف رہنمائی کی۔

علامہ ابن حجر نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر لازم آئے گا کہ بعد کے یہ اولیاء اللہ صحابہ ہو جائیں اور صحابی ہونے کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے (علامہ سیوطی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ صحابی ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم دنیا میں وفات سے پہلے دیکھے اور جس نے آپ کی وفات کے بعد آپ کو عالم برزخ میں دیکھا اس دیکھنے سے اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہو گا' علامہ ابن حجر کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ کئی لوگوں نے نیند میں آپ کو دیکھا اور پھر بیداری میں انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا اور اگر اس حدیث کا یہ معنی ہو تو ہر خواب میں آپ کی زیارت کرنے والے کو بیداری میں آپ کی

زیارت ہونی چاہیے' اس کا جواب یہ ہے کہ خواص کو تو زندگی میں کئی بار آپ کی زیارت ہوتی ہے اور عوام کو اس وقت آپ کی زیارت ہوگی جب ان کی روح ان کے جسم سے نکل رہی ہوگی۔

بیداری میں آپ کی زیارت کے امکان اور اس کے وقوع کی علماء کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے' ان میں سے حجۃ الاسلام امام غزالی ہیں' اور قاضی ابوبکر بن العربی ہیں اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام ہیں اور ابن ابی جمرہ ہیں اور ابن الحاج ہیں اور الیافعی ہیں اور میں نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے۔

(الدیباج' ج ۲' ص ۸۷۴-۸۷۳' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۲ھ)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی حنفی المصری الشعرانی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

ائمہ اور مجتہدین بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے ہیں اور کتاب و سنت سے انہوں نے جو کچھ سمجھا ہوتا ہے اس کو لکھنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! ہم نے فلاں حدیث کا یہ معنی سمجھا ہے آیا آپ اس پر راضی ہیں' اور بہت سے اولیاء جو مجتہدین سے کم درجہ کے ہیں ان کو آپ سے بیداری میں ملاقات کا شرف حاصل ہے جیسے شیخ عبدالرحیم القناوی اور شیخ ابو مدین المغربی' شیخ ابوالحسن الشاذلی' شیخ ابوالعباس المرسی اور بہت ہیں' اور میں نے شیخ جلال الدین سیوطی کے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک خط پڑھا ہے' انہوں نے اس شخص کو جواب لکھا جو سلطان کے پاس ان سے سفارش کرانا چاہتا تھا' انہوں نے لکھا اے میرے بھائی! میں اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیداری میں پچھتر مرتبہ بالمشافہ ملاقات کر چکا ہوں' اگر مجھے یہ خوف نہ ہو تا کہ حکام کے پاس جانے سے میں اس نعمت سے محروم ہو جاؤں گا تو میں سلطان سے تمہاری شفاعت کر دیتا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا خادم ہوں اور جن احادیث کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے ان کی صحت معلوم کرنے کے لیے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کی حاجت ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے میرے بھائی کہ یہ نفع تمہارے نفع پر مقدم ہے' اور علامہ سیوطی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سیدی محمد بن زین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثناگو تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں بالمشافہ زیارت کرتے تھے اور جب وہ حج کے لیے جاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے اندر سے ان سے ہم کلام ہوتے' ایک مرتبہ کسی شیخ کے کہنے سے انہوں نے حاکم شہر سے ان کی سفارش کی تو پھر وہ اس نعمت سے محروم ہوگئے اور ہم کو شیخ ابوالحسن شاذلی اور شیخ ابوالعباس المرسی اور دوسرے اولیاء اللہ سے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ بزرگ یہ کہتے تھے کہ اگر ایک لحہ کے لیے بھی ہم کو رسول اللہ کی زیارت نہ ہو تو ہم اپنے آپ کو مسلمان شمار نہیں کرتے۔

(المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۵۵-۵۴' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

شیخ محمد انور کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ شعرانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ کے سامنے صحیح بخاری پڑھی ہے۔ ان میں سے ایک حنفی تھا جب صحیح البخاری ختم ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی لہٰذا بیداری میں زیارت متحقق ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

(فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴' مطبوعہ مطبع حجازی القاہرہ' ۱۳۵۷ھ)

چند خوابوں کی تعبیروں کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں سویا ہوا تھا تو

مجھے (خواب میں) دودھ کا پیالہ دیا گیا، میں نے اس سے دودھ پی لیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ میرے ناخنوں سے سیرابی نکل رہی ہے، اور میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن الخطاب کو دے دیا، آپ کے گرد بیٹھے ہوئے صحابہ نے پوچھا آپ نے اس (دودھ) سے کیا تعبیر لی ہے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: علم۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۰۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۷۰، مسند احمد ج ۲، ص ۸۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۷۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۴۹، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۴۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۸۸۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ قمیص پہنے ہوئے میرے سامنے پیش ہو رہے ہیں، بعض کی قمیص پستانوں تک تھی اور بعض کی قمیص اس سے بھی کم تھی، پھر عمر بن الخطاب آئے اور ان کی قمیص پیروں کے نیچے گھسٹ رہی تھی۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے قمیص سے کیا تعبیر لی ہے؟ فرمایا: دین۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۵، مصنف عبدالرزاق ۲۰۳۸۵، مسند احمد ج ۵، ص ۳۷۳، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۸۳۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۲۱)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک باغ میں ہوں اور باغ کے وسط میں ایک ستون ہے، اور ستون کے اوپر ایک دستہ ہے، مجھ سے کہا گیا اس درخت پر چڑھو۔ میں نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، پھر ایک لڑکا آیا۔ اس نے میرے کپڑے اوپر اٹھائے، میں اس درخت پر چڑھا اور میں نے اس دستہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا، اور میں اس حال میں بیدار ہوا کہ میں اس دستہ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ خواب بیان کیا، آپ نے فرمایا: یہ باغ اسلام کا باغ ہے، اور دستہ سے مراد مضبوط دستہ ہے، تم تادم مرگ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہو گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۱۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۸۴۰، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو زیادہ تر مسلمان کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا، اور مومن (کامل) کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ محمد بن سیرین نے کہا میں بھی یہی کہتا ہوں، انہوں نے کہا اور یہ کہا جاتا تھا کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: انسان جو کچھ سوچتا ہے وہ خواب میں دیکھتا ہے اور شیطان ڈراؤنے خواب دکھاتا ہے اور اللہ کی طرف سے خواب میں بشارتیں ملتی ہیں، سو جو شخص خواب میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے، وہ اس خواب کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے اور اٹھ کر نماز پڑھے، اور وہ خواب میں (گلے میں) طوق دیکھنا ناپسند کرتے تھے اور خواب میں بیڑیاں دیکھنا پسند کرتے تھے اور یہ کہا جاتا تھا کہ بیڑی سے مراد دین میں ثابت قدم رہنا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۱۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۳۷۱، عالم الکتب، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۹۴، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۱-۵۰)

حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، جب مہاجرین کی رہائش کے لیے انصار نے قرعہ اندازی کی تو رہائش کے لیے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہمارے حصہ میں آ گئے۔ وہ بیمار پڑ گئے، ہم نے ان کی تیمارداری کی، وہ فوت ہو گئے۔ ہم نے ان کو کفن میں لپیٹ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے کہا: اے ابو السائب! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تمہاری تکریم فرمائے

گا- آپ نے پوچھا: تم کو یہ کیسے پتا چلا؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نہیں جانتی- آپ نے فرمایا: رہے عثمان بن مظعون تو ان پر موت آچکی ہے' اور میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے خیر کی توقع کرتا ہوں اور اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا- حضرت ام العلاء نے کہا: پس اللہ کی قسم! اس کے بعد میں نے کسی کی ستائش نہیں کی- انہوں نے کہا: میں نے خواب دیکھا کہ حضرت عثمان کے لیے ایک چشمہ بہہ رہا ہے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس خواب کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: اس سے مراد اس کا جاری رہنے والا عمل ہے- (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۰۱۸' مسند احمد رقم الحدیث:۲۸۰۰۴' مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں' جس میں کھجور کے درخت ہیں' مجھے یہ گمان ہوا کہ یہ جگہ یمامہ یا ہجر ہے لیکن وہ مدینہ یثرب تھی' اور میں نے اس میں گائے کو دیکھا اور اللہ کی قسم خیر کو دیکھا- گائے سے مراد وہ ہے کہ جنگ احد میں جب مسلمانوں نے کفار کی یورش سے بھاگنے کا ارادہ کیا تھا اور خیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ جنگ بدر میں خیر (فتح) لایا تھا-

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۰۳۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۷۶۵۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۲۱' مسند احمد رقم الحدیث ۲۲۷' عالم الکتب)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں ایک سیاہ فام عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ مدینہ سے باہر نکلی اور حجفہ میں جا کر ٹھہر گئی' میں نے اس کی یہ تعبیر نکالی کہ مدینہ کی وبا حجفہ کی طرف منتقل کر دی جائے گی-

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۰۳۸' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۲۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۱ ص۶۱' مسند احمد رقم الحدیث:۵۸۴۹' سنن دارمی رقم الحدیث:۲۱۶۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۵۵۲۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۷۶۵۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۳۲۴۷' دلائل النبوۃ للبیہقی ج۲ ص۵۶۸' شرح السنہ رقم الحدیث:۳۲۹۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ میں نے تلوار کو لہرایا تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا اور اس کی تعبیر وہ تھی جو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی پھر میں نے دوبارہ تلوار کو لہرایا وہ پہلے سے اچھی حالت میں ہو گئی اور اس کی تعبیر وہ تھی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی تھی اور مسلمان مجتمع ہو گئے تھے-

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۰۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۲۱' السنن الکبریٰ رقم الحدیث ۷۶۵۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۷۲۹۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۲۷۵' شرح السنہ رقم الحدیث:۳۲۹۶' مسند احمد رقم الحدیث:۲۲۷' عالم الکتب)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک خواب بیان کیا جس کو اس نے نہیں دیکھا اس کو (قیامت کے دن) دو جو کے درمیان گرہ لگانے کا حکم دیا جائے گا اور وہ ان میں ہرگز گرہ نہیں لگا سکے گا' اور جس شخص نے کچھ لوگوں کی باتیں کان لگا کر سننے کی کوشش کی جب کہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں' قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا' اور جس شخص نے تصویر بنائی اس کو عذاب دیا جائے گا اور اس کو اس بات کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے اور وہ اس میں ہرگز روح نہیں پھونک سکے گا-

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۰۴۲' مسند احمد رقم الحدیث:۲۲۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۱۱۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:

۹۷۸۵، سنن النسائی رقم الحدیث:۵۳۵۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے آج رات یہ خواب دیکھا ہے کہ ایک سائبان سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے، میں نے دیکھا کہ لوگ اس کو ہتھیلیوں میں جمع کر رہے ہیں، بعض لوگ زیادہ جمع کر رہے ہیں اور بعض کم، اور میں نے دیکھا کہ آسمان سے زمین تک ایک رسی پہنچ رہی ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ اس رسی کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگے، پھر ایک شخص نے اس رسی کو پکڑا اور اس کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا، پھر دوسرا شخص اس رسی کو پکڑ کر اوپر چڑھا، پھر تیسرے شخص نے رسی کو پکڑا، تو وہ رسی ٹوٹ گئی، پھر رسی جڑ گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرا باپ فدا ہو، اللہ کی قسم! اس خواب کی تعبیر بتانے کی آپ مجھے اجازت دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تعبیر بیان کرو۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: اس سائبان سے مراد اسلام ہے، اور جو شہد اور گھی سائبان سے ٹپک رہا تھا وہ قرآن مجید اور اس کی حلاوت ہے، پس بعض لوگ زیادہ قرآن مجید حاصل کرتے ہیں اور بعض کم، اور وہ رسی جو آسمان سے زمین تک پہنچ رہی ہے اس سے مراد وہ حق ہے جس پر آپ قائم ہیں، آپ اس حق سے عمل کرتے رہیں گے پھر اللہ آپ کو اپنے پاس بلا لے گا، پھر آپ کے بعد ایک اور شخص اس پر عمل کرے گا، حتیٰ کہ اس کو بھی اللہ اپنے پاس بلا لے گا، پھر دوسرا شخص اس پر عمل کرے گا، پھر تیسرا شخص اس پر عمل کرے گا پھر وہ حق منقطع ہو جائے گا پھر اس شخص کے لیے جوڑ دیا جائے گا اور وہ اس پر عمل کرے گا، یا رسول اللہ! آپ پر میرا باپ فدا ہو، مجھے یہ بتائیے کہ میں نے صحیح تعبیر کی ہے یا غلط۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری بعض تعبیر صحیح ہے اور بعض غلط۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! آپ مجھے ضرور بتائیے کہ میں نے کیا غلطی کی ہے، آپ نے فرمایا: قسم مت کھاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۰۴۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۶۹، مسند احمد رقم الحدیث:۲۱۱۳، عالم الکتب، سنن دارمی رقم الحدیث:۲۱۶۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۱ ص۵۹، مسند حمیدی رقم الحدیث:۵۳۶)

خواب کی تعبیر بتانے کی اہلیت

خواب کی تعبیر بتانا ہر شخص کا کام نہیں ہے اور نہ ہر عالم خواب کی تعبیر بتا سکتا ہے، خواب کی تعبیر بتانے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں خواب کی جو تعبیریں بیان کی گئی ہیں، ان پر عبور ہو۔ الفاظ کے معانی، ان کے کنایات اور مجازات پر نظر ہو اور خواب دیکھنے والے کے احوال اور اس کے معمولات سے واقفیت ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ شخص متقی اور پرہیزگار ہو اور عبادت گزار اور شب زندہ دار ہو کیونکہ یہ وہبی علم ہے اور جب تک کسی شخص کا دل گناہوں کی کثافت کی آلودگی سے پاک اور صاف نہ ہو، اس وقت تک اس کا دل محرم اسرار الٰہیہ نہیں ہوگا، اس علم کے ماہرین نے اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں، ان میں امام ابن سیرین کی تعبیر الرویاء اور علامہ عبدالغنی نابلسی کی تعبیر المنام بہت مشہور ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ علماء کرام ان کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد خواب کی تعبیر بتائیں اور محض اٹکل پچو سے خواب کی تعبیر بتانے سے گریز کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (باپ نے) کہا اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے، بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے ○ (یوسف: ۵)

بھائیوں کو خواب سنانے سے منع کرنے کا سبب

امام ابن جریر نے سدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جب شام آئے تو ان کی زیادہ توجہ حضرت

یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بن یامین کی طرف تھی، اور جب ان کے بھائیوں نے حضرت یعقوب کی حضرت یوسف کی طرف زیادہ محبت دیکھی تو وہ حضرت یوسف سے حسد کرنے لگے اور جب حضرت یوسف نے یہ خواب بیان کیا کہ انہوں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو انہیں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو منع کیا کہ وہ اپنے بھائیوں کے سامنے یہ خواب بیان نہ کریں مبادا وہ ان کے خلاف کوئی سازش کریں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۴۴۸)

کفار اور فساق کے خواب سچے ہونے کی توجیہہ

ہم نے خواب کے سلسلہ میں جو احادیث ذکر کی ہیں، ان میں یہ تصریح گزر چکی ہے کہ سچے اور نیک خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سچے خوابوں میں مستقبل میں ہونے والے کسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور سچے خوابوں کے ذریعہ غیب پر مطلع کیا جاتا ہے اور غیب پر مطلع ہونا وظائف نبوت میں سے ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رویاء صادقہ اجزاء نبوت میں سے ہیں اور ان سے مومن کا ایمان مضبوط ہوتا ہے۔

ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب سچے خواب اجزاء نبوت سے ہیں اور اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں تو پھر سچے خواب کافروں اور جھوٹوں کو نہیں دکھائی دینے چاہئیں حالانکہ بعض کافروں اور بدکاروں کو بھی سچے خواب دکھائی دے جاتے ہیں، جیسے عزیز مصر نے سات گایوں کو دیکھا تھا، اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو دو شخص قید میں تھے، انہوں نے بھی سچے خواب دیکھے تھے اور بخت نصر نے خواب دیکھا تھا جس کی حضرت دانیال نے یہ تعبیر بتائی تھی کہ اس کے ہاتھ سے ملک جاتا رہے گا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے متعلق کسریٰ نے خواب دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ نے کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ کے متعلق خواب دیکھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کفار، فساق اور جھوٹوں کے خواب بعض اوقات صادق ہوئے ہیں مگر یہ وحی سے نہ تھے، نہ آثار نبوت سے ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جس کی کوئی بات سچی نکل آئے تو وہ اطلاع علی الغیب پر مبنی ہو اور بعض اوقات کاہن وغیرہ بھی سچی پیش گوئیاں کر دیتے ہیں لیکن ایسا بہت قلیل اور نادر ہوتا ہے۔ اس طرح کفار اور فساق کے خواب بھی بعض اوقات سچے نکل آتے ہیں اور کسی چیز کی کثرت پر حکم لگایا جاتا ہے، قلت پر حکم نہیں لگایا جاتا۔

صرف ہمدرد اور خیر خواہ کے سامنے خواب بیان کیا جائے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نصیحت کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے سامنے یہ خواب نہ بیان کریں، اس سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ اس شخص کے سامنے خواب نہ بیان کیا جائے جو شفیق اور خیر خواہ نہ ہو، اور نہ اس شخص کے سامنے خواب بیان کیا جائے جس کو خواب کی تعبیر بیان کرنے کا علم نہ ہو، صحیح حدیث میں ہے:

حضرت ابو رزین عقیلی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے اور جب تک اس خواب کو بیان نہ کیا جائے، یہ پرندے کی ٹانگ پر معلق ہوتا ہے اور جب اس کو بیان کر دیا جائے تو پھر یہ ساقط ہو جاتا ہے اور خواب صرف عقل مند شخص اور دوست کو بیان کیا جائے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۸، ۲۲۷۹، سنن ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۱۰۸۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۰، مسند احمد ج ۴ ص ۱۰، ۱۲، ۱۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱۵۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۴۹، المعجم الکبیر ج ۱۹ رقم الحدیث: ۴۶۳، ۴۶۲، ۴۶۱، المستدرک ج ۴ ص ۳۹۰، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۸۲، ۳۲۸۱)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ خواب کو قرار نہیں ہوتا جیسے کوئی چیز پرندے کی ٹانگ پر باندھی ہوئی ہو، یعنی جب تک اس کی تعبیر بیان نہ کردی جائے اس کو قرار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ پرندہ کو اکثر حالات میں قرار نہیں ہوتا تو جو چیز اس کی ٹانگ پر معلق ہو اس کو کس طرح قرار ہوگا اور جب اس کی تعبیر بیان کردی جائے تو وہ ساقط ہو جاتا ہے یعنی خواب دیکھنے والے کو اس کا حکم لاحق ہو جاتا ہے اور آپ نے فرمایا: اس کی تعبیر صرف صاحب عقل سے معلوم کی جائے کیونکہ وہ اس کی اچھی اور پسندیدہ تعبیر بیان کرے گا اور اگر اس کے نزدیک اس کی تعبیر ناپسندیدہ ہوگی تو خاموش رہے گا اور فرمایا: یا یہ خواب صرف دوست یعنی خیر خواہ سے بیان کیا جائے کیونکہ وہ اس خواب کی وہی تعبیر بیان کرے گا جو باعث مسرت ہو۔

عمداً خواب کی غلط تعبیر بیان نہ کرے

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: امام مالک سے پوچھا گیا کیا ہر شخص خواب کی تعبیر بیان کر سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: کیا نبوت کو کھیل بنایا جائے گا اور امام مالک نے فرمایا: وہی شخص خواب کی تعبیر بیان کرے جس کو خواب کی تعبیر بیان کرنے کا علم ہو، اگر اس کے نزدیک خواب کی تعبیر اچھی ہو تو اس کو بیان کردے اور اگر اس کے نزدیک خواب کی تعبیر بری ہو تو اس کو اچھی نصیحت کرے (مثلاً اس سے کہے کہ دعا کرو، اے اللہ! میرے خواب کی بری تعبیر کو اچھی تعبیر سے بدل دے) اور یا خاموش رہے۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ خواب کی جو تعبیر بیان کی جائے خواب اسی تعبیر پر واقع ہوتا ہے تو کیا تعبیر بتانے والے کے لیے یہ جائز ہے کہ اس کے نزدیک خواب کی تعبیر بری ہو، لیکن وہ خواب کی اچھی تعبیر بتادے۔ امام مالک نے فرمایا: نہیں، خواب نبوت کا ایک جز ہے پس نبوت کو کھیل نہ بنایا جائے۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز ۹، ص ۱۱۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

کسی کو ضرر سے بچانے کے لیے دوسرے کے عیب بیان کرنے کا جواز

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے جس چیز سے خطرہ محسوس کرے، اس سے اس کو آگاہ کردے اور یہ غیبت نہیں ہے کیونکہ غیبت وہ ہوتی ہے کہ کسی مسلمان شخص کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے اس کے پس پشت اس کا وہ عیب بیان کرے جس کو وہ مخفی رکھتا ہو اور یہاں مقصود کسی کو ذلیل اور رسوا کرنا نہیں بلکہ ایک مسلمان شخص کو دوسرے کے ضرر سے بچانا مقصود ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے سامنے یہ خواب بیان کرنے سے منع کیا تاکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف کوئی سازش نہ کریں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ابو جہم سے رشتہ کا پیغام قبول نہ کرو کیونکہ وہ کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتا اور معاویہ کا پیغام قبول نہ کرو کیونکہ وہ مفلس ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۴۶)

حسد کے خطرہ سے نعمتوں کے چھپانے کا جواز

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ (الضحیٰ: ۱۱) — اور اپنے رب کی نعمت کا خوب بیان کریں۔

اور سورۂ یوسف کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ نعمت کے بیان اور اظہار کا یہ حکم علی الاطلاق نہیں ہے، جس شخص کو یہ خطرہ ہو کہ اگر حاسدوں کو اس نعمت کا پتا چل گیا تو وہ اس سے حسد کریں گے اور اس کے خلاف سازشیں کریں گے تو اس کو چاہیے کہ وہ نعمت کو چھپالے اور کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی ضروریات کی تکمیل پر مخفی رکھنے سے مدد طلب کرو کیونکہ ہر صاحب نعمت سے حسد کیا جاتا ہے۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۱۸۶، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۴۷۶، المعجم الکبیر ج ۲۰، ص ۹۴، حلیۃ الاولیاء ج ۵، ص ۲۱۶، تنزیہ الشریعہ ج ۲، ص ۳۰۵، الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۳، ص ۱۲۳۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۶۵۵، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲، ص ۱۰۹، تاریخ بغداد ج ۸، ص ۵۷، مجمع الزوائد ج ۸، ص ۱۹۴، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۸۵، الفوائد المجموعہ رقم الحدیث: ۷۰، ۲۹۱، تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰۵، اللآلی المصنوعہ ج ۲، ص ۲۲۳، الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث: ۱۴۵۳، صحیح الجامع للالبانی ج ۱، ص ۲۳۳)

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی سربلندی اور ان کے بھائیوں کے حسد کا پیشگی علم ہونا

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم تھا کیونکہ ان کو اس علم کے ذریعہ یہ معلوم تھا کہ عنقریب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں پر غلبہ حاصل کرلیں گے اور انہوں نے اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خود ان پر بھی تفوق حاصل ہو جائے گا کیونکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا اس سے بہتر منصب پر فائز ہو، البتہ کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا بھائی اس سے مرتبہ اور منصب میں بڑھ جائے۔

اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان سے حسد کرتے ہیں اور ان سے بغض رکھتے ہیں، اس لیے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو منع کیا کہ وہ یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کریں کیونکہ ان کو خطرہ تھا کہ اس خواب کو سن کر ان کے دلوں میں کینہ اور بغض پیدا ہوگا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہلاک کرنے کے لیے سازشیں کریں گے۔

سچے خوابوں کے بشارت ہونے کی تفصیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: نبوت سے اب صرف بشارتیں باقی رہ گئی ہیں: صحابہ نے پوچھا: بشارتوں سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: سچے خواب! امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے: وہ خواب مسلمان خود دیکھتا ہے یا کوئی شخص اس کے لیے دیکھتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۹۹، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۸۳۹، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۴۸۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۲۳۹، ۲۴۸، مسند احمد ج ۱، ص ۲۱۹، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۷۶، المنتقیٰ رقم الحدیث: ۲۰۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۵۴۸، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۸۷، مسند ابو عوانہ ج ۲، ص ۱۷۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۸۹۶، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۸۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۶۳۶)

اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ سچے خواب نبوت کا جز ہیں اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ سچے خواب دیکھنے والے میں نبوت کا ایک جز پایا جائے اور اس کو نبی کہا جائے، اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا جز اس چیز کے وصف کو مستلزم نہیں ہوتا، مثلاً بلند آواز سے اشھد ان لا الہ الا اللہ پڑھنا اذان کا جز ہے لیکن جو آدمی صرف یہ کلمہ بلند آواز سے پڑھے، اس کو موذن نہیں کہا جائے گا اسی طرح کھڑے ہو کر قرآن کریم پڑھنا نماز کا جز ہے لیکن جو شخص صرف کھڑے ہو کر قرآن مجید پڑھے اس کو نمازی نہیں کہا جائے گا اسی طرح اگرچہ سچے خواب نبوت کا جز ہے لیکن سچے خواب دیکھنے والے کو نبی نہیں کہا جائے گا۔

اس حدیث پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سچے خواب ہمیشہ بشارت ہوتے ہیں لیکن سچے خواب بعض اوقات ڈرانے والے بھی ہوتے ہیں جن سے خواب دیکھنے والا خوش نہیں ہوتا، اور ایسے خواب دکھانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن پر شفقت اور رحمت ہے تاکہ کسی مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے وہ اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کرلے اور وہ اس کا جو تدارک کر سکتا ہے، وہ کرلے، اس کا جواب یہ ہے کہ سچے خواب مطلقاً بشارت نہیں ہوتے بلکہ بعض اوقات بشارت ہوتے ہیں، اور چونکہ اکثر اور اغلب طور پر سچے خواب بشارت ہوتے ہیں اس لیے آپ نے مطلقاً فرمایا: سچے خواب مبشرات ہیں۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تھا اس مرض میں صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی، آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھا کر فرمایا: اے لوگو! نبوت کی بشارتوں سے صرف سچے خواب باقی بچے ہیں جو مسلمان خود دیکھتا ہے یا کوئی اس کے لیے دیکھتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۸۹۹) اب اس کی توجیہ یہ ہے کہ میری وفات کے بعد وحی منقطع ہو جائے گی اور پھر مستقبل کی باتوں کا علم صرف سچے خوابوں سے ہوگا، اگر اس پر یہ اعتراض ہو کہ وحی تو منقطع ہو جائے گی لیکن الہام منقطع نہیں ہوگا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے متعلق فرمایا وہ محدث ہیں یعنی ان پر الہام ہوتا ہے اور بکثرت اولیاء کرام نے غیب کی خبریں دیں اور ان کی دی ہوئی خبروں کے مطابق مستقبل میں واقعات ہوئے، اس کا جواب یہ ہے کہ خواب کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو کہ عام مسلمانوں کو بھی مستقبل کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اور الہام تو صرف خواص مومنین کو ہوتا ہے اور وہ ہے بھی نادر اور خواب بکثرت واقع ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں الہام بہت نادر تھا کیونکہ وحی کا غلبہ تھا، اور جب آپ کے وصال کے بعد وحی منقطع ہو گئی تو جن مومنین کو اللہ تعالیٰ نے خاص کرلیا تھا، ان پر الہام بکثرت ہونے لگا کیونکہ اب اس کا وحی سے اشتباہ نہیں ہو سکتا تھا، اور جو شخص الہام کا انکار کرتا ہے، یہ اس کی ہٹ دھرمی ہے کیونکہ اس کا وقوع بہت زیادہ ہے اور بہت مشہور ہے۔

(فتح الباری جلد ۱۲ ص ۳۷۶-۳۷۵، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی منصب نبوت پر فائز ہوئے تھے یا نہیں، اس میں علماء کا اختلاف ہے، ہم پہلے فریقین کے دلائل کا ذکر کریں گے اور آخر میں اپنا نظریہ بیان کریں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے انبیاء ہونے کے دلائل

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سندوں کے ساتھ لکھتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلام نے احد عشر کوکبا کی تفسیر میں کہا ہے: گیارہ ستارے اور سورج اور چاند، حضرت یوسف کے ماں باپ اور ان کے بھائی ہیں اور ان کے بھائی انبیاء تھے اور انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت تک حضرت یوسف کو سجدہ کرنے پر راضی نہیں ہوں گے حتیٰ کہ ان کے ماں باپ ان کو سجدہ کرلیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۴۴۷، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۳۳۰)

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں: زجاج نے کہا حضرت یعقوب علیہ السلام نے گیارہ ستاروں کی یہ تعبیر کی کہ ان سے ایسے اصحاب فضیلت لوگ مراد ہیں جن سے روشنی حاصل ہوگی کیونکہ ستارے سے زیادہ روشن اور کوئی چیز نہیں ہے، اور سورج اور چاند سے ان کے ماں باپ کو مراد لیا پس سورج سے مراد ماں ہے اور چاند سے مراد باپ ہے

اور تاروں سے مراد ان کے بھائی ہیں اور اس کی یہ تعبیر کی کہ حضرت یوسف بھی نبی ہوں گے اور ان کے بھائی بھی نبی ہوں گے کیونکہ ان کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے بھائیوں پر اپنی نعمت اس طرح پوری کرے گا جس طرح ان کے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت پوری کی تھی۔

(تفسیر السمرقندی ج ۲، ص ۱۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی الشافعی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں: امام محمد بن اسحٰق نے کہا: حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا فعل متعدد جرائم پر مشتمل ہے، انہوں نے قطع رحم کیا، ماں باپ کی نافرمانی کی، بے قصور چھوٹے بھائی پر رحم نہیں کیا، امانت میں خیانت کی، اور اپنے باپ سے جھوٹ بولا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام گناہوں کو معاف کر دیا تاکہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا عزم کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو بچالیا اور اگر وہ یہ قتل کر دیتے تو وہ سب ہلاک ہو جاتے، اور یہ تمام گناہ ان کو نبی بنانے سے پہلے ہوئے تھے، ابو عمر بن العلاء سے سوال کیا گیا انہوں نے یہ کیسے کہا:

أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ -(یوسف: ۱۲) کل یوسف کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ پھل کھائے اور کھیلے۔

حالانکہ وہ انبیاء تھے اور کھیلنا انبیاء کی شان کے منافی ہے، اور انہوں نے اس کے جواب میں کہا: یہ واقعہ ان کو نبی بنانے سے پہلے کا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۳۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ -(یوسف: ۶) اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت مکمل فرمائے گا، جس طرح اس سے پہلے اس نے اس نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق پر مکمل فرمایا تھا۔

امام رازی فرماتے ہیں: یہ بات سب کو معلوم ہے کہ وہ نعمت تامہ جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق تمام انسانوں سے ممتاز ہوئے وہ نعمت صرف نبوت ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: وہ نعمت اللہ تعالیٰ آل یعقوب کو عطا فرمائے گا اور یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے تمام بیٹے انبیاء ہوں، نیز حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: میں نے خواب میں گیارہ ستارے دیکھے اور ان گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی ہیں، اور ان بھائیوں کا ستارے ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ ان کو فضیلت اور کمال حاصل ہو اور ان کے علم اور دین سے زمین والوں کو روشنی اور ہدایت حاصل ہو کیونکہ سورج اور چاند کے بعد ستاروں سے زیادہ کوئی چیز قدرتی طور پر روشن نہیں ہے اور ان سے ہدایت اور روشنی حاصل ہوتی ہے اور اس سے یہ لازم آیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی تمام اولاد انبیاء اور رسل ہو، لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام کے تمام بھائی انبیاء قرار پائے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا انبیاء ہونا کس طرح جائز ہو گا جب کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ بہت ظالمانہ سلوک کیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے یہ گناہ نبوت سے پہلے صادر ہوئے اور ہمارے نزدیک عصمت کا اعتبار نبوت کے وقت ہوتا ہے نبوت سے پہلے نہیں ہوتا۔

(تفسیر کبیر ج ۶، ص ۴۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ٦٨٦ھ لکھتے ہیں: حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمت پوری کرے گا یعنی تم کو نبوت سے سرفراز فرمائے گا یا تم کو دنیا کی نعمت کے ساتھ آخرت کی نعمت بھی عطا فرمائے گا اور آل یعقوب پر بھی نعمت پوری فرمائے گا اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی مراد ان کے سارے بیٹے تھے، اور شاید کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے تمام بیٹوں کی نبوت پر اس سے استدلال کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو گیارہ ستارے دیکھے تھے اس سے مراد گیارہ بھائی تھے، اور ستاروں کے ضیاء سے مراد ان کی ہدایت کی روشنی تھی۔

(انوار التنزیل مع حاشیۃ الشہاب ج ٥، ص ٢٦٨، دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٧ھ)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ٧٥٤ھ نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو کہا کہ وہ تم پر اپنی نعمت کو مکمل کرے گا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ انہیں دنیا میں اپنی نعمت پہنچائے گا بایں طور کہ ان کو دنیا میں انبیاء اور بادشاہ بنائے گا اور ان کو آخرت کی نعمت پہنچائے گا بایں طور پر ان کو جنت کے بلند درجات تک پہنچائے گا، ظاہر یہ ہے کہ آل یعقوب سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور ان کی نسل ہے یعنی ہم ان کو نبی بنائیں گے۔

(البحر المحیط ج ٦، ص ٢٤٠، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٢ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے انبیاء نہ ہونے کے دلائل

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ نے لکھا ہے کہ کتاب الطبری میں یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء تھے اور ان کو نبی ماننا اس بات کو رد کرتا ہے کہ نبی حسد کرنے، ماں باپ کی نافرمانی کرنے، جھوٹ بولنے، مومن کو ہلاک کرنے کے درپے ہونے، اس کو قتل کرنے کے درپے ہونے اور آزاد انسان کو فروخت کرنے ایسے کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتا ہے، اس لیے ان لوگوں کے قول کی طرف توجہ نہ کی جائے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے، ہرچند کہ نبی کی لغزش عقلاً محال نہیں ہے، مگر یہ ایسی لغزش ہے جو متعدد کبیرہ گناہوں پر مشتمل ہے، اہلسنت کا اس میں تو اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے صغائر کا صدور ہوتا ہے یا نہیں لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے کبائر کا صدور نہیں ہوتا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ٩، ص ١١٣، مطبوعہ دار الفکر، ١٤١٥ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ٧٧٤ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف جو سازش کی تھی وہ اس دعویٰ کے خلاف ہے، بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ان کے ان گناہوں کے بعد ان کو نبوت دی گئی اور یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے، اور اس آیت کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے:

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ - (آل عمران: ٨٤)	کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور اس چیز پر جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کی گئی ہے۔

اسباط کے لفظ میں کئی احتمال ہیں کیونکہ بنو اسرائیل کے گروہوں کو اسباط کہا جاتا ہے، جیسا کہ عرب کے گروہوں کو قبائل کہا جاتا ہے اور عجم کے گروہوں کو شعوب کہا جاتا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے انبیاء کی طرف وحی نازل فرمائی جو بنو اسرائیل کے اسباط (گروہوں) سے ہیں اور ان کا اجمالاً ذکر فرمایا کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، لیکن ہر سبط (گروہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نسل سے تھا۔ اور اس پر دلیل قائم نہیں ہو سکی کہ بعینہٖ حضرت یوسف علیہ

السلام کے بھائیوں کی طرف وحی کی گئی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲۱، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (یوسف: ۵)

(باپ نے) کہا اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے، بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے ۝

اس آیت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء نہیں تھے اور یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور اکثر متقدمین اور متاخرین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی ہرگز نہیں تھے، متقدمین میں حضرات صحابہ کرام ہیں اور ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے اور نہ ہی تابعین میں سے کسی سے منقول ہے کہ وہ نبی تھے اور اتباع تابعین میں سے صرف ابن زید سے منقول ہے کہ وہ نبی تھے اور بہت کم لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے، اور متاخرین مفسرین میں سے بعض نے ابن زید کے قول کی پیروی کی ہے جیسے امام بغوی، اور بعض نے اس قول کے رد میں بہت شدت کی ہے جیسے علامہ قرطبی اور ابن کثیر، اور بعض مفسرین نے ان دونوں قولوں کو بلا ترجیح نقل کر دیا ہے جیسے ابن الجوزی، اور بعض مفسرین نے اس مسئلہ کو بالکل نہیں چھیڑا، البتہ انہوں نے ایسی تفسیر کی ہے جس سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ وہ نبی نہیں تھے، کیونکہ انہوں نے اسباط کی یہ تفسیر کی ہے: وہ لوگ جو بنو اسرائیل میں سے نبی بنائے گئے اور ان پر احکام شرعیہ نازل کیے گئے، مثلاً ابو اللیث السمرقندی اور واحدی (ابو اللیث السمرقندی کا حوالہ صحیح نہیں ہے کیونکہ انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے اور اس پر دلائل قائم کیے ہیں البتہ واحدی کا حوالہ درست ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے تفسیر سمرقندی سے نقل کیا ہے) اور بعض مفسرین نے کچھ ذکر نہیں کیا لیکن اسباط کی تفسیر حضرت یعقوب کی اولاد کے ساتھ کی ہے، جس سے لوگوں نے یہ گمان کیا کہ وہ حضرت یعقوب کی تمام اولاد کے نبی ہونے کے قائل ہیں حالانکہ یہ اس کی تصریح نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اولاد سے مراد حضرت یعقوب کی ذریت ہو نہ کہ ان کے صلبی بیٹے۔

شیخ ابن تیمیہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید، لغت اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء نہیں تھے، یہ چیز قرآن مجید میں مذکور ہے نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا قول ہے، جن لوگوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے انبیاء ہونے کا قول کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ البقرہ: ۱۴۰۔ ۱۳۶ النساء: ۱۶۳ میں اسباط کا لفظ ہے اور انہوں نے اس کی تفسیر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے کی، اور صحیح یہ ہے کہ الاسباط سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صلبی اولاد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذریت ہے جیسا کہ انہیں بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، اور جیسا کہ تمام انسانوں کو بنو آدم کہا جاتا ہے، نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا۔ (الاعراف: ۱۶۰۔ ۱۵۹)

اور موسیٰ کی امت سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں ۝ اور ہم نے بنو اسرائیل کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ کر کے تقسیم کر دیا۔

یہ آیت اس معنی میں صریح ہے کہ اسباط بنی اسرائیل کے متعدد گروہ ہیں اور ہر سبط ایک گروہ ہے، اور انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ بنی اسرائیل کے اسباط ایسے ہیں جیسے بنی اسماعیل کے قبائل ہیں اور سبط لغت میں ایسے درخت کو کہتے ہیں جس کے بہت گھنے پتے ہوں، تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کو ان کی اولاد پھیلنے سے پہلے اسباط کہنے کی کوئی مناسبت نہیں ہے، اس لیے البقرہ: ۱۴۰ اور النساء: ۱۶۳ میں اسباط کے لفظ کو حضرت یعقوب کے بارہ بیٹوں کے ساتھ مخصوص کرنا غلط ہے، اس پر لفظ دلالت کرتا ہے نہ اس کا معنی ثابت ہے، اور صحیح یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کے عہد سے اسباط کا نام رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن میں نبوت معروف تھی، ان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے پہلے کوئی نبی نہیں تھا، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ نے جب حضرت ابراہیم کی ذریت سے انبیاء کا ذکر کیا تو صرف حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا اور ان کے ساتھ اسباط کا ذکر نہیں کیا، اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی نبی بنائے گئے ہوتے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نبی بنایا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر بھی فرماتا، وہ آیت یہ ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○

(الانعام: ۸۶-۸۴)

اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیے، ہم نے سب کو ہدایت دی اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی، اور ان کی اولاد سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف، اور موسیٰ اور ہارون کو ہدایت دی، اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں○ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (سب کو ہدایت دی) یہ سب صالحین میں سے ہیں○ اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط، اور ہم نے سب کو سارے جہان والوں پر فضیلت دی۔

اور نیز اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی وہ تعریف و توصیف فرمائی جو نبوت کے مناسب ہے، اگرچہ وہ اس آیت سے پہلے ہے اور حدیث میں ہے لوگوں میں سب سے کریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم ہیں جو نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں، پس اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی انبیاء ہوتے تو وہ بھی کرم کی اس صفت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے شریک ہوتے اور جب اللہ سبحانہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قصہ ذکر فرمایا اور اس سلوک کا ذکر کیا جو انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا تھا اور ان کی خطاء کے اعتراف کا ذکر کیا اور انہوں نے اپنے والد سے جو استغفار طلب کیا تھا اس کا ذکر کیا تو اس مقام پر ان کی کسی ایسی فضیلت کا ذکر نہیں کیا جو مقام نبوت کے مناسب ہوتی، بلکہ ان کی توبہ کا ذکر بھی نہیں کیا، جیسا کہ ان سے کم گناہ کرنے والوں کی توبہ کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے ایسے کاموں کا ذکر نہیں کیا، نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد کہ انہوں نے باپ کی نافرمانی کی ہو، قطع رحم کیا ہو، مسلمان کو غلام بنا کر کافروں کے شہر میں بیچا ہو اور صاف جھوٹ بولا ہو، بلکہ اگر ان کے نبی نہ ہونے پر اور کوئی دلیل نہ بھی ہوتی تو ان کے نبی نہ ہونے کے لیے یہ جرائم ہی کافی تھے، کیونکہ جمہور کے نزدیک انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد اس قسم کے جرائم سے معصوم ہوتے ہیں، نیز مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے تمام بھائی مصر میں فوت ہو گئے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی مصر میں وفات پا گئے تھے، لیکن انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے جسم کو شام منتقل کر دیا جائے، تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جسم کو شام میں منتقل کر دیا، اور قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے مصر میں حضرت یوسف

علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نبی آیا ہو اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی نہیں تھے۔
خلاصہ یہ ہے کہ یہ دعویٰ کرنا غلط ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے اور یہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو اسباط سمجھ لیا گیا' حالانکہ اس طرح نہیں ہے' اسباط کے معنی بہت بڑا گروہ ہے اور اگر اسباط سے مراد حضرت یعقوب کے بیٹے ہوتے تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا یعقوب اور ان کے بیٹے اور یہ بہت واضح اور مختصر ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسباط کے لفظ سے تعبیر فرما کر یہ اشارہ کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذریت میں نبوت اس وقت آئی جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں گروہ در گروہ ہو کر منقسم ہو چکے تھے۔

(روح المعانی جز ۱۲ ص ۲۷۷-۲۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت کے متعلق مصنف کا موقف

ہم نے شرح صحیح مسلم کی ساتویں جلد میں ذکر کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد تمام صغائر اور کبائر سے مجتنب ہوتے ہیں البتہ تبلیغی اور تشریعی ضرورت کی وجہ سے ان سے مکروہ تنزیہی کا ارتکاب ہو سکتا ہے اور خلاف اولیٰ کا ارتکاب بھی ہو سکتا ہے لیکن مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ گناہ نہیں ہیں اور ان سے اجتہادی خطاء بھی سرزد ہو سکتی ہے اور اجتہادی خطا بھی نہ صرف یہ کہ گناہ نہیں ہے بلکہ اجتہادی خطاء پر ایک اجر بھی ملتا ہے' اور انبیاء سابقین علیہم السلام سے جس قدر زلات صادر ہوئیں وہ سب اسی نوع کی ہیں' ان میں سے کوئی کام گناہ صغیرہ ہے نہ کبیرہ' اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے متعدد گناہ کبیرہ کیے اس لیے صحیح قول یہی ہے کہ وہ انبیاء نہیں ہیں' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ صادر ہوا وہ بظاہر مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہے' حقیقت میں وہ فرض کے درجہ میں ہے کیونکہ آپ نے امت کی تعلیم کے لیے اور شریعت سازی کے لیے وہ کام کیے' اور تعلیم اور تبلیغ آپ پر فرض ہے اس لیے آپ نے جو ایسے کام کیے جو بظاہر مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ تھے' ان کا کرنا آپ پر فرض تھا کیونکہ تبلیغ کرنا وظائف نبوت اور فرائض رسالت سے ہے اور آپ کو ان کے ارتکاب پر فرائض کی ادائیگی کا اجر و ثواب ملے گا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اجتہادی خطاء سے بھی محفوظ رکھا۔ آپ نے جس وقت اپنے اجتہاد سے جو کام کیا اس وقت اسی کام کو کرنا حق' صحیح اور صواب تھا۔ انبیاء سابقین علیہم السلام حشر کے دن اس وجہ سے پریشان ہوں گے کہ دنیا میں ان کی زلات کی مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے حشر کے دن شفاعت کبریٰ کے مقام پر فائز کرنا تھا' اس لیے وہ بظاہر خلافِ اولیٰ کام جو فی نفسہٖ معصیت اور گناہ نہ تھے لیکن آپ اپنے بلند مقام کی وجہ سے ان کو بھی موجب استغفار قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر نازل فرما کر آپ کی مغفرت کلی اور مغفرت قطعی کا اعلان فرما دیا تاکہ آپ حشر کے دن مطمئن ہوں اور تسلی کے ساتھ سب کی شفاعت کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں منتخب فرمائے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیروں کا علم عطا فرمائے گا اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے گا۔ جس طرح اس سے پہلے اس نے اس نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق پر مکمل فرمایا تھا' بے شک تمہارا رب خوب جاننے والا' نہایت حکمت والا ہے۔ (یوسف: ۶)

حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ عظیم خواب دکھا کر تم کو شرف بخشا ہے اور عزت اور فضیلت سے نوازا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور بڑے بڑے اور عظیم کاموں کے لیے تم کو منتخب فرمائے گا۔ حسن نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو

نبوت کے لیے منتخب فرمائے گا اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا درجہ بلند کرنے کے لیے اور تم کو عظیم مرتبہ دینے کے لیے منتخب فرمائے گا۔ النحاس نے کہا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کے خزانوں پر اقتدار اور خواب کی تعبیروں کا جو علم عطا فرمایا ہے۔ ان نعمتوں کی اجمالی بشارت دی ہے۔

تاویل الاحادیث کے محامل

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم کو تاویل احادیث کی تعلیم دے گا' آیت کے اس حصہ کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں' ایک یہ ہے کہ تاویل احادیث سے مراد ہے خوابوں کی تعبیر اور اس کو تاویل احادیث اس لیے فرمایا کہ تاویل کا لفظ اَول سے بنا ہے اور اَول کا معنی ہے لوٹنا اور رجوع کرنا اور انسان خواب میں جو باتیں سنتا ہے' بعد میں اس کے تحقق اور ثبوت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس لیے تاویل احادیث کی تفسیر خوابوں کی تعبیر سے کی گئی ہے' اور تاویل احادیث کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں جو باتیں لکھی ہوئی تھیں اور انبیاء متقدمین کی جو احادیث اور ان کے جو ارشادات تھے' اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان احادیث کی تعلیم دی' اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ احادیث حدیث کی جمع ہے اور حدیث' قدیم کا مقابل ہے یعنی حادث اور تاویل کا معنی ہے مآل اور حوادث کا مآل اللہ تعالیٰ کی قدرت' اس کی تکوین اور اس کی حکمت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی جسمانی اور روحانی مخلوقات کی اصناف اور اقسام سے اللہ تعالیٰ کی قدرت' اس کی حکمت اور اس کی جلالت پر استدلال کرنا۔

تکمیل نعمت کا معنی

اس کے بعد فرمایا: اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے گا' نعمت کی تکمیل کی بھی دو تفسیریں کی گئی ہیں' ایک یہ ہے کہ نعمت کو اس طرح کامل کر دینا کہ وہ ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہو اور ایسی نعمت انسان کے حق میں صرف نبوت ہے' کیونکہ مخلوق کے تمام مناصب' منصب نبوت کے مقابلہ میں ناقص ہیں اور انسان کے حق میں تمام مطلق اور کمال مطلق صرف نبوت ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: جس طرح اس سے پہلے اس نے نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق پر مکمل فرمایا تھا اور وہ نعمت جو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے باپ دادا میں مشترک ہے' وہ صرف نبوت ہے' کیونکہ اسی نعمت کی وجہ سے حضرت ابراہیم اور اسحٰق کو باقی انسانوں سے امتیاز حاصل ہوا' لہٰذا اس آیت میں تکمیل نعمت سے مراد نبوت ہے۔

نیز اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے فرمایا ہے: اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت مکمل فرمائے گا۔ اس آیت میں آل یعقوب سے مراد ان کے صلبی بیٹے نہیں ہیں بلکہ ان کی ذریت ہے جیسا کہ ہم نے پہلے دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے صلبی بیٹوں کو نبوت نہیں دی گئی تھی۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم چالیس سال کے بعد دیا گیا تھا اور ان کی تعبیر میں کبھی خطا واقع نہیں ہوئی اور یہ ان کا معجزہ تھا۔ ان کو خواب کی تعبیر کا علم سب سے زیادہ تھا اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سب سے زیادہ خواب کی تعبیر کا علم تھا اور امت میں یہ علم سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تھا' اور امام ابن سیرین کو بھی اس کا علم بہت زیادہ تھا اور اس کے قریب سعید بن مسیب کو اس کا علم تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۱۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ﴿٧﴾ إِذْ قَالُوا

بے شک یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں ○ جب یوسف کے

لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا

بھائیوں نے مشورہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں بےشک

لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٨﴾ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ

ہمارے باپ کی رائے درست نہیں ہے ○ یوسف کو قتل کر دو یا اس کو کسی ملک میں چھوڑ آؤ پھر تمہارے

لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿٩﴾ قَالَ

باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف رہے گی، اس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے ○ ان میں سے

قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ

ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اس کو کسی اندھے کنویں کی گہرائی میں ڈال دو، اس

يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿١٠﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا

اس کو کوئی قافلہ والا اٹھالے گا، اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو (تو اس طرح کرو) ○ انہوں نے (یعقوب سے) کہا اے ہمارے ابا!

مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ﴿١١﴾ أَرْسِلْهُ

کیا بات ہے آپ یوسف کے معاملہ میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کی خیر خواہی کرنے والے ہیں ○ اسے کل

مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿١٢﴾ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي

ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ پھل کھائے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ (یعقوب نے) کہا

أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ

تمہارے اس کو لے جانے سے میں (اس کی جدائی میں) ضرور غمگین ہوں گا اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس سے غافل ہو گے اور بھیڑیا اس کو

غَافِلُونَ ﴿١٣﴾ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَخَاسِرُونَ ﴿١٤﴾

کھا جائے گا ○ انہوں نے کہا ہماری پوری جماعت کے ہوتے ہوئے اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والے ہوں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں O (یوسف: ۷)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں نشانیاں

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں کہ یہود نے مدینہ میں سے کچھ لوگوں کو مکہ بھیجا کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کریں کہ شام میں ایک نبی تھے' ان کا بیٹا مصر چلا گیا' وہ اس کے فراق میں روتے رہے حتیٰ کہ نابینا ہو گئے۔ اس وقت مکہ میں اہل کتاب میں سے کوئی شخص نہیں تھا اور نہ کوئی ایسا شخص تھا جو انبیاء علیہم السلام کی خبریں جانتا تھا' جب لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے پوری سورۂ یوسف نازل فرما دی' اس میں تورات میں مذکور واقعات کا بھی ذکر ہے اور اس سے زیادہ خبریں بھی ہیں اور سورۂ یوسف کا نزول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز۹' ص ۱۱۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اہل مکہ میں سے اکثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار تھے اور وہ آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے' اور حسد کی وجہ سے آپ سے شدید عداوت کا اظہار کرتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ بیان فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان سے حسد کی وجہ سے ان کو بہت زیادہ ایذاء پہنچاتے تھے' انجام کار اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی مدد کی اور ان کو قوت دی اور ان کے بھائیوں کو ان کا محتاج کر دیا اور جب کوئی عقل والا اس قسم کا واقعہ سنے گا تو وہ حسد کرنے سے باز آ جائے گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر بتائی تو اس تعبیر کو پورا ہونے میں اسی سال لگے' اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد اور دشمنوں کے خلاف ان کی کامیابی کا وعدہ کیا اور اس وعدہ کے پورا ہونے میں کافی تاخیر ہو گئی تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ معاذ اللہ جھوٹے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اسی طرح تھی سو اس اعتبار سے اس قصہ کا نازل کرنا آپ کے حالات کے موافق ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی مدد اور ان کی کامیابی کا وعدہ فرمایا تھا تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کو مقدر فرمایا تھا وہ اسی طرح پورا ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دشمنوں کی کاوشیں کارگر نہ ہوئیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے نام ہم اس سورت کے تعارف میں ذکر کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب یوسف کے بھائیوں نے مشورہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہیں' حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں' بے شک ہمارے باپ کی رائے درست نہیں ہے O (یوسف: ۸)

حضرت یوسف کے بھائیوں کی حضرت یوسف سے نفرت کا سبب

اس آیت سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ کیا سبب تھا جس کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو ایذاء پہنچانے کا قصد کیا اور اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف اور بنیامین کو محبت میں باقی دس بیٹوں پر فوقیت دیتے تھے' اور ان کو اس سے تکلیف ہوتی تھی' ایک تو اس لیے کہ وہ عمر میں ان دونوں سے بڑے تھے' دوسرے اس وجہ سے کہ وہ ان دونوں کی بہ نسبت باپ کو زیادہ آرام اور فائدہ پہنچاتے تھے اور تیسرے اس وجہ سے کہ مصائب اور آفات کو وہی دور کرتے تھے اور منافع اور فوائد کو وہی حاصل کرتے تھے' ان وجوہ کے اعتبار سے چاہیے یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ان دس بیٹوں کو حضرت یوسف اور بنیامین پر ترجیح دیتے لیکن جب اس کے برعکس حضرت یعقوب

علیہ السلام ان دونوں کو فضیلت دیتے تھے تو انہوں نے کہا ہمارا باپ ضلال مبین میں ہے' ان کی مراد یہ نہ تھی کہ ان کا باپ دین میں گمراہ ہے اور خطاء پر ہے کیونکہ اگر وہ یہ ارادہ کرتے تو وہ کافر ہو جاتے بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ دو کو دس پر ترجیح دینے میں اور چھوٹوں کو بڑوں پر ترجیح دینے میں اور غیر مفید کو مفید پر ترجیح دینے میں ہمارے باپ کی رائے درست نہیں ہے۔

حضرت یعقوب کو حضرت یوسف سے زیادہ محبت کیوں تھی؟

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ بات بدیہی ہے کہ بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دینا کینہ اور حسد کو پیدا کرتا ہے اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس کا علم تھا تو انہوں نے حضرت یوسف اور بنیامین کو باقی دس بیٹوں پر کیوں ترجیح دی' جبکہ جو عمر' علم اور نفع رسانی میں بڑے اور زیادہ ہوں وہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ ان کو فضیلت دی جائے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کے برعکس معاملہ کیوں کیا' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان دونوں کو باقی بیٹوں پر صرف محبت میں ترجیح دی تھی' اور محبت غیر اختیاری چیز ہے لہٰذا اس معاملہ میں وہ معذور تھے اور وہ ملامت کے مستحق نہیں ہیں' علاوہ ازیں حضرت یوسف اور بنیامین کی ماں بچپن میں فوت ہو چکی تھیں اس وجہ سے وہ زیادہ شفقت اور عنایت کے مستحق تھے نیز حضرت یعقوب کو ان دونوں میں رشد و ہدایت اور سعادت اور شرافت کے وہ آثار نظر آتے تھے جو باقی اولاد میں نہیں تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام ہرچند کہ کمسن تھے اس کے باوجود وہ اپنے والد کی بہت زیادہ خدمت کرتے تھے' اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور اس کی وجہ سے کسی کو دوسرے پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔

حضرت یوسف کے بھائیوں کا حسد ہی ان کے تمام گناہوں کی جڑ تھا

حضرت یوسف کے بھائیوں نے کہا یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ محض حسد ہے اور حسد تمام برائیوں کی جڑ ہے' اس حسد کی وجہ سے انہوں نے جھوٹ بولا' اور اپنے بے قصور اور نیک بھائی کو ضائع کیا' اسے کنوئیں میں ڈالا' پھر اس کو غلامی میں مبتلا کیا' اور اس کو اس کے والد سے دور کیا' اور اپنے باپ کو دائمی غم میں مبتلا کیا اور بہت سے گناہ کیے اور یہ تمام کام عصمت اور نبوت کے منافی ہیں اور جمہور کے نزدیک نبی اعلانِ نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتا ہے اس لیے ان کے نبی ہونے کا قول کرنا صحیح نہیں ہے۔

حسد' رشک اور منافست کی تعریفیں

دل کی بیماریوں میں سے ایک بیماری حسد ہے جیسا کہ بعض علماء نے حسد کی تعریف میں کہا ہے: اغنیاء کو اچھے حال میں دیکھنے سے دل کو جو اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے وہ حسد ہے اور بعض علماء نے کہا: کسی شخص کے پاس نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ اس کو بھی یہ نعمت مل جائے اس کو رشک کہتے ہیں اور کسی کے پاس نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے خواہ اس کو یہ نعمت نہ ملے اس کو حسد کہتے ہیں۔ اور تحقیق یہ ہے کہ کسی شخص کو اچھے حال میں دیکھ کر اس سے بغض رکھنا حسد ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کسی شخص پر نعمت کو مطلقاً ناپسند کرنا اور یہ حسد مذموم ہے اور جب حاسد اس شخص سے بغض رکھے گا تو صاحب نعمت کو دیکھ کر اس کو اذیت پہنچتی رہے گی اور اس سے اس کے دل میں مرض ہوگا اور اس کے پاس سے اس نعمت کے زوال سے اس کو لذت حاصل ہوگی خواہ اسے وہ نعمت حاصل نہ ہو۔

(۲) حاسد کسی شخص کے پاس نعمت دیکھ کر اس شخص کی اپنے اوپر فضیلت کو ناپسند کرے اور وہ یہ چاہے کہ یا تو وہ اس شخص جیسا ہو جائے یا اس سے بڑھ کر ہو جائے حسد کی اس قسم کا نام علماء نے رشک رکھا ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

کو بھی حسد فرمایا ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسد کرنا صرف دو صورتوں میں جائز ہے: ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن (کا علم) عطا کیا ہو اور وہ دن اور رات کے اوقات میں قرآن کے ساتھ قیام کرے اور ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ دن اور رات کے اوقات میں اس مال کو حق کے راستوں میں خرچ کرے' یہ الفاظ حضرت ابن عمر کی روایت میں ہیں اور حضرت ابن مسعود کی روایت میں ہے: ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کی ہو اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرے اور اس کی تعلیم دے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس کو حق کے راستہ میں خرچ کرنے پر مسلط کر دیا ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۶) حسد کی اس دوسری قسم کو منافست (رغبت) بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک اچھی چیز کے حصول میں دو شخص رغبت کریں اور اس کے حصول میں ہر ایک دوسرے پر سبقت کرنا چاہتا ہو اور اپنے اوپر دوسرے کی سبقت کو ناپسند کرتا ہو' منافست اچھی چیزوں میں لائق تعریف ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍۙ عَلَی الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَۙ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍۙ خِتٰمُهٗ مِسْكٌؕ وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ (المطففین: ۲۶-۲۲)

بے شک نیک لوگ ضرور راحت میں ہوں گے ○ تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے ○ آپ ان کے چہروں سے نعمتوں کی تروتازگی پہچان لیں گے ○ ان کو مہر شدہ صاف شراب پلائی جائے گی ○ اس کی مہر مشک ہوگی' اور رغبت کرنے والوں کو اسی میں رغبت کرنی چاہیے۔

حسد عموماً اس نعمت پر کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے کسی کے متبعین زیادہ ہوں ورنہ اگر کوئی شخص زیادہ کھاتا پیتا ہو یا اس کی بیویاں زیادہ ہوں تو اس پر کوئی حسد نہیں کرتا' اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اور مال کا ذکر فرمایا کیونکہ جو شخص بڑا عالم ہوتا ہے اس کے پیروکار بھی بہت ہوتے ہیں اور جو شخص بڑا مال دار ہوتا ہے اس کے بھی بہت محبین اور مصاحبین ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ضرورتوں میں اس کے محتاج ہوتے ہیں' اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معراج کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منافست اور رشک ہوا حتیٰ کہ جب ان کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو وہ رونے لگے' ان سے پوچھا گیا آپ کیوں رو رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میرے بعد ایک نوجوان کو رسول بنایا گیا اور اس کی امت کے پیروکار میری امت کے پیروکاروں سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴)

حسد نہ کرنے کی فضیلت

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا: ابھی تمہارے پاس اس راستے سے ایک شخص آئے گا وہ اہل جنت میں سے ہے۔ پھر انصار میں سے ایک شخص آیا' وضو کی وجہ سے اس کی ڈاڑھی سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی جوتیاں اٹھائی ہوئی تھیں' اس نے آ کر سلام کیا۔ دوسرے دن پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا' پھر وہی شخص اسی کیفیت سے آیا۔ تیسرے دن پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا اور پھر وہی شخص اسی طرح آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اس شخص کے پیچھے گئے' انہوں نے اس سے کہا میرا اپنے والد سے جھگڑا ہو گیا ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تین دن تک ان کے پاس نہیں رہوں گا اگر تم اجازت دو تو میں تین دن تمہارے ساتھ گزاروں۔ اس شخص نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ تین راتیں اس کے پاس رہے' انہوں نے اسے تہجد پڑھتے ہوئے نہیں

دیکھا البتہ جب وہ نیند سے بیدار ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا اور اللہ اکبر کہہ کر صبح کی نماز پڑھنے کے لیے چلا جاتا۔ حضرت عبداللہ نے کہا البتہ میں نے اس کے منہ سے سوا نیکی کے اور کوئی بات نہیں سنی، جب ہم تین دن گزار کر فارغ ہو گئے اور اس وقت میں اس کے اعمال کو بہت کم سمجھ رہا تھا، میں نے کہا اے اللہ کے بندے! میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا تھا اور نہ میں نے ان کو چھوڑا تھا، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مرتبہ یہ سنا کہ تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا پھر تین مرتبہ تم آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ میں تمہارے پاس ٹھہروں تاکہ میں تمہارے اعمال کو دیکھوں اور ان اعمال کی پیروی کروں، لیکن میں نے تم کو کوئی بہت عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا، تو وہ کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے متعلق بشارت دی۔ اس شخص نے کہا بس وہی عمل ہے جو تم نے دیکھا البتہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کینہ نہیں رکھتا اور نہ کسی مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت دیکھ کر اس پر حسد کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ نے کہا تم میں یہی خوبی ہے جس سے تم کو یہ بشارت ملی اور اسی کی ہم طاقت نہیں رکھتے (یعنی وہ شخص حسد کی تمام اقسام سے سلامت اور محفوظ تھا)

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۶، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۷۲۰، طبع عالم الکتب، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۵۵۹، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۱۶۰، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۸۶۳)

حسد مذموم

اور جو حسد مذموم ہے اس کا اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے حق میں ذکر فرمایا ہے:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ۔ (البقرۃ: ۱۰۹)

بہت سے اہل کتاب نے اپنے دلی حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں اور یہ خواہش انہوں نے اس وقت کی جب ان پر حق واضح ہو چکا تھا۔

غیر اختیاری صبر کی بہ نسبت اختیاری صبر کی فضیلت

یعنی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ تم کو ایمان کی نعمت حاصل ہو چکی ہے اور ان کو وہ نعمت حاصل نہیں ہوئی تو انہوں نے یہ چاہا کہ تم سے وہ نعمت زائل ہو جائے خواہ ان کو ایمان کی وہ نعمت حاصل نہ ہو بلکہ وہ اس نعمت کو حاصل کرنا بھی نہیں چاہتے تھے، وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ تم سے وہ نعمت زائل ہو جائے اور اس حسد کی وجہ سے لبید بن اعصم یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے حسد کی وجہ سے اپنے بھائیوں کے مظالم کا شکار ہوئے، انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا مشورہ کیا، اور آپ کو اندھے کنوئیں میں ڈالا، اور جو قافلہ کافروں کے ملک میں جا رہا تھا اس کے ہاتھ آپ کو غلام بنا کر بیچ ڈالا، پھر ان کے ظلم کے بعد حضرت یوسف اس مصیبت میں مبتلا ہوئے کہ عزیز مصر کی حسین بیوی نے آپ کو بدکاری کی دعوت دی، اور اس کا کہنا نہ ماننے کی صورت میں آپ کو قید کرنے کی دھمکی دی، آپ نے بدکاری کے اوپر قید کو ترجیح دی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابلہ میں دنیا کی تکلیف اور مشقت برداشت کرنے کو اختیار کر لیا، بھائیوں کی طرف سے آپ پر جو مصائب آئے وہ غیر اختیاری تھے اور قید کی یہ مصیبت آپ کی اختیار کردہ تھی، یہ آپ کا اختیاری صبر تھا اور یہی صبر تقویٰ کو متضمن تھا، اور بھائیوں کے مظالم پر جو صبر تھا وہ غیر اختیاری تھا اور دوسرا صبر افضل تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے

فرمایا:

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔(یوسف:۹۰)

بے شک جو اللہ سے ڈرے اور صبر کرے تو یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اور اس آیت کے حکم میں وہ مسلمان ہیں جن کو ان کے ایمان کی وجہ سے ایذاء پہنچائی جائے جیسے اس دور میں بھارت، مقبوضہ کشمیر، چیچنیا، کوسوو اور بوسنیا کے مسلمانوں کو ان کے اسلام اور ایمان کی وجہ سے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے یا کسی شخص سے فسق اور معصیت کو طلب کیا جائے اور ان کی موافقت نہ کرنے کی صورت میں اس کو قید کرنے اور سزا دینے کی دھمکی دی جائے جیسے الجزائر اور مصر میں اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والوں کو قتل کیا جا رہا ہے اور ایذائیں پہنچائی جا رہی ہیں اور ترکی میں اسلامی اقدار اپنانے والوں پر اور سعودی عرب میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے والوں پر قید و بند کی سختیاں کی جا رہی ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر حضرت یوسف کے صبر سے بہت عظیم ہے

سب سے زیادہ ایذائیں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی گئیں اور آپ نے ان پر اپنے اختیار سے صبر کیا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مقابلہ میں بہت عظیم صبر کیا، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بدکاری کو طلب کیا گیا اور جب انہوں نے اس کی موافقت نہیں کی تو ان کو قید کیا گیا، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے کفر کو طلب کیا گیا اور جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو بعض اصحاب کو قتل کیا گیا اور بعض پر اور سختیاں کی گئیں، اور مشرکین نے آپ کو اور بنو ہاشم کو ایک مدت تک شعب ابی طالب میں مقید رکھا اور کھانے پینے کی چیزیں آپ تک پہنچنے نہیں دی گئیں، اور ابوطالب کے انتقال کے بعد انہوں نے آپ پر زیادہ شدت کی، اور جب انصار نے آپ سے بیعت کر لی تو وہ آپ کے اصحاب کو مکہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے اور آپ کے اصحاب صرف چھپ کر ہجرت کر سکتے تھے، اور صرف طائف کے ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ دین کی بناء پر جو اذیتیں پہنچائی گئیں وہ تمام نبیوں کو پہنچائی گئی تکلیفوں کے مجموعے سے زیادہ تھیں لہٰذا آپ کا اختیاری صبر تمام رسولوں اور نبیوں کے اختیاری صبر سے زیادہ ہے۔

مسلمانوں کو دین کی راہ میں جو اذیتیں پہنچیں اور جو مصائب آئے وہ صرف اس وجہ سے تھے کہ انہوں نے اپنے اختیار سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تھی اور یہ آسمانی مصائب نہ تھے جن میں انسان کا اختیار نہیں ہوتا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام پر ان کے بھائیوں کی وجہ سے مصائب نازل ہوئے۔

حسد ایک نفسانی بیماری ہے

خلاصہ یہ ہے کہ حسد نفسانی امراض میں سے ایک مرض ہے اور یہ غالب مرض ہے جس سے کم لوگ ہی محفوظ رہتے ہیں۔ لوگ مال اور اقتدار میں کسی کی فضیلت کی بناء پر حسد کرتے ہیں اور اگر دو برابر کے درجہ کے لوگوں میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہو جائے تو اس سے حسد کرتے ہیں۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف سے حسد کیا اور جیسے حضرت آدم کے دو بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے سے حسد کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی قربانی قبول کر لی تھی اور قابیل کی قربانی قبول نہیں کی تھی، اور جیسے یہود نے مسلمانوں سے حسد کیا اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ دنیا میں پہلی لغزش اور پہلا گناہ تین چیزوں سے ہوا: حرص، تکبر اور حسد۔ حضرت آدم نے حرص کی وجہ سے لغزش کی اور اجتہادی خطاء سے شجر ممنوع کو کھا لیا اور شیطان تکبر کر کے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے منکر ہوا، اور قابیل نے حسد کی وجہ سے ہابیل کو قتل کر دیا۔

حسد کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزوں میں سے کوئی شخص نہیں بچ سکے گا: حسد، بدگمانی اور بدفالی۔ اور میں تم سے عنقریب بیان کروں گا کہ ان سے نکلنے کی کیا صورت ہے، جب تم کسی سے حسد کرو تو اس سے بغض نہ رکھو، اور جب تم بدگمانی کرو تو اس کے پیچھے نہ پڑو، اور جب تم بدشگونی نکالو تو اپنے کام پر روانہ ہو جاؤ۔ (کنزالعمال رقم الحدیث: ۴۳۷۸۹)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں کی (نفسانی) بیماریاں تم میں سرایت کر جائیں گی، حسد اور بغض اور یہ مونڈنے والی بیماری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتی ہے لیکن یہ دین کو مونڈتی ہے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ، اور تم اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو گے جب تک کہ تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، اور کیا میں تم کو یہ خبر نہ دوں کہ کیا چیز محبت کو ثابت کر سکتی ہے، آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۰، سنن ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۱۹۳، مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۷، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۶۹، شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۷۴۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے سے بغض نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے دشمنی نہ کرو، اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۶۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۸۴۷، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۶۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۲۲، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۸۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم حسد سے بچو، کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۳، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بھائیوں نے کہا) یوسف کو قتل کر دو یا اس کو کسی ملک میں چھوڑ آؤ پھر تمہارے باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف رہے گی، اس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے○ (یوسف: ۹)

حضرت یوسف کے بھائیوں کا انہیں قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کا منصوبہ بنانا

جب حضرت یوسف کے بھائیوں کا حسد انتہا کو پہنچ گیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یوسف کو اس کے باپ سے الگ کرنا ضروری ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس کو قتل کر دیا جائے یا اس کو دور دراز کسی ملک میں چھوڑ دیا جائے حتیٰ کہ اس کا باپ اس سے ملاقات سے مایوس ہو جائے۔ انہوں نے جو یہ مشورہ کیا تھا کسی حاسد کا شر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا، پھر انہوں نے اس شر کی یہ توجیہ کی کہ یوسف کی وجہ سے ہمارے باپ کی توجہ ہماری طرف نہیں ہوتی اور جب یوسف ان کے پاس نہیں رہے گا تو پھر وہ ہماری طرف توجہ، التفات اور محبت سے پیش آئیں گے، انہوں نے کہا اس کے بعد تم لوگ صالحین ہو جاؤ گے، ان کے اس قول کے تین محمل ہیں: (۱) ان کو علم تھا کہ جو کچھ وہ کرنے جا رہے ہیں وہ تمام کام گناہ کبیرہ ہیں، انہوں نے

کہا ہم یہ کام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلیں گے پھر ہم لوگ صالح ہو جائیں گے۔ (۲) ان کی مراد دین کی صلاح نہیں تھی بلکہ ان کی مراد دنیا کی صلاح تھی، یعنی اس منصوبہ پر عمل کرنے کے بعد ان کی اچھی حالت ہو جائے گی اور ان کا باپ ان سے محبت کرنے لگے گا اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنے لگے گا۔ (۳) ان کا مطلب یہ تھا کہ یوسف کے یہاں ہونے کی وجہ سے ہم ہروقت غم اور غصہ میں مبتلا رہتے ہیں اور ہروقت یہی سوچتے رہتے ہیں کہ اس سے نجات کی کیا تدبیر ہوگی اور اس تشویش میں رہنے کی وجہ سے ہم اپنی اصلاح اور اپنی خوش حالی کے منصوبوں پر عمل نہیں کرپاتے اور جب یہ کانٹا نکل جائے گا تو ہم اطمینان سے اپنی مہمات میں مشغول ہو سکیں گے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا حکم کس نے دیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم کسی اجنبی نے دیا تھا وہ ان کے بھائیوں میں سے نہیں تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم ان کے بھائیوں میں سے ہی کسی نے دیا تھا۔ وہب بن منبہ نے کہا: یہ حکم دینے والا شمعون تھا اور مقاتل نے کہا: یہ حکم دینے والا روبیل تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جو منصوبہ بنا رہے تھے اس سے وہ اپنے باپ کو ایذاء پہنچا رہے تھے جو نبی معصوم تھے اور جھوٹ بولنے اور اپنے بے قصور چھوٹے بھائی کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے اور یہ تمام کام گناہ کبیرہ ہیں اور یہ اس کی واضح دلیل ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اس کو کسی اندھے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو، اس کو کوئی قافلہ والا اٹھالے گا اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو (تو اس طرح کرو) (یوسف: ۱۰)

مشکل الفاظ کے معانی

غیابۃ: اس کا معنی ہے گہرا گڑھا، یہاں مراد ہے کنوئیں کی گہرائی۔ یہ گہرائی نظر سے غائب ہوتی ہے اس لیے اس کو غیابۃ فرمایا۔

الجب: جب کا معنی ہے کانٹا اور اس سے مراد ہے بہت گہرا کنواں جس کو اندھا کنواں کہتے ہیں کیونکہ اس میں جھانک کر دیکھو تو کچھ نظر نہیں آتا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کنواں بیت المقدس میں تھا، وہب بن منبہ نے کہا: یہ کنواں اردن میں تھا، مقاتل نے کہا: یہ کنواں حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر سے تین فرسخ دور تھا۔

السیارۃ: جو لوگ راستہ میں سفر کرتے ہیں، اس سے مراد ہے قافلہ، انہوں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ حضرت یوسف کو اٹھا کر خود انہیں کسی دور دراز علاقہ میں نہ لے جانا پڑے، کیونکہ اگر وہ خود کہیں جاتے تو ہو سکتا ہے ان کو حضرت یعقوب اجازت نہ دیتے، اور اگر بغیر اجازت جاتے تو ہو سکتا ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کو پتا چل جاتا۔

یلتقطہ: التقاط کا معنی ہے راستہ سے کسی چیز کو اٹھانا، جو بچہ راستہ میں پڑا ہوا مل جائے اس کو لقیط کہتے ہیں اور جو چیز راستہ میں گری پڑی مل جائے اس کو لُقطہ کہتے ہیں۔ لُقطہ اور لقیط کے متعلق احادیث اور شرعی احکام اور مذاہب فقہاء کی تفصیل ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

لقیط کا لغوی اور اصطلاحی معنی

جو چیز زمین سے اٹھائی جائے اس کو لقیط کہتے ہیں اور اس کا غالب استعمال اس بچہ کے لیے ہوتا ہے جس کو پھینک دیا جائے۔ (الصحاح ج ۳ ص ۱۱۵۷، المصباح المنیر ج ۲ ص ۵۵۸، المغرب ج ۲ ص ۲۴۷)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جس زندہ بچے کو اس کے گھر والے فقر و فاقہ کے خوف سے یا زنا کی تہمت سے بچنے کے لیے گھر سے باہر راستہ میں ڈال دیں اس کو لقیط کہتے ہیں' اس بچہ کو ضائع کرنے والا گناہ گار ہو گا' اگر کسی شخص کو یہ ظن غالب ہو کہ اگر اس بچہ کو نہ اٹھایا گیا تو یہ ہلاک ہو جائے گا تو پھر اس کا اٹھانا فرض کفایہ ہے' اگر اس کے علاوہ کسی اور کو اس بچہ کا علم نہ ہو تو پھر اس کا اٹھانا فرض عین ہے' اسی طرح اگر وہ دیکھے کہ کوئی نابینا کنوئیں میں گرنے والا ہے تو اس کا بچانا بھی فرض عین ہے۔

(در مختار مع رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۶-۳۲۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک لقیط کی یہ تعریف ہے کہ جو بچہ عام راستہ پر پڑا ہوا ہو اور اس کا کوئی دعویدار نہ ہو' عام طور پر یہ بچہ ہوتا ہے لیکن کبھی سمجھ دار لڑکا بھی ہوتا ہے۔ (مغنی المحتاج' ج ۲ ص ۴۱۸' نہایۃ المحتاج' ج ۵ ص ۴۲۲) اور فقہاء حنبلیہ کے نزدیک لقیط کی یہ تعریف ہے کہ جس بچہ کا نسب معلوم نہ ہو' نہ اس کا غلام ہونا معلوم ہو یا وہ اپنی پیدائش سے لے کر سن شعور کے زمانہ تک اپنے گھر کا راستہ گم کر چکا ہو۔ (کشاف القناع ج ۴ ص ۲۲۶) فقہاء مالکیہ کے نزدیک لقیط وہ چھوٹا بچہ ہے جو نابالغ ہو خواہ سمجھ دار ہو' اور کافر' کافر کو اٹھائے مسلمان کو نہ اٹھائے کیونکہ کافر کی مسلمان پر ولایت نہیں ہے اور مسلمان کافر اور مسلمان دونوں کو اٹھا سکتا ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۳۴)

لقیط کے شرعی احکام

ملک العلماء علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

غلام اور آزاد ہونے کے اعتبار سے لقیط کا حکم یہ ہے کہ وہ آزاد ہے' کیونکہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے لقیط کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ وہ آزاد ہے اور اس لیے بھی کہ اولاد آدم میں اصل یہ ہے کہ وہ آزاد ہیں کیونکہ غلامی تو ان کو کافروں کی حمایت میں لڑنے اور پھر جنگی قیدی ہونے کی وجہ سے عارضی ہوتی ہے' اس لیے اصل پر عمل کرنا واجب ہے اور اس پر وہ تمام احکام لاگو ہوں گے جو آزاد انسانوں پر لاگو ہوتے ہیں۔ اور اسلام اور کفر کے اعتبار سے لقیط کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے شہروں یا ان کے مضافات میں ملا ہے تو وہ مسلمان قرار دیا جائے گا حتیٰ کہ اگر وہ مر گیا تو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور اگر اس کو ذمی نے یہودیوں یا عیسائیوں کی کسی عبادت گاہ میں پڑا ہوا پایا یا وہ ذمیوں کی کسی بستی میں ملا جس میں کوئی مسلمان نہیں تھا تو اس کو ظاہر حال کے اعتبار سے ذمی قرار دیا جائے گا اسی طرح اگر اس کو مسلمان نے کسی یہودیوں یا عیسائیوں کے معبد میں پایا یا اہل ذمہ کی بستی میں پایا تو اس کو ذمی قرار دیا جائے گا۔

اور اس کے نسب کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ وہ مجہول النسب ہے حتیٰ کہ اگر کسی انسان نے دعویٰ کیا کہ وہ اس کے نسب سے ہے تو اس کا دعویٰ صحیح قرار دیا جائے گا اور اس کا اس سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

اس کو زمین سے اٹھانے کا حکم یہ ہے کہ اس کا اٹھانا مستحب ہے' کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لقیط کے اٹھانے کو نیک کام قرار دیا' بلکہ اس کو بہت افضل نیکی قرار دیا' کیونکہ لقیط ایک نفس انسان ہے اور اس کا کوئی محافظ نہیں بلکہ وہ ضائع ہونے کے خطرہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس شخص نے ایک انسان کی زندگی بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کی زندگی بچائی۔ (المائدہ: ۳۲)

لقیط کو رکھنے کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ جس شخص نے اس کو اٹھایا ہے وہ اس کو رکھنے کا زیادہ حق دار ہے اور کسی دوسرے کے لیے لقیط کو اس سے لینا جائز نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص نے کسی مردہ

زمین کو آباد کیا وہ اس کی ہے۔

اور اس کے خرچے کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ اس کا خرچ بیت المال کے ذمہ ہے اور اگر لقیط کے ساتھ کچھ مال بندھا ہوا ملے تو وہ لقیط کا ہے جیسے اس کے جسم کے کپڑے اس کی ملکیت ہیں اور اگر وہ کسی سواری پر بندھا ہوا ملے تو سواری بھی اس کی ملکیت ہے اور پھر سواری کو بیچ کر اس کا خرچ پورا کیا جائے گا کیونکہ بیت المال سے ضرورت کی بناء پر خرچ لیا جاتا ہے اور اب ضرورت نہیں ہے اور اس کی جان اور اس کے مال میں اس کا ولی سلطان ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۸ ص ۳۲۳-۳۱۸، ملخصاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

لُقطہ کا لغوی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

لُقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی شخص کو راستہ میں گری پڑی مل جائے اور معرف اس شخص کو کہتے ہیں جو گری پڑی چیز کو اٹھانے والا ہو اور اگر راستہ میں کوئی بچہ پڑا ہوا مل جائے تو اس کو لقیط کہتے ہیں۔

(تاج العروس ج ۵ ص ۲۱۷-۲۱۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

لُقطہ کے متعلق احادیث

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے لُقطہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: اس (تھیلی) کے باندھنے کی ڈوری اور اس تھیلی کو پہچان کر یاد رکھو، پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو، اگر اس کا مالک آجائے تو فبہا ورنہ اس کو تم رکھ لو۔ اس شخص نے پوچھا: اور گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تمہاری یا تمہارے بھائی کی ہے یا بھیڑیے کی۔ اس نے پوچھا: اور گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہیں اس سے کیا مطلب؟ اس کے ساتھ اس کی مشک (پیٹ میں پانی) ہے اور اس کا جوتا بھی اس کے ساتھ ہے، وہ پانی کے گھاٹ پر جائے گا اور درختوں کے پتے کھائے گا حتیٰ کہ اس کا مالک آکر اس کو پکڑ لے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۲۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۲۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۰۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۱۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۰۴، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۴۹۷، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۵۶، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۱۶، مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۶، مسند ابو عوانہ ج ۴ ص ۱۳۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۸۹۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۲۵۱، سنن الدار قطنی ج ۴ ص ۲۳۵، سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۸۵، شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۲۰۷)

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور حضرت زید بن صوحان اور حضرت سلمان بن ربیعہ جہاد کے لیے گئے۔ مجھے ایک چابک پڑا ہوا ملا، میں نے اس کو اٹھالیا، ان دونوں نے مجھ سے کہا: اس کو چھوڑ دو، میں نے کہا نہیں، میں اس کا اعلان کروں گا اگر اس کا مالک آگیا تو فبہا ورنہ میں خود اس سے فائدہ اٹھاؤں گا اور میں نے ان دونوں کی بات نہیں مانی۔ جب ہم جہاد سے واپس لوٹے تو میں خوش قسمتی سے حج کے لیے چلا گیا اور پھر میں مدینہ آیا تو میری ملاقات حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ میں نے ان کو چابک اٹھانے اور ان دونوں کے منع کرنے کا قصہ سنایا انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مجھے ایک تھیلی ملی تھی جس میں سو دینار تھے، میں اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: اس کا ایک سال تک اعلان کرو، انہوں نے کہا پھر میں نے اس کا اعلان کیا، لیکن اس کی شناخت کے لیے کوئی نہیں آیا۔ میں دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: اس کا ایک سال تک (مزید) اعلان کرو، انہوں نے کہا میں نے پھر اس کا اعلان کیا اور کوئی اس کی شناخت کے لیے نہیں آیا، میں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: اس کا ایک سال تک (اور) اعلان کرو، انہوں نے کہا میں نے اس کا اعلان کیا اور کوئی اس کی شناخت کے لیے نہیں آیا پھر آپ نے فرمایا ان کے عدد، ان کی تھیلی، اور اس کی ڈوری کی پہچان کو یاد رکھو، اگر اس کا کوئی مالک آ جائے تو فبہا ورنہ تم اس سے فائدہ اٹھالینا، پھر میں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ سوید بن غفلہ کہتے ہیں اس کے بعد میری حضرت ابی بن کعب سے مکہ میں ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا مجھے یاد نہیں تین سال تھے یا ایک سال۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۲۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۲۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۷۰۱، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۳۷۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۵۸۲۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۵۰۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۸۶۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۴۵۴، مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۶، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث:۱۶۴، المنتقی رقم الحدیث:۶۶۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۴۸۹۳، المعجم الاوسط رقم الحدیث:۸۹۴۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۹۷، ۱۹۲)

لقطہ کو اٹھانے کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ لقطہ کا نہ اٹھانا افضل ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت جابر، ابن زید، ربیع بن خیثم اور عطاء کا بھی یہی نظریہ ہے۔ قاضی شریح نے ایک درہم گرا ہوا دیکھا اور اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ امام شافعی اور ابوالخطاب کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی چیز ایسی جگہ پڑی ہے جہاں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور اس شخص کو اپنے اوپر یہ اطمینان حاصل ہو کہ وہ اس چیز میں خیانت نہیں کرے گا تو اس شخص کے لیے اس چیز کو اٹھانا افضل ہے۔ امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص پر اٹھانا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔ (توبہ: ۷۱) مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

اور جب مسلمان ایک دوسرے کے ولی ہیں تو ان پر ایک دوسرے کی چیزوں کی حفاظت واجب ہے۔ سعید بن مسیب، حسن بن صالح اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی لقطہ کو اٹھانا واجب ہے۔ (امام ابوحنیفہ کے نزدیک لقطہ کو اٹھانا واجب نہیں، مستحب ہے... سعیدی غفرلہ) حضرت ابی بن کعب اور حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہما نے لقطہ کو اٹھایا تھا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اہم اور قیمتی چیز ہو تو اس کو اٹھانا مستحب ہے اور وہ اٹھا کر اس کا اعلان کرے، کیونکہ اس میں مسلمان کے مال کی حفاظت ہے اور یہ اس کو ضائع کرنے سے بہتر ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور صحابہ میں سے کسی نے ان کے قول کی مخالفت نہیں کی، نیز لقطہ کو اٹھا کر اپنے آپ کو حرام کھانے اور اعلان نہ کر کے ترک واجب کے خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اس لیے زیادہ محفوظ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ لقطہ کو نہ اٹھایا جائے، جس طرح یتیم کے مال کا ولی نہ بننا بہتر ہے، اور یہ خیال کہ لقطہ نہ اٹھانے سے ایک مسلمان کے مال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس لیے سودمند نہیں ہے کہ بھولے بھٹکے اونٹ وغیرہ کو بھی لے جانا جائز نہیں ہے، حالانکہ مال ضائع ہونے کا خطرہ اس میں بھی ہے۔

(المغنی ج ۵ ص ۲۱۷-۲۱۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

لُقطہ کو اٹھانے کے حکم میں فقہاء احناف کا موقف

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: لقطہ کو اٹھانے کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض فلسفی علماء یہ کہتے ہیں کہ لقطہ کو اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بلا اجازت غیر کے مال کو اٹھانا ہے، اس لیے اس پر ہاتھ بڑھانا جائز نہیں ہے اور بعض متقدمین ائمہ تابعین نے یہ کہا ہے کہ ہرچند کہ لقطہ کو اٹھانا جائز ہے لیکن اس کو نہ اٹھانا افضل ہے، کیونکہ جس شخص کی چیز گری ہے وہ اس کو اسی جگہ ڈھونڈے گا جس جگہ وہ چیز گری تھی اور جب اس چیز کو اٹھایا نہیں جائے گا تو اس کا مالک اسی جگہ سے آ کر اپنی چیز اٹھا لے گا دوسری وجہ یہ ہے کہ چیز اٹھانے کے بعد یہ خطرہ موجود ہے کہ اٹھانے والے کی نیت بدل جائے اس لیے لقطہ کو اٹھانا اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالنے کے مترادف ہے اس لیے لقطہ کو نہ اٹھانا افضل ہے۔

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں: ہمارے فقہاء رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ لقطہ کو اٹھانا اس کے نہ اٹھانے سے افضل ہے، کیونکہ اگر وہ اس کو نہیں اٹھائے گا تو اس کا خدشہ ہے کہ کوئی شخص اس کو اٹھا کر مالک سے چھپا لے گا اور جب وہ اس کو اٹھائے گا تو اس کا اعلان کر کے اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچا دے گا نیز وہ اس لقطہ کو اٹھا کر امانت کی طرح اس کی حفاظت کرے گا اور امانت کی ادائیگی کا التزام کرنا فرض ہے اور اس کو اس میں وہی ثواب ملے گا جو امانت کو ادا کرنے کا ملتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچا دو۔ (النساء: ۵۸)

اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ثواب کا موجب ہے۔ (المبسوط ج ۱۱ ص ۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ)

لُقطہ کی اقسام اور ان کے احکام

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: لقطہ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس کے بارے میں یہ علم ہوتا ہے کہ اس چیز کا مالک اس چیز کو طلب نہیں کرے گا جیسے گٹھلیاں، انار کے چھلکے (ردی کاغذ، خالی ڈبے، خالی بوتلیں اور ردی کپڑے وغیرہ) دوسری قسم وہ ہے جس کے بارے میں علم ہوتا ہے کہ اس کا مالک اس کو طلب کرے گا۔ (جیسے قیمتی اشیاء)

قسم اول کا حکم یہ ہے کہ اس کا اٹھانا اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر اس چیز کے مالک نے اس چیز کو اٹھانے والے کے ہاتھ میں دیکھ لیا تو وہ اس سے لے سکتا ہے کیونکہ مالک کا اس چیز کو پھینک دینا اٹھانے والے کے لیے نفع حاصل کرنے کی اباحت کا سبب تھا اس کی طرف سے تملیک نہیں تھی، کیونکہ مجہول کو مالک بنانا صحیح نہیں ہوتا۔ اور اباحت کے بعد بھی مالک کی ملکیت اس چیز سے منقطع نہیں ہوتی، البتہ جس شخص کو مباح چیز ملی ہے وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن مالک کی ملکیت اس چیز کے ساتھ قائم رہتی ہے اور وہ جب چاہے اس چیز کو لے سکتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے مال کو بعینہ پا لیا وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ امام ابو یوسف سے یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک مردار بکری پھینک دی اور کسی شخص نے اس کا اون اتار لیا تو وہ اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے اور اگر بکری کے مالک نے اس کے ہاتھ میں اون دیکھ لیا تو وہ اس کو لے سکتا ہے۔ اور اگر کسی شخص نے اس بکری کی کھال اتار کر اس کو رنگ لیا تو اب بھی اس کا مالک اس کھال کو لے سکتا ہے لیکن اس کو رنگنے کے پیسے دینے پڑیں گے۔

لُقطہ کی دوسری قسم جس کے بارے میں یہ علم ہو کہ اس کا مالک اس کو طلب کرے گا اس کا حکم یہ ہے کہ جو شخص اس چیز کو اٹھائے اس پر اس کی حفاظت کرنا واجب ہے اور اس پر اس کا اعلان کرنا لازم ہے تاکہ وہ اس چیز کو اس کے مالک تک

پہنچا سکے۔ امام محمد نے ابراہیم سے روایت کیا کہ لقطہ کا ایک سال تک اعلان کرے، اگر اس کا مالک آ جائے تو فبہا ورنہ اس چیز کو صدقہ کر دے، صدقہ کے بعد اگر اس کا مالک آ گیا تو اس کو اختیار ہے، اگر وہ چاہے تو اس صدقہ کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو وہ لقطہ اٹھانے والے کو اس صدقہ کا ضامن کر دے۔ امام محمد نے ابراہیم نخعی کے اس قول کو بطور دلیل کے ذکر نہیں کیا کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تابعین کی تقلید نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے ھم رجال ونحن رجال "وہ بھی انسان ہیں اور ہم بھی انسان ہیں" لیکن اصل سبب یہ ہے کہ ابراہیم نخعی اپنے فتاویٰ میں حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے اقوال پر اعتماد کرتے تھے اور اہل کوفہ کی فقہ کا مدار انہی حضرات پر تھا ابراہیم نخعی باقی فقہاء کی بہ نسبت حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کے اقوال کو زیادہ جاننے والے تھے، یہی وجہ ہے کہ امام محمد کی کتاب ابراہیم نخعی کے اقوال سے بھری ہوئی ہے۔ بہرحال اس حدیث میں ہے کہ اٹھانے والا لقطہ کا اعلان کرے اور ہر چیز میں ایک سال کی مدت لازم نہیں ہے، چیز کا اٹھانے والا خود اندازہ کرے کہ اس کا مالک کتنی مدت تک اس چیز کو ڈھونڈتا رہے گا اتنی مدت تک وہ اس چیز کا اعلان کرتا رہے اور اس کا اندازہ اس چیز کی قیمت اور حیثیت سے ہو گا حتیٰ کہ فقہاء کہتے ہیں کہ دس درہم بھی اہم اور قیمتی ہیں کیونکہ دس درہم کی چوری کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور اگر لقطہ دس درہم سے کم ہو تو تین درہم تک ایک ماہ اعلان کرے اور اگر تین درہم سے کم ہو تو ایک درہم تک ایک ہفتہ اعلان کرے اور ایک درہم سے کم میں ایک دن اعلان کرے اور اگر ایک پیسہ کی چیز ہو تو دائیں بائیں مالک کو دیکھے اور پھر وہ چیز کسی فقیر کے ہاتھ پر رکھ دے۔ ان مدتوں میں سے کوئی مدت بھی لازم نہیں ہے کیونکہ رائے سے کسی مدت کو معین نہیں کیا جا سکتا لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ اعلان اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ اس چیز کا مالک اس چیز کو طلب کرے گا اور ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ اس چیز کا مالک اس کو کب تک طلب کرتا رہے گا؟ اس لیے کسی چیز کے بارے میں ملتقط اپنی غالب رائے سے فیصلہ کرے، یعنی وہ یہ سوچے کہ اگر ایسی چیز گم ہو جائے تو اس کا مالک کتنی مدت تک اس چیز کو تلاش کرتا رہے گا اور جتنی مدت پر اس کا غلبہ ظن ہو اتنی مدت تک اعلان کرتا رہے۔

(المبسوط ج ۱۱ ص ۲۰۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ)

لُقطہ کا اعلان کرنے کے مقامات اور طریقہ کار

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ لقطہ کا اعلان بازاروں میں، عام مساجد کے دروازوں اور جامع مسجدوں کے دروازوں پر ان اوقات میں کیا جائے جن اوقات میں لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں، اسی طرح جن مجالس میں لوگ جمع ہوتے ہیں وہاں بھی اعلان کیا جائے، کیونکہ مقصود اس چیز کا اظہار ہے کہ فلاں چیز گم ہو گئی ہے تاکہ اس کے مالک کو پتا چل جائے اس لیے لوگوں کے جمع ہونے کی مجالس کو تلاش کرنا چاہیے۔ یہ اعلان مساجد میں نہ کیا جائے کیونکہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی آدمی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنا اس کو چاہیے کہ یوں کہے کہ اللہ تمہاری اس چیز کو واپس نہ کرے، کیونکہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لقطہ اٹھانے والے شخص سے فرمایا: اس کا مسجد کے دروازہ پر اعلان کرو۔

لُقطہ اٹھانے والا خود بھی لقطہ کا اعلان کر سکتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس کے لیے کسی اور شخص کو مقرر کر دے، اگر کوئی شخص از خود ملتقط کی طرف سے اعلان کرے تو فبہا ورنہ ملتقط خود اعلان کرے، کیونکہ اصل میں اعلان کرنا لُقطہ اٹھانے والے پر واجب ہے۔ اور اگر وہ اجرت دے کر کسی سے اعلان کرائے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس میں امام احمد، امام شافعی، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اعلان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ صرف لقطہ کی جنس کا ذکر کرے مثلاً یوں کہے کہ کسی شخص کا سونا گم ہو گیا ہے؟ یا چاندی یا درہم یا دینار علیٰ ہذا القیاس۔ اس چیز کی صفات اور علامات نہ بتلائے تاکہ کوئی غیر شخص اس کو حاصل کرنے کی جرأت نہ کرے۔
(المغنی ج ۶ ص ۵۔ ۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

لقطہ کے اعلان کی مدت میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ لقطہ کے اعلان کی مدت ایک سال ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی روایت ہے۔ ابن مسیب، شعبی، امام مالک، امام شافعی اور اصحاب رائے کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عمر سے دوسری روایت ہے کہ تین ماہ تک اعلان کرے اور ایک اور روایت ہے کہ تین سال تک اعلان کرے، کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تین سال تک ایک سو دینار کے اعلان کرنے کا حکم دیا تھا۔

علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن خالد کو ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور حضرت ابی بن کعب کی روایت کا جواب یہ ہے کہ راوی نے کہا مجھے پتا نہیں کہ تین سال کہا تھا یا ایک سال، امام ابوداؤد نے کہا کہ راوی کو اس میں شک ہے۔ (المغنی ج ۶ ص ۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں: لقطہ کا بازاروں میں اور مساجد کے دروازوں وغیرہ پر ایک سال تک اعلان کرے، پہلے ہفتہ ہر دن صبح و شام اعلان کرے، پھر ہر دن میں ایک مرتبہ، پھر ہر ہفتہ میں، پھر ہر مہینہ میں اور صحیح یہ ہے کہ جو چیز حقیر ہو اس کا اعلان ایک سال نہ کیا جائے بلکہ اتنی مدت تک اعلان کیا جائے جتنی مدت میں یہ گمان ہو جائے کہ اب مالک نے اس سے اعراض کر لیا ہو گا۔ (مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۱۳۔ ۴۱۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

قاضی ابوالولید مالکی لکھتے ہیں کہ جو چیز قیمتی ہو اس کا اعلان ایک سال تک کیا جائے بشرطیکہ وہ مال غنیمت سے نہ ہو۔
(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ سے یہ روایت ہے کہ اگر لقطہ دو سو درہم (۶۱۲ء۳۶ گرام چاندی) یا اس سے زیادہ کی مالیت ہو تو ایک سال اعلان کیا جائے اور اگر دو سو درہم سے کم مالیت ہو تو دس درہم (۶۱۸ء۳۰ گرام چاندی) تک ایک ماہ اعلان کیا جائے اور اگر دس درہم سے کم مالیت کی چیز ہو تو جتنی مدت مناسب سمجھے اعلان کرے، اور ایک روایت یہ ہے کہ تین درہم (۸۵۴ء۹ گرام چاندی) سے لے کر دس درہم (۶۱۸ء۳۰ گرام چاندی) تک دس دن اعلان کرے اور ایک درہم (۶۱۸ء۳ گرام چاندی) سے لے کر تین درہم (۸۵۴ء۹ گرام چاندی) تک تین دن اعلان کرے، اور اگر ایک دانق یعنی درہم کا چھٹا حصہ (۵۱۰۳ء۰ گرام چاندی) یا اس سے زیادہ ہو تو ایک درہم تک ایک دن اعلان کرے اور اگر ایک دانق سے کم ہو تو دائیں بائیں دیکھ کر کسی فقیر کے ہاتھ پر رکھ دے۔ علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ یہ نصاب لازم نہیں ہے بلکہ قلیل میں اپنی صوابدید کے مطابق اعلان کرے۔ علامہ سرخسی نے گویا امام اعظم کی پہلی روایت کو لیا ہے اور ظاہر الروایہ جس کو امام محمد نے کتاب الاصل میں ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ قلیل اور کثیر میں فرق کے بغیر ایک سال اعلان کرے اور یہی امام مالک، امام شافعی (اور امام احمد) کا قول ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی تفصیل اور فرق کے بیان فرمایا:

من التقط شیئا فلیعرف سنۃ۔ جس کو کوئی چیز ملی ہو وہ اس کا ایک سال اعلان کرے۔

اور حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ سے جو پہلی روایت

ہے کہ دو سو درہم یا زیادہ سے لے کر دس درہم تک ایک سال اعلان کرے اور دس درہم سے کم میں جتنی مدت تک مناسب سمجھے اعلان کرے اس کی دلیل یہ ہے کہ جن روایات میں ایک سال اعلان کرنے کا ذکر ہے وہ اس لقطہ کے بارے میں ہیں جو ایک سو دینار تھا جو ایک ہزار درہم کے مساوی ہے اور دس درہم یا اس سے زیادہ کی مالیت کی وجہ یہ ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار نصاب سرقہ یعنی دس درہم ہے، یعنی دس درہم شرعاً قیمتی مال ہے، کیونکہ اس کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور فرج حلال ہو جاتی ہے اس لیے دس درہم کی مالیت کے حکم کو بھی ایک ہزار درہم کے حکم کے ساتھ لاحق کر دیا اور دس درہم سے کم کا چونکہ یہ مرتبہ نہیں ہے اس لیے اس کے اعلان کی مدت ایک سال نہیں رکھی بلکہ اس کو اعلان کرنے والے کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۵۱-۳۵۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

آج کل کے دور میں لُقطہ کے اعلان کا طریقہ کار

ہرچند کہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو حنیفہ سے ظاہر الروایہ یہی ہے کہ دس درہم یا اس سے زیادہ کی مالیت کا ایک سال اعلان کرنا چاہیے لیکن چونکہ اس پر عمل کرنا دشوار ہے اس لیے امام ابو حنیفہ کی اس روایت پر عمل کرنا چاہیے جس کو علامہ ابن ہمام نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ایک دانق سے ایک درہم تک ایک دن اور ایک درہم سے تین درہم تک تین دن اور تین درہم سے لے کر دس درہم تک دس دن اعلان کرے اور دس درہم سے دو سو درہم تک ایک ماہ اعلان کرے اور دو سو درہم یا اس سے زائد ہو تو ایک سال اعلان کرے، اور اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ایک ہزار درہم کی مالیت کے لقطہ کے بارے میں ایک سال اعلان کا حکم ہے اور دو سو درہم چونکہ نصاب زکوٰۃ ہے اس لیے دو سو درہم کی مالیت کو بھی اس کے ساتھ لاحق کیا ہے اور دو سو درہم سے کم مالیت کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا اور اس کی اپنے اجتہاد سے مدت مقرر کی ہے نیز طبرانی میں کم چیز کے لیے تین دن اور چھ دن تک اعلان کا بھی ذکر ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۹)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں وہاں اعلان کیا جائے اور آج کل لوگ بازاروں میں، مارکیٹوں میں اور تفریح گاہوں میں زیادہ جمع ہوتے ہیں، جب فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا تھا اس وقت بہت چھوٹے چھوٹے شہر تھے اور زندگی اس قدر مصروف نہیں تھی اور اب کراچی ایسے شہر میں جو کئی ہزار مربع کلومیٹر رقبہ پر محیط ہے اور تقریباً ایک کروڑ انسانوں کی آبادی پر مشتمل ہے، ایک آدمی کے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ وہ ایک سال یا ایک ماہ یا ایک ہفتہ تک روزانہ مارکیٹوں اور بازاروں میں جا کر کسی گم شدہ چیز کا اعلان کرتا پھرے۔

آج کل کے دور میں لُقطہ کے اعلان اور تشہیر کی آسان اور قابل عمل صورت یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی چیز ملی ہو وہ اس کا اعلان اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی میں کرا دے اور یہ ابلاغ عام کا بہت موثر ذریعہ ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو کسی راستہ میں کوئی قیمتی پین یا گھڑی پڑی ملی ہے تو وہ یہ اعلان کرا دے کہ مجھے فلاں دن فلاں جگہ اتنے وقت پر ایک پارکر، شیفر یا کروس کا پین پڑا ہوا ملا ہے، جس شخص کا وہ پین ہو وہ اس کی علامات اور نشانیاں بتا کر مجھ سے لے جائے۔ جب میں لاہور میں تھا تو ہمارے مدرسہ کے ایک طالب علم کو مسجد کے پاس ایک پارکر پین پڑا ہوا ملا، مجھے علم ہوا تو میں نے فوراً ایک طالب علم کے ذریعہ "جنگ" اخبار میں اس کا اعلان بھجوا دیا۔ دوسرے دن اس کا مالک آیا اور نشانیاں بتلا کر اپنا پین لے گیا۔ اگر ایک بار اعلان کے بعد لقطہ کا مالک نہ آئے تو سال میں کئی بار وقفہ وقفہ سے اعلان کرایا جا سکتا ہے یا یوں کرے کہ پہلے شہر میں شائع ہونے والے تمام اخبارات میں ایک ایک کر کے اعلان بھیجے مثلاً پہلے "جنگ" اخبار میں اعلان بھیجے، پھر "نوائے وقت" میں پھر "مشرق" میں، علی ھذا القیاس۔ اگر اس کا نتیجہ نہ نکلے تو پھر ریڈیو کی سٹی سروس میں اعلان کرائے اور اس کا نتیجہ نہ نکلے تو پھر ٹی وی کی

سروس سے اعلان کرائے۔ اور یہ بہت بعید ہے کہ ان تمام ذرائع ابلاغ سے اعلان کے بعد بھی مالک لقطہ کو وصول کرنے کے لیے نہ آئے' اور اعلان کرنے والے کو چاہیے کہ ایک سال میں وقفہ وقفہ کے ساتھ ان تمام ذرائع سے اعلان کرائے تاکہ منشاء حدیث صوری اور معنوی دونوں طرح سے پورا ہو جائے اور اس کی حجت تمام ہو جائے اور ایک سال کے بعد بھی اگر مالک نہ آئے تو پھر وہ اس کو صدقہ کر دے۔

اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لقطہ کے مصرف میں فقہاء احناف کا نظریہ

شمس الائمہ علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: اعلان کے بعد مالک آ جائے تو ملتقط لقطہ کو اس کے حوالے کر دے کیونکہ اعلان سے جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا' اور اگر مالک نہ آئے تو اس کو اختیار ہے خواہ لقطہ کو مالک کے انتظار میں محفوظ رکھے' خواہ اس کو صدقہ کر دے' کیونکہ اس کو محفوظ رکھنا عزیمت ہے اور ایک سال کے اعلان کے بعد اس کو صدقہ کر دینا رخصت ہے اور ملتقط کو رخصت اور عزیمت میں سے کسی ایک پر عمل کرنے میں اختیار ہے' صدقہ کرنے کے بعد اگر مالک آ گیا تو پھر مالک کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو صدقہ کو برقرار رکھے اور اس کا ثواب مالک کو ہو گا اور اگر چاہے تو صدقہ کے تاوان میں لقطہ کا بدل لے لے۔ اور یہ تاوان چاہے ملتقط سے وصول کرے اور چاہے تو اس مسکین سے وصول کرے جس کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اور جو بھی ضامن ہو گا وہ دوسرے سے اس کا تاوان وصول نہیں کرے گا (یہ حکم اس وقت ہے جب ملتقط غنی ہو) اور اگر ملتقط غریب ہو تو وہ ایک سال کے اعلان کے بعد اس کو خود خرچ کر سکتا ہے کیونکہ اس کو یہ اختیار تھا کہ وہ اس لقطہ کو کسی غریب پر صدقہ کر دے اور جب کہ وہ خود غریب ہے تو وہ لقطہ کو اپنے نفس پر بھی صدقہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ملتقط غنی ہو تو ہمارے نزدیک وہ اس لقطہ کو اپنے نفس پر خرچ نہیں کر سکتا اور امام شافعی کہتے ہیں کہ امیر بھی مدت گزرنے کے بعد اس کو اپنے اوپر خرچ کر سکتا ہے لیکن یہ اس کے اوپر قرض ہے' اگر مالک آ گیا تو اس کو وہ چیز دینا ہو گی۔

(المبسوط ج ۱۱ص ۷' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام شافعی کے دلائل کے جوابات

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب غنی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ اگر ایک سال اعلان کے بعد مالک نہ آئے تو لقطہ کو خرچ کر لینا اور ان کے غنی پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لقطہ کو اپنے مال کے ساتھ ملا لو' اس سے ثابت ہوا کہ وہ مالدار تھے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ان پر لوگوں کے اس قدر قرض ہوں کہ مالدار ہونے کے باوجود حکماً فقیر ہوں' اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ لقطہ کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیں۔ امام طحاوی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد غنی ہوئے تھے اور اس سے پہلے وہ فقیر (غریب) تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی زمین صدقہ کرنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: یہ زمین اپنے غریب رشتہ داروں کو دو۔ سو انہوں نے وہ زمین حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب کو دے دی۔ علامہ ماردینی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بیہقی نے باب الوصیۃ للقرابۃ میں ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ (الجواہر النقی ج ۶ ص ۱۸۶) اس سے واضح ہو گیا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ لقطہ کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیں اس وقت وہ غریب تھے اور ان پر صدقہ جائز تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لقطہ کسی حربی کافر کا مال ہو جس کی حفاظت کی مسلمانوں پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور چونکہ اس مال پر حضرت ابی کے ہاتھ نے سبقت کی تھی اس لیے آپ نے ان کو اس

کا زیادہ حقدار قرار دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا:

رزق ساقہ اللہ الیک۔ یہ وہ رزق ہے جو اللہ نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔

اور اس کے باوجود آپ نے ایک سال تک اس کے عدد اور تھیلی کے سربند کی پہچان کو یاد رکھنے کا احتیاطاً حکم دیا تاکہ اگر یہ مال محترم ہو تو وہ اس کو ادا کر سکیں۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ بکثرت احادیث اور آثار میں یہ وارد ہے کہ ایک سال اعلان کے بعد لقطہ کو صدقہ کر دیا جائے۔ (ہم عنقریب ان احادیث اور آثار کو بیان کریں گے...... سعیدی غفرلہ) نیز اصل مقصود یہ ہے کہ لقطہ کا ثواب اس کے مالک کو پہنچا دیا جائے۔ اگر غنی نے اس مال کو اپنے اوپر خرچ کر لیا تو یہ مقصود حاصل نہیں ہوگا بلکہ جب غنی اس مال کو اپنے اوپر خرچ کرے گا تو اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ وہ اس لقطہ کو اپنے لیے اٹھانے والا تھا اور اپنے لیے لقطہ کو اٹھانا اس کے لیے شرعاً ناجائز ہے۔ پس جیسا کہ ابتداءً اس پر لازم تھا کہ وہ اس لقطہ میں اپنے تصرف کی نیت نہ کرے اس طرح انتہاءً بھی اس پر لازم ہے کہ اس میں اپنے تصرف کی نیت نہ کرے۔

اس مسئلہ میں امام شافعی نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت علی کو ایک دینار پڑا ہوا ملا، انہوں نے اعلان کے بعد اس کا طعام خرید لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم سب نے اس طعام کو کھایا۔ اگر لقطہ کو صدقہ کرنا ضروری ہوتا تو ملتقط اس کو اپنے اوپر خرچ نہ کر سکتا تو یہ حضرات اس طعام کو نہ کھاتے کیونکہ ان پر صدقہ حلال نہیں تھا۔ اس روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کو جو دینار پڑا ہوا ملا تھا وہ لقطہ نہیں تھا۔ اس دینار کو ایک فرشتہ نے اس لیے گرایا تھا کہ حضرت علی اس کو اٹھالیں، کیونکہ ان حضرات کو کئی دنوں سے کھانا نہیں ملا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو وحی سے جان لیا تھا، اسی وجہ سے ان سب نے اس کھانے کو کھالیا تھا ورنہ صدقہ واجبہ تو ان پر حلال نہیں تھا، اسی وجہ سے حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دینار سے طعام خریدنے کی اجازت لی تھی۔ (المبسوط ج ۱۱ ص ۸-۶، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ)

لقطہ کو صدقہ کرنے کے وجوب کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: اس کا اعلان کرو، اس کو غائب کرو نہ چھپاؤ، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دے دو ورنہ یہ اللہ کا مال ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۳۶۷، علامہ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۷)

فقہاء احناف نے "اللہ کے مال" سے استدلال کیا ہے کیونکہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ اللہ کا مال اس مال کو کہتے ہیں جو فقراء کو دیا جاتا ہے اور صدقہ کیا جاتا ہے اور اگر کسی جگہ مجازاً اس قاعدہ کے خلاف ہو جیسے واتوھم من مال اللہ الذی اتکم۔ (النور: ۳۳) تو یہ اس قاعدہ کے خلاف نہیں ہے اس لیے اس قاعدہ پر علامہ ابن قدامہ کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

حضرت جارود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں سواریوں کی قلت تھی۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواریوں کا ذکر کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم کو سواریوں کی قلت کا سامنا ہے، آپ نے فرمایا: اس کا کیا حل ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا: ہم جنگل میں پھرنے والے مویشیوں سے کچھ اونٹ لے لیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں! مسلمان کی گم شدہ چیز جہنم کی آگ ہے، اس کے ہرگز قریب نہ ہو۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۳۱، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لقطہ کے متعلق فرمایا: اس کا ایک سال اعلان کرے اگر اس کا مالک آ جائے تو فبہا ورنہ اس کو صدقہ کر دے۔ (پھر اگر اس کا مالک آ جائے) تو اس کو اختیار ہے چاہے وہ ملتقط سے اس کا تاوان لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ امام محمد نے کہا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار ص ۱۹۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ)

امام عبدالرزاق نے ایک طویل حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے، حضرت علی نے فرمایا: اس کا اعلان کرو اگر اس کے مالک نے اس کو پہچان لیا تو اس کو دے دو، ورنہ اس کو صدقہ کر دو، پھر اگر اس کا مالک آیا اور اس نے صدقہ کے اجر کو پسند کیا تو اس کی مرضی ورنہ تم اس کو تاوان دو اور تم کو اجر ملے گا۔

(المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۹-۱۳۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لقطہ کے متعلق فرمایا کہ اس کا ایک سال تک اعلان کرے، اگر اس کا مالک آ جائے تو فبہا ورنہ اس کو صدقہ کر دے، اور اگر صدقہ کرنے کے بعد اس کا مالک آ جائے تو اس کو اختیار دے، اگر وہ اجر کو اختیار کرے تو اس کی مرضی اور اگر وہ مال کو اختیار کرے تو اس کی مرضی۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۳۹، بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۵۲، مطبوعہ کراچی)

امام عبدالرزاق اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر ایک سال تک اعلان کے بعد بھی مالک نہ آئے تو لقطہ کو صدقہ کر دیا جائے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۵۰-۴۴۹)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا ہے کہ اگر ایک سال تک اعلان کے باوجود مالک کا پتا نہ چلے تو لقطہ کو صدقہ کر دیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱)

حضرت ابی کی حدیث کی وضاحت اور فقہاء احناف کے جوابات کی تفصیل اور تنقیح

ان تمام احادیث اور آثار سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نظریہ کی تائید اور تقویت ہوتی ہے کہ اعلان کے بعد لقطہ کا صدقہ کرنا واجب ہے اور غنی کے لیے اسے اپنے نفس پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابی بن کعب کی جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ مؤول ہیں اور تاویل یہ ہے کہ حضرت ابی اس وقت خود صدقہ کے مستحق تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لقطہ کو خرچ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر بالفرض حضرت ابی اس وقت امیر ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں خرچ کی اجازت دینا اس پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ لقطہ بطور قرض دیا تھا۔ اور امام کا لقطہ کو بطور قرض دینا جائز ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو یا حضرت ابی کی خصوصیت ہو، اور خصوصیت پر محمول کرنے کی دلیل یہ ہے کہ دوسری احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملتقط کے لیے لقطہ کے خرچ کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ ابن عباس ایسے فقہاء صحابہ نے لقطہ کے صدقہ کرنے کو واجب کہا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے یہ اپنی رائے سے نہیں کہا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور آپ کی حدیث کی بناء پر کہا ہے۔

اسی طرح حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل سے فرمایا: ایک سال کے بعد اگر مالک نہ آئے تو تم اس کو خرچ کرلینا۔ اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ کا مطلوب اس وقت ثابت ہوگا جب یہ ثابت ہو جائے کہ وہ سائل غنی تھا اور یہ ثابت نہیں ہے' اس لیے اس حدیث سے ان کا استدلال ثابت نہیں ہے۔
حضرت ابی بن کعب کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابی کے غنا کو ثابت کرنے کے لیے اس سے استدلال کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: "اس کو اپنے مال کے ساتھ ملالو۔" اس کے جو جوابات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ان کے علاوہ ایک جواب یہ ہے کہ مان لیا کہ حضرت ابی کے پاس مال تھا لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ وہ مال بقدر نصاب تھا جس سے ان کا غنی ہونا ثابت ہو جائے' اس لیے حضرت ابی کی روایت سے بھی ان کا غنی ہونا ثابت نہیں ہوتا اور جب تک ان کا غنی ہونا ثابت نہ ہو ائمہ ثلاثہ کا مدلول ثابت نہیں ہوگا۔
ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابی کو لقطہ کے خرچ کرنے کی اجازت سے جو استدلال کیا ہے اس کے جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً تو حضرت ابی کا غنا ثابت نہیں' کیونکہ ان کے پاس مال ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مال بقدر نصاب ہو' ثانیاً حضرت ابی زمانہ نبوی میں غریب اور صدقہ کے مستحق تھے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت ابی پر بھی زمین صدقہ کریں' جیسا کہ صحیح بخاری اور سنن بیہقی میں ہے' ثالثاً اگر بالفرض وہ مالدار اور غنی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ اتنے مقروض ہوں کہ خود صدقہ کے مستحق ہوں' رابعاً ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ لقطہ بطور قرض دیا ہو' خامساً ہو سکتا ہے کہ وہ لقطہ کسی کافر حربی کا مال ہو اس لیے ان کو خرچ کی اجازت دی ہو' سادساً یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ان کی خصوصیت ہو یا بحیثیت امام آپ کی خصوصیت ہو' سابعاً دوسری احادیث اور آثار صحابہ میں غنی پر لقطہ کے خرچ کی ممانعت ہے اور حضرت ابی کی روایت میں اس کی اباحت ہے اور جب تحریم اور اباحت میں تعارض ہو تو تحریم کو ترجیح ہوتی ہے۔
اس حدیث کی اس طرز سے جو تشریح کی گئی ہے اور ائمہ ثلاثہ کی دلیل کے جو جوابات ذکر کیے گئے ہیں اس سے فقہ حنفی کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ فقہ حنفی کو زیادہ سے زیادہ فروغ عطا فرمائے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

اونٹ پکڑنے کے متعلق سوال کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے کی وجہ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب سائل نے گم شدہ چیز کا حکم معلوم کرلیا تو پھر سوال کیا: اگر بھولا بھٹکا اونٹ مل جائے تو؟ اس سوال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کے دونوں رخسار مبارک سرخ ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ میں آنے کی علماء نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ چونکہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے لینے سے منع فرمادیا تھا اور اب اس نے اونٹ کا سوال کیا اس لیے آپ ناراض ہوئے' یا اس لیے کہ سائل نے صحیح قیاس نہیں کیا اور جس لقطہ کا لینا معین ہے اس پر اس کو قیاس کیا جس کا لینا معین نہیں ہے۔
علامہ خطابی نے کہا ہے کہ آپ کو سائل کی کم فہمی پر غصہ آیا کیونکہ وہ لقطہ اٹھانے کی اصل وجہ کو نہیں سمجھا اور ایک چیز کو اس پر قیاس کیا جو اس کی نظیر نہیں تھی' کیونکہ لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی شخص سے گر جائے اور یہ پتا نہ چلے

کہ اس کا مالک کہاں ہے۔ اور اونٹ اس طرح نہیں ہے کیونکہ وہ اسم اور صفت کے اعتبار سے لقطہ کا مغائر ہے۔ کیونکہ اس میں ایسی صلاحیت ہے کہ وہ از خود مالک تک پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بکثرت سوال کرنے کی وجہ سے ناراض ہوئے ہوں' کیونکہ سائل کسی حقیقی پیش آمدہ مسئلہ کا حل نہیں پوچھ رہا تھا بلکہ محض فرضی صورتوں کا سوال کر رہا تھا۔

ائمہ حجاز نے یہ کہا ہے کہ اونٹ، گائے اور گھوڑے میں افضل یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے حتیٰ کہ وہ اپنے مالک کے پاس پہنچ جائیں۔ علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ اس زمانے میں ان جانوروں کو لے جانا افضل ہے کیونکہ اب ایسا زمانہ ہے کہ اگر کوئی نیک آدمی' ان کو مالک کے پاس پہنچانے کے لیے لے کر نہیں گیا تو کوئی چور اُچکا ان کو لے کر چلا جائے گا۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو لے جانے کے لیے جو منع فرمایا تھا یہ حکم اس زمانے میں تھا جب عام طور پر لوگ نیک اور امانت دار تھے لیکن اس زمانہ میں یہ اطمینان نہیں ہے کہ وہ اونٹ محفوظ رہے گا اور کوئی خائن شخص اس کو لے کر چلا نہیں جائے گا اس لیے اب اونٹ کو لے جانے میں اس کی حفاظت ہے اور اس کے مالک کے حق کو محفوظ رکھنا ہے۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل اور تحقیق کے لیے شرح صحیح مسلم جلد خامس کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے (یعقوب سے) کہا: اے ہمارے ابا! کیا بات ہے آپ یوسف کے معاملہ میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کی خیر خواہی کرنے والے ہیں○ اسے کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ پھل کھائے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں○ (یعقوب نے) کہا: تمہارے اس کو لے جانے سے میں (اس کی جدائی میں) ضرور غمگین ہوں گا اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس سے غافل ہو گے اور بھیڑیا اس کو کھا جائے گا○ انہوں نے کہا: ہماری پوری جماعت کے ہوتے ہوئے اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والے ہوں گے○ (یوسف: ۱۴-۱۱)

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیے کے کھانے کا خطرہ کیوں ہوا؟

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ فرمائش کی کہ وہ حضرت یوسف کو ان کے ساتھ بھیج دیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دو عذر پیش کیے: ایک یہ کہ حضرت یوسف کی جدائی ان کو غمگین کرے گی کیونکہ وہ ایک پل بھی ان کے بغیر نہیں گزار سکتے' دوسرا یہ کہ وہ اپنی بکریوں کو چرانے میں مصروف ہوں گے یا اپنے کھیل کود میں مشغول ہوں گے اور بھیڑیا ان کو کھا جائے گا کیونکہ حضرت یوسف کے بھائیوں کے نزدیک حضرت یوسف کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیے کا خطرہ اس لیے تھا کہ انہوں نے خواب میں یہ دیکھا تھا کہ بھیڑیے نے حضرت یوسف علیہ السلام پر حملہ کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ وہ پہاڑ کی بلندی پر ہیں اور حضرت یوسف وادی کے نیچے ہیں' اچانک دس بھیڑیوں نے حضرت یوسف کو گھیر لیا' وہ ان کو پھاڑ کھانا چاہتے تھے، پھر ایک نے ان کو ہٹایا، پھر زمین پھٹ گئی اور حضرت یوسف علیہ السلام اس میں تین دن تک چھپے رہے۔ ان دس بھیڑیوں سے مراد ان کے دس بھائی تھے، جب وہ حضرت یوسف کو قتل کرنے کے درپے ہوئے اور جس نے ان کو ہٹایا وہ ان کا بڑا بھائی یہوذا تھا اور زمین میں چھپنے سے مراد حضرت یوسف کا تین دن کنوئیں میں قیام کرنا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ اس لیے کہا تھا کہ ان کو ان بھائیوں سے خطرہ تھا اور آپ کی بھیڑیے سے مراد یہی لوگ تھے۔ حضرت یعقوب کو ان لوگوں سے یہ خطرہ تھا کہ وہ حضرت یوسف کو قتل کر دیں گے اور آپ نے کنایۃً ان ہی کو بھیڑیا فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا:

حضرت یعقوب نے ان کو بھیڑیا فرمایا تھا ایک اور قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب کو ان بھائیوں سے خطرہ نہیں تھا اگر آپ کو ان سے خطرہ ہوتا تو آپ حضرت یوسف کو ان کے ساتھ نہ بھیجتے' آپ کو دراصل بھیڑیئے ہی کا خطرہ تھا کیونکہ اس علاقہ کے صحاریٰ میں بھیڑیئے بہت زیادہ تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۴۳)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا: اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا ہو گیا کہ ہمارے ہوتے ہوئے یوسف کو بھیڑیا کھا گیا تو لوگ ہمیں نقصان زدہ کہیں گے' اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اگر ہم اپنے بھائی کی حفاظت نہ کر سکے تو پھر اپنی بکریوں اور بھیڑوں کی حفاظت بھی نہ کر سکیں گے اور ہمارے مویشی ہلاک ہو جائیں گے اور ہم نقصان اٹھائیں گے' اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ ہم دن رات محنت مشقت کر کے اپنے باپ کی خدمت کرتے ہیں تاکہ اس کی دعا اور ثنا حاصل کریں' اب اگر یوسف کو ہمارے ہوتے ہوئے بھیڑیا کھا گیا تو ہم اپنے باپ کی ناراضگی مول لیں گے اور اس کی دعا اور ثناء سے محروم ہوں گے اور ہماری پچھلی تمام خدمات ضائع ہو جائیں گی۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ
الغرض جب وہ اس کو لے گئے اور انہوں نے اس کو اندھے کنویں کی گہرائی میں ڈالنے پر اتفاق کر لیا، اور
اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾
ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (گھبراؤ نہیں) عنقریب تم ان کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی ○
وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ
اور وہ رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے ○ انہوں نے کہا اے ابا! ہم ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کر
وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ
رہے تھے، اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا، پس اس کو بھیڑیے نے کھا لیا اور آپ ہماری بات ماننے
لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ
والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں ○ اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے،
قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ
(یعقوب نے) کہا (بھیڑیے نے تو خیر نہیں کھایا) بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑلی ہے' پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے اور جو
الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا
کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے ○ اور ایک قافلہ آیا تو انہوں نے ایک پانی لانے

النصف

وَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ

والے کو بھیجا پس اس نے اپنا ڈول ڈالا، اس نے کہا مبارک ہو یہ ایک لڑکا ہے اور انہوں نے یوسف کو مال تجارت بنا کر

بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ

چھپا لیا، اور اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے ○ اور بھائیوں نے یوسف کو (قافلہ سے) کم قیمت چند درہموں کے بدلہ

دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع

(ان ہی کے ہاتھ) بیچ دیا، اور وہ یوسف میں (ویسے ہی) رغبت کرنے والے نہ تھے ○

ع ۱۴ ۱۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: - الغرض جب وہ اس کو لے گئے اور انہوں نے اس کو اندھے کنوئیں کی گہرائی میں ڈالنے پر اتفاق کر لیا، اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (گھبراؤ نہیں) عنقریب تم ان کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی ○ (یوسف: ۱۵)

حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں کا راستہ میں زدو کوب کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے اصرار پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں حضرت یوسف کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ جب حضرت یوسف اپنے بھائیوں کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے راستہ میں ان کے ساتھ شدید عداوت کا اظہار کیا، ایک بھائی حضرت یوسف کو مارتا تو وہ دوسرے بھائی سے فریاد کرتے تو وہ بھی ان کو مارتا پیٹتا اور انہوں نے ان میں سے کسی کو رحم دل نہ پایا۔ قریب تھا کہ وہ حضرت یوسف کو قتل کر دیتے اس وقت حضرت یوسف کہہ رہے تھے: اے یعقوب! کاش آپ جانتے کہ آپ کے بیٹے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے! تب یہوذا نے کہا: کیا تم لوگوں نے مجھ سے یہ پکا عہد نہیں کیا تھا کہ تم لوگ اس کو قتل نہیں کرو گے، تب وہ حضرت یوسف کو کنوئیں پر لے گئے اور ان کو کنوئیں کی منڈیر پر کھڑا کر کے ان کی قمیص اتاری جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس قمیص پر خون لگا کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا: میری قمیص واپس کر دو تاکہ میں اس سے اپنے بدن کو چھپاؤں۔ بھائیوں نے کہا: اب تم سورج، چاند اور گیارہ ستاروں کو بلاؤ تاکہ وہ اس کنوئیں میں تمہاری غمگساری کریں، پھر انہوں نے حضرت یوسف کو کنوئیں میں پھینک دیا تاکہ وہ پانی میں ڈوب کر مر جائیں۔ حضرت یوسف پانی میں گر گئے، پھر انہوں نے کنوئیں کے ایک پتھر کی پناہ لی اور اس پتھر پر کھڑے ہو گئے۔ وہ اس پر کھڑے ہوئے رو رہے تھے کہ ان کے بھائیوں نے ان کو آواز دی، حضرت یوسف یہ سمجھے کہ شاید ان کو رحم آ گیا ہے، انہوں نے کہا: لبیک۔ انہوں نے ایک بھاری پتھر اٹھا کر حضرت یوسف کا نشانہ لیا، اب یہوذا نے ان کو منع کیا اور یہوذا ہی ان کو کنوئیں میں کھانا پہنچاتا رہا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا: اے وہ جو حاضر ہے غائب نہیں؟ اے وہ جو قریب ہے بعید نہیں! اے وہ جو غالب ہے مغلوب نہیں! میری اس مشکل کو آسان کر دے اور مجھے اس کنوئیں سے نجات عطا فرما۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور ان کے کپڑے اتار لیے گئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کو جنت کی ایک ریشمی قمیص پہنائی، پھر حضرت ابراہیم نے وہ قمیص حضرت اسحٰق کو دی اور حضرت اسحٰق نے وہ قمیص حضرت یعقوب کو دی اور حضرت یعقوب نے اس قمیص کو ایک غلاف میں ڈال کر وہ غلاف

حضرت یوسف کے گلے میں ڈال دیا، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کنوئیں میں آئے اور غلاف سے وہ قمیص نکال کر حضرت یوسف کو پہنادی۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۰۹، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۳۴۷، زاد المسیر ج ۴ ص ۱۹۰-۱۸۹)

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی سے مراد وحی نبوت یا الہام؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے اس کی طرف وحی کی۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس وحی سے مراد وحی نبوت اور رسالت ہے یا اس وحی سے مراد الہام ہے۔ محققین کی ایک بڑی جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ یہ وحی نبوت تھی، پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بچے تھے یا بالغ تھے، بعض نے کہا: حضرت یوسف اس وقت بالغ تھے اور اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔ اور بعض نے کہا: اس وقت آپ بچے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی عقل کو کامل کر دیا، اور آپ میں وحی اور نبوت کی اس طرح صلاحیت رکھ دی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں صلاحیت رکھی تھی۔ وحی کے متعلق دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اس سے مراد الہام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰۤی۔ (القصص: ۷) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی۔

وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ۔ (النحل: ۶۸) اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔

اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس وحی سے مراد وحی نبوت ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو نبی قرار دینا کس طرح صحیح ہوگا حالانکہ اس وقت وہاں ایسے لوگ نہیں تھے جن کو حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کا پیغام پہنچاتے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت ان پر وحی نازل کرنے سے مقصود یہ تھا کہ ان کو حامل وحی الٰہی ہونے کے مرتبہ پر فائز کیا جائے اور ان کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ وقت آنے پر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائیں اور وحی کو وقت سے پہلے اس لیے نازل کیا تھا کہ ان کے دل سے گھبراہٹ اور پریشانی اور رنج اور غم کو دور کیا جائے اور ان کو مطمئن اور پُرسکون کیا جائے۔

حضرت یوسف کے بھائیوں کو خبر نہ ہونے کے محامل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی۔ اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں:

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کی طرف وحی کی کہ تم آج کے بعد کسی دن اپنے بھائیوں کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس وقت یہ پتا نہیں چلے گا کہ تم یوسف ہو، اور اس سے مقصود یہ تھا کہ ان کو یہ اطمینان دلایا جائے کہ ان کو عنقریب اس مصیبت سے نجات مل جائے گی اور وہ اپنے بھائیوں پر غالب ہوں گے اور وہ ان کے سامنے مغلوب اور سرنگوں اور ان کی قدرت اور اختیار میں ہوں گے، اور ایک روایت میں ہے کہ جس وقت وہ گندم طلب کرنے کے لیے ان کے شہر میں داخل ہوئے تو حضرت یوسف نے ان کو پہچان لیا، اور وہ حضرت یوسف کو نہ پہچان سکے، حضرت یوسف نے ان کے ہاتھ پر صاع رکھ دیا اور کہا: مجھے اس نے خبر دی ہے کہ تمہارے باپ کی طرف سے تمہارا ایک بھائی تھا تم نے اس کو کنوئیں میں ڈال دیا تھا اور تم نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اس کو بھیڑیے نے کھالیا۔

(۲) ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف کنوئیں میں یہ وحی کی کہ عنقریب تم اپنے بھائیوں کو ان اعمال کی خبر دو گے اور ان کے بھائیوں کو یہ خبر نہیں تھی کہ ان پر وحی نازل ہو رہی ہے، اور اس وحی کو ان سے مخفی رکھنے میں یہ حکمت تھی کہ اگر ان کو پتا چل جاتا کہ حضرت یوسف پر وحی نازل ہوئی ہے تو ان کا حسد اور زیادہ ہو جاتا اور وہ پھر ان کو قتل کر دیتے۔

والد سے اپنے حالات کو مخفی رکھنے میں حضرت یوسف کی حکمت

پہلی تفسیر کے مطابق جب حضرت یوسف علیہ السلام پر یہ وحی کی گئی کہ جب تم اپنے بھائیوں کو ان کے اس سلوک سے

آگاہ کرو گے تو اس وقت ان کو یہ پتا نہیں ہو گا کہ تم یوسف ہو' اور یہ وحی اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو متضمن ہے کہ حضرت یوسف اس وقت تک اپنے احوال سے اپنے والد کو بھی مطلع نہ کریں اور یہی وجہ ہے کہ اتنی مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حالات سے اپنے والد کو مطلع نہیں کیا حالانکہ ان کو علم تھا کہ ان کے والد ان کے فراق میں سخت رنج اور غم میں مبتلا ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے اور وہ ان سختیوں پر صبر کریں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ اس شدید رنج اور غم کی وجہ سے حضرت یعقوب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں گے اور اس سے دُعا کرتے رہیں گے اور دُنیا سے ان کی فکر منقطع رہے گی اور وہ عبادت کے درجہ عالیہ پر فائز ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے عظیم قُرب کے حصول کی خاطر مصائب اور شدائد کی گھاٹی سے گزرنا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے○ انہوں نے کہا: اے ابا! ہم ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے' اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے ساتھ چھوڑ دیا تھا' پس اس کو بھیڑیئے نے کھالیا' اور آپ ہماری بات ماننے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں○ اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خُون لگا لائے (یعقوب نے) کہا: (بھیڑیئے نے تو خیر نہیں کھایا) بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑلی ہے' پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے' اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے○ (یوسف: ۱۸-۱۶)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی خبر دینا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے' رات کے وقت کا انتخاب انہوں نے اس لیے کیا تھا کہ یہ وقت ان کے عذر پیش کرنے کے لیے زیادہ مناسب تھا۔ روایت ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے رونے کی آواز سنی تو پوچھا: کیا ہوا؟ کیا تمہاری بکریوں کو کوئی حادثہ پیش آ گیا؟ انہوں نے کہا: نہیں! پوچھا: یوسف کہاں ہے؟ انہوں نے کہا: ہم آپس میں دوڑنے کا مقابلہ کر رہے تھے تو اس اثناء میں اس کو بھیڑیا کھا گیا! حضرت یعقوب نے ایک چیخ ماری اور رونے لگے' ایک روایت میں ہے کہ جب انہوں نے کہا: اس کو بھیڑیا کھا گیا تو حضرت یعقوب بے ہوش ہو کر گر گئے' انہوں نے ان کو ہوش میں لانے کے لیے پانی کے چھینٹے مارے لیکن انہوں نے حرکت نہ کی' پھر انہوں نے ان کو پکارا تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا' پھر یہوذا نے ان کے سانس نکلنے کے مواضع پر ہاتھ رکھا تو اس کو ان کے سانس لینے کا پتا نہیں چلا' تب یہوذا نے کہا: قیامت کے دن ہمیں سخت عذاب ہو گا! ہم نے اپنے بھائی کو ضائع کر دیا اور اپنے باپ کو قتل کر دیا' پھر سحری کے وقت سے پہلے حضرت یعقوب کو ہوش نہیں آیا' اس وقت حضرت یعقوب کا سر روبیل کی گود میں تھا' حضرت یعقوب نے اس سے کہا: کیا میں نے اپنے بیٹے کو تمہارے پاس امانت نہیں رکھا تھا؟ اور کیا میں نے تم سے پختہ عہد نہیں لیا تھا؟ اس نے کہا: اے ابا! اپنا رونا بند کریں تو میں آپ کو اس کا سبب بتاؤں' پھر کہا: ہم آپس میں دوڑنے کا مقابلہ کر رہے تھے اور یوسف کو ہم نے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا' اس اثناء میں اس کو بھیڑیا کھا گیا' پھر حضرت یعقوب نے پوچھا: اس کی قمیص کہاں ہے؟ تو انہوں نے حضرت یعقوب کے چہرے پر وہ قمیص پھینک دی' حتیٰ کہ حضرت یعقوب کے چہرے پر بھی قمیص کا رنگ لگ گیا۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۱' الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۴۸)

دوڑ میں مسابقت کے متعلق احادیث اور ان کی شرح

نستبق کا مادہ سبقت ہے یعنی مقابلہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا' یہ مقابلے تیر اندازی میں' گھوڑے کی سواری میں اور دوڑنے میں ہوتے ہیں اور دوڑ میں مقابلہ سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ دشمن سے مقابلہ کی مشق ہو اور ہاتھ پیر

مضبوط ہوں اور بھیڑیوں کو بکریوں کے پاس سے بھگانے میں مہارت ہو، نستبق کا معنی ہے ہم دیکھیں کہ ہم میں سے کون آگے نکلتا ہے۔ علامہ ابن العربی نے کہا: مسابقت سابقہ شریعتوں میں بھی تھی، یہ عمدہ خصلت ہے اور اس سے جنگ میں مشق اور مہارت حاصل ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دوڑ میں مقابلہ کیا ہے اور گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ بھی کرایا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں، آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا، حضرت عائشہ آپ سے آگے نکل گئیں، (حضرت عائشہ فرماتی ہیں) پھر جب میرا بدن بھاری ہوگیا تھا تو میں نے ایک بار پھر مقابلہ کیا، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے آگے نکل گئے، آپ نے فرمایا: یہ پچھلی بار کا بدلہ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۵۷۸، مسند احمد ج ۶ ص ۳۹، ۲۶۴، قدیم، ۲۴۲۳۷ جدید دارالفکر، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۹۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۸)

امام مسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ ذی قرد سے مدینہ کی طرف واپس جارہے تھے، انصار میں ایک شخص تھا جو دوڑ میں کبھی کسی سے پیچھے نہیں رہا تھا، اس نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو للکارا کہ دیکھیں پہلے کون مدینہ پہنچتا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع نے اس چیلنج کو قبول کرلیا اور اس سے پہلے مدینہ پہنچ گئے۔ (صحیح مسلم الجہاد: ۱۳۲ (۱۸۰۷) الرقم المسلسل: ۴۵۹۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے درمیان بھی مقابلہ کرایا، اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جن گھوڑوں کو اضمار کیا گیا تھا ان کا مقابلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حفیاء سے لے کر ثنیۃ الوداع تک کرایا اور جن گھوڑوں کو اضمار نہیں کیا گیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مقابلہ ثنیۃ الوداع سے مسجد بنو زریق تک کرایا۔ حضرت ابن عمر بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کے درمیان مقابلہ کرایا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۷۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۴۲۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۷۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۸۶، مسند احمد ج ۲ ص ۵۶)

اضمار کا معنی یہ ہے کہ ایک مدت تک گھوڑے کو کھانے کے لیے معمول سے کم چارہ ڈالا جائے اور اس کو ایک کوٹھڑی میں بند کرکے رکھا جائے حتیٰ کہ اس کو خوب پسینہ آئے، پھر اس کے بعد اس کو معمول کے مطابق چارہ ڈالا جائے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں کے درمیان مقابلہ کرانے کی تین شرطیں ہیں: ایک یہ ہے کہ مقابلہ کی مسافت معین ہونی چاہیے، دوسری یہ کہ دونوں فریقوں کے گھوڑے مساوی صفت کے ہونے چاہئیں یا دونوں مضمر ہوں یا دونوں غیر مضمر ہوں، علیٰ ھذا القیاس اور تیسری شرط یہ ہے کہ یہ مشق ان گھوڑوں میں کرائی جائے جن کو جہاد کے لیے تیار کیا جارہا ہو یا مسلمانوں کے مصالح اور ان کے کام آنے کے لیے گھوڑوں کو رکھا گیا ہو نہ کہ مسلمانوں میں باہمی قتال کے لیے۔

اور نیزہ بازی اور اونٹوں میں دوڑ کا مقابلہ کرانے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیزہ بازی اور اونٹوں اور گھوڑوں میں مقابلہ پر اوّل آنے والے کے لیے انعام کے سوا اور کسی چیز میں سبقت کرنے والے کے لیے انعام لینا جائز نہیں

ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:١٧٠٠، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٢٥٧٤، سنن نسائی رقم الحدیث:٣٥٨٩، مسند احمد ج ٢ ص ٢٥٦، ٣٨٥، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:٤٦٩٠، مسند شافعی ج ٢ ص ١٢٩-١٢٨)

نیزہ بازی کے مقابلہ میں تیراندازی کا مقابلہ بھی داخل ہے اور اونٹ اور گھوڑوں کے مقابلہ میں ہاتھی، خچر اور گدھا بھی داخل ہے اور بعض علماء نے آدمیوں کی دوڑ کو بھی اس میں شامل کیا ہے اور اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ کوئی تیسرا فریق مقابلہ کرنے والے دو فریقوں میں سے اول آنے والے فریق کو انعام دے، اس طرح کا انعام دینا جائز ہے اور اگر مقابلہ کرنے والے دو فریق آپس میں شرط لگائیں کہ ہارنے والا جیتنے والے کو اتنی رقم دے گا تو یہ قمار اور جُوا ہے، البتہ پرندوں کے درمیان پیسوں کے عوض مقابلہ کرانے کو علماء نے ناجائز کہا ہے کیونکہ ان کا جہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے، ویسے اس دور میں تو اونٹوں، گھوڑوں، ہاتھیوں، گدھوں اور خچروں کا بھی جہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جو لوگ گھوڑوں یا اونٹوں کا دوڑ میں مقابلہ کراتے ہیں وہ ان پر شرط رکھ کر جوا کھیلتے ہیں اس لیے آج کل کے دور میں اس قسم کے مقابلے جائز نہیں ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی جس کا نام عضباء تھا وہ کبھی مقابلہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی ایک اونٹ پر آیا اور وہ اس سے آگے نکل گیا، مسلمانوں کو اس بات سے بہت رنج ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ جو چیز بھی دنیا میں سربلند ہو وہ اس کو سرنگوں کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٢٨٧٢، سنن النسائی رقم الحدیث:٣٥٩٠، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:٤٧٠٣، مسند احمد رقم الحدیث:١٢٠٣٣)

دوڑ میں مسابقت کی شرط کے متعلق مذاہب فقہاء

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنا گھوڑا دو گھوڑوں کے درمیان داخل کیا اور اس کو اپنے مسبوق (مغلوب) ہونے کا خطرہ ہو تو یہ قمار (جُوا) نہیں ہے اور جس شخص نے اپنا گھوڑا دو گھوڑوں کے درمیان داخل کیا اور اس کو اپنے مسبوق ہونے کا خطرہ نہ ہو (یعنی ہدف پر پہلے پہنچنے اور جیت جانے کا یقین ہو) تو پھر یہ قمار (جُوا) ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٢٥٧٩، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٢٨٧٦، سنن دار قطنی ج ٥ ص ١١١، المستدرک ج ٢ ص ١١٤، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے، مسند احمد ج ٢ ص ٥٠٥، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ٤٧٠، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ١٠ ص ٢٠، تلخیص الحبیر رقم الحدیث:٢٠٢٥)

اور دو گھوڑ سوار، دوڑ کا مقابلہ کریں اور ہر ایک مثلاً ایک ہزار روپیہ رکھ دے اور یہ شرط لگائیں کہ جو شخص ہدف پر پہلے پہنچ جائے گا وہ دونوں کا ہزار روپیہ لے لے گا تو یہ قمار اور جُوا ہے اور اگر تیسرا شخص بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائے اور اس نے بالکل پیسے نہ لگائے ہوں اور اس کے لیے بھی ان دونوں کی طرح ہدف پر پہلے پہنچ جانا غیر یقینی ہو اور یہ طے کیا جائے کہ ان میں سے جو بھی پہلے پہنچ جائے وہ دو ہزار روپے لے لے گا اگر وہ تیسرا شخص پہلے پہنچ گیا تو وہ دو ہزار روپے لے لے گا اور اگر وہ پہلے نہ پہنچ سکا تو اس کو کچھ نہیں ملے گا اور اس کو کچھ دینا بھی نہیں ہو گا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی پہلے پہنچ گیا تو وہ دو ہزار روپے لے لے گا تو یہ صورت جائز ہے اور ان میں سے ہر ایک کا دو ہزار روپے لینا جائز ہے۔

علامہ ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

جو تیسرا گھوڑا ان دو گھوڑوں کے درمیان داخل ہو اس کو محلل کہتے ہیں اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ تیسرا گھوڑا سبقت کرنے والے کے لیے سبقت کا انعام حلال کر دے، اور ان دونوں سواروں کے درمیان جو شرط لگائی گئی تھی کہ جو سوار پہلے پہنچے گا وہ اپنا اور دوسرے کا لگایا ہوا مال لے لے گا اور ان میں سے ایک فریق نقصان اٹھانے والا اور دوسرا فائدہ حاصل کرنے والا ہو گا تو وہ شرط ختم ہو جائے گی اور اس شرط کی وجہ سے وہ عقد جو جُوا قرار پایا تھا اب اس تیسرے گھوڑے کے داخل ہونے کی وجہ سے حلال اور جائز ہو جائے گا اور اس محلل کے داخل ہونے کا یہ مقصد ہو گا کہ ان دونوں کے گھوڑا دوڑانے سے یہ قصد ہو کہ ان کو گھوڑا دوڑانے کی مشق ہو نہ کہ مال کے حصول کی اور جبکہ محلل کا گھوڑا بھی ان دونوں کے گھوڑوں کی مثل تیز رفتار ہو گا تو ان دونوں کو اس کے ہدف پر پہلے پہنچ جانے کا خطرہ رہے گا اور وہ زیادہ سے زیادہ تیز گھوڑا دوڑانے کی کوشش کریں گے اور اگر محلل کا گھوڑا ان کے گھوڑے کی طرح تیز رفتار نہ ہو بلکہ مریل اور سست رفتار ہو تو ان کو اس کے پہلے پہنچنے کا خطرہ نہیں ہو گا اور پھر تحلیل کا معنی حاصل نہیں ہو گا اور اس کا درمیان میں گھوڑا داخل کرنا لغو قرار پائے گا اور پھر ان دونوں کی لگائی ہوئی شرط اپنے حال پر رہے گی اور ان میں سے جو فریق بھی دونوں کا مال حاصل کرے گا وہ جُوئے کے ذریعے کمایا ہوا مال ہو گا اور حرام ہو گا۔

گھوڑوں میں مسابقت اور شرط لگانے کی صورت یہ ہے کہ دو گھڑ سوار ہدف پر پہلے پہنچنے کی شرط لگائیں اور ان میں سے ہر فریق ایک معین رقم (مثلاً ہزار روپے) نکالے کہ جو پہلے ہدف پر پہنچے گا وہ دونوں کی رقم (یعنی دو ہزار روپے) لے لے گا پھر وہ دونوں کسی تیسرے گھڑ سوار کو جس کا گھوڑا ان کے گھوڑے کی مثل ہو اپنے درمیان داخل کر دیں اور یہ طے کریں کہ جو ہدف پر پہلے پہنچے گا وہ اس مال کو لے لے گا اور محلل کو کوئی چیز دینی لازم نہیں آئے گی پس اگر محلل پہلے پہنچ گیا تو وہ ان دونوں کا مال لے لے گا اور محلل کی ضرورت اس وقت ہو گی جب دو فریقوں کے درمیان شرط ہو، لیکن اگر امیر یا سربراہ دو گھوڑ سواروں کے درمیان مقابلہ کرائے اور یہ کہے کہ مثلاً تم میں سے جو پہلے ہدف پر پہنچ گیا اس کو دس درہم انعام ملے گا یا ایک شخص اپنے ساتھی سے کہے: اگر تو فلاں سے پہلے پہنچ گیا تو تجھے دس درہم ملیں گے تو یہ صورتیں بغیر محلل کے جائز ہیں اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کسی مباح چیز تک ذرائع سے پہنچنا جائز ہے اور یہ حیلہ مکروہ نہیں ہے۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابو داؤد ج ۳ ص ۴۰۱۔۴۰۰، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

دوڑ میں سبقت کی تین صورتیں ہیں: (۱) حاکم یا حاکم کے علاوہ کوئی اور شخص یہ کہے کہ جو شخص دوڑ میں اول نمبر آئے گا میں اس کو اپنے مال سے اتنا انعام دوں گا پس جو شخص دوڑ میں اول آئے وہ اس انعام کو حاصل کرے گا۔ (۲) دو شخص دوڑنے کا مقابلہ کریں اور ان میں سے ایک شخص اپنے مال میں سے مثلاً ایک ہزار روپے نکالے اور کہے کہ ہم میں سے جو شخص سبقت کرے گا یعنی ہدف پر پہلے پہنچے گا وہ یہ ایک ہزار روپے حاصل کر لے گا اور دوسرا شخص کچھ نہ کہے، پھر اگر رقم رکھنے والا شخص پہلے پہنچا تو وہ ایک ہزار روپے حاصل کرے گا اور اگر اس کا ساتھی پہلے پہنچ گیا تو وہ اس ہزار روپے کو حاصل کر لے گا۔ ان دونوں صورتوں کے جائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (۳) تیسری صورت مختلف فیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ دو مقابلہ کرنے والوں میں سے ہر شخص ایک معین رقم (مثلاً ایک ہزار روپے نکالے) اور پھر وہ یہ طے کریں کہ ان میں سے جو شخص بھی ہدف پر پہلے پہنچ گیا وہ دونوں کی رقم (یعنی دو ہزار روپے) لے لے گا یہ صورت جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ دونوں اپنے درمیان ایک

ایسے محلل کو داخل کرلیں جس سے ان دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ ان سے پہلے پہنچ سکتا ہے پس اگر محلل پہلے پہنچ گیا تو وہ ان دونوں کی رقم حاصل کرے گا اور اگر ان دونوں میں سے کسی نے سبقت کی تو جس نے بھی سبقت کی وہ دونوں کی رقم لے لے گا اور محلل کو کچھ نہیں ملے گا اور نہ اسے کوئی چیز دینی ہوگی اور اگر ان میں سے دوسرے نے صرف تیسرے پر سبقت کی تو گویا اس نے کسی پر سبقت نہیں کی اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان محلل نہ ہو اور دو مقابلہ کرنے والوں نے یہ شرط لگائی ہو کہ جس نے بھی سبقت کی وہ اپنی رقم اور دوسرے کی رقم لے لے گا تو یہ صراحتاً جُوا ہے اور جائز نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز۹ص ۱۳۰، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اگر مسابقت میں ایک جانب سے مال کی شرط لگائی گئی تو یہ عقد لازم ہے، اور اگر مسابقت میں دونوں جانب سے شرط لگائی گئی تو یہ حرام ہے کیونکہ اب یہ قمار ہے (جُوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ قمار کا معنی کبھی گھٹنا اور کبھی بڑھنا ہوتا ہے اور جوا کھیلنے والوں میں سے ہر فریق کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ دوسرے فریق کا مال لے لے اور دوسرے کا مال بلاعوض لینا قرآنِ مجید کی نص قطعی سے حرام ہے اور جب صرف ایک جانب سے شرط ہو تو وہ اس طرح نہیں ہے) ہاں اگر وہ دونوں اپنے درمیان ایسے محلل کو داخل کرلیں جس کا گھوڑا ان کے گھوڑے کی مثل ہو تو پھر یہ جائز ہے جبکہ اس سے یہ خطرہ ہو کہ وہ ان دونوں سے پہلے ہدف پر پہنچ سکتا ہو ورنہ اس کا محلل ہونا جائز نہیں ہے۔ پھر اگر محلل ان دونوں سے پہلے پہنچ گیا تو وہ ان دونوں کی رقم حاصل کرلے گا اور اگر وہ دونوں اس پر سبقت کر گئے تو وہ اس کو کچھ نہیں دیں گے، اور ان دونوں میں سے دونوں کی رقم وہ لے گا جو پہلے ہدف پر پہنچے گا۔ (الدرالمختار و ردالمحتار، ج ۵ ص ۲۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں گھوڑا دوڑانے کا مقابلہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہنچے اور حضرت ابوبکر کا گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے دھڑ کے قریب تھا اور حضرت عمر کا گھوڑا تیسرے نمبر پر تھا۔

انعامی بانڈز کے جواز کی بحث

ہم نے اس بحث میں مسابقت کی شرط لگانے کے احکام بیان کیے ہیں اور یہ بیان کیا ہے کہ ایک جانب سے شرط لگانا جائز ہے اور دونوں جانب سے شرط لگانا حرام ہے اور ناجائز ہے اور یہ جُوا ہے، اس بنا پر لاٹری اور معمہ اور گھوڑوں یا اونٹوں کی مروجہ ریس جائز نہیں ہے البتہ انعامی بانڈز جائز ہیں، کیونکہ ان کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی ہے اور انسان جتنے کا بانڈ خریدتا ہے۔ وہ جب چاہے اس بانڈ کو اتنے میں فروخت کرسکتا ہے، اس پر خواہ کتنی مدت گزر جائے اس کی رقم میں اضافہ ہوتا ہے نہ کمی ہوتی ہے، اس میں قمار ہے نہ سود ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ان بانڈز کی مجموعی رقم پر جو سود بنتا ہے حکومت اس سود میں سے انعامات تقسیم کرتی ہے یہ محض ایک مفروضہ ہے، حکومت نے ایسا کوئی اعلان نہیں کیا اور نہ ہی اسٹیٹ بینک میں الگ الگ خانے بنے ہوئے ہیں کہ فلاں خانہ میں بانڈز کے سود کی رقم پڑی ہوئی ہے اور اس میں سے انعامات تقسیم کیے جاتے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اسٹیٹ بینک کے ڈپازٹ میں جو رقم ہے اس میں سود کی آمیزش ہے اور اسی رقم سے انعامات تقسیم کیے جاتے ہیں تو پھر سرکاری ملازمین کی تنخواہیں بھی اسی رقم سے دی جاتی ہیں، وہ بھی ناجائز ہونی چاہئیں بلکہ اسٹیٹ بینک یا کسی بھی بینک سے جو بھی رقم نکالی جائے گی وہ ناجائز ہوگی کیونکہ ہر بینک سودی کاروبار کرتا ہے اور اس کے ڈپازٹ میں جو بھی رقم ہوتی ہے اس میں سود سے حاصل کردہ رقم بھی ہوتی ہے اور اگر اس سودی آمیزش کے باوجود سرکاری ملازمین کی تنخواہیں اور باقی

مدات میں نکالی ہوئی رقمیں جائز ہیں تو انعامات تقسیم کرنے کے لیے جو رقومات نکالی جائیں گی وہ کیونکر ناجائز ہوں گی۔

ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع میں انعامی بانڈز کے جواز پر دلائل دیئے تھے' بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ فیڈرل شریعت کورٹ نے انعامی بانڈز کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے پھر بعد میں مشتاق علی ایڈووکیٹ نے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ دائر کی تو سپریم کورٹ نے اکثریتی فیصلہ کی بنیاد پر فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کو مسترد کر دیا اور انعامی بانڈز کے کاروبار کو جائز قرار دیا' ہم اس مسئلہ کی وضاحت سے پہلے لاٹری اور قمار سے متعلق تعزیراتِ پاکستان سے اقتباس پیش کریں گے پھر سپریم کورٹ کے دو ججوں جسٹس پیر محمد کرم شاہ اور جسٹس شفیع الرحمٰن کے فیصلہ کی نقول پیش کریں گے۔

لاٹری اور قمار بازی کے متعلق تعزیراتِ پاکستان کی دفعات کی تشریح

(۱) مقصد: لاٹری اور قمار بازی دونوں کا تعلق کیونکہ اتفاق اور قسمت آزمائی سے ہوتا ہے اس لیے لاٹری کا دفتر کھولنا یا لاٹری نکالنا' اس کی بابت اشتہار دینا یا اشاعت کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ البتہ حکومت کی قائم کردہ یا منظور شدہ لاٹری اس ممانعت سے مستثنیٰ کر دی گئی ہے۔ دفعہ ۲۹۴ الف کا اطلاق ہر اس طریقہ کار پر ہوتا ہے جو سراسر اتفاق پر مبنی ہو چاہے عملی طور پر قرعہ نکالا گیا ہو یا نہ نکالا گیا ہو۔ (پی ایل ڈی ۱۹۵۸ء لاہور ۸۸۷)

(۲) لاٹری: لاٹری ایک ایسا طریقہ کار (سکیم) ہے جس سے قرعہ سے یا اتفاق پر مبنی طریقہ سے انعامات کی تقسیم کی جائے' یہ ایک اتفاق کا کھیل ہوتا ہے جس میں ٹکٹ خریدنے والے کے نفع یا نقصان کا انحصار قرعہ ڈالنے یا نکالنے پر ہوتا ہے۔ ٹکٹ محض اتفاق کے خرید کی نشانی ہوتی ہے اور ٹکٹوں کی یہی خرید لاٹری کی رُوح ہوتی ہے۔ اگر کسی انعام کے مواقع یا اتفاق بلاقیمت فراہم کیے جائیں تو یہ لاٹری نہ ہو گی۔ لاٹری کا اصول یہ ہے کہ انعامات کی تقسیم محض اتفاق کی بنیاد پر کی جائے۔ اگر لاٹری کا نتیجہ یہ ہو کہ لاٹری کا منتظم انعامات تقسیم کیے بغیر ٹکٹوں کی ساری آمدنی خود رکھ لے تو بھی ایسی کارروائی لاٹری ہی تصور ہو گی۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ روپیہ لگانے والوں کی رقم یا انعامات تقسیم کیے گئے ہوں۔ لاٹری کا ضروری عنصر یہ ہے کہ انعام یا انعامات تقسیم کرنے کی کوئی سکیم ہو جس کا دارومدار اتفاق پر ہو اور یہ کہ اگر اتفاق کے مطابق یہ فیصلہ کیا جائے کہ کسی شخص کو کوئی انعام نہ دیا جائے اور جو رقم داؤ پر لگائی گئی ہو وہ منتظم کو مل جائے گی تو بھی سکیم لاٹری ہی سمجھی جائے گی۔

(پی ایل ڈی ۱۹۵۸ء لاہور ۸۸۷)

لاٹری نکالنا کسی قرعہ یا اتفاق پر مبنی طریقہ سے انعام کا تقسیم کرنا ہے۔ اس میں متعلقہ شخص کی کسی مہارت، فن، ہنر یا مشق کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ [(۱۹۱۷) پی آر نمبر ۳۵]

ایک مقدمہ میں قرار دیا گیا کہ اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لاٹری کسی حقیقی تجارتی کاروبار کا حصہ اور جزو ہے۔ [(۱۹۱۵) ۹۔ بی ایل ٹی ۱۲۴] جرم کے ثبوت کے لیے فی الواقع قرعہ اندازی ضروری ہے۔ لفظ "نکالنا" اس کے لغوی معنی میں لیا جائے گا اس لفظ سے "اہتمام یا انتظام" کے معنی نہیں لیے جا سکتے۔ [(۱۹۴۲) مدراس ۸۰۲]

"شائع کرنا" کے الفاظ میں شائع کرانے والا اور شائع کرنے والا دونوں شامل ہیں یعنی اشتہار دینے والا اور شائع کرنے والا (اخبار کا مالک) دونوں شامل ہوتے ہیں۔ [(۱۵۸۵) ۱۰ بمبئی ۹۷ء]

قانون کا منشاء یہ ہے کہ لوگ اتفاق اور نصیب آزمائی پر اپنا پیسہ برباد نہ کریں۔ اس کا انسداد اس طریقہ سے بھی کیا گیا ہے کہ لوگوں کو علم ہی نہ ہو سکے کہ کہاں یہ لاٹری ڈالی جاتی ہے اور وہ ٹکٹ کہاں سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اخبارات جو نشر و اشاعت کا بہترین ذریعہ ہیں دفعہ ہذا کے تحت لاٹری کے اشتہار کی اشاعت سے روک دیئے گئے ہیں تاکہ عوام کو معلوم نہ ہو سکے کہ

اتفاق یا قسمت کے نام پر روپیہ بٹورنے کا دھندا کہاں ہو رہا ہے۔ {(۱۷۹۱) ۴ ٹی آر ۴۱۴}

"مال" میں منقولہ یا غیر منقولہ دونوں شامل ہیں۔ ایک فیکٹری نے اشتہار دیا کہ فیکٹری کا مال قرعہ اندازی سے بہت سستی قیمت پر خوش قسمت نمبر والے (کئی نمبر) کو دیا جائے گا تو ایسا امر دفعہ ہذا کے تحت جرم قرار دیا گیا۔ {(۱۹۲۶) ۵۰ مدراس ۹۷۴} اگر بہت سے لوگ مل کر کمیٹی ڈالیں اور مساوی طور پر رقم ڈال کر اس رقم سے قرعہ اندازی کر کے کسی ایک کو ساری رقم ادا کر دیں اور وہ بقایا قرعہ اندازیوں میں اپنی قسط ادا کرتا رہے تو یہ لاٹری کی تعریف میں نہیں آئے گا۔ {(۱۸۹۸) ۲۲ مدراس ۲۱۲}

ایک مقدمہ میں ملزم سگریٹ کمپنی کا مالک تھا۔ اس پر الزام تھا کہ اس نے لاٹری نکالنے کی تجویز کی اشاعت کی تھی۔ ملزم نے ۲۲ ہزار اشتہارات چھپوا کر تقسیم کرائے۔ اشتہار کا مضمون یہ تھا کہ سگریٹ کی کسی ڈبیہ میں خریدار کو کوئی پانچ روپے کا نوٹ رکھا ہوا ملے گا۔ اس سکیم کا مقصد سگریٹ کی فروخت کو بڑھانا تھا۔ سگریٹ ساز کو پانچ پانچ روپے کے دس نوٹ بھیجے گئے کہ سگریٹ بناتے ہوئے ایک ایک نوٹ ڈبیہ میں رکھ دیا جائے اور ڈبیوں کو دوسری ڈبیوں میں خلط ملط کر دیا جائے اور پھر ڈبیوں کو بڑے پیکٹوں میں پیک کر دیں۔ یہ قرار دیا گیا کہ یہ صورت لاٹری بنتی ہے۔ دفعہ میں چونکہ لفظ "نکالنا" استعمال کیا گیا ہے جس کے مطابق مخصوص رقم کی ادائیگی کا انحصار کسی واقعہ کے رُونما ہونے یا حالت کے ظاہر ہونے پر مشروط ہوتا ہے جو صورت یہاں موجود نہیں ہے لہٰذا ملزم دفعہ ۲۹۴ الف کے تحت قصور وار نہ تھا۔ (اے آئی آر ۱۹۲۸ بمبئی ۵۵۰)

(۳) شہادت ثابت کریں:

۱۔ ملزم کے پاس جگہ یا دفتر تھا۔

۲۔ جگہ یا دفتر لاٹری نکالنے کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔

۳۔ ایسی لاٹری کی حکومت کی طرف سے اجازت نہ تھی۔

دفعہ کی دوسری شق کے لیے ثابت کریں:

۱۔ ملزم نے تجویز زیر بحث شائع کی تھی۔

۲۔ ایسی تجویز کی نوعیت دفعہ ہذا میں بیان کردہ کسی صورت یا شرط پر ادائیگی وغیرہ تھی۔

(۴) مقدمہ کی اجازت: دفعہ ہذا کے تحت کسی جرم میں کوئی عدالت دست اندازی نہیں کرے گی جب تک کہ حکومت کے اختیار یا حکم سے کوئی استغاثہ نہ کیا جائے۔ (مجموعہ ضابطہ فوجداری دفعہ ۱۹۶)

(۵) ضابطہ: ناقابلِ دست اندازی سمن، قابلِ ضمانت، ناقابلِ راضی نامہ، قابلِ سماعت ہر مجسٹریٹ، قابلِ سماعت سرسری۔

دفعہ ۲۹۴ (ب) تجارت وغیرہ کے لیے انعام کی پیشکش کرنا

جو کوئی کسی تجارت یا کاروبار یا کسی شے کی فروخت کے سلسلہ میں کسی کوپن، ٹکٹ، نمبر یا عدد یا کسی دیگر طریقہ سے، تجارت، کاروبار یا کسی مال کی خریداری کی تحریک یا حوصلہ افزائی کے لیے یا اشتہاری غرض سے یا کسی شے کو مقبولِ عام بنانے کے لیے، کوئی انعام، صلہ یا ہمچو قسم کا کوئی دیگر معاوضہ چاہے اُسے کوئی نام دیا گیا ہو، چاہے نقدی میں یا جنس میں، پیش کرے گا یا پیش کرنے کا ذمہ لے گا اور جو کوئی ایسی پیشکش کی اشاعت کرے گا اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد چھ ماہ تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ یا دونوں سزائیں۔

(مجموعہ تعزیراتِ پاکستان ص ۳۳۰-۳۲۸، مطبوعہ منصور بک ہاؤس، لاہور)

انعامی بانڈز کے متعلق جسٹس پیر محمد کرم شاہ کا فیصلہ

جسٹس پیر محمد کرم شاہ رکن۔۔۔ فاضل وفاقی شرعی عدالت نے شیخ مشتاق علی ایڈووکیٹ کی طرف سے دائر کردہ پیٹیشن کا فیصلہ کرتے ہوئے P.P.C کی دفعہ ۲۹۴۔اے کو ہی شریعت اسلامیہ کے خلاف قرار نہیں دیا بلکہ فاضل عدالت نے SUO MOTO اختیارات استعمال کرتے ہوئے P.P.C کی دفعہ ۲۹۴۔بی کو زیر بحث لا کر حکومت کی طرف سے جاری کردہ انعامی بانڈز سکیم کو بھی خلافِ شریعت قرار دیا۔

اس فیصلہ کے خلاف وفاقی حکومت نے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ میں اپیل دائر کی۔ جناب جسٹس شفیع الرحمن صاحب نے اپنے فیصلہ میں اس اپیل کو مسترد کرتے ہوئے وفاقی حکومت کو حکم دیا کہ وہ فاضل وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کے مطابق ان دونوں دفعات میں مناسب ترمیم کرے۔ نیز انہوں نے اس ترمیم کے لیے ۳۱-۱۲-۱۹۹۱ء کی تاریخ متعین کی۔

فاضل جسٹس صاحب نے اپنے اس فیصلہ میں کئی دیگر امور پر بھی فاضلانہ بحث کی ہے لیکن مجھے ان کے اس فیصلہ کے صرف اس حصہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرنا ہے جس میں انہوں نے انعامی بانڈز سکیم کو شریعت کے خلاف ثابت کیا ہے۔

اس فیصلہ میں دو امور زیر بحث آئے ہیں: (۱) لاٹری' (۲) انعامی بانڈ سکیم۔ ان دونوں کو شریعتِ اسلامیہ کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔

لیکن میری تحقیق کے مطابق لاٹری اور انعامی بانڈ سکیم دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ ان میں سے لاٹری واضح طور پر قمار بازی اور جوا کی ایک قسم ہے اس لیے شریعت اسلامیہ میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ لیکن انعامی بانڈ سکیم کا قمار سے کوئی تعلق نہیں اس لیے اس کو شریعت اسلامیہ کے خلاف کہنا درست نہیں۔

اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے چند امور پر غور کرنا ضروری ہے:

(۱) کیا یہ انعامی بانڈ قمار کی قسم میں سے ہیں یا نہیں؟

(۲) کیا ایسے انعامات کا ثبوت فقہ اسلامی میں موجود ہے؟

(۳) کیا قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم انعامات جائز ہے؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ سکیم از قسم قمار نہیں کیونکہ اس پر قمار کی تعریف صادق نہیں آتی۔ علماء اعلام نے قمار کی جو تشریحات اور وضاحتیں کی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) صاحب "تحفۃ الاحوذی" لکھتے ہیں:

لان القمار' یکون الرجل مترددا بین الغنم والغرم۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۳۰ ج ۳)

قمار میں مقامر کو یا نفع ہی نفع ہوتا ہے یا نقصان ہی نقصان۔

جب وہ بازی لگاتا ہے تو ہارنے کی صورت میں اس کی اپنی پونجی بھی اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور اگر وہ بازی جیت لیتا ہے تو دوسرے بازی لگانے والوں کا سرمایہ بھی اس کو مل جاتا ہے' اس میں سراسر نقصان ہے یا سراسر فائدہ۔

(۲) امام فخر الدین رازی' میسر (جوا) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ما یوجب دفع المال واخذ المال۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۲۰)

قمار اس کو کہتے ہیں جس میں سارا مال ہاتھ سے نکل جاتا ہے یا سارا اس کی جھولی میں آگرتا ہے۔

(۳) علامہ ابن نجیم، کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق میں "قمار" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سمی القمار قمارا لان کل واحد من المقامرین ممن یجوزان یذھب مالہ الی صاحبہ ویجوزان یستفید مال صاحبہ وھو حرام بالنص۔ (البحر الرائق ص ۵۵۴ ج ۸)

قمار کو قمار اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں ایک کا مال دوسرے کو یا دوسرے کا مال پہلے کو مل جاتا ہے اور یہ چیز نصاً حرام ہے۔

(۴) علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

لان القمار من القمر الذی یزداد تارۃ وینقص اخری وسمی القمار قمارا لان کل واحد من المقامرین ممن یجوزان یذھب مالہ الی صاحبہ ویجوزان یستفید مال صاحبہ وھو حرام بالنص۔ (ص ۲۸۵ ج ۵)

قمار، قمر سے ماخوذ ہے اور قمر کبھی بڑھتا رہتا ہے کبھی گھٹتا رہتا ہے اور قمار کو قمار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جو جُوا کی بازی لگاتے ہیں تو کسی کا سارا مال اس کے ساتھی کو مل جاتا ہے اور کبھی اس کے ساتھی کا مال اسے مل جاتا ہے۔

جب ایک کا مال بغیر کسی استحقاق کے دوسرے کو مل جاتا ہے تو اس سے حسد و عناد کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں اور باہمی محبت و ایثار کے جذبات کا نام و نشان نہیں رہتا کیونکہ یہ اکل بالباطل اور عداوت کے جذبات کو فروغ دینے کا باعث ہے اس لیے شریعت اسلامیہ نے قمار کو حرام کر دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ (النساء: ۲۹)

تم آپس میں اپنے اموال باطل اور ناجائز ذریعہ سے مت کھاؤ۔

دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (المائدۃ: ۹۰)

اے ایمان والو! یہ شراب اور جُوا اور بُت اور جُوئے کے تیر، سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے قمار اور جُوا کو حرام قرار دینے کی حکمت ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ (المائدۃ: ۹۱)

یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض، شراب اور جُوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یادِ الٰہی سے اور نماز سے، تو کیا تم باز آنے والے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب و جُوا کی حرمت کی حکمتیں بیان فرمائی ہیں اور بتایا کہ شراب خوری اور قمار بازی سے باہمی محبت و پیار کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں اور حسد و عداوت کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں کیونکہ جب کسی جسمانی کاوش اور ذہنی ریاضت کے بغیر کسی کی دولت کسی کو مل جاتی ہے تو باہمی خیر سگالی کے جذبات دم توڑ دیتے ہیں اور ہارنے والے کے سینہ میں حسد و عناد کے انگارے دہکنے لگتے ہیں۔ نیز یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انسان کو غافل کر دیتا ہے اور نماز پڑھنے کی مہلت بھی نہیں دیتا۔

لیکن انعامی بانڈز میں ان چیزوں سے کوئی چیز موجود نہیں۔ یہاں نہ کسی کا مال ناحق ہڑپ کیا جاتا ہے نہ ان سے کسی کی دل شکنی ہوتی ہے، اگر کسی کو انعام نہ ملے تو جو رقم اس نے بانڈ خریدنے میں صرف کی ہے وہ جُوں کی تُوں برقرار رہتی ہے۔ وہ جب چاہے اس کو فروخت کر کے اپنی قیمت واپس لے سکتا ہے۔ یہاں مال کے اکل بالباطل کی صورت بھی موجود نہیں ہوتی اس لیے صورتاً و معناً کسی لحاظ سے بھی یہ قمار نہیں تاکہ حرام ہو۔

دوسرے سوال کے متعلق گزارش ہے کہ ایسے انعامات کا ثبوت فقہ اسلامی میں موجود ہے۔ خلیفہ وقت اگر مسلمانوں کو جہاد میں شرکت پر برانگیختہ کرنے کے لیے انعام کا اعلان کرے تو یہ جائز ہے اور خلیفہ ان انعامات کو بیت المال سے دینے کا مجاز ہے۔ فقہی اصطلاح میں اسے "جعل" کہتے ہیں۔ اگر کفار سے جہاد کے وقت لوگوں کو اس طرح ترغیب دینا درست ہے تو حکومت اگر غربت و افلاس، جہالت، بیماری، مہنگائی، بے روزگاری کے خلاف جہاد کرنے کے لیے کارخانے، ڈیم، تعلیمی ادارے اور ہسپتال تعمیر کرنے کے لیے قرض کی ضرورت محسوس کرے اور ان انعامات کے ذریعہ لوگوں کو قرضہ دینے کا شوق دلائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ جعل کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کے جواز کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرعہ اندازی شریعت میں جائز ہے اور قرعہ کی اس وقت ضرورت پڑتی ہے جب ایک چیز کے سب یکساں طور پر مستحق ہوں اور ان میں سے کسی ایک کو یا چند کو دینا ہو تو قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنے کا طریقہ اپنایا جاتا ہے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور کسی کو مجال شکایت نہ رہے۔

یہی صورت یہاں بھی ہے۔ سب بانڈ خریدنے والے ان انعامات کے برابر طور پر حقدار ہیں، ان میں سے بعض کو ہی انعام دیا جا سکتا ہے۔ اگر یُوں ہی بعض کو انعامات دے دیئے جائیں اور دوسروں کو محروم رکھا جائے تو اس طرح دل شکنی کا اندیشہ ہے اس لیے ایسے حالات میں قرعہ اندازی سے ہی بہترین تصفیہ کیا جا سکتا ہے۔ اور جن افراد کو انعام نہیں ملتا ان کا اصل سرمایہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ وہ محفوظ رہتا ہے اور جس وقت چاہیں قواعد کے مطابق وہ اپنی رقم واپس لے سکتے ہیں۔ اس تفصیلی تجزیہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انعامی بانڈز شرعاً جائز ہیں، ان کی مشروعیت میں کسی قسم کا شک نہیں۔

انعامی بانڈز کے جواز کے متعلق جسٹس شفیع الرحمٰن کا فیصلہ

لاٹری اور انعامی بانڈ سکیم دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ لاٹری واضح طور پر قمار بازی اور جُوا کی ایک قسم ہے، اس لیے شریعت اسلامیہ میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ انعامی بانڈ سکیم کا قمار سے کوئی تعلق نہیں اس لیے یہ شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یہ قول نقل فرمایا: اے ابا! ہم ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا پس اس کو بھیڑیئے نے کھالیا اور آپ ہماری بات ماننے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں O (یوسف: ۱۷)

ان کے اس قول کا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ کسی سچے آدمی کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم آپ کے نزدیک نہایت معتبر اور سچے بھی ہوتے پھر بھی آپ ہم پر جھوٹ کی تہمت لگاتے کیونکہ آپ کو یوسف سے بہت شدید محبت ہے اور آپ یہی گمان کرتے کہ ہم جھوٹے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ہرچند کہ ہم سچے ہیں لیکن آپ ہم پر جھوٹ کی تہمت لگائیں گے اور ہماری تصدیق نہیں کریں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خُون لگا لائے۔ (یعقوب نے) کہا: (بھیڑیئے نے تو خیر نہیں

کھایا) بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑلی ہے۔

حضرت یوسف کے بھائیوں کی خبر کے من گھڑت ہونے کی وجوہ

یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام رونے لگے اور انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: مجھے اس کی قمیص دکھاؤ، انہوں نے اس قمیص کو سونگھا اور چوما پھر وہ اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے تو وہ ان کو کہیں سے بھی پھٹی ہوئی نہیں دکھائی دی۔ انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، میں نے آج سے پہلے اتنا عقلمند بھیڑیا کوئی نہیں دیکھا، اس نے میرے بیٹے کو کھالیا اور اس کو قمیص کے اندر سے نکال لیا اور قمیص بالکل نہیں پھٹی۔ حضرت یوسف کے بھائیوں کو معلوم تھا کہ واقعہ اس طرح نہیں ہوا جس طرح انہوں نے بیان کیا ہے، انہوں نے پھر اپنا بیان بدلا اور کہا: اس کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا۔ حضرت یعقوب نے غصہ میں ان سے منہ موڑ لیا اور وہ غم زدہ ہو کر رو رہے تھے۔ انہوں نے کہا: اے میرے بیٹو! بتاؤ میرا بیٹا کہاں ہے؟ اگر وہ زندہ ہے تو وہ مجھے لا کر دو اور اگر وہ مر چکا ہے تو اس کو کفن پہناؤں اور دفن کروں۔ ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے آپس میں کہا: کیا تم ہمارے باپ کا حال نہیں دیکھ رہے وہ کس طرح ہمیں جھٹلا رہے ہیں، آؤ ہم اس کو کنوئیں سے نکال کر اس کے اعضاء کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور پھر اپنے باپ کے پاس اس کے کٹے ہوئے اعضاء لے کر آئیں تب وہ ہماری بات کی تصدیق کریں گے اور ان کی امید منقطع ہو گی، تب یہوذا نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تم نے ایسا کیا تو میں ساری عمر تمہارا دشمن رہوں گا اور میں تمہارے باپ کو تمہارے سارے کرتوت بتا دوں گا۔ انہوں نے کہا: اب جب کہ تم ہم کو اس تجویز پر عمل کرنے سے روک رہے ہو تو آؤ چلو ایک بھیڑیئے کا شکار کرتے ہیں، پھر انہوں نے ایک بھیڑیئے کا شکار کیا اور اس کو خون آلود کر دیا اور اس کو رسیوں سے باندھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لے کر آئے اور کہا: اے ابا! یہ ہے وہ بھیڑیا جو ہماری بکریوں کو چیر پھاڑ کر کھا جاتا تھا اور ہمیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے بھائی کو بھی اسی نے پھاڑ کھایا ہے اور یہ دیکھیں اس کے اوپر خون بھی لگا ہوا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اس کو کھول دو۔ انہوں نے اس کو کھول دیا۔ بھیڑیئے نے ایک جھرجھری لی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے قریب آنے لگا، حضرت یعقوب نے اس سے کہا: قریب آ، قریب آ، حتیٰ کہ حضرت یعقوب نے اپنا رخسار اس کے چہرے پر رکھا اور کہا: اے بھیڑیئے! تو نے میرے بیٹے کو کیوں کھایا اور کیوں مجھے اتنے غم میں مبتلا کیا، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! اس کو گویائی عطا فرما! اللہ تعالیٰ نے اس بھیڑیئے کو گویائی عطا کر دی تو اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو منتخب کر کے نبی بنایا ہے، میں نے آپ کے بیٹے کا گوشت نہیں کھایا نہ اس کی کھال کو پھاڑا ہے نہ اس کے بالوں کو نوچا ہے اور اللہ کی قسم! میں نے آپ کے بیٹے کو نہیں دیکھا میں تو ایک مسافر بھیڑیا ہوں، میں مصر کے مضافات سے آ رہا ہوں، میرا بھائی گم ہو گیا تھا میں اس کی تلاش میں نکلا تھا، مجھے معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا، اسی اثناء میں آپ کے بیٹوں نے مجھے شکار کر لیا اور مجھے باندھ کر یہاں لے آئے، اور بے شک انبیاء کا گوشت ہم پر اور تمام وحشی جانوروں پر حرام کر دیا گیا ہے، اور اللہ کی قسم! اب میں ایسے شہر میں نہیں ٹھہروں گا جس میں نبیوں کی اولاد وحشی جانوروں پر جھوٹ باندھتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کو چھوڑ دیا، اور کہا: اللہ کی قسم! تم اپنے خلاف حجت کو پکڑ کر لائے ہو، یہ وحشی جانور اپنے بھائی کو تلاش کرنے کی مہم پر نکلا ہے اور تم نے انسان ہو کر اپنے بھائی کو ضائع کر دیا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۳۲-۱۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں تین بار حضرت یوسف کی قمیص کا ذکر آیا ہے، ایک بار حضرت یوسف کے بھائیوں نے اس پر جھوٹا خون لگا کر اس قمیص کو حضرت یعقوب کے سامنے پیش کیا، اور دوسری مرتبہ حضرت یوسف زلیخا سے

بھاگ رہے تھے اور عزیز مصر کا سامنا ہوا تو اس کے اہل سے کسی نے گواہی دی کہ یوسف کی قمیص دیکھو' اگر وہ سامنے سے پھٹی ہوئی ہے تو یوسف مجرم ہے اور اگر وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو زلیخا مجرم ہے اور قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی' اور تیسری بار جب حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو اپنی قمیص دی اور کہا: یہ قمیص لے جا کر میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی بات کا اعتبار نہیں کیا تھا اور کہا تھا کہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے' اس کی کئی وجوہات تھیں: اوّل اس لیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف کے خواب کی تعبیر پر یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو فضیلت اور نبوت سے سرفراز فرمائے گا اور ان کے والدین اور ان کے گیارہ بھائی ان کی تعظیم کے لیے ان کو سجدہ کریں گے اور اس تعبیر کے پورے ہونے سے پہلے ان پر موت نہیں آسکتی تھی' دوسرے اس وجہ سے کہ ان کے بھائیوں کے بیان میں تعارض تھا' کبھی وہ کہتے تھے کہ یوسف کو بھیڑیئے نے کھالیا اور کبھی وہ کہتے تھے کہ اس کو کسی نے قتل کر دیا' تیسرے اس وجہ سے کہ جس کو وہ باندھ کر لائے تھے اس نے بتا دیا کہ یہ جھوٹے ہیں اور اس نے حضرت یوسف کو نہیں کھایا اور چوتھے اس وجہ سے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نُورِ نبوت سے جانتے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبر کرنے کے بجائے اپنے بیٹوں کے جُرم کے خلاف تفتیش کیوں نہیں کی؟

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے۔ امام رازی نے اس مقام پر ایک اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر پر تو صبر کرنا واجب ہے' لیکن ظالموں کے ظلم اور سازش کرنے والوں کی سازش پر صبر کرنا واجب نہیں ہے بلکہ ان کے ظلم اور سازش کا ازالہ کرنا واجب ہے' خاص طور پر اس وقت جبکہ کوئی دوسرا ان کے ظلم کا شکار ہو رہا ہو' اور یہاں پر جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا جھوٹ کھل گیا اور ان کی خیانت ظاہر ہوگئی تو اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیوں صبر کیا اور انہوں نے اس معاملہ کا کھوج لگانے اور اس کی تفتیش کرنے کی پوری کوشش کیوں نہیں کی تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کی طرف سے نازل کردہ مصیبت سے نجات دلائی جاتی اور ان کے بھائیوں سے ان کے ظلم کا بدلہ لیا جاتا' یہ اعتراض اس وجہ سے اور قوی ہو جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر کے علم کی وجہ سے یقین تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور ان کو وحی کے ذریعہ بھی یہ معلوم تھا کہ حضرت یوسف زندہ سلامت ہیں' نیز حضرت یعقوب علیہ السلام اس علاقہ میں ایک معزز اور شریف انسان کی حیثیت سے مشہور تھے' اگر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا سراغ لانے کی کوشش کرتے تو لوگ بھی آپ کی مدد کرتے' اس سے معلوم ہوا کہ ان حالات میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف کے معاملہ میں صبر کرنا عقلاً اور شرعاً درست نہ تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف کے معاملہ میں ان کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتا ہے' نیز ان کو قرائن سے معلوم تھا کہ ان کے بیٹے بہت قوی اور زور آور اور خود سر ہیں' ان کو یہ خدشہ تھا کہ اگر انہوں نے ان کے خلاف تفتیش کرنی شروع کی تو اپنے دفاع میں ان کا پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر ڈالیں گے' پس حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی اور سلامتی کی خاطر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان بیٹوں کے خلاف کارروائی نہیں کی اور بڑی مصیبت کے مقابلہ میں چھوٹی مصیبت کو برداشت کر لیا اور ان کے فراق کو ان کی موت پر ترجیح دی' دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کے خلاف تفتیش اور کارروائی کرتے تو لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت یعقوب

علیہ السلام کے بیٹوں نے اغوا کی واردات کی ہے اور اس میں بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی سبکی اور بدنامی تھی نیز جب باپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے پر ظلم کیا ہے تو یہ باپ کے لیے سخت عذاب اور تکلیف کا باعث ہے، اگر وہ ظالم بیٹے کو یونہی چھوڑ دے اور اس کو کوئی سزا نہ دے تو مظلوم بیٹے کے لیے اس کا دل جلتا رہے گا اور اگر وہ اس کو قرار واقعی سزا دے تو اس سے بھی اس کو تکلیف ہوگی کیونکہ وہ بھی بہرحال اس کا بیٹا ہے اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام اس آزمائش میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے اس معاملہ میں صبر اور سکوت کرنا اور اس معاملہ کو اللہ کے حوالے کر دینا ہی بہتر جانا۔

صبرِ جمیل کی تعریف

مجاہد نے کہا: صبرِ جمیل وہ ہے جس میں گھبراہٹ، بے قراری اور بے چینی نہ ہو۔ حبان بن جبلہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صبرِ جمیل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ وہ صبر ہے جس میں کسی سے شکایت نہ کی جائے۔ ثوری کے بعض اصحاب نے بیان کیا کہ صبر میں تین چیزیں ہیں: اپنا درد کسی سے نہ کہو اور نہ اپنی مصیبت کسی سے بیان کرو اور نہ اپنی تعریف کرو۔ حبیب بن ابی ثابت بیان کرتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بھنویں جھک گئی تھیں، وہ ان کو کپڑے کی ایک دھجی سے اوپر کر رہے تھے، ان سے پوچھا گیا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میرے غم کو بہت لمبا عرصہ گزر چکا ہے، تب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے یعقوب! کیا تم مجھ سے شکایت کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: اے میرے رب! مجھ سے قصور ہو گیا، تو اس کو معاف فرما دے۔ (جامع البیان جز ۱۳ ص ۲۱۷-۲۱۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صبرِ جمیل کے حصول کے اسباب

امام رازی فرماتے ہیں، صبر کی دو قسمیں ہیں: کبھی صبرِ جمیل ہوتا ہے اور کبھی غیر جمیل ہوتا ہے۔ صبرِ جمیل وہ ہے جس میں بندہ کو یہ علم ہو کہ اس مصیبت کو نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، پھر اس کا یہ ایمان ہو کہ اللہ سبحانہ مالک الملک ہے اور مالک اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے، اور جب اس کے دل میں یہ یقین جاگزین رہے گا پھر وہ اپنی مصیبت کی کسی سے شکایت کرنے سے باز رہے گا۔ شکایت نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کو یہ علم ہو گا کہ اس مصیبت کو نازل کرنے والا حکیم ہے اور عالم ہے اور رحیم ہے اور جب وہ ان صفات سے موصوف ہے تو اس سے جو فعل بھی صادر ہو گا وہ حکمت کے مطابق اور درست ہو گا پس اس وقت وہ مصیبت پر صبر و سکون سے رہے گا اور اس مصیبت پر اعتراض نہیں کرے گا۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جب اس پر یہ منکشف ہو گا کہ اس مصیبت کا نازل کرنے والا حق تعالیٰ ہے تو وہ اس کے نور کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جائے گا اور اس مشاہدہ میں اشتغال اس کو اس مصیبت کی شکایت کرنے سے باز رکھے گا اور ایسا صبر ہی صبرِ جمیل ہے۔

اور جب مصیبت پر صبر اللہ سبحانہ کی تقدیر اور اس کی قضا پر راضی رہنے کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی اور غرض کی وجہ سے ہو تو پھر یہ صبرِ جمیل نہیں ہو گا۔

اور اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ انسان کے تمام افعال، اقوال اور اعتقادات اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب کے لیے ہوں تو وہ اچھے اور نیک ہیں ورنہ نہیں، اسی وجہ سے حدیث میں ہے:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے ایک کام کے متعلق فتویٰ دیجئے، آپ کے بعد میں اور کسی سے سوال نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا: تم اپنے دل سے فتویٰ لو خواہ تمہیں مفتی فتویٰ

دیتے رہیں۔

(حلیتہ الاولیاء ج ۹ ص ۴۴، تہذیب تاریخ دمشق ج ۳ ص ۴۲۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۲۷۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۳۳۹)

اور حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے وابصہ! تم نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کرنے کے لیے آئے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے اپنی انگلیاں جمع کر کے ان کو اپنے سینہ پر مارا اور تین بار فرمایا: اپنے نفس سے فتویٰ لو، اپنے دل سے فتویٰ لو، نیکی وہ ہے جس پر تمہارا دل مطمئن ہو اور گناہ وہ کام ہے جو تمہارے دل میں کھٹک رہا ہو اور تمہارے سینہ میں تردد ہو خواہ تمہیں لوگ فتویٰ دیتے رہیں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۸، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۵۳۳، مشکوۃ رقم الحدیث: ۲۷۷۴)

پس اگر کسی کام کو کرنے کے بعد تمہارا دل یہ گواہی دے کہ یہ کام تم نے اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے تو وہ نیکی ہے ورنہ نہیں، تاہم یہ ضروری ہے کہ اس انسان کو احکام شرعیہ اور حلال اور حرام کاموں کا علم ہو اور ایسا نہ ہو کہ وہ کسی غیر شرعی کام کو اللہ کی رضا سمجھ کر کر رہا ہے، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں جاہل صوفیاء کا حال ہے، وہ چیخ چیخ کر اور رو رو کر خضوع اور خشوع سے دُعائیں کرتے ہیں اور وہ اپنی دُعاؤں میں جعلی اور موضوع حدیثیں پڑھتے ہیں اور انہوں نے بہت سی بدعات وضع کرلی ہیں اور ان کو نیک کام سمجھ کر کرتے ہیں اور اپنے خیال میں وہ یہ کام اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔

صبرِ جمیل کی اقسام

جس طرح مصائب اور شدائد پر صبرِ جمیل کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی مصیبت کی مخلوق میں سے کسی سے شکایت نہ کرے، اسی طرح غیظ و غضب اور انتقام لینے پر قادر ہونے کے باوجود صبر کرنا اور اپنے دشمن اور مجرم سے بالکل تعرض نہ کرنا اور اس کو معاف کر دینا یہ بھی صبرِ جمیل ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے انتقام لینے پر قادر ہونے کے باوجود ان کو معاف کر دیا، اسی طرح اپنی شہوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی قدرت کے باوجود خوفِ خدا سے شہوت کے تقاضوں کو ترک کر دینا بھی صبرِ جمیل ہے اور اس میدان کے امام بھی سیدنا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

جو شخص شہوت یا غضب کے دواعی اور محرکات میں ڈوبا ہوا ہو اس کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ دنیا میں شہوت کے تقاضوں کو ترک کر دینا بہت آسان ہے اور اس کی بہ نسبت آخرت میں اس کی سزا اور اس کے عذاب کو برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایک قافلہ آیا تو انہوں نے ایک پانی لانے والے کو بھیجا پس اس نے اپنا ڈول ڈالا، اس نے کہا مبارک ہو، یہ ایک لڑکا ہے، اور انہوں نے یوسف کو مالِ تجارت بنا کر چھپا لیا، اور اللہ ان کے کاموں کو خُوب جاننے والا ہےO اور بھائیوں نے یوسف کو (قافلہ والوں سے لے کر) چند درہموں کے بدلہ (ان ہی کے ہاتھ) بیچ دیا، اور وہ یوسف میں (ویسے ہی) رغبت کرنے والے نہ تھےO (یوسف: ۲۰-۱۹)

قافلہ والوں کے ہاتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کرنا

حضرت ابن عباس نے بیان کیا: ایک قافلہ مدین سے مصر کی طرف جا رہا تھا وہ راستہ بھٹک کر اس علاقہ میں جا پہنچا جہاں وہ کنواں تھا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈالا گیا تھا وہ کنواں آبادی سے کافی دُور تھا اور اس کا پانی کڑوا تھا۔ جب حضرت یوسف کو اس کنویں میں ڈالا گیا تو اس کا پانی میٹھا ہو گیا جب وہ قافلہ کنویں کے قریب پہنچا تو انہوں نے ایک شخص کو اس کنویں سے پانی لانے کے لیے بھیجا اس نے جب کنویں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس ڈول کی رسی کے ساتھ

لٹک گئے اور جب ڈول ڈالنے والے نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے حُسن و جمال کو دیکھا تو وہ خوشی سے چلایا: مبارک ہو، یہ ایک حسین و جمیل لڑکا ہے۔ ان کی خوشی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے انتہائی حسین لڑکا دیکھا تو انہوں نے کہا: ہم اس کو بڑی بھاری قیمت لے کر فروخت کر دیں گے اور اس سے ہم کو بہت نفع ہو گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب حضرت یوسف کو کنویں میں ڈالا تو تین دن کے بعد وہ یہ معلوم کرنے کے لیے اس کنویں پر واپس آئے کہ دیکھیں اب یوسف کا کیا حال ہے؟ اور جب انہوں نے قافلہ کے آثار اور نشانات دیکھے تو اس قافلہ کے پاس گئے اور جب انہوں نے وہاں حضرت یوسف کو دیکھا تو قافلہ والوں سے کہا: یہ ہمارا غلام ہے اور یہ ہمارے پاس سے بھاگ گیا تھا۔ قافلہ والوں نے ان سے کہا: اس غلام کو ہمارے ہاتھ فروخت کر دو۔ انہوں نے اس بات کو چھپایا کہ وہ ان کا بھائی ہے اور انہوں نے حضرت یوسف سے عبرانی زبان میں کہا: اگر تم نے ہمارا راز فاش کر دیا تو ہم تم کو قتل کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں ستاروں کو اور سورج اور چاند کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا اور اس خواب کو بیان کر دیا تو ان کے بھائیوں نے ان پر حسد کیا اور اس خواب کی تعبیر کو باطل کرنے کی سازش کی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو سخت مصیبت میں ڈال دیا تاکہ یہ تعبیر پوری نہ ہو سکے اور انہوں نے خواب کی تعبیر کو باطل کرنے کے لیے حضرت یوسف کو جس مصیبت میں ڈالا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی مصیبت کو حضرت یوسف کے خواب کے سچا ہونے کا ذریعہ بنا دیا، کیونکہ اس واقعہ کے بعد حضرت یوسف مصر پہنچے اور بالآخر مصر کے بادشاہ بن گئے اور ان کے بھائی ان کے محتاج ہو کر ان کے سامنے پیش ہوئے اور ان سب نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا اور یوں ان کے خواب کی تعبیر پوری ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بھائیوں نے یوسف کو (قافلہ سے لے کر) چند درہموں کے بدلہ (ان ہی کے ہاتھ) بیچ دیا، اور وہ یوسف میں (ویسے ہی) رغبت کرنے والے نہ تھے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ قافلے والوں نے حضرت یوسف کو ان سے خرید لیا اور وہ حضرت یوسف میں رغبت کرنے والے نہ تھے، کیونکہ ان کو قرائن سے معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جھوٹے ہیں اور وہ ان کے غلام نہیں ہیں اور ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند ہیں اور انہیں حضرت یوسف کے خریدنے سے اللہ تعالیٰ کا خوف دامن گیر تھا اور اس آیت کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا کیونکہ ان کو حضرت یوسف کی قیمت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، وہ تو صرف یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح حضرت یوسف اس علاقہ سے نکل جائیں، عربی میں شراء کا لفظ لغت اضداد سے ہے، یہ خریدنے اور بیچنے دونوں معنی میں مستعمل ہے، اس لیے اس آیت میں حضرت یوسف کو خریدنے اور حضرت یوسف کو بیچنے کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى

اور مصر کے جس شخص نے یوسف کو (قافلہ سے) خریدا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا اس کو تعظیم و تکریم سے ٹھیراؤ، شاید

اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي

یہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے، اور اس طرح ہم نے سرزمین (مصر) میں یوسف کے پاؤں

الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ

جما دیے، تاکہ ہم ان کو خواب کی تعبیروں کا علم عطا کریں اور اللہ اپنے کام پر

عَلٰۤی اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ

غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ اور جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچے

اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ

تو ہم نے ان کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا، اور ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں ○ اور وہ جس

الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ

عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا اور اس نے دروازے بند کر کے کہا

هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا

جلدی آؤ! یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میری پرورش کرنے والا ہے، اس نے مجھے عزت سے جگہ دی ہے بے شک

یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ

ظالم فلاح نہیں پاتے ○ اس عورت نے ان (سے گناہ) کا قصد کر لیا اور انہوں نے (اس سے بچنے کا) قصد کیا، اگر وہ اپنے رب

بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ

کی دلیل نہ دیکھتے (تو گناہ میں مبتلا ہو جاتے) یہ ہم نے اس لیے کیا کہ ہم ان سے بدکاری اور بے حیائی کو دور رکھیں، بے شک وہ

مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِیْصَهٗ

ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں ○ وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے، اس عورت نے ان کی قمیص پیچھے

مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ

سے پھاڑ ڈالی اور ان دونوں نے اس عورت کے خاوند کو دروازے کے قریب پایا، اس عورت نے کہا اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے

بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِیَ

جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے کہ اس کو قید کیا جائے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے ○ یوسف نے کہا

رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ

اسی نے مجھے اپنی طرف راغب کیا تھا۔ اس عورت کے خاندان میں سے ہی ایک شخص نے گواہی دی اگر یوسف کی

قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿٢٦﴾ وَ

قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹوں میں سے ہے ○ اور

اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿٢٧﴾

اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے ○

فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ ؕ اِنَّ

پھر جب اس نے یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا یہ تم عورتوں کی سازش ہے، بے شک

كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ ﴿٢٨﴾ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِیْ

تمہاری سازش بہت سنگین ہے ○ یوسف اس سے درگزر کرو اور اے عورت! تم اپنے گناہ کی

ع٣ ٩ ١٣ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ ﴿٢٩﴾ ع

معافی مانگو، بے شک تم گناہ گاروں میں سے تھیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مصر کے جس شخص نے یوسف کو (قافلہ سے) خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا اس کو تعظیم و تکریم سے ٹھہراؤ، شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے، اور اس طرح ہم نے سرزمین (مصر) میں یوسف کے پاؤں جمادیئے تاکہ ہم ان کو خواب کی تعبیروں کا علم عطا کریں، اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف: ٢١)

حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدار کے متعلق متعدد روایات

مصر کے جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا وہ مصر کا بادشاہ تھا، اس کا لقب عزیز تھا اور اس کا نام قطفیر تھا، یہ سہیلی کا قول ہے اور امام ابن اسحٰق نے کہا اس کا نام اطفیر بن روحیب تھا، اس نے اپنی بیوی کے لیے حضرت یوسف کو خریدا تھا جس کا نام راعیل تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام زلیخا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عزیز کے دل میں حضرت یوسف کی محبت ڈال دی تھی تو اس نے اپنی اہلیہ کو یہ وصیت کی کہ اس کو تعظیم و تکریم سے ٹھہراؤ، حضرت ابن عباس نے کہا جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا وہ مصر کے بادشاہ کا وزیر قطفیر تھا اور مصر کا بادشاہ الریان بن ولید تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام الولید بن ریان تھا اور یہی راجح قول ہے، وہ عمالقہ کی قوم سے تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے ایک شخص نے فرعون کے دربار میں کہا تھا:

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ۔ اور اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف دلائل کے ساتھ آ چکے ہیں۔ (المومن: ۳۴)

اور فرعون چار سو سال تک زندہ رہا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون، حضرت یوسف علیہ السلام کے فرعون کی اولاد میں سے تھا اور یہ عزیز جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا بادشاہ کے خزانوں پر مامور تھا، اس نے حضرت یوسف کو مالک بن دعر سے بیس دینار میں خریدا تھا اور ایک حلہ اور نعلین زائد دی تھیں، اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے حضرت یوسف کو قافلہ والوں سے خریدا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ قافلہ والوں نے حضرت یوسف کی قیمت بڑھا دی تھی۔ ان کی قیمت میں مشک، عنبر، ریشم، چاندی، سونا، موتی اور جواہر تھے جن کی مالیت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قطفیر نے مالک بن دعر کو یہ قیمت دے کر حضرت یوسف کو خریدا تھا۔

کنعان سے مصر تک حضرت یوسف علیہ السلام کے پہنچنے کی تفصیل

وہب بن منبہ اور دیگر نے کہا: جب مالک بن دعر نے حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں سے خریدا تو انہوں نے ایک دوسرے کو یہ دستاویز لکھ کر دی: مالک بن دعر نے یعقوب کے فلاں فلاں بیٹوں سے یہ غلام بیس درہم کے عوض خرید لیا ہے اور ان کے بھائیوں نے یہ شرط عائد کی تھی کہ یہ بھاگا ہوا غلام ہے اور اس کو زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر رکھا جائے، اور انہوں نے اس پر اللہ کو گواہ بنایا تھا، رخصتی کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا: اللہ تمہاری حفاظت کرے، ہرچند کہ تم نے مجھے ضائع کر دیا ہے، اللہ تمہاری مدد کرے ہرچند کہ تم نے مجھے رسوا کیا ہے، اور اللہ تم پر رحم کرے اگرچہ تم نے مجھ پر رحم نہیں کیا، انہوں نے حضرت یوسف کو زنجیروں اور بیڑیوں سے باندھ کر ننگے پالان پر بٹھایا یعنی پالان پر کوئی فرش یا بچھونا نہیں تھا، جب وہ قافلہ آل کنعان کی قبروں کے پاس سے گزرا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی والدہ کی قبر کو دیکھا، اور ایک سیاہ فام حبشی ان کے پہرے پر مامور تھا، اس لمحہ وہ غافل ہو گیا تو حضرت یوسف نے اپنے آپ کو اپنی والدہ کی قبر پر گرا دیا اور ان کی قبر پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ اور ان کی قبر سے گلے لگ گئے اور اضطراب سے کہنے لگے: اے میری ماں! سر اٹھا کر اپنے بیٹے کو دیکھئے، وہ کس طرح زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ گلے میں غلامی کا طوق پڑا ہوا ہے۔ اس کو اس کے بھائیوں نے اس کے والد سے جدا کر دیا، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم کو اپنی رحمت کے مستقر میں جمع کر دے، بے شک وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، ادھر جب اس حبشی نے حضرت یوسف کو پالان پر نہیں دیکھا تو وہ پیچھے دوڑا، اس نے دیکھا کہ وہ ایک قبر کے پاس ہیں، اس نے اپنے پیر سے خاک پر ٹھوکر ماری اور حضرت یوسف کو خاک پر لوٹ پوٹ کر دیا۔ اور آپ کو دردناک مار لگائی۔ حضرت یوسف نے کہا: مجھے مت مارو، اللہ کی قسم میں بھاگا نہیں تھا، میں جب اپنی ماں کی قبر کے پاس سے گزرا تو میں نے چاہا کہ میں اپنی ماں کو الوداع کہوں اور میں دوبارہ ایسا کام نہیں کروں گا جو تم کو ناپسند ہو۔ اس حبشی نے کہا: اللہ کی قسم تو بہت برا غلام ہے، تو کبھی اپنے باپ کو پکارتا ہے اور کبھی اپنی ماں کو پکارتا ہے، تو نے اپنے مالکوں کے سامنے ایسا کیوں نہیں کیا؟ تب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرے یہ کام خطا ہیں تو میں اپنے دادا حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے اور مجھ پر رحم فرما، تب آسمان کے فرشتوں نے چیخ و پکار کی اور حضرت جبریل نازل ہوئے اور کہا: اے یوسف! اپنی آواز کو پست رکھیں، آپ نے تو آسمان کے فرشتوں کو رلا دیا ہے، کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں زمین کا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر کے اس زمین کو الٹ پلٹ کر دوں! حضرت یوسف نے کہا: اے جبریل ٹھہرو! بے شک اللہ تعالیٰ حلیم ہے جلدی نہیں کرتا، تو جبریل نے زمین پر اپنا پر مارا تو

زمین پر اندھیرا چھا گیا اور گرد و غبار اڑنے لگا اور سورج کو گہن لگ گیا اور قافلہ اس حال میں تھا کہ کوئی شخص دوسرے کو نہیں پہچان رہا تھا، قافلہ کے سردار نے کہا: تم میں سے کسی نے ضرور کوئی ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہیں کیا گیا تھا، میں اتنے طویل عرصہ سے اس علاقہ میں سفر کر رہا ہوں، اور میرے ساتھ کبھی اس قسم کا معاملہ پیش نہیں آیا، تب اس حبشی غلام نے کہا میں نے اس عبرانی غلام کو ایک تھپڑ مارا تھا، تب اس نے آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کچھ دعا کی، پتا نہیں اس نے کیا دعا کی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے ہمارے خلاف دعا کی تھی۔ سردار نے کہا تو نے ہمیں ہلاک کرنے کا سامان کر دیا، اس غلام کو ہمارے پاس لے کر آؤ، وہ حضرت یوسف کو لے کر آیا، سردار نے ان سے کہا اے لڑکے! اس نے تم کو تھپڑ مارا جس کے نتیجہ میں ہم پر وہ عذاب آیا جس کو تم دیکھ رہے ہو، اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو تم جس سے چاہو بدلہ لے لو اور اگر تم معاف کر دو تو تم سے یہی توقع ہے۔ حضرت یوسف نے کہا میں اس امید پر اس کو معاف کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا، تو اسی وقت وہ گرد و غبار چھٹ گیا اور سورج ظاہر ہو گیا اور مشرق اور مغرب میں روشنی پھیل گئی اور وہ سردار صبح و شام حضرت یوسف کی زیارت کرتا تھا اور آپ کی تعظیم و تکریم کرتا تھا حتیٰ کہ حضرت یوسف مصر پہنچ گئے اور آپ نے دریائے نیل میں غسل کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے سفر کی تھکاوٹ دور کر دی اور ان کا حسن و جمال لوٹا دیا۔ وہ سردار حضرت یوسف کو لے کر دن میں شہر میں داخل ہوا اور ان کے چہرے کا نور شہر کی دیواروں پر پڑ رہا تھا، انہوں نے حضرت یوسف کو خریدنے کے لیے پیش کیا تو بادشاہ کے وزیر قطفیر نے حضرت یوسف کو خرید لیا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بادشاہ مرنے سے پہلے حضرت یوسف پر ایمان لے آیا تھا اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دین کی اتباع کی، پھر جن دنوں میں حضرت یوسف مصر کے خزانوں پر مامور تھے وہ بادشاہ مر گیا اور اس کے بعد قابوس بادشاہ ہوا، وہ کافر تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے انکار کر دیا۔

عزیز مصر کی فراست

عزیز مصر نے اپنی اہلیہ سے کہا: یوسف کو تعظیم و تکریم سے ٹھہراؤ، یعنی ان کی رہائش کا عمدہ انتظام کرو، ان کو اچھے کھانے کھلاؤ اور خوبصورت کپڑے پہناؤ، پھر کہا شاید یہ ہم کو فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وہ نامرد تھا اور اس کی اولاد نہیں تھی، اسی طرح امام ابن اسحٰق نے کہا کہ وہ عورتوں سے مقاربت نہیں کرتا تھا اور اس کی اولاد نہیں تھی، اور اس نے جو کہا تھا کہ ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے تو اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ اس کو منہ بولا بیٹا بنا لیں گے، اور پچھلی امتوں میں منہ بولے بیٹے بنانے کا عام رواج تھا اور اس طرح اول اسلام میں بھی یہ رواج تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا لوگوں میں سب سے اچھی فراست کا ظہور تین آدمیوں سے ہوا، ایک عزیز مصر تھا جس نے حضرت یوسف کے چہرے سے سعادت کے آثار بھانپ کر کہا شاید یہ ہم کو فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں گے۔ دوسری حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں شرافت کے آثار دیکھ کر اپنے والد سے کہا:

یٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ ۖ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ ۔ (القصص: ۲۶)	اے ابا جان! آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں، بے شک جن کو آپ اجرت پر رکھیں ان میں بہترین شخص وہ ہے جو طاقت ور اور ایمان دار ہو۔

اور تیسرے شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں حکمرانی اور جہاں بانی

کی استعداد اور صلاحیت دیکھ کر ان کو اپنے بعد اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔
(جامع البیان جز ۱۲، ص ۲۳۰، معالم التنزیل ج ۲، ص ۳۵۱، الجامع لاحکام القرآن، جز ۹، ص ۱۴۱-۱۳۹، تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۵۲۴، روح المعانی جز ۱۲، ص ۳۱۴-۳۱۰)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ ان میں سے کسی روایت پر قرآن مجید دلالت نہیں کرتا اور نہ کسی صحیح حدیث میں ذکر ہے اور نہ کتاب اللہ کی تفسیر ان میں سے کسی روایت پر موقوف ہے پس صاحب عقل کے لیے ان روایات سے احتراز کرنا زیادہ لائق ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶، ص ۴۳۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ کے امر کے غالب ہونے کے محامل

اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ آیت کے اس حصہ کے متعدد محمل ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو نافذ کرنے پر غالب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کو کر گزرتا ہے، آسمان اور زمین میں کوئی اس کی قضاء کو ٹال نہیں سکتا اور نہ اس کے حکم کو روک سکتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ حضرت یوسف کے امور اور ان کے معاملات پر غالب ہے، ان کے امور اور ان کے معاملات کا انتظام اللہ کی طرف سے ہے اس میں ان کی اپنی سعی اور کوشش کا دخل نہیں ہے، ان کے بھائیوں نے ان کو ہر قسم کی برائی اور ضرر پہنچانے کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی پہنچانے کا ارادہ کیا پس جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی تدبیر کے مطابق تھا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ تمام امور اور معاملات اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہیں اور جو شخص بھی دنیا کے احوال اور عجائب میں غور کرے گا اس کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضا غالب ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز غالب نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر غالب ہے، وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے متعلق فرماتا ہے: ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔

اور اکثر لوگ نہیں جانتے اس کا معنی یہ ہے کہ اکثر لوگ اس کے غیب پر مطلع نہیں ہیں، بلکہ کوئی شخص بھی از خود غیب کو نہیں جانتا، سوا ان کے جن کو وہ خود کسی غیب پر مطلع فرما دے۔

قصۂ یوسف میں تقدیر کے غالب آنے کی مثالیں

(۴) حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بھائیوں کے سامنے اس خواب کو نہ بیان کریں، پھر اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی تقدیر غالب آگئی حتیٰ کہ یوسف علیہ السلام نے یہ خواب بیان کر دیا، پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ حضرت یوسف کو قتل کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آگئی حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ بن گئے اور ان سب نے حضرت یوسف کو سجدہ کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ اپنے والد کی پوری توجہ اور ان کی محبت کو صرف اپنے لیے حاصل کر لیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی قضا غالب آگئی حتیٰ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دل ان سے بیزار ہو گیا، بھائیوں کا ارادہ یہ تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کر کے نیک اور صالح بن جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آگئی، وہ اپنے گناہوں کو بھول گئے اور ان پر ڈٹے رہے حتیٰ کہ تقریباً ستر سال کے بعد انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور اپنے والد سے کہا انا کنا خاطئین بے شک ہم خطا

کرنے والے تھے، اور انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ جب وہ اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے جائیں گے اور ان کو خون آلود قمیص دکھائیں گے تو وہ اپنے باپ کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی قضا غالب آ گئی اور ان کے باپ نے ان کی باتوں سے دھوکا نہیں کھایا، اور انہوں نے کہا بل سولت لکم انفسکم امرا بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات گھڑلی ہے، اور انہوں نے یہ تدبیر کی تھی کہ ان کے باپ کے دل سے حضرت یوسف کی محبت زائل ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کا امر غالب آ گیا اور ان کے باپ کے دل میں حضرت یوسف کی محبت اور الفت اور زیادہ ہو گئی، اور عزیز مصر کی اہلیہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ عزیز مصر سے شکایت کرنے میں پہل کرے گی تو اس کو حضرت یوسف کے خلاف بدگمان کر دے گی لیکن اللہ کی تقدیر غالب آ گئی اور عزیز مصر نے اپنی اہلیہ کو قصوروار قرار دے دیا اور کہا: استغفری لذنبک انک کنت من الخاطئین اپنے گناہ سے توبہ کرو بے شک تم خطاکاروں میں سے ہو، اور حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے چھٹکارا پانے کی تدبیر کی اور جس شخص نے قید سے رہا ہو کر بادشاہ کو شراب پلائی تھی اس سے کہا بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا لیکن اللہ کا امر غالب آ گیا اور وہ شراب پلانے والا بادشاہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھول گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام مزید کئی سال تک قید خانہ میں رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے ان کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا، اور ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں○ (یوسف: ۲۲)

پختگی کی عمر میں متعدد اقوال

مجاہد نے کہا: اَشُدَّہٗ (پختگی کی عمر) سے مراد ہے تینتیس (۳۳) سال کی عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تیس اور کچھ سال، ضحاک نے کہا: بیس سال، ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اٹھارہ اور تیس سال کے درمیان۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں: اشد کا معنی ہے قوت اور شباب کا اپنی انتہاء کو پہنچ جانا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر بیس سال یا تینتیس سال ہو، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث میں اس وقت ان کی عمر کی تعیین کی تصریح نہیں ہے اور نہ ہی عمر کی کسی تعیین پر اجماع امت ہے، اس لیے اس لفظ سے وہی مراد لینا چاہیے، جس طرح اللہ عزوجل نے فرمایا ہے یعنی جب وہ اپنی قوت اور شباب کی انتہاء کو پہنچ گئے۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۳۲-۲۳۱)

حکم اور علم کی تفسیر میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا، مجاہد نے کہا یعنی نبوت سے پہلے عقل اور علم عطا فرمایا۔

(جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۳۲-۲۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: حکم کی تفسیر میں چار قول ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا حکم سے مراد فقہ اور عقل ہے۔ (۲) ابن السائب نے کہا حکم سے مراد نبوت ہے (۳) زجاج نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو حکیم بنا دیا گیا اور زجاج نے کہا ہر عالم حکیم نہیں ہوتا، حکیم وہ عالم ہوتا ہے جو اپنے علم کو استعمال کرے اور اس سے جہل کا استعمال کرنا ممتنع ہو۔ (۴) ثعلبی نے کہا حکم سے مراد ہے صحیح اور درست بات کہنا، ارباب لغت نے کہا عرب کے نزدیک حکم وہ قول ہے جس میں جہل اور خطاء نہ ہو اور نفس جس چیز کی خواہش کرے اور اس میں ضرر ہو تو وہ

اس خواہش کو رد کردے اور اسی وجہ سے حاکم کو حاکم کہتے ہیں کیونکہ وہ ظلم اور کج روی سے روکتا ہے۔
اور علم کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) فقہ (۲) خواب کی تعبیر کا علم۔
(زاد المسیر ج ۴، ص ۲۰۱۔ ۲۰۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں حکم اور علم کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) حکم اور حکمت کا اصل میں معنی ہے نفس کو اس کی خواہش سے روکنا اور جو کام انسان کے لیے نقصان دہ ہو اس سے منع کرنا، اور حکم سے مراد حکمت عملیہ ہے اور علم سے مراد حکمت نظریہ ہے اور حکمت عملیہ کو حکمت علمیہ پر اس لیے مقدم فرمایا ہے کہ ریاضت کرنے والے پہلے حکمت عملیہ میں مشغول ہوتے ہیں پھر اس سے ترقی کر کے حکمت علمیہ تک پہنچتے ہیں، اور مفکرین پہلے حکمت نظریہ کو حاصل کرتے ہیں اس کے بعد حکمت عملیہ کو حاصل کرتے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کا طریقہ پہلا تھا، کیونکہ پہلے انہوں نے مصائب اور مشکلات پر صبر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مکاشفات کے دروازے کھول دیئے اور فرمایا: ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا۔ (حکمت عملیہ سے مراد ہے نفس کو برائیوں سے بچانا اور نیکیوں سے آراستہ کرنا اور حکمت علمیہ سے مراد ہے نفس الامر اور واقع کے حقائق کا علم اور ادراک)

(۲) حکم سے مراد ہے نبوت کیونکہ نبی مخلوق پر حاکم ہوتا ہے اور علم سے مراد ہے دین اور شریعت کا علم۔

(۳) حکم سے مراد ہے نفس مطمئنہ کا نفس امارہ پر حاکم ہونا، حتیٰ کہ قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ مغلوب اور مقہور ہو جائیں، اور عالم قدس سے انوار الٰہیہ کا جوہر نفس پر فیضان ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کی قوت عملی اور قوت علمی دونوں کامل ہو چکی تھیں۔
(تفسیر کبیر ج ۶، ص ۴۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی نے کہا اگر ان کو بچپن میں نبوت دی گئی تھی تو اس سے مراد ہے ان کے علم اور فہم میں زیادتی فرمائی۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۱۴۲)

محسنین کی تفسیر میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اسی طرح محسنین (نیکو کاروں) کو جزا دیتے ہیں۔ امام ابن جوزی نے کہا محسنین کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) مصائب اور مشکلات پر صبر کرنے والے۔ (۲) ہدایت یافتہ لوگ (۳) مومنین۔

امام محمد بن جریر طبری نے کہا اگرچہ اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ہم ہر محسن کو جزا دیتے ہیں لیکن اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یعنی جس طرح حضرت یوسف کو مصائب اور مشکلات میں مبتلا کرنے کے بعد ہم نے ان کو زمین میں اقتدار دیا اور علم عطا فرمایا اسی طرح ہم آپ کے ساتھ معاملہ کریں گے اور آپ کو آپ کی قوم کے مشرکین سے نجات عطا فرمائیں گے اور آپ کو زمین پر اقتدار عطا فرمائیں گے اور آپ کے علوم میں اضافہ فرمائیں گے۔ (زاد المسیر ج ۴، ص ۲۰۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا اور اس نے دروازے بند کر کے کہا جلدی آؤ۔ یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میرا پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے عزت سے جگہ دی ہے، بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے○ (یوسف: ۲۳)

حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت اور پارسائی کا کمال

راودت، رود سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے نرمی اور حیلے سے کسی چیز کو بار بار طلب کرنا، اس کا معنی یہ ہے کہ عزیز مصر کی

بیوی نرمی اور لوچ دار باتوں سے کافی عرصہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اس معنی کو یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا تھا کہ عزیز مصر کی بیوی نے ان کو اپنی طرف راغب کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح تعبیر فرمایا کہ وہ جس عورت کے گھر میں تھے، اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا، اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کے گھر میں رہتا ہو، اس کے زیر احسان ہو وہ اس کا ماتحت ہوتا ہے اور گھر والے کا اس پر مکمل تسلط اور اقتدار ہوتا ہے سو حضرت یوسف علیہ السلام اس کی مکمل دسترس میں تھے اور ان کے لیے اس کی فرمائش سے انکار کرنا بہت مشکل تھا لیکن ان پر خوف خدا کا اس قدر غلبہ تھا کہ باوجود اس بات کے کہ وہ عزیز مصر کی بیوی کے زیر احسان تھے، اور اس کے زیر اقتدار اور زیر تسلط تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی فرمائش پوری کرنے سے صاف انکار کر دیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جب اس معنی کو اس طرح تعبیر فرمایا اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا تو اس پیرائے میں تعبیر کرنے سے حضرت یوسف علیہ السلام کی کمال نزاہت ظاہر ہوئی جو اس طرز سے واضح نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر یوں کہا جاتا کہ عزیز مصر کی بیوی نے ان کو اپنی طرف راغب کیا اور اس سے اللہ تعالیٰ کے کلام کی معجز نظام بلاغت کا اظہار ہوتا ہے۔

عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف کو ورغلانا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں جس عورت کے گھر میں تھے، اس کے خاوند نے اس کو یہ تاکید کی تھی کہ وہ حضرت یوسف کو بہت تعظیم اور تکریم کے ساتھ رکھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بہت حسین اور جمیل تھے اور وہ جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے، جب وہ عورت حضرت یوسف علیہ السلام کو سات کمروں کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں لے گئی اور ہر کمرہ کا دروازہ بند کر کے تالا لگاتی چلی گئی پھر حضرت یوسف کو اپنے نفس کی طرف راغب کرنے کے لیے کہنے لگی: اے یوسف! تمہارے بال کتنے حسین ہیں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: سب سے پہلے میرے جسم سے یہ بال الگ ہوں گے۔ اس نے کہا: تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہے، آپ نے فرمایا: سب سے پہلے میرے جسم سے یہ آنکھیں بہہ جائیں گی۔ اس نے کہا: تمہارا چہرہ کتنا حسین ہے، آپ نے فرمایا: اس کو مٹی کھا جائے گی۔ اس نے کہا: تمہاری صورت کتنی اچھی ہے، آپ نے فرمایا: میرے رب نے یہ صورت رحم میں بنائی تھی۔ اس نے کہا: اے یوسف! تمہاری صورت میرے جسم میں حلول کر چکی ہے، آپ نے فرمایا: اس میں شیطان تمہاری معاونت کر رہا ہے۔ اس نے کہا: میں نے تمہارے لیے ریشم کا بستر بچھا دیا ہے، اٹھو اور میری خواہش پوری کرو۔ آپ نے فرمایا: پھر جنت سے میرا حصہ جاتا رہے گا۔ اس نے کہا: میرے ساتھ چھپ جاؤ، آپ نے فرمایا: میرے رب سے کوئی چیز نہیں چھپ سکتی۔ وہ اسی طرح آپ کو مائل کرتی رہی اور آپ اس سے گریز فرماتے رہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۴۷۵، الوسیط ج ۲ ص ۶۰۷، معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۵۴، الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۴۵)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ، امام واحدی متوفی ۴۶۸ھ، امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کے درمیان یہ مکالمہ اسی طرح بیان کیا ہے، اگرچہ اس مکالمہ کے بعض اجزا ہمارے لیے ناقابل فہم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کے جسم کے کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ان کی آنکھیں زمین میں بہہ جائیں گی اور ان کے چہرے کو مٹی کھا جائے گی، موجب اشکال ہے، اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کی یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی ذات سے عام انسان کا ارادہ کیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب!

مخلوق کی بہ نسبت خالق سے حیا کرنالائق ستائش ہے

جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی تو انہوں نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میری پرورش کرنے والا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے حضرت یوسف کی مراد یہ تھی کہ وہ عزیز مصر میری پرورش کرنے والا ہے' اس نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں اور میری تعظیم و تکریم کرنے کا حکم دیا پھر یہ کس قدر احسان ناشناسی' ناشکری اور حیا سوز بات ہو گی کہ میں ایسے بے لوث محسن کی بیوی کے ساتھ بدکاری کروں اور اس کی عزت پر ہاتھ ڈالوں اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت یوسف کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ میری پرورش کرنے والا ہے' اس نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں تو میں اپنے رب کی نافرمانی کروں اور گناہ کا ارتکاب کروں' میں اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں! ہمارے نزدیک یہ دوسری تفسیر راجح ہے کیونکہ مخلوق سے حیا کر کے گناہ سے باز رہنے کی بہ نسبت یہ زیادہ قابل ستائش بات ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور اس کے خوف اور اس سے حیا کر کے گناہ سے باز رہے اور پیغمبر کی شان کے لائق یہی دوسری چیز ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے جوابات کی وضاحت

حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی کے جواب میں تین باتیں ذکر کیں' پہلے فرمایا: معاذ اللہ! میں اس گناہ کے ارتکاب سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں' اور میں اللہ کے احکام کی اطاعت کرتا ہوں' اگرچہ تم نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں اور مجھے بہت تعظیم اور تکریم کے ساتھ رکھا ہے لیکن تم سے کہیں زیادہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احسان ہیں اور مجھ پر تمہارے حکم کو ماننے کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے کا زیادہ حق ہے' پھر فرمایا: وہ میری پرورش کرنے والا ہے۔ مشہور تفسیر کے مطابق اس سے عزیز مصر کو مراد لیا جائے تو معنی اس طرح ہو گا کہ مخلوق کے حق کی رعایت کرنا بھی واجب ہے اور عزیز مصر نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں۔ اب ان احسانات کا بدلہ یہ ہے میں اس کی عزت کو پامال کروں تو یہ کس قدر بری بات ہو گی' پھر فرمایا: بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے' اس کا معنی یہ ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو ضرر سے بچائے' تم جس گناہ کی دعوت دے رہی ہو' اس کی لذت بہت کم ہے اور بہت کم وقت کے لیے ہے اور اس کے نتیجہ میں دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت کا عذاب ہے اور جب قلیل لذت کے مقابلہ میں ضرر شدید ہو تو پھر اس لذت کو ترک کرنا واجب ہے' اور اگر اس لذت کو ترک نہ کیا تو آخرت میں فلاح حاصل نہیں ہو گی۔ اس کی دوسری تقریر یہ ہے کہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس جگہ رکھنا جو اس کا صحیح اور جائز محل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مرد میں جو شہوت رکھی ہے' اس کو خرچ کرنے کا جائز اور صحیح محل اس کی منکوحہ ہے' اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو اپنی منکوحہ کے بجائے کسی اور عورت میں خرچ کرے تو یہ ظلم ہے اور ایسا کرنے والا ظالم ہو گا اور ظالم فلاح نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے' سو اس حسین ترتیب کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی کو یہ حکیمانہ اور ناصحانہ جوابات دیئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس عورت نے ان (سے گناہ) کا قصد کر لیا' اور انہوں نے (اس سے بچنے کا) قصد کیا' اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے (تو گناہ میں مبتلا ہو جاتے) یہ ہم نے اس لیے کیا تاکہ ہم اس سے بدکاری اور بے حیائی کو دور رکھیں' بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں○ (یوسف: ۲۴)

"ھم" کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کے متعلق حدیث

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: ھم اس فکر کو کہتے ہیں جس سے انسان گھل جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے ھممت الشحم میں نے چربی کو پگھلا دیا ہے اور ھم کا معنی ہے دل میں کسی چیز کا قصد کرنا' قرآن مجید میں ہے:

اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ۔ جب ایک قوم نے یہ قصد کیا کہ وہ (لڑنے کے لیے) تمہاری طرف ہاتھ بڑھائیں۔ (المائدہ: ۱۱)

(المفردات ج ۲، ص ۷۰۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

دل میں اچانک کسی چیز کا خیال آ جائے تو اس کو ھاجس کہتے ہیں اور اگر بار بار کسی چیز کا خیال آئے تو اس کو خاطر کہتے ہیں اور جب دل اس چیز کے متعلق سوچنا شروع کر دے اور اس کے حصول کا منصوبہ بنانے لگے تو اس کو حدیث نفس کہتے ہیں اور جب اس کام کو کرنے کا راجح اور غالب قصد ہو اور مرجوح اور مغلوب قصد نہ کرنے کا ہو کہ مبادا اس میں کوئی خطرہ ہو اس کو ھم کہتے ہیں اور جب کام نہ کرنے کی مغلوب اور مرجوح جانب بھی ختم ہو جائے اور انسان یہ پکا قصد کر لے کہ میں نے یہ کام کرنا ہے، خواہ فائدہ ہو یا نقصان تو اس کو عزم اور نیت کہتے ہیں، اور انسان اسی عزم کا مکلف ہے۔ اگر گناہ کا ھم کیا جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا لیکن اگر گناہ کا عزم اور اس کی نیت کی جائے تو اس پر مواخذہ ہوتا ہے۔

(جمل ج ۱، ص ۲۳۶، مرقات ج ۱، ص ۲۴۳)

ھم کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب میرا بندہ نیکی کا ھم (قصد) کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو میں اس کی ایک نیکی لکھ دیتا ہوں اور جب وہ اس نیکی پر عمل کرے تو میں اس کی دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور اس کی دگنی تک اور اگر میرا بندہ معصیت کا ھم (قصد) کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو میں اس کی وہ معصیت نہیں لکھتا اور اگر وہ اس معصیت پر عمل کرے تو میں اس کی صرف ایک معصیت لکھتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰۱، مسند احمد ج ۲، ص ۲۴۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۷۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۲۸۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۸۰، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۱۲۸)

وھم بھا کے ترجمہ کے دو محمل

عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف کے ساتھ گناہ کا قصد کر لیا تھا، اور وھم بھا کا ہمارے نزدیک مختار معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف نے اس گناہ سے اپنا دامن بچانے کا قصد کیا اور اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو گناہ میں مبتلا ہو جاتے اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ حضرت یوسف بھی گناہ کا ارادہ کر لیتے اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے بہرحال اگر یہ معنی بھی ہو تو اپنے رب کی دلیل نہ دیکھنے کی تقدیر پر حضرت یوسف علیہ السلام سے جو قصد صادر ہوتا وہ ھم کے درجہ میں ہوتا اور گناہ کا عزم نہ ہوتا اور جو چیز ممنوع اور معصیت ہے وہ گناہ کا عزم ہے نہ کہ گناہ کا ھم۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی عصمت میں اس قدر راسخ تھے اور اپنی ذات میں اس قدر کامل اور مکمل تھے کہ ایک حسین اور صاحب اقتدار عورت نے ان کو اپنی طرف راغب کرنے کی پوری کوشش کی اور ان کو حصول لذت کی دعوت دی لیکن انہوں نے خوف خدا کے غلبہ سے اس کی دعوت کو مسترد کر دیا اور ایسے ہی پاکبازوں کے متعلق حدیث میں یہ نوید ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن کسی کا سایہ نہیں ہوگا اس دن سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے: امام عادل، وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت میں جوان ہوا، وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے، وہ دو آدمی جو اللہ کی محبت میں ملیں اور اللہ کی محبت میں الگ ہوں، اور وہ آدمی جس کو کسی صاحب منصب اور

صاحبِ جمال عورت نے گناہ کی دعوت دی ہو اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے اور وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۱، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۰۰۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۳۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۸۷، کتاب الاسماء والصفات ص ۳۰۷-۳۰۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۷۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۱، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۹، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۵۸، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۳۲۰، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۴۹۴، تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۲۳۹، ج ۹ ص ۲۵۴-۲۵۳)

آیا حضرت یوسف علیہ السلام سے گناہ صادر ہوا تھا یا نہیں؟

بعض متقدمین مفسرین نے ایسی روایات لکھی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے زنا کا ارتکاب تو نہیں کیا تھا لیکن زنا کے تمام مقدمات میں ملوث ہو گئے تھے (ہم ایسی روایات اور خرافات سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں) اور انہوں نے دلائل سے اپنے اس مکروہ موقف کو ثابت کیا ہے، ہم پہلے ان روایات کو رمزاور کنایہ سے درج کریں گے کیونکہ ان کو بعینہ درج کرنے سے ہمارا دل لرزتا ہے اور ہم میں ان کو اسی طرح درج کرنے کی ہمت نہیں ہے، پھر ان روایات کے ثبوت میں ان کے دلائل کا ذکر کریں گے اور پھر ان کا رد کریں گے۔

وھم بھا کی باطل تفسیریں

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ھم (قصد) کی کیا کیفیت تھی؟ انہوں نے کہا وہ عورت چت لیٹ گئی اور حضرت یوسف بیٹھ گئے۔ (اس کے آگے حیا سوز عبارت ہے) اور یہ سعید بن جبیر، ضحاک، سدی، مجاہد، ابن ابی بزہ، اعمش اور حسن بصری کا قول ہے اور یہی متقدمین کا قول ہے اور متاخرین نے دونوں قصدوں میں فرق کیا ہے۔ ابوالعباس احمد بن یحییٰ نے کہا اس عورت نے گناہ کا قصد کیا اور وہ اپنے قصد پر ڈٹی رہی، اور حضرت یوسف نے بھی معصیت کا قصد کر لیا تھا لیکن انہوں نے معصیت کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ اس پر اصرار کیا پس دونوں کے ھم (قصد) میں فرق ہے، اور ابن الانباری نے اس کی شرح میں کہا اس عورت نے زنا کا عزم کیا اور حضرت یوسف کے قلب میں معصیت کا خطرہ ہوا اور حدیث نفس بھی عارض ہوئی لیکن ان کے اس ھم (قصد) پر گناہ لازم نہیں آیا، جیسے کسی نیک شخص نے سخت گرمی کے دنوں میں روزہ رکھا ہوا ہو اور اس کو ٹھنڈا اور میٹھا پانی دکھائی دے اور اس کے دل میں پانی پینے کا خیال آئے اور وہ اس کا منصوبہ بھی بنائے لیکن وہ خوف خدا کی وجہ سے پانی نہ پیئے تو اس سے اس بات پر مواخذہ نہیں ہوگا کہ اس کے دل میں پانی پینے کا خیال کیوں آیا تھا۔

زجاج نے کہا: مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت یوسف نے گناہ کا ھم (قصد) کر لیا تھا اور جس طرح مرد عورت کے ساتھ اس کام کو کرنے کے لیے بیٹھتا ہے وہ اس طرح بیٹھ گئے تھے، کیونکہ انہوں نے کہا تھا:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○ (یوسف: ۵۳)

اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں کہتا بیشک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے سوا اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے، بیشک میرا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

ابن الانباری نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں صحابہ اور تابعین سے جو روایات ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یوسف نے گناہ کا قصد کر لیا تھا اور وہ اس کو ان کا عیب نہیں شمار کرتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے گناہ کا قصد کرنے کے باوجود اپنے آپ کو نفس کی خواہش پوری کرنے سے روکا اور ان کا یہ اقدام محض اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کے احکام کی تعظیم کی وجہ سے تھا، اور جن لوگوں نے حضرت یوسف کے لیے گناہ کا قصد ثابت کیا ہے، وہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور تابعین میں سے وہب بن منبہ اور ابن سیرین وغیرہم ہیں اور یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے بلند درجات کو ان لوگوں کی بہ نسبت بہت زیادہ جاننے والے تھے، جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے گناہ کے قصد کی نفی کی ہے۔

حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کا اس لیے ذکر نہیں فرمایا کہ اس سے ان کا عیب بیان کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کا اس لیے ذکر فرمایا ہے تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور ابو عبید نے کہا: جب اللہ تعالیٰ گناہوں سے انبیاء علیہم السلام کی توبہ قبول فرمالیتا ہے تو وہ تمہاری توبہ تو بہت جلد قبول فرمالے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور وہ بھی اس کا قصد کر لیتے اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔

لولا ان رابرھان ربہ کی باطل تفسیریں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عامتہ المفسرین نے یہ کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کی مثال دکھائی گئی کہ وہ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں: کیا تم بدمعاشوں کا سا عمل کر رہے ہو حالانکہ تمہارا نام انبیاء علیہم السلام میں لکھا ہوا ہے، پس حضرت یوسف کو یہ سن کر حیا آ گئی۔ حسن بصری نے کہا: حضرت جبریل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں متمثل ہو کر آ گئے تھے اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے لیے حضرت یعقوب مثالی جسم میں آئے اور ان کے سینہ پر ہاتھ مارا تو ان کی انگلیوں کی پوروں سے شہوت نکل گئی۔ سدی نے کہا کہ حضرت یوسف نے دیکھا کہ حضرت یعقوب اپنے گھر میں کھڑے ہوئے کہہ رہے ہیں: اے یوسف! اس سے بدکاری نہ کرو، تم ایسا شخص جب تک بدکاری نہ کرے وہ اس پرندہ کی طرح ہے جو فضا میں اڑ رہا ہو اور اس کو کوئی پکڑ نہ سکتا ہو اور جب وہ بدکاری کر لے تو وہ اس پرندہ کی مثل ہو گا جو مرنے کے بعد زمین پر گر جائے اور اپنے نفس سے کسی چیز کو دور نہ کر سکے اور مجاہد نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف جب اس عورت کے پاس بیٹھ گئے تو ان کے سامنے ایک ہاتھ ظاہر ہوا، جس پر لکھا ہوا تھا:

وَاِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ۙ﴿۱۱﴾ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ (الانفطار: ۱۲)

اور بے شک تم پر نگہبان مقرر ہیں○ معزز لکھنے والے○ وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

یہ دیکھ کر حضرت یوسف اٹھ کر بھاگے اور جب ان دونوں کے دلوں سے دہشت دور ہو گئی تو پھر لوٹ آئے وہ لیٹ گئی اور حضرت یوسف بیٹھ گئے، ان کے سامنے پھر بازو اور بغیر جوڑ کے ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس پر لکھا ہوا تھا:

وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَسَآءَ سَبِیۡلًا ﴿۳۲﴾ (بنی اسرائیل: ۳۲)

اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے۔

حضرت یوسف پھر اٹھ کر بھاگے اور وہ عورت بھی بھاگی اور جب ان کے دلوں سے دہشت دور ہو گئی تو پھر پہلی حالت پر لوٹ گئے، تب پھر اسی طرح ایک ہاتھ ظاہر ہوا، جس پر لکھا ہوا تھا:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (البقرۃ: ۲۸۱)

اور اس دن سے ڈرو جس دن میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وہ دونوں پھر اٹھ کر بھاگے اور جب ان سے خوف دور ہو گیا تو پھر وہ سابقہ حالت کی طرف لوٹ گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے جبریل سے کہا: اس سے پہلے کہ میرا بندہ گناہ میں مبتلا ہو جائے اس کو جا کر سنبھال لو، تب حضرت جبریل اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے آئے اور کہا: اے یوسف! تم جاہلوں کا عمل کر رہے ہو حالانکہ تمہارا نام انبیاء میں لکھا ہوا ہے۔

(الوسیط ج ۲، ص ۶۰۹-۶۰۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وھم بھا اور لولا ان رابرھان ربہ کی تفسیر میں ان روایات کو درج ذیل مفسرین نے بھی اپنی تصانیف میں درج کیا ہے:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ (جامع البیان ج ۱۲ ص ۲۵۰-۲۳۹)، امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، ص ۲۱۳۶-۲۱۲۳) امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی المتوفی ۳۷۵ھ (تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۱۵۷)، امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۵۴-۳۵۳)، علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ (زاد المسیر ج ۴، ص ۲۰۹-۲۰۳) علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، (الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۱۴۶-۱۴۷) قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے لولا ان رابرھان ربہ کی تفسیر میں ان روایات کو درج کیا ہے (انوار التنزیل مع عنایت القاضی ج ۵، ص ۲۹۰) علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے (الدر المنثور ج ۴، ص ۵۲۵-۵۲۱) میں ان سب روایات کو درج کیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ تمام روایات باطل اور مردود ہیں اور وضاعین نے جعلی سند بنا کر ان روایات کو حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ایسے صحابہ اور اخیار تابعین کی طرف منسوب کر دیا ورنہ ان نفوس قدسیہ کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام ایسے عفت مآب اور مقدس نبی کے متعلق ایسی عریاں اور فحش روایات بیان کرتے۔ غور کیجئے کہ قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دعوت گناہ دی تو انہوں نے فرمایا: اللہ کی پناہ! وہ میری پرورش کرنے والا ہے، اس نے مجھے عزت سے جگہ دی ہے بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔ (یوسف: ۲۳) اور ان وضاعین نے ایسی ننگی خرافات کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا، ہمارے نزدیک قرآن مجید کی یہ ایک آیت ہی ان روایات کے رد اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی اور گناہوں سے برأت کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

ہمارے مفسرین چونکہ روایات جمع کرنے کے دلدادہ ہوتے ہیں اس وجہ سے انہوں نے اپنی تفاسیر میں ان روایات کو درج کر دیا ورنہ ان کے دلوں میں انبیاء علیہم السلام کی عظمت ہم سے بہت زیادہ تھی۔

وھم بھا کے اکثر صحیح اور بعض غلط محامل

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے لولا ان رابرھان ربہ کی تفسیر میں تو یہی وضعی روایات درج کی ہیں لیکن وھم بھا کی تفسیر میں بعض صحیح محامل بیان کیے ہیں اور بعض محامل غلط ہیں، ہم اس بحث کو مکمل کرنے کی خاطر ان محامل کا بھی ذکر کر رہے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے ھم (قصد) کے متعلق چھ قول ہیں:

(۱) بعض متاخرین نے کہا ہے کہ جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش

کی تو حضرت یوسف نے اس کو مارنے کا قصد کیا۔

(۲) قطرب نے کہا: اس عورت نے حضرت یوسف سے اس کام کا قصد کیا یہ مکمل کلام ہے اس کے بعد نیا جملہ ہے جس میں جزا مقدم ہے اور شرط مؤخر ہے اور معنی اس طرح ہے: اگر انہوں نے اپنے رب کی برہان نہ دیکھی ہوتی تو وہ بھی اس عورت کا قصد کر لیتے۔

(۳) اس عورت نے قضاء شہوت کا قصد کیا اور حضرت یوسف نے اپنی عفت پر قائم رہنے کا قصد کیا۔

(۴) حضرت یوسف نے جو اس عورت کا ھم کیا تھا وہ عزم اور ارادہ نہ تھا بلکہ وہ فعل اور ترک کا میلان تھا اور حدیث نفس (دل کے خیالات) میں اس وقت کوئی حرج نہیں ہے جب اس کے ساتھ عزم نہ ہو اور نہ اس کے بعد فعل کا ارتکاب ہو۔

(۵) حضرت یوسف کے ھم سے مراد یہ ہے کہ مردوں کے دلوں میں عورتوں کی شہوت سے جو طبعی تحریک ہوتی ہے وہ تحریک ہوئی اگرچہ وہ اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھتے ہوں۔

(۶) انہوں نے اس عورت سے بدکاری کا ھم کیا اور اس کا عزم کر لیا، حضرت ابن عباس نے کہا انہوں نے..........

انبیاء علیہم السلام کو گناہ گار قرار دینے کی توجیہات اور ان کا ابطال

علامہ ماوردی نے وھم بھا کا یہ چھٹا محمل جو بیان کیا ہے، یہ قطعاً باطل اور مردود ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی شان میں گستاخی ہے اور اس روایت کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت وضعی اور جعلی ہے، ان کا دامن اس جھوٹ اور تہمت سے پاک ہے۔ علامہ ماوردی نے اس باطل قول کو صحیح ثابت کرنے کے لیے حسب ذیل تاویلات کی ہیں:

کہا گیا ہے یہ ھم (قصد) تو معصیت ہے اور انبیاء علیہم السلام کے معاصی کی تین توجیہات ہیں:

(۱) ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے کسی گناہ میں مبتلا کیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے خوفزدہ رہے اور جب بھی اس گناہ کو یاد کرے تو خوب عبادت کرنے کی کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کے عفو اور رحمت کی وسعت پر اعتماد نہ کرے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہوں میں مبتلا کیا تاکہ جب اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں سے درگزر کرے اور آخرت میں انہیں ان کے گناہوں کی سزا نہ دے تو وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو گناہوں میں اس لیے مبتلا کیا تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنے میں اور گناہوں پر توبہ کرنے کے بعد اس معافی کی توقع اور مایوسی کو ترک کرنے میں گناہ گار لوگ ان کو اپنا مقتدا قرار دیں۔

(النکت والعیون ج ۳، ص ۲۵۔ ۲۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں، اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا نہ صغیرہ نہ کبیرہ، نہ سہواً، نہ عمداً، نہ صورتاً نہ حقیقتاً۔ علامہ ماوردی نے انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کو ثابت کرنے کی جو تین توجیہات ذکر کی ہیں یہ بھی باطل اور مردود ہیں اور اب ہم حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت پر دلائل پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف گناہ کی تہمت کا رد اور ابطال

ان روایات میں ہرچند کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف صراحتاً زنا کی نسبت نہیں کی ہے لیکن یہ صراحت کی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس حرام کام کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گئے (معاذ اللہ) اور جو چیز حرام ہو، اس کا مقدمہ بھی حرام ہوتا ہے اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کبائر اور صغائر سے معصوم ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی

عصمت پر ہم نے مفصل دلائل تبیان القرآن ج ۹ ص ۳۶۷-۳۶۵ اور شرح صحیح مسلم ج ۷، ص ۶۹۷-۶۹۵ میں ذکر کیے ہیں۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ان روایات میں جن برے کاموں کی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف نسبت کی گئی ہے، ان کے رد اور ابطال کے لیے یہ آیت کافی ہے:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (یوسف: ۲۳)

اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے، اس نے انہیں اپنی طرف راغب کیا اور اس نے دروازے بند کر کے کہا جلدی آؤ! یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میری پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے عزت سے جگہ دی ہے، بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے ○

کس قدر رنج اور افسوس کی بات ہے کہ جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دعوت گناہ دی تو انہوں نے اس کو سختی سے رد کر دیا اور اپنے رب کے انعام و اکرام کا ذکر کیا اور اس کام کو ظلم قرار دیا، ایسے پاکباز، مقدس اور اللہ سے ڈرنے والے نبی کے متعلق ایسی حیاسوز اور بے ہودہ روایات ذکر کی جائیں۔

حضرت یوسف کی گناہوں سے برأت کے متعلق دوسری آیت یہ ہے:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ (یوسف: ۲۴)

یہ ہم نے اس لیے کیا تاکہ ہم ان کو بے حیائی اور بدکاری سے دور رکھیں۔

ان روایات میں جو فحش افعال حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کیے گئے ہیں کیا وہ بے حیائی اور بدکاری کے کام نہیں ہیں، کیا اجنبی اور نامحرم عورت کے سامنے ایک مرد کا برہنہ ہونا فاشی اور بے حیائی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ہم نے یوسف کو بے حیائی اور بدکاری سے دور رکھا اور ان وضاعین نے عین بے حیائی اور بدکاری کو اپنی جعلی روایات میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کیا اور حیرت ان مفسرین پر ہے جنہوں نے ان روایات کو تقویت پہنچانے کے لیے انبیاء علیہم السلام کے لیے پہلے گناہوں کو مانا پھر گناہوں کی توجیہات کیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ۔ (یوسف: ۲۴)

بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں۔

اور جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں ان کے متعلق شیطان نے بھی اعتراف اور اقرار کیا ہے کہ وہ ان کو گمراہ نہیں کر سکے گا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ○ (ص: ۸۳-۸۲)

شیطان نے کہا تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ کردوں گا سوا ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاک دامن ہونے پر متعدد شہادتیں

اللہ تعالیٰ کی گواہی سے حضرت یوسف علیہ السلام سے ان گناہوں کی تہمت دور ہو گئی، علاوہ ازیں مخلوق نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت پر گواہی دی، کیونکہ اس واقعہ میں جو لوگ مبتلا ہیں ان میں خود حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی ہے، اس کا خاوند ہے، اور عزیز مصر کی بیوی کے خاندان کا گواہ ہے اور سب نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی اور پارسائی کو بیان کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ ۔ (یوسف: ۲۶)

یہ عورت خود مجھے بہکا رہی تھی۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۔ (یوسف: ۳۳)

اے میرے رب! جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دے رہی ہیں، اس کی بہ نسبت مجھے قید میں رہنا پسند ہے۔

اور عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تہمت سے براءت اس طرح بیان کی:

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ - (یوسف: ۳۲)
بے شک میں نے اس کو بہکایا اور اس نے اپنے آپ کو (گناہ سے) بچائے رکھا۔

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (یوسف: ۵۱)
عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے میں نے ہی ان کو بہکایا تھا اور بے شک وہ سچوں میں سے ہیں۔

اور عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت اس طرح بیان کی:

قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ - (یوسف: ۲۹-۲۸)
اس نے کہا بے شک یہ تم عورتوں کی گہری سازش ہے، اور یقیناً تمہاری سازش بہت بڑی ہے ○ اے یوسف! تم اس بات سے درگزر کرو اور اے عورت! تو اپنے جرم کی معافی طلب کر، بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے ○

اور گواہوں نے اس طرح برأت بیان کی:

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ - (یوسف: ۲۷-۲۶)
اور اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی، اگر ان کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہیں ○ اور اگر ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس عورت نے جھوٹ بولا اور وہ سچوں میں سے ہیں ○

لولا ان را برھان ربہ کو ذکر کرنے کا فائدہ

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام نے گناہ کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ گناہ سے بچنے کا قصد کیا تھا تو پھر اس کے بعد یہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے کہ "اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو" ہم کہتے ہیں کہ اس کی جزا محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر وہ معصیت میں مبتلا ہو جاتے اور اس کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ انہوں نے جو گناہ کا قصد نہیں کیا تھا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان میں عورتوں کی طرف رغبت کرنے کا مادہ نہیں تھا یا وہ عورتوں کے ساتھ اس فطری فعل پر قادر نہیں تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنے رب کے دین اور اس کی شریعت کے براہین اور دلائل کا علم تھا اور وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نامحرم اور اجنبی عورتوں سے خواہش نفس پوری کرنے کو حرام کر دیا ہے، اور وہ اللہ کے نبی تھے اور نبی کو مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ کا خوف ہوتا ہے پس انہوں نے جو بدکاری اور گناہ سے بچنے کا قصد کیا اس کی یہ وجہ نہیں تھی کہ وہ بدکاری پر قادر نہیں تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی شریعت کی برہان سے واقف تھے اور انہیں معلوم تھا کہ اجنبی عورت سے خواہش نفس پوری کرنا حرام ہے۔ امام رازی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصد کا دوسرا محمل یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے آپ سے حصول لذت کا قصد کیا اور آپ نے اس کو اس کام سے منع کرنے اور ڈانٹنے کا قصد کیا اگر یہ کہا جائے کہ اس صورت میں اس قول کا کیا فائدہ ہو گا کہ "اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو" اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس پر مطلع کیا کہ اگر آپ نے اس عورت کو حصول لذت سے منع کیا اور ڈانٹا تو یہ آپ کو بدنام کرنے کی کوشش

کرے گی اور آپ کو قید کرا دے گی سو آپ کا بدنامی اور قید میں مبتلا ہونا اس فحش کام میں مبتلا ہونے سے بہتر ہے کیونکہ انجام کار آپ کی برأت اور نیک نامی بھی ظاہر ہو جائے گی اور آپ کو قید سے رہائی بھی مل جائے گی اور اگر حضرت یوسف علیہ السلام کو اس چیز کا علم نہ ہوتا تو آپ معصیت میں مبتلا ہو جاتے۔

لولا ان رابرھان ربہ کے مزید محامل

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب کی جو برہان دیکھی تھی اس کے دو محمل تو وہ ہیں جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے' ان کے علاوہ بھی اس کے کئی صحیح محمل ہیں:

(۱) رب کی برہان سے مراد نبوت ہے جو بے حیائی اور گناہ کے کاموں سے مانع ہوتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ مخلوق کو برے کاموں اور گناہوں سے منع کریں' اگر وہ لوگوں کو برے کاموں سے منع کریں اور وہ خود سب سے بڑی برائی میں ملوث ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کی اس وعید میں داخل ہو جائیں گے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الصف: ۳-۲)

اے ایمان والو! ایسی بات تم کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے ○ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا موجب ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس بات پر مذمت کی ہے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے اس کے موافق عمل نہیں کرتے تھے' فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ (البقرہ: ۴۴)

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

اور جو چیز یہود کے حق میں باعث مذمت ہو وہ اس رسول کی طرف کیسے منسوب ہو سکتی ہے جس کی تائید معجزات سے کی گئی ہو۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بتایا گیا تھا کہ شریعت میں زنا حرام ہے اور ان کو اس کے دلائل پر مطلع کیا گیا تھا اور زانی کے لیے دنیا میں جو سزا مقرر کی گئی ہے اور آخرت میں اس پر جو عذاب دیا گیا حضرت یوسف علیہ السلام کو ان تمام امور پر مطلع کیا گیا تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو برے اخلاق سے پاک اور صاف رکھا ہے' بلکہ جو نفوس قدسیہ انبیاء علیہم السلام سے متصل ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کو بھی بری عادتوں اور برے کاموں سے محفوظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔ (الاحزاب: ۳۳)

اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ اے رسول کے گھر والو! وہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور فرمادے اور وہ تمہیں اچھی طرح پاک اور صاف رکھے۔

السوء' الفحشاء اور المخلصین کے معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہم نے اس لیے کیا تاکہ ہم ان سے السوء اور الفحشاء کو دور رکھیں' بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں۔

السوء اور الفحشاء میں کئی وجہ سے فرق ہے' السوء کا معنی ہے: ہاتھ کا جرم اور الفحشاء کا معنی ہے زنا۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ السوء کا معنی ہے زنا کے مبادی اور مقدمات مثلاً بوس و کنار اور شہوت سے دیکھنا اور الفحشاء کا معنی ہے زنا۔ (تفسیر کبیر) اور تیسرا فرق یہ ہے کہ السوء کا معنی ہے شہوت اور الفحشاء کا معنی ہے بغل گیر ہونا‘ چوتھا فرق یہ ہے کہ السوء کا معنی ہے بری باتوں کا ذکر اور الفحشاء کا معنی ہے زنا‘ پانچوں فرق یہ ہے کہ السوء کا معنی ہے اپنے ساتھی کی خیانت کرنا اور الفحشاء کا معنی ہے بے حیائی کا مرتکب ہونا۔ (الجامع لاحکام القرآن)

مخلصین کی قرأت لام کی زیر کے ساتھ بھی ہے اور لام کی زبر کے ساتھ بھی ہے‘ اگر لام کی زیر کے ساتھ قرأت ہو تو اس سے مراد ہے جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ اللہ عزوجل کی اطاعت کی اور اگر لام پر زبر کے ساتھ قرأت ہو تو اس سے مراد ہے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لیے چن لیا۔ (انوار التنزیل)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے‘ اس عورت نے ان کی قمیص پیچھے سے پھاڑ ڈالی اور ان دونوں نے اس عورت کے خاوند کو دروازے کے قریب پایا‘ اس عورت نے کہا: اس شخص کی سزا کیا ہونی چاہیے جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے‘ سوائے اس کے کہ اس کو قید کیا جائے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے O (یوسف: ۲۵)

عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگانا

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور وہ عورت ہر دو شخص ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے دروازے کی طرف دوڑے‘ حضرت یوسف کا ارادہ تھا کہ وہ جلدی سے آگے نکل جائیں تاکہ دروازوں سے باہر جا کر اس عورت کے بچھائے ہوئے بدکاری کے جال سے نکل جائیں اور اس عورت کا ارادہ تھا کہ حضرت یوسف کو نکلنے نہ دے‘ اس نے حضرت یوسف کو پالیا اور پیچھے سے ان کی قمیص پکڑ کر کھینچی اور زور سے کھینچنے سے وہ قمیص پھٹ گئی‘ کیونکہ حضرت یوسف بھاگ رہے تھے اور وہ پیچھے سے کھینچ رہی تھی اور اس زورا زوری میں وہ قمیص پیچھے سے پھٹ گئی‘ اور جب وہ دونوں دروازے سے باہر نکلے تو دروازے کے قریب اس کا شوہر کھڑا تھا‘ اس عورت نے اپنا جرم چھپانے کے لیے اور حضرت یوسف پر جھوٹا الزام لگانے کے لیے بولنے میں پہل کی اور کہنے لگی اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے؟ سوائے اس کے کہ اس کو قید کیا جائے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے یعنی اس کو کوڑے لگائے جائیں۔

عزیز مصر کی بیوی کو حضرت یوسف سے جو شدید محبت تھی اس وجہ سے اس نے پہلے ان کو قید میں ڈالنے کا ذکر کیا پھر اس کے بعد ان کو سزا دینے کا ذکر کیا کیونکہ محب یہ نہیں چاہتا کہ اس کے محبوب کو اذیت پہنچائی جائے‘ اس عورت نے صراحتاً یہ نہیں کہا کہ یوسف کا میرے ساتھ زنا کا ارادہ تھا بلکہ یوں کہا کہ اس نے میرے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تھا‘ کیونکہ جب اس نے یہ دیکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی نوجوانی کی عمر‘ قوت اور زور کے کمال اور شہوت کی انتہاء کے باوجود اپنے آپ کو گناہ میں ملوث ہونے نہیں دیا تو اس کو حیا آئی کہ وہ ان کی طرف صراحتاً زنا کی نسبت کرے اس لیے اس نے کنایہ اور تعریض کے ساتھ کہا کہ اس نے میرے ساتھ برائی کا ارادہ کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی ترغیب دی اور اپنی طرف مائل کرنا اور رجھانا چاہا اور اس کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو سختی سے منع کیا‘ ڈانٹا اور مارا تو اس کو اس نے برائی کے ساتھ تعبیر کیا ہو اور اپنے خاوند کے ذہن میں یہ ڈالا ہو کہ حضرت یوسف اس سے بدکاری کرنا چاہتے تھے۔ (زاد المسیر و تفسیر کبیر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوسف نے کہا اسی نے مجھے اپنی طرف راغب کیا تھا‘ اس عورت کے خاندان میں سے ہی ایک شخص نے گواہی دی کہ اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹوں میں سے ہے O

اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے○ (یوسف: ۲۷-۲۶)

حضرت یوسف علیہ السلام کی تہمت سے برأت اور ان کے صدق کے شواہد

حضرت یوسف علیہ السلام نے ابتداءً اس عورت کا پردہ فاش نہیں کیا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی اپنی عزت اور پاک دامنی پر حرف آ رہا ہے تو پھر انہوں نے حقیقت حال واضح کی، حضرت یوسف علیہ السلام کے صدق اور آپ کی پاک دامنی پر متعدد شواہد تھے، ان میں سے بعض شواہد درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام بظاہر عزیز مصر کے پروردہ اور غلام تھے اور جو شخص پروردہ اور غلام ہو، اس کا اپنے مالک پر اس حد تک تسلط اور تصرف نہیں ہوتا اور وہ اس کی عزت اور ناموس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔

(۲) عزیز مصر اور اس عورت کے چچازاد بھائی نے یہ دیکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہت تیزی سے دروازے کی طرف نکلنے کے لیے بھاگ رہے تھے اور عورت ان کے پیچھے بھاگ رہی تھی، اس سے واضح طور پر پتہ چلتا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس سے جان چھڑانا چاہ رہے تھے اور وہ عورت ان کے درپے تھی، اگر حضرت یوسف علیہ السلام اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والے ہوتے تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا، وہ عورت بھاگ رہی ہوتی اور حضرت یوسف اس کے پیچھے ہوتے۔

میرے استاذ حضرت مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس عورت نے تو ساتوں کمروں میں تالے لگا دیئے تھے اور دروازے بند کر دیئے تھے، پھر حضرت یوسف کو اس سے بھاگنے کا موقع کیسے ملا؟ انہوں نے فرمایا: حضرت یوسف علیہ السلام نے دل میں اللہ سے دعا کی: اے اللہ مجھے اس عورت سے بچا! اور اس گناہ سے بچنے کے لیے جو کچھ میں کر سکتا ہوں اور جو کچھ میری قدرت میں ہے، وہ میں کرتا ہوں اور جو میں نہیں کر سکتا وہ تو کر دے، سو انہوں نے بھاگنا شروع کیا اور بند کمروں کے دروازے کھلتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کا ہر معاملہ میں یہی طریقہ ہے، جو کچھ بندہ کر سکتا ہے وہ بندہ کرے اور جو بندہ نہیں کر سکتا، وہ اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے۔ دیکھیے غلہ کی پیداوار کے لیے زمین میں ہل چلانا ہوتا ہے، بیج بونا ہوتا ہے، کھیت میں پانی دینا ہوتا ہے، پھر اس کے پکنے کے لیے سورج کی حرارت، ذائقہ کے لیے چاند کی کرنیں، پانی کے حصول کے لیے بارش اور دانے کو بھوسے سے الگ کرنے کے لیے ہواؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ سورج، چاند، بارش اور ہوائیں انسان کی قدرت میں نہیں ہیں، تو جو کام اس کی قدرت میں نہیں ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے، بھاگنا حضرت یوسف علیہ السلام کی قدرت میں تھا، انہوں نے بھاگنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے بند دروازے کھولنے شروع کیے۔

(۳) عزیز مصر اور اس عورت کے عم زاد نے دیکھا کہ اس عورت نے مکمل طور پر بناؤ سنگھار کیا ہوا تھا اور خود کو بنایا اور سنوارا ہوا تھا جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام پر زینت کا کوئی اثر نہیں تھا، وہ اسی طرح معمول کے مطابق حالت میں تھے، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کام کی دعوت دینے والی وہ عورت ہی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام اس سے اپنا دامن بچانے والے تھے۔

(۴) عزیز مصر نے مشاہدہ کیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک طویل مدت تک ان کے پاس رہے اور انہوں نے ہمیشہ حضرت یوسف علیہ السلام کو صداقت اور شرافت کا پیکر پایا اور کبھی ان میں غیر شائستہ اور غیر متوازن کام نہیں دیکھا اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کی واضح شہادت ہے۔

(۵) حضرت یوسف علیہ السلام نے نہایت بے باکی سے بے دھڑک اور دو ٹوک الفاظ میں کہا: یہ مجھے اپنی طرف راغب کر رہی تھی جبکہ اس عورت نے مبہم اور مجمل کلام کیا اور کہا: اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا

ارادہ کرے' کیونکہ جو مجرم ہوتا ہے وہ بہرحال دل میں ڈرتا ہے۔
(۶) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عورت کا خاوند عاجز تھا یعنی نامرد تھا اور اس عورت میں طلب شہوت کے آثار بھرپور تھے لہٰذا اس فتنہ کی اس عورت کی طرف نسبت کرنا ہی زیادہ مناسب تھا' اور چونکہ یہ تمام قرائن حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کرتے تھے اور اس عورت کو مجرم ثابت کرتے تھے اس لیے عزیز مصر نے توقف اور سکوت کیا کیونکہ اس نے جان لیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سچے ہیں اور یہ عورت جھوٹی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت پر ایک اور دلیل ظاہر فرمائی جس سے یہ قرائن اور قوی ہو گئے اور یہ ظاہر ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس الزام سے بری ہیں اور یہ عورت ہی مجرم ہے اور وہ خارجی شہادت یہ ہے: اس عورت کے خاندان میں سے ہی ایک شخص نے گواہی دی اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹوں میں سے ہے○ اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے○ (یوسف: ۲۷-۲۶) اس شاہد کے متعلق دو قول ہیں:
(۱) ایک نوزائیدہ بچہ جو پالنے میں تھا اس نے یہ گواہی دی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چار بچوں نے پالنے میں کلام کیا: حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام' صاحب جریج' شاہد یوسف اور فرعون کی بیٹی ماشطہ کا بیٹا۔
(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۸۲۲' عالم الکتب و دار الفکر' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۱۷' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۹۳۱' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۵۰۳' حسن' سعید بن جبیر' ضحاک وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے' جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۵۵-۲۵۳' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۱۲۸)
(۲) وہ شاہد اس عورت کا عمزاد تھا اور وہ بہت دانا شخص تھا' اتفاق سے وہ اس وقت عزیز مصر کے ساتھ اس عورت کے پاس جا رہا تھا' اس نے کہا ہم نے دروازے کے پیچھے کچھ آہٹ اور قمیص پھٹنے کی آواز سنی ہے' مگر ہم کو یہ معلوم نہیں کہ کون کس کے آگے تھا' اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو اے عورت تم سچی ہو اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو مرد سچا ہے اور اے عورت تم جھوٹی ہو' پھر جب انہوں نے قمیص کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ (زاد المسیر ج ۴' ص ۲۱۱)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب اس نے یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا یہ تم عورتوں کی سازش ہے' بے شک تمہاری سازش بہت سنگین ہے○ یوسف اس سے درگزر کرو اور اے عورت! تم اپنے گناہ کی معافی مانگو' بے شک تم گناہ گاروں میں سے تھیں○ (یوسف: ۲۹-۲۸)

عزیز مصر کی بیوی کو معافی مانگنے کی تلقین

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس گواہ کا قول ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس عورت کے خاوند یعنی عزیز مصر کا قول ہو' عزیز مصر نے جو حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ کہا کہ اے یوسف! تم اس سے درگزر کرو' اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس بات کو مخفی رکھو اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا' کیونکہ اگر یہ بات پھیل جاتی تو اس سے عزیز مصر کی بدنامی ہوتی' کیونکہ اگر کسی شخص کی بیوی بدچلن ہو تو یہ اس شخص کے لیے موجب عار ہوتا ہے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کا بے قصور ہونا اور اس عورت کا مجرم ہونا ظاہر ہو گیا تو اس گواہ نے کہا کہ تم اپنے خاوند سے معافی مانگو کیونکہ تم نے اس کی امانت میں خیانت کرنے کی جسارت کی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے خاوند نے کہا ہو کہ تم اپنے گناہ کی اللہ سے معافی مانگو' کیونکہ اگرچہ وہ لوگ کافر اور بت پرست تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو ماننے والے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں فرمایا تھا:
ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ کیا الگ الگ کئی معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب

الْقَهَّارُ ۝ (یوسف: ۳۹)

ہے۔

عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا: بے شک تم گناہ گاروں میں سے تھیں' اس کے خاوند نے اپنی بیوی کی طرف گناہ کی نسبت کی اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خاوند کو ابتداء ہی سے یہ معلوم تھا کہ قصوروار اور خطاکار اس کی بیوی ہے نہ کہ حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام' کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی غلط حرکتیں کرتی رہتی ہے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے خاوند میں غیرت کا مادہ بہت کم تھا ورنہ اگر اس میں غیرت اور حمیت ہوتی تو وہ ایسی بدچلن اور بدقماش عورت کو قتل کر دیتا یا اس کو بہت سخت اور عبرت ناک سزا دیتا پھر طلاق دے کر گھر سے نکال دیتا لیکن اس نے صرف اس پر اکتفا کیا کہ بیوی سے یہ کہا کہ تم اپنے گناہ کی معافی مانگو۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ مصریوں میں غیرت کا مادہ کم ہوتا ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے غیرت کا مادہ سلب کر لیا ہو۔

عورتوں کے مکر کا عظیم ہونا

عزیز مصر یا اس عورت کے عم زاد نے کہا: تم عورتوں کی سازش بہت عظیم ہوتی ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے:

وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا۔ (النساء: ۲۸) — اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

پس جب انسان فی نفسہٖ ضعیف ہے تو انسان کی ایک صنف یعنی عورت کا مکر اور ان کی سازش عظیم کیسے ہو گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی خلقت فرشتوں' جنات' آسمانوں' سیاروں اور پہاڑوں کی بہ نسبت ضعیف ہے اور عورتوں کا مکر اور ان کی سازش مردوں کے مکر اور ان کی سازش کے مقابلہ میں عظیم ہوتی ہے' اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز پڑھانے کے لیے عید گاہ میں تشریف لے گئے' جب آپ عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اے خواتین! تم صدقہ کیا کرو' کیونکہ مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ اہل دوزخ میں تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے۔ عورتوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: تم لعن طعن بہت زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو' اور عورتیں جو ناقص العقل اور ناقص الدین ہیں ان میں سے میں نے کوئی ایسی نہیں دیکھی جو تم سے زیادہ کسی ہوشیار اور دانا مرد کی عقل کو زائل کرنے والی ہو۔ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہمارے دین میں کیا کمی ہے اور ہماری عقل میں کیا کمی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کا نصف ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورتوں کی عقل کی کمی ہے' آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورتوں کو حیض آتا ہے تو وہ نماز پڑھتی ہیں نہ روزہ رکھتی ہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ ان کے دین کی کمی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹'۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۵۷۶' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۹۴۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۳' مسند احمد ج ۲ ص ۶۶ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۵۳۴۳' عالم الکتب و دار الفکر)

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ

اور عورتیں شہر میں یہ باتیں کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے نوجوان (غلام) کو اپنی طرف راغب

نَفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾

کر رہی ہے، اس کی محبت اس کے دل پر چھا چکی ہے، بے شک ہم اس کو صریح بے راہ روی میں دیکھ رہی ہیں ○

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَیْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً

جب اس عورت نے ان عورتوں کی نکتہ چینی سنی تو اس نے ان کو بلوایا اور اس نے ان کے لیے تکیے سجا کر ایک محفل منعقد کی

وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّیْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَیْهِنَّ ۚ فَلَمَّا

اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دے دی اور (یوسف سے) کہا ان کے سامنے باہر آؤ، ان عورتوں نے

رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا

جب یوسف کو دیکھا تو بہت عظیم جانا اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے، اور کہا سبحان اللہ! یہ

بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ

بشر نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے ○ اس نے کہا یہی ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کرتی

فِیْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَىِٕنْ لَّمْ یَفْعَلْ

تھیں، میں نے اس کو اپنی طرف راغب کیا تھا یہ بچا رہا، اور اگر اس نے وہ کام نہیں کیا جو میں

مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ

نے اس سے کہا ہے، تو یہ ضرور قید کر دیا جائے گا اور یہ بے عزت لوگوں میں سے ہو جائے گا ○ یوسف نے کہا اے میرے رب!

السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ

مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں اور اگر تو نے ان کی سازش

كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ

مجھ سے دور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں سے ہو جاؤں گا ○ پس ان کے رب نے

لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾

ان کی دعا قبول کی اور ان کو عورتوں کی سازش سے محفوظ کر دیا، بے شک وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

ع ۱۴ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۳۵﴾

پھر (یوسف کی پاکبازی کی) علامات دیکھنے کے باوجود ان کی یہی رائے ہوئی کہ وہ کچھ عرصہ کے لیے یوسف کو ضرور قید کردیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور عورتیں شہر میں یہ باتیں کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے نوجوان (غلام) کو اپنی طرف راغب کر رہی ہے، اس کی محبت اس کے دل پر چھا چکی ہے، بے شک ہم اس کو صریح بے راہ روی میں دیکھ رہی ہیں ○ (یوسف: ۳۰)

مصر کی عورتوں کی نکتہ چینی

ان عورتوں کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ چار عورتیں تھیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ پانچ عورتیں تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان میں سے ایک بادشاہ کے ساقی کی بیوی تھی، دوسری بادشاہ کے وزیر کی بیوی تھی، تیسری جیل کے داروغہ کی بیوی تھی، اور چوتھی باورچی کی بیوی تھی۔ مقاتل نے ان چار کے علاوہ نقیب کی بیوی کا بھی اضافہ کیا ہے۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۲۲۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

قد شغفها حبا: اس کے دو معنی ہیں: شغاف اس کھال کو کہتے ہیں جو دل پر محیط ہوتی ہے، اس کو قلب کا غلاف کہتے ہیں، یعنی حضرت یوسف کی محبت اس کھال تک پہنچ کر اس کے دل میں سرایت کر گئی تھی اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف کی محبت اس کے دل کا اس طرح احاطہ کر چکی تھی جس طرح غلاف کسی چیز کا احاطہ کرتا ہے۔ (لسان العرب، الصحاح) ان عورتوں نے کہا: بے شک ہم اس کو صریح بے راہ روی میں دیکھ رہی ہیں کیونکہ حضرت یوسف ان کے نزدیک غلام کے حکم میں تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف کو عزیز مصر سے مانگ لیا تھا۔ عزیز مصر نے حضرت یوسف کو اسے بخش دیا، اور پوچھا: تم اس کا کیا کرو گی؟ اس نے کہا: میں اس کو بیٹا بناؤں گی۔ اس نے کہا: یہ تمہارا ہے۔ اس عورت نے حضرت یوسف کی پرورش کی اور اس کے دل میں حضرت یوسف کی محبت تھی، وہ حضرت یوسف کے سامنے بن سنور کے رہتی تھی اور مختلف حیلوں سے حضرت یوسف کو اپنی طرف مائل اور راغب کرنے کی کوشش کرتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۵۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اس عورت نے ان عورتوں کی نکتہ چینی سنی تو اس نے ان کو بلوایا اور اس نے ان کے لیے تکیے سجا کر ایک محفل منعقد کی، اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دے دی، اور (یوسف سے) کہا ان کے سامنے باہر آؤ، ان عورتوں نے جب یوسف کو دیکھا تو بہت عظیم جانا اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور کہا: سبحان اللہ! یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے ○ (یوسف: ۳۱)

مصر کی عورتوں کی نکتہ چینی کا منشاء

اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کی نکتہ چینی کو مکر سے تعبیر فرمایا ہے، اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ان عورتوں نے یہ نکتہ چینی اس لیے کی تھی تاکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے رخِ زیبا کو دیکھ سکیں کیونکہ ان کو اندازہ تھا کہ جب عزیز مصر کی بیوی ان کی اس تنقید کو سنے گی تو وہ ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرۂ مبارک دکھائے گی تاکہ ان عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر وہ حضرت یوسف پر فریفتہ ہو گئی ہے تو وہ اس میں معذور ہے۔

(۲) عزیز مصر کی بیوی نے ان عورتوں کو اپنا رازدار بنایا تھا اور یہ بتا دیا تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرتی

ہے، لیکن جب ان عورتوں نے اس کا راز فاش کر دیا تو یہ ان کی بدعہدی اور مکر تھا۔
(۳) ان عورتوں نے اس کی غیبت کی تھی اور یہ غیبت مکر کے مشابہ تھی۔

یہ عورتیں بظاہر عزیز مصر کی بیوی پر نکتہ چینی کر رہی تھیں کہ وہ اپنے غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے لیکن حقیقت میں وہ یہ چاہتی تھیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنا عذر ظاہر کرنے کے لیے انہیں حضرت یوسف کا حسین و جمیل چہرہ دکھائے، اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے کا حکم دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ حضرت عمر کو نماز پڑھانے کا حکم دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم حضرت یوسف کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو۔

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رونے کا غلبہ ہوگا اور وہ لوگوں کو اپنی قرأت نہیں سنا سکیں گے، آپ حضرت عمر کو نماز پڑھانے کا حکم دیں۔ پھر حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہیں کہ حضرت ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رونے کا غلبہ ہوگا اور وہ لوگوں کو اپنی قرأت نہیں سنا سکیں گے۔ حضرت حفصہ نے اسی طرح کہا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو، تم تو حضرت یوسف کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو، ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے کہا: میں تمہارے مقابلہ میں کبھی خیر کو حاصل نہیں کر سکتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۳۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۰۸۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا منشاء یہ تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ایک مرتبہ حکم دینے سے حضرت ابوبکر کو امام بنا دیا جاتا تو ہو سکتا ہے کہ بعد میں کوئی کہنے والا یہ کہتا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیماری کے کسی حال میں یہ حکم دیا تھا یا سہو یا غفلت میں یہ حکم دیا تھا یا اتفاقاً یہ حکم دیا تھا، اگر آپ کی توجہ کسی اور کی طرف دلائی جاتی تو آپ اس کو حکم دے دیتے، لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو دو بار حضرت عمر کی طرف توجہ دلائی گئی اور آپ نے ہر بار حضرت ابوبکر ہی کو امام بنانے کا حکم دیا تو واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے غفلت سے یا بیماری کے کسی حال میں یہ حکم نہیں دیا تھا بلکہ پوری توجہ، حاضر دماغی اور بیداری ذہن کے ساتھ یہ حکم دیا تھا اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کا بار بار کسی اور کا سوال کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر بار بالاصرار حضرت ابوبکر ہی کا حکم دینا حضرت ابوبکر کی امامت کو پختہ اور موکد کر دیتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: تم حضرت یوسف کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو یعنی جس طرح وہ بظاہر عزیز مصر کی بیوی پر نکتہ چینی کر رہی تھیں اور حقیقت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال دیکھنا چاہتی تھیں اسی طرح تم بھی بظاہر یہ کہہ رہی ہو کہ کسی اور کو امام بنایا جائے اور درحقیقت تم یہ چاہتی ہو کہ حضرت ابوبکر کی امامت کو اور پختہ اور موکد کر دیا جائے تاکہ کوئی کہنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کے کسی حال میں حضرت ابوبکر کو امام بنایا تھا۔

مصری خواتین کی دعوت کا اہتمام

عزیز مصر کی بیوی نے جب یہ سنا کہ یہ عورتیں اس کی حضرت یوسف سے بے حد زیادہ محبت کی وجہ سے اس کو ملامت کر رہی ہیں تو اس نے اپنے عذر کو ظاہر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے ان عورتوں کو بلایا اور ان کے لیے ایک مجلس منعقد کی۔ قرآن مجید میں متکئا کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے چھوٹے تکیے اور گدے، اس کا دوسرا معنی ہے طعام۔ عتبی نے کہا: اصل محاورہ

یہ ہے کہ تم جس شخص کو کھانے کی دعوت دو پھر تم اس کے بیٹھنے کے لیے گدے بچھاؤ تو اس طعام کو بطور استعارہ متکا کہا جاتا ہے' اس کا تیسرا معنی ہے اترج یا اترنجہ- یہ ایک خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھل ہے' اس کا حجم بڑا ہوتا ہے اور اس کا ذائقہ کھٹا اور میٹھا ہوتا ہے' اس کی تاثیر گرم تر ہے اور اس کے طبی فوائد بہت زیادہ ہیں- اس کا اصل معنی یہی ہے لیکن اس جگہ یہ انواع و اقسام کے پھلوں پر محمول ہے جو اس مجلس میں ان کے کھانے کے لیے رکھے گئے تھے- اس کا چوتھا معنی ہے ایسے پھل جو کاٹ کر کھائے جاتے ہیں- (زادالمسیر' الجامع لاحکام القرآن' تفسیر کبیر) خلاصہ یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے ان عورتوں کی دعوت کی اور ان میں سے ہر عورت کو ایک معین جگہ بٹھادیا اور پھل یا گوشت کاٹنے کے لیے ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دے دی' پھر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ وہ ان عورتوں کے سامنے آئیں اور ان عورتوں کے سامنے سے گزریں-

جب ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اچانک دیکھا تو انہوں نے آپ کو بہت عظیم جانا' اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جلوۂ حُسن کو دیکھنے میں اس قدر منہمک اور مستغرق ہوئیں کہ انہوں نے پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ان کو بالکل پتا نہیں چلا-

حضرت یوسف کے غیر معمولی حُسن کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے معراج کے سلسلہ میں ایک طویل حدیث روایت کی ہے' اس میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا- جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا' ان سے پوچھا گیا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: جبرئیل! ان سے پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں انہیں بلایا گیا ہے! پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور (لوگوں کا) نصف حُسن ان کو عطا کیا گیا تھا' الحدیث- (صحیح مسلم الایمان: ۲۵۹ (۱۶۲) الرقم المسلسل: ۴۰۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی والدہ کو نصف حُسن عطا کیا گیا تھا-

(مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۰۵۲ دارالفکر طبع جدید' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۷۱۲' المستدرک ج ۲ ص ۵۷۰)

ربیعہ الجرشی نے کہا: حُسن کے دو حصے کیے گئے' ایک حصہ حضرت یوسف اور ان کی والدہ کو دیا گیا اور باقی ایک حصہ تمام لوگوں کو دیا گیا- (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۷۵۱' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۵۵۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت یوسف کا چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا-

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۵۵۹)

امام ابن المنذر' امام ابوالشیخ اور امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا اور جب کوئی عورت ان کے پاس کسی کام سے آتی تو حضرت یوسف اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتے تھے اس خوف سے کہ کہیں وہ عورت کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے- (الدرالمنثور ج ۴ ص ۵۳۲)

امام ابوالشیخ نے اسحٰق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کی گلیوں میں جاتے تھے تو ان کا چہرہ دیواروں پر اس طرح چمکتا تھا جس طرح سورج دیواروں پر چمکتا ہے- (الدرالمنثور ج ۴ ص ۵۳۲)

امام عبد بن حمید' امام ابن المنذر اور امام ابوالشیخ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حُسن کی لوگوں پر اس طرح فضیلت تھی جس طرح چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر فضیلت ہوتی ہے-

(الدرالمنثور ج ۴ ص ۵۳۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس لیے عظیم جانا کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے پر انوارِ نبوت اور آثارِ رسالت دیکھے اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان میں فرشتوں کے خواص ہیں کیونکہ وہ کھانے پینے کی چیزوں کی طرف اور عورتوں کی طرف التفات نہیں کرتے تھے اور ان کے دلوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کا رُعب طاری ہو گیا اس لیے انہوں نے بے ساختہ کہا: یہ بشر نہیں ہے، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔

مصری خواتین کا پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھوں کو کاٹ لینا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید نے کہا: وہ عورتیں چھریوں کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو کاٹ رہی تھیں اور ان کا یہی گمان تھا کہ وہ پھلوں کو کاٹ رہی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حُسن کو دیکھ کر ان کی عقلیں جاتی رہی تھیں۔ قتادہ نے کہا: انہوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا اور ان کو بالکل پتا نہیں چلا۔ ابن اسحٰق نے کہا کہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا: آپ ان کے سامنے آئیں، حضرت یوسف ان کے سامنے آئے، جب انہوں نے حضرت یوسف کے حُسن کو دیکھا تو ان کی عقلیں مغلوب ہو گئیں، انہوں نے چھریوں سے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا اور ان کو بالکل پتا نہیں چلا کہ وہ کیا کر رہی ہیں۔

(جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۷۰، مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۲ھ)

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ اس عورت نے منتظم سے کہا کہ یوسف کو سفید لباس پہناؤ، کیونکہ سفید لباس میں انسان زیادہ حسین معلوم ہوتا ہے، اور جس وقت وہ عورتیں پھل کاٹ رہی ہوں اس وقت یوسف کو ان کے سامنے لے جانا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام ان کے سامنے آئے تو وہ حضرت یوسف کو دیکھنے میں ایسی مدہوش ہوئیں کہ انہوں نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ان کو درد کا بالکل احساس نہیں ہوا، اور جب حضرت یوسف ان کے سامنے سے چلے گئے تو پھر انہیں درد کا احساس ہوا اور پھر عزیز مصر کی بیوی نے کہا: تم نے تو ایک لمحہ کے لیے یوسف کو دیکھا ہے تو تمہارا یہ حال ہو گیا تو سوچو کہ جو دن رات یوسف کے ساتھ رہتی ہو اس کا کیا حال ہوا ہو گا! تو وہ عورتیں بے ساختہ بولیں کہ سبحان اللہ! یہ بشر نہیں ہے، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔

امام ابن ابی حاتم کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت یوسف ان عورتوں کے سامنے سے چلے گئے تو عزیز مصر کی بیوی نے کہا: یہ ہے وہ شخص جس سے محبت کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کر رہی تھیں، تم نے دیکھ لیا کہ تم اس کو ایک نظر دیکھ کر اس قدر مدہوش ہوئیں کہ تم نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور تم کو بالکل درد نہیں ہوا۔ جب ان عورتوں نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں اور بہتے ہوئے خُون کو دیکھا تو وہ درد کی شدت سے کراہنے اور رونے لگیں اور انہوں نے کہا: یہ بشر نہیں ہے، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے اور ہم آج کے بعد اس کی محبت کی وجہ سے تم کو ملامت نہیں کریں گی۔

(الدر المنثور ج ۴ ص ۵۳۲۔۵۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کو فرشتہ کہنے کی توجیہ

ان عورتوں نے حضرت یوسف کو دیکھ کر جو یہ کہا تھا کہ یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے، اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ یہ بہت غیر معمولی حُسن کے مالک ہیں، اس لیے کہ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات مرکوز ہے کہ فرشتوں سے زیادہ کوئی حسین نہیں ہوتا اور شیطان سے زیادہ کوئی بدشکل نہیں ہوتا، لہٰذا ان کا حضرت یوسف کو فرشتہ کہنا ان کے غیر معمولی حُسن کی وجہ سے تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتوں میں شہوت اور غضب کا مادہ نہیں ہوتا، ان کی غذا تو صرف اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے،

پھر جب ان عورتوں نے یہ دیکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان عورتوں میں سے کسی عورت کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا حالانکہ جب کوئی عام آدمی عورتوں کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف ضرور نظر ڈالتا ہے تو انہوں نے کہا: یہ بشر نہیں ہے' یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے ان میں کوئی شہوت کا اثر نہیں دیکھا' نہ ان میں بشریت یا انسانیت کا کوئی تقاضا دیکھا' یہ انسان اور بشر کی تمام سفلی صفات سے منزہ ہیں اور انہیں دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے انسانیت کے پیکر میں کوئی عظیم فرشتہ ہو۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر کہا: حاشاللہ! یعنی عزیز مصر کی بیوی نے ان پر جو تہمت لگائی ہے یہ اس تہمت سے بہت دُور ہیں اور یہ تو گناہوں سے بری ہونے میں فرشتوں کی طرح معصوم ہیں' یہ کوئی عام بشر نہیں ہیں جن کے متعلق ایسی بدگمانی کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا یہی ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کرتی تھیں' میں نے اس کو اپنی طرف راغب کیا تھا یہ بچا رہا' اور اگر اس نے وہ کام نہیں کیا جو میں نے اس سے کہا ہے' تو یہ ضرور قید کر دیا جائے گا اور یہ بے عزت لوگوں میں سے ہو جائے گا○ (یوسف: ۳۲)

حضرت یوسف علیہ السلام کی سخت آزمائش

جب مصر کی عورتوں نے عزیز مصر کی بیوی کے متعلق کہا کہ وہ اپنے غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے اور ہم اس کو صریح بے راہ روی میں دیکھتی ہیں تو اس نے ایک محفل میں ان کو بلایا اور ان کے ہاتھوں میں پھل کاٹنے کے لیے چھریاں دے دیں اور خادم سے کہا: یوسف کو بلا کر لاؤ' جب اچانک حضرت یوسف ان کے سامنے آئے تو وہ جلوۂ یوسف کو دیکھ کر ایسی مدہوش ہوئیں کہ بے خودی میں انہوں نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ان کو احساس تک نہیں ہوا' تب عزیز مصر کی بیوی نے کہا: یہی ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کرتی تھیں' تم نے تو اس کو ایک لمحہ کے لیے دیکھا ہے تو سوچو جو اس کے ساتھ دن رات رہتی ہو اس کی بے خودی کا کیا حال ہو گا!

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی اور گناہ میں ملوث نہ ہونے کی صاف تصریح ہے کیونکہ اس عورت نے اعتراف کیا میں نے اس کو اپنی طرف راغب کیا تھا یہ بچا رہا' پھر اس نے یوسف علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس کی خواہش پوری نہ کی تو وہ ان کو جیل میں ڈلوا دے گی اور ان کو بے عزت کرا دے گی اور یہ بہت بڑی اور خطرناک دھمکی تھی' کیونکہ جو شخص لوگوں کی نگاہوں میں عزت دار ہو' جو منصب نبوت اور مرتبہ رسالت پر فائز ہو اگر اس کی عزت و ناموس کو خطرہ ہو اور لوگوں کی نگاہوں میں اس کے سبب توقیر ہونے کا کھٹکا ہو تو یہ اس کے لیے سخت آزمائش ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوسف نے کہا: اے میرے رب! مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں اور اگر تُو نے ان کی سازش مجھ سے دُور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں سے ہو جاؤں گا○ پس ان کے رب نے ان کی دُعا قبول کی اور ان کو عورتوں کی سازش سے محفوظ کر دیا' بے شک وہ بہت سننے والا' خوب جاننے والا ہے○ (یوسف: ۳۴-۳۳)

اللہ تعالیٰ کی عنایت کے بغیر گناہ سے بچنا ممکن نہیں

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی جس دُعا کا ذکر ہے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے یعنی یہ سب عورتیں ان کو گناہ کی طرف بلا رہی تھیں' اس کا ایک محمل تو یہ ہے کہ یہ سب عورتیں حضرت یوسف سے

اپنی اپنی خواہش کا اظہار کر رہی تھیں اور محفل میں شریک ہر عورت یہ چاہتی تھی کہ حضرت یوسف اس کی خواہش کو پورا کریں' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ عورتیں مل کر عزیز مصر کی بیوی کی سفارش کر رہی تھیں کہ تم نے اس عورت کی خواہش پوری نہ کر کے اس کے اوپر ظلم کیا ہے' تمہیں اپنی عزت کو قائم رکھنے کے لیے اور مال و دولت اور سہولتوں کی فراوانی حاصل کرنے کے لیے یہ چاہیے کہ تم اس کی خواہش کو پورا کرو۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن میں انواع و اقسام کے وسوسے تھے: (۱) عزیز مصر کی بیوی بہت خوب صورت ہے۔ (۲) وہ بہت مال دار اور بڑے مرتبہ کی ہے اور وہ یہ کہتی ہے کہ اگر تم نے میری خواہش پوری کر دی تو میں سب کچھ تم پر نچھاور کر دوں گی۔ (۳) محفل میں شریک ہر عورت ان سے اپنی خواہش کا اظہار کر رہی تھی اور خواہش پوری نہ کرنے کی صورت میں ان کو دھمکیاں دے رہی تھی اور اس معاملہ میں عورتوں کی سازشیں بہت سنگین ہوتی ہیں۔ (۴) حضرت یوسف ان عورتوں کے شر سے بہت خوف زدہ تھے' ان کو یہ خطرہ تھا کہ اگر ان عورتوں کی بات نہ مانی تو وہ ان کو قتل کروا دیں گی۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن میں اس کام کی طرف ترغیب کی بھی وجوہات تھیں اور کام نہ کرنے کی صورت میں ڈر اور خوف کی بھی وجوہات تھیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈر تھا کہ گناہ کی تحریک کے یہ اسباب بہت قوی ہیں کہیں یہ ان کے پائے استقامت کو ڈگمگا نہ دیں اور بشری قوت اور انسانی طاقت ایسی قوی ترغیبات اور تحریکات کے مقابلہ میں پاک دامنی پر برقرار رہنے کے لیے ناکافی ہے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ دستگیری فرمائے اور وہ بندے کو گناہ کے تاریک گڑھے میں گرنے سے بچالے' اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کی: اے میرے رب! مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں اور اگر تُو نے ان کی سازش مجھ سے دُور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

قید میں گرفتار ہونا مشقت اور مصیبت ہے اور جو ان کا مطلوب تھا وہ سراسر لذت اور عیش تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ اس عارضی لذت کا انجام دُنیا کی رُسوائی اور آخرت کا عذاب ہے اور انہوں نے دُنیا کی رُسوائی اور آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں قید کی مشقت اور مصیبت کو اختیار کر لیا اس لیے فرمایا: مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں (ہم نے اس کا ترجمہ زیادہ پسند نہیں کیا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا ان کی دعوت بھی کسی درجہ میں پسند تھی' لیکن زیادہ پسند قید ہونا تھا...... سعیدی غفرلہ) اور اس سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ جب انسان دو مصیبتوں میں سے کسی ایک مصیبت میں لانا گرفتار ہو تو آسان مصیبت کو اختیار کرلے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دُنیا کی مصیبت اختیار کر لینی چاہیے۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل حال نہ ہو انسان کسی گناہ سے بچ سکتا ہے نہ کسی نیکی کو اختیار کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا کو قبول کر لیا اور ان عورتوں کی سازش سے حضرت یوسف علیہ السلام کو محفوظ کر دیا' بے شک وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر (یوسف کی پاکبازی کی) علامات دیکھنے کے باوجود ان کی یہی رائے ہوئی کہ وہ کچھ عرصہ کے لیے یوسف کو ضرور قید کر دیں ○ (یوسف: ۳۵)

حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کرنے کا سبب

جب عزیز مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کی تہمت سے برأت ظاہر ہو گئی تو واضح طور پر اس نے حضرت یوسف سے

کوئی تعرض نہیں کیا، ادھر وہ عورت اپنی تمام حیلہ سازیوں اور مکر و فریب کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی موافقت پر ابھارتی رہی، اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، پھر جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے مایوس ہو گئی تو اس نے اپنا انتقام لینے کے لیے اپنے خاوند سے کہا: اس عبرانی غلام نے مجھے لوگوں کے درمیان رُسوا کر دیا ہے، یہ لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ اس عورت نے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے مجھے بہکایا اور ورغلایا تھا، اور میں ہر شخص کے سامنے جا کر اپنا عذر نہیں بیان کر سکتی اس لیے اس فحش بات کا چرچا روکنے کے لیے اس غلام کو قید کر دیا جائے۔ عزیز مصر نے سوچا اس طرح اس کی بھی بدنامی ہو رہی ہے، اس لیے مصلحت اسی میں ہے کہ لوگوں کی زبانیں بند کرنے کے لیے اس کو قید کر دیا جائے۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۹۷ ملخصاً)

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کی علامات

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کی علامات کا ذکر ہے، وہ علامات یہ تھیں: حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہوا ہونا، حضرت یوسف کا اس عورت سے بھاگنا اور اس عورت کا حضرت یوسف کا پیچھا کرنا، اس عورت کے خاندان کے ایک شخص کا اس عورت کو قصوروار قرار دینا اور حضرت یوسف کی برأت کو بیان کرنا، اس دعوت میں حضرت یوسف کو دیکھ کر ان عورتوں کا ہاتھ کاٹ لینا اور حضرت یوسف کی برأت کے لیے سبحان اللہ کہنا اور ان کی پارسائی کی وجہ سے ان کو فرشتہ قرار دینا۔

قید کی مدت

عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سات سال قید خانے میں رہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۷۰۴)

طارق اور سعید بن جبیر نے کہا: یہ مدت چھ ماہ تھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۵۹۱)

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ مدت پانچ سال تھی۔ حضرت ابن عباس سے ایک اور روایت ہے کہ یہ مدت ایک سال تھی۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے سات سال کی روایت کی ہے۔ عطا نے کہا: یہ قید اس وقت تک کے لیے تھی حتیٰ کہ لوگوں کی زبانیں اس واقعہ کے ذکر سے بند ہو جائیں۔ الماوردی نے کہا: اس قید کی کوئی مدت معین نہیں کی گئی تھی اور ان کو غیر محدود مدت کے لیے قید کیا گیا تھا اور یہی قول صحیح ہے۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۲۲۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ اَعْصِرُ

اور یوسف کے ساتھ دو جوان (بھی) قید خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں

خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِىْ خُبْزًا

شراب (کے لیے انگور) نچوڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے

تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۳۶

ہوں جن سے پرندے کھا رہے ہیں، آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے ہمارا گمان ہے کہ آپ نیک لوگوں میں سے ہیں ○

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ

یوسف نے کہا تم کو جو کھانا دیا جاتا ہے تم تک اس کے پہنچنے سے پہلے میں تم کو اس کی حقیقت بتا

أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

دوں گا، یہ ان علوم میں سے ہے جن کو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے

لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

اور جو لوگ آخرت کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے ○ اور میں نے اپنے باپ

آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ

دادا، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی اتباع کی ہے۔ ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی

مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ

چیز کو بھی شریک قرار دیں ، یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ

أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٨﴾ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ

شکر ادا نہیں کرتے ○ اے قید کے دونوں ساتھیو! آیا متعدد خدا بہتر ہیں

خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً

یا ایک اللہ جو غالب ہے؟ ○ تم اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف

سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنِ

چند اسماء ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیا ہے، اللہ نے ان کے ساتھ کوئی سند نہیں نازل کی،

الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ

حکم صرف اللہ کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو یہی صحیح دین ہے،

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٠﴾ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ اے قید کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو

فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ

شراب پلایا کرے گا اور رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی، پھر پرندے اس کے سر سے (گوشت نوچ کر)

رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ

کھائیں گے، تم جس کے متعلق سوال کرتے تھے اس کا (اسی طرح) فیصلہ ہو چکا ہے ○ اور جس کے متعلق یوسف کا گمان تھا

ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ

کہ وہ ان دونوں میں سے نجات پانے والا ہے، اس سے انہوں نے کہا: اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر کرنا، پس شیطان نے ان کو

ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ؕ﴿۴۲﴾ ع

اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا پس وہ قید خانے میں (مزید) کئی سال ٹھہرے رہے ○

ع ۵
۱۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یوسف کے ساتھ دو جوان (بھی) قید خانہ میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب (کے لیے انگور) نچوڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جن سے پرندے کھا رہے ہیں آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے ہمارا گمان ہے کہ آپ نیک لوگوں میں سے ہیں○ (یوسف: ۳۶)

حضرت یوسف کی قید خانہ میں ساقی اور نانبائی سے ملاقات

وہب بن منبہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دراز گوش پر سوار کرا کے قید خانہ میں لے جایا گیا، اور ایک آدمی ان کے ساتھ یہ کہتا ہوا جا رہا تھا جو شخص اپنی مالکہ کا کہنا نہ مانے اس کی یہی سزا ہوتی ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے تھے: دوزخ کی آگ، تارکول کی قمیص پہننے، گرم کھولتے ہوئے پانی کو پینے اور تھور کو کھانے کے مقابلہ میں یہ سزا بہت کم ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں پہنچے تو وہاں کئی ایسے لوگ دیکھے جو رہائی سے ناامید ہو چکے تھے، اور ان کی سزا بہت سخت تھی، حضرت یوسف علیہ السلام ان سے فرماتے تم صبر کرو اور بشارت قبول کرو تم کو اجر ملے گا۔ انہوں نے کہا اے نوجوان! آپ کس قدر نیک باتیں کرتے ہیں، آپ کے قرب میں ہم کو برکت ملے گی! آخر آپ کون ہیں؟ حضرت یوسف نے فرمایا: میں اللہ کے پسندیدہ بندے یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کا بیٹا یوسف ہوں!

حضرت یوسف علیہ السلام غمزدہ لوگوں کو قید خانے میں تسلی دیتے تھے، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے تھے، ساری رات نماز پڑھتے تھے اور خوف خدا سے اس قدر روتے تھے کہ کوٹھڑی کی چھت، دیواریں اور دروازوں پر بھی گریہ طاری ہو جاتا تھا، تمام قیدی آپ سے مانوس ہو گئے تھے، اور جب کوئی قیدی، قید سے رہائی پاتا تو جانے سے پہلے آپ کے پاس بیٹھ جاتا، قید خانہ کا داروغہ بھی آپ سے محبت کرتا تھا اور آپ کو بہت آرام پہنچاتا تھا، ایک دن اس نے کہا اے یوسف! میں آپ سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ کسی اور سے اتنی محبت نہیں کرتا۔ حضرت یوسف نے فرمایا: میں تمہاری محبت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں! اس نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے بتایا: میرے باپ نے مجھ سے محبت کی تو میرے بھائیوں نے میرے ساتھ ظالمانہ

سلوک کیا، میری مالکہ نے مجھ سے محبت کی اس کے نتیجہ میں، میں آج اس قید میں ہوں۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں تھے تو مصر کا سب سے بڑا بادشاہ جس کا نام ریان بن الولید تھا وہ بوڑھا ہو چکا تھا اس کو اپنے نان بائی اور ساقی پر شک ہوا کہ وہ اس کو زہر دینے والے ہیں، اس نے ان دونوں کو قید میں ڈلوا دیا۔ ثعلبی نے کعب سے روایت کیا ہے کہ ساقی کا نام منجا تھا اور نانبائی کا نام مجلث تھا۔ قرآن مجید نے ان دونوں کے لیے فتیان کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ عربی میں فتی غلام کو بھی کہتے ہیں اور یہ دونوں بادشاہ کے غلام تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں سے کہا تھا کہ وہ خواب کی تعبیر بتاتے ہیں، تو نانبائی اور ساقی نے ایک دوسرے سے کہا: آؤ ہم اس عبرانی غلام کا تجربہ کریں پھر ان دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھی، ساقی نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں بادشاہ کے لیے انگور نچوڑ رہا ہوں اور نانبائی نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے جا رہا ہوں اور پرندے اس سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں، ہمارا گمان ہے کہ آپ نیک لوگوں میں سے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۶۵-۱۶۴، تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۷ ص ۲۱۴۳-۲۱۴۱، النکت والعیون ج ۳ ص ۳۶-۳۵، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲۹، الدر المنثور ج ۴ ص ۷ ۵۳-۵۳۵)

ساقی اور نانبائی کے بیان کیے ہوئے خواب آیا سچے تھے یا جھوٹے؟

ساقی اور نانبائی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے جو خواب بیان کیا تھا وہ سچا تھا یا جھوٹا؟ اس کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے جھوٹا خواب بیان کیا تھا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے صرف تجربہ کے طور پر سوال کیا تھا۔

(۲) مجاہد اور امام ابن اسحاق نے کہا: انہوں نے سچا خواب بیان کیا تھا اور انہوں نے واقعی خواب دیکھا تھا۔

(۳) ابو مجلز نے کہا: نانبائی نے جھوٹا خواب بیان کیا تھا اور ساقی نے سچا خواب بیان کیا تھا۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۲۲۳-۲۲۲، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوسف نے کہا تم کو جو کھانا دیا جاتا ہے تم تک اس کے پہنچنے سے پہلے میں تم کو اس کی حقیقت بتا دوں گا یہ ان علوم میں سے ہے جن کو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور جو لوگ آخرت کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں، میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے○ (یوسف: ۳۷)

قید خانہ میں کھانا آنے سے پہلے حضرت یوسف کا کھانے کی خبر دینا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں: امام ابن اسحاق نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم کو خواب میں جو کھانا بھی دیا جائے گا میں تم کو بیداری میں اس کی حقیقت بتا دوں گا اور امام ابن جریج نے کہا: تم کو بیداری میں جو کھانا دیا جائے گا میں تم کو (پہلے سے) اس کی حقیقت بتا دوں گا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۷۵۲، ۱۴۷۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۶۰۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: اس آیت کے دو معنی ہیں، حسن بصری نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ کہ تمہیں جب بھی بیداری میں کھانا دیا جائے گا میں تم تک کھانا پہنچنے سے پہلے بتا دوں گا کہ تمہارے پاس کیا کھانا آئے گا

کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح غائب شدہ چیزوں کی خبر دیتے تھے اور سدی نے بیان کیا کہ تم کو خواب میں جو کھانا دیا جائے گا بیداری میں اس کھانے کے پہنچنے سے پہلے میں تم کو اس کی حقیقت بتا دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ساقی اور نانبائی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کھانا پہنچنے سے پہلے آپ کو اس کی حقیقت کا کیسے پتا چل جاتا ہے حالانکہ آپ جادوگر ہیں نہ نجومی ہیں تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا: مجھے میرے رب نے اس کی تعلیم دی ہے۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۲۲۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا: کل تمہارے پاس تمہارے گھروں سے کھانا پہنچنے سے پہلے میں تمہیں اس کھانے کی خبر دے دوں گا تاکہ تم کو یقین آ جائے کہ میں خواب کی تعبیر کا علم بھی رکھتا ہوں، انہوں نے کہا آپ اسی طرح کریں، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے پاس فلاں فلاں کھانے کی چیز آئے گی، سو ایسا ہی ہوا اور یہ علم الغیب تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ مختص تھا، اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس علم کے ساتھ اس لیے مخصوص فرمایا ہے کہ انہوں نے اس قوم کے دین کو ترک کر دیا جو اللہ پر ایمان نہیں لاتی، یعنی بادشاہ کے دین کو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۶۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن کثیر نے بھی اس آیت کا معنی اسی طرح بیان کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ہم نے اس معنی کے ثبوت میں بکثرت حوالے اس لیے پیش کیے ہیں کہ بعض اردو کے مفسرین نے اس آیت کا معنی اس کے خلاف کیا ہے۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

خوابوں کی تعبیر تمہیں بہت جلد معلوم ہوا چاہتی ہے روز مرہ تم کو جو کھانا ملتا ہے اس کے آنے سے پیشتر میں تم کو تعبیر بتلا کر فارغ ہو جاؤں گا۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

یہاں جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔

(تفہیم القرآن ج ۲ ص ۴۰۱، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۲ء)

اس کے برخلاف شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ نے متقدمین مفسرین کے مطابق ہی لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

فرمایا کہ (دیکھو) جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے جو کہ تم کو کھانے کے لیے (جیل خانہ میں) ملتا ہے میں اس کے آنے سے پہلے اس کی حقیقت تم کو بتلا دیا کرتا ہوں، (کہ فلاں چیز آوے گی اور ایسی ایسی ہوگی) اور یہ بتلا دینا اس علم کی بدولت ہے جو مجھ کو میرے رب نے تعلیم فرمایا ہے (یعنی مجھ کو وحی سے معلوم ہو جاتا ہے پس یہ معجزہ ہوا جو کہ دلیل نبوت ہے)

(بیان القرآن ج ۱ ص ۴۸۲، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اور مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے بھی اس آیت کا اسی طرح معنی کیا ہے جو کہ تمام متقدمین مفسرین کے مطابق ہے اور ہم نے بھی اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے کھانے کے متعلق پیش گوئی کی توجیہ

اس مقام پر یہ سوال ہوتا ہے کہ ساقی اور نانبائی نے تو حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے خوابوں کی تعبیر کے متعلق

سوال کیا تھا اور حضرت یوسف نے ان کو یہ بتانا شروع کر دیا کہ تمہارے پاس کس قسم کا کھانا آئے گا اور کتنا آئے گا اور کس وقت آئے گا تو ان کا یہ جواب ان دونوں کے سوال کے مطابق تو نہیں ہے۔ امام فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

(۱) حضرت یوسف کو علم تھا کہ ان میں سے ایک کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور جب وہ اس جواب کو سنے گا تو بہت غمزدہ ہو گا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وعظ و نصیحت اور ان کی دیگر باتوں کے سننے سے متنفر ہو جائے گا' اس لیے حضرت یوسف نے اس میں مصلحت دیکھی پہلے ایسی باتیں کریں جن سے حضرت یوسف کا علم اور ان کا کلام ان کے دلوں میں موثر ہو حتیٰ کہ جب آپ ان کو خواب کی تعبیر بیان کریں تو اس کو عداوت اور تہمت پر نہ محمول کیا جائے۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ ان کو یہ بیان کریں کہ ان کے علم کا مرتبہ ان کے اندازہ سے بہت بلند اور بہت فائق ہے' کیونکہ انہوں نے حضرت یوسف سے خواب کی تعبیر پوچھی تھی اور خواب کی تعبیر ظن اور تخمین پر مبنی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان پر یہ ظاہر کیا کہ وہ غیب کی خبریں دیتے ہیں کیونکہ وہ کھانا آنے سے پہلے بتا دیتے تھے کہ آج ان کے گھروں سے کیا کھانا آئے گا اور حضرت یوسف غیب کی خبریں قطعی اور یقینی علم کی بناء پر بتاتے تھے جس سے باقی مخلوق عاجز تھی اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خواب کی جو تعبیر بتائیں گے وہ بھی محض ظن اور تخمین پر مبنی نہیں ہو گی بلکہ قطعی اور یقینی ہو گی' اور اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خواب کی تعبیر بتانے کے جس مرتبہ پر فائز ہیں اس درجہ تک کوئی اور نہیں پہنچا۔

(۳) جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دیکھ لیا کہ وہ دونوں آپ کے معتقد ہو چکے ہیں تو آپ نے ان کو بت پرستی ترک کرنے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی کیونکہ دین کی اصلاح کرنا دنیا کی باتیں بتانے سے اولیٰ ہے۔

(۴) نانبائی کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تھا کہ اس کو سولی دی جائے گی تو آپ نے یہ چاہا کہ اس کو مرنے سے پہلے مسلمان کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ کفر پر نہ مرے اور عذاب شدید کا مستحق نہ ہو' جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔ (الانفال: ۴۲)

تاکہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جس نے زندہ رہنا ہے وہ دلیل سے زندہ رہے۔

(۵) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے پاس بیداری میں جو کھانا بھی آئے گا میں اس کے پہنچنے سے پہلے بتا دوں گا کہ وہ کس قسم کا کھانا ہے' اس کا رنگ کیسا ہے اور اس کی مقدار کتنی ہے اور اس کے کھانے کا انجام کیا ہو گا یعنی اس کے کھانے کے بعد انسان کی صحت قائم رہے گی یا وہ بیمار ہو جائے گا اور اس آیت کا ایک اور محمل یہ ہے کہ بادشاہ جب کسی قیدی کو مارنا چاہتا تھا تو اس کے کھانے میں زہر ملوا کر بھیجتا تھا اور جب قید خانہ میں کھانا آتا تو حضرت یوسف بتا دیتے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے یا نہیں' اور یہ جو حضرت یوسف نے فرمایا تھا: میں کھانا پہنچنے سے پہلے اس کی حقیقت بتا دوں گا اس سے یہی مراد ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام غیب کی خبر بتانے کا دعویٰ کرتے تھے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے قائم مقام ہے:

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ۔ (آل عمران: ۴۹)

اور میں تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو۔

پس پہلی دو وجوہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام خواب کی تعبیر بتانے میں تمام لوگوں پر فائق تھے اور آخری تین وجوہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کی طرف سے سچے نبی تھے اور غیب کی خبر دینا آپ کا معجزہ تھا۔

حضرت یوسف کے دعوئ نبوت کے اشارات

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کو معجزہ پر محمول کرنا کس طرح درست ہو گا جبکہ اس سے پہلے ان کے دعوئ نبوت کا ذکر نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں میں ہر چند کہ صراحتاً دعوئ نبوت کا ذکر نہیں ہے' لیکن ان آیتوں میں ایسے اشارے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے نبوت کا دعوئ فرمایا تھا مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي۔ — یہ (غیب کی خبریں دینا) میرے رب کی تعلیم (وحی) کی وجہ سے ہے۔

یعنی میں تم کو جو یہ غیب کی خبریں دے رہا ہوں یہ کوئی علم نجوم یا کہانت یا سحر کی وجہ سے نہیں ہے' یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کی میری طرف وحی فرمائی ہے' نیز فرمایا: میں نے اپنے باپ دادا کے دین کی پیروی کی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۵۵' زاد المسیر ج ۴ ص ۲۲۵-۲۲۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۶۷-۱۶۶' النکت والعیون ج ۳ ص ۳۷' روح المعانی جز ۱۲ ص ۳۶۱-۳۴۳' البحر المحیط ج ۶ ص ۲۷۷-۲۷۶)

مفسرین کی ان عبارات میں نبی کے علم پر علم غیب کے اطلاق کا ثبوت ہے۔

کافروں کے دین کو ترک کرنے کی توجیہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے۔" اس قول سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے ان کے دین کو اختیار کیا پھر اس کو ناپسند کر کے ترک کر دیا حالانکہ نبی کے لیے یہ محال ہے کہ وہ ایک آن کے لیے بھی کفار کے دین کو اختیار کرے۔ امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کا یہ جواب دیا ہے:

ترک کا معنی یہ ہے کہ انسان کسی چیز کے ساتھ تعرض نہ کرے اور اس کی یہ شرط نہیں ہے کہ پہلے انسان نے اس کو اختیار کیا ہو' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان کے زعم کے اعتبار سے ان کے غلام تھے اور شاید وہ ان کے خوف کی وجہ سے بر سبیل تقیہ ان کے سامنے توحید اور ایمان کو ظاہر نہیں کرتے تھے' پھر اس وقت انہوں نے توحید اور ایمان کو ظاہر فرمایا اور اس وقت میں ان کا توحید اور ایمان کو ظاہر فرمانا ان کافروں کے دین کو ترک کرنے کے قائم مقام تھا اور یہ جواب زیادہ صحیح ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا اس جواب کو زیادہ صحیح فرمانا صحیح نہیں بلکہ یہ جواب اصلاً درست نہیں ہے کیونکہ تقیہ کرنا نبی کی شان نہیں ہے' جان کے خوف سے باطل کی موافقت کرنا نبی کی شان نہیں ہے' نبی ہر وقت اور ہر حال میں حق کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے ساتھ بھی تقیہ نہیں کیا اور صاف فرما دیا کہ یہ عورت ہی مجھے گناہ کی طرف راغب کر رہی تھی' اور اس عورت سے بھی موافقت نہیں کی بلکہ اس کو ملامت کی اور اس سے دامن چھڑا کر بھاگے۔

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

چونکہ ساقی اور نانبائی حضرت یوسف کے حسن اخلاق اور ان کے علم کی وجہ سے ان سے محبت کرنے لگے تھے تو حضرت

یوسف نے چاہا کہ ان کے سامنے اپنے دین کا اظہار کریں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ حضرت یوسف دین میں ان کی قوم کے مخالف ہیں تاکہ وہ بھی حضرت یوسف کے دین کی اتباع کریں۔ حدیث میں ہے کہ اگر اللہ تمہاری وجہ سے ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہت بہتر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۰۰۹، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۰۶) حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کافروں کے دین کو بالکل بھی نہیں اپنایا تھا اس کے باوجود فرمایا: میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا، یہاں ترک کا معنی یہ ہے کہ وہ ابتداء سے اس دین سے مجتنب رہے ہیں اور اس کو ترک سے اس لیے تعبیر فرمایا تاکہ وہ دونوں اس دین کو ترک کر دیں اور حضرت یوسف کی محبت میں اس دین کے ترک کی طرف راغب ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قول حضرت یوسف کے پہلے قول کی دلیل ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے غیب کا علم دیا اور میری طرف وحی فرمائی کیونکہ میں نے ابتداء سے کافروں کے دین کو ترک کر دیا تھا اور انبیاء علیہم السلام کے دین کی پیروی کی تھی۔

(البحر المحیط ج ۶ ص ۲۷۶-۲۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے تمہارے سامنے اپنے ترک کرنے کو ظاہر کیا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام اس دین کے ساتھ متصف تھے۔ (عنایت القاضی ج ۵ ص ۳۰۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی البحر المحیط اور خفاجی کا خلاصہ اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

(روح المعانی ج ۱۲ ص ۳۶۴-۳۶۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اور میرے نزدیک اس آیت کا محمل یہ ہے کہ ابتداء میں میرے سامنے میرے آباء کا دین تھا جو انبیاء ہیں اور دوسری طرف ان لوگوں کا دین تھا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تو میں نے کافروں کے دین کو ترک کر دیا اور انبیاء علیہم السلام کے دین کو اختیار کر لیا۔

مبدء اور معاد کے اقرار کی اہمیت

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور جو لوگ آخرت کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں، میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے۔

اس آیت کا لفظ ھم ضمیر کا تکرار ہے کیونکہ فرمایا: ھم بالاخرۃ ھم کافرون۔ اور ھم ضمیر کو مکرر لانا تاکید اور حصر پر دلالت کرتا ہے، یعنی آخرت کا انکار کرنے میں یہ قوم منحصر اور مخصوص تھی، اور مبدء کے انکار کرنے کی بہ نسبت معاد کا انکار کرنا زیادہ شدید ہے اس لیے ھم ضمیر کو مکرر لا کر اس کی تاکید فرمائی ہے۔

جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اس میں مبدء کے علم کی طرف اشارہ ہے اور جو لوگ آخرت کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں اس میں معاد کے علم کی طرف اشارہ ہے، اور جو شخص قرآن مجید کے مضامین میں، اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں غور و فکر کرے گا اس پر یہ منکشف ہوگا کہ رسولوں کو بھیجنے اور کتابوں کو نازل کرنے سے اصل مقصود یہ ہے کہ مخلوق سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور مبدء اور معاد کا اقرار کرایا جائے اور اس کے علاوہ جو عقائد اور اعمال ہیں ان کی حیثیت ثانوی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یوسف علیہ السلام نے فرمایا) اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی اتباع کی ہے، ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک قرار دیں، یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ

کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ (یوسف: ۳۸)

اللہ کی نعمتوں کے اظہار کا جواز

امام رازی فرماتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس معجزہ کا اظہار فرمایا جو علم الغیب ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا کہ وہ اہل بیت نبوت سے ہیں اور ان کے باپ، دادا اور پردادا سب اللہ کے نبی اور رسول ہیں، اور جب انسان اپنے باپ دادا کے طریقہ اور پیشہ کا ذکر کرے تو یہ بعید نہیں ہے کہ اس کا بھی وہی پیشہ اور طریقہ ہو اور حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی نبوت دنیا میں مشہور تھی اور جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ظاہر کیا کہ وہ بھی ان کے بیٹے ہیں تو ساقی اور نانبائی نے ان کی طرف بہت عزت اور احترام کے ساتھ دیکھا اور اب یہ قوی امید ہو گئی کہ وہ ان کی اطاعت کریں گے اور ان کے دلوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کا بہت قوی اثر ہو گا، اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں اور فضیلتوں کا اظہار کرنا جائز ہے۔

دین کا معنی

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے تو انہوں نے یہ کیوں فرمایا کہ میں نے اپنے باپ دادا کی ملت کی اتباع کی ہے، کیونکہ نبی کی تو خود اپنی شریعت ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ملت سے حضرت یوسف علیہ السلام کی مراد دین ہے اور حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے، کیونکہ دین ان اصول اور عقائد کو کہتے ہیں جو سب نبیوں میں مشترک ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی توحید، انبیاء، رسولوں، فرشتوں، تقدیر اور قیامت کو ماننا۔ اس کی زیادہ وضاحت کے لیے الفاتحہ: ۳ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

شرک سے اجتناب کے اختصاص کی توجیہ

اس مقام پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک قرار دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرنا نہ صرف یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے جائز نہیں بلکہ یہ تو کسی کے لیے بھی جائز نہیں، پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ یہ کس طرح فرمایا کہ ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے، اس کے دو جواب ہیں: ایک جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا ہر چند کہ کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام کا مقام چونکہ عام لوگوں سے بہت بلند ہوتا ہے "اور جن کا رتبہ ہے سوا اس کو سوا مشکل ہے" کے مصداق ان پر گرفت بھی بہت سخت ہوتی ہے، اس لیے اللہ کے شریک بنانے کا عدم جواز ان کے لیے زیادہ شدید اور زیادہ مؤکد ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کے لیے اللہ کو شریک بنانا جائز نہیں ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفر اور شرک کی آلودگی سے پاک رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ۔ (مریم: ۳۵) اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔

ایک سوال یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بالعموم شرک کی نفی کیوں کی اور یہ فرمایا: ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی چیز کو بھی شریک بنائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو بر سبیل عموم نفی کی ہے کہ ہم کسی چیز کو بھی اللہ کا شریک نہیں بنائیں گے اس عموم کی یہ وجہ ہے کہ شرک کی بہت سی اصناف اور اقسام ہیں، بعض لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں، اور بعض لوگ آگ کی پرستش کرتے ہیں اور بعض ستاروں کی پرستش کرتے ہیں، بعض فرشتوں کی پرستش

کرتے ہیں، اور بعض نبیوں کی پرستش کرتے ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ اور عزیر کی، بعض جانوروں کی مثلاً گائے کی پرستش کرتے ہیں اور بعض درختوں کی مثلاً پیپل کی پرستش کرتے ہیں اور بعض لوگ گزرے ہوئے نیک بندوں کی پرستش کرتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے ان تمام فرقوں کا رد فرمایا اور دین حق کی طرف رہنمائی فرمائی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہی خالق ہے اور وہی رازق ہے۔

ایمان پر شکر ادا کرنے کا وجوب

اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ ہمارا شرک نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے ہے۔ اس کے بعد فرمایا: لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ اس قول میں شکر ادا نہ کرنے والوں کی مذمت کی ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ شرک نہ کرنے اور ایمان لانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے، اس لیے ہر مومن پر واجب ہے کہ ایمان کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اللہ پر ایمان لانا سب سے بڑی نعمت ہے اس لیے مسلمانوں پر واجب ہے کہ سب سے زیادہ اس نعمت کا شکر ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے میری قید کے دونوں ساتھیو! آیا متعدد خدا بہتر ہیں یا ایک اللہ جو غالب ہے؟○ (یوسف: ۳۹)

حضرت یوسف علیہ السلام کے کلام میں توحید باری کی تقاریر

اس سے پہلی آیت کے ضمن میں حضرت یوسف علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تھا اور نبوت کا اثبات الوہیت کے اثبات پر موقوف ہے، اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے الوہیت کے اثبات پر دلائل دینے شروع کیے۔

مخلوق کی اکثریت یہ تو مانتی تھی کہ ایک الٰہ ہے جو مستحق عبادت ہے، وہ عالم اور قادر ہے اور ساری کائنات کا خالق ہے، لیکن ان کا طریقہ یہ تھا کہ گزشتہ زمانہ میں جو نیک لوگ گزرے تھے وہ ان کی صورتوں کے بت تراش لیتے تھے یا ستاروں کے نام پر بت بنا لیتے تھے اور اس اعتقاد سے ان کی عبادت کرتے تھے کہ وہ نفع پہنچانے اور ضرر کو دور کرنے پر قادر ہیں، اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسے دلائل قائم کیے کہ بتوں کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے اور ان دلائل کی تقاریر حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوں تو جہان میں خلل اور فساد پیدا ہوگا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور مستحق عبادت ہوتے تو آسمان اور زمین تباہ ہو جاتے۔ (الانبیاء: ۲۲)

کیونکہ اگر دو خدا ہوتے اور دونوں کی مساوی قوت ہوتی اور دونوں میں سے ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق کائنات کا نظام چلانا چاہتا مثلاً ایک خدا سورج کو ایک جانب سے نکالنا چاہتا اور دوسرا خدا مخالف جانب سے نکالنا چاہتا اور دونوں کی مساوی قوت ہوتی اور وہ دونوں سورج کو اپنی اپنی جانب سے نکالنے کے لیے زور آزمائی کرتے تو اس کے نتیجہ میں سورج ٹوٹ کر بکھر جاتا، اسی طرح ایک خدا ایک درخت سے صرف سیب اگانا چاہتا اور دوسرا خدا اس درخت سے صرف آم اگانا چاہتا اور دونوں کی قوت مساوی ہوتی اور وہ دونوں اس درخت پر زور آزمائی کرتے تو وہ درخت پاش پاش ہو جاتا، علی ھذا القیاس، جب دو

مساوی طاقت کے خدا ہوتے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے منصوبہ کے خلاف اس نظام کائنات کو چلانے کے لیے اس کائنات میں زور آزمائی کرتے تو یہ کائنات بکھر کر ریزہ ریزہ ہو جاتی' اس سے معلوم ہوا کہ خداؤں کی کثرت خلل اور فساد کو واجب کرتی ہے اور جب خدا صرف ایک ہو گا تو وہ صرف ایک قسم کے نظام کو جاری کرے گا اور چونکہ اس کائنات کا نظام ایک طرز پر جاری ہے' زمین میں روئیدگی ہو یا آسمان سے بارش کا نزول ہو' سورج' چاند اور ستاروں کا طلوع اور غروب ہو یا انسانوں اور حیوانوں میں پیدائش کا طریقہ ہو' ہم صدیوں سے دیکھتے چل آ رہے ہیں کہ کائنات کے اس نظام میں وحدت ہے' ہر چیز ایک ہی نظام کے تحت چل رہی ہے اور اس نظام کی وحدت زبان حال سے پکار کر یہ کہتی ہے کہ اس نظام کا ناظم بھی واحد ہے تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ خداؤں کی کثرت اس جہان کے فساد کو واجب کرتی ہے اور خدا کا واحد ہونا ہی اس جہان کی سلامتی کا ضامن ہے اور اس نظام کی بقا اور اس کی حسن ترتیب کا موجب ہے تو پھر اے میرے ساتھیو! یہ بتاؤ کہ متعدد خداؤں کا ماننا بہتر ہے یا ایک اللہ کو ماننا بہتر ہے جو غالب ہے۔

(۲) یہ بت مصنوع ہیں' صانع نہیں ہیں' اور یہ مغلوب اور مقہور ہیں غالب اور قاہر نہیں ہیں' کیونکہ اگر کوئی انسان ان کو توڑنا یا خراب کرنا چاہے تو یہ اس کو کسی طرح روک نہیں سکتے اور جب یہ اپنے آپ کو کسی ضرر یا ہلاکت سے نہیں بچا سکتے تو دوسروں کو بھی کسی ضرر اور مصیبت سے نہیں بچا سکتے اور نہ کسی قسم کا کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں' اور یہ جو فرمایا تھا ان متعدد اور مختلف خداؤں کا پوجنا بہتر ہے! اس سے مراد یہ ہے کہ بنانے والے نے مختلف مقدار اور سائز کے بت بنائے تھے اور ان کے رنگ اور ان کی شکلیں بھی مختلف تھیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان بتوں کے بنانے والے جس رنگ' جس سائز اور جس شکل کے بت چاہتے تھے بنا لیتے تھے تو اے میرے بھائیو! یہ بتاؤ کہ ان متعدد اور مختلف اور مجبور اور مقہور بتوں کی پرستش کرنا بہتر ہے جو کسی سے ضرر دور کرنے اور نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہیں یا اللہ کی عبادت کرنا بہتر ہے جو واحد ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور ہر خیر اور شر پر غالب ہے وہ جس سے چاہے ضرر دور کر دے اور جس کو چاہے نفع پہنچا دے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا ہی اس کی عبادت کو واجب کرتا ہے' کیونکہ فرض کرو اگر دو خدا ہوتے تو ہم کو یہ علم نہیں ہے کہ ان دو میں سے ہم کو کس خدا نے پیدا کیا ہے' اور کس نے ہم کو رزق دیا ہے اور کس نے ہم سے آفتوں اور مصیبتوں کو دور کیا ہے' اور کس نے ہم کو نفع پہنچایا ہے تو ہم شک میں پڑ جاتے کہ ہم اس خدا کی عبادت کریں یا اس خدا کی عبادت کریں' اسی طرح جب متعدد اور مختلف بت خدا ہوں گے اور بالفرض وہ ضرر دور کرنے والے اور نفع پہنچانے والے ہوں تو ہم کو کیسے علم ہو گا کہ ہم کو جو نفع حاصل ہوا ہے یا ہم سے جو ضرر دور ہوتا ہے وہ اس بت کا کارنامہ ہے یا کسی دوسرے بت کا کارنامہ ہے' یا ان دونوں کی یا سب کی مشارکت اور معاونت سے یہ اثر ظاہر ہوا ہے' پھر ہم شک میں پڑ جاتے کہ ہم ان متعدد اور مختلف بتوں میں سے کس کی عبادت کریں اور ان میں سے جس کی بھی عبادت کرتے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی یا ترجیح المرجوح لازم آتی' اور اس وقت ہم شک میں مبتلا ہو جاتے کہ ہماری عبادت کا مستحق یہ بت ہے یا دوسرا بت ہے' لیکن جب خدا ایک ہو گا تو پھر یہ شک نہیں ہو گا اور ہم کو یقین ہو گا کہ صرف یہی ہماری عبادت کا مستحق ہے اور اس پوری کائنات میں عبادت کا اس کے سوا اور کوئی مستحق نہیں ہے تو اے میرے بھائیو! اب بتاؤ کہ متعدد اور مختلف خداؤں کا ماننا بہتر ہے یا اللہ کو ماننا بہتر ہے جو غالب اور قہار ہے۔

(۴) قہار کی شرط یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی قہر کرنے والا نہ ہو' اور وہ اپنے سوا ہر ایک کے لیے قاہر ہو' اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ معبود واجب الوجود لذاتہ ہو کیونکہ اگر وہ ممکن ہو گا تو وہ اپنے وجود میں کسی موجد کا محتاج ہو گا پھر وہ مقہور ہو گا قاہر

نہیں ہو گا اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معبود واحد ہو کیونکہ اگر مثلاً دو معبود ہوں گے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے پر قاہر ہو گا کیونکہ قہار وہ ہوتا ہے جو اپنے سوا ہر ایک کے لیے قاہر ہو' اور جب ہر ایک دوسرے پر قاہر ہو گا تو ان میں سے ہر ایک مقہور ہو گا اس لیے ضروری ہے کہ جو معبود قہار ہو وہ واجب الوجود لذاتہٖ ہو اور واحد ہو اور جب معبود واحد ہے تو افلاک معبود نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ متعدد ہیں' نہ کواکب اور سیارے' نہ نور اور ظلمت' نہ عقل نہ نفس' نہ حیوان نہ جمادات نہ نباتات' کیونکہ یہ سب متعدد ہیں سو جس نے ستاروں کو رب مانا تو وہ بھی ارباب متفرقین ہیں وہ قہار نہیں ہو سکتے' اسی طرح ارواح اور اجسام میں سے کوئی بھی معبود نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ متعدد ہیں اور متعدد چیزیں قہار نہیں ہو سکتیں' قہار تو صرف واحد ہوتا ہے تو اے میرے بھائیو! یہ بتاؤ کہ ان متعدد اور مختلف چیزوں کو رب ماننا بہتر ہے یا اللہ کو رب ماننا بہتر ہے جو واحد اور قہار ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ واحد ہے' اس نے اپنی پہچان کرانے کے لیے اور اپنی عبادت کا حکم دینے کے لیے ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء اور رسل بھیجے اور آسمانی کتابیں اور صحائف نازل کیے' اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس تمام کائنات کو اس نے پیدا کیا ہے اور وہ اکیلا اس نظام کو چلا رہا ہے' فرض کیجئے کہ اس کے علاوہ اور خدا بھی ہے جس نے اس دنیا کو بنانے اور چلانے میں اپنا رول ادا کیا ہے اور وہ بھی عبادت کا مستحق ہے تو کیا اس نے اپنی پہچان اور شناخت کرانے کے لیے اور اپنی عبادت کا حکم دینے کے لیے کوئی نبی اور رسول اس دنیا میں بھیجا کہ صرف وہی ایک نہیں ہے اس دنیا کو بنانے اور چلانے میں ہم دو خدا ہیں اس کا کوئی نبی بھی اس کے شریک ہونے پر کوئی معجزہ اور دلیل لے کر آیا' اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا میرا خدا سورج کو مشرق سے نکال کر مغرب میں غروب کرتا ہے' تو کیوں نہ اس دوسرے خدا نے اس دعویٰ کو باطل کیا اور اپنی ہستی کا احساس دلانے کے لیے کسی دن سورج کو اس کی مخالف جانب سے طلوع کر کے دکھایا' اللہ تعالیٰ نے کہا وہ زمین سے غلہ پیدا کرتا ہے تو اس دوسرے خدا نے کبھی آسمان سے رزق برسا کر دکھایا ہوتا کہ یہ میری پہچان ہے اور میری شناخت ہے' اس نے بھی اپنی شراکت کو ثابت کرنے کے لیے کوئی آسمانی کتاب نازل کی ہوتی' اس کے بھی کسی نبی نے کوئی معجزہ پیش کیا ہوتا' اپنی شراکت پر مبنی کوئی نظام دیا ہوتا' کسی طرح تو اپنے شریک ہونے کا احساس دلایا ہوتا تو اے میرے بھائیو! ان متعدد گونگے اور بے ثبوت خداؤں کو ماننا بہتر ہے یا اللہ تعالیٰ کو ماننا بہتر ہے جو واحد اور قہار ہے' جس نے اپنی پہچان اور شناخت کے لیے معجزات دے کر ایک لاکھ سے زائد انبیاء اور رسول بھیجے' آسمانی کتابیں نازل کیں' اپنی وحدانیت پر مبنی عبادات کا نظام دیا' اپنی توحید پر اس نظام کائنات کو دلیل بنایا جس دلیل کو آج تک کوئی توڑ نہیں سکا۔ فرض کیجئے کوئی دوسرا خدا بھی ہے اور قیامت کے دن اس نے ہم سے پوچھا کہ تم نے میری عبادت کیوں نہیں کی تو ہم کہہ دیں گے کہ تو نے اپنی پہچان اور شناخت کے لیے اپنا کون سا نمائندہ بھیجا' اپنی عبادت کا کون سا طریقہ بتایا تھا تو ہم ایسے گونگے اور بے ثبوت خدا کی عبادت کیسے کرتے!

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان بتوں کو ارباب کیسے فرمایا جبکہ ان میں سے کوئی بھی رب نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام ان کے اعتقاد کے اعتبار سے ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ رب ہوں تو متعدد رب ماننا بہتر ہے یا واحد۔

(۶) حضرت یوسف علیہ السلام کے اس کلام میں توحید پر ایک اور دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ متعدد آقاؤں کے مقابلہ میں ایک آقا کو راضی کرنا اور اس کی اطاعت کرنا آسان ہے۔ فرض کیجئے ایک شخص کے دو آقا ہیں' ایک کہتا ہے اس وقت سو جاؤ اور دوسرا کہتا ہے اس وقت جاگتے رہو' ایک کہتا ہے اس وقت کھانا کھاؤ دوسرا کہتا ہے اس وقت کھانا مت کھاؤ تو وہ شخص دونوں کی اطاعت کیسے کر سکتا ہے اور جب ایک شخص دو کی اطاعت نہیں کر سکتا تو متعدد اور مختلف آقاؤں کی اطاعت کیسے کر سکتا ہے' پس اے میرے بھائیو! یہ بتاؤ کہ متعدد اور مختلف ارباب کو ماننا بہتر ہے یا صرف اللہ کو ماننا بہتر ہے جو واحد اور قہار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف چند اسماء ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیا ہے' اللہ نے ان کے ساتھ کوئی سند نہیں نازل کی' حکم صرف اللہ کا ہے' اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو یہی صحیح دین ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ (یوسف: ۴۰)

بتوں کے صرف اسماء ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: کیا متعدد اور متفرق رب ماننا بہتر ہے یا ایک اللہ کو جو قہار ہے! اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان متفرق ارباب کے مسمیات اور ان کے مصادیق موجود ہیں' اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان کے صرف اسماء ہیں یعنی مسمیات اور مصادیق نہیں ہیں' اور یہ ان دو آیتوں میں کھلا ہوا تعارض ہے' اس کے دو جواب ہیں:

(۱) وہ ان بتوں کو الٰہ اور معبود کہتے تھے حالانکہ ان بتوں میں الوہی صفات موجود نہیں تھیں پس یہ بت نام کے الٰہ اور معبود تھے' الٰہ اور معبود کے مصداق اور مسمّیٰ نہ تھے اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ صرف اسماء ہیں اور اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا: وہ ان کے خود ساختہ رب ہیں نہ کہ وہ فی الواقع رب ہیں۔

(۲) روایت ہے کہ وہ بت پرست مشبہ تھے' ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اصل الٰہ تو نور اعظم ہے اور ملائکہ انوار صغیرہ ہیں اور انہوں نے ان انوار کی صورتوں پر یہ بت تراش لیے تھے اور حقیقت میں ان کے معبود انوار سماویہ تھے اور یہی مشبہ کا قول ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایک بہت بڑا جسم عرش پر مستقر ہے اور وہ اس کی عبادت کرتے ہیں اور حقیقت میں ان کا تصور شدہ جسم موجود نہیں ہے پس وہ ایسے اسماء کی عبادت کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۵۹)

کفار کے اس قول کا رد کہ اللہ نے بتوں کی تعظیم کا حکم دیا ہے

بت پرستوں کی ایک جماعت یہ کہتی تھی کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ یہ بت اس معنی میں خدا ہیں کہ انہوں نے اس جہان کو پیدا کیا ہے' لیکن ہم ان بتوں پر معبود کا اس لیے اطلاق کرتے ہیں اور ان کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی عبادت کرنے اور ان کی تعظیم بجالانے کا حکم دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ ان بتوں کو الٰہ اور معبود کہنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا اور نہ اللہ تعالیٰ نے اس نام کو رکھنے کی کوئی دلیل نازل کی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے یہ حکم دیا ہے تو اس کا حکم لائق التفات اور قابل توجہ نہیں ہے چہ جائیکہ وہ حکم واجب القبول ہو اور اس کی اطاعت ضروری ہو' کیونکہ حکم دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اللہ کے مستحق عبادت ہونے کی دلیل

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو کیونکہ عبادت انتہائی تعظیم اور اجلال بجالانے کا نام ہے اور انتہائی تعظیم اسی کی جائز ہے جس نے انتہائی انعام و اکرام کیا ہو' اور اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو پیدا کیا' اسی نے اس کو زندگی دی اور اسی نے اس کو عقل' رزق اور ہدایت عطا کی اور اللہ تعالیٰ کی انسان پر حد و شمار سے باہر نعمتیں ہیں ور اس کے احسان کی وجوہات غیر متناہی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا انسان پر انتہائی انعام و اکرام ہے' اور جب انتہائی انعام و اکرام اللہ تعالیٰ نے کیا ہے تو انتہائی تعظیم اور اجلال کا بھی وہی مستحق ہے اس لیے اس کے سوا اور کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس بات کی توجیہ کہ اکثر لوگ اللہ کے استحقاق عبادت کو نہیں جانتے

اس کے بعد فرمایا: لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا وہ زمین میں رونما ہونے والے واقعات کا استناد افلاک اور ستاروں کی طرف کرتے ہیں' کیونکہ ان کو یہ علم ہے کہ کوئی چیز بھی کسی سبب کے بغیر رونما

نہیں ہوتی، وہ دیکھتے ہیں کہ گرمیوں اور سردیوں کے موسم میں جو زمینی پیداوار حاصل ہوتی ہیں ان میں سورج کی حرکت اور اس کے تغیر کا دخل ہوتا ہے اس لیے ان کے دماغوں میں یہ بات مرکوز ہو گئی کہ اس جہان میں جو حوادث رونما ہوتے ہیں ان کا سبب سورج، چاند اور باقی ستارے ہیں، پھر اللہ نے جب انسان کو توفیق دی تو اس نے یہ جان لیا کہ بالفرض ان حوادث کا سبب یہ افلاک اور کواکب ہیں لیکن یہ افلاک اور کواکب بھی تو ممکن اور حادث ہیں، انہیں بھی تو کسی موجد اور خالق کی ضرورت ہے اور ضروری ہے کہ وہ موجد اور خالق واجب الوجود ہو اور اس کا واحد ہونا ضروری ہے اور جب ان افلاک اور کواکب کا خالق وہ ذات واحد ہے تو کیوں نہ تمام حوادث کا خالق اسی کو مان لیا جائے لیکن ایسے عقل والے بہت کم ہیں اس لیے فرمایا: لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت یوسف نے فرمایا) اے میری قید کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اور رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی، پھر پرندے اس کے سر سے (گوشت نوچ کر) کھائیں گے تم جس کے متعلق سوال کرتے تھے اس کا (اسی طرح) فیصلہ ہو چکا ہے ○ (یوسف: ٤١)

ساقی اور نانبائی کے خواب کی تعبیر

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے سامنے معجزہ پیش کر کے اپنی رسالت کو ثابت کر دیا اور ان کو توحید کا پیغام پہنچا کر بت پرستی سے منع کر دیا تو پھر ان کے سوال کے جواب میں خواب کی تعبیر بیان کی۔

ابن السائب نے بیان کیا جب ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنا خواب بیان کیا اور کہا میں نے خواب دیکھا کہ میں انگور کے تین خوشوں سے شراب نچوڑ رہا ہوں تو آپ نے فرمایا: تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے، تین خوشوں سے مراد تین دن ہیں، تین دن گزرنے کے بعد بادشاہ تم کو بلوائے گا اور تم کو دوبارہ تمہارے منصب پر بحال کر دے گا، اور نانبائی سے فرمایا: تم نے برا خواب دیکھا ہے، تم نے خواب دیکھا ہے کہ تم روٹی کی تین زنجیریں اٹھائے ہوئے ہو، تین زنجیروں سے مراد تین دن ہیں، تین دن گزرنے کے بعد بادشاہ تم کو بلائے گا اور تم کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دے گا اور تمہارے سر سے گوشت نوچ کر پرندے کھائیں گے۔ ان دونوں نے کہا: ہم نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا تھا! حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: جس چیز کے متعلق تم نے سوال کیا ہے اس کا اسی طرح فیصلہ ہو چکا ہے۔ یعنی اس معاملہ سے فراغت ہو چکی ہے خواہ تم نے سچ بولا ہو یا جھوٹ بولا ہو، عنقریب اسی طرح واقع ہو گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تاویل کے واقع ہونے کو حتمی اور یقینی طور پر کیوں فرمایا جبکہ خواب کی تعبیر ظنی ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آ چکی تھی اور انہوں نے وحی کے ذریعہ جان کر یہ تعبیر بتائی تھی۔ (زاد المسیر ج ٤ ص ٢٧٥، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤٠٧ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس کے متعلق یوسف کا گمان تھا کہ وہ ان دونوں میں سے نجات پانے والا ہے اس سے انہوں نے کہا تم اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر کرنا، پس شیطان نے ان کو اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا، پس وہ قید خانہ میں (مزید) کئی سال ٹھہرے رہے ○ (یوسف: ٤٢)

خواب کی تعبیر کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کے ظن کی توجیہ

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ معلوم تھا کہ ساقی کی نجات ہو گی تو اللہ تعالیٰ نے یہ کس طرح فرمایا کہ جس کے متعلق یوسف کو ظن تھا کہ اس کی نجات ہو گی، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی

بکثرت آیات میں ظن بہ معنی یقین بھی مستعمل ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ-(البقرہ: ۴۶) جو لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔

اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ-(الحاقہ: ۲۰) مجھے یہ یقین تھا کہ میں اپنے حساب سے ضرور ملاقات کرنے والا ہوں۔

شیطان کے بھلانے کے متعلق دو تفسیریں

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا جس کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ وہ قید خانہ سے نکل کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچنے والا ہے کہ تم اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر کرنا' اس کا معنی یہ ہے کہ تم بادشاہ کو یہ بتانا کہ میں اپنے بھائیوں کی طرف سے پہلے ہی مظلوم تھا' انہوں نے مجھے گھر سے نکال کر فروخت کر دیا' پھر مجھ پر اس واقعہ کی وجہ سے ظلم ہوا اور مجھ پر تہمت لگا کر مجھے قید کر دیا گیا۔

اس کے بعد فرمایا: پس شیطان نے ان کو اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا۔

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ امام ابن اسحاق نے کہا: بادشاہ کے سامنے ذکر کرنا شیطان نے ساقی کو بھلا دیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۷۸۲) لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اس تفسیر کی موافقت نہیں کرتے۔ اس صورت میں آیت یوں ہونا چاہیے تھی: فانسہ الشیطان ذکرہ لربہ "پس ساقی کو شیطان نے اس کے آقا سے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا" جبکہ آیت کے الفاظ اس طرح ہیں فانسہ الشیطان ذکر ربہ "پس یوسف کو شیطان نے اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا"۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ شیطان کے لیے وسوسہ ڈالنا تو ممکن ہے لیکن نسیان طاری کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ نسیان کا معنی ہے دل سے علم کو زائل کر دینا اور اس پر شیطان کو قدرت نہیں ہے ورنہ وہ تمام بنو آدم کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کو زائل کر دیتا' اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان انسان کے دل میں مختلف چیزوں کے وسوسے ڈالتا ہے اور کسی چیز کے وسوسے ڈال کر کسی اور چیز سے اس کا دھیان ہٹا دیتا ہے' شیطان نے کئی چیزوں کی طرف حضرت یوسف کو متوجہ کیا حتیٰ کہ ان میں الجھ کر حضرت یوسف اللہ تعالیٰ سے عرض اور التجا کرنا بھول گئے اور انہوں نے ساقی سے کہا: تم بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا کہ مجھے ظلماً قید کیا گیا ہے تاکہ میری رہائی کا سبب ہو جائے' اس معنی کی تائید میں حسب ذیل روایات ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھلانے کے متعلق روایات

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بات حضرت یوسف نے کہی تھی اگر وہ نہ کہتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۷۷۷)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت یوسف پر رحم فرمائے اگر ان کی وہ بات نہ ہوتی تو وہ اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۷۷۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۶۳۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یوسف وہ بات نہ کہتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے یعنی انہوں نے غیر اللہ سے رہائی کو طلب کیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۷۷۹)

قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یوسف بادشاہ کے پاس شفاعت کو طلب نہ کرتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے یعنی انہوں نے غیر اللہ سے رہائی کو طلب کیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۷۷۹)

قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یوسف بادشاہ کے پاس شفاعت کو طلب نہ کرتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے لیکن ان پر اس لیے عتاب کیا گیا کہ انہوں بادشاہ کے پاس شفاعت کو طلب کیا تھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۷۸۰)

مجاہد اور ابو حذیفہ سے بھی اسی طرح کی روایات ہیں۔

(جامع البیان ج ۱۲ ص ۲۹۳-۲۹۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۶۳۶)

شیطان کے بھلانے کے متعلق اختلاف مفسرین

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کا مختار یہ ہے کہ شیطان نے ساقی کو بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا تھا اور اس سلسلہ میں عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو حدیث روایت کی ہے اس کو انہوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی یہ لکھا ہے کہ شیطان نے ساقی کو بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا تھا۔ (روح المعانی ج ۱۲ ص ۳۷۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ، علامہ ابو محمد بغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ، امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ ابو عبد اللہ القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ھ کا مختار یہ ہے کہ شیطان نے حضرت یوسف کو اللہ تعالیٰ سے دعا اور التجا کرنا بھلا دیا۔

نبی کو بھلانے کی توجیہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المالکی القرطبی المتوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے نسیان کی شیطان کی طرف نسبت کرنا کس طرح درست ہوگا حالانکہ انبیاء علیہم السلام پر شیطان کا بالکل تسلط نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا نسیان صرف اس صورت میں محال ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچاتے ہیں یعنی وحی الٰہی کی تبلیغ میں، وہ اس میں معصوم ہوتے ہیں، اور جن صورتوں میں ان سے نسیان ہونا جائز ہے ان صورتوں میں ان کے نسیان کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور یہ نسبت وہیں کی جا سکتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے نسیان کی خبر دی ہو اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم ان کی طرف نسیان کی نسبت کریں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ: ۱۱۵)

اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا تو وہ بھول گئے اور ہم نے ان (کی معصیت) کا کوئی قصد نہیں پایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۷۶، اس حدیث کی سند صحیح ہے) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں محض بشر ہوں، میں اس طرح بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷۲)

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ نظام الدین الحسن بن محمد القمی النیشاپوری المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:
شیطان کی طرف بھلا دینے کی نسبت مجاز ہے کیونکہ بھلانے کا معنی ہے دل سے علم کو زائل کر دینا اور شیطان کو اس پر بالکل قدرت نہیں ہے ورنہ وہ بنو آدم کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کو زائل کر دیتا، اس نے صرف دل میں وسوسے ڈالے، اور دل میں ایسے خیالات ڈالے اور ایسے کاموں کی طرف دل کو متوجہ کیا جو نسیان کا سبب بن گئے۔
(غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۴ ص ۹۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:
شیطان کا بھلانا اس کے اغوا اور گمراہ کرنے کے قبیل سے نہیں تھا بلکہ بلند مرتبہ خواص کے ترک اولیٰ کے قبیل سے تھا۔
(عنایت القاضی ج ۵ ص ۳۰۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھولنے کی بحث آ گئی ہے، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نمازوں میں سہو ہوا اور آپ سے جو نمازیں قضا ہوئیں اور آپ کے سہو اور نسیان کے متعلق یہاں پر تفصیلی گفتگو کر لیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسیان کی تحقیق

امام مالک کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ میری سنت قائم کی جائے۔
(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۲۵، التمہید ج ۴ ص ۳۵۹، ج ۱۰ ص ۵۵۹، الشفاء ج ۲ ص ۱۳۳)

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:
آپ کی مراد یہ ہے کہ میں اپنی امت کے لیے اس چیز کو سنت قرار دوں کہ جب ان کو سہو ہو جائے تو وہ کس طرح عمل کریں، تاکہ وہ میری اقتداء کریں اور میرے فعل کی اتباع کریں۔
(الاستذکار ج ۲ ص ۲۰۲، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

سہو اور نسیان کا فرق

حافظ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:
علامہ راغب اصفہانی نے کہا: غفلت کی وجہ سے کسی خطا کا سرزد ہو جانا سہو ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ سہو ہے جس میں انسان کی کوتاہی نہیں ہوتی جس میں غفلت کا سبب اس کا اختیاری فعل نہیں ہوتا، دوسری وہ قسم ہے جس میں غفلت کا سبب اس کا اختیاری فعل ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص نشہ آور چیز کھائے پھر بلا قصد کوئی برا کام یا گناہ کرے اور یہ سہو مذموم ہے۔
قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ — وہ لوگ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں۔
(الماعون: ۵)

یہاں سہو سے وہی سہو مراد ہے جس میں غفلت کا سبب اختیاری ہو مثلاً کوئی شخص نماز کے وقت سے تھوڑی دیر پہلے سو جائے، نماز کا وقت گزر جائے اور اس کی آنکھ نہ کھلے اور سہو کی پہلی قسم کی مثال وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں میں اکثر واقع ہوا، علامہ خفاجی کہتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوں کہ سہو اور نسیان میں فرق یہ ہے کہ جو چیز قوت حافظہ میں ہو اس سے

معمولی غفلت ہو اور ادنیٰ تنبیہہ سے اس کا ذہن اس چیز کی طرف متوجہ ہو جائے تو یہ سہو ہے اور جو چیز حافظہ سے بالکلیہ زائل ہو جائے تو یہ نسیان ہے' اسی وجہ سے اطباء نسیان کو بیماری قرار دیتے ہیں نہ کہ سہو کو۔

(نسیم الریاض ج ۴ ص ۱۶۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

افعال تبلیغیہ میں سہو اور نسیان کا جواز اور اقوال تبلیغیہ میں سہو اور نسیان کا عدم جواز

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اکثر فقہاء اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ افعال تبلیغیہ اور اعمال شرعیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاقصد اور سہواً مخالفت کا واقع ہونا جائز ہے' جیسا کہ نماز میں آپ کے سہو سے متعلق احادیث ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۷۲) اور اقوال تبلیغیہ میں آپ سے سہو کا واقع ہونا جائز نہیں ہے' کیونکہ اقوال میں آپ کے صدق پر معجزہ قائم ہے اور اس میں مخالفت کا واقع ہونا معجزہ کے خلاف ہے' اور افعال میں سہو کا واقع ہونا معجزہ کے خلاف نہیں ہے اور نہ نبوت میں طعن اور اعتراض کا موجب ہے' بلکہ یہ دل پر غفلت طاری ہونے اور فعل میں غلطی واقع ہونے کے قبیل سے ہے' جو کہ بشری تقاضا ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صرف بشر ہوں (یعنی خدا نہیں ہوں) اور جس طرح تم بھولتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں پس جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلایا کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۷۲) بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سہو اور نسیان کا طاری ہونا علم کا فیضان کرنے اور شریعت کو مقرر کرنے کا سبب ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: میں اس لیے بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں کہ میں کسی فعل کو سنت کروں بلکہ یہ بھی مروی ہے کہ میں بھولتا نہیں ہوں لیکن میں بھلا دیا جاتا ہوں۔

بلکہ سہو اور نسیان کی حالت' تبلیغ میں اضافہ ہے اور نعمت کو مکمل کرنا ہے اور نقص اور اعتراض سے بہت دور ہے' کیونکہ جو علماء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ رسولوں کو سہو اور غلطی پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ ان کو فوراً تنبیہہ کر دی جاتی ہے اور وہ فی الفور صحیح حکم کو پہچان لیتے ہیں اور صوفیہ کی ایک جماعت کا یہ مسلک ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سہو' نسیان اور غفلت کا طاری ہونا بالکل جائز نہیں ہے اور جن احادیث میں نماز میں سہو واقع ہونے کا ذکر ہے ان کی انہوں نے اپنے طور پر تشریح کی ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۳۲۔۱۳۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بھولنے اور بھلائے جانے کے دو محمل

علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی متوفی ۴۹۴ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ اس فعل کو میں سنت بنا دوں۔ اس حدیث میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ میں بیداری میں بھولتا ہوں اور نیند میں بھلا دیا جاتا ہوں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نہیں سوتا تھا اگرچہ نماز یا کسی اور کام کے وقت آپ کو نیند ہوتی تھی' آپ نے بیداری میں بھولنے کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ اس وقت میں آپ لوگوں کے ساتھ معاملات میں مشغول ہوتے تھے' اور نیند کی حالت میں آپ نے اپنے بھولنے کی نسبت اپنے غیر کی طرف کی کیونکہ اس حال میں آپ کی لوگوں کے ساتھ مشغولیت نہیں ہوتی تھی اور اس میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ میں اس طرح بھولتا ہوں جس طرح نسیان میں کسی چیز سے سہو اور ذہول ہوتا ہے اور اس سے توجہ ہٹ جاتی ہے یا کسی چیز کو یاد ہونے اور اس کی طرف متوجہ ہونے کے باوجود میں اس کو بھول جاتا ہوں' پس آپ نے بھولنے کی ایک صورت کو اپنی طرف منسوب کیا اور دوسری صورت کو اپنے غیر کی طرف منسوب کیا کیونکہ ایک صورت میں کسی سبب سے بھولتا ہے اور دوسری صورت

میں بغیر کسی سبب کے اضطراری طور پر بھولتا ہے۔

(المستقیٰ ج ۱ص ۱۸۲' دار الکتاب العربی بیروت' تنویر الحوالک ص ۱۱۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

لیلتہ التعریس میں نماز فجر قضا ہونے کی تحقیق

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم (خیبر سے واپسی کے موقع پر) ایک رات کو سفر کر رہے تھے۔ بعض صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم رات کے آخری حصہ میں یہاں قیام کرلیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم سوتے رہو گے اور فجر کی نماز کے لیے نہیں اٹھ سکو گے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ سب کو بیدار کردوں گا پس وہ سب لیٹ گئے اور حضرت بلال نے اپنی سواری سے ٹیک لگائی' ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ سو گئے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو سورج کی بھوں طلوع ہو چکی تھی' آپ نے فرمایا: اے بلال! تم نے جو کہا تھا اس کا کیا ہوا؟ حضرت بلال نے کہا: آج سے پہلے مجھے کبھی اتنی گہری نیند نہیں آئی تھی۔ آپ نے فرمایا: اللہ جب چاہتا ہے تمہاری روحوں کو قبض کرلیتا ہے اور جب چاہتا ہے تمہیں وہ روحیں لوٹا دیتا ہے' آپ نے فرمایا: اے بلال! تم لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اذان دو' پھر آپ نے وضو کیا اور جب سورج بلند ہو کر سفید ہو گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ امام مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھانے کے بعد فرمایا: جو شخص نماز کو بھول جائے تو اس کو جب یاد آجائے تو وہ نماز پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اے عائشہ! میری آنکھیں سو جاتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۹۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸) اس حدیث کی بنیاد پر یہ سوال قائم ہوتا ہے کہ جب آپ کا دل بیدار تھا تو غزوۂ خیبر سے واپسی کے موقع پر رات کے آخری حصہ میں سونے کے بعد آپ کی آنکھ کیوں نہیں کھلی' حتیٰ کہ آپ کی آنکھ اس وقت کھلی جب فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی اور سورج طلوع ہو چکا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۹۷' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۵' ۲۶)

علامہ نووی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آپ کا دل یاد الٰہی میں بیدار تھا لیکن فجر کے وقت کو دیکھنے کا تعلق آنکھوں سے ہے اور آنکھیں نیند میں تھیں' یعنی قلب جو معقولات اور انوار و تجلیات کا منبع اور مرکز ہے وہ بیدار تھا اور محسوسات اور مبصرات کے ادراک کا تعلق آنکھوں سے ہے وہ محو خواب تھیں' اور علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ غالب احوال میں دل جاگتا رہتا تھا لیکن کبھی کبھی آپ پر عام انسانوں کی طرح ایسی نیند وارد ہوتی تھی جس میں دل بھی محو خواب ہوتا تھا اور یہ واقعہ ایسے ہی احوال میں سے ہے کیونکہ اس موقع پر آپ نے فرمایا تھا: اللہ نے ہمارے روحیں قبض کرلی تھیں' ایک اور حدیث میں فرمایا: اگر اللہ چاہتا تو ہمیں بیدار کردیتا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۶) تیسرا جواب یہ ہے کہ دل جاگنے کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ کی آنکھیں سوتی تھیں تو نیند قلب پر مستغرق نہیں ہوتی تھی حتیٰ کہ وضو ٹوٹ جائے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ سو جاتے تھے لوگ آپ کے خراٹے سنتے تھے' اس کے بعد آپ حضرت بلال کی اذان سن کر بغیر وضو کے نماز پڑھانے چلے جاتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۷۰' ۶۳۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۶۳) چوتھا جواب یہ ہے کہ دل اس لیے جاگتا رہتا ہے کہ نیند میں بھی آپ پر وحی نازل ہوتی ہے اور انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں' لہٰذا دل کی

بیداری کا معاملہ صرف وحی ربانی سے رابطہ ہے، فجر کے طلوع اور عدم طلوع سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس موقع پر جو نماز قضا ہوئی، وہ ظاہر کے اعتبار سے ادا ہے، کیونکہ آپ کا کوئی فعل اتباع وحی کے بغیر نہیں ہوتا اور اس موقع پر آپ کو اسی وقت میں فجر کی نماز پڑھنے کا حکم تھا تاکہ امت کے لیے آپ کی زندگی میں قضا نماز پڑھنے کا اسوہ اور نمونہ قائم ہو، لطف کی بات یہ ہے کہ جب ہم ادا نماز پڑھتے ہیں تو عام طور پر ہمارا دل دنیا میں مشغول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حال میں نماز بظاہر قضا تھی اس وقت بھی آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر اور مستغرق تھا سو جن کی قضا کی یہ کیفیت ہے ان کی ادا کا کیا عالم ہوگا۔

غزوۂ خندق میں نمازیں قضا ہونے کی تحقیق

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ غروب آفتاب کے بعد آئے اور انہوں نے کفار قریش کو برا کہنا شروع کر دیا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! سورج غروب ہو گیا اور میں عصر کی نماز نہیں پڑھ سکا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے بھی عصر کی نماز نہیں پڑھی پھر ہم وادی بطحان میں کھڑے ہوئے، آپ نے نماز کے لیے وضو کیا اور ہم نے بھی نماز کے لیے وضو کیا، پھر آپ نے غروب آفتاب کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد آپ نے مغرب کی نماز پڑھی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۶۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۹۹۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۸۹، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۹۶)
حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
موطا امام مالک میں سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ آپ سے اس دن ظہر اور عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۴۳) اور حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ آپ سے اس دن ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں قضا ہو گئی تھیں جو انہوں نے رات شروع ہو جانے کے بعد پڑھیں۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۶۰) اور سنن ترمذی اور سنن نسائی میں یہ روایت ہے کہ ان کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں۔ قاضی ابو بکر ابن العربی نے کہا کہ ان کی صرف عصر کی نماز قضا ہوئی تھی جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے، اور بعض علماء نے ان روایات میں تطبیق دی ہے کہ خندق کی جنگ کئی دنوں تک ہوتی رہی ہے اور نمازوں کے قضا ہونے کے واقعات کئی دنوں کے ہیں، کسی دن صرف عصر کی نماز قضا ہوئی جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۹۶، مسلم: ۶۳۱) اور کسی دن ظہر اور عصر کی دو نمازیں قضا ہوئیں جیسا کہ موطا میں ہے۔ (موطا: ۴۴۳) اور کسی دن ظہر، عصر اور مغرب کی تین نمازیں قضا ہوئیں جیسا کہ سنن نسائی میں ہے۔ (نسائی: ۶۶۰) اس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے اور کسی دن چار نمازیں قضا ہوئیں جیسا کہ درج ذیل روایت میں ہے:
(فتح الباری ج ۲ ص ۷۰-۶۹، مطبوعہ لاہور)
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ خندق کے دن چار نمازیں پڑھنے سے مشغول رکھا حتی کہ رات کا جتنا حصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا گزر گیا، پھر آپ نے حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے اذان دی پھر اقامت کہی پھر آپ نے ظہر پڑھی پھر اقامت کہی تو آپ نے عصر پڑھی پھر اقامت کہی تو آپ نے مغرب پڑھی پھر اقامت کہی تو آپ نے عشاء پڑھی۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۶۲، سنن ابو داؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۳۳۴، مصنف ابن ابی شیبہ

ج ۲ ص ۷۰، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۵ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۴۰۳ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۲۲۸ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۳۳۰)

غزوۂ خندق میں نماز قضا ہونے کا سبب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے دن جو نمازوں کو موخر فرمایا تھا آیا یہ نسیاناً موخر فرمایا تھا یا عمداً۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ان نمازوں کو نسیاناً موخر فرمایا تھا اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے دن مغرب کی نماز پڑھی، پھر نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: کیا تم میں سے کسی کو علم ہے کہ میں نے عصر کی نماز پڑھی ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں یارسول اللہ! آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی، تب آپ نے موذن کو حکم دیا اس نے اقامت کہی تو آپ نے عصر کی نماز پڑھی اور مغرب کی نماز دہرائی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے یہ نمازیں عمداً ترک کی تھیں، لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین نے مسلمانوں کو لڑائی میں مسلسل مشغول رکھا اور انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی مہلت نہیں دی۔

جہاد میں مشغول ہونے کی وجہ سے آیا اب نماز قضا کی جا سکتی ہے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آیا اب دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز کو موخر کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اب نماز کو اس کے وقت سے موخر کر کے پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ اب صلوٰۃ خوف پڑھی جائے یعنی ایک جماعت دشمن کے سامنے کھڑی رہے اور دوسری جماعت نماز پڑھے، اور غزوۂ خندق میں اشتغال کی وجہ سے تاخیر کا عذر تھا کیونکہ اس وقت تک صلوٰۃ خوف نازل نہیں ہوئی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۹۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)

علامہ بدرالدین عینی نے جو کہا ہے کہ غزوۂ خندق کے وقت تک صلوٰۃ خوف نازل نہیں ہوئی تھی اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے جنگ خندق کے دن ہمیں نمازوں سے مشغول رکھا۔ نماز ظہر سے غروب آفتاب تک، اس وقت نماز خوف کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، جس میں اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: وکفی اللہ المؤمنین القتال۔ (الاحزاب: ۲۵) "اور اللہ نے مومنین کو قتال سے کفایت فرما دی" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا تو انہوں نے ظہر کی اقامت کہی اور آپ نے اس طرح ظہر کی نماز پڑھی جس طرح اپنے وقت میں ظہر پڑھتے تھے، پھر انہوں نے عصر کی اقامت کی اور آپ نے اس طرح عصر کی نماز پڑھی جس طرح اپنے وقت میں عصر پڑھتے تھے، پھر انہوں نے مغرب کی اذان دی تو آپ نے اس طرح مغرب کی نماز پڑھی جس طرح اپنے وقت میں مغرب پڑھتے تھے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۶۰، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقع پر چار نمازیں موخر کیں تھیں اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ امت کو یہ مسئلہ بتایا جائے کہ جو شخص صاحب ترتیب ہو (یعنی جس شخص کی بلوغت کے بعد پانچ یا اس سے زائد نمازیں چھوٹی ہوئی نہ ہوں) وہ اس وقت تک ادا نماز نہیں پڑھے گا جب تک کہ اپنی قضا نماز نہ پڑھ لے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھیں، پھر عشاء کی نماز پڑھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں میں سہو کی تحقیق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نمازوں میں سہو لاحق ہوا اس کے متعلق تین حدیثیں ہیں: ایک حضرت ذوالیدین کی حدیث ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۲، صحیح مسلم

رقم الحدیث:۵۷۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۰۸) دوسری حدیث حضرت ابن بحینہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز میں دو رکعت کے بعد قعدہ اولی نہیں کیا اور کھڑے ہو گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۲۹، صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۷۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۳۴) تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں پانچ رکعات پڑھا دیں۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد رقم الحدیث:۹۱ الرقم المفسر المکرر:۵۷۲، الرقم المسلسل:۱۲۷۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام صورتوں میں سجدہ سہو کیا۔ اگر آپ کو یہ سہو واقع نہ ہوتا تو آپ کی نمازیں تو ہو جاتیں لیکن جب ہماری نمازوں میں سہو ہوتا تو ہماری نمازیں کس کے دامن میں پناہ لیتیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس طرح تم بھول جاتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں، یہ تشبیہ نفس نسیان میں ہے، ورنہ نسیان کی کیفیت میں بہت فرق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نماز میں بھول گئے تھے اس کی تحقیق یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت آپ یاد الٰہی میں اس قدر مستغرق ہوئے کہ افعال نماز سے آپ کی توجہ ہٹ گئی اور چار رکعات کے بجائے پانچ رکعات نماز پڑھا دی، جبکہ ہمارا بھولنا عموماً اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہم دنیاوی معاملات میں مستغرق ہو جاتے ہیں اور افعال نماز کی طرف توجہ نہیں رہتی، خلاصہ یہ ہے کہ ہم دنیا کی محبت میں بھولتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی محبت میں بھولتے ہیں، ہمارا بھولنا نقص ہے اور آپ کا بھولنا کمال ہے۔ حضرت ابوبکر نے یونہی تو نہیں کہا تھا: یالیتنی کنت سھو محمد۔ کاش میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سہو ہی ہو جاتا۔ (مکتوبات دفتر اول حصہ پنجم ص ۴۹)

اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ مصائب اور مشکلات میں صرف اللہ سے مدد طلب کی جائے

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس آیت کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ شیطان نے ساقی کو بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا اور دوسرا یہ کہ شیطان نے حضرت یوسف کو اللہ کا ذکر کرنا بھلا دیا اور یہ اسناد مجازی ہے، بھلانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن شیطان اس کا سبب بنا اس نے آپ کا ذہن اپنی پریشانیوں اور دوسرے عوارض کی طرف متوجہ کر دیا اور آپ اللہ تعالیٰ سے دعا اور التجا کرنا بھول گئے اور آپ نے ساقی سے کہا کہ تم بادشاہ کے سامنے میری مظلومیت کا ذکر کرنا۔ امام فخرالدین رازی اور بعض دوسرے مفسرین نے اسی تقریر کو اختیار کیا ہے اور قرآن مجید کے ظاہر الفاظ اور احادیث اور آثار بھی اسی تقریر کے مؤید ہیں۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اچھا یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی مظلومیت میں مخلوق میں سے کسی شخص کی طرف رجوع نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرتے اور اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء کرتے کیونکہ جب ان کو منجنیق میں رکھ کر آگ میں ڈالنے لگے تو آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا: کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے کہا: تمہاری طرف کوئی حاجت نہیں ہے! اور چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی حاجت اس ساقی کے سامنے پیش کی اور اس سے کہا کہ تم بادشاہ سے میرا ذکر کرنا، اور مخلوق سے مدد مانگنا ہر چند کہ ناجائز نہیں ہے لیکن یہ چیز حضرت یوسف کی پیغمبرانہ شان کے خلاف تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جس توحید کے وارث تھے اس کے مناسب نہ تھی اس لیے ان پر عتاب کیا گیا اور وہ مزید دو سال قید میں رکھے گئے۔

امام رازی فرماتے ہیں: میری عمر اب ستاون سال کی ہو گئی اور میری پوری زندگی کا یہ تجربہ ہے کہ انسان جب بھی اپنے کسی معاملہ کو غیر اللہ کے سپرد کرتا ہے اور اپنے کسی کام میں غیر اللہ پر اعتماد کرتا ہے تو وہ کسی آزمائش اور امتحان میں مبتلا ہو جاتا

ہے اور کسی مصیبت اور بلا میں گرفتار ہو جاتا ہے اور انسان جب اللہ پر اعتماد کرتا ہے اور مخلوق میں سے کسی کی طرف رجوع نہیں کرتا تو اس کا مطلوب اور مقصود نہایت عمدہ طریقہ سے پورا ہو جاتا ہے اور اب میرے دل میں یہ بات جاگزیں ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کے سوا کسی اور پر اعتماد کرنا اور اپنی حاجات اور مہمات میں اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف رجوع کرنا کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۴۲-۴۴۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۹۸۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۷۳، المستدرک ج ۳ ص ۵۴۱، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۴)

غیر اللہ سے استمداد کا جواز

علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ سے جو مدد لی تھی اس پر کیوں عتاب کیا گیا جبکہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں غیر اللہ سے مدد لینا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ (المائدہ: ۲) نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کی حکایت کی ہے:

مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ۔ (آل عمران: ۵۲) اللہ کی طرف میرے کون مددگار ہیں؟

اور اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کر دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کا پردہ رکھے گا اور اللہ اس وقت تک اپنے بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۹، سنن ابوداود رقم الحدیث: ۴۹۴۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۸۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۲، سنن الداری رقم الحدیث: ۳۵۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۳۴، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۱۹، مسند الشہاب رقم الحدیث: ۴۵۸، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۲۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر ظلم کرے نہ اس کو ہلاکت میں ڈالے، اور جو شخص اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی سختی کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں میں سے کوئی سختی دور کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۹۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۲۹۱، مسند احمد ج ۲ ص ۹۱، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۱۳۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۹۴، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۶۱۴، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۵۱۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مدینہ آنے کے ابتدائی ایام میں ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا: کاش میرے اصحاب میں سے کوئی نیک شخص آج رات میری حفاظت کرتا! پھر ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی، آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں سعد بن ابی وقاص ہوں اور آپ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں! اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۸۸۵، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۱۰، سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۷۵۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۸۸، مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۰، الادب المفرد رقم الحدیث:۸۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۲۲۵، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸۵۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۹۸۶، المستدرک ج ۳ ص ۵۰۱)

پھر علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ مخلوق میں سے کسی کام میں مدد حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے مرض کے ازالہ کے لیے دواؤں کو تناول کرنا اور طاقت حاصل کرنے کے لیے کھانا پینا (یا مقویات کھانا) خواہ کافر سے مدد لی جائے کیونکہ وہ بادشاہ کافر تھا کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ظلم سے بچنے کے لیے یا دریا میں ڈوبنے اور آگ میں جلنے سے بچنے کے لیے اور اسی طرح کی دوسری مصیبتوں میں کفار سے مدد لینا جائز ہے۔

مخلوق سے استمداد کی بناء پر حضرت یوسف سے مواخذہ کی توجیہ

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مخلوق سے مدد لینا جائز ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اگر اس بادشاہ سے مدد طلب کی تھی تو ان پر عتاب کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انبیاء علیہم السلام کو تمام مخلوق سے بلند مرتبہ عطا کیا ہے، اسی طرح ان کے تمام احوال اور افعال کو بھی عام لوگوں کے احوال اور افعال سے بلند رکھا ہے اور نبی کے لیے احسن اور اولیٰ یہ ہے کہ جب وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ اپنے معاملہ کو اللہ کے سوا اور کسی کے سپرد نہ کرے اور اللہ کے سوا کسی سے مدد طلب نہ کرے، خصوصاً کسی کافر سے مدد طلب نہ کرے تاکہ کفار اس سے خوش نہ ہوں اور یہ نہ کہیں کہ اگر یہ نبی حق پر ہوتا اور واقعی اس کا رب واحد ہوتا تو یہ اسی سے مدد طلب کرتا اور ہم سے مدد طلب نہ کرتا۔ حسن بصری سے روایت ہے کہ جب وہ اس آیت کو پڑھتے تو بہت روتے اور یہ دعا کرتے کہ اے اللہ! اگر ہم کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو ہم کو مخلوق کے سپرد نہ کرنا۔ (الکشاف ج ۲ ص ۴۴۶۔۴۴۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لیے مخلوق سے استمداد اور استعانت کرنا ہر چند کہ لائق تحسین ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے شایان شان نہیں ہے۔ (انوار التنزیل مع عنایت القاضی ج ۵ ص ۳۱۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں یہ اشارہ ہے کہ بادشاہ سے مدد طلب کرنے پر حضرت یوسف پر کیوں عتاب کیا گیا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وتعاونوا علی البر والتقوی۔ (المائدہ:۲) اور اس کی تائید میں احادیث بھی ہیں، اس کا یہ جواب دیا کہ ہر چند کہ مخلوق سے استعانت قابل تعریف ہے لیکن خصوصاً انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق اس کو ترک کر دینا ہے۔

(عنایت القاضی ج ۵ ص ۳۱۰)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

ظلم کو دور کرنے کے لیے غیر اللہ سے مدد حاصل کرنا شریعت میں جائز ہے اور اس پر اعتراض نہیں ہے لیکن جو حضرات

عبودیت کے سمندر میں غرق ہوتے ہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام وہ اگر ایسا کریں تو ان پر عتاب ہوتا ہے' اور جب اتنی سی بات پر حضرت یوسف علیہ السلام پر عتاب کیا گیا اور ان کی قید کی مدت میں سات سال اضافہ کر دیا گیا کیونکہ ساقی کو سات سال بعد بادشاہ سے حضرت یوسف کے ذکر کرنے کا خیال آیا تو اگر عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ انہوں نے وہ کچھ کیا ہوتا جس کا بعض من گھڑت روایات میں ذکر ہے تو ان پر سخت گرفت ہوتی لیکن جب اس سلسلہ میں ان کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان روایات میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند کردار پر محض اتہام لگایا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۶۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا: بادشاہ سے میری مظلومیت کا ذکر کرنا' یہ بتانا کہ مجھے ناحق امتحان میں ڈالا گیا ہے اور اسے میرا مرتبہ اور مقام بتانا اور مجھے جو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے اس کا ذکر کرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بطور استعانت تنگی میں کشادگی کو طلب کرنے کے لیے کہا تھا' اور ان کے نزدیک یہ ان کی قید سے رہائی کا سبب تھا' جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: من انصاری الی اللہ۔

(البحر المحیط ج ۶ ص ۲۷۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے مخلوق سے مدد طلب کرنے پر جو گرفت کی گئی اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ مصائب کو دور کرنے کے لیے بندوں سے جو مدد طلب کی جاتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ حکم اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے مناصب کے یہ لائق ہے کہ وہ مخلوق سے استعانت کو ترک کر دیں اور عزیمت پر عمل کریں۔

(روح المعانی جز ۱۲ ص ۳۷۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت

امام ابو جعفر محمد بن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ' وہب بن منبہ اور ابن جریج نے کہا: حضرت یوسف علیہ السلام سات سال قید خانے میں رہے۔

(جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۹۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت میں تین قول ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کہا یہ مدت بارہ سال ہے' ضحاک نے کہا یہ مدت چودہ سال ہے' قتادہ نے کہا یہ مدت سات سال ہے۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۲۲۸' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف پر جو گرفت کی تھی اس کی وجہ سے جو قید میں اضافہ ہوا اس کی مدت سات سال یا نو سال تھی اور اس سے پہلے وہ پانچ سال قید میں رہے تھے' اور قرآن مجید میں جو فرمایا ہے: پس وہ قید خانہ میں مزید چند سال رہے' یہ اس عتاب کے نتیجہ میں قید کی مدت ہے نہ کہ کل قید کی مدت' اس لحاظ سے ان کی قید کی کل مدت بارہ سال یا نو سال ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۷۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

اور بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ سات فربہ گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں

عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ

کھا رہی ہیں اور میں نے سات سرسبز خوشے دیکھے اور (سات) سوکھے ہوئے (خوشے دیکھے) اے میرے درباریو!

فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿٤٣﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ

میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو! ○ انہوں نے کہا یہ تو پریشان خواب ہیں،

وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا

اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے ○ ان دو قیدیوں میں سے جو نجات یافتہ تھا

وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿٤٥﴾ یُوْسُفُ

اس نے ایک مدت کے بعد یوسف کو یاد کیا اس نے کہا میں تم کو اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں مجھے (یوسف کے پاس) بھیج دو ○

اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

(اس نے یوسف کے پاس جا کر کہا) اے یوسف! اے بہت سچ بولنے والے! ہمیں اس خواب کی تعبیر بتایئے کہ سات فربہ گائیں ہیں جن کو سات دبلی

عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَی

گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز خوشے ہیں، اور سات سوکھے ہوئے خوشے ہیں، تاکہ میں لوگوں کے پاس یہ تعبیر

النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ

لے کر جاؤں شاید وہ آپ کا مرتبہ جان لیں ○ یوسف نے کہا تم حسب معمول سات سال تک کاشت کاری کرو گے،

فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ

پھر تم جو کھیت کاٹو تو تمام غلے کو ان کے خوشوں ہی میں چھوڑ دینا ماسوا ان قلیل غلے کے جن کو تم کھاؤ ○ پھر

یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ

اس کے بعد سات خشک سالی کے سخت سال آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے جو تم نے پہلے جمع کر کے رکھا تھا

إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ

ماسوا تھوڑے سے غلے کے جن کو تم محفوظ رکھو گے ○ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں

فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾ ع

لوگوں پر بارش ہوگی اور اس میں لوگ پھلوں کو نچوڑیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بادشاہ نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سات فربہ گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں' اور میں نے سات سرسبز خوشے دیکھے اور (سات) سوکھے ہوئے (خوشے دیکھے) اے میرے درباریو! میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ' اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو ○ (یوسف: ۴۳)

مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا

جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے' جب حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی اور کشادگی کے دن قریب آگئے' تو مصر کے بادشاہ نے یہ خواب دیکھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس آئے ان کو سلام کیا اور ان کو کشادگی کی بشارت دی' اور کہا کہ اللہ عزوجل آپ کو قید خانہ سے نکالنے والا ہے اور آپ کو اس زمین کا اقتدار عطا کرنے والا ہے' اس زمین کے بادشاہ آپ کے تابع ہو جائیں گے اور سردار آپ کی اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے بھائیوں پر غلبہ عطا فرمائے گا اور اس کا سبب یہ ہو گا کہ بادشاہ ایسا خواب دیکھے گا اور اس کی ایسی ایسی تعبیر ہو گی' پھر کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ بادشاہ نے وہ خواب دیکھا جس کے نتیجہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو رہائی مل گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو پہلا خواب دیکھا تھا وہ ان کے لیے سختی اور مصیبت کا سبب بن گیا تھا اور بادشاہ کا یہ خواب ان کے لیے کشادگی اور رحمت کا سبب بن گیا۔

مصر کے بادشاہ الریان بن الولید نے خواب دیکھا کہ دریا سے سات موٹی تازی گائیں نکلیں اور ان کے پیچھے سات دبلی گائیں نکلیں' انہوں نے ان موٹی تازی گایوں کو کان سے پکڑا اور کھا گئیں اور اس نے سات سرسبز خوشے دیکھے اور سات سوکھے ہوئے خوشے دیکھے' ان سوکھے ہوئے خوشوں نے ان سرسبز خوشوں کو کھا لیا اور ان میں سے کچھ باقی نہیں بچا اور سوکھے ہوئے خوشے اسی طرح سوکھے رہے' اسی طرح دبلی گایوں نے موٹی گایوں کو کھا لیا تھا اور وہ اسی طرح دبلی کی دبلی رہیں۔ یہ خواب دیکھ کر بادشاہ گھبرا گیا' اس نے لوگوں کو' اہل علم کو' کاہنوں کو' نجومیوں کو' جادوگروں کو اور سرداروں کو بلایا اور ان کے سامنے یہ خواب بیان کر کے کہا: اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو تو مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹' ص ۱۷۴' زاد المسیر ج ۴' ص ۲۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا یہ تو پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے ○

(یوسف: ۴۴)

اضغاث احلام کا لغوی اور اصطلاحی معنی

ضغث کا معنی ہے بے ربط اور خلط ملط باتیں' گھاس پھونس کا مٹھی بھر مجموعہ۔ ابو عبیدہ نے کہا: جس خواب کو بہت لوگ دیکھیں اور ان کو جمع کر کے ایسا مجموعہ یا گٹھا بنا لیا جائے جیسے سوکھی ہوئی گھاس کا گٹھا ہوتا ہے' اس سے مراد وہ خواب ہے جس

کی تعبیر نہ بیان کی جا سکے۔ الکسائی نے کہا: اضغاث احلام کا معنی ہے ملے جلے اور خلط ملط خواب۔ ابن قتیبہ نے کہا: اضغاث احلام کا معنی ہے جس طرح آدمی مختلف گھاسوں کو ملا کر ایک گٹھا بناتا ہے اور اس میں طرح طرح کی گھاس ہوتی ہے، اسی طرح جس خواب میں مختلف النوع باتیں دکھائی دیں۔ الزجاج نے کہا: الضغث کا معنی ہے کسی چیز کا گٹھا مثلاً سبزیوں یا ان جیسی چیزوں کا ان کی مراد یہ تھی کہ تم نے خواب میں چند ملی جلی چیزیں دیکھی ہیں، یہ کوئی واضح خواب نہیں ہے اور ایسے ملے جلے خواب کی تعبیر کا ہمیں علم نہیں ہے۔

الاحلام، حلم کی جمع ہے، انسان نیند میں جو خواب دیکھتا ہے اس کو حلم کہتے ہیں، بعض خواب صحیح ہوتے ہیں اور بعض باطل ہوتے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۲۳۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد القمی النیشاپوری المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نفس ناطقہ کو اس صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے کہ وہ عالم افلاک تک پہنچ سکتا ہے اور لوح محفوظ کا مطالعہ کر سکتا ہے، لیکن بیداری میں نفس ناطقہ بدن کی تدبیر اور حواس میں تصرف کرنے میں مشغول ہوتا ہے، اس مانع کی وجہ سے وہ بیداری میں لوح محفوظ کا مطالعہ نہیں کر سکتا اور نیند کے وقت یہ مشغولیات کم ہو جاتی ہیں تو نفس اس مطالعہ پر قوی ہو جاتا ہے، اور جب روح ان احوال میں سے کسی حال پر واقف ہو جاتی ہے تو اگر وہ احوال اس مشاہدہ کے مطابق خیال میں منتقش ہو جاتے ہیں تو ان کی تعبیر میں کسی تاویل کی احتیاج نہیں ہوتی اور اگر ان احوال کی رموز یا ان کے اشارات خیال میں مرتسم ہوں تو پھر ان کی تعبیر میں تاویل کی احتیاج ہوتی ہے، پھر اگر وہ رموز اور اشارات مربوط، مرتب اور منظم ہوں تو ان متخیلات سے حقائق روحانیہ کی طرف منتقل ہونا اور ان کی تاویل کرنا تعبیر کرنے والے کے لیے سہل اور آسان ہوتا ہے، اور بعض اوقات وہ رموز اور اشارات مختلط، مضطرب اور غیر منضبط ہوتے ہیں اور ان کی تحلیل اور ان کا تجزیہ کرنا دشوار ہوتا ہے اور ان کی ترتیب اور تالیف میں تشویش ہوتی ہے اور ان سے کسی چیز کی تصویر کشی کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور ایسے ہی خوابوں کو اضغاث احلام کہا جاتا ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ بدن کی قوتوں میں کسی فساد کی وجہ سے قوت متخیلہ میں تشویش پیدا ہوتی ہے یا خارج میں کسی غیر مانوس چیز سے سابقہ پڑتا ہے اور اس کو اضغاث اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تعبیر بیان کرنے والوں کو تھکا دیتی ہے۔ (غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۴ ص ۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

سوکھی ہوئی گھاس کے مختلف اور منتشر تنکوں کے گٹھے کو ضغث کہتے ہیں، انسان جو خواب دیکھتا ہے کبھی تو اس کا معنی بالکل واضح ہوتا ہے جیسے انسان بیداری میں سوچ بچار کرتا ہے اور کبھی اس کا معنی غیر مربوط، غیر منضبط اور غیر واضح ہوتا ہے، جیسے غیر متناسب اور غیر مربوط اور غیر مرتب گھاس کے تنکوں کا گٹھا ہو اس کو اضغاث احلام کہتے ہیں، اس میں غیر مربوط خیالات کو غیر متناسب اور مختلف قسم کے گھاس کے تنکوں کے مجموعہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ ہم نے یوسف: ۴ میں اضغاث احلام کی زیادہ وضاحت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان دو قیدیوں میں سے جو نجات یافتہ تھا اس نے ایک مدت کے بعد یوسف کو یاد کیا، اس نے کہا میں تم کو اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں، مجھے (یوسف کے پاس) بھیج دو○ (یوسف: ۴۵)

مدت گزرنے کے بعد حضرت یوسف کا ذکر کرنے کی توجیہ

بادشاہ نے جب درباریوں سے خواب کے متعلق پوچھا اور وہ اس کی تعبیر نہ بتا سکے اس وقت اس ساقی نے کہا کہ قید خانے میں ایک شخص بہت عالم فاضل ہے اور بہت نیک ہے اور بہت عبادت گزار ہے، میں نے اور باورچی نے جو خواب دیکھے

تھے ہم نے اس سے ان خوابوں کی تعبیر پوچھی تھی اور اس کی بتائی ہوئی تعبیر بالکل صحیح اور درست واقع ہوئی، اگر آپ بھی اپنے خواب کی صحیح تعبیر جاننا چاہتے ہیں تو مجھے اس کے پاس قید خانے میں بھیج دیں، میں اس سے صحیح تعبیر معلوم کر کے آپ کو بتا دوں گا۔ (تفسیر کبیر ج۶، ص ۴۶۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بعض علماء نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: اسے ایک مدت کے بعد یوسف یاد آیا، یہ ترجمہ اس نظریہ پر مبنی ہے کہ شیطان نے ساقی کو بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا تھا لیکن احادیث، آثار اور قرآن مجید کے ظاہر الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ شیطان نے حضرت یوسف کو اللہ تعالیٰ سے اس معاملہ میں التجا اور ذکر کرنا بھلا دیا تھا اور انہوں نے ساقی سے کہا کہ وہ بادشاہ کے سامنے ان کی مظلومیت کا ذکر کرے، اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے اس لیے ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ اس نے ایک مدت کے بعد یوسف کو یاد کیا۔

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ساقی نے اس وقت تک بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا جب تک بادشاہ کو خواب کی تعبیر بتانے کے لیے کسی ماہر کی ضرورت نہیں پڑی، اس وقت اس نے بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا کیونکہ اس کو ڈر تھا کہ اگر اس نے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا اور حضرت یوسف کے بے قصور قید ہونے کا بتایا تو بادشاہ کے ذہن میں خود اس ساقی کا جرم پھر سے تازہ ہو جائے گا جس وجہ سے اس کو قید کیا گیا تھا اور اس کو خطرہ تھا کہ یہ امر اس کے لیے کسی مصیبت کا پیش خیمہ نہ بن جائے۔

(زاد المسیر ج۴، ص ۲۳۱، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اس نے یوسف کے پاس جا کر کہا) اے یوسف! اے بہت سچ بولنے والے! ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے کہ سات فربہ گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز خوشے ہیں اور سات سوکھے ہوئے (خوشے ہیں) تاکہ میں لوگوں کے پاس یہ تعبیر لے کر جاؤں شاید وہ آپ کا مرتبہ جان لیں ○ (یوسف: ۴۶)

جس سے علم حاصل کیا جائے اس کی تعظیم اور تکریم لازم ہے

ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو صدیق کہا جس کا معنی ہے: بہت زیادہ سچ بولنے والے، اور اس نے آپ کی یہ صفت اس لیے بیان کی کہ اس نے آپ کو ہمیشہ سچ بولنے والا پایا اور اس لیے کہ آپ نے اس کو جو تعبیر بتائی تھی وہ صادق ہوئی، اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص کسی سے علم حاصل کرنا چاہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی تعظیم کرے اور اس کو ایسے الفاظ سے مخاطب کرے جو احترام اور تکریم پر دلالت کرتے ہوں۔ ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی سامنے خواب میں وہی الفاظ ذکر کیے جو الفاظ بادشاہ نے ذکر کیے تھے اور یہ اس وجہ سے کیا کہ اگر خواب کے الفاظ میں تبدیلی کر دی جائے تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی تعبیر بھی بدل جائے، اس لیے ساقی نے احتیاط کی اور خواب کے بعینہٖ وہی الفاظ بیان کیے جو بادشاہ نے ذکر کیے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوسف نے کہا تم حسب معمول سات سال تک کاشت کاری کرو گے، پھر تم جو کھیت کاٹو تو تمام غلے کو ان کے خوشوں میں چھوڑ دینا سوا اس قلیل غلے کے جن کو تم کھاؤ ○ پھر اس کے بعد سات خشک سالی کے سخت سال آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے جو تم نے پہلے جمع کر کے رکھا تھا سوا تھوڑے سے غلے کے جن کو تم محفوظ رکھو گے ○ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش ہو گی اور اس میں لوگ پھلوں کو نچوڑیں گے ○ (یوسف: ۴۹-۴۷)

حضرت یوسف علیہ السلام کے مکارم اخلاق

ان آیات سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند ظرف اور مکارم اخلاق کا پتا چلتا ہے، آپ نے ساقی کو تاکید سے کہا تھا

کہ وہ بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرے، ساقی نے سات سال تک بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف کا ذکر نہیں کیا، پھر وہ اپنی ضرورت سے حضرت یوسف سے خواب کی تعبیر پوچھنے گیا تو حضرت یوسف نے اس کو کوئی سرزنش یا ملامت نہیں کی بلکہ شرح صدر کے ساتھ اس کو خواب کی تعبیر بتادی۔ ساقی کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے حضرت یوسف کو مزید سات یا نو سال قید میں رہنا پڑا، یہ ایک تقدیری امر تھا لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ اگر ساقی جاتے ہی حضرت یوسف کی مظلومیت اور ان کے بلا قصور قید میں گرفتار ہونے کا ذکر کر دیتا اور بادشاہ حضرت یوسف پر رحم کھا کر ان کو قید سے رہائی دلا دیتا تو یہ بادشاہ کا حضرت یوسف پر احسان ہوتا، اور جب بادشاہ کو خود ان کی ضرورت پڑی اور حضرت یوسف نے خواب کی تعبیر بتلا کر بادشاہ کی الجھن کو دور کیا تو اب بادشاہ حضرت یوسف کا زیر احسان تھا، گویا اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک کافر اس کے نبی پر احسان ہو بلکہ وہ چاہتا تھا کہ وہ کافر بادشاہ حضرت یوسف کے زیر احسان رہے بلکہ حضرت یوسف نے بعد میں آنے والے سات قحط کے سالوں سے نجات کا جو طریقہ بتایا اس سے تو مصر کی پوری قوم حضرت یوسف کے زیر احسان تھی۔

مستقبل کے لیے پس انداز کرنے اور قومی ضرورت کے لیے ذخیرہ اندوزی کرنے کا جواز

خواب کی تعبیر میں حضرت یوسف نے گایوں کو سالوں سے تعبیر کیا اور فربہ گایوں کو خوش حالی اور غلہ کی فراوانی کے سالوں سے تعبیر کیا اور دبلی گایوں کو خشک سالی اور قحط کے سالوں سے تعبیر کیا، پھر ان کو معیشت کی اصلاح کا طریقہ بتایا کہ وہ خوش حالی اور غلہ کی فراوانی کے سالوں میں ضرورت سے زیادہ غلہ کو خرچ نہ کریں اور بے تحاشا خرچ کر کے ضائع نہ کریں بلکہ مستقبل میں آنے والے قحط کے سات سالوں کے لیے غلہ کو بچا کر رکھیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مستقبل کے لیے مال کو پس انداز کرنا مصلحت کے اعتبار سے ضروری ہے اور بعض صوفیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ صبح کھاؤ تو شام کے لیے بچا کر نہ رکھا کرو، جس نے صبح کھانے کو دیا ہے شام کو بھی وہی دے گا، نیز اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ قومی ضرورت کے وقت ذخیرہ اندوزی جائز ہے منع اس صورت میں ہے جب لوگ بھوکے مر رہے ہوں اور تاجر اپنا نفع بڑھانے کے لیے غلہ کو گوداموں میں چھپا کر رکھیں اور مارکیٹ میں فروخت کے لیے نہ لائیں۔

خواب کا پہلی تعبیر پر واقع ہونا ضروری نہیں

بادشاہ کے درباریوں نے بادشاہ کے خواب کو اضغاث احلام قرار دیا تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کو بامعنی قرار دیا اور اس کی تعبیر بتائی، اس سے معلوم ہوا کہ جو دوسرا شخص خواب کی تعبیر بتائے خواب اس پر بھی واقع ہو جاتا ہے اور ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ درج ذیل حدیث ضعیف ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خواب کا ایک باطن ہوتا ہے پس خواب کی تعبیر کنایہ سے اس کے نام سے بیان کرو۔ خواب کی جو پہلی تعبیر بتائی جائے خواب اس پر واقع ہوتا ہے۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر خواب میں مثلاً سالم نام کے شخص کو دیکھو تو اس کی تعبیر سلامتی بیان کرو، اگر کوے کو دیکھے تو اس کی تعبیر فاسق ہے کیونکہ حدیث میں کوے کو فاسق فرمایا ہے اور اگر پسلی دیکھے تو اس کی تعبیر عورت ہے اور کنایہ سے مراد مثال ہے مثلاً کھجور کا درخت دیکھے تو اس کی تعبیر نیکی کرنے والا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۱۵، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۳۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۸۰۲)

علامہ بوصیری نے کہا: اس حدیث کی سند میں یزید بن ابان رقاشی ہے اور وہ ضعیف ہے، حافظ ابن عسقلانی نے بھی اس حدیث کو یزید رقاشی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۳۲ طبع لاہور، ۱۴۰۱ھ)

تمام مقاصد حیات کے لیے شریعت کا متکفل ہونا

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تمام لوگوں کے لیے رحمت ہوتے ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، وہ عقائد کی اصلاح کرتے ہیں، مکارم اخلاق کی ہدایت دیتے ہیں، تزکیہ نفوس کرتے ہیں اور معیشت اور اقتصادیات کی اصلاح کے لیے بھی رہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ غلہ کی فراوانی کے سات سالوں میں وہ کس طرح آئندہ کے سات سالوں کے لیے غلہ کو محفوظ رکھیں اور اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کا کام صرف دین کی حفاظت اور عبادت کا نظام قائم کرنا نہیں ہے بلکہ شریعت جان کی حفاظت کا بھی نظام قائم کرتی ہے اسی لیے قصاص اور دیت کا نظام قائم کیا اور مال کی حفاظت کے لیے چوری اور ڈاکہ کی حدود مقرر کیں، عقل کی حفاظت کے لیے شراب کی حد مقرر کی، نسب کی حفاظت کے لیے نکاح کا نظام قائم کیا اور زنا کی حد مقرر کی اور عزت کی حفاظت کے لیے حد قذف مقرر کی اور معیشت کی حفاظت اور اقتصادی حالت کو توازن پر رکھنے کے لیے زکوٰۃ اور عشر کا نظام قائم کیا اور احتکار کو ممنوع قرار دیا اور اس آیت میں قحط کے زمانہ میں غلہ کو برقرار رکھنے کے طریقہ کی رہنمائی کی، غرض شریعت انسان کی اصلاح کے تمام پہلوؤں اور اس کے تمام مقاصد کی حفاظت کو محیط ہے اور اس پر عمل کرنے ہی میں دین اور دنیا کی فلاح ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا غیب کی خبریں دینا

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات کافر کا خواب بھی صحیح ہوتا ہے اور اس کی تعبیر بھی سچی ہوتی ہے تو پھر مومن کے خواب اور پھر نبی کے خواب کی صحت اور صداقت کا کیا عالم ہو گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر میں بتایا کہ ان پر سات سال غلہ کی فراوانی کے ہوں گے اور سات سال قحط کے ہوں گے پھر اس کے بعد ایک سال میں بہت بارش ہو گی اور زمین بہت پھل اگائے گی اور لوگ پھلوں سے رس نچوڑیں گے اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے آنے والے پندرہ سالوں کی پیشگی خبریں بیان کر دیں اور یہ سب خبریں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحی سے بیان کیں اور یہ غیب کی خبریں تھیں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى

اور بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لے کر آؤ، جب ان کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا اپنے

رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ

آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، بے شک میرا رب

بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝۵۰ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

ان کی سازش کو خوب جاننے والا ہے ○ بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا: اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف راغب کرنے

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ

کی کوشش کی تھی؟ انہوں نے کہا حاش للہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں جانی، عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب تو حق بات

حَصۡحَصَ الۡحَقُّ اَنَا رَاوَدۡتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۵۱﴾

ظاہر ہو ہی گئی ہے میں نے خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی اور بے شک وہ سچوں میں سے تھے ○

ذٰلِكَ لِيَعۡلَمَ اَنِّىۡ لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَيۡبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ كَيۡدَ

اس نے کہا میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ وہ جان لے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور یہ بھی جان لے کہ بے شک اللہ

الۡخَآئِنِيۡنَ ﴿۵۲﴾

خیانت کرنے والوں کی سازش کو کامیاب ہونے نہیں دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لے کر آؤ' جب ان کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے بے شک میرا رب ان کی سازش کو خوب جاننے والا ہے ○ (یوسف: ۵۰)

علم دین کی وجہ سے روز قیامت علماء کی مغفرت

جب وہ ساقی حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر معلوم کرکے بادشاہ کے پاس گیا اور بادشاہ کو وہ تعبیر بتائی تو بادشاہ نے اس تعبیر کو بہت پسند کیا اور کہا کہ یوسف کو میرے پاس لے کر آؤ' اور یہ واقعہ علم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے علم کو ان کی دنیاوی مصیبت سے نجات کا سبب بنا دیا اور جب علم دنیاوی مصیبت سے نجات کا سبب ہے تو آخرت اور قیامت کے مصائب سے نجات کا سبب کیوں نہیں ہوگا!

حضرت ثعلبہ بن الحکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل جب بندوں پر اپنا فضل کرنے کے لیے اپنی کرسی پر بیٹھا ہو گا تو وہ علماء سے فرمائے گا میں نے اپنا علم اور اپنا حکم (نظام' قانون) تم کو صرف اس لیے عطا کیا تھا کہ میں تمہاری مغفرت کرنا چاہتا تھا اور میں بے نیاز ہوں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۸۱' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے: مجمع الزوائد ج۱' ص۱۲۶' تاہم اس حدیث کا ایک راوی العلاء بن مسلمہ وضع فی الحدیث کے ساتھ متہم ہے اور البانی نے اس حدیث کا ذکر السلسلۃ الضعیفہ میں کیا ہے رقم: ۸۶۷' خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل میں ضعاف کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اس حدیث کے شواہد بھی ہیں)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ قیامت کے دن علماء کو اٹھائے گا اور فرمائے گا: میں نے اپنا علم تم میں اس لیے نہیں رکھا تھا کہ تم کو عذاب دوں' جاؤ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۹۱' حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو المعجم الکبیر کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے اس کی سند بہت ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج۱ ص۱۲۶)

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ علماء کو جمع کرکے فرمائے گا: میں نے تمہارے دلوں میں حکمت اس لیے نہیں رکھی تھی کہ میں تمہیں عذاب دینا چاہتا ہوں' جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج۶' ص۲۰۷۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۸۹۴)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت یوسف کی تحسین کرنا

جب بادشاہ کا قاصد حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس ان کو بلانے کے لیے پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک قید خانے سے نکلنے سے انکار کر دیا جب تک ان کی اس تہمت سے براءت نہ ثابت ہو جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس عمل کی تعریف فرمائی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں' آپ نے فرمایا: اگر میں قید خانہ میں اتنی مدت رہتا جتنی مدت حضرت یوسف رہے تھے' پھر مجھے قاصد بلانے آتا تو میں اس کے بلانے پر چلا جاتا' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: فلما جاءہ الرسول قال ارجع الی ربک فسئلہ مابال النسوۃ التی قطعن ایدیھن۔ (یوسف: ۵۰)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۶' المعجم الکبیر ج ۹' رقم الحدیث: ۱۷ ۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے بلایا جاتا تو میں فوراً چلا جاتا اور اپنے بے قصور ہونے کی حجت کو تلاش نہ کرتا۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۳۰۷)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حضرت یوسف کے صبر اور ان کے کرم پر تعجب ہوتا ہے' اللہ ان کی مغفرت فرمائے جب ان سے موٹی اور دبلی گایوں کے متعلق سوال کیا گیا' اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو ان کو بالکل جواب نہ دیتا اور یہ شرط رکھتا کہ پہلے وہ مجھے قید خانے سے نکالیں' اور مجھے حضرت یوسف کے صبر اور ان کے کرم پر تعجب ہوتا ہے اور اللہ ان کی مغفرت فرمائے جب ان کے پاس قاصد آیا تو اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں دروازے سے نکلنے کی طرف جلدی کرتا لیکن حضرت یوسف نے یہ ارادہ کیا کہ ان کے بے قصور ہونے کی حجت ظاہر ہو جائے۔

(مسند احمد ج ۳' رقم الحدیث: ۷ ۸۳۴' طبع جدید دار الفکر' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۸۳۴)

رہائی میں حضرت یوسف علیہ السلام کے توقف کرنے کی وجوہات

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک قید خانے سے نکلنے سے توقف کیا جب تک کہ ان بے قصور ہونا واضح نہ ہو جائے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے احتیاط اور دانش مندی کو جو ملحوظ رکھا اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) اگر حضرت یوسف بادشاہ کے بلانے پر فوراً چلے جاتے تو بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف پر لگائی ہوئی تہمت کا اثر باقی رہتا اور جب خود بادشاہ نے حضرت یوسف پر لگائی ہوئی تہمت کی تفتیش اور تحقیق کی اور حضرت یوسف علیہ السلام کا بے قصور ہونا واضح ہو گیا تو اب کسی کے لیے یہ گنجائش نہ رہی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار پر انگلی اٹھاتا۔

(۲) جو شخص بارہ یا چودہ سال قید خانہ میں رہا ہو پھر اس کو قید خانہ سے نکلنے کا موقع ملے تو وہ رہائی کی طرف جھپٹ پڑتا ہے' اور جب حضرت یوسف نے قید خانے سے نکلنے میں توقف کیا تو معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف انتہائی دانش مند' محتاط اور بہت صابر ہیں' اور ایسے شخص کے متعلق یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہر قسم کی تہمت سے بری ہو گا اور ایسے شخص کے متعلق یہ یقین کیا جا سکے گا کہ اس پر جو اتہام لگایا جائے گا وہ جھوٹا ہو گا۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ ان کے بے قصور ہونے کو ان عورتوں سے معلوم کرے' ان کے بہت زیادہ پارسا اور پاک دامن ہونے کو ظاہر کرتا ہے' کیونکہ اگر وہ ذرا بھی اس برائی میں ملوث ہوتے تو انہیں یہ خطرہ ہوتا کہ وہ عورتیں پہلے کی طرح پھر ان پر الزام لگا دیں گی۔

(۴) جب حضرت یوسف نے ساقی سے یہ کہا تھا کہ بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا تو اس کہنے ہی کی وجہ سے ان کو سات سال یا نو سال مزید قید میں رہنا پڑا، اور جب بادشاہ نے ان کو بلایا تو انہوں نے اس کے بلانے کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اس کے بلانے پر نہیں گئے، بلکہ اپنے بے قصور ہونے اور اس تہمت سے بری ہونے کی کوشش کی، اور ہو سکتا ہے اس سے حضرت یوسف کی مراد یہ ہو کہ ان کے دل میں اب بادشاہ کے بلانے کی کوئی اہمیت نہیں اور یہ اس بات کی تلافی ہو کہ پہلے انہوں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کی بجائے ساقی کے توسل سے بادشاہ کے پاس پیش کرایا تھا۔

جیل بھرو تحریک کا عدم جواز

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ جتنی مدت حضرت یوسف قید میں رہے ہیں اگر اتنی مدت میں قید میں رہتا تو بادشاہ کے بلانے پر چلا جاتا، اس کا ایک معنی تو حضرت یوسف علیہ السلام کی تحسین ہے اور ان کے صبر اور ضبط کی تعریف ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مومن اور خصوصاً نبی کے لیے قید میں رہنا کوئی اچھی بات نہیں ہے کیونکہ آزاد فضا میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے اور تبلیغ کرنے کے جتنے مواقع ہوتے ہیں وہ قید خانے میں میسر نہیں ہوتے، اور آپ کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں حضرت یوسف کی جگہ ہوتا تو قید خانے سے باہر آکر اپنے بے قصور ہونے کو واضح کرتا اور اس ارشاد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ بتانا چاہتے تھے کہ از خود بلا اور مصیبت میں گرفتار ہونا اور اپنے آپ کو قید کے لیے پیش کرنا جائز نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آج کل بعض سیاسی لیڈر جو خود گرفتاریاں پیش کرتے ہیں اور جیل بھرو تحریک چلاتے ہیں یہ جائز نہیں ہے۔

حضرت یوسف کا تہمت لگانے والیوں کی تعیین نہ کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: بادشاہ سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، اس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تصریح نہیں کی عزیز مصر کی بیوی سے پوچھو حالانکہ اس معاملہ میں سب سے زیادہ وہ پیش پیش تھی، اور آپ کو قید کرانے میں اسی کا ہاتھ تھا، یہ آپ کا خلق کریم تھا کہ آپ نے اس کا صراحتاً نام نہیں لیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول سے پتا چلتا ہے کہ ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا اور آپ پر اس برے کام کی تہمت لگائی تھی، لیکن آپ نے معین کر کے کسی عورت کا نام نہیں لیا اور خصوصیت کے ساتھ کسی عورت کی شکایت نہیں کی۔

مصر کی عورتوں کی سازش کی وجوہ

حضرت یوسف نے فرمایا: میرا رب ان کی سازش کو خوب جاننے والا ہے، ان کی سازش کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ان عورتوں میں سے ہر ایک عورت حضرت یوسف سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہتی تھی اور جب وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو گئی تو اس نے انتقاماً حضرت یوسف علیہ السلام پر برائی کی تہمت لگائی۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ہر عورت یوسف کو اس پر آمادہ اور تیار کرتی رہی ہو کہ وہ ان کی مالکہ یعنی عزیز مصر کی بیوی کی خواہش پوری کریں اور حضرت یوسف علیہ السلام اس کو نہیں مانتے تھے اولاً اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تھی، ثانیاً اس لیے کہ ہر شریف انسان اور نیک فطرت شخص اس قسم کی برائی اور بے حیائی سے دور رہتا ہے اور ثالثاً اس لیے کہ عزیز مصر کے حضرت یوسف علیہ السلام پر بہت دنیاوی احسان تھے، اس نے آپ کی بہت اچھی طرح پرورش کی تھی، رابعاً اس لیے کہ عزیز مصر کی بیوی نے عزیز مصر سے یہ کہہ کر آپ کو اپنے پاس رکھا تھا کہ میں اس کو بیٹا بناؤں گی تو جس عورت کو کوئی شخص

بچپن سے ماں کا قائم مقام سمجھتا رہا ہو وہ جوان ہونے کے بعد اس کے متعلق ایسا کب سوچ سکتا ہے، یہ تو عام آدمی سے بھی متصور نہیں ہے چہ جائیکہ اللہ کے نبی سے، ان وجوہات کی بناء پر حضرت یوسف علیہ السلام، عزیز مصر کی بیوی کے متعلق ان عورتوں کی سفارش کو سختی کے ساتھ رد کرتے رہے۔

(۳) وہ سب عورتیں جب اپنے مقصد میں ناکام اور نامراد ہو گئیں تو ان سب عورتوں نے مل کر عزیز مصر کے سامنے حضرت یوسف کی کردار کشی کی، آپ پر الزام لگایا اور بری تہمت لگائی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی؟ انہوں نے کہا حاش للہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں جانی، عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب تو حق بات ظاہر ہو گئی ہے، میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی اور بے شک وہ سچوں میں سے تھے O (یوسف: ۵۱)

عزیز مصر کی بیوی کا اعتراف اور حصحص کا معنی

بادشاہ نے ان عورتوں سے یہ کہا کہ اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی؟ اس کے بھی حسب سابق دو محمل ہیں: ایک یہ کہ ان میں سے ہر عورت خود اپنے لیے حضرت یوسف میں طمع رکھتی تھی اور دوسرا یہ کہ سب عورتیں مل کر حضرت یوسف کو عزیز مصر کی بیوی کی خواہش پوری کرنے کے لیے تیار کرتی تھیں۔

اس مجلس میں عزیز مصر کی بیوی بھی حاضر تھی، اور اس کو علم تھا کہ یہ تمام تحقیق اور تفتیش اس کی وجہ سے ہو رہی ہے، اس لیے اس نے حقیقت سے پردہ اٹھایا اور کہا اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی، ممکن ہے اس کے اعتراف کی وجہ یہ ہو کہ اس نے جب یہ دیکھا کہ حضرت یوسف نے عورتوں کا ذکر کیا اور اس کا نام نہیں لیا اور اس کی پرورش کے جو حقوق تھے ان کی رعایت کرتے ہوئے اس کا پردہ رکھا تو اس نے بھی حضرت یوسف کے اس حسن اخلاق کے بدلہ میں یہ ظاہر کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہر قسم کے گناہ اور تہمت سے بری ہیں اور یہ اقرار کیا کہ گناہ اس کی جانب سے تھا، اس نے حضرت یوسف کو گناہ کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے اپنا دامن بچا لیا۔

اس آیت میں یہ الفاظ: حصحص الحق، اس کا معنی ہے حق واضح اور منکشف ہو گیا اور دلوں میں جاگزین ہو گیا۔ جب اونٹ زمین پر بیٹھ جائے اور قرار پکڑ لے تو عرب کہتے ہیں حصحص البعیر فی بروکہ، زجاج نے کہا یہ حصہ سے ماخوذ ہے، عرب کہتے ہیں بانت حصۃ الحق من حصۃ الباطل، حق کا حصہ باطل کے حصہ سے الگ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ وہ جان لے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور یہ بھی جان لے کہ بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیتا O (یوسف: ۵۲)

پس پشت خیانت نہ کرنے کے دو محمل

اس آیت کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے اور دوسرا یہ کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ابو صالح نے یہ کہا ہے کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے۔

(جامع البیان جز ۱۳ ص ۳۱۱، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، ص ۲۱۵۷، النکت والعیون ج ۳ ص ۴۸، زاد المسیر ج ۴ ص ۲۳۸)

اگر اس کلام کا قائل حضرت یوسف علیہ السلام کو قرار دیا جائے تو اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ اس سے متصل پہلی آیت میں عزیز مصر کی بیوی کا کلام تھا کہ اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے، میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی اور پھر

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا کلام ہو تو یہ بے ربط ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کے بے ربط ہونے کی کیا وجہ ہے جب کہ یہ الگ الگ آیتیں ہیں اور قرآن مجید میں اس کی کئی نظائر ہیں:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ○ (الاعراف: ۱۰۹) — فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا بے شک یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔

اور اس کے متصل بعد دوسری آیت میں فرعون کا کلام ہے:

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ۔ (الاعراف: ۱۱۰) — (فرعون نے کہا:) یہ تم کو تمہاری زمین سے نکال دینا چاہتا ہے سواب تم کیا مشورہ دیتے ہو۔

بلکہ قرآن مجید میں اس کی بھی مثال ہے کہ ایک آیت میں دو قائلین کا کلام ہے:

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ○ (یٰسین: ۵۲) — (کفار) کہیں گے ہائے ہماری ہلاکت! ہماری خواب گاہ سے ہمیں کس نے اٹھادیا، (فرشتے کہیں گے) یہ وہ ہے جس کا رحمن نے وعدہ فرمایا تھا اور رسولوں نے سچ فرمایا۔

دوسرا محمل یہ ہے کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کا قول ہے اور اب یہ قول، سابق قول سے متصل ہو گا کہ اس نے یہ کہا کہ میں نے یہ اعتراف اس لیے کیا ہے تاکہ یوسف یہ جان لے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کے خلاف جھوٹ بول کر اور اس پر بہتان لگا کر خیانت نہیں کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پس پشت کسی کی خیانت نہیں کی

حضرت یوسف علیہ السلام نے کس موقع پر یہ کلام فرمایا تھا؟ اس کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) جب ساقی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس لوٹ کر قید خانہ میں آیا تو اس وقت انہوں نے فرمایا: میں نے یہ تفتیش اس لیے کرائی ہے کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پیٹھ پشت خیانت نہیں کی۔ یہ حضرت ابن عباس اور ابن جریج کا قول ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے دربار میں پیش ہوئے اس وقت انہوں نے فرمایا: میں نے یہ تفتیش اس لیے کرائی ہے.....

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا: تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پس پشت خیانت نہیں کی، حضرت ابن عباس، حسن، مجاہد، قتادہ اور جمہور نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی، اور ضحاک نے حضرت ابن عباس کا دوسرا قول روایت کیا ہے کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے عزیز مصر کے پیٹھ پشت اس کی خیانت نہیں کی، اور تیسرا قول یہ ہے کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور بادشاہ کی خیانت کی توجیہ یہ ہے کہ بادشاہ کے وزیر کی خیانت کرنا بھی بادشاہ کی خیانت ہے۔ (اس کے علاوہ ایک اور قول بھی ہے لیکن وہ اتنا واضح نہیں ہے اس لیے ہم نے اس کو ترک کر دیا۔)

(زاد المسیر ج ۴، ص ۲۳۴، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت یوسف کی پاکیزگی پر دلائل

یہ آیتیں حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت اور پاکیزگی پر حسب ذیل وجوہ سے دلالت کرتی ہیں:

(۱) عزیز مصر کی بیوی نے اعتراف کیا کہ میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی۔
(۲) اور مزید یہ کہا کہ بے شک وہ سچوں میں سے تھے۔ (یوسف: ۵۱)
(۳) اس کا معنی یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنے اس قول میں سچے تھے: اس عورت نے خود مجھے اپنے نفس کی طرف راغب کیا تھا۔ (یوسف: ۲۶)
(۴) بے شک اللہ مجرموں کی سازشوں کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ (یوسف: ۵۲)
یعنی جو شخص خائن اور سازشی ہوتا ہے وہ ضرور رسوا ہو جاتا ہے سو اگر میں خائن اور سازشی ہوتا تو ضرور رسوا ہو جاتا اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسوا ہونے نہیں دیا اور مجھے اس الزام اور تہمت سے بری کرا دیا تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ میں خیانت کرنے والا نہ تھا۔
(۵) اگر حضرت یوسف نے معاذ اللہ کوئی جرم کیا ہوتا تو آپ اس بات کی ہرگز جرأت نہ کرتے کہ اپنے اوپر لگی ہوئی تہمت کی تفتیش اور تحقیق کرانے کے لیے بادشاہ کے پاس پیغام بھیجتے' ایسا اقدام وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اپنی پاکیزگی اور پارسائی پر یقینِ واثق اور کامل اعتماد ہو۔
(۶) وہ عورتیں یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی اور طہارت پر پہلے بھی یہ کہہ کر شہادت دے چکی تھیں سبحان اللہ یہ بشر نہیں ہیں یہ تو معزز فرشتے ہیں۔ (یوسف: ۳۱)
اور اب دوسری بار بھی انہوں نے کہا: سبحان اللہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں جانی۔ (یوسف: ۵۱)
اسی طرح عزیز مصر کی بیوی نے پہلی بار بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی یہ کہہ کر بیان کی: میں نے اس کو اپنی طرف راغب کیا تھا سو یہ بچ گیا۔ (یوسف: ۳۲)
اور دوسری بار بھی اس نے اعتراف کیا کہ اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی۔ (یوسف: ۵۱)

الجزء ۱۳

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا
اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں قرار دیتا' بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے' سوا اس کے

رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ
جس پر میرا رب رحم فرمائے' بے شک میرا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور بادشاہ نے کہا اس کو میرے پاس لے

بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا
کر آؤ' میں اس کو اپنے لیے مخصوص رکھوں گا' پھر جب بادشاہ نے اس سے گفتگو کی تو کہا اے یوسف! آپ آج سے ہمارے نزدیک

مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ
مقتدر اور امانت دار ہیں ○ (یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں' بے شک میں

حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٥﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ

حفاظت کرنے والا علم والا ہوں ○ اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں اقتدار عطا کیا، وہ اس ملک میں

مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ

جہاں رہنا چاہتے تھے رہتے تھے، ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور ہم نیکی کرنے والوں کے اجر کو

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

ضائع نہیں کرتے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے ان کے لیے آخرت کا

يَتَّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ ع ۷/۸

اجر بہت بہتر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یوسف نے کہا) اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں قرار دیتا‘ بے شک نفس تو بُرائی کا بہت حکم دینے والا ہے‘ سوا اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے‘ بے شک میرا رب بہت بخشنے والا‘ بے حد رحم فرمانے والا ہے○ (یوسف: ۵۳)

حضرت یوسف کے اس قول کی توجیہ کہ میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں کہتا

مفسرین کا اس اختلاف ہے کہ اس قول کے قائل حضرت یوسف ہیں یا عزیز مصر کی بیوی‘ صحیح قول یہ ہے کہ اس قول کے قائل حضرت یوسف علیہ السلام ہیں اور اس آیت کا معنی یہ ہے: میں اپنے نفس کو خطاؤں اور لغزشوں سے پاک قرار نہیں دیتا کیونکہ انسانوں کے نفوس ان کو اپنی خواہش پر چلنے کا حکم دیتے رہتے ہیں‘ خواہ نفسانی خواہشیں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی رضا کے خلاف کیوں نہ ہوں‘ ہاں مخلوق میں سے جس پر میرا رب رحم فرمائے تو وہ اس کو خواہش کی پیروی کرنے اور بری باتوں میں نفس کے احکام کی اطاعت کرنے سے نجات عطا فرماتا ہے اور بے شک جو شخص اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کو سزا دینے اور اس کو رسوا کرنے سے درگزر فرماتا ہے‘ اور اسی طرح آخرت میں بھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا تھا؟ اس کی مفسرین نے متعدد وجوہ بیان کی ہیں جن میں سے بعض وجوہ ناگفتنی ہیں۔ صحیح وجہ یہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا: میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ وہ جان لے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی‘ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خیال آیا کہ میں نے جو یہ کہا ہے ہو سکتا ہے یہ اپنی تعریف اور خود سرائی اور خود ستائی کے زمرہ میں آتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے خود ستائی سے منع فرمایا ہے اس لیے اس کے ازالہ اور تلافی کے طور پر فوراً فرمایا: اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں قرار دیتا‘ بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے سوا اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کا قول ہے جب اس نے اپنی خطا کا اعتراف کر لیا اور یہ اقرار کر لیا کہ اسی نے حضرت یوسف کو ورغلایا تھا اور حضرت یوسف نے گناہ سے اپنا دامن بچالیا تھا تو بطور احتذار کے کہا کہ میں اپنے آپ کو بے

قصور نہیں کہتی بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے سوا اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے، بے شک میرا رب بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (یوسف: ۵۳)

یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ عزیز مصر کی بیوی بت پرست تھی، اس کا یہ کہنا متصور نہیں ہے کہ سوا اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے، بے شک میرا رب بہت بخشنے والا، بے حد مہربان ہے، یہ کہنا حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے لائق ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو فرمایا تھا: اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں قرار دیتا، اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف نے فرمایا تھا "میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی" تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان کو اس فعل کی طرف رغبت نہیں تھی یا ان کا نفس اور ان کی طبیعت اس فعل کی طرف مائل نہیں تھی کیونکہ نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے اور طبیعت لذات کی شائق ہوتی ہے اور اس کلام سے حضرت یوسف نے یہ ظاہر فرمایا کہ ان کا اس گناہ کو ترک کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ ان کو اس فعل کی طرف رغبت نہیں تھی یا اس کی طاقت نہیں تھی بلکہ ان کا اس گناہ کو ترک کرنا محض اللہ تعالیٰ کے ڈر اور اس کے خوف کی وجہ سے تھا، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں گناہوں کی طاقت اور قدرت نہیں ہوتی اور وہ اپنے اختیار سے گناہوں کو ترک نہیں کرتے بلکہ ان کا گناہوں کا ترک کرنا فرشتوں کی طرح اضطراری ہوتا ہے سو ان کا یہ قول عصمت کی تعریف سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔

عصمت کی تعریف

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ نہ پیدا کرے، اسی کے قریب یہ تعریف ہے: عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو اچھے کاموں پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے باوجود اس کے کہ بندہ کو گناہ پر اختیار ہوتا ہے تاکہ بندہ کا مکلف ہونا صحیح رہے، اس لیے شیخ ابو منصور ماتریدی نے فرمایا: عصمت مکلف ہونے کو زائل نہیں کرتی، ان تعریفوں سے ان لوگوں (بعض شیعہ اور بعض معتزلہ) کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ عصمت نفس انسان یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے گناہ کا صدور محال ہو جاتا ہے کیونکہ اگر کسی انسان سے گناہ کا صدور محال ہو تو اس کا مکلف کرنا صحیح ہو گا نہ اس کو اجر و ثواب دینا صحیح ہو گا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۰۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۷۰ھ لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کے ملکہ (مہارت) کو عصمت کہتے ہیں۔

(حاشیۃ الخیالی ص ۱۴۶، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

جمہور اس نظریہ کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنے کسب اور اختیار سے اللہ کی طرف سے معصوم ہوتے ہیں، اس کے برخلاف حسین النجار (معتزلی) نے یہ کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو گناہوں پر بالکل قدرت نہیں ہوتی۔

(الشفاء ج ۲، ص ۱۲۵، مطبوعہ ملتان)

علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی متوفی ۸۸۱ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے میں گناہ کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ کو پیدا نہ کرے۔

(شرح المسایرہ ص ۲۹۰، مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ بلوچستان)

نفس امارہ اور نفس مطمئنہ

حکماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نفس امارہ کیا چیز ہے جو برائی کا بہت حکم دیتا ہے۔ محققین نے یہ کہا ہے کہ نفس انسان ایک چیز ہے اور اس کی صفات بہت ہیں' جب یہ اللہ عزوجل کی معرفت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے تو پھر یہ نفس مطمئنہ ہوتا ہے اور جب یہ شہوت اور غضب کی طرف مائل ہو تو پھر یہ نفس امارہ ہوتا ہے' اور نفس جو بُرائی کا بہت حکم دیتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ نفس ابتدا سے ہی دنیا کی رنگینیوں اور پرکشش چیزوں سے دلچسپی رکھتا ہے' محسوسات کا عالم اس کے مشاہدہ میں ہوتا ہے اور آخرت کا عالم اور آخرت کی پُرکشش چیزیں اس کی نظر سے غائب ہوتی ہیں اور بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو حسن ظاہر کو چھوڑ کر حسن غائب کی طرف متوجہ ہوں' اس لیے اس ظاہر عالم کی پُرکشش چیزیں اس کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور بہت قلیل لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ان جسمانی لذات کو چھوڑ کر روحانی لذتوں کی طرف راغب ہوں اس لیے بالعموم انسان کا نفس برائی کا حکم کرتا ہے' البتہ وہ نفوس قدسیہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت میں مستغرق رہتے ہیں' اس کی صفات کا مطالعہ کرتے ہیں' ان کی طبیعت شریعت کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے' ان پر یہ حاضر اور ظاہری رنگینیاں اور پرکشش چیزیں اثرانداز نہیں ہوتیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے خوف کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں کبھی گناہ کا خطرہ نہیں ہوتا اور انہی لوگوں کا نفس مطمئن ہوتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے انسان اس وقت گناہ سے بچ سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے شامل حال ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بادشاہ نے کہا اس کو میرے پاس لے کر آؤ' میں اس کو اپنے لیے مخصوص رکھوں گا پھر جب بادشاہ نے اس سے گفتگو کی تو کہا (اے یوسف!) آپ آج سے ہمارے نزدیک مقتدر اور امانت دار ہیں O (یوسف: ۵۴)

بادشاہ کا حضرت یوسف کو اپنے پاس بلانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے: بادشاہ سے مراد ہے مصر کا بادشاہ۔ امام ابن اسحاق نے کہا: وہ الولید بن الریان ہے۔ (جامع البیان جز ۱۳ ص ۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا: اس میں اختلاف ہے کہ اس بادشاہ سے مراد کون ہے' بعض نے کہا اس سے مراد عزیز مصر ہے۔ یعنی بادشاہ کا وزیر اور بعض نے کہا اس سے مراد بادشاہ ہے یعنی الولید بن الریان۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ بادشاہ نے کہا میں اس کو اپنے لیے مخصوص رکھوں گا اور اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے لیے مخصوص تھے' اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں الملک سے مراد بادشاہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب قید میں تھے تو ان کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: دعا کیجئے: اے اللہ! میرے لیے کشادگی اور قید سے نکلنے کی راہ پیدا کر دے اور مجھے وہاں سے رزق عطا فرما جہاں سے مجھے گمان بھی نہ ہو' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے لیے قید سے رہائی کا سبب پیدا فرما دیا' قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ (الطلاق: ۳-۲)	اور جو اللہ سے ڈرتا ہے' اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے' اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا' اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

حضرت یوسف سے بادشاہ کے متاثر ہونے کی وجوہات

بادشاہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کا بہت زیادہ معتقد ہو گیا تھا اور ان کو اپنے لیے مخصوص کرنا چاہتا تھا اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علم سے بہت متاثر ہوا تھا' کیونکہ جب بادشاہ کے خواب کی تعبیر سے اس کے تمام ارکان دولت عاجز ہو گئے تھے' اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے برجستہ اس خواب کی تعبیر بتائی اور اس کو جو پریشانی لاحق ہونے والی تھی' اور اس قوم پر جو مصیبت آنے والی تھی اس کو دور کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا۔

(۲) وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر اور ضبط سے بھی بہت متاثر ہوا کیونکہ جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا حکم بھیجا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک قید خانے سے نکلنے سے انکار کر دیا جب تک کہ تمام الزاموں اور تہمتوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت ظاہر نہ ہو جائے۔

(۳) وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ادب اور احترام اور ان کی پردہ پوشی کی صفت سے بھی بہت متاثر ہوا کیونکہ انہوں نے صرف یہ فرمایا کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ (یوسف: ۵۰) حالانکہ آپ کی غرض عزیز مصر کی بیوی کا حال معلوم کرنا تھا جس نے آپ پر تہمت لگائی تھی لیکن آپ نے اس کا پردہ رکھا اور باقی عورتوں کا ذکر کیا جب کہ باقی عورتوں سے بھی آپ کا واسطہ عزیز مصر کی بیوی کی وجہ سے ہی پڑا تھا اور آپ اسی کی تہمت اور الزام کی وجہ سے اس قید میں گرفتار ہوئے تھے اور یہ آپ کا نہایت درجہ کا ظرف اور حوصلہ تھا۔

(۴) وہ آپ کی پاکیزگی اور پارسائی اور آپ کے ٹھوس اور پختہ کردار کی وجہ سے بھی متاثر ہوا' کیونکہ جو آپ پر تہمت لگانے والے تھے ان سب نے آپ کی ان تہمتوں سے براءت کا اعتراف اور اقرار کر لیا۔

(۵) آپ کے ساتھ قید میں جو ساقی رہا تھا اس نے آپ کی بہت تعریف کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ عبادت کرتے ہیں اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ بہت نیک سلوک کرتے ہیں' بیماروں کی عیادت کرتے ہیں اور ہر کسی کے کام آنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ ایسی وجوہ ہیں کہ ان میں سے ایک وجہ بھی کسی شخص میں پائی جائے تو اس شخص سے لوگ متاثر ہوں گے تو جس شخص میں یہ تمام وجوہات پائی جائیں تو لوگ اس سے کس قدر زیادہ متاثر ہوں گے اور کتنے زیادہ اس کے عقیدت مند ہوں گے۔

جب بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ان صفات اور ان کے ان شمائل اور خصائل پر مطلع ہوا تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنے کا خواہش مند ہوا اور وہ اس پر راغب ہوا کہ ان کو اپنے لیے مخصوص کر لے۔

حضرت یوسف کا رہا ہو کر بادشاہ کے دربار میں جانا

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جب بادشاہ کا قاصد ان کو بلانے کے لیے پہنچا تو اس نے کہا: آپ نہا دھو کر' قید کے کپڑے اتار کر عمدہ لباس پہنیں اور میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلیں' حضرت یوسف نے قید خانہ سے نکلنے سے پہلے قید خانہ کے دروازہ پر لکھ دیا: "یہ آزمائش اور امتحان کی جگہ' یہ زندہ لوگوں کا قبرستان ہے' یہ دشمنوں کے ہنسنے کا موقع ہے اور سچوں کی تجربہ گاہ ہے۔" جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو یہ دعا کی: اے اللہ! میں اس کی خیر سے تیری خیر کا سوال کرتا ہوں' اور اس کے شر سے تیری قدرت اور تیری عزت کی پناہ میں آتا ہوں' اور جب اس کے پاس داخل ہوئے تو عبرانی زبان میں اس کے حق میں دعائیہ کلمات کہے۔

بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس لیے اپنے ساتھ مخصوص کرنا چاہا تھا کہ بادشاہوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو کسی عمدہ اور نفیس چیز کا پتا چلتا ہے تو وہ چاہتے ہیں کہ وہ بلا شرکت غیرے اس چیز کے مالک ہو جائیں۔

جب بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے گفتگو کی تو کہا: میں اپنی اہلیہ اور طعام کے سوا تم کو اپنی ہر چیز میں شریک کرنا چاہتا ہوں، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ میں تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں گا؟ حالانکہ میں یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام ہوں۔ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے دربار میں پہنچے تھے اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اور اس وقت آپ جوان رعنا تھے، بادشاہ نے حضرت یوسف کو دیکھ کر ساقی سے کہا یہ وہ شخص ہے جس نے میرے خواب کی تعبیر بتائی تھی حالانکہ بڑے بڑے جادوگر اور کاہن اس کی تعبیر بتانے سے عاجز رہے تھے، پھر بادشاہ نے یہ فرمائش کی کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس کے سامنے بالمشافہ خواب کی تعبیر بیان کریں، پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے تفصیل کے ساتھ پہلے اس کا دیکھا ہوا خواب بیان کیا، پھر اس کی تعبیر بیان فرمائی۔

حضرت یوسف کا بادشاہ کے سامنے خواب اور اس کی تعبیر بیان کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے بادشاہ تم نے خواب میں دیکھا کہ سات بہت حسین و جمیل اور موٹی تازی گائیں ہیں جو بہت خوش نما اور بھلی معلوم ہوتی ہیں، ان کے بچے ان کا دودھ پی رہے تھے، وہ دریائے نیل سے نکل کر کنارے پر آئیں، جس وقت آپ یہ حسین منظر دیکھ کر خوش ہو رہے تھے، اچانک دریا کا پانی زمین میں دھنس گیا اور اس کی کیچڑ میں سے سات دبلی پتلی گائیں نمودار ہوئیں، ان کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود تھے، ان کے پیٹ سکڑے ہوئے تھے، ان کے ساتھ ان کے دودھ پینے والے بچے نہ تھے۔ ان کے لمبے لمبے دانت اور داڑھیں تھیں۔ کتے کی طرح ان کے پنجے تھے، اور درندوں کی طرح ان کی سونڈ تھی، وہ ان فربہ گایوں پر حملہ آور ہوئیں اور دیکھتے دیکھتے انہوں نے درندوں کی طرح ان کو چیر پھاڑ ڈالا، اور ان کا گوشت کھا گئیں اور ان کی کھال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور ان کی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ آپ یہ منظر دیکھ کر اس پر تعجب کر رہے تھے کہ یہ دبلی پتلی گائیں کس طرح ان فربہ گایوں پر غالب آ گئیں، اور ان گایوں کو کھانے کے باوجود ان دبلی گایوں کی جسامت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، پھر اچانک آپ نے سات تر و تازہ اور سرسبز خوشے دیکھے جو دانوں اور پانی سے بھرے ہوئے تھے، اور اسی کھیت میں دوسری جانب سات خشک خوشے تھے، وہ نہ سرسبز تھے، نہ ان میں دانہ اور پانی تھا، ان کی جڑیں کیچڑ اور پانی میں تھیں۔ جس وقت آپ دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ یہ کیسا منظر ہے ایک طرف یہ سرسبز اور پھل دار خوشے ہیں اور دوسری طرف یہ سیاہ اور خشک خوشے ہیں اور دونوں ایک ہی کھیت میں ہیں اور ان کی جڑیں پانی میں ہیں، جب تیز ہوا چلتی تو سیاہ اور خشک پودوں کے پتے اڑ کر سرسبز پودوں پر جا کر گر جاتے تو پھر ان میں آگ لگ جاتی اور وہ جل کر سیاہ ہو جاتے پھر اے بادشاہ! آپ خوفزدگی کے عالم میں بیدار ہو گئے۔ پھر بادشاہ نے کہا: اللہ کی قسم یہ بہت عجیب و غریب خواب تھا اور جس طرح آپ نے اس کی منظر کشی کی ہے وہ بہت ہی دل فریب ہے! تو اے صدیق آپ کے نزدیک اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟ حضرت یوسف نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ خوش حالی کے ان سرسبز سالوں میں آپ غلے کو جمع کر لیں اور ان سالوں میں زیادہ سے زیادہ گندم کاشت کریں کیونکہ ان سالوں میں اگر آپ نے پتھر اور بجری میں بھی گندم بوئی تو اس سے بھی گندم اگ آئے گی۔ اور اللہ تعالیٰ ان میں بہت روئیدگی اور برکت فرمائے گا، پھر آپ گندم کو ان کے خوشوں میں رہنے دیں اور ان کو گوداموں میں ذخیرہ کرائیں، پس اس گندم کا بھوسا جانوروں کے چارے میں استعمال ہوگا اور گندم لوگوں کی خوراک بنے گی، پھر جس گندم کا آپ ذخیرہ کریں گے وہ مصر اور اس کے مضافات کے لیے کافی ہوگی اور دور دراز سے سفر کر کے لوگ آپ کے پاس گندم لینے

کے لیے آئیں گے اور اس کو فروخت کرنے سے آپ کے پاس مال و زر کا اتنا بڑا خزانہ جمع ہو جائے گا جو آپ سے پہلے کسی کے پاس نہیں تھا' پھر بادشاہ نے کہا کہ میرے اس کام کی نگرانی اور اس کا انتظام کون کرے گا؟ اگر میں شہر کے تمام لوگوں کو بھی اکٹھا کرلوں تو وہ اس کام کو خوش اسلوبی سے نہیں کر سکیں گے! اور ان سے ایمانداری اور دیانت داری کی بھی توقع نہیں ہے! تب حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: آپ مجھے اپنے ملک کے خزانوں کا امیر مقرر کر دیں۔

بادشاہ کا حضرت یوسف کو صاحب اقتدار اور امانت دار قرار دینا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو خواب کی تعبیر اور قحط کے مشکل حالات کا حل بتایا تو بادشاہ نے کہا (اے یوسف!) "آپ آج سے ہمارے نزدیک مقتدر اور امانت دار ہیں" اور یہ ایک جامع کلمہ ہے جو تمام فضائل اور مناقب کو شامل ہے کیونکہ تمکین وہ شخص ہو سکتا ہے جس کے پاس قدرت اور علم ہو' کیونکہ قدرت سے وہ حسب منشاء تصرف کر سکے گا' اور علم کے ذریعہ ہی اس کو معلوم ہو گا کہ کون سا کام کرنا چاہیے اور کون سا کام نہیں کرنا چاہیے۔ اور جو شخص امانت دار ہو گا وہ اسی کام کو کرے گا جس کا کرنا حکمت اور مصلحت کے مطابق ہو گا نہ کہ وہ کام جو صرف اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہو' خواہ اس میں کوئی حکمت اور مصلحت ہو یا نہ ہو' خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ نے کہا آپ ہمارے نزدیک ایسے شخص ہیں جو ہمارے ملک میں اپنے علم اور قدرت سے حکمت اور مصلحت کے مطابق تصرف کریں۔

(تفسیر کبیر ج ۶' ص ۴۷۲-۴۷۰' الجامع لاحکام القرآن جز ۹' ص ۱۸۵-۱۸۴' روح المعانی جز ۱۳' ص ۹-۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں بے شک میں حفاظت کرنے والا' علم والا ہوں ○ (یوسف: ۵۵)

طلب منصب کا عدم جواز اور حضرت یوسف کے طلب منصب کی توجیہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے منصب طلب کیا' ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں منصب کو طلب کرنا جائز ہو' لیکن ہماری شریعت میں منصب کو طلب کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! امارت کا سوال نہ کرنا' کیونکہ اگر تم کو سوال کی وجہ سے امارت دی گئی تو تم کو اس کے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر تم کو بغیر سوال کے امارت دی گئی تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی' اور اگر تم کسی چیز کی قسم کھاؤ پھر تم یہ دیکھو کہ اس کا خلاف بہتر ہے تو تم اپنی قسم کا کفارہ کر دو اور اس بہتر کام کو کر لو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۸۴' السنن الکبریٰ للنسائی قم الحدیث: ۸۷۳۵' سنن ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۱۳۵۱' مسند احمد ج ۵' ص ۶۲' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۳۵۱' المنتقیٰ لابن الجارود رقم الحدیث: ۹۹۸-۹۲۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۵۲۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۳۴۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۵۳' تہذیب الکمال ج ۱۷ ص ۱۴۰)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ اشعریین کے دو آدمی تھے' ایک میری دائیں جانب اور دوسرا میری بائیں جانب تھا۔ ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی منصب کا سوال کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسواک کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے ابوموسیٰ! تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے' انہوں نے مجھے اپنے دل کی بات پر

مطلع نہیں کیا تھا' اور مجھے یہ پتا نہیں چلا تھا کہ یہ کسی منصب کو طلب کریں گے' حضرت ابو موسیٰ نے کہا: گویا کہ میں دیکھ رہا تھا کہ آپ کی مسواک آپ کے ہونٹ کے نیچے تھی اور وہ سکڑ چکی تھی' آپ نے فرمایا: جو شخص کسی منصب کا ارادہ کرے گا' ہم اس کو ہرگز اس منصب پر مقرر نہیں کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۳ رقم حدیث الباب: ۱۵ الرقم المسلسل: ۴۶۴۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۵۷۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۹۳۵)

اور اگر بالفرض حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں بھی منصب کو طلب کرنا ممنوع ہو تو پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے عہدہ طلب کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت یوسف نے یہ عہدہ اس لیے طلب کیا تھا کہ ان کے علاوہ کوئی اور شخص اس منصب کا اہل نہیں تھا اور نہ کوئی اتنا نیک اور دیانت دار تھا جو مستحق لوگوں کو ان کے حقوق پہنچا سکے۔ اس لیے ان کے نزدیک اس عہدہ کی صلاحیت اور اہلیت کے لحاظ سے وہ اس عہدہ کے لیے متعین تھے اور ان پر اس عہدہ کا طلب کرنا فرض تھا' اور آج کل بھی یہی حکم ہے' اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ قضاء امارت یا کسی اور عہدہ کے لیے اس کے علاوہ اور کسی شخص میں اس عہدہ کی اہلیت اور صلاحیت نہیں اور نہ کسی اور میں تقویٰ اور پرہیزگاری ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس عہدہ کا سوال کرے اور اس عہدہ کے حصول کے لیے جدوجہد کرے اور وہ عہدہ دینے والوں کو اپنی ان صفات کی خبر دے جن صفات کی وجہ سے وہ اس عہدہ کا اہل اور مستحق ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی صفات بتائیں اور فرمایا: میں بہت حفاظت کرنے والا اور بہت جاننے والا ہوں' اور اگر اس کو یہ علم ہو کہ اس کے علاوہ اور بہت لوگ ہیں جو اس عہدہ کی صلاحیت اور اہلیت رکھتے ہیں تو پھر اس کے لیے اس عہدہ کو طلب کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم امارت کا سوال نہ کرو' کیونکہ جب اس کو علم ہو کہ اس منصب کی وجہ سے بہت آفتیں اور مصیبتیں آتی ہیں اور ان سے چھٹکارا پانا بہت مشکل ہوتا ہے اس کے باوجود وہ اس منصب کو طلب کرے اور اس پر حریص ہو تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اپنی ذات کی منفعت اور اپنی اغراض کو پورا کرنے کے لیے اس عہدہ کو طلب کر رہا ہے اور جو شخص ایسا ہو گا وہ عنقریب اپنی نفسانی خواہشوں کا شکار ہو کر ہلاک ہو جائے گا' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اس منصب کو طلب کرے گا اس کو اس کے سپرد کر دیا جائے گا' اور جس شخص کو اس منصب پر آنے والی آفتوں اور مصیبتوں کا علم ہو اور اس کو یہ خدشہ ہو کہ وہ اس منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے گا اور اس سے اس کے حقوق میں کوتاہیاں ہوں گی۔ اس وجہ سے وہ اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کرے اور اس سے دور بھاگے پھر اس کو زبردستی اس منصب پر فائز کر دیا جائے تو اس کے حق میں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کو ان متوقع آفات اور مصائب اور خطرات سے نجات مل جائے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے فرمایا: جس کو اس کی طلب کے بغیر منصب دے دیا گیا اس کی (غیب سے) مدد کی جائے گی۔

موجودہ طریق انتخاب کے جواز پر حضرت یوسف کے طلب منصب سے استدلال اور اس کے جوابات

ہمارے زمانہ میں قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کی نشستوں کے جو انتخابات ہوتے ہیں' ان نشستوں کے حصول کے لیے مختلف سیاسی جماعتوں کے امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اسلام میں منصب کو طلب کرنا جائز نہیں ہے تو پھر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے طلب منصب سے استدلال کرتے ہیں' اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے' اور شریعت سابقہ کے جو احکام ہماری شریعت کے خلاف ہوں' وہ ہم پر حجت نہیں ہوتے' ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخدا! ہم اس شخص کو عامل

نہیں بنائیں گے جو اس کو طلب کرے گا اور نہ اس شخص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حرص کرے گا، جیسا کہ اس بحث کے شروع میں ہم نے احادیث بیان کر دی ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا تقویٰ قطعی اور یقینی ہوتا ہے، نبی کو وحی کی تائید حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے افعال کے متعلق اللہ کی رضا سے مطلع رہتے ہیں جبکہ عام آدمی کا تقویٰ قطعی اور یقینی نہیں ہوتا اور غیر قطعی کو قطعی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا عہدہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا جو ان کو وحی کے ذریعے سے حاصل ہوئی تھی اور عام آدمی کے حق میں یہ متصور نہیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی منصب کا اہل نہ ہو تو جو شخص اہل ہو، اس کا محض خدمت کے لیے منصب کو طلب کرنا ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔ ہمیں اس قاعدہ کی صحت سے انکار نہیں ہے، لیکن جو چیز ضرورت کی بناء پر جائز کی گئی ہو، اس کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھنا صحیح ہے، اس کو عام رواج اور معمول بنالینا صحیح نہیں ہے۔ مثلاً جب کوئی حلال چیز کھانے کے لیے دستیاب نہ ہو تو ضرورت کی بناء پر شراب اور خنزیر کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص ضرورت کے حوالے سے خنزیر اور شراب کو کھانے پینے کا عام معمول بنالے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا

پاکستان میں انتخاب کے موقع پر ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور زر کثیر خرچ کر کے اپنے لیے کنویسنگ کرتے ہیں اور مخالف امیدواروں کی کردار کشی کرتے ہیں، اور اس سلسلے میں غیبت، افتراء اور تہمت کی تمام حدود کو پھلانگ جاتے ہیں اور یہ طریقہ اسلام میں بالکل ناجائز ہے۔ اور ہر امیدوار کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ضرورت کی بناء پر کھڑا ہوا ہے بداہتاً باطل ہے، کیونکہ ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ اور کوئی اہل نہیں تھا اس لیے یہ سب امیدوار کھڑے ہو گئے ہیں!

امیدوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے غلط نتائج

درحقیقت پاکستان کے آئین میں طلب منصب کی اجازت دینا ہی غیر اسلامی دفعہ ہے، جو امیدوار انتخاب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، انہیں امیدواروں میں سے صدر مملکت، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ اور دیگر وزراء کا انتخاب ہوتا ہے اور یہی امیدوار اسمبلی میں جا کر کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، ملک کے سربر آوردہ علماء اور دانشوروں پر مشتمل اسلامی نظریاتی کونسل اتفاق رائے سے کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتی ہے لیکن وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ قومی اسمبلی اس کو منظور نہ کرے اور قومی اسمبلی کے ممبروں کے لیے، اسلامی علوم یا مروجہ علوم میں سے کسی علم کی کوئی شرط نہیں ہے، نیکی اور تقویٰ کی، سیاسی تجربہ اور تدبر کی، حتیٰ کہ مرد ہونے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے، ہر فاسق و فاجر، جاہل اور ناتجربہ کار شخص خواہ مرد ہو یا عورت، انتخاب کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے اور پیسہ اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر صدر مملکت، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ یا کسی بھی محکمہ کا وزیر بن سکتا ہے اور وہ علم، تجربہ اور اچھے کردار کے بغیر بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی پیش کردہ سفارشات کو مسترد کر سکتا ہے اور کسی بھی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

موجودہ طریق انتخاب کی اصلاح کی ایک صورت

میں نے اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں جب یہ اعتراض کیا کہ پاکستان کے آئین میں امیدوار کے لیے کوئی معیار

مقرر نہیں کیا گیا تو اس وقت کے امور مذہبیہ کے وفاقی وزیر راجہ ظفرالحق نے آئین پاکستان سے امیدوار کے لیے حسب ذیل شرط پڑھ کر سنائی:

آرٹیکل ۶۲: کوئی شخص مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا رکن منتخب ہونے یا چنے جانے کا اہل نہیں ہوگا اگر....

(ہ) وہ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم نہ رکھتا ہو اور اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ ہو۔ (آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان ص ۸۶، مطبوعہ منصور بک ہاؤس لاہور)

اہل فہم پر مخفی نہیں ہے کہ وزیر موصوف کا یہ جواب صحیح نہیں ہے اس لیے کہ آئین پاکستان کی اس دفعہ میں اسلامی تعلیمات کے علم کی یہ شرط مبہم اور غیر واضح ہے، اس میں اسلامی علوم کا کوئی معیار مقرر نہیں کیا گیا نہ کسی منضبط سند کی شرط لگائی گئی ہے جسے دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ آیا اس کو اسلامی علوم پر دسترس ہے یا نہیں اور کسی دینی یا دنیاوی سند کی شرط نہ ہونے کے نتیجہ میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کئی انگوٹھے لگانے والے اسمبلی کے ممبر منتخب ہو جاتے ہیں اور کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ انگوٹھے چھاپ وزیر تعلیم بن جاتے ہیں۔ ہماری رائے میں قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کے ممبر کے لیے یہ شرط ہونی چاہیے کہ وہ ایم۔اے عربی یا ایم۔اے اسلامیات ہو یا کسی مسلم اور وقیع دینی دارالعلوم کا فارغ التحصیل ہو۔

اور چونکہ اسلام میں از خود منصب کا طلب کرنا جائز نہیں ہے، اس کی اصلاح کے لیے یہ طریقہ مقرر کیا جائے کہ کوئی امیدوار از خود کسی نشست کے لیے کھڑا نہ ہو بلکہ وہ جس سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے وہ جماعت اس کو نامزد کرے اور وہ جماعت ہی اس کے الیکشن کی کمپین چلائے اور اس کی کنویسنگ کرے اور یہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے اخراجات اس امیدوار سے وصول کر لیے جائیں، بہرحال ہمیں اپنے طریق انتخاب کو اسلامی حدود میں رکھنے کے لیے اس کا کوئی نہ کوئی حل تلاش کرنا چاہیے۔

کافر یا فاسق فاجر کی طرف سے عہدہ یا منصب قبول کرنے کی تحقیق

اس آیت سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی مسلمان عالم فاضل شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی فاسق فاجر یا کسی کافر حکمران کے ماتحت کام کرے یا کسی منصب کی ذمہ داریاں بجالائے البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ اس کے فرائض اور اس کی ذمہ داریوں میں کوئی ایسا کام شامل نہ ہو جو اس کے دین یا شریعت کے کسی حکم کے منافی ہو، لیکن جب اس کے فرائض کی باگ ڈور کافر یا فاسق کے ہاتھ میں ہو اور اس کے لیے لازم ہو کہ وہ ان کی خواہشات پر عمل کرے تو پھر اس کے لیے یہ عہدہ قبول کرنا جائز نہیں ہے، بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے جائز تھا اور ان کی خصوصیت تھی اور آج کل کے دور میں یہ جائز نہیں ہے، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ کافر یا فاسق کی ملازمت کرنا جائز ہے، جب کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ ان کو اپنے دین اور اپنی شریعت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا پڑے گا۔

علامہ ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ نے کہا ہے کہ اگر منصب پر فائز کرنے والا ظالم ہو تو اس کی طرف سے منصب کو قبول کرنے کے متعلق دو قول ہیں:

(ا) اس کو جس منصب پر فائز کیا گیا ہے، وہ اس منصب کو قبول کرے اور اس منصب کے تقاضوں کے مطابق حق اور انصاف پر مبنی امور انجام دے، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے فرعون (مصر کا کافر بادشاہ الولید بن الریان) کی طرف سے منصب سونپا گیا اور انہوں نے اس کو قبول فرمایا اور اعتبار منصب قبول کرنے والے کے افعال کا ہوتا ہے نہ کہ منصب دینے والے کے افعال کا۔

(۲) کافر یا فاسق کی طرف سے منصب قبول کرنا جائز نہیں ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعون کا جو منصب قبول کیا تھا اس کے دو جواب ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون نیک اور عادل شخص تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون باغی اور سرکش تھا، لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے فرعون سے عہدہ قبول کرنا محل اعتراض نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نظر اپنے دائرہ کار میں تھی، انہوں نے اس طرف نظر نہیں کی کہ اس کو اس کام کی ذمہ داری کون سونپ رہا ہے۔ علامہ ماوردی نے کہا: زیادہ صحیح یہ ہے کہ کافر کی طرف سے منصب قبول کرنے کو مطلقاً جائز کہا جائے نہ مطلقاً ناجائز کہا جائے بلکہ اس کی تین قسمیں بیان کی جائیں:

(۱) جن فرائض کی انجام دہی میں کسی شخص کے اجتہاد کا دخل نہیں ہے اور شریعت نے ان فرائض کی تعیین کی تصریح کر دی ہے مثلاً زکوٰۃ اور صداقت کی وصول یابی کہ اموال ظاہرہ میں ہر چیز کا نصاب مقرر ہے کہ جب مال تجارت دو سو درہم (چھ سو بارہ اعشاریہ تین چھ گرام چاندی) کی مقدار یا اس سے زائد ہو تو اس میں سے اڑھائی فی صد زکوٰۃ وصول کی جائے گی، یا چالیس سے ایک سو انیس جنگل کی گھاس چرنے والی بکریوں پر ایک بکری وصول کی جائے گی اور زرعی پیداوار سے اگر بارانی زمین ہو تو عشر وصول کیا جائے گا یعنی پیداوار کا دسواں حصہ، ورنہ نصف عشر وصول کیا جائے گا یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ، سو ان فرائض کی انجام دہی کسی عامل کے اجتہاد پر موقوف نہیں ہے اس لیے کسی ظالم اور فاسق فاجر حکمران سے اس قسم کا عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔

(۲) جن فرائض کی انجام دہی میں اجتہاد کرنا پڑتا ہے جیسے اموال فے کے مصرف، ان میں ظالم کی طرف سے عہدہ قبول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس میں ناحق تصرف کرنے کے لیے کہے گا اور اموال فے غیر مستحق کو دینے کے لیے کہے گا۔

(۳) جو شخص اہل ہو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ظالم کی طرف سے عہدہ قبول کرلے، مثلاً ظالم کی طرف سے کسی کو قاضی بنایا جائے اور وہ یہ سمجھے کہ وہ مقدمات کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوگا تو اس کے لیے یہ عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔

(النکت والعیون ج ۳، ص ۵۱-۵۰، الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۱۸۸-۱۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کے حفیظ اور علیم ہونے کے محامل

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں بہت حفاظت کرنے والا، بہت علم والا ہوں، حضرت یوسف کے اس قول کے چار محمل ہیں:

(۱) ابن زید نے کہا: میرے پاس جو چیز امانت رکھی جائے، میں اس کی بہت حفاظت کرنے والا ہوں اور مجھ کو جو عہدہ دیا جائے میں اس کو بہت جاننے والا ہوں۔

(۲) ابن سراقہ نے کہا: میں لکھائی کی بہت حفاظت کرنے والا ہوں اور حساب کو بہت جاننے والا ہوں، کیونکہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے کاغذ پر لکھا۔

(۳) اشجع نے سفیان سے روایت کیا کہ وہ حساب کی بہت حفاظت کرنے والے تھے اور زبانوں کو بہت جاننے والے تھے۔

(۴) قتادہ نے کہا: تم نے جو منصب دیا ہے میں اس کی حفاظت کرنے والا ہوں۔ شیبہ الضبی نے کہا میں ایام قحط کی بھوک کو بہت جاننے والا ہوں۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو علم و فضل دیا ہو، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس علم و فضل کے ساتھ اپنے آپ کو موصوف کرے البتہ عام حالات میں اپنی صفات اور خوبیوں کا اظہار نہ کرنا اولیٰ ہے، حضرت یوسف علیہ

السلام نے بوقت ضرورت اپنی ان صفات کا اظہار کیا تھا۔ (النکت والعیون ج ۳، ص ۵۲۔۵۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

خودستائی کے ممنوع ہونے کے محامل اور حضرت یوسف کی اپنی تعریف کا جواز

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قول میں اپنی تعریف کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے:

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔ (النجم: ۳۲) سو تم اپنی تعریفیں نہ کرو، پرہیزگاروں کو وہ خوب جانتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فخر اور تکبر کی وجہ سے اپنی تعریف کرنا منع ہے، یا کسی ناجائز مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی تعریف کرنا منع ہے یا جو اوصاف انسان میں نہ ہوں، ان اوصاف کے ساتھ اپنی تعریف کرنا منع ہے، لیکن کسی ضرورت کی بناء پر ان اوصاف کے ساتھ اپنی تعریف کرنا جائز ہے جو اوصاف انسان میں موجود ہوں اور بعض دفعہ یہ تعریف کرنا ضروری ہوتی ہے اور حضرت یوسف کے معاملہ میں ایسا ہی تھا۔ اس تعریف کے ضروری ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت یوسف کو وحی کے ذریعہ علم تھا کہ چند سالوں کے بعد قحط پڑنے والا ہے سو اگر غلہ کی فراوانی کے سالوں میں حسن تدبیر اور دیانت داری سے غلہ کا ذخیرہ نہ کیا گیا تو لوگ بھوک سے مر جائیں گے اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کے علاوہ اس ملک میں اور کوئی شخص نہیں ہے جو دیانت دار بھی ہو اور حسن تدبیر کا مالک بھی ہو، اس لیے مصر کے لوگوں کو ہلاکت سے بچانے کے لیے ضروری تھا کہ اس ملک کے خزانوں پر آپ کو مقرر کیا جاتا اور اس ملک کے خزانوں پر آپ کا مقرر کیا جانا اس پر موقوف تھا کہ بادشاہ کو آپ کی صفات سے روشناس کرایا جاتا اور واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے اس لیے آپ پر واجب تھا کہ آپ بادشاہ کو اپنی قابلیت اور صلاحیت سے روشناس کراتے اس لیے آپ نے فرمایا: مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں، میں بہت زیادہ حفاظت کرنے والا، بہت زیادہ علم والا ہوں۔

(۲) آپ اللہ عزوجل کی طرف سے مخلوق کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیے گئے تھے اور رسول پر اپنی امت کی مصلحتوں کی رعایت بقدر امکان کرنا واجب ہے اور یہاں یہ رعایت اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ بادشاہ آپ کو یہ منصب سونپ دیتا اور بادشاہ اس وقت آپ کو یہ منصب سپرد کرتا جب وہ آپ کی اہلیت سے واقف ہوتا اور وہ اس وقت واقف ہوتا جب آپ بتاتے۔

(۳) مستحقین تک نفع پہنچانے کی کوشش کرنا اور ان سے ضرر کو دور کرنا جب انسان کے اختیار میں ہو تو پھر اس پر ایسا کرنا واجب ہوتا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر حضرت یوسف علیہ السلام پر واجب تھا کہ وہ اپنی ان صفات کا اظہار فرماتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنی مدح فرمانا تواضع اور انکسار کے خلاف نہیں ہے

علامہ عبدالرحمن بن علی الجوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی مدح کیسے فرمائی حالانکہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا طریقہ تواضع و انکسار ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جب اپنی مدح فخر اور تکبر سے خالی ہو اور اس سے مراد اس حق تک پہنچنا ہو جس کو اس نے قائم کرنا ہو اور عدل کو زندہ کرنا ہو اور ظلم کو مٹانا ہو تو پھر اپنی مدح کرنا جائز اور مستحسن ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے قبر سے نکلوں گا اور جب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے تو میں کلام کروں گا اور جب لوگ مایوس ہو جائیں گے تو میں ان کو خوشخبری سناؤں گا حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہو گا اور آدم کی اولاد میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا میں ہوں گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۰، سنن دارمی رقم

الحدیث: ۴۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵، ص ۴۸۴، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۲۴) اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے یہ علم ہو تا کہ کوئی ایک شخص بھی مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے اور اس تک پہنچنے کے لیے اونٹ پر بیٹھ کر سفر کرنا پڑتا ہے تو میں اس تک پہنچتا، پس ان نفوس قدسیہ نے اپنی مدح میں جو کلمات طیبات فرمائے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے قائم مقام ہیں اور قاضی ابویعلیٰ نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں یہ دلیل ہے کہ اگر کسی صاحب فضیلت شخص کو لوگ جانتے نہ ہوں تو انہیں اپنا تعارف کرانے کے لیے اپنے فضائل کو بیان کرنا جائز ہے۔

(زاد المسیر ج ۴، ص ۲۴۵-۲۴۴، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں اقتدار عطا کیا، وہ اس ملک میں جہاں رہنا چاہتے تھے رہتے تھے، ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور ہم نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے، ان کے لیے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے ○ (یوسف: ۵۷-۵۶)

ایامِ قحط میں حضرت یوسف کا حسنِ انتظام

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے یہ طلب کیا کہ وہ ان کو اس ملک کے خزانوں پر مقرر کردے تو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کا یہ قول نقل نہیں کیا کہ میں نے ایسا کر دیا بلکہ اللہ سبحانہ نے یہ فرمایا: اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں اقتدار عطا کیا، اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا مطالبہ پورا کر دیا تھا۔ امام رازی نے یہاں پر یہ نکتہ آفرینی کی ہے کہ بادشاہ اسی وقت حضرت یوسف کا مطالبہ پورا کر سکتا تھا جب اللہ تعالیٰ بادشاہ کے دل میں اس بات کا داعیہ اور باعث اور محرک پیدا کرتا، نیز بادشاہ اس کام کا ظاہری سبب تھا اور اللہ تعالیٰ موثر حقیقی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ظاہری سبب ذکر کرنے کے بجائے موثر حقیقی کا ذکر فرمایا۔

علامہ عبدالرحمن بن علی الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر والوں کے مال، ان کے زیورات، ان کے مویشی، ان کی زمینوں اور ان کے غلاموں کے عوض ان کے ہاتھ غلہ فروخت کیا، پھر ان کی اولاد اور پھر ان کی جانوں کے عوض ان کے ہاتھ ان کو غلہ فروخت کیا، حتیٰ کہ تمام مصر والے حضرت یوسف کے غلام بن گئے، پھر حضرت یوسف نے بادشاہ سے کہا تم نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیسا کرم کیا! بادشاہ نے کہا: ہم بھی تمہارے تابع ہیں، پھر حضرت یوسف نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اہل مصر کو آزاد کر دیا اور میں نے ان کی املاک ان کو لوٹا دیں، حضرت یوسف علیہ السلام ان ایام میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میں کسی بھوکے کو بھول جاؤں۔

(زاد المسیر ج ۴، ص ۲۴۶-۲۴۵، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام مطمئن ہو کر ملک کا انتظام چلانے لگے اور انہوں نے بڑے بڑے گودام بنوا کر ان میں غلہ جمع کر لیا، حتیٰ کہ غلہ کی فراوانی کے سات سال گزر گئے اور قحط کے ایام شروع ہو گئے اور وہ ایسا زبردست قحط تھا کہ لوگوں نے اس سے پہلے ایسا قحط نہیں دیکھا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ اور اس کے متعلقین کو ہر روز دوپہر کے وقت کھانا بھجواتے تھے، ایک دن آدھی رات کو بادشاہ نے آواز دی: اے یوسف! بھوک لگ رہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اب

قحط کا وقت آ پہنچا ہے۔ پس قحط کے پہلے سال میں لوگوں نے اپنے پاس جو طعام اور غلہ جمع کر کے رکھا تھا وہ سب ختم ہو گیا، پھر مصر کے لوگ حضرت یوسف علیہ السلام سے طعام خریدنے لگے، پہلے سال حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے نقد مال لے کر غلہ فروخت کیا حتیٰ کہ مصر میں کسی شخص کے پاس کوئی درہم اور دینار باقی نہیں رہا، اور تمام نقد مال حضرت یوسف کے قبضہ میں آ چکا تھا، دوسرے سال اہل مصر نے اپنے تمام زیورات اور جواہر کے بدلہ میں حضرت یوسف سے غلہ خریدا، تیسرے سال انہوں نے اپنے تمام مویشیوں اور جانوروں کے بدلہ میں غلہ خریدا، چوتھے سال انہوں نے اپنے تمام غلاموں اور باندیوں کے بدلہ میں غلہ خریدا، حتیٰ کہ ان کے پاس کوئی باندی اور غلام نہیں رہا، پانچویں سال انہوں نے اپنی زمینوں، کھیتوں اور گھروں کے بدلہ میں غلہ خریدا اور چھٹے سال انہوں نے اپنی اولاد کے بدلہ میں غلہ خریدا حتیٰ کہ انہوں نے اپنی تمام اولاد کو حضرت یوسف علیہ السلام کا غلام بنا دیا اور ساتویں سال انہوں نے اپنی جانوں اور اپنی گردنوں کے بدلہ میں غلہ خریدا حتیٰ کہ مصر میں کوئی انسان باقی نہیں رہا مگر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا غلام تھا اور کوئی چیز باقی نہیں بچی، مگر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ملکیت میں آ چکی تھی، اور لوگ کہنے لگے کہ ہمارے علم میں حضرت یوسف سے پہلے کوئی بڑا اور جلیل بادشاہ نہیں تھا، پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا: آپ نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے مجھے کیا کچھ عطا فرمایا ہے! اب آپ کی کیا رائے ہے؟ بادشاہ نے کہا: میری وہی رائے ہے جو آپ کی رائے ہے، تمام معاملات آپ کے سپرد ہیں، میں تو محض آپ کے تابع ہوں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: میں آپ کو اور اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے تمام اہل مصر کو آزاد کر دیا، اور ان کی تمام املاک ان کو واپس کر دیں۔

روایت ہے کہ حضرت یوسف ان ایام میں سیر ہو کر کھانا نہیں کھاتے تھے، ان سے کہا گیا کہ آپ مصر کے تمام خزانوں کے مالک ہیں اس کے باوجود آپ بھوکے رہتے ہیں! آپ نے فرمایا: مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر میں نے سیر ہو کر کھا لیا تو میں بھوکوں کا حق بھول جاؤں گا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے باورچی کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کا صبح کا کھانا اسے دوپہر کو دیا کرے اور اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ بادشاہ بھی بھوک کا مزہ چکھے اور بھوکوں کو یاد رکھے۔

(معالم التنزیل ج ۲، ص ۳۶۴، الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۱۹۱-۱۹۰، روح المعانی جز ۱۳، ص ۹-۸)

عزیز مصر کی بیوی سے حضرت یوسف کا نکاح

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ میرے بھائی حضرت یوسف پر رحم فرمائے اگر وہ یہ نہ کہتے کہ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دو تو بادشاہ ان کو اسی وقت مقرر کر دیتا، لیکن اس کہنے کی وجہ سے بادشاہ نے اس کام کو ایک سال موخر کر دیا، اور وہ ایک سال بادشاہ کے ساتھ اس کے گھر میں رہے، اور اسی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک سال گزرنے کے بعد بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلایا، ان کے سر پر تاج رکھا، ان کی میان میں تلوار لٹکائی اور ان کے لیے سونے کا تخت رکھا جس پر یاقوت اور موتیوں سے کام کیا ہوا تھا، اور ان کو ریشمی حلے پہنائے (ایک قسم کے کپڑے کی دو چادروں کو حلہ کہتے ہیں، ایک چادر تہبند کے طور پر باندھی اور دوسری چادر اوپر اوڑھی جائے) پھر بادشاہ نے کہا: آپ تاج پہن کر تخت پر رونق افروز ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام تخت پر بیٹھ گئے اور دربار کے تمام سردار حضرت یوسف علیہ السلام کے اطاعت گزار ہو گئے، بادشاہ گھر جا کر بیٹھ گیا اور مصر کے تمام معاملات حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیئے اور مصر کے سابق وزیر قطفیر (عزیز مصر) کو اس نے اس کے عہدے سے معزول کر دیا، اور اس کے عہدہ پر حضرت یوسف علیہ السلام کو مقرر کر دیا۔ امام ابن اسحاق نے بیان کیا کہ ابن زید نے کہا مصر کے بادشاہ کے بہت کثیر خزانے تھے، اس نے وہ تمام خزانے

حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے فرامین اور آپ کے تمام فیصلوں کو پورے ملک میں نافذ العمل قرار دیا' پھر انہی ایام میں قطفیر (عزیز مصر) مرگیا' پھر بادشاہ نے قطفیر کی بیوی راعیل (یا زلیخا) کا حضرت یوسف علیہ السلام سے نکاح کر دیا' جب حضرت یوسف علیہ السلام اس کے پاس خلوت میں گئے تو آپ نے اس سے فرمایا: کیا یہ اس سے بہتر نہیں جس کا تم مجھ سے پہلے ارادہ کرتی تھیں- اس نے کہا: اے بہت سچے انسان! مجھے ملامت نہ کرو میں ایک حسین جوان عورت تھی' اور میرا شوہر عورت کی خواہش پوری کرنے پر قادر نہ تھا اور تم غیر معمولی حسن اور جمال کے مالک تھے' پس مجھ پر میرا نفس غالب آگیا اور تم پر میری شہوت قوی ہوگئی اور تمہارے ساتھ جو میری محبت تھی وہ میری عقل کو کنٹرول نہ کر سکی' حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو کنواری پایا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اس سے دو بیٹے ہوئے: افرائیم بن یوسف اور میشا بن یوسف- حضرت یوسف نے مصر کے لوگوں میں عدل اور انصاف قائم کیا اور مصر کے تمام مرد اور عورتیں آپ سے محبت کرنے لگے- (معالم التنزیل ج ۲' ص ۳۶۴-۳۶۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ' امام رازی المتوفی ۶۰۶ھ' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ ابو الحیان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ' حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ' علامہ آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ' امام ابن جریر المتوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ نے بھی عزیز مصر کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح کا ذکر کیا ہے-

(الکشاف ج ۲' ص ۴۵۶' ۴۵۵' زاد المسیر ج ۴' ص ۲۴۴' تفسیر کبیر ج ۶' ص ۴۷۴' الجامع لاحکام القرآن' جز ۹' ص ۱۸۶' البحر المحیط' ج ۶' ص ۲۹۱' تفسیر ابن کثیر' ج ۲' ص ۵۳۴' روح المعانی جز ۱۳' ص ۷' جامع البیان جز ۱۳' ص ۹' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷' ص ۲۱۶۱' رقم الحدیث: ۱۱۷۳۳)

علامہ ابو الحسین علی بن محمد ماوردی متوفی ۴۵۰ھ نے بھی امام ابن جریر طبری کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ زلیخا سے حضرت یوسف کا نکاح ہو گیا تھا' پھر لکھا ہے کہ جن مورخین نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ عورت زلیخا تھی انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے نکاح نہیں کیا تھا اور جب زلیخا نے حضرت یوسف کو اقتدار کے زمانہ میں دیکھا تو اس نے کہا: اللہ کے لیے حمد ہے جس نے بادشاہوں کو معصیت کی وجہ سے غلام بنا دیا اور غلاموں کو اطاعت کی وجہ سے بادشاہ بنا دیا' تو حضرت یوسف نے اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا اور اس کی کفالت کی حتیٰ کہ وہ مرگئی اور اس سے نکاح نہیں کیا-

(النکت والعیون ج ۳' ص ۵۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابن کثیر نے زلیخا سے نکاح نہ کرنے کا تو نہیں لکھا لیکن نکاح کی روایت ذکر کے بعد لکھا ہے کہ فضیل بن عیاض نے کہا کہ ایک دن حضرت یوسف علیہ السلام کو راستہ میں عزیز مصر کی بیوی ملی اور اس نے یہ کہا: اللہ کی حمد ہے جس نے اطاعت کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہ بنا دیا اور معصیت کی وجہ سے بادشاہوں کو غلام بنا دیا-

(تفسیر ابن کثیر ج ۲' ص ۵۳۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس سلسلہ میں یہ روایت بھی ذکر کی ہے:

زلیخا بوڑھی ہو چکی تھی اور حضرت یوسف کے فراق میں رو رو کر نابینا ہو چکی تھی اور اپنے شوہر کے مرنے کے بعد بھیک مانگتی پھرتی تھی- حضرت یوسف نے اس سے نکاح کر لیا' حضرت یوسف نے نماز پڑھی اور اللہ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس کا شباب' اس کا حسن اور اس کی بینائی لوٹا دے- اللہ تعالیٰ نے اس کا شباب' اس کا حسن اور اس کی بینائی لوٹا دی بلکہ وہ پہلے سے

بھی زیادہ حسین ہو گئی اور اس دعا کا قبول کرنا حضرت یوسف علیہ السلام کے اکرام کی وجہ سے تھا کیونکہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے دور رہے تھے، پھر حضرت یوسف نے اس کو اس حال میں پایا کہ وہ کنواری تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے حکیم ترمذی کے حوالہ سے وہب بن منبہ کی نکاح کی روایت بیان کی ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ قصہ گو لوگوں کے درمیان یہ مشہور ہے کہ اس کا حسن اور شباب حضرت یوسف کی دعا اور ان کے اکرام کی وجہ سے لوٹ آیا تھا لیکن اس قصہ کی کوئی اصل نہیں ہے اور حضرت یوسف کی اس کے ساتھ شادی کی جو خبر ہے، وہ بھی محدثین کے نزدیک ثابت اور معتمد نہیں ہے۔ (روح المعانی جز ۱۳ ص ۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کی طہارت اور نزاہت پر دلائل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں اقتدار عطا کیا وہ اس ملک میں جہاں رہنا چاہتے تھے رہتے تھے۔

یعنی جس طرح ہم نے یوسف پر یہ انعام کیا تھا کہ بادشاہ کے دل میں ان کی محبت ڈال دی تھی اور ان کو قید و بند کی مصیبت سے نجات عطا کی تھی، اسی طرح ہم نے ان پر یہ انعام کیا کہ ہم نے ان کو اس ملک میں اقتدار عطا فرمایا، وہ اس ملک میں بلا روک ٹوک جہاں جانا چاہتے تھے چلے جاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ہم نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شہادت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیکی کرنے والوں میں سے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ جن روایات میں یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ گناہ کے ابتدائی مراحل طے کر لیے تھے، صرف آخری مرحلہ رہ گیا تھا وہ قطعاً باطل ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام محسنین میں سے نہ ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ تمام روایات باطل اور کاذب ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے، ان کے لیے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔

اس آیت کا محمل یہ ہے کہ ہرچند کہ حضرت یوسف علیہ السلام دنیا میں بلند مراتب اور عالی درجات پر واصل ہو چکے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں جو اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے وہ اس سے بہت اعلیٰ اور بہت افضل ہے۔

نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام مومنین اور متقین میں سے ہیں۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام گزرے ہوئے زمانے میں بھی متقی تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا تھا: ولقد همت به وهم بها اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس عورت نے ان کے ساتھ گناہ کا ارادہ کیا اور انہوں نے بھی اس کے ساتھ گناہ کا ارادہ کیا کیونکہ اگر یہ معنی ہوتا تو وہ اس زمانہ میں متقی نہ ہوتے اس لیے لامحالہ اس کا یہی معنی ہے کہ اس عورت نے ان کے ساتھ گناہ کا ارادہ کیا اور انہوں نے اس سے بچنے کا ارادہ کیا سو یہ آیت بھی حضرت یوسف کی نزاہت اور طہارت پر دلیل ہے نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا: انه من عبادنا المخلصين۔ (یوسف: ۲۴) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ وہ مخلص ہیں، محسن ہیں اور متقی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوی شہادت ہے کہ کسی دور میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا دامن کسی قسم کی بھی معصیت کی آلودگی میں ملوث نہیں رہا۔

وَجَآءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ

اور یوسف کے بھائی (غلہ خریدنے مصر) آئے تو ان کے پاس گئے، پس یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو

مُنكِرُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ

نہ پہچان سکے ○ اور جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا تم اپنے باپ شریک بھائی کو میرے پاس

أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿۵۹﴾

لے کر آنا کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں ○

فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿۶۰﴾

پس اگر تم اس کو میرے پاس نہیں لاتے تو میرے پاس تمہارے لیے بالکل غلہ نہیں ہوگا اور نہ ہی تم میرے قریب آسکو گے ○

قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ

انہوں نے کہا ہم اس کے متعلق اس کے باپ کو راضی کریں گے اور ہم یہ ضرور کرنے والے ہیں ○ یوسف نے اپنے کارندوں سے کہا ان کے

اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انقَلَبُوا

پیسوں کی تھیلی ان کے سامان میں رکھ دو تاکہ جب یہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں تو اس کو پہچان لیں

إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا

شاید وہ (پھر) واپس آجائیں ○ پس جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو انہوں نے

يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا

کہا اے ہمارے باپ! ہمیں (آئندہ) غلہ لینے سے منع کر دیا گیا ہے، آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ

لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنتُكُمْ عَلَىٰ

لا سکیں، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے ○ (ان کے باپ نے) کہا کیا اس کے متعلق میں تم پر اس طرح اعتبار کروں جس طرح میں اس سے پہلے

أَخِيهِ مِن قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۶۴﴾

اس کے بھائی کے متعلق تم پر اعتبار کر چکا ہوں؟ پس اللہ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے ○

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا

اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اس میں انہوں نے اپنے پیسوں کی تھیلی دیکھی جو ان کی طرف لوٹا دی گئی تھی، انہوں نے کہا

يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا

اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے! یہ ہماری رقم کی تھیلی ہمیں لوٹا دی گئی ہے، ہم اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے

وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ

اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ پر لدا ہوا غلہ زیادہ لائیں گے (اور بادشاہ کے لیے) یہ تو معمولی مقدار ہے ○ ان کے باپ

لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ

نے کہا میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا حتیٰ کہ تم اللہ کو گواہ کرکے مجھ سے یہ عہد نہ کرو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس لے کر

بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا

آؤ گے، ماسوا اس کے کہ تم کسی مصیبت میں گھر جاؤ، جب انہوں نے اپنے باپ سے یہ عہد کرلیا تو اس نے کہا ہم جو عہد کر

نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ

رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے ○ اور اس نے کہا اے میرے بیٹو! (شہر میں) تم سب ایک دروازہ سے نہ داخل ہونا،

وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا، اور میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا

مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

حکم تو صرف اللہ کا چلتا ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے، اور توکل کرنے والوں کو اسی

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا

پر توکل کرنا چاہیے ○ اور جب وہ وہاں سے داخل ہوئے جہاں سے داخل ہونے کا ان کے باپ نے حکم دیا تھا، اور وہ

كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ

اللہ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا تھا مگر وہ یعقوب کے دل کی ایک خواہش تھی جو

يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۚ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

اس نے پوری کر لی، بے شک وہ صاحب علم تھے کیوں کہ ہم نے ان کو علم عطا کیا تھا لیکن اکثر

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع

لوگ نہیں جانتے ○

ع ۱۱/۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یوسف کے بھائی (غلہ خریدنے مصر آئے تو) ان کے پاس گئے، پس یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچان سکے○ اور جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا تم اپنے باپ شریک بھائی کو میرے پاس لے کر آنا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا پورا ناپ کر دیتا ہوں، اور میں بہترین مہمان نواز ہوں○ پس اگر تم اس کو میرے پاس نہیں لائے تو میرے پاس تمہارے لیے بالکل غلہ نہیں ہوگا اور نہ ہی تم میرے قریب آسکو گے○ انہوں نے کہا ہم اس کے متعلق اس کے باپ کو راضی کریں گے اور ہم یہ ضرور کرنے والے ہیں○ (یوسف: ۶۱-۵۸)

مشکل الفاظ کے معانی

وھم لہ منکرون: انکار معرفت کی ضد ہے، حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو نہیں پہچانا کیونکہ انہوں نے حضرت یوسف کو بچپن میں دیکھا تھا اور اب بہت لمبا عرصہ گزر چکا تھا، انہوں نے خیال کیا کہ ان کی وفات ہو چکی ہوگی۔

ولما جھزھم بجھازھم ہر باب میں جس چیز کی ضرورت اور احتیاج ہو اس کو جہاز کہتے ہیں، جھاز المیت کا معنی ہے مردہ کی تکفین وغیرہ کا سامان کرنا، جھاز العروس کا معنی ہے دلہن کی ضرورت کی اشیاء اور جھاز السفر کا معنی ہے سفر کی ضرورت کی چیزیں، یہاں مراد ہے ان کی ضروریات کی گندم ماپ کر ان کی بوریوں میں بھر کر ان کے اونٹوں پر لادویں۔

المنزلین مہمان نوازی کرنے والے، حضرت یوسف نے بہت اچھی طرح ان کی مہمان نوازی کی تھی۔

سنراود: مراودۃ کا معنی ہے کسی چیز پر مائل اور راغب کرنا، یعنی ہم کسی طرح کوشش کر کے اس کے باپ کو اس کے بھیجنے پر آمادہ کریں گے۔ (غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۴، ص ۱۰۳-۱۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت یوسف کے بھائیوں کا غلہ لینے مصر پہنچنا اور حضرت یوسف کا انہیں پہچان لینا

جب تمام شہروں میں قحط پھیل گیا اور جس شہر میں حضرت یعقوب علیہ السلام رہتے تھے اس میں بھی قحط پہنچ گیا اور ان کے لیے روح اور بدن کا رشتہ برقرار رکھنا مشکل ہو گیا، اور ہر طرف یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ مصر کا بادشاہ غلہ فروخت کر رہا ہے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مصر میں ایک نیک بادشاہ ہے جو لوگوں کو گندم فروخت کر رہا ہے، تم اپنی رقم لے کر جاؤ اور ان سے غلہ خریدو، سو حضرت یعقوب کے دس بیٹے سوا بن یامین کے، حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے، اور یہ واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنے بھائیوں کے ساتھ ملاقات کا سبب بنا اور اللہ تعالیٰ نے کنوئیں میں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی کی تھی اس کی تصدیق کا سبب بنا، وہ وحی یہ تھی:

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ (یوسف: ۱۵) (ایک وقت ایسا آئے گا) کہ تم ضرور ان کو ان کی اس کارروائی سے آگاہ کرو گے اور اس وقت ان کو (تمہاری شان کا) پتا بھی نہ ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ حضرت یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ ان کو بالکل نہ پہچان سکے، حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اس لیے پہچان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی تھی کہ تم ضرور ان کو ان کی اس کارروائی سے آگاہ کرو گے، نیز حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا اس میں بھی یہ دلیل تھی کہ ان کے بھائی ان تک پہنچیں گے، اس وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام اس واقعہ کے منتظر تھے اور جو لوگ بھی دور دراز سے غلہ لینے کے لیے مصر آتے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام ان کے متعلق تفتیش کرتے تھے اور معلومات حاصل کرتے تھے کہ آیا یہ ان کے بھائی ہیں یا نہیں، رہا یہ کہ ان کے بھائیوں نے ان کو کیوں نہیں پہچانا تو اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

بھائیوں کا حضرت یوسف کو نہ پہچاننا اور اس کی وجوہ

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دربانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ غلہ خریدنے کے لیے باہر سے آنے والوں کو ان سے فاصلہ پر رکھیں اور حضرت یوسف علیہ السلام ان سے بالواسطہ گفتگو کرتے تھے، اس طرح وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچان سکے خصوصاً اس لیے کہ ان پر بادشاہ کا رعب طاری تھا اور جو ضرورت مند ہو وہ کچھ زیادہ ہی مرعوب اور خوف زدہ ہوتا ہے۔

(۲) جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا تھا اس وقت وہ کم سن اور بچے تھے، اور اب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کو ڈاڑھی آچکی تھی، اور ان کی شکل و صورت میں کافی تغیر ہو چکا تھا، انہوں نے دیکھا کہ وہ ریشم کا لباس پہنے ہوئے تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، ان کے گلے میں سونے کا طوق تھا، اور ان کے سر پر سونے کا تاج تھا، اور اتنا عرصہ گزرنے کی وجہ سے وہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو بھول چکے تھے، جس وقت انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا تھا اس وقت سے لے کر اب تک چالیس سال گزر چکے تھے، ان اسباب میں سے ہر سبب ایسا ہے جس کی وجہ سے اتنے عرصہ پہلے کے شخص کو انسان بھول سکتا ہے، اور جب یہ تمام اسباب مجتمع ہوں تو اس کو نہ پہچاننا اور بھول جانا زیادہ متوقع ہے۔

(۳) کسی چیز کو پہچان لینا اور یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ معرفت پیدا نہ کی ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول محقق ہو! آپ ضرور ان کو ان کی اس کارروائی سے آگاہ کریں گے اور ان کو پتا بھی نہ ہو گا۔ (یوسف: ۱۵)

بن یامین کو بلوانے کی وجوہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ وہ آئندہ اپنے دوسرے بھائی کو لے کر آئیں اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) غلہ فروخت کرنے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ اصول تھا کہ وہ ہر شخص کو ایک بار شتر دیتے تھے یعنی صرف ایک اونٹ پر غلہ لاد کر دیتے تھے، اس سے زیادہ دیتے تھے نہ کم، اور حضرت یوسف کے پاس ان کے دس بھائی آئے تھے، تو آپ نے ان کو دس بار شتر دیئے۔ انہوں نے کہا: ہمارا ایک بوڑھا باپ بھی ہے اور ایک اور بھائی بھی ہے، انہوں نے بتایا کہ ان کا باپ اپنے بڑھاپے اور شدت غم کی بناء پر نہیں آسکا اور ان کا ایک اور بھائی جو ہے وہ اپنے باپ کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے نہیں آسکا اور ان دونوں کو بھی زندہ رہنے کے لیے طعام کی ضرورت ہو گی، اس لیے براہ کرم دو بار شتر غلہ اور مرحمت فرمائیں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: باپ تو خیر بوڑھا اور معذور ہے لیکن اس بھائی کو تمہیں اگلی بار لانا ہو گا ورنہ تم کو غلہ بالکل نہیں ملے گا۔

(۲) جب وہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے تو حضرت یوسف نے ان سے پوچھا: تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم لوگ شام کے رہنے والے ہیں اور بکریاں چراتے ہیں' ہم پر قحط آ پڑا تو ہم غلہ خریدنے آئے ہیں۔ آپ نے پوچھا: تم لوگ جاسوسی کرنے تو نہیں آئے؟ انہوں نے کہا: معاذ اللہ! ہمارا باپ سچا نبی ہے اور ہم اس کے بیٹے ہیں' ان کا نام یعقوب ہے۔ حضرت یوسف نے پوچھا: تم کتنے بھائی ہو؟ انہوں نے کہا: ہم بارہ بھائی ہیں' ہم میں سے ایک فوت ہو گیا اور ایک باپ کے پاس ہے اس کو دیکھ کر اسے فوت شدہ بھائی کے غم سے تسکین ہوتی ہے اور ہم دس بھائی ہیں جو آپ کے پاس ہیں۔ حضرت یوسف نے کہا: تم ایک کو یہاں بطور ضمانت چھوڑ کر جاؤ' اور اگلی بار اس بھائی کو لے کر آنا' پھر انہوں نے قرعہ اندازی کر کے شمعون کو بطور رہن حضرت یوسف کے پاس چھوڑ دیا۔

(۳) جب انہوں نے اپنے باپ کا ذکر کیا تو حضرت یوسف نے پوچھا: تم اپنے باپ کو اکیلا کیسے چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اس کو اکیلا چھوڑ کر نہیں آئے بلکہ ہمارا ایک بھائی ان کے پاس ہے۔ حضرت یوسف نے پوچھا: تمہارے باپ نے خصوصیت کے ساتھ اس کو ہی کیوں اپنے ساتھ رکھا ہے؟ انہوں نے کہا: تمام اولاد میں وہ سب سے زیادہ اس سے محبت کرتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: تمہارا باپ عالم اور حکیم ہے وہ بلاوجہ اس سے اتنی محبت نہیں کر سکتا ضرور اس میں کوئی خصوصیت ہو گی' اس کو میرے پاس لے کر آؤ' میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس میں کیا ایسی خاص بات ہے۔

حضرت یوسف نے بن یامین کو لانے کے لیے انہیں ترغیب بھی دی اور دھمکی بھی دی' ترغیب کے طور پر یہ فرمایا: کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ میں پورا پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں اور مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر تم اپنے بھائی کو لے آئے تو میں تم کو بطور انعام غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ دوں گا اور دھمکی یہ دی کہ اگر تم اس کو میرے پاس نہیں لائے تو میرے پاس تمہارے لیے بالکل غلہ نہیں ہو گا اور نہ ہی تم میرے قریب آ سکو گے۔

حضرت یوسف نے بن یامین کو بلوا کر حضرت یعقوب کو مزید رنج میں کیوں مبتلا کیا؟

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بن یامین سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اور اس کی جدائی میں ان کو بہت رنج اور قلق ہو گا تو انہوں نے بن یامین کو اپنے باپ کے پاس سے بلوانے کے لیے کیوں اقدام کیا اور اپنے باپ کو رنج اور قلق میں ڈالنے کا کیوں انتظام کیا! اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہو کہ وہ بن یامین کو بلوائیں اور انہوں نے اتباع وحی میں یہ اقدام کیا تاکہ حضرت یعقوب علیہ السلام مزید رنج اور غم میں مبتلا ہوں اور اس طرح ان کا ثواب اور زیادہ ہو۔

(۲) ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ ارادہ ہو کہ اس کارروائی سے حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے زندہ ہونے پر متنبہ ہو جائیں' کیونکہ خصوصیت سے بن یامین کو بلوانے والے حضرت یوسف ہی ہو سکتے تھے' وہ دونوں سگے بھائی تھے۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ ارادہ ہو کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو اچانک دونوں بیٹے ملیں گے تو ان کو بہت زیادہ خوشی ہو گی۔

(۴) حضرت یوسف نے بن یامین کو صرف ملاقات کے لیے بلایا تھا' اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس کو مستقل اپنے ساتھ رکھ لیں گے اور جانے نہیں دیں گے' لیکن جب بنیامین کی حضرت یوسف سے ملاقات ہوئی اور دونوں نے اپنا اپنا حال سنایا تو بن

یامین نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہنے پر اصرار کیا تب حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: تم کو روکنے کی یہی صورت ہے کہ تم پر چوری کا الزام لگوا دیا جائے۔ بن یامین نے کہا: مجھے منظور ہے۔

(زاد المسیر ج ۴، ص ۲۴۹-۲۴۶، تفسیر کبیر ج ۶، ص ۴۸۷-۴۷۷، الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۱۹۴-۱۹۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوسف نے اپنے کارندوں سے کہا ان کے پیسوں کی تھیلی ان کے سامان میں رکھ دو تاکہ جب یہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں تو اس کو پہچان لیں، شاید وہ (پھر) واپس آ جائیں O پس جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! ہمیں (آئندہ) غلہ لینے سے منع کر دیا گیا ہے، آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ لا سکیں، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے O (ان کے باپ نے) کہا کیا اس کے متعلق میں تم پر اس طرح اعتبار کروں جس طرح میں اس سے پہلے اس کے بھائی کے متعلق تم پر اعتبار کر چکا ہوں؟ پس اللہ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے، اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے O (یوسف: ۶۴-۶۲)

مشکل الفاظ کے معنی

وقال لفتیانہ: فتیان جمع قلت ہے یہ فتی کی جمع ہے، فتی کے معنی نوکر اور خادم ہیں، اس سے مراد غلہ کو ماپ کر بوریوں میں بھرنے والے ہیں، جمع کثرت کی وجہ یہ ہے کہ غلہ خریدنے کے لیے بکثرت لوگ آتے تھے اس لیے اس کی پیمائش کرنے والے بھی زیادہ ہونے چاہئیں تھے۔

بضاعتھم: اس سے مراد غلہ کی قیمت ہے، یہ چاندی کے درہم تھے، رحال سے مراد ان کے غلہ کی بوریاں ہیں۔

منع منا الکیل: کیل کے معنی پیمائش ہے اور یہاں اس سے مراد مکیل ہے یعنی ہم کو غلہ لینے سے منع کر دیا گیا ہے۔

نکتل: یعنی جب مانع اٹھ جائے گا اور ہم بھائی کو لے جائیں گے تو ہم اپنی ضرورت کے مطابق غلہ لے آئیں گے۔

(غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۴، ص ۱۰۴-۱۰۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

بھائیوں کی بوریوں میں رقم کی تھیلی رکھنے کی وجوہ

امام ابن اسحاق نے کہا: حضرت یوسف نے اپنے کارندوں سے کہا کہ انہوں نے غلہ کی جو قیمت دی ہے وہ ان کی بوریوں میں رکھ دو اور اس طرح رکھو کہ ان کو بالکل پتا نہیں چلے، تاکہ جب یہ گھر لوٹیں تو اس رقم کو دیکھ کر دوبارہ آ جائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کس حکمت کی وجہ سے وہ تھیلی ان کی بوریوں میں رکھوائی تھی، اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جب وہ گھر جا کر بوریاں کھولیں گے اور ان کو اپنی قیمت واپس مل جائے گی تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کرم اور آپ کی سخاوت سے متاثر ہوں گے اور دوبارہ جانے کے لیے راغب ہوں گے جب کہ انہیں غلہ کی طلب بھی تھی۔

(۲) حضرت یوسف کو یہ خطرہ تھا کہ شاید ان کے باپ کے پاس مزید غلہ خریدنے کے لیے رقم نہ ہو اس لیے انہوں نے وہ قیمت بوریوں میں رکھ دی۔

(۳) حضرت یوسف نے یہ ارادہ کیا کہ وہ قحط کا زمانہ ہے، ہو سکتا ہے ان کے باپ کا ہاتھ تنگ ہو تو وہ اس طرح باپ کی کچھ خدمت کر دیں۔

(۴) ایام قحط میں جب کہ ان کے بھائیوں اور باپ کو غلہ کی سخت ضرورت تھی تو ایسے حالات میں انہوں نے ان کو قیمتاً غلہ دینا صلہ رحم کے خلاف اور برا جانا اس لیے چپکے سے وہ رقم واپس کر دی۔

(۵) حضرت یوسف کا گمان تھا کہ جب ان کے بھائی سامان میں رقم کی تھیلی دیکھیں گے تو یہ خیال کریں گے کہ شاید سہو اور نسیان سے ان کی یہ رقم ہماری بوریوں میں آگئی ہے اور وہ انبیاء کی اولاد ہیں' وہ ضرور اس رقم کو واپس کرنے آئیں گے یا یہ معلوم کرنے آئیں گے کہ آخر کس سبب سے ہماری بوریوں میں یہ رقم کی تھیلی آگئی۔

(۶) حضرت یوسف نے اس طریقہ سے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہا اور ایسے طریقہ سے کہ ان پر حضرت یوسف کا احسان ظاہر ہو اور نہ ان کو عار محسوس ہو۔

(۷) حضرت یوسف یہ چاہتے تھے کہ وہ یہ جان لیں کہ میں جو ان کے بھائی کو بلوا رہا ہوں تو اس پر ظلم کرنے کے لیے نہیں بلا رہا اور نہ غلہ کے دام چڑھانے کے لیے بلا رہا ہوں۔

(۸) حضرت یوسف یہ چاہتے تھے کہ ان کے والد کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت یوسف ان کے بیٹوں پر کریم ہیں تاکہ وہ اپنے بیٹے کو ان کے پاس بھیجنے میں خطرہ محسوس نہ کریں۔

(۹) چونکہ یہ تنگی کا زمانہ تھا اس لیے حضرت یوسف یہ چاہتے تھے کہ ان کی کچھ مدد ہو جائے اور چونکہ چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ تھا اس لیے اس رقم کو بوریوں میں چھپا کر رکھ دیا۔

(۱۰) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کے ساتھ انتہائی ظالمانہ اور بے رحمانہ سلوک کیا تھا' جواب میں حضرت یوسف یہ چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ انتہائی کریمانہ اور فیاضانہ سلوک کریں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے سب سے افضل عمل بتایئے! آپ نے فرمایا: اے عقبہ! جو شخص تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو' جو تم کو محروم کرے' اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اس سے درگزر کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۴۶۷' عالم الکتب' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹' ص ۲۵)

امام ابن النجار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تم سے تعلق توڑے تو اس سے تعلق جوڑو اور جو تم سے برا سلوک کرے' تم اس سے اچھا سلوک کرو اور حق بات کہو' خواہ وہ تمہارے خلاف ہو۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۶۹۲۹)

بدی را بدی سہل باشد جزا

اگر مردی احسن الی من اسا

(سعدی شیرازی)

(بُرائی کا جواب بُرائی سے دینا بہت آسان ہے' مردانگی تو یہ ہے کہ بُرا سلوک کرنے والے سے اچھا سلوک کرو)

بُرائی کا جواب اچھائی سے دینے میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ

بے شک حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی بدسلوکی کے جواب میں نیک سلوک کیا لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ایسی بکثرت مثالیں ہیں جب آپ نے لوگوں کی بدسلوکی کے مقابلہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک کیا۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً بدزبانی کرتے تھے نہ تکلفاً نہ بازار میں

شور کرتے تھے اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے تھے، لیکن آپ معاف کر دیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔
(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶، مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸، ص ۳۳۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۰۹، موارد الظمان رقم الحدیث: ۲۱۳۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی شخص سے اس کی زیادتی کا بدلہ نہیں لیتے تھے، جب تک اللہ تعالیٰ کی حدود کو نہ توڑا جائے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑتا تو آپ سب سے زیادہ غضب ناک ہوتے تھے، اور آپ کو کبھی دو چیزوں میں سے کسی چیز کا اختیار نہیں دیا گیا مگر آپ اس چیز کو اختیار فرماتے جو زیادہ آسان ہوتی بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔
(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵، مسند احمد ج ۶ ص ۸۵، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۹۴۲، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۷۵، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۵۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۰)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم حلم یہ ہے کہ جنگ احد میں کافر آپ کے خلاف جنگ کرنے آئے تھے، انہوں نے آپ کا نچلا سامنے کا دانت شہید کر دیا، آپ کا نچلا ہونٹ زخمی کر دیا، آپ کا چہرہ خون سے رنگین ہو گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۷۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گویا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھ رہا تھا، آپ انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کا ذکر فرما رہے تھے، ان کا چہرہ ان کی قوم نے خون سے رنگین کر دیا۔ وہ اپنے چہرے سے خون پونچھ رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۷۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ مشرکین کے خلاف دعاء ضرر کیجئے، آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ مشرکین کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے، انہوں نے ہمیں عصر کی نماز پڑھنے سے (اپنے خلاف لڑائی میں) مشغول رکھا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۳۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۷۲)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے خلاف دعاء ضرر فرمائی ہے اور حدیث سابق میں آپ نے دعاء ضرر سے منع فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی ذات کو جو اذیت پہنچائی جاتی، آپ اس کو معاف فرما دیتے اور دعاء ضرر نہیں فرماتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادات میں جو خلل ڈالا جاتا، آپ اس کو معاف نہ کرتے اور خلل ڈالنے والوں کے خلاف دعاء ضرر فرماتے تھے۔

برائی کا جواب بھلائی سے دینے اور آپ کے خلق کریم پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہودی علماء میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے قرض کا تقاضا کرنے کے لیے آیا، اس نے آپ کے دائیں کندھے سے چادر پکڑ کر کھینچی اور کہا: اے عبدالمطلب کی اولاد! تم لوگ بہت دیر سے قرض کی ادائیگی کرتے ہو اور میں تم لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

اس کو ڈانٹا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اور اس شخص کو کسی اور چیز کی تلقین کی ضرورت ہے، تم مجھے اچھی طرح سے ادائیگی کی تلقین کرتے اور اس شخص کو احسن طریقہ سے تقاضا کرنے کی تلقین کرتے۔ اے عمر! جاؤ، اس کا قرض ادا کرو، ابھی اس کی مدت ختم ہونے میں تین دن باقی تھے، تم اس کو تمیں صاع (تقریباً تین من) غلہ زیادہ دینا، کیونکہ تم نے اس پر سختی کی تھی۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ٢، ص ٣٢، سنن کبریٰ للبیہقی ج ٦، ص ٥٦، کنز العمال رقم الحدیث: ١٥٠٥٠)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نجرانی سخت چادر اوڑھی ہوئی تھی، ایک دیہاتی نے اس چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے آپ کے کندھے کے اوپر نشان پڑ گئے تھے، پھر اس نے کہا: آپ کو جو اللہ نے مال دیا ہے اس میں سے میرے لیے حکم کیجئے، آپ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا پھر آپ ہنسے اور آپ نے اس کو دینے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣١٤٩، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٥٧، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٥٥٣)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم عفو اور درگزر کا بیان ہے اور یہ کہ آپ کی جان پر جو اذیت ہوتی تھی، آپ اس کو برداشت کرتے تھے اور سخت طبیعت دیہاتیوں کو آپ حسن تدبر سے درگزر فرماتے تھے، حالانکہ وہ وحشی جانوروں کی طرح غیر مانوس اور بہت جلد متنفر ہونے والے تھے، آپ خلق عظیم کے حامل تھے اور اس آیت کے مصداق اتم تھے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ الآیۃ۔ (آل عمران: ١٥٩)

پس آپ اللہ کی رحمت سے ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بن یامین کو بھیجنے کی وجوہ

ایک سوال یہ ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام یہ تجربہ کر چکے تھے کہ انہوں نے بھائیوں کے کہنے پر حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج دیا تھا اور پھر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے کر نہیں آئے اور کہہ دیا کہ ان کو بھیڑیا کھا گیا اور بالآخر ان کا جھوٹ ثابت ہو گیا تو دوبارہ ان کے کہنے کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام بن یامین کو بھیجنے پر کیسے تیار ہو گئے؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(١) وہ بھائی اب کافی بڑے ہو چکے تھے اور نیکی اور تقویٰ کی طرف مائل ہو چکے تھے اور اب ان سے سابقہ کارروائی کی توقع نہیں تھی۔

(٢) حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ مشاہدہ کر لیا تھا کہ یہ لوگ بن یامین سے اس طرح حسد اور بغض نہیں رکھتے، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد اور بغض رکھتے تھے۔

(٣) ہرچند کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر پہلے اعتماد کرنے کا تجربہ تلخ تھا لیکن قحط کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو گئے۔

(٤) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی کی ہو اور اس وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام تیار ہو گئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اس میں انہوں نے اپنے پیسوں کی تھیلی دیکھی جو ان کی

طرف لوٹادی گئی تھی' انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ ہمیں اور کیا چاہیے! یہ ہماری رقم کی تھیلی ہمیں لوٹا دی گئی ہے' ہم اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ پر لدا ہوا غلہ زیادہ لائیں گے' اور (بادشاہ کے لیے) یہ تو معمولی مقدار ہے○ (ان کے باپ نے) کہا میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا حتیٰ کہ تم اللہ کو گواہ کر کے مجھ سے یہ عہد نہ کرو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس لے کر آؤ گے' ماسوا اس کے کہ تم کسی مصیبت میں گھر جاؤ' جب انہوں نے اپنے باپ سے یہ عہد کر لیا تو اس نے کہا ہم جو عہد کر رہے ہیں' اس پر اللہ گواہ ہے۔○ (یوسف: ۶۶-۶۵)

بن یامین کو ساتھ بھیجنے کے لیے باپ کو تیار کرنا

اس آیت میں ما نبغی کے دو محمل ہیں: یہ ما نفی کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور استفہام کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔

اگر یہ ما نفی کے لیے ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے بادشاہ یعنی حضرت یوسف کے متعلق جو بتایا تھا کہ وہ بہت فیاض اور جواد ہے تو ہم اس تعریف اور توصیف سے جھوٹ بولنا نہیں چاہتے تھے۔ دیکھیے اس بادشاہ نے ہمیں رقم کی تھیلی بھی واپس کر دی ہے' اور اس صورت میں دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم آپ سے دوبارہ جانے کے لیے مزید رقم نہیں چاہتے کیونکہ بادشاہ نے ہماری پہلی رقم ہمیں واپس کر دی ہے۔

اگر یہ ما استفہام کے لیے ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہے کہ ہمیں اور کیا چاہیے' ہماری رقم بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔

میرہ کا معنی ہے: طعام' اور نمیر اھلنا کا معنی ہے: ہم اپنے گھر والوں کے لیے طعام لے کر آئیں گے' اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ پر لدا ہوا غلہ زیادہ لائیں گے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر آئے تو ان کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ زیادہ دیا جائے گا۔

اس کے بعد انہوں نے کہا: یہ تو معمولی مقدار ہے' اس کے حسب ذیل محمل ہیں:

(۱) مقاتل نے کہا: اتنے فیاض اور جواد کے لیے ایک بار شتر دینا تو بہت معمولی بات ہے' زجاج کا بھی یہی مختار ہے۔

(۲) جتنی طویل مدت ہم نے ایام قحط میں گزاری ہے' اس کے مقابلہ میں یہ بہت کم مقدار ہے۔

(۳) ہمارے بھائی کے بغیر جو ہمیں غلہ دیا گیا ہے یہ بہت کم ہے' آپ بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجیں تاکہ ہم کو زیادہ غلہ مل سکے۔

مصیبت میں گھر جانے کا معنی

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا: تم یہ پختہ عہد کرو' اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ تم اللہ کو گواہ کر کے یہ عہد کرو اور دوسرا معنی یہ ہے کہ تم اللہ کی قسم کھاؤ۔

مصیبت میں گھرنے کے بھی دو معنی ہیں: ایک یہ کہ تم سب ہلاک ہو جاؤ اور دوسرا یہ کہ تم سب مقہور اور مغلوب ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے کہا اے میرے بیٹو! (شہر میں) تم سب ایک دروازہ سے نہ داخل ہونا اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا حکم تو صرف اللہ کا چلتا ہے' میں نے اسی پر توکل کیا ہے' اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہیے○ اور جب وہ وہاں سے داخل ہوئے جہاں سے داخل ہونے کا ان کے باپ نے حکم دیا تھا اور وہ اللہ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا تھا' مگر وہ یعقوب کے دل کی ایک خواہش تھی' جو اس نے پوری کر

لی، بے شک وہ صاحب علم تھے، کیونکہ ہم نے ان کو علم عطا کیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ (یوسف: ۶۸-۶۷)

نظر لگنے کے متعلق احادیث

حضرت یعقوب علیہ السلام کے یہ دس بیٹے بہت خوب صورت اور بہت باکمال تھے، مصر کے چار دروازے تھے، جب دس بیٹے مصر روانہ ہونے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ خدشہ ہوا کہ اگر دس کے دس ایک دروازے سے داخل ہوئے تو ان پر دیکھنے والوں کی نظر لگ جائے گی اس لیے انہوں نے فرمایا: اے میرے بیٹو! تم سب ایک دروازے سے مت داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا، نظر لگنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر برحق ہے اور آپ نے گھورنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۷۷، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۰۴۷، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۹۵۸۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۵۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نظر بد کے دم کرانے کا حکم دیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۵۳۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸، ص ۴۳، ۳۶، مسند احمد ج ۶ ص ۶۳، ۱۳۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۰۳، المستدرک ج ۴، ص ۴۱۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۳۴۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۴۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں ایک بچی کو دیکھا جس کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا (اس کا رنگ سرخی مائل سیاہ تھا یا زرد تھا، بہرحال اس کے چہرے کا رنگ اصل رنگ کے خلاف تھا) آپ نے فرمایا: اس پر دم کراؤ کیونکہ اس پر نظر لگی ہوئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو دم کرتے ہوئے فرماتے تھے، تمہارے باپ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحٰق بھی دم کرتے ہوئے فرماتے تھے: میں (تم کو) شیطان، ہر زہریلے کیڑے اور نظر لگانے والی آنکھ سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷، ص ۴۹، ۴۸، ج ۱۰، ص ۳۱۵، مسند احمد ج ۹، ص ۲۴۶۷، ۲۳۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۵)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جعفر کی اولاد پر نظر بہت جلد لگتی ہے، کیا میں اس پر دم کرایا کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی ہے تو نظر تقدیر پر سبقت کر سکتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۹، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۳۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸، ص ۵۶، مسند احمد ج ۶، ص ۴۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۰، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۴۳)

ابو امامہ بن سہل بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ سہل بن حنیف نے خرار (مدینہ کی ایک وادی) میں غسل کیا اور انہوں نے اپنا جبہ اتارا اور عامر بن ربیعہ ان کو دیکھ رہے تھے، اور سہل گورے رنگ کے بہت خوبصورت شخص تھے۔ عامر بن ربیعہ نے انہیں دیکھ کر کہا: اتنے گورے رنگ کا اتنا خوبصورت شخص میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ سہل کو اسی وقت بخار چڑھ گیا۔ پھر ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر بتایا کہ سہل کو

بہت تیز بخار چڑھ گیا ہے اور وہ آپ کے ساتھ جا نہیں سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہل کے پاس تشریف لے گئے اور سہل نے بتایا کہ اس طرح مجھے عامر نے نظر بھر کر دیکھا تھا' پھر مجھے بخار چڑھ گیا۔ آپ نے عامر سے فرمایا: تم کیوں اپنے بھائی کو قتل کرتے ہو اور تم نے یہ کیوں نہیں کہا: تبارک اللہ احسن الخالقین اللھم بارک فیہ۔ (جب دیکھنے والا کسی اچھی چیز کو دیکھ کر یہ کہے گا تو اس کی نظر نہیں لگے گی) بے شک نظر کا لگنا برحق ہے' تم اس کے لیے وضو کرو۔ عامر نے ان کے لیے وضو کیا' پھر وہ بالکل تندرست ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے گئے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے: آپ نے اس کو حکم دیا کہ اپنے چہرے کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے اور گھٹنوں کو اور ازار کے اندر جسم کا حصہ دھوئے' پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کے غسالہ کو سہل کے اوپر بہایا جائے۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۴۷' ۱۷۴۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۰۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج۹' ص ۳۵۱' مسند احمد ج ۳' ص ۴۸۶' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۲۰۹)

نظر بد میں مذاہب اور اس سے متعلق شرعی احکام

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نظر کا لگنا برحق ہے اور نظر کبھی انسان کو قتل بھی کر دیتی ہے جیسا کہ موطا کی اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتے ہو' اس پر تمام امت کے علماء کا اجماع ہے اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ بعض بدعتی فرقوں نے نظر لگنے کا انکار کیا ہے' لیکن احادیث صحیحہ' امت کا اجماع اور مشاہدہ ان کے انکار کو رد کرتا ہے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو نظر لگنے کی وجہ سے اپنی جان کھو بیٹھے' تاہم نظر کا لگنا یا نہ لگنا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے اذن پر موقوف ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۱۰۲)

اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر اس جادو سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے تھے۔

اصمعی نے کہا: میں نے ایک شخص کو دیکھا اس کی نظر بہت لگتی تھی' اس نے سنا کہ ایک گائے بہت زیادہ دودھ دیتی ہے' اس کو یہ بہت اچھا لگا' اس نے پوچھا: وہ کون سی گائے ہے؟ لوگوں نے کوئی اور گائے بتائی اور اس کو مخفی رکھا' لیکن وہ دونوں گائیں مر گئیں۔ اصمعی نے کہا: میں نے اس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب مجھے کوئی چیز اچھی لگتی ہے اور میں اس کو دیکھتا ہوں تو میری آنکھوں سے ایک قسم کی حرارت خارج ہوتی ہے۔

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب اس کو کوئی چیز اچھی لگے تو وہ یہ کہے:

تبارک اللہ احسن الخالقین اللھم بارک فیہ۔

اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے' اے اللہ! اس چیز میں برکت دے۔

جب کوئی شخص کسی اچھی چیز کو دیکھ کر یہ کہے گا تو پھر اس کی نظر نہیں لگے گی جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن ربیعہ کو ارشاد فرمایا تھا۔

جس شخص نے یہ کلمات نہیں کہے اور اس کی نظر لگ گئی تو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے اور اگر وہ غسل نہ کرے تو اس کو غسل کرنے پر مجبور کیا جائے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر وجوب کے لیے ہے' خصوصاً اس صورت میں کہ جب اس شخص کی ہلاکت کا خطرہ ہو جس پر اس کی نظر لگی ہے' اور کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کو نفع سے روکنا اور اس کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے اور غسل کے بعد اس شخص کا غسالہ اس پر بہایا جائے جس پر نظر لگی ہے۔

جس شخص کی نظر کا لگنا مشہور ہو' اس کو لوگوں کے پاس جانے سے روک دیا جائے تاکہ لوگوں کا ضرر نہ ہو۔ بعض علماء نے کہا کہ قاضی یا حاکم کو چاہیے کہ اسے اس کے گھر میں بند کر دے اور اگر وہ تنگ دست ہو تو اس کو سرکاری طور پر رزق بھی مہیا کرے اور لوگوں کو اس کی اذیت سے بچائے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو شہر بدر کر دیا جائے' لیکن موطا امام مالک کے حوالے سے جو حدیث ہم نے ذکر کی ہے وہ ان اقوال کو مسترد کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن ربیعہ کو گھر میں بند کیا تھا نہ شہر بدر کیا تھا بلکہ کبھی کسی نیک آدمی کی بھی نظر لگ جاتی ہے' اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں اور نہ ہی اس کی وجہ سے کسی کو فاسق کہا جا سکتا ہے۔

بعض احادیث میں نظر لگ جانے کے بعد دم کرانے کا ارشاد ہے اور بعض احادیث میں جس کی نظر لگی ہے' اس کو غسل کرا کر اس کے غسالہ کو اس پر ڈالنے کا حکم ہے جس پر نظر لگی ہے۔ ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس کی نظر لگی ہے تو دم کرایا جائے (دم کے کلمات حدیث میں مذکور ہیں) اور اگر یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص کی نظر لگی ہے تو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج۹ ص۱۹۹۔۱۹۷)

نظر بد کی تاثیرات کی تحقیق

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کسی شخص کے دیکھنے سے دوسرے شخص کو ضرر کیوں کر پہنچ جاتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کی طبائع اور ان کے بدنوں کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں' کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کی آنکھ سے زہر نکل کر دوسرے کے بدن میں پہنچ جاتا ہے' اس کی نظیر یہ ہے کہ جس شخص کو آشوب چشم ہو اور تندرست آدمی اس کو دیکھے تو اس کو بھی بیماری لگ جاتی ہے' اس طرح بعض بیماریوں میں تندرست آدمی بیماروں کے پاس بیٹھے تو اس کو وہ بیماری لگ جاتی ہے۔ اگر کسی آدمی کو جماہیاں آرہی ہوں تو اس کے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو بھی جماہیاں آنے لگتی ہیں' اسی طرح افعیٰ (سانپ) کے ساتھ نظر ملانے سے بھی اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے' لیکن اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ کسی شخص کی نظر سے ضرر کا پہنچنا اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے اور اس کے اذن اور اس کی مشیت پر موقوف ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر دوران خطبہ فرمایا: سفید دھاری دار سانپ اور دم بریدہ سانپ کو قتل کر دو کیونکہ یہ دونوں بصارت کو زائل کر دیتے ہیں اور حمل کو ساقط کر دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۹۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۷۴۹' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۶۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۵۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۵)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ سفید دھاریوں والے سانپ کے دیکھنے سے بصارت چلی جاتی ہے اور حمل ساقط ہو جاتا ہے' اس طرح بعض افاعی (سانپ) ایسے ہیں کہ ان کی نظر سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے' اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ اسی طرح انسان کا بعض لوگوں سے اس نوع کا تعلق ہوتا ہے کہ ان کے دیکھنے سے انسان کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو جاتا ہے اور بعض لوگوں سے انسان اس قدر خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ ان کے دیکھنے سے اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور یہ سب نظر کی تاثیرات ہیں۔

اسی طرح بعض لوگوں کے دیکھنے سے انسان بیمار پڑ جاتا ہے اور بعض کو دیکھنے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور یہ روح کی تاثیرات ہیں اور ارواح مختلف ہوتی ہیں۔ بعض روحوں کی طبائع' کیفیات' قوتیں اور خواص بہت جلد تاثیر کرتی ہیں کیونکہ وہ روح بہت خبیث ہوتی ہے' اور محض کسی شخص کو دیکھتے ہی اس میں تاثیر کرتی ہے اور بعض روحیں دوسرے شخص کے بدن کے ساتھ اتصال کے بعد تاثیر کرتی ہیں' اور اس کی آنکھوں سے ایک معنوی تیر نکل کر دوسرے کے جسم میں پیوست ہو جاتا ہے' بہر حال

اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی مشیت کے بغیر یہ تاثیر نہیں ہوتی اور اس کا علاج یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ فلاں شخص کی نظر لگی ہے تو اس کو غسل کرا کر اس کا غسالہ نظر لگنے والے شخص پر ڈالا جائے ورنہ یہ دعا کر کے اس پر دم کیا جائے:

اعوذ بکلمات الله التامة من کل شیطان وهامة ومن کل عین لامة۔ — میں ہر شیطان اور ہر زہریلے کیڑے اور ہر نظر بد سے اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۱)

(فتح الباری ج ۳، ص ۲۰۱-۲۰۰، ملخصاً مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا

جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھیرایا، اور بتایا کہ میں تمہارا

اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِ

بھائی ہوں، سو تم اس بدسلوکی پر غمگین نہ ہونا جو یہ کرتے رہے تھے ○ پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کیا

هِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا

تو اس نے (شاہی) پیالہ اپنے بھائی کی بوری میں رکھ دیا، پھر منادی نے اعلان کیا کہ اے قافلے والو!

الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

بے شک تم ضرور چور ہو ○ انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟ ○

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا

کارندوں نے کہا بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے اور جو اس کو لے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں

بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی

اس کا ضامن ہوں ○ انہوں نے کہا اللہ کی قسم تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں

الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ

آئے اور نہ ہم چور ہیں ○ کارندوں نے کہا اگر تم جھوٹے نکلے تو تمہاری کیا سزا

كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ

ہونی چاہیے؟ ○ انہوں نے کہا جس کی بوری سے وہ برآمد ہو سو اس کی سزا یہ ہے کہ اسی کو رکھ لیا جائے

كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ

ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ تو یوسف نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے ان کی بوریوں کی تلاشی لینی شروع کر دی

ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ۭ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ

پھر اس پیالے کو اپنے بھائی کی بوری سے برآمد کر لیا، ہم نے اسی طرح یوسف کو خفیہ تدبیر بتائی تھی،

مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ

وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے،

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٦﴾

ہم جس کو چاہتے ہیں درجات کی بلندی عطا کرتے ہیں اور ہر (تمام) علم والے سے بڑھ کر ایک عظیم علم والا ہے ○

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا

انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو (کوئی نئی بات نہیں) اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے، سو یوسف نے

يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ

اس بات کو دل میں چھپایا اور ان پر ظاہر نہیں کیا، اس نے (دل میں) کہا تم خود بدتر خصلت کے ہو

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا

اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے ○ انہوں نے کہا اے عزیز! اس کا باپ

شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٧٨﴾

بہت بوڑھا ہے، آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں، ہماری رائے میں آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں ○

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ

یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! کہ ہم نے جس کی بوری میں اپنا سامان پایا ہے اس کے علاوہ ہم کسی اور کو رکھ لیں،

اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ ع ٩/٣

پھر تو ہم ظالم قرار پائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرایا، اور بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں، سو تم اس بد سلوکی پر غمگین نہ ہونا جو یہ کرتے رہے تھے ○ پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کیا تو اس نے (شاہی) پیالہ اپنے بھائی کی بوری میں رکھ دیا، پھر منادی نے اعلان کیا کہ اے قافلے والو! بے شک تم ضرور چور ہو ○ انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟ ○ کارندوں نے کہا: بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے اور جو اس کو لے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔ (یوسف: ۷۲-۶۹)

حضرت یوسف کا بن یامین کو یہ بتانا کہ میں تمہارا بھائی ہوں

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے، حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یہ ہمارا وہ بھائی ہے جس کے متعلق آپ نے کہا تھا کہ اس کو لے کر آنا، اب ہم اس کو لے کر آئے ہیں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: تم نے اچھا کیا اور درست کیا، اور تم کو عنقریب اس پر انعام ملے گا، پھر فرمایا: میں تمہاری ضیافت اور تکریم کرنا چاہتا ہوں، پھر آپ نے دو، دو کو کھانے پر بٹھایا، اور ان کو عمدہ کھانے پیش کیے، پھر بن یامین کے متعلق فرمایا: یہ اکیلا رہ گیا! اس کو میں اپنے ساتھ بٹھالیتا ہوں اور دو، دو کو ایک ایک کمرہ میں ٹھہرایا اور فرمایا: بن یامین کو میں اپنے کمرہ میں ٹھہرا لیتا ہوں، پھر تنہائی میں بن یامین کو بتایا کہ میں تمہارا سگا بھائی یوسف ہوں، تمہارے یہ بھائی جو کچھ بد سلوکی کرتے رہے ہیں، تم اس پر غم نہ کرنا۔

(جامع البیان جز ۱۳، ص ۲۱-۲۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، ص ۲۱۷۰)

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ روایت کرتے ہیں:

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف نے دو، دو کو ایک ساتھ دسترخوان پر بٹھایا اور بن یامین کو اکیلا بٹھایا۔ وہ رونے لگے اور کہنے لگے اگر میرا بھائی ہوتا تو آپ مجھے اس کے ساتھ بٹھاتے۔ حضرت یوسف نے کہا: میں اس کو اکیلا دیکھ رہا ہوں سو میں اس کو اپنے ساتھ بٹھالیتا ہوں۔ پھر جب رات ہوئی تو دو، دو کو ایک کمرا دیا، بن یامین اکیلے رہ گئے تو کہا اس کو میں اپنے ساتھ کمرے میں رکھ لیتا ہوں، تنہائی میں حضرت یوسف نے کہا: کیا تمہارا کوئی ماں شریک بھائی ہے۔ اس نے کہا: ہاں میرا ایک ماں شریک بھائی تھا، وہ ہلاک ہو گیا۔ حضرت یوسف نے کہا: کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہارے اس ہلاک شدہ بھائی کے قائم مقام میں تمہارا بھائی ہو جاؤں؟ بن یامین نے کہا: اے بادشاہ! آپ جیسا بھائی کس خوش نصیب کا ہوگا؟ لیکن آپ یعقوب سے پیدا نہ ہوئے نہ راحیل سے؟ پھر حضرت یوسف رونے لگے اور اس کو گلے لگالیا اور فرمایا: میں تمہارا بھائی یوسف ہوں اور تم اب غم نہ کرنا یعنی وہ جو ہم پر حسد کرتے رہے تھے اور ہمارے باپ کی توجہ اپنی طرف پھیرنے کی جو کوشش کرتے رہے تھے، اس پر اب تم غم نہ کرنا۔ (زاد المسیر ج ۴، ص ۲۵۶-۲۵۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت یوسف نے بن یامین کو روک کر باپ کی مزید دل آزاری کی

جب بن یامین نے حضرت یوسف کو پہچان لیا تو حضرت یوسف سے کہا: مجھے ان کی طرف نہ لوٹائیں۔ حضرت یوسف نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ حضرت یعقوب کو پہلے ہی میری وجہ سے کتنا غم اٹھانا پڑا تھا، پھر ان کا غم اور زیادہ ہو جائے گا۔ بن یامین نے واپس جانے سے انکار کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: تمہیں روکنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم پر چوری کا الزام لگا دیا جائے۔ بن یامین نے کہا کوئی پروا نہیں، پھر حضرت یوسف نے چپکے سے شاہی پیالہ بن یامین کی بوری میں رکھ دیا، انہوں نے خود وہ پیالہ اس طرح رکھا تھا کہ کسی کو پتا نہیں چل سکا، یا اپنے بعض خاص خدام کو اس کا حکم دیا تھا۔

قرآن مجید میں اس پیالے کے لیے دو لفظ ہیں السقایہ اور صواع' السقایہ کا معنی پانی پینے کا پیالہ ہے اور صواع کا معنی پیمانہ ہے' یہ سونے اور چاندی کا ایک برتن تھا اس سے پانی بھی پیا جاتا تھا اور اس سے ماپ کر غلہ بھی دیا جاتا تھا۔

حسن بصری' مجاہد اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہ پانی پینے کا برتن تھا۔

(جامع البیان جز ۱۳' ص ۲۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۹' ص ۲۰۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف کو یہ علم تھا کہ بن یامین کے واپس نہ پہنچنے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو مزید غم ہو گا تو پھر انہوں نے بن یامین کی بات کیوں مان لی اور ایسا کام کیوں کیا جس کے نتیجے میں ان کے باپ کو صدمہ پہنچا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے وحی کے ذریعہ جان لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مشیت ہے' اور ان کے اقدام کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بن یامین کے نہ پہنچنے کے بعد بھی حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کو یاد کرتے رہے تھے اور وہ کہتے تھے یاسفی علی یوسف۔

بے قصور قافلہ والوں کو چور کہنے کی توجیہ

پھر منادی نے اعلان کیا کہ اے قافلے والو! تم ضرور چور ہو!

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ منادی نے یہ اعلان اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے کیا تھا تو ایک رسول برحق کے لیے یہ کیسے جائز تھا کہ وہ بے قصور لوگوں پر بہتان باندھیں اور ان پر چوری کی جھوٹی تہمت لگائیں' اور اگر انہوں نے یہ حکم نہیں دیا تھا تو انہوں نے بعد میں منادی کا رد کیوں نہیں کیا کہ تم ان کو چور کیوں کہہ رہے ہو' یہ تو بے قصور ہیں! اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت یوسف بن یامین سے پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ تمہیں روکنے کا صرف یہی طریقہ ہے تو گویا ان کی رضامندی سے ان کو چور کہا جا رہا تھا۔

(۲) حضرت یوسف کی مراد یہ تھی کہ تم نے یوسف کو اس کے باپ سے چرایا تھا اور چرا کر پہلے کنوئیں میں ڈالا پھر قافلہ والوں کے ہاتھ غلام بنا کر بیچ دیا' تو یہ کلام بطور توریہ تھا اس کلام سے حضرت یوسف کی مراد یہ تھی کہ تم یوسف کو چرانے والے ہو اور اس کلام کا ظاہر یہ تھا کہ تم شاہی پیمانہ چرانے والے ہو۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منادی کا یہ کلام بطور استفہام ہو' یعنی اس نے پوچھا ہو کہ آیا تم چور ہو؟

(۴) قرآن مجید میں یہ مذکور نہیں ہے کہ منادی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے یہ اعلان کیا تھا یا ان کو اس اعلان کا علم تھا اور ظاہر یہ ہے کہ کارندوں نے اپنے طور پر اس پیالہ کو تلاش کیا اور جب ان کو وہ نہیں ملا تو ان کو شبہ ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے اس پیالہ کو اپنی بوریوں میں رکھ لیا ہو۔

انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟ کارندوں نے کہا: بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے اور جو اس کو لے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔

جُعل (کسی چیز کو ڈھونڈنے کی اُجرت) کی تحقیق

اس آیت میں یہ ذکر ہے: جو شخص شاہی پیالے کو ڈھونڈ کر لائے گا اس کو میں ایک بار شتر دوں گا۔ اس میں جُعل کا ثبوت دوں گا۔ جُعل کا لغوی معنی ہے کہ کسی کام کی اجرت' مجاہدین کو جو رقم دی جاتی ہے تاکہ وہ اس سے سامان جہاد خریدیں' اس کو بھی جُعل کہتے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے کسی معین کام پر معین عوض عطا کرنا۔ فقہاء مالکیہ کے

نزدیک اس کا معنی ہے ظنی منفعت کے حصول کے لیے کسی کو اجرت دینا‘ جیسے صحت اور شفا کے حصول کے لیے طبیب کو اجرت دینا یا تعلیم میں مہارت کے حصول کے لیے معلم کو اجرت دینا یا بھاگے ہوئے غلام کو ڈھونڈنے کے لیے کسی کو اجرت دینا۔

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ جو بھاگا ہوا غلام حرم میں مل جائے‘ اس (کو ڈھونڈنے) کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس درہم کا فیصلہ فرمایا۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۴۹۰۷ مطبوعہ بیروت)

شریح نے فیصلہ کیا کہ اگر وہ شہر میں مل جائے تو اس کے لیے دس درہم ہیں اور اگر شہر سے باہر ملے تو اس کے لیے چالیس درہم ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۴۹۰۸ مطبوعہ بیروت)

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اونٹ پر لدا ہوا مال مجہول ہے‘ کیونکہ اونٹ پر لدے ہوئے مال کی اجرت کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی اور اجرت کا مجہول ہونا جائز نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ ان کی شریعت میں جائز ہو‘ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ اجرت تو چور کو دی جائے گی اور وہ جائز نہیں ہے‘ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے۔ یہ ان کی شریعت میں جائز ہو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ جُعل ہے اور کسی چیز یا شخص کو ڈھونڈ کر لانے والے کو جو مال دیا جاتا ہے‘ اس کو جعل کہتے ہیں۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا اس آیت میں دو دلیلیں ہیں: ایک دلیل یہ ہے کہ جُعل جائز ہے اور اس کو ضرورت کی بناء پر جائز قرار دیا گیا ہے‘ کیونکہ اس میں جتنی جہالت کو جائز کہا گیا ہے‘ کسی اور چیز میں نہیں کہا گیا اور جُعل میں ایک طرف معلوم ہوتی ہے اور دوسری طرف ضرورت کی بنا پر مجہول ہوتی ہے اور اجارہ (مزدوری) میں کام اور اس کی اجرت دونوں کا معلوم اور معین ہونا ضروری ہے‘ ورنہ اجارہ صحیح نہیں ہوگا۔

جب کسی شخص نے کہا جو شخص میرے بھاگے ہوئے غلام کو لے آیا تو اس کو ایک دینار ملے گا‘ پس اگر وہ اس غلام کو لے کر آیا تو اس کو ایک دینار دینا ہوگا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

مال اور شخص کی ضمانت کے متعلق احادیث

اس آیت میں کفالت (ضمانت) کا بھی ثبوت ہے کیونکہ منادی نے کہا: جو پیالہ لائے گا اس کو ایک بار شتر ملے گا اور اس کا میں ضامن ہوں۔ یعنی پیالہ لانے والے کو حکومت سے میں لے کر دوں گا۔ یہ آیت ضامن ہونے کی اصل ہے اور اس کی اصل یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا تاکہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں‘ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس کی نماز جنازہ خود پڑھ لو‘ کیونکہ اس پر قرض ہے۔ حضرت ابو قتادہ نے کہا: وہ قرض مجھ پر ہے‘ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم وہ قرض ادا کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں پورا قرض ادا کروں گا تب آپ نے اس شخص کی نماز جنازہ پڑھا دی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۹‘ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۵۲۵۸‘ مسند احمد ج ۵‘ ص ۲۹۷‘ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۵۹۶‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۰۷‘ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۹۵)

اس حدیث سے تو صرف مال کا ضامن ہونا ثابت ہوتا ہے اور درج ذیل حدیث سے مال اور نفس (شخص) دونوں کا

ضامن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الزعیم غارم یعنی کفیل ضامن ہوتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۶۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۶۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۳۹۸، مسند احمد ج ۵، ص ۲۶۷، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۶، ص ۸۸، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۱۶۲)

یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے مال اور نفس دونوں کی ضمانت کے جواز پر دلیل ہے اور بالخصوص نفس کی ضمانت پر یہ احادیث ہیں:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک تہمت زدہ شخص سے کفیل کو طلب کیا۔ حارثہ بن مضرب بیان کرتے ہیں کہ ابن النواحہ اور اس کے اصحاب نے مسیلمہ کذاب کی رسالت کی شہادت دی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابن النواحہ کے قتل کا حکم دیا، پھر اس کے اصحاب کے متعلق مسلمانوں سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت جریر اور حضرت اشعث نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہم ان سے توبہ طلب کریں گے اور ان کے خاندان والوں کو ان کا کفیل (ضامن) بنایا، انہوں نے ان سے توبہ طلب کی، انہوں نے توبہ کرلی، اور ان کے خاندان والوں نے ان کی ضمانت دی۔ امام بخاری نے اس حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا، ایک شخص نے اس کی بیوی کی باندی کے ساتھ زنا کیا۔ حمزہ نے اس شخص کے کفیل (ضامن) لیے حتیٰ کہ حضرت عمر کے پاس آئے اور حضرت عمر نے اس شخص کو سو کوڑے مارے اور اس کو جہالت کی وجہ سے معذور قرار دیا کیونکہ حد میں کسی کو کفیل نہیں بنایا جاتا۔ حماد نے کہا اگر کوئی آدمی کسی شخص کی ضمانت دے اور وہ مرجائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے اور حکم نے کہا وہ ضامن ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۹۰)

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶، ص ۷۷، مطبوعہ ملتان)

ضمانت کی تعریف اور اس کے شرعی احکام

علامہ مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

کفالت (ضمانت) کی دو قسمیں ہیں: کسی شخص کا ضامن ہونا اور مال کی ضمانت دینا، کسی شخص کا ضامن ہونا جائز ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کی اس نے ضمانت دی اس کو حاضر کرنا اس پر لازم ہے اور مال کے ضامن ہونے کا یہ معنی ہے کہ ایک شخص قرض خواہ سے کہے اگر اس مقروض نے قرض ادا نہیں کیا تو میں تمہارا قرض ادا کروں گا وہ میرے ذمہ ہے یا میں اس کا ضامن ہوں۔

جب ضامن یہ کہے کہ میں فلاں تاریخ پر اس شخص کو حاضر کردوں گا تو اگر اس سے صاحب حق مطالبہ کرے تو اسے اس تاریخ پر اس شخص کو حاضر کرنا ہوگا اگر ضامن اس کو حاضر کردے تو فبہا ورنہ حاکم اس کو قید کردے، کیونکہ وہ اپنے حق کو ادا نہیں کرسکا اگر وہ شخص کہیں غائب ہو جائے تو حاکم ضامن کو آنے جانے اور لانے کی مدت کی مہلت دے، اگر مدت گزرنے کے بعد بھی وہ اس شخص کو نہ لاسکے تو حاکم اس کو قید کرے اور اگر وہ شخص مرگیا تو پھر ضامن بری ہو جائے گا کیونکہ اب وہ اس کو حاضر کرنے سے عاجز ہوچکا ہے۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ج ۷، ص ۱۶۱-۱۵۵ ملخصاً، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں○ کارندوں نے کہا اگر تم جھوٹے نکلے تو تمہاری کیا سزا ہونی چاہیے ؟○ انہوں نے کہا جس کی بوری سے وہ برآمد ہو سو اس کی سزا یہ ہے کہ اسی کو رکھ لیا جائے، ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں○ (یوسف: ۷۵-۷۳)

حضرت یوسف کے بھائیوں کے چور نہ ہونے پر دلائل

مفسرین نے کہا: انہوں نے دو چیزوں پر قسم کھائی تھی: ایک یہ کہ وہ زمین میں فساد کرنے کے لیے نہیں آئے، کیونکہ ان کے کردار اور ان کے چال چلن سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ دو بار آئے اور انہوں نے خود کسی کا مال کھایا نہ لوگوں کی چراگاہوں میں اپنے جانوروں کو چرانے کے لیے چھوڑا، اور وہ مختلف قسم کی عبادات میں مشغول رہتے تھے اور جن کے یہ طور طریقے ہوں ان کے متعلق زمین میں فساد پھیلانا متصور نہیں ہو سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس پر دلیل قائم ہو چکی تھی کہ وہ چور نہیں ہو سکتے، کیونکہ جب ان کی بوریوں میں ان کی رقم کی تھیلی رکھ دی گئی تھی تو انہوں نے اس کو لینا جائز نہیں سمجھا اور اس کو جوں کی توں واپس لائے اور چور اس طرح نہیں کرتے۔

جب انہوں نے دلائل کے ساتھ چوری سے اپنا بے قصور ہونا واضح کر دیا تو حضرت یوسف کے کارندوں نے پوچھا: اگر تم میں سے کسی کی بوری میں وہ پیالہ نکل آئے تو پھر؟ انہوں نے کہا: اس کی سزا یہ ہے کہ اس جرم میں اسی کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے۔

حضرت ابن عباس نے کہا: اس زمانہ میں ہر چور کو اس کی چوری کے جرم میں غلام بنا لیا جاتا تھا اور ان کی شریعت میں چور کو غلام بنانا اس کے ہاتھ کاٹنے کے قائم مقام تھا۔ (جامع البیان جز ۱۳ ص ۲۸-۲۷، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو یوسف نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے ان کی بوریوں کی تلاشی لینی شروع کر دی، پھر اس پیالے کو اپنے بھائی کی بوری سے برآمد کر لیا، ہم نے اسی طرح یوسف کو خفیہ تدبیر بتائی تھی، وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے، مگر یہ کہ اللہ چاہے، ہم جس کو چاہتے ہیں درجات کی بلندی عطا کرتے ہیں اور ہر (متناہی) علم والے سے بڑھ کر ایک عظیم علم والا ہے○ (یوسف: ۷۶)

حضرت یوسف کا بھائیوں کے سامان کی تلاشی لینا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ کہہ دیا کہ جس کی بوری سے وہ پیالہ نکل آئے، اس کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے تو کارندوں نے کہا: اب تمہاری تلاشی لینی ضروری ہو گئی اور تمہارے سامان کی تلاشی خود بادشاہ لے گا، اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے سامان کی تلاشی لینی شروع کر دی اور پہلے بن یامین کے دوسرے بھائیوں کی تلاشی لی تاکہ ان پر تہمت نہ لگے۔ قتادہ سے مروی ہے کہ وہ جب بھی کسی بوری کو کھولتے تو استغفار کرتے، حتیٰ کہ جب آخر میں صرف ان کے بھائی کی بوری رہ گئی تو انہوں نے خیال کیا: میرا خیال ہے کہ اس نے کوئی چیز نہیں اٹھائی ہو گی اس کی تلاشی نہ لی جائے، ان کے بھائیوں نے کہا ہم اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک کہ مکمل تلاشی نہ لے لی جائے، پھر جب بنیامین کی بوری کھولی تو اس سے پیالہ نکل آیا، اور ان کے اپنے اقرار کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام بن یامین کو پکڑ کر لے گئے۔

بھائیوں سے چور کی سزا معلوم کرنے کی وجہ

بادشاہ کا قانون یہ تھا کہ چور کو پکڑ کر مارا جائے اور اس سے تاوان وصول کیا جائے۔ اس قانون کے اعتبار سے حضرت یوسف علیہ السلام بن یامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہ قانون تھا کہ چور کو

غلام بنا کر رکھ لیا جائے‘ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس تدبیر کی طرف متوجہ کیا کہ وہ بھائیوں سے پوچھیں کہ جس کے سامان سے وہ پیالہ نکل آئے‘ اس کی کیا سزا ہوگی اور جب انہوں نے یہ اقرار کر لیا کہ اس کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے گا تو وہ اپنے اقرار کی بناء پر ماخوذ ہو گئے۔

بھائی کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے اس پر چوری کے الزام کی تحقیق

اس مقام پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک عظیم اور جلیل القدر نبی ہیں اور انہوں نے ایک حیلہ کر کے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیا اور اس حیلہ کے نتیجے میں ان کے بے قصور بھائی پر چوری کا الزام آیا‘ اور یہ اس کی لیے ذلت اور رسوائی کا باعث ہوا اور ان کے دوسرے بھائیوں کو اس پر طعن کا موقع ملا اور انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے‘ تو ایک نبی کی شان کے یہ کس طرح لائق ہے کہ وہ محض اپنی محبت کی تسکین کی خاطر اپنے بے قصور بھائی پر چوری کا الزام لگوانے کا سامان مہیا کریں‘ جس کے نتیجہ میں وہ بھی رسوا ہوا اور اس کے فراق میں اس کا باپ بھی زیادہ غم زدہ ہوا؟ اس سوال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ اقدام اللہ تعالیٰ کی وحی کی اتباع میں تھا‘ اور اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ اپنی مخلوق میں جیسا چاہے تصرف کرے‘ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ۔ اللہ جو کام کرتا ہے‘ اس کے متعلق اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا اور ان سب (بندوں) سے سوال کیا جائے گا۔ (الانبیاء: ۲۳)

البتہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کی حکمتیں ہوتی ہیں‘ وہ ان شاء اللہ عنقریب واضح ہو جائیں گی۔

(۲) رہا یہ سوال کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دل کی تسکین کے لیے بے قصور بھائی پر چوری کا الزام لگوا دیا اور باپ کو الگ غمزدہ کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنی یہ خواہش نہیں تھی کہ بن یامین ان کے پاس رہے‘ بلکہ خود بن یامین حضرت یوسف کے پاس رہنا چاہتے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مسلسل منع کرنے کے باوجود نہیں مانے‘ اس کے ثبوت میں یہ روایت ہے:

امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ روایت کرتے ہیں:

کعب نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یوسف نے بن یامین سے کہا: میں تمہارا بھائی ہوں تو بن یامین نے کہا: میں اب آپ سے جدا نہیں ہوں گا۔ حضرت یوسف نے فرمایا: تم کو معلوم ہے کہ والد میری وجہ سے پہلے ہی کتنے غمگین ہیں‘ اگر اب تم بھی یہاں رہ گئے تو ان کا غم اور زیادہ ہو گا اور تمہارا یہاں رہنا اس وقت تک ممکن نہیں ہو گا جب تک کہ میں تم کو ایک برے کام سے منسوب نہ کروں‘ اور تمہاری طرف ایسی چیز منسوب نہ کروں جو لائق شرم ہے۔ بن یامین نے کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے آپ جو مناسب جانیں وہ کریں‘ میں آپ سے بالکل جدا نہیں ہوں گا۔ حضرت یوسف نے کہا: میں اپنا پیمانہ تمہارے سامان میں چھپا دوں گا‘ پھر میں تمہارے خلاف چوری کا اعلان کروں گا تاکہ تمہاری روانگی کے بعد میرے لیے تم کو واپس لانا ممکن ہو۔ بن یامین نے کہا: آپ جس طرح کرنا چاہتے ہیں کریں۔

(معالم التنزیل ج ۲‘ ص ۳۶۸‘ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۴ھ)

امام ابو الحسن الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ‘ علامہ محمود بن عمر الزمخشری متوفی ۵۳۸ھ‘ امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ‘ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ‘ علامہ عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ‘ علامہ نظام الدین نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ اور علامہ

سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(الوسیط ج ۲، ص ۶۳۳ ا لکشاف ج ۲، ص ۳۹۱، تفسیر کبیر ج ۶، ص ۴۸۶، الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۲۰۰، انوار التنزیل مع عنایت القاضی ج ۵، ص ۳۳۵، غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۴، ص ۱۰۹، روح المعانی جز ۱۳، ص ۳۴)

(۳) اس میں حکمت یہ تھی کہ یہ بیان کیا جائے کہ جو کام فی نفسہ حرام یا ممنوع نہ ہو، مگر اس کا حصول کسی خفیہ تدبیر پر موقوف ہو تو اس خفیہ تدبیر سے اس کو حاصل کرنا جائز ہے، جیسے ایک بھائی کا دوسرے بھائی کے پاس رہنا حرام یا ممنوع نہیں ہے، مگر یہ رہائش اس خفیہ تدبیر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی تھی اس لیے اس کا ارتکاب کیا گیا۔ اس میں دوسری حکمت یہ تھی کہ اس وجہ سے حضرت یعقوب کو دو بیٹوں کی جدائی کا غم اٹھانا پڑا اور اس پر انہوں نے صبر کیا تو وہ زیادہ اجر کے امیدوار ہوئے۔ تیسری حکمت یہ تھی کہ بعد میں ان کو زیادہ خوشی حاصل ہوئی کیونکہ دو بیٹوں سے بیک وقت ملنا نصیب ہوا، چوتھی حکمت یہ تھی کہ یہ بتایا جائے کہ بعض اوقات انسان کو اپنا مطلوب حاصل کرنے کے لیے کچھ قربانی بھی دینی پڑتی ہے، بن یامین حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہنا چاہتے تھے تو ان کو عارضی طور پر اپنی طرف چوری کی نسبت کی بدنامی برداشت کرنا پڑی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے اسی طرح یوسف کو خفیہ تدبیر بتائی تھی، وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اپنے بھائی کو رکھنے کے سلسلے میں حضرت یوسف نے جو اقدام کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے بتانے اور اس کی وحی سے کیا تھا، اس میں حضرت یوسف کی اپنی رائے اور اجتہاد کا کوئی دخل نہیں تھا اور بعض مفسرین کو اس معاملہ میں شدید لغزش ہوئی ہے۔

بھائی کی طرف چوری کی نسبت کو علامہ ماوردی کا گناہ قرار دینا

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے یہ کیسے جائز تھا کہ وہ اپنے بھائی کے سامان میں پیالہ رکھیں، پھر ان کو چور قرار دیں، حالانکہ وہ بے قصور تھے اور یہ گناہ ہے۔ پھر علامہ ماوردی نے اس اعتراض کے چار جواب دیئے ہیں اور چوتھا جواب یہ ہے: حضرت یوسف کا یہ اقدام گناہ تھا، اس کی اللہ نے ان کو یہ سزا دی کہ قوم نے یہ کہا: اگر اس نے چوری کی ہے تو کون سی نئی بات ہے، اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے، بھائی سے ان کی مراد حضرت یوسف تھے۔

(النکت والعیون ج ۳، ص ۶۲-۶۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ماوردی انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کے صدور کے قائل ہیں، ہم اس سے پہلے بھی اسی سورت میں ان کی عبارت ذکر کر کے ان کا رد کر چکے ہیں۔

حیلہ کے جواز کی تحقیق

خلاصہ یہ ہے کہ بھائی کو اپنے پاس رکھنے کے لیے حضرت یوسف کو اللہ تعالیٰ نے جو خفیہ تدبیر بتائی تھی، وہ بہت خوبصورت تدبیر تھی جو اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اور پسندیدہ تھی، کیونکہ اس میں بہت حکمتیں تھیں اور مطلوبہ مصلحت تھی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ صحیح اور جائز غرض کو پورا کرنے کے لیے کسی خفیہ تدبیر پر عمل کرنا جائز ہے، جب کہ اس سے کسی شرعی حکم کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔ یہ وہ حیلہ ہے جو جائز اور مشروع ہے کیونکہ اس پر خیر اور مصلحت مرتب ہوتی ہے اور اس میں کسی فریق کو نقصان نہیں پہنچا، کیونکہ بن یامین کو اطمینان تھا کہ وہ بے قصور ہیں اور جو کچھ باتیں ہوئی ہیں، وہ عارضی ہیں اور ان کی یہی مرضی تھی۔

حیلہ کو جائز کہنے کی وجہ سے علامہ قرطبی کے امام ابو حنیفہ پر اعتراضات

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں حیلوں کے ساتھ اغراض کو پورا کرنے کی دلیل ہے جب کہ وہ حیلے شریعت کے مخالف نہ ہوں اور نہ کسی شرعی قاعدہ کو منہدم کرتے ہوں' اس میں امام ابو حنیفہ کا اختلاف ہے' وہ حیلوں کو جائز قرار دیتے ہیں' خواہ حیلے اصول شرعیہ کے مخالف ہوں اور حرام کو حلال کرتے ہوں۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ سال پورا ہونے سے پہلے اپنے مال کو فروخت کر دے یا کسی کو ہبہ کر دے' جب کہ اس کی یہ نیت نہ ہو کہ وہ ایسا کر کے زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچ جائے گا اور اس پر بھی علماء کا اجماع ہے کہ جب سال پورا ہو جائے اور اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل آ جائے تو اس کے لیے بقدر نصاب مال میں تصرف کرنا یا کمی کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ اگر اس کی ملک میں مثلاً بکریاں جمع ہوں تو ان کو متفرق کر دے (مثلاً اس کے پاس چالیس بکریاں ہوں اور اس نے ایک بکری زکوٰۃ میں دینی ہو تو وہ اپنی بکریوں کو متفرق کر دے اور کہے کہ یہ بیس بکریاں میری ہیں اور بیس بکریاں فلاں کی ہیں اور فلاں کو وہ بکریاں ہبہ کر دے تاکہ زکوٰۃ سے بچ جائے) اسی طرح متفرق کو جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (کیونکہ ۴۰ سے ۱۱۹ تک ایک بکری زکوٰۃ میں دینی ہے اور ۱۲۰ پر دو بکریاں ہیں' اب فرض کریں کہ دو بھائیوں کی چالیس چالیس بکریاں ہیں اور ہر ایک پر ایک ایک بکری زکوٰۃ دینا واجب ہے اور جب عامل آئے تو ان میں سے کوئی ایک بھائی دوسرے کو اپنی بکریاں ہبہ کر دے اور وہ دوسرا بھائی کہے' یہ میری اسی بکریاں ہیں اس طرح ایک بکری زکوٰۃ میں دی جائے گی اور ایک بکری بچ جائے گی' اور بعد میں پھر دونوں بھائی حسب سابق معاملہ کر لیں)

امام مالک نے یہ کہا ہے کہ جب کوئی شخص زکوٰۃ سے بچنے کے لیے مثلاً ایک ماہ پہلے اپنے نصاب میں کمی کرے گا تب بھی سال پورا ہونے کے بعد اس کو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: زکوٰۃ کے ڈر سے مجتمع کو متفرق نہ کیا جائے اور متفرق کو مجتمع نہ کیا جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۵۵) اور امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے سال پورا ہونے سے پہلے مجتمع کو متفرق کیا ہے یا متفرق کو مجتمع کیا ہے تاکہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے سے بچ جائے تو اس کو کوئی ضرر نہیں ہوگا اور زکوٰۃ سال پورا ہونے کے بعد لازم ہوتی ہے اور حدیث میں جو فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کے ڈر سے ایسا نہ کرے' اس کا مصداق تو وہ شخص اسی صورت میں بنتا ہے۔ (یہ امام ابو حنیفہ پر اعتراض ہے)

قاضی ابو بکر ابن العربی نے کہا ہے کہ میں نے ابو بکر محمد بن الولید الفہری وغیرہ سے سنا ہے کہ ہمارے شیخ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الدامغانی کے پاس ہزاروں دینار مال تھا' جب سال پورا ہونے کو آتا تو وہ اپنے بیٹوں کو بلا کر کہتے' اب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرے قویٰ بہت ضعیف ہو گئے ہیں' اور اب مجھے اس مال کی ضرورت نہیں ہے' اب یہ مال تمہارا ہے' پھر وہ اس مال کو گھر سے نکال دیتے اور لوگ اپنے کندھوں پر مال اٹھا کر ان کے بیٹوں کے گھروں میں پہنچا دیتے' پھر جب دوسرا سال پورا ہونے کو آتا تو وہ بیٹوں کو کسی کام سے بلاتے اور بیٹے ان سے کہتے' اے ابا جان! ہمیں ابھی آپ کی زندگی کی بہت توقع ہے اور جب تک آپ زندہ ہیں' ہمیں اس مال کی ضرورت نہیں ہے' آپ اور آپ کا مال ہمارے ہی لیے تو ہے سو آپ یہ مال لے لیجئے' پھر وہ لوگ سارا مال اپنے کندھوں پر اٹھا کر شیخ کے گھر لوٹا دیتے اور ملک کی تبدیلی سے شیخ یہ ارادہ کرتا تھا کہ اس سے زکوٰۃ ساقط ہو گئی' اور یہ اقدام امام ابو حنیفہ کی رائے کے موافق ہے کیونکہ متفرق کو مجتمع کرنے اور مجتمع کو متفرق کرنے میں ان کے نزدیک زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی اور یہ بہت عظیم مبحث ہے۔ امام بخاری نے اپنی الجامع الصحیح میں اس پر ایک مبسوط کتاب لکھی

ہے، اس کا نام کتاب الحیل رکھا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۰۶-۲۰۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حیلہ کو جائز کہنے کی وجہ سے امام بخاری کے امام ابو حنیفہ پر اعتراضات

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے بھی امام ابو حنیفہ پر اسی طرح کے اعتراض کیے ہیں، ہم اس کی دو تین مثالیں پیش کر رہے ہیں:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک منتشر بالوں والا اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! مجھے یہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آپ نے فرمایا: پانچ نمازیں، ان کے سوا تم جو نفل پڑھو، اس نے پوچھا یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ مجھ پر کتنے روزے فرض ہیں؟ آپ نے فرمایا: رمضان کے روزے، ماسوا نفلی روزوں کے، اس نے پوچھا یارسول اللہ! مجھ پر کتنی زکوٰۃ فرض ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو اسلام کے شرعی احکام بیان فرمائے۔ اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو مکرم بنایا ہے، مجھ پر اللہ نے جو فرض کیا ہے، میں اس میں کوئی چیز زیادہ کروں گا نہ کم کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے سچ کہا تو یہ کامیاب ہو گیا، یا فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو یہ جنت میں داخل ہو گیا اور بعض لوگوں (امام بخاری کی مراد ہے امام ابو حنیفہ) نے یہ کہا ہے کہ ایک سو بیس اونٹوں کی زکوٰۃ میں دو حقہ (تین سال کی دو اونٹنیاں) دی جاتی ہیں، اگر اس نے ان اونٹوں کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیا یا کسی کو ہبہ کر دیا یا زکوٰۃ سے بھاگنے کا کوئی حیلہ کیا تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۵۶، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: میری ماں نے نذر مانی تھی اور وہ نذر پوری کرنے سے پہلے فوت ہو گئی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کی نذر پوری کر دو اور بعض لوگ (یعنی امام ابو حنیفہ) یہ کہتے ہیں کہ جب کسی شخص کے پاس بیس اونٹ ہوں تو اس کے اوپر چار بکریاں زکوٰۃ ہے۔ پس اگر وہ سال پورا ہونے سے پہلے کسی کو بکریاں بخش دے یا زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ان کو فروخت کر دے یا زکوٰۃ ساقط کرنے کے لیے کوئی حیلہ کرے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، اسی طرح اگر اس نے ان بکریوں کو ضائع کر دیا اور پھر وہ مر گیا تو اس کے مال سے کوئی تاوان نہیں لیا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۵۹، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا: عبیداللہ کہتے ہیں، میں نے نافع سے پوچھا: شغار کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ایک شخص کسی کی بیٹی سے نکاح کرے اور وہ شخص اس کی بیٹی سے نکاح کرے اور ہر ایک اپنے رشتہ کے عوض دوسرے کو رشتہ دے اور مہر نہ رکھیں، اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ اگر وہ حیلہ کر کے نکاح شغار کریں تو یہ جائز ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۶۰، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہا گیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عورتوں سے متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، حضرت علی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ اگر کوئی شخص حیلہ کر کے متعہ کرے تو وہ نکاح فاسد ہے اور بعض نے کہا نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۶۱، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

حیلہ کے جواز پر علامہ قرطبی کے اعتراضات کے جوابات

فقہاء احناف کے نزدیک حیلہ کی کیا تعریف ہے اور قرآن اور سنت سے اس پر کیا دلائل ہیں اس پر ہم بعد میں گفتگو

کریں گے، پہلے ہم علامہ قرطبی اور امام بخاری کے اعتراضات کے جوابات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ علامہ قرطبی کے اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص بقدر نصاب مال کا مالک ہے اور سال پورا ہونے سے ایک ماہ پہلے اس نے اپنا مال کسی کو فروخت کر دیا یا کسی کو ہبہ کر دیا اور یہ اس نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلہ کیا تو اس پر امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ نیت کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اگر واقعی اس نے یہ عمل زکوٰۃ سے بچنے کے لیے کیا تو وہ یقیناً سخت گناہ گار ہو گا، لیکن اگر اس نے کسی صحیح نیت سے کسی جائز ضرورت کی بنا پر مال فروخت کیا یا ہبہ کیا تو وہ گناہ گار نہیں ہو گا، تاہم شرعی احکام کا نفاذ تو ظاہر پر ہوتا ہے اور جب اس کے پاس بقدر نصاب مال ایک سال تک نہیں رہا، بلکہ گیارہ مہینے رہا ہے تو اس کے اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی اور امام مالک اور دوسرے جن ائمہ نے گیارہ ماہ گزرنے کے بعد اس کے مال پر زکوٰۃ واجب کر دی ہے، انہوں نے احکام شرعیہ میں ترمیم کی ہے اور یہ فرض کر کے کہ اس نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایسا کیا ہے، اس کی نیت پر اور غیب پر حکم لگایا ہے اور مسلمان کے متعلق بدگمانی کی ہے اور ہم ان تمام امور سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

حیلہ کے جواز پر امام بخاری کے اعتراضات کے جوابات

اسی طرح امام بخاری نے کہا ہے کہ ایک سو بیس اونٹوں پر زکوٰۃ میں دو حقے ہیں یا بیس اونٹوں پر چار بکریاں ہیں۔ جس نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ان میں سال پورا ہونے سے پہلے کمی کر دی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس کا بھی یہی جواب ہے کہ اس کی نیت کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اگر اس نے واقعی زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایسا کیا ہے، تو وہ سخت گناہ گار ہو گا، لیکن شرعی احکام تو ظاہر حال کے اعتبار سے نافذ ہوتے ہیں، اور اگر سال پورا ہونے سے ایک ماہ پندرہ دن پہلے اس کے پاس بقدر نصاب مال موجود نہیں ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی اور اگر امام مالک کی طرح امام بخاری بھی یہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس گیارہ ماہ بھی بقدر نصاب مال رہا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہو گی تو اس کا مطلب ہو گا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی ہوئی مدت میں ترمیم کر دی اور دوسری بھی وہ تمام خرابیاں لازم آئیں گی جن کو ہم نے امام مالک کے قول پر لازم کیا ہے۔

امام بخاری نے جو یہ کہا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر حیلہ سے نکاح شغار کیا جائے تو نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے، یہ انہوں نے صحیح نہیں کہا۔ امام ابو حنیفہ یا کسی بھی حنفی فقیہ نے یہ نہیں کہا کہ حیلہ کے ساتھ نکاح شغار کیا جائے، اگر لوگ آپس میں مہر مقرر کیے بغیر نکاح کریں گے اور اس رشتہ کے تبادلہ کو مہر قرار دیں گے تو ان کا اس رشتہ کے تبادلہ کو مہر قرار دینا باطل ہے، ان کا نکاح ہو جائے گا اور فریقین کو مہر مثل ادا کرنا لازم ہو گا، بہر حال نکاح شغار میں حیلہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اسی طرح امام بخاری نے جو یہ کہا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جس نے متعہ کیا تو وہ نکاح فاسد ہے اور بعض نے کہا نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ اس کا بھی حیلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک متعہ باطل ہے یعنی جو نکاح مدت معینہ کے لیے کیا جائے، نیز متعہ کا بھی حیلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۳۔۱۱۲)

ہم نے امام بخاری، امام مالک اور علامہ قرطبی کی زکوٰۃ سے متعلق عبارات پر جو کلام کیا ہے کہ جس شخص کے پاس بظاہر سال پورا ہونے کے بعد بقدر نصاب مال موجود نہیں ہے اس پر ظاہر حال کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی، ہم صرف ظاہر کے مکلف ہیں اور اس کے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، ہم اس پر التوبہ: ۳۷ میں دلائل ذکر کر چکے ہیں اور اختصاراً یہاں

بھی دلائل پیش کر رہے ہیں:

دنیاوی احکام ظاہر پر مبنی ہیں اور باطنی معاملات اللہ کے سپرد ہیں

علامہ محمد بن طولون الصالحی المتوفی ۹۵۳ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: مجھے ظاہر کے مطابق حکم دینے کا امر کیا گیا ہے اور باطنی امور اللہ کے سپرد ہیں۔ صحیح مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کی تفتیش کروں اور نہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے پیٹ چاک کروں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۴، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۵۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۴)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مجھے ظاہر کے مطابق حکم دینے کا امر کیا گیا ہے اور باطنی امور اللہ کے سپرد ہیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ثابت نہیں ہے لیکن اس کے معنی کی تائید میں احادیث ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کے دروازے پر کچھ لوگوں کے جھگڑے کی آواز سنی، آپ باہر تشریف لے گئے اور فرمایا: میں محض ایک بشر ہوں، اور میرے پاس جھگڑے والے آتے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض دوسروں سے زیادہ چرب زبان ہوں اور میں اس کو سچا گمان کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ پس (بالفرض) میں اگر کسی کو دوسرے مسلمان کا حق دے دوں تو وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ وہ اس کو لے یا اس کو ترک کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۵۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۵۸۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۳۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تمہارا مواخذہ ان اعمال پر کریں گے جو ہم پر ظاہر ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۴۱)

امام نسائی نے اپنی سنن میں یہ باب قائم کیا ہے حکم میں ظاہر کا اعتبار ہے، اور امام شافعی نے کتاب الام میں یہ لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ وہ ظاہر کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں اور باطنی امور اللہ کے سپرد ہیں اور اس کے بعد امام شافعی نے کتاب الام میں لکھا ہے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باطنی معاملات کا اللہ والی ہے اور اس نے شہادت کی بنا پر تم سے سزا کو ساقط کر دیا۔

امام عبدالبر نے تمہید میں لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ دنیا کے احکام ظاہر پر مبنی ہیں اور باطنی معاملات اللہ کے سپرد ہیں۔ (الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ ج ۱ ص ۱۴۲-۱۴۳، رقم: ۱۶۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام محمد بن عبدالرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ اور علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ نے بھی اس حدیث کی اسی طرح تحقیق کی ہے۔ (المقاصد الحسنہ ص ۱۱۰-۱۰۹، رقم: ۱۷۸، کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۱ ص ۱۹۲-۱۹۳، رقم: ۵۸۵)

اب ہم حیلہ کے جواز پر فقہاء احناف کے دلائل پیش کر رہے ہیں۔

حیلہ کے جواز پر قرآن اور سنت سے دلائل

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ تو یوسف نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے ان کی بوریوں کی

اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ۔الآیہ۔(یوسف: ۷۶)

تلاشی لینی شروع کر دی' پھر اس پیالے کو اپنے بھائی کی بوری سے برآمد کر لیا' ہم نے اسی طرح یوسف کو خفیہ تدبیر بتائی تھی' وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے۔

اس کی مکمل تفسیر سابقہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۔ (ص: ۴۴)

اور (اے ایوب!) آپ اپنے ہاتھ میں تنکوں کی ایک جھاڑو لے کر اس سے ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب کو اپنی قسم سے نکلنے کا حیلہ تعلیم فرمایا ہے' کیونکہ جب شیطان نے ان کی بیوی سے کہا کہ وہ شیطان کے نام پر ایک بکری کا بچہ ذبح کر دیں تو حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قسم سے نکلنے کا یہ حیلہ تعلیم فرمایا کہ وہ اپنی بیوی کو سو تنکوں کی ایک جھاڑو مار دیں۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۹۰-۸۸)

پھر ابراہیم نے ایک نظر ستاروں کو دیکھا ۝ تو کہا میں بے شک بیمار ہونے والا ہوں ۝ تو وہ ان سے پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔

حضرت ابراہیم کے پاس بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ کل ہماری عید ہے' آپ اس موقع پر حاضر ہوں۔ آپ ان کے پاس نہیں جانا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ نے حیلہ کیا اور فرمایا: میں بیمار ہوں حالانکہ آپ بیمار نہ تھے' آپ کا یہ کلام بطور توریہ تھا' آپ کی مراد یہ تھی کہ تمہاری بت پرستی کی وجہ سے میری رُوح بیمار ہے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ کا جسم بیمار ہے۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۔(الانبیاء: ۶۳-۶۲)

انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا آپ نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے ۝ ابراہیم نے کہا: بلکہ اسی نے کیا ہے' ان کا بڑا یہ ہے' سو ان سے پوچھ لو! اگر یہ بولتے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے یہاں بھی حیلہ اور توریہ کیا ہے۔ بتوں کو حقیقتاً آپ نے توڑا تھا لیکن آپ نے بظاہر اس کی نسبت اس بڑے بت کی طرف کر دی' کیونکہ ان بتوں کو توڑنے کا سبب یہی بڑا بت تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سارہ کو لے کر اردن کے علاقہ میں گئے' وہاں صادوق یا ضحاک نام کا ایک ظالم بادشاہ حکمران تھا' اس کا یہ معمول تھا کہ جو شخص اپنی بیوی کو لے کر اس کے علاقہ میں حاضر ہوتا وہ شوہر کو قتل کر دیتا اور اس کی بیوی کو چھین لیتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے جان بچانے کا یہ حیلہ کیا کہ حضرت سارہ سے کہا کہ تم کہنا کہ تم میری بہن ہو کیونکہ تم میری ایمانی بہن ہو۔(فتح الباری جلد ۶' ص ۳۹۳' طبع لاہور' عمدۃ القاری ج ۱۲' ص ۳۱ مطبوعہ مصر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کے ساتھ ہجرت کی اور ان کے ساتھ ایک شہر میں داخل ہوئے' جس میں ایک ظالم بادشاہ حکمران تھا' اس کو بتایا گیا کہ (حضرت) ابراہیم ایک عورت کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے اور وہ عورت دنیا کی سب سے حسین عورت ہے۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے معلوم کرایا کہ اے ابراہیم! تمہارے ساتھ جو عورت ہے وہ تمہاری کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا: وہ میری بہن ہے' پھر سارہ سے کہا: میری بات کو جھٹلانا مت' میں نے ان کو یہ بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو اور اللہ کی قسم! اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔(یعنی تم میری ایمانی بہن ہو) قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ ۔(الحجرات: ۱۰) تمام مومن بھائی ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۲۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۲۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۲۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۲۳۰، عالم الکتب)

حیلہ کی تعریف اور اس کے جواز پر علامہ سرخسی کے دلائل

شمس الائمہ سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں اپنے بھائی سے بات نہیں کروں گا اگر میں نے اس سے بات کی تو میری بیوی کو تین طلاقیں۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دو، اور جب اس کی عدت گزر جائے تو اپنے بھائی سے بات کرلو، پھر اس عورت سے نکاح کرلو، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیلہ کی تعلیم دی ہے، اور حیلہ کے جواز میں بکثرت احادیث اور آثار ہیں، اور جو آدمی احکام شرع میں غور کرے گا تو وہ بہت معاملات کو اس طرح پائے گا۔

اگر کوئی شخص کسی عورت سے محبت کرتا ہو اور وہ پوچھے کہ اس سے وصال کا کیا حیلہ ہے؟ تو کہا جائے گا تم اس سے نکاح کرلو، اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے تنگ ہو اور وہ یہ سوال کرے کہ اس سے چھٹکارے کی کیا صورت ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تم اس کو طلاق دے دو، اور اگر طلاق دینے کے بعد وہ نادم ہو اور سوال کرے کہ اب دوبارہ اس سے وصال کا کیا حیلہ ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تم اس سے رجوع کرلو، اور اگر وہ تین طلاقیں دے چکا ہو اور پھر اس سے وصال چاہتا ہو تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ وہ عورت عدت کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرے اور وہ مباشرت کے بعد اس کو طلاق دے دے، پھر اس کی عدت گزرنے کے بعد وہ اس سے دوبارہ نکاح کرلے، سو جو شخص احکام شرعیہ میں حیلہ کو مکروہ سمجھتا ہے وہ درحقیقت احکام شرعیہ کو ہی مکروہ سمجھتا ہے اور حیلہ کو مکروہ سمجھنے کی وجہ صرف غور و فکر کی کمی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس حیلہ کی وجہ سے انسان کسی حرام کام سے بچ جائے یا جس حیلہ کی وجہ سے انسان کسی حلال چیز کو حاصل کرلے وہ حیلہ مستحسن ہے، اور مکروہ تحریمی حیلہ یہ ہے کہ جس حیلہ کی وجہ سے انسان کسی حق کو باطل کرے، یا کسی باطل چیز کو حیلہ سے ملمع کرکے اس کو حق ظاہر کرے، سو جو حیلہ اس طرح کا ہو، وہ مکروہ (تحریمی) ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۔(المائدہ: ۲) اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

پس ہم نے حیلہ کی جو پہلی قسم بیان کی ہے، اس میں نیکی اور تقویٰ پر معاونت ہے اور جو دوسری قسم بیان کی ہے، اس میں گناہ اور ظلم پر معاونت ہے۔ (المبسوط ج ۳۰ ص ۲۱۰-۲۰۹ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

حیلہ کے جواز میں معترضین کے منشاء غلطی کا ازالہ

شمس الائمہ سرخسی کی ان تصریحات سے واضح ہوگیا کہ فقہاء احناف کے نزدیک وہ حیلہ مستحسن ہے جو نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں کے حصول کے لیے ہو جس میں کسی حرام کام سے بچنا اور کسی حلال چیز کو حاصل کرنا مقصود ہو اور جس حیلہ سے کسی حق کو باطل کیا جائے یا کسی حرام چیز کو حاصل کیا جائے، جس میں ظلم اور گناہ پر معاونت ہو وہ حیلہ ناجائز اور حرام ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص زکوٰۃ یا کسی اور فرض یا اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق میں کسی حق کو ساقط کرنے کا حیلہ کرتا ہے تو وہ ناجائز اور حرام ہے، لہٰذا ایسی مثالوں سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر طعن کرنا علم اور دیانت سے بہت دور کی بات ہے۔ اگر کوئی

شخص سال پورا ہونے سے مثلاً ایک ماہ پہلے اپنا بقدر نصاب مال زکوٰۃ سے بچنے کے لیے کسی کو ہبہ کر دیتا ہے، تو سال کے بعد بقدر نصاب مال نہ ہونے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی، لیکن اللہ کے فرض کو ساقط کرنے کے لیے جو اس نے حیلہ کیا ہے، اس کی وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہوگا اور دنیا میں بھی اللہ کا حق کھا کر وہ فیض یاب نہیں ہوگا اور جلد یا بدیر اسے کسی بھاری مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ مکافات عمل ہے اور اس سے بہت کم کوئی بچ سکا ہے۔ جن حضرات نے امام ابو حنیفہ پر متعصبانہ اعتراضات کیے ہیں، کاش وہ جلد بازی نہ کرتے اور ان تمام امور پر غور کر لیتے۔

وفوق كل ذي علم عليم کے ترجمہ میں مصنف کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وفوق كل ذي علم عليم۔ (یوسف: ۷۶) ہم نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "اور ہر (متناہی) علم والے سے بڑھ کر ایک عظیم علم والا ہے۔" اور متناہی کی قید اس لیے لگائی ہے تاکہ کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ اگر ہر علم والے سے بڑھ کر کوئی علم والا ہے تو پھر اللہ سے بڑھ کر بھی کوئی علم والا ہونا چاہیے!

تحقیق مقام کے لیے ہم اس آیت کے چند مزید تراجم پیش کر رہے ہیں:

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ہر جاننے والے سے اوپر ہے ایک جاننے والا۔

شیخ امین احسن اصلاحی اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ہر علم والے سے بالاتر ایک علم والا ہے۔ (تدبر قرآن ج ۴، ص ۲۳۳)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

اور تمام علم والوں سے بڑھ کر ایک بڑا علم والا ہے۔ (بیان القرآن ج ۱، ص ۳۹۰)

شیخ تھانوی نے لفظ کل کو کل مجموعی پر محمول کیا ہے اور اس پر بھی یہ اعتراض ہوگا کہ تمام علم والوں میں اللہ تعالیٰ بھی شامل ہے سو اس ترجمہ کے لحاظ سے اس سے بھی بڑا کوئی علم والا ہونا چاہیے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔

اس پر بھی یہ اعتراض ہوگا کہ ہر صاحب علم میں اللہ تعالیٰ بھی داخل ہے اور مودودی صاحب نے ایسی کوئی قید نہیں لگائی جس سے اللہ تعالیٰ ہر صاحب علم کے عموم سے خارج ہو سکے، اور اس بناء پر یہ لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل سے بھی کوئی بالاتر علم والا ہو۔ (العیاذ باللہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔ (کنز الایمان ص ۳۹۱)

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ہر علم والے سے اوپر (ایک) سب سے زیادہ علم والا ہے۔ (البیان ص ۳۶۷)

حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ہر صاحب علم سے برتر دوسرا صاحب علم ہوتا ہے۔ (جمال القرآن ص ۴۰۱)

یہ اس دور کے مشہور تراجم ہیں لیکن تمام تراجم میں ذی علم کو مطلق رکھا ہے اور ایسی کوئی قید نہیں لگائی جس سے یہ

ذی علم کے عموم سے اللہ تعالیٰ خارج ہو جاتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی ذی علم ہے، اگر یوں ترجمہ کیا جاتا کہ ہر (متناہی) علم والے کے اوپر ایک عظیم علم والا ہے یا ہر (حادث) علم والے کے اوپر، یا ہر (فانی) علم والے کے اوپر یا ہر (ممکن) علم والے کے اوپر ایک عظیم علم والا ہے تو یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا، یہ تمام مترجمین اہلِ علم تھے لیکن اس اعتراض کو دور کرنے کی طرف ان کی توجہ منعطف نہیں ہوئی۔

مفسرین نے اس اعتراض کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ حسن بن محمود نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ نے لکھا ہے: ہر ذی علم کے اوپر ایک عالم ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ذی علم ہے، پس لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر بھی ایک عالم ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ اس قاعدہ کے عموم سے اللہ تعالیٰ خارج ہے اور یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۸۹، غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۴ ص ۱۱۱)

قاضی عبداللہ بن عمر البیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ نے اس جواب کے علاوہ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ ذی علم سے مراد مخلوق ہے۔ یعنی مخلوق میں ہر ذی علم کے اوپر ایک عالم ہے، اور اب ہر ذی علم کے عموم میں اللہ تعالیٰ داخل نہیں ہو گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے، مخلوق نہیں ہے۔ علامہ کازرونی متوفی ۸۶۰ھ، علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ، علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ نے ان دونوں جوابوں کو برقرار رکھا ہے اور ان کی مزید وضاحت کی ہے۔

(انوار التنزیل مع الکازرونی ج ۳ ص ۳۰۲-۳۰۱، حاشیۃ الکازرونی ج ۳ ص ۳۰۲، حاشیۃ الخفاجی ج ۵ ص ۲۱۱، حاشیۃ محی الدین شیخ زادہ ج ۵ ص ۶۲)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ہر ذی علم کے اوپر ایک عالم ہے۔ اس سے لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل کے اوپر بھی ایک عالم ہو، اور یہ ظاہر البطلان ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوقات میں سے ہر ذی علم کے اوپر ایک عالم ہے، کیونکہ یہاں گفتگو مخلوق میں ہو رہی ہے، اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ علیم مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے جو ہر ذی علم سے زیادہ جاننے والا ہے۔ پس متعین ہو گیا کہ علیم سے مراد اللہ تعالیٰ ہے تو اب اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں جو ذی علم ذکر کیا گیا ہے وہ ذی علم لازماً مخلوقات میں سے ہو گا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہے۔ (روح المعانی جز ۱۳ ص ۴۵-۴۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو (کوئی نئی بات نہیں) اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔ سو یوسف نے اس بات کو دل میں چھپایا اور ان پر ظاہر نہیں کیا۔ اس نے (دل میں) کہا تم خود بدتر خصلت کے ہو، اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو، اسے اللہ خوب جانتا ہے ○ (یوسف: ۷۷)

حضرت یوسف کی طرف منسوب کی گئی چوری کے متعلق روایات

جب تلاشی کے بعد شاہی پیالہ بن یامین کی بوری سے نکل آیا تو حضرت یوسف کے تمام بھائیوں کے سر جھک گئے اور انہوں نے آپس میں کہا یہ عجیب بات ہے کہ راحیل نے دو بیٹوں کو جنم دیا اور دونوں چور نکلے، پھر انہوں نے بن یامین سے کہا: اے راحیل کے بیٹے! تمہاری وجہ سے ہم پر کتنے مصائب ٹوٹ پڑے ہیں، بن یامین نے کہا: تمہاری وجہ سے ہم پر کتنے مصائب آ چکے ہیں! تم میرے بھائی کو لے گئے اور تم نے اس کو جنگل میں ضائع کر دیا، اس کے باوجود تم مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہو، انہوں نے کہا: شاہی پیالہ تمہاری بوری سے کیسے نکل آیا؟ بن یامین نے کہا: جس نے تمہاری رقم کی تھیلی تمہاری بوریوں میں رکھی تھی، اسی نے میری بوری میں شاہی پیالہ کو رکھا ہے۔

بظاہر اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ انہوں نے بادشاہ سے کہا بن یامین کا چوری کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس کا بھائی جو ہلاک ہو چکا ہے وہ بھی پہلے چوری کر چکا ہے، اور اس کلام سے ان کی غرض یہ تھی کہ چوری کرنا ہمارا شیوہ نہیں ہے، یہ اور اس کا بھائی ہی اس برائی میں ملوث تھے۔

بھائیوں نے حضرت یوسف کی طرف جو چوری منسوب کی تھی اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) سعید بن جبیر نے کہا: حضرت یوسف کا نانا کافر تھا اور وہ بتوں کی عبادت کرتا تھا۔ بچپن میں حضرت یوسف سے ان کی ماں نے کہا کہ وہ ان بتوں کو چرا کر توڑ دیں، اسی چوری کی طرف ان کے بھائیوں نے نسبت کی تھی۔ وہب بن منبہ اور قتادہ نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

(۲) بچپن میں ان کے گھر کوئی سائل آیا تو حضرت یوسف نے گھر سے کوئی چیز اٹھا کر سائل کو دی تھی، مجاہد نے کہا وہ انڈا تھا، کعب نے کہا، وہ بکری تھی، سفیان بن عیینہ نے کہا وہ مرغی تھی۔

(۳) عطاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ بھوک کے ایام میں حضرت یوسف اپنے بچپن میں باپ کے دسترخوان سے کچھ چیزیں اٹھا کر مانگنے والوں کو دے دیتے تھے۔

(۴) ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پھوپھی حضرت اسحٰق کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں۔ حضرت یوسف نے ان کی گود میں پرورش پائی اور وہ آپ سے محبت کرتی تھیں۔ جب وہ بڑے ہو گئے تو حضرت یعقوب نے ان کو اپنی بہن سے طلب کیا، انہوں نے کہا میں اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ حضرت یعقوب نے کہا: بخدا میں اس کو اب نہیں چھوڑ سکتا، پھر ان کی پھوپھی نے حضرت اسحٰق کا متبرک پٹکا (کمر پر باندھنے کی پٹی) حضرت یوسف کے کپڑوں کے نیچے باندھ دیا، پھر کہا حضرت اسحٰق کا منطقہ گم ہو گیا، تلاش کرو اس کو کس نے لیا ہے، پھر وہ پٹکا حضرت یوسف کے پاس سے برآمد ہوا، پھر انہوں نے حضرت یعقوب کو اس واقعہ کی خبر دی اور کہا اللہ کی قسم! اب یوسف میری ملکیت ہے، اب میں جو چاہوں اس کے ساتھ کروں! حضرت یعقوب نے کہا ٹھیک ہے، پھر جب تک حضرت یوسف علیہ السلام کی پھوپھی زندہ رہیں حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے پر قادر نہ ہو سکے۔ سو یہ ہے وہ چیز جس کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کی طرف چوری کی نسبت کرتے تھے۔

(جامع البیان جز ۱۳ ص ۳۹-۳۸، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۱۷۸-۲۱۷۷، معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۰۷، زاد المسیر ج ۴ ص ۲۶۳، تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۹۰، الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۰۸)

واضح رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف ان کے بھائیوں نے چوری کی جو نسبت کی تھی، اس کے متعلق جتنی بھی روایات ذکر کی گئی ہیں ان میں سے کسی پر بھی چوری کی تعریف صادق نہیں آتی، یہ سب ان کے بھائیوں کا ان کی طرف کذب اور بہتان تھا، ان کے زعم میں حضرت یوسف وفات پا چکے تھے اور وہ فوت شدہ شخص کا بھی برائی کے ساتھ ذکر کرنے سے باز نہیں آئے اور یہ اس پر واضح دلیل ہے کہ حضرت یوسف کے بھائی نبی نہ تھے، کیونکہ نبی اعلان نبوت سے پہلے اور بعد صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا: اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں، ہماری رائے میں آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں ○ یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! ہم نے جس کی بوری میں اپنا سامان پایا ہے، اس کے علاوہ ہم کسی اور کو رکھ لیں، پھر تو ہم ظالم قرار پائیں گے ○ (یوسف: ۷۹-۷۸)

بھائیوں کا حضرت یوسف سے فدیہ لینے کی درخواست کرنا

پہلے تو حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف چوری کی نسبت کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی، پھر اس کے بعد نرمی اور عاجزی کا طریقہ اختیار کیا وہ یہ اعتراف کر چکے تھے کہ جس شخص کے پاس چوری کا مال برآمد ہو اس کو غلام بنا کر رکھ لیا جاتا ہے۔ اب انہوں نے یہ کہا کہ ہر چند کہ چور کی سزا یہی ہے لیکن اس کو معاف کرنا بھی جائز ہے یا پھر فدیہ دے کر اس کو چھڑا لینا بھی جائز ہے۔ آپ اس کے بدلہ میں ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے۔ انہوں نے کہا: ہمارا باپ شیخ کبیر ہے، شیخ کبیر کا معنی یا تو بہت بوڑھا ہے یا اس کا معنی ہے وہ بہت قدر و منزلت والا اور بہت دین دار ہے۔

انہوں نے کہا: ہماری رائے میں آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں، انہوں نے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہا تھا کہ آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں:

(۱) اگر آپ نے ہماری درخواست منظور کر لی تو پھر آپ بہت نیکی کمائیں گے۔

(۲) آپ نے چونکہ ہمارا بہت اعزاز و اکرام کیا ہے اور ہمارے لیے بہت مال خرچ کیا ہے، ہمیں بہت وافر مقدار میں گندم دیا ہے اور ہماری دی ہوئی قیمت بھی ہمیں واپس کر دی، یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں۔

(۳) منقول ہے کہ جب مصر اور اس کے مضافات میں بہت بڑا قحط پڑا اور لوگوں نے غلہ خریدنے کے لیے آخر کار اپنے آپ کو بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا تو پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سب کو آزاد کر دیا اور ان کی املاک بھی ان کو لوٹا دیں، یہ واقعہ بہت مشہور ہو چکا تھا اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا: آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں، ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے بہت لوگوں کے ساتھ نیکی کی ہے تو ہم پر بھی احسان فرمائیں اور بن یامین کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: معاذ اللہ! اگر ہم نے کسی شخص کو بغیر جرم کے اپنے پاس رکھ لیا تو ہم ظالم قرار پائیں گے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ پورا واقعہ، خلاف واقع امور پر مبنی ہے، بن یامین پر چوری کا الزام لگنا اور اس کے فراق کی وجہ سے حضرت یعقوب کو مزید رنج اور غم میں مبتلا کرنا حضرت یوسف علیہ السلام کے منصب نبوت کے کیسے لائق ہے تو اس کا جواب ہم تفصیل سے یوسف: ۷۰ کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا

جب یوسف کے بھائی اس سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تنہائی میں سرگوشی کی ان کے بڑے بھائی نے کہا کیا تم کو علم نہیں ہے

أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُم مَّوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ وَمِن قَبْلُ

کہ تمہارے باپ نے اللہ کی قسم دے کر تم سے پکا عہد لیا تھا، اور اس سے پہلے تم یوسف کے معاملہ

مَا فَرَّطتُمْ فِي يُوسُفَ ۖ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ

میں تقصیر کر چکے ہو، میں اس ملک سے ہرگز نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ میرا باپ مجھے اجازت

لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى

دے یا اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ فرمائے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ○ اپنے باپ کی طرف واپس

اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا

جاؤ اور کہو اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے، اور ہم صرف اسی بات کی گواہی دے سکتے ہیں جو ہمارے

وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ

علم میں ہو اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے ○ اور آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے

الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

پوچھ لیجئے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں ○ یعقوب نے کہا بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات

اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ

گھڑلی ہے تو اب صبر جمیل ہی مناسب ہے، عنقریب اللہ ان سب کو میرے پاس لے

جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ

آئے گا، بے شک وہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ○ اور ان سے پشت پھیر لی اور کہا

يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ

ہائے افسوس یوسف (کی جدائی) پر، اور غم سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم

كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا

برداشت کرنے والے تھے ○ بیٹوں نے کہا آپ یوسف کو (ہی) یاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ سخت بیمار پڑ جائیں گے

اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ

یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ یعقوب نے کہا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور مجھے

مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ

اللہ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے ○ اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی

يُوسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ

کو تلاش کرو، اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ کی

مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ

رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوتے ہیں ○ سو جب وہ یوسف کے پاس پہنچے

قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ

تو انہوں نے کہا اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم آپ کے پاس حقیر

مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى

پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں پورا غلہ ماپ کر دے دیں، اور ہم پر صدقہ کریں بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو

الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ

جزا دیتا ہے ○ یوسف نے کہا کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا

اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا

جب تم جہالت میں تھے ○ انہوں نے کہا کیا واقعی آپ ہی یوسف ہیں؟ یوسف نے کہا میں ہی

يُوْسُفُ وَهٰذَاۤ اَخِيْ ز قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ

یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، بے شک اللہ نے ہم پر احسان فرمایا، بے شک جو اللہ سے ڈرتا ہے اور

يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ

صبر کرتا ہے تو اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا ○ انہوں نے کہا بے شک اللہ نے آپ کو

اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ

ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم خطا کار تھے ○ یوسف نے کہا آج کے دن تم پر

عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ز وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا

کوئی ملامت نہیں ہے، اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے ○ میری

اِذۡهَبُوۡا بِقَمِيۡصِىۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰى وَجۡهِ اَبِىۡ يَاۡتِ بَصِيۡرًا ۚ

اس قمیص کو لے کر جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی آنکھیں دیکھنے لگیں گی

وَاۡتُوۡنِىۡ بِاَهۡلِكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۹۳

اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب یوسف کے بھائی اس سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تنہائی میں سرگوشی کی، ان کے بڑے بھائی نے کہا: کیا تم کو علم نہیں ہے کہ تمہارے باپ نے اللہ کی قسم لے کر تم سے پکا عہد لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے معاملہ میں تقصیر کر چکے ہو، میں اس ملک سے ہرگز نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ میرا باپ مجھے اجازت دے، یا اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ فرمائے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ○ (یوسف: ۸۰)

بڑے بھائی کا واپس جانے سے انکار کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی منت سماجت کی کہ وہ بن یامین کو چھوڑ دیں اور ان کی جگہ ان میں سے کسی کو رکھ لیں، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے منظور نہیں کیا جب وہ ناامید ہو گئے تو آپس میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے، کہ اب اس مشکل صورت حال کا کس طرح سامنا کیا جائے اور اس پیچیدہ الجھن کا کیا حل تلاش کیا جائے، کیونکہ ان کے باپ نے بن یامین کو ان کے حوالے کرنے سے پہلے ان سے پکی قسمیں لی تھیں کہ وہ بن یامین کی حفاظت کریں گے، سوا اس کے کہ وہ سب کسی مصیبت میں گھر جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے بڑے نے کہا اس میں اختلاف ہے کہ بڑے سے مراد عقل اور دانش مندی میں بڑا مراد ہے یا عمر میں بڑا مراد ہے۔ متعدد اسانید کے ساتھ مجاہد سے مروی ہے کہ زیادہ عقل مند شمعون تھا اور عمر میں بڑا روبیل تھا، قتادہ نے کہا یہاں روبیل ہی مراد ہے جو عمر میں بڑا تھا اور جب بھائی حضرت یوسف کو قتل کرنے لگے تھے تو اسی نے ان کو قتل کرنے سے منع کیا تھا۔ (جامع البیان جز ۱۳ ص ۴۶-۴۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۱۸۱، زاد المسیر ج ۴ ص ۲۶۶)

روبیل نے کہا: اگر ہم بن یامین کے بغیر اپنے باپ کے پاس واپس گئے تو یہ بڑے شرم کی بات ہے، ہم لوگ پہلے بھی یوسف کے معاملہ میں خیانت کر چکے ہیں اور ہمارے اس اقدام سے ہمارا باپ بہت رنج اور غم میں مبتلا ہو گا اور جب ہم بن یامین کے بغیر باپ کے پاس جائیں گے تو وہ یہی سمجھے گا کہ جس طرح ہم نے پہلے یوسف کے معاملہ میں خیانت کی تھی اسی طرح اب بنیامین کے معاملہ میں بھی خیانت کی ہے، نیز وہ یہ بھی سمجھے گا کہ ہم نے جو پکی قسمیں کھا کر باپ سے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا ہم نے ان قسموں اور ان وعدوں کو پورا نہیں کیا اندریں حالات میں اس وقت تک اس ملک سے نہیں جاؤں گا جب تک میرا باپ مجھے واپس نہ بلائے یا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کوئی ایسا سبب بن جائے کہ ہمارا بھائی ہمیں واپس مل جائے اور میں اس کو لے کر باپ کے پاس جاؤں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اس نے کہا) اپنے باپ کی طرف واپس جاؤ اور کہو اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے، اور ہم صرف اسی بات کی گواہی دے سکتے ہیں جو ہمارے علم میں ہو اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے ○ اور آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے پوچھ لیجئے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور بے شک ہم

ضرور سچے ہیں○ (یوسف: ۸۲-۸۱)

بھائیوں کا حضرت یعقوب کے پاس واپس جانے کا فیصلہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اس معاملہ میں غور و فکر کیا تو انہوں نے یہ طے کیا کہ وہ واپس جائیں اور جس طرح واقعہ پیش آیا ہے بلاکم و کاست اسی طرح اپنے باپ کے سامنے بیان کر دیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے بغیر خود دیکھے یا بغیر کسی گواہی کے کیسے یہ شہادت دی کہ بن یامین نے چوری کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ دیکھا کہ پیالہ اسی جگہ بوری میں رکھا تھا جس جگہ ان کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا، ہر چند کہ یہ عینی شہادت تو نہیں تھی لیکن یہ واقعاتی شہادت ہے اور واقعاتی شہادت پر حسب ذیل دلائل ہیں:

واقعاتی شہادت کے حجت ہونے پر قرآن و سنت اور عقل صریح سے دلائل

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ○ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ۔ (یوسف: ۲۸-۲۶)

اور اس عورت کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص نے گواہی دی، اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے○ اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت جھوٹی ہے اور وہ سچوں میں سے ہے○ پھر جب اس نے اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا بے شک یہ تم عورتوں کی سازش ہے اور بے شک تمہاری سازش بہت سنگین ہوتی ہے۔

اس واقعہ میں جس شہادت کا ذکر ہے، یہ بھی عینی شہادت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس شہادت کا انکار نہیں کیا اور نہ اس شہادت کی مذمت کی بلکہ اس شہادت کی حکایت کر کے اس کو مقرر اور ثابت رکھا، اس سے معلوم ہوا کہ واقعاتی شہادت بھی حجت ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو عورتوں کے پاس اپنے اپنے بیٹے تھے، اچانک ایک بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بیٹے کو کھا گیا، ایک عورت نے دوسری عورت سے کہا کہ تیرے بیٹے کو بھیڑیے نے کھایا ہے اور دوسری نے کہا تیرے بیٹے کو کھایا ہے۔ ان دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ پیش کیا، حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا، پھر وہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس گئیں اور ان کو واقعہ سنایا، انہوں نے کہا چھری لاؤ میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو ایک ایک ٹکڑا دیتا ہوں، تو چھوٹی عورت کہنے لگی نہ نہ، اللہ آپ پر رحم کرے، یہ اسی کا بیٹا ہے، تب حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

(صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ رقم الحدیث: ۲۰، رقم بلا تکرار: ۱۷۲۰، الرقم المسلسل: ۴۴۱۵)

بڑی عورت نے حضرت سلیمان سے کہہ دیا تھا: ٹھیک ہے آپ اس کے دو ٹکڑے کر دیں، لیکن چھوٹی نے فوراً کہا: نہ نہ آپ اسی کو دے دیں۔ اس واقعاتی شہادت سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جان لیا کہ بچہ اسی کا ہے۔ تب ہی یہ اس کے دو ٹکڑے کرنے پر راضی نہیں ہوئی اور بڑی کا بچہ نہیں ہے کیونکہ وہ تو اس کے دو ٹکڑے کرنے پر راضی تھی، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ واقعاتی شہادت حجت ہے۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت زبیر سے ایک انصاری نے جھگڑا کیا، پتھریلی زمین سے

پانی کی نالی حضرت زبیر کے باغوں میں آ رہی تھی۔ انصاری نے کہا: اس پانی کو میرے لیے چھوڑ دو، حضرت زبیر نے انکار کیا، پھر وہ دونوں یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے زبیر پہلے تم پانی سے اپنے باغ کو سیراب کرو پھر یہ پانی اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو۔ انصاری اس فیصلہ سے غضب ناک ہوا اور اس نے کہا: آپ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ یہ آپ کا پھوپھی زاد ہے! یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: اے زبیر! تم پانی دینے کے بعد پانی روک لو، حتیٰ کہ دیواروں کی طرف لوٹ جائے۔
حضرت زبیر نے کہا: میرا گمان ہے کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ (النساء: ۶۵)	آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کر لیں۔

(الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۱، مسند البزار رقم الحدیث: ۵۹۸، المستدرک ج ۲، ص ۳۰۷)

چونکہ اس پتھریلی زمین میں پانی کی نالی سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے باغ میں پانی آتا تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے اس باغ کو حضرت زبیر پانی دیں گے اور پھر وہ انصاری پانی دے گا، اور یہ واقعاتی شہادت کی بناء پر فیصلہ ہے۔

اسی طرح قسامت کا فیصلہ بھی واقعاتی شہادت پر مبنی ہے۔

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قسامت کا رواج تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رواج کو برقرار رکھا۔ انصار کا ایک شخص یہود کے قلعہ میں مقتول پایا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے ابتدا کی اور ان پر پچاس قسمیں لازم کیں، یہود نے کہا ہم ہرگز قسم نہیں کھائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا: کیا تم قسم کھاؤ گے، انہوں نے قسم کھانے سے انکار کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر دیت لازم کر دی، کیونکہ مقتول بہرحال ان کے علاقہ میں پایا گیا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹، ص ۷۶۔ سنن ابوداؤد ج ۴، ص ۳۶۹)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص کسی محلہ میں مقتول پایا جائے تو اس محلہ والوں پر لازم ہے کہ ان کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں کہ خدا کی قسم نہ ہم نے اس شخص کو قتل کیا ہے نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں، اس قسم کے بعد وہ دیت ادا کریں گے۔

(المبسوط ج ۲۶، ص ۱۰۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ)

قسامت میں اہل محلہ پر جو قسم اور اس کے بعد جو دیت لازم کی جاتی ہے، یہ بھی واقعاتی شہادت پر مبنی ہے۔

واقعاتی شہادت پر عقلی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص کا تازہ تازہ گلا کٹا ہوا ہے اور اس کے پاس ہی ایک شخص خون سے بھرا ہوا چھرا لیے کھڑا ہے اور اس کے کپڑوں پر خون کے چھینٹے ہیں تو یہ اس کا ثبوت ہے کہ یہی شخص قاتل ہے اور اگر بعد میں لیبارٹری ٹیسٹ سے ثابت ہو جائے کہ چھرے پر لگا ہوا خون اور مقتول کا خون ایک ہی ہے تو پھر اس کے قاتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہے گا اور یہ واقعاتی شہادت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص گولی لگنے سے مر گیا اور اس کے پاس ایک شخص پکڑا گیا جس کے ہاتھ میں پستول تھا اور بعد میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے ثابت ہو گیا کہ مقتول کے جسم سے جو گولی برآمد ہوئی ہے وہ اسی نمبر کی ہے، جس نمبر کی

گولیاں اس کے پستول میں تھیں، اب اس شخص کے قاتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور یہ واقعاتی شہادت ہے۔

اسی طرح ایک شخص ٹوپی پہنے اور ایک ہاتھ میں قراقلی ٹوپی لیے ہوئے بھاگ رہا ہے اور دوسرا شخص اس کے پیچھے ننگے سر بھاگ رہا ہے تو یہ اس بات کی واقعاتی شہادت ہے کہ وہ شخص اس کے سر سے ٹوپی اتار کر بھاگا ہے۔

دو آدمی ایک بیل یا اونٹ کے دعوی دار ہیں اور دونوں کے گھر ایک گاؤں میں ہیں، اس گاؤں میں جا کر اس بیل یا اونٹ کو چھوڑ دیا تو جس آدمی کے گھر یا باڑہ میں وہ بیل یا اونٹ چلا جائے تو یہ اس بات کی واقعاتی شہادت ہے کہ وہ بیل یا اونٹ اسی شخص کا ہے۔

الغرض قرآن مجید، احادیث اور عقلی قرائن سے یہ ثابت ہے کہ واقعاتی شہادتیں بھی شرعی حجت اور عقلی دلیل ہیں۔

غیب کے نگہبان نہ ہونے کے محامل

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب سے کہا: اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے، اس قول کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) ہم نے یہ دیکھا کہ شاہی کارندوں نے شاہی پیالہ بن یامین کی بوری سے برآمد کر لیا اور حقیقت حال ہمیں معلوم نہیں ہے۔

(۲) مجاہد، حسن اور قتادہ نے کہا: ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ کا بیٹا چوری کرتا ہے، اگر ہمیں یہ پہلے معلوم ہوتا تو ہم اس کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاتے اور نہ اس کو واپس لانے کے متعلق آپ کے سامنے پکی قسمیں کھاتے۔

(۳) منقول ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: چلو مان لیا کہ اس نے چوری کی ہے، لیکن بادشاہ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ بنو اسرائیل کی شریعت میں یہ مقرر ہے کہ جس پر چوری ثابت ہو جائے اس کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے، ضرور تم نے اپنے کسی مطلب کی وجہ سے بادشاہ کو یہ بتایا ہو گا تب انہوں نے کہا کہ چوری کا واقعہ رونما ہونے سے پہلے ہم نے بادشاہ سے یہ ذکر کیا تھا اور اس وقت ہم کو معلوم نہیں تھا کہ یہ واقعہ ہو جائے گا کیونکہ ہم غیب پر نگہبان نہیں ہیں۔

بستی سے پوچھنے کے معانی

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا: اور آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس بستی سے مراد مصر ہے اور بعض نے کہا: اس سے وہ بستی مراد ہے جو مصر کے دروازہ پر تھی۔ پھر متن قرآن میں یہ عبارت ہے: آپ اس بستی سے پوچھ لیجئے، اس میں عربی کے اسلوب عبارت کے مطابق مضاف محذوف ہے، اور دوسرا معنی علامہ ابوبکر الانباری نے بیان کیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس بستی سے پوچھئے، وہاں کے در و دیوار اور بازاروں سے پوچھئے تو وہ آپ کو بتائیں گے کیونکہ آپ انبیاء میں سے ہیں بلکہ اکابر انبیاء میں سے ہیں، جب آپ سوال کریں گے تو کوئی بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان جمادات کو گویا کر دے اور آپ کو صحیح واقعہ کی خبر دے اور یہ آپ کا معجزہ ہو جائے، اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ جب کوئی چیز بہت سچی ہو اور اس کا صدق بہت واضح ہو تو کہا جاتا ہے کہ تم اس بات کو آسمان اور زمین سے پوچھ لو؟ اسی نہج پر انہوں نے کہا: آپ بستی سے پوچھ لیجئے۔

بدگمانی دور کرنے کے لیے وضاحت کرنے کا استحباب

اس آیت سے یہ فقہی مسئلہ نکلتا ہے کہ جو آدمی حق اور صدق پر ہو اور اس کو یہ گمان ہو کہ لوگ اس کے متعلق غلط فہمی اور بدگمانی میں مبتلا ہوں گے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس بدگمانی اور غلط فہمی کو دور کرے۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچو۔
(کشف الخفاء ج ۱، ص ۴۴، مطبوعہ الغزالی دمشق)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے، میں آپ کی زیارت کے لیے گئی اور کچھ دیر آپ سے باتیں کرتی رہی، جب میں جانے لگی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازے تک مجھے چھوڑنے آئے۔ جب میں حضرت ام سلمہ کے دروازے تک پہنچی تو دو انصاری گزرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذرا ٹھہرو، یہ صفیہ بنت حُیی ہے، ان دونوں نے کہا: سبحان اللہ! یا رسول اللہ! اور ان کو یہ وضاحت ناگوار ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسان کے خون کی گزرگاہوں میں پہنچ جاتا ہے، اور مجھے یہ خطرہ ہوا کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ ڈال دے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۳۵۷)

امام ابوبکر محمد بن جعفر الخرائطی متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
بدیل بن ورقاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے آپ کو تہمت کی جگہ پر کھڑا کیا اور اس کے متعلق کسی نے بدگمانی کی تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔
(مکارم الاخلاق ج ۱، رقم الحدیث: ۵۳۹، مطبوعہ مطبعہ المدنی ۱۴۱۱ھ، کنز العمال رقم الحدیث: ۸۸۱۵)

موسیٰ بن خلف بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رات کو گشت کر رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی راستہ میں ایک عورت سے باتیں کر رہا ہے۔ حضرت عمر نے اس کو مارنے کے لیے درہ بلند کیا تو اس نے کہا: یا امیر المومنین! یہ میری بیوی ہے؟ آپ نے فرمایا: تم ایسی جگہ باتیں کرتے کہ لوگ تم کو نہ دیکھتے۔ (مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۵۴۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یعقوب نے کہا بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑلی ہے، تو اب صبر جمیل ہی مناسب ہے، عنقریب اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا بے شک وہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے○ اور ان سے پشت پھیرلی اور کہا ہائے افسوس یوسف (کی جدائی) پر اور غم سے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں اور وہ غم برداشت کرنے والے تھے○ بیٹوں نے کہا آپ یوسف کو (ہی) یاد کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ آپ سخت بیمار پڑ جائیں گے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے○ یعقوب نے کہا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں، اور مجھے اللہ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے○ (یوسف: ۸۶-۸۳)

بن یامین کے متعلق بات گھڑنے کی توجیہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے بیٹوں کی بات سنی تو جس طرح انہوں نے حضرت یوسف کے متعلق ان کو دی ہوئی خبر پر یقین نہیں کیا تھا انہوں نے اس خبر پر بھی یقین نہیں کیا اور فرمایا: بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے، اس سے ان کی مراد یہ نہیں تھی کہ تم نے جھوٹ کہا ہے بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ بن یامین کو میرے پاس سے نکالنے اور اس کو مصر لے جانے اور اس سے منفعت حاصل کرنے کے لیے تم نے ایک بات بنالی تھی، جس کے نتیجہ میں یہ مصیبت آئی، تم نے اس کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بہت ضد کی اور اس کو اپنے ساتھ واپس لانے کے لیے عہد و پیمان کیے اور قسمیں کھائیں لیکن

تم نے جو کچھ سوچا تھا تقدیر میں اس کے بالکل خلاف تھا۔

صبر جمیل کی تعریف

حضرت یعقوب نے فرمایا: تو اب صبر جمیل ہی مناسب ہے۔ صبر جمیل کی تعریف میں امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے شکوہ اور شکایت کرنا حرام ہے اور جب آدمی اپنے مرض یا مصیبت کا کسی کے سامنے اظہار کرتا ہے اور وہ اس مرض اور مصیبت کو ناپسند کرتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے تو یہ اللہ کے فعل کی شکایت ہے۔ اس لیے یہ حرام ہے، ہاں اگر اس پر قرائن ہوں کہ وہ اللہ کے فعل کو ناپسند نہیں کر رہا اور نہ اس پر ناراض ہے اور وہ اللہ سے شکوہ اور شکایت نہیں کر رہا بلکہ اپنے درد اور مصیبت کا اظہار کر رہا ہے، تو پھر اپنی تکلیف اور مصیبت کا اظہار کرنا حرام نہیں ہے، لیکن پھر بھی خلافِ اولیٰ ہے، اور اولیٰ یہ ہے کہ وہ مصیبت کا اظہار بالکل نہ کرے کیونکہ اس سے شکایت کا وہم ہوتا ہے، بعض علماء نے کہا جس نے اپنی مصیبت کا اظہار کیا اس نے صبر نہیں کیا اور صبر جمیل کا معنی یہ ہے کہ اس میں بالکل شکایت نہ ہو۔

(احیاء علوم الدین ج ۴، ص ۲۵۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز امام غزالی لکھتے ہیں:

حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا: مومن کے تقویٰ پر تین چیزوں سے استدلال کیا جاتا ہے: اس کو جو نعمت نہیں ملی اس کے حصول کا اللہ پر بھروسہ رکھے، اور جو نعمت مل گئی ہو اس پر اللہ سے راضی رہے اور جو نعمت اس سے جاتی رہی ہو اس پر اچھی طرح صبر کرے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی تعظیم اور اس کی معرفت کی نشانی یہ ہے کہ تم اپنی تکلیف کی شکایت نہ کرو اور اپنی مصیبت کا ذکر نہ کرو۔ (ابن ابی الدنیا فی المرض والکفارات)(احیاء علوم الدین ج ۴، ص ۹۲، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

صبر جمیل کے اجر کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب میں اپنے مومن بندہ کو کسی مصیبت (یا مرض) میں مبتلا کرتا ہوں، اور وہ اپنے عیادت کرنے والوں سے میری شکایت نہ کرے تو میں اس کو قید سے آزاد کر دیتا ہوں اور اس کا گوشت پہلے گوشت سے بہتر بنا دیتا ہوں اور اس کا خون پہلے خون سے بہتر بنا دیتا ہوں اور از سرنو اس کے عمل شروع کر دیتا ہوں۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳، ص ۳۷۵، المستدرک ج ۱، ص ۳۴۸)

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو دو قطرے زیادہ محبوب ہیں، ایک وہ (خون کا) قطرہ جو اس کے راستہ میں گرا ہو، اور ایک وہ آنسو کا قطرہ جو اس شخص کی آنکھ سے گرا ہو جو آدھی رات کو اللہ کے خوف سے کھڑا عبادت کر رہا ہو، اور اللہ تعالیٰ کو دو گھونٹ زیادہ محبوب ہیں: ایک صبر کا وہ گھونٹ جب کوئی شخص سخت درد کو برداشت کر کے صبر کا گھونٹ بھر لے اور دوسرا وہ گھونٹ جب کوئی شخص غصہ کو برداشت کر کے صبر کا گھونٹ پی لے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷، رقم الحدیث: ۳۴۳۹۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ اجر والا وہ گھونٹ ہے کہ بندہ اللہ کی رضا کے لیے غصہ کو ضبط کر کے صبر کا گھونٹ بھر لے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۸۹، مسند احمد ج ۲، ص ۱۲۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کو مخفی رکھنا اور مصائب اور بیماریوں کو چھپانا نیکی کے خزانوں میں سے ہے اور جس نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا اس نے صبر نہیں کیا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۰۵۰، کامل ابن عدی ج ۳، ص ۱۰۸۸، قدیم)

حضرت یعقوب کے ہائے افسوس کہنے کی توجیہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: ہائے میرا افسوس یوسف کی جدائی پر!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی ہے: ہائے یوسف کے اوپر میرا طویل رنج و غم۔

ابن قتیبہ نے کہا: الاسف کا معنی ہے بہت زیادہ حسرت۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس امت کو مصیبت کے وقت کہنے کے لیے جو کلمات دیئے گئے ہیں وہ ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون ○ (البقرہ: ۱۵۶) اگر انبیاء سابقین کو یہ کلمات دیئے گئے ہوتے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی یہ کلمات دیئے گئے ہوتے اور وہ یا اسفی علی یوسف کی بجائے انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: ہائے میرا افسوس، یوسف کی جدائی پر اور یہ تو شکایت کے الفاظ ہیں، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر جمیل کدھر گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شکایت نہیں کی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف شکایت کی ہے، صبر جمیل کے منافی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شکایت کرتے، انہوں نے تو خود کہا تھا:

اِنَّمَآ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَحُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ — میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

(یوسف: ۸۶)

ابن الانباری نے کہا: یہ دعائیہ کلمات ہیں اور ان کی مراد یہ تھی اے میرے رب! یوسف کا جو مجھے رنج اور افسوس ہے، اس پر رحم فرما۔ اولاد سے محبت فطرت اور طبیعت کا تقاضا ہے اور اس کی جدائی پر رنج اور غم ہونا یہ بھی فطرت اور طبیعت کا تقاضا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ممنوع یہ ہے کہ انسان غم سے چیخ و پکار کرے اور ایسے کام کرے جن سے بے قراری اور بے چینی کا اظہار ہو، دل میں رنج ہو، آنکھوں میں آنسو ہوں اور اپنے رنج و غم کا اللہ سے اظہار ہو اور اس میں اللہ کی شکایت نہ ہو بلکہ اللہ کی طرف شکایت ہو تو یہ تمام امور جائز ہیں اور ان میں کسی کو ملامت نہیں کی جائے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو سیف لوہار کے پاس گئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے رضاعی باپ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کو لیا، ان کو بوسہ دیا اور ان کو سونگھا پھر ہم اس کے بعد آپ کے پاس گئے اس وقت حضرت ابراہیم اپنی جان کی سخاوت کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، تب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بھی؟ (رو رہے ہیں) آپ نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ آنسو رحمت ہیں! پھر آپ کی آنکھوں میں اور آنسو آئے، آپ نے فرمایا: آنکھ سے آنسو بہتے ہیں اور دل غمگین ہے اور ہم زبان سے صرف وہی بات کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو، اور اے ابراہیم! ہم آپ کی جدائی پر غم زدہ ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۵، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۶)

امام عبدالرحمٰن بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

لیث بن ابی سلیم روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گئے، حضرت

یوسف نے ان کو پہچان لیا تو ان سے کہا اے مکرم فرشتے! کیا آپ کو حضرت یعقوب کا علم ہے؟ کہا ہاں، پوچھا کیا حال ہے؟ کہا آپ کے غم میں ان کی بینائی جاتی رہی۔ پھر پوچھا انہیں کتنا غم ہے؟ کہا ستر درجہ زیادہ غم ہے۔ پوچھا ان کو اجر بھی ملے گا؟ کہا ہاں! ان کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا! (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، رقم الحدیث: ۱۱۸۸۴، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حسن بصری نے کہا: حضرت یعقوب علیہ السلام مسلسل اسی (۸۰) سال تک روتے رہے اور ان کی آنکھیں خشک نہیں ہوئیں اور جب سے ان کی بصارت گئی تھی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں تھا۔

(زاد المسیر ج ۴، ص ۲۷۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بیٹوں نے کہا آپ یوسف کو (ہی) یاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ سخت بیمار پڑ جائیں گے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے○ یعقوب نے کہا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے○ اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوتے ہیں○ (یوسف: ۸۷-۸۵)

مشکل الفاظ کے معانی

جو چیز لائق شمار نہ ہو اور اس میں کوئی خیر نہ ہو اس کو حرض کہتے ہیں، حتیٰ کہ جو شخص ہلاکت کے قریب پہنچ جائے اس کو حرض کہتے ہیں، اس معنی میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا تھا حتی تکون حرضا (یوسف: ۸۵) تحریض کا معنی ہے بیماری کا ازالہ کرنا اور کسی شخص کو کسی کام پر ابھارنا۔ قرآن مجید میں ہے:

حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ۔ مومنوں کو جہاد پر برانگیختہ کیجئے۔

(الانفال: ۶۵)

(المفردات ج ۱، ص ۱۴۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام واحدی نے اہل معانی سے نقل کیا ہے کہ محبت یا غم کی زیادتی کی وجہ سے جسم یا عقل میں جو فساد ہوتا ہے اس کو حرض کہتے ہیں، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ ہر وقت یوسف کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ اس کثرت گریہ و زاری کی وجہ سے آپ کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ آپ اپنے جسم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور خطرہ ہے کہ شدت غم کی وجہ سے آپ کی موت واقع ہو جائے گی۔

بثی: بث کا معنی پھیلانا اور تقسیم کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وبث فیھا من کل دابۃ۔ (البقرہ: ۱۶۴) اللہ نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے۔ انسان جب اپنے غم کو چھپائے رکھے تو اس کو ھم (فکر) کہتے ہیں اور جب دوسروں سے اپنے غم کا اظہار کر دے تو اس کو بث (پریشانی) کہتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: میں اپنی پریشانی اور غم کا صرف اللہ سے ذکر کرتا ہوں۔ یعنی چھوٹا غم ہو یا بڑا میں اس کا ذکر صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

جن قرائن کی بنا پر حضرت یعقوب کو حضرت یوسف سے ملاقات کا یقین تھا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اللہ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے۔ یعنی اللہ کی رحمت، اس کے احسان اور اس کی وحی سے میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے

لیے وہاں سے کشادگی لے کر آئے گا جہاں کا مجھے علم بھی نہیں ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ توقع تھی کہ ان کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہو جائے گی' اور اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) روایت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس ملک الموت آیا تو آپ نے اس سے پوچھا تھا: آیا تم نے میرے بیٹے یوسف کی روح قبض کرلی ہے' اس نے کہا نہیں' اے اللہ کے نبی! پھر اس نے مصر کی طرف اشارہ کیا آپ اس کو وہاں ڈھونڈیں۔

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب سچا ہے کیونکہ حضرت یوسف میں سعادت' شرافت اور کمال کے آثار بہت نمایاں تھے اور ان جیسے لوگوں کے خوابوں میں خطاء نہیں ہوتی۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی ہو کہ وہ عنقریب ان کو حضرت یوسف سے ملا دے گا لیکن اس کا وقت معین نہ کیا ہو اس لیے ان کے دل میں قلق اور اضطراب تھا لیکن ان سے ملاقات کا بہر حال یقین تھا۔

(۴) جب حضرت یعقوب کے بیٹوں نے مصر کے بادشاہ کی نیک سیرت اور اس کے اقوال اور افعال کا کامل ہونا بیان کیا تو ان کا خیال تھا کہ یہ یوسف ہی ہوں گے کیونکہ کسی کافر کی ایسی سیرت نہیں ہو سکتی۔

(۵) حضرت یعقوب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بن یامین چوری نہیں کرتے' ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ بادشاہ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی بلکہ بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے پاس رکھا' اس سے ان کو قوی گمان ہو گیا کہ چوری کے بہانہ سے حضرت یوسف نے ان کو اپنے پاس رکھ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کے کفر ہونے کی وجوہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹو جاؤ' یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

جب ان دلائل سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے جان لیا کہ مصر کا بادشاہ ہی دراصل حضرت یوسف ہیں' تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: جاؤ جا کر یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

حضرت ابن عباس نے کہا: اللہ کی رَوح سے مراد اس کی رحمت ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد اللہ کا فضل ہے۔ ابن یزید نے کہا: اس سے مراد اللہ کی کشادگی ہے' اور یہ تمام الفاظ متقارب ہیں۔

حضرت ابن عباس نے کہا کہ مومن مصائب اور پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ سے خیر اور فضل کی توقع رکھتا ہے' اور راحت اور کشادگی کے ایام میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے' کیونکہ انسان اللہ کی رحمت سے اس وقت مایوس ہوگا جب اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کو اس کی مراد کا علم نہیں ہے یا اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اس کو علم تو ہے لیکن وہ اس کی مراد کو پورا کرنے سے عاجز ہے اس پر قادر نہیں ہے' یا اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اس کو علم اور قدرت تو ہے لیکن وہ بخیل ہے وہ ایسا کرے گا نہیں' اور یہ تمام وجوہ کفر ہیں۔ اس لیے مومن کو آخیر وقت تک یہ امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی امید اور مراد کو پورا کردے گا لیکن اگر کسی وجہ سے وقت نکل جائے اور اس کی مراد پوری نہ ہو تو پھر یہ یقین کر لینا چاہیے کہ اس کی مراد کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا' یا اس کی مراد خود اس کے حق میں نقصان دہ تھی اور اس کو اس کا علم نہیں تھا' یا اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ مراد پوری نہیں کی تو وہ اس کے عوض اس کو اس سے اچھی کوئی اور نعمت دنیا میں یا

آخرت میں عطا کرے گا یا اگر اس نے مراد پوری نہ ہونے پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں دنیا یا آخرت کی کوئی مصیبت اس سے دور کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے' اور ہم آپ کے پاس حقیر پونجی لے کر آئے ہیں' آپ ہمیں پورا غلہ ماپ کر دے دیں اور ہم پر صدقہ کریں' بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے ○ یوسف نے کہا کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم جہالت میں تھے ○ انہوں نے کہا کیا واقعی آپ ہی یوسف ہیں؟ یوسف نے کہا میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے' بے شک اللہ نے ہم پر احسان فرمایا' بے شک جو اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

(یوسف: ۹۰-۸۸)

حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو ڈھونڈنے کے بجائے غلہ کا سوال کیوں کیا؟

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ وہ جا کر حضرت یوسف اور بن یامین کو ڈھونڈیں تو انہوں نے اپنے باپ کی بات مان لی اور مصر پہنچ گئے' اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے' اور ہم آپ کے پاس حقیر پونجی لے کر آئے ہیں' الخ۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان کے باپ نے تو ان سے کہا تھا کہ جا کر یوسف اور بن یامین کو تلاش کرو اور انہوں نے مصر پہنچ کر غلہ مانگنا شروع کر دیا' اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ کسی کی تلاش میں نکلتے ہیں وہ اپنے مطلوب اور حصول کے لیے تمام ذرائع اور وسائل اور تمام حیلوں اور بہانوں کو کام میں لاتے ہیں' انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی تنگ دستی اور بدحالی کا ذکر کیا اور یہ بتایا کہ ان کے پاس غلہ کی قیمت ادا کرنے کے لیے رقم نہیں ہے اور ان کو غلہ کی شدید حاجت ہے' وہ تجربہ کر رہے تھے کہ اگر بادشاہ کا دل ان کے لیے نرم ہو گیا تو ہم اس سے یوسف اور اس کے بھائی کے متعلق معلوم کریں گے اور اگر اس کا دل نرم نہیں ہوا تو خاموش رہیں گے۔

مزجاۃ کا معنی ایسی قیمت جس کو مسترد کر دیا جائے' الازجاء کا معنی ہے کم کم یا آہستہ آہستہ چلانا' ان کے پاس جو پیسے تھے' وہ مقدار میں بھی کم تھے اور ان کی کیفیت بھی بہت معمولی تھی گویا وہ بہت حقیر رقم تھی' اس لیے انہوں نے کہا ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو بھوک اور ہلاکت کا سامنا ہے' ہمیں غلہ کی سخت ضرورت ہے اور ہمارے پاس بہت حقیر رقم ہے' آپ ہمیں پورا غلہ ماپ کر دے دیں اور ہم پر صدقہ کریں۔

سوال کرنے کی شرائط اور احکام

انہوں نے جو حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ ہم پر صدقہ کریں اس سے حقیقتاً صدقہ مراد نہیں تھا کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد تھے اور انبیاء علیہم السلام کی اولاد پر صدقہ حلال نہیں ہے' اس کا معنی تھا آپ ہم پر کرم اور فضل فرمائیں۔ یعنی ہماری رقم کے اعتبار سے جتنے غلے کا ہمارا حق بنتا ہے' ہمیں اس سے زیادہ اپنے فضل سے عنایت فرمائیں' اور ابو سلیمان الدمشقی اور ابو الحسن الماوردی اور ابو یعلیٰ نے یہ کہا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء تھے' ان پر صدقہ حلال تھا۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جب انسان فقر اور فاقہ میں مبتلا ہو تو اس کے لیے اپنی تنگ دستی اور بدحالی کو بیان کرنا جائز ہے' بشرطیکہ اس کا مقصد اللہ کی شکایت کرنا نہ ہو' اور اسی شرط کے ساتھ بیمار کے لیے ڈاکٹر کے سامنے اپنی بیماری کی

کیفیت بیان کرنا جائز ہے اور یہ صبر جمیل کے خلاف نہیں ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت سوال کرنا جائز ہے۔

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے قبیصہ! سوال کرنا صرف تین شخصوں میں سے کسی ایک کے لیے جائز ہے: ایک وہ شخص جو مقروض ہو (اور اس کے پاس قرض کی ادائیگی کے لیے پیسے نہ ہوں) دوسرا وہ جس کا تمام مال کسی آفت کی وجہ سے ضائع ہو گیا ہو اور تیسرا وہ شخص جو فاقہ سے ہو اور اس کی قوم میں سے تین آدمی یہ گواہی دیں کہ یہ فاقہ سے ہے۔ اے قبیصہ! ان کے علاوہ جو شخص سوال کر کے کھائے گا وہ حرام کھائے گا۔

(تین گواہوں کا ہونا استحباب پر محمول ہے ورنہ جو شخص فاقہ سے ہو اور کھانا خریدنے کے لیے اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور کوشش کے باوجود اسے کوئی ملازمت یا مزدوری نہ ملی ہو یا وہ بہت کمزور اور بیمار ہو اور فاقہ زدہ ہو، ایسی صورت میں گواہوں کے بغیر بھی اس کے لیے بقدر ضرورت سوال کرنا جائز ہے)

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۴، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۹)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا: اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے یوں نہیں کہا: اللہ آپ کو جزا دے، کیونکہ اس کے خیال میں بادشاہ کافر تھا اور کافر کو آخرت میں اجر نہیں ملتا۔ اس لیے انہوں نے جھوٹ سے بچنے کے لیے توریہ کیا اور کہا اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ حدیث میں ہے: توریہ کے ساتھ کلام کرنے میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۹۹) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال کرنے والے کو چاہیے کہ وہ خیرات دینے والے کے لیے دعائیہ کلمات کہے۔

بھائیوں سے ان کے مظالم پوچھنے کی وجوہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے کہا: کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم جہالت میں تھے؟ حضرت یوسف کے اس قول کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں:

(۱) امام ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ جب انہوں نے حضرت یوسف سے کہا: اے امیر ہم اور ہمارے گھر والے فقر اور فاقہ میں گرفتار ہیں۔ آپ ہم پر صدقہ کیجئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کا دل نرم ہو گیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۹۴۳)

(۲) کلبی نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف نے ان سے کہا: مالک بن ذعر نے بتایا ہے کہ میں نے کنوئیں میں ایک ایسا لڑکا دیکھا تھا اور میں نے اس کو اتنے درہموں کے بدلے خرید لیا، تو انہوں نے کہا اے بادشاہ! وہ غلام ہم نے بیچا تھا۔ تب حضرت یوسف جلال میں آ گئے اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا، ان کو قتل کرنے کے لیے لے جایا جا رہا تھا کہ یہوذا پلٹ آیا اور اس نے کہا: حضرت یعقوب تو ایک بیٹے کی گمشدگی پر اب تک غمزدہ ہیں اور رو رو کر نابینا ہو گئے، جب ان کو اپنے تمام بیٹوں کے قتل کی خبر پہنچے گی تو ان کا کیا حال ہو گا، پھر کہا: اگر آپ ہمیں قتل ہی کر رہے ہیں تو فلاں فلاں مقام پر فلاں نام کا ہمارا باپ رہتا ہے اس کے پاس ہمارا سامان بھجوا دیں۔ تب یوسف علیہ السلام رو پڑے اور اس پر کہا: کیا تم کو یاد ہے...

(۳) ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ بھائیوں نے مالک بن ذعر کو جو تحریر دی تھی، حضرت یوسف نے وہ تحریر نکال کر ان کو دکھائی تو انہوں نے یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے وہ غلام فروخت کیا تھا، پھر حضرت یوسف نے ان کے قتل کا حکم دیا اور پھر مذکور الصدر واقعہ ہے، لیکن یہ دونوں روایتیں موضوع ہیں، حضرت یوسف کی جو سیرت قرآن مجید نے بیان کی ہے، اس کے خلاف ہیں۔

(۴) حضرت یعقوب نے بادشاہ کے نام ایک رقعہ لکھ دیا تھا جس کو پڑھ کر حضرت یوسف کا دل نرم ہو گیا۔
(معالم التنزیل ج ۲، ص ۴۷۵، زاد المسیر ج ۴، ص ۲۹۷)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس رقعہ کے مندرجات اس طرح ذکر کیے ہیں:

یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحٰق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ کی جانب سے عزیز مصر کے نام! حمد الٰہی کے بعد ہم وہ لوگ ہیں جو نسل در نسل مصائب میں مبتلا ہیں، میرے دادا کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا تھا تاکہ وہ جل جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دے دی، اور آگ کو ان پر ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا، اور میرے باپ کے گلے پر چھری رکھی گئی تاکہ اس کو ذبح کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا فدیہ دے دیا، اور رہا میں تو میرا جو سب سے محبوب بیٹا تھا اسے اس کے بھائی جنگل میں لے گئے پھر میرے پاس خون آلودہ قمیص لائے اور کہا اس کو بھیڑیئے نے کھا لیا، میں جب سے اس کے فراق میں رو رہا ہوں، اس کا ایک بھائی تھا جس سے مجھے تسلی رہتی تھی، اس کے یہ بھائی اسے اپنے ساتھ لے گئے اور مجھے آ کر یہ بتایا کہ اس نے آپ کے ہاں چوری کی ہے اور آپ نے اس کی سزا میں اس کو رکھ لیا ہے، ہم لوگ نہ خود چور ہیں اور نہ ہماری اولاد چور ہے، اگر آپ نے میرے اس بیٹے کو واپس کر دیا تو میں آپ کو دعا دوں گا اور اگر آپ نے اس کو واپس نہیں کیا تو میں آپ کے خلاف دعاء کروں گا جس کا اثر ساتویں پشت تک آپ کی اولاد کو پہنچے گا والسلام۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ مکتوب پڑھا تو بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بھائیوں نے پہچان لیا کہ یہ بادشاہ ہی دراصل یوسف ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۵۰۴۔ ۵۰۳، الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۲۲۴، ۲۲۳)

یہ مکتوب بھی جعلی اور وضعی ہے اور اسرائیلی روایات میں سے ہے کیونکہ اس میں حضرت اسحٰق کو ذبیح اللہ بتایا گیا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح اللہ ہیں۔

قرآن مجید نے اس سلسلہ میں جو فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم جاہل تھے ○ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف نے ان کو یاد دلایا کہ تم نے یوسف کے ساتھ کس قدر ظلم کیا تھا اور کتنا بڑا جرم کیا تھا جیسے کسی بڑے مجرم سے کہا جاتا ہے: کیا تم کو علم ہے تم نے کس کی مخالفت کی تھی اور کیا جرم کیا تھا!

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو جو ان کے مظالم یاد دلائے ہیں، ان میں اس آیت کی تصدیق ہے:

وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ (یوسف: ۱۵)

اور ہم نے یوسف کی طرف (کنوئیں میں) یہ وحی کی کہ (ایک وقت آئے گا) تم ان کو ان کی اس کارروائی سے ضرور آگاہ کرو گے اور اس وقت ان کو شعور نہیں ہوگا۔

حضرت یوسف نے فرمایا: اس وقت تم جاہل تھے، گویا حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کا عذر بیان کیا یعنی جس وقت تم نے یہ ظالمانہ کام کیے تھے اس وقت تم تکبر کی جہالت میں تھے اور اب تم ایسے نہیں ہو، یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس وقت تم باپ کی نافرمانی کے عذاب اور صلہ رحم کے تقاضوں سے جاہل تھے اور اپنی خواہش کی پیروی میں ڈوبے ہوئے تھے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس وقت تم اس بات سے جاہل تھے کہ مستقبل میں تمہارے ان مظالم کا کیا نتیجہ نکلے گا اور تم کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ جس کو تم غلام بنا کر چند سکوں کے عوض بیچ رہے ہو، وہ کل بادشاہ بن جائے گا اور تم اسی کے دربار میں خوراک کے حصول کے لیے رحم کی فریاد لے کر حاضر ہو گئے!

بھائیوں کا حضرت یوسف کو پہچان لینا

ان کے بھائیوں نے کہا: کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ انہوں نے حضرت یوسف کو جو پہچان لیا' اس کی تین وجوہات بیان کی گئی ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب حضرت یوسف علیہ السلام مسکرائے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے کے دانتوں سے پہچان لیا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت یوسف کے ماتھے پر تل کی طرح ایک نشانی تھی' اور حضرت یعقوب' حضرت اسحٰق اور حضرت سارہ کے ماتھے پر بھی اسی طرح کی نشانی تھی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سر سے تاج اتارا تو بھائیوں نے اس تل کو دیکھ کر انہیں پہچان لیا۔

(۳) امام ابن اسحٰق نے کہا: پہلے حضرت یوسف نے اپنے اور ان کے درمیان حجاب رکھا ہوا تھا اور اس وقت وہ حجاب اٹھا دیا تھا اس لیے ان کے بھائیوں نے ان کو پہچان لیا۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۲۸۱' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں وہی ہوں' بلکہ فرمایا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے تاکہ ان کے بھائی اس نام سے یہ جان لیں کہ میں وہی ہوں جس پر انہوں نے ظلم توڑے تھے اور اب اللہ تعالیٰ نے مجھے عزت اور سرفرازی عطا فرمائی ہے' میں وہ ہوں جس کو عاجز سمجھ کر تم نے ہلاک کرنے کے لیے کنوئیں میں ڈال دیا تھا' اس کو آج اللہ نے ایسی حکومت اور ایسا اقتدار عطا فرمایا ہے کہ تم اپنی رمق حیات برقرار رکھنے کے لیے اس کے پاس غلہ کی خیرات مانگنے آئے ہو!

حضرت یوسف نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یعنی ہمیں دنیا اور آخرت میں ہر قسم کی کامیابی اور کامرانی عطا فرمائی ہے۔

نیز فرمایا: بے شک جو اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک جو شخص اللہ کی نافرمانی کرنے سے ڈرتا ہے اور لوگوں کے مظالم پر صبر کرتا ہے تو اللہ ان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اس آیت کریمہ میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا کہ وہ متقی ہیں اور جیسا کہ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کے ساتھ زنا کے تمام مقدمات میں ملوث ہو گئے تھے' اگر یہ بات صحیح ہوتی تو آپ کا خود کو متقی فرمانا صحیح نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم خطاکار تھے O یوسف نے کہا آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے' اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے O میری اس قمیص کو لے کر جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی آنکھیں دیکھنے لگیں گی اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔ (یوسف: ۹۳-۹۱)

حضرت یوسف کے بھائیوں کا اعتراف خطا کرنا اور حضرت یوسف کا انہیں معاف فرمانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا ہے اور لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتا' تو حضرت یوسف کے بھائیوں نے ان کی تصدیق کی اور ان کی فضیلت کا اعتراف کیا اور کہا: بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم

خطاکار تھے۔

مفسرین کرام نے خاطی اور مخطی میں فرق بیان کیا ہے۔ خاطی وہ ہے جو قصداً خطا کرے اور مخطی وہ ہے جس سے خطا سرزد ہو جائے۔ حضرت یوسف کے بھائیوں نے اپنے آپ کو خاطی کہا تھا کیونکہ انہوں نے حضرت یوسف پر جو مظالم کیے وہ عمداً کیے تھے۔ حضرت یوسف نے کہا: آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے' اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

تثریب کا معنی ہے کسی شخص کو اس کا برا کام یاد دلا کر اس کو ملامت کرنا اور عار دلانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ میں آج کے بعد تم کو تمہاری زیادتیوں پر کبھی ملامت نہیں کروں گا۔ ابن الانباری نے کہا: آپ نے اس طرف اشارہ کیا کہ آج کا دن معاف کرنے کا پہلا وقت ہے اور آپ جیسے شخص کا منصب یہ ہے کہ وہ دوبارہ انہیں ان کا قصور یاد نہ دلائے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے حضرت زبیر بن العوام، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت خالد بن ولید کو گھوڑوں پر سوار کرا کر روانہ کیا (الی قولہ) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ گیا اس کو امان ہے' اور جس نے ہتھیار ڈال دیئے اس کو امان ہے' قریش کے سردار کعبہ میں داخل ہوئے اور ان سے جگہ تنگ ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ کے دونوں چوکھٹ پکڑ کر کھڑے ہو گئے' اور لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت اسلام کرنے لگے' اور اسی سند کے ساتھ یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ پر آئے اور دروازہ کی چوکھٹ کے دونوں بازو پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے (مشرکین مکہ سے) فرمایا: تم کیا کہتے ہو اور کیا گمان کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ ہمارے برادر زاد اور عم زاد ہیں اور انہوں نے یہ تین مرتبہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس طرح کہتا ہوں جس طرح حضرت یوسف نے کہا تھا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔	آج تمہیں کوئی ملامت نہیں ہے' اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

پھر مشرکین مکہ تیزی سے اسلام میں داخل ہونے لگے جیسے ان کے پیروں کی بیڑیاں کھول دی گئی ہوں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹، ص ۱۱۸، مطبوعہ ملتان، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۵، ص ۲۴۲، مطبوعہ بیروت)

حضرت یوسف کی قمیص سے حضرت یعقوب کی آنکھوں کا روشن ہونا

جب حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو پہچان لیا تو حضرت یوسف نے ان سے اپنے باپ کا حال پوچھا' بھائیوں نے بتایا کہ ان کی بینائی جاتی رہی ہے' تب حضرت یوسف نے ان کو اپنی قمیص دی اور کہا: یہ قمیص میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد رازی المعروف بابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

مطلب بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کی قمیصوں میں سے ایک قمیص پہنائی تھی، حضرت ابراہیم نے یہ قمیص حضرت اسحٰق کو پہنائی اور حضرت اسحٰق نے وہ قمیص حضرت یعقوب کو پہنائی اور حضرت یعقوب نے وہ قمیص حضرت یوسف کو پہنائی، پھر انہوں نے اس قمیص کو لپیٹ کی ایک چاندی کی نلکی میں رکھا اور اس کو حضرت یوسف کے گلے میں ڈال دیا، جس وقت حضرت یوسف کو کنوئیں میں ڈالا گیا اور جب ان کو قید میں رکھا گیا، اور جس وقت ان کے پاس ان کے بھائی آئے۔ ان تمام اوقات میں وہ نلکی ان کے گلے میں تھی اور اس وقت حضرت یوسف نے اس نلکی سے یہ قمیص نکال کر بھائیوں کے حوالے کی اور کہا: میری اس قمیص کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ ابھی وہ قمیص فلسطین کے علاقہ کنعان میں تھی کہ حضرت یعقوب نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔

یہوذا نے کہا: پہلے حضرت یعقوب کے پاس میں خون آلودہ قمیص لے کر گیا تھا اور میں نے کہا تھا کہ یوسف کو بھیڑیئے نے کھالیا، اب اس قمیص کو بھی میں لے کر آؤں گا اور یہ بتاؤں گا کہ یوسف زندہ ہیں، جس طرح پہلے میں نے ان کو رنجیدہ کیا تھا اسی طرح اب میں جاکر ان کو خوشخبری دوں گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، ص ۲۱۹۹ مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں اور آپ کے بالوں سے بیماروں کا شفایاب ہونا اور دیگر برکتیں

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت اسماء کو بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر مطلقاً ریشم کو حرام کہتے ہیں تو انہوں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے، انہوں نے ایک طیالسی کسروانیہ جبہ نکالا جس میں ریشم کے پیوند لگے ہوئے تھے اور اس کے سامنے اور پیچھے کے چاک پر یا آستینوں پر ریشم کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ حضرت اسماء نے کہا: یہ جبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب وہ فوت ہو گئیں تو میں نے اس پر قبضہ کر لیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے، ہم بیماروں کے لیے اس کو دھوتے ہیں اور اس (کے غسالہ، دھوون) سے ان کے لیے شفا طلب کی جاتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۹، مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۸۔ ۳۴۷، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۰۸۱، طبع عالم الکتب بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم آپ کے جبہ کو دھو کر اس کا دھوون بیماروں کو پلاتے تھے اور ان کے بدنوں پر ملتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ بیماروں کو شفا عطا فرماتا تھا۔

(نسیم الریاض ج ۳، ص ۱۳۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قاضی عیاض بن موسیٰ متوفی ۵۴۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوالقاسم بن میمون بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا ہم بیماروں کے لیے اس میں پانی ڈالتے تھے اور وہ اس سے شفا حاصل کرتے تھے۔

(الشفاء ج ۱، ص ۲۳۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ خفاجی نے لکھا ہے: بیمار اس پیالہ میں پانی ڈال کر پیتے تھے اور شفا طلب کرتے تھے اور اس کو پینے سے آپ کے آثار کی برکت سے ان کو شفا حاصل ہوتی تھی۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۱۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عثمان بن عبد اللہ بن موہب بیان کرتے ہیں کہ میرے گھر والوں نے ایک برتن میں پانی ڈال کر مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا؛ اسرائیل نے تین انگلیوں کو ملایا یعنی وہ چاندی سے ملمع کی ہوئی ایک چھوٹی سی ڈبیا تھی تین انگل جتنی، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بالوں میں سے کچھ بال تھے، جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا اس کو اور کوئی بیماری ہو جاتی تو وہ آپ کے پاس ایک برتن بھیج دیتا۔ میں نے گھنٹی کی شکل کی ایک ڈبیا دیکھی اس میں سرخ رنگ کے بال تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۸۹۶، مشکوٰۃ رقم الحدیث:۴۵۶۸)

حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو شخص بیمار ہو جاتا وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک برتن بھیجتا؛ وہ اس برتن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مبارک بالوں کو رکھتیں پھر اس برتن میں پانی ڈالتیں اور ان کا دھوون اس بیمار کو پلاتیں، یا وہ آدمی شفا طلب کرنے کے لیے اس پانی سے غسل کرتا اور اس کو اس پانی کی برکت حاصل ہوتی۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۵۳، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

امام حافظ احمد بن علی بن مثنی تمیمی متوفی ۳۰۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبدالحمید بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عمرہ کیا؛ آپ نے اپنے سر کے بال منڈوائے، لوگ آپ کے بال لینے کی طرف جھپٹے، میں نے آپ کی پیشانی کے بالوں کی طرف سبقت کی۔ میں نے آپ کے بال لے کر ان کو اپنی ٹوپی میں رکھ لیا اور میں نے ان بالوں کو اپنی ٹوپی کے اگلے حصہ میں رکھا؛ اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی گیا مجھے فتح حاصل ہوئی۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۱۳، رقم الحدیث:۷۱۸۳، مطبوعہ دار الثقافۃ العربیہ دمشق ۱۴۱۲ھ)

امام ابو العباس احمد بن ابوبکر بوصیری متوفی ۸۴۰ھ نے اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ کے حوالے سے ذکر کر کے کہا ہے کہ امام ابو یعلیٰ نے اس حدیث کو سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(مختصر اتحاف السادۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ج ۹، رقم الحدیث:۷۶۶۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی امام ابو یعلیٰ کی سند سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ (المطالب العالیہ ج ۴، رقم الحدیث: ۴۰۴۴) نیز حافظ عسقلانی نے اس حدیث کو امام سعید بن منصور سے تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ (اس تفصیل کو ہم امام طبرانی کے حوالے سے ذکر کریں گے) اور امام ابو یعلیٰ کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔

(الاصابہ ج ۱، ص ۴۱۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ؛ الاصابہ ج ۲، ص ۲۱۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبدالحمید بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے دن حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی گم ہو گئی، حضرت خالد نے کہا: اس ٹوپی کو ڈھونڈو، لوگوں کو وہ ٹوپی نہیں ملی۔ حضرت خالد نے پھر کہا: اس ٹوپی کو تلاش کرو، تو لوگوں کو وہ ٹوپی مل گئی، وہ ایک پرانی ٹوپی تھی، حضرت خالد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور اپنا سر منڈوایا، مسلمان آپ کے بالوں کی طرف جھپٹے، میں نے آپ کی پیشانی کے بالوں کی طرف سبقت کی اور ان بالوں کو میں نے اس ٹوپی میں رکھ لیا، پھر میں جس جنگ میں بھی گیا یہ ٹوپی میرے ساتھ رہی اور مجھے فتح عطا کی گئی۔

(المعجم الکبیر ج ۴، رقم الحدیث:۳۸۰۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حافظ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور ان دونوں کے راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۴۸) امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (المستدرک ج ۳ ص ۲۹۹) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۴۹) امام ابن الاثیر علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۹۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(الشفاء ج ۱ ص ۲۳۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ اور علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۳) علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۷۳ مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ) اور خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین السیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کا امام سعید بن منصور، امام ابن سعد، امام ابو یعلیٰ، امام حاکم اور امام ابونعیم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ)

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کی شفایابی کا تو ایک واقعہ ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں، آپ کے برتنوں اور آپ کے بالوں سے حصول شفاء کے متعدد واقعات ہیں اور یہ آپ کے مبارک بالوں کی برکت تھی کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ہر جنگ میں فتح حاصل ہوتی تھی۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ

اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا اگر تم یہ نہ کہو کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے تو

لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ ﴿٩٤﴾ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿٩٥﴾ ربع

مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے ○ بیٹوں نے کہا اللہ کی قسم آپ اپنی اسی پرانی محبت میں مبتلا ہیں ○

فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۖ

پھر جب خوش خبری سنانے والا آیا اور اس نے وہ قمیص اس کے چہرے پر ڈال دی تو وہ فوراً بینا ہو گئے،

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾

یعقوب نے کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک مجھ کو اللہ کی طرف سے ان چیزوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے ○

قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ﴿٩٧﴾ قَالَ

بیٹوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے، بے شک ہم گنہگار ہیں ○ یعقوب نے کہا

سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۖ إِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۹۸ فَلَمَّا

میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری بخشش طلب کروں گا، بے شک وہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ پھر

دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا

جب وہ (سب) یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا ان شاء اللہ!

مِصْرَ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝۹۹ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ

آپ سب امن کے ساتھ مصر میں رہیں گے ○ اور اس نے اپنے ماں باپ کو بلند تخت پر بٹھایا

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓأَبَتِ هٰذَا تَأْوِيْلُ رُءْيَايَ

اور وہ سب یوسف کے لیے سجدہ میں گر گئے، اور یوسف نے کہا اے میرے باپ! یہ میرے اس پہلے خواب

مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِيْٓ إِذْ

کی تعبیر ہے، بے شک میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا، اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب

أَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ

اس نے مجھ کو قید سے رہائی دی، اور شیطان نے میرے اور میرے

أَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ إِخْوَتِيْ ۚ إِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ

بھائیوں کے درمیان جو عناد پیدا کر دیا تھا، اس کے بعد آپ سب کو گاؤں سے لے آیا، بے شک میرا رب جو چاہتا

لِّمَا يَشَآءُ ۖ إِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۱۰۰ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ

ہے وہ حسن تدبیر سے کرتا ہے، بے شک وہ بے حد علم والا، بہت حکمت والا ہے ○ اے میرے رب! تو نے مجھے (مصر کی) حکومت

الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَأْوِيْلِ الْأَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ

عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا، اے آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا

وَالْأَرْضِ ۣ أَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا

کرنے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا،

وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ

اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا ○ یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جس غیب کی ہم آپ کی طرف

اِلَیْكَۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

وحی فرماتے ہیں اور جب برادران یوسف اپنی سازش پر متفق ہو رہے تھے اور اپنی سازش پر عمل کر رہے تھے تو اس وقت آپ ان کے پاس

وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا

موجود نہ تھے ○ اور آپ خواہ کتنا ہی چاہیں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ اور آپ ان سے

تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۱ ۵

اس (تبلیغ دین) پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتے یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا اگر تم یہ نہ کہو کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے تو مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے○ بیٹوں نے کہا اللہ کی قسم! آپ اپنی اسی پرانی محبت میں مبتلا ہیں○ پھر جب خوش خبری سنانے والا آیا اور اس نے وہ قمیص اس کے چہرے پر ڈال دی تو وہ فوراً بینا ہو گئے، یعقوب نے کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک مجھ کو اللہ کی طرف سے ان چیزوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے○ بیٹوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجیے، بے شک ہم گناہ گار ہیں○ یعقوب نے کہا میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری بخشش طلب کروں گا، بے شک وہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے○ (یوسف: ۹۸-۹۴)

بہت فاصلہ سے حضرت یعقوب تک حضرت یوسف کی خوشبو پہنچنے کی توجیہ

ابن ابی الہذیل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ابھی حضرت یوسف علیہ السلام کا قافلہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے آٹھ راتوں کی مسافت کے فاصلہ پر تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف کی خوشبو آ گئی۔ ابن ابی الہذیل نے دل میں کہا یہ اتنا فاصلہ ہے جتنا بصرہ سے کوفہ تک کا فاصلہ ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۱۱۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۹۶۱)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب حضرت یوسف، حضرت یعقوب کے گھر کے قریب کنوئیں میں تھے تو آپ کو حضرت یوسف کی خوشبو نہیں آئی تو پھر اتنے فاصلہ سے آپ کو حضرت یوسف کی خوشبو کیسے آ گئی؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں حضرت یوسف کا معاملہ حضرت یعقوب سے مخفی رکھا تھا تاکہ حضرت یوسف مکمل مصیبت میں گرفتار ہوں اور اس پر صبر کرنے سے حضرت یوسف کو اس مصیبت کا اور حضرت یعقوب کو ان کی جدائی کا پورا پورا اجر ملے اور جب مصیبت اور جدائی کے ایام ختم ہو گئے اور کشادگی اور فرحت کا دور آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے فاصلہ کے زیادہ ہونے کے باوجود ان کو حضرت یوسف کی خوشبو پہنچا دی۔

(۲) جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا تھا وہ قمیص ایک چاندی کی نلکی میں تھی اور وہ نلکی حضرت یوسف کے گلے میں تھی، جب اس

قمیص کو اس نلکی سے نکالا تو جنت کی خوشبوئیں فضا میں پھیل گئیں اور جب وہ مانوس خوشبوئیں ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر حضرت یعقوب تک پہنچیں تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ حضرت یوسف کی قمیص کی خوشبو ہے اور جب حضرت یوسف کنوئیں میں تھے تو وہ قمیص نلکی میں بند تھی اور اس کی ہوائیں حضرت یعقوب تک نہیں پہنچیں تھیں۔

(۳) صبا (مشرق سے مغرب کی طرف چلنے والی ہوا) نے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تھی کہ خوش خبری دینے والے سے پہلے وہ حضرت یوسف کی خوشبو حضرت یعقوب تک پہنچادے، تو اللہ عزوجل نے اس کو اجازت دے دی، یہی وجہ ہے کہ ہر غم زدہ تک جب باد صبا کے جھونکے پہنچتے ہیں تو اس کی رُوح کو تازگی محسوس ہوتی ہے۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۲۸۴)

تفندون کے معانی

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا: لولا ان تفندون، اس لفظ کے پانچ معنی بیان کیے گئے ہیں:

(۱) مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے اگر تم مجھ کو جاہل قرار نہ دو۔

(۲) عبداللہ بن ابی ہذیل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: اگر تم مجھے بے وقوف نہ قرار دو۔

(۳) سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا: اگر تم مجھے جھوٹا نہ قرار دو۔

(۴) حسن اور مجاہد نے کہا: اگر تم مجھے بڑھاپے کی وجہ سے زائل العقل نہ قرار دو۔

(۵) ابن قتیبہ نے کہا: اس کا معنی ہے اگر تم مجھے ملامت نہ کرو۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۲۸۵)

ضلال کے معانی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیٹوں نے کہا اللہ کی قسم! آپ اپنی ضلال قدیم میں مبتلا ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گئے ہوئے تھے، یہاں بیٹوں سے مراد ان کے پوتے، نواسے اور دیگر مجلس کے حاضرین ہیں۔ ضلال کے اس جگہ تین معانی مراد ہو سکتے ہیں:

(۱) ضلال کے معنی شقاء ہیں یعنی آپ اپنی اسی پرانی بدبختی اور سختی میں گرفتار ہیں جس کی وجہ سے آپ حضرت یوسف کا غم جھیل رہے ہیں۔ مقاتل نے اس معنی پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ۔ (القمر: ۲۴)

(قوم ثمود نے) کہا کیا ہم اپنوں میں سے ہی ایک بشر کی پیروی کریں گے پھر تو ہم ضرور بدبختی اور عذاب میں گرفتار ہوں گے!

(۲) قتادہ نے کہا: آپ اپنی پرانی محبت میں گرفتار ہیں، آپ یوسف کو نہیں بھولتے اور وہ آپ کے دل سے نہیں نکلتا۔ اس معنی پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ ۔ (یوسف: ۸)

بے شک ہمارا باپ ضرور محبت کی کھلی وارفتگی میں ہے۔

(۳) جنون: قتادہ نے کہا: یہ بہت سنگین کلمہ ہے اور ان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں تھا کہ وہ اللہ کے نبی کی شان میں ایسا کلمہ استعمال کرتے۔ حسن بصری نے کہا: انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ ان کے اعتقاد میں حضرت یوسف فوت ہو چکے تھے اور حضرت یعقوب ان کی محبت میں صحیح فکر سے ہٹ چکے تھے اور در حقیقت کہنے والے خود ضلال میں مبتلا تھے۔

حضرت یعقوب کی بینائی کا لوٹ آنا

یہوذا جب حضرت یعقوب کے پاس پہنچا تو اس نے وہ قمیص آپ کے چہرے پر ڈال دی اور آپ اسی وقت بینا ہو گئے۔ آپ بہت خوش ہوئے اور آپ کا سارا غم جاتا رہا اور آپ نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ مجھے اللہ کی طرف سے ان

چیزوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے۔ حضرت یعقوب کو معلوم تھا کہ حضرت یوسف کا خواب سچا ہے اور اس کی تعبیر ضرور پوری ہوگی۔ حضرت یعقوب نے بیٹوں سے پوچھا: یوسف کس دین پر ہے؟ انہوں نے بتایا: وہ دین اسلام پر ہے، تب حضرت یعقوب نے کہا: اب نعمت پوری ہوگئی!

اپنے مظالم کو دنیا میں معاف کرالینا

حضرت یعقوب کے بیٹوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کریں۔ انہوں نے مغفرت کا اس لیے سوال کیا کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر بہت ظلم کیے تھے اور اپنے باپ کو ان کی جدائی کے رنج و غم میں مبتلا کیا تھا۔

اور جو شخص کسی مسلمان کو ایذاء پہنچائے خواہ اس کی جان میں یا اس کے مال میں وہ ظالم ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مظالم کی تلافی کرے، اس کا جو مال چھینا ہے وہ اس کو واپس کرے اور جو اس کو رنج پہنچایا ہے اس کا ازالہ کرے اور دنیا میں اس سے اپنا قصور معاف کرالے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی کی عزت یا اس کی کسی اور چیز پر ظلم کیا ہو اس کو چاہیے کہ وہ اس ظلم کی اس دن آنے سے پہلے تلافی کرے جس دن اس کے پاس کوئی دینار ہوگا نہ درہم ہوگا، اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوا تو اس کے ظلم کے برابر وہ نیک عمل لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ اس کے اوپر لاد دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۵۸۰)

بیٹوں کے لیے استغفار کو مؤخر کرنے کی وجوہ

یعقوب نے کہا: میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری بخشش طلب کروں گا۔ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب نے اسی وقت اپنے بیٹوں کے لیے دعا کیوں نہیں کی اور اس کو مؤخر کس وجہ سے کیا؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطا اور عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بھائی یعقوب نے کہا تھا کہ میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا ان کا مطلب یہ تھا کہ حتیٰ کہ جمعہ کی رات آجائے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۲۹۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا: آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں! میرے سینہ سے قرآن نکل جاتا ہے اور میں اس کو یاد رکھنے پر قادر نہیں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو الحسن! کیا میں تم کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں جو تم کو نفع پہنچائیں اور جن کو تم وہ کلمات سکھاؤ ان کو بھی وہ کلمات نفع پہنچائیں، اور جو کچھ بھی تم یاد کرو وہ تمہارے سینہ میں محفوظ رہے۔ میں نے کہا ہاں! یا رسول اللہ! آپ سکھائیے! آپ نے فرمایا: جب جمعہ کی شب ہو اگر تم سے ہو سکے تو رات کے آخری تہائی حصہ میں قیام کرو، کیونکہ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور اس وقت دعا قبول ہوتی ہے اور میرے بھائی یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا۔ (یوسف: ۹۸) ان کی مراد یہ تھی کہ حتیٰ کہ جمعہ کی رات آجائے، اگر تم سے ہو سکے تو اس رات کے وسط میں قیام کرو اور اگر تم سے یہ نہ ہو سکے تو

اس رات کے اول میں قیام کرو، اور چار رکعات نماز پڑھو، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ یٰسین پڑھو اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ حٰم الدخان پڑھو اور تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ الم السجدہ پڑھو اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ تبارک الذی پڑھو، اور جب ان رکعات سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثناء کرو اور مجھ پر اور باقی انبیاء پر اچھی طرح سے درود شریف پڑھو، اور تمام مومنین اور مومنات کے لیے استغفار کرو اور اپنے فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے لیے دعا کرو پھر آخر میں یہ دعا کرو: اے اللہ! جب تک تو مجھے زندہ رکھے مجھے ہمیشہ گناہوں سے بچا کر مجھ پر رحم فرما اور فضول کاموں کی مشقت سے بچا کر مجھ پر رحم فرما، تو میرے جن کاموں سے راضی ہو مجھے ان میں حسن نظر عطا فرما، اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والے، اے جلال، اکرام اور غیر متصور غلبہ کے مالک! اے اللہ! اے رحمٰن! میں تیرے جلال اور تیری ذات کے نور کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنی کتاب کے حفظ کرنے پر میرے دل کو لازم کر دے جیسا کہ تو نے مجھے اس کتاب کی تعلیم دی ہے اور مجھے اس طرح اس کی تلاوت کی توفیق دے جس طرح تو راضی ہو، اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والے! اے جلال، اکرام اور غیر متصور غلبہ کے مالک! اے اللہ! اے رحمٰن! میں تیرے جلال اور تیری ذات کے نور سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنی کتاب کے پڑھنے کے ساتھ میری آنکھوں کو منور کر دے اور اس کی تلاوت سے میری زبان کو رواں کر دے اور اس سے میرے دل میں کشادگی کر دے اور اس سے میرے سینے کو کھول دے اور اس سے میرے بدن کو صاف کر دے، کیونکہ تیرے سوا میری حق پر کوئی مدد نہیں کر سکتا، اور نہ تیرے سوا کوئی حق کو لا سکتا ہے اور گناہوں سے پھرنا اور نیکیوں کو کرنا اللہ بلند و برتر کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے، اے ابوالحسن! تم تین یا پانچ یا سات جمعہ تک یہ عمل کرنا، اللہ کے اذن سے تمہاری دعا قبول ہوگی، اس ذات کی قسم! جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے یہ دعا کسی مومن سے تجاوز نہیں کرے گی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! پانچ یا سات جمعہ گزرے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسی ہی ایک مجلس میں آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! پہلے میں چار یا پانچ آیتیں بہ مشکل یاد کرتا تھا، جب میں ان کو یاد کرتا تو وہ میرے سینے سے نکل جاتی تھیں اور اب میں چالیس یا اس سے زیادہ آیتیں حفظ کر لیتا ہوں اور جب میں ان کو زبانی پڑھتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے میرے سامنے کتاب اللہ موجود ہے، اور پہلے میں حدیث سنتا تھا تو میرے سینہ سے نکل جاتی تھی اور اب میں احادیث سنتا ہوں اور پھر ان کو بیان کرتا ہوں تو ان سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! اے ابوالحسن! میں اس پر یقین کرتا ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۰، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۹۹۸ء)

(۲) ان سے جلدی دعا کرنے کا وعدہ کر کے ان کو اٹھا دیا، عطا خراسانی نے کہا: بوڑھوں کی بہ نسبت جوانوں سے حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت یوسف نے کہا: آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اور حضرت یعقوب نے کہا: میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا۔

(۳) شعبی نے کہا: حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لیے دعا کو اس لیے موخر کر دیا تھا تاکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھ لیں، اگر انہوں نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا تو وہ ان کے لیے استغفار کریں گے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! اگر اللہ نے ہمیں معاف کر دیا تو فبہا ورنہ اس دنیا میں ہمارے لیے کوئی خوشی نہیں ہے۔ پھر حضرت یعقوب نے دعا کی اور حضرت یوسف نے آمین کہی، پھر بیس سال تک ان کی دعا قبول نہیں ہوئی، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد کے متعلق آپ کی دعا قبول کر لی ہے

اور ان کی خطاؤں کو معاف کر دیا ہے' اور اس کے بعد ان سے نبوت کا عہد لیا گیا۔ (صحیح یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی نہیں تھے' کیونکہ نبی اعلان نبوت سے پہلے اور بعد تمام صغائر اور کبائر سے عمداً اور سہواً معصوم ہوتا ہے... سعیدی غفرلہ)... (زاد المسیر ج ۴ ص ۲۷۷-۲۷۸' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب وہ (سب) یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا ان شاء اللہ آپ سب امن کے ساتھ مصر میں رہیں گے○ (یوسف: ۹۹)

حضرت یعقوب کا مصر روانہ ہونا اور حضرت یوسف کا استقبال کرنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

فرقد السبخی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر قمیص ڈالی گئی تو ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور انہیں بتایا کہ حضرت یوسف نے ان سب کو بلایا ہے' پھر حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کے بھائی مصر کی طرف روانہ ہوئے' جب حضرت یوسف کو یہ خبر پہنچی کہ وہ مصر کے قریب پہنچ گئے ہیں تو وہ ان کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے اور ان کے ساتھ مصر کے تمام سردار اور معزز لوگ تھے۔ جب یعقوب اور حضرت یوسف ایک دوسرے کے قریب پہنچے' اس وقت حضرت یعقوب اپنے بیٹے یہوذا کے سہارے چل رہے تھے' جب حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کے ساتھ گھوڑوں پر سوار سرداروں اور معززین کو دیکھا تو یہوذا سے پوچھا: کیا یہ مصر کا بادشاہ ہے؟ اس نے کہا: نہیں یہ آپ کا بیٹا ہے! جب دونوں ملنے کے قریب ہوئے تو حضرت یوسف نے سلام میں پہل کرنا چاہی تو ان کو منع کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ یعقوب سلام کی ابتداء کرنے کے مستحق ہیں' تب حضرت یعقوب نے کہا: تم پر سلام ہو! اے مجھ سے رنج و غم کو دور کرنے والے۔

(الجامع لاحکام القرآن رقم الحدیث: ۱۵۱۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ربیع بن انس نے کہا: جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر گئے تھے تو ان کے بیٹوں پوتوں اور پڑپوتوں کی تعداد بہتر (۷۲) تھی پھر جب ان کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلی تو اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷' رقم الحدیث: ۱۱۹۸۸)

حضرت یوسف کی ماں کی وفات کے باوجود ان کے والدین کو تخت پر بٹھانے کی توجیہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب وہ (سب) یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت یوسف کی والدہ راحیل تو بن یامین کی ولادت کے وقت فوت ہو گئی تھیں' اس سوال کے حسب ذیل جواب ہیں:

(۱) امام ابن جریر نے کہا: اس سے مراد ان کے والد اور ان کی خالہ ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۱۵۴)

امام ابن ابی حاتم نے بھی لکھا ہے کہ حضرت یوسف کی والدہ بن یامین کی ولادت کے وقت فوت ہو گئی تھیں اس لیے اس آیت میں ماں باپ سے مراد حضرت یوسف کے والد اور ان کی خالہ ہیں۔ (قتادہ نے کہا حضرت یعقوب حضرت یوسف کی خالہ سے نکاح کر چکے تھے)... (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷' ص ۲۲۰۱)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کو زندہ کر دیا تھا تاکہ وہ حضرت یوسف کو سجدہ کریں اور حضرت یوسف کے خواب کی تعبیر تحقیقی طور پر واقع ہو۔

قرآن مجید کی ظاہر آیت کے زیادہ موافق یہ ہے کہ حضرت یوسف کی ماں اور ان کے باپ دونوں نے سجدہ کیا۔

ہم اس سے پہلے سورہ بقرہ کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو بھی زندہ کر دیا تھا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے پر علامہ قرطبی کے دلائل

علامہ قرطبی نے سورہ البقرہ کی تفسیر میں جو لکھا ہے وہ یہ ہے:

ہم نے اپنی کتاب "التذکرہ" میں یہ لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ماں باپ کو زندہ کر دیا تھا اور وہ آپ پر ایمان لائے تھے' ہم نے اس کو اپنی کتاب "التذکرہ" میں تفصیل سے لکھا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲' ص ۸۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی نے "التذکرہ" میں جو لکھا ہے وہ یہ ہے:

امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب نے اپنی کتاب السابق واللاحق میں اور امام ابو حفص عمر بن شاہین متوفی ۳۸۵ھ نے الناسخ والمنسوخ میں' دونوں نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حج کیا' آپ مجھ کو ساتھ لے کر عقبۃ الحجون کے پاس سے گزرے' اس وقت آپ غم زدہ تھے اور رو رہے تھے' آپ کو روتا ہوا دیکھ کر میں بھی رونے لگی۔ میں نے عرض کیا: آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اے حمیرا ٹھہر جاؤ! میں نے اونٹ کے پہلو سے ٹیک لگالی' آپ کافی دیر تک کھڑے رہے' پھر آپ میری طرف آئے اور آپ خوشی سے مسکرا رہے تھے' میں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپ میرے پاس آئے اس وقت آپ غمگین تھے اور رو رہے تھے' یا رسول اللہ! میں بھی آپ کو روتا دیکھ کر رونے لگی' پھر آپ میرے پاس آئے اس وقت آپ خوشی سے مسکرا رہے تھے' یا رسول اللہ! اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: میں اپنی ماں حضرت آمنہ کی قبر کے پاس سے گزرا' میں نے اپنے رب اللہ سے سوال کیا کہ اس کو زندہ کر دے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر دیا پھر وہ مجھ پر ایمان لے آئی یا فرمایا: پھر وہ ایمان لے آئی پھر اللہ نے اس کو اسی طرح لوٹا دیا۔ (الناسخ والمنسوخ ص ۲۸۴ رقم الحدیث: ۶۳۰ مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۲ھ) یہ خطیب کی روایت کے الفاظ ہیں اور امام سہیلی نے الروض الانف میں ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں مجہول راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ماں اور باپ دونوں کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ (علامہ عبدالرحمن سہیلی متوفی ۵۸۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ وہ آپ کے والدین کو زندہ کر دے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے (اکرام کے) لیے ان کو زندہ کر دیا' اور وہ آپ پر ایمان لائے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' اور اس کی رحمت اور قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اپنے فضل سے آپ کو خصوصیت عطا فرمائے اور آپ کی کرامت کی وجہ سے جو چاہے آپ پر انعام فرمائے' صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (الروض الانف ج ۲ ص ۲۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث صحیح میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو آپ کو اجازت دی گئی اور آپ نے ان کے لیے استغفار کی اجازت مانگی تو آپ کو استغفار کی اجازت نہیں دی گئی۔ (صحیح مسلم' الجنائز' رقم: ۹۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۷۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱) تو اس کا جواب یہ ہے کہ الحمد للہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے' کیونکہ استغفار سے ممانعت پہلے کا واقعہ ہے اور والدین کریمین کو زندہ کرنے کا واقعہ بعد کا ہے'

امام ابن شاہین نے الناسخ والمنسوخ میں اسی طرح تحقیق کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: دوزخ میں۔ جب وہ واپس جانے لگا تو آپ نے اس کو بلا کر فرمایا: میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں۔

اس حدیث میں باپ سے مراد آپ کے چچا ابوطالب ہیں (صحیح مسلم الایمان: ۳۴۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۸، مسند احمد ج ۳، ص ۱۱۹)

ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کرنے کے متعلق جو حدیث ہے وہ موضوع ہے اور وہ قرآن مجید اور اجماع کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِـــيْمًا ○ (النساء: ۱۸)	اور ان لوگوں کی توبہ (مقبول) نہیں ہے جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی شخص کو موت آئے اور وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ان کی (توبہ مقبول) ہے جو کفر کی حالت میں مرجاتے ہیں۔

پس جو شخص کفر کی حالت میں مر گیا اس کو حشر میں ایمان نفع نہیں دے گا بلکہ عذاب کے مشاہدہ کے وقت بھی اس کو ایمان نفع نہیں دیتا تو دوبارہ زندہ کرنے پر ایمان کیسے نفع دے گا!

حافظ ابوالخطاب عمر بن دحیہ نے کہا ہے کہ اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تسلسل اور تواتر سے آپ کی وفات تک ثابت ہوتے رہے ہیں تو آپ کے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا آپ پر ایمان لانا بھی آپ کے اکرام اور آپ کے فضائل کے قبیل سے ہے اور آپ کے والدین کریمین کا زندہ کرنا عقلاً اور شرعاً محال نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ بنو اسرائیل کا مقتول زندہ کیا گیا اور اس نے اپنے قاتل کی خبر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے، اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مُردوں کو زندہ کیا اور جب ان کا زندہ ہونا محال نہیں ہے تو زندہ ہو کر آپ پر ایمان لانے میں کیا چیز مانع ہے؟ اور سورہ نساء کی آیت: ۱۸ سے جو استدلال کیا گیا ہے کہ جو کفر پر مرے اس کو ایمان نفع نہیں دیتا اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کا غروب ہونے کے بعد طلوع ہونا ثابت ہے، اس کو امام ابو جعفر طحاوی نے ذکر کیا ہے، تو اگر سورج کا غروب ہونے کے بعد طلوع ہونا نافع نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ سورج کو نہ لوٹاتا، اسی طرح اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی تصدیق کرنے کے لیے نفع بخش نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو زندہ نہ فرماتا۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھ لیے تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو قبول کر لیا، اور ظاہر قرآن میں بھی اسی طرح ہے، اور جس طرح قرآن مجید میں ہے:

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ۔ (البقرۃ: ۱۶۲)	کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔

اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ابولہب اور ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی تو اس آیت کے عموم میں تخصیص کی گئی ہے، اسی طرح مذکور الصدر دلائل کی بناء پر النساء: ۱۸ میں بھی تخصیص کی جائے گی، اور اس کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ والدین کریمین کا زندہ کیا جانا اور ان کا ایمان لانا پہلے کا واقعہ ہے اور یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہے۔

(التذکرۃ ج ۱، ص ۷۳-۳۵، ملخصاً، مطبوعہ دار البخاری المدینۃ المنورۃ، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے اپنے ماں باپ کو بلند تخت پر بٹھایا، اور وہ سب یوسف کے لیے سجدہ میں گر گئے، اور یوسف نے کہا: اے میرے باپ! یہ میرے اس پہلے خواب کی تعبیر ہے، بے شک میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا، اور

بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھ کو قید سے رہائی دی، اور شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جو عناد پیدا کر دیا تھا اس کے بعد آپ سب کو گاؤں سے لے آیا، بے شک میرا رب جو چاہتا ہے وہ حسن تدبیر سے کرتا ہے، بے شک وہ بے حد علم والا بہت حکمت والا ہے○ (یوسف: ۱۰۰)

حضرت یوسف کے خواب کی تعبیر پوری ہونے کی مدت میں متعدد اقوال

وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو سترہ سال کی عمر میں کنوئیں میں ڈالا گیا تھا اور وہ اپنے باپ سے اسی (۸۰) سال غائب رہے اور اپنے باپ سے ملاقات کے بعد تیئیس (۲۳) سال مزید زندہ رہے اور عزیز مصر کی بیوی کے بطن سے حضرت یوسف کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ افرائیم اور منشا اور رحمت نام کی ایک بیٹی تھی جو حضرت ایوب کی بیوی بنی اور حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ کے درمیان چار سو سال کی مدت تھی، ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کے درمیان تینتیس (۳۳) سال جدائی رہی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ملا دیا۔ امام ابن اسحٰق نے کہا: اٹھارہ سال جدائی رہی، ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۲۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت یوسف کے خواب اور اس کی تعبیر پوری ہونے کے درمیان جو مدت گزری ہے امام ابن جوزی نے اس کے متعلق سات قول ذکر کیے ہیں: ۴۰ سال، ۲۲ سال، ۸۰ سال، ۳۶ سال، ۳۵ سال، ۷۰ سال، ۱۸ سال۔

(زاد المسیر ج ۴، ص ۲۹۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

یہ تمام اقوال ظنی ہیں اور کسی قول کی بنیاد کوئی قطعی اور یقینی دلیل نہیں ہے۔

حضرت یوسف کے لیے حضرت یعقوب کے سجدہ کی توجیہات

اس آیت میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف کے ماں باپ حضرت یوسف کے لیے سجدہ میں گر گئے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب کا حضرت یوسف کو سجدہ کرنا متعدد وجوہ سے موجب اشکال ہے:

(۱) حضرت یعقوب اکابر انبیاء سے ہیں اور حضرت یوسف ہرچند کہ نبی تھے لیکن حضرت یعقوب بلند مرتبہ کے تھے۔

(۲) حضرت یعقوب باپ تھے اور حضرت یوسف بیٹے تھے اور اولاد کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ ماں باپ کے سامنے جھکی رہے:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ — اور نرم دلی کے ساتھ ان کے لیے عاجزی سے جھکتے رہنا۔

(بنی اسرائیل: ۲۴)

دریں صورت ماں باپ کا بیٹے کو سجدہ کرنا عجیب و غریب ہے۔

(۳) حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کی بہ نسبت بہت عبادت گزار تھے اور ان سے بہت افضل تھے اور افضل کا مفضول کو سجدہ کرنا بہت عجیب ہے۔

اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان سب نے یوسف کی وجہ سے اللہ کو سجدہ کیا، اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ پھر خواب کیسے سچا ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خواب بھی یہی تھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند نے میری وجہ سے اللہ کو سجدہ کیا۔

(۲) حضرت یوسف بمنزلہ کعبہ تھے اور سجدہ اللہ کو تھا۔

(۳) ہرچند کہ حضرت یعقوب ہر لحاظ سے حضرت یوسف سے افضل تھے لیکن انہوں نے اس لیے حضرت یوسف کو سجدہ کیا تاکہ ان کے بھائیوں کو حضرت یوسف کے سامنے سجدہ کرنے میں عار محسوس نہ ہو جیسے ادارہ کا سربراہ کسی شخص کی تعظیم کرے

تو ادارہ کے باقی ارکان بھی اس کی تعظیم بجالانے میں عار محسوس نہیں کرتے۔

(۴) ہر چند کہ قیاس اور عقل کا یہی تقاضا ہے کہ حضرت یعقوب حضرت یوسف کو سجدہ نہ کرتے لیکن بعض احکام تعبدی ہوتے ہیں، ان میں عقل کا دخل نہیں ہوتا جیسے تیمم وضو کا قائم مقام ہے جب کہ وضو سے منہ صاف ہوتا ہے اور تیمم میں خاک آلود ہاتھ منہ پر ملے جاتے ہیں، نیز اس میں یہ دکھلانا ہے کہ نبی میں نفسانیت بالکل نہیں ہوتی، اللہ باپ کو حکم دیتا ہے کہ بیٹے کو سجدہ کرے اور باپ طمانیت قلب کے ساتھ بیٹے کے لیے سجدہ کرتا ہے اور اس کے دل میں بیٹے کے خلاف کوئی میل نہیں آتا، سو ایسے عظیم بندے کی بندگی پر سلام ہو! سلام ہو حضرت یعقوب پر!!

ہماری شریعت میں سجدۂ تعظیم کا حرام ہونا

ہماری شریعت میں سجدۂ تعظیم حرام ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ دوسرے کے لیے سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۵۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۰، کشف الاستار رقم الحدیث: ۱۴۶۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۱۶۲، المستدرک ج ۲ ص ۱۷۲-۱۷۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۲۹۱، مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۱، کامل ابن عدی ج ۴ ص ۱۳۳۴، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۲۵۵، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۱۰-۳۰۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۷۷۳)

قیامِ تعظیم کی ممانعت کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا، وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ آپ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۵۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۸۶، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۷۸۴)

متکبرین اور جبابرہ کی مخالفت اور اپنے رب کے سامنے تواضع کو پسند کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کو ناپسند کرتے اور سادگی کے ساتھ بے تکلف ماحول میں رہتے تھے۔

ابومجلز بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ باہر نکلے تو حضرت عبداللہ بن الزبیر اور ابن الصفوان ان کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ حضرت معاویہ نے کہا تم دونوں بیٹھ جاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص اس سے خوش ہوتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۵۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۲۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۸۶، مسند احمد ج ۴ ص ۹۱، المعجم الکبیر ج ۱۹ رقم الحدیث: ۸۱۹، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۳۰)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصا سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے تھے، تو ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے۔ آپ نے فرمایا: عجمیوں کی طرح نہ کھڑے ہو، وہ بعض، بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۶، مسند احمد ج ۵، ص ۲۵۳)

قیامِ تعظیم میں مذاہبِ فقہاء

علامہ ابوسلیمان خطابی شافعی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا رئیس فاضل کے لیے اور حاکم عادل کے لیے کھڑے ہونا اور شاگرد کا استاذ کے لیے کھڑے ہونا مستحب ہے

مکروہ نہیں ہے، اور جس شخص کی صفات ان کے خلاف ہوں ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا مکروہ ہے، اور جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنے لیے کھڑے ہونے کا حکم دے اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا مکروہ ہے، اور بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ عالم کے لیے کھڑے ہونا اور نیک لوگوں کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا منع نہیں ہے اور جس حدیث میں آپ نے فرمایا: جو شخص اس سے خوش ہوتا ہے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے، اس کا محمل یہ ہے کہ وہ بیٹھا رہے اور لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔ (معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۸، ص ۸۵، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

آنے والے کی تعظیم و تکریم کے متعلق ہمارا اختیار یہ ہے کہ اس شخص کیلئے کھڑا ہونا مستحب ہے، جس میں علم، نیکی، شرف، اقتدار اور حکومت کی کوئی فضیلت ہو یا وہ رشتہ دار ہو یا عمر میں بڑا ہو، اور اس کیلئے کھڑا ہونا نیکی اور احترام اور اکرام کی وجہ سے ہو نہ کہ ریاکاری یا اس کے تکبر کی وجہ سے ہو، اور ہم نے جس نظریہ کو اختیار کیا ہے یہی سلف اور خلف کا معمول ہے۔

(الاذکار ج ۱، ص ۳۰۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

مصر اور عجم میں یہ عادت ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی تعظیم کے لیے نہ کھڑا ہو تو وہ اپنے دل میں تنگی محسوس کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس کے نزدیک اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے، اسی طرح جب وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے لیے خم ہوتے ہیں اور جھکتے ہیں اور یہ عادت مستمرہ ہے بلکہ ان کے آباء و اجداد سے یہ رسم چلی آرہی ہے، خصوصاً جب وہ حکام اور مال داروں سے ملتے ہیں تو خم ہو کر ملتے ہیں (اسی طرح علماء اور مشائخ سے) اور انہوں نے اس معاملہ میں احادیث اور سنن سے بالکل اعراض کرلیا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کرتا ہے، کیا وہ اس کے لیے جھک جایا کرے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا: کیا وہ اس سے معانقہ کرے اور اس کو بوسہ دے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس نے کہا: کیا وہ اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے؟ آپ نے فرمایا: ہاں!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۲۸، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۰۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۲۸۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۱۰۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کے لیے فرمایا:

قوموا الی سیدکم وخیرکم۔ اپنے سردار اور نیک آدمی کی طرف کھڑے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۶۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۸)

ہم کہتے ہیں یہ حدیث صرف حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا جواب یہ ہے حضرت سعد بن معاذ بیمار تھے اور دراز گوش پر سوار ہو کر آرہے تھے اور آپ نے لوگوں سے کہا ان کو دراز گوش سے اتارنے کے لیے کھڑے ہوں اور کسی بڑے آدمی کی تعظیم کے لیے اس وقت کھڑے ہونا جائز ہے جب وہ اپنی تعظیم سے خوش نہ ہو، اگر وہ اپنی تعظیم سے خوش ہو تو پھر اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسے شخص کے لیے حدیث میں دوزخ کے عذاب

کی وعید ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۲۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا جائز ہے بلکہ مستحب ہے، بشرطیکہ وہ تعظیم کا مستحق ہو۔ قنیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھا ہو یا قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو اور کوئی شخص آ جائے تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ تعظیم کا مستحق ہو۔ مشکل الآثار میں مذکور ہے دوسرے کے لیے کھڑے ہونا بعینہٖ مکروہ نہیں ہے، جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اس کے لیے لوگ کھڑے ہوں اس کے لیے کھڑے ہونا مکروہ ہے، اور جس کے لیے قیام نہیں کیا جاتا اگر اس کے لیے قیام کیا جائے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ ابن وہبان نے کہا ہمارے زمانہ میں مناسب یہ ہے کہ یہ فتویٰ دیا جائے کہ جس شخص کے متعلق یہ علم ہو کہ اگر اس کے لیے قیام نہ کیا جائے تو وہ کینہ، بغض اور عداوت رکھے گا خصوصاً جس جگہ کسی شخص کے لیے کھڑے ہونے کا معمول ہو اس شخص کے لیے کھڑے ہونا مستحب ہے، اور جن احادیث میں قیام پر عذاب کی وعید ہے وہ ایسے قیام کے متعلق ہے جیسا ترکوں میں اور عجمیوں میں رواج تھا (یعنی ایک سردار بیٹھا ہو اور دوسرے اس کی تعظیم کے لیے صف بہ صف کھڑے ہوں) میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عنایہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ شیخ حکیم ابوالقاسم کے پاس کوئی دولت مند آتا تو وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے اور فقراء اور طلبہ کے لیے نہیں کھڑے ہوتے تھے، ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا دولت مند مجھ سے تعظیم کی توقع رکھتا ہے، اگر میں اس کے لیے نہیں کھڑا ہوں گا تو وہ مجھ سے بغض رکھے گا اور فقراء اور طلبہ صرف سلام کے جواب کی توقع رکھتے ہیں اور اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ میں ان سے علمی باتیں کروں۔ (ردالمحتار ج ۵، ص ۲۴۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

آنے والے کے استقبال کے لیے کھڑے ہونے کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی شخص کو عادات، خصائل اور شمائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ نہیں دیکھا، جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کو بوسہ دیتے اور ان کو اپنی مجلس میں بٹھاتے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۱۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۵۳، المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۱۰۴۳۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۱۰۱)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے حجرے میں تھے۔ انہوں نے آ کر زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برہنہ پشت تہبند گھسیٹتے ہوئے اس کے (استقبال کے) لیے کھڑے ہوئے اور میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی آپ کو برہنہ پشت نہیں دیکھا (حضرت ام المومنین کا مطلب ہے کہ انہوں نے کسی اور کے لیے آپ کو برہنہ پشت استقبال کرتے ہوئے نہیں دیکھا) پھر آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو گلے لگایا اور ان کو بوسہ دیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۲، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴، ص ۴۲۸)

حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن وہ مکہ سے بھاگ گئے تھے حتیٰ کہ ان کی بیوی ام حکیم بنت الحارث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے لیے اجازت طلب کی، آپ نے ان کو مامون قرار دے دیا، وہ یمن جا کر ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو ان کے اکرام کے لیے

کھڑے ہوگئے اور ان کو گلے لگایا اور فرمایا: ہجرت کرنے والے سوار کو خوش آمدید ہو۔

(المعجم الکبیرج ۱۷، ص ۷۳، ۷۴، رقم الحدیث: ۲۰۲۱۱ حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند منقطع ہے، مجمع الزوائد ج ۹، ص ۳۸۵، اسد الغابہ ج ۴، ص ۶۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت یوسف نے کہا) اے میرے رب تو نے مجھے (مصر کی) حکومت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا؛ اے آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا○ (یوسف: ۱۰۱)

دعا میں سوال سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس چوبیس سال رہے، پھر ان کی وفات ہوگئی، انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کو شام میں ان کے والد کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔ حضرت یوسف ان کی میت کو لے کر خود شام گئے، پھر مصر لوٹ آئے اور اس کے بعد تیئس سال تک زندہ رہے، پھر جب انہوں نے جان لیا کہ انہوں نے ہمیشہ نہیں رہنا اور بہرحال اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے تو انہوں نے یہ دعا کی۔

(غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۴، ص ۱۲۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے سے پہلے اس کی حمد و ثنا کرنی چاہیے اور اس کی نعمتوں کا بیان کرنا چاہیے اس کے بعد اپنا سوال کرنا چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے جد کریم سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی طرح دعا کی تھی:

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۙ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۙ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۙ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۙ وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ؕ رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۙ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۙ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۙ وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۙ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۙ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۙ (الشعراء: ۷۸-۸۸)

جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے○ اور جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے○ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے○ اور جو مجھے وفات دے گا پھر مجھے زندہ فرمائے گا○ اور جس سے مجھے یہ امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری (ظاہری) خطائیں معاف فرما دے گا○ اے میرے رب! مجھے حکم عطا فرما اور مجھے صالحین کے ساتھ واصل کر دے○ اور میرے بعد آنے والی نسلوں میں میرا ذکر جمیل جاری رکھ○ اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کر دے○ اور میرے (عرفی) باپ کی مغفرت فرما بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا○ اور مجھے حشر کے دن شرمندہ نہ کرنا○ جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ بیٹے۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح دعائیں کی ہیں، پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ہے پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے، میں یہاں صرف ایک مثال پیش کر رہا ہوں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کو اٹھے تو یہ کہے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ وحدہ لاشریک ہے، اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہی ہر چیز پر قادر

ہے- الحمد للہ، سبحان اللہ، ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اور گناہوں سے باز آنا اور عبادت کی طاقت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں، اس کے بعد یہ کہے: اے اللہ! مجھے بخش دے یا جو بھی دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوگی، پھر اگر اس نے وضو کیا تو اس کی نماز قبول ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۰۴۹، دار ارقم)

موت کی دعا کرنے کے متعلق امام رازی کا نظریہ

امام فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا کی اور انہوں نے قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے رب سے ملنے کی دعا کی اور ان سے پہلے کسی نبی نے موت کی دعا نہیں کی، اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے، پھر انہوں نے لکھا ہے کہ ہر صاحب عقل زندگی کے مقابلہ میں موت کو ترجیح دے گا کیونکہ دنیا کی نعمتیں زائل ہونے والی ہیں اور آخرت کی نعمتیں باقی ہیں، دنیا کی بڑی لذتیں کھانے، جماع کرنے اور حکومت اور اقتدار میں ہیں- کھانے کی لذت بہت عارضی ہے بس جتنی دیر انسان لقمہ چباتا ہے، حلق سے لقمہ نگلنے کے بعد کوئی لذت باقی نہیں رہتی، اور لذت جماع بھی بہت عارضی ہے اور اس کے نتیجہ میں بال بچوں کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں انسان تاحیات مشقت میں مبتلا رہتا ہے اور حکومت اور اقتدار کی لذت کے ساتھ ان گنت مسائل، پریشانیاں اور خطرات ہیں اور جب صاحب عقل ان معانی پر غور کرے گا تو وہ یہی تمنا کرے گا کہ حیات جسمانیہ زائل ہو جائے- امام رازی فرماتے ہیں: میرا بھی یہی حال ہے، میں جسمانی لذات کے معائب سے واقف ہوں اور میں چاہوں تو ان کے عیوب بیان کرنے میں بڑی ضخیم کتابیں لکھ سکتا ہوں اور اب اکثر اوقات میں، میں حضرت یوسف کی، کی ہوئی دعا کرتا رہتا ہوں کہ مجھے دنیا سے مسلمان اٹھانا اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا- (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۱۷- ۵۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

موت کی دعا کرنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں امام رازی کے علوم و معارف اور ان کی نکتہ آفرینیوں کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچتا، میں ان کی تحقیقات اور تدقیقات سے استفادہ کرتا ہوں، ان کے دسترخوان علم کا ایک ادنیٰ ریزہ خوار ہوں اور ان کا روحانی شاگرد ہونا اپنے لیے باعث فخر گردانتا ہوں، اس کے باوجود بصد ادب مجھے امام رازی کی اس تحقیق سے اختلاف ہے، میرے نزدیک موت کی تمنا کرنا جائز نہیں ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی تمنا نہیں کی تھی اور نہ اس کی دعا کی تھی بلکہ ان کی دعا یہ تھی کہ اے اللہ! جب تو میری روح کو قبض فرمائے تو حالت اسلام پر میری روح کو قبض فرمانا، اس میں مرنے کی دعا نہیں ہے بلکہ تاحیات اسلام پر جینے کی دعا ہے۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اے اللہ! مجھ سے اسلام کو سلب نہ کرنا حتیٰ کہ تو مجھے موت عطا کرے، اور ابن عقیل کہتے تھے کہ حضرت یوسف نے موت کی تمنا نہیں کی تھی، انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ ان کی موت صفت اسلام پر آئے اور اس دعا کا معنی یہ ہے کہ جب تو مجھے موت عطا فرمائے تو حالت اسلام پر موت عطا فرمانا- (زاد المسیر ج ۴، ص ۲۹۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اور اگر اس نے ضرور دعا کرنی ہو تو وہ یوں دعا کرے: اے اللہ! جب تک میرے

لیے زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت عطا کر۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۷۱، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۸۱۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اس کی دعا کرے، جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور زندگی مومن میں صرف نیکیوں کو زیادہ کرتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیک شخص ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ زیادہ نیکیاں کرے اور اگر بدکار ہے تو ہو سکتا ہے وہ توبہ کرلے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۳۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۱۸)

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام تو خود اکابر انبیاء میں سے ہیں اور صالحین کا اطلاق تو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ان سے کم مرتبہ کے لوگوں پر بھی ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ صالحین سے حضرت یوسف کی مراد ہے ان کے آباء کرام، حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی تدفین

امام عبدالرحمٰن محمد بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہوذا کو وصیت کی اور فوت ہو گئے، ان کی تدفین میں لوگوں نے نزاع کیا۔ حضرت یوسف کی برکت کے حصول کے لیے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ اس کے محلہ میں حضرت یوسف کو دفن کیا جائے، پھر انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ حضرت یوسف کو دریائے نیل میں دفن کر دیا جائے تاکہ ان پر سے پانی گزر کر سب تک پہنچ جائے، پھر انہوں نے لکڑی کے ایک صندوق میں حضرت یوسف کو دفن کر دیا، پھر حضرت یوسف کا صندوق وہیں رہا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے روانہ ہوئے تو وہ اپنے ساتھ اس صندوق کو لے گئے اور اس صندوق کو کنعان کی سرزمین میں دفن کر دیا۔ حسن بصری نے کہا: حضرت یوسف علیہ السلام جب فوت ہوئے تو ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

(زاد المسیر ج ۴، ص ۲۹۲، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا تو ان کی عمر ۱۷ سال تھی اور وہ ۸۰ سال اپنے باپ سے غائب رہے اور حضرت یعقوب سے ملاقات کے بعد ۲۳ سال زندہ رہے اور ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پائی، ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، اس کے بعد امام بغوی نے امام ابن جوزی کی طرح تدفین کا واقعہ بیان کیا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۲، ص ۳۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حضرت موسیٰ کا ایک بڑھیا کی رہنمائی سے حضرت یوسف کا تابوت نکالنا

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام پر وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو بلا

کر کہا: اے میرے بھائیو! میں نے دنیا میں کسی سے بھی اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ نہیں لیا اور مجھے یہ پسند تھا کہ میں لوگوں کی نیکیاں ظاہر کروں اور ان کی برائیاں چھپاؤں اور دنیا سے میرا یہی آخرت کے لیے زادراہ ہے' اے میرے بھائیو! میں نے اپنے باپ دادا جیسے عمل کیے ہیں تو تم مجھے ان کی قبروں کے ساتھ ملا دینا' اور ان سے اس بات کا پکا وعدہ لیا' لیکن انہوں نے اپنے وعدہ کو پورا نہیں کیا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا' انہوں نے حضرت یوسف کے متعلق معلوم کیا کہ ان کا صندوق کہاں دفن ہے تو صرف ایک بوڑھی عورت کو اس کا پتا تھا' اس کا نام شارح بنت شیر بن یعقوب تھا' اس نے حضرت موسیٰ سے کہا میں ایک شرط پر تم کو اس کا پتا بتاؤں گی۔ اس نے کہا ایک شرط تو یہ ہے کہ میں بوڑھی ہوں میں جوان ہو جاؤں۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا: منظور ہے۔ اس نے کہا دوسری شرط یہ ہے کہ میں جنت میں آپ کے درجہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے گریز کر رہے تھے کہ آپ پر وحی ہوئی کہ اس شرط کو بھی مان لو تو آپ نے مان لیا۔ پھر اس بڑھیا نے اس صندوق کی رہنمائی کی تو حضرت موسیٰ نے اس صندوق کو نکال لیا۔ وہ عورت جب ۵۲ سال کی عمر کو پہنچتی تو اس کی جسامت ۳۲ سال کی ہو جاتی' اس نے ۱۴۰۰ یا ۱۲۰۰ سال کی عمر پائی اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے اس سے شادی کی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷' ص ۲۲۰۵' رقم الحدیث: ۱۲۰۱۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ جلال الدین السیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس حدیث کو امام ابن اسحٰق اور امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (الدرالمنثور ج ۴' ص ۵۹۲-۵۹۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت عطا کرنے کا اختیار تھا

امام حافظ احمد بن علی تیمی متوفی ۳۰۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا' آپ نے اس کی عزت افزائی کی اور فرمایا: ہمارے پاس آؤ' وہ آیا آپ نے اس سے فرمایا: تم اپنی حاجت بیان کرو۔ اس نے کہا: مجھے سواری کے لیے ایک اونٹنی چاہیے اور بکریاں چاہئیں جن کا ہم دودھ دوہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم بنو اسرائیل کی بڑھیا کی طرح ہونے سے بھی عاجز ہو؟ آپ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو وہ راستہ بھول گئے۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ ان کے علماء نے کہا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات قریب ہوئی تو انہوں نے ہم سے (یعنی ہمارے آباء واجداد سے) یہ پختہ وعدہ لیا تھا اور اس پر قسم لی تھی کہ ہم مصر سے اس وقت تک روانہ نہیں ہوں گے جب تک ان کی نعش کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا: ان کی قبر کی جگہ کس کو معلوم ہے؟ انہوں نے کہا: بنو اسرائیل کی ایک بڑھیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بلوایا پس وہ آئی' حضرت موسیٰ نے فرمایا: مجھے حضرت یوسف کی قبر بتاؤ۔ اس نے کہا اس وقت تک اس کا پتا نہیں بتاؤں گی حتیٰ کہ آپ میری ایک درخواست منظور نہ کریں۔ آپ نے پوچھا: تمہاری کیا درخواست ہے؟ اس نے کہا: میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں! حضرت موسیٰ کو یہ ماننا ناگوار ہوا' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ اس کی درخواست منظور کر لیں! تو وہ آپ کو دریائے نیل کی اس جگہ پر لے گئی جہاں کا پانی متغیر ہو چکا تھا' اس نے کہا: یہاں سے پانی نکالو' انہوں نے وہاں سے پانی نکالا۔ اس نے کہا: یہاں کھدائی کرو' کھدائی کے بعد وہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش برآمد کی' جب انہوں نے حضرت یوسف کی نعش اوپر اٹھائی تو ان کو گمشدہ راستہ روز روشن کی طرح مل گیا۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۱۳' ص ۲۳۶-۲۳۷' رقم الحدیث: ۷۲۵۴' مطبوعہ دار الثقافت العربیہ' ۱۴۱۳ھ)

حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے کہ مسند ابو یعلیٰ کی حدیث کے راوی صحیح ہیں اور اسی وجہ سے میں نے اس حدیث کو درج کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۱-۱۷۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ، موارد الظمآن ج ۲ رقم الحدیث: ۲۴۳۵ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کرکے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۷۲-۵۷۱، علامہ ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے، حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے: المطالب العالیہ ج ۳ رقم الحدیث: ۳۴۴۲)

امام ابو حاتم محمد بن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

(صحیح ابن حبان ج ۲، ص ۵۰۱-۵۰۰، رقم الحدیث: ۷۲۳)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کو متعدد ائمہ حدیث کے حوالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۴، ص ۳۰۳-۳۰۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام ابو بکر محمد بن جعفر الخرائطی المتوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی کام کے متعلق سوال کیا جاتا، اگر آپ کا ارادہ اسے کرنے کا ہوتا تو فرماتے ہاں! اور اگر آپ کا ارادہ نہ کرنے کا ہوتا تو آپ خاموش رہتے، اور آپ کسی کام کے متعلق "نہ" نہیں فرماتے تھے۔ آپ کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے کچھ سوال کیا، آپ خاموش رہے، اس نے پھر سوال کیا آپ خاموش رہے، پھر اس نے تیسری بار سوال کیا تو آپ نے اسے گویا جھڑکنے کے انداز میں فرمایا: اے اعرابی مانگ کیا چاہتا ہے؟ ہمیں اس پر رشک آیا اور ہم نے گمان کیا کہ اب وہ جنت کا سوال کرے گا۔ اس نے کہا میں آپ سے ایک سواری کا سوال کرتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہیں مل جائے گی، پھر فرمایا: سوال کرو، اس نے کہا: میں اس کے پالان کا سوال کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: یہ تمہیں مل جائے گا، پھر فرمایا: سوال کرو، اس نے کہا: میں آپ سے سفر خرچ کا سوال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: یہ تمہیں مل جائے گا۔ حضرت علی نے کہا: ہمیں اس پر بہت تعجب ہوا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اعرابی نے جن چیزوں کا سوال کیا وہ اس کو دے دو، پھر اس کو وہ چیزیں دے دی گئیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اعرابی کے سوال میں اور بنی اسرائیل کی بڑھیا کے سوال میں کتنا فرق ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پار جانے کا حکم ہوا تو آپ کے پاس سواری کے لیے جانور لائے گئے، وہ جانور سمندر کے کنارے تک پہنچے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے منہ پھیر دیئے اور خود بخود پلٹ آئے، حضرت موسیٰ نے کہا: اے رب! یہ کیا ماجرا ہے؟ حکم ہوا کہ تم یوسف کی قبر کے پاس ہو، اس کی نعش کو اپنے ساتھ لے جاؤ وہ قبر ہموار ہو چکی تھی اور حضرت موسیٰ کو پتا نہیں تھا کہ وہ قبر کہاں ہے؟ پھر حضرت موسیٰ نے لوگوں سے سوال کیا کہ تم میں سے کسی کو پتا ہے، وہ قبر کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا: اگر کوئی جاننے والا ہے تو وہ بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا ہے، اس کو معلوم ہے کہ وہ قبر کہاں ہے۔ حضرت موسیٰ نے اس بڑھیا کو بلوایا، جب وہ پہنچ گئی تو حضرت موسیٰ نے کہا: کیا تم کو حضرت یوسف کی قبر کا علم ہے؟ اس نے کہا ہاں! حضرت موسیٰ نے کہا: ہمیں بتاؤ۔ اس نے کہا نہیں! اللہ کی قسم! جب تک تم میرا سوال پورا نہیں کرو گے! حضرت موسیٰ نے کہا: بتاؤ تمہارا کیا سوال ہے؟ اس بڑھیا نے کہا: میں یہ سوال کرتی ہوں کہ جنت کے جس درجہ میں تم رہو گے، اسی درجہ میں، میں رہوں! حضرت موسیٰ نے کہا: صرف جنت کا سوال کرو۔ اس نے کہا:

نہیں! اللہ کی قسم! میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ میں تمہارے ساتھ جنت میں تمہارے درجہ میں نہ رہوں! حضرت موسیٰ اس کو ٹالتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: اس کو وہ درجہ دے دو اس سے تم کو کوئی کمی نہیں ہوگی! حضرت موسیٰ نے اس کو جنت کا وہ درجہ دے دیا' اس نے قبر بتائی اور وہ حضرت یوسف کی نعش لے کر سمندر کے پار گئے۔ (مکارم الاخلاق ج ۲ ص ۱۳۶، رقم الحدیث: ۲۲۹، مطبوعہ مطبع المدنی مصر، ۱۴۱۱ھ)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۸، ص ۳۷۷-۳۷۶، رقم الحدیث: ۷۷۶۳، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض، ۱۴۱۵ھ)

حافظ الہیثمی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۱) امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (کنز العمال ج ۱۲ ص ۵۴۱، رقم الحدیث: ۳۲۲۴۳، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت)

ان حدیثوں کے اہم اور نمایاں فوائد میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا ہے کہ جس شخص کو جو چاہیں عطا کر دیں' کیونکہ آپ نے فرمایا: مانگ اے اعرابی جو چاہتا ہے' اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا سوال کرنے کی ترغیب دی' کیونکہ آپ نے فرمایا کہ تم میں اور بنی اسرائیل کی بڑھیا میں کتنا فرق ہے! اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کی اس پیرزن کو جنت میں اپنا درجہ عطا فرمادیں' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف جنت عطا کرنے کی نسبت فرمائی اور یہ کہ صحابہ کرام کا یہ اعتقاد تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت تک عطا کرنے کا اختیار تھا' اسی طرح بنی اسرائیل کی اس پیرزن کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ صرف جنت بلکہ جنت میں اپنا درجہ بھی عطا فرما سکتے ہیں' اور یہ کہ دنیا اور آخرت کی نعمتیں خواہ جنت ہو' ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنا شرک نہیں ہے' ان حدیثوں میں قبر سے نعش نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کا بھی ذکر ہے' سو اب ہم اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں۔

دفن سے پہلے اور دفن کے بعد میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی تحقیق

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن میری پھوپھی میرے والد کی نعش لے کر آئیں تاکہ وہ ان کو ہمارے قبرستان میں دفن کر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منادی نے ندا کی کہ شہداء کو ان کی قتل گاہوں میں ہی لوٹا دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۶۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۱۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۱۰، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۵، مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۷، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۷۰۴)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کا معنی ہے شہداء کو ان کے مقتل سے منتقل نہ کرو' بلکہ ان کو وہیں دفن کر دو جہاں ان کو قتل کیا گیا تھا' اسی طرح جو آدمی کسی جگہ طبعی موت مرجائے اس کو دوسرے شہر نہ منتقل کیا جائے۔ الازھار میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امر وجوب کے لیے ہے' کیونکہ جب میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے گا تو غالب یہ ہے کہ اس کا جسم متغیر ہو چکا ہوگا' البتہ اگر کوئی ضرورت ہو تو پھر میت کو منتقل کرنا جائز ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے: امام مالک روایت کرتے ہیں: حضرت عمرو بن الجموح انصاری اور حضرت عبد اللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما کی قبروں کو سیلاب نے اکھاڑ دیا تھا' ان کی قبریں سیلاب کے قریب تھیں' یہ دونوں ایک قبر میں مدفون تھے' یہ دونوں جنگ احد میں شہید ہوئے تھے ان کی قبر کھودی گئی تاکہ ان کی قبر کی جگہ تبدیل کی جاسکے' جب ان کے جسموں کو قبر سے نکالا گیا تو ان کے جسموں میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا' یوں

لگتا تھا جیسے وہ کل فوت ہوئے ہوں' ان میں سے ایک زخمی تھا اور اس کا ہاتھ اس کے زخم پر تھا' اس کو اسی طرح دفن کیا گیا تھا' اس کے ہاتھ کو اس کے زخم سے ہٹا کر جب چھوڑا گیا تو وہ پھر اپنے زخم پر آ گیا۔ جنگ احد اور قبر کھودنے کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۰۲۳' الجہاد: ۵۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۵۸-۵۷' مطبوعہ ملتان)

امام ابن ہمام نے کہا ہے کہ قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد قبر کو کھودا نہ جائے' خواہ مدت کم گزری ہو یا زیادہ' ماسوا عذر کے' اور التجنیس میں مرقوم ہے کہ عذر یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص کو غصب شدہ زمین میں دفن کر دیا گیا ہو یا اس زمین پر کسی نے شفعہ کر دیا ہو' یہی وجہ ہے کہ بکثرت صحابہ کو ارض حرب (دشمن اسلام کی زمین) میں دفن کر دیا گیا پھر ان کو ان کے وطنوں میں نہیں لوٹایا گیا' اسی طرح اگر کسی شخص کا قیمتی کپڑا' اس کی رقم اور کوئی قیمتی چیز قبر میں گر گئی تو اس کو نکالنے کے لیے قبر کو کھودنا جائز ہے' اور تمام مشائخ اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کا بیٹا اس کی غیر موجودگی میں کسی اور شہر میں دفن کر دیا گیا اور وہ اس کے فراق پر صبر نہیں کر سکتی تب بھی اس کو یہ اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ اس کو اپنے شہر میں منتقل کر کے دفن کر دے اور اگر کوئی شخص بغیر غسل کے یا بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا تو اس فرض کی تلافی کے لیے بھی اس کو قبر سے نکالنا جائز نہیں ہے' ہاں دفن سے پہلے اس کو ایک یا دو میل کے فاصلہ تک منتقل کرنا جائز ہے' کیونکہ اتنا فاصلہ تو قبرستان تک بھی ہوتا ہے۔ (یہ ملا علی قاری نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے کہا' اب ایک شہر میں کسی قبرستان میں بھی دفن کرنا جائز ہے) امام سرخسی نے کہا ہے کہ میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے' اور مستحب یہ ہے کہ ہر شخص کو اسی قبرستان میں دفن کیا جائے' حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر شام میں فوت ہوئے تھے پھر ان کی میت کو مدینہ لایا گیا تو حضرت عائشہ نے اپنے بھائی کی زیارت کرتے ہوئے فرمایا: اگر تمہارا معاملہ میرے سپرد ہوتا تو میں تم کو وہیں دفن کرتی جہاں تمہاری وفات ہوئی تھی' پھر التجنیس میں مذکور ہے کہ میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں فوت ہوئے تھے اور ان کی میت شام منتقل کی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بہت عرصہ کے بعد مصر سے شام منتقل کیا تاکہ ان کی قبر ان کے آباء کرام کے ساتھ ہو' التجنیس کی عبارت ختم ہوئی۔ ملا علی قاری اس پر تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ یہ ہم سے پہلے کی شریعت اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے خلاف ہم پر حجت نہیں ہے' اور شریعت سابقہ اس وقت حجت ہوتی ہے جب اس کے خلاف قرآن اور حدیث میں کوئی دلیل نہ ہو اور یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ شہداء کو وہیں دفن کرو جہاں وہ قتل ہوئے تھے' اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کو کسی عذر کی وجہ سے شام منتقل کیا گیا ہو' اور صاحب التجنیس نے گناہ کی نفی کی ہے کراہت کی نفی نہیں کی اور اس مسئلہ میں میت کو منتقل کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور وہ خلاف اولیٰ ہے اور اگر کوئی عذر ہو تو پھر خلاف اولیٰ بھی نہیں۔ (صحیح یہ ہے کہ بلاعذر میت کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا مکروہ تحریمی ہے) صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ دفن سے پہلے اگر میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر کسی فائدہ کی وجہ سے منتقل کر دیا جائے تو یہ مکروہ نہیں ہے مثلاً حرم شریف کے قرب کی وجہ سے منتقل کیا جائے' یا کسی نبی یا ولی کے قرب کی وجہ سے منتقل کیا جائے یا اس لیے کہ اس کے رشتہ داروں کو اس قبر کی زیارت میں سہولت ہو۔ (مرقات ج ۴ ص ۷۳-۷۲' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ دفن سے پہلے میت کو ایک شہر سے کسی دوسرے شہر میں کسی فائدہ اور مصلحت کی بناء پر منتقل کرنا بلا کراہت جائز ہے اور بے فائدہ اور بغیر کسی مصلحت کے میت کو منتقل کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور دفن کے بعد کسی عذر کی بناء پر دوسری جگہ میت کو منتقل کرنا بھی جائز ہے اور بغیر کسی ضرورت یا عذر کے دفن کے بعد میت کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن

کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

قاضی خاں متوفی ۲۹۵ھ نے لکھا ہے کہ بغیر عذر کے قبر کھود کر میت کو منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۱، ص ۱۹۵، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۰ھ)

شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۱۰-۸۰۸ میں بھی ہم نے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جس غیب کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں، اور جب برادران یوسف اپنی سازش پر متفق ہو رہے تھے اور اپنی سازش پر عمل کر رہے تھے تو اس وقت آپ ان کے پاس موجود نہ تھے○ (یوسف: ۱۰۲)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

اس آیت سے مقصود یہ بتانا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس مفصل واقعہ کی خبر دینا غیب کی خبر ہے، اس لیے یہ آپ کی نبوت کا معجزہ ہے اور آپ کی صداقت کی دلیل ہے، اور اہل مکہ کو علم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور نہ کسی عالم کی شاگردی اختیار کی ہے نہ اہل علم کی مجلس میں بیٹھے ہیں اور نہ مکہ علماء کا شہر تھا، اس کے باوجود آپ کا حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ کو بغیر کسی غلطی اور تحریف کے اور کسی سے پڑھے اور سنے بغیر بیان کر دینا آپ کا معجزہ ہے اور اس پر دلیل ہے کہ آپ پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے، پھر مزید تاکید کے طور پر فرمایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے خلاف سازشیں کر رہے تھے تو آپ ان کے ساتھ نہ تھے، پھر آپ نے ان تمام واقعات کو کیسے جان لیا! اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر آپ کو ان واقعات کا علم نہیں ہو سکتا تھا پس ثابت ہوا کہ آپ پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے اور یہی آپ کی نبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ خواہ کتنا ہی چاہیں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں○ اور آپ ان سے اس (تبلیغ دین) پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتے، یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے○ (یوسف: ۱۰۴-۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

قریش اور یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کا قصہ دریافت کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تفصیل سے یہ واقعات بیان فرمائے، آپ کو امید تھی کہ سورۂ یوسف کو سن کر یہ لوگ ایمان لے آئیں گے لیکن آپ کی یہ امید پوری نہ ہوئی اور آپ بہت رنجیدہ اور غمگین ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا رنج زائل کرنے اور آپ کو تسلی دینے کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں۔ (زاد المسیر ج ۴، ص ۲۹۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اس دوسری آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید میں توحید، رسالت، مبدء اور معاد کے دلائل ہیں اور نیک کاموں کی نصیحت ہے۔ قرآن مجید رشد و ہدایت کے مضامین پر مشتمل ہے، آپ کا منصب دولت کمانا نہیں ہے اور نہ آپ نے اس کی کبھی خواہش کی ہے، آپ کی کوشش تو صرف یہ ہے کہ لوگ ہدایت پر آجائیں اور وہ آخرت کی فلاح کو حاصل کر لیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ

آسمانوں اور زمینوں میں کتنی ہی ایسی نشانیاں ہیں جن سے لوگ منہ پھیرتے

عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ

ہوئے گزر جاتے ہیں ○ اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود بھی شرک

مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ أَفَأَمِنُوْا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ

ہی کرتے ہیں ○ کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے اوپر اللہ کا ایسا عذاب آجائے جو ان کا

اللّٰهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ

مکمل احاطہ کرلے یا ان پر اچانک قیامت آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو ○ آپ کہیے

هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ أَدْعُوْٓا إِلَى اللّٰهِ ۣقف عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ

کہ یہ میرا راستہ ہے، میں پوری بصیرت کے ساتھ (لوگوں کو) اس کی طرف بلاتا ہوں، اور میرے پیروکار بھی (اس کی طرف بلاتے ہیں)

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ أَرْسَلْنَا

اور اللہ پاک ہے، اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں ○ اور ہم نے آپ سے پہلے

مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ إِلَيْهِمْ مِّنْ أَهْلِ الْقُرٰى ۭ

صرف مردوں کو رسول بنایا ہے، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے وہ بستیوں کے رہنے والے تھے۔

أَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کیا ان لوگوں نے زمین میں سفر نہیں کیا تو یہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْأٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ

کیسا انجام ہوا، بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت میں اچھا ٹھکانا ہے

أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰٓى إِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا أَنَّهُمْ

تو کیا تم نہیں سمجھتے ○ حتیٰ کہ جب رسول ناامید ہونے لگے اور لوگوں نے گمان کیا کہ ان سے

قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙلا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ

جھوٹ بولا گیا تھا تو رسولوں کے پاس ہماری مدد آگئی سو جس کو ہم نے چاہا وہ بچا لیا گیا اور

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بِأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝١١٠ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ

مجرموں کی قوم سے ہمارا عذاب دور نہیں کیا جاتا ○ بے شک ان کے قصوں میں

عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن

عقل والوں کے لیے نصیحت ہے، یہ (قرآن) کوئی من گھڑت بات نہیں ہے بلکہ

تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى

یہ ان کتابوں کا مصدق ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ

وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝١١١ ع ۱۲ ۷ ۶

مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں اور زمینوں میں کتنی ہی ایسی نشانیاں ہیں، جن سے لوگ منہ پھیرتے ہوئے گزر جاتے ہیں○ (یوسف: ۱۰۵)

آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدت کی نشانیاں

آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر بہت نشانیاں ہیں جن پر لوگ غور نہیں کرتے۔ اس کائنات میں ہمیں جو سب سے عظیم چیز نظر آتی ہے وہ سورج ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک مقرر نظام کے تحت طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی عظیم قادر و قیوم کے نظام کے تابع اور مسخر ہے، اور جس عظیم قادر اور قیوم نے اس کائنات کی سب سے عظیم چیز کو اپنے نظام کے مسخر اور اپنے احکام کے تابع کیا ہوا ہے، وہی اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور اس کو چلانے والا ہے، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ زمین میں زرعی پیداوار، حیوانوں اور انسانوں کی تولید اور نشوونما کا نظام واحد ہے اور اس نظام کی وحدت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا بنانے والا اور اس نظام کو چلانے والا بھی واحد ہے، غرض آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے وجود اور اس کی وحدت پر بہت نشانیاں ہیں لیکن لوگ اس پر غور نہیں کرتے اور ان سے منہ پھیرتے ہوئے گزر جاتے ہیں!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود بھی شرک ہی کرتے ہیں○ (یوسف: ۱۰۶)

ایمان لانے کے باوجود شرک کرنے والوں کے مصادیق

حسن، مجاہد، عامر اور شعبی نے کہا: یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یہ مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا اور تمام کائنات کا خالق ہے، اس کے باوجود وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ عکرمہ نے کہا: انہی لوگوں کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی ہیں:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ (الزخرف: ۸۷)

اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر وہ کہاں بھٹک رہے ہیں!

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔ (العنکبوت: ۶۱)

اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے' اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر وہ کہاں بھٹک رہے ہیں!

حسن نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں' وہ اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور شرک بھی کرتے ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور یہود عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور یہ شرک ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو زبان سے ایمان لاتے تھے اور ان کے دل میں کفر تھا۔

حسن سے یہ روایت بھی ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں اور انہیں نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور جب اللہ ان کو اس مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو وہ پھر شرک کرنے لگتے ہیں:

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○ (الانعام: ۶۳-۶۴)

آپ پوچھیے کہ تمہیں سمندروں اور خشکی کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے؟ جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو' اگر وہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔ آپ کہیے کہ تمہیں اس مصیبت سے اور ہر سختی سے اللہ ہی نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو!○

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ پر ایمان رکھنے کے باوجود نعمتوں کا اسناد اسباب کی طرف کرتے ہیں' مسبب الاسباب کی طرف نہیں کرتے مثلاً کسی کو بیماری سے شفا ہو جائے تو کہتا ہے فلاں دوا سے یا فلاں ڈاکٹر کے علاج سے وہ شفایاب ہو گیا ہے' یہ نہیں کہتا کہ اسے اللہ نے شفا دی ہے!

اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ مصائب اور شدائد میں بھی اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے' وہ مشائخ اور اولیاء اللہ کے مزاروں پر جا کر ان کو پکارتے ہیں اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں اور ان کی نذر اور ان کی منتیں مانتے ہیں! ہر چند کہ اولیاء اللہ سے مدد طلب کرنا اس عقیدہ سے جائز ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی طاقت سے اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں اور یہ شرک نہیں ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ صرف اللہ سے مدد طلب کی جائے اور بزرگوں کے وسیلہ سے اپنی حاجت بر آری کے لیے دعا کی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اذا سئلت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله۔

جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۶ مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۷، ۳۰۳، ۳۰۷، ۲۹۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۹۸۸، ۱۲۹۸۹ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث: ۴۲۵ شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۷۴ الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۵۳ الآجری رقم الحدیث: ۱۹۸ المستدرک ج ۳ ص ۵۴۱ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۴ الآداب للبیہقی رقم الحدیث: ۱۰۷۳)

اور نذر عبادت مقصودہ ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کی نذر اور منت ماننا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے اوپر اللہ کا ایسا عذاب آ جائے جو ان کا

مکمل احاطہ کر لے یا ان پر اچانک قیامت آ جائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو○ (یوسف: ۱۰۷)

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار نہیں کرتے، اور وہ غیر اللہ کی عبادت پر ڈٹے رہتے ہیں، کیا ان کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ایسا عذاب آ جائے جو ان کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لے یا اسی حال میں ان پر اچانک قیامت آ جائے اور اللہ تعالیٰ ان کو دائمی عذاب کے لیے دوزخ میں ڈال دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں پوری بصیرت کے ساتھ (لوگوں کو) اس کی طرف بلاتا ہوں، اور میرے پیروکار بھی (اس کی طرف بلاتے ہیں) اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں○ (یوسف: ۱۰۸)

یعنی اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم! آپ ان مشرکین سے کہئے کہ میں جس دین کی دعوت دے رہا ہوں، یہی میرا طریقہ اور میری سنت ہے، اسی طریقہ پر چل کر انسان جنت اور اخروی نعمتوں کو حاصل کر سکتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو پوری بصیرت اور یقین کے ساتھ اسلام کی دعوت دینی چاہیے اور علماء کرام جو دین کی تبلیغ کرتے ہیں وہ اللہ کے بندوں کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امین اور سفیر ہیں، اس کے بعد فرمایا: اللہ پاک ہے یعنی مشرکین جو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ فلاں اللہ کا شریک ہے، فلاں اللہ کا بیٹا ہے، فلاں اللہ کا مددگار ہے اور ایسی ہی دوسری خرافات، اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے اور برتر اور بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنایا ہے، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے وہ بستیوں کے رہنے والے تھے، کیا ان لوگوں نے زمین میں سفر نہیں کیا تو یہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا، بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت میں اچھا ٹھکانا ہے تو کیا تم نہیں سمجھتے۔ (یوسف: ۱۰۹)

نبوت کے متعلق مشرکین کے شبہ کا ازالہ

منکرین نبوت یہ کہتے تھے کہ اللہ نے اگر کوئی رسول بھیجنا تھا تو کوئی فرشتہ بھیج دیتا، اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہتے تھے کہ یہ تو ہماری طرح بشر ہیں، یہ کیسے نبی ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں کو رسول بنایا ہے، کسی جن یا فرشتہ کو یا عورت کو رسول نہیں بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بستیوں کے رہنے والے تھے، اس سے مراد ہے کہ وہ شہروں کے رہنے والے تھے، کیونکہ جنگلوں اور دیہاتوں کے رہنے والے عموماً سخت دل اور غیر مہذب ہوتے ہیں اور عقل و فہم سے عاری ہوتے ہیں اور شہروں کے رہنے والے عموماً عقل مند، بردبار اور مہذب ہوتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنگلیوں اور دیہاتیوں میں سے کوئی نبی بھیجا اور نہ عورتوں میں سے اور نہ جنوں میں سے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا ان لوگوں نے زمین میں سفر نہیں کیا، کیونکہ زمین میں قوم عاد، قوم ثمود، قوم مدین اور قوم لوط پر عذاب کے آثار موجود ہیں، اگر یہ ان علاقوں میں سفر کرتے تو دیکھ لیتے کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوتا ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: ہم نے آپ سے پہلے مردوں کو رسول بنایا ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ عقیدہ غلط ہے کہ نبی کا مادہ خلقت نور ہوتا ہے، کیونکہ نور مرد یا عورت نہیں ہوتا، تمام انبیاء علیہم السلام نوع انسان سے مبعوث کیے گئے اور وہ سب مرد تھے اور وہ سب نور ہدایت ہیں البتہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نور حسی سے بھی وافر حصہ ملا تھا، جب آپ مسکراتے تو آپ کے دانتوں کی جھریوں سے نور کی شعاعیں سی دکھائی دیتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب رسول نا امید ہونے لگے اور لوگوں نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا تو رسول کے پاس ہماری مدد آ گئی، سو جس کو ہم نے چاہا وہ بچا لیا گیا اور مجرموں کی قوم سے ہمارا عذاب دور نہیں کیا جاتاO

(یوسف: ۱۱۰)

وظنوا انھم قد کذبوا کی توجیہات

اس آیت میں لفظ کذبوا کی قراءت دو طرح سے منقول ہے: ایک وجہ ہے کذبوا ذال پر تشدید کے بغیر اور دوسری وجہ ہے کذبوا ذال پر تشدید کے ساتھ۔ عاصم، حمزہ اور کسائی کی پہلی قراءت ہے اور باقی قراء کی دوسری قراءت ہے۔

اگر یہ لفظ بغیر تشدید کے پڑھا جائے تو اس کا نائب فاعل رسولوں کی امتیں ہیں، اور اس صورت میں اس کے دو محمل ہیں:

(۱) جب رسول اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور قوم نے یہ گمان کر لیا کہ رسولوں نے ان سے جو مدد اور کامیابی کا وعدہ کیا تھا وہ انہوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا تو اچانک ہماری مدد آ پہنچی۔ یہ تفسیر مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۲۱۹) امام ابن جریر نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے اور ہم نے بھی اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اور ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ المتوفی ۱۴۰۶ھ کا ترجمہ بھی اسی روایت پر مبنی ہے۔

(۲) رسولوں نے مایوس ہو کر یہ گمان کر لیا کہ ان سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ جھوٹا تھا تو ہماری مدد آ پہنچی۔ ابن ابی ملیکہ نے اس تفسیر کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ رسل بشر تھے اور ضعیف تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۲۲۷) ابن جریج نے کہا: میں بھی اسی طرح کہتا ہوں جس طرح حضرت ابن عباس نے کہا اور حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی:

حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ۔ (البقرہ: ۲۱۴)

حتیٰ کہ رسول اور ایمان والوں نے کہا اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو اللہ کی مدد قریب ہے۔

ابن جریج نے کہا: ابن ابی ملیکہ نے بتایا کہ حضرت ابن عباس کا مذہب یہ تھا کہ رسول کمزور تھے، انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۲۲۸)

اس روایت کی توجیہ عنقریب آئے گی۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ ان کا یہ گمان ضعف بشریت کی وجہ سے تھا، مگر یہ بہت بعید ہے کیونکہ عام مومن کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے جھوٹا وعدہ کیا ہے، بلکہ اس گمان کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا، تو رسولوں کے حق میں یہ کس طرح جائز ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا گمان کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام رازی نے اس روایت کو رد کر دیا ہے، اس کے بعد امام رازی لکھتے ہیں:

اگر اس آیت میں کذبوا تشدید کے ساتھ ہو اور ظن بہ معنی یقین ہو تو اس آیت کا معنی ہو گا کہ رسولوں نے یہ یقین کر لیا کہ ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کر دی ہے اور اب وہ ایمان نہیں لائیں گے، تب انہوں نے ان کے خلاف دعاء ضرر کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عذاب نازل کیا جس نے ان کو ملیامیٹ کر دیا۔

اور اگر اس آیت میں ظن بہ معنی گمان ہو تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب رسول اپنی قوموں کے ایمان لانے سے

مایوس ہوگئے تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ جو لوگ ان پر ایمان لاچکے ہیں وہ اب ان کی تکذیب کریں گے کہ رسولوں نے کافروں پر جس عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ عذاب اب تک نہیں آیا' اور جب رسولوں نے اپنی امتوں کے متعلق یہ گمان کیا تو کافروں پر عذاب آگیا اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اور مومنوں کو اس عذاب سے بچالیا اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی جو تاویل کی ہے وہ بہت عمدہ تاویل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶' ص ۵۲۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے عروہ نے سوال کیا کہ یوسف: ۱۱۰ میں لفظ کذبوا تشدید کے ساتھ ہے یا بغیر تشدید کے' حضرت عائشہ نے فرمایا: بلکہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی تھی (یعنی یہ لفظ تشدید کے ساتھ ہے) پس میں نے کہا: اللہ کی قسم! ان کو یہ یقین تھا کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی ہے اور یہ ان کا گمان نہیں تھا! حضرت عائشہ نے فرمایا: اے عروہ! انہیں اس کا یقین تھا۔ عروہ نے کہا: شاید یہ لفظ بغیر تشدید کے ہو (یعنی انبیاء علیہم السلام نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا) حضرت عائشہ نے فرمایا: معاذ اللہ! رسول اپنے رب کے ساتھ یہ گمان نہیں کر سکتے اور رہی یہ آیت تو یہ رسولوں کے پیروکار تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی تھی اور جب ان تک اللہ کی مدد پہنچنے میں دیر ہوگئی' حتیٰ کہ رسولوں کی امتوں میں سے جن لوگوں نے ان کی تصدیق کی تھی وہ اللہ کی مدد آنے سے مایوس ہوگئے اور رسولوں نے یہ گمان کرلیا کہ اب ان کے پیروکار بھی ان کی تکذیب کریں گے تو اللہ کی مدد آگئی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۸۹)

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کی چار توجیہات پیش کی گئی ہیں: کذبوا بغیر تشدید کے جو پڑھا گیا ہے اس کی دو توجیہات ہیں: پہلی توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا' یہ صحیح توجیہ ہے اور دوسری توجیہ کا خلاصہ ہے کہ رسولوں نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا' یہ باطل توجیہ ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو رد کر دیا ہے اور امام رازی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ اور اگر کذبوا کو تشدید کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کی بھی دو توجیہات ہیں: پہلی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ رسولوں نے یہ یقین کرلیا کہ ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کردی ہے' اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ رسولوں نے یہ گمان کیا کہ جو لوگ ان پر ایمان لاچکے ہیں وہ اب ان کی تکذیب کریں گے' یہ حضرت ام المومنین کی توجیہ ہے اور یہ سب سے بہترین توجیہ ہے۔

اس آیت کے ترجمہ میں بعض مترجمین کی لغزش

شیخ محمود حسن متوفی ۱۳۳۹ھ نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے:

یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا پہنچی ان کو ہماری مدد پھر بچادیا ہم نے جن کو چاہا۔

اور شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے:

یہاں تک کہ پیغمبر مایوس ہوگئے اور ان کو گمان غالب ہوگیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی' ان کو ہماری مدد پہنچی پھر ہم نے جس کو چاہا وہ بچالیا گیا۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے بھی انہی ترجموں کو مقرر رکھا ہے۔ (معارف القرآن ج ۵' ص ۱۹۱)

واضح رہے کہ یہ ترجمے اس روایت پر مبنی ہیں جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رد کر دیا ہے اور امام رازی نے

اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ کوئی عام مسلمان بھی یہ گمان نہیں کر سکتا کہ اللہ نے اس سے جھوٹ بولا تھا چہ جائیکہ رسول یہ گمان کریں اور حضرت ابن عباس کی طرف جو یہ روایت منسوب کی ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس میں مجاز بالحذف ہے یعنی رسولوں کے پیروکاروں نے یہ گمان کیا تھا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا اور اس روایت کے ظاہر سے حضرت ابن عباس کی تنزیہ کرنا واجب ہے۔ (فتح الباری ج ۸، ص ۳۶۹-۳۶۸)

امام رازی کے علاوہ دیگر مفسرین نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے، ہم چند مفسرین کے حوالے پیش کر رہے ہیں:

امام عبدالرحمن محمد بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے: ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنایا، انہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی، سو انہوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی، تو انہوں نے صبر کیا وہ بڑے عرصہ تک قوم کو دعوت دیتے رہے اور قوم ان کو جھٹلاتی رہی حتیٰ کہ جب رسول مایوس ہوگئے، حضرت ابن عباس نے کہا: وہ اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہوگئے، ایک قراءت کذبوا میں تشدید کی ہے اور معنی یہ ہے کہ رسولوں نے یقین کر لیا کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی ہے، اور دوسری قراءت تخفیف کی ہے اور معنی یہ ہے کہ ان کی قوم نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے جو ان سے اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ کیا تھا وہ جھوٹا نکلا تو پھر ہماری مدد آ گئی پس ہم جس کو چاہتے ہیں عذاب سے نجات دیتے ہیں، اور مجرموں کی قوم سے ہمارا عذاب دور نہیں کیا جاتا۔

(زاد المسیر ج ۴، ص ۲۹۶، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قوم نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے ان کو جو عذاب آنے کی خبر دی تھی وہ جھوٹ تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی امتوں نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے جو ان سے اللہ کی مدد آنے کا وعدہ کیا تھا وہ جھوٹ تھا اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ رسولوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اس نے اس کے خلاف کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ رسولوں کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا گمان کریں گے اور اگر وہ ایسا گمان کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے مستحق نہ ہوتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو بخاری میں ہے، اس میں بھی اسی کی تائید ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۲۴۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ابو علی نے کہا: جس شخص نے اس آیت کا یہ معنی کیا کہ رسولوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ نے ان کی زبانوں سے ان کی امتوں کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اس میں انہوں نے جھوٹ بولا تھا اور جس شخص نے یہ کہا ہے اس نے بہت بڑی جسارت کی ہے، انبیاء علیہم السلام کی طرف اس طرح کے گمان کی نسبت کرنا جائز ہے اور نہ اللہ کے نیک بندوں کی طرف، اسی طرح جس نے یہ گمان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مذہب کہ رسول کمزور تھے اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کے خلاف کیا گیا ہے، یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رسولوں کی قوموں نے یہ گمان کیا کہ ان کے ساتھ جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا۔

(البحر المحیط ج ۶، ص ۳۳۶، ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

حافظ عمر بن اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

قریش کے ایک نوجوان نے سعید بن جبیر سے سوال کیا مجھے بتائیے اس آیت کا کیا معنی ہے، میں جب اس آیت کو پڑھتا

ہوں تو میں یہ تمنا کرتا ہوں کہ کاش میں نے اس آیت کو نہ پڑھا ہوتا: حتی اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا۔ سعید بن جبیر نے کہا: ہاں! جب رسول اپنی قوموں سے مایوس ہو گئے کہ وہ ان کی تصدیق کریں گے اور ان کی قوموں نے یہ گمان کیا کہ انہوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا' پھر امام ابن جریر نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے کہ مسلم بن یسار نے سعید بن جبیر سے سوال کیا تو انہوں نے یہ جواب دیا' تو انہوں نے کھڑے ہو کر سعید کو گلے لگایا اور کہا: اللہ آپ کی پریشانیوں کو دور کرے جس طرح آپ نے میری پریشانیوں کو دور کیا ہے اور امام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اپنی قوموں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور عذاب آنے میں تاخیر کی وجہ سے ان کی قوم نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود دونوں سے اسی طرح روایت ہے اور حضرت ابن عباس کے دوسرے قول کو امام ابن جریر نے بالکل کمزور قرار دیا ہے اور اس کو مسترد کر دیا ہے اور اس کا انکار کر دیا اور اس کو قبول نہیں کیا اور اس سے راضی نہیں ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۵۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ ان رسولوں نے اپنی قوم پر عذاب آنے کی خبر دی تھی اور ان کے لیے اس کا وقت معین نہیں کیا گیا تھا تو انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس کا وقت مقرر کر لیا' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے حدیبیہ کے سال کو اپنے اجتہاد سے عمرہ کے لیے مقرر کر لیا تھا' اور جب کافی مدت گزرنے کے بعد بھی عذاب نہیں آیا تو رسول مایوس ہو گئے اور انہوں نے اپنے اجتہاد کی تغلیط اور تکذیب کی' اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: حتیٰ کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور انہوں نے (اپنے اجتہاد کی) تکذیب کی' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا وعدہ عذاب کی تکذیب کی لہٰذا کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

اس کے بعد علامہ آلوسی اس تاویل کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ رسل علیہم السلام کی تعظیم کے زیادہ موافق اور جو چیز ان کی شان کے لائق نہیں ہے اس کو ان سے زیادہ دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی طرف اللہ سے بدگمانی کی نسبت کرنے کے بجائے ان کی قوم کی طرف یہ نسبت کی جائے یعنی ان کی قوم نے یہ گمان کیا تھا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹا وعدہ کیا ہے۔

(روح المعانی جز ۱۳ ص ۱۰۴۔ ۱۰۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی نے یہ غور نہیں کیا کہ اس تاویل میں بڑی خرابی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے وعدہ عذاب سے مایوس ہو گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ سے مایوس ہونا کفر ہے اور جب کہ حضرت ابن عباس کی صحیح روایت کی بناء پر معنی یہ ہو گا کہ رسل عظام اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور بڑے عرصہ تک عذاب نہ آنے کی وجہ سے ان کی قوم نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا' نیز جس تاویل کی بنا پر انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ سے بدگمانی کی نسبت لازم آتی ہے اس کو صرف خلاف اولیٰ کہنا بھی درست نہیں بلکہ اس کو ناجائز کہہ کر مسترد کر دینا چاہیے۔ جس طرح امام رازی اور امام ابوالحیان اندلسی نے کیا ہے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس طرح اس روایت کو مسترد کر دیا ہے۔

قرآن مجید کی آیات کے ترجمہ میں اس چیز کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جو انبیاء علیہم السلام کی شان کے ناموافق ہو۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی اور شیخ امین احسن اصلاحی عام طور پر اس کا خیال نہیں رکھتے لیکن یہاں ان کا ترجمہ حضرت ابن عباس کی صحیح اور غیر مؤول روایت پر مبنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان کے قصوں میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہے یہ (قرآن) کوئی من گھڑت بات نہیں ہے، بلکہ یہ ان کتابوں کا مصدق ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○ (یوسف: ۱۱۱)

حضرت یوسف کے قصہ کا احسن القصص ہونا

ان کے قصوں سے مراد حضرت یوسف، ان کے بھائیوں اور ان کے والد کے قصے ہیں اور کسی قصہ کا حسن یہ ہوتا ہے کہ اس میں نصیحت ہو اور حکمت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہے، یعنی جو ان واقعات میں غور و فکر کریں کہ جو شخص کسی کے ظلم و ستم پر صبر کرے اور جب اسے کوئی حسین، جوان اور مقتدر عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ اس سے اپنا دامن بچائے خواہ اس کے نتیجہ میں اس کو قید و بند کے مصائب اٹھانے پڑیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت عمدہ جزا دیتا ہے، اور وہ بھائی جو اپنی طاقت کے بل پر حضرت یوسف پر ظلم کر رہے تھے، ایک وقت آیا کہ وہ حضرت یوسف کے پاس غلہ کی خیرات لینے آئے اور وہ سب ان کے سامنے سجدہ ریز ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ ظالم بالآخر ناکام ہوتا ہے اور مظلوم انجام کار کامیاب ہوتا ہے۔

فرمایا: یہ قرآن کوئی من گھڑت بات نہیں یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف کا قصہ بیان کیا ہے یہ کوئی جھوٹ نہیں ہے بلکہ سابقہ آسمانی کتابوں کے موافق ہے اور ان کا مصدق ہے۔

قرآن مجید میں ہر شے کی تفصیل کا محمل

اور فرمایا: اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے، اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ اس میں حضرت یوسف کے قصہ کی پوری تفصیل ہے، اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اس قرآن میں بندوں کی دنیا اور آخرت کی فلاح سے متعلق تمام احکام شرعیہ کی تفصیل ہے اور ان کی رشد و ہدایت اور اصلاح عقائد اور مبداء اور معاد کی تمام تفصیل اس میں موجود ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس میں ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک رونما ہونے والے تمام واقعات کی تفصیل ہے اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام حقائق اور ان کے تمام اسرار و رموز اور ان کے تمام منافع اور مضار کی تفصیلات اس قرآن میں ہیں کیونکہ قرآن مجید تاریخ، جغرافیہ اور سائنس کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ رشد و ہدایت کی کتاب ہے اور اس میں رشد اور ہدایت سے متعلق تمام تفصیلات ہیں۔

نیز فرمایا: یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے، قرآن مجید ہدایت تو تمام انسانوں کے لیے ہے، لیکن اس کی ہدایت سے صرف ایمان والے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لیے فرمایا: یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

حرف آخر

آج مورخہ ۸ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ / ۱۵ مارچ ۲۰۰۰ء کو الحمدللہ سورۂ یوسف کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ تبیان القرآن کی یہ پانچویں جلد، ۱۷ مارچ ۱۹۹۹ء کو شروع کی تھی اور آج ۱۵ مارچ ۲۰۰۰ء کو یہ جلد پایہ تکمیل کو پہنچ گئی، اور آج وہ مبارک دن ہے کہ مکہ مکرمہ میں آج یوم عرفہ ہے اور مسلمان حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔ اس جلد میں سورۂ توبہ، سورۂ یونس، سورۂ ھود اور سورۂ یوسف کی تفسیر آ گئی ہے، الٰہ العالمین! آپ نے جس طرح سورۂ یوسف کی تفسیر لکھوا دی ہے، اپنے فضل و کرم سے بقیہ سورتوں کی تفسیر بھی مجھ سے لکھوا دیں، مجھے نیکی اور صحت و عافیت کے ساتھ تاحیات قائم رکھیں اور عزت و کرامت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ فرمائیں اور مجھے صالحین کے ساتھ لاحق کر دیں، ہرچند کہ میں ناکارہ اور نااہل ہوں مگر محض

اپنے کرم سے مجھے مرنے سے پہلے اپنے محبوب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت عطا فرمائیں اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرمائیں، اس کتاب کو فیض آفریں بنائیں، اس کے مصنف، اس کے ناشر، اس کے کمپوزر اور مصحح کو، اس کے قارئین اور معاونین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلاء اور ہر عذاب سے مامون اور محفوظ رکھیں اور دنیا اور آخرت کی ہر سعادت اور کامیابی اور ہر خوشی عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين، قائد المرسلين اول الشافعين والمشفعين وعلى اله المطهرين واصحابه الكاملين وعلى ازواجه امهات المؤمنين وعلى اولياء امته وعلماء ملته اجمعين۔

مآخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید

۲- تورات

۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۵- امام مالک بن انس اصبحی، متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۹ھ

۶- امام عبد اللہ بن مبارک، متوفی ۱۸۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، متوفی ۱۸۲ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۸- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد، کارخانہ تجارت کتب کراچی

۹- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ

۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی، ۱۹۷ھ، کتاب الزہد، مکتبۃ الدار مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ

۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی، متوفی ۲۰۴ھ، مسند طیالسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۹۱ھ

۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، المسند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ

۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ

۱۴- امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، المصنف مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

۱۵- امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی، متوفی ۲۱۹ھ، المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی، مکی، متوفی ۲۲۷ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۷- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ

۱۸- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، مسند ابن ابی شیبہ، مطبوعہ دار الوطن بیروت، ۱۴۱۸ھ

۱۹- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، المسند، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۰- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۱- امام ابو عبداللہ بن عبد الرحمٰن دارمی، متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ

۲۲- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ دار ارقم بیروت۔

۲۳- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، خلق افعال العباد، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۱ھ

۲۴- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۵- امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

۲۶- امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ

۲۷- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث، بجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مراسیل ابو داؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت، کتب کراچی

۲۹- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ، دار الجیل بیروت، ۱۹۹۸ء

۳۰- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۵ھ

۳۱- امام علی بن عمر دار قطنی، متوفی ۲۸۵ھ، سنن دار قطنی، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۲- امام ابن ابی عاصم، متوفی ۲۸۷ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ دار الرایہ، ریاض، ۱۴۱۱ھ

۳۳- امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار، متوفی ۲۹۲ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ مؤسسۃ القرآن، بیروت

۳۴- امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۳۵- امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، عمل الیوم واللیلہ مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ

۳۶- امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ

۳۷- امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی، متوفی ۳۰۷ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۸- امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی، المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی، مطبوعہ دار المامون تراث بیروت، ۱۴۰۴ھ

۳۹- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری، متوفی ۳۰۷ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ، متوفی ۳۱۱ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۵ھ

۴۱- امام ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی، متوفی ۳۱۲ھ، مسند عمر بن عبد العزیز۔

۴۲- امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق، متوفی ۳۱۶ھ، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ

۴۳- امام ابو عبداللہ محمد الحکیم الترمذی، المتوفی ۳۲۰ھ، نوادر الاصول، مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ، ۱۴۰۸ھ

۴۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۴۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ

۴۶- امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۴۷- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی، متوفی ۳۲۷ھ، مکارم الاخلاق، مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر، ۱۴۱۱ھ

۴۸- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، متوفی ۳۵۴ھ، الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۷ھ

۴۹- امام ابو بکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۶۰ھ، الشریعہ مطبوعہ مکتبہ دار السلام، ریاض، ۱۴۱۳ھ

۵۰- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ

۵۱- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم اوسط، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۵ھ

۵۲- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۵۳- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۹ھ

۵۴- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، کتاب الدعاء مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ

۵۵- امام ابو بکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی، متوفی ۳۶۴ھ، عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ

۵۶- امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی، المتوفی ۳۶۵ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ

۵۷- امام ابو حفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

۵۸- امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ، متوفی ۳۹۶ھ، کتاب العظمہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۵۹- امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ

۶۰- امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۶۱- امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار النفائس، بیروت

۶۲- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان۔

۶۳- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۶۴- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۶۵- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۶۶- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ

۶۷- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ

۶۸- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، شعب الایمان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ

۶۹- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، البعث والنشور، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۷۰- امام ابو عمر یوسف ابن عبد البر قرطبی، متوفی ۴۶۳ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷۱- امام ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی، المتوفی ۵۰۹ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ

۷۲- امام حسین بن مسعود بغوی، متوفی ۵۱۶ھ، شرح السنہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

۷۳- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، مختصر تاریخ دمشق، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

۷۴- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ

۷۵- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی، المعروف بابن الاثیر الجزری، المتوفی ۶۰۶ھ، جامع الاصول، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۷۶- امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ، الاحادیث المختارة، مطبوعہ مکتبہ النہضة الحدیثیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ

۷۷- امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری، المتوفی ۶۵۶ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۰۷ھ، دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۴ھ

۷۸- امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرة فی امور الآخرة، مطبوعہ دار البخاری، مدینہ منورہ

۷۹- حافظ شرف الدین عبد المومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ، المتجر الرابح، مطبوعہ دار خضر بیروت، ۱۴۱۹ھ

۸۰- امام ولی الدین تبریزی، متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰة، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، دار ارقم بیروت

۸۱- حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی، متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

۸۲- امام محمد بن عبد اللہ زرکشی، متوفی ۷۹۴ھ، اللآلی المنثورة، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۱۷ھ

۸۳- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

۸۴- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار، مطبوعہ مؤسسة الرسالہ بیروت، ۱۴۰۴ھ

۸۵- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، موارد الظمآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۸۶- امام محمد بن محمد جزری، متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، ۱۳۵۰ھ

۸۷- امام ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصیری، شافعی، متوفی ۸۴۰ھ، زوائد ابن ماجہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۸۸- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان، متوفی ۸۴۵ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان

۸۹- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

۹۰- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

۹۱- امام عبد الرؤف بن علی المناوی، المتوفی ۱۰۰۳ھ، کنوز الحقائق، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۹۲- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ

۹۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مسند فاطمہ الزہراء

۹۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ

۹۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۱۴ھ

۹۶- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ

۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنتثرہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۹۸- علامہ عبد الوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ، مصر، ۱۳۰۳ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ

۹۹- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال، مطبوعہ مؤسستہ الرسالہ بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۰- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، تنویر المقباس، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران

۱۰۱- امام حسن بن عبد اللہ البصری، المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ

۱۰۲- امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۱۰ھ

۱۰۳- امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء، متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعہ بیروت

۱۰۴- امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت

۱۰۵- شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی، مطبوعہ دار الکتاب ایران، ۱۴۰۴ھ

۱۰۶- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ، دار الفکر بیروت

۱۰۷- امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۳۱۱ھ، اعراب القرآن، مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران، ۱۴۰۶ھ

۱۰۸- امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی، متوفی ۳۲۷ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

۱۰۹- امام ابو بکر احمد بن علی رازی، جصاص حنفی، متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۱۱۰- علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ۳۷۵ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ

۱۱۱- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۳۸۵ھ، التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۱۲- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران، ۱۳۶۲ھ

۱۱۳- علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، النکت والعیون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۱۴- علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری، متوفی ۴۶۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۱۵- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ۴۶۸ھ، اسباب نزول القرآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۱۶- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ۴۶۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۱۷- امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، المتوفی ۵۱۶ھ، معالم التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۱۱۸- علامہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۳۸ھ، الکشاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ

۱۱۹- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی، مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۲۰- علامہ ابوبکر قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی، متوفی ۵۴۶ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ

۱۲۱- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۴۰۶ھ

۱۲۲- علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۱۲۳- خواجہ عبد اللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار و عدۃ الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران

۱۲۴- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۲۵- علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۹۷۸ء

۱۲۶- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۲۷- قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر

۱۲۸- علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور

۱۲۹- علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور

۱۳۰- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی، متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ

۱۳۱- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ

۱۳۲- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ

۱۳۳- علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ

۱۳۴- علامہ ابو العباس بن یوسف السمین الشافعی، متوفی ۷۵۶ھ، الدر المصون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۱۳۵- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ

۱۳۶- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی، متوفی ۸۶۰ھ، حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۶ھ

۱۳۷- علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت

۱۳۸- علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ، ۱۴۱۳ھ

۱۳۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ، ایران

۱۴۰- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جلالین، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۴۱- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، لباب النقول فی اسباب النزول، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۴۲- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی، متوفی ۹۵۱ھ، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی، مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ

۱۴۳- شیخ فتح اللہ کاشانی، متوفی ۹۷۷ھ، منہج الصادقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران

۱۴۴- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی، حنفی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابو السعود، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ

۱۴۵- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی، متوفی ۱۰۶۹ھ، عنایۃ القاضی، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۲۸۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۱۴۶- علامہ احمد جیون جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، التفسیرات الاحمدیہ، مطبع کریمی بمبئی

۱۴۷- علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۱۴۸- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل، متوفی ۱۲۰۴ھ، الفتوحات الالٰہیہ، مطبوعہ المطبع البہیۃ، مصر، ۱۳۰۳ھ

۱۴۹- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ، مصر

۱۵۰- قاضی ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ

۱۵۱- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ھ، تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

۱۵۲- شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، دار الوفا بیروت، ۱۴۱۸ھ

۱۵۳- علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ

۱۵۴- نواب صدیق حسن خان بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان، مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۰۱ھ، المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

۱۵۵- علامہ محمد جمال الدین قاسمی، متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاسمی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۱۵۶- علامہ محمد رشید رضا، متوفی ۱۳۵۴ھ، تفسیر المنار، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۵۷- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۹ھ، الجواہر فی تفسیر القرآن، المکتبۃ الاسلامیہ ریاض

۱۵۸- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۴ھ، بیان القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

۱۵۹- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، خزائن العرفان، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۶۰- شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۶۱- علامہ محمد طاہر بن عاشور، متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والتنویر، مطبوعہ تونس

۱۶۲- سید محمد قطب شہید، متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۸۶ھ

۱۶۳- مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ، نور العرفان، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات

۱۶۴- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ، معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ

۱۶۵- سید ابو الاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور

۱۶۶- علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ، التبیان، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان

۱۶۷- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی، اضواء البیان، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۶۸- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۶۹- آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۶۹ھ

۱۷۰- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

۱۷۱- شیخ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور

۱۷۲- علامہ محمود صافی، اعراب القرآن و صرفہ وبیانہ، مطبوعہ انتشارات زرین ایران

۱۷۳- استاذ محی الدین درویش، اعراب القرآن وبیانہ، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت

۱۷۴- ڈاکٹر وھبہ زحیلی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۷۵- سعید حوی، الاساس فی التفسیر، مطبوعہ دار السلام

کتب علومِ قرآن

۱۷۶- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ، البرہان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۷۷- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۷۸- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی، مناہل العرفان، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۷۹- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، الاستذکار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۸۰- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور، ۱۴۰۴ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۸۱- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی، متوفی ۴۷۴ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر، ۱۳۳۲ھ
۱۸۲- علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، عارضۃ الاحوذی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۳- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ دار الوفا بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۸۴- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۸۵- علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، المتوفی ۶۵۶ھ، المفہم، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ
۱۸۶- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۱۸۷- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی، متوفی ۷۴۳ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، ۱۴۱۳ھ
۱۸۸- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی، متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۸۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور
۱۹۰- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
۱۹۱- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۹۲- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ
۱۹۳- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۱۹۴- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۱۹۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۱۹۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ

۱۹۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ
۱۹۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، الحرز الثمین، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ، ۱۳۰۴ھ
۱۹۹- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ
۲۰۰- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ
۲۰۱- شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری، متوفی ۱۳۲۵ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۰۲- شیخ انور شاہ کشمیری، متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، ۱۳۵۷ھ
۲۰۳- شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح الملہم، مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۰۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی، متوفی ۱۳۹۴ھ، التعلیق الصبیح، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور

کتب اسماء الرجال

۲۰۵- علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ، العلل المتناہیہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد، ۱۴۰۱ھ
۲۰۶- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی، ۷۴۲ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۰۷- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۲۰۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۰۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تقریب التہذیب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۱۰- علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمان السخاوی، متوفی ۹۰۲ھ، المقاصد الحسنہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۱۱- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۱۲- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ، الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۲۱۳- علامہ محمد طاہر پٹنی، متوفی ۹۸۶ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۱۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، المتوفی ۱۰۱۴ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۱۵- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی ۱۱۶۲ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق
۲۱۶- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، الفوائد المجموعہ، مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض
۲۱۷- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد درویش متوفی ۱۲۷۶ھ، اسنی المطالب، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۱۸- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی، متوفی ۱۷۵ھ، کتاب العین، مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران، ۱۴۱۴ھ
۲۱۹- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری، متوفی ۳۹۸ھ، الصحاح، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۴۰۴ھ
۲۲۰- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی، متوفی ۵۰۲ھ، المفردات، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ

۲۲۱- علامہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۸۳ھ، الفائق، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۲۲- علامہ محمد بن اثیر الجزری، متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۲۳- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۲۴- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ، قم، ایران
۲۲۵- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی ۸۱۷ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۲۶- علامہ محمد طاہر پٹنی، متوفی ۹۸۶ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورہ، ۱۴۱۵ھ
۲۲۷- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر
۲۲۸- لوئیس معلوف الیسوعی، المنجد، مطبوعہ المطبعہ الکاثولیکہ، بیروت، ۱۹۲۷ء
۲۲۹- شیخ غلام احمد پرویز، متوفی ۱۴۰۵ھ، لغات القرآن، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۳۰- ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور

کتب تاریخ، سیرت و فضائل

۲۳۱- امام محمد بن اسحاق، متوفی ۱۵۱ھ، کتاب السیر والمغازی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
۲۳۲- امام عبد الملک بن ہشام، متوفی ۲۱۳ھ، السیرۃ النبویہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۳۳- امام محمد بن سعد، متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۳۴- علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، المتوفی ۴۵۰ھ، اعلام النبوت، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۰۸ھ
۲۳۵- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دار القلم بیروت
۲۳۶- حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۳۷- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء، مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۳۸- علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی، متوفی ۵۸۱ھ، الروض الانف، مکتبہ فاروقیہ ملتان
۲۳۹- علامہ عبد الرحمان بن علی جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، الوفا، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۴۰- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۱- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت
۲۴۲- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۴۳- علامہ علی بن عبد الکافی تقی الدین سبکی، متوفی ۷۵۶ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ کراچی
۲۴۴- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۴ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ

۲۴۵- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۶- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی، متوفی ۹۱۱ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۴۷- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۲۴۸- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی ۹۴۲ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۴۹- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۲۵۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۵۱- شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۵۲- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی، متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۵۳- علامہ محمد عبد الباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ
۲۵۴- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۵۵- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ
۲۵۶- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبۃ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان، ۱۴۰۵ھ
۲۵۷- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری، متوفی ۵۴۲ھ، خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۷ھ
۲۵۸- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۵۹- علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی ۵۹۲ھ، فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۶۰- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
۲۶۱- علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۶۲- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۱ھ
۲۶۳- علامہ ابوبکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ، الجوہرۃ النیرہ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
۲۶۴- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی، متوفی ۸۲۷ھ، فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۶۵- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ
۲۶۶- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۶۷- علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۶۸- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر
۲۶۹- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۱۲ھ
۲۷۰- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور، ۱۲۹۱ھ

۲۷۱- علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۲۷۲- علامہ حامد بن علی قونوی رومی، متوفی ۹۸۵ھ، فتاوی حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۷۳- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، حاشیہ ابو سعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیتہ المعارف المصریہ مصر، ۱۲۸۷ھ
۲۷۴- علامہ خیر الدین رملی، متوفی ۱۰۸۱ھ، فتاوی خیریہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۷۵- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ، الدر المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۷۶- علامہ سید احمد بن محمد حموی، متوفی ۱۰۹۸ھ، غمز عیون البصائر، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ
۲۷۷- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاوی عالم گیری، مطبوعہ مطبع کبری امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۷۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۲۷۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کوئٹہ
۲۸۰- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۶ھ
۲۸۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ، ۱۴۱۹ھ
۲۸۲- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، جد الممتار، مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
۲۸۳- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاوی رضویہ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۲۸۴- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاوی افریقیہ، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۲۸۵- علامہ امجد علی، متوفی ۱۳۷۶ھ، بہار شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۲۸۶- شیخ ظفر احمد عثمانی تھانوی متوفی ۱۳۹۴ھ، اعلاء السنن مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۸۷- علامہ نور اللہ نعیمی، متوفی ۱۴۰۳ھ، فتاوی نوریہ، مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور، ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۲۸۸- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، الام، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ
۲۸۹- علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۹۰- علامہ ابو اسحاق شیرازی، متوفی ۴۵۵ھ، المہذب، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۳ھ
۲۹۱- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۹۲- علامہ یحیی بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۹۳- علامہ یحیی بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ
۲۹۴- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الحاوی للفتاوی، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۹۵- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ، نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۹۶- علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبراملی، متوفی ۱۰۸۷ھ، حاشیہ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۲۹۷- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۹۸- قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۹۹- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی، متوفی ۷۶۷ھ، مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۰۰- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی، المتوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل، مطبوعہ مکتبہ النجاح لیبیا
۳۰۱- علامہ علی بن عبد اللہ بن الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۰۲- علامہ ابو البرکات احمد دردیر مالکی، متوفی ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۰۳- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۰۴- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، المغنی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
۳۰۵- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، الکافی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۳۰۶- شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ ریاض، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۰۷- علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی ۷۶۳ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۰۸- علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۰۹- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی ۹۶۰ھ، کشاف القناع، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۱۰- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۱۱- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۱۲- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۱۳- شیخ ابو منصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس، الاحتجاج، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، ۱۴۰۳ھ
۳۱۴- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی، المتوفی ۶۷۹ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۱۵- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران، ۱۳۴۷ھ
۳۱۶- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حیات القلوب، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۱۷- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۳۱۸۔ امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۵ھ

۳۱۹۔ علامہ ابو البرکات عبد الرحمان بن محمد الانباری، المتوفی ۵۷۷ھ، الداعی الی الاسلام، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ

۳۲۰۔ شیخ احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، العقیدۃ الواسطیہ، مطبوعہ دار السلام ریاض، ۱۴۱۳ھ

۳۲۱۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۳۲۲۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۲۳۔ علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، شرح المواقف، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۲۴۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، مسایرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۲۵۔ علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی، المتوفی ۹۰۶ھ، مسامرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۲۶۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۷۵ھ

۳۲۷۔ علامہ محمد بن احمد السفارینی، المتوفی ۱۱۸۸ھ، لوامع الانوار البہیہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۱۱ھ

۳۲۸۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۲۹۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی، متوفی ۶۰۶ھ، المحصول، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

۳۳۰۔ علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری، المتوفی ۷۳۰ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۱۱ھ

۳۳۱۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، توضیح و تلویح، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۳۲۔ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الشہیر بابن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، التحریر مع التیسیر، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض

۳۳۳۔ علامہ محب اللہ بہاری، متوفی ۱۱۱۹ھ، مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۳۳۴۔ علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، نور الانوار، مطبوعہ ایچ۔ایم۔سعید اینڈ کمپنی کراچی

۳۳۵۔ علامہ عبد الحق خیر آبادی، متوفی ۱۳۱۸ھ، شرح مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۳۶۔ شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ، قوت القلوب، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ

۳۳۷۔ امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ

۳۳۸- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرہ، مطبوعہ دار البخاریہ مدینہ منورہ، ۱۴۱۷ھ
۳۳۹- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ، قاعدہ جلیلہ، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر، ۱۳۷۳ھ
۳۴۰- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، الکبائر، مطبوعہ دار الغد العربی قاہرہ، مصر
۳۴۱- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، جلاء الافہام، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۴۲- علامہ عبد اللہ بن اسد یافعی، متوفی ۷۶۸ھ، روض الریاحین، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر، ۱۳۷۴ھ
۳۴۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۳۴۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، شرح الصدور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۴ھ
۳۴۵- علامہ ابن حجر مکی، متوفی ۹۷۴ھ، فتاویٰ حدیثیہ، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ
۳۴۶- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، المیزان الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۴۷- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت والجواہر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۴۸- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۳۴۹- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الزواجر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۳۵۰- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۴ھ، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۳۷۷ھ
۳۵۱- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، اتحاف سادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۳۵۲- شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۳۵۳- علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طہران، ۱۳۷۸ھ
۳۵۴- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور
۳۵۵- شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۳۸ھ، ہدیۃ المہدی، مطبوعہ میور پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ
۳۵۶- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ، جواہر البحار، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۵۷- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، بہشتی زیور، مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۳۵۸- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، تجدید الایمان، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۳۵۹- علامہ عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی، نداء یارسول اللہ، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور، ۱۴۰۵ھ

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد ششم

الرعد تا بنی اسرائیل

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸-اردو بازار، لاہور-۲

ISBN 969-563-015-4

تصحیح : حافظ محمد ابراہیم فیضی
مطبع : روحی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاوّل : صفر 1423ھ / اپریل 2002ء
الطبع السابع : جمادی الاول 1430ھ / مئی 2009ء

Farid Book Stall
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای۔میل: info@faridbookstall.com
ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	سورۃ الرعد		١٤	زمین کے مختلف طبقات سے وجود باری اور توحید باری پر استدلال	٤١
١	سورت کا نام اور وجہ تسمیہ	٢٧	١٥	مختلف ذائقوں سے وجود باری اور توحید باری پر استدلال	٤٢
٢	الرعد کا معنی	٢٨	١٦	''صنوان'' اور ''صنو'' کے معنی	٤٢
٣	سورۃ الرعد کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف	٢٨	١٧	تعجب اور اغلال کا معنی	٤٣
٤	سورۃ الرعد اور سورۃ یوسف میں باہمی مناسبت	٣٠	١٨	انکار حشر کا کفر ہونا اور اس کی سزا	٤٣
٥	سورۃ الرعد کے مضامین اور مقاصد	٣٢	١٩	مشکل الفاظ کے معانی	٤٤
٦	المر تلک ایت الکتاب (٧-١)	٣٣	٢٠	کفار کا رحمت اور ثواب کے بجائے عتاب اور عذاب کو طلب کرنا	٤٤
٧	اجتہاد اور قیاس پر ایک اعتراض کا جواب	٣٥	٢١	عین حال معصیت میں اللہ تعالیٰ کا معاف فرما دینا	٤٥
٨	اجتہاد کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور دلیل	٣٥	٢٢	مشرکین کا یہ کہنا کہ آپ پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟	٤٦
٩	سورج اور چاند کے احوال اور دنیا کے معاملات سے وجود باری اور توحید باری پر استدلال	٣٦	٢٣	مشرکین کے فرمائشی معجزات پیش نہ کرنے کی وجوہ	٤٦
١٠	عرش پر استواء اور ایسی دیگر صفات کے متعلق متقدمین اور متاخرین کے نظریات	٣٧	٢٤	آپ کو قرآن مجید کا معجزہ کیوں دیا گیا؟	٤٧
١١	مشکل الفاظ کے معانی	٣٨	٢٥	آپ کے دیگر چند مشہور معجزات	٤٧
١٢	زمینوں، درختوں اور پھلوں سے وجود باری اور توحید باری پر استدلال	٣٩	٢٦	''ولکل قوم ھاد'' میں ھادی کے متعدد محامل	٥٠
١٣	مشکل الفاظ کے معانی	٤٠			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۷	حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینے کی تحقیق	۵۱
۲۸	حضرت علی کو خلیفہ بلا فصل قرار دینے کی دلیل کا جواب	۵۱
۲۹	اللہ یعلم ما تحمل کل انثی (۱۵-۸)	۵۳
۳۰	مشکل الفاظ کے معانی	۵۴
۳۱	آیاتِ سابقہ سے مناسبت	۵۵
۳۲	رحم میں کمی اور زیادتی کے محامل	۵۵
۳۳	حمل کی کم سے کم مدت اور زیادہ سے زیادہ مدت میں مذاہب فقہاء	۵۶
۳۴	غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۵۷
۳۵	اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور اس کی خصوصیات	۵۷
۳۶	مشکل الفاظ کے معانی اور آیاتِ سابقہ سے ربط	۵۸
۳۷	معقبات کے متعدد محامل	۵۸
۳۸	فرشتوں کو انسانوں پر مامور کرنے کی وجوہات اور حکمتیں	۶۰
۳۹	نعمت کی ناقدری کرنے والوں سے اللہ کا نعمت واپس لینا	۶۱
۴۰	بجلی اور بادل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور	۶۳
۴۱	الرعد اور الصواعق کے معانی اور جھگڑا کرنے والوں کا بیان	۶۴
۴۲	پانی کے ساتھ غیر اللہ کی تمثیل کے محامل	۶۴
۴۳	غیر اللہ کو حقیقی حاجت روا مان کر پکارنا شرک ہے ورنہ نہیں	۶۵
۴۴	افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے	۶۶
۴۵	سجدہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۶۶
۴۶	اصطلاحی معنی کے لحاظ سے ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونا	۶۷
۴۷	لغوی معنی کے لحاظ سے ہر چیز کا اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونا	۶۷
۴۸	سایوں کے سجدہ کرنے کی توجیہ	۶۸
۴۹	سجدہ کی فضیلت کے متعلق احادیث	۶۸
۵۰	قل من رب السموٰت والارض (۱۸-۱۶)	۶۹
۵۱	دلائل کے ساتھ بت پرستوں کا رد اور ابطال	۷۱
۵۲	افعال انسان کے مخلوق ہونے کے متعلق اہل سنت اور معتزلہ کے نظریات	۷۱
۵۳	افعال انسان کے مخلوق ہونے کے متعلق اہل سنت اور جبریہ کے نظریات	۷۲
۵۴	جبریہ کے نظریہ کا رد	۷۲
۵۵	معتزلہ کے نظریہ کا رد	۷۲
۵۶	نظریہ اہل سنت کی مزید وضاحت	۷۳
۵۷	معتزلہ کے اعتراضات کے جوابات	۷۳
۵۸	جبریہ کے رد پر مزید دلائل	۷۵
۵۹	خلق اور کسب کی وضاحت	۷۵
۶۰	مشکل الفاظ کے معانی	۷۶
۶۱	پانی اور جھاگ سے تشبیہ کا بیان	۷۶
۶۲	مومنوں اور کافروں کے اخروی احوال	۷۷
۶۳	افمن یعلم انما انزل الیک من ربک (۲۶-۱۹)	۷۸
۶۴	سوال نہ کرنے کا عہد	۸۰
۶۵	سوال کرنے کے جواز کی شرائط	۸۰
۶۶	توکل کا غلط مفہوم	۸۱
۶۷	توکل کا صحیح مفہوم	۸۲
۶۸	رشتوں کو جوڑنے کی اقسام	۸۲
۶۹	رشتوں کو جوڑنے کے متعلق احادیث	۸۳
۷۰	سخت حساب کا معنی	۸۴
۷۱	صبر کی اقسام	۸۴
۷۲	صبر کی وجوہ اور جس وجہ سے صبر اللہ کے لیے ہو	۸۴
۷۳	زکوٰۃ کو ظاہر اور پوشیدہ دینے کے محامل	۸۵
۷۴	برائی کو اچھائی سے دور کرنے کے محامل	۸۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۵	جن صفات کی بناء پر جنت عطا کی جاتی ہے	۸۶
۷۶	جنت الفردوس کو طلب کرنے کی دعا کرنی چاہیے	۸۷
۷۷	نیک اعمال کے بغیر نسب کا غیر مفید ہونا	۸۷
۷۸	جنت میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ مجتمع ہونا بھی نعمت ہے	۸۷
۷۹	جنت میں مومنوں کو فرشتوں کے سلام کرنے کے متعلق احادیث	۸۸
۸۰	مومنوں کے صبر کرنے کی متعدد تفاسیر	۸۸
۸۱	کفار کی صفات اور آخرت میں ان کی سزا	۸۹
۸۲	دنیا میں کافروں کی ترقی اور خوشحالی اور مسلمانوں کی پس ماندگی اور تنگی کی وجوہ	۹۰
۸۳	و یقول الذین کفروا لولا انزل علیه آیة (۳۱-۲۷)	۹۳
۸۴	اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے اور اس کے ہدایت دینے کے محامل	۹۴
۸۵	اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کے مطمئن ہونے اور خوف زدہ ہونے کے درمیان تطبیق	۹۵
۸۶	مطمئن دلوں کے مصداق	۹۶
۸۷	''طوبیٰ'' کا معنی اور اس کے متعلق احادیث	۹۶
۸۸	رحمٰن کے انکار کا شان نزول	۹۷
۸۹	کفار کے فرمائشی معجزات اس لیے نہیں دیے گئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ ایمان لانے والے نہ تھے	۹۸
۹۰	اس اشکال کا جواب کہ مومنین اللہ کی قدرت سے مایوس تو نہ تھے	۹۸
۹۱	ییئس کا ترجمہ علم اور اطمینان کے ساتھ کرنے والے علماء	۹۹
۹۲	''ییئس'' کا ترجمہ ناامیدی کرنے والے علماء	۹۹
۹۳	بعض عصاۃ مومنین کا آیات وعید کے عموم سے مخصوص ہونا	۱۰۰
۹۴	ولقد استهزئ برسل من قبلک (۳۲-۳۷)	۱۰۰
۹۵	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا	۱۰۲
۹۶	مشرکین کے خود ساختہ شرکاء کا رد	۱۰۲
۹۷	جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو گمراہ کر دیا پھر ان کی مذمت کیوں کی جاتی ہے؟	۱۰۳
۹۸	کافروں کے مصائب اور مسلمانوں کے مصائب کا فرق	۱۰۳
۹۹	جنت کی صفات	۱۰۴
۱۰۰	جنت نہ بنائے جانے کے متعلق معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات	۱۰۴
۱۰۱	مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ کا نزول قرآن سے خوش ہونا	۱۰۵
۱۰۲	انبیاء علیہم السلام کا امر و نہی سے مکلف ہونا اور عصمت کی تعریف	۱۰۶
۱۰۳	قرآن مجید کو حکم عربی فرمانے کی وجہ اور اس کا قدیم ہونا	۱۰۷
۱۰۴	ولقد ارسلنا رسلا من قبلک (۳۸-۴۳)	۱۰۷
۱۰۵	قریش کا یہ اعتراض کہ اگر آپ نبی ہیں تو پھر آپ نے شادیاں کیوں کیں؟	۱۰۸
۱۰۶	اس اعتراض کا یہ جواب کہ انبیاء سابقین نے تو بہت شادیاں کی تھیں!	۱۰۹
۱۰۷	مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ نے بہت شادیاں کی تھیں	۱۰۹
۱۰۸	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی تفصیل	۱۱۰
۱۰۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج پر اعتراض کے جوابات	۱۱۲
۱۱۰	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کی حکمتیں	۱۱۳
۱۱۱	آپ نے کفار قریش کے مطلوبہ معجزات کیوں نہیں پیش کیے	۱۱۷
۱۱۲	کفار کے مطالبہ کی وجہ سے ان پر عذاب کیوں نہ نازل ہوا؟	۱۱۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۱۳	محو اور اثبات کی تفسیر میں متعدد اقوال	۱۱۸
۱۱۴	قضاء معلق اور قضاء مبرم	۱۱۹
۱۱۵	رزق میں وسعت اور عمر میں اضافہ کے متعلق احادیث	۱۱۹
۱۱۶	ان احادیث کا قرآن مجید سے تعارض	۱۲۰
۱۱۷	ان احادیث کے قرآن مجید سے تعارض کے جوابات	۱۲۰
۱۱۸	اطراف زمین کو کم کرنے کے محامل	۱۲۰
۱۱۹	(آسمانی) کتاب کے عالم کے مصداق میں متعدد اقوال	۱۲۱
۱۲۰	اختتام سورت اور دعا	۱۲۳
	سورۃ ابراہیم	
۱	سورت کا نام	۱۲۷
۲	سورۃ ابراہیم کا زمانہ نزول	۱۲۷
۳	سورۃ الرعد اور سورۃ ابراہیم کی مناسبت	۱۲۸
۴	سورۃ ابراہیم کے مضامین اور مقاصد	۱۲۸
۵	الر، کتب انزلنہ (۱-۶)	۱۲۹
۶	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن مجید کی تلاوت سے لوگوں کو مسلمان کرنا	۱۳۱
۷	اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی توفیق کی وضاحت	۱۳۱
۸	جس کے اسلام لانے کا اللہ نے اذن نہیں دیا اس کے اسلام نہ لانے میں اس کا کیا قصور ہے؟	۱۳۲
۹	اسلام کی نشر و اشاعت آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ہوئی یا دلائل سے؟	۱۳۲
۱۰	"العزیز الحمید" کا معنی	۱۳۳
۱۱	لفظ اللہ کے علم (نام) ہونے پر دلائل	۱۳۳
۱۲	اللہ تعالیٰ کا کسی سمت کے ساتھ مختص نہ ہونا اور بندوں کے افعال کا خالق ہونا	۱۳۳
۱۳	بت پرستوں کے سخت عذاب کا سبب	۱۳۴
۱۴	دنیاوی لذتوں کا بے مایہ ہونا	۱۳۴
۱۵	بہت دور کی گمراہی کا معنی	۱۳۵
۱۶	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا عموم	۱۳۵
۱۷	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عموم پر قرآن مجید کی آیات	۱۳۶
۱۸	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عموم پر احادیث	۱۳۶
۱۹	جمادات اور نباتات کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت	۱۳۷
۲۰	حیوانات کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت	۱۳۷
۲۱	کفار کے سوا کائنات کی ہر چیز آپ کی رسالت کو جانتی ہے	۱۳۸
۲۲	"گوہ" کا کلمہ شہادت پڑھنا	۱۳۹
۲۳	انبیاء سابقین کے ذکر کی حکمت	۱۴۱
۲۴	تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد واحد ہے	۱۴۱
۲۵	"ایام اللہ" کا معنی	۱۴۱
۲۶	صبر اور شکر کے متعلق احادیث	۱۴۲
۲۷	صبر اور شکر میں عبداللہ بن مبارک کا معیار اور اس پر کلام	۱۴۳
۲۸	شکر کا معنی اور صابر اور شاکر کے ساتھ نشانیوں کی تخصیص کی توجیہ	۱۴۳
۲۹	واذ تاذن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم (۷-۱۲)	۱۴۴
۳۰	شکر کا معنی	۱۴۶
۳۱	حمد اور شکر کا فرق	۱۴۶
۳۲	جو بندوں کا شکر گزار نہ ہو وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں ہے	۱۴۶
۳۳	شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۱۴۷
۳۴	شکر کے متعلق احادیث اور آثار	۱۴۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۵	اللہ کا شکر نہ کرنے سے اسے کوئی نقصان نہیں	۱۵۲
۳۶	حضرت آدم علیہ السلام تک نسب بیان کرنا درست نہیں	۱۵۳
۳۷	اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں پر رکھنے کی متعدد تفسیریں	۱۵۴
۳۸	مشرکین اللہ کو خالق ماننے کے باوجود بت پرستی کیوں کرتے تھے	۱۵۴
۳۹	اللہ تعالیٰ توبہ کے ساتھ اور بغیر توبہ کے بھی گناہوں کو بخش دیتا ہے	۱۵۵
۴۰	توبہ کرنے کی ترغیب میں احادیث	۱۵۷
۴۱	انبیاء علیہم السلام کی نبوت میں کفار کے شبہات	۱۵۸
۴۲	جن خصوصیات کی بناء پر انبیاء علیہم السلام نبی بنائے گئے	۱۵۸
۴۳	کافروں کے دیگر شبہات کے جوابات	۱۵۹
۴۴	انبیاء علیہم السلام کا کافروں کی دھمکیوں سے نہ ڈرنا	۱۶۰
۴۵	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا سب سے زیادہ ہونا	۱۶۰
۴۶	و قال الذین کفروا لرسلھم (۲۱-۱۳)	۱۶۲
۴۷	اس وہم کا ازالہ کہ انبیاء پہلے کافروں کے دین پر تھے	۱۶۳
۴۸	فرماں برداروں کو نافرمانوں کے ملک میں آباد کرنا	۱۶۴
۴۹	جبار اور عنید کا معنی	۱۶۵
۵۰	وراء کا معنی	۱۶۶
۵۱	دوزخ کے پانی کی کیفیت	۱۶۶
۵۲	دوزخیوں کے عذاب کی کیفیت اور ان پر موت کا نہ آنا	۱۶۷
۵۳	عذاب غلیظ کا معنی	۱۶۸
۵۴	کفار کے اعمال کی راکھ کے ساتھ وجہ مشابہت	۱۶۹
۵۵	تمام مخلوق کی پیدائش مبنی برحکمت ہے	۱۶۹
۵۶	برزوا کا معنی	۱۷۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۷	بروز کے معنی پر ایک اعتراض کا جواب	۱۷۰
۵۸	اس اعتراض کا جواب کہ جب اللہ نے کافروں کو ہدایت نہیں دی تو کفر میں ان کا کیا قصور ہے؟	۱۷۱
۵۹	و قال الشیطان لما قضی الامر (۲۷-۲۲)	۱۷۲
۶۰	مستقبل میں ہونے والے مکالمے کو ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ	۱۷۳
۶۱	لما قضی الامر کی تفسیر میں متعدد اقوال	۱۷۳
۶۲	شیطان سے مراد ابلیس ہونا	۱۷۴
۶۳	اللہ کا وعدہ اور ابلیس کا وعدہ	۱۷۵
۶۴	شیطان نے جو سلطان کی نفی کی اس کے دو محمل	۱۷۵
۶۵	برے کاموں کے ارتکاب پر شیطان کی بجائے خود کو مطعون کیا جائے	۱۷۶
۶۶	شیطان کے وسوسہ کی کیفیت	۱۷۶
۶۷	انسان کے اعضاء پر جنات کے تصرف کی نفی	۱۷۷
۶۸	صرخ کا معنی	۱۷۷
۶۹	جنت میں سلام کا معنی	۱۷۸
۷۰	شجرۂ طیبہ سے مراد کھجور کا درخت ہے	۱۷۸
۷۱	کھجور کے درخت اور مومن میں وجوہ مشابہت	۱۷۹
۷۲	شجرۂ طیبہ سے مراد شجر معرفت ہے	۱۸۰
۷۳	ناپاک کلمہ اور ناپاک درخت کا مصداق اور وجہ مشابہت	۱۸۱
۷۴	کلمہ طیبہ کے حاملین کے قول کا دنیا اور آخرت میں ثابت ہونا	۱۸۱
۷۵	قبر میں فرشتوں کے سوال کرنے کے متعلق احادیث	۱۸۲
۷۶	قبر میں سوالات اس امت کی خصوصیت ہے	۱۸۴
۷۷	جو مسلمان قبر کی آزمائش اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہیں گے	۱۸۵
۷۸	نیک اعمال کا آخرت میں کام آنا	۱۸۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۹	الم تر الی الذین بدلوا (۲۸-۳۴)	۱۸۸
۸۰	اہل مکہ پر اللہ کی نعمتیں اور ان کی ناشکری	۱۸۹
۸۱	کفار مکہ کا شرک	۱۸۹
۸۲	اولیاء اللہ سے محبت کا آخرت میں کام آنا	۱۹۰
۸۳	مشکل الفاظ کے معانی	۱۹۱
۸۴	اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی نعمتیں	۱۹۲
۸۵	بندوں کی جفا کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی وفا	۱۹۳
۸۶	واذ قال ابراھیم رب اجعل (۳۵-۴۱)	۱۹۴
۸۷	مکہ کو امن والا بنانے کی دعا پر اعتراض کے جوابات	۱۹۵
۸۸	اولاد ابراہیم کو بت پرستی سے مامون رکھنے کی دعا پر اعتراض کے جوابات	۱۹۶
۸۹	مرتکبین کبائر کی شفاعت پر دلیل	۱۹۶
۹۰	شفاعت کی توقع کے باوجود توبہ کرنے میں تاخیر نہ کی جائے	۱۹۸
۹۱	حضرت ابراہیم کا غیر آباد وادی میں اپنے اہل کو چھوڑنے کا پس منظر اور پیش منظر	۱۹۹
۹۲	حضرت اسماعیل کے ذبیح ہونے پر دلائل	۲۰۲
۹۳	عام لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی اولاد بے آب و گیاہ زمین میں چھوڑ آئیں	۲۰۳
۹۴	زمزم کے فضائل	۲۰۳
۹۵	مکہ کو حرم قرار دینے کی وجوہ	۲۰۳
۹۶	مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے فضائل	۲۰۵
۹۷	مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت کے متعلق فقہاء کے نظریات	۲۰۶
۹۸	دعا کا طریقہ اور اس کی فضیلت میں احادیث	۲۰۹
۹۹	امن اور سلامتی کا ایمان اور اسلام پر مقدم ہونا	۲۱۰
۱۰۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بقیہ دعاؤں کی تشریح	۲۱۱
۱۰۱	نبی معصوم کی دعاء مغفرت کے محامل	۲۱۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۰۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کے مومن ہونے پر دلائل	۲۱۲
۱۰۳	نماز میں دعا مانگنے کے آداب	۲۱۵
۱۰۴	دعاء حرام	۲۱۶
۱۰۵	تمام مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کرنا آیا خلف وعید کو مستلزم ہے؟	۲۱۶
۱۰۶	ولا تحسبن اللہ غافلا (۴۲-۵۲)	۲۱۷
۱۰۷	مشکل الفاظ کے معانی	۲۱۹
۱۰۸	وقوع قیامت پر عقلی دلیل	۲۱۹
۱۰۹	کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو ظالموں سے غافل سمجھتے تھے	۲۲۰
۱۱۰	قیامت کے دن کفار کا کف افسوس ملنا	۲۲۱
۱۱۱	کافروں کے مکر کی تفسیر میں متعدد اقوال	۲۲۲
۱۱۲	زمین کے تبدیل ہونے کے متعلق صحابہ اور تابعین کے اقوال	۲۲۳
۱۱۳	زمین کے تبدیل ہونے کے متعلق احادیث	۲۲۳
۱۱۴	زمین کو تبدیل کرنے کی حکمت اور مختلف اقوال میں تطبیق	۲۲۳
۱۱۵	آسمان کو تبدیل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۲۲۵
۱۱۶	زمین کو دوبار تبدیل کرنے کی تفصیل اور تطبیق	۲۲۵
۱۱۷	آسمان کی تبدیلی کے متعلق اقوال	۲۲۶
۱۱۸	مجرموں کے اخروی احوال	۲۲۶
۱۱۹	ہدایت کے لیے قرآن مجید کا کافی ہونا	۲۲۷
۱۲۰	اختتام سورت	۲۲۸
	سورۃ الحجر	
۱	سورت کا نام	۲۳۱
۲	الحجر کا معنی	۲۳۱
۳	الحجر کا مصداق	۲۳۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴	الحجر کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح	۲۳۳	۲۶	کفار کے انکار اور استہزاء کی وجوہات	۲۴۹
۵	سورۃ الحجر کے مقاصد	۲۳۴	۲۷	مشکل الفاظ (سحر وغیرہ) کے معانی	۲۵۰
۶	الرٰ تلک ایت الکتاب و قران مبین (۱)	۲۳۵	۲۸	کفار مکہ کے مطالبہ پر فرشتوں کو نازل نہ کرنے کی وجہ	۲۵۱
۷	کتاب اور قرآن مبین کا معنی	۲۳۵	۲۹	ولقد جعلنا فی السماء بروجاً (۲۵-۱۶)	۲۵۱
۸	کتاب اور قرآن مبین میں تغایر	۲۳۵	۳۰	بروج کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۵۲
۹	الکتاب کو قرآن مبین پر مقدم کرنے کی وجوہ	۲۳۵	۳۱	علم نجوم کی تعریف	۲۵۳
۱۰	ربما یود الذین کفروا (۱۵-۲)	۲۳۶	۳۲	ستاروں کی تاثیرات ماننے کا شرعی حکم	۲۵۳
۱۱	گنہگار مسلمانوں کو دوزخ سے نکلتا ہوا دیکھ کر کفار کی حسرت اور ندامت	۲۳۷	۳۳	شہاب ثاقب کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۵۴
۱۲	مشکل الفاظ کے معانی	۲۳۹	۳۴	بروج سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال	۲۵۵
۱۳	آیت مذکورہ کا خلاصہ	۲۳۹	۳۵	آپ کی بعثت سے پہلے شہاب ثاقب گرائے جانے کے متعلق متعارض احادیث	۲۵۵
۱۴	دنیا میں مشغولیت اور لمبی امیدوں کی مذمت میں احادیث	۲۳۹	۳۶	ان متعارض احادیث میں قاضی عیاض اور علامہ قرطبی کی تطبیق	۲۵۷
۱۵	مستقبل سے امیدیں وابستہ کرنے کے جواز اور عدم جواز کا محمل	۲۴۱	۳۷	ان احادیث میں علامہ ابن حجر کی تطبیق	۲۵۸
۱۶	کفار مکہ کو زجر و توبیخ	۲۴۲	۳۸	حقیقت میں شیطان کو آگ کا شعلہ مارا جاتا ہے یا ستارہ ٹوٹتا ہے	۲۶۰
۱۷	کفار کا آپ کو "مجنون" کہنا کوئی نئی بات نہیں	۲۴۳	۳۹	زمین سے الوہیت اور وحدانیت پر استدلال	۲۶۰
۱۸	آپ کی تائید کیلیے کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا	۲۴۳	۴۰	زمین کو پھیلانا اس کے گول ہونے کے منافی نہیں ہے	۲۶۱
۱۹	اللہ تعالیٰ کو واحد اور جمع کے صیغوں کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ	۲۴۳	۴۱	"رواسی" کی تفسیر	۲۶۱
۲۰	اس آیت میں قرآن مجید کی حفاظت مراد ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی؟	۲۴۵	۴۲	"موزون" کی تفسیر	۲۶۱
۲۱	قرآن مجید کی حفاظت کے ظاہری اسباب	۲۴۵	۴۳	مشکل الفاظ کے معانی	۲۶۲
۲۲	محافظة الشئی لنفسه کا جواب	۲۴۶	۴۴	کھجوروں میں پیوند کاری کی ممانعت کی احادیث	۲۶۳
۲۳	قرآن مجید کی حفاظت کا ظاہری سبب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں	۲۴۷	۴۵	اس اشکال کا جواب کہ آپ کے ارشاد پر عمل کرنے سے پیداوار کم ہوئی	۲۶۴
۲۴	مشکل الفاظ کے معانی	۲۴۷	۴۶	"مستقدمین" اور "مستاخرین" کی تفسیر میں متعدد استدلال	۲۶۶
۲۵	کافروں کے دلوں میں نبیوں کا استہزاء پیدا کرنے پر بحث ونظر	۲۴۸	۴۷	صف اول میں نماز پڑھنے کی فضیلت	۲۶۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
٤٨	ولقد خلقنا الانسان من صلصال (٢٦-٤٤)	٢٦٨
٤٩	مشکل الفاظ (صلصال الحماء اور مسنون) کے معانی	٢٦٩
٥٠	انسان کی تخلیق سے الوہیت اور وحدانیت پر استدلال	٢٧٠
٥١	انسان کی خلقت کے مادہ میں مختلف آیات کی توجیہ	٢٧١
٥٢	مشکل الفاظ (الجان اور نار السموم) کے معانی	٢٧٢
٥٣	مشکل الفاظ (بشر اور روح) کے معانی	٢٧٣
٥٤	فرشتوں کے سجدہ کی کیفیت	٢٧٧
٥٥	سجدہ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کی فضیلت	٢٧٧
٥٦	تمام فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا	٢٧٨
٥٧	اللہ تعالیٰ اور شیطان کے درمیان مکالمہ کے اہم نکات	٢٧٨
٥٨	اس اشکال کا جواب کہ اگر اللہ تعالیٰ ابلیس کو گمراہ کرنے کے لیے طویل عمر نہ دیتا تو لوگ گناہ نہ کرتے	٢٧٩
٥٩	جھوٹ کی قباحت	٢٨٠
٦٠	''اخلاص'' کا معنی	٢٨٠
٦١	کیا چیز اخلاص کے منافی ہے؟	٢٨١
٦٢	اخلاص کے مراتب اور درجات	٢٨١
٦٣	دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کے لیے عبادت کرنا بھی اخلاص ہے لیکن کامل اخلاص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے	٢٨٢
٦٤	اخلاص کے متعلق قرآن مجید کی آیات	٢٨٣
٦٥	اخلاص کے متعلق احادیث	٢٨٣
٦٦	اخلاص کے متعلق صوفیاء اور مشائخ کے اقوال	٢٨٤
٦٧	دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کرنا بھی اخلاص کا اعلیٰ درجہ ہے	٢٨٥

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
٦٨	''صراط مستقیم'' کی متعدد تفاسیر	٢٨٨
٦٩	انسانوں پر جنات کے تسلط کا رد	٢٨٨
٧٠	اس اشکال کا جواب کہ اصحاب اخلاص کو بھی شیطان نے لغزش میں مبتلا کیا	٢٨٩
٧١	جہنم کے دروازے اور ان میں عذاب یافتگان	٢٩١
٧٢	ان المتقین فی جنت و عیون (٤٥-٦٠)	٢٩٣
٧٣	متقین کی تحقیق	٢٩٤
٧٤	چشموں، سلامتی اور امن کی تفسیر	٢٩٥
٧٥	اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کے عذاب دونوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے	٢٩٦
٧٦	اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کی وجوہات اور اس کا کفر ہونا	٢٩٧
٧٧	فلما جاء ال لوط ن المرسلین (٦١-٧٩)	٢٩٨
٧٨	فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس حسین وجمیل لڑکوں کی صورت میں جانا	٣٠٠
٧٩	قوم لوط کی اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے ان لڑکوں پر ہجوم کرنا	٣٠٠
٨٠	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم	٣٠١
٨١	جن خصوصیات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی	٣٠١
٨٢	قوم لوط پر عذاب کا نزول	٣٠٣
٨٣	''متوسمین'' کا معنی	٣٠٣
٨٤	فراست کا معنی اور اس کے مصادیق	٣٠٥
٨٥	فراست کے متعلق احادیث	٣٠٦
٨٦	قوم لوط کے آثار	٣٠٧
٨٧	''اصحاب الایکہ'' کا معنی اور مصداق	٣٠٧
٨٨	اصحاب الایکہ کا ظلم اور اللہ تعالیٰ کا انتقام	٣٠٨
٨٩	ولقد کذب اصحب الحجر المرسلین (٨٠-٩٩)	٣٠٨
٩٠	الحجر کا معنی اور مصداق	٣١٠

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹۱	وادی حجر کے متعلق احادیث	۳۱۰
۹۲	وادی حجر کی احادیث کے احکام	۳۱۱
۹۳	وادی حجر اور دیگر ممنوعہ جگہوں میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء کی آراء	۳۱۱
۹۴	ایک رسول کی تکذیب' تمام رسولوں کی تکذیب ہے	۳۱۳
۹۵	حضرت صالح علیہ السلام کی نشانیاں	۳۱۳
۹۶	بندوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دینا	۳۱۴
۹۷	ربط آیات اور سبب نزول	۳۱۵
۹۸	''السبع المثانی'' کی تفسیر میں متعدد اقوال	۳۱۵
۹۹	اس اعتراض کا جواب کہ عطف کی بناء پر سورۃ فاتحہ قرآن عظیم کی مغائر ہے	۳۱۶
۱۰۰	متاع دنیا کی طرف دیکھنے کی ممانعت کو عام مفسرین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کرنا	۳۱۷
۱۰۱	مصنف کے نزدیک یہ نسبت امت کی طرف تعریضاً ہے	۳۱۸
۱۰۲	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اختیار سے متاع دنیا کو ترک فرماتے تھے	۳۱۹
۱۰۳	امت کو دنیاوی عیش کے سامان ترک کرنے کی ترغیب	۳۲۰
۱۰۴	اسلام میں دین اور دنیا کا امتزاج ہے	۳۲۱
۱۰۵	تقسیم کرنے والوں کے مصداق میں متعدد اقوال	۳۲۳
۱۰۶	''عضین'' کا معنی	۳۲۳
۱۰۷	گنہگار مسلمانوں سے قیامت کے دن سوال کی کیفیت	۳۲۴
۱۰۸	کفار سے قیامت کے دن سوال کی کیفیت	۳۲۵
۱۰۹	''اصدع'' کا معنی	۳۲۶
۱۱۰	جن مذاق اڑانے والے مشرکوں سے بدلہ لیا گیا	۳۲۶
۱۱۱	نماز پڑھنے سے رنج اور پریشانی کا زائل ہونا	۳۲۷
۱۱۲	یقین کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۳۲۷
۱۱۳	احادیث میں یقین پر موت کا اطلاق	۳۲۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۱۴	حضرت ام العلاء انصاریہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر ایک اشکال	۳۲۹
۱۱۵	روایت کے معنی کی تحقیق اور اشکال کا جواب	۳۲۹
۱۱۶	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور دوسروں کے انجام کے علم کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۳۳۱
۱۱۷	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے انجام کے علم کے متعلق احادیث	۳۳۱
۱۱۸	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب کے انجام کے علم کے متعلق احادیث	۳۳۲
۱۱۹	اشکال مذکور کے جواب کا خلاصہ	۳۳۲
۱۲۰	دیگر محدثین اور محققین کی طرف سے اشکال مذکور کے جوابات	۳۳۲
۱۲۱	مخالفین اعلیٰ حضرت کا یہ اعتراض کہ مغفرت ذنب کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کی بیان کردہ حدیث غیر صحیح ہے	۳۳۷
۱۲۲	اعتراض مذکور کے متعدد جوابات	۳۳۸
۱۲۳	اعلیٰ حضرت کے جواب کی تقریر	۳۴۰
۱۲۴	مغفرت ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے پر اعلیٰ حضرت کی دیگر عبارات	۳۴۰
۱۲۵	الاحقاف: ۹ کو منسوخ ماننے پر مخالفین اعلیٰ حضرت کے ایک اور اعتراض کا جواب	۳۴۲
۱۲۶	سورت کا اختتام	۳۴۲
	سورۃ النحل	
۱	سورت کا نام' وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول	۳۴۷
۲	سورۃ النحل کے متعلق احادیث	۳۴۷
۳	سورۃ النحل کے مضامین اور مقاصد	۳۴۸
۴	اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ (۹-۱)	۳۴۹
۵	عذاب کی وعید سے سورۃ النحل کی ابتداء کرنے کی توجیہ	۳۵۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶	مستقبل میں آنے والے عذاب کو ماضی سے تعبیر کرنے کی توجیہ	۳۵۱
۷	ملائکہ سے جبریل کا مراد ہونا	۳۵۲
۸	''روح'' میں متعدد اقوال	۳۵۲
۹	روح سے وحی اور اللہ کے کلام کا مراد ہونا	۳۵۳
۱۰	قوت نظریہ اور قوت عملیہ کا کمال	۳۵۳
۱۱	اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل	۳۵۴
۱۲	مشکل الفاظ کے معانی	۳۵۴
۱۳	اون کے لباس پہننے کا جواز	۳۵۵
۱۴	جمال کا معنی اور مویشیوں کا جمال	۳۵۵
۱۵	بکریوں' گایوں اور اونٹوں کے مقاصد اور وظائف خلقت	۳۵۵
۱۶	جانوروں کے ساتھ نرمی کرنے کی ہدایت	۳۵۶
۱۷	گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کو اونٹوں' گایوں اور بھیڑوں سے علیحدہ ذکر کرنے کی توجیہ	۳۵۷
۱۸	گھوڑوں کا گوشت حرام ہونے کے دلائل	۳۵۷
۱۹	مذکورہ دلائل کے جوابات اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کے حلال ہونے کے دلائل	۳۵۸
۲۰	گھوڑوں کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء	۳۵۹
۲۱	گھوڑوں کا گوشت کھانے کے متعلق فقہاء احناف کا موقف	۳۵۹
۲۲	پالتو گدھوں اور خچروں کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء	۳۶۰
۲۳	گھوڑوں میں زکوٰۃ کے متعلق احادیث	۳۶۱
۲۴	گھوڑوں میں زکوٰۃ کے متعلق مذاہب فقہاء	۳۶۲
۲۵	لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے	۳۶۳
۲۶	ھو الذی انزل من السماء (۲۱-۱۰)	۳۶۳
۲۷	مشکل الفاظ کے معانی	۳۶۵
۲۸	بارش کے پانی سے کھیتوں اور باغوں کی روئیدگی	۳۶۵
۲۹	زمین کی پیداوار میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر نشانی	۳۶۶
۳۰	سورج اور چاند اور دن اور رات کے تواتر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	۳۶۶
۳۱	سورج اور چاند سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر استدلال	۳۶۷
۳۲	سمندر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	۳۶۸
۳۳	سمندر کی تسخیر کا معنی	۳۶۸
۳۴	کڑوے پانی میں لذیذ مچھلی کا پیدا کرنا	۳۶۸
۳۵	مچھلی پر گوشت کے اطلاق کی بحث	۳۶۹
۳۶	سمندری جانوں کے کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء	۳۶۹
۳۷	سمندری جانوروں کے کھانے کے متعلق مذہب احناف	۳۷۰
۳۸	گوشت کو کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے میں مذاہب فقہاء	۳۷۲
۳۹	گوشت کو کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے میں مذہب احناف	۳۷۲
۴۰	زیورات کے متعلق احادیث	۳۷۳
۴۱	زیورات کے متعلق فقہی احکام	۳۷۴
۴۲	زیورات کی زکوٰۃ کے متعلق احادیث اور آثار	۳۷۴
۴۳	زیورات کی زکوٰۃ میں مذاہب فقہاء اور بحث ونظر	۳۷۶
۴۴	''مواخر'' کا معنی	۳۷۶
۴۵	زمین پر پہاڑوں کا نصب کرنا اس کی حرکت کے منافی نہیں ہے	۳۷۷
۴۶	دنیا اور آخرت میں انسان کی ہدایت کے انتظامات	۳۷۹
۴۷	اس کائنات کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر استدلال	۳۷۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۸	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا عموم اور اس کے ساتھ مغفرت کا ارتباط	۳۸۱
۴۹	کافروں کو ان کے کفر کے باوجود نعمتیں عطا فرمانے کی توجیہ	۳۸۱
۵۰	بتوں کے خدا اور سفارشی ہونے کا ابطال	۳۸۲
۵۱	"والذین یدعون من دون اللہ" کی وہ تفسیر جو سید مودودی نے کی	۳۸۲
۵۲	سید مودودی کی تفسیر پر بحث و نظر	۳۸۳
۵۳	"والذین یدعون من دون اللہ" میں "یدعون" کا صحیح ترجمہ "عبادت کرنا" ہے "پکارنا" نہیں ہے	۳۸۳
۵۴	"والذین یدعون من دون اللہ" کا مصداق اصنام اور بت ہیں انبیاء اور اولیاء نہیں	۳۸۴
۵۵	والذین یدعون من دون اللہ سے انبیاء اور اولیاء مراد لینے کے شبہات اور ان کے جوابات	۳۸۶
۵۶	انبیاء، اولیاء، شہداء اور صالحین کی حیات کا ثبوت	۳۸۷
۵۷	غوث اعظم اور غوث الثقلین ایسے القاب کا ثبوت	۳۸۹
۵۸	شاہ عبدالعزیز اور شیخ اسماعیل دہلوی کا تسید مودودی کے نزدیک حجت ہونا	۳۹۰
۵۹	انبیاء علیہم السلام سے حاجت روائی	۳۹۰
۶۰	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا	۳۹۱
۶۱	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا	۳۹۱
۶۲	اولیاء اللہ سے حاجت روائی	۳۹۲
۶۳	الٰھکم الہ واحد (۳۴-۲۲)	۳۹۳
۶۴	کفار مکہ کے شرک پر اصرار کا سبب	۳۹۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۵	تکبر کی مذمت کے متعلق احادیث	۳۹۵
۶۶	متکبرین کی مغفرت نہ ہونے کی احادیث کی توجیہ	۳۹۶
۶۷	امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کی تحقیق	۳۹۶
۶۸	امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی کا نظریہ	۳۹۷
۶۹	امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت کے والد کا نظریہ	۳۹۸
۷۰	امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا نظریہ	۳۹۸
۷۱	امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کے متعلق مصنف کی تحقیق	۴۰۰
۷۲	کافروں کو اپنے پیروکاروں کے کفر پر عذاب ہونے کی توجیہ	۴۰۱
۷۳	اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کرنے کا استحسان اور استحباب	۴۰۲
۷۴	آیات سابقہ سے ارتباط	۴۰۶
۷۵	امام رازی کے نزدیک متقی کا مصداق اور بحث و نظر	۴۰۵
۷۶	نیکوکاروں کے دنیاوی اجر کی متعدد صورتیں	۴۰۷
۷۷	نیکوکاروں کا آخرت میں اجر و ثواب	۴۰۹
۷۸	قبض روح کے وقت نیکوکاروں کی کیفیت	۴۰۹
۷۹	کفار کے انتظار عذاب کی توجیہ	۴۱۰
۸۰	وقال الذین اشرکوا لو شاء اللہ (۴۰-۳۵)	۴۱۱
۸۱	کفار مکہ کے اس اعتراض کا جواب کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہمیں مومن بنا دیتا	۴۱۲
۸۲	طاغوت کا معنی	۴۱۳
۸۳	اس اعتراض کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو گمراہ کر دیا تو ان کا گمراہی میں کیا قصور ہے	۴۱۴
۸۴	کافروں کے ایمان نہ لانے پر آپ کو تسلی دینا	۴۱۴
۸۵	کفار کا حشر و نشر کو محال کہنا	۴۱۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸۶	حشر ونشر کے امکان اور وقوع پر دلائل	۴۱۶
۸۷	"کن فیکون" پر ایک اعتراض کا جواب	۴۱۶
۸۸	والذین هاجروا فی الله (۵۰-۴۱)	۴۱۷
۸۹	مہاجرین کی تعریف اور تحسین	۴۱۸
۹۰	حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت	۴۱۹
۹۱	ہجرت کی وجہ سے اسلام کی تقویت	۴۱۹
۹۲	صبر اور توکل	۴۲۰
۹۳	ہجرت کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور ہجرت کی اقسام	۴۲۰
۹۴	ہجرت منقطع ہونے کے متعلق احادیث	۴۲۳
۹۵	ہجرت باقی رہنے کے متعلق احادیث	۴۲۵
۹۶	ہجرت کی متعارض احادیث میں تطبیق	۴۲۵
۹۷	انسان اور بشر کو نبی اور رسول بنانے کی تحقیق	۴۲۷
۹۸	اھل الذکر کا مصداق	۴۲۸
۹۹	مسئلہ تقلید پر "فاسئلوا اهل الذكر" سے استدلال	۴۲۸
۱۰۰	آیت مذکورہ سے استدلال پر نواب صدیق حسن خان کے اعتراضات	۴۲۹
۱۰۱	اعتراضات مذکورہ کے جوابات اور اس پر دلائل کہ اعتبار خصوصیت مورد کا نہیں عموم الفاظ کا ہوتا ہے	۴۳۰
۱۰۲	آیت مذکورہ کا تمام مسائل کے لیے عام ہونا خواہ ان کا علم ہو یا نہ ہو	۴۳۱
۱۰۳	تقلید کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی وضاحت	۴۳۲
۱۰۴	قرآن کریم سے تقلید پر استدلال	۴۳۳
۱۰۵	احادیث سے تقلید پر استدلال	۴۳۳
۱۰۶	آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے تقلید پر استدلال	۴۳۳
۱۰۷	غیر مقلد علماء کی عبارات سے تقلید پر استدلال	۴۳۳
۱۰۸	تقلید کی ضرورت	۴۳۶
۱۰۹	ایک مقلد کے لیے متعدد ائمہ کی تقلید کا عدم جواز اور تقلید شخصی کا وجوب	۴۴۸
۱۱۰	تقلید پر امام غزالی کے دلائل	۴۴۹
۱۱۱	تقلید پر امام رازی کے دلائل	۴۵۰
۱۱۲	تقلید پر امام آمدی کے دلائل	۴۵۰
۱۱۳	تقلید پر شیخ ابن تیمیہ کے دلائل	۴۵۱
۱۱۴	مسئلہ تقلید میں حرف آخر	۴۵۱
۱۱۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ضرورت اور حکمت	۴۵۲
۱۱۶	حجیت حدیث	۴۵۳
۱۱۷	کفار مکہ کو انواع واقسام کے عذاب سے ڈرانا اور دھمکانا	۴۵۵
۱۱۸	ہر چیز کے سائے کے سجدہ کی توضیح اور توجیہ	۴۵۶
۱۱۹	ہر چیز کے سجدہ ریز ہونے کا محمل	۴۵۷
۱۲۰	فرشتوں کا معصوم ہونا	۴۵۸
۱۲۱	وقال الله لا تتخذوا الهين (۶۰-۵۱)	۴۵۹
۱۲۲	الٰہ کا معنی معبود ہے یا عبادت کا مستحق ؟	۴۶۰
۱۲۳	توحید پر دلائل	۴۶۱
۱۲۴	ہم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے ؟	۴۶۲
۱۲۵	شکر کے شرعی احکام اور اس کے متعلق احادیث	۴۶۳
۱۲۶	مصیبت کے وقت اللہ کو پکارنا اور مصیبت ٹلنے کے بعد اللہ کو بھول جانا	۴۶۴
۱۲۷	اللہ کے لیے حصہ مقرر کرنے پر مشرکین کو زجر و توبیخ	۴۶۶
۱۲۸	بیٹیوں کو عار سمجھنے کی مذمت	۴۶۷
۱۲۹	بیٹیوں کی پرورش کی فضیلت کے متعلق احادیث	۴۶۸
۱۳۰	اللہ تعالیٰ کے لیے اچھی صفات کا معنی اور اللہ کے اسماء کا توقیفی ہونا	۴۷۰
۱۳۱	ولو يؤاخذ الله الناس (۷۰-۶۱)	۴۷۰
۱۳۲	اس سوال کا جواب کہ سب لوگ ظلم کرتے ہیں	۴۷۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۳۳	اس سوال کا جواب کہ غیر ظالموں کو ہلاک کرنا عدل کے خلاف ہے	۴۷۳
۱۳۴	''مفرطون'' کا معنی	۴۷۷
۱۳۵	کفار کے مختلف نظریات کا بطلان	۴۷۸
۱۳۶	اللہ تعالیٰ کی الوہیت توحید اور مردوں کو زندہ کرنے پر دلیل	۴۷۹
۱۳۷	گوبر اور خون کے درمیان دودھ کو پیدا کرنے کی صحیح کیفیت	۴۸۰
۱۳۸	نر حیوانوں میں دودھ کیوں نہیں پیدا ہوتا؟	۴۸۰
۱۳۹	اوجھڑی میں دودھ پیدا نہ ہونے کے دلائل	۴۸۱
۱۴۰	دودھ کی خلقت میں اسرار و دقائق	۴۸۱
۱۴۱	دودھ کی خلقت میں حشر و نشر کے امکان کی دلیل	۴۸۳
۱۴۲	لذیذ طعام اور مشروب کھانے پینے کا جواز	۴۸۳
۱۴۳	دودھ کے متعلق احادیث	۴۸۴
۱۴۴	دودھ کا کیمیائی تجزیہ	۴۸۵
۱۴۵	سکر کے لغوی معنی کی تحقیق	۴۸۶
۱۴۶	سکر کی تفسیر میں مفسرین کی تصریحات	۴۸۷
۱۴۷	ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خمر کی تعریف اور اس کا حکم	۴۸۸
۱۴۸	امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر کی تعریف اور اس کا حکم	۴۸۹
۱۴۹	اس حدیث کا جواب جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے	۴۹۰
۱۵۰	خمر کا بعینہٖ حرام ہونا اور باقی مشروبات کا بہ قدر نشہ حرام ہونا	۴۹۰
۱۵۱	شہد کی مکھی کی طرف وحی کی تحقیق	۴۹۲
۱۵۲	شہد کی مکھی کی دو قسمیں	۴۹۳
۱۵۳	شہد کی مکھی کے عجیب و غریب افعال	۴۹۴
۱۵۴	حشرات الارض کو مارنے کا شرعی حکم	۴۹۴
۱۵۵	علاج کرنے اور دوا استعمال کرنے کے متعلق احادیث	۴۹۵
۱۵۶	علاج کرنے کا استحباب	۴۹۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۵۷	ذیابیطس کے مریض کے لیے شہد کا شفاء نہ ہونا	۴۹۷
۱۵۸	صوفیاء کے نزدیک علاج کرنا رخصت ہے اور علاج کو ترک کرنا عزیمت ہے	۴۹۷
۱۵۹	مشہور صوفی ابو طالب مکی کے کلام پر مصنف کا تبصرہ	۴۹۹
۱۶۰	ترک علاج کو افضل کہنے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات	۵۰۱
۱۶۱	علاج کے ثبوت میں قرآن مجید اور احادیث سے مزید دلائل	۵۰۷
۱۶۲	قرآن مجید اور احادیث سے ''پرہیز'' کے ثبوت پر دلائل	۵۱۰
۱۶۳	انسان کی عمر کے تغیرات سے اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر استدلال	۵۱۳
۱۶۴	''ارذل عمر'' کا معنی اور مصداق	۵۱۴
۱۶۵	ارذل عمر سے پناہ طلب کرنا	۵۱۴
۱۶۶	واللہ فضل بعضکم علی بعض (۷۶-۷۱)	۵۱۴
۱۶۷	شرک کے رد پر ایک دلیل	۵۱۶
۱۶۸	رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے	۵۱۶
۱۶۹	''حفدۃ'' کے معنی	۵۱۸
۱۷۰	کسی شخص کی بیوی کا اس کی خدمت کرنا	۵۱۸
۱۷۱	مشرکین کی اوندھی عقل	۵۲۰
۱۷۲	اللہ تعالیٰ کے لیے مثال گھڑنے کے محامل	۵۲۰
۱۷۳	عاجز غلام اور آزاد فیاض کی مثال کی وضاحت	۵۲۱
۱۷۴	گونگے' عاجز غلام اور نیک آزاد شخص کی مثال کے محامل	۵۲۲
۱۷۵	وللہ غیب السموت والارض (۸۳-۷۷)	۵۲۳
۱۷۶	مشکل الفاظ کے معانی	۵۲۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۷۷	اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کی وسعت پر دلائل	۵۲۵
۱۷۸	اللہ تعالیٰ کی بندوں پر نعمتیں اور ان کا شکر ادا کرنے کے طریقے	۵۲۶
۱۷۹	پرندوں کی پرواز سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر اور توحید پر استدلال	۵۲۵
۱۸۰	مشکل الفاظ کے معانی	۵۲۹
۱۸۱	مذکورہ آیات کا خلاصہ	۵۲۹
۱۸۲	ہڈی کے نجس ہونے کے متعلق علامہ قرطبی کے دلائل	۵۳۰
۱۸۳	خنزیر کے بالوں کا نجس ہونا	۵۳۲
۱۸۴	ہڈی کا پاک ہونا	۵۳۳
۱۸۵	انسانوں کے بالوں کا طاہر ہونا	۵۳۶
۱۸۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے متعلق احادیث	۵۳۷
۱۸۷	فضلات کریمہ کی طہارت پر فنی اعتراضات کے جوابات	۵۳۹
۱۸۸	فضلات کریمہ کی طہارت کے متعلق دیگر علماء کی عبارات	۵۴۰
۱۸۹	ویوم نبعث من کل امۃ شہیدا (۸۹-۸۴)	۵۴۱
۱۹۰	آخرت میں کفار کے احوال	۵۴۳
۱۹۱	عتاب کا معنی	۵۴۳
۱۹۲	قیامت کے دن بتوں اور مشرکوں کا مکالمہ	۵۴۴
۱۹۳	قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے کسی صورت میں آنے کی توجیہ	۵۴۴
۱۹۴	دوسروں کو کافر بنانے والوں کو دگنا عذاب ہونا	۵۴۶
۱۹۵	زمانۂ فترت میں علماءِ مبلغین کا حجت ہونا	۵۴۷
۱۹۶	قرآن مجید کا ہر چیز کے لیے روشن بیان ہونا	۵۴۷
۱۹۷	ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (۱۰۰-۹۰)	۵۴۹
۱۹۸	زیر تفسیر آیت کی فضیلت	۵۵۱
۱۹۹	عدل کا معنی	۵۵۱
۲۰۰	عدل کی تعریف کی روشنی میں اسلام اور اہلسنت کا برحق ہونا	۵۵۲
۲۰۱	احسان کا معنی	۵۵۳
۲۰۲	عدل اور احسان میں فرق	۵۵۵
۲۰۳	رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا	۵۵۷
۲۰۴	الفحشاء' المنکر اور البغی سے ممانعت	۵۵۸
۲۰۵	اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی اقسام	۵۵۹
۲۰۶	ایک دوسرے سے تعاون کے معاہدہ کے متعلق متعارض احادیث	۵۶۰
۲۰۷	ان احادیث میں تطبیق	۵۶۰
۲۰۸	''مواخاۃ'' کا معنی	۵۶۱
۲۰۹	حِلف الفضول (مظلوم کا بدلہ لینے کا باہمی معاہدہ)	۵۶۲
۲۱۰	عہد شکنی کی مذمت	۵۶۳
۲۱۱	مشکل الفاظ کے معانی	۵۶۴
۲۱۲	سوت کات کر توڑ دینے کی مثال سے کیا مقصود ہے؟	۵۶۴
۲۱۳	بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے اور پھر ان سے سوال کرنے کی توجیہ	۵۶۴
۲۱۴	قسم توڑنے کی ممانعت کو دوبارہ ذکر کرنے کی توجیہ	۵۶۵
۲۱۵	اخروی نعمتوں کا دنیاوی نعمتوں سے افضل ہونا	۵۶۶
۲۱۶	مومن کے ہر عمل کا باعثِ اجر وثواب ہونا	۵۶۶
۲۱۷	اعمال کا ایمان سے خارج ہونا	۵۶۶
۲۱۸	مومن کی پاکیزہ زندگی کے متعلق متعدد اقوال اور اس کے ضمن میں قناعت اور رزق حلال کی فضیلت	۵۶۷
۲۱۹	مومن کی دنیا کی زندگی اور کافر کی دنیا کی زندگی کا فرق	۵۶۹

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
۲۲۰	قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے "اعوذ باللہ" پڑھنے کی حکمت	۵۷۱
۲۲۱	اس آیت کا بہ ظاہر معنی ہے قرآن مجید پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ پڑھی جائے اس کا جواب	۵۷۱
۲۲۲	لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے کی فضیلت	۵۷۲
۲۲۳	واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ (۱۱۰-۱۰۱)	۵۷۳
۲۲۴	نسخ کی وجہ سے کفار کے اعتراض کا جواب	۵۷۵
۲۲۵	سنت سے قرآن مجید کے منسوخ نہ ہونے کے استدلال کا جواب	۵۷۵
۲۲۶	"الحاد" اور "عجم" کا معنی	۵۷۶
۲۲۷	مشرکین نے جس شخص کے متعلق تعلیم دینے کا افتراء کیا تھا اس کے بارہ میں متعدد اقوال	۵۷۷
۲۲۸	مشرکین کے افتراء کے متعدد جوابات	۵۷۷
۲۲۹	مشرکین کو ہدایت نہ دینے کی وجوہ	۵۷۸
۲۳۰	جو کام دائماً ہو اس کو اسم سے اور جو کام عارضی ہو اس کو فعل سے تعبیر کرنا	۵۷۹
۲۳۱	جان کے خوف سے کلمۂ کفر کہنے کی رخصت اور جان دینے کی عزیمت	۵۸۰
۲۳۲	اکراہ (دھمکی دینے) کی تعریف اور اس کے مسائل	۵۸۲
۲۳۳	مرتدین کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگانے کی توجیہ	۵۸۴
۲۳۴	جان کے خوف سے صرف زبان سے کلمۂ کفر کہنے والوں کی معافی کا حکم	۵۸۴
۲۳۵	یوم تاتی کل نفس تجادل (۱۱۹-۱۱۱)	۵۸۵
۲۳۶	روح اور بدن میں سے ہر ایک عذاب کا مستحق ہے	۵۸۶
۲۳۷	قیامت کے دن ہر شخص کا نفسی نفسی کہنا	۵۸۷
۲۳۸	کفار مکہ پر بھوک اور خوف کو مسلط کرنا	۵۹۰
۲۳۹	ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ (۱۲۸-۱۲۰)	۵۹۲
۲۴۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات سے مشرکین کے خلاف استدلال	۵۹۴
۲۴۱	امت کا معنی	۵۹۴
۲۴۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت فرمانے کی توجیہات	۵۹۵
۲۴۳	ملت ابراہیم کی اتباع کی توجیہ	۵۹۷
۲۴۴	یہودیوں کا ہفتہ کو اور عیسائیوں کا اتوار کو عبادت کے لیے مخصوص کرنا	۵۹۷
۲۴۵	مسلمانوں کا جمعہ کے دن کی ہدایت کو پانا	۵۹۸
۲۴۶	جمعہ کے دن کی چھٹی کا مسئلہ!	۵۹۹
۲۴۷	اتوار کی چھٹی کرنے کے دلائل اور ان کے جوابات	۶۰۰
۲۴۸	جمعہ کی چھٹی کرنے کے دلائل	۶۰۱
۲۴۹	حکمت، موعظۂ حسنہ اور جدل کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۶۰۲
۲۵۰	بدلہ لینے میں تجاوز نہ کیا جائے	۶۰۳
۲۵۱	بدلہ لینے کے بجائے صبر کرنے میں زیادہ فضیلت	۶۰۴
۲۵۲	صبر کرنے کی ترغیب	۶۰۴
۲۵۳	بدلہ نہ لینے میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک سیرت	۶۰۵
۲۵۴	اختتامی کلمات	۶۰۷
	بنی اسرائیل	
۱	سورت کا نام	۶۱۱
۲	سورۃ بنی اسرائیل کا زمانہ نزول	۶۱۲
۳	سورۃ النحل اور سورۃ بنی اسرائیل میں مناسبت	۶۱۲
۴	سورۃ بنی اسرائیل کے مشمولات	۶۱۲
۵	سبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلا (۱۰-۱)	۶۱۳
۶	سبحان کا معنی	۶۱۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷	سبحان اللہ کہنے کی فضیلت میں احادیث	۶۱۶
۸	اسریٰ کا معنی	۶۱۷
۹	خواب میں معراج ہونے کی روایات	۶۱۷
۱۰	خواب میں معراج کی روایات کے جوابات	۶۱۸
۱۱	عبد کے معنی	۶۲۰
۱۲	اللہ تعالیٰ کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا عبد فرمانا	۶۲۱
۱۳	مسجد اقصیٰ سے ہو کر آسمانوں کی طرف جانا	۶۲۳
۱۴	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض نشانیاں دکھانا	۶۲۶
۱۵	رات کے قلیل وقفہ میں معراج کا ہونا	۶۲۸
۱۶	واقعۂ معراج کی تاریخ	۶۲۹
۱۷	واقعۂ معراج کی ابتداء کی جگہ	۶۲۹
۱۸	معراج کی احادیث میں تعارض کی توجیہ	۶۳۰
۱۹	کتب احادیث کے مختلف اقتباسات سے واقعۂ معراج کا مربوط بیان	۶۳۰
۲۰	اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو وکیل نہ بنانے کا معنی	۶۳۳
۲۱	حضرت نوح علیہ السلام کا بہت شکر گزار ہونا	۶۳۴
۲۲	یہودیوں کی دوبارہ سرکشی اور اس کی سزا میں ان پر دوبارہ دشمنوں کے غلبہ پر بائبل کی شہادت	۶۳۵
۲۳	یہودیوں کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا	۶۳۷
۲۴	بنی اسرائیل کی سرکشی کی وجہ سے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کرنا	۶۳۸
۲۵	بنی اسرائیل کی غلامی کی ذلت سے مسلمان عبرت پکڑیں	۶۵۰
۲۶	اسلام کا سب سے مستحکم دین ہونا	۶۵۱
۲۷	ویدع الانسان بالشر دعاءه بالخیر (۲۲-۱۱)	۶۵۲
۲۸	غصہ میں اپنے اور اپنے اہل کے خلاف دعاء کرنا	۶۵۳
۲۹	انسان کا جلد باز ہونا	۶۵۵
۳۰	قیامت کے دن اعمال نامہ پڑھوانے کی وجوہ	۶۵۶
۳۱	طائر کا لغوی اور عرفی معنی	۶۵۷
۳۲	طائر (بدشگونی) کے متعلق احادیث	۶۵۷
۳۳	صحائفِ اعمال کو گلے میں لٹکانے کی توجیہ	۶۵۸
۳۴	بندہ کا اپنے صحائفِ اعمال کو پڑھنا	۶۵۹
۳۵	اولاد اور شاگردوں کی نیکیوں کا ماں باپ اور اساتذہ کو ملنے کا جواز	۶۵۹
۳۶	انسان اپنے افعال میں مجبور نہیں ہے مختار ہے	۶۶۰
۳۷	آیا گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے یا نہیں؟	۶۶۰
۳۸	جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کو عذاب ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق	۶۶۲
۳۹	جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۶۶۲
۴۰	جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق احادیث	۶۶۳
۴۱	جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق فقہاء مالکیہ کے نظریات	۶۶۴
۴۲	جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ	۶۶۵
۴۳	نابالغ اولاد کا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہونا	۶۶۹
۴۴	مسلمانوں کے بچوں کا جنت میں ہونا	۶۷۰
۴۵	مشرکین کے بچوں کا دوزخ میں داخل ہونا	۶۷۰
۴۶	مشرکین کی اولاد کا اہل جنت کا خادم ہونا	۶۷۱
۴۷	میدان قیامت میں بچوں اور دیگر کا امتحان ہونا	۶۷۱
۴۸	تمام بچوں کا جنت میں داخل ہونا' خواہ مسلمان ہوں یا کافر	۶۷۲
۴۹	خلاصہ بحث	۶۷۲
۵۰	مشکل اور اہم الفاظ کے معانی	۶۷۳
۵۱	اللہ تعالیٰ رحیم ہے وہ اپنے بندوں پر عذاب نازل کرنے کے لیے بہانے نہیں ڈھونڈتا	۶۷۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۲	بدکاروں کے لیے وعید اور نیکوکاروں کے لیے بشارت	۶۷۶
۵۳	مشکل الفاظ کے معانی	۶۷۶
۵۴	صرف دنیا کے طلب گار کا انجام	۶۷۶
۵۵	نیک اعمال کے مقبول ہونے کا ایمان پر موقوف ہونا	۶۷۷
۵۶	نیک اعمال کے مقبول ہونے کا نیت پر موقوف ہونا	۶۷۸
۵۷	نیک اعمال کے مقبول ہونے کا صحیح طریقہ عبادت پر موقوف ہونا	۶۷۹
۵۸	نیک اعمال کے مشکور ہونے یا اللہ تعالیٰ کے شکر کرنے کی توجیہ	۶۸۰
۵۹	امیر و غریب کے طبقاتی فرق کی حکمتیں	۶۸۰
۶۰	آپ کی طرف عبادت غیر اللہ کی نسبت کی وضاحت	۶۸۲
۶۱	شرک کی مذمت اور مشرکین کی ناکامی کی توجیہ	۶۸۳
۶۲	وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ (۳۰-۲۳)	۶۸۳
۶۳	اس پر دلیل کہ عبادت کا استحقاق صرف اللہ کے لیے ہے	۶۸۴
۶۴	لفظ قضٰی کے متعدد معانی	۶۸۵
۶۵	اللہ تعالیٰ کی عبادت کے متصل ماں باپ کی اطاعت کا حکم دینے کی توجیہ	۶۸۶
۶۶	ماں باپ کے حصول لذت کے نتیجے میں اولاد ہوئی پھر ان کا کیا احسان ہے؟	۶۸۷
۶۷	ماں باپ کے حقوق کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۶۸۷
۶۸	ماں باپ کے حقوق کے متعلق احادیث	۶۸۸
۶۹	ماں باپ کے بڑھاپے اور ان کی موت کے بعد ان سے نیک سلوک کرنا	۶۹۰
۷۰	ماں باپ کو جھڑکنے اور ان کو اُف کہنے کی ممانعت	۶۹۱
۷۱	رحم دلی سے بازو جھکانے کا معنی	۶۹۱
۷۲	مشرک ماں باپ کے لیے دعاء کرنے میں مفسرین کے اقوال	۶۹۲
۷۳	ماں باپ کے حقوق اور ان کی اطاعت اور نافرمانی کے نتائج اور ثمرات	۶۹۳
۷۴	اوّابین کے معانی	۶۹۵
۷۵	جن لوگوں پر خرچ کرنا انسان پر واجب ہے اس کے متعلق مذاہب فقہاء	۶۹۶
۷۶	تبذیر کا معنی	۶۹۸
۷۷	مبذرین کو شیطان کا بھائی فرمانے کی توجیہ	۶۹۸
۷۸	شیطان کے ناشکرے ہونے کا معنی	۶۹۹
۷۹	اگر سائل کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو نرم روی کے ساتھ معذرت کرنا	۶۹۹
۸۰	خرچ میں اعتدال کا واجب ہونا	۷۰۰
۸۱	خرچ کرنے کی فضیلت اور خرچ نہ کرنے کی مذمت میں احادیث	۷۰۰
۸۲	زیادہ خرچ کرنے اور اسراف کی مذمت میں احادیث	۷۰۱
۸۳	زیادہ خرچ کرنے کی تفصیل اور تحقیق	۷۰۲
۸۴	اعتدال اور میانہ روی کے متعلق احادیث	۷۰۳
۸۵	جن کا توکل کامل ہو ان کے لیے اپنا تمام مال صدقہ کرنے کا جواز	۷۰۴
۸۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حصول تبرک کا جواز	۷۰۵
۸۷	رزق میں کمی اور زیادتی بندوں کی مصلحت پر مبنی ہے	۷۰۶
۸۸	ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق (۴۰-۳۱)	۷۰۶
۸۹	آیات سابقہ سے مناسبت	۷۰۸
۹۰	حسن اور قبح کے عقلی ہونے پر دلائل	۷۰۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹۱	عورتوں کی آزادی کے نتائج	۷۰۹
۹۲	حرمتِ زنا کی وجوہ	۷۰۹
۹۳	حرمتِ زنا کو حرمتِ قتل پر مقدم کرنے کی وجہ	۷۱۰
۹۴	کسی مسلمان کو قتل کرنے کی بارہ جائز صورتیں	۷۱۰
۹۵	مقتول کے وارث کی قوت کا بیان	۷۱۱
۹۶	ولی مقتول کے تجاوز نہ کرنے کا معنی	۷۱۱
۹۷	قفا کا معنی	۷۱۲
۹۸	بغیر علم کے ظن پر عمل کرنے کی ممانعت	۷۱۳
۹۹	ظن پر عمل کرنے کی شرعی نظائر	۷۱۳
۱۰۰	ظن پر عمل کرنے کی ممانعت کا محمل	۷۱۴
۱۰۱	کان آنکھ اور دل سے سوال کیے جانے کی توجیہ	۷۱۴
۱۰۲	اکڑ اکڑ کر چلنے کی ممانعت	۷۱۵
۱۰۳	تکبر کی مذمت میں احادیث	۷۱۶
۱۰۴	آیاتِ سابقہ میں مذکورہ چھبیس احکام کا خلاصہ	۷۱۷
۱۰۵	احکامِ مذکورہ میں اوّل و آخر توحید کو ذکر کرنے کی حکمت	۷۱۸
۱۰۶	احکامِ مذکورہ کے حکیمانہ ہونے کی وجوہ	۷۱۸
۱۰۷	اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کے قول کا ظلم ہونا	۷۱۹
۱۰۸	ولقد صرفنا فی هذا القرآن (۵۲-۴۱)	۷۱۹
۱۰۹	تصریف اور تذکر کا معنی	۷۲۱
۱۱۰	اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل	۷۲۲
۱۱۱	اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہر چیز کرتی ہے یا صرف ذوی العقول کرتے ہیں اور یہ تسبیح حالی ہے یا قولی؟	۷۲۳
۱۱۲	ہر چیز کی تسبیح کرنے کے متعلق مصنف کی تحقیق	۷۲۳
۱۱۳	ہر چیز کی حقیقتاً تسبیح کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۷۲۴
۱۱۴	ہر چیز کی حقیقتاً تسبیح کرنے کے متعلق احادیث	۷۲۴
۱۱۵	کھجور کی شاخ کے ٹکڑوں کو قبروں پر رکھنے کی تشریح	۷۲۵
۱۱۶	قبر پر قرآن مجید پڑھنے سے عذاب میں تخفیف ہونا	۷۲۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۱۷	لیس للانسان الا ماسعی سے ایصال ثواب کے تعارض کا جواب	۷۲۷
۱۱۸	ایصال ثواب کے متعلق احادیث	۷۲۸
۱۱۹	آپ کے قرآن پڑھتے وقت کفار کی آنکھوں پر پردہ ڈالنا	۷۲۹
۱۲۰	آپ کے قرآن پڑھتے وقت کفار کے دلوں پر پردہ ڈالنا	۷۲۹
۱۲۱	نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کی تحقیق	۷۳۰
۱۲۲	نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کی احادیث	۷۳۰
۱۲۳	نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کے متعلق علماءِ متقدمین کا نظریہ	۷۳۱
۱۲۴	نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کے متعلق متاخرین کا نظریہ	۷۳۳
۱۲۵	نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے اثر کا انکار کرنے والے علماء	۷۳۵
۱۲۶	نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کے متعلق مصنف کا نظریہ	۷۳۶
۱۲۷	مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل' قبروں سے نکلنے کی کیفیت اور آپ کی نبوت کی صداقت	۷۳۹
۱۲۸	وقل لعبادی یقولوا التی هی احسن (۶۰-۵۳)	۷۴۰
۱۲۹	آپس کی گفتگو میں اور تبلیغ میں نرمی اور حسن اخلاق سے کام لینا	۷۴۲
۱۳۰	بعض نبیوں کی بعض نبیوں پر فضیلت	۷۴۳
۱۳۱	حضرت داؤد علیہ السلام کے خصوصیت کے ساتھ ذکر کی توجیہ	۷۴۳
۱۳۲	غیر اللہ کو مستحق عبادت سمجھ کر پکارنے کا رد	۷۴۴
۱۳۳	مطلقاً پکارنے اور مدد طلب کرنے کو شرک کہنا صحیح نہیں	۷۴۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۳۴	دوزخ کے عذاب سے انبیاء اور ملائکہ کے ڈرنے کی توجیہ	۷۴۶
۱۳۵	کھلم کھلا سود کھانا اور فحش کام کرنا نزولِ عذاب کا موجب ہے	۷۴۷
۱۳۶	زیرِ تفسیر آیت کا شانِ نزول	۷۴۸
۱۳۷	فرمائشی معجزات نازل نہ کرنے کی وجوہ	۷۴۸
۱۳۸	اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور نصرت فرمانا	۷۴۹
۱۳۹	شبِ معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا وہ خواب نہیں تھا	۷۵۰
۱۴۰	شجرۃ الزقوم کا معنی	۷۵۰
۱۴۱	شجرۃ الزقوم کو ملعون فرمانے کی توجیہات	۷۵۱
۱۴۲	واذ قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم (۷۰-۶۱)	۷۵۱
۱۴۳	مشکل الفاظ اور مغلق فقروں کی تشریح	۷۵۴
۱۴۴	اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں	۷۵۵
۱۴۵	انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجوہ	۷۵۶
۱۴۶	یوم ندعوا کل اناس بامامھم (۸۴-۷۱)	۷۵۹
۱۴۷	قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ پکارا جائے گا' امام سے کیا مراد ہے؟	۷۶۱
۱۴۸	امام کی تفسیر میں صحیح محمل	۷۶۳
۱۴۹	کافروں کا دنیا اور آخرت میں اندھا ہونا	۷۶۳
۱۵۰	کفار کی فرمائشوں کے متعلق اقوال	۷۶۵
۱۵۱	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت قدم رکھنے کی توجیہات	۷۶۵
۱۵۲	آپ کو دگنا مزہ چکھانے کی توجیہات	۷۶۶
۱۵۳	منکرین عصمتِ انبیاء کے اعتراضات اور ان کے جوابات	۷۶۶
۱۵۴	اللہ تعالیٰ کی مدد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان آزمائشوں میں کامیابی	۷۶۷
۱۵۵	فتح مکہ سے قرآن مجید کی پیش گوئی کا پورا ہونا	۷۶۷
۱۵۶	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا اللہ تعالیٰ کے دستور کے موافق ہونا	۷۶۸
۱۵۷	دلوک کا معنی	۷۶۹
۱۵۸	پانچ نمازوں کی فرضیت	۷۶۹
۱۵۹	اوقاتِ نماز کے متعلق احادیث اور مذاہب	۷۷۰
۱۶۰	تہجد کا معنی	۷۷۳
۱۶۱	تہجد کی رکعات	۷۷۳
۱۶۲	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت دونوں کے لیے تہجد نفل ہے، لیکن نفل کی حیثیت میں فرق ہے	۷۷۴
۱۶۳	یہ کہنا صحیح نہیں کہ آپ پر تہجد فرض ہے	۷۷۵
۱۶۴	مقام محمود کی تحقیق	۷۷۵
۱۶۵	شفاعتِ کبریٰ کے متعلق احادیث	۷۷۵
۱۶۶	قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی اقسام	۷۷۷
۱۶۷	قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حمد کا جھنڈا عطا کیا جانا	۷۷۷
۱۶۸	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے دوزخ سے مسلمانوں کا نکالا جانا	۷۷۸
۱۶۹	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر اپنے ساتھ بٹھانا	۷۷۸
۱۷۰	مدخل صدق اور مخرج صدق کی تفسیر میں متعدد اقوال	۷۷۸
۱۷۱	جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کریں 'یا اس کی معصیت پر مبنی ہوں' ان کو توڑنے کا وجوب	۷۷۹
۱۷۲	قرآن مجید کا روحانی امراض کے لیے شفاء ہونا	۷۸۰
۱۷۳	قرآن مجید کا جسمانی امراض کے لیے شفاء ہونا	۷۸۰
۱۷۴	نشرہ اور مریضوں پر دم کرنے کا حکم	۷۸۱
۱۷۵	تعویذ لٹکانے کا حکم	۷۸۲
۱۷۶	ظالموں کے لیے قرآن مجید کا مزید گمراہی کا سبب ہونا	۷۸۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۷۷	انسان کا کمزور دل اور ناشکرا ہونا	۷۸۳
۱۷۸	نیکوں اور بروں پر قرآن مجید کے مختلف آثار	۷۸۳
۱۷۹	متقدمین کی پسندیدہ آیات	۷۸۴
۱۸۰	مصنف کی پسندیدہ آیات	۷۸۴
۱۸۱	ویسئلونک عن الروح (۹۳-۸۵)	۷۸۵
۱۸۲	روح کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۷۸۶
۱۸۳	روح کی موت کی تحقیق	۷۸۷
۱۸۴	جسم کی موت کے بعد روح کا مستقر	۷۸۸
۱۸۵	روح کا حادث اور مخلوق ہونا	۷۸۹
۱۸۶	نفس اور روح ایک چیز ہیں یا الگ الگ؟	۷۹۰
۱۸۷	نفسِ امّارہ، نفسِ لوّامہ اور نفسِ مطمئنہ کی تعریفات	۷۹۰
۱۸۸	عالمِ خلق اور عالمِ امر	۷۹۱
۱۸۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم تھا یا نہیں؟	۷۹۱
۱۹۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی رحمت اور اس کے فضل کی دلیل	۷۹۳
۱۹۱	دلوں سے علم کا نکل جانا	۷۹۳
۱۹۲	قرآن مجید کا متعدد اسالیب سے ہدایت دینا	۷۹۴
۱۹۳	تبلیغ اسلام سے دست کش ہونے کے لیے کفار مکہ کی پیشکش	۷۹۵
۱۹۴	کفار مکہ کا فرمائشی معجزات طلب کرنا	۷۹۵
۱۹۵	فرمائشی معجزات نازل نہ کرنے کی وجوہات	۷۹۶
۱۹۶	معجزات کے مقدور نبی ہونے کی بحث	۷۹۸
۱۹۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی تحقیق	۷۹۸
۱۹۸	وما منع الناس ان یؤمنوا (۱۰۰-۹۴)	۸۰۱
۱۹۹	زمین والوں کے لیے کسی فرشتہ کو رسول کیوں نہیں بنایا؟	۸۰۳
۲۰۰	کافر کے سر کے بل چلنے اور قیامت کے دن اس کے اندھے، بہرے اور گونگے ہونے کی توجیہات	۸۰۳
۲۰۱	حرص کی مذمت	۸۰۵
۲۰۲	بعض انسانوں کی سخاوت کے باوجود انسان کے بخیل ہونے کی توجیہ	۸۰۵
۲۰۳	بخل کی مذمت میں احادیث	۸۰۵
۲۰۴	ولقد اتینا موسیٰ تسع ایت بینت (۱۱۱-۱۰۱)	۸۰۷
۲۰۵	حضرت موسیٰ کو نو احکام دیے گئے تھے یا نو معجزات	۸۰۹
۲۰۶	بنی اسرائیل سے سوال کرنے کی توجیہ	۸۱۰
۲۰۷	مسحور، بصائر، استفزاز اور لفیف کے معانی	۸۱۰
۲۰۸	قرآن مجید کو حق کے ساتھ نازل کرنا	۸۱۱
۲۰۹	قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی وجہ	۸۱۲
۲۱۰	ایمان لانے میں اہل کتاب کی عاجزی	۸۱۲
۲۱۱	اللہ اور رحمان پکارنے کے متعدد شان نزول	۸۱۳
۲۱۲	پست آواز اور بلند آواز سے نماز میں قرآن مجید پڑھنے کے محامل	۸۱۳
۲۱۳	اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل	۸۱۴
۲۱۴	اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ہونے پر دلائل اور وہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے	۸۱۵
۲۱۵	اللہ تعالیٰ کی کبریائی	۸۱۵
۲۱۶	اختتامی کلمات اور دعا	۸۱۶
۲۱۷	مآخذ و مراجع	۸۱۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیٔ عند العارفین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوٰۃ اللہ عن صلوٰۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القرآن وبین لنا ما نزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القرآن وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمٰن لواءہ فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والآخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی آلہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللّٰھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ اللّٰھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ اللّٰھم اجعلنی فی تبیان القرآن علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہ اللّٰھم الق فی قلبی اسرار القرآن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القرآن ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القرآن، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللّٰھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ اللّٰھم انت ربی لا الٰہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفر لی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت آمین

یا رب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد ﷺ پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثل لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثل لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے' اور اس کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی بارگاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفریں بنا دے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ الرَّعۡدِ

(۱۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم

سورة الرعد

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الرعد ہے، تمام متقدمین اور متاخرین سے اسی طرح منقول ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تک اس کے نام میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس کا نام الرعد رکھنے کی مناسبت یہ ہے کہ اس سورت میں الرعد کا ذکر ہے اور اس کے علاوہ اور کسی مکی سورت میں الرعد کا ذکر نہیں ہے۔ اس سورت کی اس آیت میں الرعد کا ذکر ہے:

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ○ (الرعد: ۱۳)

بادل پر معین فرشتہ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا ہے، اور باقی فرشتے (بھی) اس کے خوف سے (حمد اور تسبیح کرتے ہیں) اور وہی گرجنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان بجلیوں کو گرا دیتا ہے درآنحالیکہ وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں، اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے ○

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کی ایک اور سورت میں بھی رعد کا ذکر ہے:

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ۔ (البقرہ: ۱۹)

یا اس بارش کی مثل جو آسمان سے برس رہی ہو، اس میں تاریکیاں اور رعد (گرج اور کڑک) اور بجلی کی چمک ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سورۃ البقرہ کی آیت ہے اور یہ مدنی سورت ہے اور ہم نے یہ کہا ہے کہ کسی مکی سورت میں الرعد کا ذکر نہیں ہے، اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی مثلاً سرہانے کو تکیہ کہتے ہیں کیونکہ تکیہ کے معنی ہیں ٹیک لگانا اور سرہانے کے ساتھ ٹیک لگائی جاتی ہے، اب اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ دیوار کے ساتھ بھی تو ٹیک لگائی جاتی ہے اس کو تکیہ کیوں نہیں کہتے، کیونکہ وجہ تسمیہ کے لیے یہ کافی ہوتا ہے کہ جس چیز کا جو نام رکھا گیا ہے اس میں اس نام کی مناسبت پائی جائے اور یہ نہیں ہوتا کہ جہاں وہ مناسبت ہو وہاں وہ نام بھی ہو، ہمارے ملک کا نام

پاکستان ہے کیونکہ یہ پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے یعنی ایسے لوگ جو کفر اور شرک سے پاک ہیں' اب اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ مصر اور لیبیا بھی تو پاک لوگوں کے رہنے کا گھر ہے تو مصر اور لیبیا کو پاکستان کیوں نہیں کہتے' اسی طرح اس سورت کا نام الرعد رکھنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس سورت کی ایک آیت میں الرعد کا ذکر ہے' اور یہ لازم نہیں ہے کہ جس سورت میں بھی رعد کا ذکر ہو اس سورت کا نام الرعد رکھا جائے۔

الرعد کا معنی

امام حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

بادل کی آواز کو رعد کہتے ہیں' روایت ہے کہ رعد وہ فرشتہ ہے جو بادل کو ہانکتا ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی شخص کے ڈرانے اور دھمکانے کو رعد کہتے ہیں' کسی شخص کے کندھے خوف سے کپکپا رہے ہوں تو کہتے ہیں ارعدت فرائصہ خوفا۔ (المفردات ج ا ص ۲۶۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

بادل کے گرجنے اور کڑکنے اور ڈرانے اور دھمکانے کو بھی رعد کہتے ہیں۔ (المنجد ص ۲۶۷' تہران' ۱۳۶۷ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود آئے اور کہنے لگے کہ یا اباالقاسم! ہمیں بتائیے کہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادل کے ساتھ مقرر ہے۔ اس کے پاس آگ کے کوڑے ہیں جن سے وہ جہاں اللہ چاہتا ہے بادلوں کو ہنکاتا ہے۔ انہوں نے پوچھا اور یہ آواز کیسی ہے جس کو ہم سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ بادلوں کو ڈانٹنا اور جھڑکنا ہے' جب وہ (فرشتہ) بادلوں کو ڈانٹتا اور جھڑکتا ہے تو وہ بادل وہاں پہنچتے ہیں جہاں پہنچنے کا انہیں فرشتہ حکم دیتا ہے۔ (الحدیث)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۷' مسند احمد ج ا ص ۲۷۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۰۷۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۴۲۹' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۰۴)

قرآن مجید میں ہے:

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّاۙ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًاۙ۝ — ان فرشتوں کی قسم جو صف باندھے عبادت کر رہے ہیں۝ پس ان فرشتوں کی قسم جو بادلوں کو جھڑک کر ہنکار رہے ہیں۝ (الصّٰفّٰت: ۲-۱)

سورۃ الرعد کے مکی یا مدنی ہونے کا اختلاف

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور علی بن ابی طلحہ سے مروی ہے کہ سورۃ الرعد مکی ہے۔ امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ ابی بشر نے سعید بن جبیر سے اس آیت کے متعلق پوچھا: ومن عندہ علم الکتاب۔ (الرعد: ۴۳) کیا یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے؟ انہوں نے کہا یہ ان کے متعلق کیسے ہو سکتی ہے' یہ تو مکی سورت ہے۔ (امام النحاس نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ الرعد مکی ہے اور امام ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ الرعد مدنی ہے' امام ابن مردویہ نے حضرت ابن الزبیر سے روایت کیا ہے کہ الرعد مدنی ہے' قتادہ نے کہا چند آیات کے سوا اس کی تمام آیات مکہ میں نازل ہوئیں۔ الدر المنثور) اس سورت کے مدنی ہونے کی تائید میں اربد بن قیس اور عامر بن الطفیل کا قصہ ہے جن کے متعلق الرعد: ۱۳-۸ کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اس

اختلاف میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ چند آیتوں کے سوا اس سورت کی باقی تمام آیتیں مکی ہیں۔

(الاتقان ج ۱ ص ۴۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۱۹ھ)

حافظ سیوطی نے اربد بن قیس اور عامر بن الطفیل کے جس قصہ کا ذکر کیا وہ یہ ہے:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اربد بن قیس، اور عامر بن الطفیل مدینہ میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے، اس وقت آپ بیٹھے ہوئے تھے، وہ دونوں آپ کے سامنے آکر بیٹھ گئے۔ عامر بن الطفیل نے کہا اگر میں اسلام لے آؤں تو کیا آپ اپنے بعد مجھے خلیفہ بنائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، لیکن تم گھوڑوں پر بیٹھ کر جہاد کرنا۔ اس نے کہا میرے پاس تو اب بھی نجد میں گھوڑے ہیں، پھر اس نے کہا آپ دیہات میرے سپرد کر دیں اور شہر آپ لے لیں۔ آپ نے فرمایا نہیں! جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھنے لگے تو عامر نے کہا اللہ کی قسم! میں آپ کے خلاف گھوڑے سواروں کو اور پیادوں کو جمع کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ تم کو اس اقدام سے باز رکھے گا۔ جب وہ دونوں وہاں سے نکل گئے تو عامر نے (چپکے سے) کہا اے اربد میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باتوں میں لگاتا ہوں تم تلوار سے ان کا سر اڑا دینا، اور جب تم نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا تو زیادہ سے زیادہ یہ لوگ دیت کا مطالبہ کریں گے، اور ہم سے جنگ کرنے کو ناپسند کریں گے، اور ہم ان کو دیت ادا کر دیں گے۔ اربد نے کہا ٹھیک ہے! پھر وہ دونوں دوبارہ آپ کے پاس آئے، عامر نے کہا یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) اٹھیں میں آپ کے ساتھ کچھ بات کرنا چاہتا ہوں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور دونوں باتیں کرتے ہوئے دیوار کے پاس چلے گئے۔ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باتیں کرنے لگا اور اربد تلوار سونتنے لگا۔ جب اس نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا اور وہ تلوار نہ نکال سکا۔ جب اربد نے دیر لگا دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا اور آپ نے دیکھ لیا کہ اربد کیا کرنے والا تھا، پھر آپ واپس چلے آئے۔ جب عامر اور اربد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے گئے، اور حرۃ واقم میں پہنچے تو ان کو حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ملے، انہوں نے کہا اے اللہ کے دشمنو! ٹھہر جاؤ! عامر نے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت سعد نے کہا یہ اسید بن حضیر کاتب ہے، حتیٰ کہ جب وہ مقام رقم پہنچے تو اللہ عزوجل نے اربد پر بجلی گرا دی جس سے اربد ہلاک ہو گیا۔ (امام واحدی کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کارروائی دیکھی تو آپ نے ان کے خلاف دعا کی: اے اللہ! ان سے میرا بدلہ لے) اور عامر جب آگے گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم میں چھالے اور پھوڑے پیدا کر دیئے۔ اس نے بنو سلول کی ایک عورت کے ہاں رات گزاری، اس کے حلق تک پھوڑے ہو گئے اور ان کی تکلیف کی وجہ سے وہ موت کی خواہش کرنے لگا، اور پھر مر گیا، اس وقت الرعد: ۱۳-۸ کی آیات نازل ہوئیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۷۶۰، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۱۲۳، اسباب النزول للواحدی ص ۲۷۸، رقم الحدیث: ۵۴۷، حافظ الہیثمی نے کہا ان کی سند میں عبدالعزیز بن عمران ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۴۲)

اس موقع پر جو آیات نازل ہوئیں وہ یہ ہیں:

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ

ہر مادہ کے حمل کو اللہ ہی جانتا ہے اور ہر رحم کے سکڑنے اور پھیلنے کو بھی وہی جانتا ہے اور ہر چیز کا اس کے نزدیک اندازہ

بِمِقْدَارٍ ○ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ○ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ○ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ○ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ○ (الرعد: ۱۳-۸)

ہے○ وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے سب سے بڑا، نہایت بلند ہے○ تم میں سے کوئی چپکے سے بات کرے یا زور سے بولے، وہ رات کو چھپ جائے یا دن میں چلنے والا ہو اس کے لیے برابر ہے○ اس کے لیے باری باری آنے والے محافظ فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، بے شک اللہ کسی قوم کی نعمت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدل دیں، اور جب اللہ کسی قوم کو مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو کوئی اس کو ٹالنے والا نہیں ہے، اور اس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہے○ وہی ہے جو تم کو (کبھی) ڈرانے کے لیے اور (کبھی) امید دلانے کے لیے بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے○ بادل پر معین فرشتہ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے، اور وہی گرجنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان بجلیوں کو گرا دیتا ہے اور وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے○

ان آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کو امام طبرانی اور امام واحدی نے روایت کیا ہے اور ان شاء اللہ ان آیات کی تفسیر میں ہم اس کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ بہرحال چند آیات کے علاوہ اس سورت کی اکثر آیات مکی ہیں۔ اس پوری سورت کا مضمون ان ہی سورتوں کے موافق ہے جو مکی سورتیں ہیں کیونکہ اس سورت میں زیادہ تر توحید، قیامت اور جزا اور سزا کا بیان ہے اور یہ مکی سورتوں کا خاصہ ہے جبکہ مدنی سورتوں میں مومنوں سے خطاب ہوتا ہے اور احکام شرعیہ کا بیان ہوتا ہے۔

سورۃ الرعد اور سورۃ یوسف میں باہمی مناسبت

سورۃ الرعد اور سورۃ یوسف میں حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے:

(۱) سورۃ یوسف اور سورۃ رعد دونوں مکہ میں نازل ہوئیں۔

(۲) سورۃ یوسف اور سورۃ الرعد میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے کس طرح اپنی قوموں میں تبلیغ کی اور ان کی قوموں نے ان کو کیا جوابات دیے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین اور متقین کو کس طرح نجات دی اور منکرین اور کافرین کو کس طرح عذاب میں مبتلا کیا۔ سورہ یوسف میں معین طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور سورۃ الرعد میں اجمالی طور پر انبیاء علیہم السلام کا اور ان کے منکرین پر عذاب کا ذکر فرمایا:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ

اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا تھا تو میں نے کافروں کو کچھ مہلت دی، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا،

كَانَ عِقَابِ ○ (الرعد: ۳۲)

تو میرا عذاب کیسا تھا ○

(۳) دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل قائم کیے گئے ہیں، سورہ یوسف میں ہے:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ (یوسف: ۳۹)

اے قید خانہ کے میرے دونوں ساتھیو! کیا متعدد اور مختلف معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ! جو سب پر غالب ہے ○

اور سورۃ الرعد میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا - الآیہ - (الرعد: ۲)

اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا جیسا کہ تم انہیں دیکھتے ہو۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ الآیہ - (الرعد: ۱۶)

آپ (ان سے) پوچھئے کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے؟ آپ (خود ہی) کہئے کہ اللہ ہے۔

(۴) اور ان دونوں سورتوں میں آسمانوں اور زمینوں اور ان کے عجائبات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال فرمایا ہے:

سورہ یوسف میں ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○ (یوسف: ۱۰۵)

اور آسمانوں اور زمینوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن سے یہ لوگ منہ پھیرتے ہوئے گزر جاتے ہیں ○

اور سورۃ الرعد میں ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (الرعد: ۳)

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو نصب کیا اور دریا (رواں کیے) اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے بنائے، وہ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ○

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سورۃ یوسف میں زمینوں اور آسمانوں کی نشانیوں کا اجمالاً ذکر فرمایا تھا اور سورۃ الرعد کی آیت: ۳۳، ۳۰، ۲۶، ۲۲، ۱۲، ۹، ۸، ۳، ۲ میں ان نشانیوں کا تفصیلاً ذکر فرمایا ہے جیسا کہ سورۃ الرعد میں انبیاء سابقین کا اجمالاً ذکر ہے اور سورہ یوسف میں انبیاء سابقین کا تفصیلاً ذکر ہے۔

(۵) سورۃ یوسف کا اختتام قرآن مجید کے ذکر پر ہوا ہے، اور سورۃ الرعد کا افتتاح قرآن کریم کے ذکر سے ہوا ہے۔ سورۃ یوسف میں ہے:

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (یوسف: ۱۱۱)

یہ (قرآن) کوئی من گھڑت بات نہیں ہے لیکن یہ اس سے پہلے نازل شدہ کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○

اور سورۃ الرعد اس آیت سے شروع ہوتی ہے:

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

الف لام میم را ۰ یہ اس کتاب (قرآن مجید) کی آیتیں ہیں، اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا برحق

لَا يُؤْمِنُوْنَ○ (الرعد: ۱) ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے○

سورۃ الرعد کے مضامین اور مقاصد

(۱) اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلائل سے کی گئی ہے اور آسمانوں اور زمینوں اور سورج اور چاند اور رات اور دن، اور پہاڑوں اور دریاؤں اور کھیتوں اور باغات اور ان کے مختلف رنگوں، خوشبوؤں اور ذائقوں کو پیدا کرنے سے استدلال فرمایا ہے اور اس پر استدلال فرمایا ہے کہ اسی نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہی اس کو فنا کرے گا اور فنا کے بعد پھر ان سب کو زندہ فرمائے گا اور وہی ضرر اور نفع پہنچانے پر قادر ہے۔ ان تمام امور میں وہ منفرد ہے ان میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۲) وہ قیامت کو قائم کرے گا اور سب کو زندہ کر کے جمع فرمائے گا اور کفار اور منکرین کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔

(۳) یہ بتایا ہے کہ فرشتے انسان کے اعمال کو لکھتے ہیں اور انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔

(۴) حق اور باطل کی، اللہ کے عبادت گزاروں اور بتوں کے پجاریوں کی محسوس مثالیں دی ہیں، اور یہ بتایا ہے کہ باطل پرستوں کی مثال جھاگ کی طرح ہے، جس کی کوئی بقا نہیں ہوتی، جب سونے اور چاندی کو آگ میں پگھلایا جائے تو اوپر ابھرنے والا میل کچیل باطل کی طرح ہے، اور نیچے بچ جانے والا خالص اور صاف مادہ حق کی مثال ہے۔

(۵) متقین اور اہل سعادت دیکھنے والوں کی طرح ہیں اور نافرمان اور مفسد اندھوں کی طرح ہیں۔

(۶) اللہ سے ڈرنے والوں کو دائمی جنتوں کی بشارت دی ہے، اور عہد شکن اور منکروں کو دوزخ کے دائمی عذاب سے ڈرایا ہے۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نصب العین، شرک سے منع کرنا اور صرف اللہ عزوجل کی عبادت کی دعوت دینا ہے اور مشرکین کی ہم نوائی سے روکنا ہے۔

(۸) تمام رسول نوع انسان سے بھیجے گئے وہ بھی انسان اور بشر ہیں لیکن انسان کامل اور افضل ترین بشر ہیں، ان کی بیویاں اور اولاد ہیں اور یہ اس لیے کہ بیویوں اور اولاد کے ساتھ طرز معاشرت میں ان کے نمونہ پر ان کے پیروکار عمل کریں۔ اور وہ کسی فرمائشی معجزہ کو اللہ کی اجازت اور اس کی مشیت کے بغیر پیش نہیں کرسکتے اور ان کا منصب صرف تبلیغ کرنا ہے اور جزاء اور سزا دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

(۹) ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے منکروں کو ناکام اور انبیاء علیہم السلام کو فائز المرام کیا۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی دی ہوئی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ وہی تمام مخلوق کی عبادت کا مستحق ہے، نہ کہ ان کے باطل معبود۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ ہر چھپی ہوئی اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے اور ان کے نام نہاد اور باطل معبود کچھ جانتے ہیں اور نہ کسی کو کوئی نعمت دینے پر قادر ہیں۔

(۱۲) قیامت سے ڈرایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔

(۱۳) مشرکین جو فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں وہ محض کٹ حجتی اور عناد سے کرتے ہیں، وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

(۱۴) اس سورت کو اس پر ختم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی شہادت دیتا

ہے، اسی طرح اہلِ کتاب میں سے مومنین بھی آپ کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ علامتیں پائی جاتی ہیں جو آخری نبی کے متعلق ان کی کتابوں میں درج ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں کہ قرآن مجید ان کی کتابوں کا مصدق ہے۔ (سورۃ الرعد کا افتتاح ۱۱ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ / ۱۸ مارچ ۲۰۰۰ء کو کیا گیا۔)

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الرعد مکی ہے اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ۝

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

الف، لام، میم، را، یہ اس کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں اور جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے

الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ

وہ برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ۝ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو

السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ

بغیر ستونوں کے بلند کیا (جیسا کہ) تم انہیں دیکھتے ہو، پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایا اور

سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ

اس نے سورج اور چاند کو اپنے نظام پر کاربند فرما دیا ہر ایک اپنی مقرر مدت تک گردش کر رہا ہے، وہی

الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲

دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے وہ آیتوں کی تفصیل فرماتا ہے تاکہ تم کو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کا یقین ہو ۝

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ نصب کیے، اور دریا رواں کیے،

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي

اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں کے دو، دو جوڑے بنائے، وہ رات سے

الَّيۡلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ③ وَ

دن کو چھپا لیتا ہے، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ○ اور

فِى الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّزَرۡعٌ

زمین میں ایک دوسرے کے قریب قطعات ہیں، اور انگوروں کے باغ اور کھیت ہیں

وَّنَخِيۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّغَيۡرُ صِنۡوَانٍ يُّسۡقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ قف

اور ایک ہی جڑ سے نکلے ہوئے کھجور کے درخت ہیں اور الگ الگ بھی ہیں، حالانکہ سب کو ایک ہی پانی سے

وَنُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰى بَعۡضٍ فِى الۡاُكُلِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ

سیراب کیا جاتا ہے، اور ہم بعض پھلوں کو لذت میں بعض دوسرے پھلوں پر ترجیح دیتے ہیں، بے شک ان میں عقل

لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ④ وَاِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ

والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ اگر تم تعجب کرو تو باعث تعجب ان کا یہ قول ہے

ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ

کیا ہم مٹی ہو جانے کے بعد از سر نو پیدا ہوں گے؟ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے

كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے، اور یہی

اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ⑤ وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالسَّيِّئَةِ

دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ○ اور یہ لوگ ثواب سے پہلے عذاب

قَبۡلَ الۡحَسَنَةِ وَقَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمُ الۡمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ

کے طلب گار ہیں اور بے شک ان سے پہلے عذاب یافتہ لوگ گزر چکے ہیں، اور بے شک آپ کا

رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلۡمِهِمۡ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ

رب لوگوں کے ظلم (گناہوں) کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے، اور بے شک آپ کا رب

لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ

ضرور سخت عذاب دینے والا ہے ۝ اور کافر کہتے ہیں کہ ان کے رب کی طرف سے ان پر کوئی نشانی کیوں نہ

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝

نازل ہوئی، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف، لام، میم، را، یہ اس کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں، اور جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ۝ (الرعد: ۱)

اجتہاد اور قیاس پر ایک اعتراض کا جواب

الف، لام، میم، را، حروف مقطعات میں سے ہیں، ان کی پوری تشریح سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے، مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ آپ پر آپ کی رب کی طرف جو نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حق وہی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہو، اور مجتہدین کا قیاس چونکہ اللہ کی طرف سے نازل نہیں کیا گیا اس لیے وہ حق نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس کرنے کا بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اس لیے قیاس بھی حکماً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اور وہ بھی برحق ہے، اور اگر مجتہد کو قیاس میں خطا لاحق ہوئی پھر بھی اس کے اجتہاد پر عمل کرنا برحق ہے، اس کو اس اجتہاد پر اجر و ثواب ملے گا اور اس کے اجتہاد پر عمل کرنے والوں کو بھی اجر و ثواب ملے گا لیکن یہ اجر و ثواب اس مجتہد کے اجر و ثواب سے ایک درجہ کم ہوگا جس کا اجتہاد صحیح ہو۔

اجتہاد کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور دلیل

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ذہن کی طاقت کو خرچ کرنا اور مشقت کو برداشت کرنا اجتہاد ہے۔ کہا جاتا ہے میں نے اپنی رائے سے اجتہاد کیا یعنی اپنی فکر کو تھکایا۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۳۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

کسی چیز کا حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی ذہنی صلاحیتوں کو صرف کرنا اجتہاد ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی نامعلوم حکم کو کتاب و سنت کے کسی حکم پر قیاس کیا جائے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ محض اپنی عقل سے کسی چیز پر کوئی حکم لگایا جائے۔ (النہایہ ج ۱ ص ۳۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت معاذ کے دوست بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا آپ نے پوچھا تم کس طرح فیصلے کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ میں دیکھ کر فیصلہ کروں گا آپ نے پوچھا اگر وہ (حکم) کتاب اللہ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت سے فیصلہ کروں گا آپ نے پوچھا اگر وہ (حکم) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ

کے لیے حمد ہے جس نے رسول اللہ کے نمائندہ کو توفیق عطا کی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۳۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۹۲، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۱۴، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۱ ص ۲۱۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حاکم اجتہاد سے کوئی حکم لگائے اور اس کا حکم صحیح ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب اس کو حکم میں خطا لاحق ہو تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۲۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۹۱، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۵۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۷۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۹۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۱۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۰۶۰، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۹۰۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۱۹، السنن للدار قطنی ج ۴ ص ۲۰۴، المنتقیٰ لابن الجارود رقم الحدیث: ۹۹۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا جیسا کہ تم انہیں دیکھتے ہو، پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایا اور اس نے سورج اور چاند کو اپنے نظام پر کاربند فرمادیا، ہر ایک اپنی مقرر مدت تک گردش کر رہا ہے، وہی دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے، وہ آیتوں کی تفصیل فرماتا ہے تاکہ تم کو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کا یقین ہو O (الرعد: ۲)

سورج اور چاند کے احوال اور دنیا کے معاملات سے وجود باری اور توحید باری پر استدلال

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن نازل فرمایا ہے وہ برحق ہے، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے برحق ہونے اور اپنے وجود اور اپنی توحید پر دلائل قائم فرما رہا ہے، اور اپنی قدرت پر براہین پیش فرما رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا، کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ کوئی چھت بغیر ستونوں یا دیواروں کی ٹیک کے قائم نہیں ہو سکتی تو جس قادر و قیوم نے آسمانوں کو بغیر کسی ٹیک اور سہارے کے بلند کر دیا تو یقیناً وہ ہستی ممکنات اور مخلوقات سے ماوراء ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند اور ان کی گردش کا ذکر فرمایا، ہم دیکھتے ہیں کہ سورج اور چاند ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتے ہیں اور ایک مخصوص جانب میں غروب ہوتے ہیں، تو وہ کون ہے جس نے ان کو اس مخصوص نظام کے تحت گردش پر کاربند کیا اور وہ کون ہے جس نے ان کو اس مخصوص جانب سے طلوع اور غروب کا پابند کیا ہے، اگر اللہ عزوجل کے سوا کوئی اور خدا ہے تو اس نے ان مخصوص جانبوں کے سوا کسی اور جانب سے ان کا طلوع اور غروب کرایا ہوتا، ان کی مخصوص گردش کے سوا کوئی اور گردش کرائی ہوتی اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا وہ ایک ہی خدا ہے جس نے کائنات کا یہ مربوط نظام قائم کیا ہے، اس نظام کی یکسانیت اور طریق کار کی وحدت کا تسلسل یہ بتاتا ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے۔

اسی طرح دنیا کے دیگر معاملات ہیں، زرعی پیداوار کا نظام ہے جس میں ایک ہی طریقہ کار کا تسلسل ہے۔ کبھی انگور کی بیلوں میں سیب نہیں لگتا اور نہ کبھی سیب کے درختوں میں انگور لگتا ہے، ایک نرم و نازک پودا بیج کو پھاڑتا ہے اور زمین کے سینہ کو چیر کر باہر نکل آتا ہے اور اس نظام میں بھی یکسانیت اور وحدت ہے، حیوانوں اور انسانوں کے طریقہ تولید اور ان کی نشو و نما کے نظام میں بھی وحدت ہے، پھر فصلوں اور باغوں کے لیے وقت پر بارش نازل فرمانا، پھلوں اور غلوں کے قوام کی پختگی کے لیے سورج کی حرارت مہیا کرنا اور نہایت حکمت بالغہ کے ساتھ حیوانوں اور انسانوں کے لیے خوراک مہیا کرنا یہ کس کی تدبیر ہے اور اس تدبیر کے نظام میں بھی یکسانیت اور وحدت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد

ہے۔

عرش پر استواء اور ایسی دیگر صفات کے متعلق متقدمین اور متاخرین کے نظریات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایا۔ یہ آیت قرآن مجید میں چھ مرتبہ آئی ہے۔ الاعراف: ۵۴، یونس: ۳، الرعد: ۲، طٰہٰ: ۵، الفرقان: ۵۹، الم السجدۃ: ۴، الحدید: ۴۔ ہم الاعراف: ۵۴ میں اس پر مفصل بحث کر چکے ہیں اور یہاں بھی اختصار کے ساتھ اس مسئلہ کا ذکر کریں گے۔

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کی بعض ایسی صفات کا ذکر ہے جن سے بظاہر جسمیت کا شبہ یا وہم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمیت کے عوارض سے پاک ہے اور ممکنات اور مخلوقات میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے، قرآن مجید میں اس کے استواء (قائم ہونے) اس کی آنکھوں، اس کے چہرے، اس کے ہاتھوں، اس کی پنڈلی، اس کے رحم کرنے، اس کے غضب فرمانے، اس کے آنے، اس کے سننے، اس کے دیکھنے، اس کے کلام کرنے، اس کے خفیہ تدبیر کرنے، اس کے محبت کرنے، اس کے ناپسند کرنے، اس کے سرگوشی کرنے، اس کے ساتھ رہنے، اور اس کے ندا کرنے کا ذکر ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کے خوش ہونے، اس کے قدم رکھنے، عرش کے اوپر ہونے، آسمان میں ہونے، آسمان سے نازل ہونے اور اس کے دوڑ کر آنے کا ذکر ہے۔

یہ تمام صفات مخلوق میں ہوتی ہیں اور ہم کو ان کے معنی معلوم ہیں، اور اللہ تعالیٰ میں بھی یہ صفات ہیں لیکن ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ میں یہ صفات کس معنی میں ہیں اور کس اعتبار سے ہیں، اس میں یہ صفات اس کے شایانِ شان ہیں مثلاً وہ بولتا ہے، سنتا ہے اور دیکھتا ہے لیکن ہماری طرح زبان سے نہیں بولتا نہ کانوں سے سنتا ہے نہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اس کا بولنا، سننا اور دیکھنا مخلوق کے بولنے، سننے اور دیکھنے کی مثل نہیں ہے لیکن وہ کیسے ان صفات سے متصف ہے یہ ہمیں نہیں معلوم۔ جس طرح ہم کو اللہ کی ذات کی حقیقت کا علم نہیں ہے اسی طرح ہم کو اس کی صفات کی حقیقت کا بھی علم نہیں ہے۔ اس کی آنکھیں ہیں، اس کا چہرہ ہے اور اس کے ہاتھ ہیں لیکن وہ مخلوق کی مثل نہیں ہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ جسم ہے لیکن اس کا جسم مخلوق کی مثل نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اس کے لیے جسم کا لفظ وارد نہیں ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ان ہی صفات کو مانتے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ ہم اس کی ان صفات کو بلا تمثیل اور بلا تکییف مانتے ہیں یعنی اس کی یہ صفات مخلوق کی صفات کی مثل نہیں ہیں اور نہ ہم کو ان کی کیفیت معلوم ہے مثلاً اس کی آنکھیں ہیں لیکن وہ مخلوق کی آنکھوں کی مثل نہیں ہیں اور ان کی کیا کیفیت ہے وہ کس طرح کی ہیں یہ بھی ہم کو معلوم نہیں، اس کی ایسی آنکھیں ہیں جو اس کے شایانِ شان ہیں۔

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ فرماتے ہیں:

اللہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے، نہ اس کی کوئی حد ہے، نہ اس کا کوئی منازع ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ اس کی کوئی مثال ہے، اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے۔ قرآن مجید میں اللہ نے جو چہرہ، ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے وہ اس کی صفات بلا کیف ہیں اور یہ توجیہ نہ کی جائے کہ ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس توجیہ میں اس کی صفت کو باطل کرنا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت بلا کیف ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا اس کی صفات میں سے بلا کیف دو صفتیں ہیں۔ (الفقہ الاکبر مع شرحہ ص ۳۷-۳۶ مطبوعہ مصر، ۱۳۷۵ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اہل السنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود کو جن صفات سے موصوف کیا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جن صفات سے موصوف کیا ہے ان صفات پر ایمان رکھا جائے' ان صفات کی نفی کی جائے نہ ان صفات کی تاویل کی جائے' نہ ان صفات کی کیفیت بیان کی جائے نہ ان صفات کی کوئی مثال بیان کی جائے اور یہ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے' سب کی ابتداء اسی سے ہوئی ہے اور سب نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

(مجموع الفتاویٰ ج ۳ ص ۷ ۹۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

اگر مخالف ان نصوص سے استدلال کرے جو جہت' جسمیت' صورت اور جسمانی اعضاء میں ظاہر ہیں (مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تعرج الملئکۃ والروح الیہ۔ (المعارج: ۷۰) "فرشتے اور جبریل اس کی طرف چڑھ کر جاتے ہیں" اور فرمایا: یداللہ فوق ایدیہم۔ (الفتح: ۱۰) "ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ خلق آدم علی صورتہ۔ (صحیح مسلم' البر والصلۃ: ۱۹۵' الرقم المسلسل ۶۵۴۳) "اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا" اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جسم اور جسمانیت اور جہات سے منزہ ہونے پر دلائل قطعیہ قائم ہیں' اس لیے ان نصوص کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے جیسا کہ متقدمین کا سلامتی والا طریقہ ہے اور رہا پھر ان کی صحیح تاویلات کی جائیں جیسا کہ متاخرین کا طریقہ ہے تاکہ جاہلوں کے اعتراضات کو دور کیا جا سکے اور کم فہم لوگوں کو اپنے مسلک پر برقرار رکھا جا سکے۔

(شرح عقائد نسفی ص ۴۲ مطبوعہ سکندر علی' بہادر علی تاجران کتب کراچی)

علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۷۰ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی طرف چڑھ کر جانے سے مراد وہ جگہ ہے جس جگہ عبادت کے ساتھ اس کا قرب حاصل کیا جاتا ہے' اور یداللہ (اللہ کے ہاتھ) سے مراد اس کی قدرت ہے' اور اللہ کی صورت سے مراد اس کی صفت علم یا صفت قدرت ہے۔

(حاشیۃ الخیالی ص ۴۷' مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ)

اور اس آیت میں متقدمین کے طریقہ پر یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر قائم ہے یا اپنی شان کے مطابق بیٹھا ہوا ہے لیکن اس کے قیام اور اس کے بیٹھنے کی مخلوق میں کوئی مثال نہیں ہے' نہ ہم کو اس کے قیام اور بیٹھنے کی کیفیت کا علم ہے اور متاخرین کے طریقہ پر یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ نصب کیے اور دریا رواں کیے' اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں کے دو' دو جوڑے بنائے' وہ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے' بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ○ (الرعد: ۳)

مشکل الفاظ کے معانی

مدالارض: زمین کو لمبائی اور چوڑائی میں پھیلا دیا تاکہ انسان اور حیوان اس میں رہ سکیں اور چل پھر سکیں اور اس کے منافع سے استفادہ کر سکیں۔

وجعل فیہا رواسی: اس زمین میں پہاڑ نصب کر دیئے۔ رواسی' راسیہ کی جمع ہے' یہ لفظ رسو سے بنا ہے' اس کا معنی ہے کسی چیز پر قائم رہنا۔ رواسی کا استعمال ٹھہرے ہوئے پہاڑوں کے لیے ہوتا ہے۔

انھار: یہ نھر کی جمع ہے، بحر کا معنی سمندر ہے اور نہر کا معنی دریا ہے۔ القنات کا معنی نہر ہے، جدول کا معنی چھوٹی نہر ہے، انہار کا عطف جبال پر کیا ہے کیونکہ پہاڑوں سے چشمے نکلتے ہیں جن سے دریا وجود میں آتے ہیں۔

زوجین اثنین: یعنی زمین میں تمام پھلوں کی دو دو قسمیں ہیں، بعض پھل پہلے کھٹے ہوتے ہیں اور پھر میٹھے ہو جاتے ہیں جیسے آم۔ بعض پھل سیاہ اور سفید ہوتے ہیں جیسے شہتوت۔ بعض پھل چھوٹے اور بڑے ہوتے ہیں جیسے بیر اور بعض پھل مذکر اور مونث ہوتے ہیں جیسے کھجور۔

یغشی الیل النھار: یعنی رات کا اندھیرا دن کی روشنی کو چھپالیتا ہے اور فضا روشن ہونے کے بعد تاریک ہو جاتی ہے۔

زمینوں، درختوں اور پھلوں سے وجود باری اور توحید باری پر استدلال

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی تخلیق سے اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں زمین، پہاڑ اور درختوں اور ان کے پھلوں سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے۔

زمین سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر استدلال کی تقریر اس طرح ہے کہ یہ حقیقت مسلم اور مشاہد ہے کہ زمین گول ہے اور اس کو چھ جہتوں سے آسمان محیط ہے، اب ایک سوال تو یہ ہے کہ اس زمین کا کوئی پیدا کرنے والا ہونا چاہیے اور یہ ضروری ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا واجب الوجود اور قدیم ہو کیونکہ اگر وہ ممکن اور حادث ہو تو وہ اپنے وجود میں خود کسی علت اور پیدا کرنے والے کا محتاج ہو گا اور جو محتاج ہو وہ مخلوق ہو گا خالق نہیں ہو گا۔ اور یہ ضروری ہے کہ واجب الوجود واحد ہو کیونکہ اگر دو واجب الوجود ہوں گے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے سے ممتاز ہو گا اور وجوب وجود میں مشترک ہو گا پس ہر ایک میں دو چیزیں ہوں گی: ایک امر مشترک اور ایک امر ممیز اور دو چیزوں سے مرکب ہو وہ اپنے وجود میں ان اجزاء کا محتاج ہو گا اور جو محتاج ہو وہ واجب اور قدیم نہیں ہو سکتا اس لیے ضروری ہوا کہ واجب الوجود واحد ہو۔

دوسری تقریر اس طرح ہے کہ زمین کی آسمان کے ساتھ ایک مخصوص نسبت اور مخصوص وضع ہے اور اس وضع اور نسبت کے لیے کسی مخصص اور مرجح کا ہونا ضروری ہے اور ضروری ہے کہ وہ مخصص واجب، قدیم اور واحد ہو جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

زمین سے استدلال کی تیسری تقریر اس طرح ہے کہ زمین گردش کر رہی ہے اور اس کی گردش بھی ایک خصوص جانب میں ہو رہی ہے سو اس گردش کے لیے بھی ایک مخصص کا ہونا ضروری ہے اور ضروری ہے کہ وہ مرجح واجب، قدیم اور واحد ہو۔

درختوں سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ جو بیج زمین میں بویا جاتا ہے اس سے جو کونپل پھوٹتی ہے اس کا ایک حصہ جڑ کی صورت میں نیچے چلا جاتا ہے اور ایک حصہ تنے کی صورت میں اوپر چلا جاتا ہے اور اس کی شاخیں دائیں بائیں پھیل جاتی ہیں۔ جڑ، تنا اور شاخیں سب لکڑی کی ہیں اور لکڑی کی ایک ہی طبیعت ہے اور ایک طبیعت کا ایک تقاضا ہونا چاہیے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جڑ نیچے جا رہی ہے، تنا اوپر جا رہا ہے اور شاخیں دائیں بائیں پھیل رہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اس کے طبعی افعال نہیں ہیں بلکہ ان مختلف افعال کا فاعل کوئی خارجی مرجح اور مخصص ہے، وہ جس حصہ کو چاہتا ہے زمین کے نیچے داخل کر دیتا ہے اور جس حصہ کو چاہتا ہے اوپر بلند کر دیتا ہے اور جس حصہ کو چاہتا ہے دائیں بائیں پھیلا دیتا ہے اور دلائل سابقہ کے لحاظ سے اس مخصص اور مرجح کا واجب، قدیم اور واحد ہونا ضروری ہے۔

اور پھلوں سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ یہ پھل اپنے رنگوں، جسامتوں، خوشبوؤں اور ذائقوں میں سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو پھر اس اختلاف کے لیے کوئی مخصص اور مرجح ہونا چاہیے اور ضروری ہے کہ وہ مخصص واجب، قدیم اور واحد ہو جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔

اور ایک اور طرز سے درختوں اور پھلوں سے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تقریر اس طرح ہے کہ تمام درختوں کی نشو و نما کا نظام واحد ہے، سب درختوں کا تنا اوپر جاتا ہے اور جڑیں نیچے جاتی ہیں اور شاخیں مختلف اطراف میں پھیل جاتی ہیں اور اس نظام کی وحدت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہو، اسی طرح پھلوں کی پیدائش کا نظام بھی واحد ہے، آم کے بیج سے ہمیشہ آم پیدا ہوتا ہے اور کھجور کے بیج سے کھجور پیدا ہوتی ہے، پھر ہر پھل کا ایک موسم ہے، وہ اسی موسم میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ پھل جس علاقہ اور جس زمین میں پیدا ہو اس کی وہی خوشبو، وہی ذائقہ اور وہی تاثیر ہوگی، غرض اس کی پیدائش، اس کی نشو و نما، اس کے ذائقہ اور اس کی تاثیر کا نظام واحد ہے اور اس نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے، اگر نظام بنانے والے متعدد ہوتے تو نظام واحد نہ ہوتا بلکہ متعدد نظام ہوتے، امریکہ میں معاشی نظام اور ہے، روس میں نظام اور ہے اور چین میں اور نظام ہے۔ یہ نظام اس لیے متعدد ہیں کہ نظام کے بنانے والے متعدد ہیں۔ جب نظام بنانے والے متعدد ہوں تو نظام متعدد ہوتے ہیں اور جب نظام بنانے والا واحد ہو تو نظام بھی واحد ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس پوری کائنات میں چشموں، دریاؤں، سمندروں، پہاڑوں، درختوں، پتوں، پھولوں، پھلوں، حیوانوں اور انسانوں کی پیدائش اور نشو و نما کا نظام واحد ہے، اس نظام کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین میں ایک دوسرے کے قریب قطعات ہیں، اور انگوروں کے باغ اور کھیت ہیں اور ایک ہی جڑ سے نکلے ہوئے کھجور کے درخت ہیں اور الگ الگ بھی ہیں، (حالانکہ) سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، اور ہم بعض پھلوں کو لذت میں بعض دوسرے پھلوں پر ترجیح دیتے ہیں، بے شک ان میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ (الرعد: ۴)

مشکل الفاظ کے معانی

وفی الارض قطع متجورات: یعنی مختلف قسم کی زمینیں ایک دوسرے کے ساتھ متصل اور پیوستہ ہیں، بعض زمینیں زرخیز ہیں اور بعض زمینیں بنجر ہیں، بعض زمینیں سخت ہیں اور بعض زمینیں نرم ہیں، بعض پہاڑی زمینیں ہیں اور بعض میدانی زمینیں ہیں، بعض پتھریلی اور بجری والی زمینیں ہیں اور بعض ریتلی زمینیں ہیں، بعض ریگستان ہیں اور بعض نخلستان ہیں۔ بعض ایسی زمینیں ہیں جن میں صرف فصلیں اور کھیت اگائے جاسکتے ہیں اور بعض ایسی زمینیں ہیں جن میں صرف باغات اور درخت اگائے جاسکتے ہیں، بعض زمینوں میں صرف اناس، چائے، پان، پٹ سن، چاول اور بانس وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، اور بعض زمینوں میں صرف کھجور پیدا ہوتی ہے، بعض زمینوں میں صرف سیب، کنو، مالٹا اور آم وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور بعض زمینوں میں بادام، چلغوزہ، اخروٹ اور کاجو پیدا ہوتا ہے، اور بھی زمین کی اقسام ہیں جن کی پیداواری صلاحیت الگ الگ ہے۔

صنوان: یہ صنو کی جمع ہے، اس کا معنی ہے ایک جڑ سے کھجور کے متعدد درخت پیدا ہوں اور غیر صنوان کا معنی ہے متعدد جڑوں سے متعدد درخت پیدا ہوں۔

یسقی بماء واحد ونفضل بعضها علی بعض فی الاکل: ان سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا

ہے، اور ہم بعض پھلوں کو لذت میں بعض دوسرے پھلوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ یعنی یہ پھل خوشبو، جسامت، رنگ اور ذائقہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بعض پھل میٹھے ہیں اور بعض کھٹے ہیں، پھر مٹھاس کا ذائقہ بھی الگ الگ ہے۔ کیلے کی مٹھاس اور ہے، کھجور کی مٹھاس اور ہے اور آم کی مٹھاس اور ہے۔ پھر آم کی مختلف قسموں کی مٹھاس الگ الگ ہے: سرولی، دسہری، انور رٹول، فضلی اور چونسہ، یہ سب میٹھے آم ہیں لیکن آپ الفاظ میں ان کی مٹھاس کا فرق بیان نہیں کر سکتے، کیلے اور کھجور کی مٹھاس کا فرق نہیں بیان کر سکتے۔ انناس، آڑو اور فالسہ یہ سب ترش پھل ہیں لیکن آپ الفاظ میں ان کی ترشی کا فرق بیان نہیں کر سکتے۔ پس سبحان ہے وہ ذات! جس نے ایسے متعدد اور مختلف ذائقے پیدا کیے کہ زبان ان کے اختلاف کی تعبیر کرنے سے عاجز ہے!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: بعض کھجوریں دقل ہیں، بعض فارسی ہیں۔ (یہ کھجوروں کی قسموں کے نام ہیں جیسے ہم نے آم کی قسموں کے نام رکھے ہوئے ہیں) بعض کھجوریں کھٹی ہیں اور بعض کھجوریں میٹھی ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۸، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۲۰۷، تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۲۶)

زمین کے مختلف طبقات سے وجود باری اور توحید باری پر استدلال

اس سے پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں، دریاؤں اور درختوں کے احوال سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں پھلوں کے مختلف ذائقوں سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے، اور زمینوں کے مختلف النوع اور باہم متصل قطعات سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے۔

زمین کے مختلف قطعات سے استدلال کی تقریر اس طرح ہے کہ تمام روئے زمین کی ماہیت اور حقیقت ایک ہے، پھر اس کے قطعات مختلف ہیں۔ بعض قطعات زرخیز ہیں اور بعض قطعات بنجر ہیں، بعض زمینیں ایسی ہیں کہ ان کے نیچے سے کھاری پانی نکلتا ہے اور بعض کے نیچے سے میٹھا پانی نکلتا ہے، بعض زمینیں ایسی ہیں کہ ایک فٹ کھودو تو پانی نکل آتا ہے اور بعض زمینوں کو سینکڑوں فٹ کھودو تو پھر پانی نکلتا ہے، پس اس اختلاف کا کوئی سبب اور کوئی مخصص اور مرجح ہونا چاہیے اور اس مرجح کا واجب، قدیم اور واحد ہونا ضروری ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حسن بصری نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہ بنو آدم کے دلوں کی مثال دی ہے، تمام روئے زمین اللہ کے ہاتھ میں ایک قسم کی مٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو پھیلا دیا تو یہ مختلف قسم کے قطعات بن گئے۔ پھر ان پر آسمان سے بارش ہوئی، تو زمین کے بعض قطعات سے اس کی ترو تازگی، اس کے پھل اور اس کے درخت اور اس کا سبزہ نمودار ہوا اور اس بارش سے مردہ زمینیں زندہ ہو گئیں اور بعض زمینیں شوروالی، کھاری اور بنجر تھیں، ان پر بھی وہی بارش ہوئی اور وہ خس و خاشاک کے سوا کچھ نہ اگا سکیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور آسمان سے ان پر وحی نازل کی اور مواعظ نازل کیے۔ بعض دل ان مواعظ کو سن کر اللہ سے ڈرے اور اس کے سامنے جھک گئے اور بعض دل سخت تھے، وہ اسی طرح لہو و لعب اور عیاشیوں میں مشغول رہے اور ان میں کوئی رقت پیدا نہیں ہوئی۔ حسن بصری نے کہا اللہ کی قسم! جو شخص بھی قرآن کو سن کر اٹھتا ہے تو اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے یا اس کی برائیوں میں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ اور قرآن میں ہم ایسی آیتیں نازل فرماتے ہیں جو مومنوں

لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ○ (بنی اسرائیل: ۸۲) کے لیے شفاء اور رحمت ہیں اور ظالموں کے لیے وہ سوا نقصان کے اور کوئی اضافہ نہیں کرتیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۲۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مختلف ذائقوں سے وجود باری اور توحید باری پر استدلال

اور پھلوں کے مختلف ذائقوں سے استدلال کی تقریر اس طرح ہے کہ یہ تمام پھل ایک ہی زمین میں پیدا ہوتے ہیں اور ایک ہی پانی انہیں سیراب کرتا ہے، تمام پھل ایک ہی سورج کی حرارت سے پک کر تیار ہوتے ہیں، ان کی پیدائش کے ظاہری اسباب زمین، پانی اور سورج کی حرارت ہیں۔ ان میں کوئی تفاوت اور فرق نہیں ہے، پھر ان کے ذائقے مختلف کیوں ہیں؟ ضرور اس اختلاف کا کوئی سبب اور مرجح ہے اور اس مرجح کا واجب قدیم اور واحد ہونا ضروری ہے اور وہ ذات جو واجب الوجود ہو، قدیم ہو اور وحدہ لاشریک ہو وہی اللہ بزرگ و برتر ہے، آپ اس کائنات کو غور سے دیکھیں، پتوں کی مختلف تراش و خراش میں، پھلوں اور پھولوں کے مختلف رنگوں میں، ان کی مختلف خوشبوؤں میں اور ان کے مختلف ذائقوں میں یہ نظر آئے گا کہ ان کا پیدا کرنے والا وہی ہے جو قدیم اور واجب ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہی اس کا مستحق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

ان درختوں کا، ان کے پتوں اور پھولوں اور پھلوں کا خالق، حضرت عیسیٰ اور عزیر نہیں ہیں کیونکہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی اسی طرح سبز پتوں سے آراستہ اور پھلوں اور پھولوں سے لدے ہوئے درخت موجود تھے، اور ان کے بعد بھی موجود ہیں، پتھروں سے تراشی ہوئی مورتیاں بھی ان کی خالق نہیں ہیں کیونکہ ان کو بنانے سے پہلے اور ان کے ٹوٹ کر بکھر جانے کے بعد بھی یہ درخت اسی طرح موجود ہوتے ہیں۔ سورج، چاند اور ستارے بھی ان کے خالق نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے غروب ہونے کے بعد بھی یہ درخت اسی طرح بہار دکھاتے رہتے ہیں اور آگ بھی ان کی خالق نہیں ہے کیونکہ آگ جلتی اور بجھتی رہتی ہے اور یہ درخت یونہی لہلہاتے رہتے ہیں، اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا جس جس کی پرستش کی گئی ہے کسی کو بھی بقاء دوام حاصل نہیں ہوئی، ان کے وجود اور عدم سے ان درختوں کے وجود اور عدم پر کوئی فرق نہیں پڑا تو کیا یہ درخت، ان کے پتے، ان کے پھول اور ان کے پھل یہ گواہی نہیں دیتے کہ ان کی پیدائش اور ان کے وجود میں ان خود ساختہ خداؤں کا کوئی دخل نہیں ہے جن کی مشرکین نے پرستش کی اور ان کا وجود اسی کی ایجاد سے قائم ہوا ہے جس نے ان کو، ان کے خود ساختہ خداؤں کو اور ساری کائنات کو پیدا کیا ہے، وہ جو ممکن نہیں ہے واجب الوجود ہے، حادث نہیں ہے قدیم ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے، جو واحد ہے اور وہی اللہ بزرگ و برتر ہے!

صنوان اور غیر صنوان کے معنی

اس آیت میں درختوں کے متعلق فرمایا: وہ صنوان اور غیر صنوان ہیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو متعدد کھجور کے درخت ایک جڑ سے ہوں وہ صنوان ہیں اور جو متفرق جڑوں سے ہوں وہ غیر صنوان ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۲۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان مناقشہ ہو گیا۔ حضرت عباس نے حضرت عمر کو سخت کلمات کہے، حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ عباس نے مجھے کیا کیا کہا ہے۔ میں نے ان کو جواب دینے کا ارادہ کیا تھا لیکن میں نے ان

کے آپ سے قرب اور رشتہ کا پاس کیا اور میں رک گیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے ان عم الرجل صنو ابیہ۔ کسی شخص کا چچا اس کے باپ کی مانند ہوتا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۲۷۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۵۸ مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۷ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۱۳۹ المستدرک ج ۳ ص ۳۳۳ اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم تعجب کرو تو باعث تعجب تو ان کا یہ قول ہے کیا ہم مٹی ہو جانے کے بعد از سر نو پیدا ہوں گے؟ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے، اور یہی دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ○ (الرعد: ۵)

تعجب اور اغلال کا معنی

ان تعجب: یعنی اے محمد صلی اللہ علیک وسلم آپ کفار پر تعجب کرتے ہیں کہ وہ بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں! اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اور مر کر دوبارہ اٹھنے کی تکذیب کرتے ہیں۔ عادتاً غیر مستبعد اور غیر متوقع اور خلاف معمول چیز کو دیکھ کر ذہن میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کو تعجب کہتے ہیں، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس سے پاک ہے کہ وہ کسی چیز پر تعجب کرے، کیونکہ تعجب تو اس کو ہوگا جس کو حقیقت حال کا علم نہ ہو، اور اللہ کو تو ہر چیز کا علم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین جو آخرت کا انکار اور اس کی تکذیب کرتے ہیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث تعجب ہونا چاہیے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔

الاغلال: غل کی جمع ہے، گردن میں لوہے کا کڑا ڈال دیا جاتا ہے یا لوہے کے کڑے سے ہاتھوں کو گردن سے جکڑ دیتے ہیں، اس کو غل کہتے ہیں، اس کا معنی طوق ہے۔

انکار حشر کا کفر ہونا اور اس کی سزا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی نشانیوں سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا، تاکہ یہ معلوم ہو کہ جو ذات اس پر قادر ہے کہ اتنی عظیم چیزوں کو پیدا کرے اس کے لیے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ انسان کو مرنے کے بعد پھر زندہ کردے، کیونکہ جو زیادہ قوی اور زیادہ کامل چیز پر قادر ہو وہ ضعیف اور ناقص چیز پر بطریق اولیٰ قادر ہوگا! جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (الاحقاف: ۳۳)

کیا انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور وہ ان کو پیدا کرنے سے تھکا نہیں، وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر (ضرور) قادر ہے، کیوں نہیں! بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان منکرین پر تین حکم لگائے۔ پہلا حکم یہ لگایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، اسی طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا اور انہوں نے اپنے عناد اور گمراہی میں سرکشی کی، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس نے قیامت کا اور مر کر دوبارہ اٹھنے کا انکار کیا وہ کافر ہے۔

دوسرا حکم یہ لگایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ ابوبکر الاصم نے کہا کہ طوق سے مراد مجاز ہے یعنی ان کا کفر، ان کی ذلت اور ان کا بتوں کی پرستش کرنا یعنی یہ ذلت ان کے ساتھ اس طرح چمٹ گئی ہے جیسے گلے میں طوق

جکڑا ہوا ہوتا ہے، لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے، یہاں طوق کو حقیقت پر محمول کرنے سے کیا چیز مانع ہے جبکہ طوق کے حقیقی معنی مراد ہونے پر یہ آیت دلیل ہے:

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ۝ (المومن: ۷۲-۷۱)

جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی اور ان کو کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹا جائے گا پھر وہ (بھڑکتی ہوئی) آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

اور ان پر تیسرا حکم یہ لگایا ہے کہ وہ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دوزخ کا دائمی عذاب صرف کافروں کو ہوگا اور اس میں خوارج اور معتزلہ کا رد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو بھی دوزخ میں دائمی عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ لوگ ثواب سے پہلے عذاب کے طلب گار ہیں اور بے شک ان سے پہلے عذاب یافتہ لوگ گزر چکے ہیں اور بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم (گناہوں) کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب ضرور سخت عذاب دینے والا ہے۝ (الرعد: ۶)

مشکل الفاظ کے معانی

المثلات: یہ مثلہ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے عبرت انگیز مثالیں۔ مثلہ اس سزا کو کہتے ہیں جو دوسروں کو ارتکاب جرم سے باز رکھنے کے لیے مثال بن جائے۔ سزا اور جرم میں مماثلت اور مشابہت کی وجہ سے بھی اس جرم کی سزا کو مثلہ کہتے ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے:

جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ (الشوریٰ: ۴۰)

بُرے کام کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ۔ (البقرہ: ۱۹۴)

جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

کسی شخص کے اعضاء کاٹنے اور کسی شخص کے قتل کرنے کی سزا کو بھی اس لیے قصاص کہتے ہیں کہ اس نے جیسا جرم کیا ہے اس کو اسی کی مثل سزا دی جاتی ہے کیونکہ قصاص کا معنی ہے بدلہ، قرآن مجید میں ہے:

وَ كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔ (المائدہ: ۴۵)

اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے، اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے اور ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان ہے اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں میں (بھی) بدلہ ہے۔

مغفرت: غفر اور مغفرت کا معنی ہے ستر اور پردہ، مغفرت کی کئی صورتیں ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا میں عذاب نہ دے اور عذاب کو آخرت تک کے لیے موخر کردے یا عذاب میں تخفیف کردے یا بالکلیہ عذاب کو ساقط کردے۔

مع ظلمهم: یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کے گناہوں کے باوجود ان کو عذاب نہیں دیتا، اور اگر اللہ تعالیٰ ہر گناہ پر عذاب دیتا تو روئے زمین پر کوئی چلنے والا باقی نہ رہتا۔

کفار کا رحمت اور ثواب کے بجائے عتاب اور عذاب کو طلب کرنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کو کبھی آخرت اور قیامت کے عذاب سے ڈراتے تھے اور کبھی ان کو دنیا کے عذاب

سے ڈراتے تھے۔ جب آپ ان کو قیامت اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے تو وہ قیامت اور حشر و نشر کا اور مر کر دوبارہ اٹھنے کا انکار کر دیتے، جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں گزر چکا ہے، اور جب آپ ان کو دنیا کے عذاب سے ڈراتے تو وہ آپ پر طعنہ زن ہوتے ہوئے کہتے کہ اگر آپ سچے ہیں تو وہ عذاب لا کر دکھائیں، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (الانفال: ۳۲)

اور جب انہوں نے کہا اے اللہ اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر (کوئی اور) دردناک عذاب لے آ۔

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں طعن کرتے ہوئے اس طرح کہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ فرماتے تھے کہ اگر وہ ایمان لے آئے تو ان کو آخرت میں اجر و ثواب ملے گا اور دنیا میں ان کو اپنے دشمنوں کے خلاف فتح اور نصرت حاصل ہوگی، اور اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان کو دنیا اور آخرت میں عذاب ہوگا، لیکن وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آخرت کے ثواب اور دنیا کی فتح و نصرت کے بجائے دنیا کے عذاب کا مطالبہ کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ ثواب سے پہلے عذاب کے طلب گار ہیں۔

عین حالِ معصیت میں اللہ تعالیٰ کا معاف فرمادینا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم (گناہوں) کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس آیت سے علماء اہلسنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات گناہ کبیرہ کے مرتکب کو توبہ سے پہلے یا بغیر توبہ کے بھی معاف کر دیتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو گناہ کرتے وقت بھی معاف کر دیتا ہے، اور ظاہر ہے کہ بندہ گناہ کرتے وقت تو توبہ نہیں کر رہا ہوتا پھر اللہ تعالیٰ نے صرف اسی پر اقتصار نہیں کیا بلکہ یہ بھی فرمایا ہے بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا پہلا حصہ مومن مرتکب کبیرہ کے متعلق ہے اور دوسرا حصہ کافر کے متعلق ہے۔

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ علی بن زید سے روایت کیا ہے کہ مطرف نے اس آیت کی تلاوت کر کے کہا اگر لوگوں کو اللہ کی رحمت، اس کے عفو اور درگزر اور اس کی مغفرت کا اندازہ ہو تا تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۱۴۴)

امام ابن ابی حاتم سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کا عفو و درگزر نہ ہوتا تو کوئی شخص خوشی سے زندہ نہ رہتا، اور اگر وہ اپنے عذاب سے نہ ڈراتا تو ہر شخص اس کی رحمت پر اعتماد کر لیتا (یعنی نیک عمل نہ کرتا اور برائیوں کو ترک نہ کرتا)۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۱۴۵)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ مغفرت سے مراد دنیا میں عذاب کو مؤخر کرنا ہو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں عذاب کو مؤخر کرنا تو کفار کو بھی حاصل ہے، اس کی مومنوں کے ساتھ تخصیص نہیں ہے، نیز تاخیر عذاب کو مغفرت نہیں کہا جاتا ورنہ لازم آئے گا کہ کفار کی بھی مغفرت ہوتی ہے، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس آیت میں صغائر کی مغفرت مراد ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ظلم کے مقابلہ میں مغفرت کا ذکر فرمایا ہے اور ظلم گناہ صغیرہ کو نہیں گناہ کبیرہ کو

کہتے ہیں۔اس پر تیسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس آیت میں یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ توبہ کے بعد گناہوں کو معاف کرے گا۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارتکاب ظلم کے وقت معاف فرمادیتا ہے اور ارتکاب ظلم کے وقت توبہ کا تصور نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جس آیت سے سب سے زیادہ امید وابستہ ہے وہ یہ آیت ہے۔(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۲۴۹ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافر کہتے ہیں کہ ان کے رب کی طرف سے ان پر کوئی نشانی کیوں نہ نازل ہوئی، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں O(الرعد: ۷)

مشرکین کا یہ کہنا کہ آپ پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟

الرعد: ۵ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ اعتراض کیا کہ یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جائے گا اور الرعد: ۶ میں مشرکین کے اس اعتراض کا ذکر کیا گیا کہ ہمارے انکار کی بناء پر یہ ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہیں وہ عذاب کیوں نہیں آتا اور الرعد: ۷ میں ان کے اس اعتراض کا ذکر ہے کہ آپ پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآن مجید نازل کیا گیا وہ بہت عظیم الشان معجزہ ہے، پھر وہ کیوں کہتے تھے کہ آپ پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا کہنا یہ تھا کہ ان کے فرمائشی معجزے کیوں نہیں پیش کیے گئے، سورہ بنی اسرائیل میں ان کے فرمائشی معجزوں کا ذکر ہے: وہ کہتے تھے ہم آپ پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کردیں، یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ بن جائے، پھر آپ اس باغ کے درمیان بہتے ہوئے دریا جاری کردیں، یا آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں، یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے صرف چڑھنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کردیں جس کو ہم خود پڑھیں۔(بنی اسرائیل: ۹۳-۹۰)

مشرکین کے فرمائشی معجزات پیش نہ کرنے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے فرمائشی معجزات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں فرمائے، اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) مشرکین مکہ اپنی تسلی اور اطمینان کے لیے معجزہ طلب نہیں کرتے تھے۔اگر حق اور صدق کو پہچاننا ان کا مطلوب ہوتا تو صرف قرآن مجید کا معجزہ ہونا ہی ان کے اطمینان کے لیے کافی تھا۔وہ عناد، سرکشی، کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی کے طور پر آپ سے فرمائشی معجزات کو طلب کرتے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم ظاہراً اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔(البقرہ: ۵۵)

(۲) اگر بالفرض ان کی ان فرمائشوں کو پورا بھی کردیا جاتا تو وہ پھر اور معجزات کی فرمائش کرتے اور ان کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اگر بالفرض ان کے مطلوبہ اور فرمائشی معجزات پیش بھی کردیئے گئے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۗ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ (الانفال: ۲۳)

اور اگر اللہ کے علم میں ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ان کو ضرور سنا دیتا اور اگر (بالفرض) وہ ان کو سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پشت پھیر لیتے ○

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم ہوتا تو وہ ان کو دین حق کے دلائل اور آخرت کے متعلق نصیحتیں سناتا اور ان کے ذہنوں اور دماغوں میں اس کی فہم پیدا کرتا، اور اگر وہ یہ جاننے کے باوجود کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے اور وہ دلائل اور نصائح سے کوئی نفع حاصل نہیں کریں گے، پھر بھی ان کو دلائل اور نصائح سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لیتے۔ اسی نہج پر ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ ان فرمائشی معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے مطلوبہ اور فرمائشی معجزات پیش نہیں فرمائے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی پچھلی اقوام میں یہ سنت رہی ہے کہ جب کفار کی قوم کسی معجزہ کی فرمائش کرتی اور اس کو وہ معجزہ دے دیا جاتا اور پھر بھی وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آتی تو ایک عام عذاب آتا اور ان کافروں کو ملیامیٹ کر دیا جاتا، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے یہ مطالبہ کیا کہ اس چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھائی جائے اور جب ان کے اس مطالبہ کے موافق اس چٹان سے اونٹنی نکالی گئی اور پھر بھی وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو ایک ہمہ گیر عذاب آیا اور کافروں کی پوری قوم کو ملیامیٹ کر دیا گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے مشرکین مکہ پر عذاب آ نہیں سکتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے۔ (الانفال: ۳۳) اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات کا مطالبہ پورا نہیں کیا۔

آپ کو قرآن مجید کا معجزہ کیوں دیا گیا

اب ایک سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید کا معجزہ کیوں عطا فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نبی کے زمانہ میں ان کی قوم کے مخصوص حالات تھے جن کی بناء پر ان حالات کے مناسب ان کو معجزہ عطا فرمایا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر اور جادوگری کا چرچا تھا اس لیے ان کو عصا کا معجزہ عطا فرمایا جس کے سامنے تمام جادو گرمات کھا گئے اور انہوں نے جان لیا کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے برہان ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا بہت شہرہ تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی جنس سے معجزہ عطا فرمایا، وہ مُردوں کو اللہ کے اذن سے زندہ کر دیتے، مادر زاد اندھوں کو اللہ کے اذن سے بینا کر دیتے اور برص میں مبتلا لوگوں کو اللہ کے اذن سے تندرست کر دیتے۔ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زبان دانی کا غلبہ تھا تو اس زمانہ میں فصاحت اور بلاغت کی جنس سے معجزہ ہونا چاہیے تھا، اس لیے آپ کو فصاحت و بلاغت کی جنس سے معجزہ عطا کیا گیا اور وہ قرآن کریم ہے جس کی فصاحت و بلاغت کا یہ عالم ہے کہ تمام جن اور انسان مل کر بھی قرآن مجید کی کسی ایک سورت کی بھی نظیر نہیں لا سکے، اور اب چودہ سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں، علوم و فنون میں بہت ترقی ہو چکی ہے اور اسلام کے مخالفین بھی بہت زیادہ ہیں اس کے باوجود اب تک کوئی قرآن مجید کی کسی ایک سورت کی بھی نظیر نہیں لا سکا۔

آپ کے دیگر چند مشہور معجزات

بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قرآن مجید ہی کا معجزہ دیا گیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار معجزات عطا کیے گئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبریں دی ہیں۔ الاعراف: ۱۸۸ کی تفسیر

میں ہم نے متعدد کتب احادیث کے حوالوں کے ساتھ پچاس سے زیادہ احادیث بیان کی ہیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی غیب کی خبریں ہیں اور ہر غیب کی خبر آپ کا معجزہ ہے، اب ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مشہور معجزات مستند کتب حدیث کے حوالوں سے بیان کر رہے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن مسلمانوں کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چھاگل (پانی کا ڈول) تھی، آپ نے اس سے وضو کیا۔ لوگ آپ کے پاس فریاد کرتے ہوئے آئے، آپ نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ہمارے پاس اور کوئی پانی نہیں ہے جس کو ہم پی سکیں یا جس سے ہم وضو کر سکیں سوا اس پانی کے جو آپ کے پاس اس چھاگل میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھاگل میں اپنا مبارک ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے اس طرح جوش اور تیزی سے پانی نکلنے لگا جس طرح چشموں سے پانی ابلتا ہے، ہم سب نے اس پانی کو پیا اور اس سے وضو کیا۔ راوی نے کہا میں نے پوچھا تمہاری اس وقت کتنی تعداد تھی، حضرت جابر نے کہا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا، ہم اس وقت پندرہ سو نفر تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۳۲۲ عالم الکتب بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں خندق کھودی جا رہی تھی، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سخت بھوک کے آثار دیکھے، میں نے اپنی بیوی سے کہا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ اس نے میرے لیے ایک چرمی تھیلا نکالا جس میں ایک صاع (چار کلوگرام) جو تھے اور ہمارے پاس ایک بکری کا بچہ تھا۔ میں نے اس کو ذبح کیا اور میری اہلیہ نے جو پیسے۔ وہ میرے فارغ ہونے تک اپنے کام سے فارغ ہو گئی اور میں نے گوشت کی بوٹیاں دیگچی میں ڈالیں، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا، میری بیوی نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔ میں آپ کے پاس پہنچا اور میں نے چپکے سے کہا یا رسول اللہ! ہم نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور ہمارے پاس تھوڑے سے جو تھے ہم نے ان کو پیس لیا ہے، آپ آئیے اور جو اصحاب آپ کے ساتھ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا: اے اہل خندق! جابر نے ہمارے لیے کھانا تیار کیا ہے، چلو اس کے گھر۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی دیگچی چولہے سے نہ اتارنا اور میرے پہنچنے تک تم اپنے آٹے سے روٹی پکانا شروع کرنا۔ پس میں گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کو لے کر پہنچ گئے، حتیٰ کہ میں اپنی بیوی کے پاس گیا، اس نے کہا یہ تم نے کیا کیا ہے! میں نے کہا میں نے وہی کیا ہے جو تم نے کہا تھا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گندھا ہوا آٹا پیش کیا، آپ نے اس آٹے میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا دی، پھر آپ نے ہماری دیگچی کا قصد کیا اور اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا دی، پھر آپ نے فرمایا روٹی پکانے والی کو بلاؤ وہ میرے سامنے روٹیاں پکائے اور اپنی دیگچی سے سالن پیالوں میں ڈالو اور اس کو چولہے سے مت اتارنا۔ اصحاب خندق کی تعداد ایک ہزار تھی، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان سب نے کھانا کھایا اور بقیہ کھانا چھوڑ کر چلے گئے اور ہماری دیگچی اسی طرح جوش میں تھی اور ہمارے گندھے ہوئے آٹے سے اسی طرح روٹیاں پک رہی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۴۲۶۹، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۹۷)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھجور کے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، انصار کی ایک عورت یا مرد نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے لیے منبر نہ بنا دیں۔ آپ نے

فرمایا اگر تم چاہو! انہوں نے آپ کے لیے منبر بنا دیا۔ اگلے جمعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوئے، کھجور کا وہ تنا اس طرح چیخ کر رونے لگا جیسے بچہ چیخ کر روتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اس تنے کو اپنے ساتھ لپٹایا، تو وہ اس طرح رو رہا تھا جس طرح بچہ سسکیاں لے کر روتا ہے جب اس کو تھپکیاں دی جاتی ہیں۔ حضرت جابر نے کہا وہ اس لیے رو رہا تھا کہ وہ اس ذکر کو سنتا تھا جو اس کے پاس کیا جاتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدینہ میں قحط پڑ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! گائے، بیل اور مویشی ہلاک ہو گئے، بکریاں ہلاک ہو گئیں، آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم پر بارش نازل فرمائے۔ آپ نے ہاتھ پھیلائے اور دعا کی۔ حضرت انس نے کہا اس وقت آسمان شیشے کی طرح صاف تھا پھر ایک دم ہوا چلی اور بادل امنڈ آئے پھر بارش ہونے لگی پھر ہم پانی میں چلتے ہوئے اپنے گھروں کو پہنچے اور اگلے جمعہ تک مسلسل بارش ہوتی رہی اور جمعہ کے دوران وہی شخص تھا یا کوئی اور شخص تھا، اس نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! گھر منہدم ہو گئے، آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ اس بارش کو روک لے۔ آپ نے فرمایا (بارش) ہمارے گرد و پیش ہو اور ہم پر نہ ہو پھر میں نے بادلوں کی طرف دیکھا تو وہ مدینہ کے گرد سے چھٹ گئے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ کے قریب ایک اعرابی آیا، آپ نے اس سے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا میں اپنے اہل کے پاس جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا تمہیں کوئی خیر ہے؟ اس نے پوچھا کیا؟ آپ نے فرمایا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؟ اس نے پوچھا آپ کے اس قول کی کون شہادت دے گا؟ آپ نے فرمایا یہ درخت ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کو بلایا وہ درخت وادی کے ایک کنارے پر تھا، وہ زمین کو چیرتا ہوا آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے تین مرتبہ اس طرح کلمہ شہادت پڑھا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ شہادت پڑھا تھا پھر وہ واپس اپنی جگہ چلا گیا اور وہ اعرابی اپنی قوم کے پاس چلا گیا اور اس نے کہا اگر میری قوم نے میری بات مان لی تو میں ان کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا ورنہ میں خود آپ کے پاس آؤں گا اور آپ کے پاس ہی رہوں گا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۵۸۲، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۶۲، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۱۱، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی، حدیث صحیح کے راوی ہیں)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں جا رہا تھا، ہم اس کی بعض جانبوں کے پاس سے گزرے، راستہ میں جو پہاڑ یا جو درخت آپ کے سامنے آتا وہ کہتا تھا السلام علیک یارسول اللہ!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۴-۱۵۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا میں کس دلیل سے یہ پہچانوں کہ آپ نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر میں کھجور کے درخت کے اس خوشہ کو بلاؤں اور وہ میرے رسول اللہ ہونے کی شہادت دے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے اس خوشہ کو بلایا تو وہ خوشہ درخت سے اترا

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر گر گیا۔ آپ نے فرمایا لوٹ جا تو وہ خوشہ لوٹ گیا پس وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۸، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۲، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۶۲۲، المستدرک ج ۲ ص ۶۲۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۱۵-۱۶، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۵۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۲۳، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۹۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے متعلق یہ چند مشہور احادیث ہیں جن کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے پانچ جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے دلائل النبوۃ جس میں انہوں نے آپ کے معجزات کو جمع کیا ہے۔ امام ابو نعیم متوفی ۴۳۰ھ نے دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے اور اس کا نام بھی دلائل النبوۃ ہے۔ علامہ یوسف النبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ نے حجۃ اللہ علی العالمین کے نام سے ایک بہت ضخیم کتاب لکھی ہے اس موضوع پر اور بہت کتابیں ہیں۔

معجزہ کی تعریف، معجزہ کی شرائط، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے امتیاز، معجزہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہونا وغیرہ اور معجزہ کے دیگر اہم مباحث کو ہم نے الاعراف: ۱۰۶ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۳۶-۲۴۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ولکل قوم ھاد میں ھادی کے متعدد محامل

اس کے بعد اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں۔

آیت کے اس حصہ کا معنی یہ ہے کہ مشرکین جو قرآن مجید اور آپ کے دیگر معجزات کا انکار کرتے ہیں اس کی وجہ سے آپ اپنے دل میں رنج محسوس نہ کریں آپ تو صرف ان کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے ہیں، اور ان کے سینوں میں ایمان کا پیدا کرنا آپ کا منصب نہیں ہے اور نہ یہ آپ کی قدرت میں ہے اور ہر قوم میں ہدایت کو پیدا کرنے والا اللہ عزوجل ہے، آپ کا کام صرف عذاب سے ڈرانا ہے اور ہدایت اللہ کی جانب سے ہے۔ ھادی کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، ضحاک، نخعی وغیرہم نے کہا آپ کا کام ایمان نہ لانے پر مشرکین کو صرف اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا ہے اور ان میں ہدایت کو پیدا کرنا یہ صرف اللہ کا کام ہے۔

(۲) حسن، قتادہ، عطاء اور ابن زید نے کہا ھادی سے مراد ہے اسلام کی دعوت دینے والا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور آیت کا معنی ہے ہر قوم کا ایک نبی ہوتا ہے جو ان کو عذاب سے ڈراتا ہے۔

(۳) عکرمہ اور ابوالضحیٰ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ھادی ہیں اور معنی یہ ہے: آپ ڈرانے والے ہیں اور ہدایت دینے والے ہیں۔

(۴) اسماعیل بن ابی خالد، ابو صالح، ابوالعالیہ اور ابو رافع نے کہا کہ ھادی سے مراد قائد اور امام ہے یعنی آپ صرف عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کا ایک قائد اور امام ہوتا ہے، ابوالعالیہ نے ھادی کی تفسیر عمل کے ساتھ کی ہے۔

(۵) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی انما انت منذر ولکل قوم ھاد تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اے علی! تم ھادی ہو، میرے بعد تم سے ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے۔

(جامع البیان جز ۱۳ ص ۱۳۲-۱۳۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۲۲۶-۲۲۲۴، زاد المسیر ج ۴ ص ۳۰۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینے کی تحقیق

یہ آخری روایت غایت درجہ کی ضعیف ہے' اس کی سند میں ایک راوی حسن بن حسین انصاری کوفی ہے' حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابو حاتم نے کہا الحسن بن الحسین ان کے نزدیک سچا نہیں ہے' یہ رؤساء شیعہ میں سے تھا۔ امام ابن عدی نے کہا اس کی حدیث ثقات کی احادیث کے مشابہ نہیں ہے۔ امام ابن حبان نے کہا یہ اثبات (ثقات) سے ملزقات (مشتبہات) کو روایت کرتا تھا اور مقلوبات کو روایت کرتا تھا (متن اور سند کو الٹ پلٹ کر دیتا تھا)۔ المسعودی نے کہا اس کی روایت حجت نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۱۔۲۳۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

امام عبد الرحمٰن بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے یہ حدیث رافضیوں کی موضوعات میں سے ہے۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۳۰۷' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اس حدیث کو امام ابن جریر کی سند سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے اس میں شدید نکارت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۵۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ایک فرقہ نے کہا ہے کہ ھادی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں' اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب یہ روایت صحیح ہو تو اس کا محمل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے علماء اور دین کی طرف ہدایت دینے والوں کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نمونہ قرار دیا ہے' گویا کہ آپ نے یوں فرمایا اے علی! تمہاری یہ صفت ہے تاکہ ھادی کے عموم میں حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور تمام علماء صحابہ رضی اللہ عنہم داخل ہو جائیں اور اسی طرح ہر زمانہ کے علماء داخل ہو جائیں اور اس صورت میں آیت کا معنی اس طرح ہوگا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے خواہ وہ مقدم ہو یا موخر' خیر کی طرف ہدایت دینے والے ہوتے ہیں۔ (البحر المحیط ج ۶ ص ۳۵۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ روایت ثابت ہو تو لکل قوم ھاد میں قوم سے مخصوص قوم مراد ہے یعنی بنو ہاشم' اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ الھادی بنو ہاشم کا ایک مرد ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۱۵۲) اور اس کے بعض راویوں نے کہا اس مرد سے مراد حضرت علی ہیں' اور ان دونوں روایتوں کی اسناد میں بعض شیعہ ہیں' اگر یہ روایت ثابت ہوتی تو اس کے راویوں میں اختلاف نہ ہوتا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۷۶' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حضرت علی کو خلیفہ بلا فصل قرار دینے کی دلیل کا جواب

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام عبد اللہ بن احمد نے زوائد مسند میں' امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں' امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں' حاکم نے المستدرک میں صحت اسناد کے ساتھ اور امام ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور میں ہادی ہوں' اور ایک روایت میں ہے کہ الھادی بنو ہاشم کا ایک مرد ہے یعنی وہ خود۔

اس روایت سے شیعہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے' اور اہلِ علم کے نزدیک حاکم کی تصحیح کا اعتبار نہیں ہے' اور اس آیت میں اس مطلوب پر کسی وجہ سے دلیل نہیں ہے' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہدایت پانے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہدایت پائیں گے اور یہ مرتبہ ارشاد ہے اور یہ چیز اور ہے اور خلافت اور چیز ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی صحت پر دلیل ہے' کیونکہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حق اور ہدایت کا نمونہ اور معیار قرار پائے اور انہوں نے جس کام کو کیا اور جس کام کو ترک کیا' اس سب میں ہدایت اور حق ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوشی سے ان خلفاء کی بیعت کی اور ان کی تعریف و تحسین فرمائی اور ان کی خلافت پر کوئی اعتراض نہیں کیا' لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنا اور اس معاملہ میں ان کے طریقہ کی پیروی کرنا لازم ہے' اور اس کے خلاف کو ثابت کرنا اپنے آپ کو کانٹوں سے زخمی کرنا ہے' اس کے بعد علامہ آلوسی نے علامہ ابو الحیان اندلسی کی عبارت نقل کی ہے۔ علامہ ابو الحیان اندلسی کی عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ انہوں نے ھادی کو حضرت علی میں منحصر نہیں کیا بلکہ اس کو عام قرار دیا ہے اور اس کے عموم کی تائید میں یہ حدیث ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں (از خود) نہیں جانتا کہ میری بقا تم میں کب تک ہے؟ پس تم ان لوگوں کی اقتداء کرنا جو میرے بعد ہیں' آپ نے ابو بکر اور عمر کی طرف اشارہ کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۳' الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۴' مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۰۲)

اور اس کے علاوہ اور احادیث ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے علاوہ دوسرے اصحاب کو بھی ھادی فرمایا ہے: (مثلاً یہ حدیثیں ہیں:)

حضرت عبد الرحمٰن بن عمیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! معاویہ کو ہادی اور مہدی بنا اور اس کے سبب سے ہدایت دے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۴۲' الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۴۱۸' مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۶' تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۰۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۵۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۶۰' الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث: ۳۰۱۸)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب سے میرے بعد میرے اصحاب کے اختلاف کے متعلق سوال کیا تو میری طرف یہ وحی کی گئی اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کے اصحاب میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں' ان میں سے بعض' بعض دوسروں سے قوی ہیں' اور ان میں ہر ایک کے لیے نور ہے' پس جس شخص نے ان کے باہمی اختلاف کے باوجود جس کے قول پر بھی عمل کیا وہ ہدایت پر ہوگا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے تمام اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم نے ان میں سے جس کی بھی اقتداء کی تم ہدایت پا لوگے! اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۰۱۸' مطبوعہ دار ارقم بیروت)

اس بحث کے آخر میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اور میرا گمان یہ ہے کہ تم حضرت ابن عباس کی طرف منسوب اس روایت کی تاویل کرنے میں اپنے ذہن کو مشقت میں نہیں ڈالو گے اور تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم اس حدیث کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کرو گے اور قرآن کریم کی اس آیت میں اس روایت کی کوئی تائید نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ١٣ ص ١٥٥۔ ١٥٣، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٣١٧ھ)

علماء شیعہ نے اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ ہر زمانہ میں امام کا ہونا ضروری ہے، اس کا تفصیلی بیان البقرہ: ١٢٣ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا

ہر مادہ کے حمل کو اللہ ہی جانتا ہے، اور ہر رحم میں جو کمی اور زیادتی ہوتی ہے اس کو بھی

تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

وہی جانتا ہے، اور ہر چیز کا اس کے نزدیک (ایک اندازہ) ہے ○ وہ ہر غیب اور ظاہر کو جاننے والا ہے،

الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ

سب سے بڑا نہایت بلند ہے ○ تم میں سے کوئی آہستہ سے بات کرتا ہے یا زور سے بولتا ہے،

جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾

وہ رات کو چھپ جائے یا دن میں چلنے والا ہو اس کے علم میں برابر ہے ○

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ

اس کے لیے باری باری آنے والے محافظ فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کے سامنے سے اور اس کے

مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا

پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، بے شک اللہ کسی قوم کی نعمت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ

بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ

اپنی حالت کو نہ بدل دیں، اور جب اللہ کسی قوم کو مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے، اور اس

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿١١﴾ هُوَ الَّذِیْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا

کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ○ وہی ہے جو تم کو (کبھی) ڈرانے کے لیے اور (کبھی) امید دلانے کے لیے بجلی

وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿١٢﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ

کی چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے ○ بادل (برعین فرشتہ) اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتا ہے،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ

اور باقی فرشتے (بھی) اس کے خوف سے (حمد اور تسبیح کرتے ہیں) اور وہی گرجنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان بجلیوں کو گرا دیتا

يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ

ہے درآں حالیکہ وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے ○ (بہ طور حقیقی حاجت روا کے)

دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ

اسی کو پکارنا حق ہے اور جو لوگ کسی اور کو (حقیقی حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں، وہ ان کی پکار کا کوئی جواب

لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ

نہیں دے سکتے، ان کا پکارنا صرف اس شخص کی طرح ہے جو (دور سے) پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے تاکہ پانی اس کے منہ تک

بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ

پہنچ جائے حالانکہ وہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں ہے اور کافروں کی پکار صرف گمراہی میں ہے ○ اور جو بھی آسمانوں اور زمینوں

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ

میں ہیں وہ سب خوشی اور ناخوشی سے اللہ ہی کے لیے سجدہ کر رہے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح اور

وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدة

شام کو ○

السجدة ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر مادہ کے حمل کو اللہ ہی جانتا ہے اور ہر رحم میں جو کمی اور زیادتی ہوتی ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے، اور ہر چیز کا اس کے نزدیک ایک اندازہ ہے ○ (الرعد: ۸)

مشکل الفاظ کے معانی

وما تحمل کل انثی: ہر حاملہ کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کا اللہ ہی کو علم ہے کہ وہ زندہ ہے یا مُردہ ہے، اس کے اعضاء کامل اور سلامت ہیں یا وہ ناقص الخلقت ہے، وہ مذکر ہے یا مونث ہے، وہ ایک ہے یا متعدد، اس کی صفات کیسی ہیں، وہ خوب صورت ہے یا بد صورت۔ الٹرا ساؤنڈ اور دیگر آلات سے بھی آج کل معلوم ہو جاتا ہے کہ پیٹ میں کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم بغیر آلات کے ہے، بلاواسطہ ہے، قدیم اور واجب ہے، غیر ممکن الزوال ہے، ازلی، ابدی اور سرمدی ہے، غیر متناہی ہے اور انتہائی کامل ہے۔

وما تغیض الارحام وما تزداد: عورت کے پیٹ کا وہ حصہ جس میں بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو بچہ دانی اور رحم کہتے

ہیں۔ غیض کے معنی ہیں کسی چیز کی جسامت یا اس کے زمانہ کا کم ہونا' یعنی پیٹ میں بچہ کی جسامت کم ہے یا زیادہ ہے یا دہ کم مدت پیٹ میں رہا یا زیادہ مدت' یا پیٹ میں ایک بچہ ہے یا کئی بچے ہیں۔

وکل شیء عندہ بمقدار: یعنی ہر چیز کا اللہ کے نزدیک ایک اندازہ ہے' اس کی مدت حیات کتنی ہے' اس کا رزق کتنا ہے اور وہ اپنے اختیار سے نیک عمل کرے گا یا بُرے کام کرے گا۔

آیاتِ سابقہ سے مناسبت

اس آیت کی سابقہ آیتوں سے دو طرح مناسبت ہو سکتی ہے:

(۱) اس سے پہلے الرعد: ۷ میں یہ فرمایا تھا کہ کافروں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر طعن کرتے ہوئے یہ کہا کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا ذکر فرمایا ہے کہ ہر حاملہ کے پیٹ میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے' وہ ہر چھپی ہوئی اور ظاہر چیز کو جانتا ہے' اس کو کفار کے دلوں اور ان کی نیتوں کے حال کا بھی علم ہے' وہ جانتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے ہوئے معجزات کے علاوہ یہ اپنے دیگر فرمائشی معجزات کو جو طلب کر رہے ہیں آیا وہ واقعی ہدایت کے طلب گار ہیں اور اپنے اطمینان کے لیے ان معجزات کو طلب کر رہے ہیں یا محض ضد' عناد اور کٹ حجتی کے طور پر ان معجزات کو طلب کر رہے ہیں' اور آیا ان معجزات سے ان کو ہدایت حاصل ہوگی یا ان کے انکار اور کفر پر اصرار میں اور اضافہ ہوگا' پس اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہوتا کہ انہوں نے صدق دل سے طلب ہدایت کے لیے ان معجزات کو طلب کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے فرمائشی معجزات نازل کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ یہ محض عناد اور سرکشی کے لیے ان معجزات کو طلب کر رہے ہیں اور ان کی نیت صحیح اور صادق نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان معجزات کو نازل نہیں فرمایا بلکہ ان کو نازل کرنے سے منع فرما دیا۔

(۲) اس سے پہلے الرعد: ۵ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ کافر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے ہیں' اور ان کو اس میں یہ شک ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد جب ان کا جسم بوسیدہ ہو کر مٹی ہو جائے گا اور مٹی میں مل کر بکھر جائے گی' اور ان کی مٹی دوسرے مُردہ اجسام کی مٹی سے مل کر خلط ملط ہو جائے گی اور فضا میں یہ ذرات کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے تو تمام دنیا میں بکھرے ہوئے یہ ذرات کیسے مجتمع ہوں گے اور کیسے ایک دوسرے سے ممتاز ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں ان کے اس شبہ کا ازالہ فرماتا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فضاء بسیط میں بکھرے ہوئے ان خلط ملط ذرات کو باہم ممتاز اور متمیز کرنا اور یہ جاننا کہ یہ فلاں شخص کے جسم کا ذرہ ہے اور یہ فلاں شخص کے جسم کا ذرہ ہے اس شخص کے لیے دشوار ہو سکتا ہے جس کا علم ناقص ہو' جو غیب اور شہادت کا جاننے والا نہ ہو' اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ وہ ہر غیب اور ہر شہادت کا عالم ہے' ماں کے پیٹ میں بچہ جن ادوار' احوال اور کیفیات سے گزرتا ہے' اسے اس کے ہر دور' ہر حال اور ہر کیفیت کا علم ہوتا ہے تو اس کے لیے ان مُردہ اجسام کے ذرات کو پہچاننا کیا مشکل ہے اور یہ اس کے لیے کیونکر مستبعد ہے!

رحم میں کمی اور زیادتی کے محامل

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہر رحم میں جو کمی اور زیادتی ہوتی ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے' اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ضحاک' سعید بن جبیر' مقاتل' ابن قتیبہ اور زجاج نے کہا ہے اور حضرت عباس سے بھی ایک تفسیر اسی طرح منقول

ہے کہ جو بچہ رحم میں نو مہینہ سے کم رہتا ہے یا نو ماہ سے زیادہ رہتا ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس کی دوسری روایت اور حسن بصری کا قول یہ ہے کہ کمی سے مراد ناتمام اور ناقص بچہ اور زیادتی سے مراد ہے کامل اور تمام بچہ۔

(۳) مجاہد نے کہا کمی سے مراد ہے ایام حمل میں جو خون بہہ جاتا ہے اور حمل ساقط ہو جاتا ہے اور زیادتی سے مراد ہے جب خون حمل میں ٹھہر جائے اور گوشت اور پوست سے بچہ مکمل ہو جائے۔

(جامع البیان جز ۱۳ص ۱۳۸-۱۴۴ملتقطاً، زاد المسیر ج ۴ ص ۳۰۸)

حمل کی کم سے کم مدت اور زیادہ سے زیادہ مدت میں مذاہب فقہاء

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فقہاء احناف کے نزدیک حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ حمل کی مدت دو سال ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن الاسود الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس سے چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کرنے کا اشارہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے فرمایا اس کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور ان سے اس کی دلیل پوچھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی یہ دو آیتیں پڑھیں:

وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۔ (البقرہ: ۲۳۳)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں یہ اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۔ (الاحقاف: ۱۵)

اور (ماں کا) حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ میں ہے۔

پس چھ ماہ میں اس کا حمل ہے اور دو سال اس کے دودھ پلانے کی مدت ہے لہٰذا اس عورت پر رجم نہیں ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۷ ص ۴۴۲، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

اور امام علی بن عمر الدار قطنی المتوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا عورت کے حمل کی مدت دو سال سے بس اتنی زائد ہے جتنا چرخے کی لکڑی کا سایہ ہوتا ہے۔ (یعنی بہت کم) (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۲۲، رقم الحدیث: ۳۲۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے، ان کے دلائل یہ ہیں:

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ولید بن مسلم روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک بن انس سے کہا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ عورت کے حمل کی مدت دو سال سے بس اتنی زائد ہے جتنا چرخے کی لکڑی کا سایہ ہوتا ہے، امام مالک نے کہا سبحان اللہ! یہ کون کہہ سکتا ہے! محمد بن عجلان کی بیوی ہماری پڑوسن ہے وہ سچی عورت ہے، اس کا خاوند محمد بن عجلان بھی سچا

ہے اس کو بارہ سال میں تین حمل ہوئے اور ہر حمل کی مدت چار سال تھی۔

(سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۲۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۴۳)

علامہ شامی اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول امام مالک کے قول پر مقدم ہے، کیونکہ اس مدت کو قیاس سے نہیں جانا جاسکتا، ضرور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا، نیز امام مالک تک اس قول کی نسبت صحت سے ثابت نہیں ہے، اور اس قول میں خطا کی گنجائش ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دو سال یا اس سے زیادہ تک اس پر طہر کا زمانہ رہا ہو اور اس کے بعد وہ حاملہ ہوئی ہو اور اس نے یہ گمان کر لیا ہو کہ یہ چار سال کا حمل ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے، سب سے بڑا نہایت بلند ہےO (الرعد: ۹)

غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی چیز آنکھوں سے چھپ جائے تو اس کو غیب اور غائب کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَO (النمل: ۲۰)

(سلیمان نے) پرندوں کی تفتیش کی تو کہا مجھے کیا ہوا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا یا وہ (حقیقت میں) غائب ہے۔

غیب کا لفظ ہر اس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو انسان کے علم اور اس کے حواس سے غائب ہو، قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍO (النمل: ۷۵)

اور آسمان اور زمین میں جو بھی چھپی ہوئی چیز ہے وہ کتاب مبین (لوح محفوظ) میں مذکور ہےO

غیب اور غائب کا اطلاق لوگوں کے اعتبار سے کیا جاتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے، کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کا کوئی ذرہ اللہ سے غائب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: عالم الغيب والشهادة۔ (الانعام: ۷۳) یعنی جو چیزیں تم سے غائب ہیں اور جو چیزیں تمہارے سامنے حاضر ہیں وہ ان سب کا جاننے والا ہے۔

اور يؤمنون بالغيب۔ (البقرہ: ۳) میں غیب کا اصطلاحی معنی مراد ہے، اور وہ یہ ہے جو چیز حواس خمسہ اور بداہت عقل سے معلوم نہ ہو وہ غیب ہے، اور غیب کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے اور ان کے بتانے سے ہوتا ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۷۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور اس کی خصوصیات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات واجبہ، ممکنہ اور معدومات ممکنہ اور ممتنعہ کا علم ہے، اور امام الحرمین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیر متناہی چیزوں کا علم ہے اور ان غیر متناہی چیزوں میں سے ہر چیز کا غیر متناہی وجوہ سے علم ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۹۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق لکھتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے: اول علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطائے غیر ہو۔ دوم علم کا غنا کہ کسی آلہ و جارحہ و تدبیر و فکر و نظر و التفات و

انفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔ سوم علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔ چہارم علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔ پنجم علم کا ثبات و استمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر، تبدل، فرق، تفاوت کا امکان نہ ہو۔ ششم علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات، ذاتیات، اعراض، احوال لازمہ، مفارقہ، ذاتیہ، اضافیہ، ماضیہ، آتیہ، موجودہ، ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے، ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے قطعاً مطلقاً منفی یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو ان چھ وجوہ میں سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں جو کسی غیر الٰہی کے لیے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرہ کا ایسا علم ثابت کرے یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ (الصمصام ص ۷-۶، مطبوعہ بزم عاشقان مصطفیٰ لاہور، ۱۴۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم میں سے کوئی آہستہ سے بات کرتا ہے یا زور سے بولتا ہے، وہ رات کو چھپ جائے یا دن میں چلنے والا ہو اس کے علم میں برابر ہے۔ (الرعد: ۱۰)

مشکل الفاظ کے معانی اور آیت سابقہ سے ربط

مستخف کے معنی ہیں: چھپا ہوا اور سارب کے معنی ہیں: گلیوں میں پھرنے والا، راستہ میں چلنے والا، یہاں مراد ہے جو راستہ میں علانیہ اور کھلم کھلا چلنے والا ہو۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اللہ تعالیٰ غیب اور شہادت، اور مخفی اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا ہے اور اس آیت میں فرمایا خواہ کوئی شخص آہستہ سے بات کرے یا زور سے بولے، وہ رات کو چھپا ہوا ہو یا دن میں سب کے سامنے اپنے راستہ پر جا رہا ہو اللہ کے علم میں سب برابر ہے اور اس کی دلیل پہلی آیت میں بیان فرما دی کیونکہ وہ ہر غیب اور ہر شہادت کو جاننے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا لوگ کسی بات کو اپنے دلوں میں چھپالیں یا زبان سے اس کا اظہار کر دیں، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ مجاہد نے کہا کوئی شخص رات کے اندھیروں میں چھپ کر برے کام کرے یا دن کے اجالے میں سب کے سامنے برے کام کرے اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کے لیے باری باری آنے والے محافظ فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، بے شک اللہ کسی قوم کی نعمت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدل دیں، اور جب اللہ کسی قوم کو مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے، اور اس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہے O (الرعد: ۱۱)

معقبات کے متعدد محامل

معقبات کے معنی ہیں: ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد رات اور دن کے فرشتے ہیں، رات کے فرشتے آتے ہیں تو دن کے فرشتے چلے جاتے ہیں اور دن کے فرشتے آتے ہیں تو رات کے فرشتے چلے جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے تمہارے پاس آگے پیچھے آتے ہیں اور فجر کی نماز میں اور عصر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں، پھر جن فرشتوں نے تمہارے پاس رات گزاری تھی وہ اوپر جاتے ہیں تو ان سے ان کا رب پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا تھا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جب ان کو چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۸۷-۴۸۶، الموطا رقم الحدیث: ۴۱۳)
اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ معقبات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کے دائیں بائیں ہوتے ہیں۔
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
کنانہ عدوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بتایئے کہ بندے کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک فرشتہ تمہاری دائیں جانب تمہاری نیکیوں پر مقرر ہوتا ہے اور یہ بائیں جانب والے فرشتے پر امیر (حاکم) ہوتا ہے، جب تم ایک نیکی کرتے ہو تو اس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جب تم ایک برائی کرتے ہو تو بائیں جانب والا فرشتہ دائیں جانب والے فرشتے سے پوچھتا ہے، میں لکھ لوں؟ وہ کہتا ہے نہیں! ہو سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور توبہ کرلے! جب وہ تین مرتبہ پوچھتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاں لکھ لو! ہمیں اللہ تعالیٰ اس سے راحت میں رکھے، یہ کیسا برا ساتھی ہے یہ اللہ کے متعلق کتنا کم سوچتا ہے! اور یہ اللہ سے کس قدر کم حیا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مایلفظ من قول الالدیہ رقیب عتید۔ (ق: ۱۸) "وہ زبان سے جو بات بھی کہتا ہے تو اس کے پاس ایک نگہبان لکھنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔" اور دو فرشتے تمہارے سامنے اور تمہارے پیچھے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ۔ (الرعد: ۱۱) "اس کے لیے باری باری آنے والے محافظ فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔" اور ایک فرشتہ ہے جس نے تمہاری پیشانی کو پکڑا ہوا ہے جب تم اللہ کے لیے تواضع کرتے ہو تو وہ تمہیں سربلند کرتا ہے اور جب تم اللہ کے سامنے تکبر کرتے ہو تو وہ تمہیں ہلاک کر دیتا ہے، اور دو فرشتے تمہارے ہونٹوں پر ہیں وہ تمہارے لیے صرف محمد پر صلوٰۃ کی حفاظت کرتے ہیں اور ایک فرشتہ تمہارے منہ پر مقرر ہے وہ تمہارے منہ میں سانپ کو داخل ہونے نہیں دیتا، اور دو فرشتے تمہاری آنکھوں پر مقرر ہیں، ہر آدمی پر یہ دس فرشتے مقرر ہیں، رات کے فرشتے دن کے فرشتوں پر نازل ہوتے ہیں کیونکہ رات کے فرشتے دن کے فرشتوں کے علاوہ ہیں، ہر آدمی پر یہ بیس فرشتے مقرر ہیں اور ابلیس دن میں ہوتا ہے اور اس کی اولاد رات میں ہوتی ہے۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۳۳۲، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۵۸-۵۵۷، الدر المنثور ج ۴ ص ۶۱۶-۶۱۵)
نیز امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہر بندے کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے جو نیند اور بیداری میں اس کی جنات، انسانوں اور حشرات الارض سے حفاظت کرتا ہے سوا اس چیز کے جو اللہ کے اذن سے اس کو پہنچتی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۳۶۹)
ابو مجلز بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مراد (ایک جگہ) سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے کہا آپ اپنی حفاظت کریں کیونکہ مراد کے لوگ آپ کے قتل کی سازش کر رہے ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہیں جو ان مصائب سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں جو تمہارے لیے مقدر نہیں کیے گئے اور جب تقدیر آجاتی ہے تو وہ مصائب کا راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور موت بہت مضبوط ڈھال ہے۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۳۷۱)
امام ابن ابی حاتم نے عطا سے روایت کیا ہے کہ یہ کراماً کاتبین ہیں جو اللہ کی طرف سے ابن آدم کی حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۱۸۸)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ، امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ اور حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ معقبات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات اور دن میں نقصان پہنچانے والوں سے حفاظت کرتے ہیں پھر انہوں نے دو یہودی شخصوں عامر بن الطفیل اور اربد بن ربیعہ کا قصہ بیان کیا ہے جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اس کو ہم نے تفصیل سے اس سورت کے تعارف میں ذکر کردیا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۳۰۷ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۱۹۳ معالم التنزیل ج ۳ ص ۷-۹۶ الدر المنثور ج ۴ ص ۶۱۷-۶۱۹)

من امر اللہ کا معنی یہ ہے کہ فرشتے اللہ کے حکم سے اور اس کی اعانت سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، کیونکہ فرشتوں میں از خود یہ طاقت اور قدرت نہیں ہے کہ کسی انسان کی آفات اور مصائب سے حفاظت کریں اور نہ کسی اور مخلوق میں یہ طاقت ہے کہ وہ کسی کی مصائب سے حفاظت کرسکے، مگر جس کو اللہ تعالیٰ یہ قدرت اور طاقت عطا فرمائے۔

فرشتوں کو انسانوں پر مامور کرنے کی وجوہات اور حکمتیں

فرشتوں کو جو انسانوں پر مقرر کیا گیا ہے اس کی متعدد وجوہات اور حکمتیں ہیں:

(۱) شیاطین انسانوں کو برے کاموں اور گناہوں کی طرف راغب کرتے ہیں اور یہ فرشتے انسانوں کو نیک کاموں اور عبادات کی طرف راغب کرتے ہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک جن اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی! آپ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی، لیکن اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی وہ مجھے نیکی کے سوا کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴، مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۷، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۹۷، عالم الکتب، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۴۷، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۱۴۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۶۵۸)

(۳) ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے دل میں کبھی بغیر کسی ظاہری سبب کے کسی کام کی قوی تحریک پیدا ہوتی ہے اور پھر انجام کار یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کام میں اس کے لیے نیکی اور خیر ہے اور کبھی انجام کار اس پر منکشف ہوتا ہے کہ اس کام میں اس کے لیے آفت اور مصیبت ہے اور یہ کام فی نفسہ معصیت ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے کام کا محرک اس کے حق میں خیر اور نیکی کا ارادہ کرنے والا تھا اور وہی فرشتہ ہے اور دوسرے کام کا محرک اس کے حق میں برائی اور گناہ کا ارادہ کرنے والا تھا اور وہی گمراہ کرنے والا اور شیطان ہے۔

(۴) انسان کو جب یہ علم ہوگا کہ فرشتے اس کی نیکیوں اور برائیوں کو لکھ لیتے ہیں تو وہ گناہوں کا ارتکاب کرنے سے ڈرے گا۔

(۵) فرشتے جن نیکیوں اور برائیوں کو لکھتے ہیں ان کے رجسٹروں کا قیامت کے دن میزان میں وزن کیا جائے گا اور جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا اس کی آسانی سے نجات ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو (میں اعمال ناموں کو) رکھیں گے، پس کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں ہوگا، اور

مِنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ (الانبیاء: ۴۷)

اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے (بھی) لے آئیں گے اور ہم حساب لینے میں کافی ہیں۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ○ (الاعراف: ۹-۸)

اس دن اعمال کا وزن کرنا برحق ہے، پھر جن (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہوئے سو وہی کامیاب ہونے والے ہیں○ اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوئے سو یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارہ میں مبتلا کیا، کیونکہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے○

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں، زبان پر (پڑھنے میں) ہلکے ہیں اور میزان میں بھاری ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۰۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۶۷، عالم الکتب، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۸۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۳۱، ۸۴۱، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۲۶۴)

(۶) جب انسان کو مسلسل یہ تجربہ ہو گا کہ اس کے دل میں نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے کی زبردست تحریک پیدا ہوتی ہے پھر اچانک اس پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کا سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے اور وہ گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر اس پر یہ منکشف ہوتا ہے کہ فرشتے اس کے دل میں نیکی کے دواعی اور محرکات پیدا کرتے ہیں لیکن تقدیر کے آگے ان کا بس نہیں چلتا اور جب فرشتے قضاء و قدر کے آگے مجبور ہیں، سلاطین، حکام اور سرمایہ دار لوگ، جو اپنی جان اور مال کی حفاظت کے قوی انتظامات کرتے ہیں لیکن اگر تقدیر میں ان کی جان و مال کا نقصان ہوتا ہو تو سارے انتظام دھرے رہ جاتے ہیں اور تقدیر غالب آجاتی ہے۔ امریکہ کے صدر کی حفاظت سے بڑھ کر اور دنیاوی انتظام کیا ہو سکتا ہے لیکن امریکہ کے صدر جان ایف کینیڈی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا، اندرا گاندھی کو اس کے معتمد محافظوں نے گولی مار کر ہلاک کر دیا اور بنگلہ دیش کے صدر شیخ مجیب الرحمن کو اس کے حفاظتی حصار سے نکال کر گولی مار دی گئی۔ اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○ (الرعد: ۱۱)

اور اللہ جب کسی قوم کو مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی ان کا مددگار نہیں ہے○

تقدیر تو اٹل ہے لیکن ہمارا یہ منشاء نہیں ہے کہ حفاظت کے اسباب کو بالکل اختیار نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان اسباب پر تکیہ نہیں کرنا چاہیے۔

نعمت کی ناقدری کرنے والوں سے اللہ کا نعمت واپس لینا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ کسی قوم کی نعمت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدل دیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کو آزادی، سلامتی، استحکام، خوش حالی اور عافیت کی نعمت عطا فرماتا ہے اور وہ نعمت ان سے اس وقت تک سلب نہیں فرماتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کر کے اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہیں کر دیتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْأَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ○ (الانعام: ٦)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلی کتنی ان قوموں کو ہلاک کر دیا جن کو ہم نے زمین میں ایسی قوت دی تھی جو تم کو نہیں دی اور ہم نے ان پر موسلادھار بارش نازل کی اور ہم نے دریا بنائے جو ان کے (باغوں کے) نیچے سے بہتے تھے، پس ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم پیدا کر دی ○

آپ مسلمانوں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بار بار اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا، ایک وقت تھا جب ایشیاء، افریقہ اور یورپ تین براعظموں کے علاقوں پر مسلمانوں کی حکومت تھی لیکن مسلمانوں نے اپنی نااہلی سے ان حکومتوں کو اور اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کو گنوا دیا، اسپین میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی، لیکن انہوں نے اپنی رنگا رنگ عیاشیوں، رقص و سرود کی محفلوں اور شراب و کباب کی مجلسوں میں اپنی آزادی، سلامتی اور استحکام کو غرق کر دیا۔ انہوں نے اپنے قومی اتحاد اور مرکزیت کو طوائف الملوکی اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر اقتدار حاصل کرنے کے شوق میں ضائع کر دیا اور اب پورا اسپین عیسائی قومیت میں ڈھل چکا ہے اور وہاں برائے نام مسلمان رہ گئے ہیں۔ غرناطہ اور قرطبہ نے بڑے نامور اسلام کے اسکالر پیدا کیے۔ قاضی عیاض اندلسی، امام ابن عبد البر، علامہ ابو العباس قرطبی، علامہ ابو عبد اللہ قرطبی، علامہ ابی، علامہ سنوسی، قاضی ابو بکر ابن العربی اور علامہ باجی یہ سب بہت پائے کے محقق تھے۔ تفسیر، حدیث اور فقہ میں ان کی عظیم اور ضخیم تصنیفات ہمارے پاس موجود ہیں جن کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسپین میں اسلامی علوم پر کتنا عظیم کام ہو رہا تھا۔ میں جب ان کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں تو یہ سوچ کر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے کہ آج ان کے مقابر، ان کے مکاتب، ان کے مدارس اور ان کی مساجد ویران ہو چکی ہیں۔

ماضی بعید کی تاریخ کا ذکر چھوڑیں، قریب کے حالات کو دیکھیں۔ ہم نے اسلام کے نام پر یہ خطہ زمین حاصل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آزادی، سلامتی اور استحکام کے ساتھ اقتدار عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ۔ (الحج: ۴۱)

ان لوگوں کو اگر ہم زمین میں اقتدار عطا فرمائیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

چاہیے تھا کہ مسلمانوں نے جس وعدہ اور جس نعرہ سے یہ ملک مانگا تھا یہ اس وعدہ کو پورا کرتے اور نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرتے لیکن جب چوبیس سال تک انہوں نے اس وعدہ کو پورا نہیں کیا اور اسلام کو نافذ کرنے کے بجائے حکام سے لے کر عوام تک سب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دن رات مشغول رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے آدھا ملک لے لیا، اب باقی آدھا ملک بھی اندرونی اور بیرونی خطرات کی زد میں ہے، لوٹ کھسوٹ، قتل اور غارت گری کا بازار گرم ہے، دشمن ہماری سرحدوں پر اپنی فوجوں کی تعداد بڑھا رہا ہے اور ہم ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں اور انارکی اور لاقانونیت کا دور دورہ ہے، اللہ ہمیں اپنی نعمتوں کی قدر کرنے اور ان کا شکر بجا لانے کی توفیق دے، ہمارے عوام اسلام کے احکام پر عمل کریں اور یہی لوگ اسمبلیوں میں پہنچیں، نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کریں، اسلامی حدود اور دیگر احکام کو جاری کریں اور اللہ اس باقی ماندہ پاکستان کو

سلامت رکھے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جو تم کو (کبھی) ڈرانے کے لیے اور (کبھی) امید دلانے کے لیے بجلی کی چمک دکھاتا ہے' اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے○ (الرعد: ۱۲)

بجلی اور بادل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ڈرایا تھا کہ وہ انعام بھی عطا فرماتا ہے اور اگر اس کے انعام کی قدر نہ کی جائے اور اس کا شکر ادا نہ کیا جائے تو وہ اس انعام کو واپس لے لیتا ہے اور مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کو عذاب دینے سے کوئی روک نہیں سکتا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا ذکر فرمایا' اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلیل ہے اور اس میں بعض اعتبار سے نعمت اور احسان کا ذکر ہے اور اس میں بعض لحاظ سے اس کے قہر اور عذاب کا بھی بیان ہے۔

برق اس روشنی کو کہتے ہیں جو ہواؤں کی رگڑ کی وجہ سے بادلوں میں چمکتی ہے اور برق کے ظہور میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے کیونکہ بادل پانی کے مرطوب اجزاء اور اجزاء ہوائیہ سے مرکب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے برق پیدا کرتا ہے جو اجزاء ناریہ پر مشتمل ہوتی ہے اور پانی سرد اور مرطوب ہے اور آگ گرم اور خشک ہے اور سرد اور مرطوب گرم اور خشک کی ضد ہے اور ایک ضد سے دوسری ضد کو پیدا کر دینا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب و غریب شاہکار ہے اور اس کے سوا اور کوئی اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ ایک ضد سے دوسری ضد کو وجود میں لے آئے۔

جب بجلی چمکتی ہے اور بادل گرجتے ہیں تو کسانوں کو بارش کی امید ہوتی ہے اور یہ ڈر بھی ہوتا ہے کہ کہیں ان پر بجلی نہ گر جائے اور ان کو جلا کر خاکستر نہ کر دے' اسی طرح کبھی بارش سے لوگوں کو اپنی فصلوں کی نشوونما اور نفع کی امید ہوتی ہے اور اسی بارش سے بعض لوگوں کو ضرر اور نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے' بلکہ ہر حادثہ ہونے والی چیز کا یہی حال ہے۔ بعض لوگوں کو اس سے کسی نفع کی توقع ہوتی ہے اور بعض لوگوں کو اس سے کسی ضرر کا خطرہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بادل پر معین فرشتہ اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتا ہے اور باقی فرشتے (بھی) اس کے خوف سے (حمد اور تسبیح کرتے ہیں) اور وہی گرجنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان بجلیوں کو گرا دیتا ہے' در آں حالیکہ وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے○ (الرعد: ۱۳)

الرعد اور الصواعق کے معانی اور جھگڑا کرنے والوں کا بیان

رعد اس آواز کو کہتے ہیں جو اجسام سماویہ کی رگڑ کی وجہ سے بادل کے درمیان سے سنائی دیتی ہے' یعنی جب دو بادل ٹکراتے ہیں اور ان کی رگڑ سے ہوا جل جاتی ہے تو اس سے گرج اور چمک پیدا ہوتی ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود آئے اور انہوں نے کہا: اے ابوالقاسم! ہمیں بتایئے کہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جس کو بادل کے اوپر مقرر کیا گیا ہے اس کے پاس آگ کا ایک کوڑا ہے وہ اس سے جہاں اللہ چاہتا ہے بادل کو ہنکاتا ہے۔ انہوں نے پوچھا اور یہ آواز جو ہم سنتے ہیں یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جہاں بادل کو لے جانے کا حکم دیا وہاں لے جانے کے لیے فرشتہ جب بادل کو کوڑا مارتا ہے تو یہ اس کی آواز ہے۔ انہوں نے کہا آپ نے سچ کہا۔ الحدیث۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۰۷۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۴۲۹)

حلیتہ الاولیاء ج ۴ ص ۳۰۴)

الصواعق، الصاعقہ کی جمع ہے۔ صاعقہ فضاء آسمان کی گڑگڑاہٹ کو کہتے ہیں اور کبھی اس عظیم آگ کو صاعقہ کہتے ہیں جو بارش اور بجلی چمکنے کے دوران زمین کی طرف نازل ہوتی ہے، عرف میں اس کو بجلی گرنا کہتے ہیں، یہ اس وقت ہوتا ہے جب بادل زمین کے قریب ہوتے ہیں، جس چیز پر یہ آگ گرتی ہے اس کو جلاڈالتی ہے۔

علامہ واحدی نے اس آیت کے شان نزول میں عامر بن الطفیل اور اربد بن ربیعہ کا واقعہ ذکر کیا ہے، یہ وہی واقعہ ہے جس کا ہم نے اس سورت کے تعارف میں ذکر کیا ہے۔ (اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۵۴۷) علامہ قرطبی نے بھی اس آیت کے شان نزول میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اربد بن ربیعہ پر بجلی گرائی گئی تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۵۸)

اس آیت میں فرمایا ہے وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عرب کے متکبرین میں سے ایک شخص کے پاس ایک آدمی بھیجا اور فرمایا اس کو میرے پاس لاؤ، اس نے کہا یا رسول اللہ! وہ اس سے تکبر کرے گا آپ نے فرمایا تم جاؤ اس کو بلا کر لاؤ، وہ شخص اس کے پاس گیا اور کہا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔ اس نے کہا اللہ کیا چیز ہے؟ کیا وہ سونے کا ہے یا وہ چاندی کا ہے یا وہ پیتل کا ہے؟ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آگیا اور آپ کو بتایا اس نے کیا کہا ہے اور کہا میں نے تو پہلے عرض کیا تھا وہ تکبر کرے گا! آپ نے فرمایا: جاؤ اس کو دوبارہ بلاؤ۔ وہ دوبارہ گیا۔ اس متکبر شخص نے پھر اسی طرح کہا، وہ پھر لوٹ آیا اور آپ کو بتایا کہ اس نے کیا کہا ہے۔ آپ نے اس کو پھر تیسری بار بھیجا، اس نے پھر اسی طرح کہا اور جس وقت وہ یہ کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے سر کے اوپر بجلی گرا دی اور پھر یہ آیت نازل فرمائی: اور وہی کڑکنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان بجلیوں کو گرا دیتا ہے در آں حالیکہ وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔

(اسباب النزول للواحدی ص ۵۴۶، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۳۸۸، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۲۱، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۴۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۴۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۵۹)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت دونوں کے متعلق نازل ہوئی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بطور حقیقی حاجت روا کے) اسی کو پکارنا حق ہے، اور جو لوگ کسی اور کو (حقیقی حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں، وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، ان کا پکارنا صرف اس شخص کی طرح ہے، جو (دور سے) پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں ہے اور کافروں کی پکار صرف گمراہی میں ہے O (الرعد: ۱۴)

پانی کے ساتھ غیر اللہ کی تمثیل کے محامل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کو پکارنے والوں کی مثال اس شخص سے دی ہے جو پانی کی طرف اپنے ہاتھ بڑھائے حالانکہ پانی اس تک نہ پہنچ سکے۔ مفسرین نے اس تمثیل کے حسب ذیل تین محمل بیان کیے ہیں:

(۱) مجاہد نے بیان کیا: جو شخص پانی سے دور کھڑا ہو اور اپنے منہ سے پانی پینے پر قادر نہ ہو اور وہ اپنے ہاتھوں سے پانی کی

طرف اشارہ کرے تاکہ پانی اس تک پہنچ جائے تو ظاہر ہے کہ دور سے پانی از خود اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک پیاسا شخص اپنے ذہن میں پانی کا تصور کرے، پھر خارج میں اپنے ہاتھ پھیلائے تاکہ پانی کو اپنے منہ تک پہنچائے تو ظاہر ہے کہ وہ اس طرح پانی کو اپنے منہ تک نہیں پہنچا سکتا۔

(۳) فراء نے کہا پانی سے مراد اس آیت میں کنواں ہے اب اگر کوئی شخص بغیر رسی اور ڈول کے اپنے ہاتھ کنویں کی طرف پھیلائے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے تو ظاہر ہے اس طرح پانی اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز۹ ص ۲۶۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس تمثیل کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں سننے، دیکھنے، جاننے اور کسی کی فریاد تک پہنچنے کی طاقت نہیں ہے، پانی پیاسے کو دیکھ سکتا ہے نہ اس کی فریاد کو سن سکتا ہے نہ از خود پیاسے کے منہ تک پہنچ سکتا ہے، اسی طرح بت کسی کو دیکھ سکتے ہیں نہ کسی کی فریاد سن سکتے ہیں نہ کسی کی فریاد پر پہنچ سکتے ہیں، سو جس طرح پانی کسی پیاسے کی پکار پر نہیں پہنچ سکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا یہ کافر جن بتوں کو پکارتے ہیں وہ ان کی فریاد رسی نہیں کر سکتے، پھر یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ پانی کے ساتھ پیاسے کے اس عمل کو تو کفار اور مشرکین بھی خلاف عقل گردانتے ہیں تو پھر اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے ان بے جان بتوں کو جو یہ اپنی حاجات میں پکارتے ہیں اور ان سے مدد کے طالب ہوتے ہیں، اس کو یہ خلاف عقل کیوں نہیں قرار دیتے۔

غیر اللہ کو حقیقی حاجت روا مان کر پکارنا شرک ہے ورنہ نہیں

ہم نے اس آیت کے ترجمہ میں قوسین میں بطور حقیقی حاجت روا کی قید لگائی ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ غیر اللہ کو حقیقی حاجت روا سمجھ کر پکارنا باطل اور شرک ہے اور اگر ان کو یہ سمجھ کر پکارا جائے کہ وہ غیر مستقل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے بندوں کی مدد کرتے ہیں تو یہ جائز ہے اور یہ باطل اور شرک نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کراماً کاتبین کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کیے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں، جب تم میں سے کسی شخص کو سفر میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ اس طرح پکارے: اے اللہ کے بندو! تم پر اللہ رحم فرمائے میری مدد کرو۔ (المصنف ج ۱۰ ص ۳۹۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، اس حدیث میں ان لوگوں سے مدد حاصل کرنے پر دلیل ہے جو نظر نہ آتے ہوں، جیسے فرشتے اور صالح جن اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ جب سواری کا پاؤں پھسل جائے یا وہ بھاگ جائے تو انسانوں سے مدد حاصل کرنا جائز ہے۔ (تحفۃ الذاکرین ص ۲۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ)

دیو بند کے مشہور عالم شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں:

یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ نداء غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جاوے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا کہ درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسر و حرمان میں ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک ہیں نہ معصیت۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۶۸، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ ایاک نستعین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔

افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ صرف اللہ سے مدد طلب کی جائے

ہر چند کہ اس عقیدہ کے ساتھ انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے مدد مانگنا اور ان کو پکارنا جائز ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی طاقت سے سنتے ہیں اور اس کے اذن سے مدد کرتے ہیں اور یہ ان تصریحات کی بناء پر شرک نہیں ہے، لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے مدد طلب کی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ۔ جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۶ مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۹۸۸ عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۴۲۵، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۷۴ کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۵۳ تنزیہ الشریعۃ للآجری رقم الحدیث: ۱۹۸ المستدرک ج ۳ ص ۵۴۱، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۴ کتاب الآداب للبیہقی رقم الحدیث: ۱۰۳۲)

علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے اذن سے مدد کرتے ہیں اور ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہماری مدد کا اذن دیا ہے یا نہیں، تو پھر افضل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ سب خوشی اور ناخوشی سے اللہ ہی کے لیے سجدہ کر رہے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کو O (الرعد: ۱۵)

سجدہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

سجدہ کا معنی ہے تواضع اور تذلل اختیار کرنا، کسی کے سامنے جھکنا اور عجز کا اظہار کرنا، اور عرف میں اللہ کے سامنے تذلل اختیار کرنے اور اللہ کی عبادت کرنے کو سجدہ کہتے ہیں۔ انسان، حیوانات اور جمادات سب کے لیے سجدہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ سجدہ کی دو قسمیں ہیں: ایک سجدہ اختیاری ہے، یہ انسان کے ساتھ خاص ہے اور اسی پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا۔ (النجم: ۶۲) اللہ کے لیے سجدہ کرو اور (اس کی) عبادت کرو۔

اور سجدہ کی دوسری قسم ہے اضطراری سجدہ، اس کو سجدہ تسخیر بھی کہتے ہیں جیسے اس آیت میں ہے:

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ۔ (الرحمٰن: ۶) زمین پر پھیلنے والے پودے اور اپنے تنوں پر کھڑے ہوئے درخت (اللہ کے لیے) سجدہ کرتے ہیں۔

یہ سجدہ کا لغوی معنی ہے اور سجدہ کا اصطلاحی معنی ہے زمین پر اپنی پیشانی رکھنا اور اس سے بڑھ کر تذلل اور تواضع متصور نہیں ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۳۰۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اصطلاحی معنی کے لحاظ سے ہر چیز کا اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونا

اس آیت میں سجدہ کا معنی یا لغوی ہو گا یعنی اطاعت اور تواضع اور یا اصطلاحی ہو گا یعنی پیشانی کو زمین پر رکھنا اور اس لحاظ سے آیت کے متعدد محمل ہیں:

(۱) سجدہ کا معنی اصطلاحی ہو اور جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اس سے عموم مراد نہ ہو بلکہ خصوصاً مسلمان مراد ہوں، اب اس آیت کا معنی ہے کہ بعض مسلمان فرحت، انبساط اور خوشی سے اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور بعض مسلمان تنگ دلی یا بوجھل دل اور ناگواری سے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، یعنی ان کا دل تو عیش و آرام، دنیا کی رنگینیوں یا اور کاموں میں لگا ہوتا ہے لیکن وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دوزخ کے عذاب کے ڈر سے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، اس کے برخلاف بعض لوگ وہ ہیں کہ وہ دنیاوی ذمہ داریوں میں مشغول ہوں پھر بھی ان کا دل نماز میں پڑا رہتا ہے اور جیسے پرندہ قفس سے نکلتے ہی اپنی طبعی خوشی سے فضاؤں میں پرواز کرتا ہے وہ بھی موقع ملتے ہی خوشی سے اپنے رب کو سجدہ کرتے ہیں۔

(۲) سجدہ سے مراد اصطلاحی معنی ہو اور جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اس سے عموم مراد ہو تو پھر اس آیت پر یہ اشکال ہو گا کہ فرشتے اور جنات اور انسانوں میں سے مومن تو اللہ کو سجدہ کرتے ہیں لیکن کافر اللہ کو سجدہ نہیں کرتے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں ان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے لیے سجدہ کریں، اور اس اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس تقدیر پر سجدہ سے مراد ہے تعظیم اور اللہ کے خالق ہونے کا اعتراف یعنی جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ خوشی یا ناخوشی سے اللہ کی بندگی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے رب ہونے کو مانتے ہیں اور کافر بھی اسی کو خالق مانتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ (لقمان: ۲۵) اگر آپ ان سے سوال کریں آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔

لغوی معنی کے لحاظ سے ہر چیز کا اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونا

اور اگر سجدہ سے مراد لغوی معنی ہے یعنی اطاعت اور تذلل تو کائنات کی ہر چیز اللہ کے لیے مسخر ہے۔ سورج، چاند اور ستاروں کا طلوع اور غروب، سیاروں کی گردش، پہاڑوں کا جمود، دریاؤں اور سمندروں کی روانی، غرض کائنات کی ہر چیز کچھ کر رہی ہے وہ سب اللہ کے بنائے ہوئے نظام کے تابع ہو کر کر رہی ہے، انسان کے نبض کی رفتار، دل کی دھڑکن، اعضاء انہضام کی کارکردگی یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ (البقرۃ: ۱۱۶) بلکہ سب اسی کی ملکیت ہے، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اس کے اطاعت گزار ہیں O

وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (آل عمران: ۸۳) آسمانوں اور زمینوں میں سب اطاعت سے اس کے سامنے گردن جھکائے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طوعا و کرھا یعنی خوشی اور ناخوشی سے کیونکہ بعض کام انسان خوشی سے کرتا ہے اور بعض کام ناخوشی سے کرتا ہے مثلاً حکومت انسان خوشی سے کرتا ہے اور معمولی ملازمت ناخوشی سے کرتا ہے، کوئی خوشی سے عبادت

کرتا ہے کوئی ناخوشی سے عبادت کرتا ہے۔

سایوں کے سجدہ کرنے کی توجیہ

اور فرمایا ان کے سائے بھی صبح اور شام کو۔ اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ہر شخص خواہ مومن ہو یا کافر اس کا سایہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے۔ زجاج نے کہا کافر خود تو غیر اللہ کو سجدہ کرتا ہے اور اس کا سایہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے۔ اور ابن الانباری نے کہا یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سایوں میں عقل و فہم پیدا کر دی ہو اور وہ خضوع اور خشوع سے اللہ کو سجدہ کریں، جیسے بعض پتھر اللہ کے خوف اور خشیت سے ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں اور کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتی ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ سایہ ایک جانب سے دوسری جگہ میلان کرتا ہے اور سورج کے بلند ہونے اور نیچے ہونے کی وجہ سے سائے لمبے اور چھوٹے ہوتے رہتے ہیں تو ان کا ایک جانب سے دوسری جانب مڑنا اور ان کی مقدار کا کم اور زیادہ ہونا ہی ان کا سجدہ کرنا ہے اور صبح اور شام کے وقت کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کہ ان دو وقتوں میں سایوں کا بڑا اور چھوٹا ہونا نمایاں نظر آتا ہے۔

سجدہ کی فضیلت کے متعلق احادیث

قرآن مجید میں پہلا سجدہ تلاوت سورۃ الاعراف کے آخر میں ہے، سجدہ تلاوت کی تعداد اور اس کے حکم کے متعلق مذاہب فقہاء ہم نے وہاں بیان کر دیئے ہیں، یہاں پر ہم سجدہ کرنے کی فضیلت میں احادیث پیش کر رہے ہیں:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو پس تم (سجدہ میں) بہت دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۳۷)

اس حدیث کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ (العلق: ۱۹) اور سجدہ کر اور (ہم سے) قریب ہو جا۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے وہ عمل بتائیے جس سے اللہ مجھے جنت میں داخل کر دے یا میں نے عرض کیا مجھے وہ عمل بتائیے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ آپ خاموش رہے۔ میں نے پھر سوال کیا، آپ خاموش رہے۔ جب میں نے تیسری بار سوال کیا تو آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے لیے کثرت سے سجدے کیا کرو، کیونکہ تم جب بھی اللہ کے لیے سجدہ کرو گے تو اللہ اس سجدہ کی وجہ سے تمہارا ایک درجہ بلند کرے گا اور تمہارا ایک گناہ مٹا دے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۹-۳۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۲۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۸، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۶، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۱۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۷۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۸۵، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۸۸)

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، میں آپ کے وضو اور طہارت کے لیے پانی لایا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: سوال کرو، میں نے عرض کیا میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اور کسی چیز کا؟ میں نے عرض کیا مجھے یہ کافی ہے۔ آپ نے فرمایا پھر کثرت

سے سجدے کر کے اپنے نفس کے اوپر میری مدد کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۲۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ابن آدم سجدہ تلاوت کی آیت تلاوت کر کے سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ جا کر روتا ہے اور کہتا ہے ہائے میرا عذاب! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا سو اس کو جنت ملے گی، اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کیا سو مجھے دوزخ ملے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۵۲، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۵۴۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۷۵۹، شرح السنہ رقم الحدیث: ۶۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے اس میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعضاء سجود کے جلانے کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر حرام کر دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۸۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۷۰۳، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۵۶)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کا جو حال اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ بندہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھے اور اس کا چہرہ مٹی میں لتھڑا ہوا ہو۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۰۷۲، ج ۷ ص ۴۴، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں افلح نامی ہمارا ایک غلام تھا جب وہ سجدہ کرتا تو مٹی کو پھونک مار کر اڑاتا، آپ نے فرمایا: اے افلح! اپنے چہرے کو خاک آلودہ کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۱، مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۱، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۵۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۹۱۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۴۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۵۲)

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ

آپ (ان سے) پوچھیے آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے؟ آپ کہیے اللہ، آپ کہیے کیا تم نے اللہ کے سوا

مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ

ایسے مددگار بنا لیے ہیں جو خود اپنے لیے (بھی) کسی نفع کے مالک نہیں ہیں اور نہ کسی ضرر کے،

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي

آپ کہیے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں یا اندھیرا اور

الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ

روشنی برابر ہیں؟ یا انہوں نے اللہ کے سوا ایسے شریک قرار دے لیے ہیں جنہوں نے اللہ کی طرح کوئی مخلوق پیدا کی

فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ

ہے تو صفت خلق ان پر مشتبہ ہو گئی؟ آپ کہیے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہے

الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا

سب پر غالب ہے ○ اسی نے آسمان سے پانی نازل کیا جس سے اپنی وسعت کے مطابق ندی نالے جاری ہو

فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ

گئے، پھر پانی کے زور نے بلبلے والے جھاگ بنا دیئے اور جس دھات کو زیور یا کسی اور چیز (کی شکل) میں

ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ

ڈھالنے کے لیے آگ میں پگھلاتے ہیں اس میں بھی ایسے ہی جھاگ بنتے ہیں، اللہ اسی طرح حق اور باطل کی مثال

وَالْبَاطِلَ ۚ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ

بیان فرماتا ہے، پس رہا جھاگ تو وہ بے فائدہ ہونے کی وجہ سے زائل ہو جاتا ہے اور رہی وہ چیز جو لوگوں کو

النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾

فائدہ پہنچاتی ہے تو وہ باقی رہتی ہے، اسی طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے ○

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۚ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا

جن لوگوں نے اپنے رب کے دین کو قبول کیا ان کے لیے نیک انجام ہے، اور جن لوگوں نے اس کے دین کو قبول

لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۚ

نہیں کیا اگر ان کے پاس تمام روئے زمین کی چیزیں ہوں اور اتنی ہی اور چیزیں بھی ہوتیں تو وہ اپنے آپ کو (عذاب سے)

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع ۸ ۱۱ النصف

چھڑانے کے لیے ان کو فدیہ میں دے دیتے، ان ہی لوگوں کا سخت حساب ہوگا، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ ٹھہرنے کی کیسی بری جگہ ہے! ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ (ان سے) پوچھیے آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے؟ آپ کہیے اللہ! آپ کہیے کیا تم نے اللہ کے سوا ایسے مددگار بنا لیے ہیں جو خود اپنے لیے (بھی) کسی نفع کے مالک نہیں ہیں اور نہ کسی ضرر کے، آپ کہیے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں یا اندھیرا اور روشنی برابر ہیں؟ یا انہوں نے اللہ کے سوا ایسے شریک قرار دے لیے ہیں، جنہوں

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے اللہ کی طرح کوئی مخلوق پیدا کی ہے تو صفت خلق ان پر مشتبہ ہو گئی؟ آپ کہیے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے○ (الرعد: ۱۶)

دلائل کے ساتھ بُت پرستوں کا رد اور ابطال

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہے یعنی ہر چیز خوشی یا ناخوشی سے اس کے احکام کی اطاعت کر رہی ہے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ بُت پرستوں کے رد کی طرف متوجہ ہوا' اور فرمایا آپ ان سے پوچھئے کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے؟ پھر خود ہی کہئے کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے' چونکہ کفار اس بات کا انکار نہیں کرتے تھے اور وہ مانتے تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور وہی ان کا رب ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہئے کہ جب تم مانتے ہو کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب اللہ ہے تو پھر تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کے بُتوں کو اپنا مددگار کیوں بنا رکھا ہے جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع کے مالک نہیں ہیں اور نہ خود اپنی ذات سے کسی ضرر اور نقصان کو دور کر سکتے ہیں اور جو اپنے لیے کسی نفع اور ضرر کے مالک نہ ہوں وہ تم کو کب کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں' یا تم سے کس طرح کوئی ضرر دور کر سکتے ہیں لہٰذا ان کی عبادت کرنا محض عبث اور بے فائدہ ہے اور جہالت کے سوا کچھ نہیں' پھر فرمایا کہ یہ دلیل تو بالکل واضح ہے اور جو شخص اس قدر واضح دلیل سے بھی جاہل ہو وہ اندھے شخص کی طرح ہے اور اس دلیل کو جاننے والا بینا شخص کی طرح ہے' یا اس دلیل سے جاہل اندھیرے کی طرح ہے اور اس دلیل کا جاننے والا روشنی کی طرح ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ نابینا بینا کے برابر نہیں ہے اور اندھیرا روشنی کے برابر نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور طرز سے بُت پرستوں کا رد فرمایا کہ یہ مشرکین جو ان بُتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں تو کیا ان کے علم میں یہ چیز ہے کہ بُتوں نے بھی کوئی مخلوق پیدا کی ہے' جس وجہ سے ان کو یہ اشتباہ ہو گیا کہ جب بُت بھی خالق ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی خالق ہے تو جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے خالق ہونے کی وجہ سے عبادت کا مستحق ہے تو یہ بُت بھی اس وجہ سے عبادت کے مستحق ہیں' تو وہ بتائیں کہ ان بُتوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے؟ اور ظاہر ہے بُتوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا بلکہ خود ان بُتوں کو مشرکوں نے بنایا ہے سو آپ کہئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے' ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے' وہی ایک ہے اور وہ سب پر غالب ہے۔

افعال انسان کے مخلوق ہونے کے متعلق اہلسنت اور معتزلہ کے نظریات

اہلسنت اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ انسان کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے' اس کے برخلاف معتزلہ یہ کہتے تھے کہ انسان خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ معتزلہ یہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ اگر انسان کے افعال کا خالق اللہ ہو تو برے کاموں پر سزا دینا اس کا ظلم ہو گا' کیونکہ برے کام بھی اسی نے پیدا کیے اور پھر سزا بھی وہ خود دے رہا ہے' اور اچھے کاموں پر اجر و ثواب دینا عبث ہو گا کیونکہ وہ نیک کام تو خود اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں' انسان کا اس میں کیا کمال ہے' اس کو ثواب کس بات کا مل رہا ہے! اور اللہ تعالیٰ کا کوئی کام عبث نہیں ہے اس لیے ماننا پڑے گا کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ اہلسنت یہ کہتے ہیں کہ ارادہ انسان کرتا ہے اور فعل کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ اس ارادہ کو کسب کہتے ہیں' اگر انسان نیک کام کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیک فعل پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ برے کام کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ برا فعل پیدا کر دیتا ہے اور انسان کو اس کے ارادہ کے اعتبار سے جزا اور سزا ملتی ہے' اگر یہ سوال کیا جائے کہ پھر اس ارادہ کو کون پیدا کرتا ہے تو اس کا جواب بہت مشکل ہے۔ بعض متکلمین نے یہ کہا کہ ارادہ بالذات موجود ہے نہ بالذات معدوم ہے' اس

کو حال کہتے ہیں اور خلق کا معنی ہے کسی چیز کو بالذات موجود کرنا لہٰذا ارادہ کو وجود میں لانا خلق نہیں ہے بلکہ یہ احداث ہے اور ارادہ کا محدث انسان ہے اور اس کا اس قاعدہ اور عقیدہ سے کوئی تعارض نہیں ہے کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

اور بعض متکلمین نے یہ کہا کہ اللہ خالق کل شیء میں یہ کل مخصوص عنہ البعض ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ارادہ کے ماسوا ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ارادہ کا خالق انسان ہے اور معتزلہ تمام افعال کا خالق انسان کو مانتے ہیں' انسان کے افعال کے متعلق تیسرا مسلک جبریہ کا ہے' اس کی تفصیل یہ ہے:

افعال انسان کے مخلوق ہونے کے متعلق اہلسنت اور جبریہ کے نظریات

جبریہ کا یہ نظریہ ہے کہ انسان کا اصلاً کوئی فعل نہیں ہے اور اس کی حرکات بمنزلہ جمادات کی حرکات ہیں' انسان کی کوئی قدرت ہے نہ اختیار' اس کا قصد ہے نہ ارادہ۔ یہ نظریہ قطعاً باطل ہے کیونکہ ہم رعشہ کے مریض اور صحت مند انسان کی حرکات میں بداہتاً فرق کرتے ہیں' صحت مند آدمی اپنے قصد اور اختیار سے حرکت کرتا ہے اور رعشہ کے مریض کی حرکت غیر اختیاری ہوتی ہے' دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر انسان مجبور ہو تا تو اس کو مکلف کرنا اور اس کے افعال پر جزا اور سزا کا ترتب صحیح نہ ہوتا اور نہ حقیقتاً یہ کہنا صحیح ہوتا کہ اس نے مثلاً نماز پڑھی' روزہ رکھا کھانا کھایا اور سفر کیا' اس کے برخلاف جب ہم کہتے ہیں کہ لڑکا جوان ہو گیا' جوان بوڑھا ہو گیا' فلاں بیمار ہو گیا' فلاں مر گیا تو ہم بداہتاً جانتے ہیں کہ پہلی قسم کے افعال اختیاری ہیں یعنی اس نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا اور دوسری قسم کے افعال غیر اختیاری ہیں یعنی لڑکا جوان ہو گیا یا جوان بوڑھا ہو گیا۔ اور پہلی قسم کے افعال میں انسان مختار ہے اور دوسری قسم کے افعال میں انسان مجبور ہے' نیز قرآن مجید کی متعدد آیات جبر کی نفی کرتی ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

جبریہ کے نظریہ کا رد

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔ (السجدہ: ۱۷)

ان کے لیے جو آنکھوں کی ٹھنڈک مخفی رکھی گئی ہے وہ کسی کو معلوم نہیں' یہ ان (نیک) کاموں کی جزا ہے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔

اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔ (الاحقاف: ۱۴)

وہ لوگ جنتی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے' یہ ان (نیک) کاموں کی جزا ہے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔

جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔ (الواقعہ: ۲۴)

یہ ان (نیک) کاموں کی جزا ہے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔

اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ ۫ وَّمَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ۔ (التوبہ: ۹۵)

یہ (منافقین) بے شک ناپاک ہیں' اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے یہ ان (برے) کاموں کی سزا ہے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔

فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ۔ (الکہف: ۲۹)

جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

معتزلہ کے نظریہ کا رد

دوسرا مذہب معتزلہ کا ہے' جو یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے ورنہ رسولوں کو بھیجنا' جزا اور سزا اور جنت اور جہنم تمام امور کا عبث ہونا لازم آئے گا' یہ مذہب بھی باطل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ۔ (الصّٰفّٰت: ۹۶)

تمہیں اور تمہارے اعمال کو اللہ نے ہی پیدا فرمایا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ۔ (الانعام: ۱۰۲)

یہ ہے تمہارا پروردگار' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' (وہ) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے سو اسی کی عبادت کرو۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ۔ (زمر: ۶۲)

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ (الدھر: ۳۰)

اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (التکویر: ۲۹)

اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔

نظریہ اہلسنت کی مزید وضاحت

اہلسنت و جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ انسان کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور کاسب خود انسان ہے' انسان کسب کرتا ہے اور اللہ خلق کرتا ہے۔ خلق کا معنی ہے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا اور کسب کی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں۔ علامہ محب اللہ بہاری نے لکھا ہے کہ کسب قصد مصمم (پختہ ارادہ) کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ وہ قصد مصمم کے بعد فعل پیدا کر دیتا ہے' چونکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے افعال کا خالق ہے' اس لیے اہلسنت نے یہ کہا کہ انسان کے افعال کا اللہ تعالیٰ خالق ہے' اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رسولوں کو بھیجا جنہوں نے نیکی کرنے اور بُرائی سے بچنے کی تلقین کی اور اللہ تعالیٰ نے نیکی پر جزاء اور بُرائی پر سزا دینے کا نظام قائم کیا اور جنت اور جہنم کو بنایا اس لیے یہ ضروری تھا کہ انسان کے لیے قصد اور اختیار کو تسلیم کیا جائے کیونکہ اگر انسان کو نیکی اور بدی اور اچھائی اور بُرائی پر اختیار نہ ہو تو رسولوں کو بھیجنے اور جزاء اور سزا کے نظام کا کوئی معنی نہیں ہے۔

معتزلہ کے اعتراضات کے جوابات

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

بندوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کے ارادہ' اس کی مشیت اور اس کی قضاء سے وجود پذیر ہوتے ہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر کفر اللہ تعالیٰ کی قضاء سے ہو تو پھر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر سے راضی ہو کیونکہ قضاء سے راضی ہونا واجب ہے' اور کفر سے راضی ہونا خود کفر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ کفر مقضی ہے' قضاء نہیں ہے اور رضا صرف قضاء سے واجب ہے نہ کہ مقضی سے اور قضاء اور تقدیر کا معنی ہے کہ بندہ کا حسن' قبح' نفع اور ضرر وجود میں آئے اور اس کو جو زمان و مکان شامل ہو اور اس بندہ پر جو ثواب اور عذاب مترتب ہو اس کی تحدید اور حد بندی کرنا' اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت کا عموم اور شمول بیان کرنا ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ پھر کافر اپنے کفر میں مجبور ہو گا اور فاسق اپنے فسق میں مجبور ہو گا لہٰذا ان کو ایمان اور اطاعت کے ساتھ مکلف کرنا صحیح نہیں ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اختیار سے ان کے کفر اور فسق کا ارادہ کیا ہے' جیسا کہ اس کو یہ علم ہے کہ وہ اپنے اختیار سے کفر اور فسق کریں گے یعنی انہوں نے کفر اور فسق کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ اور قدرت سے اسی کو پیدا کر دیا' لہٰذا محال کے ساتھ مکلف کرنا لازم نہ آیا۔

اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شر اور قبیح کا ارادہ نہیں کرتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا ہے کہ کافر ایمان لائے اور فاسق اطاعت کرے وہ کافر سے کفر اور فاسق سے معصیت کا ارادہ نہیں کرتا' کیونکہ ان کا زعم یہ ہے کہ قبیح کا ارادہ بھی قبیح

ہوتا ہے اسی طرح قبیح کو خلق کرنا بھی قبیح ہے' اور ہم کہتے ہیں کہ اس طرح نہیں ہے بلکہ قبیح کا کسب کرنا اور قبیح سے متصف ہونا قبیح ہے- ان کے نزدیک بندوں کے اکثر افعال اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہوتے ہیں کیونکہ بندوں کے اکثر افعال کفر اور فسق ہیں اور ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ ان کا ارادہ نہیں کرتا اور یہ بہت زیادہ لائق مذمت ہے۔

حکایت ہے کہ عمرو بن عبید معتزلی نے کہا ایک مجوسی نے جس طرح مجھ پر الزام قائم کیا اس طرح کسی نے مجھ پر الزام قائم نہیں کیا وہ میرے ساتھ ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا میں نے اس سے پوچھا تم اسلام کیوں نہیں قبول کرتے؟ اس نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے اسلام لانے کا ارادہ نہیں کیا جب وہ میرے اسلام لانے کا ارادہ کرے گا تو میں اسلام لے آؤں گا- میں نے اس مجوسی سے کہا اللہ تمہارے اسلام لانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن شیاطین تم کو نہیں چھوڑتے- اس نے کہا پھر میں اس پر ایمان لاؤں گا جو ان میں زیادہ غالب ہے۔

اور حکایت ہے کہ معتزلہ کا شیخ عبدالجبار الھمدانی' الصاحب ابن عباد کے پاس گیا وہاں ان کے پاس اہلسنت کے شیخ استاذ ابو اسحٰق الاسفرائنی بیٹھے ہوئے تھے- جب شیخ معتزلہ نے استاذ کو دیکھا تو کہا سبحان ہے وہ جو بُرے کاموں سے منزہ ہے- استاذ نے فوراً کہا سبحان ہے وہ جس کے ملک میں وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے (یعنی ایسا نہیں ہو تاکہ وہ تو بندہ کا ایمان چاہے اور وہ کفر کرے یا وہ بندہ کی اطاعت چاہے اور وہ معصیت کرے) ہمارا استدلال ان آیات سے ہے:

مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ (الانعام: ۱۱۱) — اللہ کے چاہے بغیر ان کا ایمان لانا ممکن نہیں۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ۔ (الانعام: ۱۲۵) — پس اللہ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور وہ جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ خوب رکا ہوا تنگ کر دیتا ہے گویا وہ تکلف اور مشقت کے ساتھ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى۔ (الانعام: ۳۵) — اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان وہی لائیں گے جن کے ایمان کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے گا اور کفر وہی کریں گے جن کے کفر کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ ان کے کفر کا اس لیے ارادہ فرماتا ہے کہ وہ کفر کو اختیار کرتے ہیں' اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر ظلم نہیں ہے۔

معتزلہ اس قسم کی آیات سے استدلال کرتے ہیں:

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ۔ (المومن: ۳۱) — اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ خود کفر اور معصیت کو پیدا کرے اور پھر بندوں کو اس وجہ سے عذاب دے تو یہ بندوں پر ظلم ہوگا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا' اس لیے ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کفر اور معصیت کو پیدا نہیں کرتا بلکہ خود بندے کفر اور معصیت کو پیدا کرتے ہیں- اس کا جواب یہ ہے کہ جب بندہ کفر یا معصیت کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں کفر اور معصیت کو پیدا کرتا ہے اور بندہ کے ارادۂ کفر یا ارادۂ معصیت کی وجہ سے اللہ اس کو عذاب دیتا ہے لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے۔

جبریہ کے رد پر مزید دلائل

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: بندوں کے افعال اختیاری ہیں جو اگر اطاعت ہوں تو ان کو ثواب دیا جائے گا اور اگر وہ معصیت ہوں تو وہ عذاب کے مستحق ہیں' اور جبریہ کا یہ قول درست نہیں ہے کہ بندہ کا بالکل فعل نہیں ہوتا' اور اس کی حرکات جمادات کی حرکات کی طرح ہیں اور بندہ کا کوئی قصد اور اختیار نہیں ہے اور ان کا یہ قول بالکل باطل ہے کیونکہ ہم بداہتاً جانتے ہیں کہ کسی چیز کو پکڑنے کی حرکت میں اور رعشہ کی حرکت میں فرق ہے' اور اول الذکر حرکت اختیاری ہے اور ثانی الذکر حرکت اضطراری ہے اور اس لیے بھی کہ اگر بندہ کا بالکل فعل نہ ہو تو اس کو مکلف کرنا اصلاً صحیح نہیں ہوگا اور اس کے افعال پر ثواب اور عتاب کا ترتب بھی صحیح نہیں ہوگا اور نہ اس کی طرف افعال کی حقیقتاً نسبت کرنا صحیح ہوگا' مثلاً فلاں شخص نے نماز پڑھی' اس نے روزہ رکھا' اس نے لکھا' اس کے برخلاف لڑکا دراز قد ہوگیا' اس کا رنگ سیاہ ہوگیا' ہم جانتے ہیں کہ اول الذکر نسبت میں اس کا اختیار ہے اور ثانی الذکر نسبت میں اس کا اختیار نہیں ہے۔ اور نصوص قطعیہ ان کے عقیدہ کا رد کرتی ہیں مثلاً

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ سو جو چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے وہ کفر کرے۔

(الکہف: ۲۹)

خلق اور کسب کی وضاحت

اور دلائل سے یہ ثابت ہے کہ خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہم یہ بھی بداہتاً جانتے ہیں کہ بعض افعال میں بندے کی قدرت اور اختیار کا دخل ہوتا ہے' جیسے کسی چیز کو پکڑنے کی حرکت اور بعض افعال میں اس کا بالکل دخل نہیں ہوتا جیسے رعشہ والے کی حرکت تو اس میں تطبیق دینے کے لیے ہمیں یہ کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور بندہ کاسب ہے' اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ کسی فعل کی طرف بندہ کا اپنی قدرت اور ارادہ کو خرچ کرنا کسب ہے اور اس فعل کو بندہ کے ارادہ کے بعد موجود کرنا خلق ہے' اور ایک مقدور دو قدرتوں کے تحت داخل ہے لیکن دو مختلف جہتوں سے' پس جہت ایجاد سے فعل اللہ تعالیٰ کا مقدور ہے اور جہت کسب سے فعل بندہ کا مقدور ہے اور ہم اس کی توجیہ میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔

علماء نے کسب اور خلق میں کئی وجوہ سے فرق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسب آلہ سے واقع ہوتا ہے اور خلق بغیر آلہ کے واقع ہوتا ہے اور کسب مقدور ہے جو کاسب کے محل قدرت میں واقع ہوتا ہے اور خلق محل قدرت میں واقع نہیں ہوتا' صرف کاسب کی قدرت سے فعل واقع نہیں ہوتا اور صرف خالق کی قدرت سے فعل واقع ہو جاتا ہے اور ایک چیز کی دو چیزوں کی طرف دو مختلف جہتوں سے نسبت ہو سکتی ہے جیسے زمین کا اللہ تعالیٰ اس جہت سے مالک ہے کہ اس نے اس کو پیدا کیا ہے اور بندہ اس کا اس جہت سے مالک ہے کہ اس نے اس کو خریدا ہے یا وہ اس کو وراثت میں ملی ہے یا کسی نے اس کو وہ زمین ہبہ کی اور اس وجہ سے اس کا اس میں تصرف کرنا صحیح ہے' اسی طرح فعل اللہ کی طرف خلق کی جہت سے منسوب ہے اور بندہ کی طرف کسب کی جہت سے منسوب ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کسی قبیح کام کا کسب کرنا قبیح ہوتا ہے اور وہ مذمت کا مستحق ہوتا ہے تو پھر قبیح کام کو خلق کرنا قبیح کیوں نہیں ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات دلائل سے ثابت ہے کہ خالق حکیم ہے وہ اسی چیز کو پیدا کرتا ہے جس کا انجام نیک اور مستحسن ہوتا ہے خواہ ہم اس کے محاسن پر مطلع نہ ہو سکیں لہٰذا ہم کو یقین ہے کہ جن کاموں کو ہم برا سمجھتے ہیں ان میں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں جیسا کہ مضر اور درد آور اور خبیث اجسام کو پیدا کرنا' اس کے برخلاف کاسب کبھی اچھا کام

کرتا ہے اور کبھی برا کام کرتا ہے لہٰذا جب وہ برا کام کرے گا جس کی شریعت میں ممانعت وارد ہو چکی ہو تو اس کا وہ کام مذمت اور عذاب کا مستحق ہو گا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۶۷-۹۳، ملخصاً وموضحاً، مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی نے آسمان سے پانی نازل کیا جس سے اپنی وسعت کے مطابق ندی نالے جاری ہو گئے، پھر پانی کے زور نے بلبلے والے جھاگ بنا دیے اور جس دھات کو زیور یا کسی اور چیز (کی شکل) میں ڈھالنے کے لیے آگ میں پگھلاتے ہیں اس میں بھی ایسے ہی جھاگ بنتے ہیں، اللہ اسی طرح حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے، پس رہا جھاگ تو وہ بے فائدہ ہونے کی وجہ سے زائل ہو جاتا ہے، اور رہی وہ چیز جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے تو وہ باقی رہتی ہے، اسی طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے O (الرعد: ۱۷)

مشکل الفاظ کے معانی

اودیة: یہ وادی کی جمع ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں کثرت کے ساتھ پانی بہتا ہے، اس میں اس کی وسعت کے مطابق پانی ہوتا ہے۔ اگر وادی چھوٹی ہو تو کم پانی ہوتا ہے اور اگر وادی بڑی ہو تو اس میں زیادہ پانی ہوتا ہے، دو پہاڑوں کے درمیان جو کشادہ راستہ ہوتا ہے اس کو وادی کہتے ہیں، اور مجازاً مذہب اور اسلوب کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

زبد: گندگی اور میل کچیل جو پانی کی سطح پر ابھر کر آجاتا ہے، جھاگ۔

رابیا: کسی چیز کا خود بخود زیادہ ہونا، بلند ہونا، اس آیت میں مراد ہے پانی کے بلبلے۔

ومما یوقدون علیه فی النار: بعض معدنیات، مثلاً سونا، چاندی، لوہا اور پیتل کو کسی مخصوص شکل میں ڈھالنے کے لیے آگ میں پگھلایا جاتا ہے۔

ابتغاء حلیة او متاع: زیب و زینت کے لیے زیورات بنائے جاتے ہیں اور دیگر فوائد کے حصول کے لیے برتن، جنگ اور زراعت کے آلات اور دیگر کار آمد چیزیں بنائی جاتی ہیں۔

زبد مثله: سیلاب کے جھاگ کی طرح، پگھلے ہوئے سونے، چاندی اور لوہے کا میل کچیل ان کی مائع سطح پر جھاگ بن کر آجاتا ہے۔

جفاء: خس و خاشاک، کوڑا کرکٹ اور میل کچیل جو بہتی ہوئی وادی کے کناروں پر یا ابلتی ہوئی دیگچی کے کناروں پر آجاتا ہے۔

پانی اور جھاگ سے تشبیہ کا بیان

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر اور ایمان اور کفر کو، نابینا اور بینا، اور اندھیرے اور روشنی سے تشبیہ دی تھی، اس آیت میں ایمان اور کفر کی ایک اور مثال دی ہے، اس میں پانی اور جھاگ کا ذکر فرمایا کہ وادیوں میں پانی بہتا ہے اور وہ پانی وادیوں کی گنجائش اور وسعت کے اعتبار سے کم اور زیادہ ہوتا ہے، اور اس میں جو خس و خاشاک ہوتا ہے وہ جھاگ اور بلبلوں کی صورت پانی کی سطح پر ظاہر ہوتا ہے اور بہت جلد فنا ہو جاتا ہے، اسی طرح جب سونے، چاندی، پیتل اور دیگر معدنیات کو پگھلایا جاتا ہے تو ان کا میل کچیل ان کی مائع سطح پر جھاگ اور بلبلوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جلد زائل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کبریائی، جلالت اور احسان کے آسمان سے رحمت کا پانی نازل فرمایا جو قرآن مجید ہے اور یہ پانی بندوں کے دلوں کی وادیوں میں نازل فرمایا۔ قرآن مجید کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ پانی حیات دنیاوی کا سبب ہے اور

قرآن مجید اخروی حیات کا سبب ہے' اور وادیوں کو بندوں کے دلوں کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ جس طرح وادیوں میں پانی مستقر ہوتا ہے اسی طرح بندوں کے دلوں میں انوار قرآن اور مضامین قرآن جگہ پاتے ہیں اور جس طرح بعض وادیاں تنگ ہوتی ہیں اور بعض کشادہ اور ان کی گنجائش اور وسعت کے اعتبار سے ان میں پانی ہوتا ہے' اسی طرح دلوں کی پاکیزگی اور ان کی نجاست اور ان کی قوت فہم کی زیادتی اور کمی کے اعتبار سے ان میں قرآن مجید کے مضامین اور انوار کم اور زیادہ ہوتے ہیں اور جس طرح پانی اور پگھلے ہوئے معدنیات کی مائع سطح پر خس و خاشاک اور ان کا میل کچیل جھاگ کی صورت میں ان کی سطح پر آجاتا ہے اور جلد زائل ہو جاتا ہے اسی طرح قرآن مجید کے مضامین میں جو شکوک و شبہات ہوتے ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء کے بیانات سے جلد زائل ہو جاتے ہیں اور عقائد اور احکام شرعیہ کی تصریحات اور ہدایات اور علمی نکات باقی رہ جاتے ہیں' یہ اس مثال اور تشبیہ کی تقریر ہے' جس کو سب سے پہلے صرف امام رازی نے بیان کیا ہے اور بعد کے مفسرین نے اسی تقریر سے استفادہ کیا ہے اور ہم نے اس کو مزید وضاحت سے پیش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے اپنے رب کے دین کو قبول کیا ان کے لیے نیک انجام ہے' اور جن لوگوں نے اس کے دین کو قبول نہیں کیا اگر ان کے پاس تمام روئے زمین کی چیزیں اور اتنی ہی اور چیزیں بھی ہوتیں تو وہ اپنے آپ کو (عذاب سے) چھڑانے کے لیے ان کو فدیہ میں دے دیتے' ان ہی لوگوں کا سخت حساب ہوگا' اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' اور وہ ٹھہرنے کی کیسی بری جگہ ہے!O (الرعد: ۱۸)

مومنوں اور کافروں کے اخروی احوال

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کی مثالیں بیان فرمائی تھیں' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے اخروی احوال بیان فرمائے ہیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کیا اور توحید' رسالت' تقدیر' قیامت' مرنے کے بعد اٹھنے اور جزا اور سزا پر ایمان لے آئے ان کے لیے نیک انجام ہے' اور نیک انجام سے مراد ہے خالص منفعت جو ہر قسم کے نقصان اور ہر قسم کے خطرات سے خالی ہو' اور وہ منفعت دائمی ہو اور اس کا کبھی انقطاع نہ ہو' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ O (یونس: ۲۶)

جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے نیک انجام ہے اور مزید اجر ہے' ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی نہ ذلت' یہی لوگ جنتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا O (الکہف: ۸۸)

اور جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو اس کے لیے آخرت میں نیک انجام ہے اور عنقریب ہم اسے آسان احکام دیں گے O

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں کرتے وہ دنیا کی تمام چیزیں اور اتنی اور بھی اپنے آپ کو عذاب سے چھڑانے کے لیے فدیہ میں دے دیں پھر بھی وہ اپنے آپ کو عذاب سے نہیں چھڑا سکیں گے جیسا کہ ان آیات میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝ (آل عمران: ۱۰)

ان کو اللہ (کے عذاب) سے ہرگز نہ بچاسکیں گے اور یہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۹۱)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر کی حالت میں مر گئے تو ان میں سے کسی سے تمام روئے زمین کے برابر سونا نہیں قبول کیا جائے گا خواہ وہ اس کو فدیہ میں دے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ۝

اس آیت میں فرمایا ان کے لیے سوء الحساب ہے یعنی ان سے سخت حساب لیا جائے گا، سخت حساب کا معنی یہ ہے کہ ان سے ہر چیز کا حساب لیا جائے گا اور کسی چیز کو ترک نہیں کیا جائے گا، ان کے ہر گناہ پر مواخذہ ہوگا اور ان کے کسی گناہ کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ

بھلا جو شخص یہ جانتا ہو کہ آپ کے رب کی جانب سے جو آپ کی طرف نازل ہوا ہے وہ برحق ہے، کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا

اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۱۹ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ

ہے جو اندھا ہو؟ صرف وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو صاحبان عقل ہیں ۝ جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے

وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝۲۰ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

ہیں اور پکے عہد کو نہیں توڑتے ۝ اور جو ان رشتوں کو جوڑے رکھتے ہیں جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ

يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ۝۲۱ وَالَّذِيْنَ

نے حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت حساب سے ڈرتے ہیں ۝ اور جو اپنے رب

صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

کی رضا کی طلب میں صبر کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى

اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور برائی کو اچھائی سے دور کرتے ہیں ان ہی کے لیے آخرت کا (اچھا)

الدَّارِ ۝۲۲ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ

گھر ہے ۝ دائمی جنتوں میں وہ خود (بھی) داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادا، اور ان کی بیویوں

وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾

اور ان کی اولاد میں سے نیکوکار اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے ○

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ

تم پر سلامتی ہو، کیونکہ تم نے صبر کیا، پس آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے! ○ اور جو لوگ

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ

اللہ کے عہد کو اسے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور ان رشتوں کو توڑتے ہیں جنہیں جوڑنے کا اللہ نے

بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ

حکم دیا ہے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، ان ہی پر لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت میں)

وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا

برا گھر ہے ○ اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اور

بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

کافر دنیا کی زندگی سے بہت خوش ہیں اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں محض معمولی فائدہ ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بھلا جو شخص یہ جانتا ہو کہ آپ کے رب کی جانب سے جو آپ کی طرف نازل ہوا ہے وہ برحق ہے، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہو؟ صرف وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو صاحبانِ عقل ہیں ○ (الرعد: ۱۹)

اس آیت میں بھی پہلی تشبیہ اور مثال کی طرف اشارہ ہے کہ کسی چیز کا عالم بمنزلہ بینا ہے اور کسی چیز سے جاہل بمنزلہ نابینا ہے، اور نابینا بینا کی طرح نہیں ہے، کیونکہ نابینا جب کسی رہنما کے بغیر کسی راستہ میں جائے گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ گڑھے، کنوئیں یا کسی کھلے ہوئے گٹر میں گر جائے یا کسی اور ہلاکت کا شکار ہو جائے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور ابو جہل لعنہ اللہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پکے عہد کو نہیں توڑتے ○ (الرعد: ۲۰)

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا صرف وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو صاحبانِ عقل ہیں اور اس آیت میں ان کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پکے عہد کو نہیں توڑتے۔ اس عہد کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی تمام اولاد کو نکال کر لیا تھا اور یہ پوچھا تھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے کہا کیوں نہیں۔ (الاعراف: ۱۷۲)

(۲) ہر انسان کی عقل میں اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ دلائل سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور انبیاء کی نبوت کو پہچان سکے۔

(۳) بعض احکام عقلی دلائل سے ثابت ہیں جو ناقابل تنسیخ ہیں، مثلاً قتل کرنا، زنا کرنا اور جھوٹ بولنا حرام ہے اور ہر وہ شخص جو اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے اس کا اللہ تعالیٰ سے یہ عہد ہے کہ وہ ان احکام پر عمل کرے گا۔

(۴) جب انسان کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر لیا کہ وہ اس کے تمام فرائض پر عمل کرے گا اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کرے گا، اور جب اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مان لیا تو اس نے یہ التزام کر لیا اور یہ عہد کر لیا کہ وہ آپ کی اطاعت اور اتباع کرے گا۔

سوال نہ کرنے کا عہد

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سات، آٹھ یا نو نفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے، اس وقت ہم نے آپ سے نئی نئی بیعت کی تھی، ہم نے عرض کیا ہم آپ سے بیعت کر چکے ہیں، حتیٰ کہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ ہم نے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا اور آپ سے بیعت کر لی، ایک کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے بیعت کر چکے ہیں اب ہم آپ سے کس چیز پر بیعت کریں؟ آپ نے فرمایا تم اس پر بیعت کرو کہ تم اللہ کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، اور تم پانچ وقت کی نمازیں پڑھو گے اور اس کے احکام سنو گے اور اطاعت کرو گے اور آپ نے چپکے سے ایک بات کہی کہ تم لوگوں سے بالکل سوال نہیں کرو گے۔ حضرت عوف بیان کرتے ہیں کہ ہمارے بعض ساتھیوں نے اس عہد پر اس پابندی سے عمل کیا کہ اگر کسی کا چابک نیچے گر جاتا تو وہ کسی سے اس چابک کو اٹھا کر دینے کا بھی سوال نہیں کرتا تھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۵۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۶۷)

سوال کرنے کے جواز کی شرائط

فقہاء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ بغیر ضرورت کے سوال کرنا جائز نہیں ہے اور ضرورت کا معیار یہ ہے کہ اس کے پاس اتنی مالیت نہ ہو جس سے وہ ایک دن کھانا کھا سکے اور وہ اس قدر کمزور اور بیمار ہو کہ کما نہ سکتا ہو اور جو شخص کمانے اور کسب کرنے پر قادر ہو اس کا سوال کرنا حرام ہے اور جب وہ سوال کرے تو اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے اور گڑگڑا کر سوال نہ کرے اور مسئول کو ایذاء نہ دے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قبیصہ بن مخارق الہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ سوال کرنے کے لیے گیا آپ نے فرمایا تم ہمارے پاس ٹھہرو حتیٰ کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آجائے پھر ہم تمہارے لیے حکم دیں گے پھر آپ نے فرمایا: اے قبیصہ! سوال کرنا صرف تین شخصوں میں سے ایک کے لیے جائز ہے۔ ایک وہ شخص جو نیک کاموں میں خرچ کرنے کے لیے کسی سے قرض لے، تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے حتیٰ کہ وہ قرض ادا کر دے اور پھر سوال کرنے

سے رک جائے، اور دوسرا وہ شخص جس پر ایسی آفت یا مصیبت آئے جس سے اس کا تمام مال ضائع ہو جائے، اس کے لیے بھی اتنا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کی حاجت پوری ہو جائے اور تیسرا وہ شخص جو فاقہ سے ہو اور اس کی قوم کے تین عقلمند آدمی یہ گواہی دیں کہ یہ شخص فاقہ سے ہے۔ (یہ شرط بطور استحباب ہے) تو اس کے لیے اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے وہ فاقہ کو دور کر سکے، ان شرائط کے بغیر جو شخص سوال کرے گا تو وہ حرام کھائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۹)

گواہوں کی شرط اس شخص کے لیے ہے جس کا مالدار ہونا مشہور ہو اور اب وہ یہ کہتا ہو کہ اس کا مال ضائع ہو چکا ہے اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو اور اس کی نوبت فاقہ تک پہنچ گئی ہو تو لوگوں کو یقین دلانے کے لیے کم از کم اس کی قوم کے دو گواہوں کا یہ گواہی دینا ضروری ہے کہ وہ فاقہ سے ہے اور تین آدمیوں کی گواہی مستحب ہے۔

توکل کا غلط مفہوم

قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ مالکی المعروف بابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

بندہ نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیے ہیں ان میں سے ایک عہد یہ ہے کہ وہ گناہوں سے باز رہے گا اور اس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہیں کرے گا اور عظیم وعدوں میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال نہیں کرے گا۔ ابو حمزہ خراسانی بہت بڑے عبادت گزار تھے، انہوں نے یہ حدیث سنی کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی ہے کہ وہ کسی شخص سے سوال نہیں کریں گے، پھر اگر ان میں سے کسی کا چابک بھی گر جاتا تو وہ کسی شخص سے یہ نہیں کہتا تھا کہ یہ چابک مجھے اٹھا کر دو، تو ابو حمزہ نے کہا اے میرے رب! ان لوگوں نے تیرے نبی کی زیارت کی تھی تو انہوں نے تیرے نبی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے، اور میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ میں کبھی بھی کسی سے سوال نہیں کروں گا۔ وہ حج کرنے کے لیے شام سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے، وہ کسی سبب سے اپنے اصحاب سے بچھڑ گئے اور وہ رات کے اندھیرے میں جا رہے تھے، راستہ کے کنارے میں ایک کنواں تھا وہ اس میں گر گئے۔ جب وہ کنویں کی گہرائی میں پہنچے تو ان کو یہ خیال آیا کہ میں کسی کو مدد کے لیے پکاروں، شاید کوئی شخص میری پکار سن کر مجھے کنویں سے نکال دے، پھر سوچا جس ذات سے میں نے یہ عہد کیا ہے کہ میں کسی سے سوال نہیں کروں گا، وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میری بات سن رہا ہے، اللہ کی قسم میں کسی شخص کو نہیں پکاروں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگوں کی ایک جماعت وہاں سے گزری، جب انہوں نے راستہ کے کنارے میں ایک کھلا ہوا کنواں دیکھا تو انہوں نے کہا اس کنویں کو بند کر دینا چاہیے ورنہ اس میں کوئی گر جائے گا، پھر وہ لکڑیوں کے تختے لائے اور ان تختوں کو کنویں کے منہ پر رکھ کر اس کو مٹی کا لیپ چڑھا کر پختہ طریقہ سے بند کر دیا۔ جب ابو حمزہ نے یہ دیکھا تو دل میں کہا اب تو ہلاکت بالکل سر پر پہنچ گئی ہے اور یہ ارادہ کیا کہ ان لوگوں کو آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کروں، ورنہ میں کبھی بھی اس کنویں سے نہیں نکل سکوں گا پھر اس کو یہ خیال آیا کہ جس ذات سے میں نے عہد کیا تھا وہ ان تمام حالات کو دیکھ رہا ہے، پھر وہ خاموش ہو گیا اور اللہ پر توکل کر کے بیٹھ گیا اور اپنی نجات کے متعلق غور و فکر کرنے لگا۔ پھر اچانک اس نے دیکھا کہ لوگوں نے کنویں کی جو چھت بنائی تھی اس سے مٹی گر رہی ہے، اور لکڑی کے تختے اپنی جگہ سے اٹھائے جا رہے ہیں، اور اسی وقت ایک شخص کی آواز آئی اپنا ہاتھ لاؤ، انہوں نے اس شخص کو اپنا ہاتھ دیا۔ اس نے ایک ہی بار میں ان کو اوپر اٹھا کر کنویں سے نکال لیا۔ وہ کہتے ہیں جب میں باہر نکلا تو مجھے کوئی شخص نظر نہیں آیا اور میں نے ہاتف غیبی کی یہ آواز سنی تم نے توکل کا ثمرہ دیکھ لیا! قاضی ابن العربی نے کہا اس شخص نے اللہ سے کیے ہوئے

عہد کو کامل طریقہ سے پورا کیا تھا تم بھی اس کے طریقہ پر عمل کرو تو ہدایت پا جاؤ گے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۸۳-۸۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ)

توکل کا صحیح مفہوم

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابو الفرج ابن الجوزی نے کہا ہے ابو حمزہ کا اس مقام پر توکل کرنا اور کسی سے سوال نہ کرنا اس کے زعم میں اس کی اپنے نفس پر اعانت تھی اور یہ جائز نہیں ہے اور اگر وہ توکل کا معنی سمجھتا تو وہ جان لیتا کہ اس حالت میں کسی سے مدد طلب کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، جس طرح مکہ سے اپنی روانگی کو مخفی رکھنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توکل سے خارج نہیں ہوئے اور ہجرت کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ دکھانے والے کو کرائے پر لیا اور اس سے فرمایا کہ اس معاملہ کو مخفی رکھے، اور آپ کا غار میں چھپنا اور سراقہ سے آپ کا یہ فرمانا کہ ہمارے معاملہ کو مخفی رکھے، پس جس توکل کی تحسین کی گئی ہے وہ کسی ممنوع کام کو شامل نہیں ہوتا اور ابو حمزہ کا کنویں میں خاموشی کو اختیار کرنا ممنوع تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے ایک ایسا آلہ پیدا کیا ہے جس سے وہ ضرر کو دفع کرتا ہے، اور ایک ایسا آلہ پیدا کیا ہے جس سے وہ نفع حاصل کرتا ہے پس اگر وہ توکل کا ادعا کرتے ہوئے ان آلات کو معطل کردے تو یہ اس کی جہالت ہوگی اور ان آلات کو بنانے کی حکمت کو ضائع کرنا ہوگا کیونکہ توکل تو صرف دل سے اللہ پر اعتماد کرنے کا نام ہے اور توکل کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ اسباب منقطع کردیئے جائیں۔ اگر انسان بھوکا ہو اور وہ کسی سے کھانے کا سوال نہ کرے اور بھوک سے مر جائے تو وہ گناہ گار ہوگا۔ علامہ ابو الفرج نے کہا کہ ابو حمزہ کے اس قول کی طرف التفات نہ کیا جائے کہ ایک شخص آیا اور اس نے مجھے کنویں سے نکال دیا، کیونکہ اگر یہ بات درست بھی ہو تو ایسا کبھی کبھار ہوتا ہے، یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے جاہل بندے پر لطف و کرم فرماتا ہے اور اس واقعہ میں اس پر اللہ تعالیٰ کا جو لطف ہوا اس کا انکار نہیں کیا جائے گا، انکار اس چیز پر ہے کہ اس کی جان اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس جان کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور اس کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس نے اس جان کو ہلاکت میں ڈال دیا تھا اور یہ اس کے لیے جائز نہ تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۷۶-۲۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو ان رشتوں کو جوڑے رکھتے ہیں جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت حساب سے ڈرتے ہیں○ (الرعد: ۲۱)

رشتوں کو جوڑنے کی اقسام

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہود کو پورا کرنے کا حکم دیا تھا جس کا خلاصہ ہے خالق کی تعظیم، اور اس آیت میں مخلوق کے ساتھ تعلق جوڑنے کا حکم دیا ہے جس کا خلاصہ ہے مخلوق پر شفقت، اور انسان پر لازم ہے کہ وہ خالق کی تعظیم بھی کرے اور مخلوق پر شفقت بھی کرے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت کرے۔

بندوں کے تمام حقوق واجبہ کی رعایت کرنا ضروری ہے، اس میں رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا اور ان سے تعلق کو قائم رکھنا بھی داخل ہے، اور تمام مسلمانوں کے ساتھ نیکی کرنا بھی داخل ہے۔ قرآن مجید میں ہے: انما المؤمنون اخوۃ۔ (الحجرات: ۱۰) "تمام مسلمان بھائی ہی ہیں۔" اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے ساتھ نیکی کی جائے اور ان سے بقدر امکان ضرر کو دور کیا جائے اور مریض کی عیادت کی جائے، اور جنازہ کے ہمراہ جائیں اور نماز جنازہ پڑھیں، اور لوگوں کو

بکثرت سلام کریں اور ان سے مسکراتے ہوئے ملاقات کریں۔ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو دُور کریں، اور جانوروں کے ساتھ بھی نیکی کریں حتیٰ کہ مرغی اور بلی کے ساتھ بھی نیکی کریں۔

رشتوں کو جوڑنے کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو، اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو، اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو، عرض کیا گیا کس کی یا رسول اللہ! فرمایا جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا پھر وہ جنت میں داخل نہیں ہوا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ باپ کی وفات کے بعد اس کے دوستوں سے تعلق جوڑ کر رکھا جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحم رحمٰن کی رحمت کے آثار میں سے ایک اثر ہے، اللہ تعالیٰ نے (رحم سے) فرمایا جو تجھ سے ملاپ رکھے گا میں اس سے ملاپ رکھوں گا اور جو تجھ سے منقطع ہوگا میں اس سے منقطع ہوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۸)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قاطع رحم جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نیکی کے بدلہ نیکی کرے وہ رشتہ جوڑنے والا نہیں ہے، لیکن رشتہ جوڑنے والا وہ ہے جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ رشتہ جوڑے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۱)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا اور قطع رحم کے علاوہ اور کسی گناہ پر اللہ تعالیٰ دنیا میں جلدی مواخذہ نہیں فرماتا اور آخرت میں بھی اس کی سزا کو ذخیرہ کرتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۲)

حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بنو سلمہ سے ایک شخص نے آکر پوچھا یا رسول اللہ! ماں باپ کے فوت ہونے کے بعد بھی میں ان کے ساتھ کوئی نیکی کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! ان کی نماز جنازہ پڑھو، ان کے لیے استغفار کرو، اور ان کے بعد ان کے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرو، اور ان کے رشتہ داروں سے تعلق جوڑو اور ان کے دوستوں کی عزت کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۴)

حضرت معاویہ بن جاہمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں جہاد کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے پاس مشورہ کے لیے آیا ہوں۔ آپ نے پوچھا تمہاری ماں ہے؟ اس نے

کہاں! آپ نے فرمایا تو اس کو لازم رکھو (اس کی خدمت میں رہو) کیونکہ جنت اس کے پیر کے پاس ہے۔
(مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۳۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا اور حضرت عمر اس کو ناپسند کرتے تھے۔ حضرت عمر نے مجھ سے کہا اس کو طلاق دے دو، میں نے انکار کیا۔ پھر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور اس کا ذکر کیا، تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو طلاق دے دو۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۸)

سخت حساب کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے: اور وہ سخت حساب سے ڈرتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتیں اور آپ کو اس میں کوئی اشکال ہوتا تو وہ آپ سے دریافت کرتیں حتیٰ کہ آپ اس کو سمجھ لیتیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے حساب لیا گیا اس کو ہلاک کر دیا گیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا۔ تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا۔
(الانشقاق: ۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے مراد حساب کو پیش کرنا ہے، لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا (کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا؟) وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اپنے رب کی رضا کی طلب میں صبر کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، اور برائی کو اچھائی سے دور کرتے ہیں، ان ہی کے لیے آخرت کا (اچھا) گھر ہے O (الرعد: ۲۲)

صبر کی اقسام

صبر کرنے کے کئی محمل ہیں، ایک یہ ہے کہ انسان عبادات کی مشقت پر صبر کرے اور بیماری، تکلیف اور غم اور پریشانی کے باوجود عبادات کے بجالانے میں کوئی تقصیر اور کوتاہی نہ کرے اور صبر کی اس گھاٹی کے امام حضرت ایوب علیہ السلام ہیں، اور صبر کی دوسری قسم یہ ہے کہ نفس اور شہوت کے تقاضوں پر صبر کرے اور اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ نہ ہونے دے، اور صبر کی اس وادی کے امام حضرت یوسف علیہ السلام ہیں اور صبر کی تیسری قسم ہے قدرتی آفات، مصائب اور نقصانات پر صبر کرنا اور صبر کے اس میدان کے امام حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

صبر کی وجوہ اور جس وجہ سے صبر اللہ کے لیے ہو

نقصانات اور مصائب پر صبر کرنا کئی وجوہ سے ہوتا ہے، ایک اس لیے کہ لوگ اس کی تحسین کریں اور یہ کہیں کہ اس شخص کا کتنا حوصلہ ہے، اس نے کتنے بڑے غم کو کس قدر آسانی سے برداشت کر لیا، دوسرے اس لیے کہ اگر اس نے بے قراری، شکوہ شکایت اور آہ و بکا سے کام لیا تو لوگ اس کی مذمت کریں گے اور اس کی عیب جوئی کریں گے، تیسرے اس لیے کہ اگر اس نے اپنے رنج اور غم کا اظہار کیا تو اس کے دشمن خوش ہوں گے، چوتھے اس وجہ سے کہ اس کو یہ علم ہے کہ اگر

اس نے اظہار غم کیا اور آہ و بکا کی تو اس کا کیا فائدہ ہے۔ جانے والی چیز تو جا چکی اس کے غم کرنے سے وہ واپس تو نہیں آسکتی۔ ان چار وجہوں میں سے انسان نے کسی ایک وجہ سے بھی صبر کیا تو یہ اس کا کمال نہیں ہے اور نہ باعث اجر و ثواب ہے' کمال اور اجر و ثواب اس میں ہے کہ جب کوئی آفت اور مصیبت آئے یا کوئی نقصان ہو تو وہ اس پر اس لیے صبر کرے کہ اس کی تقدیر میں اسی طرح ہے اور اللہ کی طرف سے جو کچھ ہوا وہ اس پر راضی ہے۔ اگر مال کا نقصان ہوا ہے تو مال اسی کا دیا ہوا تھا' اگر اولاد کا انتقال ہوا ہے تو اولاد اسی کی دی ہوئی تھی' حتیٰ کہ اس کی اپنی جان بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے' وہ بھی ایک دن چلی جائے گی۔ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ مالک ہے' وہ جب چاہتا ہے کوئی چیز دیتا ہے اور جب چاہتا ہے وہ چیز لے لیتا ہے اور جب اس پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس کی نظر مصیبت پر نہ ہو بلکہ مصیبت کے نازل کرنے والے پر ہو اور وہ اس کے مشاہدہ میں مستغرق ہو اور جانے والی چیز پر غم نہ کرے' خلاصہ یہ ہے کہ وہ اس لیے صبر کرے کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر پر راضی اور شاکر ہے یا اس لیے صبر کرے کہ اللہ مالک ہے' وہ اپنی ملکیت میں جو چاہے کرے' کسی کو اعتراض کی کیا مجال ہے یا اس وجہ سے صبر کرے کہ اس کی نظر مصیبت پر نہیں ہے بلکہ مصیبت کے نازل کرنے والے پر ہے تو یہ وہ صبر ہے جو اللہ کی رضا کے لیے ہے اور طلب ثواب کے لیے ہے۔

زکوٰۃ کو ظاہر اور پوشیدہ دینے کے محامل

نیز فرمایا وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے ظاہر اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں' ظاہراً خرچ کرنے سے مراد ہے زکوٰۃ ادا کرنا اور پوشیدہ خرچ کرنے سے مراد ہے نفلی صدقات میں خرچ کرنا۔ زکوٰۃ میں بھی افضل یہ ہے کہ پوشیدہ طور پر دی جائے تاکہ زکوٰۃ لینے والے کو عار محسوس نہ ہو اور دینے والے کا اخلاص بھی قائم رہے تاہم اگر یہ خطرہ ہو کہ اس پر زکوٰۃ نہ دینے کی تہمت ہوگی تو ظاہراً ادا کرے' یا جو زکوٰۃ اموال ظاہرہ پر ہے جو امام یا اس کے عاملین کو دی جاتی ہے وہ ظاہراً دے اور جو زکوٰۃ اموال باطنہ پر ہے جس کو وہ خود ادا کرتا ہے وہ پوشیدہ طور پر دے۔

بُرائی کو اچھائی سے دُور کرنے کے محامل

اور اس آیت میں فرمایا ہے اور وہ بُرائی کو اچھائی سے دُور کرتے ہیں۔ یعنی جب وہ اغواء شیطان اور شامت نفس سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں تو ان پر ندامت طاری ہوتی ہے اور وہ فوراً توبہ کرتے ہیں اور اس بُرائی کے تدارک اور تلافی کے لیے کوئی نیکی کرتے ہیں' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو' اور بُرائی کے بعد کوئی نیکی کرو جو اس بُرائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۴' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۷۸)

ابن زید نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شر کو خیر سے دور کرتے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا وہ بدی کو نیکی سے دور کرتے ہیں۔ ضحاک نے کہا وہ بے حیائی کی باتوں کو سلام کہہ کر دور کرتے ہیں۔ جویبر نے کہا وہ ظلم کو عفو کے ساتھ دور کرتے ہیں۔ ابن شجرہ نے کہا وہ گناہ کو توبہ کے ساتھ دور کرتے ہیں۔ قتبیی نے کہا وہ جہالت کی باتوں کو حلم اور حوصلہ کے ساتھ دور کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ جب وہ گناہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے رجوع کر کے استغفار کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شرک کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کے ساتھ دور کرتے ہیں۔ یہ آٹھ اقوال ہیں اور ان کے معنی متقارب ہیں' حسب ذیل

آیتوں میں ان کی تائید ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۖ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۖ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۶-۱۳۵)

اور جب وہ لوگ کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں، اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے! اور وہ عمداً اپنے کاموں پر اصرار نہ کریں○ ان لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک کام کرنے والوں کا کیسا اچھا صلہ ہے!

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود: ۱۱۴)

بے شک نیکیاں گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: دائمی جنتوں میں وہ خود (بھی) داخل ہوں گے، اور ان کے باپ دادا، اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیکوکار، اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے○ تم پر سلامتی ہو، کیونکہ تم نے صبر کیا پس آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے!○ (الرعد: ۲۳-۲۴)

جن صفات کی بناء پر جنت عطا کی جاتی ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی آٹھ صفات بیان فرمائی تھیں: (۱) جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پکے عہد کو نہیں توڑتے۔ (۲) جو رشتوں کو جوڑے رکھتے ہیں۔ (۳) اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (۴) سخت حساب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (۵) اپنے رب کی رضا کی طلب میں صبر کرتے ہیں۔ (۶) نماز قائم کرتے ہیں۔ (۷) ظاہر اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں۔ (۸) بُرائی کو اچھائی سے دُور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آٹھ صفات ذکر فرمائیں، پھر اس کے بعد فرمایا جو مسلمان ان آٹھ صفات کے ساتھ موصوف ہوں گے ان کی جزاء یہ ہے کہ (۱) اللہ تعالیٰ ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرمائے گا۔ (۲) ان کے باپ دادا، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں گے ان کو بھی دائمی جنتوں میں داخل فرمائے گا۔ (۳) فرشتے ہر دروازہ سے ان کو سلام کرتے ہوئے داخل ہوں گے۔ (۴) اور ان کے صبر کرنے کی تحسین فرمائیں گے۔

جنت الفردوس کو طلب کرنے کی دعا کرنی چاہیے

اس آیت میں نیک عمل کرنے والوں کے لیے جنت کی نوید کا ذکر ہے اور اس کے متعلق یہ حدیث بھی ہے: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان نے پانچ نمازیں پڑھیں اور بیت اللہ کا حج کیا اور رمضان کے روزے رکھے (مجھے پتا نہیں کہ آپ نے زکوٰۃ کا ذکر کیا تھا یا نہیں) اللہ کے ذمہ (کرم) پر یہ ہے کہ اس کو بخش دے، خواہ اس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا اس زمین میں ٹھہرا رہا ہو جس میں وہ پیدا ہوا تھا حضرت معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دوں؟ آپ نے فرمایا: لوگوں کو چھوڑ دو، اے معاذ! جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت ہے اور الفردوس سب سے بلند یا سب سے درمیانی جنت ہے، اسی سے جنت کے دریا نکلتے ہیں پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۷، ۲۹۰۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۳۳۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۱)

نیک اعمال کے بغیر نسب کا غیر مفید ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے: دائمی جنتوں میں وہ خود (بھی) داخل ہوں گے، اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیکو کار۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے اس طرح تصدیق کی جس طرح ان مسلمانوں نے تصدیق کی تھی خواہ اس کے عمل ان کی طرح نہ ہوں وہ بھی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ زجاج نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جب تک نیک اعمال نہ ہوں نسب سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا بلکہ کسی انسان کے باپ دادا، اس کی بیویوں اور اس کی اولاد نے اگر نیک اعمال نہ کیے ہوں تو وہ جنت میں نہیں داخل ہوں گے۔ علامہ واحدی نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا وہ صحیح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اطاعت گزار کی جزا میں اس کی اس خوشی کو بھی رکھا ہے کہ اس کے اہل اس کے ساتھ جنت میں داخل ہوں اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص نے نیک اعمال کیے اس کے اکرام کی وجہ سے اس کے اہل کو بھی جنت میں داخل کیا جائے گا اور اگر اس کے اہل اپنے نیک اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں تو اس میں اس اطاعت گزار کے اکرام کا کوئی دخل نہیں ہے اور اس کے ساتھ اس کے اہل کو جنت میں داخل کرنے کے وعدہ کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ جو شخص بھی نیک عمل کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ زجاج کی تقریر درست ہے، اور علامہ واحدی کی جو تقریر امام رازی نے نقل کی ہے اول تو وہ واحدی کی تفسیر الوسیط میں مذکور نہیں ہے، ثانیاً اگر یہ کہا جائے کہ خواہ اطاعت گزار کے اہل نے نیک عمل نہ کیے ہوں وہ پھر بھی اس اطاعت گزار کے اکرام کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو یہ اس آیت کی صریح نص کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ۔ (الرعد: ۲۳) — اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جس نے نیک عمل کیے ہوں۔

جنت میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ مجتمع ہونا بھی نعمت ہے

باقی رہا یہ کہ پھر اطاعت گزار کی کیا کرامت ہوئی، جب وہ اپنے ہی نیک اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے، اس کا جواب یہ ہے کہ اطاعت گزار کی کرامت یہ ہے کہ جنت میں اس کی اپنے اہل سے ملاقات ہو گی اور وہ سب مل کر رہیں گے اور اپنے ماں باپ، اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ مل کر جنت میں رہنا یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس ملاپ اور اجتماع سے اس اطاعت گزار کو بہت خوشی حاصل ہو گی اور اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی شخص کو اپنے نسب پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور نیک اعمال کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ دخول جنت کے لیے نیک اعمال ظاہری اور صوری طور پر سبب ہیں، جنت میں دخول کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

حافظ ابو عمر محمد بن یوسف بن عبد البر المالکی القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بھاری جسم کی تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے پاس بوڑھی ہوگئیں۔ آپ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا آپ مجھے طلاق نہ دیں، میرے معاملہ میں آپ کو مکمل اختیار ہے، میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ میرا حشر آپ کی ازواج میں ہو اور میں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی، اور میرا وہ ارادہ نہیں ہے جو عورتوں کا ارادہ ہوتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے نکاح میں برقرار رکھا حتیٰ کہ ان کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہوئی۔ وہ حضرت عمر بن الخطاب کے آخر زمانہ خلافت میں فوت ہوئی تھیں۔

(الاستیعاب ج ۴ ص ۳۲۲، رقم: ۳۴۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۱ ص ۱۹۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کسی شخص کا اپنے اہل کے ساتھ جنت میں مجتمع ہونا بھی اسکے حق میں بہت بڑی نعمت ہے۔

جنت میں مومنوں کو فرشتوں کے سلام کرنے کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور فرشتے ہر دروازہ سے ان کے پاس یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے ○ تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی مخلوق میں سب سے پہلے جنت میں فقراء مہاجرین داخل ہوں گے، جن کی وجہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے اور ان کی وجہ سے مصائب سے نجات ملتی ہے، ان میں سے کوئی شخص اس حال میں فوت ہوتا ہے کہ اس کی خواہش اس کے دل میں ہی رہ جاتی ہے وہ اس خواہش کو پورا نہیں کرپاتا، اللہ تعالیٰ جن فرشتوں سے چاہے گا فرمائے گا ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کرو، فرشتے کہیں گے اے ہمارے رب ہم تیرے آسمان کے رہنے والے ہیں اور تیری مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، کیا تو ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ ہم جاکر ان لوگوں کو سلام کریں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ میرے وہ بندے ہیں جو میری عبادت کرتے تھے اور میرے ساتھ بالکل شرک نہیں کرتے تھے، ان کی وجہ سے سرحدوں کی حفاظت ہوتی تھی، ان کی وجہ سے مصائب سے نجات ملتی تھی اور ان میں سے کوئی ایک شخص اس حال میں فوت ہوتا تھا کہ اس کی خواہش اس کے دل میں ہی ہوتی تھی، وہ اس خواہش کو پورا نہیں کرپاتا تھا، یہ سن کر فرشتے ان کے پاس ہر دروازہ سے جائیں گے اور کہیں گے تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۷۰، عالم الکتب)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مومن جنت میں اپنے تخت پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا ہوگا اور اس کے پاس اس کے خدام بیٹھے ہوئے ہوں گے پھر ایک فرشتہ اس سے اجازت لے کر اس کے پاس آئے گا اور اس کو سلام کرکے لوٹ جائے گا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۴۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

محمد بن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہداء کی قبروں پر جاتے تھے اور فرماتے تھے السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ "تم پر سلام ہو کیونکہ تم نے صبر کیا پس آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے!" حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان بھی ایسا کرتے تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۴۳۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۷۱۶)

مومنوں کے صبر کرنے کی متعدد تفاسیر

فرشتے جو کہیں گے کیونکہ تم نے صبر کیا اس کی کئی تفسیریں ہیں: (۱) سعید بن جبیر نے کہا تم نے اللہ کے احکام پر عمل

کرنے کی مشقت پر صبر کیا۔ (۲) حسن نے کہا تم نے دنیا کی فضول چیزوں پر صبر کیا۔ (۳) ابو عمران الجونی نے کہا تم نے فقر پر صبر کیا۔ (۴) نیز ابو عمران نے کہا تم نے دین کی مشکلات پر صبر کیا۔ (۵) ابن زید نے کہا تم نے اپنی محبوب چیزوں کے گم ہونے پر صبر کیا۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۳۲۵) (۶) تم نے لازماً اطاعت کرنے اور گناہوں سے اجتناب کرنے پر صبر کیا۔ (۷) تم نے اتباع شہوات پر صبر کیا۔

عبداللہ بن سلام اور علی بن الحسین رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا، صبر کرنے والے اٹھ کھڑے ہوں۔ پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے، ان سے کہا جائے گا جنت کی طرف جاؤ۔ ان کو راستے میں فرشتے ملیں گے اور کہیں گے کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے جنت کی طرف۔ فرشتے کہیں گے حساب سے پہلے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ فرشتے پوچھیں گے تم لوگ کون ہو؟ وہ کہیں گے ہم اہل صبر ہیں۔ فرشتے پوچھیں گے تم نے کس پر صبر کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہم نے اللہ کی عبادت کرنے پر صبر کیا اور ہم نے اللہ کی معصیت سے رکنے پر صبر کیا اور ہم نے آفتوں اور مصیبتوں پر صبر کیا، پھر فرشتے ان سے کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے، اور فرشتے کہیں گے تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا پس آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے، یعنی جنت دنیا کے مقابلہ میں کیسی اچھی ہے!

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۲۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اسے پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور ان رشتوں کو توڑتے ہیں جنہیں جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد کرتے ہیں ان ہی پر لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت میں) بُرا گھر ہے۔ (الرعد: ۲۵)

کفار کی صفات اور آخرت میں ان کی سزا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے نیک اور صالح مومنین کی صفات کا ذکر فرمایا تھا اور ان کو اللہ تعالیٰ آخرت میں جو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اس کا بیان فرمایا تھا اور چونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے، اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور فساق کی صفات کا ذکر فرمایا ہے اور ان کو آخرت میں جو عذاب دیا جائے گا اس کا بیان فرمایا ہے۔

مومنین صالحین کے متعلق فرمایا تھا وہ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرتے ہیں اور کفار کے متعلق فرمایا وہ اللہ سے کیے ہوئے پختہ وعدوں کو توڑتے ہیں، یعنی انہوں نے عالم میثاق میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اس کو توڑتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر جو دلائل قائم کیے ہیں ان میں غور و فکر نہیں کرتے اور انبیاء علیہم السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا جو پیغام پہنچایا اس کو غور سے نہیں سنتے اور مسترد کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو توڑ دیتے ہیں، یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں سے قطع تعلق کرتے ہیں، ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں سے حسن سلوک نہیں کرتے اور ان کے حقوق ادا نہیں کرتے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یعنی لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر ابھارتے ہیں، اور شرک اور بت پرستی کی دعوت دیتے ہیں، مسلمانوں کی جان اور مال پر ظلم کرتے ہیں اور ان کے خلاف جنگ کر کے ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان پر لعنت ہے یعنی دنیا اور آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور ہیں اور آخرت میں ان کا گھر جہنم ہے اور وہ بُرا گھر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا

ہے اور کافر دنیا کی زندگی سے بہت خوش ہیں اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں محض معمولی فائدہ ہے O (الرعد: ۲۶)

دنیا میں کافروں کی ترقی اور خوش حالی اور مسلمانوں کی پسماندگی اور تنگی کی وجوہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کفار جو اللہ سے کیے ہوئے عہود کو توڑتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں ان کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا اور وہ دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور ہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ کی رحمت سے دور ہیں تو پھر دنیا میں ان کو رزق کی تنگی اور سختیوں اور مصائب میں مبتلا ہونا چاہیے تھا حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان پر رزق بہت کشادہ ہے اور وہ بہت عیش و آرام میں ہیں' ان کو بہت زیادہ مادی ترقی حاصل ہے' امریکا اور کینیڈا میں ان کی غذائی ضرورت سے کئی گنا زیادہ گندم پیدا ہوتی ہے جس کو وہ دوسرے ملکوں کو فروخت کرتے ہیں اور فالتو گندم سمندر میں پھینک دیتے ہیں' ان کے ہاں ایٹمی بجلی گھر ہیں' وہ ہر قسم کا اسلحہ بناتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں۔ میڈیکل سائنس میں بھی وہ بہت ترقی یافتہ ہیں اور مہلک اور پیچیدہ امراض کے علاج کے لیے لوگ ان کے ملکوں کے ہسپتالوں میں جاتے ہیں' اس کے برخلاف مسلمان ممالک کے پاس اپنی ضرورت کے مطابق غلہ پیدا نہیں ہوتا' وہ ان سے غلہ خریدنے پر مجبور ہیں۔ یہی حال اسلحہ کا ہے اور یہی حال علاج معالجہ کا ہے' تمام مسلم ممالک امریکا' برطانیہ' فرانس' روس اور چین کے دست نگر اور محتاج ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) آج اگر کافر ممالک زراعت' صنعت و حرفت' دفاعی ساز و سامان' طب اور دیگر سائنسی علوم میں ترقی یافتہ ہیں اور مسلم ممالک پس ماندہ ہیں تو اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عقل اور کام کرنے کی صلاحیت زیادہ دی ہے اور مسلمانوں کو عقل اور استعداد کم دی ہے' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کافروں نے محنت اور جفاکشی کی اور علم کے حصول میں اپنی پوری توانائی صرف کر دی جبکہ مسلمان آرام طلب اور عیاش ہیں' اقبال نے بہت پہلے کہا تھا ۔

تیرے صوفے ہیں افرنگی تیرے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

آج ہمارے نوجوان دل لگا کر نہیں پڑھتے' نقل کر کے پاس ہوتے ہیں اور بعض اسلحہ کے زور پر نقل کرتے ہیں اور پاس ہوتے ہیں۔ وہ بھتے وصول کرتے ہیں اور ڈاکے ڈالتے ہیں۔ ان کا نصب العین سائنسی میدان میں قابلیت پیدا کرنا' کسی موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھنا نہیں ہے' وہ نت نئی رنگینیوں اور تیز سے تیز نشے میں اپنے آپ کو ڈبو دینے کو حاصل حیات سمجھتے ہیں۔ مسلمان ملکوں میں زرخیز اور قابل کاشت زمینوں کی کمی نہیں ہے' ہماری زمینیں بانجھ نہیں ہیں' اگر ہم محنت اور جفاکشی سے کام لیں تو ہمارے ہاں بھی اتنی گندم پیدا ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد فاضل گندم کو فروخت کر سکیں۔ کمی زمین کی نہیں ہے کمی جذبہ اور لگن کی ہے' محنت اور جفاکشی کی ہے اور تمام شعبہ ہائے حیات میں یہی حال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لیس للانسان الا ما سعی۔ (النجم: ۳۹) انسان کو وہی ثمر ملتا ہے جس کی وہ سعی اور جدوجہد کرتا ہے۔ چین ہمارے بعد آزاد ہوا تھا اور آج وہ دنیا کی پانچویں ایٹمی طاقت ہے' بھارت ہمارے ساتھ آزاد ہوا تھا آج وہ کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔ ۶۵ء کی جنگ میں اس کے اپنے بنائے ہوئے جنگی طیاروں نے حصہ لیا تھا' جن چیزوں کو بھارت برآمد کرتا ہے ہم ان کو بمشکل درآمد کر پاتے ہیں۔ مادی ترقی میں وہی ملک آگے نکلے گا جو اس کے لیے لگن اور محنت سے کوشش کرے گا سو کافروں نے اس میدان میں سنجیدہ کوشش کی وہ آگے نکل گئے اور مسلمانوں نے

کوشش نہیں کی وہ پیچھے رہ گئے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کافر اللہ کے نزدیک حق پر ہیں اور مسلمان باطل پر ہیں۔

(۲) کافروں کی دنیاوی ترقی اور مسلمانوں کی دنیاوی پسماندگی حقیقی کامیابی اور حقیقی ناکامی کا نمونہ اور معیار نہیں ہے، حقیقی کامیاب وہ لوگ ہیں جن کے عقائد صحیح ہوں اور ان کے اعمال نیک ہوں اور ان کے اخلاق عمدہ ہوں۔ سوال میں جن کافر ملکوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے باشندے عیسائی ہیں، چین اور روس کے باشندے دہریئے ہیں اور بھارت کے باشندے بت پرست ہیں۔ جس طرح ان کے عقائد مشرکانہ اور ملحدانہ ہیں اسی طرح ان کے اعمال اور اخلاق کا حال ہے، یہ ٹھیک ہے کہ وہ مادی طور پر بہت زیادہ ترقی یافتہ ہیں لیکن ان کی اخلاقی پستی کا یہ حال ہے کہ چرچ کے احتجاج کے باوجود ان کی پارلیمنٹ نے مردوں کی مردوں کے ساتھ اور عورتوں کی عورتوں کے ساتھ ہم جنس پرستی کو قانوناً جائز قرار دیا ہے، اگر چند سال مرد اور عورت اکٹھے رہیں تو ان کو قانوناً میاں بیوی قرار دیا جاتا ہے، جس طرح ہمارے ہاں کوئی شخص کثیر الاولاد ہوتا ہے اس طرح وہاں لوگ کثیر الولدیت ہوتے ہیں، ان کے ہاں بس کے اڈوں، پارکوں اور سڑکوں پر سرعام مرد اور عورت بوس و کنار میں مشغول ہوتے ہیں اور ساحلوں پر بے جھجک جنسی عمل میں مشغول ہوتے ہیں اور ناجائز بچوں کی پیدائش کا اوسط دن بدن ترقی پذیر رہتا ہے۔

(۳) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے کافروں کو دنیاوی مال مسلمانوں سے بہت زیادہ دیا ہے تاکہ انہیں ڈھیل دی جائے اور کفر کے علاوہ اس بے تحاشا مال و دولت کا شکر ادا نہ کرنے اور اس کو ناجائز مصارف میں خرچ کرنے کا انہیں مزید عذاب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ ○ نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ○ (المومنون: ۵۶-۵۵)

کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے ان کی جو مدد کر رہے ہیں ○ تو ہم ان کی نیکیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ بلکہ وہ شعور نہیں رکھتے ○

وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ○ وَاُمۡلِىۡ لَهُمۡ ؕ اِنَّ كَيۡدِىۡ مَتِيۡنٌ ○ (الاعراف: ۱۸۳-۱۸۲)

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم انہیں تدریجاً ہلاکت کی طرف لے جا رہے ہیں جس کا انہیں علم بھی نہ ہوگا ○ اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے ○

اور اس آیت (الرعد: ۲۶) میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے، اور کافر دنیا کی زندگی سے بہت خوش ہیں اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں محض معمولی فائدہ ہے۔

(۴) احادیث میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے، اس کے ٹھاٹھ باٹھ، زیب و زینت، اس کی شان و شوکت اور اس کے عیش و آرام کی خاطر اپنی جانوں کو گھلانا اور کھپانا نہیں چاہیے، یہ کافروں ہی کا حصہ ہے کیونکہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور مسلمانوں کو چونکہ آخرت میں دائمی نعمتیں ملیں گی اس لیے ان کو دنیا کی عارضی نعمتوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔

امام بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، اس میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے چوبارے (بالاخانہ) پر گئے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے نظر اٹھا کر آپ کے گھر میں

دیکھا پس اللہ کی قسم! میں نے اس میں صرف تین کچی کھالیں پڑی ہوئی دیکھیں، میں نے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ آپ کی امت کو وسعت عطا کرے، کیونکہ فارس اور روم پر بہت وسعت کی گئی ہے اور ان کو دنیا کا بہت ساز و سامان دیا گیا ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: اے ابن الخطاب! کیا تم اپنے دین کے متعلق شک میں ہو! یہ وہ قوم ہے جس کو اس کی پسندیدہ چیزیں دنیا کی زندگی میں دے دی گئی ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۶۸)

امام بخاری کی دوسری روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی بستر کے چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے سرہانے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں خشک گھاس بھری ہوئی تھی اور آپ کے پیروں کے پاس درخت سلم کے پتوں کا ڈھیر تھا اور آپ کے سر کی جانب کچی کھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ (حضرت عمر فرماتے ہیں) میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے۔ میں رونے لگا۔ آپ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! کسریٰ اور قیصر کس قدر عیش و آرام میں ہیں! اور آپ اللہ کے رسول ہیں! آپ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے ہوئے تھے جس کے نشانات آپ کے پہلو پر نقش ہو گئے تھے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے لیے بستر بنا دیں! آپ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا لینا ہے! میں دنیا میں صرف اس طرح ہوں جیسے کوئی مسافر ایک درخت کے سائے میں آرام کرے اور پھر اس کو چھوڑ کر اپنے سفر پر روانہ ہو جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۷، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۶۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۷، مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۹۸، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۳۰۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب نے مجھے یہ پیشکش کی کہ میرے لیے مکہ کی وادیوں کو سونے کا بنا دے۔ میں نے عرض کیا نہیں! اے میرے رب! لیکن میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا، جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے فریاد کروں گا اور تجھ کو یاد کروں گا، اور جب میں سیر ہوں گا تو تیرا شکر کروں گا اور تیری تعریف کروں گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷)

(۵) کافر جو دنیا میں بہت عیش و آرام اور جبر اور تکبر سے رہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں مسلمان بہت تنگی اور فقر اور عجز اور مسکینی سے رہتے ہیں، اس وجہ سے مسلمانوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ دنیا میں انہوں نے جو عیش و آرام اور جبر و تکبر سے وقت گزارا ہے، اس کے بدلہ میں انہیں آخرت میں عذاب برداشت کرنا پڑے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ.

جس دن کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا) تم اپنی دنیا کی زندگی میں اپنی پسندیدہ چیزوں کے مزے اٹھا چکے ہو اور ان کے فوائد حاصل کر چکے ہو سو آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور تم نافرمانی کرتے تھے۔

(الاحقاف: ۲۰)

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ امریکہ کا جبر اور تکبر بے انتہا ہے، وہ نیو ورلڈ آرڈر کے ذریعہ تمام دنیا پر حکومت کرنا چاہ رہا ہے، اقوامِ متحدہ اس کی مرضی اور خواہش کے تابع ہے، برطانیہ اور فرانس اس کے حلیف ہیں۔ اس نے ایک عرصہ تک لیبیا کی فضائی پروازوں پر پابندی لگائے رکھی، اب افغانستان کی فضائی پروازوں پر پابندی لگادی ہے۔ عراق کا اپنا تیل ہے لیکن اس نے اس کے فروخت کرنے پر پابندی لگادی۔ وہ پابندی لگادیتا ہے کہ فلاں ملک فلاں چیز نہ فروخت کرے اور فلاں ملک فلاں چیز نہ خریدے۔ وہ زمین میں ناحق تکبر کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کر رہا ہے، اور اس کا خمیازہ وہ آخرت میں بھگتے گا، اور دنیا میں بھی ان شاء اللہ اس کے غرور کا سر نیچا ہوگا کیونکہ ہر عروج کا ایک دن زوال ہوتا ہے۔ اب سے بیس سال پہلے روس بھی بدمست ہاتھی کی طرح تھا لیکن آج وہ معاشی طور پر منہدم ہو کر ٹوٹ پھوٹ چکا ہے۔ اس کے خزانے میں ملازمین کو تنخواہیں دینے کے لیے پیسے نہیں ہیں، اس کے پاس اسلحہ کا ڈھیر ہے لیکن روٹیوں کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ سو میں اس وقت ہوں یا نہ ہوں لیکن ان شاء اللہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ امریکہ کا سرِ غرور جھک چکا ہوگا۔

(۶) اس اشکال کے حل میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۴، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۳، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۳۶۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۷، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۸۰۳، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۵۰، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۸۸۹، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۰۴)

مسلمان برحق ہونے کے باوجود کیوں مسکینی اور پستی کا شکار ہیں اور کفار بدعقیدہ ہونے کے باوجود کیوں شان و شوکت سے رہتے ہیں، یہ اشکال اکثر مسلمانوں کو پریشان کرتا ہے، اس لیے میں نے عقلی دلائل سے بھی اس الجھن کا حل پیش کیا ہے اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے بھی اس اشکال کو دور کیا ہے، اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے (آمین!)

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ

اور کافر یہ کہتے ہیں کہ ان کے اوپر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی، آپ کہیے بیشک

اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا

اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے ○ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے

وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾

اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہیں، سنو! اللہ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں ○

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ﴿٢٩﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے طوبیٰ (خوش حالی) اور اچھا ٹھکانا ہے ○ (جس

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟
طرح ہم نے پہلی امتوں میں رسول بھیجے تھے) اسی طرح ہم نے آپ کو ایک اُمّت میں بھیجا ہے، اس اُمّت سے پہلے کئی امتیں گزر
عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ
چکی ہیں تاکہ آپ ان پر اس کتاب کی آیتیں تلاوت کریں جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں،
هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝۳۰ وَلَوْ
آپ کہیے وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے ○ اور اگر
اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ
کوئی ایسا قرآن ہوتا جس سے پہاڑ چلائے جاتے یا زمین کی مسافت (جلد) طے کی جاتی یا اس سے مردوں کے ساتھ
الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْـــــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ
باتیں کی جاتیں (تو وہ پھر بھی ایمان نہ لاتے) بلکہ تمام چیزیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، کیا پس ایمان والوں پر منکشف
لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا، اور کافروں کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے
تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى
ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب (مصیبت) آتی رہے گی حتیٰ کہ
يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۳۱ۧ
اللہ کا وعدہ آ جائے گا، بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافر یہ کہتے ہیں کہ ان کے اوپر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی، آپ کہئے بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے○ (الرعد: ۲۷)

اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے اور راس کے ہدایت دینے کے محامل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کہنے لگے: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو آپ ہمارے پاس کوئی زبردست معجزہ لے کر آئیں جس کا اعجاز بالکل ظاہر اور بدیہی ہو جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ

علیہم السلام کے معجزات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کا یہ جواب دیا کہ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے۔ اس جواب کی وضاحت حسب ذیل طریقوں سے ہے:

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے رسول کے صدق پر ایک معجزہ پیش کر دیا تو اب اور معجزات کو طلب کرنا جہل اور عناد ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ رسالت کے صدق پر بکثرت معجزات پیش کیے، لیکن گمراہی اور ہدایت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، ان معجزات کو دیکھنے کے باوجود بعض کفار گمراہی پر ڈٹے رہے اور ان ہی معجزات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بعض کافروں کو ہدایت دے دی، اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، اس کا یہ معنی ہے کہ جو کفار ضد اور عناد سے کام لیتے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اختیار کردہ گمراہی پر برقرار رکھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو لوگ ان معجزات اور آیات سے رہنمائی اور ہدایت حاصل کرنا چاہتے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا بلکہ جو لوگ حقیقت کی تلاش اور طلب ہدایت کے لیے ان معجزات میں غور و فکر کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان میں ہدایت پیدا کر دیتا تھا اور یہی اس آیت کا معنی ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے۔

(۳) جب کفار نے مزید آیات اور معجزات کا مطالبہ کیا تو گویا کہ ان سے کہا گیا کہ اور معجزات اور آیات کے نازل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ گمراہی اور ہدایت تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اگر بہت زیادہ معجزات نازل کیے جائیں اور پھر بھی ہدایت حاصل نہ ہو تو اس سے کیا فائدہ ہوگا اور اگر ایک معجزہ سے ہی ہدایت حاصل ہو جائے تو فائدہ حاصل ہو جائے گا اس لیے مزید آیات اور معجزات کے مطالبہ میں مشغول نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اور خضوع اور خشوع سے ہدایت کو طلب کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہیں، سنو! اللہ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں○ (الرعد: ۲۸)

اللہ کے ذکر سے دلوں کے مطمئن ہونے اور خوف زدہ ہونے کے درمیان تطبیق

اس آیت کا معنی ہے جن لوگوں کو اللہ ہدایت دیتا ہے ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہیں یعنی وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی آیات میں غور و فکر کرتے ہیں اور اپنی بصیرت سے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال کو پہچان لیتے ہیں۔ مجاہد نے کہا وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، اور اس کے حکم میں قیامت تک کے کامل مومن داخل ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سورۃ الانفال میں تو یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے ذکر سے مومنوں کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ (الانفال: ۲) وہی لوگ مومن ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جائیں۔

پس سورۃ الرعد میں فرمایا ہے اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں اور سورۃ الانفال میں فرمایا ہے کہ اللہ کے ذکر سے دل خوف زدہ ہوتے ہیں اور یہ کھلا ہوا تعارض ہے، اس تعارض کو حسب ذیل وجوہ سے دور کیا گیا ہے:

(۱) وہ جب قرآن مجید میں سزا کی وعید کی آیات پڑھتے ہیں تو ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں اور جب وہ اجر و ثواب کے وعدہ کی آیات پڑھتے ہیں تو ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

(۲) جب وہ اپنے ایمان کی کیفیت پر غور کرتے ہیں تو ان کا دل مطمئن ہوتا ہے اور جب وہ اپنی عبادات کی کیفیت پر غور کرتے ہیں تو ان کا دل خوف زدہ ہوتا ہے کہ ان کی عبادات کامل نہیں ہوں گی اور ان میں نقص ہوگا۔

(۳) جب وہ اللہ تعالیٰ کی صفات رحمت اور مغفرت میں غور کرتے ہیں تو ان کا دل مطمئن ہوتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی صفات قہر و غضب میں غور کرتے ہیں تو ان کا دل خوف زدہ ہوتا ہے۔

(۴) جب وہ اپنے گناہوں پر غور کرتے ہیں تو دل خوف زدہ ہوتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت پر غور کرتے ہیں تو دل مطمئن ہوتا ہے۔

مطمئن دلوں کے مصداق

امام ابوالشیخ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (جن کے دل مطمئن ہیں) صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے، اس کے رسول سے اور میرے اصحاب سے محبت رکھیں۔

امام ابن مردویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے، اس کے رسول سے اور میرے اہلِ بیت سے سچی محبت رکھیں اور مسلمانوں سے محبت رکھیں خواہ وہ حاضر ہوں یا غائب۔ سنو! اللہ کے ذکر کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں۔

(الدر المنثور ج ۴ ص ۶۴۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے طوبیٰ (خوش حالی) اور اچھا ٹھکانا ہے○ (الرعد: ۲۹)

طوبیٰ کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

طوبیٰ طیب کا مصدر ہے اور اس کا معنی مومنین کے لیے پاکیزہ زندگی ہے اور نعمت اور خیر اور سرور ہے اور ایک معنی یہ ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک سفر کرتا رہے گا اور حسن مآب کا معنی ہے عزت والا ٹھکانا۔

عتبہ بن عبد بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! کیا جنت میں پھل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے۔ الحدیث۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۷۹۴، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۱۴، المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۱۲۶، رقم الحدیث: ۳۱۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اس شخص کے لیے طوبیٰ (خوشی) ہو جس نے آپ کو دیکھا اور آپ پر ایمان لایا۔ آپ نے فرمایا اس کے لیے طوبیٰ ہو جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا، پھر طوبیٰ ہو، پھر طوبیٰ ہو، پھر طوبیٰ ہو اس کے لیے جو مجھ پر ایمان لایا حالانکہ اس نے مجھ کو نہیں دیکھا۔ ایک شخص نے پوچھا طوبیٰ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ایک درخت ہے، اس کی سو سال کی مسافت ہے اور اہل جنت کا لباس اس کے شگوفوں سے نکلتا ہے۔ الحدیث۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۱، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۷۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۸۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا اور اگر تم چاہو تو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو: وظل ممدود۔ (الواقعہ: ۳۰)

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (جس طرح ہم نے پہلی امتوں میں رسول بھیجے تھے) اسی طرح ہم نے آپ کو ایک امت میں بھیجا ہے' اس امت سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ ان پر اس کتاب کی آیتیں تلاوت کریں جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے' اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں' آپ کہئے وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے○ (الرعد: ۳۰)

رحمٰن کے انکار کا شانِ نزول

اس آیت میں فرمایا ہے: اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں' اس کے شانِ نزول میں متعدد روایات ہیں:

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تو قریش نے کہا الرحمٰن نہ لکھو' ہم نہیں جانتے کہ رحمٰن کیا چیز ہے اور ہم صرف باسمک اللھم لکھتے ہیں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں آپ کہئے وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۴۹۷' معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۴)

معروف یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ ابو جہل نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غار میں پکار رہے تھے یا اللہ یا رحمٰن' وہ مشرکین کے پاس گیا اور اس نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دو خداؤں کے پکارنے سے منع کرتے ہیں اور وہ خود دو خداؤں کو پکار رہے ہیں' ایک اللہ اور ایک رحمٰن' اور ہم رحمٰن یمامہ کے سوا اور کسی رحمٰن کو نہیں جانتے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ

آپ کہئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو' جس نام سے بھی پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

(الاسراء: ۱۱۰)

اور ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش سے کہا اسجدوا للرحمٰن رحمٰن کو سجدہ کرو تو انہوں نے کہا رحمٰن کیا چیز ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کہئے کہ وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۴' زاد المسیر ج ۴ ص ۳۲۹' تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۲-۴۱' الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۷۸-۲۷۷)

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر اس نام سے پکارنا جائز ہے جو کسی بھی لغت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے وضع کیا گیا ہو مثلاً عربی میں اللہ' فارسی میں خدا اور ترکی میں تنگری' اور اس کی صفات پر صرف ان ہی اسماء کا اطلاق جائز ہے جو اسماء قرآن مجید اور احادیث میں آچکے ہیں۔ بعض لوگ اللہ میاں بولتے اور لکھتے ہیں' یہ جائز نہیں ہے کیونکہ میاں کا لفظ قرآن اور حدیث میں وارد نہیں ہے علاوہ ازیں اس میں تنقیص کا معنی بھی ہے۔ میاں شوہر کو اور بوڑھے آدمی کو کہتے ہیں' ان کے علاوہ اس کے اور بھی کئی ایسے معنی ہیں جن میں نقص ہے اور ہر وہ لفظ جس میں نقص کا شائبہ ہو اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہیں ہے' اس کی مکمل تحقیق ہم نے الاعراف: ۱۸۰ اور شرح صحیح مسلم جلد سابع میں کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس سے پہاڑ چلائے جاتے یا زمین کی مسافت (جلد) طے کی جاتی یا اس سے مُردوں کے ساتھ باتیں کی جاتیں (تو وہ پھر بھی ایمان نہ لاتے) بلکہ تمام چیزیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں' کیا پس ایمان

والوں پر یہ منکشف نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا اور کافروں کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب مصیبت آتی رہے گی، حتیٰ کہ اللہ کا وعدہ آجائے گا، بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا○ (الرعد: ۳۱)

کفار کے فرمائشی معجزات اس لیے نہیں دیئے گئے کہ اللہ کے علم میں وہ ایمان لانے والے نہ تھے

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ کعبہ کے پیچھے مشرکین مکہ بیٹھے ہوئے تھے، ان میں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا، آپ تشریف لے آئے۔ عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ مکہ کے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے کھسکا کر دُور دُور کر دیں حتیٰ کہ ہماری زمین کشادہ ہو جائے، یہ زمین بہت تنگ ہے، اور ہمارے لیے اس زمین میں چشمے اور دریا بنا دیں تاکہ ہم اس زمین میں فصل اگائیں اور باغ لگائیں۔ آپ کا مرتبہ آپ کے رب کے نزدیک حضرت داؤد سے کم تو نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بھی تو پہاڑ مسخر کر دیئے تھے اور وہ ان کے ساتھ چلتے تھے، اور ہمارے لیے ہوا کو مسخر کر دیجئے تاکہ ہم اس پر سوار ہو کر ملک شام میں جائیں اور اپنی ضروریات پوری کریں، پھر اسی دن ہم ہوا کے دوش پر سفر کرتے ہوئے واپس آجائیں، آخر آپ کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی تو مسخر کر دیا تھا اور آپ کا مرتبہ آپ کے رب کے نزدیک حضرت سلیمان علیہ السلام سے کم تو نہیں ہے، اور آپ ہمارے لیے اپنے دادا قصی کو زندہ کر دیجئے یا ہمارے مُردوں میں سے کسی اور کو زندہ کر دیجئے، ہم اس سے یہ تحقیق کریں گے کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے یا باطل، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے اور آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کم تو نہیں ہے! تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ سب چیزیں اللہ کے اختیار میں ہیں لیکن اگر ان کی یہ فرمائش پوری کر دی جاتی تو یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۷۸، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۲، جامع البیان جز ۱۳ ص ۲۰۰، البحر المحیط ج ۶ ص ۳۸۸)

اس اشکال کا جواب کہ مومنین اللہ کی قدرت سے مایوس تو نہ تھے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

افلم یایئس الذین امنوا ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعا۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: کیا پس ایمان والے اس سے مایوس نہیں ہوئے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دیتا؟ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مایوس نہیں تھے بلکہ ان کو یقین تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا کہ کیا پس ایمان والے اس سے مایوس نہیں ہوئے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان والے اس سے مایوس تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دے دے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت سے مایوس ہونا کفر ہے اور اس آیت میں اس کفریہ معنی کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے مومنین کی طرف کی گئی ہے۔ مفسرین کرام نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ افلم یایئس کا معنی افلم یعلم یا افلم یتبین ہے یعنی کیا مومنوں کو یہ علم نہیں ہوا یا ان پر یہ واضح اور منکشف نہیں ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دے دے گا، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ افلم ییئس کی ایک قرأت افلم یتبین ہے اور حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد، ابو مالک اور مقاتل وغیرہم نے اس لفظ کو اسی طرح پڑھا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ النخع کی لغت میں ییئس کا معنی یعلم ہے یعنی کیا پس انہوں نے نہیں جانا الخ۔ ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی

طرح روایت کیا ہے اور حسن بصری، قتادہ، ابن زید اور ابن قتیبہ کا یہی قول ہے۔ قاضی بیضاوی اور بعض دیگر مفسرین نے اس اشکال کا یہ جواب بھی ذکر کیا ہے کہ علم سبب ہے اور مایوسی مسبب ہے۔ جب مسلمانوں کو یہ علم ہوگا کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو ہدایت دے سکتا ہے تب ہی وہ ان کافروں کے ایمان لانے سے مایوس ہوں گے سو اس آیت میں ذکر مسبب کا ہے اور اس سے مراد سبب ہے اور مایوسی سے مراد علم ہے یعنی کیا پس مسلمانوں کو یہ علم نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دے دے گا۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ، علامہ ابو الحسن الماوردی المتوفی ٤٥٠ھ، علامہ الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ٥١٦ھ، علامہ عبد الرحمن بن علی الجوزی المتوفی ٥٩٧ھ، امام فخر الدین رازی متوفی ٦٠٦ھ، علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ٦٦٨ھ، قاضی بیضاوی متوفی ٦٨٥ھ، علامہ نظام الدین نیشاپوری متوفی ٧٢٨ھ، علامہ ابو الحیان اندلسی متوفی ٧٥٤ھ، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ، علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ١٠٦٩ھ، علامہ محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ اور تقریباً تمام معتمد مفسرین نے ان جوابات کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے اختصار کی وجہ سے چند مفسرین کے اسماء ذکر کیے ہیں، ان کی کتابوں کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(جامع البیان جز ١٣ ص ٢٠٠، النکت والعیون ج ٣ ص ١١٢، معالم التنزیل ج ٣ ص ١٥، زاد المسیر ج ٤ ص ٣٣١، تفسیر کبیر ج ٧ ص ٤٢، الجامع لاحکام القرآن جز ٩ ص ٢٧٩، انوار التنزیل ج ٣ ص ٣٣٠، غرائب القرآن ج ٤ ص ١٦١، البحر المحیط ج ٦ ص ٣٨٩، الدر المنثور ج ٤ ص ٦٥١، عنایت القاضی ج ٥ ص ٢١٨، روح المعانی جز ١٣ ص ٢٢٣)

ییئس کا ترجمہ علم اور اطمینان کے ساتھ کرنے والے علماء

اس آیت کے ترجمہ میں اکثر مترجمین نے افلم ییئس کا ترجمہ علم اور اطمینان کیا ہے اور بعض مترجمین نے افلم ییئس کا ترجمہ مایوسی ہی کیا ہے، جن علماء نے اس کا ترجمہ علم اور اطمینان کیا ہے وہ یہ ہیں:

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی متوفی ٦٩١ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

آیا پس ندانستند آنانکہ گرویدند آنرا کہ اگر خواہد خدائے ہر آئنہ رہ نماید مرداں راہمہ را۔ الخ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ١١٧٦ھ لکھتے ہیں:

آیا ندانستہ اند مسلمانان کہ اگر خواستی خدا راہ نمودے مرداں راہمہ یکجا۔ الخ۔

شاہ عبد القادر متوفی ١٢٣٠ھ لکھتے ہیں:

کیا خاطر جمع نہیں ایمان والوں کو اس پر کہ اگر چاہے اللہ راہ پر لادے سب لوگ۔

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ١٤١٨ھ لکھتے ہیں:

کیا نہیں جانتے ایمان والے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔

اور ہم نے اس آیت کا اس طرح ترجمہ کیا ہے:

کیا پس ایمان والوں پر منکشف نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔

ییئس کا ترجمہ ناامیدی کرنے والے علماء

اور جن علماء نے ییئس کا ترجمہ مایوسی کیا ہے ان کے تراجم اس طرح ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی متوفی ١٣٤٠ھ لکھتے ہیں:

تو کیا مسلمان اس سے ناامید نہ ہوئے کہ اللہ چاہتا تو سب آدمیوں کو ہدایت کر دیتا۔

محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی متوفی ۱۹۶۱ء لکھتے ہیں:
تو کیا ناامید نہ ہوئے جو ایمان لا چکے اس بات سے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو راہ دے دیتا۔
غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:
تو کیا مسلمان اس بات سے ناامید نہ ہوئے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کر دیتا۔

بعض عصاۃ مومنین کا آیات وعید کے عموم سے مخصوص ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور کافروں کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب مصیبت آتی رہے گی۔ آیت کے اس حصہ کے حسب ذیل دو محمل ہیں:

(۱) کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو عداوت رکھتے تھے، آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور بُرے اعمال کرتے تھے اس کی وجہ سے آئے دن ان پر آفتیں اور مصائب آتے رہتے تھے اور ان کی جان، مال اور اولاد کا نقصان ہوتا رہتا تھا یا عنقریب ان پر مصائب آئیں گے جن سے یہ خوف اور دہشت میں مبتلا ہوں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آ جائے گا اس سے مراد ان کی موت ہے یا قیامت ہے۔

(۲) کفار مکہ ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی کا سلوک کرتے رہتے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے رہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام کے لیے مکہ کے گرد و نواح لشکر بھیجتے رہتے تھے، اور ان کے گھروں کے قریب مسلمانوں کے لشکر حملہ کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا وقت آ جائے گا اور آپ مکہ فتح کرلیں گے، اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح مکہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا، اس سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو ڈھارس اور تسلی دینی ہے اور آپ کے دل سے غم کا ازالہ کرنا ہے۔

بعض علماء نے ان آیات سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اور وعید کے خلاف نہیں کرتا خواہ وہ وعید کفار سے متعلق ہو یا فساق مومنین سے۔ اس سے لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ نے فساق مومنین کو عذاب کی جو وعید سنائی ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف نہیں کرے گا اور گناہ کبیرہ کے مرتکبین سے عذاب ساقط نہیں ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض مسلمان گناہ گاروں سے عذاب ساقط کر دے گا اور اس آیت کے عموم سے وہ مخصوص ہیں اور اس تخصیص پر وہ آیات دلیل ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کو معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ

اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا (بھی) مذاق اڑایا گیا، پس میں نے کافروں کو

كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ

ڈھیل دی، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا سو کیسا تھا میرا عذاب ○ کیا جو ہر شخص کے

عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ

اعمال کا نگران ہے (وہ بتوں کی مانند ہو سکتا ہے؟) اور لوگوں نے (اس کے باوجود) اللہ کے شریک بنا لیے، آپ

أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ

کہیے تم ان کے نام تو بتاؤ، یا تم اس کو ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا یا یونہی بے سروپا بات کر رہے ہو؟

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ؕ

بلکہ کافروں کے لیے ان کا فریب خوب صورت بنا دیا گیا اور ان کو راہ حق سے روک دیا گیا

وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَّهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ

اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے ○ ان کے لیے دنیا کی زندگی

الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴿۳۴﴾

میں عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ دشوار ہے اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے ○

مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ

متقین سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے سے دریا بہتے ہیں،

أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ۚ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوا ۖ وَّعُقْبَى

اس کا پھل اور اس کا سایہ ہمیشہ رہے گا، یہ متقین کا انجام ہے اور کافروں کا

الْكَافِرِينَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا

انجام دوزخ ہے ○ اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو

أُنزِلَ إِلَيْكَ ۖ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَن يُنكِرُ بَعْضَهُ ۚ قُلْ إِنَّمَا

آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور ان گروہوں میں سے بعض وہ ہیں جو اس (نازل شدہ) کے بعض کا انکار کرتے ہیں،

أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ۚ إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ

آپ کہیے کہ مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلاتا

مَآبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم

ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے ○ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو نازل کیا ہے جو عربی زبان میں دستور ہے اور اگر آپ

بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ

(بھی) اس علم کے آنے کے بعد (بالفرض) ان کی خواہشوں کی پیروی کریں گے تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی مددگار

وَّلَا وَاقٍ ﴿٣٧﴾ ع

ہو گا نہ بچانے والا ۝

ع ۵ | ۱۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا (بھی) مذاق اڑایا گیا، پس میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا سو کیسا تھا میرا عذاب! ۝ (الرعد: ۳۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

مشرکین مکہ نے بطور استہزاء اور تمسخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان معجزات کو طلب کیا تھا، ان کا یہ استہزاء آپ پر بہت دشوار گزرا تھا، اور آپ کو ان باتوں سے بہت تکلیف اور اذیت پہنچی تھی، تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ آپ اپنی قوم کے اس جاہلانہ مطالبہ پر صبر کریں، اس لیے فرمایا باقی انبیاء علیہم السلام کا بھی ان کی قوموں نے اسی طرح مذاق اڑایا تھا جس طرح آپ کی قوم نے آپ کا مذاق اڑایا ہے، پھر میں نے ان کو ڈھیل دی یعنی ان پر اپنے عذاب کو موخر کر دیا پھر میں نے ان کو اچانک اپنی گرفت میں لے لیا، یعنی میں نے جس طرح پچھلی امتوں سے انتقام لیا تھا ان سے بھی انتقام لوں گا، پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کا رد کرنے کے لیے اور ان کو زجر و توبیخ کرنے کے لیے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے (وہ بتوں کی مانند ہو سکتا ہے!) اور لوگوں نے (اس کے باوجود) اللہ کے شریک بنا لیے، آپ کہیے کہ تم ان کے نام تو بتاؤ یا تم اس کو ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا یا یونہی بے سروپا بات کر رہے ہو، بلکہ کافروں کے لیے ان کا فریب خوب صورت بنا دیا گیا، اور ان کو راہ حق سے روک دیا گیا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے ۝ (الرعد: ۳۳)

مشرکین کے خود ساختہ شرکاء کا رد

فرمایا کیا جو ہر نفس کے کیے ہوئے کاموں پر قائم ہے، اس قائم سے وہ معنی مراد نہیں ہے جو قاعد کی ضد ہوتا ہے یعنی کھڑا ہو جو بیٹھا ہوا نہ ہو بلکہ اس سے مراد ہے جو مخلوق کے تمام کاموں کا متولی ہے، ان کو پیدا کرتا ہے، ان کو رزق دیتا ہے، ان کی حفاظت کرتا ہے اور ان کو ان کے کاموں کی جزا اور سزا دیتا ہے، یعنی وہ تمام ممکنات پر قادر ہے اور تمام معلومات کا عالم ہے، لہٰذا وہ تمام انسانوں کے احوال کا جاننے والا ہے اور ان کے تمام مطالب کی تکمیل پر قادر ہے، وہ دنیا میں ان کو نفع پہنچانے اور ان سے ضرر کو دور کرنے پر قادر ہے اور آخرت میں اطاعت گزاروں کو ثواب عطا کرنے اور نافرمانوں کو عذاب دینے پر قادر ہے اور یہی معنی ہے اس آیت کا کہ کیا جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے، کیا اس کی مثل اور کوئی ہو سکتا ہے اور کیا یہ بت جو کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں یہ اس کی مثل ہو سکتے ہیں جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے اور جو ہر شخص کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہے!

اس کے بعد فرمایا اور لوگوں نے (اس کے باوجود) اللہ کے شریک بنا لیے! یعنی جس کی یہ صفت ہے کہ جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے انہوں نے اس کی وحدانیت کو نہیں مانا اور اس کی تعظیم اور تکریم اور اس کی عبادت نہیں کی اور اس کے

شریک قرار دیے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے خود ساختہ شرکاء کے متعلق فرمایا ان کے نام تو بتاؤ' یعنی یہ اس قدر حقیر اور بے مایہ ہیں کہ یہ اس لائق نہیں کہ ان کا نام لیا جائے یا ان کا کوئی نام رکھا جائے' اور اگر وہ یہ کہیں کہ ان شرکاء کے نام لات' منات' عزیٰ اور ہبل ہیں تو فرمایا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا' اور زمین کی قید اس لیے لگائی ہے کہ مشرکین لات اور منات وغیرہ کو صرف زمین میں خدا کا شریک مانتے تھے اور جس چیز کے زمین میں ہونے کو اللہ تعالیٰ نہ جانتا ہو وہ زمین میں ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ جو چیز بھی زمین میں ہے اس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے' اور جب اللہ تعالیٰ کو ان کے ہونے کا علم نہیں ہے تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ زمین میں ان شرکاء کا کوئی وجود نہیں ہے۔

جب اللہ نے کافروں کو گمراہ کر دیا پھر ان کی مذمت کیوں کی جاتی ہے؟

اس کے بعد فرمایا بلکہ کافروں کے لیے ان کا فریب خوب صورت بنا دیا گیا' اور ان کو راہ حق سے روک دیا گیا' اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔

کافروں کے مکر و فریب سے مراد ان کا کفر ہے' شیطان نے ان کے لیے ان کے کفر کو مزین کر دیا تھا' یا کافر ایک دوسرے کے سامنے کفر کی تعریف اور تحسین کرتے تھے' یا وہ خود اپنے کفر کو اچھا اور قابل تعریف جانتے تھے کیونکہ ان کا کفر ان کے باپ دادا کی تقلید پر مبنی تھا' ان کو راہ حق سے روکنے والی ان کی یہی باپ دادا کی تقلید تھی' نیز وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر گردانتے تھے اور اپنے جیسے ایک شخص کو اپنا رہنما اور مقتدا ماننا ان کے لیے باعث عار تھا' اور ان کا یہی تکبر ان کو راہ حق سے روکنے والا تھا' اور چونکہ انہوں نے اپنے لیے گمراہی کا راستہ اختیار کیا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں گمراہی کو پیدا کر دیا' اس لیے فرمایا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے' ہماری اس تقریر سے یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ جب اللہ نے ہی ان کو گمراہ کر دیا پھر ان کی دنیا میں کیوں مذمت کی جا رہی ہے اور آخرت میں ان کو کیوں عذاب ہوگا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ دشوار ہے' اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے○ (الرعد: ۳۴)

کافروں کے مصائب اور مسلمانوں کے مصائب کا فرق

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے جرائم کو بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں ان جرائم کی سزا کو بیان فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان کو دنیا میں بھی عذاب ہوگا اور آخرت میں بھی عذاب ہوگا۔ دنیاوی عذاب یہ ہے کہ ان کے خلاف جہاد کیا جائے گا اور ان کو قتل کیا جائے گا اور ان کو قید کیا جائے گا اور میدان جنگ میں ان کا مال و متاع اور جنگی ساز و سامان ضبط کر لیا جائے گا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ ان پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ بھی ان کی سزا ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دنیا میں تو مسلمانوں پر بھی مصائب آتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ گناہ گاروں پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں' اور نیکو کاروں پر جو مصائب آتے ہیں اور وہ ان پر صبر کرتے ہیں تو وہ ان کے درجات کی بلندی کا سبب ہوتے ہیں اور صبر کرنے کی وجہ سے ان کو بے حد و حساب اجر و ثواب ملتا ہے' اس کے برخلاف کفار پر جو دنیا میں مصائب آتے ہیں وہ ان کے حق میں سزا کے سوا اور کچھ نہیں' اور آخرت میں جو ان کو عذاب ہوگا وہ زیادہ سخت اور زیادہ دشوار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: متقین سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' اس کا پھل اور اس کا سایہ ہمیشہ رہے گا یہ متقین کا انجام ہے اور کافروں کا انجام دوزخ ہے○ (الرعد: ۳۵)

جنت کی صفات

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ کافروں کا انجام ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کے انجام کا ذکر فرماتا ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے انجام کا ذکر فرمایا تھا' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اخروی انجام کا ذکر فرمایا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: (۱) جنت کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔ (۲) جنت کے پھل دائمی ہیں۔ دنیا کے باغات کے پھل' پتے اور منافع عارضی ہوتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں اور آخرت کے باغات کے پھل اور منافع فنا نہیں ہوتے۔ (۳) جنت کا سایہ بھی دائمی ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ جنت میں گرمی ہوگی نہ سردی ہوگی' نہ وہاں سورج اور چاند ہوں گے اور نہ وہاں اندھیرا ہوگا۔

مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا○ (الدھر: ۱۳)

وہ اس جنت میں اونچے تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے' وہ جنت میں نہ دھوپ کی گرمی محسوس کریں گے نہ سردیوں کی ٹھنڈک○

جنت نہ بنائے جانے کے متعلق معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات

جنت کے متعلق معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اس وقت تو آسمانوں میں بہت سی جنات ہیں' جن میں فرشتے رہتے ہیں اور جو انبیاء علیہم السلام ابھی تک زندہ ہیں جیسے حضرت عیسیٰ' حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہم السلام وہ بھی ان جنتوں میں ہیں لیکن جو جنت اللہ تعالیٰ نے جزا اور سزا کے لیے بنائی ہے جس میں دوام اور خلود ہوگا وہ جنت ابھی نہیں بنائی گئی' وہ جنت اس وقت بنائی جائے گی جب اس کی ضرورت ہوگی اور وہ قیامت اور حشر اجساد کے بعد بنائی جائے گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ جنت اس وقت موجود ہو تو قرآن مجید کی آیات میں تعارض لازم آئے گا کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جنت کے پھل اور اس کا سایہ دائمی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جنت فنا نہیں ہوگی حالانکہ قرآن مجید کی دوسری آیات کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فنا ہوگی اور ہر چیز میں جنت بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۚ (القصص: ۸۸)

اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

ان کی اس دلیل کے دو جواب ہیں: ایک جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے عموم سے جنت مستثنیٰ ہے یعنی جنت کے سوا ہر چیز ہلاک ہو جائے گی اور اس استثناء کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ متقین کے لیے بنائی جا چکی ہے:

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ (آل عمران: ۱۳۳)

اور ایسی جنت جس کی پہنائی تمام آسمان اور زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اور ایسی بہت آیات ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت کے پھل دائمی ہونے کا معنی یہ ہے کہ ہر مشخص پھل دائمی ہے' کیونکہ جب جنتی ایک پھل توڑ کر کھالے گا تو وہ مشخص پھل باقی نہیں رہے گا' اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا لہذا جنت کے پھلوں کے دوام کا

معنی یہ ہے کہ ان پھلوں کی نوع دائمی رہے گی اور مشخص پھل فنا ہوتے رہیں گے اور اب ان آیات میں تطبیق واضح ہے'
اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہوگی اور ان مشخص پھلوں پر فنا اور ہلاکت طاری ہوگی اور ان کی نوع کو دوام رہے گا' تیسرا
جواب یہ ہے کہ ہلاکت اور فنا میں فرق ہے' کسی چیز کی افادیت باقی نہ رہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ چیز ہلاک ہوگئی- ہلاکت کا یہ معنی
نہیں ہے کہ وہ چیز فنا ہو جائے یا معدوم ہو جائے اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ جنت فنا نہ ہو اور وہ ہلاک ہو جائے اور اس کا چوتھا
جواب یہ ہے کہ دوام کی دو قسمیں ہیں: دوام ثبات اور دوام تجدد ی- دوام ثبات کا معنی یہ ہے اس میں بالکل فنا نہ ہو اور ایک
آن کے لیے بھی وہ منقطع نہ ہو اور اس طرح کا دوام صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے لیے ہے' اور دوام
تجددی یہ ہے کہ کسی چیز میں وقفہ وقفہ سے انقطاع کے آثار ہے لیکن وہ چیز دائمی ہو مثلاً ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے
یا ہمیشہ نماز پڑھتا ہے حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ ہر وقت نماز پڑھتا ہے نہ سچ بولتا ہے کیونکہ بعض اوقات تو وہ سویا ہوا ہوتا ہے'
سو یہ دوام تجددی ہے اور وقفہ وقفہ سے انقطاع اس دوام کے منافی نہیں ہے' سو جب قیامت قائم ہوگی تو ایک آن کے لیے
جنت فنا ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کو پھر پیدا کر دے گا اور ایک آن کا انقطاع جنت کے دوام تجددی کے منافی نہیں ہے-

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا
ہے' اور ان گروہوں میں سے بعض وہ ہیں جو اس (نازل شدہ) کے بعض کا انکار کرتے ہیں' آپ کہئے کہ مجھے صرف یہ حکم دیا
گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں' میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف
مجھے لوٹنا ہے○ (الرعد: ۳۶)

مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کا نزول قرآن سے خوش ہونا

اس آیت میں جو فرمایا ہے: اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی- اس آیت میں کتاب کی دو تفسیریں ہیں: ایک تفسیر یہ
ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے' دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس کتاب سے مراد تورات اور انجیل ہے-

اگر اس سے مراد مسلمان ہوں تو وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ توحید'
رسالت' قصص' احکام' تقدیر' قیامت اور جزا اور سزا سے متعلق جو آیات نازل ہوتی ہیں وہ ان پر ایمان لاتے ہیں اور زیادہ
سے زیادہ احکام پر عمل کر کے نیکیاں کماتے ہیں- (جامع البیان جز ۱۳ ص ۲۱۴ رقم الحدیث: ۱۵۵۱۷)

اور اگر اس کتاب سے مراد تورات اور انجیل ہو تو اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان
لائے مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہما اور وہ لوگ مراد ہیں جو نصاریٰ میں سے مسلمان ہو گئے
اور وہ اسی (۸۰) سے کچھ زائد افراد تھے' چالیس (۴۰) شخص نجران کے تھے' آٹھ (۸) یمن کے اور بتیس (۳۲) حبشہ کے تھے-
یہ لوگ قرآن مجید سے خوش ہوئے' کیونکہ یہ لوگ قرآن مجید پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے قرآن مجید کی تصدیق کی تھی'
اور یہ جو فرمایا ہے اور ان گروہوں میں سے بعض وہ ہیں جو اس (نازل شدہ) کے بعض کا انکار کرتے ہیں' اس سے مراد
مشرکین ہیں-

اور دوسرا قول یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے اس سے مراد یہود ہیں جن کو تورات دی گئی اور نصاریٰ
ہیں جن کو انجیل دی گئی' اس قرآن میں جو آیات نازل کی گئی ہیں اس سے وہ خوش ہوتے ہیں کیونکہ یہ قرآن تورات اور
انجیل کا مصدق ہے' اور گروہوں سے مراد باقی کفار ہیں جو قرآن مجید کی بعض آیات کا انکار کرتے ہیں-

انبیاء علیہم السلام کا امر اور نہی سے مکلف ہونا اور عصمت کی تعریف

نیز فرمایا: آپ کہئے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جو احکام دیئے گئے ہیں اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے، ان تمام اوامر و نواہی کو بجالانا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور عبادت انتہائی تعظیم کا نام ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی انتہائی تعظیم کرنے کا مکلف ہے، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی وقت شرح صدر سے ہو سکتی ہے جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو، اور معرفت اس وقت ہو سکتی ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو دلائل سے جانے، اس سے معلوم ہوا کہ بندہ اس کا مکلف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم دلائل سے حاصل کرے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا مکلف ہے، اس آیت میں چونکہ خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا ہے کہ آپ کہئے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں صرف اللہ کی عبادت کروں اس لیے آپ اللہ کے اوامر اور نواہی کے مکلف ہیں، اور بعض سفہاء نے یہ لکھا ہے کہ انبیاء کرام وملائکہ کسی گناہ پر قادر نہیں اسی لیے یہ حضرات بابرکات نہی میں مکلف نہیں اور کسی نہی کے خطاب میں داخل نہیں، ہاں البتہ امر میں مکلف ہیں یعنی ان پاک و منزہ ہستیوں سے یہ تو کہا جاتا ہے کہ یہ کرو، یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ مت کرو۔ (العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ص ۳۶۳)

اس سفیہ نے انبیاء علیہم السلام کو نہی کا مکلف اس لیے نہیں مانا کہ تکلیف میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اگر یہ مان لیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو گناہوں سے منع کیا گیا ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ گناہ مت کرو تو ان کے لیے گناہ کرنا ممکن ہوگا اور اس کے نزدیک انبیاء کا گناہ کرنا ممکن ہی نہیں ورنہ وہ معصوم نہیں رہیں گے اس لیے اس نے کہا انبیاء علیہم السلام نہی کے مکلف نہیں ہیں امر کے مکلف ہیں، مگر اس سفیہ نے اس پر غور نہیں کیا کہ جب اس نے انبیاء علیہم السلام کو امر کا مکلف مان لیا تو اس سے لازم آیا کہ انہیں اس امر پر عمل کرنے کا اختیار ہے، امر پر عمل کریں یا نہ کریں اور امر پر عمل نہ کرنا گناہ ہے اور امر پر عمل نہ کرنے کی قدرت گناہ پر قدرت ہے تو اس کے زعم کے مطابق انبیاء علیہم السلام کو امر کا مکلف ماننے سے بھی وہ معصوم نہیں رہتے اور یہ خرابی اس لیے لازم آئی کہ اس نے یہ سمجھا ہے کہ عصمت کا معنی ہے گناہ پر قدرت نہ ہونا، حالانکہ عصمت کا معنی یہ ہے:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

'عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی گناہ پر قدرت اور اس کے اختیار کے باوجود اس میں گناہ پیدا نہ کرے اور متکلمین کے اس قول کا بھی یہی معنی ہے۔ عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو نیک کام پر ابھارتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے، باوجود اختیار کی بقاء کے تاکہ مکلف ہونے کا معنی پایا جائے، اس لیے شیخ ابو منصور ماتریدی نے کہا عصمت مکلف ہونے کو زائل نہیں کرتی، اور اس تحقیق سے ان لوگوں کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جنہوں نے کہا عصمت شخص کے نفس میں یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کے سبب سے اس سے گناہ کا صدور محال ہو جاتا ہے اور یہ قول کیوں نہ فاسد ہو گا، کیونکہ اگر بندہ سے گناہ کا صدور ممتنع ہو تو اس کو گناہ کے ترک کا مکلف کرنا صحیح نہ ہوگا اور نہ اس کو گناہ کے ترک پر ثواب ہو گا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۱۱ مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو نازل کیا ہے جو عربی زبان میں دستور ہے، اور اگر آپ (بھی) اس علم کے آنے کے بعد (بالفرض) ان کی خواہشوں کی پیروی کریں گے تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا

نہ بچانے والا۔ (الرعد: ۳۷)

قرآن مجید کو حکم عربی فرمانے کی وجہ اور اس کا قدیم ہونا

بعض مشرکین کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ قرآن مجید عربی میں کیوں نازل کیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو زائل فرمایا کہ اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں اور صحائف نازل کیے گئے وہ ان کی زبانوں میں تھے اس لیے فرمایا اس لیے ہم نے آپ پر عربی زبان میں حکم نازل فرمایا ہے' اس قرآن کو حکم اس لیے فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نازل کرنے کا سبب ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین کو قرآن مجید کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو حکم قرار دیا۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ عربی زبان حادث ہے اور قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں ہے اس لیے یہ بھی حادث قرار پایا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل سے لازم آیا کہ کلام لفظی حادث ہے اور ہم بھی اس کو حادث مانتے ہیں' ہم جو قرآن مجید کو قدیم کہتے ہیں تو اس سے مراد کلام نفسی ہے۔

مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آباء واجداد کے دین کی پیروی کی اتباع کی دعوت دیتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر بالفرض آپ نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو پھر اللہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا نہ بچانے والا۔

اس آیت میں بطور تعریض آپ کی امت مراد ہے' تعریض کا معنی یہ ہے کہ کسی کام کی نسبت صراحتاً کسی ایک شخص کی طرف کی جائے اور مراد دوسرا ہو' سو اس آیت میں ذکر آپ کا ہے اور مراد امت ہے کہ اگر امت نے مشرکین کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلہ میں اس کا کوئی حامی ہوگا نہ بچانے والا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے تھے اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور اولاد بھی

ذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

بنائی ، اور کسی رسول کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے،

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝۳۸ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ

ہر چیز کی مدت کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی ہے ○ اللہ جس چیز کو چاہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہے ثابت رکھتا ہے

اُمُّ الْكِتٰبِ ۝۳۹ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے ○ اور اگر ہم ان سے کیے ہوئے کسی وعدہ کی تکمیل آپ کو دکھا دیں یا اس سے پہلے آپ کو وفات

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝۴۰ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا

دے دیں تو آپ کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم

نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ

زمین کو اس کے اطراف سے کم کرتے جا رہے ہیں اور اللہ حکم فرماتا ہے اور کوئی اس کے حکم کو

لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

رد کرنے والا نہیں ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ○ اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے سازش کی تھی

فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ

سو تمام خفیہ تدبیروں کا اللہ ہی مالک ہے وہ ہر شخص کی کارروائی کو جانتا ہے، اور عنقریب کافروں کو معلوم ہو جائے گا

لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ

کہ نیک انجام کا گھر کس کے لیے ہے ○ اور کفار یہ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں،

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ

آپ کہیے میرے اور تمہارے درمیان اللہ بہ طور گواہ کافی ہے، اور وہ جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے

الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع ۱۲ ع ۶

(وہ بھی بہ طور گواہ کافی ہے) ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے تھے اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور اولاد بھی بنائی، اور کسی رسول کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے، ہر چیز کی مدت، کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی ہے○ (الرعد: ۳۸)

قریش کا یہ اعتراض کہ اگر آپ نبی ہیں تو پھر آپ نے شادیاں کیوں کیں؟

مشرکین مکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں طرح طرح کے شبہات پیش کیا کرتے تھے، کبھی یہ کہتے تھے اگر یہ واقعی نبی ہوتے تو یہ بھی کسی پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھاتے، یا لاٹھی کو سانپ بنا کر دکھاتے، یا مُردوں کو زندہ کر کے ان سے باتیں کرتے اور کبھی کہتے تھے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ○ (الفرقان: ۷)

اور انہوں نے کہا اس رسول کو کیا ہوا ہے یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے، اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (لوگوں کو عذاب سے) ڈراتا۔

کبھی یہ اعتراض کرتے تھے:

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ

اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لاتے۔

مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (الحجر: ۷)
ان کے خیال میں نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے تھا اس لیے وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے پر بھی اعتراض کرتے تھے اور آپ کی ازواج اور اولاد پر بھی اعتراض کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے اور ان کے لیے بیویاں اور اولاد بھی بنائی تھی، سو جب ان گزشتہ رسولوں کے حق میں تعدد ازواج اور اولاد ان کی رسالت کے منافی نہیں تھی تو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تعدد ازواج اور اولاد ان کی رسالت کے منافی کیوں ہوگی!

اس اعتراض کا یہ جواب کہ انبیاء سابقین نے تو بہت شادیاں کی تھیں!

حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں۔

(مختصر تاریخ دمشق جز ۸ ص ۱۲۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۵ھ، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۶۳ - ۲۶۲، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث کی تصدیق موجودہ تورات میں بھی ہے:
اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عمونی، ادومی، صیدانی اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگا○ یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ نہ جانا اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کرلیں گی۔ سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا○ اور اس کے پاس سات سو شاہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا○ (کتاب مقدس، پرانا عہد نامہ ص ۳۴۰، سلاطین باب: ۱۱ آیت: ۳-۱، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

مشرکین مکہ اور ان کے اعتراض کا دور تو گزر گیا، اب مستشرقین کو دیدہ عبرت سے تورات کی ان آیات کو پڑھنا چاہیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں جو ان کے حرم میں داخل تھیں، یہ تعداد حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے قابل اعتراض نہیں ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ عورتوں سے نکاح کرنا آپ کی نبوت کے لیے کیسے قابل اعتراض ہوگا۔

مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ نے بہت شادیاں کی تھیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں گیارہ ازواج مطہرات مجتمع ہوئیں اور جس وقت آپ کی وفات ہوئی اس وقت نو ازواج مطہرات حیات تھیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کی ایک ساعت میں تمام ازواج کو مشرف فرماتے تھے، اور وہ گیارہ ازواج تھیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا کیا آپ اس کی طاقت رکھتے تھے۔ حضرت انس نے کہا ہم یہ باتیں کرتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۰)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ عورتوں سے نکاح کیا اور گیارہ عورتوں سے رخصتی ہوئی اور جس وقت آپ کی وفات ہوئی تو نو ازواج مطہرات تھیں۔ اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ آپ چالیس مردوں کی طاقت رکھتے تھے اور حلیہ میں ہے کہ آپ کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت تھی' اور امام احمد' امام نسائی اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت زید بن ارقم سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ایک جنتی مرد کھانے پینے' جماع کرنے اور شہوت میں ایک سو دنیاوی مردوں کی طاقت رکھتا ہے۔ اس حساب سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار ہزار مردوں کی طاقت رکھتے تھے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۷۸، ۳ مطبوعہ لاہور '۱۴۰۱ھ)

ایک دنیاوی مرد چار عورتوں سے نکاح کی طاقت رکھتا ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں چار ہزار مردوں کی طاقت تھی اس حساب سے آپ سولہ ہزار عورتوں سے نکاح کی طاقت رکھتے تھے لیکن آپ نے اپنے حرم میں صرف گیارہ ازواج مطہرات کو داخل کیا سو ان مستشرقین اور دیگر معترضین کو سوچنا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف گیارہ ازواج کو رکھنا آپ میں شہوت کی بہتات تھی یا آپ کا اپنے نفس پر کمال ضبط تھا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی تفصیل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ ازواج مطہرات کو اپنے حرم میں داخل کیا' چار یا پانچ وہ خواتین ہیں جن سے آپ نے نکاح کیا اور رخصتی کا شرف نہیں بخشا اور چار آپ کی باندیاں تھیں۔ علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ نے ان کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

وہ ازواج مطہرات جن کو آپ نے حرم میں داخل کیا ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) آپ کی سب سے پہلی زوجہ حضرت خدیجہ بنت خویلد القرشیہ الاسدیہ ہیں۔ آپ نے اعلان نبوت سے پہلے ان سے عقد کیا تھا' اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی (وہ بیوہ خاتون تھیں) آپ نے ان کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کی حتی کہ ان کی وفات ہو گئی۔ حضرت ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولاد ان ہی سے ہوئی۔ ہجرت سے تین سال پہلے ان کا انتقال ہوا تھا' وہ سب سے پہلے اسلام لائیں اور فرائض نبوت میں انہوں نے آپ کی بہت مدد کی اور اسلام کے لیے اپنا مال خرچ کیا۔

(۲) ان کی وفات کے چند ایام بعد آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ القرشیہ سے نکاح کیا' انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے بخش دی تھی۔ حضرت سودہ نے حضرت عمر کی خلافت کے آخری ایام میں وفات پائی۔

(الاستیعاب رقم: ۳۳۲۸)

(۳) اس کے بعد آپ نے حضرت ام المومنین عائشہ بنت الصدیق سے نکاح کیا' ان سے جب نکاح ہوا تو ان کی عمر چھ سال تھی' اور ہجرت کے پہلے سال ان کی رخصتی ہوئی' اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۹۴' ۳۸۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ کا کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں ہوا اور تمام ازواج میں سے صرف حضرت عائشہ کو شرف حاصل ہے کہ ان کے بستر پر وحی نازل ہوئی اور آپ کی برأت میں سورۂ نور کی دس آیتیں (۲۰-۱۱) نازل ہوئیں۔ آپ بہت فقیہہ اور عالمہ تھیں اور اکابر صحابہ آپ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ آپ نے سترہ رمضان ۵۸ھ میں منگل کی شب وفات پائی۔ حضرت ابو ہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اسی رات بقیع میں دفن کر دی

گئیں۔ (الاستیعاب رقم: ۳۳۶۳)

(۴) اس کے بعد آپ نے حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے عقد کیا ان کو آپ نے طلاق دی تھی پھر رجوع فرمالیا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۳ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۶۲) تین ہجری میں آپ سے نکاح ہوا تھا اور اکتالیس یا پینتالیس ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔ (الاصابہ: ۱۱۰۵۳)

(۵) اس کے بعد آپ نے حضرت زینب بنت خزیمہ بن الحارث سے نکاح کیا۔ یہ رخصتی کے دو ماہ بعد فوت ہو گئی تھیں۔

(۶) پھر آپ نے حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ القرشیہ المخزومیہ سے نکاح کیا۔ یہ آپ کی ازواج میں سب سے آخر میں فوت ہوئی تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت صفیہ سب سے آخر میں فوت ہوئی تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق یہ ہے کہ آپ ۶۲ھ میں فوت ہوئیں۔ (الاصابہ: رقم: ۳۰۶۵)

(۷) پھر آپ نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کیا۔ یہ بنو اسد سے تھیں۔ یہ آپ کی پھوپھی امیمہ کی بیٹی تھیں۔ ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی:

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (الاحزاب: ۳۷) پھر جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اس سے اپنی غرض پوری کرلی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا۔

اسی وجہ سے حضرت زینب بنت جحش باقی ازواج پر فخر کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا اور میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے کیا۔ آپ حضرت عمر فاروق کی خلافت کے ابتدائی دور میں فوت ہو گئی تھیں۔ واقدی نے کہا ہے کہ نکاح کے وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی، آپ بیس ہجری میں فوت ہوئیں اور انہوں نے ۵۰ یا ۵۳ سال عمر پائی۔
(الاصابہ رقم: ۱۱۲۲۷)

(۸) پھر حضرت جویریہ بنت الحارث سے آپ نے نکاح کیا۔ یہ بنو المصطلق کے قیدیوں میں آئی تھیں۔ انہوں نے آپ سے مکاتبت کی رقم کی ادائیگی میں مدد کی درخواست کی تھی۔ آپ نے ان کی طرف سے رقم ادا کی پھر ان سے نکاح کر لیا۔ آپ نے ان سے پانچ یا چھ ہجری میں نکاح کیا تھا اور آپ ربیع الاول ۵۶ھ میں فوت ہو گئیں۔ (الاستیعاب رقم: ۳۳۱۸)

(۹) پھر آپ نے حضرت ام حبیبہ سے نکاح کیا ان کا نام رملہ بنت ابی سفیان ہے۔ یہ حبشہ کے ملک میں ہجرت کر کے گئی تھیں۔ نجاشی نے آپ کی طرف سے وکیل ہو کر ان سے آپ کا نکاح کیا اور چار سو دینار مہر رکھا پھر آپ کے پاس بھجوا دیا۔ یہ اپنے بھائی حضرت معاویہ کے ایام میں وفات پا گئی تھیں۔ چھ یا سات ہجری میں ان سے نکاح ہوا تھا اور یہ ۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئی تھیں۔

(۱۰) پھر آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب سے نکاح کیا جو بنو نضیر کے سردار تھے۔ یہ حضرت ہارون بن عمران کے نسب سے تھیں۔ یہ نبی کی بیٹی اور نبی کی زوجہ تھیں اور دنیا کی تمام عورتوں میں سب سے زیادہ حسین تھیں۔ یہ بھی قید ہو کر آئی تھیں، آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ ۷ ہجری میں ان سے نکاح ہوا تھا اور واقدی کی تحقیق کے مطابق ۵۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (الاصابہ رقم: ۱۱۴۰۷)

(۱۱) پھر آپ نے حضرت میمونہ بنت الحارث سے نکاح کیا سب سے آخر میں ان سے نکاح کیا۔ جب آپ عمرۃ القضاء کرنے گئے تھے تو آپ نے مکہ میں ان سے نکاح کیا۔ یہ حضرت معاویہ کے ایام حکومت میں فوت ہوئیں، ان کی قبر مقام

سرف میں ہے۔ آپ نے سات ہجری میں ان سے نکاح کیا تھا اور یہ ۶۱ یا ۶۳ھ میں فوت ہو گئی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (اسد الغابہ رقم: ۷۳۰۵)

نیز علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

جن خواتین کو آپ نے نکاح کا پیغام دیا اور ان سے نکاح نہیں کیا اور جن خواتین نے اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کیا اور آپ نے ان سے نکاح نہیں کیا ان کی تعداد چار یا پانچ ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ ان کی تعداد تیس ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے احوال جاننے والوں کے نزدیک یہ تعداد معروف نہیں بلکہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کے نزدیک معروف یہ ہے کہ آپ نے الجونیہ کو نکاح کا پیغام بھیجا اور جب آپ شب زفاف کے لیے اس کے پاس گئے۔ اس نے کہا میں آپ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں۔ آپ نے اس کو پناہ دے دی اور اس سے نکاح نہیں کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۵۴) اسی طرح آپ نے الکلبیہ کو نکاح کا پیغام دیا اور اس سے نکاح نہیں کیا اور بنوغفار کی ایک عورت سے نکاح کیا اس کے پہلو میں سفیدی تھی، آپ نے اس کو اس کے اہل کی طرف واپس بھیج دیا۔ (المستدرک) یہ تفصیل مصدقہ اور مستند ہے۔

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا اس وقت آپ کی نو ازواج حیات تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام سلمہ، حضرت صفیہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت میمونہ، حضرت سودہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہن۔ آپ کے بعد جن کی سب سے پہلے وفات ہوئی وہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں، یہ ۲۰ھ میں فوت ہوئیں اور سب سے آخر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں ۶۲ھ میں وفات ہوئی۔ (حافظ ابن حجر کی تحقیق یہ ہے کہ آپ ۶۳ھ میں فوت ہوئی تھیں)

(زاد المعاد ج ۱ ص ۲۶-۵۸، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج پر اعتراض کے جوابات

بعض عیسائی اور سوشلسٹ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ چار شادیاں کرنے کا حکم دیا ہے اور خود آپ نے ایک وقت میں نو ازواج سے شادیاں کی ہیں، کیا آپ میں اشتہاء زیادہ تھی؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال تک زندگی تجرد میں گزاری، حالانکہ شباب کی امنگوں کا اصل زمانہ یہی ایام ہوتے ہیں۔ پھر اقرباء کے اصرار اور دوسری جانب سے درخواست پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد کیا جن کی عمر ڈھل چکی تھی اور دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ پچاس سال کی عمر تک پورے سکون اور کامل اطمینان کے ساتھ اسی پاکباز رفیقہ حیات کے ساتھ زندگی بسر کی۔ یہ وہی زمانہ تھا جب آپ دنیاوی مشاغل کو ترک کر کے غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مسلسل کئی کئی دن تک خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے اور اللہ کی یہ نیک بندی آپ کے لیے توشہ تیار کرتیں اور آپ کی عبادت میں امداد اور معاونت کرتی تھیں۔ زندگی کا یہ دور عموماً نفسانی خواہشوں اور شہوانی جذبات کی ہنگامہ خیزیوں کا زمانہ ہوتا ہے لیکن بڑے سے بڑا معاند اور کٹر سے کٹر مخالف اور متعصب بھی آپ کی زندگی کے اس حصہ میں آپ کی عفت اور پاکبازی کے خلاف ایک حرف بھی نقل نہیں کر سکتا اور یہ ان کی سیرت کا ذکر ہے جن کی جسمانی قوت چالیس جنتی مردوں کے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱، مطبوعہ اصح المطابع) اور ایک جنتی مرد کی طاقت دنیا کے سو مردوں کی طاقت کے برابر ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۶۳ مطبوعہ نور محمد) گویا آپ کی طاقت چار ہزار مردوں کے برابر تھی، اس حساب سے چاہیے تھا کہ چار ہزار بلکہ سولہ ہزار بیویاں آپ کے نکاح میں ہوتیں! پھر آپ کی شدید ریاضت اور ضبط نفس کا کیا ٹھکانا ہے

کہ پچاس سال کی عمر تک ایک بیوہ کے ساتھ شادی کر کے زندگی گزاری۔

حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت سودہ اور پھر حضرت عائشہ سے عقد کیا جو آپ کی ازواج میں تنہا کنواری خاتون تھیں، ان کے علاوہ جس قدر ازواج آپ کے نکاح میں آئیں وہ سب بیوہ یا مطلقہ تھیں، وصال کے وقت آپ کی نو ازواج تھیں: حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب، حضرت ام حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن وارضاہن، دنیا کا سب سے بے مثال انسان جو چار ہزار ازواج کا مستحق ہو، اس کے عقد میں صرف نو ازواج دیکھ کر کوئی انصاف پسند اس پر کثرت ازواج کا الزام لگا سکتا ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ترپن سال سے متجاوز ہو چکی ہے۔ عظیم الشان فتوحات کا تانتا بندھا ہوا ہے، اموالِ غنیمت کی ریل پیل ہے، اس کے باوجود آپ کسی ایک دن بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے، کبھی ایسے مسلسل دو دن نہیں آئے جب دونوں دن آپ کے گھر میں چولہا جلا ہو، جو کچھ آتا اللہ کے راستے میں دے دیتے۔ اختیاری فقر و فاقہ سے پیٹ پر پتھر باندھتے، مہینوں ازواج مطہرات کے حجروں سے دھواں نہ اٹھتا صرف پانی اور کھجور پر گزارہ چلتا، روزے پر روزہ رکھتے، کئی کئی دن افطار نہ کرتے۔ رات بھر قیام کی وجہ سے پاؤں پر ورم آجاتا۔ عیش و عشرت کا سامان تو کجا ازواج سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو وہ ہمارے ساتھ رہے اور جسے دنیا کا عیش عزیز ہو وہ چلی جائے، ان تمام حالات کے باوجود تمام ازواج کے حقوق ایسے احسن طریقے سے ادا کیے جن کا کوئی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میدانِ جنگ میں جب کفار کے لشکر کے مقابلہ میں بڑے بڑے بہادر اور قوی جوان حوصلہ ہار جاتے تو آپ چٹان کی طرح ڈٹے رہتے، ازواج سے تعلق خاطر عبادت اور فرائض رسالت میں کبھی حائل نہیں ہوا، یہی وجہ تھی کہ کفار اور مشرکین کو آپ کے دعویٰ نبوت سے اختلاف تھا، وہ وحی الٰہی کا انکار کرتے تھے لیکن آپ کی عفت اور پاک سیرت کا وہ برملا اعتراف کرتے تھے، چاند کے شق ہونے اور ڈوبے ہوئے سورج کے لوٹ آنے سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ آپ نے خاک اڑانے اور گالیاں دینے والوں سے اچھا سلوک کیا، پتھروں سے گھائل کرنے والوں کو دعائیں دیں۔ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی اور فتح مکہ کے بعد غلبہ پا کر تمام دشمنوں کو معاف کر دیا۔ ایسی بے نظیر سیرت اور کردار کے مالک شخص کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ انہوں نے نفسانی خواہش کی وجہ سے متعدد شادیاں کیں، عدل و انصاف سے کس قدر بعید ہے؟

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ متعدد شادیوں کی وجہ نفسانی خواہش نہیں تھی تو پھر یہ سوال پیدا ہو گا کہ آخر اس کی حکمت کیا تھی سو ہم اس کی حکمتیں بیان کر رہے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کی حکمتیں

(۱) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کی سب سے بڑی حکمت اسلام کی تبلیغ تھی۔ بنو مصطلق کا قبیلہ اسلام دشمنی میں بہت مشہور تھا۔ غزوہ بنو مصطلق میں اس کو شکست ہوئی اور اس قبیلہ کے بہت سے افراد مسلمانوں کے قیدی بن گئے۔ ان قیدیوں میں بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ بنت حارث بھی تھیں وہ حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی تھیں۔ انہوں نے حضرت ثابت بن قیس سے بدل مکاتبت کا معاہدہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زر مکاتبت میں مدد کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے ان کو یہ پیشکش کی کہ اگر وہ چاہیں تو آپ ان کی مکاتبت کی رقم ادا کر دیں اور اس کے عوض آپ سے نکاح کر لیں۔ انہوں نے اس کو منظور کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذمہ کی رقم ادا کر کے ان سے نکاح کر لیا، جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ سے نکاح کر لیا ہے تو

انہوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت جویرہ بنت الحارث بن المصطلق، حضرت ثابت بن قیس یا ان کے عم زاد کے حصہ میں آئی تھیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو مکاتبہ کر لیا۔ وہ بہت ملیح عورت تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدل کتابت میں مدد کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں! انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میں تمہارا بدل کتابت ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں۔ حضرت جویرہ نے کہا میں نے اس کو منظور کر لیا۔ جب مسلمانوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویرہ سے نکاح کر لیا ہے تو ان کی ملکیت میں جتنے قیدی تھے انہوں نے ان کو آزاد کر دیا، انہوں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں اور ہم نے حضرت جویرہ کے سوا کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے حق میں اس قدر بابرکت ثابت ہوئی ہو، کیونکہ مسلمانوں نے بنو المصطلق کے سو گھرانوں کو آزاد کر دیا تھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۷، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۸۹۷، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۵۵، ۴۰۵۴، المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۱۵۹، المستدرک ج ۴ ص ۲۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۷۵۔ ۷۴، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۹۲، رقم: ۴۱۳۳، دار الکتب العلمیہ، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۲۲، دار الفکر جدید، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۴ ص ۳۴۷۔ ۳۴۶)

اور اس حسن سلوک کی وجہ سے یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔

ابوسفیان بھی اسلام کے زبردست مخالف تھے، لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان سے نکاح کر لیا تو پھر ابوسفیان کی دشمنی کا زور ٹوٹ گیا اور وہ بہت جلد مسلمان ہو گئے، پھر وہی ابوسفیان جو اسلام کے خلاف لشکر کشی کرتے تھے، اب اسلام کی تبلیغ کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے لگے۔ ۷ ہجری میں یہ نکاح ہوا تھا اور ۸ ہجری میں ابوسفیان مسلمان ہو گئے۔

(۲) بعض شادیاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریعی مقاصد کے لیے کیں، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عربوں میں یہ دستور تھا کہ وہ کسی شخص کو اپنا بیٹا بنا لیتے تھے اور اس کو حقیقی بیٹا قرار دیتے تھے اور اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ کسی کو بیٹا بنا لینے سے وہ حقیقی بیٹا نہیں ہو جاتا، اور اس کی مطلقہ بیوی سے وہ شخص نکاح کر سکتا ہے۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اور ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دی اور جب ان میں باہمی نااتفاقی کی بناء پر حضرت زید نے ان کو طلاق دے دی تو عدت گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود حضرت زینب کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ مسلمانوں کے لیے آپ کی زندگی میں یہ نمونہ ہو کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اس نکاح کا ذکر ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ○ (الاحزاب: ۳۷)	جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا نکاح اس سے کر دیا تاکہ ایمان والوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ رہے جب وہ ان سے اپنی غرض پوری کر چکے

ہوں' اور اللہ کا حکم ضرور ہو کر رہتا ہے۔
حضرت ام حبیبہ سے نکاح کرنے میں بھی ایک تشریعی مقصد کو پورا کرنا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے اور حضرت ام حبیبہ حبشہ میں تھیں۔ نجاشی نے ۴۰۰ دینار کے عوض حضرت ام حبیبہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ (المبسوط ج ۵ ص ۱۰۱) اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ لڑکی مثلاً پاکستان میں ہو اور لڑکا امریکہ میں ہو اور لڑکا پاکستان میں کسی شخص کو خط یا ٹیلی فون کے ذریعہ اپنا ولی یا وکیل بنادے تو وہ ولی اس لڑکے کا اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور یہ نکاح اسی طرح ہو جائے گا جس طرح حضرت ام حبیبہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو گیا تھا۔

(۳) آپ کی متعدد شادیوں کی تیسری حکمت مسائل دینیہ کی تعلیم ہے' عورتوں کے بعض مخصوص مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کو مرد عورتوں کے سامنے بیان کرنے میں حجاب محسوس کرتے ہیں مثلاً حیض' نفاس' جنابت اور عمل ازدواج سے متعلق مسائل' نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ مسائل اپنی ازواج مطہرات سے بیان کرتے اور وہ دوسری عورتوں کو بیان کرتیں۔

(۴) چوتھی وجہ احادیث کی اشاعت اور دین کی تبلیغ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک حصہ وہ تھا جو آپ گھر سے باہر مردوں میں گزارتے تھے اور ایک حصہ وہ تھا جو آپ گھر میں ازواج مطہرات کے ساتھ گزارتے تھے۔ جس طرح مردوں میں' بہت لوگ آپ کے ارشادات کو سننے والے اور آپ کے معمولات کو دیکھنے والے تھے اسی طرح گھر میں بھی آپ کے ارشادات کو سننے والی اور آپ کے افعال کو دیکھنے والی بہت عورتیں ہونی چاہئیں تاکہ آپ کی خارجی اور داخلی زندگی کے تمام پہلو امت کے سامنے آجائیں اور جس طرح مسلمانوں کے لیے آپ کی باہر کی زندگی میں نمونہ ہے اسی طرح مسلمانوں کو آپ کی گھریلو اور نجی زندگی سے بھی اپنی خانگی اور عائلی زندگی گزارنے کے لیے نمونہ حاصل ہو جائے۔ ازواج مطہرات سے بہت احادیث روایت کی گئی ہیں۔

مسند احمد میں نمبر ۲۳۵۱۱ سے لے کر نمبر ۲۶۹۳۳ تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی ہوئی احادیث ہیں' ان کی کل تعداد ۲۴۲۳ ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ۴۸ احادیث ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ۲۸۲ احادیث ہیں۔ حضرت زینب بنت جحش کی چار روایات ہیں۔ حضرت جویریہ بنت الحارث کی بھی چار روایات ہیں۔ حضرت ام حبیبہ کی ۲۶ روایات ہیں۔ حضرت میمونہ بنت الحارث کی ۲۳ روایات ہیں۔ حضرت صفیہ کی نو روایات ہیں اور حضرت سودہ کی چار روایات ہیں اور یہ کل ۲۸۶۴ روایات ہیں۔ غور فرمائیے تقریباً تین ہزار روایات ازواج مطہرات سے مروی ہیں' اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ یا پھر حضرت سودہ کے بعد اور شادی نہ کی ہوتی تو دین کا کتنا بڑا حصہ مسلمانوں تک پہنچنے سے رہ گیا ہوتا!

(۵) بعض ازواج سے آپ نے بعض صحابہ کی دل جوئی کے لیے نکاح کیا' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پہلے حضرت خنیس بن حذافہ کے نکاح میں تھیں' یہ بدری صحابی تھے اور مدینہ منورہ میں فوت ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے رشتہ کے لیے بہت پریشان تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی اور ان کی محبت اور خدمات کا صلہ عطا کرنے کے لیے ان سے نکاح کیا۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت خنیس بن حذافہ سہمی کے فوت ہو جانے سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ وہ

ان کی بیٹی حضرت حفصہ سے نکاح کرلیں، حضرت عثمان نے کہا میں اس مسئلہ میں غور کروں گا۔ پھر چند دن کے بعد ان کی پھر حضرت عثمان سے ملاقات ہوئی، حضرت عمر نے دوبارہ ان سے کہا۔ حضرت عثمان نے کہا میری رائے یہ ہوئی ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ وہ حضرت حفصہ سے نکاح کرلیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر خاموش ہوگئے اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی خاموشی سے مجھے حضرت عثمان کے انکار سے بھی زیادہ رنج ہوا، میں چند دن ٹھہرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام دیا، تو حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت حفصہ کا نکاح کردیا، اس کے بعد حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا شاید میری خاموشی سے تمہیں رنج ہوا ہوگا۔ حضرت عمر نے کہا ہاں! حضرت ابوبکر نے کہا جب تم نے مجھے رشتہ کی پیشکش کی تھی تو مجھے اس رشتہ کو قبول کرنے سے اس کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ مجھے علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کا ذکر کیا تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاء نہیں کرنا چاہتا تھا، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رشتہ کو ترک کردیتے تو میں اس رشتہ کو ضرور قبول کرلیتا۔ امام محمد بن سعد نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عثمان نے اس رشتہ سے انکار کردیا تو حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عثمان کی شکایت کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو عثمان سے بہتر داماد کی طرف رہنمائی نہ کروں اور عثمان کو تم سے بہتر سسر کی طرف رہنمائی نہ کروں۔ میں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے نکاح کرلیا، اور حضرت عثمان کا نکاح اپنی صاحب زادی حضرت ام کلثوم سے کردیا، اس سے پہلے حضرت رقیہ فوت ہوچکی تھیں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۶۶-۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، الاصابہ ج ۸ ص ۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت حفصہ سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں جن سے آپ کو بہت محبت تھی، تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا داعیہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ آپ اپنے محب صادق اور اسلام کے بطل جلیل اور عظیم صحابی کی دل جوئی اور ان کی رفاقت کا حق ادا کرنا چاہتے تھے۔

(۶) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہر شعبہ میں قول سے زیادہ ہوتا ہے، آپ نے مسلمانوں کو پانچ فرض نمازیں پڑھنے کا حکم دیا اور آپ خود ان فرائض کے علاوہ تہجد بھی باقاعدگی سے پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنے کا حکم دیا اور خود آپ نے وصال کے روزے بھی رکھے جن میں افطاری تھی نہ سحری، آپ نے مسلمانوں کو چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور آپ اپنے پاس بالکل مال نہیں رکھتے تھے، آپ کے پاس جو کچھ آتا آپ اس کو تقسیم فرما دیتے۔ مسلمان فوت ہو جائیں تو ان کا ترکہ ان کے وارثوں کو ملتا ہے، آپ نے فرمایا ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے، اسی طرح آپ نے مسلمانوں کو چار بیویوں کے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا اور خود نو ازواج میں عدل کرکے دکھایا۔ سلام ہو اس نبی امی پر جس کا عمل ہر شعبہ میں قول سے زیادہ ہے۔

ہم نے متعدد عقلی اور نقلی شواہد سے واضح کردیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے زیادہ طاقت رکھتے تھے اور آپ کی ازواج سب سے کم تھیں۔ آپ نے گیارہ شادیاں کیں اور یہ محض جنسی تسکین کے لیے نہ تھیں بلکہ تبلیغ اسلام، احکام شریعت کے بیان، خواتین کی تعلیم، احادیث کی تبلیغ، اپنے رفقاء کی دل جوئی اور قوت عمل میں فراوانی کے لیے کیں۔

آپ نے کفار قریش کے مطلوبہ معجزات کیوں نہیں پیش کیے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دوسرے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر یہ واقعی اللہ کی طرف سے رسول ہوتے تو ہم ان سے جس معجزہ کو بھی طلب کرتے یہ اس کو پیش کر دیتے اور اس میں بالکل توقف نہ کرتے لیکن جب یہ ہمارے مطلوبہ معجزات نہ پیش کر سکے تو واضح ہو گیا کہ یہ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اور کسی رسول کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے اور اس جواب کی وضاحت اس طرح ہے کہ نبوت کی دلیل کے اظہار اور قوم کے اطمینان اور ان کی تسلی کے لیے ایک معجزہ کو پیش کرنا کافی ہے، اور اس سے زیادہ معجزات کو پیش کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض ہے، وہ چاہے تو وہ معجزات دکھائے اور وہ چاہے تو نہ دکھائے، اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر قرآن مجید کو بطور معجزہ پیش کیا اور چیلنج کیا کہ کوئی اس کی نظیر لا سکتا ہو تو لے آئے، یعنی قرآن حکیم کی طرح فصیح و بلیغ کلام ہو اور اس میں غیب کی خبریں ہوں اور مستقبل کی پیش گوئیاں ہوں جو بعد کے زمانوں میں صادق ہو رہی ہوں، اور آج تک کوئی اس کی نظیر نہیں لا سکا اور نہ قیامت تک لا سکے گا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ کیے ہوئے مُردے، بلاشبہ بہت عظیم معجزات تھے، لیکن وہ معجزات ان نبیوں کے جانے کے ساتھ رخصت ہو گئے اور آج ان کے ماننے والوں کے پاس اپنے نبیوں کی نبوت ثابت کرنے کے لیے کوئی معجزہ اور کوئی دلیل نہیں ہے لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صورت میں آپ کی نبوت پر ایسا معجزہ عطا فرمایا جو آپ کے زمانہ میں بھی آپ کی نبوت پر دلیل تھا، آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا! یہ کفار قریش کی کم عقلی اور خواہ مخواہ کی ضد تھی کہ ایسے عظیم معجزہ کے ہوتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور معجزات طلب کرتے تھے۔

کفار کے مطالبہ کی وجہ سے ان پر عذاب کیوں نہ نازل ہوا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار قریش کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے کہ اگر وہ اللہ کی توحید اور آپ کی رسالت پر ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا، اور اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ پر ایمان لانے والوں کی مدد فرمائے گا، پھر کفار نے جب یہ دیکھا کہ ان کے کفر پر اصرار کے باوجود ان پر عذاب نازل نہیں ہو رہا تو انہوں نے اس وجہ سے بھی آپ پر طعن اور اعتراض کیا اور کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو ہم پر عذاب آ چکا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس اعتراض کا بھی جواب دیا اور فرمایا: ہر چیز کی مدت کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی ہے، یعنی کفار پر عذاب کا نزول اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کے لیے فتح اور نصرت کا ظہور، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک خاص وقت میں مقرر ہے اور ہر حادث اور رونما ہونے والی چیز کا وقت لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور ہر چیز کا وقت آنے پر وہ چیز ظاہر ہو جائے گی۔

حضرت عطا بن ابی رباح نے عبدالواحد بن سلیم سے کہا کیا تم جانتے ہو ام الکتاب کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ انہوں نے کہا یہ وہ کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے لکھا، اس میں لکھا ہوا ہے کہ فرعون اہلِ دوزخ میں سے ہے، اور اس میں لکھا ہوا ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود ہلاک ہو گیا اور حضرت عبادہ بن الصامت نے کہا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ، اس نے پوچھا کیا لکھوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ ہو چکا ہے وہ لکھو اور ابد تک جو کچھ

ہونے والا ہے وہ لکھو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰ مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ جس چیز کو چاہے مٹا دیتا ہے اور (جس چیز کو چاہے) ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے O (الرعد: ۳۹)

محو اور اثبات کی تفسیر میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہے ثابت رکھتا ہے' اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت عمر' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور ابو وائل' ضحاک اور ابن جریج نے کہا یہ آیت رزق' اجل' سعادت اور شقاوت میں عام ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' سعید بن جبیر' قتادہ' قرطبی اور ابن زید نے کہا اس آیت سے مراد ناسخ اور منسوخ ہے' اللہ تعالیٰ منسوخ کو مٹا دیتا ہے اور ناسخ کو ثابت رکھتا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا اللہ تعالیٰ جس آیت کو چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور جس آیت کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور وہ آیت محکم ہوتی ہے۔

(۳) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ شقاوت' سعادت اور موت اور حیات کے سوا اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نطفہ چالیس دن کے بعد رحم میں مستقر ہو جاتا ہے تو اس پر فرشتہ داخل ہوتا ہے اور پوچھتا ہے اے رب! یہ شقی ہے یا سعید ہے' پھر اس کو لکھ دیتا ہے' پھر پوچھتا ہے اے رب! یہ مذکر ہے یا مونث ہے؟ پھر اس کو لکھ دیتا ہے۔ اس کا عمل' اس کا اثر' اس کی مدت حیات اور اس کا رزق لکھ دیتا ہے پھر صحیفہ لپیٹ دیا جاتا ہے' اس میں کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۴)

(۴) مجاہد نے کہا شقاوت اور سعادت کے سوا' جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔

(۵) حسن نے کہا جس کی موت آئے اس کو مٹا دیتا ہے اور جس کی موت نہ آئے اس کو ثابت رکھتا ہے۔

(۶) سعید بن جبیر نے کہا اپنے بندوں میں سے جس کے گناہ چاہے مٹا دیتا ہے اور اس کو بخش دیتا ہے' اور جس کو چاہے اس کے گناہ ثابت رکھتا ہے اور اس کو نہیں بخشتا۔

(۷) عکرمہ نے کہا جس کو چاہتا ہے اس کے گناہ توبہ سے مٹا دیتا ہے اور اس کی جگہ نیکیاں ثابت کر دیتا ہے۔

(۸) ضحاک اور ابو صالح نے کہا کہ فرشتوں کے صحیفوں یا نوشتوں سے ان کاموں کو مٹا دیتا ہے جن میں ثواب ہے نہ عتاب اور ان کی جگہ ان کاموں کو ثابت رکھتا ہے جن میں ثواب یا عتاب ہے اور ابن السائب نے کہا ہر بات لکھی جاتی ہے حتیٰ کہ جب جمعرات کا دن آتا ہے تو ان تمام کاموں کو مٹا دیا جاتا ہے جن میں ثواب ہے نہ عتاب ہے' جیسے کھانا پینا' آنا جانا وغیرہ اور ان کاموں کو ثابت رکھا جاتا ہے جن میں ثواب اور عتاب ہو۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۳۳۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبداللہ بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود یہ کہتے تھے اے اللہ! اگر تو نے مجھے نیک لوگوں میں لکھا ہوا ہے تو میرا نام نیک لوگوں میں ثابت رکھ کیونکہ تو جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور تیرے پاس ام الکتاب ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۵۳۵)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات میں تین

ساعتیں رہ جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ام الکتاب کو کھولتا ہے، پہلی ساعت میں اس کتاب کی طرف نظر فرماتا ہے جس کو اس کے سوا اور کوئی نہیں دیکھ سکتا، پس وہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے، پھر آپ نے باقی دو ساعتوں کا ذکر فرمایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ١٥٥٣٨)

قضاء معلق اور قضاء مبرم

اس آیت کی علماء نے ایک اور تقریر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں: ایک تقدیر معلق ہے اور ایک تقدیر مبرم ہے۔ تقدیر معلق میں محو اور اثبات ہوتا رہتا ہے اور تقدیر مبرم اللہ تعالیٰ کے علم سے عبارت ہے، اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک شخص کی قسمت میں اولاد نہیں ہے اور یہ تقدیر معلق ہے لیکن کسی مرد خدا کی دعا سے اس کے لیے اولاد مقدر کر دی جاتی ہے، پہلے اس کی قسمت میں لاولد لکھا تھا، اگر کسی مرد خدا نے دعا کر دی تو لاولد کو مٹا کر صاحب اولاد لکھ دیا جاتا ہے اور اگر کسی نے دعا نہیں کی تو وہ لاولد اسی طرح ثابت رہتا ہے اور یہ تقدیر معلق ہے جس کی طرف یمحوا اللہ مایشاء ویثبت میں اشارہ ہے، اور تقدیر مبرم کا مرتبہ جس کی طرف عندہ ام الکتاب سے اشارہ ہے وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ وہ لاولد یا صاحب اولاد ہے اور اس کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، اسی طرح انسان اگر ماں باپ یا رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرے تو اس کی عمر بڑھ جاتی ہے یا اس کے رزق میں وسعت ہو جاتی ہے اور اگر ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو پھر عمر میں یا رزق میں اضافہ نہیں ہوتا، مثلاً اس کی عمر پچاس سال لکھی ہوئی ہے، اس نے رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کی تو پچاس سال مٹا کر اس کی عمر ساٹھ سال لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو اس کی عمر اسی طرح پچاس سال لکھی رہتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ اس نے ان کے ساتھ نیکی کرنی ہے یا نہیں کرنی اور انجام کار اس کی عمر پچاس سال ہوگی یا ساٹھ سال اور ام الکتاب میں اس کی وہ عمر لکھی ہوئی ہوتی ہے، اور یہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ حسب ذیل احادیث اس تقریر پر دلالت کرتی ہیں:

رزق میں وسعت اور عمر میں اضافہ کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے یا اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے مل جل کر رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٩٨٥، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٥٧، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٦٩٣، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١٤٢٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے خاندان کے ان رشتوں کو جانو جن سے تم مل جل کر رہو، کیونکہ رشتہ داروں سے ملنے کے سبب اہل میں محبت بڑھتی ہے، مال میں زیادتی ہوتی ہے اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٩٧٩، مسند احمد ج ٢ ص ٣٧٤، المستدرک ج ٤ ص ١٦١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جس شخص کو نرمی اور ملائمت سے اس کا حصہ دیا گیا اس کو دنیا اور آخرت کی خیر سے حصہ دیا گیا۔ رشتہ داروں سے ملنا اور پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنا گھروں کو آباد رکھتا ہے اور عمروں میں اضافہ کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ٦ ص ١٥٩ قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ٢٥٧٧٣، عالم الکتب، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ١٥٢٣)

امام حاکم اور امام بزار کی روایت میں اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس سے بُری موت دُور ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ صدقہ کرنے اور رشتہ داروں سے میل جول رکھنے کے سبب سے اللہ تعالیٰ عمر میں اضافہ کرتا ہے اور اس سے بُری موت دُور کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ناپسندیدہ اور خطرناک چیزوں کو دُور کرتا ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۰۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۱، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۸۷۵)

ان احادیث کا قرآن مجید سے تعارض

ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صلہ رحم سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ احادیث قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہیں:

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ (یونس: ۴۹)

ہر گروہ کا ایک وقت مقرر ہے، جب ان کا مقرر وقت آ جائے گا تو وہ نہ ایک ساعت موخر ہو سکیں گے اور نہ ایک ساعت مقدم ہو سکیں گے ○

ان احادیث کے قرآن مجید سے تعارض کے جوابات

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں جس عمر کا ذکر فرمایا ہے یہ وہ عمر ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور یہ قضاء مبرم ہے، اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی اور ان احادیث میں جس عمر کے اضافہ کا ذکر ہے یہ عمر قضاء معلق میں ہے مثلاً اگر کسی شخص نے صلہ رحم کیا تو اس کی عمر سو سال ہے اور اگر قطع رحم کیا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہے، پس اگر اس نے صلہ رحم کر لیا تو اس کی عمر ساٹھ سال کو مثلاً کر سو سال لکھ دی جائے گی اور اگر قطع رحم کیا تو وہی ساٹھ سال لکھی رہے گی لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ اس نے صلہ رحم کرنا ہے یا قطع رحم کرنا ہے اور اس کی عمر سو سال ہے یا ساٹھ سال اور اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کی اس آیت اور ان احادیث میں اس طرح بھی تطبیق دی گئی ہے، عمر میں اضافہ سے مراد عمر میں برکت اور عبادت کی توفیق ہے، جیسا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ امتوں کے مقابلہ میں اپنی امت کی عمریں کم دیکھیں تو آپ کو لیلۃ القدر دے دی گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ صلہ رحم سے عبادت کی توفیق ملے گی اور انسان گناہوں سے محفوظ رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد دنیا میں اس کا نیکی اور اچھائی کے ساتھ ذکر کیا جائے گا وہ علمی اور رفاہی کام کرے گا جس سے قیامت تک فائدہ اٹھایا جاتا رہے گا اور وہ صدقہ جاریہ کرے گا اور نیک اولاد چھوڑ کر جائے گا اور اس طرح وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہے گا کیونکہ اس کا نام نیکی کے ساتھ زندہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم ان سے کیے ہوئے کسی وعدہ کی تکمیل آپ کو دکھا دیں یا (اس سے پہلے) آپ کو وفات دے دیں تو آپ کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے کم کرتے جا رہے ہیں اور اللہ حکم فرماتا ہے اور کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں ہے، اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ○ (الرعد: ۴۱-۴۰)

اطراف زمین کو کم کرنے کے محامل

پہلی آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم کفار مکہ پر عذاب نازل کرنے سے پہلے آپ کی رُوح قبض کر لیں یا آپ کو ان کا کچھ عذاب دکھا دیں تو اس سے آپ کے مشن اور کاز پر کیا فرق پڑے گا آپ کا فریضہ تو قرآن مجید کا پہنچانا اور احکام شرعیہ کی تبلیغ

کرنا ہے اور رہا کافروں سے حساب لینا تو یہ ہمارا کام ہے۔

پھر دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ کفار پر عذاب نازل ہونے کی چند علامتیں تو ظاہر ہو چکی ہیں، اور وہ یہ ہیں کہ جن علاقوں پر کفار کا قبضہ اور اقتدار تھا وہ کم ہو کر سمٹتے جا رہے ہیں اور مسلمان ان علاقوں کو فتح کر کے ان پر قبضہ کرتے جا رہے ہیں۔

اس دوسری آیت کی یہ تقریر بھی کی گئی ہے کہ کیا کفار یہ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں تخریب اور تعمیر کا عمل مسلسل جاری ہے، موت کے بعد حیات ہے اور ذلت کے بعد عزت ہے اور نقص کے بعد کمال ہے اور بیماری کے بعد صحت ہے، غرض دنیا میں تغیرات اور حوادث مسلسل رُوبعمل رہتے ہیں تو کفار کو یہ خوف اور خطرہ کیوں نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے احوال پلٹ دے گا اور ان کو عزت کے بعد ذلت میں مبتلا کر دے گا۔

زمین کی اطراف میں کمی کی ایک یہ تقریر بھی کی گئی ہے کہ زمین میں جو مقتدر، معزز اور متکبر لوگ تھے وہ مرتے رہے اور زمین ان سے خالی ہوتی رہی ہے تو اس وقت جو کافر متکبر اور مغرور ہیں وہ کس وجہ سے مطمئن اور بے خوف ہیں جیسے پچھلی امتوں کے جابر اور متکبر لوگ مثلاً فرعون، ہامان اور نمرود وغیرہ زمین کو خالی کر کے دنیا سے گزر چکے ہیں سو یہ بھی اسی طرح دنیا سے گزر کر زمین کو خالی کر جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو نافذ فرماتا ہے، اور اس کے احکام سے معارضہ کرنے والا کوئی نہیں ہے، اور وہ جلد حساب لے گا اور کافروں کو ان کے جرائم کی قرار واقعی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے سازش کی تھی، سو تمام خفیہ تدبیروں کا اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے وہ ہر شخص کی کارروائی کو جانتا ہے، اور عنقریب کافروں کو معلوم ہو جائے گا کہ نیک انجام کا گھر کس کے لیے ہے O** (الرعد: ۴۲)

یعنی اس سے پہلی امتوں کے کافروں نے بھی اپنے نبیوں اور رسولوں کے خلاف سازشیں کی تھیں، اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی سازش کا علم ہوتا ہے، جب کوئی سازش کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں ہونے والی کارروائی کو بھی وہی پیدا کرتا ہے، کیونکہ ہر چیز کا وہی خالق ہے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو ان کی ان سازشوں کی سزا دے گا اور عنقریب کافروں کو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں اچھا گھر اور ثواب کس کو ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اور کفار یہ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں، آپ کہئے میرے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے اور وہ جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے (وہ بھی بطور گواہ کافی ہے)۔** (الرعد: ۴۳)

(آسمانی) کتاب کے عالم کے مصداق میں متعدد اقوال

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ مشرکین مکہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے رسول ہونے پر دو دلیلیں پیش فرمائی ہیں، ایک دلیل یہ ہے کہ آپ کے رسول اللہ ہونے پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی گواہی اس سے معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کے ثبوت میں معجزات نازل فرمائے اور معجزہ وہ فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ مستمرہ کے خلاف واقع ہو جیسے پتھروں کا سلام اور کلام کرنا، درخت کا اور اس کے خوشہ کا چل کر آنا اور پھر واپس چلے جانا، کھجور کے تنے کا چلا کر رونا وغیرہا۔ اس قسم کے امور قطعی طور پر یہ دلالت کرتے ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے شہادت ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اور اس آیت میں دوسری دلیل یہ ہے کہ جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم ہے وہ بھی آپ کی رسالت پر گواہ ہے۔ اس سلسلہ میں متعدد اقوال ہیں کہ جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم ہے اس کا مصداق کون ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبدالملک بن عمیر، حضرت عبداللہ بن سلام کے بھتیجے سے روایت کرتے ہیں جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو ان کے پاس حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ گئے۔ حضرت عثمان نے پوچھا تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا میں آپ کی مدد کے لیے آیا ہوں۔ حضرت عثمان نے فرمایا تو پھر باغیوں کے پاس جاؤ اور انہیں میرے پاس سے بھگاؤ، میرے لیے تمہارا یہاں سے باہر جانا تمہارے اندر رہنے سے بہتر ہے! حضرت عبداللہ بن سلام لوگوں کے پاس گئے اور ان سے کہا اے لوگو! زمانہ جاہلیت میں میرا نام فلاں تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام عبداللہ رکھ دیا، میرے متعلق کتاب اللہ میں یہ آیات نازل ہوئیں:

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الاحقاف: ۱۰)

اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس قرآن پر گواہی دے چکا ہے سو وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۝

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۔ (الرعد: ۴۳)

آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے اور وہ جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے۔

بے شک اللہ نے تم سے تلوار کو میان میں رکھا ہوا ہے اور تمہارے اس شہر میں فرشتے تمہارے پڑوسی ہیں، یہ وہ شہر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے، پس تم اس شخص کو قتل کرنے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، پس اللہ کی قسم اگر تم نے اس شخص کو قتل کر دیا تو تمہارے پڑوسی فرشتے تم پر لعنت کریں گے اور اللہ کی جو تلوار میان میں تھی۔ باہر نکل آئے گی پھر قیامت تک وہ تلوار میان میں نہیں جائے گی (یعنی قیامت تک مسلمانوں میں تلواریں چلتی رہیں گی) باغیوں نے کہا اس یہودی کو بھی قتل کر دو اور عثمان کو بھی قتل کر دو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۰۳، ۳۲۵۶، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۳۳، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۵۳، تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۱۴)

اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں اسلام لائے تھے اور یہ سورت مکی ہے اس لیے اس سورت کی تفسیر میں آسمانی کتاب کے عالم سے حضرت عبداللہ بن سلام کو مراد لینا درست نہیں ہے۔ امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پوری سورت رعد مکی ہو اور اس کی یہ آیت مدنی ہو۔ پھر امام رازی نے اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک آدمی کی گواہی قطعی نہیں ہوتی اس لیے ایک آدمی کی گواہی سے نبوت کو ثابت کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس اعتراض کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس گواہ کی گواہی کو معتبر قرار دیا ہے تو اس کی گواہی سے نبوت کا اثبات درست ہو گا، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا تو صرف ان کی گواہی سے سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں سورہ توبہ میں شامل کی گئیں۔

(۲) قتادہ نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب کے وہ علماء ہیں، جو حق کی شہادت دیتے تھے، ان میں حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت سلمان فارسی اور حضرت تمیم داری وغیرہ شامل ہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد یہود اور نصاریٰ کے علماء ہیں، یعنی جو لوگ بھی تورات اور انجیل کے عالم ہیں ان کو یہ علم ہے کہ ان کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت ہے سو جب وہ عالم انصاف کرے گا اور جھوٹ نہیں بولے گا تو وہ اس بات کی گواہی دے گا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں۔

(۴) سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

(۵) محمد بن حنفیہ نے کہا اس سے مراد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ اور امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اور بھی کئی اقوال ذکر کیے ہیں لیکن وہ سیاق و سباق کے اعتبار سے مناسب نہیں ہیں۔

اختتام سورت اور دعا

آج بروز اتوار ۱۹ محرم ۱۴۲۱ھ / ۲۵ اپریل ۲۰۰۰ء سورۃ الرعد کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ فالحمد للہ رب العلمین علی ذالک، الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر کو مکمل کرا دیا ہے، قرآن مجید کی بقیہ سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور موافقین کے لیے اس تفسیر کو موجب استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنا دیں اور اس تفسیر کو قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے نفع آور اور فیض آفریں کر دیں اور اس کے مصنف، اس کے ناشر اور اس کے قارئین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور ہر عذاب سے محفوظ رکھیں اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت اور ہر سعادت عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعلمین وعلی آلہ الطیبین وعلی اصحابہ الکاملین وعلی ازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

سورة ابرهيم

(۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ ابراھیم

سورت کا نام

اس سورت کا نام ابراھیم ہے، کیونکہ اس سورت میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ذکر ہے، حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ذکر اس سورت کی اس آیت میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○ (ابراہیم: ۳۵)

اور جب ابراھیم نے دعا کی اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھ۔

ہرچند کہ قرآن مجید کی اور سورتوں میں بھی حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ذکر ہے، لیکن ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی، کسی چیز کا نام رکھنے کے لیے ضروری ہے اس چیز میں اور اس نام میں مناسبت ہو لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں بھی وہ مناسبت ہو وہاں وہ نام بھی ہو۔

سورۃ ابراھیم کا زمانہ نزول

جمہور مفسرین کے نزدیک سورۃ ابراھیم مکی ہے، ماسوا دو آیتوں کے اور وہ یہ ہیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ○ جَهَنَّمَ ج يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ○ (ابراھیم: ۲۹-۲۸)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا، اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا ○ (وہ گھر) جہنم ہے اس میں وہ سب داخل ہوں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے ○

یہ دو آیتیں مشرکین بدر کے متعلق نازل ہوئیں تھیں، یہ سورت، سورۃ شوریٰ کے بعد اور سورۃ انبیاء سے پہلے نازل ہوئی ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ ستر نمبر کی سورت ہے۔ اس سورت کا تعلق مکی زندگی کے آخری دور سے ہے۔

سورۃ الرعد اور سورۃ ابراھیم کی مناسبت

یہ دونوں مکی سورتیں ہیں اور ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلائل پیش کیے گئے ہیں، اور پچھلی امتوں میں جن کافروں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی ان پر نازل ہونے والے عذاب سے ڈرایا گیا ہے، سورۃ الرعد قرآن مجید کے ذکر پر ختم ہوئی ہے اور سورۃ ابراھیم کی ابتداء بھی قرآن مجید کے ذکر سے ہوئی ہے، سورۃ الرعد کی آخری آیت یہ ہے:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ○ (الرعد: ۴۳)

اور کفار یہ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں، آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے اور وہ جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے۔ (وہ بھی بطور گواہ کافی ہے)

اور سورۃ ابراھیم کی پہلی آیت یہ ہے:

الٓرٰ ۚ كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ○ (ابراھیم: ۱)

الف لام را، یہ وہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کی توفیق سے (کفر کے) اندھیروں سے (اسلام کی) روشنی کی طرف لائیں، اس کے راستہ کی طرف جو بہت غالب اور بہت تعریف کیا ہوا ہے ○

سورۃ ابراھیم کے مضامین اور مقاصد

اس سورت کی ابتداء حروف مقطعات سے کی گئی ہے جس سے یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید ان ہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم اپنے کلام کو مرتب کرتے ہو اگر تمہارے زعم میں یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو تم بھی ان حروف سے ایسا کلام بنا کر لے آؤ! اور اس سورت کو قرآن مجید کی اس صفت کے ساتھ شروع کیا گیا ہے کہ قرآن مجید لوگوں کو کفر کے اندھیروں سے اسلام کی روشنی میں لاتا اور انسانوں کو ان کے رب اور ان کے معبود کے راستہ پر گامزن کردیتا ہے، اور اس سورت میں کفار کو وعید سنائی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی پہلے اور نئے رسول نہیں ہیں، اور جس طرح آپ سے پہلے رسولوں کا بشر اور انسان ہونا ان کی رسالت کے منافی نہیں تھا اس طرح آپ کا بشر اور رسول ہونا بھی آپ کی نبوت اور رسالت کے منافی نہیں ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال بیان فرمائی ہے جن کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا تھا اور بنو اسرائیل کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا تھا اور اس ضمن میں کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے پر برانگیختہ فرمایا ہے۔ حضرت نوح کی قوم اور قوم عاد کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے بعد کی اقوام کا ذکر فرمایا ہے، اور ان قوموں نے اپنے رسولوں کی جو تکذیب کی اور اس کے نتیجہ میں ان پر جو عذاب آیا اس کا ذکر فرما کر ان کو ڈرایا ہے، تاکہ کفار مکہ عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر اپنی مصنوعات اور مخلوقات سے استدلال فرمایا ہے، اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے

جانے کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کی جو پرستش کر رہے ہیں وہ محض دھوکا ہے اور شیطان کا دیا ہوا فریب ہے، حشر کے دن ان کے خود ساختہ معبود ان سے براءت کا اظہار کر دیں گے اور شیطان بھی ان سے بری ہو جائے گا اور اس دن مسلمانوں اور کافروں کی کیا کیفیت ہوگی! اسلام کی فضیلت اور کفر کی مذمت بیان کی گئی ہے، اور ان کافروں کے حال پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے بدل ڈالا، پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اپنی بعض نعمتوں کا بیان فرمایا ہے، حضرت ابراھیم علیہ السلام کو تمام کفار مکہ مانتے تھے اس لیے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی شخصیت، ان کی صفات، ان کا دین اور ان کی زندگی کے اہم واقعات کو اختصار سے بیان فرمایا ہے تاکہ کفار مکہ اس پر غور کریں کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے قریب ان کا دین ہے یا حضرت ابراھیم علیہ السلام کے قریب وہ دین ہے جس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہے۔

اس اجمالی تعارف کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق، اس کی عنایت اور اعانت سے سورۃ ابراھیم کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ آج بروز جمعہ ۲۲ محرم ۱۴۲۱ھ / ۲۸ اپریل ۲۰۰۰ء کو سورۃ ابراھیم کی تفسیر شروع کی ہے۔ اے اللہ! مجھے اس تفسیر میں حق کی اتباع کرنے، حق بیان کرنے اور باطل سے اجتناب کرنے اور باطل سے منع کرنے کی توفیق، ہمت، استطاعت اور سعادت عطا فرما! اور ان امور میں میری مدد فرما! (آمین)

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ ابراھیم مکی ہے اور اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

الف لام را، یہ وہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا، تاکہ آپ ان کے رب کی توفیق سے لوگوں کو (کفر کے) اندھیروں

النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ ① اللّٰهِ الَّذِيْ

سے (اسلام کی) روشنی کی طرف لائیں، اس کے راستے کی طرف جو بہت غالب بہت تعریف کیا ہوا ہے ○ اللہ جس کی

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ

ملک میں تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کی چیزیں ہیں، اور کافروں کے لیے سخت عذاب

عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ② الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ

کی تباہی ہے ○ جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ

اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں وہ بہت دور

ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

کی گمراہی میں ہیں ○ اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان ہی میں مبعوث کیا ہے تاکہ

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

وہ ان کو بیان کرسکے، پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ

اور وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو

قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڏ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ

اندھیروں سے روشنی کی طرف لاؤ اور ان کو اللہ کے دنوں کی یاد دلاؤ،

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

بے شک اس میں ہر بہت صبر کرنے والے بہت شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں ○ اور جب موسیٰ نے اپنی

لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

قوم سے کہا تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم کو فرعون کے متبعین سے نجات دی

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

جو تم کو سخت اذیت پہنچاتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کردیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ

نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ ع ۱۳

رہنے دیتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام را، یہ وہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا، تاکہ آپ ان کے رب کی توفیق سے لوگوں کو (کفر کے) اندھیروں سے (اسلام کی) روشنی کی طرف لائیں اس کے راستے کی طرف جو بہت غالب، بہت تعریف کیا ہوا ہے ○ (ابراہیم: ۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن مجید کی تلاوت سے لوگوں کو مسلمان کرنا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم نے آپ پر یہ قرآن کریم نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کو کفر، گمراہی اور جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان، ہدایت اور علم کی روشنی میں لے آئیں، اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے لطف سے صراط مستقیم کی طرف، اور اس سے مراد ہے دین اسلام جس کو اس نے پسند کر لیا ہے اور اپنی تمام مخلوق کے لیے اس کو مشروع کر دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اجازت اور توفیق سے مقید فرمایا ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اور اپنی طاقت سے کسی کو مومن اور مسلمان بنانے پر قادر نہیں ہیں، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پورے جزیرہ عرب میں کوئی کافر نہ رہتا، اس لیے وہی شخص ایمان اور اسلام قبول کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ایمان اور اسلام کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے اس کتاب کو نازل کرنے کی وجہ سے آپ اپنے رب کی توفیق سے لوگوں کو کفر سے اسلام کی طرف لائیں باس طور کہ آپ لوگوں پر اس کتاب کی آیات کو تلاوت کریں تا کہ لوگ اس کتاب کی آیات میں غور و فکر کریں اور اس میں مذکور دلائل سے یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ عالم، قادر اور حکیم ہے اور قرآن کریم کے معجز ہونے کو پہچانیں تا کہ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کا صدق منکشف ہو اور وہ آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں اور جب وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے تو آپ ان کو جو بھی شرعی احکام دیں گے وہ ان احکام کو مانیں گے اور ان پر عمل کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی توفیق کی وضاحت

ہماری اس تقریر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ بندہ کے ایمان لانے میں دو چیزوں کا دخل ہے ایک ہے بندوں کا قرآن مجید کی آیات میں اور اسلام کی حقانیت میں غور و فکر کرنا اور دوسری چیز ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق، سو جب اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے تو بندہ ان آیات سے صحیح نتیجہ پر پہنچتا ہے، اور جب اس کی توفیق شامل حال نہیں ہوتی تو وہ ان ہی آیات سے غلط نتیجہ اخذ کرتا ہے اور بھٹک جاتا ہے، اب اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب اللہ تعالیٰ کے توفیق نہ دینے کی وجہ سے کوئی شخص بھٹک گیا اور ایمان نہ لا سکا تو اس میں بندہ کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ توفیق کا معنی ہے کسی نیکی اور خیر کے اسباب کو مہیا کر دینا، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں یہ استعداد اور صلاحیت رکھی ہے کہ وہ عقل سلیم سے کام لے کر اچھائی اور برائی اور نیکی اور بدی میں تمیز کر سکے اسی استعداد اور صلاحیت کو فطرت سے تعبیر کیا جاتا ہے، حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۸۱)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد: ۱۰-۸)

کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ۝ اور زبان اور دو ہونٹ ۝ اور ہم نے اسے (نیکی اور بدی کے) دونوں واضح راستے دکھا دیئے ۝

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝ قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَن

نفس کی قسم اور اس کی جس نے اس کو درست بنایا ۝ پھر اس کو اس کی بدکرداری اور پرہیز گاری کو سمجھا دیا ۝ جس نے

دَسّٰھَاO (الشمس: ۱۰-۷) نفس کو پاکیزہ کیا وہ کامیاب ہو گیاO اور جس نے اس کو گناہوں سے آلودہ کیا وہ ناکام ہو گیاO

اس حدیث اور قرآن مجید کی ان آیات سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور فہم دی ہے اور حق اور باطل کے ادراک کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر جو دلائل قائم کیے تھے اور اپنی رسالت کے ثبوت میں جو معجزات پیش کیے تھے وہ بھی ان کے سامنے تھے اور ان کے آباء واجداد کا جو بت پرستی کا طریقہ تھا وہ بھی ان کے سامنے تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا برحق ہونا اور ان کے آباء واجداد کے طریقہ کا باطل ہونا ان پر واضح ہو چکا تھا‘ لیکن جن لوگوں کے دل و دماغ پر اپنے آباء واجداد کی تقلید کی گہری چھاپ لگی ہوئی تھی‘ انہوں نے اسی طریقہ پر کاربند رہنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں اسی گمراہی کو پیدا کر دیا اور جن لوگوں نے اس طریقہ کے بطلان کے منکشف ہونے کے بعد قدیم جاہلیت کو ترک کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں اسلام اور ایمان کو پیدا کر دیا‘ اور یہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے‘ اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے مراد یہ ہے کہ جو اسلام قبول کرنے کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسلام قبول کرنے کا راستہ سہل اور آسان کر دیتا ہے اور اسلام لانے کے اسباب اس کو مہیا اور میسر کر دیتا ہے۔

جس کے اسلام لانے کا اللہ تعالیٰ نے اذن نہیں دیا اس کے اسلام نہ لانے میں اس کا کیا قصور ہے؟

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے مراد یہ ہو کہ جب انسان کفر کی ترغیبات اور اسلام کے دلائل میں غور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اسلام قبول کرنے کی تحریک اور داعیہ پیدا کرتا ہے‘ بعض انسان اس تحریک کی وجہ سے اسلام قبول کر لیتے ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کا اذن ہے اور بعض انسانوں پر آباء واجداد کی تقلید غالب آجاتی ہے اور وہ کفر پر قائم رہنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں کفر اور گمراہی پیدا کر دیتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے مراد اس کا امر یا اس کا علم یا اس کا ارادہ ہے‘ بہرحال ہم نے جو تقریر کی ہے اس سے یہ اعتراض دُور ہو جاتا ہے کہ جب ایمان وہی لوگ لاتے ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کا اذن ہوتا ہے تو کفار کا ایمان نہ لانا اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان لانے کا اذن نہیں دیا تھا پس اگر وہ ایمان نہیں لائے تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے پھر ان کو کفر پر دنیا میں ملامت کیوں کی جاتی ہے اور آخرت میں ان کو عذاب کیوں دیا جائے گا اور اس اعتراض کے دُور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں پر حق اور باطل کے دلائل واضح کر دیئے اور ان کی عقل میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ حق کو باطل پر ترجیح دے سکیں اور سب کو ایمان لانے کے مواقع فراہم کیے‘ بعض لوگوں نے ان مواقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور کفر پر قائم رہنے کا ارادہ کیا سو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں کفر پیدا کر دیا اور بعض لوگوں نے ان مواقع سے فائدہ اٹھایا اور ایمان لانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اسلام لانے کے اسباب مہیا کر دیئے اور ان کے لیے اسلام قبول کرنے کو سہل اور آسان کر دیا۔

اسلام کی نشر و اشاعت آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ہوئی یا دلائل سے

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کفر سے اسلام کی طرف لاتے ہیں‘ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی اور امام رازی نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت صرف دلیل سے حاصل ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دلائل کی طرف متوجہ اور متنبہ کرنے والے ہیں۔ تاہم تحقیق یہ ہے کہ جو چیز جزیرہ عرب کے لوگوں کے اسلام لانے کا باعث بنی وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بے داغ‘

پاکیزہ اور بے مثال سیرت ہے' جو لوگ آپ کی شخصیت اور آپ کی سیرت کو جس قدر قریب سے دیکھنے والے تھے وہ اس قدر جلد مسلمان ہو گئے اور جن لوگوں نے آپ کی شخصیت اور آپ کی سیرت کو جتنی دیر سے دیکھا وہ اس قدر دیر سے مسلمان ہوئے' اور صرف دلائل کافی نہیں تھے ورنہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات پر دلائل تو ہمیشہ سے موجود ہیں' اصل چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تھی اور آپ کا فیضانِ نظر تھا' یہ اور بات ہے کہ بعض محققین نے آپ کی تعلیم کو تنبیہہ سے تعبیر کر لیا۔

العزیز الحمید کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے العزیز الحمید۔ العزیز کا معنی ہے بہت غالب' اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا عالم ہو اور ہر چیز پر قادر ہو' ورنہ جس چیز کا اسے علم نہیں ہو گا یا جس چیز پر اسے قدرت نہیں ہو گی وہ اس پر غالب نہیں ہو گا' اور الحمید کا معنی ہے وہ اپنے ہر فعل پر حمد کا مستحق ہو اور جو اپنے ہر فعل پر حمد کا مستحق ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر ایک سے اور ہر چیز سے مستغنی ہو' اس سے معلوم ہوا کہ جو عزیز حمید کا راستہ ہے وہی سب سے اعلیٰ اور اشرف راستہ ہے اور وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو صراط مستقیم کہا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ جس کی ملک میں تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کی چیزیں ہیں اور کافروں کے لیے سخت عذاب کی تباہی ہےO(ابراھیم: ۲)

لفظ اللہ کے علم (نام) ہونے پر دلائل

یہ آیت پچھلی آیت سے مربوط ہے یعنی اس کے راستہ کی طرف جو بہت غالب' بہت تعریف کیا ہوا ہے' اس آیت میں بتایا وہ اللہ ہے جس کی ملک میں تمام آسمان اور زمینیں ہیں۔

لفظ اللہ میں علماء کا اختلاف ہے' آیا یہ اسم جامد ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم (نام) ہے' یا یہ اسم مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کا معنی ہے معبود یا مستحق عبادت' اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ لفظ اللہ' اللہ تعالیٰ کا علم (نام) ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) صفت کا مفہوم کلی ہوتا ہے اور کلی وقوع شرکت سے مانع نہیں ہوتی' لہٰذا اگر لفظ اللہ کو صفت قرار دیا جائے تو کلمہ لا الہ الا اللہ سے توحید ثابت نہیں ہو گی کیونکہ اب معنی ہو گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اور لفظ اللہ صفت ہے جو اکثرین پر صادق آتا ہے' نیز اللہ بھی کلی ہے اور الہ بھی کلی ہے تو لا الہ الا اللہ میں استثناء الشئ من نفسہ لازم آئے گا اس لیے ضروری ہے کہ لفظ اللہ کو علم اور جزئی قرار دیا جائے۔

(۲) جب ہم اللہ تعالیٰ کا اسم اور اس کی صفات کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم' اور کبھی یوں نہیں کہتے الرحمن الرحیم اللہ' بلکہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا ذکر کیا گیا ہے تو ذات پر دلالت کرنے کے لیے لفظ اللہ کو لایا گیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ لفظ اللہ' اللہ تعالیٰ کا اسم اور علم ہے۔

(۳) بعض الفاظ اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ پر دلالت کرتے ہیں جیسے القدوس' السلام اور بعض الفاظ اللہ تعالیٰ کی صفات اضافیہ پر دلالت کرتے ہیں جیسے خالق اور رازق' اور بعض الفاظ اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ پر دلالت کرتے ہیں جیسے عالم اور قادر' اب اگر لفظ اللہ' اللہ تعالیٰ کا علم (نام) نہ ہو' اور اس کی ذات مخصوصہ پر دلالت نہ کرے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے

تمام اسماء اس کی صفات پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی ذات مخصوصہ پر دلالت کرنے کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے اور یہ بہت بعید ہے' اور قرآن اور حدیث اور محاورات عرب میں' جس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ذات مخصوصہ کو تعبیر کیا جاتا ہے وہ صرف لفظ اللہ ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ھل تعلم لہ سمیا۔ (مریم: ۶۵) کیا تمہیں اللہ کے کسی ہم نام کا علم ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا تمہیں کسی ایسے شخص کا علم ہے' جس کا نام اللہ ہے؟ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ لفظ اللہ' اللہ تعالیٰ کی ذات مخصوصہ کا اسم اور نام ہے' یہی وجہ ہے کہ پہلے لفظ اللہ کو ذکر کیا جاتا ہے پھر اس کی صفات ذکر کی جاتی ہیں جیسے ھو اللہ الخالق البارئ المصور' اور یوں نہیں کہا جاتا تا الخالق البارئ المصور اللہ اگر لفظ اللہ صفت ہوتا تو اس طرح کہنا بھی جائز ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا کسی سمت کے ساتھ مختص نہ ہونا اور بندوں کے افعال کا خالق ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمام آسمان اور زمینیں اللہ کی ملکیت ہیں اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر نہیں ہے نہ نیچے ہے' اور عرف میں اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ اوپر کی سمت کو نیچے کی سمت پر فضیلت حاصل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کسی جہت اور کسی سمت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے' اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں یا زمینوں میں ہو تو لازم آئے گا اللہ تعالیٰ خود بھی اپنی ملکیت میں ہو۔

اس آیت سے ہمارے علماء نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں' کیونکہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا مملوک ہے اور بندوں کے افعال بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں لہٰذا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے مملوک ہوئے اور ملکیت کسی چیز کو پیدا کرنے سے ہوتی ہے' یا کسی چیز کو خریدنے سے کسی چیز کی وراثت سے یا کسی کے ہبہ کرنے اور عطا کرنے سے' موخر الذکر تین طریقوں سے مالک ہونا تو اللہ تعالیٰ کے لیے غیر متصور ہے تو لامحالہ اللہ تعالیٰ جو بندوں کے افعال کا مالک ہے تو ان کو پیدا کرنے کی وجہ سے مالک ہے۔

بت پرستوں کے سخت عذاب کا سبب

اس آیت میں حصر ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کا صرف اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے اس کے سوا اور کوئی مالک نہیں ہے اور جب اس کے سوا کوئی مالک نہیں ہے تو اس کے سوا کوئی حاکیت کا مجاز بھی نہیں ہے اور نہ اس کے سوا کسی کو عبادت کرانے کا استحقاق ہے اور جب کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر بتوں کی عبادت کی اور جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اس کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی جس کو کسی نفع اور ضرر پہنچانے کا اختیار نہیں ہے' جو مالک ہے نہ خالق ہے بلکہ خود مملوک اور مخلوق ہے تو ضروری ہوا کہ وہ سخت سے سخت سزا کے مستحق ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت میں تفرد بیان کرنے کے بعد فرمایا اور کافروں کے لیے سخت عذاب کی تباہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں وہ بہت دور کی گمراہی میں ہیں O (ابراھیم: ۳)

دنیاوی لذتوں کا بے مایہ ہونا

جو شخص بھی دنیا کی زیب و زینت اور دنیا کی رنگینیوں کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دے اور آخرت کی بجائے دنیا میں

ہی رہنے کو پسند کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے لوگوں کو روکے وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہے وہ خود گمراہ ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا ہے۔

بعض اوقات فساق اور فجار گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن وہ گناہوں کو پسند نہیں کرتے اور نہ گناہوں سے محبت کرتے ہیں اور کافر جو صرف دنیا کی زندگی کو مانتے ہیں اور آخرت کی زندگی کے منکر ہیں ان کے نزدیک دنیا کی مرغوب چیزیں اور دنیا کی لذتیں ہی اصل نعمت ہیں اس لیے وہ دنیا کے لذائذ اور مرغوبات کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ترجیح کو بہت دور کی گمراہی فرمایا ہے کیونکہ دنیا کے مرغوبات اور لذائذ میں انواع واقسام کے عیوب ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) انسان جب اپنی مرغوب چیزیں حاصل کر لیتا ہے تو اس کو یہ غم لگا رہتا ہے کہ اس سے یہ چیزیں کوئی چھین کر نہ لے جائے یا کسی حادثہ کی وجہ سے یہ چیزیں ضائع نہ ہو جائیں اور اگر یہ چیزیں باقی بھی رہیں تو وہ خود ایک دن ان چیزوں کو چھوڑ کر دنیا سے چلا جائے گا۔

(۲) دنیاوی لذتوں میں انسان سب سے زیادہ ذائقہ اور جماع کی لذت میں کوشاں ہوتا ہے اور یہ لذت صرف چند لمحوں کی ہے حلق سے لقمہ اترنے کے بعد اس لذت کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور انزال کے بعد جماع کی لذت کا کوئی نشان نہیں رہتا، پھر ان کی بہت خرابیاں ہیں۔ کھانے پینے کی جتنی چٹخارے دار اور لذیذ اشیاء ہیں سب کا مآل موذی قسم کے امراض ہیں، اور جماع کے نتیجہ میں انسان بہت ذمہ داریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف روحانی لذات کسی خرابی اور ذمہ داری کی موجب نہیں ہیں۔

(۳) دنیاوی لذات فانی ہیں اور اخروی لذات دائمی اور سرمدی ہیں۔

بہت دور کی گمراہی کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیاوی لذات کو اخروی لذات پر ترجیح دیتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ فی نفسہٖ دنیاوی لذات مذموم نہیں ہے، لائق مذمت یہ چیز ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جائے، جس نے دنیاوی لذتوں کے حصول کی اس لیے کوشش کی ان کے وسیلہ سے وہ اخروی نیکیاں حاصل کرے گا تو یہ مذموم نہیں ہے۔

پھر اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ گمراہ ہے اور جب اس نے دوسرے لوگوں کو بھی اللہ کے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی تو وہ گمراہ کرنے والا ہے اور ضال اور مضل ہے، اگر وہ لوگوں کو صرف اسلام قبول کرنے سے روکے اور منع کرے تب بھی گمراہ کرنے والا ہے اور اگر لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات پیدا کرے اور مختلف ہتھکنڈوں سے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرے تب بھی وہ ضال اور مضل ہے اور بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں مبعوث کیا ہے تاکہ وہ ان کو بیان کر سکے، پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے○ (ابراھیم: ۴)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا عموم

اللہ تعالیٰ کا ہر قوم پر یہ احسان ہے کہ اس نے ان میں وہ رسول بھیجا جو ان کی زبان بولتا تھا تاکہ افادہ اور استفادہ میں اور افہام اور تفہیم میں آسانی ہو اور قوم آسانی کے ساتھ رسول کی بات کو سمجھ سکے اور اس کے لیے شریعت کے اسرار اور

حقائق کو سمجھنا آسان اور سہل ہو جائے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی تھی اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کا پیغام صرف ان ہی لوگوں کے لیے حجت ہو جن کی زبان عربی ہو اور جو دوسری زبانیں بولتے ہیں ان کے لیے آپ کا پیغام حجت نہ ہو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ان کی زبانوں میں قرآن مجید اور احادیث اور آثار کا ترجمہ کر کے ان تک پہنچا دیا گیا تو آپ کا پیغام ان پر بھی حجت ہو گیا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عموم پر قرآن مجید کی آیات

رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک تمام انسانوں کے لیے رسول ہیں اس پر کیا دلیل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (الاعراف: ۱۵۸)

آپ کہیے اے لوگو! بے شک میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

بلکہ آپ صرف انسانوں کے نہیں بلکہ تمام جنات اور انسانوں کے رسول ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝ (بنو اسرائیل: ۸۸)

آپ کہیے اگر (تمام) جن اور انس اس قرآن کی مثل لانے پر مجتمع ہو جائیں تو وہ اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں۔

اس قرآن کی مثال لانے کا جنات کو بھی چیلنج کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے مکلف ہیں بلکہ آپ جن اور انسانوں کے علاوہ تمام جمادات' نباتات' اور تمام حیوانات کے غرض پوری کائنات کے لیے رسول ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ (الفرقان: ۱)

وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں والوں کے لیے ڈرانے والے ہوں۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عموم پر احادیث

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عموم پر احادیث بھی دلالت کرتی ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں' ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے' تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور آلہ طہارت بنا دیا گیا پس میری امت میں سے جو شخص بھی (جہاں) نماز کا وقت پائے وہ نماز پڑھ لے' اور میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا اور (پہلے) ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۲' ۷۳۶)

علامہ ابو الحسن علی بن خلف المعروف بابن بطال اندلسی متوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ جس طرح آپ کو دیکھنا اور آپ کا کلام سننا لوگوں پر حجت تھا' اسی طرح بعد کے لوگوں پر آپ کی احادیث حجت ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن مجید ہے اور وہ ان احادیث کی تائید اور موافقت کرتا ہے اور آپ کا معجزہ یعنی قرآن مجید قیامت تک باقی رہے گا اور وہ تغیر و تبدل سے محفوظ رہے گا اور چونکہ آپ کی دعوت قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے باقی رہے گی اور قیامت تک آپ کی دعوت کا ماننا ان پر واجب رہے گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ آپ کا معجزہ یعنی قرآن کریم قیامت تک باقی رہے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۷۰ ۔ ۴' مطبوعہ مکتبہ الرشید الریاض' ۱۴۲۰ھ)

امام مسلم متوفی ۲٦۱ھ کی روایت میں اس سے زیادہ عموم ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء (سابقین) پر چھ وجوہ سے فضیلت عطا کی گئی ہے' مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے' میری رعب سے مدد کی گئی' میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں' اور میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور آلہ طہارت بنا دیا گیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور تمام نبیوں کو مجھ پر ختم کیا گیا۔

(صحیح مسلم المساجد: ۵' (۵۲۳) ۱۱۴۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵٦۷' مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۳۹۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۱۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۳۳' ج ۹ ص ۵' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۷۲' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳٦۱۷)

جمادات اور نباتات کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جمادات اور نباتات کے لیے رسول ہیں' اس پر اس حدیث میں واضح دلیل ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا' ہم مکہ کی بعض اطراف میں گئے' آپ کے سامنے جو پہاڑ یا درخت آتا وہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳٦۲٦' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۴۔ ۱۵۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۵۱۰)

حیوانات کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حیوانات کے بھی رسول ہیں اس پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے بعض گھر والوں کے پاس ایک اونٹ تھا جس پر وہ پانی (کی مشکیں لاد کر) لاتے تھے' ان کا وہ اونٹ سرکش ہو گیا اور اس نے اپنے اوپر پانی لادنے نہیں دیا وہ انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جس پر ہم پانی لاد کر لاتے تھے اب وہ سرکش ہو گیا ہے اور اب وہ ہم کو اپنی پشت پر پانی لادنے نہیں دیتا اور ہمارے کھیت اور ہمارے باغ سوکھے پڑے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا چلو' آپ کے اصحاب اٹھے اور آپ باغ میں داخل ہوئے جس کے ایک گوشے میں وہ اونٹ کھڑا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف جانے لگے' انصار نے کہا یا رسول اللہ وہ اونٹ تو اب کاٹنے والے پاگل کتے کی طرح ہو گیا ہے اور ہمیں خطرہ ہے کہ وہ آپ پر حملہ کر دے گا' آپ نے فرمایا مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے' جب اونٹ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو وہ آپ کی طرف آیا اور آپ کے سامنے آ کر سجدہ میں گر گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیشانی سے پکڑا تو وہ پہلے سے بہت زیادہ متواضع اور مطیع تھا' حتیٰ کہ آپ نے اس کو کام میں لگا دیا'

آپ کے اصحاب نے آپ سے کہا یہ بے عقل جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہم عقل والے اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، آپ نے فرمایا کسی بشر کے لیے دوسرے بشر کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی بشر کے لیے دوسرے بشر کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، کیونکہ خاوند کا اپنی بیوی پر عظیم حق ہے۔ الحدیث۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹۔۱۵۸ قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۶۳۱ عالم الکتب بیروت، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۵۵۱ دار الحدیث قاہرہ، حمزہ احمد زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، حافظ الہیثمی نے بھی کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۸۷، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۵۴، حافظ منذری نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: اس حدیث کو امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے، اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں، اور امام بزار نے بھی اس کی مثل روایت کیا ہے۔ اور امام نسائی نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اس کو حضرت ابو ہریرہ سے مختصراً روایت کیا ہے۔ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۵، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۶۷۵۔۶۷۴، رقم الحدیث: ۲۸۹۳، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۱۶۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۴۷)

حافظ سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا ہمارا اونٹ غضب ناک ہو گیا ہے اور وہ باغ میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹ کے پاس گئے اور فرمایا آؤ، وہ آپ کے پاس سر جھکائے ہوئے آیا حتیٰ کہ آپ نے اس کے نکیل ڈال دی اور وہ اونٹ اس کے مالکوں کے حوالے کر دیا۔ حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ! گویا کہ اس کو علم تھا کہ آپ نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا:

ما بین لابتیھا احد الا یعلم انی نبی الا کفرۃ الجن والانس۔

مدینہ کی دو سیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان جو کوئی بھی ہے وہ یہ جانتا ہے کہ میں نبی ہوں سوا کافر جنوں اور انسانوں کے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۰۰۳، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اور بعض میں کچھ ضعف ہے، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۷۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۰، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۳۸۵، عالم الکتب، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۲۶۹، دار الحدیث قاہرہ، حمزہ احمد الزین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مصنف ابن شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۹، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۱۲۳، الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۹۴)

کفار کے سوا کائنات کی ہر چیز آپ کی رسالت کو جانتی ہے

نیز امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبد اللہ بن یعلیٰ بن مرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھیں جو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھیں، میں آپ کے ساتھ مکہ کے ایک راستہ میں جا رہا تھا، آپ ایک عورت کے پاس سے گزرے جس کا بیٹا بہت سخت جنون میں مبتلا تھا، اس عورت نے کہا یا رسول اللہ آپ دیکھ رہے ہیں میرے بیٹے کا کیا حال ہے، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں اس کے لیے دعا کر دوں، آپ نے اس کے لیے دعا کی پھر آپ چلے گئے، پھر آپ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جو اپنی گردن بڑھا کر بڑبڑا رہا تھا، آپ نے فرمایا اس اونٹ کے مالک کو بلاؤ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا، یہ اونٹ کہہ رہا ہے میں ان کے ہاں پیدا ہوا، انہوں نے مجھ سے کام لینا شروع کر دیا حتیٰ کہ اب میں بوڑھا ہو گیا تو یہ

لوگ مجھے ذبح کرنا چاہتے ہیں، پھر آپ آگے گئے تو آپ نے دو الگ الگ درختوں کو دیکھا آپ نے مجھ سے فرمایا جاؤ ان دونوں درختوں سے کہو کہ وہ مل کر متصل ہو جائیں، جب وہ درخت مل گئے تو آپ نے ان کی اوٹ میں حاجت قضا کی اور فرمایا جاؤ ان سے کہو اب یہ الگ الگ ہو جائیں پھر آپ آگے گئے، جب واپس آئے تو اس بچہ کے پاس سے گزرے وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اس کی ماں کے پاس چھ مینڈھے تھے اس نے دو مینڈھے آپ کو ہدیہ کیے، اور کہنے لگی اس پر دوبارہ بالکل جنون طاری نہیں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شیء الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ الجن والانس۔ ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ماسوا کافر یا فاسق جنوں اور انسانوں کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲-۲۶۱، رقم الحدیث: ۶۷۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۹۳، امام حاکم اور ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، المستدرک ج ۲ ص ۶۱۸-۶۱۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۹۲، ۲۸۳، مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۲، قدیم مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۴۸۹، دار الحدیث قاہرہ، حمزہ احمد زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۴، ۵۳۳)

نوٹ: المعجم الکبیر، دلائل النبوۃ میں اور البدایہ والنہایہ میں یہ حدیث مکمل ہے اور باقی کتابوں میں اس کے مختلف اجزاء ہیں۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ساتھ ایک باغ میں داخل ہوئے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور ایک انصاری تھا اس باغ میں بکریاں تھیں انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! ان بکریوں کی بہ نسبت آپ کو سجدہ کرنے کے ہم زیادہ حقدار ہیں، آپ نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے کو سجدہ کرے اور اگر کسی کے لیے یہ جائز ہوتا کہ وہ دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ سے گزرے تو وہاں ایک خیمہ میں ہرنی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے کھول دیجئے تاکہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلاؤں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھول دیا وہ تھوڑی دیر بعد واپس آگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھر باندھ دیا، جب خیمہ والے آئے تو آپ نے ان سے اس ہرنی کو مانگ لیا اور اس کو کھول کر آزاد کر دیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

گوہ کا کلمہ شہادت پڑھنا

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی محفل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بنو سلیم سے ایک اعرابی آیا وہ ایک گوہ کو شکار کر کے لایا تھا جو اس کی آستین میں تھی تاکہ اس کو اپنے گھر لے جائے اور پکا کر کھائے۔ جب اس نے ایک جماعت کو دیکھا تو پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ اس کو بتایا کہ یہ نبی ہیں وہ لوگوں کو چیرتا ہوا آیا اور کہنے لگا لات اور عزیٰ کی قسم! میرے نزدیک آپ سے زیادہ مبغوض اور کوئی نہیں ہے، اور اگر میری قوم مجھے جلد باز نہ کہتی تو میں اب تک آپ کو قتل کر چکا ہوتا اور ہر کالے گورے کو آپ کے قتل سے خوش کر چکا ہوتا، حضرت عمر نے کہا یا

رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اٹھ کر اس کو قتل کردوں! آپ نے فرمایا: اے عمر! کیا تم نہیں جانتے کہ بردبار شخص کو نبی بنایا جاتا ہے، پھر آپ اس اعرابی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تمہارے اس قول کا کیا مطلب ہے اور تم نے یہ ناحق بات کیوں کہی ہے؟ تم نے میری مجلس میں میری تعظیم نہیں کی اور تم اللہ کے رسول سے توہین آمیز کلام کرتے ہو! اس کے کہا لات اور عزیٰ کی قسم! میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا حتیٰ کہ یہ گوہ آپ پر ایمان لے آئے، یہ کہہ کر اس نے اپنی آستین سے گوہ نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھینک دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے گوہ! گوہ نے فصیح عربی میں کہا جس کو تمام حاضرین سن رہے تھے: لبیک وسعدیک! آپ نے پوچھا اے گوہ! تم کس کی عبادت کرتی ہو! اس نے کہا جس کا آسمان میں عرش ہے اور زمین میں اس کی سلطنت ہے، سمندر میں اس کا راستہ ہے، جنت میں اس کی رحمت ہے، دوزخ میں اس کا عذاب ہے، آپ نے فرمایا اور میں کون ہوں اے گوہ! اس نے کہا آپ رب العالمین کے رسول ہیں، خاتم النبیین ہیں، جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے آپ کی تکذیب کی وہ ناکام ہوگیا، اس اعرابی نے کہا اب آنکھوں سے دیکھنے کے بعد میں کسی سنی سنائی بات پر یقین نہیں کروں گا، جس وقت میں آپ کے پاس آیا تھا اس وقت میرے نزدیک روئے زمین پر آپ سے زیادہ مبغوض کوئی نہیں تھا۔ اور اب میرے نزدیک آپ میرے والد، میری آنکھوں اور میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں اور میں آپ سے اپنے اندر اور باہر اور اپنے ظاہر اور باطن سے محبت کرتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ سے زیادہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے لیے حمد ہے: جس نے میری وجہ سے تم کو ہدایت دی، یہ دین غالب ہے یہ دین مغلوب نہیں ہوگا، اور نماز کے بغیر یہ دین مقبول نہیں ہے اور نماز قرآن کے بغیر مقبول نہیں ہے، اس نے کہا آپ مجھے تعلیم دیں پھر آپ نے اس کو تعلیم دی۔ الحدیث۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۸-۳۶، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۷۵، ۱، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۹۴۸، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۹۹۳ حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام طبرانی نے اس حدیث کو معجم صغیر اور معجم اوسط میں اپنے شیخ محمد بن علی بن الولید البصری سے روایت کیا ہے، امام بیہقی نے کہا اس حدیث کا بوجھ اسی پر ہے اور اس کے باقی راوی صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۴، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے اور ہم نے جس سند سے ذکر کیا وہ زیادہ بہتر ہے، اور وہ بھی ضعیف ہے اور اس کا بوجھ اسلمی پر ہے۔ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۴۶، حافظ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے: یہ حدیث میں بھی کئی اسانید سے مروی ہے، حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ سے، اور ابن دحیہ اور حافظ ذہبی کا یہ زعم ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر کی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جن میں محمد بن علی بن الولید نہیں ہے جس کو امام ابونعیم نے روایت کیا ہے اور امام ابن عساکر نے اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف زبانوں کے بولنے والے کلام کرتے تھے اور آپ ان کی زبانوں کو جانتے تھے، فرشتے اور جنات آپ سے کلام کرتے تھے اور آپ ان کی زبانوں کو سمجھتے تھے، جانوروں کی بولیوں کو آپ جانتے تھے اور آپ ان سے گفتگو فرماتے تھے، آپ پوری کائنات کے رسول تھے اور پوری کائنات کی زبانوں کو جانتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں میں سے روشنی کی طرف لاؤ، اور ان کو اللہ کے دنوں کی یاد دلاؤ، بے شک اس میں ہر بہت صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں O (ابراھیم: ۵)

انبیاء سابقین کے ذکر کی حکمت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی طرف اس لیے بھیجا ہے کہ آپ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے وہ انعامات ذکر کیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی قوم کو عطا فرمائے، اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ انبیاء سابقین کا ذکر فرما رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا تو انہوں اپنے نبیوں اور رسولوں سے کس طرح کا معاملہ کیا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا جائے کہ انبیاء سابقین اور ان کی قوموں کے درمیان کس قسم کا معاملہ ہوا؟ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا۔

تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد واحد ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ نشانیاں دی گئی تھیں:
(۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) ٹڈیاں (۴) جوئیں (۵) خون (۶) مینڈکوں کی بارش (۷) سمندر کو چیرنا (۸) پتھر سے چشموں کا پھوٹنا (۹) پہاڑ کا سایہ کرنا (۱۰) المن اور السلویٰ کا نازل کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم بنو اسرائیل کی طرف ان نشانیوں اور تورات کے ساتھ بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ان کے لیے دین اور شریعت کو بیان کریں، اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ (ابراہیم: ۱)
ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراہیم: ۵)
کہ آپ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔

اس میں یہ بتانا ہے کہ تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد واحد ہے کہ وہ اس بات کی پیہم سعی کریں کہ وہ اللہ کی مخلوق کو گمراہی اور کفر کے اندھیروں سے ہدایت اور ایمان کی روشنی کی طرف لائیں۔

ایام اللہ کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو ایام اللہ (اللہ کے دنوں) کی یاد دلاؤ۔ ایام اللہ سے مراد ہیں وہ ایام جن میں اہم واقعات رونما ہوئے یا جن ایام میں اللہ تعالیٰ نے منکروں اور کافروں کو سزا دینے کے لیے اور ان سے انتقام لینے کے لیے ان پر عبرت ناک عذاب نازل فرمایا، یا جن دنوں میں اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر خاص نعمتیں نازل فرمائیں۔

حضرت ابی بن کعب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ ایام اللہ سے مراد اللہ کی نعمتیں ہیں، مجاہد، قتادہ اور ابن قتیبہ کا بھی یہی قول ہے، ابن زید، ابن السائب اور مقاتل نے کہا اس سے مراد پہلی امتوں کے اہم واقعات ہیں، زجاج نے کہا اس سے مراد وہ ایام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں پر عذاب نازل فرمایا جیسے حضرت نوح کی قوم اور عاد اور ثمود پر۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۳۴۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں ایام اللہ وہ تھے جو سخت آزمائش اور مصائب کے ایام تھے، بنو اسرائیل فرعون کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن فرعون کو غرق کر دیا اور انہیں ان کی زمینوں اور ان کے

مکانوں کا مالک بنا دیا اور انواع و اقسام کے انعامات سے ان کو نوازا میدان تیہ میں ان پر بادل کا سایہ کیا اور ان پر المن اور السلوی نازل فرمایا۔

صبر اور شکر کے متعلق احادیث

اس کے بعد فرمایا بے شک اس میں بہت صبر کرنے والوں اور بہت شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں، جب بندہ پر کوئی مصیبت آئے تو اس کو صبر کرنا چاہیے اور اس کو جب کوئی نعمت دی جائے تو پھر اس کو شکر کرنا چاہیے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے حال پر تعجب ہوتا ہے اس کے ہر حال میں خیر ہے اور یہ مومن کے علاوہ اور کسی کا حال نہیں ہے اگر اس کو خوشی پہنچتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے سو یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ (بھی) اس کے لیے خیر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۹۹، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۷۸، کنز العمال رقم الحدیث ۷۱۰، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۲۹۷، مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۳، ۳۳۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۹۶)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک امت کو بھیجنے والا ہوں، جب ان کو ان کی محبوب چیزیں ملیں گی تو وہ اللہ کی حمد کریں گے اور جب ان پر مکروہ چیزیں نازل ہوں گی تو وہ ثواب کی امید رکھیں گے اور صبر کریں گے، اور ان کا ذاتی (خلقی) حلم اور علم نہیں ہوگا، حضرت عیسیٰ نے کہا یا رب! یہ کیسے ہوگا! فرمایا میں ان کو اپنا حلم اور علم عطا کروں گا۔

(المستدرک ج ۱ ص ۳۴۸، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۲۷، ج ۵ ص ۲۴۳)

حضرت سخبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کچھ دیا گیا تو اس نے شکر ادا کیا، اور اس پر مصیبت آئی تو اس نے صبر کیا، اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تو اس نے استغفار کیا۔ اس پر ظلم کیا گیا تو اس نے معاف کر دیا۔ پھر آپ خاموش ہو گئے، صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کے لیے کیا اجر ہے؟ فرمایا:

اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ (الانعام: ۸۲) ان ہی کے لیے (عذاب سے) امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۶۱۳، حافظ الہیثمی نے کہا اس میں ایک راوی عوام بن جویریہ ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۴۸)

صبر اور شکر میں عبد اللہ بن مبارک کا معیار اور اس پر کلام

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ شقیق بن ابراہیم بلخی بھیس بدل کر عبد اللہ بن مبارک کے پاس گئے، انہوں نے پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں، شقیق نے کہا بلخ سے، عبد اللہ بن مبارک نے پوچھا شقیق کو جانتے ہو؟ کہا ہاں! پوچھا ان کے اصحاب کا کیا طریقہ ہے، کہا جب ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو صبر کرتے ہیں اور جب انہیں کچھ دیا جاتا ہے تو شکر ادا کرتے ہیں، عبد اللہ بن مبارک نے کہا یہ تو ہمارے ہاں کتوں کا طریقہ ہے، شقیق نے پوچھا پھر کس طرح ہونا چاہیے! عبد اللہ بن مبارک نے کہا کہ کاملین وہ ہوتے ہیں جن کو جب کچھ نہ دیا جائے تو شکر کریں اور جب مل جائے تو وہ دوسروں کو دے دیں!

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

عبد اللہ بن مبارک نے جو کاملین کا طریقہ بیان کیا ہے یہ فقہی طور پر درست نہیں ہے، انسان پر لازم ہے کہ پہلے اپنی

ضروریات پوری کرے اور جو اس کی ضروریات سے فاضل ہو وہ دوسروں کو دے انسان اپنا تمام مال و متاع خیرات کر کے خود بھوکا پیاسا رہے اور اپنی ضروریات میں دوسروں کا محتاج بن جائے یہ جائز نہیں ہے اور یہ اللہ کی نعمتوں کی ناقدری اور اس کی ناشکری ہے۔

شکر کا معنی اور صابر اور شاکر کے ساتھ نشانیوں کی تخصیص کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے: اس میں بہت صبر کرنے والوں اور بہت شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں' اس میں صبر اور شکر کرنے والوں سے مراد مومنین ہیں' کیونکہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کی وجہ سے اپنے نفس کی مرغوبات اور لذائذ سے صبر کرتا ہے اور عبادات کی مشقت پر صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے اور سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی عبادت کرنے کی توفیق ہے اور انسان کا سلیم الاعضاء ہونا اور اس کا صحت مند ہونا اور بندہ کو ہر وقت ان نعمتوں پر شکر کرتے رہنا چاہیے' شکر کا معنی ہے دل' زبان اور اعضاء سے منعم کی تعظیم بجالانا' اور اللہ نے جو نعمت جس مقصد کے لیے عطا کی ہے اس نعمت کو اس مقصد کے پورا کرنے کے لیے خرچ کرنا' اور اس نعمت کو اس مقصد کے لیے خرچ نہ کرنا ناشکری ہے' اور اس نعمت کو اس مقصد کے الٹ اور خلاف خرچ کرنا بہت بڑا گناہ اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنے کی جسارت ہے' مثلاً اللہ تعالیٰ نے شہوانی قوت عطا کی تا کہ حلال طریقہ سے اس شہوت کے تقاضوں کو پورا کرے یہ شکر ہے' اور انسان جنگل میں زندگی گزارے اور راہب بن جائے تو یہ ناشکری ہے اور حرام طریقہ سے اس شہوت کو پورا کرے زنا اور لواطت کرے تو یہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی جسارت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بہت کم ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ○ (سبا: ۱۳)

اے آل داؤد! تم شکر ادا کرو' اور میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے کم ہیں۔

حکایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں کیوں کہ جس زبان سے تیرا شکر ادا کروں گا وہ بھی تیری دی ہوئی ہے' ہر سانس تیری نعمت ہے' ہر سانس میں تیری بے شمار نعمتیں ہیں' فرمایا: اے داؤد اب تم نے میرا شکر ادا کر دیا یعنی جب تم نے اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو میرا شکر ادا ہو گیا! (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۳۰۰)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرنا اور اسکی نعمتوں کو اسکی معصیت میں خرچ نہ کرنا اسکا شکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے دو بندوں کو شکر گزار قرار دیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ○ (بنو اسرائیل: ۳)

اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا بے شک وہ بہت شکر گزار بندے تھے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (النحل: ۱۲۱-۱۲۰)

ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے' اللہ کے مطیع' حق کی طرف مائل اور باطل سے مجتنب اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○ اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والے تھے اللہ نے ان کو منتخب کیا اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی۔

اور سید نا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے متعلق فرمایا:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد میں اس قدر قیام فرمایا کہ

آپ کے پاؤں پر ورم آگیا، آپ سے کہا گیا کہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے ذنب (بظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں) کی مغفرت فرما دی ہے (پھر آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟) آپ نے فرمایا: میں اللہ کا بہت شکر گزار بندہ کیوں نہ بنوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۶، ۴۸۳۷، ۱۱۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۱۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۴۴، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۴۷۴۶، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۹، مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۵، ۲۵۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۳۲۴، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۸۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۶، ج ۷ ص ۳۹، تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۰۶، شرح السنہ رقم الحدیث: ۹۳۱)

نیز یہ جو فرمایا ہے اس میں بہت صبر کرنے والوں اور بہت شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں، یہ اس لیے فرمایا ہے کہ اگرچہ نشانیاں تو اس میں سب انسانوں کے لیے ہیں لیکن ان نشانیوں سے فائدہ صرف صابر اور شاکر ہی اٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا اس میں بہت صبر کرنے والوں اور بہت شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں جیسے فرمایا: ھدی للمتقین، قرآن مجید فی نفسہ ہدایت تو تمام انسانوں کے لیے ہے لیکن انجام کار اس سے فائدہ صرف متقین اٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم کو فرعون کے متبعین سے نجات دی جو تم کو سخت اذیت پہنچاتے تھے وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی ○ (ابراھیم: ۶)

اس آیت کی تفسیر کے لیے البقرہ: ۴۹ کو ملاحظہ فرمائیں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور تم کو زیادہ (نعمت) دوں گا اور اگر تم نے ناشکری

عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۷ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

کی تو بے شک میرا عذاب ضرور سخت ہے ○ اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور تمام روئے زمین کے لوگ مل کر ناشکری

جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۸ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ

کرو تو بے شک اللہ بے پرواہ اور حمد کیا ہوا ہے ○ کیا تمہارے پاس تم سے پہلے لوگوں کی خبریں

مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۬ عند المتقدمین ۱۲

نہیں آئیں۔ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود کی اور ان کے بعد کے لوگوں کی

لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ مع

جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ

فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ

اپنے مونہوں پر رکھ دیے اور کہا جس پیغام کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں، اور بے شک جس

مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۹﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ

دین کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو ہم اس کے متعلق سخت شک میں مبتلا ہیں ○ ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ کے متعلق شک

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ

ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے وہ تمہیں اس لیے بلاتا ہے کہ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے اور

يُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ

موت کے مقرر وقت تک تم کو (عذاب سے) مؤخر رکھے انہوں نے کہا تم تو محض ہماری مثل بشر ہو

تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ

تم تو یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان معبودوں سے روک دو جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے تھے سو تم ہمارے پاس

مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ

کوئی روشن دلیل لاؤ ○ ان سے ان کے رسولوں نے کہا ہم تمہاری طرح بشر ہی ہیں لیکن

اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ

اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ

نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہم اللہ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ

اور ہم اللہ پر توکل کیوں نہ کریں اس نے ہمیں اپنے راستوں کی ہدایت دی ہے اور تم نے جو ہمیں تکلیفیں پہنچائیں

عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾

ہم ان پر ضرور صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب تمہارے رب نے آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور تم کو زیادہ (نعمت) دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو بے شک میرا عذاب ضرور سخت ہے ○ اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور تمہارے روئے زمین کے لوگ مل کر ناشکری کرو تو بے شک اللہ بے پرواہ اور حمد کیا ہوا ہے ○ (ابراھیم: ۸-۷)

شکر کا معنی

شکر کا معنی ہے نعمت کا تصور اور اس کا اظہار کرنا' اور اس کی ضد کفرانِ نعمت ہے یعنی نعمت کو بھول جانا اور اس کو چھپا لینا' شکر کی تین قسمیں ہیں: دل سے شکر کرنا اور یہ نعمت کا تصور ہے' زبان سے شکر کرنا اور یہ منعم کی تعریف و توصیف کرنا ہے اور اعضاء سے شکر کرنا' اور یہ بقدر استحقاق نعمت کا بدلہ دینا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا (سبا: ۱۳) اے آل داؤد شکر کرو۔

یعنی نیک عمل کرو تا کہ اللہ کا شکر ادا ہو' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَقَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ۔ (سبا: ۱۳) میرے بہت شکر کرنے والے بندے تھوڑے ہیں۔

اس آیت میں تنبیہ ہے کہ اللہ کا پورا شکر ادا کرنا بہت مشکل ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں میں سے صرف حضرت نوح اور حضرت ابراھیم علیہما السلام کو اپنا شکر گزار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی شکور فرمایا ہے اس کا معنی ہے وہ بندوں پر انعام فرمانے والا ہے اور ان کی عبادت کی جزا عطا فرمانے والا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۵۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حمد اور شکر کا فرق

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم شکور ہے' اس کا معنی ہے وہ بندوں کے کم اعمال کو بڑھا کر دگنا چوگنا کر دینے والا ہے اور ان کی کم عبادت کی زیادہ جزا دینے والا ہے' اللہ کے شکر کا معنی ہے بندوں کو بخش دینا' شکر اور حمد میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے' شکر مورد کے اعتبار سے عام ہے اور متعلق کے اعتبار سے خاص ہے' شکر دل' زبان اور باقی اعضاء سے کیا جاتا ہے لیکن اس کا تعلق صرف نعمت سے ہے' اور حمد مورد کے اعتبار سے خاص ہے صرف زبان سے ہوتی ہے اور متعلق کے اعتبار سے عام ہے کسی بھی خوبی کا بیان کرنا حمد ہے خواہ وہ آپ کے حق میں نعمت ہو یا نہ ہو' اگر آپ زید کے علم' اس کی شرافت اور اس کی بہادری کا ذکر کریں تو یہ حمد ہے شکر نہیں ہے' زبان سے اس کی تعظیم ہے اس لیے حمد ہے اور اس سے آپ پر کوئی نعمت مرتب نہیں ہوئی اس لیے یہ شکر نہیں ہے کیونکہ شکر نعمت پر ہوتا ہے' اور زید نے آپ کو مال دیا ہو اور اس کے آنے پر آپ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جائیں تو یہ شکر ہے حمد نہیں ہے کیونکہ حمد صرف زبان سے ہوتی ہے اور اگر آپ اس کے مال دینے کی وجہ سے کہیں کہ وہ بہت سخی اور فیاض ہے تو یہ شکر بھی ہے کیونکہ زبان سے تعظیم کا اظہار ہے اور حمد بھی ہے کیونکہ اس کی خوبیوں کا ذکر ہے۔

جو بندوں کا شکر گزار نہ ہو وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا' یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۸' الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۱۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۰۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۸۹' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۸۲' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۱۰)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کے احسان کا شکر ادا نہ کرے اور ان کی نیکیوں کا انکار کرے تو وہ اگر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے تو اللہ اس کے شکر کو قبول نہیں کرتا، اور اس حدیث کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جس شخص کی عادت ہو کہ وہ لوگوں کے احسانات کو فراموش کر دیتا ہو اور ان کی نیکیوں کا شکر ادا نہ کرتا ہو تو وہ اپنی عادت اور اپنی طبیعت کے تقاضے سے اللہ کی نعمتوں کی بھی ناشکری کرے گا اور ان کا بھی شکر ادا نہیں کرے گا اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کی نیکیوں کا شکر ادا نہیں کرتا تو اگر وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا بھی کرے پھر بھی وہ اس طرح ہے جیسے اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔

شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (الملک: ۲۳)

آپ کہیے وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو۔

وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْــٴًـاۙ وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـٕدَةَۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (النحل: ۷۸)

اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا کہ تم کچھ جانتے نہ تھے اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰـكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ۔ (یونس: ۶۰)

بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

شکر کے متعلق احادیث اور آثار

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ بندہ کے اہل، مال اور اولاد میں جو نعمت عطا فرمائے اور بندہ کہے ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ تو وہ موت کے سوا ان میں کوئی آفت نہیں دیکھے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۲۶۱،۳۰۷ المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۸۸، حافظ الہیثمی نے کہا اس میں ایک راوی عبدالملک بن زرارہ ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۴۰)

(۲) مغیرہ بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! کیا تیری مخلوق میں سے کسی نے مجھ سے بھی زیادہ لمبی رات تک تیرا ذکر کیا ہے؟ اللہ عزوجل نے وحی فرمائی ہاں مینڈک نے، پھر اللہ نے فرمایا: اے آل داؤد شکر کرو، میرے بندوں میں شکر گزار بہت کم ہیں۔ (سبا: ۱۳) حضرت داؤد نے کہا: اے میرے رب! میں تیرے شکر کی کیسے طاقت رکھ سکتا ہوں، تو مجھ پر نعمت فرماتا ہے پھر اس پر نعمت پر نعمت فرماتا ہے، تو مجھ پر مسلسل نعمت فرماتا ہے میں اس کا شکر ادا کیسے کر سکتا ہوں! فرمایا اے داؤد! اب تم نے مجھے پہچان لیا جو پہچاننے کا حق ہے۔

(کتاب الزہد لاحمد ص ۸۹-۸۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۱۳)

(۳) ابو الخلد بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا اے رب! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں جو شکر ادا کروں گا وہ تیری نعمت سے ادا کروں گا۔ فرمایا اے داؤد! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ تمہارے پاس جو نعمتیں ہیں وہ میری دی ہوئی

ہیں۔ کہا کیوں نہیں! فرمایا پھر میں تمہارے شکر سے راضی ہو گیا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۱۴)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام جب بھی بیت الخلاء سے آتے تو دعا کرتے:

الحمد لله الذی اذا قنی لذته وابقی منفعته فی جسدی واخرج عنی اذی۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے طعام کی لذت چکھائی اور اس کی منفعت میرے جسم میں باقی رکھی اور اس گھناؤنی چیز کو مجھ سے خارج کر دیا۔

اس وجہ سے اللہ نے ان کا نام عبد شکور رکھا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۶۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۴۲۰)

(۵) مجاہد نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کو اس لیے عبد شکور فرمایا کہ وہ جب کوئی چیز کھاتے تو کہتے الحمد للہ! جب پیتے تو کہتے الحمد للہ! جب چلتے تو کہتے الحمد للہ! جب کپڑے پہنتے تو کہتے الحمد للہ! (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۷۱-۴۴۷۳)

(۶) مغیرہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ شکر نصف ایمان ہے اور صبر نصف ایمان ہے اور یقین مکمل ایمان ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۴۸)

(۷) جعفر کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے دادا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اللہ کوئی نعمت عطا فرمائے وہ کہے الحمد للہ! اور جس کے رزق میں تاخیر ہو وہ کہے استغفر اللہ! اور جس کو کوئی مہم درپیش ہو وہ کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۴۶)

(۸) قتادہ اور حسن نے بیان کیا جب حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی ذریت پیش کی گئی تو انہوں نے بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دیکھا۔ انہوں نے پوچھا اے رب! تو نے ان کو برابر کیوں نہیں بنایا؟ فرمایا میں چاہتا تھا میرا شکر ادا کیا جائے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۴۲)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اللہ کی نعمت کی قدر کرنا چاہے تو وہ اپنے سے کم درجہ شخص کو دیکھے اور اپنے سے زیادہ درجہ کے شخص کو نہ دیکھے۔ (رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ جز ۲ رقم الحدیث: ۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھے تو یہ دعا کرے:

الحمد لله الذی عافانی مما ابتلاه وفضلنی علی کثیر من عباده تفضیلا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۴۳)

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس چیز سے محفوظ رکھا جس میں اس کو مبتلا کیا ہے اور مجھے اپنے بہت بندوں پر فضیلت عطا کی۔

(۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں ہوں اللہ اس کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا اور اس کو اپنی محبت کھائے گا جب اس کو کچھ دیا جائے تو شکر کرے، جب وہ بدلہ لینے پر قادر ہو تو معاف کر دے اور جب اس کو غصہ آئے تو وہ ڈھیلا پڑ جائے۔ امام بیہقی نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۳۲)

(۱۱) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی نعمتوں کا بیان کرنا شکر

ہے اور ان کو بیان نہ کرنا ناشکری ہے اور جو کم نعمتوں کا شکر نہیں ادا کرتا وہ زیادہ نعمتوں کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۴۴۱۹، مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۸)

(۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کسی بندہ کو نعمت عطا فرمائے اور وہ یہ جان لے کہ وہ نعمت اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا شکر لکھ دیتا ہے اور جو بندہ اپنے گناہ پر نادم ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے استغفار کرنے سے پہلے اس کو بخش دیتا ہے اور جو بندہ کوئی کپڑا خرید تا ہے اور اس کو پہنتے ہوئے اللہ کی حمد کرتا ہے تو ابھی وہ لباس اس کے گھٹنوں تک نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۴۳۷۹، المستدرک ج ۱ ص ۵۱۴)

(۱۳) ابو الجلد بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے رب! میں تیرا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں جبکہ تیری سب سے چھوٹی نعمت کی جزا بھی میری تمام عبادات نہیں ہو سکتیں تو ان پر وحی آئی کہ تم نے اب میرا شکر ادا کر دیا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۴۴۱۵)

(۱۴) حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! اگر میرے ہر بال کی زبان ہو اور وہ دن رات تیری تسبیح کریں پھر بھی تیرا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ (رسائل ابن ابی الدنیا جلد ۳ جز ۲ رقم الحدیث:۲۵)

(۱۵) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی نافرمانیوں کے باوجود ان کو نعمتیں عطا فرما رہا ہے تو یہ اس کی طرف سے بندوں پر ڈھیل ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۵)

(۱۶) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب تیرا شکر کس طرح ادا کرنا چاہیے۔ فرمایا اے موسیٰ! تمہاری زبان ہمیشہ میرے ذکر سے تر رہے۔

(رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ جز ۲ رقم الحدیث:۳۹)

(۱۷) عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بغیر تکبر اور اسراف کے کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو، کیونکہ اللہ عزوجل اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندوں پر اس کی نعمت کا اثر نظر آئے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲)

(۱۸) ابو الاحوص کے والد بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میں پراگندہ حال تھا آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے اللہ نے ہر قسم کا مال عطا کیا ہے: اونٹ، گھوڑے، غلام، بکریاں۔ آپ نے فرمایا: جب اللہ عزوجل نے تمہیں مال دیا ہے تو وہ تم پر نظر آنا چاہیے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۶۳، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۰۰۶، مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۳)

(۱۹) ابو قلابہ کہتے ہیں کہ جب تم دنیا کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو تم کو دنیا سے ضرر نہیں ہوگا۔

(رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ جز ۲ رقم الحدیث:۵۹)

(۲۰) حسن کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اللہ عزوجل جب کسی قوم کو نعمت عطا فرماتا ہے تو اس سے شکر کا سوال کرتا ہے، وہ شکر کریں تو وہ ان کی نعمت کو زیادہ کرنے پر قادر ہے، اور جب وہ ناشکری کریں تو وہ ان کو عذاب دینے پر قادر ہے اور ان کی نعمت کو ان پر عذاب بنا دیتا ہے۔ (رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ جز ۲ رقم الحدیث:۶۰)

(۲۱) جعفر بن محمد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آئینہ میں دیکھتے تو یہ فرماتے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میری صورت اور میرے اخلاق کو حسین بنایا اور مجھ میں وہ چیزیں مزین کردیں جو میرے غیر میں قبیح ہیں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۵۹)

(۲۲) حضرت ابو جعفر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی پیتے تو فرماتے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پانی کو میٹھا بنایا، اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے اس کو کڑوا اور کھارا نہیں بنایا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۷۹)

(۲۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے ان لوگوں کو جنت میں بلایا جائے گا جو راحت اور تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے تھے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۸۳)

(۲۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے مومن پر تعجب ہوتا ہے اس کو کچھ دیا جائے تو وہ الحمد للہ کہہ کر شکر ادا کرتا ہے اور اگر وہ مصیبت میں مبتلا ہو تو الحمد للہ کہہ کر صبر کرتا ہے، پس مومن کو ہر حال میں اجر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ منہ میں جو لقمہ رکھتا ہے اس میں بھی۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۸۵)

(۲۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا مومن بندہ ہر خیر کے مرتبہ میں ہے۔ وہ اس وقت بھی میری حمد کرتا ہے، جب میں اس کی پیشانی سے روح نکال رہا ہوتا ہوں۔
(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۹۳)

(۲۶) منصور بن صفیہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا، وہ کہہ رہا تھا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی اور مجھے (سیدنا) احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت میں رکھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بہت عظیم چیز کا شکر ادا کیا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۹۸)

(۲۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو چار چیزوں کی توفیق دی گئی اس کو چار چیزیں عطا کی جائیں گی۔ جس کو اللہ کے ذکر کی توفیق دی گئی اللہ اس کا ذکر کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا، جس کو دعا کی توفیق دی گئی اس کی دعا قبول ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، جس کو شکر کی توفیق دی گئی اس کی نعمت زیادہ ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور (تمہاری نعمت کو) زیادہ کروں گا اور جس شخص کو استغفار کی توفیق دی گئی اس کو مغفرت عطا کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنے رب سے استغفار کرو بے شک وہ بہت مغفرت کرنے والا ہے۔
(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۵۲۹)

(۲۸) حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے میرے گھر میں روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا۔ آپ اس کے پاس گئے، اس کو اٹھا کر سونگھا پھر اس کو کھالیا اور فرمایا: اے عائشہ! اللہ کی نعمتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، جو گھر والے کسی نعمت سے نفرت کا اظہار کریں گے وہ ان کے پاس بہت کم لوٹ کر آئے گی۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۵۵۸)

(۲۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دین میں اپنے سے بلند مرتبہ شخص کو دیکھا اور دنیا میں اپنے سے کم مرتبہ شخص کو دیکھا اس کو اللہ صابر شاکر لکھ دیتا ہے، اور جس نے دنیا میں اپنے سے بلند مرتبہ شخص کو اور دین میں اپنے سے کم مرتبہ شخص کو دیکھا اس کو صابر شاکر نہیں لکھتا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۵۷۵)

(۳۰) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تھوڑے سے رزق سے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے سے عمل سے راضی ہو جاتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۵۸۵)

(۳۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابو عسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں آپ کے پاس آیا، پھر آپ حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور انہیں بلایا۔ وہ آگئے، پھر آپ حضرت عمر کے پاس گئے، ان کو بلایا وہ بھی آگئے، پھر آپ ایک انصاری کے باغ میں گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ والے کو بلایا، اور فرمایا ہمارے لیے کھجوریں لاؤ، اس نے کھجوروں کا خوشہ لا کر رکھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے وہ کھجوریں کھائیں، پھر آپ نے پانی منگایا اور پانی پیا، پھر آپ نے فرمایا: قیامت کے دن تم سے اس نعمت کے متعلق ضرور سوال کیا جائے گا، حضرت عمر نے ان کھجوروں کی طرف اشارہ کر کے کہا یا نبی اللہ! کیا قیامت کے دن ان کے متعلق ہم سے ضرور سوال کیا جائے گا! آپ نے فرمایا: ہاں تین چیزوں کے سوا، وہ کپڑا جو تمہاری شرم گاہ چھپانے کے لیے کافی ہو، وہ روٹی کا ٹکڑا جو تمہاری بھوک دور کرنے کے لیے کافی ہو اور وہ کوٹھڑی جو تمہیں گرمی اور سردی سے محفوظ رکھ سکے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۰۱)

(۳۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھا کر شکر کرنے والے کو وہ اجر ملے گا جو صبر کر کے روزہ رکھنے والے کو ملے گا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۲۱)

(۳۳) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے معاملہ پر تعجب ہوتا ہے، اس کے ہر کام میں خیر ہے، اگر اس کو کوئی خوشی حاصل ہو تو وہ اس پر شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے خیر ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۸۷)

(۳۴) محمود بن آدم بیان کرتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ یہ کہتے تھے: اگر اللہ عزوجل ہمارا پردہ نہ رکھتا تو ہم کسی کے پاس بیٹھنے کے قابل نہ ہوتے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۵۲۱)

(۳۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا کیا میں نے تمہیں تندرست نہیں بنایا تھا، کیا میں نے تمہیں ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۰۷)

(۳۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل قیامت کے دن اپنے بندہ سے فرمائے گا: اے ابن آدم! کیا میں نے تم کو گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار نہیں کیا تھا، کیا میں نے عورتوں کو تمہارے نکاح میں نہیں دیا تھا، کیا میں نے تم کو سردار اور رئیس نہیں بنایا تھا؟ وہ بندہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: پھر ان کا شکر کہاں ہے؟ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۶۰۸)

(۳۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: واسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنة. ”اللہ نے تم پر ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل کر دی ہیں۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر ظاہری نعمت یہ ہے کہ تمہارا مکمل صحیح جسم بنایا اور تم پر باطنی نعمت یہ ہے کہ تمہارے عیوب کو چھپایا، اگر وہ تمہارے عیوب کو ظاہر کر دیتا تو تمہارے

اہل و عیال سمیت سب لوگ تم سے متنفر ہو جاتے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۵۰۴)

(۳۸) حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے بعد فرماتے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے کھلایا اور پلایا، کھانے کو حلق سے نیچے اتارا اور اس کے لیے مخرج بنایا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۷۶)

(۳۹) حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: ہمارے رب اللہ کے لیے بہت حمد ہے کیونکہ اس نے ہمیں بہت زیادہ نعمتیں عطا کی ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تم سے بہت زیادہ محبت رکھتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۶۰)

(۴۰) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے معاذ! اللہ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اے معاذ! تم کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کرو:

اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک وحسن عبادتک۔　اے اللہ! اپنے ذکر، اور اپنے شکر اور اپنی اچھے طریقہ سے عبادت پر میری مدد فرما۔

حضرت معاذ نے صنابحی کو اس دعا کی وصیت کی اور صنابحی نے ابو عبدالرحمٰن کو اس دعا کی وصیت کی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۲، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث ۳۱۹۳۲، مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۴)

اور میں اپنے قارئین کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے میں ان کی مدد فرمائے اور جس قدر ممکن ہو سکے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور تمام روئے زمین کے لوگ مل کر ناشکری کرو تو بے شک اللہ بے پرواہ اور حمد کیا ہوا ہے O (ابراہیم: ۸)

اللہ کا شکر نہ کرنے سے اسے کوئی نقصان نہیں

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کر دیا ہے سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو ماسوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں، سو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تم کو ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو ماسوا اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں سو تم مجھ سے کھانا طلب کرو، میں تم کو کھانا کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو تم سب بے لباس ہو ماسوا اس کے جس کو میں لباس پہناؤں۔ سو تم مجھ سے لباس کی طلب کرو میں تمہیں لباس پہناؤں گا اے میرے بندو! تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخشتا ہوں، سو تم مجھ سے بخشش طلب کرو میں تم کو بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم کسی نقصان کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نقصان پہنچا سکو، اور تم کسی نفع کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نفع پہنچا سکو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور جن، تم میں سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے، اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور جن تم میں سب سے زیادہ بدکار شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک سے کوئی چیز کم نہیں کر سکتے، اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر فرد کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم

ہوگا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر (نکالنے سے) اس میں کمی ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے جمع کر رہا ہوں، پھر میں تم کو ان کی پوری پوری جزا دوں گا، پس جو شخص خیر کو پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کو خیر کے سوا کوئی چیز (مثلاً آفت یا مصیبت) پہنچے وہ اپنے نفس کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے۔

(صحیح مسلم، البر والصلۃ: ۵۵ (۲۵۷۷) ۶۴۵۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۷، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۲۹۳، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۴، الادب المفرد رقم الحدیث: ۴۹۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۹، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۵-۱۲۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۹۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا، میں نے آپ کو ڈھونڈا تو میرا ہاتھ آپ کے تلووں پر لگا، اور آپ سجدہ میں تھے اور آپ کے دونوں پاؤں نصب تھے، اور آپ یہ دُعا کر رہے تھے: اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں تیری ایسی حمد و ثناء نہیں کر سکا جیسی حمد و ثنا تو خود اپنی فرماتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۴۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۱۹۳ دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۷۱۱ عالم الکتب بیروت، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۶۵۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۹۳۰)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہ ہو سکنے پر آپ نے استغفار کیا کیونکہ انسان کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ اس کی کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا کر سکے اور اس کی کماحقہ حمد و ثنا کر سکے۔ امام مالک نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ میں تیری تمام نعمتوں اور تیرے تمام احسانات کو شمار نہیں کر سکتا اور میں کوشش کروں پھر بھی تیری اس طرح حمد و ثناء نہیں کر سکتا جس طرح تو خود اپنی حمد و ثنا کرتا ہے اور اس میں یہ اعتراف ہے کہ انسان اللہ کی حمد و ثنا کرنے سے عاجز ہے اور وہ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے آپ نے اللہ کی حمد کو اسی کے سپرد کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو محیط ہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات غیر متناہی ہیں اسی طرح اس کی حمد و ثنا بھی غیر متناہی ہے، اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کریں یا اس کی حمد و ثنا نہ کریں تو اس کو کوئی فرق نہیں پڑے گا وہ مخلوق کی حمد و ثنا سے مستغنی ہے، وہ اپنی حمد و ثنا خود فرماتا ہے اور جیسی حمد و ثنا اس کی شان کے لائق ہے ایسی حمد و ثناوہ خود ہی کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تمہارے پاس تم سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں، نوح کی قوم اور عاد اور ثمود کی، اور ان کے بعد کے لوگوں کی جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ دیئے، اور کہا جس پیغام کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے، ہم اس کا انکار کرتے ہیں، اور بے شک جس دین کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو ہم اس کے متعلق سخت شک میں مبتلا ہیں O (ابراھیم: ۹)

حضرت آدم تک نسب بیان کرنا درست نہیں

اس سے پہلے ہم نے بتایا تھا کہ ایام اللہ سے مراد وہ ایام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں عطا فرمائیں یا وہ ایام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب نازل فرمایا، پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو جو نعمتیں عطا کی تھیں ان کا ذکر فرمایا تھا اور اب جن قوموں پر عذاب نازل فرمایا تھا ان کا ذکر فرمایا، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر، حضرت ھود علیہ السلام کی قوم عاد پر اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود پر۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے

خطاب ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم سے خطاب ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان کے بعد کے لوگوں کی جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تک کا نسب کسی کو معلوم نہیں۔ علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عدنان اور حضرت اسمٰعیل تک تیس آباء ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کو پڑھ کر فرماتے تھے کہ نسب نامہ بیان کرنے والے جھوٹے ہیں، یعنی وہ لوگ جو کسی کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عاد اور ثمود کے بعد ایسی اقوام ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا۔

اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں پر رکھنے کی متعدد تفسیریں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ دیئے، اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود، حضرت ابن زید اور ابن قتیبہ نے کہا: انہوں نے غیظ و غضب کی شدت سے اپنی انگلیاں کاٹ لیں، جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۔ (آل عمران: ۱۱۹)

اور جب وہ اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصہ کی وجہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔

(۲) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تو وہ آپ کی بات کو رد کرنے کے لیے اور آپ کی تکذیب کرنے کے لیے اپنی انگلیاں اپنے منہ پر رکھ کر آپ کو اشارہ سے کہتے کہ آپ چپ رہیں۔

(۳) حسن نے کہا: جب رسل تبلیغ کرتے تو وہ ان کی بات کو رد کرنے کے لیے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ کے متعلق شک ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ تمہیں اس لیے بلاتا ہے کہ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے اور موت کے مقرر وقت تک تم کو (عذاب سے) موخر رکھے، انہوں نے کہا تم تو محض ہماری مثل بشر ہو تم تو یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان معبودوں سے روک دو جن کی ہمارے آباء واجداد پرستش کرتے تھے سو تم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لاؤ○ (ابراہیم: ۱۰)

مشرکین اللہ کو خالق ماننے کے باوجود بت پرستی کیوں کرتے تھے!

رسولوں نے کہا کیا تمہیں اللہ کے متعلق شک ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ یعنی انسان کی فطرت اور بداہت عقل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ کوئی چھوٹی سی صنعت بھی بغیر صانع کے وجود میں نہیں آتی، تو اتنی بڑی کائنات بغیر کسی بنانے والے کے کیسے وجود میں آسکتی ہے اور وہ بھی اس بات کو جانتے اور مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۔ (العنکبوت: ۶۱)

اور اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا؟ اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ

اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ آسمان سے کس نے پانی کو اتارا؟ پھر اس سے کس نے زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد

اللّٰهُ ؕ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ (العنکبوت: ۶۳) — اس کو زندہ کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

مشرکین مکہ اللہ کو خالق ارض و سما مانتے تھے، ان کا شرک یہ تھا کہ وہ بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے تھے اور اس اعتقاد سے بتوں کی عبادت کرتے تھے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کریں گے۔ پچھلے زمانہ میں جو نیک لوگ گزرے تھے ان کے توسل سے دعائیں قبول ہوتی تھیں اور ان کی تعظیم و تکریم کی جاتی تھی یہاں تک تو ٹھیک تھا، لیکن ان کے فوت ہونے کے بعد لوگوں نے ان کی صورتوں کے از خود مجسمے بنا لیے اور ان کی تعظیم و تکریم میں غلو کر کے ان کی عبادت شروع کر دی اور از خود ان کے توسل میں غلو کیا اور براہ راست ان کو پکارنا اور ان سے مدد مانگنا شروع کر دیا اور پھر مزید غلو کر کے ان کو خدائی کاموں میں اللہ کا شریک اور اس کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والا قرار دے دیا اور یہ تمام باتیں ان کے بڑوں اور ان کے آباء و اجداد کو شیطان نے القاء کی تھیں اور وہ نسل در نسل اس عقیدہ میں پختہ اور راسخ ہو چکے تھے اور یہ شرک ان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں پیوست ہو چکا تھا، اللہ تعالیٰ تواتر اور تسلسل سے انبیاء علیہم السلام کو بھیجتا رہا تاکہ وہ اس شرک سے باز آ جائیں۔

اللہ تعالیٰ توبہ کے ساتھ اور بغیر توبہ کے بھی گناہوں کو بخش دیتا ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ تمہیں اس لیے بلاتا ہے کہ تمہارے گناہوں کو بخش دے۔ امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بغیر توبہ کے گناہوں کے بخشنے کی نوید سنائی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۷۲، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اور اسی طرح کی اور آیتیں بھی ہیں:

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ (آل عمران: ۳۱) — آپ کہیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

يُّصۡلِحۡ لَـكُمۡ اَعۡمَالَـكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ (الاحزاب: ۷۱) — اللہ تمہارے اعمال کو درست کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

يٰقَوۡمَنَاۤ اَجِيۡبُوۡا دَاعِىَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوۡا بِهٖ يَغۡفِرۡ لَـكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ (الاحقاف: ۳۱) — اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہوں میں سے بخش دے گا۔

يَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ (الصف: ۱۲) — تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلۡمِهِمۡ ۚ (الرعد: ۶) — بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود ان کی مغفرت کرنے والا ہے۔

اس آیت کے تحت امام رازی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو بغیر توبہ کے (بھی) بخش دیتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اور بعض آیتوں میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کے بعد گناہ معاف فرما دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ — اور جو شخص برے کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ

يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○ (النساء: ۱۱۰)

سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا بہت مہربان پائے گا○

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○ (النساء: ۶۴)

اور اگر انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا تو وہ آپ کے پاس آجائیں پھر اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کریں تو وہ اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان پائیں گے○

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ○ (آل عمران: ۱۳۶-۱۳۵)

اور وہ لوگ جنہوں نے بے حیائی کا کوئی کام کرلیا، یا وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تو انہوں نے اپنے گناہوں پر استغفار کیا اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ اپنے کاموں پر عمداً اصرار نہ کریں○ ان لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک عمل کرنے والوں کی کیسی اچھی جزا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ کرنے سے بھی ان کے گناہ معاف فرماتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شفاعت کرنے سے بھی ان کے گناہ معاف فرماتا ہے اور اپنے کرم اور فضل سے بغیر توبہ اور شفاعت کے بھی گناہ معاف فرمادیتا ہے جیسا کہ سورہ ابراہیم کی اس زیر تفسیر آیت میں ہے:

يدعوكم ليغفر لكم من ذنوبكم (ابراہیم: ۱۰) اس آیت میں من تبعیض کے لیے ہے، اس کا معنی ہے اللہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے، اور یہ وہ بعض گناہ ہیں جو کفر کے علاوہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ شرک کو نہیں بخشے گا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم جو گناہ ہو گا اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا○

اس سے واضح ہو گیا کہ کفر اور شرک کے سوا جو گناہ ہیں ان کو اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کے بھی بخش دیتا ہے، اور اس پر واضح دلیل ہے کہ کافر جب اسلام قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام گناہوں کو اس کی توبہ کے بغیر معاف کر دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۹۸، مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۷۰، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۵۱۵) تو مسلمان کے متعلق زیادہ توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بغیر توبہ کے معاف فرمادے گا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر بہت بڑا فضل اور کرم ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان توبہ کرنے سے غافل اور بے پرواہ ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے کے بعد بھی اگر ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے تو یہ اس کا انتہائی فضل اور کرم ہے، بندوں کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اور ہر لحہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر اور اس کی نعمتوں کا کماحقہ شکر ادا نہ کرنے پر اس کی بارگاہ میں توبہ کرتے رہیں۔ توبہ کرنے

کی ترغیب میں بہت احادیث وارد ہیں، ہم چند احادیث کا ذکر کر رہے ہیں:

توبہ کرنے کی ترغیب میں احادیث

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن میں اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کرے، (وہ یونہی کرتا رہے گا) حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٥٩، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١١٨٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس سے پہلے توبہ کر لے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٠٣)

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب کی طرف توبہ کا ایک دروازہ ہے جس کی چوڑائی چالیس سال یا ستر سال کی مسافت ہے۔ اللہ عزوجل نے اس دروازہ کو اس دن کھول دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا اور اس دروازہ کو اس وقت تک بند نہیں کرے گا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٥٣٦، شعب الایمان رقم الحدیث: ٧٠٧٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور جب وہ اس گناہ سے الگ ہو جاتا ہے اور استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک اور نقطہ پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہ وہی ران ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے:

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ (المطففین: ١٤)
ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے (بُرے) کاموں نے زنگ چڑھا دیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٣٣٤، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٤٤، مسند احمد ج ٢ رقم الحدیث: ٢٩٧، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٩٣٠، ٢٧٨٧، المستدرک ج ٢ ص ٥١٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اپنی گمشدہ سواری کے مل جانے سے جتنی خوشی ہوتی ہے اللہ کو تمہاری توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٥٣٨، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٤٧)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم سے جس قدر ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور تم جو بُرا کام کرو اس کے بعد توبہ کرو، پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ کرو اور کھلم کھلا گناہ کی توبہ کھلم کھلا کرو۔

(المعجم الکبیر ج ٢٠ ص ١٥٩، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٧٤)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ نہ کیا ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٥٠، شعب الایمان رقم الحدیث: ٧١٧٨)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن [illegible]

شک تو نے مجھ سے دعا کی اور مجھ سے امید رکھی، تم میں جو بھی گناہ تھا اس کو میں نے معاف کر دیا اور مجھے پرواہ نہیں، اے ابن آدم! اگر تو پوری روئے زمین کے برابر گناہ لے کر آیا پھر تو نے مجھ سے ملاقات کی تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت لاؤں گا بشرطیکہ تو نے شرک نہ کیا ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۰)

انبیاء علیہم السلام کی نبوت میں کفار کے شبہات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے کہا تم محض ہماری مثل بشر ہو، یہ کفار کا انبیاء علیہم السلام کی نبوت میں ایک شبہ ہے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ تمام انسانوں کی ماہیت اور حقیقت ایک ہے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان ہی انسانوں میں سے ایک شخص اللہ کا رسول ہو وہ غیب پر مطلع ہو، اور وہ فرشتوں کو دیکھتا ہو اور ان کا کلام سنتا ہو اور باقی انسان ان صفات سے عاری ہوں، اور اگر یہ شخص جو رسالت کا مدعی ہے ان روحانی صفات میں عام لوگوں سے بلند اور برتر ہے تو پھر چاہیے کہ یہ جسمانی صفات میں بھی عام لوگوں سے بلند اور برتر ہو، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کھانے، پینے، فضلات کے اخراج میں، بیمار پڑنے اور ازدواجی معاملات میں یہ عام لوگوں سے بلند نہیں ہیں بلکہ ان ہی کی مثل ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔

اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت میں ان کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ انہوں نے کہا تم تو یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان معبودوں سے روک دو جن کی ہمارے آباء و اجداد پرستش کرتے تھے، ان کا یہ شبہ اپنے آباء و اجداد کی تقلید پر مبنی ہے یعنی انہوں نے اپنے آباء و اجداد اور انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے پایا اور یہ بہت بعید ہے کہ یہ تمام پرانے لوگ غلطی پر ہوں اور اتنے کثیر لوگوں کو غلطی پر قرار دینے کی بہ نسبت یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ ایک شخص کو غلطی پر قرار دیا جائے اور ان کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ اگر تم واقعی نبی ہو تو اپنی نبوت پر وہ معجزہ پیش کرو جس کو ہم نے طلب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان سے ان کے رسولوں نے کہا ہم تمہاری طرح بشر ہی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اللہ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے○ (ابراہیم: ۱۱)

جن خصوصیات کی بنا پر انبیاء علیہم السلام نبی بنائے گئے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبان سے کفار کے نبوت میں شبہات کے جوابات کا ذکر فرمایا ہے، ان کا پہلا شبہ یہ تھا کہ تم ہماری ہی مثل بشر ہو پھر تم کو نبی کیونکر بنا دیا گیا، رسولوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ انسانیت اور بشریت میں مساوی اور مماثل ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ بعض انسانوں کو منصب نبوت کے ساتھ خاص کر لیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل اور احسان فرماتا ہے اور اس کو منصب نبوت عطا فرماتا ہے، اور اس تقریر سے نبوت میں ان کا پہلا شبہ ساقط ہو جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ جب تک کہ انسان کی رُوح اور بدن میں علوی اور قدسی صفات نہ ہوں اس میں نبوت کا حصول ممتنع ہے، اور امام غزالی نے لکھا ہے کہ جس طرح عام انسان حیوانات سے عقل کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے اسی طرح نبی عام انسانوں سے ایک خاص وصف کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے، اس میں ایک زائد قوت ادراک ہوتی ہے جس وجہ سے وہ امور غیبیہ کا ادراک کرتا ہے، فرشتوں کو دیکھتا ہے اور ان کا کلام سنتا ہے، اسی طرح جنات کو دیکھتا ہے اور ان کا کلام سنتا ہے اور نبیوں اور رسولوں کو عام انسانوں کی بہ نسبت ایک زائد قوت ادراک حاصل ہوتی ہے اور اسی

قوت کی وجہ سے وہ عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کو نبی بناتا ہے اس کو وہ قوت عطا فرماتا ہے۔

اور اہلسنت و جماعت کے علماء ظاہر نے یہ کہا ہے کہ نبوت کا حصول اللہ عزوجل کی عطا ہے وہ جس کو چاہتا ہے یہ مرتبہ عطا فرماتا ہے اور یہ عطا اس پر موقوف نہیں ہے کہ کوئی انسان صفاء باطن، پاکیزگی اور تقرب الی اللہ میں دوسرے انسانوں سے ممتاز ہو اور انہوں نے سورہ ابراھیم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے جس میں انبیاء علیہم السلام نے فرمایا: ہم تمہاری طرح بشری ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ نبوت کی عطا اللہ تعالیٰ کا محض فضل اور اس کا احسان ہے' اور امام رازی' امام غزالی اور دیگر علماء نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے تواضع اور انکسار کی وجہ سے اس آیت میں اپنے رُوحانی اور جسمانی فضائل بیان نہیں فرمائے اور صرف یہ کہنے پر اکتفا کی لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے' کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مرتبہ نبوت کے ساتھ اس لیے مختص کیا ہے کہ وہ ان فضائل کے ساتھ متصف تھے جن کی وجہ سے وہ ان خصوصیات کے مستحق ہوئے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۚ اللہ اپنی رسالت کے رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

(الانعام: ۱۲۴)

اس مضمون کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کے لیے الانعام: ۱۲۴ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

کافروں کے دیگر شبہات کے جوابات

کافروں کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ ان کے آباء و اجداد اور بہت لوگ بُت پرستی کرتے تھے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے کثیر لوگ اب تک غلط کہتے آ رہے ہوں اور صرف یہ ایک شخص جو نبوت کا مدعی ہے وہ صحیح اور درست بات کہہ رہا ہو' اس کا جواب بھی سابق تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ غلط اور صحیح کا ادراک بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے' وہ جس کو چاہتا ہے یہ فہم اور ادراک عطا فرماتا ہے اس لیے یہ مستبعد نہیں ہے کہ شروع سے لے کر اب تک تمام کافر جو کہتے رہے تھے وہ غلط ہو اور نبی علیہ السلام نے جو فرمایا ہے وہ صحیح ہو۔

کافروں کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی نبوت پر جو دلائل اور معجزات پیش کیے ہیں ہم ان سے مطمئن نہیں ہیں' ہمیں مطمئن کرنے کے لیے وہ معجزات پیش کریں جن کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں' اس کے جواب میں انبیاء علیہم السلام نے فرمایا: اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اللہ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں۔

اس جواب کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو معجزہ اس لیے عطا فرماتا ہے کہ دلیل سے اس کی نبوت ثابت ہو جائے' سو اس نے ہر نبی کو ایسے دلائل اور معجزات دے کر بھیجا جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو اس قدر معجزات دیئے گئے ہیں جن کی وجہ سے ایک بشر ان پر ایمان لے آئے' اور مجھے وحی (قرآن مجید) عطا کی گئی جو اللہ نے مجھ پر نازل فرمائی پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام نبیوں سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۸۱' صحیح مسلم' الایمان: ۲۳۹ (۱۵۲) ۳۸۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۱٬۴۵۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۲۹)

سو جتنے معجزات کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو عطا فرما دیئے اور اب کفار جن فرمائشی معجزات کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ قدر ضروری سے زائد ہیں سو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی مرضی پر موقوف ہیں وہ چاہے تو وہ معجزات عطا

فرمائے اور چاہے تو عطا نہ فرمائے۔

انبیاء علیہم السلام کا کافروں کی دھمکیوں سے نہ ڈرنا

جب انبیاء علیہم السلام نے کفار کو یہ مسکت جوابات دیئے تو وہ غیظ و غضب میں آ گئے جیسا کہ جاہلوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ جب وہ دلائل کے جواب سے عاجز آ جاتے ہیں تو وہ دھمکیاں دینا شروع کر دیتے ہیں، سو ان کافروں نے بھی یہی کیا جب ان سے انبیاء علیہم السلام کے ان دلائل کا جواب نہیں بن پڑا تو وہ جہالت پر اتر آئے اور انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں، پھر انبیاء علیہم السلام نے یہ کہا اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے، یعنی ہم تمہارے ڈرانے سے نہیں ڈرتے اور ہمیں تمہاری دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ ہمارا توکل اللہ پر ہے اور ہمارا اعتماد اللہ کے فضل پر ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی ہو کہ یہ کفار ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر ان کی طرف یہ وحی نہ بھی ہوئی ہو تب بھی ان کی ارواح معرفت الٰہی سے معمور تھیں، اور ان کے قلوب عالم غیب کے انوار سے روشن تھے اور جن کی روحانیت اس قدر بلند ہو وہ جسمانی ضرر اور تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے اور وہ راحت اور رنج ہر حالت میں اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں، اسی وجہ سے انہوں نے اللہ پر توکل کیا اور اس کے فضل پر اعتماد کیا اور اس کے ماسوا سے اپنی خواہشوں کو منقطع کر لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم اللہ پر توکل کیوں نہ کریں اس نے ہمیں اپنے راستوں کی ہدایت دی ہے اور تم نے جو ہمیں تکلیفیں پہنچائی ہیں ہم ان پر ضرور صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○ (ابراہیم: ۱۲)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا سب سے زیادہ ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا تھا کہ کفار کی دھمکیوں کے جواب میں انبیاء علیہم السلام نے کہا تھا کہ مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے پیروکاروں کو یہ تلقین کی کہ وہ اللہ پر ہی توکل کریں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے میں کفار کی طرف سے جو سختیاں جھیلنی پڑیں اور جن مصائب کا سامنا ہو ان کو حوصلہ سے برداشت کریں اور اللہ پر توکل کرنے کو کسی حال میں نہ چھوڑیں۔

ان آیتوں میں کئی قسم کے انسانوں کا ذکر آ گیا ہے، عام کافروں کا، کافروں کے سرداروں کا جو انہیں کفر پر قائم رہنے کی تلقین کرتے تھے، انبیاء علیہم السلام کا اور ان کے متبعین کا، ان کو ضبط کے ساتھ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

(۱) عام کفار: یہ وہ لوگ ہیں جو عقائد اور اعمال کے اعتبار سے ناقص ہیں لیکن یہ دوسروں کو ناقص بنانے کی سعی نہیں کرتے، یہ فقط خود گمراہ ہیں۔

(۲) کافروں کے سردار: یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی عقائد اور اعمال کے اعتبار سے ناقص ہیں اور دوسروں کو بھی ناقص بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

(۳) عام مسلمان: یہ وہ لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے متبع ہیں لیکن ان کی اتباع درجہ کمال کو نہیں پہنچی ہوئی، یہ عقائد اور اعمال کے اعتبار سے فی نفسہ کامل ہیں۔

(۴) اولیاء کرام: یہ لوگ عقائد اور اعمال کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے کامل ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے کامل متبع ہیں۔

(۵) انبیاء علیہم السلام: یہ وہ لوگ ہیں جو عقائد اور اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل ہیں اور دوسروں کو بھی

درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہم نے ذکر کیا کہ یہ دوسروں کی تکمیل کرتے ہیں اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی مدارج مختلف ہوتے ہیں اس لیے ان کی تکمیل کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں، بعض کی تکمیل سو افراد سے متجاوز نہیں ہوتی، بعض ہزاروں کی تکمیل کرتے ہیں اور بعض لاکھوں، کروڑوں اور اربوں، کھربوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ افراد کی تکمیل کی۔ جس وقت آپ کا ظہور ہوا اس وقت دنیا میں یہودی، نصرانی، مجوس اور بت پرست بکثرت تھے، اور آپ نے ان تمام گمراہ لوگوں کو راہ ہدایت پر لا کھڑا کیا، بت پرستوں کو بت شکن بنادیا، جو تین خداؤں کو مانتے تھے ان کو موحد بنادیا، جو صرف دنیا کی زندگی کے قائل تھے ان کو آخرت کا معتقد بنادیا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سب سے پہلے جنت میں شفاعت کروں گا، کسی نبی کی اتنی تصدیق نہیں کی گئی جتنی میری تصدیق کی گئی ہے اور بعض انبیاء ایسے ہیں جن کی ان کی امت میں سے صرف ایک فرد نے تصدیق کی۔ (صحیح مسلم، الایمان: ۳۳۲، (۱۹۶) ۴۷۵)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک صبح ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا: آج رات انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے ساتھ مجھ پر پیش کیے گئے پس ایک نبی گزرتے اور ان کے ساتھ ان کے صرف تین امتی ہوتے، اور ایک نبی گزرتے اور ان کے ساتھ ایک جماعت ہوتی اور ایک نبی گزرتے اور ان کے ساتھ چند افراد ہوتے اور ایک نبی گزرتے اور ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہوتا حتی کہ میرے پاس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام گزرے اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کا ایک ہجوم تھا تو مجھے ان پر بہت تعجب ہوا، میں نے کہا یہ کون لوگ ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ تمہارے بھائی حضرت موسیٰ ہیں اور ان کے ساتھ بنو اسرائیل ہیں۔ میں نے کہا پھر میری امت کہاں ہے؟ مجھ سے کہا گیا کہ اپنی دائیں جانب دیکھئے۔ میں نے دیکھا تو بہت لوگ تھے جن کے چہروں نے ٹیلوں کو چھپالیا تھا، پھر مجھ سے کہا گیا کہ اپنی بائیں جانب دیکھئے، میں نے دیکھا تو لوگوں کے چہروں سے آسمان کے کنارے چھپ گئے تھے، مجھ سے کہا گیا کہ اب آپ راضی ہوگئے؟ میں نے کہا ہاں اب میں راضی ہوگیا! اے میرے رب! اب میں راضی ہوں! مجھے بتایا گیا ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں! اگر تم سے ہو سکے تو تم ان ستر ہزار میں سے ہو جاؤ، اگر تم اس طرح نہ کر سکو تو ان میں سے ہو جاؤ جنہوں نے ٹیلوں کو چھپالیا تھا، اگر تم ایسا نہ کر سکو تو ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جنہوں نے آسمانوں کے کناروں کو بھر لیا تھا کیونکہ میں نے دیکھا وہاں مخلوط لوگ تھے! حضرت عکاشہ بن محصن نے کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ان ستر ہزار میں سے کر دے، آپ نے اس کے لیے دعا کر دی، پھر ایک اور شخص نے کہا یا رسول اللہ! آپ دعا کریں کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے، آپ نے فرمایا: تم پر عکاشہ نے سبقت کرلی، پھر ہم نے آپس میں کہا تم کیا جانتے ہو یہ ستر ہزار کون ہیں؟ ہم نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے اور انہوں نے اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کیا حتی کہ یہ فوت ہوگئے! جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو گرم لوہے سے داغ لگوا کر علاج نہیں کراتے تھے اور نہ دم کراتے تھے، نہ بدفالی نکالتے تھے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے تھے۔

(مسند احمد ج ۱ص ۴۰۱، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۸۰۶ عالم الکتب، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۸۰۶ دارالحدیث قاہرہ، شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۳۳۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۸۶/۷، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۴۱، مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۴۰۶۔۴۰۵، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۵۱۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۷۶۶)

اس حدیث میں جو دم کرانے اور گرم لوہے کے داغ سے علاج کرانے کی ممانعت ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب ان کو شفاء کا قطعی سبب اعتقاد کیا جائے ورنہ احادیث میں داغ لگوانے اور دم کرانے کا ثبوت موجود ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُم مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تم کو ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے

لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ

دین میں داخل ہو جاؤ، پس ان کے رب نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور

الظَّالِمِينَ ﴿١٣﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِن بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ

ہلاک کر دیں گے ○ اور ان کے بعد ہم تم کو ضرور اس ملک میں آباد کریں گے، یہ (اعلان) اس کے لیے ہے

خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ﴿١٤﴾ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ

جو میرے سامنے پیش ہونے اور میرے عذاب دینے کی خبر سے ڈرے ○ اور رسولوں نے فتح کی دعا کی اور ہر

جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿١٥﴾ مِّن وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِن مَّاءٍ صَدِيدٍ ﴿١٦﴾

ظالم ضدی ہلاک ہو گیا ○ اس کے بعد دوزخ ہے اور اس کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا ○

يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ

وہ اسے ایک ایک گھونٹ بھر کے مشکل سے پیے گا اور اس کو حلق سے نہیں اتار سکے گا اور اس کو ہر جگہ سے موت گھیرے گی

وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِن وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ﴿١٧﴾ مَّثَلُ

اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے بعد ایک اور سخت عذاب ہے ○ جن لوگوں نے

الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ

اپنے رب کا کفر کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جس پر سخت آندھی کے دن

فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ

ہوا کا تیز جھونکا آئے ، انہوں نے جو کچھ بھی عمل کیا ہے وہ اس پر بالکل قادر نہ ہوسکیں گے یہی

هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

بہت دور کی گم راہی ہے ○ (اے مخاطب!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ

بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ

پیدا کیا ہے وہ اگر چاہے تو تم سب کو فنا کردے اور نئی مخلوق لے آئے ○ اور یہ اللہ

عَلَي اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰۗؤُا

پر کوئی مشکل نہیں ہے ○ اور آخرت میں سب اللہ کے سامنے پیش ہوں گے تو کمزور لوگوں نے

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا

بڑوں سے کہا ہم (دنیا میں) تمہاری پیروی کرتے تھے پس کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب کو

مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ

کچھ کم کرسکتے ہو؟ انہوں نے کہا اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تم کو ضرور ہدایت دیتے! ہمارے

ع ۵ ۳۷ ۱۵ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ع

لیے برابر ہے کہ ہم فریاد کریں یا صبر کریں ہمارے لیے (عذاب سے) بالکل چھٹکارا نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تم کو ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ، پس ان کے رب نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کردیں گے ○

(ابراھیم: ۱۳)

اس وہم کا ازالہ کہ انبیاء پہلے کافروں کے دین پر تھے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ انبیاء علیہم السلام نے کفار کے شر اور فساد کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کو کافی قرار دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر اعتماد ہے، جب انبیاء علیہم السلام نے یہ کہا تھا تو کافروں نے اور جہالت اور خباثت کا مظاہرہ کیا اور کہا ہم تم کو ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ، قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے اولتعودن فی ملتنا اس کا معنی ہے ورنہ تم ہمارے دین میں لوٹ جاؤ، اور اس سے بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پہلے ان کے دین میں تھے، پھر ان کے دین سے نکل کر موحد ہو گئے، اس لیے

اب کافروں نے کہا تم دوبارہ ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ' حالانکہ انبیاء علیہم السلام کبھی بھی کافروں کا دین اختیار نہیں کر سکتے' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) انبیاء علیہم السلام کافروں کے ملک میں پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے وہیں نشو و نما پائی تھی' ان کا تعلق ان ہی قبیلوں سے تھا اور ابتداء میں انہوں نے کافروں کے دین کی مخالفت نہیں کی تھی' اس لیے کافروں نے یہ گمان کیا کہ وہ بت پرستی میں ان کے موافق ہیں اور منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد جب انہوں نے بت پرستی سے منع کیا تو کافروں نے یہ سمجھا کہ وہ ان کے دین سے نکل گئے اس لیے انہوں نے کہا ہم تم کو ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔

(۲) اس آیت میں کافروں کے قول کو نقل فرمایا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کا قول صحیح ہو۔

(۳) اس آیت میں بہ ظاہر رسولوں سے خطاب ہے لیکن در حقیقت یہ رسولوں کے پیرو کاروں سے خطاب ہے اور رسولوں کے پیرو کار پہلے کافر تھے پھر وہ کفر اور شرک سے نکل کر توحید میں داخل ہوئے اس لیے کافروں نے پیرو کاروں سے کہا ہم تم کو اپنے ملک سے نکال دیں گے ورنہ تم دوبارہ ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔

(۴) اس آیت میں عود صیرورت کے معنی میں ہے یعنی انہوں نے رسولوں سے کہا ہم تم کو ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے کہ تم ہمارے دین داخل ہو جاؤ' ہم نے اس اعتبار سے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

(۵) اس آیت کا یہ معنی ہو سکتا ہے کہ جس طرح تم پہلے ہمارے دین کی مخالفت نہیں کرتے تھے اور بت پرستی کی مذمت نہیں کرتے تھے اسی طریقہ پر لوٹ جاؤ۔

جب کافروں نے انبیاء علیہم السلام کو یہ دھمکی دی تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مطمئن کرنے کے لیے یہ وحی فرمائی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے' اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ظالم سے اپنا بدلہ نہ لے اور اس کے ظلم پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے بدلہ لیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو ان کے صبر کی جزا دینے کے لیے ان کو یہ نوید سنائی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے بعد ہم تم کو ضرور اس ملک میں آباد کریں گے یہ (اعلان) اس کے لیے ہے جو میرے سامنے پیش ہونے اور میرے عذاب دینے کی خبر سے ڈرے O (ابراہیم: ۱۴)

فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے ملک میں آباد کرنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں سے کافروں کے خلاف نصرت کا وعدہ فرمایا ہے' جب رسولوں کی امتیں کفر میں حد سے بڑھ گئیں اور انہوں نے رسولوں کو ایذا پہنچانے کی دھمکیاں دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی امتوں میں سے کافروں کو ہلاک کر دے گا اور ان کی اور ان کے متبعین کی نصرت فرمائے گا اور در حقیقت یہ مشرکین مکہ کے لیے وعید ہے کہ اگر وہ اپنی سرکشی اور کفر سے باز نہ آئے تو ان کا بھی وہی انجام ہو گا جو پچھلی امتوں کے کافروں کا ہوا ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اطمینان' ثابت قدمی اور دل جمعی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کو یہ حکم دیا کہ جیسے انبیاء سابقین نے اپنی امتوں کے کافروں کی زیادتیوں اور ان کے مظالم پر صبر کیا سو آپ بھی اپنی امت کے کافروں کے مظالم پر صبر کریں انجام کار اللہ تعالیٰ ان کافروں کو ہلاک کر دے گا اور آپ کو فتح اور نصرت عطا فرمائے گا' اس سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کا یہی طریق کار رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ان کے بعد ہم تم کو ضرور اس ملک میں آباد کر دیں گے' زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے' اللہ تعالیٰ

کافروں سے ملک لے کر مسلمانوں کو اس میں آباد کر دیتا ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔ (الاعراف: ۱۳۷)

جن لوگوں کو کمزور سمجھا جاتا تھا ہم نے ان کو مشرق اور مغرب کی اس سرزمین کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا۔ (الاحزاب: ۲۷)

(اے مسلمانو!) اللہ نے ان کے ملک اور ان کے گھروں اور ان کے مال کا تمہیں وارث بنا دیا اور اس زمین کا بھی وارث کر دیا جس پر ابھی تم نے قدم نہیں رکھے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ○ (الانبیاء: ۱۰۵)

اور بے شک (نصیحت کے) ذکر کے بعد ہم نے زبور میں یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے○

اس کے بعد فرمایا ہم نے جو یہ وحی کی ہے کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور مومنوں کو ان کے ملک میں آباد کر دیں گے یہ بشارت ہر اس شخص کے لیے ثابت ہے جو حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اپنے عذاب کی جو خبر دی ہے اس سے خائف ہو اور جن چیزوں سے میں نے منع کیا ہے ان سے باز رہتا ہو اور میرے احکام کی اطاعت کرتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رسولوں نے فتح کی دعا کی اور ہر ظالم ضدی ہلاک ہو گیا○ اس کے بعد دوزخ ہے اور اس کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا○ وہ اسے ایک ایک گھونٹ بھر کے مشکل سے پیے گا اور اس کو حلق سے نہیں اتار سکے گا اور اس کو ہر جگہ سے موت گھیر لے گی اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے بعد ایک اور سخت عذاب ہے○ (ابراھیم: ۱۷)

جبار اور عنید کا معنی

رسولوں نے اپنی امتوں کے کافروں اور اپنے دشمنوں کے خلاف دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کافروں کے خلاف فتح عطا فرمائے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ○ (الاعراف: ۸۹)

اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے مخالف لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے○

اور جب کہ اس دعا کا نتیجہ یہ تھا کہ فتح اور نصرت انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے لیے ہو اور ناکامی، نامرادی، نقصان اور ہلاکت کفار اور مشرکین کے لیے ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر جبار اور عنید ناکام اور نامراد ہو گیا۔

جبار کا لفظ جبر سے بنا ہے اور یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، جبر کا معنی ہے زبردستی سے کسی چیز کی اصلاح کرنا، انسانوں میں جبار اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی منصب کا اہل نہ ہو۔ اور تکلف اور زبردستی سے اس منصب پر قابض ہو اور اس اعتبار سے جبار کا استعمال مذموم عمل میں ہوتا ہے اور کبھی جبار اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس کا کسی پر زور اور دباؤ ہو جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ۔ (ق: ۴۵) آپ ان پر زبردستی کرنے والے تو نہیں ہیں۔

جبار اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے بھی ہے، اور یہاں جبار کا معنی ہے لوگوں کے نقصانات پورے کرنے والا اور ان کی

اصلاح کرنے والا، جبار کا ایک اور معنی ہے جبر کرنے والا، اور اس معنی کے لحاظ سے جبار اللہ تعالیٰ کی اس لیے صفت ہے کہ اس نے اس نظام کائنات کو جبر سے اپنے تابع اور مسخر کیا ہوا ہے اور یہ تمام کائنات مجبوراً اس کی اطاعت کر رہی ہے اور انسان بھی قضاء وقدر سے مجبور ہے، امور تشریعیہ میں انسان مختار ہے اور امور تکوینیہ میں انسان مجبور ہے، مثلاً اپنے وقت پر پیدا ہونے میں اور اپنے وقت پر مرنے میں انسان مجبور ہے، سورج، چاند، اور ستارے اپنے وقت پر طلوع اور غروب میں مجبور ہیں اور ہر چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کام مقرر فرمادیا ہے وہ اس کام میں مجبور ہے اور جبر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، جبار کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور انسانوں کے لیے جبار کا لفظ مذمت ہے، جیسا کہ متکبر اللہ کے لیے حمد ہے اور مخلوق کے لیے مذمت ہے۔ اس آیت میں جبار سے مراد وہ شخص ہے جو نیک اور شریف انسانوں پر دھونس اور دباؤ ڈالے اور دھونس اور دباؤ کے ذریعہ حق سے انحراف کرے اور اللہ کی اطاعت کرنے اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھے۔

عنید کے معنی ہیں عناد رکھنے والا، مخالف اور ضدی شخص، علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے عنید وہ شخص ہے جو ان چیزوں پر اتراتا ہو جو اس کے پاس ہیں، بعض علماء نے کہا ہے عنید وہ شخص ہے جو حق کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود اس کا انکار کرتا ہو، اور بعض نے کہا ہے کہ صراط مستقیم سے منحرف ہونے والے کو عنید کہتے ہیں، اس آیت میں بھی عنید کا یہی معنی مراد ہے، قرآن مجید میں ہے:

اَلْقِيَا فِىْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِۙ (ق: ۲۵-۲۴)

ہر بڑے ناشکرے، حق کے مخالف کو جہنم میں ڈال دو○ جو نیکی سے بہت منع کرنے والا، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہے○

وراء کا معنی

اس کے بعد فرمایا من ورائه جهنم، وراء کا معنی پیچھے ہے، لیکن مفسرین نے کہا یہاں اس کا معنی آگے ہے، کیونکہ جو چیز ایک اعتبار سے پیچھے ہو وہ دوسرے اعتبار سے آگے ہوتی ہے مثلاً امام محراب اور مسجد کی دیوار کے پیچھے ہوتا ہے اور مقتدیوں کے آگے ہوتا ہے اس لیے آگے اور پیچھے ہونا ایک اضافی معنی ہے قرآن مجید میں وراء کا لفظ آگے کے لیے بھی مستعمل ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا۔ (الکہف: ۷۹)

ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔

لہٰذا اس آیت کا معنی ہوگا کہ اس ظالم کے آگے دوزخ ہے۔ علامہ قرطبی نے اس کا معنی بعد کیا ہے ہم نے بھی ان کی اتباع کی ہے یعنی اس کافر نے ہلاک ہونے کے بعد جہنم میں جانا ہے۔

دوزخ کے پانی کی کیفیت

اس کے بعد فرمایا: اور اس کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا○ یعنی دوزخ میں صرف پیپ کا پانی ہوگا اس سے مراد وہ پانی ہے جو اہل دوزخ کی کھالوں اور ان کے گوشت سے بہتا ہوا نکلے گا وہ خون اور پیپ سے مخلوط ہوگا اور یہ سخت گرم اور کھولتا ہوا پانی ہوگا قرآن مجید میں ہے:

هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ۔ (ص: ۵۷)

یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے اس کو چکھیں۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم: ۱۶ کی تفسیر میں فرمایا: وہ پانی اس کے مونہہ کے قریب لایا جائے گا سو وہ اس کو ناپسند کرے گا جب وہ اس کے زیادہ قریب کیا جائے گا تو اس کا چہرہ جل جائے گا اور اس کے سر کی کھال گر جائے گی اور جب وہ اس کو پیئے گا تو وہ پانی اس کی انتڑیاں کاٹ دے گا حتیٰ کہ اس کی انتڑیاں اس کی سرین سے نکل جائیں گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد: ۱۵)
ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو وہ ان کی انتڑیاں کاٹ دے گا۔

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۔ (الکھف: ۲۹)
اور اگر وہ (پیاس کی وجہ سے) فریاد کریں تو اس پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو پگھلتے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا سو وہ کیسا برا پینا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۳، مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۴۶۰)

دوزخیوں کے عذاب کی کیفیت اور ان پر موت کا نہ آنا

اس کے بعد فرمایا: اور اس کو ہر جگہ سے موت گھیرے گی اور وہ مرے گا نہیں۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) عطا نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا اس کے جسم کے ہر بال سے موت اس کو گھیر لے گی، سفیان ثوری نے کہا اس کی ہر رگ سے اس کو موت گھیر لے گی، ابن جریج نے کہا اس کی روح اس کے نرخرہ پر پہنچ کر رک جائے گی اور اس کے منہ سے نہیں نکلے گی حتیٰ کہ وہ مر جائے اور نہ واپس جائے گی تاکہ اس کو راحت ملے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے کہ موت اس کو ہر جہت سے گھیر لے گی، اوپر سے، نیچے سے، دائیں سے، بائیں سے آگے سے اور پیچھے سے۔

(۳) اخفش نے کہا دوزخ میں کافر پر جو مصائب اور بلائیں آئیں گی ان کو موت سے تعبیر فرمایا ہے۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۳۵۴-۳۵۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دوسرے قول کی تائید میں یہ آیت ہے:

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۔ (الزمر: ۱۶)
ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے بادل ہوں گے اور ان کے نیچے (بھی) آگ کے بادل ہوں گے۔

ابراہیم التیمی نے کہا ان کے جسم کے روئیں روئیں میں موت سرایت کر جائے گی کیونکہ ان کو جسم میں ہر جگہ شدید تکلیف ہو رہی ہوگی، ایک قول یہ ہے کہ ان کے ہر ہر عضو میں کسی نہ کسی قسم کا عذاب پہنچ رہا ہوگا، اگر ایک لمحہ میں اس پر ستر مرتبہ بھی موت آجاتی تو یہ اس پر آسان ہوتا، اس کو سانپ بھنبھوڑ رہے ہوں گے، بچھو ڈنک لگا رہے ہوں گے، آگ جلا کر سیاہ کر رہی ہوگی، پیروں میں بیڑیاں ہوں گی، گلے میں طوق ہوگا، زنجیروں سے جکڑا ہوا ہوگا، کھانے کے لیے زقوم کا درخت پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور ان گنت قسم کے عذاب ہوں گے، جب کافر دوزخ میں پانی مانگے گا تو پانی دیکھ کر ہی اس کو موت نظر آئے گی، جب وہ پانی اس کے قریب ہوگا اور اس کی تپش سے وہ جلنے لگے گا تو اس کو پھر موت نظر آئے گی اور جب وہ اس پانی کو پیئے گا جس سے اس کا مونہہ جل جائے گا، انتڑیاں کٹ جائیں گی تو یہ اس کو ایک اور موت معلوم ہوگی اس لیے فرمایا

اس کو ہر جانب سے موت گھیر لے گی لیکن وہ مرے گا نہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں طرح طرح کے درد پیدا کردے گا جن میں سے ہر درد میں اس کو موت کا مزہ آئے گا، لیکن وہ مرے گا نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۔ (فاطر: ۳۶)

کافروں کے لیے دوزخ کی آگ ہے، نہ ان پر قضا آئے گی کہ وہ مرجائیں اور نہ ان کے عذاب کو کم کیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت سے کہا جائے گا، ہمیشہ رہنا ہے موت نہیں ہے، اور دوزخ والوں سے کہا جائے گا اے دوزخ والو! ہمیشہ رہنا ہے، موت نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۵۴۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۵۱۹، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب جنت والے، جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخ والے دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا حتیٰ کہ اسے جنت کے اور دوزخ کے درمیان میں رکھ دیا جائے گا پھر اس کو ذبح کردیا جائے گا، پھر ایک منادی ندا کرے گا اے جنت والو! موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو! موت نہیں ہے، پھر جنت والوں کی خوشی بہت بڑھ جائے گی اور دوزخ والوں کا غم بہت زیادہ ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۱۱۳)

عذاب غلیظ کا معنی

اس کے بعد فرمایا: اور اس کے بعد ایک اور سخت عذاب ہے، قرآن مجید میں ہے ایک اور عذاب غلیظ ہے یعنی بہت شدید عذاب ہے جو مسلسل ہے ایک قسم کے درد کے بعد دوسرا درد اس کے متصل شروع ہو جاتا ہے اور وہ بہت سخت ہے۔

قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے اس عذاب غلیظ کی کچھ وضاحت ہوتی ہے:

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِالَى الْجَحِيْمِ ۝ (الصّٰفّٰت: ۶۸-۶۲)

کیا یہ (جنت کی) مہمانی بہتر ہے یا زقوم کا درخت ۝ بے شک ہم نے اس (زقوم) کو ظالموں کے لیے عذاب بنایا ہے ۝ بے شک وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے ۝ اس کے شگوفے شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں ۝ سو بے شک وہ اس سے کھائیں گے پھر اس سے پیٹ بھریں گے ۝ پھر بے شک ان کے لیے اس پر (پیپ کا) ملا ہوا سخت گرم پانی ہو گا ۝ پھر بے شک ان کا ضرور دوزخ کی طرف لوٹنا ہو گا ۝

بعض علماء نے کہا ہے عذاب غلیظ کا معنی ہے غیر منقطع اور غیر متناہی عذاب یا ایسا عذاب جو ہر بعد والی ساعت میں پہلی ساعت سے زیادہ ہوتا ہے، جیسا کہ ان آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ

بے شک زقوم کا درخت ۝ گناہ گاروں کا کھانا ہے ۝ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا ۝ جس طرح کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے ۝ اسے پکڑو، پھر زور سے گھسیٹتے ہوئے جہنم کے وسط تک لے جاؤ ۝ پھر اس کے سر کے اوپر

الْحَمِیْمِ ○ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ○ (الدخان: ۴۹-۴۳)	کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو ○ لے چکھ! بے شک تو بڑا ہی معزز مکرم ہے ○
وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ○ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ○ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ ○ (الواقعہ: ۴۴-۴۱)	اور بائیں طرف والے، کیسے برے ہیں بائیں طرف والے ○ (دوزخ کی) جلانے والی آگ اور دھوئیں کے سائے میں ہوں گے ○ جو نہ ٹھنڈا ہو گا اور نہ سود مند ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے اپنے رب کا کفر کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جس پر سخت آندھی کے دن ہوا کا تیز جھونکا آئے، انہوں نے جو کچھ بھی عمل کیا ہے وہ اس پر بالکل قادر نہ ہو سکیں گے یہی بہت دور کی گمراہی ہے ○ (اے مخاطب!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ اگر چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے ○ اور یہ اللہ پر کوئی مشکل نہیں ہے ○ (ابراہیم: ۲۰-۱۸)

کفار کے اعمال کی راکھ کے ساتھ وجہ مشابہت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آخرت میں کفار کے انواع و اقسام کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ان کے تمام اعمال ضائع ہو چکے ہیں اور وہ آخرت میں ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکیں گے اور اس وقت ان کا مکمل نقصان ظاہر ہو جائے گا کیونکہ دنیا میں انہوں نے اپنے خیال میں جو کچھ بھی نیک اعمال کیے تھے وہ آخرت میں باطل ہو چکے ہوں گے اور یہی مکمل نقصان ہے۔

کفار کے اعمال اور اس مثال میں وجہ مشابہت یہ ہے کہ جس طرح تیز آندھی راکھ کو اڑا لے جاتی ہے اور اس راکھ کے اجزاء اور ذرات متفرق اور منتشر ہو جاتے ہیں اور اس راکھ کا کوئی اثر اور کوئی نشان اور اس کی کوئی خبر باقی نہیں رہتی اسی طرح ان کے کفر نے ان کے تمام اعمال کو باطل کر دیا اور ان کے کسی عمل کا کوئی اثر اور نشان باقی نہ رہا۔

ان کے ان اعمال سے مراد ہے وہ اعمال جو انہوں نے اپنے زعم میں نیکی کی نیت سے کیے تھے، مثلاً صدقہ اور خیرات، رشتہ داروں سے حسن سلوک اور بھوکوں کو کھانا کھلانا، غلاموں کو آزاد کرنا اور مہمانوں اور مسافروں کی تعظیم و توقیر کرنا، ان کے کفر کی وجہ سے یہ تمام اعمال باطل ہو گئے اور اگر انہوں نے کفر نہ کیا ہوتا تو وہ ان اعمال سے فائدہ اٹھاتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان اعمال سے مراد ہو ان کا بتوں کی عبادت کرنا اور انہوں نے نجات کی توقع پر جو سخت مشقت والے کام کیے تھے اور ان کے نقصان کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بڑے عرصہ تک یہ مشقت والے کام کیے تاکہ آخرت میں ان کا نفع حاصل ہو لیکن انجام کار ان کے لیے یہ کام باعث عذاب بن گئے۔

تمام مخلوق کی پیدائش مبنی بر حکمت ہے

اس مثال کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں یہ بتایا کہ ان کے اعمال ضائع ہوئے ہیں تو اس آیت میں یہ بتایا کہ اس بطلان اور ضیاع کی وجہ ان کا کفر ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اور اس کی عبادت سے اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ مخلصین کے اعمال ضائع نہیں فرماتا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے اور اس نے اس جہان میں ہر چیز حکمت کے موافق پیدا فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے یعنی اس نے کسی چیز کو باطل اور بے فائدہ نہیں پیدا فرمایا ہر چیز کی خلقت کسی حکمت بالغہ پر مبنی ہے اور اس کلیہ میں یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کے وجود

اور اس کی قدرت اور اس کی وحدانیت اور اس کے استحقاق عبادت پر دلالت کرتے ہیں۔

پھر فرمایا اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے، یعنی جو آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اس بات پر بہ طریق اولیٰ قادر ہے کہ وہ ایک قوم کو فنا کر دے اور اس کی جگہ دوسری قوم کو پیدا کر دے کیونکہ جو کسی مشکل اور سخت چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہو وہ سہل اور آسان چیز کے پیدا کرنے پر بہ درجہ اولیٰ قادر ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں کفار مکہ کے ساتھ خطاب ہے کہ اے کفار کی جماعت! میں تم کو مار کر تمہاری جگہ اور مخلوق پیدا کر دوں گا جو میری فرماں بردار اور اطاعت گزار ہوگی، پھر فرمایا کہ یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ جو آسمانوں اور زمینوں جیسی عظیم مخلوق پیدا کر چکا ہے اس کے لیے تمہیں مار کر تمہاری جگہ نئی مخلوق پیدا کرنا کیا مشکل ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آخرت میں سب اللہ کے سامنے پیش ہوئے تو کمزور لوگوں نے بڑوں سے کہا: ہم (دنیا میں) تمہاری پیروی کرتے تھے پس کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب کو کچھ کم کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تم کو ضرور ہدایت دیتے! ہمارے لیے برابر ہے کہ ہم فریاد کریں یا صبر کریں ہمارے لیے (عذاب سے) بالکل چھٹکارا نہیں ہے ○ (ابراھیم: ۲۱)

بـرزوا کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: برز، بروز سے بنا ہے، براز کھلے میدان کو کہتے ہیں، بروز کا معنی ظہور ہے، یا تو کوئی چیز از خود ظاہر ہو جائے جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً۔ (الکھف: ۴۷) آپ دیکھیں گے کہ زمین کھلا ہوا میدان ہے۔

اس آیت میں زمین کا صاف طور پر کھلا ہوا ہونا مراد ہے کیونکہ اس دن زمین کی تمام عمارتیں اور زمین پر رہنے والے تمام لوگ فنا ہو چکے ہوں گے اور اس کے بعد حشر شروع ہوگا، بروز کے معنی میں یہ بھی شامل ہے کہ جو چیز پہلے چھپی ہوئی ہو وہ ظاہر ہو جائے، اسی وجہ سے جو شخص میدان جنگ میں صف سے نکل کر دشمن کو مقابلہ کے لیے للکارے اس کو مبارز کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۔ (آل عمران: ۱۵۴) جن لوگوں کا قتل ہونا مقدر کر دیا گیا ہے وہ اپنے مقتل کی طرف ضرور ظاہر ہوں گے۔

جس جگہ قضاء حاجت کی جاتی ہے اس جگہ کو بھی براز کہتے ہیں اور جو چیز قضاء حاجت کے وقت نکلتی ہے اس کو بھی براز اس لیے کہتے ہیں کہ ایک چھپی ہوئی چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۵۵-۵۴، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

بروز کے معنی پر ایک اعتراض کا جواب

اگرچہ سب لوگ حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے لیکن چونکہ ایسا ہونا یقینی ہے اس لیے ماضی کے صیغہ سے فرمایا اور آخرت میں سب لوگ پیش ہوئے، نیز جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ جو چیز پہلے چھپی ہوئی ہو اور وہ پھر ظاہر ہو جائے تو اس کو براز یا بروز کہتے ہیں، حشر کے دن جو کفار اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے اس کو برزوا فرمایا ہے، اب اس پر یہ اعتراض ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ سے تو چھپے ہوئے نہ تھے تو پھر ان کے پیش ہونے کو برزوا کیوں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ کفار فحش اور بے حیائی کے کام لوگوں سے چھپ کر کرتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کے یہ کام اللہ تعالیٰ سے بھی مخفی ہیں لیکن

قیامت کے دن ان پر یہ منکشف ہوگا کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے مخفی نہ تھے نہ ان کا کوئی کلام اللہ تعالیٰ سے مخفی تھا' خلاصہ یہ ہے کہ وہ فی نفسہٖ مخفی نہ تھے بلکہ اپنے زعم میں مخفی تھے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوئے' دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ پہلے قبروں میں چھپے ہوئے تھے پھر قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوئے اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ○ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ○ (الطارق: ۱۰-۹) جس دن سینوں کی چھپی ہوئی باتیں ظاہر کردی جائیں گی' سو اس دن اس کی کوئی طاقت نہ ہوگی نہ کوئی مددگار ہوگا۔

اس دن لوگوں کا باطن دوسروں پر ظاہر ہو جائے گا اور ان کے جو افعال اور احوال مخفی تھے وہ سب پر منکشف ہو جائیں گے' جو انسان نیکوں میں سے ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی پاکیزہ صفات' روشن چہرے اور صاف روح کے ساتھ پیش ہوگا اور اس کے لیے نور جلال کی تجلیات ظاہر ہوں گی' اور اس کی عظمت کو واضح کیا جائے گا اور جو انسان بدکاروں میں سے ہوگا وہ انتہائی شرمندگی' روسیاہی اور رسوائی کے ساتھ پیش ہوگا اور اس دن عام بت پرست اپنے سرداروں سے کہیں گے کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب میں کچھ کمی کرا سکتے ہو یا اس عذاب کو ہم سے دور کر سکتے ہو' ہم تو تمہاری اتباع اور پیروی میں بتوں کی پرستش کرتے تھے' پھر ان کے سردار انتہائی عجز' ذلت اور رسوائی کے ساتھ کہیں گے' خواہ ہم روئیں یا صبر کریں ہماری عذاب سے نجات نہیں ہو سکتی' اور بت پرستوں کا اپنی عاجزی کا اعتراف کرنا ان کی ذلت اور رسوائی کو ظاہر کرے گا اور اس آیت سے مقصود ان کی ندامت' شرمندگی اور رسوائی کو ظاہر کرنا ہے اور دیگر جسمانی عذاب کے علاوہ یہ ان کے لیے نفسیاتی اور روحانی عذاب ہوگا۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ بعض دوزخی' بعض سے کہیں گے کہ جنتی لوگ اللہ کی بارگاہ میں رونے اور فریاد کرنے کی وجہ سے جنت میں پہنچے ہیں آؤ ہم مل کر روئیں اور فریاد کریں شاید ہمیں جنت مل جائے' وہ روتے اور فریاد کرتے رہیں گے' پھر جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے رونے سے کچھ فائدہ نہیں ہوا تو وہ کہیں گے جنتی لوگ مصائب پر صبر کرنے کی وجہ سے جنت میں پہنچے ہیں آؤ ہم صبر کرتے ہیں پھر وہ صبر کریں گے لیکن اس پر بھی کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوگا پھر وہ کہیں گے کہ خواہ ہم روئیں یا صبر کریں ہم کو عذاب سے نجات نہیں ملے گی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۶۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ جب اللہ نے کافروں کو ہدایت نہیں دی تو کفر میں ان کا کیا قصور ہے؟

اس آیت میں ذکر ہے کہ کافروں کے سردار کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تم کو ضرور ہدایت دیتے! اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کافروں نے بت پرستی کی تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی ہدایت نہیں دی تھی! اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت اور گمراہی کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسی چیز کو پیدا کرتا ہے جس کا بندہ ارادہ کرتا ہے' جو ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہدایت پیدا کر دیتا ہے اور جو گمراہی کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے گمراہی پیدا کر دیتا ہے' یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ہدایت پیدا نہیں کی لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہدایت کے حصول کا ارادہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے انبیاء اور رسل بھیجے' معجزات نازل کیے' کتابیں اور صحائف اتارے' کائنات کے چپہ چپہ میں اپنی الوہیت کی نشانیاں رکھیں اس کے باوجود انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کی آیات کا انکار کیا سو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دینے کے اسباب مہیا کیے تھے لیکن وہ خود ہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول کرنے والے نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنے کا کیا جواز ہے! اس آیت کی یہ

تاویل بھی کی گئی ہے کہ جب عام کفار اپنے سرداروں سے کہیں گے کیا تم ہمارے عذاب میں کمی کرا سکتے ہو یا ہمیں عذاب سے
نجات دلوا سکتے ہو تو وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں جنت کی طرف ہدایت دے گا تو ہم تمہیں بھی جنت کی طرف ہدایت دیں گے
یا اگر اللہ ہمیں عذاب سے نجات دے گا تو ہم تمہیں بھی عذاب سے نجات دے دیں گے۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ
جب حشر کی کارروائی پوری ہو گئی تو شیطان نے کہا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق
الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ
وعدہ تھا، اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا سو میں نے اس کے خلاف کیا، اور میرا تم پر کوئی غلبہ
سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ
نہیں تھا سوا اس کے کہ میں نے تم کو (گناہ کی) دعوت دی پس تم نے میری دعوت قبول کر لی، سو تم مجھ کو ملامت نہ کرو
وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ
اور اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کرنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کرنے والے ہو، تم نے
كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ
مجھے جو (اللہ کا) شریک بنایا تھا میں پہلے ہی اس کا انکار کر چکا ہوں، بے شک ظالموں کے لیے ہی
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞۲۲ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
دردناک عذاب ہے ○ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کو
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ
ایسی جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ اپنے رب کے اذن سے ان میں ہمیشہ رہنے والے
تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۞۲۳ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً
ہیں اور ایک دوسرے سے ان کا کہنا ہو گا: سلام ہو ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاکیزہ کلمہ (بات) کی کیسی
طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۞۲۴ لا
مثال بیان فرمائی وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں

تُؤۡتِیۡۤ اُکُلَهَا کُلَّ حِیۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّهَا ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ

وہ درخت اپنے رب کے اذن سے ہر وقت پھل دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثال بیان

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ وَ مَثَلُ کَلِمَةٍ خَبِیۡثَةٍ کَشَجَرَةٍ

فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○ اور ناپاک کلمہ (بات) کی مثال اس ناپاک

خَبِیۡثَةِ اجۡتُثَّتۡ مِنۡ فَوۡقِ الۡاَرۡضِ مَا لَهَا مِنۡ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ یُثَبِّتُ اللّٰهُ

درخت کی طرح ہے جس کو زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا اس کے لیے بالکل ثبات نہیں ○ اللہ ایمان والوں کو

الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَةِ ۚ

دنیا میں (بھی) مضبوط کلمہ کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی)

ع ۲/۱۶ وَ یُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیۡنَ ۙ۟ وَ یَفۡعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴿۲۷﴾ ع

اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب حشر کی کارروائی پوری ہو گئی تو شیطان نے کہا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق وعدہ تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا سو میں نے اس کے خلاف کیا اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہیں تھا سوا اس کے کہ میں نے تم کو (گناہ کی) دعوت دی، پس تم نے میری دعوت قبول کر لی، سو تم مجھ کو ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کرنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کرنے والے ہو، تم نے مجھے جو (اللہ کا) شریک بنایا تھا میں پہلے ہی اس کا انکار کر چکا ہوں، بے شک ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب ہے○ (ابراہیم: ۲۲)

مستقبل میں ہونے والے مکالمے کو ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مناظرہ کا ذکر فرمایا تھا جو کافر سرداروں اور ان کے پیروکاروں کے درمیان ہو گا اور اس آیت میں اس مناظرہ کا ذکر فرمایا ہے جو شیطان اور عام انسانوں کے درمیان ہو گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے جب حساب کتاب ہو چکا تو شیطان نے کہا الخ، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابھی تو قیامت آئی ہے نہ حشر کا میدان قائم ہوا ہے اور شیطان کا انسانوں کے ساتھ یہ مکالمہ تو قیامت کے بعد ہو گا، تو بظاہر یوں فرمانا چاہیے تھا جب حساب کتاب ہو چکے گا تو شیطان لوگوں سے کہے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ ماضی کا صیغہ کسی چیز کے تحقق وقوع پر دلالت کرتا ہے اس لیے جو چیز مستقبل میں یقینی اور حتمی طور پر ہونی ہو اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں تاکہ ماضی کا صیغہ اس کے تحقق وقوع پر دلالت کرے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے واقع ہونے کی خبر دی ہے اس کا وقوع صادق اور برحق ہے، اور گویا کہ وہ چیز واقع ہو چکی ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے:

وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۔ اور دوزخ والوں نے جنت والوں کو آواز دی۔

(الاعراف: ۵۰)

حالانکہ یہ واقعہ حساب کتاب بلکہ جنت اور دوزخ میں دخول کے بعد ہوگا اور اسی طرح اس سے پہلی آیت میں تھا:

وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۔ (ابراھیم: ۲۱) اور سب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوئے۔

حالانکہ سب لوگ قیامت کے بعد حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے، لیکن چونکہ سب لوگوں کا اللہ کے سامنے پیش ہونا یقینی امر ہے اس لیے اس کے تحقق و قوع پر متنبہ کرنے کے لیے اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر فرمایا۔

لما قضی الامر کی تفسیر میں متعدد اقوال

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لما قضی الامر جب کام پورا ہو گیا اس کی تفسیر میں مفسرین کے کئی قول ہیں، ایک قول یہ ہے: جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے اس وقت شیطان دوزخ میں کھڑا ہو کر دوزخیوں سے خطاب کرے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ جب حساب کتاب ختم ہو گیا اور پہلا قول زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ محشر میں لوگوں کا آخری معاملہ یہ ہوگا کہ نیکو کار جنت میں پہنچ جائیں گے اور کفار دوزخ میں پہنچ جائیں گے اس کے بعد ہر ایک اپنی اپنی جگہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، تیسرا قول یہ ہے کہ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ ایمان والوں سے جن لوگوں نے گناہ کبیرہ کیے اور وہ بغیر توبہ کے مر گئے اور ان کو شفاعت نصیب نہیں ہوئی نہ وہ خصوصی فضل سے بخشے گئے ان کو دوزخ میں تطہیر کے لیے عارضی عذاب دیا جائے گا پھر شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور اس وقت حشر کی تمام کارروائی پوری ہو جائے گی، تمام مومنین جنت میں پہنچ جائیں گے اور تمام کفار دوزخ میں ہوں گے۔ اس وقت شیطان دوزخیوں سے کہے گا۔

شیطان سے مراد ابلیس ہونا

ہر چند کہ شیطان کا لفظ شیطان کے تمام افراد کو شامل ہے لیکن اس آیت میں شیطان سے مراد ابلیس ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں یہ قیامت کے دن ابلیس کا قول ہے وہ کہے گا کہ نہ تم مجھے نفع پہنچا سکتے ہو نہ میں تمہیں نفع پہنچا سکتا ہوں اور تم نے اس سے پہلے جو مجھے شریک بنایا تھا اور میری عبادت کی تھی میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۶۴۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور ان کے فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا تو مومنین کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر کے فارغ ہو چکا ہے، پس ہمارے رب کے پاس ہماری شفاعت کون کرے گا؟ چلو حضرت آدم کے پاس چلیں وہ ہمارے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان سے کلام کیا، پس وہ حضرت آدم کے پاس جا کر ان سے کلام کریں گے اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے، وہ کہیں گے تم نوح کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت نوح کے پاس جائیں گے، وہ ان کی حضرت ابراھیم کی طرف رہنمائی کریں گے۔ وہ حضرت ابراھیم کے پاس جائیں گے وہ ان کی حضرت موسیٰ کی طرف رہنمائی کریں گے۔ وہ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ ان کی حضرت عیسیٰ کی طرف رہنمائی کریں گے، پھر وہ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے میں نبی امی کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں، پھر وہ میرے پاس آئیں گے، پھر اللہ تعالیٰ مجھے کھڑے ہونے کی اجازت دے گا اور وہ مجلس اتنی پاکیزہ خوشبو سے معطر ہو جائے گی کہ اس سے پہلے کسی نے

ایسی خوشبو نہ سونگھی ہوگی۔ پھر میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گا پس اللہ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور میرے سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخنوں تک کو منور کردے گا پھر کفار کہیں گے کہ مومنوں نے تو اپنے شفاعت کرنے والے کو پالیا ہمارے لیے شفاعت کون کرے گا! پھر وہ کہیں گے کہ وہ ابلیس کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جس نے ہمیں گمراہ کیا تھا پھر وہ اس کے پاس جاکر کہیں گے مومنوں نے تو اپنے شفاعت کرنے والے کو پالیا، اب اٹھو تم ہماری شفاعت کرو، کیونکہ تم نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا وہ اٹھ کر کھڑا ہوگا تو اس مجلس میں اتنی سخت بدبو پھیل جائے گی کہ ایسی بدبو کسی نے کبھی نہ سونگھی ہوگی، پھر وہ ان کو جہنم میں لائے گا اور اس وقت کہے گا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اس کے خلاف کیا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۷ص ۳۲۱-۳۲۰، رقم الحدیث: ۸۸۷، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۶۴۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۲۴۵، الجامع لاحکام القرآن جز ۹ص ۳۱۹، التذکرہ ج ۱ص ۳۸۱، تفسیر ابن کثیر ج ۲ص ۵۸۵، روح المعانی جز ۱۳ص ۳۰۱)

اللہ کا وعدہ اور ابلیس کا وعدہ

ابلیس نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ وعدہ برحق تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں اور برے کاموں سے بچنے والوں اور نیک کاموں کے کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائے گا اور ان کو جنت میں داخل فرمائے گا اور کافروں اور بدکاروں کو آخرت میں عذاب دے گا اور ان کو دوزخ میں داخل فرمائے گا اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ سچا کردیا اور مومنین اور نیک عمل کرنے والے جنت میں داخل ہوگئے اور کافر اور بدکار دوزخ میں داخل ہوگئے اور میں نے جو وعدہ کیا تھا کہ نہ قیامت قائم ہوگی، نہ لوگ مر کر دوبارہ زندہ ہوں گے نہ حشر ہوگا نہ حساب و کتاب ہوگا نہ جنت ہوگی نہ دوزخ ہوگی سو میرا وعدہ جھوٹا ہو گیا کیونکہ وہ تمام امور واقع ہوگئے جن کی میں نے تکذیب کی تھی۔

شیطان نے جو سلطان کی نفی کی اس کے دو محمل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شیطان کا یہ قول نقل فرمایا: اور میری تم پر کوئی سلطان نہ تھی، سوا اس کے کہ میں نے تم کو (گناہ کی) دعوت دی پس تم نے میری دعوت قبول کرلی سو تم مجھ کو ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔

سلطان کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے حجت اور دلیل اور دوسرا معنی ہے تسلط اور غلبہ یعنی زبردستی اور جبر سے کسی سے کوئی کام کرا دینا۔ اگر شیطان کی سلطان سے مراد حجت اور دلیل ہو تو اس کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ میرا کام تو تم کو صرف دعوت دینا اور وسوسہ ڈالنا تھا، تم اللہ تعالیٰ کے دلائل سن چکے اور انبیاء علیہم السلام کے آنے کا مشاہدہ کرچکے تھے اور انبیاء علیہم السلام کے صدق اور ان کے برحق ہونے پر معجزات کا مشاہدہ کرچکے تھے، تم پر اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں کی تلاوت بھی کی گئی تھی تو تم پر واجب تھا کہ تم میری باتوں کے دھوکے میں نہ آتے اور میری دعوت اور میرے وسوسہ کی طرف توجہ نہ کرتے اور جب کہ تم نے ان مضبوط اور قوی دلائل کے مقابلہ میں میری باتوں کو ترجیح دی، تو پھر تم ملامت کے لائق ہو، تم دیکھ رہے تھے کہ میرے وسوسوں اور میری باتوں پر کوئی حجت اور برہان نہ تھی، میں نے بغیر کسی دلیل کے تم کو شرک اور کفر پر اکسایا اور گناہوں پر برانگیختہ کیا اور تم نے میری بے دلیل باتوں کو مان لیا اور انبیاء علیہم السلام نے براہین اور دلائل کے ساتھ جو کہا تھا اس کو مسترد کردیا تو پھر تم ہی لائق مذمت ہو نہ کہ میں!

اور اگر سلطان کا معنی تسلط اور غلبہ ہو یعنی ایسی طاقت جس کے ذریعہ زبردستی کسی سے کوئی کام کرایا جاسکے تو مطلب

ہو گا میں تو صرف تم کو بلاتا تھا اور تمہارے دلوں میں وسوسہ ڈالتا تھا تم نے اپنی خوشی سے میرے وسوسوں کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور انبیاء علیہم السلام کے پیغامات کو مسترد کر دیا، میں نے جبراً اور زبردستی تم سے یہ کام نہیں کرائے کیونکہ مجھے تم پر کوئی تسلط اور غلبہ حاصل نہیں تھا تم نے اپنی خوشی سے میرے کہنے پر عمل کیا ہے لہٰذا اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔

بُرے کاموں کے ارتکاب پر شیطان کے بجائے خود کو مطعون کیا جائے

جب آدمی کسی کام کو کرتا ہے یا کسی کام کو ترک کرتا ہے تو اس سے پہلے چند امور ضروری ہیں۔ کسی کام کو کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے اس کام کا تصور اور علم ہو، پھر اس کام کو کرنے یا اس چیز کو حاصل کرنے کا شوق ہو پھر وہ اس کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کرے، اس کے بعد وہ اس کام کو کر گزرتا ہے، اور کسی کام کو ترک کرنے کے لیے بھی پہلے اس کام کا تصور ضروری ہے، پھر اس کو یہ علم ہو کہ اس کام میں فلاں نقصان یا فلاں خطرہ ہے پھر وہ اس کام کو ترک کرنے کا پختہ ارادہ کرے اور اس کے بعد وہ اس کام کو ترک کر دے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شیطان انسان کے ذہن میں یہ خیال ڈالے کہ فلاں جگہ آسانی سے چوری کی جاسکتی ہے، پھر اس کو چوری کی طرف راغب کرے کہ اس کے پاس اپنی ضروریات کے لیے پیسے نہیں ہیں، اس کی جائز آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اگر اس چوری سے مال حاصل کر لیا تو اس کی فلاں فلاں ضروریات پوری ہو جائیں گی اور بہت سی آسائشیں حاصل ہو جائیں گی، جس کا مال چرانا ہے اسے کیا فرق پڑے گا وہ تو بہت امیر آدمی ہے، کوئی جرم اسی وقت جرم کہلاتا ہے جب وہ ظاہر ہو جائے اور جو کام ظاہر نہ ہو اس کو کون جرم کہے گا وہاں چوری کرنے کے ایسے مواقع ہیں کہ کسی کو پتا نہیں چل سکتا، ایسا موقع زندگی میں بار بار نہیں آتا۔ شیطان اس قسم کی ترغیبات انسان کے ذہن میں ڈالتا رہتا ہے حتیٰ کہ کچھ پس وپیش کے بعد انسان وہاں چوری کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے اور جب وہ عزم صمیم کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے، اسی طرح جو انسان مشاق حج کرنے کے لیے جانا چاہتا ہے شیطان اس کو سفر کے خطرات سے ڈراتا ہے، ہوائی حادثات ہوتے رہتے ہیں، بالفرض سلامتی سے پہنچ بھی گیا تو منیٰ میں اور طواف اور سعی میں انسان رش کے اندر کچلا جاتا ہے، اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا کیا فائدہ اور کون سا اس سال ہی حج کرنا ضروری ہے، ابھی تو زندگی پڑی ہے پھر کسی سال حج کو چلے جانا، اس طرح کے خطرات اس کے ذہن میں ڈالتا ہے اور حج کے لیے جانے والے انسان کو حج سے روک دیتا ہے، غرض یہ کہ وہ بُرائی کی ترغیبات ذہن میں ڈال کر انسان کو بُرائی کے کام پر آمادہ کرتا ہے اور انسان اس کے بہکانے میں آجاتا ہے اور نیک کام کے خلاف خطرات اور خدشات ذہن میں ڈالتا ہے حتیٰ کہ انسان نیک کام کرنے سے رک جاتا ہے اور ان امور میں شیطان کا صرف اتنا دخل ہوتا ہے کہ وہ صرف بُرے کام کرنے یا نیک کام کو ترک کرنے کی دعوت دیتا ہے باقی کام تو انسان خود کرتا ہے، پس ظاہر ہو گیا کہ شیطان اصلی تو خود انسان کا نفس ہے کیونکہ اگر انسان کا بُرائی کی طرف میلان اور رجحان نہ ہوتا تو شیطان کے وسوسوں سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

شیطان کے وسوسہ کی کیفیت

باقی رہا یہ امر کہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی کیا کیفیت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام رازی نے کہا ہے کہ ملائکہ اور شیاطین اجسام کثیفہ نہیں ہیں بلکہ ان کے اجسام کا لطیفہ ہونا ضروری ہے اور اللہ سبحانہ نے ان کی عجیب و غریب ترکیب کی ہے اور وہ جسم لطیف ہونے کے باوجود جسم کثیف میں نفوذ کر جاتے ہیں، جیسا کہ انسان کی روح جسم لطیف ہے اور وہ انسان

کے بدن میں سرایت کر جاتی ہے' اسی طرح آگ کوئلہ میں نفوذ کر جاتی ہے اور پتوں اور پھولوں کا پانی پتوں اور پھولوں میں سرایت کر جاتا ہے اور پستہ اور بادام اور تلوں کا تیل پستہ اور بادام اور تلوں میں سرایت کیا ہوا ہے اسی طرح شیطان انسان کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے اور وسوسے ڈالتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۸۸-۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۱۵ھ)

شیطان انسان کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسان کے خون کے جاری ہونے کی جگہوں میں سرایت کر جاتا ہے اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی چیز ڈال دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷۹)

انسان کے اعضاء پر جنات کے تصرف کی نفی

شیطان جو آخرت میں یہ کہے گا کہ میرا تم پر کوئی تسلط نہیں تھا میرا کام تو صرف تم کو برے کاموں پر راغب کرنا اور ان کی دعوت دینا تھا اس سے امام رازی اور علامہ ابوالحیان اندلسی نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ عوام میں جو مشہور ہے کہ انسان پر جب مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو جاتے ہیں تو یہ انسان کے جسم پر جنات کا تصرف ہوتا ہے' سو یہ بالکل بے اصل اور باطل بات ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۸۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۱۵ھ' البحر المحیط ج ۶ ص ۴۲۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۲ھ)

علامہ آلوسی کا یہ نظریہ ہے کہ جنات انسان کے اعضاء پر تصرف کرتے ہیں اور جب کسی انسان پر جن چڑھ جاتا ہے تو اس کی زبان سے جن بولتا ہے اور اس کے ہاتھ پیروں میں جن کا تصرف ہوتا ہے' وہ اس آیت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ شیطان نے مطلقاً تسلط کی نفی نہیں کی بلکہ اس نے ایسے تسلط کی نفی کی ہے جس سے وہ لوگوں کو گمراہ کر سکے لہٰذا انسان پر جو مرگی کے دورے پڑتے ہیں اور اس حال میں اس کے اعضاء پر جو جن تصرف کرتا ہے اس کی اس آیت میں نفی نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۱۳ ص ۳۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: وما کان لی علیکم من سلطان اور اس آیت میں نکرہ حیز نفی میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں مفید عموم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا تم پر کسی قسم کا تسلط اور تصرف نہیں ہے' لہٰذا عوام الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ جن انسان کے اعضاء پر قابض ہو کر تصرف کرتے ہیں' انسان کی زبان سے جن بولتا ہے اور اس کے ہاتھ پیروں سے جن تصرف کرتا ہے یہ صحیح نہیں ہے' اور اس پر قوی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ امر جائز ہوتا تو ایک آدمی کسی کو قتل کر دیتا اور بعد میں یہ کہتا اس کو میں نے قتل نہیں کیا جن نے قتل کیا ہے تو قانوناً اور شرعاً اس سے قصاص لینا جائز نہ ہوتا' حالانکہ قانون میں اس کی گنجائش ہے نہ شریعت میں اس کی گنجائش ہے' پس واضح ہو گیا کہ انسان کے اعضاء پر جنات کے تصرف کرنے کا قول صحیح نہیں ہے۔

صرخ کا معنی

قرآن مجید میں ہے: میں تمہارا مصرخ نہیں ہوں اور تم میرے مصرخ نہیں ہو' یہ لفظ صرخ سے بنا ہے یہ لغت اضداد سے ہے' اس کا معنی چیخ کر فریاد کرنا بھی ہے اور فریاد کو پہنچنا بھی ہے' اس آیت کا معنی ہے: نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔ اس کے بعد اس نے کہا تم نے مجھے عبادت میں اللہ تعالیٰ کا جو شریک بنایا تھا میں اس کا انکار کرتا ہوں' اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان کے پیروکار جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اس جہان کے بنانے اور اس کے چلانے میں شیطان

اللہ کا شریک ہے اس نے کہا میں اس کا انکار کرتا ہوں یا معنی یہ ہے کہ لوگ نیک کاموں میں اللہ کی اطاعت کرتے تھے اور بُرے کاموں میں شیطان کی اطاعت کرتے تھے، شیطان نے کہا میں اس کا انکار کرتا ہوں کیونکہ اطاعت کے لائق اور اطاعت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کو ایسی جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ اپنے رب کے اذن سے ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ایک دوسرے سے ان کا کہنا ہو گا: سلام ہو O (ابراہیم: ۲۳)

جنت میں سلام کا معنی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور بدکاروں کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے، اور اب اس آیت سے مومنوں اور نیکوکاروں کے احوال بیان فرما رہا ہے، سو اس آیت میں بیان فرمایا کہ اللہ کے اذن سے ان کو جنت کی دائمی نعمتیں عطا فرمائی جائیں گی، اور اللہ کے اذن سے ان کو نعمتیں ملنا بھی ان کے حق میں ایک نوع کی تعظیم ہے، اور وہ خود بھی ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہوئے ایک دوسرے کو سلام کریں گے، اور فرشتے بھی ان کی تعظیم کرتے ہوئے ان کو سلام کریں گے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ - (الرعد: ۲۴-۲۳) اور فرشتے ہر دروازہ سے ان پر یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے تم پر سلام ہو۔

جنت میں سلام کا معنی یہ ہے کہ وہ دنیا کی آفات اور دنیا کی حسرتوں یا دنیا کی بیماریوں اور دردوں اور دنیا کے غموں اور پریشانیوں سے سلامت ہو گئے اور دنیا کے فانی جسموں سے نکل کر جنت کے دائمی جسموں میں منتقل ہو جانا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاکیزہ کلمہ (بات) کی کیسی مثال بیان فرمائی وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں O وہ درخت اپنے رب کے اذن سے ہر وقت پھل دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثال بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O اور ناپاک کلمہ (بات) کی مثال اس ناپاک درخت کی طرح ہے، جس کو زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا اس کے لیے بالکل ثبات نہیں O

(ابراھیم: ۲۶ - ۲۴)

شجرہ طیبہ سے مراد کھجور کا درخت ہے

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین اور کفار کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کلمہ طیبہ سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے اور شجرہ طیبہ سے مراد مومن ہے، اور مجاہد اور عکرمہ نے کہا ہے کہ شجرہ سے مراد کھجور کا درخت ہے، اور اس آیت کا یہ معنی ہو سکتا ہے کہ مومن کے قلب میں کلمہ کی جڑ ہے اور وہ ایمان ہے، جس طرح کھجور کے درخت کی جڑیں زمین میں پیوست ہوتی ہیں، اسی طرح ایمان مومن کے سینہ میں راسخ ہوتا ہے، اور جس طرح کھجور کی شاخیں اوپر کی جانب بلند ہوتی ہیں، اسی طرح مومن کے نیک اعمال کو فرشتے اوپر کی جانب لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو ان نیک اعمال پر ثواب عطا فرماتا ہے اس کو کھجور کے پھلوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تازہ کھجوروں کا ایک خوشہ لایا گیا تو آپ نے یہ آیت پڑھی: مثلا کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء ○ تؤتی اکلها کل حین باذن ربها۔ (ابراہیم: ۲۵-۲۴) آپ نے فرمایا یہ کھجور کا درخت ہے، پھر آپ نے پڑھا: ومثل کلمة خبیثة کشجرة خبیثة اجتثت من فوق الارض مالها من قرار۔ (ابراہیم: ۲۶) آپ نے فرمایا اس سے مراد حنظلہ (اندرائن، کڑوا پھل) ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۱۹، مسند ابو یعلی رقم الحدیث:۴۱۶۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۴۷۵، المستدرک ج۲ص ۳۵۲)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی مثال اس درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوط ہیں، ایمان اس کی جڑیں ہیں، نماز اس کی اصل ہے، زکوٰۃ اس کی شاخیں ہیں، روزے اس کے پتے ہیں، اللہ کی راہ میں تکلیف اٹھانا اس کی روئیدگی ہے، اچھے اخلاق (بھی) اس کے پتے ہیں اور حرام کاموں سے بچنا اس کے پھل ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۹ص ۳۲۳، مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ بےہودہ اور بے حیائی کی باتیں کرنے والے سے بغض رکھتا ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے جب تک امین کو خائن نہ قرار دیا جائے اور خائن کو امین نہ سمجھا جائے اور بےہودگی اور بے حیائی کا ظہور نہ ہو جائے اور رشتوں کو قطع نہ کیا جائے اور برے پڑوس نہ ہوں اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے بے شک مومن کی مثال سونے کے ٹکڑے کی طرح ہے، اس کا مالک اس پر پھونک مارے تو اس میں کوئی تغیر ہوتا ہے نہ کمی ہوتی ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے مومن کی مثال کھجور کے درخت کی طرح ہے جس کا پھل پاکیزگی کے ساتھ کھایا جاتا ہے اور پاکیزگی کے ساتھ رکھا جاتا ہے اور وہ گر جائے تو ٹوٹتا ہے نہ خراب ہوتا ہے۔ (مسند احمد ج۲ص ۱۹۹ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث:۶۸۷۲ عالم الکتب)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی مثال کھجور کے درخت کی طرح ہے، اگر تم مومن کو اپنا ساتھی بناؤ گے تو وہ تم کو نفع دے گا اور اگر تم اس سے مشورہ کرو گے تو وہ تم کو نفع دے گا اور اگر تم اس کے پاس بیٹھو گے تو وہ تم کو نفع دے گا اس کے ہر حال میں نفع ہے، اسی طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز میں نفع ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۹۰۷۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے، مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے۔ لوگ جنگل کے درختوں کے متعلق سوچنے لگے، حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا میرے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے پس مجھے (بزرگوں کے سامنے لب کشائی کرنے سے) حیا آئی، پھر لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں بتائیے وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۱۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۲۶۱، مسند احمد رقم الحدیث:۴۵۹۹)

کھجور کے درخت اور مومن میں وجوہ مشابہت

اللہ تعالیٰ نے ایمان کو کھجور کے درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح کھجور کے درخت کی جڑیں زمین

میں ثابت ہوتی ہیں اسی طرح ایمان مومن کے دل میں ثابت ہوتا ہے اور جس طرح کھجور کے پتے آسمان کی جانب ہوتے ہیں اسی طرح مومن کے نیک اعمال کو فرشتے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور جس طرح کھجور کا پھل ہر وقت دستیاب ہوتا ہے، کبھی تازہ اور کبھی خشک چھواروں کی صورت میں، اسی طرح مومن کامل کا ہر عمل موجب ثواب ہوتا ہے، اس کا بولنا، اس کا خاموش رہنا، اس کا چلنا پھرنا، اس کا کھانا پینا اور اس کی خالص عبادات، اور عبادات میں تقویت اور تازگی حاصل کرنے کے لیے اس کا سونا غرض یہ کہ اس کا ہر وقت ہر عمل موجب ثواب ہوتا ہے، پھر جس طرح کھجور کی کوئی چیز ضائع اور بیکار نہیں ہوتی، کھجور کے تنے کے شہتیر بن جاتے ہیں، اس کا پھل تازہ اور خشک ہر حال میں کھایا جاتا ہے، اس کے پتوں کی چٹائیاں، پنکھے، ٹوپیاں اور چنگیریاں بن جاتی ہیں، اسی طرح مومن کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا اور اس کا ہر حال موجب ثواب ہے، اس کو اگر کوئی نعمت ملے تو وہ اس پر شکر کرتا ہے اور اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے، کھجور کے درخت میں ایک ایسا وصف بھی ہے جو اور کسی درخت میں نہیں ہے اور وہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت کرنا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق سے کھجور کا درخت چیخیں مار کر رونے لگا تھا۔ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد (نبوی) کی چھت کھجور کے شہتیروں سے بنی ہوئی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، جب آپ کے لیے منبر بنا دیا گیا تو آپ اس منبر پر بیٹھ گئے، اس وقت ہم نے اس کھجور کے ستون کی اس طرح رونے کی آواز سنی جس طرح بچہ والی اونٹنی بچے کے فراق میں روتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھجور کے ستون پر ہاتھ رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۹۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۱۲۴)

اسی طرح مومن کا حال یہ ہے کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نزدیک میں اس کے والد، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۱۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۸۲۵)

شجر طیبہ سے مراد شجر معرفت ہے

امام رازی نے فرمایا: شجرہ طیبہ سے مراد شجر معرفت ہے، اس کی اصل ثابت ہونے سے مراد یہ ہے کہ مومن کے دل پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات وارد ہوتی ہیں، اور آسمان میں اس کی شاخیں ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کرتا ہے اور اللہ کی مخلوق پر شفقت کرتا ہے، ان پر رحم کرتا ہے، ان کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے، ان سے شر کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان کی خیر ان تک پہنچانے کی سعی کرتا ہے اور وہ درخت اپنے رب کے اذن سے ہر وقت پھل دیتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو تلاش کرتا ہے، اس کے احکام کو سن کر ان پر عمل کرتا ہے اور ہر حال میں حق بات بیان کرتا ہے اور پھر اس مقام سے ترقی کرتا ہے اور جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی ذات کی تجلیات کو دیکھتا ہے اور پھر اس مقام سے بھی ترقی کرتا ہے اور پھر اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ کسی نعمت کے ملنے پر اس نعمت کی وجہ سے خوش نہیں ہوتا بلکہ اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ اس کو یہ نعمت اللہ کی طرف سے ملی ہے، ہماری اس تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مثال عالم القدس، حضرت الجلال اور کبریائی کے پردوں کی طرف رہنمائی

کرتی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے مزید ہدایت اور رحمت کا سوال کرتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا درخت میں تین چیزیں ہوتی ہیں: اس کی جڑیں، اس کا تنا اور اس کی شاخیں، اسی طرح ایمان کے بعد تین ارکان ہیں: تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بالابدان۔ (تفسیر کبیرج ۷ ص ۹۲-۹۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ناپاک کلمہ اور ناپاک درخت کا مصداق اور وجہ مشابہت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ناپاک کلمہ (بات) کی مثال اس ناپاک درخت کی طرح ہے جس کو زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا اور اس کے لیے بالکل ثبات نہیں۔

ناپاک کلمہ سے مراد شرک ہے، اور ناپاک درخت سے مراد حنظل ہے یعنی اندرائن، یہ بہت کڑوے پھل کا درخت ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۶۵)

امام عبدالرحمٰن جوزی متوفی ۵۹۳ھ نے لکھا ہے کہ اس ناپاک درخت کی تفسیر میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حنظلہ ہے، اور حضرت انس اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ناپاک درخت سے مراد کافر ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا کافر کا عمل مقبول نہیں ہوتا اور اس کے اعمال اللہ کی طرف نہیں چڑھتے پس اس کی جڑ زمین میں مضبوط ہے نہ آسمان میں اس کی شاخیں ہیں۔

(۳) ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اکشوثی ہے، یہ ایک ایسی گھاس ہے جس کی شاخیں ہوتی ہیں اور اس کی جڑ نہیں ہوتی۔

(۴) ابو ظبیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ ایک مثل ہے اور ایسا کوئی درخت پیدا نہیں کیا گیا۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد لہسن کا پودا ہے۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۳۶۱-۳۶۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

کافر کو اس ناپاک درخت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ کافر کا کوئی نیک عمل اوپر لے جایا جاتا ہے، نہ اس کی کوئی نیک اور پاکیزہ بات ہوتی ہے اور نہ اس کے قول کی کوئی صحیح بنیاد ہوتی ہے۔

امام رازی نے شجرۂ خبیثہ کی تفسیر میں یہ کہا ہے کبھی کسی درخت کا پھل بہت بدبودار ہوتا ہے اور وہ اس اعتبار سے خبیث ہوتا ہے اور کبھی وہ بہت کڑوا اور بدذائقہ ہوتا ہے وہ اس وجہ سے خبیث ہوتا ہے، کبھی اس کی صورت قبیح ہوتی ہے اور کبھی اس کی تاثیرات بہت مضر اور نقصان دہ ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ایمان والوں کو دنیا میں (بھی) مضبوط کلمہ کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی) اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے، اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہےO (ابراھیم: ۲۷)

کلمۂ طیبہ کے حاملین کے قول کا دنیا اور آخرت میں ثابت ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ کلمۂ طیبہ کی صفت یہ ہے کہ اس کی اصل ثابت ہوتی ہے اور کلمۂ خبیثہ کی صفت یہ ہوتی ہے کہ اس کی اصل ثابت نہیں ہوتی اور کلمۂ خبیثہ کے حاملین کے لیے ثبات اور قرار نہیں ہوتا، اور کلمۂ

طیبہ کے حاملین کے لیے ثبات اور قرار ہوتا ہے' اب اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کلمہ طیبہ کے حاملین کا قول دنیا اور آخرت میں ثابت ہوتا ہے' دنیا میں ثبوت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کلمہ طیبہ اور اس کے تقاضوں پر ثابت قدم رکھتا ہے اور دنیا میں ان کے نیک کاموں پر تعریف و تحسین ہوتی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نیک کاموں پر بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے اور جس طرح دنیا میں وہ کلمہ طیبہ پر قائم تھے اللہ تعالیٰ ان کو قبر اور حشر میں بھی کلمہ طیبہ پر قائم رکھتا ہے۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہی پر قائم رکھتا ہے یعنی جو لوگ کلمہ خبیثہ کے حاملین ہیں اور یہی لوگ کافر اور ظالم ہیں' ان کی دنیا میں بھی مذمت فرماتا ہے اور آخرت میں بھی ان کو ثواب سے محروم رکھتا ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اس آیت کی یہ تفسیر بھی ہے کہ دنیا میں کلمہ طیبہ پر ثابت قدم رکھنے کا معنی یہ ہے کہ قبر میں جب فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو فرشتوں کے جواب میں کلمہ طیبہ پر ثابت قدم رکھتا ہے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراھیم: ۲۷ کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو قبر میں ثابت قدم رکھتا ہے' جب اس سے پوچھا جاتا ہے تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور تمہارا نبی کون ہے؟

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۶۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۵۶)

قبر میں فرشتوں کے سوال کرنے کے متعلق احادیث

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو وہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تم اس شخص (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں پھر اس سے کہا جاتا ہے دیکھو! اپنے دوزخ کے ٹھکانے کو' اللہ نے اس کو تمہارے لیے جنت کے ٹھکانے سے تبدیل کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اپنے دونوں ٹھکانوں کو دیکھے گا' اور رہا کافر یا منافق تو وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے' اس سے کہا جائے گا تم نے نہ کچھ جانا نہ کہا' پھر اس کے دو کانوں کے درمیان لوہے کے ہتھوڑے سے ضرب لگائی جاتی ہے جس سے وہ چیخ مارتا ہے اور جن و انس کے علاوہ سب اس کی چیخ کو سنتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۲۳۱' ۴۷۵۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۵۱' ۲۰۴۹)

امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت۔ (ابراھیم: ۲۷) عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے اس سے پوچھا جائے گا تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا

میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب میت کو قبر میں رکھ دیا جائے گا تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آئیں گے، ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جائے گا، وہ کہیں گے تم اس شخص کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟ پس وہ جو دنیا میں کہا کرتا تھا وہ کہے گا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ، وہ کہیں گے کہ ہم جانتے تھے کہ تم یہی کہتے تھے، پھر اس کی قبر کو ستر ضرب ستر وسیع کر دیا جائے گا پھر اس کی قبر کو منور کر دیا جائے گا، پھر اس سے کہا جائے گا سو جاؤ، وہ کہے گا میں اپنے گھر والوں کو جا کر اس کی خبر دے دوں! فرشتے اس سے کہیں گے تم اس عروس (دلہن) کی طرح سو جاؤ، جس کو وہی بیدار کرتا ہے جو اس کو اپنے اہل میں سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ اس کو اس کی قبر سے اٹھائے گا، اور اگر وہ منافق ہو گا تو وہ کہے گا میں نے لوگوں کو جو کہتے ہوئے سنا میں نے وہی کہہ دیا، میں نہیں جانتا۔ فرشتے کہیں گے کہ ہم جانتے تھے کہ تم یہی کہو گے پھر زمین سے کہا جائے گا اس پر تنگ ہو کر ایک دوسرے سے مل جاؤ۔ زمین تنگ ہو کر مل جائے گی اور اس کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جائیں گی، پھر اس کو عذاب ہوتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ اس کو قبر سے اٹھائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۱۷، الشریعہ للآجری رقم الحدیث: ۳۶۵)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ پس اللہ اس کو ان کے جوابات میں ثابت قدم رکھتا ہے، پس وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر اس کی قبر میں وسعت کی جاتی ہے اور اس کے لیے اس میں کشادگی کی جاتی ہے پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود نے یہ آیت پڑھی: یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ویضل اللہ الظالمین۔ (ابراھیم: ۲۷)

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۱۴۵، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۴، بیروت، الشریعہ للآجری رقم الحدیث: ۸۱۱)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے ہم قبر تک پہنچے، جب لحد بنائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ آپ زمین کو کرید رہے تھے، آپ نے اپنا سر (اقدس) اٹھا کر دو یا تین بار فرمایا عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو، اور فرمایا جب لوگ پیٹھ پھیر کر جائیں گے تو یہ ضرور ان کی جوتیوں کی آواز سنے گا جب اس سے یہ کہا جائے گا: اے شخص! تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ ھناد نے کہا اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے اور اس کو بٹھا دیں گے، اور اس سے کہیں گے تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے، پھر وہ کہیں گے تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا میرا دین اسلام ہے، پھر وہ کہیں گے وہ شخص کون تھا جو تم میں بھیجا

گیا تھا؟ وہ کہے گا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر وہ کہیں گے تم کو کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہے گا میں نے کتاب پڑھی، میں اس پر ایمان لایا اور میں نے اس کی تصدیق کی، اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے: یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ۔ (ابراھیم: ٢٧) پھر آسمان سے ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ میرے بندہ نے سچ کہا اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور جنت سے لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو، پھر اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور جنت کی خوشبو آئے گی، اور اس کی منتہائے بصر تک اس کی قبر کھول دی جائے گی، پھر آپ نے کافر کی موت کا ذکر کیا اور فرمایا اس کے جسم میں اس کی روح لوٹائی جائے گی اور اس کے پاس دو فرشتے آکر اس کو بٹھائیں گے اور اس سے کہیں گے تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا، پھر وہ اس سے کہیں گے تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا، پھر وہ کہیں گے یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا، وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا۔ پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا اس نے جھوٹ بولا، اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو اور اس کو دوزخ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے دوزخ سے ایک دروازہ کھول دو، پھر اس کے پاس دوزخ کی تپش اور دوزخ کی گرم ہوائیں آئیں گی اور اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جائے گی حتیٰ کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف نکل جائیں گی پھر اس پر ایک اندھا اور گونگا مسلط کیا جائے گا، اس کے پاس لوہے کا ایک گرز ہوگا جس کی ضرب اگر پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے، پھر وہ گرز اس پر مارے گا جس سے وہ کافر چیخ مارے گا جس کو جن اور انس کے سوا سب سنیں گے اور وہ کافر مٹی ہو جائے گا اور اس میں پھر دوبارہ روح ڈال دی جائے گی۔

امام عبدالرزاق متوفی ٢١١ھ، امام احمد متوفی ٢٤١ھ، امام آجری متوفی ٣٦٠ھ اور امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ٤٠٥ھ نے اس حدیث کو بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٧٥٣، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ٦٧٣٧، مسند احمد ج ٤ ص ٢٨٧ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ١٨٧٣٣، الشریعہ للآجری رقم الحدیث: ٨١٢، المستدرک ج ١ ص ٣٧)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو آپ اس کی قبر پر کھڑے رہے اور فرمایا اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٢٢١، المستدرک ج ١ ص ٣٧٠، شرح السنہ رقم الحدیث: ١٥٢٣، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث: ٥٨٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اسے ڈوبتے ہوئے سورج کی شکل دکھائی جاتی ہے تو وہ آنکھیں ملتا ہوا بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے مجھے نماز پڑھنے دو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٧٢، موارد الظمآن رقم الحدیث: ٧٧٩، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٣١١٦)

قبر میں سوالات اس امت کی خصوصیت ہے

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہو کر بنو نجار کے باغ میں جا رہے تھے، ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ایک جگہ خچر نے ٹھوکر کھائی، قریب تھا کہ وہ آپ کو گرا دیتا وہاں پر پانچ یا چھ یا چار قبریں تھیں، آپ نے فرمایا ان قبر والوں کو کون پہچانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں پہچانتا ہوں۔ آپ نے پوچھا یہ لوگ کب مرے تھے؟ اس نے کہا یہ لوگ زمانہ شرک میں مرے تھے۔ آپ نے فرمایا اس امت کو اپنی قبروں میں آزمائش میں مبتلا کیا

جاتا ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں تم کو عذاب قبر سنوا تا جس کو میں سن رہا ہوں، پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو، ہم نے کہا ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، پھر فرمایا عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو، ہم نے کہا ہم عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، پھر فرمایا ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو، ہم نے کہا ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، پھر فرمایا دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو، ہم نے کہا ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۳)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبدالبر نے کہا اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس امت کو آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں سوال اور جواب اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور امام ابو عبداللہ ترمذی نے نوادر الاصول میں کہا ہے کہ میت سے سوال کرنا اس امت کا خاصہ ہے کیونکہ ہم سے پہلی امتوں کے پاس جب رسول، اللہ کا پیغام لے کر آتے تھے، اور قوم ان کے پیغام کا انکار کرتی تو رسول ان سے الگ ہو جاتے اور ان پر عذاب بھیج دیا جاتا اور جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت کے ساتھ بھیجا اور فرمایا: وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین۔ (الانبیاء: ۱۰۷) تو ان سے عذاب روک لیا اور آپ کو جہاد کا حکم دیا حتیٰ کہ جہاد کی برکت سے لوگ دین اسلام میں داخل ہو گئے اور اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا پھر ان کو مہلت دی گئی، یہاں سے نفاق کا ظہور ہوا اور بعض لوگ کفر کو چھپاتے اور ایمان کو ظاہر کرتے اور مسلمانوں کے درمیان ان پر پردہ رہتا، اور جب وہ مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قبر میں امتحان لینے والے بھیجے تاکہ سوال کے ذریعہ ان کا پردہ چاک ہو اور خبیث، طیب سے ممتاز ہو جائے، سو جو دنیا میں اسلام پر ثابت قدم تھا اللہ تعالیٰ اس کو قبر میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہی پر برقرار رکھتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں امام ابو عبداللہ ترمذی کی یہ تقریر اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ صرف مومن اور منافق سے قبر میں سوال ہو گا حالانکہ احادیث میں تصریح ہے کہ کافر سے بھی سوال ہو گا۔

(التذکرہ ج ۱ ص ۲۳۰-۲۲۹، مطبوعہ دار البخاری المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۷ ھ)

جو مسلمان قبر کی آزمائش اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہیں گے

پانچ قسم کے شخص قبر میں سوال اور جواب سے محفوظ رہتے ہیں، ان کا ذکر حسب ذیل احادیث میں ہے:

(۱) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دن اور ایک رات (مسلمانوں کی) سرحد کی حفاظت کرنا ایک ماہ کے روزوں اور (نمازوں کے) قیام سے افضل ہے اور اگر وہ اسی حال میں فوت ہو گیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جس عمل کو وہ کیا کرتا تھا اس کا رزق جاری رہے گا اور وہ قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۱۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۵، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۶۱۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۲۷، مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۲۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۰۷۷، المستدرک ج ۲ ص ۸۰، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۸، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۶۱۷)

(۲) امام نسائی راشد بن سعد سے اور ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیا وجہ ہے کہ شہید کے سوا تمام مسلمانوں کا قبر میں امتحان لیا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے سر پر تلواروں کا چلنا اس کے امتحان

کے لیے کافی ہے۔(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۵۲، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)
اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:
حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک شہید کی چھ خصلتیں ہیں، اس کی پہلی دفعہ میں مغفرت ہو جاتی ہے، اس کو جنت میں اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے، اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے، اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے، جس کا ایک یاقوت دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے، اس کا بڑی آنکھوں والی بہتر حوروں سے عقد کیا جاتا ہے، اور اس کے ستر رشتہ داروں کے متعلق اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۹۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۱)
(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص نے ایک قبر پر خیمہ لگا دیا اور اس کو یہ پتا نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، پس اچانک وہ کسی انسان کی قبر تھی جو سورۃ الملک پڑھ رہا تھا حتیٰ کہ اس نے اس سورت کو ختم کر لیا، وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے ایک قبر پر خیمہ لگا دیا تھا اور میرا یہ گمان نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، پس اس میں ایک انسان سورۃ الملک پڑھ رہا تھا حتیٰ کہ اس نے اس سورت کو ختم کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سورت مانعہ ہے اور منجیہ ہے، یہ عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۰، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۸۰۱، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۸۱)
علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ بھی روایت ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورۃ الملک پڑھتا ہے وہ قبر کے امتحان سے محفوظ رہتا ہے۔(التذکرۃ ج ۱ ص ۲۳۴، مطبوعہ دار البخاری المدینہ المنورہ، ۱۴۱۷ھ)
(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بیماری میں مرا وہ شہادت کی موت مرا اور وہ قبر کے امتحان سے محفوظ رہے گا اور اس کو صبح اور شام جنت سے رزق دیا جائے گا۔
(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۱۵، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۱۴۳، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۰۱، اس حدیث کی سند ضعیف ہے)
(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہو اس کو اللہ قبر کی آزمائش سے محفوظ رکھتا ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۴، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۵۹۶، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۹)
یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند منقطع ہے، تاہم ابو عبداللہ ترمذی نے نوادر الاصول میں اس کو مسند متصل سے اور امام ابو نعیم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جمعہ کی رات کو یا جمعہ کے دن فوت ہو اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا اور جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس پر شہداء کی مہر لگی ہوئی ہوگی۔(حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۵۵) اس کی سند میں عمر بن موسیٰ ضعیف راوی ہے۔
ان مباحث کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۲۸-۱۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

نیک اعمال کا آخرت میں کلام آنا

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:
امام عبداللہ حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، ہم اس وقت مسجد مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے،

آپ نے فرمایا میں نے آج رات (خواب میں) ایک عجیب منظر دیکھا میں نے دیکھا کہ میری امت میں سے ایک شخص کے پاس ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کے لیے آیا، اس شخص نے اپنے ماں باپ کے ساتھ جو نیکی کی تھی اس نیکی نے ملک الموت کو واپس بھیج دیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا اس پر عذاب قبر آیا تو اس کے وضوء نے اس کو اس عذاب سے چھڑا لیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا اس کو شیاطین پریشان کر رہے تھے تو اس کے پاس اللہ کا ذکر آیا اور اس نے اس کو ان شیاطین سے چھڑا لیا' اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا پیاس سے اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی وہ جب بھی حوض پر آتا تو اس کو حوض سے روک دیا جاتا' تو اس کے پاس اس کے روزے آئے اور انہوں نے اس کو پانی پلا کر سیراب کیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا اور انبیاء علیہم السلام حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے وہ جب بھی ان کے قریب جاتا وہ اس کو دھتکار دیتے' پھر اس کا غسل جنابت آیا اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو میرے پاس بٹھلا دیا' اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا اس کے آگے اور پیچھے اور دائیں اور بائیں اور اوپر اور نیچے ہر طرف اندھیرا تھا اور وہ ان اندھیروں میں حیران تھا کہ اس کا حج اور عمرہ آیا اور اس کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آیا۔ اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ مومنوں سے بات کرتا تھا اور وہ اس سے بات نہیں کرتے تھے' پھر اس کا صلہ رحم (رشتہ داروں سے ملنا جلنا) آیا اور اس نے کہا اے مومنوں کی جماعت اس سے بات کرو' اس سے بات کرو' تو انہوں نے اس سے باتیں کیں۔ اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے چہرے سے آگ کے شعلوں کو اپنے ہاتھ سے ہٹا رہا ہے' اتنے میں اس کا صدقہ آیا اور وہ ان شعلوں کے آگے حجاب بن گیا' اور اس کے سر پر سایہ بن گیا' اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ عذاب کے فرشتوں نے اس کو ہر طرف سے پکڑ رکھا ہے' تو اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) آیا اور اس کو ان کے ہاتھوں سے چھڑا لیا اور رحمت کے فرشتوں کے ساتھ داخل کر دیا' اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے اور اس کے اور اللہ کے درمیان حجاب ہے' اتنے میں اس کے اچھے اخلاق آئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اللہ کے پاس پہنچا دیا۔ اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا نامہ اعمال اس کی بائیں جانب سے آ رہا ہے' اتنے میں اس کا خوف خدا آیا اور اس نے اس کے صحیفہ اعمال کو اس کے دائیں ہاتھ میں رکھ دیا۔ اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ جہنم کے کنارے پر تھا پھر خوف خدا سے اس کا لرزنا آیا اور اس نے اس کو جہنم سے چھڑا لیا۔ اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کو دوزخ میں ڈالنے کے لیے اوندھا کر دیا ہے' پھر اس کے وہ آنسو آئے جو دنیا میں خوف خدا سے اس کی آنکھوں سے نکلے تھے' انہوں نے اس کو دوزخ سے نکال لیا۔ اور میں نے ایک شخص کو دیکھا وہ پل صراط پر کپکپا رہا تھا تو اللہ کے ساتھ اس کا حسن ظن آیا اور اس کی کپکپاہٹ دور کی اور اس کو روانہ کیا۔ اور میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پل صراط پر گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا تو اس نے مجھ پر درود پڑھا تھا وہ آیا اور اس نے اس کو سیدھا کھڑا کر دیا اور وہ چلنے لگا۔ اور میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت کے دروازے پر پہنچا تو اس پر جنت کے دروازے بند کر دیئے گئے تو اس کا کلمہ شہادت آیا اور اس نے جنت کے دروازے کھولے اور اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۹۳-۵۹۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۵۹۲)

علامہ قرطبی نے اس حدیث کو درج کرنے کے بعد لکھا: یہ حدیث بہت عظیم ہے' یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ بعض نیکیوں سے بعض مخصوص عذاب ساقط ہو جاتے ہیں جبکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص سے اس کے تمام

عذاب اس نیکی کی وجہ سے ساقط کر دیئے کہ وہ مقروضوں سے درگزر کرتا تھا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۶۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۲۰) (التذکرۃ ج ۱ ص ۳۶۷-۳۶۶، مطبوعہ دار البخاری، المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۷ھ)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾
کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناسپاسی سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں پہنچا دیا ○

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۗ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا
(وہ تباہی کا گھر) جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے ○ اور انہوں نے اللہ کے لیے شریک قرار دیئے تاکہ

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ
(لوگوں کو) اس کے راستے سے گمراہ کریں، آپ کہیے تم (عارضی) نفع اٹھالو، کیونکہ انجام کار تم نے دوزخ کی طرف لوٹنا ہے ○ آپ

لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
ہمارے ایمان والے بندوں سے کہیے کہ وہ نماز قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا
اور ظاہر خرچ کرتے رہیں، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ

خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ
دوستی ○ اللہ (ہی) ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ
نازل کیا، پھر اس سے تمہارے رزق کے لیے پھلوں کو پیدا کیا اور تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا

لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
تاکہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں اور تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کیا ○ اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا

دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ ۚ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ
جو مسلسل گردش کر رہے ہیں، اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کیا ○ اور تمہاری تمام مانگی ہوئی چیزوں میں سے تم کو

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿٣٤﴾ ع ٥/١٧

(بہت کچھ) عنایت کیا، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے بے شک انسان بہت ظالم بہت ناسپاس ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناسپاسی سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں پہنچا دیا ○ (وہ تباہی کا گھر) جہنم ہے، جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے ○ اور انہوں نے اللہ کے لیے شریک قرار دیئے تاکہ (لوگوں کو) اس کے راستے سے گمراہ کریں، آپ کہیے کہ تم (عارضی) نفع اٹھالو، کیونکہ انجام کار تم نے دوزخ کی طرف لوٹنا ہے ○ (ابراھیم: ٣٠-٢٨)

اہل مکہ پر اللہ کی نعمتیں اور ان کی ناشکری

یہ آیت اہل مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو متعدد نعمتیں عطا فرمائیں، ان کو رزق کی وسعت عطا فرمائی، اپنے حرم میں ان کو سکونت مہیا کی، ان میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، ان کی ہدایت کے لیے قرآن مجید نازل فرمایا، ان کے کعبہ کو ساری دنیا کے مسلمانوں کی نمازوں کے لیے قبلہ بنا دیا لیکن انہوں نے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری کی، اور ایمان لانے کی بجائے کفر کیا اور اپنی قوم کو دارالبوار میں پہنچا دیا۔

دارالبوار سے مراد تباہی اور ہلاکت کا گھر ہے، جس چیز میں زیادہ کھوٹ ہو اس کو بوار کہتے ہیں اور کسی چیز میں زیادہ کھوٹ کا پایا جانا اس کے فساد اور ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اس لیے بوار کا لفظ ہلاکت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور ہلاک ہونے والے کو بائر کہتے ہیں۔ اس کی جمع بور ہے، جو شخص حیران اور پریشان ہو، کسی کی بات سنے نہ کسی کی طرف متوجہ ہو اس کو حائر بائر کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا۔ (الفرقان: ١٨)

لیکن تُو نے ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو (عارضی) فائدہ پہنچایا، حتیٰ کہ انہوں نے تیری یاد کو فراموش کر دیا، اور وہ ہلاک ہونے والے لوگ ہو گئے ○

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ نے اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کو روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا، اللہ کی قسم! اس سے مراد کفار قریش ہیں، عمرو نے کہا وہ قریش ہیں اور اللہ کی نعمت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، واحلوا قومھم دار البوار، اس سے مراد دوزخ کی آگ ہے جو جنگ بدر کے نتیجہ میں ان کو ملی۔

کفار مکہ کا شرک

اس کے بعد فرمایا: اور انہوں نے اللہ کے لیے شریک قرار دیئے، یعنی انہوں نے اپنے اعتقاد اور اپنے قول میں اللہ کے شریک بنا لیے کیونکہ واقع میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے، بلکہ اس کا شریک محال ہے اور شریک قرار دینے سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ زمانہ میں جو نیک لوگ گزرے تھے انہوں نے ان کی صورتوں کے بت تراش لیے، یہ ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور اپنی مہمات اور مشکلات میں ان کو مدد کے لیے پکارتے تھے، ان کی منتیں مانتے تھے اور ان کی تعظیم بجالاتے تھے، یہی ان کی عبادت تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے کچھ اللہ کے لیے رکھتے اور کچھ بتوں کے لیے اور کہتے کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی عبادت میں بتوں کو بھی

شریک کرلیا تھا، تیسرا قول یہ ہے کہ جب یہ حج کے لیے تلبیہ کرتے تو کہتے تھے:

لبیک لا شریک لک الا شریک ھو لک لبیک تیرا کوئی شریک نہیں ہے مگر وہ جس کا تو مالک ہے اور تملکہ وما ملک۔ اس کی ملکیت کا بھی تو مالک ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی ناشکری کی اور وجہ بیان کی کہ یہ خود بھی شرک کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، اور اللہ کی ناشکری کر کے اللہ کا کوئی نقصان نہیں کرتے خود ہی جہنم خریدتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ہمارے ایمان والے بندوں سے کہئے کہ وہ نماز قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں، اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی O (ابراھیم: ۳۱)

اولیاء اللہ سے محبت کا آخرت میں کام آنا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بطور تہدید کفار سے فرمایا تھا کہ تم دنیا کا (عارضی) نفع اٹھالو پھر انجام کار تم نے دوزخ کی طرف لوٹنا ہے، اور اس آیت میں مومنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ دنیا کے عارضی نفع سے صرف نظر کریں اور اپنے نفس اور مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں، نفس کے ساتھ جہاد سے مراد ہے بدن کو مشقت میں ڈال کر اللہ کی عبادت کریں، سو اس کے لیے فرمایا: آپ ہمارے ایمان والے بندوں سے کہئے کہ وہ نماز قائم رکھیں، اور مال سے جہاد سے مراد ہے مالی عبادات کرنا، اس کے لیے فرمایا: اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں۔

انسان ایمان لانے کے بعد اپنی ذات اور اپنے مال پر تصرف کرنے پر قادر ہوتا ہے، اپنی ذات پر تصرف کرنے کے لیے اسے چاہیے کہ اپنے مولیٰ اور مالک کی خدمت میں حاضر رہنے کے لیے نماز پڑھے اور اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق اپنے مال کو خرچ کرے، اور ایمان لانے کے بعد یہی دو اہم عبادات ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ کی تفصیل ہم البقرہ: ۳ میں بیان کر چکے ہیں اور وہاں ہم نے یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ مال حرام کو بھی رزق شامل ہے اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کی راہ میں پوشیدہ اور ظاہر خرچ کریں۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ نفلی صدقات کو پوشیدہ اور ظاہر دونوں طرح دینا جائز ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جو صدقات فرض ہیں ان کو ظاہر طور پر دیں اور جو صدقات نفل ہیں ان کو پوشیدہ طور پر دیں۔ نیز فرمایا تم اپنے اموال کو دنیا میں خرچ کرو تاکہ اس کا ثواب تم کو اس دن مل جائے جس دن میں کوئی بیع شراء ہوگی نہ کوئی دوستی کام آئے گی، بیع شراء اور خرید و فروخت سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو عذاب سے چھڑانے کے لیے کوئی مال نہیں دے سکے گا اور نہ یہ کر سکے گا کہ اپنے آپ کو عذاب سے بچانے کے لیے کسی اور کو عذاب کے لیے پیش کر دے۔

اس آیت میں دوستی کی نفی فرمائی ہے کہ قیامت کے دن کسی کی دوستی کسی کے کام نہیں آئے گی اور بعض آیات سے پتا چلتا ہے کہ اس دن متقین کی دوستی کام آئے گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ۔ (الزخرف: ۶۷) گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی دنیا میں دوستی طبیعت کے میلان اور نفس کی رغبت کی وجہ سے ہوگی وہ قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اور جن لوگوں کی دوستی محض اللہ کے لیے اور دین کی وجہ سے ہوگی وہ دوستی اس

دن کام آئے گی، جیسے مسلمان اولیاء اللہ سے اور علماء دین سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ دوستی محض دین کی وجہ سے اور اللہ کے لیے ہوتی ہے، جیسے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت علی ہجویری رحمہما اللہ سے مسلمان محبت رکھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور امام بخاری رحمہما اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ (ہی) ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس سے تمہارے رزق کے لیے پھلوں کو پیدا کیا اور تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں اور تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کیا○ اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو مسلسل گردش کر رہے ہیں، اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کیا○ اور تمہاری تمام مانگی ہوئی چیزوں میں سے تم کو (بہت کچھ) عنایت کیا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے، بے شک انسان بہت ظالم بہت ناسپاس ہے○ (ابراھیم: ۳۴-۳۲)

مشکل الفاظ کے معانی

السموات: یہ سماء کی جمع ہے، ہمیں آسمان کی حقیقت معلوم نہیں ہے، ہر وہ چیز جو دوسری چیز کی بہ نسبت بلند ہو اور جو کسی چیز کے لیے بمنزلہ سائبان ہو اس کو اہل عرب سماء کہتے ہیں۔ بارش کو بھی سماء کہتے ہیں کیونکہ وہ بلندی سے نازل ہوتی ہے، آسمان کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ ایک جسم کروی ہے جو تمام روئے زمین کو محیط ہے، یہ نیلگوں سطح جو ہمیں نظر آتی ہے اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ ہوا کثیف کا ایک طبقہ ہے، اللہ تعالیٰ آسمانوں کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی جانتا ہے کہ آسمانوں کی کیا حقیقت ہے۔

رزقالکم: ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق نفع حاصل کرے وہ رزق ہے، خواہ وہ کھانے پینے کی چیز ہو یا پہننے کی۔

سخر: تسخیر کا معنی ہے کسی چیز کی مخصوص غرض کو اس چیز کے اختیار کے بغیر جبراً پورا کرنا، جو چیز تابع کر دی گئی ہو وہ مسخر ہے، مخلوق کے لیے کسی چیز کے مسخر کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس چیز سے فوائد کے حصول کو مخلوق کے لیے آسان کر دیا گیا۔

الفلک: اس کا معنی ہے کشتی یا جہاز، واحد اور جمع دونوں کے لیے الفلک استعمال ہوتا ہے۔

وسخرلکم الانھار: تمہارے لیے دریاؤں میں تصرف کرنے کو اور دریاؤں سے فوائد کے حصول کو آسان بنا دیا ہے، اور دریاؤں کو تمہارے تصرف کے لیے تیار کر دیا ہے۔

دائبین: دأب کا معنی ہے کسی چیز کا ہمیشہ ایک حالت پر رہنا یا ایک حالت پر جاری رہنا، یہاں مراد یہ ہے کہ سورج اور چاند ہمیشہ ایک حالت پر حرکت کرتے رہتے ہیں یا ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

وسخرلکم اللیل والنھار: یعنی تمہارے منافع اور فوائد کے حصول کے لیے رات اور دن کے باری باری آنے کو جاری کر دیا، رات کو تمہاری نیند اور آرام کے لیے بنایا اور دن کو تمہارے کام کاج اور تلاش روزگار کے لیے اور سامان زیست کو فراہم کرنے کے لیے۔

واتاکم من کل ما سالتموہ: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انسان کا ہر سوال تو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انسان کی ہر ضرورت اور مصلحت کو اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا خواہ اس نے سوال کیا ہو یا نہ، نیز اس کا معنی ہے تم نے زبان حال سے جو بھی سوال کیا وہ تمہیں عطا کر دیا، یعنی زندگی گزارنے کے لیے تمہاری ضرورت کی جتنی چیزیں تھیں وہ سب تم کو فراہم کر دیں، تمہیں دن میں روشنی چاہیے تھی وہ تم کو مہیا کی، تمہاری فصلوں کو بارش کی ضرورت تھی سو آسمان سے بارش نازل کی، تمہیں آلات اور مشینیں بنانے کے لیے لوہے، پیتل اور

تانبے وغیرہ کی ضرورت تھی تو زمین میں معدنیات رکھے، تمہیں ایندھن کی ضرورت تھی تو جنگلات میں درخت اگائے، زمین میں پتھر کا کوئلہ رکھا قدرتی گیس اور تیل رکھا روئی کو پیدا کیا تاکہ تم اس سے اپنا لباس بنا سکو، تمہاری غذائی ضروریات کے لیے اناج اور پھلوں کو پیدا کیا اور تمہارے علاج کے لیے جڑی بوٹیوں کو پیدا کیا۔

اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ تم نے زبان قال سے جو مانگا وہ بھی تم کو عطا کیا اور زبان حال سے جو مانگا وہ بھی تم کو عطا کیا اور اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ تم نے جو سوال کیا وہ بھی تم کو عطا کیا اور جن چیزوں کا تم نے سوال نہیں کیا لیکن وہ چیزیں تمہاری ضروریات اور تمہاری مصلحتوں سے متعلق تھیں وہ بھی تم کو عطا کر دیں، باقی رہا یہ کہ بعض دعائیں قبول نہیں ہوتیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان حضور قلب سے دعا نہیں کرتا یا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ معصیت کی دعا کرتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جس چیز کی وہ دعا کر رہا ہے وہ انجام کار اس کے لیے مضر ہے، یا وہ جلدی کر رہا ہے یا اس دعا کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو کوئی بہتر چیز عطا فرمائے گا یا اس سے کوئی مصیبت ٹال دے گا یا اگر وہ صبر کرے گا تو اس کو آخرت میں اجر عطا فرمائے گا۔

ان الانسان لظلوم کفار: یعنی کافر کفر کر کے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے نفس پر بہت ظلم کرتا ہے اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتا ہے اور ناشکری کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی نعمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے۔

انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا لامحدود اور لامتناہی سلسلہ ہے، دیکھیے جب ہم ایک لقمہ اٹھا کر اپنے منہ میں رکھتے ہیں تو اس لقمہ کو بنانے سے پہلے اور اس لقمہ کو بنانے کے بعد نعمتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، لقمہ بنانے سے پہلے کی نعمتوں کی تفصیل یہ ہے کہ یہ لقمہ ہم روٹی اور سالن سے بناتے ہیں، روٹی گندم کے آٹے سے بنتی ہے اور سالن سبزی اور گوشت سے تیار ہوتا ہے اور گوشت جن جانوروں کا ہوتا ہے وہ بھی گھاس اور پتے وغیرہ کھا کر نشوونما پاتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ روٹی اور سالن کا حصول زمین کی زرعی پیداوار پر موقوف ہے، اور زمین کی پیداوار زمین اور آسمان پر موقوف ہے، کیونکہ اناج اور سبزیوں کی تیاری کے لیے سورج کی حرارت کی ضرورت ہے اس میں ذائقہ کے لیے چاند کی کرنوں کی ضرورت ہے، ہواؤں کی ضرورت ہے، بادلوں اور بارش کی ضرورت ہے، دریاؤں اور سمندروں کی ضرورت ہے، کیونکہ سمندروں سے بخارات اٹھتے ہیں تو بادل بنتے ہیں، بادل بنتے ہیں تو بارش ہوتی ہے۔ زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے، بادل، سمندر، دریا، بارشیں اور ہوائیں، اناج اور سبزیوں کی روئیدگی اس ایک لقمہ میں یہ سب چیزیں اپنا اپنا رول ادا کر رہی ہیں، ان میں سے ایک چیز بھی نہ ہو تو فصلوں سے زرعی پیداوار حاصل نہیں ہو سکتی، پھر گندم کو پیسنے کے لیے اور سالن پکانے کے لیے لوہے کی مشینوں، تانبے کے برتنوں اور ایندھن کی ضرورت ہے تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں تانبے، پیتل اور لوہے کے معدنیات رکھے، اور ایندھن کے حصول کے لیے زمین میں کوئلہ رکھا قدرتی گیس اور تیل پیدا کیا جنگلات میں درخت اگائے۔ غور کیجئے اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی نہ ہو تو ہم ایک لقمہ بنا نہیں سکتے، یہ تو وہ نعمتیں ہیں جن کا تعلق لقمہ کو منہ میں رکھنے سے پہلے ہے، پھر جب لقمہ کو منہ میں رکھا تو اس لقمہ سے لذت اندوزی کے لیے زبان میں ذائقہ کی حس پیدا کی، زبان میں ایک لعاب پیدا کیا جو لقمہ کو ہضم کرنے میں معاون ہوتا ہے، دانت بنائے جن سے ہم لقمہ کو چباتے ہیں، پھر اس لقمہ کو حلق سے اتارنے کے بعد ہمارا اختیاری عمل ختم ہو جاتا ہے۔ اب اس لقمہ کو ہضم کرنے کے لیے ہمارے جو اعضاء کام کرتے ہیں معدہ اس لقمہ کو پیستا

ہے، جگر اس سے خون بناتا ہے، اس کا فضلہ انتڑیوں اور مثانہ میں چلا جاتا ہے، ہمارے تمام جسم اور جسمانی اعضاء کی نشوونما اسی لقمہ سے ہوتی ہے۔ آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور پیر سب کو اسی سے غذا حاصل ہوتی ہے، ہمیں کچھ پتا نہیں ہوتا اور ہمارے یہ سارے اعضاء پروان چڑھتے رہتے ہیں، اسی سے چربی بنتی ہے، اسی سے گوشت بنتا ہے، اسی سے ہڈیاں بنتی ہیں، اسی سے خون بنتا ہے۔ سبحان ہے وہ ذات جس نے ایک لقمہ سے رنگا رنگ چیزیں بنا دیں، ہم لقمہ کھا کر اٹھ جاتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ اس ایک لقمہ کے دامن سے غیر متناہی نعمتیں لپٹی ہوئی ہیں۔ ہم اس کی نعمتوں کو گن سکتے ہیں نہ ان کا شکر ادا کر سکتے ہیں۔ لقمہ تو بڑی چیز ہے ہم تو ایک سانس لینے کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فضا میں ہواؤں کے سمندر رواں دواں کیے ہوئے ہیں، اگر وہ یہ ہوا پیدا نہ کرتا تو ہم کیسے سانس لے سکتے تھے، سانس لینے کے لیے منہ، ناک اور پھیپھڑے بنائے، یہ سب اعضاء نہ ہوتے تو ہم کیسے سانس لیتے، ہم مکان بنا کر ان میں رہتے ہیں۔ گرمی، سردی اور بارش سے محفوظ رہتے ہیں، مکان بنانے کے لیے جس سامان اور جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ کس نے پیدا کی ہیں اور اس میں کتنی چیزوں کا رول ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ درختوں کو نہ پیدا کرتا، لوہے کو نہ پیدا کرتا، بجری، چونے اور پتھروں کو نہ پیدا کرتا، وہ ذرائع پیدا نہ کرتا جن سے بجلی حاصل ہوتی ہے اور مشینیں بنتی ہیں تو مکان کیسے بنتا۔ یہی حال لباس کا ہے، کتنی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا جن کے نتیجہ میں لباس حاصل ہوتا ہے۔ ہمیں جو چھت کا سایہ میسر ہے، ہم نے جو لباس پہنا ہوا ہے اور ہم جو کھانا کھاتے ہیں ان سب کے ساتھ غیر متناہی نعمتیں وابستہ ہیں۔ اگر ہم کسی ایک چیز کی نعمتوں کو گننا چاہیں تو نہیں گن سکتے، ان کا شکر ادا کرنا تو بہت دور کی بات ہے!

بندوں کی جفا کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی وفا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے، بے شک انسان بہت ظالم بہت ناسپاس ہے۔ اور سورہ النحل میں فرمایا ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (النحل: ۱۸)

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے، بے شک اللہ ضرور بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سورہ ابراھیم میں اس سے پہلے کفار کی بداعمالیوں کا ذکر ہو رہا ہے، کہ کافر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے اور شرک کرتا ہے۔ اس کے مناسب یہ تھا کہ یہاں فرمایا انسان بہت ظالم ہے اور سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے، اس لیے یہاں نعمتوں کے بعد ظلم کا ذکر فرمایا جس سے مراد شرک ہے۔ اور سورہ نحل کی اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کیا کیا فضیلتیں عطا فرمائی ہیں، سو ان ہی فضیلتوں میں سے ایک یہ فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحمت سے متصف ہے تاکہ انسان مغفرت اور رحمت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ بتایا کہ جب میں نے تجھے بے شمار نعمتیں عطا کیں تو اس کے نتیجہ میں تجھ سے دو صفتیں ظاہر ہوئیں اور میری بھی دو صفتوں کا ظہور ہوا، تیری جو دو صفتیں ظاہر ہوئیں وہ یہ ہیں کہ تو نے میری نعمتیں حاصل کر کے میری نافرمانی کر کے اپنی جان پر ظلم کیا اور ان نعمتوں کا کفران کیا یعنی ان کی ناشکری کی اس لیے سورہ ابراھیم میں انسان کی ان دو صفتوں کا ذکر فرمایا اور ان غیر متناہی نعمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جن دو صفتوں کا ظہور ہوا وہ یہ ہیں کہ وہ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے اور سورہ النحل میں اپنی ان دو صفتوں کا ذکر فرمایا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ گویا اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان! میں نے تجھے لاتعداد نعمتیں عطا فرمائیں، تو پھر بھی ظلم کرتا ہے اور نافرمانی کرتا ہے اور میں
معاف کر دیتا ہوں اور بخش دیتا ہوں، اور تو ان نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے اور میں تجھ پر رحم کرتا ہوں، تو اپنے عجز اور کوتاہیوں
کو دیکھ، میں تیری کوتاہیوں کے مقابلہ میں فیاضی سے کام لیتا ہوں اور تیری جفا کا صلہ وفا سے دیتا ہوں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ
اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے، اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں
نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؕ ﴿٣٥﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ
کی پرستش کرنے سے محفوظ رکھ ○ اے میرے رب بے شک ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے سو جس نے
تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٦﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ
میری پیروی کی وہ بے شک میرا ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اے ہمارے
اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ
رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں ٹھیرا دیا ہے تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک،
رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَ
اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور
ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٧﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا
ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ وہ شکر ادا کریں ○ اے ہمارے رب! بے شک تو ان باتوں کو جانتا ہے جن کو ہم
نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿٣٨﴾
چھپاتے ہیں اور جن کو ہم ظاہر کرتے ہیں، اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں ○
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ
تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے، بے شک میرا رب
لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿٣٩﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَ
ضرور دعا سننے والا ہے ○ اے میرے رب! مجھے (ہمیشہ) نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری بعض اولاد کو بھی، اے ہمارے رب

تَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿٤٠﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾ ع ۶/۷ ۱۸

اور میری دعا قبول فرما ○ اے ہمارے رب! میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور سب مومنوں کی جس دن حساب ہوگا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنادے' اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش کرنے سے محفوظ رکھ ○ اے میرے رب! بے شک ان بتوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے سو جس نے میری پیروی کی وہ بے شک میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تُو بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (ابراہیم: ۳۶-۳۵)

مکہ کو امن والا بنانے کی دعا پر اعتراض کے جوابات

آیاتِ سابقہ میں دلائل سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس تمام کائنات کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی تمام مخلوقات کا پروردگار ہے' اس لیے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے' تو اس آیت میں اس کے مناسب یہ ذکر فرمایا: کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی پرستش کا انکار فرمایا' انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کی دعا کی: ایک یہ کہ اس شہر مکہ کو امن والا بنادے اور دوسری یہ کہ مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھ۔

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنادے! لیکن ان کی یہ دعا تو قبول نہیں ہوئی کیونکہ عبدالملک کے دور خلافت ۷۳ھ میں حجاج بن یوسف نے کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے اور کعبہ کے پردے جلائے گئے اس کا جواب یہ ہے کہ حجاج بن یوسف کا مقصد کعبہ کو نقصان پہنچانا نہیں تھا بلکہ حضرت ابن الزبیر کو شکست دینا تھا کعبہ کو بالتبع نقصان پہنچا اور قرامطہ نے ۳۱۷ھ میں مکہ میں لوٹ مار کی' کعبہ پر حملہ کیا' سینکڑوں حجاج کو قتل کیا اور حجر اسود کو اٹھا کر لے گئے تھے جس کو بائیس سال بعد واپس کیا۔ امام رازی نے اس سوال کے حسب ذیل جوابات دیئے ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کی تھی اور ان کا مقصد یہ تھا کہ اس شہر کو ویران ہونے سے محفوظ رکھ۔

(۲) اس شہر والوں کو محفوظ رکھ۔

(۳) مکہ امن والا شہر ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ جو خوف زدہ شخص مکہ میں داخل ہوتا ہے وہ مامون ہو جاتا ہے' اور لوگ ایک دوسرے سے شدید مخالفت اور دشمنی کے باوجود جب مکہ میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے شر سے مامون ہو جاتے ہیں' اسی طرح جنگلی جانور جب مکہ میں داخل ہوتے ہیں تو انسانوں سے نہیں بھاگتے اور مکہ کی حدود سے باہر وہ انسانوں سے بھاگتے ہیں۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی تھی کہ مکہ کو امن والا بنادے' اس سے مقصود یہ تھا کہ تُو مکہ میں امن قائم کرنے کا حکم دے دے اور مکہ کو حرم بنادے اور حدود مکہ میں قتل اور خوں ریزی کو خصوصیت کے ساتھ منع فرمادے' لہٰذا مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنادیا حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت میں کفار بھی مکہ مکرمہ میں باہم قتل اور خون ریزی سے باز رہتے تھے۔ یہ ایک تشریعی حکم ہے اور اگر کسی نے اس حکم کی مخالفت کی تو وہ بہرحال آخرت میں عذاب کا مستحق ہوگا اور یہ تکوینی حکم نہیں ہے کہ ضرور مکہ میں ہمیشہ امن رہے گا۔

اولاد ابراہیم کو بت پرستی سے مامون رکھنے کی دعا پر اعتراض کے جوابات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دوسری دعا کی تھی کہ مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش کرنے سے محفوظ رکھ، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، وہ پیدائشی مومن ہوتے ہیں اور تاحیات ایمان پر قائم رہتے ہیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کیوں کی کہ مجھے بت پرستی سے محفوظ رکھ۔ اس کا یہ جواب ہے کہ مجھے بت پرستی سے اجتناب پر قائم رکھ اور اس پر دوام عطا فرما، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تواضع اور انکسار کے طور پر یہ دعا کی اور اللہ کی طرف اپنی احتیاج کو ظاہر کیا اور یہ کہ انہیں ہر حال میں اور ہر وقت اس کے فضل اور کرم کی ضرورت ہے۔

اس جگہ پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے بیٹوں کو بھی بت پرستی سے محفوظ رکھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول نہیں کی کیونکہ کفار قریش حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے حالانکہ وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ ان کی صلب سے جو بیٹے پیدا ہوں ان کو اللہ تعالیٰ بتوں کی پرستش سے محفوظ رکھے، اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کی یہ دعا ان کی اولاد میں سے مومنین کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ اس کے بعد انہوں نے فرمایا فمن تبعنی فانہ منی سو جو میری پیروی کرے گا وہ میرا ہے، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا تھا: آپ کا بیٹا آپ کے اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کے عمل نیک نہیں ہیں۔ (ھود: ۴۶) اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا عام تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا ان کی بعض اولاد کے حق میں قبول فرمائی اور اس میں انبیاء علیہم السلام کی شان میں کوئی کمی نہیں ہے اور نہ ان کی دعا کی قبولیت میں کوئی نقص ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝

اللہ نے فرمایا بے شک میں آپ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں (ابراہیم نے) کہا اور میری اولاد سے بھی! فرمایا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔ (البقرہ: ۱۲۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے امامت کے حصول کی دعا کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دعا ان کی بعض اولاد کے حق میں قبول فرمائی اور یہ ان کی شان میں کمی کا موجب نہ تھی اور نہ ان کی دعا کی قبولیت کے منافی تھی، اسی طرح یہ آیت ہے۔

مرتکبین کبائر کی شفاعت پر دلیل

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی سو جس نے میری پیروی کی وہ بے شک میرا ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان مسلمانوں کی شفاعت کی جنہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا اور وہ بغیر توبہ کے مر گئے، اس سے مراد مسلمان ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں انہوں نے کافروں سے برأت کا یہ کہہ کر اظہار کر دیا تھا کہ مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا نیز اس آیت کے پہلے جملہ میں انہوں نے کہا جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے اور جس نے ان کے دین کی پیروی نہیں کی اور کفر پر مصر رہا وہ ان کا نہیں ہے اور وہ اس کی اصلاح کے درپے نہیں ہیں۔ اور ہم نے یہ کہا کہ اس سے کبیرہ گناہوں کے مرتکبین مراد ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ صغیرہ گناہ تو

نیکیوں سے ویسے ہی معاف ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ بے شک نیکیاں برائیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔

(ھود: ۱۱۴)

نیز گناہ کبیرہ سے اجتناب کرنے کی وجہ سے بھی صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ۔ (النساء: ۳۱) اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تم کو منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے۔

پس صغیرہ گناہ تو نیکیوں سے اور کبائر سے اجتناب سے ویسے ہی معاف ہو جاتے ہیں ان کے لیے شفاعت کی ضرورت نہیں ہے' شفاعت کی ضرورت تو کبیرہ گناہوں کے لیے ہے اور ہم نے یہ کہا ہے کہ یہ شفاعت ان کبیرہ گناہوں کے لیے ہے جن پر توبہ کیے بغیر بندہ مر گیا ہو' کیونکہ جن کبیرہ گناہوں پر بندہ توبہ کر لے اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دیتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ۔ (الشوریٰ: ۲۵) اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور (جس کے چاہے) گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ۔ (المائدہ: ۳۹) جس نے ظلم کرنے کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کی' تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا۔ (الفرقان: ۷۱) اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بے شک وہ اللہ کی طرف برحق توبہ کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۰' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۱۰ اس حدیث کی سند پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے کیونکہ ابو عبیدہ کا اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعود سے سماع نہیں ہے' لیکن علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ سماع ثابت ہے۔ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۳)

خلاصہ یہ ہے کہ صغیرہ گناہ تو کبائر سے اجتناب کرنے یا نیک عمل کرنے سے ویسے ہی معاف ہو جاتے ہیں اور جن کبیرہ گناہوں پر توبہ کر لی ہو ان کو بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شفاعت مسلمانوں کے ان کبیرہ گناہوں کے لیے ہے' جن پر انہوں نے توبہ نہ کی ہو۔

اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ان کبیرہ گناہوں کی شفاعت ثابت ہو گئی تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ان گناہوں کی شفاعت ثابت ہو گی۔ اولاً اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی شفاعت میں فرق کا کوئی قائل نہیں ہے' ثانیاً اس لیے کہ منصب شفاعت بہت عظیم منصب ہے' جب یہ منصب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ثابت ہے تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطریق اولیٰ ثابت ہو گا کیونکہ آپ تمام انبیاء اور مرسلین سے افضل و اکرم اور ان کے قائد ہیں' ثالثاً اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان مرتکبین کبیرہ کی شفاعت کی ہے جنہوں نے توبہ نہ کی ہو یا توبہ سے پہلے مر گئے ہوں اور آپ کو ملت ابراہیم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ کو بھی ان کی

شفاعت کا حکم دیا گیا ہے، آپ کو حضرت ابراہیم کی اتباع کا حکم اس آیت میں ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ (النحل: ۱۲۳)

پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ دین ابراہیم کی پیروی کریں جو باطل سے الگ حق کی طرف مائل تھے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا ہے کہ میں مرتکبین کبائر کی شفاعت کروں گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے مرتکبین کبائر کے لیے ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۵ مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۹ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۲۸۴ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۶۸ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۵۱۸، المستدرک ج ۱ ص ۶۹)

شفاعت کی توقع کے باوجود توبہ کرنے میں تاخیر نہ کی جائے

واضح رہے کہ ہم نے جو کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان مرتکبین کبائر کے لیے شفاعت فرمائیں گے جنہوں نے اپنے گناہوں پر توبہ نہ کی ہو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ مرتکبین کبائر توبہ کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہوں کیونکہ ایسے شخص کا تو ایمان بھی جاتا رہے گا نہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو کبائر پر اصرار کرتے ہوں ہر چند کہ وہ کافر نہیں ہیں اور عموم مغفرت اور شفاعت کے تحت داخل ہیں لیکن ہماری مراد وہ لوگ ہیں جو توبہ کرنا چاہتے ہوں لیکن کسی عارضہ کی بنا پر یا غفلت کی وجہ سے توبہ نہ کر سکے ہوں اور ہماری مراد یہ بھی نہیں ہے کہ شفاعت کی توقع پر مرتکب کبیرہ کو توبہ نہیں کرنی چاہیے اور ہماری مراد یہ بھی نہیں ہے کہ توبہ کرنے کے بعد انسان شفاعت سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ انسان کو صدق دل سے توبہ کرنے کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا طلب گار رہنا چاہیے کیونکہ یہ نیت اور یہ مدعا اور یہ مقصود ہونا چاہیے کہ اللہ العالمین! ہماری توبہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے قبول فرما کیونکہ کوئی نعمت ہمیں براہ راست ملے اس سے زیادہ افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ وہ نعمت ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ملے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (النساء: ۶۴)

اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے (اپنے ظلم پر) مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بہت رحم فرمانے والا پاتے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی امتی کی شفاعت فرمائیں گے تو اس سے یہ مترشح ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنا قرار دے رہے ہیں اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرمائیں اس کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے!

اس آیت میں یہ ہدایت ہے کہ پہلے خود اپنے گناہوں کی معافی چاہو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے شفاعت طلب کرو، بندہ کی توبہ کرنے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ بندہ کو معاف فرما دے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت اور اس کا بے پایاں کرم ہے ورنہ وہ بے پرواہ اور بے نیاز ذات ہے، اس کی مشیت کے آگے کسی کا کیا چارہ ہے۔ ہم نے جو لکھا ہے کہ مرتکب کبیرہ اگر توبہ نہ کرے تو پھر بھی اس کی شفاعت ہوگی، اس

سے مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی عارضہ یا غفلت کی وجہ سے توبہ نہ کر سکا اور قضاء الٰہی سے مر گیا تو دلائل اور قواعد کے تحت وہ بھی انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کے تحت داخل ہے لیکن یہ کب ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اس کی شفاعت کا اذن عطا فرمائے اور یہ کب ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی وجاہت سے از خود اس کی شفاعت فرمائیں، اس لیے بندہ کو ہر آن اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے، حتی المقدور گناہوں سے بچتا رہے اور اگر شامت نفس سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لے، کیا پتا اسے کب موت آ جائے اور اس کو توبہ کی مہلت ملے نہ ملے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی) اے ہمارے رب میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب وگیاہ وادی میں ٹھہرا دیا ہے، تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک، اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں، تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ وہ شکر ادا کریں O اے ہمارے رب! بے شک تو ان باتوں کو جانتا ہے، جن کو ہم چھپاتے ہیں اور جن کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں O تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے، بے شک میرا رب ضرور دعا سننے والا ہے O (ابراہیم: ۳۹-۳۷)

حضرت ابراہیم کا غیر آباد وادی میں اپنے اہل کو چھوڑنے کا پس منظر اور پیش منظر

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اہل کتاب نے بیان کیا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس کے شہروں میں رہتے ہوئے بیس سال ہو گئے تو حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: بے شک مجھے میرے رب نے اولاد سے محروم رکھا ہے، آپ میری باندی سے عمل تولید کیجئے، شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ جب حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم کو حضرت ہاجرہ ہبہ کر دی اور حضرت ابراہیم نے ان کے ساتھ شب بسری کی تو حضرت ہاجران سے حاملہ ہو گئیں۔ جب ان کو حمل ہوا تھا وہ حضرت سارہ پر فخر کرنے لگی تھیں۔ حضرت سارہ کو ان پر رشک آتا تھا انہوں نے حضرت ابراہیم سے ان کی شکایت کی، حضرت ابراہیم نے فرمایا تم اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔ حضرت ہاجر، حضرت سارہ سے ڈر کر وہاں سے فرار ہو گئیں، وہ ایک چشمہ کے پاس پہنچیں تو ایک فرشتہ نے کہا تم ڈرو مت، اللہ تعالیٰ تم سے جو بچہ پیدا کرنے والا ہے اس میں بہت خیر ہے، اور ان کو واپس جانے کا حکم دیا، اور ان کو یہ بشارت دی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا اور تم ان کا نام اسماعیل رکھنا۔ وہ لوگوں سے فتنے دور کریں گے، ان کا تمام لوگوں پر ہاتھ ہو گا اور تمام لوگ ان کی مدد کریں گے۔ وہ اپنے تمام بھائیوں کے ملکوں کے مالک ہوں گے۔ حضرت ہاجر نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا اور یہ بشارت حضرت ابراہیم کے بیٹے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری ہوئی، کیونکہ آپ ہی تمام بلاد عرب کے سردار تھے، اور شرق اور غرب کے تمام ممالک میں آپ کا دین پھیل گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر زیادہ علوم نافعہ اور اعمال صالحہ عطا کیے کہ پچھلی امتوں میں سے کسی کو اتنے علوم اور اعمال صالحہ عطا نہیں کیے تھے، اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ آپ کو تمام رسولوں پر فضیلت حاصل ہے اور آپ کی رسالت میں کمال اور برکت ہے اور آپ کی نبوت تمام روئے زمین کے لیے ہے۔ جب حضرت ہاجرہ واپس گئیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو گئے، اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال تھی اور وہ حضرت اسحاق کی پیدائش سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ امام ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۹۰ سال تھی اور اس کے تیس سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱)

اور مقصود یہ ہے کہ جب حضرت ہاجر علیہا السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو گئے تو حضرت ہاجر پر حضرت سارہ کی غیرت بہت زیادہ ہو گئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ حضرت ہاجر کو ان کی نگاہ سے دُور کر دیں، پھر حضرت ابراہیم حضرت ہاجر اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو لے کر روانہ ہوئے۔ اس وقت اسماعیل دودھ پیتے تھے، حضرت ابراہیم نے ان کو لے جا کر اس جگہ چھوڑ دیا جس کو آج کل مکہ کہا جاتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج۱ص ۲۲۹-۲۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۵ھ)

حضرت ہاجر اور حضرت اسماعیل کو مکہ میں چھوڑ کر جانے کی پوری تفصیل اس حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عورتوں میں سے جس نے سب سے پہلے اپنی کمر پر پٹکا باندھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں، انہوں نے یہ پٹکا اس لیے باندھا تھا کہ ان کے قدموں کے نشان مٹ جائیں اور حضرت سارہ کو پتا نہ چلے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے دودھ پیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر روانہ ہوئے اور جس جگہ بیت اللہ ہے وہاں ایک درخت کے پاس چھوڑ دیا، جس جگہ پر اب زمزم کا کنواں ہے۔ اس وقت مکہ میں کوئی آبادی نہیں تھی اور نہ وہاں پانی تھا۔ انہوں نے اس جگہ ان دونوں کو چھوڑ دیا اور ان کے پاس ایک تھیلا رکھ دیا جس میں کھجوریں، ستو اور پانی تھا، پھر حضرت ابراہیم واپس جانے لگے تو حضرت اسماعیل کی والدہ ان کے پیچھے گئیں اور کہا: اے ابراہیم! آپ کہاں جا رہے ہیں اور ہم کو اس غیر آباد اور بے آب و گیاہ وادی میں کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ وہ بار بار یہ جملے دہراتی رہیں اور حضرت ابراہیم نے ان کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا، پھر انہوں نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا: ہاں! حضرت ہاجر نے کہا پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا اور وہ (مطمئن ہو کر) لوٹ آئیں، پھر ابراہیم علیہ السلام واپس روانہ ہوئے حتیٰ کہ جب وہ مقام ثنیہ پر پہنچے، جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا تھا تو انہوں نے اپنا منہ اس طرف کیا جس طرف اب بیت اللہ ہے، پھر انہوں نے دونوں ہاتھ بلند اٹھا کر ان کلمات کے ساتھ دعا کی: اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں ٹھہرا دیا ہے، تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں، تو کچھ لوگوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ وہ شکر ادا کریں O (ابراہیم: ۳۷)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت اسماعیل کو دودھ پلاتی تھیں، اور اس پانی سے پیتی تھیں، حتیٰ کہ جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو وہ اور ان کا بیٹا دونوں پیاسے تھے۔ وہ اپنے بیٹے کی طرف دیکھتیں جو پیاس سے تڑپ رہے تھے، جب وہ ان کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں تو وہاں سے چل پڑیں، انہوں نے دیکھا اس زمین کے قریب صفا پہاڑ تھا، وہ اس پہاڑ پر کھڑی ہو گئیں، کہ کوئی آتا ہوا دکھائی دے، انہیں کوئی نظر نہیں آیا، پھر وہ صفا سے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں، انہوں نے اپنی قمیص کا دامن اٹھایا اور بہت تیز دوڑ کر اس وادی کے پار گئیں پھر مروہ پہاڑ پر گئیں اور دیکھا کہ کوئی شخص دکھائی دے، انہیں کوئی نظر نہیں آیا، انہوں نے صفا اور مروہ کے درمیان اس طرح سات مرتبہ دو ڑ لگائی، پھر انہوں نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا کہ ٹھہر جاؤ، پھر انہوں نے کان لگا کر سنا تو انہیں ایک آواز سنائی دی اور اس نے کہا اگر تمہارے پاس کوئی فریاد رس ہے تو تم نے اس کو اپنی آواز پہنچا دی ہے، اچانک دیکھا تو زمزم کے قریب ایک فرشتہ کھڑا تھا اس فرشتے نے اس جگہ اپنی ایڑی یا اپنے پر مارے، حتیٰ کہ پانی نکلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ اپنے ہاتھوں سے اس طرح اس پانی کو حوض کی طرح اکٹھا کرنے لگیں۔ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اسماعیل کی ماں پر رحم فرمائے کاش وہ زمزم کو بہتا ہوا چھوڑ دیتیں یا فرمایا کاش وہ اس میں سے چلو نہ بھرتیں تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ بن جاتا، پھر حضرت ہاجر نے خود پانی پیا اور اپنے بیٹے کو دودھ پلایا۔ فرشتہ نے ان سے کہا تم اپنے بچے کے متعلق فکر نہ کرو، اس جگہ بیت اللہ ہے جس کو یہ لڑکا اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ اس کے اہل کو ضائع نہیں کرے گا، اور بیت اللہ کی جگہ زمین سے بلند تھی، اس کی دائیں اور بائیں جانب سے سیلاب گزر جاتے تھے۔

اسی طرح وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے یا جرہم کے گھرانوں میں سے کچھ لوگ وہاں سے گزرے وہ مکّہ کے نشیب میں اترے، انہوں نے وہاں پرندوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا، انہوں نے آپس میں کہا یہ پرندے پانی پر جا رہے ہیں، ہم اس وادی اور اس میں جو پانی ہے اس کا ارادہ کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا تو وہ پانی تک پہنچ گئے۔ انہوں نے واپس جا کر ان کو خبر دی، تو وہ سب وہاں پہنچ گئے، وہاں حضرت اسماعیل کی والدہ تھیں۔ انہوں نے کہا کیا آپ ہم کو اس کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ کے پاس قیام کریں۔ حضرت ہاجر نے کہا ہاں! لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس چیز سے حضرت اسماعیل کی ماں کی ڈھارس بندھی اور وہ انس چاہتی تھیں۔ وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے اور انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھی بلا لیا، حتیٰ کہ جب وہاں بہت سے گھر بن گئے اور ان کا بیٹا جوان ہو گیا اور اس نے ان سے عربی زبان سیکھ لی، جب حضرت اسماعیل جوان ہوئے تو وہ جرہم کے لوگوں کو اچھے لگے تو انہوں نے اپنی ایک عورت کا ان سے نکاح کر دیا اور حضرت اسماعیل کی والدہ فوت ہو گئیں، حضرت اسماعیل کی شادی ہو جانے کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے احوال معلوم کرنے کے لیے آئے، انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو موجود نہ پایا تو ان کی بیوی سے ان کے متعلق معلوم کیا، اس نے کہا وہ ہمارے لیے کچھ چیزیں لینے گئے ہیں (دوسری روایت میں ہے وہ شکار کرنے گئے ہیں) پھر حضرت ابراھیم علیہ السلام نے ان کے حالات اور گزر اوقات کے متعلق ان سے پوچھا اس نے کہا ہم بہت برے حالات میں ہیں، اور ہم بہت تنگی اور سختی میں ہیں اور ان سے شکایت کی، حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا کہ جب تمہارا خاوند آئے تو تم اس سے میرا سلام کہنا اور اس سے کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کر لے، جب حضرت اسماعیل آئے تو ان کو کچھ تغیر محسوس ہوا، انہوں نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ بیوی نے کہا ہاں اس اس شکل کا ایک بوڑھا آیا تھا، اس نے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے اس کو بتایا، اس نے مجھ سے پوچھا تمہارے حالات کیسے ہیں؟ تو میں نے اس کو بتایا کہ ہم بہت جفاکشی اور سختی کے ایام گزار رہے ہیں۔ حضرت اسماعیل نے پوچھا کیا انہوں نے کسی چیز کی وصیت کی تھی؟ اس نے کہا ہاں انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں آپ کو ان کا سلام کہوں اور وہ یہ کہتے تھے کہ تم اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو تبدیل کر لو، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا وہ میرے والد تھے اور انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں، تم اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ، انہوں نے اس کو طلاق دے دی، اور ان لوگوں میں دوسری شادی کر لی، اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا حضرت ابراھیم علیہ السلام ٹھہرے رہے، پھر کچھ عرصہ بعد آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں ملے، وہ ان کی بیوی کے پاس گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق سوال کیا، ان کی بیوی نے کہا وہ ہمارے واسطے کچھ لینے گئے ہیں۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اور ان کی گزر اوقات کے متعلق سوال کیا، ان کی بیوی نے کہا ہم خیریت سے ہیں اور بہت خوش حال ہیں، اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے پوچھا تم لوگ کیا کھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم گوشت کھاتے ہیں، حضرت ابراھیم علیہ السلام نے پوچھا اور تم لوگ کیا پیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم پانی پیتے ہیں۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے دعا کی: اے

اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرمائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت ان لوگوں کے پاس اناج نہیں تھا ورنہ حضرت ابراھیم علیہ السلام ان کے لیے اس میں بھی برکت کی دعا کرتے، پھر آپ نے فرمایا کہ صرف ان دو چیزوں (گوشت اور پانی) پر مکہ مکرمہ کے سوا اور کسی جگہ گزارہ نہیں ہو سکتا صرف یہ دو چیزیں اور جگہوں پر مزاج کے موافق نہیں ہوں گی، حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا جب تمہارا شوہر آئے تو اس کو میرا سلام کہنا اور اس سے کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھے، جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو پوچھا کیا کوئی شخص تمہارے پاس آیا تھا۔ ان کی بیوی نے کہا ہاں! ہمارے پاس اچھی شکل و صورت کا ایک بوڑھا شخص آیا تھا اور انہوں نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تعریف کی، انہوں نے مجھ سے ہماری گزر اوقات اور حالات کے متعلق پوچھا میں نے ان کو بتایا کہ میں خیریت سے ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا کیا انہوں نے تم کو کوئی وصیت بھی کی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں! انہوں نے آپ کو سلام کہا اور آپ کے متعلق یہ حکم دیا کہ آپ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو قائم رکھیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا یہ میرے والد تھے اور تم چوکھٹ ہو، انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے پاس برقرار رکھوں۔

پھر جب تک اللہ نے چاہا حضرت ابراھیم علیہ السلام ٹھہرے رہے، پھر اس کے بعد آئے اس وقت حضرت اسماعیل زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے اپنا تیر درست کر رہے تھے، جب انہوں نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے سے اس طرح ملے جیسے بیٹا باپ سے، اور باپ بیٹے سے ملتا ہے، پھر حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا اے اسماعیل مجھے اللہ نے ایک چیز کا حکم دیا ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا آپ وہی کیجئے جس کا آپ کے رب نے آپ کو حکم دیا ہے، حضرت ابراھیم علیہ السلام نے پوچھا آیا تم میری مدد کرو گے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا میں آپ کی مدد کروں گا حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ بیت اللہ تعمیر کروں اور انہوں نے اس ٹیلہ کی طرف اشارہ کیا جو اپنے اردگرد کی زمین سے کافی بلند تھا آپ نے فرمایا اس وقت ان دونوں نے بیت کی بنیادیں اٹھائیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضرت ابراھیم علیہ السلام ان پتھروں کو جوڑ جوڑ کر لگاتے تھے، حتیٰ کہ جب بنیادیں زیادہ بلند ہو گئیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اس پتھر (مقام ابراھیم) کو لائے اور اس دیوار کے ساتھ رکھ دیا، حضرت ابراھیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے رہے اور وہ دونوں یہ دعا کرتے تھے: اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے، وہ دونوں بیت اللہ کی تعمیر کرتے رہے اور بیت اللہ کے گرد طواف کرتے رہے اور یہ دعا کرتے رہتے تھے: اے ہمارے رب! تو ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۴ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۱۰۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۳۲۸۵ عالم الکتب)

حضرت اسماعیل کے ذبیح ہونے پر دلائل

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں کیونکہ جن کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا وہ اس وقت چلنے پھرنے اور دوڑنے کی عمر کو پہنچے تھے اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پیتا چھوڑ کر گئے تھے اور جب وہ ان کے پاس لوٹے تو وہ شادی شدہ تھے، اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ہوتا تو اس حدیث میں یہ مذکور ہوتا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام ان کے دودھ

پینے کے زمانہ اور شادی سے پہلے بھی ان کے پاس آئے تھے، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن کے زمانہ میں حضرت ابراہیم کے آنے کی نفی نہیں ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ درمیانی زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے ہوں اور اس وقت آپ کو حکم ہوا ہو کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں اور اس کا اس حدیث میں ذکر نہیں ہے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ ایک اور حدیث میں ان دو زمانوں کے درمیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آنے کا ذکر ہے، کیونکہ ابو جہم کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ سے ملنے کے لیے ہر ماہ صبح کو براق پر سوار ہو کر آتے تھے اور دوپہر کو واپس شام پہنچ جاتے تھے، امام فاکہی نے بھی سند صحیح کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سے ملنے کے لیے جاتے تھے، اور اس حدیث میں یہ جو مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کے شادی شدہ ہونے کے بعد آئے اس کا معنی یہ ہے کہ پہلے ان سے متعدد بار ملاقات کرنے کے بعد اس وقت آئے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہو چکی تھی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۳، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں بھی اس پر واضح قرائن ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے پہلے بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سے ملنے کے لیے آتے رہتے تھے۔

اول تو اس لیے کہ ایک عام انسان سے بھی یہ متصور نہیں ہے کہ وہ اپنے دودھ پیتے بچے کو کسی غیر آباد اور بے آب و گیاہ زمین میں چھوڑ آئے اور سالہا سال تک ان کی خبر نہ لے، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی کے متعلق یہ گمان کیا جائے۔

ثانیاً اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب پہلی اور دوسری بار شکار سے واپس ہو کر آئے تو انہیں کچھ انس محسوس ہوا اور انہوں نے پوچھا کہ یہاں کوئی آیا تھا؟ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتے جلتے رہے ہوں اور وہ ان کے جسم کی خوشبو سے مانوس ہوں، تو جب وہ گھر آئے اور گھر میں وہی مانوس خوشبو بسی ہوئی تھی تو انہوں نے دونوں مرتبہ بیوی سے پوچھا کہ کیا کوئی آیا تھا۔

ثالثاً جب ان کی پہلی اور دوسری دونوں بیویوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شکل و صورت اور ان کا حلیہ بیان کیا تو وہ پہچان گئے اور کہا کہ وہ میرے والد ہیں ورنہ اگر انہوں نے دودھ پینے کے زمانہ سے لے کر اب تک انہیں نہ دیکھا ہوتا تو صرف حلیہ سن کر کیسے پہچان لیتے کہ وہ میرے والد ہیں۔

رابعاً اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو حضرت اسماعیل درخت کے نیچے بیٹھے اپنے تیر درست کر رہے تھے، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھ کر فوراً کھڑے ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے سے اس طرح ملے جیسے بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے ملتا ہے، اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دودھ پینے کے ایام کے بعد اب پہلی بار حضرت ابراہیم کو دیکھا ہوتا تو دیکھتے ہی کیسے جان لیتے کہ یہ میرے والد ہیں اور فوراً ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ اس لیے اگر حافظ ابن حجر عسقلانی کی روایت کردہ احادیث نہ بھی ہوتیں تب بھی صحیح بخاری کی اس حدیث میں اس پر واضح قرائن ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ سے ملنے کے لیے آتے رہتے تھے اور ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ ہر ماہ ان سے ملنے کے لیے آتے تھے تو پھر جب حضرت اسماعیل سن شعور کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خواب کے ذریعہ یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں ذبح کر دیں۔

عام لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی اولاد کو بے آب و گیاہ زمین میں چھوڑ آئیں

حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی بیوی اور دودھ پیتے بچے کو غیر آباد اور بے آب و گیاہ زمین میں چھوڑ کر چلے گئے تھے، اس پر قیاس کر کے کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی اور شیر خوار بچے کو کسی غیر آباد اور ویران جگہ میں چھوڑ کر چلا جائے جیسا کہ غالی اور جاہل صوفیاء اللہ پر توکل کرنے کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں، کیونکہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اللہ کی وحی سے ایسا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجر اور حضرت اسماعیل کے لیے سامانِ زیست کے اسباب پیدا کردیئے، اور کسی اور شخص کا یہ مرتبہ اور منصب نہیں ہے کہ وہ وحی الٰہی کا حامل ہو کیونکہ وحی صرف انبیاء علیہم السلام پر آتی ہے، ہمارے لیے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اونٹ کو باندھ کر توکل کرو، اسباب حاصل کرنے کے بعد مسبب کو اللہ پر چھوڑ دینا یہ توکل ہے نہ یہ کہ اسباب کو ہی حاصل نہ کیا جائے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی ذریت کی دیکھ بھال کے لیے ہر ماہ شام سے مکہ آیا کرتے تھے۔

زمزم کے فضائل

صحیح بخاری کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ فرشتے کے ایڑی یا پَر زمین پر مارنے کی وجہ سے زمین سے پانی نکل آیا جس کو حضرت ہاجر نے زمزم فرمایا، اور اس چشمہ کا نام زمزم پڑ گیا سو اب ہم زمزم کے فضائل کے متعلق چند احادیث ذکر کر رہے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما زمزم سے پانی پیتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع، اور وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفاء کا سوال کرتا ہوں۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۷۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زمزم کے پانی کو پیا جائے تو تم اس کو شفاء طلب کرنے کی نیت سے پیو تو اللہ تعالیٰ تم کو شفاء عطا فرمائے گا، اور اس کو سیر ہونے کی نیت سے پیو تو اللہ تم کو سیر کرے گا، اور اگر تم زمزم کو پیاس بجھانے کے لیے پیو تو اللہ تمہاری پیاس بجھادے گا، اور حضرت جبریل کے ایڑی مارنے اور حضرت اسماعیل کو پانی پلانے کے لیے زمزم وجود میں آیا۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۷۱۳، المستدرک ج ۱ ص ۴۷۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۶۲)

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ زمزم کی یہ صفات قیامت تک کے لیے ہیں بشرطیکہ پینے والے کی نیت صحیح ہو، اور وہ ان صفات کی تکذیب نہ کرتا ہو اور زمزم کو آزمانے کے لیے نہ پیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کی مدد فرماتا ہے اور آزمانے والوں کو رُسوا کرتا ہے اور ابو عبداللہ محمد بن علی ترمذی نے کہا میرے والد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک اندھیری رات میں، میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا، مجھے بڑے زور سے پیشاب آیا، میں اس کو روکنا چاہتا کہ مجھے بہت تکلیف ہوئی اور مجھے یہ خدشہ تھا کہ اگر میں مسجد سے نکلا تو میں بعض آدمیوں کے قدموں تلے روند اجاؤں گا اور یہ حج کے ایام تھے، مجھے یہ حدیث یاد آئی میں زمزم پر آیا اور خوب سیر ہو کر زمزم کو پیا پھر صبح تک مجھے پیشاب کی ضرورت نہیں ہوئی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۳۲۵۔ ۳۲۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مکہ کو حرم قرار دینے کی وجوہ

حضرت ابراھیم نے کہا: عند بیتک المحرم یعنی تیرے اس گھر کے پاس جو محترم ہے، محرم کا معنی ہے اس کو حرم

قرار دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ حضرت ابراھیم کے بنانے سے بہت پہلے بنا ہوا تھا، روایت ہے کہ اس کو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام یا فرشتوں نے بنایا تھا، حضرت ابراھیم نے اس گھر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے کی ہے کہ اس کا اللہ کے سوا کوئی مالک نہیں ہے یا یہ اضافت اس گھر کی عظمت اور جلالت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کسی گھر میں ہونے سے مستغنی ہے۔ بیت اللہ کو محرم فرمانے کی مفسرین نے متعدد وجوہ بیان فرمائی ہیں، بعض ازاں یہ ہیں: (۱) جس طرح دوسرے شہروں میں شکار کرنا جائز ہے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کی حُرمت کی وجہ سے شکار کرنے کو حرام کر دیا گیا ہے۔ (۲) جابر بادشاہوں کو بیت اللہ پر حملہ کرنے کی قدرت نہیں دی۔ (۳) اس کو محرم اس لیے فرمایا کہ اس کی حُرمت بہت عظیم ہے اور اس میں کوئی ایسا عمل کرنا جائز نہیں ہے جو اس کی حُرمت کے منافی ہو۔ (۴) باہر سے آنے والوں کے لیے اس شہر میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ (۵) جو اعمال دوسرے شہروں میں جائز ہیں مثلاً اپنی بیوی سے عمل تزویج کرنا، خُوشبو لگانا، بال کٹوانا وغیرہ وہ اس شہر میں احرام باندھ کر آنے والوں پر حرام کر دیئے ہیں تاوقتیکہ وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کی سعی نہ کرلیں۔ (۶) اس شہر میں جنگ اور قتال کو حرام کر دیا گیا ہے۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے فضائل

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا: اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں۔ یہ آیت اس مسئلہ کو متضمن ہے کہ بیت اللہ میں نماز پڑھنا دیگر مساجد میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت بہت افضل ہے اور اس پر حسبِ ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مساجد میں نماز پڑھنے سے ہزار گنا افضل ہے ماسوا مسجد حرام کے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۹۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۹۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۰۴، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۶۱)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مساجد میں نماز پڑھنے سے ہزار گنا افضل ہے ماسوا مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے سو گنا افضل ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۴، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۱۱۷، عالم الکتب، بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اپنے گھر میں نماز پڑھے تو وہ ایک نماز ہے، اور مسجد قبائل (محلّہ کی مسجد) میں اس کی نماز پچیس نمازیں ہیں اور جامع مسجد میں اس کی نماز پانچ سو نمازیں ہیں، اور مسجد اقصیٰ میں اس کی نماز پچاس ہزار نمازیں ہیں اور مسجد حرام میں اس کی نماز ایک لاکھ نمازیں ہیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۳، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۰۰۴، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۷۳)

اس حدیث کی سند میں ابو الخطاب دمشقی مجہول ہے اور اس کے شیخ رزیق ابو عبداللہ کے متعلق ابن حبان نے کہا جب تک دوسری احادیث سے اس کی تائید نہ ہو اس کی روایت سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، اور حافظ شمس الدین ذہبی نے اس حدیث کو بہت منکر کہا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۷ ص ۳۶۲، رقم: ۹۰۴۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مساجد کی بہ نسبت ہزار گنا افضل ہے، ماسوا مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت ایک لاکھ گنا افضل ہے۔ (حافظ منذری نے کہا امام احمد اور امام ابن ماجہ دونوں نے اس کو سند صحیح کے ساتھ روایت

کیا ہے)

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۰۶ مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۳، ۳۹۷ قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۷۵۰، ۱۵۳۴۳ عالم الکتب بیروت' تمہید ج ۲ ص ۱۶۷۰ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۷۲)

(حمزہ احمد زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۶۲۹ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ) (حافظ ابن حجر نے بھی کہا ہے اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ فتح الباری ج ۳ ص ۶۶ لاہور)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسری مساجد کی بہ نسبت مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی فضیلت ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔

(مسند البزار (کشف الاستار) رقم الحدیث: ۴۲۲ مطبوعہ موسستہ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۴ھ' الاستذکار رقم الحدیث: ۹۰۲۴ تمہید ج ۲ ص ۱۷۱ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۷۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بزار نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' امام بزار نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۶۷ مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت کے متعلق فقہاء کے نظریات

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

مدینہ مکہ سے افضل ہے یا مکہ مدینہ سے افضل ہے' اس میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور مدینہ کے اکثر علماء نے کہا کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے' امام شافعی نے کہا تمام روئے زمین میں سب سے افضل مکہ مکرمہ ہے' عطاء بن ابی رباح اور تمام اہلِ مکہ اور اہلِ کوفہ کا یہی قول ہے' اہلِ بصرہ کا اس میں اختلاف ہے' بعض نے مکہ کو فضیلت دی اور بعض نے مدینہ کو' اور جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے سو درجہ افضل ہے اور باقی مساجد میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ درجہ افضل ہے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنا باقی مساجد میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے' سفیان بن عیینہ کا بھی یہی قول ہے۔

(الاستذکار ج ۷ ص ۲۳۹ مطبوعہ موسستہ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۳ھ' التمہید ج ۲ ص ۲۶۵ - ۲۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں: اس پر سب کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جگہ تمام رُوئے زمین میں سب سے افضل ہے اور مکہ اور مدینہ رُوئے زمین میں سب سے افضل ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جگہ کے علاوہ میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر' بعض صحابہ' امام مالک اور اکثر اہلِ مدینہ کا مذہب یہ ہے کہ مدینہ افضل ہے اور حضرت ابوہریرہ کی جس روایت میں ہے کہ میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دیگر مساجد کی بہ نسبت ایک ہزار درجہ افضل ہے ماسوا مسجد حرام کے' (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۴) وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا' مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے نو سو درجہ افضل ہے اور باقی مساجد سے ایک ہزار درجہ افضل ہے' کیونکہ حضرت عمر نے فرمایا: مسجد حرام میں نماز پڑھنا باقی مساجد کی بہ نسبت ایک سو درجہ افضل ہے۔ اور اہلِ مکہ اور اہلِ کوفہ کا یہ قول ہے کہ مکہ افضل ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا' مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت ایک سو درجہ افضل ہے' جیسا کہ حضرت

ابن الزبیر کی روایت میں ہے اور باقی مساجد پر اس کی فضیلت ایک لاکھ درجہ ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۴ ص ۵۱۱، مطبوعہ دار الوفاء بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن رشد اور ہمارے شیخ ابو عبداللہ کا مسلک یہ ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے مکہ کو نماز کا قبلہ بنایا ہے اور کعبہ کی زیارت کو حج قرار دیا ہے، اور مکہ کو حرم بنایا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مکہ کو حرم بنایا ہے لوگوں نے اس کو حرم نہیں بنایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۰۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۸۷۶) اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جو حرم مکہ میں شکار کرے اس پر تاوان واجب ہے اور حرم مدینہ میں شکار کرنے والے پر تاوان واجب نہیں ہے، اور فقہاء کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ مکہ کی حرمت کی وجہ سے اس میں حدود قائم کرنی جائز نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ (آل عمران: ۹۷) جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن والا ہو گیا۔

اور حرم مدینہ کے متعلق کسی کا یہ قول نہیں ہے کہ اس میں حد قائم نہ کی جائے اور کسی جگہ کی فضیلت اس کی ذات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس میں نیکیوں اور گناہوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے ہے، حرم مدینہ کی بہ نسبت حرم مکہ میں گناہ کرنا زیادہ سخت ہے اور یہ مکہ کی مدینہ پر فضیلت کی دلیل ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں رہنے کی جو ترغیب دی ہے (صحیح البخاری: ۱۸۸۷) اس سے مدینہ کی مکہ پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی، اور آپ نے جو یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! مدینہ کے صاع اور مد میں برکت فرما (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۷۳) اس دعا سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ مدینہ مکہ سے افضل ہو، اسی طرح آپ نے فرمایا جو مدینہ کے مصائب پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ مدینہ مکہ سے افضل ہو، اسی طرح آپ نے فرمایا مجھے اس شہر کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا ہے جو تمام شہروں کو کھا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸۲) اس سے بھی مدینہ کی مکہ پر فضیلت لازم نہیں آتی بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دوسرے شہروں کے لوگ مدینہ میں آ کر رہنے لگیں گے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۵۰۷-۵۰۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

سید فاسی نے شفاء الغرام میں لکھا ہے کہ حضرت ابن الزبیر سے تین روایات حاصل ہوتی ہیں: (۱) مسجد حرام میں نماز پڑھنا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے سو درجہ افضل ہے، (۲) ہزار درجہ افضل ہے، (۳) ایک لاکھ درجے افضل ہے۔ سو جو شخص مسجد حرام میں ایک نماز پڑھ لے تو اس کی وہ نماز اس کی عمر کی دو سو پچاس سال چھ ماہ بیس دن کی نمازوں کے برابر ہے، اور اگر وہ ایک دن میں پانچ نمازیں پڑھے تو اس کو پانچ سے ضرب دے دیں، یہ تو تنہا پڑھی ہوئی نمازوں کی مقدار ہے اور اگر اس نے جماعت کے ساتھ ایک دن نماز پڑھی ہو تو اس کا عدد حضرت نوح علیہ السلام کی دگنی عمر کو پہنچ جائے گا۔

امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ یہ اجر فرض نمازوں کے ساتھ مختص ہے، اور احناف کا مذہب یہ ہے کہ فرض ہو یا نفل، سب کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہو گا، پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ خصوصاً مسجد حرام مراد ہے یا پورے حرم کا یہ حکم ہے۔ محب طبری کا مذہب یہ ہے کہ خصوصاً مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ پورے حرم میں نماز پڑھنے کا یہی ثواب ہے، اور ایسی بھی احادیث ہیں کہ روزہ اور دیگر عبادات کا ثواب بھی حرم

میں ایک لاکھ درجہ زیادہ ہوتا ہے لیکن ان کا ثبوت اس پائے کا نہیں ہے جس طرح نماز کی احادیث کا ثبوت ہے۔

علامہ بیری نے شرح الاشباہ والنظائر میں احکام المسجد کے تحت لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب (احناف) کا یہ مذہب ہے کہ ایک لاکھ گنا اضافہ تمام مکہ کو شامل ہے بلکہ تمام حرم مکہ کو شامل ہے جیسا کہ علامہ نووی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۸۸۔ ۱۸۷ ملخصاً مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت '۱۴۰۷ھ' ردالمحتار ج ۳ ص ۴۸۵۔ ۴۸۴ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت '۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۷ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مدینہ (فقہی) حرم نہیں ہے' اور راجح قول یہ ہے کہ مکہ' مدینہ سے افضل ہے' ماسوا اس جگہ کے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر ہے' کیونکہ وہ جگہ مطلقاً افضل ہے' حتیٰ کہ کعبہ' عرش اور کرسی سے بھی افضل ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ کی قبر مبارک کعبہ سے افضل ہے اور اس پر اجماع ہے اور قبر مبارک کے ماسوا مدینہ میں اختلاف ہے' ابن عقیل حنبلی نے کہا ہے کہ یہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے اور تاج فاکہی نے کہا ہے کہ زمین آسمانوں سے افضل ہے کیونکہ زمین میں آپ آرام فرما ہیں۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۵۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت '۱۴۰۷ھ' ردالمحتار ج ۴ ص ۴۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ خصوصیت سے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت پر یہ حدیث ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اور درمیان میں کوئی نماز قضا نہیں ہوئی اس کے لیے دوزخ کے عذاب سے نجات' عذاب سے نجات اور نفاق سے نجات لکھ دی جائے گی۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۵' رقم الحدیث: ۱۲۶۱۱' عالم الکتب بیروت' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۴۴۰)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز فرماتے تھے: مکہ مدینہ سے زیادہ افضل ہے اور مدینہ مکہ سے زیادہ محبوب ہے' اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ' عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت فرما کیونکہ انہوں نے ہمیں ہمارے وطن سے وبا کی زمین کی طرف نکال دیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! ہمیں مدینہ ایسا محبوب بنا دے جیسے ہمیں مکہ محبوب تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ' اے اللہ! ہمارے صاع اور مد (پیمانوں) میں برکت دے' ہمیں صحت دے اور مدینہ کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کر دے' ہم مدینہ میں آئے تو وہ اللہ کی زمین پر سب سے زیادہ وبا والی زمین تھی' اور بطحان نالہ آہستہ آہستہ بہتا رہتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۷۶)

خلاصہ یہ ہے کہ افضل بہرحال مکہ مکرمہ ہے لیکن مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے زیادہ محبوب ہے' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ایک شعر ہے:

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

دعا کا طریقہ اور اس کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا: اے ہمارے رب! بے شک تو ان باتوں کو جانتا ہے جن کو ہم چھپاتے ہیں اور جن کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں O

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اس آیت میں نہایت لطیف پیرائے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے' اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! تو ہماری ضروریات سے آگاہ ہے' ہم عواقب امور پر مطلع نہیں ہیں اور تو ہی خوب جانتا ہے کہ کیا چیز ہمارے حق میں مفید ہے اور کیا چیز ہمارے حق میں مضر ہے سو تو ہمیں وہ چیز عطا فرما جو ہمارے لیے مفید ہو اور ہم کو اس چیز سے محفوظ رکھ جو ہمارے حق میں مضر ہو' کیونکہ آسمان و زمین کی ہر ظاہر اور مخفی چیز کو تو جاننے والا ہے اور تجھ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے صراحتاً سوال کیوں نہیں کیا اور صرف اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پر اکتفا کیوں کی' اس کے دو جواب ہیں: ایک جواب یہ ہے کہ کریم اور جواد کی حمد و ثناء کرنا بھی سوال اور دعا ہوتی ہے' اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ سے سوال اور دعا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے جس شخص کو قرآن مجید (کی تلاوت) نے میرے ذکر اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھا میں اس کو سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہوں اور اللہ کے کلام کی باقی کلاموں پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح اللہ کی مخلوق پر فضیلت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۲۶' سنن الداری رقم الحدیث: ۳۳۵۹' الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۴ ص ۴۹' کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۲۷۳)

اس کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) عطا فرمائے' بے شک میرا رب ضرور دعا سننے والا ہے O

اس آیت میں بھی یہ رہنمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنی چاہیے' باقی رہا یہ کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت حضرت ابراھیم علیہ السلام کی کتنی عمر تھی اس کا بیان ان شاء اللہ عنقریب آئے گا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا: بے شک میرا رب ضرور دعا سننے والا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اور تمہارے رب نے فرمایا تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ (المومن: ۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یہ نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے بلکہ پورے عزم کے ساتھ سوال کرے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور اس کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۹۰۲' عالم الکتب)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۰۸۸' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۶۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ مصائب میں اس کی دعا قبول کی جائے اس کو چاہیے کہ راحت کے ایام میں بہ کثرت دعا کیا کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۲ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۳۹۶ الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۹۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کیفیت کے ساتھ دعا کرو کہ تمہیں دعا قبول ہونے کا یقین ہو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے حضور قلب کے ساتھ دعا قبول نہیں کرتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۹ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۱۰۵ المستدرک ج ۱ ص ۴۹۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ابراہیم نے دعا کی) اے میرے رب! مجھے (ہمیشہ) نماز قائم کرنے والا رکھ، اور میری بعض اولاد کو بھی، اے ہمارے رب! اور میری دعا قبول فرما○ اے ہمارے رب! میری مغفرت فرما! اور میرے والدین کی اور سب مومنوں کی جس دن حساب ہو گا○ (ابراہیم: ۴۱-۴۰)

امن اور سلامتی کا ایمان اور اسلام پر مقدم ہونا

سابقہ آیت اور ان آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر ہے، ان آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے سات دعائیں کی ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) پہلے یہ دعا کی کہ اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے! اور امن اور امان کا حاصل ہونا سب سے بڑی نعمت ہے، ایمان بھی تب ہی سلامت رہ سکتا ہے جب شہر میں امن ہو جان، مال اور عزت محفوظ ہو، دیکھیے جب اندلس میں امن نہ رہا اور مسلمانوں کی جانیں عیسائی حکمرانوں کے ہاتھوں محفوظ نہ رہیں تو کتنے مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا اور کتنے مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنا دیا گیا، اذان، نماز با جماعت اور دیگر اسلامی شعائر اسی وقت قائم کیے جا سکتے ہیں جب ملک میں مسلمانوں کو امن حاصل ہو، بھارت میں کتنے مسلمانوں کو شدھی کر دیا گیا، وہاں گائے کی قربانی نہیں کی جا سکتی، مسلمان بچوں کو ہندی اسکولوں میں بندے ماترم کا ترانہ پڑھنا پڑتا ہے، مسلمانوں کی مساجد محفوظ نہیں ہیں، بابری مسجد کو ہندوؤں کا شہید کر دینا ابھی دور کا سانحہ نہیں ہے، اس لیے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں امن قائم ہو، صحت بھی بہت بڑی نعمت ہے لیکن صحت کے حصول کے لیے ہسپتالوں اور ڈاکٹروں تک پہنچنا بھی تب ہی ممکن ہے جب ملک میں امن ہو، ہمارے شہر کراچی میں لسانی ہنگاموں اور اس کے نتیجہ میں مسلسل کئی کئی دن تک پہیہ جام ہڑتالوں کے نتیجہ میں ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ لوگ جاں بلب مریضوں کو فوراً ہسپتال نہ پہنچا سکے، کتنی اموات کو بروقت دفنایا نہ جا سکا، کتنے لوگوں کو سامان خورد و نوش کی ضرورت تھی اور ہڑتالوں کی وجہ سے وہ کھانے پینے کا سامان نہ خرید سکے، کئی لوگ روز مرہ دہاڑی پر کام کرتے ہیں اور وہی ان کی روزانہ خوراک کا ذریعہ ہے، کئی پردیسی لوگ بے گھر ہیں وہ صرف ہوٹلوں سے کھانا کھاتے ہیں، ہوٹل بند ہو جانے سے اور روزی نہ ملنے سے یہ تمام لوگ مصائب کا شکار ہوئے اور یہ سب ہڑتالوں کا نتیجہ ہے، پھر لسانی اور فرقہ وارانہ فسادات میں کتنے بچے یتیم ہو جاتے ہیں، بعض گھروں میں ایک ہی شخص سب کا کفیل ہوتا ہے وہ فسادات میں مارا جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں پورا گھر مصائب کا شکار ہو جاتا ہے، غرض بدامنی سے دین کا بھی نقصان ہوتا ہے اور دنیا کا بھی ہوتا ہے، ہنگاموں میں لوگ ڈاکخانے اور بینک جلا دیتے ہیں، گاڑیاں جلا دیتے ہیں، ٹریفک سگنل توڑ دیتے ہیں یہ کس کا نقصان ہے، یہ ہمارا ہی نقصان ہے لیکن صدمہ یہ ہے کہ ہم میں اجتماعی سوچ نہیں رہی! غرض یہ کہ امن نہ ہونے سے دین اور دنیا دونوں خطرے میں ہیں۔ دین اور دنیا میں کامیابی اسی وقت حاصل ہو گی جب مسلمانوں کے ملک میں امن اور امان قائم ہو یہی وجہ

ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کی جان اور ان کا ایمان خطرہ میں ہو وہاں کے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے اور اسی سبب سے حضرت ابراھیم علیہ السلام نے سات دعائیں کیں ہر دعا اپنی جگہ اہم ہے لیکن انہوں نے ملک میں سلامتی اور امن کے حصول کو سب پر مقدم کیا اور فرمایا: اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنادے!

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چاند دیکھ کر دعا کی تو امن اور سلامتی کا ذکر ایمان اور اسلام سے پہلے کیا۔ طلحہ بن عبید اللہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند دیکھ کر دعا کی:

اللھم اھلہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ والاسلام ربی وربک اللہ۔ اے اللہ ہمیں اس چاند میں امن اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ رکھ۔ میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔

(عمل الیوم واللیلہ لابن سنی رقم الحدیث: ۶۴۳، المستدرک ج ۴ ص ۲۸۵، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۶۸۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۱، مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۲ قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۹۷، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۳۵، امام ترمذی، امام احمد اور امام بغوی کی روایت میں امن کی جگہ یمن کا لفظ ہے۔)

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی بقیہ دعاؤں کی تشریح

(۲) حضرت ابراھیم علیہ السلام نے دوسری دعا یہ مانگی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے بیٹوں کو توحید پر قائم رکھے اور بت پرستی سے محفوظ رکھے۔

(۳) حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تیسری دعا اپنی امت کے گناہ گاروں اور گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے لیے تھی، آپ نے ان کے لیے مغفرت طلب کی اور یہ گناہ گاروں کے لیے شفاعت ہے۔

(۴) حضرت ابراھیم علیہ السلام کی چوتھی دعا اپنے اور اپنی اولاد کے لیے آسانی اور سہولت اور دین و دنیا کی بہتری اور خیر کے حصول کے لیے تھی کیونکہ انہوں نے کہا: اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ وادی میں یعنی تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک ٹھہرادیا ہے۔ اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں، تو کچھ لوگوں کو ایسا کردے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ وہ شکرادا کریں، اور بے آب و گیاہ کہنے میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ اس زمین کو سرسبز و شاداب کردے۔

(۵) پانچویں دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی اولاد کو حوادث اور مصائب سے محفوظ رکھے، کیونکہ تیرے بتائے بغیر ہمیں مستقبل میں پیش آنے والی آفتوں کا اور غیب کی باتوں کا علم نہیں ہے، اس لیے انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! بے شک تو ان باتوں کو جانتا ہے جن کو ہم چھپاتے ہیں اور جن کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں۔

(۶) چھٹی دعا یہ تھی کہ اے اللہ! ہماری ان دعاؤں کو قبول فرما، اس میں یہ تعلیم ہے کہ بندہ اپنی دعائیں کرنے کے بعد آخر میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ اللہ ان سب دعاؤں کو قبول فرمائے۔

نبی معصوم کی دعاء مغفرت کے محامل

(۷) حضرت ابراھیم علیہ السلام نے مغفرت کی دعا کی حالانکہ وہ معصوم ہیں، اور انبیاء علیہم السلام جب اپنے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں تو اس سے مراد ترقی درجات ہوتی ہے، یا انبیاء علیہم السلام مغفرت کی دعا کرکے اپنی تواضع اور

انکساری کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے کوئی مستغنی نہیں ہے اور جب انبیاء علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ سے استغفار کر رہے ہیں تو عام لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے کی کتنی احتیاج ہے اور رہا یہ استغفار اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا پورا شکر ادا نہیں کر سکے کیونکہ اس کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور ان کا شکر متناہی ہے اور وہ اس کی عبادت کا حق نہیں ادا کر سکے۔ اور رہا یہ استغفار اس وجہ سے ہے کہ امت کی تعلیم اور تشریع کے لیے انہوں نے جو بہ ظاہر مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ کام کیے اس پر اللہ سے استغفار کرتے ہیں حالانکہ وہ کام ان کے حق میں فرض کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ امت کو تعلیم دینا اور کسی مکروہ کام کا جواز بیان کرنا فرائض نبوت سے ہے اور رہا استغفار کی وجہ یہ ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک خطاء کے حکم میں ہوتی ہیں اور رہا ان کا استغفار اجتہادی خطا پر ہوتا ہے ہرچند کہ وہ اجتہادی خطاء پر قائم نہیں رہتے اور ان کو اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔

(۸) حضرت ابراھیم علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے دعا کی پھر اپنے والدین اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کی اور اس میں ہم کو دعا کا طریقہ بتایا ہے کہ سب سے پہلے اپنے لیے دعا کرنی چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو کہ میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا محتاج ہوں، اور اگر وہ صرف دوسروں کے لیے دعا کرے اور اپنے لیے دعا نہ کرے تو اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو دعا سے مستغنی سمجھتا ہے اور اگر وہ دوسروں کے بعد اپنے لیے دعا کرے تو اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ وہ دوسروں کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ سے دعا کا کم محتاج ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے والدین کے مومن ہونے پر دلائل

(۹) حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے جو دعا کی ہے اس کی تفسیر میں امام فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے ماں باپ کافر تھے اور کافروں کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہے سو اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ جس وقت حضرت ابراھیم علیہ السلام نے یہ دعا کی اس وقت ان کو یہ علم نہیں تھا کہ کافروں کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ والدین سے ان کی مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہما السلام ہیں، تیسرا جواب یہ ہے کہ ان کی دعا سے مراد تھی بہ شرط اسلام اور بعض مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ ان کی والدہ مومنہ تھیں صرف باپ کافر تھے اسی وجہ سے قرآن مجید میں خصوصیت سے باپ کے متعلق یہ آیتیں ہیں:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ (التوبہ: ۱۱۳-۱۱۴)	ایمان والوں اور نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں، خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں، جب ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہو کہ وہ دوزخی ہیں ○ اور ابراھیم نے اپنے (عرفی) باپ کے لیے جو استغفار کیا تھا وہ صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے، جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے، بے شک ابراھیم بہت نرم دل اور بہت حلم والے تھے ○

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۹۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی بہت بڑے عالم ہیں، ہم ان کے شاگردوں کے علوم کو بھی نہیں پہنچتے اور علمی اعتبار سے ہم ان کی گرد راہ بھی نہیں ہیں، ہم نے اپنی تفسیر میں ان کی تحقیقات اور نکات آفرینی سے بہت استفادہ کیا ہے، ہمارے دل میں ان کی بہت زیادہ توقیر اور تکریم ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و تکریم اس سے کہیں زیادہ ہے، انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و توقیر ہمارے ایمان کا جزو ہے، ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کافر تھے، سورہ التوبہ کی یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آزر کے متعلق ہے اور اس آیت میں باپ کا اطلاق چچا پر ہے اور عرب میں یہ معروف ہے، ہم یہ نہیں مانتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ علم نہیں تھا کہ مشرکین کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہے، اور سورہ توبہ کی اس آیت سے بہرحال آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ مشرکین کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہے اور سورہ ابراہیم: ۴۱، کی اس آیت میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے یہ بہت بعد کا واقعہ ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے، اس دعا سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ○ (ابراہیم: ۳۹)

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے بے شک میرا رب ضرور دعا سننے والا ہے ○

اور اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم: ۴۱)

اے ہمارے رب میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور سب مومنوں کی جس دن حساب ہو گا ○

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزر کی زندگی میں اس کے ایمان لانے کی امید تھی اس وجہ سے وہ اس کے لیے استغفار کرتے تھے، جب آزر مر گیا تو انہوں نے اس کے لیے استغفار نہیں کیا اور اس سے بے زار ہو گئے وہ مر گیا اور ایمان نہیں لایا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۰۶۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

آزر نے ۲۰۵ سال کی عمر پائی اور اس کی وفات شام کے مشہور و قدیم شہر حران میں ہوئی۔

(عہد نامہ قدیم، التکوین باب: ۱۱ آیت: ۳۲، دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۱ ص ۱۱۵)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

ہشام بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی طرف ہجرت کی، وہاں سارہ نے اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کے لیے ہبہ کر دیا، حضرت ابراہیم نے ان سے نکاح کر لیا وہ ان کے ساتھ گئیں اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سینتیس سال تھی، وہ ان کے ساتھ حران گئے اور ایک طویل عرصہ تک وہاں رہے، پھر وہاں سے اردن چلے گئے اور وہاں بھی ایک طویل عرصہ تک رہے، پھر مصر چلے گئے اور وہاں بھی ایک طویل عرصہ تک رہے پھر شام لوٹ آئے اور وہاں ایلیا اور فلسطین کے درمیان السبع کے علاقہ میں رہے، وہاں ایک کنواں کھودا اور مسجد بنائی، وہاں کچھ لوگوں نے آپ کو ستایا تو آپ فلسطین اور ایلیا کے درمیان ایک مقام پر چلے گئے، وہاں بھی کنواں کھودا اور اقامت کی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت مال اور بہت غلام عطا کیے تھے، آپ وہ پہلے شخص ہیں جس نے مہمان نوازی کی اور پہلے

شخص ہیں جس نے ثرید (سالن میں روٹی کے ٹکڑے) بنایا اور پہلے شخص ہیں جس نے سفید بال دیکھے۔
(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۰-۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن سعد، محمد بن عمر اسلمی سے روایت کرتے ہیں جب حضرت ابراھیم علیہ السلام کی عمر نوے سال ہو گئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس کے تیس سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، اس وقت حضرت ابراھیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱-۴۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابراھیم علیہ السلام سارہ کے ساتھ ایک جابر بادشاہ کے ملک میں پہنچے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے وہ مصر کا بادشاہ تھا اور اس کا نام عمرو بن امرء القیس بن سبا تھا۔ فتح الباری ج ۶ ص ۳۹۲) اس بادشاہ کو یہ بتایا گیا کہ اس کے ملک میں ایک شخص بہت حسین عورت کے ساتھ داخل ہوا ہے، اس نے حضرت ابراھیم کو بلوایا، اور پوچھا یہ عورت کون ہے، حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا یہ میری بہن ہے، پھر آپ سارہ کے پاس گئے اور کہا اے سارہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی اور مومن نہیں ہے اور اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے کہا یہ میری بہن ہے تم میری تکذیب نہ کرنا (یعنی تم میری دینی بہن ہو، حضرت ابراھیم علیہ السلام نے یہ توریہ اس لیے کیا تھا کہ جب اس ظالم بادشاہ کو پتا چلتا کہ کوئی حسین عورت کسی کی بیوی ہے تو وہ اس کو قتل کرا دیتا تھا۔ فتح الباری ج ۶ ص ۳۹۳-۳۹۲) اس ظالم بادشاہ نے سارہ کو بلوایا اور ان کو اپنے ہاتھ سے پکڑنے لگا، تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا، اس نے کہا تم اللہ سے میرے لیے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا، جب حضرت سارہ نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا، اس نے دوبارہ حضرت سارہ کو پکڑا تو دوبارہ اس کا ہاتھ اسی طرح شل ہو گیا یا پہلے سے بھی زیادہ، اس نے کہا تم اللہ سے میرے لیے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا، حضرت سارہ نے دعا کی تو پھر اس کو چھوڑ دیا گیا، پھر اس نے اپنے بعض کارندوں کو بلایا، اور کہا تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے ہو بلکہ ایک جنیہ کو لائے ہو، پھر اس نے حضرت سارہ کی خدمت کے لیے ہاجر ان کو دی (حضرت ہاجر کے والد قبطیوں کے بادشاہوں میں سے تھے اور وہ مصر کے ایک شہر حفن کی رہنے والی تھیں، خلاصہ یہ کہ وہ شہزادی تھیں۔ فتح الباری ج ۶ ص ۳۹۴) حضرت سارہ، حضرت ابراھیم کے پاس پہنچیں وہ اس وقت کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے ہاتھ کے اشارہ سے پوچھا کیا ہوا؟ حضرت سارہ نے کہا اللہ نے کافر کے مکر کو رد کر دیا اور خدمت کے لیے ہاجر دے دی، حضرت ابو ہریرہ نے کہا یہی (حضرت ہاجر) تمہاری ماں ہیں اے زمزم کے بیٹو!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۲۳۰، عالم الکتب)

ہم اس سے پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ آذر شام کے قدیم شہر حران میں مر گیا تھا اور حضرت ابراھیم ایک طویل عرصہ حران میں رہنے کے بعد اردن گئے، اور اردن میں ایک طویل عرصہ رہنے کے بعد حضرت سارہ کے ساتھ مصر گئے اور مصر میں حضرت سارہ کو حضرت ہاجر دی گئیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی اس حدیث اور اس کی شرح فتح الباری کے حوالے سے ہم بیان کر چکے ہیں اور امام ابن سعد نے بھی یہ روایت کیا ہے کہ حضرت ہاجر قبطیہ تھیں اور مصر کے ایک شہر کی رہنے والی تھیں، وہ مصر کے ایک ظالم اور سرکش فرعون کے پاس تھیں جس نے حضرت سارہ کی عزت پر ہاتھ ڈالنا چاہا تھا۔ اللہ نے اس کو نامراد کیا پھر اس نے حضرت ہاجر کو بلایا اور حضرت سارہ کو بخش دیا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور حضرت ہاجر کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس کے تیس سال بعد حضرت اسحاق پیدا ہوئے

اس وقت حضرت ابراھیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کے پیدا ہونے کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام نے یہ دعا کی: اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے، بے شک میرا رب ضرور دعا سننے والا ہےO اے میرے رب! مجھے (ہمیشہ) نماز قائم کرنے والا رکھ، اور میری اولاد کو بھی، اے ہمارے رب! اور میری دعا قبول فرما!O اے ہمارے رب! میری مغفرت فرما! اور میرے والدین کی اور سب مومنوں کی جس دن حساب ہو گاO (ابراھیم: ۴۱-۳۹)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ آزر کے مرنے اور حضرت ابراھیم کے اس سے بیزار ہونے کے بہت عرصہ گزرنے کے بعد اور کم و بیش پچاس سال گزرنے کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے اور کافروں کے لیے دعا کرنے سے خصوصاً آزر کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے آپ کو منع کر دیا گیا تھا اور آپ نے اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ آپ کے والدین مومن تھے اور آزر آپ کا باپ نہ تھا کیونکہ وہ تو بہت سال پہلے مر چکا تھا اور آپ اس سے بیزار ہو چکے تھے، تو جن والدین کے لیے مغفرت کی یہ دعا کی ہے وہ مومن تھے۔

اللہ کا بے پایاں شکر ہے کہ اس نے مجھے اس ترتیب سے باحوالہ حضرت ابراھیم کے والدین کے ایمان کو ثابت اور بیان کرنے کی توفیق عطا کی۔ الانعام: ۷۴ میں بھی میں نے انبیاء علیہم السلام کے والدین کریمین کے ایمان کو تفصیل سے لکھا ہے لیکن ابراھیم: ۴۱ کی یہ تقریر تفصیل اور تحقیق کے اعتبار سے منفرد ہے اور شاید کہ قارئین کو یہ تقریر اور کسی کتاب میں نہیں ملے گی۔

نماز میں دعا مانگنے کے آداب

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے جو دعا کی ہے کہ مجھے اور میری اولاد کو ہمیشہ نماز پڑھنے والا بنا اور اے میرے رب! قیامت کے دن میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام مومنین کی، اکثر اور بیشتر مسلمان اپنی نمازوں میں یہی دعا کرتے ہیں۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ حصکفی نے کہا ہے کہ نماز میں اپنے لیے، اپنے ماں باپ کے لیے، اپنے استاذ کے لیے اور مومنین کے لیے دعا کرے، (علامہ شامی فرماتے ہیں) مومنین کی قید سے کفار سے احتراز کر لیا کیونکہ کافروں کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا، ہاں اگر وہ زندہ ہوں تو ان کے لیے ہدایت اور توفیق کی دعا کرے اور دعا میں مومنین کے ساتھ مومنات کا بھی اضافہ کر دے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد: ۱۹)

اپنے ذنب (بظاہر خلاف اولیٰ کاموں) اور مومنین اور مومنات کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔

اور حدیث میں ہے جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں مومنین اور مومنات کے لیے دعا نہیں کی اس کی نماز ناقص ہے۔ (معرفۃ التذکرۃ فی الاحادیث الموضوعۃ رقم الحدیث: ۱۰۶۸ اس کی سند میں عمرو بن محمد بن الاعشم کذاب ہے) اور ایک اور حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو بندہ کی سب سے زیادہ محبوب دعا یہ ہے کہ وہ کہے کہ اے اللہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت پر بالعموم رحمت فرما۔ (الکامل لابن عدی ج ۵

ص ۵۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، تذکرۃ الموضوعات لابن قیسرانی رقم الحدیث: ۶۹۱، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۹۵۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۲۴، الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۳۵۰، امام ابن عدی نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔) اور ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے سنا اے اللہ میری مغفرت فرما تو آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے اگر تم عام لوگوں کے لیے دعا کرتے تو تمہاری دعا قبول ہوتی، ایک اور حدیث میں ہے ایک شخص نے دعا کی اے اللہ میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما تو آپ نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا اپنی دعا میں تعمیم کرو، کیونکہ خاص اور عام دعا میں اتنا فرق ہے جتنا آسمان اور زمین میں فرق ہے، اور البحر الرائق میں الحاوی القدسی سے منقول ہے کہ نماز کے قعدہ اخیرہ کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ اپنے لیے اپنے والدین کے لیے اپنے اساتذہ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دین اور دنیا کی بھلائی کی دعا کرے اور یوں کہے اللھم اغفرلی ولوالدی واستاذی وجمیع المومنین۔ ہر چند کہ استاذی کا لفظ قرآن مجید میں نہیں ہے، لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اور کسی محال چیز کی دعا نہ کرے مثلاً یہ دعا کرے کہ مجھے جنت میں انبیاء علیہم السلام کا مقام ملے یا یہ دعا کرے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں کبھی بھی کسی قسم کا ضرر لاحق نہ ہو کیونکہ یہ محال عادی ہے انسان کو کچھ نہ کچھ ضرر ضرور لاحق ہوگا، اور نہ دعا میں حد سے تجاوز کرے، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو دعا کرتے ہوئے سنا اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جب میں جنت میں داخل ہوں تو مجھے اس کی دائیں جانب سفید رنگ کا محل عطا فرمانا، تو حضرت عبداللہ بن مغفل نے کہا اے بیٹے! اللہ سے (بس) جنت کا سوال کرو اور دوزخ سے پناہ مانگو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو دعا میں اور وضو میں حد سے تجاوز کریں گے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۶۳، مسند احمد ج ۴ ص ۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۸۸)

دعاء حرام

علامہ حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے لکھا ہے کہ نمازی یہ دعا کرے کہ میں تمام عمر عافیت سے رہوں یا مجھے دین اور دنیا کی تمام بھلائیاں حاصل ہوں اور تمام برائیاں مجھ سے دور ہوں یا محال عادی کا سوال کرے مثلاً مجھ پر دستر خوان نازل ہو، یا محال شرعی کا سوال کرے مثلاً کافر کی مغفرت کا سوال کرے تو یہ تمام دعائیں حرام ہیں۔ (علامہ شامی فرماتے ہیں) کیونکہ جو شخص کافر کی مغفرت طلب کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خبر کی تکذیب طلب کرتا ہے، اور اگر یہ دعا کرے کہ اللہ تمام مومنوں کے تمام گناہوں کو معاف کر دے تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ اس دعا میں ان احادیث صحیحہ کی تکذیب ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ بعض مومنوں کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ ان کو شفاعت سے یا محض اپنے فضل سے دوزخ سے نکال لے گا، لیکن کافر کی مغفرت کی دعا کرنا کفر ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تکذیب ہے اور ثانی الذکر دعا کفر نہیں ہے کیونکہ اس میں اخبار آحاد کی تکذیب ہے۔

تمام مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کرنا آیا خلف وعید کو مستلزم ہے؟

تمام مسلمانوں کے تمام گناہوں کی مغفرت کا معاملہ ایک مشہور مسئلہ پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ آیا خلف وعید جائز ہے یا نہیں؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے جن گناہ گاروں کو عذاب دینے کی وعید سنائی ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف کر سکتا ہے یا نہیں، اشاعرہ کہتے ہیں کہ خلف وعید جائز ہے کیونکہ سزا کی وعید سنا کر سزا نہ دینا جود اور کرم سے شمار کیا جاتا ہے اور علامہ تفتازانی نے تصریح کی ہے اور اسی طرح علامہ نسفی نے تصریح کی ہے کہ خلف وعید محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ۝ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ (ق: ۲۹-۲۸)

اللہ ارشاد فرمائے گا میرے سامنے جھگڑا نہ کرو میں تمہارے پاس پہلے ہی عذاب کی وعید بھیج چکا ہوں○ اور میری بات تبدیل نہیں ہوتی۔

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (الحج: ۴۷)

اور اللہ اپنی وعید کے ہرگز خلاف نہیں کرے گا۔

حق کے قریب تر یہ ہے کہ مسلمانوں کے حق میں خلف وعید جائز ہے اور کفار کے حق میں محال ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۱۱۶)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ کافر اور مشرک کی تو بہر حال بخشش نہیں ہو گی اور مسلمان گناہ گاروں میں سے اللہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور اسی طرح سورت ابراھیم: ۴۱ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام نے تمام مسلمانوں کی مغفرت کے لیے دعا کی ہے اور سورت محمد: ۱۹ میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے یہ دعا کی اے اللہ! عائشہ کے اگلے اور پچھلے اور ظاہر اور خفی ذنب کو معاف فرما دے اور فرمایا میں یہی دعا ہر نماز میں اپنی امت کے لیے بھی کرتا ہوں (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۱۱، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۵۸، المستدرک ج ۴ ص ۴، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۳) اور یہ دعا ان نصوص کے خلاف نہیں ہے جن میں مذکور ہے کہ بعض گناہ گار مسلمان دوزخ میں داخل ہوں گے، کیونکہ مقصود یہ ہے کہ تمام گناہ گار مسلمانوں کے تمام گناہوں کی مغفرت جائز اور ممکن ہے، نہ اس پر جزم اور یقین کرنا کہ یہ مغفرت تمام مسلمانوں کو حاصل ہو گئی ہے اور اس دعا کا جواز اس کے وقوع کے جواز اور امکان پر موقوف ہے نہ کہ اس کے وقوع کے جزم اور یقین پر۔

علامہ ابی اور نووی نے یہ کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ بعض گناہ گار مسلمانوں میں وعید ضرور نافذ ہو گی اور جب کوئی شخص یہ دعا کرے گا کہ اے اللہ تمام مسلمانوں کی مغفرت کر دے تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی یہ دعا کرے کہ اے اللہ! ہم پر نماز اور روزہ واجب نہ کر یا جیسے کوئی مردہ کافر کے لیے مغفرت کی دعا کرے، البتہ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنے میں اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے شفقت کا اظہار ہے اور جب یہ دعا کرے گا کہ اے اللہ ہم پر نماز اور روزہ فرض نہ کر تو اس دعا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے گریز اور بیزاری کا اظہار ہے، لہٰذا وہ اس دعا سے گناہ گار ہو گا لیکن کافر نہیں ہو گا اور جب مردہ کافروں کے لیے مغفرت کی دعا کرے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے محبت کا اظہار ہے اور قرآن مجید کی نصوص صریحہ کا انکار ہے، اس لیے یہ کفر ہے اور تمام مومنوں کے لیے دعا کرنا اس طرح نہیں ہے۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۳۵۱-۳۵۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ، ردالمحتار ج ۲ ص ۲۱۰-۲۰۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۗ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ

اور ظالم جو کچھ کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا، وہ انہیں اس دن تک کے لیے ڈھیل دے رہا

تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ

ہے جس دن (دہشت سے) سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی ○ لوگ سر اٹھائے ہوئے بے تحاشا دوڑ رہے ہوں گے درآں حالیکہ

طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴿٤٣﴾ وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ

ان کی پلک تک نہ جھپک رہی ہوگی اور ان کے دل ہوا ہو رہے ہوں گے ○ آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جب ان پر عذاب آئے گا

فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُجِبْ دَعْوَتَكَ

تو ظالم لوگ کہیں گے: اے ہمارے رب ہمیں کچھ مدت کی مہلت دے دے، ہم تیرے پیغام کو قبول کریں گے

وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ﴿٤٤﴾

اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں گے (تو ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے اس سے پہلے یہ قسمیں نہیں کھائیں تھیں کہ تم پر بالکل زوال نہیں آئے گا

وَسَكَنْتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ

اور تم ان لوگوں کے گھروں میں رہتے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تم پر خوب ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے

فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ

ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا تھا اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں ○ اور انہوں نے گہری سازشیں کیں، اور اللہ کے

مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ

پاس ان کی سازشیں لکھی ہوئی ہیں، اور ان کی سازشیں ایسی (خطرناک) ہیں کہ ان سے پہاڑ بھی (اپنی جگہ سے) ہل جائیں ○ تو تم ہرگز

اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ

یہ گمان نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدہ کے خلاف کرنے والا ہے، بے شک اللہ بہت غالب، انتقام لینے والا ○

تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ ۖ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ

جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی، اور سب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے جو واحد ہے

الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾

اور غالب بھی ○ اور آپ اس دن مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھیں گے ○

سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ

وہ (آگ بھڑکانے والے) روغن کی قمیصیں پہنے ہوئے ہوں گے اور ان کے چہروں سے آگ لپٹ رہی ہوگی ○ تاکہ اللہ ہر شخص کو اس

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا

کے کاموں کا بدلہ دے، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ○ یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لیے پیغام ہے تاکہ انہیں

بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾ ع ۱۱ ۱۹

اس کے ساتھ ڈرایا جائے اور تاکہ وہ یہ جان لیں کہ صرف وہ ایک ہی مستحق عبادت ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ظالم جو کچھ کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا وہ انہیں اس دن تک کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس دن (دہشت سے) سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی ○ لوگ سر اٹھائے ہوئے بے تحاشا دوڑ رہے ہوں گے درآنحالیکہ ان کی پلک تک نہ جھپک رہی ہوگی اور ان کے دل ہوا ہو رہے ہوں گے ○

(ابراهیم: ۴۳-۴۲)

مشکل الفاظ کے معانی

تشخص: یہ لفظ شخوص سے بنا ہے کسی کو لگاتار ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا اس کا معنی ہے آنکھوں کو کھلا رکھنا۔

مھطعین: یہ مھطع کی جمع ہے، اس کا معنی ہے سر جھکائے تیزی سے دوڑنے والے، اور عاجزی اور ذلت کی وجہ سے نظر نہ اٹھانے والے۔

مقنعی رء وسھم: اپنے سروں کو آسمان کی طرف بلند کر کے دیکھنے والے، قنع کا معنی ہے عاجزی دکھانا اقنع راسہ کا معنی ہے اپنے سر کو بلند کرنا۔

وقوع قیامت پر عقلی دلیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان کیے پھر یہ بتایا کہ حضرت ابراهیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد کو شرک سے محفوظ رکھے اور ان کو دنیا میں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں ان کی، ان کے والدین کی اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے اور چونکہ طلب مغفرت کے ضمن میں یہ مطلوب آگیا تھا کہ قیامت قائم ہوگی اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت پر دلیل قائم فرمائی: اور ظالم جو کچھ کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا، اس سے مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مظلوم سے ظالم کا انتقام نہ لے تو لازم آئے گا یا تو اللہ تعالیٰ ظالم کے ظلم سے لاعلم اور غافل ہے، اور یا اس سے انتقام لینے سے عاجز ہے اور یا اس کے ظلم پر راضی ہے اور جب کہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ پر محال ہیں تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن تمام انسان، یہ جہان اور اس کی تمام چیزیں فنا کر دی جائیں گی اور ان تمام چیزوں کا فنا ہو جانا ہی قیامت ہے اس کے بعد حشر اور روز حساب قائم ہوگا اور ظالم کو اس کے ظلم پر سزا دی جائے گی اور مظلوم کو اس کی مظلومیت پر جزا دی جائے گی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ظالم کو اس کے ظلم پر سزا دینے کے لیے تمام جہان کو فنا کرنا کیوں ضروری ہے ظالم اور مظلوم

کو ان کے مرنے کے فوراً بعد جزا اور سزا کا سلسلہ کیوں نہیں شروع کر دیا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک یہ جہان قائم رہے گا انسان کی نیکیوں اور برائیوں کا سلسلہ جاری رہے گا مثلاً کسی انسان نے ایک مسجد بنوادی تو جب تک اس مسجد میں نماز پڑھی جاتی رہے گی اس کی نیکیوں کا سلسلہ جاری رہے گا خواہ وہ وفات پا چکا ہو اور اسی طرح جس آدمی نے کنواں بنوا دیا۔ تو جب تک اس کنوئیں سے پانی پیا جاتا رہے گا اس کی نیکیوں کا سلسلہ جاری رہے گا علی ھذا القیاس اس نے تفسیر قرآن اور شرح حدیث کی کوئی کتاب لکھ دی تو یونہی معاملہ ہوگا اور اگر کسی شخص نے کوئی قحبہ خانہ، جوئے خانہ یا شراب خانہ بنایا تو جب تک برائی کے یہ اڈے قائم رہیں گے اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھے جاتے رہیں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے عذاب کا کچھ حصہ پہلے ابن آدم پر بھی ہوگا کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۸۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱۶)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دن کے ابتدائی حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے قبیلہ مضر کے کچھ لوگ آئے جن کے پیر ننگے، بدن ننگے گلے میں پوستین یا عبائیں پہنے ہوئے تھے، ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا آپ اندر گئے، پھر باہر آئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا، حضرت بلال نے اذان دی پھر اقامت کہی، آپ نے نماز پڑھائی خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا یہ پوری آیت پڑھی (النساء:۱) اور یہ آیت پڑھی کہ انسان کو غور و فکر کرنا چاہیے کہ وہ کل قیامت کے لیے کیا بھیج رہا ہے (الحشر:۱۸) لوگ درہم، دینار، اپنے کپڑے، گندم اور جو وغیرہ صدقہ کریں، خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو، انصار میں سے ایک شخص بڑی بھاری تھیلی اٹھا کر لایا جس کے بوجھ سے اس کا ہاتھ تھک گیا تھا، پھر لانے والوں کا تانتا بندھ گیا حتیٰ کہ میں نے کھانے کی چیزوں اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے یوں تمتما رہا تھا جیسے وہ سونے کا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کرے (یا کسی نیکی کی ایجاد کرے) اس کو اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں عمل کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی، اور جس نے اسلام میں کسی برے عمل کی ابتداء کی (یا کوئی برائی ایجاد کی) اسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد میں عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا اور ان عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳)

نیکی ایجاد کرنے والے کو بعد کے نیکی کرنے والوں کا اجر اس لیے ملے گا کہ ان کی نیکیوں کا وہ سبب ہے اسی طرح برائی ایجاد کرنے والے کو بعد کے برے کام کرنے والوں کی سزا اس لیے ملے گی کہ ان کی برائیوں کا وہ سبب ہے۔

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ جب تک تمام انسان اور یہ دنیا ختم نہیں ہو جاتی اس وقت تک انسانوں کے اعمال کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا، نیک لوگوں کا نہ بد لوگوں کا اس لیے جزاء اور سزا کا نظام قائم کرنے کے لیے قیامت کا ہونا ضروری ہے۔

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو ظالموں سے غافل سمجھتے تھے؟

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ظالم جو کچھ کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا۔ اس سے بہ ظاہر یہ معلوم

ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے کاموں سے بے خبر سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تم اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے کاموں سے بے خبر نہ سمجھنا اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح آپ پہلے اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے ظلم سے بے خبر نہیں جانتے تھے آپ اسی پر ثابت قدم رہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. اور تم شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا۔

(الانعام: ۱۴)

یعنی جس طرح آپ پہلے شرک کی نفی کرتے تھے اسی نفی پر قائم رہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

(النساء: ۱۳۶)

یعنی اللہ اور رسول کے ایمان لانے پر ثابت قدم رہو۔

(۲) آپ یہ گمان نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے چشم پوشی کر کے ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جیسے کوئی غافل شخص کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر نگراں اور سخت محاسب ہے وہ ان سے ذرہ ذرہ کا حساب لے گا۔

(۳) اس آیت میں اگرچہ بہ ظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے لیکن حقیقت میں آپ کی امت سے خطاب ہے، یعنی اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کو ظالموں سے غافل گمان نہ کرنا۔

(۴) سفیان بن عیینہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مظلوموں کو تسلی دی ہے اور ظالموں کو ڈرایا اور دھمکایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کی سزا کو قیامت کے دن تک کے لیے موخر کر دیا ہے، پھر یہ بتایا ہے کہ اس دن کے ہولناکیوں سے لوگوں کا کیا حال اور کیا کیفیت ہوگی، اس دن دہشت سے سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی، لوگ سر اٹھائے ہوئے بے تحاشا دوڑ رہے ہوں گے در آنحالیکہ ان کی پلک تک نہ جھپک رہی ہوگی، اور ان کے دل ہوا ہو رہے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرایئے جب ان پر عذاب آئے گا تو ظالم لوگ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں کچھ مدت کی مہلت دے دے، ہم تیرے پیغام کو قبول کریں گے اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں گے (تو ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے اس سے پہلے یہ قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تم پر بالکل زوال نہیں آئے گا○ اور تم ان لوگوں کے گھروں میں رہتے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تم پر خوب ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا تھا اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں○ (ابراھیم: ۴۵-۴۴)

قیامت کے دن کفار کا کف افسوس ملنا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب قیامت کے دن کفار عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ دوبارہ ہمیں دنیا میں بھیج دے تو ہم تیرے پیغام کو قبول کریں گے اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں گے، اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○ (الانعام: ۲۷)

اور اگر آپ دیکھتے جب انہیں دوزخ کی آگ پر ٹھہرایا جائے گا تو وہ کہیں گے کاش ہمیں (دنیا میں) لوٹا دیا جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہیں کریں گے اور ہم ایمان

والوں میں سے ہو جائیں گے○

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ○ (الم السجدہ: ۱۲)

اور اگر آپ دیکھتے جب مجرم اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا! تو ہمیں (دنیا میں) واپس لوٹا دے تاکہ ہم نیک عمل کریں بیشک ہم یقین کرنے والے ہیں○

اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرماتا ہے کیا تم نے اس سے پہلے یہ قسمیں نہیں کھائیں تھیں کہ تم پر بالکل زوال نہیں آئے گا یعنی کیا اس سے پہلے تم قیامت اور مر کر دوبارہ زندہ کیے جانے اور جزاء اور سزا کے دن کا انکار نہیں کرتے تھے اور تم کو ہمارے رسولوں نے بتا دیا تھا کہ پچھلی امتوں میں سے جس نے ہمارے پیغام کو جھٹلایا اس پر کس قسم کا عذاب آیا تھا اور اس سے پہلے تم قوم ثمود کے گھروں میں تباہی کے آثار دیکھ چکے ہو، تو تم نے ان کے آثار دیکھ کر عبرت کیوں نہیں حاصل کی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے گہری سازشیں کیں، اور اللہ کے پاس ان کی سازشیں لکھی ہوئی ہیں، اور ان کی سازشیں ایسی (خطرناک) ہیں کہ ان سے پہاڑ بھی (اپنی جگہ سے) ہل جائیں○ (ابراھیم: ۴۶)

کافروں کے مکر کی تفسیر میں متعدد اقوال

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ مکروا کی ضمیر کس کی طرف راجع ہے یعنی یہ گہری سازش کرنے والے کون تھے، زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہیں جب انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی تھی اور آپ کے کاشانہ اقدس کا محاصرہ کر لیا تھا جیسے ہی آپ گھر سے باہر نکلیں آپ کو (معاذ اللہ) قتل کر دیا جائے اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ○ (الانفال: ۳۰)

اور یاد کیجئے جب کفار آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں، وہ اپنی سازش میں مصروف تھے اور اللہ خفیہ تدبیر کر رہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے○

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مکروا کی ضمیر حضرت ابراھیم علیہ السلام کے زمانہ کے کفار کی طرف راجع ہے اور اس سازش سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی زمانہ میں ایک جابر بادشاہ تھا جس کا نام نمرود تھا، اس نے آسمان تک پہنچنے کی ایک سازش تیار کی۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اس بادشاہ نے گدھ کے دو بچوں کو پالا جب وہ خوب تیار اور فربہ ہو گئے تو ایک چھوٹی سی چوکی کے ایک پائے سے ایک کو باندھ دیا اور دوسرے پائے سے دوسرے کو باندھ دیا، خود اپنے ایک وزیر کے ساتھ اس چوکی پر بیٹھ گیا، انہیں کئی دن بھوکا رکھا تھا، پھر ایک لکڑی کے سرے پر گوشت باندھ کر اسے اوپر اٹھایا، بھوکے گدھ اس گوشت کو کھانے کے لیے اوپر کو اڑے اور اپنے زور سے چوکی کو بھی لے اڑے، جب وہ اتنی بلندی پر پہنچ گئے کہ انہیں ہر چیز مکھی کی طرح نظر آنے لگی تو اس نے وہ لکڑی جھکا دی، اب گوشت نیچے دکھائی دینے لگا، اس لیے اب ان گدھوں نے اپنے پر سمیٹ کر گوشت کے لیے نیچے اترنا

شروع کردیا اور وہ تخت بھی نیچے ہونے لگا حتیٰ کہ وہ تخت زمین پر پہنچ گیا حضرت علی، ابن کعب اور حضرت عمر سے یہی منقول ہے کہ یہ نمرود کا قصہ ہے جو کنعان کا بادشاہ تھا اس نے اس طرح آسمان پر قبضہ کرنے کی احمقانہ سازش کی تھی، اس کے بعد قبطیوں کے بادشاہ فرعون کو بھی یہی خبط سمایا تھا اس نے بہت بلند مینار تعمیر کرایا تھا لیکن دونوں کا ضعف اور عجز ظاہر ہو گیا اور ذلت اور خواری کے ساتھ وہ دونوں حقیر اور ذلیل ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ضحاک اور قتادہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس مکر اور سازش سے مراد یہ ہے کہ مشرکین مکہ اور کفار نے اللہ تعالیٰ کے شریک گھڑ لیے اور عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کو منسوب کیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ (مریم: ۹۲-۸۸)

اور کافروں نے کہا رحمٰن نے اپنا بیٹا بنالیا ہے ۝ بے شک تم نے یہ بہت سنگین بات کہی ۝ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں، اور زمینیں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور پہاڑ لرزتے ہوئے گر جائیں ۝ کیونکہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹے کا دعویٰ کیا ۝ اور رحمٰن کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اپنے لیے بیٹے بنائے ۝

(جامع البیان جز ۱۳ ص ۳۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو تم ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدہ کے خلاف کرنے والا ہے بے شک اللہ بہت غالب، انتقام لینے والا ہے ۝ (ابراھیم: ۴۷)

رسولوں نے اپنی امتوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ قیامت آئے گی اور سب لوگ مرجائیں گے اور سب چیزیں ختم ہو جائیں گی پھر اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کرے گا اور سب انسانوں سے حساب لے گا مومنوں اور پرہیزگاروں کو جزا دے گا، اور کافروں اور ظالموں کو سزا دے گا اور یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر قیامت قائم نہ ہو اور ظالموں کو سزا اور مظلوموں کو جزا نہ دی جائے تو ظالم بغیر سزا کے اور مظلوم بغیر جزا کے رہ جائیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ اس کی مفصل تفسیر ہم نے اس سورت کی آیت: ۴۲ میں کر دی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی، اور سب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے جو واحد ہے اور غالب بھی ۝ (ابراھیم: ۴۸)

زمین کے تبدیل ہونے کے متعلق صحابہ اور تابعین کے اقوال

اس آیت میں فرمایا ہے کہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے زمین یہی ہوگی صرف اس کی صفات تبدیل کردی جائیں گی اس میں زیادتی یا کمی کر دی جائے گی، اس کے ٹیلے، پہاڑ، وادیاں اور درخت ختم کر دیئے جائیں گے اور اس کو چمڑے کی طرح پھیلا کر ہموار کر دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قیامت کی نشانیوں کے متعلق ایک حدیث روایت کی ہے اس میں مذکور ہے کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے گرا دیا جائے گا اور زمین کو رنگے ہوئے چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۸۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۵۷ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۹۴، المستدرک ج ۴ ص ۴۸۹-۴۸۸، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۵، یہ ضعیف حدیث ہے)

(۲) عمرو بن میمون نے حضرت ابن مسعود سے، اور عطا نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا جو چاندی کی طرح صاف ہوگی اس پر کوئی گناہ نہیں کیا گیا ہوگا۔

(۳) حضرت ابوہریرہ، سعید بن جبیر اور قرظی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس زمین کو سفید روٹی سے بدل دیا جائے گا مومن اپنے قدموں کے نیچے سے اس کو کھائے گا دوسروں نے کہا حساب سے فارغ ہونے تک مسلمان اس کو کھاتے رہیں گے۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۳۷۶-۳۷۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

زمین کے تبدیل ہونے کے متعلق احادیث

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کا حشر اس زمین پر کیا جائے گا جو میدہ کی روٹی کی طرح سفید ہوگی اس میں کسی کے گھر کی کوئی نشانی نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۲۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۹۰)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت تلاوت کی یوم تبدل الارض غیر الارض والسموت جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (ابراھیم: ۴۸) حضرت عائشہ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا پل صراط پر۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۹۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۱، مسند احمد ج ۶ ص ۳۵ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۷۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۸۰، المستدرک ج ۲ ص ۳۵۲)

عمرو بن میمون حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم تبدل الارض غیر الارض کی تفسیر میں فرمایا، وہ سفید زمین ہوگی گویا کہ وہ چاندی ہے اس میں کوئی حرام خون نہیں بہایا گیا اور نہ اس میں کوئی گناہ کیا گیا ہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۷۴۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۳۲۳)

زمین کو تبدیل کرنے کی حکمت اور مختلف اقوال میں تطبیق

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے قیامت کے دن لوگوں کا حشر اس زمین پر کیا جائے گا جو میدہ کی روٹی کی طرح سفید ہوگی اس میں کسی کے گھر کی کوئی نشانی نہیں ہوگی۔ علامہ خطابی نے کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ زمین بالکل ہموار ہوگی، قاضی عیاض نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اس زمین میں کوئی عمارت ہوگی نہ پہاڑیاں اور چٹانیں ہوں گی جس سے زمین پر کوئی علامت مقرر کی جاسکے، علامہ ابو جمرہ نے کہا اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلیل ہے اور قیامت کی جزئیات کی اس لیے خبر دی ہے تاکہ سننے والے کو پہلے سے بصیرت حاصل ہو اور قیامت کی ہولناکیوں کا اس کو پہلے علم ہو جائے اور وہ اپنے آپ کو ان دہشت ناک چیزوں کے لیے تیار کرلے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ تمام امور اچانک پیش آئیں، اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ میدان حشر کی زمین اس موجودہ زمین سے بہت بڑی ہوگی اور زمین کی ان صفات میں یہ حکمت ہے کہ جس زمین میں حساب و کتاب ہوگا وہ زمین ظلم اور گناہوں سے پاک ہو اور اللہ سبحانہ اپنے مومن بندوں پر جو تجلی فرمائے گا وہ ایسی زمین ہو جو اس تجلی کی عظمت کے لائق ہو، کیونکہ اس زمین میں صرف اللہ وحدہ لاشریک کا حکم ہوگا

پس اس کے مناسب یہ ہے کہ وہ زمین بھی خالص اس کے لیے ہو (یعنی اس میں مجازاً بھی کسی اور کا حکم نافذ نہ ہوا ہو) اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی زمین مضمحل ہو جائے گی اور معدوم ہو جائے گی اور اس میں متقدمین کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک زمین کا مادہ اور اس کی ذات تبدیل کر دی جائے گی، صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے یہی ثابت ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک زمین یہی رہے گی اور اس کی صفات تبدیل کر دی جائیں گی جیسا کہ سنن ابن ماجہ، مستدرک اور مسند احمد میں ہے کہ پہاڑوں اور ٹیلوں کو ختم کر کے زمین کو چپٹا کر کے پھیلا دیا جائے گا، ان میں تطبیق دینے کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں جو ہے کہ زمین روٹی کی طرح ہوگی یہ محشر کی زمین کے متعلق ہے اور جس حدیث میں یہ ہے کہ پہاڑ، ٹیلے، وادیاں اور درخت سب کو گرا کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا وہ اسی زمین کے متعلق ہے، قیامت میں اسی زمین پر یہ تمام تغیرات وارد ہوں گے اور محشر میں جو زمین سفید روٹی کی طرح ہوگی جس سے مسلمان کھائیں گے وہ اور زمین ہوگی جو اپنی ذات اور صفات میں اس زمین سے مختلف ہوگی۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۷۶-۳۷۵)

آسمان کو تبدیل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ۔ (المعارج: ۸) — جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ۔ (الرحمٰن: ۳۷) — جس دن آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔

وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ۔ (التکویر: ۱۱) — اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا۔

وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ۔ (المرسلٰت: ۹) — اور جب آسمان چیر دیا جائے گا۔

زمین کو دو بار تبدیل کرنے کی تفصیل اور تطبیق

علامہ قرطبی نے تذکرہ میں صاحب الافصاح سے نقل کیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا تبدیل کرنا دو مرتبہ ہوگا پہلے صور پھونکنے کے وقت صرف ان کی صفات تبدیل ہوں گی پس ستارے منتشر ہو جائیں گے اور سورج اور چاند کو گہن لگ جائے گا اور آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا اور سروں سے کھینچ لیا جائے گا اور پہاڑ چلنے لگیں گے اور زمین میں تموج ہوگا اور سمندر آگ بن جائیں گے پھر ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک زمین پھٹ جائے گی پھر اس کی بنیاد اور ہیئت بدل جائے گی، پھر اس کے بعد صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا اور زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور آسمان کو دوسرے آسمان سے بدل دیا جائے گا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (الزمر: ۶۹-۶۸)

اور جب صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں میں سب بے ہوش جائیں گے۔ مگر جن کو اللہ چاہے گا پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے ○ اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور تمام نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اور زمین کو چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا اور اس کو اسی طرح لوٹا دیا جائے گا جس طرح اس میں قبریں تھیں اور لوگ اس کی پشت پر اور اس کے اندر رہتے، پھر زمین کو دوسری بار تبدیل کیا جائے گا اور یہ اس وقت ہو گا جب لوگ محشر میں ہوں گے، پھر ان کے لیے زمین کو تبدیل کیا جائے گا جس کو الساھرہ کہا جائے گا اس زمین پر ان کا حساب ہو گا اور یہ سفید چاندی کی زمین ہو گی جس پر کوئی خون حرام نہیں بہایا گیا ہو گا اور نہ اس پر کوئی ظلم کیا گیا ہو گا اور اس وقت لوگ پل صراط پر ہوں گے اور وہ پل جہنم کی پشت پر ہو گا اور جب لوگوں کا اس زمین پر حساب لیا جائے گا جس کا نام الساھرہ ہے جنتی پل صراط سے گزر کر جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی جہنم میں گر جائیں گے، اور لوگ نبیوں کے حوضوں پر کھڑے ہوئے پانی پی رہے ہوں گے اور اس وقت زمین کو میدہ کی روٹی کی طرح بنا دیا جائے گا اور وہ اپنے پیروں کے نیچے سے توڑ توڑ کر کھا رہے ہوں گے۔ جنت میں داخل ہونے والے تمام لوگ اس سے کھائیں گے اور جنت میں ان کو سالن ملے گا جو بیل اور مچھلی کی کلیجی سے بنا ہوا ہو گا۔ (التذکرۃ فی امور الآخرۃ ج ۱ ص ۳۰۰۔ ۲۹۹، مطبوعہ دار البخاری، المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۷ھ)

آسمان کی تبدیلی کے متعلق اقوال

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی بار زمین کی صفات کو تبدیل کیا جائے گا اور اس کو چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا اور دوسری بار زمین کے مادے اور اس کی ذات کو بدل دیا جائے گا پہلے وہ مٹی کی تھی اور اب اس کو سفید روٹی بنا دیا جائے گا یہ تو زمین کی تبدیلی تھی اور آسمان کی تبدیلی کے متعلق علامہ قرطبی نے لکھا ہے جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے، یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور ابن الانباری نے یہ کہا ہے کہ آسمان دھواں بن جائے گا اور سمندر آگ بن جائیں گے ایک قول یہ ہے کہ آسمان کو اس طرح لپیٹ دیا جائے گا جس طرح وثیقہ (اسٹامپ پیپر) کو لپیٹ دیا جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ۔ (الانبیاء: ۱۰۴)

جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جس طرح دستاویزات کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی آیات اور احادیث کے اشارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ یہ زمین ہے، اسی جگہ میدان حشر قائم ہو گا لیکن اس زمین کا مادہ اور اس کی ذات اور صفات یہ نہیں ہوں گی پہلے اس زمین کو ہموار کر دیا جائے گا اور دوسرے صور کے وقت یہ زمین میدہ کی روٹی کی بنا دی جائے گی اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ سمندر آگ بن جائے گا اس سے معلوم ہوا کہ یہی سمندر آگ (دوزخ) بن جائے گا مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جنت اور دوزخ تو اب بھی موجود ہیں، اپنی مخلوق اور کائنات کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس دن مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھیں گے ○ (ابراھیم: ۴۹)

مجرموں کے اخروی احوال

الاصفاد: اس کا معنی طوق، زنجیریں اور بیڑیاں ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ہر کافر اپنے شیطان کے ساتھ زنجیر یا طوق میں جکڑا ہوا ہو گا۔ حدیث میں ہے:

اذا كان اول ليلة من شهر رمضان صفدت الشياطين ومردة الجن۔ الحديث

جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو سرکش جنوں اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۸۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۴۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ (آگ بھڑکانے والے) روغن کی قمیصیں پہنے ہوئے ہوں گے اور ان کے چہروں سے آگ لپٹ رہی ہو گی O (ابراھیم: ۵۰)

سرابیل: سربال کی جمع ہے، سربال کا معنی ہے قمیص۔

قطران: تیل کی طرح ایک سیال مادہ ہوتا ہے جو ابہل یا صنوبر وغیرہ کے درختوں سے نکلتا ہے اور خارش زدہ اونٹوں کے لگایا جاتا ہے، قاموس میں ہے درخت ابہل سے نکلنے والے سیال مادہ کو قطران کہتے ہیں بعض قرأت میں قطران (قاف کے زیر کے ساتھ) آیا ہے اس کا معنی ہے پگھلا ہوا تانبا کھولتا ہوا۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے اس تیل سے آگ بہت جلد بھڑک اٹھتی ہے۔ حدیث میں ہے:

النائحة اذا لم تتب قبل موتها تقام یوم القیامة وعلیها سربال من قطران و درع من جرب۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۴)

نوحہ کرنے والی جب مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو اس کو قیامت کے دن روغن قطران اور خارش کی قمیص پہنائی جائے گی۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، عکرمہ، سعید بن جبیر اور یعقوب سے مروی ہے کہ یہ لفظ قطران ہے (ق پر زیر) اس کا معنی ہے پگھلا ہوا تانبا یا پیتل۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تاکہ اللہ ہر شخص کو اس کے کاموں کا بدلہ دے، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے O (ابراھیم: ۵۱)

امام واحدی نے کہا ہے کہ اس آیت میں ہر شخص سے مراد کفار ہیں کیونکہ سیاق کلام کفار کے متعلق ہے، امام رازی نے فرمایا اس آیت کو اپنے عموم پر برقرار رکھنا بھی جائز ہے، یعنی مومنین اور پرہیزگار جو نیک عمل کریں گے ان کو اس کے بدلہ میں اچھی جزا ملے گی اور کفار اور فساق کو ان کے کفر اور فسق کی سخت سزا ملے گی۔

اس سے لوگوں کو ڈرایا ہے تاکہ وہ برے کاموں سے باز آجائیں اور توبہ کرنے میں جلدی کریں کیا پتا کس وقت موت آ جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لیے پیغام ہے تاکہ انہیں اس کے ساتھ ڈرایا جائے اور تاکہ وہ یہ جان لیں کہ صرف وہ ایک ہی مستحق عبادت ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں O (ابراھیم: ۵۲)

ہدایت کے لیے قرآن مجید کا کافی ہونا

یعنی نصیحت کے لیے یہ قرآن کافی ہے، قرآن مجید کی ہر سورت نصیحت کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دو قوتیں عطا کی ہیں، قوت نظریہ اور قوت عملیہ، قوت نظریہ سے انسان توحید اور رسالت کے دلائل میں غور و فکر کر کے اللہ اور رسول پر ایمان لاتا ہے اور قوت عملیہ سے اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے حقوق ادا کرتا ہے جس سے انسان کا دل روشن ہو جاتا ہے اور اس کا دل تجلیات الٰہیہ کے لیے آئینہ بن جاتا ہے، قرآن مجید میں عقائد اور احکام شرعیہ کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے اور ان احکام پر عمل کرنے سے انسان کا کامل تزکیہ ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں ایسی آیات ہیں جن میں نیک اعمال پر بشارت دی گئی ہے اور برے اعمال پر عذاب سے ڈرایا ہے پس انسان کو ثواب کے شوق سے یا عذاب کے خوف سے نیک اعمال کرنے چاہئیں اور برے اعمال کو ترک کرنا چاہیے، اور ہدایت کے لیے یہ اسلوب کافی ہے کیونکہ انسان ثواب کے شوق سے اطاعت کرتا ہے یا عذاب کے خوف سے۔

یہ سورۃ ابراہیم کی آخری آیت ہے جس میں قرآن مجید کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ اس میں اللہ کا پیغام ہے تاکہ عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں اور سورۃ ابراہیم کی پہلی آیت میں بھی قرآن کریم کا وصف بیان فرمایا ہے کہ اس کتاب کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (کفر کے) اندھیروں سے اسلام کی روشنی کی طرف لائیں گویا سورۃ ابراہیم کی ابتداء بھی قرآن مجید کے وصف سے ہوتی ہے اور اس کی انتہاء بھی قرآن مجید کے وصف پر ہوتی ہے۔

اختتام سورت

الحمدللہ رب العلمین آج مورخہ سات ربیع الاول ۱۴۲۱ھ/ گیارہ جون ۲۰۰۰ء بروز اتوار بعد نماز ظہر سورہ ابراہیم کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیماریوں سے خصوصاً کمر کے درد سے شفاء عطا فرمائے تاکہ میں بغیر کسی تکلیف کے بیٹھ سکوں اور زیادہ سے زیادہ تفسیر کا کام کر سکوں اور میں اس تفسیر کے پڑھنے والوں سے بھی التماس کرتا ہوں کہ وہ میرے لیے شفاء کی دعا کریں، خصوصاً کمر کے درد سے، اور میں امام فخرالدین رازی، علامہ قرطبی، امام ابن جریر اور امام ابن جوزی، جملہ محدثین اور شارحین حدیث کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے صدقہ جاریہ اور سلسلہ فیض کو تاقیامت جاری رکھے اور ان تمام نفوس قدسیہ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، اور میں مفتی محمد حسین نعیمی، علامہ عطا محمد گولڑوی، مولانا محمد نواز اویسی اور علامہ سید احمد سعید کاظمی اور اپنے جملہ اساتذہ کے لیے مغفرت اور جنت میں بلند درجات کی دعا کرتا ہوں اور اپنے والدین، اقارب، تلامذہ، احباب، تبیان القرآن کے معاونین اور قارئین کے لیے سعادت دارین کی دعا کرتا ہوں۔ الہ العالمین! میرے اس عمل میں اخلاص عطا فرما، اپنے ذکر اور شکر اور حسن عبادت میں میری مدد فرما، اس تفسیر میں مجھے ہمیشہ حق لکھنے اور باطل سے اجتناب کرنے پر برقرار رکھ، اس تفسیر کو قیامت تک مؤثر اور فیض آفریں بنا اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرما، مرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی شفاعت عطا فرما، اور جس طرح تو نے محض اپنے کرم سے یہاں تک تفسیر لکھوا دی ہے باقی تفسیر کو بھی مکمل کرا دے۔ آمین یارب العلمین بجاہ حبیبک سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الانبیاء والمرسلین شفیع المذنبین والصلوۃ والسلام علیہ وعلی آلہ الطاھرین واصحابہ الکاملین وازواجہ امھات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

سُوْرَةُ الْحِجْرِ

(۱۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الحجر

سورت کا نام

اس سورت کا نام الحجر ہے، کیونکہ اس سورت کی ایک آیت میں الحجر کا ذکر ہے، قرآن مجید کی وہ آیت یہ ہے: ا

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الحجر: ۸۰) اور بے شک وادی حجر والوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔

الحجر کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حجر کا معنی منع کرنا ہے، عقل کو بھی حجر کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان کو غلط اور برے کاموں سے روکتی ہے. جو مکان پتھروں سے بنایا جائے، اس کو بھی حجر کہتے ہیں۔ قوم ثمود کی آبادیاں چونکہ پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھیں، اس لیے ان کو الحجر کہا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی الحجر: ۸۰ میں ہے۔ قرآن کریم میں حجر کا لفظ عقل کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝ (الفجر: ۵) بے شک اس میں عقل والے کے لیے عظیم قسم ہے۔

قرآن مجید میں ممنوع کے معنی میں بھی حجر کا لفظ استعمال ہوا ہے:

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ (الانعام: ۱۳۸) اور انہوں نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں۔

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا۔ (الفرقان: ۵۳) اور دو دریاؤں کے درمیان پردہ رکھا اور منع کیا ہوا حجاب۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۴۲ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

الحجر کا مصداق

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

دیار ثمود کا نام الحجر ہے۔ یہ جگہ شام کی جانب وادی القریٰ کے پاس ہے، یا بلاد ثمود کا نام الحجر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ ان کے دیار (گھر) ان کے بلاد (شہروں) میں تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے درمیان فرق ہے اور یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی، اس کا حدیث میں بہ کثرت ذکر ہے۔ اور قرآن مجید میں ہے اور بے شک وادی حجر والوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (الحجر: ۸۰) اور مراصد میں مذکور ہے کہ الحجر قوم ثمود کی حویلی کا نام ہے۔ یہ مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی میں شہر ہے۔ اس میں قوم ثمود کے مساکن تھے اور یہ پہاڑوں کے درمیان تراشے ہوئے گھر تھے، جیسے غار ہوتے ہیں۔ ہر پہاڑ دوسرے پہاڑ سے الگ تھا، اور پہاڑوں کے اندر کھدائی کر کے مکانات بنائے گئے تھے۔ پہاڑوں کی تعداد کی مناسبت سے بعض جگہ یہ گھر کم تھے اور بعض جگہ زیادہ تھے۔ یہ گھر کئی طبقات پر مشتمل تھے اور نہایت خوبصورت تھے۔ ان کے درمیان ایک کنواں تھا جس پر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پینے کے لیے آتی تھی۔

(تاج العروس شرح القاموس ج ۳ ص ۱۲۵۔ ۱۲۴، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ، مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی متوفی ۶۲۶ھ لکھتے ہیں:

قوم ثمود کی بستی یا ان کے وطن کا نام الحجر ہے، یہ جگہ مدینہ اور شام کے درمیان وادی القریٰ میں تھی، یہ لوگ پہاڑوں میں کھدائی کر کے پہاڑوں کے اندر اپنے مکان بناتے تھے جن کو وہ اثالث کہتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو خطاب کر کے فرمایا:

وَاذْكُرُوٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا۔

اور یاد کرو جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تم کو ان کا جانشین بنایا اور تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا، تم اس زمین کی نرم جگہ میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر ان میں اپنے گھر بناتے ہو۔

(الاعراف: ۷۴)

انہی پہاڑوں میں وہ کنواں تھا جس سے ایک دن حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور ایک دن وہ پانی پیتے تھے، قرآن مجید میں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود سے فرمایا:

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۔ (الشعراء: ۱۵۵)

(صالح نے) کہا یہ اونٹنی ہے، ایک دن اس کے پینے کی باری ہے اور ایک دن تمہاری باری ہے، اس کا دن مقرر ہے۔

(معجم البلدان ج ۲ ص ۲۲۱۔ ۲۲۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۹۹ھ)

لوئیس معلوف الیسوعی نے لکھا ہے:

الحجر جزائر عرب میں ایک علاقہ ہے، یہ سعودیہ کے جنوبی تیما میں ہے۔ یہاں قوم ثمود کا وطن تھا، یہ بت پرست تھے۔ آج کل اس وادی میں کنوئیں بہت زیادہ ہیں۔ (المنجد ج ۲ ص ۲۳۰، مطبوعہ بیروت، الطبع العاشرہ)

دولت عثمانیہ کے زمانے میں اس جگہ ریلوے اسٹیشن تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے اس جگہ سے گزرے تھے۔

الحجر کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں پر عذاب دیا گیا تھا۔ ان کے پاس سے صرف روتے ہوئے گزرو، اگر تم رو نہ سکو تو ان کے پاس سے نہ گزرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہ عذاب آجائے جو ان پر آیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۰ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۷۰)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ ممانعت اس وقت فرمائی تھی جب تبوک کی طرف جاتے ہوئے صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ الحجر کے پاس سے گزرے تھے جو کہ دیار ثمود ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک شخص کو الحجر میں معذبین کے مکانوں میں ایک انگوٹھی پڑی ہوئی ملی تھی۔ وہ اس انگوٹھی کو لے کر آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا۔ اس نے اس انگوٹھی کو اپنے ہاتھ میں چھپالیا تاکہ آپ نہ دیکھیں۔ آپ نے فرمایا اس انگوٹھی کو پھینک دو تو اس نے وہ انگوٹھی پھینک دی۔ اس حدیث کو حاکم نے الاکلیل میں روایت کیا، لیکن اس کی سند ضعیف ہے، امام بخاری نے احادیث الانبیاء میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کے پانی پینے سے منع فرمایا ہے، اس حدیث میں غور و فکر کرنے کی ترغیب ہے اور جن پر عذاب دیا گیا ہو، وہاں سے جلد گزرنے کا حکم ہے اور جن لوگوں کو عذاب دیا گیا ہو، وہاں گھر بنانے کی بھی ممانعت ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں بھی اس طرف اشارہ ہے:

وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ (ابراہیم: ۴۵) اور تم ان لوگوں کے گھروں میں جا بسے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۵۳۱-۵۳۰، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثمود کی سرزمین الحجر میں ٹھہرے۔ مسلمانوں نے ان کے کنوئیں سے پانی نکالا اور اس پانی سے آٹا گوندھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ اس پانی کو پھینک دیں، اور وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دیں اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس کنوئیں سے پانی نکالیں۔ جس کنوئیں پر اونٹنی آتی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحجر کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا معجزات اور اللہ کی طرف سے نشانیوں کا سوال نہ کیا کرو، کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان کا سوال کیا تھا، پس وہ اونٹنی اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے جاتی تھی، پھر انہوں نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو ان کو ایک گرج والی چیخ نے پکڑ لیا۔ سو آسمان کے نیچے جتنے بھی لوگ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا ماسوا ایک شخص کے جو اس وقت اللہ عزوجل کے حرم میں تھا۔ کہا گیا یا رسول اللہ! وہ کون تھا؟ آپ نے فرمایا وہ ابو رغال تھا جب وہ حرم سے باہر آگیا تو اس پر بھی وہی عذاب آگیا جو اس کی قوم پر آیا تھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۶، مسند احمد رقم الحدیث۔ ۱۴۲۰۷، عالم الکتب بیروت، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۰۹۲ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، المستدرک ج ۲ ص ۳۲۰۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام احمد کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۵۰، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ امام احمد اور حاکم کی سند حسن ہے)

سورۃ الحجر کے مقاصد

اس سورت کو الر (الف لام را) سے شروع کیا گیا ہے' یہ حروف مقطعات ہیں' اس سورت کو ان حروف سے شروع کر کے ایک بار پھر یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اے منکرو! اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ قرآن کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے اور اللہ کا کلام نہیں ہے تو یہ کلام انہی حروف سے مرکب ہے جن حروف سے تم اپنا کلام مرکب کرتے ہو سو تم کو چاہیے کہ تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ- اس آیت میں قرآن مبین پر تنوین تعظیم کے لیے ہے' اس سورت میں مشرکین کو ایمان نہ لانے پر عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے' اور اس بات پر ان کی مذمت کی ہے کہ وہ اپنی خواہشات میں اور شہوات میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ہدایت کے حصول سے اعراض کر رہے ہیں اور ان کو اس بات سے ڈرایا ہے کہ اگر وہ ایمان نہیں لائے تو ان کو آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اگر آپ کی موثر تبلیغ اور بسیار کوشش کے باوجود یہ مشرکین ایمان نہیں لاتے تو آپ غم نہ کریں کیونکہ ہر دور میں مشرکین کی یہ عادت رہی ہے کہ انہوں نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی دعوت کو مسترد کر دیا تھا' مشرکین فرمائشی معجزات کو طلب کرتے ہیں' لیکن آیات اور معجزات سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نہ ہدایت حاصل کرتے ہیں- اگر آیات اور معجزات سے یہ فائدہ حاصل کرتے تو قرآن مجید سے ہدایت حاصل کر لیتے- یہ محض کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے نت نئے معجزات کی فرمائش کرتے ہیں- اگر ان کے یہ فرمائشی معجزات ان کے لیے پیش بھی کر دیئے جاتے تو اللہ تعالیٰ کو علم ہے' یہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے- اللہ تعالیٰ نے اپنی مصنوعات اور اپنی نعمتوں سے اپنی ذات اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے- مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور اس پر دلائل پیش فرمائے ہیں' نوع انسان کی خلقت اور اس کے شرف کو بیان فرمایا ہے اور شیطان کے کفر کا ذکر فرمایا ہے- حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے قصہ کا ذکر فرمایا ہے اور اصحاب الایکہ اور اصحاب الحجر کا ذکر فرمایا ہے' اور اس سورت کا اختتام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب پر کیا گیا ہے- آپ کے لیے تسلی کے کلمات کہے ہیں اور آپ کو یہ تلقین فرمائی ہے کہ آپ مشرکوں کی ہرزہ سرائی سے پریشان نہ ہوں اور آپ تبلیغ دین کے فریضہ کو ثابت قدمی سے انجام دیتے رہیں اور اس سورت میں جنات کو پیدا کرنے اور وہ چوری چھپے جو فرشتوں کی باتیں سنتے تھے' اس کا بھی ذکر فرمایا ہے اور متقین کے احوال بیان فرمائے ہیں اور ان کو مغفرت کے حصول کی ترغیب دی ہے اور اخروی عذاب سے ڈرایا ہے- اس سورت کے مضامین میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵۴ (چون) ہے اور یہ سورۃ الانعام سے پہلے اور سورۃ یوسف کے بعد نازل ہوئی ہے- سورۃ ابراہیم قرآن مجید کے ذکر پر ختم ہوئی تھی اور سورۃ الحجر قرآن کریم کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے-

سورۃ الحجر کے اس مختصر تعارف کے بعد میں آج بارہ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ / ۱۶ جون ۲۰۰۰ء بعد نماز جمعہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی توفیق سے سورۃ الحجر کی تفسیر شروع کر رہا ہوں- وما توفیق الا باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم' اللھم صل وسلم علی سیدنا ومولانا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الکاملین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وجمیع المؤمنین والمسلمین-

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحجر مکی ہے اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

الف لام را، یہ کتاب اور قرآن مبین کی آیتیں ہیں ○

کتاب اور قرآن مبین کا معنی

الر: اس کی تفسیر اس سورت کے تعارف میں اور سورۂ یونس کی ابتدا میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ کتاب اور قرآن مبین کی آیتیں ہیں○(الحجر: ۱)

تلک کا اشارہ اس سورت کی آیتوں کی طرف ہے اور کتاب اور قرآن مبین سے مراد وہ کتاب ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ آیتیں جو اس سورت میں مذکور ہیں' اس کتاب کی آیتیں ہیں جو کتاب ہونے میں کامل ہے اور اس قرآن عظیم کی آیتیں ہیں جو مبدا اور معاد کے متعلق صحیح عقائد بیان کرتا ہے۔ ماضی کی خبریں اور مستقبل کی پیش گوئیاں بیان کرتا ہے' حلال و حرام کے احکام بیان کرتا ہے اور دنیا اور آخرت کی کامیابی کا صحیح راستہ بیان کرتا ہے۔

کتاب اور قرآن مبین میں تغایر

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مبین کا الکتب پر عطف ہے' اور عطف تغایر کو چاہتا ہے حالانکہ کتاب اور قرآن مبین سے ایک ہی چیز مراد ہے' اس اعتراض کے حسب ذیل جواب ہیں:

(۱) کتاب اور قرآن کے مفہوم میں تغایر ہے۔ کتاب کا لغوی معنی ہے لکھی ہوئی چیز اور عرفی معنی ہے جو چیز متعدد مسائل اور مضامین کی جامع ہو یا جو چیز قصص' خبروں اور احکام کی جامع ہو اور قرآن کا لغوی معنی ہے جو چیز پڑھی جاتی ہو یا جس چیز کی عبارت باہم متصل ہو اور قرآن کا عرفی معنی ہے اللہ عزوجل کا وہ کلام جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظاً نازل کیا گیا اور ہم تک ایسی نقل متواتر سے پہنچا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

(۲) الکتاب اصل کے اعتبار سے عام ہے اور غلبہ استعمال کے لحاظ سے اس خاص کتاب کے لیے علم (نام) ہو گیا اور قرآن اصل وضع کے اعتبار سے اس کتاب کے لیے علم ہے۔

الکتاب کو قرآن مبین پر مقدم کرنے کی وجوہ

الکتاب کو قرآن مبین پر مقدم کیا ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ اہل عرب میں الکتاب کا لفظ مانوس اور معروف تھا۔ وہ تورات' زبور اور انجیل کو آسمانی کتابوں کے عنوان سے پہچانتے تھے اور یہودیوں اور عیسائیوں کو اہل کتاب کہتے تھے'

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ ضد بحث کرتے تھے تو وحی الٰہی کو کتاب کہتے تھے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ۔ (الانعام: ۱۵۷) یا یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝۲ ذَرْهُمْ

بسا اوقات کفار یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے ○ آپ ان کو کھانے میں

یَاْكُلُوْا وَ یَتَمَتَّعُوْا وَ یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝۳ وَ مَاۤ

اور (دنیاوی) فائدہ اٹھانے میں چھوڑ دیں اور ان کو ان کی امیدوں میں مشغول رہنے دیں یہ عنقریب جان لیں گے ○ ہم

اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ

نے جس بستی کو بھی تباہ کیا اس کا نوشتۂ تقدیر میں وقت معین تھا ○ کوئی گروہ اپنے مقرر

اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵ وَ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ

وقت سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے ○ اور انہوں نے کہا اے وہ شخص جس پر نصیحت

عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنْ كُنْتَ

نازل کی گئی ہے بے شک تو ضرور دیوانہ ہے ○ اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو

مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْۤا

کیوں نہیں لاتے ○ ہم فرشتوں کو صرف حق کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور اس وقت (جب وہ نازل ہوں گے)

اِذًا مُّنْظَرِیْنَ ۝۸ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ وَ

تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی ○ بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ○

لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۰ وَ مَا یَاْتِیْهِمْ

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے ○ اور ان کے پاس جب بھی

مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِیْ

کوئی رسول آتا تھا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے ○ ہم اسی طرح اس کو مجرموں کے

قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

دلوں میں ڈال دیتے ہیں ○ وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور بے شک پہلے لوگوں کی بھی یہی روش گزر چکی ہے ○

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ دن بھر اس پر چڑھتے (بھی) رہیں ○

ع ۱۵ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾

تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ بات صرف یہی ہے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کردیا گیا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بسا اوقات کفار یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے ○ (الحجر: ۲)

گنہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے نکلتا ہوا دیکھ کر کفار کی حسرت اور ندامت

حافظ ابوبکر عمرو بن ابی عاصم الضحاک الشیبانی المتوفی ۲۸۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دوزخ والے دوزخ میں جمع ہوں گے اور ان کے ساتھ وہ اہل قبلہ بھی ہوں گے جن کو اللہ چاہے گا تو کفار کہیں گے کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں! پھر کفار کہیں گے تو تمہارے اسلام نے تم سے کون سا عذاب دور کردیا۔ تم بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں آگئے ہو! مسلمان کہیں گے ہمارے گناہ تھے، ان گناہوں کی وجہ سے ہم پر گرفت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی باتیں سنے گا پھر فرمائے گا جو لوگ اہل قبلہ سے ہیں، ان کو دوزخ سے نکال لو۔ جب دوزخی یہ معاملہ دیکھیں گے تو حسرت سے کہیں گے، کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو ہم کو بھی دوزخ سے اس طرح نکال لیا جاتا جس طرح ان کو نکال لیا گیا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۔ (الحجر: ۲) بسا اوقات کفار یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔

(کتاب السنہ رقم الحدیث: ۸۴۳، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۸۷۷، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۱۲۳۲۴، البعث والنشور رقم الحدیث: ۸۵، المستدرک ج ۲ ص ۲۴۲، مجمع الزوائد ج ۷، ص ۴۸، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۰۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا سو جب تک اللہ چاہے گا وہ دوزخ میں رہیں گے، پھر مشرکین ان کو عار دلائیں گے اور کہیں گے کہ تم اپنے ایمان اور اپنی تصدیق کی وجہ سے ہماری مخالفت کیا کرتے تھے، اب ہم نہیں دیکھ رہے کہ تمہارے ایمان نے تمہیں کوئی نفع پہنچایا ہو۔ پھر ہر موحد کو اللہ دوزخ سے نکال لے گا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین۔ اس حدیث کی روایت میں محمد بن عباد متفرد ہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۱۴۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کو بھی دوزخ میں ڈال

دے گا مشرکین کہیں گے تم دنیا میں یہ گمان کرتے تھے کہ تم اللہ کے اولیاء ہو، پھر کیا وجہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ دوزخ میں ہو۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی اس بات کو سنے گا تو ان کے لیے شفاعت کی اجازت دے دے گا پھر فرشتے اور انبیاء اور مومنین شفاعت کریں گے حتیٰ کہ اللہ کی اجازت سے ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ جب مشرکین یہ معاملہ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم بھی ان کی مثل ہوتے تو ہمیں بھی ان کے ساتھ دوزخ سے نکال لیا جاتا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے: ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین۔ چونکہ دوزخ سے نکالے ہوئے ان مسلمانوں کے چہرے سیاہ ہوں گے تو جنت میں ان کا نام جہنمیین رکھا جائے گا، پھر وہ دعا کریں گے اے رب! ہم سے یہ نام دور کر دے، اللہ تعالیٰ ان کو حکم دے گا کہ وہ جنت کے دریا میں نہائیں تو ان سے وہ سیاہی دُور ہو جائے گی۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۱۰۶، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۰۵)

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کافروں کو یہ حسرت اور ندامت موت کے وقت ہوگی جب وہ عذاب کے فرشتے دیکھ لیں گے، بعض نے کہا جب بھی ان پر حقیقت حال منکشف ہوگی تو ان کو حسرت اور ندامت ہوگی لیکن ان مذکور الصدر احادیث سے واضح ہو گیا کہ ان کو یہ حسرت اور ندامت اس وقت ہوگی جب وہ دیکھیں گے کہ دوزخ سے گنہ گار مسلمانوں کو نکالا جا رہا ہے اور ان کو ان کے کفر اور شرک کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے دوزخ میں چھوڑا جا رہا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ربما کا کلمہ تقلیل کے لیے آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت کم ایسا ہوگا کہ کفار اس حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے، اور ہم کو معلوم ہے کہ سارے کفار ہی یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے اور ان کو بھی دوزخ سے نکال لیا جاتا، اس لیے ان میں ندامت اور حسرت کا اظہار ان سے بہ کثرت ہوگا! اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب ربما کا لفظ ذکر کر کے کثرت کا ارادہ کرتے ہیں، اسی لیے اردو میں اس کا ترجمہ بسا اوقات کیا جاتا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار عذاب میں اس شدت کے ساتھ گرفتار ہوں گے کہ انہیں دوسرے دوزخیوں کے احوال کا جائزہ لینے کا موقع ہی نہیں ملے گا اس لیے کم کفار ایسے ہوں گے جو اس موقع پر حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے۔

ہر چند کہ کفار گنہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے نکلتا ہوا دیکھ کر اپنے کفر پر نادم ہوں گے لیکن اس وقت یہ ندامت اور حق کا اعتراف ان کے کام نہیں آئے گا کیونکہ وہ ایمان معتبر ہے جو ایمان بالغیب ہو، اور جنت اور دوزخ اور عذاب اور ثواب پر بن دیکھے ایمان لایا جائے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جس طرح گنہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر کفار کو حسرت اور ندامت ہوگی، اسی طرح جنت میں جن مسلمانوں کا کم درجہ ہوگا اور ان کو کم ثواب ہوگا وہ زیادہ اور بلند درجے والے مسلمانوں کو دیکھ کر دل میں کڑھیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہمارا بھی بلند درجہ اور زیادہ ثواب ہوتا تو وہ مسلمان جنت میں دائمی طور پر رنج اور حسرت میں مبتلا رہیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت کے احوال کو دنیا کے احوال پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ سبحانہ جس کو بھی جنت کے جس درجہ میں داخل کرے گا اس کو اسی درجہ میں راضی رکھے گا اور ان کے دلوں سے زیادتی کی طلب اور رشک اور حسد کے جذبات نکل لیے جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ○ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ○ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ

سلامتی اور بے خوفی کے ساتھ جنتوں میں داخل ہو جاؤ ○ اور ہم ان کے سینوں سے تمام رنجشوں کو کھینچ لیں گے۔ وہ آپس میں بھائی بھائی ہو کر ایک دوسرے کے سامنے مسندوں پر

فِيْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۞ (الحجر: ۴۸-۴۶) بیٹھے ہوں گے ۞ انہیں وہاں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے ۞

اگر جنت کے بڑے درجے والوں کو دیکھ کر چھوٹے درجے والوں کے دلوں میں رنج ہو تو ان کو تکلیف ہو گی حالانکہ اس آیت میں فرمایا ہے انہیں وہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اس لیے جو شخص جنت کے جس درجہ میں ہو گا وہ اس درجہ پر راضی اور مطمئن ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان کو کھانے میں اور (دنیاوی) فائدہ اٹھانے میں چھوڑ دیں اور ان کو ان کی امیدوں میں مشغول رہنے دیں۔ یہ عنقریب جان لیں گے ۞ (الحجر: ۳)

مشکل الفاظ کے معانی

یلھھم: اس کا مادہ لھو ہے، لھو کا معنی ہے کسی ایسے غیر مفید کام میں مشغول ہونا جس کی وجہ سے مفید کام ترک ہو جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ (النور: ۳۷)

ایسے مرد جنہیں، تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتی۔

(مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۹۰۶ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱۴۱۵ھ)

آیت مذکورہ کا خلاصہ

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کفار کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ وہ دنیا کے عیش و نشاط اور زیب و زینت سے جو اپنا حصہ لینا چاہتے ہیں، ان کو وہ حصہ لینے دیں، انہوں نے دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے لمبی لمبی امیدیں باندھ رکھی ہیں، انہیں اس میں مشغول رہنے دیں اور ان کو ایمان لانے اور عبادت کرنے سے غافل رہنے دیں۔ عنقریب جب وہ قیامت کی ہولناکیاں دیکھیں گے اور اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتیں گے تو وہ خود جان لیں گے کہ آپ جو کچھ فرماتے تھے وہ صحیح اور حق تھا اور اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہتے اور کرتے تھے، وہ غلط اور باطل تھا۔

دنیا میں مشغولیت اور لمبی امیدوں کی مذمت میں احادیث

لمبی امید رکھنا نفسیاتی بیماری ہے اور جب یہ بیماری دل میں جگہ پکڑ لے تو اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ لمبی امید کی حقیقت دنیا کی محبت اور اس پر اوندھے منہ گر جانا ہے اور آخرت سے اعراض کرنا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں، آنکھوں کا خشک ہو جانا، دل کا سخت ہونا، لمبی امید رکھنا اور دنیا کی حرص کرنا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۲۳۰، اس کا ایک راوی ہانی بن متوکل ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۲۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس امت کے پہلے لوگوں کی نیکی زہد اور یقین کی وجہ سے تھی اور اس امت کے آخری کی ہلاکت بخل اور امید کی وجہ سے ہو گی۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۶۴۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۳۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں میں ہمیشہ جوان رہتا ہے ٗ دنیا کی محبت اور لمبی امید۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۲۰ ٗ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۴۶ ٗ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۸۳۳ ٗ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۵۳۱ ٗ عالم الکتب بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس میں دو چیزیں بڑھ جاتی ہیں ٗ مال اور لمبی عمر کی محبت۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۲۱ ٗ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۴۷ ٗ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۸۳۴ ٗ مسند احمد رقم الحدیث:۱۲۳۶۶ ٗ سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۳۹ ٗ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۲۳۴ ٗ صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۳۲۲۹)

ام الولید بنت عمر بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا اے لوگو! کیا تم حیا نہیں کرتے! مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! کس چیز سے؟ آپ نے فرمایا: تم ان چیزوں کو جمع کرتے ہو جن کو کھا نہیں سکتے اور ان مکانوں کو بناتے ہو جن میں تم نہیں رہو گے ٗ اور تم ان چیزوں کی امید رکھتے ہو جن کو تم پا نہیں سکتے۔ کیا تم اس سے حیا نہیں کرتے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۹۷ ٗ اس کی سند میں وازع بن نافع متروک ہے ٗ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۸۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں کندھوں کو پکڑ کر فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم مسافر ہو یا راستہ عبور کرنے والے ٗ اور حضرت ابن عمر یہ کہتے تھے کہ جب شام ہو تو تم صبح کا انتظار نہ کرو اور صبح ہو تو تم شام کا انتظار نہ کرو اور اپنی صحت سے بیماری کا حصہ لو (یعنی صحت کے ایام میں وہ عبادت کر لو جو تم بیماری کے ایام میں نہیں کر سکو گے) اور اپنی زندگی سے اپنی موت کا حصہ لو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۱۶ ٗ سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۳۳ ٗ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۱۴ ٗ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۸ ٗ مسند احمد ج ۲ ص ۲۴ ٗ ۴۱ ٗ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۶۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے۔ اس وقت میں اور میری ماں دیوار پر مٹی سے لیپ کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا اے عبداللہ یہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس دیوار میں دراڑ پڑ گئی ہے تو ہم اس کو ٹھیک کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا معاملہ اس سے زیادہ جلد ہو گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۲۳۵ ٗ ۵۲۳۶ ٗ سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۳۵ ٗ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۶۰ ٗ صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۲۹۹۶ ٗ ۲۹۹۷ ٗ مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چوکور خط کھینچا اور اس چوکور کے وسط میں ایک خط کھینچا جو اس چوکور سے باہر نکلا ہوا تھا۔ اس کے وسط میں چھوٹے چھوٹے خطوط کھینچے جو اس متوسط خط کی جانب تھے۔ پھر فرمایا یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے جس نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہے اور یہ خط جو اس چوکور سے باہر نکلا ہوا ہے۔ یہ اس کی امیدیں ہیں اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط اس کو عارض ہونے والے مصائب ہیں۔ اگر اس مصیبت سے بچ نکلا تو یہ مصیبت اس کو ڈس لے گی اور اگر اس سے بچ نکلا تو یہ مصیبت اس کو ڈس لے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھینچے ہوئے خط کی شکل یہ ہے:

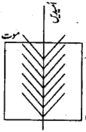

خط کی شکل

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۳۱، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا اور فرمایا: یہ انسان ہے۔ پھر اس کے پہلو میں ایک اور خط کھینچا اور فرمایا یہ اس کی موت ہے، پھر اس کے پہلو میں اس سے لمبا خط کھینچا اور فرمایا یہ اس کی امید ہے، پھر فرمایا انسان اسی حال میں ہوتا ہے کہ جو قریب والی چیز ہے وہ اس کو آلیتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ابن آدم ہے اور یہ اس کی موت ہے۔ آپ نے اپنا ہاتھ اپنی گدی پر رکھا پھر اس کو پھیلا دیا اور فرمایا پھر اس کی امید ہے اور پھر اس کی امید ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۹۸، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۳۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۳۹، شرح السنۃ: ۴۰۹۲)

انسان اپنی زندگی میں لمبی لمبی امیدیں رکھتا ہے اور طویل منصوبے بناتا ہے۔ میں یہ کام کروں گا، پھر یہ کام کروں گا، پھر یہ کام کروں گا، تجارت، سفر، ملازمت، بچوں کی تعلیم، پھر ان کی شادی بیاہ۔ اس کے پروگراموں کا ایک تسلسل ہوتا ہے اور اس کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ کب اچانک موت آجائے گی اور اس کے سارے منصوبے اور تمام پروگرام دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

مستقبل سے امیدیں وابستہ کرنے کے جواز اور عدم جواز کا محمل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشاء نہیں ہے کہ انسان مستقبل کے لیے کوئی منصوبہ نہ بنائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، حدیبیہ میں ان شرائط پر صلح کی تھی کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں، اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔ اس طرح کی اور بھی شرائط تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ گروی رکھ کر طعام خریدا۔ آپ نے مختلف علاقوں میں وفود اور مکاتیب بھیجے، دشمن کے علاقوں میں جاسوس روانہ کئے، جہاد کے لیے لشکروں کو بھیجا۔ آپ نے جب غزوہ موتہ کی طرف لشکر روانہ کیا تو اس کا امیر حضرت زید بن حارثہ کو بنایا اور فرمایا اگر وہ شہید ہو جائیں تو پھر حضرت جعفر بن ابی طالب کو امیر بنا لینا اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ کو امیر بنا لینا، جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور مسلمانوں میں خوشحالی آگئی تو آپ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو ایک سال کی خوراک مہیا فرما دیتے اور ایسی بہت مثالیں ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب تم مدت معین کر کے ادھار خرید و فروخت کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مستقبل کے لیے پس انداز کرنا اور منصوبے بنانا اور امیدیں رکھنا اسلام میں مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔ ممنوع

صرف یہ چیز ہے کہ انسان صرف دنیا کمانے اور دنیاوی زیب و زینت سے بہرہ اندوز ہونے میں مشغول رہے اور آخرت کی طرف اس کی کوئی توجہ نہ ہو اور جب انسان کا مقصد صرف آخرت ہو اور وہ دنیاوی امور کو صرف اخروی کامیابی کے حصول کا وسیلہ گردانے اور اخروی ثواب کو حاصل کرنے کے لیے دنیا کو حاصل کرے۔ اس کے منصوبے بنائے اور اس کی امیدیں رکھے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن اور کار ثواب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نماز میں بھی لشکر کی صفیں ترتیب دیتا رہتا ہوں، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما مال دار تھے لیکن وہ اپنے مال کو دین کے لیے خرچ کرتے تھے۔ سو اگر کوئی شخص مال کمانے کے لیے تجارتی منصوبے بنائے اور اس میں کامیابی کی امید رکھے لیکن اس مال کو وہ دین کے لیے خرچ کرنا چاہتا ہو یا کوئی شخص اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور اس کا منصوبہ یہ ہو کہ اسے کوئی اچھی ملازمت مل جائے یا بیرون ملک کوئی عمدہ جاب مل جائے اور وہ اس آمدنی کی وجہ سے لوگوں کا دست نگر نہ رہے، اور اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں اور بیوی بچوں کی کفالت کر سکے تو اس کا یہ منصوبہ اور یہ نیت بھی کار ثواب ہے' اس طرح جو شخص لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرنے سے بچنے کے لیے محنت مزدوری کرے' اس کے منصوبے بنائے اور روزگار کی امید رکھے تو اس کی یہ امید بھی اسلام میں مطلوب ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان کے اوپر جن کی کفالت کی ذمہ داری رکھی ہے' اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے تگ و دو کرنا اور اس میں کامیابی کے حصول کی امید رکھنا بھی دین اور عبادت ہے' اسلام میں جو لمبی امیدیں رکھنا ممنوع ہے' وہ صرف اس شخص کے لیے ہے جو صرف دنیا کا ہو کر رہ جائے اور اس کے پیش نظر آخرت نہ ہو اور زیادہ امیدوں کی مذمت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ انسان موت کو یاد رکھے کیونکہ جب انسان موت کو یاد رکھے گا تو گناہوں سے بچتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے جس بستی کو بھی تباہ کیا' اس کا نوشتہ تقدیر میں وقت معین تھاO کوئی گروہ اپنے مقرر وقت سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے' نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ (الحجر: ۵-۴)

کفار مکہ کو زجر و توبیخ

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے پر کفار کو اس ارشاد سے تہدید کی تھی کہ آپ ان کو کھانے میں اور (دنیاوی) فائدہ اٹھانے میں چھوڑ دیں اور ان کو ان کی امیدوں میں مشغول رہنے دیں۔ یہ عنقریب جان لیں گے۔ اس کے بعد فرمایا ہم نے جس بستی کو بھی تباہ کیا' اس کا نوشتہ تقدیر میں وقت معین تھا' البتہ ان پر عذاب آنے اور ان کی ہلاکت کے اوقات مختلف ہوتے رہے ہیں' پس جو کفار پہلے زمانے میں تھے' ان کے عذاب اور ان کی ہلاکت کا وقت پہلے مقرر تھا' اور جو کفار ان کے بعد کے زمانے میں تھے' ان کے عذاب اور ان کی ہلاکت کا وقت بعد میں مقرر تھا اس لیے اس کے بعد فرمایا: کوئی گروہ اپنے مقرر وقت سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا: اس آیت میں جو بستی کی تباہی اور ہلاکت کا ذکر ہے' اس سے مراد وہ عذاب ہے جس نے بستیوں کو مکمل تباہ کر دیا تھا جیسے حضرت نوح اور حضرت ھود علیہما السلام کی قوموں پر عذاب آیا تھا' اور بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں ہلاکت سے مراد موت ہے اور اقرب یہی ہے کہ اس سے مراد عذاب ہے کیونکہ یہاں پر کفار کو زجر و توبیخ اور تہدید کرنا مقصود ہے اور زجر و توبیخ کے مناسب عذاب کا ذکر ہے نہ کہ موت کا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے تو پہلے اس پر اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ حجت قائم کی اور حجت پوری ہونے کے بعد بھی جب ان لوگوں نے ہدایت کو قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کے

نزدیک ان کی ہلاکت کا جو وقت مقرر تھا اس وقت کے آنے پر ان کو ہلاک کر دیا۔ ان کو ان کے مقرر وقت سے پہلے ہلاک کیا اور نہ ان کی ہلاکت کو مؤخر کیا۔ اس میں اہل مکہ کو تہدید کی ہے کہ وہ شرک کو ترک کر دیں ورنہ ان کی ہلاکت اور تباہی یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا اے وہ شخص جس پر نصیحت نازل کی گئی ہے بے شک تو ضرور دیوانہ ہے ○ اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے ○ ہم فرشتوں کو صرف حق کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور اس وقت (جب وہ نازل ہوں گے) تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ (الحجر: ۸-۶)

کفار کا آپ کو "مجنون" کہنا کوئی نئی بات نہیں

اس سے پہلے دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو زجر و توبیخ اور تہدید کی تھی اور اس آیت میں ان کے شبہات کو ذکر کر کے ان کے جوابات دیئے ہیں:

مشرکین مکہ آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے اور استہزاء کرتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ تم مجنون اور دیوانے ہو اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نزول وحی کے وقت آپ پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی وہ غشی کے مشابہ ہوتی تھی اور زیادہ اس وجہ سے آپ کو مجنون کہتے تھے کہ ان کے نزدیک یہ بہت بعید تھا کہ ان کی طرح پیدا ہونے والا انہی کی قوم کا ایک فرد ہو، کھاتا پیتا بھی ہو، شادی شدہ بھی ہو۔ اس کے بچے بھی ہوں اور وہ اللہ کا رسول برحق ہو اور اس پر اللہ کا کلام نازل ہو اور یا آپ کو اس وجہ سے وہ مجنون کہتے تھے کہ آپ کو اس دعویٰ نبوت سے دست بردار ہونے کے لیے مال و دولت اور عرب کی سرداری کی پیش کش کی گئی۔ عرب کی سب سے حسین لڑکی سے شادی کی پیش کش کی گئی لیکن آپ نے مال و دولت اور منصب و اقتدار کو ٹھکرا دیا اور سختیاں اور مصیبتیں برداشت کیں اور دعویٰ نبوت سے دست بردار نہیں ہوئے اور عیش و نشاط کو چھوڑ کر مصیبتوں کو اختیار کرنا ان کے نزدیک محض دیوانگی تھی۔ اس لیے انہوں نے آپ سے بطور استہزاء کہا: اے وہ شخص جس پر نصیحت نازل کی گئی ہے، تو دیوانہ ہے ○ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون نے بھی آپ کو مجنون کہا تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ○ (الشعراء: ۲۷)

(فرعون نے) کہا بے شک تمہارا یہ رسول جس کو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، وہ ضرور دیوانہ ہے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کو مجنون کہا:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ○ (القمر: ۹)

ان سے پہلے نوح کی قوم نے ان کو جھٹلایا اور کہا یہ دیوانہ ہے اور ان کو دھمکیاں دیں۔

بلکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر رسول آئے، سب کو ان کی قوموں نے دیوانہ یا جادوگر کہا۔

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ○ (الذاریات: ۵۲)

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا تو انہوں نے کہا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔

اس شبہ کا جواب بالکل بدیہی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے جو حکیمانہ کلام پیش کیا وہ کسی عام ہوش مند انسان سے بھی متصور نہیں ہے چہ جائیکہ مجنون سے۔

آپ کی تائید کے لیے کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا

کفار کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ اگر آپ اللہ کے برحق رسول ہیں تو آپ کے ساتھ اللہ کا کوئی فرشتہ آنا چاہیے تھا جو ہم کو بتاتا کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں، کیونکہ محض آپ کا اپنے متعلق یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ہو سکتا ہے آپ کی بات صحیح ہو اور ہو سکتا ہے کہ آپ کی بات صحیح نہ ہو لیکن جب فرشتہ آکر یہ کہے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں تو بات بالکل صاف ہو جائے گی اور کوئی شک اور شبہ نہیں رہے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فرشتہ اپنی اصل صورت میں ان کے پاس تصدیق کے لیے آتا تو وہ اس کو نہ دیکھ سکتے تھے اور نہ اس کا کلام سن سکتے تھے اور اگر وہ فرشتہ انسانی پیکر میں آتا تو ان کو پھر یہ شبہ پڑ جاتا۔ وہ کہتے یہ تو ہماری طرح انسان ہے، یہ فرشتہ کیسے ہو سکتا ہے! جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو اسے (صورتاً) مرد ہی بناتے اور ان پر (پھر) وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں۔ (الانعام: ۹)

باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ پھر آپ کی نبوت میں شک اور شبہ نہ رہتا تو وہ کج بحث، ضدی اور ہٹ دھرم لوگ تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد معجزات دکھائے جن کے بعد آپ کی نبوت میں شک اور شبہ نہیں رہنا چاہیے تھا لیکن ہر معجزہ دیکھنے کے بعد انہوں نے یہی کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے، سب سے بڑا معجزہ خود قرآن کریم ہے لیکن منکرین اس کی نظیر لانے سے عاجز رہنے کے باوجود اس کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان نہیں لائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور اس وقت (جب وہ نازل ہوں گے) تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ اس کے مفسرین نے دو معنی بیان کیے ہیں ایک یہ کہ جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئیں گے تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی، اور دوسرا یہ کہ جب فرشتے ان پر عذاب لے کر آئیں گے تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی، لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں یہ مقرر ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ایسا عذاب نہیں آئے گا کہ پوری قوم نیست و نابود کر دی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (الحجر: ۹)

اللہ تعالیٰ کو واحد اور جمع کے صیغوں کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو جمع کے صیغہ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ واحد ہے۔ اس کی توجیہ میں امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

ہر چند کہ یہ جمع کا صیغہ ہے لیکن بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی عظمت کا اظہار کرنے کے لیے خود کو جمع کے صیغے سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے جب کوئی ایک کوئی کام کرتا ہے یا کوئی بات کہتا ہے تو وہ اس کو یوں کہتا ہے کہ ہم نے یہ کام کیا یا ہم نے یہ بات کہی۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے اور اس کی صفات کثیر ہیں۔ جب اس کی تعبیر میں صرف اس کی ذات کا لحاظ ہو تو اس کو واحد کے صیغے کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور جب ذات مع صفات ملحوظ ہو تو اس کو جمع کے صیغے کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، اسی طرح

تعبیر کرنے والے کے ذہن میں اگر اس کی وحدانیت کا غلبہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کو واحد کے صیغے کے ساتھ تعبیر کرتا ہے اور اگر اس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے ادب اور احترام کا غلبہ ہو تو وہ اس کو جمع کے صیغے کے ساتھ تعبیر کرتا ہے۔ یہ دونوں تعبیریں جائز ہیں اور ان کی تعبیر کا مدار تعبیر کرنے والے کی اس وقت کی کیفیت پر ہے۔

اس آیت میں قرآن مجید کی حفاظت مراد ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی؟

اس آیت میں لہ کی ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر الذکر کی طرف لوٹتی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہے بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر منزل علیہ یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ اب اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے والے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

(المائدہ: ۶۷)

لیکن نظم قرآن کے زیادہ موافق اور اس مقام کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ ضمیر الذکر کی طرف راجع ہے یعنی بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن مجید کی حفاظت کے ظاہری اسباب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا محافظ ہے تو صحابہ کرام اس کو جمع کرنے اور اس کو مرتب کرنے میں کیوں مشغول ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے ظاہری اسباب مقرر فرمائے تھے۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ قرآن مجید کو لکھ کر محفوظ کیا گیا اور اس کی اشاعت کی گئی اور جتنی اس کی اشاعت کی گئی تھی' اتنی دنیا میں کسی کتاب کی اشاعت نہیں کی گئی' اور قرآن مجید کو حفظ کیا گیا اور یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس کو اول سے آخر تک پورا حفظ کیا جاتا ہے اور ہر دور میں دنیا میں اس کے بے شمار حافظ رہے ہیں' اگر کسی مجلس میں کوئی پڑھنے والا کسی سورت یا کسی آیت سے ایک لفظ کم کر دے یا اس میں اپنی طرف سے کوئی لفظ زیادہ کر دے تو اسی مجلس میں لوگ بول اٹھیں گے' آپ نے یہ لفظ چھوڑ دیا' یا آپ نے جو لفظ پڑھا ہے' وہ قرآن مجید کا لفظ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن مجید کو چھاپے اور اس میں کوئی لفظ کم یا زیادہ کر دے یا کسی نقطہ میں کمی بیشی کر دے یا کسی زیر زبر میں تغیر کر دے تو سینکڑوں آدمی آ کر اس غلطی کی نشاندہی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ (حم السجدۃ: ۴۲) اس قرآن کے پاس باطل نہیں آسکتا نہ اس کے سامنے سے نہ اس کے پیچھے سے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ابو الحسن علی بن خلف نے اپنی سند کے ساتھ یحییٰ بن اکثم سے روایت کیا ہے کہ جب مامون رشید حکمران تھا تو اس نے ایک علمی مجلس منعقد کی۔ اس مجلس میں ایک یہودی آیا جس نے عمدہ لباس پہنا ہوا تھا اور بہترین خوشبو لگائی ہوئی تھی۔ اس نے بہت نفیس اور ادیبانہ گفتگو کی۔ جب مجلس ختم ہو گئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا: آیا تم اسرائیلی ہو؟ اس نے کہا ہاں! مامون نے کہا: تم مسلمان ہو جاؤ' میں تمہیں بہت انعام و اکرام دوں گا اور بہت بڑے منصب پر فائز کروں گا۔ اس نے کہا

یہ میرا دین ہے اور میرے آباء واجداد کا دین ہے اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ پھر ایک سال کے بعد وہ پھر آیا، اس وقت وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے فقہی مسائل پر کلام کیا اور بہت عمدہ بحث کی۔ جب مجلس ختم ہو گئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا: کیا تم پچھلے سال ہماری مجلس میں نہیں تھے۔ اس نے کہا: کیوں نہیں، مامون نے پوچھا پھر تمہارے اسلام لانے کا کیا سبب ہے؟ اس نے کہا جب میں تمہاری مجلس سے اٹھا تو میں نے سوچا کہ میں ان مذاہب کا امتحان لوں اور آپ نے دیکھا کہ میرا خط (لکھائی) بہت خوبصورت ہے۔ میں نے پہلے تورات کا قصد کیا اور اس کے تین نسخے لکھے اور اس میں اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی، میں یہودیوں کے معبد میں گیا تو انہوں نے تورات کے وہ نسخے مجھ سے خرید لیے۔ پھر میں نے انجیل کا قصد کیا۔ میں نے اس کے بھی تین نسخے لکھے اور ان میں بھی کمی بیشی کر دی، پھر میں عیسائیوں کے گرجے میں گیا تو انہوں نے مجھ سے وہ نسخے خرید لیے۔ پھر میں نے قرآن کا قصد کیا، میں نے اس کے بھی تین نسخے لکھے اور ان میں بھی کمی بیشی کر دی۔ پھر میں ان کو فروخت کرنے کے لیے اسلامی کتب خانہ میں گیا اور ان پر وہ نسخے پیش کیے۔ انہوں نے ان کو پڑھا اور ان کی تحقیق کی اور جب وہ میری کی ہوئی زیادتی اور کمی پر مطلع ہوئے تو انہوں نے وہ نسخے مجھے واپس کر دیئے اور ان کو نہیں خریدا۔ اس سے میں نے یہ جان لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اس میں کوئی تغیر نہیں کیا جا سکتا تو یہ میرے اسلام لانے کا سبب ہے! یحییٰ بن اکثم نے کہا میں اس سال حج کے لیے گیا تو میری ملاقات سفیان بن عیینہ سے ہوئی۔ میں نے ان کو یہ خبر سنائی تو انہوں نے کہا: یہ خبر سچی ہے اور قرآن مجید میں اس کی تصدیق ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کی حفاظت ان کے علماء کے سپرد کر دی ہے فرمایا:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبَّانِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (المائدہ: ۴۴)

بے شک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے، جس کے مطابق انبیاء فیصلے کرتے رہے جو ہمارے تابع فرمان تھے۔ ان لوگوں کا (فیصلہ کرتے رہے) جو یہودی تھے اور (اسی کے مطابق) اللہ والے اور علماء (فیصلہ کرتے رہے) کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو تورات اور انجیل کا محافظ بنایا گیا تھا اور قرآن مجید کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ ۝ (الحجر: ۹)

بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۷۔۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہمارے پاس تورات کا ۱۹۲۷ء کا ایڈیشن ہے۔ اس میں ہے ہزاروں قدسیوں کے ساتھ آیا ص ۱۹۲ اور موجودہ ایڈیشن میں ہے۔ لاکھوں قدسیوں کے ساتھ آیا۔ ص ۱۸۴۔

محافظۃ الشئی لنفسہ کا جواب

اس آیت پر حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز نے ایک اشکال قائم کیا ہے۔ جس کا مولانا فیض احمد صاحب فیض نے ان کی سوانح میں ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ایک مولوی صاحب نے مناظرانہ رنگ میں سوال کیا کہ قرآن مجید فرماتا ہے میں کتب سابقہ کا مصدق ہوں (مصدقا لما معکم) مگر کتب سابقہ بھی کلام الٰہی ہیں اور قرآن کریم بھی جس سے تصدیق الشئی لنفسہ کا اشکال لازم آتا

ہے۔

حضرت نے فرمایا: قرآن مجید اور کتب سابقہ میں تو زمان و مکان اور لغت اور محل نزول کا اختلاف موجود ہے' آپ کے لیے موجب اشکال تو یہ چیز ہونی چاہیے کہ قرآن شریف کی محافظت الٰہیہ کی مثبت فقط ایک ہی آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون (سورہ الحجر: ۹) (ہم نے ہی قرآن نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) وارد ہوئی ہے' جو اپنی محافظت کی دلیل بھی آپ ہے' پس فرمایئے آپ کے اعتراض کی روشنی میں اس محافظۃ الشئی لنفسہ کے اشکال کا حل کیا ہو گا؟ (مہر منیر ص ۳۲۰' مطبوعہ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز' لاہور)

میرے خیال میں اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ الذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور الذکر میں اجمالی طور پر پورا قرآن مجید موجود ہے اور پورے قرآن میں یہ آیت یعنی انا نحن نزلنا الذکر الآیہ بھی موجود ہے لہٰذا یہ آیت تفصیلی طور پر محافظ ہے یا محافظت کی مثبت اور دلیل ہے اور الذکر کے ضمن میں اجمالی طور پر جو یہ آیت ہے وہ محفوظ ہے یعنی پورے قرآن کے ضمن میں جس کی حفاظت کی گئی ہے' لہٰذا اجمال اور تفصیل کے فرق کی وجہ سے محافظۃ الشئی لنفسہ لازم نہیں آئی' چونکہ وہ شخص حضرت سے مناظرانہ رنگ میں گفتگو کر رہا تھا۔ اس لیے آپ نے خود اس کا جواب نہیں ذکر فرمایا۔

قرآن مجید کی حفاظت کا ظاہری سبب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ظاہری سبب اس کا بہت زیادہ چھپنا اور بہت زیادہ حفظ کرنا ہے اور قرآن مجید کو لوگ تراویح میں قرآن مجید سنانے یا سننے کے شوق میں حفظ کرتے ہیں اور جو لوگ تراویح میں قرآن مجید سننا یا سنانا چھوڑ دیتے ہیں۔ انہیں قرآن مجید بھول جاتا ہے اور جس فرقے کے لوگ تراویح نہیں پڑھتے' ان میں کوئی حافظ قرآن بھی نہیں ہوتا اور قرآن مجید کو مصحف میں لکھ کر محفوظ کرنے کا مشورہ بھی حضرت عمر نے دیا تھا اور تراویح میں قرآن مجید پڑھ کر سنانے کا طریقہ بھی حضرت عمر کی ایجاد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا حقیقی محافظ تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس کی حفاظت کے ظاہری سبب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے O اور ان کے پاس جب بھی کوئی رسول آتا تھا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے O ہم اسی طرح اس کو مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں O وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور بے شک پہلے لوگوں کی بھی یہی روش گزر چکی ہے O (الحجر: ۱۳-۱۰)

مشکل الفاظ کے معانی

شیع: یہ شیعہ کی جمع ہے' اس کا معنی ہے امتوں میں سے ایک امت' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ اور حسن نے کہا ہے فرقوں میں سے ایک فرقہ' اور فرقہ لوگوں کے اس گروہ کو کہتے ہیں جو کسی ایک مذہب' عقیدہ یا نظریہ پر متفق ہوں' یہ اصل میں شیاع سے ماخوذ ہے۔ شیاع ان چھوٹی لکڑیوں کو کہتے ہیں جن کی مدد سے بڑی لکڑی جلائی جاتی ہیں۔ عرف میں فرقہ کا معنی ہے سواد اعظم اور اکثریت سے کسی اختلاف کی بناء پر کچھ لوگ ان سے نکل کر اپنا الگ ایک گروہ بنالیں جیسے سب سے پہلے مسلمانوں کی اکثریت سے الگ ہو کر خوارج نے اپنا ایک عقیدہ بنالیا۔ وہ حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں پر لعنت کرتے تھے' پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ کے شیعان علی نے اپنا الگ عقیدہ بنالیا' پھر اسی طرح مختلف نظریات اپنا کر سواد اعظم سے کٹ کٹ کر فرقے بنتے گئے۔

نسلکہ: اس لفظ کا مادہ سلک ہے۔ سلک کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا' مثلاً دھاگے کو سوئی کے

سوراخ میں داخل کرنا' اور نیزے کو دشمن کے جسم میں داخل کرنا' قرآن مجید میں ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۔ (المدثر: ۴۲) تم کو کس چیز نے دوزخ میں داخل کردیا۔

اس آیت کا معنی ہے ہم اس قرآن کو مجرموں کے دلوں میں داخل کردیتے ہیں۔ یعنی ان کو قرآن سنواتے ہیں اور ان کے دل و دماغ کو قرآن مجید کے معانی کی طرف متوجہ کردیتے ہیں لیکن وہ اپنی جہالت اور کفر پر اصرار کرکے ضد' عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس پر ایمان نہیں لاتے۔

سنت: سنت کا معنی طریقہ ہے اور سنت النبی کا معنی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ جس کو آپ قصداً اختیار فرماتے اور سنت اللہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی حکمت کے طریقہ پر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ (الفتح: ۲۳) یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ مختلف انبیاء کی شریعتیں ہرچند کہ صورتاً مختلف ہوتی ہیں لیکن ان کی غرض اور ان کا مقصود مختلف نہیں ہوتا اور نہ تبدیل ہوتا ہے اور وہ ہے نفس کو پاکیزہ کرنا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ثواب اور اس کے قرب اور جوار کے قابل بنانا۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۲۲) علامہ ابن الاثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: سنت کا اصل معنی ہے طریقہ اور سیرت اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے: جس چیز کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو یا جس چیز سے آپ نے منع فرمایا ہو یا جس چیز کو آپ نے قولاً یا فعلاً مستحب قرار دیا ہو اور ان چیزوں کا ذکر قرآن مجید میں نہ ہو' اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ دلائل شرعیہ کتاب اور سنت ہیں اور اس قبیل سے یہ حدیث ہے:

انی لا نسی او انسی لاسن۔ میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ کسی فعل کو سنت قرار دیا جائے۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۲۸)

یعنی مجھ پر نسیان طاری کیا جاتا ہے تاکہ میں لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت دوں اور ان کو یہ بیان کروں کہ جب ان پر نسیان طاری ہو تو ان کو کیا کرنا چاہیے۔ اس طرح ایک حدیث میں ہے نزل المحصب ولم یسنہ آپ وادی محصب میں اترے لیکن آپ نے اس کو لوگوں کے لیے سنت نہیں قرار دیا تاکہ لوگ اس پر عمل کریں۔ (النہایہ ج ۲ ص ۳۶۸)

علامہ ابن اثیر کی اس عبارت سے سنت کی جامع مانع تعریف اس طرح حاصل ہوتی ہے: جس چیز کا قرآن مجید میں ذکر نہ ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے قول یا فعل سے مسلمانوں کے عمل کے لیے معین فرمایا ہو' اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دائماً یا اکثر کیا ہو تو یہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کبھی کبھی کیا ہو تو یہ سنت غیر مؤکدہ ہے' اس آیت میں فرمایا ہے کہ پہلوں کی سنت گزر چکی ہے۔ یہاں سنت سے مراد کفار کی عادت اور ان کا طریقہ ہے۔

کافروں کے دلوں میں نبیوں کا استہزاء پیدا کرنے پر بحث و نظر

ان آیتوں میں فرمایا ہے: ہم اسی طرح اس کو مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں ○ اور وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں نسلکہ اور لایؤمنون بہ کی ضمیروں میں تین احتمال ہیں (۱) یہ دونوں ضمیریں استہزاء کی طرف لوٹتی ہیں۔ (۲) نسلکہ کی ضمیر استہزاء کی طرف اور لایؤمنون بہ کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے۔ (۳) یہ دونوں ضمیریں قرآن کی طرف لوٹتی ہیں۔

پہلی صورت میں معنی اس طرح ہوگا ہم نبیوں کے ساتھ استہزاء کرنے کو ان کے دلوں میں داخل کردیتے ہیں اور وہ

اس استہزاء پر ایمان نہیں لائیں گے۔ لیکن یہ معنی تناقض کو مستلزم ہے، کیونکہ جب استہزاء ان کے دل میں ہو گا تو ان کا اس استہزاء پر ایمان ہو گا ورنہ لازم آئے گا کہ ان کے دل میں استہزاء پر ایمان ہو اور ایمان نہ ہو۔

دوسری صورت میں معنی یہ ہو گا کہ ہم ان کے دلوں میں نبیوں کے ساتھ استہزاء کو داخل کرتے ہیں اور وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ اس معنی پر یہ اعتراض ہے کہ نبیوں کے ساتھ استہزاء کرنا کفر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں کفر کو داخل کر دیا، اس لیے وہ قرآن پر ایمان نہیں لائے اور اس صورت میں قیامت کے دن کفار یہ کہہ سکیں گے، ہم اس لیے ایمان نہیں لائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں کفر داخل کر دیا تھا، یاد رکھئے کہ ایمان اور کفر دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن بندہ ایمان لانے کا ارادہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان پیدا کر دیتا ہے اور کفر کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں کفر پیدا کر دیتا ہے اور اگر بندہ کے ارادہ کو ایمان اور کفر کی تخلیق کا سبب نہ مانا جائے تو انبیاء علیہم السلام کو بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا اور جزاء اور سزا کا نظام قائم کرنا سب عبث اور بے معنی اور حکمت کے خلاف ہو گا۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ یہ دونوں ضمیریں قرآن مجید کی طرف لوٹتی ہیں جو انا نحن نزلنا الذکر سے سمجھ آ رہا ہے اور اب معنی اس طرح ہو گا ھم ان کے دلوں میں قرآن کو داخل کرتے ہیں یعنی ہم نے ان کو قرآن سنوایا اور ہم نے قرآن کے معانی اور اس کی ہدایت کو سمجھنے کے لیے ان کے دل و دماغ میں فہم اور ادراک عطا فرمایا، لیکن یہ اپنی ضد، کج بحثی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قرآن مجید کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور ایمان نہیں لاتے۔ اس معنی پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔

علامہ ابوالحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ غزنوی نے حسن بصری سے یہی روایت کیا ہے کہ ہم مشرکین پر حجت قائم کرنے کے لیے ان کے دلوں میں قرآن داخل کرتے ہیں یعنی ہم نے ان کے دل و دماغ میں قرآن کو سمجھنے کا ادراک پیدا کر دیا ہے۔ (البحر المحیط ج ۶ ص ۴۶۹) لیکن میں نے دیکھا کہ علامہ سمعانی، علامہ زمخشری اور سید مودودی کے علاوہ تمام مفسرین اور مترجمین نے دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کافروں کے دلوں میں نبیوں کے ساتھ استہزاء کو داخل کر دیتا ہے اور وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں کفر پیدا کر دیتا ہے، اب رہا یہ اعتراض کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں میں کفر کو پیدا کر دیا تو پھر ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے کفر کا ارادہ کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں کفر کو پیدا کر دیا جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔

کفار کے انکار اور استہزاء کی وجوہات

ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ کافر ہمیشہ سے نبیوں کا مذاق اڑاتے رہے ہیں اور ان پر ایمان لانے سے انکار کرتے رہے ہیں۔ ان کے اس استہزاء اور انکار کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) وہ اپنی شہوت برآری اور لذت اندوزی کے خوگر ہو چکے تھے اور شریعت کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال کر اپنی من پسند چیزوں سے دست بردار ہونا ان کے لیے مشکل تھا اور عبادت کی مشقتوں کو برداشت کرنا ان پر بھاری تھا۔

(۲) وہ شروع سے جس مذہب سے وابستہ تھے، وہ ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا اور اس کو چھوڑنا ان کے لیے بہت مشکل تھا۔

(۳) رسول کی اطاعت کرنا ضروری ہوتی ہے اور وہ آزاد منش لوگ تھے۔ ان کے لیے کسی کی غلامی اختیار کرنا بہت

دشوار تھا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول بھیجے ان میں سے زیادہ تر ایسے تھے جن کے پاس مال و دولت کی فراوانی نہ تھی اور نہ ان کے اعوان اور مددگار تھے اور منکرین بہت مالدار اور رئیس تھے۔ ان کے ماتحت بہت لوگ تھے اس لیے ان کو ان رسولوں کی اتباع کرنے میں عار محسوس ہوتا تھا۔

(۵) وہ اپنے آباء واجداد کی تقلید سے بت پرستی میں راسخ ہو چکے تھے اور ان کے خلاف کوئی بات سننے پر تیار نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ دن بھر اس پر چڑھتے (بھی) رہیں○ تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ بات صرف یہی ہے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے○ (الحجر: ۱۵-۱۴)

مشکل الفاظ (سحر وغیرہ) کے معانی

ظل: جو شخص دن کے وقت میں کوئی کام کرے اس کے لیے عرب ظل کا لفظ بولتے ہیں جیسے کوئی شخص رات میں کوئی کام کرے تو اس کے لیے بات کا لفظ بولتے ہیں۔

یعرجون کا معنی ہے وہ چڑھتے ہیں، معراج کا معنی ہے سیڑھی اور اس کی جمع معارج ہے۔

سکرت: اس کی نظر بندی کر دی گئی ہے۔ یہ لفظ تسکیر سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے نظر بندی کرنا، اور جس چیز سے نشہ ہو، اس کو سکر کہتے ہیں۔

سحر: جس چیز کا سبب مخفی ہو اور اپنی حقیقت کے خلاف اس کا تخیل ہونے لگے، دھوکا دینے اور بے حقیقت خیالات کے پیدا کرنے کو بھی سحر کہتے ہیں۔ ہاتھ کی صفائی اور شعبدہ بازی کو بھی سحر کہتے ہیں، نظر بندی کرنے کو بھی سحر کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے سحروا اعین الناس (الاعراف: ۱۱۶) انہوں نے لوگوں کی آنکھوں کو باندھ دیا۔ شیطان سے کسی قسم کا تقرب حاصل کر کے کفریہ اور شرکیہ کلمات پڑھ کر کسی عجیب و غریب کام کرنے کو بھی سحر کہتے ہیں۔ علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے سحر کے متعلق حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

(۱) سحر سے حقائق اشیاء تبدیل ہو جاتی ہیں، اور لوگوں کی صورتیں بدل جاتی ہیں جیسے پتھر کو سونا بنا دینا اور انسان کو گدھا بنا دینا اور یہ معجزات اور کرامات کے مشابہ ہے، جیسے ہوا میں اڑنا اور قلیل وقت میں کثیر مسافت کو طے کر لینا۔

(۲) بازی گری، ملمع سازی اور شعبدہ بازی جس کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی، قرآن مجید میں ہے:

فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ۔ (طٰہٰ: ۶۶)
بس اچانک ان کے جادو سے موسیٰ کو یہ خیال ہوا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۔

اور یہ معتزلہ کا قول ہے جن کی رائے میں سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے، ابواسحاق استرابازی شافعی کا قول بھی انہی کے موافق ہے۔

(۳) سحر کے ساتھ اپنی قوت مخیلہ کو لوگوں کے خیالات پر اثر انداز کیا جاتا ہے اور ان کے خیال میں جو بات ڈال دی جاتی ہے، ان کو وہی نظر آتا ہے، اس کو نظر بندی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے سحروا اعین الناس۔ (الاعراف: ۱۱۶)

(۴) کوئی محیر العقول کام کرنے کے لیے جنات کی خدمت حاصل کی جاتی ہے اور اس کام کو سحر کہتے ہیں۔

(۵) بعض اجسام کو جلا کر ان کی راکھ پر کچھ کلمات پڑھے جاتے ہیں۔

(۶) ستاروں کے خواص اوران کی تاثیرات سے یہ عمل کیاجاتا ہے۔

(۷) کچھ کفریہ کلمات پڑھ کر یہ عمل کیاجاتا ہے۔(البحرالمحیط ج۱ص ۵۲۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

کفار مکہ کے مطالبہ پر فرشتوں کونازل نہ کرنے کی وجہ

ان آیتوں کاخلاصہ یہ ہے کہ جب کفار مکہ نے فرشتوں کے نزول کامطالبہ کیاجواس بات کی تصدیق کریں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی طرف سے نبی بناکر بھیجے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر بالفرض یہ مطالبہ پورا بھی کردیاجائے تو وہ یہ کہیں گے کہ یہ جادو ہے۔ ہرچند کہ ہم بظاہر فرشتوں کودیکھ رہے ہیں لیکن ہم حقیقت میں ان کو نہیں دیکھ رہے۔

اگر یہ اعتراض کیاجائے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت ایک چیز کامشاہدہ کررہی ہو اور پھر وہ یہ کہیں کہ ہم کوشک ہے، جوکچھ ہم نے دیکھاہے، وہ نظر بندی ہے یاجادو ہے۔ اس طرح تو پھر حواس اور مشاہدہ پر اعتبار نہیں رہے گا۔ اس کاجواب یہ ہے کہ جب لوگ ضد، عناداور ہٹ دھرمی پر اتر آئیں تو ایسا ہو سکتا ہے۔ آخر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاسے اللہ تعالیٰ نے چاند کو دو ٹکڑے کردیا تھا تب بھی تو کفار نے یہی کہاتھا کہ یہ کھلاہوا جادو ہے، اسی طرح تمام جن اور انسان مل کر قرآن کی مثل کوئی سورت بناکر نہیں لاسکے پھر بھی انہوں نے اس کو اللہ کا کلام نہیں مانا اور یہی کہا کہ یہ کھلاہوا جادو ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنَاهَا
اور بے شک ہم نے آسمان میں برج بنائے اور ہم نے ان کو دیکھنے والوں کے لیے مزین کردیا ○ اور ہم نے ان کو
مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿١٧﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ
ہر راندۂ درگاہ شیطان سے محفوظ کردیا ○ سوا اس کے جو چوری سے (فرشتوں کی باتیں) سنے تو اس کے پیچھے
شِهَابٌ مُبِينٌ ﴿١٨﴾ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ
ایک چمکتا ہوا انگارہ آتا ہے ○ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑ نصب کردیئے
وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا
اور اس میں ہر مناسب چیز اگائی ○ اور ہم نے اس میں تمہارے لیے
مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا
سامان معیشت پیدا کیا اور ان کے لیے (بھی) جن کو تم روزی نہیں دیتے ○ اور ہمارے ہی پاس ہر
عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ﴿٢١﴾ وَأَرْسَلْنَا
چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں ○ اور ہم نے بادلوں

الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ

کا بوجھ اٹھانے والی ہوائیں بھیجیں پھر ہم نے آسمان سے بارش برسائی سو ہم نے تم کو وہ پانی پلایا اور تم

اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس پانی کا ذخیرہ کرنے والے نہ تھے ○ اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی روح قبض کرتے ہیں اور ہم ہی سب کے بعد باقی ہیں

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور بے شک ہم ان لوگوں کو جانتے ہیں جو تم میں سے مقدم ہیں اور ہم ان کو (بھی) جانتے ہیں جو تم میں سے مؤخر ہیں ○

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

اور بے شک آپ کا رب ہی ان سب کو جمع کرے گا، بے شک وہ بہت حکمت والا، نہایت علم والا ہے ○

رکوع ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آسمان میں برج بنائے اور ہم نے ان کو دیکھنے والوں کے لیے مزین کر دیا ○ اور ہم نے ان کو ہر راندۂ درگاہ شیطان سے محفوظ کر دیا ○ سوا اس کے جو چوری سے (فرشتوں کی باتیں) سنے تو اس کے پیچھے ایک چمکتا ہوا انگارہ آتا ہے ○ (الحجر: ۱۸-۱۶)

بروج کا لغوی اور اصطلاحی معنی

بروج برج کی جمع ہے۔ اس کے معنی بلند عمارت اور محل ہیں۔ گنبد اور ستارے کے مقام کو کہتے ہیں۔ آسمان کا بارہواں حصہ جو رصد گاہوں سے دکھائی دیتا ہے، اس کو برج کہتے ہیں۔ علماء ہیئت کہتے ہیں کہ آسمان نو ہیں۔ سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک سیارہ ہے۔ سات سیارگان یہ ہیں قمر، زحل، عطارد، شمس، مشتری، مریخ اور زہرہ اور آٹھویں آسمان میں وہ ستارے ہیں جو ثابت ہیں (یعنی گردش نہیں کرتے) اور نویں آسمان کو وہ فلک اطلس کہتے ہیں وہ سادہ ہے، اور آٹھویں آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے جو مختلف شکلیں بنتی ہیں، وہ اس نویں آسمان میں نظر آتی ہیں جن کو رصد گاہوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کہیں یہ شکل شیر کی سی بن جاتی ہے۔ اس کو برج اسد کہتے ہیں اور کہیں ترازو کی سی شکل بنتی ہے اس کو برج میزان کہتے ہیں، اور کہیں یہ شکل بچھو کی سی بنتی ہے۔ اس کو برج عقرب کہتے ہیں۔ یہ کل بارہ برج ہیں: حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ سورج ہر ماہ میں ایک برج کی مسافت کو طے کرتا ہے اور ایک سال میں بارہ بروج کی مسافت قطع کرتا ہے۔ گرمی، سردی، بہار اور خزاں۔ یہ چاروں موسم سورج کی اسی حرکت سے وجود میں آتے ہیں۔ (روح المعانی جز ۱۴ ص ۳۳-۳۲ ملخصاً و موضحاً)

ترقی اردو بورڈ کی مرتب کردہ لغت میں لکھا ہے:

سیارہ کا دائرہ گردش جسے اس کا گھر، مقام یا منزل کہتے ہیں، آسمانی دائرہ کے بارہ حصوں میں سے ہر ایک راس۔ قدیم ہیئت دانوں نے ستاروں کے مقامات سمجھنے کے لیے منطقہ یا راس منڈل (فضا) کے بارہ حصے کیے ہیں۔ ہر حصہ میں جو ستارے واقع ہیں ان کی اجتماعی صورت سے جو شکل بنتی ہے، اس حصہ کا نام اسی شکل پر رکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً چند ستارے مل کر شیر کی سی

شکل بناتے ہیں' اس حصہ کا نام برج اسد رکھ لیا گیا ہے۔ (اردو لغت ج ۲ ص ۹۹۵، مطبوعہ محیط اردو پریس کراچی)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

اہل عرب ستاروں اور بروج کے علم کو بہت عظیم علوم میں سے شمار کرتے تھے اور ان سے راستوں' اوقات اور ان سے خشک سالی اور فصل کی سرسبزی اور زرخیزی پر استدلال کرتے تھے۔ مریخ کا برج الحمل اور العقرب ہے اور زہرہ کا برج الثور اور المیزان ہے' اور عطارد کا برج الجوزاء اور السنبلہ ہے اور القمر کا برج السرطان ہے اور الشمس کا برج الاسد ہے اور مشتری کا برج القوس اور الحوت ہے اور زحل کا برج الجدی اور الدلو ہے۔ (تفسیر منیر ج ۱۴ ص ۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

علم نجوم کی تعریف

علم نجوم کی تعریف' سیاروں کی تاثیرات یعنی سعادت و نحوست اور واقعات آئندہ کی حسب گردش پیش گوئی یا معاملات تقدیر اور اچھے برے موسم کی خبر دینے کا علم۔ (اردو لغت ج ۱۳ ص ۵۱۹، مطبوعہ محیط اردو پریس کراچی ۱۹۹۱ء)

نجومی کہتے ہیں کہ انسان جس تاریخ کو پیدا ہوا' اس تاریخ کو سورج جس برج میں تھا وہ اس شخص کا برج ہے۔ پھر وہ اپنے حساب سے اس کا ستارہ معلوم کرتے ہیں اور انہوں نے ستاروں کی جو تاثیرات فرض کی ہوں' اس اعتبار سے وہ اس شخص کی قسمت کا حال بیان کرتے ہیں لیکن یہ سب انکل پچو اور ڈھکوسلے ہیں۔ غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے ماسوا ان نفوس قدسیہ کے جن کو اللہ تعالیٰ وحی یا الہام کے ذریعہ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے:

علم نجوم کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ اس جہان میں جتنی بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں' ان سب کا اجرام سماوی (سیارگان) کی مخصوص طبائع اور ان کی حرکات سے قریبی تعلق ہے۔ انسان عالم اصغر ہونے کی حیثیت سے پورے عالم اکبر کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے' بالخصوص سیاروں کی تاثیرات کے تابع ہے۔ اس میں خواہ ہم بطلیوس کی پیروی میں واضح طور پر اس عملی نظریہ کو تسلیم کریں کہ اجسام فلکی کی نکلی ہوئی شعاعوں سے ایسی قوتیں یا اثرات خارج ہوتے ہیں جو معمول (قابل) کی طبیعت کو عامل (فاعل) کی طبیعت کے مطابق بنا دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ہم خیال ہونے کی غرض سے اجسام سماوی کو آئندہ ہونے والے واقعات کا اصل فاعل نہ مانتے ہوئے محض ان واقعات کی نشانیاں (دلائل) تصور کریں۔ ستاروں کا اثر ان کی انفرادی نوعیت پر' نیز زمین یا دوسرے ستاروں کے لحاظ سے ان کے مقام پر منحصر ہے' لہٰذا اس عالم کے واقعات اور انسانی زندگی کے نشیب و فراز ہمیشہ لاتعداد اور نہایت متنوع بلکہ متناقض سماوی اثرات کے نہایت پیچیدہ اور متغیرہ امتزاج کے تابع ہوتے ہیں۔ ان اثرات کو جاننا اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ نظر میں رکھ کر دیکھنا منجم کا محنت طلب کام ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۳۰۵، مطبوعہ لاہور)

ستاروں کی تاثیرات ماننے کا شرعی حکم

اسلام میں ستاروں کو موثر ماننا کفر اور باطل ہے۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی۔ آسمان پر رات کی بارش کے اثرات تھے' آپ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے' پھر فرمایا: تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے میرے بعض بندوں نے صبح کی تو وہ مجھ پر ایمان لانے والے بھی تھے اور میرا کفر کرنے والے بھی تھے' سو جس

نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور سیارہ (ستارہ) کا کفر کرنے والا ہے اور جس نے کہا فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے' وہ میرا کفر کرنے والا ہے اور سیارہ (ستارہ) پر ایمان لانے والا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۴۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۹۰۶)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں کفر سے مراد مشرکین کا کفر ہے کیونکہ اس کو ایمان کے مقابلہ میں ذکر فرمایا ہے اور یہ اس کے متعلق ہے جس کا اعتقاد یہ ہو کہ ستاروں کی تاثیر اور ان کے فعل سے بارش ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کفران نعمت ہو۔ جب کہ اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ نے ہی بارش کو پیدا کیا ہے تو وہ خطاکار ہے' کافر نہیں ہے اور اس کی خطا دو وجوں سے ہے ایک اس وجہ سے کہ اس کا یہ قول شریعت کے مخالف ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس کا یہ قول کفار کے مشابہ ہے اور ہم کو کفار کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے مشرکین اور یہود کی مخالفت کرو اور ان کی مشابہت سے منع فرمایا ہے اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے اقوال اور افعال میں ان کی مخالفت کریں۔

(عمدۃ القاری جز ۶ ص ۷۳، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ ستارہ فاعل مدبر (موثر) اور بارش برسانے والا ہے' اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے اور جس نے یہ کہا کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی اور اس کا اعتقاد یہ تھا کہ بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوئی ہے اور یہ ستارہ بارش کے وقت کی علامت ہے تو اس کے قول کی تاویل یہ ہے کہ فلاں وقت میں بارش ہوئی ہے لہٰذا اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور اس قول کے مکروہ ہونے میں اختلاف ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۶۸۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

یہ تو اس شخص کا حکم ہے جو افعال اور آثار کے صادر ہونے کی نسبت سیاروں اور ستاروں کی طرف کرے لیکن جو نجومی ستاروں اور بروج کی مدد سے زائچہ بنا کر غیب دانی کا دعویٰ کرے' اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔ جس طرح نجومی کا غیب کی باتیں بتانا کفر ہے' اسی طرح کسی نجومی کو غیب دان اعتقاد کر کے اس سے مستقبل میں پیش آنے والے امور اور غیب کی باتیں پوچھنا بھی کفر ہے۔

شہاب ثاقب کا لغوی اور اصطلاحی معنی

شہاب' وہ چھوٹے چھوٹے اجرام یا شہاب جن کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے' زمین کی حرکت سے مخالف سمت میں حرکت کرتے ہوئے زمین کے کرہ ہوائی سے متصادم ہوتے ہیں تو ان کی رفتار اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ ہوا کی مزاحمت سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے' وہ ان کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ نظام شمسی کے جن مختلف ارکان کا اوپر ذکر ہو چکا ہے' ان کے علاوہ بے شمار اور چھوٹے چھوٹے اجرام ہیں' جن کو شہاب ثاقب کہتے ہیں۔ (علم ہیئت ص ۱۱۰)

وہ چمکتا ستارہ جو آسمان سے گرتا یا آتش بازی کی طرح چھوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

شہاب ثاقب کا ٹکڑا جو راکھ ہونے سے پہلے زمین تک پہنچ جاتا ہے' اور دھماکے کے ساتھ پھٹ جاتا ہے' بعض اوقات ایسے شہابیے زمین پر گر پڑتے ہیں جن کا سائز کافی بڑا ہوتا ہے۔ (اردو لغت ج ۱۲ ص ۵۰۷، مطبوعہ محیط اردو پریس کراچی ۱۹۹۱ء)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جلتی ہوئی آگ کے چمک دار شعلہ کو شہاب کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۵۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے جب جنات فرشتوں کی باتیں چوری سے سنتے ہیں تو بسا اوقات ان کو شہاب پکڑ لیتا ہے اس سے پہلے کہ وہ یہ باتیں کسی کے دل میں القاء کریں، اور شہاب سے آپ کی مراد ہے جو رات کو ستارے کی مانند ٹوٹتا ہے اور وہ اصل میں آگ کا ایک شعلہ ہوتا ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۴۵۸-۴۵۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

بروج سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال

ان آیتوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے منکرین نبوت کے شبہات کا جواب دے کر ان کا ازالہ فرمایا تھا، اور یہ واضح اور جلی ہے کہ نبوت کا ثبوت الوہیت کے ثبوت پر مبنی ہے تو اب اللہ تعالیٰ الوہیت کے دلائل کو بیان فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ آسمانوں میں بروج بنائے ہیں اور ان کو دیکھنے والوں کے لیے مزین فرمایا ہے۔ ان کی الوہیت پر اس طرح دلالت ہے کہ ہر برج دوسرے برج سے مختلف ہے اور ان کا اختلاف اس پر دلالت کرتا ہے کہ قادر مختار اور صناع ازل نے جس برج کو جس ہیئت پر چاہا اس ہیئت پر بنا دیا اور ضروری ہے کہ ان کا بنانے والا واجب اور قدیم ہو، کیونکہ اگر وہ ممکن اور حادث ہو تو اس کو خود اپنے وجود میں کسی علت کی احتیاج ہوگی اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم واحد ہو کیونکہ تعدد وجباء محال ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے کئی بار ذکر کر چکے ہیں، لہٰذا آسمانوں میں بروج کا ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ ان کا کوئی خالق ہو اور ضروری ہے کہ وہ خالق واجب قدیم اور واحد ہو۔

آپ کی بعثت سے پہلے شہاب ثاقب گرائے جانے کے متعلق متعارض احادیث

پھر فرمایا ہم نے ان آسمانوں کو شیطان رجیم سے محفوظ کر دیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ شیطان اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ آسمانوں کو منہدم کر سکے، پھر آسمانوں کو شیطان رجیم سے محفوظ کرنے کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو آسمان کے قریب جانے سے منع کر دیا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے بھی شہاب ثاقب گرائے جانے کا عمل معمول اور متعارف تھا اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل آپ کی بعثت کے بعد شروع ہوا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں جیسے زنجیر کو صاف پتھر پر مارا جائے پھر اللہ تعالیٰ اس حکم کو نافذ فرما دیتا ہے، جب فرشتوں کے دلوں سے کچھ خوف دور ہو جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا؟ وہ کہتے ہیں اس نے جو کچھ فرمایا، وہ حق ہے اور وہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے، پھر فرشتوں کی گفتگو کو چرانے والے شیطان ان باتوں کو چوری سے سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ سفیان نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو کشادہ کر کے ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر دکھایا اور کہا شیطان اس طرح ایک دوسرے کے اوپر تلے ہوتے ہیں اور یہ فرشتوں کی گفتگو کو چوری سے سننے والے ہیں، بعض اوقات اس چوری سے سننے والے کو آگ کا ایک شعلہ آ کر لگتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ساتھی کو یہ بتائے کہ اس نے کیا سنا تھا وہ شعلہ اس سننے والے کو جلا ڈالتا ہے اور بعض اوقات وہ شعلہ اس کو نہیں لگتا حتیٰ کہ وہ سننے والا اپنے قریب والے کو بتا دیتا ہے، پھر وہ اس کو بتا دیتا ہے جو اس سے نیچے ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ ان باتوں کو زمین تک پہنچا

دیتے ہیں، پھر وہ یہ باتیں جادوگر کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ ان باتوں کے ساتھ سو جھوٹ اور ملا لیتا ہے، پھر اس کی تصدیق کی جاتی ہے، اور لوگ کہتے ہیں کہ کیا اس جادوگر نے ہم کو فلاں دن ایسی ایسی خبر نہیں دی تھی! اور ہم نے اس کی خبر کو سچا پایا تھا اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس نے آسمان کی خبر سن لی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۷۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک ستارہ ٹوٹ کر گرا اور فضا روشن ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا جب تم زمانہ جاہلیت میں یہ منظر دیکھتے تھے تو اس کے متعلق کیا کہتے تھے؟ صحابہ کرام نے کہا ہم یہ کہتے تھے کہ کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ کا یہ شعلہ کسی کی موت پر پھینکا جاتا ہے نہ کسی کی حیات پر، لیکن ہمارا رب عزوجل جب کسی چیز کے متعلق کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش سبحان اللہ کہتے ہیں، پھر آسمان والے سبحان اللہ کہتے ہیں، پھر جو ان کے قریب ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ پھر جو ان کے قریب ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں حتیٰ کہ اس آسمان تک تسبیح پہنچ جاتی ہے، پھر چھٹے آسمان والے ساتویں آسمان والوں سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے، پھر وہ ان کو خبر دیتے ہیں، پھر ہر نچلے آسمان والا اپنے سے اوپر آسمان والے سے پوچھتا ہے، حتیٰ کہ آسمان دنیا تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے اور شیاطین چوری سے اس خبر کو سن لیتے ہیں، پھر وہ یہ خبر اپنے چیلوں اور دوستوں تک پہنچا دیتے ہیں، پھر اگر وہ اس خبر کو بیان کریں تو وہ حق ہے لیکن وہ اس میں تحریف کرتے ہیں اور اس میں کچھ اور باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۴، مسند احمد ج۱ ص۲۱۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج۸ ص۱۳۸)

صحیح بخاری اور سنن ترمذی کی ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی شیاطین فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر چڑھتے تھے اور ان پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے تھے جو اس طرح دکھائی دیتے تھے جیسے ستارے ٹوٹ کر گر رہے ہوں اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے یہ عمل نہیں ہوتا تھا اور شیاطین کو آسمان پر چڑھنے اور فرشتوں کی باتیں سننے سے منع نہیں کیا جاتا تھا حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات پر قرآن مجید نہیں پڑھا تھا اور نہ ان کو دیکھا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار میں گئے اور آسمان کی خبر اور شیاطین کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی تھی اور ان کے اوپر آگ کے شعلے پھینکے جاتے تھے، پس شیاطین اپنی قوم کی طرف گئے اور انہوں نے کہا ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کیا چیز حائل ہو گئی ہے اور ہم پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں، انہوں نے کہا ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے، زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں سفر کرو اور تلاش کرو کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے، پھر انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کیا۔ ان کی ایک جماعت تہامہ کی طرف گئی اور وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ کے بازار میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن کو سنا تو انہوں نے کہا: یہ ہے وہ چیز جو تمہارے اور آسمان کے درمیان حائل ہو گئی ہے، پھر وہ اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں قرار دیں گے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۱، ۳۲۷۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۳ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۲۴)

ان متعارض احادیث میں قاضی عیاض اور علامہ قرطبی کی تطبیق

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے تھے اور ان پر آگ کے شعلے نہیں پھینکے جاتے تھے کیونکہ شیاطین نے اس پر تعجب کیا اور ان کا سبب معلوم کرنے کی جستجو کی، یہی وجہ ہے کہ عرب میں پہلے کاہنوں کا بہت چرچا تھا اور لوگ مستقبل کی باتیں معلوم کرنے کے لیے ان کے پاس بالعموم جایا کرتے تھے، حتیٰ کہ اس کا سبب منقطع کر دیا گیا اور شیاطین جو چوری سے فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے، ان کے سننے کے درمیان آگ کے شعلے حائل کر دیئے گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۚ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ (الجن: ۹-۸)

اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھوا تو ہم نے اس کو اس حال میں پایا کہ اس کو سخت پہرہ داروں اور آگ کے انگاروں سے بھر دیا گیا ہے ۝ اور ہم پہلے (فرشتوں کی باتیں) سننے کے لیے آسمان کی کچھ جگہوں پر بیٹھ جاتے تھے، پس اب جو کان لگا کر سنتا ہے، تو وہ اپنی گھات میں آگ کا شعلہ تیار پاتا ہے۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۲)

بے شک شیاطین (فرشتوں کی گفتگو) سننے سے دور کیے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ۔ (الملک: ۵)

اور بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرما دیا اور ان ستاروں کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ (بھی) بنایا۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۰-۶)

بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرما دیا ۝ اور اسے ہر سرکش شیطان سے محفوظ بنا دیا ۝ وہ شیاطین اوپر کے فرشتوں کی بات نہیں سن سکتے اور ان کو ہر طرف سے مار لگائی جاتی ہے ۝ دور کرنے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ۝ سوا اس شیطان کے جو کوئی بات اچک لے تو شہاب ثاقب (چمکتا ہوا انگارہ) اس کا پیچھا کرتا ہے ۝

اور تاریخ عرب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہاب ثاقب کو بہت حیرت سے دیکھتے تھے کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے وہ شہاب ثاقب کو نہیں جانتے تھے اور شہاب ثاقب کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل اور علامات سے شمار کیا جاتا تھا، اور بعض علماء نے یہ کہا کہ دنیا میں ہمیشہ سے شہاب ثاقب گرتے رہے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے۔ (ہم صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں)

لیکن ان حدیثوں پر یہ اعتراض ہے کہ یہ حدیثیں قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہیں:

فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا۔ سو اب جو کان لگا کر سنتا ہے تو وہ اپنی گھات میں حفاظت کرنے والا شعلہ (شہاب ثاقب) تیار پاتا ہے۔ (الجن: ۹)

مفسرین نے یہ کہا ہے کہ آسمان کی حفاظت اور شہاب ثاقب کا گرنا پہلے بھی معروف تھا لیکن پہلے اس وقت ہوتا تھا جب کوئی بہت بڑا واقعہ رونما ہوتا تھا۔ مثلاً جب روئے زمین پر عذاب نازل ہوتا تھا یا جب زمین پر کوئی رسول بھیجا جاتا تھا، قرآن مجید میں ہے:

جنات نے شہاب ثاقب کے متعلق کہا:

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا۔ (الجن: ۱۰) اور ہم یہ نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کوئی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ شہاب ثاقب کا گرنا پہلے بھی دکھائی دیتا تھا اور معروف تھا لیکن شیاطین کو ان کے ذریعہ دور کرنا اور جلانا یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد شروع ہوا ہے، اسی لیے جنات نے اپنے دور کیے جانے پر حیرت اور تعجب کا اظہار کیا اور اس کا سبب تلاش کیا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۶۶-۳۶۴، مطبوعہ دار الوفاء بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ دو متعارض اور مختلف حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی شہاب ثاقب گرائے جانے کا معمول تھا اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے یہ امر آپ کی بعثت کے بعد شروع ہوا ہے اور ظاہر قرآن میں بھی اس کی تائید ہے۔ اسی وجہ سے علماء میں اختلاف ہوا، جاحظ نے یہ کہا کہ آپ کی بعثت سے پہلے شہاب ثاقب گرانے کا معمول نہیں تھا اور امام غزالی نے یہ کہا کہ آپ سے پہلے بھی یہ معمول تھا لیکن آپ کی بعثت کے بعد یہ بہت زیادہ ہو گیا اور اس طرح ان حدیثوں کا تعارض دور ہو گیا۔

(المفہم ج ۷ ص ۴۲۱-۴۲۰، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ان احادیث میں علامہ ابن حجر کی تطبیق

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ زہری سے سوال کیا گیا زمانہ جاہلیت میں ستاروں کو شیاطین پر پھینکا جاتا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں لیکن اسلام آنے کے بعد اس میں زیادہ تغلیظ اور تشدید کی گئی اور یہ ان مختلف حدیثوں میں عمدہ تطبیق ہے۔ پھر میں نے وہب بن منبہ کی ایسی روایت دیکھی جس سے اشکال دور ہو جاتا ہے اور ان مختلف حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے انہوں نے کہا پہلے ابلیس تمام آسمانوں پر چڑھا کرتا تھا اور جس جگہ چاہتا تھا پھرتا رہتا تھا جب سے حضرت آدم جنت سے زمین پر آئے تھے، اس کا یہی معمول تھا اور اس کو منع نہیں کیا جاتا تھا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا پھر اس کو چوتھے آسمان تک چڑھنے سے روک دیا گیا اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو پھر اس کو بقیہ تین آسمانوں پر بھی چڑھنے سے روک دیا گیا، پھر ابلیس اور اس کا لشکر چوری چھپے جا کر فرشتوں کی باتیں سنا کرتا تھا تو ان پر ستارے مارے جاتے تھے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو زمانہ فترت تھا اس میں آسمان کی حفاظت نہیں کی جاتی تھی' اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو آسمان کی بہت سخت حفاظت کی گئی اور شیاطین کو ستاروں سے رجم کیا گیا' لہٰذا ان کو اس پر بہت حیرت ہوئی اور سدی کی سند سے روایت کیا ہے کہ آسمان کی صرف اس وقت حفاظت کی جاتی تھی جب زمین پر کوئی نبی ہو یا کوئی دین غالب ہو' اور شیاطین نے آسمانوں میں اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے جہاں بیٹھ کر وہ فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کو ستاروں سے رجم کیا گیا' الزین بن المنیر نے کہا ہے کہ ظاہر حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے شہاب ثاقب کو نہیں پھینکا جاتا تھا اور واقعہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی دوسری حدیث میں ہے اور رہا یہ کہ قرآن مجید میں یہ ہے:

سو اب جو کان لگا کر سنتا ہے تو وہ اپنی گھات میں حفاظت کرنے والا شعلہ (شہاب ثاقب) تیار پاتا ہے۔ الجن: ۹)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ پہلے جو شہاب ثاقب مارے جاتے تھے تو وہ کبھی نشانہ پر لگتے تھے اور کبھی نہیں لگتے تھے اور بعثت کے بعد اس طرح تاک کر شیاطین پر وہ آگ کے شعلے مارے جاتے ہیں کہ ہر شعلہ نشانہ پر لگتا ہے اور کوئی وار خطا نہیں جاتا' اسی وجہ سے رصد کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور جب کوئی وار گھات لگا کر کیا جائے تو وہ چوکتا نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد جو شہاب ثاقب شیاطین پر مارے جاتے ہیں وہ ہمیشہ نشانے پر لگتے ہیں اور اس سے پہلے کبھی وہ شہاب ثاقب نشانے پر لگتے تھے اور کبھی نہیں لگتے تھے' یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے پہلے شیاطین پر شہاب ثاقب بالکل مارے نہیں جاتے تھے۔ علامہ سہیلی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر آپ کی بعثت کے بعد فرشتوں کا نشانہ خطا نہیں جاتا تو پھر چاہیے تھا کہ شیطان دوبارہ آسمان تک چڑھنے کی کوشش نہ کرتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شہاب ثاقب گرانے کا عمل تو مسلسل ہوتا رہتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کو ہر بار یہ توقع اور امید ہوتی ہے کہ وہ چوری سے چھپ کر فرشتوں کی گفتگو سننے میں کامیاب ہو جائے گا اور فرشتوں کی مار سے بچ جائے گا' لیکن وہ ہر بار ناکام اور نامراد ہوتا ہے اور اس پر آگ کے شعلے گرائے جاتے ہیں' اس کے باوجود وہ ہمت نہیں ہارتا اور اپنی کوشش میں لگا رہتا ہے کیونکہ شر اس کی طبیعت میں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے سبب سے شہاب ثاقب گرانے کے عمل میں تغلیظ اور تشدید کی گئی تھی تو پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور وحی منقطع ہو گئی تو پھر شہاب ثاقب گرانے کا عمل بھی منقطع ہو جانا چاہیے تھا حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شہاب ثاقب گرائے جانے کا عمل اسی طرح جاری و ساری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ شہاب ثاقب نہ کسی کی موت کی وجہ سے گرائے جاتے ہیں نہ کسی کی حیات کی وجہ سے' لیکن ہمارا رب جب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے' تو بعض آسمان والے بعض دوسروں کو اس کی خبر دیتے ہیں حتیٰ کہ یہ خبر آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے' جن چوری سے اس خبر کو سن لیتے ہیں اور اپنے دوستوں کے دلوں میں القا کر دیتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ شہاب ثاقب گرانے کے عمل کی شدت اور فرشتوں کی باتوں کی حفاظت اب بھی منقطع نہیں ہوئی اور فرشتوں کو نئے نئے احکام ملتے رہتے ہیں اور باوجود اس کے کہ شیاطین پر بہت سختی کی جاتی ہے' ان کی گفتگو سننے کی طمع منقطع نہیں ہوتی اور جس طرح وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چوری چھپے فرشتوں کی گفتگو سننے کے لیے آسمانوں پر چڑھتے تھے' اب بھی اس کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ ایک روایت ذکر کی ہے جس میں یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ

خلافت میں بھی شیاطین فرشتوں کی باتیں سننے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ ثقفی اسلام لائے تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں چار کو اختیار کرلو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اس نے (ان کے وارث ہونے کے خوف سے) ان چاروں کو طلاق دے دی اور اپنا پورا مال اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا میرا یہ گمان ہے کہ شیطان نے فرشتوں کی جو باتیں چوری سے سنی تھیں' اس میں اس نے تمہارے مرنے کی خبر سنی تھی اور اس نے تمہارے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم عنقریب مرنے والے ہو (سو تم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی) اللہ کی قسم تم فوراً اپنی بیویوں سے رجوع کرو اور اپنے مال میں رجوع کرو (جو بیٹوں کو دے چکے ہو) ورنہ میں ان عورتوں کو تمہارا وارث قرار دوں گا اور تمہاری قبر کو اس طرح رجم کرنے کا حکم دوں گا جس طرح ابو رغال کی قبر کو رجم کیا گیا تھا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۶۳۱' عالم الکتب بیروت)

اس حدیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی شیاطین چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمان پر چڑھتے تھے اور ان پر شہاب ثاقب اور آگ کے شعلے مارے جاتے تھے اور اگر وہ کبھی کوئی بات سن لیتے تو اس کو اپنے دوستوں کے دلوں میں القاء کر دیتے تھے۔ ہماری اس تقریر سے ہمارے جواب پر علامہ سہیلی کا جو اعتراض تھا' وہ ساقط ہو گیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۷۳۔ ۶۷۲ ملخصاً' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حقیقت میں شیطان کو آگ کا شعلہ مارا جاتا ہے یا ستارہ ٹوٹتا ہے

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید اور احادیث میں ہے کہ شیطان کو آگ کے شعلے مارے جاتے ہیں اور ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ ایک ستارہ ٹوٹتا ہے' علامہ سمعانی متوفی ۴۸۹ھ نے اس کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ستارہ ٹوٹتا ہو اور جب وہ شیطان تک پہنچتا ہو تو آگ کا شعلہ بن جاتا ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دور سے وہ ستارہ معلوم ہوتا ہو اور حقیقت میں وہ آگ کا شعلہ ہو۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۳ ص ۱۳۳)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ شہاب آگ کے چمک دار شعلے کو کہتے ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ ہم کو ستارے ٹوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جیسا ہم کو دکھائی دیتا ہے' وہ حقیقت میں ستارہ ہی ٹوٹتا ہو اور جب وہ شیطان کو جا کر لگتا ہو تو وہ آگ کا شعلہ بن جاتا ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حقیقت میں آگ کا شعلہ ہو اور ہمیں یوں دکھائی دیتا ہو کہ جیسے وہ ایک ستارہ ٹوٹا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۱۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں ہر مناسب چیز اگائی اور ہم نے اس میں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیا اور ان کے لیے (بھی) جن کو تم روزی نہیں دیتے۔ (الحجر: ۲۰۔ ۱۹)

زمین سے الوہیت اور وحدانیت پر استدلال

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا تھا اور ان آیتوں میں زمین سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ زمین ایک کروی جسم ہے اور اس کے اوپر کرہ ہوائیہ اس کو محیط ہے اور پھر سات آسمان ایک دوسرے کو محیط ہیں اور وہ کرہ زمین اور کرہ ہوائیہ کو بھی محیط ہیں' اور زمین کی آسمانوں کے ساتھ ایک مخصوص وضع اور نسبت ہے' اب سوال یہ ہے کہ زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اور اس مخصوص وضع اور نسبت کا مرجح کون ہے؟ ضروری ہے کہ اس زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اور اس کی نسبت اور

وضع کا مرجح واجب قدیم اور واحد ہو جیسا کہ ہم اس سے پہلے کئی بار دلائل سے بیان کر چکے ہیں۔

زمین کو پھیلانا اس کے گول ہونے کے منافی نہیں ہے

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا' اس طرح کا مضمون اور بھی کئی آیتوں میں ہے:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا○ اور زمین کو آسمان کے بعد پھیلایا۔ (النّٰزعٰت: ۳۰)

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ○ اور زمین کو ہم نے (فرش بنا کر) بچھا دیا سو ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں۔ (الذّٰریٰت: ۴۸)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین سیدھی اور سپاٹ ہے اور وہ ایک کروی جسم نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جب کوئی بہت بڑا گول جسم ہو تو سیدھا اور سپاٹ ہونا اس کے گول ہونے کے منافی نہیں ہوتا اور جب کسی بہت بڑے گول جسم کے ایک چھوٹے حصے کو دیکھا جائے گا تو وہ سیدھا اور سپاٹ ہی معلوم ہوگا۔ زمین کے گول ہونے پر واضح دلیل یہ ہے کہ جس وقت برصغیر پاک و ہند میں رات ہوتی ہے تو امریکہ اور جزائر غرب الہند میں دن ہوتا ہے۔ اس طرح یورپ' آسٹریلیا اور افریقہ میں سورج کے طلوع اور غروب کا اور دن اور رات میں کئی کئی گھنٹوں کا فرق ہوتا ہے۔ اگر تمام زمین سیدھی اور سپاٹ ہوتی تو تمام دنیا میں ایک ہی وقت میں سورج کا طلوع اور غروب ہوتا۔

رواسی کی تفسیر

رواسی: یہ لفظ رسو سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے ایک جگہ قائم اور ثابت رہنا۔ راسیات اور رواسی ان چیزوں کو کہتے ہیں جو ایک جگہ قائم اور ثابت رہتی ہیں۔ رواسی کا استعمال پہاڑوں کے لیے ہوتا ہے جو ایک جگہ ثابت اور قائم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھیلایا اور اس پر مضبوط پہاڑ نصب کر دیئے تاکہ زمین اپنے محور پر قائم رہے اور گردش کرنے میں اپنے محور سے متجاوز نہ ہو جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ۔ اور زمین میں پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ وہ تمہیں لے کر کسی ایک طرف جھک نہ سکے۔ (النحل: ۱۵)

موزون کی تفسیر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس میں ہر موزوں چیز اگائی' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو لوگوں کی ضروریات کے اندازہ سے پیدا فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ لوگوں کو کس چیز کی ضرورت ہوگی اور وہ کس چیز سے نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا: اور اس میں ہم نے تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیا' کیونکہ نباتات سے جو رزق حاصل ہوتا ہے وہ انسانوں کی زندگی قائم رہنے کا سبب ہے اور جن کو انسان رزق مہیا نہیں کرتا یعنی حیوانوں کی زندگی قائم رہنے کا سبب بھی یہی زمین سے پیدا ہونے والی نباتات ہیں۔

موزون کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جن چیزوں کا وزن کیا جا سکے یعنی سونا' چاندی' تانبا' پیتل وغیرہ معدنیات جن چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمارے ہی پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں○ اور ہم نے بادلوں کا بوجھ اٹھانے والی ہوائیں بھیجیں' پھر ہم نے آسمان سے بارش برسائی' سو ہم نے تم کو وہ

پانی پلایا اور تم اس پانی کا ذخیرہ کرنے والے نہ تھے O اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی روح قبض کرتے ہیں اور ہم ہی سب کے بعد باقی ہیں۔ (الحجر: ۲۳ - ۲۱)

مشکل الفاظ کے معانی

خزائن خزانہ کی جمع ہے، خزانہ اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں انسان اپنی چیزیں چھپا کر رکھتا ہے، یا جس جگہ انسان اپنی چیزوں کو محفوظ کر کے رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے رزق اور معیشت کے اسباب جمع کر کے رکھے ہوئے ہیں۔ عام مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس خزانہ سے مراد بارش ہے، کیونکہ انسانوں، حیوانوں اور پرندوں کو رزق کی فراہمی بھی بارش کے ذریعہ ہوتی ہے۔ بارش سے سبزہ اگتا ہے اور فصل تیار ہوتی ہے، جس میں انسانوں، حیوانوں اور پرندوں سب کے لیے غذا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر سال سب جگہ یکساں بارش نازل نہیں فرماتا بلکہ اپنی حکمت سے کسی جگہ کم بارش نازل فرماتا ہے، کسی جگہ زیادہ اور کسی جگہ بالکل بارش نازل نہیں فرماتا، اس لیے فرمایا: ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں، ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰـكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ O (الشوریٰ: ۲۷)

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں فساد کرتے، لیکن وہ اپنے اندازہ کے مطابق جتنا چاہتا ہے رزق نازل فرماتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا اور انہیں خوب دیکھنے والا ہے O

لواقح لاقحہ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے حاملہ۔ عرب کہتے ہیں کہ لقحت الناقۃ اونٹنی حاملہ ہو گی۔ لقحت الشجرۃ: درخت پھل دار ہو گیا۔ اس لیے لواقح کا معنی ہے وہ ہوائیں جو پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو اٹھائے ہوئے ہوں۔ لقحۃ دودھ والی اونٹنی کو کہتے ہیں اس کی جمع لقاح ہے اور اونٹنیوں کے پیٹوں میں جو بچے ہوتے ہیں، ان کو ملاقیح کہتے ہیں اور اونٹوں کی پشت میں جو ان کے بچوں کا مادہ ہوتا ہے اس کو مضامین کہتے ہیں اور نر کے مادہ منویہ کو لقاح کہتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں القح فلان النخلۃ واستلقحت النخلۃ یعنی فلاں شخص نے کھجور کے شگوفے مادہ کھجور پر ڈال دیئے اور اس کو حامل ثمر کر دیا۔ اس کا معنی ہے اس کے کھجور کے درخت میں پیوند لگایا۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۸۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ (الاعراف: ۵۷)

وہی ہے جو اپنی رحمت کی بارش سے پہلے خوشخبری دیتی ہوئی ہوائیں بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادل کو اٹھا کر لاتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی بنجر زمین کی طرف لے جاتے ہیں، پھر ہم اس سے پانی برساتے ہیں، پھر ہم اس سے ہر قسم کے پھل پیدا کرتے ہیں۔

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ O ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ O لَوْ

بھلا بتاؤ وہ پانی جس کو تم پیتے ہو O کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں O اگر ہم چاہتے تو اس

نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ○ کو سخت کڑوا بنا دیتے، پھر تم کیوں شکر نہیں کرتے؟○

(الواقعہ: ۷۰-۶۸)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق لوگوں میں رزق تقسیم فرماتا ہے، مخلوق کے رزق اور ان کی تمام نفع آور چیزوں کے خزانے اس کے پاس ہیں جیسے وہ بارش نازل فرماتا ہے، جس کے ذریعہ زمین سے پیداوار حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے رزق کے حصول کے اسباب فراہم کر دیے ہیں۔ ان اسباب اور ذرائع میں سے وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھائے پھرتی ہیں تاکہ لوگ اس پانی کو پئیں اور اپنے جانوروں کو پانی پلائیں اور اس سے اپنے باغوں اور کھیتوں کو سیراب کریں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں، اور ہم ہی روح قبض کرتے ہیں اور ہم ہی سب کے بعد باقی ہیں۔ یعنی ہم ہی مخلوق کو عدم سے وجود میں لاتے ہیں، پھر ہم اس پر موت طاری کریں گے، پھر حشر کے دن ہم ہی سب کو زندہ اور جمع کریں گے۔

کھجوروں میں پیوند کاری کی ممانعت کی احادیث

ہم نے لواقح کے معنی میں یہ بیان کیا ہے کہ تلقیح کا معنی ہے نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور میں ڈال دینا۔ عربی میں تلقیح اور تابیر کا ایک ہی معنی ہے اس سلسلہ میں یہ حدیث مشہور ہے:

موسیٰ بن طلحہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ کھجوروں کے پاس تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان لوگوں کے پاس سے گزرا۔ آپ نے فرمایا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا یہ لوگ کھجوروں میں پیوند لگا رہے ہیں۔ یعنی نر کھجوروں کو مادہ کھجور کے ساتھ ملاتے ہیں جس سے وہ پھل دار ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے گمان میں یہ عمل ان کو کسی چیز سے مستغنی نہیں کرے گا۔ جب ان صحابہ کو آپ کے اس ارشاد کی خبر ہوئی تو انہوں نے یہ عمل ترک کر دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عمل کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا اگر ان کو اس عمل میں فائدہ ہے تو کرتے رہیں۔ میں نے اپنے گمان سے ایک بات کہی تھی سو تم میرے گمان پر عمل مت کرو۔ البتہ جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم بیان کروں تو اس پر عمل کرو کیونکہ میں اللہ پر جھوٹ بولنے والا نہیں ہوں۔ (صحیح مسلم، فضائل: ۱۳۹، ۹۳(۲۳۶۱) ۶۰۱۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۷۰)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت مدینہ میں تشریف لائے تو صحابہ کرام کھجوروں میں پیوند لگاتے تھے۔ آپ نے فرمایا تم یہ عمل کس لیے کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اسی طرح کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا شاید تم نہ کرو تو اس میں زیادہ بہتری ہو۔ انہوں نے اس عمل کو ترک کر دیا تو پھر کھجوروں کی پیداوار کم ہو گئی۔ انہوں نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا میں صرف بشر ہوں (یعنی خدا نہیں ہوں) جب میں تمہارے دین کے متعلق کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو! اور جب میں اپنی رائے سے تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو میں صرف بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) (صحیح مسلم، الفضائل ۱۴۰، ۹۴ رقم بلا تکرار: ۲۳۶۲، ۱ رقم المسلسل ۶۰۱۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو کھجوروں میں پیوند لگا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اگر تم یہ نہ کرو تو اچھا ہوگا۔ اس کے بعد ردی کھجوریں پیدا ہوئیں۔ پھر کچھ دنوں بعد آپ کا ان کے پاس سے گزر ہوا۔ آپ نے پوچھا: اب تمہاری کھجوروں کی کیا کیفیت ہے؟ انہوں نے کہا آپ

نے اس اس طرح فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی دنیا کے معاملات میں خود ہی زیادہ جانتے ہو!

(صحیح مسلم، الفضائل ۱۴۱، رقم بلا تکرار ۲۳۶۳، ۲۲۲۲، الرقم المسلسل: ۶۰۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۷۱)

اس اشکال کا جواب کہ آپ کے ارشاد پر عمل کرنے سے پیداوار کم ہوئی

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ سے یہ فرمایا تھا کہ اگر تم کھجوروں میں پیوندکاری نہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہوگا اور جب انہوں نے آپ کے ارشاد پر عمل کیا تو اس کے نتیجہ میں پیداوار کم ہوئی۔ متعدد علماء نے اس اشکال کے جوابات دیئے ہیں۔ ہم یہاں ان علماء کے جوابات کو پیش کر رہے ہیں:

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کا دنیاوی معاملات میں حکم دینا اور ان کی رائے، عام لوگوں کے حکم اور ان کی رائے کی طرح ہے اور اس میں یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی رائے واقع کے مطابق نہ ہو، اور اس میں کوئی نقص اور عیب نہیں ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی فکر آخرت اور عالم بالا سے متعلق ہوتی ہے اور وہ اس طرف متوجہ رہتے ہیں کہ شریعت نے کیا حکم دیا ہے اور کس چیز سے منع کیا ہے، اور دنیاوی امور کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف عام لوگ دنیاوی معاملات میں مستغرق رہتے ہیں اور آخرت سے غافل ہوتے ہیں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۳۳۵۔ ۳۳۴، مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

حافظ ابوالعباس احمد بن عمر مالکی قرطبی اندلسی متوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر معجزہ دلالت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خبریں دیتے ہیں اور جو احکام بیان کرتے ہیں، ان میں خطاء محال ہے اور رہے وہ امور جن کا تعلق دنیا سے ہے تو ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں میں سے ایک انسان ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا: اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہے کہ میں ایک بشر ہوں اور اس طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو (صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۰۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۰، سنن النسائی رقم الحدیث ۱۲۴۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۱۱) اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے: اپنی دنیا کے معاملات کو تم خود ہی زیادہ جانتے ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۶۳) اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور میں پیوند لگانے والوں کے متعلق جو فرمایا تھا کہ میرے گمان میں یہ عمل ان کو کسی چیز سے مستغنی نہیں کرے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں ایک چیز کو دوسری چیز سے مستغنی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ اس نے بعض چیزوں کے عادتاً اسباب بنائے ہیں اور ان اسباب میں اپنی قدرت کی تاثیر کو مخفی رکھا ہے تاکہ جو سعادت مند لوگ ہیں، ان کا غیب پر ایمان برقرار رہے، اور جو گمراہ لوگ ہیں وہ اپنی گمراہی میں ڈوبے رہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے کہ میں نے اپنے گمان سے ایک بات کہی تھی سو تم میرے گمان پر عمل مت کرو۔ یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ اگر تم اس پیوندکاری کو ترک کردو گے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا حالانکہ یہ ان کے لیے بہتر نہیں ہوا تو آپ نے بطور عذر کے فرمایا یہ بات میں نے اپنے گمان اور اپنی رائے سے کہی تھی یہ بات میں نے وحی الٰہی سے نہیں کہی تھی، اور کھیتی باڑی، باغبانی کے معاملات میں وہی شخص صحیح بات کہہ سکتا ہے جو یہ کام کرتا رہتا ہو اور اس کو اس کا تجربہ ہو اور ظاہر ہے کہ میں نے یہ کام کیے ہیں اور نہ مجھے ان کا تجربہ ہے اس لیے ان دنیاوی معاملات کو تم ہی خوب جانتے ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عذر پیش کرنا بھی ان لوگوں کے لیے تھا جن کی عقل ضعیف ہو کیونکہ ایسے لوگوں پر آپ کو یہ خدشہ تھا کہ شیطان ان کو گمراہ کر دے گا اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دے گا کہ انہوں نے جو بات کہی تھی وہ جھوٹی نکلی

اور جو شخص آپ کو جھوٹا سمجھے گا تو وہ کافر ہو جائے گا ورنہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کوئی ایسی بات صادر نہیں ہوتی تھی جس پر عذر پیش کرنے کی ضرورت ہو۔ (المفہم ج ۶ ص ۱۶۹-۱۶۷ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت '۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

علماء نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دنیا اور معاش سے متعلق بغیر تشریع کے جو بات کہیں' اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے بہ حیثیت تشریع کے جو کچھ فرمائیں اس پر عمل کرنا واجب ہے' اور آپ نے کھجور میں پیوند لگانے کے ترک کرنے کا جو حکم دیا تھا وہ بہ حیثیت تشریع کے نہیں تھا بطور مشورہ تھا۔ پیوند لگانے کو ترک کرنے سے کھجوروں کی پیداوار کم ہوئی اس پر آپ نے فرمایا: "انتم اعلم بامور دنیاکم" اپنے دنیاوی امور کو تم ہی زیادہ جانتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی توجہ اور فکر آخرت اور معارف الٰہیہ کی طرف مبذول رہتی تھی اور دنیا کی طرف زیادہ توجہ نہ کرنا کوئی نقص اور عیب نہیں ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۶۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی '۱۳۷۵ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی امور کی طرف زیادہ توجہ نہیں فرماتے تھے۔

(مرقات ج ۱ ص ۲۲۳' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان '۱۳۹۰ھ)

نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں:

یہاں پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو کھجور کے درختوں میں پیوند لگاتے ہوئے دیکھا' آپ نے فرمایا: کاش تم یہ طریقہ ترک کردو۔ انصار نے اس کو ترک کردیا' پھر کوئی پیداوار نہیں ہوئی یا ردی کھجوریں پیدا ہوئیں۔ تب آپ نے فرمایا تم اپنے دنیاوی معاملات کو خود ہی زیادہ جانتے ہو؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ اپنے گمان سے کہا تھا وحی سے نہیں کہا تھا۔ اور شیخ سیدی محمد سنوسی نے کہا ہے کہ آپ صحابہ کو توکل پر برانگیختہ کرنا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے آپ کے کہنے پر عمل نہیں کیا تو آپ نے فرمایا تم اپنے دنیاوی معاملات کو خود ہی زیادہ جانتے ہو' اور اگر وہ آپ کے کہنے پر عمل کرتے اور ایک یا دو سال تک نقصان برداشت کرتے تو وہ اس مشقت سے بچ جاتے۔ یہ جواب انتہائی لطیف ہے۔ (سیدی غوث عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ کے جواب کا بھی یہی خلاصہ ہے)

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض' ج ۳ ص ۳۶۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کے بغیر محض اپنے اجتہاد سے لوگوں کو اس بناء پر پیوند لگانے سے منع فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کا عمل ہے اور اس کی پھلوں کے کم یا زیادہ ہونے میں کوئی تاثیر اور معقول وجہ نہیں ہے' اور آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ وہ اس عمل سے پھل زیادہ کردیتا ہے۔ آپ نے ان کو منع تو کیا تھا' مگر سختی سے منع نہیں کیا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اگر تم پیوند نہ کرو تو بہتر ہے' اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس طرح کے دنیاوی معاملات کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے' کیونکہ اس عمل کے کرنے یا نہ کرنے کے ساتھ کوئی اخروی سعادت متعلق نہیں تھی' لیکن جب آپ نے اس طرف توجہ کی کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے مطابق اس عمل کی تاثیر ہوتی ہے تو پھر آپ نے اس پر سکوت فرمایا اور بعض روایات میں جو ہے کہ "دنیاوی امور کو تم ہی زیادہ جانتے ہو۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ان دنیاوی امور کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پیوند کرنے والے

انصار مدینہ سے آپ کا علم معاذ اللہ کم تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور آخرت کے تمام معاملات کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۲۳ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور، ۱۴۰۶ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم ان لوگوں کو جانتے ہیں جو تم میں سے مقدم ہیں اور ہم ان کو (بھی) جانتے ہیں جو تم میں سے موخر ہیں O اور بے شک آپ کا رب ہی ان سب کو جمع کرے گا بے شک وہ بہت حکمت والا، نہایت علم والا ہے O (الحجر: ۲۵)

"مستقدمین" اور "مستاخرین" کی تفسیر میں متعدد اقوال

مستقدمین اور مستاخرین کی تفسیر میں مفسرین کے آٹھ حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) قتادہ اور عکرمہ نے کہا مستقدمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو آج تک پیدا ہو چکے ہیں اور مستاخرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ضحاک نے کہا مستقدمین سے مراد مردہ لوگ ہیں اور مستاخرین سے مراد زندہ لوگ ہیں۔

(۳) مجاہد نے کہا مستقدمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو گزشتہ امتوں میں تھے اور مستاخرین سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ ہیں۔

(۴) حسن اور قتادہ نے کہا مستقدمین سے مراد نیک اور اطاعت گزار لوگ ہیں اور مستاخرین سے مراد بدکار اور نافرمان لوگ ہیں۔

(۵) سعید بن مسیب نے کہا مستقدمین سے مراد جنگ اور جہاد میں اگلی صفوں کے لوگ ہیں اور مستاخرین سے مراد پچھلی صفوں کے لوگ ہیں۔

(۶) قرطبی نے کہا مستقدمین سے مراد جہاد میں قتل کرنے والے ہیں اور مستاخرین سے مراد جہاد میں قتل نہ کرنے والے ہیں۔

(۷) شعبی نے کہا مستقدمین سے مراد اول خلق ہیں اور مستاخرین سے مراد آخر خلق ہیں۔

(۸) مستقدمین سے مراد نماز کی پہلی صفوں کے لوگ ہیں اور مستاخرین سے مراد نماز کی پچھلی صفوں کے لوگ ہیں۔

مستقدمین اور مستاخرین سے حقیقت میں کیا مراد ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے کیونکہ وہی ہر موجود اور معدوم کو جاننے والا ہے اور اس کو علم ہے کہ کون مقدم ہے اور کون موخر ہے لیکن یہ آخری قول اس آیت کے نزول کا سبب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ایک عورت نماز پڑھتی تھی اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھی۔ سو بعض لوگ تو نماز کی پہلی صف میں کھڑے ہوتے تھے تاکہ اس عورت پر نظر نہ پڑے، اور بعض لوگ سب سے پچھلی صف میں کھڑے ہوتے تھے اور جب وہ رکوع میں جاتے تھے تو اس عورت کو دیکھتے تھے۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: بے شک ہم ان لوگوں کو جانتے ہیں جو تم میں سے پہلی صفوں میں ہوتے ہیں اور ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو تم میں سے پچھلی صفوں میں ہوتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۴۶، مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۵۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۶۹۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۱، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۹۱، المستدرک ج ۲ ص ۳۵۳، سنن کبریٰ

للبیہقی ج ۳ ص ۹۸)

امام ابن جریر نے یہ کہا ہے کہ میرے نزدیک ان اقوال میں اولیٰ قول یہ ہے کہ مستقدمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو پہلے مرچکے ہیں اور مستاخرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اب زندہ ہیں اور جو ہمارے بعد پیدا ہوں گے کیونکہ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی روح قبض کرتے ہیں اور ہم ہی سب کے بعد باقی ہیں، اور اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور بے شک آپ کا رب ہی ان سب کو جمع کرے گا، بے شک وہ بہت حکمت والا نہایت علم والا ہے۔ جب یہ آیت ان دو آیتوں کے درمیان ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے اور ان کو مارنے کی خبر دی ہے اور اس سے پہلے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس کے خلاف پر دلالت کرے تو پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ درمیان کی یہ آیت نماز کی صفوں میں مقدم اور موخر ہونے والے لوگوں کے متعلق ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے متعلق فرمایا کہ وہ ان میں سے مقدم اور موخر کو جانتا ہے جو مرچکے ہیں اور جو بعد میں پیدا ہوں گے اور وہ ان کے نیک اور بد تمام اعمال کو جانتا ہے اور وہ ان سب کو حشر کے دن جمع کرے گا اور ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ نیک اعمال پر اچھی جزا دے گا اور برے اعمال پر سزا دے گا اور نیک عمل کرنے والوں میں وہ مسلمان داخل ہیں جو اگلی صفوں میں اس لیے نماز پڑھتے ہیں کہ عورتوں پر ان کی نظر نہ پڑے اور برے اعمال والوں میں وہ لوگ داخل ہیں جو بری نیت سے پچھلی صفوں میں نماز پڑھتے ہیں۔

(جامع البیان جز ۱۴ ص ۳۵۔ ۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

صف اول میں نماز پڑھنے کی فضیلت

اس آیت کے شان نزول میں ہم نے سنن الترمذی اور دیگر کتب حدیث سے جو روایت ذکر کی ہے، اس میں صف اول میں نماز پڑھنے کی بھی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور درج ذیل احادیث میں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان دینے میں اور صف اول میں نماز پڑھنے میں کتنا اجر و ثواب ہوتا ہے، پھر ان کو قرعہ اندازی کے سوا اس میں موقع نہ ملے تو وہ ضرور اس کے لیے قرعہ اندازی کریں گے اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ظہر کی نماز پڑھنے میں کتنا اجر و ثواب ہے تو وہ ہر صورت میں اس کی طرف سبقت کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۸۱، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۰۷، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶، مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۳۳۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۵۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۴۲۸، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں کی بہترین صف پہلی اور بد ترین صف آخری ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور بد ترین صف پہلی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۲۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۸۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۶۷۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۰۰، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۵۶۱، السنن الکبری للبیہقی ج ۳ ص ۹۷)

اس حدیث میں بہترین صف سے مراد ہے، جس کا سب سے زیادہ ثواب ہو، اور بد ترین صف سے مراد ہے، جس کا سب سے کم ثواب ہو۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو چھو کر

فرماتے تھے، سیدھے کھڑے ہو اور ٹیڑھے نہ ہو ورنہ تمہارے دل بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے اور چاہیے کہ تم میں سے عقل اور بلوغ والے میرے قریب کھڑے ہوں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں اور پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۷۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۰۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۷۶)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ ج

اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا جو (پہلے) سیاہ سڑا ہوا گارا تھی ○

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ

اور اس سے پہلے جنات کو بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا ○ اور یاد کیجیے جب

رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ

آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں بجتی ہوئی خشک مٹی سے (سیاہ سڑے ہوئے گارے سے) ایک بشر کو

مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ

پیدا کرنے والا ہوں ○ سو جب میں اس کو (انسانی صورت میں) ڈھال لوں اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب

سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ لا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط

اس کے لیے سجدہ میں گر جانا ○ پس تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا ○ سوا ابلیس کے،

اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا

اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا ○ فرمایا: اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نے

تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ

سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟ ○ اس نے کہا میں اس بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں ہوں

خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ

جس کو تو نے بجتی ہوئی خشک مٹی سے، سیاہ سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے ○ فرمایا تو جنت سے

مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ لا وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾

نکل جا بے شک تو راندۂ درگاہ ہے ○ اور بے شک تجھ پر قیامت تک لعنت ہے ○

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ

اس نے کہا اے میرے رب تو مجھے یوم حشر تک کی مہلت دے ○ فرمایا بے شک تو ان میں سے ہے

الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ

جن کو مہلت دی گئی ہے ○ معین وقت کے دن تک ○ اس نے کہا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کردیا ہے

لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا

تو میں ضرور ان کے لیے (برے کاموں کو) زمین میں خوش نما بنادوں گا اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کردوں گا ○ سوا

عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾

ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں ○ فرمایا مجھ تک (پہنچنے) کا یہی سیدھا راستہ ہے ○

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ

بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے سوا ان گمراہوں کے جو تیری

مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا

پیروی کریں گے ○ اور بے شک ان سب کے وعدہ کی جگہ جہنم ہے ○ اس کے

ع ۱۹/۳ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾

سات دروازے ہیں، ہر دروازہ کے لیے ان گمراہوں میں سے تقسیم کیا ہوا حصہ ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا جو (پہلے) سیاہ سڑا ہوا گارا تھی ○ (الحجر: ۲۶)

مشکل الفاظ (صلصال، الحماء اور مسنون) کے معانی

صلصال: علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: اصل میں خشک چیز کے بجنے اور کھنکنے کو صلصال کہتے ہیں اور اسی وجہ سے خشک مٹی کو بھی صلصال کہتے ہیں کیونکہ اس پر بھی انگلی ماری جائے تو وہ بجتی اور کھنکتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے من صلصال کالفخار (الرحمٰن: ۱۴) ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی مٹی سے، مشکیزہ میں بچے ہوئے پانی کے ہلنے سے جو کھڑکھڑاہٹ کی آواز آتی ہے۔ اس کو صلصلة کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے خشک بجنے والی مٹی کا نام صلصلة رکھا گیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سڑی ہوئی بدبودار مٹی کو صلصال کہتے ہیں۔ جب گوشت سڑ جائے تو عرب والے کہتے ہیں صل اللحم اور اصل میں لفظ صلال تھا پھر لفظی تغیر کے بعد یہ لفظ صلصال ہو گیا۔

(المفردات ج ۲ ص ۲۷۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

خشک مٹی جب حرکت دینے سے بجنے لگے تو وہ صلصال ہے اور جب اس کو آگ پر پکایا جائے تو وہ فخار ہے (ٹھیکرا)۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا اور ان کے پتلے کو چالیس دن دھوپ میں رکھا گیا حتیٰ کہ وہ صلصال ہو گئے۔ (کتاب العین ج ۲ ص ۱۰۰۵ مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران، ۱۴۱۴ھ)

امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ لکھتے ہیں:

جس خشک مٹی کو آگ نے نہ چھوا ہو اس کو صلصال کہتے ہیں۔ جب تم اس پر انگلی مارو تو اس سے بجنے کی آواز آئے اور جب اس کو آگ پر گرم کر لیا جائے تو وہ ٹھیکرا ہے۔ (فخار)

(تفسیر غریب القرآن ص ۲۰۳ مطبوعہ دار مکتبۃ الہلال بیروت ۱۴۱۱ھ)

الحماء: سیاہ بدبودار مٹی کو حمء کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے من حماء مسنون (الحجر: ۲۶) دریا سے جو مٹی نکالی جاتی ہے اس کو حماۃ کہتے ہیں۔ (کتاب العین ج ۱ ص ۴۳۲)

المسنون: امام ابو عبیدہ نے کہا ہے اس کا معنی ہے بدبودار۔ (تفسیر القرآن ص ۲۰۳)

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے کہا ہے کہ الحماء کا معنی ہے سیاہ بدبودار مٹی۔ جب کنوئیں کی تہہ سے مٹی نکالی جائے تو کہتے ہیں حمئت البیر (المفردات ج ۱ ص ۱۷۵) المسنون کا معنی ہے وہ چیز جو متغیر ہو گئی یعنی سڑ گئی ہو۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۲۳)

علامہ نظام الدین قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں: خشک بجنے والی مٹی جو آگ پر پکائی نہ گئی ہو اس کو صلصال کہتے ہیں اور جب آگ پر پکائی جائے تو اس کو فخار (ٹھیکرا) کہتے ہیں اور الحماء کا معنی ہے سیاہ سڑی ہوئی مٹی۔ امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ المسنون کا معنی ہے ڈھلی ہوئی یعنی اس مٹی میں انسان کی صورت ڈھالی گئی تھی یا اس کا پتلا بنایا گیا تھا اور ابن السکیت نے کہا ہے اس کا معنی ہے سڑی ہوئی بدبودار چیز۔

(تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۴ ص ۲۱۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

مسنون کے معنی میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ابن السکیت نے کہا مسنون کا معنی ہے متغیر اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے لم یتسنہ (البقرہ: ۲۵۹) کھانا متغیر نہیں ہوا یعنی سڑا نہیں۔ (۲) رگڑی ہوئی اور گھسی ہوئی چیز جب پتھر کو رگڑا یا گھسا جائے تو کہتے ہیں سننت الحجر (۳) زجاج نے کہا یہ لفظ سنن الطریق سے بنا ہے اور اس کا معنی بھی متغیر ہونا ہے۔ (۴) امام ابو عبیدہ نے کہا ہے اس کا معنی ہے ڈھلی ہوئی چیز۔ (۵) سیبویہ نے کہا اس کا معنی ہے کہ کسی چیز کو کسی صورت یا کسی مثال پر بنایا گیا ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ المسنون کا معنی ہے گیلی مٹی۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

انسان کی تخلیق سے الوہیت اور وحدانیت پر استدلال

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں، درختوں اور حیوانوں سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں انسان کی تخلیق سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا ہے۔ اس کی

تقریر یہ ہے کہ دلائل سے ثابت ہے کہ جہان حادث ہے اور قدیم نہیں ہے تو پھر انسانوں کی تخلیق کا سلسلہ ماضی کی جانب کسی ایک انسان پر ختم ہوگا جو پہلا انسان ہوگا اور ضروری ہے کہ وہ انسان ماں باپ اور معروف طریقہ سے پیدا نہ ہوا ہو ورنہ وہ پہلا انسان نہیں ہوگا ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے اس انسان کو مٹی کے پتلے سے بنایا ہے' اور جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ یہ انسان چونکہ حادث ہے اور قدیم نہیں ہے اس لیے اس کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے کوئی علت اور فاعل ہونا چاہیے اور ضروری ہے کہ وہ علت اور فاعل واجب اور قدیم ہو ممکن اور حادث نہ ہو کیونکہ ممکن اور حادث کو تو اپنے وجود میں خود کسی علت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علت اور فاعل واحد ہو کیونکہ متعدد واجب نہیں ہو سکتے ورنہ ہر واجب میں دو جز ہوں گے ایک نفس وجوب جس میں وہ سب مشترک ہوں گے اور ایک وہ جز جس سے ایک واجب دوسرے واجب سے ممتاز ہوگا اور جو چیز اجزاء سے مرکب ہو وہ اپنے وجود میں ان اجزاء کی محتاج ہوتی ہے اور محتاج ممکن اور حادث ہوتا ہے وہ واجب نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ پہلے انسان کا بنانے والا واجب' قدیم اور واحد ہے اور جب پہلے انسان کا وہ بنانے والا ہے تو تمام انسانوں کا وہی پیدا کرنے والا ہے جو واجب' قدیم اور واحد ہے اور وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

انسان کی خلقت کے مادہ میں مختلف آیات کی توجیہ

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: ۵۹) اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے جس کو اس نے مٹی سے پیدا کیا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ (ص: ۷۱) میں گارے (مٹی اور پانی کا آمیزہ) سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو گارے اور کیچڑ سے پیدا کیا گیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔ (الرحمٰن: ۱۴) انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا۔

اور اس آیت میں فرمایا: اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا جو پہلے سیاہ سڑا ہوا بدبودار گارا تھی۔

ان آیتوں میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ پہلے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر گارے سے' پھر سیاہ سڑے ہوئے بدبودار گارے سے' پھر ٹھیکرے کی طرح بجنے والی خشک مٹی سے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انسان کو تین مرتبہ بنایا گیا۔ چمٹنے والی مٹی سے' خشک مٹی سے اور سیاہ بدبودار کیچڑ سے۔ (جامع البیان جز ۱۴ ص ۴۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لیے تمام روئے زمین سے مٹی لی گئی۔ پھر اس مٹی کو زمین پر ڈال دیا گیا حتیٰ کہ وہ چمٹنے والی مٹی ہو گئی۔ پھر اس کو چھوڑ دیا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ بدبودار کیچڑ ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے شایان شان ہاتھ سے ان کا پتلا تیار کیا حتیٰ کہ وہ پتلا خشک ہو گیا اور ٹھیکرے کی طرح بجنے والی خشک مٹی ہو گیا کہ جب اس پر انگلی ماری جائے تو اس سے کھنکتی ہوئی آواز نکلے۔

(الدر المنثور ج ۵ ص ۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ ابو المظفر السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ لکھتے ہیں:

بعض آثار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے گارے کا خمیر بنا کر چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ وہ سیاہ بدبو دار گارا ہو گیا۔

(تفسیر القرآن ج ۳ ص ۱۴۳، مطبوعہ دار الوطن، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو کسی بھی جنس کے جسم سے حضرت آدم کو پیدا کر دیتا اور وہ اس پر بھی قادر تھا کہ مرحلہ وار پیدا کرنے کے بجائے ابتداءً پیدا کر دیتا لیکن جس طرح اس نے عالم کبیر کو تدریجاً چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے اسی طرح اس نے اس عالم صغیر یعنی انسان کو بھی تدریجاً پیدا کیا اور اس میں بندوں کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ وہ اطمینان سے تدریجاً کام کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے پہلے جنات کو بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا O (الحجر: ۲۷)

مشکل الفاظ (الجان اور نار السموم) کے معانی

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

الجن الجان کی اولاد کی جماعت۔ اس کی جمع الجنۃ اور الجنان ہے۔ ان کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں سے چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور لوگ ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور الجان جنات کا باپ ہے جس کو آگ سے پیدا کیا گیا۔ پھر اس سے اس کی نسل کو پیدا کیا گیا اور الجان سفید رنگ کے سانپ کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ (القصص: ۳۱)

اور یہ کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں، پھر جب موسیٰ نے اسے لہراتے ہوئے دیکھا گویا کہ وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر (بھی) نہ دیکھا۔

(کتاب العین ج ۱ ص ۳۲۳، مطبوعہ ایران ۱۴۱۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

جن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم روحانیین ہے یہ انسان کے تمام حواس سے مخفی ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے جن میں ملائکہ اور شیاطین دونوں داخل ہیں لہٰذا ہر فرشتہ جن ہے لیکن ہر جن فرشتہ نہیں ہے۔ اسی معنی کی بناء پر ابو صالح نے کہا تمام فرشتے جن ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ روحانیین کی تین قسمیں ہیں، ان میں سے اخیار (نیک) فرشتے ہیں اور اشرار (بد) شیاطین ہیں اور اوساط میں اخیار اور اشرار دونوں ہیں اور ان ہی کو جن کہتے ہیں اور اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنات کا یہ قول نقل فرمایا:

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا O وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا O (الجن: ۱۵-۱۴)

اور بے شک ہم میں سے اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں اور اللہ کی نافرمانی کرنے والے ہیں، سو جس نے اطاعت کی اس نے نیکی کا راستہ تلاش کر لیا اور جس نے نافرمانی کی تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

اور الجان جن کی ایک قسم ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۲۸-۱۲۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ مبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

الجن اصل میں مخفی چیز کو کہتے ہیں۔ جنات کو بھی جن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ انسانوں کی آنکھوں سے مخفی ہوتے ہیں۔ جنت کو بھی جنت اس لیے کہتے ہیں کہ وہ گھنے درختوں سے پوشیدہ ہے اور عالم غیب سے متعلق ہونے کی وجہ سے مخفی ہے۔ ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے اس کو جنین کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی مخفی ہوتا ہے۔ قبر کو جنن کہتے ہیں کیونکہ اس میں مردہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ الجان شیطان کو کہتے ہیں وہ بھی ہماری نگاہوں سے مخفی ہے اور الجان سانپ کو کہتے ہیں وہ بھی بلوں اور سوراخوں میں مخفی ہوتا ہے۔ الجنان دل کو کہتے ہیں وہ بھی سینہ میں پوشیدہ ہے اور ڈھال کو المجن کہتے ہیں کیونکہ وہ دشمن کے حملوں کے لیے ساتر ہے۔ (النہایہ ج اص ۲۹۷-۲۹۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

قتادہ نے بیان کیا کہ الجان سے مراد ابلیس ہے اس کو حضرت آدم سے پہلے پیدا کیا گیا تھا۔ حضرت آدم کی کرامت کو دیکھ کر اس دشمن خدا نے حسد کیا اور کہا میں آگ سے بنا ہوں اور یہ مٹی سے۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۱۵۹۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے الجان سے مراد ابلیس ہے اور یہ جنات کا باپ ہے اور یہی اکثرین کا قول ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

الجان کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الجان جنات میں مسخ کیا ہوا ہے جیسے انسانوں میں بندر اور خنزیر مسخ کیے ہوئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قول صحیح نہیں ہے اور حدیث صحیح کے خلاف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مسخ شدہ انسانوں کی نسل جاری نہیں کی اور بندر اور خنزیر اس سے پہلے بھی ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! موجودہ بندر اور خنزیر کیا ان ہی کی نسل سے ہیں جن کو مسخ کیا گیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل جس قوم کو ہلاک کرتا ہے یا جس قوم کو عذاب دیتا ہے تو اس کی نسل جاری نہیں کرتا اور بندر اور خنزیر تو ان سے پہلے بھی ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۳، الرقم المسلسل ۶۶۴۸-۶۶۲۶)

(۲) ابو صالح اور ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الجان جنات کا باپ ہے اور یہ جنات شیاطین نہیں ہیں اور شیاطین ابلیس کی اولاد ہیں وہ ابلیس کے ساتھ ہی مریں گے اور جنات مرتے رہتے ہیں ان میں مومن بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی۔

(۳) حسن، عطاء قتادہ اور مقاتل نے کہا ہے کہ الجان ابلیس ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کیا ابوالجن ابلیس نہیں ہے تو اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے ابوالجن ابلیس ہی ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ الجان ابوالجن ہے اور ابلیس ابوالشیاطین ہے۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۳۹۹، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

امام رازی اور امام ابن جریر کی طرح علامہ قرطبی کی بھی یہی تحقیق ہے کہ الجان سے مراد ابلیس ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نارالسموم: نارالسموم کا معنی ہے بغیر دھوئیں کی آگ۔

ضحاک نے کہا الجان کو بغیر دھوئیں کی آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ سے تھا جس کا نام الجن تھا۔ ان کو بغیر دھوئیں کی آگ سے فرشتوں سے پیدا کیا گیا اور کہا قرآن مجید میں جن جنات کا ذکر کیا گیا ہے ان کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ سموم (دنیاوی آگ) اس سموم کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے جس سے الجان کو پیدا کیا گیا ہے، پھر اس آیت کی تلاوت کی۔

وہب بن منبہ سے جنات کے متعلق سوال کیا گیا کہ آیا وہ کھاتے ہیں یا پیتے ہیں یا مرتے ہیں یا نکاح کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا جنات کی کئی قسمیں ہیں، جو خالص جن ہیں وہ ہوا ہیں نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ مرتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں اور نہ بچے جنتے ہیں اور ان کی ایک قسم وہ ہے جو کھاتے ہیں اور پیتے ہیں اور نکاح کرتے ہیں اور مرتے ہیں۔

(جامع البیان جز ۱۴ ص ۳۱، مطبوعہ دار الفکر، المستدرک، ج ۲ ص ۴۷۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنات کو سیاہ آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جس کا تم سے بیان کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۹۹۶، الرقم المسلسل ۷۳۶۰)

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ الجان کو حضرت آدم سے پہلے پیدا کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں حضرت آدم کی صورت بنائی تو جب تک اللہ نے چاہا حضرت آدم کے پتلے کو پڑا رہنے دیا۔ ابلیس نے ان کے چاروں طرف گھومنا شروع کر دیا وہ غور کر رہا تھا کہ یہ کیا چیز ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ اندر سے کھوکھلے ہیں تو اس نے جان لیا کہ یہ ایسی مخلوق پیدا کی گئی ہے جو اپنے آپ کو غضب اور شہوت سے روکنے پر قادر نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۱، الرقم المسلسل ۶۵۲۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں بجتی ہوئی خشک مٹی سے، سیاہ سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں ○ سو جب میں اس کو (انسانی صورت میں) ڈھال لوں اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ میں گر جانا ○ (الحجر: ۲۹-۲۸)

مشکل الفاظ (بشر اور روح) کے معانی

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

البشر: ایک انسان خواہ مرد ہو یا عورت وہ بشر ہے۔ اس کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا۔ ھو بشر، ھما بشر اور ھم بشر کہا جاتا ہے۔ انسان کے چہرے اور جسم کی اوپری کھال کو بشرۃ کہتے ہیں۔ (کتاب العین ج ۱ ص ۱۹۴، ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

انسان کی کھال کے ظاہری حصہ کو بشرۃ اور باطنی حصہ کو ادمہ کہتے ہیں۔ انسان کو اس کی ظاہری کھال کے اعتبار سے بشر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کے برخلاف حیوانات کی کھال کے اوپر اون ہوتا ہے یا بال ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں جس جگہ بھی انسان کے جسم اور اس کے ظاہر کا لحاظ کیا گیا اس کو بشر کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا — اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا۔ (الفرقان: ۵۴)

اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ۔ (ص: ۷۱) — بے شک میں گیلی مٹی (گارے) سے بشر بنانے والا ہوں۔

اور کفار جب انبیاء علیہم السلام کی تحقیر کا ارادہ کرتے تو کہتے:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ۔ (المدثر: ۲۵) — یہ تو صرف بشر کا قول ہے۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ۔ (القمر: ۲۴) — سو انہوں نے کہا کیا ہم، ہم میں سے ایک بشر کی پیروی کریں، پھر تو ہم ضرور گمراہی اور عذاب میں ہوں گے!

فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا۔ (التغابن: ۶) — تو انہوں نے کہا کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے!

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا۔ (المؤمنون: ۴۷) — کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لائیں!

اور اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ کرنے کے لیے کہ آپ بشر ہونے میں دیگر انسانوں کے مساوی ہیں اور عظیم علوم اور معارف میں اور غیر معمولی حسین اعمال میں ان پر فضیلت رکھتے ہیں اور وحی الٰہی کے نزول میں ان سے متمیز اور ممتاز ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہلوایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ (الکہف: ۱۱۰) — آپ کہیے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں اور مجھ پر یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا اور میرا معبود ایک ہی ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۶۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

تحقیق یہ ہے کہ کسی وجودی وصف میں کوئی بشر آپ کی مثل نہیں ہے آپ سے جو مماثلت ہے وہ صرف عدمی وصفیں ہے یعنی جس طرح ہم خدا نہیں ہیں اسی طرح آپ بھی خدا نہیں ہیں۔

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

روح اس جان کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے بدن زندہ ہے۔ کہا جاتا ہے اس کی روح نکل گئی یعنی اس کی جان نکل گئی۔

(کتاب العین ج ۱ ص ۷۲۵، مطبوعہ ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

رُوح (راء پر پیش) اور رَوح (راء پر زبر) دونوں اصل میں ایک ہیں اور روح کو سانس کا اسم بنا دیا گیا ہے، کیونکہ سانس روح کا جز ہے اور اس کو اس جز کا نام بنا دیا ہے۔ جس کی وجہ سے حیات، حرکت، نفع کا حصول اور ضرر کو دور کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے روح کی اپنی طرف اضافت کی ہے:

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ (الحجر: ۲۹) — اور میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔

یہ وہ اضافت ہے جو اپنی ملکیت کی طرف کی جاتی ہے اور روح کی اپنی طرف اضافت اس کی تعظیم اور تکریم کی وجہ سے کی ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے: وطهر بيتي (الحج: ۲۶) اور میرے گھر کو پاک رکھنا اور يا عبادي (العنکبوت: ۵۶) اے میرے بندو! ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیت اور بندوں کے شرف اور ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے اپنی طرف اضافت کی ہے کہ یہ میرا گھر ہے اور یہ میرے بندے ہیں۔ معزز فرشتوں اور حضرت جبریل کو بھی قرآن مجید میں روح فرمایا ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا. جس دن جبریل اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔
(النباء: ۳۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی روح فرمایا ہے' کیونکہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور پرندے بنا کر ان میں پھونک مارتے تو ان میں جان پڑ جاتی تھی۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ. عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کے رسول ہیں (اس کے بیٹے نہیں ہیں) اور اس کا وہ کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی طرف سے روح ہیں۔
(النساء: ۱۷۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو بھی روح فرمایا ہے کیونکہ وہ حیات اخروی کا سبب ہے۔ فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا. اسی طرح ہم نے آپ کی طرف روح کی وحی فرمائی اپنے حکم سے۔
(الشوریٰ: ۵۲)

(المفردات ج ۱ص ۲۷۱-۲۷۲ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ '۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

روح کا ذکر حدیث میں بھی اسی طرح بار بار آیا ہے جس طرح قرآن مجید میں روح کا ذکر بار بار آیا ہے' اور اس کا متعدد معانی پر اطلاق ہے لیکن اس کا غالب اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے جسم قائم ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے جسم کی حیات ہوتی ہے اور روح کا اطلاق قرآن مجید' وحی' رحمت اور حضرت جبریل پر بھی کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے المـلائـكـة الـروحـانيـون اس سے مراد یہ ہے کہ فرشتے اجسام لطیفہ ہیں ان کا بصر ادراک نہیں کر سکتی۔

(النہایہ ج ۲ص ۲۴۳-۲۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۸ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

روح کی مشہور تعریف وہ ہے جو امام اشعری نے کی ہے کہ روح سانس ہے جو اندر آ رہا ہے اور باہر جا رہا ہے۔ قاضی ابوبکر نے کہا اس میں تردد ہے کہ روح سانس ہے یا حیات ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ روح ایسا جسم ہے جو اجسام ظاہرہ اور اعضاء ظاہرہ میں شریک ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جس کو اللہ سبحانہ نے پیدا کیا ہے اور اس نے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ اس کے بغیر جسم میں حیات نہیں ہوتی اور جب اللہ جسم کی موت کا ارادہ فرماتا ہے تو روح کو اس جسم سے معدوم کر دیتا ہے اور بعض علماء نے کہا کہ روح خون ہے اور روح کی تعریف میں ستر قول ذکر کیے گئے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ آیا روح اور نفس ایک چیز ہیں یا متغائر ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں متغائر ہیں۔ کیونکہ نفس انسانیہ وہ چیز ہے جس کی طرف ہر انسان متکلم کے صیغہ سے اشارہ کرتا ہے مثلاً اپنے آپ کو میں کہتا ہے' اور اکثر فلاسفہ نے ان دونوں میں فرق نہیں کیا۔ انہوں نے کہا نفس وہ لطیف جوہر بخاری ہے (اسٹیم' بھاپ) جو قوت حیات' حس اور حرکت ارادیہ کا حامل ہے اور اسی کو وہ روح حیوانی کہتے ہیں اور یہی نفس ناطقہ اور بدن میں واسطہ ہے۔ امام غزالی نے کہا ہے کہ روح وہ جوہر ہے جو حادث ہے' قائم بنفسہ ہے اور وہ کسی جگہ میں نہیں ہے۔ وہ نہ جسم میں داخل ہے نہ جسم سے خارج ہے اور نہ جسم سے متصل ہے اور نہ جسم سے منفصل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ روح عرض ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ روح جسم کی صورت کے موافق ہے' اس کی دو آنکھیں ہیں' دو کان ہیں' دو ہاتھ اور دو پیر ہیں اور وہ صورت جسم میں داخل ہے اور اس کا

ہر جز عضو کے مقابل ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جس کا جسم میں اس طرح حلول ہے جس طرح گلاب کے پانی کا گلاب میں حلول ہوتا ہے اور آگ کا انگارے میں حلول ہوتا ہے اور اہل سنت کے جمہور متکلمین کا اسی تعریف پر اعتماد ہے۔ (عمدۃ القاری جز ۲ ص ۲۰۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

روح جسم لطیف ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کردی ہے کہ جب وہ بدن میں ہو تو اللہ تعالیٰ بدن میں حیات پیدا کردیتا ہے اور ہم نے اپنی کتاب التذکرہ میں احادیث ذکر کی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ روح جسم لطیف ہے اور یہ کہ نفس اور روح ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

فرشتوں کے سجدہ کی کیفیت

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کریں اور یہ تعظیم اور تکریم کا سجدہ تھا سجدہ عبادت نہ تھا، اور اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ جس کو چاہے فضیلت عطا فرمائے سو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت عطا فرمائی، اور قفال نے یہ کہا ہے کہ فرشتے حضرت آدم علیہ السلام سے افضل تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرا کر ان کو امتحان اور آزمائش میں ڈالا اور اس میں ان کے لیے بہت عظیم ثواب رکھا، اور یہ معتزلہ کا مذہب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت آدم کی طرف منہ کر کے اللہ کو سجدہ کریں اور حضرت آدم علیہ السلام ان کے لیے بہ منزلہ قبلہ تھے۔

سجدہ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کی فضیلت

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے سجدہ اصل میں تذلل کا اظہار ہے اور اللہ کے سامنے اپنے اختیار سے عبادت اور تذلل کا اظہار کرنا یہ سجدہ ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۹۵) اور علامہ ابن اثیر الجزری نے لکھا ہے سجدہ کا معنی ہے سر جھکانا اور کسی کے سامنے جھکنا اور اظہار تذلل کرنا اور سجدہ صلاۃ کا معنی ہے پیشانی زمین پر رکھنا اور اس سے بڑھ کر خضوع اور تذلل نہیں ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۳۰۹-۳۰۸) علامہ الحصکفی نے لکھا ہے کہ سجدہ پیشانی اور قدموں کے ساتھ ہے اور ایک انگلی کا ٹکانا شرط ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے لغت میں سجدہ کا معنی ہے خضوع یعنی تواضع اور عاجزی کرنا، جھکنا، سر جھکانا (قاموس) اور مغرب میں لکھا ہے زمین پر پیشانی رکھنا اور البحر الرائق میں مذکور ہے سجدہ کی حقیقت یہ ہے کہ تعظیم کے ساتھ چہرہ کا بعض حصہ زمین پر رکھا جائے۔ اس میں ناک کا رکھنا داخل ہے اور رخسار اور ٹھوڑی کا رکھنا خارج ہے۔ اگر کوئی شخص سجدہ میں دونوں پیر اٹھا لے تو یہ تعظیم کے بجائے لہو ولعب کے زیادہ مشابہ ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۹، بیروت ۱۴۱۹ھ) علامہ المرغینانی نے لکھا ہے کہ ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت کی ہے۔ (حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ بارش ہو رہی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھائی اور میں نے مٹی اور پانی کے نشان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اور ناک پر دیکھے۔ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۱۳، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نماز میں اپنی پیشانی اور ناک زمین پر نہیں لگائی اس کی نماز جائز نہیں۔ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۹۱۷) اور اگر اس نے پیشانی اور ناک میں سے کسی ایک پر اقتصار کرلیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ سجدہ میں بغیر عذر کے ناک پر اقتصار کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ نے ان اعضاء میں پیشانی کو شمار کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۱۲) اور امام

ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ چہرے کے بعض اجزاء زمین پر رکھنے سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے اور سجدہ ہی کا حکم دیا گیا ہے۔ البتہ ٹھوڑی اور رخسار کا رکھنا سجدہ سے بالاجماع خارج ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۱۰۸، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

سجدہ کی فضیلت میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب سجدہ میں ہوتا ہے سو تم سجدہ میں بکثرت دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۷۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا○ سوا ابلیس کے اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا○ (الحجر: ۳۱-۳۰)

تمام فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے پہلے جمع کے صیغہ سے فرمایا فسجد الملائکۃ اس کا معنی ہے سب فرشتوں نے سجدہ کیا پھر کلھم سے اس کی تاکید کی، کیونکہ یہ ہو سکتا تھا کہ اکثر فرشتوں نے سجدہ کر لیا ہو اور سب فرشتوں نے سجدہ نہ کیا ہو اس لیے فرمایا کلھم یعنی سب فرشتوں نے سجدہ کیا اور اکثر فرشتوں کے سجدہ کرنے کا احتمال ساقط ہو گیا۔ پھر بھی یہ احتمال باقی رہا کہ بعض فرشتوں نے ایک وقت میں سجدہ کیا ہو اور بعض نے دوسرے وقت میں سجدہ کیا ہو لیکن جب یہ فرمایا اجمعون تو یہ احتمال بھی ساقط ہو گیا اور اب معنی یہ ہے کہ تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا۔ نیز فرمایا سوا ابلیس کے اس کا معنی یہ ہے کہ ابلیس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ابلیس کا معنی اور یہ کہ وہ جنات سے ہے یا فرشتوں سے، اس بحث کو ہم نے البقرہ: ۳۴، الاعراف: ۱۱، الحجر: ۲۷ میں بیان کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟○ اس نے کہا میں اس بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں ہوں جس کو تو نے بجتی ہوئی خشک مٹی سے، سیاہ سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے○ فرمایا تو جنت سے نکل جا بے شک تو راندۂ درگاہ ہے○ اور بے شک تجھ پر قیامت تک لعنت ہے○ اس نے کہا اے میرے رب تو مجھے یوم حشر تک مہلت دے○ فرمایا بے شک تو ان میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی ہے○ معین وقت کے دن تک○

(الحجر: ۳۸-۳۲)

اللہ تعالیٰ اور شیطان کے درمیان مکالمہ کے اہم نکات

ان آیات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے طویل کلام کیا۔ حالانکہ اتنا طویل کلام قرآن مجید میں کسی نبی کے ساتھ بھی مذکور نہیں ہے اور اس سے شیطان کے لیے بہت بڑی فضیلت ثابت ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لیے فضیلت تب ہوتی جب اس کے ساتھ عزت اور کرامت اور محبت اور لطف کے ساتھ کلام ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ یہ کلام اہانت اور غضب کے ساتھ کیا ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ شیطان نے سجدہ نہ کرنے کی یہ وجہ بیان کی کہ وہ لعین حضرت آدم سے افضل ہے۔ کیونکہ اس کا جسم لطیف ہے اور حضرت آدم کا جسم کثیف ہے اور جسم لطیف، جسم کثیف سے افضل ہے اور وہ آگ سے بنایا گیا ہے اور حضرت آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں اور آگ مٹی سے افضل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے نص کے مقابلہ میں قیاس کیا اور قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب نص یعنی حکم صریح نہ ہو۔ اس نے حشر تک کی مہلت مانگی تھی کیونکہ حشر کے بعد موت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حشر تک کی مہلت نہیں دی بلکہ وقت معلوم تک

مہلت دی۔ ان تمام مباحث کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے الاعراف: ۱۵۔ ۱۲ میں کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کردیا ہے تو میں ضرور ان کے لیے (برے کاموں کو) زمین میں خوشنما بنادوں گا اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کردوں گا○ سوا ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں○ فرمایا مجھ تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے○ (الحجر: ۴۱-۳۹)

اس اشکال کا جواب کہ اگر اللہ تعالیٰ ابلیس کو گمراہ کرنے کے لیے طویل عمر نہ دیتا تو لوگ گناہ نہ کرتے!

ابلیس نے کہا میں ضرور ان کے لیے (برے کاموں کو) زمین میں خوشنما بنادوں گا۔ اس لعین کا مطلب یہ تھا کہ جب میں آسمانوں کے اوپر حضرت آدم کے دل میں وسوسہ ڈالنے اور شجر ممنوع کی طرف رغبت دلانے میں کامیاب ہو گیا تو میں زمین پر ان کی اولاد کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا اور میں ان کی نظروں میں دنیا کی چیزوں کو حسین و جمیل بنا کر پیش کروں گا حتیٰ کہ وہ آخرت سے غافل ہو جائیں گے۔

اس مقام پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کی مہلت طلب کی اور اس نے یہ تصریح کردی تھی کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ان کو گمراہ کرے گا اور ان کو کفر اور معصیت کی طرف مائل کرے گا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کو عمر طویل تک مہلت دے دی تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہ کرنے کی قدرت دے دی۔ نیز اکابر انبیاء اور اولیاء مخلوق کو نیکی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ابلیس ان کو نیکی سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو باقی رکھتا اور ابلیس اور اس کی ذریات کو فنا کردیتا تاکہ انسان عبادت کریں اور گناہ نہ کر سکیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ انسانوں کو آزمائش میں ڈالا جائے۔ اس نے نیکی کی طرف دعوت دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور اولیاء کرام اور علماء عظام کو پیدا کیا اور بدی کی طرف راغب کرنے کے لیے ابلیس اور اس کی ذریات کو پیدا کیا اور خود انسان میں بھی دو قوتیں رکھ دیں۔ ایک قوت اس کو دنیا کی رنگینیوں کی طرف راغب کرتی ہے اور دوسری قوت اس کو اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت کی طرف متوجہ کرتی ہے اور انسان کو عقل عطا کی اور اس کو اختیار دیا کہ وہ نیکی اور بدی اور ایمان و کفر کی ترغیبات میں سے کسی ایک کو اختیار کرلے۔ سو جو ایمان اور نیکی کو اختیار کرے گا وہ کامیاب ہے اور جو کفر اور بدی کو اختیار کرے گا وہ ناکام ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا○ (الشمس: ۱۰-۷)

اور جان کی قسم اور اس کی قسم جس نے اسے درست بنایا○ پھر اسے بدی اور نیکی سمجھادی○ بے شک وہ کامیاب ہو گیا جس نے نفس کو پاک کرلیا○ اور وہ بے شک ناکام ہو گیا جس نے نفس کو گناہوں میں ملوث کرلیا○

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ○ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ○ (البلد: ۱۱-۱۰)

اور ہم نے اس کو (نیکی اور بدی کے) دونوں واضح راستے دکھائے○ تو وہ (نیک عمل کی) دشوار گزار گھاٹی سے کیوں نہیں گزرا○

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان مقرر کیا گیا ہے اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا

ہاں میرے ساتھ بھی! لیکن اللہ نے میری مدد فرمائی وہ میرا اطاعت گزار ہو گیا اور وہ مجھے بھلائی کے سوا کوئی مشورہ نہیں دیتا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر ہدایت کے لیے انبیاء اور علماء کو پیدا کیا ہے اور عمومی طور پر گمراہ کرنے کے لیے ابلیس اور اس کی ذریات کو پیدا کیا ہے' اسی طرح خصوصیت کے ساتھ ہر انسان کو نیکی کی تلقین کے لیے ایک فرشتہ اور برائی پر ترغیب کے لیے ایک شیطان پیدا کیا ہے۔ اب انسان کے اندر اور باہر نیکی کے دواعی اور محرکات بھی ہیں اور بدی کے دواعی اور محرکات بھی ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے اچھے اور برے کام کی سمجھ اور عقل سلیم عطا کی ہے۔ اب اگر وہ اپنے اختیار سے ایمان اور عبادات کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان اور عبادات کو پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ اپنے اختیار سے کفر اور معاصی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کفر اور معاصی کو پیدا کر دیتا ہے۔ شیطان کا اس کے اوپر کوئی تصرف اور تسلط نہیں ہے۔ وہ وسوسہ کی صورت میں صرف برائی کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور علماء عظام اس کو نیکی اور خیر کی دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر خیر اور شر کے دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں اور اس کو اچھائی اور برائی سمجھادی ہے۔ اب وہ جس چیز کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسی چیز کو پیدا کر دیتا ہے اور اس پر جزا اور سزا اور ثواب اور عذاب اس کے اختیار اور ارادہ کے اعتبار سے مرتب کیا جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنی قدرت سے تمام انسانوں میں ایمان اور عبادات کو پیدا فرما دیتا۔ شیطان کو پیدا کرتا نہ برائیوں کو لیکن یہ اس کی حکمت کے خلاف تھا۔ اس طرح بغیر ذاتی اختیار اور ارادہ کے محض جبر سے اطاعت کرنے والے اس کے پاس فرشتے بہت ہیں بلکہ یہ ساری کائنات اور انسان کے جسم کے اندرونی تمام اعضاء سب کے سب جبر سے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ ایک ایسی مخلوق پیدا کی جائے جس کے اندر اور باہر گناہ اور عبادت دونوں کی ترغیبات ہوں۔ پھر اس کو عقل اور شعور دیا جائے پھر جو اپنی عقل اور شعور سے گناہوں کو چھوڑ کر اطاعت کو اختیار کرے اس کو دائمی اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جائے اور جو اطاعت اور عبادت کو چھوڑ کر گناہوں کو اختیار کرے اس کو دائمی سزا اور عذاب کا مستحق قرار دیا جائے۔ سو شیطان کو پیدا کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو بھیجنا انسان کے امتحان اور اس کی آزمائش کے لیے ہے۔

جھوٹ کی قباحت

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا یہ قول نقل فرمایا: اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا سوا ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں۔ ابلیس نے اپنے قول میں اصحاب اخلاص کا استثناء کیا وہ ان کو گمراہ نہیں کر سکے گا۔ اگر وہ ان کا استثناء نہ کرتا اور مطلقاً کہتا کہ میں سب کو گمراہ کر دوں گا تو اس کا قول جھوٹا ہو جاتا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ وہ اصحاب اخلاص کو گمراہ نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا اس نے جھوٹ سے بچنے کے لیے یہ استثناء کیا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس پر غور کرنا چاہیے کہ جھوٹ ایسی قبیح چیز ہے کہ اس سے شیطان بھی احتراز کرتا ہے تو مومن اور مسلمان کو جھوٹ بولنے سے کسی قدر زیادہ احتراز اور اجتناب کرنا چاہیے۔

اخلاص کا معنی

اس آیت میں شیطان نے اعتراف کیا ہے کہ وہ اصحاب اخلاص کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے پہلے ہم اخلاص کا معنی اور اس کے درجات بیان کریں گے۔ پھر اخلاص کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور احادیث بیان کریں گے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

خالص کا معنی صافی (صاف) کی طرح ہے جس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

نُّسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ (النحل: ۶۶)

ہم تمہیں اس چیز میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ، جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے ○

یعنی اللہ تعالیٰ گوبر اور خون کے درمیان سے اس طرح صاف اور خالص دودھ نکالتا ہے جس میں گوبر اور خون کی ذرہ برابر بھی آمیزش نہیں ہوتی۔ سو خالص چیز وہ ہوتی ہے جس میں کسی دوسری چیز کی ذرہ برابر بھی آمیزش نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ جانوروں سے خالص دودھ نکالتا ہے۔

مسلمان کا اخلاص یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کو مانے اور یہودیوں کی طرح تشبیہ اور نصاریٰ کی طرح تثلیث سے برأت کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ (الاعراف: ۲۹)

صرف اسی کی عبادت کرو عبادت میں اخلاص کرتے ہوئے۔

اور اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز سے برأت کا اظہار کرے صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اس میں اور کسی چیز کی آمیزش نہ کرے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۰۶-۲۰۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

کیا چیز اخلاص کے منافی ہے؟

اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ کسی کام میں کوئی اور نیت بھی شامل کر لی جائے تو یہ اخلاص نہیں ہے۔ مثلاً روزہ میں عبادت کی نیت کے ساتھ یہ نیت بھی کرے کہ روزوں کی وجہ سے بڑھا ہوا وزن کم ہو جائے گا یا تبخیر میں کمی ہو جائے گی، نماز میں عبادت کے ساتھ یہ نیت کرے کہ اس سے جسمانی ورزش بھی ہو جائے گی، غسل اور وضو میں ٹھنڈک حاصل کرنے اور صفائی کی نیت کر لے، زکوٰۃ میں یہ نیت کر لے کہ اس سے میرا بخل دور ہو گا، حج کو جاتے ہوئے یہ نیت کرے کہ مکہ اور مدینہ میں میرے جو عزیز ہیں ان سے ملاقات کر لوں گا تو ان تمام صورتوں میں اخلاص نہیں ہے۔ اخلاص تب ہو گا جب کسی بھی عبادت میں صرف اللہ کے حکم پر عمل کرنے یا اس کا تقرب حاصل کرنے یا صرف اس کی رضاجوئی کی نیت کرے، اور اگر کسی عبادت میں ریاکاری داخل ہو جائے تو پھر اس میں اخلاص بالکل نہیں ہو گا یا بہت کم ہو گا۔ اخلاص بالکل نہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی بالکل نماز نہ پڑھتا ہو لیکن اس سے ملنے کے لیے کچھ لوگ آئیں اور وہ نماز کے وقت مسجد میں جانے لگیں تو ان پر اچھا اثر ڈالنے کے لیے وہ ان کے ساتھ نماز پڑھنے چلا جائے اور اگر وہ لوگ نماز پڑھنے نہ جاتے تو وہ بھی ان کے ساتھ نماز پڑھنے نہ جاتا اور اخلاص کم ہونے کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نماز تو پڑھتا ہے لیکن اگر اس کے معتقدین، مریدین یا شاگرد بیٹھے ہوں تو زیادہ خضوع خشوع کے ساتھ لمبی نماز پڑھے تاکہ ان پر اچھا اثر قائم ہو، ہرچند کہ اس میں بھی ریاکاری ہے لیکن پہلی صورت سے کم ہے اور اس میں بالکلیہ اخلاص کی نفی نہیں ہے۔

اخلاص کے مراتب اور درجات

امام غزالی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کے لیے عبادت کرے یا دوزخ کے عذاب کے خوف سے عبادت کرے تو اس میں بھی اخلاص ہے لیکن یہ کامل درجہ کا اور صدیقین کا اخلاص نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کا ارادہ نہیں کر رہا اور جو کاملین اور صدیقین ہیں ان کا مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر

عمل کرنا اور اس کی رضا ہوتی ہے' اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ انسان جو بھی عمل کرتا ہے اس سے کسی نہ کسی مطلوب اور غرض کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور تمام مطالب سے بری اور بے نیاز ہو کر کوئی عمل کرنا یہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کا دعویٰ کرنا کفر ہے اور قاضی باقلانی نے یہ فیصلہ کیا کہ جو شخص یہ کہے کہ وہ تمام اغراض اور مطالب سے بری ہے وہ کافر ہے۔ یہ فیصلہ برحق ہے لیکن امام غزالی کی مراد یہ ہے کہ جنت میں جو شہوت برآری کے ذرائع اور وسائل ہوں گے فقط ان کی نیت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی معرفت سے جو لذت حاصل ہو گی اس کی نیت کرے۔

(احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۳۲-۳۳۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کے لیے عبادت کرنا بھی اخلاص ہے لیکن کامل اخلاص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے

میں کہتا ہوں کہ دوزخ کے عذاب سے نجات اور جنت کی طلب کے لیے عبادت کرنا بھی اخلاص کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے کے لیے عذاب نار سے نجات اور حصول جنت کی ترغیب دی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (الصف: ۱۲-۱۰)

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچا لے ○ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو' یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے اگر تم علم رکھتے ہو ○ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تم کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور پاکیزہ مکانوں میں ہمیشہ رہنے کی جنتوں میں' یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ کامل درجہ کا اخلاص یہ ہے کہ اپنی عبادت سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دیدار کا ارادہ کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۔ (البقرہ: ۲۰۷)

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی جان فروخت کر دیتے ہیں۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۔ (البقرہ: ۲۶۵)

اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں' اس باغ کی طرح ہے جو اونچی زمین پر ہو اور اس پر موسلا دھار بارش ہو تو وہ اپنا پھل دگنا لائے۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ

ان کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں ہے' البتہ جو صدقہ کرنے کا حکم دے یا کسی نیک کام کرنے کا یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا اور جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے

نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (النساء: ۱۱۴)

لیے ان نیک کاموں کو کرے تو عنقریب ہم اس کو بہت بڑا اجر دیں گے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا کا حصول جنت میں ہو گا۔ اس لیے جنت کو کم نہیں سمجھنا چاہیے۔ بعض جاہل شعراء اور معرفت الٰہی کے جھوٹے مدعی اکثر یہ کہتے ہیں جنت سے کوئی مطلب نہیں ہمیں تو اللہ کی رضا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا سب سے بڑا انعام ہے لیکن یہ انعام جنت میں ہی ملے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ (آل عمران: ۱۵)

متقین کے لیے ان کے رب کے پاس ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی مسکن بھی جنت ہے اور محبوب کا مسکن بھی محبوب ہوتا ہے اس لیے بھی جنت کو محبوب رکھنا چاہیے۔

اخلاص کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ (البینہ: ۵)

اور ان کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔ (الزمر: ۳-۲)

بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے، سو آپ اللہ کی عبادت کیجئے اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے ○ سنو! اللہ ہی کے لیے دین خالص ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (النساء: ۱۴۶-۱۴۵)

بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور (اے مخاطب!) تو ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائے گا ○ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور نیک کام کیے اور اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کیا اور انہوں نے اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت کی سو وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے۔

اخلاص کے متعلق احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں دنیا سے رخصت ہوا کہ وہ اللہ وحدہ کے ساتھ اخلاص پر تھا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا تھا اور نماز قائم کرتا تھا اور زکوٰۃ ادا کرتا تھا تو وہ اس حال میں مرا کہ اللہ اس پر راضی تھا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۰، بوصیری نے کہا اس کی سند ضعیف ہے، حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے، المستدرک ج ۲ ص ۳۳۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب انہیں یمن کی طرف بھیجا گیا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے! آپ نے فرمایا اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرو تمہیں کم عمل بھی کافی ہو گا۔

(حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، المستدرک ج ۴ ص ۳۰۶)

مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا یہ گمان تھا کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب پر فضیلت حاصل ہے جن کے پاس ان سے کم مال ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد صرف ضعیف مسلمانوں کی دعاؤں، ان کی نمازوں اور ان کے اخلاص کی وجہ سے فرماتا ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۷۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی، اس کی حفاظت کی اور اس کو یاد رکھا اور اس کی تبلیغ کی، بعض فقہ کے حامل اس کو اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ تین شخصوں کے دلوں میں کینہ اور حسد نہیں ہوتا جو اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے عمل کرتے ہوں، ائمہ مسلمین کی خیر خواہی کرتے ہوں، اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم ہوں، ان کی دعا دوسروں کو بھی شامل ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۰، مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۳۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۶۸۰، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۸۹۰)

حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرا کوئی شریک نہیں ہے جس نے میرے ساتھ کسی کو (عمل میں) شریک کیا پس وہ (عمل) میرے شریک کے لیے ہے، اے لوگو! اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ اپنے اعمال بجا لاؤ، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان ہی اعمال کو قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لیے ہوں اور یہ نہ کہو کہ یہ عمل اللہ کے لیے ہے اور رشتہ داروں کے لیے، کیونکہ پھر وہ عمل رشتہ داروں ہی کے لیے ہے اور اللہ کے لیے وہ عمل بالکل نہیں ہے اور یہ نہ کہو کہ یہ تمہاری خاطر ہے، کیونکہ پھر وہ تمہاری ہی خاطر ہے اور اللہ کے لیے بالکل نہیں ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۶۷، مؤسستہ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یہ بتایئے ایک آدمی جہاد کرتا ہے وہ اجر کا بھی طالب ہے اور شہرت کا بھی طالب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ اس نے تین بار سوال دہرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہی جواب دیا کہ اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ پھر فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لیے ہو اور اس عمل سے صرف اس کی ذات کا ارادہ کیا گیا ہو۔ (سنن النسائی رقم الحدیث ۳۱۴۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اخلاص کے متعلق صوفیاء اور مشائخ کے اقوال

حافظ شرف الدین الدمیاطی متوفی ۷۰۵ھ لکھتے ہیں:

تمام عبادات کے قبول ہونے اور ان میں اجر و ثواب کے حصول کی شرط یہ ہے کہ ان میں اخلاص ہو، اور ہر وہ عمل جس میں اخلاص نہ ہو وہ ضائع ہونے کے زیادہ قریب ہے اور حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے کہا تمام علم دنیا کے لیے ہے اور آخرت کے لیے عمل ہے اور اخلاص کے سوا ہر عمل غبار کے ذرات کی طرح منتشر ہو جائے گا، علماء کے سوا تمام لوگ مردہ ہیں اور باعمل علماء کے سوا تمام علماء بے ہوش ہیں۔ اور اصحاب اخلاص کے سوا تمام باعمل علماء بھی خود فریبی میں مبتلا ہیں اور اصحاب اخلاص بھی خوف زدہ رہتے ہیں حتیٰ کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کا خاتمہ کس کیفیت پر ہوگا۔ اگر تم ثواب کے حصول اور اجر آخرت کا ارادہ کرتے ہو تو اخلاص میں کوشش کرو اور اگر اللہ نے تمہاری مدد فرمادی اور تمہیں اعمال صالحہ کی

توفیق دے دی اور تمہاری ہمت کو حصول ثواب کے درجہ سے ترقی دے کر اپنی ذات کریم تک پہنچادیا اور نیک اعمال سے تمہارا مقصود دوزخ کا خوف ہو نہ جنت کی امید ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو اخلاص کے سب سے بلند درجہ تک پہنچادیا اور تم کو اپنے مقربین اور بندگان خواص میں سے کردیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے اور اخلاص کی توفیق اس سے ملتی ہے۔ (المتجر الرابح ص ۴۷۔۹۷ مطبوعہ دار خضر بیروت ۱۴۱۹ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

ابو عثمان نے کہا: اخلاص یہ ہے کہ انسان کی دائمی نظر خالق کی طرف ہو اور وہ مخلوق کو بھول جائے۔ اس میں فقط ریاکاری کی آفت کی طرف اشارہ ہے اور بعض نے کہا عمل میں اخلاص یہ ہے کہ تمہارے عمل پر شیطان مطلع نہ ہو کہ وہ اس کو خراب کرسکے اور نہ فرشتہ مطلع ہو کہ وہ اس کو لکھ سکے۔ اس قول میں محض اخفاء کی طرف اشارہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو چیز مخلوق سے مخفی ہو وہ اخلاص ہے۔ یہ قول مقاصد کا جامع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ رب کے ساتھ معاملہ کو مخلوق سے خارج کرنا ہے اور حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کون سا عمل خالص ہے فرمایا: جو شخص اللہ کے لیے عمل کرے اور اس پر مخلوق کی تعریف کو پسند نہ کرے۔ فضیل نے کہا: لوگوں کی وجہ سے عمل کو ترک کردینا ریا ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تمہیں دونوں سے محفوظ رکھے اور اخلاص کا شافی بیان وہ ہے جو سید الاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ سے پوچھا گیا کہ اخلاص کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم کہو کہ میرا رب اللہ ہے پھر اس طرح درست کام کرو جس طرح تمہیں کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی تم اپنے نفس اور اس کی خواہش کی عبادت نہ کرو۔ صرف اپنے رب کی عبادت کرو اور اس کی اس طرح صحیح عبادت کرو جس طرح اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اپنی نظر کو اللہ عزوجل کے ماسوا سے منقطع کرلو اور یہی حقیقت میں اخلاص ہے۔

(احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۳۳۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کرنا بھی اخلاص کا اعلیٰ درجہ ہے

یہ درست ہے کہ اخلاص کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ دوزخ سے نجات کے لیے عبادت کی جائے نہ جنت کے حصول کے لیے۔ صرف اور صرف اس کی ذات کے لیے اور اس کی رضا کے لیے عبادت کی جائے لیکن اس سے دعا کی جائے کہ وہ دوزخ کے عذاب سے نجات عطا فرمائے اور یہ بھی اخلاص کا اعلیٰ مرتبہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو راتوں کو اٹھ کر دوزخ سے نجات کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ○ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○ (الفرقان: ۶۶-۶۴)

اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں ○ اور جو یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کا عذاب دور فرمادے، بے شک اس کا عذاب چمٹ جانے والی مصیبت ہے ○ بے شک وہ ٹھہرنے اور قیام کرنے کی بہت بری جگہ ہے۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سید العلمین ہے اور آپ بکثرت دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبک من الکسل والھرم — اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں سستی سے اور بڑھاپے

والمـاثم والمغرم ومن فتنة القبر وعذاب القبر ومن فتنة النار وعذاب النار۔ (الحدیث)

سے اور گناہ سے اور قرض سے اور قبر کی آزمائش اور عذاب قبر سے اور دوزخ کے فتنہ سے اور دوزخ کے عذاب سے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۸۵، عالم الکتب بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات یہ دعا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اے اللہ ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۹، ۲۰۶۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۷۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۱۰۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۰ ص ۲۶۱، الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۸۲، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۵۵)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بڑھ کر کون صاحب اخلاص ہو گا اور انہوں نے حصول جنت کی دعا کی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ۔ (الشعراء: ۸۵)

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کردے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سید المخلصین ہیں اور آپ نے حصول جنت کی دعا کی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ دعا کرتے تھے۔ یہ متعدد کلمات ہیں ان میں یہ کلمات بھی ہیں:

واسئلك الدرجات العلى من الجنة آمين اللهم انى اسئلك فواتح الخير و خواتمه و جوامعه و اوله وآخره وظاهره و باطنه والدرجات العلى من الجنة آمين، اللهم و نجنى من النار و مغفرة الليل والنهار والمنزل الصالح من الجنة آمين، اللهم انى اسئلك خلاصا من النار سالما و ادخلنى الجنة آمنا اللهم انى اسئلك ان تبارك لى فى نفسى و فى سمعى و بصرى و فى روحى و فى خلقى و فى خليقتى واهلى و فى محياى و مماتى اللهم و تقبل حسناتى و اسئلك الدرجات العلى من الجنة آمين۔

میں تجھ سے جنت میں بلند درجات کا سوال کرتا ہوں آمین، اے اللہ میں تجھ سے خیر کے مبادی اور خواتم اور جوامع اور اول اور آخر کا اور ظاہر اور باطن کا سوال کرتا ہوں اور جنت میں بلند درجات کا سوال کرتا ہوں آمین، اے اللہ مجھے دوزخ سے نجات دے اور دن اور رات کی مغفرت عطا کر اور جنت میں اچھا گھر عطا کر آمین، اے اللہ میں تجھ سے سلامتی کے ساتھ دوزخ سے نجات کا سوال کرتا ہوں اور مجھے امن کے ساتھ جنت میں داخل فرما، اے اللہ میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو میرے نفس میں اور میری سمع اور بصر میں اور میری روح میں اور میرے اخلاق میں اور میرے اوصاف میں اور میری زندگی میں اور وفات میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ میری نیکیوں کو قبول فرما اور میں تجھ سے جنت میں بلند درجات کا سوال کرتا ہوں۔ آمین۔

(المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۱۷-۳۱۶، حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط کے رجال ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۷)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس

وقت آپ نے لاٹھی پر ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ جب ہم نے آپ کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو جیسا کہ اہل فارس اپنے سرداروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کاش آپ ہمارے لیے دعا کرتے! آپ نے دعا کی:

اللھم اغفرلنا وارحمنا و ارض عنا و تقبل منا وادخلنا الجنۃ ونجنا من النار واصلح لنا شاننا کلہ۔	اے اللہ! ہماری مغفرت فرما، ہم پر رحم فرما اور ہم سے راضی ہو جا اور ہم سے قبول فرما اور ہم کو جنت میں داخل فرما اور ہم کو دوزخ سے نجات دے اور ہمارے تمام کاموں کو درست فرما۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ ہم جنت فردوس کی دعا کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے اللہ پر (اس کے کرم سے) یہ حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے، خواہ اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا اپنی اس زمین میں بیٹھا رہا ہو جہاں وہ پیدا ہوا ہو۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دیں! آپ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے اور ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان میں فاصلہ ہے۔ پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا اوسط اور جنت کا اعلیٰ ہے اور میرا گمان ہے کہ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور جنت کے دریا اس سے نکلتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۹۰ ۲، مسند احمد رقم الحدیث ۸۴۰۰، عالم الکتب بیروت، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۵۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۱۸۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۹۷)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں ہر درجہ میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان میں فاصلہ ہے اور فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اسی سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو۔

(السنن الترمذی رقم الحدیث ۲۵۳۱، مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۶، ۳۲۱)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ سے نجات کی اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور ہمیں اس دعا کی تلقین بھی کی ہے اور آپ سید العلمین ہیں۔ لہٰذا دوزخ سے نجات کی دعا کرنا اور جنت کی طلب کی دعا کرنا بھی اخلاص کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں زیادہ تفصیل اس لیے کی ہے کہ ہمارے زمانہ میں ایسے جاہل صوفیاء کا شہرہ ہے جو دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کو گھٹیا درجہ کی طلب کہتے ہیں اور اس کو اخلاص کے منافی شمار کرتے ہیں۔

دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا میں اخلاص کا اعلیٰ مرتبہ اس طرح متحقق ہوگا کہ انسان یہ دعا کسی کو دکھانے یا سنانے کے لیے نہ کرے بلکہ اس لیے یہ دعا کرے کہ دعا کرنا عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کے بندے اس سے دعا کریں اور وہ بندوں کے دعا کرنے سے راضی ہوتا ہے لیکن اس کے ذہن میں کسی وقت بھی یہ معنی نہ آئے کہ وہ صرف اللہ کی رضا کے لیے دعا کر رہا ہے ورنہ اس کو جنت میں دخول کی کوئی غرض ہے نہ دوزخ سے نجات کی کوئی تمنا ہے۔ اگر یہ ارادہ کرے گا تو یہ صریح کفر ہے۔ انسان سراپا غرض مند اور محتاج ہے اور بے نیاز اور بے غرض صرف اللہ کی ذات ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ بندہ ہی رہے خدا نہ بنے!

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ابلیس نے کہا: اے رب! تیرے عزت و جلال کی قسم! جب تک آدم کے بیٹوں کے جسموں میں ان کی روحیں رہیں گی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے میں ان کی مغفرت کرتا رہوں گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۳۰۶، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، حافظ حمزہ احمد زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۲۴۴، دار الفکر بیروت، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۲، المستدرک ج ۴ ص ۲۶۱)

صراط مستقیم کی متعدد تفاسیر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھ تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے۔

امام ابن جریر نے کہا: یہ میری طرف لوٹنے کا راستہ ہے، میں تمام لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دوں گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ۔ (الفجر: ۱۴) بے شک آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے۔

یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے کہے میں تمہارے راستے پر ہوں۔

(جامع البیان جز ۱۴ ص ۴۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عمر بن الخطاب نے کہا یہ اس آیت کا معنی ہے یہ میرا سیدھا راستہ ہے، جس پر چل کر لوگ جنت تک پہنچیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے یہ میرے ذمہ ہے کہ لوگوں کو اپنا راستہ دلائل سے بیان کروں یا یہ میرے ذمہ ہے کہ میں لوگوں کو اپنے راستہ کی توفیق اور ہدایت دوں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا یہ اخلاص مجھ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے سوا ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں گے ○ (الحجر: ۴۲)

انسانوں پر جنات کے تسلط کا رد

جب ابلیس نے یہ کہا تھا: میں ضرور ان کے لیے (برے کاموں کو) زمین میں خوشنما بنادوں گا اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کردوں گا سوا ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں۔ تو اس لعین نے اپنے اس کلام سے یہ وہم ڈالا کہ اللہ کے بندوں میں سے جو اصحاب اخلاص نہیں ہیں ان پر اس کا تسلط ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے خواہ وہ اصحاب اخلاص ہوں یا نہ ہوں، بلکہ ان بندوں میں سے جو اپنے اختیار سے ابلیس کی پیروی کرے گا وہ اس کا تابع ہو گا اور یہ پیروی بھی اس وجہ سے نہیں ہو گی کہ ابلیس اس کو زبردستی یا جبر سے اپنا پیروکار بنائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابلیس نے اپنے اس کلام سے یہ وہم ڈالا تھا کہ اللہ کے جو بندے اصحاب اخلاص نہیں ہیں ان پر اس کا تسلط اور تصرف ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اس غلط بیانی یا جھوٹ کو واضح فرمایا اور یہ بتلایا کہ اللہ کے کسی بندے پر ابلیس کو تسلط یا قدرت حاصل نہیں ہے اور اس کی نظیر وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن خود ابلیس کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ اور مجھے تم پر کوئی تسلط حاصل نہ تھا البتہ میں نے تم کو

دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ۔ (ابراھیم: ۲۲) دعوت دی سو تم نے میری دعوت قبول کرلی۔

اور اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرمایا:

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ (النحل: ۱۰۰-۹۹)

بے شک شیطان کو ان لوگوں پر کوئی تسلط اور غلبہ حاصل نہیں ہے جو (اللہ پر) ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ۝ اس کے صرف ان لوگوں پر تسلط اور غلبہ حاصل ہے جو اس کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں۔

اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جن کا یہ زعم ہے کہ شیطان اور جن انسان کی عقل زائل کرنے اور اس کے اعضاء پر متصرف ہونے پر قادر ہیں اور جب انسان پر جن چڑھ جاتا ہے تو وہ اس کی زبان سے بولتا ہے اور اس کے ہاتھ پیروں سے تصرف کرتا ہے جیسا کہ عام لوگوں کا یہ عقیدہ ہے، اور ہم نے بارہا کہا ہے کہ اگر عقلاً اور شرعاً اس کا جواز ہو تو ایک آدمی کسی شخص کو قتل کر دیتا اور پھر کہتا میں نے اس کو قتل نہیں کیا مجھ پر جو جن چڑھا ہوا تھا اس نے اس کو قتل کیا ہے اس وقت تو میری عقل زائل تھی مجھے کچھ ہوش نہ تھا۔ یہ سب اس جن کی کارستانی ہے تو کیا شریعت میں اس کی گنجائش ہے؟ کیا قرآن کی کسی آیت میں یا کسی حدیث میں کسی صحابی کے قول میں یہ استثناء موجود ہے کہ اس شخص سے قتل کا قصاص نہیں لیا جائے گا جو کسی جن کے زیر اثر یا اس کے زیر تسلط ہو یا دنیا کے کسی بھی قانون میں یہ گنجائش ہے؟

اس اشکال کا جواب کہ اصحاب اخلاص کو بھی شیطان نے لغزش میں مبتلا کیا

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب شیطان کو اللہ کے نیک بندوں پر کوئی تسلط اور قدرت نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کے متعلق فرمایا:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ۔ (البقرہ: ۳۶)

پس شیطان نے ان کو اس درخت کے ذریعہ لغزش میں مبتلا کیا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے انہیں نکال باہر کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کو ان کے دلوں پر قدرت نہیں ہے اور نہ ان کے اعضاء پر تسلط ہے کہ وہ جبراً ان سے کوئی گناہ کرائے۔ شیطان نے اللہ کی قسم کھا کر ان کو بتایا کہ اس درخت سے کھانے میں ان کا فائدہ ہے۔ حضرت آدم نے سوچا کہ کوئی شخص اللہ کے نام کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت سے جو منع کیا ہے وہ ممانعت تنزیہی ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحریمی ہے، یا انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص اور مشخص درخت سے منع کیا ہے میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھالیتا ہوں اور وہ یہ بھول گئے کہ ممانعت اس نوع کے درخت سے تھی۔ الغرض حضرت آدم علیہ السلام کا اس درخت سے کھانا اجتہادی خطا اور نسیان سے تھا ان کا فعل کوئی گناہ نہیں تھا اور ان کا جنت سے زمین پر آنا کوئی سزا نہ تھی بلکہ اپنے مقصد خلقت کی تکمیل اور زمین پر اللہ کی خلافت جاری کرنے کے لیے وہ زمین پر آئے تھے۔ ہم اس کی تفصیل البقرہ میں بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جنگ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب کو شیطان نے لغزش میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر میدان جہاد سے بھاگ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى بے شک جس دن دو فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل

الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (آل عمران: ۱۵۵)

ہوئی تھیں اس دن جو لوگ تم میں سے پھر گئے تھے، ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے ان کے قدموں کو لغزش دی تھی اور یقیناً اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے۔

دشمن سے شکست کھا جانا معصیت نہیں تھا، لیکن جب انہوں نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے تو وہ مدینہ کی حفاظت کے لیے شہر میں چلے گئے تاکہ دشمن اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پکار رہے تھے تو انہوں نے خوف اور ہراس کے غلبہ کی وجہ سے آپ کی پکار کو نہیں سنا۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دشمن کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی کیونکہ وہ سات سو تھے اور دشمن تین ہزار تھے اور ان حالات میں شکست کھا جانا بعید نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جانا ایسی خطا ہے جو جائز نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ سوچا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی احد پہاڑ کی کسی جانب نکل گئے ہیں۔ بہر حال ان پر شیطان کا جبر نہ تھا اس نے ان کے دلوں میں مختلف وسوسے ڈال دیئے تھے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے اچانک پلٹ کر آنے اور اس کے زبردست دباؤ کی وجہ سے ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بے سوچے سمجھے بھاگ پڑے۔ بہر حال یہ خطا کسی وجہ سے بھی ہوئی ہو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔

اور تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ایک سفر میں شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو سلا دیا اور ان سے صبح کی نماز قضا ہو گئی۔ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات مکہ کے راستے میں رات کے آخری حصہ میں ایک جگہ پہنچے۔ آپ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو نماز کے وقت بیدار کر دیں۔ حضرت بلال کو نیند آ گئی اور باقی مسلمان بھی سو گئے۔ حتیٰ کہ جس وقت وہ بیدار ہوئے تو سورج ان کے اوپر طلوع ہو چکا تھا۔ سب مسلمان گھبرا کر اٹھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ وہاں سے کوچ کریں حتیٰ کہ اس وادی سے نکل جائیں۔ آپ نے فرمایا: اس وادی میں شیطان ہے۔ مسلمان وہاں سے روانہ ہوئے حتیٰ کہ اس وادی سے نکل گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک جگہ ٹھہرنے کا حکم دیا اور حضرت بلال کو اذان دینے یا اقامت کہنے کا حکم دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی۔ پھر ان کی طرف مڑے آپ نے ان کے خوف اور گھبراہٹ کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اور اگر اللہ چاہتا تو اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں ہماری روحوں کو لوٹا دیتا پس تم سے جب کسی شخص کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلے یا وہ نماز پڑھنا بھول جائے پھر گھبرا کر اٹھے تو نماز کو اس طرح پڑھ لے جس طرح نماز کو اپنے وقت میں پڑھتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جس وقت بلال کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے شیطان ان کے پاس گیا اور ان کو لٹا دیا۔ پھر ان کو مسلسل اس طرح تھپکیاں دیتا رہا جس طرح بچہ کو تھپکیاں دی جاتی ہیں حتیٰ کہ بلال سو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا تو حضرت بلال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا تھا۔ پس حضرت ابوبکر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۶)

اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اصحاب اخلاص پر شیطان کا کوئی تسلط اور غلبہ نہیں ہے۔ اس تسلط اور غلبہ سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان سے زبردستی اور جبر کے ساتھ کوئی گناہ نہیں کرا سکے گا تو اس میں اصحاب اخلاص کی کوئی تخصیص نہیں ہے وہ کسی انسان سے بھی جبراً کوئی گناہ نہیں کرا سکتا، اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کے وسوسہ کو قبول نہیں کریں گے تو ان مثالوں میں حضرت آدم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کے وسوسہ کو قبول کر لیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اصحاب اخلاص کے دلوں میں اللہ کی خشیت اور اس کے خوف کا اس قدر غلبہ ہے کہ وہ اس کے بہکانے سے قصداور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے قصد اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی وہ بھول گئے تھے اور جنگ احد میں جو اصحاب رسول میدان جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگے تھے ان کا قصد اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ تھا خوف و ہراس کے غلبہ کی وجہ سے ان کے ذہنوں سے یہ بات نکل گئی تھی کہ میدان سے بھاگنا ان کے لیے جائز نہیں ہے، اور اگر بالفرض یہ معصیت ہو بھی تو اصحاب اخلاص سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جو معصوم ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے معصیت صادر ہوئی ہے لیکن انہوں نے فوراً توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا اور ان پر حدود جاری ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پاک کر دیا اور تیسری مثال نیند کی ہے اور نیند کی وجہ سے نماز کا قضا ہو جانا کوئی گناہ نہیں ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ان سب کے وعدہ کی جگہ جہنم ہے O اس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازہ کے لیے ان گمراہوں میں سے تقسیم کیا ہوا حصہ ہے O (الحجر: ۴۴-۴۳)

جہنم کے دروازے اور ان میں عذاب یافتگان

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا وہ سات دروازے یہ ہیں۔ جہنم، السعیر، لظی، الحطمہ، سقر، الجحیم، الھاویہ اور یہ سب سے نچلا طبقہ ہے۔

قتادہ نے کہا: یہ ان کے اعمال کے اعتبار سے ان کی منازل ہیں۔

اعمش نے کہا: جہنم کے ابواب کے نام یہ ہیں۔ الحطمہ، الھاویہ، لظی، سقر، الجحیم، السعیر، اور جہنم۔

حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہر فریق کے لیے جہنم کا ایک طبقہ ہے۔

ضحاک نے کہا: ایک دروازہ یہود کے لیے ہے۔ ایک دروازہ نصاریٰ کے لیے ہے، ایک دروازہ الصابئین کے لیے ہے اور ایک دروازہ مجوس کے لیے ہے اور ایک دروازہ مشرکین کے لیے ہے جو کفار عرب ہیں اور ایک دروازہ منافقین کے لیے ہے اور ایک دروازہ اہل توحید کے لیے ہے اور اہل توحید کے لیے جو نجات کی توقع ہے وہ توقع دوسروں کے لیے بالکل نہیں ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا بعض اہل دوزخ ایسے ہوں گے جن کے ٹخنوں تک آگ پہنچے گی اور بعض کے کمربند تک آگ پہنچے گی اور بعض کی ہنسلی تک آگ پہنچے گی۔ ان کے اعمال کے اعتبار سے ان کی منازل ہوں گی۔ یہ اس آیت کی تفسیر ہے: لھا سبعۃ ابواب لکل

باب منھم جزء مقسوم ہر دروازہ کے اوپر آگ کے ستر ہزار شامیانے ہیں اور ہر شامیانے میں ستر ہزار خیمے ہیں اور ہر خیمے میں آگ کے ستر ہزار تنور ہیں اور ہر تنور میں ستر ہزار آگ کی کھڑکیاں ہیں اور ہر کھڑکی میں آگ کی ستر ہزار چٹانیں ہیں، اور ہر چٹان کے اوپر آگ کے ستر ہزار پتھر ہیں اور ہر پتھر کے اوپر آگ کے ستر ہزار بچھو ہیں اور ہر بچھو کی آگ کی ستر ہزار دمیں ہیں اور ہر دم میں ستر ہزار ہڈیاں ہیں اور ہر ہڈی میں ستر ہزار زہر کے ڈنک ہیں اور ستر ہزار آگ بھڑکانے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جو شخص سب سے پہلے جہنم میں داخل ہوگا وہ دروازے پر چار لاکھ جہنم کے پہرہ دار دیکھے گا۔ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ ان کے کھلے ہوئے مونہوں سے ڈاڑھیں دکھائی دے رہی ہوں گی۔ ان کے دلوں سے رحمت نکال لی گئی ہوگی۔ ان میں سے کسی کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی رحم نہیں ہوگا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۲۶۶-۲۲۶۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: جہنم کے دروازے ایک دوسرے کے اوپر تہہ بہ تہہ ہیں۔ آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے اوپر رکھ کر بتایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۱۶۰۱۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ جہنم کے سب سے اوپر کے طبقہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے گنہگار ہوں گا اور یہ طبقہ خالی ہو جائے گا اور اس کے خالی دروازے کھڑ کھڑاتے رہیں گے۔ پھر دوسرا طبقہ لظی ہے پھر الحطمہ، پھر سعیر، پھر سقر، پھر الجحیم پھر الھاویہ۔ ضحاک نے کہا: سب سے اوپر کے طبقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے گنہگار ہیں، دوسرے میں نصاریٰ، تیسرے میں یہود، چوتھے میں الصابئون، پانچویں میں المجوس، چھٹے میں مشرکین عرب، ساتویں میں منافقین، آل فرعون اور اہل مائدہ کے کافرین۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے سات حصوں کی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جہنم کے سات حصوں میں سے ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ میں شک کرتے ہیں۔ ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ سے غافل ہیں۔ ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی شہوات کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر ترجیح دیتے ہیں۔ ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنے غیظ کو اللہ کے غیظ کے مقابلہ میں زیادہ قرار دیتے ہیں۔ ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنے حصہ کی رغبت کو اللہ کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں اور ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کے سامنے سرکشی کرتے ہیں۔

ابو عبداللہ حلیمی نے کہا اگر یہ حدیث ثابت ہو تو مشرکین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دو خدا مانتے ہیں اور شک کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو یہ پتا نہیں کہ ان کا کوئی خدا ہے یا نہیں، اور غافلین سے مراد وہ لوگ ہیں جو مطلقاً خدا کا انکار کرتے ہیں جو دہریے ہیں، اور اللہ کے مقابلہ میں اپنی شہوات کو ترجیح دینے والے وہ لوگ ہیں جو گناہوں میں ڈوبے رہتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے رسول کے احکام کی تکذیب کرتے ہیں، اور اللہ کے غیظ سے اپنے غیظ کو زیادہ قرار دینے والے وہ لوگ ہیں، جو انبیاء علیہم السلام اور دیگر مبلغین کو قتل کرنے والے ہیں اور نصیحت کرنے والوں پر ظلم کرنے والے ہیں، اور اللہ کے مقابلہ میں اپنی رغبت کو ترجیح دینے والے وہ ہیں جو قیامت اور حساب و کتاب کا انکار کرنے والے ہیں اور جن چیزوں کی طرف ان کی رغبت ہو وہ ان کی عبادت کرنے والے ہیں۔

اگر یہ حدیث ثابت ہو تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا ہے کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے کیا مراد ہے؟ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۲۹-۲۸، التذکرہ ج ۲ ص ۷۴-۱۲۶، مطبوعہ بیروت)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿٤٥﴾ اُدْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِينَ ﴿٤٦﴾ وَ

بے شک اللہ سے ڈرنے والے جنتوں اور چشموں میں ہوں گے ○ (ان سے کہا جائے گا) تم ان میں بے خوف ہو کر سلامتی کے ساتھ داخل

نَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِينَ ﴿٤٧﴾

ہو جاؤ ○ ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے، (وہ) ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے ○

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾ نَبِّئْ

ان کو وہاں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے ○ آپ میرے بندوں

عِبَادِيْ اَنِّيْ اَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ

کو بتا دیں کہ بے شک میں بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہوں ○ اور یہ کہ میرا عذاب ہی دردناک

الْاَلِيمُ ﴿٥٠﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيمَ ﴿٥١﴾ اِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ

عذاب ہے ○ اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنائیے ○ جب وہ ان کے پاس گئے

فَقَالُوا سَلٰمًا ط قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ اِنَّا

تو انہوں نے کہا: سلام! ابراہیم نے کہا بے شک ہم تم سے ڈر رہے ہیں ○ انہوں نے کہا آپ ڈریں نہیں! بے شک

نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُونِيْ عَلٰى اَنْ مَّسَّنِيَ

ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دے رہے ہیں ○ ابراہیم نے کہا کیا تم مجھ کو (بیٹے کی) بشارت دے رہے ہو حالانکہ

الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾ قَالُوا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ

مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے! سو اب تم کس چیز کی بشارت دے رہے ہو؟ ○ انہوں نے کہا ہم نے آپ کو برحق بشارت دی ہے سو

مِّنَ الْقٰنِطِينَ ﴿٥٥﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ اِلَّا

آپ مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہوں ○ ابراہیم نے کہا اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ

الضَّآلُّونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾ قَالُوا

مایوس ہوتے ہیں ○ (ابراہیم نے) پوچھا: اے فرشتو! تمہیں اور کیا کام ہے؟ ○ انہوں نے کہا

وقف لازم

إِنَّآ أُرۡسِلۡنَآ إِلَىٰ قَوۡمٍ مُّجۡرِمِينَ ۝٥٨ إِلَّآ ءَالَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمۡ

بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ○ آل لوط کے سوا، بے شک ہم ان سب کو

أَجۡمَعِينَ ۝٥٩ إِلَّا ٱمۡرَأَتَهُۥ قَدَّرۡنَآ إِنَّهَا لَمِنَ ٱلۡغَٰبِرِينَ ۝٦٠

بچا لیں گے ○ سوا اس کی بیوی کے، بیشک ہم فیصلہ کر چکے ہیں کہ بلاشبہ وہ عذاب میں باقی رہ جانے والوں میں سے ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ سے ڈرنے والے جنتوں اور چشموں میں ہوں گے○(ان سے کہا جائے گا تم ان میں بے خوف ہو کر سلامتی کی ساتھ داخل ہو جاؤ○ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے (وہ) ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے○ان کو وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے○ (الحجر: ۴۸-۴۵)

متقین کی تحقیق

اللہ سے ڈرنے والے یعنی متقی لوگ، معتزلہ کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور کفر کے علاوہ ہر قسم کے کبیرہ گناہوں سے مجتنب رہے ہوں اور اگر ان سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو گیا ہو تو مرنے سے پہلے انہوں نے اس پر توبہ کر لی ہو- یہی لوگ آخرت میں جنتوں اور چشموں میں ہوں گے-

اور جمہور اہلسنت کے نزدیک اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو کفر اور شرک سے دائماً مجتنب رہے ہوں لیکن متقی ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے ہر ہر کبیرہ گناہ سے اجتناب کیا ہو جس طرح قاتل ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس نے انسان کے ہر ہر فرد کو قتل کیا ہو اور عالم ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کو ہر ہر مسئلہ کا علم ہو-ایک انسان کو قتل کرنے والا بھی قاتل کہلاتا ہے اور چند عام پیش آنے والے مسائل کو جاننے والا بھی عالم کہلاتا ہے-اسی طرح زندگی میں چند بار خوف خدا سے کبیرہ گناہوں کو ترک کرنے والا بھی متقی ہے-اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ جَنَّتَانِ ○ جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں- (الرحمٰن: ۴۶)

سو جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے زندگی میں ایک بار بھی ڈرا اور خوف خدا سے اس نے کسی کبیرہ گناہ کو ترک کر دیا وہ اس آیت کا مصداق ہے-اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَأَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ وَنَهَى ٱلنَّفۡسَ عَنِ ٱلۡهَوَىٰ ○ فَإِنَّ ٱلۡجَنَّةَ هِيَ ٱلۡمَأۡوَىٰ ○ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس (امارہ) کو اس کی خواہش سے روکا○تو بے شک اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے○ (النّٰزعٰت: ۴۰-۳۹)

سو جس شخص نے زندگی میں ایک بار بھی خوف خدا سے اپنی خواہشوں کے منہ زور گھوڑے کو گناہ کی وادی میں دوڑنے سے روک لیا وہ اس آیت کا مصداق ہے-اور اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ متقی ہونے کے لیے اور جنت کا امیدوار بننے کے لیے ہر ہر گناہ کو ترک کرنا ضروری ہے-البتہ کامل متقی وہی شخص ہے جو خوف خدا سے تمام گناہوں سے مجتنب رہے-البتہ اگر کبھی نفس اور شیطان کے غلبہ سے وہ گناہ میں ملوث ہو جائے تو فوراً نادم ہو اور اس گناہ سے توبہ کرے-

ایسے لوگ کامل متقی ہیں اور ان ہی کے متعلق توقع ہے کہ وہ بغیر کسی سزا کے پہلی بار ہی جنت میں چلے جائیں گے اور جن لوگوں نے نیک کام بھی کیے اور خوف خدا سے گناہوں کو ترک بھی کیا اور پھر ان سے گناہ بھی ہو گئے اور انہوں نے ان گناہوں پر توبہ کر لی تو ان کو اپنی مغفرت کی امید رکھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (التوبہ: ۱۰۲)

اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا انہوں نے کچھ نیک کاموں کو دوسرے برے کاموں سے ملایا عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ۝

اور جن لوگوں نے نیک کام کیے اور گناہ بھی کیے اور وہ بغیر توبہ کے مر گئے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شفاعت کا حکم دے گا اور آپ کی شفاعت قبول فرما کر ان کو بخش دے گا یا اپنے فضل محض سے ان کو بخش دے گا یا ان کو دوزخ میں کچھ سزا دے کر نکال لے گا اور پھر ان کو جنت میں داخل فرما دے گا اور جو لوگ مسلسل گناہ کرتے رہیں اور ان گناہوں پر نادم اور تائب نہ ہوں ان کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ ان کا حشر متقین کی طرح ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝ (الجاثیہ: ۲۱)

جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم انہیں ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی مثل کر دیں گے کہ ان کی زندگی اور موت برابر ہو جائے، وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں!

اور یوں اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے وہ چاہے تو ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر اور راستہ سے کانٹے ہٹا دینے پر ساری عمر کے گناہوں کو معاف فرما دے اور وہ چاہے تو ایک بلی کو بھوکا رکھنے پر دوزخ میں ڈال دے وہ جس کو چاہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہے عذاب دیتا ہے۔

چشموں، سلامتی اور امن کی تفسیر

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ چشموں سے مراد ہیں پانی، شراب، دودھ اور شہد کے دریا۔ اور علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اس سے پانی، شراب، سلسبیل اور تسنیم کے دریا مراد ہیں۔

ان سے کہا جائے گا تم سلامتی کے ساتھ جنتوں میں داخل ہو جاؤ۔ اس کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ (۱) دوزخ سے سلامتی اور حفاظت کے ساتھ جنتوں میں داخل ہو۔ (۲) ہر آفت سے سلامتی کے ساتھ داخل ہو (۳) اللہ تعالیٰ کے سلام کے ساتھ داخل ہو۔

اور ان سے کہا جائے گا تم امن اور بے خوفی کے ساتھ داخل ہو، اس کی تفسیر میں چار قول ہیں: (۱) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو کر داخل ہو۔ (۲) جنت سے نکالے جانے سے بے خوف رہو۔ (۳) موت سے بے خوف رہو۔ (۴) مرض اور مصیبت سے بے خوف رہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال دیں گے۔

یہ آیت پہلے الاعراف: ۴۳ میں گزر چکی اور ہم اس کی مفصل تفسیر وہاں کر چکے ہیں۔

پھر فرمایا: وہ ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ ایک دوسرے کے بالمقابل ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف پیٹھ نہیں کریں گے۔ امام رازی نے فرمایا: جس طرح دو شیشے متقابل ہوں تو ایک کا عکس دوسرے میں نظر آتا ہے اسی طرح جب جنتی متقابل ہوں گے تو ایک کے انوار دوسرے میں منعکس ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ میرے بندوں کو بتا دیں کہ بے شک میں بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہوں○ اور یہ کہ میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے○ (الحجر: ۵۰-۴۹)

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کے عذاب دونوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی دو قسمیں ہیں متقی اور غیر متقی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے متقین کا ذکر فرمایا تھا اس آیت میں اللہ عزوجل نے غیر متقین کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم یہ ہے کہ بندوں کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے کہ آپ میرے بندوں کو بتا دیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے معراج کے ذکر میں فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ   سبحان ہے وہ ذات جو رات کے وقت اپنے بندے کو لے گیا۔
(بنو اسرائیل: ۱)

سو یہ اضافت تشریف اور تکریم کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو تاکیدات سے مزین کر کے بیان فرمایا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ میرے بندوں کو بتا دیں کہ میں نے اپنے کرم سے اپنے اوپر اپنے بندوں کی مغفرت کو لازم کر لیا ہے اور چونکہ یہ خدشہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی وسعت کا سن کر بندے گناہوں پر دلیر نہ ہو جائیں تو اس کے ساتھ ہی فرمایا اور یہ کہ میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے۔ یعنی لوگ عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز رہیں اور اگر شامت نفس سے کوئی گناہ ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی امید رکھیں اور مایوس نہ ہوں اور ایمان خوف اور امید کی درمیانی کیفیت کا نام ہے اور اس سلسلہ میں بہت احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا کیا تو سو رحمتیں پیدا کیں۔ ننانوے رحمتیں اس نے اپنے پاس رکھ لیں اور تمام مخلوق کے پاس ایک رحمت بھیجی۔ اگر کافر یہ جان لیتا کہ اللہ کے پاس کل کتنی رحمت ہے تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا اور اگر مومن یہ جان لیتا اللہ کے پاس کل کتنا عذاب ہے تو وہ دوزخ سے بے خوف نہ ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۳۹۶، عالم الکتب بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مومن کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے پاس کتنا عذاب ہے تو کوئی شخص جنت کی خواہش نہ کرے اور اگر کافر یہ جان لے کہ اللہ کے پاس کتنی رحمت ہے تو کوئی شخص جنت سے مایوس نہ ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۵)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کس قدر گناہوں کو معاف فرماتا ہے تو کوئی بندہ حرام کام سے نہ بچے اور اگر وہ یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کس قدر عذاب دے گا تو وہ غم و غصہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۰۳۶، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۴۰۷)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باب بنو شیبہ سے تشریف لائے آپ نے مسلمانوں کو ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا: میں تمہیں ہنستے ہوئے کیوں دیکھ رہا ہوں اور چلے گئے۔ پھر دوبارہ الٹے پیر واپس آئے اور فرمایا: ابھی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) بے شک اللہ تعالیٰ فرما تا ہے آپ میرے بندوں کو کیوں مایوس کر رہے ہیں ان کو بتائیں کہ بے شک میں بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہوں اور بے شک میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۲۰۳، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۱۳، الدر المنثور ج ۵ ص ۸۶، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۲۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنائیے O جب وہ ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: سلام! ابراہیم نے کہا بے شک ہم تم سے ڈر رہے ہیں O انہوں نے کہا آپ ڈریں نہیں، بے شک ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دے رہے ہیں O ابراہیم نے کہا کیا تم مجھ کو (بیٹے کی) بشارت دے رہے ہو! O حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے! سو اب تم کس چیز کی بشارت دے رہے ہو؟ O انہوں نے کہا ہم نے آپ کو برحق بشارت دی ہے سو آپ مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہوں O ابراہیم نے کہا اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ مایوس ہوتے ہیں O (الحجر: ۵۶-۵۱)

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کی وجوہات اور اس کا کفر ہونا

پہلے اللہ تعالیٰ نے نبوت پر دلائل دیئے، پھر اس کے بعد توحید کو ثابت فرمایا، پھر قیامت کے احوال بیان کیے اور نیکو کاروں اور بدکاروں کا حال بیان فرمایا۔ اب اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے واقعات شروع فرمارہا ہے تاکہ ان واقعات کو سن کر عبادت کا زیادہ ذوق اور شوق پیدا ہو اور ان کے منکرین کے انجام سے عبرت حاصل ہو۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب دینے کے لیے بھیجا تھا وہ جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کو سلام کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ نے جواب میں فرشتوں کو سلام کہا اور فرمایا: ہم تم سے خوف زدہ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس لیے خوف زدہ ہوئے تھے کہ انہوں نے ان کو مہمان سمجھ کر ان کے آگے بھنا ہوا گوشت رکھا تو انہوں نے اس کو نہیں کھایا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ بغیر اجازت کے ان کے گھر آگئے تھے یا کسی نامناسب وقت میں آئے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈرے اور گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا: آپ ہم سے مت ڈریں ہم تو آپ کو ایک علم والے بیٹے کی بشارت دینے آئے ہیں۔ ان کی اس سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس پر تعجب ہوا کہ اب وہ بوڑھے ہو چکے ہیں کیا بڑھاپے میں ان کے ہاں بیٹا ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان کو جوان بنا دے گا یا اسی حالت میں ان کے ہاں بیٹا ہو جائے گا۔ ان کو بہت عرصہ سے بیٹے کی تمنا تھی جب انہوں نے یہ بشارت سنی تو وہ حیران بھی ہوئے اور بہت خوش بھی ہوئے انہوں نے جو کہا سو اب تم کس چیز کی بشارت دے رہے ہو تو وہ اس بشارت کو دوبارہ سننا چاہتے تھے۔ کیونکہ انسان خوشی کی خبر کو بار بار سننا چاہتا ہے۔ فرشتوں نے پھر یہی خوشخبری سنائی اور کہا: ہم نے آپ کو برحق بشارت دی ہے سو آپ مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ مایوس ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یا تو اس وجہ سے مایوس ہوتا ہے جب اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین نہ ہو یا وہ یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی ضروریات کا علم نہیں ہوتا۔ یا وہ اللہ تعالیٰ کو بخیل سمجھتا ہو پھر اس کی عطا سے مایوس

ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے وہی شخص مایوس ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے عالم، قادر اور جواد اور فیاض ہونے پر ایمان نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر ایمان نہ ہونا کھلی گمراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ابراہیم نے) پوچھا اے فرشتو! تمہیں اور کیا کام ہے؟O انہوں نے کہا بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں O آل لوط کے سوا، بے شک ہم ان سب کو بچالیں گے O سوا اس کی بیوی کے، بے شک ہم فیصلہ کر چکے ہیں کہ بلاشبہ وہ عذاب میں باقی رہ جانے والوں میں سے ہے O (الحجر: ۶۰-۵۷)

خطب کے معنی ہیں عظیم الشان کام، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کے پاس متعدد فرشتے آئے ہیں تو انہوں نے جان لیا کہ وہ ان کے پاس صرف بیٹے کی بشارت دینے نہیں آئے ہیں بلکہ وہ کسی اور زبردست کام کے لیے آئے ہیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: اے فرشتو تم اور کس کام کے لیے آئے ہو؟ تو فرشتوں نے بتایا کہ ہم حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے منکروں اور مجرموں کو عذاب دینے کے لیے آئے ہیں، ماسوا ان لوگوں کے جو حضرت لوط علیہ السلام کے متبع اور ان کی قوم کے مومنین ہیں۔ ہم ان سب کو نجات دے دیں گے اور منکرین پر عذاب نازل کریں گے۔

فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے اور ان سے جو گفتگو کی تھی اس کی مکمل تفسیر ہم ھود: ۷۰-۶۹ میں بیان کر چکے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکمل سوانح اور ان کی زندگی کے اہم واقعات ہم الانعام: ۸۳-۷۴ میں بیان کر چکے ہیں اور ان کا کچھ تذکرہ ہم نے ابراہیم: ۴۱-۳۵ میں بھی کیا ہے۔ سو جو قارئین ان آیات کی تفسیر میں مکمل بصیرت حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ان آیتوں کی تفسیر کا مطالعہ فرمالیں۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۣالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ۙ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾

پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے O لوط نے کہا بے شک تم نا آشنا لوگ ہو O

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ

فرشتوں نے کہا بے شک ہم آپ کے پاس اس عذاب کو لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں O اور ہم آپ کے

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ

پاس برحق عذاب لے کر آئے ہیں اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں O سو آپ کچھ رات گزرنے کے بعد اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوں اور آپ ان

اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

سب کے پیچھے چلیں، اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور آپ سب وہاں جائیں جہاں کا آپ کو حکم دیا گیا ہے O

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

اور ہم نے لوط کو اس فیصلہ سے مطلع کیا کہ جس وقت یہ لوگ صبح کر رہے ہوں گے تو ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی O

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِىْ

(دریں اثناء) شہر کے لوگ اظہار خوشی کرتے ہوئے آ گئے ○ لوط نے کہا بیشک یہ میرے مہمان ہیں تم

فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ

(ان کے معاملہ میں) مجھے شرمندہ نہ کرو ○ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ کرو ○ ان لوگوں نے کہا کیا ہم نے آپ کو

نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِىْٓ اِنْ كُنْتُمْ

دنیا کے لوگوں (کو ٹھہرانے) سے منع نہیں کیا تھا؟ ○ لوط نے کہا یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح کر لو) اگر تم

فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾

کچھ کرنے والے ہو ○ (اے محمد!) آپ کی زندگی کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش ہو رہے تھے ○

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا

سو جب ان پر سورج چمک رہا تھا تو ایک زبردست چیخ نے ان کو پکڑ لیا ○ پس ہم نے ان کی بستیوں کے اوپر کے حصہ کو نیچے کا

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ

حصہ کر دیا اور ہم نے ان پر کھنگر کے سنگریزے برسائے ○ بے شک اس (قصہ) میں

لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِىْ

اہل فراست کے لیے نشانیاں ہیں ○ اور بے شک وہ بستیاں عام راستے پر واقع ہیں ○ اور بے شک

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ

اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے ○ اور بے شک اصحاب الایکہ (گھنے جنگل والے)

ع ۵/۵ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وقف لازم

ظلم کرنے والے تھے ○ سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا اور یہ دونوں بستیاں عام گزر گاہ پر ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے ○ لوط نے کہا بے شک تم ناآشنا لوگ ہو ○ فرشتوں کے کہا بے شک ہم آپ کے پاس اس عذاب کو لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں ○ اور ہم آپ کے پاس برحق عذاب لے کر آئے ہیں اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں ○ سو آپ کچھ رات گزرنے کے بعد اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ

ہوں اور آپ ان سب کے پیچھے چلیں، اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے، اور آپ سب وہاں جائیں جہاں کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔○ (الحجر: ۶۵-۶۱)

فرشتوں کا حضرت لوط کے پاس حسین و جمیل لڑکوں کی صورت میں جانا

جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرزند کی خوشخبری دے دی اور یہ بتایا کہ وہ ایک مجرم قوم کو عذاب دینے کے لیے آئے ہیں، پھر اس کے بعد وہ حضرت لوط علیہ السلام کی آل کے پاس اور ان کے گھر گئے، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اجنبی شکلوں میں دیکھا تو کہا تم اجنبی اور نا آشنا لوگ ہو، دوسرا احتمال یہ ہے کہ منکرون انکار سے بنا ہے یعنی تم پر انکار کیا گیا ہے، کیونکہ وہ بہت حسین و جمیل نوجوانوں کی صورتوں میں آئے تھے اور قوم لوط خوبصورت لڑکوں کے ساتھ برا فعل کرتی تھی۔ تو حضرت لوط علیہ السلام نے ان پر انکار کیا کہ ان کی وجہ سے وہ اپنی قوم کے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ فرشتوں نے کہا: جس عذاب میں آپ کی قوم کے کافر اور منکر شک کرتے ہیں ہم اس عذاب کو نازل کرنے کے لیے آئے ہیں اور اس عذاب کا نازل ہونا بالکل یقینی اور برحق ہے۔ اس عذاب سے محفوظ رہنے کے لیے کچھ رات گزارنے کے بعد آپ اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوں اور آپ ان سب کے پیچھے چلیں تاکہ ان میں سے کوئی واپس نہ جا سکے مبادا اس پر بھی عذاب نازل ہو جائے اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر اس پر دہشت طاری ہو اور اس کے ہوش و حواس جاتے رہیں۔ اور آپ سب وہاں جائیں جہاں کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد ملک شام ہے اور مفضل نے کہا آپ وہاں جائیں جہاں کے متعلق آپ سے جبریل نے کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے لوط کو اس فیصلہ سے مطلع کیا کہ جس وقت یہ لوگ صبح کر رہے ہوں گے تو ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی○ دریں اثناء شہر کے لوگ اظہار خوشی کرتے ہوئے آ گئے○ لوط نے کہا بے شک یہ میرے مہمان ہیں تم (ان کے معاملہ میں) مجھے شرمندہ نہ کرو○ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ کرو○ ان لوگوں نے کہا کیا ہم نے آپ کو دنیا کے لوگوں (کو ٹھہرانے) سے منع نہیں کیا تھا؟○ لوط نے کہا یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح کر لو) اگر تم کچھ کرنے والے ہو○ (الحجر: ۷۱-۶۶)

قوم لوط کا اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے ان لڑکوں پر ہجوم کرنا

اور ہم نے لوط کی طرف یہ وحی کی کہ صبح کے وقت ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی اور شہر کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس اظہار خوشی کرتے ہوئے آئے۔ کیونکہ وہ فرشتے بہت حسین و جمیل صورتوں میں آئے تھے اور کسی طرح شہر کے لوگوں کو پتا چل گیا کہ گھر میں خوبصورت لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوئے کہ ان کو اپنی ہوس پوری کرنے کا موقع ملے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت لوط کی بیوی نے ان کو یہ خبر پہنچائی تھی۔ انہیں بتایا گیا کہ حضرت لوط کے گھر تین بے ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں اور وہ اس قدر خوبصورت ہیں کہ اتنے خوبصورت لڑکے اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے۔ تو پھر شہر کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس اظہار خوشی کرتے ہوئے پہنچے کہ اب ان کی ہوس عمدہ طریقہ سے پوری ہو سکے گی۔

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: یہ میرے مہمان ہیں تم ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور مجھے شرمندہ اور بے عزت نہ کرو۔ کیونکہ تم جو کام ان سے کرنا چاہتے ہو وہ کام جس کے ساتھ کیا جائے، وہ اس کے لیے بہت عار اور ذلت کا موجب ہوتا ہے اور وہ میرے مہمان ہیں اور مہمان کی عزت اور تکریم کی جاتی ہے اور تم ان کی بے عزتی کرنے پر تلے ہوئے ہو، اور مہمان کی بے عزتی میزبان کی بے عزتی ہوتی ہے سو تم مجھے بے عزت اور بے آبرو نہ کرو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم پہلے

ہی تمہیں آگاہ کر چکے تھے کہ اجنبی لوگوں اور مسافروں کو مہمان نہ بنایا کرو اور اپنے پاس نہ ٹھہرایا کرو کیونکہ وہ لوگ اجنبیوں اور مسافروں کے ساتھ یہ کام کیا کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم پر شہوت کا بہت غلبہ ہے تو یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں ان سے نکاح کر کے اپنی شہوت پوری کر لو۔ آپ نے اپنی قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں فرمایا کیونکہ نبی اپنی قوم کے لیے بہ منزلہ والد ہوتا ہے اور قوم کی بیٹیاں اس کی بیٹیوں کے منزلہ میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے محمد!) آپ کی زندگی کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش ہو رہے تھے۔ (الحجر: ۷۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم

اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھا کر قوم لوط کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنی شہوت کی مستی میں مدہوش ہو رہے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام کے سمجھانے اور منع کرنے کے باوجود فرشتوں سے اپنی ہوس پوری کرنا چاہتے تھے جو حسین و جمیل لڑکوں کی صورتوں میں آئے تھے اور ان آیات کے سیاق و سباق کے بھی یہی معنی مناسب ہے اور دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کفار مکہ کے متعلق ہے جو کفر و شرک کے نشہ میں مدہوش ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کرنے اور بار بار معجزات دکھانے کے باوجود ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔

اس صورت میں یہ سیاق و سباق کے نظم اور ربط سے الگ جملہ معترضہ ہے۔ بہر حال ہر صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے علاوہ اور کسی نبی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی اور آپ کی زندگی کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی نہایت تعظیم اور بے حد تکریم فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا کسی نبی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی گویا کہ فرمایا: اے محمد! تمہاری زندگی کی قسم اور دنیا میں تمہاری عمر اور بقا کی قسم! (تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۲۴۲۰)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا صفی بنا کر نوازا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنا کر سرفراز کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی عطا کیا۔ حضرت عیسیٰ کے متعلق فرمایا: وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا محبوب بنایا اور آپ کی زندگی کی قسم کھائی اور یہ وہ فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا کسی اور نبی اور رسول کو عطا نہیں فرمائی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے والطور فرما کر پہاڑ طور کی قسم کھائی ہے اور لااقسم بھذا البلد (البلد: ۱) فرما کر شہر مکہ کی قسم کھائی ہے تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی بھی قسم کھائی ہو تو اس میں آپ کی کیا خصوصیت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کا مقابلہ اس کی جنس کے افراد میں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑ طور کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرمایا کہ پہاڑوں کی جنس میں جو پہاڑ اللہ کو محبوب ہے وہ پہاڑ طور ہے اور شہر مکہ کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرمایا کہ شہر تو دنیا میں اور بہت ہیں لیکن جو شہر اللہ کو پیارا ہے وہ شہر مکہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی تو یہ ظاہر فرمایا کہ زندگیاں تو اور نبیوں رسولوں نے بھی گزاری ہیں لیکن جس نبی کی گزاری ہوئی زندگی اللہ کو محبوب ہے وہ اے محمد مصطفیٰ! وہ تمہاری زندگی ہے اور جس رسول کی گزاری ہوئی زندگی پر اللہ کو فخر ہے وہ اے پیارے رسول تمہاری زندگی ہے۔

جن خصوصیات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وہ کون سی ایسی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی قسم کھائی، ہم یہاں ان میں سے چند خصوصیات کا ذکر کر رہے ہیں۔

(ا) باقی انبیاء علیہم السلام نے اپنی نبوت اور رسالت کو خارجی معجزات سے ثابت کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت اور رسالت کے اثبات کے لیے کسی خارجی دلیل کی احتیاج نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (یونس: ۱۶)

آپ کہئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر اس (قرآن) کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تم کو اس کی خبر دیتا؛ سو میں تم میں اس سے پہلے اپنی زندگی کا ایک حصہ گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے!

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری نبوت کے اثبات کے لیے ان میں تمہاری گزاری ہوئی زندگی کافی ہے۔

حضرت خدیجہ آپ کی بیوی ہیں، اور بیوی شوہر کی تمام خوبیوں اور خامیوں سے اور اس کی تمام عظمتوں اور تمام کمزوریوں سے واقف ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اور لوگ کسی کے معتقد ہوں تو ہوں بیوی کسی کی معتقد نہیں ہوتی۔ لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اعجاز یہ ہے کہ سب سے پہلے جو آپ کی نبوت پر ایمان لائیں وہ آپ کی بیوی حضرت خدیجہ تھیں۔ یا پھر کسی شخص کا دوست اس کے احوال سے واقف ہوتا ہے اور آپ پر مردوں میں جو سب سے پہلے ایمان لائے وہ آپ کے دوست حضرت ابوبکر صدیق تھے اور نوکر اور غلام بھی مالک کا معتقد نہیں ہوتا اور آپ پر پہلے ایمان لانے والوں میں آپ کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے اور وہ آپ کی زندگی سے اس قدر متاثر اور آپ کے اس قدر گرویدہ تھے کہ جب یمن سے ان کے اعزہ ان کو آپ کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے آئے تو انہوں نے آزادی کے مقابلہ میں آپ کی غلامی میں رہنے کو ترجیح دی۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

جمیل بن مرثد الطائی وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ زید بن حارثہ کی والدہ سعدی اپنی قوم سے ملنے گئی۔ زید بھی ان کے ہمراہ تھے۔ بنو القین بن جسر نے زمانہ جاہلیت میں بنو معن کے گھروں پر لوٹ مار کے لیے حملہ کیا اور وہ زید کو بھی اٹھا کر لے گئے۔ زید اس وقت کم عمر لڑکے تھے۔ وہ ان کو لے کر عکاظ کے بازار میں گئے اور ان کو فروخت کرنے لگے۔ حکیم بن حزام نے ان کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے لیے چار سو درہم میں خرید لیا اور جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے نکاح کیا تو انہوں نے زید آپ کو بطور ہدیہ دے دیا۔ زید کے والد اور چچا زید کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ ان کے والد کو بتایا گیا کہ فلاں جگہ زید غلامی کے ایام گزار رہے ہیں۔ پس زید کے والد حارثہ اور ان کے چچا فدیہ کی رقم لے کر مکہ پہنچے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا انہیں بتایا گیا کہ آپ مسجد میں ہیں وہ دونوں مسجد میں گئے اور پکار کر کہا: اے عبدالمطلب کے بیٹے! اے سردار قوم کے بیٹے! آپ لوگ اللہ کے حرم کے رہنے والے ہیں، آپ قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں ہم اپنے بیٹے اور آپ کے غلام کے سلسلہ میں آپ کے پاس آئے ہیں، آپ ہم پر احسان فرمائیں اور اس کا فدیہ لے کر اس کو آزاد کر دیں۔ آپ نے پوچھا وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: زید بن حارثہ! آپ نے فرمایا: میں اس کو بلاتا ہوں، تم اس کو اختیار دینا؛ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو میں بغیر فدیہ لیے اس کو تمہارے حوالے کر دوں گا اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا پسند کرے تو جو میرے ساتھ رہنا پسند کرے سو میں اس کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ انہوں نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ آپ نے زید کو بلایا اور پوچھا: کیا تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟ زید نے کہا: ہاں یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔ فرمایا: اور مجھے تو تم جانتے ہو اور میری رفاقت کو پہچانتے ہو۔ اب تم مجھے اختیار کر لو یا ان کو اختیار کر لو۔ حضرت زید بن حارثہ نے کہا: میں آپ کے مقابلہ میں کسی کو بھی اختیار نہیں کر سکتا آپ ہی میرے باپ اور چچا کے حکم میں ہیں۔ حضرت زید کے والد اور چچا

نے کہا: اے زید تم پر افسوس ہے! کیا تم غلامی کو آزادی پر ترجیح دے رہے ہو! اور اپنے باپ، اپنے چچا اور اپنے گھر والوں پر ان کو ترجیح دے رہے ہو! حضرت زید بن حارثہ نے کہا: میں نے اس کریم شخص کی زندگی میں وہ چیز دیکھی ہے کہ میں ان کے مقابلہ میں کسی کو اختیار نہیں کر سکتا! (الاصابہ ج ۲ ص ۴۹۵-۴۹۴، رقم: ۲۸۹۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی زندگی گزاری کہ آپ کی نبوت کے ثبوت کے لیے کسی اور معجزہ کی ضرورت نہ تھی۔ صرف آپ کی زندگی کافی تھی اور بغیر کسی معجزہ کے صرف اسی زندگی کو دیکھ کر حضرت خدیجہ، حضرت ابوبکر، حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ ایمان لے آئے۔ اور اس زندگی کو دیکھ کر حضرت زید بن حارثہ نے آزادی کے مقابلہ میں آپ کی غلامی میں رہنے کو پسند کر لیا۔ یہ ایسی باکمال زندگی تھی جو کسی اور نبی اور رسول کی نہ تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی اور فرمایا لعمرک!

جس شخص نے آپ کی زندگی کو جتنا قریب سے اور جتنی جلدی دیکھا وہ اتنی جلدی مسلمان ہو گیا اور جس نے آپ کی زندگی کو جس قدر دور سے اور جتنی دیر سے دیکھا وہ اتنی دیر سے مسلمان ہوا۔

آپ نے تمام نبیوں میں سب سے کم زندگی پائی اور سب سے زیادہ متبعین اور پیروکار چھوڑے۔

دیگر نبیوں اور رسولوں کی تبلیغ سے انسان بھی بمشکل مسلمان ہوتے تھے۔ آپ کی تبلیغ سے انسان مسلمان ہوئے، جن مسلمان ہوئے، درختوں، پتھروں اور حیوانوں نے کلمہ پڑھا حتیٰ کہ آپ کے ساتھ رہنے والا شیطان بھی آپ کا مطیع اور مسلمان ہو گیا۔

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں
ایک طلوع آفتاب دشت و جبل سحر سحر

کسی نبی اور کسی رسول کی پوری زندگی اور سیرت محفوظ نہیں ہے۔ یہ صرف آپ کا امتیاز ہے کہ پیدائش سے لے کر وصال تک آپ کی زندگی کا ہر ہر باب محفوظ ہے۔ آپ کے تمام ارشادات گرامی قلم بند کر لیے گئے۔ آپ نے جو کہا، جو کیا اور آپ کے سامنے جو کیا گیا وہ سب صفحات حدیث میں موجود ہے اور آپ کے ہر قول اور ہر فعل سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

آپ نے لوگوں کو جو کام کرنے کا حکم دیا خود اس سے زیادہ کر کے دکھایا لوگوں کو دن اور رات میں پانچ فرض نمازیں پڑھنے کا حکم دیا اور خود بہ شمول تہجد چھ نمازیں پڑھتے تھے۔ لوگوں سے کہا: چالیسواں حصہ زکوٰۃ دو اور خود سب کچھ دے دیتے تھے، پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ فرمایا: اگر کوئی شخص ترکہ چھوڑ کر مر گیا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے اور اگر وہ قرض چھوڑ کر مر گیا تو اس کو میں ادا کروں گا۔ لوگوں سے کہا: طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزے رکھو اور خود سحر اور افطار کے بغیر مسلسل روزے رکھے۔ لوگوں سے کہا: چار بیویوں میں عدل کرو اور خود بیک وقت نو ازواج مطہرات کے درمیان عدل کر کے دکھایا۔

دشمنانِ جان کو معاف کر دینا بھی کمال ہمت اور حوصلہ کی بات ہے لیکن آپ نے تو دشمنانِ جان کو انعامات اور احسانات سے نوازا۔ ابوسفیان نے متعدد بار مدینہ پر حملے کیے لیکن فتح مکہ کے بعد جب حضرت عباس ان کو لے کر آئے تو نہ صرف یہ کہ آپ نے ان کو معاف فرما دیا بلکہ فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا اس کو بھی امان ہو گی۔ جب مکہ میں قریش قحط سے بھوکے مر رہے تھے تو ابوسفیان نے آپ سے ان کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپ نے ان کے لیے دعا کر

دی- سراقہ بن مالک بن جعشم سو اونٹوں کے لالچ میں آپ کو قتل کرنے کے لیے ہجرت کے موقع پر آپ کا پیچھا کر رہا تھا لیکن جب اس کی سواری زمین میں دھنس گئی تو اس نے آپ سے درخواست کی کہ آپ زمین کو حکم دیں کہ وہ مجھے چھوڑ دے تو آپ کے حکم سے زمین نے اس کو چھوڑ دیا، پھر اس نے کہا: آپ مجھے امان لکھ کر دے دیں تو آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور راس نے ایک چمڑے پر امان لکھ کر دے دی- آپ نے فرمایا: مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں مکارم اخلاق کو مکمل کر دوں- حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی زندگی شاہانہ زندگی تھی اس میں فقر کا نمونہ نہ تھا- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ازدواجیات کا نمونہ نہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں جلال تھا جمال کا نمونہ نہ تھا- تمام نبیوں اور رسولوں میں صرف آپ کی زندگی ایسی کامل ہے کہ اس میں حیات انسانی کے تمام شعبوں کے لیے رہنمائی اور نمونہ ہے- آپ نے بکریاں چرائیں اور ان کا دودھ دوہا، چرواہوں اور گوالوں کو اعزاز بخشا، اپنے کپڑے دھولیے، اپنی جوتی کی مرمت کی، خندق کھودی، تجارت کی، نمازوں میں امامت کی اور اپنے اصحاب کی اقتداء میں نماز پڑھی- شوہر کے لیے، باپ کے لیے، فرمانروائے سلطنت کے لیے، تاجر کے لیے، حتیٰ کہ زمین کھودنے والے مزدور کے لیے بھی آپ کی زندگی میں نمونہ ہے-

آپ نے انسانیت کے ہر شعبہ کے لیے رہنمائی کی ہے اور بھرپور اور کامل زندگی گزاری اور ایسی زندگی گزاری ہے کہ کسی نبی اور رسول نے ایسی جامع اور محیط زندگی نہیں گزاری- اس لیے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی اور کسی رسول کی زندگی کی قسم نہیں کھائی- صرف آپ کی زندگی کی قسم کھائی اور فرمایا لعمرک اے محمد! تمہاری زندگی کی قسم!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جب ان پر سورج چمک رہا تھا تو ایک زبردست چیخ نے ان کو پکڑ لیا O پس ہم نے ان کی بستیوں کے اوپر کے حصہ کو نیچے کا حصہ کر دیا اور ہم نے ان پر کھنگر کے سنگریزے برسائے O (الحجر: ۷۵-۷۴)

قوم لوط پر عذاب کا نزول

امام ابن جوزی نے لکھا ہے یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ تھی- (زاد المسیر ج ۴ ص ۴۰۹) امام رازی نے فرمایا: اس آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ حضرت جبریل کی چیخ تھی، اگر یہ قول کسی دلیل قوی سے ثابت ہو تو اس کو اختیار کیا جائے، ورنہ آیت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ایک زبردست اور ہولناک چیخ نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا-

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر تین قسم کے عذاب آئے تھے ایک تو زبردست ہولناک چنگھاڑ تھی- دوسرے ان کی زمین کو پلٹ دیا گیا تھا اور تیسرا ان پر کھنگر کی کنکریاں برسائی تھیں- اس کی تفسیر ہم نے ھود: ۸۲ میں بیان کر دی ہے-

بعض علماء نے کہا ہے کہ سجیل کا معنی ہے پکی ہوئی مٹی کے پتھر- بعض علماء نے کہا کہ ہر پتھر پر ایک شخص کا نام تھا اور اسی پر جا کر یہ پتھر لگتا تھا- بعض نے کہا: یہ عذاب الٰہی کے مخصوص پتھر تھے-

مختصر یہ کہ حضرت جبریل نے ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب سے نیچے پٹخ دیا اور اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دیا، جس طرح یہ اپنے ہم جنس مردوں کو پلٹ کر ان سے لذت کشید کرتے تھے- اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ان پر ان کی بستیوں کو پلٹ دیا- پھر ان کی ذلت اور رسوائی کے لیے ان کے اوپر کنکر اور پتھر برسائے گئے اور ہر پتھر نشان زدہ تھا-

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اس (قصہ) میں اہل فراست کے لیے نشانیاں ہیں O (الحجر: ۷۵)

"متوسمین" کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے بے شک اس قصہ میں متوسمین کے لیے نشانیاں ہیں- متوسمین وسم سے بنا ہے اس کے متعلق علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

وسم کا معنی علامت' اثر اور نشان ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔ ان کی نشانی ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں۔ (الفتح: ۲۹)

اور متوسمین کا معنی ہے عبرت پکڑنے والے، نصیحت حاصل کرنے والے اور معرفت والے، توسم کا معنی ذہانت، ذکاوت اور فراست بھی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۷۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

فراست کا معنی اور اس کے مصادیق

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

فراست کے دو معنی ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے دل میں جو چیز ڈالتا ہے، جس سے انہیں بعض لوگوں کے احوال کا علم ہو جاتا ہے، یہ کبھی کرامت سے ہوتا ہے اور کبھی صحیح گمان سے اور کبھی حدس سے (اچانک کسی چیز کے یاد آنے کو حدس کہتے ہیں) (۲) دلائل، تجربہ، ظاہری صورت کی کیفیت اور باطنی اوصاف کی مدد سے لوگوں کے احوال کو جان لینا۔

(النہایہ ج ۳ ص ۳۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ثعلب نے کہا جو شخص تم کو سر سے لے کر قدم تک دیکھے وہ واسم ہے۔ فراست اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کا دل پاک اور صاف ہو اور دنیاوی تفکرات سے خالی ہو اور وہ شخص گناہوں کے میل، برے اخلاق کی کدورت اور لایعنی کاموں سے مبرا اور خالی ہو۔ صوفیاء کا گمان یہ ہے کہ فراست کرامت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فراست کسی چیز پر علامات سے استدلال کرنا ہے۔ بعض علامتیں وہ ہوتی ہیں جو پہلی نظر میں ہی ہر شخص کو نظر آجاتی ہیں اور بعض علامات مخفی اور دقیق ہوتی ہیں وہ ہر شخص پر منکشف ہوتی ہیں اور نہ بادی النظر میں ان کا پتا چلتا ہے۔ حسن بصری نے کہا: متوسمین وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان آیتوں میں غور و فکر کر کے یہ جان لیا کہ جو ذات قوم لوط کو ہلاک کرنے پر قادر ہے وہ اس زمانہ کے کافروں کو بھی ہلاک کرنے پر قادر ہے اور یہ ظاہری دلائل سے کسی چیز کو جان لینا ہے۔

امام شافعی اور امام محمد بن حسن سے مروی ہے کہ وہ دونوں کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص مسجد کے دروازہ پر تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ یہ شخص بڑھئی ہے۔ دوسرے نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ یہ شخص لوہار ہے۔ اس شخص سے پوچھا گیا تو اس نے کہا پہلے میں بڑھئی تھا اور اب میں لوہار ہوں۔ روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس مذحج کی ایک قوم آئی ان میں اشتر بھی تھا۔ حضرت عمر نے اس کو سر سے پاؤں کی طرف دیکھا پھر پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ مالک بن الحارث ہے۔ آپ نے کہا: اللہ اس کو ہلاک کرے میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں پر ایک سخت مصیبت کا دن آئے گا۔ پھر اس کے فتنہ سے جو ہونا تھا وہ ہوا۔ (یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے تھا) اور روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بازار میں گئے اور ایک عورت کی طرف دیکھا۔ پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو حضرت عثمان نے کہا: تم میں سے کوئی شخص ہمارے پاس آتا ہے اور اس کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ حضرت انس نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی نازل ہونے لگی؟ حضرت عثمان نے کہا: نہیں! یہ برہان اور فراست ہے۔ اور صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم سے ایسی بہت مثالیں منقول ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

فراست ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ قلب میں القا فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ اس سے بعض مغیبات منکشف ہو کر بالکل مشاہد ہو جاتے ہیں اور یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو علم اور عمل میں مرتبہ کمال کو پہنچ جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میری امت میں ملہمین ہوں گے۔ (جن پر الہام کیا جائے گا) اور آپ کا ارشاد ہے جس نے چالیس روز تک اخلاص سے عمل کیا اس کے قلب سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے ظاہر ہوتے ہیں۔

(مرقات ج ۳ ص ۴، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں:

یافعی نے حکایت کی ہے کہ امام الحرمین ابو المعالی ابن الامام ابو محمد الجوینی ایک دن صبح کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوئے درس دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں شیوخ الصوفیہ اپنے اصحاب کے ساتھ کہیں دعوت میں جاتے ہوئے گزرے۔ امام جوینی نے دل میں سوچا ان صوفیہ کو سوائے کھانے اور رقص کرنے کے اور کیا کام ہے۔ وہ شیخ الصوفیہ دعوت سے واپسی میں پھر اس مقام سے گزرے اور امام جوینی سے کہا: اے فقیہ! اس شخص کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے جو حالت جنابت میں صبح کی نماز پڑھا دے اور پھر اسی حال میں مسجد میں بیٹھ کر علوم کا درس دے اور لوگوں کی غیبت کرے۔ تب امام الحرمین کو یاد آیا کہ ان پر تو غسل واجب تھا، پھر اس کے بعد صوفیہ کے متعلق ان کا اعتقاد اچھا ہو گیا۔

(مرقات ج ۳ ص ۹۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

فراست کے متعلق احادیث

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ان فی ذلک لایات للمتوسمین۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۷، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۰۶۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۳۲۷، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۹۱، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۱۲۹، حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۸۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۸۳۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۴۹۷، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۹۴۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو لوگوں کو توسم (فراست) سے پہچان لیتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۰۶۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۹۶۰، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۳۲، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۹۳۹، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۱۴، تفسیر السمعانی ج ۳ ص ۱۴۷، الدر المنثور ج ۵ ص ۹۱)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور اس کی توفیق سے بولتا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۰۶۴، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۱۴، الدر المنثور ج ۵ ص ۹۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ فراست والے تین شخص تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کی خاتون جس نے کہا تھا:

يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ - (القصص: ۲۶)
اے اباجان آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں، بے شک بہترین آدمی جس کو آپ اجرت پر رکھیں وہی ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو۔

پوچھا تمہیں اس کی قوت کیسے معلوم ہوئی، کہا یہ کنوئیں پر آئے اس پر بہت بھاری پتھر تھا جس کو انہوں نے اٹھالیا۔ پوچھا تم کو اس کے امانت دار ہونے کا کیسے علم ہوا؟ کہا میں ان کے آگے آگے چل رہی تھی انہوں نے مجھے اپنے پیچھے کر دیا۔
اور دوسرا شخص حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کا آدمی ہے، جس نے کہا:

وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا - (یوسف: ۲۱)
اور مصر کے جس شخص نے انہیں (راہگیروں سے) خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا اعزاز و اکرام سے ان کی رہائش کا اہتمام کرو شاید یہ ہم کو نفع پہنچائیں یا ہم ان کو بیٹا بنالیں۔

اور تیسرے شخص حضرت ابوبکر ہیں۔ جب انہوں نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ بنایا۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۸۲۹، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۱۷۹۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک وہ بستیاں عام راستے پر واقع ہیں O اور بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے O (الحجر: ۷۷-۷۶)

قوم لوط کے آثار

حجاز سے شام اور عراق سے مصر جاتے ہوئے یہ عذاب شدہ علاقہ راستہ میں پڑتا ہے اور عموماً قافلوں کے لوگ تباہی کے ان آثار کو دیکھتے ہیں جو اس پورے علاقہ میں آج تک نمایاں ہیں۔ یہ علاقہ بحر لوط (بحیرہ مردار) کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ اس کے جنوبی حصہ کے متعلق جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ یہاں اس درجہ ویرانی پائی جاتی ہے جس کی نظیر روئے زمین پر اور کہیں نہیں دیکھی گئی۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۱۵)

الحجر: ۷۷-۶۱ میں یہاں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے الاعراف: ۸۴-۸۰ میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے یہاں پر اختصار کے ساتھ تفسیر کی ہے اور الاعراف میں مفصل تفسیر کی ہے۔ وہاں ان عنوانات پر بحث کی ہے: حضرت لوط علیہ السلام کا شجرہ نسب، حضرت لوط علیہ السلام کا مقام بعثت، حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں فرشتوں کا حسین اور نوخیز لڑکوں کی شکل میں مہمان ہونا، قوم لوط میں ہم جنس پرستی کی ابتداء، حضرت لوط کی بیوی کی خیانت اور قوم لوط کی بری عادتیں، عمل قوم لوط کی قباحتیں، قرآن مجید میں عمل قوم لوط کی مذمت، احادیث میں عمل قوم لوط کی مذمت اور سزا کا بیان۔ عمل قوم لوط کی سزا میں مذاہب فقہاء، قوم لوط پر عذاب کی کیفیت۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اصحاب الایکہ (گھنے جنگل والے) ظلم کرنے والے تھے O سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا اور یہ دونوں بستیاں عام گزرگاہ پر ہیں O (الحجر: ۷۹-۷۸)

اصحاب الایکہ کا معنی اور مصداق

ایکہ کا معنی ہے گھنا جنگل۔ درختوں کا جھنڈ، تبوک یا مدین کے قریب ایک بستی ہے، اس کو بھی ایکہ کہتے ہیں۔ اصحاب الایکہ سے مراد ہیں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ۔ اس قوم کا نام بنو مدیان تھا۔ مدین ان کے مرکزی شہر کو بھی کہتے تھے اور ان کے پورے علاقہ کو بھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایکہ تبوک کا قدیم نام تھا۔ اس کا لغوی معنی گھنا جنگل ہے۔ آج

کل ایکہ ایک پہاڑی نالہ کا نام ہے جو جبل اللوز سے وادی افل میں آ کر گرتا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ دونوں بستیاں عام گزرگاہ پر ہیں۔ مدین اور اصحاب الایکہ کا علاقہ بھی حجاز سے فلسطین اور شام جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے۔

اصحاب الایکہ کا ظلم اور اللہ تعالیٰ کا انتقام

اللہ تعالیٰ نے اصحاب الایکہ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو ظالم فرمایا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے تھے۔ راستہ میں ڈاکا ڈالتے تھے، ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیا ایک زبردست چیخ اور زلزلہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ان کا زمانہ حضرت لوط علیہ السلام کے زمانہ کے قریب تھا۔ امام ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ قتادہ سے روایت کرتے ہیں:
حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب الایکہ اور اہل مدین کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ ان دو امتوں کو دو مختلف عذاب دیئے گئے تھے۔ اہل مدین کو ایک چنگھاڑ نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور اصحاب الایکہ پر سات دن تک سخت گرمی مسلط کر دی گئی تھی اور کوئی چیز ان سے تپش کو دور نہیں کر سکتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا۔ وہ سب سائے کی تلاش میں اس کے نیچے جمع ہو گئے اس بادل سے آگ نکلی اور اس آگ نے ان کو جلا کر بھسم کر دیا، اس کو عذاب یوم الظلۃ اور عذاب یوم عظیم کہا گیا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۰۷۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا
اور بے شک وادی حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کی تکذیب کی ○ اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں

فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ
تو وہ ان سے روگردانی کرتے رہے ○ وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے

بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ اَغْنٰى
تاکہ امن سے رہیں ○ پس صبح ہوتے ہی ایک چنگھاڑ نے ان کو پکڑ لیا ○ اور جو کچھ

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وہ کرتے رہے تھے وہ ان کو نہ بچا سکا ○ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے

وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ
درمیان میں ہے حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے، اور بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے سو آپ حسن وخوبی

الصَّفۡحَ الۡجَمِيۡلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدۡ
کے ساتھ در گزر کیجئے ○ بے شک آپ کا رب ہی (سب کو) پیدا کرنے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے ○ اور

اٰتَيۡنٰكَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِىۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِيۡمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ
بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو دوبارہ پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا ○ اور آپ اس متاع

عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ
(دنیاوی) کی طرف (رشک سے) نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے کئی گروہوں کو دیا ہے، اور نہ ان کافروں پر افسوس کریں

وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلۡ اِنِّىۡۤ اَنَا النَّذِيۡرُ
اور ایمان والوں کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکائے رکھیں ○ اور آپ کہیں میں ہی علی الاعلان ڈرانے

الۡمُبِيۡنُ ﴿۸۹﴾ كَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَى الۡمُقۡتَسِمِيۡنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيۡنَ جَعَلُوا
والا ہوں ○ جیسا کہ ہم نے ان پر (عذاب) نازل کیا جو (اپنی کتاب کو) تقسیم کرنے والے تھے ○ جنہوں نے

الۡقُرۡاٰنَ عِضِيۡنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسۡـَٔلَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوۡا
قرآن کو (کچھ مان کر اور کچھ نہ مان کر) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ○ سو آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ○ کہ وہ کیا

الربع
يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۴﴾
کرتے رہے تھے ○ آپ اس کا برملا اعلان کر دیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکین سے اعراض کیجئے ○

اِنَّا كَفَيۡنٰكَ الۡمُسۡتَهۡزِءِيۡنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيۡنَ يَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
آپ کا مذاق اڑانے والوں سے (بدلہ لینے کے لیے) ہم کافی ہیں ○ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو (بھی) معبود قرار

اٰخَرَ‌ ۚ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ
دیتے ہیں سو وہ عنقریب جان لیں گے ○ اور بے شک ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ

بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۹۸﴾
کا دل تنگ ہوتا ہے ○ سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیے ○

وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ﴿۹۹﴾ ع

اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے حتیٰ کہ آپ کے پاس پیغام اجل آ جائے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک وادی حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کی تکذیب کی ○ (الحجر: ۸۰)

الحجر کا معنی اور مصداق

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

حجر کا معنی حرام ہے- زمانہ جاہلیت میں ایک شخص دوسرے سے حرمت والے مہینوں میں ملتا تو کہتا حجرا محجورا یعنی اس مہینہ میں تم سے لڑائی حرام ہے تو وہ اس سے لڑائی کی ابتدا نہیں کرے گا-

(کتاب العین ج ۱ ص ۳۴۸، مطبوعہ ایران ۱۴۱۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حجر کا معنی منع کرنا ہے- عقل کو بھی اس لیے حجر کہتے ہیں کہ وہ غلط کاموں اور خواہشات نفسانیہ سے منع کرتی ہے- قرآن مجید میں ہے:

هَلۡ فِىۡ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِىۡ حِجۡرٍ - (الفجر: ۵) بے شک اس میں عقل والے کے لیے بہت بڑی قسم ہے-

وَقَالُوۡا هٰذِهٖۤ اَنۡعَامٌ وَّحَرۡثٌ حِجۡرٌ - (الانعام: ۱۳۸) اور مشرکین نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں-

اور جس گھر کا پتھروں سے احاطہ کیا جائے اس کو بھی الحجر کہتے ہیں- جیسا کہ سورہ الحجر میں ہے: اور بے شک وادی حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کی تکذیب کی- (الحجر: ۸۰)

ثمود کی آبادیاں پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھیں- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے اس شہر سے گزرے تھے-

قتادہ نے کہا: یہ مکہ اور تبوک کے درمیان ایک وادی ہے جس میں ثمود رہا کرتے تھے- طبری نے کہا: یہ حجاز اور شام کے درمیان کی سرزمین ہے- اس میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم آباد تھی-

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۴۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وادی حجر کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب الحجر کے متعلق فرمایا: اس قوم کے پاس سے سوائے روتے ہوئے نہ گزرنا اگر تم رو نہ سکو تو پھر ان کے پاس سے نہ گزرنا ورنہ تم پر بھی ویسا ہی عذاب نازل ہو گا جیسا ان پر نازل ہوا تھا- (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی حجر میں ٹھہرے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: یہ حضرت صالح کی وہ قوم ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا تھا سوا اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے حرم میں تھا- اللہ کے حرم نے اس کو عذاب سے بچا لیا- پوچھا: یا رسول اللہ! وہ شخص کون تھا؟ آپ نے فرمایا: ابو رغال-

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۰۸۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی حجر میں ٹھہرے جو قوم ثمود کی سرزمین ہے مسلمانوں نے اس کے کنوئیں سے پانی پیا اور اس کنوئیں کے پانی سے آٹا گوندھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ انہوں نے کنوئیں سے جو پانی نکالا ہے اس کو انڈیل دیں اور گندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں اور ان کو یہ حکم دیا کہ اس کنوئیں سے پانی نکالیں جس کنوئیں پر اونٹنی آیا کرتی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۱)

وادی حجر کی احادیث کے احکام

آپ نے گندھے ہوئے آٹے کے متعلق یہ حکم دیا کہ وہ اونٹوں کو کھلا دیا جائے کیونکہ اونٹ مکلف نہیں ہیں۔ اسی طرح اگر نجس پانی سے آٹا گوندھ لیا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ جنگ خیبر کے دن مسلمانوں نے پالتو گدھے کا گوشت پکایا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا اور دیگچیوں میں جو سالن پک رہا تھا اس کے متعلق فرمایا: اس کو پھینک دو اور اس موقع پر گندھے ہوئے آٹے کو پھینکنے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا: یہ اونٹوں کو کھلا دو۔ علامہ قرطبی نے فرمایا: اس سے معلوم ہوا کہ پالتو گدھوں کی تحریم ثمود کے کنوئیں کے پانی کی تحریم سے زیادہ ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۴۳-۴۲) میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ گندھا ہوا آٹا اونٹوں اور دیگر مویشیوں مثلاً بکریوں کو کھلایا جا سکتا ہے۔ بخلاف گوشت کے اس کو صرف درندے اور کتے وغیرہ کھا سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے اس وقت وہاں یہ جانور نہ ہوں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رزق اور مال کو حتی الامکان ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جس کنوئیں پر اونٹنی آیا کرتی تھی اس سے پانی نکالو۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا چاہیے خواہ اس پر صدیاں گزر چکی ہوں۔

وادی حجر اور دیگر ممنوعہ جگہوں میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء کی آراء

قاضی ابوبکر ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ نے کہا ہے کہ وادی حجر میں نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کا عذاب نازل ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا بغیر روئے اس جگہ سے نہ گزرو۔ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اوڑھی اور اونٹنی کو تیز بھگا کر اس وادی سے نکل گئے تھے۔ اور وہ جو حدیث میں ہے میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور آلہ طہارت (تیمم کا آلہ) بنا دیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱) وادی حجر کی زمین کا یہ ٹکڑا روئے زمین کے عموم سے مستثنیٰ ہے۔ لہٰذا وادی حجر کی مٹی سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے اور اس کے کنوئیں کے پانی سے وضو کرنا جائز ہے اور نہ اس جگہ نماز پڑھنا جائز ہے۔ نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقبرہ اور حمام کے سوا تمام روئے زمین مسجد ہے۔ (ہر چند کہ حطیم اور مطاف میں قبریں ہیں لیکن وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نمازیں پڑھی ہیں۔)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۴۵، سنن داری رقم الحدیث: ۱۳۹۷، مسند احمد ج ۳ ص ۸۳، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۵۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۹۹، المستدرک ج ۱ ص ۲۵۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۳۵، شرح السنہ رقم الحدیث: ۵۰۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

(۱) جس جگہ جانوروں کی لید ڈالی جائے۔ (۲) جس جگہ جانور ذبح کیے جائیں (کمیلا' بوچڑ خانہ) (۳) قبرستان (۴) عام گزرگاہ' سڑک (۵) حمام (۶) پانی کے پاس اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ (۷) بیت اللہ کی چھت۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۴۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۲۹' کامل ابن عدی ج ۳ ص ۱۰۵۹' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۷۱)

قاضی ابن العربی مالکی فرماتے ہیں وادی حجر کو ان سات کے ساتھ ملالیا جائے تو یہ آٹھ جگہیں ہوئیں اور ہمارے علماء نے ان کے ساتھ آٹھ اور جگہوں کا اضافہ کیا ہے۔ (۱) نجس زمین کا ٹکڑا (۲) غصب کی ہوئی زمین (۳) جب نمازی کے سامنے نجس دیوار ہو (۴) عیسائیوں کا گرجا (۵) یہودیوں کا معبد (۶) جس گھر میں مجسم صورتیں ہوں (۷) اونچی نیچی زمین (۸) جس جگہ نمازی کے سامنے کوئی شخص سویا ہوا ہو' یا کوئی شخص نمازی کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہوا ہو۔ یہ کل ملا کر سولہ جگہیں ہیں جہاں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

اور ان ممنوعہ جگہوں میں سے وہ جگہ بھی ہے جس جگہ میں کسی دوسرے شخص کا حق ہو۔ اور جس جگہ کوئی نجاست موجود ہو یا جہاں کسی نجاست کا غلبہ ہو اور جس جگہ کسی عبارت کی وجہ سے منع کیا گیا ہو' جس جگہ کسی نجاست کی وجہ سے نماز پڑھنا منع ہے وہاں اگر کوئی پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھ لی جائے تو نماز جائز ہے۔ جیسے مقبرہ اور حمام میں۔ المدونہ میں اس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور ہمارے علماء نے نجاست کی وجہ سے نئے اور پرانے قبرستان میں فرق کیا ہے اور جب قبرستان میں نجاست کی وجہ سے نماز پڑھنا ممکن ہے تو مشرکین کے قبرستان میں یہ ممانعت اور موکد ہو جاتی ہے اور اس لیے بھی کہ وہ وادی حجر کی طرح عذاب کا محل ہے۔ نیز یہ احادیث بھی ہیں:

حضرت ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۶۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تھا اس میں آپ نے فرمایا: اللہ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۷)

امام مالک نے المجموعۃ میں کہا ہے کہ اونٹوں کے باڑے میں کپڑا بچھا کر بھی نماز نہ پڑھے۔ اس کی گویا دو وجہیں ہیں ایک نجاست اور دوسرے اونٹوں کے حملہ کا خوف۔ اور اگر وہاں ایک اونٹ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ اس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ لیتے تھے۔ امام مالک نے کہا ہے کہ جس کپڑے پر تصویریں چھپی ہوں اس پر بغیر ضرورت کے نماز نہ پڑھے اور امام مالک کے نزدیک غصب شدہ گھر میں نماز جائز نہیں ہے۔ قاضی ابن العربی کہتے ہیں اگر غصب شدہ زمین پر مسجد بنالی ہے تو اس میں نماز جائز ہو گی۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۱۱۹۔۱۰۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی کا مختار یہ ہے کہ ہر ایک جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے اور جن احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور قبرستان اور حمام میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور ایسی دیگر تمام احادیث اس حدیث سے منسوخ ہیں جس میں آپ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۴۵-۴۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۵ھ)

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ ان جگہوں پر نماز پڑھنے کی ممانعت تنزیہی ہے یا تحریمی ہے۔ (مرقات ج ۲ ص ۴۱۸) بہرحال اگر نمازی نے پاک جگہ پر نماز پڑھی ہے تو اس سے نماز کی فرضیت ادا ہو جائے گی۔ لیکن اگر غصب شدہ زمین میں نماز پڑھے گا یا قبر یا کسی مجسمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا تو اس کا یہ فعل مکروہ تحریمی ہے اور گناہ کا موجب ہے' اور اگر اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھی جہاں ایک سے زائد اونٹ ہوں یا سڑک پر نماز پڑھی یا حمام یا قبرستان میں کپڑا بچھا کر نماز پڑھی یا بوچڑ خانہ میں کپڑا بچھا کر نماز پڑھی تو یہ نماز مکروہ تنزیہی ہے۔ بیت اللہ کی چھت پر بھی نماز مکروہ تنزیہی ہے اور وادی حجر میں بھی نماز مکروہ تحریمی ہونی چاہیے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وادی میں نہیں ٹھہرے اور وہاں سے جلدی گزر گئے اور اس جگہ سے بغیر روئے گزرنے میں آپ کو نزول عذاب کا خطرہ تھا۔

ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے

اس آیت میں فرمایا ہے اور بے شک وادی حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وادی حجر کے رہنے والوں نے تو صرف حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی تمام رسولوں کی تکذیب تو نہیں کی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام جو پیغام لائے تھے اور جس دین کو انہوں نے پیش کیا تھا تمام رسول وہی پیغام لائے تھے اور سب نے اسی دین کو پیش کیا تھا۔ اس لیے حضرت صالح علیہ السلام کا انکار کرنا گویا کہ تمام رسولوں کا انکار کرنا تھا۔ اس لیے اگرچہ انہوں نے صرف حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اصحاب الحجر نے رسولوں کی تکذیب کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے روگردانی کرتے رہے ○ (الحجر: ۸۱)

حضرت صالح علیہ السلام کی نشانیاں

اصحاب الحجر یعنی قوم ثمود کو جو نشانیاں دیں ان میں وہ اونٹنی ہے جو ان کی فرمائش پر حضرت صالح علیہ السلام نے چٹان سے نکالی اور اسی وقت اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا اور وہ بہت فربہ اور جسیم تھا اور وہ ایسی خوبصورت اونٹنی تھی کہ کوئی اونٹنی اس کی مثل نہ تھی۔ وہ اونٹنی بہت زیادہ دودھ دیتی تھی۔ حتیٰ کہ تمام قوم ثمود کو اس کا دودھ کافی ہو جاتا تھا۔ اس اونٹنی کے علاوہ حضرت صالح علیہ السلام کو اور بھی نشانیاں عطا کی تھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام کا کنواں تھا اور اونٹنی ایک دن میں اس کا سارا پانی پی جاتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے تاکہ امن سے رہیں ○ پس صبح ہوتے ہی ایک چنگھاڑ نے ان کو پکڑ لیا ○ اور جو کچھ وہ کرتے رہتے تھے وہ ان کو نہ بچا سکا ○ (الحجر: ۸۴-۸۲)

ان آیات کی تفسیر کے لیے الاعراف: ۷۹-۷۳ ملاحظہ فرمائیں۔ وہاں ہم نے ان عنوانات پر بحث کی ہے۔ قوم ثمود کی اجمالی تاریخ' حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اور قوم ثمود کی طرف ان کی بعثت' قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کرنا اور معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لانا اور ان پر عذاب کا نازل ہونا۔ قوم ثمود کی سرکشی اور ان پر عذاب نازل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔ اونٹنی کا قاتل ایک شخص تھا یا پوری قوم ثمود۔ اونٹنی کے معجزہ ہونے کی وجوہات' قوم ثمود

کے عذاب کی مختلف تعبیریں اور ان میں وجہ تطبیق، قوم ثمود کے قصہ کے متعلق احادیث اور آثار۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے سو آپ حسن و خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے ○ بے شک آپ کا رب ہی (سب کو) پیدا کرنے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے ○ (الحجر: ۸۶-۸۵)

بندوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب بھیج کر کفار کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ تو رحیم و کریم ہے پھر عذاب بھیج کر کفار کو ہلاک کرنا اس کی رحمت اور کرم کے کس طرح مناسب ہے۔ ان آیتوں میں اس اعتراض کا جواب ہے، جواب کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ وہ اس کی عبادت اور اطاعت میں مشغول ہوں اور عبادت اور اطاعت کی طرف متوجہ اور راغب کرنے کے لیے اس نے نبی اور رسول بھیجے پھر جنہوں نے اس کے رسولوں کو جھٹلایا اور اس کی عبادت کو ترک کیا تو اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان منکروں اور سرکشوں کو ہلاک کر کے روئے زمین کو ان کے وجود سے پاک کر دے اس لیے اس نے آسمانی عذاب بھیج کر منکروں اور کافروں کو ہلاک کر دیا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اس نے گزشتہ قوموں کے کافروں کو عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا تو اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا کہ قیامت آنے والی ہے اور جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالیٰ آپ کے مخالفوں اور منکروں سے انتقام لے گا اور آپ کو اور آپ کے متبعین کو ان کے صبر اور ان کی نیکیوں پر اجر و ثواب عطا فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے تو اس کی حکمت کے یہ لائق نہیں کہ وہ آپ کا اور ان کا معاملہ یونہی چھوڑ دے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوم کی زیادتیوں پر صبر کرنے کا حکم دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بدسلوکیوں پر آپ کو درگزر کرنے کا حکم دیا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ درگزر کرنے کا یہ حکم جہاد کی فرضیت کی آیات سے منسوخ ہو چکا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں آپ کو حسن اخلاق کے اظہار کا حکم دیا ہے، یہ کیسے منسوخ ہو سکتا ہے۔ جہاد کی آیات کا محمل یہ ہے کہ آپ ان کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دیجئے وہ اگر اس دعوت کو قبول کر لیں تو فبہا ورنہ ان سے اللہ کا نام لے کر جہاد کیجئے اور درگزر کرنے کی آیات کا تعلق آپ کی ذات اور نجی معاملات سے ہے یعنی اگر وہ آپ کے ساتھ زیادتی کے ساتھ پیش آئیں تو آپ عفو و درگزر سے کام لیں۔ ان آیتوں کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ○ (النجم: ۳۱)

اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ اللہ ہی کی ملکیت ہے تاکہ وہ برے کام کرنے والوں کو ان کے اعمال کی سزا دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا اجر عطا فرمائے۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ○ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ○ (المزمل: ۱۱-۱۰)

اور ان (کافروں) کی باتوں پر صبر کریں اور ان کو خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دیں ○ اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو مجھ پر چھوڑ دیں اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دیجئے ○

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ کا رب ہی (سب کو) پیدا کرنے والا ہے۔ (سب کچھ) جاننے والا ہے، یہ اس لیے فرمایا کہ جزا اور سزا دینے پر وہی قادر ہو سکتا ہے۔ جس کو بندوں کے تمام اعمال کا علم ہو اور چونکہ وہ سب کو پیدا کرنے والا ہے اور سب کے تمام اعمال کو جاننے والا ہے۔ اس لیے وہ سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دینے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو دوبار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیاO (الحجر: ۸۷)

ربط آیات اور سبب نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی زیادتیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ انسان جب یہ یاد کرے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ نعمتیں ہیں تو اس کے لیے سختیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس آیت کے نزول کا یہ سبب بیان کیا گیا ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے لیے سامان سے لدے ہوئے سات قافلے آئے جن میں انواع و اقسام کے کپڑے، خوشبو اور جواہر تھے۔ مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا: اگر یہ اموال ہمارے پاس آتے تو ہم ان سے تقویت حاصل کرتے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں کہ میں نے تم پر جو سات آیتیں نازل فرمائی ہیں وہ ان سات قافلوں سے بہتر ہیں اور اس کی صحت پر اس کے بعد والی آیت دلالت کرتی ہے، اور آپ اس متاع (دنیاوی) کی طرف (رشک سے) نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے کئی گروہوں کو دیا ہے۔ الآیہ۔ (اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۵۵۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

السبع المثانی کی تفسیر میں متعدد اقوال

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے آپ کو سبعا من المثانی عطا کی ہیں۔ سبع معنی سات اور مثانی مثنٰی کی جمع ہے جس کا معنی ہے دو دو۔ سات چیزیں سات آیتیں بھی ہو سکتی ہیں، سات سورتیں بھی ہو سکتی ہیں اور سات فوائد بھی ہو سکتے ہیں، اور اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو کسی ایک معنی کی تعیین پر دلالت کرے۔ اس لیے ان میں سے ہر معنی کی طرف مفسرین گئے ہیں اور اس سلسلہ میں پانچ قول ہیں۔

(۱) حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن مسعود سے ایک روایت اور حضرت ابن عباس سے اکثر کی روایت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حسن، سعید بن جبیر سے ایک روایت، مجاہد سے ایک روایت، عطا اور قتادہ وغیرہم کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سورہ فاتحہ ہے۔ اس کو سبع اس لیے فرمایا ہے کہ اس میں سات آیات ہیں اور اس کو مثانی اس لیے فرمایا ہے کہ اس کو ہر نماز میں دوبار پڑھا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا ایک نصف اللہ کے لیے ہے اور ایک نصف بندہ کے لیے ہے۔ پہلے نصف میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور دوسرے نصف میں بندے کی دعا ہے اور حدیث میں ہے کہ صلوٰۃ یعنی سورہ فاتحہ میرے اور میرے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دی گئی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۵) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ہے۔

السبع المثانی سے مراد سورہ فاتحہ ہے۔ اس پر قوی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو سعید بن معلّٰی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، میں نے جواب نہیں دیا، پھر میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ

ارشاد نہیں فرمایا:

اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ اللہ اور رسول تمہیں جب بلائیں تو حاضر ہو جاؤ۔

(الانفال: ۲۴)

پھر فرمایا: میں تم کو مسجد سے جانے سے پہلے ایک سورت کی تعلیم دوں گا جو قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت ہے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور جب مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے کہا: کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں مسجد سے جانے سے پہلے تم کو قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم دوں گا فرمایا: الحمدللہ رب العلمین یہ السبع المثانی ہے اور یہ وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحمدللہ (سورہ فاتحہ) ام القرآن ہے۔ ام الکتاب اور السبع المثانی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۴، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۸، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۳۷۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۴۵۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۷۶۔۳۷۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۱۸۷)

(۲) حضرت ابن مسعود (دوسری روایت) حضرت ابن عباس (دوسری روایت) سعید بن جبیر (دوسری روایت) مجاہد (دوسری روایت) نے کہا السبع المثانی سے مراد السبع الطوال (سات لمبی سورتیں) ہیں اور وہ یہ ہیں: البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف اور ساتویں سورت کے متعلق تین قول ہیں، سعید بن جبیر نے کہا: وہ سورہ یونس ہے۔ ابو مالک نے کہا: وہ البراءۃ (التوبہ) ہے۔ سفیان نے کہا وہ الانفال اور البراءۃ کا مجموعہ ہے۔ اس قول کی بنا پر ان سات سورتوں کو المثانی اس لیے فرمایا ہے کہ ان سورتوں میں حدود، فرائض اور امثال کو دہرایا گیا ہے یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے، اور ماوردی نے کہا: ان کو مثانی اس لیے فرمایا ہے کہ ان سورتوں میں آیتوں کی تعداد ایک سو سے دوسرے سو کی طرف متجاوز ہے۔

(۳) زیاد بن ابی مریم نے کہا: السبع المثانی سے مراد وہ سات معانی ہیں جو قرآن مجید میں نازل کیے گئے ہیں اور وہ سات معانی یہ ہیں امر، نہی، بشارت، انذار، مثالوں کا بیان، نعمتوں کا شمار کرنا، سابقہ امتوں کی خبر دینا۔

(۴) طاؤس، ضحاک اور ابو مالک نے کہا: مثانی سے مراد پورا قرآن ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: چونکہ بعض آیتیں بعض دوسری آیتوں کے بعد تلاوت کی جاتی ہیں اور ایک آیت کے بعد دوسری آیت منفصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید کو المثانی اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ عزوجل کی ثناء ہے، اور ابن الانباری نے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کو المثانی اس لیے فرمایا ہے کہ اس میں قصص، اخبار، مواعظ اور آداب کو دہرایا گیا ہے۔

(۵) ابن قتیبہ نے کہا: قرآن مجید کی تمام سورتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی، وہ مثانی ہیں کیونکہ ان سورتوں میں خبریں اور قصے دہرائے گئے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۴۱۵۔۴۱۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ عطف کی بنا پر سورہ فاتحہ قرآن عظیم کی مغایر ہے

اس آیت میں فرمایا ہے، ہم نے آپ کو السبع المثانی اور قرآن عظیم عطا کیا ہے اور السبع المثانی سے مراد سورہ فاتحہ ہے، تو اس کا معنی ہے سورہ فاتحہ قرآن عظیم ہے، جو ہم نے آپ کو عطا کی ہے۔

اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عربی قواعد کے مطابق واو عاطفہ تغایر کا تقاضا کرتی ہے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ سورہ فاتحہ قرآن مجید کی غیر ہے۔ کیونکہ خلاصہ یہ ہوا کہ ہم نے آپ کو سورہ فاتحہ اور قرآن عظیم عطا کیا ہے سو معلوم ہوا کہ سورہ

فاتحہ اور چیز ہے اور قرآن عظیم اور چیز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ قرآن عظیم کا جز ہے اور جز کل کا من وجہ غیر ہوتا ہے اور اتنی مغائرت عطف کی صحت کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس متاع (دنیاوی) کی طرف (رشک سے) نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے کئی گروہوں کو دیا ہے اور نہ ان کافروں پر افسوس کریں، اور ایمان والوں کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکائے رکھیں۔ (الحجر: ۸۸)

علامہ محمد بن عمر الزمخشری متوفی ۵۳۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے آپ کو السبع المثانی اور قرآن عظیم کی بہت بڑی نعمت عطا کی ہے اور جس کے پاس یہ نعمت ہو اسے اور کسی چیز کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام عبداللہ بن المبارک المتوفی ۱۸۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس نے قرآن پڑھا اس کے دو پہلوؤں میں نبوت کو درج کر دیا گیا مگر اس کی طرف وحی نہیں کی جائے گی اور جس نے قرآن پڑھا اور اس نے یہ گمان کیا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو اس سے افضل نعمت دی گئی ہے اس نے اس نعمت کو حقیر سمجھا جس کو اللہ نے عظیم کہا اور اس کو عظیم سمجھا جس کو اللہ نے حقیر قرار دیا ہے، اور حامل قرآن کو چاہیے کہ وہ جاہلوں کے سے کام نہ کرے اور ظلم نہ کرے بلکہ معاف کر دے اور درگزر کرے۔ امام ابن عدی نے الکامل میں اس حدیث کو حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

(کتاب الزہد رقم الحدیث: ۷۹۹، شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۹۰، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۵۹، الکامل ج ۳ ص ۲۶۶، طبع جدید)

متاع دنیا کی طرف دیکھنے کی ممانعت کو عام مفسرین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کرنا

اکثر و بیشتر مفسرین نے اس ظاہر آیت کے مطابق کفار کے مال و متاع کی طرف رغبت سے دیکھنے کی ممانعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کیا ہے۔

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

یعنی آپ دنیا کی مزین چیزوں کی طرف رغبت سے نظر اٹھا کر نہ دیکھیں اور نہ ان کی تمنا کریں۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۱۹۶، مطبوعہ دار الوفاء، ۱۴۱۸ھ)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو دینی نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی وجہ سے آپ کو جلد زائل ہونے والی دنیا کی لذات سے مستغنی کر دیا ہے، لہٰذا آپ دنیا کی مزین چیزوں کی طرف رغبت سے نظر اٹھا کر نہ دیکھیں اور نہ ان کی تمنا کریں۔ (فتح البیان، ج ۷ ص ۱۹۵ مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی مشرکین، یہود و نصاریٰ اور دوسرے دشمنان خدا اور رسول کو دنیا کی چند روزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے اس کی طرف نظر نہ کیجئے کہ ان ملعونوں کو یہ سامان کیوں دے دیا گیا جس سے ان کی شقاوت و شرارت زیادہ بڑھتی ہے۔ یہ دولت مسلمانوں کو ملتی تو اچھے راستہ میں خرچ ہوتی، ان کو تھوڑی دیر مزہ اڑا لینے دو، تم کو خدا تعالیٰ نے وہ دولت قرآن دی ہے جس کے آگے سب دولتیں گرد ہیں۔ روایات میں ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن دیا پھر کسی کی اور نعمت دیکھ کر ہوس کرے تو

اس نے قرآن کی قدر نہ جانی۔ (حاشیہ قرآن برترجمہ شیخ محمود الحسن ص ۳۵۳، مطبوعہ سعودی عربیہ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

یہ بات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی تسکین و تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے۔ وقت وہ تھا جب حضور اور آپ کے ساتھی سب کے سب انتہائی خستہ حالی میں مبتلا تھے۔ کار نبوت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالتے ہی حضور کی تجارت قریب قریب ختم ہو چکی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سرمایہ بھی دس بارہ سال کے عرصے میں ختم ہو چکا تھا۔ مسلمانوں میں سے بعض کم سن نوجوان تھے جو گھروں سے نکال دیئے گئے تھے۔ بعض صنعت پیشہ یا تجارت پیشہ تھے جن کے کاروبار معاشی مقاطعہ کی مسلسل ضرب سے بالکل بیٹھ گئے تھے۔ اور بعض بے چارے پہلے ہی غلام یا موالی تھے جن کی کوئی معاشی حیثیت نہ تھی۔ اس پر مزید یہ ہے کہ حضور سمیت تمام مسلمان مکے اور اطراف و نواح کی بستیوں میں انتہائی مظلومی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہر طرف سے مطعون تھے، ہر جگہ تذلیل و تحقیر اور تضحیک کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور قلبی و روحانی تکلیفوں کے ساتھ جسمانی اذیتوں سے بھی کوئی بچا ہوا نہ تھا۔ دوسری طرف سرداران قریش دنیا کی نعمتوں سے مالا مال اور ہر طرح کی خوشحالیوں میں مگن تھے۔ ان حالات میں فرمایا جا رہا ہے کہ تم شکستہ خاطر کیوں ہوتے ہو، تم کو تو ہم نے وہ دولت عطا کی ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں۔ رشک کے لائق تمہاری یہ علمی و اخلاقی دولت ہے نہ کہ ان لوگوں کی مادی دولت جو طرح طرح کے حرام طریقوں سے کما رہے ہیں اور طرح طرح کے حرام راستوں میں اس کمائی کو اڑا رہے ہیں۔ اور آخر کار بالکل مفلس و قلاش ہو کر اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے والے ہیں۔

(تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۱۷، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء)

مصنف کے نزدیک یہ نسبت امت کی طرف تعریضاً ہے

ہمارے نزدیک مال و متاع دنیا کی طرف رغبت سے دیکھنے کی ممانعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس آیت میں آپ کی امت کو تعریض کی گئی ہے۔ یعنی بظاہر آپ کو منع فرمایا ہے لیکن حقیقت میں آپ کی امت کو زینت دنیا کی طرف دیکھنے سے منع کرنا مراد ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (الزمر: ۶۵)

اور اگر (بالفرض) آپ نے بھی شرک کیا تو ضرور آپ کے سب عمل ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ کفار کی دنیاوی متاع اور ان کے سامان عیش و عشرت کی طرف رغبت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روک دیا بلکہ اس آیت میں آپ کی امت کی طرف تعریضاً خطاب ہے۔ صراحتاً رغبت سے ممانعت کی نسبت آپ کی طرف کی گئی ہے اور مراد آپ کی امت ہے۔ یعنی آپ کی امت کو یہ چاہیے کہ وہ کفار کے دنیوی ساز و سامان اور عیش و طرب کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اور رشک اور حسرت سے نہ دیکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دنیاوی عیش سے رغبت کی ممانعت کی نسبت حقیقتاً درست نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی عیش و آرام کے اسباب اور دنیاوی زیب و زینت کی طرف التفات نہیں کرتے تھے اور نہ ان کو اختیار کرتے تھے اور نہ اپنے پاس دنیاوی مال کو رکھتے تھے۔ جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اختیار سے متاع دنیا کو ترک فرماتے تھے

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ پیش کش کی کہ وہ میرے لیے مکہ کی پتھریلی زمین کو سونا بنا دے۔ میں نے کہا: نہیں اے میرے رب! میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے عاجزی سے سوال کروں گا اور تیرا ذکر کروں گا اور جب میرا پیٹ بھرا ہو گا تو تیرا شکر کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷، مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۸۳۵، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۵۳، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۱۹۰، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۳۳)

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے سامان کا جائزہ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، آپ کے اور چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہیں تھا اور آپ کے سر اقدس کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کے خشک پتے بھرے ہوئے تھے اور آپ کے پیروں کے پاس درخت قرظ کے پتے ڈالے ہوئے تھے اور آپ کے سرہانے کچی کھالیں لٹکی ہوئی تھیں اور میں نے دیکھا کہ آپ کے پہلو میں چٹائی کے نقوش کے نشانات ثبت ہو گئے تھے۔ میں رونے لگا آپ نے فرمایا: تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کسریٰ اور قیصر کس قدر عیش و آرام میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں! آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو! امام بخاری کی دوسری روایت (رقم: ۲۴۶۸) میں یہ الفاظ ہیں: حضرت عمر نے گھر کی چیزوں کا جائزہ لے کر کہا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر کشادگی کر دے کیونکہ فارس اور روم پر وسعت کی گئی اور ان کو متاع دنیا دی گئی ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے! آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے ابن الخطاب کیا تم (اپنے دین کے متعلق) شک میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی پسندیدہ چیزیں دنیا میں ہی جلدی دے دی گئیں ہیں میں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے استغفار کیجئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۹)

ان حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اضطرار اور مجبوری کی وجہ سے دنیا کے عیش و آرام اور دنیا کے ساز و سامان کو ترک نہیں کیا تھا بلکہ آپ کا فقر اور آپ کی سادہ زندگی اختیاری تھی۔ اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کافروں کے مال کی طرف رغبت کرتے ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا۔ آپ نے فرمایا: اس کو مسجد میں پھیلا دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو اموال آتے تھے یہ ان میں سب سے زیادہ مال تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف چلے گئے اور اس مال کی طرف التفات نہیں کیا۔ جب آپ نماز پڑھا چکے تو مال کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ آپ جس شخص کو بھی دیکھتے اس کو اس میں سے مال عطا فرماتے۔ آپ کے پاس حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے اور کہا یا رسول اللہ! مجھے مال دیجئے کیونکہ میں نے اپنا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کا فدیہ بھی دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: مال لے لو۔ انہوں نے اپنے کپڑے میں مال بھرنا شروع کیا۔ پھر مال کا چوٹی نما ایک بڑا ڈھیر اکٹھا کر لیا۔ جس کو وہ اٹھا نہیں سکے۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کسی کو حکم دیجئے کہ وہ اس مال کو اٹھا کر میرے اوپر رکھ دے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا: پھر آپ خود اٹھا کر رکھ دیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ انہوں نے پھر اس سے کچھ مال کم کیا اور اس کو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور چلے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان کا پیچھا کرتی

رہی حتیٰ کہ وہ نظر سے اوجھل ہوگئے آپ ان کی حرص پر تعجب کر رہے تھے۔ جب تک ایک ایک درہم تقسیم نہیں کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے کھڑے نہیں ہوئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۲۱' مطبوعہ دار ارقم بیروت)

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی۔ آپ سلام پھیرنے کے بعد جلدی سے کھڑے ہوگئے اور ازواج مطہرات میں سے کسی کے حجرے میں گئے' پھر باہر آئے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کے اس طرح سرعت کے ساتھ اٹھ کر جانے کی وجہ سے لوگوں کے چہروں پر تعجب کے آثار ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے نماز میں یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا ہے اور میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ہمارے پاس سونے کا ٹکڑا ہو اور اس حال میں شام کا وقت ہو جائے یا رات آ جائے' سو میں نے اس سونے کے ٹکڑے کو تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۵۱'۱۲۲۱ مطبوعہ دار ارقم بیروت)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دنیا کا مال و متاع آتا بھی تھا تو آپ اس کو تقسیم کر دیتے تھے۔ پھر آپ کے متعلق یہ کیسے تصور یا فرض کیا جا سکتا ہے کہ آپ کافروں کے پاس دنیا کا مال و متاع دیکھ کر اس کی طرف رغبت کرتے ہوں یا اس کو رشک بھری نظروں سے اور حسرت سے دیکھتے ہوں۔ اس لیے لامحالہ قرآن مجید کی اس آیت کا یہی محمل ہے کہ اس میں کافروں کے مال و متاع کو رشک سے دیکھنے کی ممانعت اگرچہ صراحتاً آپ کو کی گئی ہے لیکن اس سے مراد آپ کی امت ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی صحابہ کرام کو کافروں کے مال و متاع کی طرف رغبت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے گزر چکا ہے کہ آپ نے حضرت عمر سے فرمایا: تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو' اور آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی پسندیدہ چیزیں دنیا میں ہی جلدی دے دی گئیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنی امت کو زیب و زینت اور عیش و آرام ترک کرنے کی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امت کو دنیاوی عیش کے سامان ترک کرنے کی ترغیب

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے احباب میں سے میرے نزدیک زیادہ قابل رشک وہ مومن ہے جو کم مال والا ہو' نماز میں اس کا زیادہ حصہ ہو' اپنے رب کی اچھی عبادت کرتا ہو اور تنہائی میں اس کی اطاعت کرتا ہو' لوگوں میں گم نام ہو' اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ نہ کیا جاتا ہو' اس کا رزق بہ قدر ضرورت ہو اور وہ اس پر صبر کرتا ہو۔ پھر آپ نے دو انگلیاں مار کر فرمایا: اس کی موت جلدی آئے گی' اس پر رونے والے کم ہوں گے اور اس کی میراث کم ہوگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۴۷' مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۲' ۱۴۲۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۷۸۲۹' المستدرک ج ۴ ص ۱۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۱۷)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کے لیے ان چیزوں کے سوا اور کوئی حق نہیں ہے: اس کے پاس سکونت کے لیے گھر ہو' اتنا کپڑا ہو جس سے وہ اپنی شرم گاہ چھپا سکے' روٹی کا ٹکڑا اور پانی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۴۱' مسند احمد ج ۱ ص ۶۲' مسند البزار رقم الحدیث:۴۴۳' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۶۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث:

۴۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک وہ مسلمان کامیاب ہوگیا جس کو بقدر ضرورت رزق دیا گیا اور اللہ نے اس کو اس پر قانع بنا دیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۸، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۲۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۱۹۶، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۰۴۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی شے کے لیے اتنی اجازت نہیں دی جتنی اجازت قرآن کے ساتھ تغنی کی دی ہے۔ سفیان نے کہا: اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ قرآن کی وجہ سے دوسری چیزوں سے مستغنی رہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۲۴، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

جس طرح سورہ الحجر کی اس آیت میں بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور حقیقت میں امت کو سنانا اور ان کو تعریض کرنا مراد ہے، اسی طرح اس آیت میں بھی بظاہر آپ کو خطاب ہے اور حقیقت میں امت کو تعریض ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ (طٰہٰ: ۱۳۱)	اور آپ حیات دنیا کی ان زینتوں اور آرائشوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں جو ہم نے ان کے مختلف لوگوں کو (عارضی) نفع اٹھانے کے لیے دے رکھی ہیں تاکہ ہم ان کو اس سے آزمائش میں ڈالیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امت کو ترک زینت کی ترغیب دی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب مسلمان کا سب سے بہترین مال وہ بکریاں ہوں گی جن کو وہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے اپنے ساتھ لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں پر چلا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۰، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۰۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۹۵۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۴۶)

اسلام میں دین اور دنیا کا امتزاج ہے

قرآن مجید کی ان آیتوں اور ان احادیث کا یہ منشاء نہیں ہے کہ انسان کو بالکل دنیا ترک کر دینی چاہیے اور جنگلوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف نکل جانا چاہیے کیونکہ بقدر ضرورت دنیاداری سے حصہ لینا بھی ضروری ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کی چیزوں سے عورتوں اور خوشبو کی محبت میری طرف ڈالی گئی ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۳۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۲۹۵، طبع جدید دار الفکر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عورتوں کی محبت ڈالی گئی ہے، یعنی آپ اپنی ذات اور فطرت کے اعتبار سے عورتوں اور خوشبو کی طرف مائل اور راغب نہ تھے آپ کی طرف ان کی محبت ڈالی گئی ہے تاکہ آپ عورتوں سے نکاح کریں اور آپ کی زندگی میں شوہر کا نمونہ ہو اور عورت کے نان و نفقہ کی ادائیگی اور ان کے دیگر حقوق میں آپ کے افعال سنت ہوں اور آپ کی خلوت اور نجی زندگی کے معاملات کو نقل کرنے کے لیے متعدد خواتین ہوں اور امت تک آپ کی گھریلو زندگی کا

نمونہ پہنچے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فطرت آدمیت اور خلقت انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ازواج مطہرات کے ساتھ مشغول ہوتے تھے اور اپنے نفیس مزاج کے مطابق خوشبو لگاتے تھے۔ ہرچند کہ آپ کا بدن مبارک خود خوشبودار تھا اور آپ کے پسینہ میں مشک اور عنبر سے بہتر خوشبو تھی۔ تاہم امت کی تعلیم کے لیے آپ خوشبو لگاتے تھے اور آپ کی آنکھیں صرف نماز سے ٹھنڈی ہوتی تھیں جب آپ اپنے مولیٰ سے مناجات کرتے تھے۔

ہم نے اس بحث میں یہ حدیث اس لیے ذکر کی ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں رہبانیت نہیں ہے اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرح یہ معمول ہے کہ انسان بالکلیہ اعمال صالحہ کی طرف متوجہ ہو اور دنیاداری کو مطلقاً ترک کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت اور اس کے فطری تقاضوں کے مطابق دین اسلام کو مشروع کیا ہے اور اس سے حرج اور مشقت کو ساقط کر دیا ہے۔ انسان اپنے طبعی اور شہوانی تقاضوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق پورا کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادات کو سرانجام دے اور دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ انسان اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے کسب معاش کرے اور اللہ کے رزق کو تلاش کرے لیکن ان مہمات میں اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل نہ ہو۔ نہ دنیا کی زیب و زینت میں مستغرق ہو کر خدا کو بھول جائے اور نہ جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نکل جائے اور غاروں میں بیٹھ کر عبادت کرے اور اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کو یکسر فراموش کر دے۔

عون بن ابی جحیفہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کو آپس میں بھائی بنایا۔ ایک دن حضرت سلمان حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے کے لیے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت ام الدرداء (حضرت ابوالدرداء کی بیوی) بہت میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ حضرت سلمان نے کہا: یہ تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا تمہارے بھائی ابوالدرداء کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بعد میں جب حضرت ابوالدرداء آئے تو انہوں نے حضرت سلمان کے لیے کھانا تیار کیا اور ان سے کہا تم کھانا کھاؤ میں تو روزہ دار ہوں! حضرت سلمان نے کہا: میں نہیں کھاؤں گا حتیٰ کہ تم بھی کھانا کھاؤ پھر حضرت ابوالدرداء نے کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداء نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ حضرت سلمان نے کہا سو جاؤ۔ پس وہ سو گئے۔ کچھ دیر بعد پھر اٹھے تو حضرت سلمان نے کہا: سو جاؤ۔ جب رات کا آخری پہر ہوا تو حضرت سلمان نے کہا اب اٹھو۔ پھر دونوں نے نماز پڑھی۔ تب حضرت سلمان نے کہا: تمہارے رب کا تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ سو ہر حق والے کو اس کا حق ادا کرو۔ حضرت ابوالدرداء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۶۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۳، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۹۸، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۱۴۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۲۰، المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۲۸۵، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۲۷۶)

اس موضوع کی زیادہ تفصیل جاننے کے لیے آل عمران: ۱۴ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کہیں میں ہی علی الاعلان ڈرانے والا ہوں ○ جیسا کہ ہم نے ان پر (عذاب) نازل کیا جو (اپنی کتاب کو) تقسیم کرنے والے تھے ○ (الحجر: ۹۰-۸۹)

تقسیم کرنے والوں کے مصداق میں متعدد اقوال

پہلی آیت میں عذاب کا لفظ مقدر ہے یعنی اور آپ کہیں میں ہی علی الاعلان عذاب سے ڈرانے والا ہوں O اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ۔ (حم السجدۃ: ۱۳)

پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ فرمادیں کہ میں نے تمہیں کڑک (کے عذاب) سے ڈرایا ہے جیسا عاد اور ثمود پر کڑک کا عذاب آیا تھا۔

پس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جیسا کہ ہم نے ان پر (عذاب) نازل کیا جو تقسیم کرنے والے تھے۔

وہ تقسیم کرنے والے کون تھے اور کس چیز کو تقسیم کرنے والے تھے اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) مقاتل اور فراء نے کہا: ولید بن مغیرہ نے سولہ آدمیوں کو حج کے ایام میں مکہ کی گھاٹیوں اور مکہ کے راستوں میں بھیجا وہ ان راستوں سے مکہ کی طرف آنے والوں سے کہتے تھے: ہم میں سے ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی باتوں سے دھوکا نہ کھانا' کیونکہ وہ دیوانہ ہے' اور کبھی کہتے وہ جادوگر ہے اور کبھی کہتے وہ شاعر ہے اور کبھی کہتے وہ کاہن ہے۔ ان کو مقتسمین اس لیے فرمایا کہ انہوں نے مکہ کی گھاٹیوں اور راستوں کو آپس میں تقسیم کرلیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدترین موت سے رسوا کیا۔ انہوں نے ولید بن مغیرہ کو مسجد حرام کے دروازہ پر کھڑا کردیا تھا جب باہر سے آنے والے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتے تو وہ کہتا یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔

(۲) قتادہ نے کہا: یہ کفار قریش کا ایک گروہ تھا۔ ان لوگوں نے اللہ کی کتاب کو تقسیم کرلیا تھا۔ بعض اس کو شعر کہتے تھے' بعض جادو کہتے تھے' بعض کہانت (جنات کی بتائی ہوئی باتیں) کہتے تھے اور بعض یہ کہتے کہ یہ پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا: یہ اہل کتاب تھے جو بعض کتب پر ایمان لائے تھے اور بعض کا کفر کرتے تھے۔

(۴) عکرمہ نے بھی اسی طرح کہا کہ یہ اہل کتاب تھے۔ ان کو تقسیم کرنے والے اس لیے فرمایا کہ یہ کتاب کا مذاق اڑاتے اور کہتے تھے یہ سورت میری ہے اور یہ سورت تمہاری ہے۔

(۵) قتادہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اہل کتاب نے اپنی کتاب کو تقسیم کرلیا تھا اس میں تفریق اور تحریف کردی۔

(۶) زید بن اسلم نے کہا: اس سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر شب خون مارنے کے لیے قسمیں کھائی تھیں اور مقتسمین سے مراد قسمیں کھانے والے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ (النمل: ۴۹)

انہوں نے کہا: تم آپس میں اللہ کی قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو صالح اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے پھر ہم اس کے وارث سے کہیں گے کہ ان کے قتل کے موقع پر ہم موجود ہی نہ تھے اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔

(۷) اخفش نے کہا: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ ان لوگوں میں العاص بن وائل' عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابوجہل بن ہشام' ابوالبختری بن ہشام' النضر بن الحارث' امیہ بن خلف اور

نضر بن الحجاج تھے۔ (النکت والعیون ج ۳ ص ۱۷۲-۱۷۱، دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جنہوں نے قرآن کو (کچھ مان کر اور کچھ نہ مان کر) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا○ سو آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے○ کہ وہ کیا کرتے رہے تھے○ (الحجر: ۹۳-۹۱)

اس آیت میں فرمایا ہے جنہوں نے قرآن کو عضین کر دیا، علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

"عضین" کا معنی

یعنی جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بعض نے کہا: یہ کہانت ہے اور بعض نے کہا: یہ اگلے لوگوں کے قصے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ (البقرہ: ۸۵) کیا پس تم کتاب کے بعض حصے کے ساتھ ایمان لاتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو۔

اور عضون جمع ہے جیسے ثبون اور ظبون ثبۃ اور ظبۃ کی جمع ہے۔ اسی طرح عضۃ کی جمع عضون ہے۔ اسی طریقہ پر العضو والتعضیۃ کا معنی ہے اعضاء کا تجزیہ کرنا۔ کسائی نے کہا: یہ لفظ العضو سے بنا ہے یا العضۃ سے۔ اور العضۃ اصل میں ایک درخت ہے۔ اگر اس کی اصل العضو ہو تو یہ ناقص یائی ہے اور لام کلمہ حذف ہو گیا۔

عضیت الشئی کا معنی ہے کسی چیز کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور ہر ٹکڑا عضۃ کہلاتا ہے اور تعضیۃ کے معنی ہے تجزیہ کرنا۔ عضیت الجزور والشاۃ کا معنی ہے میں نے اونٹ اور بکری کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ران کو تقسیم کر دیا۔ جعلوا القران عضین کا معنی ہے انہوں نے قرآن کو بوٹی بوٹی کر ڈالا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ اصل میں عضھۃ تھا۔ آخر میں جو تاء ہے وہ حالت وقف میں ہاء ہو جاتی ہے اور دو ہاؤں کا اجتماع زبان پر ثقیل خیال کیا گیا تھا تو ایک ہاء حذف کر دی گئی اور عضۃ ہو گیا۔ اس کا معنی جھوٹی اور بناوٹی بات ہے۔ اس قول کی بناء پر جعلوا القران عضین کا معنی ہے انہوں نے قرآن کو بناوٹی، خود ساختہ اور من گھڑت کلام قرار دیا۔

(المفردات مع التوضیح ج ۲ ص ۴۳۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ کتاب کے بعض حصے پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا اور یہ منکرین قرآن مجید کے متعلق مختلف باتیں کرتے تھے۔ اس کو کذب، سحر، کہانت اور شعر کہتے تھے۔

گنہ گار مسلمانوں سے قیامت کے دن سوال کی کیفیت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے۔ یعنی ہم ان سے ضرور ان کاموں کے متعلق سوال کریں گے جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔ امام بخاری نے کہا: اکثر اہل علم نے کہا ہے کہ ان سے لاالہ الا اللہ کے متعلق سوال کریں گے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اخلاص کے ساتھ لاالہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! اخلاص کا کیا معیار ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اجتناب کرے۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۸۹۲)

نیز حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ عہد کیا ہے کہ جو شخص بھی میری امت سے، میرے پاس لاالہ الا اللہ لے کر آئے گا در آنحالیکہ اس نے اس (توحید) کے ساتھ کسی

اور چیز کو نہ ملایا ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ کیا چیز ملائے گا؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی حرص کرنا' اور دنیا کو جمع کرنا اور دنیا کی وجہ سے منع کرنا۔ وہ نبیوں کی طرح باتیں کریں گے اور ظالموں کے عمل کریں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا الہ الا اللہ بندوں کو اللہ کی ناراضگی سے بچاتا ہے جب تک کہ وہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دیں اور جب وہ دنیا کو دین پر ترجیح دیں اور لا الہ الا اللہ کہیں تو یہ کلمہ ان پر رد کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا۔

(نوادر الاصول ج ۲ ص ۷۳۔۷۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۵۶۔۵۵' مطبوعہ بیروت)

یہ آیت اپنے عموم سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن اور کافر سب سے حساب لے گا ماسوا ان مومنوں کے جن کو اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے جنت میں داخل فرمائے گا۔

کفار سے قیامت کے دن سوال کی کیفیت

اس میں اختلاف ہے کہ آیا کافروں سے بھی سوال کیا جائے گا اور ان سے بھی حساب لیا جائے گا یا نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ کافروں سے بھی سوال کیا جائے گا اور ان سے بھی حساب لیا جائے گا اور اس پر دلیل درج ذیل آیات ہیں:

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ۔ (الصّٰفّٰت: ۲۴) — اور انہیں ٹھہراؤ' بے شک ان سے سوال کیا جائے گا۔

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝ (الغاشیہ: ۲۶۔۲۵) — بے شک ان کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے ۝ پھر بے شک ہم ہی پر ان کا حساب لینا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ۔ (القصص: ۷۸) — اور ان کے گناہوں کے متعلق مجرمین سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ۔ (الرحمٰن: ۳۹) — انسان ہو خواہ جن ہو' سو اس دن کسی کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ۔ (البقرہ: ۱۷۴) — اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ (المطففین: ۱۵) — حق یہ ہے کہ اس دن وہ اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے۔

ان آیات سے پتا چلتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کفار سے کلام نہیں فرمائے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ وہ اس کو دیکھیں گے' اور نہ ان سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال کرے گا سو ان سے ان کا حساب بھی نہیں لیا جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حشر کے دن کئی مواقف اور مختلف احوال ہوں گے۔ بعض مواقف اور بعض احوال میں اللہ تعالیٰ کوئی کلام کرے گا نہ کوئی سوال کرے گا اور نہ کوئی حساب لے گا۔ یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ جلال سے فرمائے گا: لمن الملک الیوم آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر خود ہی فرمائے گا للّٰہ الواحد القھار صرف اللہ کی جو ایک ہے اور سب پر غالب ہے۔ (المومن: ۱۶) پھر جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ کو راضی کریں گے۔ تب اللہ تعالیٰ مخلوق سے سوال کرے گا اور ان سے حساب بھی لے گا اور ان سے کلام بھی فرمائے گا لیکن مومنوں سے محبت

سے کلام فرمائے گا اور کافروں سے غضب سے کلام فرمائے گا۔ سو کفار سے سوال اور حساب کی نفی کی آیات کا تعلق پہلے موقف اور پہلے حال سے ہے اور ان سے سوال کرنے اور حساب لینے کے ثبوت کی آیات کا تعلق بعد کے موقف اور بعد کے حال سے ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے اعمال کو معلوم کرنے کے لیے سوال نہیں کرے گا کہ تم نے کیا کیا عمل کیے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ڈانٹنے اور جھڑکنے کے لیے سوال کرے گا کہ تم نے فلاں فلاں عمل کیوں کیے، تم نے ہمارے رسولوں کی اور ہماری کتابوں کی نافرمانی کیوں کی اور اس کے لیے تمہارے پاس کیا عذر ہے۔

پس تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن مومن اور کافر ہر شخص سے سوال کرے گا۔ وہ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ پھر تم سے اس دن نعمتوں کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا۔

(التکاثر: ۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس کا برملا اعلان کر دیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکین سے اعراض کیجئے ۝ آپ کا مذاق اڑانے والوں سے (بدلہ کے لیے) ہم کافی ہیں ۝ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو (بھی) معبود قرار دیتے ہیں، سو وہ عنقریب جان لیں گے ۝ (الحجر: ۹۶-۹۴)

اصدع کا معنی

صدع کے معنی کسی ٹھوس جسم مثلاً لوہے یا شیشہ وغیرہ میں شگاف پڑنے اور اس کے شق ہو جانے کے ہیں اور شق ہونے کو اس چیز کا کھلنا لازم ہے۔ اس اعتبار سے کسی چیز کے کھلم کھلا بیان کرنے کے لیے بھی صدع کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اصدع کا معنی ہے آپ کھلم کھلا بیان کر دیجئے اور برملا کہہ دیجئے۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھئے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۱۷۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھپ کر تبلیغ کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ اور آپ کے اصحاب باہر نکل آئے اور علانیہ تبلیغ کرنے لگے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۱۷۳)

جن مذاق اڑانے والے مشرکوں سے بدلہ لیا گیا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ حکم جہاد کے فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کا مذاق اڑانے والوں سے (بدلہ کے لیے) ہم کافی ہیں ۝ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی معبود قرار دیتے ہیں، وہ عنقریب جان لیں گے ۝

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے آپ اللہ کے احکام کو کھل کر بیان کیجئے اور ان لوگوں کی پرواہ نہ کیجئے جو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا آپ کسی سے نہ ڈریے کیونکہ آپ کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے والے قریش کے معروف سردار تھے۔ ان کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا مذاق اڑانے والے یہ تھے: ولید بن المغیرہ، اسود بن عبد یغوث، اسود بن عبدالمطلب، حارث بن عیطل السہمی اور العاص بن وائل السہمی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل علیہ

السلام آئے تو آپ نے ان کی شکایت کی۔ آپ نے حضرت جبریل کو ولید بن مغیرہ دکھایا تو حضرت جبریل نے اس کے ہاتھ کی اندرونی رگ کی طرف اشارہ کیا، آپ نے فرمایا: تم نے کیا کیا؟ حضرت جبریل نے کہا: میں نے اس سے آپ کا بدلہ لے لیا۔ پھر آپ نے ان کو الحارث بن عیطل دکھایا حضرت جبریل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے کیا کیا؟ حضرت جبریل نے کہا میں نے اس سے آپ کا بدلہ لے لیا۔ پھر آپ نے ان کو العاص بن وائل دکھایا۔ حضرت جبریل نے اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے کیا کیا؟ حضرت جبریل نے کہا میں نے اس سے آپ کا بدلہ لے لیا۔ رہا ولید بن مغیرہ تو وہ خزاعہ کے ایک شخص کے پاس سے گزرا وہ اپنا تیر درست کر رہا تھا۔ وہ تیر اس کو لگ گیا اور اس کے ہاتھ کی رگ کٹ گئی۔ رہا اسود بن عبد المطلب تو وہ اندھا ہو گیا۔ اس کی آنکھ میں ایک درخت کا کانٹا چبھ گیا جس سے وہ اندھا ہو گیا اور رہا اسود بن عبد یغوث تو اس کے سر میں پھنسیاں ہو گئیں جس سے وہ مر گیا اور الحارث بن عیطل تو اس کے پیٹ میں زرد پانی پڑ گیا اس کے منہ سے پاخانہ آنے لگا اور وہ اسی مرض میں مر گیا اور رہا العاص بن وائل تو اس کے پیر کے تلوے میں کانٹا چبھا اور اس کا زخم پورے پیر میں پھیل گیا جس سے وہ مر گیا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۹۸۳، مکتبۃ المعارف ریاض)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے○ سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیے○ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے حتیٰ کہ آپ کے پاس پیغام اجل آجائے○ (الحجر: ۹۹-۹۷)

نماز پڑھنے سے رنج اور پریشانی کا زائل ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہمیں علم ہے کہ ان مذاق اڑانے والوں کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے، سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے اور سجدہ کیجئے اور تاحیات اپنے رب کی عبادت کیجئے۔ اس سے معلوم ہوا جب انسان کا دل رنجیدہ اور پریشان ہو یا اس پر گھبراہٹ طاری ہو تو اس کو نماز پڑھنی چاہیے، کیونکہ نماز حمد، تسبیح، سجدہ اور عبادت سب کی جامع ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پریشانی طاری ہوتی تو آپ نماز پڑھتے تھے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۸)

باقی رہا یہ کہ نماز پڑھنے سے انسان کی گھبراہٹ اور پریشانی کس طرح زائل ہو جاتی ہے اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں۔

(۱) جب انسان عبادت میں مستغرق ہو جاتا ہے تو اس کی توجہ دنیا اور دنیا کے معاملات سے بالکل زائل ہو جاتی ہے اور اس کا ذہن اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی تجلیات سے روشن ہو جاتا ہے اور جس پر یہ کیفیت طاری ہو اس کے دل سے گھبراہٹ اور پریشانی زائل ہو جاتی ہے۔

(۲) جب انسان تسبیحات پڑھتا ہے اور اس کے دل میں یہ اعتقاد جاگزیں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عیوب اور قبائح سے منزہ ہے تو اس پر مشقت کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے اور اس کا دل خوش اور مطمئن ہو جاتا ہے۔

(۳) جب انسان پر پریشانی آئے تو وہ نماز میں پناہ لیتا ہے اور زبان حال سے یہ کہتا ہے خواہ میں کسی حال میں ہوں مجھ پر تیری عبادت واجب ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر کرم فرماتا ہے اور اس کی پریشانی زائل فرما دیتا ہے۔

یقین کا لغوی اور اصطلاحی معنی

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

یقین کا معنی ہے شک کا زائل ہو جانا۔ (کتاب العین ج ۳ ص ۱۹۹۹، مطبوعہ ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

لغت میں یقین کا معنی ہے وہ علم جس میں شک نہ ہو، اور اصطلاح میں یقین کا معنی ہے: کسی شے کا اعتقاد کہ وہ اس طرح ہے، اور اس کے ساتھ یہ اعتقاد ہو کہ اس کے سوا اس کا ہونا ممکن نہیں ہے، اور وہ اعتقاد واقع کے مطابق ہو اور غیر ممکن الزوال ہو۔ پہلی قید میں ظن بھی داخل ہے اور دوسری قید (اس کے سوا اس کا ہونا ممکن نہیں ہے) سے ظن خارج ہو گیا۔ اور تیسری قید سے جہل خارج ہو گیا اور چوتھی قید سے مقلد مصیب کا اعتقاد خارج ہو گیا اور اہل حقیقت کے نزدیک یقین کی تعریف ہے: کسی چیز کا بغیر حجت اور برہان کے قوت ایمان سے مشاہدہ کرنا اور ایک قول ہے کسی چیز کی حقیقت پر دل کا مطمئن ہونا۔ (میر سید نے اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں) (التعریفات ص ۱۷۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یقین کی اصطلاحی تعریف زیادہ جامع، مانع اور واضح اس طرح ہے: ادراک جازم ثابت مطابق للواقع۔ ادراک جنس ہے اور اس میں تمام تصورات مثلاً تخییل، تکذیب، شک اور وہم داخل ہیں۔ (ذہن میں نسبت خبریہ آئے اور ذہن اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو وہ تخییل ہے، ذہن متوجہ ہو اور حالت انکاری پیدا ہو تو تکذیب ہے، اگر نفی اور اثبات کی دونوں جانبیں برابر ہوں تو شک ہے اور اگر ایک نسبت راجح اور دوسری مرجوح ہو تو مرجوح جانب وہم ہے اور راجح جانب ظن ہے) جازم کی قید سے تمام تصورات اور ظن خارج ہو گئے اور ثابت کی قید سے تقلید محض اور تقلید مصیب خارج ہو گئے اور مطابق للواقع کی قید سے جہل مرکب خارج ہو گیا۔ (جہل مرکب کی تعریف یہ ہے کہ انسان کو کسی چیز کا علم نہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ اسے اس کا علم ہے)۔

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یقین کا معنی ہے موت۔ کیونکہ موت ایک یقینی امر ہے جو ہر زندہ مخلوق کو لاحق ہونا ہے اور اس آیت کا معنی ہے جب تک آپ زندہ ہیں اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں اور ایک لحظہ کے لیے بھی عبادت سے غافل نہ ہوں۔

(تفسیر البیضاوی مع حاشیۃ الخفاجی ج ۵ ص ۵۴۴۔ ۵۴۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

احادیث میں یقین پر موت کا اطلاق

احادیث میں بھی موت پر یقین کا اطلاق کیا گیا ہے:

جبیر بن نفیل ابو مسلم خولانی سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ نے مال جمع کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ یہ حکم دیا ہے کہ میں تاجروں میں سے ہوں، لیکن اس نے مجھے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سجدہ کرنے والوں میں سے ہوں اور میں اپنے رب کی عبادت کرتا رہوں حتیٰ کہ میرے پاس یقین (پیغام اجل) آ جائے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۳۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ)

حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا ایک انصاری خاتون تھیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ مہاجرین کو گھروں میں رکھنے کے متعلق قرعہ اندازی ہوئی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا قرعہ ہمارے نام نکلا۔ ہم نے ان کو اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ ان کے جسم میں درد ہوا اس میں وہ فوت ہو گئے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو ان کو غسل دیا گیا اور ان کے کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے (حضرت عثمان بن مظعون سے) کہا تم پر اللہ کی رحمت ہو اے ابو السائب، میں تمہارے متعلق شہادت دیتی ہوں کہ اللہ نے تمہیں عزت دی

ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس کو اللہ نے عزت دی ہے؟ میں نے کہا: یارسول اللہ آپ پر میرے باپ فدا ہوں! پھر اللہ اور کس کو عزت دے گا؟ آپ نے فرمایا: رہے وہ تو ان کے پاس یقین (پیغام اجل) آچکا ہے' اور اللہ کی قسم میں ان کے متعلق خیر کی امید رکھتا ہوں' اور اللہ کی قسم میں از خود اپنی عقل سے نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ حضرت ام العلاء نے کہا: اللہ کی قسم اس کے بعد میں نے کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۸۰۰۴' عالم الکتب بیروت)

ان دونوں حدیثوں میں موت پر یقین کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت ام العلاء الانصاریہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر ایک اشکال

ہم نے صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت ام العلاء انصاریہ کی یہ روایت اس لیے نقل کی ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین کا اطلاق موت پر کیا ہے لیکن اسی حدیث سے بعض لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی نفی پر استدلال کرتے ہیں چنانچہ شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

یعنی جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا کسی کو معلوم نہیں خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا اور اگر کچھ بات اللہ نے کسی اپنے مقبول بندے کو وحی یا الہام سے بتائی کہ فلانے کام کا انجام بخیر ہے یا برا سو وہ بات مجمل ہے۔ اور اس سے زیادہ معلوم کر لینا اور اس کی تفصیل دریافت کرنی ان کے اختیار سے باہر ہے۔ (تقویۃ الایمان کلاں ص ۹۸ مطبع علیمی لاہور)

شیخ خلیل احمد انبیٹھوی متوفی ۱۳۴۶ھ نے بھی اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے علوم کی نفی پر استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں:

واللہ لاادری مایفعل بی ولابکم الحدیث۔ (براہین قاطعہ ص ۵۱)

درایت کے معنی کی تحقیق اور اشکال کا جواب

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: لااعلم مایفعل بی بلکہ لاادری مایفعل بی فرمایا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں بھی وما ادری ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِىْ مَا يُفْعَلُ بِىْ وَلَا بِكُمْ۔ (الاحقاف: ۹)

آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں اور میں (از خود اپنی عقل سے) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہو گا اور تمہارے ساتھ کیا ہو گا۔

علم اور درایت میں فرق ہے' علم عام ہے خواہ وحی سے ہو یا کسی اور سبب سے ہو جیسے انبیاء علیہم السلام اور تمام لوگوں کا علم ہے یا بغیر کسی سبب کے ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور درایت خاص ہے۔ درایت کا معنی ہے اپنی عقل' اور قیاس سے یا کسی حیلہ اور کسی ترکیب سے کسی چیز کو جاننا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے علم کو درایت سے موصوف نہیں کرتے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

الدرایۃ المعرفۃ المدرکۃ بضرب من الحیل۔

کسی قسم کے حیلہ اور ترکیب سے جو معرفت حاصل کی جائے اس کو درایت کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۲۳' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

دریتہ علمتہ او بضرب من الحیلۃ۔ میں نے اس کو جان لیا یا حیلہ کی کسی قسم سے جان لیا۔

(القاموس المحیط ج ۴ ص ۴۷۲-۴۷۳، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ فیروز آبادی نے درایت کے معنی میں علم کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے شیخ نے کہا علم اور درایت معتد ہیں اور دوسروں نے کہا ہے کہ درایت علم سے خاص ہے جیسا کہ توشیح وغیرہ میں ہے۔ اور کسی حیلہ سے کسی چیز کو جاننا درایت ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے علم پر درایت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۲۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

مفسرین اور محدثین نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ درایت کا معنی کسی چیز کو حیلہ اور ترکیب سے جاننا ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

الدرایۃ اخص لانھا علم باحتیال۔ درایت خاص ہے کیونکہ وہ کسی چیز کو حیلہ سے جاننا ہے۔

(عمدۃ القاری جز ۷ ص ۹۶ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

جار اللہ نے کہا ہے علم اللہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور درایت بندہ کے لیے۔ کیونکہ حیلہ کے ساتھ علم کو درایت کہتے ہیں۔ (غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۵ ص ۲۳۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ نیشاپوری نے علامہ جار اللہ زمخشری کی جس عبارت کا ذکر کیا ہے اس کا حوالہ یہ ہے:

(الکشاف ج ۳ ص ۵۴، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ علم کو اللہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور درایت کو بندہ کے لیے کیونکہ درایت میں حیلہ کا معنی ہے۔ اس کی شرح میں علامہ خفاجی لکھتے ہیں دری اصل میں اس حلقہ کو کہتے ہیں جس پر تیرمارنے کا شکاری قصد کرتے ہیں اور شکاری نشانہ لگانے کے لیے جو شکار سے چھپتا ہے اس کو کہتے ہیں اور یہ دونوں کام حیلے سے ہوتے ہیں۔ اسی لیے درایت علم سے خاص ہے کیونکہ حیلہ اور تکلف سے حاصل شدہ علم کو درایت کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ کے علم کو درایت نہیں کہتے۔ (حاشیۃ الشہاب ج ۷ ص ۲۳۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابو الحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

علم کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں اور درایت کی بندہ کی طرف، کیونکہ درایت میں حیلہ کا دخل ہے، اسی لیے اللہ کو درایت کے ساتھ موصوف نہیں کرتے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

کتب لغت کی نصوص اور مفسرین اور محدثین کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ درایت کا معنی مطلق علم نہیں ہے بلکہ خاص علم ہے یعنی حیلہ، ترکیب اور قیاس سے کسی چیز کو جاننا اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی عقل سے اور بغیر وحی کے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ قبر اور آخرت میں کیا ہوگا۔ میں جو کچھ جانتا ہوں وحی سے جانتا ہوں اور اس قول سے آپ نے حضرت ام العلاء کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ تم پر تو وحی نازل نہیں ہوتی پھر تم پر حضرت عثمان بن مظعون پر اللہ تعالیٰ کی تکریم کا حال کیسے منکشف ہو گیا۔ اور اب ہم قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے یہ

بتائیں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ آخرت میں کیا کرے گا اور صحابہ کرام کے ساتھ کیا کرے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور دوسروں کے انجام کے علم کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ۔ (التحریم: ۸)

جس دن اللہ نہ اپنے نبی کو شرمندہ ہونے دے گا اور نہ ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (الفتح: ۲-۱)

(اے رسول مکرم!) بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کے اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما دے۔

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ (بنی اسرائیل: ۷۹)

عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

ان آیتوں سے معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کرے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے انجام کے علم کے متعلق احادیث

ہم یہاں پر آپ کے اپنے انجام کے علم کے متعلق چند احادیث کا ذکر کر رہے ہیں ورنہ ایسی احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۸ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ہوں گے اور سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ (صحیح مسلم الایمان: ۳۳۱ رقم بلا تکرار: ۱۹۶ رقم مسلسل: ۴۷۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور اس کا دروازہ کھلواؤں گا۔ خازن (جنت کا محافظ) کہے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہے گا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کے سوا کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

(صحیح مسلم الایمان: ۳۳۳ رقم بلا تکرار: ۱۹۷ رقم مسلسل: ۴۷۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سب سے پہلے جنت میں شفاعت کرنے والا ہوں۔ جتنی میری تصدیق کی گئی ہے کسی نبی کی اتنی تصدیق نہیں کی گئی اور انبیاء میں سے بعض نبی ایسے ہیں جن کی ان کی امت میں سے صرف ایک شخص نے تصدیق کی۔ (صحیح مسلم الایمان: ۳۳۲ رقم بلا تکرار: ۱۹۸ رقم مسلسل: ۴۷۹)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں اولاد آدم

کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ آدم ہوں یا ان کے ماسوا سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ زمین سب سے پہلے مجھ سے شق ہوگی اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ (الحدیث) (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸، مسند احمد ج ۳ ص ۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور اس پر فخر نہیں اور میں خاتم النبیین ہوں اور اس پر فخر نہیں اور میں پہلا شفاعت کرنے والا اور پہلا شفاعت قبول کیا ہوا ہوں اور اس پر فخر نہیں۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! وسیلہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: وہ جنت کا سب سے بلند درجہ ہے جو صرف ایک شخص کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۵، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۴۱۴)

ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب کے انجام کے علم کے متعلق احادیث

اس نوع کی احادیث کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ ہم یہاں پر چند احادیث کا ذکر کر رہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کے اصحاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ آخرت میں کیا کرے گا۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن حارثہ نام کے ایک نوجوان شہید ہوگئے۔ ان کی ماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہا: یا رسول اللہ! آپ کو معلوم ہے مجھے حارثہ (رضی اللہ عنہ) سے کتنی محبت تھی۔ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرلیتی ہوں اور ثواب کی نیت کرتی ہوں اور اگر اس کے علاوہ کوئی بات ہے تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے کیا جنت صرف ایک ہے؟ وہاں تو بہت ساری جنتیں ہیں اور وہ جنت الفردوس میں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۸۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۲۳۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۵۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے اس کے آخر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا: تم جو عمل چاہو کرو تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے یا فرمایا: بے شک میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی مت کرو۔ (الحجرات: ۲) تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہا میں اہل دوزخ سے ہوں! اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں گئے۔ آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ان کے متعلق پوچھا کہ ابو عمرو! ثابت کو کیا ہوا؟ کیا بیمار ہیں؟ حضرت سعد نے کہا وہ میرے پڑوسی ہیں اور مجھے ان کے بیمار ہونے کا علم نہیں۔ پھر حضرت سعد ان کے پاس گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ان کو مطلع کیا۔ حضرت ثابت نے کہا: یہ آیت نازل ہو چکی ہے اور تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میری آواز سب سے اونچی ہوتی ہے۔ سو میں اہل دوزخ میں سے ہوں۔ حضرت سعد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: بلکہ وہ اہل

جنت میں سے ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۴۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۹)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (حضرت) طلحہ اور (حضرت) زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۴۱، المستدرک ج ۳ ص ۳۶۵، العقیلی ج ۳ ص ۲۹۴، ابن عدی ج ۷ ص ۲۴۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جعفر کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۳، مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۶۴۶۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۴۷، المستدرک ج ۳ ص ۲۰۹، ۲۱۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو اس کے اونٹ نے گرا کر ہلاک کر دیا اور وہ محرم تھا اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور اس کو دو کپڑوں میں کفن دو اور اس کو خوشبو نہ لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانپو۔ کیونکہ اللہ اس کو قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ یہ تلبیہ پڑھ رہا ہو گا۔ (لبیک اللھم لبیک الخ)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۶۸-۱۲۶۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۵۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۸۴)

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر جنت میں ہیں۔ عمر جنت میں ہیں، عثمان جنت میں ہیں، علی جنت میں ہیں، طلحہ جنت میں ہیں، زبیر جنت میں ہیں، عبد الرحمن بن عوف جنت میں ہیں، سعد جنت میں ہیں، سعید جنت میں ہیں اور ابو عبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۴۷، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۳، مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۸۳۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۰۲، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۹۲۵)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۲)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۹۶، مسند احمد ج ۳ ص ۳، مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۱۱۶۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی ماں سے کہا: مجھے اجازت دیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھوں اور آپ سے درخواست کروں کہ آپ میری اور میری ماں کی مغفرت کے لیے دعا کریں۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی حتیٰ کہ عشاء کی نماز پڑھی پھر آپ جانے لگے تو میں بھی آپ کے پیچھے چلا۔ آپ نے میری آواز سن کر فرمایا: کون؟ حذیفہ! میں نے کہا: جی! فرمایا: تمہیں کیا کام ہے اللہ تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت فرمائے! فرمایا: ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے زمین پر نازل نہیں ہوا، اس نے اللہ سے اجازت لی کہ مجھے سلام کرے اور یہ بشارت دے کہ فاطمہ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۹۹، مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۶۰، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۶۰۶، المستدرک ج ۳ ص ۱۸۴، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۷۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! یہ خدیجہ ہیں، یہ آپ کے پاس ایک برتن میں سالن لے کر آ رہی ہیں۔ آپ ان پر ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام پڑھیے اور ان کو جنت میں کھوکھلے موتیوں سے بنے ہوئے گھر کی بشارت دیجئے جس میں شور ہوگا نہ تھکاوٹ ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۲۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۳۲)

اشکال مذکور کے جواب کا خلاصہ

حضرت ام العلاء انصاریہ نے حضرت عثمان بن مظعون کی موت پر یہ کہا کہ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عزت عطا کرے گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: تم کو یہ کیسے پتا چلا! اللہ کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اور محض اپنی عقل سے بغیر وحی کے تو میں بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور الاحقاف: ۹ میں بھی ہے اور میں خود اپنی عقل سے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اس کی تشریح میں شیخ اسماعیل دہلوی نے کہا یعنی جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں۔ نہ نبی کو نہ ولی کو۔ ہم نے یہ بتایا کہ شیخ اسماعیل کی یہ بات غلط ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی نفی نہیں فرمائی درایت کی نفی فرمائی ہے اور درایت کا معنی ہے حیلہ اور ترکیب سے کسی چیز کو جاننا جس کا خلاصہ ہے بغیر وحی کے جاننا۔ حضور کا منشایہ تھا کہ اے ام العلاء تم پر تو وحی نہیں آتی تم کو کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ عثمان بن مظعون کو عزت دے گا اور بغیر وحی کے تو میں بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور وحی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا انجام بھی معلوم تھا اور اپنے اصحاب کا بھی کہ اللہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کرے گا اور آپ کے اصحاب کے ساتھ کیا کرے گا اور ہم نے اس کو قرآن مجید کی صریح آیات اور احادیث صحیحہ سے واضح کیا۔ اب ہم اس کی تائید میں علماء متقدمین کی عبارات پیش کر رہے ہیں۔

دیگر محدثین اور محققین کی طرف سے اشکال مذکور کے جوابات

علامہ ابن بطال علی بن خلف مالکی اندلسی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ مہلب نے یہ کہا ہے کہ حضرت ام العلاء کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص بھی اہل قبلہ میں سے کسی کے متعلق بھی قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اہل جنت میں سے ہے یا اہل نار میں سے ہے، لیکن نیک مسلمان کے لیے اجر و ثواب کی توقع رکھی جائے گی اور بدکار پر عذاب کا خوف ہوگا اور رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اللہ کی قسم! میں بھی اپنی عقل سے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ارشاد اس سے پہلے کا ہو جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر مطلع کیا تھا کہ اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں کی مغفرت کر دی ہے، اور حدیث کے ایک نسخہ میں یہ ہے کہ میں بھی اپنی عقل سے نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور یہی نسخہ صحیح ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان ہی چیزوں کو جانتے تھے جن کی آپ کی طرف وحی کی جاتی تھی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے حضرت جابر کے والد کے متعلق فرمایا تھا فرشتے اس پر اپنے پروں سے سایہ کیے ہوئے ہیں حتیٰ کہ تم نے اس کو اٹھا لیا۔ یعنی موت کے بعد ان کے حال کا تو آپ کو علم تھا اور حضرت عثمان بن مظعون کے موت کے بعد کے

حال کا علم نہیں تھا اور یہ تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ آپ نے حضرت ام العلاء پر اس لیے انکار فرمایا تھا کہ انہوں نے حضرت عثمان بن مظعون کے متعلق قطعیت کے ساتھ کہا تھا۔ اس وقت آپ کو از خود حضرت عثمان کا حال معلوم نہیں تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے قصہ میں آپ کو وحی سے معلوم ہو گیا تھا کیونکہ بغیر وحی کے آپ اس طرح قطعیت کے ساتھ نہیں بتاتے تھے پس تعارض ساقط ہو گیا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۲۴۲، مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ)

علامہ حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے چار جواب ہیں: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام العلاء کی تادیب اور تنبیہ کے لیے یہ ارشاد فرمایا کیونکہ انہوں نے غیب کی بات پر حکم لگایا تھا۔ (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے منسوخ ہے تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ کاموں کو بخش دے (الفتح: ۲) جیسا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے یہ آیت منسوخ ہے وما ادری ما یفعل بی ولا بکم (الاحقاف: ۹) (۳) ہو سکتا ہے کہ آپ کے ارشاد میں درایت تفصیلیہ کی نفی ہو نہ کہ درایت اجمالیہ کی۔ (۴) ہو سکتا ہے آپ کا مطلب یہ ہو کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں اللہ میرے ساتھ کیا کرے گا۔

نیز علامہ الطیبی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا جائز نہیں ہے اور نہ یہ گمان کرنا جائز ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انجام کے بارے میں متردد تھے اور آپ کو آخرت میں جو بلند درجات ملنے والے ہیں آپ کو ان پر یقین نہیں تھا کیونکہ ایسی احادیث صحیحہ وارد ہیں جو اس شبہ کا قلع قمع کر دیتی ہیں، اور خود آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا اور آپ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہیں اور آپ ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ ہی کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہو گی۔

(شرح الطیبی ج ۱۰ ص ۹۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۳ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس آیت کے موافق ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ۔ (الاحقاف: ۹)

آپ کہئے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں اور میں (از خود بغیر وحی کے) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

یہ آیت لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر سے پہلے نازل ہوئی ہے کیونکہ الاحقاف مکی سورت ہے اور الفتح مدنی سورت ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۹-۱۱۵، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے حسن سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اگر یہ گمان کیا جائے کہ آپ کو یہ پتا نہ تھا کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا ہو گا تو ہم اس گمان سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے میثاق لیا تھا اس وقت بھی آپ کو علم تھا کہ آپ جنت میں ہوں گے، لیکن اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ مجھے اپنے وطن سے نکال دیا جائے گا جس طرح مجھ سے پہلے نبیوں کو ان کے وطنوں سے نکال دیا گیا تھا یا مجھ کو

شہید کر دیا جائے گا جیسا کہ بعض نبیوں کو شہید کر دیا گیا تھا اور نہ تمہارا علم ہے کہ آیا میری امت میری تکذیب کرے گی یا میری تصدیق کرے گی اور میری امت کو سنگسار کرنے کا عذاب دیا جائے گا یا اس کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ۔ (بنی اسرائیل: ۶۰)

اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ بے شک آپ کے رب نے سب لوگوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

اس آیت سے آپ کو یہ علم ہو گیا کہ کوئی شخص آپ کو قتل نہیں کر سکے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (الفتح: ۲۸)

(اللہ) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو سب دینوں پر غالب کر دے اور اللہ (رسول کی صداقت پر) کافی گواہ ہے۔

اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہو گیا کہ آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے اور نہ اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ ان پر اس وقت عذاب نازل فرمائے جب وہ استغفار کر رہے ہوں۔

اس آیت سے آپ کو یہ علم ہو گیا کہ دنیا میں اللہ آپ کے ساتھ کیا کرے گا اور آپ کی امت کے ساتھ کیا کرے گا۔

البحر المحیط میں امام مالک بن انس سے روایت ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اور امام ابو داؤد نے الناسخ میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ الاحقاف: ۹ کی اس آیت کو لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر (الفتح: ۲) نے منسوخ کر دیا۔ کیونکہ اس آیت سے آپ کو اپنی مغفرت کا علم ہو گیا۔ آپ صحابہ کے پاس گئے اور آپ نے ان کو اپنی مغفرت کی بشارت دی، تو مومنین میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو، ہم نے جان لیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا پس ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا۔ (الاحزاب: ۴۷)

اور ایمان والوں کو بشارت دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔

اور اللہ سبحانہ ارشاد فرماتا ہے:

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ (الفتح: ۵)

تاکہ (اللہ) ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو ان جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کی برائیاں ان سے دور فرمائے۔

پس سورہ الفتح کی ان آیتوں کے نازل ہونے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہو گیا کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور آپ کے اصحاب کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

نسخ کے جواب پر یہ اشکال ہے کہ نسخ انشاء میں ہوتا ہے خبر میں نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسخ قل ما کنت

بدعامن الرسل وماادری مایفعل بی ولابکم میں قل کی طرف راجع ہے اور وہ امر کا صیغہ ہے۔ یعنی اب آپ کے لیے بھی یہ کہنا جائز نہیں کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۹۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۷ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

یہی مولوی رشید احمد صاحب پھر لکھتے ہیں:

خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں واللہ لاادری مایفعل بی ولابکم (الحدیث) اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔

قطع نظر اس کے کہ حدیث اول خود احاد ہے' سلیم الحواس کو سند لانی تھی تو وہ مضمون خود آیت میں تھا اور قطع نظر اس سے کہ اس آیت وحدیث کے کیا معنی ہیں اور قطع نظر اس سے کہ یہ کس وقت کے ارشاد ہیں اور قطع نظر اس سے کہ خود قرآن عظیم واحادیث صحیحہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کا ناسخ موجود کہ جب آیت کریمہ نازل ہوئی:

لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر۔ — تاکہ اللہ بخش دے تمہارے واسطے سے سب اگلے پچھلے گناہ۔

صحابہ نے عرض کی:

ھنیئالک یارسول اللہ لقد بین اللہ لک ماذا یفعل بک فماذا یفعل بنا۔ — یارسول اللہ آپ کو مبارک ہو خدا کی قسم! اللہ عزوجل نے یہ تو صاف بیان فرما دیا کہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا۔ اب رہا یہ کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا۔

اس پر یہ آیت اتری:

لیدخل المؤمنین (الی قولہ تعالی) فوزا عظیما۔ — تاکہ داخل کرے اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور مٹا دے ان سے ان کے گناہ اور یہ اللہ کے یہاں بڑی مراد پانا ہے۔

یہ آیت اور ان کے امثال بے نظیر اور یہ حدیث جلیل دہشیر ایسوں کو کیوں سجھائی نہیں دیتیں۔

(انباء المصطفیٰ ص ۳۰-۲۹ مطبوعہ پروگریسو لاہور' انباء المصطفیٰ ۹-۸ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

مخالفین اعلیٰ حضرت کا یہ اعتراض کہ مغفرت ذنب کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کی بیان کردہ حدیث غیر صحیح ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس حدیث کو صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالے سے صحیح حدیث لکھا ہے اور اس کو اس درجہ کی قوی اور صحیح حدیث قرار دیا ہے کہ اس سے قرآن مجید کی آیت کریمہ الاحقاف: ۹ کو بھی منسوخ فرمایا ہے لیکن اعلیٰ حضرت کے بعض مخالفین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث غیر صحیح ہے اور اس کو بخاری اور مسلم کے حوالے سے لکھنا آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ مخالفین کی دلیل یہ ہے امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

شعبہ از قتادہ از انس بن مالک رضی اللہ عنہ انا فتحنا لک فتحا مبینا یہ فتح حدیبیہ ہے' آپ کے اصحاب نے کہا آپ کو مبارک ہو پس ہمارے لیے کیا ہے' تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی (لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتها الانهر) شعبہ نے کہا: میں کوفہ میں گیا اور میں نے یہ پوری حدیث قتادہ سے روایت کی۔ پھر جب میں واپس آیا تو میں نے ان سے ذکر کیا انا فتحنا لک' اس سے مراد حدیبیہ ہے یہ تو حضرت انس کا ارشاد ہے اور رہا یہ کہ آپ کو مبارک ہو اللہ نے یہ بیان کر دیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا (تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی لیدخل المؤمنین) یہ عکرمہ سے مروی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۷۲، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا بعض حصہ از شعبہ از قتادہ سے مروی ہے اور بعض حصہ عکرمہ سے مروی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۵۱، مطبوعہ لاہور)

مخالفین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ حدیث سرے سے صحیح نہیں ہے اور اس سے استدلال کرنا باطل ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

اعتراض مذکور کے متعدد جوابات

قتادہ بن دعامہ متوفی ۱۱۸ھ کے متعدد شاگردوں نے ان سے اس حدیث کو سنا ہے اور ان سے اس کو روایت کیا ہے۔ اگر کسی ایک شاگرد مثلاً شعبہ بن حجاج متوفی ۱۶۰ھ نے قتادہ سے اس حدیث کا ایک حصہ سنا ہے اور اس پوری حدیث کو ان سے نہیں سنا تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ قتادہ کے کسی شاگرد نے بھی ان سے اس حدیث کو مکمل نہیں سنا۔ جبکہ قتادہ کے دوسرے شاگرد جو ثقہ اور ثبت ہیں وہ قتادہ سے اس حدیث کو مکمل روایت کرتے ہیں اور کوئی استثناء نہیں کرتے اور مستند محدثین ان کی روایت کو اپنی صحیح اور معتبر کتب میں درج کرتے ہیں تو ان کی یہ روایت کیوں صحیح نہیں ہوگی اور کیوں غیر مقبول ہوگی؟ جبکہ محققین نے ان روایات کے صحیح ہونے کی تصریح بھی کر دی ہے۔

قتادہ بن دعامہ کے ایک شاگرد ہیں معمر بن راشد ازدی متوفی ۱۵۴ھ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں چودہ سال کی عمر سے قتادہ کی مجلس میں بیٹھ رہا ہوں اور میں نے ان سے جو حدیث بھی سنی وہ میرے سینے میں نقش ہے۔ ابو حاتم' احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین' العجلی' یعقوب بن شیبہ' نسائی وغیرہم نے ان کو اثبت' اصدق' ثقہ اور صالح لکھا ہے اور ائمہ ستہ ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ۱۸ ص ۲۶۷-۲۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اور معمر بن راشد نے اس مکمل حدیث کو قتادہ سے روایت کیا ہے۔

از معمر از قتادہ از انس یہ حدیث ان کتابوں میں ہے: سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۳ اور امام ترمذی نے لکھا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں از معمر از قتادہ اس حدیث کو روایت کیا ہے' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث: ۶۴۱۰ امام احمد نے بھی از معمر از قتادہ اس کو روایت کیا ہے' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۷ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۹۹۹ مطبوعہ قاہرہ اس کے حاشیہ میں حمزہ احمد زین نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام ابو یعلیٰ تمیمی نے بھی از معمر از قتادہ اس حدیث کو روایت کیا ہے' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۰۴۵ اس کے مخرج اور محقق حسین سلیم اسد نے بھی لکھا ہے اس کی سند صحیح ہے۔ امام ابن جریر نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۳۴۵ امام ابن عبد البر نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ التمہید ج ۲ ص ۱۹۵۔

قتادہ بن دعامہ کے ایک اور شاگرد ہیں ہمام بن یحییٰ بن دینار العوذی المتوفی ۱۶۳ھ، امام احمد بن حنبل، ابن مہدی، یحییٰ بن معین، عثمان بن سعید داری، محمد بن سعد وغیرہم نے ہمام کو اثبت، احفظ اور ثقہ لکھا ہے۔ ائمہ ستہ ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ۱۹ ص ۳۰۵-۳۰۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام احمد نے اس حدیث کو از ہمام از قتادہ از انس روایت کیا ہے۔ مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۲، ص ۲۵۲، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۱۲۶، ۱۳۵۷۵، طبع قاہرہ اس کے حاشیہ پر حمزہ احمد زین نے لکھا ہے اس کی سند صحیح ہے۔ امام واحدی نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اسباب النزول ص ۲۹۸۔ امام بیہقی نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۱۵۸۔ امام بغوی نے بھی اس حدیث کو ہمام از قتادہ روایت کیا ہے۔ معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۰۔

قتادہ بن دعامہ کے ایک اور شاگرد ہیں سعید بن ابی عروبہ العدوی المتوفی ۱۵۷ھ۔ امام احمد، یحییٰ بن معین، ابو زرعہ، نسائی، ابو داؤد طیالسی وغیرہم نے ان کو ثقہ اور احفظ کہا ہے۔ ائمہ ستہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

(تہذیب الکمال ج ۷ ص ۲۶۵-۲۶۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام احمد نے از سعید از قتادہ از انس اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۵، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۱۷۹، طبع قاہرہ، اس کے حاشیہ میں حمزہ احمد زین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت ان کتابوں میں ہے: مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۹۳۲، ۳۲۰۳، اس کے محقق نے بھی لکھا ہے اس کی سند صحیح ہے۔ اسباب النزول للواحدی ص ۲۹۹، جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۳۴۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۲۲۔

قتادہ بن دعامہ کے ایک شاگرد ہیں شیبان بن عبد الرحمٰن تمیمی متوفی ۱۶۴ھ۔ مشہور ائمہ حدیث نے ان کو ثقہ اور صدوق لکھا ہے اور ائمہ ستہ ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

(تہذیب الکمال ج ۸ ص ۳۱۷-۳۱۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام بیہقی نے اس حدیث کو از شیبان از قتادہ از انس روایت کیا ہے۔ سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۱۷

قتادہ بن دعامہ کے ایک اور شاگرد ہیں حکیم بن عبد الملک القرشی۔ امام بخاری نے الادب المفرد میں، امام نسائی نے خصائص نسائی میں، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ان سے احادیث کو روایت کیا ہے، یہ اگرچہ ضعیف راوی ہیں لیکن ان کی جن روایات کی متابعت کی گئی ہے، ان سے استدلال کرنا جائز ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۵، ص ۹۳-۹۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام بیہقی نے از حکم بن عبد الملک از قتادہ از انس اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۱۷۔

خلاصہ یہ ہے کہ قتادہ بن دعامہ کے شاگردوں میں سے معمر، ہمام، سعید، شیبان اور حکم بن عبد الملک نے اس پوری حدیث کو قتادہ سے سنا ہے اور اس پوری حدیث کو روایت کیا ہے اور صحاح اور سنن کے مصنفین نے ان کی روایات کو اپنی تصانیف میں درج کیا ہے اور ان کی اسانید کے متعلق محققین نے تصریح کی ہے کہ وہ صحیح ہیں۔ ماسوا حکم کی روایت کے لیکن ہم نے اس کو بطور تائید درج کیا ہے۔ لہٰذا قتادہ بن دعامہ کے ایک شاگرد شعبہ کی ایک روایت اگر مدرج ہے اور انہوں نے حضرت انس اور عکرمہ کے کلام کو ملا دیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے باقی شاگردوں کی روایات کی صحت پر کوئی اثر پڑے۔

علاوہ ازیں یہ حدیث قتادہ بن دعامہ کے علاوہ از ربیع بن انس بھی مروی ہے۔ لہٰذا اب اعتراض کی بنیاد ہی منہدم ہو گئی۔ امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ از ربیع از انس روایت کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی وما ادری ما یفعل بی ولا بکم (الاحقاف:۹) تو اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر (الفتح: ۲) تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم نے جان لیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی وبشر المؤمنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا (الاحزاب: ۴۷) آپ نے فرمایا: فضل کبیر جنت ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۱۵۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

نیز امام ابن جریر نے اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ عکرمہ اور الحسن البصری سے روایت کیا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۲۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اعلیٰ حضرت کے جواب کی تقریر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے انباء المصطفیٰ میں اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور اس کو الاحقاف: ۹ کے لیے ناسخ قرار دیا ہے۔ مجھے پچھلے سال یہ معلوم ہوا کہ مخالفین نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث غیر صحیح ہے۔ کیونکہ شعبہ نے اس حدیث کا صرف ایک جملہ قتادہ سے سنا تھا اور باقی حصہ عکرمہ سے اور انہوں نے دونوں کو ملا کر قتادہ کی طرف منسوب کر دیا۔ لیکن اس وجہ سے اس حدیث کو غیر صحیح قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ معمر، ہمام، سعید اور شیبان بھی قتادہ کے شاگرد ہیں اور صحاح ستہ کے راوی ہیں اور ان سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے قتادہ سے یہ پوری حدیث نہیں سنی اور ان کی اس حدیث کو صحاح اور سنن کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ اور محققین نے ان کی ان روایات کو صحیح قرار دیا ہے لہٰذا امام احمد رضا کا اس حدیث کو صحیح لکھنا برحق ہے۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ جب میں الاحقاف یا الفتح کی تفسیر پر پہنچوں گا اس وقت اس اشکال کا جواب لکھ دوں گا پھر میں نے سوچا کہ پتا نہیں اس وقت تک میں زندہ رہوں یا نہ رہوں، حدیث کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے مجھ پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ حدیث کی صحت پر جو اعتراض کیا جائے اس کو دور کر دوں۔ لہٰذا میں نے یہاں پر اس اعتراض کا جواب لکھ دیا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت سے قلت فہم حدیث کی تہمت دور کر دی ہے۔

مغفرت ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے پر اعلیٰ حضرت کی دیگر عبارات

اس صحیح حدیث سے اعلیٰ حضرت نے یہ واضح کیا ہے کہ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر میں مغفرت کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دیگر تصانیف سے بھی یہ ظاہر ہے، صحیح مسلم کی ایک اور حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں یعنی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دروازہ اقدس کے پاس کھڑے تھے ایک شخص نے حضور سے عرض کی اور میں سن رہی تھی کہ یا رسول اللہ میں صبح کو جنب اٹھتا ہوں اور نیت روزے کی ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں خود ایسا کرتا ہوں۔ اس نے عرض کی حضور کی ہماری کیا برابری؟ حضور کو تو اللہ عزوجل نے ہمیشہ کے لیے پوری معافی عطا فرمادی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۶۱۴-۶۱۵ مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی ۱۴۱۰ھ)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں:

ہر نعمت کا پورا شکر کون ادا کر سکتا ہے۔ از دست و زبان کہ بر آید کز عہدہ شکرش بدر آید۔ شکر میں ایسی کمی ہرگز گناہ بمعنی معروف نہیں بلکہ لازمہ بشریت ہے۔ نعمائے الٰہیہ ہر وقت، ہر لحظہ، ہر آن، ہر حال میں متزاید ہیں خصوصاً خاصوں پر

خصوصاً ان پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے سونے میں مشغولی ضرور اگرچہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہیں مگر اصل عبادت سے تو ایک درجہ کم ہیں۔ اس کمی کو تقصیر اور تقصیر کو ذنب فرمایا گیا۔ (۵) بلکہ خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقتاً ذنب بمعنی گناہ نہیں ماتقدم سے کیا مراد لیا وحی اترنے سے پیشتر کے اور گناہ کسے کہتے ہیں مخالفت فرمان کو اور فرمان کاہے سے معلوم ہوگا وحی سے تو جب تک وحی نہ اتری تھی فرمان کہاں تھا جب فرمان نہ تھا مخالفت فرمان کے کیا معنی اور جب مخالفت فرمان نہیں تو گناہ کیا۔ (۶) جس طرح ماتقدم میں ثابت ہوگیا کہ حقیقتاً ذنب نہیں یونہی ماتاخر میں نقد وقت ہے قبل ابتداء نزول فرمان جو افعال جائز ہوئے کہ بعد کو فرمان ان کے منع پر اترا اور انہیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالانکہ ان کا حقیقتاً گناہ ہونا کوئی معنی ہی نہ رکھتا تھا۔ یونہی بعد نزول وحی و ظہور رسالت بھی جو افعال جائز فرمائے اور بعد کو ان کی ممانعت اتری اسی طریقہ سے ان کو ماتاخر فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعتاً۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۵، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

اسی بحث میں مزید لکھتے ہیں:

(۱۴) جتنا قرب زائد اسی قدر احکام کی شدت زیادہ ہے۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا ہرگز شہریوں سے پسند نہیں کرے گا شہریوں میں بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے۔ اسی لیے وارد ہوا حسنات الابرار سیئات المقربین۔ نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۶، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

اعلیٰ حضرت کے والد رحمہ اللہ مولانا نقی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ نے بھی الفتح: ۲-۱ کے ترجمہ سے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ مغفرت کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ لکھتے ہیں:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ﴿۱﴾ لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ۔

(الفتح: ۲-۱) (انوار جمال مصطفیٰ ص ۱۷۱، مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

اور خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے والد قدس سرہ کی کتاب احسن الوعاء و آداب الدعاء کی شرح ذیل الوعاء لاحسن الدعاء میں لکھتے ہیں:

قال الرضا یہ بھی ابوالشیخ نے روایت کی اور خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ۔ مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے۔

(احسن الوعاء ص ۹۶ مطبوعہ ضیاء الدین پبلی کیشنز کھارادر کراچی)

اعلیٰ حضرت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ذنب کا ترجمہ گناہ کیا ہے اس سے اعلیٰ حضرت کی مراد آپ کے خلاف اولیٰ کام ہیں جیسا کہ خود اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۶ میں اس کی تصریح کی ہے اور اس سے معروف گناہ مراد نہیں ہیں۔ بعض دیگر اکابرین اہل سنت نے بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ذنب کا

ترجمہ گناہ کیا ہے ان کی بھی یہی مراد ہے۔ یہ تمام بزرگ صحیح العقیدہ تھے اور آپ کی محبت سے مالا مال اور آپ کے ادب و احترام سے معمور تھے۔ اور وہ اس تہمت سے بری ہیں کہ اس ترجمہ میں گناہ سے مراد اس کا معروف معنی مراد لیا جائے۔

تاہم میں نے قرآن مجید اور احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ذنب کا ترجمہ کسی جگہ بھی گناہ نہیں کیا میں نے یا تو اس کو ذنب ہی لکھ دیا یا اس کا ترجمہ بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام کیا ہے اور میرے نزدیک اس کا ترجمہ گناہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ اولاً اس وجہ سے کہ عربی میں ذنب بہ معنی ترک اولیٰ متعارف ہے لیکن اردو میں گناہ کا ایک ہی معنی متعارف ہے اور وہ ہے ایسا کام جو موجب تعزیر یا موجب عذاب ہو۔ اس لیے اردو تحریر میں جب ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گناہ منسوب ہو گا تو عوام کا ذہن مشوش ہو گا اور مخالفین اسلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر طعن کا موقع ملے گا۔ ثانیاً اگر پہلے ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے پھر بعد میں اس کی تاویل ترک اولیٰ سے کی جائے تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ابتداءً ذنب کا ترجمہ ترک اولیٰ یا خلاف اولیٰ کے ساتھ کیا جائے۔

الاحقاف: ۹ کو منسوخ ماننے پر مخالفین اعلیٰ حضرت کے ایک اور اعتراض کا جواب

یہاں تک جو ہم نے گفتگو کی اس میں یہ مباحث پوری تفصیل سے باحوالہ دلائل کے ساتھ آگئے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے الاحقاف: ۹ کے منسوخ ہونے پر لیغفرلک اللہ سے استدلال کیا اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اس آیت میں مغفرت کا تعلق آپ کے ساتھ ہے ترمذی کی صحیح حدیث سے استدلال کیا۔ اس پر مخالفین نے یہ اعتراض کیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کے ہم نے شافی جوابات ذکر کر دیئے۔ پھر اعلیٰ حضرت کے مخالفین نے اس استدلال پر عقلی طور سے یہ اعتراض کیا کہ الاحقاف: ۹ مکی ہے اور سورۃ الفتح مدنی ہے اس سے لازم آئے گا کہ ایک طویل عرصہ صلح حدیبیہ تک آپ کو اپنی مغفرت کا علم نہیں ہوا۔ اس کا اولاً جواب یہ ہے کہ یہ صرف اعلیٰ حضرت نے نہیں کہا بلکہ بہت سے مفسرین اور محدثین نے کہا ہے، جس میں سے چند کے حوالے اس بحث کے شروع میں آچکے ہیں۔ ثانیاً کسی چیز کا علم اور چیز ہے اور اس کا بیان دوسری چیز ہے، دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مکہ میں بھی نماز پڑھتے تھے اور وضو کر کے نماز پڑھتے تھے حالانکہ وضو کی آیت سورۃ المائدہ میں مدینہ میں آخری دور میں نازل ہوئی۔ آپ کو وضو کا علم بہت پہلے تھا لیکن اس کا بیان بہت بعد میں ہوا ہے۔ اسی طرح آپ کو اپنی کلی مغفرت کا علم بہت پہلے تھا لیکن اس کا بیان بعد میں کیا گیا۔

سورت کا اختتام

یقین کی تفسیر میں یہ اہم علمی مباحث آگئے اب ہم اللہ کی حمد و ثناء کے ساتھ الحجر کی تفسیر کو ختم کرتے ہیں۔ آج ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ / ۱۹ جولائی ۲۰۰۰ء بروز بدھ بعد نماز ظہر اس سورت کی تفسیر اختتام کو پہنچی۔ الہ العلمین جس طرح آپ نے محض اپنے کرم اور فضل سے یہاں تک اس تفسیر کو پہنچا دیا ہے اس کی باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں۔ اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے دلوں میں اس کو مقبول بنا دیں۔ اس کی تحریر کو اثر آفرین بنائیں اور اس کو موافقین کے لیے استقامت اور مخالفین کے لیے ہدایت کا سبب بنا دیں، اور اس کے مصنف اور باقی معاونین کی محض اپنے فضل سے مغفرت فرما دیں، دنیا میں ہمیں بلاؤں اور مصائب سے مامون رکھیں اور آخرت میں ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رکھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائیں اور عزت و کرامت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ فرمائیں اور خصوصاً مصنف کو نیک اعمال پر قائم اور بد اعمال سے مجتنب رکھیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم

النبیین قائد المرسلین اکرم الاولین والاخرین وعلی الہ الطاہرین واصحابہ الکاملین وازواجہ الراشدات امہات المؤمنین و علی سائر المفسرین والمحدثین والفقہاء المجتہدین والمسلمین اجمعین۔

سُورَةُ النَّحْلِ

(١٦)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة النحل

سورت کا نام، وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول

اس سورت کا نام النحل ہے، نحل کے معنی ہیں شہد کی مکھی، النحل کا لفظ اس آیت میں ہے:

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ○ (النحل: ٦٨)

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور چھپروں میں گھر بنا۔

قرآن عظیم میں اس آیت کے سوا اور کسی جگہ النحل کا لفظ نہیں آیا، اسی لیے اس سورت کا یہ نام ہے اور مصاحف، کتب حدیث اور کتب تفسیر میں اس سورت کا یہی نام مشہور ہے۔

یہ سورت مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔

سورة النحل کے متعلق احادیث

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورة النحل کو پڑھا، اس سے ان نعمتوں کا حساب نہیں لیا جائے گا جو اس کو دنیا میں دی گئیں اور اس کو اس شخص کی طرح اجر دیا جائے گا جس نے مرتے وقت اچھی وصیت کی ہو۔ (الوسیط ج ۳ ص ۵۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے، اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔ (النحل: ۱۲۶) اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔

حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ النحل: ۹۷-۹۵ کے سوا باقی تمام آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور شعبی نے کہا النحل: ۱۲۸-۱۲۶ کے سوا باقی تمام آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں' اس طرح اور بھی اقوال ہیں۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۲۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

سورۃ النحل کے مضامین اور مقاصد

اس سورت کے اکثر مضامین اللہ تعالیٰ کی توحید' الوہیت اور استحقاق عبادت میں منفرد ہونے پر مشتمل ہیں اور اس پر انواع و اقسام کے دلائل دیئے گئے ہیں اور شرک کی مذمت کی گئی ہے اور ایمان نہ لانے پر عذاب آخرت کی وعید سنائی گئی ہے' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کو ثابت کیا گیا ہے' اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ پر قرآن عظیم نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ شریعت اسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت پر قائم ہے اور قیامت اور مرنے کے بعد زندہ کیے جانے اور جزا اور سزا کو بیان کیا گیا ہے۔

اس سورت کی ابتداء اس سے کی گئی ہے کہ مشرکین کو جس عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے ہیں وہ قریب آپہنچا ہے' اور ان کے شرک پر ڈٹے رہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کی مذمت کی گئی ہے اور عقیدہ شرک کے بطلان پر آسمان و زمین اور سورج اور چاند اور دن اور رات کے تواتر اور انسانوں اور حیوانوں کی تخلیق سے استدلال کیا گیا ہے۔

شہد کی مکھی سے خصوصیت کے ساتھ اس لیے استدلال کیا گیا ہے کہ شہد کی مکھی کے گھر بنانے میں عجیب و غریب دقائق ہیں' اور شہد میں بہت زیادہ منافع ہیں۔

پچھلی امتوں کے جن کافروں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی ان پر دنیا میں بھی عذاب مسلط کیا گیا اور آخرت میں بھی ان کو سخت عذاب دیا جائے گا اور ان کے احوال سنا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو مشرکین تھے ان کو نصیحت حاصل کرنے اور عبرت پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے' اور پچھلی امتوں میں جن ایمان والوں نے مشرکین کے مظالم پر صبر کیا اور اللہ کی راہ میں ہجرت کی ان کا احوال ذکر کیا ہے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مسلمانوں کو تسلی ہو کہ ایمان لانے کی وجہ سے ان پر جو سختیاں اور مصائب نازل ہو رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' حق کی راہ میں چلنے والوں کو ہمیشہ اس قسم کے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسلام کو ترک کر کے دوسرا مذہب اختیار کرنے والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے' اور جو شخص دشمن سے جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہے اور اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق ہو اس کو اجازت دی ہے۔ عدل' احسان' مسلمانوں کی ہمدردی اور غمگساری' وعدہ نبھانے اور عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ برے کاموں' بے حیائی' بغاوت اور عہد شکنی سے منع فرمایا ہے' شیطان کے پھندوں سے بچنے کا حکم دیا ہے' اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور ناشکری سے بچنے کا حکم دیا ہے' اور اگر انسان جہالت سے کوئی گناہ کر بیٹھے تو اس کو توبہ کرنے کا حکم دیا ہے' حکمت اور نرمی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی تبلیغ پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ہے اور یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اور تائید فرمائے گا۔

اس مختصر سے سورت کے تعارف اور تمہید کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی اعانت سے سورۃ النحل کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ الہ العالمین! مجھے حق و صواب لکھنے پر کاربند رکھنا اور غلط اور باطل سے مجتنب رکھنا۔ غلام رسول سعیدی

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ / ۱۹ جولائی ۲۰۰۰ء

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ النحل مکی ہے اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

اللہ کا حکم آپہنچا! سو (اے کافرو) تم اس کو بہ عجلت طلب نہ کرو، اللہ ان چیزوں سے پاک (اور) بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

شریک قرار دیتے ہیں ○ وہی جبریل کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل فرماتا

عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② خَلَقَ

ہے کہ لوگوں کو اس سے ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے سو تم مجھ سے ڈرو ○ اسی نے آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ خَلَقَ

اور زمینوں کو برحق پیدا کیا، وہ ان سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ○ اسی نے انسان

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④ وَالْاَنْعَامَ

کو نطفہ سے پیدا کیا تو وہ (اس کے متعلق) علی الاعلان جھگڑنے لگا ○ اور اس نے چوپایوں کو

خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤ وَلَكُمْ

پیدا کیا ان میں تمہارے لیے گرم کپڑے اور دوسرے فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ○ اور ان میں

فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ⑥ وَتَحْمِلُ

تمہارے لیے حسن و زیبائش ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چراگاہ میں چھوڑتے ہو ○ اور وہ چوپائے

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ

تمہارا سامان لاد کر اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے خود نہیں پہنچ سکتے تھے ، بے شک تمہارا

رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا

رب نہایت رحیم بہت مہربان ہے ○ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تمہاری سواری اور زیبائش کے لیے

وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ

پیدا کیے ، اور وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے ○ اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے ،

وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹ ع ۷

اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (جبراً) ہدایت دے دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کا حکم آپہنچا! سو (اے کافرو) تم اس کو بہ عجلت طلب نہ کرو، اللہ ان چیزوں سے پاک اور بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ○ (النحل: ۱)

عذاب کی وعید سے سورۃ النحل کی ابتداء کرنے کی توجیہ

اس سورت کا بڑا مقصد مشرکین کو شرک اور دوسرے برے کاموں سے روکنا ہے اور ان کاموں پر ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرانا ہے، اس سے پہلے بھی بہ کثرت آیات میں انہیں عذاب کی وعید سنائی جاچکی ہے اور ان کو یہ بتایا جاچکا ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جس میں ان کی شوکت اور قوت زائل ہو جائے گی وہ کافی عرصہ تک اس دن کا انتظار کرتے رہے حتیٰ کہ انہیں یہ یقین ہو گیا کہ یہ محض خالی خولی دھمکی ہے حقیقت میں وہ دن آنے والا نہیں ہے تو انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور کہنے لگے جس عذاب سے آپ ہمیں اتنے عرصہ سے ڈرا رہے ہیں آخر وہ اب تک کیوں نہیں آیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: اللہ کا حکم آپہنچا سو (اے کافرو) تم اس کو بہ عجلت طلب نہ کرو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کا حکم یعنی اس کا عذاب آپہنچا تو منافقین نے آپس میں کہا یہ شخص یہ گمان کر رہا ہے کہ اللہ کا عذاب آپہنچا ہے تو تم فی الحال اپنی کارروائیاں موقوف کر دو اور پھر انتظار کرو کہ کیا ہوتا ہے، پھر جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی چیز نازل نہیں ہوئی تو انہوں نے کہا ہمارا گمان یہ ہے کہ کوئی عذاب نازل نہیں ہو گا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ○ (الانبیاء: ۱) لوگوں کے لیے ان کا حساب قریب آگیا اور وہ غفلت سے روگردانی کیے ہوئے ہیں۔

منافقین نے کہا کہ یہ تو پہلے کی مثل ہے، اور پھر جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی عذاب نازل نہیں ہوا تو انہوں نے کہا

ہمارا گمان یہ ہے کہ کوئی چیز نازل نہیں ہوگی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ (ھود: ۸)

اور اگر ہم چند دنوں کے لیے ان سے عذاب روک لیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ کس چیز نے اسے روک لیا؟ سنو جس دن وہ عذاب ان پر آئے گا تو ان سے پھیرا نہ جائے گا اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۱۹۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بہ ظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ النحل مکی سورت ہے اور مکہ میں منافقین موجود نہ تھے، امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کو کبھی دنیا کے عذاب سے ڈراتے تھے، یعنی ان کو قتل کر دیا جائے گا اور ان پر غلبہ حاصل کیا جائے گا جیسا کہ غزوہ بدر میں ہوا اور کبھی ان کو قیامت کے عذاب سے ڈراتے تھے جو قیامت کے دن واقع ہوگا، پھر جب مشرکین نے کسی قسم کے عذاب کو نہیں دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے لگے، اور آپ سے عذاب کا مطالبہ کرنے لگے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کا عذاب آ پہنچا سو (اے کافرو) تم اس کو بہ عجلت طلب نہ کرو۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۹۶۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مستقبل میں آنے والے عذاب کو ماضی سے تعبیر کرنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے وہ عذاب آ پہنچا حالانکہ ابھی وہ عذاب آیا نہیں ہے قیامت کے بعد آئے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کا تحقق اور وقوع واجب ہو اور اس کے واقع ہونے پر قطعی عقلی دلائل قائم ہوں اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے اس کی مثال حسب ذیل آیات میں ہے:

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا۔ (الاعراف: ۴۴)

اور جنت والوں نے دوزخ والوں کو پکارا بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچا پالیا۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ (الزلزال: ۳-۱)

اور جب زمین زلزلہ سے ہلا دی گئی ۝ اور جب زمین نے اپنے تمام بوجھ باہر نکال دیے ۝ اور انسان نے (تعجب سے) کہا اس کو کیا ہوا ۝

نیز اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی خبر دی ہے اس میں ماضی اور مستقبل کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے ہونے کی خبر دی ہے وہ لامحالہ ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے اللہ کا امر آ پہنچا اس کا معنی ہے اللہ کا حکم آ پہنچا حالانکہ یہاں مراد ہے اللہ کا عذاب آ پہنچا، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن عظیم میں امر کا اطلاق عذاب پر بھی کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (ھود: ۴۳)

نوح نے کہا آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہے، مگر وہی (بچے گا) جس پر اللہ رحم فرمائے۔

امام محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے وقت مغرب کی جانب سے ڈھال کی مانند ایک سیاہ بادل طلوع ہوگا اور وہ مسلسل آسمان میں بلند ہوتا رہے گا اور آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا: اے لوگو! پھر لوگ ایک دوسرے سے سوال کریں گے کیا تم نے کوئی آواز سنی ہے، بعض کہیں گے ہاں! اور بعض کو شک ہوگا، پھر دوبارہ منادی ندا کرے گا اے لوگو! پھر لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کیا تم نے سنا، پس لوگ کہیں گے ہاں، پھر تیسری بار منادی ندا کرے گا اے لوگو! اللہ کا عذاب آپہنچا! سو اب تم اس کو بہ عجلت طلب نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے دو شخص کپڑے کھول رہے ہوں گے وہ ان کو لپیٹ نہیں سکیں گے اور ایک شخص اپنے حوض کو بھر رہا ہوگا وہ اس میں سے کچھ پی نہیں سکے گا، اور ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ دوہ رہا ہوگا وہ اس میں سے پی نہیں سکے گا اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۴۵۸، ۱۲۴۶۰، الدر المنثور ج ۵ ص ۱۰۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (دو انگلیاں ملا کر) فرمایا میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۴، ۶۵۰۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۴۲)

کفار اور مشرکین نے کہا چلو ہم نے مان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا یا آخرت میں عذاب نازل کرنے کا حکم نازل فرمایا ہے، مگر ہم جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے تو ان بتوں کی شفاعت کی وجہ سے ہماری عذاب سے نجات ہو جائے گی!

اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا: اللہ ان چیزوں سے پاک اور بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی جبریل کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل فرماتا ہے کہ لوگوں کو اس سے ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے سو تم مجھ سے ڈرو○ (النحل: ۲)

ملائکہ سے جبریل کا مراد ہونا

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے کہ اللہ ملائکہ کو روح کے ساتھ اپنے امر سے نازل فرماتا ہے۔

اب اس آیت میں ایک بحث یہ ہے کہ ملائکہ سے کیا مراد ہے اور دوسری بحث یہ ہے کہ روح سے کیا مراد ہے۔

امام عبدالرحمن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت میں ملائکہ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۴۲۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام ابن جریر نے ملائکہ سے عام فرشتوں کا ارادہ کیا ہے، اور امام رازی نے حضرت ابن عباس کی مذکور الصدر روایت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ اب اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ ملائکہ جمع ہے اور جبریل واحد ہیں، تو واحد پر جمع کے اطلاق کی کیا توجیہ ہے اس کا امام واحدی نے یہ جواب دیا ہے کہ جب واحد رئیس مقدم ہو تو اس پر جمع کا اطلاق جائز ہے، قرآن مجید اور کلام عرب میں اس کی بہت نظائر ہیں۔

روح میں متعدد اقوال

اور روح کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس سے مراد وحی ہے۔ (۲) عکرمہ نے حضرت

ابن عباس سے روایت کیا ہے اس سے مراد نبوت ہے۔(۳) زجاج نے کہا جس چیز میں اللہ کا امر ہو وہ روح ہے۔(۴) حسن اور قتادہ نے کہا اس سے مراد رحمت ہے۔(۵) ابن زید نے کہا اس سے مراد قرآن ہے اور قرآن کو روح اس لیے فرمایا کہ جس طرح بدن روح سے زندہ ہوتا ہے اسی طرح دین قرآن سے زندہ ہوتا ہے۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۲۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

روح سے وحی اور اللہ کے کلام کا مراد ہونا

میں کہتا ہوں کہ اگر روح سے مراد وحی لی جائے تو اس میں یہ تمام اقوال جمع ہو جاتے ہیں کیونکہ نبوت بھی وحی سے ثابت ہوتی ہے، اور تمام اوامر اور احکام بھی وحی سے ثابت ہوتے ہیں اور اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ بھی وحی پر عمل کرنا ہے، اور قرآن عظیم بھی وحی سے حاصل ہوا اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق روح سے وحی کو مراد لینا سب سے جامع قول ہے اور قرآن عظیم کی حسب ذیل آیات میں روح کا اطلاق وحی پر کیا گیا ہے اور یہ مخفی نہ رہے کہ وحی کا معنی ہے اللہ کا کلام جو اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں پر نازل فرمایا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ (الشوریٰ: ۵۲) — اور اسی طرح ہم نے اپنے کلام کی آپ کی طرف وحی فرمائی اپنے حکم سے۔

يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔ (المومن: ۱۵) — وہ اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے کلام القا فرماتا ہے۔

قرآن عظیم اور وحی کے ذریعہ معارف ربانیہ کامل ہوتے ہیں اور ان معارف سے عقل صاف اور روشن ہوتی ہے اور عقل سے روح کامل ہوتی ہے اور روح سے جسم کامل ہوتا ہے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اصلی اور حقیقی روح، اللہ کی وحی اور قرآن کریم ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ انسان کو غفلت اور جہالت کی نیند سے بیداری حاصل ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے انسان حیوانیت کی پستی سے ملکوتیت کی بلندی کی طرف منتقل ہوتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ روح کا اطلاق وحی پر کرنا نہایت مناسب اور مماثلت پر مبنی ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جو حامل وحی ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے روح کا اطلاق فرمایا ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ۔ (الشعراء: ۱۹۴-۱۹۳) — اس قرآن کو جبریل نے آپ کے قلب پر نازل کیا۔

قوت نظریہ اور قوت عملیہ کا کمال

انسان کا کمال قوت نظریہ اور قوت عملیہ سے ہوتا ہے، قوت نظریہ کا کمال یہ ہے کہ اس کے عقائد صحیح ہوں، اور قوت عملیہ کا کمال یہ ہے اس کا ہر کام اللہ کی رضا کے لیے ہو اور اس کے خوف کی وجہ سے ہو، اس لیے فرمایا کہ آپ لوگوں سے یہ کہیں کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو تم مجھ سے ڈرو، جب بندے یہ یقین رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو ان کا عقیدہ اور ایمان صحیح ہوگا اور یہ ان کی قوت نظریہ کا کمال ہے، اور جب وہ صرف اللہ سے ڈریں گے تو وہ برے کاموں اور گناہوں کو ترک کریں گے اور نیک کام کریں گے اور یہ ان کی قوت عملیہ کا کمال ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی جامع پیغام پہنچانے کا حکم دیا ہے جس سے انسان کی قوت نظریہ اور قوت عملیہ دونوں کامل ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا' وہ ان سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O اسی نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا تو وہ (اس کے متعلق) علی الاعلان جھگڑنے لگا O (النحل: ۴-۳)

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل

ان آیتوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے' پہلے آسمانوں اور زمینوں سے استدلال کیا اور وجہ استدلال یہ ہے کہ آسمان' زمین اور انسان مخصوص جسامت اور مخصوص شکل و صورت کے ساتھ موجود ہیں اور اس جسامت اور اس تشکل کا کوئی موجد ہونا ضروری ہے' اور یہ ضروری ہے کہ وہ موجد واجب اور قدیم ہو کیونکہ اگر وہ موجد ممکن اور حادث ہو تو اس کے لیے پھر ایک موجد ماننا ہو گا اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ ان کا موجد واجب اور قدیم ہو گا تو یہ بھی ماننا ہو گا کہ وہ موجد واحد ہو ورنہ پھر تعدد وجباء لازم آئے گا اور یہ باطل ہے جیسا کہ ہم کئی بار بتا چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا اور ایک ناپاک قطرہ سے عجیب و غریب مخلوق بنائی' ماں کے پیٹ میں تین اندھیروں میں اس قطرہ کو مختلف اشکال میں ڈھالتا رہا' پھر اس کی خلقت مکمل کرنے اور اس میں روح پھونکنے کے بعد اس کو دنیا کی روشنی میں لایا اس کو غذا اور روزی دی اس کی پرورش کرتا رہا حتیٰ کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ گیا اور اس قابل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے اور اس کی عبادت کرے تو اس نے اپنے رب کی نعمتوں کا کفر کیا اور اپنے پیدا کرنے والے کو ماننے اور صرف اسی کی عبادت کرنے سے انکار کیا اور ان بتوں کی عبادت کی جو اس کو نفع پہنچا سکتے تھے اور نہ نقصان پہنچا سکتے تھے اور اپنے پروردگار کی قدرت کا اور اس کے دوبارہ پیدا کرنے کا انکار کیا اور کہنے لگا:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ○ (یٰسین: ۷۹-۷۸)

اس نے کہا جب ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟O آپ کہیے ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر پیدائش کو خوب جاننے والا ہے۔

اور وہ اس کو بھول گیا جس نے ایک ناپاک اور گندہ قطرہ سے اس کو ایسی پاکیزہ اور حسین شکل دی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے چوپایوں کو پیدا کیا' ان میں تمہارے لیے گرم کپڑے اور دوسرے فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو O اور ان میں تمہارے لیے حسن اور زیبائش ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چراگاہ میں چھوڑتے ہو O اور وہ چوپائے تمہارا سامان لاد کر اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے خود نہیں پہنچ سکتے تھے' بے شک تمہارا رب نہایت رحیم' بہت مہربان ہے O (النحل: ۷-۵)

مشکل الفاظ کے معانی

انعام: مویشی' بھیڑ' بکری' گائے' بھینس اور اونٹ' مویشیوں کو اس وقت تک انعام نہیں کہا جاتا جب تک ان میں اونٹ نہ ہوں' انعام نعم کی جمع ہے' اصل میں نعم اونٹ کو کہتے ہیں' لیکن بھیڑ' بکری اور گائے وغیرہ پر بھی انعام کا اطلاق ہوتا ہے۔ عرب کے نزدیک چونکہ اونٹ بہت بڑی نعمت ہے اس لیے وہ اونٹ کو نعم کہتے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۶۴-۶۳)

دف ء: جاڑے کی پوشاک' گرم کپڑے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے مویشی پیدا کیے اور ان کو تمہارے فوائد

کے لیے مسخر کردیا، ان کے جسموں پر تمہارے گرم لباس کے لیے اون پیدا کیا اور ان میں اور فوائد بھی ہیں، تم ان کے دودھ سے غذا حاصل کرتے ہو ان پر سواری کرکے سفر کرتے ہو اور ان پر اپنا سامان لاد کرلے جاتے ہو پھر ان جانوروں کی جو نسل چلتی ہے اس سے تمہارے مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

اون کے لباس پہننے کا جواز

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اون کا لباس پہننا جائز ہے، ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے جو رسول تھے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام انہوں نے اون کا لباس پہنا ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں رات کے وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ نے مجھ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس پانی ہے میں نے کہا جی ہاں! آپ سواری سے اترے اور ایک طرف کو گئے حتیٰ کہ رات کی سیاہی میں آپ چھپ گئے پھر آپ آئے تو میں نے برتن سے آپ کے اوپر پانی ڈالا آپ نے اپنا چہرہ دھویا آپ نے اون کا ایک جبہ پہنا ہوا تھا آپ کے لیے اس کی آستینوں سے اپنی کلائیاں نکالنا مشکل ہو حتیٰ کہ آپ نے جبہ کے نیچے سے اپنی کلائیاں نکال لیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳)

جمال کا معنی اور مویشیوں کا جمال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان مویشیوں میں تمہارے لیے جمال ہے، حدیث میں ہے اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ بہت زیادہ حسن کو جمال کہتے ہیں، اور جمال کی دو قسمیں ہیں، ایک جمال وہ ہے جو اس کے نفس یا اس کے بدن یا اس کے افعال میں ہو، اور جمال کی دوسری قسم وہ حسن ہے کہ وہ دوسروں تک پہنچائے، حدیث میں جو ارشاد ہے: اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے اس میں بھی اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں تک خیر اور خوبی کو پہنچاتا ہے اور ان ہی لوگوں سے محبت کرتا ہے جو دوسرے لوگوں تک نیکیوں اور اچھائیوں کو پہنچائیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۲۷ طبع مکہ مکرمہ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: جس چیز سے حسن اور زیبائش حاصل ہو وہ جمال ہے اور جمال حسن کو کہتے ہیں، ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جمال جسمانی بناوٹ اور صورت میں بھی ہوتا ہے اور اخلاق باطنہ اور افعال میں بھی ہوتا ہے، شکل وصورت کا جمال وہ ہے جس کو آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور دل میں وہ صورت نقش ہو جاتی ہے، اور اخلاق باطنہ کا جمال یہ ہے کہ انسان کی صفات خوب صورت ہوں، اس میں علم اور حکمت ہو، عدل اور عفت (پاک دامنی) ہو وہ غصہ ضبط کرتا ہو اور ہر شخص کے ساتھ اچھائی کرتا ہو، اور افعال کا جمال یہ ہے کہ اس کے افعال سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہو اور وہ لوگوں کی مصلحتیں تلاش کرنے میں کوشاں رہتا ہو اور ان سے ضرر اور نقصان کو دور کرنے کے درپے رہتا ہو۔

مویشیوں کا جمال یہ ہے کہ ان کی جسمانی بناوٹ اور ان کی شکل وصورت دیکھنے میں اچھی لگتی ہو اور مویشیوں کی تعداد کا زیادہ ہونا بھی ان کے جمال میں داخل ہے کہ لوگ دیکھ کر یہ کہیں کہ یہ فلاں کے مویشی ہیں کیونکہ جب مویشی زیادہ تعداد میں اکٹھے ہو کر چلتے ہیں تو اچھے لگتے ہیں، اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ان میں تمہارے لیے حسن اور زیبائش ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چراگاہ میں چھوڑتے ہو۔

بکریوں، گایوں اور اونٹوں کے مقاصد اور وظائف خلقت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ چوپائے تمہارا سامان لاد کر اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے خود

نہیں پہنچ سکتے تھے۔

اللہ سبحانہ نے مویشی پیدا کرنے کا بالعموم احسان فرمایا اور ان میں سے اونٹوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کیونکہ وہ دوسرے جانوروں کی بہ نسبت بار برداری اور بوجھ اٹھانے کے زیادہ کام آتے ہیں، بکریوں کا دودھ دوہا جاتا ہے اور ان کو ذبح کر کے کھایا جاتا ہے اور بھیڑوں سے اون بھی حاصل کیا جاتا ہے اور ان کے چمڑے سے بہت کار آمد اور مفید چیزیں بنائی جاتی ہیں اور گائے اور بیلوں سے ان فوائد کے علاوہ ہل بھی چلایا جاتا ہے اور اونٹنیوں سے ان کے علاوہ ان پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص گائے کو لے کر جا رہا تھا جس پر اس نے سامان لادا ہوا تھا، گائے نے اس کی طرف مڑ کر کہا میں اس لیے پیدا نہیں کی گئی لیکن میں ہل چلانے کے لیے پیدا کی گئی ہوں، لوگوں نے کہا سبحان اللہ! اور انہوں نے تعجب اور خوف سے کہا کیا گائے نے کلام کیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکر اور عمر اس پر ایمان لے آئے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۸؛ السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۶۱۴)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ گائے کو اس لیے نہیں پیدا کیا گیا کہ اس کے اوپر سواری کی جائے یا اس پر سامان لادا جائے وہ صرف ہل چلانے، نسل بڑھانے، اس کا دودھ پینے اور اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

جانوروں کے ساتھ نرمی کرنے کی ہدایت

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مویشیوں پر سواری کر کے سفر کرنا اور ان پر سامان لادنا جائز ہے لیکن ان کی قوت برداشت سے زیادہ ان پر سامان نہ لادا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے ساتھ بھی نرمی اور ملائمت سے پیش آنے کا حکم دیا ہے، اور ان کے چارہ اور دانہ کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم فصلوں کے سر سبز اور زرخیز ہونے کے زمانہ میں سفر کرو تو اونٹوں کو بھی زمین کی پیداوار سے حصہ دو، اور جب تم قحط کے ایام میں سفر کرو تو سفر جلدی طے کرو اور جب تم رات کے پچھلے حصہ میں پڑاؤ تو راستہ میں قیام کرنے سے احتراز کرو کیونکہ رات میں وہ زمین کیڑے مکوڑوں کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۲۶؛ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۱۳)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ مسیب بن آدم بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شتربان کو مارا اور فرمایا اونٹ پر اس کی طاقت سے زیادہ سامان نہ لادا کرو۔

جانوروں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ جب وہ کسی جانور سے ساری عمر کام اور خدمت لیں اور جب وہ جانور بوڑھا ہو جائے اور کام کے قابل نہ رہے تو اس کی دیکھ بھال میں کمی نہ کریں جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

یعلیٰ بن مرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھی ہیں جن کو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھا میں آپ کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھا آپ ایک عورت اور اس کے بیٹے کے پاس سے گزرے اس کے بیٹے پر جنون کی کیفیت تھی میں نے اس سے زیادہ جنون کسی میں نہیں دیکھا، اس عورت نے کہا یا رسول اللہ! آپ میرے بیٹے کی حالت دیکھ رہے ہیں آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں اس کے لیے دعا کروں! آپ نے اس

کے لیے دعا کی پھر وہاں سے چلے گئے، آپ کے پاس سے ایک اونٹ گزرا وہ اپنی گردن دراز کر کے آپ سے بڑبڑا رہا تھا، آپ نے فرمایا اس اونٹ کے مالک کو لاؤ وہ آیا تو آپ نے فرمایا یہ اونٹ کہہ رہا ہے میں ان کے گھر میں پیدا ہوا اور یہ مجھ سے کام لیتے رہے حتیٰ کہ اب جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، پھر آپ چلے گئے آپ نے دو الگ الگ درخت دیکھے، آپ نے مجھ سے کہا جاؤ ان درختوں سے جا کر کہو کہ آپس میں مل جائیں وہ درخت مل گئے آپ نے قضاء حاجت کی آپ نے مجھ سے فرمایا ان درختوں سے کہو کہ پھر الگ الگ ہو جائیں، پھر آپ چلے گئے، جب واپس اس بچہ کے پاس سے لوٹے، تو وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، اور اس کی ماں نے چھ مینڈھے مہیا کیے تھے جس میں سے دو مینڈھے آپ کو ہدیہ کیے اور کہنے لگی کہ اس کے بچہ کو پھر جنون نہیں ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن شیء الا یعلم انی رسول اللہ الاکفرۃ الجن والانس۔ کافر جنات اور انسانوں کے سوا ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲-۲۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے امام حاکم اور امام بیہقی کے حوالے سے اس حدیث کو اپنی تاریخ میں درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی اسناد جید ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۵-۵۳۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تمہاری سواری اور زیبائش کے لیے پیدا کیے اور وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے○ (النحل: ۸)

گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو اونٹوں، گایوں اور بھیڑوں سے علیحدہ ذکر کرنے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے مویشی اور چوپائے ہماری ملکیت میں دے دیے اور ان کو ہمارے لیے مسخر کر دیا اور ہمارے تابع بنا دیا، اور جو شخص جائز اور شرعی طریقہ سے ان جانوروں کا مالک ہو جائے اس کے لیے ان جانوروں کو فروخت کرنا اور ان کو بار برداری کے لیے کرایہ پر دینا جائز ہے، اس سے پہلی آیت میں انعام یعنی اونٹوں، بکریوں اور گایوں کا ذکر فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا ان سے تم گرم کپڑے حاصل کرتے ہو، ان کو کھاتے ہو اور ان پر تم بار برداری کرتے ہو یعنی بوجھ لادتے ہو، اس کے بعد گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا ان سے الگ ایک آیت میں ذکر کیا، اور یہ فرمایا کہ تم ان پر سواری کرتے ہو، اس کی وجہ یہ ہے، گھوڑے اور خچر اور گدھے زیادہ تر سواری کے کام آتے ہیں، ان کے جسموں پر اون نہیں ہوتا جس سے لباس بنایا جا سکے، نہ ان کا دودھ پیا جاتا ہے، نہ ان کو کھایا جاتا ہے، یہ صرف سواری کے کام آتے ہیں یا بعض اوقات ان پر سامان لاد لیا جاتا ہے، اس کے برخلاف اونٹوں، گایوں اور بھیڑوں سے اون بھی حاصل کیا جاتا ہے، اونٹ کی سواری بھی کی جاتی ہے، ان پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے اور ان کو کھایا بھی جاتا ہے، اس وجہ سے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو ان سے علیحدہ دوسری آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

گھوڑوں کا گوشت حرام ہونے کے دلائل

فقہاء مالکیہ کے نزدیک گھوڑوں کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں انعام یعنی اونٹوں، گایوں اور بھیڑوں کا ذکر کر کے فرمایا ان کو تم کھاتے ہو، اور اس کے بعد گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا ذکر کر کے فرمایا تا کہ تم ان پر سواری کرو اور ان کے ساتھ کھانے کا ذکر نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو کھانا جائز نہیں ہے۔

امام علی بن عمر الدار قطنی المتوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے پالتو گدھوں، گھوڑوں اور خچروں کو کھانے سے منع فرمایا۔ (سنن الدار قطنی ج ۴ ص ۲۸۷ رقم الحدیث: ۲۸۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)
واقدی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ حضرت خالد فتح خیبر کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔
امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں، خچروں، اور گدھوں کو کھانے سے منع فرمایا اور حیوۃ بن شریح نے یہ اضافہ کیا کہ ہر کچلیوں والے درندے کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا۔
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۷۹۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۴۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۹۸)
امام ابو داؤد متوفی ۲۷۵ھ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: گھوڑوں کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس حدیث پر عمل نہیں ہے۔ نیز امام ابو داؤد نے کہا یہ حدیث منسوخ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت نے گھوڑوں کا گوشت کھایا ہے، ان میں سے حضرت عبد اللہ ابن الزبیر ہیں، فضالہ بن عبید ہیں، انس بن مالک ہیں، اسماء بنت ابی بکر ہیں، سوید بن غفلہ ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قریش گھوڑوں کو ذبح کیا کرتے تھے۔

مذکورہ دلائل کے جوابات اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کے حلال ہونے کے دلائل

صحیح یہ ہے کہ گھوڑوں کا گوشت کھانا جائز ہے اور اس آیت سے گھوڑوں کے گوشت کے کھانے کی حرمت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، اور فقہاء مالکیہ نے جو کہا ہے کہ اونٹوں، بکریوں اور گایوں کے بعد فرمایا ہے اور ان کو تم کھاتے ہو اور گھوڑوں اور خچروں کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ تم ان کو کھاتے ہو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس آیت سے پہلے اونٹوں وغیرہ کے بعد ذکر ہے اور تم ان پر سامان لادتے ہو اور گھوڑوں وغیرہ کے ذکر کے بعد سامان لادنے کا ذکر نہیں ہے سو اس طریقہ استدلال سے یہ لازم آئے گا کہ گھوڑوں، خچروں اور گدھوں پر سامان لادنا بھی جائز نہ ہو حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، نیز سورۃ النحل مکی ہے اور فتح خیبر تک پالتو گدھوں کا گوشت کھانا حلال تھا اس لیے اس سورت کی آیت سے ان کی حرمت پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ اور گھوڑے کے گوشت کھانے کی حرمت میں جو احادیث پیش کی گئی ہیں وہ سب ضعیف ہیں یا منسوخ ہیں، گھوڑوں کے گوشت کھانے کے جواز پر حسب ذیل احادیث ہیں:
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کی رخصت دی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۲۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۷۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۹۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۲۷، سنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۸۳۹)
حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم نے ایک گھوڑے کو نحر کیا (ذبح کیا) پھر ہم نے اس کو کھالیا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴۲، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۱۱-۵۵۱۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۰۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۹۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۶۴۴)
حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہمارے پاس ایک گھوڑی تھی

وہ مرنے لگی تو ہم نے اس کو ذبح کر کے کھالیا۔ (سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۸۹، رقم الحدیث: ۴۷۳۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)
اس کی سند حسن ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گھوڑوں کا گوشت کھانے کا حکم دیا۔

(سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۸۹، رقم الحدیث: ۴۷۳۷، مطبوعہ بیروت)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جس طرح گدھے کے سم ہوتے ہیں اسی طرح گھوڑے کے بھی سم ہوتے ہیں اس لیے اس کو بھی گدھے کی طرح حرام ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس نص صریح کے مقابلہ میں ہے اس لیے مردود ہے، جس طرح کوئی یہ کہے کہ گائے اور بیل کی طرح خنزیر کے بھی کھر ہوتے ہیں تو اس کو بھی حلال ہونا چاہیے اس سے بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ قیاس نص کے مقابلہ میں ہے اس لیے مردود ہے۔

گھوڑوں کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

تمام قسم کے گھوڑوں کا گوشت کھانا حلال ہے، خواہ وہ عربی ہوں یا غیر عربی، امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے، اور یہی ابن سیرین کا قول ہے، حضرت ابن الزبیر، حسن بصری، عطا اور اسود بن یزید سے بھی یہی منقول ہے، حماد بن زید، ابن المبارک، امام شافعی اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے، سعید بن جبیر نے کہا میں نے گھوڑے سے زیادہ پاکیزہ اور لذیذ کوئی گوشت نہیں کھایا، اس کو امام ابو حنیفہ نے حرام کہا ہے اور امام مالک نے مکروہ کہا ہے، اسی طرح اوزاعی اور ابو عبید کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا۔ (النحل: ۸) اور خالد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر پالتو گدھے، گھوڑے اور خچر حرام ہیں، نیز یہ سم والا جانور ہے اس لیے گدھوں کے مشابہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمادیا، اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دے دی، اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم نے ایک گھوڑے کو ذبح کر کے کھالیا تھا ہم اس وقت مدینہ میں تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اس لیے بھی کہ وہ ایک پاک اور لذیذ گوشت والا جانور ہے نہ کچلیوں سے کھانے والا ہے نہ ناخنوں اور پنجوں سے شکار کر کے کھانے والا ہے تو وہ اونٹ، گائے اور بکری کی طرح ہے، اور وہ ان آیات اور احادیث کے عموم میں داخل ہے جن میں کچلیوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے جانوروں کے غیر کو کھانے کی اجازت دی ہے، اور آیت سے استدلال اس طرح ہے کہ گھوڑے، خچر اور گدھے تمہاری سواری کرنے کے لیے ہیں نہ کہ کھانے کے لیے، اور یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور وہ اس کے قائل نہیں ہیں اور حضرت خالد کی حدیث ضعیف ہے۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۲۸-۳۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

گھوڑوں کا گوشت کھانے کے متعلق فقہاء احناف کا موقف

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک گھوڑے حلال ہیں، اور امام شافعی (اور اسی طرح امام احمد) کے نزدیک بھی حلال ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے حلال نہیں ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وفات سے تین دن پہلے امام ابو حنیفہ نے

گھوڑوں کی حرمت سے رجوع کرلیا تھا اور اسی پر فتویٰ ہے (عمادیہ) اور گھوڑی کا دودھ پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

الاختیار، قدوری اور ہدایہ میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے، اور مکروہ تحریمی کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو حلال نہ ہو، (شرنبلالیہ) اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑا نجاست کی وجہ سے حرام نہیں ہے، اس لیے غایۃ البیان میں ظاہر الروایہ سے نقل کر کے لکھا ہے کہ گھوڑے کا جھوٹا پاک ہے اور اس کا کھانا اس کے احترام کی وجہ سے حرام ہے، کیونکہ گھوڑوں سے اللہ کے دشمنوں کو ڈرایا جاتا ہے، اور نجاست کی وجہ سے اس کا کھانا حرام نہیں ہے، اسی وجہ سے اس کا جھوٹا بھی نجس نہیں ہے جیسے آدمی کا حال ہے، مصنف نے لکھا ہے اسی پر فتویٰ ہے لہٰذا اس کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے جیسا کہ کفایۃ البیہقی میں مذکور ہے، اور یہی صحیح ہے جیسا کہ فخر الاسلام وغیرہ نے ذکر کیا ہے، (قستانی) اور الخلاصہ، الھدایہ، المحیط، المغنی، قاضی خاں اور العمادی اور دیگر متون میں لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے تو پھر امام اعظم اور صاحبین میں کوئی اختلاف نہیں رہتا کیونکہ صاحبین اگرچہ گھوڑا کھانے کو حلال کہتے ہیں لیکن وہ اس کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں شرنبلالیہ میں برھان سے اسی طرح منقول ہے اور یہ اختلاف خشکی کے گھوڑے میں ہے اور دریائی گھوڑا بالاتفاق حرام ہے۔

(ردالمحتار مع الدرالمختار، ج ۹ ص ۳۶۹، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک گھوڑا کھانے کی کراہت اجتہادی ہے، قرآن اور حدیث کی کسی نص کی بناء پر نہیں ہے، اور کراہت کی وجہ گھوڑے کی تکریم ہے کیونکہ وہ جہاد میں استعمال ہوتا ہے، یعنی اگر لوگوں نے گھوڑوں کو کھا کھا کر ختم کر دیا تو جہاد کس پر بیٹھ کر کریں گے لیکن اب چونکہ جہاد میں گھوڑوں کا استعمال کلیتاً متروک ہو چکا ہے اور جیپ، ٹرک، بکتر بند گاڑی، ٹینک اور توپ وغیرہ کو لڑائی میں استعمال کیا جاتا ہے اس لیے اب گھوڑوں کے گوشت کا کھانا کسی قسم کی کراہت کے بغیر جائز ہے، یہ اور بات ہے کہ ہمارے علاقوں میں گھوڑے کا گوشت کھانے کا رواج نہیں ہے۔

پالتو گدھوں اور خچروں کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

پالتو گدھوں کا کھانا حلال نہیں ہے اس کے برخلاف جنگلی گدھوں کو کھانا جائز ہے ان کا دودھ بھی حلال ہے، اگر خچر کی ماں گدھی ہو تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے، اور اگر اس کی ماں گائے ہو تو اس کا کھانا بالاتفاق جائز ہے، اور اگر اس کی ماں گھوڑی ہو تو پھر وہ اپنی ماں کی طرح حلال ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے جانوروں میں حلت اور حرمت کا مدار ماں پر ہوتا ہے، گھوڑی کا گوشت کھانے میں اختلاف ہے، آیا اس کا گوشت کھانا مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی ہے یا بلا کراہت جائز ہے تو اگر خچر کی ماں گھوڑی ہو تو خچر کا گوشت کھانے کا بھی وہی حکم ہے جو اس کی ماں کا ہے۔

(الدرالمختار مع ردالمحتار ج ۹ ص ۳۶۹، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

پالتو گدھوں کی حرمت پر درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۲۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۸۲۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۱)

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام فرما

دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۲۷، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۳۶، سنن النسائی رقم الحدیث:۴۳۳۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آنے والا آیا اور کہا گدھوں کا گوشت کھایا گیا، پھر ایک اور آنے والا آیا اور کہا گدھوں کا گوشت کھایا گیا، پھر ایک اور آنے والا آیا اور کہا گدھے ختم ہو گئے، تب آپ نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کرے کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول تم کو پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں کیونکہ یہ ناپاک ہے، پھر دیگچیاں الٹ دی گئیں حالانکہ اس وقت ان میں گوشت ابل رہا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۲۸، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۷۹۴، مسند احمد رقم الحدیث:۱۷۹۳۱ عالم الکتب، موطا رقم الحدیث:۲۹۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ گدھوں کے گوشت کو اس لیے نہیں حرام کیا گیا کہ سواریوں اور مال لادنے میں کمی کا خطرہ تھا، بلکہ آپ نے اس کو اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ گدھے نجس ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۵۵ مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

گھوڑوں میں زکوٰۃ کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے گھوڑے اور اس کے غلام میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۹۵، ۱۵۹۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۲۸، سنن النسائی رقم الحدیث:۲۴۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۱۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے گھوڑے اور غلام میں (زکوٰۃ کو) معاف کر دیا ہے، پس تم چاندی کی زکوٰۃ ادا کرو ہر چالیس درہم سے ایک درہم، اور ایک سو نوے درہم تک کوئی چیز لازم نہیں ہے، اور جب دو سو درہم ہو جائیں تو ان پر پانچ درہم زکوٰۃ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۷۴، سنن الترمذی رقم الحدیث:۶۲۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۷۹۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگلوں کی گھاس چرنے والوں گھوڑوں میں سے ہر گھوڑے پر ایک دینار ادا کیا جائے گا۔

(سنن الدار قطنی ج ۲ ص ۹۰۹ رقم الحدیث:۲۰۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اس کی سند میں غورک بن جعفر منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔

حارثہ بن مضرب بیان کرتے ہیں کہ مصر کے لوگ حضرت عمر بن الخطاب کے پاس آئے اور کہا ہمیں گھوڑے اور غلام ملے ہیں اور ہم ان کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتے ہیں، حضرت عمر نے کہا مجھ سے پہلے دو صاحبوں نے ایسا نہیں کیا، اور میں بغیر مشورہ کے زکوٰۃ نہیں لوں گا، پھر انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مشورہ کیا، انہوں نے کہا یہ اچھا کام ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش رہے، حضرت عمر نے کہا اے ابو الحسن! آپ نے کچھ نہیں کہا، حضرت علی نے کہا آپ کو اصحاب نے یہ مشورہ دے دیا ہے کہ یہ اچھا کام ہے، بہ شرطیکہ یہ ایسا جزیہ لازمہ نہ بن جائے جو آپ کے بعد وصول کیا جائے، پھر حضرت عمر نے ایک غلام سے دس درہم لیے اور ان کو ہر مہینہ دو جریب (آٹھ بوری) گندم وظیفہ دیا، اور ایک گھوڑے سے دس درہم لیے اور ان کو ہر مہینہ دس جریب (چالیس بوری) جو دیئے اور معمولی گھوڑوں سے آٹھ درہم لیے اور ان کو ہر مہینہ آٹھ جریب (بتیس بوری) جو دیئے، اور خچروں سے پانچ درہم فی خچر لیے اور ان کو ہر مہینہ پانچ جریب (بیس بوری) جو

دیئے۔ (سنن دار قطنی ج ۲ص ۱۱۰، رقم الحدیث: ۲۰۰۱، مجمع الزوائد ج ۳ص ۶۹) اس حدیث کی سند صحیح ہے

گھوڑوں میں زکوٰۃ کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر اہل علم کے نزدیک اونٹوں، گایوں اور بکریوں کے علاوہ اور کسی مویشی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا اگر گھوڑے نر اور مادہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہے، اور اگر وہ صرف نر ہوں یا صرف مادہ ہوں تو ان میں دو قول ہیں، اور ان کی زکوٰۃ یہ ہے کہ ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دیا جائے، یا اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ دیا جائے، اور یہ مالک کی مرضی ہے کہ وہ جو زکوٰۃ چاہے ادا کرے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جنگلوں کی خودرو گھاس چرنے والے گھوڑوں میں سے ہر ایک گھوڑے میں ایک دینار ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ہر غلام سے دس درہم لیتے اور ہر گھوڑے سے دس درہم لیتے اور ہر خچر سے پانچ درہم لیتے، نیز گھوڑا ایک ایسا حیوان ہے جس کو جنگلوں کی خودرو گھاس کھلا کر اس سے بڑھوتری اور افزائش کو طلب کیا جاتا ہے لہٰذا وہ بکریوں کے مشابہ ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے گھوڑے اور اس کے غلام میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہارے لیے گھوڑوں اور غلام کا صدقہ معاف کر دیا یہ حدیث صحیح ہے اور اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(المغنی ج ۲ص ۲۵۵۔ ۲۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام ابویوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ گھوڑوں میں بالکل زکوٰۃ نہیں ہے، اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے گھوڑوں کی زکوٰۃ کو معاف کر دیا ہے، اور امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جب جنگلوں کی گھاس کھانے والے گھوڑے نر اور مادہ ہوں تو ان کے مالک کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دے اور اگر وہ چاہے تو ان کی قیمت نکال کر ان کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکال دے ہر دو سو درہم سے پانچ درہم ادا کرے، امام ابوحنیفہ کا استدلال امام دار قطنی کی روایت سے ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے صحابہ کے مشورہ سے ہر گھوڑے سے دس درہم لیے، (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۰۰۱) نیز امام ابوحنیفہ کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام محمد کتاب الآثار میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی نے کہا کہ وہ گھوڑے جو جنگلوں کی خودرو گھاس کھاتے ہوں اور ان کی نسل میں افزائش مقصود ہو تو اگر تم چاہو تو ہر گھوڑے سے ایک دینار لو، یا دس درہم لو، اور اگر تم چاہو تو ان کی قیمت سے چالیسواں حصہ لے لو، (کتاب الآثار ص ۴۷) اور حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگلوں کی خودرو گھاس کھانے والے گھوڑوں میں سے ہر گھوڑے میں ایک دینار ہے، امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کی سند میں ابویوسف ہیں اور وہ مجہول ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں یہ ابویوسف قاضی یعقوب ہیں جو امام اعظم کے مشہور شاگرد ہیں ان کو مجہول قرار دینا امام بیہقی کا پرلے درجہ کا تعصب ہے۔

اور علامہ عینی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کا ذکر کر کے فرمایا ایک وہ شخص ہے جس نے گھوڑے کو غنا کے لیے اور سوال سے بچنے کے

لیے باندھا پھر وہ اس گھوڑے کی گردن اور اس کی پشت میں اللہ کے حق کو نہیں بھولا تو وہ گھوڑا اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کا موجب ہے'(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۶۰ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۸۶۵' عالم الکتب) اس حدیث میں اللہ کے حق سے مراد زکوۃ ہے۔(شرح ابوداؤد ج ۶ ص ۲۵۸-۲۵۵ 'مکتبہ الریاض '۱۴۲۰ھ)

جن احادیث میں ہے کہ گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے یا فرمایا میں نے گھوڑوں کی زکوۃ کو معاف کر دیا اس گھوڑے سے مراد غازی فی سبیل اللہ اور مجاہد کا گھوڑا ہے' ان سے مراد وہ گھوڑے نہیں جن کو افزائش نسل کے لیے رکھا جاتا ہے اور ان کو جنگلوں کی خود رو گھاس کھلائی جاتی ہے۔(شرح ابوداؤد ج ۶ ص ۲۹۵ 'مکتبہ الریاض '۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے' اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں' اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (جبراً) ہدایت دے دیتا○(النحل: ۹)

لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم سیدھے راستے کے بیان کو اپنے ذمہ لے لیا ہے' وہ رسولوں اور نبیوں کو بھیج کر اور کتابوں اور صحائف کو نازل کر کے اور براہین اور دلائل قائم کر کے سیدھا راستہ بیان فرماتا ہے' اور جو شخص سیدھا راستہ حاصل کرنے کا ارادہ کرے اور نیک اعمال کا قصد کرے اس کے لیے نیک اعمال پیدا فرما دیتا ہے' اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں جن پر چلنے سے ہدایت حاصل نہیں ہوتی اس ٹیڑھے راستہ کی دو تفسیریں ہیں: (۱) کافروں کی مختلف ملتیں' یہودیت' نصرانیت اور مجوسیت: (۲) اہل الاہواء اور اہل البدعات' جنہوں نے محض اپنی خواہشات سے نئے نئے مسالک بنا لیے ہیں جن کی قرآن عظیم اور احادیث صحیحہ میں کوئی اصل نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کے لیے ایمان کے طریقے آسان کر دیتا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے لیے ایمان لانا اور اس کے طریقوں پر عمل کرنا دشوار کر دیتا ہے' حضرت ابن عباس کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ جو شخص ایمان کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان لانے کے راستے آسان کر دیتا ہے اور جو شخص کفر اور گمراہی کو اختیار کرتا ہے اس کے لیے کفر اور گمراہی کو پیدا کر دیتا ہے' وہ جبراً کسی کو مسلمان نہیں بناتا اسی لیے فرمایا: اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (جبراً) ہدایت دے دیتا لیکن لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ

وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل کیا جس کو تم پیتے ہو' اور اسی سے درخت (بھی سیراب ہوتے) ہیں جن میں تم

تُسِیْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ

مویشی چراتے ہو ○ وہ اس پانی سے تمہارے لیے فصل اگاتا ہے اور زیتون' اور کھجور اور انگور اور

وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہر قسم کے پھل' بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے نشانی ہے ○

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ

اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا اور (تمام) ستارے

مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۙ ﴿۱۲﴾

اس کے حکم کے تابع ہیں، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

اور اس نے تمہارے لیے جو گوناگوں رنگوں کی چیزیں زمین میں پیدا کی ہیں، بے شک ان میں نصیحت

لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا

حاصل کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے ○ اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ تم اس سے

مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى

تازہ گوشت کھاؤ، اور تم اس میں سے زیور نکالتے ہو جن کو تم پہنتے ہو، اور تم اس میں کشتیوں کو

الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر ادا کرو ○

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا

اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ زمین تمہارے ساتھ (ایک طرف) جھک نہ جائے اور اس نے دریا اور

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۙ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

راستے بنائے تاکہ تم سفر کر سکو ○ اور راستوں میں نشانیاں بنائیں اور لوگ ستاروں سے سمت کا تعین کرتے ہیں ○

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ

سو جو (اتنی چیزیں) پیدا کرتا ہے کیا وہ اس کی مثل ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے، پس کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے! ○ اور اگر

تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸﴾

تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے، بے شک اللہ ضرور بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ○

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو ○ اور وہ

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ

جن غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا

يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ

کیے ہوئے ہیں ○ وہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ

اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

ركوع ۱۲ / ۸

وہ کب اٹھائے جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل کیا جس کو تم پیتے ہو' اور اسی سے درخت (بھی سیراب ہوتے) ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو ○ وہ اس پانی سے تمہارے لیے فصل اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل' بیشک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے نشانی ہے ○ (النحل: ۱۱-۱۰)

مشکل الفاظ کے معانی

تسیمون: اس کا مادہ سوم ہے' سوم کا معنی ہے جانوروں کو چرانا اور چگانا' اسی سے ماخوذ ہے الابل السائمۃ جنگل کی خود رو گھاس چرنے والے اونٹ' جو بغیر اگائی ہوئی قدرتی گھاس چرتے ہوں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حیوانوں کا ذکر فرمایا تھا' ان کے ذکر سے ایک تو اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا' اور دوسرے انسان کو یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان حیوانوں میں انسان کے لیے کتنی نعمتیں رکھی ہیں' اور اس جہان میں حیوانات کے بعد جس مخلوق کو شرف اور فضیلت حاصل ہے وہ نباتات ہیں سو اللہ تعالیٰ حیوانات کے ذکر کے بعد نباتات کا ذکر فرما رہا ہے۔

بارش کے پانی سے کھیتوں اور باغوں کی روئیدگی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل کیا جس کو تم پیتے ہو اور اسی سے درخت ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہم جو پانی پیتے ہیں' وہ سب بارش کا پانی تو نہیں ہوتا' کنوؤں' چشموں اور دریاؤں سے حاصل شدہ پانی کو ہم زیادہ تر پیتے ہیں اور کھیت اور باغات بھی زیادہ تر دریاؤں اور نہروں کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دریاؤں اور نہروں کا پانی بھی بارش سے حاصل ہوتا ہے اور بارش کا پانی ہی زمین کے اندر اس کی تہہ میں چلا جاتا ہے جو کنوؤں اور چشموں سے نکالا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی سے فصلوں اور باغات کے اگانے کا ذکر فرمایا ہے' اس پانی سے جو روئیدگی اور سبزہ حاصل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ خود رو گھاس اور خود رو درخت ہیں جو جنگلوں' میدانوں اور سبزہ زاروں میں ہیں جن میں

مویشی اور جانور چرتے چگتے ہیں' اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے: اور اسی پانی سے درخت ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو' اور روئیدگی کی دوسری قسم اناج اور غلہ کے لہلہاتے ہوئے کھیت ہیں' اور زیتون' کھجور' انگور اور مختلف پھلوں کے باغات ہیں جن سے انسان اپنی غذا اور خوراک حاصل کرتے ہیں' اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے: وہ اس پانی سے تمہارے لیے فصل اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔

زمین کی پیداوار میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر نشانی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے نشانی ہے۔

زمین کی اس روئیدگی میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلیل ہے کیونکہ ایک دانہ یا بیج کو مٹی میں دبا دیا جاتا ہے' پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس دانہ میں زمین کے مرطوب اجزاء سرایت کر جاتے ہیں' پھر وہ دانہ پھول جاتا ہے اور پھولنے کے بعد اوپر اور نیچے سے پھٹ جاتا ہے اور اس کے اوپر اور نیچے سے دو باریک کونپلیں نکلتی ہیں۔ اوپر والی کونپل زمین کا سینہ چیر کر باہر نکل آتی ہے اور نیچے والی کونپل زمین کے اندر نفوذ کر جاتی ہے' پھر اوپر کی جانب پہلے سرسبز پودا ہوتا ہے' پھر ایک تناور درخت بن جاتا ہے اور زمین کے نیچے گہرائی میں جڑیں چلی جاتی ہیں' درخت اوپر کو جاتا ہے جڑیں نیچے کو جاتی ہیں۔ درخت کا تنا بھی لکڑی ہے اور جڑیں بھی لکڑی ہیں اور ایک چیز کی طبیعت کا ایک تقاضا ہوتا ہے' پھر تنا اوپر کیوں جا رہا ہے' جڑیں نیچے کیوں جا رہی ہیں' معلوم ہوا کہ یہاں طبیعت کے تقاضے پر عمل نہیں ہو رہا یہاں اس قادر قیوم' قہار مطلق اور صناع ازل کے حکم پر عمل ہو رہا ہے۔ اس نے لکڑی کے جس حصہ کو اوپر جانے کا حکم دیا وہ بڑھتا ہوا اوپر چلا گیا اور اس نے لکڑی کے جس حصہ کو نیچے جانے کا حکم دیا وہ زمین کی تہوں کو چیرتا ہوا نیچے چلا گیا' پھر ہم دیکھتے ہیں اسی دانہ یا بیج سے شاخیں' پتے' کلیاں' پھول اور پھل نکل آتے ہیں' پھر ان کے رنگ مختلف ہوتے ہیں' خوشبو مختلف ہوتی ہے' پھولوں اور پھلوں کا ذائقہ مختلف ہوتا ہے' بیج ایک تھا' ایک زمین میں بویا گیا' ایک قسم کا پانی ملا' ایک سورج کی حرارت اور ایک چاند کی کرنوں سے اس بیج کو نشوونما حاصل ہوئی' پھر اس میں یہ مختلف تاثیرات اور مختلف آثار کس کے کرنے سے وجود میں آئے' اگر ان آثار کا سبب سورج یا چاند ہے یا زمین یا بارش ہے تو وہ ایک ہی نوع کی چیزیں ہیں' ان سے الگ الگ آثار کیوں ظاہر ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رنگ اور خوشبو اور ذائقہ اور تاثیر کا موجد ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے' وہی ایک صناع مطلق اور قادر ازل ہے' جس نے ایک ننھے سے بیج سے اتنے مختلف آثار پر مشتمل عظیم الشان درخت پیدا کر دیا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا' اور (تمام) ستارے اس کے حکم کے تابع ہیں' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور اس نے تمہارے لیے جو گوناگوں رنگوں کی چیزیں زمین میں پیدا کی ہیں' بے شک ان میں نصیحت حاصل کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے O

(النحل: ۱۳-۱۲)

سورج اور چاند اور دن اور رات کے تواتر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اے لوگو! تم پر جن نعمتوں کا پہلے ذکر کیا ہے ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا تم پر یہ انعام ہے کہ اس نے دن اور رات کو تمہارے کام میں لگا دیا' دن کو اس لیے بنایا کہ تم اس میں کاروبار حیات کرو اور تلاش روزگار کے لیے سعی کرو اور رات اس لیے بنائی کہ تم اس میں آرام کرو' فرض کیجئے اگر مسلسل دن ہوتا تو لوگ آرام کے ایک لمحے کے لیے بھی ترس جاتے اور اگر مسلسل رات ہوتی تو لوگوں کو کام کاج کرنے اور اپنی ضروریات پوری کرنے اور رزق فراہم کرنے

کے مواقع میسر نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (القصص: ۷۳-۷۱)

آپ کہئے یہ بتاؤ اگر اللہ قیامت تک کی رات بنا دیتا تو اللہ کے سوا کوئی اور خدا تھا جو تمہارے پاس دن کی روشنی لے آتا؟ سو کیا تم (غور سے) نہیں سنتے! ○ آپ کہئے یہ بتاؤ کہ اگر اللہ قیامت تک کا دن بنا دیتا تو اللہ کے سوا کوئی خدا تھا جو تمہارے پاس رات کو لے آتا جس میں تم آرام کرتے؟ سو کیا تم دیکھتے نہیں ہو! ○ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم (رات میں) آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل (روزگار) تلاش کرو، اور تاکہ تم (اس نعمت پر) شکر ادا کرو۔

اور اللہ کی تم پر یہ نعمت بھی ہے کہ اس نے سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا، ایک دن میں سورج کے طلوع اور غروب کے دورانیہ سے تم اپنے کام کاج اور نمازوں کے اوقات معین کرتے اور روزے کے سحر اور افطار کو معین کرتے ہو اور چاند کے دکھائی دینے اور اس کے چھپنے سے تم مہینوں کا تعین کرتے ہو۔ رمضان، عید الفطر، عید الاضحیٰ، حج اور قربانی کے مہینوں اور تاریخوں کا تعین چاند سے ہوتا ہے، نیز سورج کی گردش سے مختلف موسم وجود میں آتے ہیں اس کی حرارت سے کھیتیاں اور پھل پکتے ہیں، سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں بارشیں ہوتی ہیں اور چاند کی کرنوں سے پھلوں میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے اور چاند کے گھٹنے بڑھنے سے سمندر میں مد و جزر ہوتا ہے، غرض سورج اور چاند میں اللہ تعالیٰ کی بہت نعمتیں ہیں۔

سورج اور چاند سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر استدلال

اور سورج اور چاند میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کی نشانی ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورج اور چاند ایک مخصوص نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں، وہ ایک مخصوص جانب سے طلوع کرتے ہیں اور مخصوص جانب میں غروب ہو جاتے ہیں، ان کو اس کام پر کس نے لگایا ہے اور کس نے ان کو اس نظام کا پابند کیا ہے، کسی بت نے، کسی انسان نے، کسی جانور نے، کسی درخت نے، کسی دیوی یا دیوتا نے، ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں حادث اور فانی ہیں، ان سے پہلے بھی سورج اور چاند اسی طرح گردش کرتے رہے تھے اور ان کے بعد بھی اسی طرح گردش کرتے رہے، اس سے معلوم ہوا کہ سورج اور چاند کا خالق اس کائنات میں سے کوئی چیز نہیں ہے بلکہ ان کا خالق اس کائنات سے باہر کوئی ہستی ہے اور وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ گردش ایک طرز اور ایک نمط پر نہ ہوتی اور ان کے طلوع اور غروب کی ایک جہت نہ ہوتی، اس لیے سورج اور چاند کا خالق ایسی ذات ہے جو اس کائنات سے خارج ہے اور واحد ہے، اور اس کا وجود واجب اور قدیم ہے، کیونکہ اگر وہ ممکن اور حادث ہو تو وہ اپنے وجود میں کسی علت کا محتاج ہوگا اور یہ سلسلہ کسی ایسی ذات پر منتہی ماننا ہوگا جو سب کی علت ہو اور اس کی کوئی علت نہ ہو، وہ واجب اور قدیم ہو اور حادث نہ ہو، وہی ساری کائنات کا خدا ہے، سب کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے اور وہی سب کی عبادت کا مستحق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس نے تمہارے لیے جو گوناگوں رنگوں کی چیزیں زمین میں پیدا کی ہیں، بے شک ان میں

نصیحت حاصل کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے۔
یعنی اللہ تعالیٰ نے انواع واقسام کے جانور اور رنگ برنگے پرندے، درخت، پھول، پھل اور پودے پیدا کیے ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی بہت نعمتیں ہیں جن کا تم کو شکر کرنا چاہیے اور اگر تم غور کرو تو ان میں اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی قدرت اور اس کی وحدت کی بہت نشانیاں ہیں۔
ان آیتوں کی تقریر بھی اسی طرح ہے جس طرح ہم نے اس سے پہلی دو آیتوں کی تقریر کی ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کردیا تا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور تم اس میں سے زیور نکالتے ہو جن کو تم پہنتے ہو، اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تا کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تا کہ تم شکر ادا کروo (النحل: ۱۴)

سمندر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اس سورت کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر مختلف طریقوں سے استدلال فرمایا ہے، پہلے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اجسام سے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا، پھر انسان کے بدن اور اس کی روح سے استدلال فرمایا، پھر تیسری بار حیوانات کی مختلف قسموں اور ان کے عجائب و غرائب سے استدلال فرمایا، اور چوتھی بار نباتات سے استدلال فرمایا اور اس کے ضمن میں سورج اور چاند اور دن اور رات سے استدلال فرمایا اور اب سمندر سے استدلال فرمایا ہے۔ سمندر کے بے شمار منافع اور فوائد ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے یہاں تین منافع اور فوائد کا ذکر فرمایا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم سمندر سے ترو تازہ گوشت کھاتے ہو، اس سے مراد مچھلیاں ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تم سمندر سے موتی، یاقوت اور مونگے وغیرہ نکالتے ہو اور ان سے خواتین کے زیورات بناتے ہو، اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ تم سمندر میں کشتیاں چلاتے ہو اور ان میں بیٹھ کر سفر کرتے ہو اور اپنا مال و متاع ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہو۔

سمندر کی تسخیر کا معنی

سمندر کو مسخر کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو سمندر میں تصرف کرنے پر قادر کردیا، وہ اس میں تیر سکتے ہیں، کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے، وہ اگر چاہتا تو سمندر کو انسانوں کے اوپر مسلط کردیتا اور سمندر لوگوں کو غرق کردیتا اور ان کے لیے سمندر میں تیرنا، کشتیوں کے ذریعہ اس میں سفر کرنا کچھ بھی ممکن نہ ہوتا اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اور اس کا احسان ہے کہ اس نے سمندر کو ایسا بنادیا کہ انسان آسانی کے ساتھ اس سے فوائد کو حاصل کر سکتا ہے۔

کڑوے پانی میں لذیذ مچھلی کا پیدا کرنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ، تر و تازہ فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ اس کو جلدی کھالینا چاہیے ورنہ یہ گوشت سڑ کر خراب ہو جائے گا، نیز تر و تازہ فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ انسان اس کو کھانے میں رغبت کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا اظہار ہے کیونکہ سمندر کا پانی سخت کھاری اور کڑوا ہوتا ہے، انسان اس کا ایک گھونٹ بھی نہیں پی سکتا، اور اس کھاری اور کڑوے پانی میں پیدا ہونے والی اور پلنے بڑھنے والی مچھلی کے گوشت میں کھاری پن اور کڑواہٹ کا ذائقہ بھی نہیں ہوتا اور اس کا گوشت بہت خوش ذائقہ اور لذیذ ہوتا ہے، پس سبحان ہے وہ ذات جو ایک چیز میں اس کی ضد پیدا کردیتا ہے۔

مچھلی پر گوشت کے اطلاق کی بحث

اس آیت میں مچھلی کو لحما طریا یعنی تر و تازہ گوشت فرمایا ہے، لیکن امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک مچھلی پر گوشت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ امام ابو بکر جصاص متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں: اس میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ لحم (گوشت) نہیں کھائے گا اور اس نے مچھلی کھائی تو وہ حانث نہیں ہو گا یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو لحما طریا (تر و تازہ گوشت) فرمایا ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۸۴، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۰ھ)

امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ مچھلی میں خون نہیں ہوتا اور عرف میں گوشت اس کو کہتے ہیں جو خون سے بنتا ہے، نیز مچھلی کے گوشت میں گائے، بکری اور مرغی کے گوشت کی طرح قوت نہیں ہوتی، لیکن دوسرے فقہاء نے اس مسئلہ میں امام اعظم سے اختلاف کیا ہے اور وہ مچھلی کے گوشت پر بھی گوشت کا اطلاق کرتے ہیں۔ امام رازی شافعی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صراحت سے مچھلی پر لحم کا اطلاق فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بیان کے اوپر کس کا بیان ہو سکتا ہے، نیز امام رازی فرماتے ہیں: لغت اور عرف میں مچھلی پر گوشت کا اطلاق کرنا حقیقت ہے مجاز نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۸۸، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

سمندری جانوروں کے کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس آیت میں چونکہ سمندر کے تر و تازہ گوشت کا ذکر آ گیا ہے، اس لیے ہم یہاں مچھلی اور سمندر کے دیگر جانوروں کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں:

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

جو جانور پانی کے بغیر زندہ نہیں رہتے جیسے مچھلی اور اس کے مشابہ دیگر جانور، ان کو بغیر ذبح کیے ہوئے کھانا جائز ہے، ہم کو اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہے، اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو مردہ جانور اور دو خون حلال کیے گئے ہیں، رہے دو مردہ جانور تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۱۸) اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ اور ان کے اصحاب نے ساحل سمندر پر ایک مرا ہوا جانور پڑا دیکھا جس کو عنبر کہا جاتا تھا، وہ ایک ماہ تک اس مچھلی کو کھاتے رہے، حتیٰ کہ خوب موٹے ہو گئے، اور جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ کا رزق تھا جو اس نے تمہیں دیا تھا، کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے تو تم ہمیں وہ کھلاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۶۲، ۵۴۹۳، ۵۴۹۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷۵)

امام شافعی کے نزدیک مینڈک کے سوا سمندر کے تمام جانوروں کا شکار حلال ہے، اور حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا: سمندر میں جتنے جانور ہیں ان کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ　　تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا۔

(المائدہ: ۹۶)

سمندر کے تمام جانوروں کے حلال ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے: عطاء اور عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے ابن آدم کے لیے سمندر میں ہر چیز کو ذبح کر دیا ہے، رہا مینڈک تو امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، سو یہ حدیث مینڈک کی تحریم پر دلالت کرتی ہے، اور رہا مگرمچھ تو آپ سے ایسی حدیث منقول ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کو نہ کھایا جائے،

اور امام اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ جس شخص کو مگرمچھ کھانے کی خواہش ہو وہ اس کو کھا سکتا ہے، اور ابن حامد نے یہ کہا ہے کہ مگرمچھ اور شارک مچھلی کو نہیں کھایا جائے گا کیونکہ وہ انسانوں کو کھا جاتے ہیں اور ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ سمندری درندوں کو کھانا مکروہ تحریمی ہے جس طرح خشکی کے درندوں کو کھانا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں سے پھاڑنے والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے، اور ابو علی النجار نے کہا ہے کہ جس جانور کی نظیر خشکی میں حرام ہے اس کی نظیر سمندر میں بھی حرام ہے، جیسے سمندری کتا، سمندری خنزیر اور سمندری انسان، اور امام ابو حنیفہ نے کہا: مچھلی کے سوا کوئی سمندری جانور حلال نہیں ہے اور امام مالک نے کہا کہ سمندر کا ہر جانور حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے: تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا۔

(علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:) ہم اس آیت کے عموم اور حدیث سے استدلال کرتے ہیں، عبداللہ نے کہا میں نے اپنے والد سے سمندری کتے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے عمرو بن دینار اور ابی الزبیر سے روایت کیا کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سمندر کی ہر چیز ذبح کی ہوئی ہے، وہ کہتے ہیں میں نے اس کا عطاء سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا رہے پرندے تو ہم ان کو ذبح کرتے ہیں۔ ابو عبداللہ نے کہا ہم سمندری کتے کو ذبح کریں گے۔

(المغنی ج ۹ ص ۲۳۹-۲۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

سمندری جانوروں کو کھانے کے متعلق مذہب احناف

امام علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

حیوان کی اصل میں دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جو سمندر میں زندہ رہتی ہے، اور ایک وہ قسم ہے جو خشکی میں زندہ رہتی ہے۔ رہے وہ جانور جو سمندر میں زندہ رہتے ہیں تو مچھلی کے سوا سمندر کے تمام جانوروں کا کھانا حرام ہے، مچھلی کا کھانا حلال ہے البتہ جو مچھلی طبعی موت مر کر سطح آب پر ابھر آئے اس کا کھانا حلال نہیں ہے، یہ ہمارے اصحاب کا قول ہے اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ مچھلی کے علاوہ مینڈک، کیکڑے، سمندری سانپ، سمندری کتے اور سمندری خنزیر وغیرہ کو بھی کھانا جائز ہے لیکن ذبح کر کے، اور لیث بن سعد کا بھی یہی قول ہے لیکن انہوں نے کہا کہ سمندری انسان اور سمندری خنزیر کا کھانا جائز نہیں ہے، اور امام شافعی نے کہا یہ تمام جانور بغیر ذبح کے حلال ہیں، ان کو پکڑنا ہی ان کو ذبح کرنا ہے اور جو مچھلی مر کر سطح آب پر آ جائے وہ بھی حلال ہے۔

ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔ (المائدہ: ۹۶) اور شکار کا اطلاق مچھلی کے علاوہ سمندر کے دوسرے جانوروں پر بھی ہوتا ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ سمندر کے تمام جانور حلال ہوں، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶، سنن دارمی رقم الحدیث: ۷۳۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۷) اس حدیث میں آپ نے مطلقاً سمندر کے مردار کو حلال فرمایا ہے خواہ وہ مچھلی ہو یا کوئی اور جانور ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ۔ (المائدہ: ۳) تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔

اس آیت میں مطلقاً مردہ جانور کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے خواہ خشکی کا مردہ جانور ہو یا سمندر کا۔
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وہ (نبی) ان پر خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔
(الاعراف: ۱۵۷)
اور مینڈک، کیکڑا، سانپ وغیرہ خبیث جانور ہیں، اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ مینڈک کی چربی کو دوا میں استعمال کیا جاتا ہے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ خبائث میں سے ایک خبیث جانور ہے، (یہ جزئیات سے قاعدہ کلیہ پر استدلال ہے) اور انہوں نے جو اس آیت سے استدلال کیا ہے: احل لکم صید البحر وطعامہ: المائدہ: ۹۶ اس آیت میں صید سے مراد مصید ہے یعنی شکار کیا ہوا اور یہ اطلاق مجازی ہے اور شکار اس کو کہتے ہیں جو جانور گھبرا کر بھاگ رہا ہو اور بغیر حیلہ کے اس کو پکڑا نہ جا سکتا ہو، یا تو وہ اڑ جائے یا بھاگ جائے اور یہ حالت شکار کے وقت ہوتی ہے پکڑنے کے بعد نہیں ہوتی کیونکہ اس کے بعد تو وہ گوشت ہو جاتا ہے اور حقیقتاً شکار نہیں رہتا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کا عطف اس آیت پر ہے:
وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا۔ اور تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے جب تک محرم ہو۔
(المائدہ: ۹۶)
اور اس سے مراد محرم کا شکار کرنا ہے نہ کہ اس کا کھانا کیونکہ محرم اگر خود شکار نہ کرے اور نہ شکار کا حکم دے تو اس کے لیے غیر محرم کا کیا ہوا شکار کھانا جائز ہے، اس تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ اس آیت میں کھانے کی اباحت نہیں ہے، بلکہ یہ آیت اس لیے ذکر کی گئی ہے تاکہ محرم کو بتایا جائے کہ خشکی کے شکار اور سمندر کے شکار میں فرق ہے اول الذکر محرم کے لیے ممنوع ہے اور ثانی الذکر جائز ہے، (علامہ کاسانی کی یہ دلیل بے سود ہے کیونکہ جب محرم ہر قسم کے سمندری جانور کا شکار کر سکتا ہے تو اس کو کھا بھی سکتا ہے کیونکہ محرم کے لیے صرف خشکی کے جانور کو شکار کر کے کھانا ممنوع ہے اور سمندری جانور کو شکار کر کے کھانا ممنوع نہیں ہے)۔
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے اور سمندر کا مردار حلال ہے، اس سے آپ کی مراد خصوصیت کے ساتھ مچھلی ہے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا ہے ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں دو مردار مچھلی اور ٹڈی اور دو خون جگر اور تلی ہیں، اس حدیث میں آپ نے مردار کی تفسیر مچھلی اور ٹڈی سے کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ سمندری مردار سے آپ کی مراد مچھلی ہے۔
رہا دوسرا مسئلہ کہ مچھلی طبعی موت سے مر کر پانی پر ابھر آئے تو وہ امام شافعی کے نزدیک حلال ہے، انہوں نے اس پر وطعامہ سے استدلال کیا ہے، یعنی تمہارے لیے سمندر کا شکار کیا ہوا جانور بھی حلال ہے اور جس کا شکار نہ کیا گیا ہو وہ بھی حلال ہے اور جو مچھلی طبعی موت مر کر پانی کے اوپر آجائے وہ شکار نہیں کی گئی اور وہ طعامہ میں داخل ہے اور نیز آپ نے فرمایا سمندری مردار حلال ہے اور اس میں آپ نے اس مچھلی کا استثناء نہیں کیا جو مر کر سطح آب پر آجائے۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مچھلی مر کر پانی کے اوپر آجائے اس کو مت کھاؤ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۸) اور حدیث میں جو آپ نے فرمایا ہے کہ سمندری مردار حلال ہے اس سے آپ کی مراد اس مچھلی کا غیر ہے جو طبعی موت سے مر کر سطح آب پر آجائے۔

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۷۸-۱۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

فقہاء احناف نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ ان پر خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں اور مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور خبیث ہیں یعنی طبائع سلیمہ اس سے متنفر ہوتی ہیں، اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ طبائع سلیمہ کا تنفر ایک اضافی چیز ہے، ہم چوہے، چھپکلی، سانپ اور گرگٹ وغیرہ سے متنفر ہوتے ہیں لیکن چینی اور جاپانی ان کو بڑے شوق سے اور رغبت سے کھاتے ہیں، اسی طرح ائمہ ثلاثہ اور ان کے مقلدین تمام سمندری جانوروں کو بڑے شوق اور رغبت سے کھاتے ہیں، پھر دیکھئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں اور ان کے مقلدین زیادہ تر خشکی کے علاقوں میں رہتے ہیں جیسے ہندوستان، پاکستان، افغانستان، وسط ایشیاء کی ریاستیں اور ترکی وغیرہ اور ائمہ ثلاثہ کے مقلدین زیادہ تر سمندری جزائر میں رہتے ہیں جیسے انڈونیشیا، ملیشیا، جزائر مالدیپ وغیرہ۔

اور وہ وہاں ائمہ ثلاثہ کے فیضان سے مستفید ہوتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی نہایت حکمت بالغہ ہے۔

گوشت کو کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے میں مذاہب فقہاء

اس آیت میں تر و تازہ گوشت کا ذکر ہے اس لیے ہم نے مچھلی اور سمندر کے دیگر جانوروں کے متعلق مذاہب فقہاء بیان کیے ہیں، اس مناسبت سے اب ہم گوشت کی خرید و فروخت کے متعلق بھی مذاہب فقہاء بیان کرنا چاہتے ہیں، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک تمام جانوروں کا گوشت ایک جنس ہے، اس لیے ہر قسم کے گوشت کی دوسرے گوشت کے ساتھ مساوی بیع ضروری ہے اور کمی اور زیادتی کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے مثلاً ایک کلو بکری کے گوشت کی اگر گائے یا اونٹ کے گوشت کے بدلہ میں بیع کی جائے تو ضروری ہے کہ گائے یا اونٹ کا گوشت بھی ایک کلو ہو، اگر ایک کلو بکری کے گوشت کے مقابلہ میں دو کلو گائے کا گوشت ہو تو یہ ان کے نزدیک سود ہوگا اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک جس طرح بکری، گائے اور اونٹ الگ الگ اجناس ہیں اسی طرح ان کے گوشت بھی الگ الگ اجناس ہیں اور ایک جنس کے گوشت کو دوسری جنس کے ساتھ کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کیا جا سکتا ہے، البتہ بکری اور بھیڑ، گائے اور بھینس، عربی اونٹ اور بختی اونٹ ایک جنس کی اصناف ہیں اور ان کے گوشت کی بیع مساوی گوشت کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

تمام گوشت ایک جنس ہیں اور ان کی انواع مختلف ہیں، اس سلسلہ میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ گوشت کی چار اجناس ہیں، ایک جنس اونٹ، گائے اور بکری ہیں، دوسری جنس وحشی جانور ہیں (مثلاً نیل گائے، ہرن، بارہ سنگھا وغیرہ) تیسری جنس پرندے ہیں اور چوتھی جنس پانی کے جانور ہیں، اسی طرح ان کے گوشت کی چار اجناس ہیں، البتہ امام مالک اونٹ، گائے، بکری اور وحشی جانوروں کو ایک جنس قرار دیتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک گوشت کی تین اجناس ہیں، امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ گوشت کا مختلف اجناس ہونا ان کی اجناس کے تابع ہے مثلاً اونٹ، گائے اور بکری الگ الگ اجناس ہیں تو ان کا گوشت بھی الگ الگ جنس ہے اور یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

(المغنی ج ۴ ص ۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

گوشت کو کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے میں مذہب احناف

علامہ عبد الواحد کمال ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

مختلف اجناس کے گوشت کو ایک دوسرے کے ساتھ کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے، اور مصنف کی

مراد یہ ہے کہ اونٹ' گائے اور بکری کے گوشت کو ایک دوسرے کے ساتھ کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ یہ گوشت مختلف اجناس ہیں جس طرح ان کے اصول مختلف اجناس ہیں' لیکن گائے اور بھینس ایک جنس ہے' اس لیے گائے کے گوشت کو بھینس کے گوشت کے ساتھ کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے' اسی طرح بکرا اور دنبہ اور عربی اونٹ اور بختی اونٹ ایک جنس ہیں' اس لیے ایک کے گوشت کو دوسرے کے گوشت کے ساتھ کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی ایک جنس ہے۔ (فتح القدیر ج ۷ ص ۳۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

زیورات کے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ نے سمندر کی دوسری نعمت یہ بتائی اور تم اس میں سے زیورات نکالتے ہو جن کو تم پہنتے ہو۔ اس سے مراد موتی اور مرجان ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ۔ ان سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

(الرحمٰن: ۲۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے پانی مانگا تو ایک مجوسی پانی لایا' جب اس نے پیالہ ان کے ہاتھ میں رکھا تو انہوں نے وہ پیالہ اٹھا کر پھینک دیا اور کہا میں نے اس کو کئی مرتبہ منع کیا ہے کہ چاندی کے پیالہ میں پانی مت دیا کرو' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ریشم اور دیباج مت پہنو اور سونے اور چاندی کے پیالوں میں مت پیو اور نہ ان کی پلیٹوں میں کھاؤ' کیونکہ یہ ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۰۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عجمیوں کو خط لکھنے کا ارادہ کیا' آپ کو بتایا گیا کہ وہ اسی خط کو قبول کرتے ہیں جس پر مہر لگی ہوئی ہو' تو آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر محمد رسول اللہ نقش تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۱۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۴۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنائی اور اس کا نگینہ ہتھیلی کے باطن کی طرف رکھا اور اس میں محمد رسول اللہ نقش کرایا' جب صحابہ نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ انہوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں ہیں تو آپ نے اس انگوٹھی کو اتار دیا' اور فرمایا میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا' پھر آپ نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس میں محمد رسول اللہ نقش تھا' پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ انگوٹھی پہنی' اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس انگوٹھی کو پہنا حتیٰ کہ وہ انگوٹھی اریس نامی کنوئیں میں گر گئی۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۸۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۱۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۴۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۰۵)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی' آپ نے اس سے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ مجھے تم سے بتوں کی بو آ رہی ہے اس نے اس انگوٹھی کو پھینک دیا' وہ پھر آیا تو اس کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی تھی' آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے اوپر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں' اس نے اس انگوٹھی کو بھی پھینک دیا پھر کہا یا رسول اللہ ! میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا ایک مثقال سے کم چاندی کی انگوٹھی بناؤ۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۲۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۱۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجاشی کی طرف سے وہ زیورات آئے جو اس نے آپ کو ہدیہ کیے تھے' ان میں سونے کی ایک انگوٹھی تھی جس میں حبشی نگینہ تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کرتے ہوئے ایک چھڑی یا اپنی انگلیوں سے ایک انگوٹھی اٹھائی پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی حضرت امامہ بنت ابی العاص کو بلا کر فرمایا: اے بیٹا! تم یہ انگوٹھی پہن لو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۴۴' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۴۰۷)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے مردوں پر ریشم اور سونا پہننا حرام کر دیا گیا ہے اور میری امت کی عورتوں پر حلال کر دیا گیا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۲۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۴۲' مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴' ۴۰۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۶۳)

زیورات کے متعلق فقہی احکام

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

مردوں کے لیے سونے کے زیورات پہننا جائز نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں گزر چکا ہے' اور چاندی کے زیورات پہننا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بھی اسی کے حکم میں ہیں' البتہ چاندی کی انگوٹھی اور منطقہ (کمر کی پیٹی) اور تلوار کا زیور چاندی کا بنانا جائز ہے' اور چاندی نے سونے سے مستغنی کر دیا کیونکہ وہ دونوں ایک جنس سے ہیں' اور الجامع الصغیر میں ہے کہ صرف چاندی کی انگوٹھی بنائی جائے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ پتھر' لوہے اور پیتل کی انگوٹھی بنانا جائز نہیں ہے' اور مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے کیونکہ زینت ان کا حق ہے' صرف قاضی اور سلطان کے لیے انگوٹھی بنائی جائے کیونکہ ان کو مہر لگانے کی ضرورت ہوتی ہے' اور ان کے غیر کے لیے انگوٹھی نہ پہننا افضل ہے' کیونکہ ان کو ضرورت نہیں ہے' سونے سے دانت نہ باندھا جائے' چاندی سے باندھا جائے' یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور امام محمد کے نزدیک سونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابو یوسف کے اس میں دو قول ہیں۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عرفجہ بن اسعد الکنانی کی جنگ کلاب میں ناک کٹ گئی' انہوں نے چاندی کی ناک بنا لی تو اس میں بدبو ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ سونے کی ناک بنا کر لگالیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۳۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۷۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۷۶' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۹۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۵۰۱' المعجم الکبیر ج ۱۷ رقم الحدیث: ۳۶۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۴۶۲' سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۲۵) نابالغ لڑکوں کو سونا اور ریشم پہنانا مکروہ ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۴۵۷' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

زیورات کی زکوٰۃ کے متعلق احادیث اور آثار

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں آئی اور اس کے ساتھ اس کی بیٹی تھی اور اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے۔ آپ نے اس عورت سے فرمایا: کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اس عورت نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم اس سے خوش ہوگی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بجائے آگ کے کنگن پہنادے، پھر اس عورت نے ان کنگنوں کو اتار کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا، اور کہا یہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۶۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۳۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴۷۵، مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۸، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۷۰۶۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۵۳، حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۳۶، سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۹۹-۱۹۸، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۵۷۳)

امام ابن القطان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے، امام منذری نے مختصر سنن ابوداؤد میں لکھا ہے اس حدیث کی سند میں کوئی مقال نہیں ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے ابو کامل جحدری اور حمید بن مسعدہ سے روایت کیا ہے اور وہ ثقات سے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے میرے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھیاں دیکھیں، آپ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے ان انگوٹھیوں کو زیب و زینت کے لیے پہنا ہے، آپ نے پوچھا کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو۔ میں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا تمہیں دوزخ کے عذاب کے لیے یہ کافی ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۶۵، حاکم نے کہا شیخین کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے، المستدرک ج ۱ ص ۳۹۰-۳۸۹، سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۱۹۳۴، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۳۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سونے کا زیور پہنے ہوئے تھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ کنز ہے؟ (وہ جمع کیا ہوا سونا جس پر دوزخ کے عذاب کی وعید ہے) آپ نے فرمایا جو زیور زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ گیا اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی تو وہ کنز نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۶۴، حاکم نے کہا یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے، المستدرک ج ۱ ص ۳۹۰، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۴۰)

حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ میں اور میری خالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا تم دونوں ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ ہم نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم کو اس کا خوف نہیں ہے کہ اللہ تم دونوں کو آگ کے کنگن پہنا دے؟ تم دونوں ان کی زکوٰۃ ادا کرو۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۶۱، حمزہ احمد زین نے کہا اس کی سند حسن ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۴۸۶، دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۸۱۲۶، عالم الکتب)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ تمہاری طرف جو مسلمان عورتیں ہیں ان کو حکم دو کہ وہ اپنے زیورات کی زکوٰۃ ادا کریں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۷۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: زیورات میں زکوٰۃ ہے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۷۰۵۶، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۵۹۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۷)

زیورات کی زکوٰۃ میں مذاہب فقہاء اور بحث ونظر

امام مالک، امام احمد بن حنبل اور ایک قول میں امام شافعی کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ ہے اور امام شافعی کا راجح قول بھی یہی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

ظاہر مذہب یہ ہے کہ عورت کے زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے اور حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنھم اور تابعین میں سے سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، عطاء، مجاہد، عبداللہ بن شداد، جابر بن زید، ابن سیرین، میمون بن مہران، زہری، ثوری اور اصحاب رائے کا نظریہ یہ ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۳۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

ائمہ ثلاثہ کی طرف سے دلائل دیتے ہوئے علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ صحابہ کہتے تھے کہ زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے اور زیورات کو عاریتاً دینا ہی ان کی زکوٰۃ ہے، نیز عافیہ بن ایوب لیث بن سعد سے وہ ابو زبیر سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے علاوہ ازیں زیورات کو مباح استعمال کے لیے رکھا جاتا ہے اس لیے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جس طرح کام کاج کی چیزوں میں اور استعمال کے کپڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ہماری پیش کردہ صحیح السند ابوداؤد کی روایت بھی ذکر کی ہے لیکن اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور اگر پانچ صحابہ اس مسئلہ میں زکوٰۃ کے قائل نہیں تو پانچ سے زیادہ صحابہ اس مسئلہ میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں مثلاً حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت زینب زوجہ ابن مسعود رضی اللہ عنھم اور ان کی فقاہت ان صحابہ سے زیادہ مسلم ہے جو زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں۔ علامہ ابن قدامہ نے اس سلسلے میں جن صحابہ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنھم، نیز یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو ترجیح تحریم کو ہوتی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت جابر سے مروی ہے، اس پر بحث کرتے ہوئے امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر سے مروی ہے زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے، یہ صرف حضرت جابر کا قول ہے، حدیث مرفوع نہیں ہے۔ عافیہ بن ایوب نے از لیث از ابی الزبیر از جابر اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(معرفۃ السنن والآثار ج ۳ ص ۲۹۹-۲۹۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابن قدامہ نے اس مسئلہ میں جو کام کاج کی چیزوں پر قیاس کیا ہے وہ ظاہر ہے کہ احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں متروک ہے۔

"مواخر" کا معنی

اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پانی کو چیرنے والی کشتیوں کو مواخر فرمایا ہے اور مواخر کے معنی حسب ذیل ہیں:

مواخر، ماخرہ کی جمع ہے، ماخرہ کا معنی ہے پانی کو پھاڑنے والی کشتی، آواز دینے والی کشتی، ہوا کے ایک جھونکے سے آگے بڑھنے والی کشتی، اس کا مصدر مخیر اور مخور ہے، اس کا معنی ہے کشتی کا چلنا، پانی کو پھاڑنا، چلنے میں آواز پیدا ہونا، پانی کو ہاتھوں سے چیرنا، زمین کو نرم کرنے کے لیے اس کو پانی سے سیراب کرنا۔ حدیث میں ہے:

اذا بال احدکم فلیستمخر الریح۔ جب تم پیشاب کرو تو ہوا کا رخ دیکھو، (یعنی یہ دیکھو کہ ہوا کس رخ سے آرہی ہے اور ہوا کے رخ کی طرف پیشاب نہ کرو ورنہ تم پر چھینٹیں پڑیں گی۔)

(النہایہ ج ۴ص ۲۶۰، کتاب العین ج ۳ص ۱۶۸۲، المفردات ج ۲ص ۶۰۰، قاموس ج ۲ص ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو نصب کردیا تاکہ زمین تمہارے ساتھ (ایک طرف) جھک نہ جائے اور اس نے دریا اور راستے بنائے تاکہ تم سفر کر سکو○ اور راستوں میں نشانیاں بنائیں اور لوگ ستاروں سے سمت کا تعین کرتے ہیں○ (النحل: ۱۶-۱۵)

زمین پر پہاڑوں کا نصب کرنا اس کی حرکت کے منافی نہیں ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان تمید بکم، اس کا معنی ہے کسی بڑی چیز کا ہلنا اور اس کا حرکت کرنا، اس آیت کا لفظی معنی اس طرح ہوا کہ اور اس نے زمین پر پہاڑوں کو اس لیے نصب کیا ہے تاکہ وہ ہلے اور حرکت کرے، حالانکہ مقصود یہ ہے کہ وہ نہ ہلے اور حرکت نہ کرے، اس لیے یہاں پر لفظ لا محذوف ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

یبین اللہ لکم ان تضلوا۔ (النساء: ۱۷۶) اس کا لفظی معنی ہے: اللہ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ ہو حالانکہ مقصود یہ ہے کہ تاکہ تم گمراہ نہ ہو، یہاں بھی اسی طرح لا محذوف ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اس نے زمین میں رواسی کو ڈال دیا، رواسی کا لفظ رسو سے بنا ہے۔

امام خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

رسا یرسو کا معنی ہے کسی شخص کو محکم اور مضبوط کرنا، رسوت الحدیث کا معنی ہے میں نے اپنی بات کو پختہ کیا، رسا الجبل کا معنی ہے پہاڑ کی جڑ زمین پر ثابت ہے، اور رست السفینۃ کا معنی ہے جہاز لنگرانداز ہوا اور اب ادھر ادھر ڈولتا نہیں ہے۔ (کتاب العین ج ۱ص ۶۷۸، مطبوعہ ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

رسا کا معنی ہے کسی چیز کا ثابت ہونا، قدور راسیات (سبا: ۱۳) کا معنی ہے چولہوں پر جمی ہوئی دیگیں، اور رواسی شامخات (المرسلات: ۲۷) کا معنی ہے مضبوط پہاڑ۔ (المفردات ج ۱ص ۲۵۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھاری پہاڑ نصب کردیئے تاکہ زمین اپنے مرکز پر قائم رہے، اور اپنے محور پر گردش کرتی رہے اور اس سے ادھر ادھر نہ ہٹ سکے۔

زمین، چاند اور سورج کی حرکت کے حساب سے سائنس دان یہ متعین کرتے ہیں کہ چاند گرہن کب ہوگا اور سورج کو گرہن کب لگے گا، اور ان کا حساب اس قدر صحیح ہوتا ہے کہ وہ کئی کئی مہینے اور بعض اوقات کئی کئی سال پہلے بتا دیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو اتنے بج کر اتنے منٹ پر سورج یا چاند گرہن ہوگا اور اتنی دیر تک گرہن لگا رہے گا، اور فلاں ملک میں یہ گرہن اتنے وقت پر دکھائی دے گا اور فلاں ملک میں یہ گرہن اتنے وقت پر دکھائی دے گا اور ان کا یہ حساب اتنا حتمی اور درست

ہوتا ہے کہ آج تک اس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں پڑا۔ سورج گرہن کا معنی ہے زمین اور سورج کے درمیان چاند کے حائل ہو جانے سے سورج کا جزوی یا کلی طور پر تاریک نظر آنا' عربی میں اس کو کسوف شمس کہتے ہیں۔(اردو لغت ج ۱۲ ص ۱۵۵) ابھی چند ماہ پہلے سورج کو گرہن لگا' اور مغرب سے کچھ دیر پہلے سورج تاریک ہونا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ سورج مکمل تاریک ہو گیا اور تقریباً پانچ منٹ تک تاریک رہا۔ ہم نے کراچی میں اس کا مشاہدہ کیا' اور سائنس دانوں نے کئی ماہ پہلے بتادیا تھا کہ کراچی میں فلاں تاریخ کو اتنی دیر کے لیے اتنے بج کر اتنے منٹ پر سورج مکمل تاریک ہو جائے گا' سائنس دان نہ جادو گر ہیں نہ غیب دان ہیں' ان کی یہ پیش گوئی ان کے حساب پر مبنی ہے' وہ زمین' چاند اور سورج کی حرکات کا مکمل حساب رکھتے ہیں اور ان کی رفتار کا بھی صحیح حساب رکھتے ہیں' اس لیے ان کو معلوم ہوتا ہے کہ چاند کس تاریخ کو اور کس وقت زمین اور سورج کے درمیان حائل ہو گا اور کتنی دیر حائل رہے گا اور انہیں تمام دنیا کے نظام الاوقات کا بھی علم ہوتا ہے اس لیے وہ بہت پہلے اپنے حساب سے بتادیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے سورج کو گرہن لگے گا اور اتنی دیر رہے گا' اسی طرح چاند گرہن کا معنی ہے کہ چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جائے جس کی وجہ سے چاند جزوی یا کلی طور پر تاریک ہو جائے' ابھی چند ہفتے پہلے چاند کو گرہن لگا اور پاکستان میں رات کو دس بجے چاند مکمل طور پر تاریک ہو گیا تھا' اور سائنس دانوں نے کافی پہلے بتا دیا تھا کہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے چاند گرہن لگے گا اور فلاں فلاں ملک میں اتنے اتنے بجے نظر آئے گا اور اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کو زمین کی حرکت اور اس کی رفتار کا علم ہوتا ہے اور وہ اس حساب سے جان لیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے زمین چاند اور سورج کے درمیان حائل ہو جائے گی اور اتنی دیر تک حائل رہے گی اور تدریجاً حائل ہو گی اور کس وقت مکمل حائل ہو جائے گی۔ قدیم خیال کے علماء جو زمین کو ساکن مانتے ہیں اور اس کی حرکت کے قائل نہیں ہیں اور وہ یہ نہیں مانتے کہ زمین اور چاند کی حرکت اور اس کی رفتار کا سائنس دان حساب رکھتے ہیں وہ اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ سائنس دان ہفتوں اور مہینوں پہلے سورج اور چاند کے گرہن ہونے اور ان کے نظام الاوقات کی بالکل ٹھیک پیش گوئی کرتے ہیں اور آج تک ان کی پیش گوئی غلط نہیں ہوئی' کیا وہ سائنس دانوں کو جادو گر یا غیب دان گردانتے ہیں!

اس دور میں سائنس کی جتنی ایجادات ہیں ہمارے علماء ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ گھڑیوں کے اوقات سے نماز پڑھاتے ہیں' مسجدوں اور گھروں میں بجلی کی روشنی اور برقی پنکھے لگواتے ہیں' ٹیلی فون پر بات کرتے ہیں' لاؤڈ اسپیکر پر تقریریں کرتے ہیں اور نمازیں پڑھاتے ہیں' کاروں' ٹرینوں اور طیاروں میں سفر کرتے ہیں اس کے باوجود وہ سائنسی علوم کی مذمت کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ سائنس کا علم کسی فکر اور نظریہ سے مستفاد نہیں ہوتا' سائنس کا علم مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل ہوتا ہے' یہ تمام ایجادات مشاہدہ اور تجربہ سے وجود میں آئی ہیں' اسی طرح زمین اور چاند کی حرکت اور ان کی رفتار کا تعین بھی انہوں نے رصد گاہوں میں مشاہدات اور آلات کے ذریعہ کیا ہے' قدیم فلسفہ کی طرح یہ صرف فکر اور نظریہ کا معاملہ نہیں ہے' قرآن مجید رشد وہدایت کی کتاب ہے' فلسفہ اور سائنس کی کتاب نہیں ہے' قرآن کریم نے اس سے بحث نہیں کی کہ زمین ساکن ہے یا متحرک ہے کیونکہ دنیا میں صالح حیات اور اخروی فلاح کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے یا حرکت نہیں کرتی' اس لیے علماء کو چاہیے کہ زمین کی حرکت اور سکون کو دین اور اعتقاد کا مسئلہ نہ بنائیں۔ بعض قدیم الخیال علماء یہ کہنے سے باز نہیں آتے کہ قرآن اور حدیث میں ہے کہ زمین ساکن ہے' اور تعلیم یافتہ لوگوں اور ترقی یافتہ اقوام پر اس سے اسلام کے متعلق منفی اثر پڑتا ہے' ایسا کہنا کوئی اسلام کی خدمت اور دین کی تبلیغ نہیں ہے بلکہ یہ پڑھے لکھے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کا ذریعہ ہے اور دوسری اقوام کو اسلام پر ہنسنے کا موقع فراہم کرتا ہے' اللہ تعالیٰ

ہدایت عطا فرمائے، بہرحال اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کو نصب کردیا تاکہ وہ اپنے مدار سے ادھر ادھر نہ ہو، یہ آیت زمین کی گردش کے منافی نہیں ہے اور نہ زمین کے سکون کو مستلزم ہے۔

دنیا اور آخرت میں انسان کی ہدایت کے انتظامات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور راستوں میں نشانیاں بنائیں اور لوگ ستاروں سے سمت کا تعین کرتے ہیں۔

راستوں میں نشانیاں بنانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام راستے ایک جیسے سیدھے اور سپاٹ نہیں ہیں' اور پوری زمین کو ایک ہموار میدان نہیں بنایا، بلکہ کہیں انواع و اقسام کے جنگل ہیں' کہیں اونچی نیچی پگڈنڈیاں ہیں، مختلف طرح کے چھوٹے بڑے پہاڑوں کا سلسلہ ہے' کہیں دریا ہیں کہیں میدان ہیں' کہیں چشمے ہیں اور کہیں آبشار ہیں' اور یہ سب اس لیے ہیں کہ تمہیں راستوں اور مقامات کی نشانیاں متعین کرنے میں آسانی ہو۔ برطانیہ میں تمام مکان ایک ڈیزائن اور ایک طرح کے قطار در قطار بنے ہوئے ہوتے ہیں' کوئی مہمان وہاں جائے اور اس کو مکان نمبر بھول جائے تو وہ مطلوبہ مکان تک نہیں پہنچ سکتا' میرے ساتھ خود ایک مرتبہ برسٹل میں یہ واقعہ ہو چکا ہے' غرض اللہ تعالیٰ نے راستوں اور گزرگاہوں میں ایسی قدرتی علامتیں بنادی ہیں جن سے انسان اپنی مطلوبہ جگہ کی نشانیاں متعین کرسکتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور لوگ ستاروں سے سمت کا تعین کرتے ہیں' اس نعمت کی قدر انسان کو اس وقت ہوتی ہے جب اس کا گزر کسی لق و دق ریگستان سے ہو' اس وقت وہ صرف ستاروں سے اپنی منزل کا تعین کرتا ہے یا سمندری سفر میں انسان کو اس عظیم الشان نعمت کا احساس ہوتا ہے' کیونکہ وہاں پر اور کوئی علامت اور نشانی نہیں ہوتی جس سے وہ اپنی منزل کی شناخت کرسکے' سو جہاں راستوں کا تعین کرنے کے لیے اور منزل کی شناخت کرنے کے لیے کوئی قدرتی علامت نہیں ہوتی ایسے صحراؤں اور سمندروں میں اللہ تعالیٰ نے مسافروں کی رہنمائی کے لیے آسمان پر ستاروں کا جال بچھا رکھا ہے اور قدیم زمانے سے لے کر آج تک ان ہی ستاروں کے سہارے مسافر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں۔

یہاں اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کے دنیاوی سفر میں اس کی رہنمائی کے اتنے انتظام کر رکھے ہیں' تو وہ اس کے آخرت کی طرف سفر میں اس کی رہنمائی سے کب غافل ہو سکتا ہے' اس نے سفر آخرت میں انسان کی رہنمائی کے لیے انبیاء اور رسل بھیجے' کتابوں اور صحیفوں کو نازل کیا۔ ہر دور میں مجددین اور نیک انسانوں کو پیدا کیا جو انسانوں کو بھلائی اور برائی کے راستوں سے مطلع کرتے رہتے ہیں اور اس کو نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور اس کو برائی سے متنفر کرتے رہتے ہیں بلکہ خود انسان میں عقل و خرد رکھی جو اس کو برے کاموں سے روکتی ہے' اس کے اندر ضمیر کی طاقت پیدا کی جو اس کو برائی پر ملامت اور سرزنش کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے رحم و کرم سے ہماری دنیا اور آخرت کی رہنمائی کے لیے ذرائع اور وسائل مہیا کردیے ہیں' یہ اور بات ہے کہ ہم خود ان ذرائع اور وسائل سے استفادہ نہ کریں' اور نیکی کے بجائے بدی اور ہدایت کے بجائے گمراہی کو اختیار کرلیں!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو (اتنی چیزیں) پیدا کرتا ہے کیا وہ اس کی مثل ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کرسکے' پس کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے!O(النحل: ۱۷)

اس کائنات کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی توحید پر اپنی تخلیق سے استدلال فرمایا: النحل: ۴ میں ذکر فرمایا کہ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا اور یہ اس کے وجود اور الوہیت پر قوی دلیل ہے کہ اس نے پانی کی ایک بوند سے جیتا جاگتا انسان بنادیا اور اس کو

اتنی ذہنی اور جسمانی طاقت عطا کی کہ اس نے بحر و بر کو مسخر کر لیا، پھر النحل : ۸-۵ میں فرمایا: اس نے چوپایوں کو پیدا کیا جن کے اون میں تمہارے لیے لباس ہے، جن کے گوشت اور دودھ میں تمہاری غذا ہے، جن کی پیٹھوں میں تمہارے لیے سواری ہے اور بار برداری کا ذریعہ ہے پھر ان کو اتنا حسین بنایا کہ ان کو دیکھنا تمہارے لیے خوشی اور فرحت کا موجب ہے، پھر النحل : ۱۰ میں بیان فرمایا کہ اس نے تمہارے پینے کے لیے اور تمہاری زراعت کی سیرابی کے لیے آسمان سے پانی نازل فرمایا اور النحل : ۱۲ میں فرمایا: اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو اور ستاروں کو تمہارے مصالح اور منافع کے لیے مسخر کیا، النحل : ۱۳ میں فرمایا: اس نے زمین میں تمہارے لیے گوناگوں اقسام کی مخلوق پیدا کی، النحل : ۱۴ میں فرمایا: اس نے سمندر میں تمہاری غذا کے لیے تر و تازہ گوشت پیدا کیا اور تمہاری زینت کے لیے اس میں انواع و اقسام کے زیورات رکھے، اور النحل : ۱۵ میں فرمایا کہ اس نے سمندر کے پانی میں تمہارے سفر کے لیے کشتیاں اور جہاز بنائے اور اس نے زمین پر پہاڑوں کو بنایا تاکہ وہ اپنی گردش کے دوران اپنے محور سے نہ ہٹ سکے، اس نے راستوں میں مختلف نشانیاں رکھیں تاکہ تمہارے لیے منزل کا تعین آسان ہو اور النحل : ۱۶ میں بتایا کہ اس نے آسمان پر ستارے بنائے تاکہ ریگستانوں اور سمندروں میں دورانِ سفر تم اپنی منزل کا سراغ لگا سکو!

اب دیکھو یہ اللہ کی تخلیقات ہیں، کیا یہ تخلیقات اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کا پتا نہیں دیتیں، کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب چیزیں خود بخود وجود میں آگئی ہیں، اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ سب چیزیں خود بخود بن گئی ہیں تو وہ بتائے کہ وہ خود کیوں خود بخود وجود میں نہیں آیا! وہ اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے تولیدی نظام کا کیوں محتاج تھا، جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ پوری کائنات ایک اتفاقی حادثہ ہے تو ہم اس سے یہ کہتے ہیں کہ اتفاقات میں دوام، ربط اور تسلسل نہیں ہوتا، پھر کیا وجہ ہے کہ سیب کے درخت میں ہمیشہ سیب ہی لگتا ہے آم یا امرود کیوں نہیں لگتا، اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ کائنات کئی خداؤں کی مجموعی کاوش کا نتیجہ ہے تو اول تو ہم یہ کہتے ہیں کہ کس کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کائنات کے بنانے میں اس کا دخل ہے! کیا بے جان، اندھے اور گونگے بت یہ کہتے ہیں، کیا حضرت عیسیٰ اور عزیر نے یہ کہا! کیا گائے اور پیپل کا درخت یہ کہتا ہے۔ قرآن مجید کی ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمرود نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا ہے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے یہ فرمایا: اگر یہ بات ہے تو سورج کو مغرب سے طلوع کر کے دکھاؤ تو وہ مبہوت ہو گیا، پھر نمرود تو عبرت ناک موت مر گیا اور خدا وہ ہے جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے!

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کچھ غیر مرئی قوتیں ہیں جنہوں نے مل کر اس کائنات کو بنایا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر یہ اعلان کیا کہ وہ تنہا بلا شرکت غیر اس کائنات کو بنانے والا ہے تو انہوں نے اپنے نمائندے بھیج کر اللہ تعالیٰ کے دعویٰ توحید کو رد کیوں نہیں کیا، انہوں نے اپنی خدائی پر کوئی دلیل کیوں نہیں قائم کی، پھر ہم بغیر کسی برہان اور دلیل کے بلکہ بغیر کسی دعویٰ کے اللہ تعالیٰ کے کسی غیر کی خدائی یا خدائی میں شرکت کیوں مانیں! ثانیاً جس چیز کے بنانے میں کئی لوگ شریک ہوں ان میں ضرور اختلاف بھی ہوتا ہے، پھر اس کائنات کے تمام نظام میں یکسانیت کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر ان تمام تخلیقات کو بطور دلیل پیش کیا اور جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خالق مانتا ہے، اس کی کون سی تخلیق ہے اور اس نے کیا بنایا ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے، بے شک اللہ ضرور بہت بخشنے والا

نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ (النحل : ۱۸)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا عموم اور اس کے ساتھ مغفرت کا ارتباط

اس دنیا میں کئی قسم کے لوگ ہیں، بعض دہریئے ہیں جو سرے سے اللہ کے وجود کے قائل ہی نہیں ہیں، بعض مشرکین ہیں جو اللہ کے وجود کے تو قائل ہیں لیکن انہوں نے اور بہت سی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے رکھا ہے۔ بعض عصاۃ مومنین (گناہ گار مسلمان) ہیں جو اغواء شیطان یا نفسانی لغزشوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں اور بعض اطاعت شعار مسلمان ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت شعار بندوں کو ہی نعمتیں عطا فرماتا ہو اور اپنے منکروں، مشرکوں اور گناہ گاروں کو محروم رکھتا ہو، مذکور الصدر آیات میں جن نعمتوں کا بیان ہے ان میں مومن اور کافر اور مطیع اور عاصی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں کیا گیا، انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہوا کی ہے، اگر چند منٹ کے لیے بھی ہوا نہ ملے تو انسان مر جائیں، اللہ تعالیٰ کا بے پایاں کرم ہے کہ اس نے ہوا کو سب سے زیادہ آسان، عام اور ارزاں بنا دیا ہے، فضا میں ہوا کے سمندر رواں دواں ہیں اور ہر شخص کو بغیر کسی کوشش اور اجرت کے سانس لینے کے لیے ہوا میسر ہے، اس کے بعد زندہ رہنے کے لیے پانی کی ضرورت ہے، اس کی ضرورت ہوا کی بہ نسبت کم ہے تو اس کی ارزانی بھی ہوا کی بہ نسبت کم ہے۔ اسی حکمت سے بتدریج دوسری نعمتوں کا فیضان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی غیر متناہی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اپنی مغفرت اور رحمت کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ کوئی دہریہ یا مشرک جو ساری عمر انکار خدا اور شرک میں زندگی گزارتا رہا ہو اگر مرنے سے پہلے صرف ایک مرتبہ دہریت اور شرک سے تائب ہو کر کلمہ پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری عمر کے کفر اور شرک کو اس ایک کلمہ کی وجہ سے معاف کر دیتا ہے اور اس پر اپنی جنت حلال کر دیتا ہے، اسی طرح حرص و ہوا اور نفس پرستی میں ڈوبا ہوا گناہ گار انسان جب صدق دل سے تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے اور اگر توبہ کے بعد وہ پھر لغزش میں پڑ جائے اور پھر معافی مانگے تو وہ پھر معاف فرما دیتا ہے، یہ کتنی عظیم نعمت ہے اور کتنی عظیم مغفرت ہے!

نعمتوں کے بعد مغفرت اور رحمت کا اس لیے بھی ذکر فرمایا ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ نعمتوں کا شکر ادا کرے اور نعمتیں جتنی ہوں شکر بھی اتنا کرنا چاہیے اور جب اس کی نعمتیں غیر متناہی ہیں تو اس کا شکر بھی غیر متناہی کرنا چاہیے، اور انسان متناہی وقت میں غیر متناہی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا، یہ اس کی استطاعت میں ہی نہیں ہے اس لیے ساتھ ہی اپنی مغفرت اور رحمت کا بھی ذکر کیا کہ اگر تم اس کی نعمتوں کا کماحقہ شکر ادا نہ کر سکو تو وہ غفور رحیم ہے، نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر کوئی بندہ بجائے شکر کرنے کے ناشکری کرے یا بجائے اطاعت کرنے کے گناہوں کا مرتکب ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے مایوس نہ ہو، وہ صدق نیت سے معافی مانگے، اللہ اس کو معاف کر دے گا نہ صرف معاف کر دے گا بلکہ مزید نعمتوں اور انعامات سے بھی نوازے گا۔

اس آیت کی مزید تفصیل جاننے کے لیے ابراھیم: ۳۴ کی تفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو ○ (النحل : ۱۹)

کافروں کو ان کے کفر کے باوجود نعمتیں عطا فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو اپنے ظاہری کفر کے علاوہ اپنے باطن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طرح طرح کی سازشیں چھپائے رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ تمہارے ظاہری کفر کو بھی جانتا ہے اور باطنی

سازشوں سے بھی باخبر ہے۔ اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان دہریوں اور مشرکوں اور نافرمانوں پر جو مسلسل نعمتوں کی بارش فرمارہا ہے اس سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے کفر اور ان کی سرکشی کا علم نہیں ہے' وہ ظاہر اور چھپی ہوئی ہر بات کا جاننے والا ہے' اور ظلم اور سرکشی کے باوجود اس کا نعمتیں عطا فرمانا سرکشوں اور ظالموں کے حق میں استدراج ہے اور ان کو ڈھیل دینا ہے' اور اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے کسی بندہ کو دنیا ملے نہ آخرت' ان ظالموں نے اپنے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے اپنی آخرت تو خود ضائع کردی تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ کم از کم یہ لوگ دنیا سے تو محروم نہ ہوں' اور اس میں مسلمانوں کے لیے یہ سوچنے کی چیز ہے کہ اللہ کے اوصاف اور اس کے اخلاق ایسے ہیں کہ وہ منکروں اور مخالفوں کو بھی نواز تا ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ بھی اپنے دشمنوں کو معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں اور اللہ کے اخلاق سے متخلق ہو جائیں' اور اس آیت کا تیسرا محمل یہ ہے کہ کفار بتوں کی پوجاپاٹ کرتے ہیں اور ان کو پکارتے ہیں حالانکہ وہ بت بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ ان کو کسی چیز کے ظاہر کا علم ہے نہ باطن کا جبکہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اس سے ظاہر اور باطن کی کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ جن غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں○ وہ مُردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے○ (النحل: ۲۱-۲۰)

بتوں کے خدا اور سفارشی ہونے کا ابطال

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بکثرت تخلیقات ذکر فرمائی تھیں اور ان تخلیقات سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا' مشرکین مکہ پتھر کی بے جان مورتیوں کی عبادت کرتے تھے اور ان مورتیوں کو اس جہان کا پیدا کرنے' پالنے والا اور خدا مانتے تھے' ان کی عبادت کرتے تھے اور یہ مانتے تھے کہ وہ اللہ کے سامنے ان کی سفارش کریں گے' ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ان تمام باتوں کا رد فرمایا ہے۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بت کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں اور خدا مخلوق نہیں ہوتا بلکہ وہ ساری کائنات کا خالق ہوتا ہے۔ پھر فرمایا: وہ مُردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور خدا زندہ ہوتا ہے مُردہ نہیں ہوتا' اس کے بعد فرمایا: اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ مشرکین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بت قیامت کے دن ان کی سفارش کریں گے' اللہ تعالیٰ نے بتایا یہ سفارش کیا کریں گے' یہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ قیامت کب ہوگی' ان کو کب اٹھایا جائے گا۔ امام رازی اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بتوں کو اٹھائے گا' ان کے ساتھ ارواح ہوں گی اور ان کے ساتھ شیاطین ہوں گے' پھر ان سب کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔

"والذین یدعون من دون اللّٰہ" کی وہ تفسیر جو سید مودودی نے کی

ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ والذین یدعون من دون اللہ۔ الآیہ۔ اور وہ جن غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے الخ۔ اس سے مراد بت ہیں' تمام قدیم اور مستند مفسرین نے والذین یدعون من دون اللہ کی تفسیر بتوں کے ساتھ کی ہے لیکن اس کے برخلاف سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس کی تفسیر انبیاء اور اولیاء کے ساتھ کی ہے اور جو لوگ انبیاء اور اولیاء کو پکارتے ہیں انہوں نے اس پکارنے کو عبادت قرار دیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جارہی ہے وہ فرشتے یا جن یا شیاطین یا لکڑی اور پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحاب قبور ہیں اس لیے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں' ان پر اموات غیر

احیاء کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے اس لیے ما یشعرون ایان یبعثون کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں۔ اب لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ سے مراد وہ انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو غالی معتقدین داتا، مشکل کشا، فریاد رس، غریب نواز، گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر، اپنی حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں اگر کوئی یہ کہے کہ عرب میں اس نوعیت کے معبود نہیں پائے جاتے تھے، تو ہم عرض کریں گے کہ یہ جاہلیت عرب کی تاریخ سے اس کی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ کون پڑھا لکھا نہیں جانتا ہے کہ عرب کے متعدد قبائل ربیعہ، کلب، تغلب، قضاعہ، کنانہ، حرث، کعب، کندہ وغیرہ میں کثرت سے عیسائی اور یہودی پائے جاتے تھے اور یہ دونوں مذاہب بری طرح انبیاء، اولیاء اور شہداء کی پرستش سے آلودہ تھے، پھر مشرکین عرب کے اکثر نہیں تو بہت سے معبود وہ گزرے ہوئے انسان ہی تھے، جنہیں بعد کی نسلوں نے خدا بنا لیا تھا۔ بخاری میں ابن عباس کی روایت ہے کہ ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر یہ سب صالحین کے نام ہیں جنہیں بعد کے لوگ بت بنا بیٹھے، حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ اساف اور نائلہ دونوں انسان تھے، اسی طرح کی روایات لات، منات اور عزیٰ کے بارے میں بھی موجود ہیں اور مشرکین کا یہ عقیدہ بھی روایات میں آیا ہے کہ لات اور عزیٰ اللہ کے ایسے پیارے تھے کہ اللہ میاں جاڑا لات کے ہاں اور گرمی عزیٰ کے ہاں بسر کرتے تھے۔ سبحانہ وتعالی عما یصفون۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۳۳۔ ۵۳۴، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۲ھ)

سید مودودی کی تفسیر پر بحث و نظر

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جو والذین یدعون من دون اللہ کا مصداق انبیاء، اولیاء، شہداء اور صالحین کو قرار دیا یہ خالص تفسیر بالرائے ہے، قدیم اور مستند تفاسیر کے خلاف ہے، پہلے ہم مستند تفاسیر کے حوالہ جات کے ساتھ والذین یدعون من دون اللہ کا معنی اور اس کا صحیح مصداق بیان کریں گے، اور احادیث صحیحہ سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی وفات کے بعد ان سے مدد طلب کرنے کا جواز بیان کریں گے اور اس سلسلہ میں محققین علماء کرام اور خصوصاً سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مسلم بزرگوں کی تصریحات نقل کریں گے اور مشکل کشا اور فریاد رس ایسے الفاظ کا ثبوت بھی ان ہی کے مسلم بزرگوں کے حوالوں سے بیان کریں گے، فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

"والذین یدعون من دون اللہ" میں "یدعون" کا صحیح ترجمہ عبادت کرنا ہے پکارنا نہیں ہے

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت میں یدعون کا ترجمہ پکارتے ہیں کیا ہے، جبکہ ایسے مواقع پر یدعون کا صحیح ترجمہ ہے عبادت کرتے ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وآنانکہ مے پرستند کافراں ایشاں را بجز خدا نمے آفرینند چیزے را و خود شان آفریدہ مے شوند۔

اور شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں۔

اور سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت میں والذین یدعون من دون اللہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والالھۃ الذین تعبدونھم ایھا الکفار۔ اور وہ معبود جن کی تم عبادت کرتے ہوا ے کفار!

(روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۷۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

دراصل سید مودودی نے اس آیت میں یدعون کا معنی پکارتے ہیں اس لیے کیا ہے کہ اس آیت کو ان مسلمانوں پر

چسپاں کر سکیں جو اپنی مہمات میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو پکارتے ہیں' کیونکہ اگر وہ اس آیت کا معنی عبادت کرتے تو پھر وہ اس آیت کو مسلمانوں پر چسپاں نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی بہر حال عبادت نہیں کرتے۔

والذین یدعون من دون اللہ کا مصداق اصنام اور بت ہیں' انبیاء اور اولیاء نہیں!

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جارہی ہے وہ لکڑی یا پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحاب قبور ہیں' لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے' اس لیے مایشعرون ایان یبعثون کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں' اب لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ سے مراد وہ انبیاء' اولیاء' شہداء' صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں۔

اب دیکھئے قدیم اور مستند مفسرین نے الذین یدعون من دون اللہ سے مراد کس کو لیا ہے!

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ذکر فرماتا ہے: اور تمہارے وہ بت جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو' اے لوگو یہ معبود کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے یہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں' پس جو خود بنایا ہوا ہو' اور اپنے لیے بھی کسی نفع اور ضرر کا مالک نہ ہو وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے۔

اور اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ بت جن کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے' مُردہ ہیں' ان میں روحیں نہیں ہیں اور یہ اپنی پرستش کرنے والوں کے لیے کسی ضرر اور نفع کے مالک نہیں ہیں۔ (جامع البیان جز ۱۴ ص ۱۲۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا یہ بت جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے مُردہ ہیں' ان میں روحیں نہیں ہیں' الخ۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۴۹۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اموات غیر احیاء اس سے مراد اصنام (بت) ہیں' فراء نے کہا اموات کا معنی یہاں پر ہے ان میں روح نہیں ہے۔ اخفش نے کہا غیر احیاء' اموات کی تاکید ہے' اور وما یشعرون ایان یبعثون کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد اصنام (بت) ہیں' ان کو آدمیوں کے صیغے سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حشر میں اصنام کو بھی اٹھائے گا ان کے ساتھ روحیں ہوں گی اور ان کے ساتھ ان کے شیاطین ہوں گے' اور وہ کفار کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں گے' پھر شیاطین کو اور ان بتوں کی عبادت کرنے والوں کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔

(۲) مقاتل نے کہا وما یشعرون سے مراد کفار ہیں' وہ نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۳۸-۴۳۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اصنام (بتوں) کی کئی صفات ذکر فرمائی ہیں: (۱) وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے اور خود پیدا کیے ہوئے ہیں۔ (۲) وہ مُردہ ہیں زندہ نہیں ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ حقیقت میں معبود ہوتے تو زندہ ہوتے مُردہ نہ ہوتے حالانکہ ان اصنام (بتوں) کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ (۳) ومایشعرون ایان یبعثون' ومایشعرون کی ضمیر اصنام کی طرف لوٹتی ہے یعنی یہ بت نہیں جانتے کہ ان کو کس وقت اٹھایا جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۹۶-۱۹۵ ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اموات غیر احیاء سے مراد اصنام (بت) ہیں' ان میں روحیں نہیں ہیں اور نہ وہ سنتے اور دیکھتے ہیں' یعنی وہ جمادات ہیں سو تم کیسے ان کی عبادت کرتے ہو جبکہ تم زندہ ہونے کی بناء پر ان سے افضل ہو۔ ومایشعرون اس کا معنی یہ ہے کہ یہ بت نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا' ان کو آدمیوں کے صیغے سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ عقل اور علم رکھتے ہیں اور اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے تو ان کے عقیدہ کے اعتبار سے ان سے خطاب فرمایا۔ اور ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے دن ان بتوں کو اٹھایا جائے گا' اور ان کی روحیں ہوں گی اور وہ کافروں کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور دنیا میں یہ بت جماد ہیں' یہ نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۸۶-۸۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ یہ اصنام (بت) جن کی کفار اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ۔ (الصّٰفّٰت: ۹۵) کیا تم ان بتوں کی عبادت کرتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۲۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ بیان شروع کیا کہ اصنام کسی بھی چیز کو پیدا کرنے سے عاجز ہیں تو وہ عبادت کے کس طرح مستحق ہو سکتے ہیں۔ اموات غیر احیاء: یعنی یہ اصنام مُردہ اجسام ہیں اور ومایشعرون ایان یبعثون کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ان بے جان بتوں کو یہ پتا نہیں ہے کہ جو کفار ان کی عبادت کرتے ہیں ان کو کب اٹھایا جائے گا۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۲۲۶-۲۱۵' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ تمام معتمد اور قدیم مفسرین نے والذین یدعون من دون اللہ کا مصداق بتوں کو قرار دیا ہے اور سید ابو الاعلیٰ مودودی نے جو اس کا مصداق انبیاء' اولیاء' شہداء اور صالحین کو قرار دیا ہے یہ ان کی منفرد رائے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خوارج بدترین مخلوق ہیں' جو آیات کافروں کے متعلق نازل ہوتی ہیں وہ ان کو مومنین پر چسپاں کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب استتابۃ المرتدین باب (۶) (قتل الخوارج)

اور سید ابو الاعلیٰ مودودی نے جو آیت بتوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اس کو انبیاء' اولیاء' شہداء اور صالحین پر منطبق کیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون○

والذین یدعون من دون اللہ سے انبیاء اور اولیاء مراد لینے کے شبہات اور ان کے جوابات

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ ہم متعدد مفسرین کے حوالوں سے لکھ چکے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ بتوں کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا' ان میں روح ڈالی جائے گی اور وہ ان کافروں سے بیزاری کا اظہار کریں گے جو ان کی عبادت کرتے تھے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سید مودودی کی تفسیر پر بہر حال مقدم ہے' نیز انہوں نے لکھا ہے کہ وما یشعرون ایان یبعثون کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں' سید ابو الاعلیٰ مودودی کی یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مفسرین نے اس کی دو تفسیریں کی ہیں: ایک یہ ہے کہ وما یشعرون کی ضمیر بتوں کی طرف لوٹتی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: بتوں کے لیے ذوی العقول کا صیغہ استعمال فرمایا ہے کیونکہ کفار ان کے لیے علم' عقل اور شفاعت کرنے کا عقیدہ رکھتے تھے اور معنی یہ ہے کہ بتوں کو شعور نہیں ہے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا' اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ وما یشعرون کی ضمیر بتوں کی طرف لوٹتی ہے اور یبعثون کی ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ بت نہیں جانتے کہ کافروں کو کب اٹھایا جائے گا' اس لیے یہ الفاظ خارج از بحث نہیں ہیں۔

نیز مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ عرب کے متعدد قبائل ربیعہ' کلب' تغلب وغیرہ میں کثرت سے عیسائی اور یہودی پائے جاتے تھے' اور یہ دونوں مذاہب بری طرح انبیاء' اولیاء اور شہداء کی پرستش سے آلودہ تھے۔ یہ استدلال بھی باطل ہے کیونکہ جن قبائل کا مودودی صاحب نے ذکر کیا ہے یہ مدینہ اور اس کے مضافات میں تھے اور سورۃ النحل مکی ہے اور اس میں مکہ کے مشرکین سے خطاب ہے' یہود و نصاریٰ کی اعتقادی خرابیوں پر مدنی سورتوں میں خطاب کیا گیا ہے۔

نیز مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ پھر مشرکین عرب کے اکثر نہیں تو بہت سے معبود وہ گزرے ہوئے انسان ہی تھے جنہیں بعد کی نسلوں نے خدا بنا لیا تھا۔ بخاری میں ابن عباس کی روایت ہے کہ ود' سواع' یغوث' یعوق' نسر یہ سب صالحین کے نام ہیں جنہیں بعد کے لوگ بت بنا بیٹھے۔ یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مشرکین نے صالحین کی فرضی صورتیں اور مورتیاں بنالی تھیں' وہ ان صالحین کی پرستش اور عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ ان فرضی صورتوں اور مورتیوں کی عبادت کرتے تھے اور ان فرضی صورتوں اور بتوں کا ان نیک بندوں سے کوئی تعلق نہ تھا؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ۔ (الاعراف: ۷۱)

کیا تم مجھ سے ان ناموں کے متعلق جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی۔

اللات' العزیٰ اور المنات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ۔ (النجم: ۲۳)

یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں' اللہ نے ان کے متعلق کوئی دلیل نازل نہیں کی وہ صرف گمان کی اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کفار نے جن اصنام کا نام خدا رکھا ہے یہ محض اسماء ہیں' ان کا کوئی مسمیٰ نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ما تعبدون من دونہ الا اسماء۔ (یوسف: ۴۰) تم اللہ کے سوا جن کی پرستش کرتے ہو وہ صرف اسماء ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۴ ص ۱۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۷ھ)

اس لیے مودودی صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ صالحین کی عبادت کرتے تھے بلکہ وہ خالی ناموں کی عبادت کرتے تھے جن کا کوئی نام والانہ تھا۔

مشرکین صالحین کی عبادت کرتے تھے' اس پر مزید استدلال کرتے ہوئے سید مودودی صاحب اس سیاق میں لکھتے ہیں کہ یہ سب صالحین کے نام ہیں جنہیں بعد کے لوگ بت بنا بیٹھے' وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ اساف اور نائلہ دونوں انسان تھے۔

حیرت ہے کہ سید مودودی نے بتوں کو صالحین قرار دینے کے فور شوق میں اساف اور نائلہ کا بھی ذکر کر دیا حالانکہ یہ صالح انسان نہ تھے بلکہ بدکار انسان تھے' اساف اور نائلہ کا ذکر صحیح مسلم کی حدیث: ۷۷۔ ۱۲ میں ہے' اس کی شرح میں قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی متوفی ۵۴۴ھ اور ان کے حوالے سے دیگر شارحین اساف اور نائلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

مرد کا نام اساف بن نقاد تھا اور عورت کا نام نائلہ بنت ذئب تھا' ان دونوں کا تعلق قبیلہ جرھم سے تھا' ان دونوں نے کعبہ کے اندر زنا کیا' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مسخ کر کے پتھر بنا دیا اور ان دونوں پتھروں کو کعبہ میں نصب کر دیا گیا' ایک قول یہ ہے کہ ان کو صفا اور مروہ پر نصب کر دیا گیا تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں' پھر قصی نے ان کو وہاں سے نکالا اور ایک پتھر کو کعبہ میں نصب کیا اور ایک کو زمزم کے پاس' ایک قول ہے کہ دونوں کو زمزم کے پاس نصب کیا' اور ان پتھروں کے پاس قربانی کرنے اور ان کی عبادت کا حکم دیا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو ان پتھروں کو توڑ ڈالا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۴ ص ۳۵۳' المفہم ج ۳ ص ۱۳۸۵' مسلم مع شرح النواوی ج ۵ ص ۲۴۳۷' اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۳۳۸)

ان دلائل سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین مکہ انبیاء' اولیاء' شہداء اور صالحین کی عبادت نہیں کرتے تھے' وہ صرف ان ناموں کی عبادت کرتے تھے جن کی انہوں نے فرضی مورتیاں بنا رکھی تھیں اور ان ناموں کا کوئی مسمیٰ نہیں تھا اور وہ ان بدکار انسانوں کی عبادت کرتے تھے جن کو مسخ کر کے اللہ تعالیٰ نے پتھر بنا دیا تھا۔

انبیاء' اولیاء' شہداء اور صالحین کی حیات کا ثبوت

سید مودودی لکھتے ہیں: اب لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ سے مراد وہ انبیاء' اولیاء' شہداء' صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو غالی معتقدین داتا' مشکل کشا' فریاد رس' غریب نواز' گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔

سید مودودی صاحب کا شہداء کو اموات غیر احیاء میں شامل کرنا صراحتاً قرآن عظیم کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ شہداء کے متعلق فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰـكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو مُردہ مت کہو' بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم شعور نہیں رکھتے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۝ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مُردہ گمان (بھی) مت کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ (آل عمران: ۱۶۹)

اور انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں کیونکہ جن کی صرف موت فی سبیل اللہ ہے جب وہ زندہ ہیں تو جن کی موت اور حیات دونوں فی سبیل اللہ ہے تو وہ تو بطریق اولیٰ زندہ ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (الانعام: ۱۶۲) آپ کہئے کہ میری نماز اور میراحج و قربانی' اور میری زندگی اور موت سب اللہ ہی کے لیے ہے۔

اور خصوصیت کے ساتھ قبر میں انبیاء علیہم السلام کی حیات پر یہ حدیث دلیل ہے:

اوس بن اوس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے' اسی دن حضرت آدم کو پیدا کیا گیا' اسی دن ان کی روح قبض کی گئی' اسی دن صور پھونکا جائے گا' اسی دن لوگ بے ہوش ہوں گے' تم اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے کہا: آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کا جسم تو بوسیدہ ہو چکا ہوگا! آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے زمین پر انبیاء کے جسم کو کھانا حرام فرما دیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵' ۱۶۳۶)

حافظ ابن کثیر شافعی اور مفتی محمد شفیع دیو بندی نے انبیاء علیہم السلام کی حیات کی تصریح کی ہے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عاصیوں اور گناہ گاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان سے خطا اور گناہ ہو جائے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ کے پاس آ کر استغفار کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کریں کہ آپ بھی ان کے لیے اللہ سے درخواست کریں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پائیں گے۔ مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ ان میں الشیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں' انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں عتبی کی یہ مشہور حکایت لکھی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آ کر کہا: السلام علیک یا رسول اللہ۔ میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا ہے: ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك۔ الآیہ۔ اور میں آپ کے پاس آ گیا ہوں اور اپنے گناہ پر اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت طلب کرنے والا ہوں' پھر اس نے دو شعر پڑھے:

اے وہ جو زمین کے مدفونین میں سب سے بہتر ہیں
جن کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے
میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں
اسی میں عفو ہے اسی میں سخاوت ہے اور لطف و کرم ہے

پھر وہ اعرابی چلا گیا' عتبی بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی' میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ نے فرمایا: اے عتبی! اس اعرابی کے پاس جا کر اس کو خوشخبری دو کہ اللہ نے اس کی مغفرت کر دی

ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ص ۵۸۹ الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵، البحر المحیط ج ۳ ص ۶۹۳، مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۱ ص ۳۹۹)
مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعاء مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے' اس کے بعد مفتی صاحب نے بھی عتبی کی مذکور الصدر حکایت بیان کی۔ (معارف القرآن ج ۲ص ۴۶۰۔۴۵۹، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

ان آیات، احادیث اور ایسے علماء کی تصریحات سے، جن کی ثقاہت سید مودودی کے نزدیک بھی مسلم ہے، یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور رہے اولیاء کرام اور صالحین سو وہ بھی اپنی قبروں میں برزخی حیات کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو قبروں میں ثواب ہوتا ہے بلکہ برزخی حیات کے ساتھ تو کفار بھی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو قبروں میں عذاب ہوتا ہے، اگر برزخی حیات نہ مانی جائے تو عذاب قبر اور ثواب قبر کا کوئی معنی ہی نہیں ہے، اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ انبیاء، شہداء، اولیاء اور صالحین کو اموات غیر احیاء کا مصداق قرار دینا باطل ہے، اموات غیر احیاء کا مصداق صرف بت ہیں جن میں حیات کی کوئی رمق نہیں ہے۔

غوث اعظم اور غوث الثقلین ایسے القاب کا ثبوت

سید مودودی نے اپنے زعم میں الذین یدعون من دون اللہ کا مصداق انبیاء، اولیاء، شہداء اور صالحین کو ثابت کر کے لکھا ہے کہ جن کو غالی معتقدین داتا، مشکل کشا، فریاد رس، غریب نواز، گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔

گویا کسی صالح انسان کو داتا، مشکل کشا اور فریاد رس وغیرہ کہنا اس آیت کی رو سے ممنوع اور ناجائز ہے، ہم ان القاب میں سے صرف فریاد رس کے متعلق گفتگو کر رہے اور فریاد رس کو عربی میں غوث کہتے ہیں اور سید مودودی کے مسلم بزرگوں نے حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کو غوث اعظم اور غوث الثقلین کہا ہے۔

شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

بے سمجھ طالب جب معرفت ذات کے مقام پر پہنچتے ہیں اور سلوک متعارف کو ختم کر لیتے ہیں تو جانتے ہیں کہ ہم بھی حضرت غوث اعظم اور حضرت خواجہ بزرگ نائب رسول اللہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت قطب الاقطاب حضرت خواجہ بختیار کاکی اور پیشوائے شریعت و طریقت، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند اور حضرت امام ربانی قیوم زمانی حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی وغیرہم قدس اللہ اسرارہم اجمعین جیسے بڑے اولیاء اللہ کے ہم پایہ اور ہم مقام ہو گئے۔

(صراط مستقیم (فارسی) ص ۱۳۲، صراط مستقیم (اردو) ص ۲۲۵)

اس عبارت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو غوث اعظم کہا ہے۔

نیز شیخ اسماعیل دہلوی، سید احمد بریلوی کی روحانی تربیت کے متعلق لکھتے ہیں:

جناب حضرت غوث الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روح مقدس آپ کے متوجہ حال ہوئیں اور قریباً عرصہ ایک ماہ تک آپ کے حق میں ہر دو روح مقدس کے مابین فی الجملہ تنازع رہا کیونکہ ہر ایک ان دونوں عالی مقام

اماموں میں سے اس امر کا تقاضا کرتا تھا کہ آپ کو بتمامہ اپنی طرف جذب کرلے تاآنکہ تنازع کا زمانہ گزرنے اور شرکت پر صلح کے واقع ہونے کے بعد ایک دن ہر دو مقدس روحیں آپ پر جلوہ گر ہوئیں اور تقریباً ایک پہر کے عرصہ تک وہ دونوں امام آپ کے نفس نفیس پر توجہ قوی اور پرزور اثر ڈالتے رہے، پس اسی ایک پہر میں ہر دو طریقہ کی نسبت آپ کو نصیب ہوئی۔

(صراط مستقیم (اردو) ص ۲۸۳، مطبوعہ لاہور، صراط مستقیم (فارسی) ص ۱۶۶، طبع لاہور)

ان عبارات میں حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کو غوث اعظم اور غوث الثقلین کہا ہے یعنی سب سے بڑے فریاد رس اور جن و انس کے فریاد رس، نیز دوسرے اقتباس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ حضرت غوث اعظم اور خواجہ بہاء الدین جو اولیاء اور صالحین امت میں سے ہیں نہ صرف زندہ ہیں بلکہ وہ مسلمانوں کی تطہیر، تزکیہ اور ان کی تربیت بھی کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے سید احمد بریلوی پر اپنی توجہ ڈالی اور ان کو اپنی نسبت سے مشرف فرمایا، اور یہ سب امور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خلاف ہیں، ہم نے لکھا تھا کہ یہ لکھنے والے سید مودودی کے مسلم بزرگ ہیں، سوملاحظہ فرمائیں۔

شاہ عبدالعزیز اور شیخ اسماعیل دہلوی کا سید مودودی کے نزدیک حجت ہونا

سید ابوالاعلیٰ مودودی، شیخ اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات پر پوری نصف صدی بھی نہ گزری تھی کہ ہندوستان میں ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوئی جس کا نصب العین وہی تھا جو شاہ صاحب نگاہوں کے سامنے روشن کرکے رکھ گئے تھے۔ سید صاحب کے خطوط اور ملفوظات اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی منصب امامت، عبقات، تقویۃ الایمان اور دوسری تحریریں دیکھئے، دونوں جگہ وہی شاہ ولی اللہ صاحب کی زبان بولتی نظر آتی ہے۔ شاہ صاحب نے عملاً جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ حدیث اور قرآن کی تعلیم اور اپنی شخصیت کی تاثیر سے صحیح الخیال اور صالح لوگوں کی ایک کثیر تعداد پیدا کردی، پھر ان کے چاروں صاحبزادوں نے، خصوصاً شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس حلقہ کو بہت زیادہ وسیع کیا، یہاں تک کہ ہزارہا ایسے آدمی ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئے جن کے اندر شاہ صاحب کے خیالات نفوذ کیے ہوئے تھے، جن کے دماغوں میں اسلام کی صحیح تصویر آچکی تھی اور جو اپنے علم و فضل اور اپنی عمدہ سیرت کی وجہ سے عام لوگوں میں شاہ صاحب اور ان کے حلقے کا اثر قائم ہونے کا ذریعہ بن گئے تھے۔ اس چیز نے اس تحریک کے لیے گویا زمین تیار کردی، جو بالآخر شاہ صاحب ہی کے حلقے سے، بلکہ یوں کہئے کہ ان کے گھر سے اٹھنے والی تھی۔

(تجدید و احیاء دین ص ۱۲۵۔ ۱۲۴، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۵ء)

بہرحال سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مسلم بزرگ شاہ اسماعیل کی تحریر سے ثابت ہوگیا کہ اولیاء اللہ زندہ ہوتے ہیں اور اس جہان میں تصرف بھی کرتے ہیں جیسا کہ حضرت غوث اعظم اور خواجہ بہاء الدین رحمہما اللہ نے سید احمد بریلوی پر تصرف فرمایا اور ان کو اپنی نسبتوں سے نوازا۔

انبیاء علیہم السلام سے حاجت روائی

اس بحث کو مکمل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ یہ بھی واضح کردیں کہ سید مودودی نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء

لہ سید صاحب ۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء میں شہادت پائی۔ شاہ اسماعیل صاحب ۱۱۹۳ھ ۱۷۷۹ء میں پیدا ہوئے، ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء میں شہادت پائی۔ انقلابی تحریک کی چنگاری سید صاحب کے دل میں غالباً ۱۸۱۰ء کے لگ بھگ زمانے میں بھڑک اٹھی تھی۔ (حاشیہ تجدید و احیاء دین ص ۱۲۴۔ ۱۲۵، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۵ء)

کرام سے حاجت روائی کو اس آیت کے تحت کافروں کا فعل قرار دیا ہے، ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے دور خلافت میں صحابہ اور تابعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاجت روائی کی ہے لہٰذا انبیاء علیہم السلام سے حاجت روائی کرنا صحابہ اور تابعین کی سُنّت اور ان کی اقتداء ہے، کافروں اور مشرکوں کا فعل نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک سال قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا: اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے۔

حافظ ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مالک الدار، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط آ گیا، ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ، ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی، اور ان سے کہو تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: اے اللہ! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۶۷، الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۳۹۰-۳۸۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۶-۴۹۵، طبع لاہور)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، اور نہ اس کے کام کی طرف دھیان دیتے تھے۔ ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی، اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس بات کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے اس سے کہا: تم وضو خانہ جا کر وضو کرو، پھر مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ کہو اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی، نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد میں آپ کے واسطے سے آپ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی کرے اور اپنی حاجت کا ذکر کرنا پھر میرے پاس آنا حتیٰ کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں۔ وہ شخص گیا اور اس نے حضرت عثمان بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا، پھر وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس گیا۔ دربان نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور ان کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان نے اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور پوچھا تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے اپنا کام ذکر کیا، حضرت عثمان نے اس کا کام کر دیا اور فرمایا: تم نے اس سے پہلے اب تک اپنے کام کا ذکر نہیں کیا تھا اور فرمایا: جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو تم ہمارے پاس آ جانا، پھر وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلا گیا اور جب اس کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے، حتیٰ کہ آپ نے ان سے میری

سفارش کی۔ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا: بخدا! میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی، لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا آپ کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے اپنی نابینائی کی آپ سے شکایت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس پر صبر کرو گے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم وضو خانے جاؤ اور وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، پھر ان کلمات سے دعا کرو۔ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا: ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ نابینا شخص آیا در آنحالیکہ اس میں بالکل نابینائی نہیں تھی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۸۳۔ ۱۹۸۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۳۱۱)

حافظ منذری، حافظ الہیثمی اور شیخ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۷۶۔ ۴۷۴، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷۹، فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۹۵۔ ۱۹۳)

اولیاء اللہ سے حاجت روائی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ بھی سید مودودی کے مسلم بزرگ اور حجت ہیں لہٰذا ہم اولیاء اللہ سے حاجت روائی کے جواز پر ان کی عبارت نقل کر رہے ہیں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

از اولیاء مدفونین ودیگر صلحاء مومنین انتفاع واستفادہ جاری است و آنہارا افادہ واعانت نیز متصور بخلاف مردہ ہائے سوختہ کہ این چیز ہا اصلاً نسبت بآنہا در اہل مذہب آنہا نیز واقع نیست۔

وصال پانے والے اولیاء اور دیگر صلحاء مومنین سے استفادہ اور استعانت جاری و ساری ہے اور ان اولیاء و صلحاء سے افادہ اور امداد بھی متصور ہے۔ بخلاف ان مُردوں کے جن کو جلا دیا جاتا ہے کیونکہ ان سے یہ امور ان کے مذہب میں بھی جائز نہیں ہیں۔ (تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۵۰، مطبوعہ افغانستان)

نیز شاہ صاحب لکھتے ہیں:

وبعضے از خواص اولیاء اللہ راکہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بہ جہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمے گردد واویسیاں تحصیل کمالات باطنی از آنہا مے نمایند و ارباب حاجات ومطالب حل مشکلات خود از آنہا مے طلبند و مے یابند و زبان حال آنہا در آنوقت ہم مترنم بایں مقالات است۔ مصرعہ "من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن"۔ (تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۱۱۳ مطبوعہ افغانستان)

وہ خاص اولیاء اللہ جنہوں نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے وفات کے بعد بھی دنیا میں تصرف کرنے کی طاقت پاتے ہیں اور ان کا امور اخروی میں مستغرق ہونا بسبب وسعت ادراک کے دنیا کی طرف توجہ کرنے سے مانع نہیں ہوتا۔ اویسی سلسلہ کے حضرات اپنے باطنی کمالات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حاجت مندان سے حاجت طلب کرتے ہیں اور مراد پاتے ہیں اور ان کی زبانِ حال اس وقت یوں گویا ہوتی ہے کہ اگر تم بدن سے میری طرف بڑھو گے تو میں روح سے تمہاری طرف پیش قدمی کروں گا۔

سید مودودی کی تفسیر کے رد میں بحث طویل ہو گئی لیکن ہم یہ چاہتے تھے کہ اس بحث کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے اور یہ واضح ہو جائے کہ والذین یدعون من دون اللہ اور اموات غیر احیاء کا مصداق انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور شہداء اور صالحین نہیں، اس کا مصداق صرف بت ہیں اور اس سلسلہ میں سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تمام شبہات کا جواب ہو

جائے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و تکریم اور ان کی حرمت جو میرے دل میں جاگزین ہے اس کے تقاضے سے میں نے یہ بحث لکھی ہے' اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وشہداء دینہ والمسلمین اجمعین۔

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

تمہاری عبادت کا مستحق، واحد عبادت کا مستحق ہے، سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے

قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ

ان کے دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں ○ یقیناً اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے

مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾

جن کو وہ چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ○

لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ

تاکہ یہ قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) مکمل بوجھ اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی

۴ ع ۹ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ

جن کو یہ بغیر علم کے گمراہ کر رہے ہیں، سنو! وہ کیسا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں ○ بے شک ان سے پہلے لوگوں نے

مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ

(بھی ایسی) سازشیں کی تھیں تو اللہ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سے

السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

اکھاڑ دیا سو ان کے اوپر سے ان پر چھت گر پڑی پھر ان پر وہاں سے عذاب آگیا جہاں سے انہیں گمان تک نہ تھا ○

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ

پھر وہ ان کو قیامت کے دن (بھی) رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہاں ہیں وہ میرے شرکاء جن کے متعلق تم

تُشَاۗقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ
جھگڑتے تھے، جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہیں گے آج ساری رسوائی
الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ
اور برائی کافروں پر ہے ○ (ان کا حال یہ ہے کہ) جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں
ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ
تو اس وقت وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں، اس وقت وہ اطاعت شعار بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کوئی برائی نہیں کرتے تھے،
اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ
کیوں نہیں! بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کیا کرتے تھے ○ سو اب تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ
فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ
اس میں رہو گے، سو تکبر کرنے والوں کا کیسا برا ٹھکانا ہے ○ اور متقین سے کہا گیا کہ تمہارے
اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
رب نے کیا نازل کیا ہے، انہوں نے کہا اچھا (کلام)، جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے
حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ
ان کے لیے اچھا اجر ہے، اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے اور بے شک متقین کا گھر کیا ہی اچھا ہے ○ جن میں وہ
عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا
داخل ہوں گے وہ دائمی جنتیں ہیں، ان کے نیچے سے دریا بہتے ہیں ان کے لیے اس میں وہ سب کچھ ہے
مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ
جس کی وہ خواہش کریں گے، اللہ متقین کو اسی طرح جزا دیتا ہے ○ ان (متقین) کی
تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا
جب فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں تو اس وقت وہ پاکیزہ ہوتے ہیں فرشتے کہتے ہیں تم پر سلام ہو تم جنت

الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ

میں داخل ہو جاؤ، ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے ○ وہ (کافر) اس کے سوا اور کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ

الْمَلٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کے رب کا عذاب آجائے، ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا،

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۳۳﴾ فَأَصَابَهُمْ

اللہ نے ان پر (بالکل) ظلم نہیں کیا، وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○ سو ان کے کاموں کی برائیاں

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۴﴾ ع ۴ ۹ ۱۰

انہیں پہنچ گئیں اور ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہاری عبادت کا مستحق، واحد عبادت کا مستحق ہے، سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں ○ یقیناً اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ (النحل: ۲۳-۲۲)

کفار مکہ کے شرک پر اصرار کا سبب

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کا رد فرمایا، اور کافروں کے مذہب کا قوی دلائل سے رد فرمایا، اور اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار مکہ کس وجہ سے توحید کا انکار کرتے تھے اور شرک پر اصرار کرتے تھے اور اس وجہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ جب نیکیوں پر ثواب کے دلائل اور برائیوں پر عذاب کے دلائل سنتے ہیں تو وہ ثواب کے حصول میں رغبت کرتے ہیں اور دائمی عذاب سے ڈرتے ہیں، اور وہ ان دلائل کو سن کر ان میں غور و فکر کرتے ہیں، اور ان دلائل سے نفع حاصل کرتے ہیں اور باطل سے حق کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں وہ نہ دائمی عذاب کی وعید سے ڈرتے ہیں اور نہ حصول ثواب کی توقع کرتے ہیں، وہ ہر اس دلیل اور نصیحت کا انکار کرتے ہیں جو ان کے قول کے مخالف ہو اور دوسرے شخص کے قول کو ماننے اور قبول کرنے سے تکبر کرتے ہیں، سو وہ اپنی جہالت اور گمراہی کی وجہ سے اپنے قول پر ڈٹے رہتے ہیں۔

تکبر کی مذمت کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا شرک پر اصرار کرنا اور اپنے باطل مذہب پر ڈٹے رہنا اس وجہ سے نہ تھا کہ اسلام کے خلاف ان کے کچھ شبہات اور اشکالات تھے بلکہ وہ محض باپ دادا کی تقلید کی وجہ سے اور حق کو قبول کرنے سے تکبر کی وجہ سے تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، تکبر کی مذمت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، ایک شخص نے کہا ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے

خوبصورت ہوں اس کی جوتی خوبصورت ہو، آپ نے فرمایا اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے، تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۹۔۱۹۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۳، ج ۱ ص ۴۱۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۲۴، المستدرک ج ۱ ص ۲۶)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا ان کو ہر طرف سے ذلت اور رسوائی گھیر لے گی، ان کو دوزخ کے قید خانہ کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا جس کا نام بولس ہے، جس میں ہر طرف اور اوپر تلے آگ ہوگی، ان کو دوزخیوں کے جسموں سے نکلی ہوئی پیپ اور خون کا آمیزہ پلایا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۲، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۹۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۹۰، مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۹، الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۵۷، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۰۰)

متکبرین کی مغفرت نہ ہونے کی احادیث کی توجیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تکبر کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تکبر زیادہ سے زیادہ گناہ کبیرہ ہے اور مرتکب کبائر کی تو بخشش ہو جائے گی، علامہ خطابی نے اس کا جواب دیا ہے کہ جس شخص کا خاتمہ ایمان لانے سے تکبر پر ہوا وہ جنت میں بالکل داخل نہیں ہوگا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ تکبر کے ساتھ جنت میں نہیں داخل نہیں ہوگا بلکہ جنت میں دخول سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے سینے سے تکبر نکال لے گا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَنَزَعْنَا مَافِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ۔ اور ہم ان کے سینوں میں سے جو کچھ بھی کھوٹ ہے اس کو نکال لیں گے۔ (الاعراف: ۴۳)

لیکن یہ دونوں جواب بعید ہیں'۔ پہلا جواب اس لیے بعید ہے کہ حدیث میں تکبر کا معروف معنی مراد ہے یعنی حق بات کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اس لیے حدیث کا صحیح محمل یہ ہے کہ وہ تکبر کی سزا پائے بغیر پہلی مرتبہ یا ابتداءً جنت میں داخل نہیں ہوگا دوسرا صحیح جواب یہ ہے کہ اگر اس کو سزا دی گئی تو وہ اس سزا کا مستحق ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کرم فرما کر اس کو سزا نہیں دے گا اس نے اپنے کرم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ وہ موحدین کو جنت میں داخل فرمائے گا خواہ ابتداءً خواہ بعض ان مرتکبین کو سزا دینے کے بعد جو اس حال میں مرے کہ وہ اپنے کبیرہ گناہوں پر اصرار کر رہے تھے، اس کا ایک اور جواب یہ ہے کہ وہ پہلی بار متقین کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک اور صحیح جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کفار کی طرح دوام اور خلود کے لیے دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔

امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کی تحقیق

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری یہ امت، امت مرحومہ ہے، اس پر آخرت میں عذاب نہیں ہوگا اس کا عذاب دنیا میں فتنوں، زلزلوں اور قتل کی صورت میں ہوگا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۷۸، المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۹، المستدرک ج ۴ ص ۴۴۴، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۴۵۲، صحیح الجامع للالبانی رقم الحدیث: ۱۳۹۶، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۶۲۲)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی رمز (اشارہ) کی ہے۔
حافظ منذری متوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:
اس حدیث کی سند میں ایک راوی مسعودی ہے' اس کا نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عقبہ بن مسعود الھزلی الکوفی ہے' اس کی حدیث سے امام بخاری نے استدلال کیا ہے اور ایک سے زیادہ ائمہ حدیث نے اس پر کلام کیا ہے' عقیلی نے کہا ہے کہ آخر عمر میں اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور اس کی حدیث میں اضطراب ہے' امام ابن حبان نے کہا اس کی احادیث خلط ملط ہیں اور ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہیں اس کی روایت ترک کرنے کی مستحق ہے۔
(مختصر سنن ابوداؤد ج ۶ ص ۱۵۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
آپ نے جو فرمایا ہے میری امت تو اس سے مراد آپ کی وہ امت ہے جو آپ کے دور اور آپ کے قرن میں موجود تھی' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد آپ کی امت اجابت ہو یعنی سابقہ کتابوں میں اس امت پر خصوصی رحمت کا ذکر کیا گیا ہے' اور یہ جو فرمایا ہے کہ اس امت پر آخرت میں عذاب نہیں ہوگا اس سے مراد یہ ہے کہ اس امت کے جن افراد کو عذاب دیا جائے گا ان کو درد محسوس نہیں ہوگا اور دوزخ کی جلن محسوس نہیں ہوگی کیونکہ جب ان کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا تو ان پر موت طاری کر دی جائے گی' اور بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس کے عام اعضاء کو عذاب نہیں ہوگا کیونکہ اعضاء وضو کو عذاب نہیں دیا جائے گا مگر اس جواب میں بلاوجہ تکلف ہے۔
(فیض القدیر ج ۳ ص ۱۷۱۔ ۱۷۴ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی کا نظریہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اس مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں:
فقیر کے نزدیک دوزخ کا عذاب خواہ موقت خواہ دائمی' کفر اور صفات کفر کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ اس کی تحقیق آگے آئے گی' اور وہ اہل کبائر کہ جن کے گناہ توبہ یا شفاعت یا صرف عفو و احسان کے ساتھ مغفرت میں نہیں آئے یا جن کبیرہ گناہوں کا کفارہ دنیا کے رنج اور تکلیفوں اور موت کی سکرات اور سختیوں کے ساتھ نہیں ہوا' امید ہے کہ ان کے عذاب میں بعض کو عذاب قبر کے ساتھ کفایت کریں گے۔ اور بعض کو قبر کی تکلیفوں کے علاوہ قیامت کی سختیوں اور ہول کے ساتھ کفایت کریں گے' اور ان کے گناہوں میں سے کوئی ایسا گناہ باقی نہ چھوڑیں گے جس کے لیے عذاب دوزخ کی ضرورت پڑے۔ آیت کریمہ:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ۔ (پ ۷: ع ۱۵)
وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے نہ ملایا ان کے لیے امن ہے۔

اس مضمون کی مؤید ہے کیونکہ ظلم سے مراد شرک ہے:
واللہ سبحانہ اعلم بحقائق الامور کلھا۔
اور تمام امور کی حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اگر کہیں کہ کفر کے سوا بعض اور برائیوں کی جزا بھی دوزخ کا عذاب ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ
جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا اس کی جزا جہنم ہے اور

خَالِدًا فِيهَا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

اور اخبار میں بھی آیا ہے کہ جو شخص ایک نماز فریضہ کو عمداً قضا کرے گا۔ اس کو ایک حقبہ دوزخ میں عذاب دیں گے۔ پس دوزخ کا عذاب صرف کفار کے ساتھ مخصوص نہ رہا۔

میں کہتا ہوں کہ قتل کا یہ عذاب اس شخص کے لیے ہے جو قتل کو حلال جانے، کیونکہ قتل کو حلال جاننے والا کافر ہے، جیسے کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ اور کفر کے سوا اور برائیاں جن کے لیے دوزخ کا عذاب آیا ہے۔ وہ بھی صفات کفر کی آمیزش سے خالی نہ ہوں گی۔ جیسے کہ اس برائی کو خفیف سمجھنا اور اس کے بجالانے کے وقت لاپروائی کرنا اور شریعت کے امرونہی کو خوار سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔

اور حدیث میں آیا ہے:

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔ میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ:

امتی امة مرحومة لا عذاب لھا فی الاخرة۔ میری امت، امت مرحومہ ہے۔ اس کو عذاب آخرت نہ ہوگا۔

اور آیت کریمہ الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن اسی مضمون کی موید ہے، جیسے کہ مذکور ہوا۔ اور مشرکوں کے اطفال اور شاہقان جبل اور پیغمبروں کے زمانہ فترت کے مشرکوں کا حال اس مکتوب میں، جو فرزندی محمد سعید کے نام لکھا ہے مفصل ہو چکا ہے وہاں سے معلوم کر لیں۔

(اردو ترجمہ مکتوبات حصہ چہارم دفتر اول مکتوب: ۲۶۶، ج ۲ ص ۷۵-۱۷۳، مطبوعہ کراچی)

امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت کے والد کا نظریہ

مولانا نقی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ (۱۴)۔ نظر بدلیل سابق یہ دعاء کہ خدایا سب مسلمانوں کے سب گناہ بخش دے جائز نہیں۔ کہ جس طرح وہاں تکذیب آیات لازم آتی ہے اس دعاء سے ان احادیث کی تکذیب ہوتی ہے جن میں بعض مسلمانوں کا دوزخ میں جانا وارد ہوا۔ اور ان کا آحاد ہونا اس جرأت کا مجوز نہیں۔ اور قولہ عزوجل یستغفرون لمن فی الارض اور فاغفر للذین تابوا ای من الکفر فیعم المسلمین ان کے منافی اور اس دعاء کے جواز کے لیے کافی نہیں۔ کہ افعال سیاق ثبوت میں اجماعاً عموم پر دلالت نہیں کرتے۔ اور برتقدیر تسلیم اس جگہ خصوص مراد ہے۔ تا قواعد شرع سے خلاف لازم نہ آئے۔ ہاں اللھم اغفرلی ولجمیع المسلمین سے نیت تعمیم حقیقی جائز ہے۔ ھذا حاصل کلام القرافی ذکرہ فی شرح المنیة لابن امیر الحاج۔

(احسن الوعا لاداب الدعاص ۱۰۱-۱۰۰، مطبوعہ کراچی)

امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا نظریہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

قال الرضاء۔ یہ دوسرا مسئلہ معرکۃ الآراء ہے۔ علامہ قرافی وغیرہ علماء تو عدم جواز کی طرف گئے۔ اور علامہ کرمانی نے

اس میں منازعت کی۔ جسے شرح منیہ میں رد کر دیا۔ پھر محقق حلبی نے اس بنا پر کہ مسلمانوں کے لیے خلف وعید بمعنی عطاو مغفرت جائز (بلکہ قطعاً واقع ہے) اور اس دعاء میں برادران دینی پر شفقت سمجھی جاتی ہے۔ اور جواز دعاء جواز مغفرت پر مبنی ہے۔ نہ وقوع پر۔ تو عدم وقوع مغفرت جمیع کی حدیثیں اس دعاء کے خلاف نہیں۔ اس کے جواز کی طرف میل کیا۔ علامہ زین نے بحرالرائق میں پھر علامہ محقق علائی نے درمختار میں ان کی تبعیت کی۔ مگر اس میں صریح خدشہ ہے کہ جواز صرف عقلی ہے نہ شرعی۔ کہ حدیث متواترۃ المعنی سے بعض مومنین کی تعذیب ثابت۔ اور نووی وابی ولقانی نے اس پر اجماع نقل کیا۔ اور جواز دعاء کے لیے صرف جواز عقلی باوجود استحالہ شرعی کافی ہونا مسلم نہیں۔ اس طرف محقق شامی نے ردالمحتار میں اشارہ فرمایا۔ رہا اظہار شفقت سے عذر میں کہتا ہوں وہ محل تکذیب نصوص میں قابل سماعت نہیں۔ فتامل۔ ثم اقول وباللہ التوفیق۔ یہاں تعمیمیں دو ہیں۔ ایک تعمیم مسلمین دوسری تعمیم ذنوب اگر داعی صرف تعمیم اول پر قناعت کرے مثلاً کہے۔ اللھم اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین والمؤمنات یا اللھم اغفر لامۃ محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تو قطعاً جائز ہے۔ اور اس کا امام قرافی کو بھی انکار نہیں۔ اور اس کے فضل میں احادیث وارد اور اس کا جواز آیات سے مستفاد اور یہ طبقہ۔ طبقہ مسلمین میں بلانکیر شائع اور اگر صرف تعمیم ثانی پر اکتفا کرے مثلاً اپنے لیے کہے الٰہی میرے سب گناہ چھوٹے بڑے ظاہر چھپے اگلے پچھلے معاف فرما یا کہے یا الٰہی میرے اور میرے والدین و مشائخ واحباب واصول و فروغ اور تمام اہل سنت کے لیے ایسی مغفرت کر جو اصلاً کسی گناہ کا نام نہ رکھے جب بھی قطعاً جائز، اور اس قسم کی دعاء بھی حدیث میں وارد اور مسلمین میں متوارث ان دونوں صورتوں کے جواز میں تو کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اس میں اصلاً کسی نص کی تکذیب نہیں۔ صورت ثانیہ میں تو ظاہر ہے کہ نصوص صرف اس قدر دال کہ بعض مسلمین معذب ہوں گے ممکن کہ وہ داعی اور اوس کے والدین و مشائخ واحباب وجمیع اہلسنت کے سوا اور لوگ ہوں۔ اسی طرح صورت اولی میں کوئی حرج نہیں۔ کہ ہر مسلمان کے لیے فی الجملہ مغفرت اور بعض پر بعض ذنوب کی وجہ سے عذاب ہونے میں تنافی نہیں۔

اقول بعض نصوص سے نکال سکتے ہیں۔ کہ فی الجملہ مغفرت ہر مسلمان کے لیے ہو گی۔ احادیث صریحہ ناطق کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی شفاعت سے ہر وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے دوزخ سے نکال لیا جائے۔ تو ضرور ہے کہ یہ نکلنا قبل پوری سزا پالینے کے ہو۔ ورنہ شفاعت کا اثر کیا ہوا۔ اب رہی صورت ثالثہ یعنی داعی دونوں تعمیمیں کرے۔ مثلاً کہے۔ الٰہی سب مسلمانوں کے سب گناہ بخش دے۔

اقول اس کے پھر دو معنی متحمل ایک یہ کہ مغفرت بمعنی تجاوز فی الجملہ کے لیں تو حاصل یہ ہو گا کہ الٰہی کسی مسلمان کو اس کے گناہ کی پوری سزا نہ دے۔ اس کے جواز میں بھی کچھ کلام نہیں کہ مفاد نصوص مطلقاً تعذیب بعض عصاۃ ہے نہ استیفائے جزائے بعض ذنوب۔ بلکہ کریم کبھی استقصا نہیں فرماتا۔ الاتری الی قولہ تعالی عرف بعضہ واعرض عن بعض جب اکرم الخلق مصطفےٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کبھی پورا مواخذہ نہیں فرمایا تو ان کا مولی عزوجل تو اکرم الاکرمین ہے۔

دوسرے یہ کہ مغفرت تامہ کاملہ مراد لی جائے۔ یعنی ہر مسلمان کے ہر گناہ کی پوری مغفرت کر، کہ کسی مسلمان کے کسی گناہ پر اصلاً مواخذہ نہ کیا جائے یہ بے شک تکذیب نصوص کی طرف جائے گا۔ اور اسی کو امام قرافی ناجائز فرماتے ہیں اور بے شک یہی من حیث الدلیل راجح نظر آتا ہے اور اس طرح کی دعاء کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں اور مسلمین کے حق میں خلف وعید کا جواز (جس سے خود حسب تصریح حلیہ ودیگر قائلان جواز عفو و مغفرت مراد اور وہ یقیناً اجماعاً جائز بلکہ واقع ہے) اس مسئلہ میں کیا مفید کہ بعض کے لیے اس کا عدم وقوع عذاب تواتر واجماع سے ثابت تو یہاں کلام حلیہ محل کلام

ہے۔اور مسئلہ ائمہ کیا مشائخ سے بھی منقول نہیں ہے کہ دوسروں کو مجال سخن نہ رہے پس احوط یہی ہے کہ اس صورت ثالثہ کے معنی ثانی سے احتراز کرے شاید مصنف علام قدس سرہ نے اسی لیے کلام امام قرافی پر اقتصار فرمایا۔ کہ رجحان واحتیاط اسی طرف ہے۔ واللہ تعالی اعلم ھذا ما ظھرلی فی النظر الحاضر فتامل لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ (ذیل المدعاء لاحسن الوعاء ص ۱۰۵۔۱۰۱ مطبوعہ کراچی)

امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کے متعلق مصنف کی تحقیق

بعض گنہگار، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کی وجہ سے بخش دے گا، اور بعض گنہگار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ان کے نابالغ بچوں، شہداء، صلحاء اور بعض خوش نصیبوں کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے بخش دے گا، اور بعض کو محض اپنے فضل سے بخش دے گا، اور بعض کو کچھ سزا دینے کے بعد بخشے گا اور کچھ عرصہ کے بعد دوزخ سے نکال لے گا، جیسا کہ ان احادیث سے ظاہر ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت، جنت میں داخل ہوں گے اور اہل دوزخ، دوزخ میں، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکال لو، پھر ان کو دوزخ سے اس حال میں نکالا جائے گا کہ وہ جل کر سیاہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان کو حیاء یا نہر حیات میں ڈال دیا جائے گا، پھر وہ اس طرح نشوونما پانے لگیں گے جس طرح سیلاب کی مٹی میں دانہ بہت جلد بڑھنے لگتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ زرد رنگ کا لپٹا ہوا نکلتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۵۵۴)

امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس کے آخر میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تم میری اس بیان کردہ حدیث کی تصدیق نہیں کرتے تو قرآن کریم کی اس آیت کو پڑھو: (ترجمہ) "لاریب اللہ تعالیٰ ایک ذرہ کے برابر بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں فرمائے گا اور جس شخص نے ایک نیکی بھی کی ہو تو اس کو دگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔" پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا فرشتے، انبیاء اور تمام مسلمان شفاعت کر کے فارغ ہو گئے اب گنہگاروں کے لیے سوائے ارحم الراحمین کے کوئی باقی نہیں رہا، پھر اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر کر دوزخ میں سے ان لوگوں کو نکال لے گا، جنہوں نے اصلاً کوئی نیکی نہیں کی ہو گی، اور وہ لوگ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے دروازہ پر آب حیات کی نہر میں ڈال دے گا اور وہ اس نہر سے اس طرح تروتازہ نکل کھڑے ہوں گے جیسے سیلاب کی مٹی میں سے دانہ اگ پڑتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو دانہ پتھر یا درخت کے پاس آفتاب کے رخ پر ہوتا ہے وہ زرد یا سبز رنگ کا پودا بن جاتا ہے جو دانہ سائے کی جانب ہوتا ہے اس کا پودا سفید رنگ کا ہوتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا حضور آپ تو زرعی معاملات کو اس طرح بیان فرما رہے ہیں جیسے آپ جنگلوں میں جانور چراتے رہے ہوں، آپ نے (سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے) فرمایا وہ لوگ اس نہر سے موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے نکلیں گے اور ان کی گردنوں میں سونے کے پٹے پڑے ہوئے ہوں گے جن کی وجہ سے اہل جنت انہیں پہچان لیں گے اور ان کے بارے میں کہیں گے یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی نیک عمل کے جہنم سے آزاد کر دیا ہے اور جنت میں داخل کر دیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ اور جس چیز کو تم دیکھو گے وہ تمہاری ہو جائے گی، وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہم کو وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو جہان والوں میں سے کسی کو عطا نہیں فرمایا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پاس

تمہارے لیے اس سے افضل چیز ہے وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے رب وہ کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری رضا! اس کے بعد اب میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۳۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۵۵۴)

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنمیوں سے جو لوگ کافر اور مشرک ہیں وہ نہ تو جہنم میں مریں گے اور نہ ہی زندگی کا لطف پائیں گے البتہ کچھ مسلمان ایسے ہوں گے جن کو ان کے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ڈالا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان پر موت طاری کردے گا یہاں تک کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے پھر جب شفاعت کی اجازت ہوگی تو ان کو گروہ در گروہ بلایا جائے گا اور انہیں جنت کی نہروں میں ڈال دیا جائے گا پھر اہل جنت سے کہا جائے گا ان پر پانی ڈالو جس کے سبب وہ اس طرح تروتازہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے جیسے پانی کے بہاؤ سے آنے والی مٹی میں دانہ سرسبز و شاداب ہو کر نکل آتا ہے یہ سن کر صحابہ میں سے ایک شخص کہنے لگا یوں لگتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگل میں رہے ہوں۔

امام مسلم فرماتے ہیں کہ ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری کی یہی روایت منقول ہے مگر اس میں دانہ کے اگ پڑنے تک کا ذکر ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۰)

صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ بعض گنہگار مسلمانوں کو کچھ عرصہ تطہیر کے لیے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور پھر دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور سنن ابو داؤد کی جس حدیث میں ہے یہ امت مرحومہ ہے اس پر آخرت میں عذاب نہیں ہوگا (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۷۸) اس کے ساتھ اس طرح تطبیق دی جائے گی کہ عذاب کا معنی ہے درد اور اذیت کا ادراک، جب کسی شخص کو بے ہوش کر کے اس کے جسم کا کوئی بڑا آپریشن کرتے ہیں تو اس کو درد اور تکلیف کا مطلقاً احساس نہیں ہوتا، اس لیے ہو سکتا ہے کہ جب گنہگار مسلمانوں کو دوزخ میں ڈالا جائے تو ان کے مشاعر اور ہوش و حواس کو ماؤف کر دیا جائے اور ان کو دوزخ میں جلنے کا مطلقاً ادراک نہ ہو اس طرح صورتاً عذاب میں مبتلا ہوں گے کہ ان کا جسم جل کر کوئلہ ہو گیا ہو گا اور یہی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کا محمل ہے، اور ان کو حقیقتاً عذاب نہیں ہو گا اور یہی سنن ابو داؤد کی روایت کا محمل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ وہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ۝ تاکہ یہ قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) مکمل بوجھ اٹھائیں، اور ان لوگوں کے بوجھ بھی جن کو یہ بغیر علم کے گمراہ کر رہے ہیں، سنو! وہ کیسا برا بوجھ ہے جس کو یہ اٹھا رہے ہیں۔ (النحل: ۲۵-۲۴)

کافروں کو اپنے پیروکاروں کے کفر پر عذاب ہونے کی توجیہ

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے اور بت پرستوں کے مذہب کا رد فرمایا، اور اب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں مشرکین جو شبہات پیش کرتے تھے ان کا ازالہ فرما رہا ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت پر قرآن مجید کو بہ طور معجزہ پیش فرمایا، مشرکین نے اس پر یہ شبہ پیش کیا کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ کفار مکہ، مکہ کے راستوں میں بیٹھ جاتے تھے، اور باہر سے آنے والے قرآن عظیم کے متعلق سوال کرتے تو وہ کہتے کہ اس میں تو پہلے لوگوں کے قصے ہیں، (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۲۷۷)

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جب مشرکین لوگوں کو قرآن عظیم کے متعلق گمراہ کرتے ہیں اور ان کو اسلام لانے سے روکتے ہیں تو ان پر ان کے اپنے کفر پر قائم رہنے کے گناہ کا بوجھ بھی ہوگا اور جو لوگ ان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے اسلام نہیں لائیں گے ان کے کفر کے گناہ کا بوجھ بھی ان پر ہوگا۔ کیونکہ جو شخص کسی کے گناہ کا سبب ہوتا ہے تو اس کے گناہ کا بوجھ بھی اس شخص پر ہوتا ہے اور اس سے دوسرے شخص کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی، کیونکہ پہلے شخص کے دو جرم ہیں ایک تو اس نے خود گناہ کا کام کیا اور دوسرا جرم یہ ہے کہ اس نے دوسرے لوگوں کو اس گناہ کی رہنمائی کی، سو اس کو گناہ کے کام کا عذاب بھی ہوگا اور گناہ کا راستہ دکھانے کا بھی عذاب ہوگا اور جتنے لوگوں کو وہ گناہ کا راستہ دکھائے گا ان سب کے گناہوں کے سبب بننے کا اس کو عذاب ہوگا اور اس کی رہنمائی سے جو گناہ کریں گے ان کو صرف اپنے گناہ کا عذاب ہوگا اس لیے اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ دوسروں کے فعل کا اس کو عذاب کیوں ہوگا کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى - (الزمر: ۷) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

جو شخص کسی کام کا سبب ہو تو اس سبب سے جو لوگ بعد میں اس کام کو کریں گے ان کے عمل میں اس شخص کا بھی حصہ ہوگا جو اس کام کا سبب تھا خواہ وہ کام اچھا ہو یا برا، اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا آدم کے پہلے بیٹے پر اس کا خون ہوگا، کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۸۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۴۴۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی اس کو اس کی اتباع کرنے والوں کے اجر کی مثل اجر بھی ملے گا اور ان کے اجور میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس شخص نے گمراہی کی دعوت دی اس کے اوپر اس کی اتباع کرنے والوں کے گناہوں کی مثل بھی گناہ ہوں گے اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳)

اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کرنے کا استحسان اور استحباب

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ دیہاتی آئے جنہوں نے اون کے موٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بدحالی کو دیکھا وہ فقر میں مبتلا تھے، آپ نے لوگوں کو صدقہ کرنے پر برانگیختہ کیا، لوگوں کو صدقہ کرنے میں کچھ دیر ہوگئی حتیٰ کہ آپ کے روئے مبارک پر ناگواری کے آثار نمودار ہوئے پھر انصار میں سے ایک شخص چاندی کی ایک تھیلی لے کر آیا، پھر دوسرا شخص آیا، پھر لوگوں کا تانتا بندھ گیا حتیٰ کہ آپ کے چہرے مبارک پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی نیک کام کے طریقہ کی ابتداء کی پھر اس کے بعد نیک کام پر عمل کیا گیا تو اس نیک کام پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور ان عمل کرنے والوں کے اجور میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اور جس

شخص نے اسلام میں کسی برے کام کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس برے کام پر عمل کیا گیا تو اس کے نامہ اعمال میں ان بعد والوں کے گناہوں کو بھی لکھا جائے گا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم، کتاب العلم: رقم حدیث الباب: ۱۵ رقم الحدیث المسلسل بلا تکرار ۶۷۴۳ رقم الحدیث بالتکرار: ۶۶۷۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ دونوں حدیثیں اس مفہوم میں صریح ہیں کہ نیک کاموں کی ابتداء کرنا مستحب ہے اور برے کاموں کی ابتداء کرنا حرام ہے اور جو شخص ابتداءً کوئی نیک کام کرے یا کسی نیک کام کے طریقہ کو ایجاد کرے، خواہ وہ علم کی تعلیم ہو یا عبادت یا ادب کا کام ہو یا اس کے سوا کوئی چیز ہو، تو اس کو اپنے متبعین کی نیکیوں کا اجر بھی ملے گا اور جو شخص کسی برے کام کے طریقہ کی ابتداء کرے گا تو اس کو اپنے پیروکاروں کے برے کاموں کا بھی عذاب ہوگا۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۰ ص ۶۷۵۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

عبادت میں کسی نیک کام کو ایجاد کرنے کی مثال یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! یہ بتاؤ کہ تم نے اسلام میں ایسا کون سا عمل کیا ہے جس کے اجر کی تم کو سب سے زیادہ توقع ہے! کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہاری جوتیوں کی آواز سنی ہے! حضرت بلال نے کہا میرے نزدیک میرے جس عمل کے اجر کی زیادہ توقع ہے وہ یہ ہے کہ میں دن اور رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو اس وضوء سے جتنی نماز میرے لیے مقدر کی گئی ہے میں وہ نماز پڑھتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۵۸، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۲۳۶)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اپنے اجتہاد سے نفلی عبادت کا وقت معین کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت بلال نے اپنے اجتہاد سے ہر وضو کے بعد نماز پڑھنے کا وقت معین فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویب اور تصحیح فرمائی، امام ابن جوزی نے فرمایا اس حدیث میں اس پر ترغیب دی ہے کہ ہر وضو کے بعد نماز پڑھی جائے تاکہ وضو اپنے مقصود سے خالی نہ رہے اور مہلب نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بندہ اپنے جس عمل کو مخفی رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس عمل پر بہت عظیم جزاء عطا فرماتا ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صالحین کو اللہ تعالیٰ جن اعمال صالحہ کی ہدایت دیتا ہے، ان سے ان اعمال کے متعلق سوال کرنا چاہیے تاکہ دوسرے لوگ اس عمل میں ان کی اقتداء کر سکیں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۴، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

ہر وضو کے بعد نماز پڑھنے کو سنت بلال کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحسین فرمائی اور قیامت تک جتنے مسلمان ہر وضو کے بعد نماز پڑھنے کو معمول بنائیں گے ان کے اجر و ثواب سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حصہ ملتا رہے گا۔ اس طرح حضرت عمر نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کے طریقہ کی ابتداء کی اور قیامت تک جتنے مسلمان جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے رہیں گے ان کے ان اعمال سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حصہ ملتا رہے گا۔

اسی طرح مسلمانوں نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل منعقد کرنے کا طریقہ شروع کیا اور ان محافل میں آپ کے فضائل اور محاسن اور آپ کی سیرت طیبہ کا بیان کرنے کا اہتمام کیا اور ادب اور تعظیم سے کھڑے ہو کر آپ پر صلوٰۃ و

سلام پڑھنے کا طریقہ شروع کیا' لا ریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم' خلفاء راشدین اور اخیار تابعین کے دور میں یہ طریقہ مروج نہ تھا لیکن یہ تمام افعال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور تکریم پر دلالت کرتے ہیں اور ہر وہ کام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور اجلال پر دلالت کرتا ہو اس کا کرنا مستحسن اور باعث ثواب ہے خواہ وہ نیا کام ہو۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

جب انسان مدینہ کے قریب پہنچے تو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے یا وضو کرے اور غسل کرنا افضل ہے اور صاف ستھرے یا نئے کپڑے پہنے اور نئے کپڑے پہننا افضل ہے' اور بعض مسلمان مدینہ کے قریب پہنچ کر پیدل چلنا شروع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ پیدل چلتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوتے ہیں یہ مستحسن ہے اور ہر وہ کام جس میں زیادہ ادب اور زیادہ اجلال ہو وہ مستحسن ہے۔(فتح القدیر ج ۳ ص ۹۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کام کو مسلمانوں نے اچھا سمجھا وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے اور جس کام کو مسلمانوں نے برا سمجھا وہ اللہ کے نزدیک برا ہے' اور تمام مسلمانوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں (حافظ ابو عبد اللہ حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور حافظ ذہبی نے بھی یہ لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے)(المستدرک ج ۳ ص ۷۸-۷۹' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان سے پہلے لوگوں نے (بھی ایسی) سازشیں کیں تھیں تو اللہ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا' سو ان کے اوپر سے ان پر چھت گر پڑی' پھر ان پر وہاں سے عذاب آ گیا جہاں سے انہیں گمان تک نہ تھاO پھر وہ ان کو قیامت کے دن (بھی) رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہاں ہیں وہ میرے شرکاء جن کے متعلق تم جھگڑتے تھے' جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہیں گے آج ساری رسوائی اور برائی کافروں پر ہےO(النحل: ۲۶-۲۷)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان سے پہلے لوگوں نے سازشیں تیار کیں تھیں۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں اس سے مراد نمرود بن کنعان ہے اس نے ایک نہایت بلند عمارت بنائی تھی تاکہ اس عمارت پر چڑھ کر آسمان والوں سے جنگ کر کے ان کو ہلاک کر دے' اس عمارت کے طول میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا طول پانچ ہزار ہاتھ تھا' اور مقاتل نے کہا اس کا طول دو فرسخ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست آندھی بھیجی جس نے اس محل کی چوٹی کو سمندر میں گرا دیا' اور باقی عمارت اس کے رہنے والوں پر گر پڑی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ کفار مکہ ہیں جو مکہ کے راستہ میں کھڑے رہتے تھے تاکہ مکہ میں آنے والوں کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گمراہ کریں' اس سلسلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ پچھلی امتوں کے بڑے بڑے کافر بھی اپنے نبیوں کے خلاف سازش کرتے تھے لیکن ان کی سازشیں ان پر الٹ گئیں۔

نیز فرمایا پھر ان پر وہاں سے عذاب آیا جہاں سے انہیں گمان تک نہ تھا' یعنی وہ سمجھتے تھے کہ وہ بہت امن سے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا' ان کے مکان ان پر گر پڑے یا ان پر کوئی آسمانی عذاب آ گیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن رسوا کرے گا یعنی ان پر ذلت والا عذاب نازل فرمائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہاں ہیں میرے شرکاء جن کے متعلق تم جھگڑتے تھے۔ اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تو کوئی شریک نہیں ہے' پھر اس نے کیسے فرمایا کہاں ہیں میرے شرکاء؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارے زعم اور اعتقاد میں جو میرے شرکاء تھے وہ کہاں ہیں۔ پھر فرمایا جن لوگوں کو علم دیا گیا وہ کہیں گے... حضرت ابن عباس نے فرمایا اس

سے مراد فرشتے ہیں اور دوسروں نے کہا اس سے مراد مومنین ہیں جب وہ قیامت کے دن کافروں کی ذلت اور رسوائی دیکھیں گے تو کہیں گے کہ آج ساری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ کافر دنیا میں مسلمانوں کا انکار کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے، اور جب قیامت کے دن مسلمان کافروں سے یہ بات کہیں گے تو یہ کلام کافروں کی اہانت اور ان کو ایذا پہنچانے میں زیادہ موثر ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ان کا حال یہ ہے کہ) جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو اس وقت وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں اس وقت وہ اطاعت شعار بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کوئی برائی نہیں کرتے تھے، کیوں نہیں! بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کیا کرتے تھےO (النحل: ۲۸)

اس جگہ دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ اسلام کو ظاہر کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جس وقت ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا اقرار کرتے ہیں اور اسلام لے آتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم کوئی برا کام نہیں کرتے تھے یعنی شرک نہیں کرتے تھے، اور فرشتے ان کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کے قول کو رد کرتے ہیں، کیوں نہیں بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم جو کچھ شرک کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تکذیب کرتے تھے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن جو کچھ وہ کہیں گے اس کی حکایت کی ہے وہ اس دن شدت خوف کی وجہ سے اور قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے کہ ہم شرک نہیں کرتے تھے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن کوئی شخص جھوٹ نہیں بولے گا وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ کہیں گے کہ ہم اپنے اعتقاد میں یا اپنے خیال میں کوئی برا کام یا شرک نہیں کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ یا فرشتے ان کے قول کا رد کرتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ خوب جاننے والا ہے کہ تم دنیا میں کیا کرتے تھے لہٰذا یہ جھوٹ تمہیں کوئی نفع نہیں دے گا وہ تم کو تمہارے کفر اور شرک کی سزا دے گا پھر اللہ تعالیٰ نے صراحتاً ان کے عذاب کا ذکر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اب تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ اس میں رہو گے سو تکبر کرنے والوں کا کیسا برا ٹھکانہ ہےO (النحل: ۲۹)

اس آیت میں جہنم کے دروازوں کا ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جہنم میں سزا کے مختلف درجات ہیں، لہٰذا بعض لوگوں کی سزا بعض دوسرے لوگوں سے زیادہ ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے تاکہ ان کا رنج اور غم زیادہ ہو، پھر فرمایا متکبرین کا کیسا برا ٹھکانہ ہے، ان کا تکبر یہ تھا کہ وہ حق کو قبول نہیں کرتے تھے، توحید پر واضح دلائل دیکھنے اور سننے کے باوجود اللہ تعالیٰ کو واحد نہیں مانتے تھے، اور انبیاء علیہم السلام اللہ کی طرف سے جو دین لے کر آئے تھے اس کو قبول نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور متقین سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟ انہوں نے کہا اچھا (کلام) جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ان کے لیے اچھا اجر ہے، اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے اور بے شک متقین کا گھر کیا ہی اچھا ہےO جن میں وہ داخل ہوں گے وہ دائمی جنتیں ہیں، ان کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، ان کے لیے اس میں وہ سب کچھ ہے جس کی وہ خواہش کریں گے، اللہ متقین کو اسی طرح جزا دیتا ہےO ان (متقین) کی جب فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں تو اس وقت وہ پاکیزہ ہوتے ہیں، فرشتے کہتے ہیں تم پر سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ، ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھےO

(النحل: ۳۰)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے احوال بیان فرمائے تھے، جن سے جب پوچھا جاتا تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ کہتے کہ پہلے لوگوں کے قصے اور کہانیاں ہیں، اور فرمایا وہ لوگ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھاتے ہیں اور فرمایا کہ فرشتے ان کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں اور فرمایا کہ وہ آخرت میں اسلام کا اظہار کریں گے، لیکن اس وقت ان کا اسلام مقبول نہیں ہوگا اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے بعد اب اللہ تعالیٰ مومنوں کا ذکر فرما رہا ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو وہ کہیں گے کہ اچھا کلام نازل کیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں کیا کیا درجات تیار فرمائے ہیں تاکہ کافروں کی وعید کے ساتھ مومنوں کے وعد اور ان کی بشارت کا بھی متصل ذکر ہو۔

امام رازی کے نزدیک متقی کا مصداق اور بحث ونظر

اس آیت میں فرمایا ہے اور متقین سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے، تقویٰ کا معنی ہے کسی چیز کو ترک کرنا اور اس سے بچنا، امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ متقی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام حرام کاموں سے مجتنب ہو اور تمام نیک کاموں کو کرنے والا ہو ہرچند کہ کامل متقی وہی ہوتا ہے، بلکہ اس آیت میں متقی سے مراد وہ شخص ہے جو شرک سے مجتنب ہو اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان اور یقین رکھتا ہو، امام رازی کی دلیل یہ ہے کہ جب ہم کسی شخص کو قاتل یا ضارب کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ نہیں ہوتا کہ وہ دنیا کے تمام انسانوں کا قاتل ہو یا دنیا کے تمام انسانوں کو مارنے والا ہو بلکہ جس شخص نے کسی ایک کو بھی قتل کر دیا وہ قاتل کہلائے گا اور جس نے کسی ایک شخص کو بھی مارا وہ ضارب کہلائے گا، اسی طرح جو شخص تقویٰ کے افراد میں سے کسی ایک فرد کے ساتھ متصف ہو گیا وہ متقی ہے، مگر اس پر ہمارا اجماع ہے کہ تقویٰ کے لیے کفر اور شرک سے اجتناب ضروری ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس قید پر کسی اور قید کا اضافہ نہ کیا جائے کیونکہ مطلق کو مقید کرنا خلاف اصل ہے لہٰذا مقید میں زیادہ قیود کا اضافہ بھی خلاف اصل ہے اس لیے متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر اور شرک سے مجتنب ہوں اور اللہ اور رسول پر ایمان لے آئیں اور اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام برے کاموں سے مجتنب ہوں اور تمام نیک کاموں سے متصف ہوں، نیز اللہ تعالیٰ نے متقین کا ذکر کفار اور مشرکین کے مقابلہ میں کیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہوں جو کفر اور شرک سے مجتنب ہوں۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۰۰ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ جو لوگ کفر اور شرک سے مجتنب ہوں اور اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہوں اور ان میں برائیوں سے اجتناب اور نیکیوں سے اتصاف کی اور قیود کا لحاظ نہ کیا جائے تو ان پر مومنین کا اطلاق کر دینا کافی ہے، لیکن جب ان پر متقین کا اطلاق کیا جائے گا تو اس میں مزید قیود کا اضافہ کرنا اور تقویٰ کے مزید افراد کا بھی لحاظ کرنا ہوگا ورنہ پھر محض مومنین اور محض متقین میں کوئی فرق نہیں رہے گا امام رازی نے اس سلسلہ میں قاتل اور ضارب کی جو مثال دی ہے وہ صحیح نہیں ہے، اس مقام پر عالم اور مفتی کی مثال درست ہے، عرف میں اس شخص کو عالم نہیں کہتے جس کو صرف ایک مسئلہ کا علم ہو نہ اس شخص کو جسے تمام مسائل کا علم ہو بلکہ جس شخص کو قابل ذکر اور قابل شمار مسائل کا علم ہو اس کو عالم کہتے ہیں، اسی

طرح اس کو مفتی نہیں کہتے جو کسی کو ایک مسئلہ بتادے نہ اس کو مفتی کہتے ہیں جو سارے جہان کے مسائل بتائے بلکہ جو قابل ذکر اور قابل شمار مسائل کا حل بتائے اس کو مفتی کہتے ہیں' اسی طرح صرف ایک بار کپڑا بیچنے والے کو بزاز اور صرف ایک بار جوتی مرمت کرنے والے کو خصاف (موچی) اور صرف ایک بار کپڑا دھونے والے کو قصار (دھوبی) نہیں کہتے اسی طرح اس شخص کو متقی نہیں کہا جائے گا جو کفر اور شرک سے اجتناب کر کے کلمہ پڑھ لے اور بس! بلکہ اس شخص کو متقی کہا جائے گا' جو کفر اور شرک سے مجتنب ہو' اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور تمام فرائض اور واجبات کو ادا کرے اور بشری تقاضے سے اگر اس سے فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو وہ اس کا تدارک اور تلافی کر لے اور اگر انسانی کمزوری اور نفس امارہ کی لغزش سے وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس پر نادم ہو اور توبہ استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا امیدوار رہے' تقویٰ کے مفہوم میں صرف کفر اور شرک سے اجتناب داخل نہیں ہے بلکہ نفسانی خواہشوں سے بچنا بھی تقویٰ کی حقیقت میں داخل ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۔ (البقرہ: ۱۰۳) اور اگر وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کی طرف سے ثواب بہت بہتر ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقویٰ ایمان لانے کے بعد کا مرتبہ ہے' ایمان لانے کے بعد اللہ کے ڈر سے نیک کام کرنا اور برے کام ترک کرنا یہ تقویٰ ہے اور جو ایسا کرے وہ متقی ہے۔ اور جو جتنی زیادہ نیکیاں کرے گا اور جس قدر زیادہ برے کاموں سے بچے گا وہ اتنا بڑا اور کامل متقی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۔ (آل عمران: ۱۷۲) مومنوں میں سے جو نیک کام کرتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے اجر عظیم ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے اور احسان (نیک کام) کے بعد تقویٰ کا درجہ اور مرتبہ ہے' قرآن مجید اور احادیث سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ تقویٰ میں ایمان کے بعد نیک کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی صفت کا بھی دخل ہے' تقویٰ کا پہلا مرتبہ کبیرہ گناہوں اور فرائض کے ترک سے بچنا ہے' دوسرا مرتبہ صغیرہ گناہوں اور واجبات کے ترک سے بچنا ہے' تیسرا مرتبہ مکروہات تنزیہیہ اور خلاف سنت سے بچنا ہے اور چوتھا مرتبہ دنیاوی امور میں انہماک اور اشغال اور یاد الٰہی سے غافل کرنے والی چیزوں سے بچنا ہے' امام رازی متقی میں کفر اور شرک سے اجتناب اور اللہ اور رسول پر ایمان کے علاوہ اور کسی قید کے اعتبار کرنے کو خلاف اصل کہتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ واجب ہے کہ اس میں صرف کفر اور شرک سے اجتناب کا اعتبار کیا جائے تو امام رازی کی اس تحقیق کے اعتبار سے یہ لازم آئے گا کہ جو مومن شرابی' جواری اور زانی ہو اور نماز' روزہ کا تارک ہو اس کو بھی متقی کہا جائے گا' یہ بات ہماری ناقص فہم سے بالاتر ہے' اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجات بلند فرمائے وہ معتزلہ کے رد کی شدت میں مرجئہ کی طرف چلے گئے۔

نیکو کاروں کے دنیاوی اجر کی متعدد صورتیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ان کے لیے اچھا اجر ہے' اس اچھے اجر کی تفسیر میں اختلاف ہے' بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو آخرت میں اجر عظیم ملے گا اور بہت ثواب ہوگا اور بعض نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی نیکیوں کا دس گنا اجر دیا جائے گا یا سات سو گنا اجر دیا جائے گا یا بے حدو حساب اجر دیا جائے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں نیک کام کیے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان کو ان کی نیکیوں کا اجر عطا فرماتا ہے اور دنیا میں نیکیوں کے اجر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں ان کی محبت اور عقیدت پیدا فرمادیتا ہے' وہ ان کی زندگی میں بھی ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور ان کے لیے ایصال ثواب کرتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (مریم: ۹۶)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے عنقریب رحمٰن' (اپنے بندوں کے دلوں میں) ان کے لیے محبت پیدا کردے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو' پھر اس بندہ سے جبریل محبت کرتا ہے تو جبریل ندا کرتا ہے کہ اللہ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو' پھر اس بندہ سے آسمان والے محبت کرتے ہیں' پھر اس کے لیے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳)

حضرات صحابہ کرام' اولیاء عظام اور ائمہ مجتہدین اس آیت اور اس حدیث کے مصداق ہیں' آج تک مسلمان غوث اعظم اور حضرت علی ہجویری اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ سے محبت کرتے ہیں ان کے فضائل اور مناقب بیان کرتے ہیں اور ان کے لیے اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں سے زیادہ ایصال ثواب اور دعا کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کی نیکیوں کا صلہ عطا فرمایا ہے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی اجر کے حصول کی دعا فرمائی تھی:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ (الشعراء: ۸۴)

اور میرے لیے میرے بعد والوں میں میرا اچھا ذکر جاری رکھ۔

نیک عمل کرنے والوں کے لیے دنیا میں اچھے اجر کی دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صالح علماء کو اپنے دینی مخالف کے مقابلہ میں بحث کے اندر کامیابی عطا فرماتا ہے اور نیک مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں فتح اور نصرت سے نوازتا ہے۔

اور اس کی تیسری صورت یہ ہے کہ جب بندہ فرائض پر پابندی کرنے کے بعد دوام کے ساتھ نوافل ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندہ پر مکاشفات اور مشاہدات کے دروازے کھول دیتا ہے' اس کے سینہ میں کائنات کے اسرار اور موجودات کے حقائق اور دقائق منکشف کردیتا ہے' اس کا دل تجلیات الٰہیہ کا آئینہ بن جاتا ہے اور وہ اسے اپنی صفات کی معرفت عطا فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ۔ (محمد: ۱۷)

اور جن لوگوں نے ہدایت قبول کی اللہ نے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کردیا اور انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت: ۶۹)

اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کو ضرور اپنی راہیں دکھاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی میں اس کے ساتھ اعلان جنگ کردیتا ہوں' اور میں نے اپنے بندہ پر جو چیزیں فرض کیں ہیں اس سے زیادہ کسی چیز کے ساتھ تقرب حاصل کرنا مجھے محبوب نہیں ہے' اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ساتھ

میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں، تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ چیزوں کو پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے تو میں اس کو وہ ضرور عطا کروں گا اور اگر وہ کسی چیز سے میری پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دوں گا اور میں کسی کام کے کرنے میں اتنی تاخیر نہیں کرتا جتنی تاخیر مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کو رنجیدہ کرنا ناپسند کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦۵۰۲ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۷)

سو جو لوگ دنیا میں اللہ عزوجل کی اچھی عبادت کرتے ہیں تو اللہ دنیا میں ان کو اچھا اجر عطا فرماتا ہے بایں طور کہ دنیا میں انہیں اپنی صفات کا مظہر بنالیتا ہے، ان کی دعا کو اپنے کرم سے ضرور قبول فرماتا ہے اور جب تک وہ اپنی موت پر راضی نہ ہو جائیں ان پر موت طاری نہیں کرتا۔

نیکو کاروں کا آخرت میں اجر و ثواب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے اور بے شک متقین کا گھر کیا ہی اچھا ہے، یعنی نیکو کاروں کو آخرت میں جو جنت کا ثواب ملے گا وہ دنیا کے گھر سے بہت اچھا اور بہت عظیم ہے، کیونکہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے، اور فرمایا متقین کا گھر کیا ہی اچھا ہے اس کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ متقین کا جنت میں گھر کیا ہی اچھا ہے کیونکہ دنیا میں نیک عمل کر کے انہوں نے آخرت کے ثواب کو اور جنت کو حاصل کرلیا، اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ متقین کا آخرت میں گھر کیا ہی اچھا ہے اور یہ جمہور کا قول ہے۔

اس کے بعد فرمایا جن میں وہ داخل ہوں گے وہ دائمی جنتیں ہیں، ان کے نیچے سے دریا بہتے ہیں یعنی ان کو جنت میں اونچے اور بلند مکان ملیں گے اور ان کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہوں گے، پھر فرمایا اس میں ان کے لیے وہ سب کچھ ہے جس کی وہ خواہش کریں گے، یعنی ان کو ہر سعادت اور خیر مل جائے گی، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دنیا میں انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی، البتہ جنت میں غلط قسم کی ناجائز خواہشیں پیدا نہیں ہوں گی، مثلاً کسی کے دل میں یہ خواہش نہیں ہوگی کہ اس کو نبیوں سے اونچا درجہ اور مرتبہ مل جائے، اسی طرح کسی کے دل میں قوم لوط کے عمل کی خواہش پیدا نہیں ہوگی۔

قبض روح کے وقت نیکو کاروں کی کیفیت

پھر فرمایا اللہ متقین کو اسی طرح جزا دیتا ہے، یعنی یہ تقویٰ کی جزاء ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے متقین کی یہ صفت بیان کی ان متقین کی جب فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں تو اس وقت وہ پاکیزہ ہوتے ہیں یہ اس کے مقابلہ میں ہے کہ جب فرشتے کافروں کی روحیں قبض کرتے ہیں تو وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، امام رازی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا متقین اس وقت طیبین (پاکیزہ) ہوتے ہیں یہ ایک جامع کلمہ ہے جو معانی کثیرہ کا متحمل ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا متقین نے وہ تمام کیے اور جن کاموں سے منع کیا وہ ان تمام کاموں سے مجتنب رہے اور وہ پاکیزہ اخلاق سے مزین تھے اور برے اخلاق سے گریزاں تھے اور وہ نفسانی اور جسمانی لذتوں سے خالی اور روحانی لذتوں سے معمور تھے اور طیبین میں یہ معنی بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت ان کی روح قبض کی اس وقت ان کو جنت کی بشارت بھی دی گویا کہ وہ اس حال میں جنت اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کر رہے تھے اور جس شخص کی مرتے وقت یہ کیفیت ہو اس کو قبض روح کے وقت جاں کنی کی تکلیف اور اذیت نہیں ہوتی، اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ فرشتے متقین کی روحیں جس وقت قبض

کرتے ہیں اس وقت وہ طیب و طاہر ہوتے ہیں اور اس وقت فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ تم پر سلام تم جنت میں داخل ہو جاؤ ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۰۳-۲۰۲، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے فرمایا ہے کہ طیبین، متقین کی صفت ہے اور پھر طیبین کی تعریف میں ذکر کیا ہے کہ وہ تمام نیک صفات سے متصف ہوتے ہیں اور تمام بری صفات سے مجتنب ہوتے ہیں، امام رازی کی اس عبارت سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ صرف کلمہ گو متقی نہیں ہے بلکہ متقی وہ ہوتا ہے جو تمام نیک کام کرتا ہو اور تمام برے کاموں سے بچتا ہو۔

اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں حشر کی کیفیت بیان کی گئی ہے اس موقع پر فرشتے متقین سے کہیں گے تم پر سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ طیبین میں چھ اقوال ہیں: (۱) یہ لوگ شرک سے پاک ہیں۔ (۲) یہ لوگ صالحین ہیں۔ (۳) ان کے اقوال اور افعال پاکیزہ ہیں۔ (۴) ان کے نفوس پاکیزہ ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کے ثواب پر اعتماد ہے۔ (۵) اللہ کی طرف رجوع کے وقت ان کے نفوس پاکیزہ ہیں۔ (۶) ان کی موت پاکیزہ اور سہل ہے، ان کی روح قبض کرتے وقت کوئی دشواری ہوگی نہ ان کو درد ہوگا اس کے برخلاف کافر کی روح بہت سختی سے نکالی جاتی ہے اور اس کو بہت درد اور اذیت ہوتی ہے۔

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ جب ملک الموت بندہ مومن کی روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو اس سے کہتا ہے اے اللہ کے ولی تم پر میرا سلام ہو اللہ تعالیٰ تم پر سلام بھیجتا ہے، اور حضرت ابن مسعود نے کہا جب ملک الموت مومن کی روح قبض کرتا ہے تو کہتا ہے کہ تمہارا رب تم پر سلام بھیجتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۹۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ (کافر) اس کے سوا اور کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کے رب کا عذاب آجائے، ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا اللہ نے ان پر (بالکل) ظلم نہیں کیا وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○ سو ان کے کاموں کی برائیاں انہیں پہنچ گئیں اور ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○ (النحل: ۳۴-۳۳)

کفار کے انتظار عذاب کی توجیہ

اس آیت میں کفار کے دوسرے شبہ کا جواب دیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر طعن کرتے ہوئے کفار کہتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو پھر چاہیے کہ آسمان سے کوئی فرشتہ آکر یہ کہے کہ آپ اللہ کے فرستادہ اور اس کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا وہ تو ایمان لانے کے لیے صرف فرشتوں کے منتظر بیٹھے ہیں، اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ جب کافروں نے قرآن مجید پر یہ طعن کیا کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب کی وعید سنائی، اس کے بعد مومنوں کا ذکر فرمایا کہ جب ان سے قرآن مجید کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ عمدہ کلام ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ثواب کی بشارت سنائی اس کے بعد پھر کافروں کی مذمت شروع کی کہ یہ اپنے اقوال باطلہ سے رجوع نہیں کریں گے الا یہ کہ ان کے پاس عذاب کے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آجائیں یا یہ کسی آسمانی عذاب کے انتظار میں ہیں، اس کے بعد فرمایا اس سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا وہ بھی انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتے رہے اور جب انبیاء علیہم السلام ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تو وہ کہتے کہ وہ آسمانی عذاب کب آئے گا اور انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑاتے تھے حتیٰ کہ ان پر وہ آسمانی عذاب آگیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، اور ان پر جو عذاب نازل کیا گیا اس میں اللہ تعالیٰ نے

ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا بلکہ خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ایسے کام کیے جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب آیا، کیونکہ وہ نہ صرف رسولوں کا انکار کرتے تھے بلکہ رسولوں سے کہتے تھے کہ تم ہم کو جس عذاب کی دھمکیاں دے رہے ہو وہ اب تک آ کیوں نہیں چکتا!

اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں، یا آپ کے رب کا عذاب آ جائے، اس عذاب سے مراد یا تو دنیا میں عذاب ہے، جیسے غزوہ بدر میں کافروں کو قتل کیا گیا اور ان کو قید کیا گیا، یا اس قسم کا عذاب ہے کہ ان پر زلزلے آئیں یا ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے قیامت کا عذاب مراد ہو اور کفار مکہ کسی آسمانی عذاب کے منتظر تھے نہ قیامت کے عذاب کے منتظر تھے، لیکن چونکہ وہ ایمان نہیں لا رہے تھے اور ان کا ایمان نہ لانا ان پر عذاب نازل کرنے کا موجب تھا اس لیے عذاب کا انتظار کرنے کی ان کی طرف اضافت کی گئی یعنی ان کے ایمان نہ لانے کا انجام دنیا میں آسمانی عذاب ہے یا قیامت کے دن کا ہولناک عذاب ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ

اور مشرکین نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے

مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ

(نہ) ہم نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کہتے،

شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ

ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا، سو پیغمبروں کے ذمہ تو صرف (اللہ کے) پیغام کو

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ

صاف صاف پہنچا دینا ہے ○ اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کر اللہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ

کی عبادت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو، پس ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی

وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر گمراہی ثابت ہو گئی، سو تم زمین میں سفر کرو پھر

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٦﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى

دیکھو کہ (رسولوں کی) تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا ○ اگر آپ ان کی ہدایت

هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

پر حریص ہیں (تو سن لیں کہ) بیشک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو وہ گمراہ کردے اور ان کے لیے کوئی

نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ

مددگار نہیں ہے ○ اور انہوں نے اپنی پکی پکی قسموں میں سے اللہ کی قسم کھائی کہ اللہ مرنے والوں کو دوبارہ

مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا، کیوں نہیں! یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ ۙ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ

جانتے ○ تاکہ وہ ان پر اس حقیقت کو کھول دے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اس لیے کہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَىْءٍ

کفار جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے ○ اور ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں

اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ ع ۵ ۶ ۱۱

تو اس کے متعلق ہمیں صرف یہ کہنا ہوتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مشرکین نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے (نہ) ہم نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کہتے، ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا، سو پیغمبروں کے ذمہ تو صرف (اللہ کے پیغام کو) صاف صاف پہنچا دینا ہے ○ (النحل: ۳۵)

کفار مکہ کے اس اعتراض کا جواب کہ اگر اللہ چاہتا تو ہمیں مومن بنا دیتا

کفار مکہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں پہلے یہ شبہ پیش کیا کہ آپ جس قرآن کو اپنی نبوت کی دلیل قرار دیتے ہیں اس میں تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کو ذکر کر کے اس کا جواب دیا، پھر دوسرا شبہ یہ پیش کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارے نہ ماننے کی وجہ سے اب تک ہم پر عذاب کیوں نہیں آیا، سابقہ آیت میں اس کا جواب دیا، اور اب اس آیت میں ان کا تیسرا شبہ پیش فرمایا ہے۔ جس میں کفار مکہ نے جبر کے طریقہ سے استدلال کیا ہے، انہوں نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم ایمان لے آتے، خواہ آپ دنیا میں آتے یا نہ آتے، اور جب ہر چیز اللہ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے تو اگر اللہ کو ہمارا ایمان مطلوب ہوتا تو وہ ہم کو مومن بنا دیتا اور اس میں آپ کو پیغام دے کر بھیجنے اور آپ کی تبلیغ کرنے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ الانعام: ۱۴۸ میں کفار کا یہ اعتراض گزر چکا ہے، ان کے اس اعتراض کا مفصل جواب ہم اس آیت کی تفسیر میں ذکر کر چکے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا، تمام فرشتے اور مخلوق اپنے اختیار کے بغیر جبراً اللہ کی

اطاعت کرتی ہے۔ بجز انسان اور جنات کے، اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ انسان اور جن اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان ہی کے لیے جنت اور دوزخ کو بنایا اور باقی کسی مخلوق کے لیے جزاء اور سزا کا نظام نہیں بنایا، پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی پیدا کیا جو لوگوں کو کفر اور برے کاموں کی طرف اکساتا ہے اور نبیوں اور رسولوں کو بھی بھیجا جو لوگوں کو ایمان لانے اور نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں، اور انسان کے اندر بھی دو قوتیں پیدا کیں ایک وہ قوت جو اس کو نیکیوں پر ابھارتی ہے اور ایک وہ قوت ہے جو اس کو برائیوں پر اکساتی ہے پھر انسان کو عقل سلیم عطا کی کہ وہ کفر اور ایمان اور برائی اور نیکی میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرے، جو ایمان اور نیکی کو اختیار کرے گا اس میں وہ ایمان اور نیک کاموں کو پیدا کر دے گا اور جو کفر اور برے کاموں کو اختیار کرے گا تو وہ اس میں کفر اور برے کاموں کو پیدا کر دے گا کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے، پھر ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کو اپنے فضل سے جنت اور اخروی نعمتیں عطا فرمائے گا اور کفر کرنے والوں اور برے کام کرنے والوں کو اپنے عدل سے دوزخ کے دائمی عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو، پس ان میں سے بعض وہ ہیں، جن کو اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر گمراہی ثابت ہو گئی، سو تم زمین میں سفر کرو پھر دیکھو کہ (رسولوں کی) تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ (النحل: ۳۶)

طاغوت کا معنی

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے ہر سرکش کو اور ہر اس چیز کو جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہو اس کو طاغوت کہتے ہیں۔ ساحر، کاہن، سرکش جن اور نیکی کے راستے سے بھٹکانے والے کو بھی طاغوت کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۹۷)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ طاغوت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا طاغوت شیطان ہے، مجاہد، شعبی، ضحاک، قتادہ وغیرہم سے بھی اسی طرح منقول ہے، ابو العالیہ نے کہا طاغوت ساحر ہے، سعید بن جبیر نے کہا طاغوت کاہن ہے، امام ابن جریر نے فرمایا میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ کے سامنے سرکشی کرے اور جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے وہ طاغوت ہے، خواہ اس کی جبراً عبادت کی جائے یا خوشی سے عبادت کی جائے، خواہ وہ معبود انسان ہو یا بت ہو یا شیطان ہو یا کوئی چیز بھی ہو۔

(جامع البیان جز ۳ ص ۲۸-۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن جریر نے طاغوت کی تعریف میں جو عموم بیان کیا ہے اس عموم سے عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر کا استثناء کرنا ضروری ہے، کیونکہ عیسائی اور یہودی حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی عبادت کرتے تھے لیکن ان پر طاغوت کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ طاغوت میں پانچ قول ہیں: (۱) حضرت عمر، مجاہد اور قتادہ نے کہا کہ طاغوت شیطان ہے۔ (۲) سعید بن جبیر نے کہا طاغوت کاہن ہے۔ (۳) ابو العالیہ نے کہا طاغوت ساحر ہے۔ (۴) طاغوت اصنام ہیں۔ (۵) سرکش جن اور شیطان ہیں اور ہر وہ جو سرکشی کرے، اور تحقیق یہ ہے کہ جب ان چیزوں کے اتصال سے سرکشی ہوتی ہے تو ان چیزوں کو طاغوت کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ چیزیں سرکشی کا سبب ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو گمراہ کر دیا تو ان کا گمراہی میں کیا قصور ہے

امام رازی فرماتے ہیں: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر گمراہی ثابت ہو گئی، یہ آیت ہمارے مذہب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان پر گمراہی ثابت ہو گئی تو اب یہ محال ہے کہ ان سے گمراہی صادر نہ ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کی خبر صادق، کاذب ہو جائے گی اور یہ محال ہے اور جو چیز محال کو مستلزم ہو وہ بھی محال ہوتی ہے، اس لیے ان کا گمراہ نہ ہونا بھی محال ہے اور ان کا گمراہ ہونا عقلاً واجب ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کی امام رازی نے جو تقریر کی ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو گمراہ کر دیا اور اب ان کا ہدایت کو قبول کرنا محال ہے اور ان کا گمراہ ہونا واجب ہے تو پھر اس گمراہی میں ان کا کیا قصور ہے؟ اور دنیا میں ان کی مذمت اور آخرت میں ان کو دائمی عذاب دینے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کافروں کو اختیار دیا جائے گا پھر یہ اپنے اختیار سے ایمان کے مقابلہ میں کفر کو اور نیک اعمال کے مقابلہ میں بداعمالیوں کو اختیار کریں گے اور بندہ اپنے لیے جس چیز کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہی چیز پیدا کر دیتا ہے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اختیار کے مطابق ان میں گمراہی کو پیدا کر دیا اور اپنے علم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی کہ ان پر گمراہی ثابت ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا واقع ہونا ضروری ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے اور اس کا صدق کذب سے منقلب ہو جائے گا اور یہ دونوں چیزیں محال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر آپ ان کی ہدایت پر حریص ہیں (تو سن لیں کہ) بیشک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو وہ گمراہ کر دے، اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے O (النحل: ۳۷)

کافروں کے ایمان نہ لانے پر آپ کو تسلی دینا

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کے اسلام اور ایمان لانے کے لیے بہت کوشش کرتے تھے اس کے باوجود وہ اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تھے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دینے کے لیے فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے لیے کفر اور گمراہی کو اختیار کر لیا سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کفر اور گمراہی کو پیدا کر دیا اور جب اللہ ان کے لیے کفر اور گمراہی کو پیدا کر چکا ہے تو وہ اب ان کے لیے ہدایت کو پیدا نہیں کرے گا اور اب ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا سو اب آپ ان پر افسوس نہ کریں اور ان کے متعلق غمگین نہ ہوں، قرآن عظیم میں اس نوع کی اور بھی آیات ہیں:

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۔ (المائدہ: ۴۱)

اور جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہے تو آپ ہرگز اللہ کی طرف سے اس کے لیے کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (القصص: ۵۶)

بے شک آپ اسکو ہدایت یافتہ نہیں بناتے جسکا ہدایت یافتہ ہونا آپکو پسند ہو، لیکن اللہ جسکو چاہتا ہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

اس معنی کو بیان کرتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ھُوَ رَبُّكُمْ

اور اگر میں تمہاری خیر خواہی چاہوں تو میری خیر خواہی تم کو نفع نہیں دے سکتی اگر اللہ نے تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا

وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۔ (ھود: ۳۴) ہو' وہی تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اور جو لوگ کفر اور گمراہی کو اختیار کرلیں اور ان کے اس اختیار کی وجہ سے اللہ ان کو کافر اور گمراہ بنادے تو پھر اللہ کے دائمی عذاب سے ان کو کوئی چھڑا نہیں سکتا' واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو مومن اور ہدایت یافتہ بناتا ہے اور نہ ہی جبراً کسی کو کافر اور گمراہ بناتا ہے' جو ایمان کو اختیار کرتا ہے اس کو مومن بنادیتا ہے اور جو کفر کو اختیار کرتا ہے اس کو کافر بنادیتا ہے۔

اس آیت میں آپ کو تسلی دینے کا پہلو یہ ہے کہ آپ کا منصب اللہ کا پیغام پہنچانا اور دین اسلام کی تبلیغ کرنا ہے' سو آپ نے اللہ کے پیغام کو احسن اور کامل طریقہ سے پہنچادیا' اب اگر آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود یہ ایمان نہیں لائے تو آپ غم نہ کریں کیونکہ ان کے دل میں ایمان کو پیدا کردینا اور کفر کو ایمان سے اور گمراہی کو ہدایت سے بدل دینا یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ یہ آپ کی قدرت اور اختیار میں ہے یہ صرف اللہ عزوجل کا کام ہے اور اس کو ازل میں علم تھا کہ یہ ایمان کو اختیار نہیں کریں گے اور کفر پر اصرار کریں گے سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کفر اور گمراہی کو مقدر کردیا اور اللہ کے لکھے کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اپنی پکی پکی قسموں میں سے اللہ کی قسم کھائی کہ اللہ مرنے والوں کو دوبارہ زندہ کرکے نہیں اٹھائے گا' کیوں نہیں! یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے' اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O تاکہ وہ ان پر اس حقیقت کو کھول دے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اس لیے کہ کفار جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے O اور ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے متعلق ہمیں صرف یہ کہنا ہوتا ہے کہ "ہوجا" سو وہ ہوجاتی ہے O (النحل: ۴۰-۳۸)

کفار کا حشر و نشر کو محال کہنا

ان آیتوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کفار مکہ کا جو تھا شبہ پیش کرکے اس کا جواب دیا گیا ہے' وہ کہتے تھے کہ مرکر دوبارہ زندہ ہونا اور حشر نشر باطل ہے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ مرنے کے بعد سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا' تو وہ اس بنا پر آپ کی رسالت کو باطل قرار دیتے تھے' ان کا یہ کہنا تھا کہ مرنے کے بعد یہ جسم ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے' اور مٹی میں مل کر مٹی ہوجاتا ہے' اسی طرح دوسرے اجسام بھی مٹی ہوکر مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں' پھر یہ ذرات ایک دوسرے میں خلط ملط ہوجاتے ہیں اور زمانے کے تغیرات اور حوادث سے اور آندھیوں اور طوفانوں سے یہ ذرات کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں' پھر ان مختلف اور مختلط ذرات کو ایک دوسرے سے الگ کرنا' پھر ہر جسم کے ذرات کو اس جسم میں جمع کرنا اور جوڑنا اور پھر اس کو مکمل جسم بناکر زندہ کرنا ان کے نزدیک نہ صرف بے حد مشکل تھا بلکہ محال تھا' وہ اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کرتے تھے بلکہ بداہت کا دعویٰ کرتے تھے' اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت غضب کی موجب تھی کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ لوگوں کو موت کے بعد پھر زندہ کرے گا اور کفار پختہ قسمیں کھاکر اس بات کی تکذیب کریں اور کہیں کہ لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کیا جاسکتا' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کو یہ سزاوار نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کو یہ لائق نہ تھا' اس نے میری جو تکذیب کی ہے وہ یہ ہے کہ میں لوگوں کو پہلی شکل و صورت میں زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں' اور اس نے مجھے جو گالی دی ہے وہ یہ کہ میرا بیٹا ہے اور میں اس سے پاک ہوں کہ میری کوئی بیوی ہو یا بیٹا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۸۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۲۲۷' طبع جدید دارالفکر)

حشر و نشر کے امکان اور وقوع پر دلائل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں! یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے اس کا ہونا ضروری ہے' اور رہا کفار کا یہ شبہ کہ یہ مختلف اور مختلط ذرات کیسے باہم الگ الگ اور ممتاز ہوں گے تو یہ اس کے لیے مشکل ہے جس کا علم کامل اور محیط نہ ہو' اللہ تعالیٰ کا علم ذرہ ذرہ کو محیط ہے' سمندر کی تہ میں' پہاڑ کے کسی غار میں' کسی بھی جگہ کوئی چیز ہو وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے' اور ان کا یہ کہنا کہ ان تمام ذرات کو مختلف جگہوں سے نکال کر ایک جگہ جمع کرنا' پھر ان سب کو جوڑ کر ویسا ہی جسم بنانا پھر اس کو زندہ کرنا محال ہے تو یہ اس کے لیے محال ہے جس کی قدرت کامل نہ ہو' اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جب وہ پہلے کسی نمونہ اور مثال کے بغیر ایک شخص کو پیدا کر چکا ہے تو دوبارہ اس کو پیدا کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہوگا!

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس گورکھ دھندے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ان مختلف اور مختلط ذرات کو پہلے تلاش کرے پھر ان کو اکٹھا کرے پھر ان کا ویسا ہی جسم بنائے پھر اس کو زندہ کرے' اسے کسی بھی چیز کو بنانے کے لیے کسی قسم کے مادہ' مثال' مدت اور آلہ کی ضرورت نہیں ہے وہ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ صرف یہ فرماتا ہے کہ "فلاں چیز ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے۔ اس نے پہلے بھی اس تمام کائنات کو لفظ "کن" سے بنایا تھا دوبارہ بھی اس کائنات کو اس لفظ "کن" سے پیدا کر دے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت گزاروں کو ثواب دینا ہے اور کافروں اور سرکشوں کو عذاب دینا ہے' ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دینی ہے اور مظلوموں کو ان کے ظلم سہنے کی جزا دینی ہے اگر اس جہان کے بعد کوئی دوسرا جہان نہ ہو تو عبادت گزار بغیر ثواب کے اور کافر بغیر عذاب کے اور ظالم بغیر سزا کے اور مظلوم بغیر جزا کے رہ جائیں گے اور یہ احکم الحاکمین کی حکمت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام انسانوں کو بیک وقت زندہ کرنا یا پیدا کرنا' کسی ایک انسان کو زندہ یا پیدا کرنے کی طرح ہے وہ چاہے تو ایک آن میں سب کو ہلاک کر دے اور وہ چاہے تو ایک آن میں سب کو زندہ کر دے' قرآن عظیم میں ہے:

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ (لقمان: ۲۸)
تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اللہ کے نزدیک ایسا ہے جیسے کسی ایک شخص کو پیدا کرنا اور اس کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا۔

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ۔ (القمر: ۵۰)
ہمارا کام تو ایک لمحہ کی بات ہے جیسے پلک جھپکناo

"کن فیکون" پر ایک اعتراض کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے متعلق ہمیں یہ کہنا ہوتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے' ایک اور جگہ بھی اس طرح ارشاد ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (یٰسین: ۸۲)
اس کا کام یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس چیز سے فرماتا ہے "ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ جب وہ چیز موجود نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا "ہو جا" تو یہ معدوم کو خطاب

ہے اور معدوم سے خطاب کرنا عبث ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے اور اگر وہ چیز موجود تھی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا "ہو جا" تو یہ تحصیل حاصل ہے اور یہ بھی عبث ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ چیز اللہ تعالیٰ کے علم اجمالی میں موجود تھی اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ میں اس سے متوجہ ہو کر فرمایا: "ہو جا۔" سو یہ معدوم سے خطاب نہیں ہے اور وہ پہلے معلوم اور موجود ذہنی کے درجہ میں تھی اللہ تعالیٰ کے "کن" فرمانے سے وہ خارج میں موجود ہو گئی لہٰذا یہ تحصیل حاصل بھی نہیں ہے۔

امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو سمجھانے کے لیے بطور مثال یہ فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرمائے وہ اسی وقت فوراً ہو جاتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور آخرت کو چشم زدن میں پیدا فرمانا چاہے تو وہ پلک جھپکنے سے پہلے تمام دنیا اور آخرت کو پیدا فرما دے گا لیکن اس نے بندوں سے ان کی عقلوں کے مطابق خطاب فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۰۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دیا اور آصف بن برخیا کو یہ قدرت اللہ تعالیٰ نے عطا کی تھی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کون اندازہ کر سکتا ہے، وہ چاہے تو پلک جھپکنے سے پہلے اس جہان جیسے کروڑوں عالم پیدا کر دے، اس کی قدرت کا کون تصور کر سکتا ہے!

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي

اور جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کے لیے ہجرت کی، ہم ان کو ضرور دنیا میں اچھا

الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لا

ٹھکانا دیں گے اور آخرت میں اجر تو بہت بڑا ہے کاش کہ وہ جانتے ○

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ○ اور ہم نے آپ سے پہلے صرف

قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ

مردوں ہی کو رسول بنایا تھا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ لا بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ

(اہل کتاب) سے پوچھ لو ○ (ان رسولوں کو) واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا، اور ہم نے آپ کی طرف ذکر

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

(قرآن عظیم) اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا اور تاکہ وہ غور و فکر کریں ○

وقف لازم

النصف

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ

جو لوگ بری سازشیں کرتے ہیں کیا وہ اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے

أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۴۵﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ

یا ان پر وہاں سے عذاب لے آئے جہاں سے عذاب آنے کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو ○ یا ان کو چلتے پھرتے

فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۴۶﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ

پکڑ لے، سو وہ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے ○ یا وہ ان کو عین حالت خوف میں پکڑ لے،

فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۴۷﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ

تو بے شک تمہارا رب بہت مہربان، نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو

مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا

چیز بھی پیدا کی ہے اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتا ہے، اور

لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿۴۸﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا

اس وقت وہ اللہ کے حضور عاجزی کرتے ہیں ○ اور جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمینوں میں ہیں،

فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۴۹﴾

زمین پر چلنے والے اور فرشتے سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ○

السجدة ۳ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿۵۰﴾ السجدة ع ۶ / ۱۲

وہ اپنے اوپر اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور وہ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کے لیے ہجرت کی، ہم ان کو ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے، اور آخرت میں اجر تو بہت بڑا ہے کاش کہ وہ جانتے ○ جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ○ (النحل: ۴۲-۴۱)

مہاجرین کی تعریف اور تحسین

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کفار مکہ نے اللہ کی بڑی بڑی قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد لوگوں کو پیدا نہیں کرے گا اور حشر و نشر کا انکار کیا! اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی، جہالت اور گمراہی میں حد سے تجاوز کر

چکے تھے اور جو مسلمان ان کے اس عقیدہ میں ان کے مخالف تھے ان پر طرح طرح کے مظالم کرتے تھے، ان کے اس ظلم و ستم کے نتیجہ میں مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کی، سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف اور تحسین فرمائی جنہوں نے اللہ کے دین پر آزادی اور بے خوفی سے عمل کرنے کے لیے مکہ سے ہجرت کی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ وہ مسلمان ہیں جنہوں نے اہل مکہ کے ظلم سہنے کے بعد ہجرت کی، ان پر مشرکین نے ظلم کیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۳۰۸ الدر المنثور ج ۵ ص ۱۳۱)

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت مکہ میں رہنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت خباب، حضرت عمار اور حضرت ابو جندل بن سہیل کے متعلق، مشرکین نے ان کو مکہ میں پکڑ کر رکھا ہوا تھا اور ان کو سخت ایذا پہنچاتے تھے اور عذاب دیتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا مدینہ میں ٹھکانا بنادیا۔

(اسباب نزول القرآن رقم الحدیث: ۵۵۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت صہیب بن سنان بن مالک رومی کی کنیت ابو یحییٰ ہے ان کی یہ کنیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی، ان کو رومی اس لیے کہتے ہیں کہ صغر سنی میں ان کو رومیوں نے قید کر لیا تھا انہوں نے روم میں ہی پرورش پائی، ان سے بنو کلب نے ان کو خرید لیا اور مکہ میں لے آئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا علامہ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت صہیب اور حضرت عمار ایک دن میں مسلمان ہوئے تھے، ان سے پہلے تیس اور کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے، یہ ان کمزور لوگوں میں تھے جن کو اسلام لانے کی وجہ سے مکہ میں عذاب دیا جاتا تھا جن لوگوں نے سب کے بعد ہجرت کی ان میں حضرت علی اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ تھے، جب حضرت صہیب ہجرت کرنے لگے تو مشرکین کی ایک جماعت نے ان کا پیچھا کیا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنے ترکش میں سے تیر نکال کر کہا: اے قریش کے لوگو! تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے بہترین تیر انداز ہوں، اور واللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک میرے نزدیک نہیں آسکتا جب تک کہ میرے ترکش کے سارے تیر ختم نہ ہو جائیں، پھر میرے ہاتھ میں تلوار ہے اور میں آخری دم تک تم سے تلوار کے ساتھ مقابلہ کرتا رہوں گا اور اگر تم میرا مال چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنے مال کا پتا بتا دیتا ہوں۔ انہوں نے اس پر معاہدہ کر لیا، اور حضرت صہیب نے ان کو اپنے مال کا پتا بتا دیا اور حضرت صہیب رسول اللہ سے جا ملے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا: ابو یحییٰ نے تجارت میں نفع حاصل کر لیا۔ اور اللہ عزوجل نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۲۰۷)

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جان اللہ کی رضا کے حصول کے لیے فروخت کر دیتے ہیں۔

ہجرت کی وجہ سے اسلام کی تقویت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی عظیم اہمیت بیان فرمائی ہے، اور مہاجرین کا مقام بیان فرمایا ہے، کیونکہ ان کی ہجرت کی وجہ سے اسلام کو قوت حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد ہجرت کی، یہ لوگ

کفار کے ہاتھوں عذاب جھیل رہے تھے، اہل مکہ یہ چاہتے تھے کہ یہ اسلام سے نکل کر کفر کی طرف لوٹ آئیں لیکن ان مسلمانوں نے وطن چھوڑ دیا دین نہیں چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم ان کو ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے، اچھے ٹھکانے کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ ہم ضرور ان ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو مکہ کے ان کافروں پر غلبہ عطا فرمائیں گے جو ان پر ظلم کرتے تھے اور پھر تمام جزیرہ عرب پر غلبہ عطا فرمائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مہاجرین میں سے کسی کو وظیفہ عطا فرماتے تو کہتے تھے لو تمہیں اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے دنیا میں دینے کا وعدہ کیا تھا اور اللہ نے تمہارے لیے آخرت میں جس اجر کا ذخیرہ کر رکھا ہے وہ بہت بڑا اجر ہے، دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہم تمہیں دنیا میں اچھا گھر عطا فرمائیں گے، لہٰذا مدینہ میں انصار نے ان کو اپنے گھروں میں رکھا اور اللہ تعالیٰ نے مکہ کے عوض ان کو مدینہ عطا فرمایا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کاش کہ وہ جانتے، اس کی بھی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ ہے کہ اس کی ضمیر مکہ کے کافروں کی طرف لوٹتی ہے یعنی کاش یہ کافر جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مظلوم مسلمانوں کے لیے دنیا اور آخرت میں کتنا عظیم اجر تیار کر رکھا ہے تو وہ ان پر ظلم وستم کرنے سے باز آجاتے اور کفر کے بجائے اسلام اور دنیا کی بجائے آخرت کی طرف رغبت کرتے۔ اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ ضمیر مظلوم مسلمانوں کی طرف لوٹتی ہے یعنی کاش یہ مظلوم مسلمان جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں ان کے لیے کتنا عظیم اجر تیار کر رکھا ہے تو یہ عبادت میں اور زیادہ کوشش کرتے۔

صبر اور توکل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ○ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفار کے مظالم برداشت کیے اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، اس آیت میں ان کی مزید مدح فرمائی ہے یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفار کی ایذاء اور ان کے عذاب پر صبر کیا اور وطن سے جدائی کو برداشت کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کو خرچ کیا، اس آیت میں صبر اور توکل کا ذکر ہے، صبر کا معنی ہے نفس پر قہر کرنا اور اس کو مغلوب کرنا اور اسے مصائب برداشت کرنے کا عادی بنانا اور توکل کا معنی ہے مخلوق سے بالکلیہ منقطع ہو کر خالق کی طرف بالکلیہ متوجہ ہونا اور صبر اللہ کی طرف سلوک کی پہلی منزل ہے اور توکل اللہ کی طرف سلوک کی انتہائی منزل ہے۔

ہجرت کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور ہجرت کی اقسام

ان آیتوں میں چونکہ ہجرت کا ذکر آگیا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ہجرت کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی اقسام بیان کردیں۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ہجر اور ہجران کا معنی ہے انسان اپنے غیر سے الگ ہو جائے، خواہ جسمانی طور پر الگ ہو یا زبان سے یا قلب سے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہجرت کی تعریف ہے دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف جانا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا۔ (النساء: ۹۷)

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے (یعنی جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی) جب فرشتوں نے ان کی روحوں کو قبض کرتے وقت پوچھا: تم کیا کرتے رہے؟ انہوں نے کہا ہم زمین میں کمزور اور بے بس تھے، فرشتوں نے کہا: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ برا ٹھکانا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: انا بریء من مسلم بین مشرکین لا تراء انارا ھما (ابوداؤد)
"میں اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے' ان دونوں کی آگ (ایک جگہ) دکھائی نہ دے۔" یعنی مسلمان ایسی جگہ نہ رہیں جہاں سے ان کی آگ مشرکوں کو دکھائی دے اور مشرکوں کی آگ مسلمانوں کو دکھائی دے۔ اس موضوع کے متعلق بکثرت احادیث ہیں۔ جمہور فقہاء کے نزدیک قیامت تک ہجرت کا حکم باقی ہے اور بعض فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ اب ہجرت منقطع ہو چکی ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔" نیز آپ نے فرمایا: ہجرت منقطع ہو چکی ہے اور جہاد اور نیت باقی ہے۔

روایت ہے کہ جب صفوان بن امیہ اسلام لائے تو ان سے کہا گیا کہ جو شخص ہجرت نہ کرے اس کا دین نہیں ہے' سو وہ مدینہ آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: اے ابو وہب تم یہاں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ "جو ہجرت نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا: اے ابو وہب مکہ کی وادیوں میں لوٹ جاؤ اور اپنے گھروں میں رہو کیونکہ اب ہجرت ختم ہو چکی ہے تاہم جہاد اور نیت باقی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک توبہ منقطع نہیں ہوگی' اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو توبہ منقطع نہیں ہوگی۔ (ابوداؤد)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے جب تک جہاد ہے ہجرت منقطع نہیں ہوگی اس کے علاوہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث ہجرت کے عموم اور اطلاق پر دلالت کرتی ہیں' جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہجرت ہر زمانہ میں مشروع ہے اور جس حدیث میں یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شہر فتح ہو گیا اس سے منتقل ہونا ہجرت نہیں ہے اور صفوان کی جس روایت میں ہے ہجرت منقطع ہو گئی' اس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ سے ہجرت منقطع ہو گئی' کیونکہ ہجرت کا معنی ہے کفار کے شہر سے نکلنا اور جب کوئی شہر فتح ہو گیا تو پھر وہ کافروں کا شہر نہیں رہا' اس لیے اب اس شہر سے ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا' ہر شہر کا یہی حکم ہے اس لیے ہجرت کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جو لوگ کفار کے شہر میں ہوں اور اس شہر سے ہجرت پر قادر ہوں' اور ان کے لیے ان کافروں کے ساتھ رہتے ہوئے دین کا اظہار کرنا اور فرائض و واجبات کو ادا کرنا ممکن نہ ہو' ان لوگوں پر ہجرت کرنا واجب ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولئک ماوٰھم جھنم وساءت مصیرا۔ (النساء: ۹۷) "کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے' ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔" اور یہ بہت شدید وعید ہے جو وجوب پر دلالت کرتی ہے نیز اس لیے کہ واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے اور واجبات کی ادائیگی ہجرت پر موقوف ہو تو ہجرت واجب ہو جائے گی۔

(۲) جو شخص کفار کے ملک میں فرائض وغیرہ کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور کسی عذر کی بناء پر ہجرت نہ کر سکتا ہو' مثلاً بیمار ہو' یا اس کو جبراً ٹھہرایا گیا ہو یا عورتوں اور بچوں کا ضعف ہو' اس پر ہجرت واجب نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا فَاُولٰٓئِكَ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ

ہاں! جو مرد' عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہوں اور (کفار کے شہروں سے) نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے' ان سے شاید اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے' اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف

عَنۡهُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوۡرًا۔ کرنے والا اور بہت درگزر کرنے والا ہے۔

(النساء: ۹۹۔۹۸)

(۳) جو لوگ دار الکفر میں رہتے ہیں اور اس شہر سے ہجرت کرنے پر قادر ہوں لیکن وہ دار الکفر میں دین کے اظہار اور فرائض و واجبات کی ادائیگی بھی بخوبی کر سکتے ہوں، ان کے لیے ہجرت کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے، اور یہ استحباب اس وجہ سے ہے کہ وہ دار الاسلام میں رہ کر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شامل ہو سکیں گے، اور مسلمانوں کی افرادی قوت میں اضافہ کا سبب بنیں گے اور دیگر معاملات میں ان کے معاون ہوں گے اور کفار کے ساتھ اختلاط، ان کی عددی قوت میں اضافہ اور ان کے فواحش اور منکرات کو دیکھنے سے بچے رہیں گے، اور ان پر ہجرت کرنا واجب اس لیے نہیں ہے کہ وہ ہجرت کے بغیر بھی فرائض اور واجبات کو ادا کر سکتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے باوجود مکہ میں مقیم رہے، اور روایت ہے کہ حضرت نعیم نحام نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی قوم (بنو عدی) ان کے پاس گئی اور کہا تم اپنے دین پر قائم رہو اور ہمارے پاس ٹھہرو، اور جو شخص تمہیں اذیت پہنچانے کا ارادہ کرے گا ہم تم کو اس سے محفوظ رکھیں گے، اور تم جو ہماری کفالت کیا کرتے تھے وہ کرتے رہنا۔ (حضرت نعیم بنو عدی کے یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرتے تھے۔) سو ایک مدت تک انہوں نے ہجرت نہیں کی اور کافی عرصہ کے بعد انہوں نے ہجرت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تمہاری قوم میری قوم سے بہتر ہے، میری قوم نے مجھے وطن سے نکال دیا اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا، اور تمہاری قوم نے تمہاری حفاظت اور حمایت کی اور تمہیں جانے نہیں دیا۔ حضرت نعیم نے کہا یا رسول اللہ، بلکہ آپ کی قوم نے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دشمن کے خلاف جہاد کی طرف نکالا اور میری قوم نے مجھے ہجرت اور اللہ کی عبادت سے روک لیا۔ (المغنی ج ۹ ص ۲۳۷۔۲۳۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ نے جو ہجرت کی تیسری قسم بیان کی ہے آج کل اس کا مصداق وہ مسلمان ہیں جو معاشی ضروریات کی بناء پر ترک وطن کر کے انگلینڈ، آسٹریلیا، امریکہ، ہالینڈ، جرمنی اور افریقہ وغیرہ میں سکونت اختیار کر چکے ہیں اور انہوں نے ان علاقوں کی مستقل شہریت اختیار کر لی ہے۔

علامہ ابن قدامہ نے ہجرت کی تین اقسام بیان کیں ان کے علاوہ بھی ہجرت کی اقسام ہیں ایک قسم ہے دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت کرنا اگرچہ وہ دونوں دار الکفر ہوں، جیسے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی مکہ اور حبشہ اس وقت دونوں دار الکفر تھے لیکن مکہ میں مسلمانوں کو کفار کے مظالم کا خوف تھا اور حبشہ میں یہ خوف نہیں تھا، سو انہوں نے دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت کی، اور آج کل اس کی مثال یہ ہے جیسے مسلمان بھارت سے افریقی ملکوں میں، برطانیہ، ہالینڈ، امریکا اور جرمنی وغیرہ چلے جاتے ہیں، حالانکہ بھارت بھی کافر ملک ہے اور یہ ممالک بھی دار الکفر ہیں مگر بھارت میں آئے دن ہندو مسلم فسادات ہوتے رہتے ہیں، مسلمانوں کی مساجد کو مسمار کر دیا جاتا ہے، اجودھیا کی بابری مسجد اس کی تازہ مثال ہے، عید گاہوں میں عین نماز عید کے وقت وہ میدان میں خنزیر چھوڑ دیتے ہیں، مسلمان گائے کی قربانی نہیں کر سکتے، اگر کہیں پتا چل جائے کہ مسلمانوں نے گائے ذبح کی ہے تو بڑے پیمانہ پر مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو جاتا ہے، ہندوؤں کے ان مظالم سے تنگ آ کر مسلمان افریقی ممالک، برطانیہ، امریکا، جرمنی وغیرہ ہجرت کر جاتے ہیں اور یہ دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت ہے، ہر چند کہ دونوں ملک دار الکفر ہیں۔

ہجرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان اپنی زبان اور اپنے تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی معصیت سے الگ کر لے اور تمام

قسم کے گناہوں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف منتقل ہو جائے،
گویا شیطان کی سلطنت سے اللہ کی سلطنت کی طرف منتقل ہو جائے اور اس نے اپنے تمام اعضاء کو جو شیطان کا محکوم اور مطیع
بنایا ہوا ہے تو وہ اس کی اطاعت کو ترک کر کے اللہ کی اطاعت کی طرف منتقل ہو جائے اور وہ اپنے تمام اعضاء کو اللہ کا محکوم اور
مطیع بنائے تو یہ کامل ہجرت ہے حدیث میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھوں (کے شر) سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں اور (کامل)
مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں سے ہجرت کرے (ان کو ترک دے) جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰، ۶۴۸۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۱۵، ۶۸۰۶ ۶۸۳۵ طبع عالم الکتب بیروت)

اور ہجرت کی تیسری قسم یہ ہے کہ انسان ان تمام چیزوں کو ترک کر دے اور ان سے الگ ہو جائے جو یاد الٰہی اور اللہ اور
اس کے رسول کی اطاعت سے غافل کرتی ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان اپنی عائلی اور معاشرتی ذمہ داریوں کو ترک
کر کے جنگل میں یا کسی غار میں لوٹا، مصلی اور تسبیح لے کر چلا جائے، بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرے نہ اپنے بیوی بچوں کی
کفالت کرے اور ان کے حقوق ادا کرے، نہ رزق حلال کے حصول کے لیے سعی اور جدوجہد کرے اور نہ اسلامی معاشرہ
میں اپنے حصہ کا رول ادا کرے، یہ محض رہبانیت ہے اور اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

لوگوں کی زبان پر یہ حدیث مشہور ہے: "لا رھبانیۃ فی الاسلام" حافظ ابن حجر نے کہا میں نے ان لفظوں کے ساتھ
حدیث نہیں دیکھی لیکن امام بیہقی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

ان اللہ ابدلنا بالرھبانیۃ الحنیفیۃ السمحۃ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رہبانیت کے بدلہ میں سہل اور آسان دین عطا فرمایا ہے۔

(کشف الخفاللعجلونی رقم الحدیث: ۳۱۵۴، مکتبۃ الغزالی دمشق)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عائلی حقوق اور ماں باپ کی خدمت اور بیوی بچوں کی کفالت اور نادار رشتہ داروں اور
پڑوسیوں کی اعانت کے لیے بہ قدر ضرورت حصول رزق کی کوشش کرے، یہ نہ کرے کہ کاروبار کی وسعت اور تجارت کو
بڑھانے کی جدوجہد میں اس طرح مشغول ہو جائے اور اس میں ایسا منہمک ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض اور اس کے
احکام سے غافل ہو جائے یا دنیا کی زیب و زینت، عیش و آرام اور دوسرے اللوں تللوں رنگ رلیوں اور عیاشیوں میں اس
طرح گم ہو جائے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے احکام بھول جائیں، خلاصہ یہ ہے کہ وہ خلق اور خالق دونوں سے کامل رابطہ رکھے اور
ہر ایسی چیز کو ترک کر دے اور اس سے الگ ہو جائے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل کرے اور یہ حقیقی ہجرت ہے،
علامہ ابن قدامہ نے ہجرت کی تین قسمیں بیان کی ہیں اور تین یہ اقسام ہیں اس طرح ہجرت کی کل چھ اقسام ہو گئیں۔

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منسوخ ہو گئی ہے اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے
کہ ہجرت قیامت تک باقی ہے، ہم پہلے وہ احادیث بیان کر رہے ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منسوخ ہو گئی:

ہجرت منقطع ہونے کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں ہے،
لیکن جہاد اور نیت ہے، اور جب تم کو جہاد کے لیے طلب کیا جائے تو تم جہاد کے لیے روانہ ہو جاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۳ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۴۸۰ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۵۹)

حضرت عبید بن عمر لیثی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا آج کل ہجرت نہیں ہے، پہلے مومنین اپنے دین کی حفاظت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھاگ کر آتے تھے اس خوف سے کہ کہیں وہ دین کی وجہ سے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں، لیکن آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے، آج وہ جہاں چاہے اپنے رب کی عبادت کرے لیکن جہاد اور اس کی نیت باقی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۰)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق سوال کیا: آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے ہجرت کا معاملہ تو بہت سخت ہے، کیا تمہارے اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی! آپ نے فرمایا تم ان کی زکوٰۃ دیتے ہو؟ اس نے کہا جی! آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں کو ان کا دودھ پلاتے ہو، اس نے کہا جی! آپ نے فرمایا جس دن تم اونٹنیوں کو پانی پلانے لے جاتے ہو اس دن تم ان کا دودھ دوہ کر لوگوں کو پلاتے ہو؟ اس نے کہا جی! آپ نے فرمایا تم سمندروں کے پار عمل کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کسی چیز کو (قبول کے بغیر) ترک نہیں کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۷۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۷۷۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۶۴)

حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا، آپ نے فرمایا ہجرت تو اصحاب ہجرت کے لیے گزر چکی لیکن تم اسلام، جہاد اور خیر پر بیعت کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۶۲، ۳۰۵، ۴۳۰۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۳)

حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے دن اپنے والد کو لے کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے والد کو ہجرت پر بیعت کر لیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کو جہاد پر بیعت کروں گا، ہجرت تو منقطع ہو چکی ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۷۹، ۴۱۷۱)

نعیم بن دجاجہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۸۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا جو بہت نڈر اور بے باک تھا اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کی طرف ہجرت کرنے کی کون سی جگہ ہے؟ وہ کوئی خاص جگہ ہے یا کسی خاص قوم کا علاقہ یا آپ کی وفات کے بعد ہجرت منقطع ہو جائے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر آپ نے فرمایا ہجرت کے متعلق پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا میں یہاں ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جب تم نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو تم مہاجر ہو، خواہ تم حضر موت میں فوت ہو، یعنی یمامہ کی سرزمین میں۔ الحدیث۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۶۸۹۰، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نڈر اور بے باک اعرابی آیا اور کہا یا رسول اللہ آپ کی طرف ہجرت کس جگہ ہے؟ آپ جہاں بھی ہوں، یا کسی خاص سرزمین کی طرف، یا کسی خاص قوم کی طرف، یا جب آپ وفات پا جائیں گے تو ہجرت منقطع ہو جائے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر آپ نے فرمایا، وہ ہجرت کے متعلق سوال کرنے والا کہاں گیا؟ اس نے کہا میں یہاں ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ہجرت یہ ہے کہ تم بے حیائی کے کاموں کو ترک کرو خواہ وہ کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ! اور تم نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو تم مہاجر ہو، خواہ تم حضر موت میں فوت ہو۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۷۰۹۵، مطبوعہ عالم الکتب، ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب ہجرت باقی نہیں ہے اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت قیامت تک باقی رہے گی۔ اب ہم ان احادیث کو ذکر کر رہے ہیں:

ہجرت باقی رہنے کے متعلق احادیث

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۷۹، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۲، ج ۴ ص ۹۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۳۴۶، تہذیب تاریخ دمشق ج ۴ ص ۲۰۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۲۴۹، شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۶۳۶)

حضرت عبداللہ بن واقد السعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک وفد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم اپنی کوئی حاجت طلب کر رہے تھے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب سے آخر میں پیش ہوا، میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اپنے پیچھے کچھ لوگوں کو چھوڑا ہوا ہے اور ان کا یہ گمان ہے کہ اب ہجرت منقطع ہو چکی ہے، آپ نے فرمایا جب تک کفار سے قتال کیا جاتا رہے گا ہجرت منقطع نہیں ہوگی۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۸۳، ۴۱۸۴)

ہجرت کی متعارض حدیثوں میں تطبیق

بہ ظاہر ان دونوں قسم کی حدیثوں میں یہ تعارض ہے، پہلی قسم کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب ہجرت ختم ہو چکی ہے اور دوسری قسم کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت قیامت تک باقی رہے گی، علامہ حمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ ان میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابتداء اسلام میں ہجرت مستحب تھی فرض نہیں تھی، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۚ (النساء: ۱۰۰)

جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت میں کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا۔

پھر جب مشرکوں کی ایذا رسانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑھ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا تاکہ وہ آپ کے ساتھ رہیں اور جہاد میں آپ کی مدد کریں تو اس وقت ہجرت فرض کر دی گئی تاکہ مسلمان آپ سے دین سیکھیں اور شریعت کا علم حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ہجرت کا حکم موکد فرمایا ہے حتیٰ کہ جن مسلمانوں نے ہجرت نہیں کی ان کی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حمایت، نصرت اور ولایت کو منقطع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، تمہارے لیے ان کی حمایت جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ ہجرت کر

ہیں۔ (الانفال: ۷۲)

اس زمانہ میں سب سے زیادہ خطرہ قریش مکہ سے تھا جب مکہ فتح ہو گیا اور اہل مکہ نے اطاعت کرلی تو ہجرت کے فرض ہونے کی علت زائل ہو گئی اور ہجرت کا حکم پھر ندب اور استحباب کی طرف لوٹ آیا' پس یہاں دو ہجرتیں ہیں' جو ہجرت منقطع ہو چکی ہے یہ وہ ہجرت ہے جو فرض تھی اور جو ہجرت باقی ہے یہ وہ ہجرت ہے جو مستحب ہے۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۳۵۲' دار المعرفہ بیروت)

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ علامہ خطابی کا مذکورہ جواب نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ان دونوں حدیثوں کو ایک اور طریقے سے بھی جمع کیا جاسکتا ہے' اور وہ یہ ہے کہ جس حدیث میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے' اس سے مراد خاص ہجرت ہے یعنی مکہ سے مدینہ کی طرف منتقل ہونا اب ہجرت نہیں ہے کیونکہ اب مکہ بھی دارالاسلام ہے' اور جس حدیث میں ہے کہ ہجرت منقطع نہیں ہوگی' اس سے مراد یہ ہے کہ جو آدمی دارالکفر میں مسلمان ہوا اس پر واجب ہے کہ وہ دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف منتقل ہو جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۳۶) اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مشرک کے ساتھ جمع ہوا اور اس نے ان کے ساتھ سکونت کی وہ اس کی مثل ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۷)۔

(شرح السنہ ج ۱۰ ص ۷۴۳-۷۴۴' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۳ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' علامہ خطابی اور امام بغوی کے جوابوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جس حدیث میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی' اور آپ کی اجازت کے بغیر اس کا اپنے وطن کی طرف جانا جائز نہ ہو ایسی ہجرت فتح مکہ کے بعد نہیں ہے' اور جس حدیث میں ہے کہ ہجرت منقطع نہیں ہوگی اس سے مراد وہ ہجرت ہے جو اس طرح نہ ہو جیسا کہ مختلف علاقوں سے ہجرت کر کے اعرابی آتے تھے' اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ اسماعیلی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت منقطع ہو گئی اور جب تک کفار کے ساتھ جہاد کیا جاتا رہے گا ہجرت منقطع نہیں ہوگی' یعنی جب تک دنیا میں کفر ہے تو ان لوگوں پر ہجرت کرنا واجب ہے جو دارالکفر میں مسلمان ہوئے اور ان کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اپنے دین کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ دارالکفر میں بغیر فتنہ کے رہ سکیں تو ان پر وہاں سے ہجرت کرنا واجب نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۳۰' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

النساء: ۹۷ میں بھی ہم نے ہجرت پر بحث کی ہے اس موضوع پر مکمل واقفیت حاصل کرنے کے لیے اس بحث کا بھی مطالعہ کر لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں ہی کو رسول بنایا تھا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے' اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لو ○ (ان رسولوں کو) واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا' اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن عظیم) اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ ان کی طرف کیا

نازل کیا گیا اور تاکہ وہ غور و فکر کریں○(النحل : ۴۴۔۴۳)

انسان اور بشر کو نبی اور رسول بنانے کی تحقیق

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں مشرکین مکہ کا یہ پانچواں شبہ ہے، جس کا یہاں ذکر کر کے اس کا رد کیا جا رہا ہے، مشرکین یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند اور بالا ہے کہ وہ کسی بشر اور انسان کو رسول بنائے اور اپنا پیغام دے کر بھیجے، اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجنا ہوتا تو وہ فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا جو انسان کی بہ نسبت بہت معزز اور مکرم مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس اعتراض کا قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے، اور اس کا ازالہ فرمایا ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ○ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ (الانعام: ۹۔۸)

اور انہوں نے کہا اس رسول پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی○ اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے تب بھی اس کو (صورتاً) مرد بناتے اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں○

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر فرشتہ اپنی اصلی شکل میں آتا تو وہ نہ اس کا کلام سن سکتے، نہ اس کو دیکھ سکتے اور نہ اس کو چھو سکتے تو اس کو اصلی شکل میں بھیجنا بالکل عبث ہوتا، اور اگر ہم اس کو انسانی پیکر اور بشر کی صورت اور مرد کے لباس میں بھیجتے تو وہ اس پر یقین نہ کرتے کہ یہ فرشتہ ہے اور ہرگز نہ مانتے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ سو جو شبہ ان کو لاحق ہے وہ پھر بھی لاحق ہوتا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ۔ (یونس: ۲)

کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک مرد پر وحی کی ہے کہ آپ لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ○ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ (المؤمنون: ۳۴۔۳۳)

اور نبی کی قوم کے ان لوگوں نے کہا جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی، اور ہم نے ان کو دنیاوی زندگی میں خوشحالی عطا فرمائی تھی، یہ رسول تو تم جیسا بشر ہے یہ ان چیزوں میں سے کھاتا ہے جن سے تم کھاتے ہو اور ان چیزوں سے پیتا ہے جن سے تم پیتے ہو○ اور اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت کر لی تو اس وقت تم ضرور نقصان اٹھانے والے لوگوں میں سے ہو گے○

سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی ان کے اس اعتراض کا جواب دیا اور ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ مخلوق کی آفرینش کی ابتداء سے اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ رہی ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے صرف انسان اور بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور ظاہر ہے کہ بشر اور انسان کی ہدایت کے لیے اس کی جنس سے ہی رسول بھیجا جائے گا۔ چونکہ اس زمین پر انسان رہتے ہیں اس لیے ان کی ہدایت کے لیے بشر اور انسان کو رسول بنا کر بھیجا گیا، اگر یہاں فرشتے رہتے ہوتے تو ان کی ہدایت کے لیے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجا

جاتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۹۵)

آپ کہیے اگر زمین میں (رہنے والے) فرشتے ہوتے جو اس میں اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے ۝

اس لیے کفار مکہ کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ اعتراض لایعنی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام دے کر کسی کو بھیجنا تھا تو چاہیے تھا کہ وہ کسی فرشتے کو پیغام دے کر اور اپنا رسول بنا کر بھیجتا، امام رازی اور علامہ قرطبی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور بالبینات والزبر آیت کے پہلے اجزا کے ساتھ مربوط ہے اور معنی یوں ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ صرف مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، سو اگر تم کو یقین نہ ہو تو اہلِ ذکر یعنی اہلِ کتاب سے پوچھ لو۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صرف مرد کو بنایا جاتا ہے عورت کو نہیں بنایا جاتا۔

اھل الذکر کا مصداق

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اہل الذکر کی تفسیر میں چار قول ہیں: (۱) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اہل التوراۃ والانجیل ہیں، (۲) مجاہد نے کہا اس سے مراد اہلِ تورات ہیں، (۳) ابن زید نے کہا اس سے مراد اہلِ قرآن ہیں، (۴) الماوردی نے بیان کیا اس سے مراد ہے پہلے لوگوں کی خبر رکھنے والے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: اگر تم نہیں جانتے ہو تو، اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں: (۱) اگر تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے بشر میں سے کسی کو رسول بنایا ہے۔ اس بنا پر معنی یہ ہے کہ اگر تم یہ نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھ لو خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہوں یا نہ لائے ہوں، کیونکہ اہلِ کتاب اور تاریخ کا علم رکھنے والے سب اس پر متفق ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام بشر سے مبعوث کیے گئے۔ (۲) اگر تم یہ نہیں جانتے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں تو اہلِ کتاب سے جو ایمان لائے ہیں ان سے پوچھ لو اور مجاہد سے روایت ہے کہ اہل الذکر سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہیں اور قتادہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت سلمان فارسی ہیں۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۵۰-۴۴۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

میرے نزدیک امام ابن جوزی کی ذکر کی ہوئی یہ دوسری تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ سورہ النحل مکی ہے اور اس آیت میں مکہ کے مشرکین سے یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ نے کسی بشر کو رسول بنایا ہے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو، اور حضرت عبداللہ بن سلام تو ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلام لائے تھے، اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مشرکو! اگر تم کو اس بات میں شک ہے کہ بشر رسول ہوتا ہے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو، کیونکہ تمام اہلِ کتاب اس کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کو نہیں چھپاتے۔

مسئلہ تقلید پر "فسئلوا اھل الذکر" سے استدلال

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ جلال الدین سیوطی نے الاکلیل میں لکھا ہے کہ اس آیت سے عام آدمی کی فروعی مسائل میں تقلید پر استدلال

کیا گیا ہے۔ علامہ سیوطی نے فروعی مسائل کی جو قید لگائی ہے اس پر غور کرنا چاہیے' کیونکہ اس آیت کا ظاہر عموم ہے' خاص طور پر جب ہم یہ کہیں کہ اس آیت میں جس چیز کے متعلق سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق اصول سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ انسان اور بشر سے رسول بناتا ہے' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جلال الدین محلی سے منقول ہے کہ غیر المجتہد عام ہو یا خاص اس کو مجتہد کی تقلید کرنا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو' اور صحیح یہ ہے کہ مسائل اعتقادیہ اور غیر اعتقادیہ میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی فرق ہے کہ مجتہد زندہ ہو یا مُردہ۔

علامہ سیوطی اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ مجتہد کے لیے تقلید کرنا منع ہے' خواہ اس کے پاس کوئی قطعی دلیل ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ بالفعل مجتہد ہو یا اس کے پاس اجتہاد کی اہلیت ہو' اور ان کے اس کلام کا تقاضا یہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے میں یا ان کے علاوہ کسی اور کی تقلید کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' ہاں! علامہ ابن حجر وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ غیر کی تقلید کرنے میں یہ شرط ہے کہ اس کا مذہب مدون ہو اور اس کی شرائط اور معتبرات محفوظ ہوں' اور علامہ سبکی نے جو کہا ہے کہ جو ائمہ اربعہ کا مخالف ہو وہ اجماع کے مخالف کی مثل ہے یہ ان مجتہدین پر محمول ہے جن کے مسائل محفوظ اور مدون نہیں ہیں اور ان کی شرائط معروف نہیں ہیں اور ان کی کتابیں گم ہو چکی ہیں جیسے ثوری' اوزاعی' ابن ابی لیلیٰ وغیرہم کے مذاہب' (یعنی ان لوگوں کی تقلید نہیں کرنی چاہیے) ائمہ اربعہ کے غیر کی تقلید کا جواز صرف عمل میں ہے' اور افتاء اور قضاء کے لیے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے مذہب کا متعین کرنا ضروری ہے۔

(روح المعانی جز ۱۴ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

آیت مذکورہ سے استدلال پر نواب صدیق حسن خان کے اعتراضات

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ تقلید کے رد میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اہلِ ذکر سے مطلقاً سوال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ ایک خاص چیز کے متعلق سوال کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ ہے کسی بشر اور انسان کو رسول بنانا۔ امام ابن جریر' امام بغوی اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے۔ علامہ سیوطی نے ان تمام اقوال کو الدر المنثور میں جمع کیا ہے اور سیاق اور سباق سے بھی یہی معنی متعین ہے اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ یہاں کسی بھی چیز کے متعلق اہلِ ذکر سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے تب بھی یہاں کتاب اللہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سُنت کے متعلق سوال کرنے کا حکم مراد ہے اور ان کے علاوہ اور کسی چیز کے متعلق سوال کرنے کا حکم مراد نہیں ہے' اور میں مخالف کے متعلق یہ گمان نہیں رکھتا کہ وہ اس سے اختلاف کرے گا' اس لیے کہ شریعت مطہرہ یا تو اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اور وہ قرآن کریم ہے اور یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور وہ آپ کی سنت مطہرہ ہے' ان کے علاوہ کوئی تیسری چیز شریعت نہیں ہے۔ اور جب کہ لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اہلِ قرآن اور حدیث سے سوال کریں' تو یہ آیت کریمہ مقلدین کے خلاف ہے' ان کے حق میں نہیں ہے کیونکہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ وہ اہل الذکر سے سوال کرتے تھے اور وہ ان کو جواب دیتے تھے' پس جن سے سوال کیا جاتا تھا ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ وہ کہیں کہ اللہ اس طرح فرماتا ہے' اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فرماتے ہیں' پھر سوال کرنے والے اس پر عمل کرتے ہیں' اور یہ وہ چیز نہیں ہے جو مقلدین کی مراد ہے اور جس کو وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں' کیونکہ وہ اس آیت سے لوگوں کے اقوال پر عمل کرنے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور ان کے اقوال کی دلیل کے متعلق سوال نہیں کرتے' اور اسی چیز کو تقلید کہتے

ہیں کیونکہ انہوں نے تقلید کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ بغیر دلیل کے غیر کے قول کو قبول کرنا ہے۔

تقلید کا خلاصہ یہ ہے کہ مقلد کتاب اللہ سے سوال کرتا ہے اور نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بلکہ وہ فقط اپنے امام کے مذہب کو معلوم کرتا ہے' اور جب وہ امام کے مذہب سے متجاوز ہو کر کتاب اور سنت کے متعلق سوال کرے تو پھر وہ مقلد نہیں ہے اور اس بات کو ہر مقلد تسلیم کرتا ہے اور اس کا انکار نہیں کرتا' اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ جب مقلد اہلِ ذکر سے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے متعلق سوال کرے گا تو وہ مقلد نہیں ہو گا' تو تم نے جان لیا کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس آیت میں کسی خاص چیز کے سوال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا' بلکہ شریعت سے متعلق ہر چیز کے سوال کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ مقلد کا زعم ہے تو اس کا قول اس کے منہ پر مار دیا جائے گا اور اس کی ناک خاک آلودہ کی جائے گی اور اس کی کمر توڑ دی جائے گی' کیونکہ جس سوال کرنے کو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے وہ یہ ہے کہ عالم سے حجت شرعیہ کا سوال کیا جائے اور اس کو معلوم کیا جائے' پس وہ عالم حدیث کا راوی ہو گا اور وہ سائل روایت کا طالب ہو گا اور مقلد خود اس کا اقرار کرتا ہے کہ وہ عالم کے قول کو قبول کرتا ہے اور حجت کا مطالبہ نہیں کرتا پس یہ آیت اتباع کی دلیل ہے تقلید کی دلیل نہیں ہے' پس اس تقریر سے تم پر ظاہر ہو گیا ہو گا کہ مقلد اس آیت کو جو اپنی حجت کے طور پر پیش کرتا ہے تو یہ حجت ساقط ہے' جب کہ اس آیت کا مفہوم خاص چیز کے متعلق سوال کرنے کا حکم دینا ہے نہ کہ عام چیزوں کے متعلق' سو یہ آیت مقلد کے خلاف ہے نہ کہ اس کے حق میں۔ (فتح البیان ج ۷ ص ۲۴۴-۲۴۶' مطبوعہ المکتبۃ العصریہ' ۱۴۱۵ھ)

اعتراضات مذکورہ کے جوابات اور اس پر دلائل کہ اعتبار خصوصیت مورد کا نہیں عموم الفاظ کا ہوتا ہے

نواب صدیق حسن خان نے پہلی بات یہ کہی ہے کہ اس آیت کا مورد اور شان نزول خاص ہے یعنی اس چیز کے متعلق سوال کرنا کہ پہلی امتوں میں انسان اور بشر سے رسولوں کو بھیجا جاتا رہا ہے' اور اس کو عموم پر محمول کرنا جائز نہیں ہے یعنی جس چیز کا بھی علم نہ ہو اس کے متعلق سوال کیا جائے' اس کا جواب یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی آیت کے مورد کی خصوصیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (الحجرات: ۱) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

نواب صدیق حسن خان نے اس آیت کے دو شانِ نزول ذکر کیے ہیں:

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو تمیم کے کچھ سوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' حضرت ابو بکر نے کہا ان پر قعقاع بن معبد بن زرارہ کو امیر بنا دیں' حضرت عمر نے کہا بلکہ ان پر اقرع بن حابس کو امیر مقرر کر دیں' حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے کہا تم نے صرف میری مخالفت کرنے کا ارادہ کیا ہے' حضرت عمر نے کہا میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا' وہ دونوں بحث کرنے لگے حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: یایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ۔ اس حدیث کو امام بخاری اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۶۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۲۳۲) حضرت ابن عباس نے کہا مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بحث کرنے سے منع کر دیا گیا' یہ ممانعت رائے کے ساتھ کتاب و سُنّت کے معارضہ کو بھی شامل ہے اور تقلید سے ممانعت کو بھی شامل ہے۔ (فتح البیان ج ۱۳ ص ۱۳۰' مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دیکھیے اس آیت کا شانِ نزول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابو بکر اور عمر کے ساتھ خاص ہے' لیکن حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے الفاظ کے عموم کی وجہ سے فرمایا: یہ ممانعت تمام مسلمانوں کو شامل ہے اور خود نواب صاحب نے تو اس کو اور بھی عام کر دیا کہ یہ ممانعت رائے کے ساتھ کتاب و سنت کے معارضہ کی ممانعت اور تقلید کی ممانعت کو بھی شامل ہے، حالانکہ تقلید کی ممانعت کا تو اس آیت میں دور دور کا اشارہ بھی نہیں ہے کیونکہ مقلدین جن مسائل میں اپنے ائمہ کی تقلید کرتے ہیں وہ کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہیں بلکہ کتاب و سنت کے موافق ہیں اور مذاہب اربعہ کی فقہی کتابیں اس پر شاہد عادل ہیں، بہرحال نواب صاحب کے خود اپنے بیان سے ثابت ہو گیا کہ خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہو تا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہو تا ہے اور اسی قاعدہ کے مطابق انہوں نے یہ تفسیر کی ہے۔

اور اس آیت کا دوسرا شانِ نزول انہوں نے یہ بیان کیا ہے:

امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ مسلمان رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنا شروع کر دیتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح البیان ج ۹ ص ۱۳۰ مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نواب صاحب نے اس مورد اور شانِ نزول کے ساتھ اس آیت کو خاص نہیں کیا بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں اس آیت میں مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے خلاف نہ کہیں اور یہی زیادہ ظاہر ہے، یا اللہ اور رسول کی اجازت کے بغیر کوئی قطعی حکم نہ دیں یا جس طرح علامہ خازن نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے پہلے کوئی بات نہ کہو یا آپ کے فعل کرنے سے پہلے کوئی فعل نہ کرو اور علامہ بیضاوی نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم دینے سے پہلے کسی چیز کا قطعی فیصلہ نہ کرو۔ (فتح البیان ج ۹ ص ۱۳۰۔ ۱۲۹ ملخصاً مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بہرحال یہ واضح ہو گیا کہ خود نواب صاحب کی تفسیر اسی قاعدہ پر مبنی ہے کہ قرآن عظیم کی آیات میں خصوصیت مورد کا لحاظ نہیں ہو تا بلکہ عموم الفاظ کا لحاظ ہو تا ہے لہٰذا ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔ (النحل: ۴۳) کا تعلق ایک خاص سوال سے ہے یعنی یہ معلوم کرو کہ بشر اور انسان سے رسول مبعوث ہوتے ہیں اور اس میں عام نامعلوم چیزوں کے متعلق سوال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

آیت مذکورہ کا تمام مسائل کے لیے عام ہونا خواہ ان کا علم ہو یا نہ ہو

دوسری بات جو نواب صاحب نے کہی وہ یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہاں پر عموم مراد ہے یعنی جو چیز بھی معلوم نہ ہو اس کے متعلق سوال کرو تو اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کا شرعی حکم تم کو معلوم نہ ہو تم اس کے متعلق اللہ عزوجل کا ارشاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم کرو اور یہ بات مقلدین کے حق میں نہیں ہے کیونکہ وہ اس آیت سے یہ مراد لیتے ہیں کہ جس چیز کے متعلق تمہیں شرعی حکم معلوم نہیں ہے اس چیز کے متعلق اپنے امام کا قول معلوم کرو۔

نواب صاحب نے جو یہ لکھا ہے یہ واقع کے خلاف ہے مقلدین علماء اس آیت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ جس چیز یا جس کام کا تمہیں شرعی حکم معلوم نہیں ہے اس کے متعلق اہل علم سے سوال کرو پھر وہ جو کہیں اس پر عمل کرو خواہ وہ تمہیں اس کی دلیل بتائیں یا نہ بتائیں۔

امام علی بن محمد آمدی مالکی متوفی ۶۳۱ھ اس آیت (النحل: ۴۳) سے تقلید کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (النحل: ۴۳) — اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے سوال کرو۔

یہ آیت تمام مخاطبین کے لیے عام ہے اور واجب ہے کہ ہر اس چیز کے سوال کے لیے عام ہو جس کا مخاطب کو علم نہ ہو اور تخصیص خلاف اصل اور بلا دلیل ہے اور جب یہ آیت تمام اشخاص اور تمام نامعلوم مسائل کے لیے عام ہے تو اس آیت میں جو سوال کرنے کا حکم ہے اس کا ادنیٰ درجہ جواز ہے۔

(الاحکام فی اصول الاحکام ج ۴ ص ۲۳۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ آمدی نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہیں یہ نہیں لکھا کہ مقلد اپنے امام کا قول معلوم کرے بلکہ یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص کو کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو وہ اہل علم سے اس کے متعلق سوال کرے۔

علامہ ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ اور ان کی عبارت کی شرح میں علامہ ابن امیر الحاج حنفی متوفی ۸۷۹ھ تقلید کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہماری دلیل اس آیت کا عموم ہے فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ (النحل: ۴۳) یہ آیت اس شخص کے متعلق عام ہے جو کسی چیز کا شرعی حکم نہ جانتا ہو خواہ وہ محض عام شخص ہو یا بعض مسائل کا عالم ہو اور کسی ایک مسئلہ کا شرعی حکم نہ جانتا ہو' اس پر لازم ہے کہ وہ پیش آمدہ مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے اہل علم سے سوال کرے' سوال کرنے کی علت علم نہ ہونا ہے' پس جب بھی علم کا نہ ہونا ثابت ہو گا تو اس کے متعلق سوال کرنے کا وجوب متحقق ہو گا' لہٰذا جو شخص کسی مسئلہ کا عالم نہ ہو اس پر اس مسئلہ کے متعلق سوال کرنا واجب ہے اور ہمیشہ سوال کرنے والے مفتیوں کی اتباع کرتے رہے ہیں خواہ مفتیوں نے اس شرعی حکم کی دلیل نہ بتائی ہو اور یہ ہر دور میں رائج رہا ہے اور اس پر کبھی انکار نہیں کیا گیا لہٰذا عالم مجتہد کے اقوال کی اتباع پر اجماع سکوتی ہو گیا اور بلا دلیل علماء کے اقوال کی اتباع کا عدم جواز ان علماء کے لیے ہے جو اجتہاد کے اہل ہوں' ہاں اگر سوال کرنے والا ان کے قول کی دلیل کا سوال کرے تو ان پر دلیل کا بیان کرنا واجب ہے الا یہ کہ اس مسئلہ کی دلیل بہت غامض اور دقیق ہو اس وقت سائل پر اس دلیل کو ظاہر کرنے سے تھکاوٹ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا' ایسی صورت میں علماء اس دلیل کو ظاہر نہ کرنے میں معذور ہیں۔ (التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۴۵۸-۴۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

مقلدین تقلید کے جواز پر فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ (النحل: ۴۳) سے استدلال کرتے ہیں' مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے اس استدلال پر جو اعتراضات کیے تھے ہم ان کے جوابات سے فارغ ہو گئے' اب ہم پہلے تقلید کی تعریف کریں گے پھر تقلید کے ثبوت پر قرآن مجید' احادیث' آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے استدلال کریں گے اور پھر علماء متقدمین نے تقلید کے جواز پر جو دلائل پیش کیے ہیں ان کو پیش کریں گے' فنقول وباللہ التوفیق۔

تقلید کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی وضاحت

علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ تقلید کا لغوی معنی لکھتے ہیں:

کسی کے گلے میں ہار ڈالنا' حاکموں کا کسی کے ذمہ کوئی کام سپرد کرنا' اونٹنیوں کے گلے میں کوئی ایسی چیز لٹکانا جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ھدی ہیں۔ (القاموس ج ۱ ص ۴۲۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ تقلید کا اصطلاحی معنی لکھتے ہیں:

انسان اپنے غیر کی اس کے قول اور فعل میں اتباع کرے اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ برحق ہے' دلیل میں غور و فکر اور تامل کیے بغیر گویا کہ اتباع کرنے والے نے اپنے غیر کے قول اور فعل کا قلادہ (ہار) اپنے گلے میں لٹکا لیا اور بلا دلیل غیر کے قول

کو قبول کرنا تقلید ہے۔ (التعریفات ص ۴۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

بغیر حجت اور دلیل کے غیر کے قول کو قبول کرنا تقلید ہے، حجت سے مراد ہے کتاب، سنت، اجماع اور قیاس، ورنہ مجتہد کا قول مقلد کی دلیل ہے، جیسے عام آدمی مفتی اور مجتہد سے مسئلہ معلوم کرتا ہے۔

(فواتح الرحموت ج ۲ ص ۴۰۰، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۲۴ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

عام آدمی پر لازم ہے کہ وہ اسی شخص سے مسئلہ معلوم کرے جو علم اور پرہیزگاری میں معروف اور مشہور ہو، اور جو شخص جہل میں مشہور ہو اس سے بالکل سوال نہ کرے اور جو آدمی فسق و فجور میں معروف ہو اس سے بھی بالکل سوال نہ کرے۔ (المستصفیٰ ج ۲ ص ۳۹۰ مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۲۴ھ)

قرآن کریم سے تقلید پر استدلال

ہم اس سے پہلے النحل: ۴۳ سے تقلید کے جواز پر استدلال اور مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کے اعتراضات اور ان کے جوابات لکھ چکے ہیں، اس سلسلہ میں دوسرا استدلال اس آیت کریمہ سے ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○ (التوبہ: ۱۲۲)	ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت علم دین کے حصول کے لیے نکلتی تاکہ جب وہ واپس آتی تو اپنے گروہ کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراتی تاکہ وہ گناہوں سے بچتے ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف بعض مسلمانوں پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے بعد اپنی پوری قوم کو احکام پہنچائیں یعنی صرف بعض مسلمان دین کا علم اور فقہ کو حاصل کریں اور ان کی قوم کے باقی مسلمان ان کے اقوال پر عمل کریں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فقہا کے اقوال کو واجب العمل قرار دیا ہے کیوں کہ ان پر عمل کر کے اللہ کے عذاب سے بچا جا سکتا ہے۔ اور اسی کا نام تقلید ہے۔

احادیث سے تقلید پر استدلال

ابو جمرہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض ادا کیا کرتا تھا حضرت ابن عباس نے کہا کہ عبد القیس کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے فرمایا یہ کون سا وفد ہے یا فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا ہم ربیعہ ہیں، آپ نے فرمایا اس قوم کو یا اس وفد کو خوش آمدید ہو، یہ رسوا ہوں گے نہ شرمندہ ہوں گے، انہوں نے کہا ہم آپ کے پاس بہت دور سے آئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا قبیلہ حائل ہے اور ہم سوا حرمت والے مہینوں کے آپ کے پاس آنے کی طاقت نہیں رکھتے، آپ ہمیں ایسے احکام بتائیے جن کی ہم ان کو خبر دیں جو ہمارے پیچھے ہیں اور اس وجہ سے جنت میں داخل ہو جائیں، سو آپ نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے روکا۔ آپ نے ان کو صرف عزوجل وحدہ پر ایمان لانے کا حکم دیا، پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ پر ایمان لانے کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا اور ان کو خشک کھوکھلے کدو، سبز گھڑے اور تارکول ملے ہوئے برتنوں کے استعمال سے

منع فرمایا اور بسا اوقات آپ نے ان کو کھوکھلی لکڑی کے برتن کے استعمال سے بھی منع فرمایا۔ آپ نے فرمایا ان احکام کو یاد کرلو اور جب لوگ تمہارے پیچھے ہیں ان کو ان احکام کی خبر دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۹۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۹۹، ۲۶۱۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷)

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم سب نوجوان اور ہم عمر تھے، ہم آپ کے پاس بیس راتیں ٹھہرے، پھر آپ نے یہ گمان فرمایا کہ ہمیں اپنے گھر والوں کی یاد آ رہی ہے، آپ نے ہم سے سوال کیا کہ ہم اپنے گھروں میں کس کس کو چھوڑ کر آئے ہیں، ہم نے آپ کو بتایا آپ بہت رفیق اور رحیم تھے آپ نے فرمایا اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاؤ اور ان کو تعلیم دو اور ان کو (نیک کاموں کا) حکم دو، اور تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۰۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۹۳۳، عالم الکتب بیروت)

یہ صحابہ کرام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دین سیکھ کر گئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر دین کی تبلیغ کریں اور اپنی قوم کو دین کی تعلیم دیں اور نیک کاموں کے احکام دیں اور اب ان کے علاقہ کے لوگ ان کے اقوال پر عمل کریں گے اس اعتماد پر کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دین سیکھ کر آئے ہیں اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں وہ کتاب اور سنت کے مطابق کہہ رہے ہیں اور کسی شخص کے قول پر اس اعتماد سے عمل کرنا کہ وہ کتاب اور سنت کے مطابق کہہ رہا ہے یہی تقلید ہے۔

آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے تقلید پر استدلال

عن عکرمة ان اهل المدینة سالوا ابن عباس عن امراة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا ناخذ بقولک وندع قول زید قال اذا قدمتم المدینة فاسئلوا فقدموا المدینة فکان فی من سالوا ام سلیم فذکرت حدیث صفیة۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۵۸، ۱۷۵۹)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا کہ جس عورت نے طواف (زیارت) کرلیا ہو پھر اس کو حیض آجائے (تو آیا وہ طواف وداع کے بغیر واپس جا سکتی ہے؟) حضرت ابن عباس نے فرمایا: جا سکتی ہے، اہل مدینہ نے کہا: ہم آپ کے قول کی وجہ سے حضرت زید بن ثابت کے قول کو ترک نہیں کریں گے، (حضرت زید کہتے تھے کہ وہ طواف وداع کیے بغیر نہیں جا سکتی) حضرت ابن عباس نے فرمایا جب تم مدینہ جاؤ تو اس مسئلہ کی تحقیق کرلینا، جب وہ مدینہ گئے تو انہوں نے اس کی تحقیق کی، اور حضرت ام سلیم سے بھی پوچھا انہوں نے حضرت صفیہ کی (یہ) حدیث بیان کی: (کہ ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو طواف وداع کیے بغیر جانے کی اجازت دی تھی۔)

جب اہل مدینہ کو حضرت صفیہ کی حدیث مل گئی تو انہوں نے حضرت ابن عباس کے پاس جا کر حق کا اعتراف کرلیا: حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

فرجعوا الی ابن عباس فقالوا وجدنا

پھر اہل مدینہ حضرت ابن عباس کے پاس گئے اور کہا جس

الحديث كما حدثتنا۔

طرح آپ نے ہمیں حدیث سنائی تھی ہمیں اسی طرح حدیث مل گئی۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۵۸۸، طبع لاہور)

اور حضرت زید بن ثابت کو جب یہ حدیث مل گئی تو انہوں نے بھی رجوع فرمالیا۔

حافظ ابن عسقلانی، امام مسلم اور امام نسائی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال فرجع اليه: فقال ما اراك الاقد صدقت لفظ مسلم وللنسائی کنت عند ابن عباس فقال له زيد بن ثابت انت الذی تفتی و قال فيه فسالها ثم رجع و هو يضحك فقال: الحديث كما حدثتني۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۵۸۸ طبع لاہور)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت زید بن ثابت نے رجوع کرلیا اور حضرت ابن عباس سے فرمایا مجھے یہ یقین ہے کہ آپ نے سچ کے سوا کچھ نہیں کہا یہ صحیح مسلم کی عبارت ہے اور سنن نسائی میں یہ عبارت ہے: عکرمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھا تھا ان سے حضرت زید بن ثابت نے پوچھا آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس انصاری خاتون سے اس کے متعلق حدیث معلوم کرلو، حضرت زید نے ان سے حدیث پوچھی اور ہنستے ہوئے (اپنے قول سے) رجوع کرلیا اور کہا جس طرح آپ نے بیان کیا تھا اسی طرح حدیث ہے۔

اس حدیث میں تقلید شخصی کا بھی ثبوت ہے کہ اہل مدینہ حضرت زید بن ثابت کے فتویٰ کی تقلید کرتے تھے اور یہ بھی دلیل ہے کہ اگر امام کے قول کے خلاف دلیل مل جائے تو حدیث پر عمل کرنا تقلید شخصی کے خلاف نہیں ہے۔

اب ہم صحابہ اور تابعین کے ایک سو آثار پیش کر رہے ہیں، لوگوں نے ان سے متعدد معاملات اور مختلف مسائل میں سوالات کیے اور انہوں نے ان کے جوابات میں قرآن مجید اور احادیث کی تصریحات کے بجائے اپنے اقوال پیش کیے ہرچند کہ ان کے اقوال قرآن اور سنت پر ہی مبنی تھے اور سائلین کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ یہ لوگ کتاب اور سنت کے ماہر ہیں اور ہمیں اس کے خلاف نہیں بتائیں گے اور اسی کا نام تقلید ہے اور مقلدین بھی اپنے ائمہ کی اسی معنی میں تقلید کرتے ہیں۔

(۱) عبدالرحمٰن الاعرج بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ محرم اپنی چادر میں بٹن لگا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۴۲۲۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، ۱۴۲۶ھ)

حضرت ابی بن کعب نے سائل کو قرآن اور حدیث بیان کرنے کے بجائے صرف اپنا قول بیان کیا اور سائل نے اس پر عمل کیا اور یہی تقلید ہے۔

(۲) عمرو بن ہرم بیان کرتے ہیں کہ جابر بن زید سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے اور دوسرا شخص اس کے قریب کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے اس نے آیت سجدہ پڑھی تو پہلے شخص نے اس آیت کو سن لیا تو کیا وہ سجدہ کرے گا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸)

(۳) عمرو بن ہرم کہتے ہیں کہ جابر بن زید سے سوال کیا گیا کہ حائضہ عورت کے کپڑے پر خون لگ جائے وہ اس کو دھولے اور اس میں خون کا نشان باقی رہے تو وہ اس میں نماز پڑھ سکتی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۲۰)

(۴) عمرو بیان کرتے ہیں کہ جابر بن زید سے سوال کیا گیا کہ طلوع آفتاب کے وقت یا غروب آفتاب کے وقت یا جب

سورج کچھ غروب ہوا ہو' اس وقت جنازہ دفن کیا جا سکتا ہے؟ کہا نہیں۔ (ہمارے نزدیک اس وقت نماز جنازہ نہیں پڑھی جا سکتی البتہ دفن کیا جا سکتا ہے۔۔۔ سعیدی غفرلہ) (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۳۲۵)

(۵) یونس بیان کرتے ہیں کہ حسن سے سوال کیا گیا کہ سفر میں دو نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے؟ وہ اس کو بغیر عذر کے مستحسن نہیں سمجھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۸۲۴۹)

(۶) عبد الملک بیان کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر سے سوال کیا گیا کہ کیا عمرہ واجب ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! (ہمارے نزدیک عمرہ کرنا سنت ہے۔۔۔ سعیدی غفرلہ) (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۳۶۵۳)

(۷) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا جس شخص پر رمضان کے قضا روزے ہوں وہ نفلی روزے نہ رکھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۹۸۲۶)

(۸) مالک بن انس بیان کرتے ہیں کہ سلیمان بن یسار اور سعید بن المسیب سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نفلی روزے رکھتا ہے اور اس پر رمضان کے روزوں کی قضا ہے؟ ان دونوں نے اس کو مکروہ قرار دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۹۲۸۹)

(۹) عمرو بن الحریث بیان کرتے ہیں کہ مُردہ بھینسوں کی کھالوں کی بیع کے متعلق شعبی سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا دباغت (رنگنے) سے پہلے ان کی بیع مکروہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۰۳۰۷)

(۱۰) الصلت بن راشد بیان کرتے ہیں کہ طاؤس سے نماز میں پانی پینے کے متعلق سوال کیا گیا؟ انہوں نے کہا نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۸۳۵۹)

(۱۱) عبد الملک بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ کیا محرمہ شلوار پہن سکتی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۵۷۱۲)

(۱۲) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ ایک عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو اور مرد اس کو پیٹ سے نکال لے؟ انہوں نے کہا یہ مکروہ ہے۔ (ہمارے نزدیک مُردہ عورت سے زندہ بچہ کو نکالنا ضروری ہے۔۔۔ سعیدی غفرلہ) (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۱۲۷۳)

(۱۳) حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا اہل ایلیہ پر جمعہ ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۵۰۹۲)

(۱۴) سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر سے سوال کیا گیا کہ فصل اچھی ہونے تک کے ادھار پر ایک بکری کی دو بکریوں کے عوض بیع کی جائے' آیا یہ جائز ہے' حضرت عمر نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۰۴۳۸)

(۱۵) سلیمان بن مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حسن سے پوچھا ایک آدمی قل ھو اللہ احد اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا کیا وہ اپنی قوم کو نماز پڑھائے اور پھر دہرالے؟ انہوں نے کہا ہاں! (ایسی صورت میں ہمارے نزدیک صحیح قاری کو امام بنانا ضروری ہے۔۔۔ سعیدی غفرلہ) (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۸۷۲۶)

(۱۶) حصین بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے سوال کیا آیا میں حج کے چھ دن بعد عمرہ کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو عمرہ کر لو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۳۰۱۸)

(۱۷) جعفر بن نجیح بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے طاؤس سے سوال کیا میں نے عجلت سے دو دن میں حج کر لیا' کیا میں

عمرہ کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۳۰۴۹)

(۱۸) عبید اللہ بن ابی یزید بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عبید بن عمیر سے سوال کیا آیا کوئی شخص جہاد پر جا سکتا ہے جبکہ اس کے ماں باپ یا دونوں میں سے ایک ناپسند کرتے ہوں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۳۴۵۱)

(۱۹) یونس بن خباب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر سے سوال کیا آیا بچوں کے گلوں میں تعویذ لٹکانا جائز ہے؟ انہوں نے اس کی اجازت دی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۵۴۱)

(۲۰) بسام بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر سے سوال کیا آیا نرد (ایک قسم کا کھیل) کھیلنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (یہ اس صورت میں ہے جب اس میں ہار جیت پر شرط لگائی جائے) (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۶۱۴۶)

(۲۱) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ اہل واسط کے ایک بوڑھے نے ابو عیاض سے سوال کیا: آیا چوپائے کے زخم پر خنزیر کے بال رکھنا جائز ہے؟ انہوں نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۶۸۸)

(۲۲) خالد حذاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو قلابہ سے بیان کیا کہ ایک معلم تعلیم دیتا ہے اور اس پر اجرت لیتا ہے! انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۰۸۲۳)

(۲۳) منصور بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سوال کیا آیا میں دو سجدوں کے درمیان کچھ قرأت کروں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۸۸۴۳)

(۲۴) حماد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سوال کیا کہ آیا سوئے ہوئے شخص کو نماز کا سترہ قرار دیا جا سکتا ہے! انہوں نے کہا نہیں! میں نے سوال کیا اور بیٹھے ہوئے شخص کو؟ کہا: ہاں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۸۸۲)

(۲۵) زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سوال کیا: بس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں!
(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۵۳۸)

(۲۶) مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سوال کیا ایک شخص نے دوسرے شخص کو بکری فروخت کی پھر اس سے پہلے کہ وہ بکری پر قبضہ کرتا اس نے کہا اس بیع کو واپس کر لو، خریدار نے انکار کیا اور کہا مجھے ایک درہم دو تو میں بیع فسخ کر لوں گا۔ آیا یہ جائز ہے؟ تو ابراہیم نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۰۴۰۹)

(۲۷) حماد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سوال کیا آیا محرم چوہے کو مار سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں!
(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۴۸۲۲)

(۲۸) الصباح بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن جبیر سے سوال کیا: آیا محرم کپڑے فروخت کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۴۸۷۸)

(۲۹) ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے سوال کیا: آیا معصیت کی نذر کو پورا کیا جائے گا؟ انہوں نے کہا نہیں! (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۱۵۳)

(۳۰) طاؤس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے منع نہیں کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۷۳۸۶)

(۳۱) ہشام معیطی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ام الدرداء سے حج کے بعد عمرہ کرنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے حج کے بعد عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۳۰۴۳)

(۳۲) الصباح بن عبداللہ البجلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے سوال کیا کیا محرم ذبح کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۴۵۱۸)

(۳۳) ابو الزبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے پوچھا آیا محرم خوشبو سونگھ سکتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۳۶۰۵)

(۳۴) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا آیا گندم کی آٹے کے بدلہ میں بیع جائز ہے تو دونوں نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۰۲۵۹)

(۳۵) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا کہ ایک شخص دشمن کے علاقہ میں چلا جائے تو آیا وہ ان کی عورت سے نکاح کر سکتا ہے؟ ایک نے کہا ہاں دوسرے نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۷۶۸۷)

(۳۶) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا آیا پیتل کو لوہے کے بدلہ میں ادھار فروخت کرنا جائز ہے؟ حماد نے کہا مکروہ ہے اور حکم نے کہا کوئی حرج نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۲۵۳۸)

(۳۷) ابو المنبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن سے پوچھا ایک شخص کو بارش یا سخت سردی کی وجہ سے اہل ذمہ کے ہاں جانے کی ضرورت پیش آ جائے تو آیا وہ ان سے اجازت طلب کرے انہوں نے کہا ہاں!

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۵۹۷۸)

(۳۸) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا آیا خنزیر کے بالوں کو استعمال کرنا جائز ہے تو دونوں نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۵۲۷۰)

(۳۹) سلیمان بن مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اہل ذمہ کی ایک عورت سے بیع کی اس عورت کی کچھ رقم اس کے پاس بچ گئی اس نے اس عورت کو تلاش کیا وہ نہیں ملی آیا وہ اس رقم کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دے؟ انہوں نے کہا ہاں! (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۵۸۹)

(۴۰) شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا آیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اور قبلہ کے درمیان مصحف رکھ لے؟ تو دونوں نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۸۰)

(۴۱) شعبہ کہتے ہیں میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا جب امام جمعہ کے خطبہ کے لیے باہر نکل آئے اور خطبہ شروع کر دے اور جب منبر سے اتر آئے اور ابھی نماز شروع نہ کی ہو آیا ان دونوں وقتوں میں کلام کرنا جائز ہے؟ حکم نے کہا مکروہ ہے اور حماد نے کہا کوئی حرج نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۵۳۱۷)

(۴۲) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا سر پر کتنی بار مسح کیا جائے دونوں نے کہا ایک مرتبہ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۳۳)

(۴۳) شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا آیا حائضہ عورت تسبیح، تہلیل اور تکبیر پڑھ سکتی ہے؟ تو ان دونوں نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۶۸۷)

(۴۴) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا آیا نماز میں ناک کو ڈھانپنا جائز ہے؟ تو ان دونوں نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۳۷۴)

(۴۵) یعقوب بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے سوال کیا کہ ایک شخص کو روزے میں قے آ جائے تو آیا وہ

اس روزے کی قضا کرے گا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۹۹۳)

(۴۶) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حماد اور منصور سے سوال کیا آیا بغیر وضو کے بیت اللہ کا طواف کرنا جائز ہے؟ تو انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۳۳۴۹)

(۴۷) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا کہ ایک عورت کسی شخص سے خلع کرے اور اس نے جو کچھ اس عورت کو دیا ہے وہ خلع کے عوض اس سے زیادہ طلب کرے تو آیا یہ جائز ہے، تو دونوں نے اس کو مکروہ کہا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۸۵۱۵)

(۴۸) زیاد بن ابی مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے سوال کیا آیا زمین کو دراہم اور طعام کے عوض کرایہ پر دینا جائز ہے تو انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۲۴۶۲)

(۴۹) خصیف بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے سوال کیا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو آیا وہ (عدت سے پہلے) گھر سے نکل سکتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۸۸۶۱)

(۵۰) حجاج بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا آیا بیت اللہ کے گرد طواف کرتے ہوئے قرآن عظیم پڑھنا جائز ہے تو انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۵۱۹۰)

(۵۱) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ایک انسان نے عطاء سے سوال کیا کہ ایک روزہ دار نے سحری کی پھر نماز سے پہلے اس کو معلوم ہوا کہ اس کے دانتوں میں کوئی چیز ہے عطاء نے کہا اس میں اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۷۵۰۴)

(۵۲) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عطاء سے سوال کیا کہ میں مسجد میں آیا اور امام فرض پڑھا چکا تھا' آیا میں اس وقت فرض پڑھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لوں' انہوں نے کہا نہیں' بلکہ پہلے فرض پڑھو' حق پہلے ادا کرو' پھر جو چاہو پڑھو میں نے کہا اگر میں جنگل میں ہوں؟ انہوں نے کہا جنگل میں فرض سے پہلے جو چاہو پڑھ لو۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۷ ۳۴۳)

(۵۳) ابن طاؤس بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا آیا ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے عوض ادھار خریدنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا نہیں اور اس بیع کو مکروہ کہا' پھر میرے والد نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا انہوں نے کہا کبھی ایک اونٹ دو اونٹوں سے بہتر ہوتا ہے۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۴۱۳۰ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۸۷)

(۵۴) ایوب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن المسیب سے سوال کیا کہ ایک آدمی نے معصیت کی نذر مانی آیا وہ اس نذر کو پورا کرے؟ ابن المسیب نے کہا وہ اس نذر کو پورا کرے' اس شخص نے پھر عکرمہ سے سوال کیا' انہوں نے کہا وہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنی اس نذر کو پورا نہ کرے' وہ شخص دوبارہ ابن المسیب کے پاس گیا اور عکرمہ کے قول کی خبر دی' ابن المسیب نے کہا عکرمہ سے کہو کہ باز آجائے ورنہ میں اس کی پیٹھ پر کوڑے ماروں گا' وہ شخص پھر عکرمہ کے پاس گیا اور بتایا کہ ابن المسیب نے کیا کہا ہے' تب عکرمہ نے کہا جب تم نے اس کی بات مجھے پہنچائی ہے تو میرا جواب بھی اس کو پہنچا دو' اسے کہو اس کو تو مدینہ کے امراء دھوپ میں کھڑا کر کے کوڑے مار چکے ہیں' پھر اس کو اپنی نذر بیان کر کے پوچھو کہ آیا یہ اللہ کی اطاعت ہے یا اس کی معصیت ہے؟ اگر وہ کہے کہ یہ معصیت ہے تو اس سے کہو کہ تم نے اللہ کی معصیت کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ کہے کہ یہ اللہ کی اطاعت ہے تو اس سے کہو کہ تم نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ اللہ کی معصیت کو اللہ کی اطاعت گمان

کیا۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۵۸۲۶)

(۵۵) اسود بیان کرتے ہیں کہ کعب کے پاس وحشی گدھے کے شکار کا گوشت لایا گیا انہوں نے اس کو کھانے کے متعلق حضرت عمر سے سوال کیا کہ وہ لوگ محرم تھے اور اس کو غیر محرم نے شکار کیا تھا کعب نے کہا ہم لوگوں نے اس کو کھالیا، حضرت عمر نے فرمایا اگر تم لوگ اس کو چھوڑ دیتے تو میں یہ سمجھتا کہ تم لوگوں میں تفقہ بالکل نہیں ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۸۳۴۱)

(۵۶) سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ میرے والد (حضرت ابن عمر) سے کہہ رہے تھے مجھ سے محرم لوگوں نے سوال کیا کہ غیر محرم لوگوں نے ان کو شکار کا گوشت ہدیہ کیا میں نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کو کھالیں، پھر میری حضرت عمر سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا، حضرت عمر نے فرمایا تم نے ان کو کیا فتویٰ دیا تھا میں نے ان کو بتایا حضرت عمر نے فرمایا اگر تم اس کے علاوہ کوئی اور فتویٰ دیتے تو میں تم کو کوڑے مارتا، ابو مجلز بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا آپ کی اس میں کیا رائے ہے، حضرت ابن عمر نے کہا میں اس میں کیا کہوں عمر مجھ سے بہتر ہیں اور ابوہریرہ مجھ سے بہتر ہیں، عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی رائے یہ تھی کہ محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۸۳۴۲، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۹)

(۵۷) حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ شام کے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ وہ محرم ہو اور اس کو شکار کا گوشت دیا جائے تو آیا وہ اس کو کھا سکتا ہے؟ حضرت ابوہریرہ نے اس کو فتویٰ دیا کہ تم اس کو کھا سکتے ہو، پھر میری حضرت عمر سے ملاقات ہوئی میں نے ان کو اس کا سوال اور اپنا جواب بتایا، حضرت عمر نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر تم اس کے علاوہ کوئی اور فتویٰ دیتے تو میں تمہیں کوڑے مارتا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۸۳۴۴، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۸)

(۵۸) حیات بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے سحری کے متعلق سوال کیا کہ ابھی رات تھی اور اس نے فجر کی اذان سنی حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ کھاتا رہے۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۷۳۷۰)

(۵۹) مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم سے سوال کیا گیا کہ اہل ذمہ کو دشمن نے قید کر لیا پھر مسلمانوں نے ان کو حاصل کر لیا، ان کا اب کیا حکم ہے، ابراہیم نے کہا ان کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۹۳۶۴)

(۶۰) ابن ابی نجیح بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے مسلمانوں سے سوال کیا کہ جب تم حبشیوں کے علاقے میں گئے تو وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے، مسلمانوں نے کہا وہ ہم سے ہماری چیزوں کا دسواں حصہ وصول کرتے تھے، فرمایا جتنا وہ تم سے وصول کرتے تھے تم بھی ان سے اتنا وصول کرو۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۰۱۲۴)

(۶۱) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ آیا خصی آزاد عورت سے نکاح کر سکتا ہے، ابن شہاب نے کہا کہ اگر عورت راضی ہو تو اس نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۰۷۱۸)

(۶۲) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابن شہاب سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک نصرانی کے پاس نصرانی باندی تھی اس سے اولاد ہو گئی پھر وہ مسلمان ہو گئی، ابن شہاب نے کہا اسلام کے وجہ سے ان کے درمیان علیحدگی ہو جائے گی اور اس کو اور اس کی اولاد کو آزاد قرار دیا جائے گا۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۹۹۵۸)

(۶۳) مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے الصابئین کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے کہا وہ یہود اور نصاریٰ

کی ایک درمیانی قوم ہے ان کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان سے نکاح کرنا حلال ہے۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۰۲۰۸)

(۶۴) زہری بیان کرتے ہیں کہ ابن مسیب سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص پر حد لگائی گئی پھر کسی شخص نے اس حد کی وجہ سے اس کی مذمت کی انہوں نے کہا اگر اس نے سچی توبہ کی تھی تو اس مذمت کرنے والے کو تعزیر لگائی جائے گی۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۳۷۵۷)

(۶۵) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابن شہاب سے سوال کیا گیا کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا اور وہ اس وقت حاملہ تھی اس کا نفقہ (کھانے پینے کا خرچ) کس پر ہو گا؟ ابن شہاب نے کہا حضرت ابن عمر کی رائے یہ تھی کہ اس کا خرچ اس کے خاوند کے ترکہ سے لیا جائے گا خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، لیکن ائمہ نے اس کا انکار کیا اور کہا اس کا خرچ اس کے ذمہ نہیں ہے۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۲۰۹۳، المحلی ج ۱۰ ص ۲۸۹)

(۶۶) مئورق العجلی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سفر میں نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے کہا دو، دو رکعت نماز پڑھو جس نے سنت کے خلاف کیا اس نے کفران نعمت کیا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۴۲۸۱)

(۶۷) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے سوال کیا گیا آیا ٹڈی کا کھانا جائز ہے، انہوں نے کہا وہ مکمل ذبح شدہ ہے۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۸۷۵۳)

(۶۸) نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے پنیر کے متعلق سوال کیا گیا جس کو مجوس بناتے ہیں، انہوں نے کہا میں نے اس کو مسلمانوں کے بازار میں نہیں پایا، میں نے اس کو خرید لیا اور اس کے متعلق سوال نہیں کیا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۸۷۸۵)

(۶۹) ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے میت پر مشک لگانے کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا کیا وہ تمہاری بہترین خوشبو نہیں ہے۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۶۱۳۹)

(۷۰) ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ اگر ناتمام مردہ بچہ ساقط ہو جائے تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، انہوں نے کہا نہیں حتیٰ کہ وہ آواز سے روئے جب وہ آواز سے روئے گا تو اس پر نماز بھی پڑھی جائے گی اور اس کو وارث بھی بنایا جائے گا۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۶۵۹۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۹)

(۷۱) عبدالملک بن مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص کسی عورت کو اس کے خاوند کے لیے حلال کرنے کے قصد سے حلالہ کرے اس کا کیا حکم ہے فرمایا یہ زنا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۰۷۷۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۸)

(۷۲) حضرت ابن عمر سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا یہ زنا ہے۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۴۰۳۲)

(۷۳) شعبی سے سوال کیا گیا آیا عورت نماز جنازہ پڑھ سکتی ہے؟ انہوں نے کہا عورت نماز جنازہ نہ پڑھے خواہ وہ حائضہ ہو یا پاک ہو۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۶۲۹۷)

(۷۴) ابن طاؤس بیان کرتے ہیں کہ میرے والد سے بچہ کے ذبیحہ کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا اگر وہ چھری پکڑ سکتا ہو تو جائز ہے۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۸۵۵۵)

(۷۵) مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے استمناء کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا وہ شخص اپنے نفس سے زنا

کرنے والا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۳۵۸۷)

(۷۶) عبیداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا پھر اس نے اس عورت سے نکاح کا ارادہ کیا؟ آیا یہ جائز ہے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا اس کے لیے اس سے افضل توبہ نہیں ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرلے' وہ دونوں زنا سے نکل کر نکاح کی طرف آ گئے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۲۷۹۵)

(۷۷) موسیٰ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے زمین کو کرائے پر دینے کے متعلق سوال کیا گیا' انہوں نے کہا میری زمین اور میرا اونٹ برابر ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۴۴۵۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۳۳)

(۷۸) معمر بیان کرتے ہیں کہ حسن سے سوال کیا گیا آیا صراف کا طعام کھانا جائز ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہود اور نصاریٰ کے بعد مبعوث کیا ہے' وہ سود کھاتے تھے' اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان کا طعام حلال کر دیا ہے۔ (ہمارے نزدیک اس سے بچنا چاہیے کیونکہ صراف سونے چاندی کی ادھار بیع بھی کرتے ہیں اور یہ ممنوع ہے... سعیدی غفرلہ) (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۴۶۸۱)

(۷۹) صاعد بیان کرتے ہیں کہ شعبی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک جماعت کو نماز پڑھا رہا تھا' اس نے ایک یا دو رکعت نماز پڑھائی پھر وہ کسی چیز کو دیکھ کر ڈر گیا اور اس نے اپنی نماز توڑ دی۔ شعبی نے کہا وہ از سر نو نماز پڑھیں۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۳۶۵۸)

(۸۰) معمر بیان کرتے ہیں کہ زہری سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی تلوار سے ذبح کیا اور اس نے ذبیحہ کا سر کاٹ ڈالا۔ زہری نے کہا اس نے بڑا کام کیا' اس شخص نے پوچھا آیا وہ اس ذبیحہ کو کھالے؟ انہوں نے کہا ہاں!

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۸۶۰۰)

(۸۱) معمر بیان کرتے ہیں کہ زہری سے سوال کیا گیا کہ یتیم کے مال کے ساتھ کیا کیا جائے؟ زہری نے کہا اس کے مال میں سب صورتیں جائز ہیں' بعض لوگ اس کے مال سے قرض لے کر اس کی حفاظت کرتے تھے' تاکہ وہ مال ضائع نہ ہو اور بعض یہ کہتے کہ اس کا مال امانت ہے میں اس مال کو صرف اس کے مالک کو ادا کروں گا اور بعض اس کے مال کو مضاربت میں لگا دیتے' ان میں سے ہر صورت نیت پر موقوف ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۷۰۰۰)

(۸۲) علی بن حاکم بیان کرتے ہیں کہ شعبی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے تکیہ کے اوپر اپنی بیوی کو طلاق لکھ دی؟ انہوں نے کہا یہ جائز ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۱۴۳۰)

(۸۳) ابو خالد بیان کرتے ہیں کہ شعبی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق واقع کرنے کا اختیار دیا وہ خاموش رہی' اس نے دوسری بار اختیار دیا وہ خاموش رہی اس نے تیسری بار اختیار دیا تو اس عورت نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا' شعبی نے کہا اب وہ عورت اس کے اوپر حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ شوہر کے علاوہ کسی اور شخص سے نکاح کرلے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۱۹۹۵)

(۸۴) ثوری بیان کرتے ہیں کہ شعبی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک معین جگہ تک کے لیے سواری کو کرایہ پر لیا' پھر اس جگہ کے آنے سے پہلے اس کا کام ہو گیا' شعبی نے کہا وہ اس جگہ کے حساب سے اجرت دے گا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۴۹۴۶)

(۸۵) معمر بیان کرتے ہیں کہ زہری سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کسی کے ہاں مہمان ہوا اس نے ان کے ہاں خیانت کی، زہری نے کہا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۸۶۵)

(۸۶) عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ سے سوال کیا گیا کہ بچہ کو حد کب لگائی جائے گی؟ انہوں نے کہا جب اس کے زیر ناف بال نکل آئیں۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۷۳۶)

(۸۷) ثوری بیان کرتے ہیں کہ حماد سے سوال کیا گیا کہ آیا میت کے ناخن کاٹنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا یہ بتاؤ کہ اگر وہ غیر مختون ہو تو کیا تم اس کا ختنہ کرو گے! (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۲۳۳)

(۸۸) ہمام بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے نشرہ (افسوں، منتر) کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا یہ شیطان کے عمل سے ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۷۶۲)

(۸۹) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ آدمی نے جس جگہ فرض نماز پڑھی ہو آیا وہیں نفل پڑھ سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۹۰۳)

(۹۰) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص اپنے منہ کو ڈھانپ کر نماز پڑھتا ہے؟ انہوں نے کہا میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ وہ منہ کھول کر نماز پڑھے، کیونکہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم نماز پڑھتے ہو تو اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہو۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۴۰۵۹)

(۹۱) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ آیا نابینا شخص لوگوں کی امامت کرا سکتا ہے؟ عطاء نے کہا اگر وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ فقیہ ہو تو وہ کیوں نہ نماز پڑھائے؟ ایک شخص نے عطاء سے کہا کہ الا یہ کہ وہ قبلہ میں خطا کرے، عطاء نے کہا اگر وہ خطاء کرے تو تم اس کو درست کردو، جب وہ زیادہ فقیہ ہو تو اسی کو نماز پڑھانی چاہیے۔
(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۸۳۱)

(۹۲) ابن حرملہ بیان کرتے ہیں کہ سعید بن المسیب سے سوال کیا گیا اگر محرم چڑی کو قتل کر دے تو اس پر کیا تاوان ہے؟ انہوں نے کہا ایک یا دو کھجور صدقہ کر دے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۳۰۴)

(۹۳) ابوعبداللہ بیان کرتے ہیں کہ سلمان سے سوال کیا گیا کہ آیا پنیر، جنگلی گدھے اور گھی کو کھانا جائز ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کا حلال وہ چیزیں ہیں جن کو اس نے قرآن عظیم میں حلال کر دیا اور اللہ کا حرام وہ چیزیں ہیں جن کو اس نے قرآن مجید میں حرام کر دیا، ان کے ماسوا جو چیزیں ہیں وہ مباح ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۷۶۵)

(۹۴) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ جو عورت اعتکاف میں بیٹھی ہو آیا وہ بناؤ سنگھار کرے؟ انہوں نے کہا نہیں کیا وہ ارادہ کرتی ہے کہ اس کا خاوند اس کے ساتھ مباشرت کرے؟ انہوں نے کہا وہ ایسا کیوں کرتی ہے! اعتکاف تو عبادت ہے اور عورت اپنے خاوند کے لیے بناؤ سنگھار کرتی ہے اور خوشبو لگاتی ہے!
(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۱۰۳)

(۹۵) بکار بیان کرتے ہیں کہ طاؤس سے سوال کیا گیا کہ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مزید حج کرنا افضل ہے یا صدقہ کرنا؟ انہوں نے کہا، کہاں احرام باندھنا، سفر کرنا، شب بیداری کرنا، اللہ کی راہ میں تھکنا، بیت اللہ کا طواف کرنا، حرم میں نماز پڑھنا، میدان عرفات میں وقوف کرنا، مزدلفہ میں وقوف کرنا، رمی جمار کرنا، گویا وہ کہتے تھے حج افضل ہے۔
(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۸۲۲)

(۹۶) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی مشرک کسی مسلمان کے پاس بغیر کسی معاہدہ کے آ جائے؟ انہوں نے کہا اس کو اختیار ہے چاہے اسے اپنے پاس رکھ لے اور چاہے اس کو اس کے ٹھکانے پر پہنچا دے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۶۵۲)

(۹۷) علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے عزل کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا اگر اللہ نے آدم کی پشت میں کسی روح سے میثاق لے لیا ہے تو اگر وہ اپنے نطفہ کو پتھر پر گرا دے تو اللہ تعالیٰ اس پتھر سے بچہ پیدا کر دے گا، تم عزل کرو یا نہ کرو۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۵۶۸)

(۹۸) ابوالضحیٰ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن معقل سے سوال کیا گیا کہ کسی شخص نے کسی کانے کی کانی آنکھ نکال دی؟ انہوں نے کہا اس میں نصف دیت ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۴۳۵)

(۹۹) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ ایک ماہ تک اپنی بیوی کے قریب نہیں جائے گا، پھر وہ پانچ ماہ تک اس کے قریب نہیں گیا؟ انہوں نے کہا یہ ایلاء نہیں ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۶۲۰)

(۱۰۰) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ کسی شخص کو یہ اجازت ہے کہ وہ اپنے نوکر کو رمضان میں روزے نہ رکھنے پر مجبور کرے؟ انہوں نے کہا نہیں، اس نے کہا کیا بکریاں چرانے والے کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے؟ انہوں نے کہا میں نے اس کے لیے رخصت نہیں سنی۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۷۵۶۹)

غیر مقلد علماء کی عبارات سے تقلید پر استدلال

ہم نے فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (النحل: ۴۳) سے تقلید پر استدلال کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جب تمہیں کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو اس کے متعلق اہل علم سے سوال کرو اور ہم نے جو ایک سو آثار صحابہ اور اقوال تابعین پیش کیے ہیں، ان میں اسی چیز کا بیان ہے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور ان کے اتباع سب یہی سمجھتے تھے کہ اس آیت کا یہی معنی ہے، اس کے برخلاف غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس آیت میں مطلق سوال کرنے کا حکم ہے یا عام چیزوں کے متعلق سوال کرنے کا حکم ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ تم پیش آمدہ مسائل میں اہل علم سے کتاب اور سنت کے دلائل یا کتاب اور سنت کی تصریحات کا سوال کرو، حالانکہ ان مذکور الصدر آثار سے واضح ہو گیا ہے کہ تابعین اور تبع تابعین ان سے اپنے پیش آمدہ مسائل میں رجوع کرتے تھے اور ان سے کتاب اور سنت سے دلائل دینے کا مطالبہ نہیں کرتے تھے کیونکہ انہیں ان پر اعتماد تھا کہ وہ اپنے اجتہاد سے جو بھی فتویٰ دیں گے وہ کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہوگا اور اسی معنی میں مقلدین اپنے ائمہ کی تقلید کرتے ہیں۔

حافظ عبداللہ روپڑی متوفی ۱۳۸۴ھ تقلید کے خلاف بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور تقلید فی نفسہٖ بھی بدعت ہے محدث ہے کیونکہ ہم قطعاً جانتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں کسی شخص کا مذہب معین نہیں تھا جو اس کو حاصل کیا جائے یا اس کی تقلید کی جائے اور سوا اس کے نہیں کہ حادثوں میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تھے جب کہ کتاب و سنت میں دلیل نہ ملتی، اور اسی طرح تابعین کی حالت تھی وہ بھی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تھے، پس اگر کوئی مسئلہ کتاب و سنت میں نہ پاتے تو اس بات کو دیکھتے جس پر صحابہ کا اجماع ہے، اگر اجماع بھی نہ پاتے تو اپنے طور پر اجتہاد کرتے اور بعض صحابی کے قول کو لیتے اور اس کو اللہ کے دین میں اقویٰ سمجھتے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۳۰، مطبوعہ ادارہ احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا ۱۴۰۳ھ)

حافظ روپڑی نے لکھا ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں صحابہ اور تابعین کا عام اور غالب طریقہ یہ تھا کہ وہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تھے یعنی کسی کے قول پر عمل نہیں کرتے تھے اور ہم نے جو ایک سو آثار صحابہ اور اقوال تابعین پیش کیے ہیں ان سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حافظ روپڑی کا یہ کہنا خلاف واقع ہے۔

ظاہر ہے کہ غیر مقلدین عوام میں سے ہر شخص قرآن و سنت سے براہ راست مسائل کا استخراج نہیں کر سکتا اور وہ پیش آمدہ مسائل میں اپنے علماء کی طرف رجوع کرتا ہے اور ان سے فتوے طلب کرتا ہے اور وہ بھی ہر فتویٰ میں قرآن و حدیث سے دلائل پیش نہیں کرتے بلکہ اس کو اس مسئلہ کا حکم بتاتے ہیں سو غیر مقلدین بھی اپنے علماء کی تقلید کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان علماء کا علم امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے پائے کا نہیں، ہو تا تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ان عام علماء کی بجائے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک تقلید کر لی جائے!

ہم نے ابھی حافظ روپڑی کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ حادثوں (پیش آمدہ مسائل) میں کتاب و سنت یا اجماع کی طرف رجوع کرنا چاہیے، حافظ روپڑی کا فتاویٰ اہل حدیث کے نام سے ایک مجموعہ فتاویٰ ہے ہم نے یہ دیکھا ہے کہ حافظ روپڑی نے بہت سے سوالات کے جوابات میں صرف اپنا قول نقل کیا ہے اور قرآن و سنت سے دلائل نہیں دیئے اور سائلین نے ان کے اقوال پر ہی عمل کیا ہو گا، علماء غیر مقلدین کے دیگر مجموعہ ہائے فتاویٰ کا بھی یہی حال ہے تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ حافظ روپڑی، شیخ نذیر حسین دہلوی اور شیخ عبدالستار کے اقوال کی تقلید کرنے کی بجائے عوام غیر مقلدین ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کر لیں جن کے اقوال پر کتاب و سنت سے دلائل موجود ہیں اور اس موضوع پر بیسیوں کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔

اب ہم فتاویٰ اہل حدیث سے چند مثالیں پیش کر رہے ہیں جن میں حافظ روپڑی نے کتاب و سنت سے دلائل پیش کرنے کی بجائے صرف اپنے اقوال پیش کیے ہیں:

(۱) سوال: پانی میں پاک شے پڑ جائے اور اس کا رنگ، بو، مزا بدل جائے کیا اس پانی سے غسل وضو ہو سکتا ہے؟

جواب: پانی میں پاک شے پڑنے سے بعض دفعہ اس کا نام کچھ اور ہو جاتا ہے مثلاً شربت یا عرق یا لسی وغیرہ تو اس سے وضو اور غسل نہیں ہو گا ہاں اگر پانی کا نام نہ بدلے جیسے کنویں میں پتے گرنے سے رنگ، بو، مزا بدل جاتا ہے مگر اس کا نام پانی ہی رہتا ہے، دوسرا نام اس پر نہیں بولا جاتا اس لیے اس سے وضو یا غسل وغیرہ بالاتفاق درست ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۲۳۵ مطبوعہ سرگودھا)

(۲) سوال: کوئی شخص اپنی دکان کا سامان خریدنے کے لیے دوسرے شہروں کو جاتا ہے کیا وہ دوگانہ پڑھ سکتا ہے۔ اگر پڑھ سکتا ہے تو اپنے شہر سے کتنے فاصلے پر جا کر دوگانہ پڑھے۔

جواب: دکان کے لیے سامان خریدنے کے لیے یا کسی اور ضرورت کے تحت سفر پر روانہ ہو تو وہ دوگانہ پڑھ سکتا ہے۔ سفر خواہ ریل کا ہو یا لاری کا جب اپنے گاؤں یا شہر کی حدود سے نکل جائے تو وہ دوگانہ شروع کر دے کیونکہ حدود سے نکلتے ہی دوگانہ شروع ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۵۹۰، مطبوعہ سرگودھا)

(۳) سوال: جن گھڑوں اور برتنوں کی مٹی لید یا گوبر کے ساتھ گوندھی گئی ہو تو ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جن گھڑوں اور برتنوں کی مٹی لید اور گوبر سے گوندھی جائے تو وہ برتن پاک ہیں اول تو پکنے سے وہ چیز جل جاتی ہے، صرف مٹی رہ جاتی ہے دوسرے گوبر وغیرہ ماکول اللحم جانور کا پاک ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۵۹۰، مطبوعہ سرگودھا)

(۴) سوال: کارخانہ یا مشین پر زکوۃ ہے؟

جواب: کارخانہ یا مشین جس میں مال تیار ہو کر نکلتا ہے' اس کی قیمت مال تجارت میں نہیں لگائی جائے گی' کیونکہ یہ ذریعہ کسب ہے جیسے اوزار ہوتے ہیں' پس اس میں صرف تیار شدہ مال اور غیر تیار شدہ مال کی قیمت لگائی جائے گی۔

(فتاویٰ اہل حدیث: ج ۱ ص ۷۔۴۹۸ مطبوعہ سرگودھا)

(۵) سوال: جو شخص مقروض ہو کیا اس پر زکوۃ ہے؟

جواب: اگر اور جائیداد ہو جس سے قرض ادا ہو سکتا ہو تو زکوۃ دینی پڑے گی ورنہ نہیں۔

(فتاویٰ اہل حدیث: ج ۲ ص ۱۹۰ مطبوعہ سرگودھا)

(۶) سوال: بیر بہوٹی، کچھوا، جونک، قضیب گاؤ (بیل کا آلہ تناسل) قضیب ریچھ، چربی شیر مذکور بالا اشیاء کا استعمال بطور دوائی جائز ہے؟

جواب: بیر بہوٹی، کیچوے، جونکیں اور اسی قسم کی دوسری اشیاء جن میں دم سائل (وہ خون جو ذبح کے وقت بہہ جاتا ہے) نہیں وہ سب پاک ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مکھی برتن میں یا کھانے میں گر جائے تو اس کو ڈبو دے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفاء ہے دوسرے میں بیماری ہے (الی قولہ) سانڈھا گوہ کی قسم ہے اس کا استعمال بھی ہر طرح سے جائز ہے' نیز کچھوے کا کھانے کے علاوہ استعمال میں کوئی حرج نہیں' قضیب گاؤ' حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے مگر یہ مذہب صحیح نہیں ہے بلکہ ماکول اللحم کا گوبر پیشاب تک پاک اور حلال ہے' ریچھ اور شیر چونکہ قطعاً حرام ہیں اس لیے ریچھ کی قضیب (آلت) اور شیر کی چربی وغیرہ بھی اسی حکم میں ہیں' ہاں کھانے کے علاوہ کسی اور طریق سے استعمال منع نہیں کیا جاتا۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۵۶۲' مطبوعہ سرگودھا)

فتاویٰ اہل حدیث سے جو جوابات نقل کیے گئے ہیں' ان میں جوابات پر کتاب وسنت سے تصریحات پیش نہیں کی گئیں اور نہ ان پر اجماع صحابہ سے استدلال کیا گیا ہے یہ محض غیر مقلدین علماء کے اقوال ہیں۔ سو ان اقوال پر جو لوگ عمل کریں گے وہ بھی مقلد ہی ہوں گے' غیر مقلد نہیں ہوں گے' یہ اور بات ہے کہ ہم ائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں اور یہ اس زمانہ کے مولویوں کی تقلید کرتے ہیں جن کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی ائمہ اربعہ کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں ہے اور کوئی صاحب انصاف اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکے گا۔

اب ہم پہلے تقلید کی ضرورت کو بیان کریں گے' پھر تقلید شخصی پر دلائل دیں گے اور اس کے بعد تقلید کے جواز پر مستند علماء کی تصریحات اور تقریرات کو بیان کریں گے' فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق:

تقلید کی ضرورت

یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر تمام احکام بیان کر دیئے ہیں لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر شخص کے لیے یہ عادتاً ممکن نہیں ہے کہ وہ بذات خود تمام احکام شرعیہ قرآن مجید کی آیات سے مستنبط کر سکے' کیونکہ اول تو قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے لغت عربی' صرف ونحو اور علم بلاغت کو حاصل کرنا ایک طویل اور صبر آزما کام ہے' پھر قرآن مجید میں بعض جگہ تو احکام صراحتاً امر اور نہی کے صیغہ سے بیان کیے گئے ہیں' اور بعض جگہ امر اور نہی کا صیغہ نہیں استعمال کیا گیا بلکہ مختلف اسالیب سے کسی چیز کا وجوب یا تحریم سمجھ میں آتی ہے' جس کو جاننے کے لیے بہت باریک بینی اور دقت نظری کی ضرورت ہے مثلاً قرآن مجید میں شراب اور جوئے کو صراحتاً حرام نہیں فرمایا بلکہ ایک خاص

اسلوب سے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ○ (المائدہ: ۹۱-۹۰)

اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں پر جانوروں کی بھینٹ چڑھانا اور پانسے پھینکنا یہ سب محض ناپاک اور شیطانی کام ہیں ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو○ شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کرے اور تم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکے، کیا اب تم باز آجاؤ گے؟

قرآن مجید بعض اوقات کسی مسئلہ کی لم اور علت بیان کر دیتا ہے اور اس کی شرائط اور موانع ذکر نہیں کرتا، نہ اس کی تمام جزئیات بیان کرتا ہے مثلاً خمر (انگور کی شراب) کے بیان میں اس کے نشہ آور ہونے کا ذکر فرمایا ہے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے نہ یہ بیان فرمایا ہے کہ نشہ آور چیز کو مقدار نشہ تک پینا حرام ہے یا اس کا مطلقاً پینا حرام ہے؟ نشہ آور چیز پر حد ہے یا نہیں؟ اگر حد ہے تو کتنی ہے؟ ان تمام جزئیات اور تفصیلات کو جاننا ایک عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔

قرآن مجید میں کبھی کوئی حکم اجمالاً بیان کیا جاتا ہے جس کی تفصیل متعین کرنے کے لیے دلائل کی چھان بین کرنا عام آدمی کی استطاعت سے باہر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ۔ (المائدہ: ۶) اپنے سروں کا مسح کرو۔

اس آیت سے یہ پتا نہیں چلتا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے یا چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے یا ایک بال پر مسح کرنے سے بھی فرض ادا ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں کہیں ایک حکم کو مطلقاً بیان کیا جاتا ہے اور کہیں وہی حکم مقید ذکر ہوتا ہے، مثلاً قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۱۷۳)

تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے حرام کیا گیا ہے۔

اس آیت میں مطلقاً خون کو حرام قرار دیا ہے اور ایک جگہ یوں ہے:

اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ۔ (الانعام: ۱۴۵)

مگر یہ کہ مردار ہو یا بہنے والا خون ہو یا خنزیر کا گوشت کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔

اس آیت میں مطلقاً خون نہیں بلکہ بہنے والا خون حرام فرمایا ہے، اسی طرح کفارہ ظہار میں غلام آزاد کرنے اور دو ماہ تک مسلسل روزوں کے ساتھ قبل از مباشرت کی قید ہے اور کھانا کھلانے کے ساتھ یہ قید نہیں ہے۔ ان صورتوں میں کیا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یا نہیں، یہ ایک بہت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔

قرآن مجید کی بعض آیات کا حکم منسوخ ہو گیا مثلاً بیوہ عورت کی عدت اس آیت میں ایک سال بیان کی گئی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ

جو لوگ تم میں فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے لیے نکالے بغیر ایک سال کی وصیت کر

باخراج (البقرہ: ۲۴۰) جائیں۔

اور ایک اور آیت میں بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن بیان کی گئی ہے :

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر و عشرا۔ (البقرہ: ۲۳۴)

اب یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان میں کون سی آیت ناسخ ہے اور کون سی منسوخ ہے یہ عام آدمی کے بس سے باہر ہے اس قسم کی علمی باریکیاں اور فقہی پیچیدگیاں بہت زیادہ ہیں۔ ان چند مثالوں سے باقی مشکلات کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

احادیث سے احکام مستنبط کرنے میں ایک دشواری یہ ہے کہ احادیث مختلف اسانید سے مروی ہیں جن میں سند متواتر سے لے کر سند غریب تک اور سند صحیح سے لے کر سند ضعیف تک احادیث ذخیرہ کتب میں موجود ہیں، بلکہ موضوع روایات بھی ہیں جس طرح ایک جیسی شیشیوں میں ایک جیسا سفید رنگ کا مائع مادہ ہو اور ہر مادہ کی تاثیر الگ الگ ہو، کوئی مادہ کسی مرض میں مفید ہو اور دوسرا مادہ اس میں مضر ہو تو ان مادوں اور دواؤں کو باہم متمیز کرنے کے لیے کیمسٹری کے کسی بہت بڑے ماہر کی ضرورت ہوگی جو مختلف کیمیائی تجربات کے بعد یہ فیصلہ کرے گا کہ کون سی شیشی میں کون سی دوا ہے اسی طرح جب کوئی شخص علم حدیث میں مہارت حاصل کیے بغیر احادیث پر عمل کرے گا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں کسی ضعیف یا منسوخ روایت پر عمل کرے گا۔

احادیث سے احکام مستنبط کرنے میں ایک ضرورت یہ ہے کہ احادیث سے احکام شرعیہ حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ احکام سے متعلق احادیث پر اس کو عبور ہو کیونکہ جس حدیث پر وہ عمل کر رہا ہے ہو سکتا ہے دوسری جگہ اس کے خلاف حدیث ہو جس سے وہ حکم منسوخ ہو گیا ہو یا اس حدیث کے حکم کی تفصیل دوسری حدیث میں موجود ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی مسئلہ میں حدیث نہ ملنے کی بناء پر وہ قیاس کر رہا ہو حالانکہ اس مسئلہ میں حدیث موجود ہو، اس لیے احادیث سے احکام حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ احکام سے متعلق تمام احادیث اس کی نظر میں ہوں، اور یہی حال قرآن مجید سے احکام حاصل کرنے کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث سے احکام حاصل کرنے کے لیے جس وسعت علم اور دقت نظری کی ضرورت ہے یہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے اور صرف ائمہ مجتہدین ہی اس پر آشوب گھاٹی کے پار اتر سکتے ہیں۔ اس لیے عام آدمی کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرے۔

ایک مقلد کے لیے متعدد ائمہ کی تقلید کا عدم جواز اور تقلید شخصی کا وجوب

ائمہ اربعہ میں سے ہر امام کے اکثر اصول اجتہاد الگ الگ اور باہم متضاد ہیں، انہوں نے نیک نیتی، اخلاص اور اپنے علم کے تقاضے سے کسی چیز کا صحیح حکم معلوم کرنے کے لیے وہ اصول وضع کیے، مثلاً جب مطلق اور مقید میں تعارض ہو تو امام شافعی مطلق کو مقید پر محمول کر دیتے ہیں، امام ابو حنیفہ اس صورت میں ہر ایک کو اپنے محل پر رکھتے ہیں، امام شافعی قرآن کے عموم اور اطلاق کی خبر واحد سے تخصیص جائز قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ناجائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قران فی الذکر، قران فی الحکم کو مستلزم ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک قران فی الذکر، قران فی الحکم کو مستلزم نہیں ہوتا۔ امام شافعی کے نزدیک قرآن مجید، حدیث کا اور حدیث متواتر قرآن مجید کے لیے ناسخ نہیں ہے جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن مجید حدیث کے لیے اور حدیث متواتر قرآن مجید کے حکم کے لیے ناسخ ہو سکتی ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث

مرسل مطلقاً مقبول ہوتی ہے، جبکہ امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل مطلقاً مقبول نہیں ہے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل میں تعارض ہو تو امام ابو حنیفہ آپ کے قول کو مقدم کرتے ہیں اور امام شافعی آپ کے فعل کو مقدم کرتے ہیں، علیٰ ھذا القیاس۔ اس لیے جو شخص مختلف ائمہ کی تقلید کرے گا وہ اپنے دینی اعمال میں تضاد کا شکار ہوگا مثلاً کسی مسئلہ میں مطلق کو مقید پر محمول کرے گا اور کسی مسئلہ میں نہیں کرے گا بلکہ ایک ہی مسئلہ میں کبھی مطلق کو مقید پر محمول کرے گا اور کبھی نہیں کرے گا، کبھی آثار صحابہ کو احادیث پر مقدم کرے گا اور کبھی نہیں کرے گا، کبھی کہے گا کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ گیا ہے اور کبھی کہے گا کہ نہیں ٹوٹا۔ اور بعض لوگ اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کرنے کے لیے اقوال مجتہدین میں سہارا تلاش کریں گے مثلاً عورت کو ہاتھ لگانے سے امام شافعی کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ اور خون نکلنے سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔

اب فرض کیجئے ایک شخص نے اپنی بیوی کے ہاتھ کو چھوا بھی ہے اور اس کا خون بھی نکل آیا ہے تو دونوں اماموں کے نزدیک اس کا وضو ٹوٹ گیا لیکن وہ شخص وضو کی زحمت سے بچنے کے لیے کہتا ہے کہ کیونکہ احناف کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لیے بیوی کو ہاتھ لگانے سے حنفی مذہب کے مطابق میرا وضو نہیں ٹوٹا اور چونکہ خون نکلنے سے شوافع کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا اس لیے خون نکلنے سے شافعی مذہب کے مطابق میرا وضو نہیں ٹوٹا، درحقیقت یہ شخص امام ابو حنیفہ کا مقلد ہے نہ امام شافعی کا بلکہ یہ اپنی ہوائے نفس کا مقلد ہے، اور قانونی امور میں اور زیادہ مشکلات پیش آئیں گی۔

ایک حنفی شخص کوئی جرم کرنے کے بعد فقہ شافعی کے قانون سے اپنے آپ کو آزاد کرالے گا اور سزا سے بچ جائے گا اور شافعی شخص جرم کر کے فقہ حنفی کے قانون سے اپنے آپ کو بچالے گا، مثلاً ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یتیم کے مال پر زکوٰۃ ہے اور احناف کے نزدیک نہیں ہے اب کسی شافعی شخص نے یتیم کے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو وہ حنفی فقہ سے اپنے آپ کو بچالے گا۔ اسی طرح چوری کے نصاب میں ائمہ کا اختلاف ہے اور ایک مسلک کا مقلد چوری کر کے دوسرے مسلک کی فقہ سے اپنے آپ کو بچالے گا۔ اس طرح شریعت اور قانون انسانی خواہشات کے تابع ہو جائیں گے بلکہ کوئی شخص کسی حکم کا مکلف نہیں رہے گا کیونکہ جب اس پر کوئی چیز واجب ہوگی تو وہ دوسری فقہ سے اس وجوب کو ساقط کر دے گا اور جب اس پر کوئی چیز حرام ہوگی تو وہ دوسرے مجتہد کے قول سے اس کو حلال کرلے گا اور انسان شریعت اور قانون دونوں سے آزاد ہو جائے گا اس لیے ضروری ہے کہ انسان ایک امام کی تقلید کرے اور ایک شخص کے لیے متعدد ائمہ کی تقلید ناجائز اور تقلید شخصی واجب ہے۔

تقلید پر امام غزالی کے دلائل

امام غزالی شافعی متوفی ۵۰۵ھ نے عام آدمی کی تقلید پر دو دلیلیں قائم کی ہیں، ایک یہ ہے کہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع تھا کہ وہ عام آدمی کو مسائل بتلاتے تھے اور اس کو یہ نہیں کہتے تھے کہ وہ درجہ اجتہاد کا علم حاصل کرے اور دوسری دلیل یہ قائم کی ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ عام آدمی احکام شرعیہ کا مکلف ہے اور اگر ہر آدمی درجہ اجتہاد کا علم حاصل کرنے کا مکلف ہو تو زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت بلکہ دنیا کے تمام کاروبار معطل ہو جائیں گے کیونکہ ہر شخص مجتہد بننے کے لیے دن رات علم کے حصول میں لگا رہے گا۔ اور نہ کسی کے لیے کچھ کھانے کو ہوگا اور نہ پہننے کو اور دنیا کا نظام برباد ہو جائے گا اور حرج عظیم واقع ہوگا اور یہ بداہتاً باطل ہے، اور یہ بطلان اس بات کے ماننے سے لازم آیا ہے کہ عام آدمی درجہ اجتہاد کا مکلف ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ عام آدمی درجہ اجتہاد کا مکلف نہیں ہے اور عام آدمی پر مجتہدین کی تقلید لازم ہے۔

(المستصفیٰ ج ۲ ص ۳۸۹، مطبوعہ مطبع بولاق مصر، ۱۳۲۲ھ)

تقلید پر امام رازی کے دلائل

امام فخرالدین رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: عام آدمی کے لیے احکام شرعیہ فرعیہ میں مجتہد کی تقلید کرنا جائز ہے، اور اس پر ہماری دو دلیلیں ہیں پہلی دلیل یہ ہے کہ تقلید کی مخالفت پیدا ہونے سے پہلے اس پر امت کا اجماع تھا، کیونکہ ہر زمانہ میں علماء عوام کو محض ان کے اقوال پر اقتصار کرنے سے منع نہیں کرتے تھے اور ان پر یہ لازم نہیں کرتے تھے کہ وہ ان کے اقوال کے دلائل کا بھی علم حاصل کریں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جب عام آدمی کو کوئی فرعی مسئلہ پیش آئے پس یا تو وہ اس میں کسی حکم کا مکلف نہیں ہوگا اور یہ بالاجماع باطل ہے، کیونکہ ہم اس پر لازم کرتے ہیں کہ وہ علماء کے قول پر عمل کرے، اور تقلید کے مخالفین اس پر یہ لازم کرتے ہیں کہ وہ کتاب وسنت سے استدلال کرے اور اگر وہ کسی حکم پر عمل کرنے کا مکلف ہے تو وہ یا استدلال سے عمل کا مکلف ہوگا یا تقلید سے اور استدلال سے اس کا مکلف ہونا باطل ہے کیونکہ اگر وہ استدلال سے عمل کرنے کا مکلف ہے تو یا تو وہ عقل کامل ہوتے ہی استدلال کا مکلف ہوگا اور یہ اس لیے باطل ہے کہ صحابہ کرام کسی شخص کے بالغ ہوتے ہی اس پر یہ لازم نہیں کرتے تھے کہ وہ مجتہد کا رتبہ حاصل کرے، اور یا وہ اس وقت حکم کا مکلف ہوگا جب اس کو وہ مسئلہ پیش آئے گا اور یہ اس لیے باطل ہے کہ اس کا وجوب اس کو دنیاوی امور میں مشغول ہونے سے مانع ہوگا، پس متعین ہو گیا کہ جب اسے کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو اس پر لازم ہے کہ وہ علماء سے سوال کرے اور ان کے اقوال کی تقلید کرے۔

(المحصول ج ۴ ص ۱۴۰۴۔۱۴۰۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

تقلید پر امام آمدی کے دلائل

امام علی بن محمد آمدی مالکی متوفی ۶۳۱ھ لکھتے ہیں: عام آدمی جس میں اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو اس پر مجتہدین کے اقوال کی اتباع کرنا لازم ہے خواہ اس کو بعض وہ علوم حاصل ہوں جو اجتہاد میں معتبر ہیں، اس پر قرآن مجید کی نص صریح، اجماع اور عقلی دلائل ہیں، نص صریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (النحل: ۴۳) یہ آیت تمام مخاطبین کو عام ہے اور واجب ہے کہ یہ ہر اس سوال کو عام ہو جس کا مخاطب کو علم نہیں ہے، اور اس پر اجماع ہے کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ سے لے کر تقلید مخالفین کے ظہور سے پہلے تک عام آدمی مجتہدین سے فتویٰ طلب کرتے تھے اور احکام شرعیہ میں ان کی اتباع کرتے تھے اور علماء ان کے سوال کا جواب دیتے تھے اور اپنے قول کی دلیل کی طرف اشارہ نہیں کرتے تھے اور ان کو سوال کرنے سے منع نہیں کرتے تھے پس آدمی کے لیے مجتہد کے قول کی اتباع کرنے پر اجماع ہو گیا۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر ہر آدمی پر یہ لازم کیا جائے کہ جب اسے کوئی مسئلہ پیش آئے تو وہ کتاب اور سنت سے اس کا حل تلاش کرے تو لازم آئے گا کہ وہ معاش کے ذرائع میں مشغول نہ ہو اور اس سے صنعت اور حرفت معطل ہو جائے گی اور کھیتی باڑی ختم ہو جائے گی اور اس سے حرج عظیم لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں رکھی۔

(الحج: ۷۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں ضرر اور ضرار نہیں ہے (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۴۱) یعنی اسلام کا کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس سے کسی کو نقصان پہنچے اور اگر آدمی کو اس کا مکلف کیا جائے کہ وہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل خود کتاب وسنت سے حاصل کرے تو لوگوں پر حرج اور ضرر لازم آئے گا پس ضروری ہوا کہ عام آدمی اپنے مسائل کے حل کے لیے

علماء کی طرف رجوع کرے اور ان کے اقوال کی تقلید کرے۔ (الاحکام فی اصول الاحکام ج ۴ ص ۲۳۵-۲۳۴)

تقلید پر شیخ ابن تیمیہ کے دلائل

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اجتہادی مسائل میں جو شخص بعض علماء کے قول پر عمل کرے اس پر انکار نہیں کیا جائے گا اور جو شخص دو قولوں میں سے کسی ایک قول پر عمل کرے اس پر بھی انکار نہیں کیا جائے گا اور جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں اور انسان پر ان میں سے کسی ایک قول کی ترجیح ظاہر ہو جائے تو اس پر عمل کرے ورنہ ان بعض علماء کی تقلید کرے جن پر بیان ترجیح میں اعتماد کیا جاتا ہے۔ (مجموع الفتاوی ج ۲۰ ص ۱۱۵، مطبوعہ دار الجیل ریاض، ۱۴۱۸ھ)

نیز شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: جب انسان احکام شرعیہ کی معرفت سے عاجز ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی ایک معین شخص کے معین مذہب کی اتباع کرے، کیونکہ ہر شخص پر احکام شرعیہ کی معرفت واجب نہیں ہے۔

(مجموعۃ الفتاوی ج ۲۰ ص ۱۲۹، مطبوعہ دار الجیل ریاض، ۱۴۱۸ھ)

شیخ ابن تیمیہ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ کسی مذہب کا مقلد بغیر دلیل یا بغیر عذر کے اپنے مذہب کی مخالفت کر سکتا ہے؟ وہ لکھتے ہیں: جس شخص نے کسی معین مذہب کا التزام کیا پھر کسی دوسرے عالم کی تقلید کے بغیر اس کی مخالفت کی، اور نہ کسی دلیل کے تقاضے کی وجہ سے اور نہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے تو وہ شخص محض اپنی خواہش کا متبع ہے، وہ کسی کے اجتہاد پر عمل کر رہا ہے اور نہ کسی کی تقلید کر رہا ہے وہ بغیر عذر شرعی کے حرام کا ارتکاب کر رہا ہے اور اس پر انکار کیا جائے گا۔

(مجموعۃ الفتاوی ج ۲۰ ص ۱۴۳، مطبوعہ دار الجیل ریاض، ۱۴۱۸ھ)

اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ آیا عام آدمی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی مذہب معین کا التزام کرے اور اس کی عزیمتوں اور رخصتوں پر عمل کرے، امام احمد کے اصحاب کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، اسی طرح امام شافعی کے اصحاب کے بھی دو قول ہیں اور جمہور میں سے بعض اس پر معین مذہب کی تقلید کو واجب کرتے ہیں اور بعض واجب نہیں کرتے اور جو اس معین مذہب کی تقلید کو واجب کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب اس نے کسی معین مذہب کا التزام کر لیا تو اب اس کے کے لیے اس مذہب سے نکلنا جائز نہیں ہے جب تک وہ اس مذہب کا مقلد ہے اور جب تک اس پر واضح نہ ہو جائے کہ دوسرے امام کا قول دلائل کے اعتبار سے راجح ہے۔

(مجموعۃ الفتاوی ج ۲۰ ص ۱۴۳، مطبوعہ دار الجیل ریاض، ۱۴۱۸ھ)

مسئلہ تقلید میں حرف آخر

میں نے شرح صحیح مسلم ج ۳ میں ص ۳۴۵-۳۱۸ تک اجتہاد اور تقلید پر بحث کی ہے، ہمارے علماء عام طور پر فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (النحل: ۴۳) سے تقلید پر استدلال کرتے ہیں جب سورۃ النحل کی تفسیر میں یہ آیت آئی تو میں نے چاہا کہ میں مسئلہ تقلید کو زیادہ تفصیل اور زیادہ دلائل کے ساتھ لکھوں، ہمارے علماء نے یہ تو لکھا ہے کہ تابعین اور تبع تابعین صحابہ اور تابعین کے اقوال پر کتاب و سنت سے دلائل کے بغیر عمل کرتے تھے لیکن انہوں نے اس کی مثالیں نہیں دیں، حالانکہ کتب احادیث میں اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں، لہٰذا میں نے تتبع کر کے صحابہ اور تابعین کے ایک سو اقوال پیش کیے، جن پر سوال کرنے والوں نے بغیر دلائل کے عمل کیا، پھر میں نے اتمام حجت کے لیے غیر مقلدین علماء کے فتاویٰ سے بھی ایسے اقوال پیش کیے جن میں انہوں نے دلائل کا ذکر نہیں کیا اور چونکہ غیر مقلدین شیخ ابن تیمیہ کو بہت

اہمیت دیتے ہیں اس لیے آخر میں ان کی عبارات بھی پیش کیں، جن عبارات میں انہوں نے تقلید شخصی کے جواز کی تصریح کی ہے، تقلید کا معنی ہے عالم اور مفتی کے قول پر بلا دلیل عمل کرنا، لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ عالم اور مفتی کتاب اور سنت کے مقابلہ میں اپنا قول پیش کرتا ہے، جیسا کہ غیر مقلدین یہ تاثر دیتے ہیں بلکہ سوال کرنے والے اسی شخص سے سوال کرتے ہیں جس کے متعلق انہیں یہ اعتماد ہوتا ہے کہ وہ کتاب اور سنت کا ماہر ہے اور وہ اس مسئلہ کا جو جواب دے گا وہ کتاب اور سنت کے مخالف نہیں ہوگا جس طرح تابعین اور تبع تابعین اسی اعتماد کے ساتھ صحابہ اور تابعین سے سوال کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن عظیم) اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا اور تاکہ وہ غور و فکر کریں O (النحل: ۴۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ضرورت اور حکمت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی حکمت اور ضرورت بیان فرمائی ہے، یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ صرف کتاب نازل فرما دیتا، لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر پوری نہ ہوتی، کوئی انسان یہ کہہ سکتا تھا کہ اس کتاب کے مضامین ہمارے لیے ناقابل فہم ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا کہ وہ اس کتاب کے مضامین کی تعلیم دے اور ان کو سمجھائے، جس جگہ ان کو شک ہو وہ ان کے شک کو دور کرے اور جس آیت پر کوئی اعتراض ہو وہ ان کے اعتراض کا جواب دے، اگر وہ یہ سمجھیں کہ کوئی حکم ناقابل عمل ہے تو وہ اس پر عمل کر کے دکھائے، جو چیزیں قرآن مجید میں اجمالی طور پر ذکر کی گئیں ہیں، ان کی تفصیل بیان کرے، قرآن مجید میں بعض احکام ایسے ہیں جن پر حکومت اور اقتدار کے بغیر عمل نہیں کیا جا سکتا مثلاً چور کے ہاتھ کاٹنا، زانی پر کوڑے لگانا، اس کو رجم کرنا، پاک دامن عورت پر تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے مارنا، دو گواہوں کے ثبوت یا مدعی علیہ کی قسم پر مقدمہ کا فیصلہ کرنا، جہاد کے لیے لشکر روانہ کرنا، ایسے اور بہت احکام ہیں جن پر اقتدار اور حکومت کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا اس لیے ضروری تھا کہ نبی کو بھیجا جائے اور وہ ایک اسلامی ریاست قائم کرے اور ایسے تمام احکام پر عمل کر کے دکھائے وہ ایک جامع زندگی گزارے اس کی زندگی میں ایک فرماں روا کا بھی نمونہ ہو، ایک تاجر کا بھی نمونہ ہو ایک مزدور کا بھی نمونہ ہو بلکہ انسانی حیات کے ہر شعبہ کے لیے اس کی زندگی میں نمونہ ہو تاکہ کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ اس دین میں ہمارے لیے کوئی نمونہ نہیں ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ (النساء: ۵۹)
اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء: ۸۰)
جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (الحشر: ۷)
اور رسول تم کو جو حکم دیں اس کو قبول کرو اور جس کام سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ (آل عمران: ۱۱۹)
آپ کہیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب: ۲۱)　　بے شک تمہارے لیے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے۔

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افعال کی اتباع قیامت تک مسلمانوں پر واجب ہے۔

حجیت حدیث

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ جس طرح قرآن مجید کا ایک قطعی الثبوت اور منضبط متن ہے اگر احادیث کا بھی اسی طرح قطعی الثبوت اور منضبط متن ہے پھر تو احادیث حجت ہیں ورنہ نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن عظیم کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افعال کی اتباع واجب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں صحابہ کرام آپ کے احکام سن کر آپ کی اطاعت کرتے تھے اور آپ کو دیکھ کر آپ کی اتباع کرتے تھے، اب سوال یہ ہے کہ بعد کے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور آپ کے افعال کا کس ذریعہ سے علم ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ہمارے لیے نمونہ بنایا ہے، پس جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے سامنے نہ ہو، ہم اپنی زندگی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور نمونہ میں کیسے ڈھال سکیں گے اور جب تک مروجہ احادیث ہمارے سامنے اور ہمارے علم میں نہ ہوں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، آپ کے افعال اور آپ کے اسوہ پر مطلع نہیں ہو سکتے، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح صحابہ کرام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ مجسم ہدایت تھی اسی طرح بعد کے لوگوں کے لیے مروجہ کتب احادیث مجسم ہدایت ہیں اور اگر ان کتب احادیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، افعال اور آپ کے اسوہ کے لیے معتبر ماخذ نہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر ناتمام رہے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کے لیے صرف قرآن عظیم کو کافی نہیں قرار دیا بلکہ قرآن مجید کے احکام کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افعال کی اتباع کو بھی ضروری قرار دیا ہے، اور بعد کے مسلمانوں کے لیے آپ کے احکام، افعال اور آپ کے اسوہ کو جاننے کے لیے مروجہ احادیث کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

مروجہ احادیث کو اگر معتبر ماخذ نہ مانا جائے اور ان کو دین میں حجت تسلیم نہ کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایات سے محروم ہوں گے بلکہ ہم قرآن کریم کی دی ہوئی ہدایات سے بھی مکمل طور پر مستفید نہیں ہو سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے قرآن مجید کے الفاظ نازل فرمائے لیکن ان الفاظ کے معانی بیان کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (النحل: ۴۴)　　ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن عظیم) اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ　　وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور ان کا

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (الجمعہ: ۳-۲)

باطن صاف کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں' اور بے شک وہ لوگ ایمان لانے سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۞اور ان میں سے دوسروں کو بھی (کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں) جو ابھی ان (پہلے لوگوں) سے واصل نہیں ہوئے اور وہی بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے تھے اور آپ کے بعد کے لوگوں کو بھی کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں' جو ابھی لاحق نہیں ہوئے' صحابہ کرام کو تو آپ نے بہ نفس نفیس کتاب اور حکمت کی تعلیم دے دی' لیکن بعد کے لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینے کی کیا صورت ہو گی اگر ان مروجہ احادیث کو کتاب و حکمت کی تعلیم کے لیے معتبر ذریعہ نہ مانا جائے تو قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ صادق نہیں رہے گی!

ہم نے یہ کہا تھا کہ قرآن مجید میں الفاظ ہیں اور ان کے معانی مروجہ احادیث میں ہیں دیکھیے قرآن مجید میں ہے اقیموا الصلوۃ اور صلوۃ کے جو معنی مراد ہیں وہ کسی لغت سے معلوم نہیں ہوتے لغت میں صلوۃ کا معنی ہے دعا کرنا' یا ٹیڑھی لکڑی کو آگ کی حرارت پہنچا کر سیدھا کرنا اور صلوۃ کا معنی برکت بھی ہے' لیکن صلوۃ کا معنی جو مقصود ہے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے معلوم ہوا' اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ بلند کر کے ہاتھ باندھنے سے لے کر سلام پھیرنے تک جن ارکان' آداب اور ہیئت مخصوصہ پر صلوۃ مشتمل ہے' ان کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' اذان کے کلمات اور اذان دینے کے طریقہ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' اقامت کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' پانچ نمازوں کی رکعات کی تعداد کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے اور نہ ان اوقات کی تعیین اور حد بندی کا ذکر ہے' وضو کے فرائض کا قرآن عظیم میں ذکر ہے' لیکن وضو کن کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے اس کی تفصیل کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' ان تمام چیزوں کا ذکر مروجہ احادیث میں ہے اگر ان مروجہ احادیث کو نہ مانا جائے تو انسان نہ وضو کر سکتا ہے' نہ اذان دے سکتا ہے نہ نماز پڑھ سکتا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں زکوۃ ادا کرنے کا حکم ہے' لیکن کتنے مال پر کتنے عرصہ کے بعد کتنی زکوۃ دی جائے اس کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے' اونٹ' گائے' بکری' زرعی پیداوار' سونے چاندی اور مال تجارت میں ادائیگی زکوۃ کا کیا نصاب ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' اور ان تمام چیزوں کی تفصیل کو جاننے کے لیے مروجہ احادیث کے سوا ہمارے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

قرآن مجید میں صرف روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے' روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے اور کن چیزوں سے نہیں ٹوٹتا' اسی طرح روزہ کی باقی تفصیلات قرآن عظیم میں مذکور نہیں ہیں' ان کا علم صرف مروجہ احادیث سے حاصل ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں حج اور عمرہ کا ذکر ہے' لیکن حج اور عمرہ کے احکام' ان کی شرائط ان کے موانع اور مفسدات کیا ہیں ان کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے حتیٰ کہ قرآن مجید میں تو یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ حج کس دن ادا کیا جائے گا' اور آیا حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے یا ہر سال فرض ہے۔

قرآن مجید میں حکم دیا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو' لیکن کتنی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے گا اور ہاتھ کاٹنے کی کیا شرائط ہیں اور کیا موانع ہیں ان کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

قصاص اور دیت کا قرآن مجید میں ذکر ہے' لیکن اعضاء کی دیت کی تفصیل قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے۔

نکاح اور طلاق کا قرآن مجید میں ذکر ہے لیکن شوہر اور زوجہ کے حقوق و فرائض کی تفصیل اور دیگر عائلی احکام قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں۔
وراثت کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے لیکن عصبات اور ذوی الارحام کے فرق اور ان میں ترتیب اور احق بالوراثت کا بیان نہیں ہے' اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے صرف کتاب نازل کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ کتاب کے ساتھ اس کی تعلیم، تشریح اور تفصیل کے لیے نبی کو بھی مبعوث فرمایا اور کتاب میں مذکور تمام احکام کی عملی تصویر اور نمونہ کے لیے آپ کو بھیجا صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست یہ تعلیم حاصل کی اور ہمارے لیے اس تعلیم کے حصول کا ذریعہ صرف مروجہ کتب احادیث ہیں اور اگر ان کتب احادیث کو معتبر ماخذ اور حجت نہ مانا جائے تو دین نامکمل اور ناقابل عمل رہے گا اور بندوں پر اللہ کی حجت قائم نہیں ہوگی' اور قرآن مجید کی اکثر و بیشتر آیتوں کے معانی معلوم نہیں ہو سکیں گے' اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی حجت تمام کرنی تھی اس لیے ذرائع اور وسائل پیدا کیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث محفوظ اور مدون ہو گئیں۔ اس بحث کی زیادہ تفصیل کے لیے آل عمران: ۱۳۲ کا بھی مطالعہ فرمائیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ بری سازشیں کرتے ہیں کیا وہ اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے' یا ان پر وہاں سے عذاب لے آئے جہاں سے عذاب آنے کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو○ یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے سو وہ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے○ یا وہ ان کو عین حالت خوف میں پکڑ لے تو بے شک تمہارا رب بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے○ (النحل: ۴۷-۴۵)

کفار مکہ کو انواع و اقسام کے عذاب سے ڈرانا اور دھمکانا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الذین مکروا السیئات' مکر کا معنی ہے خفیہ طریقہ سے فساد کی کوشش کرنا' مفسرین نے کہا ہے کہ کفار مکہ غیر اللہ کی عبادت اور بت پرستی میں مشغول رہتے تھے اور گناہوں میں مبتلا رہتے تھے اور زیادہ قریب یہ ہے کہ وہ خفیہ طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو ایذا پہنچانے کی کوشش میں مشغول رہتے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چار قسم کی دھمکیاں دیں۔
پہلی دھمکی یہ دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں اس طرح دھنسا دے گا جس طرح قارون کو زمین میں دھنسا دیا تھا۔
زمین میں دھنسانے کے عذاب کا حدیث میں بھی ذکر آیا ہے:
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص تکبر سے اپنے تہبند کو گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا' اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۸۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۴۱)
دوسری دھمکی یہ دی کہ ان پر وہاں سے عذاب آئے گا جہاں سے عذاب کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو گا' جیسے قوم لوط پر اچانک عذاب آ گیا تھا۔
تیسری دھمکی یہ دی کہ اللہ تعالیٰ حالت سفر میں ان پر عذاب نازل فرمائے گا' کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان کو ان کے شہروں میں ہلاک کرنے پر قادر ہے اسی طرح ان کو ان کے سفر کے دوران بھی ہلاک کرنے پر قادر ہے' وہ کسی دور دراز علاقہ میں پہنچ کر اپنے آپ کو اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتے بلکہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان کو پکڑ لے گا وہ کسی دور جگہ جا کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے' جیسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ (آل عمران: ۱۹۶) (اے مخاطب) کافروں کا شہروں میں سفر کرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔

چوتھی دھمکی یہ دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو عین حالت خوف میں پکڑلے گا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً ان پر عذاب طاری نہیں کرے گا بلکہ پہلے ان کو خوف میں مبتلا کرے گا اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے اللہ تعالیٰ ان کے قریب والوں پر ہلاکت طاری کردے گا اور وہ اس خوف میں مبتلا ہوں گے کہ ان پر بھی ایسا عذاب آجائے گا اور وہ بڑے عرصہ تک خوف اور گھبراہٹ اور وحشت اور دہشت میں مبتلا رہیں گے۔

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں اویاخذھم علی تخوف اور تخوف کا معنی خوف اور گھبراہٹ ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے اور اس کا معنی تنقص بھی ہے یعنی نقصان اور کمی کرنا یعنی اللہ تعالیٰ ابتداءً ان پر عذاب نہیں لائے گا بلکہ پہلے ان کے آس پاس کی بستیوں کو ہلاک کرے گا اور ان کے گرد بستیاں کم ہوتی جائیں گی اور یہ تدریج عذاب کا ریلا ان کی طرف بڑھتا رہے گا یا اس کا معنی یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ان کے مالوں اور جانوں میں کمی ہوتی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتا ہے' اور اس وقت وہ اللہ کے حضور عاجزی کرتے ہیں ۝ اور جو چیزیں آسمانوں میں ہیں' اور جو چیزیں زمینوں میں ہیں' زمین پر چلنے والے اور فرشتے سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ۝ (النحل: ۴۹-۴۸)

ہر چیز کے سائے کے سجدہ کی توضیح اور توجیہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے چار قسم کے عذابوں سے کفار مکہ کو ڈرایا اور دھمکایا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کمال کو ظاہر فرمایا ہے کہ اس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تابع ہے اور ہر چیز اس کی عظمت اور قدرت کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ ریز ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتا ہے' اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کا سایہ نہیں ہوتا مثلاً فرشتے' جنات' ہوا اور خوشبوئیں وغیرہ اور اس نوع کی دیگر چیزیں' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس سے مراد ہے ایسی چیز جس کا سایہ ہو سکتا ہو مثلاً کثیف مادی اجسام اور فرشتے' جنات اور ہوائیں لطیف اجسام ہیں اور خوشبو وغیرہ از قبیل اعراض ہیں۔

عربی میں سائے کے لیے ظل اور فئی دونوں لفظ مستعمل ہیں' علامہ سمعانی متوفی ۴۸۹ھ نے لکھا ہے کہ صبح کے وقت کے سائے کو ظل کہتے ہیں اور دوپہر کے وقت کے سائے کو فئی کہتے ہیں اور ان دونوں کا ایک دوسرے پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتا ہے۔

اکثر متقدمین کا یہ نظریہ ہے کہ سجدہ سے یہاں مراد اللہ کی اطاعت ہے' حضرت ابن عباس' مجاہد' اور قتادہ نے کہا تمام چیزیں خواہ حیوانات ہوں یا جمادات وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے اس کو سجدہ ریز ہیں' حسن بصری نے کہا اے ابن آدم تیرا سایہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے اور تو اللہ کو سجدہ نہیں کرتا یہ تیرا بہت برا فعل ہے!

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زوال کے بعد ظہر کی چار رکعات پڑھنا نماز سحر کی مثل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ساعت میں ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے پھر یہ آیت پڑھی: یتفیؤا ظلالہ عن الیمین والشمائل سجدا للہ (النحل: ۴۸)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۸، تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۵۳، کتاب العظمۃ رقم الحدیث: ۱۲۳۶-۱۲۳۵)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: زوال کے بعد ظہر کی چار رکعات سنتیں پڑھنا نماز سحر کی مثل ہے، نماز سحر کی تشریح میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا اس سے مراد تہجد کی نماز ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد فجر کی دو سنتیں اور دو فرض کی دو رکعات ہیں، یعنی ظہر کی چار رکعات ثواب میں فجر کی چار رکعتوں کی مثل ہیں، انہوں نے کہا اس سے مراد تہجد کی نماز نہیں ہو سکتی، کیونکہ تہجد کی نماز نفل ہے اور ظہر کی چار رکعات سنت ہیں اور سنت نفل کی مثل نہیں ہو سکتی جب کہ مشبہ بہ اقوی ہوتا ہے اس لیے مراد یہ ہے کہ ظہر کی چار سنتیں صبح کے فرض اور اس کی سنتوں کی چار رکعات کی مثل ہیں اور مشبہ بہ کے اقوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فجر کی نماز کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ بے شک فجر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

(بنی اسرائیل: ۷۸)

یعنی ظہر کی چار سنتیں، صبح کی دو سنتوں اور دو فرض کے اجر کے برابر ہیں۔

اور ملا علی قاری نے یہ کہا ہے کہ نماز سحر سے مراد آخر شب میں تہجد کی نماز ہے اور مشبہ بہ کے اقوی ہونے کی یہ وجہ ہے، اس وقت عبادت کرنے میں بہت مشقت ہوتی ہے اور تہجد کی نماز پڑھنا بہت مشکل اور بہت دشوار ہوتا ہے۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اس وقت ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے، حالانکہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز ہر وقت اللہ کی تسبیح کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ اور ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

(بنی اسرائیل: ۴۴)

اس لیے اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ زوال کے بعد ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے اس سے مراد ہے کہ وہ اس وقت میں خاص تسبیح کرتی ہے، جو باقی اوقات کی تسبیح سے مختلف ہوتی ہے۔

ہر چیز کے سجدہ ریز ہونے کا محمل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمینوں میں ہیں، زمین پر چلنے والے اور فرشتے، سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے O

سجدہ کی دو قسمیں ہیں سجدہ عبادت اور سجدہ بہ معنی اطاعت اور خضوع، سجدہ عبادت وہ ہے جیسے مسلمان اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور سجدہ بہ معنی اطاعت اور خضوع یہ وہ سجدہ ہے کہ اس معنی میں کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے کیونکہ کائنات کی ہر چیز ممکن ہے اور ممکن کا عدم اور وجود مساوی ہوتے ہیں، اس لیے اس کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے کسی مرجح کی ضرورت ہوتی ہے سو ہر ممکن زبان حال سے یہ بتاتا ہے کہ وہ اپنے وجود میں واجب الوجود کا محتاج ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ممکنات میں سے جس چیز کو جس کام میں لگا دیا ہے وہ اسی کام میں لگا ہوا ہے اور اسی کی اطاعت کر رہا ہے، سورج، چاند، اور دیگر سیاروں کے لیے جو نظام بنا دیا ہے وہ اسی نظام کے تحت کام کر رہے ہیں، دریاؤں اور سمندروں کی روانی،

درختوں میں پتوں، پھلوں اور پھولوں کا کھلنا، حیوانات کی نشوونما، موسموں کا بدلنا، دن اور رات کا توارد، سب کچھ اس کے حکم سے ہو رہا ہے اور سب اس کی اطاعت کر رہے ہیں اور کائنات کی ہر چیز جو اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے وہ اسی معنی میں ہے، بعض مفسرین نے کہا کہ فرشتے جو سجدہ کرتے ہیں وہ اس معنی میں ہے جیسے مسلمان اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور کائنات کی باقی چیزیں جو سجدہ کرتی ہیں وہ سجدہ بہ معنی اطاعت اور خضوع ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہوگا لفظ مشترک سے ایک جملہ میں دو معنی مراد نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اپنے اوپر اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور وہ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے○ (النحل: ۵۰)

فرشتوں کا معصوم ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے دابہ اور ملائکہ سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، دابہ زمین پر چلنے والے چوپائے کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایک طرف حیوانات کا ذکر کیا ہے اور دوسری طرف فرشتوں کا ذکر کیا ہے اور حیوانات ادنیٰ مخلوق ہیں اور فرشتے اعلیٰ مخلوق ہیں خلاصہ یہ ہے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ فرشتے تکبر نہیں کرتے۔

آیت کے اس حصہ سے فرشتوں کی عصمت بیان کرنا مقصود ہے اور یہ آیت اس پر قوی دلیل ہے کہ فرشتے معصوم ہیں وہ کوئی گناہ نہیں کرتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وہ تکبر نہیں کرتے اس بات کو واضح کرتا ہے کہ وہ اپنے خالق اور صانع کے اطاعت گزار ہیں، اور وہ کسی بات اور کسی کام میں اللہ کی مخالفت نہیں کرتے، اس کی نظیر قرآن کریم میں اور آیات بھی ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا قول نقل فرمایا:

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ (مریم: ۶۴)	اور ہم صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔
بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ○ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○ (الانبیاء: ۲۷-۲۶)	بلکہ سب فرشتے اس کے عزت والے بندے ہیں○ وہ کسی بات میں اس پر سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فرشتے وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے وہی کیا ہے جس کا انہیں حکم دیا گیا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ تمام گناہوں سے معصوم ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ان کو جو حکم دیا گیا اس پر انہوں نے عمل کیا، لیکن اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ ان کو جس کام سے منع کیا گیا وہ اس سے باز رہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ممنوعہ کاموں سے باز رہنے کا بھی ان کو حکم دیا گیا تھا لہٰذا جب یہ فرمایا کہ وہ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے تو معلوم ہو گیا کہ وہ ہر حکم پر عمل بھی کرتے ہیں اور ہر ممنوع کام سے اجتناب بھی کرتے ہیں، نیز جب یہ ثابت ہو گیا کہ فرشتے ہر گناہ سے معصوم ہوتے ہیں تو ثابت ہو گیا کہ ھاروت اور ماروت کا جو قصہ مشہور ہے وہ باطل ہے۔ اس کی پوری تحقیق ہم نے البقرہ: ۱۰۲ میں بیان کر دی ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے فرشتے تکبر نہیں کرتے اور ابلیس تکبر کرتا تھا قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ	اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور

الْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرہ: ۳۴) کافر ہو گیا۔

پس ثابت ہو گیا کہ ابلیس جنات میں سے تھا فرشتوں میں سے نہیں تھا، قرآن مجید میں ہے:

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ پس ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا وہ جنات میں سے تھا

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۔ (الکہف: ۵۰) اس نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔

اس مسئلہ کی مکمل تحقیق ہم نے تبیان القرآن ج ا ص ۳۶۰-۳۵۸ میں کردی ہے اس کی تفصیل کے لیے اس مقام کا مطالعہ فرمائیں یہ آیت سجدہ ہے اور یہ قرآن مجید میں تیسرا سجدۂ تلاوت ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

اور اللہ نے فرمایا دو کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ، وہ (اللہ) صرف ایک ہی عبادت کا مستحق ہے،

فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ

سو مجھ سے ہی ڈرو ○ اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، سب اسی کی ملکیت ہے، اور اسی کی

الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ

عبادت لازم ہے، کیا تم اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرو گے ؟ ○ تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے،

فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ۚ ثُمَّ اِذَا

وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو تم اسی سے فریاد کرتے ہو ○ پھر جب وہ

كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ ۙ

تم سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو پھر تم میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شریک بنا لیتا ہے ○

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ

تاکہ وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں، سو تم (عارضی) فائدہ اٹھا لو پھر تم عنقریب جان لو گے ○ اور

يَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔلُنَّ

وہ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو وہ جانتے ہی نہیں، تم جو کچھ افترا کرتے ہو اللہ کی

عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ

قسم تم سے اس کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا ○ اور وہ (فرشتوں کو) اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، اللہ اس سے پاک ہے،

وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ

اور اپنے لیے وہ جس کو وہ پسند کرتے ہیں (یعنی بیٹے) ○ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا منہ

مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ

سارا دن سیاہ رہتا ہے اور وہ غم زدہ رہتا ہے ○ اور وہ اس بشارت کو برا سمجھنے کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا رہتا ہے

أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا

(وہ سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو رکھ لے یا اس کو (زندہ) زمین میں دبا دے، سنو وہ کیسا برا

يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ

فیصلہ کرتے ہیں ○ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان ہی کی بری صفات ہیں،

وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾ ع ٧ ١٢

اور اللہ کی بہت بلند صفات ہیں اور وہی بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے فرمایا دو کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ، وہ (اللہ) صرف ایک ہی عبادت کا مستحق ہے سو مجھ سے ہی ڈرو ○ اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، سب اسی کی ملکیت ہے، اور اسی کی عبادت لازم ہے کیا تم اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرو گے؟ ○ (النحل: ۵۲-۵۱)

الٰہ کا معنی معبود ہے یا عبادت کا مستحق؟

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز اس کی مطیع اور فرماں بردار ہے خواہ وہ چیز عالم ارواح سے ہو یا عالم اجسام سے ہو فرشتے ہوں، جنات ہوں، انسان ہوں یا حیوان ہوں سب اختیاری یا اضطراری طور پر اسی کی عبادت اور اطاعت کرتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شرک سے منع فرمایا اور فرمایا سارا جہان اس کی ملک ہے، سب اپنے وجود اور اپنی بقاء میں اس کے محتاج ہیں اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے کہ دو الٰہ، دو عدد نہ بناؤ، الٰھین کا معنی ہے دو الٰہ اور اثنین کا معنی ہے دو عدد، اب سوال یہ ہے کہ الٰھین کے بعد اثنین کیوں فرمایا؟ اس کے تین جواب ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ اصل عبارت یوں ہے کہ دو چیزوں کو دو الٰہ نہ بناؤ، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جس چیز سے زیادہ متنفر کرنا مقصود ہوتا ہے، اس چیز کا ذکر زیادہ الفاظ سے اور تاکید سے کیا جاتا ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ جب فرمایا دو الٰہ نہ بناؤ تو یہ پتا نہیں چلا کہ مقصود نفس الوہیت کی نفی ہے یا تعدد کی نفی مقصود ہے اور جب فرمایا دو عدد تو واضح ہو گیا کہ اس آیت میں تعدد کی نفی مقصود ہے۔ اس لیے ہم نے آیات کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ دو کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ۔'

عام طور پر مترجمین الٰہ کا معنی معبود کرتے ہیں اور ہم نے اس کا ترجمہ ہر جگہ عبادت کا مستحق کیا ہے، کیونکہ معبود کا معنی

ہے جس کی عبادت کی گئی ہو' اور اللہ تعالیٰ کے سوابے شمار چیزوں کی عبادت کی گئی ہے اور کی جاتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کا مستحق کوئی نہیں ہے وہ صرف واحد ذات ہے جو عبادت کی مستحق ہے اور لا الہ الا اللہ کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' کیونکہ یہ معنی واقع کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا بہت چیزوں کی عبادت کی گئی ہے اور کی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔

توحید پر دلائل

خدا کے لیے ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم ہو' اگر ہم دو خدا فرض کریں تو ضروری ہو گا کہ وہ دونوں واجب اور قدیم ہوں اور دو چیزوں کا ایک دوسرے سے ممیّز اور ممتاز ہونا بھی ضروری ہے' پس ان دونوں میں سے ہر ایک دو جزؤں پر مشتمل ہو گا ایک جز وجوب اور قدم ہو گا اور دوسرا جز وجہ امتیاز اور ممیّز ہو گا پس ہر خدا دو جزؤں سے مرکب ہو گا' اور جو چیز مرکب ہو وہ ممکن اور حادث ہوتی ہے واجب اور قدیم نہیں ہوتی پس اگر آپ دو چیزوں کو خدا فرض کریں گے تو ان میں سے ایک بھی خدا نہیں ہو گا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر بالفرض دو خدا ہوں' اور ان میں سے ایک خدا ایک معین وقت میں کسی خاص جسم کو حرکت دینے کا ارادہ کرے اور دوسرا اس معین وقت میں اس خاص جسم کو ساکن کرنے کا ارادہ کرے تو یا تو وہ خاص جسم اس وقت میں متحرک بھی ہو گا اور ساکن بھی ہو گا اور یہ اجتماع ضدین ہے اور محال ہے' یا وہ خاص جسم اس معین وقت میں نہ متحرک ہو گا نہ ساکن ہو اس لیے محال ہے کہ پھر دونوں کا عجز لازم آئے اور دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہو گا' اور اگر وہ خاص جسم اس وقت متحرک ہوا تو جس نے اس کو ساکن رکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ خدا نہیں رہا اور اگر وہ اس معین وقت میں ساکن ہوا تو جس نے اس کو متحرک رکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ خدا نہیں رہا پس ثابت ہوا کہ دو خدا نہیں ہو سکتے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ دونوں ہمیشہ اتفاق کرتے ہیں اور کبھی اختلاف نہیں کرتے تو اول تو اس کا یہ جواب ہے کہ ان میں اختلاف کرنا ممکن تو ہے ہم اس اختلاف کی صورت میں پھر یہی تقریر کریں گے ثانی یہ کہ جب وہ ہمیشہ اتفاق کرتے ہیں تو ضروری ہو گا کہ پہلے ایک خدا کسی چیز کا ارادہ کرے اور دوسرا اس سے اتفاق کرے پس پہلا متبوع اور دوسرا اس کا تابع ہو گا اور تابع خدا نہیں ہو سکتا پس لازم آیا کہ آپ جب بھی دو خدا فرض کریں گے تو خدا ایک ہی ہو گا دو خدا نہیں ہو سکتے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر دو خدا ہوں تو ان میں سے ایک خدا اپنی مخلوق اور اپنے ملک کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہو گا یا نہیں' اگر وہ اپنے ملک اور مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر نہ ہوا تو یہ اس کا عجز ہو گا اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا' اور اگر وہ اپنے ملک اور اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہے تو جس سے چھپانے پر قادر ہے اس کا جہل لازم آئے گا' اور جاہل خدا نہیں ہو سکتا' خلاصہ یہ ہے کہ جب بھی دو خدا فرض کیے جائیں گے تو ان میں سے ایک خدا ہو گا دوسرا خدا نہیں ہو گا۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ان میں سے ایک خدا دوسرے خدا کی مخالفت کرنے پر قادر ہو گا یا نہیں' اگر وہ اس کی مخالفت کرنے پر قادر نہیں ہے تو یہ اس کا ضعف ہو گا اور ضعیف خدا نہیں ہو سکتا اور اگر وہ اس کی مخالفت پر قادر ہے تو پہلا اس کی مخالفت کی مدافعت کر سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں کر سکتا تو پہلے کا عجز ہے اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا اور اگر پہلا دوسرے کی مخالفت کی مدافعت کر سکتا ہے تو پھر یہ دوسرے کا ضعف ہے اور ضعیف خدا نہیں ہو سکتا۔

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ دو چیزیں خدا اور مستحق عبادت نہیں ہو سکتیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا

ہے کہ دو چیزوں کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ!

اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایک اور آسان اور عام فہم دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر کثرت وحدت کے تابع ہوتی ہے، طالب علموں پر ایک استاذ ہوتا ہے' چند اساتذہ ہوں تو ہیڈ ماسٹر ایک ہوتا ہے' چند سپاہیوں پر ہیڈ کانسٹیبل ایک ہوتا ہے' چند ہیڈ کانسٹیبل ہوں تو ان پر سب انسپکٹر ایک ہوتا ہے' پھر چند انسپکٹر ہوں تو ان پر ڈی- ایس- پی ایک ہوتا ہے' پھر ایس- پی ایک ہوتا ہے' چند' ڈی- آئی- جی ہوں تو ان پر انسپکٹر جنرل ایک ہوتا ہے' چند وزیر ہوں تو وزیر اعلیٰ ایک ہوتا ہے اور چند وزیر اعلیٰ ہوں تو وزیر اعظم ایک ہوتا ہے' کسی ملک کے وزیر اعظم دو نہیں ہوتے اور نہ کسی ملک کے صدر دو ہوتے ہیں اگر کسی بھی محکمہ میں اقتدار اعلیٰ دو آدمیوں کے پاس ہو تو اس محکمہ کا نظام فاسد ہو جائے گا تو اگر اس پوری کائنات کا اقتدار اعلیٰ دو خداؤں کے پاس ہوتا تو اس کائنات کا نظام بھی فاسد ہو جاتا' اور جب ابتداء آفرینش عالم سے لے کر آج تک اس کائنات کا نظام فاسد نہیں ہوا تو ثابت ہو گیا کہ اس پوری کائنات کا مقتدر اعلیٰ بھی ایک ہے' اور وہی ہم سب کی عبادت کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایک آسان دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس پوری کائنات کا نظام ایک نہج واحد اور ایک طرز واحد پر چل رہا ہے' پھلوں اور پھولوں کے پیدا ہونے کا ایک طریقہ ہے' کھیتوں کے پکنے کا ایک طریقہ ہے' جانوروں کے پیدا ہونے اور ان کے پلنے اور بڑھنے کا ایک طریقہ ہے' انسانوں کے پیدا ہونے اور ان کی نشوونما پانے کا طریقہ ایک ہے' بارش ہونے کا دریاؤں اور سمندروں کے اترنے اور چڑھنے کا طریقہ ایک ہے' سورج' چاند اور ستاروں کے طلوع اور غروب کا طریقہ واحد ہے غرض ساری کائنات ایک نمط واحد اور نسق واحد پر چل رہی ہے اور اس کا ایک نہج اور ایک طرز سے چلنا زبان حال سے ندا کرتا ہے کہ اس کا ناظم اور خالق بھی واحد ہے' سو ساری کائنات کی اطاعت اور عبادت کا مستحق بھی واحد ہے۔

ہم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے ؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو مجھ سے ہی ڈرو' پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر غائب کے صیغوں سے فرمایا تھا اور آیت کے اس حصہ میں اپنا ذکر متکلم کے صیغے سے فرمایا ہے' یہ بھی بلاغت کا اسلوب ہے اس کو التفات کہتے ہیں' اس میں ایک اور نکتہ یہ ہے کہ اس میں حصر ہے' یعنی مخلوق کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ سے ڈرے اور کسی سے نہ ڈرے' اور فضل و احسان کی طلب میں اللہ کے سوا اور کسی کی طرف رغبت نہ کرے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اللہ کی ملکیت ہے کیونکہ جب ثابت ہو گیا کہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا اور ان کے نظام کو چلانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ یہ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے۔

پھر فرمایا وله الدين واصبا۔ دین کے معنی ہیں اطاعت اور عبادت اور واصب کا معنی ہے جو چیز دائمی طور پر لازم ہو' قرآن مجید میں ہے ولهم عذاب واصب الصّٰفّٰت: ۹' اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے' لہٰذا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا جو بھی چیز ہے اس پر اس کی اطاعت اور عبادت لازم ہے کیونکہ اس کائنات کی ہر چیز اپنے وجود میں بھی اللہ کی محتاج ہے اور اپنی بقاء میں بھی اللہ کی محتاج ہے سو اس پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرے۔

اس کے بعد فرمایا کیا تم اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرو گے ؟ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ تمام کائنات کا

خالق اور ناظم اللہ ہے اور وہی واحد عبادت اور اطاعت کا مستحق ہے اور جب تم نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز اپنے وجود میں اور اپنی بقاء میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے' تو ان اُصولی چیزوں کے جاننے کے بعد کیا انسان کی عقل اس چیز کو جائز قرار دیتی ہے کہ انسان اپنے مقاصد اور مطالب میں اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف رغبت کرے' اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے ڈر اور خوف سے کوئی کام کرے یا کسی کام سے باز رہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے شاگردوں' مریدوں اور ماتحت لوگوں سے ڈرتے ہے' اپنی جھوٹی بڑائی قائم رکھنے کے لیے ہم ان کے سامنے کوئی بے حیائی کا کام نہیں کرتے اور خلوت اور تنہائی میں کر لیتے ہیں' سو ہم مخلوق سے ڈرتے ہیں خالق سے نہیں ڈرتے' اور کبھی افسران بالا کے خوف سے ماتحت عملہ ان کے سامنے غیر قانونی کام نہیں کرتا اور جب افسران بالا سامنے نہ ہوں تو پھر ماتحت عملہ غیر قانونی کام کر لیتا ہے' کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ مخلوق کی گرفت فوراً ہو جائے گی اور اللہ کی گرفت تو آخرت میں ہو گی نیز مخلوق کی گرفت ظاہر ہے اور خالق کی گرفت غیب ہے' سو ہم اللہ سے نہیں ڈرتے مخلوق سے ڈرتے ہیں وجہ یہ ہے کہ ہمارا آخرت پر ایمان کمزور ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا جب سے آپ نے یہ بتایا ہے کہ قبر مردہ کو دباتی ہے میری راتوں کی نیند اڑ گئی ہے' ہم نے بھی یہ حدیث سنی ہے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قبر کے دبانے کے خوف سے کسی رات ہمیں نیند نہ آئی ہو' وجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کی تصدیق تھی ہمیں اس طرح آپ کی خبر کی تصدیق نہیں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب قبر کو دیکھتے تھے تو اس قدر روتے کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھی ان سے پوچھا گیا اس کی کیا وجہ ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اس میں آسانی ہو تو باقی منازل زیادہ آسان ہوں گی اور اگر اس میں مشکل ہو تو باقی منازل زیادہ مشکل ہوں گی' یہ تو ان کا حال ہے جن کو زندگی میں دو مرتبہ جنت کی بشارت دی گئی تھی لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی بے نیازی کے ڈر اور خوف سے روتے تھے' ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا نہیں لیکن ہم تو کبھی کسی قبر کے پاس بیٹھ کر خوف خدا سے نہیں روئے! معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنا قوی ایمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تھا ہمارا ایمان اتنا قوی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے' پھر جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو تم اسی سے فریاد کرتے ہو○ پھر جب وہ تم سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو پھر تم میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شریک بنا لیتا ہے○ تاکہ وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں' سو تم (عارضی) فائدہ اٹھا لو' پھر تم عنقریب جان لو گے○ (النحل: ۵۵-۵۳)

شکر کے شرعی احکام اور اس کے متعلق احادیث

اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا تھا کہ انسان کو اللہ کے سوا کسی سے ڈرنا نہیں چاہیے' اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسان کے سب سے زیادہ شکر کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے' کیونکہ شکر نعمت پر واجب ہوتا ہے اور انسان کو ہر نعمت اللہ تعالیٰ سے ملی ہے' اس لیے اس کے شکر کا سب سے زیادہ مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔

نعمت یا دنیوی ہوتی ہے یا نعمت دینی ہوتی ہے' اور دنیوی نعمت یا اس کے بدن میں ہوتی ہے یا اس کے نفس میں ہوتی ہے یا وہ خارجی نعمت ہوتی ہے' اور دینی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو مومن بنایا اور اس کو اعمال صالحہ کی توفیق دی

اس کو دین کا علم عطا فرمایا، سو بندہ پر واجب ہے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے اور جن ذرائع اور وسائل سے اور جن لوگوں کی وساطت سے اس کو یہ نعمتیں حاصل ہوئی ہیں ان کا بھی شکر ادا کرے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہیں ہے وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین نے کہا یا رسول اللہ! سارا اجر تو انصار لے گئے، آپ نے فرمایا نہیں! جب تک تم ان کے لیے اللہ سے دعا کرتے رہو گے اور ان کی نیکیوں کی تعریف کرتے رہو گے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی نعمت دی گئی اور اس نے اس نعمت کا ذکر کیا تو اس نے اس نعمت کا شکر ادا کر دیا اور جس نے اس نعمت کو چھپالیا تو اس نے کفران نعمت کیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۴۸۱۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل جس بندہ کو کوئی نعمت عطا فرمائے اور اس کو یہ یقین ہو کہ یہ نعمت اللہ عزوجل کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا شکر لکھ لیتا ہے، اور اللہ عزوجل کو جس بندہ کے متعلق یہ علم ہو گا کہ وہ گناہ پر نادم ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے استغفار کرنے سے پہلے اس کو بخش دیتا ہے، اور جو شخص کسی کپڑے کو ایک دینار کا خریدے اور اس کو پہنتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو ابھی وہ کپڑا اس کے گھٹنوں تک نہیں پہنچا کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۱۴، کتاب الخرائطی باب الشکر رقم الحدیث: ۴۰، رسائل ابن ابی الدنیا باب الشکر رقم الحدیث: ۷۴)

شکر کے متعلق ہم نے زیادہ احادیث اور آثار ابراھیم: ۷ میں بیان کیے ہیں اور وہاں اس کی تعریف اور تحقیق کی ہے۔

مصیبت کے وقت اللہ کو پکارنا اور مصیبت ٹلنے کے بعد اللہ کو بھول جانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: پھر جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو تم اسی سے فریاد کرتے ہو۔

اس آیت میں فریاد کے لیے لفظ ہے تجئرون، اس کا معنی ہے چلا کر فریاد کرنا، یعنی جب تم پر مصیبت آتی ہے تو تم رو رو کر اور چلا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہو اور اس سے فریاد کرتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا! پھر جب وہ تم سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو پھر تم میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شریک بنالیتا ہے تاکہ (انجام کار) وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ تمام نعمتیں انسانوں کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، پھر جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور اس سے وہ نعمت زائل ہو جاتی ہے، تو وہ اللہ سے فریاد کرتا ہے کیونکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اس کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا، اور نہ اللہ کے سوا اس کی کوئی جائے پناہ ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ انسان سے اس مصیبت کو زائل کر دیتا ہے، تو پھر اس صورت میں انسانوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں، بعض انسان تو اللہ عزوجل کے ساتھ وابستگی پر قائم رہتے ہیں اور اس مصیبت کے زائل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور بعض انسانوں کے عقائد میں تبدیلی آجاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک بنالیتے ہیں، اور یہ انتہائی ناسپاسی، احسان فراموشی، جہالت اور گمراہی ہے، قرآن مجید میں اس طرح کی اور بھی آیات ہیں:

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ۝ (العنکبوت: ۶۵)

پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں وہ اس وقت اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرنے والے ہوتے ہیں، پھر جب وہ ان کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو اچانک وہ شرک کرنے لگتے ہیں۝

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۝ (بنی اسرائیل: ۶۷)

اور جب سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے تھے وہ سب گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو تم (اس سے) منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۝

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ لَئِنْ أَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِينَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۝ (الانعام: ۶۳-۶۴)

آپ کہیے کہ تمہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے، جس کو تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، کہ اگر اس نے ہم کو اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۝ آپ کہیے تمہیں اللہ تعالیٰ ہی اس مصیبت سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے، پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو۝

پھر جب اللہ تمہیں مصائب اور پریشانیوں سے نجات دے دیتا ہے تو تم اللہ عزوجل کے اس انعام کا انکار کرتے ہو اور کہتے ہو کہ ہمیں تو ہمارے خود ساختہ معبودوں نے اور بتوں نے بچایا ہے، اسی طرح جب انسان کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں فلاں دوا سے ٹھیک ہو گیا یا فلاں ڈاکٹر کے علاج سے میں صحت مند ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا، جو موثر حقیقی ہے، مسلمان اولیاء کرام کے توسل سے دعائیں کرتے ہیں اور اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں اور جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صرف ان اولیاء کا ذکر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے کرم فرمایا، اور فلاں بزرگ نے میرا کام کر دیا، وہ بزرگوں کا نام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے، ہم یہ نہیں کہتے کہ بزرگوں کا نام نہ لیا جائے یا ان کو ایصال ثواب نہ کیا جائے اور ان کی تعظیم و تکریم نہ کی جائے لیکن جو موثر حقیقی ہے اور اصل کارساز ہے اس کا بھی تو نام لیں اور اس کا بھی شکر ادا کریں کیونکہ یہ بزرگ تو مجازی کارساز ہیں حقیقی کارساز تو اللہ عزوجل ہے وہ اگر نہ چاہے تو کسی کا وسیلہ کام آسکتا ہے نہ کسی کی دعا کام آسکتی ہے!

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

آج یکم محرم ۶۰۲ھ کو جب میں اس کتاب کے اوراق لکھ رہا تھا اس وقت صبح کا وقت تھا اچانک بہت سخت زلزلہ آیا اور زبردست جھٹکے لگنے لگے، میں نے لوگوں کو دیکھا وہ چیخ چیخ کر دعا مانگ رہے تھے اور گڑگڑا رہے تھے، پھر جب زمین پر سکون ہو گئی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور حالات معمول پر آگئے تو میں نے دیکھا لوگ پھر اپنی حرکتوں کی طرف لوٹ گئے اور اسی طرح لغو اور بے ہودہ کاموں میں مشغول ہو گئے اور وہ بھول گئے کہ ابھی وہ تھوڑی دیر پہلے چیخ و پکار کر رہے تھے، اللہ کے نام کی دہائی دے رہے تھے اور اس سے گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے اپنے دور کے حالات کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ۔ (الزمر: ۸)

اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوا اس کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اسے کوئی نعمت عطا فرمادیتا ہے تو وہ اس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کو پکارتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو وہ جانتے ہی نہیں، تم جو کچھ افتراء کرتے ہو اللہ کی قسم! تم سے اس کے متعلق ضرور پوچھا جائے گاO(النحل: ۵۶)

اللہ کے لیے حصہ مقرر کرنے پر مشرکین کو زجر و توبیخ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ کی پیداوار میں سے ان چیزوں کا حصہ مقرر کرتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہی نہیں اور یہ بھی ان کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات ہے۔

"جنہیں وہ جانتے ہی نہیں" اس کے متعلق مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ مشرکین نہیں جانتے، دوسرا قول یہ ہے کہ بت نہیں جانتے، لیکن پہلا قول راجح ہے، کیونکہ زندہ لوگوں سے علم کی نفی کرنا حقیقت ہے اور جمادات سے علم کی نفی کرنا مجاز ہے، اور واؤ اور نون کے ساتھ جو جمع آتی ہے وہ ذوی العقول کے ساتھ خاص ہے اور بت غیر ذوی العقول ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کس چیز کا حصہ مقرر کرتے تھے؟ مجاہد نے کہا وہ جانتے تھے کہ ان کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور وہی ان کو نقصان اور نفع پہنچانے پر قادر ہے پھر وہ ان کی اطاعت کرتے تھے جن کے متعلق وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی اطاعت کرنے میں کوئی نفع ہے یا ان سے اعراض کرنے میں کوئی نقصان ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کی عبادت کرتے تھے جن کے متعلق وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ عبادت کے مستحق ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے ان بتوں کی تحقیر مقصود ہے کہ ان بتوں کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کس چیز کا حصہ مقرر کرتے تھے اس میں بھی کئی قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کرتے تھے تاکہ وہ اللہ کا تقرب حاصل کریں اور ایک حصہ اپنے بتوں کے لیے مقرر کرتے تھے تاکہ ان کا تقرب حاصل کریں۔

فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا۔ (الانعام: ۱۳۶)

پس انہوں نے کہا یہ ان کے زعم میں اللہ کے لیے ہے اور یہ ان کے زعم میں ہمارے شرکاء کے لیے ہے۔

الانعام: ۱۳۶ میں ہم اس کی تفسیر بیان کر چکے ہیں۔ دوسرا قول حسن بصری کا ہے انہوں نے کہا اس سے مراد بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ ان میں سے بعض مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ بعض اشیاء بتوں کی اعانت سے حاصل ہوتی ہیں، جیسے نجومیوں نے اس جہان کی تاثیرات کو سات سیاروں میں منحصر کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ فلاں چیز زحل کی تاثیر سے ہے اور فلاں چیز عطارد کی تاثیر سے ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم سے اس کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا یعنی مشرکین سے ان کے اس مذہب کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا کہ تم کچھ حصہ اللہ کے لیے اور کچھ حصہ بتوں کے لیے رکھتے تھے اس پر تمہاری کیا دلیل ہے یا ایسا کرنے کا کیا جواز ہے؟ اور اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَO عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (الحجر: ۹۳-۹۲)

آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گےO ان کاموں کے متعلق جو وہ کرتے رہے تھے۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ وہ ان سے ضرور سوال کرے گا' یہ زبردست تہدید ہے اللہ تعالیٰ ان کو ڈانٹ کر اور جھڑک کر سوال کرے گا' ہو سکتا ہے کہ جس وقت عذاب کے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئیں اس وقت ان سے یہ سوال کیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت میں ان سے یہ سوال کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ (فرشتوں کو) اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں' اللہ اس سے پاک ہے' اور اپنے لیے وہ جس کو وہ پسند کرتے ہیں (یعنی بیٹے) ○ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا منہ سارا دن سیاہ رہتا ہے اور وہ غم زدہ رہتا ہے ○ اور وہ اس بشارت کو برا سمجھنے کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا رہتا ہے (وہ سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو رکھ لے یا اس کو (زندہ) زمین میں دبا دے' سنو وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں ○ (النحل: ۵۹-۵۷)

بیٹیوں کو عار سمجھنے کی مذمت

مشرکین کی فاسد باتوں میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے جیسا کہ اس آیت میں بھی ہے:

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ۔

اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں بیٹیاں قرار دیا' کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے' عنقریب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے سوال کیا جائے گا۔

(الزخرف: ۱۹)

ہو سکتا ہے کہ مشرکین فرشتوں کو اس وجہ سے بیٹیاں کہتے ہوں کہ فرشتے آنکھوں سے پوشیدہ رہتے ہیں' جس طرح عورتیں مردوں سے پوشیدہ رہتی ہیں اور اس بناء پر انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا' یہ ان کی انتہائی جہالت اور گمراہی ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا' ان کی پرورش کی تدبیر اور انتظام کیا' ان پر انواع واقسام کے انعام کیے' ان نعمتوں کے عطا کرنے کی وجہ سے وہ اس کا مستحق تھا کہ اس کی حمد کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اس کے بجائے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی چیزوں کو منسوب کیا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کے کوئی بیٹا ہو یا کوئی بیٹی ہو' پھر کتنا ظلم ہے کہ وہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے تھے اور اللہ کے لیے انہوں نے بیٹیاں پسند کیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ○

کیا اس کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے بیٹے!

(الطور: ۳۹)

اس کے بعد فرمایا: اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا منہ سارا دن سیاہ رہتا ہے اور وہ غم زدہ رہتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ غم سے اس کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے' اور جس شخص کو کسی مکروہ اور ناپسندیدہ چیز کی خبر ملے تو اس کا چہرہ بگڑ جاتا ہے اور غم وغصہ سے اس کا چہرہ سیاہی مائل ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس جب انسان کو کوئی خوش خبری ملے تو اس کا سینہ فراخ ہو جاتا ہے اور خوشی سے اس کا چہرہ کھل جاتا ہے اور چمکنے لگتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ اس بشارت کو برا سمجھنے کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا رہتا ہے' (وہ سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو رکھ لے یا اس کو (زندہ) زمین میں دبا دے سنو! وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔ (النحل: ۵۹-۵۸)

مفسرین نے کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی شخص کی بیوی کی زچگی کا زمانہ قریب آتا تو جب تک بچہ نہ ہو جاتا وہ اپنی قوم سے چھپا رہتا' پھر اگر اسے معلوم ہوتا کہ بیٹا ہوا ہے تو وہ خوش ہو جاتا اور اس کا چہرہ دمکنے لگتا' اور جب اس کو پتا چلتا کہ اس کے ہاں بیٹی ہوئی ہے تو وہ کئی دنوں تک لوگوں کے سامنے نہ آتا' اور اس پر غور کرتا رہتا کہ وہ اس معاملہ میں کیا کرے' آیا

وہ ذلت برداشت کرکے اس بیٹی کی پرورش کرے یا عار سے بچنے کے لیے اس بیٹی کو زندہ در گور کردے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ۔ (التکویر: ۸) اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔

حضرت عمر نے کہا قیس بن عاصم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا میں نے زمانہ جاہلیت میں آٹھ بیٹیوں کو زندہ درگور کردیا تھا؟ آپ نے فرمایا ہر بیٹی کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس تو اونٹ ہیں، آپ نے فرمایا ہر بیٹی کی طرف سے ایک اونٹ نحر (ذبح) کرو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۳۷، رقم الحدیث: ۸۶۳، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۸۰، السنن الکبری للبیہقی ج ۸ ص ۱۱۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۶۹۰، حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ امام بزار کی سند صحیح ہے، سوا حسین بن مہدی کے اور وہ بھی ثقہ ہے، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳۴)

روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے میں نے اسلام کی مٹھاس نہیں محسوس کی، زمانہ جاہلیت میں میری ایک بیٹی تھی میں نے اپنی بیوی سے کہا اس کو بناؤ سنگھار کرکے مزین کرو، پھر میں اس کو بہت دور دراز وادی میں لے گیا جہاں ایک گہرا کنواں تھا میں نے اس کو اس کنوئیں میں ڈال دیا، اس بیٹی نے کہا اے ابا جان! آپ نے مجھے قتل کر ڈالا! مجھے اس کی جب بھی یہ بات یاد آتی ہے مجھے کسی چیز کی سے راحت نہیں ملتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں جو گناہ ہوئے تھے، ان کو اسلام نے منہدم کردیا اور جو گناہ اسلام میں ہوں گے ان کو استغفار منہدم کردے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۲۶-۲۲۵، روح المعانی جز ۱۴ ص ۲۵۰)

امام رازی نے لکھا ہے کہ جو لوگ بیٹیوں کو قتل کرتے تھے ان کفار کا طریقہ کار مختلف تھا، ان میں سے بعض گڑھا کھود کر بیٹی کو اس میں ڈال کر گڑھا مٹی سے بند کردیتے حتیٰ کہ وہ مرجاتی، اور بعض اس کو پہاڑ کی چوٹی سے پھینک دیتے تھے، بعض اس کو غرق کردیتے تھے اور بعض اس کو ذبح کردیتے تھے، ان کا یہ اقدام بعض اوقات غیرت اور حمیت کی بناء پر ہوتا تھا اور بعض اوقات فقر و فاقہ کے خوف کی وجہ سے وہ ایسا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنو! وہ کیسا برا فیصلہ کرتے تھے، کیونکہ وہ بیٹیوں کو باعث عار سمجھنے کی وجہ سے حد سے بڑھ گئے تھے، وہ بیٹی کی پیدائش کی خبر سنتے تو رنج و غم سے ان کا چہرہ سیاہ پڑجاتا، بیٹیوں سے نفرت کی وجہ سے وہ اپنی بیوی کے ہاں پیدائش کے موقع پر لوگوں سے چھپتے پھرتے تھے، اولاد سے انسان کو فطرتاً محبت ہوتی ہے لیکن جب ان کو خبر ملتی کہ ان کے ہاں بیٹی ہوئی ہے، تو وہ اس کو قتل کرنے کی تدبیریں کرتے تھے۔

بیٹیوں کی پرورش کی فضیلت کے متعلق احادیث

نبیط بن شریط بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اللہ عزوجل اس کے ہاں فرشتوں کو بھیجتا ہے وہ آکر کہتے ہیں: اے گھر والو السلام علیکم! وہ اس بیٹی کا اپنے پروں سے احاطہ کر لیتے ہیں، اور اس کے سر پر اپنے ہاتھ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک کمزور لڑکی کمزور عورت سے پیدا ہوئی ہے جو اس کی کفالت کرے گا اس کی قیامت تک مدد کی جائے گی۔

نبیط کا بیٹا اس روایت میں منفرد ہے۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۷۰)

حضرت عائشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ، رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں، اس نے مجھ سے سوال کیا، میرے پاس سوائے ایک کھجور کے اور کوئی چیز نہ تھی، میں

نے وہ کھجور اس کو دے دی' اس عورت نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور ان ٹکڑوں کو اپنی بیٹیوں میں تقسیم کر دیا اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا' پھر وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں چلی گئیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ آپ کو سنایا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان بیٹیوں میں سے کسی کی پرورش کرنے میں مبتلا کیا گیا' اور اس نے ان کی اچھی طرح پرورش کی وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب ہو جائیں گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۱۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک مسکین عورت اپنی دو بیٹیوں کو اٹھائے ہوئے آئی' میں نے اس کو تین کھجوریں دیں' اس نے ان میں سے ہر بیٹی کو ایک کھجور دی' اور ایک کھجور کھانے کے لیے اپنے منہ کی طرف اٹھائی' اس کی بیٹیوں نے اس سے وہ کھجور مانگی' اس نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور آدھی آدھی دونوں بیٹیوں کو دے دی' مجھے اس پر تعجب ہوا پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ کس طرح اس عورت نے اپنی بیٹیوں کو اپنے حصہ کی بھی کھجور کھلا دی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لیے جنت کو واجب کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش کی حتیٰ کہ وہ دونوں بالغ ہو گئیں' آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر فرمایا قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح ہوں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے' ان کو کھلائے اور پلائے اور ان کو اپنی کمائی سے کپڑے پہنائے تو وہ لڑکیاں اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۵۳۸' الادب المفرد رقم الحدیث: ۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۷۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی ایک بیٹی ہو وہ اس کو ادب سکھائے اور اچھا ادب سکھائے' اور اس کو تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے' اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جو نعمتیں دی ہیں ان نعمتوں میں سے اس کو بھی دے تو اس کی وہ بیٹی دوزخ کی آگ سے ستر اور حجاب ہو جائے گی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۵۷' طبع قدیم' حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۶۳۲۸' طبع جدید' تنزیہ الشریعہ رقم الحدیث: ۲۰۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۳۹۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص ان بیٹیوں کی پرورش میں مبتلا ہوا' اس کا مطلب ہے بیٹی کی پرورش بلا اور مصیبت ہے' یہ اس وقت درست ہو گا جب کوئی شخص بیٹیوں کی پرورش کراہت کے ساتھ کرے تب ہی ان کی پرورش اس کے لیے بلا اور مصیبت ہو گی' کیونکہ جو محبت سے ان کی پرورش کرے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرے اس کے لیے ان کی پرورش نعمت ہو گی نہ کہ بلا' اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ عام طور پر بیٹیوں کو بلا اور مصیبت سمجھا جاتا ہے اس وجہ سے آپ نے فرمایا جو شخص ان کی پرورش میں مبتلا ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان ہی کی بری صفات ہیں اور اللہ کی بہت بلند صفات ہیں اور وہی بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے○ (النحل: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کے لیے اچھی صفات کا معنی اور اللہ کے اسماء کا توقیفی ہونا

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اس سے مراد وہ کافر ہیں جو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، پھر فرمایا ان ہی کی بری صفات ہیں، یعنی یہ لوگ جاہل اور کافر ہیں، جاہل اس لیے کہ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہو سکتی کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے اور اس کی اولاد واجب اور قدیم نہیں ہو سکتی کیونکہ اولاد والد سے متاخر ہوتی ہے اور والد کے بعد حادث اور ممکن ہوتی ہے اور جو کسی سے متاخر ہو اور ممکن اور حادث ہو وہ واجب اور قدیم نہیں ہو سکتا، جب کہ اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو اس کا واجب اور قدیم ہونا ضروری تھا کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے، اور وہ کافر اس لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرنا کفر ہے، اور بری صفت کا ایک معنی یہ ہے کہ ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہوگا۔ اور فرمایا اللہ کی بہت بلند مثالیں ہیں، یعنی بہت بلند صفات ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (النور: ۳۵) — اللہ آسمانوں اور زمینوں کو منور کرنے والا ہے۔

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ۔ (الحشر: ۲۳) — بادشاہ ہے، ہر عیب سے پاک ہے، ہر نقص سے سلامت ہے، امان دینے والا، نگہبان، بہت غالب، نہایت عظمت والا، سب پر بڑائی رکھنے والا۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ (الحشر: ۲۴) — وہی ہے اللہ، پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا، صورت بنانے والا، سب اچھے نام اسی کے لیے ہیں۔

یہاں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ۔ (النحل: ۷۴) — سو تم اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔

زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے اللہ کے لیے بلند مثالیں ہیں اور اس آیت میں مثالیں بیان کرنے سے منع فرمایا ہے، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اللہ کی ایسی مثالیں بیان نہ کرو جو نقص اور عیب کی موجب یا موہم ہوں اور ایسی صفات یا مثالیں بیان کرو جن کی مخلوق میں کسی کے ساتھ مشابہت نہ ہو، دوسرا جواب یہ ہے کہ تم از خود اللہ کی کوئی مثال یا صفت بیان نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے جو خود اپنی مثالیں یا صفات بیان کی ہیں صرف ان ہی پر اکتفا کرو، اس آیت سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سماع شرع پر موقوف ہیں، قرآن اور حدیث میں جن اسماء کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق آیا ہے، اللہ تعالیٰ پر صرف ان ہی کا اطلاق جائز ہے اور اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ پر کسی صفت یا کسی مثال کا اطلاق جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو علام کہنا جائز ہے علامہ کہنا جائز نہیں ہے، بعض پڑھے لکھے لوگ بھی اللہ میاں کہتے ہیں یہ جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ یا اللہ عزوجل کہنا چاہیے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ

اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم کی بناء پر ان کی گرفت فرماتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ

دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ

چھوڑتا، لیکن وہ ان کو معین مدت تک ڈھیل دیتا ہے، سو جب ان کا معین وقت آجائے گا تو

لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ

وہ نہ ایک لمحہ پیچھے ہو سکیں گے نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکیں گے ○ اور وہ اللہ کے لیے ان چیزوں کو تجویز کرتے ہیں

وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ

جن کو وہ خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں، اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے، بے شک ان کے لیے دوزخ

مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

کی آگ ہے اور وہ اس میں، سب سے پہلے بھیجے جائیں گے ○ اللہ کی قسم! ہم نے آپ سے پہلے (بھی) کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پس شیطان نے

اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ

ان کے اعمال کو مزین کر دیا سو آج وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس

الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ

لیے نازل کی ہے تاکہ آپ اس چیز کو صاف بیان کر دیں جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں اور (یہ کتاب) مومنوں کے لیے

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

ہدایت اور رحمت ہے ○ اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس پانی سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد

ع ٨ ٥ ١٤ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِى

زندہ کیا، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو (غور سے) سنتے ہیں ○ اور بے شک مویشیوں میں

الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ

بھی تمہارے لیے غور کا مقام ہے، ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان ہے

لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ

اور وہ خالص دودھ ہے جو پینے والوں کے لیے خوش گوار ہے ○ اور ہم تمہیں کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے پلاتے ہیں

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

تم ان سے میٹھے مشروبات تیار کرتے ہو، اور عمدہ رزق، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور

يَّعْقِلُوْنَ ۝۶۷ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ

نشانی ہے ○ اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کر وہ پہاڑوں میں، اور

بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝۶۸ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

درختوں میں اور اونچے چھپروں میں گھر بنائے ○ پھر تو ہر قسم کے پھلوں سے رس چوس،

فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ

پھر اپنے رب کے بنائے ہوئے آسان راستوں پر چلتی رہ، ان کے پیٹوں سے رنگ برنگ کے مشروب نکلتے

اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

ہیں، اس مشروب (شہد) میں لوگوں کے لیے شفا ہے، بے شک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے

يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۶۹ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ڐ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ

ضرور نشانی ہے ○ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تم کو وفات دے گا، اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا

الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰ ع ۹/۵ ۱۵

دیا جاتا ہے تاکہ انجام کار وہ حصول علم کے بعد کچھ بھی نہ جان سکے، بے شک اللہ نہایت علم والا بے حد قدرت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم کی بناء پر ان کی گرفت فرماتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو معین مدت تک ڈھیل دیتا ہے، سو جب ان کا معین وقت آجائے گا تو نہ وہ ایک لمحہ پیچھے ہو سکیں گے نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکیں گے ○ (النحل: ۶۱)

اس سوال کا جواب کہ سب لوگ ظلم کرتے ہیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کا نہایت قبیح کفر بیان فرمایا تھا کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، اب یہاں یہ سوال ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فوری عذاب کیوں نہیں دیا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر فوری عذاب نازل نہیں فرماتا اور ان کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ اس کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کا اظہار ہو، اور اگر وہ لوگوں کے ظلم کی بناء پر ان کی فوراً گرفت فرماتا تو روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہتا۔

اس آیت میں ظلم سے مراد اللہ کی نافرمانی اور گناہ ہے، اور بہ ظاہر اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ سب لوگ اللہ کی نافرمانی اور گناہ کرتے ہیں حالانکہ سب لوگوں میں تو انبیاء علیہم السلام اور رسل کرام بھی ہیں اس وہم کا ازالہ یہ ہے کہ خود قرآن عظیم سے ثابت ہے کہ تمام لوگ نافرمان اور گنہگار نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے

عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ (فاطر: ۳۲)

اپنے بندوں میں سے چن لیا تھا ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور ان میں سے بعض معتدل ہیں اور ان میں سے بعض نیک کاموں میں سبقت لے جانے والے ہیں اللہ کے اذن سے، یہی بہت بڑا فضل ہے۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے ظالم اور گنہگار نہیں ہیں، بعض معتدل ہیں یعنی وہ نیکی کرنے والے ہیں اور کبھی بشری کمزوری سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس پر فوراً توبہ کر لیتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو بڑھ چڑھ کر نیکی کرنے والے ہیں۔

اس سوال کا جواب کہ غیر ظالموں کو ہلاک کرنا عدل کے خلاف ہے

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ لوگوں کا ظلم اس بات کو واجب کرتا ہے کہ روئے زمین کے تمام جانداروں کو ہلاک کر دیا جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کیونکہ جانداروں میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا، اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کفر اور معصیت کی وجہ سے ان پر گرفت فرماتا تو ان کو فوراً ہلاک کر دیتا اور پھر ان کی نسل وجود میں نہ آتی اور یہ بات بدیہی ہے کہ ہر شخص کے آباء و اجداد میں ایسے لوگ ضرور گزرے ہیں جو عذاب کے مستحق تھے اور جب وہ لوگ ہلاک کر دیے جاتے تو ان کی نسل آگے نہ چلتی اور اس سے لازم یہ آتا کہ دنیا میں کوئی آدمی بھی نہ ہوتا اور جب دنیا میں انسان نہ ہوتے تو پھر جانور بھی نہ ہوتے، کیونکہ جانوروں کو انسانوں کے فائدے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

(۲) جب لوگ کفر اور معصیت کرتے تو اللہ تعالیٰ سب انسانوں اور جانوروں کو ہلاک کر دیتا اور ظالموں کے حق میں یہ ہلاکت عذاب ہوتی اور غیر ظالموں کے حق میں یہ ہلاکت امتحان ہوتی اور ان کو اس پر آخرت میں اجر ملتا۔

(۳) احادیث سے یہ ثابت ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ لوگوں کو بالعموم ہلاک کر دے گا ان میں صالحین بھی ہوں گے اور فاسقین بھی، وہ احادیث حسب ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دیتا ہے تو جو لوگ بھی اس قوم میں ہوں ان سب کو عذاب پہنچتا ہے، پھر ان سب کا ان سب کے اعمال کے حساب سے حشر کیا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۹)

حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس قوم کے ہر فرد کو اس کے عمل کے اعتبار سے اٹھایا جائے گا اگر اس کے اعمال نیک ہوں تو اس کی عاقبت اچھی ہو گی اور اگر اس کے اعمال برے ہوں تو اس کی عاقبت خراب ہو گی، اور نیک لوگوں کے لیے یہ عذاب طہارت کا باعث ہو گا اور فاسقوں کے لیے عذاب بطور سزا ہو گا اور صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ظالموں کی وجہ سے اللہ اپنا عذاب نازل فرماتا ہے اور اس قوم میں نیک لوگ بھی ہوتے ہیں تو ان کی روحیں بھی قبض کر لی جاتی ہیں پھر ان کو ان کی نیات اور اعمال کے اعتبار سے اٹھایا جاتا ہے، اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جب کسی علاقہ میں برائی کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس علاقہ کے لوگوں پر اپنا عذاب نازل فرماتا ہے

آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ ان میں تو اللہ کے اطاعت گزار بندے بھی ہوتے ہوں گے آپ نے فرمایا ہاں پھر ان کو (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف اٹھایا جائے گا' علامہ ابن بطال نے کہا یہ حدیث حضرت زینب بنت جحش کی حدیث کی وضاحت کردیتی ہے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک کر دیئے جائیں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب گناہوں کی کثرت ہو جائے گی! پس جب برائیوں کا ظہور ہو گا اور سرعام گناہ ہونے لگیں گے تو تمام لوگوں کو ہلاک کر دیا جائے گا' میں کہتا ہوں کہ اس کے مناسب یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ کسی برائی کو دیکھیں اور اس کو مٹانے کی کوشش نہ کریں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا' یہ حدیث سنن ابوداؤد' سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں ہے اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث اور حضرت زینب بنت جحش کی حدیث ایک دوسرے کے مناسب ہے اور ان کا معنی یہ ہے کہ نیکوکار اور گنہگار دونوں ہلاک کیے جائیں گے' اور حضرت ابن عمر کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ نیکوکار کو جب قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اس کو اس کے نیک اعمال کی جزا ملے گی' اور اس کی مثل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تعجب ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ بیت اللہ (پر حملہ) کا قصد کریں گے' حتیٰ کہ جب وہ مقام بیداء پر پہنچیں گے تو ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا' ہم نے کہا یا رسول اللہ! اس راستہ میں سب لوگ جمع ہوں گے' آپ نے فرمایا ہاں ان میں قصداً جانے والے بھی ہوں گے' اور جبراً جانے والے بھی ہوں گے اور مسافر بھی ہوں گے' ان سب کو یکبارگی ہلاک کر دیا جائے گا اور قیامت کے دن وہ مختلف جگہوں سے اٹھائے جائیں گے' اللہ تعالیٰ ان کو ان کی نیات کے اعتبار سے اٹھائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۴)

نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حارث بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور یہ زمانہ وہ تھا جب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے یزید کی جنگ ہو رہی تھی' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص بیت اللہ کی پناہ میں ہو گا اس کی طرف ایک لشکر بھیجا جائے گا' پس جب وہ مقام بیداء پر ہوں گے تو ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا' حضرت ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ جس شخص کو وہاں جبراً بھیجا جائے گا اس کو کیوں زمین میں دھنسا دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا اس کو بھی زمین میں دھنسا دیا جائے گا لیکن قیامت کے دن اس کو اس کی نیت کے اعتبار سے اٹھایا جائے گا' (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۲) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر بندہ کو اس نیت پر اٹھایا جائے گا جس نیت پر وہ مرا تھا (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۳۰) اور الداؤدی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جن امتوں کو ان کے کفر پر عذاب دیا جائے گا' وہ عذاب ان پر' ان کے بازار والوں پر اور جو ان میں سے نہیں تھے ان سب پر آئے گا' پھر ان کے اعمال کے اعتبار سے ان کا حشر کیا جائے گا' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے تو پندرہ سال کے لیے ان کی عورتوں کو بانجھ کر دیتا ہے' تاکہ ان بچوں پر وہ عذاب نہ آئے جن سے قلم تکلیف اٹھالیا گیا ہے' (حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:) اس توجیہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس کو مسترد کرتی ہے' اور یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جہاز مردوں اور عورتوں اور بچوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے' اور وہ پورا جہاز غرق ہو جاتا ہے اور سب ہلاک ہو جاتے ہیں (آج کل ہوائی جہاز کے حادثات میں ایسا بہ کثرت ہوتا ہے) اسی طرح بعض بڑی حویلی جل جاتی ہے' اور کسی قافلہ پر ڈاکو حملہ کرتے ہیں اور تمام قافلے والوں کو مار دیتے ہیں' اسی طرح بعض

مسلمانوں کے شہروں پر کفار حملہ کرتے ہیں اور شہر والوں کا قتل عام کرتے ہیں اور قدیم زمانہ میں خوارج نے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا اور قرامطہ نے اور ان کے بعد چنگیز خان، اور ہلاکو اور تاتاریوں نے بکثرت مسلمانوں کو قتل کیا اور ان میں بہت لوگ بے قصور اور بے گناہ تھے اور بچے بھی تھے۔ خلاصہ یہ ہے اگر بہت لوگ مرنے میں مشترک ہوں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ثواب یا عذاب میں بھی مشترک ہوں اور ابن ابی جمرہ کا اس طرف میلان ہے کہ اگر ظالموں کے ساتھ غیر ظالم بھی ہلاک کیے جائیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر ظالموں نے نیکی کا حکم نہیں دیا تھا اور برائی سے منع نہیں کیا تھا، لیکن جن لوگوں نے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا وہ برحق مومن ہیں اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہیں بھیجتا بلکہ ان کی وجہ سے عذاب کے مستحق لوگوں سے بھی عذاب دور کر دیتا ہے، اور اس کی تائید میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ۔ (البقرہ: ۲۵۱)

اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے عذاب) کو بعض (نیک) لوگوں کے سبب سے دور نہ فرماتا تو ضرور زمین تباہ ہو جاتی۔

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ○ (القصص: ۵۹)

اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب ان میں رہنے والے ظالم ہوں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان کو عذاب دے حالانکہ آپ ان میں موجود ہیں، اور نہ اللہ انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

اگر غیر ظالم، نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے منع نہ کرے تو وہ بھی ظالموں کے حکم میں ہے اس پر دلیل یہ آیت ہے:

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۔ (النساء: ۱۴۰)

جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، حتیٰ کہ وہ دوسری کسی بات میں مشغول ہو جائیں، ورنہ بلاشبہ اس وقت تم بھی ان ہی کی مثل ہو جاؤ گے۔

اور اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافروں اور ظالموں کی مجلس سے اٹھ جانا چاہیے، کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنے میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، یہ اس وقت ہے کہ جب وہ ان کی مدد نہ کرے اور ان کے کاموں سے راضی نہ ہو اور اگر اس نے ان کی مدد کی اور ان کے کاموں سے راضی ہوا تو پھر اس کا شمار ان ہی لوگوں میں سے ہوگا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تیزی کے ساتھ دیار ثمود سے نکلنے کا حکم دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب غیر ظالم، ظالموں کے ساتھ ہلاک کیے جائیں تو ان کو ان کی نیتوں پر اٹھایا جائے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کا عادلانہ حکم ہے کیونکہ ان کے نیک کاموں کی جزا صرف آخرت میں دی جائے گی اور دنیا میں ان پر جو مصیبت آئی وہ ان کے سابقہ گناہوں کے لیے کفارہ ہو جائے گی، پس دنیا میں جو عذاب ظالموں پر بھیجا گیا اس میں ان کے ساتھ غیر ظالم بھی شریک ہوں گے جنہوں نے ان کے ظلم اور برے کاموں پر انکار نہیں کیا تھا اور یہ ان کی مداہنت کی سزا ہے، پھر قیامت کے دن ہر شخص کو اٹھایا جائے گا اور اس کو اس کے اعمال کی سزا ملے گی، اور اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید اور تہدید ہے جو ظلم اور برے کاموں کو دیکھ کر خاموش رہتے ہیں تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو مداہنت کرتے ہیں یعنی ظالموں کے ساتھ نرم رویہ رکھتے ہیں اور ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ظالموں سے راضی رہتے ہیں، اور ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ظلم پر معاونت کرتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے ان

امور سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔(حافظ عسقلانی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ ابن ابی جمرہ کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ گنہگاروں کے جرائم کی وجہ سے ان پر جو عذاب آئے گا وہ عذاب نیکوکاروں پر نہیں آئے گا علامہ قرطبی نے التذکرہ میں اسی طرف میلان کیا ہے اور ہم نے جو اس بحث میں لکھا ہے کہ ان پر بھی (بعض اوقات) عذاب آئے گا وہ ظاہر حدیث کے زیادہ مشابہ ہے اور قاضی ابن العربی کا بھی اسی طرف رجحان ہے، حضرت زینب بنت جحش کی حدیث: کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب خبث اور برائی بہ کثرت ہوگی، اس حدیث میں ہم اس مسئلہ پر مزید گفتگو کریں گے۔(فتح الباری ج ۱۳ ص ۶۱۔۶۰ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے آئے، آپ فرمارہے تھے لاالہ الا اللہ، عرب کو اس شر سے ہلاکت ہو جو قریب آپہنچا ہے، یاجوج اور ماجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا ہے، پھر آپ نے اپنی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر دکھایا، حضرت زینب بنت جحش کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے خواہ ہمارے درمیان نیک لوگ بھی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں جب خبث بہت زیادہ ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جس مزید گفتگو کا کہا تھا وہ یہ ہے:

علماء نے خبث کی تفسیر زنا، اولاد زنا اور فسق و فجور کے ساتھ کی ہے اور فسق و فجور مراد لینا اولیٰ ہے کیونکہ یہ صلاح اور نیکی کے مقابلہ میں ہے، قاضی ابن العربی نے کہا کہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ بدکار لوگوں کے ساتھ نیک لوگ بھی ہلاک ہو جائیں گے جب وہ فسق و فجور کو مٹانے کی کوشش نہیں کریں گے، اور اسی طرح نیک لوگ اس وقت بھی ہلاک ہو جائیں گے جب وہ فسق و فجور کو مٹانے کی کوشش کریں لیکن اس کا فائدہ نہ ہو اور بدکار لوگ اپنے فسق و فجور پر قائم رہیں اور ان کا فسق و فجور عام ہو جائے اور کثرت سے پھیل جائے اس وقت سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے خواہ قلیل ہوں یا کثیر، اور ہر شخص کا حشر اس کی نیت کے اعتبار سے ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کا عادلانہ اور حکیمانہ فیصلہ ہے۔(عارضۃ الاحوذی جز ۹ ص ۷، ۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ) حضرت زینب بنت جحش نے یہ سوال اس لیے کیا کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یاجوج ماجوج کی دیوار کا سوراخ اتنا بڑا ہو گیا کہ وہ اس سوراخ سے باہر آسکیں گے اور ان کو یہ علم تھا کہ جب یاجوج ماجوج باہر نکل آئیں گے تو وہ لوگوں کا قتل عام شروع کر دیں گے۔(فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۰۹ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ گنہگار لوگوں کو بالعموم ہلاک کر دے گا اور اس کی لپیٹ میں نیک لوگ بھی آجائیں گے اس سلسلہ میں ایک اور حدیث یہ ہے:

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا اگر اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے گناہ کی وجہ سے مخلوق پر گرفت فرماتا تو اس کا عذاب ساری مخلوق کو پہنچتا حتیٰ کہ بلوں اور سوراخوں میں کیڑوں مکوڑوں کو بھی عذاب پہنچتا اور آسمان سے بارش کو روک لیتا اور زمین سے کچھ پیدا نہ ہوتا، اور تمام جاندار مرجاتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے عفو، درگزر اور فضل و کرم سے کام لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے

اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ○ کرتوتوں کی وجہ سے پہنچتی ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف کردیتا ہے○ (الشوریٰ: ۳۰)

(۵) اس بحث میں ہمیں قرآن مجید کی اس آیت کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ○ اللہ جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے سوال نہیں کیا جائے گا اور ان سے سوال کیا جائے گا۔ (الانبیاء: ۲۳)

اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور تمام مخلوق اس کی مملوک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ اللہ کے لیے ان چیزوں کو تجویز کرتے ہیں جن کو وہ خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں' اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے' بے شک ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے اور وہ (اس میں) سب سے پہلے بھیجے جائیں گے○ (النحل: ۶۲)

''اور وہ اللہ کے لیے ان چیزوں کو تجویز کرتے ہیں جن کو وہ خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں۔'' اس سے مراد ان کے وہ فاسد اور رہے ہودہ اقوال ہیں کہ وہ اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

''اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے'' بھلائی کی تفسیر میں کئی قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بیٹے ہیں وہ کہتے تھے کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ہمارے بیٹے ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنے کفر' شرک اور فاسد اقوال کے باوجود یہ کہتے تھے کہ ہمارا دین برحق ہے اور اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے' تیسرا قول یہ ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم کو آخرت میں ثواب ہوگا اور جنت ملے گی' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار مکہ قیامت اور آخرت کے قائل نہیں تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین کی ایک جماعت آخرت اور حشر کی قائل تھی۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۴۶۰)

''مُفرَطون'' کا معنی

''بے شک ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے اور وہ اس میں سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔''

اس آیت میں مفرطون کا لفظ ہے اور یہ لفظ فرط سے بنا ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنے قصد اور ارادہ سے پہلے یا آگے پہنچے تو فرط کہتے ہیں اور فارط اس شخص کو کہتے ہیں جو کنویں کے ڈول کی اصلاح کے لیے کنویں پر پہلے پہنچ جائے! بچہ کی نماز جنازہ میں یہ دعا ہے:

اللهم اجعله لنا فرطا۔ اے اللہ اس کو ہمارا پیش رو بنادے۔

(سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۰-۹)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا فرطکم علی الحوض۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۹۷) میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۸۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

امام عبدالرحمان علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مفرطون ''ر'' کی زبر اور ''ر'' کی زیر دونوں سے پڑھا گیا ہے اور اکثر کی قرأت ''ر'' کی زبر ہے' اس صورت میں اس

کے معنی میں دو قول ہیں: حضرت ابن عباس اور فرا نے یہ کہا کہ انہیں دوزخ کی آگ میں ڈال کر بھلا دیا جائے گا، اور حضرت ابن عباس کا دوسرا قول ہے، کہ انہیں دوزخ میں جلدی ڈال دیا جائے گا، ابن قتیبہ نے بھی یہی کہا ہے، اور زجاج نے کہا لغت میں فرط کا معنی ہے متقدم، پس مفرطون کا معنی ہے وہ دوزخ میں سب سے پہلے بھیجے جائیں گے اور جنہوں نے مفرطون کی یہ تفسیر کی ہے کہ ان کو دوزخ میں چھوڑ دیا جائے گا ان کی بھی یہی مراد ہے یعنی ان کو سب سے پہلے دوزخ میں ڈالا جائے گا پھر ان کو دائمی عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔

ابو عمر، کسائی اور قتیبہ نے مفرطون کو "ر" کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے زجاج نے کہا اس کا معنی ہے انہوں نے اللہ کی معصیت میں افراط کیا یعنی بہت زیادہ معصیت کی، اور ابو جعفر اور ابن ابی عبلہ نے اس کو "ف" کی زبر اور "ر" کی تشدید اور زیر کے ساتھ پڑھا، زجاج نے کہا اس کا معنی ہے انہوں نے دنیا میں تفریط کی اور آخرت کے لیے عمل نہیں کیا اس کی تصدیق اس آیت میں ہے:

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ۔ (الزمر: ۵۶) کوئی شخص کہے ہائے افسوس ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے متعلق کیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کی قسم! ہم نے آپ سے پہلے (بھی) کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پس شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا سو آج وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے○ (النحل: ۶۳)

یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے قائم مقام ہے، کیونکہ کفار مکہ کے شرک اور کفر اور ان کی جاہلانہ باتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غم ہوتا تھا، اس آیت میں فرمایا ہے سو آج وہی ان کا دوست ہے، اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے یعنی کفار مکہ کو جو شیطان گمراہ کر رہا ہے اور ان کو آپ سے دور کر رہا ہے، جیسا کہ آپ سے پہلے پچھلی امتوں کے زمانہ میں شیطان ان امتوں کو گمراہ کرتا تھا اور ان امتوں کو ان کے رسولوں سے دور کرتا تھا، اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ یوم سے مراد یوم قیامت ہے یعنی قیامت کے دن شیطان کافروں کا دوست ہو گا، اور قیامت کے دن پر الیوم کا اطلاق اس لیے کیا ہے کہ اس پر یوم کا اطلاق بہت مشہور ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ قیامت کے دن کفار کا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہو گا، کیونکہ جب کفار قیامت کے دن عذاب کو دیکھیں گے پھر شیطان کو بھی اسی عذاب میں جلتا دیکھیں گے اور اس وقت ان کو یقین ہو جائے گا کہ ان کے لیے عذاب سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے. جس طرح شیطان کے لیے بھی عذاب سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے اس وقت بطور زجر و توبیخ اور بطور طنز اور استہزاء ان سے کہا جائے گا آج کے دن تمہارا یہی دوست اور کارساز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ اس چیز کو صاف بیان کر دیں جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں اور (یہ کتاب) مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے○ (النحل: ۶۴)

کفار کے مختلف نظریات کا بطلان

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے وعید شدید بیان کی تھی اور اس آیت میں ان پر ایک بار پھر حجت قائم کی ہے، اور ان کے شبہات کو زائل کیا ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت میں لوگ مختلف دینوں اور ملتوں کے پیروکار تھے، اور لوگوں نے اپنی خواہشوں سے مختلف دین گھڑ لیے تھے، یہودی حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے،

کفار مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، بعض مشرکین بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کو اللہ کی بارگاہ میں سفارشی کہتے تھے، بعض قیامت کا انکار کرتے تھے اور بعض مشرکوں نے خود ساختہ احکام بنا رکھے تھے وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہتے تھے، کیونکہ وہ مردار جانور کو حلال کہتے تھے اور جن حلال جانوروں کو وہ بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے ان کو حرام کہتے تھے، ان مختلف نظریات میں وہ ایک دوسرے سے بحث کرتے تھے اور جھگڑتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ اس چیز کو صاف بیان کردیں جن میں یہ جھگڑتے ہیں، سو آپ نے قرآن مجید کی روشنی میں ان کو صاف بتادیا کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی ہے، نہ اس کی بیوی ہے نہ اولاد ہے، بت پرستی کی مذمت کی اور قیامت کے وجود پر دلائل قائم کیے اور بتایا کہ جس جانور کو اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو وہ حرام ہے، اور بتوں کے نام پر چھوڑ دینے سے یا کان چیر دینے سے یا مسلسل مادہ کو جنم دینے سے یا مخصوص تعداد میں مادہ کو گابھن کرنے سے کوئی حلال جانور حرام نہیں ہوتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا (یہ کتاب) مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ درحقیقت یہ کتاب تمام انسانوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے لیکن انجام کار اس کی ہدایت اور رحمت سے صرف مومنین فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لیے فرمایا یہ کتاب مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ قرآن مجید کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ھدی للناس (البقرہ: ۱۸۵) یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے، اور پھر فرمایا: ھدی للمتقین (البقرہ: ۲) یہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے، یعنی فی نفسہ تو قرآن مجید تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے، لیکن چونکہ اس سے فائدہ صرف متقین حاصل کرتے ہیں اس لیے فرمایا یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس پانی سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو (غور سے) سنتے ہیں ○ (النحل: ۶۵)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت، توحید اور مردوں کو زندہ کرنے پر دلیل

اس قرآن کا اہم مقصود توحید، رسالت، مبدء اور معاد کو ثابت کرنا ہے، پھر تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کو بیان کرنا ہے، اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا رد فرمایا تھا اب اس کے بعد پھر اہم مقصود کا ذکر فرمایا اور وہ الوہیت اور توحید ہے، کیونکہ آسمان سے پانی برسانا اور زمین سے فصل اگانا یہ کس کا کارنامہ ہے، حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرعون اور نمرود کو خدا کہا گیا لیکن ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی بارش ہوتی تھی اور زمین سبزہ اگاتی تھی، بے جان مورتیوں اور دیوتاؤں کا بھی یہ کارنامہ نہیں ہوسکتا کیونکہ بت تو خود بے جان ہیں وہ بارش اور فصل اگانے میں موثر نہیں ہوسکتے اور دیوی دیوتا بھی حادث اور فانی ہیں ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی بارش ہوتی تھی اور فصلیں اگتی تھیں، اس لیے ان میں سے کوئی بھی بارش نازل کرنے اور زمینی پیداوار کا خالق نہیں ہے اور نہ ہی متعدد چیزیں اس کی خالق ہوسکتی ہیں ورنہ ان میں یہ نظم اور تسلسل نہ ہوتا اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی اور ہستی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آسمان سے بارش نازل کرنے اور زمین سے غلہ پیدا کرنے کا وہ خالق ہے صرف اللہ تعالیٰ نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ بارش نازل فرماتا ہے اور وہ زمین سے فصل اگاتا ہے تو پھر ہم کیوں نہ اس کی الوہیت اور توحید کی تصدیق کریں اور کیوں نہ اس پر ایمان لائیں!

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے، اس میں قیامت اور حشر پر دلیل ہے کہ جب وہ مردہ زمین کو زندہ کرسکتا ہے تو وہ مردہ انسان کو کیوں نہیں زندہ کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک مویشیوں میں بھی تمہارے لیے غور کا مقام ہے، ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے

ہیں جو ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان ہے، اور وہ خالص دودھ ہے جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے ○ (النحل : ۶۶)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بارش اور نباتات کے احوال سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں حیوانات کے عجیب و غریب احوال سے استدلال فرمایا ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مما فی بطونہ میں مذکر کی ضمیر ہے اور دودھ مذکر میں نہیں مونث میں ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ضمیر مذکور کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی جن مویشیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے بعض کی یہ صفت ہے کہ ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا مادہ جانور گھاس کھاتی ہے وہ گھاس اس کے معدہ میں مستقر رہتی ہے پھر وہاں وہ گھاس پکتی ہے پھر اس کا نچلا حصہ گوبر بن جاتا ہے اور اس کے درمیان میں دودھ ہوتا ہے اور اس کے اوپر خون: زتا ہے اور ان اقسام پر جگر مسلط رہتا ہے وہ خون کو متمیز کر کے رگوں میں جاری کرتا ہے اور دودھ کو تھنوں میں جاری کرتا ہے اور گوبر اسی طرح اوجھڑی میں باقی رہتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۱۱۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

گوبر اور خون کے درمیان دودھ پیدا کرنے کی صحیح کیفیت

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خون اور دودھ یقینی طور پر اوجھڑی میں نہیں پیدا ہوتے اور اس کی دلیل مشاہدہ ہے، کیونکہ ان حیوانات کو تواتر اور تسلسل کے ساتھ ذبح کیا جاتا ہے اور ذبح کے بعد جب اوجھڑی کو چیرا جاتا ہے تو کسی شخص نے بھی اس میں خون کا مشاہدہ کیا نہ دودھ کا، اگر خون اور دودھ اوجھڑی میں پیدا ہوتا تو ضروری تھا کہ کسی نہ کسی موقع پر وہ دکھائی دیتا، اور جس چیز کے فساد اور بطلان پر مشاہدہ دلالت کرتا ہے اس سے استدلال کرنا اور اس پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب کوئی جان دار غذا کھاتا ہے تو اگر وہ جان دار انسان ہو تو غذا اس کے معدہ میں پہنچ جاتی ہے اور اگر وہ جاندار مویشی ہوں تو پھر وہ غذا اس کی اوجھڑی میں پہنچ جاتی ہے اور مویشیوں میں سے جب مادہ غذا کھاتی ہے اور وہ غذا یا چارہ اس کی اوجھڑی میں پہنچتا ہے اور چارہ وہاں پک جاتا ہے تو ہضم اول حاصل ہوتا ہے، پس اس میں سے جو صاف جوہر ہوتا ہے اس کو جگر جذب کر لیتا ہے اور جو کثیف مادہ ہوتا ہے وہ انتڑیوں کی طرف اتر جاتا ہے، پھر جس صاف جوہر کو جگر جذب کرتا ہے وہ جگر میں پکتا ہے اور وہ خون بن جاتا ہے اور یہ ہضم ثانی ہے اور یہ خون صفراء اور سوداء سے مخلوط ہوتا ہے اور اس میں پانی کے اجزاء بھی ہوتے ہیں پھر صفراء پتہ کی طرف چلا جاتا ہے اور سوداء تلی کی طرف چلا جاتا ہے اور پانی گردوں کی طرف چلا جاتا ہے اور گردوں سے مثانہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور خون رگوں میں چلا جاتا ہے اور یہ وہ رگیں ہیں جو جگر میں پیدا کی گئی ہیں اور یہاں ہضم ثالث حاصل ہوتا ہے اور جگر اور تھنوں کے درمیان بھی بہت باریک باریک رگیں ہیں، جگر سے خون ان رگوں میں آتا ہے اور ان رگوں سے تھنوں میں آجاتا ہے اور تھنوں میں سفید رنگ کے نرم غدود ہیں اور جب وہ خون رگوں سے تھنوں میں پہنچتا ہے اور ان سفید غدود میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے خون کی صورت کو دودھ میں منتقل کر دیتا ہے اور تھنوں میں دودھ کے پیدا ہونے کی صحیح کیفیت یہی ہے۔

نر حیوانوں میں دودھ کیوں نہیں پیدا ہوتا؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مویشیوں میں جو نر ہیں ان کی اوجھڑیوں میں بھی غذا اور چارہ ان ہی مراحل سے گزرتا ہے

پھران میں دودھ کیوں نہیں پیدا ہوتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تدبیر اس طرح کی ہے جو اس کے لائق اور مناسب ہو اور جس میں اس کی مصلحت ہو ہر حیوان میں مذکر کا مزاج گرم خشک ہوتا ہے اور مونث کا مزاج سرد تر ہوتا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ مونث کے بدن کے اندر بچہ تیار ہوتا ہے اور خلقت کے مراحل طے کرتا ہے' اس لیے ضروری ہے کہ مونث کے بدن میں زیادہ رطوبات ہوں' اور اس کی دو وجہیں ہیں' پہلی وجہ یہ ہے کہ بچہ رطوبتوں سے پیدا ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ مونث کے بدن میں زیادہ رطوبات ہوں' تاکہ وہ رطوبتیں بچہ کے تولد کا مادہ بن جائیں دوسری وجہ یہ ہے کہ جب بچہ بتدریج بڑا ہوتا ہے تو ماں کے جسم میں پھیلنے اور بڑھنے کی صلاحیت ہو' تاکہ بچہ بہ تدریج بڑھتا رہے اور جب کہ ماں کے بدن میں رطوبتیں غالب ہوتی ہیں تو اس کا بدن پھیلنے اور بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہے' حتیٰ کہ بچہ بھی بڑھتا رہتا ہے۔ پس ہماری اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ ہر جان دار مونث کے جسم میں خصوصیت کے ساتھ رطوبات زیادہ ہوتی ہیں' پھر یہ رطوبتیں پیٹ (رحم) کے بچہ کے بدن بڑھنے اور زیادہ ہونے کا مادہ بن جاتی ہیں' جب وہ بچہ ماں کے رحم میں ہوتا ہے اور جب بچہ ماں کے رحم سے منفصل ہو کر پیدا ہو جاتا ہے تو وہ رطوبتیں رحم سے منتقل ہو کر ماں کے پستانوں اور تھنوں میں پہنچ جاتی ہیں تاکہ وہ اس نومولود بچہ کی غذا کا مادہ بن جائیں اور جب تم نے اس تفصیل کو جان لیا تو تم کو معلوم ہوگیا کہ کس سبب سے خون مادہ اور مونث میں دودھ کی شکل میں متشکل ہوتا ہے اور نر میں خون دودھ کی صورت نہیں اختیار کرتا پس دونوں کا فرق واضح ہوگیا۔

اوجھڑی میں دودھ پیدا نہ ہونے کے دلائل

جب تم نے دودھ پیدا ہونے کی اس تصویر کو جان لیا' تو مفسرین کہتے ہیں کہ یہ تین چیزیں ایک جگہ سے پیدا ہوتی ہیں گوبر اوجھڑی کے نچلے حصہ میں ہوتا ہے اور خون اوپر کے حصہ میں ہوتا ہے اور دودھ درمیانی حصہ میں ہوتا ہے اور ہم دلائل سے واضح کر چکے ہیں کہ یہ قول مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے' اس لیے کہ اگر خون معدہ کے اوپر کے حصہ میں ہوتو ضروری ہے کہ جب انسان یا حیوان کو قے آئے تو اس کو خون کی قے آئے اور یہ قطعاً باطل ہے' اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ خون کے بعض اجزاء سے دودھ پیدا ہوتا ہے اور خون ان لطیف اجزاء سے پیدا ہوتا ہے جو گوبر میں ہوتے ہیں اور یہ وہ کھائی ہوئی اشیاء ہیں جو اوجھڑی میں ہوتی ہیں' اور یہ دودھ ان اجزاء لطیفہ سے پیدا ہوتا ہے جو پہلے گوبر میں تھے' پھر وہ اجزاء لطیفہ دوسری بار خون میں آئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان اجزاء کثیفہ اور غلیظہ سے خون کو مصفیٰ کر لیا اور اس میں وہ صفات پیدا کردیں کہ وہ ایسا دودھ بن گیا جو بچہ کے بدن کے موافق تھا' خلاصہ یہ ہے کہ گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جانور جو غذا کھاتے ہیں اس سے ایک طرف تو خون بنتا ہے اور دوسری طرف گوبر بنتا ہے مگر ان ہی جانوروں کی مادہ صنف میں اسی غذا سے ایک تیسری چیز بھی پیدا ہو جاتی ہے جو خاصیت' رنگ' بو اور مقاصد میں ان دونوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے' پھر خصوصاً مویشیوں میں اس چیز کی پیداوار اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ وہ ان کے اپنے بچوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے علاوہ انسانوں کے لیے بھی اس چیز کو کثیر مقدار میں فراہم کرتے رہتے ہیں۔

دودھ کی خلقت میں اسرار اور دقائق

مادہ کے تھنوں اور پستانوں میں جو دودھ پیدا ہوتا ہے وہ ایسی خصوصیات سے متصف ہوتا ہے کہ جن کی وجہ سے وہ دودھ بچہ کی غذا کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے موافق ہوتا ہے اور اس دودھ کی خلقت ایسی عجیب و غریب حکمتوں اور

ایسے دقیق اسرار پر مشتمل ہے جس سے عقل سلیم یہ شہادت دیتی ہے کہ دودھ کی یہ خلقت کسی عظیم مدبر اور زبردست قادر وقیوم کی تدبیر اور اس کے فعل کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی' ان اسرار اور حکمتوں میں سے ہم چند کا یہاں ذکر کر رہے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے معدہ اور اوجھڑی کے نچلے حصہ میں ایک منفذ اور سوراخ پیدا کیا ہے جس سے غذا کا تلچھٹ اور فضلہ دوسری طرف بڑی آنت میں نکل جاتا ہے اور جب انسان کوئی چیز کھاتا ہے یا پیتا ہے تو وہ منفذ کلی طور پر بند ہو جاتا ہے کہ اس کھائی ہوئی اور پی ہوئی چیز میں سے کوئی ذرہ یا کوئی قطرہ اس منفذ سے نہیں نکلتا حتیٰ کہ معدہ میں ہضم کے مراحل مکمل ہو جائیں اس وقت اس غذا کے صاف جوہر کو جگر جذب کر لیتا ہے اور تلچھٹ وہاں باقی رہ جاتا ہے' پھر اس منفذ کا منہ کھلتا ہے اور وہ تلچھٹ معدہ سے نکل کر بڑی آنت میں چلا جاتا ہے' اور یہ عجیب و غریب کارروائی فاعل حکیم کی تدبیر کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے جگر میں ایسی قوت رکھی ہے جو کھائی ہوئی اور پی ہوئی چیزوں میں جو اجزاء لطیف ہوتے ہیں ان کو جذب کر لیتا ہے اور اجزاء کثیفہ کو جذب نہیں کرتا اور انتڑیوں میں ایسی قوت رکھی ہے جو کھائی پانی ہوئی چیز میں جو اجزاء کثیفہ ہوتے ہیں ان کو وہ جذب کر لیتی ہے اور اجزاء لطیفہ کو جذب نہیں کرتی اور اگر معاملہ اس کے الٹ اور برعکس ہو تا تو انسان کے بدن کی مصلحت اور اس کے بدن کا نظام فاسد ہو جاتا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے جگر میں غذا کے لطیف اجزاء کو پکانے اور ان کو ہضم کرنے کی قوت رکھی ہے' حتیٰ کہ یہ اجزاء لطیفہ غذا میں پک کر اور ہضم کے بعد خون بن جاتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے پتہ میں قوت رکھی ہے کہ وہ صفراء کو جذب کر لیتا ہے اور تلی میں یہ قوت رکھی ہے کہ وہ سوداء کو جذب کر لیتی ہے اور گردہ میں یہ قوت رکھی ہے کہ وہ ان اجزاء میں سے زائد پانی کو جذب کر لیتا ہے' پھر صاف خون باقی رہ جاتا ہے' جو بدن کی غذا کے لیے کافی ہے۔

(۴) جس وقت ماں کے رحم میں بچہ ہوتا ہے تو خون کی وافر مقدار ماں کے رحم میں پہنچتی ہے تاکہ وہ خون بچہ کی نشوونما کے لیے مادہ بن جائے اور بچہ ماں کے رحم سے منتقل ہو جاتا ہے یعنی پیدا ہو جاتا ہے' تو خون جو پہلے رحم میں پہنچتا تھا اب وہ خون مادہ کے تھنوں اور پستانوں میں پہنچنے لگتا ہے تاکہ وہ خون دودھ کی صورت اختیار کرلے تاکہ وہ دودھ بچہ کی غذا بن جائے اور جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے اور اس کا دودھ چھوٹ جاتا ہے تو اب خون ماں کے رحم میں جاتا ہے نہ ماں کے پستانوں اور تھنوں میں بلکہ غذا کھانے والی کے بدن میں پہنچتا رہتا ہے پس خون کا کبھی رحم میں پہنچنا' کبھی پستانوں میں پہنچنا اور کبھی کسی جگہ نہ پہنچنا اور صرف ماں کے بدن میں رہنا اور جس وقت جس جگہ خون کی ضرورت ہو وہاں خون کا پہنچنا اور مصلحت اور حکمت کے مطابق اپنا رول ادا کرنا کیا کسی حکمت اور قدرت والے فاعل مختار کی تدبیر کے بغیر ہو سکتا ہے!

(۵) جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تھنوں اور پستانوں کے سروں میں باریک باریک سوراخ اور تنگ مسام پیدا کر دیتا ہے اور جب کہ وہ مسام نہایت تنگ اور باریک ہوتے ہیں تو ان سے وہی چیز نکل سکتی ہے جو نہایت صاف اور بہت لطیف ہو اور رہے اجزاء کثیفہ تو ان کا ان تنگ اور باریک منافذ سے نکلنا ممکن نہیں ہے لہٰذا وہ چیز تھنوں کے اندر ہی رہے گی اس طرح تھنوں سے وہ دودھ نکلے گا جو خالص بچہ کے مزاج کے موافق ہو گا اور پینے والوں کے لیے خوشگوار ہو گا۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے بچہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جب بھی ماں اپنے پستان کا سر بچہ کے منہ میں داخل کرتی ہے وہ اس کو چوسنے لگتا ہے' اسی طرح جانور کا بچہ خود اچھل کر اپنی ماں کے تھنوں کے پاس پہنچتا ہے اور ان تھنوں کو چوسنے لگتا ہے' پس اگر وہ قادر و قیوم بچوں کے دلوں میں یہ عمل مخصوص نہ ڈالتا تو پستانوں اور تھنوں میں دودھ پیدا کرنے کا کوئی فائدہ حاصل نہ

ہوتا۔

(۷) ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خون کے مصفّیٰ جوہر سے دودھ پیدا کیا اور حیوان جو غذا کھاتا ہے اس کے لطیف اجزاء سے خون پیدا کیا، پس بکری جو گھاس کھاتی ہے اور پانی پیتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس گھاس اور پانی کے لطیف اجزاء سے خون پیدا کیا، پھر اس خون کے بعض اجزاء سے دودھ کو پیدا کیا پھر دودھ میں تین متضاد کیفیات اور تاثیرات پیدا فرمائیں، دودھ میں چکنائی ہے وہ گرم تر ہے، اور اس میں جو پانی کا عنصر ہے وہ سرد تر ہے اور اس میں جو پنیر کا عنصر ہے وہ گرم خشک ہے، اور جس گھاس کو بکری نے کھایا تھا اس میں یہ مختلف اور متضاد تاثیرات نہیں تھیں، اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ اجسام ایک رنگ سے دوسرے رنگ کی طرف اور ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف اور ایک تاثیر سے دوسری تاثیر کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں بکری نے جو گھاس کھائی تھی اس کی صورت، اس کا رنگ اور اس کی صفت اور اس کی تاثیر اور تھی پھر اس سے خون، دودھ اور فضلہ بنا ان کی صورت ان کا رنگ ان کی صفت اور ان کی تاثیر اور ہے اور آپس میں مختلف اور الگ الگ ہے، ان احوال سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ مختلف صورتیں اور متضاد تاثیرات اس قادر و قیوم اور حکیم مطلق کے پیدا کرنے سے حاصل ہوئی ہیں، جو اپنے بندوں کی مصلحتوں کے موافق چیزوں کی تدبیر فرماتا ہے پس سبحان ہے وہ ذات جو ہر عالم کے ہر ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہے اور اپنی تمام مخلوق کی ضرورتوں اور ان کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے اور ان کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے موافق عالم کے ذرہ ذرہ میں تدبیر اور تصرف فرماتا ہے۔

دودھ کی خلقت میں حشر و نشر کے امکان کی دلیل

محققین نے کہا کہ جس طرح دودھ کے پیدا کرنے کے نظام میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کا پتا چلتا ہے اسی طرح اس میں غور و فکر کرنے سے حشر و نشر کا امکان بھی معلوم ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ گھاس جس کو حیوان کھاتے ہیں یہ زمین اور پانی سے پیدا ہوتی ہے پس اس قادر و قیوم اور حکیم مطلق نے اس زمین کی مٹی کو سبزہ اور گھاس بنا دیا پھر جب اس گھاس کو حیوان کھا لیتے ہیں تو اس نے ایک اور تدبیر سے اس گھاس کو خون بنا دیا پھر ایک اور تدبیر سے اس خون کو دودھ بنا دیا، پھر اس دودھ میں چکنائی کا عنصر پیدا کیا اس سے معلوم ہوا کہ وہ قادر و قیوم اور حکیم مطلق اس پر قادر ہے کہ وہ اجسام کو ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل کرتا رہے اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرتا رہے اور جب وہ اس پر قادر ہے تو اس پر بھی قادر ہے کہ وہ مردہ بدنوں کے اجزاء میں حیات منتقل کر دے اور ان میں عقل اور شعور کو پیدا کر دے جس طرح موت سے پہلے ان اجزاء میں حیات اور عقل و شعور کو پیدا فرمایا تھا اور ان چیزوں پر غور و فکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کو قائم کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا ایک ممکن امر ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت قائم کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کا جو وقت مقرر ہے اس وقت میں اللہ تعالیٰ قیامت کو قائم کرے گا اور مردوں کو زندہ کرے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۳۳-۲۳۲ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

لذیذ طعام اور مشروب کھانے پینے کا جواز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو پینے کے لیے خوشگوار ہے۔ سائغا کے معنی ہیں وہ مشروب جو آسانی سے گلے سے اتر جائے نیز اس کا معنی ہے لذیذ اور خوشگوار طعام۔

نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ میٹھے اور لذیذ کھانوں کا کھانا پسندیدہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس پیالے سے ہر قسم کا

مشروب پلایا ہے، شہد، نبیذ، پانی اور دودھ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۸)

کھجوروں، یا انگوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے تو اس پانی کو نبیذ کہتے ہیں پھر اس کو ہلکا سا جوش دیا جائے تو یہ نبیذ حلال ہے، اور اگر اس کو جوش نہ دیا جائے اور وہ مشروب پڑے پڑے جھاگ چھوڑ دے تو پھر نشہ آور ہو جاتا ہے اور یہ نبیذ حرام ہے۔ (رد المحتار ج ۱۰ ص ۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

دودھ کے متعلق احادیث

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ جارہے تھے تو ہم ایک چرواہے کے پاس سے گزرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاس لگی میں نے آپ کے لیے کچھ دودھ دوہا پھر میں وہ دودھ آپ کے پاس لے کر آیا آپ نے وہ دودھ پیا حتیٰ کہ میں راضی ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سدرہ کی طرف بلندی پر لے جایا گیا، وہاں چار دریا تھے، دو دریا ظاہر تھے اور دو دریا باطن تھے، جو دریا ظاہر تھے وہ نیل اور فرات ہیں، اور جو دریا باطن تھے وہ جنت میں ہیں، پھر میرے پاس تین پیالے لائے گئے، ایک پیالہ میں دودھ تھا، دوسرے پیالہ میں شہد تھا، اور تیسرے پیالہ میں شراب تھی، میں نے وہ پیالہ لے لیا جس میں دودھ تھا، میں نے اس کو پی لیا، مجھ سے کہا گیا آپ نے اور آپ کی امت نے فطرت کو پالیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۷۰۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے اس سے دودھ پیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ میں اس قدر سیر ہو گیا کہ اس کی سیری میرے ناخنوں سے نکلنے لگی، پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر بن الخطاب کو دیا، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ آپ نے اس کی کیا تعبیر لی، آپ نے فرمایا: علم۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت خالد بن الولید تھے لوگ دو بھنی ہوئی گوہ دو لکڑیوں پر رکھ کر لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوکا، حضرت خالد نے کہا میرا خیال ہے کہ آپ کو ان سے گھن آرہی ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ لایا گیا تو آپ نے اس کو پی لیا، آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو یہ دعا کرے: اے اللہ! اس میں ہمیں برکت دے اور دودھ عطا فرما، کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں میں دودھ کا بدل کوئی چیز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۳۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۵)

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے جو بیماری رکھی ہے اس کے لیے شفاء بھی رکھی ہے تم گائے کے دودھ کو لازم رکھو۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۰۳۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں بھوک کی شدت سے اپنے جگر کو زمین سے ٹکائے ہوئے تھا، اور میں نے بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا تھا، میں اس راستہ پر بیٹھ گیا جس راستے سے صحابہ گزرتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت پوچھی میں نے صرف اس لیے پوچھا تھا کہ وہ مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں، وہ چلے گئے اور انہوں نے کھانا نہیں کھلایا، پھر

میرے پاس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے میں نے ان سے بھی کتاب اللہ کی ایک آیت پوچھی، میں نے ان سے صرف اس لیے سوال کیا تھا کہ وہ مجھے سیر ہو کر کھانا کھلا دیں، وہ بھی چلے گئے اور انہوں نے کھانا نہیں کھلایا، پھر میرے پاس سے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے، آپ نے جب مجھے دیکھا تو مسکرائے اور آپ نے جان لیا کہ میرے دل میں کیا ہے اور میرے چہرے میں کیا ہے، پھر آپ نے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میرے ساتھ چلو، اور آپ چل پڑے، میں آپ کے پیچھے چلا گیا، آپ گئے اور اجازت طلب کی، تو میرے لیے اجازت دی گئی، آپ داخل ہوئے تو آپ نے ایک پیالے میں دودھ دیکھا، آپ نے پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا؟ گھر والوں نے کہا فلاں مرد یا فلاں عورت نے آپ کے لیے ہدیہ بھیجا ہے آپ نے فرمایا ابا ہر! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اہل صفہ کے پاس جاؤ اور ان کو بلا کر لاؤ، حضرت ابو ہریرہ نے کہا اور اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے، ان کے بیوی بچے تھے نہ ان کے پاس سامان وغیرہ تھا، اور جب بھی آپ کے پاس صدقہ آتا تو آپ ان کے پاس بھیج دیتے تھے اور اس میں سے خود نہیں کھاتے تھے، اور جب آپ کے پاس ہدیہ آتا تو آپ اس میں سے خود بھی لیتے تھے، اور ان کو بھی کھلاتے تھے، مجھے آپ کی اس بات سے بہت رنج ہوا اور میں نے دل میں کہا اہل صفہ کے مقابلہ میں اس ایک پیالہ کی کیا حیثیت ہے! اس پیالہ کے دودھ پینے کا میں حقدار تھا، تاکہ اس سے قوت حاصل کرتا جب وہ لوگ آجائیں گے تو آپ مجھے حکم دیں گے کہ میں ان کو وہ دودھ پلاؤں، پھر کیا توقع ہے کہ اس دودھ میں سے میرے لیے بھی کچھ بچے گا! لیکن اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، پھر میں اہل الصفہ کے پاس گیا اور ان کو بلایا، وہ آگئے اور انہوں نے اجازت طلب کی، آپ نے ان کو اجازت دے دی، اور وہ گھر میں اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: یا ابا ہر! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ان سب کو دودھ کا پیالہ دو، حضرت ابو ہریرہ نے کہا: میں نے دودھ کا پیالہ لیا اور ان میں سے ایک شخص کو دیا وہ اس پیالے سے دودھ پیتا رہا حتیٰ کہ سیر ہو گیا، پھر میں ایک ایک کر کے سب کو اس پیالے سے دودھ پلاتا رہا حتیٰ کہ آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، اور اس وقت تمام اصحاب الصفہ سیر ہو چکے تھے، آپ نے پیالہ لیا اور اس کو اپنے ہاتھ پر رکھا، پھر میری طرف دیکھ کر مسکرائے پھر فرمایا: یا ابا ہر! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اب میں اور تم باقی بچ گئے ہیں، میں نے کہا آپ نے سچ فرمایا: یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: چلو بیٹھ کر پیو، میں نے بیٹھ کر پیا، آپ نے فرمایا (اور) پیو میں نے پیا، آپ مسلسل فرماتے رہے پیو، حتیٰ کہ میں نے کہا نہیں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں اب اس کے لیے راستہ نہیں پاتا، آپ نے فرمایا: مجھے پیالہ دکھاؤ، میں نے آپ کو پیالہ دیا، آپ نے اللہ کی حمد کی بسم اللہ پڑھی، اور باقی دودھ پی لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷۷، مسند احمد ج ۲ ص ۵۱۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۳۵، المستدرک ج ۳ ص ۱۵۔۱۴، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۹۔۳۳۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۱۰۲۔۱۰۱، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۲۱)

دودھ کا کیمیائی تجزیہ

دودھ انسان کے لیے بہترین غذا ہے اس میں گوشت، خون اور ہڈی پیدا کرنے کے تمام اجزاء توازن کے ساتھ موجود ہیں، سو گرام گائے کے دودھ میں ۶۵ حرارے، ۳ء۴ گرام پروٹین، ۸ء۳ گرام چکنائی، ۱۲۰ ملی گرام کیلشیم، ۰۵ء۰ ملی گرام فولاد، ۰۴ء۰ ملی گرام وٹامن بی، ۲۰ء۰ ملی گرام وٹامن سی ۵ء۱ ملی گرام، وٹامن اے ۳۵ ملی گرام، فولک ایسڈ ۵ مائیکرو گرام۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم تمہیں کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے پلاتے ہیں، تم ان سے میٹھے مشروبات

تیار کرتے ہو' اور عمدہ رزق' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانی ہےO (النحل: ۶۷)

سکر کے لغوی معنی کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے "تم ان سے سکر اور رزق حسن تیار کرتے ہو" اب ہم سکر کا معنی بیان کر رہے ہیں' امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں سکر کا معنی صحو (ہوش میں آنا' نشہ اترنا) کی ضد ہے (کتاب العین ج ۳ ص ۱۹۷۲) اور علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

سکر وہ حالت ہے جو انسان کی عقل پر طاری ہو جاتی ہے' اس کا اکثر استعمال مشروبات میں ہوتا ہے' غضب اور عشق کی وجہ سے جو حالت طاری ہوتی ہے اس کو بھی سکر کہتے ہیں' سکرات الموت بھی اسی سے ماخوذ ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۔ (ق: ۱۹)　　اور موت کی بے ہوشی حق کے ساتھ آ پہنچی۔

اور سکر ان مشروبات کو بھی کہتے ہیں جن میں سکر (نشہ) ہوتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۔ (النحل: ۶۷)　　تم ان سے نشہ آور مشروبات اور عمدہ رزق بناتے ہو۔

اور سکر کا معنی ہے پانی کو روک لینا' یہ وہ حالت ہے جو انسان کی عقل کے ماؤف ہونے سے پیدا ہوتی ہے' کسی چیز کے بند کر دینے کو بھی سکر کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا ۔ (الحجر: ۱۵)　　ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۱۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

سکر اس شراب کو کہتے ہیں جو انگوروں سے نچوڑی جاتی ہے' یہ معنی اس وقت ہے جب کاف پر زبر ہو اگر کاف پر جزم ہو اور سین پر پیش ہو تو اس کا معنی ہے نشہ کی کیفیت' پس نشہ کی وجہ سے شراب کو حرام قرار دیا جاتا ہے نہ کہ نفس نشہ آور مشروب کی وجہ سے پس وہ نشہ آور مشروب کی اس قلیل مقدار کو جائز کہتے ہیں جس سے نشہ نہ ہو' حدیث میں ہے:

حرمت الخمر بعینها والسکر من کل شراب۔　　خمر (انگور کی شراب) کو بعینہا حرام کیا گیا ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو۔

(کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۴ ص ۳۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اور مشہور پہلا معنی ہے یعنی انگور کی شراب اور ایک قول یہ ہے کہ سکر (سین اور کاف پر زبر) کا معنی ہے: طعام' ازہری نے کہا اہل لغت نے اس کا انکار کیا ہے کہ اہل عرب اس کو نہیں پہچانتے۔

(النہایہ ج ۲ ص ۳۴۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں۔

سکر صحو کی ضد ہے یعنی نشہ میں ہونا' قرآن مجید میں ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ۔ (النساء: ۴۳)　　نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم سمجھنے لگو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

سکرۃ الموت' موت کی شدت کو کہتے ہیں اور سکر' خمر (انگور کی شراب) کو بھی کہتے ہیں' اور سکر اس شراب کو بھی کہتے

ہیں جو کھجوروں اور گھاس وغیرہ سے بنائی جاتی ہے' امام ابو حنیفہ نے کہا سکر اس مشروب کو کہتے ہیں جو پانی میں کھجوروں اور گھاس وغیرہ کو ڈال کر بنایا جاتا ہے۔ (نیز) مفسرین نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں سکر کا لفظ آیا ہے اس سے مراد سرکہ ہے لیکن یہ ایسا معنی ہے جس کو اہل لغت نہیں پہچانتے' فراء نے کہا ہے کہ تتخذون منہ سکرا ورزقا حسنا۔ میں جو سکر کا لفظ ہے اس سے مراد خمر ہے' اور رزق حسن سے مراد کشمش اور چھوارے ہیں اور یہ آیت حرمت خمر سے پہلے نازل ہوئی تھی' الازہری نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سکر سے مراد ہے جن پھلوں کے مشروب کو حرام قرار دیا گیا ہے اور رزق حسن سے مراد ہے جن پھلوں کے مشروب کو حلال قرار دیا گیا ہے' ابن الاعرابی نے کہا سکر کا معنی نبیذ ہے حدیث میں ہے کہ خمر کو بعینہا حرام کیا گیا ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو۔

(لسان العرب ج ۴ ص ۳۷۴-۳۷۲ ملخصاً مطبوعہ ایران' ۱۴۰۵ھ)

سکر کی تفسیر میں مفسرین کی تصریحات

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

سکر کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حسن' سعید بن جبیر' مجاہد' ابراہیم ابن ابی لیلی' الزجاج' ابن قتیبہ اور عمرو بن سفیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سکر وہ ہے جس کے پھلوں کا مشروب حرام ہے' ان مفسرین نے کہا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب خمر (انگور کی شراب) کا پینا مباح تھا' پھر فاجتنبوہ "ان سے اجتناب کرو" (المائدہ: ۹۰) نازل ہوئی تو یہ آیت منسوخ ہو گئی' سعید بن جبیر' مجاہد' شعبی اور نخعی نے اس آیت کے منسوخ ہونے کا قول کیا ہے۔

اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ سکر سے مراد خمر (انگور کی شراب) ہے اور یہ سورت (النحل) مکی ہے اس وقت شراب کا پینا مباح تھا اور بعد میں مدینہ منورہ میں جب سورۃ المائدہ: ۹۰ نازل ہوئی تو خمر کو حرام کر دیا گیا۔

(۲) حبشہ کی لغت میں سکر کا معنی ہے سرکہ' یہ عوفی کی حضرت ابن عباس سے روایت ہے اور ضحاک نے کہا کہ یمن کی لغت میں سکر کا معنی سرکہ ہے۔

(۳) ابو عبیدہ نے کہا سکر کا معنی ہے ذائقہ' ان آخری دو قولوں کی بناء پر یہ آیت محکمہ ہے منسوخ نہیں ہے اور رزق حسن سے مراد ہے ان میں سے جو چیزیں حلال ہیں' جیسے کھجور' انگور' کشمش اور سرکہ وغیرہ۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۶۵-۴۶۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

جب کہ علماء متقدمین نے سکر کا اطلاق خمر پر بھی کیا ہے اور نبیذ پر بھی اور ان میں سے حرام مشروب پر بھی تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ سکر کا اطلاق ان سب پر کیا جاتا ہے' اور ان کا یہ کہنا کہ خمر کی تحریم سے یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے اس کا تقاضا کرتا ہے کہ نبیذ حرام نہیں ہے' پس آیت کے ظاہر سے نبیذ کا حلال ہونا واجب ہے' کیونکہ اس کا نسخ ثابت نہیں ہے' قتادہ نے کہا ہے کہ سکر عجمیوں کی خمر ہے' اور رزق حسن سے مراد ہے جس چیز کو وہ نبیذ اور سرکہ بناتے ہیں' جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت خمر حرام نہیں ہوئی تھی' خمر اس وقت حرام ہوئی جب المائدہ: ۹۰ نازل ہوئی' امام ابو یوسف نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان کو یہ

حکم دیا کہ وہ لوگوں کو سکر پینے سے منع کریں' امام ابو بکر نے کہا کہ سکر ہمارے نزدیک حرام ہے اور وہ نقیع التمر ہے (نقیع التمر سے مراد ہے کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور اس پانی میں جھاگ پیدا ہو جائیں)

(احکام القرآن ج ۳ ص ۱۸۵' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

نقیع الزبیب کی تعریف یہ ہے: انگور کے کچے شیرہ کو پانی میں ڈال دیا جائے' حتیٰ کہ اس کی مٹھاس پانی میں منتقل ہو جائے خواہ اس میں جھاگ پیدا ہوں یا نہ ہوں۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۳۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ الحصکفی الحنفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے نقیع الزبیب کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ انگور کا کچا شیرہ ہے بہ شرطیکہ جوش دینے کے بعد اس میں جھاگ پیدا ہو جائیں' علامہ شامی نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ نقیع التمر والزبیب کہا جائے یعنی کشمش یا چھواروں کو پانی میں ڈال دیا جائے جب ان کو جوش دیا جائے اور یہ گاڑھے ہو جائیں اور ان میں جھاگ پیدا ہو جائیں پھر یہ حرام ہیں ورنہ نہیں۔ (رد المحتار ج ۱۰ ص ۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس آیت کی تفسیر میں مکمل بصیرت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خمر' سکر اور نبیذ کی تعریفات سمجھ لی جائیں۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خمر کی تعریف اور اس کا حکم

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک' ہر نشہ آور مشروب خمر ہے اور ہر نشہ آور مشروب کا وہی حکم ہے جو خمر کا حکم ہے' یعنی وہ حرام ہے۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

ہر نشہ آور مشروب حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو' اور وہ خمر ہے' اور انگور کے شیرہ کی تحریم کا جو حکم ہے وہی اس کا حکم ہے' اور اس کے پینے پر حد لگانا واجب ہے (اور وہ اسی کوڑے ہیں) حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمر' حضرت ابو ہریرہ' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابی بن کعب' حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے' فقہاء تابعین اور تبع تابعین میں سے عطاء' طاؤس' مجاہد' قاسم' قتادہ' عمر بن عبدالعزیز' امام مالک' امام شافعی' ابو ثور' ابو عبید' اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ آور (مشروب) خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۰)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس (مشروب) کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار (بھی) حرام ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۱)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ہر نشہ آور حرام ہے اور فرمایا جو مشروب فرق (بارہ کلو) کی مقدار میں نشہ آور ہو اس سے ایک چلو پینا بھی حرام ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۷' سنن الترمذی رقم الحدیث ۱۸۶۶) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خمر کی تحریم نازل ہوئی اور یہ انگور' چھوہارے' شہد' گندم' اور جو سے بنتی ہے اور خمر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۸۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۷۴' السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۷۸۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۵۷۸) نیز اس لیے کہ نشہ آور مشروب انگور کے شیرہ کے مشابہ ہے اور امام احمد نے کہا نشہ آور مشروب پینے کی رخصت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۱۳۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جو شخص نشہ آور مشروب کو پیئے خواہ قلیل یا کثیر اس پر حد واجب ہوگی' کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ انگور کا کچا شیرہ پینے پر حد واجب ہوتی ہے اور ہمارے امام (احمد) کا یہ مذہب ہے کہ انگور کا شیرہ اور ہر نشہ آور مشروب کا حکم برابر ہے۔ حسن' عمر بن عبد العزیز' قتادہ' اوزاعی' امام مالک' اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ کسی مشروب کے پینے سے اس وقت حد واجب ہوگی جب پینے والے کو نشہ آجائے' ابووائل' ابراہیم نخعی' اکثر اہل کوفہ اور اصحاب رائے کا یہی مذہب ہے' جس نے تحریم کے اعتقاد کے ساتھ کسی مشروب کو پیا اس پر حد لگائی جائے گی اور جس نے تاویل کے ساتھ کسی مشروب کو پیا اس پر حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ خمر کی تعریف میں اختلاف ہے' پس یہ اس نکاح کے مشابہ ہے جو بغیر ولی کے کیا گیا ہو۔ (المغنی ج ۹ ص ۱۳۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر کی تعریف اور اس کا حکم

علامہ علاء الدین بن ابی بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

انگور کے کچے شیرہ میں جب جوش پیدا ہو جائے اور گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ آجائیں تو وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خمر ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جب انگور کے کچے شیرے میں جوش آجائے اور وہ گاڑھا ہو جائے تو وہ خمر ہے خواہ اس میں جھاگ پیدا ہوں یا نہ ہوں۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۰۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

انگور کے شیرہ کو جب پکایا جائے حتیٰ کہ دو تہائی سے کم اڑ جائے اور صحیح یہ ہے کہ دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی رہ جائے تو اس کو طلاء کہتے ہیں اور تازہ کھجوروں کو کچے پانی میں ڈالا جائے اور وہ پانی گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائیں تو اس کو سکر کہتے ہیں' اور کچے پانی میں منقی یا کشمش ڈال دی جائے اور اس میں جوش آجائے اور جھاگ پیدا ہو جائیں تو اس کو نقیع الزبیب کہتے ہیں یہ تینوں مشروب بھی حرام ہیں بہ شرطیکہ یہ تینوں گاڑھے ہوں اور ان میں جوش آجائے ورنہ یہ بالاتفاق حرام نہیں ہیں' اور ان تینوں مشروبات کی حرمت خمر کی حرمت سے کم ہے اور جو ان کو حلال کہے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا' کیونکہ ان کی حرمت اجتہاد سے ثابت ہے۔ (خمر کا ایک قطرہ پینے سے بھی حد واجب ہے اور ان مشروبات کے پینے سے اس وقت حد لگے گی جب نشہ ہو جائے)

ان میں سے چار مشروبات حلال ہیں نبیذ التمر' اور نبیذ الزبیب یعنی کھجوروں یا کشمش کو پانی میں ڈال کر ہلکا سا جوش دے لیا جائے جب کہ یہ نشہ آور نہ ہوں' اگر اس کو ظن غالب ہو کہ یہ نشہ آور ہیں تو پھر ان کا پینا حرام ہے' کیونکہ ہر نشہ آور مشروب حرام ہے۔ دوسرا مشروب خلیطان ہے' یعنی چھواروں اور کشمش دونوں کو پانی میں ڈال کر جوش دے لیا جائے' اور تیسرا مشروب ہے شہد' گندم' جو اور جوار وغیرہ کا نبیذ ان میں پانی ملا کر رکھا جائے خواہ جوش دیں یا نہ دیں' اور چوتھا مشروب ہے المثلث یعنی انگور کے شیرہ کو پکایا جائے حتیٰ کہ اس کا دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ اور اہل بدر مثلاً حضرت عمر' حضرت علی' حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہم ان مشروبات کو حلال قرار دیتے تھے' اسی طرح شعبی اور ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ امام اعظم نے اپنے بعض تلامذہ سے کہا کہ اھل السنۃ والجماعۃ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ نبیذ کو حرام نہ کہا جائے۔

معراج میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کہا اگر مجھے تمام دنیا بھی دی جائے تو میں نبیذ کے حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دوں گا کیونکہ اس سے بعض صحابہ کو فاسق قرار دینا لازم آئے گا اور اگر مجھے تمام دنیا بھی دی جائے تو میں نبیذ نہیں پیوں گا کیونکہ

مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے' اور یہ امام اعظم کا انتہائی تقویٰ ہے۔

(ردالمحتارج ۱۰ ص ۳۳-۳۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس حدیث کا جواب جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک خمر کے علاوہ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار پینا جائز ہے اور امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی قلیل مقدار بھی پینا جائز نہیں ہے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی کثیر مقدار نشہ دے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۶۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۹۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۸۵)

علامہ کاسانی متوفی ۵۸۷ھ اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں:

یحییٰ بن معین نے اس حدیث کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ (حافظ زیلعی متوفی ۷۶۲ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابو عثمان مجہول ہے' امام دار قطنی نے اس حدیث کی کئی اسانید ذکر کی ہیں اور وہ سب ضعیف ہیں۔ نصب الرایہ ج ۵ ص ۹۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جو اس قسم کے مشروبات کو بطور لہو و لعب پئیں (اور جو بدن میں طاقت حاصل کرنے کے لیے ان کو پئیں وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں' در مختار و ردالمحتار ج ۱۰ ص ۳۴' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کا وہ آخری گھونٹ ہے جس سے نشہ پیدا ہوا' اور اس کی قلیل مقدار جو غیر نشہ آور ہے وہ حرام نہیں ہے اور یہ حدیث اس آخری گھونٹ پر محمول ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۴۷۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

خمر کا لعینہ حرام ہونا اور باقی مشروبات کا بہ قدر نشہ حرام ہونا

امام ابو حنیفہ جو یہ فرماتے ہیں کہ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار حرام نہیں ہے' ان کے اس قول پر حسب ذیل احادیث سے استدلال کیا گیا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے' پھر آپ نے مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی' پھر آپ نے فرمایا کوئی پینے کی چیز ہے؟ تو آپ کے پاس نبیذ کا ایک پیالہ لایا گیا آپ نے اس کو چکھا' پھر ماتھے پر شکن ڈالی' اور اس کو واپس کر دیا' پھر آل حاطب میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! یہ اہل مکہ کا مشروب ہے' پھر آپ نے اس کو لوٹایا اور اس پر پانی ڈالا' حتیٰ کہ اس میں جھاگ آ گئے' پھر آپ نے اس کو پیا اور فرمایا خمر تو بعینہا حرام ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) حرام ہے۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۹۲۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام نسائی نے بھی اس حدیث کو مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۵۱۹۳' ۵۱۹۴' ۵۱۹۵' ۵۱۹۶' ۶۷۸۰۶۷۷۸)

امام طبرانی نے بھی اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۶۳۳' ۱۲۳۸۹۹۰۸۴۱۹۰۸۴۰۰۹۰۸۳۹۹۰۸۳۷)

ان احادیث کی سندیں ہر چند کہ ضعیف ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہیں اور لائق استدلال ہیں۔

امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ کے پاس ایک پیالہ لایا گیا جس میں مشروب تھا؟ آپ نے اس کو اپنے منہ کے قریب کیا پھر اس کو واپس کر دیا، مجلس کے بعض شرکاء نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا اس کو واپس لاؤ، وہ اس کو واپس لائے، آپ نے پانی منگا کر اس میں پانی ڈالا پھر اس کو پی لیا، پھر آپ نے فرمایا ان مشروبات میں غور کیا کرو، اگر یہ مشروب جوش مار رہا ہو تو اس کی تیزی کو پانی کے ساتھ توڑ دو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۲۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

ہمام بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کشمش کا نبیذ لایا گیا آپ نے اس کو پیا اور ماتھے پر بل ڈالا اور پانی منگایا اس میں پانی ڈالا پھر اس کو پی لیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۱۹۷)

ابن عون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ثقیف کے لوگ آئے، ان کے کھانے کا وقت ہو گیا تو حضرت عمر نے کہا گوشت سے پہلے ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے) کھاؤ یہ خلل کی جگہوں کو بھر لیتا ہے، اور جب تمہارے نبیذ میں تیزی ہو تو اس کو پانی سے توڑ و۔ اور دیہاتیوں کو نہ پلاؤ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۱۹۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر تمہارے نبیذ میں تیزی ہو تو اس کی تیزی کو پانی سے توڑ لو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۱۹۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جس شخص کو اپنی نبیذ کے متعلق شک ہو تو وہ اس میں پانی ڈال لے، اس کا حرام عنصر چلا جائے گا اور حلال باقی رہ جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۲۰۱)

نافع بن عبد الحارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان مشکوں میں سے اس نبیذ کو پیو کیونکہ یہ کمر کو قائم رکھتا ہے اور کھانے کو ہضم کرتا ہے اور جب تک تمہارے پاس پانی ہے یہ تم پر غالب نہیں آسکے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۲۰۳)

امام علی بن عمر دار قطنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے اور وہ اس کو کھانا کھلائے تو وہ کوئی سوال کیے بغیر اس کا کھانا کھائے اور اگر وہ اس کو مشروب پلائے تو وہ اس مشروب کو پیئے اور اگر اس میں کوئی شبہ ہو تو وہ اس مشروب میں پانی ملا لے۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۶۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برتن میں نبیذ لایا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لیا پھر ماتھے پر بل ڈال کر اس کو واپس کر دیا، ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ حرام ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لیا اور زمزم کے ڈول سے اس میں پانی ڈالا اور فرمایا جب تمہارا مشروب جوش مار رہا ہو تو اس کی تیزی کو پانی سے توڑ لو۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۵۶۱)

مالک بن قعقاع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے گاڑھے نبیذ کے متعلق سوال کیا تو انہوں

نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ کو ایک شخص سے نبیذ کی بو آئی آپ نے پوچھا یہ کیسی بو ہے؟ اس نے کہا یہ نبیذ کی بو ہے، آپ نے فرمایا جاؤ اس میں سے لے کر آؤ، وہ لے کر آیا، آپ نے سرجھکا کر اس کو سونگھا پھر واپس کر دیا وہ شخص کچھ دور جا کر واپس آیا اور پوچھا: آیا یہ حرام ہے یا حلال ہے؟ آپ نے سرجھکا کر دیکھا تو اس کو گاڑھا پایا آپ نے اس میں پانی ڈالا اور پی لیا اور فرمایا جب تمہارے برتنوں میں مشروب جوش مارنے لگے تو اس کے گاڑھے پن کو پانی سے توڑو۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۶۴۸، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ان احادیث کی اسانید بھی ضعیف ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہیں اور ان سے استدلال کرنا صحیح ہے، ان بکثرت احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ نبیذ پینا جائز ہے، اور جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار پینا جائز ہے بہ شرطیکہ وہ مشروب غیر خمر ہو، اور اسی طرح جو مشروب غیر خمر ہو اور اس کے تیز اور گاڑھے ہونے کی وجہ سے نشہ کا خطرہ ہو تو اس میں پانی ملا کر اور اس کی تیزی کو توڑ کر اس کو پینا جائز ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایلو پیتھک دواؤں میں جو قلیل مقدار میں الکوحل ملی ہوئی ہوتی ہے اور اس میں دیگر دواؤں کی آمیزش ہوتی ہے اور اس کا چمچہ یا دو چمچے پیے جاتے ہیں وہ دوائیں شراب نہیں ہیں اور ان کا پینا جائز ہے اسی طرح پرفیوم بھی قلیل مقدار میں اسپرے کیا جاتا ہے اس کا اسپرے کرنا بھی جائز ہے اور وہ نجس نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ وہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور اونچے چھپروں میں گھر بنائے○ پھر تو ہر قسم کے پھلوں سے رس چوس، پھر اپنے رب کے بنائے ہوئے آسان راستوں پر چلتی رہ، ان کے پیٹوں سے رنگ برنگ کے مشروب نکلتے ہیں، اس مشروب (شہد) میں لوگوں کے لیے شفاء ہے، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے ضرور نشانی ہے○ (النحل: ۶۹-۶۸)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اس نے انسان کے لیے مویشیوں میں سے دودھ نکالا، پھر اس نے یہ بتایا کہ اس نے کھجوروں اور انگوروں سے سکر اور رزق حسن مہیا کیا اور حیوانات اور نباتات میں اپنی خلقت کے عجائب اور غرائب سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا، اور ان آیات میں شہد کی مکھی کے شہد نکالنے سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا۔ یہ حیوانات سے بھی استدلال ہے اور نباتات سے بھی، کیونکہ شہد کی مکھی پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی ہے۔

شہد کی مکھی کی طرف وحی کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ہم نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔ علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ وحی کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدیث میں وحی کا بکثرت ذکر ہے، لکھنے، اشارہ کرنے، کسی کو بھیجنے، الہام اور کلام خفی پر وحی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(النہایہ ج ۳ ص ۱۶۳، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۴ھ)

اصطلاح شرع میں وحی کا معنی یہ ہے:

اللہ کے نبیوں میں سے کسی پر جو کلام نازل کیا جاتا ہے وہ وحی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

وحی کا اطلاق الہام پر بھی کیا جاتا ہے، علامہ تفتازانی الہام کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دل میں بطریق فیضان خیر کسی معنی کو ڈالنا۔ (شرح عقائد نسفی مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

کسی چیز کو کسی کے دل میں القاء کرنے اور ڈالنے کو بھی وحی کہا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے لیے وحی کے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا۔ (الشوریٰ: ۵۱) اور کسی بشر کے یہ لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے۔

اور اولیاء اللہ پر الہام کے لیے جو وحی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ۔ (المائدہ: ۱۱۱) اور جب میں نے حواریین کی طرف الہام کیا۔

اور عام انسانوں کے دل میں کسی نیک بات کے ڈالنے کی مثال یہ آیت ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ۔ (القصص: ۷) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم اس کو دودھ پلاؤ۔

اور حیوانات کے دلوں میں کسی بات کے ڈالنے کے لیے وحی کے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا۔ (النحل: ۶۸) اور ہم نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ پہاڑوں میں گھر بنائے۔

یہاں شہد کی مکھی کا ذکر ایک مثال کے طور پر ہے ورنہ ہر جانور کا نوزائیدہ بچہ جو اپنی ماں کے تھنوں کو چوستا ہے اس کو کوئی خارجی چیز آکر یہ نہیں سکھاتی اللہ ہی اس کے دل میں یہ ڈالتا ہے اسی طرح جانور جو باقی فطری عمل کرتے ہیں وہ اللہ ہی ان کے دلوں میں ڈالتا ہے اور ان کو سکھاتا ہے اسی طرح انسانوں کو کسی اچھے کام کا طریقہ اور حسن عمل کی تدبیر سوجھتی ہے تو یہ بھی اللہ ہی ان کے دلوں میں ڈالتا ہے۔

شہد کی مکھی کی دو قسمیں

اور ہم نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ پہاڑوں اور درختوں میں اور اونچے چھپروں میں گھر بنائے۔

شہد کی مکھیوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جو پہاڑوں اور جنگلوں میں گھر بناتی ہے اور لوگ اس کی دیکھ بھال اور حفاظت نہیں کرتے اور دوسری قسم وہ ہے جس کی لوگ دیکھ بھال اور حفاظت کرتے ہیں اور یہ وہ ہے جو چھپروں میں گھر بناتی ہے۔ من الجبال ومن الشجر سے پہلی قسم مراد ہے اور ومما یعرشون سے دوسری قسم مراد ہے۔

اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ بعض پہاڑوں اور بعض درختوں میں گھر بنائے اسی طرح یہ مراد ہے کہ بعض چھپروں میں گھر بنائے۔

اللہ تعالیٰ نے جو شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ وہ پہاڑوں اور جنگلوں اور چھپروں میں گھر بنائے اس کی تفسیر میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آیا حیوانوں میں عقل ہوتی ہے اور ان کی طرف احکام متوجہ ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ انہیں کسی چیز کا حکم دیتا ہے اور کسی چیز سے منع فرماتا ہے جیسا کہ اس آیت میں اس کو حکم دیا ہے کہ وہ گھر بنائے۔ یا ان میں عقل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طبائع اور فطرتوں میں یہ چیز رکھ دی ہے کہ وہ اس قسم کے افعال کرتے ہیں مثلاً چڑیا ایک ایک تنکا اکٹھا کر کے اپنا گھونسلا بناتی ہے جنگلوں میں بعض پرندے دو تین منزلہ گھونسلہ بناتے ہیں جب کہ عام آدمی اپنے ہاتھوں سے تنکے اٹھا کر ایسا دو منزلہ گھونسلا بنانا چاہے تو اس کے لیے مشکل ہوگا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے طبیعت میں یہ ودیعت کر دیا ہے کہ وہ ایسا عجیب و غریب گھر بنا لیتی ہے۔

شہد کی مکھی کے عجیب و غریب افعال

اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے نفس اور اس کی طبیعت میں ایسی چیز رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ ایسا عجیب و غریب گھر بناتی ہے کہ عقل والے ایسا گھر بنانے سے عاجز ہیں اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) شہد کی مکھی جو گھر بناتی ہے وہ مسدس ہوتا ہے اور اس کے تمام اضلاع مساوی ہوتے ہیں اور عقل والے انسان بھی بغیر پرکار اور اسکیل کے ایسا مسدس نہیں بنا سکتے۔

(۲) علم ہندسہ میں یہ ثابت ہے کہ اگر مسدس کے علاوہ اور کسی شکل کے گھر بنائے جائیں تو ان گھروں کے درمیان ضرور کچھ نہ کچھ خالی جگہ رہ جائے گی لیکن جب مسدس شکل پر گھر بنائے جائیں گے تو ان کے درمیان کوئی خالی جگہ نہیں بچے گی، پس اس انتہائی خورد حیوان کا اس حکمت کے مطابق گھر بنانا بہت عجیب و غریب امر ہے۔

(۳) شہد کی مکھیوں میں ایک مکھی ملکہ ہوتی ہے اور اس کا جسم دوسری مکھیوں سے بڑا ہوتا ہے، اور باقی مکھیوں پر اس کی حکومت ہوتی ہے اور تمام مکھیاں اس کی اطاعت کرتی ہیں اور جب وہ سب مل کر اڑتی ہیں تو سب اس کو اپنے اوپر اٹھالیتی ہیں۔

(۴) جب شہد کی مکھیاں اپنے چھتے سے روانہ ہوتی ہیں تو موسیقی سے مشابہ آوازیں نکالتی ہوئی روانہ ہوتی ہیں اور ان ہی آوازوں کے واسطے سے دوبارہ اپنے چھتے کی طرف لوٹ آتی ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ کی قدرت سے درخت کے پتوں پر شبنم پڑتی ہے اور پتوں اور کلیوں پر شبنم کے باریک باریک ذرات ہوتے ہیں اور شہد کی مکھی درخت کے پتوں سے ان باریک ذرات کو کھالیتی ہے اور جب وہ سیر ہو جاتی ہے تو دوبارہ ان ذرات کو چن کر کھالیتی ہے اور اپنے گھر (چھتے) میں جاکر ان ذرات کو اگل دیتی ہے تاکہ آئندہ کے لیے اپنی غذا کا ذخیرہ رکھے۔

(۶) یہ بھی کہا گیا ہے کہ شہد کی مکھی پتوں، کلیوں، پھلوں اور پھولوں سے رس چوس لیتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کے پیٹ میں جمع کیے ہوئے رس کو شہد بنا دیتا ہے، شہد کی مکھی اپنی غذا کو ذخیرہ کرنے کے لیے اس شہد کو اگل دیتی ہے اور یہی وہ شہد ہے جس کو ہم کھاتے ہیں، امام رازی نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور زیادہ صحیح اور زیادہ قرین قیاس دوسرا قول ہے۔

حشرات الارض کو مارنے کا شرعی حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد، لٹورا (سبز رنگ کا پرندہ جو چھوٹے پرندوں کا شکار کرتا ہے)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۲۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۰۶۷، دار الفکر)

بعض اوقات گھروں میں چیونٹیاں، مچھر، مکھیاں، کھٹمل وغیرہ بہت زیادہ ہو جاتے ہیں جن سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہے، چیونٹیاں بستروں پر چڑھ جاتی ہیں اور انسان کی آنکھوں اور بدن کے دوسرے حصوں پر کاٹ لیتی ہیں، جس سے انسان شدید تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے، آیا ان کو فلٹ وغیرہ اسپرے کر کے مارنا جائز ہے یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ خود سے ضرر کو دور کرنے کے لیے ان کو مارنا جائز ہے اور بلاوجہ کسی کو مارنا جائز نہیں ہے اور اس کی اصل وہ احادیث ہیں جن میں آپ نے کاٹنے والے کتے، چوہے، سانپ اور بچھو کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔

علاج کرنے اور دوا استعمال کرنے کے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس (شہد) میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں بیماریوں کا علاج کرنے اور دوا پینے کے جواز کی دلیل ہے۔ بعض صوفی علاج کرنے اور دوا پینے سے منع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلمان اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں بنتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی تمام بیماریوں اور تمام بلاؤں پر راضی نہ ہو' وہ کہتے ہیں کہ دوا اور علاج کرنا جائز نہیں ہے' لیکن ان کا یہ قول مردود ہے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں شہد کو لوگوں کے لیے شفاء فرمایا ہے اور اس کا شفاء ہونا تب ہی ثابت ہوگا جب کسی بیماری میں اس کو استعمال کیا جائے۔ نیز ان لوگوں کو چاہیے کہ پھر دعا بھی نہ کیا کریں' حالانکہ قرآن مجید اور احادیث میں دعا کرنے کی ترغیب ہے' اور علاج کرنے کے متعلق بھی بہت احادیث ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بیماری کی دوا ہے پس جب دوا صحیح ہو تو (مریض) اللہ عزوجل کے حکم سے شفاء پا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۵۵۶)

عمر بن قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے خود پہنے ہوئے شخص کی عیادت کی' پھر فرمایا میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک تم پچھنے نہ لگوالو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس میں شفاء ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۸۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۶۸۳)

عاصم بن عمرو بن قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہمارے گھر آئے اور ہمارے گھر میں ایک آدمی کو زخم سے تکلیف تھی' حضرت جابر نے پوچھا تم کو کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا مجھ کو ایک زخم سے بہت تکلیف ہے' حضرت جابر نے کہا ایک فصد لگانے والے لڑکے کو بلاؤ' اس شخص نے کہا اے ابو عبداللہ! آپ فصد لگانے والے کو کیوں بلا رہے ہیں؟ حضرت جابر نے فرمایا میں اس زخم پر فصد لگوانا چاہتا ہوں! اس نے کہا پھر میرے زخم پر مکھیاں بیٹھیں گی یا میرے زخم پر کپڑا لگے گا جس سے مجھے تکلیف ہوگی' جب حضرت جابر نے یہ دیکھا کہ یہ شخص فصد لگوانے سے گھبرا رہا ہے تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی دوا میں خیر ہے تو فصد لگوانے میں ہے یا شہد کے ایک گھونٹ میں ہے یا لوہے کی آگ سے گرم کرکے داغ لگوانے میں ہے' آپ نے فرمایا میں داغ لگوانے کو پسند نہیں کرتا' پھر ایک فصد لگانے والا آیا اور اس کی فصد لگائی اس سے اس کی تکلیف ختم ہوگئی۔

(صحیح مسلم' باب السلام: ۷۱' الرقم المسلسل: ۲۲۰۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فصد لگوانے کی اجازت طلب کی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ کو فصد لگانے کا حکم دیا' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضرت ابو طیبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی تھے یا نابالغ لڑکے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۱۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۸۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک طبیب بھیجا انہوں نے ان کی ایک رگ کاٹ کر داغ دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۴' سنن ابن ماجہ ۳۴۹۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو کی ایک رگ میں تیر لگا تو نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے تیر کے پھل کے ساتھ اس کو داغا ان کا ہاتھ سوج گیا تو آپ نے اس کو دوبارہ داغا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخار جہنم کے جوش سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۹)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ان کے پاس بخار میں مبتلا کوئی عورت لائی جاتی تو وہ پانی منگوا کر اس کے گریبان میں ڈالتیں اور بیان کرتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرو اور فرمایا ہے یہ جہنم کے جوش سے ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۱۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۰۹)

حضرت عکاشہ بن محصن کی بہن ام قیس بنت محصن بیان کرتی ہیں میں اپنے دودھ پیتے بچے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے آپ پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگا کر اس پر بہا دیا، پھر میں اپنے ایک اور بچے کو لے کر آپ کی خدمت میں گئی، جس کا میں نے گلا دبایا تھا (تالو کی بیماری کی وجہ سے) آپ نے فرمایا تم اپنے بچے کا حلق کیوں دباتے ہو؟ تم اس عود ھندی کو لازم رکھو، اس میں سات چیزوں سے شفاء ہے، ان میں سے نمونیہ بھی ہے، تالو کی بیماری میں ناک سے دوا ڈالی جائے اور نمونیہ میں منہ سے دوا ڈالی جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۱۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری کی شفاء ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۱۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے بھائی کو دست لگ گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو شہد پلاؤ، اس نے اس کو شہد پلایا، پھر آ کر کہا میں نے اس کو شہد پلایا تھا اس کے دست بڑھ گئے، آپ نے تین بار اس سے یہی فرمایا، جب وہ چوتھی بار آیا تو آپ نے فرمایا اس کو شہد پلاؤ، اس نے کہا میں نے اس کو شہد پلایا تھا مگر اس کے دست اور بڑھ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا قول سچا ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، اس نے پھر اپنے بھائی کو شہد پلایا اور اس کے بھائی کو شفاء ہو گئی۔

علاج کرنے کا استحباب

ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علاج کرنا مستحب ہے، جمہور فقہاء متقدمین اور متاخرین کا یہی نظریہ ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ان احادیث میں ان غالی صوفیوں کا رد ہے جو دوا لینے اور علاج کرنے کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کی تقدیر سے ہے، اس لیے دوا لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جمہور علماء کی دلیل یہ احادیث ہیں ان کا اعتقاد یہ ہے کہ فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے اور دوا اور علاج بھی اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور کفار سے لڑنے کا حکم دیا ہے اور اپنی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے، حالانکہ موت اپنے وقت مقررہ سے مؤخر نہیں ہو سکتی اور تقدیر کے معین وقت سے پہلے کوئی چیز نہیں مل سکتی، سو جس طرح دعا کرنا، کفار سے قتال کرنا اور اپنی حفاظت کرنا تقدیر کے خلاف نہیں ہے، اسی طرح دوا لینا اور علاج کرنا

بھی تقدیر کے خلاف نہیں ہے۔

ذیابیطس کے مریض کے لیے شہد کا شفاء نہ ہونا

علامہ مازری نے کہا کہ امام مسلم نے طب اور علاج کے متعلق بہ کثرت احادیث ذکر کی ہیں، بعض ملحدین ان احادیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ شہد سے اسہال ہوتا ہے، پھر اسہال میں شہد کیسے مفید ہو سکتا ہے؟ نیز اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ بخار والے شخص کے لیے ٹھنڈا پانی استعمال کرنا نقصان دہ ہے، اسی طرح نمونیہ میں قسط ہندی کا استعمال کرنا بھی حرج کا باعث ہے اور مضر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مزاج اور ہر علاقہ کے لوگوں کے لیے یہ دوائیں تجویز نہیں کیں اور مرض کی ہر کیفیت میں یہ دوائیں تجویز نہیں کیں، بعض مزاج کے لوگوں اور خصوصاً اہل عرب کے لیے ان دواؤں کو تجویز فرمایا ہے، آج کل جدید میڈیکل سائنس کے ماہرین بھی اس پر متفق ہیں کہ جب بخار بہت تیز ہو جائے تو مریض پر برف کا مساج کرنا چاہیے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بخار کے لیے ٹھنڈے پانی سے غسل کو تجویز فرمانا ہر بخار کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ علاج صفراوی بخار کے لیے ہے، علی ھذا القیاس آپ نے دوسری بیماریوں کے لیے جو علاج تجویز فرمائے ہیں وہ بھی مرض کی خاص کیفیت، مریض کی عمر، مزاج اور عرب کی مخصوص آب و ہوا کے اعتبار سے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلونجی کے متعلق فرمایا ہے اس میں موت کے سوا ہر بیماری کی شفاء ہے، اس کا شفاء بخش ہونا بھی ٹھنڈے مزاج کے لوگوں کے لیے ہے، کلونجی بند ریاح کو کھولتی ہے، پیٹ کے کیڑوں کو مارتی ہے، زکام میں نافع ہے، حیض کو جاری کرتی ہے، خارش میں مفید ہے، بلغمی اورام کو شفاء دیتی ہے، پیشاب کو کنٹرول کرتی ہے، موٹاپا دور کرتی ہے اور میرا تجربہ ہے کہ کلونجی خون میں شکر کو کم کرتی ہے۔

قرآن مجید میں شہد کو شفاء فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شہد کو شفاء فرمایا ہے لیکن اس کا شفاء ہونا بھی ہر شخص کے اعتبار سے نہیں ہے ذیابیطس کے مریض کو شہد استعمال نہیں کرنا چاہیے اس مرض میں شہد نقصان دہ ہے۔

صوفیاء کے نزدیک علاج کرنا رخصت ہے اور علاج کو ترک کرنا عزیمت ہے

اصل میں شریعت نے جس کام کو کرنے کا حکم دیا ہے اس کو کرنا عزیمت ہے اور کسی عذر کی بناء پر اس میں جو تخفیف کی جائے اس پر عمل کرنا رخصت ہے مثلاً وطن میں ظہر کی چار رکعت نماز پڑھنا عزیمت ہے اور سفر میں دو رکعت نماز پڑھنا رخصت ہے۔

مشہور صوفی محمد بن علی الشہیر بابی طالب مکی متوفی ۳۸۶ھ لکھتے ہیں:

دوا استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کرنے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے علاج کرنے کی حکمت کی خبر دی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بیماری کی دوا ہے، جس نے اس دوا کو جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہیں جانا اس نے نہیں جانا، ماسوا موت کے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ کے بندو، دوا کیا کرو، آپ سے دوا اور دم کرنے کے متعلق سوال کیا گیا آیا یہ تقدیر کو ٹال دیتی ہے تو آپ نے فرمایا یہ بھی تقدیر سے ہیں، اور حدیث مشہور ہے میں جب بھی فرشتوں کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا اپنی امت کو فصد لگوانے کا حکم دیجئے، اور ایک حدیث میں ہے آپ نے فرمایا کہ سترہ یا انیس یا اکیس دن بعد فصد لگواؤ، اور حضرت عمر نے دھوپ سے گرم پانی کے متعلق فرمایا کہ یہ برص پیدا کرتا ہے۔

دوا کرنا رخصت ہے اور دوا نہ کرنا عزیمت ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح بندہ کے عزیمت پر عمل سے محبت کرتا ہے اسی طرح اس کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنے سے بھی محبت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ اور تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

(الحج: ۷۸)

اور بعض اوقات دوا کرنے میں دو وجہ سے فضیلت ہے' ایک اس لیے کہ دوا کرنے والا اتباع سنت کی نیت کرے اور دوسرے اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنے کی نیت کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے جو آسان احکام لے کر آئے ہیں ان پر عمل کرے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زیادہ صحابہ کو دوا اور پرہیز کا حکم دیا' بعض لوگوں کو فصد لگوائی اور بعض لوگوں کو گرم لوہے سے داغ لگوایا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں تکلیف تھی تو ان سے فرمایا تم تازہ کھجوریں نہ کھاؤ (یہ حدیث صہیب کے متعلق ہے' ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے) اور بہت احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھو کے ڈنک کی دوا لگائی' روایت ہے کہ وحی نازل ہونے سے پہلے آپ کے سر میں درد ہو جاتا' تو آپ سر پر مہندی لگاتے' اور حدیث میں ہے کہ جب آپ کے چھالا ہو جاتا تو آپ اس پر مہندی لگاتے حالانکہ آپ سب سے زیادہ توکل کرنے والے تھے اور سب سے زیادہ قوی تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے علاج کیا تھا کہ امت کے لیے علاج کرنا سنت ہو جائے' تو ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ ہم آپ کی سنت سے اعراض نہیں کرتے اور آپ کے خلاف عمل کرنے کو زہد قرار نہیں دیتے' جب کہ آپ نے ہماری خاطر علاج کیا تاکہ آپ کا یہ فعل بے مقصد نہ ہو' اور آپ کی سنت سے اعراض کو توکل کا نام دینا شرع میں طعن کا موجب ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری سیرت اس لیے تھی کہ اس کی اتباع کی جائے' اور اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت گرمی کے سفر میں روزہ رکھا' اور سر پر پانی ڈالا اور درخت کا سایہ طلب کیا' تاکہ روزہ دار کے لیے سر پر پانی ڈالنے کی رخصت سنت ہو جائے' آپ سے کہا گیا کہ کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہے اور ان پر روزہ سخت دشوار ہو رہا ہے' آپ نے ایک پیالہ میں پانی منگایا اور پی لیا' پھر لوگوں نے بھی روزہ افطار کر لیا' اور آپ نے اپنا حال لوگوں کی وجہ سے ترک کر دیا' پھر آپ کو بتایا گیا کہ بعض لوگوں نے روزہ افطار نہیں کیا' آپ نے فرمایا وہ نافرمان ہیں!

اور علاج کرنے کی فضیلت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ یہ پسند کرتے تھے کہ آپ بیماری سے جلد تندرست ہو جائیں تاکہ اپنے مولیٰ کے احکام کی اطاعت کے لیے جلد حاضر ہو جائیں اور اس کی عبادت میں جلد مشغول ہو جائیں یعنی بیماری کی وجہ سے جن عبادات کو ترک کرنے کی رخصت ہے اس رخصت کو ترک کر کے جلد عزیمت کی طرف لوٹ آئیں۔

ہمارے بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے' ان کے پاس بنو اسرائیل آئے' انہوں نے ان کے مرض کو پہچان لیا اور حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ فلاں چیز سے علاج کر لیں تو آپ تندرست ہو جائیں گے' حضرت موسیٰ نے فرمایا میں کوئی دوا نہیں کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے بغیر کسی دوا کے شفاء دے' پھر مرض نے طول کھینچا' انہوں نے پھر کہا اس مرض کی فلاں دوا مشہور اور مجرب ہے' اگر آپ وہ دوا پی لیں گے تو تندرست ہو جائیں گے' حضرت موسیٰ نے کہا میں دوا نہیں کروں گا' ان کی بیماری اسی طرح جاری رہی' پھر اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی فرمائی: مجھے اپنی عزت کی قسم! میں تمہیں اس وقت تک صحت نہیں دوں گا جب تک تم اس دوا سے علاج نہیں کرو گے جو انہوں نے

تمہیں بتائی ہے، تب حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل سے فرمایا، تم نے مجھ سے جس دوا کا ذکر کیا تھا وہ دوا مجھے لا کر دو، انہوں نے وہ دوا لا کر دی، حضرت موسیٰ نے اس دوا سے علاج کیا اور وہ تندرست ہو گئے، پھر حضرت موسیٰ نے اپنے دل میں توجہ کی تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی تم نے مجھ پر اپنے توکل کی وجہ سے میری اس حکمت کو باطل کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ میں نے جڑی بوٹیوں میں چیزوں کی منفعت رکھی ہے، بعض روایات میں ہے کہ ایک نبی نے اللہ سے اس بیماری کی شکایت کی جس میں وہ مبتلا تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ انڈے کھاؤ، اور ایک اور روایت میں ہے کہ ایک نبی نے اللہ تعالیٰ سے ضعف کی شکایت کی تو ان سے فرمایا کہ وہ گوشت کو دودھ کے ساتھ کھائیں، کیونکہ ان دونوں چیزوں میں طاقت ہے اور وہب بن منبہ نے ذکر کیا ہے کہ ایک بادشاہ کسی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور وہ بہت نیک سیرت بادشاہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے شعیاء نبی علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ وہ زیتون کا عرق پئے اور ہم نے ایک اس سے بھی عجیب چیز روایت کی ہے کہ ایک قوم نے اپنے نبی سے شکایت کی کہ اس کی اولاد بد صورت پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ ان سے کہو جب ان کی عورتیں حاملہ ہوں تو وہ ان کو بہی دانہ کھلائیں پھر ان کے بچے خوب صورت پیدا ہوں گے، پھر وہ حاملہ عورتوں کو بہی دانہ اور نفاس والی عورتوں کو تازہ کھجوریں کھلاتے تھے اور یہ عمل حمل کے تیسرے یا چوتھے مہینہ میں ہوتا تھا۔

بہر حال قوی لوگوں کے لیے دوا ترک کرنا افضل ہے اور یہ عزائم دین میں سے ہے اور یہ صدیقین میں سے اولوالعزم لوگوں کا طریقہ ہے کیونکہ دین میں دو طریقے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ دنیا سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو اور عزیمت کو اختیار کرے اور دوسرا توسع اور رخصت کا طریقہ ہے، سو جو شخص قوی ہو وہ زیادہ سخت راستہ پر چلے جو اقرب اور اعلیٰ ہے اور مقربین کا راستہ ہے اور یہی لوگ سابقین ہیں اور جو شخص کمزور ہو وہ آسان اور سہل راستہ پر چلے اور یہ متوسط طریقہ ہے لیکن یہ منزل سے زیادہ دور ہے اور یہ لوگ بھی اصحاب الیمین اور درمیانہ درجہ کے اور معتدل لوگ ہیں اور مومنین میں قوی بھی ہوتے ہیں اور ضعیف بھی ہوتے ہیں اور نرم بھی ہوتے ہیں اور سخت بھی ہوتے ہیں۔

(قوت القلوب ج ۲ ص ۳۶-۳۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

مشہور صوفی ابو طالب مکی کے کلام پر مصنف کا تبصرہ

صوفی ابو طالب مکی کے اس تجزیہ سے ہمیں اختلاف ہے کہ علاج کرنا رخصت ہے اور یہ ضعیف مسلمانوں کا طریقہ ہے، اور علاج نہ کرنا عزیمت ہے یعنی اصل کے مطابق ہے اور ہمت والوں کا کام ہے اور یہی صدیقین اور اولوالعزم لوگوں کا طریقہ ہے، خود صوفی ابو طالب مکی نے نقل کیا ہے کہ انبیاء سابقین کو اللہ تعالیٰ علاج کرنے کی وحی فرماتا تھا اور حضرت موسیٰ نے علاج کے بغیر توکل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع کیا اور علاج کرنے کا حکم دیا، اور سید المرسلین و سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مرتبہ علاج فرمایا اور علاج کرنے کی ہدایت دی، اور اگر یہ نفوس قدسیہ اولوالعزم نہیں اور قوی نہیں ہیں تو کون قوی اور اولوالعزم ہو گا! اور علاج کرنے والوں کو ضعیف کہنا ان حضرات انبیاء علیہم السلام کے ایمان کو ضعیف کہنے کے مترادف ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسا شخص خود ضعف ایمان کے خطرہ میں ہے۔

سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خود قرآن عظیم نے علاج کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔ — اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(البقرہ: ۱۹۵)

جس حاملہ عورت کے پیٹ میں بچہ آڑا ہو، وہ معروف طبعی طریقہ سے پیدا نہیں ہو سکتا اس کے لیے اس عورت کے

پیٹ کا آپریشن کرنا ناگزیر ہے اگر اس کے پیٹ کی سرجری نہ کی جائے تو عورت اور بچہ دونوں مرجائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۔ (النساء: ۲۹) اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اور صورت مذکورہ میں سرجری کے ذریعہ علاج نہ کرنے سے عورت اور بچہ دونوں مرجائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی جانوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے سو اس صورت میں علاج نہ کرنا حرام ہوا اور حرام کی ضد فرض ہوتی ہے لہٰذا ایسی تمام صورتوں میں جن میں علاج نہ کرنے سے موت کا اور جان ضائع ہونے کا خطرہ ہو ان تمام صورتوں میں علاج کرنا فرض ہے' ہم ایسی چند اور مثالیں پیش کرتے ہیں:

ایک عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو اگر اس کے پیٹ کی سرجری کر کے زندہ بچہ کو مردہ عورت کے پیٹ سے نہ نکالا جائے تو وہ بچہ مرجائے گا اور اگر اس عورت کو یونہی دفن کر دیا گیا تو اس بچہ کو زندہ درگور کرنا لازم آئے گا لہٰذا اس صورت میں سرجری کے ذریعہ اس بچہ کو مردہ عورت کے پیٹ سے نکالنا فرض ہے۔

ایک شخص بلڈ کینسر کا مریض ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ اس کے جسم کے پورے خون کو تبدیل کر دیا جائے ورنہ وہ شخص مرجائے گا لہٰذا اس صورت میں بھی انتقال خون کے ذریعہ علاج کرنا فرض ہے۔

ایک شخص کا جگر فیل ہو گیا اس نے خون بنانا بند کر دیا اب اس کو زندہ رکھنے کے لیے انتقال خون کے ذریعہ اس کے جسم میں نیا خون پہنچانا ضروری ہے بلکہ فرض ہے ورنہ وہ شخص مرجائے گا۔

ایک شخص شوگر کا مریض ہے اس کا پیر زخمی ہے اس میں زہر پھیل گیا ہے' اگر سرجری کے ذریعہ اس کا پیر کاٹ کر الگ نہ کیا گیا تو یہ زہر پورے جسم میں پھیل جائے گا اور اس کی موت واقع ہو جائے گی اس صورت میں اس کی جان بچانے کے لیے سرجری کے ذریعہ اس کا علاج کرانا ضروری ہے۔

ایک شخص کو برین ہیمبرج ہو گیا یعنی اس کے دماغ کی شریان پھٹ گئی اگر سرجری کے ذریعہ اس کا بروقت علاج نہ کیا گیا تو اس کی موت واقع ہو جائے گی اس صورت میں بھی سرجری کے ذریعہ اس کا علاج کرانا فرض ہے۔

دہشت گردی کی کارروائی کے نتیجہ میں اچانک ایک شخص کے سینہ اور پیٹ میں گئی گولیاں لگ گئیں اگر بروقت کارروائی کر کے سرجری کے ذریعہ اس کے جسم سے گولیاں نہ نکالی گئیں تو اس کی موت واقع ہو جائے گی' اس صورت میں بھی سرجری کے ذریعہ اس کا علاج کرانا فرض ہے۔

کسی بڑے حادثہ میں ایک شخص بری طرح زخمی ہو گیا اور اس کے جسم سے بہت زیادہ خون نکل گیا حتیٰ کہ وہ موت کے قریب آ پہنچا اگر بروقت اس کے جسم میں خون نہ پہنچایا گیا تو وہ مرجائے گا' اس صورت میں بھی انتقال خون کے ذریعہ اس کا علاج کرانا فرض ہے۔

بعض دفعہ اچانک ہائی بلڈ پریشر بڑھ جانے کی وجہ سے ایک آدمی کے جسم کے کسی عضو پر فالج گر جاتا ہے' اس صورت میں مرنے کا خطرہ اگرچہ نہ ہو لیکن ہلاکت میں مبتلا ہونے کا یقینی خطرہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

شوگر' ہائی بلڈ پریشر ایسی بیماریاں ہیں کہ اگر ان کا باقاعدگی سے علاج اور پرہیز نہ کیا گیا تو فالج' برین ہیمبرج' ہارٹ

انیک، گردے فیل ہو جانے، جگر فیل ہو جانے، کسی عضو کے ناکارہ ہونے اور کینسر وغیرہ کا خطرہ لگا رہتا ہے اور ان بیماریوں کا علاج نہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے۔

شدید کالی کھانسی، نمونیہ، چیچک، تپ دق، گردن توڑ بخار وغیرہ یہ ایسی بیماریاں ہیں کہ اگر ان کا بروقت علاج نہ کرایا جائے تو انسان مرتا تو نہیں لیکن اس کی زندگی مردے سے بدتر ہو جاتی ہے، اور یہی اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے لہٰذا ان صورتوں میں بھی علاج کرنا ضروری ہے۔

اور یہ تو ایک واضح اور بدیہی بات ہے کہ بیماری کے دوران شدید بیماری میں انسان اپنے روزمرہ کے معمول کے کام انجام نہیں دے پاتا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت بھی عذر کی وجہ سے نہیں کر سکتا اور عبادات سے بھی قاصر رہتا ہے اگر وہ مزدور ہے یا روزمرہ کی اجرت پر کام کرتا ہے تو اگر وہ علاج نہیں کرے گا تو کام پر نہیں جا سکے گا اور نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادات میں خلل واقع ہو گا بلکہ روٹیوں کے بھی لالے پڑ جائیں گے وہ اہل و عیال کی کفالت نہیں کر سکے گا اور اس کے اہل و عیال پر بھیک مانگنے کی نوبت آ جائے گی ہمارے معاشرہ میں قرض بھی اسی کو دیا جاتا ہے جس سے رقم واپس ملنے کی امید ہو' اندریں حالت یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ علاج نہ کرنا افضل ہے اور عزیمت ہے اور یہ ایمان کا درجہ ہے اور ہمت والے مومنوں کا کام ہے اور علاج کرنا رخصت ہے اور یہ ضعیف مسلمانوں کا شعار ہے اور یہ منزل سے زیادہ دور ہے۔

ان صوفیوں نے توکل کا معنی یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسباب کو ترک کرنا توکل ہے، حالانکہ توکل کا معنی یہ ہے کہ کسی مطلوب کے اسباب کو حاصل کر کے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اونٹنی کو باندھو اور توکل کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۹۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۶۸۷' حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند جید ہے۔ المستدرک ج ۳ ص ۶۲۳' مسند الشہاب رقم الحدیث: ۶۳۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۱' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۹۱'۳۱۰)

ترک علاج کو افضل کہنے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات

جو صوفیاء علاج نہ کرنے کو افضل اور عزیمت کہتے ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عمران بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، صحابہ نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو گرم لوہے سے داغ لگواتے ہوں گے اور نہ دم کرواتے ہوں گے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے، عکاشہ نے کھڑے ہو کر کہا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں سے کر دے، آپ نے فرمایا تم ان میں سے ہو' پھر ایک اور شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا نبی اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے! آپ نے فرمایا تم پر عکاشہ سبقت کر چکا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۰۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۸۱۳' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۶)

امام ابو عبداللہ مازری نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ علاج کرنا مکروہ ہے اور جمہور علماء کا قول اس کے خلاف ہے، کیونکہ بکثرت احادیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دواؤں کے فوائد بیان

فرمائے ہیں، مثلاً کلونجی اور قسط ہندی کے فوائد بیان فرمائے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی علاج فرمایا ہے، اور دوسروں کا بھی علاج فرمایا ہے، اس لیے یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوائیں اپنی طبعی خواص کی بناء پر شفاء دیتی ہیں اور دوا سے علاج کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے شفاء کی امید نہیں رکھتے بلکہ دوا کی تاثیر پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اور علامہ داؤدی نے کہا ہے یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے، جو حالت صحت میں دواؤں سے علاج کرتے ہیں، کیونکہ جس شخص کو کوئی بیماری نہ ہو اس کے لیے گلے میں تعویذ ڈالنا مکروہ ہے، اور جو شخص کسی بیماری میں تعویذ لٹکائے تو یہ جائز ہے اور دم کروانا اور گرم لوہے سے داغ لگوانا طب کی اقسام سے ہے اور طب یعنی علاج کرانا توکل کے منافی نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین نے علاج کرایا ہے اور ہر یقینی سبب مثلاً غذا حاصل کرنے کے لیے کھانا اور پینا توکل کے منافی نہیں ہے، اسی وجہ سے متکلمین نے علاج کرانے سے منع نہیں کیا اور اسی وجہ سے انہوں نے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی روزی حاصل کرنے کے لیے کسب معاش سے منع نہیں کیا اور اس کو توکل کے منافی قرار نہیں دیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کرنے اور گرم لوہے سے داغ لگوانے کو جائز قرار دیا ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ص ۶۰۳ ملخصاً مطبوعہ دار الوفا بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے داغ لگانے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ وہ لوگ گرم لوہے سے داغ لگوانے کو بہت اہم اور تیر بہدف علاج سمجھتے تھے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ داغ لگوانے سے بیماری جڑ سے اکھڑ جاتی ہے اور اگر کسی عضو کے اوپر گرم لوہے سے داغ نہ لگوایا گیا تو وہ عضو ضائع اور ہلاک ہو جائے گا سو آپ نے اس عقیدہ کے ساتھ ان کو داغ لگوانے سے منع فرمایا اور جب اس کو محض شفاء کا سبب قرار دیا جائے اور اس کو شفاء کی قطعی علت نہ سمجھا جائے تو اس طور پر اس کو علاج کے لیے جائز قرار دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی بیماری سے شفاء دیتا ہے اور مرض سے بری کرتا ہے۔ اور لوگ اس معاملہ میں بہت شکوک میں مبتلا ہوتے ہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ دوائی لیتا تو نہ مرتا اور اگر وہ اپنے شہر میں قیام کرتا تو قتل نہ کیا جاتا اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اس لیے منع کیا گیا ہے کہ بعض لوگ مرض پیدا ہونے سے پہلے اس کے علاج کے لیے داغ لگوانا شروع کر دیتے ہیں اور یہ مکروہ فعل ہے ضرورت کے وقت داغ لگوانے کو مشروع کیا گیا ہے اور دم کروانے کے جواز کے متعلق بہت احادیث ہیں اور اس حدیث میں ممانعت اس صورت پر محمول ہے جب اللہ تعالیٰ کے اسماء، اس کی صفات اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کے بغیر اور الفاظ کے ساتھ دم کرایا جائے یا جس کا عقیدہ ہو کہ دم کرانے سے لامحالہ فائدہ ہو گا اور وہ اسی دم کرانے پر توکل کرے اور اللہ تعالیٰ پر توکل نہ کرے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۸ص ۲۰۰ - ۱۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ علی بن خلف بن عبد الملک المعروف بابن بطال المالکی الاندلسی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ گرم لوہے سے داغ لگوانا اور فصد لگوانا مباح ہے اور ان دونوں میں شفاء ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو اس چیز کی رہنمائی فرمائیں گے جس میں ان کے لیے شفاء ہو گی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں خود گرم لوہے سے داغ لگواؤں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے کئی افراد کا گرم لوہے سے داغ لگوا کر علاج کرایا ہے، اس کا جواب یہ

ہے کہ گرم لوہے سے داغ لگوانے سے اپنے جسم کو آگ کی حرارت سے تکلیف پہنچانا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت آگ کے عذاب سے پناہ طلب کیا کرتے تھے اگر آپ گرم لوہے سے داغ لگواتے تو آپ اسی درد کے حصول میں عجلت کرتے جس سے آپ اللہ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آیا شریعت میں اس کی کوئی اور مثال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز کو امت کے لیے مباح کیا ہو اور خود اس کو خصوصیت کے ساتھ نہ کیا ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ کیوں نہیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے لیے دستر خوان پر رکھی ہوئی گوہ کے کھانے کو مباح کر دیا اور خود تناول نہیں فرمایا' اور یہ ارشاد فرمایا یہ میرے علاقہ کی زمین کا جانور نہیں ہے مجھے اس سے گھن آتی ہے' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچی پیاز اور کچا لہسن نہیں کھایا اور فرمایا اس سے بدبو آتی ہے اور امت کے لیے اس کا کھانا مباح کر دیا' اور فرمایا میں اس سے سرگوشی میں بات کرتا ہوں جس سے تم سرگوشی میں بات نہیں کرتے اور ایک مرتبہ فرمایا میرے پاس اللہ کی بارگاہ سے (فرشتے) آتے ہیں' اسی طرح آپ نے امت کے لیے داغ لگوانے کو مباح کر دیا اور خود داغ لگوانے کو پسند نہیں فرمایا۔

آپ نے فرمایا وہ لوگ نہ بدشگونی کرتے ہوں گے اور نہ دم کراتے ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کوئی ایسا کام نہیں کرتے ہوں گے جس میں ان کا یہ اعتقاد ہو کہ اس کام کے بعد شفاء حاصل ہو گی خواہ اللہ کا اذن نہ ہو' اگرچہ وہ شفاء داغ لگوانے یا دم کرانے کے سبب سے حاصل ہوئی ہو' اور بدشگونی نہ کرتے ہوں گے کا یہ مطلب ہے کہ وہ کسی کام کو جا رہے تھے اور کسی بدشگونی سے یہ ظاہر ہوا کہ اس کام پر نہیں جانا چاہیے ورنہ نقصان ہو گا اور یہ نقصان لازماً ہو گا خواہ اللہ کا حکم نہ ہو' تو وہ اس بدشگونی کی پرواہ نہیں کریں گے اور اپنے کام پر چلے جائیں گے۔

اور اس حدیث میں ہے نہ وہ دم کراتے ہوں گے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ایسا دم نہیں کرائیں گے جیسا دم زمانہ جاہلیت میں کرایا جاتا تھا' اور یہ وہ دم ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء' اس کی صفات اور اس کی کتاب کے کلمات کے غیر پر مشتمل ہو' اور یہ ایک قسم کا جادو ہے' اور اللہ کی کتاب کے کلمات اور اس کی صفات اور اس کے اسماء پر مشتمل دم کرانا جائز ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا دم کیا ہے اور اس طرح کے دم کرنے کا حکم دیا ہے' اور اس طرح کے دم کرنے سے انسان توکل سے خارج نہیں ہوتا اور وہ شفاء کے حصول میں صرف اللہ کی رضا کا قصد کرتا ہے۔

اور آپ نے فرمایا وہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہیں' امام طبری نے کہا ہے کہ لوگوں کا توکل کی تعریف میں اختلاف ہے' ایک جماعت نے یہ کہا کہ جب انسان کے دل میں اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہ ہو تو یہ توکل ہے' اور وہ پھاڑنے والے درندوں اور کافروں سے بالکل نہ ڈرے حتیٰ کہ وہ رزق کے لیے جدوجہد بھی نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق کا ضامن ہے' اور طلب معاش میں مشغول ہونے سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں خلل آتا ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے عمران بن حصین بیان کرتے ہیں جو شخص سب سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ہر مشقت سے اس کی کفایت کرتا ہے اور جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے' اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگے تو وہ رزق اس کو اس طرح پائے گا جس طرح موت اس کو پا لیتی ہے۔

اور ایک دوسری جماعت نے یہ کہا کہ توکل کی تعریف یہ ہے کہ اپنے کاموں میں اللہ پر اعتماد کیا جائے' اور اس کے امر کو تسلیم کیا جائے اور یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کے لیے مقدر کیا ہے وہ ہونے والا ہے اور وہ اللہ کے رسول کی سنت

کی اتباع کرے اور اللہ کے رسول کی سنتوں میں سے ہے کھانا پینا اور لباس پہننا یہ انسان کے لیے ناگزیر ہیں ان کاموں کے حصول کے لیے سعی اور جدوجہد کرے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (الانبیاء: ۸)

اور ہم نے ان (نبیوں) کو ایسے جسم والا نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتے ہوں۔

اور آپ کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ آپ دشمنوں سے حفاظت کرتے تھے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے دن دو زرہیں پہنیں اور سر پر خود پہنا جس سے آپ دشمنوں کے حملے سے محفوظ رہتے تھے اور آپ نے گھاٹیوں کے منہ پر تیر اندازوں کو بٹھایا تاکہ جو آپ کی طرف آنے کا ارادہ کرے وہ اس کو وہاں سے بھگا دیں، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے مدینہ کے گرد خندق کھودی، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب عزوجل پر جتنا اعتماد اور توکل تھا دوسرا کوئی شخص اس کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتا، مزید یہ کہ آپ نے خود متعدد بیماریوں میں اپنا علاج کیا اور آپ ازواج مطہرات کو ایک سال کا غلہ فراہم کر دیتے تھے، حالانکہ آپ سید المتوکلین ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بیماری کا علاج کرنا اور مستقبل کے تحفظ کے لیے اسباب فراہم کرنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ توکل کے عین مطابق ہے، پھر آپ کے اصحاب کے متعلق سب کو معلوم ہے کہ انہوں نے مشرکین مکہ کے خوف سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی تاکہ وہ اپنے دین کو اور اپنی جانوں اور مالوں کو مشرکین کے فتنوں اور ان کی ایذا رسانیوں سے محفوظ رکھ سکیں، انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ اللہ پر توکل کر کے وہیں بیٹھے رہتے۔

ایک شخص نے حسن بصری سے کہا عامر بن عبداللہ شام کے راستے میں پانی کی طرف جا رہے تھے، ناگاہ ان کے اور پانی کے درمیان ایک شیر حائل ہو گیا، عامر نے شیر کی پرواہ نہیں کی اور پانی پر پہنچے اور پانی پی لیا، ان سے کہا گیا کہ تم نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا تھا، انہوں نے کہا شیر مجھے پھاڑ کھاتا تو یہ اس سے بہتر تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز سے ڈرتا ہوں! حسن بصری نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام عامر سے بہت بہتر تھے اور وہ دشمنوں کے خوف سے مصر سے مدین کی طرف چلے گئے تھے، قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ○ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (القصص: ۲۱-۲۰)

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا اے موسیٰ! بے شک (فرعون کے) درباری آپ کو قتل کرنے کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں سو آپ (اس شہر سے) نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں ○ سو موسیٰ اس شہر سے خوف زدہ ہو کر نکلے اور یہ دعا کی کہ اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے بچا لے۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیفیت کا ذکر فرمایا:

فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ (القصص: ۱۸)

تو موسیٰ نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے صبح کی وہ یہ انتظار کر رہے تھے (کہ اب کیا ہوگا)

اور جب فرعون کے جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور جادوگروں نے رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں جو سانپوں کی طرح

دوڑنے لگیں اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو کیفیت تھی اس کا ذکر فرمایا:

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ○ (طٰہٰ: ۶۸-۶۷)

سو موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا○ ہم نے کہا آپ مت ڈریے بے شک آپ ہی سرخرو ہوں گے○

انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے دلوں میں جو کیفیات پیدا کی ہیں جو شخص ان کیفیات کے خلاف اپنے دل کی کیفیت بتاتا ہے وہ جھوٹا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے دلوں میں یہ کیفیت پیدا کی ہے وہ ضرر رساں چیزوں کو دیکھ کر ان کے خوف سے بھاگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی کمائی سے پاک چیزوں کو خرچ کریں' اور جو شخص بھوک سے اضطرار کی حالت میں ہو اس کے متعلق فرمایا:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۔ (البقرہ: ۱۷۳)

سو جو شخص (بھوک سے) بے تاب ہو جائے در آں حالیکہ وہ نہ نافرمانی کرنے والا ہو' نہ حد سے بڑھنے والا' تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

پس جس شخص کو کھانے کے لیے کچھ نہ ملے اور وہ بھوک سے بے تاب ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اجازت دی ہے کہ جن چیزوں کا کھانا اس پر حرام کر دیا گیا ہے اس حالت میں وہ ان چیزوں کو بقدر ضرورت کھالے' اور اس کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اللہ پر توکل کر کے بیٹھا رہے اور اس انتظار میں بیٹھا رہے کہ اس پر آسمان سے کھانا نازل ہو گا اور اگر اس حالت میں اس نے کھانے پینے کی چیزوں کے حصول کے لیے جدوجہد نہیں کی حتیٰ کہ وہ مر گیا تو وہ اپنی جان کا قاتل قرار دیا جائے گا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کی شدت میں کھانے پینے کی چیزیں تلاش کرتے تھے اور آپ پر کبھی آسمان سے کھانا نازل نہیں ہوا حالانکہ آپ افضل البشر تھے (بلکہ افضل الخلق تھے) اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر فتوحات کی کثرت کر دی تو آپ ایک سال کی غذا کو ذخیرہ کر کے رکھتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص اونٹ لے کر آیا اور پوچھا یا رسول اللہ میں اس کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو باندھ کر توکل کرو۔ اور رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میری امت میں سے ستر ہزار نفر بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جو دم کراتے ہوں گے نہ بدشگونی لیتے ہوں گے اور نہ گرم لوہے سے داغ لگوا کر علاج کراتے ہوں گے' اور اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے' اس حدیث سے صوفیا کا ترک اسباب اور ترک علاج پر استدلال کرنا ان کی بے خبری اور نا سمجھی ہے' اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ وہ لوگ اس اعتقاد سے داغ نہیں لگواتے ہوں گے کہ اللہ کے اذن کے بغیر داغ لگوانے سے شفاء اور تندرستی حاصل ہو جاتی ہے اور جس نے اس اعتقاد سے داغ لگوایا کہ اس علاج کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دے گا اور جب اس کو شفاء ہو گئی تو اس نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے ہی شفاء دی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر صحیح توکل کرنے والا متوکل ہے اور جنت میں داخل ہونے میں کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سبقت نہیں کر سکتا اور آپ نے فرمایا بھی ہے میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا' مجھ سے پوچھا جائے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (جنت کا) خازن کہے گا مجھے یہ حکم دیا گیا تھا کہ میں آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت کو گرم لوہے سے داغ لگوایا' اور حضرت ابو امامہ نے حضرت اسعد بن زراہ کے گرم لوہے سے داغ لگایا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جنگ خندق کے دن اپنے زخم پر داغ لگوایا اور جنگ احد کے دن

حضرت ابی بن کعب کے بازو کی ایک رگ پر تیر لگا انہوں نے اس زخم پر گرم لوہے سے داغ لگوایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابو طلحہ نے داغ لگوایا اور جریر بن عبداللہ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے میرے سامنے قسم کھائی کہ وہ ضرور داغ لگوائیں گے اور حضرت خباب بن ارت نے اپنے پیٹ پر سات مرتبہ داغ لگوایا اور حضرت ابن عمر نے لقوہ کی وجہ سے داغ لگوایا (لقوہ کا معنی ہے چہرے پر فالج ہو جس کی وجہ سے باچھ یا جبڑا ٹیڑھا ہو جائے) اسی طرح حضرت معاویہ نے بھی لقوہ کی وجہ سے داغ لگوایا، یہ تمام آثار امام طبری نے اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت کیے ہیں۔

امام طبری نے کہا اب ظاہر ہو گیا کہ حدیث کا معنی وہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور توکل کی صحیح تعریف یہ ہے کہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہو، اور کسی بھی مقصود میں اپنی وسعت کے مطابق سعی اور کوشش اور انتہائی جدوجہد کرکے اس کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے خواہ اس کا وہ مقصود دینی ہو یا دنیاوی، اور صوفیاء نے جو توکل کی تعریف کی ہے وہ غلط ہے ان کی تعریف یہ ہے کہ درندوں سے نہ ڈرنا اور ان کو دیکھ کر نہ بھاگنا اور دشمنوں سے بچنے کے لیے حفاظت کا انتظام نہ کرنا، اور روزی حاصل کرنے کے لیے کسب معاش نہ کرنا، اور بیماریوں کا علاج نہ کرنا، کیونکہ ایسا کرنا قرآن اور حدیث سے جہالت کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو احکام دیے ہیں ان کے مخالف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جو احکام دیے ہیں ان کے بھی مخالف ہے اور صحابہ کرام، فقہاء، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے طریقہ کے بھی خلاف ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۹ ص ۴۰۸۔ ۴۰۴، مطبوعہ مکتبہ الرشد الریاض ۱۴۲۰ھ)

قاضی عیاض، علامہ نووی، علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ سیوطی نے اس مسئلہ پر بحث کرکے آخر میں یہ لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ علاج کو ترک کرکے اللہ پر توکل کیا جائے اور علاج کرنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے، ہرچند کہ یہ بہت قد آور علماء ہیں لیکن ان کی یہ رائے صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی علاج کیا ہے اور اپنے اصحاب کا بھی علاج کرایا ہے اور بالعموم مسلمانوں کو علاج کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ خلاف اولیٰ اور خلاف افضل کام کا حکم نہیں دیتے آپ سید المتوکلین ہیں اور جب آپ نے علاج کیا ہے تو علاج کرنا توکل کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے، علامہ ابن بطال نے جو توکل پر نفیس بحث فرمائی ہے اس سے یہ مسئلہ بہت واضح ہو جاتا ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے اس مسئلہ میں صحیح موقف اختیار کیا ہے وہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ بلا ضرورت دم کروانا اور داغ لگوانا خلاف افضل ہے اور جب ضرورت ہو تو جائز ہے، نیز تفصیل سے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے وہ دم نہیں کرواتے ہوں گے یعنی زمانہ جاہلیت میں جن الفاظ کے ساتھ دم کرایا جاتا تھا ان الفاظ کے ساتھ دم نہیں کرواتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دم فرمایا ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے لہٰذا اس کے ساتھ دم کرنا توکل سے خارج نہیں ہے، اور آپ نے فرمایا ہے وہ بدشگونی پر عمل نہیں کرتے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں پرندوں سے شگون لیا جاتا تھا کہ اگر پرندہ آدمی کے دائیں جانب پرواز کرے تو اس کے سفر میں کامیابی ہے اور اگر بائیں جانب پرواز کرے تو ناکامی ہے، اور نیک فال لینا جائز ہے، اور فرمایا وہ داغ نہیں لگواتے تھے، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ یہ اعتقاد نہیں کرتے تھے کہ شفاء اسی سے حاصل ہوگی جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں کفار کا عقیدہ تھا اور آپ نے فرمایا وہ اپنے رب پر بھی توکل کرتے تھے اس کا معنی یہ ہے کہ مسببات پر اسباب کو مرتب کرکے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۵۔ ۲۴۳، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)

صوفیاء اور علاج کو مکروہ کہنے والوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے گرم لوہے سے داغ لگوایا یا دم کروایا تو وہ توکل سے بری ہو گیا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۵، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۶۷، مسند احمد ج ۴ ص ۲۴۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۸۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۸۷، المستدرک ج ۴ ص ۴۱۵، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۴۱، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۵۰۷)

اس حدیث کا بھی وہی محمل ہے، جو ہم اس سے پہلی حدیث کا محمل بیان کر چکے ہیں مزید تفصیل یہ ہے:

علامہ عبد الرؤف مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

جو شخص داغ لگوانے اور دم کروانے پر ہی شفاء کو موقوف جانے اور اسی پر اعتماد کرے وہ توکل سے بری ہو گیا اور جو ان چیزوں کو سبب قرار دے اور حصول شفاء میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے وہ توکل سے بری نہیں ہوا بلکہ وہ اللہ پر توکل کرنے والا ہے' علامہ ابن قتیبہ نے کہا داغ لگوانے کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ وہ صحت کے زمانہ میں داغ لگوائے تاکہ آئندہ بیمار نہ ہو' یہ حدیث اسی پر محمول ہے کیونکہ وہ گرم لوہے سے داغ لگوا کر یہ چاہتا ہے کہ وہ آئندہ بیمار نہ ہو اور اس طرح وہ تقدیر کو ٹال رہا ہے اور کوئی تقدیر کو ٹالنے والا نہیں ہے اور اس کی دوسری قسم وہ ہے کہ انسان کے کسی عضو میں زخم ہو جائے یا کوئی اور بیماری ہو جائے تو وہ اس کے علاج کے لیے اس پر گرم لوہے سے داغ لگوائے اور یہی صورت ہے جس کے لیے علاج کرنا مشروع ہے۔ (فیض القدیر ج ۱۰ ص ۵۶۹۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علاج کے ثبوت میں قرآن مجید اور احادیث سے مزید دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ

پھر تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو (مثلاً جوئیں ہوں) تو اس پر (بال منڈوانے کا) فدیہ روزے ہیں' یا خیرات ہے یا قربانی ہے۔ (البقرۃ: ۱۹۶)

حج کرنے والے کے لیے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوانا جائز نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ بیماری کی حالت میں اس کو بھی سر منڈوانے کی اجازت دے رہا ہے' اور جس شخص کے سر میں جوئیں ہوں اس کا یہی علاج ہے کہ اس کا سر مونڈ دیا جائے اور یہ علاج کے مشروع ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی ہے' ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں تھے اور ہم محرم تھے' اور مشرکین نے ہم کو آگے بڑھنے سے روکا ہوا تھا اور میرے بہت لمبے لمبے بال تھے' اور جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور فرمایا: کیا تمہاری جوئیں تمہیں تکلیف پہنچا رہی ہیں' میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا پس اپنا سر منڈوالو اور یہ آیت نازل ہو گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۱۷، مسند احمد ج ۴ ص ۲۴۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۸۵۸)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو سر منڈوانے کا حکم دیا' دوسرے لفظوں میں آپ نے ان کو علاج کرانے کا حکم دیا' اور صراحتاً بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے اصحاب اس طرح بیٹھے ہوئے تھے جس طرح ان کے سر پر پرندے ہوں میں سلام کر کے بیٹھ گیا پھر ادھر ادھر سے اعرابی آگئے انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! آیا ہم علاج کریں؟ آپ نے فرمایا دوا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں رکھی مگر اس کی دوا بھی رکھی ہے سوا ایک بیماری کے وہ بڑھاپا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۳۶)

اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا اور علاج کرنے کا حکم دیا ہے اور ایسی متعدد احادیث ہیں جن میں سے کچھ ہم اس سے پہلے صحیح مسلم کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں، یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی کام فی نفسہ مکروہ تنزیہی ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے اس کام کو کیا ہو، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مکروہ تنزیہی یا خلاف افضل کام کا حکم دیا ہو، اور کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے کبھی غیر افضل یا مکروہ تنزیہی کام کا حکم دیا ہو اور آپ نے چونکہ دوا کرنے' اور دم کرانے کا حکم دیا ہے اس لیے ان احکام کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ یہ کام مستحب ہوں' بلکہ بعض صورتوں میں علاج کرانا فرض اور واجب ہوتا ہے جیسا کہ ہم صوفیاء کے کلام پر تبصرہ میں بیان کر چکے ہیں' لہٰذا جن صوفیاء اور بعض علماء نے علاج کرانے اور دم کرانے کو غیر افضل یا مکروہ تنزیہی کہا ہے ان کا یہ قول اصول شرع سے ناواقفیت پر مبنی ہے اور غلط ہے۔

اس مسئلہ میں مزید احادیث یہ ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا (دونوں) کو نازل کیا ہے اور ہر بیماری کی دوا بنائی ہے سو تم دوا کرو اور حرام کے ساتھ دوا نہ کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۴)

یہ حدیث حالت اختیار پر محمول ہے یعنی جب کسی مرض کی حلال اور حرام دونوں دوائیں موجود ہوں تو حرام دواء کے ساتھ علاج نہ کیا جائے لیکن جب کسی مسلم طبیب کے علم میں حرام دواء کے علاوہ اور کوئی حلال دواء نہ ہو اور مرض کی وجہ سے جان کا خطرہ یا ناقابل برداشت تکلیف کا خطرہ ہو تو اس طرح کی حالت اضطرار میں حرام دواء کے ساتھ بھی علاج جائز ہے اور جان بچانے کے لیے واجب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناک میں دوا چڑھائی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۷)

حضرت سہل بن سعد سے غزوہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے زخم کے متعلق سوال کیا گیا اس دن آپ کا سامنے کا نچلا دانت بھی شہید ہو گیا تھا (یعنی تھوڑا سا ٹوٹ گیا تھا) اور آپ کا خود آپ کے سر پر ٹوٹ گیا تھا' حضرت سیدتنا فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے چہرے سے خون دھو رہی تھیں اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے' جب حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھا کہ پانی ڈالنے سے تو خون زیادہ بہہ رہا ہے' تو انہوں نے ایک چٹائی کے ٹکڑے کو جلایا اور جب وہ راکھ ہو گیا تو اس راکھ کو زخم میں بھر دیا پھر خون رک گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۴۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۴)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے لقوہ کی وجہ سے گرم لوہے سے داغ لگوایا' اور بچھو کے کاٹنے کی وجہ سے دم کرایا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۸۰۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نمونیے کی وجہ سے گرم لوہے سے داغ لگوایا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے' میرے پاس حضرت ابو طلحہ' حضرت انس بن النضر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم آئے حضرت ابو طلحہ نے مجھے داغ لگایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۲)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتی تھیں وہ بیان کرتی ہیں کہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی زخم آتا یا کوئی چھالا ہوتا تو آپ مجھے اس پر مہندی لگانے کا حکم دیتے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۰۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اثمد کا سرمہ لگایا کرو کیونکہ وہ نظر تیز کرتا ہے اور (پلکوں کے) بال اگاتا ہے اور ان کا گمان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرمہ دانی تھی اور آپ ہر رات تین بار ایک آنکھ میں اور تین بار دوسری آنکھ میں سرمہ لگاتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۸)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیتون کے تیل اور ورس (ایک جڑی بوٹی) کی نمونیہ میں تعریف کرتے تھے' قتادہ کہتے ہیں کہ جس جانب درد ہو اس جانب زیتون کے تیل کی مالش کی جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۷)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم نمونیہ میں قسط بحری (سمندری کوٹھ' ایک دوا) اور زیتون کے تیل سے علاج کریں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۸)

حضرت عوف بن مالک اشجعی بیان کرتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں دم کرتے تھے ہم نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا تم جو کچھ پڑھ کر دم کرتے ہو وہ مجھے سناؤ جب تک اس میں کوئی شرکیہ کلمہ نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کرنے سے منع فرمایا' پھر آل عمرو بن حزم آپ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! ہمارے پاس کچھ کلمات تھے جن کو پڑھ کر ہم بچھو کے کاٹے پر دم کرتے تھے اور آپ نے دم کرنے سے منع فرما دیا ہے' آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ تم کیا پڑھ کر دم کرتے تھے' انہوں نے پڑھ کر سنایا' آپ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے' تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو وہ اس کو نفع پہنچائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکی کے متعلق فرمایا جس کے چہرے پر کسی چیز کا نشان پڑ گیا تھا اور وہ لڑکی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی

اللہ عنہا کے گھر میں تھی آپ نے فرمایا اس کو نظر لگ گئی ہے اس پر دم کراؤ۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۱۹۷)

ابو خزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ہم کچھ کلمات کو پڑھ کر دم کرتے ہیں اور دواؤں سے علاج کرتے ہیں اور ہم بعض چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں، آیا یہ چیزیں اللہ کی تقدیر سے کسی چیز کو ٹال سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۰۶۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۴۳۷، مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا سے علاج کرنے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے کلمات پڑھ کر دم کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مکروہ تنزیہی یا خلاف افضل کام کا حکم نہیں دیتے تھے۔ آپ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان کا کم سے کم درجہ فضیلت اور استحباب ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ خود بھی دواء سے علاج کیا ہے اور دم کیا ہے اس لیے ان کاموں کا افضل اور مستحب ہونا اور بھی موکد ہو جاتا ہے اور بعض صوفیاء اور بعض علماء کا یہ کہنا قطعاً غلط اور باطل ہے کہ علاج نہ کرنا افضل ہے اور علاج کرنا اگرچہ جائز ہے مگر مکروہ تنزیہی اور خلاف افضل ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے پرہیز کے ثبوت پر دلائل

علاج معالجہ کی بحث میں ایک اہم مسئلہ پرہیز کرنا ہے، ہم نے اکثر ذیابیطس کے مریضوں کو مٹھائی، چاول اور میٹھے پھل کھاتے ہوئے دیکھا ہے، اگر ان کو منع کیا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور ہم اللہ کی نعمتوں کو چھوڑ نہیں سکتے یہ کفران نعمت ہے، اور کئی لوگوں کو فخر سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے، صاحب ہم پرہیز نہیں کرتے، پھر ہم نے ان ہی لوگوں کو اس بدپرہیزی کے نتیجے میں کئی مہلک امراض میں مبتلا دیکھا کسی کی بینائی چلی گئی، کسی کے جگر میں کینسر ہو گیا، اور کسی کے پیر سوج گئے، کسی کو ایسا زخم ہو گیا جس کے نتیجہ میں اس کا پیر کاٹ دیا گیا، کسی کی ٹانگ کاٹ دی گئی، اور کسی کی شریانیں بند ہو گئیں۔ اسی طرح ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کو دیکھا جو بدپرہیزی کرتے تھے، کسی کے کسی عضو پر فالج گر گیا اور کسی کے دماغ کی رگ پھٹ گئی، کسی کی بینائی متاثر ہو گئی، غرض بدپرہیزی کے نتیجہ میں لوگ زیادہ مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لیے دواء کے ساتھ پرہیز بھی بہت ضروری ہے اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں پرہیز کے متعلق بھی ہدایات موجود ہیں۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہو، یا تم نے اپنی عورتوں سے مجامعت کی، پھر تم پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو۔

(النساء: ۴۳، المائدہ: ۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بیمار آدمی کو جسے پانی کے استعمال سے ضرر ہوتا ہے اس کو غسل اور وضو کے بجائے تیمم کرنے کا حکم دیا ہے اور تیمم کا حکم دینا پانی کے استعمال سے منع کرنے کو مستلزم ہے، اور جس بیمار کو وضو یا غسل سے ضرر ہوتا ہو اس کو تیمم کا حکم دینا ہی پرہیز کرنے کا حکم ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سردی کی شدت کی وجہ سے پانی کا پرہیز کیا اور غسل کی بجائے تیمم

کرلیا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ ذات السلاسل کی ایک سرد رات مجھے احتلام ہو گیا' مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا میں نے تیمم کیا' پھر میں نے اپنے اصحاب کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے مجھ سے فرمایا اے عمرو! تم نے حالت جنابت میں اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھی ہے' میں نے آپ کو وہ سبب بتایا جس کی وجہ سے میں نے غسل نہیں کیا تھا اور کہا میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ (النساء: ۲۹) اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو' بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے ۝

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور کچھ نہیں فرمایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۴)

امام بخاری نے کتاب التیمم میں اس حدیث کا اختصار سے ذکر کیا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک زخمی شخص نے پانی سے پرہیز نہیں کیا اور وہ فوت ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر افسوس فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے' ہم میں سے ایک شخص کو پتھر آ کر لگا اور وہ زخمی ہو گیا' پھر اس کو احتلام ہو گیا' تو اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا آیا اس کے لیے تیمم کرنے کی رخصت ہے؟ اصحاب نے کہا ہم تمہارے لیے رخصت کی گنجائش نہیں پاتے' جب کہ تم پانی استعمال کرنے پر قادر ہو' اس نے غسل کیا اور وہ مر گیا جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر سنائی' آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے تو اس شخص کو قتل کر دیا اللہ ان کو قتل کرے! جب تم کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تم نے پوچھا کیوں نہیں؟ لاعلمی کا حل تو صرف سوال کرنا ہے اس کے لیے تیمم کرنا کافی تھا' پھر اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر گیلا ہاتھ پھیرتا اور باقی جسم کو دھو ڈالتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۷۲)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مریض کے لیے پرہیز کرنا ضروری ہے اور بعض اوقات بدپرہیزی کا نتیجہ موت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی مذمت کی جنہوں نے فتویٰ دینے میں سختی کی اور معذور کے حال کی رعایت نہیں کی رخصت کی جگہ عزیمت پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اس حدیث میں ان صوفیاء کے لیے عبرت کا مقام ہے جو کہتے ہیں بیمار کے لیے علاج کی رخصت پر عمل کرنا خلاف افضل ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔ اس شخص کے اصحاب نے بھی ان ہی کی طرح اس معذور شخص کو عزیمت پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا' جس کے نتیجہ میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی مذمت کی۔ اور اس حدیث میں یہ واضح دلیل ہے کہ جس شخص کو پانی سے ضرر ہو وہ پانی سے پرہیز کرے اور یہ حدیث پرہیز کے ثبوت میں بہت واضح دلیل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی پرہیز کی ہدایت دی ہے اور بدپرہیزی سے منع فرمایا ہے:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اس وقت آپ چھوارے کھا رہے تھے میں نے بھی چھوارے کھانے شروع کر دیے اس وقت میری آنکھیں دکھ رہی تھیں' آپ نے فرمایا تمہاری آنکھیں دکھ رہی ہیں اور تم چھوارے کھا رہے ہو! الحدیث۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۰۳' مسند احمد ج ۴ ص ۶۱' المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۴۴)

امام احمد بن ابوبکر بوصیری متوفی ۸۴۰ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔
(زوائد ابن ماجہ ص ۴۴۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ سید محمد بن محمد حسینی الزبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے شرح الشمائل میں لکھا ہے کہ جو مریض کمزور ہو اس کے لیے سب سے نفع بخش چیز یہ ہے کہ وہ پرہیز کرے۔ بعض اوقات انسان کی رغبت اور میلان اس چیز کو کھانے کی طرف ہوتا ہے جو اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اور اس حدیث میں پرہیز کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ آنکھ کی تکلیف میں چھوارے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۷۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ام المنذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ہمارے پاس ادھ پکی (گدری) کھجوروں کا ایک خوشہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کھجوروں کو کھانے لگے، حضرت علی بھی آپ کے ساتھ کھانے لگے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ٹھیرو، ٹھیرو یا علی، تم کمزور ہو، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے رہے، حضرت ام المنذر نے کہا پھر میں ان کے لیے چقندر اور جو لائی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی اس میں سے کھاؤ، یہ تمہارے مزاج کے موافق ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۷، مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۲، المستدرک ج ۴ ص ۴۰۷)

اس حدیث میں پرہیز کے مشروع ہونے پر واضح دلالت ہے۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص استسقاء کے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۶، مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۹، المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۱۷، المستدرک ج ۴ ص ۲۰۷)

ان تمام احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بیمار شخص کو ان چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے جو اس کی صحت کے لیے مضر ہیں، ہم اس جان کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہم اس بدن کے مالک ہیں ہمارے پاس یہ جسم اور جان اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، ہمارے لیے اس جسم کو ضائع کرنا یا نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے اس لیے ذیابیطس کے مریض کو میٹھی اور نشاستہ دار چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض کو نمکین اور چکنائی والی چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور جس کے معدہ میں السر ہو اس کو بڑے گوشت، تیز مصالحہ جات اور ترش چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور جس کو یرقان ہو اس کو چکنائی اور گائے کے گوشت سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور جس کو عارضہ قلب ہو اس کو انڈے، گائے کے گوشت اور چکنائی سے پرہیز کرنا ضروری ہے اسی طرح جس کے مسوڑوں پر ورم ہو اس کو بھی گائے کے گوشت سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اور تمام مہلک بیماریوں میں بسیار خوری سے پرہیز کرنا اشد ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تم کو وفات دے گا اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا

جاتا ہے تاکہ انجام کار وہ حصول علم کے بعد کچھ بھی نہ جان سکے، بے شک اللہ نہایت علم والا، بے حد قدرت والا ہے O (النحل: ۷۰)

انسان کی عمر کے تغیرات سے اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر استدلال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے عجیب وغریب افعال ذکر کر کے ان سے اپنے خالق ہونے اور قادر ہونے پر استدلال فرمایا تھا، اور اس آیت میں انسان کی عمر کے مختلف مدارج اور مختلف احوال سے اپنی ذات پر استدلال فرمایا ہے۔

حکماء نے انسان کی عمر کے چار مراتب ذکر کیے ہیں پہلا مرتبہ اس کی عمر کا وہ زمانہ ہے جب اس کے بچپن اور نوجوانی کا زمانہ ہوتا ہے اور اس کی نشوونما ہوتی ہے اور یہ ولادت سے لے کر تیس سال کی عمر ہے، دوسرا مرتبہ وہ ہے جب اس کی عمر اپنے شباب کو پہنچ جاتی ہے اور یہ تیس سال سے چالیس سال کی عمر ہے، اور تیسرا مرتبہ دور انحطاط ہے جب اس کی عمر ڈھل جاتی ہے اور وہ ادھیڑ عمر کو پہنچ جاتا ہے یہ چالیس سال سے ساٹھ سال تک کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے اس کو کہولت کہتے ہیں، اور چوتھا مرتبہ انحطاط کبیر کا ہے یہ بڑھاپے کا زمانہ ہے یہ ساٹھ سے ستر اسی سال کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انسان کی عمر کے ان تغیرات کا خالق کون ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ ان تغیرات کا خالق ہے اور لوگوں نے اللہ کے سوا جن چیزوں کو خالق مانا ان میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی تب بھی انسان کی عمر میں یہ تغیرات ہو رہے تھے تو ہم کیوں نہ مانیں کہ انسان کی عمر کے ان تغیرات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں ہے، سو وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کی غفلت کی نیند سے جگایا اور ان کو اپنے علم کے شمول اور قدرت کے عموم پر متنبہ کیا اور جب کہ اس کا علم اور اس کی قدرت ہر چیز کو محیط ہے تو وہ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ ضرور زندہ کرے گا اور وہ جس چیز کو چاہے گا اس کو وجود میں لے آئے گا اور اس نے اس کائنات میں ان پر دلائل قائم کیے ہیں پہلے اللہ تعالیٰ نے جمادات سے استدلال فرمایا پھر حیوانات سے پھر ان دلائل کو شہد کی مکھی پر ختم کیا جس سے حاصل ہونے والا شہد تمام انسانوں کے لیے شفاء ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انسان سے استدلال کیا اور فرمایا کہ انسان کی عمر کے چار مراتب ہیں پہلا مرتبہ طفولیت اور نشوونما کا ہے اور دوسرا مرتبہ شباب کا ہے جس مرتبہ پر پہنچ کر انسان کی نشوونما رک جاتی ہے اور تیسرا مرتبہ کہولت کا ہے اس مرتبہ میں اگرچہ قوت باقی رہتی ہے لیکن انسان کا انحطاط شروع ہو جاتا ہے اور چوتھا مرتبہ دور انحطاط کا ہے اس مرتبہ میں انسان کا ضعف شروع ہو جاتا ہے اور وہ بتدریج بڑھاپے کی طرف بڑھتا ہے حتیٰ کہ وہ اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جب کوئی دوا اس کی جوانی کی قوت اور شباب کو واپس نہیں لا سکتی، اس آیت میں انسان کو اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ وہ عمر کے اس دور کے شروع ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کرے اور بصیرت سے کام لے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے غور و فکر کرنے کی صلاحیت بھی جاتی رہے، اس لیے فرمایا کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا یعنی عدم سے وجود میں لایا، پھر وہ مختلف عمروں میں تمہاری روحیں قبض کرے گا بچہ اس پر قادر نہیں ہوگا کہ وہ اپنی عمر کو بڑھالے اور جوانی تک پہنچ جائے اور بوڑھا اس پر قادر نہیں ہوگا کہ وہ لوٹ کر جوانی تک پہنچ جائے، پھر تم میں سے بعض لوگوں کو ان ہی عمروں میں موت آجائے گی، بعض اپنی قوت اور اپنی طاقت کے زمانہ میں مرجائیں گے اور بعض ارذل عمر کی طرف لوٹا دیے جائیں گے جس طرح طفولیت میں وہ کمزور اور بے علم تھے، اسی طرح بڑھاپے میں وہ کمزور اور بے علم ہوں گے ان کی یادداشت جاتی رہے گی اور ان کی ذکاوت کا شعلہ بجھ جائے گا پھر وہ موت سے متصل ہو جائے گا اسے کوئی دوا نفع نہیں دے گی، اس لیے اس حالت کو پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی

آیات میں غور و فکر کرو۔

"ارذل عمر" کا معنی اور مصداق

ابن قتیبہ نے کہا: ارذل عمر کا معنی یہ ہے کہ جن چیزوں کا اسے پہلے علم تھا بڑھاپے کی شدت کی وجہ سے اس کا وہ علم زائل ہو جائے گا۔ زجاج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اس قدر بوڑھے ہو جائیں گے کہ ان کی عقل فاسد اور خراب ہو جائے گی اور وہ عالم ہونے کے بعد جاہل ہو جائیں گے تاکہ اللہ تم کو اپنی قدرت دکھائے کہ جس طرح وہ مارنے اور زندہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ عالم بنانے کے بعد جاہل بنانے پر قادر ہے۔

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے متعلق نہیں ہے مسلمان کی عمر جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عزت اور کرامت بڑھتی جاتی ہے اور اس کی عقل اور معرفت بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے اور عکرمہ نے کہا جو شخص قرآن عظیم پڑھتا رہتا ہے وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۶۸-۴۶۷، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ارذل عمر کا مصداق پچھتر سال کی عمر ہے۔ (جامع البیان جز ۱۴ ص ۱۸۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو المظفر منصور بن محمد سمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی سے منقول ہے کہ ارذل عمر پچھتر سال کی عمر ہے، قطرب نے کہا کہ یہ اسی سال کی عمر ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ نوے سال کی عمر ہے، عکرمہ نے کہا جو شخص زیادہ قرآن پڑھتا ہے وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی عقل زائل ہوگی نہ فاسد ہوگی، ایک قول یہ ہے کہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جانا کفار کے لیے ہے۔

(تفسیر القرآن للسمعانی ج ۳ ص ۱۸۷، مطبوعہ دار الوطن، الریاض، ۱۴۱۸ھ)

ارذل عمر سے پناہ طلب کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ کثرت دعاؤں میں ارذل عمر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے تھے اور فرماتے تھے: اے اللہ! میں سستی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں ارذل عمر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۷)

مصعب اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا ان کلمات سے پناہ طلب کرو جن کلمات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پناہ طلب کرتے تھے، اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جاؤں اور میں دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۷)

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا

(اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، سو جن کو رزق میں فضیلت دی گئی ہے

بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ط

وہ اپنا رزق اپنے ان غلاموں کو دینے والے تو نہیں ہیں جو ان کی ملکیت میں ہیں تاکہ وہ رزق میں برابر ہو جائیں ،

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

پس کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کریں گے ○ اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لیے

اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ

بیویاں بنائیں اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمہیں پاکیزہ

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ط اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ

چیزوں سے رزق دیا، تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا وہی کفر

يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ

کرتے ہیں ○ اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لیے آسمانوں اور

رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا

زمینوں میں سے کسی بھی رزق کے مالک نہیں ہیں اور نہ کسی چیز کی طاقت رکھتے ہیں ○ سو تم

تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ط اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو اور بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ

اور اللہ ایک ایسے غلام کی مثال بیان فرماتا ہے جو کسی کی ملکیت میں ہے اور کسی چیز پر قادر نہیں ہے اور

رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ط هَلْ

(دوسرا) ایسا شخص ہے جس کو ہم نے اپنی طرف سے عمدہ رزق عطا فرمایا ہے سو وہ اس میں سے پوشیدہ طور سے اور ظاہراً

يَسْتَوٗنَ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ

خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں شخص برابر ہیں، تمام تعریفوں کا مستحق اللہ ہے، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ○ اور اللہ ایک اور

اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ

مثال بیان فرماتا ہے دو مرد ہیں ان میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ

كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ

اپنے مالک پر بار ہے اس کا مالک اسے جہاں بھی بھیجے وہ کوئی خیر کی خبر نہیں لاتا، کیا یہ شخص اس کے برابر

هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ ع ۱۶

ہو جائے گا، جو نیکی کا حکم دیتا ہے اور وہ راہ راست پر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، سو جن کو رزق میں فضیلت دی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے ان غلاموں کو دینے والے تو نہیں ہیں جو ان کی ملکیت میں ہیں، تاکہ وہ رزق میں برابر ہو جائیں۔ پس کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کریں گے؟ (النحل: ۷۱)

شرک کے رد پر ایک دلیل

اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بت پرستوں کے لیے بیان فرمائی ہے۔ یعنی جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر نہیں قرار دیتے تو تم میرے بندوں کو یا میری مخلوق کو میرے برابر کیسے قرار دیتے ہو کہ ان کو بھی میری طرح عبادت کا مستحق قرار دیتے ہو، اور جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر قرار نہیں دیتے اور ان کو اپنے اموال میں شریک نہیں کرتے تو تم میرے بندوں کو میرے برابر کیوں قرار دیتے ہو اور ان کو میری عبادت میں کیوں شریک قرار دیتے ہو۔ جس طرح مشرکین نے بتوں کو فرشتوں اور بعض نبیوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کر لیا حالانکہ وہ سب اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے یہ کہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) اللہ کے بیٹے ہیں۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۷، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۱۲ھ)

رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا تونگر یا سرمایہ دار ہونا اس لیے نہیں ہے کہ اس میں عقل زیادہ ہے یا اس نے محنت اور کوشش زیادہ کی ہے اور دوسرے شخص کا تنگ دست اور مفلس ہونا اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ اس کے پاس عقل یا علم کی کمی ہے بلکہ مال و دولت کی کثرت اور قلت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (الزخرف: ۳۲)

کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں، ہم نے ان کے درمیان ان کی روزی ان کی دنیاوی زندگی میں تقسیم کر دی ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي

اور اگر اللہ اپنے تمام بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دیتا تو وہ

الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۚ ضرور زمین میں سرکشی کرتے، لیکن وہ جتنا چاہے اندازہ کے مطابق (رزق) نازل فرماتا ہے۔ (الشوریٰ: ۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے مال دار لوگ تو بلند درجات اور دائمی جنت کو لے گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور وہ صدقہ اور خیرات بھی کرتے ہیں اور ہم صدقہ اور خیرات نہیں کرسکتے اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کرسکتے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں کہ تم ان کے درجہ کو پالو جو تم پر سبقت کر رہے ہیں اور تم اپنے بعد والوں پر سبقت حاصل کر لو اور تم سے کوئی شخص افضل نہیں ہو مگر وہ جو تمہاری مثل عمل کرے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھو۔ ابو صالح نے کہا فقراء مہاجرین پھر دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے ہمارے جو مال دار بھائی تھے وہ بھی ہماری طرح عمل کرنے لگے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم صلاۃ: ۱۴۲، رقم الحدیث بلا تکرار ۵۹۵، رقم الحدیث المسلسل: ۱۳۲۲)

اسی مفہوم کے قریب قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

آپ کہیے اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لیتا ہے اور تو جس کو چاہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلت دیتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں تمام بھلائی ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران: ۲۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا وہی کفر کرتے ہیں ○ اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں سے کسی بھی رزق کے مالک نہیں ہیں اور نہ کسی چیز کی طاقت رکھتے ہیں۔ (النحل: ۷۳-۷۲)

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا۔ اور یہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے تمہاری بیویاں بنائیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس آیت میں واحد کے ساتھ خطاب نہیں ہے بلکہ کل کے ساتھ خطاب ہے اور حضرت آدم اور حضرت حوا کے ساتھ اس آیت کی تخصیص کرنا بلا دلیل ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ مرد ان سے شادی کریں۔ اور اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں۔ (الروم: ۲۱)

اس کے بعد فرمایا اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور حفدہ (پوتے) بنائے۔ قرآن مجید میں یہاں حفدہ کا لفظ

ہے اس کے معنی میں تفصیل ہے۔

"حفدہ" کے معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حفدہ، حافد کی جمع ہے۔ حافد اس شخص کو کہتے ہیں جو بلا معاوضہ خدمت کرتا ہو خواہ وہ رشتہ دار ہو یا اجنبی ہو۔ مفسرین نے کہا یہ لفظ پوتوں اور نواسوں کے لیے ہے کیونکہ ان کی خدمت سچی اور بے لوث ہوتی ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ فلاں شخص محفود ہے۔ یعنی مخدوم ہے اور یہ لفظ دامادوں اور سسروں کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ دعاءِ قنوت میں ہے الیک نسعی و نحفد (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۰۶) ہم تیری طرف بھاگتے ہیں اور تیرے احکام پر عمل کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۶۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

المحفود اس شخص کو کہتے ہیں جس کی اس کے اصحاب تعظیم کرتے ہیں اور اس کے احکام کی اطاعت میں جلدی کرتے ہیں اور حافد کا معنی ہے، خادم۔ (النہایہ ج ۱ ص ۳۹۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن العربی نے لکھا ہے کہ بنین سے مراد ہے، کسی شخص کے صلبی بیٹے اور حفدہ سے مراد بیٹے کی اولاد ہے۔ نیز علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس، مجاہد، امام مالک اور علماء لغت نے کہا ہے کہ حفدہ کے معنی ہیں خدام۔ تو قرآن مجید کی اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کسی شخص کی بیوی اور اس کی اولاد اس کے خدمتگار ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اس آیت کا معنی ہے تمہارے لیے تمہاری بیویوں اور بیٹوں کو خدمتگار بنایا۔

کسی شخص کی بیوی کا اس کی خدمت کرنا

سہل بیان کرتے ہیں کہ ابو اسید ساعدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شادی میں دعوت دی، ان کی بیوی دلہن ہونے کے باوجود ان سب کی خدمت کر رہی تھی۔ سہل نے کہا تمہیں معلوم ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کیا پلایا تھا؟ میں نے رات کو ایک برتن میں چھوارے بھگو دیئے تھے، جب رات کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھا چکے تو میں نے آپ کو وہ پانی (نبیذ) پلایا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۱۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۱۵۹، عالم الکتب)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابو اسید ساعدی کی بیوی اپنی شادی کے دن بھی ان کی خدمت کر رہی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہدی کے لیے ہار بنتی تھی پھر آپ اس ہدی میں اشعار کرتے (اشعار کا معنی ہے چھری سے اونٹ کے کوہان میں شگاف ڈال دینا جس سے اس پر خون کا سرخ دھبہ پڑ جائے) اور اس کے گلے میں ہار ڈال دیتے یا میں ہار ڈال دیتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۹۹، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۷۷۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۹۸، ۳۰۹۴)

ایک اور روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہدی کا ہار بنتی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جنابت سے آلودہ کپڑے دھوتی تھی، آپ نماز پڑھنے کے لیے جاتے اور آپ کے کپڑوں میں پانی سے بھیگنے کے نشانات ہوتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۳۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۴۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۲۶)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احرام باندھتے وقت میں آپ کے بدن پر خوشبو لگاتی تھی اور جب آپ احرام کھولتے تھے تو بیت اللہ کے طواف (زیارت) سے پہلے آپ کے بدن پر خوشبو لگاتی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۴۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۸۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں دستیاب خوشبوؤں میں سے سب سے عمدہ خوشبو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لگاتی تھی حتیٰ کہ اس خوشبو کی چمک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سر میں اور ڈاڑھی میں نظر آتی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۲۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۹۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۲۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حائضہ ہوتی تھی اور میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سر میں کنگھی کرتی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۲۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۶۷، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۰۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۲۳۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے تھے، آپ حجرے میں سر داخل کرتے تو میں آپ کا سر دھوتی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۷۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۳۸۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے، اس وقت آگ پر ہانڈی ابل رہی تھی۔ آپ نے کھانا منگایا۔ آپ کو روٹی اور گھر کا سالن پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کیا میں گوشت نہیں دیکھ رہا! گھر والوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! لیکن یہ وہ گوشت ہے جو بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے اور اس نے ہم کو ہدیہ کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۳۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۲۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۷۲، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۲۸۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۲۷)

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گھر کا کھانا پکاتی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ شکایت کرنے گئیں کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں اور ان کو یہ خبر ملی ہے کہ آپ کے پاس کچھ غلام آئے ہیں۔ سیدتنا فاطمہ کی آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے ذکر کیا کہ حضرت فاطمہ آپ سے ملنے آئی تھیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لے آئے، اس وقت ہم بستر میں لیٹ چکے تھے۔ ہم کھڑے ہونے لگے تو آپ نے فرمایا تم اسی طرح رہو۔ آپ آکر میرے اور حضرت فاطمہ کے درمیان بیٹھ گئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے پیروں کی ٹھنڈک اپنے پیٹ کے پاس محسوس کی آپ نے فرمایا تم نے جو سوال کیا ہے کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ جب تم اپنے بستر پر لیٹو تو تم ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۶۲)

ہم نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ہدی کے لیے ہار بنتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے کپڑے دھوتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی میں خوشبو لگاتی تھیں۔ آپ کا سر دھوتی تھیں اور آپ کے سر میں کنگھی کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا کھانا پکاتی تھیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر میں چکی پیستی تھیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی زوجہ آپ کی خدمت کرتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ ان کی خدمت کرتی تھیں۔ اسی طرح باقی صحابہ کی ازواج بھی ان کی خدمت کرتی تھیں۔ گاؤں اور دیہات میں رہنے والی خواتین اب بھی اپنے شوہروں کی خدمت کرتی ہیں اور گھر کے باقی کام بھی کرتی ہیں، کھیت سے چارہ کاٹ کر لاتی ہیں، جانوروں کو چارہ ڈالتی ہیں، دودھ دوہتی ہیں، کھانا پکاتی ہیں اور کپڑے دھوتی ہیں۔ البتہ شہری عورتیں اس قسم کے کام نہیں کرتیں اور امیر لوگوں نے گھر کے کام کاج کے لیے نوکر اور نوکرانیاں رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

شوہروں کو خود بھی گھر کے کام کاج میں حصہ لینا چاہیے اور بیویوں کی مدد کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بھی گھر کے کام کاج کیا کرتے تھے۔

اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ گھر کا کام کاج کرتے تھے اور اذان سن کر چلے جاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۶۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۸۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۳۶۱)

ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے گھر میں کام کرتا ہے۔ آپ اپنی جوتی کی مرمت کر لیتے تھے اور کپڑوں کو پیوند لگا لیتے تھے۔

(حمزہ احمد زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۱۷ ص ۲۹، رقم الحدیث: ۲۴۶۳۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۷۸۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۹۳۴، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۱۲)

عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ فرمایا آپ کپڑے سی لیتے تھے اور جوتی کو مرمت کر لیتے تھے اور مرد جو گھروں میں کام کرتے ہیں، وہ سب کرتے تھے۔

(حمزہ احمد زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۱۷ ص ۴۵۹، رقم الحدیث: ۲۴۷۸۳، مطبوعہ دار المعارف مصر، الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۳۹، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۴۹۲)

مشرکین کی اوندھی عقل

اس کے بعد فرمایا اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں سے کسی بھی رزق کے مالک نہیں ہیں اور نہ کسی چیز کی طاقت رکھتے ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ مشرکین جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں، وہ کسی رزق کے مالک نہیں ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور بت پرستی کا مزید رد فرمایا ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ اس کی عبادت کریں جو انہیں رزق دینے والا ہے، جس نے ان کو پیدا کیا اور ان کو

پالنے والا ہے اور یہ کیسی اوندھی عقل کے لوگ ہیں کہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو کسی رزق کے مالک نہیں ہیں اور کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو، اور بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (النحل: ۷۴)

اللہ تعالیٰ کے لیے مثال گھڑنے کے محامل

اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) کسی مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو تشبیہ نہ دو کیونکہ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی کوئی مثال نہ بناؤ کیونکہ وہ واحد ہے اور اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔

(۳) بت پرست یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک اس کی عبادت کرے بلکہ ہم ستاروں کی یا ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں پھر یہ ستارے یا بت اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو سب سے بڑا خدا ہے اور ان ستاروں اور ان بتوں کا بھی خدا ہے کیونکہ دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ بادشاہ کے وزراء اور اکابرین سلطنت کی خدمت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں اور بادشاہ تک رسائی کی جرأت نہیں کرتے اور وزراء اور اکابرین سلطنت بادشاہ کی تعظیم اور اس کی خدمت کرتے ہیں، سو اسی طرح ہم بھی ان بتوں اور ستاروں کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تک رسائی اور اس کی عبادت کی جرأت نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم یہ مثالیں نہ گھڑو، بتوں کی عبادت کو ترک کرو اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو بہت جاننے والا اور بہت قدرت والا ہے اور بے حد حکمت والا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اس کے بھی دو محمل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تمہاری اس بت پرستی اور مثالیں گھڑنے کے نتیجہ میں تم پر کتنا بڑا عذاب نازل ہونے والا ہے اور تم اس عذاب کی کیفیت اور شدت کو نہیں جانتے۔ اگر تم جانتے ہوتے تو اس بت پرستی کو چھوڑ چکے ہوتے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے تم کو بتوں کی عبادت سے منع فرمایا ہے سو تم ان کی عبادت کو ترک کردو اور اپنی اس دلیل کو بھی ترک کردو جس پر اعتماد کر کے تم بتوں کی عبادت کر رہے ہو کہ عام لوگوں کی یہ مجال نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اس لیے وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ یہ فاسد قیاس ہے اور قرآن مجید کی صریح آیت کے مقابلہ میں اس قیاس کو ترک کرنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ایک ایسے غلام کی مثال بیان فرماتا ہے جو کسی کی ملکیت میں ہے اور کسی چیز پر قادر نہیں ہے اور (دوسرا) ایسا شخص ہے، جس کو ہم نے اپنی طرف سے عمدہ رزق عطا فرمایا ہے سو وہ اس میں سے پوشیدہ طور سے اور ظاہراً خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں شخص برابر ہیں؟ تمام تعریفوں کا مستحق اللہ ہے بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (النحل: ۷۵)

عاجز غلام اور آزاد فیاض کی مثال کی وضاحت

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو شخصوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ ایک شخص کسی کا غلام ہے۔ جو اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا اور دوسرا شخص آزاد ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے اور وہ اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور پر

خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں شخص برابر ہیں؟ ظاہر ہے یہ دونوں شخص برابر نہیں ہیں'اس مثال کے حسب ذیل محامل ہیں۔

(۱) جب ایک غلام جو مجبور ہو وہ آزاد دولت مند اور فیاض شخص کے برابر نہیں ہے' تو بت اللہ تعالیٰ کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ بتوں کا حال ایک مجبور غلام سے بھی ابتر اور بدتر ہے' پھر مشرکین کی کیسی اوندھی عقل ہے کہ وہ ان بتوں کو اللہ کی عبادت میں اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں۔

(۲) اس آیت میں جس (بندہ) غلام کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد کافر ہے' کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت سے محروم ہے تو وہ حقیر' فقیر اور عاجز غلام کی مانند ہے' اور اللہ تعالیٰ نے جس دوسرے شخص کا ذکر فرمایا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عمدہ رزق عطا فرمایا ہے' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں مشغول رہتا ہے اور مخلوق پر شفقت کرتا ہے اور ضرورت مندوں کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و دولت سے فیاضی کے ساتھ دیتا ہے' سو یہ دونوں شخص یعنی کافر اور مومن شرف اور مرتبہ اور اخروی اجر و ثواب میں برابر نہیں ہیں۔

(۳) اس آیت میں مذکور دونوں شخصوں سے مراد عام ہے جو شخص بھی ان صفات کے ساتھ متصف ہوں وہ اس آیت کے مصداق ہیں یعنی ایک مجبور غلام اور ایک آزاد فیاض شخص برابر نہیں ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا الحمد للہ تمام کمالات اللہ کے لیے ہیں' یعنی بتوں کا کوئی کمال نہیں ہے اور وہ کسی تعریف کے مستحق نہیں ہیں' کیونکہ بتوں نے کسی پر کوئی انعام نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ کسی تعریف کے مستحق ہوں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ تمام تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے اور بت کسی تعریف کے مستحق نہیں ہیں' اور اس آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں اس شخص سے خطاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عمدہ رزق عطا فرمایا ہے اس کو چاہیے کہ وہ یہ کہے الحمد للہ (تمام تعریفوں کا مستحق اللہ ہے) یعنی اللہ کے لیے حمد ہے جس نے اس کو ایک عاجز اور حقیر غلام سے ممتاز کیا' اور اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر حمد فرمائی کہ اس نے ایسی مثال بیان فرمائی جو مقصود کی بہت اچھی وضاحت کر دیتی ہے یعنی ایسی واضح اور قوی حجت کے پیش فرمانے پر اللہ ہی کے لیے حمد ہے پھر فرمایا اور اکثر لوگ نہیں جانتے یعنی باوجود اس کے کہ یہ مثال بہت واضح ہے پھر بھی اکثر لوگ اس مثال کو نہیں سمجھتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ (ایک اور) مثال بیان فرماتا ہے دو مرد ہیں ان میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر بار ہے' اس کا مالک اسے جہاں بھی بھیجے وہ کوئی خیر کی خبر نہیں لاتا کیا یہ شخص اس کے برابر ہو جائے گا جو نیکی کا حکم دیتا ہے اور وہ راہ راست پر ہے۔ (النحل: ۷۶)

گونگے عاجز غلام اور نیک آزاد شخص کی مثال کے محامل

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا ہے کہ یہ بدیہی بات ہے کہ جو شخص گونگا اور عاجز ہو وہ فضل اور شرف میں اس شخص کے مساوی نہیں ہو سکتا جو بولنے والا اور قادر ہو' باوجود اس کے کہ بشریت اور باقی اعضاء کی سلامتی میں دونوں مساوی ہوں تو جب گونگا اور عاجز' بولنے والے اور قادر کے برابر نہیں ہو سکتا تو زیادہ لائق ہے کہ بے جان اور ساکت پتھر اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں ہو سکتے تو پھر تمہارا ان بتوں کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا کس طرح عقل کے نزدیک صحیح ہو گا۔

یہ مثال جو دی گئی ہے اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی ہے، جو شخص گونگا اور عاجز ہے وہ کافر اور بت پرست ہے کیونکہ وہ حق کے ساتھ کلام نہیں کرتا اور کوئی نیک کام نہیں کرتا جس میں خیر اور برکت ہو اور جو شخص ناطق اور قادر ہے وہ مومن ہے کیونکہ وہ کلمہ حق بولتا ہے، نیکی کا حکم دیتا ہے اور راہ راست پر ہے۔

(۲) ابراہیم بن یعلیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کے غلام کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان کا غلام کافر تھا اور اسلام کو ناپسند کرتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے منع کرتا تھا کیونکہ وہ کلمہ حق نہیں کہتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو گونگا قرار دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نیکی کا حکم دیتے تھے اور راہ راست پر تھے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اپنی اور بتوں کی دی ہے۔ بت گونگے تھے اور عاجز تھے کیونکہ وہ بول سکتے تھے نہ کوئی کام کر سکتے تھے اور وہ بت اپنی پرستش کرنے والوں پر بوجھ تھے کیونکہ بت اپنے عبادت گزاروں کو کچھ نہیں دے سکتے تھے بلکہ بتوں کی عبادت کرنے والے بتوں پر خرچ کرتے تھے، اور بتوں سے جس مہم میں بھی مدد طلب کی جاتی وہ اس میں اپنے عبادت گزاروں کو کوئی خیر نہیں پہنچا سکتے تھے اور جو نیکی کا حکم دینے والا ہے اور راہ راست دکھانے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ مجاہد، قتادہ، ابن السائب اور مقاتل کا قول ہے۔

(۴) عطا نے یہ کہا ہے کہ اس مثال میں گونگے اور عاجز سے مراد ابی بن خلف ہے، اور جو نیکی کا حکم دیتا ہے اس سے مراد حضرت حمزہ، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم ہیں۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۷۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

امام رازی نے کہا اس آیت سے مقصود ہر وہ غلام ہے جو ان صفاتِ مذمومہ کے ساتھ موصوف ہو اور ہر وہ آزاد شخص جو ان صفاتِ محمودہ کے ساتھ موصوف ہو۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ

اور آسمانوں اور زمینوں کا (سب) غیب (کا علم) اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے، اور قیامت کا وقوع صرف

الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۷۷ وَ

پلک جھپکنے میں یا اس سے بھی جلد ہوگا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اور

اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْــــًٔـا ۙ وَّجَعَلَ

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اور اس نے تمہارے

لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۷۸ اَلَمْ يَرَوْا

کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے دل بنائے تاکہ تم (اللہ کا) شکر ادا کرو ○ کیا ان لوگوں نے

إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَٰتٍ فِي جَوِّ السَّمَآءِ ۖ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۗ

آسمان کی فضا میں پرندے نہیں دیکھے جو اللہ کے نظام کے تابع ہیں، انہیں اللہ کے سوا کوئی (گرنے سے) نہیں

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۷۹﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم

روکتا، بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ اور اللہ نے تمہاری رہائش کے لیے

مِّنۢ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُم مِّن جُلُودِ الْأَنْعَٰمِ بُيُوتًا

تمہارے گھر بنائے اور تمہارے لیے مویشیوں کی کھالوں سے خیمے بنائے، جن

تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ أَصْوَافِهَا

کو تم ہلکا پھلکا دیکھ کر سفر کے دن اور اقامت کے دن کام میں لاتے ہو اور ان (مویشیوں) کے اون

وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَآ أَثَٰثًا وَمَتَٰعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۸۰﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ

اور پشم اور بالوں سے ایک معین وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے گھر یلو چیزیں بناتے ہو ○ اور اللہ نے اپنی پیدا

لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَٰلًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَٰنًا وَجَعَلَ

کی ہوئی چیزوں میں سے تمہارے فائدے کے لیے سایہ دار چیزیں بنائیں اور اس نے تمہارے لیے پہاڑوں میں محفوظ

لَكُمْ سَرَٰبِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَٰبِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ

غار بنائے اور تمہارے لیے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس (زرہیں) بنائے جو تم کو حملوں سے محفوظ

يُتِمُّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴿۸۱﴾ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ

رکھتے ہیں، وہ تم پر اسی طرح اپنی نعمت پوری کرتا ہے تاکہ تم اس کی اطاعت کرو ○ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ کا کام تو صرف

الْبَلَٰغُ الْمُبِينُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ

وضاحت کے ساتھ (اللہ کے احکام کو) پہنچا دینا ہے ○ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں (اس کے باوجود) پھر ان کا انکار کرتے ہیں اور ان میں

الْكَٰفِرُونَ ﴿۸۳﴾ ع ۱۱ ۱۷ ۱۲

سے اکثر کافر ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آسمانوں اور زمینوں کا (سب) غیب (کا علم) اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے اور قیامت کا وقوع صرف پلک جھپکنے میں یا اس سے بھی جلد ہوگا بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے○ اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اور اس نے تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے دل بنائے تاکہ تم (اللہ کا) شکر ادا کرو○ کیا ان لوگوں نے آسمان کی فضا میں پرندے نہیں دیکھے جو اللہ کے نظام کے تابع ہیں، انہیں اللہ کے سوا کوئی (گرنے سے) نہیں روکتا، بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں○ (النحل: ۷۹-۷۷)

مشکل الفاظ کے معانی

وللہ غیب السموت والارض: یعنی آسمانوں اور زمینوں میں، جو چیزیں حواس سے غائب ہیں اور بغیر غور و فکر کے جن کا علم حاصل نہیں ہو سکتا ان تمام غیوبات کا بذاتہٖ علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہے کہ قیامت کا علم بذاتہٖ اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے ہے۔

الساعۃ: یعنی قیامت کے وقوع کا وقت اس کو ساعت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اچانک ایک ساعت میں واقع ہوگی اور ایک گرج دار آواز سے آن واحد میں تمام مخلوق فنا ہو جائے گی۔

لمح البصر: اللمح کا معنی ہے سرعت سے کسی چیز کو دیکھنا اور لمح البصر کا معنی ہے پلک جھپکنا۔

او ھو اقرب: پلک جھپکنے سے بھی قریب تر یعنی اس سے بھی جلدی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی کام کو کرنا ہوتا ہے تو وہ اس کام کے لیے صرف "کن" فرماتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کا واقع کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر سہل اور سریع ہے جیسے ہمارے لیے پلک جھپکنا بلکہ اس سے بھی زیادہ سہل اور سریع۔

مسخرات فی جو السماء: جو کے معنی ہیں آسمان اور زمین کے درمیان فضا، تسخیر کے معنی ہیں بغیر اجرت کے کسی کو کسی کام کا مکلف کرنا، بیگار لینا، کسی کو مغلوب اور ذلیل کرنا (مختار الصحاح ص ۱۷۹) یہاں مراد ہے اللہ تعالیٰ کا کسی کو اپنے بنائے ہوئے نظام کے تحت چلانا۔ یعنی اللہ نے پرندوں کی طبیعت میں جو فضاء میں اڑنے کا نظام ودیعت کر دیا ہے وہ اس فطری نظام کے تحت فضا میں اڑتے ہیں، وہ اس فطری صلاحیت کے تحت فضاء میں پر پھیلاتے ہیں اور سکیڑتے ہیں اور جس وقت وہ فضاء میں اڑ رہے ہوتے ہیں تو ان کو زمین پر گرنے سے اللہ کے سوا کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کی وسعت پر دلائل

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عاجز اور گونگے شخص کے ساتھ بتوں کی مثال دی کیونکہ وہ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ کسی کے کام آسکتے ہیں، اور اپنی مثال اس شخص کے ساتھ دی جو راہ راست پر ہو اور نیکی کا حکم دیتا ہو، اور ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے جس کا علم بھی کامل ہو اور جس کی قدرت بھی کامل ہو تو ان آیتوں میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم پر دلیل قائم کی اور دوسری آیت میں اپنے کمال قدرت پر دلیل قائم فرمائی، کمال علم کی دلیل یہ ہے کہ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کے غیب کا جاننے والا ہے اور کمال قدرت پر دلیل یہ ہے کہ وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے قیامت کو قائم کر دے گا اور تمام دنیا کو فنا کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تمام آسمانوں اور زمینوں کے غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے"۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے غیب میں سے جتنا چاہے اس پر مطلع فرماتا ہے۔ جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ تم (عام لوگوں) کو اپنے غیب پر

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ (آل عمران: ۱۷۹)

مطلع فرمائے البتہ (غیب پر مطلع فرمانے کے لیے) جن کو چاہتا ہے منتخب فرمالیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن: ۲۷-۲۶)

وہ عالم الغیب ہے، وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں فرماتا سوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا (اور) وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بلاواسطہ غیب پر مطلع فرماتا ہے اور اولیاء کرام کو ان کے واسطے سے غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کا علم عطا فرماتا ہے وہ ان کا معجزہ ہے، اور اولیاء کرام کو جو غیب پر مطلع فرماتا ہے وہ ان کی کرامت ہے۔ معتزلہ، اولیاء اللہ کی کرامت کے منکر تھے، اس لیے وہ ان کے لیے علم غیب نہیں مانتے تھے اور اہل سنت اولیائے کرام کے غیب پر مطلع ہونے کے قائل ہیں۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ چیزوں کو حلال یا حرام کرنا صرف اس کا منصب ہے جو تمام چیزوں کی حقیقتوں، ان کے خواص، ان کے لوازم اور عوارض اور ان کی تاثیرات کو جاننے والا ہو اور چونکہ تمام آسمانوں اور زمینوں کے غیوب کو جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے چیزوں کو حلال اور حرام کرنا بھی صرف اسی کو زیب دیتا ہے اور مشرکین کا اپنی ہوائے نفس سے بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام کہنا محض غلط اور باطل ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر دلیل قائم کی اور فرمایا ان اللہ علی کل شئ قدیر یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے تمام دنیا کو فنا کر دے گا اور قیامت کو واقع کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی بندوں پر نعمتیں اور ان کا شکر ادا کرنے کے طریقے

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے مزید مظاہر کا ذکر فرمایا اور انسان پر اپنی نعمتوں کو گنوایا کہ اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا ہے، اس وقت تم کو کسی چیز کا علم نہیں تھا، انسان اپنی پیدائش کے وقت اشیاء کی معرفت سے خالی تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو عقل عطا فرمائی جس سے اس نے چیزوں کو پہچانا اور اس کو خیر اور شر اور نفع اور نقصان کی تمیز حاصل ہوئی۔ اس نے اپنے کانوں سے مختلف آوازوں کو سنا اور لوگوں سے سن سن کر اس کو بہت سی چیزوں کا علم حاصل ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس کو آنکھیں عطا کیں جس سے اس نے لوگوں کو اور چیزوں کو دیکھا پھر کانوں اور آنکھوں کی مدد سے اس کو کتابوں کا علم حاصل ہوا پھر اس کو دل اور دماغ عطا کیے جس سے اس نے حقائق اشیاء میں غور کیا اور اس پر سوچ بچار کی راہیں کھلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ (الملک: ۲۴-۲۳)

آپ کہیے وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو ۝ آپ کہیے وہی ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے کانوں سے ان ہی چیزوں اور ان ہی آوازوں کو سنے جن کے سننے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جن کے سننے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ان باتوں اور ان آوازوں کو نہ سنے جن کے سننے سے اللہ تعالیٰ ناخوش اور ناراض ہوتا ہے۔ مثلاً جن مجلسوں میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اسلام پر پھبتیاں کسی جاتی ہیں یا احکام شرعیہ کی مخالفت کی جاتی ہے، عورت کی آدھی گواہی اور اس کی عقل کی کمی کا رد کیا جاتا ہے، عورت کے پردہ کو اس کی آزادی کے خلاف قرار دیا جاتا ہے، دوسری شادی کی اجازت کو ظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و مناقب میں کمی کی جاتی ہے اور آپ کی تعظیم و تکریم کے مظاہر کو ناجائز کہا جاتا ہے۔ آپ کے اصحاب اور اہل بیت کی توہین کی جاتی ہے، اسی طرح لہو و لعب کی باتیں، میوزک، فسق و فجور پر مبنی ڈائیلاگ اور فلمی گانے سنے سنائے جاتے ہیں سو ایسی مجلسوں میں نہ بیٹھا جائے اور ایسی باتیں نہ سنی جائیں۔ قرآن عظیم میں ہے:

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ۔ (النساء: ۱۴۰)	جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا استہزا کیا جا رہا ہے تو ان کی مجلس میں نہ بیٹھو، حتیٰ کہ وہ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں ورنہ تمہارا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہوگا۔
فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ○ (المعارج: ۴۲)	آپ ان کو ان کی بے ہودہ باتوں اور کھیل تماشوں میں چھوڑ دیجئے حتیٰ کہ وہ اس دن سے آملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔
قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ۔ (الانعام: ۹۱)	آپ کہیے اللہ! پھر ان کو چھوڑ دیجئے کہ وہ اپنی کج بحثی میں کھیلتے رہیں۔

غرض انسان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کانوں کی جو نعمت دی ہے وہ اس کی ناشکری نہ کرے اور اسلام کے خلاف کی جانے والی باتوں اور کھیل تماشوں اور راگ و رنگ اور یاد الٰہی سے غافل کرنے والی باتوں کو نہ سنے، اور کانوں کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ وہ قرآن اور حدیث کو سنے، اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعت پر مشتمل مضامین سنے، حکمت کی باتوں کو سنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو رغبت اور قبول کرنے کی نیت سے سنے اور اپنی، اپنے اہل و عیال اور ملک و ملت کی بہتری کی تجاویز اور مشوروں کو سنے اور ہر اچھی اور نیک بات کو سنے۔

اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کا شکر ادا کرنے کا بھی یہی طریقہ ہے، آنکھوں سے ان ہی چیزوں کو دیکھے جن کا دیکھنا جائز اور مستحسن ہے۔ مثلاً قرآن کریم کو دیکھے، خانہ کعبہ کو دیکھے، ماں باپ کے چہرے کو محبت سے دیکھے، اپنی اولاد کو شفقت کی نگاہ سے دیکھے اور ہر اس چیز کو دیکھے جس کا دیکھنا جائز ہے، اور آنکھوں کی ناشکری نہ کرے کہ جن چیزوں کو دیکھنے سے منع کیا ہے ان کو دیکھے، پرائی اور اجنبی عورتوں کو نہ دیکھے جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرتی ہیں ان کو نہ دیکھے۔

قرآن مجید اور احادیث میں جہاں دل کا ذکر ہوتا ہے اس سے مراد دماغ ہوتا ہے، کیونکہ عرف میں دماغ اور ذہن پر دل کا اطلاق کیا جاتا ہے اور ذہن اور دماغ کے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر جو دلائل ہیں ان میں غور و فکر کرے، تبلیغ اسلام کے لیے تدبیریں سوچے، اپنے گھر، محلہ اور اپنے ملک میں اسلام کے احکام پر عمل کرانے کے طریقوں پر غور کرے اور اسی طرح اپنی ذات، اپنے محلہ اور ملک و ملت کی فلاح کے پروگرام بنائے، اور ذہن اور دماغ کی

ناشکری یہ ہے کہ وہ چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری اور دہشت گردی کے منصوبے بنائے اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کو منفی سرگرمیوں میں صرف کرے، جھوٹے قصے کہانیاں، دیومالائی افسانے اور فحش لٹریچر تیار کرنے کے لیے سوچ بچار اور غور و فکر کرے۔

اسی طرح ہاتھوں کا شکر یہ ہے کہ ہاتھوں سے صرف نیک کام کرے، برے کام نہ کرے اور پیروں کا شکر یہ ہے کہ پیروں سے نیک اور جائز مقامات پر اور نیک اور جائز کاموں کے لیے چل کر جائے اور ہاتھوں اور پیروں کی ناشکری یہ ہے کہ وہ ہاتھوں سے برے کام کرے اور پیروں سے بری جگہ اور برے کام کرنے کے لیے جائے۔

پرندوں کی پرواز سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر استدلال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا ان لوگوں نے آسمان کی فضاء میں پرندے نہیں دیکھے جو اللہ کے نظام کے تابع ہیں، انہیں (دوران پرواز) گرنے سے اللہ کے سوا کوئی نہیں روکتا، بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

یعنی جب پرندے آسمان اور زمین کے درمیان فضاء میں پرواز کر رہے ہوتے ہیں تو وہ کس طرح اپنے بازو پھیلا کر ہوا میں اڑ جاتے ہیں، ان پرندوں میں کس نے ایسی طاقت رکھی ہے جو انہیں اڑا کر ہوا میں لے جاتی ہے اور ثقیل جسم کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ وہ زمین کی کشش سے فوراً بلندی سے نیچے گر جاتا ہے تو دوران پرواز ان پرندوں کو فضاء میں کون قائم رکھتا ہے اور نیچے گرنے سے کون روکتا ہے۔ کیا پتھر کے بنائے ہوئے یہ بت ان پرندوں کو اڑاتے ہیں اور ان کو دوران پرواز گرنے سے روکے رکھتے ہیں؟ جب یہ بت نہیں تراشے گئے تھے، جب بھی پرندوں کے اڑنے اور فضاء میں قائم رہنے کا یہی نظام تھا، اس لیے بت ان کے خالق نہیں ہو سکتے۔ کیا سورج یا چاند اس نظام کے خالق ہیں؟ رات کو جب سورج نہیں ہوتا تب بھی پرندوں کی پرواز کا یہی نظام ہوتا ہے، اور دن کو جب چاند نہیں ہوتا اس وقت بھی پرندے اسی طرح پرواز کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورج یا چاند اس نظام کے خالق نہیں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت عزیر بھی اس نظام کے خالق نہیں ہیں کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر پیدا نہیں ہوئے تھے، اس وقت بھی پرندوں کی پرواز کا نظام اسی طرح جاری تھا اور ان کے بعد بھی یہ نظام اسی طرح جاری ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جس جس کی بھی پرستش کی گئی ہے اور اس کو خدا مانا گیا ہے، ان میں سے کوئی بھی پرندوں کی پرواز کے اس طبعی نظام کا خالق نہیں ہے۔ وہی واحد لاشریک اس نظام کا خالق ہے اور اس کے سوا کسی کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ وہ اس نظام کا خالق ہے اور نہ اللہ کے سوا کسی اور نے کوئی کتاب نازل کی نہ کوئی رسول بھیجا جو یہ پیغام لایا ہو کہ اللہ کے علاوہ میں اس نظام کا خالق ہوں یا اس نظام کے بنانے میں، میں بھی اس کا شریک ہوں، تو پھر ہم کیوں نہ مانیں کہ وہی واحد لاشریک پرندوں کی اس پرواز کے نظام کا خالق ہے، اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ جبکہ اس نظام کی وحدت اور یکسانیت بھی یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا خالق واحد ہے اور جب پرندوں کے اس نظام کا وہی واحد لاشریک خالق ہے تو کائنات کے باقی تمام نظاموں کا بھی وہی خالق ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے تمہاری رہائش کے لیے تمہارے گھر بنائے اور تمہارے لیے مویشیوں کی کھالوں سے خیمے بنائے جن کو تم ہلکا پھلکا دیکھ کر سفر کے دن اور اقامت کے دن کام میں لاتے ہو اور ان (مویشیوں) کے اون اور پشم اور بالوں سے ایک معین وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے گھریلو چیزیں بناتے ہو○ اور اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں

میں سے تمہارے فائدے کے لیے سایہ دار چیزیں بنائیں اور اس نے تمہارے لیے پہاڑوں میں محفوظ غار بنائے اور تمہارے لیے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس (زرہیں) بنائے جو تم کو حملوں سے محفوظ رکھتے ہیں وہ تم پر اسی طرح اپنی نعمت پوری کرتا ہے تاکہ تم اس کی اطاعت کروO پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ کا کام تو صرف وضاحت کے ساتھ (اللہ کے احکام کو) پہنچا دینا ہےO یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں (اس کے باوجود) پھر ان سے انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر کافر ہیںO (النحل: ۸۳-۸۰)

مشکل الفاظ کے معانی

سکنا: مسکن جس میں تم رہتے ہو۔

بیوتا تستخفونہا یوم ظعنکم ویوم اقامتکم۔ ہلکے پھلکے خیمے تمہارے سفر اور تمہارے قیام کے دنوں میں۔ جب خانہ بدوش لوگ پانی اور چارہ کی تلاش میں سفر کرتے ہیں۔

اصواف: صوف کی جمع ہے۔ بھیڑوں کے بال جس کو اون کہتے ہیں، اوبار، وبر کی جمع ہے، اونٹ کے بال اس کو پشم کہتے ہیں، اشعار، شعر کی جمع ہے، اس کا معنی ہے بکریوں کے بال۔

اثاثا: گھر کا ساز و سامان مثلاً بستر اور کپڑے وغیرہ، اثاث کا واحد من لفظہ نہیں ہے۔

متاعا: نفع والی چیزیں جن کی تجارت کی جاتی ہے، جو کچھ عرصہ تک باقی رہ سکیں۔

ظلالا: ظل کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو سایہ دار چیزیں پیدا کی ہیں مثلاً بادل، درخت، پہاڑ وغیرہ۔ آدمی سورج کی گرمی سے بچنے کے لیے ان میں پناہ حاصل کرتا ہے۔

اکنانا: کن کی جمع ہے، جس میں انسان چھپتا ہے، کسی پہاڑ میں کوئی غار ہو یا سرنگ ہو۔

سرابیل: سربال کی جمع ہے، قمیص کو کہتے ہیں خواہ سوتی ہو یا اونی اور سرابیل الحرب زرہوں کو کہتے ہیں، سربال کا لفظ ہر قسم کے لباس کو عام ہے۔

باس: اصل میں شدت کو کہتے ہیں خواہ وہ جنگ کی شدت ہو یا موسم کی شدت ہو۔

مذکورہ آیات کا خلاصہ

یہ آیتیں بھی گزشتہ آیات کا تتمہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل بیان کیے گئے تھے اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ پہلی آیتوں میں انسان کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کان، اس کی آنکھیں اور دل و دماغ بنائے جب وہ پیدا ہوا تو اس کو کسی چیز کا علم نہیں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو علم اور معرفت سے نوازا، اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جن نعمتوں سے انسان اپنی دنیاوی زندگی میں فائدہ حاصل کرتا ہے، مثلاً وہ رہنے کے لیے اینٹوں، پتھروں، سیمنٹ، لوہے اور لکڑی سے مکان بناتا ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ جنگلوں میں سفر کے لیے وہ ہلکے پھلکے خیمے لے جاتا ہے، قدیم زمانہ میں مویشیوں کی کھالوں کے خیمے بنائے جاتے تھے اب کینوس یا اور کسی مضبوط کپڑے کے خیمے بنائے جاتے ہیں یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں، اور ان مویشیوں کے بالوں، اون اور پشم سے انسان اپنے لباس بناتا ہے جن سے موسم کی شدت کو دور کرتا ہے خواہ سخت گرمی ہو یا سخت سردی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر سخت گرمی کا ذکر فرمایا کیونکہ عرب کے لوگ عموماً سخت سردی سے ناآشنا تھے، انہوں نے کبھی برف باری نہیں دیکھی تھی، ان کے لیے سخت سردی کا تذکرہ بالکل حیران کن ہوتا۔ تاہم ایک چیز سے اس کی ضد سمجھ میں آجاتی ہے سو جس طرح

لباس انسان کو سخت گرمی سے بچاتا ہے اسی طرح سخت سردی سے بھی بچاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی طرح اللہ تم پر اپنی نعمت مکمل فرماتا ہے تاکہ تم اپنی زندگی کی ضروریات میں اور اپنی مصلحتوں میں اور اپنی عبادتوں میں ان چیزوں سے مدد حاصل کر سکو تاکہ تم اس کی اطاعت کرو۔ یعنی ان نعمتوں کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور اگر وہ روگردانی کریں یعنی ان نعمتوں کا بیان سننے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے احسانات کو نہ پہچانیں تو آپ کا کام تو صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ آپ کا منصب کسی کو جبراً مومن بنانا نہیں ہے، آپ ان کے ایمان نہ لانے پر غم نہ کریں، ان میں سے اکثر لوگ ضدی اور سرکش ہیں، وہ حق کو ماننے والے نہیں ہیں عناد اور ہٹ دھرمی سے کفر کرنے والے ہیں۔

ہڈی کے نجس ہونے کے متعلق علامہ قرطبی کے دلائل

ان آیتوں میں مویشیوں سے حاصل ہونے والے اون، پشم اور بالوں کا ذکر ہے۔ علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ جانوروں کے بالوں کے متعلق مذاہب فقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ مردار کے بال اور اس کا اون پاک ہے اور ان سے ہر حال میں نفع حاصل کرنا جائز ہے البتہ استعمال سے پہلے اس کے بالوں اور اون کو دھولیا جائے گا اس خوف سے کہ اس کے ساتھ کوئی میل لگا ہوا نہ ہو۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مردار کی کھال کو جب رنگ لیا جائے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کے اون، اس کے بالوں اور اس کے سینگوں کو استعمال کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جب ان کو دھولیا جائے۔ اس حدیث کی سند میں یوسف بن اسفر متروک الحدیث ہے اور اس کے سوا اور کسی نے اس کو روایت نہیں کیا۔
(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۴۶، رقم الحدیث: ۱۱۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۴، حافظ الہیثمی نے لکھا کہ یوسف اسفر کے ضعف پر اجماع ہے، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۱۸، امام ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ ابو زرعہ اور النسائی نے کہا کہ یہ متروک الحدیث ہے، رحیم نے کہا یہ کچھ بھی نہیں، امام ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے استدلال کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ التحقیق ج ۱ ص ۹۱-۹۰)
علامہ قرطبی اس حدیث سے استدلال کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
بالوں میں موت حلول نہیں کرتی خواہ وہ بال اس جانور کے ہوں جس کا کھانا حلال ہے یا اس جانور کے ہوں جس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ مثلاً انسان کے بال ہوں یا خنزیر کے، تمام قسم کے بال پاک ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے لیکن انہوں نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ جانور کے سینگ، اس کے دانت اور اس کی ہڈی بالوں کی مثل ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا ان میں سے کسی چیز میں روح نہیں ہوتی اس لیے حیوان کی موت سے یہ چیزیں نجس نہیں ہوں گی۔
امام شافعی سے اس مسئلہ میں تین روایات ہیں:
(۱) بال پاک ہیں اور موت سے نجس نہیں ہوتے۔ (۲) بال نجس ہیں۔
(۳) انسان اور حیوان کے بالوں میں فرق ہے۔ انسان کے بال پاک ہیں اور حیوان کے بال نجس ہیں۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مطلقاً فرمایا: ومن اصوافها واوبارها واشعارها۔ (النحل: ۸۰) اور ان (مویشیوں) کے اون اور پشم اور بالوں سے ایک معین مدت تک فائدہ اٹھانے کے لیے گھریلو چیزیں بناتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں سے فائدہ حاصل کرنے کو ہم پر احسان قرار دیا ہے اور ذبح شدہ جانور اور اس کے غیر میں فرق نہیں فرمایا' لہٰذا یہ آیت مویشیوں سے فائدہ حاصل کرنے کے جواز میں عام ہے سوا اس کے کہ کسی خاص دلیل سے ممانعت ثابت ہو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مویشیوں کی موت سے پہلے تو ان کے بال اصل کے مطابق پاک تھے اور ان کے پاک ہونے پر اجماع ہے' اب جس شخص کا یہ زعم ہے کہ موت کے بعد ان میں نجاست منتقل ہو گئی اس پر دلیل پیش کرنا لازم ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن کریم میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدہ: ۳) تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مردار حرام اور نجس ہے لہٰذا موت کے بعد اس کے بال بھی نجس ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے عموم سے بال خارج ہیں اور اس پر دلیل سورۃ النحل کی یہ آیت ہے جس میں مویشیوں کے بال' پشم اور اون سے فائدہ حاصل کرنے کو جائز فرمایا ہے۔ اس آیت میں اون وغیرہ سے فائدہ حاصل کرنے پر نص صریح ہے جبکہ معترض کی پیش کردہ آیت میں مردار کا ذکر ہے' اس کے بالوں کا صریح ذکر نہیں ہے۔

امام ابو اسحاق شافعی نے یہ کہا ہے کہ بال پیدائشی طور پر حیوان کے ساتھ متصل اور اس کا جز ہوتے ہیں اور حیوان کے بڑھنے کے ساتھ اس کے بال بڑھتے ہیں اور اس کی موت سے جیسے اس کے باقی اجزاء نجس ہوتے ہیں' اس کے بال بھی نجس ہو جاتے ہیں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نشوونما حیات کی دلیل نہیں ہے کیونکہ نباتات میں بھی نشوونما ہے لیکن وہ زندہ نہیں ہیں اور اگر وہ بالوں کے اتصال اور ان کے بڑھنے سے بالوں کی حیات پر استدلال کر سکتے ہیں تو ہم یہ استدلال کر سکتے ہیں کہ جب زندہ حیوان کے جسم سے بال کاٹے جاتے ہیں تو اس کو بالکل احساس نہیں ہوتا اور یہ اس پر دلیل ہے کہ اس میں حیات نہیں ہے۔

فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ مردار کی ہڈی' اس کے دانت اور اس کے سینگ بھی اس کے بالوں کی مثل ہیں۔ ہمارے مذہب میں مشہور یہ ہے کہ مردار کی ہڈی' اس کے دانت اور اس کا سینگ اس کے گوشت کی طرح نجس ہے' اور ابن وہب مالکی کا قول امام ابو حنیفہ کے قول کی مثل ہے۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے: مردار کی کسی چیز سے نفع حاصل نہ کرو۔ یہ حدیث مردار کے ہر جز کو شامل ہے' سوا اس کے جس کی خصوصیت پر کوئی دلیل قائم ہو۔ (حدیث کا متن اس طرح نہیں ہے۔ جس طرح علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ ہم عنقریب ذکر کریں گے) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ہڈیوں کے نجس ہونے پر دلیل قطعی حسب ذیل آیات ہیں:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (یٰسین: ۷۸) اس (کافر) نے کہا جب ہڈیاں گل کر بوسیدہ ہو چکی ہوں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟

وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا (البقرۃ: ۲۵۹) اور ان ہڈیوں کو دیکھو ہم کس طرح ان کو جوڑتے ہیں پھر کس طرح ان کو گوشت پہناتے ہیں۔

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا (المومنون: ۱۴) پھر گوشت کی بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت پہنایا۔

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (النّٰزعٰت: ۱۱) کیا جب ہم گلی ہوئی ہڈیاں ہو جائیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس طرح چمڑے اور گوشت میں حیات ہوتی ہے اسی طرح ہڈیوں میں حیات ہوتی ہے

اور مرنے کے بعد باقی جسم کی طرح ہڈیاں بھی نجس ہو جاتی ہیں۔

اور حدیث میں ہے:

عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب آیا کہ مردار کی کھال اور پٹھوں سے نفع حاصل نہ کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۷۲۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۲۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۱۳ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۰۴ مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۰)

ہو سکتا ہے کہ اس پر اس حدیث سے معارضہ کیا جائے:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ صدقہ کی ایک بکری ہم پر ہدیہ کی گئی وہ مرگئی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا تم نے اس کھال کو رنگ کر اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو مردار تھی۔ آپ نے فرمایا اس کا صرف کھانا حرام ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۲۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۳ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۳۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۱۰)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ اس کا صرف کھانا حرام ہے اور ہڈی کو کھایا نہیں جاتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ہڈی حرام نہیں ہے اور وہ نجس بھی نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہڈی بھی کھائی جاتی ہے، خاص طور پر دودھ پیتے اونٹ کی ہڈی اور بکری کے بچے کی ہڈی اور پرندوں کی ہڈیاں، اور ہم اس سے پہلے یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ ہڈیوں میں حیات ہوتی ہے اور جو چیز اپنی حیات میں پاک ہو وہ ذبح کرنے سے پاک رہتی ہے اور موت سے نجس ہو جاتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۱۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

خنزیر کے بالوں کا نجس ہونا

النحل: ۸۰ کی جو علامہ قرطبی نے تفسیر کی ہے ہمیں اس میں دو چیزوں سے اختلاف ہے ایک یہ کہ انہوں نے مویشیوں کے بالوں کے عموم میں خنزیر کو بھی شامل کر لیا ہے اور صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ خنزیر کے بال پاک ہیں اور ہمارے نزدیک خنزیر کے بال بھی نجس ہیں، اور دوسری چیز یہ ہے کہ انہوں نے ہڈی کو نجس لکھا ہے اور ہمارے نزدیک ہڈی پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ۔ (الانعام: ۱۴۵)

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا: وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ (خنزیر) نجس ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں فانہ رجس کی ضمیر لحم کی طرف نہیں لوٹتی بلکہ خنزیر کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ اگر یہ ضمیر لحم کی طرف لوٹے تو اس کا معنی ہوگا کہ خنزیر کا گوشت حرام ہے کیونکہ خنزیر کا گوشت نجس ہے اور یہ بعینہٖ دعویٰ کو دلیل بنانا ہے اور اگر یہ ضمیر خنزیر کی طرف لوٹائی جائے تو معنی ہوگا کہ خنزیر کا گوشت حرام ہے کیونکہ خنزیر نجس ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اور مجسم نجاست ہے، اس کا گوشت بھی نجس ہے، اس کی کھال بھی نجس ہے، اس کی ہڈیاں بھی نجس ہیں

اور اس کے بال بھی نجس ہیں۔
اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيْلًا۔ (النساء: ۲۲)

ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں، ماسوا اس کے جو پہلے ہو چکا ہے، کیونکہ ایسا کام بے حیائی ہے اور (اللہ کے) غضب کا موجب ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ یہ بے حیائی کا کام ہے اور غضب الٰہی کا موجب ہے اور برا طریقہ ہے یہ باپ دادا کی بیویوں سے نکاح کے حرام ہونے کی علت ہے۔ حالانکہ ان کے ساتھ نکاح حرام ہونا ہی اس بات کی علامت تھا کہ یہ بہت برا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کے حرام ہونے کی علت کو صراحتاً بیان فرمایا۔ اسی طرح خنزیر کے گوشت کو حرام کرنے سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ خنزیر نجس ہے اس لیے اس کے گوشت کو حرام فرمایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ خنزیر کے گوشت کے حرام ہونے کی علت بیان فرمائی کہ وہ نجس ہے یعنی نجس العین ہے۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۵-۱۰۴ مطبوعہ کوئٹہ)

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

ہرچند کہ خنزیر کے تمام اجزاء حرام ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کے گوشت کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ کسی جانور سے نفع حاصل کرنے کا اہم نفع اور بڑا مقصود اس کا گوشت کھانا ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ۔ (المائدہ: ۹۵)

اے ایمان والو! حالت احرام میں شکار کو قتل نہ کرو۔

اس آیت میں شکار کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے حالانکہ حالت احرام میں شکار کو بھگانا اس کو پریشان کرنا اس کی طرف اشارہ کرنا سب افعال حرام ہیں لیکن اس آیت میں شکار کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اہم مقصود شکار کو قتل کرنا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ (الجمعہ: ۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔

اس آیت میں اذان جمعہ کے وقت صرف خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے حالانکہ اذان جمعہ کے وقت ہر وہ کام ممنوع ہے جو جمعہ کی طرف جانے سے مانع ہو، لیکن جو چیز لوگوں کو زیادہ مشغول رکھتی ہے وہ خرید و فروخت ہے۔ اللہ نے اس کا ذکر فرمایا حالانکہ اس وقت تمام ایسے کام ممنوع ہیں جو جمعہ کی طرف جانے سے مانع ہوں، اسی طرح خنزیر کے تمام اجزاء نجس اور حرام ہیں لیکن گوشت کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ لوگوں کا اہم مقصود گوشت کھانا ہوتا ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۳ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

رہا خنزیر تو اس کے بال اور اس کی ہڈی اور اس کے تمام اجزاء نجس ہیں۔ البتہ ضرورت کی بناء پر اس کے بالوں سے جوتی گانٹھنے کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز اس کے قائم مقام نہیں ہے' اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس کو بھی مکروہ کہا ہے' اور فقہاء احناف کے تمام اقوال کے مطابق خنزیر کے بالوں کی بیع جائز نہیں ہے اور خنزیر کا بال کم پا ساکن پانی میں گر جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ پانی نجس ہو جائے گا' اور اگر کپڑوں میں اس کا بال ہو تو نماز ناجائز ہو گی۔ امام ابو یوسف نے جو خنزیر کے بال کو ناجائز کہا ہے' یہی ظاہر الروایہ ہے' بدائع' الاختیار اور المجتبیٰ نے اسی کو صحیح کہا ہے۔

(البحر الرائق ج ۱ ص ۷ ۱۰ مطبوعہ کوئٹہ)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ خنزیر نجس العین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رجس (نجس) فرمایا ہے۔ للہذا اس کے بالوں اور دیگر تمام اجزاء کو استعمال کرنا حرام ہے' موچیوں کی ضرورت کی وجہ سے اس کے بالوں سے جوتی گانٹھنے کی اجازت دی گئی۔ امام ابو یوسف نے اس کو بھی مکروہ کہا ہے' صحیح یہ ہے کہ اس کے بال بھی نجس ہیں۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۷۱' ۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

خنزیر نجس العین (مجسم نجاست) ہے۔ یعنی اس کی ذات تمام اجزاء کے ساتھ نجس ہے' خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ جیسے دیگر حیوانات خون کی وجہ سے نجس ہوتے ہیں اس کا یہ معاملہ نہیں ہے (یعنی اس کے جن اجزاء میں خون نہ ہو جیسے بال' ہڈی وغیرہ وہ بھی نجس ہیں)۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

قدیم فقہاء نے جو ضرورت کی بناء پر خنزیر کے بالوں سے جوتی گانٹھنے کی اجازت دی تھی وہ اس زمانہ کے اعتبار سے تھی کیونکہ اس وقت جوتی گانٹھنے کے لیے اس سے زیادہ اور کوئی مضبوط چیز میسر نہیں تھی لیکن اب چونکہ زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے اور جوتی گانٹھنے کے لیے مختلف نوع کے مضبوط دھاگے ایجاد ہو چکے ہیں اس لیے اب خنزیر کے بالوں کا کسی حال میں استعمال جائز نہیں ہے۔

ہڈی کا پاک ہونا

علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی نے ہڈی کے نجس ہونے پر بہت دلائل پیش کیے ہیں۔ ہم پہلے ہڈی کے پاک ہونے پر دلائل پیش کریں گے اس کے بعد علامہ قرطبی مالکی کے دلائل کا جائزہ لیں گے۔

متعدد احادیث' آثار صحابہ اور تابعین سے ثابت ہے کہ وہ ہاتھی دانت سے بنی ہوئی کنگھی کا استعمال کرتے تھے اگر ہڈی نجس ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہڈی سے بنی ہوئی کنگھی کو استعمال نہ فرماتے۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہاتھی دانت سے بنی ہوئی کنگھی تھی جس سے آپ کنگھی کرتے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۷۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' سبل الہدیٰ والرشاد ج ۷ ص ۳۳۶)

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ایک طویل حدیث ذکر کی ہے' اس کے آخر میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے آزاد شدہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (آخر میں ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے ثوبان! (سیدتنا) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے لیے سوتی پٹی کا ایک ہار خریدو اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدو۔ (ج اص ۲۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم جب رات کو بستر پر جاتے تو اپنے وضو کا پانی اور مسواک اور کنگھی رکھتے اور جب اللہ تعالیٰ آپ کو رات کو اٹھاتا تو آپ مسواک کرتے اور وضو کرتے اور کنگھی کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے پاس ہاتھی دانت کی ایک کنگھی تھی جس سے آپ کنگھی کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ ج اص ۲۶، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

امام بیہقی نے اس حدیث کو منکر کہا ہے کیونکہ ہڈی نجس ہوتی ہے۔ علامہ ترکمانی نے کہا ہے کہ امام بیہقی کو اپنے مذہب کی وجہ سے اس حدیث پر اعتراض کرنے کے بجائے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں:

زہری نے کہا جب تک پانی کا ذائقہ، اس کی بو یا اس کا رنگ متغیر نہ ہو، اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حماد نے کہا مردار پرندے کے پر میں کوئی حرج نہیں ہے۔ زہری نے کہا مردار جانوروں مثلاً ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں میں کوئی حرج نہیں ہے اور میں نے بہت زیادہ علماء متقدمین کو دیکھا وہ ہاتھی دانت کی بنی ہوئی کنگھیوں سے کنگھی کرتے تھے، اور ہاتھی دانت کے بنے ہوئے برتنوں میں تیل رکھتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، اور ابن سیرین اور ابراہیم نے کہا ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الوضو باب: ۶۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ** رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا، مردار کی ہر چیز حلال ہے سوا اس چیز کے جس کو کھایا جاتا ہے، اس کی کھال، اس کا سینگ، اس کے بال، اس کے دانت اور اس کی ہڈی، یہ تمام چیزیں حلال ہیں، کیونکہ اس کو ذبح نہیں کیا گیا (اس لیے اس کا گوشت حلال نہیں ہے)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۱۱۷، ۱۱۲) امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ابو بکر الہذلی کی بناء پر اعتراض کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج اص ۲۳) تاہم تعدد اسانید کی وجہ سے اس کا ضعف مضر نہیں ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں:

ہڈی، سینگ اور بال وغیرہ مردار نہیں ہیں کیونکہ عرف شرع میں مردار ان حیوانات کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح کے مر گئے ہوں یا جن کو کسی نے بغیر ذبح کے مار کر ان کی حیات زائل کر دی ہو اور بال اور ہڈی وغیرہ میں حیات نہیں ہوتی لہٰذا وہ مردار نہیں ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مردار کی نجاست مردار کی خصوصیت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس میں جو بہنے والا خون اور نجس رطوبات ہوتی ہیں، اس کی وجہ سے مردار نجس ہوتا ہے اور بال اور ہڈی میں خون اور رطوبات نہیں ہوتیں اس لیے بال اور ہڈی نجس نہیں ہیں۔

علامہ قرطبی مالکی نے ہڈی میں حیات کے ہونے پر اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۔ اس (کافر) نے کہا جب ہڈیاں گل کر بوسیدہ ہو چکی ہوں گی تو

(یٰسین: ۷۸) ان کو کون زندہ کرے گا۔
علامہ زمخشری نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جو لوگ ہڈیوں میں حیات ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مردوں کی ہڈیاں نجس ہوتی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حیوان کے مرنے کے بعد اس کی ہڈیاں بھی مردہ ہو جاتی ہیں اور مردہ نجس ہوتا ہے لہٰذا ہڈیاں بھی نجس ہیں، اور امام ابو حنیفہ کے اصحاب اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہڈیاں پاک ہیں، اسی طرح بال بھی پاک ہیں اور اس آیت میں ہڈیوں کو زندہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح پہلے زندہ انسان کے جسم میں ہڈیاں صحیح و سالم تھیں، ان کو دوبارہ اصل حالت پر کون لائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے پہلی بار انسان کو پیدا کیا تھا اور اس کے جسم میں صحیح و سالم ہڈیاں بنائی تھیں وہی دوبارہ انسان کو ہڈیوں سمیت پیدا فرمائے گا۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرنے سے مراد ہے ہڈیوں والے انسان کو زندہ کرنا اور کفار کو دراصل اسی میں شبہ تھا کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہو گا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار نے کہا ان بوسیدہ ہڈیوں والوں کو کون زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان ہڈیوں والوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار ان کو پیدا کیا تھا۔
خلاصہ یہ ہے کہ العظام سے مراد ہے اصحاب العظام۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۹-۱۰۸ ملخصاً مطبوعہ کوئٹہ)

انسان کے بالوں کا طاہر ہونا

زیر تفسیر آیت میں بالوں کا ذکر ہے۔ امام شافعی کے نزدیک زندہ انسان کے جسم سے جو بال الگ ہو گیا وہ نجس ہے۔ امام بخاری نے اس کا رد کیا ہے۔
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵٦ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال (مبارک) ہے جو ہم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف سے ملا تھا۔ تو عبیدہ نے کہا اگر میرے پاس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال ہو تو وہ مجھے دنیا اور ما فیہا سے زیادہ محبوب ہوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۰)
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنا سر منڈوایا تو جس نے سب سے پہلے آپ کے بال لیے وہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰۵ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۹۸۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۱۲)
علامہ ابو الحسین علی بن خلف الشہیر بابن بطال المالکی الاندلسی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ مہلب لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں کو وارد کرنے سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ امام شافعی کے اس قول کا رد کیا جائے کہ انسان کا بال جب اس کے جسم سے الگ ہو جائے تو وہ نجس ہے اور اگر وہ پانی میں گر جائے تو وہ پانی بھی نجس ہو جاتا ہے اور جبکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بالوں کو رکھنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے تو معلوم ہوا کہ انسان کے بال پاک ہیں۔
علامہ مہلب نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کے جسم سے جو بال یا ناخن لیے جائیں تو وہ نجس نہیں ہیں اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال رکھا ہوا تھا۔ جنگ یمامہ میں ایک بار ان کی ٹوپی گر گئی تو وہ بہت گھبرائے اور دوران جنگ وہ ٹوپی اٹھائی۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے اس پر سخت اعتراض کیا انہوں نے کہا میں نے اس ٹوپی کی وجہ سے اس کو نہیں اٹھایا بلکہ اس

ٹوپی کو اس لیے اٹھایا ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال ہے اور میں نے اس کو ناپسند کیا کہ یہ ٹوپی مشرکین کے ہاتھ لگ جائے جبکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بال ہے۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۱ ص ۲۶۵ مکتبہ الرشد ریاض ۱۴۲۰ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام شافعی کا قول قدیم اور قول جدید یہ ہے کہ زندہ انسان کے جسم سے الگ ہونے والے بال پاک ہیں اور عراقی فقہاء شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ بال نجس ہیں' اور امام بخاری نے ان احادیث سے انسان کے بالوں کی طہارت پر استدلال کیا ہے۔ اس استدلال پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بال مکرم ہیں' ان پر دوسروں کے بالوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ ابن المنذر اور علامہ خطابی نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ خصوصیت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور بغیر دلیل کے خصوصیت ثابت نہیں ہوتی۔ فقہاء شافعیہ نے کہا جو شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کی خصوصیت کا قائل ہے' اس پر یہ لازم آئے گا کہ جس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیتی تھیں وہ اس حدیث سے منی کے پاک ہونے پر استدلال نہ کرے کیونکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی منی پاک تھی۔ دوسروں کی منی کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (تمام فقہاء شافعیہ کے نزدیک انسان کی منی پاک ہے کیونکہ یہ وہ تخم ہے جس سے انبیاء علیہم السلام بھی پیدا ہوتے ہیں) اور تحقیق یہ ہے کہ تمام احکام تکلیفیہ میں آپ کا حکم وہی ہے جو تمام مکلفین کا حکم ہے۔ ماسوا اس خصوصیت کے جو کسی دلیل سے ثابت ہو اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فضلات کی طہارت پر بکثرت دلائل قائم ہیں۔ اسی وجہ سے ائمہ نے اس کو آپ کے خصائص میں سے شمار کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۷۴ مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کے متعلق احادیث

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر بکثرت دلائل قائم ہیں' اس لیے ہم یہاں چند احادیث ذکر کر رہے ہیں۔ ان تمام احادیث کو حافظ ابن حجر نے معتبر قرار دیا ہے۔

(تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۴-۴۲)

عامر بن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد (حضرت ابن الزبیر) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے' اس وقت آپ فصد لگوا رہے تھے' جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا اے عبداللہ! یہ خون لے جاؤ اور اس کو ایسی جگہ ڈال دینا جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے۔ جب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گیا تو میں نے اس خون کو پی لیا' جب میں واپس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا تو آپ نے پوچھا اے عبداللہ! تم نے اس خون کا کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے اس کو ایسی جگہ رکھ دیا جس کے متعلق میرا گمان ہے کہ وہ لوگوں سے مخفی رہے گی۔ آپ نے فرمایا شاید تم نے اس کو پی لیا۔ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا تم کو خون پینے کا کس نے حکم دیا تھا؟ لوگوں کو تم سے افسوس ہوگا اور تم کو لوگوں سے افسوس ہوگا۔ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں ہے کہ تم کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۶۴۰۰ طبع جدید' المستدرک ج ۳ ص ۵۵۴ طبع قدیم' حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۱۲۶' تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۰' حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو امام بیہقی اور امام ابو یعلیٰ کے حوالوں سے روایت کیا ہے' الاصابہ

ج ۳ ص ۸، طبع جدید، نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کا خون پاک ہے، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۸۳۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۲۳۳ حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور امام بزار کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام کیسان بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے پاس گئے اس وقت حضرت عبداللہ بن الزبیر کے پاس ایک طشت تھا جس میں سے وہ پی رہے تھے پھر حضرت عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے پاس گئے، آپ نے ان سے فرمایا تم فارغ ہو گئے۔ انہوں نے کہا جی ہاں! حضرت سلمان نے کہا یا رسول اللہ! کس کام سے؟ آپ نے فرمایا میں نے فصد لگوانے کے بعد ان کو خون پھینکنے کے لیے دیا تھا۔ سلمان نے کہا جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اس کی قسم! انہوں نے اس خون کو پی لیا آپ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر سے پوچھا تم نے وہ خون پی لیا؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے کہا میں نے یہ پسند کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کا خون میرے پیٹ میں پہنچ جائے۔ پھر آپ نے حضرت ابن الزبیر کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تمہیں لوگوں سے افسوس ہو گا اور لوگوں کو تم سے افسوس ہو گا تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے آگ چھوئے گی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۰ طبع قدیم، حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۱۷۷ طبع جدید، تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۸۵، ج ۷ ص ۴۰۱، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۲۲۳-۳۳۵۹۵)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کو فصد لگائی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا یہ خون لو اور اس کو دفن کر دو حیوانات، پرندوں اور لوگوں سے (محفوظ کر دو) میں نے چھپ کر وہ خون پی لیا پھر میں نے آپ سے ذکر کیا تو آپ ہنس پڑے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۴۳۴ مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۳۵ حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ امام طبرانی کی سند میں ثقہ راوی ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰ تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۳۲ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۸۳۸)

ام عبدالرحمن بنت ابی سعد اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کا چہرہ زخمی ہو گیا۔ حضرت مالک بن سنان نے آگے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کا زخم چوس لیا۔ آپ نے فرمایا جو شخص اس کی طرف دیکھنا چاہتا ہو جس کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا ہے وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۳۳۰ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰ الاصابہ ج ۵ ص ۵۳۸)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم زخمی ہو گئے تو حضرت ابو سعید خدری کے والد حضرت مالک بن سنان نے آپ کا زخم چوس لیا حتیٰ کہ اس کو بالکل صاف اور سفید کر دیا۔ ان سے کہا گیا اس کو تھوک دو۔ انہوں نے کہا بخدا میں اس کو کبھی نہیں تھوکوں گا پھر انہوں نے جا کر قتال کرنا شروع کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا جو شخص اہل جنت میں سے کسی کو دیکھنا چاہتا ہو، وہ اس کی طرف دیکھ لے۔ پھر وہ شہید ہو گئے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۶۶، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم قضائے حاجت کے لیے داخل ہوئے، آپ کے بعد میں داخل ہوئی تو وہاں مجھے کوئی چیز نظر نہیں آئی اور مجھے وہاں مشک کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی، میں

نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے تو کوئی چیز نہیں دیکھی۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتیں کہ انبیاء علیہم السلام سے جو چیز نکلتی ہے زمین اس کو نگل لیتی ہے، پھر اس میں سے کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۹۳۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حکیمہ بنت امیمہ اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا، اس کو تخت کے نیچے سے اٹھاتے تھے۔ آپ نے اس میں پیشاب کیا پھر دوبارہ اس پیالے کو دیکھا تو اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ نے برکہ سے فرمایا جو حضرت ام حبیبہ کی خادمہ تھیں اور حبشہ سے آئیں تھیں، پیالے میں جو پیشاب تھا، وہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا میں نے اس کو پی لیا۔ آپ نے فرمایا تم نے دوزخ کی آگ کو اپنے سے دور کر دیا۔

(المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۱۸۹ حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کے راوی ثقہ اور صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱-۲۷۰ تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۳۲)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ گھر کی ایک جانب مٹی کا پیالہ رکھا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رات کو اٹھ کر اس میں پیشاب کرتے تھے، ایک رات کو میں اٹھی، میں پیاسی تھی اس میں جو کچھ تھا وہ میں نے پی لیا اور مجھے پتا نہیں چلا جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ام ایمن اٹھو! اور اس برتن میں جو کچھ ہے، اس کو پھینک دو۔ میں نے عرض کیا اللہ کی قسم اس میں جو کچھ تھا وہ میں نے پی لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں پھر فرمایا تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہو گا۔

(المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۹۰-۸۹، حافظ الہیثمی نے کہا کہ اسکی سند میں ایک راوی ابو مالک النخعی ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱، المستدرک ج ۴ ص ۶۴-۶۳ طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۶۹۹۱، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۸۳۹، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۳۲)

فضلات کریمہ کی طہارت پر فنی اعتراضات کے جوابات

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کریمہ کی طہارت کی جو احادیث ہیں، ان پر ملا علی قاری نے کچھ عقلی اور کچھ فنی اعتراضات کیے ہیں۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۵۴-۳۵۳) ہم نے ان اعتراضات کے تفصیل سے جوابات شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۸۹۷-۸۳۷ میں لکھ دیے ہیں جن احادیث کی بنیاد پر ملا علی قاری نے اعتراضات کیے ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کی فنی حیثیت واضح کی ہے، اس لیے ہم یہاں ان کی عبارت تفصیل سے نقل کر رہے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ابو طیبہ جو فصد لگانے والے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خون پی لیا اور آپ نے ان پر انکار نہیں فرمایا۔ (اتحاف السنن ج ۲ ص ۳۱۷) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کے پینے کے بعد فرمایا دوبارہ نہ پینا، ہر خون حرام ہے۔ (ملا علی قاری اور شیخ اشرف علی تھانوی نے بوادر نوادر میں اسی لفظ سے آپ کے خون کے نجس ہونے پر استدلال کیا ہے لیکن اہل فہم پر مخفی نہیں کہ حرمت نجاست کو مستلزم نہیں ہوتی۔ مثلاً مال غیر کو بلا اجازت کھانا حرام ہے لیکن وہ نجس نہیں ہے۔) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں پہلی روایت میں میں نے ابو طیبہ کا ذکر نہیں دیکھا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ کوئی اور شخص تھا کیونکہ ابو طیبہ کا تعلق انصار کے قبیلہ بنو بیاضہ سے تھا، بلکہ میرے نزدیک وہ خون، قریش کے کسی آزاد شدہ غلام نے پیا تھا۔ اور وہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (یعنی حسن یا ضعیف ہے) امام ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں از نافع ابی ہرمز از عطاء از ابن عباس یہ روایت ذکر کی ہے کہ قریش کے کسی غلام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فصد لگائی، جب وہ فصد لگانے سے فارغ ہوا تو وہ اس خون کو لے کر دیوار کے پیچھے چلا گیا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا جب اسے کوئی نظر نہیں آیا تو اس نے اس خون کو

پی لیا۔ جب وہ فارغ ہو کر آیا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تم پر افسوس ہے تم نے اس خون کے ساتھ کیا کیا۔ اس نے کہا میں نے اس خون کو دیوار کے پیچھے غائب کر دیا۔ آپ نے پوچھا تم نے کہاں غائب کیا؟ اس نے کہا میں نے آپ کے خون کو زمین پر گرانا ناپسند کیا سو وہ میرے پیٹ میں ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم نے اپنے نفس کو دوزخ کی آگ سے محفوظ کر لیا۔ نافع جس نے یہ حدیث روایت کی ہے امام ابن حبان نے کہا اس نے اس حدیث کو نسخہ عطاء کے نسخہ موضوعہ سے روایت کیا ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا وہ کذاب ہے اور رہی دوسری روایت تو میں نے اس میں بھی ابوطیبہ کا ذکر نہیں دیکھا۔ بلکہ وہ روایت ابو ہند کے متعلق ہے' امام ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں ذکر کیا ہے سالم ابو ہند فصد لگانے والے تھے' انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے فصد لگائی جب میں فارغ ہوا تو میں نے خون کو پی لیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اس خون کو پی لیا۔ آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے اے سالم! کیا تم نہیں جانتے کہ خون حرام ہے' دوبارہ نہ پینا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۹۶۱' ۳۱۷۲۸) اس حدیث کی سند میں ابوالحجاف ہے اور اس پر جرح کی گئی ہے۔

(اس سے معلوم ہوا کہ جس حدیث کی بنیاد پر ملا علی قاری اور شیخ تھانوی نے فضلات کریمہ کی نجاست پر استدلال کیا ہے' وہ ضعیف روایت ہے اور سند کے ضعف کے علاوہ ان کا مدعا ثابت نہیں ہے کیونکہ حرمت نجاست کو مستلزم نہیں ہوتی۔)

(تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۴۔۴۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر بکثرت دلائل قائم ہیں۔ اسی وجہ سے ائمہ نے اس کو آپ کے خصائص میں سے شمار کیا ہے اور المطالب العالیہ میں حضرت ابن الزبیر کے خون پینے کی حدیث پر یہ عنوان قائم کیا "نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے خون کی طہارت" اور تلخیص الحبیر میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے فضلات مبارکہ کی طہارت کی احادیث کی تخریج کی اور ان احادیث کو معتبر قرار دیا اور جو احادیث بظاہر اس کے خلاف ہیں ان کے فنی اسقام بیان کیے پھر مجھے امام احمد رضا کی اس عبارت پر سخت حیرت ہوئی۔

میری نظر میں امام ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری کی وقعت ابتداء امام بدرالدین عینی شارح صحیح بخاری سے زیادہ تھی' فضلات شریفہ کی طہارت کی بحث ان دونوں صاحبوں نے کی ہے' امام ابن حجر نے ابحاث محدثانہ لکھی ہیں کہ یوں کہا جاتا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے اخیر میں لکھا ہے کہ فضلات شریفہ کی طہارت ان کے نزدیک ثابت نہیں۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت ص ۳۵۷' مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

دراصل ملا علی قاری نے شرح الشفاء میں محدثانہ بحث کی ہے اور ان احادیث پر اعتراضات کیے اور لکھا ہے کہ طہارت کے بجائے اس کی ضد ثابت ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم (جلد ۶) میں ان تمام اعتراضات کے جواب دیئے ہیں اور ملا علی قاری نے جمع الوسائل میں اس کے برعکس لکھا ہے اور حضرت ام ایمن کے پیشاب پینے کی حدیث درج کر کے یہ لکھا ہے ائمہ متقدمین اور متاخرین نے اس حدیث سے آپ کے فضلات مبارکہ کی طہارت پر استدلال کیا ہے اور متاخرین کی ایک جماعت کا بھی یہی مختار ہے اور اس پر بکثرت دلائل قائم ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کے خصائص میں سے لکھا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب آپ کا شق صدر اور آپ کے باطن کو دھونا ہے۔

(جمع الوسائل ج ۲ ص ۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

فضلات کریمہ کی طہارت کے متعلق دیگر علماء کی عبارات

علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے سند حسن یا سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ بیت الخلاء میں جاتے ہیں پھر جو شخص آپ کے بعد جاتا ہے وہ ایسی کسی چیز کا کوئی نشان نہیں دیکھتا جو آپ سے خارج ہوئی ہو۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ! کیا تم یہ نہیں جانتیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جو چیز بھی نکلے وہ اس کو نگل لے۔ امام ابن سعد نے اس حدیث کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ لہٰذا امام بیہقی کا ابن علوان کی وجہ سے اس حدیث پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے اور شاید کہ وہ اس حدیث کے دیگر طرق پر مطلع نہیں ہوئے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب کے متعلق متعدد روایات ہیں۔ آپ کی باندی برکہ ام ایمن اور حضرت ام حبیبہ کی خادمہ برکہ ام یوسف نے آپ کا پیشاب پیا۔ اور آپ نے ام یوسف کو صحت کی بشارت دی اور ام ایمن سے فرمایا تم کو کبھی پیٹ کی بیماری نہیں ہوگی۔ ان احادیث سے ہمارے ائمہ متقدمین نے اور علمائے متاخرین نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر استدلال کیا ہے اور اس پر بکثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔

(اشرف الوسائل ص ۲۹۱-۲۹۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب اور آپ کے تمام فضلات کو طاہر قرار دیتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۷۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض ائمہ شافعیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشاب اور تمام فضلات کو طاہر قرار دیا ہے اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ المواہب اللدنیہ میں علامہ عینی کی شرح بخاری سے منقول ہے اور علامہ بیری نے شرح الاشباہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

علمائے دیوبند کے مشہور محدث شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے فضلات کی طہارت کا مسئلہ مذاہب اربعہ کی کتابوں میں موجود ہے لیکن میرے پاس اس کی ائمہ سے کوئی نقل نہیں ہے۔ الا یہ کہ المواہب اللدنیہ میں عینی کے حوالے سے یہ لکھا ہوا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک آپ کے فضلات طاہر ہیں لیکن مجھے یہ بات عینی میں نہیں ملی۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۲۵۱ مطبوعہ مطبع حجازی قاہرہ ۱۳۵۷ھ)

غالباً شیخ کشمیری کی نظر سے علامہ عینی کی مذکور الصدر عبارت نہیں گزری۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۷۹)

شرح صحیح مسلم ج ۱۳ور ج ۶ میں بھی ہم نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، وہاں بھی اس بحث کا مطالعہ مفید ہوگا۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

اور جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ پیش کریں گے، پھر کافروں کو بولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۴﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا

اور نہ ان سے عتاب دور کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا ○ اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھیں گے تو ان سے نہ

يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ○ اور جب مشرکین اپنے شرکاء کو

شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا

دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے وہ شرکاء جن کی ہم تیرے سوا

مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا الثلثة

عبادت کرتے تھے تو وہ جواب میں کہیں گے کہ بے شک تم ضرور جھوٹے ہو ○ اور اس دن وہ

اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۣالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾

اطاعت شعاری کرتے ہوئے اللہ کے سامنے گر جائیں گے اور جو کچھ وہ بہتان باندھتے تھے وہ ان سے جاتے رہیں گے ○

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا

جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کے عذاب پر مزید

فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ

عذاب بڑھا دیں گے کیونکہ وہ فساد کرتے تھے ○ اور جس دن ہم ہر امت کے خلاف

اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى

ان ہی میں سے ایک گواہ پیش کریں گے اور (اے رسول مکرم!) ہم ان سب پر آپ کو گواہ بنا کر پیش

هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى

کریں گے، اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور وہ مسلمانوں

وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع ۱۲ / ۱۸

کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ پیش کریں گے پھر کافروں کو بولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان سے عتاب دور کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا ○ اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھیں گے تو ان سے نہ عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ○ (النحل: ۸۵-۸۴)

آخرت میں کفار کے احوال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق بیان فرمایا تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچاننے کے باوجود ان کا کفر کیا اور یہ فرمایا کہ ان میں سے اکثر کافر ہیں۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کی وعید بیان فرمائی اور قیامت کے دن ان کا جو حال ہو گا اس کا بیان فرمایا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ پیش کریں گے' یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ گواہ ان کے خلاف ان کے کفر کی گواہی دیں گے' ان گواہوں سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ (النساء: ۴۱)

اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ پیش کریں گے اور (اے رسول مکرم!) اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر پیش کریں گے۔

اس کے بعد فرمایا پھر کافروں کو بولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس ارشاد کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) قیامت کے دن کافروں کو اپنے کفر پر عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ○ (المرسلات: ۳۶)

اور ان کو یہ اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ عذر پیش کریں۔

(۲) ان کو آخرت سے دنیا کی طرف جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور ان کو دوبارہ ایمان لانے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

(۳) جس وقت گواہ ان کے خلاف گواہی دیں گے اس گواہی کے دوران ان کو بولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

(۴) ان کو زیادہ باتیں کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ اس دن وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا ولاھم یستعتبون اور نہ ان سے عتاب دور کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔

عتاب کا معنی

العتبۃ اسم جامد ہے اس کا معنی ہے سیڑھی کا ڈنڈا یا چوکھٹ' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی سے کہا کہ جب تمہارا شوہر آئے تو اس سے کہنا غیر عتبۃ بابہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کرلو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۵) اور العتب اسم مصدر ہے رنج اور غصہ کرنا' ملامت کرنا' سرزنش کرنا' اعتب کا معنی ہے ناراضگی کے سبب کو دور کرنا' راضی کرنا' اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے اور استعتب کا معنی ہے رضامندی طلب کرنا۔ کہا جاتا ہے استعتبتہ فاعتبنی میں نے اس سے رضامندی طلب کی تو اس نے مجھ سے خفگی زائل کردی اور مجھ سے راضی ہو گیا۔ العتب کا معنی شدت اور سختی بھی ہے۔

(کتاب العین ج ۲ ص ۱۱۳۲' ایران' المفردات ج ۲ ص ۴۱۷' مکہ مکرمہ' مختار الصحاح ص ۲۴۷' بیروت' المنجد ص ۴۸۵' ایران)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

العتب کا معنی ہے رنج اور افسوس کرنا' ناراضگی کا اظہار کرنا اور العتاب کا معنی ہے کسی پر افسوس کرنا اور اس کو ملامت کرنا اور استعتب کا معنی ہے کسی کی رضا کو طلب کرنا۔ حدیث میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یتمنی احدکم الموت اما محسنا فلعلہ یزداد واما مسیئا فلعلہ یستعتب۔

تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو ہو سکتا ہے وہ زیادہ نیکیاں کرے اور اگر وہ بدکار ہے تو ہو سکتا ہے وہ برائی سے باز آجائے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا کو طلب کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۳۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۳۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۹۴۵)

کافروں کے عذاب میں تخفیف نہ کرنے کی تفسیر البقرہ: ۸۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب مشرکین اپنے شرکاء کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے وہ شرکاء جن کی ہم تیرے سوا عبادت کرتے تھے تو وہ جواب میں کہیں گے کہ بے شک تم ضرور جھوٹے ہو○ اور اس دن وہ اطاعت شعاری کرتے ہوئے اللہ کے سامنے گر جائیں گے اور جو کچھ وہ بہتان باندھتے تھے وہ ان سے جاتے رہیں گے○

(النحل: ۸۷-۸۶)

قیامت کے دن بتوں اور مشرکوں کا مکالمہ

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان بتوں کو اٹھائے گا جن کی کفار عبادت کرتے تھے اور ان کو اٹھانے سے مقصود یہ ہے کہ مشرکین ان بتوں کا انتہائی ذلت اور حقارت میں مشاہدہ کریں نیز وہ بت مشرکین کی تکذیب کریں گے۔ اس سے ان کے دلوں میں غم اور حسرت اور زیادہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کو شرکاء اس لیے فرمایا ہے کہ کفار ان بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے تھے۔ مشرکین جو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے وہ شرکاء جن کی ہم عبادت کرتے تھے' اس سے ان کا منشاء یہ تھا کہ وہ اپنا گناہ ان بتوں پر ڈال دیں اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ اس سے ان کو عذاب سے نجات مل جائے گی یا ان کے عذاب میں کمی ہو جائے گی۔ بت ان سے کہیں گے بے شک تم ضرور جھوٹے ہو۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ بت تو از قبیل جمادات ہیں وہ کیسے کلام کریں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بتوں میں حیات، عقل اور نطق پیدا کر دے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بالکل بعید نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مشرکین بتوں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے' یہ ہیں ہمارے وہ شرکاء جن کی ہم تیرے سوا عبادت کرتے تھے تو مشرکین کا یہ کلام سچا ہے پھر بت کیوں کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بتوں کے قول کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے اس قول میں جھوٹے ہو کہ ہم عبادت کے مستحق ہیں یا تم اس قول میں جھوٹے ہو کہ عبادت کے مستحق ہونے میں ہم اللہ کے شریک ہیں اور تمہارا ہم کو اللہ کا شریک قرار دینا یہ جھوٹ ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے کسی صورت میں آنے کی توجیہ

بتوں کو قیامت کے دن اٹھائے جانے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا چودھویں شب کو چاند دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے مسلمانوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جب سورج پر بادل نہ ہوں تو کیا سورج کو دیکھنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ مسلمانوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم اپنے رب کو عنقریب اسی طرح دیکھو گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا اور فرمائے گا جو شخص جس کی اتباع کرتا تھا وہ اس کے پیچھے چلا

جائے۔ سو جو شخص سورج کی پرستش کرتا تھا وہ سورج کے پیچھے چلا جائے گا اور جو شخص چاند کی پرستش کرتا تھا وہ چاند کے پیچھے چلا جائے گا اور جو شخص بتوں کی پرستش کرتا تھا وہ بتوں کے پیچھے چلا جائے گا اور یہ امت باقی رہ جائے گی اس میں منافقین بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایک ایسی صورت میں آئے گا جو اس صورت کی غیر ہوگی جس کو وہ پہچانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے ہم تم سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، ہم یہیں پر رہیں گے حتیٰ کہ ہمارے پاس ہمارا رب آجائے، پس جب ہمارا رب آجائے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس صورت میں وہ اس کو پہچانتے تھے، پس فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں۔ پس مسلمان کہیں گے تو ہمارا رب ہے پھر وہ اس کے پیچھے چل پڑیں گے، الحدیث۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۸)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: اس امت میں منافقین بھی ہوں گے۔ علماء نے کہا کہ مومنوں کے گروہ میں منافقین کو اس لیے رکھا گیا ہے کہ منافقین دنیا میں بھی مسلمانوں کے ساتھ چھپے ہوئے رہتے تھے سو ان کو آخرت میں بھی مسلمانوں کے ساتھ چھپا ہوا رکھا گیا سو وہ ان کے ساتھ رہیں گے اور ان کے ساتھ چل پڑیں گے اور ان کے نور میں چلیں گے حتیٰ کہ ان کے اور مومنوں کے درمیان ایک آڑ کر دی جائے گی اس کے باطن میں رحمت ہے اور اس کے ظاہر میں عذاب ہے اور ان سے مومنین کا نور نکال دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایک ایسی صورت میں آئے گا جو اس صورت کی غیر ہوگی جس کو وہ پہچانتے تھے۔ جن احادیث میں اللہ تعالیٰ کے آنے جانے اور اترنے چڑھنے کا ذکر ہوتا ہے ان میں اہل علم کے دو مسلک ہیں۔ متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ ان میں بحث نہیں کرنی چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم ان احادیث پر ایمان لائیں اور آنے جانے سے ایسے معنی کا اعتقاد رکھیں جو اللہ تعالیٰ کی جلال ذات کے لائق ہے اور اس کی عظمت کے مناسب ہے اور اس کے ساتھ یہ عقیدہ رکھیں کہ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے اور وہ جسم ہونے، منتقل ہونے اور کسی ایک جہت اور جگہ میں ہونے سے پاک ہے اور مخلوق کی تمام صفات سے منزہ ہے اور متکلمین کی ایک جماعت اور محققین کا یہی مذہب ہے اور اسی میں زیادہ سلامتی ہے۔ اس سلسلہ میں دوسرا مذہب جمہور متکلمین کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کے الفاظ میں موقع محل کے لحاظ سے تاویل کی جائے گی اور ان میں وہی شخص تاویل کر سکتا ہے جو عربی زبان کے مجازات اور محاورات سے واقف ہو۔ اصول اور فروع کا عالم ہو اور اس کو فنون عربیہ میں مہارت ہو۔ اس لیے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے ان کے پاس اللہ آئے گا اس کا معنی ہے وہ اللہ کو دیکھیں گے، اور اس کی دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے آئیں گے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ تاویل زیادہ مناسب ہے اور اس صورت میں معنی یہ ہے کہ فرشتہ ان کے پاس اس صورت میں آیا جس کو وہ پہچانتے نہیں تھے اور اس پر حادث ہونے کی علامات ظاہر تھیں جیسی علامات مخلوق میں ہوتی ہیں، اس لیے جب وہ فرشتہ کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں تو مومنین کہیں گے ہم تم سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، ہم یہیں پر رہیں گے حتیٰ کہ ہمارے پاس ہمارا رب آجائے یا پھر آپ کے ارشاد: "اللہ ان کے پاس ایسی صورت میں آئے گا" کا معنی یہ ہے اللہ ان کے پاس فرشتوں یا مخلوق کی صورتوں میں سے کسی ایسی صورت میں ظاہر ہوگا کہ وہ صورت اللہ تعالیٰ کی صفات کے مشابہ نہیں ہوگی تاکہ ان کو آزمائے، اور یہ مومنین

کا آخری امتحان ہوگا اور جب ان سے فرشتہ کہے گا یا اللہ تعالیٰ ایسی صورت میں فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں' اور وہ اس فرشتہ یا اس صورت میں مخلوق کی علامات دیکھیں گے تو وہ اس کا انکار کریں گے اور ان کو یقین ہو چکا ہوگا کہ وہ ان کا رب نہیں ہے اور وہ اس سے اللہ کی پناہ طلب کریں گے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے پھر اللہ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس کو وہ پہچانتے تھے۔ یہاں صورت سے مراد صفت ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اس صفت کے ساتھ ان پر تجلی فرمائے گا جس صفت کو وہ جانتے اور پہچانتے تھے اور مومنوں نے ہر چند کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا تھا لیکن جب وہ یہ دیکھیں گے کہ یہ صورت مخلوقات کے بالکل مشابہ نہیں ہے اور ان کو یہ معلوم ہے کہ مخلوق میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مشابہ نہیں ہے تو ان کو یقین ہو جائے گا کہ یہ ان کا رب ہے۔ لہٰذا وہ یہ کہیں گے کہ تو ہمارا رب ہے۔

نیز اس حدیث میں ہے: پھر وہ اس کے پیچھے چل پڑیں گے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کی طرف جانے کا حکم دے گا اور وہ اس کے حکم کے موافق چل پڑیں گے یا وہ فرشتوں کے پیچھے پیچھے چل پڑیں گے جو ان کو جنت کی طرف لے جائیں گے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ا ص ۱۰۰۹-۱۰۰۸ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا ہم ان کے عذاب پر مزید عذاب بڑھا دیں گے کیونکہ وہ فساد کرتے تھے O (النحل: ۸۸)

دوسروں کو کافر بنانے والوں کو دگنا عذاب ہونا

اس سے پہلی آیت میں ان کافروں کی وعید ذکر فرمائی تھی جنہوں نے خود کفر کیا تھا' اور اس آیت میں ان کافروں کی وعید ذکر فرمائی ہے جو خود بھی کافر تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ کے راستے سے روک کر اور ان کو گمراہ کر کے انہیں کافر بنایا۔ چونکہ ان کا کفر دگنا تھا اس لیے ان کی سزا بھی دگنی فرمائی۔ لہٰذا فرمایا ہم ان کے عذاب پر مزید عذاب بڑھا دیں گے یعنی ان کو اپنے کفر کا بھی عذاب ہوگا اور اپنے ان پیروکاروں کے کفر کا بھی عذاب ہوگا جنہوں نے ان کی پیروی میں کفر کیا۔

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی کسی شخص کو ظلماً قتل کیا اس کے قتل کے عذاب میں سے ایک حصہ پہلے ابن آدم کو بھی ملے گا کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱٦۷۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱٦ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۴۲)

نیز اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں نیک طریقہ ایجاد کیا اس کو اپنی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور بعد والوں کی نیکیوں کا بھی اجر ملے گا اور ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی' اور جس شخص نے اسلام میں کسی گناہ کا طریقہ ایجاد کیا اس کو اپنے گناہ کا بھی عذاب ہوگا اور بعد والوں میں سے جو اس پر عمل کرے گا اس کے گناہ کا بھی عذاب ہوگا اور بعد والوں کے عذاب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نیک کاموں میں ابتدا کرنے کی ترغیب دی ہے اور اچھے کاموں کی ابتدا کرنے پر ابھارا ہے اور باطل اور قبیح کاموں کے ایجاد کرنے سے ڈرایا ہے اور جو شخص نیکی کی ابتدا کرتا ہے اس کے لیے فضل عظیم ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳) اس باب کی حدیث ابن جریر' اس حدیث کی مخصص ہے اور اس سے مراد وہ نئے کام ہیں جو باطل ہوں اور بدعات مذمومہ ہیں۔ (یعنی وہ نیا کام جو خلاف شرع ہو' کسی سنت کا مغیر ہو اور اس کو دین میں داخل کر لیا جائے) نماز جمعہ کے باب میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے اور ہم نے وہاں یہ ذکر کیا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجبہ' مندوبہ' محرمہ' مکروہہ اور مباحہ۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۸۰۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے علامہ نووی کی اس عبارت کو نقل کیا ہے اور مزید یہ لکھا ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ نیکی کی ابتدا کرنے والے کو بعد والوں کی نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کی مخصص ہے جس میں ہے ہر عمل (کے ثواب) کا مدار نیت پر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱) (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۲۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ہم ہر امت کے خلاف ان ہی میں سے ایک گواہ پیش کریں گے اور (اے رسول مکرم!) ہم ان سب پر آپ کو گواہ بنا کر پیش کریں گے اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت' رحمت اور بشارت ہے۔ (النحل: ۸۹)

زمانۂ فترت میں علماء مبلغین کا حجت ہونا

علامہ قرطبی نے لکھا ہے۔ اس آیت میں گواہ سے مراد انبیاء ہیں جو اپنی امتوں کے خلاف قیامت کے دن گواہی دیں گے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام پہنچایا اور ان کو ایمان لانے کی دعوت دی' اور ہر زمانہ میں ایک گواہ ہوگا خواہ وہ نبی نہ ہو' اور ان کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ وہ ہدایت دینے والے ائمہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے نائبین ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ علماء مبلغین ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی شرائع کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی تبلیغ کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس تقدیر پر فترت (انقطاع نبوت کا زمانہ) میں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کو ایک مانتے ہوں گے جیسے قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل۔ جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بطور ایک امت اٹھایا جائے گا اور ورقہ بن نوفل جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اس کو جنت کے دریاؤں میں غوطے لگاتے ہوئے دیکھا ہے پس یہ لوگ اور جو ان کی مثل ہیں' وہ اپنے زمانہ کے لوگوں پر حجت ہیں اور ان پر گواہی دیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۱۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید کا ہر چیز کے لیے روشن بیان ہونا

اس کے بعد فرمایا اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

بعض علماء نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ قرآن مجید میں تمام دنیا کے علوم کا ذکر ہے بلکہ بعض علماء نے یہ کہا کہ ابتداء آفرینش عالم سے لے کر قیامت تک کے تمام واقعات کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے قرآن عظیم ہدایت کی کتاب ہے اور ہدایت کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے' وہ سب قرآن مجید میں مذکور ہیں اور تمام اصول اور فروع کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ پچھلی امتوں کے جن قصص اور واقعات کا قرآن عظیم میں ذکر ہے وہ بھی ہدایت اور موعظت کے لیے

ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر سنت، اجماع اور قیاس کی بھی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔اس کا جواب یہ ہے کہ جن چیزوں کا قرآن مجید میں صراحتاً ذکر نہیں ہے ان کے حل کے لیے قرآن مجید نے سنت، اجماع اور قیاس کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت دی ہے اور ان کا حجت ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے۔اس پر تفصیلی بحث ہم نے الانعام: ۳۸ تبیان القرآن ج ۳ ص ۱۶۴۔۴۵۸ میں کی ہے۔

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اپنے رسالہ کے خطبہ کے آخر میں یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی فہم عطا فرمائے۔اس کے بعد فرمایا مسلمانوں کو اپنی زندگی میں جو بھی حادثہ پیش آئے گا اس کے متعلق اللہ کی کتاب میں ہدایت موجود ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں دنیا اور آخرت سے متعلق تمام عقائد بیان فرمائے ہیں اور امر و نہی اور حلال و حرام اور حدود بیان فرمائی ہیں۔بعض کا قرآن مجید میں صراحتاً ذکر ہے اور بعض کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی سنت کے حوالے کر دیا ہے اور بعض احکام کو اجماع کے سپرد کر دیا ہے۔جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء: ۱۱۵) اور جو شخص مومنین کے راستہ کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈے۔

اس آیت میں اس شخص پر وعید ہے جو مومنین کے راستے کے سوا کوئی اور راستہ تلاش کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ جمہور مومنین کے طریقہ حجت ہے اور یہ اجماع کا ثبوت ہے اور نبی کریم ﷺ نے خلفاء راشدین کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد ہم کو بہت موثر اور بلیغ نصیحت فرمائی جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ہمارے دل خوفزدہ ہو گئے۔ایک شخص نے کہا یہ تو کسی الوداع ہونے والے کی نصیحت ہے، آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہو تم اس کا حکم ماننا اور اس کی اطاعت کرنا کیونکہ جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بکثرت اختلاف دیکھے گا اور تم اپنے آپ کو دین میں نئی باتیں نکالنے سے بچانا کیونکہ یہ گمراہی ہے۔تم میں سے جو شخص ایسی چیزوں کو دیکھے تو اس پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت لازم ہے اس کو ڈاڑھوں کے ساتھ پکڑ لو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳، مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶، سنن داری رقم الحدیث: ۹۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵، المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۶۱۷، المستدرک ج ۱ ص ۹۵)

اور آپ نے تمام اصحاب کی اقتداء کا بھی حکم دیا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا "میرے تمام اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے، ہدایت پا لو گے"۔اور آپ کے اصحاب نے اجتہاد کیا اور قیاس کیا اور ان میں سے کوئی بھی کتاب و سنت سے باہر نہیں ہوا، اور یہ حدیث دلائل نبوت سے ہے کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان پر گواہ ہیں کیونکہ آپ نے ان کے متعلق اسی چیز کی خبر دی ہے جس کے وہ اہل تھے۔

(نظم الدرر ج ۴ ص ۳۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ بقاعی نے جو یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میرے تمام اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔الحدیث۔یہ حدیث سند کے اعتبار سے بہت ضعیف ہے۔اس کو القضاعی نے مسند الشہاب (رقم الحدیث: ۱۳۴۶) میں روایت کیا ہے لیکن دیگر احادیث معتبرہ سے صحابہ کا ستاروں کی مانند ہونا ثابت ہے اور چونکہ ستاروں سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اس لیے ان کی اقتداء کرنا بھی معنا

ثابت ہے اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ عصر صحابہ کے بعد فتنوں اور حوادث کا ظہور ہوگا اور سنتیں مٹ جائیں گی اور بدعات کا ظہور ہوگا اور روئے زمین میں فسق و فجور کی کثرت ہوگی۔ واللہ المستعان۔

(تلخیص الحبیر لابن حجر ج ۴ ص ۱۵۶۸-۱۵۶۷ ملخصاً مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ

بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل اور احسان (نیک کام) کرو اور رشتہ داروں کو دو

وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ

اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے وہ تم کو نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم

تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا

نصیحت قبول کرو ○ اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو اور قسموں کو پکا

الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ

کرنے کے بعد نہ توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنا ضامن قرار دے چکے ہو،

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ

بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ○ اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا

غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا

سوت مضبوطی سے کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں اس کا ذریعہ

بَيْنَكُمْ أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ

بنانے لگو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ فائدہ مند رہے، اللہ اس سے محض تم کو آزمائش میں

اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنتُمْ فِيهِ

ڈالتا ہے، اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو ان کی حقیقت قیامت کے دن تم کو ضرور بیان

تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً

فرما دے گا ○ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا،

وَلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ

لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے،

وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ

اور تم جو کچھ کرتے رہے ہو اس کے متعلق تم سے ضرور سوال کیا جائے گا ○ اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا

دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ

نہ بناؤ کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں اور تم عذاب چکھو گے

بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

کیونکہ تم نے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا ہے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ

اور اللہ کے عہد کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو، کیونکہ جو اللہ کے پاس (ایفاء عہد کا صلہ) ہے وہی

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا

تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ○ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو

عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ

اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا اور جن لوگوں نے صبر کیا ان کو ہم ان کے

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ

کاموں کے اچھے اجر کی جزاء دیں گے ○ جس نے نیک کام کیے خواہ وہ

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ ضرور زندہ رکھیں گے،

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا

اور ہم ان کو ان کے نیک کاموں کی ضرور جزا دیں گے ○ پس اے رسول

قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ

مکرم!) جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں ○ بے شک

لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

جو لوگ ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ان پر اس کا کوئی تسلط نہیں ہے ○

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ

اس کا تسلط تو صرف ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کا

۱۳ ع ۱۱ ۱۹ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

شریک قرار دیتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل اور احسان (نیک کام) کرو اور رشتہ داروں کو دو اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے وہ تم کو نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ (النحل: ۹۰)

زیر تفسیر آیت کی فضیلت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی فضیلت بیان فرمائی تھی جو صراط مستقیم پر ہو اور نیکی کا حکم دیتا ہو، اور گزشتہ آیت میں قرآن عظیم کی یہ فضیلت بیان فرمائی کہ اس میں تمام پیش آمدہ مسائل اور احکام شرعیہ کا روشن بیان ہے اور اس میں تمام اخلاق حسنہ اور آداب فاضلہ کی ہدایت ہے۔ لہٰذا اس آیت میں عدل، احسان اور (ضرورت مند) رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرمایا اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے منع فرمایا۔

عامر بیان کرتے ہیں کہ شتیر بن شکل اور مسروق بن الاجدع بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا خیر اور شر کے متعلق سب سے زیادہ جامع آیت سورہ النحل میں ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔ الآیہ انہوں نے کہا تم نے سچ کہا ہے۔

(حافظ سیوطی نے کہا اس حدیث کو سعید بن منصور نے، امام بخاری نے الادب المفرد میں، امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ الدر المنثور ج ۴ ص ۲۴۱، المستدرک رقم الحدیث: ۳۳۰۹، یہ اثر صحیح ہے۔)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سرکشی اور رشتہ داروں سے تعلق کے سوا اور کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس کی اللہ تعالیٰ دنیا میں جلد سزا دے دے اور آخرت میں بھی اس کی سزا کا ذخیرہ کر رکھا ہو۔ (المستدرک ج ۴ ص ۱۶۱، رقم الحدیث: ۳۳۱۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۵)

عدل کا معنی

عدل کا معنی ہے مساوات۔ اس کی دو قسمیں ہیں، عدل عقلی اور عدل شرعی۔ عدل عقلی کی مثال یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ نیکی کی جائے جس نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہو اور اس شخص سے اذیت اور تکلیف دور کی جائے جس نے تم سے

اذیت اور تکلیف دور کی ہو' اور عدل شرعی وہ ہے جس کا سمجھنا شریعت پر موقوف ہو جیسے قصاص اور دیت کے احکام' یا قتل خطا میں کفارہ اسی طرح مرد کی مکمل دیت (سو اونٹ) اور عورت کی نصف دیت (پچاس اونٹ ہونا) اسی طرح باقی اعضاء کی دیت کی مقداروں کا جاننا شرع پر موقوف ہے اس کو عقل سے نہیں جانا جا سکتا۔ عدل اور احسان میں یہ فرق ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے دینا عدل ہے اور برائی کے بدلہ میں نیکی کرنا یہ احسان ہے' اور کسی کی نیکی کے بدلہ میں اتنی ہی نیکی کرنا عدل ہے اور اس سے زائد نیکی کرنا احسان ہے اور کسی کے شر کے مقابلہ میں اتنا ہی شر کرنا عدل ہے اور اس سے کم شر کرنا احسان ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۲۳۔ ۴۲۲' ملخصاً' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حدیث میں "عدل" بمعنی فرض اور "صرف" بمعنی نفل آیا ہے:

فمن اخفر مسلما فعلیه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۷۹)

جس نے کسی مسلمان کے ساتھ عہد کر کے اس کو توڑا اس پر اللہ' فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ اس کے نفل کو قبول کرے گا نہ فرض کو۔

(النہایہ لابن الاثیر ج ۳ ص ۱۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

عدل کی تعریف کی روشنی میں اسلام اور اہل سنت کا برحق ہونا

میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ عدل کی تعریف میں لکھتے ہیں:

افراط اور تفریط کے درمیان امر متوسط کو عدل کہتے ہیں۔ (التعریفات ص ۱۰۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

عقائد اور اعمال کے لحاظ سے دین اسلام اور مذہب اہل سنت امر متوسط ہے' کیونکہ دہریے کہتے ہیں کہ اس جہان کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے' یہ خود بخود وجود میں آ گیا ہے یہ تفریط ہے' اور مشرکین کہتے ہیں کہ اس جہان کے متعدد پیدا کرنے والے ہیں یہ افراط ہے' اور اسلام یہ کہتا ہے کہ اس جہان کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ایک ہی ہے اور یہی امر متوسط ہے۔ اسی طرح یہودی کہتے ہیں کہ جس نے قتل کیا اس سے لازماً قصاص لیا جائے گا یہ تفریط ہے' اور عیسائی کہتے ہیں کہ قاتل کو معاف کرنا لازم ہے یہ افراط ہے' اور اسلام کہتا ہے کہ مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے وہ چاہیں تو قصاص لے لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں اور یہی امر متوسط ہے۔ جبریہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے یہ تفریط ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے یہ افراط ہے' اور اہل سنت کہتے ہیں کہ انسان کاسب ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے اور یہ امر متوسط ہے۔ ناصبی اہل بیت کی توہین کرتے ہیں یہ تفریط ہے اور رافضی اہل بیت کی محبت میں صحابہ کی توہین کرتے ہیں یہ افراط ہے اور اہل سنت اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں اور صحابہ کی تعظیم کرتے ہیں اور یہی امر متوسط ہے۔ غیر مقلدین تقلید کا انکار کرتے ہیں اور ہر شخص کو اجتہاد کا اہل قرار دیتے ہیں یہ افراط ہے اور غالی مقلدین احادیث صحیحہ اور صریحہ دیکھنے کے باوجود اپنے امام کا قول ترک نہیں کرتے یہ تفریط ہے' اور معتدل مقلدین احادیث صحیحہ صریحہ کے مقابلے میں امام کے قول کو ترک کر دیتے ہیں۔ مثلاً امام اعظم نے عید کے متصل شوال کے چھ روزے رکھنے کو مکروہ کہا لیکن فقہاء احناف نے احادیث صحیحہ کی بناء پر شوال کے چھ روزے اتصال کے ساتھ رکھنے کو مستحب کہا۔ اسی طرح امام اعظم نے عقیقہ کو مکروہ یا مباح کہا لیکن ہمارے علماء نے اس کو مستحب قرار دیا۔ متقدمین فقہاء نے امامت اور خطابت اور تعلیم قرآن کی اجرت کو حرام کہا لیکن متاخرین علماء نے احادیث صحیحہ صریحہ اور آثار قویہ کی بناء پر اس کو جائز کہا اور یہی امر متوسط ہے۔ اسی طرح بعض متشدد لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ' آپ کی شفاعت اور آپ کے توسل آپ کے علم کی وسعت اور

آپ کے علوم پر علم غیب کے اطلاق کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ پر نور کے اطلاق کا انکار کرتے ہیں' یہ تفریط ہے اور بعض غالی لوگ آپ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں اور آپ کو خدا سے ملا دیتے ہیں اور بعض اوقات بڑھا دیتے ہیں' یہ افراط ہے اور معتدل مسلمان کہتے ہیں کہ آپ پر ایک آن کے لیے موت آئی اور اللہ تعالیٰ نے پھر آپ کو زندگی عطا کر دی۔ آپ روضہ انور میں قریب اور بعید کو دیکھتے اور سنتے ہیں لیکن ہر وقت ہر چیز کی طرف آپ کی توجہ نہیں ہوتی۔ آپ بشر ہیں اور نوع انسان سے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت لطیف بنایا ہے اور آپ سے بعض اوقات حسی نورانیت بھی ظاہر ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب سے زیادہ علوم غیبیہ عطا فرمائے لیکن آپ کا ایک ذرہ کا علم بھی اللہ کے علم کے مماثل نہیں ہے اور ایسا ماننا شرک ہے۔ آپ کا وسیلہ دعا کی قبولیت کے لیے اکسیر ہے اور دنیا اور آخرت میں آپ سے شفاعت طلب کرنا اور آپ سے مدد حاصل کرنا جائز ہے اور یہی امر متوسط ہے۔ اسی طرح اولیائے کرام کے بارے میں بھی متشدد کہتے ہیں کہ ان کا وسیلہ پیش کرنا یا ان سے مدد مانگنا شرک ہے اور قرآن مجید میں جو بتوں کے متعلق آیات نازل ہوئی ہیں' ان کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں یہ تفریط ہے' اور بعض غالی لوگ اولیائے کرام کی نذر مانتے ہیں اور ان کے مزارات پر سجدہ کرتے ہیں' عرس کے ایام میں مزارات پر میلہ لگتا ہے' اس میں کھیل تماشے' راگ رنگ اور خرافات ہوتی ہیں یہ افراط ہے' اور معتدل مسلمان کہتے ہیں کہ اولیائے کرام کو ایصال ثواب کرنا اور مالی اور بدنی عبادات کا ہدیہ کرنا جائز ہے لیکن کسی کام کے لیے ان کی نذر ماننا حرام ہے۔ ان کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے' ان سے مدد طلب کرنا بھی جائز ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے۔

یہ تو عقائد میں امر متوسط کا بیان تھا اور اعمال میں امر متوسط کی تفصیل یہ ہے کہ مال کو ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف اور تبذیر ہے اور یہ افراط ہے اور ضرورت کے موقع پر بھی مال کو خرچ نہ کرنا بخل ہے اور یہ تفریط ہے اور ضرورت کے مطابق مال کو خرچ کرنا جود اور سخا ہے اور یہی امر متوسط ہے۔ شب و روز نماز اور روزے میں اور ذکر اذکار اور تسبیح اور تہلیل میں مشغول رہنا اور ماں باپ اور اہل و عیال کی ضروریات اور ان کے حقوق کو فراموش کر دینا عبادات میں افراط ہے' اور کاروبار' دنیاداری' عیش و طرب اور راگ رنگ میں مستغرق اور منہمک ہونا اور اللہ کے احکام اور اس کی یاد سے غافل ہو جانا تفریط ہے' اور دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلنا' تمام فرائض و واجبات اور سنتوں کو اپنے اپنے وقت پر ادا کرنا اور تمام محرمات اور مکروہات سے بچنا اور ماں باپ' اہل و عیال اور اقرباء کی بقدر استطاعت کفالت کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا اور تعمیر وطن اور ملک و ملت کی خدمت میں اپنا حصہ ادا کرنا یہی امر متوسط ہے۔ اسی طرح بیس کے مقابلے میں ایک آدمی کا نکل آنا تہور اور حماقت ہے اور یہ دلیری میں افراط ہے اور بیس آدمی مل کر ایک کا بھی مقابلہ نہ کر سکیں' یہ بزدلی اور تفریط ہے اور اپنے سے دگنے دشمن کا مقابلہ کرنا شجاعت ہے اور یہ امر متوسط ہے۔ عورتوں سے بالکل تعلق نہ رکھنا اور بلا عذر برہمچاری ہو جانا تفریط ہے اور دن رات شہوت رانی کرنا اور اسیر ہوس رہنا اور اس میں جائز اور ناجائز کی تمیز نہ رکھنا فسق و فجور اور افراط ہے اور حلال محل میں اپنی طاقت کے مطابق خواہش پوری کرنا اور حرام سے بچے رہنا عفت ہے۔ اسی طرح تمام اعمال میں جائز اور ناجائز اور حلال اور حرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اعتدال پر قائم رہنا ہی امر متوسط اور عدل ہے۔ اسی طرح نظام سرمایہ داری میں افراط ہے اور سوشلزم میں تفریط ہے اور اسلام کے معاشی نظام میں عدل ہے اور یہی آئیڈیل (مثالی) نظام حیات ہے۔

احسان کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جو خوبصورت اور مرغوب ہو اس کو حسن کہتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں:
(۱) جو عقل کے اعتبار سے مستحسن ہو جیسے علمی نکات۔
(۲) جو نفسانی خواہش کے اعتبار سے مستحسن ہو جیسے خوبصورت عورتیں۔
(۳) جو حواس کے اعتبار سے مستحسن ہو جیسے خوبصورت مناظر، خوش ذائقہ اور دل آویز خوشبوئیں۔
ہر وہ نعمت جس کا اثر انسان اپنے نفس، بدن اور احوال میں محسوس کرتا ہے، الحسنہ ہے، اور اس کی ضد السیئہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ ؕ (الاعراف: ۱۳۱)

اور اگر ان کو کوئی خوشحالی (مہمات میں کامیابی، فصلوں کی زرخیزی) پہنچ تو کہتے ہیں کہ یہ ہماری وجہ سے ہے اور اگر ان کو کوئی بدحالی (مثلاً قحط، مہمات میں ناکامی، مصائب) پہنچے تو اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے ہیں۔

حسن کا اطلاق عام لوگوں کے نزدیک اکثر ان چیزوں پر ہوتا ہے جن کا ادراک آنکھوں سے ہوتا ہے اور قرآن مجید میں حسن کا اطلاق اکثر ان چیزوں پر ہوتا ہے جن کا ادراک بصیرت (عقل) سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

الَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ هَدٰٮهُمُ اللّٰهُ (الزمر: ۱۸)

جو لوگ غور سے اللہ کا کلام سنتے ہیں پھر اس پر عمدہ طریقہ سے عمل کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے۔

یعنی وہ اس طریقہ سے اس حکم پر عمل کرتے ہیں کہ اس میں گناہ کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے:
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ایمان کیا ہے؟ فرمایا جب تم اپنی نیکی سے خوش ہو اور جب تم اپنی برائی سے رنجیدہ ہو تو پھر تم مومن ہو۔ اس نے پوچھا یا رسول اللہ! گناہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے دل میں کسی چیز سے کھٹک ہو تو وہ گناہ ہے، اس کو چھوڑ دو۔
(مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۲، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۱۰۴)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث یاد رکھی ہے کہ جس چیز میں شک ہو اس کو ترک کر کے اس چیز کو اختیار کرلو جس میں شک نہ ہو۔ بے شک صدق میں طمانیت ہے اور کذب میں شک ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۸، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۴۹۸۴، مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۰، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۵۳۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۳۴۸، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۶۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۲۲، المستدرک ج ۲ ص ۱۳، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۶۴، شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۰۳۲)

علامہ اصفہانی فرماتے ہیں کہ احسان کا اطلاق دو معنوں پر کیا جاتا ہے: کسی شخص پر انعام کرنا، کہا جاتا ہے فلاں شخص پر انعام کیا یعنی کسی شخص کو کوئی نعمت دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ۚ (الرحمٰن: ۶۰)

نعمت دینے کا بدلہ نعمت دینے کے سوا اور کیا ہے۔

اور احسان کا دوسرا معنی ہے نیک کام کرنا۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ۔ اگر تم نے کوئی نیک کام کیا ہے تو اپنے فائدہ کے لیے نیک کام کیا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۷)

(المفردات ج ۱ ص ۱۵۶ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

عدل اور احسان میں فرق

احسان کا درجہ عدل سے بڑھ کر ہے کیونکہ عدل یہ ہے کہ وہ کسی کو اتنا دے جتنا دینا اس پر واجب ہے اور اس سے اتنا لے جتنا لینے کا اس کا حق ہے اور احسان یہ ہے کہ جتنا اس پر واجب ہے اس سے زیادہ دے اور جتنا اس کا حق ہے اس سے کم لے۔ اسی طرح عدل یہ ہے کہ کسی نے اس کو جتنی ایذاء پہنچائی تھی وہ اس کو اتنی ہی ایذاء پہنچائے اور احسان یہ ہے کہ وہ اس کی زیادتی کو معاف کر دے اور اس کے ساتھ نیکی کرے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثۡلُهَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔ (الشوریٰ: ۴۰) برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے پھر جس نے معاف کر دیا اور نیکی کی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

اور حدیث میں ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی، میں نے آپ سے ہاتھ ملانے میں پہل کی پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے سب سے افضل عمل بتایئے! آپ نے فرمایا: اے عقبہ! جو تم سے قطع تعلق کرے، اس سے تعلق جوڑو، جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو، اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو۔ (ایک روایت میں ہے کہ اس کو معاف کر دو)

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸ مسند احمد رقم الحدیث ۱۷۴۶۷ مطبوعہ مصر، تہذیب تاریخ دمشق ج ۳ ص ۶۱)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو اور جو تم سے برا سلوک کرے اس سے اچھا سلوک کرو اور حق بات کہو خواہ وہ تمہارے خلاف ہو۔ (ابن النجار ج ۳ ص ۱۹۳۹، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۵۰۰۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۹۲۹)

اسی طرح کسی کی نیکی کے بدلہ میں اتنی ہی نیکی کرنا عدل ہے اور اس سے زائد کرنا احسان ہے اور کسی کے شر کے بدلہ میں اتنا ہی شر کرنا عدل ہے اور اس سے کم شر کرنا احسان ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ۚ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ۔ (النحل: ۱۲۶) اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی تکلیف دو جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عدل فرض ہے اور احسان نفل ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا عدل یہ ہے کہ تمہارا ظاہر اور باطن برابر ہو، اور احسان یہ ہے کہ تمہارا ظاہر باطن سے افضل ہو۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا عدل انصاف ہے اور احسان انصاف سے زائد چیز ہے۔ ابن عطیہ نے کہا کہ عقائد، شرائع اور امانات کو ادا کرنا، ظلم کو ترک کرنا، انصاف کرنا اور حق ادا کرنا یہ تمام امور بقدر فرض ادا کرنا عدل ہے اور تمام کاموں کو درجہ استحباب اور استحسان تک پہنچانا احسان ہے۔

ابن العربی نے کہا عدل کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت بندہ اور اس کے رب کے درمیان ہے اور ایک حیثیت بندہ اور

لوگوں کے درمیان ہے، جو حیثیت بندہ اور اس کے رب کے درمیان ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے حق کو اپنے حق پر ترجیح دے، اور اس کی رضا کو اپنی خواہش پر مقدم رکھے، اور ہر حال میں قناعت کو لازم رکھے، اور عدل کی جو حیثیت بندہ اور لوگوں کے درمیان ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نصیحت کرے، خیانت بالکل نہ کرے اور ہر طریقہ کے ساتھ لوگوں سے انصاف کرے اور کسی شخص کے ساتھ قول اور عمل میں برائی نہ کرے، ظاہر میں نہ باطن میں، اور اس پر جو مصائب نازل ہوں ان پر صبر کرے۔ اور احسان کی بھی دو حیثیتیں ہیں اللہ کے ساتھ احسان کی حیثیت کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یا محمد! مجھے بتایئے کہ احسان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ — تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ پس اگر تم اس کو نہ دیکھ سکو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰، ۴۷۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۰۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۵۹، یہ تمام روایات حضرت ابو ہریرہ سے ہیں۔ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸، ۹۳، سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۶۱۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۴، یہ تمام روایات حضرت عمر سے ہیں)

اس حدیث میں احسان سے مراد اخلاص ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اخلاص نیت کے بغیر زبان سے کلمہ پڑھا وہ مرتبہ احسان پر پہنچا اور نہ اس کا ایمان صحیح ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی تمام شرائط کے ساتھ کی جائے اور اس عبادت کے تمام فرائض، واجبات سنن اور مستحبات کی رعایت کی جائے اور عبادت شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کو ذہن میں حاضر کیا جائے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہ دیکھ سکو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس ارشاد سے آپ کی یہی مراد ہے۔ اہل دل نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذہن میں حاضر کرنے کے دو معنی ہیں ایک یہ ہے کہ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ اس قدر غالب ہو کہ گویا کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ — اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنادی گئی ہے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۲۹۵، دار الفکر)

اور دوسرا معنی یہ ہے کہ بندہ اس مرتبہ تک نہیں پہنچتا لیکن اس کو یقین واثق ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ اس پر مطلع ہے اور اس کو دیکھ رہا ہے اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

اَلَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ ○ وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ ○ (الشعراء: ۲۱۹-۲۱۸) — جب آپ قیام میں ہوتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں وہ آپ کے پلٹنے کو دیکھتا ہے۔

ہم نے ذکر کیا تھا کہ احسان کی دو حیثیتیں ہیں۔ خالق کے ساتھ احسان اور اس کا معنی ہے خالق کی تعظیم اور مخلوق کے ساتھ احسان اور اس کا معنی ہے مخلوق پر شفقت۔ اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے:

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان کرنا (حسن سلوک کرنا، نیکی کرنا) فرض کر دیا ہے پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح سے قتل کرو اور جب ذبح

کروتو اچھی طرح سے ذبح کرواور تم میں سے کسی ایک کو چاہیے کہ وہ چھری تیز کرے اور ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۵۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۱۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۰۹ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۷۰ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۴۹۳)

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور رشتہ داروں کو دو، یعنی ان کی قرابت کے حقوق ادا کرنے کے لیے ان کو مال دو۔ نیز فرمایا:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ۔ (بنی اسرائیل: ۲۶) قرابت دار کو اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ ملاپ رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۸)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۸۵۲ طبع عالم الکتب، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۳۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۵۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر دراز کی جائے اس کو چاہیے کہ رشتہ داروں کے ساتھ ملاپ رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا حتیٰ کہ جب وہ ان کو پیدا کرنے سے فارغ ہو گیا تو صلہ (رشتہ اور قرابت) نے اس سے عرض کیا یہ اس کا مقام ہے جو رشتہ داری توڑنے سے تیری پناہ چاہے۔ فرمایا ہاں! کیا تو اس بات سے راضی نہیں ہے کہ جو تجھ سے تعلق جوڑے میں اس سے تعلق جوڑوں اور جو تجھ سے تعلق توڑے میں اس سے تعلق توڑوں۔ عرض کیا اے میرے رب کیوں نہیں! فرمایا تجھ کو یہ مقام عطا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ○ (محمد: ۲۲) سو کیا تم اس کے قریب ہو کہ اگر تم حکمران ہو گئے تو زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں کو قطع کرو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۴ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۹۷)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک عورت مانگنے کے لیے آئی اور اس کے ساتھ دو بیٹیاں تھیں میرے پاس ایک کھجور کے سوا اور کچھ نہ تھا میں نے اس کو وہ کھجور دے دی۔ اس نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور اپنی بیٹیوں کو دے دیئے پھر وہ جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا جو شخص ان بیٹیوں کی کفالت میں مبتلا ہوا اور اس نے ان کی اچھی طرح پرورش کی وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۱۵)

الفحشاء، المنکر اور البغی سے ممانعت

اس کے بعد فرمایا اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو حکم دیا: عدل، احسان اور قرابت داروں کو دینا اور تین چیزوں سے منع فرمایا: بے حیائی، برائی اور سرکشی۔

امام رازی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان میں چار قوتیں رکھی ہیں۔ قوت غضبیہ، قوت شہوانیہ، قوت عقلیہ اور قوت وہمیہ۔ قوت غضبیہ سے درندوں کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، قوت شہوانیہ سے بہائم اور جانوروں کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور قوت وہمیہ سے شیطانی اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور قوت عقلیہ سے ملائکہ کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ قوت عقلیہ کی اصلاح کی ضرورت نہ تھی اور باقی تین قوتوں کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ قوت شہوانیہ کی اصلاح کی ضرورت ہے کیونکہ اگر قوت شہوانیہ کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو وہ لذات شہوانیہ کے حصول میں جائز اور ناجائز کا فرق نہیں کرے گا اور شہوت برآری کے لیے ہر جگہ منہ مارتا پھرے گا۔ اس لیے فرمایا وہ الفحشاء یعنی بے حیائی کے کاموں سے منع فرماتا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۔ (بنی اسرائیل: ۳۲)

اور زنا کے قریب (بھی) نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

اس آیت میں زنا کو فاحشہ یعنی بے حیائی کا کام فرمایا ہے۔ ایک اور آیت میں قوم لوط کی اغلام بازی کو فاحشہ فرمایا ہے:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الاعراف: ۸۰)

اور لوط (کو بھیجا اس) نے جب اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔

ان دونوں آیتوں میں زنا اور اغلام دونوں کاموں کو بے حیائی کے کام فرمایا اور اس آیت میں بے حیائی کے کاموں سے منع فرمایا۔ گویا زنا اور اغلام دونوں کاموں سے منع فرمایا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۔ (الاعراف: ۳۳)

آپ کہئے میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمایا ہے خواہ وہ کھلی بے حیائی ہو یا چھپی ہوئی اور گناہ کو اور ناحق سرکشی کو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام قسم کے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمایا خواہ وہ علانیہ کیے جائیں یا چھپ کر۔

اور قوت غضبیہ سے درندوں کے افعال صادر ہوتے ہیں۔ انسان غضب میں آکر کسی کو قتل کر دیتا ہے یا اس کا مال چھین لیتا ہے یا اس کو کسی اور طریقہ سے نقصان اور ضرر پہنچاتا ہے یا اس پر ظلم کرتا ہے۔

اور قوت وہمیہ شیطانیہ سے انسان ہمیشہ لوگوں پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اپنی قیادت اور ریاست کے حصول کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بغاوت اور سرکشی سے منع فرمایا ہے اس کا یہی محمل ہے کہ

انسان اپنے لیے بڑائی حاصل کرنے کی خاطر جائز اور ناجائز طریقہ استعمال کرتا ہے اور کبھی کبھی یہ کوشش قتل اور غارت گری تک بھی پہنچادیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے منکر اور بغاوت سے منع فرمایا ہے۔ ان الفاظ کا بہت وسیع مفہوم ہے اور یہ الفاظ تمام خراب اور برے کاموں کو شامل ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

اعتداء (حد سے تجاوز کرنا) بخل، بہتان، غضب، فساد کرنا، چغلی کرنا، غیبت کرنا، حسد کرنا، اسراف کرنا، ملاوٹ کرنا، ذخیرہ اندوزی کرنا، بغض رکھنا، ناحق قتل کرنا، نشہ آور اشیاء کھانا پینا، اترانا، تکبر کرنا، جوا کھیلنا، میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ دکھانا، جھوٹ بولنا، مذاق اڑانا، ریاکاری کرنا، خیانت کرنا، ناحق مقدمہ کرنا، کسی کے خلاف سازش کرنا، کسی کو رسوا کرنا، کسی کا نام بگاڑنا، کسی کے متعلق بدگمانی کرنا، عہد شکنی کرنا، دھوکا دینا، انتقام لینا، خمر پینا، بغاوت کرنا، چوری کرنا، ڈاکا ڈالنا، کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانا، عورتوں کا اجنبی مردوں کو دیکھنا، مردوں کا اجنبی عورتوں کو دیکھنا، کسی کا مال غصب کرنا اور کسی پر ظلم کرنا۔ ان میں سے ہر ہر کام پر قرآن مجید میں صریح ممانعت ہے۔ ہم نے اختصار کی وجہ سے ان آیتوں کا ذکر نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم اللہ کو اپنا ضامن قرار دے چکے ہو، بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ (النحل: ۹۱)

اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی اقسام

اس آیت میں اللہ کے عہد کا ذکر ہے۔ مفسرین نے اس عہد کی حسب ذیل اقسام بیان فرمائی ہیں:

(۱) اللہ کے عہد سے مراد بیعت رضوان ہے جب چودہ سو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر قصاص عثمان لینے کے لیے بیعت کی تھی۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ (الفتح: ۱۰)	بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے ہی بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، پس جس نے بیعت توڑی اس کا وبال اسی پر ہو گا۔

یعنی جب تم بیعت کرنے کے بعد اللہ کی قسم کھا کر اس بیعت کو پکا کرو، یا عہد کر کے اللہ کی قسم کھا کر اس عہد کو پکا کرو تو پھر اس بیعت یا عہد کو نہ توڑو۔

(۲) اس سے مراد ہر وہ عہد ہے جو انسان اپنے اختیار سے کسی کے ساتھ کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وعدہ بھی عہد کی قسم سے ہے۔ میمون بن مہران نے کہا کہ تم جس شخص سے بھی عہد کرو اس عہد کو پورا کرو خواہ مسلمان سے عہد کرو یا کافر سے کیونکہ اس عہد پر تم نے اللہ کا نام لیا ہے اور اس کو ضامن بنایا ہے۔

(۳) اس عہد سے مراد اللہ کی قسم ہے اور جب کوئی شخص کسی کام کو کرنے کے لیے اللہ کی قسم کھائے تو اس پر اس قسم کو پورا کرنا واجب ہے، سوا اس صورت کے جب اس نے گناہ کا کام کرنے کی قسم کھائی تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس قسم کے خلاف کرے یعنی گناہ نہ کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس پر قسم نہ کھائے، اور نہ اللہ کی نافرمانی کرنے پر قسم کھائے اور نہ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے پر قسم کھائے، اور جس شخص نے کسی کام کرنے کی قسم کھائی پھر اس نے غور کیا کہ اس کام کے خلاف کرنا

اچھا ہے تو وہ اس کام کو ترک کر دے اور جو کام اچھا ہو اس کو کرے اس کام کو ترک کرنا ہی اس کا کفارہ ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو تمام احادیث مروی ہیں ان سب میں یہ ہے کہ وہ اس قسم کا کفارہ دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۷۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۰۱)

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبدالرحمن بن سمرہ! جب تم کسی کام پر قسم کھاؤ پھر تم یہ سمجھو کہ اس کام کے خلاف کرنا بہتر ہے تو وہ کام کرو جو بہتر ہے اور اس قسم کا کفارہ دے دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۷۷، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۲۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۹۱)

(۴) عہد سے مراد ہر وہ کام ہے جس کے تقاضے سے اس کو پورا کرنا واجب ہو کیونکہ عقلی اور سمعی دلائل قسم کے پورا کرنے کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

ایک دوسرے سے تعاون کے معاہدہ کے متعلق متعارض احادیث

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسلام میں حلف (ایک دوسرے سے تعاون کا معاہدہ) نہیں ہے، جس شخص نے زمانہ جاہلیت میں حلف (تعاون کا معاہدہ) کیا تھا، اسلام نے اس کو اور پختہ کر دیا ہے۔ حَلَف (ح اور لام کی زبر) کا معنی ہے، قسم کھانا اور حِلْف (ح کی زیر اور لام پر جزم) کا معنی ہے ایک دوسرے سے تعاون کا معاہدہ کرنا۔ (مختار الصحاح ص ۹۹، المنجد ص ۱۳۹) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۲۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے گھر میں مہاجرین اور انصار کے درمیان حلف کرایا (یہ معاہدہ کرایا کہ یہ آپس میں بھائی ہیں) حضرت انس سے کہا گیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اسلام میں حلف نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے گھر میں دو یا تین بار حلف برداری کرائی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۲۶، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۹۰، طبع جدید دار الفکر)

ان احادیث میں تطبیق

علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حِلْف کا معنی ہے ایک دوسرے کا بازو بننا، ایک دوسرے کی مدد کرنا اور ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق سے رہنے کا معاہدہ کرنا، زمانہ جاہلیت میں دو قبیلے یا دو دوست یہ معاہدہ کرتے تھے کہ وہ جنگ میں، لوٹ مار میں اور قتل اور غارت گری میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے خواہ حق ہو یا باطل، اسلام میں اس سے منع کر دیا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسلام میں حلف نہیں ہے اور جن لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ مل کر مظلوموں کی مدد کریں گے، رشتہ داروں سے ملاپ رکھیں گے اس کے متعلق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زمانہ جاہلیت میں جو حلف بھی اٹھایا گیا (جو معاہدہ بھی کیا گیا) اسلام نے اس کو اور پختہ کر دیا ہے سو جس حلف کو اسلام نے جائز قرار دیا اور باقی رکھا ہے، یہ وہ حلف ہے جس میں نیک کاموں اور حق کے راستے میں مدد کرنے پر معاہدہ ہو اور یہی وہ حلف ہے جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے اور جو حلف

اسلام میں ممنوع ہے' یہ وہ حلف ہے جو اسلام کے احکام کے خلاف ہو' لہٰذا حلف کی ممانعت اور حلف کے جواز کی حدیثوں کے محمل الگ الگ ہو گئے اور ان حدیثوں میں تعارض نہ رہا اور یہ حدیثیں مجتمع ہو گئیں۔

(التمہید ج ۱ص ۴۰۸۔ ۴۰۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦۷٦ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں جو حلف اٹھا کر معاہدہ کیا جاتا تھا' اس میں یہ حلف بھی ہوتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اس حلف کو اسلام نے منسوخ کر دیا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (الانفال: ۷۵)		اور بعض رشتہ دار دوسرے بعض رشتہ داروں سے (بہ اعتبار وراثت کے) اللہ کی کتاب میں زیادہ مستحق ہیں۔

علامہ نووی فرماتے ہیں' جو معاہدہ وراثت سے متعلق ہو تو اس کی مخالفت کرنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے اور رہا اسلام میں مواخاۃ (بھائی بننا) اور اللہ کی اطاعت کرنا اور دین میں ایک دوسرے کی نصرت کرنا اور نیکی کرنے' تقویٰ اور حق کو قائم کرنے پر ایک دوسرے کے ساتھ حلف برداری کرنا (معاہدہ کرنا) تو یہ ہنوز باقی ہے اور منسوخ نہیں ہوا' اور ان احادیث کا یہی معنی ہے جن میں آپ کا ارشاد ہے: زمانہ جاہلیت میں جو بھی حلف تھا اس کو اسلام نے اور مضبوط کر دیا ہے۔ اور آپ نے جو فرمایا ہے اسلام میں حلف نہیں ہے اس سے مراد ہے' ایک دوسرے کا وارث بننے اور خلاف شرع کاموں میں معاونت کرنے کا اسلام میں کوئی حلف نہیں ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۰ص ٦۵۰۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

مواخاۃ کا معنی

علامہ نووی نے اپنی شرح میں مواخاۃ کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ لفظ اخوت سے بنا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ دو آدمی ایک دوسرے کی مدد کرنے' ایک دوسرے کی غم خواری کرنے اور ایک دوسرے کا وارث بننے کا معاہدہ کریں حتیٰ کہ وہ دونوں نسبی بھائیوں کی طرح ہو جائیں۔ اس معاہدہ کو مواخاۃ کہتے ہیں اور کبھی اس کو حلف بھی کہتے ہیں' جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گھر میں قریش کے درمیان حلف برداری کرائی۔ یہ چیز زمانہ جاہلیت میں معروف تھی اور اس پر عمل بھی کیا جاتا تھا اور وہ اس کو حلف ہی کہتے تھے' جب اسلام آیا تو پھر بھی اس پر عمل کیا گیا اور ایک دوسرے کا وارث بھی بنایا گیا' جیسا کہ کتب سیرت میں ہے کہ ہجرت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ آئے تو مسجد نبوی بنانے کے بعد آپ نے مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا کہ وہ نیکی کے راستے میں ایک دوسرے کا تعاون کریں گے اور اقامت حق میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے' صحابہ اس مواخاۃ کی وجہ سے بغیر نسب اور رحم کی قرابت کے ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (الانفال: ۷۵)		اور بعض رشتہ دار دوسرے بعض رشتہ داروں سے (بہ اعتبار وراثت کے) اللہ کی کتاب میں زیادہ مستحق ہیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا بھائی بنایا اور فرمایا تم میرے بھائی اور میرے صاحب ہو' اور ایک روایت میں ہے کہ تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔ اور حضرت علی کہتے تھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی ہوں اور مجھ سے پہلے کسی نے یہ نہیں کہا اور جو

میرے بعد کہے گا وہ کذاب مفتری ہوگا۔ اور آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت خارجہ بن زید کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا اور حضرت عمر اور حضرت عتبان بن مالک کو اور حضرت عثمان اور حضرت اوس بن مالک کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔

حلف الفضول (مظلوم کا بدلہ لینے کا باہمی معاہدہ)

ہم نے جو مواخات کا ذکر کیا ہے یہ زمانہ جاہلیت کے حلف الفضول کی مثل ہے۔ اس میں بھی نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا حلف اٹھایا گیا تھا۔ امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریش کے قبائل عبداللہ بن جدعان کے شرف اور نسب کی فضیلت کی وجہ سے اس کے گھر جمع ہوئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ حلف اٹھا کر یہ معاہدہ کیا کہ مکہ میں ان کو جو مظلوم بھی دکھائی دے گا خواہ وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا نہ ہو، وہ اس کی مدد کریں گے اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ اس کا حق اس کو نہیں دلا دیتے۔ قریش نے اس حلف کا نام حلف الفضول رکھا اس کا معنی تھا حلف الفضائل اور فضول فضل کی جمع کثرت ہے جیسے فلس کی جمع فلوس ہے۔ امام ابن اسحاق نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس وقت عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف ہو رہا تھا میں بھی اس موقع پر تھا اور اگر اس تقریب میں شرکت کے بدلہ مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو مجھے پسند نہ تھا اور اگر زمانہ اسلام میں بھی مجھے اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی جاتی تو میں قبول کر لیتا۔ امام ابن اسحاق نے کہا کہ ولید بن عتبہ نے حضرت حسین بن علی کے خلاف اپنے مال کا مقدمہ ولید کے پاس پیش کیا، وہ اس وقت مدینہ کا گورنر تھا۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم اللہ کی قسم کھاؤ کہ تم میرے حق کے ساتھ انصاف کرو گے ورنہ میں اپنی تلوار پکڑلوں گا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں لوگوں کو حلف الفضول کے لیے بلاؤں گا۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کی قسم! اگر انہوں نے مجھے حلف الفضول کی دعوت دی تو میں اپنی تلوار اٹھالوں گا پھر میں ان کا ساتھ دوں گا حتیٰ کہ یا تو انہیں ان کا حق مل جائے یا ہم ان کے حق کی خاطر لڑتے لڑتے مرجائیں گے۔ یہ بات حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا پھر یہ بات عبدالرحمٰن بن عثمان بن عبیداللہ التیمی تک پہنچی تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا اور جب یہ خبر ولید کو پہنچی جو امیر مدینہ تھا تو اس نے کہا میں انصاف کروں گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۱۵۴)

علماء نے کہا یہ وہ حلف (معاہدہ) ہے جو زمانہ جاہلیت میں کیا جاتا تھا اور اسلام نے اس کو اور مضبوط کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے اسلام میں حلف (تعاون کا معاہدہ) نہیں ہے آپ نے اپنے ارشاد کے عموم سے اس معاہدہ کو مستثنیٰ کر دیا جس میں جائز اور ناجائز حمایت کا عہد کیا جاتا تھا۔ اور اس کی حکمت یہ ہے کہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ ظالم سے بدلہ لیا جائے اور اس سے مظلوم کا حق لے کر مظلوم تک پہنچایا جائے اور اس کام کو مکلفین پر بقدر استطاعت واجب کر دیا ہے اور ظالموں سے حق وصول کرنے کی ان کو اجازت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لے تو اس پر گرفت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گرفت کی گنجائش تو صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(الشوریٰ: ۴۲-۴۱)

اور اس کی تائید ان حدیثوں میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم مظلوم کی تو مدد کریں گے، ظالم کی کیسے مدد کریں؟ آپ نے فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑلو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۱۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۱۶۷)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب پر عام عذاب نازل کردے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۶۸، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۷۵۔ ۱۷۴، مسند احمد ج ۱ ص ۵، ۹)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۵، مسند البزار رقم الحدیث: ۶۵، ۶۶، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۲۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۴، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۳۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۹۱)

عہد شکنی کی مذمت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم اللہ کو اپنا ضامن قرار دے چکے ہو۔

قسموں کو پکا کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی چیز پر یا کسی کام کے کرنے پر دو یا تین بار اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائے اور اس کو مئوکد کرنے کے لیے کہے اللہ کی قسم! میں اس کے خلاف نہیں کروں گا۔ تاہم اس مئوکد قسم کے کفارہ اور غیر مئوکد قسم کے کفارہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ قسم بھی عہد ہے اور ہر قسم عہد ہوتی ہے لیکن جس عہد کے ساتھ قسم نہ کھائی جائے اس کے توڑنے پر کفارہ نہیں ہوتا لیکن عہد شکنی کی شرع میں سخت مذمت کی گئی ہے اور اس پر سخت وعید ہے۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے نوکروں اور بال بچوں کو جمع کیا اور فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم نے اس شخص سے بیعت کی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی بیعت ہے اور میرے علم میں اس سے بڑی عہد شکنی نہیں ہے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کرے اور پھر اس سے جنگ کرنا شروع کردے اور مجھے تم میں سے جس شخص کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ اس شخص سے بیعت توڑ رہا ہے اور اس بیعت کو قائم نہیں رکھ رہا میرے اور اس کے درمیان تعلق منقطع ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۱۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۸، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۸۷۳۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۴۵۵، عالم الکتب بیروت)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن عہد شکن کے لیے جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوطی سے کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں اس کا ذریعہ بنانے لگو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ فائدہ مند رہے، اللہ اس سے محض تم کو آزمائش میں ڈالتا ہے، اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو ان کی حقیقت قیامت کے دن تم کو بیان فرما دے گا○ (النحل: ۹۲)

مشکل الفاظ کے معانی

نکث الغزل کا معنی ہے: دھاگا توڑنا۔ اس لفظ کو عہد توڑنے کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ۔ (التوبہ: ۱۲) اور اگر یہ لوگ اپنی قسمیں توڑ دیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۵۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

دخل کا لفظ فساد سے کنایہ ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ۔ تم آپس میں فساد کرنے کے لیے قسمیں کھاتے ہو۔

(النحل: ۹۲) (المفردات ج ۱ ص ۲۲۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

سوت کات کر توڑ دینے کی مثال سے کیا مقصود ہے؟

جو شخص قسم کھا کر کوئی معاہدہ کرے اور اس کو تاکیدات سے مؤکد کرے پھر اس معاہدہ کو توڑ دے اس کو اس عورت کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو سوت کاتنے کے بعد اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

روایت ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک بے وقوف عورت تھی، جس کا نام ریطہ بنت عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ تھا۔ وہ اسی طرح کیا کرتی تھی پھر یہ واقعہ ضرب المثل بن گیا جو شخص بھی کوئی کام محنت سے بنا کر اس کو بگاڑ دے اس کے متعلق یہی کہا جاتا ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ عرب کا کوئی قبیلہ کسی قبیلہ کے ساتھ دوستی اور تعاون کا معاہدہ کرتا اور جب کسی دوسرے قبیلے سے اس کا تعلق ہوتا جس کو پہلے قبیلے پر عددی اور مالی برتری حاصل ہوتی تو وہ اس پہلے قبیلہ سے کیا ہوا عہد توڑ دیتا اور اس دوسرے قبیلہ سے عہد و پیمان کر لیتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس کا منشا یہ ہے کہ تم اس وجہ سے اپنے کیے ہوئے پختہ معاہدوں کو نہ توڑو کہ فلاں قبیلہ کے افراد کی تعداد زیادہ ہے یا ان کے پاس مال و دولت زیادہ ہے یا ان کے پاس مادی قوت زیادہ ہے، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ تم اسلام میں داخل ہونے کے بعد کفار کی طرف اس وجہ سے نہ لوٹ جاؤ کہ ان کی تعداد زیادہ ہے یا ان کے پاس مال و دولت اور مادی طاقت زیادہ ہے۔ اللہ تم کو ان کی عددی اور مالی برتری دکھا کر آزماتا ہے کہ کون ان کی کثرت اور طاقت سے مرعوب ہوتا ہے اور کون مرعوب نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور تم جو کچھ کرتے رہے ہو اس کے متعلق تم سے ضرور سوال کیا جائے گا○ (النحل: ۹۳)

بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے اور پھر ان سے سوال کرنے کی توجیہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا مکلف کیا کہ وہ عہد کو پورا کریں اور ان پر عہد توڑنے کو حرام کر دیا، اس کے بعد بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان سب کو عہد پورا کرنے پر کاربند کر دے۔ اسی طرح وہ اس پر قادر ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کو ایمان لانے پر اور تمام احکام شرعیہ کے مطابق عمل پر ان کو کاربند کر دے وہ اگر کسی کو جبراً مومن بنانا چاہے یا کسی کو جبراً کافر بنانا چاہے تو یہ اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے کیونکہ باقی تمام کائنات، عرش، کرسی، زمین و آسمان، فرشتے، جمادات، نباتات اور حیوانات سب اس کے احکام کے تابع ہیں اور ہر چیز جبراً اس کی اطاعت کر رہی ہے۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ وہ ایک ایسی مخلوق بنائے جو اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائے اور اس کے احکام کی اطاعت کرے یا اپنے اختیار سے اس کا کفر کرے اور اس کے احکام کی نافرمانی کرے۔ اول الذکر آخرت میں

اس کی رضا اور اس کے ثواب کی مستحق ہو اور ثانی الذکر اس کے غضب اور اس کے عذاب کی مستحق ہو۔ پھر جس کے متعلق اس کو ازل میں یہ علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایمان لائے گا اس نے اس کے لیے ایمان مقدر کر دیا اور دنیا میں اس کے لیے ہدایت پیدا کر دی اور جس کے متعلق اس کو ازل میں یہ علم تھا کہ یہ کفر کرے گا اس کے لیے اس نے کفر مقدر کر دیا اور دنیا میں اس کے لیے گمراہی پیدا کر دی' اور یہی اس کا معنی ہے وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ہماری اس تقریر سے اب یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ جب اللہ ہی گمراہ کرتا ہے تو بندہ کا کیا قصور ہے؟

اس کے بعد فرمایا تم جو کچھ کر رہے ہو اس کے متعلق تم سے ضرور سوال کیا جائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے یہ سوال نہیں ہو گا کہ اس نے بندوں کو گمراہ کیوں کیا کیونکہ اس نے اسی کو گمراہ کیا جس نے اپنے اختیار سے گمراہی کو پسند کر لیا' لیکن ان بندوں سے ضرور سوال کیا جائے گا کہ انہوں نے گمراہی کو کیوں اختیار کیا جبکہ ان کے لیے ہدایت اور گمراہی کے دونوں راستے واضح کر دیئے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور اپنی کتابوں کے ذریعہ ان کو ہدایت کی دعوت دی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکہ نہ بناؤ کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں اور تم عذاب چکھو گے کیونکہ تم نے (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکا ہے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○ اور اللہ کے عہد کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو کیونکہ جو اللہ کے پاس (ایفاء عہد کا صلہ) ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ○ (النحل: ۹۵-۹۴)

قسم توڑنے کی ممانعت کو دوبارہ ذکر کرنے کی توجیہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے معاہدوں اور قسموں کے توڑنے سے مطلقاً منع فرمایا تھا اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا نہ بناؤ اور اس آیت سے مطلقاً قسم توڑنے سے ممانعت مراد نہیں ہے ورنہ ان آیتوں میں ایسی تکرار لازم آئے گی جو فائدہ سے خالی ہو' بلکہ اس سے مراد قرآن مجید کے مخاطبین کو مخصوص قسموں کے توڑنے سے منع فرمانا ہے' اسی لیے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان کو قسم توڑنے یعنی اس بیعت کے توڑنے سے منع فرمایا ہے' اسی لیے اس کے بعد یہ وعید ذکر فرمائی ہے کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں' یہ وعید کسی سابق عہد کے توڑنے پر نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی شریعت کو ماننے کے عہد کو توڑنے کے مناسب ہے کیونکہ جس شخص نے اسلام کا عہد توڑ دیا' وہ بلند درجات سے نیچے جا گرا اور اس طرح گمراہی میں مبتلا ہو گیا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا اور تم عذاب کو چکھو گے کیونکہ تم نے (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکا ہے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو توڑ دیا اور آپ کی شریعت کا انکار کر دیا' اس کا یہ فعل لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے مانع ہوا کیونکہ لوگ یہ سوچ سکتے ہیں اگر اسلام برحق دین ہوتا تو یہ لوگ اسلام قبول کر کے اور اس پر پکی بیعت کر کے اس بیعت کو نہ توڑتے' تو یوں ان لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام اور آپ کی شریعت کو ماننے کی بیعت کر کے اور اس پر مؤکد قسمیں کھا کر توڑ دینا لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کا سبب بنا اور ان کے آخرت میں بہت بڑے عذاب کا موجب ہوا کیونکہ مطلقاً قسم توڑنا اس قدر شدید عذاب کا موجب نہیں ہے بلکہ اس کی تلافی قسم کا کفارہ ادا کر دینے سے ہو جاتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو یہ کہہ کر مزید مؤکد فرمایا: اور اللہ کے عہد کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو' یعنی تم کفار سے رشوت لے کر اسلام کی بیعت کر کے اس کو توڑ دیتے ہو۔ پس تم دنیا کے قلیل مال کے عوض عہد شکنی نہ کرو اور اسلام کی

بیعت کرکے اس کو نہ توڑو کیونکہ مال دنیا خواہ کتنا زیادہ ہو وہ آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلہ میں تھوڑا ہے کیونکہ دنیا کا مال فانی ہے اور اخروی اجر و ثواب باقی ہے اور باقی رہنے والی چیز فانی سے بہر حال افضل ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا اور جن لوگوں نے صبر کیا ان کو ہم ان کے کاموں کے اچھے اجر کی جزا دیں گے○ (النحل: ۹۶)

اخروی نعمتوں کا دنیاوی نعمتوں سے افضل ہونا

آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے دو وجوہات کی بناء پر افضل ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اعلیٰ درجہ کی دنیا کی نعمتیں ہوں تو جس وقت وہ نعمتیں اس کے پاس ہوں گی اس وقت بھی وہ بہت فکر اور پریشانی میں ہوگا کہ کہیں وہ نعمتیں اس کے پاس سے چھن نہ جائیں، چوری نہ ہو جائیں، گم نہ ہو جائیں یا ضائع نہ ہو جائیں، اور جب وہ نعمتیں اس کے پاس سے چھن جائیں گی تو اس کا دن رات غم و غصہ حسرت اور افسوس میں گزرے گا کاش وہ ان کی حفاظت کرتا کاش وہ اس کے پاس سے نہ جاتیں۔ پس واضح ہو گیا کہ آخرت کی نعمتیں ہی بہتر ہیں جن کو فنا نہیں ہے جو دائمی اور غیر منقطع ہیں، اور اگر دنیا کی وہ نعمتیں اعلیٰ درجہ کی نہیں ہیں، بہت معمولی قسم کی ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ جنت کی نعمتیں ان سے بہت اعلیٰ اور بہت افضل ہیں۔

مومن کے ہر عمل کا باعث اجر و ثواب ہونا

مومن جب اللہ پر ایمان لے آتا ہے تو وہ اسلام کے تمام احکام شرعیہ کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کا التزام کر لیتا ہے، اس وقت اس پر دو امر لازم ہوتے ہیں ایک یہ ہے کہ اس نے جن احکام شرعیہ کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کا التزام کیا ہے اس التزام پر ثابت قدم رہے، کسی حال میں اس سے نہ پھرے اور جو وہ عہد کر چکا ہے اس کو کبھی نہ توڑے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس نے جن چیزوں کا التزام کیا ہے ان پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے مومن کو اس کی ترغیب دی کہ وہ جو التزام کر چکا ہے، اس پر صبر کرے۔ اس لیے فرمایا اور جن لوگوں نے صبر کیا ان کو ہم ان کے اچھے کاموں کی جزا دیں گے۔ یعنی انہوں نے جن احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا التزام کیا ہے جب وہ ان پر اچھی طرح عمل کریں گے تو ہم ان کے نیک اعمال کی اچھی جزا دیں گے، کیونکہ مومن مباح، مستحب، واجب اور فرض عمل کرتا ہے اور مکروہ اور حرام سے بچتا ہے اور حسن نیت سے مباح بھی مستحب ہو جاتا ہے۔ مثلاً کھانا پینا اور سونا مباح ہے لیکن وہ اس لیے کھائے پیئے کہ اس سے عبادت پر تقویت حاصل ہو تو کھانا پینا بھی مستحب ہے اور اس طرح کھائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کھاتے تھے اور ان چیزوں کو کھائے جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کھاتے تھے تو اس کا کھانا پینا سنت ہے اور اس کے عبادت ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، باتیں کرنا، چلنا پھرنا، دوستوں سے ملاقات کرنا، مہمان نوازی کرنا، ان سب کاموں کو سنت کے مطابق کیا جائے تو ان کے عبادت ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے ان تمام کاموں پر اللہ تعالیٰ اچھے اجر کی جزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ ضرور زندہ رکھیں گے اور ہم ان کو ان کے نیک کاموں کی ضرور جزا دیں گے○ (النحل: ۹۷)

اعمال کا ایمان سے خارج ہونا

ائمہ ثلاثہ اور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور محققین متکلمین اور فقہاء احناف کا مذہب یہ

ہے کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں اور یہ آیت فقہاء احناف کے مذہب پر قوی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نیک اعمال کے لیے ایمان کو شرط قرار دیا ہے- لہٰذا اعمال مشروط اور ایمان شرط ہے اور مشروط، شرط سے خارج ہوتا ہے- مثلاً نماز مشروط ہے اور وضو شرط ہے تو نماز وضو سے خارج ہے- اسی طرح ایمان اعمال سے خارج ہے-

مومن کی پاکیزہ زندگی کے متعلق متعدد اقوال اور اس کے ضمن میں قناعت اور رزق حلال کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا ہم اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ رکھیں گے- اس میں اختلاف ہے کہ وہ پاکیزہ زندگی کہاں میسر ہوگی؟ مفسرین کے اس میں تین قول ہیں:

(ا) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ پاکیزہ زندگی دنیا میں میسر ہوگی- پھر دنیا میں اس پاکیزہ زندگی کے مصداق کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(الف) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک روایت کے مطابق حسن بصری اور وہب بن منبہ نے کہا اس کا مصداق قناعت ہے-

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قناعت ایک ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا اور ایک ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا- محمد بن درویش البیرونی المتوفی ۱۲۷۶ھ نے لکھا ہے کہ حافظ ذہبی نے کہا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے-

(اسنی المطالب رقم الحدیث: ۱۰۲۶)

اور العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی اور العسکری نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور امام القضاعی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے- ذہبی نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور قناعت کے متعلق بہت احادیث ہیں- (کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۰۳-۱۰۲ مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ شخص کامیاب ہوگیا جو اسلام لایا اور اس کو بقدر کفایت رزق دیا گیا اور اللہ نے اس کو جو کچھ دیا تھا اس میں اس کو قناعت کرنے والا بنادیا-

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۲۹، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۱۹۶، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۰۴۳، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۱۶۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! آل محمد کا رزق بقدر کفایت کردے-

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۴۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۲، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۱۰۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۴۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۰، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۸۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۰۴۲)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ کی تفسیر میں فرمایا اس سے مراد قناعت ہے- نیز انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دعا میں فرماتے تھے اے اللہ! تو نے مجھے جو رزق دیا ہے، اس میں مجھے قناعت کرنے والا بنادے اور اس میں میرے لیے برکت رکھ دے اور میرے لیے ہر غائب چیز میں خیر رکھ دے- (المستدرک رقم الحدیث: ۱۲۴۴، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

دنیا میں اطمینان کے ساتھ وہی شخص زندگی گزارتا ہے جو قناعت کرتا ہو کیونکہ حریص شخص تو ہر وقت زیادہ سے زیادہ مال کی طلب میں سرگرداں رہتا ہے اور اپنے جسم اور ذہن کو زیادہ سے زیادہ مال کی طلب میں تھکا تا رہتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے گا اور مٹی کے سوا ابن آدم کا کوئی چیز پیٹ نہیں بھر سکتی اور جو شخص توبہ کرے' اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۴۹)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے اس میں دو خصلتیں جوان ہو جاتی ہیں' مال کی حرص اور عمر کی حرص۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۴۷)

(ب) ابو مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی پاکیزہ زندگی سے مراد حلال ہے۔ ضحاک نے کہا وہ حلال کھاتا ہو اور حلال پہنتا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ طیب ہے اور وہ صرف طیب چیز کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو حکم دیا تھا۔ اس نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ (المومنون: ۵۱) — اے رسولو! پاک چیزوں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

اور مسلمانوں کو حکم دیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ (البقرہ: ۱۷۲) — اے ایمان والو! ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے' اس کے بال غبار آلود ہوتے ہیں پھر وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! اس کا کھانا حرام ہے اور اس کا پینا حرام ہے' اس کا لباس حرام ہے اور اس کو حرام غذا دی گئی تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۱۵' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۹۸۹)

(ج) حضرت علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی پاکیزہ زندگی سے مراد سعادت ہے۔

(د) عکرمہ نے کہا دنیا کی پاکیزہ زندگی سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت ہے۔

(ہ) قتادہ نے کہا اس سے مراد ہر روز رزق ملنا ہے۔

(و) اسماعیل بن ابی خالد نے کہا اس سے مراد رزق طیب اور عمل صالح ہے۔

(ز) ابو بکر وراق نے کہا اس سے مراد اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت میں مٹھاس کا ذائقہ محسوس کرنا ہے۔

(ح) الماوردی نے کہا اس سے مراد اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا ہے اور بلاؤں اور مصیبتوں میں کسی قسم کی شکایت نہ کرنا ہے۔

(۲) حسن، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ، ابن زید وغیرہم یہ کہتے ہیں کہ مومنین کو یہ حیات طیبہ جنت میں حاصل ہوگی۔
(۳) ابو غسان نے شریک سے روایت کیا ہے کہ ایمان والوں کو یہ حیات طیبہ قبر میں حاصل ہوگی۔
(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۸۹-۴۸۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

مومن کی دنیا کی زندگی اور کافر کی دنیا کی زندگی کا فرق

مومن کی زندگی کئی وجوہ سے کافر کی زندگی سے پاکیزہ اور بہتر ہے۔

(۱) مومن کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ اس کا رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کی قدرت اور اختیار میں ہے اور اللہ تعالیٰ جواد اور کریم ہے اور وہ اپنے بندوں کے حق میں جو کچھ بھی کرتا ہے وہ ان کے لیے صحیح اور بہتر ہوتا ہے۔ اس لیے مومن اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر پر راضی اور مطمئن ہوتا ہے اور رزق میں کم ملے یا زیادہ وہ حرف شکایت زبان پر نہیں لاتا نہ اس کے دل میں کوئی تنگی پیدا ہوتی ہے، اس کا ایمان ہوتا ہے کہ اس کے حق میں یہی بہتر ہے اور اسی میں مصلحت ہے اور کافر چونکہ تقدیر پر ایمان نہیں ہوتا اور نہ وہ یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل صحیح اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے وہ ہر وقت شاکی غیر مطمئن اور رنج اور غم میں مبتلا ہوتا ہے۔

(۲) مومن کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ اس کو جو خوشی اور راحت اور کامیابی نصیب ہوتی ہے جو فراخی، وسعت اور کشادگی حاصل ہوتی ہے وہ محض اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس میں اس کی کسی کوشش اور کاوش کا دخل نہیں ہوتا وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ہوتا ہے، اور اس پر جو مصیبت اور بلا نازل ہوتی ہے، وہ اس کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا وہ ان مصائب پر کڑھتا نہیں ہے، نہ گلہ شکوہ کرتا ہے بلکہ اپنے گناہوں پر توبہ کرتا ہے اور ان مصائب، آفات اور بیماریوں پر خوش ہوتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ امید رکھتا ہے کہ یہ تکلیفیں اور بلائیں اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گی اور ان دنیاوی مصائب کی وجہ سے وہ اخروی عذاب سے بچ جائے گا۔ اس کے برخلاف چونکہ کافر کا آخرت پر ایمان نہیں ہوتا اس لیے وہ ان مصائب اور آفات اور بیماریوں پر سوا افسوس کرنے اور کڑھنے کے اور کچھ نہیں کرتا۔

(۳) مومن کا دل چونکہ معرفت الٰہی سے روشن ہوتا ہے، اس لیے اس پر جو مصائب بھی نازل ہوتے ہیں اس کو یقین ہوتا ہے کہ اس پر جو حال بھی وارد ہوا ہے وہ اس کے محبوب کی طرف سے نازل ہوا ہے، اور جب انسان کی نظر اپنے محبوب پر ہو تو محبوب کی طرف سے آنے والے مصائب بھی نعمت معلوم ہوتے ہیں، جیسے مصری عورتوں کی نظر جب حسن یوسف پر تھی تو انہیں ہاتھوں کی انگلیاں کٹنے کا کوئی درد نہیں ہوا، اور کافر کا دل چونکہ ان پاکیزہ واردات سے خالی ہوتا ہے بلکہ اس کے دل میں کفر کا اندھیرا ہوتا ہے، اس لیے اس کو صرف درد اور اذیت کا ادراک ہوتا ہے اور اس کے سامنے کوئی ایسا پاکیزہ ہدف نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اس کی مشکلات اس پر آسان ہو جائیں۔

(۴) مومن کو یہ یقین ہوتا ہے کہ دنیا کی کامیابیاں اور راحتیں عارضی اور وقتی ہیں اس لیے وہ دنیا کی کامیابیوں کے ملنے کی وجہ سے زیادہ خوش نہیں ہوتا اور نہ ان کامیابیوں کے نہ ملنے یا چھن جانے کی وجہ سے زیادہ ملول اور غمگین ہوتا ہے، وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر صبر کر لیتا ہے اور مطمئن ہو جاتا ہے اور کسی نعمت کے چلے جانے سے آہ و بکا، نالہ شیون اور واویلا نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف چونکہ کافر کو آخرت پر یقین نہیں ہوتا اس کو کوئی نعمت مل جائے تو خوشی سے اتراتا پھرتا ہے اور اس سے کوئی نعمت زائل ہو جائے تو اس کی دنیا تاریک ہو جاتی ہے۔

(۵) مومن کو یقین ہوتا ہے کہ یہ دنیا ناپائیدار ہے اور دنیا کی ہر چیز تغیر پذیر ہے، اس لیے جب اس کو کوئی خیر یا نعمت ملتی

ہے تو وہ ذہنی طور پر اس نعمت کے زوال کے لیے تیار رہتا ہے' وہ یہ سمجھتا ہے کہ جب خود اس کی ذات کو ثبات اور قرار نہیں ہے وہ خود بھی ایک دن اس دنیا سے جانے والا ہے تو اس کے پاس جو نعمتیں ہیں' ان کو کب ثبات اور قرار ہو سکتا ہے۔ اس لیے اگر اس کے ہاتھ سے کوئی نعمت جاتی رہے تو یہ اس کے لیے کوئی تعجب اور اچنبھے کی بات نہیں ہوتی' اور کافر چونکہ ان دقیق حقائق پر گہری نظر نہیں رکھتا' اس لیے اس کے پاس سے کسی نعمت کا زائل ہو جانا اس کے لیے قیامت کے صدمہ سے کم نہیں ہوتا۔

(۶) کافر پوری زندگی نجس اور ناپاک رہتا ہے' وہ ختنہ کرتا ہے نہ غیر ضروری بال صاف کرتا ہے' نہ غسل جنابت کرتا ہے' نہ قضائے حاجت کے بعد اپنے اعضاء کو دھو کر پاک اور صاف کرتا ہے' اس کی پوری زندگی نجاست اور ناپاکی میں گزرتی ہے۔ اس کے برخلاف مومن ختنہ کرتا ہے' غیر ضروری بال صاف کرتا ہے' بڑھے ہوئے ناخن تراشتا ہے' غسل جنابت کرتا ہے' قضائے حاجت کے بعد اپنے اعضاء کو دھو کر پاک کرتا ہے' دن میں پانچ مرتبہ وضو کرتا ہے اور اس کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ طہارت نصف ایمان ہے لہٰذا مومن دنیا میں جو زندگی گزارتا ہے وہ پاکیزہ زندگی ہوتی ہے اور کافر دنیا میں جو زندگی گزارتا ہے وہ نجس اور ناپاک زندگی ہوتی ہے۔

(۷) کافر کی غذا نجس ہوتی ہے وہ بغیر ذبح کے مردار کھاتا ہے' اور نجس اور ناپاک غذا سے جو جسم بنتا ہے وہ بھی نجس اور ناپاک ہوتا ہے' اس کے برخلاف مومن حلال ذبیحہ کھاتا ہے جو طیب اور پاک ہوتا ہے اور اس سے اس کا جو جسم بنتا ہے وہ بھی طیب اور پاک ہوتا ہے' اس لیے کافر جو زندگی گزارتا ہے وہ نجس اور ناپاک ہوتی ہے اور مومن کی زندگی طیب اور پاکیزہ ہوتی ہے۔

(۸) کافر خنزیر کھاتا ہے' خنزیر بے غیرت جانور ہے' اس کے اثر سے کافر بھی بے غیرت اور بے حیا ہوتے ہیں' وہ بکثرت حرام کاری کرتے ہیں اور وہ کھلے عام بے حیائی کے کام کرتے ہیں' سڑکوں پر' پارکوں اور ساحل سمندر پر' مرد' مردوں کے ساتھ جنسی آسودگی حاصل کرتے ہیں اور عورتیں عورتوں کے ساتھ۔ اس جنسی آوارگی کی وجہ سے ان کا ذہنی سکون غارت ہو چکا ہے پھر سکون کے حصول کے لیے ان میں سے بعض نے خود کو شراب کے نشے میں ڈبو دیا بعض نے ہیروئن' چرس اور دیگر نشہ آور چیزوں میں پناہ حاصل کی' اور مومن اول تو اس قسم کے غیر اخلاقی کاموں میں ملوث نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اس کا ذہنی سکون جاتا رہے اور اگر کسی ناگہانی افتاد یا کسی اچانک صدمہ کی وجہ سے اس کا سکون جاتا رہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد میں سکون ملتا ہے' اس لیے کافر کی بے چینی اور بے سکونی بھی نجس ہے اور اس کے سکون کے ذرائع بھی نجس ہیں۔ اس کے برخلاف مومن کی بے سکونی بھی غیر اختیاری اور پاک ہے اور اس کے سکون کے ذرائع بھی طیب اور پاکیزہ ہیں۔ اس لیے کافر دنیا میں جو زندگی گزارتا ہے وہ نجس اور ناپاک ہے اور مومن جو زندگی دنیا میں گزارتا ہے وہ طیب اور پاکیزہ ہے۔

(۹) بعض کافر انسانوں کو خدا مانتے ہیں جیسے یہودی اور عیسائی۔ بعض حیوانوں کو خدا مانتے ہیں جیسے ہندو۔ بعض آگ اور سورج کو خدا مانتے ہیں جیسے پارسی اور مجوسی۔ اور بعض پتھروں اور درختوں کو خدا مانتے ہیں جیسے مشرکین اور بت پرست۔ حالانکہ یہ تمام چیزیں عناصر کائنات ہیں' خالق کائنات نہیں ہیں۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ عناصر کائنات کی پرستش نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کر کے عناصر کائنات کو اپنا تابع بنالیتا ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے دریائے نیل جاری ہو گیا۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

کافر عناصر کائنات کا پرستار اور پجاری ہے اور مومن عناصر کائنات پر حاکم اور حاوی ہے۔

(۱۰) دنیا میں کافر کی دعاؤں کی قبولیت کے لیے کوئی صحیح اور مستند وسیلہ نہیں ہے اور مومن کی دعاؤں کی قبولیت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء اور صالحین کا صحیح اور مستند وسیلہ ہے۔

ہم نے جو مومن اور کافر کی دنیا کی زندگی کا تقابل کیا ہے وہ ان کی مثالی اور آئیڈیل زندگی ہے۔ اگر کوئی مومن، مومن ہونے کے باوجود کافرانہ طرز حیات کو اختیار کرے اور اس کی زندگی میں نجاست اور ریلاپا کی در آئے تو یہ ناپاکی اس کے ایمان کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ کافروں کی سی زندگی کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی زندگی کو پاکیزہ بنائے اور ہماری کوتاہیوں اور غلط کاریوں کو معاف فرمائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس (اے رسول مکرم!) جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں ○ (النحل: ۹۸)

قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی شیطان کو قدرت دی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ (طٰہٰ: ۱۲۰)

پھر شیطان نے آدم کی طرف وسوسہ ڈالا، کہا اے آدم! کیا میں تم کو دوام کے درخت کا پتا دوں اور ایسی بادشاہت کا جو کبھی کمزور نہ ہو۔

اور جب شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے تو پھر انسان شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۤئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آتا ہے تو وہ فوراً (اللہ کو) یاد کرتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ نبیوں کی طرف بھی شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور اللہ کو یاد کرنے کے سبب سے وہ وسوسہ زائل ہو جاتا ہے اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (النحل: ۸۹) اور اس سے متصل پہلی آیت میں فرمایا تھا اور ہم ان کے کاموں کی اچھی جزا دیں گے۔ (النحل: ۹۷) اور یہ دونوں آیتیں اس کا تقاضا کرتی ہیں کہ قرآن مجید کو پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں، تاکہ آپ کا قرآن پڑھنا شیطان کی وسوسہ اندازی سے محفوظ اور مامون ہو۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھیں تو تمام مسلمان اس حکم کے تحت داخل ہیں۔

اس آیت کا ظاہر معنی ہے قرآن مجید پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ پڑھی جائے، اس کا جواب

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جب آپ قرآن مجید پڑھ چکیں تو پھر اعوذ باللہ پڑھیں حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ قرآن

مجید پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عربی اسلوب کے مطابق اذا اردت ان تقرا القرآن محذوف ہے یعنی جب تم قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کرو تو اعوذ باللہ پڑھو۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم (المائدہ: ۶) اس کا ظاہر معنی یہ ہے جب تم نماز کی طرف کھڑے ہو تو پھر وضو کرو۔ حالانکہ نماز سے پہلے وضو کیا جاتا ہے اس کا بھی یہی جواب ہے کہ یہاں عربی اسلوب کے مطابق اذا اردتم القیام الی الصلوۃ محذوف ہے یعنی جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو وضو کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ان پر اس کا کوئی تسلط نہیں ہےO (النحل: ۹۹)

لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنے کی فضیلت

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شیطان کے شر سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا تو اس سے یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ شاید شیطان کو انسانوں کے بدنوں اور جسموں پر تصرف کرنے کی قدرت ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس وہم کا ازالہ فرمایا کہ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ان پر اس کا کوئی تسلط نہیں ہے' اور یہ جاننا چاہیے کہ اللہ کی عصمت اور اس کے بچانے کے بغیر شیطان کے وسوسوں سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے محققین نے کہا ہے کہ اللہ کے بچانے کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معصیت سے بچنا ممکن نہیں ہے اللہ کی توفیق کے بغیر اس کی عبادت پر قوت ممکن نہیں ہے اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کا یہی معنی ہے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ لاحول ولاقوۃ شیطان کو کہا جاتا ہے' اس لیے اگر کسی کے سامنے لاحول ولاقوۃ پڑھو تو وہ کہتے ہیں آپ نے مجھے شیطان کہہ دیا۔ حالانکہ اس کلمہ کا شیطان سے کوئی تعلق نہیں اور اس کلمہ کی احادیث میں بہت فضیلت ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے' لوگ بلند آواز سے اللہ اکبر' اللہ اکبر کہہ رہے تھے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو' تم کسی بہرے کو پکار رہے ہو نہ غائب کو' تم اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا ہے اور قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوا یہ پڑھ رہا تھا لاحول ولاقوۃ الا باللہ آپ نے فرمایا اے عبداللہ بن قیس کیا میں جنت کے خزانوں میں سے کسی خزانہ پر تمہاری رہنمائی نہ کروں۔ میں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کہو لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۰۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۔۱۹۷۶۰ عالم الکتب بیروت)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ لاحول پڑھنے کا اتنا عظیم ثواب اس لیے ہے کہ اس کلمہ کا معنی یہ ہے کہ بندہ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بالکل سپرد کر دیا اور اس کی بارگاہ میں سر اطاعت خم کر دیا۔ اور یہ یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے اور اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے' اور بندہ کسی چیز کا مالک نہیں ہے' اور جنت کے خزانے کا معنی یہ ہے کہ اس کے پڑھنے کا ثواب جنت میں ذخیرہ کیا ہوا ہے اور اس کا ثواب بہت نفیس اور بہت عمدہ ہے کیونکہ تم خزانہ میں وہی چیز رکھتے ہو جو بہت نفیس اور بہت قیمتی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کا تسلط تو صرف ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کا شریک قرار

دیتے ہیں○(النحل: ۱۰۰)

اس آیت کا معنی یہ ہے جو لوگ شیطان کے وسوسوں کو قبول کر کے اس کی اطاعت کرتے ہیں، یعنی ان کے دل میں جب کسی برے کام کرنے کا یا گناہ کا خیال آتا ہے تو وہ فوراً اس کے درپے ہو جاتے ہیں حالانکہ اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی آتا ہے کہ یہ گناہ کا کام ہے، اس کو نہیں کرنا چاہیے لیکن وہ برائی اور گناہ کی تحریک کو ترجیح دیتے ہیں اور گناہ سے منع کرنے کی آواز کو دبا دیتے ہیں، اور یہ جو فرمایا ہے وہ اس کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ شیطان کے گمراہ کرنے کے سبب سے مختلف چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیتے ہیں۔

وَإِذَا بَدَّلْنَآ ءَايَةً مَّكَانَ ءَايَةٍ ۙ وَّٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوٓا۟

اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے تبدیل کر دیتے ہیں، اور اللہ ہی خوب جانتا ہے جو وہ نازل فرماتا ہے تو کافر

إِنَّمَآ أَنتَ مُفْتَرٍۭ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهُۥ رُوحُ

کہتے ہیں کہ آپ تو صرف اپنے دل سے گھڑتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے ○ آپ کہیے اس کو

ٱلْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِٱلْحَقِّ لِيُثَبِّتَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَهُدًى

روح القدس نے آپ کے رب کی جانب سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور یہ مسلمانوں

وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ

کے لیے ہدایت اور بشارت ہے ○ اور ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس

إِنَّمَا يُعَلِّمُهُۥ بَشَرٌ ۗ لِّسَانُ ٱلَّذِى يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِىٌّ

(رسول) کو ایک آدمی سکھا کر جاتا ہے، وہ جس کی طرف سکھانے کو منسوب کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے

وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۰۳﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

اور یہ قرآن تو بہت واضح عربی زبان ہے ○ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر

بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ ۙ لَا يَهْدِيهِمُ ٱللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾

ایمان نہیں لاتے اللہ ان کو ہدایت نہیں فرماتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

إِنَّمَا يَفْتَرِى ٱلْكَذِبَ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ ۖ

جھوٹا بہتان تو وہی لوگ لگاتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَٰذِبُونَ ﴿١٠٥﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ

اور وہی لوگ جھوٹے ہیں ○ جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد

إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ

کفر کیا سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو بلکہ

مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ

وہ لوگ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○ کیونکہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر

عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿١٠٧﴾

ترجیح دی اور بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ○

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَ

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر

أَبْصَارِهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٠٨﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي

لگا دی ہے اور یہی لوگ غافل ہیں ○ بے شک صرف یہی لوگ آخرت میں نقصان

الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا

اٹھانے والے ہیں ○ پھر بے شک آپ کا رب، ان لوگوں کے لیے جنہوں نے آزمائش

مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ

میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کیا، بے شک آپ کا رب ان (آزمائشوں) کے بعد

مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٠﴾

ضرور بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے تبدیل کر دیتے ہیں اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ جو وہ نازل فرماتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ آپ تو صرف اپنے دل سے گھڑتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے O (النحل: ۱۰۱)

نسخ کی وجہ سے کفار کے اعتراض کا جواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی ایک آیت نازل ہوتی جس میں بہت سختی اور شدت ہوتی اور ایک ایسی آیت نازل ہوتی جس میں بہت نرمی ہوتی تو کفار قریش کہتے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) تو اپنے اصحاب کے ساتھ مذاق کرتے ہیں- آج ایک چیز کا حکم دیں گے تو کل اس چیز سے منع کر دیں گے اور یہ تمام باتیں اپنے دل سے گھڑتے ہیں- تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی-

تبدیل کا معنی ہے: ایک چیز کو اٹھا کر دوسری چیز کو اس کی جگہ رکھ دینا اور آیت کو تبدیل کرنے کا معنی یہ ہے کہ ایک آیت کو اٹھا کر دوسری آیت کو اس کی جگہ رکھ دینا اور اسی کو نسخ کہتے ہیں- یعنی ایک آیت کا حکم منسوخ کر کے دوسرا حکم نازل کر دینا اور جو آیت ناسخ ہوتی ہے وہ دراصل یہ بیان کرتی ہے کہ حکم سابق کی مدت ختم ہو گئی اور اب دوسرا حکم واجب العمل ہو گا-

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ ہی خوب جانتا ہے جو وہ نازل فرماتا ہے- اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ جو سخت اور نرم احکام نازل فرماتا ہے اس کی حکمت اللہ ہی خوب جانتا ہے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے اور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کو جانتا ہے- اس قول میں کفار کی اس بات کا رد ہے جو انہوں نے کہا تھا آپ اپنے دل سے گھڑتے ہیں- یعنی اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کے موافق کس وقت کیا حکم نازل فرمائے اور دوسرے وقت میں کیا حکم نازل فرمائے گا، تو وہ احکام کو تبدیل کرنے کی وجہ سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کی طرف افتراء کی نسبت کیوں کرتے ہیں-

اس کے بعد فرمایا بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے- یعنی وہ حقیقت قرآن کو نہیں جانتے اور نہ ان کو نسخ اور تبدیل احکام کے فوائد کی خبر ہے، کیونکہ جس طرح مریض کے مرض کی کیفیت بدلنے کی وجہ سے حکیم اس کی دوائیں بدلتا رہتا ہے، کبھی ایک چیز کے کھانے کا حکم دیتا ہے اور کبھی اس چیز کے کھانے سے منع کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی مختلف حالات کے تحت مختلف احکام نازل فرماتا ہے-

نسخ کا لغوی اور اصطلاحی معنی، نسخ میں مذاہب، قرآن مجید میں کتنی آیتیں منسوخ ہیں اور اس میں ہمارا مختار کیا ہے، اس سب کو ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں اور البقرہ: ۱۰۶ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے- وہاں ملاحظہ فرمائیں-

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اس کو روح القدس نے آپ کے رب کی جانب سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور یہ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے O (النحل: ۱۰۲)

سنت سے قرآن مجید کے منسوخ نہ ہونے کے استدلال کا جواب

روح القدس کا معنی ہے الروح المقدس- اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں- یعنی حضرت جبریل علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے قرآن لے کر نازل ہوئے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ مومنین کی آزمائش کی جائے حتیٰ کہ وہ یہ کہیں کہ ان مختلف احکام کا نازل ہونا برحق ہے اور وہ دین میں ثابت قدم رہیں اور ان کا یہ یقین رہے کہ اللہ تعالیٰ برحق ہے اور حکیم ہے وہ جو حکم بھی نازل فرماتا ہے وہی اس حال کے مناسب ہوتا ہے، اور یہ قرآن ہدایت ہے اور اس ہدایت کو قبول کرنے

والوں کے لیے بشارت ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا قرآن عظیم سنت سے منسوخ نہیں ہوتا۔ اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے تبدیل کر دیں یعنی قرآن مجید کی آیت قرآن مجید ہی کی دوسری آیت سے منسوخ ہوتی ہے، سنت سے منسوخ نہیں ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں حصر کا کوئی کلمہ نہیں ہے کہ آیت، آیت سے ہی منسوخ ہوتی ہے تاکہ اس کا یہ مطلب ہو کہ آیت سنت سے منسوخ نہیں ہوتی اور حضرت جبریل جس طرح آیت کو لے کر نازل ہوتے تھے، وہ سنت کو بھی لے کر نازل ہوتے تھے اور جب سنت سے آیت ثابت ہو سکتی ہے تو تبدیل بھی ہو سکتی ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) کو ایک آدمی سکھا کر جاتا ہے، وہ جس کی طرف سکھانے کو منسوب کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ قرآن تو بہت واضح عربی زبان ہے○ (النحل: ۱۰۳)

"الحاد" اور "عجم" کا معنی

اس آیت میں دو لفظ ہیں، جن کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک یلحدون ہے، اس کا مادہ لحد ہے اور دوسرا اعجمی ہے، اس کا مادہ عجم ہے۔
علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:
لحد اس گڑھے کو کہتے ہیں جو درمیان سے ایک جانب کی طرف جھکا ہوا ہو، گڑھا کھود کر اس کی ایک جانب میں ایک اور گڑھا کھودا جائے اس کو بھی لحد اور بغلی قبر کہتے ہیں۔ الحاد کہتے ہیں حق اور صداقت سے نکل کر دوسری جانب میلان کرنا۔ الحاد کی دو قسمیں ہیں اللہ کے شریک کی طرف میلان کرنا، اللہ کو چھوڑ کر مادی اسباب کی طرف میلان کرنا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (الحج: ۲۵)

اور جو اس (حرم) میں ظلم کے ساتھ زیادتی کا ارادہ کرے، ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

اگر کوئی شخص جائز سمجھ کر حرم شریف میں کسی پر ظلم کرے، خواہ کسی کو گالی دے یا مارے تو یہ کفر ہے اور اگر وہ اس کو جائز نہیں سمجھتا اور یونہی غضب میں اگر کسی کو گالی دی یا اس کو مارا تو یہ کفر نہیں ہے گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ۔ (الاعراف: ۱۸۰)

جو اس کے اسماء میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ذکر کی جائے جو صحیح اور جائز نہیں مثلاً کہا جائے اللہ کا بیٹا ہے یا اس کی بیٹی ہے یہ کفر اور شرک ہے، یا اس کی ایسی صفت ذکر کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں جیسے بعض لوگ کہتے ہیں اللہ میاں! (المفردات ج ۲ ص ۵۷۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
لغت میں الحاد کا معنی ہے، میانہ روی سے دوسری جانب میلان کرنا، اسی وجہ سے جو شخص حد سے تجاوز کرے اس کو ملحد کہتے ہیں اور اس آیت میں یلحدون کا معنی یہ ہے جس زبان کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں وہ عجمی ہے۔
نیز علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:
عجمہ اظہار کی ضد ہے اور اعجام ابہام کو کہتے ہیں۔ حیوانات کو عجماء کہتے ہیں کیونکہ وہ زبان سے اظہار نہیں کر سکتے، دن

کی نمازوں کو بھی عجماء کہتے ہیں کیونکہ ان کی بلند آواز سے تلاوت نہیں کی جاتی۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۲۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

عجم کا معنی کلام عرب میں ابہام اور اخفاء ہے اور یہ بیان اور وضاحت کی ضد ہے جو شخص اپنے مافی الضمیر کو واضح نہ کر سکے، اس کو عرب رجل اعجم کہتے ہیں پھر عرب ہر اس شخص کو عجم اور اعجمی کہتے ہیں جو عربی لغت کو نہ جانتا ہو اور ان کی زبان میں بات نہ کر سکتا ہو۔

مشرکین نے جس عجمی شخص کی طرف یہ منسوب کیا تھا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس سے تعلیم حاصل کر کے قرآن مجید پڑھتے ہیں، اس کے متعلق امام ابن جوزی نے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

مشرکین نے جس شخص کے متعلق تعلیم دینے کا افتراء کیا تھا اس کے بارہ میں متعدد اقوال

(۱) عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ شخص بنی مغیرہ کا غلام تھا، یہ تورات پڑھتا تھا، مشرکین کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس سے سیکھتے تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ شخص بنی عامر بن لوی کا غلام تھا اور یہ رومی تھا۔

(۲) یہ مکہ میں رہنے والا ایک نوجوان تھا۔ یہ نصرانی اور عجمی تھا اور اس کا نام بلعام تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کو تعلیم دیتے تھے اس وجہ سے یہ آپ کے پاس آتا رہتا تھا، مشرکین نے جب اس کو آپ کے پاس آتے جاتے دیکھا تو یہ افتراء کر دیا۔ یہ بھی حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔

(۳) سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک کاتب تھا جو آپ کے لکھوانے کے برعکس لکھ دیتا تھا۔ یہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔

(۴) قریش کی ایک عورت کا ایک عجمی غلام تھا جس کا نام جابر تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر پڑھتا تھا، مشرکین نے اس کے متعلق افتراء کیا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس سے پڑھتے ہیں۔ یہ سعید بن جبیر کی روایت ہے۔

(۵) ابن زید نے کہا کہ یحنس نام کا ایک نصرانی تھا انہوں نے اس کے متعلق یہ افتراء کیا تھا۔

(۶) فراء اور زجاج نے کہا یہ شخص حوطب کا ایک عجمی غلام تھا جس کے متعلق مشرکین نے یہ افتراء کیا تھا۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۹۳-۴۹۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

مشرکین کے افتراء کے متعدد جوابات

امام فخر الدین رازی نے مشرکین کے اس افتراء کے باطل ہونے کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) مشرکین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معاند اور مخالف تھے اور انہوں نے جو یہ افتراء کیا تھا یہ بلا دلیل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس افتراء کا یہ رد فرمایا ہے کہ جس شخص کی طرف مشرکین آپ کو تعلیم دینے کی نسبت کرتے ہیں، وہ تو عجمی ہے اور یہ قرآن انتہائی فصیح اور بلیغ عربی زبان میں ہے، جس کی فصاحت اور بلاغت کی نظیر لانے سے تمام جن اور انس عاجز ہیں تو ایک عجمی شخص اس کی نظیر کیسے لا سکتا ہے۔

(۲) تعلیم کا عمل ایک نشست میں تو مکمل نہیں ہو سکتا اس کے لیے تو بار بار آنے جانے اور نشست و برخواست کی ضرورت ہے یا تو آپ اس شخص کے گھر بار بار آتے جاتے یا وہ شخص بار بار آپ کے گھر آتا جاتا اور اگر ایسا ہوتا تو یہ معاملہ لوگوں کے درمیان بہت مشہور ہو جاتا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) فلاں شخص سے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور جب یہ معاملہ مشہور نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ افتراء باطل ہے۔

(۳) قرآن مجید میں غیب کی خبریں ہیں، گزشتہ اقوام اور انبیاء سابقین کے واقعات ہیں اور انسان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے انتہائی جامع اور کامل اصول بیان کیے ہیں۔ عبرت انگیز اور سبق آموز مثالیں بیان فرمائی ہیں اگر کوئی شخص ان تمام علوم کو جاننے والا ہوتا تو اس کی تمام دنیا میں شہرت ہو جاتی اور جبکہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ افتراء باطل ہے۔

(۴) جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بار بار یہ چیلنج فرما رہے تھے کہ اس کلام کی نظیر کوئی نہیں لا سکتا اور یہ اللہ کا کلام ہے تو وہ شخص سامنے کیوں نہیں آیا؟ وہ سامنے آکر کہتا یہ تو میرا کلام ہے اور میرا اعزاز ہے اور تمام عرب اس کو سروں پر اٹھا لیتے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت میں طعن کرنے کے لیے مشرکین نے جو یہ افتراء کیا اس سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت بالکل عیاں اور ظاہر تھی اور آپ کے مخالفین سوائے جھوٹ اور بہتان طرازی کے آپ کی نبوت میں اور کوئی گنجائش نہیں پاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے، اللہ ان کو ہدایت نہیں فرماتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O (النحل: ۱۰۴)

مشرکین کو ہدایت نہ دینے کی وجوہ

یعنی یہ مشرکین جو قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ مشرکین کبھی قرآن مجید کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ اگلوں پچھلوں کے قصے کہانیاں ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ شاعر کا قول ہے یعنی خیالی اور افسانوی باتیں ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو کسی بشر نے یہ کلام سکھا دیا تھا یہ لوگ قرآن عظیم کے کلام اللہ ہونے پر ایمان نہیں لاتے اور طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں، اور ان کے اعتراضات مکڑی کے جالے سے بھی کمزور اور باطل ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کی آیتوں سے مراد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات ہیں اور قرآن مجید کی آیات بھی آپ کے معجزات میں داخل ہیں بلکہ وہ سب سے بڑا معجزہ ہیں۔

اللہ ان کو ہدایت نہیں فرماتا اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کو ہدایت نہیں دیتا اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں جنت کی طرف ہدایت نہیں دے گا یعنی جنت کا راستہ نہیں دکھائے گا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ ان کو ہدایت نہیں دیتا تو پھر ان کے ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے۔ اس سوال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) چونکہ انہوں نے ایمان لانے کا ارادہ نہیں کیا اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ایمان کو پیدا نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان میں اسی چیز کو پیدا فرماتا ہے جس کا انسان ارادہ کرتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر پر اصرار، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دے گا۔

(۳) چونکہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات کو اللہ کا کلام نہیں مانا بلکہ اس کو کسی عجمی بشر کا کلام کہا اس کی سزا کے طور پر اللہ

ان کو ہدایت نہیں دے گا۔

(۴) اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دیتا' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے تو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ان کو بار بار ہدایت دی اور قرآن مجید کے ذریعہ ہدایت دی نیز آپ کو جو معجزات عطا فرمائے' ان کے واسطہ سے ہدایت دی لیکن انہوں نے ان تمام اقسام کی ہدایتوں کے باوجود آپ کی ہدایت کو قبول نہیں کیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى۔ (حٰم السجدہ: ۱۷)

اور رہے ثمود کے لوگ تو ہم نے ان کو ہدایت فرمائی' سو انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی۔

(۵) اس آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے اور اس کا معنی اس طرح ہے جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لائیں گے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (الصف: ۵)

پھر جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور نافرمانی کرنے والے لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں فرماتا۔

(۶) جو لوگ اپنے کفر اور ہٹ دھرمی پر اصرار کرتے ہیں اور تمام شبہات کو زائل کر دینے کے باوجود اپنی ضد اور عناد سے باز نہیں آتے اور قرآن مجید کی آیتوں کے کلام اللہ ہونے سے انکار کرتے اور اس کو کسی بشر کی تعلیم کا نتیجہ کہتے ہیں' اس آیت میں ان کو تہدید کی گئی ہے اور ان کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جھوٹا بہتان تو وہی لوگ لگاتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں○ (النحل: ۱۰۵)

جو کام دائمًا ہو اس کو اسم سے اور جو کام عارضی ہو اس کو فعل کے ساتھ تعبیر کرنا

اس آیت میں مشرکین کے متعلق فرمایا ہے اولٰئک ھم الکاذبون ہے اور یہ جملہ اسمیہ ہے اور عربی قواعد کے مطابق جب کسی کام کو جملہ اسمیہ کے ساتھ تعبیر کیا جائے تو وہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ مشرکین ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں' اور جب کسی کام کو جملہ فعلیہ کے ساتھ تعبیر کیا جائے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس میں دوام واستمرار کا قصد نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ۔ (یوسف: ۳۵)

پھر یوسف کی پاکیزگی دیکھنے کے بعد انہوں نے یہی مناسب جانا کہ کچھ عرصہ کے لیے ان کو قید کر دیں۔

چونکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہمیشہ قید میں نہیں رکھنا چاہتے تھے' اس لیے انہوں نے لیسجننہ کہا اور قید کرنے کو جملہ فعلیہ کے ساتھ تعبیر کیا' اور فرعون کا ارادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ قید میں رکھنا تھا' اس لیے انہیں قید میں رکھنے کو اس نے اسم کے ساتھ تعبیر کیا اور من المسجونین کہا۔

قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ۔ (الشعراء: ۲۹)

فرعون نے کہا (اے موسیٰ!) اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنایا تو میں تم کو ضرور قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق الکاذبون فرمایا اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ کذب ان کی صفت ثابتہ راسخہ

دائمہ ہے۔ یعنی جھوٹ بولنا ان کی دائمی عادت ہے' اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ باندھنے کی جرأت کی۔

اس آیت میں مشرکین کا رد ہے' وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف افتراء کی نسبت کرتے تھے کہ ایک عجمی شخص سے کلام سیکھ کر العیاذ باللہ یہ افتراء کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے' حالانکہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو الصادق الامین کہتے تھے' پھر بھی ان ظالموں نے یہ کہا کہ آپ معاذ اللہ' اللہ پر افتراء کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا افتراء تو وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے' یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کاذب اور مفتری وہی ہے جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتا' کیونکہ سب سے بڑا کذب اور افتراء اللہ کا شریک قرار دینا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا' سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو' بلکہ وہ لوگ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے O (النحل: ۱۰۶)

جان کے خوف سے کلمۂ کفر کہنے کی رخصت اور جان دینے کی عزیمت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر پر وعید بیان فرمائی تھی اور اس آیت میں ان کا ذکر تھا جو مطلقاً ایمان نہیں لاتے اور اس آیت میں ان کا حکم بیان فرمایا ہے جو فقط زبان سے کسی مجبوری کی وجہ سے کفر کرتے ہیں دل سے کفر نہیں کرتے اور ان کا حکم بیان فرمایا ہے جو زبان اور دل دونوں سے کفر کرتے ہیں۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ مشرکین نے حضرت عمار کو' ان کے والد یاسر کو اور ان کی ماں سمیہ کو اور حضرت صہیب کو حضرت بلال کو' حضرت خباب کو اور حضرت سالم کو پکڑ لیا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ حضرت سمیہ کو انہوں نے دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور نیزہ ان کی اندام نہانی کے آر پار کر دیا اور ان سے کہا تم مردوں سے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے اسلام لائی ہو سو ان کو قتل کر دیا اور ان کے خاوند یاسر کو بھی قتل کر دیا' یہ دونوں وہ تھے جن کو اسلام کی خاطر سب سے پہلے شہید کیا گیا اور رہے عمار تو ان سے انہوں نے جبریہ کفر کا کلمہ کہلوایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ حضرت عمار نے کلمہ کفر کہا ہے تو آپ نے فرمایا بے شک عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے معمور ہے' اس کے گوشت اور خون میں ایمان رچ چکا ہے۔ پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے اگر وہ دوبارہ تم سے جبراً کلمہ کفر کہلوائیں تو تم دوبارہ کہہ دینا۔

(اسباب نزول القرآن رقم الحدیث: ۵۶۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' المستدرک ج ۲ ص ۳۵۷' تفسیر عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۴۲)

محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور ان کو اس وقت تک نہیں چھوڑا حتیٰ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہا اور ان کے معبودوں کو اچھا کہا' تب ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ حضرت عمار نے کہا بہت برا ہوا' یا رسول اللہ! انہوں نے مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑا حتیٰ کہ میں آپ کو برا کہوں اور ان کے بتوں کو اچھا کہوں۔ آپ نے پوچھا تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا میرا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔

آپ نے فرمایا اگر وہ تمہیں دوبارہ مجبور کریں تو دوبارہ کہہ دینا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۳ ص ۳۵۷ طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۳۳۶۲ طبع جدید، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۴۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کا اظہار کیا وہ سات افراد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت عمار، حضرت سمیہ (حضرت عمار کی والدہ) اور حضرت صہیب۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع آپ کے چچا نے کیا۔ حضرت ابوبکر کا دفاع ان کی قوم نے کیا، باقی پانچوں کو مشرکین نے پکڑ لیا اور ان کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں تپانا شروع کر دیا، حتیٰ کہ انہوں نے اپنی پوری کوشش سے ان کو عذاب پہنچایا پھر حضرت بلال کے سوا سب نے جان بچانے کے لیے ان کی موافقت کر لی پھر ان میں سے ہر ایک کے پاس ان کی قوم آئی اور ان کو ایک چمڑے پر ڈال کر لے گئی پھر شام کو ابو جہل آیا اور حضرت سمیہ کو گالیاں دینے لگا پھر اس نے ان کی اندام نہانی میں نیزہ مارا جو ان کے منہ کے پار ہو گیا۔ وہ اسلام کی راہ میں شہید ہونے والی سب سے پہلی خاتون تھیں۔ حضرت بلال نے کفار کی موافقت کرنے کے مقابلہ میں اللہ کی راہ میں جان دینے کو آسان سمجھا، کفار نے ان کے گلے میں رسی ڈال کر بچوں کو تھما دی وہ ان کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ احد، احد (اللہ ایک ہے) پکارتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۴۸، ۱۴۷، ج ۱۴ ص ۳۱۳، مسند احمد ج ۱ ص ۴۰۴ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۸۳۲ طبع جدید، عالم الکتب، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۸۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۲۸۲-۲۸۱، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا میرے پاس سے منتشر ہو جاؤ، پس جس شخص کے پاس طاقت ہے وہ آخر رات تک ٹھہر جائے اور جس کے پاس طاقت نہیں ہے وہ رات کے پہلے حصہ میں چلا جائے اور جب تم یہ سن لو کہ میں اس جگہ ٹھہر گیا ہوں تو مجھ سے آ کر مل جانا۔ جب صبح ہوئی حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت عمار اور قریش کی ایک کنیز جو اسلام لا چکی تھی، ان سب کو ابو جہل اور دوسرے مشرکین نے پکڑ لیا۔ انہوں نے حضرت بلال سے کہا تم کفر کرو۔ انہوں نے انکار کیا تو انہوں نے ان کو لوہے کی زرہیں پہنا کر انہیں دھوپ میں تپایا، وہ ان کو گھسیٹ رہے تھے اور وہ احد، احد کہہ رہے تھے۔ حضرت خباب کو وہ کانٹوں میں گھسیٹ رہے تھے اور رہے حضرت عمار تو انہوں نے جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہہ لیا اور قریش کی اس کنیز کے جسم میں ابو جہل نے چار کیلیں ٹھونکیں پھر اس کو گھسیٹا پھر ان کی اندام نہانی میں نیزہ مار کر ان کو شہید کر دیا پھر حضرت بلال، حضرت خباب اور حضرت عمار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملے اور آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ نے حضرت عمار سے پوچھا جب تم نے کلمہ کفر کہا تھا تو تمہارے دل کی کیفیت کیا تھی؟ کیا تم نے کھلے دل سے کلمہ کفر کہا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں! حضرت ابن عباس نے فرمایا پھر یہ آیت نازل ہوئی الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۶۶۹، الدر المنثور ج ۵ ص ۱۷۱-۱۷۰)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک چادر سے ٹیک لگائے ہوئے کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے آپ سے شکایت کی اور ہم نے آپ سے کہا کیا آپ ہمارے لیے مدد نہیں طلب کرتے، کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص کے لیے زمین میں

گڑھا کھودا جاتا، اس کو اس گڑھے میں کھڑا کر دیا جاتا پھر اس کے سر پر آری رکھ کر اس کو دو ٹکڑوں میں کاٹ دیا جاتا اور لوہے کی کنگھی سے اس کے جسم کو چھیل دیا جاتا اور وہ کنگھی اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں کو کاٹتی ہوئی گزر جاتی، اور ایسی سخت آزمائشیں بھی اس کو اس کے دین سے منحرف نہیں کرتی تھیں۔ اللہ کی قسم! اللہ اس دین کو تکمیل تک پہنچائے گا حتیٰ کہ ایک سوار، صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا اور بھیڑیا بکریوں کا نگہبان ہوگا لیکن تم جلدی کرتے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۴۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷، ۲۱۳، طبع جدید عالم الکتب بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے میری امت سے خطاء نسیان اور اس کام کے حکم کو اٹھالیا ہے جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۴۵، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۵۷-۳۵۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۲۱۹، سنن الدار قطنی ج ۴ ص ۱۷۱-۱۷۰، المستدرک ج ۴ ص ۱۹۸، اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ عطا کا ابن عباس سے سماع نہیں ہے لیکن عبید بن عمیر از ابن عباس یہ روایت صحیح ہے)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ مسیلمہ کے جاسوس دو مسلمانوں کو پکڑ کر اس کے پاس لے گئے، اس نے ان میں سے ایک سے کہا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا ہاں! پھر اس نے کہا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا میں بہرہ ہوں۔ اس نے کہا کیا وجہ ہے، جب میں تم سے کہتا ہوں کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو تم کہتے ہو کہ میں بہرہ ہوں پھر اس نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے دوسرے مسلمان سے کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا ہاں! پھر اس نے کہا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں! پھر اس نے اس کو چھوڑ دیا پھر وہ مسلمان نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا۔ آپ نے پوچھا کیا ہوا؟ تو اس نے اپنا اور اپنے مسلمان ساتھی کا ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا رہا تمہارا ساتھی تو وہ اپنے ایمان پر قائم رہا اور رہے تم تو تم نے رخصت پر عمل کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۳۲۰۲، ۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

اکراہ (دھمکی دینے) کی تعریف اور اس کے مسائل

علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

الاکراہ (جبراً کوئی کام کرانا) کا حکم اس وقت ثابت ہوگا جب دھمکی دینے والا شخص اپنی دھمکی کو پورا کرنے پر قادر ہو۔ امام ابو حنیفہ نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے کہا کہ اکراہ یا بادشاہ کا معتبر ہوگا یا چور کا، کیونکہ بادشاہ کے پاس بھی اقتدار ہوتا ہے اور چور بھی مسلح ہوتا ہے، لیکن اب زمانہ متغیر ہو گیا ہے لہٰذا جس شخص کے پاس بھی ہتھیار ہوں، جن سے وہ اپنی دھمکی پوری کرنے پر قادر ہو اور جس شخص کو دھمکی دی جائے وہ خوفزدہ ہو کہ اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ اپنی دھمکی پوری کر گزرے گا تو یہ اکراہ ہے۔

اور جب کسی شخص پر جبر کیا جائے کہ وہ اپنا مال بیچے یا کوئی سودا خریدے یا ہزار روپے ادا کرنے کا اقرار کرے ورنہ وہ اس کو قتل کر دے گا یا بہت شدید مار پیٹ کرے گا یا قید کر لے گا تو بعد میں اس کو اختیار ہے چاہے تو بیع نافذ کر دے اور چاہے تو

بیع فسخ کردے۔

اور اگر کسی شخص پر جبر کیا گیا کہ وہ مردار کھائے یا شراب پیئے ورنہ اس کو قید کر لیا جائے گا یا اس کو مارا پیٹا جائے گا تو اس کے لیے مردار کھانا یا شراب پینا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کو یہ خوف ہو کہ اگر اس کی بات نہ مانی تو وہ اس کو قتل کر دے گا یا اس کا کوئی عضو کاٹ دے گا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کام کرلے جس کی اس کو دھمکی دی ہے، اور اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ شراب نہ پیئے اور ان کو اسے قتل کرنے کا موقع دے یا عضو کاٹنے کا موقع دے۔ حتیٰ کہ اگر اس نے ان کا کہنا نہ مانا اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا تو وہ گنہگار ہوگا کیونکہ اس حالت میں اس کے لیے مردار کھانا یا شراب پینا مباح تھا اور وہ اپنے ہلاک کیے جانے میں ان کا معاون ہوا۔

اور اگر کسی شخص پر جبر کیا گیا کہ وہ کفریہ کلمہ کہے، معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کا کفر کرے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو گالی دے ورنہ اس کو قید کر دیا جائے گا یا ضرب شدید لگائی جائے گی تو یہ اکراہ نہیں ہے، حتیٰ کہ اس کو قتل کرنے کی دھمکی دی جائے یا اس کے کسی عضو کو کاٹنے کی دھمکی دی جائے، اور جب اس کو اپنی جان کا خطرہ ہو تو اس کے لیے ان کا کہنا مان لینا جائز ہے مگر کفر میں توریہ کرے اگر اس نے کلمہ کفریہ کہا اور اس کا دل ایمان سے مطمئن تھا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور قرآن مجید میں ہے الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اور اگر اس نے کلمہ کفریہ نہیں کہا اور اس کو قتل کر دیا گیا تو اس کو اجر ملے گا۔ اس لیے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے صبر کیا اور ان کو سولی دے دی گئی۔ (یہ مثال درست نہیں ہے۔ حضرت خبیب نے جنگ بدر میں حارث بن عامر ایک کافر کو قتل کر دیا تھا، کافروں نے حضرت خبیب کو اس کے انتقام میں سولی دی تھی۔ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴۵، علامہ مرغینانی کو حضرت سمیہ اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہما کی مثال دینی چاہیے تھی جو اپنی جان پر کھیل گئے اور کلمہ کفر نہیں کہا یا اس مسلمان کی جس نے کلمہ کفر نہیں کہا اور مسیلمہ کذاب نے اس کو قتل کر دیا، ان کے حوالے گزر چکے ہیں، سعیدی غفرلہ)

اگر اس پر جبر کیا گیا کہ وہ کسی مسلمان کا مال تلف کردے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا، یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا تو اس کے لیے اس مال کو تلف کرنا جائز ہے اور جس کا مال ہے یہ اس کے لیے ضامن ہوگا۔

اور اگر اس پر جبر کیا گیا کہ وہ فلاں شخص کو قتل کردے تو اس کے لیے اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اس نے اس کو قتل کر دیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اگر یہ قتل عمد ا ہو تو جبر کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا۔

اور اگر کسی شخص پر جبر کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس نے طلاق دے دی تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

(زبانی طلاق ہو جائے گی اور اگر اس سے جبراً طلاق لکھوائی تو واقع نہیں ہوگی، ردالمحتار ج ۴ ص ۳۲۴، طبع جدید ۱۴۱۹ھ)

اگر اس کو زنا کرنے پر جبر کیا گیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد ہوگی اور اگر سلطان نے اس پر جبر کیا ہے تو اس پر حد نہیں ہوگی اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے۔

اور اگر اس کو مرتد ہونے پر مجبور کیا گیا اور اس نے زبان سے کلمہ کفر کہا اور اس کا دل اسلام پر مطمئن تھا تو اس کی عورت اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوگی۔ (ہدایہ اخیرین ص ۳۵۱-۳۴۶، ملخصاً، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیونکہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ○ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ غافل ہیں ○ بے شک صرف یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں ○ (النحل: ۱۰۹-۱۰۷)

مرتدین کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگانے کی توجیہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا بلکہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے۔

اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کیا اور مرتد ہو گئے تو ان کا یہ ارتداد اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تھی اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ یہ لوگ اپنے اختیار سے دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں گے اور ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کریں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ہدایت پیدا نہیں کی اور ان کے ارتداد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے، یعنی اب وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان لانے اور ہدایت کے قابل نہیں رہے۔ اب اگر وہ بالفرض ایمان لانا بھی چاہیں تو ان کو ایمان نصیب نہیں ہو گا۔ اب وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے بلکہ تم لوگ اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں اللہ اور رسول پر ایمان لانے والوں میں شمار کیا جائے۔

اس جگہ یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ جب اللہ نے ان کو ہدایت نہیں دی اور ان کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی تو پھر ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو ہدایت دی تھی، ان کی ہدایت کے لیے اپنے رسول کو بھیجا، ان کو انواع و اقسام کے معجزات عطا کیے، قرآن مجید کو نازل کیا لیکن انہوں نے اپنے اختیار سے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی اور جب انہوں نے اس نعمت کی قدر نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی یہ سزا دی کہ دنیا میں ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب رکھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **پھر بے شک آپ کا رب، ان لوگوں کے لیے جنہوں نے آزمائشوں میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کیا، بے شک آپ کا رب (ان آزمائشوں کے بعد) ضرور بہت بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے ○** (النحل: ۱۱۰)

جان کے خوف سے صرف زبان سے کلمہ کفر کہنے والوں کی معافی کا حکم

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا حال اور ان کا حکم بیان فرمایا تھا جنہوں نے ایمان لانے کے بعد شرح صدر سے کفر کیا اور جن لوگوں نے جان بچانے کے لیے زبانی طور سے کفر کیا تھا لیکن ان کا دل اسلام پر مطمئن تھا، ان کا حکم اب بیان فرما رہا ہے کہ جو لوگ فتنہ میں مبتلا ہو گئے تھے پھر انہوں نے ہجرت کی اور صبر کیا تو ان سے زبانی طور پر جو کفر سرزد ہوا تھا اللہ تعالیٰ اس کو بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کی راہ میں مشکلات اٹھائیں اور کفار کے مظالم برداشت کیے اور ہجرت کی اللہ تعالیٰ ان کو بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مرتد ہو گئے تھے، فتح مکہ کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، انہوں نے حضرت عثمان کے پاس پناہ لی۔ حضرت عثمان ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور ان کی معافی چاہی۔ آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ یہ دوبارہ اسلام لائے اور انہوں نے اسلام میں نیک عمل کیے۔ اس کی تفصیل سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۸ اور سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۷۸ میں ہے لیکن یہ تیسری تفسیر مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ مکی سورہ ہے اور یہ ہجرت کے کافی بعد کا واقعہ ہے۔

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ

جس دن ہر شخص اپنی جان کی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا، اور ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○ اور اللہ ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرماتا

قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ

ہے جو بے خوف تھی، ہر طرف سے مطمئن تھی، اس کے پاس ہر جگہ سے وسعت کے ساتھ

كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ

رزق پہنچتا تھا، پس اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کی بداعمالیوں کے سبب

الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ

ان کو بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا ○ اور ان کے پاس ان ہی میں سے

رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ

ایک رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی سو ان کو عذاب نے آپکڑا درآں حالیکہ وہ

ظٰلِمُوْنَ ﴿١١٣﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ

ظلم کرنے والے تھے ○ سو اللہ کے دیئے ہوئے حلال طیب رزق میں سے کھاؤ، اور

اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾ اِنَّمَا

اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو ○ تم پر صرف (یہ) چیزیں

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ

حرام کی ہیں، مردار اور (بہتا ہوا) خون، اور خنزیر کا گوشت، اور جس (جانور) پر ذبح

لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا، پس جو شخص مجبور ہو جائے درآں حالیکہ وہ سرکشی کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو تو بے شک اللہ

غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَا تَصِفُ اَلۡسِنَتُكُمُ الۡكَذِبَ

بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں ان کے بارے میں یہ نہ کہو

هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ اِنَّ

کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بے شک جو

الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ ؕ مَتَاعٌ

لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے ○ یہ تھوڑا

قَلِيۡلٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا

فائدہ ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○ اور صرف یہودیوں پر ہم نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے

مَا قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا

جو ہم پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں، اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود

اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيۡنَ عَمِلُوا السُّوۡۤءَ

اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○ پھر آپ کا رب، جن لوگوں نے ناواقفیت سے کوئی

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَاَصۡلَحُوۡۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنۡۢ

گناہ کیا، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور نیک کام کیے (سو) بے شک آپ کا رب اس کے بعد

بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع ۱۵ ع ۹ ۲۱

ضرور بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن ہر شخص اپنی جان کی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا اور ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○ (النحل: ۱۱۱)

روح اور بدن میں سے ہر ایک عذاب کا مستحق ہے

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کیا ان پر اللہ کا غضب ہو گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور جن مسلمانوں نے جان کے خوف سے صرف زبان سے کلمۂ کفر کہا اور ان کے دل ایمان پر مطمئن تھے، اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مرتدین پر غضب اور

مومنین پر رحم کس دن ہو گا اور وہ قیامت کا دن ہے۔

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے اس دن ہر نفس اپنے نفس سے جھگڑے گا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہر انسان کا ایک نفس ہوتا ہے دو نفس نہیں ہوتے پھر یہ معنی کس طرح درست ہو گا ہر نفس اپنے نفس سے جھگڑے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے نفس سے مراد انسان کا بدن ہے اور دوسرے نفس سے خود وہ انسان مراد ہے یا انسان کی روح ہے۔ یعنی انسان کی روح اور اس کے بدن میں بحث اور تکرار ہو گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ روح کہے گی اے میرے رب! تو نے مجھ کو پیدا کیا ہے، کسی چیز کو پکڑنے کے لیے میرے ہاتھ تھے اور نہ کہیں جانے کے لیے میرے پیر تھے، کسی چیز کو دیکھنے کے لیے میری آنکھیں تھیں اور نہ کسی چیز کو سننے کے لیے میرے کان تھے اور نہ سوچنے کے لیے عقل تھی، حتیٰ کہ تو نے مجھے اس جسم میں داخل کر دیا سو تو ہر قسم کا عذاب اس جسم پر نازل فرما اور مجھے نجات دے دے۔ اور جسم کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے پیدا کیا تو میں تو لکڑی کے ایک تختے کی طرح تھا میں اپنے ہاتھوں سے نہ پکڑ سکتا تھا اور نہ قدموں سے چل سکتا تھا اور نہ آنکھوں سے دیکھ سکتا تھا اور نہ کانوں سے سن سکتا تھا پھر یہ روح نور کی شعاع کی طرح مجھ میں داخل ہوئی، اسی سے میری زبان بولنے لگی اور اسی سے میری آنکھیں دیکھنے لگیں اور اسی سے میرے پیر چلنے لگے اور میرے کان سننے لگے سو ہر قسم کا عذاب تو اس روح پر نازل کر اور مجھے نجات دے دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اندھے اور لنجے کی مثال بیان فرمائی جو ایک باغ میں گئے، اندھا پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا تھا اور لنجا پھلوں کو توڑ نہیں سکتا پھر لنجے نے اندھے سے کہا تم مجھے اپنے اوپر سوار کر لے میں خود بھی پھل توڑ کر کھاؤں گا اور تجھے بھی کھلاؤں گا پھر دونوں نے باغ سے پھل توڑ کر کھائے۔ اب کس پر عذاب ہو گا؟ فرمایا دونوں پر عذاب ہو گا۔ علامہ قرطبی نے اس حدیث کو ثعلبی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ص ۱۷۵)

قیامت کے دن ہر شخص کا نفسی نفسی کہنا

قیامت کے دن نفسی نفسی ہو گی۔ ہر نفس اپنے نفس سے بحث و تکرار کر رہا ہو گا۔ قرآن مجید میں ہے:

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ۔ اس دن ہر شخص کو اپنی پریشانی دوسروں سے بے پرواہ کر دے گی۔ (عبس: ۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا، آپ نے اس میں سے ایک دستی اٹھائی، وہ آپ کو اچھی لگی اور آپ اس کو دانتوں سے کھانے لگے پھر آپ نے فرمایا میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا جس میں وہ پکارنے والے کی آواز سن سکیں گے اور سب کو دیکھ سکیں گے، سورج ان کے قریب ہو جائے گا لوگوں کو اس قدر رنج و غم ہو گا جس کو وہ برداشت نہیں کر سکیں گے، پھر وہ لوگ آپس میں کہیں گے تم دیکھ رہے ہو کہ تمہاری کیا حالت ہو چکی ہے، سنو کسی ایسے شخص کو تلاش کرو جو تمہارے رب کے پاس تمہاری شفاعت کرے، پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جاؤ، پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ ابو البشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست اقدس سے پیدا کیا ہے اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے اور فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ آپ کو سجدہ کریں۔ آپ ہمارے لیے اپنے رب سے شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہے؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ پس حضرت آدم کہیں گے کہ آج میرا رب غضب میں ہے، وہ اتنے شدید

غضب میں نہ پہلے تھا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ اور اس نے مجھے ایک درخت سے کھانے سے منع کیا تھا اور میں نے اس کی (بظاہر) معصیت کی، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، نوح کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جا کر کہیں گے اے نوح! بے شک آپ زمین والوں کے سب سے پہلے رسول ہیں اور بے شک اللہ نے آپ کا نام بہت شکر ادا کرنے والا بندہ رکھا ہے، آپ اپنے رب کی طرف ہماری شفاعت کیجئے! کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام کہیں گے آج میرا رب سخت غضب میں ہے، وہ اس سے پہلے اتنے غضب میں تھا نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور بے شک میں نے اپنی قوم کے خلاف ایک دعا کی تھی، نفسی، نفسی، نفسی۔ تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی ہیں اور تمام زمین میں سے اللہ کے خلیل ہیں، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ وہ ان سے کہیں گے کہ آج میرا رب بہت غضب میں ہے، وہ اس سے پہلے اتنے غضب میں تھا اور نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور میں نے (بظاہر) تین جھوٹ بولے تھے، نفسی، نفسی، نفسی۔ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

پھر وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے آپ کو رسالت سے اور اپنے کلام سے سرفراز کیا ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ وہ کہیں گے کہ بے شک آج میرا رب سخت غضب میں ہے، وہ اس سے پہلے اتنے غضب میں تھا اور نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس کو قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا تھا۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہیں، جس کو اس نے مریم کی طرف القاء کیا تھا اور اس کی پسندیدہ روح ہیں اور آپ نے لوگوں سے پنگھوڑے میں کلام کیا تھا، آپ ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ آج میرا رب بہت غضب میں ہے، وہ اس سے پہلے اتنے غضب میں تھا اور نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور وہ کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں، اللہ نے آپ کے سب اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کر دی ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے) فرمایا پھر میں عرش کے نیچے جاؤں گا اور اپنے رب کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا پھر اللہ عزوجل میرے لیے حمد و ثنا کے ایسے کلمات کھول دے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے نہیں کھولے ہوں گے، پھر مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھائیے، آپ سوال کیجئے، آپ کو دیا جائے گا آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اپنا سر اٹھا کر کہوں گا اے

میرے رب! میری امت، اے میرے رب! میری امت، پس کہا جائے گا اے محمد! آپ جنت کے دائیں دروازے سے اپنی امت کے ان لوگوں کو داخل کر دیجئے جن سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا اور باقی دروازوں میں بھی وہ لوگوں کے شریک ہوں گے۔ پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، جنت کی دو چوکھٹوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور بصریٰ میں فاصلہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۴، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۶، ۴۳۵، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۸۹، طبع جدید دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۶۲۰، عالم الکتب بیروت، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۶۵، ابن مندہ رقم الحدیث: ۸۸۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۴۴، مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۱۷۵، الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۱۵، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۳۳۲، السنہ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۸۱۱)

امام ترمذی کی دوسری روایت میں ہے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے اللہ کو چھوڑ کر میری عبادت کی گئی ہے تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو اس سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر آپ کی عبادت کریں ورنہ آپ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح عذر پیش کرتے اور امت کی شفاعت نہ کرتے لیکن آپ امت کی شفاعت کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی امت نے آپ کی عبادت نہیں کی اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ کو یا رسول اللہ! ندا کرنا، آپ کے لیے ماکان و مایکون کا علم اور علم غیب ماننا اور آپ کی تعظیم و تکریم کے دیگر معمولات اہل سنت، ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں ہے اور ان امور کو شرک کہنا اس حدیث کی روشنی میں باطل ہے۔

کعب بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا اے کعب! ہمیں اللہ تعالیٰ کا خوف دلاؤ۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! کیا آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی حکمت نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں لیکن ہمیں ڈراؤ۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! اگر آپ قیامت کے دن ستر نبیوں کے عمل کے برابر عمل لے کر جائیں تو قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر اپنے عمل کو حقیر پائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اور زیادہ بیان کرو، انہوں نے کہا اگر مشرق میں دوزخ میں بیل کے نتھنے کے برابر بھی سوراخ کیا جائے تو اس کی تپش سے مغرب میں کھڑے ہوئے آدمی کا دماغ کھولنے لگے گا حتیٰ کہ اس کی تپش سے اس کا دماغ بہنے لگے گا۔ انہوں نے کہا اور زیادہ بیان کرو۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! بے شک قیامت کے دن دوزخ ایک لمبا سانس لے گی، جس کے اثر سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل گھٹنوں کے بل گر جائے گا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اور کہیں گے کہ اے میرے رب! نفسی، نفسی! میں آج تجھ سے صرف اپنے نفس کے متعلق سوال کرتا ہوں۔ پھر حضرت عمر کافی دیر تک سر جھکا کر بیٹھے رہے۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! کیا آپ اللہ کی کتاب میں اس کو نہیں پاتے؟ آپ نے کہا کیسے؟ تو میں نے یہ آیت پڑھی:

یَوْمَ تَاْتِیْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا جس دن ہر شخص اپنی جان کی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا۔ (النحل: ۱۱۱)

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۶۷۱، زاد المسیر ج ۴ ص ۴۹۹، الدر المنثور ج ۵ ص ۱۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو بے خوف تھی، ہر طرف سے مطمئن تھی،

اس کے پاس ہر جگہ سے وسعت کے ساتھ رزق پہنچتا تھا پس اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کی بد اعمالیوں کے سبب ان کو بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا O (النحل : ۱۱۲)

کفار مکہ پر بھوک اور خوف کو مسلط کرنا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کو آخرت کی وعید شدید سے ڈرایا تھا اور اس آیت میں ان کو دنیا کی شدید آفتوں اور مصیبتوں سے ڈرایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان پر قحط مسلط کر دیا جائے گا۔ جس بستی کی اس آیت میں مثال دی گئی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے زمانہ ماضی کی کوئی بستی مراد ہو۔ جیسے حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت لوط یا حضرت شعیب علیہم السلام کے زمانوں میں بستیاں تھیں جو بہت آرام اور خوشحالی سے رہتی تھیں پھر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر پر اصرار کیا تو ان کو دنیا میں آفتوں اور مصیبتوں نے آگھیرا اور ان پر قحط کی صورت میں بھوک اور پیاس کو مسلط کر دیا گیا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ کی بستیاں ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' قتادہ اور ابن زید سے روایت ہے کہ اس بستی سے مراد مکہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو بھوک کا لباس پہنا دیا' اس بھوک کی اذیت ان کے اجسام کو پہنچی اور ان کے اجسام کا اس طرح احاطہ کر لیا جس طرح لباس اجسام کا احاطہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے خلاف دعاء ضرر کی تھی جس کی وجہ سے ان پر کئی سال قحط طاری رہا حتیٰ کہ وہ مردار' چمڑہ اور اس کے بال بھی کھا جاتے تھے اور یہ ان کی بد اعمالیوں کی سزا تھی۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دعائے ضرر کرنے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کی شقاوت دیکھی تو آپ نے دعا کی اے اللہ! ان پر ایسے سات قحط کے سال مسلط فرما جیسے حضرت یوسف کے زمانہ میں قحط کے سات سال تھے۔ پھر ایسا قحط آیا جس سے سب چیزیں ختم ہو گئیں حتیٰ کہ انہوں نے چمڑے' مردے اور مردار بھی کھائے' ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اس کو آسمان دھوئیں کی طرح نظر آتا۔ ان دنوں میں ابو سفیان نے آپ کے پاس آکر کہا اے محمد! آپ اللہ کا حکم ماننے اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے' آپ اس کے لیے اللہ سے دعا کیجئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ۔ (الدخان: ۱۰)

اس دن کا انتظار کرو جب آسمان کھلا ہوا دھواں لائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۴)

یہ بھوک کا لباس ہے' اور خوف کا لباس یہ ہے کہ کفار مکہ کو ہر وقت یہ خوف رہتا تھا کہ مسلمان ان پر حملہ کر دیں گے۔

اس آیت میں مکہ کے کافروں کی مثال دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نعمتیں عطا کی تھیں لیکن جب انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھوک اور خوف کا عذاب مسلط کر دیا۔

اسی طرح جس جگہ کے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے' ان پر بھوک اور خوف کا عذاب طاری کر دیا جائے گا۔ آج مسلمان جو معاشی ناہمواری اور دشمنوں کے خوف میں مبتلا ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے پاس ان ہی میں سے ایک رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی سو ان کو

عذاب نے آپکڑا درآنحالیکہ وہ ظلم کرنے والے تھے○ سو اللہ کے دیئے ہوئے حلال طیب رزق میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو○ (النحل: ١١٣-١١٤)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے لیے مثال دی تھی کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہوں اور وہ ان نعمتوں کی ناشکری کریں تو اللہ ان لوگوں پر بھوک اور خوف مسلط کر دیتا ہے' اور اس آیت میں ان لوگوں یعنی اہل مکہ سے خطاب فرمایا ہے جن کے لیے یہ مثال دی تھی فرمایا: اے اہل مکہ! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے جو تمہاری ہی قوم کا ایک عظیم اور کامل فرد ہے جس کے حسب و نسب کو تم پہچانتے ہو اور اس کی گزاری ہوئی پوری زندگی سے تم واقف ہو۔ پھر مکہ والوں نے اس رسول کی تکذیب کی تو اللہ کے عذاب نے ان کو گرفت میں لے لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد بھوک کا عذاب ہے' یعنی تم پر جو قحط اور بھوک کا عذاب آیا ہے وہ تمہارے کفر کے سبب سے ہے۔ تم کفر کو ترک کر دو تو تم سے قحط کے اس عذاب کو دور کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اللہ کے دیئے ہوئے حلال طیب رزق سے کھاؤ۔

امام عبدالرحمٰن جوزی نے فرمایا اس کی دو تفسیریں ہیں۔ جمہور مفسرین نے کہا اس آیت کے مخاطب مسلمان ہیں۔ اور فراء وغیرہ نے کہا اس آیت کے مخاطب اہل مکہ اور مشرکین ہیں۔ جب اہل مکہ کی بھوک بہت بڑھ گئی تو ان کے سرداروں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا اگر آپ کو مردوں سے دشمنی ہے تو عورتوں اور بچوں کا کیا قصور ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو اجازت دی کہ ان کے پاس غلہ لے جائیں۔

(زادالمسیر ج ۴ ص ۵۰۱' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم پر صرف (یہ) چیزیں حرام کی ہیں: مردار اور (بہتا ہوا) خون اور خنزیر کا گوشت اور جس (جانور) پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا پس جو شخص مجبور ہو جائے وہ سرکشی کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا تو اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے○ (النحل: ١١٥)

اللہ تعالیٰ نے ان چار چیزوں کی حرمت دو مدنی سورتوں اور دو مکی سورتوں میں بیان فرمائی ہے اور مدنی سورتیں یہ ہیں: البقرہ: ١٧٣ اور المائدہ: ٣' اور مکی سورتیں یہ ہیں! الانعام: ١٤٥ اور النحل: ١١٥۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا حرام ہونا نبوت اور رسالت کے پورے دور کو محیط ہے اور یہ چیزیں کسی وقت بھی حلال نہیں تھیں۔ ہم نے ان کی مکمل تفسیر البقرہ اور المائدہ میں بیان کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں' ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے' تاکہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو' بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں' وہ کامیاب نہیں ہوں گے○ یہ تھوڑا فائدہ ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے○ (النحل: ١١٦-١١٧)

اس آیت میں پہلی آیت کی تاکید ہے۔ یعنی یہی چار چیزیں حرام کی گئی ہیں۔ مشرکین اپنی طرف سے ان چار چیزوں کو حلال کہتے تھے اور انہوں نے اپنی طرف سے بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کا دودھ دوہنا چھوڑ دیتے تھے اور اس کو بتوں کے لیے نامزد کر دیتے تھے۔ سائبہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جسے وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے' اس کو وہ سواری کے لیے استعمال کرتے تھے نہ بار برداری کے لیے' اور وصیلہ وہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جس سے پہلی مرتبہ مادہ پیدا ہوتی اور اس کے بعد دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوتی اور ان کے درمیان کوئی نر نہیں ہوتا تھا' ایسی

اونٹنی کو بھی وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے' اور حام وہ اس نر اونٹ کو کہتے تھے جس سے کئی بچے ہو چکے ہوتے تھے اور جب اس سے کافی بچے ہو جاتے تو وہ اس کو بھی آزاد چھوڑ دیتے اور اس سے سواری اور بار برداری کا کام نہ لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا یہ وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے بتوں کے لیے جانوروں کو چھوڑا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۲۳)

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں اور تم یہ کہہ کر کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے' اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ وہ ان چیزوں کے حرام کرنے اور حلال کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے' یہ ان کا دوسرا جرم تھا۔ خود کسی چیز کو حرام کرتے پھر کہتے کہ اس کو اللہ نے حرام کیا ہے' یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے۔

اسی طرح آج بھی کچھ لوگ سوئم' چالیسویں' برسی اور گیارہویں کے کھانے کو اپنی طرف سے حرام کہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان مخصوص دنوں میں کھانے کی حرمت پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ ان مخصوص دنوں میں میت کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے اور دنوں کی یہ تعیین شرعی نہیں ہوتی کہ ان کے علاوہ کسی اور دن میں ایصال ثواب کرنا جائز نہ ہو' بلکہ لوگوں کے اجتماع کے لیے سہولت کی خاطر تاریخ معین کر لی جاتی ہے جیسے جلسہ' منگنی اور شادی کی تاریخ معین کی جاتی ہے یا جیسے مساجد میں نمازوں کے اوقات گھڑیوں کے حساب سے معین کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے واجب نہیں کیا وہ اس کو واجب اور فرض بھی کہتے ہیں۔ مثلاً قبضہ بھر ڈاڑھی کو بعض فرض اور بعض واجب کہتے ہیں۔ ایسے تمام لوگ اس آیت کے مصداق ہیں جو اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کہتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور صرف یہودیوں پر ہم نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے جو ہم پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں' اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے O (النحل: ۱۱۸)

اس آیت کی تفسیر کے لیے النساء: ۱۶۰ اور الانعام: ۱۴۶ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر آپ کا رب' جن لوگوں نے ناواقفیت سے کوئی گناہ کیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور نیک کام کیے' (سو) بے شک آپ کا رب اس کے بعد ضرور بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O (النحل: ۱۱۹)

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جو شخص لاعلمی یا ناواقفیت کی وجہ سے کوئی گناہ کرے اس پر تو شرعی قواعد کے اعتبار سے ویسے ہی گرفت نہیں ہونی چاہیے۔ مثلاً کسی شخص کو کوکا کولا کی بوتل میں شراب بھر کر دے دی اور اس نے لاعلمی میں اس کو پی لیا تو اس پر تو ویسے ہی مواخذہ نہیں ہوتا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت سے خطاء اور نسیان کو اٹھا لیا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۴۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے کفر یا کوئی اور معصیت کی اور اس کو یہ علم نہیں تھا کہ اس پر کتنا شدید عذاب ہو گا یا کتنی مدت عذاب ہو گا یا اس کا گناہ ہونا تو معلوم تھا لیکن گناہ کے ارتکاب کے وقت اس پر توجہ نہیں تھی' پھر بعد میں وہ نادم ہوا اور اس گناہ پر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے گا۔

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ۗ وَلَمْ يَكُ مِنَ

بے شک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے' اللہ کے اطاعت گزار' باطل سے مجتنب' اور مشرکین

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ

میں سے نہ تھے ○ اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، (اللہ نے) ان کو منتخب کر لیا اور ان کو سیدھے راستہ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٢١﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

کی ہدایت دی ○ اور ہم نے ان کو دنیا میں اچھائی عطا فرمائی اور وہ آخرت میں بھی

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٢٢﴾ ۭ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ

نیکوکاروں میں سے ہوں گے ○ پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِنَّمَا جُعِلَ

جو باطل سے مجتنب تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○ ہفتہ کا دن تو صرف

السَّبْتُ عَلَي الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

ان لوگوں پر لازم کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا، اور بے شک آپ کا رب ان کے درمیان قیامت

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ

کے دن ان چیزوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ○ آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت

رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ

اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور احسن طریقہ کے ساتھ ان پر حجت قائم

اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ

کیجئے، بے شک آپ کا رب ان کو بہت جاننے والا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گئے اور

هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٢٥﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا

وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جاننے والا ہے ○ اور اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی سزا دینا جتنی تمہیں

عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿١٢٦﴾ وَاصْبِرْ

تکلیف پہنچائی گئی ہے، اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے صبر بہت اچھا ہے ○ اور آپ

وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِیۡ

صبر کیجئے، اور آپ کا صبر صرف اللہ کی توفیق سے ہے، اور آپ ان (کی سرکشی) پر غمگین نہ ہوں اور نہ

ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا

ان کی سازشوں سے تنگ دل ہوں ○ بے شک اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے

وَّالَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ ع ۱۶ ۲۲

اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو نیک کام کرنے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے، اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار، باطل سے مجتنب اور مشرکین میں سے نہ تھے ○ اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، (اللہ نے) ان کو منتخب کر لیا اور ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دی ○ اور ہم نے ان کو دنیا میں اچھائی عطا فرمائی اور وہ آخرت میں بھی نیکو کاروں میں سے ہوں گے ○ پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں جو باطل سے مجتنب تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○

(النحل: ۱۲۳-۱۲۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات سے مشرکین کے خلاف استدلال

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بدعقیدگیوں کا رد فرمایا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک مانتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بنانا ہوتا تو فرشتوں میں سے کسی کو رسول بناتا۔ اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان کو حلال کہتے تھے، اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا ہے، ان کو حرام کہتے تھے۔ ان کے ان باطل نظریات کا رد بلیغ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اب ایک اور طریقہ سے اپنی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت فرماتا ہے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے بڑے موحد تھے اور توحید کے علمبردار تھے۔ انہوں نے تمام لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور شرک کی جڑیں کاٹ دیں اور مکہ کے مشرکین ان پر فخر کرتے تھے اور ان کے دین کے برحق ہونے کے معترف تھے اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ ان کی اقتداء کرنا واجب ہے، تو ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا ذکر فرمایا کہ تم اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتے ہو، ان کے بنائے ہوئے کعبہ کی تولیت کے دعویدار ہو تو پھر ان کے طریقہ پر عمل کر لو، وہ اللہ کے رسول تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو رسالت کے لیے منتخب فرمایا اور ایک بشر اور انسان کو رسول بنایا تو مان لو کہ انسانوں کے لیے انسان کو ہی رسول بنایا جاتا ہے، فرشتہ کو رسول نہیں بنایا جاتا، ان کی طرف اللہ وحی نازل فرماتا تھا، سو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی رسالت کے لیے منتخب فرمایا، ان پر وحی نازل فرمائی اور ان کو بکثرت معجزات عطا فرمائے۔ پس ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایسی صفات بیان فرمائیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہوتی ہیں۔

امت کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک ابراہیم ایک امت تھے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ جماعت جو کسی ایک امر میں مجتمع ہو، اس کو امت کہتے ہیں۔ خواہ ان کا دین ایک ہو یا ان کا زمانہ ایک ہو یا ان کی جگہ ایک ہو، اور خواہ وہ اس چیز میں اپنے اختیار سے مجتمع ہوں یا بغیر اختیار کے۔ مثلاً دین میں اختیار سے جمع ہوں گے اور کسی ایک زمانہ کے لوگ یا کسی ایک ملک یا شہر کے لوگ غیر اختیاری طور پر مجتمع ہوں گے کیونکہ وہ ایک زمانہ میں یا ایک ملک میں پیدا ہوئے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (البقرہ: ۲۱۳) تمام لوگ ایک صنف اور ایک طریقہ پر تھے۔

یعنی سب لوگ کفر اور گمراہی میں مجتمع تھے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (ھود: ۱۱۸) اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔

یعنی تمام لوگوں کو ایمان میں مجتمع کر دیتا۔

وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ (یوسف: ۴۵) اس (ساقی) کو ایک عرصہ کے بعد یوسف یاد آیا۔

امت کا معنی ہے ایک زمانہ کے لوگوں کے ختم ہونے کے بعد یا ایک عصر کے لوگوں کے گزرنے کے بعد، اور یہاں مراد ہے لمبی مدت گزرنے کے بعد۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ (النحل: ۱۲۰) بے شک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے۔

یعنی وہ ایک ایسے شخص تھے، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں ایک جماعت کے قائم مقام تھے، پوری امت مل کر جتنی عبادت کرتی، وہ تنہا اتنی عبادت کرتے تھے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت سعید بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا: وہ اکیلا قیامت کے دن ایک امت کے طور پر آئے گا۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۹۷۳، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے)

(المفردات ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت فرمانے کی توجیہات

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو امت کا اطلاق کیا گیا ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ایک قوم یا ایک امت مل کر جتنے نیکی کے کام کرتی یا جتنی عبادت کرتی، حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا اتنی عبادت کرتے تھے اور اتنے نیکی کے کام کرتے تھے۔

(۲) مجاہد نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ابتدائی دور میں صرف ایک مومن تھے اور باقی تمام لوگ کافر تھے، اس لیے وہ اپنی ذات میں امت تھے۔ جیسے آپ نے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق فرمایا وہ قیامت کے دن ایک امت کے طور پر اٹھایا جائے گا۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۵۰۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۶۸۲)

(۳) شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں روئے زمین کبھی ایسے چودہ آدمیوں سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دور کرتا ہے اور ان کی برکت کو ظاہر فرماتا ہے، سوائے حضرت ابراہیم کے وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک مومن تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۵۸۸)

(۴) امت کا معنی یہاں پر یہ ہے: جس کی اقتداء کی جائے اور وہ امام ہو یہ مصدر مفعول کے معنی میں ہے جیسے خلق مخلوق

کے معنی میں ہے سو امت ماموم کے معنی میں ہے یعنی امام۔ قرآن مجید میں ہے انی جاعلک للناس اماما۔ (البقرہ: ۱۲۴)

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سبب سے ان کی امت توحید اور دین حق میں دوسری امتوں سے ممتاز ہوئی اور چونکہ وہ امت کے امتیاز کا سبب تھے، اس وجہ سے ان کو امت کہا گیا۔

(۶) امت کا ایک معنی ہے، نیکی اور خیر کی تعلیم دینے والا۔ حدیث میں ہے:

فروہ بن نوفل اشجعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے کہا کہ حضرت معاذ ایک امت تھے، اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار باطل سے مجتنب۔ میں نے دل میں کہا ابو عبدالرحمٰن نے غلط کہا اللہ تعالیٰ نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا ہے ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ، حضرت ابن مسعود نے کہا تم جانتے ہو کہ امت کا کیا معنی ہے اور قانت کا کیا معنی ہے؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔ انہوں نے کہا امت وہ شخص ہے جو نیکی اور خیر کی تعلیم دے اور قانت وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے والا ہو اور حضرت معاذ نیکی اور خیر کی تعلیم دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۵۸۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۹۴۳، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۶۶۵، المستدرک رقم الحدیث: ۳۳۱۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری صفت یہ ذکر فرمائی کہ وہ قانت ہیں۔ قانت کے معنی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے والا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قانت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری صفت یہ ذکر فرمائی کہ وہ حنیف ہیں جو دین اسلام کی طرف دوام و ثبات کے ساتھ میلان کرنے والا ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے شخص تھے جنہوں نے ختنہ کیا اور جنہوں نے مناسک حج قائم کیے اور قربانی کی اور یہ صفات حنیفیہ ہیں۔

چوتھی صفت یہ ذکر فرمائی کہ وہ مشرکین میں سے نہیں ہیں، وہ اپنے بچپن، جوانی اور تمام عمر موحد رہے اور توحید پر دلائل قائم کرتے رہے۔ نمرود پر حجت قائم کرتے ہوئے انہوں نے کہا ربی الذی یحی ویمیت۔ (البقرہ: ۲۵۸) میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر بتوں اور ستاروں کی عبادت کو باطل فرمایا۔ بتوں کے متعلق فرمایا:

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ○ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (الانبیاء: ۶۷-۶۶)	ابراہیم نے کہا کیا تم اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکیں اور نہ تم کو نقصان پہنچا سکیں۔ تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

اور ستاروں کی الوہیت باطل کرتے ہوئے فرمایا لا احب الافلین (الانعام: ۷۶) پھر حضرت ابراہیم نے بتوں کو توڑ ڈالا اور انجام کار بت پرستوں نے آپ کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید طمانیت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ آپ کو دکھائے کہ وہ مردوں کو کیسے زندہ فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مردے زندہ کر کے دکھا دیا۔ غرض جو شخص بھی قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ منکشف ہو گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بحر توحید میں مستغرق تھے۔

پانچویں صفت یہ ذکر فرمائی کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے، ایک دن ان کو کوئی مہمان نہیں ملا تو انہوں نے اپنا کھانا موخر کر دیا پھر کچھ فرشتے

انسانوں کی صورت میں آئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں کھانے کی دعوت دی۔ انہوں نے بتایا کہ انہیں جذام کی بیماری ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اب تو مجھ پر واجب ہے کہ میں تم کو کھانا کھلاؤں کیونکہ اگر اللہ کے نزدیک تمہاری قدر و منزلت نہ ہوتی تو وہ تم کو اس بلا میں مبتلا نہ کرتا۔

چھٹی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کے لیے پسند فرمالیا۔

ساتویں صفت یہ فرمائی کہ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دی۔ یعنی ان کو تبلیغ کرنے، اللہ کی طرف دعوت دینے، دین حق کی طرف راغب کرنے اور بت پرستی سے لوگوں کو متنفر کرنے میں ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دی۔ وہ لوگوں سے کہتے تھے میرا یہ طریقہ سیدھا راستہ ہے، تم اس کی پیروی کرو۔ (الانعام: ۱۵۳)

آٹھویں صفت میں فرمایا ہم نے ان کو دنیا میں اچھائی دی۔ قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دی، تمام مذاہب والے ان کو مانتے ہیں، یہودیوں اور عیسائیوں کا ان کو ماننا تو بالکل ظاہر ہے، باقی رہے کفار قریش اور باقی عرب تو وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ (الشعراء: ۸۴) اور میرے بعد آنے والوں میں میری نیک نامی جاری کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور تمام ادیان میں ان کا نام عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے، ہم ہر نماز میں ان پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم۔

نویں صفت یہ ہے اور وہ آخرت میں بھی نیکو کاروں سے ہوں گے اور اس صفت کا ذکر کر کے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی ہے:

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ (الشعراء: ۸۳) اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے۔

ملت ابراہیم کی اتباع کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ صفات ذکر فرمائیں پھر یہ فرمایا کہ اور پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی منفرد شریعت نہیں تھی اور آپ کی بعثت سے مقصود یہ تھا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کو زندہ کریں اور وہ لوگ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات ذکر کرنے بعد یہ حکم دیا کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کیجئے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرنے سے مراد یہ ہے کہ تبلیغ کے طریقہ میں ان کی پیروی کیجئے یعنی جس طرح وہ نرمی اور سہولت سے تبلیغ کرتے تھے، آپ بھی اسی طرح نرمی اور سہولت سے تبلیغ کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہفتہ کا دن تو صرف ان لوگوں پر لازم کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا اور بے شک آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان چیزوں کا فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے○ (النحل: ۱۲۴)

یہودیوں کا ہفتہ کو اور عیسائیوں کا اتوار کو عبادت کے لیے مخصوص کرنا

ہفتہ کے دن میں جو انہوں نے اختلاف کیا تھا اس کی تفصیل میں امام عبدالرحمٰن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے فرمایا ہفتہ کے دنوں میں سے ایک دن اللہ کے لیے فارغ کر لو اور جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس دن تم اپنے کاموں میں سے کوئی کام نہ کرو۔ انہوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ہم اسی دن کو عبادت کے لیے مقرر کرنا چاہتے ہیں جس دن اللہ تعالیٰ مخلوق کی تخلیق سے فارغ ہو گیا تھا اور وہ ہفتہ کا دن ہے۔ پس ان کے لیے ہفتہ کا دن مقرر کر دیا گیا پھر ان پر اس دن کی عبادت کرنے میں سختی کی گئی۔ یہ ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے روایت بیان کی ہے' اور مقاتل نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جمعہ کا دن عبادت کے لیے مقرر کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا ہم ہفتہ کے دن کو فارغ کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن میں کوئی چیز پیدا نہیں کی' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے تو جمعہ کے دن کا حکم دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے علماء نے کہا ہم اپنے نبی کے حکم کی تعمیل کرو۔ بنو اسرائیل نے اپنے علماء کے حکم کو بھی ماننے سے انکار کر دیا اور یہ ان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے' جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ ہفتہ کے دن کو مقرر کرنے پر بہت حریص ہیں تو آپ نے انہیں ہفتہ کے دن کو مقرر کرنے کا حکم دے دیا' اور انہوں نے اس دن میں گناہ کرنے شروع کر دیئے۔ اور قتادہ نے کہا ہے کہ بعض یہودیوں نے ہفتہ کے دن کو حلال قرار دیا اور بعض نے حرام قرار دیا۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۵۰۵' مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام رازی نے لکھا ہے ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے' ان کو بھی جمعہ کے دن کا حکم دیا گیا۔ نصاریٰ نے کہا ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری عید ان کی عید سے پہلے ہو اور انہوں نے اتوار کا دن اپنا لیا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۸۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مسلمانوں کا جمعہ کے دن کی ہدایت کو پانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم (بعثت میں) آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہوں گے۔ البتہ ان کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے پھر یہ (جمعہ کا دن) وہ دن ہے جو ان پر بھی فرض کیا گیا تھا' انہوں نے اس دن میں اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دن کی ہدایت دے دی۔ لوگ اس (دن) میں ہمارے تابع ہیں' یہود (جمعہ کے بعد) اگلا دن مانتے ہیں اور نصاریٰ اس کے بعد والا دن۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۷۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۶۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۹۵' عالم الکتب)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان پر بعینہٖ جمعہ کا دن فرض ہوا تھا اور انہوں نے اس کو ترک کر دیا' کیونکہ کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کے فرض کو ترک کر دے۔ البتہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان پر ہفتہ میں سے کوئی ایک دن فرض کیا گیا تھا اور ان کے اختیار کے سپرد کر دیا گیا تھا کہ اس دن میں اپنی شریعت قائم کریں پھر انہوں نے اس میں اختلاف کیا کہ اس کے لیے کون سا دن مقرر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جمعہ کے دن کی ہدایت نہیں دی اور جمعہ کے دن کو اس امت کے لیے ذخیرہ کر رکھا تھا' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس امت کو جمعہ کے دن کی ہدایت دے دی اور اس وجہ سے اس امت کو باقی تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے' کیونکہ جن دنوں میں سورج طلوع ہوتا ہے' ان میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس دن کو یہ فضیلت دی ہے کہ اس دن میں وہ ساعت ہے جس میں اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال' ج ۲ ص ۴۷۶-۴۷۵' مطبوعہ مکتبۃ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے یہ کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہودیوں کو صراحتاً جمعہ کے دن کا حکم دیا گیا ہو، پھر انہوں نے اس میں اختلاف کیا کہ آیا ان پر جمعہ کے دن کی تعیین لازم ہے یا ان کے لیے جمعہ کے دن کو کسی اور دن کے ساتھ تبدیل کرنے کی گنجائش ہے، پھر انہوں نے اجتہاد کیا اور اس میں خطا کی اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن جریر نے سند صحیح کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔ (النحل: ۱۲۴) ہفتہ کا دن تو صرف ان لوگوں پر لازم کیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا۔

مجاہد نے کہا: انہوں نے جمعہ کا ارادہ کیا تھا پھر اس میں خطا کی اور اس کی جگہ ہفتہ کا دن مقرر کر لیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۵۹۲) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس اختلاف سے مراد یہود و نصاریٰ کا اختلاف ہو، اور یہودیوں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنا کوئی بعید نہیں ہے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ دروازہ سے جھکتے ہوئے جانا اور حطۃ کہنا۔ انہوں نے اس قول کو تبدیل کر لیا، اور وہ کہتے تھے سمعنا وعصینا ہم نے سنا اور اس کی مخالفت کی، اور امام عبدالرزاق نے سند صحیح کے ساتھ محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے اہل مدینہ جمع ہوئے۔ پس انصار نے کہا یہود کا ایک دن ہے جس میں وہ ہر ہفتے میں ایک دن جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ کا بھی ایک دن ہے، آؤ ہم بھی ایک دن مقرر کر لیں اس دن ہم جمع ہو کر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور نماز پڑھیں پھر انہوں نے جمعہ کا دن مقرر کر لیا۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن اس کی سند حسن ہے، اور امام احمد اور امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے اور دیگر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آنے سے پہلے مدینہ میں ہم کو سب سے پہلے اسعد بن زرارہ نے نماز جمعہ پڑھائی اور چالیس مسلمانوں نے نماز جمعہ پڑھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۶۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۲) اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان صحابہ نے اپنے اجتہاد سے نماز جمعہ پڑھی اور اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے کہ جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تھے، اس وقت آپ کو نماز جمعہ کا حکم دیا گیا ہو لیکن وہاں آپ نماز جمعہ قائم کرنے پر قادر نہ تھے، للذا مدینہ میں آکر سب سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جمعہ قائم کی۔ جیسا کہ امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے اجتہاد سے جو جمعہ کا دن اختیار کیا اس کی حکمت یہ ہے کہ جمعہ کے دن ہی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ وہ جمعہ کے دن عبادت میں مشغول ہو، اور اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن موجودات کو مکمل کیا اور اسی دن انسان کو پیدا کیا تاکہ وہ ان سے نفع حاصل کرے۔ اس لیے مناسب یہ تھا کہ وہ اس دن عبادت کر کے اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۶، مطبوعہ لاہور، التوشیح للسیوطی ج ۲ ص ۵، مطبوعہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

جمعہ کے دن کی چھٹی کا مسئلہ

آج کل دنیا میں یہودی ہفتہ کے دن چھٹی کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کا مذہبی مقدس دن ہے اور عیسائی اور ان کے زیر اثر یورپی ممالک اتوار کے دن چھٹی کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کا مذہبی مقدس دن ہے اور مسلمان ملکوں میں جمعہ کے دن چھٹی کی جاتی ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کا مقدس دن ہے۔ انگریزی میں چھٹی کے دن کو Holy Day کہتے ہیں۔ یعنی مقدس دن اور عیسائیوں کا مقدس دن اتوار ہے اس لیے وہ اتوار کے دن چھٹی کرتے ہیں تاکہ دنیاوی کام کاج سے اتوار کے دن عبادت کے لیے فارغ ہو جائیں اور اب بھی عیسائی اتوار کے دن چرچ میں جا کر عبادت اور خصوصی دعا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے ابتدائی دور میں چھٹی کا کوئی رواج اور دستور نہیں تھا وہ ہفتہ کے تمام ایام میں کام کاج بھی کرتے تھے، کاروبار بھی کرتے تھے، محنت مزدوری اور ملازمت بھی کرتے تھے پھر جب دنیا میں یہ شعور پیدا ہوا کہ ہفتہ میں ایک دن کام کاج سے فراغت کا ہونا چاہیے اور عیسائیوں نے اتوار کو اور یہودیوں نے ہفتہ کو آرام اور چھٹی کے لیے مخصوص کر لیا تو مسلمانوں نے جمعہ کے دن کو مخصوص کر لیا۔ چنانچہ تمام عرب ریاستوں، مشرق وسطی، انڈونیشیا، ملیشیا، افغانستان اور بنگلہ دیش وغیرہ میں جمعہ کو چھٹی کی جاتی ہے۔ پاکستان میں بھی پہلے جمعہ کی چھٹی ہوتی تھی تا آنکہ یکم فروری ۱۹۹۷ء میں نواز شریف نے برسراقتدار آ کر جمعہ کی چھٹی منسوخ کر کے اتوار کی چھٹی کرنے کا اعلان کیا۔

اتوار کی چھٹی کرنے کے دلائل اور ان کے جوابات

نواز شریف کے حواریوں نے اتوار کی چھٹی پر دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے جمعہ کے دن کاروبار کرنے کا امر کیا ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن کاروبار کرنا واجب ہے اور اس دن چھٹی کرنا وجوب کے منافی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن چھٹی کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (الجمعۃ: ۱۰-۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر (نماز جمعہ) کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو○ اور جب نماز پوری ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے جمعہ کے دن کاروبار کرنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اذان جمعہ کے وقت کاروبار کرنے سے منع فرمایا ہے اور نماز کے بعد کاروبار کرنے اور اللہ کے فضل کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے اور ممانعت کے بعد جو امر آئے وہ وجوب کے لیے نہیں اباحت کے لیے آتا ہے جیسے اذا حللتم فاصطادوا میں ہے۔ پہلے محرم کو شکار سے منع فرمایا پھر احرام کھولنے کے بعد شکار کرنے کا امر فرمایا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ احرام کھولنے کے بعد اس پر شکار کرنا واجب ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے شکار کرنے کی ممانعت نہیں ہے، وہ چاہے تو شکار کر سکتا ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ کے بعد کاروبار کرنے کی ممانعت نہیں ہے، مسلمان چاہیں تو کاروبار کر سکتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ "اور اللہ کا فضل تلاش کرو" کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ کاروبار کرو بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نماز کے بعد دعا کرو تو اپنی نماز کی بناء پر سوال نہ کرو بلکہ اللہ کے فضل کی بناء پر سوال کرو، اور اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ عبادت کرنا بھی اللہ کے فضل سے میسر ہوتا ہے سو نماز کے بعد تم مزید اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ سے مزید اللہ کی عبادت کی توفیق مانگو۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض جمعہ کی چھٹی کرنا اس آیت سے ممنوع بھی ہو تو اس پر یہ کب لازم آتا ہے کہ خواہ مخواہ اتوار کی چھٹی کی جائے، کسی اور دن بھی چھٹی کی جا سکتی ہے۔

اتوار کی چھٹی کے مثبتین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یورپی ممالک میں اتوار کی چھٹی ہوتی ہے اور ان ممالک سے تجارت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم بھی اسی دن چھٹی کریں اگر ہم جمعہ کے دن چھٹی کریں تو دو دن ہمارا کاروبار متاثر ہو گا اتوار

کو ان کی چھٹی کی وجہ سے اور جمعہ کو ہماری چھٹی کی وجہ سے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان ممالک کے ساتھ جغرافیائی فرق کی وجہ سے ویسے بھی ہمارے اور ان کے اوقات کی یکسانیت نہیں ہے۔ مثلاً امریکہ کا وقت ہم سے تقریباً بارہ گھنٹے پیچھے ہے، آسٹریلیا کا وقت ہم سے تقریباً دس بارہ گھنٹے پہلے ہے اور برطانیہ کا وقت پانچ گھنٹے پیچھے ہے۔ اسی طرح مشرق بعید کے ممالک کا وقت بھی ہم سے کافی مختلف ہے اس لیے اتوار کی چھٹی کرنے پر ان ممالک کی یکسانیت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

جمعہ کی چھٹی کرنے کے دلائل

اسلام میں چھٹی کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے لیکن جب ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرنی ہی ہے تو اس دن چھٹی کرنی چاہیے جو اسلام میں مقدس دن ہے۔ عیسائی اور یہودی اپنے اپنے مقدس دنوں میں اتوار اور ہفتہ کی چھٹی کرتے ہیں سو ہمیں اپنے مقدس دن میں چھٹی کرنی چاہیے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ باقی تمام مسلمان ملکوں میں جمعہ کے دن چھٹی ہوتی ہے تو ہمیں بھی باقی مسلمان ملکوں سے موافقت کرتے ہوئے جمعہ کے دن چھٹی کرنی چاہیے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اتوار کو چھٹی کرنے سے عیسائیوں کی موافقت ہوگی جبکہ ہمیں عیسائیوں کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہود اور نصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے سو تم ان کی مخالفت کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۰۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۲۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۲۷۳)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے اور انصار کے بوڑھوں کے پاس آئے، ان کی ڈاڑھیاں سفید تھیں۔ آپ نے فرمایا اے انصار کی جماعت! اپنی ڈاڑھیوں کو سرخ اور زرد رنگ میں رنگو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ انہوں نے کہا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اہل کتاب شلوار پہنتے ہیں اور تہبند نہیں باندھتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شلوار پہنو اور تہبند باندھو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اہل کتاب موزے پہنتے ہیں اور اس پر چمڑے کی جوتی نہیں پہنتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم موزے پہنو اور اس پر چمڑے کی جوتی پہنو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اہل کتاب ڈاڑھیاں کاٹتے ہیں اور مونچھیں چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم مونچھیں تراشو اور ڈاڑھیاں چھوڑ دو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵۔ ۲۶۴ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۶۳۹ طبع جدید عالم الکتب بیروت، حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱۸۳ دار الحدیث قاہرہ، حافظ الہیثمی نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۱۔ ۱۳۰، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۸۲ رقم الحدیث: ۷۹۲۴)

خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کی چھٹی کرنے میں مسلمان ملکوں کی موافقت ہے اور اتوار کی چھٹی کرنے میں عیسائیوں کی موافقت ہے۔ اب ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم کس کی موافقت کریں اور ہمارا مقدس دن (Holy Day) جمعہ ہے یا اتوار!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور احسن طریقے کے ساتھ ان پر حجت قائم کیجئے۔ بے شک آپ کا رب ان کو بہت جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے اور

وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جاننے والا ہے○ (النحل : ۱۲۵)

حکمت، موعظت حسنہ اور جدل کے لغوی اور اصطلاحی معنی

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا کہ مشرکین رسولوں کا مذاق اڑاتے تھے، ان کے پیغام کی تکذیب کرتے تھے اور وہ جو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے، اس کا انکار کرتے تھے اور اس کے ساتھ استہزا کرتے تھے جس کی وجہ سے رسولوں کو ان کی گمراہی پر افسوس ہوتا تھا اور ان کے عناد، ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھ کر وہ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دینے کے لیے بہت مستحکم دلائل قائم کیے اور بہت عام فہم مثالیں بیان فرمائیں اور اسی نہج پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دینے کے لیے ارشاد فرمایا کہ آپ ان کو اپنے رب کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے۔ اپنے رب کے راستے سے مراد ہے اسلام یعنی آپ ان کو حکمت کے ساتھ اسلام کی دعوت دیجیے۔

حکمت کا معنی ہے افعال کے حسن اور قبح اور صحت اور فساد کو جاننا اور ایک قول یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے نتائج کے فساد اور خرابی کی وجہ سے اختیار کرنے سے منع کرنا یا کسی چیز کو اس کے نتائج کی عمدگی کی وجہ سے اختیار کرنے کی تلقین کرنا، اور جو دلیل مقدمات یقینیہ سے مرکب ہو اس کو بھی حکمت کہتے ہیں، اور موعظت حسنہ سے مراد ہے کسی کام کی ترغیب کے لیے اچھے اجر کی مثال دینا یا کسی کام سے باز رکھنے کے لیے سزا اور عذاب سے ڈرانا اور جو دلیل مقدمات ظنیہ سے مرکب ہو اس کو بھی موعظت حسنہ کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے جو دلیل قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو، وہ حکمت ہے اور جو دلیل ظنی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو یا قطعی الثبوت اور ظنی الدلالۃ ہو، وہ موعظت حسنہ ہے اور جو دلیل مخالف کے مسلمات پر مبنی ہو وہ جدل اور جدال ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور رسالت پر جو دلائل قائم کیے ہیں، وہ سب از قبیل حکمت ہیں اور نیک کاموں پر اجر وثواب اور برے کاموں پر عذاب کی جو مثالیں دی ہیں، وہ از قبیل موعظت حسنہ ہیں، اور جدل کی مثال یہ ہے:

اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى (الانعام: ۹۱)	جب انہوں (یہودیوں) نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، آپ کہیے پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا ہے جس کو موسیٰ لے کر آئے تھے؟

یہودیوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور آپ پر نزول قرآن کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کس نے نازل کی تھی؟ کیونکہ وہ اس کو مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

علم اور عقل سے حق اور صواب کو حاصل کرنا حکمت ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت کا معنی ہے اشیاء کی معرفت اور ان کو مضبوط طریقہ سے پیدا کرنا اور انسان کی حکمت ہے موجودات کی معرفت اور نیک کاموں کا کرنا اور میر سید شریف نے حکمت کی حسب ذیل تعریفات کی ہیں:

(۱) قوت عقلیہ جو افراط اور تفریط کے درمیان متوسط ہو۔

(۲) انسان کا اپنی طاقت کے مطابق نفس الامر میں حق اور صدق کو حاصل کرنا۔

(۳) ہر وہ کلام جو حق کے موافق ہو، وہ حکمت ہے۔

(۴) ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنا حکمت ہے۔
(۵) جس چیز کا انجام اچھا ہو، وہ حکمت ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۶۸۔ ۱۶۷، التعریفات ص ۶۲ مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ راغب نے لکھا ہے: جس وعظ میں کسی سزا سے ڈرایا گیا ہو وہ موعظت ہے، خلیل نے کہا نیکی کے کاموں کو اس طور سے یاد دلانا کہ اس سے دل نرم ہو جائیں یہ موعظت ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۸۳، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ راغب اصفہانی نے کہا کسی شخص کا دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے دلائل پیش کرنا جدل ہے۔ میر سید شریف نے کہا جو قیاس مقدمات مشہورہ اور مقدمات مسلمہ سے مرکب ہو، اس کو جدل کہتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مخالف پر الزام قائم کیا جائے اور خصم کو ساکت کیا جائے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۹۱، التعریفات ص ۵۵)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک آپ کا رب ان کو بہت جاننے والا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گئے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جاننے والا ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ آپ صرف ان تین طریقوں سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں باقی کسی کو ہدایت یافتہ بنا دینا یہ آپ کا منصب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ ان میں سے کون اپنے اختیار سے ہدایت کو قبول کرے گا اور کون اپنے اختیار سے گمراہی پر ڈٹا رہے گا۔ سو جس نے اپنے اختیار سے ہدایت کو قبول کرنا ہو اس کو اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ بنا دے گا اور جس نے اپنے اختیار سے گمراہی پر ڈٹے رہنا ہو اس کو گمراہ رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی سزا دینا جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے صبر بہت اچھا ہے ○ (النحل: ۱۲۶)

بدلہ لینے میں تجاوز نہ کیا جائے

اس آیت کے شان نزول میں یہ روایت بیان کی گئی ہے:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن ۶۴ انصار شہید ہوئے اور ۶ مہاجرین شہید ہوئے، ان میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو انہوں نے مثلہ کیا تھا تب انصار نے کہا اگر کسی دن ہمیں موقع ملا تو ہم بھی ان کے ساتھ اس طرح کر کے دکھا دیں گے، پھر فتح مکہ کے دن اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی سزا دینا جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۸۷، المستدرک ج ۲ ص ۳۵۹، ۳۵۸ قدیم، المستدرک رقم الحدیث ۳۳۶۸ جدید، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۸۹، مسند البزار رقم الحدیث: ۱۷۹۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۹۳۷، اسباب النزول ص ۲۱۴، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۲۲)

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ جب مظلوم ظالم سے بدلہ لے تو وہ حد سے تجاوز نہ کرے اور اتنی ہی سزا دے جتنا اس پر ظلم کیا گیا ہے۔ ابن سیرین نے کہا ہے اگر کسی شخص نے تم سے کوئی چیز چھینی ہے تو تم بھی اس سے اتنی ہی چیز لے لو۔

اس سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ آپ لوگوں کو دین کی دعوت دیجئے، حکمت سے، موعظت حسنہ سے اور جدل سے۔ پھر جب آپ ان کو اسلام کی طرف بلائیں گے تو ان کو ان کے سابق دین سے اور ان کے آباؤ اجداد کے دین سے رجوع کرنے کا حکم دیں گے اور اس دین پر کفر اور ضلالت کا حکم لگائیں گے اور اس سے ان کے دلوں میں آپ کے خلاف نفرت اور عداوت پیدا ہو گی اور اس دعوت کو سننے والے آپ کو برا کہیں گے اور آپ کو ضرر اور ایذاء پہنچائیں گے اور آپ کو قتل کرنے کے

درپے ہوں گے، پھر اگر تبلیغ کرنے والے مسلمان ان کی ایذاء رسانی کا بدلہ لینا چاہیں یا بدلہ لینے پر قادر ہوں تو ان کو اتنی ہی ایذاء پہنچائیں جتنی ان کو ایذا پہنچائی گئی ہے۔

بدلہ لینے کے بجائے صبر کرنے میں زیادہ فضیلت ہے

اس آیت میں مسلمانوں کو عدل اور انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس آیت میں اس کے دو مرتبے بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی سزا دینا جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ یعنی اگر تم بدلہ لینے میں رغبت کرو تو بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرنا کیونکہ زیادتی کرنا ظلم ہے اور تم کو ظلم کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور اس طرز بیان میں یہ رمز اور تعریض ہے کہ اگر تم بدلہ لینے کو ترک کر دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ اولیٰ اور افضل ہے۔

(۲) اس کے بعد جب یہ فرمایا اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے صبر بہت اچھا ہے۔ پہلے رمز اور تعریض کے طور پر فرمایا کہ بدلہ نہ لیا جائے اور اس آیت کے اس حصہ میں صراحتاً فرمایا ہے کہ بدلہ نہ لیا جائے اور بدلہ لینے کی بہ نسبت صبر کرنا بہتر ہے۔

قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں میں بھی یہ فرمایا ہے کہ ہرچند کہ ظلم کا بدلہ لینا جائز ہے لیکن بدلہ لینے کی بجائے صبر کرنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ○ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (الشوریٰ: ۴۳-۳۹)

اور جو لوگ کسی کے ظلم کا شکار ہوں وہ بدلہ لیتے ہیں○ اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے پھر جو معاف کر دے اور نیکی کرے تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے بے شک اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا○ اور جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کے بعد بدلہ لے لیا تو ان لوگوں پر (گرفت کا) کوئی جواز نہیں○ (گرفت کا) جواز تو صرف ان لوگوں پر ہو گا جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں، ان لوگوں کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے○ اور جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ صبر کیجئے آپ کا صبر صرف اللہ کی توفیق سے ہے اور آپ ان (کی سرکشی) پر غمگین نہ ہوں اور نہ ان کی سازشوں سے تنگ دل ہوں○ بے شک اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو نیک کام کرنے والے ہیں○ (النحل: ۱۲۸-۱۲۷)

صبر کرنے کی ترغیب

اس سے پہلی آیت میں تعریضاً اور تصریحاً یہ فرمایا تھا کہ بدلہ لینے کی نسبت صبر کرنا افضل ہے اور اس آیت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ظلم پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور کیونکہ مظلوم کے لیے ظلم پر صبر کرنا بہت مشکل اور دشوار ہوتا ہے اس لیے فرمایا آپ کا صبر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے ہو گا اور انسان جب صبر کرتا ہے تو اس کا صبر کرنا اس وقت معتبر ہوتا ہے جب اس کا دل کسی کے ظلم کی وجہ سے جوش غضب میں ہو اور وہ انتقام لینے کے لیے آمادہ ہو، اس

وقت جب وہ صبر کرے گا تو اس وقت اس کو اپنے نقصان پر غم ہو گا۔ یعنی آپ اپنے اصحاب کے نقصان پر غم نہ کریں اور ان سے بدلہ نہ لینے کی وجہ سے تنگ دل نہ ہوں۔

بدلہ نہ لینے میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی مبارک سیرت

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو صبر کرنے اور بدلہ نہ لینے کا حکم دیا ہے۔ اس سے یہ وہم نہ ہو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم طبعاً بدلہ لینا چاہتے تھے لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا، بلکہ آپ کی سیرت اور صفت یہی تھی کہ آپ صبر فرماتے تھے اور بدلہ نہیں لیتے تھے اور ان آیتوں سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی صبر اور درگزر کرنے کی صفت پر برقرار رہیے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم طبعاً سخت مزاج اور درشت کلام کرنے والے تھے اور نہ تکلفاً سخت مزاج تھے اور نہ بازار میں شور کرتے تھے اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶، مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۴۳، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۵)

علامہ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی متوفی ۹۷۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے معاف کرنے اور بدلہ نہ لینے کے لیے تمہارے واسطے یہ کافی ہے کہ آپ کے دشمنوں نے آپ کو سخت ایذاء پہنچائی حتیٰ کہ آپ کے سامنے کا نچلا دانت شہید کر دیا اور آپ کا چہرہ خون آلود کر دیا۔ آپ کے بعض اصحاب نے فرمایا آپ ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائیں۔ آپ نے فرمایا مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا لیکن مجھے دعا کرنے والا اور رحمت کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے "اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما" یا "میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ مجھے نہیں پہچانتے۔" آپ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ میرے سر پر چوٹ لگانے کے ان کے گناہ کو معاف فرما، نہ یہ کہ ان کو مطلقاً معاف فرما، ورنہ وہ مسلمان ہو جاتے۔ یہ امام ابن حبان نے کہا ہے، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے جنگ خندق کے دن فرمایا ان لوگوں نے ہمیں درمیانی نماز جو عصر کی نماز ہے، پڑھنے سے مشغول رکھا۔ اے اللہ! ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔ آپ کا چہرہ خون آلود کیا گیا اس کو آپ نے معاف کر دیا کیونکہ وہ آپ کا حق تھا اور کافروں نے نماز عصر میں خلل ڈالا اس کو معاف نہیں کیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ آپ کا معاف کرنا اور درگزر کرنا آپ کے حقوق سے متعلق ہے۔ امام طبرانی، امام ابن حبان، امام حاکم اور امام بیہقی نے بعض ان یہودی علماء سے روایت کیا جو مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے کہا نبوت کی جتنی علامات تھیں وہ سب میں نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے چہرے کو دیکھتے ہی پہچان لیں مگر دو علامتوں کے متعلق مجھے کوئی خبر نہ تھی، ایک یہ کہ آپ کا حلم اور آپ کی بردباری آپ کے غضب پر غالب ہے۔ میں آپ کے ساتھ مل جل کر رہتا تھا تاکہ میں آپ کے حلم اور آپ کی بردباری کا مشاہدہ کر سکوں۔ میں نے مدت معینہ کے ادھار پر آپ کو کھجوریں فروخت کیں اور مدت کے آنے سے پہلے میں نے آپ سے قیمت کا تقاضا کیا، ابھی دو تین دن رہتے تھے کہ میں نے آپ کی قمیص پکڑلی اور سخت غصہ سے آپ کو گھورا اور کہا اے محمد! آپ میرا حق ادا نہیں کرتے، اللہ کی قسم! اے عبد المطلب کی اولاد! تم لوگ سخت نادہندہ ہو۔ حضرت عمر نے کہا اے اللہ کے دشمن! تو میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے ایسی بات کہہ رہا ہے، اللہ کی قسم اگر مجھے تیری قوم سے معاہدہ کا خیال نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار سے تیرا

سر قلم کر دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انتہائی سکون سے تبسم فرماتے ہوئے حضرت عمر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر فرمایا مجھے اور اس شخص کو کسی اور بات کے کہنے کی ضرورت تھی، تم مجھے اچھی طرح سے قرض ادا کرنے کا کہتے اور اس کو اچھے طریقے سے تقاضا کرنے کا کہتے، جاؤ عمر (رضی اللہ عنہ) اس کا قرض ادا کردو اور اس کو اس کے حق کے علاوہ بیس صاع زیادہ دینا۔ حضرت عمر نے اسی طرح کیا۔ میں نے کہا اے عمر! میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے میں نبوت کی تمام علامات دیکھ چکا تھا مگر میں دو علامتیں دیکھنا چاہتا تھا، ایک یہ کہ آپ کا حلم آپ کے غضب پر غالب رہتا ہے اور دوسری یہ کہ زیادہ غضب آپ میں صرف حلم کو ہی زیادہ کرتا ہے۔ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کو رب مان کر راضی ہوں اور اسلام کو دین مان کر اور سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نبی مان کر راضی ہوں۔

امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے آپ کی چادر اتنے زور سے کھینچی کہ آپ کی گردن پر نشان پڑ گیا۔ وہ یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے ان دو اونٹوں پر طعام لاد کر دیجئے کیونکہ آپ مجھے اپنے مال سے لاد کر دیں گے نہ اپنے باپ کے مال سے لاد کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں اور تین بار اللہ سے مغفرت چاہی اور فرمایا میں اس وقت تک تم کو ان اونٹوں پر غلہ لاد کر نہیں دوں گا جب تک کہ تم مجھے اس چادر کھینچنے کا بدلہ نہیں دو گے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! میں بدلہ نہیں دوں گا۔ آپ نے ایک شخص کو بلا کر فرمایا اس شخص کے ایک اونٹ پر کھجوریں لاد دو اور ایک اونٹ پر جو لاد دو۔ اور امام بخاری نے جو روایت کی ہے اس میں ہے کہ جب اس نے زور سے چادر کھینچی تو آپ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا پھر آپ ہنسے اور اس کو دینے کا حکم دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے اور ایذاء رسانی پر صبر کرنے کی آپ میں بہت عظیم صفت تھی۔ آپ کی اس عظیم صفت کی وجہ سے سخت طبیعت اور جفاکش سنگ دل لوگ جو پہلے آپ سے وحشیوں کی طرح متنفر تھے، آپ کی اس نرم دلی کو دیکھ کر آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہو گئے اور آپ کے اوپر اپنی جان اور مال نچھاور کرنے لگے۔ (اشرف الوسائل ص ۵۰۳-۵۰۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا، جب تک کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کو نہیں توڑے اور جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کو توڑتا تھا تو آپ سے بڑھ کر غضب ناک کوئی نہیں ہوتا تھا اور جب بھی آپ کو دو کاموں میں سے کسی ایک کام کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کام کو اختیار فرما لیتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۰۱)

علامہ ابن حجر ہیتمی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم کرنا اور آپ کو ایذاء پہنچانا کفر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے تو آپ اس کو کیسے معاف کر دیتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے آپ کو ایذاء یا تو کسی سخت دل مسلمان نے پہنچائی جیسے ایک اعرابی نے آپ کی چادر کھینچ کر سوال کیا کہ اس کو دو اونٹوں میں غلہ لاد کر دیا جائے۔ تو اس کے لیے اس کی سخت دلی کا عذر ہے، اس لیے آپ نے اسے معاف کر دیا اور یا کسی منافق نے ایسا کیا تھا اور آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ ان کی ایذاء رسانیوں کو برداشت کریں تاکہ لوگ آپ سے متنفر نہ ہوں۔ آپ سے کہا جاتا کہ آپ ان کو قتل کر دیں تو آپ فرماتے کہ لوگ کہیں گے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں یا کوئی ذمی کافر آپ کو ایذاء پہنچاتا تو آپ مصلحت کی وجہ سے ان کے

جرم پر مواخذہ نہ فرماتے یا کوئی حربی آپ کو ایذا پہنچاتا تو آپ اس لیے اس سے مواخذہ نہ فرماتے کہ اس نے اسلام کے احکام کا التزام نہیں کیا تھا۔ (اشرف الوسائل ص ۵۰۵۔ ۵۰۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اختتامی کلمات

آج ۷ رجب ۱۴۲۱ھ / ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۰ء بروز جمعہ بعد نماز عصر سورۃ النحل کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ الٰہ العالمین آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے سورۃ النحل تک یہ تفسیر مکمل کرادی ہے۔ آپ اپنی عنایت اور توجہ سے باقی قرآن عظیم کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور مجھے صحت اور نیک سیرت کے ساتھ اس کو لکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ میری، میرے والدین، میرے اساتذہ، میرے احباب اور قارئین کی مغفرت فرمائیں۔ دنیا میں سلامتی اور نیکی کے ساتھ زندہ رکھیں، ایمان پر خاتمہ فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائیں اور قبر اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی اصحابہ الراشدین وآلہ الطاہرین وازواجہ امہات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین وسائر المسلمین۔

سُورَةُ بَنِیٓ اِسرَآءِیلَ

(۱۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنی اسرائیل

سورت کا نام

بعض علماء نے یہ کہا کہ اس سورت کا نام الاسراء ہے' الاسراء کا معنی ہے رات کو جانا یا رات کو سفر کرنا اور جب یہ لفظ ب کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا معنی ہے رات کو لے جانا یا رات کو سفر کرانا اور چونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں اسری کا لفظ ہے اس مناسبت سے اس کا نام الاسراء ہے۔

اور محققین نے یہ کہا ہے کہ اس سورت کا نام بنی اسرائیل ہے' کیونکہ اس سورت میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ (بنی اسرائیل: ۴)

اور ہم نے بنی اسرائیل کے لیے کتاب میں فیصلہ کر دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو بار فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اور بھی کئی سورتوں میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے تو ان کا نام بنی اسرائیل کیوں نہیں رکھا گیا اس کا جواب ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی۔

اگرچہ اس سورت کا نام الاسراء بھی ذکر کیا گیا ہے اور بنی اسرائیل بھی' لیکن احادیث اور آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس کا نام بنی اسرائیل ہے۔

عن ابی لبابة قالت عائشة کان النبی صلی الله علیه وسلم لا ینام حتی یقرء بنی اسرائیل والزمر۔

ابولبابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے حتیٰ کہ بنی اسرائیل اور الزمر کی تلاوت کر لیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۲۰' مسند احمد ج ۶ ص ۶۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۳۸۹ عالم الکتب' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۶۳' المستدرک ج ۲ ص ۴۳۴)

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال فی بنی اسرائیل والکهف و مریم انهن من العتاق الاول وهن من تلادی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بنی اسرائیل' الکہف اور مریم انتہائی کمال کو پہنچی ہوئی ہیں اور یہ مجھے شروع سے یاد ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۸)

سورہ بنی اسرائیل کا زمانہ نزول

جمہور مفسرین کے نزدیک سورہ بنی اسرائیل مکی ہے البتہ تین آیتوں کا استثناء کیا گیا ہے:

بنی اسرائیل: ۷۶، بنی اسرائیل: ۸۰، بنی اسرائیل: ۹۰ اور مقاتل نے بنی اسرائیل: ۱۰۷ کا بھی استثناء کیا ہے۔ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مکہ میں مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت ہو چکی تھی، یہ سورت سورۃ القصص کے بعد سورۃ یونس سے پہلے نازل ہوئی ہے، اور تعداد نزول کے اعتبار سے یہ پچاسویں سورت ہے۔ مدینہ، مکہ، شام اور بصرہ کے علماء کی گنتی کے مطابق اس کی ایک سو دس آیتیں ہیں اور کوفہ کے علماء کی گنتی کے مطابق اس کی ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔

واقعہ معراج ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے واقع ہوا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سورت واقعہ معراج کے فوراً بعد نازل ہوئی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سورت واقعہ معراج کے کچھ مدت بعد نازل ہوئی ہو۔

سورۃ النحل اور سورہ بنی اسرائیل میں مناسبت

(۱) سورۃ النحل میں فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل نے ہفتہ کے ایک دن کی تعیین میں اختلاف کیا تو ان پر ہفتہ کا دن مقرر کر دیا گیا اور اس سورت میں بنو اسرائیل کے مزید مسائل اور احکام بیان فرمائے ہیں۔

(۲) ان دونوں سورتوں میں انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا ہے۔

(۳) سورۃ النحل میں فرمایا تھا قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے کسی بشر کا کلام نہیں ہے، اور اس سورت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید کو نازل کرنے سے کیا مقصود ہے۔

(۴) سورۃ النحل کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ آپ مشرکین کے مظالم اور ان کی پہنچائی ہوئی اذیتوں پر صبر کریں اور اس سورت کی ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شان کی بلندی بیان فرمائی ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو واقعہ معراج سے فضیلت عطا فرمائی۔

(۵) سورۃ النحل میں یہ بیان فرمایا تھا کہ انسان کس طرح سورج، چاند، ستاروں، دن اور رات کے تواتر، حیوانوں اور پرندوں سے نفع حاصل کرتا ہے اور اس سورت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے انسان صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرے اور لوگوں پر ظلم کرنے سے اجتناب کرے، قتل اور زنا نہ کرے، یتیم کا مال نہ کھائے، ناپ تول میں کمی نہ کرے، اور دیگر برائیوں سے بچے۔

سورہ بنی اسرائیل کے مشمولات

(۱) اس سورت کی ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ معراج کا ذکر ہے کہ آپ رات کے ایک لمحہ میں مکہ سے مسجد اقصیٰ پہنچ گئے، اور اس رات اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری فضیلتیں عطا فرمائیں جن کا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ آگے چل کر آئے گا۔

(۲) اس سورت میں بنی اسرائیل کا مفصل ذکر آئے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین میں بہت عزت دی اور سرفرازی عطا فرمائی۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا۔

(۴) ان لوگوں پر رد فرمایا جو یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت

کرنے کا حکم دیا۔

(۵) ان مشرکین کا رد فرمایا جو یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور کتاب لاؤ' اور مکہ میں باغات اور چشمے بنادو' اور سونے کا مکان بنادو اور ہمیں آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ۔

(۶) یہ قرآن سلیم الفطرت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور یہ مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔

(۷) تمام جن اور انس مل کر بھی قرآن عظیم کی مثل نہیں لاسکتے اور یہ قرآن کریم کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

(۸) انسانوں کی تکریم کا ذکر' کیونکہ تمام فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور ابلیس لعین کے سجدہ نہ کرنے کا بیان اور انسانوں کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دینے کا ذکر۔

(۹) اللہ تعالیٰ کا انسانوں کو عظیم نعمتیں عطا فرمانا' اور انسان کے شکر نہ کرنے پر اس کو ملامت کرنا۔

(۱۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز قائم کرنے اور رات میں تہجد ادا کرنے کا حکم دینا۔

(۱۱) مکہ مکرمہ سے آپ کے ہجرت کرنے اور مدینہ منورہ میں داخل ہونے کا ذکر۔

(۱۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کا کچھ ذکر۔

(۱۳) قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمت کا بیان۔

(۱۴) اس سورت کا اختتام اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس پر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شریک سے کسی مددگار سے کسی بیٹے سے پاک اور منزہ ہے اور وہ پاکیزہ اور بلند صفات کے ساتھ متصف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مکہ میں نازل ہونے والی تمام سورتیں دین اسلام کے تمام عقائد پر مشتمل ہوتی ہیں جن میں توحید اور رسالت' قیامت' مرنے کے بعد اٹھنے اور جزا اور سزا پر زور دیا جاتا ہے اور مشرکین اور مخالفین کے شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے۔

ان افتتاحی سطور کے بعد ہم سورۂ بنی اسرائیل کے ترجمہ اور تفسیر کو شروع کرتے ہیں' الہ العٰلمین مجھے صحت اور نیکی کے ساتھ اس کو مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ' کراچی

۱۷ رجب ۱۴۲۱ھ / ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۰ء

سُوْرَةُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ مَكِّیَّةٌ وَّهِیَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰی عَشْرَةَ اٰیَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سورہ بنی اسرائیل مکی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

الجزء ۱۵ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ

ہر عیب سے پاک ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندہ کو رات کے ایک قلیل وقفہ میں مسجد حرام

الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بٰرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ

سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ارد گرد کو ہم نے برکتیں دیں ہیں تاکہ ہم اس (عبد مکرم) کو

مِنْ اٰيٰتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ① وَاٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ

اپنی بعض نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی بہت سننے والا، بہت دیکھنے والا ہے ○ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي

اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت دینے والا بنایا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ قرار

وَكِيلًا ② ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا

دو ○ (اے) ان لوگوں کی اولاد! جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا، بے شک وہ بہت شکر گزار

شَكُورًا ③ وَقَضَيْنَآ إِلَى بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ فِي الْكِتٰبِ

بندے تھے ○ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بتا دیا تھا کہ تم ضرور دو بار

لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا

زمین میں فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی

كَبِيرًا ④ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ

کرو گے ○ سو جب ان میں سے پہلے وعدہ کا وقت آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے مسلط

أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ

کر دیئے جو سخت جنگجو تھے پس وہ شہروں میں تمہیں ڈھونڈنے کے لیے پھیل گئے اور یہ وعدہ پورا

وَعْدًا مَّفْعُولًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنٰكُمْ

ہونے والا تھا ○ پھر ہم نے تم کو دوبارہ ان پر غلبہ دیا اور ہم نے مالوں

بِأَمْوَالٍ وَّبَنِينَ وَجَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ⑥ إِنْ أَحْسَنْتُمْ

اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تم کو بڑا گروہ بنا دیا ○ اور اگر تم نیکی کرو گے تو

أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ

اپنی جانوں کے لیے ہی نیکی کرو گے اور اگر تم برے عمل کرو گے تو اس کا وبال بھی تم پر ہی ہوگا، پھر جب دوسرے وعدہ کا

الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ

وقت آیا (تو ہم نے دوسروں کو تم پر مسلط کر دیا) تاکہ وہ تمہیں روسیاہ کر دیں اور اسی طرح مسجد میں داخل ہوں جس طرح پہلے

أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ﴿٧﴾ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ

داخل ہوئے تھے اور وہ جس چیز پر بھی غلبہ پائیں اسے تباہ و برباد کر دیں ○ عنقریب تمہارا رب تم پر

يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ

رحم فرمائے گا اور اگر تم نے دوبارہ تجاوز کیا تو ہم دوبارہ سزا دیں گے اور ہم نے کافروں کے لیے دوزخ کو قید خانہ

حَصِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ

بنا دیا ہے ○ بے شک یہ قرآن اس راستہ کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا اور مستحکم ہے

الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾

اور جو ایمان والے نیک کام کرتے ہیں ان کو بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے ○

وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٠﴾

اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○

وقف لازم — ع ۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر عیب سے پاک ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندہ کو رات کے ایک قلیل وقفہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ارد گرد کو ہم نے برکتیں دی ہیں تاکہ ہم اس (عبد مکرم) کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۱)

سبحان کا معنی

سبحان: سبح کا معنی ہے پانی میں سرعت سے تیرنا مجازاً سیاروں کے اپنے مدار میں گردش کرنے کو بھی کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۔ (یٰسین: ۴۰) اور ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔ (یعنی گردش کر رہا ہے۔)

اور تسبیح کا معنی ہے ان اوصاف سے اللہ تعالیٰ کے پاک ہونے کو بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں، اور اس کا

اصل معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو بہت تیزی اور سرعت کے ساتھ انجام دینا اور تسبیح کا لفظ تمام عبادات کے لیے عام ہے خواہ اس عبادت کا تعلق قول سے ہو فعل سے ہو یا نیت سے ہو۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

سبحان کا لفظ ہر عیب اور ہر نقص سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کو اس صفت سے موصوف کرنا ممتنع ہے اس آیت میں بھی یہ لفظ تنزیہ کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس نقص سے پاک ہے کہ وہ رات کے ایک لمحہ میں اتنی عظیم سیر نہ کرا سکے۔ تسبیح کا لفظ قرآن مجید میں تسبیح پڑھنے یعنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس کرنے اور نماز پڑھنے کے معنی میں بھی ہے:

فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى۔ اور دن کے دو کناروں میں آپ نماز پڑھیے اور تسبیح کیجئے تاکہ آپ راضی ہو جائیں۔ (طٰہٰ: ۱۳۰)

حدیث میں یہ لفظ نور کے معنی میں بھی آیا ہے: لاحرقت سبحات وجهه ما ادرک بصره "اللہ تعالیٰ کے چہرے کے انوار منتہاء بصر تک کو جلا ڈالتے۔"

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۶-۱۹۵ مسند احمد ج ۴ ص ۴۰۵-۴۰۱)

نیز احادیث میں سبحان کا معنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبحان اللہ کی تفسیر پوچھی آپ نے فرمایا ہر بری چیز سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرنا۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۰۲ قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۱۹۸۹ کتاب الدعا للطبرانی رقم الحدیث: ۱۷۵۲ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۹۴)

سبحان اللہ کہنے کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ پڑھا سبحان الله وبحمده تو اس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۸ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۸)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! اللہ تعالیٰ کو کون سا کلام سب سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا وہ کلام جس کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے پسند فرمایا ہے! سبحان ربی وبحمده سبحان ربی وبحمده۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۰۱ قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۱۸۸۹ جدید صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۸۷ مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۸ شرح السنۃ ج ۵ ص ۳۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سبحان الله العظيم کہا اس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت اگا دیا جاتا ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۰۱ قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۱۸۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں میزان میں

بھاری ہیں، اللہ کے نزدیک محبوب ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۰۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۶۷، عالم الکتب)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے محبوب کلام چار ہیں: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، تم ان میں سے جس کلام سے ابتداء کرو تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ (الحدیث) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۳۷)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

سبحان اللہ کہنے کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ہر نقص سے اور ہر ایسی چیز سے پاک ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے اور اس کو یہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ شریک سے، بیوی سے، بچوں سے، اور تمام رذائل سے پاک ہے، تسبیح کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے ذکر کے تمام الفاظ مراد ہوتے ہیں اور کبھی اس سے نفلی نماز مراد ہوتی ہے، صلوٰۃ التسبیح اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بکثرت تسبیحات ہیں، سبحان کا لفظ بالعموم اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۰۷-۲۰۶ مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

اسریٰ کا معنی

اسریٰ کا لفظ سری سے بنا ہے، اس کا معنی ہے رات کو جانا، اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط سے فرمایا:

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ۔ (ھود: ۸۱) آپ رات میں اپنے اہل کو لے جائیں۔

نیز فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۱) سبحان ہے وہ جو اپنے بندے کو رات کے ایک لمحہ میں لے گیا۔

(المفردات: ج ۲ ص ۳۰۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

خواب میں معراج ہونے کی روایات

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج خواب کا واقعہ ہے اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف آپ کی روح کو معراج ہوئی تھی آپ کے جسم کو معراج نہیں ہوئی تھی، ہم ان روایات کو ذکر کر کے پھر ان کے جوابات کا ذکر کریں گے انشاء اللہ۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا یہ اللہ کی طرف سے سچا خواب تھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۶۲۸، الدر المنثور: ج ۵ ص ۲۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

محمد بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے بعض آل ابی بکر نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم گم نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو سیر کرائی تھی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۶۳۰، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سلمہ بیان کرتے ہیں کہ امام ابن سحاق نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا انکار نہیں کیا گیا اور اس کی

تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ - (بنی اسرائیل: ۶۰)

اور وہ جلوہ جو ہم نے آپ کو (شب معراج) دکھایا تھا ہم نے اس کو لوگوں کے لیے محض آزمائش بنا دیا۔

ان کا استدلال اس سے ہے کہ رویا کا معنی خواب ہے یعنی شب معراج آپ کو جو خواب دکھایا تھا اس کی وجہ سے لوگ فتنہ میں پڑ گئے بعض اس کی تصدیق کر کے اپنے ایمان پر قائم رہے اور بعض اس کا انکار کر کے مرتد ہو گئے (ہمیں مرتد ہونے والوں کے ناموں کی تصریح نہیں ملی) اور حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے سے کہا:

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى - (الصّٰفّٰت: ۱۰۲)

اے میرے بیٹے! بے شک میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں تو اب غور کرو تمہاری کیا رائے ہے۔

پھر حضرت ابراہیم نے اپنے خواب پر عمل کیا اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس خواب اور بیداری دونوں حالتوں میں وحی نازل ہوتی تھی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا رہتا ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ واقعہ معراج آپ کو نیند میں دکھایا گیا تھا یا بیداری میں، اور یہ واقعہ جس حالت میں بھی پیش آیا تھا وہ حق اور صادق ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۶۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

خواب میں معراج کی روایات کے جوابات

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک صحیح اور برحق قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی جیسا کہ احادیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو براق پر سوار کرایا اور آپ نے مسجد اقصیٰ میں انبیاء اور رسل کو نماز پڑھائی، اور آپ کو بہت سی نشانیاں دکھائیں، اور جس شخص نے یہ کہا کہ صرف آپ کی روح کو معراج کرائی گئی تھی اور یہ جسمانی معراج نہیں تھی یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر ایسا ہو تا تو یہ واقعہ آپ کی نبوت پر دلیل نہ ہوتا اور نہ اس کی حقیقت کا منکرین انکار کرتے، اور اگر یہ صرف خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکین اس کا رد نہ کرتے، کیونکہ خواب میں کسی عجیب و غریب چیز کو دیکھنے پر کسی کو حیرت نہیں ہوتی اور نہ کوئی اس کا انکار کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اسری بعبدہ یہ نہیں فرمایا کہ اسری بروح عبدہ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا براق پر سوار ہونا بھی اس کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ جسمانی معراج تھی کیونکہ کسی سواری پر سوار ہونا جسم کا تقاضا ہے نہ کہ روح کا۔

(جامع البیان ج ۱۵ ص ۲۲-۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا بروح عبدہ اور بعبدہ نہ فرماتا، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى - (النجم: ۱۷)

نہ نظر ایک طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔

سورہ النجم کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ بیداری کا واقعہ تھا نیز اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نشانی اور معجزہ نہ ہوتا اور آپ سے حضرت ام ہانی یہ نہ کہتیں کہ آپ لوگوں سے یہ واقعہ بیان نہ کریں وہ آپ کی تکذیب کریں گے، اور نہ حضرت ابو بکر کی تصدیق کرنے میں کوئی فضیلت ہوتی، اور نہ قریش کے طعن و تشنیع اور تکذیب کی

کوئی وجہ ہوتی، حالانکہ جب آپ نے معراج کی خبر دی تو قریش نے آپ کی تکذیب کی اور کئی مسلمان مرتد ہو گئے، اور اگر یہ خواب ہوتا تو اس کا انکار نہ کیا جاتا، اور نیند میں جو واقعہ ہو اس کے لیے اسریٰ نہیں کہا جاتا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا ہے کہ آپ کا جسم شب معراج گم نہیں ہوا تھا اور آپ کی روح کو سیر کرائی گئی تھی۔ حضرت عائشہ سے یہ روایت صحیح نقل نہیں کی گئی کیونکہ جب یہ واقعہ ہوا اس وقت آپ بہت چھوٹی تھیں، (تقریباً ساڑھے چار سال کی) اس وقت تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بھی نہیں تھیں، اور معاویہ بن ابی سفیان اس وقت کافر تھے، اور اس آیت سے جو استدلال کیا گیا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ (بنی اسرائیل: ۶۰) — اور ہم نے آپ کو جو رویا دکھایا وہ صرف اس لیے تھا کہ لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رویا نیند اور بیداری دونوں میں دیکھنے کے لیے آتا ہے اور جمہور کے نزدیک یہ رویا بیداری میں بدن اور روح کے ساتھ واقع ہوا۔ (روح المعانی جز ۱۵ ص ۱۰-۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

شریک کی ایک روایت جس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ معراج کا واقعہ خواب کا تھا:

شریک بن عبداللہ بن ابی نمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے معراج کا واقعہ سنا انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کعبہ میں سوئے ہوئے تھے، نزول وحی سے پہلے آپ کے پاس تین شخص آئے، پھر معراج کا پورا واقعہ بیان کیا۔ امام مسلم فرماتے ہیں شریک نے بعض چیزوں کو مقدم کر دیا اور بعض کو مؤخر کر دیا اور روایت میں بعض چیزوں کی زیادتی کی اور بعض کی کمی کی۔

(صحیح مسلم باب الاسراء: ۲۶۲، رقم الحدیث: ۲۶۱، رقم الحدیث المسلسل ۴۰۷، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۰، ۷۵۱۷)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ پوری معراج خواب میں ہوئی تھی، لیکن اکثر متقدمین اور متاخرین علماء، فقہاء، محدثین اور متکلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی معراج ہوئی ہے، اور تمام احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور بغیر کسی دلیل کے ان کے ظاہر معنی سے عدول کرنا جائز نہیں ہے، شریک کی جس روایت کا ابھی ذکر کیا گیا ہے وہ بظاہر اس کے خلاف ہے، لیکن شریک کے بہت اوہام ہیں جن کا علماء نے انکار کیا ہے، اور خود امام مسلم نے اس پر تنبیہ کی ہے اور کہا ہے کہ اس نے اپنی روایت میں تقدیم، تاخیر اور زیادتی اور کمی کی ہے، اور یہ کہا کہ معراج کا واقعہ نزول وحی سے پہلے کا ہے، اس کا یہ قول غلط ہے کسی نے اس کی موافقت نہیں کی، معراج کی تاریخ میں کافی اختلاف ہے زیادہ قوی یہ ہے کہ معراج ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی ہے، کیونکہ اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نماز کی فرضیت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت خدیجہ کی وفات ہجرت سے پہلے ہوئی ہے ایک قول یہ ہے کہ ہجرت سے تین سال پہلے اور ایک قول ہے ہجرت سے پانچ سال پہلے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۹۳۹-۹۳۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ نووی نے یہ تحقیق قاضی عیاض مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ سے اخذ کی ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۴۹۷-۴۹۱، مطبوعہ دار الوفاء ۱۴۱۹ھ)

عبد کے معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عبد کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) جو حکم شرع کے اعتبار سے عبد ہو یعنی کسی کا غلام ہو اس کو بیچنا اور خریدنا جائز ہو، واضح رہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب دنیا میں غلام بنانے کا رواج تھا لیکن اسلام نے حکمت سے بہ تدریج غلامی کا چلن ختم کر دیا اور باقی دنیا میں بھی اب غلام بنانے کا رواج ختم ہو گیا۔ اس معنی کے اعتبار سے عبد بہ معنی غلام کے متعلق حسب ذیل آیتیں ہیں:

اَلْعَبْدُ بِالْعَبْدِ۔ (البقرہ: ۱۷۸) غلام کو غلام کے بدلہ میں (قتل کیا جائے۔)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔ (النحل: ۷۵) اللہ مثال بیان فرماتا ہے ایک مملوک غلام کی جس کو کسی چیز پر قدرت نہیں ہے۔

(۲) عبد کا دوسرا معنی ہے عبادت گزار اور اطاعت گزار، بعض وہ ہیں جو اپنے اختیار کے بغیر اضطراری طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اس معنی کے لحاظ سے ہر چیز عبد ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔ (مریم: ۹۳) آسمانوں اور زمینوں میں جو بھی ہے وہ رحمان کی عبادت کرنے والا ہے۔

(۳) جو لوگ اپنے اختیار سے اللہ کے غیر کی عبادت کرتے ہیں اور انہوں نے اپنے آپ کو ان کا عبد قرار دے رکھا ہے، قرآن مجید میں ان کے متعلق ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ۔ (الفرقان: ۱۷) جس دن اللہ انہیں جمع کرے گا اور ان کو جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے، پھر اللہ ان (معبودوں) سے فرمائے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے۔

(۴) جو لوگ اپنے اختیار سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اللہ کا عبد کہتے ہیں لیکن ان کی عبادت ناقص ہے، ان کے متعلق درج ذیل آیتیں ہیں:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (المائدہ: ۱۱۸) اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بہت غالب ہے بڑی حکمت والا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ (الزمر: ۵۳) آپ کہیے اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔

(۵) جو اپنے اختیار سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی عبادت بہت کامل اور اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے مثالی عبد ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے عبد ہونے پر ناز فرماتا ہے اور فخر سے فرماتا ہے کہ وہ میرے بندے ہیں، ان

کا ذکر درج ذیل آیتوں میں ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ (اے ابلیس) بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں (چل سکے گا)۔ (الحجر: ۴۲)

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ سبحان ہے وہ جو اپنے بندہ کو رات کے ایک قلیل وقفہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ (بنی اسرائیل: ۱)

(المفردات ج ۲ ص ۴۱۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا عبد فرمانا

تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے کامل عبد ہیں لیکن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے کامل ترین عبد اور محبوب ترین عبد ہیں۔

اس آیت میں یہ فرمایا "سبحان ہے وہ جو اپنے عبد کو رات کے ایک قلیل وقت میں لے گیا" ایک سوال یہ ہے کہ رسول کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ یوں کیوں نہیں فرمایا: "سبحان ہے وہ جو اپنے رسول کو لے گیا" اس کا جواب یہ ہے کہ رسول وہ ہے جو اللہ کے پاس سے بندوں کی طرف لوٹ آئے اور عبدوہ ہے جو بندوں کی طرف سے اللہ کے پاس جائے' اور یہ اللہ کے پاس سے آنے کا نہیں اللہ کی طرف جانے کا موقع تھا اس لیے یہاں رسول کا ذکر نہیں عبد کا ذکر مناسب تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کے متعلق فرمایا:

اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا۔ (اے زکریا) اللہ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو (عیسیٰ) کلمۃ اللہ کے مصدق ہوں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے۔ (آل عمران: ۳۹)

حضرت یحییٰ کو سید کہا اور آپ کو عبد فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سیادت، سلطنت اور مالکیت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں' بندے کو اگر سید یا مالک یا صاحب سلطنت کہا جائے گا تو یہ مجاز ہوگا اور بندے کی ایسی صفت جو اس کی حقیقی صفت ہو اور اللہ کی نہ ہو وہ صرف عبدیت ہے' تو اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اپنے محبوب کا ذکر حقیقی وصف کے ساتھ کرے مجاز اور مستعار وصف کے ساتھ نہ کرے' اور فضیلت حقیقی وصف میں ہے مجاز اور مستعار وصف میں نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ کو محض عبد نہیں فرمایا عبدہ فرمایا ہے' یعنی اس کا بندہ' عبد تو دنیا میں ہزاروں ہیں لیکن کامل عبد وہ ہے جس کو مالک خود کہے یہ میرا بندہ ہے' اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں بھی ذکر فرمایا اپنی طرف اضافت کر کے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ۔ (الکہف: ۱) اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل کی۔

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔ (الزمر: ۳۶) کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں؟

حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسری "اللہ آپ کو لے گیا" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِیْقَاتِنَا. اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے۔
(الاعراف: ۱۴۳)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ. (الصّٰفّٰت: ۹۹) اور (ابراہیم نے) کہا: بے شک میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔

حضرت موسیٰ از خود گئے حضرت ابراہیم از خود گئے اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ لے جانے والا تھا اور وہی لانے والا تھا اور ان دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

میں نے اپنے والد اور شیخ عمر بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا انہوں نے کہا میں نے شیخ سلیمان انصاری سے سنا کہ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلند درجات اور عظیم مراتب پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اے محمد! تم کو کس وجہ سے یہ بلندی عطا کی گئی آپ نے جواب دیا اے میرے رب کیونکہ تو میرے عبد ہونے کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے اور مجھے اپنا عبادت گزار قرار دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: سبحان الذی اسرى بعبده۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

مسجد اقصیٰ سے ہو کر آسمانوں کی طرف جانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث معراج بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میں براق پر سوار ہوا حتیٰ کہ میں بیت المقدس پہنچا پھر میں نے براق کو اس حلقہ میں باندھ دیا جہاں انبیاء علیہم السلام کی سواریاں باندھی جاتی ہیں، پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور میں نے وہاں دو رکعت نماز پڑھی، پھر میں مسجد سے باہر آ گیا، پھر میرے پاس جبریل علیہ السلام ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آ گئے، میں نے دودھ لے لیا تو جبریل نے کہا آپ نے فطرت کو اختیار کر لیا، پھر ہمیں آسمان کی طرف معراج کرائی گئی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲)

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست آسمانوں کی طرف کیوں نہیں لے جایا گیا درمیان میں مسجد اقصیٰ کیوں لے جایا گیا اس کی حسب ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف آسمانوں پر جانے کا ذکر فرماتے تو مشرکین کے لیے اطمینان اور تصدیق کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا کیونکہ آسمانوں کے طبقات اور درجات، سدرہ، اور سدرہ سے اوپر کے حقائق میں سے کوئی چیز ان کی دیکھی ہوئی تھی نہ انہیں اس کے متعلق کوئی علم تھا لیکن مسجد اقصیٰ ان کی دیکھی ہوئی تھی تو جب آپ نے یہ فرمایا کہ میں رات کے ایک لمحے میں مسجد اقصیٰ گیا اور واپس آ گیا، اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ آپ اس سے پہلے مسجد اقصیٰ نہیں گئے ہیں تو انہوں نے آپ سے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں پوچھنی شروع کیں اور جب آپ نے سب نشانیاں بتا دیں تو واضح ہو گیا کہ آپ کے دعویٰ کا اتنا حصہ تو بہر حال سچا ہے کہ آپ مسجد اقصیٰ جا کر واپس آئے ہیں جب کہ بظاہر یہ بھی بہت مشکل اور مستبعد اور محال تھا تو پھر آپ کے دعویٰ کے باقی حصہ کا بھی صدق ثابت ہو گیا کیونکہ جب آپ رات کے ایک لمحہ میں مسجد اقصیٰ تک جا کر واپس آ سکتے ہیں تو پھر آسمانوں تک جا کر بھی واپس آ سکتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد اقصیٰ کی نشانیوں کے متعلق سوالات اور آپ کے

جوابات دینے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا اللہ نے میرے لیے بیت المقدس منکشف کر دیا تو میں بیت المقدس کی طرف دیکھ دیکھ کر ان کو اس کی نشانیاں بتا رہا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۰۹۹، مسند عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۷۱۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵)

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ عالم میثاق میں تمام انبیاء اور مرسلین نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو تمام انبیاء علیہم السلام ان پر ایمان لے آئیں اور ان کی نصرت کریں قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (آل عمران: ۸۲-۸۱)

اور (اے رسول!) یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آجائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس ہے تو تم ان چیزوں پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا پس گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ○ پھر اس کے بعد جو عہد سے پھرا سو وہی لوگ نافرمان ہیں ○

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوایوب بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے حضرت آدم کے بعد جس نبی کو بھیجا اس سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق عہد لیا کہ اگر آپ کو اس نبی کی حیات میں مبعوث کیا گیا تو وہ ضرور آپ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد کرے اور اپنی امت سے بھی آپ کی اطاعت کا عہد لے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۵۷۹۰، الدر المنثور ج ۲ ص ۲۵۳-۲۵۲، تفسیر فتح القدیر ج ۱ ص ۵۸۷)

سدی بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جس نبی کو بھی بھیجا اس سے یہ عہد لیا کہ وہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ضرور ایمان لائے گا اور آپ کی ضرور مدد کرے گا اگر آپ اس کی حیات میں مبعوث ہوئے ورنہ وہ اپنی امت سے یہ عہد لے گا کہ اگر آپ مبعوث ہوئے اور وہ امت زندہ ہوئی تو وہ ضرور آپ پر ایمان لائے گی اور ضرور آپ کی مدد کرے گی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۵۷۹۴، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۳۷۶۱، الدر المنثور ج ۲ ص ۲۵۳)

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل نے یہ ارادہ کیا کہ تمام نبیوں اور ان کی امتوں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لے اور صرف انبیاء کے ذکر پر اکتفا کر لیا، جیسا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جس نبی کو بھی بھیجا اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں عہد لیا اور ان سے ان

کی امتوں کے متعلق بھی عہد لیا کہ اگر ان کی زندگی میں آپ کو مبعوث کیا گیا تو وہ ضرور آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی نصرت کریں گے، جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا گیا ان میں انبیاء علیہم السلام بھی چراغوں کی طرح تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لیا۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس سے یہ عہد لیا کہ اگر اس کی حیات میں اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیا تو وہ ان کی ضرور اطاعت کرے گا اور ضرور ان کی نصرت کرے گا اور اس کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی امت سے بھی یہ عہد لے کہ اگر ان کی زندگی میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو وہ سب ان پر ایمان لائیں گے اور ان کی نصرت کریں گے اور طاؤس، حسن بصری اور قتادہ نے کہا کہ اللہ نے نبیوں سے یہ عہد لیا کہ بعض نبی دوسرے بعض نبیوں کی تصدیق کریں گے، اور یہ عہد سابق کے منافی نہیں ہے اسی لیے امام عبدالرزاق نے حضرت علی اور حضرت ابن عباس کے قول کو روایت کیا ہے۔

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے بنو قریظہ کے ایک یہودی سے کہا ہے تو اس نے میرے لیے تورات کی آیات لکھ کر دی ہیں کیا میں وہ آیات آپ کو دکھاؤں! یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا؟ عبداللہ بن ثابت کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر سے کہا کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کس قدر متغیر ہو گیا ہے؟ پھر حضرت عمر نے کہا میں اللہ کو رب مان کر راضی ہوں، اور اسلام کو دین مان کر اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے غصہ کی کیفیت دور ہو گئی، اور آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس ہوں اور پھر تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸) اور امام ابو یعلیٰ اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب سے کسی چیز کا سوال نہ کرو وہ ہرگز تمہیں ہدایت نہیں دیں گے، وہ خود گمراہ ہو چکے ہیں تم ان سے کوئی بات سن کر یا کسی باطل کی تصدیق کرو گے یا کسی حق بات کی تکذیب کرو گے، بے شک اللہ عزوجل کی قسم اگر تمہارے دور میں حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چیز جائز نہ ہوتی (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۱۳۵) اور بعض احادیث میں ہے کہ اگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی کام جائز نہ ہوتا۔ پس قیامت تک کے دائمی رسول سیدنا محمد خاتم الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ ہیں اور آپ جس زمانہ میں بھی ہوتے تو آپ ہی امام اعظم ہوتے اور آپ ہی واجب الاطاعت ہوتے اور تمام انبیاء پر مقدم ہوتے، اسی وجہ سے جب تمام انبیاء علیہم السلام معراج کی شب بیت المقدس میں جمع ہوئے تو آپ ہی تمام نبیوں کے امام ہوئے اور میدان حشر میں بھی آپ ہی اللہ تعالیٰ کے حضور سب کی شفاعت فرمائیں گے اور یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۳۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج، مسجد اقصیٰ سے ہوتے ہوئے آسمانوں پر جانا اس لیے تھا کہ اپنے اپنے زمانوں میں انبیاء سابقین علیہم السلام نے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا جو عہد کیا تھا

وہ عہد پورا ہو جائے۔

(۳) مسجد اقصیٰ سے ہو کر آسمانوں کی طرف جانے کی تیسری حکمت یہ ہے کہ آپ کا مسجد اقصیٰ جانا اور نبیوں کی امامت فرمانا معراج کی تصدیق کا اور خصوصاً بیداری میں اور جسم کے ساتھ معراج کی تصدیق کا ذریعہ بن گیا۔

حافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں:

محمد بن کعب القرظی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کو قیصر روم کے پاس بھیجا پھر ان کے وہاں جانے اور قیصر روم کے سوالات کے جوابات دینے کا ذکر کیا' پھر بیان کیا کہ شام کے تاجروں کو بلایا گیا تو ابو سفیان بن صخر بن حرب اور اس کے ساتھیوں کے آنے کا ذکر کیا پھر ہرقل نے ابو سفیان سے سوالات کیے اور ابو سفیان نے جوابات دیئے جن کا تفصیلی ذکر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے' ابو سفیان نے پوری کوشش کی کہ قیصر روم کی نگاہوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کم کردے' ان ہی باتوں کے دوران اس کو واقعہ معراج یاد آیا' اس نے قیصر روم سے کہا اے بادشاہ! کیا میں تم کو ایسی بات نہ سناؤں جس سے اس شخص کا جھوٹ تم پر واضح ہو جائے' اس نے پوچھا وہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک رات ہماری زمین ارض حرم سے نکل کر تمہاری اس مسجد' بیت المقدس میں پہنچے اور اسی رات کو صبح سے پہلے ہمارے پاس حرم میں واپس پہنچ گئے' بیت المقدس کا بڑا عابد جو بادشاہ کے سرہانے کھڑا ہوا تھا وہ کہنے لگا مجھے اس رات کا علم ہے' قیصر نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور پوچھا تمہیں اس رات کا کیسے علم ہے؟ اس نے کہا میں ہر رات کو سونے سے پہلے مسجد کے تمام دروازے بند کر دیا کرتا تھا' اس رات کو میں نے ایک دروازہ کے علاوہ سارے دروازے بند کر دیئے' وہ دروازہ بند نہیں ہوا' اس وقت وہاں جتنے کارندے دستیاب تھے سب نے پوری کوشش کی مگر وہ دروازہ بند نہیں ہوا' ہم اس دروازہ کو اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں سکے' یوں لگتا تھا جیسے ہم کسی پہاڑ کے ساتھ زور آزمائی کر رہے ہوں' ہم نے کہا صبح کو بڑھیوں کو بلا کر دکھائیں گے کہ اس میں کیا نقص ہو گیا ہے' اور اس رات کو دروازہ یونہی کھلا چھوڑ دیا' صبح کو ہم نے دیکھا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں جو پتھر تھا اس میں سوراخ تھا اور پتھر میں سواریوں کے باندھنے کے نشانات تھے' میں نے اپنے اصحاب سے کہا گزشتہ رات کو وہ دروازہ اس لیے بند نہیں ہو سکا تھا کہ اس دروازہ سے ایک نبی کو آنا تھا' اور اس رات ہماری اس مسجد میں نبیوں نے نماز پڑھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ سے گزر کر جو آسمانوں کی طرف گئے اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ آپ کا وہاں جانا واقعہ معراج کی تصدیق کا ذریعہ بن جائے۔

(۴) چوتھی حکمت یہ تھی کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں مدفون ہیں' اور وہ سب اس رات کو مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے' تمام نبیوں نے خطبات پڑھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو نعمتیں دی ہیں ان کا بیان کیا اور سب کے آخر میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور آپ نے سب نبیوں کو نماز پڑھائی اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں' اور ایک وقت میں متعدد جگہ بھی تشریف لے جاتے ہیں اس وقت سب نبی اپنی اپنی قبروں میں بھی تھے اور مسجد اقصیٰ میں بھی تھے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں اور اسی طرح بقیہ آسمانوں میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہی سوال ہوتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر

میں تو اصل جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثل ہوا ہے یعنی عنصری جسد سے جس کو صوفیہ جسد مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہو گیا اور اس جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بہ قدرت و مشیت حق۔ (نشر الطیب ص ۶۵۔ ۶۴ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ میں آپ کے تشریف لے جانے کی وجہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں اور ایک وقت میں کئی جگہ بھی ہوتے ہیں اسی مفہوم کو بعض علماء حاظر و ناظر سے بھی تعبیر کرتے ہیں لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہروقت ہر جگہ موجود ہوتے ہیں، ہروقت ہر جگہ موجود ہونا اور ہروقت ہر چیز کا علم ہونا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض نشانیاں دکھانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس کے اردگرد ہم نے برکتیں دی ہیں، تاکہ ہم اس (عبد مکرم) کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں مسجد اقصیٰ کے اردگرد جو برکتیں ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں کہ مسجد اقصیٰ تمام انبیاء سابقین کی عبادت گاہ ہے اور ان کا قبلہ ہے، اس میں بکثرت دریا اور درخت ہیں، اور یہ ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف قصد از رخت سفر باندھا جاتا ہے، اور یہ ان چار مقامات میں سے ہے جہاں دجال کا داخلہ ممنوع ہے، امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ دجال تمام روئے زمین میں گھومے گا سوا چار مساجد کے، مسجد مکہ، مسجد مدینہ، مسجد اقصیٰ اور مسجد طور، اور اس میں ایک نماز پڑھنے کا اجر پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے، (سنن ابن ماجہ) اور امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا یا نبی اللہ! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں بتائیں، آپ نے فرمایا اس جگہ حشر نشر ہو گا اس جگہ آکر نماز پڑھو کیونکہ اس جگہ ایک نماز پڑھنے کا اجر ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، نیز امام احمد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی بیت المقدس حاضر ہونے کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وہاں حاضر نہ ہو سکے تو وہاں زیتون کا تیل بھیج دے جس سے وہاں چراغ جلایا جائے، اس مسجد میں چراغ جلانے کا اجر بھی وہاں نماز پڑھنے کے برابر ہے، اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ مسجد اقصیٰ وہ دوسری مسجد ہے جس کو روئے زمین پر بنایا گیا ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ! زمین میں سب سے پہلی کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا مسجد الحرام، میں نے کہا پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا المسجد الاقصیٰ، میں نے پوچھا ان کے درمیان کتنی مدت ہے؟ آپ نے فرمایا چالیس سال! پھر تمہیں جہاں بھی موقع ملے تم نماز پڑھ لو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کعبہ کو تعمیر کرنے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کو تعمیر کیا اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تجدید کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ ہم ان کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں، یعنی تاکہ ہم آپ کو آسمانوں کی طرف لے جائیں تاکہ ہم اس میں بہت عجیب و غریب امور دکھائیں، حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کے پتھر سے آسمانوں کی طرف چڑھ کر گئے اور ہر آسمان میں آپ کی ایک نبی سے ملاقات ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور دوزخ کے احوال سے مطلع ہوئے اور آپ نے فرشتوں کو دیکھا جن کی تعداد کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کو دو رکعت نماز پڑھائی پہلی رکعت میں قل یاایھا الکافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھی، انبیاء علیہم السلام کی سات صفیں تھیں اور تین صفیں مرسلین کی

تھیں اور فرشتوں نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی اور یہ آپ کی خصوصیت ہے اور اس میں یہ حکمت تھی کہ ظاہر کیا جائے کہ آپ سب کے امام ہیں' اس میں اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی روحوں کے ساتھ نماز پڑھی یا جسموں کے ساتھ' اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ نماز آسمانوں کی طرف جاتے ہوئے پڑھی یا واپسی میں' حافظ ابن کثیر نے کہا واپسی میں پڑھی اور قاضی عیاض نے کہا پہلے پڑھی' ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آسمان میں دو رکعت نماز پڑھی اور وہاں کے فرشتوں کی امامت فرمائی' آپ کا رات کو جانا اور آسمانوں کی طرف عروج رات کے ایک حصہ میں ہوا' وہ ایک حصہ کتنی دیر پر مشتمل تھا اس کی مقدار معلوم نہیں ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب آپ واپس آئے تو بستر اسی طرح گرم تھا' آپ کے عمامہ کے ٹکرانے سے جو درخت کی شاخیں ہلیں تھیں وہ اسی طرح ہل رہی تھیں' آپ کو پہلے بیت المقدس لے جایا گیا اور پھر آسمانوں کی طرف عروج کرایا گیا' تاکہ بہ تدریج بلند مقامات کی طرف عروج ہو اور عجیب و غریب امور دیکھنے کے لیے آپ مرحلہ وار مانوس ہوں اور آپ کے آنے اور جانے سے محشر کی زمین مشرف ہو جائے' کعب احبار نے بیان کیا ہے کہ آسمان دنیا سے بیت المقدس کی طرف ایک دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس دروازے سے ہر روز ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور جو شخص بیت المقدس میں آئے اور نماز پڑھے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے بیت المقدس لے جایا گیا پھر آسمانوں کی طرف عروج کرایا گیا' ایک قول یہ ہے کہ بیت المقدس کا ہر ستون یہ دعا کرتا تھا کہ اے ہمارے رب ہمیں ہر نبی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے' اب ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے مشتاق ہیں ہمیں آپ کی زیارت کا شرف عطا فرما تو پہلے آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا تاکہ ان کی دعا قبول ہو پھر آپ کو آسمانوں کی طرف عروج کرایا گیا اور اس ناکارہ کا گمان یہ ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی تاکہ آپ کی امت کے لیے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا نمونہ قائم ہو اور آپ کی سنت ہو جائے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا ثواب جو پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہوا ہے اس کی وجہ یہی ہو کہ آپ نے وہاں نماز پڑھی ہے' ورنہ یہ مسجد تو بہت پہلے سے بنی ہوئی تھی لیکن اس میں نماز پڑھنے کا اجر و ثواب پہلے اتنا نہ تھا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے من تبعیضیہ داخل کر کے اس پر متنبہ کیا ہے کہ آپ کو بعض نشانیاں دکھائی گئی ہیں تمام نشانیاں نہیں دکھائی گئیں کیونکہ تمام نشانیاں تو غیر متناہی ہیں اور جسم متناہی غیر متناہی نشانیوں کو نہیں دیکھ سکتا۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۸-۱۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ شہاب الدین خفاجی نے ان نشانیوں کے بیان کے بارے میں لکھا ہے' مثلاً رات کے ایک قلیل وقفہ میں آپ کا بیت المقدس پہنچ جانا' اور آپ کے سامنے بیت المقدس کو منکشف کر دینا جب مشرکین نے آپ سے بیت المقدس کی نشانیوں کے متعلق پوچھا' اور تمام انبیاء علیہم السلام کا متمثل ہو کر بیت المقدس میں آنا اور آپ کا ان کو نماز پڑھانا اور ہر نبی کا اپنے مقام کے اعتبار سے کسی آسمان میں موجود ہونا۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام نشانیاں دکھائیں ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (الانعام: ۷۵) — اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام نشانیاں دکھائیں۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض نشانیاں دکھائیں' اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو جو بعض نشانیاں دکھائی گئیں ان کا تعلق توحید کے دلائل کے ساتھ ہے اور آپ کو جو بعض نشانیاں دکھائی گئیں ہیں ان کا تعلق معراج کے ساتھ ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بعض نشانیاں دکھائی گئیں وہ ان تمام نشانیوں سے بڑھ کر ہیں' جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائی گئیں تھیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ○ (النجم: ۱۸) بے شک انہوں نے اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں ضرور دیکھی ہیں۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: بے شک وہی بہت سننے والا' بہت دیکھنے والا ہے۔

اس کے دو محمل ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو بہت سننے والا اور آپ کو بہت دیکھنے والا ہے۔

(۲) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے والے اور اس کے جمال کو دیکھنے والے ہیں۔

(عنایت القاضی ج ۶ ص ۳۔ ۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

رات کے ایک قلیل وقفہ میں معراج کا ہونا

علامہ علائی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کے پانچ مرحلے تھے' پہلا مرحلہ براق پر سوار ہو کر مسجد اقصیٰ تک' دوسرا مرحلہ معراج (سیڑھی) پر چڑھ کر آسمان دنیا تک' تیسرا مرحلہ فرشتوں کے پروں پر سوار ہو کر ساتویں آسمان تک' چوتھا مرحلہ حضرت جبریل علیہ السلام کے پروں پر سوار ہو کر سدرۃ المنتہیٰ تک' پانچواں مرحلہ رفرف پر سوار ہو کر قاب قوسین تک' آپ کو براق' معراج' فرشتوں کے پروں اور حضرت جبریل کے پروں پر سوار کرانے کی حکمت یہ تھی کہ آپ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت' وجاہت اور کرامت کو ظاہر کیا جائے' ورنہ اللہ سبحانہ اس پر قادر ہے کہ آپ کو پلک جھپکنے سے پہلے جہاں چاہے بغیر کسی سواری کے ذریعہ پہنچا دے' ایک قول یہ ہے کہ براق صرف مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تھا اور مسجد اقصیٰ سے لے کر جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا معراج (سیڑھی) تھی اور اس نورانی سیڑھی کے آسمانوں تک سات ڈنڈے تھے' آٹھواں ڈنڈا ساتویں آسمان سے لے کر سدرۃ المنتہیٰ تک تھا' اور نواں ڈنڈا مقام مستوی تک تھا جہاں پر قلم چلنے کی آواز سنائی دیتی ہے اور دسواں ڈنڈا صریف الاقلام سے لے کر عرش تک تھا۔

ظاہر یہ ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مسافت کو طے کیا اپنی اصل پر تھی یعنی اس مسافت کو لپیٹ کر کم نہیں کیا گیا' مکہ مکرمہ سے لے کر اس مقام تک جہاں سے آپ کو وحی کی جاتی ہے تین لاکھ سال کی مسافت ہے' ایک قول یہ ہے کہ پچاس ہزار سال کی مسافت ہے' اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں اور یہ اس طرح نہیں ہے جس طرح بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ مسافت لپیٹ دی جاتی ہے اور فقہاء بھی اس کو بطور کرامت ثابت کرتے ہیں۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۔ ۱۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ ایک لمحہ میں اتنی طویل اور عظیم سیر کیسے واقع ہو گئی اس کے جواب میں بعض علماء نے یہ نکتہ بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ منزلہ روح ہیں اور یہ کائنات بہ منزلہ جسم ہے اور جب جسم سے روح نکل جائے تو جسم مردہ ہو جاتا ہے' سو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات سے نکل گئے تو یہ کائنات مردہ ہو گئی اور جب آپ اس کائنات میں واپس آئے تو یہ کائنات پھر زندہ ہو گئی آسمانوں' زمینوں' سورج اور سیاروں کی گردش جہاں تک پہنچی تھی وہیں پر رک گئی اور جب آپ اس کائنات میں داخل ہوئے تو پھر وہ گردش وہیں سے پھر شروع ہو گئی اور جب آپ گھر آئے تو آپ کا بستر

اس طرح گرم تھا اور زنجیر ہل رہی تھی۔

اس جواب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ براق، مسجد اقصیٰ، ساتوں آسمان، سدرہ، رفرف، اور عرش وغیرہ یہ سب چیزیں بھی تو اس کائنات میں ہیں جب سفر معراج کے دوران یہ کائنات مردہ ہو گئی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد اقصیٰ میں جا کر امامت فرمانا، آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات فرمانا اور باقی معراج کے واقعات کیسے ظہور پذیر ہوئے؟ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن جن چیزوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا تعلق تھا ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ اور اپنے حال پر متحرک رکھا اور ان کے علاوہ باقی کائنات کو بے جان اور ساکن کر دیا اور جب آپ سفر معراج سے واپس تشریف لائے تو پھر ہر چیز وہیں سے حرکت کرنے لگی جہاں سے آپ اسے چھوڑ کر گئے تھے، اور جب آصف بن برخیا ایک ماہ کی مسافت سے تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے لا سکتے ہیں تو پلک جھپکنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش پر جا کر لوٹ آنا کیونکر قابل اعتراض ہو سکتا ہے۔

واقعۂ معراج کی تاریخ

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

بکثرت علماء محدثین نے یہ کہا ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے، علامہ نووی نے ذکر کیا ہے کہ متقدمین عظام، جمہور محدثین اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ واقعہ معراج بعثت کے سولہ ماہ بعد ہوا، علامہ سبکی نے کہا اس پر اجماع ہے کہ واقعہ معراج مکہ میں ہوا اور مختار وہ ہے جو ہمارے شیخ ابو محمد دمیاطی نے کہا کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہے، اور سید جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ واقعہ معراج ماہ رجب کی ستائیس تاریخ کو ہوا جیسا کہ حرمین شریفین میں اسی پر عمل ہوتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ معراج الربیع الآخر میں ہوئی، ایک قول یہ ہے کہ رمضان میں ہوئی، ایک قول یہ ہے کہ شوال میں ہوئی اس کے علاوہ اور بھی متعدد اقوال ہیں۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۴۴)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے روضہ میں لکھا ہے کہ اعلان نبوت کے دس سال بعد واقعہ معراج ہوا، اور فتاویٰ میں ہے کہ نبوت کے پانچویں یا چھٹے سال معراج ہوئی، فاضل ملا امین عمری نے شرح ذات الشفاء میں وثوق سے لکھا ہے کہ بعثت کے بارہ سال بعد معراج ہوئی، اور ابن حزم نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، علامہ نووی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ معراج الربیع الاول میں ہوئی، اور شرح مسلم میں لکھا ہے کہ الربیع الآخر میں ہوئی اور روضہ میں وثوق سے لکھا ہے کہ رجب میں ہوئی، ایک قول رمضان کا اور ایک قول شوال کا ہے اور یہ ستائیسویں شب کو واقع ہوئی بعض نے کہا جمعہ کی شب ہوئی بعض نے کہا ہفتہ کی شب ہوئی، علامہ دمیری نے ابن الاثیر سے نقل کیا ہے کہ معراج پیر کی شب ہوئی۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۷-۶-۱۰۶-۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

واقعۂ معراج کی ابتداء کی جگہ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اس میں بھی اختلاف ہے کہ معراج کس جگہ ہوئی، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں نیند اور بیداری کے عالم میں تھے کہ آپ کے پاس

ایک آنے والا آیا اور اس نے آپ کا یہاں سے یہاں تک (گلے سے ناف تک) سینہ چاک کیا الحدیث۔

امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے اور امام ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ام ہانی سے یہ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد ان کے (حضرت ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب) کے گھر سوئے ہوئے تھے تو آپ کو معراج کرائی گئی اور اسی شب آپ لوٹ آئے الحدیث۔

(روح المعانی جز ۱۵ ص ۹-۸ مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۷ھ)

ان روایات میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے حضرت ام ہانی کے گھر سوئے پھر وہاں سے اٹھ کر حطیم کعبہ میں چلے گئے اور وہاں سے سفر معراج شروع ہوا اور چونکہ ابتداء میں آپ حضرت ام ہانی کے گھر تھے اور بعد میں حطیم کعبہ تشریف لے گئے، اس لیے دونوں جگہوں کی طرف معراج کی نسبت کردی گئی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ کے گھر سے معراج ہوئی، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ام ہانی سے تعلق کی بناء پر آپ نے حضرت ام ہانی کے گھر کو اپنا گھر فرمایا، اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آئے گی۔

معراج کی احادیث میں تعارض کی توجیہ

واقعہ معراج تیس سے زیادہ صحابہ کرام سے مروی ہے اور کسی ایک روایت میں بھی پورا واقعہ مفصل مذکور نہیں ہے صحیح بخاری کی کسی حدیث میں مسجد اقصیٰ جانے کا ذکر نہیں ہے، اس کا ذکر امام مسلم اور امام نسائی نے کیا ہے، کسی روایت میں شق صدر کا ذکر نہیں ہے اور کسی میں براق پر سوار ہونے کا ذکر نہیں ہے، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کا امام بخاری نے ذکر نہیں کیا اس کا ذکر امام مسلم اور امام نسائی اور دیگر محدثین نے کیا ہے، صحاح کی روایات میں برزخ کے واقعات دیکھنے کا ذکر نہیں ہے، اس کا ذکر امام بیہقی، امام ابن جریر، حافظ ابن کثیر علامہ حلبی اور دیگر محدثین نے کیا ہے، اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج متعدد بار متعدد صحابہ کرام کے سامنے بیان فرمایا اور ہر شخص کے سامنے آپ نے اس کی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے واقعہ معراج بیان فرمایا اس وجہ سے یہ تمام روایات غیر مربوط اور باہم متعارض ہیں۔

اب ہماری یہ کوشش ہے کہ ہم واقعہ معراج کو مختلف کتب حدیث سے اخذ کر کے مربوط طریقہ سے پیش کریں اور جو چیز پہلے ہے اس کو پہلے اور جو بعد میں ہے اس کو بعد میں ذکر کریں، صحاح کی روایات سے واقعہ معراج کو نقل کرنے کے بعد ہم امام بیہقی کے حوالے سے برزخ کے دیکھے ہوئے واقعات پیش کریں گے، اس کے بعد ہم ان احادیث کے اسرار اور نکات بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

کتب احادیث کے مختلف اقتباسات سے واقعۂ معراج کا مربوط بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت مالک بن صعصعہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے اس رات کا بیان فرمایا جس میں آپ کو معراج کرائی گئی تھی، آپ نے فرمایا جس وقت میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک میرے پاس ایک آنے والا (فرشتہ) آیا اور اس نے میرا سینہ یہاں سے یہاں تک چاک کر دیا، راوی کہتے ہیں میرے پہلو میں جارود تھے میں نے پوچھا یہاں سے یہاں تک کا کیا مطلب ہے؟ انہوں کہا حلقوم سے ناف تک، آپ نے فرمایا پھر میرا دل نکالا، پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان (اور حکمت) سے لبریز تھا، پھر میرا دل دھویا گیا، پھر اس کو ایمان اور حکمت سے

لبریز کیا گیا پھر اس دل کو اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷)

اور امام بخاری کتاب التوحید میں حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے کہ تین فرشتے آپ کو مسجد حرام سے اٹھا کر زمزم پر لے گئے، ان فرشتوں کے متولی حضرت جبرئیل تھے، پھر حضرت جبرئیل نے آپ کے حلقوم اور ناف کے درمیان سینہ کو چاک کیا، پھر اپنے ہاتھ سے دل کو زمزم کے پانی سے دھویا حتیٰ کہ پیٹ کو صاف کر دیا، پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا، پھر ایمان اور حکمت کو سینہ میں بھر دیا اور تمام گوشت اور رگوں میں ایمان اور حکمت کو سمو دیا گیا پھر سینہ کو بند کر دیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس براق لایا گیا جس کو لگام ڈالی ہوئی تھی اور اس پر زین چڑھائی ہوئی تھی، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شوخی سے اچھل کود کی تو اس سے حضرت جبرئیل نے کہا کیا تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح کر رہے ہو؟ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مکرم کوئی شخصیت آج تک تم پر سوار نہیں ہوئی، تب براق تھم گیا اور اس کا پسینہ بہنے لگا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میرے پاس ایک سواری لائی گئی جو خچر سے چھوٹی اور گدھے سے بڑی تھی، اس کا رنگ سفید تھا، جارود نے کہا: اے ابو حمزہ! (حضرت انس) کیا وہ براق تھا؟ حضرت انس نے کہا ہاں وہ منتہائے نظر پر قدم رکھتا تھا مجھے اس پر سوار کرایا گیا اور جبرئیل مجھے لے کر چلے گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مررت علی موسی لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے معراج کرائی گئی میرا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کثیب احمر کے پاس سے گزر ہوا اس وقت وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۳۱)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اصحاب نے عرض کیا: آپ ہمیں شب معراج کا واقعہ بیان کیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے مسجد حرام میں عشاء کی نماز پڑھی، پھر میں سو گیا پھر ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے بیدار کیا، میں بیدار ہوا مجھے کچھ نظر نہ آیا، پھر میں مسجد سے باہر نکلا اور غور سے دیکھا تو مجھے خچر سے مشابہ ایک جانور نظر آیا ان کے کان اوپر کو اٹھے ہوئے تھے اور اس کو براق کہا جاتا ہے، اور مجھ سے پہلے

انبیاء علیہم السلام اس (قسم کے) جانور پر سواری کرتے تھے وہ منتہائے نظر پر قدم رکھتا تھا میں اس پر سوار ہوا، جس وقت میں اس پر سواری کر رہا تھا تو مجھے دائیں جانب سے کسی شخص نے آواز دی یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو، یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو، میں نے اس کو جواب نہیں دیا اور میں اس کے پاس نہیں ٹھہرا، پھر مجھے اپنی بائیں جانب سے کسی نے آواز دی یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو! یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو، میں نے اس کو بھی جواب نہیں دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا، پھر اسی سیر کے دوران ایک عورت انتہائی زینت سے آراستہ اپنی باہیں کھولے کھڑی تھی، اس نے بھی کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتی ہوں، مجھے دیکھو، میں نے اس کی طرف بھی التفات نہیں کیا نہ اس کے پاس ٹھہرا حتیٰ کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا میں نے اس حلقہ میں اپنی سواری کو باندھا جس حلقے میں انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھتے تھے پھر جبریل (علیہ السلام) میرے پاس دو برتن لے کر آئے، ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ، میں نے دودھ پی لیا اور شراب کو چھوڑ دیا، حضرت جبریل نے کہا آپ نے فطرت کو پالیا میں نے کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، حضرت جبریل نے پوچھا آپ نے راستہ میں کیا دیکھا تھا؟ میں نے کہا جب میں جا رہا تھا تو دائیں جانب سے ایک شخص نے مجھے پکار کر کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو، میں نے اس کو جواب نہیں دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا حضرت جبریل نے کہا یہ بلانے والا یہودی تھا اگر آپ اس کی دعوت پر لبیک کہتے اور اس کے پاس ٹھہرتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی، آپ نے فرمایا جب میں جا رہا تھا تو ایک شخص نے مجھے بائیں جانب سے آواز دی یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو، جبریل نے کہا یہ نصرانی تھا اگر آپ اس کی دعوت پر لبیک کہتے تو آپ کی امت عیسائی ہو جاتی، آپ نے فرمایا اس سیر کے دوران ایک عورت انتہائی زینت سے آراستہ اپنی باہیں کھولے کھڑی تھی اس نے بھی کہا: اے محمد! میں تم سے سوال کرتی ہوں مجھے دیکھو میں نے اس کو جواب نہیں دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا، جبریل نے کہا یہ دنیا تھی اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر اختیار کر لیتی۔

آپ نے فرمایا پھر میں اور جبریل علیہ السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے اور ہم میں سے ہر ایک نے دو رکعت نماز پڑھی پھر میرے پاس ایک معراج (نورانی سیڑھی) لائی گئی، جس پر بنو آدم کی روحیں اس وقت چڑھتی ہیں جب تم دیکھتے ہو کہ میت کی آنکھیں آسمان کی طرف کھلی ہوئی ہوتی ہیں، وہ بہت حسین معراج تھی، کسی مخلوق نے ایسی معراج نہ دیکھی ہو گی میں اور جبریل اس معراج پر چڑھے حتیٰ کہ ہماری ملاقات آسمان دنیا کے فرشتے سے ہوئی اس کا نام اسماعیل تھا اس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے تھے اور ان میں سے ہر فرشتے کے ماتحت ایک لاکھ فرشتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ - (المدثر: ۳۱) آپ کے رب کے لشکروں کو صرف وہی (اللہ تعالیٰ) جانتا ہے۔

پھر جبریل نے آسمان کا دروازہ کھلوایا، کہا گیا: یہ کون ہیں؟ کہا جبریل، پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں! آپ نے فرمایا پھر میں نے حضرت آدم کو ان کی اس صورت میں دیکھا جس میں انہیں بنایا گیا تھا ان پر جب ان کی اولاد میں سے مومنین کی روحیں پیش کی جاتیں تو فرماتے یہ پاکیزہ روح ہے اس کو علیین میں لے جاؤ اور جب ان پر ان کی اولاد میں سے کفار کی روحیں پیش کی جاتیں تو فرماتے یہ خبیث روح ہے اس کو سجین میں لے جاؤ، ابھی میں کچھ ہی چلا ہوں گا کہ میں نے دیکھا کہ دسترخوان بچھے ہوئے ہیں اور ان پر نہایت نفیس بھنا ہوا گوشت رکھا ہے،

اور دوسری جانب اور خوان رکھے ہیں جن پر نہایت بدبودار اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو عمدہ گوشت کے تو پاس نہیں جاتے اور سڑا ہوا بدبودار گوشت کھا رہے ہیں، میں نے کہا: اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کے پاس جاتے ہیں، پھر میں کچھ آگے چلا تو کچھ اور لوگوں کو دیکھا ان کے پیٹ کوٹھڑیوں کی طرح ہیں ان میں سے جب بھی کوئی اٹھتا تو گر جاتا اور کہتا اے اللہ قیامت کو قائم نہ کرنا ان کو فرعونی جانور روند رہے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے تھے، میں نے کہا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت میں سے سود کھانے والے ہیں یہ قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے جس طرح آسیب زدہ شخص اٹھتا ہے، پھر میں کچھ آگے چلا تو ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے ان کے منہ کھول کر ان میں پتھر ڈالے جاتے پھر وہ پتھر ان کے نچلے دھڑ سے نکل جاتے، میں نے ان کو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے سنا میں نے کہا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو ظلماً یتیموں کا مال کھاتے تھے در اصل یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے تھے اور عنقریب یہ لوگ جہنم میں داخل ہوں گے، پھر میں کچھ آگے چلا تو دیکھا کہ کچھ عورتیں اپنے سینوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں، میں نے سنا وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہی تھیں، میں نے کہا جبرئیل یہ کون عورتیں ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی امت میں سے زنا کرنے والیاں ہیں، پھر میں کچھ اور آگے چلا تو دیکھا کچھ لوگوں کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالا جا رہا ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے اس کو کھاؤ جیسا کہ تم (دنیا میں) اپنے بھائی کا گوشت کھاتے تھے۔ میں نے کہا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی امت میں سے غیبت کرنے والے اور چغلی کرنے والے لوگ ہیں، الحدیث۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۹۳۔ ۳۹۰)

اس حدیث کو امام ابن جریر نے سورہ اسراء کی تفسیر میں اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اس کو امام ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی ابو ہارون عبدی متروک ہے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان الذی اسری بعبدہ الایہ کی تفسیر میں فرمایا:

میرے پاس ایک گھوڑی لائی گئی اور اس پر مجھ کو سوار کرایا گیا آپ نے فرمایا اس کا قدم منتہائے بصر پر تھا، آپ روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی چلے، آپ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو ایک دن فصل بوتی تھی اور دوسرے دن وہ فصل کاٹ لیتی تھی اور جس قدر وہ فصل کاٹتے تھے اتنی ہی فصل بڑھ جاتی تھی، آپ نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے ہیں، ان کی نیکیوں کو سات سو گنا تک بڑھا دیا گیا ہے، اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اور چیز لے آتا ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس آئے جن کے سروں کو پتھروں سے کچلا جا رہا تھا اور جب سر کچل دیا جاتا تو وہ سر پھر درست ہو جاتا اور ان کو مہلت نہ ملتی (کہ سر پھر کچل دیا جاتا) میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر (فرض) نماز کے وقت بھاری ہو جاتے تھے، پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس گئے جن کے آگے اور پیچھے کپڑے کی دھجیاں تھیں اور وہ جہنم کے کانٹے دار درخت زقوم کو جانوروں کی طرح چر چگ رہے تھے، اور جہنم کے پتھر اور انگارے کھا رہے تھے، میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان پر بالکل ظلم نہیں کیا اور نہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے، پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس آئے جن کے سامنے دیگچیوں

میں پاکیزہ گوشت پکا ہوا رکھا تھا اور دوسری جانب سڑا ہوا خبیث گوشت رکھا ہوا تھا وہ سڑے ہوئے خبیث گوشت کو کھا رہے تھے اور پاکیزہ گوشت کو چھوڑ رہے تھے۔ آپ نے کہا جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس حلال اور طیب بیوی تھی اور وہ اس کو چھوڑ کر رات بھر بدکار عورت کے پاس رہتے تھے، پھر آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک لکڑی ہے جو ہر کپڑے کو پھاڑ دیتی ہے اور ہر چیز کو زخمی کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ۔ اور ہر راستہ میں اس لیے نہ بیٹھو کہ مسلمانوں کو ڈراؤ۔

(الاعراف: ۸۶)

آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی امت کے ان لوگوں کی مثال ہے جو لوگوں کا راستہ روک کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس نے لکڑیوں کا ایک گٹھا جمع کر لیا جس کو وہ اٹھا نہیں سکتا تھا، اور وہ اس گٹھے میں مزید لکڑیاں ڈالنا چاہتا تھا، آپ نے فرمایا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی امت میں سے وہ شخص ہے جس کے پاس امانتیں تھیں اور وہ ان کو ادا نہیں کر سکتا تھا، اور وہ مزید امانتیں رکھ لیتا تھا، پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جن کی زبانیں اور ہونٹ آگ کے انگاروں سے کاٹے جاتے تھے، اور جب بھی ان کو کاٹ دیا جاتا وہ پھر پہلے کی طرح ہو جاتے اور ان کو ذرا مہلت نہ ملتی، آپ نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت کے فتنہ پرور خطیب ہیں، پھر آپ کا گزر ایک چھوٹے پتھر سے ہوا جس کے سوراخ سے ایک بڑا بیل نکل رہا تھا، پھر وہ بیل اس سوراخ میں داخل ہونا چاہتا لیکن داخل نہ ہو سکتا، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ وہ شخص ہے جو کوئی (بڑی بری) بات کہہ کر اس پر نادم ہوتا ہے، اس کو واپس لینا چاہتا ہے اور واپس نہیں لے سکتا، پھر آپ کا گزر ایک ایسی وادی سے ہوا جہاں سے بہت خوشگوار، ٹھنڈی اور خوشبودار ہوا آرہی تھی، جس میں مشک کی خوشبو تھی، اور وہاں سے آواز آرہی تھی آپ نے پوچھا اے جبریل یہ مشک کی خوشبو والی پاکیزہ ہوا کیسی ہے اور یہ آواز کیسی ہے؟ انہوں نے کہا یہ جنت کی آواز ہے، جو یہ کہہ رہی ہے کہ اے اللہ! مجھ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر اور مجھے میرے اہل عطا فرما، کیونکہ میری خوشبو، میرا ریشم، میرا سندس اور استبرق، میرے موتی، میرے مرجان، میرے مونگے، میرا سونا اور چاندی، میرے کوزے اور کٹورے، میرا شہد، میرا دودھ، اور میری شراب بہت زیادہ ہو گئے ہیں پس تو اپنے وعدہ کے مطابق مجھے اہل جنت عطا فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے لیے ہر مسلم اور ہر مسلمہ ہے اور ہر مومن اور ہر مومنہ ہے جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائیں اور اعمال صالحہ کریں اور میرے ساتھ بالکل شرک نہ کریں اور میرے سوا کسی کو شریک نہ بنائیں اور جو مجھ سے ڈریں گے میں ان کو امان دوں گا اور جو مجھ سے سوال کریں گے میں ان کو عطا کروں گا اور جو مجھے قرض دیں گے میں ان کو جزا دوں گا اور جو مجھ پر توکل کریں گے میں ان کے لیے کافی ہوں اور میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں میں وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، جنت نے کہا میں راضی ہو گئی۔

پھر آپ ایک ایسی وادی میں آئے جہاں سے نہایت بری، بھیانک اور مکروہ آوازیں آرہی تھیں، آپ نے فرمایا اے جبریل یہ کیسی آوازیں ہیں، انہوں نے کہا یہ جہنم کی آواز ہے، جو کہہ رہی ہے مجھے اہل دوزخ عطا کر جن کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، کیونکہ میرے طوق میری زنجیریں، میرے شعلے اور میری گرمی، میرا تھور، میرا لہو اور پیپ اور میرے عذاب اور سزا کے اسباب بہت وافر ہو گئے ہیں، میری گہرائی بہت زیادہ ہے، اور میری آگ بہت تیز ہے، مجھے وہ لوگ دے جن کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر مشرک اور کافر، خبیث اور منکر بے ایمان مرد اور عورت تیرے لیے ہے یہ سن کر

جہنم نے کہا میں راضی ہو گئی۔

آپ نے فرمایا پھر آپ روانہ ہوئے حتیٰ کہ بیت المقدس پر آئے اور آپ نے ایک پتھر کے پاس اپنی سواری باندھی، پھر آپ بیت المقدس میں داخل ہوئے اور فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی، پھر جب آپ نے نماز پڑھ لی تو انہوں نے کہا اے جبرائیل یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ (سیدنا) محمد رسول اللہ ہیں اور خاتم النبیین ہیں، انہوں نے پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا ہاں! انہوں نے کہا اللہ ہمارے بھائی اور ہمارے خلیفہ کو سلامت رکھے وہ اچھے بھائی اور اچھے خلیفہ ہیں انہیں خوش آمدید ہو، پھر انبیاء علیہم السلام کی روحیں آئیں، انہوں نے اپنے رب کی ثناء کی، پھر حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا:

الحمدلله الذی اتخذ ابراهيم خليلا واعطانی ملكا عظيما وجعلنی امة قانتا لله يؤتم بی وانقذنی من النار وجعلها علی بردا وسلاما۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے ابراھیم کو خلیل بنایا اور جس نے مجھے عظیم ملک دیا اور مجھے اللہ سے ڈرنے والی امت بنایا، میری پیروی کی جاتی ہے اور مجھے آگ سے بچایا اور اس آگ کو میرے لیے ٹھنڈک اور سلامتی کر دیا۔

پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے کہا:

الحمدلله الذی خولنی ملكا وانزل علی الزبور والان لی الحديد و سخرلی الطير والجبال، واتانی الحكمة وفصل الخطاب۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے حکومت کی نعمت دی اور مجھ پر زبور نازل کی اور لوہے کو میرے لیے نرم کر دیا اور پرندوں اور پہاڑوں کو میرے لیے مسخر کر دیا اور مجھے حکمت دی اور فیصلہ سنانے کا منصب دیا۔

پھر حضرت سلیمان نے اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے فرمایا:

الحمدلله الذی سخرلی الرياح والجن والانس وسخرلی الشياطين يعملون ما شئت من محاريب و تماثيل الاية وعلمنی منطق الطير وكل شئی واسال لی عين القطر واعطانی ملكا عظيما لا ينبغی لاحد من بعدی۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے لیے ہواؤں کو، جنوں کو اور انسانوں کو مسخر کر دیا اور میرے لیے شیاطین کو مسخر کر دیا جو عمارتیں اور مجسمے بناتے تھے اور مجھے پرندوں کی بولی سکھائی اور ہر چیز سکھائی، اور میرے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا۔ اور مجھے ایسا عظیم ملک دیا جو میرے بعد کسی اور کے لیے سزاوار نہیں ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے کہا:

الحمدلله الذی علمنی التوراة والانجيل وجعلنی ابرئ الاكمه والابرص واحی الموتی باذنه ورفعنی وطهرنی من الذين كفروا واعاذنی وامی من الشيطان الرجيم فلم يكن للشيطان عليها سبيل۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور مجھے مادر زاد اندھوں اور برص والوں کو ٹھیک کرنے والا بنایا، اور میں اس کے اذن سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور مجھے آسمان پر اٹھایا اور مجھے کفار سے نجات دی اور مجھے اور میری والدہ کو شیطان رجیم سے محفوظ رکھا اور شیطان کا ان پر کوئی زور نہیں ہے۔

پھر حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے فرمایا:

الحمدلله الذی ارسلنی رحمة للعلمین وكافة للناس بشيرا و نذيرا وانزل علی الفرقان فيه تبيان كل شئی وجعل امتی خیرامة اخرجت للناس وجعل امتی امة وسطا وجعل امتی هم الاولون وهم الاخرون وشرح صدری ووضع عنی وزری ورفع لی ذكری وجعلنی فاتحا وخاتما۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا اور مجھ پر قرآن مجید نازل کیا جس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے، اور میری امت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا اور میری امت کو امت وسط بنایا اور میری امت کو امت اول بنایا اور میری امت کو امت آخر بنایا اور میرا سینہ کھول دیا اور مجھ سے بوجھ اتار دیا اور میرا ذکر بلند کیا اور مجھے ابتداء کرنے والا اور انتہاء کرنے والا بنایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر فرمایا انہی فضائل کی وجہ سے تم سب پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فضیلت دی گئی ہے۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کو نماز پڑھائی، امام بیہقی کی اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے، اس کو امام مسلم اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

امام نسائی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ثم دخلت الی بيت المقدس فجمع لی الانبياء عليهم السلام فقدمنی جبرائيل حتی اممتهم۔

پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا، اس میں میرے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا گیا پھر حضرت جبرائیل نے مجھے پکڑ کر ان کے آگے کھڑا کیا اور میں نے سب انبیاء کو نماز پڑھائی۔

امام بیہقی حدیث سابق کے تسلسل میں بیان کرتے ہیں:

آپ نے فرمایا پھر تین برتن لائے گئے جن کے منہ ڈھکے ہوئے تھے آپ کے پاس ایک برتن لایا گیا جس میں پانی تھا آپ سے کہا گیا کہ اس کو پئیں، آپ نے اس میں سے تھوڑا سا پانی پی لیا، پھر ایک اور برتن پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا، آپ نے اسے سیر ہو کر پیا، پھر ایک اور برتن پیش کیا گیا جس میں شراب تھی، آپ نے فرمایا میں سیر ہو چکا ہوں اور اس کو پینا نہیں چاہتا، آپ سے کہا گیا آپ نے ٹھیک کیا آپ کی امت پر عنقریب شراب حرام کر دی جائے گی اور اگر آپ (بالفرض) شراب پی لیتے تو آپ کی امت میں سے بہت کم لوگ آپ کی پیروی کرتے، اس کے بعد آپ آسمان کی طرف چڑھ گئے۔ (الحدیث بطولہ)

(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۱)

اس حدیث کو امام ابن ابی جریر طبری نے سورۂ اسراء کی تفسیر میں اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے، امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر نے بھی امام ابن جریر کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو حافظ الہیثمی نے امام بزار کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند کے تمام راویوں کی توثیق کی گئی ہے ماسوا ایک راوی کے اور وہ ربیع بن انس ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۳-۶۷)

(اس حدیث کا بقیہ حصہ ان شاء اللہ ہم واقعاتی ترتیب کے مطابق بعد میں ذکر کریں گے)۔

امام بخاری مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ ہم آسمان دنیا پر پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ انہوں نے کہا جبرائیل ہے، پھر آسمان سے فرشتوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پوچھا گیا وہ بلائے گئے ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں! کہا گیا کہ انہیں خوش آمدید ہو۔ ان کا آنا بہت اچھا اور مبارک ہے دروازہ کھول دیا گیا، جب میں وہاں پہنچا تو آدم علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں، آپ انہیں سلام کیجئے! میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا خوش آمدید ہو صالح بیٹے اور صالح نبی کو، پھر جبرائیل علیہ السلام (میرے ہمراہ) اوپر چڑھے، یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچے، اور انہوں نے کہا اس کا دروازہ کھلوایا، پوچھا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل! دریافت کیا گیا تمہارے ہمراہ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پھر پوچھا کہ وہ بلائے گئے ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہاں، اس (دوسرے آسمان کے دربان) نے کہا خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت اچھا اور مبارک ہے۔ یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا، پھر جب میں وہاں پہنچا تو وہاں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ملے اور وہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ یحییٰ اور عیسیٰ ہیں آپ انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، ان دونوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا خوش آمدید ہو اخ صالح اور نبی صالح کو۔ پھر جبرائیل علیہ السلام مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل! جبرائیل سے دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے بتایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر دریافت کیا گیا وہ بلائے گئے ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہاں! اس کے جواب میں کہا گیا انہیں خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت ہی اچھا اور نہایت مبارک ہے اور دروازہ کھول دیا گیا، پھر جب میں وہاں پہنچا تو یوسف علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ یوسف ہیں انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر انہوں نے کہا خوش آمدید ہو اخ صالح اور نبی صالح کو، اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام مجھے چوتھے آسمان پر لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل، پھر دریافت کیا گیا تمہارے ہمراہ کون ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پھر پوچھا گیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں چوتھے آسمان کے دربان نے کہا انہیں خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے اور دروازہ کھول دیا گیا، پھر جب میں وہاں پہنچا تو ادریس علیہ السلام ملے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ ادریس ہیں انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اس کے بعد کہا خوش آمدید ہو اخ صالح اور نبی صالح کو۔ پھر جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر اوپر چڑھے، یہاں تک کہ پانچویں آسمان تک پہنچے اور انہوں نے دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل! دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! پانچویں آسمان کے دربان نے کہا انہیں خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے، پھر جب میں وہاں پہنچا تو ہارون علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ ہارون ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر کہا خوش آمدید ہو اخ صالح کو اور نبی صالح کے لیے۔ پھر جبرائیل مجھے اوپر چڑھا لے گئے، یہاں تک کہ ہم چھٹے آسمان پر پہنچے، جبرائیل علیہ السلام نے اس کا دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل، دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پوچھا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں انہوں نے کہا ہاں، اس فرشتے

نے کہا انہیں خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے۔ میں وہاں پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ موسیٰ ہیں انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا خوش آمدید ہو اخ صالح کو اور نبی صالح کو۔ پھر جب میں آگے بڑھا تو وہ روئے۔ ان سے پوچھا گیا آپ روتے کیوں ہیں تو انہوں نے کہا میں اس لیے رو تا ہوں کہ میرے بعد ایک مقدس لڑکا مبعوث کیا گیا جس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان پر چڑھا لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا! پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل، پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں، تو اس فرشتے نے کہا خوش آمدید ہو ان کا آنا بہت اچھا اور نہایت مبارک ہے، پھر جب میں وہاں پہنچا تو ابراہیم علیہ السلام ملے جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا خوش آمدید ہو ابن صالح کو اور نبی صالح کو۔

پھر میں سدرۃ المنتہیٰ تک چڑھایا گیا تو اس درخت سدرہ کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے اور وہاں چار نہریں تھیں دو پوشیدہ اور دو ظاہر، میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ نہریں کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ تو جنت کی نہریں ہیں اور جو ظاہر ہیں وہ نیل و فرات ہیں پھر بیت المعمور میرے سامنے ظاہر کیا گیا اس کے بعد مجھے ایک برتن شراب کا اور ایک دودھ کا اور ایک برتن شہد کا دیا گیا۔ میں نے دودھ کو لے لیا، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہی فطرت (دین اسلام) ہے آپ اور آپ کی امت اس پر قائم رہیں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷)

علامہ نظام الدین نیشاپوری سدرۃ المنتہیٰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فالمنتهی حیث ینتهی موضع لایتعداه ملک ولا یعلم ماوراء ه احد والیه ینتهی ارواح الشهداء۔	سدرۃ المنتہیٰ وہ جگہ ہے جس سے آگے فرشتے نہیں جا سکتے اور نہ کسی کو یہ علم ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے ماوراء کیا ہے۔ شہداء کی روحیں بھی یہاں تک جاتی ہیں۔

نیز علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں:

ان جبرائیل تخلف عنه فی مقام لودنوت انملة لاحترقت۔	ایک مقام پر جبرائیل آپ سے پیچھے رہ گئے (اور کہا) اگر میں ایک پور بھی قریب ہوا تو جل جاؤں گا۔

(غرائب القرآن ج ۶ ص ۲۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

وهو مقام جبرائیل وکان قد بقی هناک عند عروجه علیه السلام الی مستوی العرش وقال لودنوت انملة لاحترقت۔	یہ مقام جبرائیل ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرش کی جانب عروج فرمایا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام وہیں رہ گئے اور کہا اگر میں ایک پور کے برابر بھی قریب ہوا تو جل جاؤں گا۔

(روح البیان ج ۹ ص ۲۲۳، مطبوعہ کوئٹہ)

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

عن الحسن قال فارقنی جبرائیل ای	حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فی مقام قرب الجلیل وقال لودنوت انملة لاحترقت۔ فرمایا: رب جلیل کے قرب کے مقام میں حضرت جبرائیل مجھ سے الگ ہو گئے اور کہا اگر میں ایک پور کے برابر بھی قریب ہوا تو جل جاؤں گا۔ (شرح الشفاء ج۱ص۴۳۶ بیروت)

علامہ عبد الوہاب شعرانی، شیخ محی الدین ابن عربی سے نقل کرتے ہیں:

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف عروج کرایا گیا اس کے پھل مٹکوں کے برابر تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے، آپ نے اس کو دیکھا در آں حالیکہ اس کو اللہ کی طرف سے نور نے ڈھانپ رکھا تھا اور کوئی شخص اس کی کیفیت بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ شدت نور کی وجہ سے آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی، آپ نے دیکھا سدرہ کی جڑ سے چار دریا نکل رہے ہیں دو دریا ظاہری تھے اور دو دریا باطنی تھے، آپ کو حضرت جبرائیل نے بتایا کہ ظاہری دریا نیل اور فرات ہیں اور باطنی دریا جنت کی طرف جا رہے ہیں اور نیل اور فرات بھی قیامت کے دن جنت میں چلے جائیں گے اور یہ جنت میں شہد اور دودھ کے دریا ہوں گے، شیخ ابن عربی نے کہا ان دریاؤں سے پینے والوں کو مختلف قسم کے علوم حاصل ہوتے ہیں اور بتایا کہ بنو آدم کے اعمال سدرۃ المنتہیٰ کے پاس رک جاتے ہیں اور یہ روحوں کی جائے قرار ہے، اوپر سے جو چیزیں نیچے نازل ہوتی ہیں یہ ان کی انتہاء ہے اوپر سے کوئی چیز نیچے نہیں جا سکتی، اور جو چیزیں نیچے سے اوپر جاتی ہیں یہ ان کی بھی انتہاء ہے، نیچے سے کوئی چیز اس کے اوپر نہیں جا سکتی، اور یہیں پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کی جائے قیام ہے۔

اس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم براق سے اترے اور آپ کے لیے رفرف (سبز رنگ کا تخت) لایا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم رفرف پر بیٹھے اور جبرائیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رفرف کے ساتھ نازل ہونے والے فرشتے کے سپرد کر دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل سے آگے چلنے کا سوال کیا تاکہ آپ کو ان کی وجہ سے انسیت رہے، حضرت جبرائیل نے کہا میں اس پر قادر نہیں ہوں، اگر میں ایک قدم بھی چلا تو جل جاؤں گا ہم میں سے ہر فرشتے کے لیے ایک معروف جائے قیام ہے، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے یہ سیر آپ کو اس لیے کرائی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی نشانیاں دکھائے، آپ اس سے غافل نہ ہوں پھر حضرت جبرائیل نے آپ کو الوداع کہا اور آپ اس فرشتے کے ساتھ روانہ ہوئے، رفرف آپ کو لے کر روانہ ہوا حتیٰ کہ آپ مقام استواء پر پہنچے جہاں آپ نے صریف اقلام (قلم چلنے) کی آواز سنی اور اقلام الواح میں اللہ تعالیٰ کے ان احکام کو لکھ رہے تھے جو اللہ اپنی مخلوق کے متعلق جاری فرماتا ہے اور زلانکہ جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں، اور ہر قلم ایک فرشتہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم جو کچھ عمل کرتے ہو ہم اس کو لکھ رہے ہیں پھر آپ نور میں تیزی سے دوڑے اور جو فرشتہ آپ کے ساتھ تھا وہ پیچھے رہ گیا جب آپ نے اپنے ساتھ کسی کو نہ دیکھا تو آپ گھبرائے اور عالم نور میں آپ حیران و پریشان تھے اور آپ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آپ کیا کریں، اب فرشتہ تھا نہ رفرف تھا آپ کے ہر طرف نور تھا اور آپ عالم وجد میں دائیں بائیں جھوم رہے تھے، اس وقت آپ نے دیدار کی اجازت طلب کی تاکہ اپنے رب کے حضور خاص میں داخل ہوں تب حضرت ابو بکر کی آواز سے مشابہ ایک آواز آئی:

قف یا محمد فان ربک یصلی۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ٹھہریئے آپ کا رب صلوٰۃ پڑھتا ہے۔

آپ اس آواز سے متعجب ہوئے اور دل میں سوچا کہ کیا میرا رب نماز پڑھ رہا ہے؟ جب آپ کے دل میں تعجب پیدا ہوا اور آپ ابو بکر کی آواز سے مانوس ہوئے تو آپ پر اس آیت کی تلاوت ہوئی:

ھوالذی یصلی علیکم وملائکتہ۔ وہ جو تم پر صلوٰۃ پڑھتا ہے اور اس کے فرشتے صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔
تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ اس سے مراد نماز نہیں بلکہ اس سے اللہ کی رحمت کا نزول مراد ہے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حضرت شریفہ میں داخل ہونے کا اذن ملا اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل کی جو وحی نازل کرنی تھی اور آپ کی آنکھ نے وہ جلوہ دیکھا جس کو آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

(الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۳۶۷-۳۶۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام بیہقی حضرت ابوہریرہ کی سابق طویل حدیث کے آخر میں روایت کرتے ہیں:

اس وقت اللہ تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوا اور فرمایا مانگئے! آپ نے عرض کیا: تو نے حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ بنایا اور ان کو ملک عظیم عطا فرمایا اور تو نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا اور تو نے حضرت داؤد کو ملک عظیم عطا فرمایا اور ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا، اور تو نے حضرت سلیمان کو ملک عظیم عطا فرمایا اور ان کے لیے پہاڑوں، جنوں، انسانوں، شیطانوں اور ہواؤں کو مسخر کر دیا، اور ان کو اتنی عظیم سلطنت دی جو ان کے بعد اور کسی کے لائق نہیں ہے اور تو نے حضرت عیسیٰ کو تورات اور انجیل کا علم عطا فرمایا اور انہیں مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کے لیے شفاء دینے والا بنا دیا اور وہ تیری اجازت سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور تو نے ان کو اور ان کی والدہ کو شیطان سے اپنی پناہ میں رکھا۔ تب آپ کے رب نے فرمایا: میں نے آپ کو اپنا خلیل بنایا اور تورات میں لکھا ہوا ہے کہ وہ خلیل الرحمان ہیں اور تمام لوگوں کی طرف آپ کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا اور آپ کا شرح صدر کیا اور آپ سے بوجھ دور کر دیا اور آپ کے ذکر کو بلند کیا جب بھی میرا ذکر کیا جاتا ہے اس کے ساتھ آپ کا ذکر ہوتا ہے (یعنی اذان وغیرہ میں) اور آپ کی امت تمام امتوں سے بہتر بنائی گئی اور آپ کی امت امت عادلہ بنائی گئی اور آپ کی امت کو اول اور آخر بنایا گیا اور آپ کی امت کے بعض لوگوں کے دلوں میں آپ کی کتاب رکھی گئی اور ان کا کوئی خطبہ اس وقت تک درست نہیں ہو گا جب تک وہ آپ کے عبد اور رسول ہونے کی گواہی نہ دیں، اور میں نے آپ کو از روئے خلق کے تمام انبیاء میں اول اور از روئے بعثت کے تمام انبیاء میں آخر بنایا اور آپ کو سبع مثانی (سورہ فاتحہ) اور سورہ بقرہ کی آیات عرش کے خزانے کے نیچے سے دی ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھے فضیلت دی مجھ کو رحمت للعالمین بنایا، تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا، میرے دشمنوں کے دل میں ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب ڈال دیا، میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا، اور تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور تیمم کا ذریعہ بنایا اور مجھے کلام کے فواتح، خواتم اور جوامع عطا کیے اور مجھ پر تمام امت کو پیش کیا گیا اور اب امت کا کوئی فرد مجھ پر مخفی نہیں ہے خواہ وہ تابع ہو یا متبوع، پھر مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں اور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹا۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۳-۴۰۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے اور جبار رب العزت آپ کے نزدیک ہوا پھر اور قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار برابر ہو گیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ جو آپ پر وحی نازل کرتا ہے اس نے آپ پر وہ وحی نازل کی اور آپ کی امت پر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کر دیں، پھر آپ نیچے اترے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچے، حضرت موسیٰ نے آپ کو روک لیا اور کہا یا محمد! آپ کے رب نے آپ کو کیا

حکم دیا؟ آپ نے فرمایا اس نے مجھ کو ہر روز (دن اور رات میں) پچاس نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے، حضرت موسیٰ نے فرمایا آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، آپ واپس جائیے تاکہ آپ کا رب آپ کی امت سے تخفیف کردے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل کی طرف متوجہ ہوئے، گویا اس معاملہ میں ان سے مشورہ لیتے تھے، حضرت جبرائیل نے کہا ٹھیک ہے اگر آپ پسند کریں تو! آپ پھر حضرت جبار میں پہنچے اور آپ نے اسی پہلے مقام پر پہنچ کر عرض کیا: اے ہمارے رب ہمارے لیے تخفیف کردے کیونکہ میری امت اتنی نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی، تب اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کردیں، پھر آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے حضرت موسیٰ نے آپ کو پھر روک لیا، پھر حضرت موسیٰ آپ کو بار بار آپ کے رب کے پاس بھیجتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں، حضرت موسیٰ نے آپ کو پانچ نمازوں پر پھر روک لیا اور کہا یا محمد! خدا کی قسم میں اپنی قوم بنو اسرائیل کا اس سے کم نمازوں میں تجربہ کرچکا ہوں، وہ پانچ سے کم نمازیں بھی نہ پڑھ سکے اور ان کو ترک کر دیا آپ کی امت کے اجسام، ابدان، قلوب، آنکھیں اور کان تو ان سے زیادہ کمزور ہیں، آپ پھر جائیے اور اپنے رب سے تخفیف کرائیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار حضرت جبرائیل کی طرف متوجہ ہوتے تھے تاکہ وہ آپ کو مشورہ دیں اور حضرت جبرائیل نے اس کو ناپسند نہیں کیا اور آپ پانچویں بار پھر گئے اور عرض کیا اے میرے رب! میری امت کے جسم، دل، کان اور بدن کمزور ہیں آپ ہم سے تخفیف کردیجئے۔ جبار نے فرمایا: یا محمد! آپ نے فرمایا لبیک وسعدیک، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے لوح محفوظ میں جس طرح لکھ دیا ہے میرے اس قول میں تبدیلی نہیں ہوتی، ہر نیکی کا دس گنا اجر ہے، پس یہ لوح محفوظ میں پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر پانچ نمازیں فرض ہیں، آپ حضرت موسیٰ کی طرف لوٹے حضرت موسیٰ نے پوچھا آپ نے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا ہمارے رب نے تخفیف کردی ہے اور ہمارے لیے ہر نیکی کا اجر دس گنا کردیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم! میں بنو اسرائیل کا اس سے کم نمازوں میں تجربہ کرچکا ہوں، انہوں نے اس سے کم نمازوں کو بھی ترک کر دیا تھا، آپ پھر اپنے رب کے پاس جائیے اور ان نمازوں میں بھی کمی کرائیے، آپ نے فرمایا اے موسیٰ! بہ خدا مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے! پھر اسی رات آپ واپس آکر مسجد حرام میں سو گئے اور صبح بیدار ہوئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے آخر میں بیان کرتے ہیں، معراج کی صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو ان عجائبات کی خبر دی، آپ نے فرمایا میں گزشتہ رات بیت المقدس گیا اور مجھے آسمان کی معراج کرائی گئی اور میں نے فلاں فلاں چیز دیکھی، ابو جہل بن ہشام نے کہا کیا تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتوں پر تعجب نہیں ہوتا ان کا دعویٰ ہے کہ یہ گزشتہ رات بیت المقدس گئے اور صبح کو یہاں ہمارے ساتھ ہیں حالانکہ ہم میں سے ایک شخص ایک ماہ کی مسافت طے کرکے بیت المقدس پہنچتا ہے اور پھر ایک ماہ کی مسافت طے کرکے یہاں واپس پہنچتا ہے، تو یہ آنا اور جانا دو ماہ میں طے ہوتا ہے، اور یہ ایک رات میں جا کر واپس آگئے؟ پھر آپ نے ان کو قریش کے قافلہ کی خبر دی اور فرمایا میں نے جاتے وقت اس قافلہ کو فلاں فلاں جگہ دیکھا ہے اور جب میں واپس لوٹا تو میں نے اپنے اس قافلہ کو فلاں گھاٹی کے پاس دیکھا ہے، پھر آپ نے قافلہ میں جانے والے ہر شخص اور اس کے اونٹ کی خبر دی کہ وہ اونٹ اس طرح تھا اور اس پر فلاں فلاں سامان لدا ہوا تھا، ابو جہل نے کہا انہوں نے ہمیں کئی چیزوں کی خبر دی ہے، پھر مشرکین میں سے ایک شخص نے کہا مجھے بیت المقدس کی عمارت اور اس کی ہیئت اور اس کی کیفیت کا سب سے زیادہ علم ہے، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس کا ابھی پتہ چل جائے گا، پھر اس مشرک نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے بیت المقدس کا سب سے زیادہ علم ہے،

آپ مجھے اس کی عمارت، اس کی ہیئت اور پہاڑ سے اس کے قرب کے متعلق بتایئے؟ تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا، پھر جس طرح ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں آپ اس طرح دیکھ کر بیت المقدس کے متعلق بیان فرما رہے تھے، آپ نے بتایا کہ اس اس طرح اس کی عمارت ہے اور اس کی اس اس طرح ہیئت ہے اور وہ پہاڑ کے اس اس طرح قریب ہے، اس نے کہا آپ نے سچ کہا، پھر وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۹۶-۳۹۵)

اس حدیث کو امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے، امام ابن ابی حاتم نے بھی اس کو روایت کیا ہے، اور حافظ ابن کثیر نے بھی اس کا امام ابن جریر کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

اسماعیل بن عبدالرحمان قرشی بیان کرتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو قافلہ کی علامتوں کی خبر دی، تو انہوں نے کہا یہ قافلہ کب آئے گا؟ آپ نے فرمایا یہ قافلہ بدھ کو آئے گا، پھر بدھ کے دن قریش صبح سے قافلہ کے انتظار میں بیٹھے رہے، حتیٰ کہ دن غروب ہونے لگا اور قافلہ نہیں آیا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو دن بڑھا دیا گیا اور سورج کو روک دیا گیا، اور سورج کو صرف اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روکا گیا تھا یا حضرت یوشع بن نون کے لیے جب جمعہ کے دن انہوں نے جبارین سے جہاد کیا تھا اور ان کے فارغ ہونے سے پہلے سورج غروب ہونے لگا تو انہوں نے دعا کی کہ سورج کو موخر کر دیا جائے کیونکہ ہفتہ کے دن ان کے لیے جنگ کرنا جائز نہ تھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۴)

علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

بعض روایات میں ہے کہ قافلہ بدھ کے دن نصف النہار کے وقت آگیا تھا یہ روایت اس کے خلاف ہے لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ آپ تین قافلوں کے پاس سے گزرے تھے اور مشرکین میں سے ہر ایک نے اپنے قافلہ کے متعلق پوچھا تھا ان میں سے ایک قافلہ بدھ کی دوپہر کو آگیا تھا اور یہ قافلہ بدھ کی شام کو پہنچا تھا۔

(شرح المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۱۳۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں میزاب کعبہ کے نیچے کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو منکشف کر دیا، پھر میں بیت المقدس کو دیکھ دیکھ کر انہیں اس کی علامات کی خبر دیتا رہا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۸۷)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق اپنی سند کے ساتھ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی، اس رات آپ میرے گھر میں سوئے ہوئے تھے، پھر اس رات میں نے آپ کو وہاں موجود نہ پایا، پھر آپ نے معراج کا پورا واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا میرا ارادہ ہے کہ میں قریش کو بتلاؤں کہ میں نے اس رات کیا دیکھا ہے، میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا اگر آپ اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ آپ کا انکار کریں گے اور آپ کی تکذیب کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دامن چھڑا کر اپنی قوم کے پاس تشریف لے گئے، آپ نے ان کے پاس جا کر ان کو واقعہ

معراج کی خبر دی، جبیر بن مطعم نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر واقعی تم اس رات وہاں گئے ہوتے تو اس وقت ہمارے پاس نہ ہوتے، ایک شخص نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے فلاں فلاں جگہ ہمارے اونٹوں کو دیکھا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں بخدا میں نے دیکھا ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا اور وہ اس کو ڈھونڈ رہے تھے، اس شخص نے کہا کیا آپ بنو فلاں کے اونٹوں کے پاس سے گزرے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں نے ان کو فلاں فلاں جگہ دیکھا، ان کی سرخ رنگ کی اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی، ان کے پاس پیالے میں پانی تھا جس کو میں نے پی لیا، اس نے کہا اچھا بتایئے ان کی اونٹنیاں کتنی تھیں اور ان کے چرواہے کون کون تھے؟ آپ نے فرمایا میں نے اس وقت ان کی گنتی کی طرف توجہ نہیں کی تھی تو اسی وقت وہ اونٹ اور ان کے چرواہے آپ کے پاس حاضر کر دیئے گئے، آپ نے اونٹوں کو گن لیا اور ان کے چرواہوں کو جان لیا، پھر آپ نے قریش سے فرمایا تم نے مجھ سے بنو فلاں کے اونٹوں کی تعداد اور ان کے چرواہوں کی گنتی کے متعلق پوچھا تھا، سنو ان کے اونٹوں کی تعداد اتنی ہے اور ان کے فلاں فلاں چرواہے ہیں، اور ان میں ابو قحافہ کے بیٹے (حضرت ابوبکر) کے بھی چرواہے ہیں، اور صبح یہ اونٹ وادی ثنیہ میں پہنچ جائیں گے، وہ لوگ صبح وادی ثنیہ دیکھنے کے لیے پہنچ گئے کہ آیا آپ نے سچ فرمایا ہے یا نہیں؟ سو وہ اونٹ آ گئے، ان لوگوں نے اونٹ والوں سے پوچھا کیا تمہارا کوئی اونٹ گم ہو گیا تھا، انہوں نے کہا ہاں، پھر دوسرے سے پوچھا کیا تمہاری سرخ اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹی تھی، انہوں نے کہا ہاں، پھر انہوں نے پوچھا کیا تمہارے پاس پیالہ تھا؟ حضرت ابوبکر نے کہا بخدا میں نے وہ پیالہ رکھا تھا، اس سے کسی نے پانی پیا تھا نہ کسی نے اس پانی کو زمین پر گرایا تھا، اور وہ پانی ختم ہو گیا تھا) حضرت ابوبکر نے کہا میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، پھر اسی دن سے حضرت ابوبکر کا لقب صدیق ہو گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶-۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (اس روایت کے آخر میں ہے:) صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے سامنے واقعہ معراج سنایا، وہ لوگ حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور کہا اے ابوبکر! تمہارے پیغمبر یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ گزشتہ رات ایک ماہ کی مسافت کا سفر کر کے واپس لوٹ آئے ہیں، اب بولو کیا کہتے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر واقعی آپ نے یہ فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں! اور میں تو اس سے زیادہ بعید باتوں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، آپ آسمان سے آنے والی خبریں بیان کرتے ہیں اور میں ان کی تصدیق کرتا ہوں، مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ کے دعویٰ پر کیا دلیل ہے؟ آپ نے فرمایا میں فلاں فلاں جگہ پر قریش کے قافلہ کے پاس سے گزرا تھا، مجھے دیکھ کر ایک اونٹ بدک کر بھاگا اور چکر لگانے لگا اور اس قافلہ میں ایک اونٹ تھا جس پر سیاہ اور سفید رنگ کی دو بوریاں لدی ہوئی تھیں وہ گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، جب قافلہ واپس آیا تو انہوں نے قافلے والوں سے پوچھا تو انہوں نے اسی طرح بیان کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا اور اسی دن سے حضرت ابوبکر کا نام صدیق پڑ گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۹-۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت دینے والا بنایا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ قرار دو ○ (اے) ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا بے شک وہ بہت شکر گزار بندے تھے ○ (بنی اسرائیل: ۳-۲)

اللہ کے سوا کسی اور کو وکیل نہ بنانے کا معنی

سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا تھا کہ اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی

فضیلت عطا فرمائی اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل فرما کر ان کو فضیلت عطا فرمائی تھی، پھر تورات کے متعلق یہ فرمایا کہ ہم نے تورات کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت دینے والا بنایا تھا یعنی تورات ہی بنو اسرائیل کو جہالت اور کفر کے اندھیروں سے نکال کر علم اور دین حق کی روشنی کی طرف لے جانے والی تھی۔

اس کے بعد فرمایا کہ تورات کی ہدایت یہ تھی کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ قرار دو، یعنی تم اپنے معاملات میں اللہ کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کرنا، اور غیر اللہ پر اعتماد نہ کرنا ہی توحید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے بعد اس کا ذکر فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ بندہ کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ اور کوئی معراج نہیں ہے کہ وہ بحر توحید میں اس طرح مستغرق ہو جائے کہ وہ اپنے تمام مقاصد اور تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر توکل نہ کرے، اگر وہ زبان سے کچھ بولے تو اللہ تعالیٰ کے متعلق بات کرے، اگر وہ کچھ سوچے اور غور و فکر کرے تو اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق سوچے اور غور و فکر کرے یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کتنی عظیم اور کتنی کثیر نعمتیں عطا کی ہیں اور اس نے ان نعمتوں کی کتنی ناشکری کی ہے، اس کی اطاعت کرنے کی بجائے کتنے گناہ کیے، پھر اپنی تقصیر اور کوتاہیوں پر نادم اور شرمسار ہو اور اشک ندامت بہائے، اگر اسے کسی چیز کی طلب ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرے، اور اگر کسی چیز سے پناہ مانگنی ہو تو صرف اللہ سے پناہ مانگے، اور اپنی کل اغراض اور مطالب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور جب اللہ کے سوا اور کسی پر اس کی نظر نہیں ہوگی اور صرف اس کی ذات ہی اس کا مطمح نظر ہوگی تو پھر یہ معنی صادق آئے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا وکیل نہیں بناتا۔

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم وکیل ہے، اس کا معنی ہے جو بندوں کے رزق کا کفیل اور ضامن ہے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے والا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز میں اس پر توکل کیا گیا ہے وہ اس کو مہیا کرنے میں مستقل ہے۔ (النہایہ ج ۵ ص ۱۹۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

لغت میں توکل کا معنی ہے کسی کام میں اپنے عجز کا اظہار کر کے غیر پر اعتماد کرنا، اور اہل حقیقت کے نزدیک اس کا معنی ہے، ہر چیز میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے مایوس ہونا، اور المتوکل علی اللہ اس کو کہا جاتا ہے جس کو یہ یقین ہو کہ اس کے رزق اور اس کی تمام ضروریات کا اللہ تعالیٰ کفیل اور ضامن ہے، سو وہ اسی کی طرف رجوع کرے اور اس کے غیر پر توکل نہ کرے۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۱۶۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مصیبت زدہ شخص کی یہ دعائیں ہیں: اے اللہ! میں تیری ہی رحمت کی امید رکھتا ہوں سو تو مجھے پلک جھپکنے کے لیے بھی میرے حوالے نہ کر، اور میرے تمام کاموں کو ٹھیک کردے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۰)

حضرت نوح علیہ السلام کا بہت شکر گزار ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا: بے شک وہ بہت شکر گزار بندے تھے۔

ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تم میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، کیونکہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت شکر گزار بندے تھے اور وہ اس لیے بہت شکر کرتے تھے کیونکہ وہ موحد تھے اور ان کو جو نعمت بھی ملتی تھی اس کے متعلق ان کو یہ یقین تھا کہ وہ نعمت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عنایت فرمائی ہے، اور تم سب لوگ نوح

علیہ السلام کی اولاد ہو سو تم بھی ان کی اقتداء کرو‘ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ بناؤ اور اس کے سوا اور کسی پر توکل نہ کرو‘ اور ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بہت شکر گزار ہونے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سلمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کپڑے پہنتے یا کھانا کھاتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اس وجہ سے ان کو عبد شکور فرمایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۳۴۶)

سعد بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح نے جب بھی کوئی نیا کپڑا پہنا یا کوئی کھانا کھایا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی‘ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو عبد شکور فرمایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۳۴۷)

عمران بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو اس لیے عبد شکور فرمایا کہ جب وہ کھانا کھاتے تو یہ دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے طعام کھلایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے بھوکا رکھتا‘ اور جب لباس پہنتے تو یہ دعا کرتے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے لباس پہنایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے برہنہ رکھتا‘ اور جب جوتی پہنتے تو دعا کرتے تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لیے ہیں جس نے مجھے جوتی پہنائی اور اگر چاہتا تو مجھے ننگے پیر رکھتا‘ اور قضاء حاجت کرتے تو یہ دعا کرتے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے یہ گھن والی چیز دور کی اور اگر وہ چاہتا تو اس کو روک لیتا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۳۴۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام جب بھی بیت الخلاء سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے‘ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے کھانے کی لذت چکھائی اور اس کی افادیت میرے جسم میں باقی رکھی اور اس کا فضلہ مجھ سے نکال باہر کیا۔

(کتاب الشکر لابن ابی الدنیا رقم الحدیث: ۴۳‘ کتاب الخرائطی‘ باب الشکر رقم الحدیث: ۲۱‘ الاتحاف ج ۹ ص ۳۴۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے بنی اسرائیل کو بتا دیا تھا کہ تم ضرور دوبارہ زمین پر فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے O سو جب ان میں سے پہلے وعدہ کا وقت آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیئے جو سخت جنگجو تھے‘ پس وہ شہروں میں تمہیں ڈھونڈنے کے لیے پھیل گئے اور یہ وعدہ پورا ہونے والا تھا O پھر ہم نے تم کو دوبارہ ان پر غلبہ دیا اور ہم نے مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تم کو بڑا گروہ بنا دیا O اور اگر تم نیکی کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے ہی نیکی کرو گے اور اگر تم برے عمل کرو گے تو اس کا وبال بھی تم پر ہی ہوگا‘ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے دوسروں کو تم پر مسلط کر دیا) تا کہ وہ تمہیں روسیاہ کر دیں اور اس طرح مسجد میں داخل ہوں جس طرح پہلے داخل ہوئے تھے اور وہ جس چیز پر بھی غلبہ پائیں اسے تباہ و برباد کر دیں O عنقریب تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم نے دوبارہ تجاوز کیا تو ہم دوبارہ سزا دیں گے‘ اور ہم نے کافروں کے لیے دوزخ کو قید خانہ بنا دیا ہے O (بنی اسرائیل: ۸-۴)

یہودیوں کی دوبارہ سرکشی اور اس کی سزا میں ان پر دو بار دشمنوں کے غلبہ پر بائبل کی شہادت

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق دو پیش گوئیاں کی ہیں‘ پہلی پیش گوئی یہ ہے کہ وہ ضرور زمین پر فساد کریں گے اور سرکشی کریں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کے اس فساد اور سرکشی کی سزا میں ان پر ان کے ایسے دشمن کو مسلط کر دے گا جو ان کو ڈھونڈ کر قتل کر دیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا اور ان کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ پھر جب انہوں نے دوبارہ

فساد اور سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ سزا دی اور ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا' اس کی تصدیق بائبل میں بھی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کو تنبیہہ کی:

انہوں نے ان قوموں کو ہلاک نہ کیا' جیسا کہ خداوند نے ان کو حکم دیا تھا○ بلکہ ان قوموں کے ساتھ مل گئے اور ان کے سے کام سیکھ گئے○ اور ان کے بتوں کی پرستش کرنے لگے جو ان کے لیے پھندہ بن گئے○ بلکہ انہوں نے اپنے بیٹے بیٹیوں کو شیاطین کے لیے قربان کیا○ اور معصوموں کا یعنی اپنے بیٹے بیٹیوں کا خون بہایا جن کو انہوں نے کنعان کے بتوں کے لیے قربان کر دیا اور ملک خون سے ناپاک ہو گیا○ یوں وہ اپنے ہی کاموں سے آلودہ ہو گئے اور اپنے فعلوں سے بے وفا بنے○ اس لیے خداوند کا قہر اپنے لوگوں پر بھڑکا اور اسے اپنی میراث سے نفرت ہو گئی' اور اس نے ان کو قوموں کے قبضہ میں کر دیا○ اور ان سے عداوت رکھنے والے ان پر حکمران ہو گئے○ ان کے دشمنوں نے ان پر ظلم کیا اور وہ ان کے محکوم ہو گئے○ اس نے تو بار بار ان کو چھڑایا○ لیکن ان کا مشورہ باغیانہ ہی رہا○ اور وہ اپنی بدکاری کے باعث پست ہو گئے۔

(زبور' باب:۱۰۶' آیت:۳۴-۴۳' کتاب مقدس ص ۵۹۳' مطبوعہ لاہور' ۱۹۹۲ء)

یسعیاہ نبی نے فرمایا:

لوگوں میں سے ہر ایک دوسرے پر اور ہر ایک اپنے ہمسایہ پر ستم کرے گا اور بچے بوڑھوں کی اور رذیل شریفوں کی گستاخی کریں گے○ جب کوئی آدمی اپنے باپ کے گھر میں اپنے بھائی کا دامن پکڑ کر کہے کہ تو پوشاک والا ہے۔ آ تو ہمارا حاکم ہو اس اجڑے دیس پر قابض ہو جا○ اس روز وہ بلند آواز سے کہے گا کہ مجھ سے انتظام نہیں ہو گا کیونکہ میرے گھر میں نہ روٹی ہے نہ کپڑا مجھے لوگوں کا حاکم نہ بناؤ○ کیونکہ یروشلم کی بربادی ہو گئی اور یہوداہ گر گیا' اس لیے ان کی بول چال اور ان کی چال چلن خداوند کے خلاف ہیں کہ اس کی جلالی آنکھوں کو غضب ناک کریں○ ان کے منہ کی صورت ان پر گواہی دیتی ہے' وہ اپنے گناہوں کو سدوم کی مانند ظاہر کرتے ہیں اور چھپاتے نہیں' ان کی جانوں پر واویلا ہے! کیونکہ وہ آپ اپنے اوپر بلا لاتے ہیں○ راست بازوں کی بابت کہو کہ بھلا ہو گا' کیونکہ وہ اپنے کاموں کے پھل کھائیں گے○ شریروں پر واویلا ہے! کہ ان کو بدی پیش آئے گی کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں کا کیا پائیں گے○ (یسعیاہ' باب:۳' آیت:۵-۱۱' کتاب مقدس ص ۶۲۲' مطبوعہ لاہور' ۱۹۹۲ء)

یرمیاہ نے فرمایا:

میں بزرگوں کے پاس جاؤں گا اور ان سے کلام کروں گا کیونکہ وہ خداوند کی راہ اور اپنے خدا کے احکام کو جانتے ہیں لیکن انہوں نے جوا بالکل توڑ ڈالا اور بندھنوں کے ٹکڑے کر ڈالے○ اس لیے جنگل کا شیر ببر ان کو پھاڑے گا بیابان کا بھیڑیا ان کو ہلاک کرے گا چیتا ان کے شہروں کی گھات میں بیٹھا رہے گا جو کوئی ان میں سے نکلے پھاڑا جائے گا کیونکہ ان کی سرکشی بہت ہوئی اور ان کی برگشتگی بڑھ گئی○ میں تجھے کیوں کر معاف کروں؟ تیرے فرزندوں نے مجھ کو چھوڑا اور ان کی قسم کھائی جو خدا نہیں ہیں' جب میں نے ان کو سیر کیا تو انہوں نے بدکاری کی اور پرے باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے○ وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی مانند ہو گئے' ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا○ خداوند فرماتا ہے کیا میں ان باتوں کے لیے سزا نہ دوں گا اور کیا میری روح ایسی قوم سے انتقام نہ لے گی○

(یرمیاہ' باب:۵' آیت:۵-۹' کتاب مقدس ص ۷۱۸' مطبوعہ لاہور' ۱۹۹۲ء)

نیز یرمیاہ نے فرمایا:

اے اسرائیل کے گھرانے دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھالاؤں گا خداوند فرماتا ہے وہ زبردست قوم ہے' وہ قدیم قوم ہے' وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا O ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں وہ سب بہادر مرد ہیں O اور وہ تیری فصل کا اناج اور تیری روٹی جو تیرے بیٹوں اور بیٹیوں کے کھانے کی تھی کھا جائیں گے' تیرے گائے بیل اور تیری بھیڑ بکریوں کو چٹ کر جائیں گے' تیرے انگور اور انجیر نگل جائیں گے' تیرے حسین شہروں کو جن پر تیرا بھروسہ ہے تلوار سے ویران کردیں گے O (یرمیاہ باب: ۵ آیت: ۱۷-۱۵ کتاب مقدس ص ۷۱۹، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲ء)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے کتاب (بائبل) میں بنی اسرائیل کے متعلق پیش گوئی کی تھی کہ وہ دوبار زمین میں فساد اور سرکشی کریں گے اور اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ دوبار ان کو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل اور رسوا کرے گا یہ پیش گوئیاں آج تک موجودہ بائبل میں مختلف انبیاء بنی اسرائیل کی زبانوں سے موجود ہیں اور یہ قرآن مجید کی صداقت پر زبردست دلیل ہے اور یہ کہ صحائف بنی اسرائیل کا جو جو حصہ غیر محرف ہے قرآن مجید اس کا مصدق ہے۔

یہودیوں کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل نے جو فساد کیا تھا اس میں انہوں نے نبیوں کو بھی قتل کیا تھا ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ان نبیوں میں حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی قتل کیا تھا' اور دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے حضرت شعیا کو قتل کیا تھا' حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ان پر یہ تہمت لگائی تھی کہ انہوں نے حضرت مریم کو حاملہ کیا تھا' حضرت زکریا نے ان سے بھاگ کر ایک درخت میں پناہ لی' درخت شق ہوگیا اور وہ درخت میں داخل ہو گئے' ان کے کپڑے کا پلو درخت سے باہر رہ گیا' شیطان نے اس پلو کی طرف بنی اسرائیل کی راہنمائی کی انہوں نے آری سے درخت کو کاٹ ڈالا' اور حضرت شعیا کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کو اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے اور گناہوں سے منع کرتے تھے' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے درخت میں پناہ لی تھی اور اس درخت کو آری سے کاٹ ڈالا گیا تھا' اور حضرت زکریا کی طبعی موت سے وفات ہوئی تھی۔

انہوں نے حضرت یحییٰ بن زکریا کو بھی قتل کر دیا تھا اس کا سبب یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے بادشاہ کی بیوی نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ بہت حسین و جمیل تھے اس نے ان سے کہا کہ وہ اس کی خواہش پوری کریں انہوں نے انکار کیا پھر اس نے اپنی بیٹی سے سوال کیا کہ وہ اپنے باپ سے کہے کہ وہ حضرت یحییٰ کا سر کاٹ کر اس کو پیش کرے' بادشاہ نے ایسا کردیا' اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ اپنی بیوی کی بیٹی پر عاشق ہوگیا اور حضرت یحییٰ سے پوچھا کہ آیا وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے حضرت یحییٰ نے منع کیا اس کی ماں کو جب یہ پتا چلا تو اس نے اپنی بیٹی کو بنا سنوار کر بادشاہ کے پاس اس وقت بھیجا جب وہ شراب پی رہا تھا اور اس سے کہا جب بادشاہ اس سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہے تو وہ انکار کر دے اور کہے کہ یہ تب ہو گا جب تم یحییٰ بن زکریا کا سر کاٹ کر مجھے تھال میں رکھ کر پیش کرو گے' اس لڑکی نے ایسا ہی کیا' بادشاہ نے کہا تم پر افسوس ہے تم کسی اور چیز کا سوال کرلو' اس نے کہا نہیں! میرا یہی سوال ہے پھر بادشاہ کے حکم سے حضرت یحییٰ کا سر کاٹ کر تھال میں لایا گیا اس وقت بھی وہ سر کلام کر رہا تھا "یہ لڑکی تمہارے لیے حلال نہیں ہے' یہ لڑکی تمہارے لیے حلال نہیں ہے"

علماء سیر نے کہا ہے کہ حضرت یحییٰ کا خون مسلسل بہتا رہا اور خون جوش مار تا رہا حتیٰ کہ ستر ہزار بنی اسرائیل قتل کردیئے گئے پھر وہ خون ٹھنڈا ہوا ایک قول یہ ہے کہ وہ خون اس وقت تک نہیں رکا حتیٰ کہ اس کے قاتل نے کہا میں نے اس کو قتل کیا ہے اور اس کو قتل کیا گیا پھر وہ خون رک گیا۔ (زادالمسیر ج ۵ ص ۹-۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت '۱۴۰۷ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

یہودیوں کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ان پر بابل کے بادشاہ بخت نصر کو مسلط کیا اور ایک قول یہ ہے کہ جالوت کو مسلط کیا اس نے وہاں قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا بڑوں کو قتل کیا اور بچوں کو غلام بنالیا، اور بیت المقدس کو ویران کر دیا پھر ان کی توبہ کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام اور طالوت کے ذریعہ ان کو نجات دی انہوں نے دوبارہ سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ نے اہل فارس کے مجوسیوں کو ان پر مسلط کر دیا، جب ان کا لشکر یہودیوں کی قربان گاہ پر پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ ایک جگہ خون مسلسل جوش سے ابل رہا ہے انہوں نے یہودیوں سے پوچھا یہ کیسا خون ہے؟ یہودیوں نے کہا ہماری ایک قربانی قبول نہیں ہوئی تھی یہ اس کا خون ہے، امیر لشکر نے کہا تم نے جھوٹ بولا ہے اور اس نے ستر ہزار یہودیوں کو قتل کر دیا اور وہ خون مسلسل بہتا رہا، امیر لشکر نے کہا اگر تم سچ سچ نہیں بتاؤ گے تو میں تم میں سے کسی شخص کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا تب انہوں نے کہا کہ یہ یحییٰ کا خون ہے اس نے کہا اسی وجہ سے تمہارا رب تم سے انتقام لے رہا ہے پھر اس نے کہا: اے یحییٰ! میرے اور تمہارے رب نے جان لیا کہ تمہاری وجہ سے تمہاری قوم پر کیسی مصیبت آئی ہے اب تم اللہ تعالیٰ کے اذن سے پرسکون ہو جاؤ ورنہ تمہاری قوم کا کوئی فرد بھی زندہ نہیں رہے گا پھر وہ خون بہنے سے رک گیا۔

(تفسیر البیضاوی علی ہامش الخفاجی ج ۶ ص ۴۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

موجودہ بائبل میں بھی یہ مذکور ہے کہ یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ناحق قتل کر دیا تھا۔

مرقس کی انجیل میں ہے:

کیونکہ ہیرودیس نے آپ آدمی بھیج کر یوحنا کو پکڑوایا اور اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب اسے قید خانہ میں باندھ رکھا تھا کیونکہ ہیرودیس نے اس سے بیاہ کر لیا تھا○ اور یوحنا نے اس سے کہا تھا کہ اپنے بھائی کی بیوی رکھنا تجھے روا نہیں○ پس ہیرودیاس اس سے دشمنی رکھتی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہو سکا○ کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راستباز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا○ اور موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنی سالگرہ میں اپنے امیروں اور فوجی سرداروں اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی○ اور اسی ہیرودیاس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا○ اور اس سے قسم کھائی کہ جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدھی سلطنت تک تجھے دوں گا○ اور اس نے باہر جا کر اپنے ماں سے کہا کہ میں کیا مانگوں؟ اس نے کہا یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر○ وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوا دے○ بادشاہ بہت غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب اس سے انکار نہ کرنا چاہا○ پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے۔ اس نے جا کر قید خانہ میں اس کا سر کاٹا○ اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا○ پھر اس کے شاگرد سن کر آئے اور اس کی لاش اٹھا کر قبر میں رکھی○

(مرقس کی انجیل باب: ۶، آیت: ۲۹-۱۷ نیا عہد نامہ ص ۴۰-۳۹، متی کی انجیل، باب: ۱۴، آیت: ۱۲-۳، نیا عہد نامہ ص ۱۸)

بنی اسرائیل کی سرکشی کی وجہ سے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کرنا

بنی اسرائیل کی دو مرتبہ سرکشی پر ان کے دشمنوں کو دوبارہ ان پر غلبہ دیا گیا اور وہ دشمن کون تھے اور انہوں نے کس طرح بنی اسرائیل کی شکست دی اور ان کو ملیامیٹ کیا اس کے متعلق کتب تاریخ اور کتب تفسیر میں متعدد روایات ہیں اس

سلسلہ میں حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے جو کچھ چھان پھٹک کر لکھا ہے ہم اس کو پیش کر رہے ہیں:

متقدمین اور متاخرین مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ بنی اسرائیل کے جن دشمنوں کو ان پر مسلط کیا گیا تھا وہ کون تھے، حضرت ابن عباس اور قتادہ سے یہ روایت ہے کہ جو ان پر پہلے مسلط کیا گیا تھا وہ جالوت جزری تھا پھر بعد میں بنی اسرائیل کی جالوت کے خلاف مدد کی گئی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا اس لیے فرمایا پھر ہم نے تم کو دوبارہ ان پر غلبہ دیا، اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ وہ موصل کا بادشاہ سنجاریب اور اس کا لشکر تھا اور ایک اور روایت یہ ہے کہ وہ بابل کا بادشاہ بخت نصر تھا ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اس مقام پر بہت عجیب وغریب روایات ذکر کی ہیں جن کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اسی طرح اس کی تفسیر میں بہت سی اسرائیلی روایات بھی ہیں جو بلا شبہ موضوع ہیں اور زندیقوں کی گھڑی ہوئی ہیں، اور ہمارے لیے صرف وہ کافی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے سرکشی اور بغاوت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دیا، جس نے ان کے خون بہانے کو مباح کر لیا، ان کے گھروں کو تباہ اور برباد کر دیا اور ان کو ذلیل اور رسوا کر دیا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا انہوں نے سرکشی اور فساد کیا حتیٰ کہ نبیوں اور علماء کو قتل کیا، اور امام ابن جریر نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ بخت نصر نے شام پر حملہ کیا اور بیت المقدس کو تباہ اور برباد کر دیا اور بنی اسرائیل کو قتل کیا پھر وہ دمشق گیا وہاں اس نے دیکھا کہ ایک جگہ خون ابل رہا ہے اس نے لوگوں سے پوچھا یہ کیسا خون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ہم اپنے باپ دادا سے اسی طرح خون ابلتا ہوا دیکھ رہے ہیں پھر اس نے وہاں ستر ہزار یہودیوں کو قتل کر دیا، یہ مشہور روایت ہے، اور سعید بن مسیب تک اس کی سند صحیح ہے، بخت نصر نے معزز سرداروں اور علماء کو قتل کر دیا تھا حتیٰ کہ کوئی ایسا شخص باقی نہیں بچا جو تورات کا حافظ ہو اس نے انبیاء علیہم السلام کے بیٹوں اور دیگر بکثرت افراد کو گرفتار کر لیا، اسی طرح اور دیگر بہت حادثات پیش آئے جن کے ذکر سے طوالت ہوگی۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن کثیر نے یہ ذکر نہیں کیا کہ دوسری بار جب بنی اسرائیل نے سرکشی کی تو پھر ان پر کس دشمن کو مسلط کیا گیا، امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے، جس میں بنی اسرائیل کی دونوں بار سرکشی اور دونوں بار ان پر دشمنوں کے مسلط ہونے کا ذکر کیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بنی اسرائیل نے سرکشی اور تکبر کیا اور نبیوں کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر فارس کے بادشاہ بخت نصر کو مسلط کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے سات سو سال تک اس کو حکمران رکھا تھا وہ ان پر حملہ آور ہوا حتیٰ کہ بیت المقدس میں داخل ہو گیا اور ان کا محاصرہ کر لیا، حضرت زکریا علیہ السلام کے خون کی پاداش میں اس نے ستر ہزار افراد کو قتل کر دیا، پھر نبیوں کے بیٹوں اور دوسرے لوگوں کو قتل کر دیا، اس نے بیت المقدس کے زیورات لوٹ لیے اور وہاں سے ایک لاکھ ستر ہزار سونے کے بنے ہوئے بچھڑوں کو بابل لے گیا، پھر وہ قتل کر دیا گیا، حضرت حذیفہ نے پوچھا: یا رسول اللہ کیا بیت المقدس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم تھا؟ فرمایا ہاں! اس کو سلیمان بن داؤد نے سونے، موتیوں، یاقوت اور زمرد سے بنایا تھا اس کا فرش سونے اور چاندی سے بنایا گیا تھا اور اس کے ستون سونے کے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ چیزیں عطا کی تھیں اور اس کو بنانے کے لیے جنات کو تابع کر دیا تھا وہ پلک جھپکنے میں یہ ساری چیزیں لے آتے تھے، یہ تمام سونا اور چاندی بخت نصر لوٹ کر بابل میں لے گیا اس نے ایک سو سال تک ان کو

اپنا غلام بنائے رکھا، مجوس اور مجوس کی اولاد ان کو عذاب میں مبتلا رکھتے تھے، ان میں انبیاء اور انبیاء کے بیٹے بھی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور فارس کے بادشاہوں میں سے کورس نام کا ایک بادشاہ تھا جو مومن تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ڈالا کہ وہ باقی ماندہ بنی اسرائیل کو ان کی قید سے چھڑالے پھر کورس (خورس) ان کی مدد کے لیے آیا اور ان کو بخت نصر کی غلامی سے آزاد کرایا اور بیت المقدس کے زیورات انہیں واپس کردیئے، پھر بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہے، کچھ عرصہ بعد وہ پھر گناہوں کی طرف لوٹ گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اطیانحوس کو مسلط کردیا اور جو لوگ بخت نصر کے ساتھ تھے ان کو اپنے ساتھ ملا کر اس نے بنی اسرائیل پر حملہ کردیا حتیٰ کہ بیت المقدس میں داخل ہوگیا اور وہاں رہنے والوں کو قید کرلیا اور بیت المقدس کو جلادیا اور ان سے کہا اے بنی اسرائیل اگر تم نے دوبارہ نافرمانی کی تو ہم تم کو دوبارہ قید کرلیں گے، انہوں نے پھر نافرمانی کی تو ان کو تیسری بار ایک رومی بادشاہ نے قید کرلیا جس کا نام قاقس بن اسبایوس تھا، اس نے ان پر خشکی اور سمندر کے راستہ سے حملہ کیا ان کو غلام بنالیا اور بیت المقدس کے زیورات چھین لیے اور بیت المقدس کو آگ سے جلادیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بیت المقدس کے زیورات کی سرگزشت ہے، یہ زیورات سترہ سو کشتیوں میں لدے ہوئے تھے ان کو مہدی واپس بیت المقدس میں پہنچائے گا اور اللہ تعالیٰ بیت المقدس میں ہی اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۶۴۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ پہلی بار ان پر جالوت مسلط کیا گیا پھر ان کی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے طالوت اور حضرت داؤد کی مدد سے ان کو رہائی دلائی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۱۹۱)

اور دوسری بار ان پر بخت نصر بابلی مجوسی کو مسلط کیا گیا اس نے بھی قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور ان کو بہت برا عذاب چکھایا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۱۹۳)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

ان کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ان پر جالوت کو مسلط کردیا جس نے ان کو ہلاک کردیا اور ان کے ملک کو تباہ و برباد کردیا پھر ان پر رحم فرمایا اور اللہ عزوجل نے طالوت کو طاقت دی حتیٰ کہ اس نے جالوت سے جنگ کی اور حضرت داؤد نے اس کی مدد کی حتیٰ کہ طالوت نے جالوت کو قتل کردیا، پھر دوبارہ بنی اسرائیل نے سرکشی اور فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دلوں میں مجوس کا رعب اور خوف مسلط کردیا اور مجوسیوں نے ان کو قتل کرڈالا اور ان کے گھروں کو تباہ و برباد کردیا۔ بہرحال اس بات کے جاننے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اور کوئی غرض علمی نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے والے کون تھے، مقصود صرف یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے شورش اور فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کردیا اور انہوں نے ان کو ہلاک اور برباد کردیا۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۰۰-۲۹۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ قرآن اس راستہ کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا اور مستحکم ہے اور جو ایمان والے نیک کام کرتے ہیں ان کو بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے○ اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے○ (بنی اسرائیل: ۱۰)

بنی اسرائیل کی غلامی کی ذلت سے مسلمان عبرت پکڑیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص اور مقرب بندوں پر کیے ہوئے انعامات کا ذکر فرمایا تھا کہ ہمارے نبی

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شرف معراج سے نوازا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کتاب نازل فرمائی اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ منکروں' نافرمانوں اور سرکشوں پر اللہ تعالیٰ نے مختلف مصائب نازل فرمائے اور ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط فرما کر ان کو ذلیل و خوار کر دیا' اور اس میں یہ تنبیہہ فرمائی کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہر قسم کی عزت اور کرامت اور دنیا اور آخرت میں سعادت اور سرفرازی کا موجب ہے' اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ذلت اور خواری کا سبب ہے بنی اسرائیل نے دو مرتبہ سرکشی اور نافرمانی کی تو وہ دو مرتبہ ذلیل کیے گئے پہلی بار جالوت نے ان پر حملہ کر کے ان کو غلام بنالیا اور دوسری بار مجوسیوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو اپنا غلام بنالیا' مسلمانوں کی تاریخ بھی یہی ہے جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہے وہ دنیا میں کامیاب و کامران اور سرفراز رہے اور جب وہ اجتماعی طور پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بجائے نافرمانی کرنے لگے انہوں نے تبلیغ اور جہاد کو چھوڑ دیا' ہندوؤں کی رسومات کو اپنے دین میں جذب کر لیا تو ہندوستان پر کئی صدیوں تک حکومت کرنے والے مسلمانوں کو انگریزوں نے اپنا غلام بنالیا اور وہ ڈیڑھ سو سال تک ان کی غلامی میں مبتلا رہے' اور جس طرح اللہ نے بنی اسرائیل کی توبہ قبول کر کے انہیں پھر آزادی کی نعمت عطا فرمائی تھی اسی طرح برصغیر کے مسلمانوں کو بھی ایک بار پھر موقع دیا اور ان کو آزادی کی نعمت سے نوازا اور پاکستان کی شکل میں ان کو ایک آزاد خطہ عطا فرمایا' لیکن ان کی روش پھر وہی رہی' سو چوبیس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ کرنے کے لیے آدھی نعمت ان سے سلب کر لی' لیکن اب بھی پاکستان کے مسلمانوں نے اجتماعی طور پر توبہ نہیں کی اور پاکستان کے اکثر باشندوں کی ثقافت' تمدن اور تہذیب یورپ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے وہ اسلامی معیشت کے بجائے سوشلزم اور سیکولرزم کے دلدادہ ہیں وہ اسلامی لباس کے بجائے یورپی لباس پر فخر کرتے ہیں' سنت کے مطابق زندگی گزارنا ان کے لیے باعث عار ہے' عورتوں کا پردہ میں رہنا ان کے نزدیک عورتوں کو بیڑیوں میں جکڑنے کے مترادف ہے وہ اسمبلیوں اور محکموں میں عورتوں کو مردوں کے مساوی دیکھنا چاہتے ہیں اور جو مسلمان ان چیزوں کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اس کو وہ رجعت پسند اور بنیاد پرست کہتے ہیں' اب تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ دو قومی نظریہ کی برسرعام مذمت کی جاتی ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب برحق ہیں اور اسلام کے خلاف جو دوسرے مذاہب ہیں ان کو غلط اور باطل کہنے والے علماء سوء تھے اور رام چندر کی فضیلت میں اقبال کے یہ اشعار اخبارات میں شائع کرائے جارہے ہیں:

ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کو ناز — اہل نظر سمجھتے ہی اس کو امام ہند

اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی — روشن تر از سحر ہے زمانہ میں شام ہند

تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا — پاکیزگی میں' جوش محبت میں فرد تھا

(کلیات اقبال' بانگ درا' رام' ص ۱۱۸' سنگ میل پبلی کیشنز' لاہور' ۱۹۹۸ء)

سو اب بھی وقت ہے اس سے پہلے کہ یہود کی طرح دوبارہ مسلمانوں پر بھی ذلت اور غلامی کے مصائب پلٹ آئیں وہ اللہ' اس کے رسول اور قرآن کی طرف لوٹ آئیں۔

اسلام کا سب سے مستحکم دین ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا۔ ابراہیم کا دین مستحکم ہے جو ہر باطل سے الگ ہے۔

(الانعام: ۱۶۱)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے متعلق فرمایا یہ اقوم ہے (ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم، بے شک یہ قرآن اس راستہ کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا اور مستحکم ہے) خلاصہ یہ ہے کہ تمام دین قویم اور سیدھے ہیں اور دین اسلام اقوم ہے یعنی سب سے زیادہ سیدھا ہے' اور اس آیت کا حاصل معنی یہ ہے کہ بے شک قرآن اس ملت یا اس شریعت یا اس طریقہ کی ہدایت دیتا ہے جو اقوم ہے یعنی سب سے زیادہ قویم اور مستحکم ہے۔

اور جو لوگ اس شریعت پر عمل کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ آیت یہود کے احوال کے بیان میں ہے اور یہود آخرت کا انکار نہیں کرتے تھے، تو ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح مناسب ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر یہود جسمانی ثواب اور عذاب کا انکار کرتے تھے' اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہود کہتے تھے:

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔ ہمیں دوزخ کی آگ صرف چند دن چھوئے گی۔

(آل عمران: ٢٤)

اس لیے ان کا آخرت کے متعلق ایمان صحیح نہ تھا۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

اور انسان جس طرح بھلائی کے جلد حصول کی دعا کرتا ہے، اسی طرح برائی کی دعا کرتا ہے' اور انسان بہت

عَجُوْلًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ

جلد باز ہے ○ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے، پھر ہم نے رات کی نشانی مٹا دی

وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا

اور دن کی نشانی کو روشن بنا دیا' تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو، اور سالوں کی گنتی اور

عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿١٢﴾

حساب کو جان لو، اور ہم نے ہر چیز کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے ○

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے، اور ہم قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ نکالیں گے

كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿١٣﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ

جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا ○ اپنا اعمال نامہ پڑھ لو آج تم خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے

حَسِيبًا ﴿١٤﴾ مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ

کافی ہو ○ جس نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی فائدے کے لیے ہدایت کو اختیار کیا ہے، اور جو شخص گمراہی

فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَمَا كُنَّا

کو اختیار کرتا ہے تو اس کی گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہو گا، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور ہم اس

مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ

وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں ○ اور جب ہم کسی بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ

قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا

کرتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں سو وہ ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں پھر وہ عذاب کے حکم کے مستحق ہو جاتے ہیں سو ہم ان کو تباہ و

تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِن بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ

برباد کر دیتے ہیں ○ اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر دیا، اور آپ کا رب اپنے

بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿١٧﴾ مَّن كَانَ يُرِيدُ

بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے ○ جو شخص (صرف) دنیا کا طلب گار ہو

الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ

ہم اس کو اسی دنیا میں سے جتنا ہم چاہیں دے دیتے ہیں پھر ہم اس کا ٹھکانا دوزخ کو بنا دیتے ہیں

جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَ

جس میں وہ مذمت کے ساتھ دھتکارا ہوا داخل ہو گا ○ اور جو شخص آخرت کا طلب گار ہو اور

سَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم

اس کے لیے ایمان کے ساتھ بھرپور کوشش کرے تو ان ہی لوگوں کی کوشش مشکور (مقبول)

مَّشْكُورًا ﴿١٩﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا

ہو گی ○ ہم آپ کے رب کی عطا سے اُس کی اور اس کی (ہر فریق کی) مدد کرتے ہیں، اور آپ کے رب کی عطا

كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ

کسی سے روکی ہوئی نہیں ہے ○ آپ دیکھیے ہم نے کس طرح ان کے بعضوں کو بعض پر

عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا

فضیلت دی ہے، اور آخرت کے بہت بڑے درجات ہیں اور اس کی فضیلت بھی بہت بڑی ہے ○ (اے مخاطب!)

تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾

تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت کا مستحق نہ بنا کہ تو ناکام اور مذمت کیا ہوا بیٹھا رہ جائے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انسان جس طرح بھلائی کے جلد حصول کی دعا کرتا ہے اسی طرح برائی کی دعا کرتا ہے اور انسان بہت جلد باز ہے○(بنی اسرائیل: ۱۱)

غصہ میں اپنے اور اپنے اہل کے خلاف دعا کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان غصہ اور غضب میں کہتا ہے: اے اللہ اس پر لعنت فرما اس پر غضب فرما اگر اس کی یہ دعا جلد قبول کرلی جائے جیسا کہ اس کی خیر کی دعا جلد قبول کرلی جاتی ہے تو وہ ہلاک ہو جائے۔

قتادہ نے کہا انسان اپنے مال اور اولاد پر لعنت کرتا ہے اور ان کی ہلاکت کی دعا کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ان کی یہ دعا قبول کر لیتا تو وہ ہلاک ہو جاتے۔

مجاہد نے کہا کبھی انسان اپنی بیوی اور اولاد کے خلاف دعا کرتا ہے اور ان کی قبولیت کے لیے جلدی کرتا ہے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ یہ دعا قبول ہو۔ (جامع البیان جز ۱۵ ص ۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ○ (یونس: ۱۱)

اور اگر اللہ لوگوں کو جلد برائی پہنچا دیتا جیسا کہ وہ بھلائی پہنچنے میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی مدت ان کی طرف ضرور پوری ہو چکی ہوتی تو ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو ہمارے سامنے پیش ہونے کی توقع نہیں رکھتے، وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث اور اس کے متبعین کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے یہ دعا کی تھی:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○ (الانفال: ۳۲)

اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہی (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر اپنی طرف سے پتھر برسا یا ہم پر (کوئی اور) دردناک عذاب نازل کر۔

انسان کا جلد باز ہونا

اس کے بعد فرمایا اور انسان بہت جلد باز ہے، یعنی اپنی طبیعت اور فطرت سے ہر کام میں جلدی کرتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں: امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا سر پیدا کیا وہ اپنی خلقت کو دیکھ رہے تھے، ابھی ان کی ٹانگیں رہ گئیں تھیں جب عصر کا وقت ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میرے رب رات سے پہلے یہ کام مکمل کر دے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکی تو روح ان کے سر کی جانب سے آئی ان کے پتلے میں جہاں جہاں روح پہنچتی گئی وہ گوشت اور خون بنتا گیا جب روح ان کی ناف تک پہنچی تو ان کو اپنا جسم بہت اچھا لگا انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ اٹھ نہ سکے اور یہ اللہ عزوجل کے اس قول کی تفسیر ہے کہ انسان بہت جلد باز ہے۔ (جامع البیان ج ۱۵ ص ۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی صورت بنا کر ان کو چھوڑ دیا اور جب تک چاہا چھوڑے رکھا تو ابلیس ان کے گرد گھومتا رہا اور یہ سوچتا رہا کہ یہ کیا چیز ہے؟ جب اس نے دیکھا کہ یہ کھوکھلے ہیں تو اس نے سمجھ لیا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۱)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ کے سپرد ایک قیدی کیا وہ رات کو رو رہا تھا، حضرت سودہ نے اس سے پوچھا کہ رو کیوں رہے ہو؟ اس نے کہا مجھے بہت سختی سے باندھا ہوا ہے، حضرت سودہ نے اس کی رسی ڈھیلی کر دی، جب حضرت سودہ سو گئیں تو وہ بھاگ گیا، انہوں نے صبح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بتایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تمہارے ہاتھ کاٹ ڈالے، صبح حضرت سودہ اپنے اوپر کسی مصیبت کے نازل ہونے کی توقع کر رہی تھیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا تھا کہ میرے اہل سے جو شخص میری دعاء ضرر کا مستحق نہ ہو تو اس کے حق میں میری دعاء ضرر کو دعاء رحمت بنا دے، کیونکہ میں ایک بشر ہوں اور جس طرح بشر غضب ناک ہوتے ہیں میں بھی غضب ناک ہوتا ہوں۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۴۰۰)

اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! محمد صرف بشر ہے بشر کی طرح غضب ناک ہوتا ہے اور میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں اور تو اس عہد کے خلاف نہ کرنا کہ میں جس مومن کو بھی اذیت دوں یا برا کہوں یا اس کو ماروں تو اس چیز کو اس کے گناہوں کا کفارہ کر دے اور اس کو اس کی ایسی عبادت کر دے، جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن تیرا قرب حاصل کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۰۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے، پھر ہم نے رات کی نشانی مٹا دی اور دن کی نشانی کو روشن بنا دیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور سالوں کی گنتی اور حساب کو جان لو، اور ہم نے ہر چیز کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے ○ (بنی اسرائیل: ۱۲)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے رات اور دن کی دو مختلف نشانیاں بنائی ہیں، رات کی نشانی اندھیرا ہے اور دن کی نشانی روشنی ہے، رات کو اس لیے بنایا ہے تاکہ تم اس میں آرام کرو، اور دن کو اس لیے بنایا ہے کہ تم اس کی

روشنی میں اس رزق کو تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے' اور تاکہ تم رات اور دن کے اختلاف سے اپنے لیے ہفتہ کے دنوں' مہینوں اور سالوں کا شمار کر سکو اور رات اور دن کے اوقات کی تعیین کر سکو۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے عرش کے نور سے سورج اور چاند کو پیدا کیا پس یہ دونوں شمس کی طرح روشن تھے پھر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں جس چیز کو شمس ہونا تھا اس کو تمام دنیا کے مشارق و مغارب جتنا بنایا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں قمر ہونا تھا اس کو شمس سے حجم اور ضیاء میں کم بنایا اور چونکہ یہ ہم سے بہت فاصلہ پر ہیں اس لیے ہم کو یہ حجم میں کم دکھائی دیتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ سورج اور چاند اپنے اصل حجم اور اصل ضیاء پر باقی رکھتا تو رات اور دن کا فرق معلوم نہ ہوتا اور نہ کام کرنے والے کے لیے اس تعیین کا ذریعہ ہوتا کہ وہ کب تک کام کرے اور نہ روزہ دار کے لیے علامت ہوتی کہ وہ کب تک روزہ رکھے' نہ عورت کی عدت کے لیے کوئی معیار اور پیمانہ ہوتا اور نہ نماز اور حج کے اوقات کی تعیین کی معرفت کا کوئی ذریعہ ہوتا اور نہ قرض ادا کرنے اور وصول کرنے کی حد کا کوئی ذریعہ ہوتا' اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کا سلسلہ قائم کیا اور نظام کائنات کے لیے تقویم بنادی' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت رحم کرنے والا ہے اس نے اپنے بندوں کی ضروریات کے مطابق شمس کا نور اپنی اصل پر رکھا اور چاند کے نور کو کم کر دیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۰۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے (کتاب الموضوعات ج ۱ ص ۱۳۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے' اور ہم قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا○ اپنا اعمال نامہ پڑھ لو' آج تم خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہو○

(بنی اسرائیل: ۱۴-۱۳)

قیامت کے دن اعمال نامہ پڑھوانے کی وجوہ

(۱) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور ہم نے ہر چیز کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے' یعنی توحید' نبوت اور رسالت اور مبدء اور معاد کے ثبوت کے لیے جن دلائل کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام دلائل قرآن عظیم میں بیان کر دیئے ہیں' اور وعد' وعید' ترغیب اور ترہیب کی وضاحت کے لیے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہم نے بیان کر دیئے ہیں' اسی طرح اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کے لیے جن احکام اور ہدایات کی احتیاج ہوتی ہے اور نیک اعمال پر ابھارنے اور برے اعمال سے متنفر کرنے کے لیے جن مواعظ' قصص اور امثال کی ضرورت ہوتی ہے' ہم نے ان سب کو بیان کر دیا ہے' اس طرح اب کسی شخص کے نیک عمل نہ کرنے کے لیے اور برے عمل کو ترک کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا اس لیے ہم قیامت کے دن اس سے کہیں گے اپنا اعمال نامہ پڑھ لو' آج تم خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کی طرف ان تمام چیزوں کو پہنچا دیا جو ان کے دین اور دنیا میں نفع دینے والی ہیں مثلاً ان کے کسب اور کار معاش کے لیے دن کی روشنی بنادی اور دن کی تھکاوٹ کے ازالہ اور آرام اور سکون پہنچانے کے لیے رات کو بنادیا تو ان کے اوپر بہت بڑی نعمت کو مکمل کر دیا' اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کریں اور اس کی اطاعت اور اس کی عبادت کے لیے کمربستہ رہیں اس وجہ سے جو شخص بھی میدان قیامت میں حاضر ہوگا اس سے اس کے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا ہے کہ اس نے مخلوق کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (الذاریات: ۵۶) اور میں نے ہر جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

(۴) پھر اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند اور دن اور رات کے احوال بیان کیے ہیں اور جمادات، نباتات اور حیوانات میں انسانوں کے لیے جو نعمتیں رکھی ہیں ان کو بیان فرمایا ہے اور اس میں اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ میں نے تمام کائنات تمہاری نفع اندوزی کے لیے بنائی ہے تاکہ تم ان نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو کر میری اطاعت اور عبادت کر سکو پھر جو شخص میدان قیامت میں حاضر ہو گا میں اس سے سوال کروں گا کہ آیا تم نے میری اطاعت اور عبادت کی تھی یا سرکشی، نافرمانی اور بغاوت کی تھی۔

طائر کا لغوی اور عرفی معنی

طائر ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کے پر ہوں اور وہ ہوا میں اڑتا پھرے، اس کی جمع طیر ہے، اصل میں تو طائر کا معنی اڑنے والا ہے مگر زمانہ جاہلیت میں عربوں کا معمول تھا کہ جب وہ کسی اہم کام کا ارادہ کرتے تو پرندوں کو بلاتے اور ان سے فال نکالتے اگر پرندہ بائیں جانب اڑ جاتا تو وہ اس سے بدشگونی اور بری فال نکالتے اور اس کام کو منحوس جانتے اور پھر اس کام کو نہ کرتے، اس طرح طائر کے لفظ کا استعمال شگون لینے کے لیے ہونے لگا اور طائر اور طیر کو نحوست کے لیے استعمال کیا جانے لگا، ہمارے محاورات میں بھی مشہور ہے کہ آدمی کسی کام کے لیے جا رہا ہو اور بلی راستہ کاٹ جائے تو اس کام کو منحوس خیال کرتے ہیں اور پھر اس کام پر نہیں جاتے، لفظ طائر کا استعمال حصہ اور نصیب کے معنی میں بھی ہوتا ہے، علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ تطیر کی اصل ہے لوگوں میں مال متفرق کر دینا اور اڑا دینا، پھر اس کا زیادہ استعمال برائی اور نحوست میں ہونے لگا، طائرہ کا معنی ہے اس کی شامت اعمال یا اس کی بری قسمت، طائرھم کا معنی ہے ان کی نحوست اور ان کی بدشگونی۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ○ (الاعراف: ۱۳۱) اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی تو اسے موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے، سنو! اللہ کے نزدیک ان ہی کی نحوست ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ طائر کا اطلاق عمل پر بھی کیا جاتا ہے خواہ وہ نیک عمل ہو یا بد عمل ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ (بنی اسرائیل: ۱۳) اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔

ہم انشاء اللہ اس کی وضاحت کریں گے۔

طائر (بدشگونی) کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرض (خود بہ خود) متعدی نہیں ہوتا اور نہ کوئی طیر (بدشگونی اور نحوست) ہے اور نہ الو (کی کوئی تاثیر) ہے اور نہ صفر (میں کوئی نحوست) ہے، اور مجذوم سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۰۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۱)

کسی چیز سے بدفالی نکال کر لوگ اپنے مطلوبہ کاموں سے رک جاتے تھے تو شریعت نے بتایا کسی نفع کے حصول یا کسی ضرر کے دور کرنے میں ان چیزوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اسماعیل بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں انسان کو عاجز نہیں کر سکتیں، بدفالی، بدگمانی اور حسد۔ آپ نے فرمایا بدشگونی سے تم کو یہ چیز نجات دے گی کہ تم اس پر عمل نہ کرو اور بدگمانی سے تمہیں یہ چیز نجات دے گی کہ تم اس کے متعلق کسی سے بات نہ کرو اور حسد سے تمہیں یہ چیز نجات دے گی کہ تم اپنے بھائی میں برائی نہ ڈھونڈو۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ١٩٥٠٤، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٣ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طیرہ (بدشگونی) شرک ہے، اور ہم میں سے ہر شخص بدشگونی میں مبتلا ہے اور اس کی وجہ سے توکل جاتا رہتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٦١٤، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٩١٠، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٥٣٨، مسند احمد ج ١ ص ٣٨٩، مسند ابویعلی رقم الحدیث: ٥٠٩٢)

صحائف اعمال کو گلے میں لٹکانے کی توجیہ

ہم نے بتایا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں طائر کا معنی ہے اعمال خواہ نیک ہوں یا بد، امام ابوعبیدہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہر شخص کے لیے عقل، علم، عمر، رزق، سعادت اور شقاوت کی ایک خاص مقدار معین فرمادی اور انسان اس خاص مقدار سے تجاوز نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ انسان اپنے اختیار سے نیک کام کرے گا یا بد اور اس کے نتیجہ میں وہ سعید ہوگا یا شقی ہوگا اور انسان اس مقدار سے تجاوز نہیں کر سکتا اور وہ مقدار لامحالہ اس پر چسپاں ہوگی، اور انسان کے گلے میں طائر (اعمال نامہ یا نوشتہ تقدیر) کو لٹکانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو اس کے لیے مقدر کر دیا اور اس کے علم میں جن کا ہونا لازمی ہے وہ انسان کے لیے لازم ہیں اور وہ ان سے منحرف نہیں ہو سکتا جیسا کہ حدیث میں ہے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے۔ عقل، عمر، رزق، تنگی اور فراخی، بیماری اور صحت ان میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے یہ محض اللہ کی تقدیر سے ہیں، اور نیک اعمال اور بد اعمال انسان کے اختیار سے ہیں اور ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ انسان اپنے اختیار سے کیسے عمل کرے گا، اس نے ان تمام امور کو لکھ کر انسان کے گلے میں لٹکا دیا یعنی یہ تمام امور اس کے لیے لازم کر دیے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا پس جس شخص کو وہ نور پہنچ گیا وہ ہدایت پا گیا اور جس شخص نے اس نور سے خطا کی وہ گمراہ ہو گیا اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم کے مطابق لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

امام احمد کی روایت میں ہے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے (مسند احمد رقم الحدیث: ٦٨٥٤، مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٦٤٢، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦١٦٩، ٦١٧٠، المستدرک ج ١ ص ٣٠، الشریعہ ص ١٧٥)

اللہ تعالیٰ نے گردن میں اعمال نامہ ڈالنے کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ اگر وہ نیک اعمال ہیں تو اس طرح ہیں جیسے زیب و زینت کے لیے گلے میں ہار ڈالا جاتا ہے اور اگر وہ بد اعمال ہیں تو جس طرح ذلت اور رسوائی کو ظاہر کرنے کے لیے گلے میں جوتیوں کا ہار یا طوق ڈالا جاتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ نکال لیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا۔

امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ حسن نے اس آیت کو تلاوت کر کے کہا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! میں نے تیرے لیے تیرا صحیفہ اعمال کھول دیا ہے، اور دو مکرم فرشتے تیرے لیے مقرر کر دیے ہیں: ایک تیری دائیں جانب ہے اور دوسرا تیری بائیں جانب ہے، جو فرشتہ تیری دائیں جانب ہے وہ تیری نیکیوں کی حفاظت کرتا ہے اور جو فرشتہ تیری بائیں جانب ہے وہ تیری برائیوں کی حفاظت کرتا ہے، اب تو جو چاہے عمل کر، خواہ کم خواہ زیادہ، حتیٰ کہ جب تو مر جائے گا تو تیرا صحیفہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا، اور وہ تیری گردن میں ڈال کر تیرے ساتھ تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا حتیٰ کہ جب تو قیامت کے دن قبر سے اٹھے گا تو تو اس اعمال نامہ کو کھلا ہوا پائے گا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۷۹۸)

بندہ کا اپنے صحائف اعمال کو پڑھنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا اعمال نامہ پڑھ لو! آج تم خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہو۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حسن نے کہا اس اعمال نامہ کو ہر شخص پڑھے گا خواہ وہ دنیا میں امی ہو یا غیر امی ہو، اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ اپنے محاسبہ کے لیے خود کافی ہے اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

اس کا معنی ہے محاسب یا شاہد ہے یا کافی ہے، یعنی انسان کی طرف اس کا حساب سونپ دیا جائے گا تاکہ وہ بندوں کے درمیان اللہ کے عدل اور فضل کو جان سکے، اور وہ یہ جان لے کہ اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہے اور وہ اپنے اعمال کے مطابق سزا کا مستحق ہے اور وہ یہ جان لے کہ اگر وہ جنت میں داخل ہوا ہے تو اللہ عزوجل کے فضل سے داخل ہوا ہے نہ کہ اپنے عمل کی وجہ سے اور اگر وہ دوزخ میں داخل ہوا ہے تو اپنے گناہوں کی وجہ سے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۹۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی فائدے کے لیے ہدایت کو اختیار کیا ہے، اور جو شخص گمراہی کو اختیار کرتا ہے تو اس کی گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہو گا، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں○ (بنی اسرائیل: ۱۵)

اولاد اور شاگردوں کی نیکیوں کا ماں باپ اور اساتذہ کو ملنے کا جواز

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کے ساتھ مختص ہے، اور اسی معنی کو اللہ تعالیٰ نے یہاں دوسری طرح تعبیر فرمایا، کہ جس نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے فائدہ ہی کے لیے ہدایت کو اختیار کیا ہے، اور جو شخص گمراہی کو اختیار کرتا ہے تو اس کی گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہو گا یعنی کسی نیک عمل کا ثواب اس نیک عمل کرنے والے ہی کو ہو گا اور اس کی نیکی کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں ہو گا سوا اس صورت کے کہ اس نے اپنے نیک عمل کا ثواب کسی کو پہنچایا ہو جیسے حج بدل اور ایصال ثواب کی دوسری صورتیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝ (النجم: ۴۱-۳۹)

اور یہ کہ انسان کو اسی عمل کا اجر ملے گا جس کی اس نے کوشش کی ہے○ اور یہ کہ اس کے عمل کو عنقریب دیکھا جائے گا○ پھر اس کے عمل کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اولاد کی نیکیوں کا اجر ماں باپ کو ملتا ہے اور علماء کی تعلیم اور تبلیغ سے نیک عمل کرنے والوں

کا اجر ان علماء اور مبلغین کو ملتا ہے اور حج بدل کرنے والے کے حج کا اجر حج کرانے والے کو ملتا ہے' اور دعا اور استغفار اور شفاعت سے ان لوگوں کو اجر ملتا ہے اور ان کی مغفرت ہوتی ہے اور اس میں کسی کی نیکی کا اجر دوسرے کو پہنچتا ہے اور یہ اس آیت کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ کسی شخص کی سعی کا اجر اسی کو ملے گا اس آیت میں سعی اور عمل سے مراد عام ہے خواہ اس شخص نے وہ عمل کیا ہو یا اس سعی اور عمل کا سبب فراہم کیا ہو' مثلاً ماں باپ' اساتذہ' اور مبلغین نے اپنی اولاد اور تلامذہ اور عام لوگوں کو نیک کام کی تعلیم و تربیت دی اور نیکی کی تلقین کی اس سبب سے انہوں نے نیک کام کیے' اس لیے اولاد اور تلامذہ کی نیکیاں ماں باپ اور اساتذہ کی ہی نیکیاں ہیں اور ان کو اپنی ہی نیکیوں کا اجر ملتا ہے' اسی طرح کوئی شخص دوسرے کے لیے تبھی دعا' استغفار اور شفاعت کرتا ہے جب وہ اس کے ساتھ کوئی نیکی کرتا ہے تو حقیقت میں اسے اپنی ہی نیکی کا اجر مل رہا ہے' اور حج بدل کرانے والے کو حج کا ثواب اس لیے ملتا ہے کہ وہ اس حج کا خرچہ اٹھاتا ہے تو یہ بھی اس شخص کی نیکی ہے' اس طرح ہر شخص کو اپنی نیکی کا اجر ملتا ہے خواہ اس کی یہ نیکی بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ۔

انسان اپنے افعال میں مجبور نہیں ہے مختار ہے

نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسان اپنے اعمال میں مجبور نہیں ہے اس کو اختیار دیا جاتا ہے کہ خواہ وہ نیک عمل کرے خواہ برے عمل کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جس نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے اختیار کیا ہے اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا تو اس کی گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) کسی شخص سے دوسرے شخص کے گناہوں کا حساب نہیں لیا جائے گا اور دوسرے شخص سے اس کے گناہوں کا حساب نہیں لیا جائے گا بلکہ ہر شخص صرف اپنے گناہوں کا جواب دہ اور ذمہ دار ہے۔

(۲) کسی شخص کو دوسروں کے برے اعمال کی پیروی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس وجہ سے ان کی نجات نہیں ہوگی کہ یہ برے اعمال اس نے از خود نہیں کیے بلکہ دوسروں کے برے اعمال کی پیروی کی ہے جیسا کہ کافروں نے کہا تھا:

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ (الزخرف: ۲۲)

بلکہ وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور بے شک ہم ان ہی کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیںO

آیا گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے یا نہیں؟

اس آیت سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ استدلال کیا تھا کہ میت پر زندہ لوگوں کے رونے سے میت کو عذاب نہیں ہوتا' اس کی تفصیل ان حدیثوں میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ میت پر گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے' پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا گیا تو حضرت صہیب ان کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے ہائے میرے بھائی! ہائے میرے صاحب! حضرت عمر نے کہا اے صہیب تم مجھ پر رو رہے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۹۳)

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر شہید ہو گئے تو میں نے حضرت عمر کا یہ قول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے بلکہ یہ فرمایا تھا کہ گھر والوں کے رونے سے کافر کے عذاب کو زیادہ کیا جاتا ہے، اور تمہارے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(الانعام: ۱۶۴) (بنی اسرائیل: ۱۳)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۸-۹۲۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۴۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۹۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودیہ کی قبر کے پاس سے گزرے جس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے، آپ نے فرمایا یہ اس پر رو رہے ہیں اور اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۰۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۵۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ تھا کہ جب کوئی شخص کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا تو گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب کیوں ہوگا؟ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسائل میں اصاغر صحابہ اکابر صحابہ سے دلائل کے ساتھ عزت و احترام سے اختلاف کرتے تھے اور اس وجہ سے کوئی صحابی دوسرے صحابی پر طعن نہیں کرتا تھا نہ ان کے متبعین طعن کرتے تھے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے ائمہ مجتہدین سے لے کر علامہ شامی تک تمام اکابر فقہاء سے اختلاف کیا ہے اور اس چیز کو ان کے فضائل میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس مسئلہ میں بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی گھر میں مرنے والے پر رویا جاتا ہو تو اس گھر کے کسی فرد پر اگر رویا جائے تو اس کے رونے سے اس کو قبر میں عذاب ہوگا کیونکہ اس پر لازم تھا کہ وہ گھر والوں کو میت پر رونے سے منع کرتا اور جب اس نے ان کو اس سے منع نہیں کیا تو اس کے مرنے کے بعد ان کے رونے سے اس کو عذاب دیا جائے گا، قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ (التحریم: ۶) اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

انسان پر صرف یہ لازم نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے آپ کو برے کاموں سے بچائے بلکہ اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کو بھی برے کاموں سے بچائے، اگر وہ خود برے کاموں سے بچا رہا اور اس کے ماتحت لوگ برائیوں میں مبتلا رہے اور اس نے ان کو برے کاموں سے نہیں روکا تو اس سے باز پرس ہوگی اور وہ عذاب کا مستحق ہوگا۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، امام محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، مرد اپنے گھر کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، خادم اپنے مالک کے گھر کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۸۳۹، سنن الترمذی رقم الحدیث:۵۰۷، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۲۰۶۳۹، مسند احمد رقم الحدیث:۴۴۹۵)

جب ہر شخص پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کی گناہوں سے حفاظت کرے تو اگر کسی گھرانے میں میت پر رونے کی رسم ہو تو اس گھر کے بڑے پر لازم ہے کہ وہ میت پر رونے سے منع کرے ورنہ اگر اس پر رویا گیا تو اس کو بھی عذاب ہو گا امام بخاری نے یہ فرمایا ہے کہ اگر اس نے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس پر رویا جائے تو پھر وہ عذاب دیے جانے کا مستحق ہو گا۔

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے اُن کو عذاب ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

اس آیت میں یہ فرمایا ہے اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں O (بنی اسرائیل: ۱۵)

اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا گیا ہے کہ جو لوگ اصحاب فترت ہیں یعنی جس زمانہ کے لوگوں کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جیسے اہل مکہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا تھا، قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ۔ (المائدہ: ۱۹)

اے اہل کتاب بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے جو تمہارے لیے (ہمارے احکام) بیان فرماتا ہے اس کے بعد کہ رسولوں کی آمد تو رکی رہی تھی۔

اسی طرح وہ لوگ جو بلوغت کا زمانہ پانے سے پہلے بچپن میں فوت ہو گئے تھے اور وہ لوگ جو دور دراز کے علاقوں میں رہتے ہیں جہاں تک دین کے احکام نہیں پہنچے، ایسے تمام لوگوں کو صرف دنیا میں یا دنیا اور آخرت میں عذاب نہیں دیا جائے گا یہ ایک معرکۃ الاراء مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں پہلے ہم قرآن مجید کی آیات بیان کریں گے، پھر احادیث بیان کریں گے اور اس کے بعد متکلمین کے مذاہب اور ان کے نظریات بیان کریں گے فنقول وباللہ التوفیق۔

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا۔ (القصص: ۵۹)

اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں ایک رسول نہ بھیج دے، جو ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌO قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍO (الملک: ۹-۸)

جب بھی دوزخ میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ کہیں گے کیا تمہارے پاس کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟O وہ کہیں گے کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس عذاب سے ڈرانے والے آئے تھے، سو ہم نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے کہا اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور تم صرف بہت بڑی گمراہی میں ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف ان ہی لوگوں پر عذاب ہو گا جن کے پاس رسول آئے اور انہوں نے ان کی تکذیب

کی۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ○ (الزمر: ۷۱)

اور کافروں کو گروہ در گروہ دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا' یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے (پھر) اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے' اور دوزخ کے نگہبان ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے تھے' اور تمہیں اس دن کے آنے سے ڈراتے تھے' وہ کہیں گے کیوں نہیں! مگر عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا۔

ان آیات کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جن کو ہم مذاہب علماء کے ضمن میں بیان کریں گے۔ اب ہم اس سلسلہ میں احادیث بیان کر رہے ہیں:

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق احادیث

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہو گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام روحوں کو جمع کرے گا جو زمانہ فترت (انقطاع نبوت کا زمانہ) میں مر گئے تھے اور کم عقل اور بہرے اور گونگے لوگوں کی روحوں کو اور ان بوڑھے لوگوں کی روحوں کو کہ جب اسلام آیا ان کی بڑھاپے کی وجہ سے عقل فاسد ہو چکی تھی' پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا جو ان سے کہے گا کہ تم سب دوزخ میں داخل ہو جاؤ' وہ کہیں گے کیوں ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا اور اللہ کی قسم اگر وہ اس میں داخل ہو جاتے تو وہ دوزخ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جاتی' پھر اللہ ان کی طرف ایک رسول بھیجے گا اور ان میں سے جو ان کی اطاعت کرنی چاہے گا وہ ان کی اطاعت کرے گا' پھر حضرت ابوہریرہ نے کہا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو!

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا۔ (بنی اسرائیل: ۱۵)

اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۰۷۶۹' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۲۱۳' الدرالمنثور ج ۵ ص ۲۵۵-۲۵۴)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اسود بن سریع بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن چار قسم کے آدمی پیش ہوں گے' ایک بہرہ شخص جو کچھ نہیں سنتا تھا' ایک احمق آدمی' اور ایک بہت بوڑھا آدمی اور ایک وہ آدمی جو زمانہ فترت (جس زمانہ میں کوئی رسول نہیں تھا) میں فوت ہو گیا تھا' بہرہ شخص کہے گا' اے میرے رب! اسلام جس وقت آیا میں کچھ نہیں سنتا تھا اور رہا احمق تو وہ یہ کہے گا: اے میرے رب جس وقت اسلام آیا تو بچے مجھ پر اونٹ کی مینگنیاں پھینکتے تھے' اور بہت بوڑھا شخص کہے گا اے میرے رب! جس وقت اسلام آیا تو میں کچھ نہیں سمجھتا تھا اور جو شخص زمانہ فترت میں فوت ہو گیا تھا وہ کہے گا: اے میرے رب! میرے پاس تیرا کوئی رسول نہیں آیا جو مجھ سے عہد لیتا اور میں اس کی اطاعت کرتا' آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے! اگر یہ لوگ دوزخ میں داخل ہو جاتے تو وہ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جاتی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۴' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۴۱۰' مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اس شخص کو لایا جائے گا جس کی عقل ناقص ہو چکی تھی اور اس شخص کو لایا جائے گا جو زمانہ فترت میں ہلاک ہو چکا تھا اور اس شخص کو لایا جائے گا جو بچپن میں مر گیا تھا، جس شخص کی عقل ناقص تھی وہ کہے گا: اے میرے رب کاش تو مجھے صحیح عقل عطا فرماتا تو میں اپنی عقل سے کامیاب ہو جاتا اور جو شخص زمانہ فترت میں ہلاک ہو چکا تھا وہ کہے گا: اے میرے رب! اگر تو میرے پاس اپنا پیغام بھیجتا تو میں تیرے پیغام پر عمل کر کے کامیاب ہو جاتا، اور جو شخص بچپن میں مر گیا تھا وہ کہے گا: اے میرے رب! اگر تو مجھے طویل عمر دیتا تو میں اس عمر میں نیک عمل کر کے کامیاب ہو جاتا، رب سبحانہ فرمائے گا میں تم کو ایک کام کرنے کا حکم دیتا ہوں کیا تم میری اطاعت کرو گے؟ وہ کہیں گے: ہاں ہمارے رب تیری عزت کی قسم! اللہ سبحانہ فرمائے گا جاؤ! دوزخ میں داخل ہو جاؤ! آپ نے فرمایا اگر وہ دوزخ میں داخل ہو جاتے تو وہ ان کو بالکل نقصان نہیں پہنچاتی، پھر دوزخ کی آگ کے ٹکڑے ان کی طرف اس طرح جھپٹیں گے جیسے شکاری جانور شکار کی طرف جھپٹتا ہے اور وہ یہ گمان کریں گے کہ اللہ نے جس چیز کو بھی پیدا کیا ہے یہ اس کو ہلاک کر دے گی سو وہ واپس آ جائیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم دوزخ میں داخل ہونے کے لیے گئے تو آگ کے ٹکڑے ہم پر جھپٹنے کے لیے آگے بڑھے اور ہم نے یہ گمان کیا کہ اللہ نے جس چیز کو بھی پیدا کیا ہے یہ آگ اس کو ہلاک کر دے گی، اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ حکم دے گا وہ دوبارہ پہلے کی طرح لوٹ آئیں گے، رب سبحانہ فرمائے گا میں تم کو پیدا کرنے سے پہلے جانتا تھا کہ تم کیا کرو گے، میں نے اپنے علم کے مطابق تم کو پیدا کیا اور میرے علم کے مطابق ہی تمہارا انجام ہونا ہے پھر ان کو دوزخ کی آگ پکڑ لے گی۔ (تمہید ج ۶ ص ۵۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ جو شخص بچپن میں فوت ہو گیا وہ آخرت میں کہاں ہو گا؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ (بڑے ہو کر) کیا عمل کرنے والے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱، عالم الکتب، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۴، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۶۵)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچے کے جنازہ میں بلایا گیا، میں نے کہا یا رسول اللہ! اس بچے کے لیے سعادت ہو! یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے، اس نے کوئی برائی کی نہ کسی برائی کو پایا، آپ نے فرمایا اے عائشہ! اس کے علاوہ بھی کچھ ہو سکتا ہے! اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے کچھ لوگوں کو پیدا کیا ہے اور ان کو جنت کے لیے اس وقت پیدا کیا جس وقت وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے، اور کچھ لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اور جس وقت ان لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۴۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۲)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس لڑکے کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اس پر کفر کی مہر تھی اور اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کو بھی کفر اور گمراہی میں مبتلا کر دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۵۲)

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق فقہاء مالکیہ کے نظریات

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔ اس آیت سے اس چیز پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس جزیرہ میں توحید اور رسالت کے دلائل نہ پہنچے ہوں ان لوگوں کے

لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے' علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ احکام صرف شرع سے ثابت ہوتے ہیں اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ عقل میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ چیزوں کا حسن اور قبح معلوم کر سکے اور بعض چیزوں کو مباح اور بعض کو ممنوع قرار دے سکے' اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا کا حکم ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف رسول بھیجے بغیر اور اس کو ڈرائے بغیر اس پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا' اور ایک فرقہ نے کہا رسول کو بھیجے بغیر دنیا میں عذاب نازل فرمائے گا اور نہ آخرت میں عذاب دے گا کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝ (الملک: ۹-۸)

گویا شدت غضب سے دوزخ ابھی پھٹ جائے گی' جب بھی دوزخ میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو دوزخ کے نگہبان ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ۝ وہ کہیں گے کیوں نہیں! ہمارے پاس ڈرانے والے آئے تھے' پس ہم نے ان کو جھٹلایا اور کہا اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور تم محض بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ آخرت میں ان ہی لوگوں کو عذاب ہو گا جن کے پاس رسول پہنچ گئے تھے' سو جس علاقہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت کا پیغام نہیں پہنچا ان پر دنیا میں عذاب نازل ہو گا اور نہ آخرت میں انہیں عذاب پہنچے گا۔

ابن عطیہ نے کہا نظر کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو توحید کے ساتھ بھیجا اور حضرت آدم نے تمام عقائد کی اپنے بیٹوں میں تبلیغ کر دی اور اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل قائم کر دیے جب کہ فطرت سلیمہ ہر شخص پر یہ واجب کرتی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے اور اس کی شریعت کی اتباع کرے' پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کفار کے غرق ہونے کے بعد اپنی اولاد میں ان عقائد اور احکام کی تبلیغ کی' اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں تک رسالت کا پیغام نہیں پہنچا اور وہ اہل الفترات ہیں ان کو ایمان نہ لانے پر عذاب نہیں ہو گا۔

بعض روایات میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجنونوں اور بچوں کی طرف رسول بھیجے گا مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے' اور شریعت کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ آخرت دار تکلیف نہیں ہے' اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل فترت اور گونگوں اور بہروں کی طرف رسول بھیجے گا اور وہ ان کو دنیا میں جو جواب دیتے وہی جواب دیں گے یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے' اور ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ جو لوگ جزیروں میں رہتے ہیں جب وہ اسلام کی خبر سنیں اور ایمان لائیں تو وہ ماضی کے عمل کے مکلف نہیں ہوں گے اور یہ صحیح ہے' اور جس شخص تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ عقلاً عذاب کا مستحق نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۲۰۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

متکلمین اشاعرہ اور فقہاء شافعیہ کا یہ نظریہ ہے کہ اہل فترت (جن کے زمانہ میں کوئی رسول نہیں تھا) کو مطلقاً عذاب نہیں دیا جائے گا دنیا میں نہ آخرت میں' اور جس احادیث میں یہ وارد ہے کہ آخرت میں ان کا امتحان لیا جائے گا یا اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ان میں سے جو ایمان لانے والے ہوں گے ان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا اور جن کے متعلق اس کو یہ علم ہو گا

وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا (ہم عنقریب ان احادیث کو باحوالہ بیان کریں گے) ان کا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث اخبار احاد ہیں وہ ان نصوص کے مزاحم نہیں ہو سکتیں جن میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے بھیجنے سے پہلے عذاب نہیں دے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل فترت میں سے بعض کو عذاب دیا جائے اور اس کی وجہ کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی علم ہے اور وہ بعض اہل فترت ان آیات کے عموم سے مستثنیٰ ہوں' اور استثناء کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ذکر ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو بچپن میں قتل کر دیا تھا کیونکہ اس نے بڑے ہو کر کافر ہونا تھا اسی طرح احادیث میں ذکر ہے کہ زمانہ فترت میں عمرو بن لحی نے جو کفریہ کام کیے تھے ان کی وجہ سے اس کو دوزخ میں عذاب ہو گا اور وہ اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا ہو گا' کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام کے نام رکھے' ان کو بتوں کے لیے نامزد کیا اور ان کے کھانے کو حرام قرار دیا اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اصحاب فترت میں سے ان لوگوں کو عذاب نہیں ہو گا جن تک کسی بھی رسول کے احکام نہ پہنچے ہوں اور جو طریقہ انبیاء سابقین سے چلا آ رہا ہو اس میں انہوں نے تغیر اور تبدل نہ کیا ہو اور بت پرستی نہ کی ہو کیونکہ شرک اور بت پرستی ایسے گناہ ہیں جن کو معاف نہیں کیا جائے گا اور ان میں کوئی شخص معذور نہیں ہے۔

اور جس نظریہ کی طرف قلب مائل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی وحدت اور اس کے اولاد سے منزہ ہونے کے لیے کسی شریعت سابقہ کے وارد ہونے سے پہلے بھی انسان کی عقل کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا رسولوں کو بھیجنا اور کتابوں کو نازل فرمانا محض اس کی رحمت ہے یا اس نے اس لیے رسولوں کو بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادات کی اقسام اور مختلف جرائم کی حدود کو انسان محض اپنی عقل سے نہیں جان سکتا ورنہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت اور اس کی توحید کو جاننے کے لیے انسان کی عقل کافی ہے کیونکہ ریگستان میں پڑی ہوئی اونٹوں کی مینگنیاں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں سے اونٹوں کا گزر ہوا ہے تو سورج' چاند اور ستاروں سے معمور فضاء آسمان اور سمندروں' دریاؤں اور چشموں والی زمین اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیوں دلالت نہیں کرے گی!

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ دوزخ کے فرشتے دوزخیوں سے کہیں گے:

اَوَلَمۡ تَكُ تَاۡتِيۡكُمۡ رُسُلُكُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ قَالُوۡا بَلٰى ۔ (المؤمن: ۵۰)

کیا تمہارے پاس رسول روشن نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں!

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ‌ؕ (النساء: ۱۶۵)

ہم نے خوش خبری دیتے ہوئے اور عذاب کی وعید سناتے ہوئے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد اللہ کے سامنے لوگوں کے لیے عذر پیش کرنے کا کوئی موقع نہ رہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجنے کی حکمت بیان فرمائی:

وَلَوۡ اَنَّاۤ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِعَذَابٍ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَقَالُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَيۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَنَخۡزٰى ۝ (طٰہٰ: ۱۳۴)

اور اگر ہم رسولوں کو بھیجنے سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تاکہ ہم ذلیل و خوار ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی پیروی کر لیتے۔

نیز فرمایا:

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۳۱)

یہ اس لیے کہ آپ کا رب بستیوں والوں کو ظلماً ہلاک کرنے والا نہیں اس حال میں کہ وہ (رسولوں کی تعلیمات سے) بے خبر ہوں۔

ایسی تمام آیتوں کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیجے بغیر ان پر اس دنیا میں عذاب نازل نہیں فرمائے گا' لیکن آخرت میں کفار کے لیے عذاب لازم ہے' اور ان اہل فترت پر بھی عذاب ہو گا جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور شعور عطا کیا تھا اور ان کو غور و فکر اور استدلال کرنے کی قوت عطا کی تھی جس سے وہ اس جہان کو دیکھ کر اس کے پیدا کرنے والے کو جان سکتے تھے' خاص طور پر وہ لوگ جن تک رسولوں میں سے کسی نہ کسی رسول کا پیغام پہنچ چکا تھا۔

اور ایسے کسی علاقہ کا پایا جانا بہت مشکل ہے جہاں کے لوگوں تک کسی نہ کسی رسول کا پیغام نہ پہنچا ہو' ہو سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں امریکہ کے کسی دور دراز جزیرہ یا افریقہ کے جنگلات میں کوئی ایسی جگہ ہو' لیکن آج کی مہذب دنیا میں جب کہ پوری دنیا کی چھان بین کر لی گئی ہے اور روئے زمین کے ہر گوشہ کے متعلق معلومات اکٹھی کی جا چکی ہیں کسی ایسے علاقہ کا پایا جانا بہت مشکل ہے جہاں پر کسی بھی ذریعہ سے کسی نہ کسی رسول کا پیغام نہ پہنچا ہو' پھر ائمہ اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جن لوگوں تک کسی رسول کا پیغام نہیں پہنچا آیا ان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے عذاب ہو گا یا نہیں' بعض کے نزدیک ان کو بالکل عذاب نہیں ہو گا اور بعض ائمہ کے نزدیک ان لوگوں کو عذاب ہو گا جن کے پاس غور و فکر کرنے کی صلاحیت تھی' باقی رہا تمام قسم کی عبادات کو بجا لانا اور جرائم کا ارتکاب نہ کرنا اور جرائم کے ارتکاب کرنے والے پر حدود جاری کرنا سو ظاہر ہے کہ یہ رسولوں کی تعلیمات کے بغیر نہیں ہو سکتا سو جن لوگوں تک رسولوں کا پیغام نہ پہنچا ہو ان پر ان امور کے ترک کی وجہ سے مطلقاً عذاب نہیں ہو گا۔

علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

بعض احناف نے یہ کہا ہے کہ بعض احکام کا ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے' اس لیے انہوں نے کہا کہ ایمان واجب ہے اور کفر حرام ہے' اسی طرح ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہو مثلاً کذب اور جہل وغیرہ یہ بھی حرام ہے' حتیٰ کہ عقل مند بچہ جو ایمان اور کفر میں تمیز کر سکتا ہو اس پر ایمان لانا واجب ہے' اور اس مسئلہ میں ان کے اور معتزلہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے' اور وہ (احناف) اس کے قائل ہیں کہ بعض اشیاء کا حکم عقل سے معلوم ہو جاتا ہے اور شرع پر موقوف نہیں ہوتا اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ جو شخص اپنے خالق سے جاہل ہو اس کا عذر مقبول نہیں ہے' کیونکہ وہ اللہ کے وجود اور اس کی ذات پر دلائل کا مشاہدہ کر رہا ہے' اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان لانا تمام عقلاء کے نزدیک صفت کمال ہے اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا سب کے نزدیک صفت نقصان ہے' نیز ایمان کا معنی ہے نعمت کا شکر ادا کرنا اور یہ صفت کمال ہے اور کفر کا معنی ہے نعمت کا کفر ہے اور یہ صفت نقصان ہے' پس عقل کے نزدیک ایمان حسن ہے اور کفر قبیح ہے لہٰذا اگر انسان اس کام کو ترک کر دے جو عقل کے نزدیک حسن ہے تو وہ عذاب کا مستحق ہو گا خواہ اس تک اللہ کا حکم نہ پہنچے اور وہ معذور نہیں ہو گا' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس کے پاس بالفعل اللہ کا حکم نہیں پہنچا' اور عقل پر اعتماد کلی نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ کے مذہب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر رسول کے بھیجنے اور اس کی دعوت کے بغیر ایمان لانا واجب ہو تو

اس سے لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص عقل کے حکم پر اللہ اور اس کی صفات پر ایمان لائے بغیر مرجائے تو لازم آئے گا کہ رسولوں کے بھیجے بغیر بھی اس کو عذاب دیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔ (الاسراء: ۱۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے تو پھر اس کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا' کیونکہ غور و فکر کی مدت عقل کو متنبہ کرنے کے لیے رسولوں کی بعثت کے قائم مقام ہے' اور یہ مدت مختلف ہوتی ہے' کیونکہ لوگوں کی عقلیں مختلف ہوتی ہیں۔ امام فخرالاسلام نے اصول بزدوی میں یہ کہا ہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ انسان عقل سے مکلف ہوتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ اس کی تجربہ سے مدد فرماتا ہے اور اس کو انجام کا ادراک کرنے کی مہلت مل جاتی ہے تو پھر وہ معذور نہیں رہے گا خواہ اس کو رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو' جیسا کہ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ کم عقل شخص جب پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس سے اس کے مال کو روکا نہیں جائے گا لیکن اللہ پر ایمان لانے کے باب میں عمر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی۔ بہرحال جب انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے' جس مدت میں اس کا دل متنبہ ہو سکے تو یہ مدت اس کے حق میں رسول کی دعوت کے قائم مقام ہے۔

ہم نے بیان مذاہب کی جو تقریر کی ہے اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ جو انسان دور دراز کے پہاڑوں میں بالغ ہوا اور اس تک رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو' اور نہ اس نے ضروریاتِ دین کا عقیدہ رکھا ہو اور نہ احکام شرعیہ پر عمل کیا ہو' تو معتزلہ اور احناف کی ایک جماعت کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب ہو گا' کیونکہ اس کی عقل جن احکام کا ادراک کرنے میں مستقل تھی اس نے اس کے تقاضے پر عمل نہیں کیا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک اس کو مطلقاً کفر کے اختیار کرنے پر عذاب ہو گا' خواہ وہ بلوغت کی ابتداء میں کفر کو اختیار کرے خواہ غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد کفر کو اختیار کرے' اسی طرح اگر وہ ایمان نہیں لایا پھر بھی اس کو عذاب ہو گا خواہ وہ بلوغت کی ابتداء میں اللہ پر ایمان نہ لایا ہو یا غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد ایمان نہ لایا ہو' اور اشاعرہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک اس کو عذاب نہیں ہو گا' کیونکہ حکم شرع سے ثابت ہوتا ہے اور مفروض یہ ہے کہ اس شخص کے پاس شریعت کی دعوت نہیں پہنچی' اس لیے اشاعرہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک اس شخص کے ایمان نہ لانے یا کفر کرنے کی وجہ سے اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ انسان تک تمام احکام کی دعوت پہنچ جانی لازم ہے۔ (شرح مسلم الثبوت ص ۶۳۔ ۶۰ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) جمہور معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک رسول کی بعثت نہ ہو پھر بھی انسان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی ذات اور صفات پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کفر نہ کرے' اگر وہ ایمان نہیں لایا اور اس نے کفر کیا تو اس کو عذاب ہو گا۔

(۲) امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر ایسے شخص نے اللہ کی معرفت حاصل نہ کی تو وہ مستحق عذاب ہو گا خواہ اس کو عذاب نہ ہو۔

(۳) اشاعرہ اور جمہور احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کے پاس رسول کی دعوت اور شریعت کا پیغام نہ پہنچے وہ ایمان لانے یا کسی اور حکم کو بجالانے کا مکلف نہیں ہے۔ جمہور کا استدلال النساء: ۱۶۵' الاسراء: ۱۵ اور حسبِ ذیل آیت سے ہے:

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى - (طٰہٰ: ۱۳۴)

اور اگر ہم انہیں رسول کے آنے سے پہلے کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے رب تُو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی اتباع کرتے، اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہو جاتے۔

امام حافظ یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر مالکی قرطبی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

بالغ ہونے سے پہلے فوت ہونے والے بچوں کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) تمام بچے خواہ وہ مومنوں کے بچے ہوں یا کافروں کے جو بلوغت سے پہلے فوت ہو جائیں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں وہ چاہے تو ان پر رحم فرمائے اور وہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور یہ سب اس کا عدل ہے اور اسی کو علم ہے ان بچوں نے بڑے ہو کر کیا کرنا تھا۔

(۲) اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں ہوں گے اور کفار کے بچے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں۔

(۳) تمام بچوں کا دنیا اور آخرت میں وہ حکم ہو گا جو ان کے آباء کا حکم ہو گا، مومنوں کے بچے اپنے آباء کے ایمان کے حکم سے مومن قرار پائیں گے اور کافروں کے بچے اپنے آباء کے حکم سے کافر قرار پائیں گے سو مسلمانوں کے بچے جنت میں ہوں گے اور کافروں کے بچے دوزخ میں ہوں گے۔

(۴) مشرکین کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے۔

(۵) ان بچوں کا آخرت میں امتحان لیا جائے گا۔

(۶) مسلمانوں کی اولاد ہو یا کافروں کی جب وہ بلوغت سے پہلے فوت ہو گی تو وہ سب جنت میں ہو گی۔

ان تمام نظریات کے حاملین نے اپنے اپنے موقف پر احادیث اور آثار سے استدلال کیا ہے۔

(التمہید ج ۷ ص ۲۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نابالغ اولاد کا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہونا

حماد، ابن المبارک اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ مومنوں کے بچے ہوں یا کافروں کے وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں!

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۲۴۶) اس کی دلیل یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، یا نصرانی بنا دیتے ہیں جیسے تم دیکھتے ہو کہ جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی نقص دیکھتے ہو؟ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ یہ بتائیں کہ جو شخص بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو جائے؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ (بڑے ہو کر) کیا کرنے والے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۰، ۶۵۹۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۸، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۴، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۶۶۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۲۱، عالم الکتب، التمہید ج ۷ ص ۲۵۶، ۲۵۵، ۱۲، المعجم الکبیر ج ۴ ص ۵۲)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انصار کا ایک بچہ لایا گیا جس پر

نماز پڑھی جاتی تھی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ اس بچہ کے لیے سعادت ہو یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے۔ اس نے نہ کوئی برا کام کیا نہ اس کے متعلق جانتا تھا، آپ نے فرمایا: اے عائشہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور کچھ لوگوں کو جنت کے لیے پیدا کیا اور جس وقت ان کو جنت کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا اور جس وقت ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۴۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۲، مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۸، التمہید ج ۷ ص ۲۶۰)

مسلمانوں کے بچوں کا جنت میں ہونا

بعض اصحاب شافعی اور ابن حزم کا مسلک یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں ہوں گے اور کفار کے بچے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۴۶) ان کی دلیل یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں سے جس کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان بچوں کو اور اس کے والد کو اپنے فضل اور رحمت سے جنت میں داخل فرما دے گا، قیامت کے دن ان کو لایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیں گے نہیں، حتیٰ کہ ہمارے آباء بھی جنت میں داخل ہوں، ان سے کہا جائے گا تم اور تمہارے آباء میرے فضل اور رحم سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۴، التمہید ج ۷ ص ۲۶۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۵۶۰، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۲۶۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

معاویہ بن قرۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بیٹے کو لے کر آیا، آپ نے فرمایا کیا تم اس بچے سے محبت کرتے ہو؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ سے بھی اللہ اتنی محبت رکھے جتنی محبت میں اس بچے سے رکھتا ہوں! پھر وہ بچہ فوت ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کئی دن تک نہیں دیکھا آپ نے اس کے متعلق پوچھا وہ کہاں ہے، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ اس کا بچہ فوت ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے جس دروازہ سے بھی داخل ہونا چاہو تمہارا بچہ بھاگتا ہوا آئے اور تمہارے لیے وہ دروازہ کھول دے، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آیا یہ صرف اس کی خصوصیت ہے یا یہ ہم سب کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا بلکہ یہ تم سب کے لیے ہے۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۶۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۵، المستدرک ج ۱ ص ۳۸۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۵۴، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۰، التمہید ج ۷ ص ۲۶۵)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۲، مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۰، المستدرک ص ۳۸، دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۸۹، شرح السنہ ج ۱۴ ص ۱۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۷۹، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۶۲، التمہید ج ۷ ص ۲۶۶-۲۶۵)

مشرکین کے بچوں کا دوزخ میں داخل ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مسلمانوں کے

بچے کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ جنت میں، پھر میں نے آپ سے سوال کیا کہ مشرکین کے بچے قیامت کے دن کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ انہوں نے اعمال کا زمانہ نہیں پایا اور ان پر قلم تکلیف جاری نہیں ہوا؟ آپ نے فرمایا تمہارا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ (بڑے ہو کر) کیا عمل کرنے والے تھے! اور اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں دوزخ میں ان کے رونے اور چلانے کی آواز سنادوں!

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں اس حدیث کا ایک راوی بہیتہ ہے اس جیسے راوی کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ بالفرض اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ اس جیسی دیگر احادیث کی طرح خصوصیت کی محتمل ہے۔

(تمہید ج ٧ ص ١٠٧ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٩ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو امام احمد کے حوالے سے لکھا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کی سند کا ایک راوی ابو عقیل متروک ہے۔ (فتح الباری ج ٣ ص ٢٤٦ مطبوعہ لاہور ١٤٠١ھ)

مشرکین کی اولاد کا اہل جنت کا خادم ہونا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی اولاد اہل جنت کی خادم ہوگی۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٢٩٩٦ یہ حدیث حضرت سمرہ بن جندب سے بھی مروی ہے المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٢٠٧٦، تمہید: ج ٧ ص ٣٦٨)

میدان قیامت میں بچوں اور دیگر کا امتحان ہونا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص زمانہ فترت میں فوت ہو گیا اور کم عقل اور بچہ کے متعلق آپ نے فرمایا جو شخص زمانہ فترت میں فوت ہو گیا تھا وہ قیامت کے دن کہے گا نہ میرے پاس کتاب آئی اور نہ رسول آیا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا ۔ (طٰہٰ: ١٣٤)

اور اگر ہم اس سے پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یقیناً یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا (تاکہ ہم تیری آیتوں کی اتباع کرتے) اس سے پہلے کہ ہم ذلیل و خوار ہوتے۔)

آپ نے پوری آیت پڑھی۔

اور کم عقل کہے گا اے میرے رب! تو نے میری کامل عقل کیوں نہ بنائی تاکہ میں خیر و شر کو سمجھتا اور نابالغ بچہ کہے گا اے میرے رب! میں نے تو عمل کرنے کا زمانہ ہی نہ پایا، آپ نے فرمایا پھر ان کے لیے دوزخ پیش کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا اس میں داخل ہو جاؤ، جو شخص اللہ کے علم میں نیک ہو گا اور اچھے عمل کرے گا وہ اس میں داخل ہو جائے گا اور جو شخص اللہ کے علم میں شقی ہو گا خواہ وہ عمل کا زمانہ نہ پائے وہ اس میں داخل نہیں ہو گا آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل فرمائے گا تم نے میری نافرمانی کی ہے تو اگر میرے رسول تمہارے پاس آتے تو تم ان کی فرمانی کیوں نہ کرتے۔ (تمہید ج ٧ ص ٣٧٤)

تمام بچوں کا جنت میں داخل ہونا خواہ مسلمان ہوں یا کافر

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کے آخر میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا وہ دراز قامت شخص جو باغ میں تھے وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور جو بچے آپ کے گرد تھے یہ وہ بچے تھے جو فطرت پر فوت ہو گئے، بعض مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! مشرکین کی اولاد بھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی اولاد بھی!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۴، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۸، مسند احمد ج ۵ ص ۸، المعجم الکبیر ج ۷ ص ۲۸۶، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۸۹، التمہید ج ۷ ص ۲۶۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اولاد مشرکین کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ (بڑے ہو کر) کیا کرنے والے تھے، پھر اسلام کے مستحکم ہونے کے بعد میں نے آپ سے سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى - (بنی اسرائیل: ۱۵) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

آپ نے فرمایا: وہ فطرت پر ہیں یا فرمایا وہ جنت میں ہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۸۴، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۴۰۳، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۳۶، التمہید ج ۷ ص ۲۶۸)

خنساء کے چچا بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی جنت میں ہوگا اور شہید جنت میں ہوگا اور بچہ جنت میں ہوگا اور جس کو زندہ درگور کیا گیا وہ جنت میں ہوگا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۲۱، مسند احمد ج ۵ ص ۵۸، مصنف ابن شیبہ ج ۵ ص ۳۳۹، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۶۳، التمہید ج ۷ ص ۲۶۶، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی اولاد میں سے کھیلنے کودنے والوں (بچوں) کے متعلق میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمالی۔ (مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۳۵۷۰، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۱۹، التمہید ج ۷ ص ۲۶۸)

خلاصہ مبحث

نابالغ بچوں کے متعلق صحیح مذہب یہی ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے اور یہی احادیث صحیحہ کا تقاضا ہے قرآن مجید کی آیات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور جو احادیث اس کے خلاف ہیں وہ اس پائے کی نہیں ہیں اور نہ قرآن مجید سے مزاحم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں، یا اس وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق علم نہیں دیا گیا تھا۔ اور اصحاب فترت کے متعلق بھی صحیح یہی ہے کہ جن لوگوں کی عقل کامل تھی اور ان کو قوت استدلال دی گئی تھی وہ اس بات کے مکلف تھے کہ اس جہان کا کوئی صانع ہے اور وہ صانع واحد ہے اور باقی معتقدات اور احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے اس آیت (بنی اسرائیل: ۱۵) کے تحت اصحاب فترت اور اطفال کے متعلق علماء کے نظریات اور ان کے دلائل بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کیے ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی نے بھی اس مبحث کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۴۸-۲۴۶، مطبوعہ بیروت، عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۱۳-۲۱۲) اور حافظ ابن عبد البر مالکی نے اس مبحث کو سب سے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے، تمہید ج ۷ ص ۲۷۷-۲۵۵، الاستذکار ج ۸ ص ۴۰۸-۳۹۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم کسی بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں سو وہ ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں پھر وہ عذاب کے حکم کے مستحق ہو جاتے ہیں، سو ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں○ (بنی اسرائیل: ۱۶)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

اترفنا: ترف کا معنی ہے کسی شخص کو بہت زیادہ نعمتیں عطا فرمانا اور اس کا مرفہ الحال ہونا۔

(المفردات ج ۱ ص ۹۶، مطبوعہ مکہ مکرمہ)

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے المترف کا معنی ہے جس شخص کو مرغوب اور لذت والی چیزیں بکثرت دی گئی ہوں۔ حدیث میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام جبار مترف یعنی ظالم عیش پرست کے پاس گئے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۴، رقم الحدیث: ۱۳۵۹۷) (النہایہ ج ۱ ص ۹۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

ففسقوا: فسق کا معنی ہے، کسی چیز کا خارج ہونا، جو شخص شریعت کی قیود سے خارج ہو وہ فاسق ہے، اس کا معنی کفر سے عام ہے، اس کا اطلاق گناہوں پر ہوتا ہے خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ، فاسق کا اطلاق زیادہ تر اس شخص پر ہوتا ہے جو شخص احکام شرعیہ کا اقرار اور التزام کرے، پھر وہ تمام احکام یا بعض احکام کی خلاف ورزی کرے، اور جب کافر اصلی کو فاسق کہا جاتا ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے اس نے ان احکام کی خلاف ورزی کی جو عقل اور فطرت کا تقاضا ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۹۱، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن اثیر متوفی ۶۰۳ھ نے لکھا ہے فسق کا معنی ہے استقامت اور میانہ روی سے خارج ہونا اور ظلم کرنا، معصیت کرنے والے کو فاسق کہتے ہیں، چوہے کو فاسق کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بل سے نکل کر لوگوں کی چیزیں خراب کرتا ہے اسی طرح حدیث میں پانچ جانوروں، چیل، کوے، کاٹنے والے کتے، سانپ اور بچھو کو فاسق فرمایا ہے کیونکہ وہ حرم میں قتل نہ کیے جانے کے عمومی حکم سے خارج ہو گئے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۳۹۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عرف میں فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو۔

تدمیرا: کسی چیز کو ہلاک کرنا اور تباہ و برباد کر دینا۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۲۹، مطبوعہ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ رحیم ہے وہ اپنے بندوں پر عذاب نازل کرنے کے لیے بہانے نہیں ڈھونڈتا

اس آیت پر بہ ظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اصل میں کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتا ہے پھر اس کی بنیاد اور جواز فراہم کرنے کے لیے وہاں کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتا ہے تاکہ وہ ان احکام کی نافرمانی کریں پھر اللہ تعالیٰ ان پر آسمانی عذاب نازل فرما کر ان کو تباہ و برباد کر دے۔ اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار فرماتا ہے کہ ان پر احکام نازل کیے جائیں اور وہ ان کی خلاف ورزی کریں تاکہ ان پر عذاب نازل کرنے کا جواز مہیا ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش نہیں ہوتا کہ اس کے بندوں کو عذاب میں مبتلا کیا جائے وہ صرف اس سے راضی ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت اور عبادت کی جائے اور بندوں کو اجر و ثواب دیا جائے وہ فرماتا ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ۔ (النساء: ۱۴۷)　　اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرتے رہو اور ایمان پر قائم رہو۔

شکر ادا کرنے کا معنی یہ ہے کہ برے کاموں کو ترک کیا جائے اور نیک کاموں کو دوام اور تسلسل کے ساتھ کیا جائے اور

تاحیات ایمان کے خلاف کوئی کام نہ کیا جائے۔ اور فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ○ (القصص: ۵۹)
اور ہم بستیوں کو صرف اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب ان کے رہنے والے ظلم کرنے پر کمر باندھ لیتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۔ (الرعد: ۱۱)
بے شک اللہ کسی قوم میں تغیر نہیں کرتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے اندر تغیر نہ کرے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو امن اور سلامتی اور خوش حالی اور آزادی کی جو نعمت دی۔ ہے وہ نعمت اس وقت تک اس قوم سے واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ معصیت کر کے اپنے آپ کو ان نعمتوں کا نااہل ثابت نہیں کر دیتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ کسی قوم کو عذاب دینا نہیں چاہتا جب تک کہ وہ اپنے کرتوتوں سے اپنے آپ کو عذاب کا مستحق نہیں کر لیتی؛ اور اس آیت میں جو فرمایا ہے اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ فلاں بستی کے لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ اپنے مال و دولت کی وجہ سے غرور و تکبر کی انتہا کو پہنچ جائیں گے اور ان کی سرکشی اور بغاوت بہت بڑھ جائے گی، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی حجت پوری کرنے کے لیے اپنے رسولوں کو بھیجے گا اور ان پر اپنے احکام نازل فرمائے گا اور جب وہ ان احکام کی کھلم کھلا نافرمانی کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ان پر آسمانی عذاب نازل فرما کر ان کو نیست و نابود فرما دے گا۔

' دراصل یہ آیت ان ہی آیات کی تفسیر ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۔ (بنی اسرائیل: ۱۵)
اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ○ (القصص: ۵۹)
آپ کا رب کسی بستی کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا رسول نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو صرف اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب ان کے رہنے والے ظلم پر کمر باندھ لیں۔

ذَٰلِكَ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ○ (الانعام: ۱۳۱)
یہ اس لیے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو ان کے کفر کی وجہ سے اس حال میں ہلاک نہیں کرتا کہ وہ غافل ہوں۔

اس جواب کی ایک اور تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے علم کی وجہ سے کسی کو عذاب نہیں دے گا جب تک کہ لوگ ایسے عمل نہ کریں جن کی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق ہوں، یعنی جن لوگوں کے متعلق اس کو علم ہے کہ جب وہ ان کو ایمان لانے اور نیک کام کرنے کا حکم دے گا تو وہ ایمان نہیں لائیں گے اور نیک کام نہیں کریں گے تو وہ محض اپنے علم کی وجہ سے ان لوگوں کو عذاب نہیں دے گا بلکہ ان کو ایمان لانے اور نیک کام کرنے کا حکم دے گا اور جب لوگوں کے سامنے ان کی نافرمانی ظاہر ہو جائے گی تو پھر ان کو عذاب دے گا اس لیے فرمایا: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں سو وہ ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں پھر وہ عذاب کے حکم کے مستحق ہو جاتے ہیں سو ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں، اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب ہم کسی قوم کو ہلاک کرنے کی تقدیر

کو نافذ کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس قوم کے امیروں اور سرداروں کو ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں جن کا یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کا مال اور ان کی اولاد اور ان کے مددگار ان سے ہمارے اس عذاب کو دور کر دیں گے جو ہمارے رسولوں کی تبلیغ پر عمل نہ کرنے اور ان کی توہین کرنے اور ان کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ان پر واجب ہوا ہے، وہ اس زعم میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی سابق تقدیر کے مطابق ان پر عذاب آ جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں کیونکہ ہمیں علم ہوتا ہے کہ یہ نافرمانی کے علاوہ کچھ نہیں کریں گے تو ان کو ہلاک کرنے کے لیے ہم صرف اپنے علم پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اس بستی کے امیروں اور سرداروں کو ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں، وہ اس حکم کی نافرمانی کرتے ہیں جب ان کی نافرمانی حد سے بڑھ جاتی ہے تو ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

اس جواب کی دوسری تقریر یہ ہے کہ جب کسی بستی میں کھلم کھلا ہمارے احکام کی خلاف ورزی کی جاتی ہے اور کھلے عام ہماری نافرمانی کی جاتی ہے تو ہم ان پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کرتے اور ان کی ابتدائی نافرمانیوں پر گرفت نہیں کرتے بلکہ اس بستی کے امیروں اور سرداروں کو ان نافرمانیوں سے باز رہنے کا حکم دیتے ہیں اور ان کو توبہ کرنے کی مہلت اور موقع دیتے ہیں، امیروں اور سرداروں کو حکم دینے کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ امیروں اور سرداروں پر اللہ تعالیٰ کی زیادہ نعمتیں ہوتی ہیں اور نعمتوں کی زیادتی زیادہ شکر کو واجب کرتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ ان کو بار بار توبہ کرنے اور رجوع کرنے کا حکم دیتا ہے اور ان کے توبہ نہ کرنے کے باوجود ان سے نعمتوں کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا تو ان کا عناد، تکبر اور سرکشی بڑھ جاتی ہے تو پھر ان پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل فرما دیتا ہے۔

اس جواب کی یہ دونوں تقریریں اس طرف راجع ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جاتی ہے اور پانی سر سے گزر جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل فرما دیتا ہے۔

اب اس آیت پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ اصل میں تو اللہ تعالیٰ ان بستیوں پر عذاب نازل کرنا چاہتا تھا لیکن عذاب نازل کرنے کا جواز مہیا کرنے کے لیے اور اس کا قانونی تقاضا پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس بستی کے عیش پرستوں کے پاس اپنے احکام بھیجے تاکہ وہ ان احکام کی نافرمانی کریں اور اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل فرما سکے!

اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں پر عذاب نازل کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈے، اسے اپنے بندوں پر عذاب نازل کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو اپنے بندوں پر رحم کرنا چاہتا ہے اور جس طرح ان کو دنیا میں نعمتیں دی ہیں آخرت میں بھی ان نعمتوں سے نوازنا چاہتا ہے، لیکن وہ اس کے بندے بنیں تو سہی اپنی خواہشوں کے بندے نہ بنیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا نااہل ثابت نہ کریں!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے ہیں اس نے ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لیے اور زمین پر رحمت کا ایک حصہ نازل کیا اور رحمت کے اس حصہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے حتیٰ کہ گھوڑی اپنے بچہ کے اوپر سے اپنا پیر اٹھا لیتی ہے کہ کہیں اس کے پیر کے نیچے اس کا بچہ کچلا نہ جائے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۰۰۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۳۹۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر دیا اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں

کی خبر رکھنے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے○ (بنی اسرائیل: ۱۷)

بدکاروں کے لیے وعید اور نیکو کاروں کے لیے بشارت

اس آیت میں بتایا ہے کہ ہم نے جس طریقہ کا ذکر کیا ہے کہ رسولوں کو بھیجنے کے باوجود جب کوئی قوم نافرمانی اور سرکشی کرتی ہے تو ہم اس قوم کو ہلاک کر دیتے ہیں' یہی طریقہ ہماری سنت جاریہ ہے اور ہم نے پچھلی قوموں مثلاً عاد اور ثمود وغیرہم کے ساتھ بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا جاننے والا ہے اور تمام چیزوں کا دیکھنے والا ہے' مخلوق کے احوال میں سے کوئی حال اس پر مخفی نہیں ہے لہٰذا وہ تمام مخلوق کو ان کے گناہوں کی سزا دینے پر قادر ہے اور وہ عبث اور فضول کام کرنے اور کسی پر ظلم کرنے سے پاک ہے اور اس کے علم عظیم' قدرت کاملہ اور ظلم سے پاک ہونے میں نیک بندوں کے لیے عظیم بشارت ہے کہ وہ ان کو ان کی نیکیوں کا اجر عطا فرمائے گا اور کافروں نافرمانوں کے لیے سخت وعید ہے اور ترہیب ہے کہ انہیں ان کے کرتوتوں کی سزا ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص (صرف) دنیا کا طلب گار ہو ہم اس کو اسی دنیا میں سے ہم جتنا چاہیں دے دیتے ہیں' پھر ہم اس کا ٹھکانہ دوزخ کو بنا دیتے ہیں جس میں وہ مذمت کے ساتھ دھتکارا ہوا داخل ہو گا○ اور جو شخص آخرت کا طلبگار ہو اور اس کے لیے ایمان کے ساتھ بھرپور کوشش کرے تو ان ہی لوگوں کی کوشش مشکور (مقبول) ہو گی○ ہم آپ کے رب کی عطا سے اس کی اور اس کی (ہر فریق کی) مدد کرتے ہیں اور آپ کے رب کی عطا کسی سے روکی ہوئی نہیں ہے○ آپ دیکھیے ہم نے کس طرح ان کے بعضوں کو بعض پر فضیلت دی ہے' اور آخرت کے بہت بڑے درجات ہیں اور اس کی فضیلت بھی بہت بڑی ہے○ (اے مخاطب!) تو اللہ کے ساتھ کوئی اور عبادت کا مستحق نہ بنا کر تو مذمت کیا ہوا اور ناکام بیٹھا رہ جائے○

(بنی اسرائیل: ۲۲-۱۸)

مشکل الفاظ کے معانی

العاجلة: اس سے مراد ہے الدار العاجلہ' یعنی جو آسودگیاں جلد مل جائیں۔ یصلاھا: یعنی اس میں داخل ہو گا' مذموما: یعنی مذمت کیا ہوا اور ملامت کیا ہوا' مدحورا: یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کیا ہوا' ومن اراد الاخرة وسعی لھا سعیھا: یعنی جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور ایسے عمل کیے جو آخرت کے لائق ہیں' اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان کو بجا لایا اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے رکا رہا' اور من گھڑت کاموں یا آباء و اجداد کی تقلید سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل نہیں کیا' کان سعیھم مشکورا: یعنی اس کے وہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوں گے اور اس کو ان پر ثواب ملے گا' اللہ تعالیٰ کے شکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ عبادات پر ثواب عطا فرمائے گا۔ محظورا: ممنوع۔

صرف دنیا کے طلب گار کا انجام

بعض انسان دنیا میں اپنے اعمال سے دنیا کی منفعتوں' لذتوں اور دنیا میں اقتدار اور حاکمیت کے حصول کا ارادہ کرتے ہیں' یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں کیونکہ ان کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی تو ان کی اپنی سرداری اور چودھراہٹ جاتی رہے گی' اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں سے جتنا حصہ انہیں دینا چاہے وہ ان کو دے دیتا ہے اور انجام کار آخرت میں ان کو جہنم میں داخل کر دے گا اور وہ مذمت کیے ہوئے اور

دھتکارے ہوئے جہنم میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کو ہم چاہیں، جتنا چاہیں دے دیتے ہیں، اس میں یہ بتایا ہے کہ دنیا کی زیب و زینت اور دنیا کی نعمتیں ہر ایک کافر کو نہیں ملتیں بلکہ کتنے کفار اور گمراہ لوگ ہیں جو دنیا کی طلب میں دین سے اعراض کرتے ہیں وہ دین اور دنیا دونوں سے محروم رہتے ہیں، اس میں بھی دنیا کی طلب میں دین سے اعراض کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے کہ انہوں نے دنیا کی طلب میں دین سے اعراض کیا اور وہ دنیا سے بھی محروم رہے۔

نیک اعمال مقبول ہونے کا ایمان پر موقوف ہونا

اس کے بعد فرمایا: اور جو شخص آخرت کا طلب گار ہو اور وہ اس کے لیے ایمان کے ساتھ بھرپور کوشش کرے تو ان ہی لوگوں کی کوشش مشکور (مقبول) ہوگی۔

اس آیت میں کوشش کے مقبول ہونے کی تین شرطیں بیان فرمائی ہیں: ایمان، نیت، اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا صحیح طریقہ۔

ایمان کی شرط اس لیے ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہوتا قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل: ۹۷)

جس شخص نے نیک عمل کیے خواہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے، اور ان کے نیک اعمال کا ان کو ضرور بہترین اجر عطا فرمائیں گے ۝

اس آیت میں بھی یہ فرمایا ہے کہ نیک اعمال کے مقبول ہونے کے لیے ایمان شرط ہے۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۔ (الفرقان: ۲۳)

اور ہم (کافروں کی طرف) متوجہ ہوں گے اور انہوں نے اپنے (زعم میں) جو بھی (نیک) عمل کیے ہم ان کو (فضا میں) بکھرے ہوئے غبار کے ذرات بنا دیں گے۔

مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۱۷)

جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مر جائیں تو ان کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جائیں گے، اور وہ لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۝

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۔ (المائدہ: ۵)

اور جس نے ایمان لانے سے انکار کیا اس کے (نیک) عمل ضائع ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! زمانہ جاہلیت میں ابن جدعان رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا یہ عمل اس کو آخرت میں نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا! کیونکہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۴)

علامہ نووی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے:

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا اس پر اجماع ہے کہ کفار کو ان کے نیک اعمال سے نفع نہیں ہوگا ان کو آخرت میں ان کی نیکیوں پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا اور نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی، البتہ کافروں کے جرائم کے اعتبار سے بعض کو بعض سے زیادہ شدید عذاب ہوگا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ ص ۱۰۹۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

نیک اعمال کے مقبول ہونے کا نیت پر موقوف ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (البینۃ: ۵) اور انہیں صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں۔

اس آیت میں اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی طرح احادیث میں ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اعمال کا مدار نیات پر ہے، ہر شخص کے کام پر وہی ثمر مرتب ہوگا جس کی اس نے نیت کی ہو، پس جس شخص نے اپنی ہجرت سے دنیا کی نیت کی ہو جس کو وہ حاصل کرے، یا کسی عورت کی نیت کی ہو جس کو وہ حاصل کرے تو اس کی ہجرت اسی طرف محسوب ہوگی جس کی طرف اس نے نیت کی ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۹۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۲۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۸)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اور کہا یا رسول اللہ! کون سا قتال اللہ کی راہ میں ہے؟ کیونکہ ہم میں سے کوئی شخص غضب کی وجہ سے قتال کرتا ہے، اور کوئی شخص تعصب کی بناء پر قتال کرتا ہے، آپ نے سر اٹھا کر فرمایا جو شخص اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے قتال کرے وہ اللہ کی راہ میں قتال ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۱۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کی طرف دیکھے گا نہ تمہاری صورتوں کی طرف دیکھے گا لیکن وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھے گا اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۳)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ تلواروں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ قاتل تو مستحق ہے لیکن مقتول کا کیا قصور ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بھی تو اپنے قاتل کے قتل پر حریص تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۶۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۲۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ میں فرمایا: ہم مدینہ میں کچھ لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہیں، ہم جس گھاٹی میں بھی گئے یا جس وادی سے بھی گزرے وہ ہمارے ساتھ تھے، وہ کسی عذر کی وجہ سے نہیں جاسکے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۰۵، عالم الکتب، بیروت)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی جہاد کے لیے گیا اور اس کی جہاد سے نیت فقط ایک رسی تھی تو اس کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی تھی۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۴۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۰۶۸، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۳۲۱)

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے بہتر ہے اور ہر شخص اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے اور جب مومن کوئی عمل کرتا ہے تو اس کے دل میں نور پھیل جاتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۹۴۲، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں ماسوا حاتم بن عباد کے، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہداء کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میری امت کے اکثر شہداء وہ ہیں جو بستروں پر فوت ہوئے اور جو صفوں کے درمیان قتل کیے گئے ان کی نیتوں کو اللہ ہی جانتا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۷ طبع قدیم، احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۷۷۲، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۱۶ھ، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۷۷۲، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں ایک شخص تھا اس نے ام قیس نام کی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ اس نے کہا جب تک تم ہجرت نہیں کرو گے میں تمہارے ساتھ نکاح نہیں کروں گی۔ اس نے ہجرت کرلی اور اس عورت نے پھر اس شخص سے نکاح کرلیا، ہم اس شخص کو مہاجر ام قیس کہتے تھے۔ وہ مرد اور وہ عورت دونوں ہذلی تھے۔

(الاصابہ رقم الحدیث: ۴۲۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا اور وہ اس مہر کو ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا اس نے اللہ کا نام لے کر اس عورت کو دھوکا دیا اور جھوٹ کے بدلہ میں اس کی فرج کو حلال کیا، وہ قیامت کے دن اس حال میں اللہ سے ملاقات کرے گا کہ وہ زانی ہو گا، اور جس شخص نے کسی سے قرض لیا اور وہ اس کو ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ چور ہو گا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۰۳۸)

حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لیے خوشبو لگائی قیامت کے دن اس کی خوشبو مشک سے زیادہ اچھی ہو گی اور جس نے غیر اللہ کے لیے خوشبو لگائی قیامت کے دن اس کی بدبو مُردار سے زیادہ بُری ہو گی۔ (الاتحاف ج ۱۰ ص ۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیک اعمال کے مقبول ہونے کا صحیح طریقہ عبادت پر موقوف ہونا

جو شخص اجر آخرت کا ارادہ کرے اس کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا صحیح طریقہ استعمال کرے۔ امام فخرالدین رازی اللہ تعالیٰ کے تقرب کے حصول کے صحیح طریقہ کے متعلق لکھتے ہیں:

وہ ایسے عمل کرے جن کی وجہ سے وہ آخرت کے ثواب کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے اور یہ تب ہو گا کہ وہ ایسے کام کرے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادات سے ہو کیونکہ بعض لوگ باطل طریقوں سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں، کفار باطل کاموں سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں اور وہ دو تاویلوں سے ایسا کرتے ہیں:

(۱) وہ کہتے ہیں کہ تمام جہان کے خالق اور مالک کا رتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک آدمی اس کی اطاعت اور عبادت کرنے کی جرأت کرے، بلکہ ہماری ادنیٰ حیثیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں جو اللہ کے مقرب بندے ہیں، مثلاً ہمیں چاہیے کہ ہم ستاروں کی یا فرشتوں کی عبادت کریں، سو وہ اس وجہ سے ستاروں اور فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور یہ باطل طریقہ ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انبیاء اور اولیاء کی صورتوں کے مجسمے بنالیے ہیں (جیسے عیسائیوں کے کیتھولک فرقے نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کی صورتوں کے بت بنالیے ہیں اور وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور ہندوؤں نے رام اور کرشن کی صورتوں کے بت بنالیے ہیں اور وہ ان کی عبادت کرتے ہیں) اور وہ کہتے ہیں کہ ان کی عبادت کرنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء اللہ تعالیٰ سے ہماری شفاعت کریں گے، اور یہ بھی باطل طریقہ ہے، اسی طرح بعض ہندو جوگی نفس کشی کرتے ہیں اور بعض عیسائی رہبانیت اختیار کرلیتے ہیں، یہ سب باطل طریقے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل نہیں ہوتا، اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا مستحسن طریقہ یہ ہے کہ قرآن عظیم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ، اجماع اور ائمہ مجتہدین کی ہدایات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی جائے۔ اور پیش آمدہ مصائب اور مشکلات میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے اور اسی پر بھروسہ کیا جائے اور دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، آل اطہار اور مقبولان بارگاہ کو وسیلہ پیش کیا جائے۔

نیک اعمال کے مشکور ہونے یا اللہ تعالیٰ کے شکر کرنے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تو ان ہی لوگوں کی کوشش مشکور ہوگی۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کا شکر ادا کرے گا اس پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے نہ یہ کہ وہ شکر ادا کرے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ بندوں کے نیک اعمال کی تعریف و تحسین فرمائے گا ان کی حوصلہ افزائی فرمائے گا اور ان کے نیک کاموں کی ان کو اچھی جزا دے گا۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ شکر تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے، کسی شخص کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ نیک عمل کرتا ہے اور زبان سے اس کی تعریف اور تحسین کرنا اور ایسے کام کرنا جس سے یہ پتا چلے کہ یہ شخص شکر کرنے والے کے نزدیک مکرم اور معظم ہے، اور اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کے ساتھ یہ تینوں کام کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ یہ بندہ نیک کام کرنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے ان کی مدح فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معظم اور مکرم ہیں اور یہی شکر کا مفہوم ہے اور جن آیات اور احادیث میں یہ آتا ہے کہ فلاں عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشکور ہے اس کی یہی توجیہ ہے۔

امیر و غریب کے طبقاتی فرق کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ دیکھیے کہ ہم نے کس طرح ان کے بعضوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور آخرت کے بہت بڑے درجات ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ دیکھیے کس طرح ہماری عطا دین اور دنیا پر محیط ہے، ہم ایک مومن تک اپنی نعمتیں پہنچاتے ہیں اور دوسرے مومن پر دنیا تنگ کردیتے ہیں، اسی طرح ہم ایک کافر پر اپنی نعمتیں کھول دیتے ہیں اور دوسرے کافر پر اپنی نعمتیں بند کردیتے ہیں، اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي — ہم نے ہی ان کے درمیان دنیاوی زندگی کی روزی کو تقسیم

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔ (الزخرف: ۳۲)

کیا ہے اور ان میں سے بعضوں کو بعض پر درجات کی بلندی دی ہے تاکہ بعض دوسروں کو اپنا ماتحت اور تابع فرمان بنا سکیں۔

یعنی مال و دولت، جاہ و منصب اور عقل و فہم میں ہم نے اس لیے یہ فرق رکھا ہے تاکہ زیادہ مال والا کم مال والے کو اور بلند منصب والا کم منصب والے کو اور زیادہ عقل والا کم عقل والے کو اپنا ماتحت بنا سکے اور زیادہ مالدار تنگ دستوں سے کام لے سکے، اللہ تعالیٰ کی اسی حکمت بالغہ سے کائنات کا نظام چل رہا ہے، اگر سب برابر ہوتے تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا، بلڈنگوں کے بنانے کے لیے مزدور ضروری ہیں اسی طرح سڑکیں، پل اور کارخانے ان کے بغیر نہیں بن سکتے، جوتی کی مرمت کرنے والے، جوتی بنانے والے، جوتی فروخت کرنے والے، اسی طرح کپڑے بنانے والے، کپڑے سینے والے اور کپڑے دھونے والے ضروری ہیں علیٰ ھذا القیاس، اس کائنات کے نظام کے لیے سب قسم کے لوگ ناگزیر ہیں اور اگر سب لوگ ایک درجہ کے ہوتے تو یہ نظام کائنات چل ہی نہیں سکتا تھا۔ جو لوگ سوشلزم اور کیمونزم کے نعرے لگا کر لوگوں کے جذبات ابھارتے ہیں اور انہیں خوشحال لوگوں کے خلاف مشتعل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ طبقاتی امتیاز ختم ہونے چاہئیں، اور سب لوگ ایک درجہ میں ہونے چاہئیں، وہ اپنے جسم کی ساخت پر غور کریں ان کا دماغ کھوپڑی میں ہے، پیشاب مثانے میں ہے اور فضلہ بڑی آنت میں ہے، اگر فضلہ کھوپڑی میں ہوتا، پیشاب رگوں میں ہوتا اور دماغ یا بھیجا بڑی آنت میں ہوتا تو ان کا کیا حال ہوتا، جو چیز جس جگہ کے لائق تھی اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو اسی جگہ رکھا ہے اور جس طرح اس عالم صغیر میں ہر چیز اپنے صحیح محل میں ہے اسی طرح عالم کبیر میں بھی ہر چیز اپنے صحیح مقام پر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کم دولت والوں کو زیادہ دولت والوں کا محتاج نہ بناتا تو اس کائنات کا طبعی نظام جاری نہیں رہ سکتا تھا اور تہذیب و تمدن اور تعمیر و ترقی کا سلسلہ برقرار نہیں رہ سکتا تھا بلکہ نظام عالم فاسد ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ○ (الشوریٰ: ۲۷)

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کا رزق وسیع کر دیتا تو وہ زمین میں فساد اور سرکشی کرتے، لیکن وہ (اپنے) اندازے سے جس قدر چاہتا ہے رزق نازل فرماتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا انہیں خوب دیکھنے والا ہے○

اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں کو رزق میں جو فضیلت دی ہے اس کی ایک اور حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ (الانعام: ۱۶۵)

اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور بعض کا درجہ دوسرے بعضوں پر بلند کیا تاکہ جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرے، بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بے حد مغفرت کرنے والا ہے اور بے حساب رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رزق کی مساوی تقسیم نہیں کی اس کی ایک حکمت دنیا کے اعتبار سے ہے اور دوسری حکمت آخرت کے اعتبار سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو زیادہ مال دیا ہے وہ عموماً مال و دولت کی بناء پر عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں پڑ کر گناہ کرتے ہیں اور آخرت کو کھو دیتے ہیں اور جن کو کم مال دیا ہے وہ اپنے فقر و فاقہ پر صبر کرتے ہیں، گناہوں سے بچتے ہیں اور عبادت میں زیادہ کوشش کر کے اپنی آخرت بنا لیتے ہیں۔ پھر فرمایا اور آخرت کے بہت بڑے درجات ہیں○ دنیا میں مخلوق کی ایک دوسرے پر فضیلت محسوس اور مشاہد ہے اور آخرت میں ان کی ایک دوسرے پر فضیلت غیب ہے، اور جس طرح آخرت کی دنیا پر بے انتہاء فضیلت ہے حتیٰ کہ ہم یہاں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اسی طرح اخروی درجات کی جو دنیاوی درجات پر فضیلت ہے وہ بھی بے حد و حساب ہے سو انسان کو چاہیے کہ وہ دنیاوی بڑائی کے حصول کی بجائے اخروی بڑائی کے حصول کی کوشش کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت کا مستحق نہ بنا کہ تو ناکام اور مذمت کیا ہوا بیٹھا رہ جائے○ (بنی اسرائیل: ۲۲)

آپ کی طرف عبادت غیر اللہ کی نسبت کی وضاحت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ لوگوں کے دو فریق ہیں، ایک فریق دنیا کا طالب ہے اور وہ عتاب اور عذاب کا مستحق ہے اور دوسرا فریق وہ ہے جو آخرت کا طالب ہے اور وہ اطاعت گزار ہے، پھر آخرت کے طالب کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ صاحب ایمان ہو اور وہ ایسے عمل کرے جن سے اللہ تعالیٰ کا صحیح تقرب حاصل ہو اور اس کی نیت صحیح ہو، سو اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان اور پھر تقرب کے صحیح طریقہ کی ضرورت کو بیان فرمایا اور اس کے بعد پھر فرمایا کہ مومن صالح کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال میں کسی موقع پر بھی شرک کو در انداز ہونے کا موقع نہ دے، اس لیے فرمایا: تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت کا مستحق نہ بنا کہ تو ناکام اور مذمت کیا ہوا بیٹھا رہ جائے○

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے، اور ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے بہت بعید ہے بلکہ محال ہے کہ آپ اللہ کی عبادت میں کسی اور کو شریک بنائیں، اس لیے مفسرین نے کہا اس آیت میں بہ ظاہر آپ کی طرف نسبت ہے اور مراد آپ کی امت ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○ (الزمر: ۶۵)	بے شک آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف بھی یہ وحی کی گئی ہے کہ اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور ضرور آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے○

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں انسان سے خطاب کیا گیا ہے اور یہی صحیح قول ہے کیونکہ ان آیات کے بعد اگلے رکوع میں جو آیات آ رہی ہیں ان میں انسان سے خطاب ہے اور ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ ان آیات میں یہ آیت بھی ہے:

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا○ (بنی اسرائیل: ۲۳)	اگر تمہاری موجودگی میں ماں باپ میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے سامنے اف تک نہ کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب اور احترام سے بات کرنا○

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کی زندگی میں آپ کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک بڑھاپے کی عمر کو نہیں پہنچے، والد گرامی تو آپ کی ولادت سے پہلے فوت ہو گئے تھے اور والدہ محترمہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اس وقت فوت ہو گئی تھیں جب آپ کی عمر شریف چھ سال تھی، اس لیے اس آیت میں لامحالہ آپ سے خطاب نہیں ہے بلکہ عام انسان سے خطاب ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے: جو شخص شرک کرے گا اس کی مذمت کی جائے گی اور وہ ناکام اور نامراد ہو گا، اس کی مذمت کی وجوہ یہ ہیں:

شرک کی مذمت اور مشرک کی ناکامی کی توجیہ

(۱) جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ کا شریک ہے وہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹے کی مذمت کی جاتی ہے۔

(۲) ہم دلائل سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس کائنات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمام انسانوں کو ہر قسم کی نعمتیں دینے والا ہے، اور جس نے کوئی شریک مانا اس نے بعض نعمتوں کو اس شریک کی طرف منسوب کیا حالانکہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، اور یہ بہت بڑی ناشکری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا انکار کیا جائے اور اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے بتوں کا شکر ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان کیا اور اس نے اس کے احسان کا بدلہ اس کی نعمتوں کے انکار سے دیا اس لیے اس کی مذمت کی جائے گی، اور اس کے ناکام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے تمام عمر جو بتوں کی عبادت کی اور اس سلسلہ میں ذلت اور خواری برداشت کی اس کا اس کو کوئی صلہ نہیں ملے گا بلکہ الٹا آخرت میں اس کو عذاب ہو گا اور فرمایا ہے تو مذمت اور خواری سے بیٹھا رہ جائے گا بلکہ اس سے مراد یہ ہے تو ذلت اور خواری کے ساتھ ٹھہرا رہے گا خواہ کھڑا ہو یا بیٹھا ہو یا لیٹا ہو۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا

اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور

یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ

اگر تمہاری زندگی میں وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کو اف تک نہ کہنا

اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا

اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا ○ اور ان کے سامنے عاجزی اور

جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ

رحم دلی کا بازو جھکائے رکھنا، اور یہ دعا کرنا: اے میرے رب ان پر رحم فرمانا جیسا کہ انہوں نے بچپن میں

صَغِیْرًا ﴿۲۴﴾ ؕ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ

میری پرورش کی تھی ○ تمہارا رب بہ خوبی جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اگر تم نیک ہو تو

فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ

بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے ○ اور رشتہ داروں ، اور مسکینوں اور

وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ

مسافروں کا حق ان کو دیتے رہو ، اور اسراف اور فضول خرچ کرنے سے بچو ○ بے شک فضول خرچ کرنے والے

كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا

شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے ○ اور اگر تم کو

تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ

اپنے رب کی رحمت (وسعت رزق) کی توقع اور جستجو میں ان سے اعراض کرنا پڑے تو ان کو

لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ

کوئی نرم بات کہہ کر ٹال دو ○ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ

اور نہ اس کو بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ بیٹھے رہو ○ بے شک آپ کا رب

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا

جس کے لیے چاہے رزق وسیع کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت

بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ ع ۳ ع ۸

خبر رکھنے والا بہت دیکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور اگر تمہاری زندگی میں وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا ○ (بنی اسرائیل: ۲۳)

اس پر دلیل کہ عبادت کا استحقاق صرف اللہ کے لیے ہے

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان پر قائم رہنے اور شرک نہ کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، جو کہ ایمان کے شعائر ہیں اور ایمان کی شرائط ہیں اور ان کی کئی اقسام ہیں اور ان

میں سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے اور غیر اللہ کی عبادت سے کلیۃً مجتنب رہے' اور اس کی طرف اشارہ فرمایا اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا' یاد رہے کہ ہم اس سے پہلی آیت میں یہ بتا چکے ہیں کہ ان آیتوں میں بہ ظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے لیکن حقیقت میں یہ انسان سے خطاب ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے کیونکہ عبادت اس فعل کو کہتے ہیں جو نہایت تعظیم پر مشتمل ہو' اور اسی شخص کی نہایت تعظیم لائق ہے جس نے نہایت انعام کیا ہو اور نہایت انعام وجود اور قدرت اور حیات اور عقل عطا کرنا ہے' اور دلائل سے ثابت ہے کہ وجود' حیات' عقل اور قدرت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عطا نہیں کر سکتا' اور جب تمام نعمتیں اللہ کے سوا اور کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے' تو پھر عبادت کا مستحق بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے پس عقلی دلیل سے یہ ثابت ہو گیا وقضٰی ربک الا تعبدوا الا ایاہ اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا۔

لفظ قضٰی کے متعدد معانی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قضٰی کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور قضٰی کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے' یہاں قضٰی کا معنی ہے حکم دینا' اور قضٰی کا لفظ خلق کرنے اور پیدا کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا اس آیت میں ہے:

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ۔ (حٰم السجدہ: ۱۲) پھر اس نے دو دن میں سات آسمان پیدا کر دیئے۔

قضٰی کا لفظ فیصلہ کرنے اور حکم دینے کا معنی میں بھی مستعمل ہے' جادوگروں نے فرعون سے کہا:

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ○ (طٰہٰ: ۷۲) تو جو حکم دینا چاہتا ہے وہ حکم دے۔

قضٰی کسی کام سے فراغت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے' حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر معلوم کرنے والے دو قیدیوں سے فرمایا:

قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ۔ (یوسف: ۴۱) تم دونوں جس خواب کی تعبیر معلوم کر رہے تھے اس کا لکھا پورا ہو چکا ہے۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ۔ (البقرہ: ۲۰۰) پس جب تم ارکان حج سے فارغ ہو جاؤ۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ۔ (الجمعہ: ۱۰) پس جب نماز جمعہ سے فراغت ہو جائے۔

قضٰی کا لفظ ارادہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (آل عمران: ۴۷) جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے فرماتا ہے "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔

اور کبھی قضٰی کا لفظ عہد کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَآ اِلٰی مُوْسَی الْاَمْرَ وَمَا کُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ○ (القصص: ۴۴) اور آپ اس وقت طور کی مغربی جانب نہ تھے جب ہم نے موسیٰ سے ایک عہد لیا تھا اور نہ آپ اس کا مشاہدہ کرنے والوں میں سے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے متصل ماں باپ کی اطاعت کا حکم دینے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا پھر اس کے بعد متصل ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا' اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے حکم میں حسب ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) انسان کے وجود کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی ایجاد ہے اور اس کا ظاہری سبب اس کے ماں باپ ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے سبب حقیقی کی تعظیم کا حکم دیا اور اس کے متصل بعد سبب ظاہری کی تعظیم کا حکم دیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ قدیم موجد ہے اور ماں باپ حادث موجد ہیں اس لیے قدیم موجد کے متعلق حکم دیا کہ اس کی عبودیت کے ساتھ تعظیم کی جائے اور ماں باپ حادث موجد ہیں اس لیے ان کے متعلق حکم دیا کہ ان کی شفقت کے ساتھ تعظیم کی جائے۔

(۳) منعم کا شکر کرنا واجب ہے' منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے سو اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا' اور مخلوق میں سے اگر کوئی اس کے لیے منعم ہے تو وہ اس کے ماں باپ ہیں سو ان کا شکر کرنا بھی واجب ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۵۰۱' شرح السنہ ج ۷ ص ۶۱' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۲۲' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۰۷۶' مشکوۃ رقم الحدیث: ۳۰۲۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۴۴۳)

اور مخلوق میں جتنی نعمتیں اور احسانات ماں باپ کے اولاد پر ہیں اتنی نعمتیں اور احسانات اور کسی کے نہیں ہیں' کیونکہ بچہ ماں باپ کے جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمة بضعة منی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۷) فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ ماں باپ کی بچہ پر بہت زیادہ شفقت ہوتی ہے' بچہ کو ضرر سے دور رکھنا اور اس کی طرف خیر کو پہنچانا ان کا فطری اور طبعی وصف ہے۔ وہ خود تکلیف اٹھا لیتے ہیں بچہ کو تکلیف نہیں پہنچنے دیتے اور ان کو جو خیر بھی حاصل ہو وہ چاہتے ہیں کہ یہ خیر ان کے بچے کو پہنچ جائے۔ جس وقت انسان انتہائی کمزور اور انتہائی عاجز ہوتا ہے اور وہ سانس لینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا وہ اپنے چہرے سے مکھی بھی نہیں اڑا سکتا' اس وقت اس کی تمام ضروریات کے کفیل اس کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ پس واضح ہو گیا کہ انسان پر جتنی نعمتیں اور جتنے احسانات اس کے ماں باپ کے ہیں اتنی نعمتیں اور اتنے احسانات اور کسی کے نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کے بعد انسان پر اگر کسی کی نعمتوں اور احسانات کے شکر کا حق ہے تو وہ اس کے ماں باپ کا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ انسان کا حقیقی مربی ہے اور ظاہری طور پر اس کے ماں باپ اس کے مربی ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کی برائیوں کے باوجود اس سے اپنی نعمتوں کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا اسی طرح اس کے ماں باپ بھی اس کی غلط کاریوں اور نالائقیوں کے باوجود اس پر اپنے احسانات کو کم نہیں کرتے' جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کا بندے سے کوئی عوض طلب نہیں کرتا' اسی طرح ماں باپ بھی اولاد پر اپنے احسانات کا عوض طلب نہیں کرتے' اور جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں پر احسان کرنے سے نہیں اکتاتا' اسی طرح ماں باپ بھی اولاد پر احسان کرنے سے نہیں اکتاتے' جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کو غلط راستوں میں بھٹکنے اور برائیوں سے بچانے کے لیے ان کو سرزنش کرتا ہے اسی طرح ماں باپ بھی اولاد کو بری راہوں سے بچانے کے لیے سرزنش کرتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد ماں باپ کے

ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔

ماں باپ کے حصول لذت کے نتیجہ میں اولاد ہوئی پھر ان کا کیا احسان ہے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ماں باپ نے اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے یا حصولِ لذت کے لیے ایک عمل کیا جس کے نتیجہ میں اولاد پیدا ہو گئی اور اس کی پرورش کا بار ان پر پڑ گیا تو ماں باپ کا اولاد پر کون سا احسان ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کا مقصود صرف حصول لذت ہوتا تو وہ جنسی عمل کرنے کے بعد عزل کر لیتے تاکہ استقرار حمل نہ ہوتا اور اب تو خاندانی منصوبہ بندی نے بہت سارے طریقے بتا دیئے ہیں جن کے ذریعے ماں باپ اپنی خواہش پوری کر سکتے ہیں، اور ان کو اولاد کے جھنجھٹ میں مبتلا نہیں ہونا پڑے گا، لیکن جب انہوں نے ضبط تولید کے کسی طریقہ پر عمل نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصود صرف حصول لذت نہیں تھا بلکہ حصول اولاد تھا، اور اس مقصد کے لیے ان کے والد نے کسب معاش کے لیے اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کیا، دہری، تہری ملازمتیں کیں، اور اپنی اولاد کے کھانے پینے، لباس، دواؤں اور دیگر ضروریات زندگی کا خرچ اٹھانے کے لیے اپنی بساط سے بڑھ کر جدوجہد کی۔ اولاد کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دی، وہ خود چاہے بھوکے رہ جائیں، خواہ ان کے لیے دوا نہ ہو لیکن اولاد کے لیے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کو وقت پر کھانا اور وقت پر دوا مل جائے، باپ خواہ ان پڑھ ہو لیکن وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد اعلیٰ تعلیم حاصل کرے، اور ماں کے اولاد پر جس قدر احسانات ہیں وہ بے حد و حساب ہیں، اگر اس کا مقصد صرف فطری تقاضا پورا کرنا ہوتا اور حصول لذت ہوتا تو وہ استقرار حمل سے پہلے اسقاط کرا سکتی تھی، وہ ایام حمل اور وضع حمل کی تکلیفیں نہ اٹھاتی، پھر وہ دو سال تک بچہ کو دودھ پلاتی ہے، اس کے بول و براز کو صاف کرتی ہے، اس کے بستر کو صاف رکھتی ہے، اس کا گوہ موت اٹھاتے ہوئے اس کو کوئی گھن نہیں آتی، کوئی کراہت محسوس نہیں ہوتی، راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کو دودھ پلاتی ہے، خود گیلے بستر پر لیٹ کر اس کو سوکھے بستر پر سلاتی ہے، اور یوں بالغ ہونے تک اس کی پرورش کرتی رہتی ہے۔ اگر گھر میں کھانا کم ہو تو خود بھوکی رہتی ہے اور بچوں کو کھلا دیتی ہے، غرض ماں کے اولاد پر اتنے احسانات ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور ماں باپ جو اولاد کی خدمت کرتے ہیں یہ بالکل بے غرض اور بے لوث ہوتی ہے، یہ نہ کہا جائے کہ وہ اس لیے بچہ کی پرورش کرتے ہیں کہ وہ بڑے ہو کر ان کا سہارا اور دست و بازو بنے گا کیونکہ لڑکے کے متعلق تو یہ امید کی جا سکتی ہے، لڑکی کو تو اس کی شادی سے پہلے بھی پالنا پڑتا ہے اور شادی کے بعد بھی پالنا پڑتا ہے اور رہا لڑکا تو ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جوانی کی عمر تک پہنچے گا بھی یا نہیں، کسی کام کے لائق بنے گا یا نہیں، پھر پڑھا لکھا کر کسی کام کے لائق تو ماں باپ بناتے ہیں، اور یہ چیز ان کے مشاہدہ میں ہوتی ہے کہ شادی کے بعد عموماً لڑکے اپنی بیویوں کے کہنے پر چلتے ہیں اور ماں باپ کو کوئی حیثیت نہیں دیتے، وہ بھول جاتے ہیں کہ ماں باپ نے ان کو کس طرح پالا پوسا تھا اور کس طرح اس مقام تک پہنچایا تھا، یہ سب ماں باپ کے پیش نظر ہوتا ہے، اس کے باوجود وہ اولاد کی بے غرض اور بے لوث خدمت اور پرورش کرتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کی بے غرض پرورش کرتا ہے اسی طرح ماں باپ اولاد کی بے لوث پرورش کرتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد اس کے متصل ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:

ماں باپ کے حقوق کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ (لقمان: ۱۴)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ (نیک سلوک کی) وصیت کی' اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اس کو حمل میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے' (ہم نے یہ وصیت کی کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو' تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے ۝

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۔ (الاحقاف: ۱۵)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے' اس کی ماں نے دکھ جھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دکھ برداشت کر کے اس کو جنا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۔ (البقرۃ: ۸۳)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۔ (البقرۃ: ۲۱۵)

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ تم جو بھی پاک مال خرچ کرو وہ والدین کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے (خرچ کرو)

ماں باپ کے حقوق کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا' میں نے پوچھا پھر کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا' میں نے پوچھا پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا آپ نے مجھے یہ احکام بیان فرمائے' اگر میں اور پوچھتا تو آپ اور بتا دیتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۱۰)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو جہاد پر مقدم کیا ہے۔

ماں باپ کی خدمت اور ان کی اطاعت کا یہ تقاضا ہے کہ نہ براہ راست ان کی گستاخی کرے اور نہ کوئی ایسا کام کرے جو ان کی گستاخی کا موجب ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام کبیرہ گناہوں میں سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے' یا لعنت کرے۔ کہا گیا یا رسول اللہ کوئی شخص اپنے ماں باپ پر کیسے لعنت کرے گا' فرمایا ایک شخص دوسرے شخص کے ماں باپ کو گالی دے گا تو وہ دوسرا شخص اس کے ماں باپ کو گالی دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۲)

اغراض صحیحہ اور جائز کاموں میں ماں باپ کی نافرمانی کرنا حرام ہے اور جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرنا واجب ہے جبکہ ان کا حکم کسی معصیت کو مستلزم نہ ہو۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑے کبیرہ گناہ کے متعلق نہ بتاؤں! صحابہ نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اللہ کا شریک بنانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا، آپ سہارے سے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا اور جھوٹی بات کہنا اس کا آپ نے تین بار تکرار فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٢٦٥٤، صحیح مسلم رقم الحدیث:٨٧، سنن الترمذی رقم الحدیث:١٩٠١)

ماں باپ کی اطاعت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اگر اس کا باپ اس کو یہ حکم دے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو اس پر بیوی کو طلاق دینا واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا، اور میرے والد اس کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے مجھے حکم دیا کہ اس کو طلاق دے دو، میں نے انکار کردیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:١١٨٩، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٥١٣٨، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٢٠٨٨ اس حدیث کی سند صحیح ہے)

ماں اور باپ دونوں کی اطاعت واجب ہے لیکن ماں کی اطاعت کا حق چار میں سے تین حصہ ہے اور باپ کی اطاعت کا حق ایک حصہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! لوگوں میں میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے کہا پھر کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے پوچھا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں! اس نے کہا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہارا باپ! (صحیح البخاری رقم الحدیث:٥٩٧١، صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٥٤٨)

اگر ماں باپ غیر مسلم ہوں پھر بھی ان کے ساتھ نیک سلوک واجب ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میری والدہ میرے پاس آئیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مشرکہ تھیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! وہ اسلام سے اعراض کرتی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحم کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں تم ان کے ساتھ صلہ رحم کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٢٦٢٠، صحیح مسلم رقم الحدیث:١٠٠٣، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:١٦٦٨)

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا جہاد پر مقدم ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں جہاد کروں؟ آپ نے پوچھا تمہارے ماں باپ ہیں! اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا پھر تم ان کی خدمت میں جہاد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٥٩٧٢، صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٥٤٩، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٢٥٢٩، سنن الترمذی رقم الحدیث:١٦٧١، سنن النسائی رقم الحدیث:٣١٠٣، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:٩٢٨٤، مسند حمیدی رقم الحدیث:٥٨٥، مسند احمد رقم الحدیث:٦٥٤٣، عالم الکتب، مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٢ص ٤٧٣)

معاویہ بن جاہمہ السلمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور عرض کیا میں جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ نے پوچھا کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا پھر اس کے ساتھ لازم رہو کیونکہ جنت اس کے پیروں کے پاس ہے وہ پھر دوبارہ کسی اور وقت گئے، پھر سہ بارہ کسی اور وقت گئے تو آپ نے یہی جواب دیا۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱، مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۶۲۳، عالم الکتب، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۲۹۰، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۹۳۵، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۴)

ایک روایت میں ہے: جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۴۳۹، بہ حوالہ تاریخ بغداد)

امام ابن ابی شیبہ محمد بن المنکدر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہاری ماں تم کو (نفل) نماز میں بلائے تو چلے جاؤ اور جب تمہارا باپ بلائے تو نہ جاؤ۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۲۶۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

ماں باپ کے بڑھاپے اور ان کی موت کے بعد ان سے نیک سلوک کرنا

اس آیت میں یہ بھی فرمایا: اور اگر تمہاری زندگی میں وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے تو اس کو اف تک نہ کہنا اور نہ اس کو جھڑکنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناک خاک آلود ہو، پھر ناک خاک آلود ہو، آپ سے کہا گیا کس کی یا رسول اللہ! فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ کے بڑھاپے کو پایا، یا ان میں سے کسی ایک کے یا دونوں کے، پھر وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے پھر فرمایا: آمین، آمین، آمین، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ آپ نے کس چیز پر آمین کہی؟ آپ نے فرمایا میرے پاس ابھی جبرائیل آئے تھے انہوں نے کہا یا محمد! اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا، آپ کہیے آمین تو میں نے کہا آمین! پھر اس نے کہا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان کا مہینہ داخل ہوا اور اس کی مغفرت کے بغیر وہ مہینہ گزر گیا آپ کہیے آمین تو میں نے کہا آمین! پھر اس نے کہا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہیں کیا، آپ کہیے آمین تو میں نے کہا آمین۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۴۴۴، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۰۸، المستدرک ج ۱ ص ۵۴۹)

ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ ان کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ نیکی کی جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۳)

حضرت مالک بن ربیعہ الساعدی بیان کرتے ہیں کہ جس وقت میں بیٹھا ہوا تھا اس وقت انصار میں سے ایک شخص آیا اور کہا یا رسول اللہ! کیا ماں باپ کے فوت ہونے کے بعد بھی ان کے ساتھ کوئی نیکی کرنا میرے ذمہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، چار قسم کی نیکیاں ہیں، (۱) ان کی نماز جنازہ پڑھنا (۲) ان کے لیے استغفار کرنا اور ان کے عہد کو پورا کرنا (۳) ان کے دوستوں کی

تعظیم کرنا(۴) اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحم کرنا یہ ان کے ساتھ وہ نیکیاں ہیں جو ان کی موت کے بعد تم پر باقی ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۴، ج ۴ ص ۱۵۴، مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۱۵۶، عالم الکتب بیروت، حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۰۰۴، مطبوعہ معارف الحدیث قاہرہ، المستدرک ج ۴ ص ۱۵۴، حافظ ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے)

سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا ہے آپ نے فرمایا نہیں یہ تو اس کی ایک بار خندہ پیشانی کا بھی بدل نہیں ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۹۸۷، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۴۷)

ماں باپ کو جھڑکنے اور ان کو اف کہنے کی ممانعت

اس کے بعد فرمایا: اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے تو اس کو اف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا۔

یعنی اپنے ماں باپ سے گھن نہ کھانا، جس طرح ان کو تم سے گھن نہیں آتی تھی، وہ تمہارا بول براز اٹھاتے تھے اور اس کی بدبو سے ناک چڑھاتے تھے نہ تیوری پر بل ڈالتے تھے وہ تم کو نجاست سے صاف کرتے تھے اور ان کو برا نہیں لگتا تھا اسی طرح بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے ان کے جسم سے کوئی ناگوار بو آئے تو تم ناگواری سے اف تک نہ کرنا۔

اور جب ماں باپ کو اف تک کہنا منع ہے تو ان کے ساتھ سخت لہجہ میں بات کرنا اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا یا ان کو مارنا بہ طریق اولیٰ منع ہے، انسان جب ماں باپ سے بات کرے تو نظر نیچی رکھ کر بات کرے اور پست آواز میں بات کرے، ایسے لہجہ میں بات نہ کرے جو توہین آمیز ہو اور نہ کوئی ایسی بات کرے جس سے ان کی دل شکنی ہو، البتہ اگر وہ شریعت کے خلاف کوئی بات کہیں تو اس میں ان کی اطاعت نہ کرے، مثلاً اگر وہ کہیں کہ اپنی بہن سے بات نہ کرو یا اپنے بھائی یا اپنی خالہ یا اپنے ماموں سے بات نہ کرو تو اس میں ان کا حکم نہ مانے، کیونکہ رشتہ داروں سے تعلق توڑنے کی شریعت میں ممانعت ہے، تاہم ان سے اس طرح بات کریں کہ ماں باپ کو پتہ نہ چلے تاکہ ان کی دل آزاری نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے سامنے عاجزی اور رحم دلی کا بازو جھکائے رکھنا اور یہ دعا کرنا: اے میرے رب ان پر رحم فرمانا جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی O (بنی اسرائیل: ۲۴)

رحم دلی سے بازو جھکانے کا معنی

پرندہ جب اپنے چوزہ کو اپنے جسم کے ساتھ ملانا چاہتا ہے تو اپنے پروں کو جھکا لیتا ہے، اس وجہ سے پروں کو جھکانے سے مراد ہوتی ہے بچہ کی اچھی پرورش کرنا اور یہاں یہ مراد ہے کہ اپنے ماں باپ کی اچھی طرح کفالت کرو اور ان کے خرچ کو اپنے خرچ سے ملا لو اور ان کو الگ نہ کرو، جس طرح انہوں نے تمہارے بچپن میں تمہارے خرچ کو اپنے خرچ سے الگ نہیں رکھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب پرندہ اڑنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے پروں کو پھیلا لیتا ہے اور جب اڑان اور پرواز ختم کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے پروں کو سکیڑ لیتا ہے اور جھکا دیتا ہے اس وجہ سے بازو اور پر پھیلانا علو سے کنایہ ہے اور پروں کو جھکانا تواضع اور عجز و انکسار سے کنایہ ہے سو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنے ماں باپ کے سامنے اکڑ اور ترفع کے ساتھ نہ رہو بلکہ عجز اور تواضع کے ساتھ رہو۔

اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ ماں باپ کے لیے دعا کرو کہ اے اللہ ان پر رحم فرمانا جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی، اور جب ہم نماز میں دعاء ابراھیم پڑھتے ہیں ربنا اغفرلی ولوالدی (ابراھیم: ۴۱) اے ہمارے رب میری مغفرت کر اور میرے ماں باپ کی، تو اس حکم پر عمل ہو جاتا ہے، اور جب انسان اپنے ماں باپ کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرے گا تو اس کو بھی مغفرت اور رحمت حاصل ہوگی یہ تو دراصل اپنے ہی حق میں رحمت اور مغفرت کی دعا ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کے پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے تجھے بھی اس کی مثل مل جائے، اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۴)

مجھے اس حدیث کی صداقت کا تجربہ ہے، مجھے علم تھا کہ میرے دوست علامہ عبدالحکیم صاحب شرف قادری مدظلہ قرآن مجید کی تفسیر لکھنا چاہتے ہیں، ۱۹۹۴ میں مدینہ طیبہ میں میری ان سے ملاقات ہوئی، ہم گنبد خضراء کے سائے میں کھڑے تھے، انہوں نے مجھ سے کہا میرے لیے دعا کریں میں نے دعا کی کہ الٰہ العالمین! علامہ شرف صاحب کو قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا شرف عطا فرما، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا میرے حق میں قبول فرمائی میں نے اسی سال تفسیر لکھنی شروع کی اور اب ۲۰۰۰ء میں بنی اسرائیل تک یہ تفسیر پہنچ گئی اور ان شاء اللہ باقی بھی مکمل ہو جائے گی۔

مشرک ماں باپ کے لیے دعا کرنے میں مفسرین کے اقوال

اس آیت میں والدین کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں: امام رازی لکھتے ہیں:

(۱) یہ آیت قرآن مجید کی اس آیت سے منسوخ ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ (التوبہ: ۱۱۳)

نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں، خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں، جب کہ یہ بات ان پر ظاہر ہو چکی ہو کہ وہ دوزخی ہیں۔

لہٰذا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مشرک ماں باپ کے لیے مغفرت اور رحمت کے حصول کی دعا کرے۔

(۲) یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ مسلمان والدین کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی اگر اس کے ماں باپ مسلمان ہوں تو ان کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرے اور اگر اس کے ماں باپ مشرک ہوں تو ان کے لیے مغفرت یا رحمت کی دعا نہ کرے۔ اور یہ قول پہلے قول سے اولیٰ ہے۔

(۳) یہ آیت منسوخ ہے اور نہ مخصوص ہے اگر اس کے والدین کافر ہوں تو وہ ان کے لیے ہدایت اور ایمان کے حصول کی دعا کرے اور ایمان کے بعد ان کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۲۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ماں باپ کے حقوق اور ان کی اطاعت اور نافرمانی کے نتائج اور ثمرات

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! میرا مال بھی ہے اور میری اولاد بھی ہے اور میرا باپ میرا مال چھین لینا چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٢٩١ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا میرے باپ نے میرے مال کو چھین لیا (یا ہلاک کردیا) آپ نے فرمایا تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی ہے، پس تم ان کے اموال سے کھاؤ۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٢٩٢ مسند احمد ج ٢ ص ١٧٩ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٥٣٠ تاریخ بغداد رقم الحدیث: ١٩٩٤ ابن الجارود رقم الحدیث: ٩٩٥)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! والدین کا اپنی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اس کی جنت اور دوزخ ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٦٦٢ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک جس وقت فوت ہوتے ہیں وہ اس وقت ان کا نافرمان ہوتا ہے پھر وہ ان کے لیے مسلسل مغفرت کی دعا کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ اس کو نیکوکار لکھ دیتا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ٧٩٠٢)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں صبح کرتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہوتا ہے، اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر وہ ایک کا اطاعت گزار ہوتا ہے تو ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے، اور جو شخص شام کے وقت اس حال میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوتا ہے تو صبح کے وقت اس کے لیے دوزخ کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر وہ ایک کا نافرمان ہوتا ہے تو ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے۔ ایک شخص نے کہا خواہ اس کے ماں باپ اس پر ظلم کریں فرمایا اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں! اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں، اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ٧٩١٦)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نیک شخص اپنے ماں باپ کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھے اللہ تعالیٰ اس کو ہر نظر کے بدلہ میں حج مبرور عطا فرماتا ہے، صحابہ نے پوچھا خواہ وہ ہر روز سو مرتبہ رحمت کی نظر کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ بہت بڑا اور بہت پاک ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ٧٨٥٦)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں باپ کی نافرمانی کے سوا اللہ ہر گناہ میں سے جس کو چاہے گا معاف فرما دے گا اور ماں باپ کی نافرمانی کی سزا انسان کو زندگی میں موت سے پہلے مل جائے گی۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ٧٨٩٠)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تین انسانوں کی طرف اللہ رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا اور جو لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے ان میں ماں باپ کا نافرمان ہوگا،

اور بالوں کو کاٹ کر مردوں سے مشابہت کرنے والی عورت ہوگی اور دیوث (عورتوں کا دلال) ہوگا اور جن تین کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت نہیں فرمائے گا وہ ماں باپ کا نافرمان ہوگا اور عادی شرابی، اور احسان جتلانے والا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۱۸۰، مسند احمد رقم الحدیث ۶۱۸۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶، المستدرک ج ۴ ص ۱۴۶-۱۴۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۶۲-۲۵۶۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی سفر کر رہے تھے، ان کو بارش نے آلیا، انہوں نے پہاڑ کے اندر ایک غار میں پناہ لی، غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان ٹوٹ کر آگری اور غار کا منہ بند ہو گیا، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا تم نے جو نیک عمل اللہ کے لیے کیے ہوں ان کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو شاید اللہ غار کا منہ کھول دے، ان میں سے ایک نے کہا اے اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میری ایک چھوٹی بچی تھی جب میں شام کو آتا تو بکری کا دودھ دوہ کر پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر اپنی بچی، بیوی اور گھر والوں کو پلاتا، ایک دن مجھے دیر ہو گئی میں حسب معمول دودھ لے کر ماں باپ کے پاس گیا وہ سو چکے تھے، میں نے ان کو جگانا ناپسند کیا اور ان کے دودھ دینے سے پہلے بچی کو دودھ دینا ناپسند کیا، بچی رات بھر بھوک سے میرے قدموں میں روتی رہی اور میں صبح تک دودھ لے کر ماں باپ کے سرہانے کھڑا رہا، اے اللہ تجھے خوب علم ہے کہ میں نے یہ فعل صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہمارے لیے اتنی کشادگی کر دے کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں، اللہ عزوجل نے ان کے لیے کشادگی کر دی حتیٰ کہ انہوں نے آسمان دیکھ لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۱۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۸۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۹۷۳ عالم الکتب، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۱۸۸)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا ایک جوان آدمی قریب المرگ ہے اس سے کہا گیا کہ لا الٰہ الا اللہ پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکا، آپ نے فرمایا: وہ نماز پڑھتا تھا؟ اس نے کہا ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھے، آپ اس جوان کے پاس گئے اور فرمایا کہو لا الٰہ الا اللہ اس نے کہا مجھ سے نہیں پڑھا جا رہا، آپ نے اس کے متعلق پوچھا، کسی نے کہا یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا اس کی والدہ زندہ ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اس کو بلاؤ، وہ آئی، آپ نے پوچھا یہ تمہارا بیٹا ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر آگ جلائی جائے اور تم سے کہا جائے کہ اگر تم شفاعت کرو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں تو کیا تم اس کی شفاعت کرو گی؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! اس وقت میں اس کی شفاعت کروں گی، آپ نے فرمایا تب تم اللہ کو گواہ کرو، اور مجھ کو گواہ کر کے کہو کہ تم اس سے راضی ہو گئی ہو، اس عورت نے کہا اے اللہ میں تجھ کو گواہ کرتی ہوں اور تیرے رسول کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہو گئی ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لڑکے! اب کہو لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ تو اس لڑکے نے کلمہ پڑھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے اس کو میری وجہ سے آگ سے نجات دی۔

(الترغیب والترہیب للمنذری ج ۳ ص ۳۳۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۴۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۹۲)

ماں باپ کے حقوق کے متعلق میں نے البقرہ ۸۳ میں بھی بحث کی ہے لیکن یہاں بہت زیادہ جامعیت اور تفصیل سے لکھا ہے اور بعض احادیث مکرر آ گئی ہے لیکن ہم نے اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے ان کا ذکر کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارا رب بہ خوبی جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اگر تم نیک ہو تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے O (بنی اسرائیل: ۲۵)

اوّابین کے معانی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے تم کو سابقہ آیت میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور تمہارے دلوں میں اخلاص ہے یا نہیں ہے یہ اللہ پر مخفی نہیں ہے کیونکہ انسان کے علوم میں تو سہو اور نسیان آجاتا ہے اور رہ ہی اس کا علم تمام چیزوں کا احاطہ کرسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم ان تمام نقائص سے پاک ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو سب علم ہے کہ تم ان احکام پر اخلاص سے عمل کر رہے ہو یا نہیں، اگر تمہارے دل میں کوئی فساد نہیں ہے اور تم صحیح نیت سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کر رہے ہو اور اس کی طرف رجوع کرنے والے ہو تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہے۔

اس آیت میں اوابین کا لفظ ہے، یہ لفظ اوب سے بنا ہے، اوب رجوع کی ایک قسم ہے، قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اِلَيۡنَاۤ اِيَابَهُمۡ ۔ (الغاشیہ: ۲۵) بے شک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے۔

فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۔ (النباء: ۳۹) پس جو چاہے اپنے رب کی طرف لوٹنے کی جگہ بنالے۔

اور اوّاب، توّاب کی مثل ہے یعنی جو شخص گناہوں کو ترک کرکے عبادات کو انجام دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا ہو:

هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيۡظٍ O (ق: ۳۲) یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا ہو اور (دین برحق کی) حفاظت کرنے والا ہو۔

(المفردات ج ۱ ص ۴۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے اوّاب کے حسب ذیل معنی ذکر کیے ہیں:

(۱) ضحاک نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ اس کا معنی مسلمان ہے۔

(۲) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ اس کا معنی تواب ہے اور یہی مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے، ابن قتیبہ نے کہا اس کا معنی ہے جو شخص بار بار توبہ کرے، زجاج نے کہا اس کا معنی ہے جو شخص ان تمام کاموں کی جڑ کاٹ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

(۳) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس کا معنی ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی بہت تسبیح کرنے والا ہو۔

(۴) علی ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہو۔

(۵) عبید بن عمیر نے کہا جو شخص تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کرے پھر اللہ تعالیٰ سے ان گناہوں کی مغفرت طلب کرے۔

(۶) حسن بصری نے کہا جو شخص اپنے دل اور اپنے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

(۷) قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے نماز پڑھنے والا۔

(۸) ابن المنکدر نے کہا جو شخص مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھے۔ (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعات (نفل) پڑھے اور ان کے درمیان

کوئی بری بات نہ کرے تو اس کی وہ عبادت بارہ سال کی عبادت کے برابر قرار دی جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۶۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مغرب کی بعد بیس رکعت نماز پڑھی‘ اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنادے گا۔ مغرب کے بعد بارہ رکعات نماز کو صلوٰۃ الاوابین کہا جاتا ہے۔)

(۹) عون عقیلی نے کہا اس کا معنی ہے جو شخص چاشت کی نماز پڑھے۔

(۱۰) السدی نے کہا جو شخص تنہائی میں گناہ کرے اور تنہائی میں توبہ کرے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۲۷-۲۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت‘ ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اوابین کے لیے بہت بخشنے والا ہے‘ اور اواب مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف بار بار رجوع کرنے والا اور بار بار اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹنے والا‘ سعید بن مسیب نے کہا یہ وہ شخص ہے جو توبہ کرتا ہے پھر گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے پھر گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے‘ حضرت ابن عباس نے فرمایا اواب وہ شخص ہے جو جب بھی اپنے گناہوں کو یاد کرتا ہے تو ان پر استغفار کرتا ہے‘ عون عقیلی نے کہا اوابین وہ لوگ ہیں جو چاشت کی نماز پڑھتے ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل قباء کی طرف گئے وہ نماز پڑھ رہے تھے‘ آپ نے فرمایا اوابین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب گرم ریت پر چلنے کی وجہ سے اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دیتے رہو اور اسراف اور فضول خرچ کرنے سے بچو ○ (بنی اسرائیل: ۲۶)

جن لوگوں پر خرچ کرنا انسان پر واجب ہے‘ اس کے متعلق مذاہب فقہاء

اس آیت میں کس سے خطاب کیا گیا ہے اس میں بھی دو قول ہیں‘ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ مال فئی اور مال غنیمت میں سے جو مال آپ کو حاصل ہو اس میں سے آپ اپنے قرابت داروں کے حقوق ادا کریں‘ اور مسکینوں اور مسافروں کو بھی عطا کریں‘ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں تمام انسانوں سے خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب تم پر واجب ہے کہ تم باقی اقارب سے بھی نیک سلوک کرو اور جو زیادہ قریب ہو اس کا حق پہلے ادا کرو‘ پھر درجہ بدرجہ اور پھر مسکینوں اور مسافروں کی اصلاح میں مال خرچ کرو۔

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور قرابت داروں کو ان کا حق دیتے رہو‘ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) اس سے انسان کے قرابت دار مراد ہیں خواہ وہ باپ کی طرف سے قرابت دار ہوں یا ماں کی طرف سے‘ یہ حضرت ابن عباس اور حسن کا قول ہے اور اس بناء پر ان کے حق کی تین تفسیریں ہیں: (ا) ان کے ساتھ نیکی اور صلہ رحم کیا جائے (ب) ضرورت کے وقت ان کے جو اخراجات واجب ہیں وہ ادا کیے جائیں (ج) وفات کے وقت ان کے متعلق وصیت کی جائے۔

(۲) حضرت علی بن حسین علیہما السلام نے کہا اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں اور اس بناء پر ان کا حق یہ ہے کہ ان کو خمس دیا جائے اور یہ خطاب حکام کی طرف متوجہ ہے۔

اور مسکینوں اور مسافروں کے متعلق قاضی ابو یعلیٰ نے کہا اس سے مراد صدقات واجبہ ہیں یعنی ان کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حق سے مراد یہ ہو کہ جب ان کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ ان کو دی جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسکین کا حق صدقہ ہے اور مسافر کا حق اس کو کھانا کھلانا ہے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۲۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو، یہ آیت مجمل ہے اس میں یہ بیان نہیں ہے کہ وہ حق کیا ہے؟ امام شافعی کے نزدیک صرف اولاد اور والدین پر خرچ کرنا واجب ہے، اور بعض علماء نے کہا کہ محارم پر بھی بقدر ضرورت خرچ کرنا واجب ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ جو رشتہ دار محارم نہیں ہیں جیسے چچا زاد ماموں زاد وغیرہ ان کا صرف یہ حق ہے کہ ان سے تعلق رکھا جائے اور ان سے ملاقات کی جائے، اور ان سے حسن معاشرت رکھی جائے اور تنگی اور خوشی میں ان سے میل جول برقرار رکھا جائے، اور مسکینوں اور مسافروں کو زکوٰۃ میں سے حصہ دیا جائے، مسکینوں کو اتنا دینا واجب ہے جو ان کی اور ان کے بچوں کی خوراک کے لیے کافی ہو اور مسافر کو اتنا دینا واجب ہے جو اس کی سفر کی دیگر ضروریات کے لیے کافی ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو البرکات نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

اپنے ان قرابت داروں کو ان کا خرچ دو جو تمہارے محرم ہوں اور فقراء ہوں اور مسکینوں اور مسافروں کو زکوٰۃ سے ان کا حق ادا کرو۔ (مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۱۷۳، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

قاضی ابو سعود محمد بن محمد حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

قرابت دار سے مراد محارم ہیں اور ان کے حق سے مراد ان کا خرچ ہے۔

(تفسیر ابو سعود ج ۴ ص ۱۲۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن مصلح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم والدین کے ساتھ نیکی کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب تم پر واجب ہے کہ باقی رشتہ داروں کے ساتھ درجہ بہ درجہ نیکی کرو پھر مسکینوں اور مسافروں کے احوال کی اصلاح کرو اور قرابت داروں کو دو بشرطیکہ وہ محرم ہوں تنگ دست ہوں اور کمانے سے عاجز ہوں، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک امیر اور خوشحال پر واجب ہے کہ وہ اپنے تنگ دست قرابت داروں پر بقدر ضرورت خرچ کرے۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۵ ص ۴۷۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک انسان پر جن لوگوں کا خرچ واجب ہے اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے، علامہ عبد اللہ بن محمود حنفی متوفی ۶۸۳ھ نے جو اس کی تفصیل لکھی ہے میں اس کو اختصار کے ساتھ لکھ رہا ہوں:

انسان پر اس کی بیوی کے کھانے، کپڑوں اور رہائش کا خرچ واجب ہے، اسی طرح نابالغ بچوں کے بھی کھانے، کپڑوں اور رہائش کا خرچ اس پر واجب ہے، اور آباء اور اجداد کا خرچ بھی اس پر واجب ہے بشرطیکہ وہ ضرورت مند ہوں اور ماں باپ اولاد کے علاوہ دیگر قرابت داروں کا خرچ بھی اس پر واجب ہے بشرطیکہ وہ محارم ہوں اور تنگ دست ہوں اور کمانے پر

قادر نہ ہوں یا کوئی محرم عورت ہو جو تنگ دست ہو۔ (الاختیار ج ۴ ص ۱۲۔ ۳ ملخصاً مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع)

تبذیر کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور تبذیر نہ کرو۔

تبذیر کا معنی ہے تفریق، اس کی اصل ہے زمین میں بذر (بیج) کو پھینک دینا اور پھر اس کا استعارہ ہر اس شخص کے لیے کیا گیا جو اپنے مال کو ضائع کرنے والا ہو، بظاہر بذر (بیج) کو زمین میں متفرق جگہ پھینک دینا بھی اس شخص کے نزدیک مال کو ضائع کرنا ہے جو بیجوں کو زمین میں ڈالنے کے نتیجہ سے ناواقف ہو۔ (المفردات ج ۱ ص ۵۱، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: تبذیر کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی ہے مال کو باطل اور ناجائز جگہوں میں خرچ کرنا، مجاہد نے کہا اگر کوئی شخص اپنے تمام مال کو حق کی راہ میں خرچ کرے تو وہ مبذر نہیں ہے اور اگر وہ ایک کلو چیز بھی ناحق جگہ میں خرچ کرے تو وہ مبذر ہے، زجاج نے کہا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے علاوہ میں خرچ کرنا تبذیر ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے اونٹوں کو ذبح کیا جاتا تھا اور مالوں کو خرچ کیا جاتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ صرف اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے مال کو خرچ کیا جائے۔

ماوردی نے ذکر کیا ہے کہ مال کو بے فائدہ اور فضول خرچ کرنا اور مال کو ضائع کرنا تبذیر ہے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۲۸۔ ۲۷، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی لکھتے ہیں:

مال کو ضائع کرنا اور اس کو فضول اور بے فائدہ خرچ کرنا تبذیر ہے، عثمان بن اسود نے کہا میں مجاہد کے ساتھ کعبہ کے گرد طواف کر رہا تھا، انہوں نے ابو قبیس پہاڑ کی طرف دیکھ کر کہا اگر کوئی شخص اس پہاڑ کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے تو وہ مسرفین میں سے نہیں ہے اور اگر وہ ایک درہم بھی اللہ تعالیٰ کی معصیت میں خرچ کرے تو وہ مسرفین میں سے ہے، ایک شخص نے کسی نیک کام میں بہت زیادہ مال خرچ کیا تو اس سے کہا گیا کہ اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے اس نے کہا خیر میں کوئی اسراف نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سعد کے پاس سے گزر ہوا، وہ اس وقت وضو کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: اے سعد یہ کیا اسراف کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کیا وضو میں بھی اسراف ہے، آپ نے فرمایا ہاں خواہ تم دریا کے بہتے ہوئے پانی سے وضو کر رہے ہو!

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۰۶۵، عالم الکتب بیروت)

اس صورت میں اگرچہ پانی ضائع نہیں ہو رہا لیکن تین بار سے زیادہ اعضاء وضو کو دھونے میں مومن کے عمل اور وقت کا ضیاع ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک فضول خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے O (بنی اسرائیل: ۲۷)

مبذرین کو شیطان کا بھائی فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے، بے شک تبذیر کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اس آیت میں اخوت سے مراد یہ ہے کہ وہ

اسراف اور تبذیر کی قباحت اور برائی میں شیطان کے مشابہ ہیں، یعنی جس طرح شیطان قبیح اور برے کام کرتا ہے اسی طرح وہ بھی قبیح اور برے کام کرتے ہیں، دوسری توجیہ یہ ہے کہ بھائی سے مراد قرین اور ساتھی ہے، یعنی وہ قبیح اور برے کام کرنے میں شیطان کے قرین اور ساتھی ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ - (الزخرف: ۳۶)

جو شخص رحمان کی یاد سے اندھا (غافل) ہو جائے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا قرین (ساتھی) ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل رہنے والے کا شیطان قرین اور ساتھی بن جاتا ہے، جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اور اس کو نیکیوں سے روکتا ہے اور برائیوں کی طرف مائل کرتا ہے اور وہ شیطان کے تمام وسوسوں میں اس کی پیروی کرتا ہے۔

شیطان کے ناشکرے ہونے کا معنی

اس کے بعد فرمایا اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان اپنے آپ کو اللہ کی معصیت میں اور زمین میں فساد پھیلانے میں اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں اور ان کو نیکیوں سے روکنے میں خرچ کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو مال اور منصب عطا فرمایا ہو اور وہ اپنے مال اور منصب کو ان کاموں میں خرچ کرے جن کاموں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال اور منصب کی نعمتوں کی بہت زیادہ ناشکری کرنے والا ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ مبذرین اور مسرفین شیاطین کے بھائی اور ان کے قرین ہیں کیونکہ وہ اپنی صفات اور افعال میں شیطان کے موافق ہیں، پھر چونکہ شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے اس لیے وہ بھی اپنے رب کے ناشکرے ہیں۔

بعض لوگ زمانہ جاہلیت میں لوٹ مار کر کے مال جمع کرتے تھے پھر لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے اس مال کو نیکی کے راستوں میں خرچ کرتے تھے اور مشرکین قریش اپنے اموال کو اس لیے خرچ کرتے تھے تاکہ لوگوں کو اسلام لانے سے روکا جائے اور اسلام کے دشمنوں کی اطاعت میں خرچ کرتے تھے ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی طرح اس زمانہ میں بھی بعض مسلمان اسمگلنگ، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، نقلی دوائیں اور نشہ آور چیزوں کی فروخت سے مال و دولت اکٹھا کرتے ہیں پھر لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے اس مال سے حج کرتے ہیں اور صدقہ اور خیرات کرتے ہیں اور اپنی نیک نامی کا چرچا اور اظہار کرتے ہیں اور نام و نمود کے لیے بہت پیسہ خرچ کرتے ہیں اس کے علاوہ ناجائز مصارف پر بھی بہت زیادہ رقم خرچ کرتے ہیں سو یہ لوگ بھی اس آیت کے مصداق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم کو اپنے رب کی رحمت (وسعت رزق) کی توقع اور جستجو میں ان سے اعراض کرنا پڑے تو ان کو کوئی نرم بات کہہ کر ٹال دو (بنی اسرائیل: ۲۸)

اگر سائل کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو نرم روی کے ساتھ معذرت کرنا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہارا ہاتھ تنگ ہو اور تمہارا اپنا بہ مشکل گزارہ ہو رہا ہو اور تمہارے پاس اتنی گنجائش نہ ہو کہ تم ضرورت مندوں کی مدد کر سکو، اور تمہارے غریب رشتہ دار، مسکین اور مسافر تم سے سوال کریں تو ان کے ساتھ نرمی سے معذرت کرو اور سخت لہجے سے ان کو منع کرنے اور جھڑکنے اور ڈانٹنے سے اور بد اخلاقی کے ساتھ پیش آنے سے احتراز کرو۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ابن زید نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے سوال کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دینے سے انکار فرماتے تھے، کیونکہ آپ کو علم تھا کہ یہ اس مال کو ضائع کر دیں گے، تو آپ ان کو مال نہ دینے میں اجر کی توقع رکھتے تھے، کیونکہ اگر آپ ان کو مال دیتے اور وہ مال کو ضائع کر دیتے تو آپ اس مال کے ضیاع میں ان کے مددگار قرار پاتے، اور عطا خراسانی نے کہا اس آیت میں والدین کا ذکر نہیں ہے، قبیلہ مزینہ سے کچھ لوگ آئے وہ آپ سے سواری طلب کر رہے تھے، تو آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تم کو سوار کروں، وہ لوگ واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اگر تم کو اپنے رب کی رحمت کی توقع اور جستجو میں ان سے اعراض کرنا پڑے تو ان کو کوئی نرم بات کہہ کر ٹال دو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان سے نرم بات کہہ کر معذرت کرو، یعنی اگر تنگ دستی کی وجہ سے تم ان کا سوال پورا کرنے سے قاصر ہو تو نرمی کے ساتھ ان سے معذرت کر لو، اور ان کے لیے کشائش رزق اور فراخ دستی کی دعا کرو، اور یوں کہو اگر مجھے کچھ مل گیا تو میں تم کو ضرور دوں گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سوال کیا جاتا اور آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو آپ انتظار میں خاموش رہتے کہ اللہ کے پاس سے کچھ رزق آجائے گا اور سائل کے رد کرنے کو ناپسند فرماتے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

جب آپ سے سوال کیا جاتا اور آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو آپ فرماتے اللہ تم کو اور ہم کو اپنے فضل سے عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنا ہاتھ اپنی گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اس کو بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ بیٹھے رہو○ (بنی اسرائیل: ۲۹)

خرچ میں اعتدال کا واجب ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے پر برانگیختہ فرمایا تھا اور اس آیت میں خرچ کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا حال بیان فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا○ (الفرقان: ۶۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان معتدل راہ اختیار کرتے ہیں۔

پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے حصول کا حکم فرمایا ہے، یعنی ایسا نہ ہو کہ تم اپنے اوپر، اپنے اہل و عیال اور دیگر ضرورت مندوں پر خرچ کرنے سے کڑھنے لگو، اور نیکی کے راستوں میں خرچ نہ کرنے سے یہ ظاہر ہو کہ تمہارے ہاتھ گردن تک بندھے ہوئے ہیں اور نہ بے تحاشا خرچ کرو کہ لوگوں کو دے دے کر اپنا سارا مال ختم کر دو اور تمہارے ہاتھ میں کچھ نہ رہے۔

خرچ کرنے کی فضیلت اور خرچ نہ کرنے کی مذمت میں احادیث

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اپنا ہاتھ گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو اس کا معنی یہ ہے کہ بخل نہ کرو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تنگ دل نہ ہو، بخل کی مذمت میں بہت احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بخیل اور مال خرچ کرنے والوں کی مثال ان دو آدمیوں جیسی ہے جنہوں نے چھاتی سے حلق تک لوہے کے دو جبے پہنے ہوئے

ہوں، خرچ کرنے والا جب مال خرچ کرتا ہے تو جبہ وسیع ہو کر اس کے جسم پر پھیل جاتا ہے، حتیٰ کہ اس کی انگلیوں اور نشانیوں کو بھی چھپالیتا ہے اور بخیل جب خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ہر حلقہ اپنی جگہ سے چمٹ جاتا ہے وہ اسے کھولنا چاہتا ہے لیکن کھول نہیں سکتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۰۴۵، عالم الکتب بیروت)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرچ کرو اور گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ بھی تم کو گن گن کر دے گا اور جمع کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ بھی تمہارا حصہ جمع کر کے رکھے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۲۹، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز جب بندے صبح اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ایک فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو عطا فرما اور دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! خرچ نہ کرنے والے کا مال ضائع کر۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۲، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۷۸)

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان عبادات، مکارم اخلاق، اہل و عیال، مہمانوں اور صدقات وغیرہ پر خرچ کرے، ان مصارف پر خرچ کرنا مطلوب ہے اور ان مصارف پر خرچ نہ کرنا مذموم ہے۔

• حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا، اور جب بندہ کسی کو معاف کر دے تو اس کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے اور جو شخص اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۸)

زیادہ خرچ کرنے اور اسراف کی مذمت میں احادیث

نیز اس آیت میں فرمایا ہے اور نہ اس (ہاتھ) کو بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ بیٹھے رہو۔ اس آیت کا معنی ہے جتنی ضرورت ہو اتنا خرچ کیا جائے، ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کیا جائے اور یہ بھی جائز محل کے متعلق ہے، ناجائز محل میں بالکل خرچ نہ کیا جائے اسی طرح صدقہ اور خیرات بھی میانہ روی سے کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ آج سارا مال خیرات کر دو اور کل بھیک مانگتے نظر آؤ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ کام حرام کر دیئے ہیں، ماؤں کی نافرمانی کرنا، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا، حق نہ دینا نا حق مانگنا اور تین کام مکروہ کیے ہیں، فضول بحث کرنا، بکثرت سوال کرنا اور مال ضائع کرنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۹۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۱۵، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۳۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر اسراف اور تکبر کے کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو، اور حضرت ابن عباس نے فرمایا جو چاہے کھاؤ اور جو چاہے پہنو، جب تک اسراف اور تکبر نہ ہو۔ (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب: ۱)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو اور لباس پہنو، بغیر تکبر اور اسراف کے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۹۹۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۰۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱۹)

حضرت حمزہ بن صہیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت صہیب کی کنیت ابو یحییٰ تھی اور وہ اپنے آپ کو عرب کہتے تھے اور وہ لوگوں کو بہت زیادہ طعام کھلاتے تھے، ان سے ایک دن حضرت عمر نے کہا اے صہیب تم نے ابو یحییٰ کنیت کیوں رکھی ہے، حالانکہ تمہارا کوئی بیٹا نہیں ہے اور تم اپنے آپ کو عرب کہتے ہو اور تم بہت زیادہ طعام کھلاتے ہو اور یہ مال میں اسراف ہے۔ حضرت صہیب نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت ابو یحییٰ رکھی تھی، اور رہا نسب کے متعلق آپ کا اعتراض! تو میں اہلِ موصل کے نمر بن قاسط کے خاندان سے ہوں، جب میں کم عمر تھا تو مجھے قیدی بنا لیا گیا لیکن مجھے اپنے گھر والوں کا اور اپنی قوم کا شعور تھا اور رہا آپ کا یہ اعتراض کہ تم کھانا زیادہ کھلاتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم میں بہتر شخص وہ ہے جو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے تو اس ارشاد نے مجھ کو اس پر ابھارا کہ میں زیادہ کھانا کھلاؤں۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۳۲۲، عالم الکتب بیروت، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۳۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ہر پسندیدہ چیز کھاؤ یہ بھی اسراف ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۵۲، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۷۶۵، حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۱۳، اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے اور یہ حدیث صحیح سے معارض ہے)

ان احادیث میں چونکہ زیادہ خرچ کرنے اور اسراف کی ممانعت اور مذمت آگئی ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ یہ بیان کردیں کہ کون سا زیادہ خرچ کرنا ممنوع ہے۔

زیادہ خرچ کرنے کی تفصیل اور تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: زیادہ خرچ کرنے کی تین صورتیں ہیں:

(الف) جو کام شرعاً مذموم ہیں ان میں مال خرچ کرنا ناجائز ہے۔

(ب) جو کام شرعاً محمود ہیں ان میں زیادہ مال خرچ کرنا محمود ہے بشرطیکہ اس میں زیادہ خرچ کرنے سے اس سے زیادہ اہم دینی کام متاثر نہ ہو۔

(ج) مباح کاموں میں زیادہ خرچ کرنا مثلاً نفس کے آرام اور آسائش اور اس کے التذاذ کے لیے خرچ کرنا، اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) خرچ کرنے والا اپنے مال اور اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے تو یہ اسراف نہیں ہے۔

(۲) خرچ کرنے والا اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرے، اس کی پھر دو قسمیں ہیں: اگر وہ کسی موجود یا متوقع ضرر اور خطرہ کو دور کرنے کے لیے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جائز ہے اور اگر دفع ضرر کے بغیر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ اسراف ہے۔ اور بعض شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ اسراف نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے بدن کے آرام اور آسائش کے حصول کا قصد کرتا ہے اور یہ غرض صحیح ہے اور جبکہ یہ کسی معصیت میں خرچ نہیں ہے تو مباح ہے۔ ابن دقیق العید، قاضی حسین، امام غزالی اور علامہ رافعی نے کہا ہے کہ یہ تبذیر ہے اور ناجائز ہے۔ محرر میں ہے کہ یہ تبذیر نہیں ہے، علامہ نووی کی بھی یہی رائے ہے۔ اور زیادہ راجح ہے کہ اگر زیادہ خرچ کرنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی مثلاً لوگوں سے سوال کرنے کی نوبت نہیں آتی تو پھر زیادہ خرچ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

اپنے تمام مال کو راہ خدا میں صدقہ کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے جو تنگی اور فقر میں صبر کر سکتا ہو' علامہ باجی مالکی نے لکھا ہے کہ تمام مال کو صدقہ کرنا ممنوع ہے اور دنیاوی مصلحتوں میں زیادہ مال خرچ کرنا مکروہ ہے' البتہ کبھی کبھی زیادہ خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے عید یا ولیمہ کے موقع پر' اور اس پر اتفاق ہے کہ قدر ضرورت سے زیادہ مکان پر خرچ کرنا مکروہ ہے' اسی طرح آرائش اور زیبائش پر زیادہ خرچ کرنا بھی مکروہ ہے اور مال کو ضائع کرنا گناہ کے کاموں کے ساتھ خاص نہیں ہے' بلکہ مال نا تجربہ کار کے حوالہ کر دینا اور جواہر نفیسہ پر خرچ کر دینا بھی اس میں داخل ہے۔

علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ مال کو ضائع کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر مال خرچ کرنے سے کوئی دینی اور دنیاوی غرض نہ ہو تو اس میں مال خرچ کرنا حرام قطعی ہے' اور اگر دینی یا دنیوی غرض ہو اور اس جگہ مال خرچ کرنا معصیت نہ ہو اور خرچ اس کی حیثیت کے مطابق ہو تو یہ قطعاً جائز ہے' اور ان دونوں مرتبوں کے درمیان بہت ساری صورتیں ہیں جو کسی ضابطہ کے تحت داخل نہیں ہیں' بہرحال معصیت میں خرچ کرنا حرام ہے' اور آرام اور آسائش اور نفسانی لذتوں کے حصول کے لیے مال خرچ کرنے میں تفصیل اور اختلاف ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۰۹۔۴۰۸' مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

جائز اور صحیح مقاصد میں مال خرچ کرنے میں بخل نہیں کرنا چاہیے تاہم ان میں بے تحاشا اور بے دریغ مال خرچ کرنا نہیں چاہیے مال خرچ کرنے اور خرچ نہ کرنے میں میانہ روی سے کام لینا چاہیے اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: اور اپنا ہاتھ گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اس کو بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ بیٹھے رہو۔ اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ خرچ کرنے میں اعتدال اور میانہ روی سے کام لیا جائے' اب ہم میانہ روی اور اعتدال کے سلسلہ میں چند احادیث بیان کر رہے ہیں۔

اعتدال اور میانہ روی کے متعلق احادیث

حضرت ابو عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک سیرت' اطمینان اور اعتدال نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۰۴۲' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۶۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا جو ایک چٹان پر نماز پڑھ رہا تھا' آپ مکہ کی طرف گئے وہاں کچھ دیر ٹھیرے پھر واپس آئے تو وہ شخص اسی طرح نماز پڑھ رہا تھا آپ نے اپنے ہاتھ اکٹھے کیے اور کھڑے ہو کر تین بار فرمایا اے لوگو! اعتدال اور میانہ روی کو لازم رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ (اجر دینے سے) نہیں اکتاتا حتیٰ کہ تم (عبادت کرنے سے) اکتا جاؤ۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۱' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۷۹۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز نجات نہیں دے گا' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں! فرمایا مجھ کو بھی نہیں! مگر یہ کہ اللہ کی رحمت مجھے ڈھانپ لے' درست عمل کرو اور صحت کے قریب عمل کرو' صبح اور شام کو اور رات کے آخری حصہ میں عمل کرو اور اعتدال اور اعتدال کو لازم رکھو تم منزل پر پہنچ جاؤ گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۴۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۴۹۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے آپ نے

ایک شخص کو دیکھا جس کے بال گرد و غبار سے اٹے ہوئے اور بکھرے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کیا اس شخص کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے یہ اپنے بالوں کو درست کر سکے، پھر ایک اور شخص کو دیکھا جو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا آپ نے فرمایا کیا اس شخص کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے یہ اپنے کپڑے دھو سکے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۵۱)

ابو الاحوص اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معمولی کپڑے پہنے ہوئے حاضر ہوا آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ نے پوچھا کون کون سا مال ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے اللہ تعالیٰ نے اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام سب کچھ دیے ہیں، آپ نے فرمایا جب تمہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت اور عزت کا اثر تم پر ظاہر ہونا چاہیے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۰۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اعتدال اور میانہ روی اختیار کی وہ تنگ دست نہیں ہوگا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۷ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۴۲۶۹، عالم الکتب بیروت)

امام بیہقی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرچ کرنے میں اعتدال اور میانہ روی نصف معیشت ہے۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۲۷۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر خلق اور ہر وصف کی دو جانبیں ہیں افراط اور تفریط اور یہ دونوں مذموم ہیں خرچ نہ کرنے میں زیادتی ہو تو یہ تفریط اور بخل ہے اور خرچ کرنے میں زیادتی ہو تو یہ افراط اور اسراف ہے، خرچ کرنے کے محل میں انسان خرچ نہ کرے اور خرچ نہ کرنے کے محل میں بھی خرچ نہ کرے یہ بخل ہے اور خرچ کرنے کے محل میں بھی خرچ کرے اور خرچ نہ کرنے کے محل میں بھی خرچ کرے یہ افراط اور تبذیر ہے اور یہ دونوں مذموم ہیں، مستحسن یہ ہے کہ خرچ کرنے کے محل میں خرچ کرے اور خرچ نہ کرنے کے محل میں خرچ نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تم بے تحاشا خرچ کرو گے تو ملامت زدہ اور تھکے ہارے بیٹھے رہ جاؤ گے۔ مثلاً ایک آدمی کو ہر ماہ خرچ کے لیے تنخواہ ملتی ہے اگر وہ پوری تنخواہ مہینے کے ابتدائی دس دنوں میں کھا پی لے اور لوگوں کو دے دلا کر اڑا دے تو مہینہ کے باقی بیس دن مصیبت میں گزارے گا لوگ اس کو ملامت کریں گے کہ تم نے پہلے اتنا زیادہ خرچہ کیوں کیا تھا کہ اب لوگوں سے مانگتے پھر رہے ہو۔

جن کا توکل کامل ہو ان کے لیے اپنا تمام مال صدقہ کرنے کا جواز

ان تمام آیتوں میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور اس خطاب سے مراد آپ کی امت ہے، اور قرآن مجید میں بہت جگہ یہ اسلوب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے قائد اور سید ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں واسطہ عظمیٰ ہیں اور عرب میں یہ دستور ہے کہ قوم سے جو خطاب کرنا ہو وہ اس کے سید کی طرف کر دیتے ہیں۔ نیز سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کثرت فتوحات سے پہلے کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے، آپ اکثر بھوکے رہتے تھے اور بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے، اور بعض صحابہ اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس پر کبھی ملامت نہیں کی تھی، اور ان کو منع نہیں کیا کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر صحیح یقین تھا اور زبردست

بصیرت تھی، جیسے حضرت ابوبکر نے اپنا سارا مال لاکر آپ کو پیش کر دیا تھا اور اللہ سبحانہ نے ان لوگوں کو اللہ کی راہ میں تمام مال خرچ کرنے سے منع فرمایا جن کے متعلق اللہ کو علم تھا کہ یہ لوگ تمام مال ہاتھ سے نکلنے کے بعد افسوس کریں گے اور ان کا یقین اور ان کا توکل اس پایہ کا نہ تھا اور جن لوگوں کا یقین اور توکل اعلیٰ درجہ کا تھا اور جو دنیا کی بجائے آخرت کی فکر کرتے تھے وہ لوگ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خرچ کرنے کے طریقہ کی تعلیم دی ہے اور اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالوں سے لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لڑکا آیا اور اس نے کہا میری ماں نے آپ سے فلاں فلاں چیز کا سوال کیا ہے، آپ نے فرمایا آج ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے، اس نے کہا میری ماں کہتی ہے کہ آپ یہ قمیص دے دیجئے، آپ نے وہ قمیص اتار کر اس کو دے دی اور آپ بغیر قمیص کے افسوس سے بیٹھے رہے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۲۷۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

لیکن تفسیر ابن جریر اور تفسیر امام ابن ابی حاتم میں یہ حدیث نہیں ہے، علامہ قرطبی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور قرطبی کے مخرج نے سنن کبریٰ، مجمع الزوائد اور مصنف عبد الرزاق کا حوالہ دیا ہے لیکن ان تینوں کتابوں میں یہ حدیث نہیں ہے، البتہ اس مضمون کی ایک اور حدیث مستند کتابوں میں موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حصول تبرک کا جواز

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاشیہ والی بنی ہوئی ایک چادر لے کر آئی، اس عورت نے کہا میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بنا ہے تاکہ میں آپ کو پہناؤں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے وہ چادر لے لی اور آپ کو اس وقت اس چادر کی ضرورت بھی تھی، آپ وہ چادر پہن کر ہمارے پاس آئے، ایک شخص نے اس چادر کی تعریف کی، اور کہنے لگا یا رسول اللہ یہ بہت خوبصورت چادر ہے، آپ یہ مجھے دے دیجئے، حاضرین نے کہا تم نے اچھا نہیں کیا، اس چادر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لیا تھا در آں حالیکہ آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی پھر بھی تم نے اس کو مانگ لیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رد نہیں فرماتے، اس شخص نے کہا اللہ کی قسم! میں نے پہننے کے لیے اس چادر کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اس چادر کا اس لیے سوال کیا تھا کہ یہ میرا کفن ہو جائے، سہل نے کہا پھر وہ چادر اس شخص کا کفن ہو گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۳)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابو غسان کی روایت میں ہے چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کو پہن لیا ہے اس لیے مجھے اس چادر سے حصول برکت کی امید ہے اس حدیث کے فوائد میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن خلق ہے اور آپ کی جود و سخا ہے اور آپ کا ہدیہ قبول فرمانا ہے، آپ عموماً ہدیہ کے جواب میں ہدیہ عطا فرماتے تھے آپ نے فرمایا ہے ایک دوسرے کو ہدیہ دو، ایک دوسرے سے محبت بڑھے گی، اس موقع پر آپ نے اس عورت کو ہدیہ نہیں دیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ جوابی ہدیہ دینا واجب نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعد میں آپ نے اس کو ہدیہ دیا ہو، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی عمدہ لباس پہننے پر اس کی تحسین کرنی چاہیے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص ایسا کام کرے جو بظاہر خلاف ادب ہو تو اس کو ملامت کرنا چاہیے، اور اس حدیث میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا جواز ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کو

وقت ضرورت سے پہلے تیار کر کے رکھنا چاہیے اور کفن کو وقت سے پہلے تیار کرنا جائز ہے بلکہ قبر کھدوانا بھی جائز ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۴ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کا رب جس کے لیے چاہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا بہت دیکھنے والا ہے ○ (بنی اسرائیل: ۳۰)

رزق میں کمی اور زیادتی بندوں کی مصلحت پر مبنی ہے

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا رب ہے، اور اس کی مخلوق میں سے جس کو جتنے رزق کی ضرورت ہے وہ اس کو اتنا رزق عطا فرماتا ہے ـــــــــــــ یا جس کو جتنا رزق دینے میں اس کی مصلحت ہے اس کو اتنا رزق عطا فرماتا ہے اور رزق کی یہ تقسیم اس وجہ سے نہیں ہے کہ جس سے وہ خوش اور راضی ہو اس کو زیادہ رزق عطا فرماتا ہے اور جس سے وہ ناراض اور ناخوش ہو اس کو کم رزق عطا فرماتا ہے، بلکہ جس شخص یا جس قوم میں جتنے رزق کی صلاحیت اور استعداد ہو اس کو اتنا رزق عطا فرماتا ہے یا جس کی عاقبت اور آخرت کے اعتبار سے جتنا رزق اس کے لیے مناسب ہو اس کو اتنا رزق عطا فرماتا ہے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ مالک ہے، جس کو جتنا چاہے عطا کرے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ (الشوریٰ: ۲۷)

اگر اللہ اپنے تمام بندوں کا رزق وسیع کر دیتا تو وہ زمین پر فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ جتنا رزق چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث لکھی ہے:

میرے بعض بندوں کی مصلحت میں صرف فقر ہے اگر میں ان کو غنی کر دیتا تو ان کا دین فاسد ہو جاتا اور میرے بعض بندوں کی مصلحت صرف غنا میں تھی اگر میں ان کو فقیر بنا دیتا تو ان کا دین فاسد ہو جاتا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک ان کو قتل کرنا

كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ

بہت بڑا گناہ ہے ○ اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا

سَبِیْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ

راستہ ہے ○ اور اس شخص کو قتل نہ کرو جس کے ناحق قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے، اور جو شخص مظلوماً

مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

قتل کیا گیا ہم نے اس کے وارث کو قوت دی ہے پس وہ قتل کرنے میں حد سے نہ بڑھے بے شک وہ

مَنْصُورًا ﴿٣٣﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ

مدد کیا ہوا ہے ○ اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ ماسوا بہتر صورت کے حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو

أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿٣٤﴾ وَأَوْفُوا

پہنچ جائے، اور عہد پورا کرو، بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا ○ اور جب تم ناپنے لگو

الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ

تو پورا پورا ناپو اور جب تم وزن کرو تو درست ترازو سے پورا پورا وزن کرو، یہ بہتر ہے

وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٣٥﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ

اور اس کا انجام بہت اچھا ہے ○ اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے درپے نہ ہو، بے شک کان

وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾ وَلَا تَمْشِ

اور آنکھ اور دل ان سب سے (روزِ قیامت) سوال کیا جائے گا ○ اور زمین میں

فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ

اکڑ اکڑ کر نہ چلو کیونکہ نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی تم طول میں پہاڑوں تک

الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾

پہنچ سکتے ہو ○ ان تمام کاموں کی برائی آپ کے رب کے نزدیک سخت ناپسند ہے ○

ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ

یہ وہ حکیمانہ احکام ہیں جن کی آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے، اور (اے مخاطب) اللہ کے ساتھ

إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا ﴿٣٩﴾ أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ

دوسرا عبادت کا مستحق نہ بنا ورنہ تجھ کو ملامت زدہ اور دھتکارا ہوا بنا کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا ○ کیا بیٹوں کے

بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا ۚ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا

لیے اللہ نے تم کو منتخب کر لیا اور (فرشتوں کو اپنی) بیٹیاں بنا لیں ہیں، بے شک تم بہت سنگین بات کہہ

عَظِيمًا ﴿۴۰﴾ ع ۴

رہے ہو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ (بنی اسرائیل: ۳۱)

آیاتِ سابقہ سے مناسبت

(۱) اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا "بے شک آپ کا رب جس کے لیے چاہے رزق وسیع کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے رزق تنگ کر دیتا ہے" یعنی رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے اس کے بعد فرمایا اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔

(۲) اس سے پہلی آیتوں میں اولاد کو تلقین کی تھی کہ وہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں اس آیت میں ماں باپ کو تلقین کی ہے کہ وہ اولاد کے ساتھ نیکی کریں، اولاد کے ساتھ نیکی کرنا اس لیے واجب ہے کہ اولاد بہت کمزور ہوتی ہے اور ماں باپ کے سوا ان کی کوئی پرورش کرنے والا نہیں ہے۔

(۳) اولاد کو قتل کرنا اگر اس لیے ہو کہ ان کو کھلانے کے لیے رزق میسر نہیں ہوگا تو یہ اللہ تعالیٰ کی رزاقی کے ساتھ بدگمانی ہے اور اگر بیٹیوں سے عار کی وجہ سے ہو تو پھر نظام عالم فاسد ہو جائے گا اور پہلی صورت اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے خلاف ہے اور دوسری صورت مخلوق پر شفقت کے خلاف ہے۔

(۴) ماں، باپ کا اولاد کے ساتھ جو تعلق ہے وہ جزئیت کا ہے کیونکہ اولاد ماں باپ کا جز ہوتی ہے اور یہ ایک دوسرے سے محبت کا قوی سبب ہے اور یہ فطری اور طبعی محبت ہے اور اولاد کو قتل کرنا اس طبعی محبت کے خلاف ہے۔

اس آیت کے تحت عزل اور خاندانی منصوبہ بندی کے مسائل بھی بیان کیے جاتے ہیں، چونکہ یہ آیت الانعام: ۱۵۱ میں گزر چکی ہے ہم نے وہاں وہ مسائل بیان کر دیئے ہیں، اور شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں ۸۹۷-۸۷۳ تک ان مسائل پر بہت بحث کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے ○ (بنی اسرائیل: ۳۲)

حسن اور قبح کے عقلی ہونے پر دلائل

اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ اشیاء کا حسن اور قبح عقلی ہے یا شرعی ہے، اشاعرہ کہتے ہیں کہ حسن اور قبح شرعی ہے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دے دیا ہے وہ حسین ہے اور جس چیز سے منع فرما دیا ہے وہ قبیح ہے اپنی ذات میں کوئی کام اچھا ہے نہ برا ہے، سچ بولنا اس لیے اچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کا حکم دیا اور جھوٹ بولنا اس لیے برا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے، اگر اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے کا حکم دیتا تو وہ اچھا ہوتا اور سچ بولنے سے منع فرماتا تو وہ برا ہوتا لہٰذا اشیاء کا حسن اور قبح شرعی ہے۔ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اس طرح نہیں ہے سچ بولنا، عبادت کرنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا یہ سب اپنی ذات میں اچھے کام تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم دیا ہے اور جھوٹ بولنا، کفر کرنا اور زنا کرنا یہ کام اپنی ذات میں برے اور قبیح تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے منع فرمایا لہٰذا اشیاء کا حسن اور قبح شرعی نہیں ہے عقلی ہے، اور یہ آیت ماتریدیہ کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زنا کرنے سے منع فرمایا اور اس کی دلیل یہ دی کہ وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے اور چونکہ

عقل کے نزدیک زنا بے حیائی ہے اور برا کام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا، پس ثابت ہوا کہ اشیاء کا حسن اور قبح عقلی ہے۔

عورتوں کی آزادی کے نتائج

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ زنانہ کرو بلکہ یہ فرمایا کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ یعنی ایسا کوئی کام نہ کرو جو زنا کا محرک ہو اور زنا کا باعث اور سبب بنے، مثلاً اجنبی عورتوں سے تعلق پیدا کرنا، ان سے خلوت میں ملاقات کرنا، ان سے ہنسی اور دل لگی کی باتیں کرنا اور ان سے ہاتھ ملانا اور بوس و کنار کرنا مغربی تہذیب میں یہ تمام امور عام ہیں اور زندگی کے معمولات میں داخل ہیں اسی وجہ سے وہاں زنا بھی عام ہے، ساحل سمندر پر، پارکوں میں یہ سب ہوتا رہتا ہے اور آئے دن سڑکوں پر ناجائز بچے ملتے رہتے ہیں جس طرح ہمارے ہاں کوئی شخص کثیرالاولاد ہوتا ہے اسی طرح ان کے ہاں کوئی شخص کثیرالولدیت ہوتا ہے اور لوگ فخر سے بیان کرتے ہیں کہ میں محبت کی پیداوار ہوں، اسلام نے اسی بندش کے لیے عورتوں کو پردہ میں رہنے کا حکم دیا اور عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول کو سختی سے روکا ہے مخالفین اسلام کہتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو گھروں میں قید کر دیا ہے میں کہتا ہوں کہ عورتوں کا گھر میں مقید رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ محض جانوروں کی طرح ہوس پوری کرنے کا آلہ بن جائیں۔

حرمتِ زنا کی وجوہ

زنا کا فعل حسب ذیل مفاسد اور خرابیوں پر مشتمل ہے:

(۱) زنا سے نسب مختلط اور مشتبہ ہو جاتا ہے اور انسان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ زانیہ سے جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ اس کے نطفہ سے ہے یا کسی اور کے نطفہ سے ہے، اس لیے اس کے دل میں اس بچہ کی پرورش کی کوئی امنگ ہوتی ہے نہ کوئی جذبہ ہوتا ہے اور نہ وہ اس کی نگہداشت کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ بچہ ضائع ہو جاتا ہے، اس سے نسل منقطع ہوتی ہے اور عالم کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔

(۲) جو عورت زنا کرتی ہے وہ کسی ایک مرد کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی اس کے پاس کئی مرد آتے ہیں، پھر بعض اوقات ان مردوں میں رقابت اور حسد پیدا ہو جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے قتل و غارت تک نوبت آجاتی ہے۔

(۳) جو عورت زناکاری میں مشغول ہوتی ہے اور اس کی عادی بن جاتی ہے اس سے ہر سلیم الطبع متنفر ہوتا ہے اور وہ نکاح کرنے کی اہل نہیں رہتی معاشرہ میں اس کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

(۴) اگر زنا عام ہو جائے تو نہ مرد کسی عورت کے ساتھ مخصوص ہو گا اور نہ عورت کسی مرد کے ساتھ مخصوص ہو گی، ہر مرد ہر عورت سے اور ہر عورت ہر مرد سے اپنی خواہش پوری کر سکے گا اس وقت انسانوں میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں رہے گا کوئی کسی کا باپ ہو گا نہ کوئی کسی کا بیٹا ہو گا قرابت داری اور رشتہ داری کا تصور ختم ہو جائے گا۔

(۵) عورت صرف اس لیے نہیں ہوتی کہ اس کے ساتھ جنسی عمل کیا جائے بلکہ وہ گرہستی کی تعمیر میں مرد کی شریک کار ہوتی ہے، کھانے پینے، پہننے اور رہنے کے مسائل میں مرد کے دوش بدوش ہوتی ہے، عائلی اور خانگی ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہے، بچوں کی تربیت کرتی ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ نکاح کے ذریعہ صرف ایک مرد کے ساتھ مخصوص ہو اور باقی مردوں سے منقطع ہو اور یہ مقصود اسی وقت پورا ہو گا جب زنا کو حرام کر دیا جائے اور اس باب کو بالکلیہ بند کر دیا جائے۔

(۶) جنسی عمل بہت شرم ناک فعل ہے اس لیے یہ عمل اس جگہ اور اس وقت کیا جاتا ہے، جس جگہ اور جس وقت کوئی

دیکھنے والا نہ ہو لوگ اس کا کھل کر ذکر نہیں کرتے اس میں شرم محسوس کرتے ہیں اگر فروغ نسل کا اس سے تعلق نہ ہو تا تو اس کو مشروع نہ کیا جاتا ایک عورت صرف ایک مرد کے ساتھ مخصوص ہو گی تو یہ عمل کم ہو گا اور زنا کی صورت میں یہ عمل زیادہ ہو گا اس وجہ سے بھی زنا ممنوع اور حرام ہونا چاہیے۔

(۷) منکوحہ کا اس کا خاوند ذمہ دار ہے وہ اس کو روٹی' کپڑا اور مکان دینے کا پابند ہو تا ہے اور اس کی ضروریات کا کفیل ہو تا ہے اور اس کی بیوی اس کی دکھ سکھ کی ساتھی ہوتی ہے اس کے بچوں کی ماں ہوتی ہے' شوہر مرجائے تو اس کے ترکہ کی وارث ہوتی ہے اس کا مستقبل محفوظ ہو تا ہے اس کے برخلاف زانیہ کے ساتھ صرف وقتی اور عارضی تعلق ہو تا ہے' اس کے کھانے' کپڑے اور رہنے کا کوئی کفیل ہو تا ہے نہ ذمہ دار ہو تا ہے اسے اپنے مستقبل کا کوئی تحفظ حاصل نہیں ہو تا۔

(۸) بعض مردوں کو پوشیدہ بیماریاں ہوتی ہیں اور جن عورتوں کے پاس وہ جاتے ہیں ان عورتوں کو ان مردوں سے وہ بیماریاں لگ جاتی ہیں پھر ان عورتوں سے دوسرے مردوں میں وہ بیماریاں پھیلتی ہیں' یوں زنا کے ذریعہ آتشک' سوزاک اور ایڈز ایسی مہلک بیماریاں معاشرہ میں پھیل جاتی ہیں۔

یہ آٹھ وجوہ ایسی ہیں کہ ان میں سے ہر وجہ زنا کی حرمت کا تقاضا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس شخص کو قتل نہ کرو جس کے ناحق قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے' اور جو شخص مظلوماً قتل کیا گیا ہم نے اس کے وارث کو قوت دی ہے پس وہ قتل کرنے میں حد سے نہ بڑھے بے شک وہ مدد کیا ہوا ہے○ (بنی اسرائیل: ۳۳)

حرمت زنا کو حرمت قتل پر مقدم کرنے کی وجہ

کفر اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کسی بے قصور مسلمان کو قتل کرنا ہے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے حرمت زنا کو بیان فرمایا پھر اس کے بعد حرمت قتل کو بیان فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کے نتیجہ میں انسان کا عزت کے ساتھ وجود میں آنا ہی ختم ہو جاتا ہے اور قتل کے نتیجہ میں انسان کو وجود میں آنے کے بعد ختم کر دیا جاتا ہے اس طرح زنا کا ضرر قتل سے زیادہ ہے لہٰذا حرمت زنا کو حرمت قتل پر مقدم فرمایا۔

کسی مسلمان کو قتل کرنے کی بارہ جائز صورتیں

اس آیت سے معلوم ہو تا ہے کہ کسی انسان کو جائز قتل کرنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی شخص نے دوسرے شخص کو ظلماً قتل کر دیا ہو' حالانکہ اس کے علاوہ قتل کرنے کی اور بھی جائز صورتیں ہیں' جو حسب ذیل ہیں:

(۱) نماز پڑھنے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۲) زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۳) مرتد کو قتل کرنا۔ (۴) شادی شدہ زانی کو سنگسار کر کے قتل کرنا۔ (۵) مسلمان کے قاتل کو قصاص میں قتل کرنا۔ (۶) ایک خلیفہ منعقد ہونے کے بعد دوسرے مدعی خلافت کو قتل کرنا۔ (۷) قوم لوط کے عمل کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۸) جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۹) ڈاکو کو قتل کرنا۔ (۱۰) مسلمان کا اپنی جان یا مال کی حفاظت اور مدافعت میں قتل کرنا۔ (۱۱) چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کرنا۔ (۱۲) ذمی کے قاتل کو قتل کرنا۔

جان اور مال کی حفاظت اور مدافعت میں قتل کرنے کے جواز کا بیان اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر ایک شخص مجھ سے میرا مال چھیننا چاہے تو؟ فرمایا اس کو اپنا مال مت دو' اس نے

کہا اگر وہ مجھ سے قتال کرے‘ فرمایا تم بھی اس سے قتال کرو‘ اس نے کہا یہ بتائیے کہ اگر وہ مجھے قتل کر دے فرمایا تو پھر تم شہید ہو‘ اس نے کہا اگر میں اس کو قتل کر دوں؟ فرمایا تو وہ شخص دوزخی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۰)

باقی ماندہ گیارہ صورتوں میں قتل کرنے کے جواز کے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے دلائل ہم نے الانعام: ۱۵۱ میں بیان کر دیئے ہیں‘ دیکھیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۶۸۸-۶۸۷۔ امام رازی نے اس تفسیر میں قتل کے جواز کی چھ صورتیں لکھی ہیں میں نے الانعام: ۱۵۱ میں قرآن اور حدیث سے جواز قتل کی گیارہ صورتیں لکھی تھیں اور اب اس آیت کی تفسیر لکھتے وقت اللہ تعالیٰ نے قتل برحق کی ایک اور صورت کی طرف متوجہ کر دیا اور یوں قتل برحق کی بارہ صورتیں ہو گئیں۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے صرف اس شخص کو قصاص میں قتل کرنا جائز ہے جس نے کسی کو ظلماً قتل کیا ہو تو یہ بارہ صورتیں اس آیت کے خلاف نہیں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں قتل ناحق کا ذکر ہے اور یہ بارہ صورتیں قتل برحق کی ہیں۔

مقتول کے وارث کی قوت کا بیان

اس کے بعد فرمایا: اور جو شخص مظلوماً قتل کیا گیا ہم نے اس کے وارث کو قوت دی ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے ہم نے مقتول کے ولی اور وارث کو قوت دی ہے یہ قوت مجمل ہے اور درج ذیل آیت میں اس کا بیان ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (البقرہ: ۱۷۸)	اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے خون (ناحق) کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے‘ آزاد کے بدلہ آزاد‘ غلام کے بدلہ غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت‘ سو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو (اس کا) دستور کے مطابق مطالبہ کیا جائے اور نیکی کے ساتھ اس کی ادائیگی کی جائے۔ یہ (حکم) تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے‘ پھر اس کے بعد جو حد سے تجاوز کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے ○

اس آیت میں مقتول کے وارث اور ولی کو تین اختیار دیئے ہیں‘ وہ چاہے تو قاتل سے قصاص لے لے اور چاہے تو قصاص کے بجائے قاتل کے ورثاء سے دیت وصول کر لے اور چاہے تو قاتل کو بالکل معاف کر دے۔ مقتول کی دیت سو اونٹ ہیں یا ہزار دینار ہیں یا ۴.۳۷۴ کلو سونا یا دس ہزار درہم یا (۳۰.۶۱۸) کلو چاندی۔ مقتول کے ورثاء چاہیں تو اس سے کم مقدار پر بھی صلح کر سکتے ہیں۔

قصاص کے متعلق تمام مذاہب اور احکام کی تفصیل ہم نے البقرہ: ۱۷۸ میں بیان کر دی‘ ملاحظہ فرمائیں تبیان القرآن ج ۱ ص ۶۹۳-۶۸۵ اور دیت کے متعلق پوری تفصیل ہم نے النساء: ۹۲ میں ذکر کر دی ہے‘ ملاحظہ فرمائیں تبیان القرآن ج ۲ ص ۷۶۳-۷۵۶۔

ولی مقتول کے تجاوز نہ کرنے کا معنی

ولی مقتول کے تجاوز نہ کرنے کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ صرف قاتل کو قتل کرے اور غیر قاتل کو قتل نہ کرے‘ جیسا کہ

زمانہ جاہلیت میں ایک قتل کے بدلہ میں قاتل کے پورے قبیلہ کو قتل کر دیتے تھے' اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ قاتل کو صرف قتل کیا جائے اس کو مثلہ نہ کیا جائے' یعنی اس کے ہاتھ پیر اور اس کے دیگر اعضاء نہ کاٹے جائیں۔ اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اس کو صرف تلوار سے قتل کیا جائے کسی اور طریقہ سے ایذا پہنچا کر قتل نہ کیا جائے۔

یہ جو فرمایا ہے بے شک وہ مدد کیا ہوا ہے جمہور کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ ولی مقتول کو قصاص لینے پر قدرت دی گئی ہے' اور یہ معنی بھی ہے کہ اس کو قاتل کے قتل کرنے پر قدرت دی گئی ہے اور یہ معنی بھی ہے کہ مقتول کا خون مدد کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ' ماسوا بہتر صورت کے حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے' اور عہد پورا کرو بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا○ اور جب تم ناپنے لگو تو پورا پورا ناپو اور جب تم وزن کرو تو درست ترازو سے پورا پورا وزن کرو' یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے○ (بنی اسرائیل: ۳۵-۳۴)

ان دونوں آیتوں کی مکمل تفسیر ہم نے الانعام: ۱۵۲ میں کر دی ہے ملاحظہ فرمائیں تبیان القرآن ج ۳ ص ۶۹۱-۶۸۹۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے درپے نہیں ہو' بے شک کان' اور آنکھ اور دل ان سب سے متعلق (روز قیامت) سوال کیا جائے گا○ (بنی اسرائیل: ۳۶)

قفا کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

قفا کا معنی سر کا پچھلا حصہ یعنی گدی ہے اور اس کا معنی کسی کے پیچھے چلنا اور اس کی پیروی کرنا ہے۔

ولا تقف ما لیس لک بہ علم۔ (بنی اسرائیل: ۳۶)

اس کا معنی ہے' ظن اور قیافہ کے ساتھ حکم نہ کرو۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۲۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

بغیر علم کے ظن پر عمل کرنے کی ممانعت

اس کی تفسیر میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) مشرکین نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں مختلف عقائد گھڑ رکھے تھے' وہ بتوں کو اللہ کا شریک کہتے تھے' بتوں کو اللہ کی جناب میں شفاعت کرنے والا مانتے تھے' بتوں کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ قرار دیتے تھے' قیامت کا انکار کرتے تھے' اور بحیرہ' سائبہ وغیرہ کے کھانے کو حرام کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں:

اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى○ (النجم: ۲۳)	یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں' اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں نازل کی یہ لوگ صرف گمان کی اور اپنے نفسوں کی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں بے شک ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔
وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ○ (الجاثیہ: ۳۲)	اور جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے' ہم تو صرف گمان کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں ہے۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۴۸)

آپ کہیے کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے؟ تو وہ تم ہم پر پیش کرو، تم صرف ظن اور گمان کی پیروی کرتے ہو اور تم صرف اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہو۝

(۱) اسی نہج پر اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے، جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کی پیروی نہ کرو، اور محض ظن اور گمان کے پیچھے نہ چلو۔

(۲) محمد بن حنفیہ نے کہا جھوٹی گواہی نہ دو، حضرت ابن عباس نے فرمایا صرف اس چیز کی گواہی دو جس کو تمہاری آنکھوں نے دیکھا ہو اور تمہارے کانوں نے سنا ہو اور تمہارے دل نے یاد رکھا ہو۔

(۳) اس سے مراد تہمت لگانے سے منع کرنا ہے، زمانہ جاہلیت میں عربوں کی عادت تھی کہ وہ کسی کی مذمت میں مبالغہ کرنے کے لیے اس کو بدکاری کی تہمت لگاتے تھے اور اس کی ہجو کرتے تھے۔

(۴) اس سے مراد ہے جھوٹ مت بولو، قتادہ نے کہا جب تم نے سنا نہ ہو تو یہ مت کہو میں نے سنا ہے اور جب تم نے دیکھا نہ ہو تو یہ مت کہو میں نے دیکھا ہے۔

(۵) اس سے مراد ہے کسی پر بہتان نہ لگاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی حدود میں شفاعت کی وہ اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے، اور جس شخص نے کسی ناحق جھگڑے میں مدد کی وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہے گا جب تک اس کو ترک نہیں کر دیتا، اور جس شخص نے کسی مسلمان مرد یا عورت پر بہتان لگایا اس کو اللہ تعالیٰ دوزخیوں کی پیپ میں بند کر دے گا، اور جو شخص اس حال میں مرگیا کہ اس کے اوپر کسی کا قرض تھا اس سے اس کی نیکیاں لے لی جائیں گی، اور صبح کی دو رکعتوں کی حفاظت کرو کیونکہ یہ فضائل میں سے ہیں۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۸۲، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۵۴۴، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ)

وجہ استدلال یہ ہے کہ جو شخص کسی مرد یا عورت پر بہتان لگائے وہ محض اپنے گمان کی بناء پر لگائے گا اور اس کو عذاب ہو گا پس ثابت ہوا کہ جس چیز کا انسان کو علم اور یقین نہ ہو وہ اس کی پیروی نہ کرے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کے لیے صرف اس چیز پر عمل کرنا جائز ہے جس کا اسے یقینی علم ہو اور ظن پر عمل کرنا جائز نہیں ہے حالانکہ شریعت میں بہت سے امور پر ظن سے عمل کرنا جائز ہے، قیاس بھی ظنی ہے اور بہت سے مسائل قیاس سے ثابت ہوتے ہیں اور ان پر عمل کرنا جائز ہے، خبر واحد بھی ظنی ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

ہم ذیل میں ایسی تمام مثالیں درج کر رہے ہیں جو ظنی ہیں اور ان پر عمل کرنا جائز ہے۔

ظن پر عمل کرنے کی شرعی نظائر

(۱) علماء دین کے فتاویٰ پر عمل کرنا جائز ہے حالانکہ وہ بھی ظنی ہیں۔ (۲) نیک مسلمانوں کی گواہی پر عمل کرنا جائز ہے حالانکہ ان کی گواہی بھی ظنی ہے۔ (۳) جب آدمی کو قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو تو وہ غور و فکر کر کے اپنے اجتہاد سے قبلہ کی سمت معلوم کرے اور اس کے مطابق نماز پڑھے گا حالانکہ یہ بھی ظنی عمل ہے۔ (۴) حرم میں شکار کرنے کی جنایت میں اس کی مثل جانور کی قربانی دینی ہوگی اور یہ مماثلت بھی ظنی ہے۔ (۵) فصد اور علاج معالجہ کی دیگر صورتیں بھی ظنی ہیں اور ان کے مطابق علاج کرنا جائز ہے۔ (۶) ہم بازار سے جو گوشت خرید کر پکاتے ہیں اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ مسلمان صحیح العقیدہ کا ذبیحہ

ہے اور صحیح طریقہ سے ذبح کیا گیا ہے یہ بھی ظنی ہے۔ (۷) عدالتوں کے فیصلے بھی ظنی ہوتے ہیں اور ان کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔ (۸) ہم کسی شخص پر اسلام کا حکم لگاتے ہیں، اس کو مسلمان کہتے ہیں، اس کو سلام کرتے ہیں اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی ظنی امر ہے۔ (۹) کاروبار میں ہم لوگوں سے روپے پیسے کا لین دین کرتے ہیں دوستوں کی صداقت اور دشمنوں کی عداوت پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ سب ظنی امور ہیں۔ (۱۰) موذن کی اذان سے نماز کا وقت ہونے کا یقین کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی ظنی امر ہے۔ (۱۱) افطار اور سحری اوقات نماز کے نقشوں، اذانوں اور ریڈیو اور ٹی وی کے اعلانات پر اعتماد کرتے ہیں۔ (۱۲) عید، رمضان، حج اور قربانی میں رویت ہلال کمیٹی کے اعلانات پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ اعلانات بھی ظنی ہیں۔ (۱۳) حدیث میں ہے ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

لہذا اب یہ اعتراض قوی ہو گیا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے درپے نہ ہو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ظن اور قیاس پر عمل نہ کرو حالانکہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی خوشی گھر آئے اور فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ ایک قیافہ شناس نے اسامہ اور زید کے قدموں کے نشانات دیکھ کر فرمایا: یہ اقدام بعض کے بعض سے ہیں، یعنی یہ قدم باپ بیٹوں کے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۵۵)

ظن پر عمل کرنے کی ممانعت کا محمل

اس کا جواب یہ ہے کہ ظن پر عمل کرنا اس وقت منع ہے جب ظن علم اور یقین کے معارض ہو جیسے مشرکین آباء و اجداد کی اپنے ظن سے تقلید کرتے تھے اور اپنے ظن سے بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کو مصائب میں پکارتے تھے اور ان کے حق میں شفاعت کا عقیدہ رکھتے تھے حالانکہ یہ کام تمام نبیوں اور رسولوں اور وحی الٰہی کے خلاف تھے جو کہ علم اور یقین پر مبنی امور ہیں۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ظن پر عمل کرنا مطلقاً منع نہیں ہے اس وقت منع ہے جب ظن پر عمل کرنا کسی دلیل قطعی کے خلاف ہو۔

کان، آنکھ اور دل سے سوال کیے جانے کی توجیہ

نیز اس آیت میں یہ فرمایا ہے "اور کان اور آنکھ اور دل ان سب سے متعلق (روز قیامت) سوال کیا جائے گا۔"

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اعضاء سے سوال کیا جائے گا، اور سوال کرنا اس سے صحیح ہے جو صاحب عقل ہو اور ظاہر ہے یہ اعضاء صاحب عقل نہیں ہیں، لہذا ان اعضاء سے سوال کرنا بہ ظاہر درست نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان اعضاء سے مراد ہے ان اعضاء والوں سے سوال کیا جائے گا جیسا کہ قرآن شریف میں ہے:

وَسْـَٔلِ الْقَرْیَةَ۔ (یوسف: ۸۲) بستی سے پوچھو۔

اور اس سے مراد ہے بستی والوں سے پوچھو۔ اسی طرح کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال کیا جائے گا، اس سے مراد ہے کان، آنکھ اور دل والوں سے سوال کیا جائے گا۔ کیا تم نے اس چیز کو سنا ہے جس کا سننا جائز نہیں تھا، کیا تم نے اس چیز کو دیکھا جس کا دیکھنا جائز نہیں تھا، کیا تم نے اس چیز کا عزم کیا جس کا عزم جائز نہیں تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کان، آنکھ اور دل والوں سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم کو کان، آنکھیں اور دل دیے گئے تھے تم نے ان اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کیا یا اللہ تعالیٰ کی معصیت میں، اسی طرح باقی اعضاء کے متعلق سوال کیا جائے گا کیونکہ حواس روح کے آلات ہیں اور روح ان پر امیر ہے اور روح ہی ان اعضاء کو استعمال کرتی ہے اگر روح ان

اعضاء کو نیک کاموں میں استعمال کرے گی تو وہ ثواب کی مستحق ہوگی اور اگر روح ان کو برے کاموں میں استعمال کرے گی تو عذاب کی مستحق ہوگی۔

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعضاء میں حیات پیدا فرمادے گا پھر یہ اعضاء انسان کے خلاف گواہی دیں گے، قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ (النور: ۲۴)

جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیران کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ (یٰسین: ۶۵)

ہم آج کے دن ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے ○

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ (حم السجدہ: ۲۰)

حتیٰ کہ جب وہ دوزخ تک پہنچ جائیں گے تو ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے ○

لہٰذا اللہ تعالیٰ کان، آنکھوں اور دلوں میں نطق پیدا کردے گا اور پھر ان سے سوال کیے جانے پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چلو کیونکہ نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی تم طول میں پہاڑوں تک پہنچ سکتے ہو ○ ان تمام کاموں کی برائی آپ کے رب کے نزدیک سخت ناپسند ہے ○ (بنی اسرائیل: ۳۸-۳۷)

اکڑ اکڑ کر چلنے کی ممانعت

اس آیت میں "مرحا" کا لفظ ہے "مرحا" کا معنی ہے اترانا، اکڑ، تکبر اور غرور سے اکڑ اکڑ کر چلنا۔

اس آیت میں تکبر سے اور اکڑ اکڑ کر چلنے سے منع فرمایا ہے اور یہ اس حکم کو متضمن ہے کہ زمین میں تواضع اور انکسار سے چلنا چاہیے اس کی نظیر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا۔ (الفرقان: ۶۳)

رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی کے ساتھ چلتے ہیں۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ○ (لقمان: ۱۸)

اور تکبر سے رخسار ٹیڑھے نہ کر، اور زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا ○

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ○ (لقمان: ۱۹)

میانہ روی سے چل اور اپنی آواز کو پست رکھ۔ بے شک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے ○

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیونکہ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ طول میں پہاڑ تک پہنچ سکتے ہو، زمین کو پھاڑنے اور پہاڑ تک پہنچنے سے مقصود یہ ہے کہ تم ایسے طاقت ور نہیں ہو کہ زمین پر قدم رکھو تو تمہارے زور سے زمین میں سوراخ ہو جائے

اور نہ ایسے بلند قامت ہو کہ قدم اٹھاؤ تو تمہارا قد پہاڑ تک پہنچ جائے' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم تکبر کیوں کرتے ہو جب کہ تمہارے قدم رکھنے سے زمین میں سوراخ نہیں ہو سکتا' تمہارے اوپر پہاڑ ہیں جن تک تم پہنچ نہیں سکتے' تمہارے نیچے جامد زمین ہے اور تمہارے اوپر سخت پہاڑ ہیں' تم دونوں طرف سے محاط ہو پھر تکبر کس بات پر کر رہے ہو' اور تکبر کرنا اور اکڑ اکڑ کر چلنا یہ ایسی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

تکبر کی مذمت میں احادیث

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے عزت میری ازار (تہبند) ہے اور کبریاء میری چادر ہے جس شخص نے بھی ان کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی میں اس کو عذاب دوں گا۔

(مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۴۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا' ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں' اور اس کے جوتے اچھے ہوں' آپ نے فرمایا اللہ جمیل (حسین) ہے وہ جمال کو پسند کرتا ہے' تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۹' ۴۱۷۳)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن متکبرین کو مردوں کی صورت میں چیونٹیوں کی جسامت میں اٹھایا جائے گا ان کو ہر جگہ سے ذلت ڈھانپ لے گی' ان کو جہنم کے اس قید خانے کی طرف ہانکا جائے گا جس کا نام بولس ہے ان کے اوپر آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے اور ان کو دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔

(مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۹۸' مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۲' الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۵۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اے لوگو! تم سے اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا عجب اور اپنے آباء واجداد پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے' لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جو نیک اور متقی ہیں اور اللہ عزوجل کے نزدیک کریم ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو فاجر ہیں' بدبخت ہیں اور اللہ عزوجل کے نزدیک ذلیل ہیں' تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے' اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے' اور ہم نے تم کو گروہوں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کر دیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو اور اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو' بے شک اللہ بہت علم والا بہت خبر رکھنے والا ہے○ (الحجرات: ۱۳)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تکبر سے (قدموں کے نیچے) کپڑا لٹکایا' اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۸۵، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۷۰، مسند احمد ج ۲ ص ۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پچھلی امتوں میں ایک آدمی اتراتا ہوا ایک حلہ (ایک قسم کی دو چادریں) پہن کر چل رہا تھا اس نے اپنے بالوں میں سیدھی کنگھی کی ہوئی تھی وہ تکبر سے چل رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا وہ قیامت تک زمین میں گڑگڑاہٹ کے ساتھ دھنستا رہے گا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۸۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۸)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، انہوں نے لوگوں سے کہا تم مجھے کہتے ہو کہ مجھ میں تکبر ہے، حالانکہ میں گدھے پر سواری کرتا ہوں اور چوڑی چادر پہنتا ہوں اور بکری کا دودھ دوہتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ کام کرے گا اس میں بالکل تکبر نہیں ہوگا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۱، جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۲۲۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ حکیمانہ احکام ہیں جن کی آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے، اور (اے مخاطب!) اللہ کے ساتھ دوسرا عبادت کا مستحق نہ بنا ورنہ تجھ کو ملامت زدہ اور پھٹکارا ہوا بنا کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا○ کیا بیٹوں کے لیے اللہ نے تم کو منتخب کر لیا ہے اور فرشتوں کو (اپنی) بیٹیاں بنا لیں ہیں؟ بے شک تم بہت سنگین بات کہہ رہے ہو○ (بنی اسرائیل: ۴۰-۳۹)

آیات سابقہ میں مذکور چھبیس احکام کا خلاصہ

سورہ بنی اسرائیل کی آیت: ۲۲ سے آیت: ۴۰ تک اللہ تعالیٰ نے چھبیس احکام بیان فرمائے ہیں جو خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت اور دنیا اور آخرت سے متعلق تمام ضروری اور اہم احکام پر مشتمل ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

ولا تجعل مع اللہ الٰھا اٰخر (بنی اسرائیل: ۲۲) اس آیت میں توحید کو ماننے اور شرک نہ کرنے کا حکم دیا ہے، یہ ایک حکم ہے، اور وقضٰی ربک الا تعبدوا الا ایاہ (بنی اسرائیل: ۲۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا ہے اور غیر اللہ کی عبادت سے منع فرمایا ہے اس آیت میں دو حکم ہیں اور کل تین حکم ہوئے، وبالوالدین احسانا (بنی اسرائیل: ۲۳) اس آیت میں ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیا ہے یہ چوتھا حکم ہے، پھر اس نیک سلوک کی وضاحت میں پانچ حکم فرمائے: فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما○ واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما (بنی اسرائیل: ۲۴-۲۳) یعنی ماں باپ سے اُف تک نہ کہو، ان کو جھڑکو مت، ان سے نرمی اور مہربانی کرو، ان کے ساتھ تواضع اور انکسار سے پیش آؤ اور ان کے لیے رحمت کی دعا کرو یہ نو احکام ہوئے۔ واٰت ذا القربٰی حقہ والمسکین وابن السبیل (بنی اسرائیل: ۲۶) اس آیت میں تین حکم ہیں، قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو، اور مسکین کا حق دو اور مسافر کا حق دو، یہ بارہ احکام ہوگئے، ولا تبذر تبذیرا اور اسراف اور فضول خرچ نہ کرو یہ تیرہ حکم ہوگئے، اس کے بعد فرمایا: واما تعرضن عنھم ابتغاء رحمۃ من ربک ترجوھا فقل لھم قولا میسورا (بنی اسرائیل: ۲۶) یعنی اگر تمہارے پاس دینے کو مال نہ ہو تو سائل کو نرمی اور لطف سے ٹال دو، اور یہ چودہ احکام ہوگئے، پھر ولا تجعل یدک مغلولۃ الٰی عنقک ولا تبسطھا کل البسط۔ الآیہ۔ (بنی اسرائیل: ۲۹-۲۸) ان آیتوں میں فرمایا: اپنا ہاتھ تنگ رکھو نہ بالکل کھلا ہوا اور میانہ روی سے دینے کا حکم دیا یہ پندرہواں حکم ہے، پھر فرمایا: ولا تقتلوا اولادکم (بنی اسرائیل: ۳۱) اس آیت میں اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا یہ سولہواں حکم ہے، پھر فرمایا ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق (بنی اسرائیل: ۳۳) کسی بے قصور کو قتل نہ کرو یہ سترہواں حکم ہے، پھر ومن قتل

مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا اس آیت میں ورثاء مقتول کو قصاص لینے کا حکم دیا اور یہ اٹھارہواں حکم ہے' پھر فرمایا فلا یسرف فی القتل یعنی وارث قصاص لینے میں تجاوز نہ کرے اور یہ انیسواں حکم ہے پھر فرمایا ولا تقربوا مال الیتیم۔ الآیہ۔ (بنی اسرائیل: ۳۴) یتیم کی بلوغت تک اس کے مال کو نیکی کے سوا خرچ نہ کرو اور یہ بیسواں حکم ہے۔ واوفوا بالعھد (بنی اسرائیل: ۳۴) یعنی عہد کو پورا کرو اور یہ اکیسواں حکم ہے' پھر فرمایا واوفوا الکیل اذا کلتم یعنی پوری پوری پیمائش کرو یہ بائیسواں حکم ہے' پھر فرمایا: وزنوا بالقسطاس المستقیم (بنی اسرائیل: ۳۵) صحیح ترازو سے وزن کرو یہ تیئسواں حکم ہے' پھر فرمایا: ولا تقف ما لیس لک بہ علم (بنی اسرائیل: ۳۶) بغیر علم کے محض گمان سے کوئی بات نہ کہو اور یہ چوبیسواں حکم ہے' ولا تمش فی الارض مرحا زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چلو یہ پچیسواں حکم ہے' پھر آخر میں مکرر فرمایا: ولا تجعل مع اللہ الھا اخر (بنی اسرائیل: ۳۹) اور اللہ کے ساتھ دوسرا عبادت کا مستحق نہ بناؤ اور یہ چھبیسواں حکم ہے۔ یہ چھبیس قسم کے احکام ہیں' ان میں بعض اوامر ہیں اور بعض نواہی' ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جمع کر دیا ہے ان کی ابتداء بھی اس حکم سے ہوئی کہ:

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۲۲)

اور (اے مخاطب!) تو اللہ کے ساتھ کوئی اور عبادت کا مستحق نہ بنا کہ تو مذمت کیا ہوا اور ناکام بیٹھا رہ جائے ○

اور آخری آیت میں بھی یہ حکم ہے:

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ (بنی اسرائیل: ۳۹)

اور (اے مخاطب!) اللہ کے ساتھ دوسرا عبادت کا مستحق نہ بنا ورنہ تجھ کو ملامت زدہ اور پھٹکارا ہوا بنا کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا ○

احکام مذکورہ میں اوّل و آخر توحید کو ذکر کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے ان چھبیس احکام شرعیہ کی ابتدا توحید کا حکم دینے اور شرک سے منع کرنے سے کی اور بعینہٖ اسی حکم پر ان احکام شرعیہ کو ختم کیا اور اس میں اس چیز پر متنبہ کیا کہ ہر قول اور عمل اور ہر ذکر اور فکر کی انتہاء اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرک سے اجتناب پر ہونی چاہیے' حتیٰ کہ انسان کی زندگی کا خاتمہ بھی توحید کے اقرار اور شرک سے اجتناب پر ہو' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام احکام شرعیہ سے مقصود یہ ہے کہ انسان توحید کی معرفت میں مستغرق رہے۔

توحید سے متعلق پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ شرک کرنے والا مذمت کیا ہوا اور ناکام ہے اور آخری آیت میں فرمایا کہ شرک کرنے والا ملامت کیا ہوا جہنم میں جھونک دیا جائے گا سو شرک کرنے والوں کو دنیا میں مذمت اور ناکامی حاصل ہوگی' اور آخرت میں اس کو ملامت کے بعد جہنم میں پھینک دیا جائے گا پس ہمیں مذمت اور ملامت کے فرق پر غور کرنا چاہیے' مذمت کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں مشرک سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کام کیا ہے وہ قبیح اور برا ہے' اور ملامت کا معنی یہ ہے کہ مشرک سے آخرت میں یہ کہا جائے گا کہ تم نے شرک کیوں کیا اور شرک کرنے سے تمہیں سوا نقصان کے کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اور ناکام اور دھتکارے ہوئے میں فرق یہ ہے کہ دنیا میں مشرک سے کہا جائے گا تم کو دنیا میں عبادت کے لیے بھیجا گیا تھا تم اس مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہے اور آخرت میں مشرک کو دھتکار کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

احکام مذکورہ کے حکیمانہ ہونے کی وجوہ

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ وہ حکیمانہ احکام ہیں جن کی آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی فرمائی

ہے:

اس میں ان چھبیس احکام کی طرف اشارہ ہے جن کو ہم نے ابھی اجمالاً بیان کیا ہے ان احکام کو حکیمانہ فرمانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ان تمام احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ عقیدہ توحید پر قائم رہا جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنے میں مشغول رہا جائے اور دنیا میں مستغرق رہنے سے اجتناب کیا جائے اور آخرت کو پیش نظر رکھا جائے اور فطرت انسان اور عقل سلیم کا بھی یہی تقاضا ہے کہ پیدا کرنے والے اور نعمتیں دینے والے کا شکر ادا کیا جائے تو جو شخص ان احکام کی دعوت دے گا تو وہ فطرت اور عقل سلیم کے مطابق دعوت دے گا اور وہی اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے والا ہو گا اور جو ان احکام کے خلاف دعوت دے گا وہ طریقہ شیطان کی دعوت دینے والا ہو گا۔

(۲) یہ احکام جو ان آیات میں بیان کیے گئے ہیں ان کی رعایت تمام ادیان اور مذاہب میں کی گئی ہے اور یہ وہ احکام ہیں جن کو کسی شریعت میں منسوخ نہیں کیا گیا لہٰذا یہ تمام احکام محکم ہیں اور حکیمانہ ہیں۔

(۳) حکمت کا معنی یہ ہے کہ جو چیز حق اور خیر ہو اس کی معرفت حاصل کرنا اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا، مخلوق پر شفقت کرنا، برے کاموں سے بچنا اور نیک کاموں کو کرنا یہ وہ کام ہیں جو اپنی ذات اور حقیقت میں حق اور خیر ہیں اور یہ چھبیس احکام ان ہی کاموں کے متعلق دیئے گئے ہیں تو پھر ان کاموں کے حکیمانہ ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے!

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا بیٹوں کے لیے اللہ نے تم کو منتخب کر لیا ہے اور فرشتوں کو (اپنی) بیٹیاں بنا لیں ہیں؟ بے شک تم بہت سنگین بات کہہ رہے ہو! (بنی اسرائیل: ۴۰)

اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کے قول کا ظلم ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا فطرت صحیحہ اور عقل سلیمہ کے خلاف ہے دنیا میں مذمت اور ناکامی اور آخرت میں ملامت اور دخول نار کا موجب ہے اور اس آیت میں اس کی دوسری نظیر کی طرف متنبہ کیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے لیے اولاد کا قول کرتے ہیں وہ اس سے بھی جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہیں، کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اولاد کی دو قسمیں ہیں اور جو قسم اعلیٰ اور اشرف ہے وہ مذکر اور بیٹا ہے اور جو قسم ادنیٰ اور ارذل ہے وہ مونث اور بیٹی ہے پھر ان ظالموں نے اپنے لیے تو بیٹے مانے حالانکہ یہ علم اور قدرت کے لحاظ سے انتہائی عاجز اور ناقص ہیں بلکہ ان کے پاس جو کچھ بھی علم اور قدرت ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہی دیا ہوا ہے اور اس میں وہ اسی کے محتاج ہیں، اور ان جہلاء نے اللہ کے لیے بیٹیاں مانیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم بھی بے حد و حساب ہے اور اس کی قدرت بھی بے پایاں اور بے انتہا ہے، اور یہ ان لوگوں کا انتہائی جہل اور ظلم ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے شکوہ فرمایا:

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ۝ (الطور: ۳۹) — کیا اللہ کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے بیٹے ہیں؟

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ (النجم: ۲۱-۲۲) — کیا تمہارے لیے لڑکے اور اللہ کے لیے لڑکیاں ہیں! ۝ یہ تو بہت ظالمانہ تقسیم ہے!

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ (۴۱)

اور بے شک ہم نے اس قرآن میں کئی طرح بیان فرمایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (لیکن) اس اسلوب نے بھی ان کے نفرت ہی کو زیادہ کیا

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ

آپ کہیے اگر اللہ کے ساتھ اور معبود (بھی) ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ اب تک عرش والے تک کوئی راہ ڈھونڈ چکے

سَبِيْلًا ﴿٤٢﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿٤٣﴾ تُسَبِّحُ لَهُ

ہوتے ○ ان کی باتوں سے اللہ بہت پاک اور بہت بلند ہے ○ سات آسمان اور

السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ

زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور ہر چیز اللہ کی

اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ نہایت حلم

حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤٤﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ

والا، بہت بخشنے والا ہے ○ اور جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿٤٥﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى

پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ○ اور ہم نے ان کے دلوں پر

قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي

پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دئیے اور جب آپ قرآن میں صرف

الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿٤٦﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ

اللہ وحدہ کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت کرتے ہوئے پیٹھ موڑ کر بھاگ جاتے ہیں ○ ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کس غرض سے قرآن کو

بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ

سنتے ہیں جب وہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں اور جب وہ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں، جب ظالم یہ کہتے ہیں کہ

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿٤٧﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

تم صرف ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے ○ دیکھیے یہ آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کر رہے

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا

رہیں! پس وہ ایسے گم راہ ہو گئے کہ اب (صحیح) راستہ پر نہیں آسکتے ○ اور انہوں نے کہا کیا جب ہم

عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا

ہڈیاں ہو جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر ہم کو از سر نو بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا ○ آپ کہیے تم

حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ فَسَیَقُوْلُوْنَ

پتھر بن جاؤ یا لوہا ○ یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے خیال میں بہت سخت ہو تو عنقریب وہ کہیں گے

مَنْ یُّعِیْدُنَا قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَیُنْغِضُوْنَ

ہم کو دوبارہ کون پیدا کرے گا؟ آپ کہیے کہ وہی جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا! اس پر وہ آپ کی طرف

اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هُوَ قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ

(انکاراً) سر ہلائیں گے اور کہیں گے تو یہ کب ہوگا؟ آپ کہیے کیا تعجب ہے کہ وہ وقت قریب

قَرِیْبًا ﴿۵۱﴾ یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ

آپہنچا ہو ○ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم

اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۵۲﴾

تھوڑی دیر ہی ٹھیرے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے اس قرآن میں کئی طرح بیان فرمایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (لیکن) اس اسلوب نے بھی ان کے تنفر کو ہی زیادہ کیا ○ (بنی اسرائیل: ۴۱)

تصریف اور تذکر کا معنی

اس آیت میں تصریف کا لفظ ہے، تصریف کا معنی لغت میں ہے کسی چیز کو ایک طرف سے دوسری طرف پھیرنا اور پھر اس لفظ کا کنایہ اس معنی سے کیا جاتا ہے کہ ایک کلام کو ایک نوع سے دوسری نوع کے ساتھ بیان کیا جائے اور ایک مثال سے دوسری مثال کے ساتھ بیان کیا جائے تاکہ اس کلام کا معنی زیادہ قوی اور زیادہ واضح ہو جائے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں ہر ضروری مثال بیان کر دی ہے۔

دوسرا وضاحت طلب لفظ ہے لیذکروا اس کا معنی ہے تاکہ وہ یاد کریں، اور اس سے مراد وہ نہیں جو بھولنے کے بعد کوئی چیز یاد آجاتی ہے بلکہ اس سے مراد ہے تدبر اور تفکر اور غور اور فکر کرنا یعنی ہم نے اس قرآن میں کئی طرح کے دلائل

اور کئی قسم کی مثالیں ذکر کی ہیں تاکہ وہ ان میں غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کریں اور زبان سے اس قرآن کا ذکر کریں یعنی اس کی تلاوت کریں کیونکہ زبان سے ذکر بھی دل میں تاثیر کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی بات سے راضی تھا کہ وہ قرآن پر غور و فکر کر کے اس پر ایمان لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ قرآن عظیم کے دلائل اور مثالوں میں غور و فکر کرنے کے بجائے اس سے دوری اور اس سے نفرت اختیار کریں گے سو ایسا ہی ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے اگر اللہ کے ساتھ اور معبود (بھی) ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ اب تک عرش والے تک کوئی راہ ڈھونڈ چکے ہوتے ○ ان کی باتوں سے اللہ بہت پاک، بہت بلند ہے ○ (بنی اسرائیل: ۴۳-۴۲)

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل

اس آیت کی تین تقریریں ہیں پہلی تقریر یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور متعدد خدا ہوتے تو وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے جیسے کہ دنیا کے حکمرانوں میں ہوتا ہے اور جو جس علاقے پر غلبہ حاصل کرتا وہاں اپنا نظام جاری کر دیتا مثلاً روس جہاں جہاں غلبہ پا گیا وہاں اشتراکی نظام جاری کرتا رہا امریکہ سرمایہ داری نظام جاری کرتا رہا، مسلمان جہاں غالب ہوئے انہوں نے وہاں اسلامی نظام جاری کیا اس طرح دنیا میں مختلف نظام ہائے حیات جاری ہیں، سو اسی طرح دنیا بنانے والے اور دنیا چلانے والے بھی متعدد ہوتے تو اس کائنات کا فطری اور طبعی نظام ایک نہج اور ایک طرز پر نہ ہوتا، سورج کبھی ایک مخصوص جانب سے طلوع اور ایک مخصوص جانب میں غروب نہ ہوتا بیر کے درخت میں ہمیشہ بیر نہ لگتا، کشش ثقل کی وجہ سے ہمیشہ چیزیں نیچے کی طرف نہ آتیں، انسان سے ہمیشہ انسان پیدا نہیں ہوتا ان فطری چیزوں کے نظام بدلتے رہتے اور جب تمام چیزیں ایک طرز اور ایک نہج پر چل رہی ہوں تو معلوم ہوا کہ اس نظام کو بنانے والا اور اس نظام کو چلانے والا بھی واحد ہے متعدد نہیں ہیں۔

اور اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی متعدد خدا ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ملک اور اس کی سلطنت کو مٹانے کے لیے اس تک پہنچ چکے ہوتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف ہے وہ ان کی شرکت کو نہیں مانتا بلکہ وہ ان کے خدا ہونے کا انکار کرتا ہے ایسے میں ضروری تھا کہ وہ عرش پر بلہ بول دیتے اور اس کے واحد ہونے کے دعویٰ کو باطل کر دیتے اور وہ یہ ثابت کر دیتے کہ وہ حقیقت میں اس کے شریک ہیں لیکن جب کہ فی الواقع ایسا نہیں ہوا اور اس کا کوئی مخالف اس کے عرش تک نہیں پہنچ سکا اور اس کے ملک اور اس کی سلطنت کا بال بیکا نہیں کر سکا تو پھر اب یہ تسلیم کرنے میں کیا کسر رہ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اس کی تیسری تقریر یہ ہے کہ مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہم بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ بت ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے جو عرش کا مالک ہے اور وہ سال ہا سال سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بتوں کی عبادت کر رہے ہیں تو اب تک ان کو عرش کے قریب پہنچ جانا چاہیے تھا اور جب کہ وہ عرش تک نہیں پہنچے تو ماننا پڑے گا کہ بتوں کی عبادت کر کے وہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے اور بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سات آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ نہایت حلم والا بہت بخشنے والا ہے ○ (بنی اسرائیل: ۴۴)

اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہر چیز کرتی ہے یا صرف ذوی العقول کرتے ہیں اور یہ تسبیح حالی ہے یا قولی؟

ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے، یہ علی العموم ہے یا اس میں کچھ تخصیص ہے اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ابراہیم نخعی نے کہا اس میں عموم علی الاطلاق ہے پس ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، حتیٰ کہ کپڑا، کھانا اور دروازہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔

(۲) دوسرا قول تخصیص کا ہے اور اس میں یہ تفصیل ہے (الف) حسن، قتادہ اور ضحاک نے کہا ہر ذی روح چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ (ب) عکرمہ نے کہا ہر ذی روح چیز اور ہر نشو و نما والی چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، درخت اور گھاس وغیرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں، اور جمادات مثلاً ستون وغیرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح نہیں کرتے، حسن بصری دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے ان سے کہا گیا کہ کیا کھانے کا یہ خوان تسبیح کر رہا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں اس نے ایک مرتبہ تسبیح کی ہے۔ (ج) ہر وہ چیز جو اپنے حال سے متغیر نہ ہوئی ہو وہ تسبیح کرتی ہے اور جب وہ متغیر ہو جائے تو اس کی تسبیح منقطع ہو جاتی ہے، المقدام بن معدی کرب نے کہا مٹی جب تک بھیگ نہ جائے تسبیح کرتی رہتی ہے اور جب بھیگ جاتی ہے تو تسبیح منقطع ہو جاتی ہے، اور پتہ جب تک درخت پر رہتا ہے تسبیح کرتا رہتا ہے اور جب درخت سے ٹوٹ کر گر جاتا ہے تو تسبیح نہیں کرتا اور کپڑا جب تک اُجلا ہو تسبیح کرتا رہتا ہے اور جب میلا ہو جاتا ہے تو تسبیح نہیں کرتا۔

اور انسان کی تسبیح معلوم اور مشاہد ہے اور حیوان کی تسبیح ہو سکتا ہے کہ آواز کے ساتھ ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس کی تسبیح یہ ہو کہ اس کا حال اس کے پیدا کرنے والا پر دلالت کرتا ہے۔

اور جمادات کی تسبیح کے متعلق تین قول ہیں: (۱) ان کی تسبیح کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (۲) ان کا اللہ کے لیے خضوع و خشوع کرنا ان کی تسبیح ہے۔ (۳) ان کا اپنے خالق اور صانع پر دلالت کرنا ہی ان کی تسبیح ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ حقیقتاً تسبیح کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے تمام مخلوق کے لیے ہوگا اور اگر ہم یہ کہیں کہ ان کی تسبیح یہ ہے کہ وہ اپنے صانع پر دلالت کرتے ہیں تو پھر یہ خطاب صرف کفار کے لیے ہوگا کیونکہ وہ مخلوق سے خالق پر استدلال نہیں کرتے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۴۰-۳۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ہر چیز کی تسبیح کرنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ کا مختار یہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اس سے مراد تسبیح قولی نہیں ہے بلکہ تسبیح حالی ہے، رہا یہ اعتراض کہ تسبیح حالی تو ہمیں معلوم ہے کیونکہ مخلوق اپنے خالق پر اور مصنوع اپنے صانع پر دلالت کرتی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے حالانکہ تسبیح حالی کو ہم سمجھتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ کتنی چیزیں کثیر اجزاء سے مرکب ہوتی ہیں اور ان کا ہر جزا الگ الگ طریقہ سے صانع پر دلالت کرتا ہے اور ہم کو نہیں معلوم وہ چیز کتنے اجزاء سے مرکب ہے اور کس کس طریقہ سے وہ اجزاء اپنے صانع پر دلالت کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، اگر وہ تسبیح قولی ہوتی یعنی ہر چیز سبحان اللہ کہتی تو ہم اس کو سمجھ لیتے اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز تسبیح کرتی ہے اور وہ یہ تسبیح اپنے حال سے کرتی ہے قال سے نہیں کرتی یعنی اس کا ممکن، حادث اور متغیر ہونا زبان حال سے یہ بیان کر رہا ہے کہ اس میں امکان، حدوث اور تغیر کا عیب ہے لیکن اس کا خالق اور صانع امکان اور حدوث اور تغیر کے عیب سے پاک ہے کیونکہ اگر اس میں بھی یہ عیب ہوتا تو وہ بھی اس کی طرح ہوتا اس کا خالق اور اس کا صانع نہ ہوتا پس معلوم ہوا کہ وہ تو ممکن اور حادث ہے لیکن اس کا خالق واجب اور قدیم ہے۔ اور اس اعتبار سے

تمام ممکنات اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں۔(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۴۸ ـ ۷ ۳۴ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

لیکن امام رازی کا یہ نظریہ قرآن مجید کی صریح آیات اور صحیح احادیث کے خلاف ہے' اور صحیح یہ ہے کہ ہر چیز حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی ہے لیکن ہم اس حمد اور تسبیح کو عادتاً نہیں سمجھتے انبیاء علیہم السلام اپنے معجزہ سے اس تسبیح کو سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور صحابہ کرام اور اولیاء عظام اپنی کرامت سے اس تسبیح کو سنتے اور سمجھتے ہیں' اور اب ہم اس پر قرآن مجید اور احادیث قویہ سے دلائل پیش کریں گے فنقول بتوفیق اللہ وبہ نستعین۔

ہر چیز کی حقیقتاً تسبیح کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ (ص: ۱۸)

ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا وہ اس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح پڑھتے تھے۝

اگر اس تسبیح سے مراد حالی تسبیح ہو تو پہاڑوں کو مسخر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ (مریم: ۹۱-۹۰)

عنقریب اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹے کا دعویٰ کیا۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۔ (البقرہ: ۷۴)

اور بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔

ہر چیز کی حقیقتاً تسبیح کرنے کے متعلق احادیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل سے محبت کرتے ہو پس جب تم اپنی بکریوں کے پاس یا جنگل میں ہو تو نماز کے لیے بلند آواز سے اذان دیا کرو کیونکہ تمہاری آواز کو جہاں تک جن اور انس اور جو چیز بھی سنے گی وہ تمہاری آواز کی گواہی دے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۲۳' موطا امام مالک: رقم الحدیث: ۱۴۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۴۳' عالم الکتب)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت کھانا کھایا جا رہا ہوتا تھا تو ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۸۰۷)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر سلام پڑھتا تھا میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے وفات کے وقت اپنے بیٹے کو نصیحت کی میں تم کو دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں' میں تم کو شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں اور میں تم کو لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ اگر تمام آسمان اور زمین میزان کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یہ پلڑا بھاری ہوگا اور اگر تمام آسمان اور زمین ایک حلقہ میں رکھے جائیں اور اس حلقہ پر لا الٰہ الا اللہ کو رکھا جائے تو وہ اس کو توڑ دے گا اور میں تم کو سبحان اللہ وبحمدہ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ وہ ہر چیز کی صلاۃ ہے اور اسی وجہ سے ہر چیز کو رزق دیا جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۰ ج ۳ ص ۲۲۵ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۸۳' ۱۷۰' عالم الکتب بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو اس کی خبر نہ دوں کہ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو کس چیز کا حکم دیا تھا؟ حضرت نوح نے اپنے بیٹے سے کہا اے میرے بیٹے میں تم کو یہ حکم دیتا ہوں کہ تم سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا کرو، کیونکہ یہ تمام مخلوق کی صلاۃ ہے اور تمام مخلوق کی تسبیح ہے، اسی کی وجہ سے مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہر چیز اللہ کی تسبیح کے ساتھ اس کی حمد کرتی ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۸۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا جب کوئی شخص لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے تو یہ وہ کلمہ اخلاص ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی عمل قبول نہیں کرتا حتیٰ کہ اس کلمہ کو پڑھے، اور جب وہ کہتا ہے الحمد للہ تو یہ وہ کلمہ شکر ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی بندے کا شکر قبول نہیں فرماتا حتیٰ کہ وہ یہ کلمہ پڑھے، اور جب وہ کہتا ہے اللہ اکبر تو یہ آسمان اور زمین کی چیزوں کو بھر لیتا ہے اور یہ تمام مخلوق کی صلاۃ ہے، اللہ کی مخلوق میں سے جو بھی دعا کرتا ہے اللہ اس کو صلاۃ اور تسبیح کے ساتھ منور کر دیتا ہے اور جب وہ کہتا ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے اطاعت کی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۸۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے باغات میں سے ایک باغ کے پاس سے گزرے، آپ نے دو انسانوں کی آوازیں سنیں جن کو عذاب دیا جا رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا، پھر آپ نے فرمایا کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا، پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگائی پھر اس کے دو ٹکڑے کیے، ایک ٹکڑا ایک قبر پر رکھ دیا اور دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر رکھ دیا، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا ہے آپ نے فرمایا: جب تک یہ شاخ خشک نہیں ہوگی، ان دونوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک یہ دونوں ٹکڑے خشک نہ ہوں، تب تک یہ دونوں ٹکڑے تسبیح کرتے رہیں گے، اور مسند ابو داؤد الطیالسی میں ہے آپ نے ایک قبر پر ایک ٹکڑا اور دوسری قبر پر دوسرا ٹکڑا رکھ دیا پھر فرمایا جب تک شاخ کے ان دونوں ٹکڑوں میں نمی رہے گی ان کے عذاب میں کمی رہے گی، ہمارے علماء نے کہا اس حدیث سے درخت کو گاڑنے کا جواز مستفاد ہوتا ہے، اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اور جب درخت کی وجہ سے قبر کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے تو مومن کے قرآن پڑھنے سے عذاب میں تخفیف کیوں نہیں ہوگی! ہم نے اپنی کتاب التذکرہ میں اس کو مفصل بیان کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ میت کو جو ہدیہ کیا جائے اس کا ثواب اسے پہنچتا ہے۔

(التذکرہ ج ۱ ص ۱۳۱-۱۲۹، مطبوعہ دار البخاری) (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

کھجور کی شاخ کے ٹکڑوں کو قبروں پر رکھنے کی تشریح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی تسبیح کرتی رہے گی اس سے یہ کلیہ معلوم ہوا کہ ہر چیز جس میں درختوں کی نمی ہو اس کو قبر پر رکھنے سے عذاب میں تخفیف ہو گی اسی طرح ہر وہ چیز جس میں برکت ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تلاوت قرآن' بلکہ اس سے تخفیف کا ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۲۰ مطبوعہ لاہور '۱۴۰۱ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک شاخ کے یہ ٹکڑے خشک نہیں ہوں گے ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی' ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ جب تک شاخ کے یہ ٹکڑے تر رہیں گے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہیں گے اور خشک شاخ تسبیح نہیں کرتی۔ اور قرآن مجید میں ہے: ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ ہر زندہ چیز تسبیح کرتی ہے' پھر اس میں اختلاف ہے کہ ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہے یا اس کا اپنے خالق اور صانع پر دلالت کرنا ہی اس کی تسبیح ہے' محققین یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہے کیونکہ عقل کے نزدیک یہ محال نہیں ہے اور قرآن مجید اور احادیث میں اس کی تصریح ہے' اس لیے اس کو ماننا ضروری ہے' اور اس حدیث کی بناء پر علماء نے قبر کے پاس قرآن مجید کی تلاوت کو مستحب قرار دیا ہے کیونکہ جب درخت کی شاخ کی تسبیح سے عذاب میں تخفیف متوقع ہے تو قرآن مجید کی تلاوت سے بہ طریق اولیٰ عذاب میں تخفیف ہو گی' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہے تو پھر شاخ کی تخصیص کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض چیزوں کی وجہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہی معلوم ہوتی ہے جیسے دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس ہے' اس سے کم یا زیادہ نہیں' اس کی وجہ کا صرف اللہ اور اس کے رسولوں کو ہی علم ہے' رسل ملائکہ میں سے صرف جبرائیل کو وحی نازل کرنے کے ساتھ کیوں خاص کیا' حضرت عزرائیل کو روح قبض کرنے کے ساتھ کیوں خاص کیا' حضرت میکائیل کو تقسیم رزق کے ساتھ کیوں خاص کیا اور حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کے ساتھ کیوں خاص کیا ان کی وجوہات کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' اس لیے تر شاخ کے تسبیح کرنے اور خشک شاخ کے تسبیح نہ کرنے کی وجہ بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جب کہ تحقیق یہ ہے کہ ہر چیز حقیقتاً حمد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۸ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

قبر پر قرآن مجید پڑھنے سے عذاب میں تخفیف ہونا

چونکہ علامہ قرطبی' حافظ عسقلانی اور حافظ عینی کی عبارات میں تصریح آ گئی ہے کہ قبر پر قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور میت کو قرآن مجید کا ثواب پہنچانا جائز ہے اور یہ ثواب اس کو پہنچتا ہے اس لیے ہم اس کے ثبوت میں چند احادیث پیش کر رہے ہیں یہ تمام احادیث علامہ قرطبی نے اپنی کتاب التذکرہ ج ۱ ص ۱۳۶-۱۳۶ میں بیان کیں ہیں اور ان سے اس موقف پر استدلال کیا ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان سے گزرا اور اس نے گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس قبرستان کے مردوں کو بخش دیا تو اس کو قبرستان کے مردوں کی تعداد کے برابر قل ھو اللہ احد پڑھنے کا اجر ملے گا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۹۶)

حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کو روک کر نہ رکھو بلکہ جلدی قبر کی طرف لے جاؤ اور اس کے سرہانے سورہ فاتحہ پڑھو اور اس کے پیروں کی جانب سورہ البقرہ کی آخری آیات پڑھو۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۶۱۳)

عبدالرحمان بن العلاء بن اللجاج بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا اے میرے بیٹے! جب میں مرجاؤں تو میری لحد بنانا اور مجھے قبر میں رکھتے وقت بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ پڑھنا پھر میری قبر پر مٹی ڈال دینا اور میرے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، اور حضرت ابن عمر بھی اس کی وصیت کرتے تھے۔ (المعجم الکبیر ج۱۹ص ۲۲۰ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۵۶-۵۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر میں مردہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص غرق ہو رہا ہو اور اس کی مدد کی جا رہی ہو وہ اپنے باپ، بھائی اور دوست کی دعاؤں کا منتظر ہوتا ہے، جب ان کی دعائیں اسے ملتی ہیں تو وہ اس کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہیں اور مردوں کے لیے زندوں کے تحفے دعا اور استغفار ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث:۴۲۹۷۶، امام بیہقی نے اس کو شعب الایمان میں بھی روایت کیا ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہوا اور اس نے سورہ یٰسین پڑھی اللہ تعالیٰ اس قبرستان کے مردوں کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے اور جتنے مردے ہوں اتنی نیکیاں اس شخص کو عطا کرتا ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کے پاس سورہ یٰسین پڑھو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۱۲۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۴۴۸، مسند احمد ج ۵ ص ۲۶، المستدرک ص ۵۶۵)

یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے قبرستان کے مردوں کو بھی شامل ہے۔

لیس للانسان الا ما سعی سے ایصال ثواب کے تعارض کا جواب

قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنے اور اس کا ثواب صاحب قبر کو پہنچانے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (النجم: ۳۹) اور یہ کہ ہر انسان کو صرف اسی کوشش کا اجر ملے گا جس کو وہ خود کرے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ زندہ کے قرآن پڑھنے سے مردہ کو اجر نہیں ملے گا۔

اس کے جواب میں علامہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت قرآن مجید کی اس آیت سے منسوخ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ (الطور: ۲۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان سے ملا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہیں کریں گے۔

اور نابالغ بچے قیامت کے دن اپنے باپ کے میزان عمل میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آباء کو ابناء کے حق میں اور ابناء کو آباء کے حق میں شفاعت کرنے والا بنا دے گا۔

اور اس پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ (النساء: ۱۱) تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے آباء اور ابناء میں کون تمہارے لیے زیادہ نفع آور ہے۔

اور ربیع بن انس نے کہا ہے کہ لیس للانسان الا ما سعی کفار کے متعلق ہے اور رہا مومن تو اس کو اپنی سعی کا اجر بھی ملے گا اور اس کا غیر جو اس کے لیے سعی کرے گا اس کا اجر بھی اس کو ملے گا۔

اس قول کی صحت پر بہت احادیث دلالت کرتی ہیں' جو اس پر شاہد ہیں کہ کسی دوسرے کے نیک اعمال کا ثواب مومن کو پہنچتا ہے۔ (التذکرہ ج ۱ ص ۳۸-۳۷ دار البخاری' المدینۃ المنورہ ۱۴۱۷ھ)

ایصال ثواب کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین عمل منقطع نہیں ہوتے' صدقہ جاریہ' وہ علم جس سے نفع حاصل کیا گیا ہو اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۰' سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۶۵' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۹۴' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۱۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۴۵۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۷۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۷' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۰۵۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۷۷۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا شبرمہ کی طرف سے لبیک' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا میرا رشتہ دار ہے' آپ نے پوچھا کیا تم نے خود حج کر لیا ہے' اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا یہ حج تم اپنی طرف سے کرو' اس کے بعد شبرمہ کی طرف سے حج کرو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۱۱' ابن الجارود رقم الحدیث: ۴۹۹' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۰۳۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۴۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۹۸۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۴۱۹' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۳۳۶' اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو بنی ساعدہ سے تھے ان کی ماں فوت ہو گئیں اور وہ اس وقت وہاں نہیں تھے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں فوت ہو گئی ہیں اور میں اس وقت حاضر نہ تھا اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کردوں تو کیا ان کو اس کا نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں! انہوں نے کہا میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا باغ مخراف ان پر صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶۹' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۶۳۳۷' مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۱۵' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۵۰۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۹۳۰' المستدرک ج ۱ ص ۴۲۰' الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۹)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ علامہ عبد العزیز بن عبد السلام لیس للانسان الا ما سعی کی وجہ سے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ مردہ کو زندہ کے عمل کا ثواب نہیں پہنچتا' مرنے کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور اس کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا میں نے اب اس فتویٰ سے رجوع کر لیا ہے کیونکہ میں نے اللہ عزوجل کے کرم سے دیکھا کہ ثواب پہنچتا ہے۔

(التذکرہ ج ۱ ص ۱۳۱-۱۳۰' مطبوعہ دار البخاری المدینۃ المنورہ ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے○ (بنی اسرائیل: ۴۵)

آپ کے قرآن پڑھتے وقت کفار کی آنکھوں پر پردہ ڈالنا

حجاب مستور کی دو تفسیریں ہیں، ایک تفسیر یہ ہے کہ مستور بمعنی ساتر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر ایسا حجاب ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہیں سکتے تھے، اور نہ دیکھنے کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہیں پہنچا سکتے تھے۔

امام ابو محمد عبدالملک بن ہشام المعافری المتوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

ابولہب کی بیوی ام جمیل کو جب معلوم ہوا کہ اس کی اور اس کے خاوند کی مذمت میں قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئیں ہیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اس وقت آپ حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق تھے، ام جمیل کے ہاتھ میں ایک بڑا پتھر تھا جب وہ آپ کے اور حضرت ابوبکر کے پاس کھڑی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے سے اس کی بصارت کو سلب کر لیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکی تو وہ کہنے لگی اے ابوبکر! تمہارے صاحب کہاں ہیں؟ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہ میری ہجو کرتے ہیں قسم اللہ کی اگر وہ مجھے مل جائیں تو میں پتھر ان کے منہ پر ماروں گی، سنو خدا کی قسم میں شاعرہ ہوں پھر اس نے یہ اشعار کہے:

مذمما عصینا وامره ابینا ودینه قلینا۔ مذمت کیے ہوئے شخص کا کہا ہم نے نہیں مانا اس کے حکم کا ہم نے انکار کیا اور اس کے دین کو ہم نے اکھاڑ پھینکا۔

پھر وہ واپس چلی گئی، حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اس کو دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا اس نے مجھے نہیں دیکھا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اس کی بصارت کو سلب کر لیا تھا۔

ابن اسحاق نے کہا قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مذمم (مذمت کیا ہوا) رکھ دیا تھا پھر وہ آپ کو برا کہتے تھے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے سب و شتم اور ان کی لعنت کو مجھ سے کس طرح دور کر دیا ہے وہ مذمم کو سب و شتم اور لعنت کرتے ہیں اور میں محمد ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۳، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۳۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۴ قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۳۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۵۲) (السیرۃ النبویہ مع الروض الانف ج ۲ ص ۱۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت ان کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت ایذا پہنچاتے تھے جب آپ قرآن کریم پڑھتے تھے، اور وہ ابوسفیان، النضر بن الحارث، ابوجہل اور ابولہب کی بیوی ام جمیل تھے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے سے ان کی بصارت کو اس وقت سلب کر لیا جب آپ قرآن پڑھتے تھے وہ آپ کے پاس آتے، آپ کے پاس سے گزرتے اور آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۴۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

آپ کے قرآن پڑھتے وقت کفار کے دلوں پر پردہ ڈالنا

اس آیت کی دوسری تفسیر وہ ہے جس کو امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے ذکر کیا وہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! جب آپ ان مشرکین پر قرآن مجید پڑھیں جو بعثت کو نہیں مانتے اور نہ ثواب اور عذاب کا اقرار کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈال دیتے ہیں جو ان کے دلوں پر حجاب بن جاتا ہے کہ جو کچھ آپ پڑھتے ہیں وہ اس کو سمجھ نہ سکیں اور نہ اس سے نفع اٹھا سکیں یہ ہماری طرف سے ان کے کفر کی سزا ہے' اور حجاب مستور سے مراد ہے حجاب ساتر' قتادہ نے کہا حجاب مستور ان کے دلوں پر ایک ڈاٹ ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن کو سمجھ سکتے ہیں نہ اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ (جامع البیان جز ۱۵ ص ۱۱۸۔ ۱۱۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں' اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور جب آپ قرآن میں صرف اللہ وحدہ کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتے ہوئے پیٹھ موڑ کر بھاگ جاتے ہیں ○ (بنی اسرائیل: ۴۶)

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے تو پھر وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہیں' تو اب ایمان نہ لانے پر ان کی مذمت کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کافروں نے اپنے بغض اور عناد سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اتنی گستاخی کی جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت سے محروم کر دیا' ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی۔

اس آیت کی مکمل تفسیر ہم نے الانعام: ۲۵ میں کر دی ہے' دیکھیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۴۲۳۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کس غرض سے قرآن کو سنتے ہیں' جب وہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں اور جب وہ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں جب ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم صرف ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے ○ دیکھیے یہ آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کر رہے ہیں' پس وہ ایسے گمراہ ہو گئے کہ اب (صحیح) راستہ پر نہیں آ سکتے ○ (بنی اسرائیل: ۴۸۔ ۴۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کی تحقیق

اس آیت میں یہ فرمایا کہ کفار یہ کہتے تھے کہ آپ پر جادو کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو گمراہی فرمایا ہے جب کہ بعض احادیث میں یہ آتا ہے کہ آپ پر جادو کیا گیا تھا اور آپ پر کئی دن اس کا اثر رہا اور بظاہر یہ احادیث قرآن مجید کی اس آیت کے معارض اور مخالف ہیں' اس وجہ سے متقدمین اور متاخرین علماء میں یہ اختلاف رہا ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہونا صحیح اور برحق ہے یا غلط اور باطل ہے' ہم پہلے اس حدیث کا ذکر کریں گے اور پھر آپ پر جادو کیے جانے کے متعلق فریقین کے دلائل کا ذکر کریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کی احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ کا خیال یہ ہوتا کہ آپ اپنی ازواج کے پاس (ازدواجی عمل کے لیے) گئے ہیں' حالانکہ آپ نہیں گئے تھے' سفیان نے کہا اگر یہ ایسا ہو تو یہ جادو کی زبردست قسم ہے' پس آپ نے فرمایا: اے عائشہ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے کچھ سوالات کیے تھے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے جوابات دیے' میرے پاس دو آدمی آئے' ایک میرے سر کی جانب بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پیروں کی جانب' جو آدمی سر کی جانب بیٹھا تھا اس نے دوسرے سے کہا اس شخص کا کیا حال ہے' اس نے کہا اس پر جادو کیا گیا

ہے'اس نے پوچھا اس پر کس نے جادو کیا ہے؟ اس نے کہا لبید بن الاعصم نے جو بنو زریق کے قبیلہ سے ہے اور یہود کا حلیف ہے' یہ شخص منافق تھا' اس نے پوچھا کس چیز پر جادو کیا ہے؟ اس نے کہا کنگھی میں اور ان بالوں میں جو کنگھی میں جھڑ جاتے ہیں آپ نے پوچھا وہ کس جگہ ہیں؟ اس نے کہا نر کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں لپیٹ کر ذروان کے کنویں میں ایک پتھر کے نیچے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں پر گئے حتیٰ کہ آپ نے اس کو نکال لیا' آپ نے فرمایا یہی وہ کنواں ہے جو مجھے (خواب میں) دکھایا گیا تھا اور اس کنویں کا پانی مہندی کے تلچھٹ کی طرح تھا اور اس کے کھجور کے درخت شیطانوں کے سروں کی طرح تھے' پھر جس پر جادو کیا گیا تھا اس کو کنویں سے نکال لیا' حضرت عائشہ نے کہا آپ نے (جادو کا توڑ کرنے کے لیے) کوئی نشرہ (کسی قسم کا منتر) کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دے دی اور میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میں کسی شخص کو برائی کی ترغیب دوں (جس سے جادو کے توڑ کے لیے منتر کی ترویج ہو۔)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۸' ۳۱۷۵' ۵۷۶۳' ۵۷۶۵' ۵۷۶۶' ۶۰۶۳' ۶۳۹۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۸۰۴' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۴۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۸۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ نے کوئی کام کر لیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا حتیٰ کہ ایک دن جب آپ میرے پاس تھے آپ نے بار بار دعا کی' پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہیں معلوم ہے میں نے اللہ سے جو سوال کیے تھے اللہ نے مجھے ان کے جواب دے دیے ہیں' میں نے پوچھا وہ کیا جواب ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے پاس دو آدمی آئے ایک میرے سر کی جانب اور دوسرا میرے پیروں کی جانب بیٹھ گیا' پھر ان میں سے ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا اس شخص کو کیا تکلیف کی ہے' اس نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے' اس نے پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ اس نے کہا لبید بن الاعصم یہودی نے جو بنو زریق سے ہے' اس نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اس نے کہا ایک کنگھی اور اس میں لگے ہوئے بالوں میں نر کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں' اس نے کہا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا وہ ذی اروان کے کنویں میں ہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ اس کنویں کی طرف گئے' آپ نے اس کو دیکھا اس کے پاس کھجور کے درخت تھے' پھر آپ حضرت عائشہ کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ کی قسم اس کا پانی مہندی کی تلچھٹ کی طرح ہے' اور گویا کہ اس کے درخت شیطانوں کے سر ہیں' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اس کو نکال لیا' آپ نے فرمایا نہیں مجھے اللہ نے اس سے عافیت میں رکھا اور شفا دے دی اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اس فعل سے لوگوں میں شر پھیلے گا اور میں نے اس کنگھی کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ اول الذکر حدیث میں کھجور کے کھوکھلے شگوفے کو کنویں سے نکالنے کا ذکر ہے اور ثانی الذکر حدیث میں اس کو کنویں سے نکالنے کا ذکر نہیں ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۶۶) یہ حدیث چھ جگہ مذکور ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کے متعلق علماء متقدمین کا نظریہ

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

امام مازری نے کہا ہے بعض مبتدعین نے اس حدیث کا انکار کیا ہے' اور یہ زعم کیا ہے کہ یہ ماننے سے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا آپ کے منصب نبوت میں کمی ہوتی ہے اور آپ کی نبوت میں شک پیدا ہوتا ہے اور احکام شرعیہ پر اعتماد نہیں رہتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہ خیال ڈالا جائے کہ آنے والا جبرائیل ہے اور وہ حقیقت میں جبرائیل نہ ہو' یا آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جائے کہ آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور واقع میں آپ کی طرف وحی نہ کی گئی ہو۔

اور یہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے باطل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے جو چیز پہنچاتے ہیں اس کے صدق پر معجزہ کی دلالت ہے اور اس میں آپ کا معصوم ہونا دلائل سے ثابت ہے اور ان دلائل کے خلاف کسی چیز کو جائز قرار دینا باطل ہے۔ اور جن کاموں کا تعلق امور دنیا سے ہے' جن کاموں کی وجہ سے آپ کو مبعوث نہیں کیا گیا اور نہ ان کاموں کی وجہ سے آپ کی رسالت کی فضیلت ہے اور وہ ایسے امور ہیں جو اکثر انسانوں کو عارض ہوتے رہتے ہیں تو یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ کی طرف بعض ایسی چیزوں کا خیال ڈالا جائے جن کی واقع میں کوئی حقیقت نہ ہو۔

بعض لوگوں نے کہا اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی ازواج سے عمل ازدواج کیا ہے' حالانکہ آپ نے یہ عمل نہیں کیا ہوتا تھا اور کبھی عام لوگوں کی طرف بھی نیند میں اس قسم کا خیال آجاتا ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی تو ہو سکتا ہے کہ بیداری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس طرح کا کوئی خیال آجاتا ہو اور اس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہو سکتا ہے آپ کو یہ خیال آیا ہو کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے اور آپ نے وہ کام نہ کیا ہو لیکن آپ نے یہ اعتقاد نہ کیا ہو کہ آپ کا تخیل صحیح ہے' آپ کا اعتقاد اور یقین ہمیشہ درست رہتا ہے لہٰذا ملحدین کے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (یہاں تک امام مازری کی عبارت ہے)۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں اس حدیث کی جو تاویل مجھ پر منکشف ہوئی وہ زیادہ ظاہر اور جلی ہے اور ملحدین کے اعتراض سے بہت دور ہے' اور وہ تاویل اسی حدیث سے مستفاد ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ حدیث عروہ اور مسیب سے بھی مروی ہے اور اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بنو زریق کے یہودیوں نے جادو کیا اور اس کو ایک کنویں میں ڈال دیا حتیٰ کہ (اس کے اثر سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بینائی کمزور ہو گئی' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرمائی اور آپ نے اس کو کنویں سے نکال لیا۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۱۴ رقم الحدیث: ۱۹۷۶۳ الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲ مطبوعہ ۱۴۱۸ھ)

ایک اور حدیث میں ہے:

عطاء خراسانی یحییٰ بن معمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال تک ان کے پاس نہیں جا سکے' پھر جس وقت آپ سوئے ہوئے تھے آپ کے پاس دو فرشتے آئے' ایک آپ کے سر کی جانب بیٹھ گیا اور دوسرا پیروں کی جانب' پھر ایک نے دوسرے سے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جادو کیا گیا ہے' دوسرے نے کہا ہاں ان پر ابو فلاں نے کنویں میں جادو کیا ہے' پھر جب صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے تو آپ نے اس کو نکالنے کا حکم دیا' سو اس کو کنویں سے نکال لیا گیا۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۱۴ رقم الحدیث: ۱۹۷۶۵ الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲)

اور محمد بن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور ازواج کے پاس جانے اور کھانے پینے پر قادر نہ ہوئے پھر آپ کے پاس دو فرشتے آئے اور اسی طرح مکالمہ کیا جس طرح صحیح بخاری میں ہے اور اس کے آخر میں ہے:

پھر جب وہ فرشتے چلے گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا تم اس کنویں پر جاؤ اس کا پانی مہندی کے رنگ کا ہو گا تم اس میں سے پتھر کے نیچے سے کھوکھلا شگوفہ نکالنا انہوں نے اس میں سے وہ شگوفہ نکالا اس میں گیارہ گرہیں تھیں' اور اس وقت یہ دو سورتیں نازل ہوئیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پڑھتے گئے اور ایک ایک گرہ کھلتی گئی حتیٰ کہ ساری گرہیں کھل گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحت مند ہو گئے اور اپنی ازواج اور کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۹-۱۹۸ مطبوعہ دار صادر، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۳-۱۵۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

پس ان روایات سے ظاہر ہو گیا کہ جادو کا اثر آپ کے جسم اور آپ کے ظاہری اعضاء پر ہوا تھا، آپ کی عقل سلیم، آپ کے قلب اور آپ کے اعتقاد پر نہیں ہوا تھا اور حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ حتیٰ کہ آپ یہ گمان کرتے تھے کہ آپ اپنی اہلیہ کے پاس جائیں گے اور آپ ان کے پاس نہیں جاتے تھے اور یہ بھی ہے کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا تھا، ان کا معنی یہ ہے کہ پہلے جو آپ کو ان پر قدرت تھی آپ اسی پر خوش تھے، اور جب آپ ان کے قریب جاتے تو جادو کے اثر سے آپ ان پر قادر نہ ہوتے، اور حضرت عائشہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ نے ایک کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ جادو کے اثر سے آپ کی نظر میں فرق پڑ گیا تھا، آپ یہ گمان فرماتے کہ آپ نے اپنی ازواج میں سے کسی کو کہیں دیکھا ہے یا کسی اور کو دیکھا ہے یا کسی اور کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ایسا نہیں ہوتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جادو سے آپ کی بصر متاثر ہو گئی تھی، اس سے ظاہر ہوا کہ آپ پر جادو کا کوئی ایسا اثر نہیں ہوا تھا جس سے آپ پر اپنی رسالت میں کوئی اشتباہ یا التباس ہو گیا ہو اور نہ ایسی کوئی بات ہوئی تھی جس کی وجہ سے گمراہوں کے لیے آپ کی رسالت میں کسی اعتراض یا طعن کی گنجائش ہو۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۸۸-۸۶، مطبوعہ دار الوفاء ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر مالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض کج روؤں نے اس حدیث کو نبوت میں طعن کا ذریعہ بنا لیا ہے، انہوں نے کہا جس شخص کا یہ حال ہو کہ اس نے ایک کام نہ کیا ہو اور اس کا گمان یہ ہو کہ اس نے وہ کام کر لیا ہے اس کے دعویٰ نبوت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض ان کی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے صادر ہوا ہے، کم فہمی یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ جماع کرنے سے پہلے آپ کا خیال یہ ہوتا تھا کہ آپ یہ کام کر لیں گے لیکن جادو کے اثر سے آپ اس عمل پر قادر نہ ہوتے تھے اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں (مثلاً مصنف عبد الرزاق، طبقات ابن سعد) اس کی تصریح ہے۔ اسی طرح آپ کا خیال ہوتا تھا کہ آپ کھا پی سکیں گے لیکن جادو کی وجہ سے جو مرض عارض ہوا تھا اس کی وجہ سے آپ کھانے پینے پر قادر نہیں ہوتے تھے، اور ان احادیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جادو کی وجہ سے آپ کی عقل میں کوئی خلل ہو گیا تھا یا آپ کا کلام خلط ملط ہو گیا تھا، کیونکہ آپ کا صدق معجزہ ثابت ہے اور امور تبلیغیہ میں غلطی واقع ہونے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم رکھا ہے، اور معترض کی کم عقلی یہ ہے کہ اس کو نبوات کے احکام اور معجزہ کی دلالت کا علم نہیں ہے، گویا کہ وہ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم السلام بھی بشر ہیں اور ان پر بیماری، درد، غضب، رنج اور غم، عجز، نظر لگنا، جادو کیا جانا، اور دیگر تمام عوارض بشریہ کا اس طرح طاری ہونا ممکن ہے جس طرح یہ عوارض دوسرے لوگوں پر طاری ہوتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام اس چیز سے معصوم ہیں کہ ان پر کوئی ایسی چیز طاری ہو جو معجزہ کی دلالت کے مناقض اور منافی ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ کی معرفت، ان کا صادق ہونا اور امور تبلیغیہ میں کسی غلطی کا واقع نہ ہونا اور اسی معنی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الکہف: ۱۱۰)

آپ کہیے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں، مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

بشری حیثیت سے آپ پر وہ تمام امور جائز ہیں جو دیگر انسانوں پر جائز ہیں اور نبوت کے خواص کی حیثیت سے آپ عام انسانوں سے ان تمام چیزوں میں ممتاز ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ آپ کی بصر نے نہ کجی کی اور نہ حد سے بڑھی،

اور آپ نے جو مشاہدہ کیا اس میں جھوٹ نہیں کہا اور آپ کا قول اللہ کی وحی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے اور آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ (المفہم ج ۵ ص ۵۷۱-۵۷۰، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ نے اس حدیث کی شرح میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ امام مازری کی وہ عبارات نقل کر دی ہیں جو قاضی عیاض نے نقل کی ہیں اور اس کے بعد قاضی عیاض نے اس حدیث کی جو تاویل کی ہے اس کا بھی ذکر کر دیا ہے۔

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ ازواج کے پاس جائیں گے لیکن آپ اس پر قادر نہ ہوتے اور ایک اور روایت میں فرمایا آپ کا خیال ہوتا کہ آپ نے ایک کام کیا ہے لیکن آپ نے وہ کام نہ کیا ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی بینائی میں خلل ہو گیا تھا اور آپ کو یہ گمان ہوتا کہ آپ نے اپنی ازواج میں سے کسی کو یا کسی اور شخص کو دیکھا ہے اور واقع میں ایسا نہیں ہوتا تھا کیونکہ آپ کی بصر میں کچھ قصور ہو گیا تھا، یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ کی بصر کے علاوہ کسی اور عضو میں کچھ کمی ہو گئی تھی کیونکہ جادو کے اثر سے آپ کی رسالت میں کوئی خلل نہیں ہو سکتا تھا اور اس میں گمراہوں کے لیے نبوت میں طعن کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۳۶۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ان تمام توجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا، جیسا کہ دوسرے انسانوں پر ہوتا ہے اور جادو کی تاثیر سے آپ کی مردمی قوت جاتی رہی تھی یا آپ کی نظر میں فتور ہو گیا تھا (العیاذ باللہ) غرض جادو کی تاثیر سے آپ کے ظاہری اعضاء کی کارکردگی میں فرق آ گیا تھا لیکن آپ کی عقل میں اور آپ کے کلام کے صدق میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا اور معجزہ کی دلالت اور نبوت اور رسالت کا تعلق آپ کی عقل اور آپ کے کلام کے صدق سے ہے لہٰذا ان احادیث سے آپ کی وحی اور رسالت پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کے متعلق متاخرین کا نظریہ

متاخرین میں سے علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی امام مازری کی تاویل اور توجیہ کو اختیار کیا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کی تائید اور توثیق کی ہے۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۵۰۶-۵۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

۷ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد رؤسا یہود نے لبید بن اعصم یہودی سے کہا تو اور تیری لڑکیاں جادو گری میں یکتا ہیں حضور پر جادو کر، لبید نے حضور کے ایک یہودی غلام سے حضور کی شکستہ کنگھی کے دندانے اور کچھ بال شریف حاصل کر لیے اور موم کا ایک پتلا بنایا اس میں گیارہ سوئیاں چبھوئیں، ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگائیں، یہ سب کچھ اس پتلے میں رکھ کر، بیر اوان میں پانی کے نیچے ایک پتھر کے نیچے دبا دیا، اس کا حضور کے خیال شریف میں یہ اثر ہوا کہ دنیاوی کاموں میں بھول ہو گئی، چھ ماہ تک اثر رہا، پھر جبرائیل امین یہ دونوں سورتیں، سورۂ فلق و ناس لائے، جن میں گیارہ آیتیں ہیں اور حضور کو اس جادو کی خبر دی، حضرت علی مرتضیٰ کو اس کنوئیں پر بھیجا گیا آپ نے جادو کا یہ سامان پانی کی تہہ سے نکالا، حضور نے یہ سورتیں پڑھیں، ہر آیت پر ایک گرہ کھلتی تھی، تمام گرہیں کھل گئیں اور حضور کو شفا ہو گئی، اس سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ جادو اور اس کی تاثیر حق ہے، دوسرے یہ کہ نبی کے جسم پر جادو کا اثر ہوتا ہے، جیسے تلوار، تیر اور نیزے کا، یہ اثر خلاف

نبوت نہیں، موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جادوگر فیل ہوئے کیونکہ وہاں جادو سے معجزہ کا مقابلہ تھا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے خیال پر بھی اس جادو نے اثر کیا۔ (نور العرفان حاشیہ قرآن ص ۹۶۵، مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات، تفسیر سورہ فلق)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

کسی نبی اور پیغمبر پر جادو کا اثر ہو جانا ایسا ہی ممکن ہے جیسا بیماری کا اثر ہو جانا اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام بشری خواص سے الگ نہیں ہوتے۔ جیسے ان کو زخم لگ سکتا ہے، بخار اور درد ہو سکتا ہے، ایسے ہی جادو کا اثر بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ بھی خاص اسباب طبعیہ جنات وغیرہ کے اثر سے ہوتا ہے اور حدیث میں ثابت بھی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہو گیا تھا، آخری آیت میں کفار نے جو آپ کو مسحور کہا اور قرآن نے اس کی تردید کی اس کا حاصل وہ ہے جس کی طرف خلاصہ تفسیر میں اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ان کی مراد در حقیقت مسحور کہنے سے مجنون کہنا تھا اس کی تردید قرآن نے فرمائی ہے اس لیے حدیث سحر اس کے خلاف اور متعارض نہیں ہے۔

(معارف القرآن ج ۵ ص ۴۸۹۔ ۴۹۰، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، اکتوبر ۱۹۹۱ء)

بعض متقدمین اور متاخرین علماء نے ان روایات کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ نبی پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے اثر کا انکار کرنے والے علماء

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے یہ زعم کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کا عمل کیا گیا اور آپ پر جادو کا اثر ہوا حتیٰ کہ آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا اور ایک یہودی عورت نے کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں اور کنگھی کے دندانوں میں اور کنگھی میں لگے ہوئے بالوں میں عمل کیا تھا حتیٰ کہ آپ کے پاس جبرائیل آئے اور انہوں نے بتایا کہ آپ پر ایک عورت نے کنگھی میں جادو کیا ہے جو راعوفہ کنویں کے نیچے ہے، اس کنگھی کو نکال لیا گیا اور آپ سے جادو کا اثر جاتا رہا، اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ (بنی اسرائیل: ۴۷) ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم صرف ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے۔

اور اس قسم کی احادیث ملحدین کی گھڑی ہوئی ہیں، جنہوں نے دین کو کھیل بنا لیا ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو باطل کرنے کی سعی میں لگے رہتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اور جادوگروں کے افعال میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ ایک ہی قسم میں سے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى۔ (طٰہٰ: ۶۹) اور جادوگر جہاں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ جادوگروں کی تکذیب کرتا ہے اور یہ لوگ جادوگروں کی تصدیق کرتے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ ایک یہودی عورت نے اپنی جہالت سے یہ کام کیا ہو اور یہ گمان کیا ہو اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کیا ہو اور یہ گمان کیا ہو کہ جادو کا اجسام میں اثر ہوتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اثر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جادو کی جگہ پر مطلع فرما دیا اور اس عورت کی جہالت اور اس کے کرتوتوں کو اور اس کی توقعات کو ظاہر فرما دیا تاکہ یہ واقعہ آپ کی نبوت کے دلائل سے ہو جائے اور ایسا نہیں ہوا کہ اس جادو کا آپ پر اثر ہوا ہو، اور اس سے آپ کو ضرر پہنچا ہو، اور کسی راوی نے یہ نہیں کہا کہ آپ پر معاملات مشتبہ ہو جاتے تھے ان الفاظ کا حدیث میں اضافہ کیا گیا ہے اور ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور معجزات اور جادو میں

فرق ہوتا ہے کہ معجزات حقائق پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کا باطن بھی ان کے ظاہر کی طرح ہوتا ہے' اور جادو میں باطن ظاہر کی طرح نہیں ہوتا بلکہ وہ باطن میں کسی چالاکی اور شعبدہ بازی پر مبنی ہوتا ہے' اور جادوگر اپنی قوت متخیلہ سے کام لیتا ہے اور انسان کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقت نہیں ہوتی بلکہ جادوگر کی قوت متخیلہ کی کارستانی ہوتی ہے۔

(احکام القرآن ج ا ص ۴۹' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

متاخرین سے سید محمد قطب شہید متوفی ۱۳۸۵ھ لکھتے ہیں:

یہ روایات فعل اور قول میں عصمت نبویہ کی اصل کے مخالف ہیں اور جب کہ اعتقاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں سے ہر فعل اور آپ کے اقوال میں سے ہر قول سنت اور شریعت ہے اور یہ روایات اس اعتقاد کے مخالف ہیں اسی طرح یہ روایات قرآن مجید کی نفی اور تکذیب کرتی ہیں کیونکہ قرآن مجید نے کفار کے اس قول کو باطل قرار دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا ہے اور اس کو ظلم اور گمراہی فرمایا ہے اور ان روایات میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے اس وجہ سے ہم ان روایات کو مستبعد سمجھتے ہیں اور اخبار احاد کا عقائد میں اعتبار نہیں کیا جاتا' عقائد میں صرف قرآن عظیم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور احادیث متواترہ کی طرف' اور عقائد اور اصول میں احادیث کو قبول کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ متواتر ہوں اور یہ روایات متواتر نہیں ہیں' نیز ان روایات کے مطابق یہ واقعہ مدینہ منورہ میں ہوا ہے اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور یہ ایک اور وجہ ہے جو ان روایات کی بنیاد کو کمزور کرتی ہے۔

(فی ظلال القرآن ج ۳۰ ص ۲۹۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۸۶ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ ان روایات کے متعلق لکھتے ہیں:

معتزلہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کا کئی وجوہ سے انکار کیا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی۔ (طٰہٰ: ۶۹) جادوگر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں یہ فرمایا ہے:

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ (الفرقان: ۸) اور ظالموں نے کہا تم لوگ تو صرف جادو کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو۔

اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہو جاتا تو کفار کے اس قول کی مذمت نہ کی جاتی کہ آپ پر جادو کیا ہوا ہے۔

(۳) اگر جادو سے یہ کام ممکن ہو تا تو پھر معجزہ جادو سے ممتاز نہ ہوتا' پھر انہوں نے کہا یہ دلائل یقینیہ ہیں اور جن روایات کا تم نے ذکر کیا ہے وہ سب اخبار احاد ہیں جو ان دلائل قطعیہ سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۲۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

تفسیر کبیر میں امام رازی کا طریقہ ہے کہ جہاں ان کو معتزلہ کے دلائل سے اختلاف ہوتا ہے وہاں ان کے دلائل کا جواب دیتے ہیں لیکن یہاں انہوں نے ان کے دلائل کا جواب ذکر نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ امام رازی ان دلائل سے متفق ہیں اور ان کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آپ پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کے متعلق مصنف کا نظریہ

ہمارے نزدیک حسب ذیل وجوہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر کیے جانے کی روایات صحیح نہیں ہیں:

(۱) بعض روایات میں ہے کہ جس کنگھی اور جن بالوں پر جادو کیا گیا تھا ان کو کنویں سے نکال لیا گیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۶۵)

(۲) اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اس کو کنویں سے نہیں نکالا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۶۶)

(۳) بعض روایت میں ہے کہ جادو کے اثر سے آپ کو یہ خیال ہوتا کہ آپ نے کوئی کام کر لیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۶۵)

(۴) بعض احادیث میں ہے کہ آپ کی نظر متاثر ہو گئی تھی اور آپ دیکھتے کچھ تھے اور آپ کو نظر کچھ آتا تھا۔ (طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲)

(۵) بعض احادیث میں ہے کہ جادو کے اثر سے آپ کی مردانہ قوت متاثر ہو گئی، یحییٰ بن معمر کی روایت میں ہے آپ ایک سال تک حضرت عائشہ سے رکے رہے یعنی مقاربت نہیں کر سکے۔ (العیاذ باللہ) (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۹۷۶۵)

(۶) بعض احادیث میں ہے کہ کنویں سے جب شگوفہ نکالا گیا تو اس میں گیارہ گرہیں تھیں اس وقت آپ پر سورۃ الفلق اور سورۃ الناس نازل ہوئیں آپ ان میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تھے اور گرہیں کھلتی جاتی تھیں۔

(طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۱۵۳ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

ایک تعارض تو یہ ہے کہ اور کسی روایت میں ان آیتوں سے گرہیں کھلنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور دوسرا قوی اعتراض یہ ہے کہ ان کذابین کو یہ خیال نہیں رہا کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے اور ان سورتوں کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا تھا۔

(۷) جس حدیث کا متن اتنی وجوہ سے مضطرب ہو اس سے احکام میں بھی استدلال کرنا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس سے عقائد میں استدلال کیا جائے۔

(۸) جو خبر واحد صحیح ہو وہ بھی قرآن مجید کے مزاحم نہیں ہو سکتی، جب کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، حدیث صحیح وہ ہوتی ہے جو غیر معلل ہو اور یہ حدیث معلل ہے کیونکہ اس میں علل خفیہ قادحہ ہیں، یہ حدیث منصب نبوت کے منافی ہے۔

(۹) اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ جادو کے اثر سے جماع پر قادر نہ ہوئے اور ایک سال تک حضرت عائشہ سے رکے رہے اور نامرد ہونا ایسی بیماری ہے جو لوگوں میں معیوب سمجھی جاتی ہے، نیز اس میں مذکور ہے کہ آپ کی نظر میں فرق آگیا تھا اور بھینگا ہونا لوگوں میں معیوب سمجھا جاتا ہے اور نامردی اور بھینگے پن سے لوگ عار محسوس کرتے ہیں اور نبی کی شرائط میں سے یہ ہے کہ اس کو کوئی ایسی بیماری نہ ہو جو لوگوں میں معیوب اور باعث عار سمجھی جاتی ہو اور لوگوں کو اس بیماری سے گھن آتی ہو۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

نبوت کی شرائط یہ ہیں: وہ مرد ہو اس کی عقل کامل ہو، اس کی رائے قوی ہو وہ ان چیزوں سے سلامت ہو جن کو لوگ برا جانتے ہیں مثلاً اس کے آباء و اجداد زنا نہ کرتے ہوں اور اس کے سلسلہ نسب میں مائیں بدکار نہ ہوں اور وہ ایسی بیماریوں سے محفوظ ہو جن کو لوگ برا جانتے ہیں مثلاً برص اور جذام وغیرہ اور کم تر پیشوں سے اور ہر اس چیز سے جو مروت اور حکمت بعثت میں مخل ہو۔ (شرح المقاصد ج ۵ ص ۱۱ مطبوعہ منشورات الرضی ایران ۱۴۰۹ھ)

علامہ محمد بن احمد السفارینی متوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

نبوت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ نبی ہر اس چیز سے سلامت ہو جس سے لوگ متنفر ہوں جیسے ماں باپ کی بدکاری اور

ایسے عیوب جن سے لوگ نفرت کرتے ہوں جیسے برص اور جذام وغیرہ۔
(لوامع الانوار ج ۲ ص ۲۶۷،۲۶۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۱۱ھ)

اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ۔ (ص: ۴۷) بے شک وہ سب (نبی) ہمارے نزدیک پسندیدہ اور بہترین لوگ ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: ۳۳) بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام لوگوں سے پسندیدہ بنایا۔

اور جس شخص کو ایسی بیماری ہو جائے جس سے ایک سال تک وہ اپنی ازواج سے مقاربت نہ کر سکے اور جس کو صحیح نظر نہ آئے وہ تمام لوگوں سے پسندیدہ نہیں ہو سکتا، سو اس قسم کی وضعی روایت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بنیاد ہی منہدم کر دیتی ہیں۔

(۱۰) اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آپ پر جادو کیا گیا تھا تو جادوگر آپ کو نقصان پہنچانے میں اور آپ کے حواس اور قویٰ معطل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى۔ (طٰہٰ: ۶۹) اور جادوگر کہیں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اور اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ (الحجر: ۴۲) بے شک میرے (مقبول) بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہو گا سوا ان کے جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں گے ۝

(۱۱) یہ درست ہے کہ یہ روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہیں، اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی عظمت اور حرمت ہمارے دلوں میں پیوست ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور حرمت ہمارے دلوں میں ان سے کہیں زیادہ ہے بلکہ تمام مخلوق سے زیادہ ہے، یہ احادیث اضطراب اور تعارض سے قطع نظر معلل ہیں ان میں متعدد علل خفیہ قادحہ ہیں جن میں مخالف قرآن اور منافی عظمت رسول ہونا سب سے زیادہ نمایاں ہے، ہمارے لیے یہ زیادہ آسان ہے کہ ہم ایک سال یا چھ ماہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کے بجائے یہ مان لیں کہ اس حدیث کی صحت میں امام بخاری سے چوک ہو گئی، اور اس حدیث میں امام بخاری اور مسلم صحت حدیث میں اپنے مقرر کردہ معیار کو برقرار نہیں رکھ سکے، ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث روایتاً صحیح ہو لیکن یہ حدیث درایتاً صحیح نہیں ہے، اس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم نے یہ روایت کیا ہے کہ جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو عباس اور حضور بھی کندھے پر پتھر رکھ کر لا رہے تھے عباس نے آپ کا تہبند اتار کر آپ کے کندھے پر رکھ دیا تاکہ پتھر کندھے میں نہ چبھے۔ آپ بے لباس ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور ہوش میں آ کر فرمایا میرا تہبند، میرا تہبند، یہ اعلان نبوت سے پانچ سال قبل کا واقعہ ہے اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۵ سال تھی، ہم نے اس جگہ بھی لکھا تھا یہ حدیث معلل ہے اور درایتاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ کم عمر کے بچے کے متعلق تو یہ بات متصور ہو سکتی ہے کہ اپنا تہبند کندھے پر رکھ لے، لیکن ۳۵ سال کے مرد کے لیے یہ قرین قیاس نہیں ہے اور اس عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے لباس ہو جانا ہمارے نزدیک لائق قبول نہیں ہے، اور یہ ناموس رسالت کے منافی ہے اور

ہر ایسی حدیث لائق قبول نہیں ہے اس کی مفصل بحث کے لیے دیکھیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۱۰۵-۱۰۱۔

(۱۲) اس حدیث کی زیادہ سے زیادہ تاویل یہ ہو سکتی ہے جو علامہ ابوبکر جصاص نے کی ہے کہ یہودیوں نے اپنے منصوبہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبہ کو ناکام کر دیا اور آپ پر جادو کا کوئی اثر نہیں ہوا اور جن احادیث میں یہ جملے مذکور ہیں کہ آپ کو خیال ہوتا تھا کہ میں نے یہ بات کہہ دی ہے حالانکہ آپ نے نہیں کہی تھی یا آپ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ نے یہ کام کر لیا ہے اور آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا اسی طرح اور دوسری خرافات بیان کیں ہیں یہ سب کسی بے دین راوی کا اضافہ ہے اور حضرت ام المومنین پر بہتان ہے' یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے اور اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی' تعلیمی اور فتوحات کے اعتبار سے بہت مصروف سال گزارا ہے اگر جادو کے اثر سے آپ کے حواس اور قویٰ ایک سال تک معطل رہے ہوتے تو اس سال یہ تمام کام کس طرح انجام دیے جا سکتے تھے' حدیث کی صحت کی تحقیق کرنے میں امام بخاری اور امام مسلم کی شخصیت مسلم ہے لیکن وہ بہر حال انسان ہیں نبی یا فرشتے نہیں ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ راویوں کی چھان پھٹک میں بعض اوقات ان سے کوئی سہو ہو گیا ہو' اور کسی ایک آدھ جگہ سہو ہو جانے سے ان کی عظمت اور مہارت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں ہو جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر ہم کو از سرنو بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا؟○ آپ کہیے تم پتھر بن جاؤ یا لوہا○ یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے خیال میں بہت سخت ہو تو عنقریب وہ کہیں گے کہ ہم کو دوبارہ کون پیدا کرے گا؟ آپ کہیے کہ وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اس پر وہ آپ کی طرف (انکاراً) سر ہلائیں گے اور کہیں گے تو یہ کب ہو گا؟ آپ کہیے کیا تعجب ہے کہ وہ وقت قریب آ پہنچا ہو○ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے○ (بنی اسرائیل: ۵۲-۴۹)

مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل' قبروں سے نکلنے کی کیفیت اور آپ کی نبوت کی صداقت

قرآن مجید کے چار اہم موضوع ہیں: اللہ تعالیٰ کی توحید' رسالت' قیامت اور مرنے کے بعد اٹھنا اور تقدیر۔ آیت ۴۴-۴۱ میں توحید کا بیان ہے فرمایا: آپ کہیے اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ اب تک عرش والے تک کوئی راہ ڈھونڈ چکے ہوتے' الآیات۔ اور آیت: ۴۸-۴۵ میں رسالت کا بیان ہے' فرمایا: اور جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں' الآیات۔ اور آیت: ۵۲-۴۹ تک مرنے کے بعد اٹھنے کا بیان ہے۔

اس آیت میں رفاتا کا لفظ ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چورچور کر دیا جائے بھوسے کو بھی رفات کہتے ہیں۔

مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے' اور ان کا شبہ یہ تھا کہ انسان کی موت کے کچھ عرصہ بعد اس کا جسم گل سڑ جاتا ہے اور ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ٹوٹ جاتی ہیں اور کچھ وقت گزرنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں' پھر ایک مردہ کے ذرات دوسرے مردہ کے ذرات کے ساتھ مخلوط ہو جاتے ہیں پھر مرور زمانہ اور انقلابات سے یہ ذرات فضا میں بکھر جاتے ہیں تو قیامت کے دن یہ ذرات کیسے مجتمع ہوں گے اور ایک دوسرے سے کیسے متمیز اور ممتاز ہوں گے' پھر ان منتشر ذرات سے دوبارہ کس طرح جسم بنایا جائے گا اور اس کو زندہ کیا جائے گا اس کا جواب یہ ہے کہ ان منتشر اور مختلط ذرات کو متمیز کرنا اس

کے لیے مشکل ہے جس کا علم ناقص ہو اور ان کو مجتمع کر کے دوبارہ ایک زندہ جسم میں ڈھال دینا اس کے لیے مشکل ہے جس کی قدرت ناقص ہو، لیکن جس کا علم غیر متناہی اور جس کی قدرت بے اندازہ ہے اس کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں وہ تم کو اسی طرح دوبارہ زندہ کرے گا جس طرح پہلی بار تم کو عدم سے وجود میں لایا تھا۔

پھر فرمایا تم تو مٹی کے اجسام ہو بالفرض اگر تم پتھر یا لوہے یا کسی اور ایسے جسم سے بن جاؤ جو تمہارے خیال میں بہت سخت ہو، جس کا بظاہر حیات قبول کرنا بعید ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں بھی حیات پیدا کر دے گا۔

پھر فرمایا عنقریب وہ کہیں گے کہ ہم کو دوبارہ کون پیدا کرے گا؟ آپ کہیے کہ وہی جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا اس پر وہ آپ کی طرف (انکاراً) سر ہلائیں گے اور کہیں گے یہ کب ہوگا○

اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے اور قرآن مجید کی صداقت پر دلیل ہے، کیونکہ جن باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین یہ کہیں گے اور آپ اس کا یہ جواب دیں پھر وہ یہ کہیں گے اور آپ اس کا یہ جواب دیں، چاہیے تھا کہ مشرکین وہ باتیں نہ کہتے اور پھر کہتے کہ قرآن جھوٹا ہو گیا! قرآن نے پیش گوئی کی تھی کہ ہم یہ کہیں گے اور ہم نے نہیں کہا لیکن وہی ہوا جو قرآن مجید نے کہا تھا اور قرآن مجید کی پیش گوئی سچی ہو گئی، یہ سچے نبی کی شان ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کی زبانوں کے متعلق پیش گوئی کی اور مخالفین نے آپ کی پیش گوئی کے متعلق باتیں کر کے آپ کو سچا ثابت کر دیا۔ والحمد للہ۔

اس کے بعد فرمایا جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ کفار اور مشرکین قبروں سے سبحانک وبحمدک کہتے ہوئے اٹھیں گے، قتادہ نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اطاعت کے ساتھ اٹھیں گے۔

پھر فرمایا اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے، اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس سے دو مرتبہ صور پھونکنے کا زمانہ مراد ہے جو چالیس سال ہے اس عرصہ میں ان سے عذاب منقطع رہے گا اس لیے وہ سمجھیں گے کہ وہ بہت کم عرصہ رہے۔

(۲) حسن نے کہا اس سے مراد ہے کہ وہ دنیا میں بہت کم عرصہ رہے، کیونکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

(۳) مقاتل نے کہا اس سے مراد ہے قبر کا زمانہ کیونکہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں قبر میں گزارا ہوا زمانہ بہت کم ہے۔

بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں مومنین سے خطاب ہے، کیونکہ جب ان کو منادی بلائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آئیں گے اور قبر میں گزارے ہوئے زمانہ کو کم کہیں گے کیونکہ وہ قبروں میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں میں رہے، اور نعمت کے ایام کم معلوم ہوتے ہیں۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۴۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ

اور آپ میرے بندوں سے کہیے کہ وہی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو بے شک شیطان ان کے درمیان

بَيْنَهُمْ ۗ إِنَّ الشَّيْطَٰنَ كَانَ لِلْإِنسَٰنِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۵۳﴾ رَّبُّكُمْ

پھوٹ ڈالتا ہے، بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ○ تمہارا رب تمہیں

أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِن يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِن يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ ۚ وَمَا أَرْسَلْنَٰكَ

بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم فرمائے، اور وہ اگر چاہے تو تم کو عذاب دے، اور ہم نے آپ

عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَن فِي السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ

کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ○ اور آپ کا رب ان کو خوب جاننے والا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں،

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿۵۵﴾

اور ہم نے بعض نبیوں کو دوسرے بعض نبیوں پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ○

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ

آپ کہیے کہ تم ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں اللہ کے سوا (عبادت کے مستحق) ہیں سو وہ تم سے نہ کسی ضرر کو دور

الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿۵۶﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ

کرنے کے مالک ہیں اور نہ اس کو بدلنے کے (مالک ہیں) ○ جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب

إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ

کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے

عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿۵۷﴾ وَإِن مِّن قَرْيَةٍ

رہتے ہیں بے شک آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہیے ○ اور ہم ہر بستی کو قیامت کے دن

إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ

سے پہلے ہلاک کرنے والے ہیں، یا اس کو سخت عذاب دینے والے ہیں،

كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَا أَن نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ

یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے ○ اور ہمیں (فرمائشی) معجزات بھیجنے سے صرف یہ چیز مانع ہے

إِلَّآ أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُوْنَ ۚ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا

کہ پہلے لوگ ان کو جھٹلا چکے ہیں، اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو بصیرت افروز (نشانی) تھی، سو انہوں نے اس پر

بِهَا ۚ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ إِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ

ظلم کیا اور ہم صرف ڈرانے کے لیے معجزات بھیجتے ہیں ○ اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ آپ کے رب

أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۚ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

نے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے، اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۚ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا

اور اسی طرح وہ درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے، اور ہم انہیں ڈرا رہے ہیں سو ہمارا ڈرانا تو صرف ان کی

كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ ع

سرکشی کو ہی بہت بڑھا رہا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ میرے بندوں سے کہیے کہ وہی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو، بے شک شیطان ان کے درمیان پھوٹ ڈالتا ہے، بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ○ (بنی اسرائیل: ۵۳)

آپس کی گفتگو میں اور تبلیغ میں نرمی اور حسن اخلاق سے کام لینا

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ "میرے بندوں سے مراد مومنین ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ میرے بندوں سے مراد کفار ہیں۔ "میرے بندوں" سے مومنین مراد ہونے پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ عباد کا اطلاق مومنین پر کیا جاتا ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ أَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَأَنَابُوْٓا إِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ۔ (الزمر: ۱۷)

اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کو بشارت ہے، سو آپ میرے بندوں کو بشارت دیجئے۔

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○ (الفجر: ۳۰-۲۹)

پس میرے (مومن) بندوں میں داخل ہو جا ○ اور میری جنت میں داخل ہو جا ○

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ○ (الدھر: ۶)

وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے اور اس سے (جہاں چاہیں) نہریں نکالیں گے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر دلائل قائم کیے تھے اور آپ کی نبوت کو ثابت کیا تھا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر مشرکین کے شبہات کو زائل فرمایا تھا اس آیت میں یہ بتلایا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میرے

بندوں سے کہیے کہ جب تم مخالفین کو تبلیغ کرو تو ان کے سامنے نرمی، حسن اخلاق اور احسن طریقہ سے دلائل پیش کرو اور وہ طریقہ یہ ہے کہ تمہارے دلائل سب و شتم پر مشتمل نہ ہوں، جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ (العنکبوت: ٤٦)

اور اہل کتاب سے صرف احسن طریقہ سے بحث کرو۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔ (الانعام: ١٠٨)

اور ان کو گالی مت دو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں ورنہ وہ جہالت اور عداوت کے سبب سے اللہ کو برا کہیں گے۔

پھر فرمایا: اگر تم مشرکین سے سختی سے کلام کرو گے تو وہ بھی تم سے سخت لہجہ میں بات کریں گے پھر شیطان تمہارے درمیان فساد ڈال دے گا کیونکہ وہ بلاشبہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اور اس آیت کا یہ بھی محمل ہے کہ جب مسلمان ایک دوسرے سے بات کریں تو نرمی، انکسار اور خندہ پیشانی سے بات کریں، بدمزاجی اور بدکلامی نہ کریں، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدگمانی کرنے سے باز رہو کیونکہ بدگمانی کرنا سب سے جھوٹی بات ہے اور کسی کی برائیاں تلاش نہ کرو، کسی کی تفتیش نہ کرو، کسی سے بغض نہ رکھو اور کسی سے تعلق منقطع نہ کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٠٧٤، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٢٩، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٩١٧، سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٩٨٨، موطا امام مالک رقم الحدیث: ٥٦٦، مسند احمد رقم الحدیث: ٧٨٤٥، مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ عبادی سے مراد کفار ہیں یعنی آپ میرے کافر بندوں سے کہیے، کیونکہ ان آیات سے مقصود دعوت اور ارشاد ہے اور کافروں کو بھی نرمی اور حسن اخلاق سے بات کرنے کی تلقین کریں تاکہ وہ ضد اور تعصب میں آکر ہٹ دھرمی پر نہ اتر آئیں، ٹھنڈے دل سے اسلام کے دلائل پر غور کریں تاکہ ان کے دل و دماغ میں حق بات اتر جائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارا رب تمہیں بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم فرمائے اور وہ اگر چاہے تو تم کو عذاب دے، اور ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ (بنی اسرائیل: ٥٤)

یعنی اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تم کو ایمان، ہدایت اور معرفت کی توفیق دے دے اور اگر وہ چاہے تو حالت کفر میں ہی تمہاری روح قبض کر لے اور پھر تم کو عذاب دے، مگر اس کی مشیت تم کو معلوم نہیں ہے، اس لیے تم دین حق کی طلب میں پوری کوشش کرو اور جہل اور باطل پر اصرار نہ کرو تاکہ تم ابدی سعادت سے محروم نہ ہو، پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا یعنی آپ ان پر تشدد نہ کریں اور سختی کے ساتھ ان کو دین حق کی طرف نہ بلائیں۔

بعض نبیوں کی بعض نبیوں پر فضیلت

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کا رب ان کو خوب جاننے والا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو دوسرے بعض نبیوں پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ (بنی اسرائیل: ٥٥)

یعنی ہمارا علم صرف تم میں اور تمہارے احوال میں منحصر نہیں ہے، بلکہ ہمارا علم تمام موجودات اور معدومات اور تمام

زمینوں اور آسمانوں کو محیط ہے' اور وہ ہر ہر شخص کو تفصیلاً جانتا ہے اور اچھائیوں اور برائیوں میں سے کیا چیز اس کے لائق ہے اور کیا نہیں' اسی وجہ سے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی' حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عنایت کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن عطا فرمایا' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں' اور آپ کے افضل الرسل ہونے پر ہم نے البقرہ: ۲۵۳ میں تفصیل سے لکھ دیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے خصوصیت کے ساتھ ذکر کی توجیہ

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا ہے اس کی تین وجہیں ہیں' پہلی وجہ یہ ہے کہ زبور میں یہ لکھا ہوا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ○

ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے (نیک بندوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت ہے) (الانبیاء: ۱۰۵)

دوسری وجہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کو بہت مانتے تھے اور اس آیت میں یہود کا رد ہے کیونکہ یہود کہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور تورات کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی حالانکہ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام آئے اور تورات کے بعد زبور آئی' لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن کا انکار نہ کریں' تیسری وجہ یہ ہے کہ کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے کہ آپ دنیاوی امور کھانے پینے اور بال بچوں میں مشغول رہتے ہیں تو آپ نبی کیسے ہو سکتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا داؤد بھی تو نبی تھے حالانکہ وہ بادشاہ تھے اور بادشاہ سے زیادہ دنیاوی امور میں کون مشغول ہو گا اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی امور میں مشغول ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے۔

نوٹ: زبور میں حلال اور حرام اور فرائض اور حدود کا ذکر نہیں ہے' اس میں صرف دعائیں ہیں اور اللہ کی تمجید اور اس کی بزرگی اور بڑائی کا ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر (زبور کا) پڑھنا آسان کر دیا تھا وہ اپنی سواری پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور زین رکھے جانے سے پہلے اس (زبور) کو پڑھ لیتے تھے اور صرف اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۴۵' عالم الکتب)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں اللہ کے سوا (عبادت کے مستحق) ہیں سو وہ تم سے نہ کسی ضرر کے دور کرنے کے مالک ہیں اور نہ اس کو بدلنے کے (مالک ہیں)○ (بنی اسرائیل: ۵۶)

غیر اللہ کو مستحق عبادت سمجھ کر پکارنے کا رد

اس آیت سے مقصود مشرکین کا رد کرنا ہے' وہ کہتے تھے کہ ہم خود اس لائق نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں بلکہ عبادت کے لائق تو مقربین ہیں یعنی اللہ کے فرشتے پھر انہوں نے فرشتوں کے فرضی مجسمے اور بت بنا رکھے تھے اور اس تاویل سے بتوں کی عبادت کرتے تھے' بعض مفسرین نے کہا وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی عبادت کرتے تھے اور ان کی عبادت

کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تم سے کسی ضرر کو دور کر سکتے ہیں اور نہ تم کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ وہ بت ضرر کو دور نہیں کر سکتے اور نفع نہیں پہنچا سکتے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مشرکین کو دیکھتے ہیں کہ وہ بتوں کے آگے گڑگڑاتے ہیں اور ان کی مراد پوری نہیں ہوتی، اگر وہ یہ اعتراض کریں کہ تم بھی خدا کے آگے گڑگڑاتے ہو اور بعض اوقات تمہاری بھی مراد پوری نہیں ہوتی، اگر تم اس کے جواب میں یہ کہو کہ اللہ کو علم تھا کہ ہماری مراد ہمارے حق میں نقصان دہ تھی تو وہ کہیں گے کہ بتوں کو بھی علم تھا کہ ہماری مراد ہمارے لیے مضر تھی اور جس طرح تمہاری بعض مرادیں پوری ہوتی ہیں اسی طرح ہماری بھی بعض دعائیں پوری ہو جاتی ہیں۔

اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ مشرکین اور بت پرست اس کو مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کا خالق ہے اور فرشتے، اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرنا لازم ہے اور مخلوق کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

مطلقاً پکارنے اور مدد طلب کرنے کو شرک کہنا صحیح نہیں

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا ہی شرک نہیں ہے، بلکہ خدا کے سوا کسی دوسری ہستی سے دعا مانگنا یا اس کو مدد کے لیے پکارنا بھی شرک ہے، دعا اور استمداد و استعانت اپنی حقیقت کے اعتبار سے عبادت ہی ہیں اور غیر اللہ سے مناجات کرنے والا ویسا ہی مجرم ہے جیسا کہ ایک بت پرست مجرم ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی کچھ اختیارات حاصل نہیں ہیں نہ کوئی دوسرا کسی مصیبت کو ٹال سکتا ہے، نہ کسی بری حالت کو اچھی حالت سے بدل سکتا ہے۔ اس طرح کا اعتقاد خدا کے سوا جس ہستی کے بارے میں بھی رکھا جائے، بہرحال ایک مشرکانہ اعتقاد ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۲ ص ۶۳۵، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۲ء)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا ہے جو بتوں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کے مستحق عبادت ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور ان کو بطور عبادت پکارتے تھے لیکن سید مودودی نے مطلقاً کسی کو مدد کے لیے پکارنے کو شرک قرار دے دیا، قرآن مجید میں ہے کہ لوگوں نے ذوالقرنین سے مدد طلب کی اور ذوالقرنین نے ان سے مدد طلب کی:

قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا ○ قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا ○ (الکھف: ۹۵-۹۴)

انہوں نے کہا یا ذوالقرنین! یاجوج ماجوج (اس ملک میں) فساد کر رہے ہیں کیا ہم آپ کے لیے کچھ خرچ کا انتظام کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں ○ اس نے کہا مجھے جو میرے رب نے دے رکھا ہے وہی بہتر ہے، تم صرف قوت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دوں گا۔

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ (آل عمران: ۵۲)

جب عیسیٰ نے ان کا کفر محسوس کر لیا تو کہا اللہ کی راہ میں کون میری مدد کرنے والے ہیں۔

اگر مطلقاً اللہ کے سوا کسی سے استعانت اور مدد طلب کرنا شرک ہو جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ نے لکھا ہے تو یہ ذوالقرنین، حضرت عیسیٰ اور وہ سب لوگ جنہوں نے ذوالقرنین سے مدد طلب کی تھی مشرک قرار پائیں گے، حضرت سلیمان علیہ السلام

نے آصف بن برخیا سے تخت بلقیس منگوانے میں مدد طلب کی' اور لوگ عام طور پر دینی اور دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے سے مدد طلب کرتے ہیں اس لیے مطلقاً مدد طلب کرنے اور غیر اللہ کے پکارنے کو شرک کہنا درست نہیں ہے اس میں لامحالہ کوئی قید لگانی ہوگی اور صحیح قید یہ ہے کہ کسی کو مستحق عبادت قرار دے کر اور حقیقی فریاد رس اور مستقل بالذات مشکل کشا اعتقاد رکھ کر پکارنا اور اس سے مدد طلب کرنا شرک ہے خواہ اس سے مافوق الاسباب امور میں مدد طلب کی جائے یا ماتحت الاسباب میں' دور سے پکارا جائے یا قریب سے' مشرکین جو بتوں کو پکارتے تھے وہ ان بتوں کو عبادت کا مستحق قرار دیتے تھے وہ کہتے تھے کہ ان کی عبادت ہمیں خدا کے قریب کر دے گی۔

ہماری اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے مدد طلب کرنا اور ان کو پکارنا شرک نہیں ہے تاہم افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ ہر حال میں اور ہر ضرورت میں صرف اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی جائے ہم نے اس کی مفصل بحث یونس: ۲۲ میں کی ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اسی بحث میں یہ فقرہ بھی لکھا ہے: نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی کچھ اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ یہ فقرہ بھی علی الاطلاق صحیح نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھلائی اور برائی کا اختیار عطا فرمایا ہے' انسان اپنے اختیار سے کسی پر ظلم کرتا ہے تو اسے سزا ملتی ہے اور کسی پر رحم کرتا ہے تو اس کی جزا ملتی ہے' جس شخص کو دنیا میں جتنا اقتدار دیا جاتا ہے وہ اتنا با اختیار ہوتا ہے' اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ کسی شخص کو ذاتی اختیار نہیں ہے یا از خود اختیار نہیں ہے' یا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کو اختیار نہیں ہے یا اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی عطا کے بغیر کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے' اس کی مکمل بحث ہم نے الاعراف: ۱۸۸ میں کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں' اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں' بے شک آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہیے O (بنی اسرائیل: ۵۷)

دوزخ کے عذاب سے انبیاء اور ملائکہ کے ڈرنے کی توجیہ

علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے: جن لوگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں اس کے مصداق میں تین قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ جن ہیں جو بعد میں اسلام لے آئے تھے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ملائکہ ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر ہیں یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے' اور اس آیت میں یدعون' یعبدون کے معنی میں ہے یعنی وہ ان کو معبود سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۵۸-۵۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان کے جن ہونے کے متعلق یہ دلیل ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انسانوں میں سے بعض افراد جنات کے بعض افراد کی عبادت کرتے تھے' پھر وہ جن مسلمان ہو گئے' اور وہ انسان بدستور ان جنات کی عبادت کرتے رہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۳۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۸۸)

اور جن لوگوں نے کہا وہ فرشتے تھے ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرب کے بعض قبائل سے کچھ لوگ ملائکہ کی ایک قسم کی عبادت کرتے تھے' جن کو جنات کہا جاتا تھا اور وہ لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۸۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اور جن لوگوں نے کہا وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی عبادت کرتے تھے ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جن کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے وہ حضرت عیسیٰ، ان کی والدہ اور حضرت عزیر ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۸۹۵، حضرت ابن عباس کی دوسری روایت میں شمس اور قمر کا بھی ذکر ہے، رقم الحدیث: ۱۶۸۹۷)

جو جنات مسلمان ہو چکے تھے، اسی طرح فرشتے اور تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے محتاج ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں ہر چند کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں وہ کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں کرتے اور نہ ان کو دنیا اور آخرت میں کسی قسم کے عذاب کا خطرہ ہے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات سے خوف زدہ رہتے ہیں اور ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کے جتنے زیادہ قریب ہے وہ اتنا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا۔ تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا میں ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت جنت کے حصول کی اور دوزخ کے عذاب سے پناہ کی دعائیں فرماتے تھے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کثرت سے کرتے تھے: اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں (بھی) اچھائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۳۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۰۳، عالم الکتب بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے یہ دعا تھی: اے اللہ ہم تجھ سے رحمت کے موجبات اور تیری مغفرت کو طلب کرتے ہیں اور ہر گناہ سے سلامتی اور نیکی کی سہولت طلب کرتے ہیں اور جنت کی کامیابی اور تیری مدد سے دوزخ سے نجات طلب کرتے ہیں، یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے (حافظ ذہبی نے اس کو بلا جرح نقل کیا ہے۔) (المستدرک ج ۱ ص ۵۲۵، قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۱۹۶۸، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۳۸۷)

ہم نے اس نوع کی بہت احادیث تبیان القرآن ج ۲ ص ۴۱۸-۴۲۱ میں ذکر کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم ہر بستی کو قیامت کے دن سے پہلے ہلاک کرنے والے ہیں، یا اس کو سخت عذاب دینے والے ہیں، یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے○ (بنی اسرائیل: ۵۸)

کھلم کھلا سود کھانا اور فحش کام کرنا نزول عذاب کا موجب ہے

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور تقدیر سے ہے جس سے فرار کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، یا تو اللہ تعالیٰ اس بستی کے لوگوں کی روحوں کو قبض کر کے ان کو ہلاک کر دے یا اس بستی پر عذاب نازل فرمائے گا جس سے وہ بستی نیست و نابود ہو جائے گی، (مومنین کو موت سے ہلاک کرے گا اور سرکش کافروں کو عذاب سے)

عبدالرحمن بن عبداللہ نے کہا جب کسی بستی میں علی الاعلان زنا ہو گا اور سود کھایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس بستی کو ہلاک کرنے کی اجازت دے دے گا۔ (جامع البیان ج ۱۵ ص ۱۳۲-۱۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ○ (القصص: ۵۹)

آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان بستیوں کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آیات کی تلاوت کرے، اور ہم اس وقت تک کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتے۔ جب تک اس بستی کے رہنے والے ظلم پر کمر نہ باندھ لیں ○

لہٰذا اس آیت میں ایسی بستیاں مراد ہیں جن کے رہنے والے کفر اور فحش گناہوں پر اصرار کرنے والے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمیں (فرمائشی) معجزات بھیجنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ پہلے لوگ ان کو جھٹلا چکے ہیں، اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو بصیرت افروز (نشانی) تھی، سو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم صرف ڈرانے کے لیے معجزات بھیجتے ہیں ○ (بنی اسرائیل: ۵۹)

زیرِ تفسیر آیت کا شانِ نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا اور جو ظلم کرتے تھے اور کفر اور شرک پر اصرار کرتے تھے ان کو عذاب کی وعید سنائی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا ذکر شروع فرمایا اور مشرکین مکہ کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر جو شبہات تھے ان کا ازالہ فرمایا۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ مشرکین نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے انبیاء تھے، ان میں بعض کے لیے ہوا مسخر کردی گئی اور ان میں سے بعض مردوں کو زندہ کرتے تھے اگر آپ اس بات سے خوش ہوں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کی تصدیق کریں تو آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ صفا پہاڑ کو ہمارے لیے سونے کا بنا دے! اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی میں نے ان کا مطالبہ سن لیا ہے اگر آپ چاہیں تو ہم ان کا مطالبہ پورا کردیں لیکن اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو پھر ان پر عذاب نازل کیا جائے گا، اور اگر آپ اپنی قوم کو مہلت دینا چاہتے ہوں تو میں ان کو مہلت دے دوں؟ آپ نے عرض کیا اے میرے رب ان کو مہلت دے دے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۹۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ ان کے لیے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیں۔ اور اس جگہ سے پہاڑوں کو ہٹا دیں تاکہ وہ اس جگہ کھیتی باڑی کر سکیں تو آپ سے کہا گیا کہ اگر آپ ان کو مہلت دینا چاہتے ہیں تو ہم ان کو مہلت دے دیں اور اگر آپ ان کی فرمائش پوری کرنا چاہتے ہوں تو ہم ان کی فرمائش پوری کردیں لیکن اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو پھر ان کو ہلاک کردیا جائے گا جیسا کہ پچھلی قوموں کے کفار کو ہلاک کر دیا گیا تھا، آپ نے کہا بلکہ ان کو مہلت دے دے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی وما منعنا ان نرسل بالایت الا ان کذب بها الاولون۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۹۰۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۳۳، دار الفکر بیروت و عالم الکتب بیروت)

فرمائشی معجزات نازل نہ کرنے کی وجوہ

فرمائشی معجزات نہ بھیجنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اگر اللہ تعالیٰ ان کے بڑے بڑے فرمائشی معجزات نازل فرماتا اور وہ پھر بھی ایمان نہ لاتے، بلکہ اپنے کفر پر ڈٹے رہتے تو اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق وہ آسمانی عذاب سے نیست و نابود کر دیے جاتے، لیکن اس طرح کا جڑ سے اکھاڑ دینے والا

عذاب اس امت پر جائز نہ تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے یا ان کی اولاد ایمان لے آئے گی' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات کا مطالبہ پورا نہیں کیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے یہ معجزات اس لیے نہیں نازل کیے کہ پچھلی امتوں میں ان کے آباء واجداد کے مطالبہ پر معجزات نازل کیے گئے لیکن وہ ایمان نہیں لائے اور یہ مشرکین بھی ان ہی آباء واجداد کی تقلید کرتے تھے۔

(۳) پچھلی امتوں کے لوگوں نے اپنے فرمائشی معجزات کا مشاہدہ کرلیا پھر بھی وہ اپنے انکار پر مصر رہے سو اگر یہ لوگ بھی ان معجزات کا مشاہدہ کرلیتے تو اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ بھی انکار کرتے' اس لیے ان معجزات کا ظاہر کرنا عبث تھا اور اللہ تعالیٰ عبث کام نہیں کرتا' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو بصیرت افروز نشانی تھی سو انہوں نے اس پر ظلم کیا۔

بصیرت افروز کا معنی یہ ہے کہ جو شخص پتھر سے اونٹنی کے نکلنے اور اس کی دیگر نشانیوں پر غور و فکر کرے گا وہ حضرت صالح علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے صدق کو تسلیم کرلے گا' پھر فرمایا انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا یعنی اس معجزہ کی تکذیب کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا' پھر فرمایا: اور ہم صرف ڈرانے کے لیے معجزات بھیجتے ہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ معجزہ تو اس لیے ہوتا ہے کہ وہ نبی کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلیل ہو تو پھر اس کی کیا توجیہ ہے کہ ہم صرف ڈرانے کے لیے معجزات بھیجتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ معجزہ صرف نبی کے دعویٰ نبوت کے صدق کی دلیل ہوتا ہے' لیکن وہ اس حکم کو متضمن ہوتا ہے کہ اگر اس فرمائشی معجزہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تو پھر تم ہلاک اور ملیامیٹ کردینے والے عذاب کے مستحق ہوگے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ آپ کے رب نے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے' اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا اور اسی طرح وہ درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے' اور ہم انہیں ڈرا رہے ہیں سو ہمارا ڈرانا تو صرف ان کی سرکشی کو ہی بہت بڑھا دے رہا ہے O

(بنی اسرائیل: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور نصرت فرمانا

جب کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے بڑے فرمائشی معجزات کا مطالبہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ ان معجزات کو ظاہر کرنے میں مصلحت نہیں ہے تو اس سے کفار کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ آپ کی رسالت میں طعن کریں سو انہوں نے کہا اگر آپ اللہ کی طرف سے رسول برحق ہوتے تو ضرور ہمارے فرمائشی معجزات کو لے آتے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء ایسے معجزات لاتے رہے ہیں تب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور نصرت کے لیے فرمایا اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ آپ کے رب نے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے' اور اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی قدرت تمام لوگوں کو محیط ہے اور سب اس کے قبضہ و قدرت میں ہیں اور جب ایسا ہے تو آپ کے مخالفین کسی ایسے اقدام پر قادر نہیں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کی تقدیر کے خلاف ہو' اور اس سے مقصود یہ ہے کہ ہم آپ کی نصرت کریں گے اور آپ کو قوت دیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے پیغام کی تبلیغ کریں اور ہمارے دین کو غلبہ حاصل ہو' حسن نے کہا وہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے تھے کہ اس ارادہ کی راہ میں اللہ تعالیٰ حائل ہو گیا اس نے فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔ (المائدہ: ۶۷) اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

(۴) اس آیت میں فرمایا ہے آپ کے رب نے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے اس سے مراد ہے آپ کے رب نے اہل مکہ کا احاطہ کیا ہوا ہے' اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اہل مکہ پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ان کو مغلوب اور مقہور کر دے گا اور آپ کی حکومت ان پر قائم کر دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۔ (آل عمران: ۱۲) آپ کافروں سے کہیے کہ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے اور دوزخ کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

شب معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا وہ خواب نہیں تھا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے آپکو شب معراج جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا۔

اس فقرے کے متعدد محامل ہیں' صحیح محمل وہ ہے جس کے موافق ہم نے ترجمہ کیا۔

اس آیت میں رؤیا کا لفظ ہے' بعض علماء نے کہا کہ رؤیا کا معنی خواب ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ معراج کی شب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ دکھایا گیا وہ سب خواب کا واقعہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں معراج ہوئی ہے بیداری میں نہیں ہوئی' اس لیے پہلے ہم رؤیا کے معنی کی تحقیق کرتے ہیں:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

رؤیا کے معنی میں اختلاف ہے' اکثریت نے یہ کہا ہے کہ لغت کے اعتبار سے رویت اور رؤیا میں کوئی فرق نہیں ہے کہا جاتا ہے رایت بعینی رویتہ ورویا' میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا' دیکھنا' اور کم لوگوں نے یہ کہا کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ معراج کا پورا قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا اور یہ قول ضعیف اور باطل ہے اور اس مشاہدہ کے آزمائش ہونے کا معنی یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کیا تو مشرکین نے بڑی شد و مد سے انکار کیا اور جو مسلمان تھے وہ اپنے ایمان پر قائم رہے بلکہ ان کا ایمان اور مضبوط ہو گیا' اگر یہ واقعہ صرف خواب کا ہوتا تو پھر کسی کو اس کے انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ واقعہ لوگوں کی آزمائش کس طرح ہوتا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۶۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے یہ رؤیا آنکھ سے تھا' جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ سے دکھایا تھا یہ خواب کا واقعہ نہیں ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۹۹۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۴)

حضرت ابو بکر صدیق سے شب معراج کی صبح کہا گیا کہ تمہارے پیغمبر کا یہ کہنا ہے کہ وہ گزشتہ شب بیت المقدس سے ہو کر آئے ہیں' حضرت ابو بکر نے کہا اگر انہوں نے یہ کہا ہے تو سچ کہا ہے' ان سے کہا گیا کہ آپ ان سے سننے سے پہلے تصدیق کر رہے ہیں' حضرت ابو بکر نے کہا تمہاری عقلیں کہاں ہیں' میں تو آسمان کی خبروں میں ان کی تصدیق کرتا ہوں تو بیت المقدس کی خبر میں ان کی تصدیق کیوں نہیں کروں گا آسمان تو بیت المقدس سے بہت دور ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۲۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شجرۂ الزقوم کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی طرح وہ درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے' یعنی وہ درخت بھی

آزمائش ہے، کیونکہ ابوجہل نے مسلمانوں سے کہا تمہارے پیغمبر کہتے ہیں دوزخ ایسی آگ ہے جو پتھروں کو بھی جلادیتی ہے:

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم: ۶) دوزخ کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اور پھروہ کہتے ہیں کہ دوزخ میں ایک درخت ہے اور آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے تو دوزخ میں درخت کیسے پیدا ہوگا جب ان کو تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۶۳) بے شک ہم نے زقوم کو ظالموں کے لیے آزمائش بنادیا ہے۔

قرآن مجید میں زقوم کے لیے فرمایا ہے بے شک وہ درخت جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے (الصفت: ۶۴) جس کے خوشے شیطانوں کے سروں کی طرح ہوتے ہیں، دوزخی اس درخت سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹوں کو بھریں گے۔ (الصّٰفّٰت: ۶۶-۶۵)

زقوم کا معنی ہے تھوہر کا درخت، یہ لفظ تزقم سے بنا ہے اس کا معنی ہے بدبودار اور مکروہ چیز کا نگلنا اس درخت کے پھل کو کھانا دوزخیوں کے لیے سخت ناگوار ہوگا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ کوئی دنیاوی درخت نہیں ہے اہل دنیا کے لیے یہ غیر معروف ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (فتح القدیر ج ۴ ص ۵۲۶، مطبوعہ دارالوفاء بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر دوزخ کے زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین والوں پر نازل کردیا جائے تو ان کی زندگیاں خراب اور رفاسد ہوجائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۴۱۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

شجرۃ الزقوم کو ملعون فرمانے کی توجیہات

اس آیت میں فرمایا ہے اس درخت پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے حالانکہ قرآن میں اس پر لعنت کا ذکر نہیں ہے، اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس سے مراد ہے دوزخ میں اس درخت کو کھاتے وقت کفار اس پر لعنت کریں گے۔

(۲) ہر وہ طعام جس کا ذائقہ مکروہ ہو اور وہ نقصان دہ ہو اس کو عرب ملعون کہتے ہیں اور سورۃ الدخان اور الصّٰفّٰت میں اس کا بدذائقہ اور مکروہ ہونا بیان فرمایا ہے۔

(۳) ملعون کا معنی ہے دور کیا ہوا اور قرآن مجید میں اس درخت کا اس طرح ذکر ہے کہ یہ تمام اچھی صفات سے دور کیا ہوا ہے۔

(۴) ملعون کا معنی ہے مذمت کیا ہوا اور قرآن مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔

(۵) ملعون سے مراد ہے اس کے کھانے والے ملعون ہیں۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۵۵، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۶۱، ملخصاً)

اس کے بعد فرمایا ہم ان کو درخت زقوم سے ڈراتے ہیں اور ہمارا ڈرانا تو ان میں صرف بڑے بڑے طغیان کو بڑھا رہا ہے طغیان کا معنی ہم البقرہ: ۱۵ میں ذکر کرچکے ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط

اور یاد کیجئے جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا،

قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿٦١﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ

اس نے کہا کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے ○ اس نے کہا اچھا دیکھ لے

كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗ

جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو نے مجھے روز قیامت تک کی مہلت دی تو میں اس کی اولاد کو ضرور قابو میں کر لوں گا

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ

سوا چند لوگوں کے ○ فرمایا چلا جا! ان میں سے جنہوں نے تیری پیروی کی تو بے شک جہنم تمہاری سزا ہے

جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ

پوری پوری سزا ○ تو ان میں سے جن کو اپنی آواز کے ساتھ پھسلا سکتا ہے پھسلا دے اور

اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ

ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ چڑھائی کر دے، اور ان کے اموال اور اولاد میں شریک

الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ اِنَّ عِبَادِيْ

ہو جا اور ان سے وعدے کر اور شیطان ان سے جو بھی وعدے کرتا ہے وہ دھوکا ہوتا ہے ○ بے شک میرے (سچے)

لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ

بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہوگا، اور آپ کے لیے آپ کا رب کافی کارساز ہے ○ تمہارا رب وہ ہے جو

يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ

تمہارے لیے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، بے شک وہ تم پر

رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ

بہت رحم فرمانے والا ہے ○ اور سمندر میں جب تم پر کوئی آفت آتی ہے تو جن کی تم عبادت کرتے تھے وہ سب گم ہو جاتے ہیں ماسوا اللہ

فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾

کے، پھر جب وہ تم کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم (اس سے) اعراض کر لیتے ہو، اور انسان بہت ناشکرا ہے ○

أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا

کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی کسی جانب دھنسا دے یا تمہارے اوپر پتھر برسانے

ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾ أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ

پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاؤ ○ یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ (سمندری سفر پر) بھیج دے،

فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا

پھر تم پر تند و تیز ہواؤں کے جھکڑ بھیج دے اور تمہارے کفر کے باعث تم کو غرق کر دے، پھر تم ہمارے خلاف کوئی

لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ

چارہ جوئی کرنے والا نہ پاسکو ○ بے شک ہم نے اولاد آدم کو فضیلت دی اور ان کو خشکی اور سمندر کی

وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا

سواریاں دیں اور ان کو طیب چیزوں سے رزق دیا، اور ان کو ہم نے اپنی مخلوق میں سے بہت

تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾ ع

سوں پر فضیلت دی ہے ○

منزل ۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجئے) جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے کہا کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے ○ اس نے کہا بھلا دیکھ لے جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے، اگر تو نے مجھے روز قیامت تک کی مہلت دی، تو میں اس کی اولاد کو ضرور قابو میں کرلوں گا سوا چند لوگوں کے ○ فرمایا چلا جا! ان میں سے جنہوں نے تیری پیروی کی تو بے شک جہنم تمہاری سزا ہے پوری پوری سزا ○ تو ان میں سے جن کو اپنی آواز کے ساتھ پھسلا سکتا ہے، پھسلا دے، اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ چڑھائی کر دے، اور ان کے اموال اور اولاد میں شریک ہو جا اور ان سے وعدے کر اور شیطان ان سے جو بھی وعدے کرتا ہے وہ دھوکا ہوتا ہے ○ بے شک میرے (سچے) بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہوگا اور آپ کے لیے آپ کا رب کافی کارساز ہے ○ (بنی اسرائیل: ۶۵-۶۱)

ان آیتوں میں جن امور کا ذکر کیا گیا ہے ان کی تفسیر ہم حسب ذیل سورتوں میں بیان کر چکے ہیں:

البقرہ: ۳۷-۳۰، الاعراف: ۲۵-۱۱، الحجر: ۴۴-۲۶۔

ان سورتوں میں جو مضمون بیان فرمایا ہے وہی سورہ بنی اسرائیل کی ان آیات میں بھی بیان فرمایا ہے، البتہ بعض الفاظ مشکل ہیں اور بعض فقرے قابل تشریح ہیں جن کا ہم سطور ذیل میں بیان کر رہے ہیں:

مشکل الفاظ اور مغلق فقروں کی تشریح

آیت: ٦٢ میں ایک لفظ ہے لاحتنکن حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی ہے میں ان پر ضرور غالب آجاؤں گا، مجاہد نے کہا اس کا معنی ہے میں ان پر ضرور حاوی رہوں گا، ابن زید نے کہا اس کا معنی ہے میں ان کو ضرور گمراہ کردوں گا، ان سب کے معنی متقارب ہیں، یعنی میں ان کو بہکا کر اور پھسلا کر جڑ سے اکھاڑ دوں گا، یا ملیامیٹ کردوں گا، ایک قول یہ ہے میں جہاں چاہوں گا ان کو لے جاؤں گا اور ان کو اپنے پیچھے پیچھے چلاؤں گا۔

آیت: ٦٤ میں ایک لفظ ہے: استفزز اس کا معنی ہے ان کو ڈگمگادے اور گرادے اس کا اصل معنی ہے قطع کرنا، جب کپڑا کٹ جائے تو کہتے ہیں، تفزز الثوب اس کا معنی ہے ان کو حق سے منقطع کردے یہ امر تعجیز ہے یعنی تو کسی شخص کو گمراہ کرنے پر قادر نہیں ہوگا، اور کسی شخص پر تیرا تسلط اور اقتدار نہیں تو جو جی میں آئے کر۔

صوتہ: اپنی آواز کے ساتھ، ہر وہ شخص جو کسی کو اللہ کی معصیت کی طرف بلاتا ہے وہ شیطان کی آواز ہے، موسیقی، فحش گانے، ڈش، ٹی۔وی، وی۔سی۔آر اور ریڈیو کے رنگا رنگ پروگرام یہ سب شیطان کی آوازیں ہیں البتہ قرآن مجید اور احادیث کا بیان، دینی معلوماتی پروگرام اور فقہی مسائل کا بیان اور ملکی اور بین الاقوامی خبریں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

واجلب علیھم بخیلک ورجلک: اجلب کا معنی ہے ہانکنے والے کا کھینچنا، خیل کے معنی ہیں سوار اور رجل کے معنی ہیں پیادے۔

اس کا معنی ہے تم اپنے مکر و فریب کے جس قدر حیلے بہانے استعمال کرسکتے ہو کرلو، حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ نے کہا جو سوار اور پیادہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں قتال کرے، وہ ابلیس کے سواروں اور پیادوں میں سے ہے، اور سعید بن جبیر اور مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ جو سوار اور جو پیادہ اللہ کی معصیت میں سواری پر جائے یا پیدل جائے وہ ابلیس کا سوار اور اس کا پیادہ ہے، اور وہ مال جو حرام ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو اور ہر وہ بچہ جو طوائف سے پیدا ہو وہ شیطان کا ہے۔

وشارکھم فی الاموال والاولاد: لوگوں کے مال اور ان کی اولاد میں اپنے آپ کو شریک کرلے یعنی لوگوں کے اموال کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں خرچ کرادے، حسن نے کہا اس سے مراد وہ مال ہے جو لوگ ناجائز ذرائع سے حاصل کریں، اور حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد ہے کفار کا بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو حرام قرار دینا (ان الفاظ کے معنی ہم المائدہ: ١٠٣ میں بیان کرچکے ہیں) قتادہ نے کہا اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو وہ بتوں کے لیے ذبح کرتے تھے، یہ اموال میں شرکت کی تفسیر ہے اور اولاد میں شرکت کا معنی یہ ہے کہ کسی بھی نوعیت سے اولاد میں شیطان کا دخل ہو، مثلاً وہ اولاد الزنا ہو، حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے ان کا اولاد کو قتل کرنا، نیز ان سے روایت ہے اپنی اولاد کا نام عبدالحارث، عبدالعزیٰ، عبداللات اور عبدالشمس رکھنا، ایک قول یہ ہے کہ اپنی اولاد کو کفر میں ڈبو دینا، مثلاً ان کو یہودی اور نصرانی بنادینا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز عاشر ص ٢٦٠۔٢٥٧، ملخصاً وموضحاً، دارالفکر بیروت)

میں کہتا ہوں کہ شیطان کی لوگوں کے اموال میں شرکت کا معنی یہ ہے کہ شیطان کے بہکانے سے لوگ چوری، ڈاکے، لوٹ مار اور بھتوں کے ذریعہ مال بنائیں، رشوت لیں، سرکاری مال خورد برد کریں، سرکاری دفاتر سے تنخواہیں لیں اور کام نہ کریں، بغیر صلاحیت کے اور بغیر میرٹ کے جعلی سندوں اور سفارش سے ملازمت حاصل کریں، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، اور اسمگلنگ کے ذریعہ مال کمائیں، شراب، ہیروئین، افیم اور چرس وغیرہ فروخت کریں، مضر صحت اشیاء بنائیں اور نقلی

دوائیں فروخت کریں، دونمبر مال بنائیں، جعلی کرنسی کا کاروبار کریں، سود لیں، ملکی اور قومی سودوں میں کمیشن کھائیں، ناقص میٹریل لگا کر بلڈنگیں، سڑکیں اور پل بنائیں، کسی بڑے منصوبے کے لیے غیر ممالک سے قرض لیں اور رقم کھا جائیں، قومی ضروریات کے لیے عوام سے پیسے لیں اور ہڑپ کر جائیں۔

اور اولاد میں شرکت کا یہ معنی ہے کہ لوگ شیطان کے ورغلانے سے اپنے بچوں کو دینی تعلیم نہ دیں اور ان کو دینی اقدار نہ سکھائیں، ان کو مشنری اسکولوں میں پڑھائیں، جب بچے کی آنکھ کھلے تو اس کی نظر ڈش کے پروگراموں پر ہو، وہ اپنے گھر سے ہی تمباکو نوشی سیکھ لے اور باہر جا کر ہیروئین کا عادی ہو جائے اس کو نوجوانی میں ہی جوئے اور مار پیٹ کی لت پڑ جائے، مار دھاڑ اور ڈکیتی کی فلمیں دیکھ کر اور جنسی، ہیجان خیز فلمیں دیکھ کر اس کو بھی ان کاموں کا شوق چرائے اگر اس کے ماں باپ مر جائیں تو وہ اس قابل بھی نہ ہو کہ ان کی نماز جنازہ پڑھ سکے، قرآن کی تلاوت کر کے ان کو ثواب پہنچا سکے، قبر پر جا کر ان کے لیے مغفرت کی دعا کر سکے کیونکہ یہ سب تو اس کو ماں باپ نے سکھایا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **تمہارا رب وہ ہے جو سمندر میں تمہارے لیے کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، بے شک وہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہےO** (بنی اسرائیل: ۶۶)

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

ان چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر دلائل ذکر فرمائے ہیں اور اپنی قدرت، اپنی حکمت اور اپنی رحمت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت میں اپنی اس نعمت کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے سمندر کو تمہارے سفر کے لیے مسخر کر دیا تاکہ تم سمندری سفر کے ذریعہ دور دراز علاقوں میں جا سکو اور ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کے لوگوں سے واقف ہوں اور ان کی تہذیب اور تمدن سے آگاہ ہوں اور ان کی ضروریات سے مطلع ہو کر وہاں سامان تجارت لے جائیں اور اس طرح ان کی روزی اور معاش کا بندوبست ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اور سمندر میں جب تم پر کوئی آفت آتی ہے تو جن کی تم عبادت کرتے تھے وہ سب گم ہو جاتے ہیں ماسوا اللہ کے، پھر وہ جب تم کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم (اس سے) اعراض کر لیتے ہو، اور انسان بہت ناشکرا ہےO** (بنی اسرائیل: ۶۷)

یعنی جب سمندری سفر میں تمہیں غرق ہونے کا شدید خطرہ لاحق ہوتا ہے تو اس وقت تم نہ کسی بت سے فریاد کرتے ہو نہ سورج اور چاند سے بلکہ اس حال میں تم صرف اللہ سے فریاد کرتے ہو اور جب اس حالت میں اللہ تعالیٰ تمہیں سمندر میں غرق ہونے سے بچا لیتا ہے اور تم خشکی پر سلامتی سے پہنچ جاتے ہو تو پھر تم اخلاص کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے سے اعراض کرتے ہو اور انسان بہت ناشکرا ہے۔

اس کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے الانعام: ۶۳ اور یونس: ۲۳ میں بیان کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی کسی جانب دھنسا دے یا تمہارے اوپر پتھر برسائے، پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاؤO** (بنی اسرائیل: ۶۸)

خسف اور خسوف کا معنی ہے ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل ہونا، کہا جاتا ہے عین من السماء خاسفة چشمہ کا پانی زمین میں دھنس رہا ہے، یعنی کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ خشکی میں آنے پر تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی اور تم کو خشکی کی کسی جانب زمین میں دھنسا نہیں دیا جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح اس پر قادر ہے کہ تم کو سمندر میں پانی کے اندر

غرق کردے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم کو زمین کے اندر دھنسا دے پھر جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ زمین کے نیچے سے تم کو عذاب میں مبتلا کرے اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ زمین کے اوپر سے تم پر عذاب نازل کرے اور تیز ہوا کے ساتھ تم پر کنکریاں برسائے' اور پھر تم اپنا کوئی مددگار بھی نہ پاسکو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ (سمندری سفر پر) بھیج دے، پھر تم پر تند و تیز ہواؤں کے جھکڑ بھیج دے اور تمہارے کفر کے باعث تم کو غرق کردے، پھر تم ہمارے خلاف کوئی چارہ جوئی کرنے والا نہ پاسکو○ (بنی اسرائیل: ۶۹)

جب ایک بار انسان کو اللہ تعالیٰ کسی مصیبت سے نجات دے دے تو اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور دوبارہ ایسے برے کام نہ کرے جن کی وجہ سے اس پر وہ مصیبت آئی تھی اور اس بات سے بے خوف نہ ہو کہ اب دوبارہ اس پر وہ مصیبت نہیں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اولاد آدم کو فضیلت دی اور ان کو خشکی اور سمندر کی سواریاں دیں اور ان کو طیب چیزوں سے رزق دیا' اور ان کو ہم نے اپنی مخلوق میں سے بہت سوں پر فضیلت دی ہے○ (بنی اسرائیل: ۷۰)

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجوہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیگر مخلوقات پر متعدد وجوہ سے فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اس فضیلت کی تمام وجوہ کا ادراک تو بہت مشکل ہے تاہم مفسرین نے بعض اہم وجوہ ذکر فرمائی ہیں جن کا بیان درج ذیل ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق میں سے صرف انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا' واذقال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ (البقرۃ: ۳۰)

(۲) اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کے پہلے فرد کو فرشتوں سے زیادہ علم عطا فرمایا اور فرشتوں کو سجدہ کرایا (البقرہ: ۳۴-۳۱)

(۳) تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے لفظ کن سے پیدا کیا اور انسان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا' قرآن مجید میں ہے:

قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۔ (ص: ۷۵)

فرمایا اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو مارے تو چہرے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم البر والصلۃ: ۱۱۵ (۲۶۱۲) الرقم المسلسل: ۶۵۳۲)

(۵) اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوق میں سب سے اچھی ہیئت پر پیدا کیا ہے قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ○ (التین: ۴)

بے شک ہم نے انسان کو سب سے اچھی ساخت اور ہیئت پر پیدا کیا ہے۔

(۶) ہر مخلوق کھاتے وقت اپنا سر جھکا کر کھاتی ہے اور اپنے منہ کو کھانے تک لے جاتی ہے اور انسان سر اٹھا کر کھاتا ہے اور کھانے کو اٹھا کر اپنے منہ تک لے جاتا ہے۔

(۷) انسان کو اللہ تعالیٰ نے بلند قامت بنایا ہے وہ سیدھا کھڑا ہوتا ہے جب کہ باقی مخلوق جھک کر چلتی ہے یا زمین پر رینگتی

ہوئی چلتی ہے اور انسان سر اٹھا کر چلتا ہے۔

(۸) تمام مخلوق تین قسم کی قوتوں میں تقسیم ہے: (۱) قوت نشوونما (۲) قوت حواس اور قوت شہوانیہ (۳) قوت عقلیہ حکمیہ۔ نباتات یعنی درختوں، پودوں میں صرف قوت نشوونما ہے، حیوانوں میں صرف قوت حواس اور قوت شہوانیہ ہے اور فرشتوں میں صرف قوت عقلیہ حکمیہ ہے اور انسان میں اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں قوتیں جمع کر دیں، اس میں قوت نشوونما بھی ہے اور قوت حواس اور قوت عقلیہ حکمیہ بھی، لہٰذا انسان تمام مخلوق سے افضل ہے۔

(۹) جانوروں کے جسم میں اگر کوئی درد یا تکلیف ہو تو وہ کسی کو بتا نہیں سکتے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو ادراک اور اظہار کی قوت عطا کی ہے اس لیے وہ اپنا حال بھی بتا سکتا ہے اور دوسروں کا حال بھی بتا سکتا ہے۔

(۱۰) انسان کو اللہ تعالیٰ نے لکھنے اور پڑھنے کی صلاحیت عطا کی ہے وہ علوم و معارف پر مشتمل کتابیں لکھ سکتا ہے اور لکھی ہوئی چیزوں کو پڑھ بھی سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ (العلق: ۵-۱)

اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ۝ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ۝ آپ پڑھیے، آپ کا رب بہت کریم ہے ۝ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا ۝ جس نے انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا ۝

انسان کی یہ فضیلت فرشتوں کے علاوہ باقی مخلوقات کی بہ نسبت ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو عناصر اربعہ سے بنایا ہے اور یہ چاروں عناصر انسان کی خدمت کے لیے مسخر کر دیے ہیں، یہ چار عناصر مٹی، ہوا، پانی اور آگ ہیں، مٹی کو انسان کے لیے فرش بنایا: جعل لکم الارض فراشا (البقرہ: ۲۲) ہوا کو اس لیے بنایا کہ انسان اس سے سانس لے سکے اور انسان کی بوئی ہوئی اناج کی فصلوں میں دانوں کو بھوسے سے الگ کر سکے، اور سمندری سفر میں اس کی بادبانی کشتیوں کو چلانے میں اپنا رول ادا کر سکے اور ہوائیں اس معمورہ سے بدبوؤں کو اڑا کر لے جاتی ہیں۔ اور پانی اس لیے بنایا کہ وہ انسان کے پینے کے کام آئے اور اس کی زراعت اور کھیتی باڑی کے کام آئے اور سمندروں کو مسخر کیا ان سے ہم تازہ ترین مچھلی خوراک کے لیے حاصل کرتے ہیں اور ان سے قیمتی موتی حاصل کرتے ہیں اور کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ سمندری سفر کرتے ہیں، اور اب سمندر سے تیل بھی حاصل کیا جاتا ہے، اور آگ ہمارے کھانوں کو پکانے کے کام آتی ہے اور اسی نوع سے ایندھن کو دوسری قسمیں ہیں، تیل اور گیس وغیرہ جن سے موٹریں، ٹرینیں اور ہوائی جہاز چلائے جاتے ہیں اور اسی نوع سے سورج اور چاند ہیں جن سے ہم روشنی، حرارت اور دیگر توانائیاں حاصل کرتے ہیں اور ان عناصر اربعہ کے مرکبات ہیں مثلاً معدنیات، سونا، چاندی، لوہا، تانبا اور پیتل وغیرہ غرض پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے فوائد اور منافع کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

(۱۲) تمام موجودات میں سب سے اشرف، سب سے اعلیٰ اور سب سے اکبر اللہ تعالیٰ ہے، پھر وہ سب سے اشرف اور اعلیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب انسان ہے، کیونکہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور دماغ میں اس پر ایمان ہے اور اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول ہیں، پس واجب ہوا کہ اس عالم میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب انسان ہے اور اس کو یہ قرب اللہ تعالیٰ کے انعام اور احسان سے حاصل ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک ہم نے انسان کو فضیلت دی۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے انسان کی فضیلت کی وجوہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اور ان کو خشکی اور سمندر کی سواریاں دیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں، خچروں، گدھوں اور اونٹوں کو اس طرح مسخر کر دیا کہ انسان ان پر سواری کر سکے اور ان پر اپنا بوجھ لاد سکے اور سواریوں پر بیٹھ کر سفر کر سکے اور جہاد کر سکے اور کشتیوں اور بحری جہازوں پر بیٹھ کر تجارتی اور جنگی سفر کر سکے۔

(۱۴) نیز اللہ تعالیٰ نے انسان کی فضیلت کی وجوہ میں فرمایا: اور ان کو طیب چیزوں سے رزق دیا، کیونکہ انسان کی خوراک اور غذا یا زمینی پیداوار سے حاصل ہوتی ہے یا حیوانوں کے گوشت سے اور یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دی ہیں۔

(۱۵) آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے اپنی مخلوق میں سے ان کو بہت چیزوں پر فضیلت دی ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن پر انسان کو فضیلت نہیں دی اور وہ فرشتے ہیں، بلکہ فرشتے انسان سے افضل ہیں۔

امام عبدالرحمٰن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں دو قول ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے کہ انسان فرشتوں کے علاوہ تمام مخلوق سے افضل ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ انسان تمام مخلوق سے افضل ہے اور عرب اکثر اور کثیر کو جمع کی جگہ استعمال کرتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝

کیا میں تم کو بتادوں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں ۝ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں ۝ وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں، اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں ۝

(الشعراء: ۲۲۳-۲۲۱)

ظاہر ہے یہاں اکثر کا اطلاق جمع پر کیا گیا ہے یعنی تمام شیاطین جھوٹے ہیں، اسی طرح زیر بحث آیت میں بھی کثیر کا اطلاق تمام مخلوق پر ہے یعنی انسان کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن اللہ عزوجل کے نزدیک ان فرشتوں سے زیادہ مکرم ہے جو اس کے نزدیک ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۴۷، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۵۴)

(زادالمسیر ج ۵ ص ۶۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابن آدم سے زیادہ عزت والی کوئی چیز نہیں ہے، آپ سے پوچھا گیا فرشتے بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا وہ تو سورج اور چاند کی طرح مجبور ہیں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۵۲، ۱۵۳، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۸۲، حافظ ابن حجر نے کہا ہے یہ حدیث بہ سند ضعیف ہے۔ تخریج الکشاف رقم الحدیث: ۶۲۳)

اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام رسل ملائکہ (یعنی حضرت جبرائیل، حضرت اسرافیل، اور حضرت عزرائیل اور حضرت میکائیل) سب سے افضل ہیں، اور رسل ملائکہ عام انسانوں سے افضل ہیں اور عام انسان یعنی نیک مسلمان عام فرشتوں سے افضل ہیں اور کفار اور فساق اور فجار سے عام فرشتے بھی افضل ہیں۔

علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رسل بشر، رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عامۃ البشر سے افضل ہیں اور عامۃ البشر عامۃ الملائکہ سے

افضل ہیں۔

رسل ملائکہ کی عامتہ البشر پر فضیلت بالاجماع ہے بلکہ بالبداہتہ ہے اور رسل بشر کی رسل ملائکہ پر فضیلت اور عامتہ البشر کی عامتہ الملائکہ پر فضیلت حسب ذیل وجوہ سے ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ تعظیم کریں، اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کو سجدہ کرے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا علم ادم الاسماء کلھا الایہ، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی فرشتوں پر فضیلت اور علمی برتری ثابت کی ہے اور وہ علمی برتری کی وجہ سے تعظیم اور تکریم کے مستحق تھے۔

(۳) اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ○ بے شک اللہ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم اور نوح اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو منتخب فرمالیا۔

(آل عمران: ۳۳)

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے اور ملائکہ بھی تمام جہانوں میں داخل ہیں لہٰذا ان پر بھی نبیوں کو فضیلت دی ہے۔

اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور اس مسئلہ میں ظنی دلائل کافی ہیں۔

(۴) انسان میں شہوت اور غضب کے عوارض اور موانع ہیں اور اس کی طبعی حاجات ہیں جو اس کو علمی اور عملی کمالات اور عبادات اور ریاضت سے مانع ہوتی ہیں اور فرشتوں کو نہ بھوک و پیاس ہے نہ شہوت اور غضب کے عوارض ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور عبادت سے انہیں کوئی چیز مانع نہیں ہے تو ان کا موانع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنا اتنا فضیلت کا موجب نہیں ہے جتنا انسان کا ان عوارض اور موانع کے باوجود اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنا باعث کمال ہے۔

معتزلہ کے نزدیک فرشتے، انبیاء سے افضل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے قرآن مجید میں ہے:

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى۔ (النجم: ۵) اسے شدید قوت والے فرشتہ نے تعلیم دی۔

اس سے ظاہر ہوا کہ فرشتہ معلم تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم متعلم تھے اور معلم متعلم سے افضل ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتہ معلم نہیں ہے، معلم اللہ تعالیٰ ہے اور فرشتہ صرف مبلغ ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جب فرشتوں اور انبیاء کا ذکر ہوتو پہلے فرشتوں کا ذکر ہوتا ہے پھر انبیاء کا اور یہ فرشتوں کی نبیوں پر فضیلت کی دلیل ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا ذکر اس لیے ہے کہ وہ پہلے پیدا ہوئے تھے، افضلیت کی وجہ سے ان کا پہلے ذکر نہیں ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۲۵-۱۴۴ مطبوعہ کراچی)

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ

جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے، سو جن لوگوں کو ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ

بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ

میں دیا جائے گا وہ اپنے اعمال ناموں کو پڑھیں گے اور ان پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا ○ اور جو شخص

كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾ وَ

اس دنیا میں اندھا رہے گا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور (صحیح) راستے سے زیادہ بھٹکا ہوا ہوگا ○ اور

إِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا

قریب تھا کہ وہ آپ کو اس چیز سے لغزش دے دیتے جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے تاکہ آپ اس (وحی) کے علاوہ کوئی اور

غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ

بات ہم پر گھڑ دیں اور تب یہ لوگ ضرور آپ کو اپنا دوست بنا لیتے ○ اور اگر (بالفرض) ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ

تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ

آپ ان کی طرف تھوڑا سا مائل ہو جاتے ○ تو اس وقت ہم آپ کو دنیا کی زندگی میں دگنا مزہ چکھاتے اور دگنا مزہ

الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ

موت کے وقت، پھر آپ ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار نہ پاتے ○ اور بے شک قریب تھا کہ وہ

مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا ۖ وَإِذًا لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا

اس زمین سے آپ کے قدم ڈگمگا دیں تاکہ آپ کو اس سے باہر کر دیں، پھر یہ بھی آپ کے بعد بہت کم عرصہ

قَلِيلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا

ٹھیر پاتے ○ آپ سے پہلے جو ہم نے رسول بھیجے تھے ان کے لیے بھی یہی دستور تھا، اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی

ع ۸ تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَ

نہیں پائیں گے ○ آپ سورج ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک نماز قائم کریں، اور فجر کی نماز میں

قُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿٧٨﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ

قرآن پڑھیں، بے شک فجر کی نماز کے قرآن پڑھنے میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں ○ اور رات کے کچھ حصے میں

فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا ﴿٧٩﴾

تہجد کی نماز پڑھیں، جو خصوصاً آپ کے لیے زیادہ ہے عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا ○

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

اور آپ کہیے اے میرے رب! اگر مجھے جہاں بھی داخل کرے مجھے سچائی کے راستہ میں داخل کرنا اور جہاں سے بھی باہر لائے سچائی کے

وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ

راستے سے باہر لانا اور میرے لیے اپنے پاس سے وہ غلبہ عطا فرما جو میرا مددگار ہو ○ اور آپ کہیے حق آ گیا

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ

اور باطل نابود ہو گیا اور بے شک باطل تھا ہی نابود ہونے والا ○ اور ہم قرآن میں

الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ

وہ چیز نازل فرماتے ہیں جو مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے سوا نقصان کے اور کچھ

اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ

زیادتی نہیں ہوتی ○ اور جب ہم انسان کو کوئی انعام دیتے ہیں تو وہ (بجائے شکر کے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے، اور

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ

جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے ○ آپ کہیے کہ ہر شخص اپنے طریقہ اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے، تو تمہارا

اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع

رکوع ۹

مسلمانو! تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ ہدایت والے طریقہ پر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے، سو جن لوگوں کو ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنے اعمال ناموں کو پڑھیں گے، اور ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا (بنی اسرائیل: ۷۱)

قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ پکارا جائے گا امام سے کیا مراد ہے؟

امام کا معنی ہے جس کی لوگ اقتداء کریں خواہ وہ لوگ ہدایت پر ہوں یا گمراہی پر، پس نبی اپنی امت کا امام ہے اور خلیفہ اپنی رعیت کا امام ہے اور قرآن عظیم مسلمانوں کا امام ہے اور مسجد کا امام وہ شخص ہے جو مسلمانوں کو نماز پڑھائے۔

اس آیت میں امام کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ امام سے مراد عام ہے خواہ وہ امام ہدایت ہو یا امام ضلالت۔

(۲) عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس سے مراد ان کے اعمال ہیں۔

(۳) حضرت انس بن مالک نے کہا اس سے مراد ان کے نبی ہیں۔

(۴) عکرمہ نے کہا اس سے مراد ان کی کتاب ہے۔

پہلے قول کی بناء پر کہا جائے گا: اے موسیٰ کے متبعین! اے عیسیٰ کے متبعین! اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین اور کہا جائے گا اے گمراہوں کے متبعین! اور دوسرے قول کی بناء پر کہا جائے گا: اے وہ لوگو! جنہوں نے فلاں فلاں کام کیے، اور تیسرے قول کی بناء پر کہا جائے گا: اے امت موسیٰ! اے امت عیسیٰ! اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور چوتھے قول کی بناء پر کہا جائے گا: اے اہل التوراۃ! اے اہل الانجیل! اے اہل القرآن۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۶۵-۶۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

(۵) اس سے مراد ہر شخص کا اعمال نامہ ہے، اس کی تائید میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور اس کا جسم ساٹھ ہاتھ کا کر دیا جائے گا اور اس کا چہرہ سفید کر دیا جائے گا اور اس کے سر پر چمکتے ہوئے موتیوں کا تاج پہنایا جائے گا وہ اپنے اصحاب کے پاس جائے گا وہ اس کو دور سے دیکھ کر کہیں گے، اے اللہ! ہم کو بھی ایسا کر دے! اور ہم کو اس میں برکت دے، حتیٰ کہ وہ شخص ان کے پاس پہنچ کر کہے گا خوش خبری لو، تم میں سے ہر شخص کو یہ درجہ ملے گا! اور رہا کافر تو اس کا چہرہ سیاہ کر دیا جائے گا اور اس کا جسم حضرت آدم کی صورت کے مطابق ساٹھ ہاتھ کا کر دیا جائے گا اور اس کو (ذلت کا) ایک تاج پہنایا جائے گا اور اس کے اصحاب اس کو دور سے دیکھ کر کہیں گے، ہم اس کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، اے اللہ اس کو ہمارے پاس نہ لا تا جب وہ ان کے پاس آئے گا تو وہ کہیں گے اے اللہ! اس کو ذلیل کر وہ کہے گا اللہ تم کو دور کر دے تم میں سے ہر شخص کو یہ درجہ ملے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۴۹، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۱۴۴، المستدرک ج ۲ ص ۲۴۲، حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۵)

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی نے مزید چند اقوال ذکر کیا ہے:

(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے ہر زمانہ کا امام مراد ہے، ہر شخص کو اپنے زمانہ کے امام کے ساتھ پکارا جائے گا اور اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے ساتھ، پس کہا جائے گا: آؤ اے ابراہیم کے متبعین، آؤ اے موسیٰ کے متبعین، آؤ اے عیسیٰ کے متبعین، آؤ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین، پس اہل حق اپنے اعمال نامے اپنے دائیں ہاتھوں میں لے کر کھڑے ہوں گے اور کہا جائے گا: اے شیطان کے متبعین آؤ، اے گمراہوں کے متبعین، امام ہدایت اور امام ضلالت۔

(اس حدیث کا کتب معتمدہ میں کوئی نام نشان نہیں ہے۔)

(۷) ابو عبیدہ نے کہا امام سے مراد ائمہ مذاہب ہیں، لوگوں کو اس امام کے ساتھ پکارا جائے گا جس کے مذہب کی وہ دنیا میں پیروی کرتے تھے، کہا جائے گا اے حنفی! اے شافعی! اے معتزلی! اے قدری، وغیرہ وغیرہ۔

(۸) ابو سہیل نے کہا یہ کہا جائے گا روزہ دار کہاں ہیں، نمازی کہاں ہیں، دف بجانے والے کہاں ہیں، چغل خور کہاں ہیں۔

(۹) حضرت ابو ہریرہ نے کہا اہل الصدقہ کو صدقہ کے باب سے پکارا جائے گا اور اہل جہاد کو باب جہاد سے۔

(۱۰) محمد بن کعب نے کہا: امامھم کا معنی ہے بامھاتہم اور امام ام کی جمع ہے، یعنی لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام کے ساتھ بلایا جائے گا اور اس کی تین حکمتیں ہیں (ا) حضرت عیسیٰ کی وجہ سے (ب) حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے شرف کو ظاہر کرنے کے لیے (ج) اولاد الزنا کو رسوائی سے بچانے کے لیے۔

یہ قول اس حدیث صریح کے خلاف ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قیامت کے دن اپنے ناموں اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے تو اپنے اچھے نام رکھو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۴۸، امام ابوداؤد نے کہا یہ حدیث مرسل ہے)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا اور ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا پھر کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۵)

یہ پوری بحث تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۹۵ میں مذکور ہے۔

امام کی تفسیر میں صحیح محمل

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ان تمام اقوال میں ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ امام سے مراد ہے جس کی لوگ دنیا میں اقتداء کرتے تھے اور جس کی پیروی کرتے تھے کیونکہ عربی میں امام کا غالب استعمال اسی کے لیے ہوتا ہے جس کی اقتداء اور پیروی کی جائے اور جو لفظ جس معنی میں زیادہ مشہور ہو کلام اللہ کی توجیہ اسی کے مطابق کرنی چاہیے۔

(جامع البیان جز ۱۵ ص ۱۵۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مصنف کے نزدیک امام کی وہی تفسیر صحیح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے امام سے مراد اعمال نامہ ہے، جس کو ہم نے سنن ترمذی کے حوالے سے بیان کر دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے بعد کسی قول کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص اس دنیا میں اندھا رہے گا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور (صحیح) راستے سے زیادہ بھٹکا ہوا ہوگا○ (بنی اسرائیل: ۷۲)

کافروں کا دنیا اور آخرت میں اندھا ہونا

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تمام اشیاء کو پیدا کیا ہے جو شخص دنیا میں اس کی معرفت سے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے اوصاف سے اندھا رہے گا۔

(۲) حسن نے کہا جو شخص دنیا میں اپنے کفر سے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا کیونکہ دنیا میں اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے آخرت میں اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔

(۳) جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی آیات سے اندھا رہا تو آخرت کی نشانیاں جو اس سے غیب ہیں وہ ان سے زیادہ اندھا ہوگا۔

(۴) ابن الانباری نے کہا جو شخص اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے دنیا میں اندھا رہا جن کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے تمہارا رب وہ ہے جو سمندر میں کشتیوں کو چلاتا ہے وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے زیادہ اندھا ہو گا۔

(۵) ابو بکر وراق نے کہا جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حجت میں اندھا رہا وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی جنت سے اندھا رہے گا۔

(۶) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اللہ تعالیٰ نے ولقد کرمنا بنی آدم الایہ میں اپنی جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو انسان ان نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کے حق کی معرفت میں اندھا رہا اور اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا تو وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے تقرب سے اندھا رہے گا۔

(۷) ابو علی فارسی نے کہا آخرت میں زیادہ اندھے ہونے کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں اس کے اندھے پن سے نکلنے کی ایک راہ تھی کہ وہ دلائل سے غور و فکر کر کے حق کو قبول کر لیتا اور آخرت میں اس کے اندھے پن سے نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۸) آخرت میں اندھے پن سے نہ نکلنے کا معنی یہ ہے کہ آخرت میں ثواب کے حصول اور عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

(۹) ابن الانباری نے کہا آخرت میں اس کا اندھا پن اس لیے زیادہ ہو گا کہ دنیا میں اس کی گمراہی دن بہ دن بڑھتی گئی اور آخرت میں وہ ان تمام گمراہیوں کا مجموعہ اور مجسمہ ہو گا۔

(۱۰) جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اندھا رہا وہ آخرت میں جنت کے راستے سے اندھا رہے گا۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۶۶-۶۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

(۱۱) جو شخص دنیا میں بصیرت سے اندھا ہو گا وہ آخرت میں بصارت سے اندھا ہو گا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ○ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ○ (طٰہٰ: ۱۲۶-۱۲۴)

جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں گزرے گی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے ○ وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دیکھنے والا تھا ○ فرمایا اسی طرح ہونا چاہیے تھا تیرے پاس میری آیات آئیں تھیں تو نے ان کو بھلا دیا سو اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیا جائے گا ○

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۹۷)

ہم قیامت کے دن ان کو منہ کے بل اٹھائیں گے، وہ اس وقت اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، جب بھی وہ آگ بجھنے لگے گی ہم اس کو بھڑکا دیں گے ○

سو آخرت میں کافروں کا اندھا ہونا ان کی سزا میں بطور زیادتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قریب تھا کہ وہ آپ کو اس چیز سے لغزش دے دیتے جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے تاکہ آپ اس (وحی) کے علاوہ کوئی اور بات ہم پر گھڑ دیں اور تب یہ لوگ ضرور آپ کو اپنا دوست بنا لیتے ○ اور اگر (بالفرض) ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا سا مائل ہو جاتے ○ تو اس وقت ہم آپ کو دنیا

کی زندگی میں دگنا مزہ چکھاتے اور دگنا مزہ موت کے وقت، پھر آپ ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار نہ پاتے O
(بنی اسرائیل: ۷۵-۷۳)

کفار کی فرمائشوں کے متعلق اقوال

ان آیات کے شان نزول میں حسب ذیل روایات ہیں:

(۱) عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا: ہمیں ایک سال تک لات کی عبادت کرنے دیں اور ہماری وادی کو بھی اسی طرح حرم بنادیں جس طرح مکہ حرم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا تو انہوں نے اپنے سوال پر بہت اصرار کیا اور کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ عرب والوں کو ہماری فضیلت کا علم ہو جائے، اگر آپ کو یہ خطرہ ہو کہ عرب کہیں گے کہ آپ نے ان کو وہ چیز دے دی جو ہمیں نہیں دی، تو آپ یہ کہیں کہ مجھے اللہ نے یہ حکم دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور ان کے دلوں میں طمع آگئی۔

(۲) عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا ہمیں ایک سال کی مہلت دے دیں، پھر ہم اسلام لے آئیں گے اور اپنے بتوں کو توڑ دیں گے سو آپ کو انہیں مہلت دینے کا خیال آیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) قتادہ نے کہا ایک رات قریش نے خلوت میں آپ سے ملاقات کی صبح تک آپ سے باتیں کرتے رہے اور آپ کی بہت تعظیم و تکریم کرتے رہے، قریب تھا کہ آپ بعض چیزوں میں ان کی موافقت کر لیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

(۴) زجاج نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ان غلاموں اور پس ماندہ طبقوں کے لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے، ان سے بھیڑ بکریوں کی بو آتی ہے، تاکہ ہم آپ کے پاس بیٹھ سکیں اور آپ کی باتیں سن سکیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آیا کہ ان کی بات مان لی جائے ہو سکتا ہے اس سے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔
(زاد المسیر ج ۵ ص ۶۸-۶۷ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت قدم رکھنے کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر (بالفرض) ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا سا مائل ہو جاتے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت اس موقع کی ہے جب آپ نے ان کی باتوں کے جواب میں سکوت فرمایا، اور اللہ تعالیٰ آپ کی نیت کو خوب جاننے والا ہے۔

ابن الانباری نے کہا ظاہر میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور باطن میں مشرکین کا فعل ہے اور اصل میں معنی اس طرح ہے کہ قریب تھا کہ وہ آپ کو اپنی طرف مائل کر لیتے، اور آپ کی طرف اپنی خواہشوں کو منسوب کر دیتے جن کو آپ ناپسند کرتے تھے، اور جب التباس اور اشتباہ کا خطرہ نہ ہو تو فعل کو فاعل کے غیر کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے لگتا ہے آج تو اپنے آپ کو قتل کر دے گا اور اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے، لگتا ہے آج تو ایسا کام کرے گا جس کی وجہ سے تیرا دشمن تجھے قتل کر دے گا۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۶۸ مطبوعہ بیروت)

القشیری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی موافقت کرنے کا بالکل خیال نہ تھا اور اس آیت کا معنی یہ ہے

کہ اگر بالفرض آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو آپ ان کی موافقت کی طرف میلان کر لیتے، لیکن اللہ کا فضل آپ کے شامل حال رہا اور آپ نے ایسا بالکل نہیں کیا؛ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں لیکن اس آیت میں امت کے لیے یہ تعریض ہے اور ان کو یہ بتانا ہے کہ ان میں سے کوئی شخص مشرکین کے احکام کی طرف ہرگز مائل نہ ہو، پس نسبت آپ کی طرف ہے اور مراد آپ کی امت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۲۶۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

آپ کو دگنا مزہ چکھانے کی توجیہات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اس وقت ہم آپ کو دنیا کی زندگی میں دگنا مزہ چکھاتے اور دگنا مزہ موت کے وقت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں لیکن اس آیت میں تعریض ہے اور آپ کی امت کو ڈرایا گیا ہے تاکہ مومنین میں سے کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی شرائع میں کسی مشرک کی طرف مائل نہ ہو۔ (زاد المسیر ج ۷ ص ۶۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر بہ فرض محال آپ کفار کی خواہشوں کو مان لیتے اور ان کی طرف مائل ہونے کا ارادہ کر لیتے اور اس اقدام کی وجہ سے آپ اس عذاب سے دگنے عذاب کے مستحق ہوتے جو کسی مشرک کو دنیا کی زندگی میں اور آخرت کی زندگی میں دیا جاتا ہے؛ اور اس عذاب کو دگنا کرنے کا سبب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ نعمتیں عطا فرماتا ہے تو ان کے گناہ بھی بہت بڑے ہوں گے؛ اور ان گناہوں کی سزا بھی بہت بڑی ہوگی۔ اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات کو خطاب کر کے فرماتا ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ — اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے گی اسے دہرا دہرا عذاب دیا جائے گا۔

(الاحزاب: ۳۰)

منکرین عصمت انبیاء کے اعتراضات اور ان کے جوابات

ان آیتوں کی وجہ سے منکرین عصمت انبیاء علیہم السلام نے متعدد اعتراضات کیے ہیں ہم ان کے اعتراضات کو مع جوابات کے پیش کر رہے ہیں:

(۱) آیت: ۷۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے کے قریب تھے اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ میں مبتلا ہونے کے قریب تھے، عصمت کے خلاف تب ہوتا جب آپ فتنہ میں مبتلا ہو جاتے۔

(۲) آیت: ۷۴ کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ثابت قدم نہ رکھتا اور آپ کی حفاظت نہ کرتا تو آپ مشرکین کے دین اور مذہب کی طرف مائل ہو جاتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عربی میں لولا کا معنی اس طرح ہوتا ہے کہ ایک چیز کی نفی کی بناء پر دوسری چیز کا ثبوت ہو، جیسے اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے، عمر ہلاک نہیں ہوئے اس لیے کہ علی موجود تھے، اسی طرح اس آیت میں ہے اگر اللہ آپ کو ثابت قدم نہ رکھتا تو آپ ان کی طرف کچھ مائل ہو جاتے اور چونکہ اللہ نے آپ کو ثابت قدم رکھا اس لیے آپ ان کی طرف کچھ بھی مائل نہیں ہوئے۔

(۳) آیت: ۷۵ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑے عذاب کی وعید سنائی ہے' اور اگر پہلے کوئی جرم نہ ہو تو عذاب کی وعید سنانا مناسب نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معصیت سے ڈرانا اور دھمکانا معصیت کے اقدام کو مستلزم نہیں ہوتا جیسا کہ حسب ذیل آیات میں ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ (الحاقہ: ۴۶-۴۴)

اور اگر (بفرض محال) یہ ہم پر کوئی بات گھڑ لیتے ۝ تو ہم یقیناً ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے ۝ پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے ۝

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: ۶۵)

اگر (بفرض محال) آپ نے شرک کیا تو آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (الاحزاب: ۴۸)

اور آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں۔

اللہ کی مدد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان آزمائشوں میں کامیابی

ان آیتوں میں ان مصائب اور آزمائشوں کی طرف اشارہ ہے جو کئی برسوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آ رہے تھے' مشرکین مکہ سر توڑ کوشش کر رہے تھے کہ آپ کو دین اسلام کی دعوت سے باز رکھیں اور کسی نہ کسی طرح آپ کے استقلال اور عزم و ہمت میں کچھ لچک اور نرمی پیدا کریں' اور اگر آپ بالکل ان کے ہم نوا نہ ہوں تو کم از کم اتنا ہو جائے کہ آپ ان کے باطل خداؤں کی مذمت نہ کریں' اس مقصد کے لیے انہوں نے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے' آپ کو سیم و زر کے لالچ بھی دیے' عرب کی خوبصورت دوشیزاؤں کی پیش کش بھی کی' دھمکیاں بھی دیں' معاشی دباؤ بھی ڈالا' تین سال تک شعب ابو طالب میں محصور کر دیا اور باہر سے غلہ پہنچنے پر پابندی لگا دی' آپ اور آپ کے اصحاب پر ظلم و ستم کی انتہاء کر دی اور آپ کے ساتھ وہ سب کچھ کر ڈالا جو آپ کے عزم اور حوصلہ کو پست کرنے کے لیے کیا جا سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام امتحانوں میں آپ کو کامیاب اور سرخرو رکھا مشرکین طرح طرح کی ترغیبات سے آپ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدم رکھا۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ کوئی انسان خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ صرف اپنی ذاتی طاقت کے بل بوتے پر باطل کی قوتوں سے مقابلہ نہیں کر سکتا' جب تک اللہ کی مدد اور اس کی توفیق شامل حال نہ ہو انسان کسی امتحان اور کسی آزمائش میں کامیاب نہیں ہو سکتا' یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا پختہ حوصلہ اور عزم و استقلال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باطل کے ان تمام طوفانوں کے سامنے حق و صداقت کے مسلک پر پہاڑ کی طرح جمے رہے اور کوئی بڑی سے بڑی آزمائش کا سیلاب بھی آپ کو اپنی جگہ سے سر مو ہٹا نہیں سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک قریب تھا کہ وہ اس زمین سے آپ کے قدم ڈگمگا دیں' تاکہ آپ کو اس سے باہر کر دیں' پھر یہ بھی آپ کے بعد بہت کم عرصہ ٹھہر پاتے ۝ آپ سے پہلے جو ہم نے رسول بھیجے تھے' ان کے لیے بھی یہی دستور تھا اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے ۝ (بنی اسرائیل: ۷۷-۷۶)

فتح مکہ سے قرآن مجید کی پیش گوئی کا پورا ہونا

آیت: ۷۶ کی تفسیر میں دو قول ہیں قتادہ نے کہا یہ اہل مکہ تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنے کا ارادہ

کیا اور اگر وہ ایسا کرتے تو پھر ان کو مہلت نہ دی جاتی یعنی وہ بھی مکہ میں نہ رہ سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو نکالنے سے روک دیا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو مکہ سے نکلنے کا حکم دیا۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے جانے کے بعد یہ بہت کم عرصہ مکہ میں رہ سکے، حتیٰ کہ جنگ بدر میں کافی مشرکین مارے گئے اور کافی قید ہو گئے پھر آٹھ سال بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کر لیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا پھر یہ بھی بہت کم عرصہ مکہ میں ٹھہرپاتے، شروع میں تو یہ صرف ایک دھمکی معلوم ہوتی تھی، مگر تقریباً نو سال کے عرصہ کے بعد یہ پیش گوئی حرف بہ حرف صادق ہو گئی، اس سورت کے نازل ہونے کے ایک سال بعد ہی مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا اور اس کے آٹھ سال بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور پھر دو سال بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جزیرہ عرب میں کوئی مشرک اور بت پرست نہیں رہے گا اور سرزمین حجاز مشرکین کے وجود سے پاک کر دی گئی اور اب تک حرم کی حدود میں کوئی مشرک داخل نہیں ہو سکتا، مشرکین نے مکہ مکرمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گوارہ نہ کیا تھا لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد آپ اور آپ کے پیروکار مکہ معظمہ پر قابض ہو گئے اور مشرکین کو قیامت تک کے لیے مکہ مکرمہ سے نکال دیا گیا اور یوں قرآن مجید کی یہ پیش گوئی نہایت آب و تاب سے پوری ہو گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا اللہ تعالیٰ کے دستور کے موافق ہونا

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، تو یہود نے آپ سے حسد کیا اور انہیں آپ کا قرب ناگوار ہوا، انہوں نے آپ سے کہا اے! ابوالقاسم! انبیاء علیہم السلام تو صرف شام میں بھیجے گئے تھے اور وہی مقدس سرزمین ہے اور وہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مسکن ہے، اگر آپ شام چلے گئے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی پیروی کریں گے، اور ہمیں معلوم ہے کہ ملک شام جانے سے آپ کو صرف رومیوں کا خوف مانع ہے، اگر آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی رومیوں سے حفاظت کرے گا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے چند میل دور تک روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ گئے اور آپ کے اصحاب بھی وہاں جمع ہو گئے اور لوگوں نے دیکھا کہ آپ نے شام کی طرف جانے کا عزم کر لیا ہے کیونکہ آپ اس پر حریص تھے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جائیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ واپس مدینہ لوٹ آئے۔

پہلے قول کی تقدیر پر یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور دوسرے قول کی تقدیر پر یہ آیت مدنی ہے اور پہلا قول راجح ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔ اس آیت کے مکی ہونے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: اور بے شک قریب تھا کہ وہ اس زمین سے آپ کے قدم ڈگمگا دیں تاکہ آپ کو اس سے نکال باہر کر دیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ نے آپ کو مکہ سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے اور ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ کو مکہ سے باہر نکال دیا تھا:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ (محمد: ۱۳)

کتنی ہی ان بستیوں کو جو آپ کی اس بستی سے زیادہ طاقت ور تھیں جس نے آپ کو نکال باہر کیا تھا، ہم نے ان بستی والوں کو ہلاک کر دیا، اور ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔

سورہ بنی اسرائیل کی زیر تفسیر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین آپ کو مکہ سے نہیں نکال سکتے تھے، اور سورہ محمد کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ کو مکہ سے نکال دیا تھا اور یہ واضح تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے نکالنے کی وجہ سے مکہ سے نہیں نکلے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیا تھا آپ اس حکم کی تعمیل میں مکہ سے باہر آئے، اور سورہ محمد میں جو فرمایا ہے اس بستی نے یا اس بستی والوں نے آپ کو نکال دیا یہ اسناد ظاہری اور صوری اعتبار سے ہے، کیونکہ بظاہر مکہ کے مشرکین نے آپ کو نکالا تھا اور حقیقتاً آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ سے باہر آئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ یہی سنت رہی ہے کہ نبی کے وطن میں اس کے مخالفین اس کو وطن سے ہجرت پر مجبور کر دیتے ہیں، پھر کچھ عرصہ بعد نبی فاتحانہ شان سے وطن لوٹتا ہے اور اس کے مخالفین کو شکست فاش ہو جاتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی اور پھر مصر واپس آئے اور آپ کے دشمن فرعون اور قبطیوں کو شکست فاش ہوئی، اسی طرح آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ ہجرت کی اور پھر فاتحانہ شان سے مکہ واپس آئے اور قیامت تک کے لیے مشرکین کا مکہ میں ٹھہرنا ممنوع ہو گیا۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے کہ جس قوم نے اپنے نبیوں کو قتل یا جلاوطن کیا، پھر وہ قوم اپنے وطن میں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکی، پھر یا تو وہ عذاب الٰہی میں ہلاک کر دی گئی جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم، یا اس کی دشمن قوم کو اس پر مسلط کر دیا گیا جیسے بنی اسرائیل یا اس قوم کو خود اس نبی یا اس کے پیروکاروں نے مغلوب کر دیا جیسے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو مغلوب کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ سورج ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک نماز قائم کریں اور فجر کی نماز قائم کریں، بے شک فجر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں ○ اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھیں، جو خصوصاً آپ کے لیے زیادہ ہے، عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا ○ (بنی اسرائیل: ۷۹-۷۸)

دلوک کا معنی

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ دلوک کا معنی ہے سورج کا غروب کی طرف مائل ہونا، دلوک کا لفظ دلک سے بنا ہے اس کا معنی ہے ہتھیلیوں کو ملنا، جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے تو لوگ ہتھیلیوں کو ماتھے پر رکھ کر سورج کی طرف دیکھتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۲۹-۲۲۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

ابو عبیدہ نے کہا آفتاب کے نصف النہار سے زوال سے لے کر غروب کی طرف میلان تک کو دلوک کہتے ہیں، زجاج نے کہا نصف النہار سے میلان بھی دلوک ہے، اور غروب کی طرف میلان بھی دلوک ہے، الازہری نے کہا کلام عرب میں دلوک کا معنی زوال ہے، اسی لیے جب سورج نصف النہار سے زائل ہو اس کو بھی دلوک کہتے ہیں اور جب وہ افق سے زائل ہونے لگے اس کو بھی دلوک کہتے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۷۲-۷۱)

پانچ نمازوں کی فرضیت

دلوک کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں، حضرت ابن مسعود نے کہا اس سے مراد غروب آفتاب ہے، حضرت ابن عباس کا ایک قول بھی اسی طرح ہے، فراء اور ابن قتیبہ کا بھی یہی قول ہے، مگر اس کے دلائل قوی نہیں ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ دلوک سے مراد سورج کا نصف النہار سے زائل ہونا ہے، یہ حضرت ابن عمر، حضرت ابو برزہ، حضرت ابو ہریرہ اور حسن، شعبی، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، مجاہد، عطاء، عبید بن عمیر، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور الازہری کا قول

ہے۔
اس قول کی دلیل یہ ہے:
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے منتخب کردہ اصحاب کی دعوت کی پھر سورج کے نصف النہار سے زوال کے وقت وہ باہر آئے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی باہر آئے اور فرمایا اے ابوبکر باہر آؤ اور وہ دلوک شمس کا وقت تھا۔
حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل علیہ السلام دلوک شمس کے وقت آئے، جب سورج نصف النہار سے زائل ہو چکا تھا اور مجھے ظہر کی نماز پڑھائی۔
حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سورج نصف النہار سے زائل ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی اور یہ آیت تلاوت فرمائی: اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس۔
(جامع البیان جز ۱۵ص ۱۷۱۔۱۷۲، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ کی طرف مکتوب لکھا کہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج نصف النہار سے زائل ہو جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج صاف اور سفید ہو جائے اور پیلا نہ پڑا ہو، اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج غروب ہو جائے اور عشاء کو اس وقت تک موخر کرو جب تک کہ تم کو نیند نہ آئی ہو۔ اور صبح کی نماز اس وقت پڑھو جب ستارے ظاہر ہوں اور ان کا جال بنا ہوا ہو۔
(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۷، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۴۲۰ھ)
الازہری نے کہا جب دلوک شمس سے مراد زوال شمس سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت ہوگا تو اس میں ظہر اور عصر داخل ہوگی، اس کے بعد فرمایا رات کے اندھیرے تک اس میں مغرب اور عشاء داخل ہیں پھر فرمایا وقرآن الفجر اس میں فجر کی نماز آگئی، اس طرح یہ آیت پانچوں نمازوں کو شامل ہوگئی۔ (زادالمسیر ج ۵ص ۷۲)

اوقات نماز کے متعلق احادیث اور مذاہب

غسق اللیل کا معنی ہے رات کی سیاہی اور اس کا اندھیرا اور جب رات کی سیاہی اور اندھیرا چھا جائے تو پھر عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اب ہم ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں کے مستحب اوقات احادیث کی روشنی میں ذکر کر رہے ہیں:
اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب آفتاب نصف النہار سے زائل ہو جائے تو ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور جب تک اصلی سایہ نکل کر ہر چیز کا سایہ ایک مثل تک رہے اس وقت تک ظہر کا وقت رہتا ہے، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا یہی نظریہ ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو مثل سائے تک ظہر کا وقت ہے، ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ حدیث ہے:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بیت اللہ کے پاس جبرئیل نے دو دن نماز پڑھائی پہلے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب زوال کا سایہ تسمہ کے برابر تھا پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا پھر مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج غروب ہو گیا اور جب روزہ دار روزہ افطار کر لیتا ہے، پھر آپ نے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہو جاتی ہے (غروب آفتاب کے بعد کچھ دیر تک سفیدی رہتی ہے اس کو شفق کہتے ہیں) پھر صبح کی نماز اس وقت پڑھی جب فجر روشن ہو گئی اور جب روزہ دار کے لیے سحری کا وقت

ختم ہو جاتا ہے' اور آپ نے دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا تھا جس وقت پہلے دن عصر کی نماز پڑھی تھی اور دوسرے دن عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا تھا' پھر مغرب اپنے اول وقت میں پڑھی اور عشاء اس وقت پڑھی جب تہائی رات گزر گئی اور دوسرے دن صبح اس وقت پڑھی جب سفیدی پھیل گئی' پھر جبریل نے میری طرف التفات کر کے کہا یا محمد! یہ آپ سے پہلے نبیوں کی نمازوں کا وقت ہے اور نماز کا وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۹' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۲۰۲۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۳۱۷' مسند احمد ج۱ص۳۳۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۹۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۲۷۵۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۰۷۵۲' المستدرک ج۱ص۱۹۳' سنن کبریٰ ج۱ص۳۶۵' شرح السنۃ رقم الحدیث:۳۴۸)

امام ابوحنیفہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ امامت جبریل کی یہ حدیث بخاری اور مسلم میں بھی ہے۔ لیکن اس میں ایک مثل سائے کے وقت عصر پڑھنے کا ذکر نہیں ہے یہ الفاظ صرف ترمذی' ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہیں' اور بخاری اور مسلم کی روایت ان کی روایت پر مقدم ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ دوسرے دن ایک مثل سایہ ہونے کے بعد اس وقت ظہر پڑھی جس وقت پہلے دن عصر پڑھی تھی اس لیے یہ حدیث ان احادیث سے منسوخ ہے جن میں ذکر ہے کہ عصر کا وقت ظہر کے بعد شروع ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وقت الظھر مالم یحضر العصر ظہر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک عصر کا وقت شروع نہ ہو۔ (صحیح مسلم باب اوقات الصلوات الخمس:۲۷۶' ۱۴۰۶)

نیز قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝ (النساء: ۱۰۳) — بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے۔

یعنی ہر نماز کا الگ الگ وقت ہے اور ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں نہیں پڑھی جا سکتی سو یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے اس لیے لائق استدلال نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' موذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا' آپ نے فرمایا ٹھنڈا وقت ہونے دو' اس نے پھر اذان دینے کا ارادہ کیا' آپ نے فرمایا ٹھنڈا وقت ہونے دو' اس نے تیسری بار اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا ٹھنڈا وقت ہونے دو حتیٰ کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا' اور آپ نے فرمایا گرمی کی شدت جہنم کے سانس سے ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۱' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۵۸' مسند احمد رقم الحدیث:۲۱۴۲۵)

یہ حدیث دو وجہوں سے امام اعظم کے مسلک پر دلالت کرتی ہے اولاً یہ کہ آپ نے ایک مثل سائے کے بعد اذان دینے کی اجازت دی' اور نماز بہرحال اس کے کچھ دیر بعد پڑھی اس سے ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل سائے کے بعد بھی رہتا ہے' ثانیاً اس وجہ سے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی کی شدت ایک مثل سائے کے بعد کم ہوتی ہے اور متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

دوسری حدیث یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زوال آفتاب کے بعد انسان کا سایہ اس کے طول کے برابر ہو جائے تو ظہر کا وقت ہوتا ہے جب تک عصر کا وقت نہ آجائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۲ (۶۱۲) ۱۳۶۰)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ ایک مثل سائے کے بعد ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔

اور تیسری حدیث یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، پہلی امتوں کی بہ نسبت تمہارا زمانہ عصر سے غروب آفتاب تک ہے، اہل تورات کو تورات دی گئی اور وہ ظہر تک عمل کرنے کے بعد تھک گئے انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی انہوں نے عصر تک عمل کیا، پھر تھک گئے انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر ہمیں قرآن دیا گیا اور ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا ہم کو دو دو قیراط دیئے گئے، تو تورات اور انجیل والوں نے اعتراض کیا: اے اللہ! تو نے ان کو دو دو قیراط دیئے اور ہم کو ایک ایک قیراط دیا، حالانکہ ہم نے ان سے زیادہ کام کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمہاری اجرت سے کچھ کم کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، فرمایا یہ میرا فضل ہے جسے چاہے زیادہ عطا کروں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۴۵۰۸، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۵۶۵)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اہل انجیل جنہوں نے ظہر سے عصر تک کام کیا تھا ان کے کام کا وقت مسلمانوں کے کام کے وقت کی بہ نسبت زیادہ تھا کیونکہ مسلمانوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا تھا؟ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب ظہر کا وقت دو مثل سائے تک ہو، تب ظہر کا وقت عصر سے زیادہ ہو گا اور اگر ظہر کا وقت ایک مثل سائے تک ہو تو عصر کا وقت ظہر کے برابر یا زیادہ ہو جائے گا۔

عصر کا وقت بھی اسی اختلاف پر متفرع ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل سائے سے شروع ہو گا اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو مثل سائے سے شروع ہو گا۔

اور مغرب کا وقت سب کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد شروع ہو گا اور شفق کی سفیدی غائب ہونے تک رہے گا جب بالکل اندھیرا پھیل جائے اور یہ وقت ہر موسم میں ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ تک رہتا ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد افق پر دکھائی دیتی ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سرخی کے غائب ہونے کے بعد سفیدی چھا جاتی ہے اور شفق سے مراد یہ سفیدی ہے اور جب یہ سفیدی بھی غائب ہو جائے اور بالکل اندھیرا چھا جائے تو پھر عشاء کا وقت ہوتا ہے۔

عشاء کے وقت کی ابتداء اسی اختلاف پر مبنی ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سرخی غائب ہونے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد سرخی ظاہر ہوتی ہے اور اس کے بعد سفیدی پھیلتی ہے اور اس کے غائب ہونے کے بعد عشاء کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے، اور عشاء کا مستحب وقت آدھی رات تک ہے اور عشاء پڑھنے کا جواز طلوع فجر تک ہے۔

فجر کی نماز کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب فجر صادق طلوع ہوتی ہے اور سحری کھانے کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور

طلوع آفتاب تک فجر کی نماز کا وقت رہتا ہے، جبریل نے دوسرے دن آپ کو اس وقت نماز پڑھائی تھی جب خوب سفیدی پھیل گئی تھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسی وقت فجر کی نماز پڑھنا مستحب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اول وقت میں صبح کی نماز پڑھنا مستحب ہے، امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ صبح کی نماز کو سفیدی میں پڑھو اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۴، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۴۰۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۱، مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۵، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۲۲۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۷۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۴۸۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۲۸۵)

اس آیت میں فرمایا ہے آپ فجر کی نماز پڑھیں بے شک فجر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس رات کے اور دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں اور فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں، پھر رات کے فرشتے اللہ کے پاس پہنچتے ہیں، اللہ ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ اللہ کو ان کا خوب علم ہوتا ہے، فرماتا ہے تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا، فرشتے کہتے ہیں ہم ان کو نماز پڑھتا ہوا چھوڑ کر آئے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے وہ اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۸۷-۴۸۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۶۰)

تہجد کا معنی

آیت: ۷۹ میں فرمایا ہے اور آپ رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھیں۔

ابن قتیبہ نے کہا تھجدت کا معنی ہے میں بیدار ہوا ھجدت کا معنی ہے سونا اور باب تفعل کا خاصہ ہے سلب ماخذ اس لیے تہجد کا معنی ہے نیند کو زائل کرنا، اگر انسان رات کو جاگ رہا ہو اور پھر نماز پڑھے تو یہ تہجد نہیں ہو گی، نیند سے اٹھ کر نماز پڑھے تو تہجد ہو گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور آپ رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھیں، اس کا معنی یہ ہے کہ اگر انسان ساری رات جاگ کر نفل پڑھتا رہے تو وہ تہجد نہیں ہے، تہجد کی نماز تب ہو گی جب وہ عشاء پڑھ کر سو جائے، پھر تہجد کے لیے بیدار ہو اور نماز پڑھے۔

تہجد کی رکعات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ شمول وتر تہجد کی مختلف رکعات مروی ہیں، امام بخاری نے حضرت عائشہ سے سات اور نو رکعات کو روایت کیا ہے، خالد بن زید نے گیارہ رکعات کو بیان کیا ہے، اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے تہجد کی تیرہ رکعات پڑھیں اور طلوع فجر کے بعد دو رکعت سنت فجر پڑھیں، ان مختلف روایات میں تطبیق یہ ہے کہ آپ نے اوائل عمر میں زیادہ رکعات پڑھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ سن رسیدہ ہو گئے تو رات کو سات رکعات پڑھتے تھے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ امت کے لیے توسع اور آسانی ہو اور جو شخص اپنی قوت، حالت اور وقت کی گنجائش کے اعتبار سے ان رکعات میں سے جتنی رکعات پڑھے گا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پالے گا بہرحال آپ نے بشمول وتر تہجد کی کم سے کم سات رکعات پڑھی ہیں اور زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعات پڑھیں ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت دونوں کے لیے تہجد نفل ہے لیکن نفل کی حیثیت میں فرق ہے

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آپ رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھیں جو خصوصاً آپ کے لیے نفل ہے۔

لغت میں نفل کا معنی ہے جو اصل پر زائد ہو، اور تہجد کے زائد ہونے کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ آپ پر جو نمازیں فرض تھیں یہ ان پر زائد ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ تہجد کی نماز آپ پر فرض ہے اور آپ پر رات میں قیام کرنا فرض کر دیا گیا تھا۔

(۲) ابو امامہ، حسن اور مجاہد نے کہا: تہجد کی نماز فرض پر زائد ہے اور خود فرض نہیں ہے، اور یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نفل ہے، مجاہد نے کہا چونکہ آپ اپنی اگلی اور پچھلی زندگی میں مغفور ہیں تو جو چیز بھی آپ کے فرائض پر زائد ہو وہ آپ کے لیے نفل اور فضیلت ہے اور آپ کے غیر کے لیے گناہوں کا کفارہ ہے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ تہجد کی نماز ابتداء میں آپ پر فرض تھی، پھر آپ کو اس کے ترک میں رخصت دی گئی اور تہجد کی نماز آپ کے لیے نفل ہو گئی، ابن الانباری نے اس میں دو قول ذکر کیے ہیں۔

(۱) مجاہد نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نفل پڑھتے تھے تو اس لیے نہیں پڑھتے تھے کہ نوافل سے آپ کی مغفرت ہو گی، کیونکہ آپ کی مغفرت کلی کا تو پہلے ہی اعلان ہو چکا ہے، جب کہ آپ کا غیر جب نفل پڑھتا ہے تو وہ یہ امید رکھتا ہے کہ ان نوافل سے اس کے گناہ مٹ جائیں گے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نوافل حاجت سے زیادہ ہیں اور آپ کے غیر کے لیے نوافل اس کی حاجت کے مطابق ہیں، کیونکہ اس کو اپنے گناہوں کی مغفرت کی حاجت ہے اور وہ ان نوافل سے عذاب کے دور ہونے کی توقع رکھتا ہے۔

(۲) آپ کی امت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے لیے تہجد نفل ہے، اس آیت میں ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے لیکن اس خطاب میں آپ کی امت بھی داخل ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تہجد اس لیے نفل ہے کہ اس سے آپ کے درجات بلند ہوں اور اللہ کے ساتھ آپ کے قرب میں اضافہ ہو اور آپ جو استغفار فرماتے ہیں اس کا بھی یہی محمل ہے، اور امت کے لیے تہجد اس لیے نفل ہے کہ تہجد کے ذریعہ ان کے گناہ معاف ہوں۔

(زادالمسیر ج ۵ ص ۷۷-۷۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تہجد کی نماز خصوصیت سے آپ کے لیے زائد (نفل) ہے، اس کی توجیہ میں مجاہد نے خوبصورت بات کہی ہے: اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت فرما دی ہے، اس لیے آپ فرائض کے علاوہ جو بھی عبادت کرتے ہیں وہ گناہوں کے مٹانے کے لیے نہیں ہوتیں (کیونکہ اول تو آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا کیونکہ آپ معصوم ہیں اور امت کی تبلیغ اور تشریع کے لیے اور اعمال میں ان کے لیے نمونہ فراہم کرنے کے لیے آپ نے بعض اوقات جو بظاہر خلاف اولیٰ کام کیے اللہ تعالیٰ نے ان کی بھی مغفرت فرما دی ہم نے ان کاموں کو بظاہر خلاف اولیٰ کہا ہے اس لیے کہ یہ کام حقیقت میں فرائض نبوت سے ہیں، مثلاً ایک موقع پر آپ نے کھڑے ہو کر پانی پیا یہ بظاہر خلاف اولیٰ ہے لیکن حقیقت میں فرائض نبوت سے ہے کیونکہ آپ کا مقصد یہ بتانا تھا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی جائز ہے سو ان کاموں میں بھی آپ کو فرائض کا اجر ملے گا ہمارے حق میں یہ خلاف اولیٰ ہیں اور آپ کے حق میں فرائض نبوت میں سے

ہیں) تو امام رازی فرماتے ہیں آپ کا نوافل پڑھنا تکفیر ذنوب کے لیے نہیں ہے بلکہ درجات میں زیادتی اور کثرت ثواب کے لیے ہے اس وجہ سے نوافل آپ کے حق میں زائد ہیں' اس کے برخلاف امت کے گناہ ہیں اور انہیں ان گناہوں کے کفارہ کی احتیاج ہے' اس سے معلوم ہوا کہ تہجد اور اس نوع کی دیگر عبادات صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نوافل اور زوائد ہیں اور آپ کے غیر کے حق میں نفل اور زائد نہیں ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تہجد خصوصاً آپ کے لیے نفل ہے۔ علامہ آلوسی نے بھی یہی لکھا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۸۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ' روح المعانی جز ۱۵ ص ۲۰۱) علامہ بدرالدین عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی یہی لکھا ہے (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۶۵' فتح الباری ج ۳ ص ۳)

یہ کہنا صحیح نہیں کہ آپ پر تہجد فرض ہے

بعض علماء نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا کہ آپ پر باقی پانچ نمازوں کے علاوہ تہجد کی نماز زائد فرض ہے اور یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے یعنی باقی امت پر تہجد کی نماز فرض نہیں ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں یہ تاویل دو وجہ سے بعید ہے اولاً اس لیے کہ فرض پر نفل کا اطلاق صحیح نہیں ہے اور اگر یہ اطلاق مجازاً ہو تو بلا ضرورت ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں' (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۲۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۵) اور حدیث قدسی میں ہے: (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) یہ (عدداً) پانچ نمازیں ہیں اور (اجراً) پچاس نمازیں ہیں اور میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳) ان حدیثوں میں یہ تصریح ہے کہ صرف پانچ نمازیں فرض ہیں تو پانچ نمازوں پر ایک زائد نماز کیسے فرض ہو سکتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۲۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے پھر تہجد کی فرضیت پانچ نمازوں کی فرضیت سے منسوخ کر دی گئی۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۳' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: پہلے رات کو قیام کرنا فرض تھا اور جب پانچ نمازیں فرض ہو گئیں تو تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی' جیسے زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد ہر قسم کے صدقہ کی فرضیت کو منسوخ کر دیا گیا اور ماہ رمضان کے روزوں نے ہر قسم کے روزوں کی فرضیت کو منسوخ کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۸۹' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۷-۴۷۳ میں کی ہے' وہاں بھی مطالعہ فرمائیں۔

مقام محمود کی تحقیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔

مقام محمود کی تفسیر میں چار قول ذکر کیے گئے ہیں: (۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ عطا فرمانا (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حمد کا جھنڈا عطا فرمانا (۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوزخ سے مسلمانوں کو نکالنے کے لیے شفاعت کا اذن عطا فرمانا (۴) اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھانا (یہ قول مخدوش ہے)۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۸۰-۲۷۶)

شفاعت کبریٰ کے متعلق احادیث

شفاعت کبریٰ سے مراد وہ شفاعت ہے جو سب سے پہلی شفاعت ہو گی کہ اللہ تعالیٰ محشر والوں کا حساب شروع کرے'

اس دن اللہ تعالیٰ اس قدر جلال میں ہو گا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی جرأت نہیں کرے گا سب خوف زدہ ہوں گے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرش کے نیچے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں گے اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کو اذن شفاعت دے گا یہی مقام محمود ہے کہ جو کام کوئی نہ کر سکے گا آپ قیامت کے دن وہ کام کریں گے اور تمام اولین اور آخرین آپ کی تعریف اور تحسین کریں گے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ مختلف گروہوں میں بٹ جائیں گے، ہر گروہ اپنے نبی کی پیروی کرے گا وہ کہیں گے اے فلاں شفاعت کیجیے، حتیٰ کہ شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گی، یہ وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا: عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا ○ آپ نے فرمایا یہ شفاعت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۷، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا: عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا ○ آپ نے فرمایا یہ وہ مقام ہے جس میں، میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۹۶۹۰، طبع دار الفکر، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۰۷۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سورج قریب آ جائے گا حتیٰ کہ لوگوں کے آدھے کانوں تک پسینہ پہنچ جائے گا وہ اسی حال میں ہوں گے پھر حضرت آدم سے فریاد کریں گے، پھر حضرت موسیٰ سے، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے، پھر آپ شفاعت کریں گے تاکہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے، پھر آپ جا کر جنت کے دروازے کے حلقے کو پکڑ لیں گے پس اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا اور تمام اہل محشر آپ کی تعریف اور تحسین کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۴۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ دریا کی موجوں کی طرح بے قرار ہوں گے، پھر وہ حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے لیے اپنے رب سے شفاعت کیجیے، وہ کہیں گے کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں، لیکن تم حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ وہ خلیل الرحمن ہیں پھر لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں، لیکن تم حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے کلیم ہیں، پھر لوگ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں، لیکن تم حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ وہ اللہ کی پسندیدہ روح اور اس کا کلمہ ہیں پھر لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں لیکن تم پر لازم ہے کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ، پھر وہ میرے پاس آئیں گے پس میں کہوں گا کہ میں اس کے لیے ہوں، پھر میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو میرے لیے اجازت دی جائے گی اور میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی حمد سے ایسے کلمات ڈالے جائیں گے جو اس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں اور میں ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور اللہ کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا پھر کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھائیے، آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور سوال کیجیے آپ کو دیا جائے گا اور آپ شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت، میری امت، آپ سے کہا جائے گا آپ جائیے اور دوزخ سے ان کو نکال لیجیے جن کے دل میں ایک جو کے برابر بھی ایمان ہو، پس میں جاؤں گا اور اسی

طرح کروں گا پھر میں واپس آکر ان ہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور پھر اللہ کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا پھر کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! پھر کہا جائے گا آپ جایئے اور جس کے دل میں ایک جو یا رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لیجئے، پھر میں سہ بارہ آکر ان ہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا پھر اس کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا پھر کہا جائے گا اے محمد اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، آپ سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! پس اللہ فرمائے گا آپ جایئے جس کے دل میں ادنیٰ، ادنیٰ، ادنیٰ رائی کے درجہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لیجئے پس میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا پھر میں چوتھی بار جاؤں گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا پھر اللہ کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا پس کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے سنا جائے گا اور سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، میں کہوں گا اے میرے رب مجھے اس شخص کے لیے اجازت دیجئے جس شخص نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہو پس وہ فرمائے گا میری عزت اور میرے جلال اور میری کبریائی اور میری عظمت کی قسم! جس شخص نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہو میں اس شخص کو دوزخ سے نکال لوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۳، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۴۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۲)

قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی اقسام

نقاش نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین قسم کی شفاعت کریں گے: ایک شفاعت کبریٰ ہے، دوسری دخول جنت کے لیے شفاعت کریں گے اور تیسری گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے شفاعت کریں گے، اور ابن عطیہ نے کہا مشہور صرف دو قسمیں ہیں شفاعت عامہ اور گنہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت اور یہ شفاعت دیگر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ علماء بھی کریں گے۔

قاضی عیاض نے کہا قیامت کے دن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پانچ قسم کی ہوگی: (۱) شفاعت عامہ (۲) ایک گروہ کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کے لیے شفاعت (۳) آپ کی امت میں سے جو لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کے مستحق تھے پھر ان کے لیے اور جن کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (۴) جو گنہگار دوزخ میں داخل ہو چکے تھے پھر وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور بعض نیک مسلمانوں کی شفاعت سے دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے (۵) اہل جنت کے درجات میں اضافہ کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اذان سننے کے بعد یہ دعا کی کہ اس دعوت کامل اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں بلند درجہ اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے تو اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۹)

قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حمد کا جھنڈا عطا کیا جانا

مقام محمود کا دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ کو قیامت کے دن حمد کا جھنڈا عطا کیا جائے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں، اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا اور فخر نہیں، الحدیث۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۷۵، المستدرک ج ۲ ص ۳۵۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۳۶۳، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۴۴۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۶۰، مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے دوزخ سے مسلمانوں کو نکالا جانا

یہ مقام محمود کا تیسرا معنی ہے، اور اس کے متعلق ہم شفاعت کبریٰ کے زیر عنوان احادیث ذکر کر چکے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر اپنے ساتھ بٹھانا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا، اس کو امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے روایت کیا ہے: (جامع البیان جز ۱۵ ص ۱۸۳) اس کی تاویل محال نہیں ہے، کیونکہ تمام چیزوں کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہٖ قائم تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو پیدا کیا، اور اسے ان کو پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتا تھا، اور اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو، اس کی توحید کو، اس کی قدرت اور اس کے کمال کو اور اس کے تمام افعال محکمہ کو پہچانا جائے، اور اس نے اپنے لیے عرش کو پیدا کیا اور اس پر مستوی ہوا، بغیر اس کے کہ عرش اس کا مکان ہو یا وہ عرش کو مس کر رہا ہو، وہ عرش پر اپنی شان کے لائق جلوہ افروز ہوا اور تمام مخلوق میں کوئی چیز اس کے مماثل نہیں ہے، اور اس تقدیر پر برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر بٹھائے یا عرش پر، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے یا بیٹھتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عبدیت کی صفت سے نکل گئے اور ربوبیت کی صفت میں داخل ہو گئے، بلکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام مخلوق پر شرف، عزت اور وجاہت کو ظاہر کرنا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۲۸۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

یہ صرف مجاہد کا قول ہے، اس کے متعلق کوئی صحیح، حسن، یا ضعیف حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے اور نہ اس کی تائید میں صحابہ اور تابعین سے کوئی اثر یا قول مروی ہے، امام ابن جریر اور علامہ قرطبی نے اس پر زور دیا ہے کہ اس کی مخالفت میں کوئی حدیث یا صحابہ اور تابعین کا کوئی قول نہیں ہے اور نہ یہ محال ہے لیکن صرف اتنی سی بات سے یہ قول ثابت نہیں ہو گا جب تک کہ اس کی تائید میں کوئی حدیث یا اثر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کہیے اے میرے رب! تو مجھے جہاں بھی داخل کرے مجھے سچائی کے راستے میں داخل کرنا اور تو مجھے جہاں سے بھی باہر لائے سچائی کے راستے سے باہر لانا اور میرے لیے اپنے پاس سے وہ غلبہ عطا فرما جو میرا مددگار ہو ○ (بنی اسرائیل: ۸۰)

مدخل صدق اور مخرج صدق کی تفسیر میں متعدد اقوال

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے، پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا

اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: یعنی مجھے صدق کے ساتھ مدینہ میں داخل فرما اور صدق کے ساتھ مدینہ سے باہر لا۔

(۲) عوفی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ مجھے قبر میں سچائی کے ساتھ داخل فرما اور سچائی کے ساتھ قبر سے باہر لا۔

(۳) قتادہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ مجھے صدق کے ساتھ مکہ میں داخل فرما اور صدق کے ساتھ مکہ سے باہر لا' آپ مکہ سے مشرکین سے بے خوف ہو کر نکل آئے اور پھر فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے۔

(۴) مجھے زندگی کے تمام امور میں' سفر میں اور حضر میں جہاں بھی داخل فرما سچائی کے ساتھ داخل فرما اور جہاں سے بھی باہر لائے سچائی کے ساتھ باہر لا۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۷۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کہیے کہ حق آگیا اور باطل نابود ہو گیا اور بے شک باطل تھا بھی نابود ہونے والا○ (بنی اسرائیل: ۸۱)

جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کریں یا اس کی معصیت پر مبنی ہوں ان کو توڑنے کا وجوب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کے گرد ۳۶۰ (ایک سو ترسٹھ) بت تھے' آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ وہ چھڑی ان بتوں پر مارتے ہوئے فرماتے: جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا○ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۸)

اس آیت میں مشرکین کے بتوں کو توڑنے اور دیگر بتوں کے توڑنے کی دلیل ہے' آج کل کی ثقافت میں مختلف جانوروں کے خوبصورت مجسمے بنا کر گھروں میں زینت اور ڈیکوریشن پیس کے طور پر رکھے جاتے ہیں یہ جائز نہیں اور ان مجسموں کو توڑنا واجب ہے' اسی طرح لہو ولعب کے وہ تمام آلات جو دین اور عبادت سے غافل کرنے والے ہوں اور ان میں نیکی اور خیر کا کوئی پہلو نہ ہو ان کو توڑنا واجب ہے' اسی طرح ٹی۔ وی اور وی۔ سی۔ آر پر اگر صرف فلمیں اور موسیقی کے پروگرام سنے اور دیکھے جائیں تو ان کا توڑنا بھی واجب ہے اور اگر ان کے ذریعہ صرف خبریں' دینی اور معلوماتی پروگرام دیکھے اور سنے جائیں تو ان کو رکھنے میں کوئی حرج نہیں' لیکن اس زمانہ میں ایسا ہونا بہت مشکل ہے' ریڈیو اور آڈیو کیسٹ کا بھی یہی حکم ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' میں نے ارادہ کیا کہ میں لکڑیوں کا گٹھا لانے کا حکم دوں' پھر نماز کے لیے اذان دینے کا حکم دوں' پھر ایک شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں' پھر دیکھوں کہ کون لوگ نماز پڑھنے نہیں آئے تو میں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۴۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کے گھروں کو آگ لگانے کا ارادہ فرمایا اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل کرنے کا سبب ہو اس کو ضائع کر دینا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے گھر کے صحن میں ایک پردہ لٹکایا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردہ کو پھاڑ دیا' پھر میں نے اس کے دو گدے بنالیے جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۷۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۵۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ہر اس چیز کو توڑ ڈالتے تھے جس میں

تصویر بنی ہوئی ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۲)

ان دونوں حدیثوں میں یہ دلیل ہے کہ جس چیز میں اللہ تعالیٰ کی معصیت ہو اس کو توڑ دینا واجب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم میں ابن مریم نازل نہ ہو جائیں جو عدل اور انصاف سے حکم دیں گے، وہ صلیب توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے اور اس قدر مال دیں گے کہ اس کو لینے والا کوئی نہیں ہو گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۷۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑ ڈالیں گے اس میں بھی یہ دلیل ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی معصیت پر مبنی ہو اس کو توڑنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل فرماتے ہیں جو مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے سوا نقصان کے اور کچھ زیادتی نہیں ہوتی ○ (بنی اسرائیل: ۸۲)

قرآن مجید کا روحانی امراض کے لیے شفاء ہونا

قرآن مجید روحانی امراض کے لیے بھی شفاء ہے اور جسمانی امراض کے لیے بھی شفاء ہے۔

قرآن مجید کا روحانی امراض کے لیے شفاء ہونا اس طور پر ہے کہ روحانی امراض یا تو عقائد فاسدہ ہیں یا اعمال فاسدہ ہیں، عقائد فاسدہ میں سے دہریت کا عقیدہ ہے کہ اس جہان کا کوئی پیدا کرنے والا نہ ہو، اور شرک کا عقیدہ ہے کہ اس جہان کے بہت پیدا کرنے والے ہوں، اور بت پرستی کا عقیدہ ہے اور انکار نبوت کا عقیدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ماننے کا عقیدہ ہے یہ تمام عقائد خراب اور فاسد ہیں اور قرآن مجید میں ان کے خلاف قوی دلائل قائم کیے ہیں جس سے شرک اور بت پرستی کی بیخ کنی ہو جاتی ہے، اسی طرح خراب اور فاسد اعمال ہیں مثلاً زنا کرنا، عمل قوم لوط کرنا، شراب پینا، جوا کھیلنا، قرآن مجید نے ایسے تمام کاموں کی خرابی اور قباحت بیان کی، ان کاموں پر دنیا اور آخرت کا خسارہ بیان کیا اور ان کے مقابلہ میں نیک کاموں کی دنیا اور آخرت میں فضیلت بیان کی ہے، اسی طرح روحانی بیماریوں میں غیر اخلاقی کاموں کی عادت اور ان سے محبت ہے، جیسے تکبر، حسد، حرص، بخل اور ظلم وغیرہ، اللہ تعالیٰ نے ان اخلاقی عیوب کی برائی کو واضح کیا ہے اور ان کے مقابلہ میں تواضع، لوگوں کی بھلائی چاہنا، قناعت، سخاوت اور عدل وغیرہ کی دنیا اور آخرت میں فضیلت بیان فرمائی ہے، اور اس طرح وعظ اور نصیحت فرمائی ہے اور دلوں میں اس طرح خوف خدا بٹھایا ہے، جس سے دلوں پر جو معصیت کا زنگ چڑھا ہوا ہے وہ دھل کر صاف ہو جاتا ہے، اور گناہوں سے محبت جاتی رہتی ہے، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے دل میں نورانیت ہے، اس کا معیار یہ ہے کہ جس انسان کے دل میں نیک کام کرنے کے خیال آئیں اور برے کاموں سے اس کا دل متنفر ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں نورانیت ہے اور اس کا دل اور دماغ صحت مند ہے اور بیمار نہیں ہے اور اس میں روحانی امراض نہیں ہیں۔

قرآن مجید کا جسمانی امراض کے لیے شفاء ہونا

جسمانی امراض کے لیے قرآن مجید کے شفاء ہونے پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب عرب کے کسی قبیلہ میں گئے، اس قبیلہ کے لوگوں نے ان کی ضیافت نہیں کی، اسی دوران اس قبیلہ کے سردار کو بچھو نے ڈنک مار دیا، ان لوگوں

نے ان صحابہ سے کہا کیا تم لوگوں میں سے کسی کے پاس دوا ہے یا کوئی دم کرنے والا ہے؟ صحابہ نے کہا تم لوگوں نے ہماری ضیافت نہیں کی تھی، ہم اس وقت تک دم نہیں کریں گے جب تک کہ تم اس کی اجرت نہیں دو گے، تو انہوں نے صحابہ کے لیے بکریوں کا ایک ریوڑ طے کیا، پھر (ایک صحابی نے) سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس پر اپنے تھوک کی چھینٹیں ڈالیں وہ تندرست ہو گیا، پھر وہ (طے شدہ) بکریاں لے کر آئے، صحابہ نے کہا ہم اس وقت تک یہ بکریاں نہیں لیں گے جب تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لیں، انہوں نے آپ سے پوچھا تو آپ ہنسے اور فرمایا تمہیں کس نے بتایا کہ یہ دم ہے ان بکریوں کو لے لو اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔ دوسری روایت رقم الحدیث: ۵۷۳۷ میں یہ الفاظ ہیں: صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! اس شخص نے کتاب اللہ کی اجرت لی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو، ان میں سب سے زیادہ اجرت کی مستحق اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کرلی گئی تھی اس مرض میں آپ اپنے اوپر قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر دم فرماتے تھے، اور جب آپ زیادہ بیمار ہو گئے تو میں پڑھ کر دم کرتی تھی، اور آپ کے ہاتھ کو آپ کے جسم پر پھیرتی تاکہ آپ کے ہاتھ کی برکت حاصل ہو، ابن شہاب نے کہا آپ پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم فرماتے پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۵۱، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۸۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۶۳)

نشرہ اور مریضوں پر دم کرنے کا حکم

نشرہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کو لکھا جائے یا قرآن کریم کی کوئی آیت لکھی جائے، پھر اس کو پانی سے دھولیا جائے، پھر وہ دھوون مریض کو پلایا جائے یا مریض کے جسم پر لگایا جائے، سعید بن مسیب نے اس کو جائز کہا اور مجاہد اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے، حضرت عائشہ معوذتین کو پانی پر پڑھتیں پھر مریض پر وہ پانی انڈیل دیتیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا آپ نے فرمایا یہ عمل شیطان سے ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۸)

حافظ ابن عبدالبر نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ اگر ایسی چیز کو پڑھ کر دم کیا جائے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج ہو اور اس میں غیر شرعی کلمات ہوں تو پھر وہ عمل شیطان سے ہے۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں دم کرتے تھے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا تم جو دم کرتے ہو وہ مجھ پر پیش کرو، دم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک کہ اس میں شرکیہ کلمات نہ ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دم کرنے سے منع فرمادیا، پھر عمرو بن حزم کی آل کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! ہمیں ایک دم آتا ہے جس سے ہم بچھو کے ڈنک کا علاج کرتے تھے، اور اب آپ نے دم کرنے سے منع فرمادیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے

دم مجھ پر پیش کرو، پھر آپ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو وہ اپنے بھائی کو نفع پہنچائے۔

تعویذ لٹکانے کا حکم

امام مالک نے کہا جب تعویذ لٹکانے سے یہ ارادہ نہ ہو کہ اس سے نظر نہیں لگے گی یا کوئی بیماری نہیں ہوگی تو تعویذ لٹکانا جائز ہے، کسی بھی تندرست آدمی کے گلے میں تعویذ لٹکانا جائز نہیں ہے، اور کسی مصیبت کے نازل ہونے کے بعد گلے میں تعویذ لٹکانا جائز ہے، جبکہ اس تعویذ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء لکھے ہوئے ہوں اور اس توقع پر تعویذ لٹکایا جائے کہ اس سے مصیبت ٹل جائے گی اور شفا حاصل ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈر جاتا ہو تو وہ یہ کہے:

اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضبہ وسوء عقابہ ومن شر الشیاطین وان یحضرون۔ میں اللہ کے غضب اور اس کی بری سزا سے اور شیاطین کے شر سے اور ان کے حاضر ہونے سے اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے سمجھ دار بچوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے اور ناسمجھ بچوں کے گلے میں یہ کلمات لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٨٩٣، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٥٢٨، مصنف ابن ابی شیبہ ج ٨ ص ٣٩، مسند احمد ج ٢ ص ١٨١، کتاب الدعا للطبرانی رقم الحدیث: ١٠٨٦، المستدرک ج ١ ص ٥٤٨، کتاب الاسماء والصفات ج ١ ص ٣٠٣)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے گلے میں کسی چیز کو لٹکایا وہ اسی کے سپرد کیا جائے گا (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٠٧٢) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی ام ولد کے گلے میں ایک تعویذ لٹکا ہوا دیکھا تو سختی سے پکڑ کر اس کو کھینچا اور کاٹ دیا اور کہا ابن مسعود کی آل شرک سے مستغنی ہے اور کہا تعویذ، دم اور تولہ شرک ہیں (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٨٨٩) ان سے پوچھا تولہ کیا ہے انہوں نے کہا عورت کا اپنے خاوند کی محبت حاصل کرنے کے لیے دم کرانا! ان تمام کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسے دم اور تعویذ پر محمول ہیں جو زمانہ جاہلیت میں کیے جاتے تھے اور ان کا اعتقاد ہوتا تھا کہ یہ ان کو بچالیں گے اور بلا اور مصیبت کو ان سے دور کر دیں گے، اور حضرت ابن مسعود نے اس تعویذ پر رد کیا ہے جس میں قرآن کریم کے الفاظ نہ ہوں اور وہ کاہنوں اور جادوگروں کے الفاظ سے ماخوذ ہوں، کیونکہ قرآن مجید سے شفا حاصل کرنا خواہ اس کو گلے میں لٹکایا جائے یا نہ لٹکایا جائے شرک نہیں ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے جس نے کسی چیز کو لٹکایا وہ اسی کے سپرد کر دیا جائے گا تو جس نے قرآن مجید کو اپنے گلے میں لٹکایا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا اور اس کو کسی اور کے سپرد نہیں کرے گا کیونکہ قرآن سے شفا حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ پر توکل ہوتا ہے اور اسی کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١٠ ص ٢٨٨۔ ٢٨٧ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ)

قرآن مجید کی آیات سے دم کرنے اور تعویذ لٹکانے کے جواز میں ہم نے یونس: ٥٧ میں بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔

ظالموں کے لیے قرآن مجید کا مزید گمراہی کا سبب ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ظالموں کے لیے سوا نقصان کے اور کچھ زیادتی نہیں ہوتی۔

چونکہ مرض کا زائل کرنا اس پر موقوف ہے کہ انسان صحت اور تندرستی کے اسباب کو حاصل کرے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے شفاء کا اور پھر رحمت کا ذکر فرمایا اور یہ بتایا کہ شفاء اور رحمت کا قوی سبب قرآن مجید ہے، پھر فرمایا کہ قرآن مجید صرف مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور کافروں اور ظالموں کے لیے قرآن مجید مزید گمراہی اور نقصان کا سبب ہے، کیونکہ جب مشرکین قرآن مجید سنتے ہیں تو ان کے غیظ و غضب اور کینہ اور حسد میں اور اضافہ ہوتا ہے اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے ہیں اور شر اور فساد کی کارروائیاں کرتے ہیں، اور یوں ان کی گمراہی اور دین اور دنیا کے خسارہ میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم انسان کو کوئی انعام دیتے ہیں تو وہ (بجائے شکر کے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے، اور جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو مایوس ہوجاتا ہے○ (بنی اسرائیل: ۸۳)

انسان کا کمزور دل اور ناشکرا ہونا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ نوع انسان کے اکثر افراد کا یہ حال ہے کہ جب انہیں اپنا مقصود حاصل ہوجاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل ہوجاتے ہیں اور بغاوت اور سرکشی پر اتر آتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ ان کی ناشکری کی وجہ سے ان سے وہ نعمت چھین لیتا ہے یا ان کے ظلم اور جرم کی پاداش میں ان پر کوئی مصیبت نازل کرتا ہے تو پھر وہ مایوس ہوجاتے ہیں جیسا کہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ○ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ○ (الفجر: ۱۶-۱۵)

پس جب انسان کا اس کا رب امتحان لیتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت دار بنایا○ اور جب اس کا رب اس کی آزمائش کرتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے میری اہانت کی۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا○ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا○ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا○ (المعارج: ۲۱-۱۹)

انسان بہت کمزور دل بنایا گیا ہے○ جب اس کو مصیبت پہنچتی ہے تو گھبرا جاتا ہے○ اور جب اسے راحت پہنچتی ہے تو وہ بخل کرنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ ہر شخص اپنے طریقہ اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے (تو اے مسلمانو!) تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ ہدایت والے طریقہ پر ہے○ (بنی اسرائیل: ۸۴)

نیکوں اور بروں پر قرآن مجید کے مختلف آثار

الشاکلۃ کے معنی ہیں: طریقہ، مذہب، فطرت، مزاج، یعنی ہر شخص اپنی فطرت اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے، پس جن لوگوں کی روحیں نیک اور پاک ہیں ان پر جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان میں قرآن مجید کے تقاضوں پر عمل کا اظہار ہوتا ہے اور ان کی سرشت اور رجحان تقویٰ اور طہارت پر ہوتی ہے، اور جن کی روحیں ناپاک اور مکدر ہوتی ہیں ان پر جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان میں گمراہی اور سرکشی کا اظہار ہوتا ہے، جیسے بارش اگر زرخیز زمین پر ہو تو اس میں سبزہ اور ہریالی اور

زیادہ ہوتی ہے اور بنجر اور شور زمین پر ہو تو اس کی خرابی اور زیادہ ہو جاتی ہے۔

متقدمین کی پسندیدہ آیات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے پورا قرآن اول سے آخر تک پڑھا مجھے جو آیت سب سے زیادہ اچھی لگی اور جس پر سب سے زیادہ بخشش کی امید ہے وہ یہ آیت ہے کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ ہر ایک اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے، بندہ کا طریقہ ہے گناہ کرنا اور اللہ کا طریقہ ہے معاف کر دینا۔ حضرت عمر نے کہا میں نے پورا قرآن اول سے آخر تک پڑھا اور مجھے جو آیتیں اچھی لگیں اور جن سے مجھے مغفرت کی امید ہے وہ یہ آیتیں ہیں:

حٰمٓ ۚ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۙ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوْلِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ۔ (المومن: ۳-۱)

حم○ اس کتاب کا نازل فرمانا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب ہے علم والا ہے○ گناہوں کو بخشنے والا ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت عذاب والا ہے، بہت قدرت والا ہے، جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں کے بخشنے کو توبہ قبول فرمانے پر مقدم فرمایا ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے پورا قرآن اول سے آخر تک پڑھا مجھے جو سب سے اچھی اور سب سے زیادہ امید والی آیت لگی وہ یہ ہے:

نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ (الحجر: ۴۹)

میرے بندوں کو میرے متعلق بتائیے کہ بے شک میں بہت ہی بخشنے والا مہربان ہوں○

اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اول سے آخر تک پورا قرآن پڑھا مجھے جو آیت سب سے اچھی اور امید افزا لگی وہ یہ ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بہت بخشش اور بڑی رحمت والا ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں میں نے سارا قرآن اول سے آخر تک پڑھا ہے مجھے جو آیت سب سے زیادہ امید افزا لگی وہ یہ آیت ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ○ (الانعام: ۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ نہیں ملایا انہی کے لیے (عذاب سے) امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مصنف کی پسندیدہ آیت

میں نے کئی بار قرآن مجید اول سے آخر تک پڑھا مجھے جو آیت سب سے زیادہ اچھی لگی وہ یہ ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ○ (النساء: ۱۴۷)

اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔ اللہ شکر کی جزا دینے والا ہے اور بہت علم والا ہے۔

اور سب سے زیادہ امید افزا یہ آیت ہے:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (الرعد: ۶)

اور بے شک آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود (یا دوران ظلم) بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب سخت سزا دینے والا بھی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کے بعد معاف کرنے کا ذکر نہیں کیا بلکہ توبہ کے ذکر کے بغیر گناہ معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور میرے حسب حال سب سے زیادہ پسندیدہ یہ آیت ہے جس کو میں سب سے زیادہ پڑھتا ہوں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الانبیاء: ۸۷)

اے اللہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو سبحان ہے بے شک میں گنہگاروں میں سے ہوں۔

اور اس تفسیر کے قارئین سے بھی کہوں گا کہ وہ اس آیت کو زیادہ سے زیادہ پڑھا کریں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ

اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم کو

مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ

محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے ○ اور اگر (بالفرض) ہم چاہیں تو ہم ضرور اس تمام وحی کو سلب کرلیں جو ہم نے آپ کی طرف

اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ لا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ

نازل کی ہے پھر ہمارے مقابلہ میں آپ کو کوئی حمایتی نہ مل سکے ○ ماسوا آپ کے رب کی رحمت کے،

اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ

بے شک آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے ○ آپ کہیے کہ اگر تمام انسان اور جن

وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ

مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکیں گے

وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا

خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں ○ ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے ہر قسم کی

الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا

مثالیں بیان کر دی ہیں مگر اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا ہر چیز کا انکار کر دیا ○ اور انہوں نے کہا

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ

ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں ○ یا آپ کے لیے

لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾

کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر آپ ان کے درمیان سے بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں ○

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

یا جس طرح آپ ہم سے کہتے ہیں ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے

قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ

(بے حجاب) لے آئیں ○ یا آپ کے لیے سونے کا کوئی گھر ہو، یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے

نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ

چڑھنے پر (بھی) ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہم پر کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں، آپ کہیے میرا رب پاک ہے

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

میں تو صرف ایک بشر ہوں جس کو رسول بنایا گیا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم کو محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے ○ (بنی اسرائیل: ۸۵)

روح کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن اور حدیث میں روح کا کئی بار ذکر آیا ہے، اور اس کا کئی معانی پر اطلاق کیا گیا ہے، اور اس کا غالب اطلاق اس چیز پر ہے جس کے ساتھ جسم قائم ہے اور جس کے سبب سے جسم میں حیات ہے، اس کے علاوہ اس کا اطلاق، قرآن، وحی، رحمت اور جبریل پر بھی کیا گیا ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۲۴۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

ابو بکر انباری نے کہا روح اور نفس ایک ہی چیز ہے البتہ عربی زبان میں روح کا لفظ مذکر ہے اور نفس کا لفظ مونث ہے،

فرائے کہا روح وہ چیز ہے جس کے سبب سے انسان زندہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی روح کا علم نہیں دیا' اور ابو الہیثم نے کہا روح انسان کا سانس ہے اور جب سانس نکل جاتا ہے تو انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے' اور انسان کی آنکھیں اس کو دیکھتی رہتی ہیں حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کو بند کر دیا جاتا ہے۔

(تاج العروس ج ۲ ص ۷ ۔ ۴۹ مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک روح کا معنی معلوم ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ خون ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ جسم لطیف ہے اور ظاہری اعضاء کی طرح اس کے بھی اعضاء ہیں' اشعری نے کہا وہ سانس ہے جو آ رہا ہے اور جا رہا ہے ایک قول یہ ہے کہ وہ حیات ہے۔ (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۳۹۳۔ ۳۹۳ مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ منورہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا روح خون ہے' اور اس کی تعریف میں ستر قول ذکر کیے گئے ہیں' اس میں اختلاف ہے کہ آیا روح اور نفس ایک ہی چیز ہیں یا نہیں! زیادہ صحیح یہ ہے کہ روح اور نفس متغایر ہیں' نفس انسانی وہ چیز ہے جس کی طرف ہم میں سے ہر شخص "میں" یا "ہم" سے اشارہ کرتا ہے' اور اکثر فلاسفہ نے روح اور نفس میں فرق نہیں کیا' انہوں نے کہا نفس لطیف بخاری جوہر ہے (اسٹیم اور بھاپ کی طرح ہے) جو حیات' حس اور حرکت ارادیہ کی قوت کا حامل ہے وہ اس کا نام روح حیوانی رکھتے ہیں اور یہ نفس ناطقہ اور بدن کے درمیان واسطہ ہے' امام غزالی نے کہا روح ایک جوہر حادث ہے جو بنفسہٖ قائم ہے غیر متحیز ہے (یعنی وہ جگہ نہیں گھیرتا) وہ جسم میں نہ داخل ہے نہ خارج ہے وہ جسم سے متصل ہے نہ منفصل ہے' ایک قول یہ ہے کہ روح جسم کی صورت کی طرح ایک لطیف صورت ہے اس کی دو آنکھیں' دو کان' دو ہاتھ اور دو پیر ہیں' اور جسم کے ہر عضو کے مقابلہ میں اس کا ایک لطیف عضو ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ انسان کے بدن میں ایک لطیف جسم ہے اور اس کا انسان کے جسم میں اس طرح حلول ہے جس طرح گلاب کے پانی کا گلاب میں حلول ہوتا ہے' حکماء اور علماء متقدمین اور متاخرین کا روح کی تعریف میں بہت اختلاف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۰۱ مطبوعہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

روح انسانی ایک ایسی لطیف چیز ہے جس کو علم اور ادراک ہوتا ہے اور وہ روح حیوانی پر سوار ہوتی ہے' وہ عالم امر سے نازل ہوئی ہے عقلیں اس کی حقیقت کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں اور یہ روح کبھی بدن سے مجرد ہوتی ہے اور کبھی بدن سے متعلق ہوتی ہے اور اس میں تصرف کرتی ہے۔ (التعریفات ص ۸۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

روح کی موت کی تحقیق

علامہ شمس الدین ابی عبد اللہ بن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

آیا روح پر موت آتی ہے یا نہیں اس مسئلہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے' بعض علماء نے کہا روح پر بھی موت آتی ہے اور وہ موت کا مزہ چکھتی ہے اور ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے' اور دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہے گی:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن: ۲۷-۲۶)

ہر وہ چیز جو زمین پر ہے' فنا ہونے والی ہے ۝ صرف آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو بزرگی اور عزت والی ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص: ۸۸) اس کے چہرے (ذات) کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

اور جب ملائکہ پر بھی موت آئے گی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روح پر موت نہ آئے۔

محققین کا یہ کہنا ہے کہ ارواح پر موت نہیں آئے گی کیونکہ ارواح کو بقاء کے لیے پیدا کیا گیا ہے، موت صرف ابدان پر آئے گی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ موت کے بعد جب روحوں کو دوبارہ ان کے اجسام میں لوٹا دیا جائے گا تو پھر ان کو جو عذاب یا ثواب ہو گا وہ دائمی ہو گا اور اگر روحوں پر موت آتی تو ان کا ثواب یا عذاب دائمی نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۷۰-۱۶۹)

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور انہیں اپنے رب کے پاس سے رزق دیا جاتا ہے ○ وہ اللہ کے دیئے ہوئے فضل سے خوش ہیں اور ان لوگوں کے متعلق خوش ہو رہے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے، اس پر کہ انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

جب کہ قطعی طور پر یہ معلوم ہے کہ ان کی روحیں ان کے جسموں سے نکل چکی ہیں اور ان کے جسموں نے موت کا ذائقہ چکھ لیا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ روحوں کی موت یہ ہے کہ وہ جسموں سے نکل جائیں پس اگر روح کی موت سے اس معنی کا ارادہ کیا جائے تو پھر صحیح ہے اور اگر روحوں کی موت سے یہ ارادہ کیا جائے کہ وہ معدوم ہو جائیں گی اور عدم محض ہو جائیں گی تو پھر یہ صحیح نہیں ہے۔ (الروح: ص ۳۳-۳۲ مطبوعہ دار الحدیث، مصر، ۱۴۱۰ھ)

جسم کی موت کے بعد روح کا مستقر

جسم پر موت آنے کے بعد روحیں کہاں رہتی ہیں اس میں بھی کافی اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: مومنین کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں ہوں گی خواہ وہ شہید ہوں یا نہ ہوں، بشرطیکہ کوئی گناہ کبیرہ یا قرض ان کو جنت میں جانے سے روک نہ لے۔

(۲) ایک جماعت نے کہا وہ جنت کے صحن میں دروازہ پر ہوں گی اور ان کے پاس جنت کی خوشبو اور اس کا رزق پہنچے گا۔

(۳) ایک جماعت نے کہا وہ اپنی قبروں کے صحنوں میں ہوں گی۔

(۴) امام مالک نے کہا کہ روح آزاد ہوتی ہے جہاں چاہے چلی جائے۔

(۵) ایک روایت کے مطابق امام احمد نے کہا کفار کی روحیں دوزخ میں ہوں گی اور مومنین کی روحیں جنت میں ہوں گی۔

(۶) کعب نے کہا مومنین کی ارواح علیین میں ساتویں آسمان میں ہوں گی اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے سجین میں ہوں گی۔

(۷) ایک جماعت نے کہا مومنین کی روحیں حضرت آدم کی دائیں طرف ہوں گی اور کافروں کی روحیں حضرت آدم کے بائیں طرف ہوں گی۔

(۸) ابن حزم نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ - (الواقعہ: ۸۹-۸۸) پس اگر مرنے والا مقربین میں سے ہو○ تو اس کو راحت، غذائیں اور نعمت والی جنت ملے گی۔

پس تمام روحیں جنت میں رہیں گی، حتیٰ کہ ان تمام روحوں کو ان کے جسموں میں پھونک دیا جائے، پھر یہ روحیں برزخ کی طرف لوٹ جائیں گی اور اللہ تعالیٰ ان کو دوسری بار جسموں میں لوٹائے گا اور یہ دوسری زندگی ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق کا حساب لے گا ایک فریق ہمیشہ کے لیے جنت میں جائے گا اور دوسرا فریق ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جائے گا۔

(الروح ص ۸۸-۸۷، مطبوعہ دار الحدیث مصر ۱۴۱۳ھ)

روح کا حادث اور مخلوق ہونا

اس مسئلہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ روح قدیم ہے یا حادث اور مخلوق ہے، بعض علماء نے کہا روح قدیم ہے کیونکہ روح، اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے اور اللہ کا امر قدیم ہے اور مخلوق نہیں ہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے علم، قدرت، سمع اور بصر کی اپنی طرف اضافت کی ہے اسی طرح روح کی بھی اپنی طرف اضافت کی ہے لہٰذا جس طرح یہ صفات قدیم ہیں اسی طرح روح بھی قدیم ہے۔

صحیح یہ ہے کہ روح حادث اور مخلوق ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ خالق کل شیء (الانعام: ۱۰۲) "اللہ ہر چیز کا خالق ہے" اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے سوا ہر چیز مخلوق ہے اور روح بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے ماسوا ہے اس لیے وہ بھی مخلوق ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام سے فرمایا:

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا (مریم: ۹) میں اس سے پہلے آپ کو پیدا کر چکا ہوں جب کہ آپ کچھ نہ تھے۔

یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی روح اور بدن دونوں سے فرمایا ہے، کیونکہ فقط بدن میں فہم اور عقل نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زکریا کی روح پہلے موجود نہیں تھی۔

(۳) وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ○ (الصّٰفّٰت: ۹۶) اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

(۴) هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا○ (الدھر: ۱) بے شک انسان پر ایک ایسا وقت گزر چکا ہے، جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔

اگر انسان کی روح قدیم ہوتی تو وہ یقیناً پہلے ایک قابل ذکر چیز ہوتا۔

(۵) اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى - (الزمر: ۴۲) اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کو موت نہیں آئی ان روحوں کو نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے پھر جن روحوں کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہے ان کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک وقت مقررہ تک کیلئے چھوڑ دیتا ہے۔

اس آیت میں روح کا حادث اور مخلوق ہونا بالکل واضح ہے۔(الروح ص:۲۳۲۔۲۴۰ ملخصاً مطبوعہ دار الحدیث مصر، ۱۴۱۰ھ)

نفس اور روح ایک چیز ہیں یا الگ الگ ؟

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ نفس اور روح ایک چیز ہیں یا الگ الگ ہیں، اس میں تحقیق یہ ہے کہ نفس کا اطلاق ذات پر بھی ہوتا ہے یعنی روح اور بدن کے مجموعہ پر اور صرف روح پر بھی ہوتا ہے، روح اور بدن کے مجموعہ پر اطلاق کی یہ مثالیں ہیں:

وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ. (التوبہ: ۴۱) — اپنے مالوں اور اپنے نفسوں کے ساتھ جہاد کرو، یعنی روح اور بدن کے مجموعوں کے ساتھ۔

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ. (البقرہ: ۵۴) — اپنے خالق کی طرف توبہ کرو اور اپنے آپ کو خود قتل کرو (یعنی روح اور بدن کے مجموعہ کو)۔

اور نفس کے روح پر اطلاق کی یہ مثالیں ہیں:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ. (الانعام: ۹۳) — اور اگر آپ اس وقت دیکھتے جب یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ اپنی روحوں کو نکالو، آج تم کو ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ (الفجر: ۲۸۔۲۷) — اے مطمئن روح! تو اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ (النّٰزعٰت: ۴۰) — اور جس نے روح کو خواہش سے روکا۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ. (یوسف: ۵۳) — بے شک روح تو برائی پر ہی ابھارنے والی ہے۔

نفس کا اطلاق تو صرف روح اور روح اور بدن کے مجموعہ پر ہوتا ہے، لیکن روح کا اطلاق نہ صرف بدن پر ہوتا ہے اور نہ نفس اور بدن کے مجموعہ پر۔(الروح ص ۲۰۹۔۲۰۸ مطبوعہ دار الحدیث، مصر ۱۴۱۰ھ)

نفس امّارہ، نفس لوّامہ اور نفس مطمئنّہ کی تعریفات

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

نفس امّارہ وہ روح ہے جو طبیعت بدنی کی طرف مائل ہوتی ہے اور لذتوں اور شہوات حسیہ کا حکم دیتی ہے اور دل کو سفلی جانب کی طرف کھینچتی ہے یہ تمام برائیوں کا ماویٰ اور اخلاق مذمومہ کا منبع ہے۔

نفس لوّامہ وہ روح ہے کہ جب اس کی جبلت ظلمانی کی وجہ سے کوئی برا کام صادر ہو جاتا ہے یا غفلت میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی برائی سرزد ہو جاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرتی ہے اور اس برائی سے توبہ کرتی ہے۔

نفس مطمئنّہ یہ وہ روح ہے جو عقل کے نور سے پوری طرح منور ہوتی ہے اور مذموم صفات سے مجرد ہوتی ہے اور اخلاق محمودہ سے متصف ہوتی ہے۔

علامہ میر سید شریف جرجانی نے مطلقاً نفس کی یہ تعریف کی ہے:

یہ وہ لطیف جوہر بخاری ہے جو حیات، حس، اور حرکت ارادی کی قوت کا حامل ہے اور اس کا نام روح حیوانی ہے یہ وہ

جوہر ہے جو بدن کو روشن کرتا ہے' اور موت کے وقت بدن کے ظاہر اور باطن سے اس کی روشنی منقطع ہو جاتی ہے اور نیند کے وقت فقط ظاہر بدن سے اس کی روشنی منقطع ہوتی ہے نہ کہ بدن کے باطن سے' کیونکہ موت انقطاع کلی ہے اور نیند انقطاع ناقص ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جوہر نفس کو بدن کے ساتھ تین طرح متعلق کیا ہے: (۱) نفس کی روشنی تمام اجزاء بدن پر ہو خواہ ظاہر ہوں یا باطن' اور یہ بیداری ہے۔ (۲) نفس کی روشنی صرف ظاہر بدن سے منقطع ہو باطن سے منقطع نہ ہو یہ نیند ہے۔ (۳) نفس کی روشنی بدن کے ظاہر اور باطن دونوں سے منقطع ہو جائے۔ یہ موت ہے۔

(التعریفات ص ۲۶۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

عالَمِ خلق اور عالَمِ امر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کھیت میں جا رہا تھا آپ ایک شاخ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے اس وقت وہاں سے کچھ یہود گزرے' ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ان سے روح کے متعلق سوال کرو' اس نے کہا تمہیں ان سے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے' دوسرے نے کہا وہ تم کو ایسا جواب نہ دیں جو تم کو ناپسند ہو' پھر انہوں نے کہا ان سے سوال کرو' سو انہوں نے آپ سے سوال کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا' میں سمجھ گیا کہ آپ کی طرف وحی کی جارہی ہے میں اپنی جگہ کھڑا رہا' پھر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○

اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم کو محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۲۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۹۹)

میرے رب کے امر سے مراد یہ ہے کہ روح عالم ملکوت سے ہے' عالم خلق سے نہیں ہے جو عالم الغیب والشہادت ہے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے یعنی روح اس امر سے ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' بعض علماء نے کہا عالم خلق وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مادہ سے پیدا فرماتا ہے اور عالم امر وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کسی چیز کو صرف لفظ کن سے پیدا فرماتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم تھا یا نہیں؟

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قصہ میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے آپ سے یہ سوال کیا تھا کہ روح کو کس طرح عذاب دیا جائے گا جب کہ وہ جسم میں ہے اور روح تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' تو یہ آیت نازل ہوئی' بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا' بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو مطلع فرمایا ہو اور آپ کو یہ حکم نہ دیا ہو کہ آپ ان کو مطلع فرمائیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ سیوطی اور علامہ قسطلانی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (شرح الصدور ص ۳۱۹' ارشاد الساری ج ۷ ص ۲۰۳)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو اور یہ کیونکر ممکن ہے جب کہ آپ اللہ کے محبوب ہیں اور تمام کائنات کے سردار ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ احسان فرمایا ہے کہ آپ کو وہ سب کچھ بتادیا جس کا آپ کو علم نہ تھا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۰۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

عقل سے روح کا علم نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کا علم ایک اور نور سے حاصل ہوگا جو نور عقل سے اعلیٰ اور اشرف ہے اور یہ نور صرف عالم نبوت اور رسالت میں ہوتا ہے اور اس نور کی نسبت عقل کے ساتھ ایسی ہے جیسی عقل کی نسبت وہم اور خیال کے ساتھ ہے۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۱۲، مطبوعہ مصر)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

عام فلاسفہ اور متکلمین بھی روح کو جانتے ہیں پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں کہ میں روح کو نہیں جانتا تو یہ آپ کی شان کے خلاف ہے اور لوگوں کو آپ سے دور کرنے کا باعث ہے، بلکہ روح کے مسئلہ سے لاعلمی تو ایک عام انسان کے لیے بھی باعث تحقیر ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام علماء سے بڑھ کر عالم اور تمام فضلاء سے بڑھ کر فاضل ہیں انہیں مسئلہ روح کا علم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا: رحمٰن نے قرآن کا علم دیا (الرحمان: ۲-۱) اور آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ آپ کو بتلا دیا اور یہ آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے (النساء: ۱۱۳) اور فرمایا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کے علم میں زیادتی فرمائے (طٰہٰ: ۱۱۴) اور قرآن کی صفت میں فرمایا ہر خشک و تر چیز کا ذکر قرآن کریم میں ہے (الانعام: ۵۹) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! ہمیں تمام چیزوں کی حقیقت بتلا، سو جس شخص کریم کی یہ شان ہو ان کے متعلق یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ انہیں روح کا علم نہ ہو جب کہ یہ مسائل مشہورہ میں سے ہے بلکہ ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہود نے آپ سے روح کے متعلق سوال کیا اور آپ نے ان کو بہترین طریقہ سے جواب دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۹۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ کو روح کا علم نہیں تھا، اور شاید اس (عبداللہ) کا یہ زعم تھا کہ روح کا علم ممتنع ہے، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو اس وقت تک قبض نہیں کیا گیا، حتیٰ کہ آپ کو ہر اس چیز کا علم دے دیا گیا جس کا علم دیا جانا ممکن تھا، جیسا کہ امام احمد اور امام ترمذی کی اس روایت میں ہے اور امام بخاری نے کہا یہ حدیث صحیح ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک رات کو میں اٹھا اور جتنی نماز میرے مقدر میں تھی وہ میں نے پڑھی، مجھے نماز میں اونگھ آ گئی میں نے اپنے رب عزوجل کو حسین صورت میں دیکھا فرمایا اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اے میرے رب! میں نہیں جانتا، پھر فرمایا اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اے میرے رب! میں نہیں جانتا! پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی حتیٰ کہ میں نے اپنے سینے کے درمیان ان پوروں کی ٹھنڈک محسوس کی اور میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۲۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا بلکہ جائز ہے کہ مطلع کیا ہو اور لوگوں کو بتلانے کا آپ کو حکم نہ دیا ہو، اور بعض علماء نے علم قیامت کے متعلق بھی یہی کہا ہے اور بندہ مسکین (اللہ تعالیٰ اس کو نور علم اور یقین کے ساتھ خاص فرمائے) یہ کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے علم کی نفی کیسے کر سکتا ہے، وہ جو سید المرسلین اور امام العارفین ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا علم عطا فرمایا ہے اور تمام اولین اور آخرین کے علوم آپ کو عطا کیے ہیں، ان کے سامنے روح کے علم کی کیا حقیقت ہے آپ کے علم کے سمندر کے سامنے روح کے علم کی ایک قطرہ سے زیادہ کیا حقیقت ہے۔

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۱-۴۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱۳۹۷ھ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن کریم نے اس سوال کا جواب مخاطب کی ضرورت اور فہم کے مطابق دے دیا، حقیقت روح کو بیان نہیں فرمایا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح کی حقیقت کو کوئی انسان سمجھ ہی نہیں سکتا اور یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی حقیقت معلوم نہیں تھی، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت نہ اس کی نفی کرتی ہے نہ اثبات۔ اگر کسی نبی و رسول کو وحی کے ذریعہ یا کسی ولی کو کشف والہام کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو اس آیت کے خلاف نہیں۔

(معارف القرآن ج ۵ ص ۵۲۸، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر (بالفرض) ہم چاہیں تو ہم ضرور اس تمام وحی کو سلب کر لیں جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے، پھر ہمارے مقابلہ میں آپ کو کوئی حمایتی نہ مل سکے ۝ ماسوا آپ کے رب کی رحمت کے، بے شک آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے ۝ (بنی اسرائیل: ۸۷-۸۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی رحمت اور اس کے فضل کی دلیل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بہت کم علم دیا ہے، اور اس آیت میں فرمایا اگر اللہ چاہے تو لوگوں کے دلوں سے اس کم علم کو بھی نکال لے۔ بایں طور کہ دلوں سے اس علم کو مٹادے اور کتابوں سے بھی اس کو محو کر دے، اگرچہ ایسا ہونا عادت کے خلاف ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔

اس کے بعد فرمایا ماسوا آپ کے رب کی رحمت کے یعنی اس وحی کا سینوں اور صحیفوں میں باقی اور محفوظ رہنا صرف آپ کے رب کی رحمت اور اس کے فضل سے ہی ہو سکتا ہے اور چونکہ قرآن مجید مسلمانوں کے سینوں اور صحیفوں میں محفوظ ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے رب کی رحمت اور اس کا فضل آپ کے شامل حال ہے۔

دلوں سے علم کا نکل جانا

زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اشیاء کا ذکر کیا اور فرمایا یہ اس وقت ہو گا جب علم چلا جائے گا میں نے کہا یا رسول اللہ! علم کیسے چلا جائے گا حالانکہ ہم خود قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں اور ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور یونہی قیامت تک ہوتا رہے گا؟ آپ نے فرمایا زیاد! تمہاری ماں تم پر روئے! میرا خیال تھا کہ تم مدینہ میں سب سے زیادہ سمجھ دار شخص ہو، کیا یہ یہود اور نصاریٰ تورات اور انجیل کو نہیں

پڑھتے! وہ تورات اور انجیل پڑ لکھے ہوئے کے موافق بالکل عمل نہیں کرتے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۸ مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۹ ۴۲۹۰، ۱۷۹۲۰ المستدرک ج ۱ ص ۱۰۰ یہ حدیث ضعیف ہے)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام اس طرح مٹ جائے گا جس طرح کپڑے کے نقش و نگار مٹ جاتے ہیں، حتیٰ کہ یہ معلوم نہیں ہو گا کہ روزہ کیا ہے اور نماز کیا ہے اور قربانی کیا ہے اور صدقہ کیا ہے؟ ایک رات میں کتاب اللہ چلی جائے گی اور زمین میں اس کی ایک آیت بھی نہیں رہے گی اور لوگوں کے گروہ باقی رہیں گے، بہت بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت، یہ کہیں گے ہم نے اپنے باپ دادا کو یہ کلمہ پڑھتے ہوئے پایا لا الہ الا اللہ سو ہم بھی یہ کلمہ پڑھتے ہیں، حضرت حذیفہ سے صلہ نے کہا لا الہ الا اللہ ان لوگوں کو نجات نہیں دے سکتا جب کہ وہ نہ جانتے ہوں کہ نماز کیا ہے، روزہ کیا ہے، قربانی کیا ہے، اور صدقہ کیا ہے، حضرت حذیفہ نے اس سے اعراض کیا، صلہ نے اپنی بات کو تین بار دہرایا اور ہر بار حذیفہ نے اس کی بات کو رد کیا پھر تیسری بار اس کی طرف متوجہ ہو تین بار کہا اے صلہ! ان کو یہ کلمہ نجات دے دے گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۹ المستدرک ج ۴ ص ۴۷۳ اس حدیث کی سند صحیح ہے)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں ○ (بنی اسرائیل: ۸۸)

اس آیت کی مکمل تفسیر ہم البقرہ: ۲۳ میں بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں مگر اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا (ہر چیز کا) انکار کر دیا ○ (بنی اسرائیل: ۸۹)

قرآن مجید کا متعدد اسالیب سے ہدایت دینا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں کی ہدایت کے لیے قرآن مجید میں مختلف اسلوب استعمال کیے جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) اہل مکہ یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن کریم اللہ کا کلام نہیں ہے، بلکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بنالیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو چیلنج دیا کہ اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو تم اور جنات مل کر ایسا کلام بنا کر لے آؤ لیکن وہ اس سے عاجز رہے۔ پھر فرمایا چلو اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ (ھود: ۱۳) وہ اس سے بھی عاجز رہے، پھر فرمایا چلو اس کی کسی ایک سورت کی مثل بنا کر لے آؤ وہ اس سے بھی عاجز رہے (البقرہ: ۲۳) پھر فرمایا چلو اس کی ایک آیت کی مثل بنا کر لے آؤ (الطور: ۳۴) وہ اس سے بھی عاجز رہے اور اس کے باوجود ایمان نہیں لائے۔

(۲) ہم نے اس قرآن میں بار بار بتایا کہ جو قومیں ایمان نہیں لائیں اور اپنے کفر پر ڈٹی رہیں ان پر طرح طرح کی مصیبتیں اور عذاب آئے اگر اہل مکہ تم بھی اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی یہی حشر ہو گا مگر انہوں نے اس نصیحت کو بھی قبول نہیں کیا۔ اور اسی طرح اپنے کفر پر جمے رہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار توحید پر دلائل قائم کیے اور شرک کا رد کیا اور نبوت پر، قیامت پر اور مر کر دوبارہ زندہ کیے جانے پر دلائل قائم کیے اور اس سلسلہ میں منکرین نبوت اور قیامت کے جو شبہات تھے ان کا رد بلیغ کیا، لیکن کفار نے ان دلائل سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا وہ بدستور اپنے انکار اور عناد پر قائم رہے، اور اسی طرح شرک اور بت پرستی کرتے رہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے رہے، انہیں بہت معجزات دکھائے گئے لیکن ان پر کوئی اثر نہیں

ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کردیں○ یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو، پھر آپ ان کے درمیان سے بہتے ہوئے دریا جاری کردیں○ یا جس طرح آپ ہم سے کہتے ہیں، ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے گرادیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے (بے حجاب) لے آئیں○ یا آپ کے لیے سونے کا کوئی گھر ہو، یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر (بھی) ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہم پر کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں، آپ کہیے میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر ہوں جس کو رسول بنایا گیا ہے○ (بنی اسرائیل: ۹۳-۹۰)

تبلیغ اسلام سے دست کش ہونے کے لیے کفار مکہ کی پیش کش

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو سفیان بن حرب، نضر بن الحارث، ابو البختری بن ہشام، الاسود بن المطلب، زمعہ بن الاسود، ولید بن مغیرہ، ابو جہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی امیہ، العاص بن وائل، امیہ بن خلف اور دیگر بڑے بڑے کفار قریش غروب آفتاب کے وقت کعبہ میں جمع ہوئے، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کسی کو بھیج کر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلاؤ اور ان سے اس دین کے متعلق بات کرو جس کی وہ دعوت دیتے ہیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو انہوں نے کہا تمہاری قوم کے بڑے بڑے سردار یہاں موجود ہیں، اور اللہ کی قسم! ہم تم کو یہ بتارہے ہیں کہ عرب کے کسی شخص نے اپنی قوم کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا تم نے اپنی قوم کو نقصان پہنچایا ہے، تم نے ان کے باپ دادا کو برا کہا، ان کے دین کی مذمت کی، ان کے خداؤں کو برا کہا، ان کے نوجوانوں کو گمراہ کیا، اور جماعت میں تفرقہ ڈالا اور کوئی برائی نہ تھی جو تم نے ہمارے ساتھ نہ کی ہو، اگر تم نے یہ سب کچھ مال و دولت کے حصول کے لیے کیا ہے تو ہم تمہارے پاس مال و دولت کا ڈھیر لگا دیتے ہیں، حتیٰ کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے، اور اگر تم اس کارروائی سے شرف اور بزرگی چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا سردار مان لیتے ہیں، اور اگر تم اس سے ملک اور سلطنت چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ مان لیتے ہیں اور اگر کوئی جن تم پر غالب ہو گیا ہے تو ہم مال خرچ کرکے تمہارا علاج کراتے ہیں، حتیٰ کہ تم تندرست ہو جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جو تم کہہ رہے، میں تمہیں جو دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں اس سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ تم سے مال حاصل کروں اور نہ میں تم پر بزرگی اور بڑائی چاہتا ہوں اور نہ میں تم پر بادشاہت چاہتا ہوں، لیکن اللہ نے مجھے رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے، اور مجھ پر کتاب نازل کی ہے، اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ تم کو خوش خبری دوں اور ڈراؤں، پس میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچائے اور تمہاری خیر خواہی کی، پس اگر تم نے میرے لائے ہوئے دین کو قبول کرلیا تو وہ تمہاری دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے اور اگر تم نے میرے پیغام کو مسترد کردیا تو میں اللہ کے حکم کے مطابق صبر کروں گا حتیٰ کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا حکم آجائے۔

کفار مکہ کا فرمائشی معجزات طلب کرنا

کفار قریش نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم ہماری پیش کش کو قبول نہیں کرتے تو سنو! ہمارے شہر سے تنگ کوئی اور شہر نہیں ہے اور نہ ہم سے زیادہ سخت کسی کی معیشت ہے، تم ہمارے لیے اپنے رب سے سوال کرو جس نے تم کو بھیجا ہے کہ وہ ان پہاڑوں کو دور دور ہٹادے جنہوں نے اس شہر کو ہم پر تنگ کیا ہوا ہے، اور ہمارے شہر کو وسیع کردے اور ہمارے لیے ایسے دریا جاری کردے جیسے ملک شام اور عراق میں دریا ہیں، اور ہمارے مرے ہوئے باپ دادا میں سے کسی کو

زندہ کرکے ہمارے پاس بھیجے اور قصی بن کلاب کو بھیج دے، کیونکہ وہ سچا آدمی تھا، ہم اس سے تمہاری دعوت کے متعلق پوچھیں گے آیا تمہاری دعوت حق ہے یا باطل ہے، اگر اس نے تمہاری تصدیق کردی اور تم نے ہمارے مطالبہ کو پورا کردیا تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور ہم جان لیں گے کہ اللہ کے نزدیک تمہارا کیا مرتبہ ہے اور یہ کہ واقعی اللہ نے تمہیں رسول بنایا ہے۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے پاس اس کام کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں، میں اللہ کے پاس سے تمہارے لیے دین کا پیغام لایا ہوں، اور میں نے اپنا پیغام تم کو پہنچا دیا ہے، اگر تم نے اس کو قبول کرلیا تو تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے، اور اگر تم نے اس کو مسترد کردیا تو میں اللہ کی تقدیر پر صبر کروں گا، حتیٰ کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا حکم آجائے۔ انہوں نے کہا اگر تم ہمارے لیے یہ مطالبہ نہیں کرتے تو اپنے لیے اپنے رب سے سوال کرو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ بھیجے جو تمہارے دین کی تصدیق کرے اور تمہاری طرف سے ہم کو جواب دے، اور تم اپنے رب سے سوال کرو کہ وہ تمہارے لیے باغات اور محلات بنادے اور تمہیں سونے اور چاندی کے خزانے دے حتیٰ کہ تم تلاش معاش سے مستغنی ہو جاؤ۔ کیونکہ تم ہماری طرح بازاروں میں جاتے ہو اور ہماری طرح روزی کی تلاش میں رہتے ہو، حتیٰ کہ ہم جان لیں کہ واقعی تم اللہ کے رسول ہو اور اللہ کے نزدیک تمہاری بہت فضیلت اور وجاہت ہے۔

تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسا نہیں کروں گا اور میں اپنے رب سے اس طرح کے سوال نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجا، لیکن اللہ نے مجھے خوش خبری سنانے کے لیے اور عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے، اگر تم نے میرے پیغام کو قبول کرلیا تو یہ تمہاری دنیا اور آخرت میں کامیابی ہے، اور اگر تم نے اس پیغام کو مسترد کردیا تو میں اللہ کی تقدیر پر صبر کروں گا، حتیٰ کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا حکم آجائے۔ پھر کفار قریش نے کہا تو پھر آسمان کے ٹکڑے ہم پر گرادو، جیسا کہ تم کہتے ہو کہ اگر تمہارا رب چاہے تو وہ ایسا کرے گا، ہم تم پر اسی وقت ایمان لائیں گے جب تم ایسا کر گزرو گے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ اگر چاہے گا تو تمہارے ساتھ ایسا کرے گا، پھر انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آیا آپ کے رب کو معلوم ہے کہ ہم آپ کی مجلس میں بیٹھے ہیں اور آپ سے یہ سوال اور یہ مطالبے کر رہے ہیں، پھر آپ کا رب آپ کو بتائے گا کہ آپ کا رب ہمارے ان فرمائشی معجزات کے متعلق کیا کرنے والا ہے، اور آپ کو اس سلسلے میں کیا جواب دے گا، کیونکہ ہم نے آپ کے پیغام کو قبول نہیں کیا اور ہم کو معلوم ہے کہ یمامہ میں ایک شخص ہے جو آپ کو سکھاتا ہے اس کا نام رحمٰن ہے اور ہم اللہ کی قسم رحمٰن پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ پر حجت پوری کردی ہے، اور ان میں سے ایک شخص نے کہا ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں۔ (السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۳۳۴۔۳۳۲ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمائشی معجزات نازل نہ کرنے کی وجوہات

علامہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار مکہ نے چند معجزات کا مطالبہ کیا کہ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے پیچھے دھکیل دیا جائے اور آپ پر فرشتے نازل کیے جائیں وغیرہ وغیرہ اور یہ ان کی اللہ تعالیٰ کے امتحان لینے کی حکمت سے جہالت تھی کہ اس کے بندے رسولوں کی تصدیق کریں اور دلائل میں غور و فکر کرکے ایمان لائیں اور اس وجہ سے ان کو ثواب ملے، اور اگر تمام حجابات

اٹھادیے جاتے اور ان کو رسولوں کی بعثت کا بداہتاً علم ہو جاتا تو پھر ثواب اور عذاب دینے کی حکمت ہی باطل ہو جاتی کیونکہ جس کام میں انسان کے غور و فکر کا کسب نہ ہو اس پر اس کو اجر نہیں دیا جاتا، اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت پر ایسے معجزات اور دلائل فراہم کیے جن میں انسان کے غور و فکر کا دخل ہو اور وہ ان دلائل میں غور و فکر کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے تاکہ اس کو اجر کا مستحق قرار دیا جاسکے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ وہ انسانوں سے ایسا کلام کرتا جس کو وہ سن سکتے اور وہ اس سے مستغنی ہو جاتے کہ ان کی طرف کسی رسول کو بھیجا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی اور دیگر امور غیبیہ کی تصدیق کی دو قسمیں کیں، دنیا میں نبی کی تصدیق کو دلائل کے ساتھ غور و فکر پر مبنی کیا کیونکہ دنیا دار تکلیف اور دار امتحان ہے اور یہاں نبی کی تصدیق کرنے اور نہ کرنے کو ثواب اور عذاب پر مرتب کیا، اور آخرت میں نبی کی تصدیق اضطراری اور بدیہی طور پر ہو جائے گی کیونکہ جن چیزوں کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں خبر دی تھی ان سب کا مشاہدہ انسان کی آنکھ کر لے گی اور آخرت کی تصدیق میں کوئی ثواب اور جزا نہیں ہوگی کیونکہ اس میں انسان کے کسی امتحان اور کسی آزمائش کا دخل نہیں ہو گا- اسی طرح کفار قریش نے جن معجزات کا مطالبہ کیا تھا کہ فرشتے آکر ان سے باتیں کریں، اور وہ اللہ اور فرشتوں کو بے حجاب دیکھیں اس سے اضطراری اور غیر اختیاری طور پر نبوت اور دیگر امور غیبیہ کی تصدیق ہو جاتی اور ان کے امتحان اور آزمائش کا کوئی موقع نہ رہتا اور ثواب اور عذاب کا استحقاق بے معنی ہو جاتا اور نبیوں اور رسولوں کو بھیجنے کی حکمت باطل ہو جاتی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات پورے نہیں کیے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے فرمائشی معجزات پورے کیے جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے مطالبہ پر پتھر کی چٹان سے اونٹنی اور اس کے بچہ کو برآمد کیا لیکن ان کی قوم پھر بھی ایمان نہیں لائی اور حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور وہ اونٹنی جو اللہ کی نشانی تھی اس کی بے حرمتی کی اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات پورے نہیں کیے قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ - (بنی اسرائیل: ۵۹)

اور ہمیں (فرمائشی) معجزات نازل کرنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ پچھلی امتوں کے لوگ ان کی تکذیب کر چکے تھے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ کسی حقیقت تک پہنچنے کے لیے معجزات طلب نہیں کر رہے، نہ کسی الجھن اور شک و شبہ کو دور کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ محض عناد، ضد اور ہٹ دھرمی کے طور پر سوالات کر رہے ہیں اور اگر بالفرض ان کی فرمائش کو پورا کر بھی دیا جائے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور ان کے یہ مطالبات صرف کٹ حجتی پر مبنی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات پورے نہیں کیے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کی فرمائش پر کوئی معجزہ نازل کیا جائے اور وہ قوم پھر بھی ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ اس قوم پر عذاب نازل کر کے اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ - (الانفال: ۳۳)

اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل فرمائے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ کسی انسان کے یقین اور اطمینان کے لیے جتنے معجزات کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نازل کر چکا تھا، اب مزید معجزات کی ضرورت نہ تھی۔ (الروض الانف ج ۲ ص ۴۹-۴۷، ملخصاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

معجزات کے مقدورِ نبی ہونے کی بحث

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے فرمائشی معجزات نازل کرنے سے انکار فرمادیا اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معجزات صادر کرنے اور ان کے اظہار پر قادر نہ تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر قادر ہونے کا معنی یہ ہے کہ جو معجزات اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمادیے تھے ان کے اظہار پر آپ کو قدرت تھی اور اختیار تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں جن کاموں کی قدرت عطا کی ہے ہم ان کاموں کو اپنے اختیار اور قدرت سے صادر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور طاقت کے بغیر ہم کوئی کام کر سکتے ہیں نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہیں، معجزہ کے مقدور ہونے کی مکمل بحث ہم نے الاعراف: ۲۰۱ اور انفال: ۱۹ کی تفسیر میں بیان کر دی ہے اس بحث کو وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی تحقیق

آیت: ۹۳ میں فرمایا ہے: آپ کہیے میرا رب پاک ہے میں تو صرف بشر ہوں جس کو رسول بنایا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا بھی ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور اس میں بہت تفریط کی گئی ہے۔ بعض لوگ اس میں غلو کرتے ہیں اور آپ کو نور محض مانتے ہیں اور آپ کے بشر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور بعض اس مسئلہ میں تفریط کرتے ہیں اور آپ کو اپنا سا بشر کہتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ آپ بشر ضرور ہیں لیکن افضل البشر ہیں اور آپ کے کسی وصف میں آپ کا کوئی مماثل نہیں ہے۔

صدر الشریعہ علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

عقیدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہیں۔

عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن، نبی ہوا نہ عورت۔ (بہار شریعت ج ۱ ص ۹، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے یہ وحی کبھی فرشتہ کی معرفت آتی ہے کبھی بے واسطہ۔ (کتاب العقائد ص ۸، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا:

زید کا قول یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مثل ایک بشر تھے کیونکہ قرآن عظیم میں ارشاد ہے: قل انما انا بشر مثلکم اور خصائص بشریت بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں بلاشبہ موجود تھے، کیا کھانا پینا، جماع کرنا، بیٹا ہونا، باپ ہونا، کفو ہونا، سونا وغیرہ امور خواص بشریت سے نہیں ہیں! جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے، اگر کوئی بشریت کی بناء پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مساوات کا دعویٰ کرنے لگے تو یہ نالائق حرکت ہے جیسا کہ عارف بسطامی سے منقول ہے کہ لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم (میرا جھنڈا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے)۔

اعلیٰ حضرت امام الشاہ احمد رضا قدس سرہ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

الجواب: مستفتی کو تعجیل اور فقیر بتیس ۳۲ روز سے علیل اور مسئلہ ظاہر و بین غیر محتاج دلیل لہٰذا صرف ان اجمالی

کلمات پر اقتصار ہوتا ہے عمرو کا قول مسلمانوں کا قول ہے اور زید نے وہی کہا جو کافر کہا کرتے تھے قالوا ما انتم الا بشر مثلنا کافر بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی، بلکہ زید مدعی اسلام کا قول ان کافروں کے قول سے بعید تر ہے وہ جو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو اپنا سا بشر مانتے تھے اس لیے کہ ان کی رسالت سے منکر تھے کہ ما انتم الا بشر مثلنا وما انزل الرحمن من شئی ان انتم الا تکذبون تم تو نہیں مگر ہماری مثل بشر اور رحمن نے کچھ نہیں اتارا تم نرا جھوٹ کہتے ہو، واقعی جب ان خبثاء کے نزدیک وحی نبوت باطل تھی تو انہیں اپنی سی بشریت کے سوا کیا نظر آتا لیکن ان سے زیادہ دل کے اندھے وہ کہ وحی و نبوت کا اقرار کریں اور پھر انہیں اپنا ہی سا بشر جانیں، زید کو قل انما انا بشر مثلکم سوجھا اور یوحی الی نہ سوجھا جو غیر متناہی فرق کو ظاہر کرتا، زید نے اتنا ہی ٹکڑا لیا جو کافر لیتے تھے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بشریت جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کی ملکیت سے اعلیٰ ہے وہ ظاہری صورت میں ظاہر بینوں کی آنکھوں میں بشریت رکھتے ہیں جس سے مقصود خلق کا ان سے انس حاصل کرنا اور ان سے فیض پانا و لہٰذا ارشاد فرماتا ہے ولو جعلناہ ملکا لجعلنہ رجلا وللبسنا علیہم ما یلبسون اور اگر ہم فرشتے کو رسول کر کے بھیجتے تو ضرور اسے مرد ہی کی شکل میں بھیجتے اور ضرور انہیں اسی شبہ میں رکھتے جس دھوکے میں اب ہیں، ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی ظاہری صورت دیکھ کر انہیں اوروں کی مثل بشر سمجھنا ان کی بشریت کو اپنا سا جاننا ظاہر بینوں کو رباطنوں کلو ھوکا ہے۔ شیطان کے دھوکے میں پڑے ہیں۔

ہمسری با اولیا برداشتند

انبیا را ہم چو خود پنداشتند

ان کا کھانا پینا سونا یہ افعال بشری اس لیے نہیں کہ وہ ان کے محتاج ہیں حاشا لست کاحدکم انی ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی ان کے یہ افعال بھی اقامت سنت و تعلیم امت کے لیے تھے کہ ہر بات میں طریقہ محمودہ لوگوں کو عملی طور سے دکھائیں سکھائیں جیسے ان کا سہو و نسیان، حدیث میں ہے، انی لا انسی ولکن انسی لیستن بی میں بھولتا نہیں بھلایا جاتا ہوں تاکہ حالت سہو میں امت کو طریقہ سنت معلوم ہو۔

امام اجل محمد عبدری ابن الحاج مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احوال بشری کھانا پینا سونا جماع اپنے نفس کریم کے لیے نہ فرماتے تھے بلکہ بشر کو انس دلانے کے لیے کہ ان افعال میں حضور کی اقتداء کریں کیا نہیں دیکھتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور مجھے ان کی کچھ حاجت نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمہاری دنیا میں سے خوشبو اور عورتوں کی محبت دلائی گئی، یہ نہ فرمایا کہ میں نے انہیں دوست رکھا اور فرمایا تمہاری دنیا میں سے تو اسے اوروں کی طرف اضافت فرمایا نہ اپنے نفس کریم کی طرف صلی اللہ علیہ وسلم، معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے مولیٰ عزوجل کے ساتھ خاص ہے، جس پر یہ ارشاد کریم دلالت کرتا ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر صورت بشری اور باطن ملکی ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ افعال بشری محض اپنی امت کو انس دلانے اور ان کے لیے شریعت قائم فرمانے کے واسطے کرتے تھے نہ یہ کہ حضور کو ان میں سے کسی شے کی کچھ حاجت ہو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا انہیں اوصاف جلیلہ و فضائل حمیدہ سے جہل کے باعث بیچارے جاہل یعنی کافر نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے، عمرو نے سچ کہا کہ یہ قول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہ فرمایا بلکہ اس کے فرمانے پر مامور ہوئے جس کی حکمت تعلیم تواضع و تانیس امت و سد غلو نصرانیت ہے اول،

دوم ظاہر اور سوم یہ کہ مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کی امت نے ان کے فضائل پر خدا اور خدا کا بیٹا کہا پھر فضائل محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیۃ کی عظمت شان کا اندازہ کون کر سکتا ہے' یہاں اس غلو کے سد باب کے لیے تعلیم فرمائی گئی کہ کہو کہ میں تم جیسا بشر ہوں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں ہاں یوحی الی رسول ہوں دفع افراط نصرانیت کے لیے پہلا کلمہ تھا اور دفع تفریط ابلیسیت کے لیے دوسرا کلمہ اسی کی نظیر ہے' جو دوسری جگہ ارشاد ہوا قل سبحن ربی ھل کنت الا بشرا رسولا تم فرما دو پاکی ہے میرے رب کو میں خدا نہیں ہوں میں تو انسان رسول ہوں انہیں دونوں کے دفع کو کلمہ شہادت میں دونوں لفظ کریم جمع فرمائے گئے اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ بندے ہیں خدا نہیں ہیں رسول ہیں خدا سے جدا نہیں' شیطنت اس کی کہ دوسرا کلمہ امتیاز اعلیٰ چھوڑ کر پہلے کلمہ تواضع پر اقتصار کرے' اسی ضلالت کا اثر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دعوی مساوات کو صرف نالائق حرکت کہنا لائق حرکت تو یہ بھی ہے کہ کوئی بلاوجہ زید کو طمانچہ مار دے یعنی اس زید کو جس نے کفر و ضلال نہ بکے ہوں پھر کہاں یہ اور کہاں وہ دعویٰ مساوات کہ کفر خالص ہے' اور اس کا اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ارفعیت کا ادعا نسبت کرنا محض افترا اور کج فہمی ہے حاشا کوئی ولی کیسے ہی مرتبہ عظیمہ پر ہو سرکار کے دائرہ غلامی سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا' اکابر انبیاء تو دعویٰ مساوات کر نہیں سکتے' شیخ الانبیاء خلیل کبریا علیہ الصلوۃ والثناء نے شب معراج حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خطبہ سن کر تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والتسلیم سے فرمایا بھذا افضلکم محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان وجوہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب پر افضل ہوئے' ولی کس منہ سے دعویٰ ارفعیت کرے گا اور جو کرے حاشا ولی نہ ہو گا شیطان ہو گا' حضرت سیدنا بایزید بسطامی اور ان کے امثال و نظائر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وقت ورود تجلی خاص شجرہ موسیٰ ہوتے ہیں سیدنا موسیٰ کلیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو درخت میں سے سنائی دیا یموسی انی انا اللہ رب العلمین اے موسیٰ بے شک میں اللہ ہوں رب سارے جہان کا کیا یہ پیڑ نے کہا تھا حاشا للہ بلکہ واحد قہار نے جس نے درخت پر تجلی فرمائی اور وہ بات درخت سے سننے میں آئی' کیا رب العزت ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور اپنے محبوب بایزید پر نہیں' نہیں نہیں وہ ضرور تجلی ربانی تھی کلام بایزید کی زبان سے سنا جاتا تھا جیسے درخت سے سنا گیا اور متکلم اللہ عزوجل تھا اسی نے وہاں فرمایا یموسی انی انا اللہ رب العلمین اسی نے یہاں بھی فرمایا سبحانی ما اعظم شانی اور ثابت ہو تو یہ بھی کہ لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک لواء الہی لواء محمدی سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ (اعلیٰ حضرت کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت بایزید نے بظاہر لوائی ارفع من لواء محمد کہا تھا تو یہ حقیقت میں اللہ کا کلام تھا اور اللہ فرما رہا تھا میرا جھنڈا محمد کے جھنڈے سے بلند ہے' جیسے شجر موسیٰ سے اللہ کا کلام سنا گیا تھا اسی طرح یہاں بایزید سے اللہ کا کلام سنا گیا۔)

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۱۴۵۔ ۱۴۳ مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۶ھ لکھتے ہیں:

کوئی ادنیٰ مسلمان بھی فخر عالم علیہ الصلوۃ کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے قل انما بشر مثلکم اور بعد اس کے یوحی الی کی قید سے پھر وہی شرف تقرب بعد اثبات مماثلت بشریت فرمایا پس اگر کسی نے بوجہ بنی آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص کے کہہ دیا وہ تو خود نص کے موافق ہی کہتا ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

لاریب اخوت نفس بشریت میں اور اولاد آدم ہونے میں ہے اور اس میں مساوات بہ نص قرآن ثابت ہے اور کمالات تقرب میں کوئی نہ بھائی کے نہ مثل جانئے۔ (براہین قاطعہ ص ۳ مطبوعہ بلالی ڈھوک ہند)

شیخ سہارنپوری کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ نفس بشریت میں تمام انسان آپ کے مماثل اور مساوی ہیں ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں عام انسانوں کی بہ نسبت ایک وصف زائد ہوتا ہے جو نبوت ہے وہ حامل وحی ہوتے ہیں، فرشتوں کو دیکھتے ہیں اور ان کا کلام سنتے ہیں اس لیے نبی کی بشریت اور عام انسانوں کی بشریت مماثل اور مساوی نہیں ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ نبوت سے قطع نظر تو نفس بشریت میں مساوات ہے تو میں کہوں گا کہ اس طرح تو نفس حیوانیت میں نطق سے قطع نظر انسان گدھوں، کتوں اور خنزیروں کے مماثل اور مساوی ہے اور ایسا کہنا انسان کی توہین ہے، اسی طرح نفس بشریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے مماثل اور مساوی کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے، اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید میں ہے قل انما انا بشر مثلکم (الکھف: ۱۱۰) تو اس کے دو جواب ہیں، ایک جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۔ (الانعام: ۳۸)

ہر وہ جاندار جو زمین پر چلتا ہے اور ہر وہ پرند جو اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہے وہ تمہاری ہی مثل گروہ ہیں۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ زمین اور فضا کے تمام جاندار اور تمام پرند انسانوں کی مثل ہیں تو اس طریقہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ انسان چیل، گدھ اور بندر اور خنزیر کی مثل ہے تو کیا یہ انسان کی توہین نہیں ہے، لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے مساوی اور ان کی مثل ہیں تو یہ بھی آپ کی توہین ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز میں عام انسانوں کی مثل ہیں کسی وجودی وصف میں کوئی انسان آپ کی مثل نہیں ہے، بلکہ آپ کے ساتھ مماثلت عدمی وصف میں ہے نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں، نہ ہم واجب اور قدیم ہیں نہ آپ واجب اور قدیم ہیں نہ ہم مستحق عبادت ہیں نہ آپ مستحق عبادت ہیں اور یہ آیت اسی معنی پر دلالت کرتی ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ (الکھف: ۱۱۰)

آپ کہیے کہ میں (مستحق عبادت نہ ہونے میں) تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ میرا اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس بحث کی مزید وضاحت کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۰۸-۸۷ (مطبوعہ فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور) کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا

اور لوگوں کو ایمان لانے سے صرف یہ چیز مانع ہوئی کہ جب بھی ان کے پاس ہدایت آئی تو انہوں نے کہا کیا

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ

اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے ○ آپ کہیے اگر زمین میں فرشتے بستے

يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا ﴿٩٥﴾
اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے ○
قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا
آپ کہیے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا اور ان کو خوب
بَصِيرًا ﴿٩٦﴾ وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن
دیکھنے والا ہے ○ اور جس کو اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جن کو وہ گمراہ کردے تو ان کے لیے
تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِهِ ۖ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ
آپ اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں پائیں گے، اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے موہنوں کے
وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا ۖ مَّأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ﴿٩٧﴾
بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب بھی وہ بجھنے لگے گی تو ہم اس کو ان
ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُم بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَ
کے لیے اور بھڑکا دیں گے ○ ان کی یہ سزا اس بنا پر ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ
رُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿٩٨﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ
ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم ازسرِنو پیدا کر کے ضرور اٹھائے جائیں گے ○ کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ ہی نے تو
الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ
تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے (تو وہ) ان کی مثل دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے، اور
جَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيهِ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ﴿٩٩﴾ قُل لَّوْ
اس نے ان کی ایک مدت مقرر کردی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے پس ظالموں نے کفر کے سوا (ہدایت کی) ہر چیز کا انکار کیا ○
أَنتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنفَاقِ ۚ
آپ کہیے اگر تم (بالفرض) میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ کے ڈر سے ان کو روک کے رکھتے

وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿١٠٠﴾ ع

اور (دراصل) انسان ہے ہی بخیل ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور لوگوں کو ایمان لانے سے صرف یہ چیز مانع ہوئی کہ جب بھی ان کے پاس ہدایت آئی تو انہوں نے کہا کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے○ آپ کہئے اگر زمین میں فرشتے بستے اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے○ آپ کہئے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا اور ان کو خوب دیکھنے والا ہے○ (بنی اسرائیل: ۹۶-۹۴)

زمین والوں کے لیے کسی فرشتہ کو رسول کیوں نہیں بنایا؟

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ شبہ ذکر فرمایا تھا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی فرشتہ آیا تو وہ آپ کو نبی مان لیں گے اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ فرشتوں کو نبی ماننا بھی اس پر موقوف ہے کہ وہ کوئی معجزہ دکھائیں تو اول آخر حجت معجزہ ہے تو جب (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت پر معجزہ پیش کر دیا تو تم ان کو نبی کیوں نہیں مانتے اس جواب کی طرف اشارہ آیت: ۹۴ میں او رلفظ ہدایت سے ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر روئے زمین پر رہنے والے فرشتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا، کیونکہ ہر چیز اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے، اور جب روئے زمین پر رہنے والے انسان اور بشر ہیں تو پھر ان کی طرف انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجنا مناسب تھا یہ تقریر آیت: ۹۵ میں ہے، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میری نبوت کی تائید میں معجزہ نازل فرما دیا تو میری نبوت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت حاصل ہو گئی اور میری نبوت پر اس کی شہادت کافی ہے، پھر فرمایا بے شک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور ان کو خوب دیکھنے والا ہے، یعنی وہ اپنے بندوں کے ظواہر اور بواطن کو جاننے والا ہے اور وہ ان کے دلوں کے احوال کو جاننے والا ہے، اس کو علم ہے کہ ان کے شبہات محض حسد اور عناد پر مبنی ہیں حق کو سمجھنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ یہ تقریر آیت: ۹۶ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس کو اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جن کو وہ گمراہ کر دے تو ان کے لیے آپ اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں پائیں گے اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے مونہوں کے بل اٹھائیں گے، اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب بھی وہ بجھنے لگے گی تو ہم اس کو ان کے لیے اور بھڑکا دیں گے○ (بنی اسرائیل: ۹۷)

کافر کے سر کے بل چلنے اور قیامت کے دن اس کے اندھے، بہرے اور گونگے ہونے کی توجیہات

اس آیت میں ان ہٹ دھرم کافروں کے متعلق وعید ہے جو واضح دلائل اور روشن معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے نبی! قیامت کے دن کافر الٹا کیسے چلے گا؟ آپ نے فرمایا جس ذات نے اس کو دنیا میں پیروں سے چلایا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ قیامت کے دن اس کو سر کے بل چلائے؟ قتادہ نے کہا کیوں نہیں! ہمارے رب کی عزت کی قسم!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۲)

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کافر اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے حالانکہ قرآن مجید کی دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیامت کے دن دیکھتے، بولتے اور سنتے ہوں گے۔

دیکھنے کا ثبوت اس آیت میں ہے:

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ (الکہف: ۵۳)

اور مجرمین دوزخ کو دیکھیں گے تو وہ یہ گمان کریں گے کہ وہ اس میں جھونکے جانے والے ہیں اور وہ اس سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے۔

اور سننے کا ثبوت اس آیت میں ہے:

وَاِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝ (الفرقان: ۱۲)

اور جب دوزخ انہیں دور سے دیکھے گی تو وہ اس کا غصہ سے بپھرنا اور چنگھاڑنا سنیں گے ۝

اور بولنے کا ثبوت اس آیت میں ہے مشرکین قیامت کے دن کہیں گے:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ (الانعام: ۲۳)

اور اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے! ہم مشرک نہ تھے ۝

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ اندھے ہوں گے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں دیکھیں گے جس سے ان کو خوشی ہو اور بہرے ہوں گے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں سنیں گے جس سے ان کو خوشی ہو اور وہ گونگے ہوں گے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کریں گے جس سے انہیں خوشی ہو۔

(۲) عطا نے کہا وہ اللہ کا جمال دیکھنے سے اندھے ہوں گے، اس کا کلام سننے سے بہرے ہوں گے اور اس کے ساتھ کلام کرنے سے گونگے ہوں گے۔

(۳) مقاتل نے کہا وہ اس وقت اندھے، بہرے اور گونگے ہوں گے جس وقت ان کو دوزخ میں داخل ہونے کے لیے کہا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ۔ (المومنون: ۱۰۸)

اللہ فرمائے گا اسی میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی یہ سزا اس بناء پر ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم از سر نو پیدا کر کے ضرور اٹھائے جائیں گے ۝ کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ ہی نے تو تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے (تو وہ) ان کی مثل دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور اس نے ان کی ایک مدت مقرر کر دی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ پس ظالموں نے کفر کے سوا (ہدایت کی) ہر چیز کا انکار کیا ۝

(بنی اسرائیل: ۹۹-۹۸)

اس سے پہلی آیتوں میں منکرین نبوت کے شبہات کے جواب دیے تھے اور اس آیت میں حشر اور نشر کے منکرین کے شبہ کا جواب دیا ہے اور اس کی تقریر کئی بار گزر چکی ہے وہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد جب ہمارا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا اور ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور مرور ایام سے ہمارے ذرات دوسرے ذرات میں خلط

ملط ہو جائیں گے تو وہ ایک دوسرے سے کیسے ممتاز ہو کر مجتمع ہوں گے‘ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے اور عدم محض سے ان کو وجود میں لاچکا ہے اس کے لیے ان کی مثل کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے اگر تم (بالفرض) میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ کے ڈر سے ان کو روکے رکھتے اور (در اصل) انسان ہے ہی بخیل O (بنی اسرائیل: ۱۰۰)

حرص کی مذمت

کفار مکہ نے یہ کہا تھا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ نکال دیں (بنی اسرائیل: ۹۰) انہوں نے اپنے شہروں میں دریاؤں اور چشموں کا مطالبہ اس لیے کیا تھا تاکہ ان کے اموال زیادہ ہوں اور ان کی معیشت ان پر وسیع ہو جائے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ زمین کی پیداوار کا ان پر زیادہ ہو جانا اتنی بڑی چیز نہیں ہے‘ اگر وہ بالفرض اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں کے بھی مالک ہو جائیں پھر بھی ان کی حرص اور ان کا بخل کم نہیں ہوگا‘ اللہ تعالیٰ کے فضل کے خزانے اور اس کی رحمتیں غیر متناہی ہیں بالفرض اگر وہ ان سب کے مالک ہو جائیں تب بھی ان کی طمع ختم نہیں ہوگی اور نہ ان کا بخل ختم ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص توبہ کرلے اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۳۶‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۹)

بعض انسانوں کی سخاوت کے باوجود انسان کے بخیل ہونے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے: اور در اصل انسان ہے ہی بخیل۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ بہت سارے انسان سخی ہوتے ہیں اور ساری عمر سخاوت کرتے رہتے ہیں‘ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی اصل میں بخل ہے‘ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک شیر خوار بچے کی طرف آپ کوئی خوب صورت چیز بڑھائیں تو وہ لے لے گا اور اگر اس کے ہاتھ سے کوئی چیز لینا چاہیں تو وہ نہیں دے گا‘ دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کو محتاج بنایا گیا ہے اور محتاج کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پاس اس چیز کو سنبھال کر رکھے جس کی اس کو ضرورت ہو البتہ بعض اوقات مختلف وجوہات کی بناء پر وہ سخاوت بھی کرتا ہے‘ اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے انسان کبھی دنیا میں تعریف اور تحسین کی بناء پر سخاوت کرتا ہے اور کبھی اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اخروی اجر و ثواب کے لیے سخاوت کرتا ہے تو اس کی سخاوت بھی کسی غرض یا کسی عوض کے لیے ہوتی ہے پس واضح ہو گیا کہ انسان اپنی اصل فطرت میں بخیل ہے۔

بخل کی مذمت میں احادیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظلم کرنے سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے اندھیرے ہیں اور بخل کرنے سے بچو کیونکہ پچھلی امتوں کو بخل نے ہلاک کر دیا تھا‘ اس بخل نے ان کو خون ریزی کرنے اور حرام کو حلال کرنے پر ابھارا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان میں جو چیز شر ہے وہ حرص والا بخل ہے اور ہلاک کرنے والی بزدلی ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۱۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۵۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راہ خدا میں جانے کا غبار اور دوزخ کا دھواں کسی بندے کے پیٹ میں کبھی جمع نہیں ہوگا اور بخل اور ایمان کسی بندے کے دل میں کبھی جمع نہیں ہوگا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۵۸، المستدرک ج ۲ ص ۷۲)

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بخیل، ظالم کی بہ نسبت معذور ہے، حضرت ابن عمر نے فرمایا تم نے جھوٹ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخیل جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۰۶۶، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۸۳۷)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص جنت میں داخل نہیں ہوں گے، دغاباز، منان (احسان جتانے والا) اور بخیل۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۳، مسند احمد ج ۱ ص ۷، ۴، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۹۳)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوں گی بخل اور بد خلقی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۲، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۲۸، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سخی اللہ کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے، اور بخیل اللہ سے دور ہے جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، دوزخ کے قریب ہے، اللہ کو جاہل سخی، بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۱، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۱۱۷)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس صرف وہی چیزیں ہیں جو مجھے حضرت زبیر نے دی ہیں کیا ان میں سے کچھ دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! تم اپنی تھیلی کا منہ باندھ کر نہ رکھو ورنہ اللہ بھی اپنے خزانے کا منہ بند کر لے گا اور تم گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ بھی تم کو گن گن کر دے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۰، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۳۲۵، مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۹، المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۲۴۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے، جن تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) ایک شخص کسی قوم کے پاس گیا اور ان سے اللہ کے نام پر سوال کیا اس نے ان کے ساتھ اپنی کسی قرابت کی بناء پر سوال نہیں کیا تھا ان لوگوں نے اس کو منع کیا پھر ان ہی لوگوں میں سے ایک شخص اس کے پیچھے گیا اور چپکے سے اس کو دے دیا اور اس کے عطیہ کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں تھا یا پھر اس شخص کو علم تھا (۲) اور کچھ لوگ رات کو سفر پر گئے حتی کہ جب ان پر نیند بہت مرغوب ہو گئی تو وہ اپنی سواریوں سے اترے اور اپنے سر رکھ کر سو گئے ان میں سے ایک شخص اٹھا اور میری خوشامد کرنے لگا اور میری آیات تلاوت کرنے لگا (۳) اور ایک شخص کسی لشکر میں تھا اس کا دشمن سے مقابلہ ہوا، دشمن غالب آگئے تو وہ شخص اپنا سینہ نکال کر آگے بڑھا حتی کہ وہ شہید کر دیا گیا یا اس کو فتح نصیب ہو گئی، اور جن تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں: (۱) بوڑھا زانی (۲) متکبر فقیر (۳) ظالم غنی۔ امام ابن حبان کی روایت میں متکبر فقیر کی جگہ بخیل کا لفظ ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۸ مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ج ۵ ص ۲۸۹ مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۵۶ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۴۹ المستدرک ج ۲ ص ۱۱۳)

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی قوم سے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے معاملات کا والی حکماء کو بنا دیتا ہے اور مال سخیوں کے پاس رکھتا ہے، اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے معاملات کا والی جاہلوں کو بنا دیتا ہے اور مال بخیلوں کے پاس رکھ دیتا ہے۔

(فردوس للدیلمی رقم الحدیث: ۹۵۳ الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۷۸۴۳)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْــَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو واضح احکام دیئے، سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھیے

اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے موسیٰ سے کہا اے موسیٰ! میں تم کو ضرور جادو کیا ہوا گمان کرتا ہوں ○

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

موسیٰ نے کہا تم خوب جانتے ہو کہ ان (معجزات) کو اس نے نازل کیا ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے

بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ

(یہ معجزے) بصیرت افروز ہیں اور اے فرعون! میں تم کو ضرور ہلاک کیے جانے والا گمان کرتا ہوں ○ پس فرعون نے بنو اسرائیل کو

مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ لا وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ

اس سرزمین سے نکالنے کا ارادہ کیا، سو ہم نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ایک ساتھ غرق کر دیا ○ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل

اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ ط

سے کہا تم اس سرزمین میں رہو پھر جب آخرت کا وعدہ پورا ہوگا تو ہم تم سب کو سمیٹ لائیں گے ○

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ م

وقف لازم

اور ہم نے قرآن کو صرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اور ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰي مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے (حسب موقع) نازل کیا تاکہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا یُتْلٰی

آپ کہیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان پر جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے

عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ

تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں○ اور وہ کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، بے شک

كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَ یَزِیْدُ

ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا کیا ہوا ہے○ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہوئے روتے ہیں اور قرآن ان کے خشوع اور

هُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدۃ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ

خضوع کو اور بڑھا دیتا ہے○ آپ کہیے تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، تم جس نام سے بھی پکارو سب اسی

الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَیْنَ

کے اچھے نام ہیں، اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے اور ان دونوں کے

ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ

درمیان طریقہ اختیار کریں○ اور آپ کہیے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے نہ اپنی اولاد بنائی اور نہ

یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ

سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کسی کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے،

وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

اور آپ اس کی کبریائی بیان کرتے رہیے○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو واضح احکام دیے سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھیے، جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے موسیٰ سے کہا اے موسیٰ میں تم کو ضرور جادو کیا ہوا گمان کرتا ہوں○ موسیٰ نے کہا تم خوب جانتے ہو کہ ان (معجزات) کو اس نے نازل کیا ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے (یہ معجزے) بصیرت افروز ہیں اور اے فرعون! میں تم کو ضرور ہلاک کیے جانے والا گمان کرتا ہوں○ پس فرعون نے بنو اسرائیل کو اس سرزمین سے نکالنے کا ارادہ کیا سو ہم نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ایک ساتھ غرق کر دیا○ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا تم اس سرزمین میں رہو، پھر جب آخرت کا وعدہ پورا ہو گا تو ہم تم سب کو سمیٹ لائیں گے○ (بنی اسرائیل: ۱۰۴-۱۰۱)

حضرت موسیٰ کو نو احکام دیئے گئے تھے یا نو معجزات

ان نو آیات کی تفسیر میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد نو احکام ہیں اور اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ اس سے مراد نو معجزات ہیں۔

ان آیات سے بھی کفار مکہ کو ان کے فرمائشی معجزات کے مطالبہ کا جواب دینا ہے کہ ہم نے تمہارے فرمائشی معجزات سے بھی قوی معجزے قوم فرعون کے سامنے پیش کیے سو واضح ہو گیا کہ ایسے قوی معجزے نازل کرنا ہماری قدرت سے باہر نہیں ہے، سو اگر ہمیں یہ علم ہو تاکہ تمہارے لیے بھی ان معجزات میں کوئی مصلحت ہے تو ہم تمہارے لیے بھی ایسے معجزات نازل کر دیتے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بکثرت ان معجزات کا ذکر کیا ہے جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیے تھے، ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) حضرت موسیٰ کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی جس کی وجہ سے وہ روانی سے بات نہیں کر سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ گرہ کھول دی اور وہ روانی سے بات کرنے لگے۔ (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو اللہ تعالیٰ اژدھا بنا دیتا تھا اور جب وہ اس پر ہاتھ ڈالتے تو وہ پھر لاٹھی بن جاتا تھا۔ (۳) حضرت موسیٰ کا اژدھا فرعون کے جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا (۴) حضرت موسیٰ جب اپنے ہاتھ کو بغل میں ڈالتے تو وہ سفید اور روشن ہو جاتا تھا اور دوبارہ پھر اسی طرح ہو جاتا تھا (۵) قبطیوں پر طوفان کا آنا (۶) ان پر جوؤں کی کثرت (۷) ان پر مینڈکوں کی کثرت (۸) ان پر خون کی کثرت (۹) ان پر ٹڈیوں کی کثرت (۱۰) بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو چیر دینا (البقرہ: ۱۵۰) (۱۱) پتھر پر لاٹھی ماری تو اس سے چشمے پھوٹ نکلے (الاعراف: ۱۶۰) (۱۲) ان پر پہاڑ کو بطور سائبان کھڑا کر دیا (الاعراف: ۱۷۱) (۱۳) حضرت موسیٰ اور ان کی قوم پر من و سلویٰ کو نازل کرنا (۱۵) آل فرعون کو قحط اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کرنا (الاعراف: ۱۳۰) (۱۶) فرعون اور اس کی قوم کے اموال اور طعام وغیرہ کو خراب اور برباد کر دینا (۱۷) بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں جن نو معجزات کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد یہ معجزات ہیں:

(۱) عصا (۲) ید بیضا (۳) قبطیوں پر قحط (۴) سمندر کو چیرنا (۵) قبطیوں پر طوفان بھیجنا (۶) ان پر ٹڈیاں بھیجنا (۷) ان پر جوئیں بھیجنا (۸) ان پر مینڈک بھیجنا (۹) ان پر خون بھیجنا۔

محمد بن کعب نے کہا پانچ معجزات تو وہ ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ۔ (الاعراف: ۱۳۳)

پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔

چھٹا وہ ہے جو حضرت موسیٰ نے ان کے خلاف دعاء ضرر کی تھی ربنا اطمس علی اموالھم اے ہمارے رب ان کے اموال کو تباہ و برباد کر دے، ساتواں ید بیضا ہے آٹھواں عصا ہے اور نواں سمندر کو چیر دینا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے اور مجاہد، عکرمہ، شعبی اور قتادہ کا بھی قول ہے کہ وہ نو معجزات یہ ہیں:

(۱) ید بیضا (۲) عصا (۳) قحط (۴) پھلوں کی کمی (۵) طوفان (۶) ٹڈیاں (۷) جوئیں (۸) مینڈک (۹) خون۔

حافظ ابن کثیر نے کہا یہ قول ظاہر، جلی، حسن اور قوی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۵-۴۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

یہ تمام اقوال اس بناء پر ہیں کہ نو آیات سے مراد نو معجزات ہوں لیکن حدیث میں ان نو آیات سے مراد نو احکام ہیں حافظ ابن کثیر اور بعض دیگر مفسرین نے ان اقوال کو ترجیح دی ہے لیکن ہمارے نزدیک نو آیات کی وہی تفسیر صحیح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے وہ تفسیر یہ ہے:

صفوان بن عسال بیان کرتے ہیں کہ دو یہودیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا چلو اس نبی کے پاس جا کر ان سے سوال کرتے ہیں، دوسرے نے کہا ان کو نبی نہ کہو اگر انہوں نے سن لیا کہ تم ان کو نبی کہتے ہو تو ان کی آنکھیں چار ہو جائیں گی، پھر وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: ولقد اتینا موسی تسع ایت بینت (بنی اسرائیل: ۱۰۱) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وہ نو آیات یہ ہیں:) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، زنا نہ کرو، جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، چوری نہ کرو، جادو نہ کرو، کسی بے قصور کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ اس کے قتل کر دے، اور سود نہ کھاؤ، اور کسی پاک دامن کو تہمت نہ لگاؤ، اور میدان جنگ میں پیٹھ نہ دکھاؤ، اور خصوصاً تم اے یہود ہفتہ کے دن حد سے نہ بڑھو، پھر ان دونوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں، آپ نے پوچھا پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہوتے، انہوں نے کہا حضرت داؤد نے اللہ سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبوت رہے ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو یہود ہم کو قتل کر ڈالیں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۴، مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۰۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۹۶، المستدرک ج ۱ ص ۹، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۹۷، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۶، دلائل النبوت ج ۶ ص ۲۶۸)

بنی اسرائیل سے سوال کرنے کی توجیہ

آیت ۱۰۱ میں فرمایا ہے: سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے: اس سوال کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ بنی اسرائیل سے سوال کر کے ان سے کسی چیز کا علم حاصل کیجئے، بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ علماء یہود اور ان کے عوام پر ظاہر کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ صحیح ہے اور صداقت پر مبنی ہے، اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپ بنی اسرائیل سے سوال کیجئے کہ وہ آپ پر ایمان لے آئیں اور اعمال صالحہ کریں اور آپ کے ساتھ تعاون کریں۔ اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو بنی اسرائیل موجود ہیں یہ ان ہی کی اولاد ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ گئے تھے اور وہ ان واقعات کو مانتے تھے اور ان کی تصدیق کرتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ پیش آئے تھے۔

مسحور، بصائر، استفزاز اور لفیف کے معانی

فرعون نے حضرت موسیٰ سے کہا میرا گمان ہے کہ آپ مسحور ہیں، اس آیت میں مسحور بہ معنی ساحر ہے، یا اس کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں نے آپ پر سحر کر کے آپ کی عقل کو زائل کر دیا ہے، اس لیے آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

حضرت موسیٰ کے معجزات کے متعلق فرمایا یہ بصیرت افروز ہیں کیونکہ معجزہ اس خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جس کو نبی کی تصدیق کے لیے ظاہر کیا جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں کو کھا جانا اور پھر ویسی ہی لاٹھی بن جانا یہ کام خلاف عادت تھا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کام پر قدرت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس کام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ظاہر فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔

جب فرعون نے کہا اے موسیٰ! میں تم کو مسحور گمان کرتا ہوں تو حضرت موسیٰ نے جواب میں فرمایا: اے فرعون! میں تم کو مثبور گمان کرتا ہوں، ثبور کا معنی ہلاکت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ فرعون ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا فرعون نے ان کے استفزاز کا ارادہ کیا، استفزاز کے معنی ہیں، کسی کو ہلکا جاننا، ذلیل سمجھنا، مضطرب کر دینا، گھر سے باہر نکال دینا، نکال لانا، قتل کرنا، نکالنا۔ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو اس سرزمین یعنی مصر سے نکال دینے کا ارادہ کیا۔

پھر فرمایا جب آخرت کا وعدہ پورا ہو گا تو ہم تم سب کو سمیٹ لائیں گے۔ اس آیت میں لفیف کا لفظ ہے، لف کا معنی ہے لپیٹنا، ملانا، جمع کرنا، لفیف کا معنی ہے، مختلف آدمیوں کا گروہ وہ بڑی جماعت جس میں ہر قسم کے لوگ ہوں، مومن، کافر، نیک اور بد اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم تمہیں تمہاری قبروں سے نکال کر سمیٹ کر لے آئیں گے یعنی تمام مخلوق کو مسلمان ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بد۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے قرآن کو صرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، اور ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے○ اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے (حسب موقع) نازل کیا تاکہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو بہ تدریج نازل کیا ہے○ آپ کہیے تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے، ان پر جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں○ اور وہ کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا کیا ہوا ہے○ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہوئے روتے ہیں اور قرآن ان کے خشوع اور خضوع کو اور بڑھا دیتا ہے○ (بنی اسرائیل: ۱۰۵-۱۰۹)

قرآن مجید کو حق کے ساتھ نازل کرنا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اگر تمام انس اور جن مل کر قرآن مجید کی نظیر لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید معجزہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس معجزہ کے ہوتے ہوئے کفار کے فرمائشی معجزات دکھانے کی ضرورت نہیں اور اب اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی مزید حقانیت واضح کرنے کے لیے فرما رہا ہے اور ہم نے قرآن کو صرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے قرآن مجید کو حق کے ساتھ نازل کرنے کی یہ وجہ ہے:

(۱) حق اس چیز کو کہتے ہیں جو ثابت ہو اور زائل نہ ہو سکے، کیونکہ جو چیز باطل ہو وہ زائل ہو جاتی ہے، اور قرآن کریم جن امور کے بیان پر مشتمل ہے وہ زائل نہیں ہو سکتیں، کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کے بیان پر مشتمل ہے، اور اس میں ملائکہ کا ذکر ہے اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر دلائل ہیں، قیامت اور حشر نشر کا ذکر ہے اور ان میں سے کوئی چیز زوال پذیر نہیں ہے اور اس میں شریعت اسلامیہ کا ذکر ہے جس کے احکام ناقابل تنسیخ ہیں اور خود یہ کتاب لافانی ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کا ضامن ہے، اس کتاب میں کمی یا زیادتی یا تحریف یا تنسیخ نہیں ہو سکتی نہ اس کتاب کی کوئی مثال لا کر اس سے معارضہ کیا جا سکتا ہے۔

پھر فرمایا ہم نے آپ کو بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اس ارشاد میں ان کی اس بات کا جواب ہے کہ وہ آپ سے فرمائشی معجزات طلب کرتے تھے تو بتایا کہ یہ جہلاء اور منکرین آپ سے طرح طرح کے معجزات طلب کرتے ہیں، اگر یہ جہلاء آپ کے دین کو قبول کر لیں تو فبہا ورنہ ان کے کفر پر جمے رہنے سے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہو گا، ہم نے تو آپ کو صرف بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی وجہ

اس کے بعد فرمایا اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے حسب موقع نازل کیا۔

اس آیت میں ان کے اس سوال کا جواب ہے کہ چلو مان لیا کہ قرآن مجید معجز ہے لیکن تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل ہوا ہے مکمل قرآن یک بارگی کیوں نازل نہیں ہوا جیسے تورات اور انجیل یک بارگی نازل ہو گئیں تھیں' اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو قرآن مجید کا یاد کرنا آسان ہو' نیز نزول قرآن کی مدت کے درمیان لوگ مختلف قسم کے سوال کرتے رہتے تھے اور ان کے سوالات کے جوابات میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں اگر مکمل قرآن ایک ہی بار نازل ہوا ہوتا تو اس سے یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا' نیز مکمل قرآن تئیس سال میں نازل ہوا اور تئیس سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی اور تمام زمانہ رسالت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب سے رابطہ قائم رہا' اور بار بار نزول وحی کے وجہ سے حضرت جبریل کو بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوتا رہا' نیز تورات کا نزول پہاڑ طور پر ہوا تھا' اور قرآن مجید کے بار بار نزول کی بنا پر جو شرف ایک مرتبہ صرف پہاڑ طور کو حاصل ہوا تھا وہ شرف مکہ کی گلیوں اور بازاروں کو غار حرا اور غار ثور کو وادی بدر کو احد کی گھاٹیوں کو حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر کو بھی حاصل ہوا۔

ایمان لانے میں اہل کتاب کی عاجزی

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا جن کو اس کا علم دیا گیا ہے وہ جب اس کی تلاوت کرتے ہیں تو ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ٹھوڑی ڈاڑھی سے کنایہ ہے اور جب انسان زیادہ خضوع اور خشوع سے سجدے میں مبالغہ کرتا ہے تو اس کی ڈاڑھی بھی مٹی سے مس کرتی ہے اور انسان ڈاڑھی کی بہت تعظیم کرتا ہے اور جب وہ اپنی ڈاڑھی بھی اللہ کے سامنے زمین پر رکھ دیتا ہے تو یہ اس کا اللہ کے سامنے انتہائی ذلت اور بندگی کا اظہار ہے۔

اس کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ انسان پر جب اللہ تعالیٰ کے خوف کا غلبہ ہوتا ہے تو بسا اوقات وہ اللہ کے حضور سجدہ میں گر پڑتا ہے اور ایسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ٹھوڑی کے بل گر پڑا۔

پھر فرمایا وہ کہتے ہیں ہمارا رب سبحان ہے! بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا کیا ہوا ہے۔

یعنی قرآن مجید کو نازل کر کے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ اہل کتاب تھے کیونکہ ان کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کرنے کا وعدہ فرمایا تھا اور وہ اس وعدہ کے پورے ہونے کے منتظر تھے۔

پھر فرمایا وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہوئے روتے ہیں اور قرآن ان کے خضوع اور خشوع کو اور زیادہ کر دیتا ہے۔

خضوع اور خشوع سے مراد ان کی تواضع ہے' اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت کمتر اور حقیر گردانتے ہیں اور اپنے ایمان لانے کو کوئی کمال اور فخر کی چیز نہیں گردانتے' اور یہ کہ ان کا ایمان لانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان نہیں ہے اگر وہ ایمان نہ لاتے تو بہت لوگ جو ان سے بہتر ہیں وہ ایمان لا چکے ہیں۔

مطرف اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ کے رونے کی وجہ سے آپ کے سینے سے ایسی آواز آتی تھی جیسے دیگچی سے سالن ابلنے کی آواز آتی ہے یا جیسے چکی کے چلنے کی آواز آتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۰۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۳)

اگر نماز میں انسان خوف خدا سے روئے اور رونے کی آواز نکلے' امام شافعی فرماتے ہیں اگر اس کے رونے سے حرف سنائی دیں اور ان کا کوئی معنی سمجھ آئے تو نماز ٹوٹ جائے گی' اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اگر خوف خدا سے رونے کی آواز آئے تو نماز نہیں ٹوٹے گی اور اگر درد سے رو رہا ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی' امام مالک کے اس مسئلہ میں کئی اقوال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو' تم جس نام سے بھی پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں' اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے اور ان دونوں کے درمیان طریقہ اختیار کریں O (بنی اسرائیل: ۱۱۰)

اللہ اور رحمٰن پکارنے کے متعدد شان نزول

اس آیت کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں فرمایا ہے: آپ کہیے تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو تم جس نام سے بھی پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔ اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے اور آپ سجدہ میں کہہ رہے تھے یا رحمٰن' یا رحیم' مشرکین نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو صرف ایک خدا کی دعوت دیتے ہیں اور اب دو معبودوں کو پکار رہے ہیں' اللہ اور رحمٰن' ہم تو صرف یمامہ کے رحمٰن کو جانتے ہیں ان کی اس سے مراد مسیلمہ تھی۔

(۲) میمون بن مہران نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ابتدائی ایام میں لکھتے تھے باسمک اللھم حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (النمل: ۳۰) تو پھر آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے لگے' تب مشرکین نے کہا رحیم کو تو ہم پہچانتے ہیں یہ رحمٰن کیا چیز ہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) ضحاک نے بیان کیا کہ اہل کتاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ رحمٰن کا ذکر بہت کم کرتے ہیں حالانکہ تورات میں اس اسم کا بہت ذکر ہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۹۹-۹۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء اچھے اور حسین ہیں اس لیے جس لفظ میں کسی اعتبار سے کوئی نقص کا پہلو ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات کو کسی بھی اسم علم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ پر اسی صفت کا اطلاق کرنا جائز ہے' جس صفت کا قرآن اور حدیث میں ذکر آچکا ہو۔ اس بحث کی پوری تفصیل الاعراف: ۱۸۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

پست آواز اور بلند آواز سے نماز میں قرآن مجید پڑھنے کے محامل

اس آیت کا دوسرا حصہ یہ ہے اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے اور ان دونوں کے درمیان طریقہ اختیار کریں۔

اس آیت کے سبب نزول میں بھی متعدد اقوال ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے تو مشرکین قرآن کو اللہ تعالیٰ کو اور آپ کو برا کہتے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پست آواز سے قرآن پڑھنا شروع کر دیا حتیٰ کہ آپ کے اصحاب کو سنائی

نہیں دیتا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۲۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۵)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایک اعرابی تشہد کو بلند آواز سے پڑھتا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۲۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۳) محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ حضرت ابوبکر جب قرأت کرتے تو آواز پست رکھتے اور حضرت عمر جب قرأت کرتے تو آواز کو بلند رکھتے! حضرت ابوبکر سے پوچھا گیا آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا میں اپنے رب سے مناجات کرتا ہوں اور اس کو میری حاجت کا علم ہے، ان سے کہا گیا آپ اچھا کرتے ہیں اور حضرت عمر سے کہا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا میں شیطان کو بھگاتا ہوں اور سوئے ہوئے لوگوں کو جگاتا ہوں، ان سے کہا گیا آپ اچھا کرتے ہیں اور جب یہ آیت نازل ہوئی: اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے۔ تو حضرت ابوبکر سے کہا گیا کہ آپ آواز کچھ بلند کریں اور حضرت عمر سے کہا گیا کہ آپ آواز کچھ پست کریں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۲۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ دن کی نمازوں میں بلند آواز سے قرأت نہ کریں اور رات کی نمازوں میں پست آواز سے قرأت نہ کریں۔

یہ حکم فرائض کا ہے اور نوافل میں نمازی کو اختیار ہے خواہ وہ رات کے نوافل میں آہستہ قرأت کرے یا بلند آواز سے، اور یہی مالکیہ کا مذہب ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۰۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کہیے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے نہ اپنی اولاد بنائی اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کسی کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور آپ اس کی کبریائی بیان کرتے رہیے ○

(بنی اسرائیل: ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اولاد نہیں بنائی اولاد نہ ہونے کے حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) ولد اپنے والد کا جز ہوتا ہے، لہٰذا اس شخص کی اولاد ہوگی جس کے اجزا ہوں گے، اللہ تعالیٰ اجزاء سے پاک ہے اس لیے اس کی اولاد کا ہونا محال ہے۔

(۲) جس شخص کی اولاد ہوتی ہے وہ اپنی تمام نعمتیں اپنی اولاد کے لیے روک کر رکھتا ہے اور جب اس کی اولاد نہیں ہوتی تو وہ اپنی نعمتیں اپنے غلاموں اور دیگر متعلقین کو دے دیتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو وہ اپنے خزانوں کا منہ اپنے بندوں پر نہ کھولتا۔

(۳) ولد ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ والد کے فوت ہونے کے بعد ولد اس کا قائم مقام ہو اور اللہ تعالیٰ فوت ہونے سے پاک ہے۔

(۴) ولد والد کی جنس سے ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا ولد ہوتا تو وہ اس کی جنس سے ہوتا، اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے تو ضروری ہوا کہ اگر اس کا ولد ہوتا تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتا اور واجب اور قدیم متعدد نہیں ہو سکتے، نیز ولد والد سے متاخر ہوتا ہے اور جو متاخر ہو وہ واجب اور قدیم نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ہونے پر دلائل اور وہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے

اس کے بعد فرمایا کہ ملک میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ اگر ملک میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہوتا تو یہ ملک ایک طرز اور ایک نہج پر نہ ہوتا اور ہر شریک اس ملک کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے اور چلانے کی کوشش کرتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس ملک میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے تو وہ واجب ہے یا ممکن ہے اس کا واجب ہونا اس لیے محال ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب ہے اگر شریک بھی واجب ہو تو تعدد وجباء لازم آئے گا اور یہ محال ہے' کیونکہ اگر دو واجب ہوں تو ہر ایک میں وجوب مشترک ہو گا اور دو چیزیں بغیر امتیاز کے نہیں ہو سکتیں تو ان میں ایک جز ایسا ہو گا جس سے دونوں ممتاز ہوں پس ہر ایک دو جزوں سے مرکب ہو گا ایک جز و مشترک اور دوسرا جز ممیز پس ہر دو مرکب ہوں گے اور جو مرکب ہو وہ اپنے جز کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ واجب نہیں ہو سکتا پس اللہ کا شریک نہیں ہو سکتا' اور اگر وہ شریک ممکن ہے تو وہ اپنے وجود میں خود کسی علت کا محتاج ہو گا اور جو محتاج ہو وہ ملک اور سلطنت میں اللہ تعالیٰ کا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔

اسی طرح ہم کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے تو وہ قدیم ہے یا حادث' اگر وہ قدیم ہے تو اللہ بھی قدیم ہے پھر تعدد قدماء لازم آئے گا اور وہ بھی اسی طرح محال ہے اور اگر وہ حادث ہے تو وہ اپنے حدوث میں کسی علت کا محتاج ہو گا اور جو اپنے وجود میں کسی علت کا محتاج ہو وہ ملک اور سلطنت میں اللہ کا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔

اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ضعف کی وجہ سے کسی مددگار کا محتاج ہو' کیونکہ وہ تنہا بلا شرکت غیر تمام کائنات کا خالق ہے اس میں ضعف کیسے متصور ہو سکتا ہے۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کا کوئی مددگار ہے تو تمام مخلوق کو جتنی بھی نعمتیں ملی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ سے ہی ملی ہیں' اس کے سوا کوئی نعمت دینے والا نہیں ہے تو پھر تمام تعریفوں کا مستحق بھی وہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کبریائی

پھر فرمایا آپ اس کی کبریائی بیان کرتے رہیے اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی حسب ذیل اقسام ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات کی کبریائی یعنی یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے اس کی تمام صفات مستقل بالذات ہیں اور وہی تمام عبادات اور تمام محامد کا مستحق ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی صفات میں کبریائی یعنی یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقص سے منزہ ہے' اس کی تمام صفات غیر متناہی ہیں' اس کے علم کی کوئی حد ہے نہ اس کی قدرت کی' اس کی تمام صفات تغیر اور زوال سے پاک ہیں۔

(۳) اس کے احکام کی کبریائی یعنی یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے' کسی چیز کا حکم دینا اور کسی کام سے منع کرنا اسی کا حق ہے' وہ جس کو چاہے دنیا اور آخرت میں عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے۔

(۴) انسان اپنی عقل اور اپنی فہم سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا' اور انسان اپنی زبان' اپنے دل و دماغ اور اپنے تمام اعضاء سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا اور اس کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتا' نہ اس کی پوری معرفت حاصل ہو سکتی ہے نہ اس کی نعمتوں کا پورا شکر ادا ہو سکتا ہے اور نہ اس کی پوری عبادت ہو سکتی ہے' اور یہی اس کی کبریائی ہے۔

اختتامی کلمات اور دعا

آج ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ / ۲۲ دسمبر ۲۰۰۰ء بروز جمعہ بعد نماز عصر سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر مکمل ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی تبیان القرآن کی چھٹی جلد بھی مکمل ہو گئی اس جلد تک ساڑھے چودہ پارے کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے مکمل کرا دی ہے فالحمدللہ رب العالمین

اس سال میری کمر میں پچھلے سالوں کی بہ نسبت زیادہ درد تھا وٹامن سی سے اعصاب کو تقویت ملتی تھی مگر میں اب وہ نہیں کھا سکتا کیونکہ اس سے معدہ میں تیزابیت بڑھتی جاتی ہے، دافع درد دوا یہ بھی بند کرنی پڑیں کہ ان سے معدہ میں تکلیف ہونے لگی تھی ان حالات میں اس جلد کا مکمل ہونا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا انعام اور احسان ہے میں نے ۱۸ مارچ ۲۰۰۰ء کو یہ جلد شروع کی تھی اور آج ۲۲ دسمبر کو یہ جلد الحمدللہ ختم ہو گئی، اس طرح نو ماہ اور پانچ دنوں میں یہ جلد مکمل ہو گئی اور اس جلد کی تکمیل میں سب سے کم عرصہ لگا ہے تو ان گوناگوں مسائل اور بیماریوں میں اس جلد کا اتنی سرعت سے مکمل ہو جانا سوائے اللہ تعالیٰ کی توفیق، اس کی امداد اور اس کے احسان کے متصور نہیں ہے۔

الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے تقریباً نصف قرآن کی تفسیر لکھوادی ہے، آپ کرم فرما کر باقی تفسیر بھی لکھوادیں، مجھے اس تفسیر میں خطا اور زلل سے محفوظ رکھیں اور اس تفسیر کو اپنی اور اپنے محبوب کی بارگاہ میں مقبول بنادیں اس کو تا قیامت فیض آفریں اور عقائد اور اعمال میں موثر بنائیں، حاسدین اور مخالفین کے شر سے محفوظ رکھیں۔ الٰہ العالمین! مجھے دنیا اور آخرت کے مصائب اور بلاؤں سے محفوظ رکھیں اور محض اپنے کرم سے میرے گناہوں کو معاف فرمادیں، قبر، حشر اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیں، میں اس لائق تو نہیں مگر محض اپنے کرم سے مرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عطا فرمائیں اور آخرت میں آپ کی شفاعت عطا فرمائیں۔ میری، میرے والدین، میرے اساتذہ، میرے تلامذہ، میرے احباب، میرے اقرباء، میرے قارئین اس کتاب کے ناشر، کمپوزر، مصحح اور اس کے جملہ معاونین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر، ہر بلا اور ہر عذاب سے محفوظ رکھیں اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت اور ہر سعادت عطا فرمائیں، اور صحت اور سلامتی کے ساتھ ایمان پر حسن خاتمہ عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الغر المحجلین، شفیع المذنبین وعلی الہ الطاھرین واصحابہ الکاملین وعلی ازواجہ امھات المؤمنین وعلی علماء ملتہ واولیاء امتہ وسائر المؤمنین اجمعین۔

ماخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید

۲- تورات

۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۵- امام مالک بن انس اصبحی، متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۹ھ

۶- امام عبداللہ بن مبارک، متوفی ۱۸۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷- امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم، متوفی ۱۸۲ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۸- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد، کارخانہ تجارت کتب کراچی

۹- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ

۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ، کتاب الزہد، مکتبۃ الدار مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ

۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی، متوفی ۲۰۴ھ، مسند طیالسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۹۱ھ

۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، المسند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ

۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ

۱۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، المصنف، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

۱۵- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی، متوفی ۲۱۹ھ، المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی، مکی، متوفی ۲۲۷ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۷- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۸- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، مسند ابن ابی شیبہ، مطبوعہ دار الوطن بیروت، ۱۴۱۸ھ
۱۹- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، المسند، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۰- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۱- امام ابو عبداللہ بن عبد الرحمن دارمی، متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ
۲۲- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ دار ارقم بیروت۔
۲۳- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، خلق افعال العباد، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۱ھ
۲۴- امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۲۵- امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۲۶- امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۷- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۸- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۲۹- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ، دار الجیل بیروت، ۱۹۹۸ء
۳۰- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۵ھ
۳۱- امام علی بن عمر دار قطنی، متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۲- امام ابن ابی عاصم، متوفی ۲۸۷ھ، الآحاد والمثانی، مطبوعہ دار الرایہ، ریاض، ۱۴۱۱ھ
۳۳- امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار، متوفی ۲۹۲ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ مؤسسۃ القرآن، بیروت
۳۴- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۳۵- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، عمل الیوم واللیلہ مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۳۶- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ
۳۷- امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی، متوفی ۳۰۷ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۸- امام احمد بن علی المثنی التمیمی، المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی، مطبوعہ دار المامون تراث بیروت، ۱۴۰۴ھ
۳۹- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری، متوفی ۳۰۷ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ، متوفی ۳۱۱ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۵ھ
۴۱- امام ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی، متوفی ۳۱۲ھ، مسند عمر بن عبد العزیز۔
۴۲- امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق، متوفی ۳۱۶ھ، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ

۴۳- امام ابو عبد اللہ محمد الحکیم الترمذی، المتوفی ۳۲۰ھ، نوادر الاصول، مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ، ۱۴۰۸ھ
۴۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ موسستہ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۴۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ
۴۶- امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۴۷- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی، متوفی ۳۲۷ھ، مکارم الاخلاق، مطبوعہ مطبعۃ المدنی مصر، ۱۴۱۱ھ
۴۸- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، متوفی ۳۵۴ھ، الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ موسستہ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۷ھ
۴۹- امام ابو بکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۶۰ھ، الشریعہ، مطبوعہ مکتبہ دار السلام، ریاض، ۱۴۱۳ھ
۵۰- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ
۵۱- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم اوسط، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۵ھ دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ
۵۲- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۳- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ موسستہ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۹ھ
۵۴- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، کتاب الدعاء، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۵۵- امام ابو بکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی، متوفی ۳۶۴ھ، عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ موسستہ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۵۶- امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی، المتوفی ۳۶۵ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۵۷- امام ابو حفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ، الناسخ و المنسوخ من الحدیث، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۵۸- امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ، متوفی ۳۹۶ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۵۹- امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۶۰- امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۶۱- امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار النفائس، بیروت
۶۲- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان۔
۶۳- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۶۴- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۵- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۶- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ

۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ مکتبہ المنارۃ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، شعب الایمان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۱ھ
۶۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، البعث والنشور، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۷۰- امام ابو عمر یوسف ابن عبد البر قرطبی، متوفی ۴۶۳ھ، جامع بیان العلم و فضلہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷۱- امام ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی، المتوفی ۵۰۹ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ
۷۲- امام حسین بن مسعود بغوی، متوفی ۵۱۶ھ، شرح السنہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۷۳- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، مختصر تاریخ دمشق، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ
۷۴- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ
۷۵- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی، المعروف بابن الاثیر الجزری، المتوفی ۶۰۶ھ، جامع الاصول، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۷۶- امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ، الاحادیث المختارۃ، مطبوعہ مکتبہ النہضۃ الحدیثیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
۷۷- امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری، المتوفی ۶۵۶ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۰۷ھ؛ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۷۸- امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرۃ فی امور الآخرۃ، مطبوعہ دار البخاری، مدینہ منورہ
۷۹- حافظ شرف الدین عبد المومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ، المتجر الرابح، مطبوعہ دار خضر بیروت، ۱۴۱۹ھ
۸۰- امام ولی الدین تبریزی، متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، دار ارقم بیروت
۸۱- حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی، متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ
۸۲- امام محمد بن عبد اللہ زرکشی، متوفی ۷۹۴ھ، اللآلی المنثورۃ، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۸۳- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
۸۴- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۴ھ
۸۵- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، موارد الظمآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۸۶- امام محمد بن محمد جزری، متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، ۱۳۵۰ھ
۸۷- امام ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصیری، شافعی، متوفی ۸۴۰ھ، زوائد ابن ماجہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۸۸- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان، متوفی ۸۴۵ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان
۸۹- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
۹۰- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
۹۱- امام عبد الرؤف بن علی المناوی، المتوفی ۱۰۳۱ھ، کنوز الحقائق، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۹۲- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۲۰ھ
۹۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مسند فاطمۃ الزہراء
۹۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۹۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۱۴ھ
۹۶- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ
۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الدرر المنتثرہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۹۸- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ، مصر، ۱۳۰۳ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ
۹۹- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۰- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، متوفی ۶۸ھ، تنویر المقباس، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
۱۰۱- امام حسن بن عبداللہ البصری، المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ
۱۰۲- امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۱۰ھ
۱۰۳- امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء، متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعہ بیروت
۱۰۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت
۱۰۵- شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی، مطبوعہ دار الکتاب ایران، ۱۴۰۴ھ
۱۰۶- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ، دار الفکر بیروت
۱۰۷- امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۳۱۱ھ، اعراب القرآن، مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران، ۱۴۰۶ھ
۱۰۸- امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی، متوفی ۳۲۷ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۱۰۹- امام ابو بکر احمد بن علی رازی، جصاص حنفی، متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ
۱۱۰- علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ۳۷۵ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ
۱۱۱- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۳۸۵ھ، التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۱۲- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران، ۱۳۶۲ھ
۱۱۳- علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، النکت والعیون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۱۴- علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری، متوفی ۴۶۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۱۵- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ۴۶۸ھ، اسباب نزول القرآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۱۶ امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ تفسیر القرآن، مطبوعہ دار الوطن، ریاض، ۱۴۱۸ھ
۱۱۷۔ امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ۴۶۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۱۸۔ امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، المتوفی ۵۱۶ھ، معالم التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۱۹۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۳۸ھ، الکشاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ
۱۲۰۔ علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی، مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۲۱۔ علامہ ابو بکر قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی، متوفی ۵۴۶ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
۱۲۲۔ شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۴۰۶ھ
۱۲۳۔ علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت
۱۲۴۔ خواجہ عبد اللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار وعدة الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران
۱۲۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۲۶۔ علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۹۷۸ء
۱۲۷۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۲۸۔ قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر
۱۲۹۔ علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
۱۳۰۔ علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور
۱۳۱۔ علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی، متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۳۲۔ علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ
۱۳۳۔ علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ
۱۳۴۔ علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۳۵۔ علامہ ابو العباس بن یوسف السمین الشافعی، متوفی ۷۵۶ھ، الدر المصون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۳۶۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ
۱۳۷۔ علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی، متوفی ۸۶۰ھ، حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۳۸۔ علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت
۱۳۹۔ علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ، ۱۴۱۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ، ایران
۱۴۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جلالین، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۴۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، لباب النقول فی اسباب النزول، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۴۳۔ علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی، متوفی ۹۵۱ھ، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی، مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند، دار الکتب العلمیہ

بیروت، ۱۴۱۹ھ

۱۴۴- شیخ فتح اللہ کاشانی، متوفی ۹۷۷ھ، منہج الصادقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران

۱۴۵- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی، حنفی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابو السعود، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ

۱۴۶- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی، متوفی ۱۰۶۹ھ، عنایۃ القاضی، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۲۸۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۱۴۷- علامہ احمد جیون جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، التفسیرات الاحمدیہ، مطبع کریمی بمبئی

۱۴۸- علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۱۴۹- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل، متوفی ۱۲۰۴ھ، الفتوحات الالٰہیہ، مطبوعہ المطبع البہیۃ، مصر، ۱۳۰۳ھ

۱۵۰- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ، مصر

۱۵۱- قاضی ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ

۱۵۲- شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ھ، تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

۱۵۳- شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، دار الوفا بیروت، ۱۴۱۸ھ

۱۵۴- علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ

۱۵۵- نواب صدیق حسن خان بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان، مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۰۱ھ، المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

۱۵۶- علامہ محمد جمال الدین قاسمی، متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاسمی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۱۵۷- علامہ محمد رشید رضا متوفی ۱۳۵۴ھ، تفسیر المنار، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۵۸- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۹ھ، الجواہر فی تفسیر القرآن، المکتبۃ الاسلامیہ ریاض

۱۵۹- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۴ھ، بیان القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

۱۶۰- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، خزائن العرفان، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۶۱- شیخ محمود الحسن دیو بندی، متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۶۲- علامہ محمد طاہر بن عاشور، متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والتنویر، مطبوعہ تونس

۱۶۳- سید محمد قطب شہید، متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۸۶ھ

۱۶۴- مفتی احمد یار خاں نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ، نور العرفان، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات

۱۶۵- مفتی محمد شفیع دیو بندی متوفی ۱۳۹۶ھ، معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ

۱۶۶- سید ابو الاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور

۱۶۷- علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ، التبیان، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان

۱۶۸- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی، اضواء البیان، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۶۹- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۷۰- آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۶۹ھ
۱۷۱- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۷۲- شیخ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۷۳- علامہ محمود صافی، اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ، مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۷۴- استاذ محی الدین درویش، اعراب القرآن وبیانہ، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
۱۷۵- ڈاکٹر وہبہ زحیلی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۷۶- سعیدی حوی، الاساس فی التفسیر، مطبوعہ دار السلام

کتب علومِ قرآن

۱۷۷- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ، البرھان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۷۸- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۷۹- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی، مناہل العرفان، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۸۰ علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالکی اندلسی متوفی ۴۴۹ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ
۱۸۱- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، الاستذکار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۸۲- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور، ۱۴۰۴ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۸۳- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی، متوفی ۴۷۴ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر، ۱۳۳۲ھ
۱۸۴- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، عارضۃ الاحوذی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۵ قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ، القبس فی شرح موطا ابن انس، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۸۶- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ، اکمال المعلم بہ فوائد مسلم، مطبوعہ دار الوفا بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۸۷- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۸۸- علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، المتوفی ۶۵۶ھ، المفہم، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ
۱۸۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۱۹۰- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی، متوفی ۷۴۳ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، ۱۴۱۳ھ

۱۹۱- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی، متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۹۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور

۱۹۳- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

۱۹۴ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، شرح سنن ابو داؤد، مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ

۱۹۵- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۹۶- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ

۱۹۷ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ

۱۹۸ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۲ھ

۱۹۹ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، تنویر الحوالک، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۲۰۰- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ

۲۰۱- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۰۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۰۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ

۲۰۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

۲۰۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، الحرز الثمین، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ، ۱۳۰۴ھ

۲۰۶- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ

۲۰۷- شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ

۲۰۸- شیخ عبد الرحمن مبارک پوری، متوفی ۱۳۲۵ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۰۹- شیخ انور شاہ کشمیری، متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، ۱۳۵۷ھ

۲۱۰- شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح الملہم، مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی

۲۱۱- شیخ محمد ادریس کاندھلوی، متوفی ۱۳۹۴ھ، التعلیق الصبیح، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور

کتب اسماء الرجال

۲۱۲- علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ، العلل المتناھیہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد، ۱۴۰۱ھ

۲۱۳- حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی، ۷۴۲ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۱۴- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ

۲۱۵- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۱۶- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تقریب التہذیب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۱۷- علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمان السخاوی، متوفی ۹۰۲ھ، المقاصد الحسنہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۱۸- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۱۹- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۲۰- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ، الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۲۲۱- علامہ محمد طاہر پٹنی، متوفی ۹۸۶ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۲۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، المتوفی ۱۰۱۴ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۲۳- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی ۱۱۶۲ھ، کشف الخفاء و مزیل الالباس، مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق
۲۲۴- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، الفوائد المجموعہ، مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض
۲۲۵- علامہ عبد الرحمٰن بن محمد درویش متوفی ۱۲۷۶ھ، اسنی المطالب، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۲۶- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی، متوفی ۱۷۵ھ، کتاب العین، مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران، ۱۴۱۴ھ
۲۲۷- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری، متوفی ۳۹۸ھ، الصحاح، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۴۰۴ھ
۲۲۸- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی، متوفی ۵۰۲ھ، المفردات، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۲۲۹- علامہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۸۳ھ، الفائق، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۳۰- علامہ محمد بن اثیر الجزری، متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۳۱- علامہ محمد بن ابو بکر بن عبد القادر رازی متوفی ۶۶۰ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۳۲- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۳۳- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران
۲۳۴- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی ۸۱۷ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۳۵- علامہ محمد طاہر پٹنی، متوفی ۹۸۶ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ، ۱۴۱۵ھ
۲۳۶- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
۲۳۷- لوئیس معلوف الیسوعی، المنجد، مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ، بیروت، ۱۹۲۷ء
۲۳۸- شیخ غلام احمد پرویز، متوفی ۱۴۰۵ھ، لغات القرآن، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۳۹- ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور

کتب تاریخ، سیرت و فضائل

۲۴۰- امام محمد بن اسحاق، متوفی ۱۵۱ھ، کتاب السیر والمغازی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۴۱- امام عبدالملک بن ہشام، متوفی ۲۱۳ھ، السیرة النبویہ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۴۲- امام محمد بن سعد، متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۴۳- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی، المتوفی ۴۵۰ھ، اعلام النبوت، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۰۸ھ
۲۴۴- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دارالقلم بیروت
۲۴۵- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر، متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۴۶- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء، مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۴۷- علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی، متوفی ۵۸۱ھ، الروض الانف، مکتبہ فاروقیہ ملتان
۲۴۸- علامہ عبدالرحمان بن علی جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، الوفا، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۴۹- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۵۰- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت
۲۵۱- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۵۲- علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی، متوفی ۷۵۶ھ، شفاء السقام فی زیارة خیر الانام، مطبوعہ کراچی
۲۵۳- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۴ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۵۴- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۵۵- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی، متوفی ۹۱۱ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۵۶- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۲۵۷- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی ۹۴۲ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۵۸- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۲۵۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دارالفکر بیروت
۲۶۰- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۶۱- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی، متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دارالفکر بیروت
۲۶۲- علامہ محمد عبدالباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ
۲۶۳- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۶۴- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط، مطبوعہ دارالمعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۶۵- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبۃ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان، ۱۴۰۵ھ

۲۶۶- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری، متوفی ۵۴۲ھ، خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۷ھ

۲۶۷- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۲۶۸- علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی ۵۹۲ھ، فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۶۹- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان

۲۷۰- علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۷۱- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۱ھ

۲۷۲- علامہ ابوبکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ، الجوہرۃ النیرہ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

۲۷۳- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی، متوفی ۸۲۷ھ، فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۷۴- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ

۲۷۵- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۷۶- علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۷۷- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر

۲۷۸- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۱۲ھ

۲۷۹- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نوا لکشور، ۱۲۹۱ھ

۲۸۰- علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ، البحرالرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

۲۸۱- علامہ حامد بن علی قونوی رومی، متوفی ۹۸۵ھ، فتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۸۲- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر، ۱۲۸۷ھ

۲۸۳- علامہ خیرالدین رملی، متوفی ۱۰۸۱ھ، فتاویٰ خیریہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۸۴- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ، الدرالمختار، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

۲۸۵- علامہ سید احمد بن محمد حموی، متوفی ۱۰۹۸ھ، غمز عیون البصائر، مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ

۲۸۶- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالم گیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۸۷- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

۲۸۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، مطبوعہ دارالاشاعۃ العربی کوئٹہ

۲۸۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۶ھ

۲۹۰- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، ردالمحتار، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ، ۱۴۱۹ھ

۲۹۱- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، جدالممتار، مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی

۲۹۲- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی

۲۹۳- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ افریقیہ، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۲۹۴- علامہ امجد علی، متوفی ۱۳۷۶ھ، بہار شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۲۹۵- شیخ ظفر احمد عثمانی تھانوی متوفی ۱۳۹۴ھ، اعلاء السنن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۹۶- علامہ نور اللہ نعیمی، متوفی ۱۴۰۳ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور، ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۲۹۷- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، الام، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ
۲۹۸- علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۹۹- علامہ ابو اسحاق شیرازی، متوفی ۴۵۵ھ، المہذب، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۳ھ
۳۰۰- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۳۰۱- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۰۲- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ
۳۰۳- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الحاوی للفتاویٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۳۰۴- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ، نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۳۰۵- علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبراملسی، متوفی ۱۰۸۷ھ، حاشیہ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۰۶- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۰۷- قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۰۸- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی، متوفی ۷۶۷ھ، مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۰۹- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی، المتوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل، مطبوعہ مکتبہ النجاح، لیبیا
۳۱۰- علامہ علی بن عبد اللہ بن الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۱۱- علامہ ابو البرکات احمد دردیر مالکی، متوفی ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۱۲- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۱۳- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، المغنی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
۳۱۴- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، الکافی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۳۱۵- شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مجموعۃ الفتاوی، مطبوعہ ریاض، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۱۶- علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن فلاح مقدسی، متوفی ۷۶۳ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۱۷- علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۱۸- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ، کشاف القناع، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۱۹- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۲۰- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۲۱- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۲۲- شیخ ابو منصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس، الاحتجاج، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، ۱۴۰۳ھ
۳۲۳- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی، المتوفی ۶۷۹ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۲۴- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران، ۱۳۴۷ھ
۳۲۵- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حیات القلوب، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۲۶- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۳۲۷- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۵ھ
۳۲۸- علامہ ابو البرکات عبد الرحمان بن محمد الانباری، المتوفی ۵۷۷ھ، الداعی الی الاسلام، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ
۳۲۹- شیخ احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، العقیدۃ الواسطیہ، مطبوعہ دار السلام ریاض، ۱۴۱۳ھ
۳۳۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۳۳۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۳۲- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، شرح المواقف، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۳۳- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، مسایرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۳۴- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی، المتوفی ۹۰۶ھ، مسامرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۳۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۷۵ھ
۳۳۶- علامہ محمد بن احمد السفارینی، المتوفی ۱۱۸۸ھ، لوامع الانوار البہیہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۱۱ھ
۳۳۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۳۸- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی، متوفی ۶۰۶ھ، المحصول، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۳۳۹- علامہ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری، المتوفی ۷۳۰ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۱۱ھ
۳۴۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، توضیح و تلویح، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۳۴۱- علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الشہیر بابن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، التحریر مع التیسیر، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض
۳۴۲- علامہ محب اللہ بہاری، متوفی ۱۱۱۹ھ، مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
۳۴۳- علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، نور الانوار، مطبوعہ ایچ- ایم- سعید اینڈ کمپنی کراچی
۳۴۴- علامہ عبد الحق خیر آبادی، متوفی ۱۳۱۸ھ، شرح مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۴۵- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ، قوت القلوب، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۴۶- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ
۳۴۷- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرہ، مطبوعہ دار البخاریہ مدینہ منورہ، ۱۴۱۷ھ
۳۴۸- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ، قاعدہ جلیلہ، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر، ۱۳۷۳ھ
۳۴۹- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، الکبائر، مطبوعہ دار الغد العربی قاہرہ، مصر
۳۵۰- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، جلاء الافہام، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۵۱ شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ، اغاثۃ اللہفان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۳۵۲ شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ، زاد المعاد، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ
۳۵۳- علامہ عبد اللہ بن اسد یافعی، متوفی ۷۶۸ھ، روض الریاحین، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی و اولادہ مصر، ۱۳۷۴ھ
۳۵۴- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۳۵۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، شرح الصدور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۴ھ
۳۵۶- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، المیزان الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۵۷- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت و الجواہر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۵۸ علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الکبریت الاحمر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۵۹ علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، لواقح الانوار القدسیہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ

۳۶۰ علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ
۳۶۱ علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۶۲ علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، المنن الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۳۶۳ علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ
۳۶۴ علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۳۶۵۔ علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۳۶۶۔ علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الزواجر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۳۶۷۔ امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۴ھ، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۳۷۰ھ
۳۶۸۔ علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، اتحاف سادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۳۶۹۔ شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۳۷۰۔ علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طہران، ۱۳۸۷ھ
۳۷۱۔ امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور
۳۷۲۔ شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۳۸ھ، ہدیۃ المہدی، مطبوعہ میور پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ
۳۷۳۔ علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ، جواہر البحار، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۷۴۔ شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، بہشتی زیور، مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۳۷۵۔ شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، حفظ الایمان، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۳۷۶۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی، نداء یا رسول اللہ، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور، ۱۴۰۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸-اردو بازار لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

هو الله جل جلاله — الذي لا إله جل جلاله

إلا هو جل جلاله — الرحمن جل جلاله — الرحيم جل جلاله — الملك جل جلاله

القدوس جل جلاله — السلام جل جلاله — المؤمن جل جلاله — المهيمن جل جلاله — العزيز جل جلاله

الجبار جل جلاله — المتكبر جل جلاله — الخالق جل جلاله — البارئ جل جلاله

المصور جل جلاله — الغفار جل جلاله — القهار جل جلاله — الوهاب جل جلاله — الرزاق جل جلاله

الفتاح جل جلاله — العليم جل جلاله — القابض جل جلاله — الباسط جل جلاله

الخافض جل جلاله — الرافع جل جلاله — المعز جل جلاله — الحكم جل جلاله — البصير جل جلاله

السميع جل جلاله — المذل جل جلاله — العدل جل جلاله — اللطيف جل جلاله

الخبير جل جلاله — الحليم جل جلاله — العظيم جل جلاله — الغفور جل جلاله — الشكور جل جلاله

العلي جل جلاله — الكبير جل جلاله — الحفيظ جل جلاله — المقيت جل جلاله

الحسيب جل جلاله — الجليل جل جلاله — الكريم جل جلاله — الرقيب جل جلاله — المجيب جل جلاله

الواسع جل جلاله — الحكيم جل جلاله — الودود جل جلاله — المجيد جل جلاله

الباعث جل جلاله — الشهيد جل جلاله — الحق جل جلاله — الوكيل جل جلاله — القوي جل جلاله

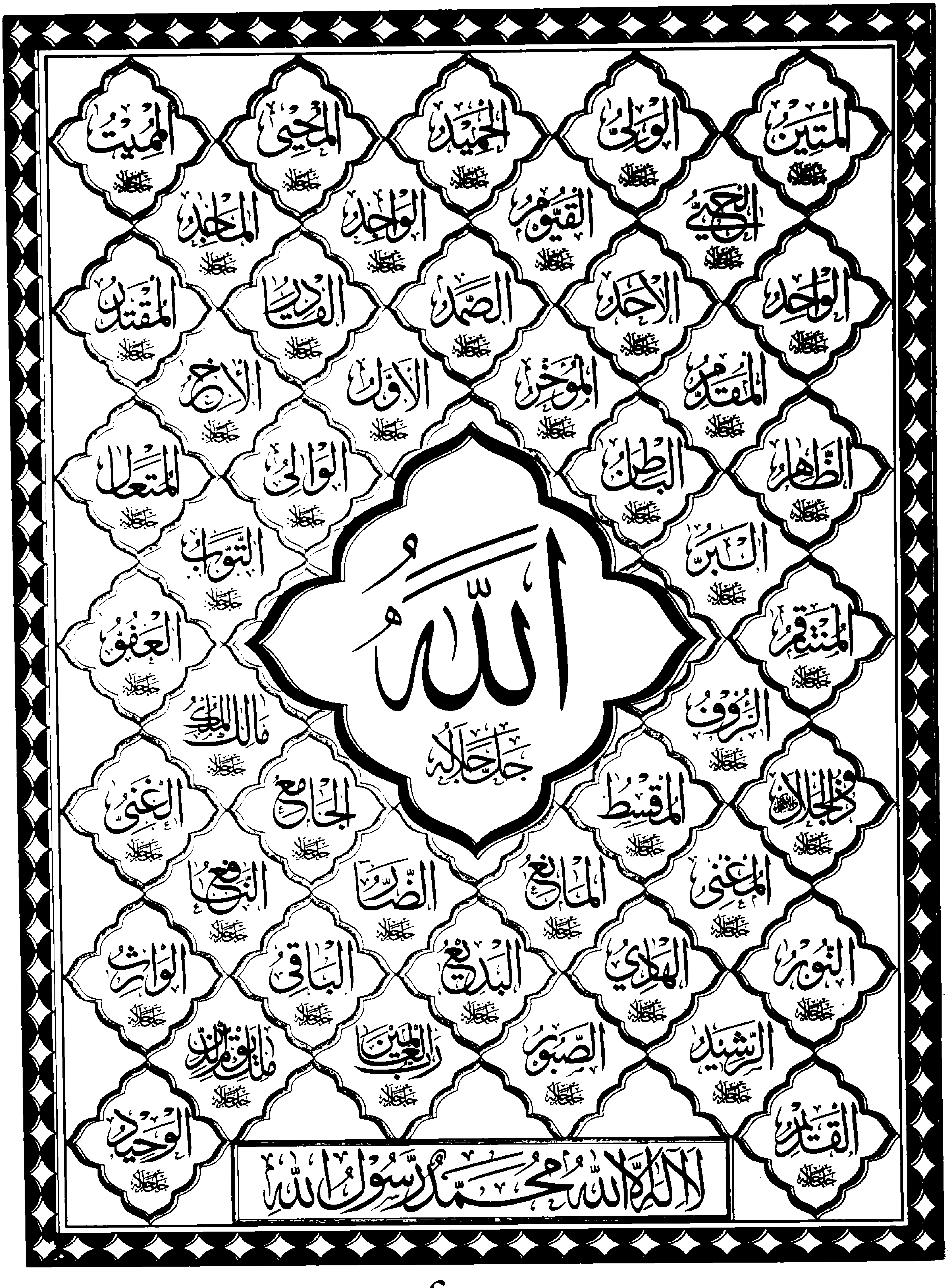
المتین
الولی
الحمید
المحیی
الممیت
الحیی
القیوم
الواجد
الماجد
الواحد
الاحد
الصمد
القادر
المقتدر
المقدم
المؤخر
الاول
الآخر
الظاهر
الباطن
الوالی
المتعالی
البر
التواب
المنتقم
العفو
الله
جل جلالہ
الرؤف
مالک الملک
ذوالجلال والاکرام
المقسط
الجامع
الغنی
المغنی
المانع
الضار
النافع
النور
الهادی
البدیع
الباقی
الوارث
الرشید
الصبور
رب العالمین
مالک یوم الدین
القدیر
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
الوحید

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد ہفتم

الکھف تا المؤمنون

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

ناشر
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸-اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی، فاضل علوم شرقیہ
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور
الطبع الاوّل : ذوالحج 1423ھ / فروری 2003ء
الطبع الثالث: شوال 1426ھ / نومبر 2005ء

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل: info@faridbookstall.com
ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	**سورۃ الکھف**	
۲	سورۃ کا نام	۳۳
۳	سورۃ الکھف کا زمانہ نزول	۳۳
۴	سورۃ الکھف کا سبب نزول	۳۴
۵	روح کے سوال کو بنی اسرائیل میں اور بقیہ دو سوالوں کو الکھف میں ذکر کرنے کی توجیہ	۳۴
۶	سورۃ الکھف کے متعلق احادیث	۳۵
۷	سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ الکھف میں باہمی مناسبت	۳۶
۸	سورۃ الکھف کے مشمولات	۳۷
۹	الحمد للہ الذی انزل علٰی عبدہ الکتب (۱-۱۲)	۳۸
۱۰	سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکھف کا ارتباط	۴۰
۱۱	اللہ کی حمد کرنے کا طریقہ	۴۱
۱۲	قرآن مجید میں کجی نہ ہونے کا معنی	۴۱
۱۳	انسان کا با اختیار ہونا	۴۲
۱۴	نبی ﷺ کا منصب ایمان کا راستہ دکھانا ہے رہا ایمان کو پیدا کرنا سو وہ اللہ کا کام ہے	۴۲
۱۵	زمین کی زینت سے انسان کو امتحان میں مبتلا کرنا	۴۳
۱۶	اس سوال کا جواب کہ امتحان لینا تو عدم علم کو مستلزم ہے	۴۴
۱۷	دنیا سے رغبت کو کم کرنا	۴۴
۱۸	دنیا کی زینت اور اس سے دامن بچانے کے متعلق احادیث	۴۵
۱۹	زہد اور قناعت کے متعلق احادیث	۴۶
۲۰	زہد اور قناعت کی تعریفات	۴۸
۲۱	اصحاب کہف کے واقعہ کا شانِ نزول	۴۸
۲۲	اصحاب الکھف اور اصحاب الرقیم کی سوانح	۴۹
۲۳	اصحاب کہف کی دعا کی تشریح	۵۶
۲۴	لوگوں کے شر اور فساد سے بچنے کیلئے جنگلوں اور غاروں میں رہنے کا جواز	۵۶
۲۵	عزلت نشینی کے بجائے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی فضیلت	۵۷
۲۶	عزلت نشینی اور تمدنی زندگی میں درمیانی کیفیت	۵۸
۲۷	نیند کا کانوں کے ساتھ تعلق	۵۸
۲۸	لنعلم کے چند تراجم اور ان پر اشکال	۵۹
۲۹	اللہ کے علم کے حادث ہونے کا اشکال اور اس کے جوابات	۶۰
۳۰	دو جماعتوں کا مصداق	۶۱
۳۱	نحن نقص علیک نباھم بالحق (۱۳-۱۷)	۶۱
۳۲	فتیۃ کے معنی	۶۲
۳۳	اصحاب کہف کے کھڑے ہونے کی تفسیر میں اقوال	۶۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۴	سماع کے دوران قیام پر علامہ قرطبی کا تبصرہ	۶۳
۳۵	بتوں کی عبادت کی ممانعت پر ایک سوال کا جواب	۶۴
۳۶	مشکل الفاظ کے معانی	۶۵
۳۷	اصحاب کہف کے جسموں کو دھوپ سے محفوظ رکھنے کی دو تفسیریں۔	۶۵
۳۸	وتحسبهم ایقاظا وهم رقود. (۱۸-۲۲)	۶۶
۳۹	اصحاب کہف کا کروٹیں بدلنا	۶۷
۴۰	الوصید کا معنی	۶۸
۴۱	صالحین کی مجلس کے ثمرات	۶۸
۴۲	ارتکاب معصیت اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے خلاف نہیں ہے	۶۹
۴۳	کتوں کو رکھنے کا شرعی حکم	۷۰
۴۴	اصحاب کہف کا نیند سے اُٹھ کر اپنے ایک ساتھی کو شہر کی طرف بھیجنا	۷۰
۴۵	وکیل بنانے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۷۱
۴۶	وکیل بنانے کے متعلق احادیث	۷۱
۴۷	وکالت کا لغوی اور شرعی معنی	۷۲
۴۸	وکالت کے ارکان	۷۲
۴۹	موکل کے اعتبار سے شرائط	۷۵
۵۰	وکیل کے اعتبار سے شرائط	۷۵
۵۱	جس چیز میں وکالت ہے اس کے اعتبار سے شرائط	۷۵
۵۲	اصحاب کہف اور ان کے شہر والوں کے درمیان ماجرا اور ان کی بحث	۷۶
۵۳	مزارات پر گنبد بنانے کا ثبوت	۷۷
۵۴	صالحین کی قبروں کے پاس مسجد بنانے پر سید مودودی کے اعتراضات اور ان کے جوابات	۷۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۵	صالحین کی قبروں کے پاس مساجد بنانے کی ممانعت میں احادیث	۸۰
۵۶	ممانعت کی احادیث کا منسوخ ہونا	۸۰
۵۷	صالحین کی قبور کے پاس مسجد بنانے کی ممانعت کے محامل	۸۱
۵۸	صالحین کے جوار میں مسجد بنانے پر مفسرین کی تصریحات	۸۳
۵۹	اصحاب کہف کی تعداد بتانے والے قائلین	۸۴
۶۰	اصحاب کہف کی صحیح تعداد	۸۴
۶۱	سات اوصاف کے درمیان واؤ کا ذکر نہ کرنا اور آٹھویں وصف سے پہلے واؤ کا ذکر کرنا	۸۵
۶۲	ولا تقولن لشایء انی فاعل ذلک غدا. (۲۳-۳۱)	۸۶
۶۳	ان شاءاللہ کہنے کے ترک کی ممانعت	۸۸
۶۴	ان شاءاللہ کہنے کے فقہی مسائل	۸۹
۶۵	نبی ﷺ کو علوم الغیب عطا فرمانا	۸۹
۶۶	ان شاءاللہ کہنے کو بھولنے کی حکمتیں	۹۰
۶۷	نسیان کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۹۰
۶۸	رسول اللہ ﷺ کی طرف نسیان کی نسبت کی تحقیق	۹۱
۶۹	غار میں اصحاب کہف کے قیام کی مدت	۹۳
۷۰	آیا اصحاب کہف اب زندہ ہیں یا نہیں؟	۹۳
۷۱	سنت اور قیاس پر عمل کرنے کا جواز	۹۴
۷۲	نبی ﷺ کو فقراء مسلمین کی مجلس میں بیٹھنے کا حکم	۹۴
۷۳	فقراء اور مساکین کی فضیلت میں احادیث	۹۵
۷۴	اغنیاء کے اسلام کی خاطر فقراء کو مجلس سے نہ اُٹھانے کی توجیہ	۹۸
۷۵	جب انسان کے اختیار اور اس کے اعمال کا	

نمبرشار	عنوان	صفحہ
	خالق اللہ تعالیٰ ہے تو اس کی جزا اور سزا کی کیا توجیہ ہے	۹۸
۷۶	اس اشکال کا جواب متکلمین سے	۹۹
۷۷	اس اشکال کا جواب علامہ بہاری سے	۹۹
۷۸	علامہ بہاری کے جواب کی وضاحت	۱۰۰
۷۹	اس اشکال کا جواب مصنف سے	۱۰۰
۸۰	ایمان لانے اور اطاعت کرنے میں بندہ کا فائدہ ہے نہ کہ اللہ کا	۱۰۰
۸۱	سرادقھا کا معنی	۱۰۱
۸۲	دوزخ کی آگ کے متعلق آیات اور احادیث	۱۰۲
۸۳	جنت کی اجمالی نعمتیں	۱۰۳
۸۴	جنت کی تفصیلی نعمتیں	۱۰۳
۸۵	واضرب لھم مثلا رجلین (۴۴-۳۲)	۱۰۳
۸۶	مال دار کافر اور مومن کی مثال کا شانِ نزول	۱۰۵
۸۷	جنت اور اس کے مقلوب کا معنی	۱۰۶
۸۸	دو باغوں کی صفات	۱۰۶
۸۹	کافر کا اپنے مال پر فخر کرنا اور مسلمان کو حقیر جاننا	۱۰۷
۹۰	مسلمان کا کافر کو جواب دینا	۱۰۷
۹۱	لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا معنی اور اس کے متعلق احادیث	۱۰۸
۹۲	ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ کے متعلق احادیث	۱۰۹
۹۳	ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ کا معنی	۱۰۹
۹۴	باغ پر کافر کے فخر کرنے کا جواب	۱۱۰
۹۵	انبیاء اور صالحین پر مصائب آنے کی حکمت	۱۱۰
۹۶	صرف اللہ کے پاس اختیارات ہونے کی وجوہ	۱۱۱
۹۷	واضرب لھم مثل الحیوۃ الدنیا (۴۵-۴۹)	۱۱۱
۹۸	دنیا کو پانی کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجوہ	۱۱۲

نمبرشار	عنوان	صفحہ
۹۹	حرص کی مذمت اور قناعت کی فضیلت	۱۱۳
۱۰۰	الھشیم کے معنی کی تحقیق	۱۱۴
۱۰۱	بیویوں اور اولاد کی کثرت پر فخر کرنا نامناسب ہے	۱۱۴
۱۰۲	الباقیات الصالحات کے بہت بہتر ہونے کی وضاحت	۱۱۵
۱۰۳	الباقیات الصالحات کا مصداق	۱۱۵
۱۰۴	احوال آخرت میں سے پہاڑوں کو چلانے کا معنی	۱۱۶
۱۰۵	احوال آخرت میں سے زمین کے صاف میدان ہونے کا معنی	۱۱۶
۱۰۶	کفار کے پیش ہونے کی پانچ حالتیں	۱۱۷
۱۰۷	قیامت کے دن برہنہ حشر کرنا	۱۱۹
۱۰۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے لباس پہنانے اور مرتدین کو میرے اصحاب فرمانے کی توجیہ	۱۲۰
۱۰۹	قیامت کے دن اعمال نامہ پیش کیا جانا	۱۲۰
۱۱۰	گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کے متعلق مذاہب	۱۲۱
۱۱۱	صغائر اور کبائر کی تقسیم کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۱۲۱
۱۱۲	صغائر اور کبائر کے متعلق احادیث	۱۲۱
۱۱۳	گناہ کبیرہ کی تعداد	۱۲۳
۱۱۴	گناہ کبیرہ کی متعدد تعریفیں	۱۲۴
۱۱۵	مکس کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۲۵
۱۱۶	بینک سے کاٹی ہوئی زکوٰۃ کا شرعی حکم	۱۲۶
۱۱۷	مکاس کی مذمت میں احادیث	۱۲۷
۱۱۸	ٹیکس لگانے کی تحقیق	۱۲۷
۱۱۹	انفرادی اور اجتماعی اور ملکی اور قومی ضروریات کیلئے نبی ﷺ کا مدد کیلئے مسلمانوں سے اپیل کرنا	۱۲۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۲۰	ٹیکس لگانے کے وجوب پر عقلی دلیل	۱۲۹
۱۲۱	حاکم کی اطاعت کے وجوب پر قرآن مجید سے استدلال	۱۳۰
۱۲۲	حاکم کی اطاعت کے وجوب پر احادیث سے استدلال	۱۳۰
۱۲۳	حاکم کی اطاعت کے وجوب پر فقہاء سے استدلال	۱۳۱
۱۲۴	حکومت کا ٹیکس کی آمدنی کو ذاتی تصرف میں لانا ناجائز اور ظلم ہے	۱۳۱
۱۲۵	واذ قلنا للملئکة اسجدوا (۵۳-۵۰)	۱۳۲
۱۲۶	ربط آیات' ذرّیت کا معنی اور شیطان کی ذرّیت کا بیان	۱۳۲
۱۲۷	ان لوگوں کا رد جو حقائق شناسی کا دعویٰ کرتے ہیں	۱۳۴
۱۲۸	موبق کا معنی	۱۳۵
۱۲۹	ولقد صرفنا فی ھذاالقران (۵۹-۵۴)	۱۳۶
۱۳۰	جدال کا معنی اور قرآن اور حدیث میں جدال کے اطلاقات	۱۳۷
۱۳۱	گزشتہ کافر قوموں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا دستور	۱۳۹
۱۳۲	گزشتہ تباہ ہونے والی بستیاں	۱۳۹
۱۳۳	جن برے کاموں کی وجہ سے کفار پر عذاب نازل کیا گیا	۱۴۰
۱۳۴	واذ قال موسی لفتہ لا ابرح (۷۰-۶۰)	۱۴۱
۱۳۵	ربط آیات	۱۴۳
۱۳۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعارف	۱۴۳
۱۳۷	حضرت موسیٰ کا نام ونسب اور عمر کا بیان	۱۴۳
۱۳۸	حضرت یوشع بن نون کا تعارف	۱۴۴
۱۳۹	ہمارے نبی ﷺ کیلئے ردِ شمس کی حدیث پر حافظ ابن حجر کی تحقیق	۱۴۴
۱۴۰	حدیث ردِ شمس پر حافظ سیوطی اور حافظ سخاوی کی تحقیق	۱۴۵
۱۴۱	حدیث ردِ شمس پر علامہ زبیدی کی تحقیق	۱۴۶
۱۴۲	حدیث ردِ شمس پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات	۱۴۷
۱۴۳	حدیث ردِ شمس پر حرف آخر	۱۴۸
۱۴۴	حضرت یوشع بن نون کو "فتیٰ" فرمانے کی توجیہ	۱۴۸
۱۴۵	حضرت خضر کا نام' لقب اور کنیت	۱۴۹
۱۴۶	مجمع البحرین کا مصداق	۱۴۹
۱۴۷	حقبا کے معنی	۱۴۹
۱۴۸	مجمع البحرین کی طرف سفر کا سبب اور حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کی تعیین	۱۵۰
۱۴۹	سرب کا معنی	۱۵۲
۱۵۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھولنے کی نسبت کرنے کی توجیہ	۱۵۲
۱۵۱	سفر میں زادِ راہ لینا توکل کے خلاف نہیں' بلکہ سنت انبیاء ہے	۱۵۳
۱۵۲	بیماریوں اور مصائب کے بیان کرنے کا جواز	۱۵۳
۱۵۳	مصائب اور بیماریوں کے بیان سے صوفیاء کا منع کرنا	۱۵۵
۱۵۴	مصائب اور بیماریوں کے بیان کرنے کے جواز پر قرآن مجید اور احادیث سے استدلال	۱۵۶
۱۵۵	عیادت کرنے کے ثبوت میں احادیث	۱۵۷
۱۵۶	وما انسانیہ میں ضمیر "ہ" پر پیش لگانے کی توجیہ	۱۵۹
۱۵۷	پکی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو جانا	۱۵۹
۱۵۸	حضرت موسیٰ کی حضرت خضر سے ملاقات	۱۶۰

نمبرشار	عنوان	صفحہ
۱۵۹	حضرت خضر کو "خضر" کہنے کی وجہ	۱۶۰
۱۶۰	حضرت خضر کے نبی ہونے کی تحقیق	۱۶۱
۱۶۱	سید ابوالاعلیٰ مودودی کا حضرت خضر کو انسان کے بجائے فرشتہ قرار دینا	۱۶۱
۱۶۲	حضرت خضر کے فرشتہ ہونے کا رد	۱۶۳
۱۶۳	حضرت خضر کے انسان ہونے پر دلائل	۱۶۳
۱۶۴	حضرت خضر کے نبی ہونے کا ثبوت علماء دیوبند سے	۱۶۴
۱۶۵	حضرت خضر کی حیات کے متعلق علماء اُمت کی آراء	۱۶۵
۱۶۶	حیاتِ خضر کی نفی پر دلائل	۱۶۶
۱۶۷	حیاتِ خضر کے ثبوت پر دلائل	۱۶۸
۱۶۸	حیاتِ خضر کے حق میں اور اُس کے خلاف دلائل پر بحث ونظر	۱۶۹
۱۶۹	حیاتِ خضر کے سلسلہ میں حرفِ آخر	۱۷۱
۱۷۰	علم لدنی کی تعریف	۱۷۱
۱۷۱	حضرت خضر علیہ السلام کو علم غیب دیئے جانے کی تصریحات	۱۷۲
۱۷۲	شریعت' طریقت اور حقیقت کی تعریفیں	۱۷۳
۱۷۳	حضرت موسیٰ کا حضرت خضر سے حصولِ تعلیم کیلئے ادب سے درخواست کرنا	۱۷۴
۱۷۴	حضرت موسیٰ کی درخواست میں ادب کی وجوہ	۱۷۵
۱۷۵	حضرت خضر کے تعلیم دینے سے احتراز کی توجیہ	۱۷۶
۱۷۶	تعلیم اور تعلم کے آداب	۱۷۷
۱۷۷	فانطلقا حتی اذا رکبا فی السفینة (۷۱-۷۴)	۱۷۷
۱۷۸	کشتی کا تختہ توڑنے کی تفصیل	۱۷۸
۱۷۹	بھول کی وجہ سے مواخذہ نہ ہونے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا فرق اور دیگر فقہی مسائل	۱۷۹
۱۸۰	حضرت خضر نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا' وہ بالغ تھا یا نابالغ' اور اس کے قتل کی کیفیت	۱۷۹
۱۸۱	قال الم اقل لک انک لن تستطیع (۷۵-۸۲)	۱۸۰
۱۸۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انصاف پسندی اور اُستاذ کا ادب واحترام	۱۸۱
۱۸۳	کھانا مانگنے کے سوال کا ضابطہ	۱۸۲
۱۸۴	تاویل کا معنی	۱۸۴
۱۸۵	بہ قدر ضرورت مالِ دنیا جمع کرنے کا جواز اور استحباب	۱۸۴
۱۸۶	سمندر میں کام کرنے والے مسکینوں کا بیان	۱۸۵
۱۸۷	زیادہ نقصان سے بچنے کیلئے کم نقصان کو برداشت کرنا	۱۸۵
۱۸۸	لڑکے کو قتل کرنے کی توجیہ	۱۸۶
۱۸۹	یتیم کا معنی اور اس کے شرعی احکام	۱۸۷
۱۹۰	یتیم کے ساتھ نیکی کرنے والے کے اجر وثواب کے متعلق احادیث	۱۸۸
۱۹۱	یتیم لڑکوں اور ان کے شہر کا نام	۱۸۹
۱۹۲	خزانہ کے مصداق میں اقوال	۱۹۰
۱۹۳	یتیم بچوں کے باپ کا تعارف اور مرنے کے بعد بھی مرد صالح کا فیضان	۱۹۰
۱۹۴	حضرت خضر کے نبی ہونے پر دلیل	۱۹۱
۱۹۵	حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعہ میں حضرت یوشع بن نون کا کردار	۱۹۲
۱۹۶	حسن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اور عیب کی نسبت اپنی طرف کرنا	۱۹۲
۱۹۷	صفاء باطن کا دعویٰ کر کے احکام شرعیہ سے	

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
	استغناء ظاہر کرنا زندیقی ہے	۱۹۴
۱۹۸	تصوف کے جھوٹے مدعی	۱۹۴
۱۹۹	علماء باطن کی تعریف	۱۹۴
۲۰۰	علماء ظاہر کی تعریف	۱۹۵
۲۰۱	علماء ظاہر کی علماء باطن پر فضیلت	۱۹۵
۲۰۲	علماء باطن کی علماء ظاہر پر فضیلت	۱۹۵
۲۰۳	علماء باطن کی فیض آفرینی پر قرآن مجید' احادیث اور آثار سے دلائل	۱۹۶
۲۰۴	علماء باطن اور عارفین کی فیض آفرینی کے واقعات	۱۹۷
۲۰۵	ویسئلونک عن ذی القرنین (۱۰۱-۸۳)	۱۹۸
۲۰۶	ربطِ آیات	۲۰۰
۲۰۷	ذوالقرنین کا مصداق اور اُس کی وجہ تسمیہ	۲۰۱
۲۰۸	تورات میں ذوالقرنین کی طرف اشارے	۲۰۲
۲۰۹	ذوالقرنین کا تصرف اور اس کا اقتدار	۲۰۳
۲۱۰	ذوالقرنین کا پہلا سفر بہ جانبِ مغرب	۲۰۳
۲۱۱	ذوالقرنین کا دوسرا سفر بہ جانبِ مشرق	۲۰۵
۲۱۲	ذوالقرنین کا تیسرا سفر بہ جانبِ شمال	۲۰۶
۲۱۳	یاجوج ماجوج کے متعلق احادیث	۲۰۷
۲۱۴	یاجوج اور ماجوج کے متعلق قدیم علماء کی آراء	۲۰۸
۲۱۵	یاجوج اور ماجوج کے متعلق متاخرین کی آراء	۲۰۸
۲۱۶	یاجوج اور ماجوج کے متعلق مصنف کا نظریہ	۲۱۲
۲۱۷	سدذوالقرنین کی تحقیق	۲۱۲
۲۱۸	افحسب الذین کفروا ان یتخذوا (۱۱۰-۱۰۲)	۲۱۴
۲۱۹	جن لوگوں کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں	۲۱۶
۲۲۰	جن لوگوں کے اعمال کا وزن ضائع نہیں ہوگا	۲۱۷
۲۲۱	بسیار خوری کے دینی اور دنیوی نقصانات	۲۱۷
۲۲۲	جنت الفردوس کا مقام	۲۱۹
۲۲۳	جنت کے فضائل	۲۱۹
۲۲۴	ان جاہل شعراء اور جعلی صوفیاء کا رد' جو جنت کو کم تر کہتے ہیں	۲۲۱
۲۲۵	اللہ تعالیٰ کے کلمات کا غیر متناہی ہونا	۲۲۲
۲۲۶	بشر کا معنی	۲۲۳
۲۲۷	کفار' انبیاء کرام علیہم السلام کو کیوں بشر کہتے تھے اور اُن کا رد	۲۲۴
۲۲۸	انبیاء کا بشر ہونا ہمارے لئے وجہ احسان ہے	۲۲۵
۲۲۹	رسول اللہ ﷺ کا خود پر بشر کا اطلاق فرمانا	۲۲۵
۲۳۰	نبی اور رسول کا بشر ہونا	۲۲۶
۲۳۱	رسول اللہ ﷺ کے بشر ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ	۲۲۷
۲۳۲	رسول اللہ ﷺ کے بشر ہونے کے متعلق علماء دیوبند کا نظریہ	۲۲۹
۲۳۳	علماء دیوبند کے نظریہ پر مصنف کا تبصرہ	۲۲۹
۲۳۴	رسول اللہ ﷺ کے خصائص کے ذکر کے بغیر آپ کو صرف بشر کہنا جائز نہیں	۲۳۰
۲۳۵	نبی ﷺ سے یہ کہلوانے کی توجیہ کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں	۲۳۱
۲۳۶	دکھانے اور سنانے کیلئے عبادت کرنے کی ممانعت میں احادیث اور آثار	۲۳۲
۲۳۷	اخلاص کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۳۴
۲۳۸	صوفیاء کرام کے نزدیک اخلاص کی تعریفات	۲۳۴
۲۳۹	اخلاص کے متعلق احادیث اور آثار	۲۳۵
۲۴۰	نیک کاموں کے ظہور پر خوش ہونے سے اجر ملنے اور اجر نہ ملنے کے محامل	۲۳۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۴۱	قربانی کے عمل میں مسلمان بہت زیادہ دکھاوا کرتے ہیں	۲۳۷
۲۴۲	اختتامی کلمات	۲۳۸
۲۴۳	سورۂ مریم	
۲۴۴	سورۂ مریم کی وجہ تسمیہ اور اُس کے متعلق احادیث وآثار	۲۴۳
۲۴۵	سورۂ مریم کا زمانۂ نزول	۲۴۴
۲۴۶	نجاشی کے سامنے حضرت جعفر کا تعارف اسلام پیش کرنا	۲۴۴
۲۴۷	الکہف اور مریم میں باہمی مناسبت	۲۴۷
۲۴۸	سورۂ مریم کے مشمولات	۲۴۷
۲۴۹	کھیٰعص ٥ ذکر رحمت ربک (۱-۱۵)	۲۴۸
۲۵۰	کھیٰعص کی تفسیر	۲۵۰
۲۵۱	حضرت زکریا پر رحمت کی توجیہ	۲۵۰
۲۵۲	ذکر خفی کی فضیلت	۲۵۰
۲۵۳	حضرت زکریا کے نداء خفی کرنے کی وجوہ	۲۵۱
۲۵۴	دعا کے آداب	۲۵۲
۲۵۵	انبیاء کے علم کا وارث بنایا جاتا ہے ان کے مال کا وارث نہیں بنایا جاتا	۲۵۲
۲۵۶	حضرت زکریا کو اللہ نے بشارت دی تھی یا فرشتوں نے	۲۵۴
۲۵۷	سمی کا معنی	۲۵۴
۲۵۸	حضرت یحییٰ کا نام یحییٰ رکھنے کی وجوہ	۲۵۴
۲۵۹	حضرت زکریا کے اس سوال کی توجیہ کہ میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا	۲۵۵
۲۶۰	حضرت زکریا کا تین دن تک لوگوں سے بات نہ کرسکنا	۲۵۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۶۱	حضرت زکریا کی محراب کا مصداق	۲۵۶
۲۶۲	محراب کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۵۷
۲۶۳	امام کے محراب میں کھڑے ہونے کی تحقیق	۲۵۷
۲۶۴	حضرت یحییٰ کو بچپن میں نبوت عطا فرمانا	۲۵۹
۲۶۵	حنان اور زکوٰۃ کا معنی	۲۵۹
۲۶۶	حضرت یحییٰ پر تین بار سلام کی خصوصیت	۲۶۰
۲۶۷	یوم میلاد پر خوشی منانے اور یوم وفات پر غم نہ منانے کا جواب	۲۶۰
۲۶۸	واذکر فی الکتب مریم (۳۲-۱۶)	۲۶۱
۲۶۹	حضرت مریم کے مشرقی جگہ جانے کی وجوہ	۲۶۳
۲۷۰	حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل کا بشری صورت میں آنا	۲۶۳
۲۷۱	فرشتہ سے ہم کلام ہونا حضرت مریم کی نبوت کو مستلزم نہیں	۲۶۴
۲۷۲	اولیاء اللہ کے مزارات پر مرادیں مانگنا	۲۶۵
۲۷۳	عادت کے خلاف بیٹے کی پیدائش پر حضرت مریم کا تعجب فرمانا اور اس کا ازالہ	۲۶۵
۲۷۴	حضرت مریم کے حمل کا سبب	۲۶۵
۲۷۵	حضرت مریم کے حمل کی مدت	۲۶۶
۲۷۶	یوسف نجار کا تعاون	۲۶۶
۲۷۷	وضع حمل کیلئے حضرت مریم کے دور جانے کی وجوہ	۲۶۶
۲۷۸	یہ کہنے کی توجیہ کہ کاش میں اس سے پہلے مرجاتی	۲۶۷
۲۷۹	معاش کے حصول کیلئے کسب کرنا ضروری ہے	۲۶۸
۲۸۰	خاموشی کا روزہ رکھنا غیر مشروع ہے	۲۶۹
۲۸۱	حضرت مریم کو لوگوں کا ملامت کرنا	۲۶۹
۲۸۲	یا اخت ھارون کی توجیہات	۲۶۹
۲۸۳	حضرت مریم کا حضرت عیسیٰ کی طرف جواب کا	

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
	اشارہ کرنا	۲۷۰
۲۸۴	حضرت عیسیٰ کا پیدا ہوتے ہی غالی نصاریٰ کا رد فرمانا	۲۷۱
۲۸۵	حضرت عیسیٰ کے مبارک ہونے کا معنی	۲۷۱
۲۸۶	حضرت عیسیٰ پر زکوٰۃ کی فرضیت کی تحقیق	۲۷۱
۲۸۷	حضرت عیسیٰ کا اپنی والدہ کی برأت بیان کرنا	۲۷۳
۲۸۸	والسلم علی یوم ولدت (۴۰-۳۳)	۲۷۳
۲۸۹	اس شبہ کا جواب کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے بچپن میں کلام کرنے کو کیوں نقل نہیں کیا	۲۷۵
۲۹۰	حضرت عیسیٰ کے متعلق عیسائیوں کے عقیدہ میں اختلاف	۲۷۵
۲۹۱	اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ ہونے پر دلائل	۲۷۶
۲۹۲	اللہ ہمارا رب ہے اس کے تقاضے	۲۷۶
۲۹۳	روزِ قیامت کے مشاہدہ کا عظیم ہونا	۲۷۷
۲۹۴	فعل تعجب کے صیغہ کا معنی اور اللہ تعالیٰ کے اظہار تعجب کی توجیہات	۲۷۸
۲۹۵	روزِ قیامت کا یومِ حسرت ہونا	۲۷۸
۲۹۶	اس دن کا مصداق جب فیصلہ ہو چکا ہوگا	۲۷۹
۲۹۷	اللہ تعالیٰ پر وارث کے اطلاق کی توجیہ	۲۷۹
۲۹۸	واذکر فی الکتب ابراھیم (۵۰-۴۱)	۲۸۰
۲۹۹	حضرت ابراہیم کا قصہ شروع کرنے کی وجوہ	۲۸۱
۳۰۰	بتوں کی عبادت کے بطلان کی وجوہ	۲۸۲
۳۰۱	نبی کی اتباع کو تقلید نہ کہنے کی وجوہ	۲۸۳
۳۰۲	آزر کو شیطان سے متنفر کرنے کی وجہ	۲۸۳
۳۰۳	شیطان کی ولایت کا معنی	۲۸۳
۳۰۴	لارجمنک اور واھجرنی کے معنی	۲۸۴
۳۰۵	سلام کی دو قسمیں سلام تحیت اور سلام متارکہ	۲۸۴
۳۰۶	کفار اور فساق کو سلام کرنے کی تحقیق	۲۸۵
۳۰۷	کفار کیلئے مغفرت کی دعا	۲۸۶
۳۰۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر جمیل کا جاری رہنا	۲۸۶
۳۰۹	واذکر فی الکتب موسیٰ (۶۵-۵۱)	۲۸۷
۳۱۰	نبی اور رسول کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۷۹
۳۱۱	حضرت موسیٰ کا مقرب ہونا	۲۷۹
۳۱۲	حضرت اسماعیل علیہ السلام کی صفات	۲۷۹
۳۱۳	حضرت ادریس علیہ السلام کی سوانح	۲۹۰
۳۱۴	رمل (زائچہ بنانے) کی تعریف اور اس کا شرعی حکم	۲۹۱
۳۱۵	حضرت ادریس کا چوتھے یا چھٹے آسمان پر فوت ہونا	۲۹۲
۳۱۶	حضرت ادریس علیہ السلام کا جنت میں زندہ ہونا	۲۹۳
۳۱۷	حضرت ادریس کو اوپر اُٹھانے اور ان کی زندگی میں علماء اور مفسرین کا اختلاف	۲۹۴
۳۱۸	حضرت ادریس کے متعلق قول فیصل	۲۹۵
۳۱۹	سجدۂ تلاوت کرنے کے آداب	۲۹۵
۳۲۰	تعدیل ارکان میں کمی کی وجہ سے نمازوں کو ضائع کرنا	۲۹۶
۳۲۱	مستحب وقت کے بعد نماز پڑھ کر نمازوں کو ضائع کرنا	۲۹۷
۳۲۲	نوافل سے فرائض میں کمی کی تلافی اور تدارک	۲۹۷
۳۲۳	فرض نہ پڑھنے سے نفل نامقبول ہونے کی حدیث ضعیف ہے	۲۹۸
۳۲۴	نوافل سے تدارک نہ ہونے کا رد قرآن، حدیث اور تصریحات علماء سے	۲۹۸
۳۲۵	آیا نوافل سے فرائض کی مقدار میں کمی کا	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	تدارک ہوتا ہے یا اس کی کیفیت میں کمی کا	۲۹۹
۳۲۶	اس نظریہ کا بطلان کہ فرض نہ پڑھنے سے نفل قبول نہیں ہوتے	۳۰۰
۳۲۷	قرض اور نذرانے کی مثال کا جواب اور تحقیق مزید	۳۰۰
۳۲۸	غی کا معنی	۳۰۱
۳۲۹	گناہ کبیرہ کے مرتکب کی مغفرت	۳۰۱
۳۳۰	جنت اور جنتیوں کی صفات	۳۰۲
۳۳۱	جبریل کے زیادہ نہ آنے کی وجہ	۳۰۳
۳۳۲	اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نام اللہ نہیں ہے	۳۰۳
۳۳۳	ویقول الانسان ء اذا ما مت (۸۲-۶۶)	۳۰۴
۳۳۴	قیامت کے دن کفار کے حشر کی کیفیت	۳۰۶
۳۳۵	آیا دوزخ میں دخول کافروں کے ساتھ خاص ہے یا ہر شخص دوزخ میں داخل ہوگا	۳۰۷
۳۳۶	دوزخ میں دخول پل صراط سے گزرنا ہے	۳۰۸
۳۳۷	مسلمانوں کے دخول نار سے مراد ان پر بخار آنا ہے	۳۰۹
۳۳۸	دنیاوی فراخ دستی اور تنگدستی حق اور باطل کا معیار نہیں ہے	۳۱۰
۳۳۹	کفار کے مقام کا زیادہ برا ہونا اور ان کے لشکر کا زیادہ کمزور ہونا	۳۱۱
۳۴۰	الباقیات الصالحات کا معنی	۳۱۱
۳۴۱	العاصی بن وائل کی مذمت	۳۱۲
۳۴۲	بت پرستی کا رد	۳۱۳
۳۴۳	ضد کا معنی	۳۱۳
۳۴۴	الم تر انا ارسلنا الشیطین (۹۸-۸۳)	۳۱۳
۳۴۵	شیاطین کو کافروں پر مسلط کرنا اور ''از'' کا معنی	۳۱۵
۳۴۶	محشر میں مومنین کا سواریوں پر سوار ہوکر جنت	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	کی طرف جانا	۳۱۶
۳۴۷	مومنوں کا رحمٰن سے لیا ہوا عہد	۳۱۶
۳۴۸	ان کافروں کی مذمت جنہوں نے رحمٰن کیلئے بیٹا گھڑ لیا	۳۱۷
۳۴۹	اولیاء کرام کی ولایت کی دلیل	۳۱۸
۳۵۰	لُد کا معنی	۳۱۹
۳۵۱	رکز کا معنی	۳۱۹
۳۵۲	اختتامی کلمات اور دعا	۳۱۹
۳۵۳	سورہ طٰہٰ	۳۲۳
۳۵۴	سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ	۳۲۳
۳۵۵	سورۂ مریم اور سورۂ طٰہٰ کی باہمی مناسبت	۳۲۳
۳۵۶	سورہ طٰہٰ کا زمانہ نزول	۳۲۴
۳۵۷	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	۳۲۴
۳۵۸	سورہ طٰہٰ کے مقاصد اور مسائل	۳۲۶
۳۵۹	طه ٥ ما انزلنا علیک القران لتشقی (۱-۲۴)	۳۲۸
۳۶۰	طٰہٰ الخ کا شان نزول	۳۳۰
۳۶۱	طٰہٰ کے معانی	۳۳۰
۳۶۲	رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ	۳۳۱
۳۶۳	قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ جو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ بھی ہیں	۳۳۲
۳۶۴	رسول اللہ ﷺ کے اسماء کی تعداد	۳۳۳
۳۶۵	رسول اللہ ﷺ کے اسماء کے معانی	۳۳۴
۳۶۶	رسول اللہ ﷺ کے اسماء کے متعلق دیگر علماء کی تحقیقات	۳۳۷
۳۶۷	صرف ڈرنے والوں کے لیے قرآن کے نصیحت ہونے کی توجیہ	۳۳۸
۳۶۸	قرآن کریم کی عظمت	۳۳۹

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
۳۶۹	سرادراخفی کا معنی	۳۳۹
۳۷۰	اللہ کے واحد ہونے پر ایمان کے مدارج اور مراتب	۳۴۰
۳۷۱	مقلد کے ایمان کا صحیح ہونا	۳۴۰
۳۷۲	لاالہ الااللہ پڑھنے کی فضیلت میں احادیث	۳۴۲
۳۷۳	جو شخص فرائض کا تارک ہو اور محرمات کا مرتکب ہو آیا صرف کلمہ پڑھنے سے اس کی نجات ہو جائے گی	۳۴۴
۳۷۴	اسماء حسنیٰ	۳۴۵
۳۷۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر کرنے کی وجہ	۳۴۵
۳۷۶	حضرت موسیٰ کا حضرت شعیب کی اجازت سے مدین سے روانہ ہونا	۳۴۵
۳۷۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ کو دیکھنا	۳۴۶
۳۷۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ندا کو سننا	۳۴۷
۳۷۹	حضرت موسیٰ نے جس کلام کو سنا تھا اس کے سننے کی کیفیت	۳۴۷
۳۸۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیسے یقین ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے	۳۴۷
۳۸۱	نعلین اُتارنے کے حکم کی توجیہات	۳۴۸
۳۸۲	کلام الٰہی کے قدیم ہونے پر ایک اعتراض کا جواب	۳۴۹
۳۸۳	جوتیوں کیساتھ نماز پڑھنے کے متعلق احادیث	۳۵۰
۳۸۴	جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء	۳۵۰
۳۸۵	نقش نعل پاک پر آیات اور اسماء مبارکہ لکھنے کا شرعی حکم	۳۵۱
۳۸۶	وادی طویٰ کا مصداق	۳۵۴
۳۸۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز کرنا اور آپ کو نماز پڑھنے کا حکم دینا	۳۵۴
۳۸۸	عمداً نماز ترک کرنے والے پر نماز کی قضاء کا واجب ہونا	۳۵۵
۳۸۹	وقوع قیامت پر دلیل اور قیامت کو مخفی رکھنے کی حکمت	۳۵۶
۳۹۰	اللہ تعالیٰ کے اس سوال کی حکمتیں کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے	۳۵۶
۳۹۱	ہمارے نبی ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کی افضلیت	۳۵۷
۳۹۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کو طول دینے کی حکمتیں	۳۵۸
۳۹۳	عصا رکھنے کے فوائد	۳۵۹
۳۹۴	عصائے موسیٰ کی تاریخی حیثیت	۳۶۰
۳۹۵	عصا کو زمین پر ڈالنے کی وجوہ	۳۶۰
۳۹۶	عصا کے سانپ بن جانے کی حکمتیں	۳۶۱
۳۹۷	حیۃ، ثعبان اور جان کے معانی اور ان میں تطبیق	۳۶۱
۳۹۸	سانپ سے حضرت موسیٰ کے ڈرنے کی توجیہات	۳۶۱
۳۹۹	ید بیضا اور عصا میں کون سا معجزہ زیادہ عظیم ہے	۳۶۲
۴۰۰	فرعون کی طرف جانے کا حکم دینا	۳۶۳
۴۰۱	قال رب اشرح لی صدری ٥ (۲۵-۵۴)	۳۶۳
۴۰۲	شرح صدر کی دعا کی حکمت	۳۶۶
۴۰۳	حضرت موسیٰ کی زبان میں گرہ کی وجوہ	۳۶۶
۴۰۴	فقہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۳۶۷
۴۰۵	وزیر کا معنی اور اس کے متعلق احادیث	۳۶۷
۴۰۶	وزارت کیلئے بھائی کی تخصیص کی وجہ	۳۶۷
۴۰۷	ازر کا معنی	۳۶۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۰۸	حضرت موسیٰ کی ان دعاؤں کا سبب	۳۶۸
۴۰۹	حضرت موسیٰ کی دعاؤں کو باریاب کرنے کی وجوہ	۳۶۹
۴۱۰	حضرت موسیٰ کی ماں پر وحی کرنے کا احسان اور عورت کے نبی نہ ہونے پر دلائل	۳۶۹
۴۱۱	حضرت موسیٰ پر ان کے صندوق کو دریا میں سلامت رکھنے کا احسان	۳۷۰
۴۱۲	فرعون کے گھر حضرت موسیٰ کو پہنچانے کا احسان	۳۷۰
۴۱۳	فرعون کے دل میں حضرت موسیٰ کی محبت ڈالنے اور ان کی پرورش کا احسان	۳۷۱
۴۱۴	اللہ تعالیٰ کی آنکھ کا معنی	۳۷۱
۴۱۵	حضرت موسیٰ کی ماں پر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا احسان	۳۷۱
۴۱۶	حضرت موسیٰ پر فرعون سے نجات دینے کا احسان	۳۷۲
۴۱۷	حضرت موسیٰ کو آزمائشوں سے گزارنا	۳۷۳
۴۱۸	حضرت موسیٰ کو مدین میں پناہ دینے کا احسان	۳۷۳
۴۱۹	انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا جانا	۳۷۳
۴۲۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت پر فائز کرنے کا احسان	۳۷۴
۴۲۱	عصا اور ید بیضا دو نشانیوں پر آیات کے اطلاق کی توجیہ	۳۷۵
۴۲۲	ذکر میں سستی سے منع کرنے کے محامل	۳۷۵
۴۲۳	فرعون کے ساتھ نرمی سے کلام کرنے کی وجوہ اور نرم کلام کے محامل	۳۷۵
۴۲۴	فرعون سے حضرت موسیٰ کے خوف کی توجیہ اور فرط کا معنی	۳۷۷
۴۲۵	اللہ کے دشمنوں سے ڈرنا انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کی سنت ہے	۳۷۷
۴۲۶	دائمی عذاب صرف کفار کو ہوگا	۳۷۹
۴۲۷	مباحثہ میں فریق مخالف پر سختی کرنے کے بجائے نرمی سے دلائل پیش کرنا	۳۸۰
۴۲۸	اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور توحید پر دلیل	۳۸۰
۴۲۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل سے فرعون کا پریشان ہونا	۳۸۱
۴۳۰	نہ وہ غلطی کرتا ہے نہ وہ بھولتا ہے کے محامل	۳۸۲
۴۳۱	لکھنے کے جواز کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۳۸۲
۴۳۲	علم کی باتوں اور احادیث کے لکھنے کے جواز کے متعلق احادیث	۳۸۳
۴۳۳	لکھنے کی ممانعت کی احادیث اور ان کے جوابات	۳۸۴
۴۳۴	اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر ایک اور دلیل	۳۸۵
۴۳۵	منها خلقنكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى (۵۵-۷۶)	۳۸۶
۴۳۶	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا ایک ہی مٹی سے مخلوق ہونا	۳۸۸
۴۳۷	توحید اور رسالت کے وہ دلائل جن کا فرعون نے انکار کیا	۳۹۰
۴۳۸	یوم الزینت کا مصداق	۳۹۱
۴۳۹	جادوگروں کی تعداد	۳۹۱
۴۴۰	سرگوشیاں کرنے والوں اور ان کی سرگوشیوں کا بیان	۳۹۲
۴۴۱	بعض مشکل الفاظ کے معانی اور اعراب کا بیان	۳۹۲
۴۴۲	جادوگروں کو لاٹھیاں ڈالنے کا حکم دینا کیا کفر کا حکم دینے کو مستلزم ہے	۳۹۳
۴۴۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈرنے کی	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	توجیہات	۳۹۴
۴۴۴	حضرت موسیٰ کی لاٹھی کا جادوگروں کی لاٹھیوں پر غالب آنا	۳۹۵
۴۴۵	ساحر کے کہیں کامیاب نہ ہونے کی توجیہ	۳۹۵
۴۴۶	سحر کی تعریف	۳۹۶
۴۴۷	سحر کا شرعی حکم	۳۹۶
۴۴۸	آیا جادو سے کسی چیز کی حقیقت بدل سکتی ہے یا نہیں	۳۹۷
۴۴۹	فقہاء احناف کے نزدیک سحر کی تعریف اور اس کا شرعی حکم	۳۹۸
۴۵۰	تعویذات کے بعض احکام	۳۹۸
۴۵۱	فرعون کے جادوگروں کا ایمان لانا	۳۹۹
۴۵۲	رب العالمین کی بجائے رب ھارون و موسیٰ کہنے کی وجوہ	۳۹۹
۴۵۳	فرعون کی لاف وگزاف کی توجیہ	۴۰۰
۴۵۴	جادوگروں کی اس قول کی توجیہ کہ فرعون نے ان کو جادو کرنے پر مجبور کیا تھا	۴۰۱
۴۵۵	فرعون کی بیوی کا ایمان لانا	۴۰۲
۴۵۶	ایمان لانے کے بعد جادوگروں کا فرعون اور اس کے حواریوں کو نصیحت کرنا	۴۰۲
۴۵۷	ولقد اوحینا الی موسٰی (۸۹-۷۷)	۴۰۳
۴۵۸	حضرت موسیٰ کا رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہونا	۴۰۵
۴۵۹	بنی اسرائیل کو رات کے وقت لے جانے کی حکمتیں	۴۰۶
۴۶۰	سمندر میں بنائے ہوئے خشک راستہ پر فرعون کے جانے کی توجیہ مفسرین کی طرف سے	۴۰۶
۴۶۱	سمندر میں بنائے ہوئے خشک راستہ پر فرعون کے جانے کی توجیہ امام رازی کی طرف سے	۴۰۶
۴۶۲	فرعون کو کلمہ پڑھنے سے روکنے پر امام رازی کے اعتراض کا جواب	۴۰۶
۴۶۳	حضرت موسیٰ کا ایک بڑھیا کی رہنمائی سے حضرت یوسف کا تابوت نکالنا	۴۰۷
۴۶۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ کو جنت عطا کرنے کا اختیار تھا	۴۰۸
۴۶۵	بنی اسرائیل کو نعمتیں یاد دلانا	۴۱۰
۴۶۶	طور کی دائیں جانب جانے کا بیان	۴۱۰
۴۶۷	کھانے میں حد سے بڑھنے کا معنی	۴۱۱
۴۶۸	بندہ کا بہت زیادہ گناہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ معاف فرمانا	۴۱۱
۴۶۹	بار بار گناہ بخشنے کی وضاحت	۴۱۲
۴۷۰	کیا توبہ کرنے کے بعد دوبارہ گناہ کرنا توبہ کو کھیل بنانا ہے؟	۴۱۳
۴۷۱	توبہ کرنے' ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے کے بعد ہدایت کے حصول کی توجیہ	۴۱۴
۴۷۲	کلمہ پڑھنے سے پہلے کفریہ عقائد سے اظہار برأت ضروری ہے	۴۱۵
۴۷۳	حضرت موسیٰ کے عجلت کے ساتھ جانے کی توجیہ	۴۱۵
۴۷۴	بنو اسرائیل کو آزمائش میں ڈالنا	۴۱۷
۴۷۵	حضرت موسیٰ کا اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت پر زجر وتوبیخ کرنا	۴۱۷
۴۷۶	بنی اسرائیل کا بچھڑے کی عبادت پر عذر پیش کرنا	۴۱۸
۴۷۷	زیورات سے بچھڑا بنانے کی تفصیل	۴۱۸
۴۷۸	بچھڑے کو معبود قرار دینے کا بطلان	۴۱۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۷۹	ولقد قال لهم هرون من قبل (۹۰-۱۰۴)	۴۲۰
۴۸۰	نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے متعلق احادیث	۴۲۲
۴۸۱	بے عمل عالم اور واعظ کے متعلق احادیث	۴۲۳
۴۸۲	حضرت علی مظہر ہارون تھے اور تقیہ نہیں کرتے تھے	۴۲۴
۴۸۳	حضرت ہارون علیہ السلام کی تبلیغ کا بہترین طریقہ	۴۲۵
۴۸۴	حضرت موسیٰ کا حضرت ہارون پر ناراض ہونا	۴۲۵
۴۸۵	حمد و ثنا کے بعد ڈھول بجانے، رقص کرنے اور اظہار وجد کرنے کا شرعی حکم	۴۲۶
۴۸۶	حضرت ہارون کے سر کے بال اور ڈاڑھی پکڑنے کے اعتراض کے جوابات	۴۲۶
۴۸۷	حضرت ہارون کے جواب کی وضاحت	۴۲۷
۴۸۸	ایمان دلائل سے نہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت سے ملتا ہے	۴۲۸
۴۸۹	حضرت موسیٰ کا سامری کو ملامت کرنا	۴۲۹
۴۹۰	اثر رسول کے متعلق مفسرین کی توجیہ	۴۲۹
۴۹۱	اثر رسول کے متعلق ابو مسلم کی توجیہ	۴۲۹
۴۹۲	سامری کی دنیا میں سزا	۴۳۰
۴۹۳	سامری کے بچھڑے کو جلا کر راکھ کرنا	۴۳۰
۴۹۴	قرآن مجید پر ذکر کا اطلاق	۴۳۱
۴۹۵	قرآن مجید پر ذکر کے اطلاق کی وجوہ	۴۳۱
۴۹۶	روز حشر کی سختیاں اور اس دن کفار کے احوال اور اھوال	۴۳۲
۴۹۷	ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفها ربی نسفا (۱۰۵-۱۱۵)	۴۳۳
۴۹۸	قیامت کے وقوع پر کفار کا شبہ	۴۳۵
۴۹۹	نسف کا معنی	۴۳۵
۵۰۰	زمینوں اور لوگوں کی قسمیں	۴۳۵
۵۰۱	زمینوں اور لوگوں کی قسموں کی وضاحت	۴۳۶
۵۰۲	اَلْعِوَجُ اور اَمْت کے معنی	۴۳۶
۵۰۳	قیامت کے دن پکارنے والے کی تفسیر	۴۳۷
۵۰۴	شفاعت کی تحقیق	۴۳۸
۵۰۵	شفاعت کا لغوی معنی	۴۳۸
۵۰۶	شفاعت کا اصطلاحی معنی	۴۴۰
۵۰۷	شفاعت کے متعلق معتزلہ کا نظریہ	۴۴۱
۵۰۸	شفاعت کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا نظریہ	۴۴۱
۵۰۹	شفاعت کے متعلق غیر مقلدین کا نظریہ	۴۴۲
۵۱۰	شفاعت کے متعلق شیعہ کا نظریہ	۴۴۲
۵۱۱	شیخ محمد بن عبدالوہاب کا شفاعت کے متعلق نظریہ	۴۴۳
۵۱۲	شفاعت کے متعلق شیخ اسماعیل دہلوی کا نظریہ	۴۴۳
۵۱۳	شفاعت بالوجاہت کا صحیح معنی	۴۴۴
۵۱۴	شفاعت محبت	۴۴۵
۵۱۵	شفاعت اور دعا	۴۴۷
۵۱۶	انبیاء و اولیاء کی دعاؤں کی قبولیت	۴۴۸
۵۱۷	شفاعت بالاذن	۴۴۹
۵۱۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۴۴۹
۵۱۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے متعلق احادیث	۴۵۰
۵۲۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے متعلق علامہ نووی، علامہ آلوسی اور شیخ ابن تیمیہ کی تصریحات	۴۵۲
۵۲۱	شفاعت کے متعلق سید ابوالاعلیٰ مودودی کا نظریہ	۴۵۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۲۲	سید ابوالاعلیٰ کے نظریہ شفاعت پر بحث ونظر اور قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کا علم	۴۵۵
۵۲۳	ہر شخص کی شفاعت کیلئے مخصوص اذن لینا ضروری نہیں	۴۵۷
۵۲۴	گناہ کبیرہ کی شفاعت کے جواز اور وقوع پر قرآن اور حدیث سے دلائل	۴۵۹
۵۲۵	شفاعت کے متعلق علماء اہل سنت کا نظریہ	۴۶۱
۵۲۶	شفاعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۴۶۴
۵۲۷	انبیاء علیہم السلام کی شفاعت	۴۶۴
۵۲۸	حضرت سیدنا محمد ﷺ سے طلب شفاعت	۴۶۴
۵۲۹	صالحین کی شفاعت مومنین کے لئے	۴۶۵
۵۳۰	فرشتوں کی شفاعت	۴۶۵
۵۳۱	شفاعت کے متعلق چالیس احادیث	۴۶۶
۵۳۲	شفاعت بالوجاہت کی حدیث پر تعجیل حساب کی شفاعت اور مسلمانوں کو دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کو خلط ملط کرنے کا اشکال	۴۷۷
۵۳۳	تعجیل حساب اور دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کو خلط ملط کرنے کے اشکال کا جواب	۴۷۷
۵۳۴	اشکال مذکور کا جواب مصنف کی جانب سے	۴۷۸
۵۳۵	لوگوں کے آگے اور لوگوں کے پیچھے کی تفسیر	۴۸۱
۵۳۶	عنت الوجوہ اور القیوم کے معنی	۴۸۱
۵۳۷	اسم اعظم کے متعلق احادیث	۴۸۲
۵۳۸	قرآن مجید کی صفات	۴۸۳
۵۳۹	اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر تنبیہ	۴۸۳
۵۴۰	قرآن کی تلاوت میں عجلت سے ممانعت کی وجوہ	۴۸۳
۵۴۱	نسیان کے باوجود حضرت آدم پر عتاب کیوں ہوا	۴۸۴
۵۴۲	حضرت آدم کا اولوالعزم رسول نہ ہونا	۴۸۴
۵۴۳	واذ قلنا للملئكة اسجدوا لادم فسجدوا الا ابليس ط ابى (۱۲۸-۱۱۶)	۴۸۵
۵۴۴	ابلیس کی حضرت آدم سے عداوت کی وجوہ	۴۸۷
۵۴۵	جنت کی نعمتوں کی قدر دلانا	۴۸۷
۵۴۶	عصی ادم ربہ فغوی سے حضرت آدم کی عصمت پر اعتراض اور امام رازی کی طرف سے اس کا جواب	۴۸۸
۵۴۷	عصمت انبیاء میں مذاہب	۴۸۹
۵۴۸	عصی ادم ربہ فغوی کے متعلق علامہ قرطبی مالکی کی تفسیر	۴۹۰
۵۴۹	عصی ادم ربہ فغوی کے متعلق علامہ آلوسی کی تفسیر	۴۹۱
۵۵۰	عصی ادم ربہ فغوی کے متعلق سید مودودی کی تفسیر	۴۹۱
۵۵۱	سید مودودی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ	۴۹۲
۵۵۲	وعصی ادم ربہ فغوی کے متعلق مصنف کی تفسیر	۴۹۲
۵۵۳	ذکر سے مراد اور ''ضنک'' کا معنی	۴۹۵
۵۵۴	کافر کی تنگ زندگی کا محمل دنیا میں	۴۹۵
۵۵۵	اس سوال کا جواب کہ کفار دنیا میں عیش وآرام سے ہیں اور مسلمان تنگ دستی میں مبتلا ہیں	۴۹۶
۵۵۶	کافر کی تنگ زندگی کا محمل قبر میں	۴۹۷
۵۵۷	کافر کی تنگ زندگی کا محمل آخرت میں	۴۹۷
۵۵۸	ولولا كلمة سبقت من ربك (۱۳۵-۱۲۹)	۴۹۹
۵۵۹	آپ کی تکذیب کے باوجود کفار کو عذاب نہ دینے کی وجوہ	۵۰۰

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
۵۶۰	نزول عذاب کی میعاد	۵۰۰
۵۶۱	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دینے کا محمل	۵۰۱
۵۶۲	نماز کے اوقات اور رات کو نماز پڑھنے کی فضیلت	۵۰۱
۵۶۳	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے محامل	۵۰۲
۵۶۴	مشکل الفاظ کے معانی	۵۰۳
۵۶۵	نماز پڑھنے کی تاکید	۵۰۳
۵۶۶	اشیاء میں اصل اباحت ہے	۵۰۴
۵۶۷	سورت کا اختتام	۵۰۵
۵۶۸	سورۃ الانبیاء	
۵۶۹	سورۃ کا نام	۵۰۹
۵۷۰	سورۃ طٰہٰ اور سورۃ الانبیاء میں باہمی مناسبت	۵۱۰
۵۷۱	سورۃ الانبیاء کے مقاصد اور مسائل	۵۱۰
۵۷۲	اقترب للناس حسابهم (۱۰-۱)	۵۱۲
۵۷۳	موت یا قیامت آنے سے پہلے نیکیاں کرنے کے متعلق احادیث	۵۱۳
۵۷۴	یوم حساب اگر قریب ہے تو اب تک آ چکا ہوتا	۵۱۷
۵۷۵	قرآن مجید کے حادث ہونے کے اشکال کا جواب	۵۱۷
۵۷۶	آپ کا بشر ہونا آپ کی نبوت کے خلاف نہیں	۵۱۷
۵۷۷	قرآن مجید کو جادو قرار دینے کا جواب	۵۱۸
۵۷۸	شعر کا معنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شعر کی تحقیق	۵۱۹
۵۷۹	کفار مکہ کے آپ کی نبوت پر چھ اعتراضات اور ان کے جوابات	۵۲۱
۵۸۰	کفار عرب کے فرمائشی معجزات نہ بھیجنے کی وجوہ	۵۲۲
۵۸۱	رسول صرف انسانوں اور مردوں کو بنایا جاتا ہے	۵۲۳
۵۸۲	مسئلہ تقلید	۵۲۳
۵۸۳	بشری تقاضوں کی وجہ سے آپ کی رسالت پر اعتراض کا جواب	۵۲۴
۵۸۴	وکم قصمنا من قرية كانت ظالمة (۲۹-۱۱)	۵۲۵
۵۸۵	مشکل الفاظ کے معانی	۵۲۷
۵۸۶	کفار مکہ کو پچھلی قوموں کا عذاب سنانا	۵۲۸
۵۸۷	مشکل الفاظ کے معانی	۵۲۸
۵۸۸	آسمان اور زمین بنانے کی حکمتیں	۵۲۹
۵۸۹	اگر فرشتے ہر وقت تسبیح کرتے ہیں تو باقی کام وہ کس وقت کرتے ہیں	۵۲۹
۵۹۰	کافر تو حیات بعد الموت کے قائل نہیں پھر ان پر بتوں کے زندہ نہ کر سکنے کا اعتراض کیوں ہے؟	۵۳۰
۵۹۱	اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر عقلی دلائل	۵۳۱
۵۹۲	عرش عظیم کا رب کہنے کی وجہ	۵۳۳
۵۹۳	اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں ہونا اور اغراض نہ ہونا	۵۳۳
۵۹۴	اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ہونے پر دلیل	۵۳۶
۵۹۵	قرآن مجید اور کتب سابقہ کے تین محامل	۵۳۶
۵۹۶	مشرکین کے اس قول کا رد کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں	۵۳۷
۵۹۷	فرشتوں کا مکلف ہونا	۵۳۸
۵۹۸	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام فرشتوں اور نبیوں پر فضیلت	۵۳۹
۵۹۹	مرتکب کبیرہ کیلئے شفاعت کا جواز	۵۳۹
۶۰۰	مسئلہ شفاعت میں سید مودودی کی تفسیر پر تبصرہ	۵۴۰
۶۰۱	کفار اور مشرکین کے لیے استغفار اور شفاعت کا عدم جواز اور مسلمانوں کے لیے شفاعت کا جواز	۵۴۱
۶۰۲	اولم یر الذین کفروا ان السموت والارض (۴۱-۳۰)	۵۴۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
٦٠٣	زمین اور آسمان کے فتق اور رتق کا معنی	٥٤٥
٦٠٤	اس اشکال کا جواب کہ بعض چیزوں کو پانی سے نہیں بنایا گیا	٥٤٦
٦٠٥	پانی سے ہر چیز کی حیات کے متعلق سائنس کا نظریہ	٥٤٧
٦٠٦	زمین کا اپنے مدار میں گردش کرنا	٥٤٩
٦٠٧	اس کائنات کی پیدائش کے متعلق سائنس کی تحقیق	٥٥٠
٦٠٨	آسمان کی حفاظت کے دو محمل	٥٥٤
٦٠٩	ہر سیارہ کا اپنے مدار میں گردش کرنا	٥٥٤
٦١٠	ہر سیارے کی اپنی گردش کے متعلق سائنس کی تحقیق	٥٥٥
٦١١	ربط آیات اور شان نزول	٥٥٧
٦١٢	ہر نفس کے موت کو چکھنے پر اعتراضات کے جوابات	٥٥٨
٦١٣	اچھی اور بری حالت اور اس میں آزمانے کا معنی	٥٥٨
٦١٤	نبی ﷺ کا اپنی وفات کی خبر دینا	٥٥٨
٦١٥	آخری ایام میں نبی ﷺ کی نمازیں اور بیماری کی کیفیت	٥٦٠
٦١٦	ایام مرض میں آپ نے حضرت ابوبکر کی اقتداء میں ظہر کی نماز پڑھی تھی یا آپ خود امام تھے	٥٦٢
٦١٧	رسول اللہ ﷺ کا مرض الموت	٥٦٥
٦١٨	فی الرفیق الاعلیٰ کے متعلق احادیث	٥٦٥
٦١٩	الرفیق الاعلیٰ کا معنی	٥٦٥
٦٢٠	نزع روح کے وقت رسول اللہ ﷺ کو شدید تکلیف ہونا	٥٦٦
٦٢١	نزع روح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی شدید تکلیف کی توجیہات	٥٦٧
٦٢٢	اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی عیادت اور تعزیت	٥٧٠
٦٢٣	رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پہلے اور وفات کے بعد کے مفصل احوال	٥٧١
٦٢٤	رسول اللہ ﷺ کی وفات کی تاریخ کی تحقیق	٥٧٦
٦٢٥	رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ کی تحقیق	٥٧٨
٦٢٦	وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کا امت کے اعمال پر مطلع ہونا	٥٨٢
٦٢٧	بتوں کا انتقام لینے کے لیے رحمٰن کی مذمت کرنا	٥٨٥
٦٢٨	عجلت کا انسان کی فطرت میں داخل ہونا	٥٨٥
٦٢٩	عجلت کی بناء پر کفار کی مذمت کی توجیہ	٥٨٦
٦٣٠	کفار کی عجلت کے باوجود ان پر فوراً عذاب نازل نہ کرنے کی توجیہ	٥٨٦
٦٣١	کفار کے استہزاء پر نبی ﷺ کو تسلی دینا	٥٨٧
٦٣٢	قل من یکلؤکم بالیل والنہار من الرحمن (٥٠-٤٢)	٥٨٧
٦٣٣	دنیا میں کافروں کی حفاظت کرنا	٥٨٩
٦٣٤	لا یصحبون کا معنی	٥٨٩
٦٣٥	پہلے زمین کے کنارے کافروں پر کم ہو رہے تھے اور اب مسلمانوں پر!	٥٩٠
٦٣٦	کافروں پر زمین کے کنارے کم ہونے کی سید مودودی کی تفسیر پر تبصرہ	٥٩٠
٦٣٧	میزان میں اعمال کا وزن کرنے کی تحقیق	٥٩١
٦٣٨	میزان میں وزن کرنے کے متعلق احادیث	٥٩٢
٦٣٩	میزان میں وزن کرنے کی حکمتیں	٥٩٣
٦٤٠	میزان کے خطرہ سے بچنے کیلئے حقوق العباد کی ادائیگی ضروری ہے	٥٩٤

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
۶۴۱	اللہ تعالیٰ کرم فرمائے تو حقوق العباد بھی معاف کرادے گا	۵۹۴
۶۴۲	وزن کیے جانے والوں کی تین قسمیں	۵۹۵
۶۴۳	فرقان کی تفسیر میں مختلف اقوال	۵۹۷
۶۴۴	غیب میں ڈرنے کا معنی	۵۹۸
۶۴۵	ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل (۵۱-۷۵)	۵۹۸
۶۴۶	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت عطا فرمانا	۶۰۱
۶۴۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا	۶۰۲
۶۴۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے بتوں کو توڑنا	۶۰۲
۶۴۹	بتوں کو توڑنے کی بڑے بت کی طرف نسبت کرنے کے جوابات	۶۰۳
۶۵۰	جھوٹ سے بچنے کیلئے کلام میں تعریض کے استعمال کی تحقیق	۶۰۴
۶۵۱	کنایہ اور تعریض کا فرق	۶۰۶
۶۵۲	قرآن مجید اور احادیث میں تعریض کا استعمال	۶۰۶
۶۵۳	حضرت ابراہیم کی قوم نے جو خود کو ظالم کہا اس کی وجوہ	۶۰۸
۶۵۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے والے کا مصداق	۶۰۸
۶۵۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی تفصیل	۶۰۹
۶۵۶	حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں کی	۶۰۹
۶۵۷	چھپکلی کو مارنے کا حکم	۶۱۰
۶۵۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈا ہونا	۶۱۱
۶۵۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جلائی ہوئی آگ کے ٹھنڈی ہونے کی کیفیت	۶۱۲
۶۶۰	نمروذ اور اس کی قوم کا عذاب سے ہلاک ہونا	۶۱۲
۶۶۱	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ عراق سے شام کی طرف ہجرت فرمانا	۶۱۳
۶۶۲	شام کا برکت والی سرزمین ہونا	۶۱۳
۶۶۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی مزید نعمتیں	۶۱۴
۶۶۴	حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ۔	۶۱۴
۶۶۵	ونوحا اذ نادیٰ من قبل فاستجبنا له (۷۶-۹۳)	۶۱۵
۶۶۶	حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ	۶۱۸
۶۶۷	حضرت داؤد علیہ السلام کا نام ونسب	۶۱۹
۶۶۸	حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت میں احادیث	۶۱۹
۶۶۹	حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات	۶۲۰
۶۷۰	حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام ونسب	۶۲۱
۶۷۱	حضرت سلیمان علیہ السلام کے احوال اور فضائل	۶۲۱
۶۷۲	حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات	۶۲۱
۶۷۳	مویشیوں کے کھیت کا نقصان کرنے کی تلافی میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا اجتہادی اختلاف	۶۲۲
۶۷۴	مویشیوں کے کھیت کا نقصان کرنے کی تلافی میں ائمہ ثلاثہ کا نظریہ اور ان کے دلائل	۶۲۳
۶۷۵	مویشیوں کے کھیت کا نقصان کرنے کی تلافی میں امام ابوحنیفہ کا نظریہ اور ان کے دلائل	۶۲۴
۶۷۶	ایک اور مسئلہ میں حضرت داؤد اور حضرت	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	سلیمان علیہما السلام کا اجتہاد	۶۲۶
۶۷۷	انبیاء علیہم السلام کا اجتہاد	۶۲۷
۶۷۸	عصر حاضر میں اجتہاد کرنے کی تحقیق	۶۲۷
۶۷۹	ضرورت اجتہاد	۶۲۸
۶۸۰	مجتہد کی ضرورت	۶۲۸
۶۸۱	طبقات فقہاء	۶۲۹
۶۸۲	چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے کے متعلق متاخرین علماء کا اجتہادی حکم	۶۲۹
۶۸۳	لاؤڈ اسپیکر کے مائیک پر نماز پڑھنے کے متعلق اجتہادی حکم	۶۳۰
۶۸۴	روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانے کے متعلق اجتہادی حکم	۶۳۰
۶۸۵	ریڈیو اور ٹی وی کی مرمت کی اجرت لینے کا اجتہادی حکم	۶۳۰
۶۸۶	حالتِ اضطرار میں مریض کو خون دینے کے متعلق اجتہادی حکم	۶۳۱
۶۸۷	ایلوپیتھک اور ہومیوپیتھک دواؤں کے استعمال کے متعلق اجتہادی حکم	۶۳۱
۶۸۸	بعض دیگر مسائل اجتہادیہ	۶۳۳
۶۸۹	ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کا معنی	۶۳۳
۶۹۰	مویشیوں میں اللہ کے حقوق	۶۳۳
۶۹۱	مویشیوں میں بندوں کے حقوق	۶۳۴
۶۹۲	مویشیوں کو گیابھن کرنے کی اجرت کی تحقیق	۶۳۴
۶۹۳	رہن رکھے ہوئے مویشیوں سے استفادہ کی تحقیق	۶۳۵
۶۹۴	رہن شدہ چیز سے فائدہ اُٹھانے کے لیے بیع الوفاء کا حیلہ	۶۳۵
۶۹۵	مویشیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا	۶۳۶
۶۹۶	حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کی تسبیح کرنے کے محامل	۶۳۷
۶۹۷	انبیاء علیہم السلام کا مختلف پیشوں کو اپنانا	۶۳۸
۶۹۸	رزق حلال کی طلب کے لیے کسی بھی کام اور پیشے کی فضیلت میں احادیث	۶۳۹
۶۹۹	بعض پیشوں کو گھٹیا اور باعث عار سمجھنا صرف اس دور کی لعنت ہے	۶۴۱
۷۰۰	حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تیز ہواؤں اور نرم ہواؤں کو مسخر کرنا	۶۴۲
۷۰۱	جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کرنا	۶۴۲
۷۰۲	حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے معجزات کے مقابلہ میں ہمارے نبی ﷺ کے معجزات	۶۴۳
۷۰۳	رسول اللہ ﷺ کی جنات پر تصرف کی قدرت	۶۴۵
۷۰۴	جنات کا نبی ﷺ کی شریعت کا مکلف ہونا	۶۴۵
۷۰۵	جنات کا آپس میں اور انسانوں کے ساتھ نکاح کا شرعی حکم	۶۴۶
۷۰۶	حضرت ایوب علیہ السلام کا نام ونسب اور ان کی بعثت کی ترتیب	۶۴۸
۷۰۷	حضرت ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا جانا	۶۴۸
۷۰۸	حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی تحقیق	۶۴۹
۷۰۹	حضرت ایوب کے نقصانات کی تلافی کرنا	۶۵۰
۷۱۰	حضرت ایوب کی زوجہ کے لیے قسم پوری کرنے میں تخفیف اور رعایت	۶۵۰
۷۱۱	حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا کے لطیف نکات	۶۵۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
٧١٢	اللہ تعالیٰ کے ارحم الراحمین ہونے کی وجوہ	٦٥٢
٧١٣	کیا دنیا میں مصائب کا آنا اللہ تعالیٰ کے ارحم الراحمین ہونے کے منافی ہے؟	٦٥٣
٧١٤	حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کا تذکرہ	٦٥٣
٧١٥	حضرت ذوالکفل کو نبی بنانے کا واقعہ	٦٥٤
٧١٦	حضرت ذوالکفل کی نبوت میں علماء کا اختلاف	٦٥٥
٧١٧	حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ	٦٥٥
٧١٨	فظن ان لن نقدر علیہ کے ترجمہ کی تحقیق	٦٥٦
٧١٩	فظن ان لن نقدر علیہ کے مختلف تراجم	٦٥٦
٧٢٠	نقدر بمعنی قدرت کو ائمہ لغت کا کفر قرار دینا	٦٥٧
٧٢١	نقدر بمعنی قدرت کو مفسرین کا کفر قرار دینا	٦٥٧
٧٢٢	حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ	٦٥٨
٧٢٣	علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کی تحقیق	٦٥٩
٧٢٤	حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا قصہ	٦٥٩
٧٢٥	حضرت مریم میں روح پھونکنے پر اشکال کا جواب	٦٦٠
٧٢٦	حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں	٦٦٠
٧٢٧	امت کا معنی اور دین اور شریعت کا فرق	٦٦٠
٧٢٨	دین میں فرقے بنانے کی ممانعت	٦٦١
٧٢٩	فمن یعمل من الصلحت وھو مؤمن (٩٤-١١٢)	٦٦٢
٧٣٠	نیک اعمال کے لیے ایمان کا شرط ہونا	٦٦٤
٧٣١	علامہ قرطبی پر مواخذہ	٦٦٥
٧٣٢	حرام کا بہ معنی واجب ہونا اور ''لا'' کا زائدہ ہونا	٦٦٥
٧٣٣	یاجوج ماجوج کا تذکرہ	٦٦٦
٧٣٤	قیامت کا خوف اور دہشت	٦٦٧
٧٣٥	مشرکین کے اس اعتراض کا جواب کہ پھر عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام بھی دوزخ میں جائیں گے	٦٦٧
٧٣٦	مشرکین کا آخرت میں بہرا ہونا	٦٦٨
٧٣٧	ابن الزبعریٰ کا رد	٦٦٨
٧٣٨	دوزخ سے دور رکھے جانے اور دوزخ میں داخل ہونے کے تعارض کا جواب	٦٦٩
٧٣٩	الفزع الاکبر کی تفسیر میں اقوال	٦٦٩
٧٤٠	الفزع الاکبر سے نہ گھبرانے والوں کے مصداق	٦٦٩
٧٤١	السجل کے معنی کی تحقیق	٦٧٠
٧٤٢	عام لوگ حشر میں بغیر لباس کے اور شہداء لباس کے ساتھ اٹھیں گے	٦٧١
٧٤٣	آیا حشر میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا یا ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو اس بحث میں علامہ ابو العباس قرطبی کی تقریر	٦٧٢
٧٤٤	نبی ﷺ کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق علامہ ابو عبداللہ قرطبی کی تقریر	٦٧٣
٧٤٥	نبی ﷺ کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق حافظ عسقلانی شافعی کی تقریر	٦٧٣
٧٤٦	نبی ﷺ کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق علامہ عینی حنفی کی تقریر	٦٧٤
٧٤٧	نبی ﷺ کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق علامہ طیبی شافعی کی تقریر	٦٧٥
٧٤٨	نبی ﷺ کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق ملا علی قاری حنفی کی تقریر	٦٧٥
٧٤٩	نبی ﷺ کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تقریر	۶۷۶
۷۵۰	نبی علیہ السلام کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق مصنف کی تحقیق	۶۷۶
۷۵۱	کیا قیامت کے دن برہنہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے	۶۷۷
۷۵۲	زبور کے معانی	۶۷۷
۷۵۳	قرآن مجید کے صدق پر زبور کی شہادت	۶۷۸
۷۵۴	زمین کی وراثت سے جنت کی زمین مراد ہونا	۶۷۹
۷۵۵	زمین کی وراثت سے دنیا کی زمین مراد ہونا	۶۷۹
۷۵۶	اس اعتراض کا جواب کہ جب زمین کی وراثت صرف نیک بندوں کو دی جاتی ہے تو پھر کافروں کو حکومتیں اور اقتدار کیوں دیا گیا	۶۸۰
۷۵۷	سید مودودی کے جواب پر تبصرہ	۶۸۰
۷۵۸	عابدین کا معنی	۶۸۱
۷۵۹	وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین کے مختلف تراجم	۶۸۲
۷۶۰	رحمۃ للعالمین کی تفسیر صدر الافاضل سے	۶۸۲
۷۶۱	رحمۃ للعالمین کی تفسیر امام رازی سے	۶۸۲
۷۶۲	رحمۃ للعالمین کی تفسیر علامہ آلوسی سے	۶۸۳
۷۶۳	رحمۃ للعالمین کی تفسیر مصنف سے	۶۸۴
۷۶۴	رسول اللہ کی رحمت کے متعلق دیگر آیات اور ان کی تفسیر میں احادیث	۶۸۵
۷۶۵	آپ کی رحمت کے عموم کے متعلق احادیث	۶۸۷
۷۶۶	مسلمانوں پر آپ کی رحمت کے متعلق احادیث	۶۸۹
۷۶۷	حیوانات اور جمادات پر رحمت کے متعلق احادیث	۶۹۰
۷۶۸	آپ کی رسالت کا ہر چیز کو علم ہے	۶۹۲
۷۶۹	رسول اللہ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے پر اعتراضات	۶۹۳
۷۷۰	اعتراضات مذکورہ کے جوابات	۶۹۴
۷۷۱	صرف توحید کی وحی کی جانے پر اعتراض کا جواب	۶۹۶
۷۷۲	مشرکین سے کس چیز کا وعدہ کیا گیا تھا	۶۹۷
۷۷۳	اختتامی کلمات اور دعا	۶۹۸
۷۷۴	**سورۃ الحج**	
۷۷۵	سورۃ الحج کی وجہ تسمیہ	۷۰۱
۷۷۶	سورۃ الحج کے مکی یا مدنی ہونے کا اختلاف	۷۰۲
۷۷۷	سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج کی باہمی مناسبت	۷۰۲
۷۷۸	سورۃ الحج کے مشمولات	۷۰۳
۷۷۹	کیا تفسیر کبیر امام رازی نے مکمل نہیں کی؟	۷۰۴
۷۸۰	یایھا الناس اتقوا ربکم (۱۰-۱)	۷۰۵
۷۸۱	مشکل الفاظ کے معانی	۷۰۷
۷۸۲	تقویٰ کی تعریف اور اس کی ضرورت	۷۰۷
۷۸۳	مسلمانوں اور کافروں کے درمیان عددی نسبت	۷۰۹
۷۸۴	جدال کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم	۷۰۹
۷۸۸	مُرید اور مادر کا بیان	۷۰۹
۷۸۶	بدمذہبوں سے دوستی رکھنے کی ممانعت	۷۰۹
۷۸۷	انسان کی تخلیق کے مراحل اور زمین کی پیداوار سے حشر ونشر پر استدلال	۷۱۰
۷۸۸	کائنات کے امکان سے حشر ونشر کے امکان پر استدلال	۷۱۲
۷۸۹	الحج : ۳ اور الحج ۸ میں تکرار کے اعتراض کا جواب	۷۱۲
۷۹۰	ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف (۲۲-۱۱)	۷۱۳

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
۷۹۱	ایک کنارے پر کھڑے ہو کر عبادت کرنے کے مطالب	۷۱۶
۷۹۲	زیر تفسیر آیت کے شانِ نزول میں متعدد اقوال	۷۱۶
۷۹۳	چند اعتراضات کے جوابات	۷۱۷
۷۹۴	بہت دور کی گمراہی کا بیان	۷۱۸
۷۹۵	کفار کے ضرر پہنچانے اور نہ پہنچانے میں تعارض کا بیان	۷۱۸
۷۹۶	کافروں کی سزا کے بعد مومنوں کی جزا کا بیان	۷۱۹
۷۹۷	رسول اللہ ﷺ سے بغض رکھنے والے کو چاہیے کہ خود اپنے بغض میں جل کر مر جائے	۷۱۹
۷۹۸	ہدایت دینے کے محامل	۷۲۰
۷۹۹	ادیان مختلفہ اور ان کا شرعی حکم	۷۲۰
۸۰۰	سورج کے سجدہ کر کے ٹھہرنے کی توجیہ	۷۲۱
۸۰۱	سورج‘ چاند‘ ستاروں‘ پہاڑوں‘ درختوں‘ مومنوں اور کافروں کے سجدہ کی کیفیت	۷۲۲
۸۰۲	رب کے متعلق جھگڑا کرنے والے دو فریقوں کے مصداق	۷۲۳
۸۰۳	آخرت میں کفار کی تین قسم کی سزائیں	۷۲۳
۸۰۴	ان اللہ یدخل الذین امنوا (۲۳-۳۳)	۷۲۴
۸۰۵	آخرت میں مومنوں کے چار قسم کے انعامات	۷۲۶
۸۰۶	مردوں کیلئے سونے اور چاندی کے زیورات کی جنت میں تخصیص کی وجہ	۷۲۷
۸۰۷	دنیا میں ریشم اور سونا چاندی پہننے اور شراب پینے والے کا شرعی حکم	۷۲۸
۸۰۸	مسجد حرام سے روکنے والوں کی مذمت کا شانِ نزول	۷۲۹
۸۰۹	مکہ کی زمین اور اس کے مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کی ممانعت میں مذاہب فقہاء	۷۲۹
۸۱۰	مکہ کی زمین اور مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کی ممانعت کے دلائل اور ان کا ضعف	۷۳۰
۸۱۱	مکہ کی زمین اور اس کے مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کے جواز میں قرآن مجید اور احادیث و آثار سے استدلال	۷۳۱
۸۱۲	مکہ کی زمین اور مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب	۷۳۲
۸۱۳	الحاد کا معنی اور اس کے مصداق کے تعین میں مختلف اقوال	۷۳۳
۸۱۴	آیا مکہ میں گناہ کا عذاب بھی دگنا ہوتا ہے یا نہیں؟	۷۳۴
۸۱۵	تعمیر کعبہ کی تفصیل	۷۳۵
۸۱۶	قیامت تک وہی حج کرسکیں گے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر لبیک کہا تھا	۷۳۷
۸۱۷	مویشیوں کی قربانی کرنے کا طریقہ	۷۳۷
۸۱۸	مسافروں اور حجاج پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے	۷۳۸
۸۱۹	قربانی کرنے کا وقت	۷۳۸
۸۲۰	قربانی کا گوشت خود کھانے اور دوسروں کو کھلانے کا حکم	۷۳۹
۸۲۱	تفث کا معنی	۷۳۹
۸۲۲	نذر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اس کی شرائط اور اس کا شرعی حکم	۷۴۰
۸۲۳	نذر کے احکام سے متعلق احادیث	۷۴۱
۸۲۴	نذر ماننے کی ممانعت کے متعدد محامل اور توجیہات	۷۴۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸۲۵	نذر ماننے کے متعلق مصنف کی تحقیق	۷۴۵
۸۲۶	طواف کی اقسام	۷۴۶
۸۲۷	کافر کی روح نکلنے کی کیفیت	۷۴۷
۸۲۸	شعائر اللہ کے معنی اور مصداق کی تحقیق	۷۴۸
۸۲۹	اولیاء اللہ کے مزارات کا شعائر اللہ میں داخل ہونا	۷۴۹
۸۳۰	اولیاء اللہ کے مزارات کو بوسہ دینا' طواف کرنا حد رکوع تک جھکنا اور سجدہ کرنے کی ممانعت	۷۵۰
۸۳۱	ھدی کا معنی اور ھدی پر سوار ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء	۷۵۰
۸۳۲	حرم سے باہر ھدی کو ذبح کرنا جائز نہیں	۷۵۱
۸۳۳	ولکل امة جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم (۴۸-۳۴)	۷۵۱
۸۳۴	منسک اور مخبتین کے معنی	۷۵۵
۸۳۵	صبر کہاں کرنا چاہیے اور کہاں نہیں	۷۵۵
۸۳۶	البدن کا معنی	۷۵۶
۸۳۷	آیا البدن میں گائے شامل ہے یا نہیں	۷۵۶
۸۳۸	اونٹوں کو نحر کرنے کا طریقہ	۷۵۷
۸۳۹	القانع اور المعتر کے معنی	۷۵۸
۸۴۰	آیت مذکورہ کا شان نزول	۷۵۸
۸۴۱	قربانی کی دعا ذبح سے پہلے یا ذبح کے بعد مانگی جائے نہ کہ ذبح کرنے کی حالت میں	۷۵۸
۸۴۲	قربانی کے جانوروں اور صدقہ فطر میں تنوع	۷۶۰
۸۴۳	کافروں کو قتل کرنے کی ممانعت کی توجیہات	۷۶۱
۸۴۴	کفار سے درگزر کی آیات کا منسوخ ہونا اور ان سے قتال کی اجازت دینا	۷۶۲
۸۴۵	بعض لوگوں کو بعض دوسرے لوگوں سے دور کرنے کے محامل	۷۶۳
۸۴۶	یہود و نصاریٰ کی عبادت کے مقامات اور مسلمانوں کی عبادت کے مقام کو جمع کرنے کی توجیہات	۷۶۴
۸۴۷	الصوامع' البیع اور صلوٰت کے معنی	۷۶۴
۸۴۸	خلفاء راشدین کی فضیلت	۷۶۵
۸۴۹	جن کو اقتدار عطا کیا جائے گا ان کے مصادیق	۷۶۵
۸۵۰	مشرکین کی مخالفت اور ایذاؤں پر آپ کو تسلی دینا	۷۶۶
۸۵۱	پچھلی امتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا	۷۶۷
۸۵۲	غور و فکر کرنے کا محل آیا دل ہے یا دماغ	۷۶۸
۸۵۳	دماغ کے محل عقل ہونے پر دلائل	۷۶۸
۸۵۴	قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور ادراک کی نسبت کرنے کی توجیہ	۷۶۹
۸۵۵	عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال	۷۷۰
۸۵۶	محل عقل کے بارے میں ائمہ مذاہب کے اقوال	۷۷۰
۸۵۷	آخرت میں عذاب کا ایک دن دنیا کے ہزار دنوں کے برابر ہوگا	۷۷۱
۸۵۸	قل یایھا الناس انما انا لکم نذیر مبین (۶۴-۴۹)	۷۷۲
۸۵۹	آپ کو پیغام حق سنانے میں ثابت قدم رکھنا	۷۷۵
۸۶۰	الحج: ۵۲ کے چند مشہور تراجم	۷۷۶
۸۶۱	الحج: ۵۲ کا شان نزول	۷۷۷
۸۶۲	روایت تلک الغرانیق کا متن	۷۷۸
۸۶۳	روایت تلک الغرانیق کی فنی حیثیت پر بحث ونظر	۷۷۹
۸۶۴	روایت تلک الغرانیق کے بارے میں	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	محدثین کی آراء	۷۸۰
۸۶۵	روایت تلک الغرانیق کے بارے میں مفسرین کی آراء	۷۸۱
۸۶۶	ایک شبہ کا ازالہ	۷۸۴
۸۶۷	یوم عقیم کا معنی	۷۸۶
۸۶۸	آیا اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والے اور طبعی موت مرنے والے دونوں کا اجر برابر ہے	۷۸۶
۸۶۹	اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والے کا اجر و ثواب	۷۸۸
۸۷۰	سزا بقدر جرم دینا عدل ہے	۷۸۹
۸۷۱	تلوار سے قصاص لینے میں اختلاف فقہاء	۷۹۰
۸۷۲	امام ابوحنیفہ پر امام رازی کے اعتراض کا جواب	۷۹۰
۸۷۳	بدلہ لینے کے بجائے معاف کردینا بہتر ہے	۷۹۰
۸۷۴	رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کا محمل	۷۹۱
۸۷۵	الم تر ان اللہ سخر لکم (۷۸-۶۵)	۷۹۲
۸۷۶	منسک کے معنی کی تحقیق	۷۹۶
۸۷۷	لوح محفوظ میں سب کچھ لکھے ہوئے ہونے کے متعلق احادیث	۷۹۸
۸۷۸	المنکر اور یسطون کا معنی	۷۹۹
۸۷۹	بتوں کا عجز اور ان کی پرستش کا باطل ہونا	۸۰۰
۸۸۰	بت پرستوں کا اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کرنا	۸۰۲
۸۸۱	فرشتوں کو رسول بنانے کی آیتوں میں تعارض کا جواب	۸۰۲
۸۸۲	بعض فرشتوں اور بعض انسانوں کو بیٹا بنانے کا اعتراض اور اس کا جواب	۸۰۳
۸۸۳	یاایھا الذین کا خطاب صرف مومنوں کو شامل ہے	۸۰۳
۸۸۴	چار قسم کے احکام شرعیہ	۸۰۴
۸۸۵	جہاد کا حق ادا کرنے کی متعدد تفاسیر	۸۰۵
۸۸۶	دین میں تنگی نہ ہونے کی متعدد تفاسیر	۸۰۶
۸۸۸	جب عزیمت (فرض) پر عمل کرنا مشکل ہو تو رخصت پر عمل کرنا فرض ہے	۸۰۷
۸۸۸	دین آسان ہے سو مشکل احکام نہ بتائے جائیں	۸۰۸
۸۸۹	دین آسان ہونے کے متعلق احادیث اور آثار	۸۰۸
۸۹۰	حضرت ابراہیم کو مسلمانوں کا باپ فرمانے کی توجیہ	۸۱۱
۸۹۱	ملت کا معنی	۸۱۱
۸۹۲	اس امت کا نام امت مسلمہ اللہ نے رکھا ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے	۸۱۴
۸۹۳	رسول اللہ ﷺ کے علم کے عموم پر علامہ آلوسی کے اعتراضات	۸۱۵
۸۹۴	علامہ آلوسی کے اعتراضات کے جوابات اور آپ کے علم کے عموم کا دفاع	۸۱۶
۸۹۵	احکام شرعیہ کی تعداد ان کی تعریفات اور ان کی مثالیں	۸۲۰
۸۹۶	فرض کی تحقیق	۸۲۱
۸۹۷	واجب کی تحقیق	۸۲۱
۸۹۸	سنت مؤکدہ کی تحقیق	۸۲۲
۸۹۹	سنت غیر مؤکدہ کی تحقیق	۸۲۳
۹۰۰	مستحب کی تحقیق	۸۲۴
۹۰۱	حرام کی تحقیق	۸۲۵
۹۰۲	مکروہ تحریمی کی تحقیق	۸۲۵
۹۰۳	اساءت کی تحقیق	۸۲۶
۹۰۴	مکروہ تنزیہی کی تحقیق	۸۲۷
۹۰۵	خلاف اولیٰ کی تحقیق	۸۲۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹۰۶	مباح کی تحقیق	۸۲۹
۹۰۷	ہر مباح مستحب کے ضمن میں متحقق ہوگا' یا مکروہ کے ضمن میں	۸۳۱
۹۰۸	سورۃ الحج کا اختتام	۸۳۲
۹۰۹	سورۃ المؤمنون	۸۳۵
۹۱۰	سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ اور اس سورۃ کی فضیلت	۸۳۵
۹۱۱	سورۃ المومنون کا زمانہ نزول	۸۳۶
۹۱۲	سورۃ المؤمنون اور سورۃ الحج کی باہمی مناسبت	۸۳۷
۹۱۳	سورۃ المؤمنون کے اہداف اور مقاصد	۸۳۸
۹۱۴	قد افلح المؤمنون (۲۲-۱)	۸۴۰
۹۱۵	الخشوع کا لغوی معنی	۸۴۲
۹۱۶	الخشوع کا اصطلاحی معنی	۸۴۳
۹۱۷	الخشوع کے درجات	۸۴۳
۹۱۸	قرآن مجید میں الخشوع کے اطلاقات	۸۴۴
۹۱۹	الخشوع کے متعلق لفظاً اور معنیً احادیث	۸۴۴
۹۲۰	الخشوع کے متعلق آثار صحابہ اور اقوالِ تابعین	۸۴۶
۹۲۱	نماز میں خضوع اور خشوع کے وجوب پر قرآن مجید سے دلائل	۸۴۸
۹۲۲	نماز میں خضوع اور خشوع کے وجوب پر احادیث سے دلائل	۸۴۹
۹۲۳	نماز میں خشوع کے وجوب کا محمل	۸۵۰
۹۲۴	خشوع کے فوائد	۸۵۱
۹۲۵	نماز میں خشوع کرنے والوں کی چند مثالیں	۸۵۱
۹۲۶	لغو کا لغوی معنی	۸۵۳
۹۲۷	لغو کا اصطلاحی معنی	۸۵۴
۹۲۸	زکوٰۃ کے معانی	۸۵۴
۹۲۹	بغیر نکاح کے باندیوں سے جنسی عمل کرنے کے جواز کی توجیہ	۸۵۵
۹۳۰	اس دور میں غلام اور باندی بنانے کا عدم جواز	۸۵۵
۹۳۱	عورتوں کا غلاموں سے جنسی عمل کرنا' ہم جنس پرستی' استمناء بالید اور متعہ	۸۵۵
۹۳۲	امانت اور عہد کی حفاظت کرنے کا حکم	۸۵۶
۹۳۳	نماز کو سستی اور غفلت سے پڑھنے اور وقت نکلنے کے بعد پڑھنے کی ممانعت	۸۵۷
۹۳۴	کیا جنت میں دخول صرف ان ہی صفات سے ہوگا جن کا المؤمنون کی ابتداء میں ذکر ہے؟	۸۵۹
۹۳۵	الفردوس کا معنی اور اس کے متعلق احادیث	۸۵۹
۹۳۶	جنت کے وارث ہونے کا معنی	۸۶۰
۹۳۷	تخلیق انسان کے مراحل کی حدیث.	۸۶۰
۹۳۸	مخلوق کی ضروریات اور مصلحتوں کی رعایت	۸۶۱
۹۳۹	انگور' کھجور' زیتون اور دودھ کے غذائی اور طبی فوائد	۸۶۲
۹۴۰	دودھ کے غذائی اور طبی فوائد	۸۶۳
۹۴۱	ولقد ارسلنا نوحا الی قومه فقال یقوم اعبدوا الله (۳۲-۲۳)	۸۶۳
۹۴۲	حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ	۸۶۵
۹۴۳	حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کو پیغام پہنچانا اور ان کا پیغام کو مسترد کرنا	۸۶۵
۹۴۴	حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے اہم نکات	۸۶۶
۹۴۵	حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے بعد ان کی قوم کو طوفان میں غرق کرنے کا خلاصہ	۸۶۶
۹۴۶	حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ	۸۶۷
۹۴۷	وقال الملا من قومه الذین کفروا (۵۰-۳۳)	۸۶۹
۹۴۸	رسول کا اپنی قوم کی طرف پیغام پہنچانا اور قوم کا سرکشی سے اس پیغام کو رد کرنا	۸۷۰
۹۴۹	رسول کا قوم کے ایمان سے مایوس ہو کر ان کی	

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
	ہلاکت کی دعا کرنا	٨٧١
٩٥٠	حضرت ھود علیہ السلام کے بعد آنے والے دیگر انبیاء کا قصہ	٨٧١
٩٥١	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ	٨٧٢
٩٥٢	حضرت عیسیٰ ابن مریم کا قصہ	٨٧٤
٩٥٣	یا ایھا الرسل کلوا من الطیبت (٥١-٧٧)	٨٧٤
٩٥٤	تمام رسولوں سے بیک وقت خطاب کرنے کی توجیہ	٨٧٧
٩٥٥	اپنی حلال کمائی سے کھانے کی ترغیب اور ناپاک اور حرام چیزیں کھانے کی ترہیب (ممانعت)	٨٧٧
٩٥٦	امت کا معنی	٨٨٠
٩٥٧	غمرۃ کا معنی اور مصداق	٨٨٢
٩٥٨	کافروں کے کفر کے باوجود ان کو نعمتیں دینے کی وجوہ	٨٨٢
٩٥٩	مومنوں کی تحسین کی پانچ وجوہ	٨٨٣
٩٦٠	اللہ تعالیٰ کے ظلم نہ کرنے کی وجوہ	٨٨٤
٩٦١	کفار کے کرتوت اور ان پر نزول عذاب کی کیفیت	٨٨٤
٩٦٢	نکوص، سمر اور ہجر کے معانی	٨٨٥
٩٦٣	مشرکین کے تکبر کے محامل	٨٨٥
٩٦٤	عشاء کی نماز کے بعد جاگ کر باتیں کرنے کا شرعی حکم اور اس کے متعلق احادیث	٨٨٦
٩٦٥	حضرت ابوبکر کے مہمانوں کی حدیث سے استنباط شدہ مسائل	٨٨٧
٩٦٦	مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجوہ اور ان کا رد اور ابطال	٨٨٩

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
٩٦٧	وھو الذین انشا لکم السمع والابصار (٧٨-٩٢)	٨٩١
٩٦٨	اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں اور بندوں کی ناشکری	٨٩٢
٩٦٩	حشر کے وقوع میں مشرکین کے شبہات اور ان کے جوابات	٨٩٣
٩٧٠	مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے اور بت پرستی کے بطلان پر دلائل	٨٩٤
٩٧١	اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے اور اس کا شریک نہ ہونے پر دلائل	٨٩٥
٩٧٢	قل رب اما ترینی ما یوعدون (٩٣-١١٨)	٨٩٥
٩٧٣	نبی ﷺ سے اس دعا کرانے کی توجیہ کہ اللہ آپ کو ظالموں کے عذاب میں شامل نہ کرے	٨٩٨
٩٧٤	نبی ﷺ کو کفار کا عذاب دکھانا	٩٠٠
٩٧٥	برائی کا جواب اچھائی سے دینے کی نصیحت اور نبی ﷺ کی سیرت میں اس کی مثالیں	٩٠٠
٩٧٦	شیطان کے وسوسوں اور اس کے حاضر ہونے سے پناہ طلب کرنے کے متعلق احادیث	٩٠٤
٩٧٧	موت کے وقت دنیا میں دوبارہ لوٹنے کی تمنا کرنے والے کافر ہوں گے اور بدکار مسلمان	٩٠٥
٩٧٨	موت کے وقت ہر شخص کو لازماً علم ہوگا کہ وہ اللہ کے اولیاء میں سے ہے یا اس کے اعداء میں سے	٩٠٦
٩٧٩	لعل اور کلا کا معنی	٩٠٦
٩٨٠	برزخ کا معنی	٩٠٧
٩٨١	قیامت کے دن رشتوں کا قائم نہ رہنا اور اپنے اپنے حقوق وصول کرنا	٩٠٧
٩٨٢	قیامت کے دن نبی ﷺ کے نسب' نکاح اور سسرال کے رشتوں کے سوا تمام رشتوں کا	

نمبرشمار	عنوان	صفحہ	نمبرشمار	عنوان	صفحہ
	منقطع ہو جانا	۹۰۸			
۹۸۳	حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل اور مناقب کی احادیث	۹۱۰			
۹۸۴	موازین کے محامل	۹۱۴			
۹۸۵	آخرت میں کفار کے چار اوصاف	۹۱۵			
۹۸۶	آخرت میں حساب کے متعلق احادیث	۹۱۶			
۹۸۷	دوزخ میں کافروں کی چھ دعائیں جو وہ چھ ہزار سال تک کریں گے	۹۱۸			
۹۸۸	نیک مسلمانوں کو اچھی جزا عطا فرمانے کی وجہ	۹۲۰			
۹۸۹	کفار کو آخرت میں دنیا کی ناپائیداری پر متنبہ کرنا	۹۲۱			
۹۹۰	المؤمنون کی ابتداء اور انتہاء میں مناسبت	۹۲۱			
۹۹۱	اختتامی کلمات	۹۲۲			
۹۹۲	مآخذ و مراجع	۹۲۵			

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العالمين الذی استغنی فی حمده عن الحامدين وانزل القرآن تبيانا لكل شیٔ عند العارفين والصلوة والسلام علی سيدنا محمد الذی استغنی بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذی بلغ الينا ما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما انزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمٰن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والآخرين شفيع الصالحين والمذنبين واختص بتنصيص المغفرة له فی كتاب مبين وعلی اٰله الطيبين الطاهرين وعلی اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلی سائر اولياء امته وعلماء ملته اجمعين۔ اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسی ومن سيات اعمالی من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له اللّٰهم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعه اللهم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابه اللهم اجعلنی فی تبيان القرآن علی صراط مستقيم وثبتنی فيه علی منهج قويم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحريره واحفظنی من شر الحاسدين وزيغ المعاندين فی تقريره اللّٰهم الق فی قلبی اسرار القرآن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفيوض القرآن ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبيان القرآن، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنك سلطانا نصيرا۔ اللّٰهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا ومستفيضا ومفيضا ومرغوبا فی اطراف العالمين الی يوم الدين واجعله لی ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة جارية الی يوم القيامة وارزقنی زيارة النبی صلی الله عليه وسلم فی الدنيا وشفاعته فی الاخرة واحينی علی الاسلام بالسلامة وامتنی علی الايمان بالكرامة اللّٰهم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك علی وابوء لك بذنبی فاغفرلی فانه لايغفر الذنوب الا انت آمين يا رب العالمين۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات اُمہات المؤمنین اور ان کی اُمت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر، اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا، اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے، اور اس کو اپنی اور اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور 'مقبول' محبوب اور اثر آفریں بنا دے، اس کو میری مغفرت کا ذریعہ 'میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر، مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما، اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ الْكَهْفِ

(۱۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الکھف

سورۃ کا نام

اس سورت کا نام ''الکھف'' ہے' اس کا ذکر اس سورت کی درج ذیل آیت میں ہے:

اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ○ (الکھف: ٩)

کیا آپ نے سمجھا کہ غار والے اور کتبے والے' ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے۔

احادیث میں بھی اس سورت کو سورۃ ''الکھف'' کہا گیا ہے۔ جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا۔

پہاڑ میں جو غار بنا ہوا ہو' اس کو ''کہف'' کہتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل اس آیت کی تفسیر میں ان شاء اللہ العزیز آئے گی۔

سورۃ الکھف کا زمانۂ نزول

یہ سورت مسلمانوں کے حبشہ کے طرف ہجرت کرنے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو کفارِ مکہ نے آپ کی دعوت کا مذاق اُڑایا' ان کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ آپ کی دعوت کو قبول کرنے والوں کی اچھی خاصی جماعت بن جائے گی' لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ دن بہ دن اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو پھر انہوں نے مزاحمت کی اور مسلمانوں پر مظالم کا سلسلہ شروع کر دیا حتیٰ کہ ایسے حالات پیدا ہو گئے جن کی بناء پر مسلمانوں نے کفارِ مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ کر لیا' مدینہ منورہ میں بھی اسلام کی خبر پہنچ چکی تھی اور یہود ونصاریٰ کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس دین کے اثرات مدینہ منورہ میں بھی پہنچ جائیں اور مسلمانوں کی یہاں بھی کوئی بڑی جماعت بن جائے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ اس دعوت کو مکہ میں ہی ختم کر دیا جائے اس لیے وہ کفارِ مکہ کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے۔ کفارِ مکہ اَن پڑھ لوگ تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فصیح و بلیغ کلام سے جو علمی مضامین بیان فرماتے تھے' ان کا معارضہ کرنے سے عاجز تھے اور وہ دلی طور پر قرآن کریم سے بہت مرعوب تھے' اور مدینہ میں یہود ونصاریٰ پڑھے لکھے لوگ تھے اور اہل کتاب تھے' اس لیے کفارِ مکہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو علمی طور پر ناکام کرنے کے لیے مدینہ کے یہود ونصاریٰ سے مدد چاہی۔ اس کی تفصیل امام ابن ہشام نے اس طرح لکھی ہے۔

سورۃ الکھف کا سبب نزول

امام عبدالملک بن ہشام المعافری المتوفی ٢١٨ھ لکھتے ہیں:

کفارِ مکہ نے النضر بن الحارث اور عقبہ بن ابی المعیط کو مدینہ میں علماء یہود کے پاس بھیجا اور ان سے کہا کہ تم ان کے سامنے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر کرو اور ان کے سامنے آپ کے دعویٰ کو بیان کرو۔ وہ لوگ اہل کتاب ہیں اور ان کو انبیاء علیہم السلام کے متعلق ایسی معلومات ہیں جو ہم کو نہیں ہیں۔ تب علماء یہود نے کہا تم ان سے تین باتوں کے متعلق سوال کرو اگر انہوں نے ان کا جواب دے دیا تو وہ واقعی نبی مرسل ہیں اور اگر وہ ان کے متعلق نہیں بتا سکے تو پھر وہ جھوٹے شخص ہیں' پھر تم ان کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔ تم ان سے ان نوجوانوں کے متعلق پوچھو جو پہلے زمانے میں نکلے تھے' ان کا کیا ہوا؟ ان کا بہت تعجب خیز واقعہ ہے' اور ان سے اس شخص کے متعلق پوچھو جس نے زمین کے تمام مشارق اور مغارب کا سفر کیا تھا' اس کی کیا خبر ہے' اور ان سے روح کے متعلق سوال کرو' اس کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوالات کیے۔ آپ کو یہ اعتماد تھا کہ آپ کے پاس آج وحی آ جائے گی تو آپ ان کو کل بتا دیں گے۔ آپ نے فرمایا میں کل تمہارے سوالات کا جواب دے دوں گا' لیکن آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ دن تک انتظار فرماتے رہے اور وحی نہیں آئی اور نہ آپ کے پاس حضرت جبریل آئے' اور اہل مکہ نے آپ کے متعلق بری باتیں کہنا شروع کر دیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتیں سن سن کر غمگین ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں (اصحابِ کہف) اور اس شخص کے متعلق قرآن مجید کی آیات نازل کیں جس نے زمین کے مشارق و مغارب کا سفر کیا تھا (ذوالقرنین) اور روح کے متعلق اس سے متصل پہلی سورت (بنی اسرائیل) میں اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرما دیں تھیں۔

(السیرۃ النبویہ ج ا ص ٣٣٨۔٣٣٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ھ)

روح کے سوال کو سورہ بنی اسرائیل میں اور بقیہ دو سوالوں کو الکھف میں ذکر کرنے کی توجیہ

اس مقام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کفارِ مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کیے تھے' اصحابِ کہف' ذوالقرنین اور روح کے متعلق۔ بہ ظاہر یہ چاہیے تھا کہ ان تینوں کے جوابات ایک ہی سورت میں ذکر ہوتے اور ایک ہی موقع پر ذکر کیے جاتے' لیکن روح کے متعلق ان کے سوال کا جواب سورہ بنی اسرائیل میں ہے اور بقیہ دو سوالوں کے جواب سورۃ الکھف میں مذکور ہیں تو ان جوابات کو الگ الگ سورتوں میں ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے جبکہ سورہ بنی اسرائیل' سورۃ الکھف سے پہلے نازل ہوئی ہے اور بہ اعتبار نزول کے سورہ بنی اسرائیل کا نمبر ٥٦ ہے اور سورۃ الکھف کا نمبر ٦٨ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان تینوں سوالات کے جوابات ایک ساتھ نازل ہوئے تھے لیکن روح کے سوال کے جواب کی جو آیت نازل ہوئی تھی' اس آیت کے فواصل (آیت کے آخری لفظ) سورہ بنی اسرائیل کی آیتوں کے فواصل کے موافق تھے اس لیے آپ نے اس آیت کو اس سورت میں رکھنے کا حکم دیا اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق جو آیات تھیں' ان کے فواصل سورۃ الکھف کے موافق تھے اس لیے آپ نے ان آیتوں کو سورۃ الکھف میں رکھنے کا حکم دیا۔ نیز روح کے متعلق اختصار سے جواب دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ روح آپ کے رب کے امر سے ہے اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے' اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق تفصیل سے جواب دیا ہے اس لیے ان کو الگ ذکر کیا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں سورتوں کا نزول ساتھ ساتھ ہو رہا ہو' روح کے جواب کے متعلق جو آیات تھیں' ان کا اسلوب سورہ بنی اسرائیل کی آیتوں کے موافق تھا' اس لیے ان کو وہاں ذکر کر دیا' اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے جواب کے متعلق جو آیات تھیں' ان کا اسلوب سورۃ الکھف کے اسلوب کے

مطابق تھا اس لیے ان کو سورۃ الکھف میں ذکر کر دیا۔

اس اُلجھن سے بچنے کے لیے سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ کہا ہے کہ تیسرا سوال روح کے متعلق نہ تھا بلکہ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق تھا کیونکہ اس سورت میں تیسرا قصہ خضر علیہ السلام کے متعلق ہے' وہ لکھتے ہیں:

یہ سورت مشرکین مکہ کے تین سوالات کے جواب میں نازل ہوئی ہے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لیے اہل کتاب کے مشورہ سے آپ کے سامنے پیش کیے تھے۔ اصحابِ کہف کون تھے؟ قصہ خضر کی حقیقت کیا ہے؟ اور ذوالقرنین کا کیا قصہ ہے؟ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۷ مطبوعہ لاہور)

تمام کتب سیرت اور تفاسیر میں یہی لکھا ہے کہ تیسرا سوال روح کے متعلق تھا اور کسی تفسیر اور کسی سیرت کی کتاب میں یہ روایت نہیں ہے کہ تیسرا سوال حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق تھا' یہ صرف سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اختراع ہے۔ کسی آیت سے کوئی مسئلہ تو اپنی عقل سے نکالا جا سکتا ہے لیکن کسی روایت کو اپنی عقل سے گھڑنا جائز نہیں ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی اس تفسیر کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

روایات میں آتا ہے کہ دوسرا سوال روح کے متعلق تھا جس کا جواب سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۰ میں دیا گیا ہے مگر سورۂ کہف اور بنی اسرائیل کے نزول میں کئی سال کا فرق ہے اور سورۂ کہف میں دو کے بجائے تین قصے بیان کیے گئے ہیں' اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرا سوال قصہ خضر سے متعلق تھا نہ کہ روح سے متعلق۔ خود قرآن میں بھی ایک ایسا اشارہ موجود ہے جس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۷' مطبوعہ لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جس بناء پر حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق روایت وضع کی ہے' اس کی بناء یہ بیان کی ہے کہ سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ الکھف کے نزول میں کئی سال کا فرق ہے لیکن اس پر یہ قوی اعتراض ہوتا ہے کہ ان کے نزول میں جو فرق ہے' اس کے علم کا ذریعہ بھی تو کتب تفسیر اور کتبِ سیرت میں مذکور روایات ہیں' تو جب یہ روایات سوال میں روح کا ذکر درج ہونے کے معاملہ میں غیر معتبر ہو گئیں تو ان کے نزول کی مدت بیان کرنے کے معاملہ میں کیسے معتبر ہو گئیں۔ بہر حال کسی اصل اور بغیر کسی ثبوت کے ایک روایت کو گھڑ لینا اور وہ بھی تفسیر کے معاملہ میں درست نہیں ہے۔

سورۃ الکھف کے متعلق احادیث

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سورۃ الکھف پڑھی' اس کے گھر میں ایک گھوڑا تھا' وہ بدکنے لگا' اس نے سلام پھیر دیا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ایک بادل کے ٹکڑے نے اس کو ڈھانپا ہوا تھا' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: اے شخص پڑھو! کیونکہ یہ سکینہ (وہ طمانیت اور رحمت جس کے ساتھ فرشتے ہوں) ہے۔ یہ قرآن مجید (پڑھنے) کی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۹' ۳۶۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۷۰۲۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۶۶۶' عالم الکتب بیروت)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورۃ الکھف کی دس آیتیں حفظ کر لیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۲۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۵۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۸۵' المستدرک رقم الحدیث: ۳۳۴۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کے دن سورۃ الکھف کو پڑھا اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان نور کو روشن کر دیا جائے گا۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۳۳۹۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورۃ الکھف کو پڑھا' وہ اس کے لیے اس کے مقام سے لے کر مکہ تک نور ہو جائے گی اور جس شخص نے سورۃ الکھف کی آخری دس آیتیں پڑھیں اس شخص کو خروج دجال سے ضرر نہیں ہوگا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۴۷۸' اس حدیث کے راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے سورۃ الکھف کو اس طرح پڑھا جس طرح وہ نازل ہوئی ہے' وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہو جائے گی۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۱۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۶۱۰' الدر المنثور ج ۵ ص ۳۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ الکھف مکمل نازل ہوئی' اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۶۸۱۲)

سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ الکھف میں باہمی مناسبت

(۱) سورہ بنی اسرائیل کو سبحان الذی سے شروع کیا گیا ہے اور سورۃ الکھف کو الحمد للہ الذی سے شروع کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا اور اس کی حمد کرنا قرآن مجید اور احادیث میں مقترن ہیں' قرآن مجید میں ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ. (الحجر: ۹۸) سو آپ اپنے رب کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ کیجئے۔

اور حدیث میں ہے سبحان اللہ وبحمدہ

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۷)

سو جس طرح تسبیح اور حمد کا ذکر مقرون ہوتا ہے' اسی طرح جس سورت کے شروع میں سبحان الذی کا ذکر تھا اور جس سورت کے شروع میں الحمد للہ الذی کا ذکر تھا' ان کو مقرون کر دیا۔

(۲) سورہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی حمد پر ختم ہوتی ہے کیونکہ اس کی آخری آیت ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ. (بنی اسرائیل: ۱۱۱) آپ کہیے تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے نہ کوئی اولاد بنائی اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے۔

اور سورۃ الکھف کی ابتداء بھی الحمد سے ہوتی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ. (الکھف: ۱) تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنے عبد مکرم پر الکتاب کو نازل فرمایا۔

گویا جس نقطہ پر بنی اسرائیل کا اختتام ہوا تھا' اسی نقطہ سے الکھف کا آغاز ہوا ہے۔

(۳) سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا تھا:

وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۸۵) تم کو جو علم دیا گیا ہے' وہ محض تھوڑا ہے۔

یہ ایک دعویٰ ہے کہ مخلوق کو بہت کم علم دیا گیا ہے اور اس کی دلیل سورۃ الکھف میں ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا ہے۔

(۴) سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۝ (بنی اسرائیل:۷۰)

بے شک ہم نے آدم کی اولاد کو بہت فضیلت دی ہے اور ان کو خشکی اور سمندر کی سواریاں دی ہیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ہے اور ہم نے ان کو اپنی بہت ساری مخلوق پر فضیلت دی ہے۝

اور سورۃ الکھف میں یہ بیان فرمایا ہے کہ دراصل انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں۔ فرمایا:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۝ (الکھف:۱۰۹)

آپ کہیے اگر تمام سمندر سیاہی ہو جائیں تو وہ بھی میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں گے' خواہ ہم ان کی مدد کے لیے اتنے ہی سمندر اور لے آئیں۔

(۵) سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے اجمالاً فرمایا تھا:

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا (بنی اسرائیل:۱۰۴)

سو جب آخرت کا وعدہ پورا ہو گا تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے۔

اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن لوگوں کو زندہ کر کے قبروں سے اُٹھانے اور قیامت کے احوال کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا۝ (الکھف:۱۰۰-۹۸)

پس جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اس کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۝ اور اس دن ہم ان میں سے بعض لوگوں کو اس حال میں چھوڑیں گے کہ وہ ایک دوسرے سے موجوں کی طرح ٹکرا رہے ہوں گے اور صور پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو اکٹھا کر دیں گے۝ اور ہم اس دن کافروں کے لیے کھلم کھلا جہنم پیش کر دیں گے۝

سورۃ الکھف کے مشمولات

سورۃ الکھف کی ابتداء قرآنِ عظیم کی صفت سے کی گئی ہے کہ قرآن مجید خود مستقیم ہے اور دوسروں کو استقامت پر لانے والا ہے' اس کے الفاظ اور معانی میں کوئی تناقض اور تضاد نہیں ہے۔ زمین پر جو زینت اور جمال ہے اور عجیب و غریب چیزیں ہیں' ان سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے علم اور قدرت پر استدلال کیا گیا ہے۔ اس سورت میں تین قصے تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں' اصحابِ کہف کا قصہ' حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ اور ذوالقرنین کا قصہ۔

اصحابِ الکھف کا قصہ' الکھف: ۲۶-۹ تک بیان فرمایا ہے۔ اس قصہ میں ان لوگوں کے لیے مثال ہے جو اپنے عقیدہ کی حفاظت کے لیے' اپنے وطن' اپنے اہل' اپنے رشتہ داروں' اپنے دوستوں اور اپنے مال و دولت کی قربانی دیتے ہیں کیونکہ یہ نوجوان مومن تھے' اس زمانہ کا بادشاہ بُت پرست تھا' یہ اس کی گرفت سے بچنے کے لیے ایک پہاڑ کے غار میں جا کر چھپ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تین سو نو قمری سالوں کی نیند مسلط کر دی' پھر ان کو نیند سے اُٹھایا تا کہ لوگ اس کا مشاہدہ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو مارنے کے بعد ان کو جلانے پر قادر ہے۔ پھر اس قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع کرنے کا حکم دیا اور فقراء مومنین کی مجلس میں بیٹھنے کے لیے فرمایا اور دین کا پیغام پہنچانے کی حرص میں سرمایہ داروں اور متکبروں کی ہم نشینی سے منع

فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عذابِ آخرت سے ڈرایا اور مسلمانوں کے لیے آخرت میں جو انعامات رکھے ہیں' ان کا ذکر فرمایا۔

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا قصہ ٨٢-٦٠ آیات تک بیان فرمایا ہے۔ اس میں علماء کے لیے طلبِ علم میں تواضع کرنے اور طلبِ علم کے لیے سفر کرنے کی مثال ہے' اور یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شریعت اور تشریع کے نبی تھے اور حضرت خضر علیہ السلام طریقت اور تکوین کے نبی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کشتی توڑنے' ایک لڑکے کو بلاقصور قتل کرنے اور بلا اُجرت دیوار بنانے پر جو اعتراضات کیے وہ ظاہرِ شریعت کے اعتبار سے تھے اور چونکہ وہ شریعت کے نبی تھے اس لیے ان کے اعتراضات برحق تھے' اور حضرت خضر علیہ السلام چونکہ تکوین کے نبی تھے اور انہوں نے یہ تمام کام وحی الٰہی سے کیے تھے' اس لیے ان کے یہ کام بھی برحق تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں بعض اوقات کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی ہم کوئی توجیہ نہیں کر سکتے اور ان کو بہ ظاہر عدل و حکمت کے تقاضوں کے خلاف سمجھتے ہیں' لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری نظر حقیقت پر نہیں ہوتی صرف ظاہر پر ہوتی ہے' اگر اس حقیقت سے پردہ اُٹھا دیا جائے تو ان واقعات کا عین عدل و حکمت کے موافق ہونا ہم پر منکشف ہو جائے۔ اور ذوالقرنین کا قصہ ٩٩-٨٣ آیت تک ہے۔ اس میں حکام اور سلاطین کے لیے عبرت اور نصیحت ہے کہ وہ مشرق سے مغرب تک کے علاقہ کا حکمران تھا' اس کے باوجود وہ اللہ سے ڈرتا تھا' اس کے احکام کی اطاعت کرتا تھا اور اپنی رعایا کے حق میں بہت شفیق اور مہربان تھا۔

اور ان تینوں قصوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے حکمت اور موعظت کی بہت سی باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں پہلے ایک امیر آدمی کا قصہ بیان فرمایا ہے' اس کے پاس انگوروں کے دو باغ تھے' یہ بہت متکبر اور کافر تھا اور دوسرا شخص غریب تھا' پر مومن تھا۔ ان کا قصہ ۴۴-٣٢ تک بیان فرمایا ہے۔ تاکہ مسلمان اپنی تنگ دستی سے مایوس نہ ہوں اور کفار کے مال و دولت سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اور آیت ۴٦-۴۵ میں دنیا کی زندگی کی مثال بیان کی ہے کہ وہ فنا ہونے والی ہے۔ اور آیت ۴٩-۴٧ میں قیامت اور حشر کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔ حضرت آدم اور ابلیس کا قصہ آیت ۵٣-۵٠ میں بیان فرمایا ہے اور اس طرح کے کئی عنوانات پر کلام فرمایا ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ الکھف کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ اِلٰہ العٰلمین مجھے حق پر آگاہی عطا فرمانا اور وہی لکھوانا جو حق ہو' اور باطل کا بطلان مجھ پر ظاہر فرمانا اور اس کا رد کرنے کی سعادت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
٣ شوال ١۴٢١ھ' ٣٠ دسمبر ٢٠٠٠ء
فون : ٢١۵٦٣٠٩ ــــ ٠٣٠٠

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَعَشْرُ اٰيَاتٍ وَاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ الکھف مکی ہے اور اس کی ایک سو دس آیتیں ہیں اور اس کے بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے عبد (مکرم) پر الکتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی

عِوَجًا ۟ۜ ﴿۱﴾ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ

نہیں رکھی ○ مستقیم کتاب تاکہ وہ (عبد مکرم) اللہ کی طرف سے عذاب شدید سے ڈرائیں اور جو ایمان لاتے اور

الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿۲﴾ مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ

انہوں نے نیک کام کیے ان کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے بہترین اجر ہے ○ جس میں وہ ہمیشہ

اَبَدًا ﴿۳﴾ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿۴﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ

رہنے والے ہیں ○ اور وہ ان لوگوں کو ڈرائیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنا لی ہے ○ (حالانکہ) نہ ان کے پاس اس

عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ

کا کوئی علم ہے نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھا، یہ بہت سنگین بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے، یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں

اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا

محض جھوٹ ہے ○ اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ فرطِ غم

بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا

سے ان کے پیچھے جان دے دیں گے ○ روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو اس زمین کی زینت بنا دیا ہے

لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا

تاکہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان میں کون سب سے اچھے کام کرنے والا ہے ○ اور جو کچھ زمین پر ہے ہم اس کو ضرور چٹیل میدان بنانے

جُرُزًا ؕ ﴿۸﴾ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا

والے ہیں ○ (اے مخاطب!) کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ غار والے اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک

عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ اَوَى الْفِتْیَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ

عجیب نشانی تھے ○ جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو انہوں نے دعا کی اے ہمارے رب! ہمیں اپنے

رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِی

پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے مشن میں کامیابی کے اسباب مہیا فرمائے ○ پھر ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر

الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى

گنتی کے کئی سالوں تک نیند مسلط کر دی ○ پھر ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت

لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ⑫ ع ۱ ۱۲ ۱۳

کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے عبد (مکرم) پر الکتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ (الکھف: ۱)

سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکھف کا ارتباط

اس سے پہلی سورت بنی اسرائیل کو لفظ ''سبحان'' سے شروع فرمایا تھا اور اس سورت کو الحمد للہ سے شروع فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید اور احادیث میں سبحان اللہ کا لفظ الحمد للہ پر مقدم ہوتا ہے۔ نیز سبحان کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نامناسب صفات سے منزہ اور خالی ہے اور الحمد للہ کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام صفاتِ کمالیہ سے متصف ہے۔ اس لیے دونوں لفظوں کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ان تمام صفات سے منزہ اور خالی ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور ان تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے جو اس کی شان کے لائق ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اس نے اپنے عبد مکرم پر الکتاب نازل فرمائی ہے۔ اس سے پہلی سورت میں واقعہ معراج کا ذکر فرمایا ہے اور واقعہ معراج سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات میں کمال حاصل ہوا' اور اس سورت میں آپ پر الکتاب نازل فرمانے کا ذکر فرمایا اور کتاب آپ پر اس لیے نازل فرمائی کہ آپ دوسروں کو کامل کریں' اور ارواح بشریہ جو حیوانوں کی پستی میں گری ہوئی تھیں' انہیں اٹھا کر فرشتوں کی بلندی کی طرف لے جائیں۔ پس سورہ بنی اسرائیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کامل ہونے پر دلالت کرتی ہے اور سورۃ الکھف آپ کے کامل گر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں یہ دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نیچے سے اوپر لے گیا اور اس سورت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اور اس کا معنی یہ ہے کہ اوپر سے نورِ وحی کو آپ پر نیچے کی طرف نازل فرمایا۔

معراج کے منافع صرف آپ کے لیے تھے کیونکہ فرمایا لنریہ من ایتنا۔ (بنی اسرائیل: ۱) تاکہ ہم آپ کو اپنی نشانیاں دکھائیں' اور کتاب نازل کرنے کے منافع دوسروں کے لیے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' لینذر باسا شدیدا۔ (الکھف: ۲) تاکہ وہ عبد مکرم اللہ کی طرف سے عذاب شدید سے ڈرائیں' اور جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' ان کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے بہترین اجر ہے' اور منافع کی ثانی الذکر قسم اوّل الذکر سے افضل ہے۔

اللہ کی حمد کرنے کا طریقہ

ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ کتاب نازل کرنے کے منافع دوسروں کے لیے بھی ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ کتاب کو نازل کرنا آپ کے لیے بھی نعمت ہے اور دوسروں کے لیے بھی نعمت ہے۔

کتاب کو نازل کرنا آپ کے لیے اس وجہ سے نعمت ہے کہ اس کتاب کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی توحید اور اپنی صفات کے اسرار سے مطلع فرمایا اور ملائکہ کے اسرار اور انبیاء سابقین کے احوال سے آگاہ فرمایا' اور قضا وقدر کی حکمتوں سے مطلع کیا' اور عالم دنیا اور عالم آخرت کے باہمی ربط اور عالم جسمانیات اور عالم روحانیات کے تعلق سے آگاہ فرمایا' اور یہ بتایا کہ نفس ایک آئینہ کی طرح ہے جس میں عالم ملکوت کی تجلیات منعکس ہوتی ہیں اور عالم لاہوت کے اسرار منکشف ہوتے ہیں اور یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

اور اس کتاب کا نازل کرنا ہم پر بھی نعمت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جن احکام کا مکلف کیا ہے وہ تمام احکام اس کتاب میں ذکر فرما دیئے ہیں۔ اس کتاب میں وعد اور وعید اور ثواب اور عقاب سب کا ذکر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب انتہائی درجہ کی کامل کتاب ہے اور ہر شخص اپنی طاقت اور اپنی فہم کے اعتبار سے اس سے نفع حاصل کرتا ہے' اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تمام اُمت کو اتنی عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس لیے آپ پر اور آپ کی تمام اُمت پر لازم ہے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود ان کو حمد کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا کہ وہ یہ کہیں کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے عبد مکرم پر الکتاب نازل فرمائی۔

قرآن مجید میں کجی نہ ہونے کا معنی

اس کے بعد فرمایا: اور اس (کتاب) میں کوئی کجی نہیں رکھی۔

قرآن کریم میں کجی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی آیات میں کوئی تناقض اور تضاد نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (النساء: ۸۲)

اور اگر (یہ قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو توحید' رسالت' قضاء وقدر اور احکامِ شرعیہ بیان کیے گئے ہیں' یہ سب صحیح اور صادق ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی طریقِ مستقیم سے منحرف نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ گویا کہ انسان عالم غیب سے عالم آخرت کی طرف متوجہ ہوا اور یہ دنیا ایک سرائے کی طرح ہے' انسان جب اس سرائے میں آیا تو وہ ان کاموں میں مشغول ہو گیا جن کی اس سفر میں ضرورت پڑتی ہے' پھر وہ عالم آخرت کی طرف متوجہ ہوا۔ پس ہر وہ چیز جو اس کو دنیا سے آخرت کی طرف راجع کرتی ہے اور جسمانیات سے روحانیات کی طرف اور خلق سے حق کی طرف اور شہوانی لذات سے عبادات کے نور کی طرف متوجہ کرتی ہے' وہ کجی' انحراف اور باطل سے مبرا اور منزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مستقیم کتاب تاکہ وہ (عبد مکرم) اللہ کی طرف سے عذابِ شدید سے ڈرائیں اور جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے بہترین اَجر ہے ۝ جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ۝ (الکھف: ۳-۲)

انسان کا با اختیار ہونا

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ رسولوں کو بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ گناہ گار لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں اور اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزاروں کو اَجر وثواب کی بشارت دیں' اور جبکہ دفع ضرر' حصولِ نفع پر مقدم ہوتا ہے اسی لیے عذاب سے ڈرانے کو اَجر وثواب کی بشارت دینے پر مقدم فرمایا ہے۔ اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ انسان مجبور محض نہیں ہے اور اس کو ایک نوع کا اختیار عطا فرمایا ہے ورنہ رسولوں کا بھیجنا اور عذاب سے ڈرانا اور ثواب کی بشارت دینا عبث ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ ان لوگوں کو ڈرائیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنالی ہےO (حالانکہ) نہ ان کے پاس اس کا کوئی علم ہے' نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھا' یہ بہت سنگین بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے' یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں محض جھوٹ ہےO اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ فرطِ غم سے ان کے پیچھے جان دے دیں گےO

(الکہف: ۶-۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب' ایمان کا راستہ دکھانا ہے' رہا ایمان کا پیدا کرنا سو وہ اللہ کا کام ہے

اس سے پہلے فرمایا تھا تاکہ وہ عبدمکرم اللہ کی طرف سے عذابِ شدید سے ڈرائیں' اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ فرمایا اور وہ ان لوگوں کو ڈرائیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنالی ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد مانتے تھے' وہ تین قسم کے گروہ تھے:

(۱) کفارِ عرب' جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

(۲) نصاریٰ' جو کہتے تھے کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

(۳) یہود' جو کہتے تھے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔

اس سے پہلے ہم سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں آیت: ۱۱۱ میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ جھوٹ ہے' وہ اپنے باپ دادا کی تقلید میں ایسی سنگین بات اپنے مونہوں سے نکال رہے ہیں۔ جھوٹ کی تعریف یہ ہے جو کلام واقع کے مطابق نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا:

اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ فرطِ غم سے ان کے پیچھے جان دے دیں گے۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر رنج اور افسوس نہ کریں کیونکہ ہم نے آپ کو عذاب سے ڈرانے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے' اور ان کے دلوں میں ایمان پیدا کرنے کا آپ کو مکلف نہیں کیا' یہ نہ آپ کی قدرت میں ہے اور نہ آپ کے ذمہ ہے۔ آپ کا کام صرف انہیں دین اسلام کی دعوت دینا ہے اگر انہوں نے اس دعوت کو قبول کرلیا تو اس میں ان کا فائدہ ہے اور اگر انہوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا تو اس میں ان ہی کا نقصان ہے۔

قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ (فاطر: ۸)

اللہ جس میں چاہے گمراہی پیدا کرتا ہے اور جس میں چاہے ہدایت پیدا کرتا ہے۔ پس آپ ان پر غم کر کے اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ○ (الشعراء: ۳)
لگتا ہے ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ اپنی جان دے دیں گے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ○ (الانعام: ۱۰۷)
اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان کے ذمہ دار ہیں۔

فَذَكِّرْ ڕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ○ (الغاشیۃ: ۲۲-۲۱)
پس آپ نصیحت کیجئے' آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں○ آپ ان کو جبراً مومن بنانے والے نہیں ہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ○ (القصص: ۵۶)
آپ جس کو چاہیں اس میں ہدایت پیدا نہیں کرتے لیکن اللہ جس میں چاہے ہدایت پیدا کرتا ہے' اور وہی زیادہ جاننے والا ہے کہ کون ہدایت قبول کرنے والا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہدایت کو پیدا کرنا نہیں ہے' ہدایت کو پیدا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے' سو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت پیدا نہیں کی اور وہ ایمان نہیں لایا تو آپ اس پر رنج اور افسوس نہ کریں کیونکہ اس کے ایمان نہ لانے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ آپ کی تبلیغ اور رشد و ہدایت میں کوئی کمی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ یہ بہت شقی ہے اور یہ ایمان لانے والا نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت کو پیدا ہی نہیں کیا اور آپ کسی کو جبراً مومن بنانے والے نہیں ہیں اور نہ آپ سے کسی کے ایمان نہ لانے پر سوال کیا جائے گا اور نہ آپ ان کے ایمان کے ذمہ دار ہیں۔ آپ ہدایت کو پیدا کرنے والے نہیں ہیں' آپ کا منصب تو صرف نیکی اور خیر کا راستہ دکھانا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (الشوریٰ: ۵۲)
اور بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف ضرور ہدایت دیتے ہیں۔

سو آپ کا منصب صرف سیدھا راستہ دکھانا ہے' باقی اس ہدایت کو دل میں جما دینا اور کسی کو مومن بنا دینا یہ آپ کا کام نہیں ہے۔ یہ اللہ کا کام ہے تو اگر آپ کے ہدایت دینے کے باوجود کوئی ایمان نہیں لایا تو آپ ملول اور افسردہ نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو اس زمین کی زینت بنا دیا ہے تا کہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان میں کون سب سے اچھے عمل کرنے والا ہے○ اور جو کچھ زمین پر ہے ہم اس کو ضرور چٹیل میدان بنانے والے ہیں○ (الکھف: ۸-۷)

زمین کی زینت سے انسان کو امتحان میں مبتلا کرنا

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ میں نے زمین کو اور اس کی زینت کو پیدا کیا ہے اور اس زمین سے کار آمد اور نفع آور چیزیں نکالیں ہیں' اور اس زمین کو اور اس کی زینت کو پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو چند احکام کا مکلف کیا جائے اور پھر یہ دکھایا جائے کہ وہ اللہ پر ایمان لا کر اور اس کے احکام پر عمل کر کے ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں یا تکبر اور سرکشی کر کے ایمان نہیں لاتے اور اپنے کفر پر قائم رہتے ہیں' اور میں ان کے کفر اور ان کی سرکشی کے باوجود ان سے اپنی نعمتوں کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا تو اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ بھی ان کے کفر اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے ان پر بہت زیادہ

افسوس نہ کریں اور انہیں دین حق کی طرف دعوت دینے کا سلسلہ جاری رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ہم نے زمین کی زینت کے لیے اس میں معادن' نباتات اور حیوانات بنائے ہیں' خوبصورت آبشار اور بہتے ہوئے چشمے' حسین وجمیل سرسبز کھیت اور باغات' بلند کہسار' رنگ برنگ پرندے اور طرح طرح کے حیوانات یہ سب زمین کی زینت ہیں۔ اس زمین میں زہریلے حشرات الارض بھی ہیں اور چیرنے پھاڑنے والے درندے بھی ہیں' اگر یہ کہا جائے کہ ان میں زمین کی کون سی زینت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان درندوں سے بہرحال ظاہری حسن و جمال تو ہے جیسے شیر اور چیتوں وغیرہ میں اور جنگلات کی زینت ان ہی جانوروں کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح انواع واقسام کے سانپ اور اژدھے حسن و جمال کے پیکر ہیں' باقی رہا ان کا ضرر رساں ہونا تو وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہر اور غضب کے مظہر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کی یہ زینت انسان کے امتحان کے لیے بنائی ہے کہ آیا وہ دنیا کے حسن و جمال میں کھو کر اپنے خالق و مالک کی اطاعت کرنے کو بھول جاتا ہے یا اس دنیا کی ترغیبات سے اپنا دامن بچا کر رکھتا ہے اور اس دنیا کی رنگینیاں اور لذت آفرینیاں اس کو اپنے مولیٰ کی عبادت سے غافل نہیں کرتیں۔

اس سوال کا جواب کہ امتحان لینا تو عدم علم کو مستلزم ہے

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امتحان تو وہ شخص لیتا ہے جسے امتحان دینے والے کی قابلیت کا علم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے اور اس کو ہر چیز کا علم ہے پھر اس کے امتحان لینے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لیے امتحان نہیں لیتا' وہ دوسروں کے لیے امتحان لیتا ہے' وہ قیامت کے دن دنیا کو دکھانا چاہتا ہے کہ اگر اس نے اپنے کسی بندہ کو بہت اجر و ثواب عطا کیا ہے اور نور کے منبروں پر بٹھایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں آزمائش کی بھٹی سے سلامتی کے ساتھ گزر گئے تھے۔ انہوں نے تسلیم و رضا کی چھری تلے اپنی گردن رکھ دی تھی' اس لیے ان کو یہ بلند مراتب عطا کیے ہیں' اور جن کو آخرت میں عذابِ شدید پہنچایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیاوی امتحان میں ناکام ہوگئے تھے' وہ دنیا کی زینت میں ڈوب گئے تھے اور اپنے خالق و مالک کی اطاعت سے منحرف اور باغی ہوگئے تھے۔

دنیا سے رغبت کو کم کرنا

اللہ تعالیٰ انسان کو دنیا کی اس زینت میں مستغرق ہونے سے بچانا چاہتا ہے اور دنیا کی اس زینت کی طرف اس کی رغبت کو کم کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے فرمایا: اور جو کچھ زمین پر ہے ہم اس کو ضرور چٹیل میدان بنانے والے ہیں۔ یعنی تم ایسی چیز کے ساتھ کیوں دل لگاتے ہو جو فنا ہونے والی ہے؟ یہ دنیا اپنی تمام رنگینیوں' رعنائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ فنا ہو جائے گی' باقی رہنے والی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے سو تم اس سے محبت رکھو' اس کے ساتھ دل لگاؤ' اس کے احکام پر عمل کرو' اسی کی اطاعت کرو' اسی کے سامنے سر جھکاؤ' اسی سے اپنی حاجات طلب کرو' اسی کو پکارو' اسی سے مدد طلب کرو۔ حقیقت میں وہی دینے والا ہے' بہ ظاہر جو بھی کسی کو دے رہا ہے وہ اپنے پاس سے نہیں دے رہا' اسی سے لے کر دے رہا ہے' کسی اور کا سننا' دینا' مدد کرنا ظنی ہے یقینی نہیں۔ صرف اسی کا سننا یقینی ہے' اسی کا دینا یقینی ہے' اسی کا مدد کرنا یقینی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۶)

دنیا کی زینت اور اس سے دامن بچانے کے متعلق احادیث

اس آیت میں جو فرمایا ہے: روئے زمین پر جو کچھ ہے' ہم نے اس کو اس زمین کی زینت بنا دیا ہے تا کہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں کون سب سے اچھے عمل کرنے والا ہے O (الکھف: ۷) اس آیت کی وضاحت حسب ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دنیا شیریں اور سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو اس میں خلیفہ بنانے والا ہے پھر وہ دیکھے گا کہ تم اس میں کس طرح عمل کرتے ہو' سو تم دنیا سے اور عورتوں سے بچو کیونکہ بنو اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں میں تھا۔

(صحیح مسلم الدعوات: ۹۹' رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۷۴۲' رقم الحدیث المسلسل: ۶۸۱۴)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم لوگوں کے بارے میں سب سے زیادہ دنیا کی تر و تازگی سے خطرہ ہے۔ مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! دنیا کی تر و تازگی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا زمین کی برکتیں۔ مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا خیر کے سبب سے شر ہو سکتا ہے؟ پھر آپ نے تین بار فرمایا: خیر کے سبب سے خیر ہی ہوتی ہے' موسم بہار میں جو چیزیں (زمین سے) اُگتی ہیں تو وہ سبزہ جانوروں کو ہلاک کر دیتا ہے یا قریب المرگ کر دیتا ہے۔ سو ان جانوروں کے جو صرف سبزہ کھاتے ہیں اور وہ اس قدر کھاتے ہیں کہ ان کی کوکھیں پھول جاتی ہیں پھر وہ دھوپ میں لوٹ لگاتے ہیں اور لید اور پیشاب کرتے ہیں' یہ مالِ دنیا بھی سرسبز اور میٹھا ہے جو شخص اس مال کو اپنے حق کے مطابق لے گا اور اس کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ کرے گا تو یہ اچھی مشقت ہے اور جو مال کو ناحق لے گا تو وہ اس جانور کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں ہے: یہ مالِ دنیا سرسبز اور میٹھا ہے اور مسلمان کا اچھا ساتھی ہے اس مال کا جو حصہ مسکین' یتیم اور مسافر کو دیا (وہ اچھا ساتھی ہے) اور جو اس مال کو ناحق لیتا ہے وہ اس جانور کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور یہ مال اس کے خلاف قیامت کے دن گواہی دے گا۔

(صحیح مسلم الزکوٰۃ: ۱۲۳' ۱۲۲' ۱۲۱' رقم الحدیث: ۱۰۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۵)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دنیا بہت خوش منظر ہے اور بھلی لگتی ہے' اور اس کے مناظر بہت دلفریب اور دلکش ہیں۔ جیسے کوئی بہت حسین اور بے حد شیریں پھل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے ذریعہ اپنے بندوں کو امتحان میں مبتلا کیا ہے اور وہ دنیا کو دکھاتا ہے کہ کون دنیا میں زیادہ اچھے عمل کرتا ہے یعنی کون دنیا سے زہد اور بے رغبتی اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے جن چیزوں کو زینت بنایا ہے' بندوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کریں' اسی لیے حضرت عمر نے یہ دعا کی تھی کہ جن چیزوں کو تو نے ہمارے لیے مزین کیا ہے' ہمیں اس سے بچا کہ ہم ان پر اترائیں۔ اے اللہ میں تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ میں ان چیزوں کو حق کے راستے میں خرچ کروں۔

اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے معنی ہیں: جو اس مال کو اپنے حق کے مطابق لے گا اس کے مال میں برکت دی جائے گی' اور جو شخص اس مال کو ناحق لے گا وہ اس جانور کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ عطا فرما رہے تھے اور میں کہہ رہا تھا کہ یہ آپ اس کو عطا فرما دیں جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو۔ آپ نے فرمایا جب یہ مال تمہارے پاس آئے تو اس کو لے لو جبکہ تم اس مال کی طمع نہ رکھتے ہو' نہ اس مال کا سوال کرنے والے ہو تو اس مال کو لے لو'

(صحیح مسلم میں ہے پھر اس مال کو لے کر صدقہ کرو) اور جو مال اس طرح نہ ہو تو اس کے لیے اپنے نفس کو نہ تھکاؤ۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:١٤٧٣، صحیح مسلم رقم الحدیث:١٠٤٥، سنن النسائی رقم الحدیث:٢٦٠٨)

جو شخص دنیا کے مال سے سیر نہیں ہوتا اور اس کو جس قدر مال ملتا ہے اس پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مال کو جمع کرے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کو نہیں سمجھا۔ وہ مال کے فتنہ میں مبتلا ہے اور اس سے انسان بہت کم سلامتی میں رہتا ہے۔ جس شخص کو بہ قدر ضرورت مال ملا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے دیئے ہوئے مال پر قانع کر دیا' وہ شخص کامیاب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔ اس کی تفسیر میں ابن عطیہ نے کہا جو مال کو حق کے موافق لے اور اس مال کو ایمان کے ساتھ حق کے راستے میں خرچ کرے' فرائض' واجبات' سنن اور مستحبات کو ادا کرے اور مکروہ کاموں سے اجتناب کرے' وہ شخص سب سے اچھے عمل کرنے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی: **لنبلوهم ايهم احسن عملا** ' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس آیت کا معنی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تاکہ ہم یہ آزمائیں کہ تم میں سے کس کی عقل زیادہ اچھی ہے اور تم میں سے کون اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہے اور تم میں سے کون زیادہ سرعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١٢٧٠٤، الدر المنثور ج ٥ ص ٣٦١)

زہد اور قناعت کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑا اور فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر ہو یا راستہ عبور کرنے والا' اور اپنا شمار قبر والوں میں کرو۔ مجاہد کہتے ہیں مجھ سے حضرت ابن عمر نے کہا جب تم صبح کو اُٹھو تو شام کی توقع نہ کرو' بیماری آنے سے پہلے صحت کے ایام میں نیک عمل کر لو اور موت آنے سے پہلے زندگی میں نیک عمل کر لو' اور اے بندۂ خدا! تم نہیں جانتے کہ کل تمہارا نام کیا ہو گا۔ (یعنی تم شقی ہو گے یا سعید ہو گے)

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٦٤١٦، سنن الترمذی رقم الحدیث:٢٣٣٣، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤١١٤، مسند احمد ج ٢ ص ٢٤، مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٣ ص ٢١٧، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:٦٩٨، المعجم الکبیر رقم الحدیث:١٣٤٧٠، المعجم الصغیر رقم الحدیث:٦٣، حلیۃ الاولیاء ج ١ ص ٣٠١، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ٣ ص ٣٦٩، شعب الایمان رقم الحدیث:١٠٢٤٥)

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر اُمت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری اُمت کا فتنہ مال ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:٢٣٣٦، مسند احمد ج ٤ ص ١٦٠، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:١١١٢٩، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:٣٢٢٣، المعجم الکبیر ج ١٩ رقم الحدیث:٤٠٤، المستدرک ج ٤ ص ٣١٨)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ چاہتا ہے کہ اس کو تیسری وادی بھی مل جائے اور مٹی کے سوا کوئی چیز اس کا منہ نہیں بھر سکتی' اور جو شخص توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٦٤٣٩، صحیح مسلم رقم الحدیث:١٠٤٨، سنن الترمذی رقم الحدیث:٢٣٣٧، مسند احمد ج ٣ ص ١٠٠، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:٣٢٢٣، المعجم الکبیر ج ١٩ رقم الحدیث:٤٠٤، المستدرک ج ٤ ص ٣١٨)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زہد یہ نہیں ہے کہ تم حلال کو حرام کر دیا مال کو ضائع کرو لیکن زہد یہ ہے کہ جو چیز تمہارے ہاتھوں میں ہے اس پر تمہیں اتنا اعتماد نہ ہو جتنا اس پر اعتماد ہو جو اللہ کے ہاتھ میں ہے اور جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو اس کے ثواب میں تم کو اس سے زیادہ رغبت ہو کہ تم پر وہ مصیبت نہ آتی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۰)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزوں کے سوا ابن آدم کا کسی چیز میں حق نہیں ہے اس کی رہائش کا گھر ہو اس کی ستر پوشی کے لیے کپڑا ہو اور خشک روٹی اور پانی ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۱ مسند احمد ج ۱ ص ۶۲ مسند البزار رقم الحدیث: ۴۱۳ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۶۱ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۴۷)

مطرف اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو آپ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ (التکاثر: ۱) زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے تمہیں غافل کر دیا۔

آپ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال اور اس کا مال تو صرف وہی ہے جس کو اس نے صدقہ کر کے روانہ کر دیا یا کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۲ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۱۳ مسند احمد ج ۴ ص ۲۴ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۱ المستدرک ج ۲ ص ۵۳۳ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۸۱ السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۶۱)

سلمہ بن عبیداللہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص صبح کو اس حال میں اُٹھے کہ اس کے اہل و عیال بخیریت ہوں اور اس کا جسم تندرست ہو اور اس کے پاس اس دن کی خوراک ہو تو گویا اس کے لیے تمام دنیا جمع کر دی گئی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۱ مسند حمیدی رقم الحدیث: ۴۳۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مسلمان کامیاب ہو گیا جس کو اس کی ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا اور اللہ نے اس کو اس پر قانع کر دیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۱۳۸ مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۲۹ السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۹۶ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۰۴۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ ساز و سامان سے غنا حاصل نہیں ہوتا لیکن غنا اس سے حاصل ہوتا ہے جس کا دل غنی ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۴۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۷ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۲۵۹ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سو گئے اور آپ کے پہلو میں اس کے نقش ثبت ہو گئے تھے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے لیے گدا بنا دیں؟ آپ نے فرمایا: میرا دنیا سے کیا تعلق ہے میں دنیا میں صرف اس سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سائے میں بیٹھے پھر اس کو چھوڑ کر آگے روانہ ہو جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۷ مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۹ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۹۸ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۳۰۳ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۰۲ المستدرک ج ۱ ص ۳۱۰ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۳۳۷)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے برا برتن ابن آدم کا بھرا ہوا پیٹ ہے۔ ابن آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو قائم رکھ سکیں اگر اس نے ضرور زیادہ کھانا ہو تو تہائی حصہ طعام کے لیے' تہائی حصہ پانی کے لیے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لیے رکھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۰' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۴' المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۶۴۴' المستدرک ج ۴ ص ۱۲۱' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۰۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۴۹)

زہد اور قناعت کی تعریفات

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

زہد کی تعریف میں علماء کے متعدد اقوال ہیں: سفیان ثوری نے کہا امیدوں کو کم کرنا زہد ہے اور سوکھی روٹی کھانے اور لمبے کرتوں کے پہننے سے زہد حاصل نہیں ہوتا' ہمارے علماء رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ جس آدمی کی امیدیں کم ہوں وہ لذیذ کھانوں کا پیچھا نہیں کرتا اور نہ انواع واقسام کے ملبوسات پہنتا ہے اور دنیا کی جو چیز آسانی سے مل جائے اس کو قبول کر لیتا ہے' اور جو چیز اس کو مل جائے اس پر قناعت کر لیتا ہے' وہ زاہد ہے۔ اوزاعی نے کہا جو شخص اپنی تعریف ناپسند کرے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں لگا رہے۔ فضیل نے کہا تمام دنیا کو ترک کر دینا زہد ہے خواہ وہ اس کے ترک کرنے کو پسند کرے یا ناپسند۔ بشر بن الحارث نے کہا دنیا کی محبت لوگوں سے ملنے کی محبت ہے اور دنیا میں زہد لوگوں سے ملاقات میں زہد (بے رغبتی) ہے۔ ابراہیم بن ادھم نے کہا اس وقت تک کوئی شخص زاہد نہیں ہوگا جب تک کہ دنیا کو ترک کرنا اس کے نزدیک دنیا کو حاصل کرنے سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔ عبداللہ بن المبارک نے کہا زہد یہ ہے کہ تم دل سے دنیا سے بے رغبتی کرو اور بعض نے کہا کہ موت سے محبت کرنا زہد ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۱۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ غار والے اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے ○ جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو انہوں نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے مشن میں کامیابی کے اسباب مہیا فرما دے ○ پھر ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سالوں تک نیند مسلط کر دی ○ پھر ہم نے ان کو اُٹھایا تاکہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے ○ (الکہف: ۱۲-۹)

اصحابِ کہف کے واقعہ کا شانِ نزول

کفارِ مکہ کو اصحابِ کہف کے قصہ پر بہت حیرت ہوئی تھی اور انہوں نے اس پر بہت تعجب کا اظہار کیا تھا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور امتحان اصحاب کہف کے متعلق سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم ہماری نشانیوں میں سے صرف اصحاب کہف کے واقعہ ہی کو بہت بڑی اور تعجب خیز نشانی سمجھتے ہو؟ سو ایسا نہیں ہے' یہ زمین و آسمان' یہ وسیع وعریض سمندر' یہ بلند و بالا پہاڑ کیا یہ سب ہماری بڑی نشانیاں نہیں ہیں۔

ہم اس سے پہلے امام ابن ہشام کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں کہ صنادید قریش میں سے ایک شخص نضر بن حارث تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا پہنچاتا تھا' وہ حیرہ جاتا اور رستم اور سہراب کے قصے سن کر آتا اور جس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید سے پچھلی اُمتوں کے واقعات سناتے تو وہ بھی آپ کے قریب بیٹھ جاتا اور کہتا اے جماعت قریش! بخدا میں تم کو اس سے بہتر اور زیادہ مزے دار قصے سناتا ہوں پھر وہ ان کو روم اور فارس کے بادشاہوں کے قصے سناتا' پھر

قریش نے اس کو اور عقبہ بن ابن معیط کو مدینہ میں علماء یہود کے پاس بھیجا اور بتایا کہ تم لوگ اہل علم ہو! اور ہم ان پڑھ لوگ ہیں۔ ہمارے ہاں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اب تم بتاؤ کہ ہم کس طرح ان کے دعویٰ کی سچائی کو معلوم کریں۔ یہود نے کہا: ان سے تین نوجوانوں کے متعلق سوال کرو جو پہلے زمانہ میں ایک غار میں چلے گئے تھے' اور ان سے اس شخص کے متعلق سوال کرو جس نے روئے زمین کے تمام مشارق و مغارب میں سفر کیا تھا' اور ان سے روح کے متعلق سوال کرو اگر انہوں نے ان تینوں سوالات کے جواب دے دیئے تو وہ برحق رسول ہیں ورنہ نہیں ہیں۔ جب نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط مکہ واپس آئے تو انہوں نے آپ سے یہ سوال کیے۔ آپ نے اس اعتماد پر کہ کل وحی آ جائے گی فرمایا: میں تم کو کل اس کے متعلق بتاؤں گا۔ آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے (اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی) پھر پندرہ دن تک وحی نہیں آئی اور کفار مکہ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا اور اب پندرہ دن ہو گئے اور انہوں نے ہمارے سوالوں کے جواب نہیں دیئے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا' تب حضرت جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سورت کو لے کر نازل ہوئے اور اس سورت میں اصحابِ کہف کی خبر ہے اور ذوالقرنین کی بھی خبر ہے جس نے مشرق سے لے کر مغرب تک کا سفر کیا تھا' اور روح کے متعلق سوال کا جواب اس سے پہلی سورت بنی اسرائیل میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ الکھف ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں اور ان تینوں سوالوں کے جوابات بھی ایک ساتھ نازل ہوئے اور روح کے متعلق جوان کے سوال کا جواب تھا' اس کے مناسب آیات سورہ بنی اسرائیل میں تھیں۔ اس لیے آپ نے ان آیتوں کو بنی اسرائیل میں رکھوا دیا اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق جو آیتیں تھیں' ان کے مناسب آیتیں سورۃ الکھف میں تھیں' اس لیے ان کو آپ نے سورۃ الکھف میں رکھوا دیا۔

اصحاب الکھف اور اصحاب الرقیم کی سوانح

الکھف کے معنی ہیں پہاڑ میں ایک غار۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۷۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

الرقیم: ایک جگہ کا نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ الرقیم اس پتھر کا نام ہے جس پر اصحابِ کہف کے نام لکھے ہوئے تھے۔

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اصحابِ کہف کے اسماء عجمی زبان میں ہیں' ان کو شکل اور نقطوں میں منضبط کرنا مشکل ہے' اور ان کا قصہ بیان کرنے میں راویوں کے بیان مختلف ہیں وہ کس طرح غار میں داخل ہوئے اور کس طرح غار سے نکلے' کسی صحیح حدیث میں اس واقعہ کا بیان نہیں ہے اور نہ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے سوا ان آیتوں کے جن کا اس سورت میں ذکر فرمایا ہے۔

روایت ہے کہ جس کافر بادشاہ کے زمانہ میں وہ اس کے ملک سے نکل گئے تھے' اس کا نام دقیانوس تھا اور یہ لوگ روم کے رہنے والے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ شام کے رہنے والے تھے اور شام میں ایک غار ہے جس میں چند مردے پڑے ہوئے ہیں اور اس غار کے مجاور کا زعم یہ ہے کہ یہی اصحابِ کہف ہیں۔ اس غار پر ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے جس کا نام الرقیم ہے۔ ان کے ساتھ ایک بوسیدہ کتا بھی ہے۔ اور اندلس میں غرناطہ کی جانب ایک بستی ہے جس کا نام لوشہ ہے۔ وہاں ایک غار ہے جس میں چند مردے ہیں اور ایک پرانا اور بوسیدہ کتا ہے' ان کا گوشت پوست گل چکا ہے اور صرف ہڈیوں کے ڈھانچ ہیں۔ کئی صدیاں گزر چکی ہیں اور ہم کو کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کو ان کے متعلق صحیح علم ہو' اور لوگوں کا گمان یہ ہے کہ یہی اصحابِ کہف ہیں۔ علامہ ابن عطیہ نے کہا میں ان کے غار میں داخل ہوا اور میں نے ان کو دیکھا تقریباً ساڑھے پانچ سو سال سے وہ

اسی حال میں ہیں' اس غار کے اوپر ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے اور اس کے قریب ایک رومی عمارت بنی ہوئی ہے جس کا نام الرقیم ہے۔ (البحر رالوجیز ج ۱۰ ص ۳۹۲' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' ۱۴۰۷ھ مکہ مکرمہ)

جس وقت ہم اندلس میں تھے تو لوگ اس غار کی زیارت کرنے کے لیے آتے تھے' اور وہ یہ بتاتے تھے کہ جب بھی ہم ان مردوں کو گنتے تھے تو ان کے گننے میں ہمارا اختلاف ہو جاتا تھا اور ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا۔ غرناطہ کے قریب دقیوس نام کا ایک شہر ہے' میں اس میں اَن گنت مرتبہ گیا ہوں اور میں نے وہاں بڑے بڑے پتھر دیکھے ہیں اور جس چیز سے یہ رائے راجح قرار پاتی ہے کہ اصحابِ کہف اندلس کے رہنے والے تھے' وہ یہ ہے کہ اندلس میں عیسائی بہت کثرت کے ساتھ آباد تھے حتیٰ کہ عیسائیوں کی بڑی مملکت اندلس ہی تھی۔ (البحر المحیط ج ۷ ص ۱۴۳۔ ۱۴۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

الکھف پہاڑ میں غار کو کہتے ہیں۔ ان کے غار کا نام حیزم تھا اور الرقیم کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مجھے معلوم نہیں اس سے کیا مراد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ الرقیم وہ مرقوم ہے جس میں اصحابِ کہف کے اسماء اور ان کو پیش آیا ہوا واقعہ لکھا ہوا ہے جو ان کے بعد والوں نے لکھا ہے۔ امام ابن جریر وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ الرقیم اس پہاڑ کا نام ہے جس میں ان کا غار ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ اس جگہ کی بستی کا نام ہے۔

شعیب جبائی نے کہا ان کے کتے کا نام حمران تھا اور یہود کو ان کے واقعہ کے ساتھ جو اس قدر دلچسپی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زمانہ بہت پہلے کا تھا' اور بعض مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تھے اور مذہباً نصاریٰ تھے اور سیاق وسباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی قوم بُت پرست تھی۔

اکثر مفسرین اور مؤرخین نے یہ کہا ہے کہ ان کے زمانہ کے بادشاہ کا نام دقیانوس تھا اور اصحابِ کہف بڑے لوگوں کے بیٹے تھے۔ ان کی قوم کی عید کے دن ایک اجتماع میں انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم بتوں کی تعظیم اور ان کو سجدے کر رہی ہے' انہوں نے نظرِ بصیرت سے دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے غفلت کے حجاب دُور کر دیئے اور ان کے دلوں میں ہدایت ڈال دی' اور ان کو یہ یقین ہو گیا کہ ان کی قوم کے عقائد باطل ہیں' سو انہوں نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا اور اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت پر کمربستہ ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک جب سے توحید کا معتقد ہوا تھا' وہ باقی لوگوں سے الگ ہو گیا اور یہ تمام نوجوان ایک جگہ پر مجتمع ہو گئے جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ روحیں ایک مجتمع لشکر ہیں جو روحیں اس لشکر میں باہم متعارف تھیں وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے اُلفت رکھتی ہیں' اور جو روحیں وہاں ایک دوسرے سے اجنبی تھیں وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے اجنبی ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۳۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۹۲۲)

پھر ہر نوجوان نے دوسرے نوجوان سے اس کے حالات اور کوائف کے متعلق سوال کیا اور اپنے عقائد سے اس کو خبر دی' پھر ان سب کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ وہ اپنے دین کو بچانے کے لیے اس قوم کے درمیان سے نکل جائیں' اور شر کے ظہور اور فتنہ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حکم ہے۔ ان میں سے بعض نے بعض سے کہا جب تم اپنے دلوں کے ساتھ اپنی قوم کے دین سے الگ ہو چکے ہو تو اپنے جسموں اور بدنوں کو بھی اپنی قوم کے جسموں اور بدنوں سے الگ کر لو۔ قرآن مجید میں ہے انہوں نے کہا:

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ	جب تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے معبودوں سے
فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ	کنارہ کش ہو چکے ہو تو اب تم کسی غار میں پناہ لو' تمہارا رب تم
وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝	پر اپنی رحمت کو کھول دے گا اور تمہارے مشن میں آسانی مہیا کر

دے گاO (الکھف:۱۶)

یعنی وہ تم کو تمہاری قوم سے چھپائے رکھے گا اور تم اس کی حفاظت اور رحمت میں رہو گے اور تمہارا انجام بہ خیر کرے گا۔

اسی طرح حدیث میں یہ دعا ہے:

حضرت بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اے اللہ! ہمارے تمام کاموں کا انجام بہ خیر کر اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے (اپنی) پناہ میں رکھ۔

(المستدرک ج ۳ ص ۵۹۱ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۶۵۶۷' جدید' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۴۹' مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۹۸' ۱۱۹۷' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام احمد اور امام طبرانی کے راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۸)

اللہ تعالیٰ نے اس غار کے متعلق بیان فرمایا ہے اور اس کا دروازہ شمال کی طرف تھا اور اس کا عرض قبلہ کی طرف تھا اور گویا گرمیوں کے زمانہ میں سورج کے طلوع کی پہلی شعاعیں غار کی مغربی جانب سے پڑتی تھیں پھر آہستہ آہستہ وہ شعاعیں غار سے باہر نکلتی تھیں اور جب سورج غروب کی جانب مائل ہوتا تو سورج کی شعاعیں آہستہ آہستہ غار کی مشرقی جانب داخل ہوتیں اور سورج کی شعاعوں کو غار میں داخل کرنے کی حکمت یہ تھی کہ غار کی ہوا خراب نہ ہو۔

اور وہ ایک طویل زمانہ تک اسی کیفیت پر رہے' وہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ ان کا جسم غذا حاصل کرتا تھا اور اتنی مدت تک ان کا کھائے پیئے بغیر رہنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی تھی' دیکھنے والے ان کو بیدار سمجھتے تھے حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے' اور ہر سال وہ ایک جانب سے دوسری جانب کروٹ بدلتے تھے۔ ان کا کتا بھی ان کی چوکھٹ پر ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا' اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا کتا جو قوم سے الگ ہوتے وقت ان کے ساتھ رہا تھا' وہ ان کے ساتھ لگا رہا اور غار کے اندر داخل نہیں ہوا بلکہ ان کی حفاظت کے لیے غار کے منہ پر بیٹھا رہا۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ غار کس جگہ پر ہے' اکثر علماء نے یہ کہا کہ یہ سرزمین ایلہ (بحر شام کے ساحل پر یہود کا ایک شہر) میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ارض نینویٰ (عراق کے مضافات میں کربلا وغیرہ پر مشتمل علاقہ) میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بلقاء (اردن کا وہ علاقہ جو دریائے اردن کے مشرق میں ہے) میں ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ روم کے شہروں میں ہے اور یہی قول حق کے مشابہ ہے۔

ان کے شہر کے لوگ اس غار کی جگہ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو اس غار سے اندھا کر دیا تھا' ان کے معاملہ میں ان کا اختلاف تھا۔ بعض نے کہا اس کے اوپر ایک دیوار بنا دو تا کہ اس سے نہ نکل سکیں یا اس غار میں کوئی ایسی چیز داخل نہ ہو سکے جو ان کو ایذا پہنچائے' اور دوسرے لوگ جو ان پر حاوی تھے انہوں نے کہا کہ ہم ضرور ان کے اوپر ایک مسجد بنائیں گے یعنی ایک عبادت گاہ۔ ان نیک لوگوں کے جوار اور پڑوس کی وجہ سے برکت نازل ہوگی اور ہم سے پہلی شریعت میں یہ امر متعارف تھا لیکن ہماری شریعت میں یہ ممنوع ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض الموت طاری ہوا تو آپ کے چہرے پر چادر ڈال دی گئی جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے چہرے سے چادر اُٹھا کر فرمایا:

یہود اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا' آپ ان کے کاموں سے مسلمانوں کو ڈراتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۵۴' ۴۴۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۷' مسند احمد

رقم الحدیث: ۲۶۴۱۳ ' دار الفکر)

اکثر مفسرین نے کہا اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو اس چیز کی نشانی بنایا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے کیونکہ جب لوگوں کو یہ یقین ہو گیا کہ اصحاب کہف تین سو سال سے زیادہ تک سوتے رہے پھر بغیر کسی تغیر اور تبدل کے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے سو جو ذات اس پر قادر ہے کہ اصحاب کہف کو تین سو سال سلا کر پھر ان کو اسی طرح اُٹھا دے' وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کر دے خواہ ان کے جسموں کو کیڑے کھا چکے ہوں۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۱-۱۸ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رومیوں کے خلاف جہاد کیا تو وہ ایک غار کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے کہا ہم اس غار کا منہ کھول کر ان لوگوں کو دیکھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا آپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے آپ سے بہتر شخص کو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیکھنے سے منع فرمایا تھا: اگر آپ انہیں جھانک کر دیکھنا چاہتے تو آپ ضرور اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور ان کے رعب سے آپ پر دہشت چھا جاتی۔ (الکہف: ۱۸) حضرت معاویہ نے حضرت ابن عباس کی بات نہیں سنی اور کچھ لوگوں کو غار میں بھیجا جیسے ہی وہ لوگ غار میں داخل ہوئے' ایک سخت ہوا آئی اور اس نے ان کو جلا ڈالا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس طرح ہم نے ان کو سلا دیا تھا' اسی طرح ہم نے ان کو اُٹھایا تاکہ ان کی بصیرت زیادہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ برحق ہے' کیونکہ جس نے ان پر تین سو سال تک نیند طاری کی پھر ان کو اُٹھا دیا وہ اس پر قادر ہے کہ وہ لوگوں کی روح قبض کرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر دے۔ بعض لوگوں نے کہا ہم اس غار کے اوپر رہائشی مکان بنا دیں اور اس جگہ ایک شہر بسا دیں اور بعض لوگ جو زیادہ غالب تھے انہوں نے کہا ہم اس غار کے اوپر ایک مسجد بنائیں گے۔ (تفسیر البیضاوی علی ہامش الخفاجی ج ۶ ص ۱۵۲-۱۴۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں:

غار کے اوپر مسجد بنانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ صالحین کی قبروں کے اوپر مسجد بنانا جائز ہے جیسا کہ اس کی طرف کشاف میں اشارہ ہے اور اس عمارت میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۱۵۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

لغت میں اصحاب کہف کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

ملک روم میں جزیرہ افسوس کے شہر افسوس کے رہنے والے چھ یا سات باایمان نوجوان جو مذہباً نصرانی تھے' ۲۴۸ تا ۲۶۱ء میں اپنے زمانہ کے کافر و ظالم "دقیانوس" نام کے بادشاہ کے خوف سے ایک غار میں جا چھپے تھے۔ کہا گیا ہے کہ ان کا کتا بھی ساتھ تھا' وہ سب قدرتِ الٰہی سے اسی غار میں زمانہ دراز تک سوتے رہے اور سو رہے ہیں۔ (اردو لغت ج ۱ ص ۵۳۷' مطبوعہ کراچی ۱۹۷۷ء)

الرقیم کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

اصحابِ کہف (جن کے ناموں کا اس غار پر جس میں وہ سو گئے تھے' بادشاہ وقت نے کتبہ لکھ کر لگا دیا تھا) ان ہی لوگوں کا لقب اصحاب الرقیم بھی ہو گیا ہے۔ (اردو لغت ج ۱ ص ۵۳۷' مطبوعہ کراچی ۱۹۷۷ء)

اصحاب کہف کے متعلق ہمارے قدیم اور جدید مفسرین اور مؤرخین نے بہت تفصیل سے لکھا ہے' ان کے علاوہ غیر مسلم محققین اور مستشرقین نے بھی اس موضوع پر خاصی طبع آزمائی کی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں بھی اس پر کافی مواد ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس مواد سے کافی استفادہ کیا ہے لیکن حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۴۱۹ھ نے اس مواد کو بہت جامعیت کے ساتھ اور مربوط انداز میں پیش کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ کے باعث یہودی علماء و امراء ان کے خون کے پیاسے ہوگئے اور انہیں ہر طرح کی اذیتیں دینے لگے یہاں تک کہ آپ پر دین کی تحریف کا سنگین الزام لگا کر علاقہ کے رومی گورنر پیلاطس کے پاس دعویٰ دائر کیا اور اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے انہیں تختہ دار پر نہ چڑھایا تو وہ بغاوت کر دیں گے۔ چند حواریوں کے علاوہ ملک کی پوری آبادی یہود کی ہمنوا تھی اور وہ اس لمحہ کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہی تھی جب آپ کو صلیب پر لٹکا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی خود حفاظت فرمائی اور آسمان کی طرف اُٹھا کر ان نابکاروں کے ہتھکنڈوں سے آپ کو بچالیا۔

ان حالات میں دین مسیحی کے پھیلنے کا کوئی امکان نہ تھا لیکن اپنے ان چند حواریوں کے دل میں حق کا جو چراغ حضرت مسیح روشن کر گئے تھے' وہ مصائب کی ان تند آندھیوں میں بھی نہ بجھ سکا۔ ان کی پُر جوش تبلیغ سے لوگ آہستہ آہستہ عیسائیت قبول کرنے لگے اور علاقہ بھر میں ان کے حلقے قائم ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کی توحید' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور قیامت پر یقین رکھتے تھے اگرچہ ملک کی اکثریت اپنے رومی حکمرانوں کی طرح بُت پرست تھی۔

لیکن ۲۴۸ء کے اواخر میں جب دقیانوس (جسے رومی زبان میں ڈیسیس "DECIUS" کہتے ہیں) روما کے تخت پر متمکن ہوا تو ہوا کا رُخ پھر بدل گیا۔ اس نے ایک قانون کے ذریعہ مسیحی دین پر پھر پابندی لگا دی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے خیال کے مطابق یہ پہلا رومی فرمانروا تھا جس نے مسیحیت کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکنے کا جامع منصوبہ بنایا اور اپنی ساری قلمرو میں عیسائیوں کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۷ ص ۱۲۰)

ایشیاء کوچک اس وقت رومن ایمپائر کے زیر نگین تھا' وہاں کے مختلف شہروں میں بھی عیسائی آبادیاں تھیں۔ دقیانوس کی اس دارو گیر کی زد ان پر بھی پڑی۔ انہیں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اگر زندگی کی ضرورت ہے تو عیسائیت چھوڑ دو۔ اور جن بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی ہم پوجا کرتے ہیں' ان کی پوجا کرو۔ ڈیسیس جب ملکی دورہ پر روانہ ہوتا تو وہ اس مقصد کو تمام دوسرے امورِ مملکت پر ترجیح دیتا۔ ایک دفعہ اس کا گزر ایشیاء کوچک کی بستی افیسس (EPHESUS) پر ہوا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آرٹیمس یا ڈائنا دیوی کا مندر تھا جس کی بڑی دھوم دھام سے پوجا ہوتی تھی اور اس مندر کی وجہ سے اس شہر کو ملک بھر میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ یہاں جب دقیانوس نے عیسائیوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی تو چند نوجوان اپنی دولتِ ایمان بچانے کے لیے وہاں سے چل نکلے۔ قریب ہی ایک پہاڑ تھا جس میں ایک وسیع غار تھا۔ اس میں جا چھپے اور بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا کر التجائیں کرنے لگے کہ وہ انہیں اس ظالم اور سنگدل بادشاہ کے شر سے بچائے اور ان کو نعمت ایمان سے محروم نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی آزمائش میں ان کا قدم لڑکھڑا جائے اور دامنِ حق ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریادسنی اور ان پر نیند مسلط کر دی گئی۔ اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا اس لیے اس میں دھوپ تو داخل نہ ہوتی لیکن ہوا اور روشنی کا گزر اچھی طرح سے تھا۔ اس لیے یہاں ان کے جسم اس طویل نیند کے باوجود محفوظ تھے۔ قدرت مناسب وقفہ کے بعد ان کے پہلو بھی بدل دیتی جیسے نیند کی حالت میں ہم سوئے سوئے پہلو بدل لیا کرتے ہیں' اسی طرح کا احساس ان میں بھی یقیناً ہوگا۔ دُور سے دیکھنے والے انہیں بیدار خیال کرتے حالانکہ وہ محوِ خواب تھے۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہو لیا تھا۔ انہوں نے اسے بھگانے کے لیے بڑے جتن کیے لیکن اس نے ساتھ نہ چھوڑا۔ جب وہ غار میں جا کر آسودۂ خواب ہو گئے تو وہ بھی پاسبانی کی خاطر غار کے دہانے پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ رہا۔

اس طرح ایک سو ستاسی برس کا عرصہ گزر گیا۔ ڈیسس کیفرِ کردار کو پہنچا' مختلف بادشاہ آئے اور اپنی چند روزہ شاہی کا ڈنکا بجا کر چل دیئے۔ پرانے شہر اُجڑے' نئی بستیاں آباد ہوئیں۔ افیسس کے شہر میں بھی اس دو سو سال کے زمانہ میں کیا شکست و ریخت نہ ہوئی ہوگی۔ جب حکمتِ الٰہی نے چاہا تو ان سونے والوں کو بیدار کر دیا' وہ آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھے۔ خیال انہیں بھی گزرا کہ وہ آج معمول سے کچھ زیادہ ہی سوئے ہیں لیکن یہ بات ان کے سان وگمان میں بھی نہ تھی کہ ان کو یہاں بے سدھ پڑے دو صدیاں بیت گئی ہیں اس لیے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں۔

ان کی آنکھیں کیا کھلیں کہ بشری تقاضے بھی بیدار ہو گئے۔ انہیں بھوک نے ستانا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو جس کا نام یملیخاہ بتایا جاتا ہے' بستی کی طرف بھیجا کہ ان کے لیے کھانا خرید لائے۔ جب وہ غار سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہوا تو وادی وکوہسار وہی تھے لیکن ماحول میں اجنبیت کے آثار قدم قدم پر حیران کر رہے تھے۔ شہر میں گئے تو درو دیوار' گلی کوچے زبانِ حال سے کچھ اور ہی داستان سنا رہے تھے۔ یملیخاہ سوچ رہے تھے کہ بارِ خدا! ایک آٹھ پہر میں یہ کیا انقلاب آ گیا' کل جب چھوڑ کر گئے تو اس شہر کا کیا حال تھا اور آج کیا ہے۔ ایک نانبائی کی دُکان پر گئے اور اسے کھانا دینے کے لیے کہا' اس نے کھانا دیا۔ انہوں نے وہی پرانا سکہ جو یہاں سے جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے تھے' اس کی طرف بڑھا دیا۔ دُکاندار اس سکہ کو دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا۔ معاملہ نے طول پکڑا' اردگرد کے دُکاندار بھی اکٹھے ہو گئے۔ یملیخاہ پر الزام لگایا گیا کہ اسے کوئی پرانا شاہی خزانہ ہاتھ آیا' معاملہ حاکم شہر تک پہنچا۔ یہاں آکر حقیقتِ حال سے پردہ اُٹھا۔ انہیں پتا چلا کہ یہ ان نوجوانوں میں سے ایک ہے جو ڈیسیس کے مظالم سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سب ان کی جھلک دیکھنے کے لیے غار تک گئے' وہاں دوسرے ساتھی یملیخاہ کا انتظار کرتے کرتے اُکتا گئے اور ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے تھے جب انہوں نے ایک جم غفیر غار کی طرف آتے دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان کا ساتھی پکڑا گیا ہے اور اس کے بتلانے پر یہ ہجوم انہیں گرفتار کرنے کے لیے دوڑا چلا آ رہا ہے۔ جب لوگ حاکم شہر کی قیادت میں وہاں پہنچے تب اصحابِ کہف کو معلوم ہوا کہ انہیں یہاں ٹھہرے صدیاں گزر چکی ہیں اور اب حالات کا رُخ بدل گیا ہے اور عیسائیت کا ہر طرف چرچا ہے۔ صرف رعایا ہی نہیں بلکہ حکومت بھی اس دین کو قبول کر چکی ہے۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ۴۳۷ء میں پیش آیا جبکہ روما کے تخت پر تھیوڈوسیس (DHEOSIUS) متمکن تھا۔

مفسرین کرام اور مؤرخین نے اصحابِ کہف کی جگہ' زمانہ اور ان کے مخصوص حالات کے متعلق متعدد اقوال نقل کیے۔ بعض اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے کا زمانہ بتاتے ہیں' بعض نے کہا ہے کہ یہ کہف خلیج عقبہ کے نواحی پہاڑوں میں واقع ہے۔ بعض نے شام کے کسی مقام کا تعین کیا ہے' اور علامہ ابنِ حیان اندلسی صاحب البحر المحیط نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ سارا واقعہ اندلس کے ملک میں ہوا۔ وہ لکھتے ہیں کہ غرناطہ کے قریب ایک قصبہ ہے جسے "لوشہ" کہتے ہیں۔ اس میں ایک غار ہے جہاں کئی مردوں کے ڈھانچے ہیں اور باہر ایک کتے کا ڈھانچہ بھی ہے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ وہ ۵۰۴ھ سے انہیں اسی حالت میں دیکھ رہے ہیں۔ وہاں ایک مسجد بھی ہے اور ایک رومی طرز کی پرانی عمارت بھی ہے جسے "الرقیم" کہا جاتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کسی قدیم قصر کے کھنڈرات ہیں اور غرناطہ سے قبلہ کی جانب ایک پرانے شہر کے آثار بھی پائے جاتے ہیں جس کا نام مدینہ دقیوس بتایا جاتا ہے۔ ابن عطیہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد علامہ ابنِ حیان لکھتے ہیں کہ جب ہم اندلس میں تھے تو لوگ اس غار کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ (البحر المحیط)

کئی دیگر مقامات میں غاروں میں اس قسم کے ڈھانچے دکھائی دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اہلِ حق پر جب بھی جبر و تشدد کا

بازار گرم ہوا ہو تو ان میں سے چند لوگوں نے قریبی پہاڑوں کی غاروں میں پناہ لی ہو اور ان کے ڈھانچے اسی طرح محفوظ ہوں اور اسپین کے جس غار کا ذکر علامہ ابن حیان نے کیا ہے' وہ بھی اسی طرح کا ایک غار ہو۔

لیکن میں نے جو تفصیل لکھی ہے مجھے وہی حقیقت سے زیادہ قریب معلوم ہوئی ہے کیونکہ ہمارے مفسرین نے اسے یوں ہی بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک مشہور انگریز مؤرخ ایڈورڈ گبن (EDWARD GIBBON) نے بھی اپنی معروف تاریخ کی کتاب "THE DECLINE AND FALL OF ROMAN EMPIRE" کی تیسری جلد صفحہ ۳۴۰ تا ۳۴۳ میں "سات سونے والوں" کے احوال لکھے ہیں جو بالکل اس واقعہ سے مطابقت رکھتے ہیں حتیٰ کہ عربی مصادر میں جو نام ہیں' تقریباً وہی نام اس نے بھی درج کیے ہیں۔ مؤرخ مذکور نے اس کے حاشیہ میں اس واقعہ کا ماخذ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے یہ واقعہ شام کے مشہور بشپ جیمس سروج (JAMES OF SARUJ) کے مجموعہ مواعظ جو ۲۳۰ مواعظ پر مشتمل ہے' کے ایک وعظ سے لیا ہے۔ یہ بشپ ۴۵۲ میں پیدا ہوا اور ۴۷۴ء میں اس نے یہ مواعظ لکھے۔ اسے ۵۱۰ میں بشپ مقرر کیا گیا اور ۵۲۱ء میں اس نے وفات پائی۔ اور چھٹی صدی کے اختتام سے پہلے شامی زبان سے اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہو گیا تھا۔ تاریخی لحاظ سے یہ کتاب اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے اقرب ترین زمانہ کی تحریر ہے' اس لیے اس میں حقیقت کی زیادہ سے زیادہ جھلک دکھائی دے سکتی ہے' یہ مواعظ کیونکہ تقریباً پچاس برس بعد لکھے گئے اس لئے ان کی ساری تفصیلات کو جوں کا توں تسلیم کر لینا قطعاً قرینِ دانش نہیں۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مجموعہ کے بیان کردہ حالات دوسری روایات سے کہیں زیادہ صحیح صورتحال کے ترجمان ہو سکتے ہیں۔

قرآن کریم نے اصحاب کہف کے واقعہ کا وہ پہلو ذکر کیا جو ہمارے لیے ہدایت کا درس رکھتا ہے' باقی اس کے زمان و مکان وغیرہ تفصیلات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ ہر واقعہ کے بیان میں قرآن کریم کا اسلوب یہی ہے اور یہی ایک ایسی خصوصیت ہے جو قرآن حکیم کو تاریخ کی کتب سے ممتاز کرتی ہے۔ قرآن میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان سے مقصود داستان سرائی نہیں بلکہ عبرت آموزی اور بصیرت افروزی ہے۔ صحیح احادیث میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات مذکور نہیں۔ غالباً ہمارے مؤرخین نے علماء اہل کتاب سے جو کچھ سنا وہ لکھ دیا۔ کیونکہ گزشتہ واقعات کے متعلق انہیں علماء کے بیانات سند تصور کیے جا سکتے تھے اور اہل کتاب کے ان علماء کے پاس واقعہ کے متعلق پہلی تحریری دستاویز بشپ جیمس کے یہی مواعظ ہیں' اس لیے یہ خیال کرنے میں کوئی قباحت نہیں کہ واقعہ کی یہ تفصیلات حقیقت سے زیادہ قریب ہیں۔

یہاں ایک چیز ضرور قابلِ غور ہے۔ گبن نے بڑی گستاخی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ اپنے شام کے تجارتی سفروں کے اثناء میں علماء اہل کتاب سے سنا اور اسے وحی الٰہی کہہ کر قرآن میں درج کر دیا۔ کیونکہ قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات جیمس کے مواعظ میں لکھی ہوئی تفصیلات سے کلی مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس لیے اس گستاخ اور منہ پھٹ مؤرخ نے سپہرِ علم و حکمت کے نیر اعظم پر بے علمی اور جہالت کا الزام لگایا۔ اس طرح اس نے نہ صرف حقیقت کا منہ چڑایا ہے بلکہ مؤرخ کے بلند مقام کو بھی تعصب کی غلاظت سے آلودہ کر دیا ہے۔ جب وہ خود مانتا ہے کہ یہ مجموعہ ۴۷۴ء میں لکھا گیا اور اسی کے قول کے مطابق یہ واقعہ ۴۲۷ء میں پیش آیا۔ ذرا انصاف فرمائیے' ان پچاس سالوں میں اس میں کیا کچھ ردوبدل نہ ہو گیا ہو گا' کتنی ایسی چیزیں نظر انداز کر دی گئی ہوں گی جو انسان کے جذبۂ عجوبہ پرستی کی تسکین کا باعث نہیں بنتیں اور کئی باتیں بڑھا دی گئی ہوں گی تاکہ اس واقعہ کو نمک مرچ لگا کر پیش کیا جا سکے۔ اس لیے جیمس کی تفصیلات کا سو فیصدی صحیح ہونا قطعاً یقینی نہیں۔ جب اس کی صحت قطعی نہیں تو قرآن کی صداقت کا انحصار ان مواعظ سے مطابقت پر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی قرآن

کو کسی کمن کے قول کی سند کی ضرورت ہے۔ (ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۵۔ ۱۲ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۳۹۹ھ)

یہاں تک ہم نے قدیم اور جدید مفسرین کے حوالوں سے اصحاب کہف کا تعارف پیش کیا تھا' اب ہم اصحاب کہف سے متعلقہ آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق۔

اصحابِ کہف سے متعلق آیات الکھف: ۹ سے شروع ہوئی ہیں۔ آیت ۹ کی تفسیر ہم اصحابِ کہف کی سوانح سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ آیت ۱۰ میں فرمایا ہے: اور جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو انہوں نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے مشن میں کامیابی کے اسباب مہیا فرما دے۔ (الکھف: ۱۰)

اصحابِ کہف کی دعا کی تشریح

اس دعا کا معنی یہ ہے کہ تو اپنی رحمت کے خزانوں میں سے اور اپنے فضل اور احسان کی نعمتوں میں سے ہمیں حظِ وافر عطا فرما۔ یعنی ہمیں اپنی طرف ہدایت پر مستقیم رکھ' ہمیں دشمنوں سے مامون اور محفوظ رکھ' اور راہِ حق کی صعوبتوں میں ہم کو صبر عطا فرما' اور ہم کو رزق وافر عطا فرما اور ہم کو ایسے اسباب عطا فرما جن کی وجہ سے ہمارا ہدایت پر قائم رہنا آسان ہو جائے۔

لوگوں کے شر اور فساد سے بچنے کے لیے جنگلوں اور غاروں میں رہنے کا جواز

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ جب آبادی میں رہتے ہوئے دین کے احکام پر عمل کرنا دشوار ہو جائے تو اپنے دین کو بچانے کے لیے اپنے اہل و عیال' اپنے رشتہ داروں' اپنے دوستوں اور اپنے مال و دولت اور اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی محفوظ علاقے یا جنگلوں اور غاروں کی طرف نکل جانا جائز ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کو بچانے کے لیے ہجرت کی اور غار میں بیٹھے۔ سورۃ التوبہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اسی طرح آپ کے اصحاب نے اپنے ملک اور اپنے وطن' اپنے اہل و عیال' اپنے بھائیوں' اپنے رشتہ داروں اور اپنے دوستوں کو دین کی سلامتی اور دشمنانِ اسلام سے نجات کی خاطر چھوڑ دیا' اور ظالموں سے نجات حاصل کرنے کے لیے محفوظ علاقے کی طرف نکل جانا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور اولیاء کرام کا طریقہ ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزلت نشینی کی فضیلت بیان کی ہے' اور جب فتنہ اور فساد کا غلبہ ہو تو علماء کرام نے بھی عزلت نشینی کی ترغیب دی ہے اور اس آیت میں اس کی تصریح ہے کیونکہ جب اصحابِ کہف کو بت پرستوں اور بے دینوں کے شر اور فساد سے خطرہ ہوا تو انہوں نے غار کی طرف پناہ لی۔ فاوا الی الکھف۔

علماء نے کہا ہے کہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنا' کبھی پہاڑوں اور گھاٹیوں میں ہوتا ہے' کبھی ساحلوں میں ہوتا ہے اور کبھی گھروں میں ہوتا ہے۔ بعض احادیث میں ہے جب فتنہ ہو تو اپنی جگہ کو مخفی رکھو اور اپنی زبان کو بند رکھو' اور فتنہ سے نکلنے کے لیے کسی خاص جگہ کی تعیین نہیں کی اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب مسلمان کا سب سے بہترین مال اس کی بکریاں ہوں گی' وہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے ان بکریوں کو لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں میں چلا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۰' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۰۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۹۵۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۴۶' عالم الکتب)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تمہارا

رب عزوجل اس بکریوں کے چرانے والے سے خوش ہوتا ہے جو پہاڑ کے کسی حصہ میں اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ پس اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے اس بندے کی طرف دیکھو یہ اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور مجھ سے ڈرتا ہے۔ میں نے اپنے اس بندے کو بخش دیا اور اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۰۳ سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۶۵)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

متقدمین اور سلف صالحین کی ایک جماعت فتنہ کے زمانہ میں اپنے وطنوں کو چھوڑ کر چلی گئی' مبادا ان کو بھی فتنہ کا اثر پہنچ جائے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فتنہ میں مبتلا ہوئے تو حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ ربذہ (فید اور مکہ کی راہ پر ایک گاؤں جہاں حضرت ابوذر غفاری مدفون ہیں) چلے گئے۔

فتنہ کے ایام میں عزلت نشینی کی فضیلت ہے سوا اس شخص کے جو فتنہ کے ازالہ پر قادر ہو' اگر اس کے علاوہ اور کوئی شخص فتنہ کے ازالہ پر قادر نہ ہو تو اس پر آبادی میں رہ کر فتنہ کو زائل کرنا فرض عین ہے ورنہ فرضِ کفایہ ہے۔ اور جب فتنہ نہ ہو تو پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے آیا شہر میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے یا آبادی کو چھوڑ کر کسی جنگل میں چلے جانا افضل ہے۔

امام شافعی اور دیگر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ آبادی میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے کیونکہ اس صورت میں انسان جمعہ' عید اور دیگر شعائرِ اسلام میں شامل ہوتا ہے' اور مسلمانوں کی جمعیت میں اضافہ کا سبب ہوتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر نیک کاموں میں حصہ لیتا ہے' بیماروں کی تیمارداری اور عیادت کرتا ہے' نمازِ جنازہ میں شریک ہوتا ہے' مسلمانوں کو سلام کرتا ہے' ان کے سلام کا جواب دیتا ہے' نیکی کا حکم دیتا ہے' برائی سے روکتا ہے' تقویٰ اور ثواب کے انفرادی اور اجتماعی کاموں میں مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرتا ہے' ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہے' جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے' اگر وہ عالم دین ہے تو وہ اپنے علم سے مسلمانوں کو نفع پہنچاتا ہے' ان تمام وجوہات سے جب فتنہ کا زمانہ نہ ہو تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جب فتنہ کا زمانہ نہ ہو پھر بھی گوشۂ تنہائی میں رہنا اور عزلت نشینی افضل ہے کیونکہ اس میں سلامت روی یقینی ہے' بشرطیکہ اس کو عبادات کا اور ان احکام کا علم ہو جو شرعاً اس پر لاگو ہوتے ہیں' لیکن مختار قول یہ ہے کہ اگر آبادی میں رہنے سے اس کو یہ خطرہ نہ ہو کہ وہ کسی گناہ میں ملوث ہو جائے گا تو پھر اس کے لیے آبادی میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہمارے زمانہ میں میرا اختیار یہ ہے کہ عزلت نشینی افضل ہے کیونکہ اب لوگوں کی مجلسوں اور محفلوں کا معاصی سے خالی ہونا بہت نادر ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ میں بھی علامہ کرمانی کے موافق ہوں کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں انواع واقسام کے معاصی سے بچنا بہت مشکل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۶۳' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

عزلت نشینی کے بجائے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی فضیلت

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ عزلت نشینی شر اور اصحابِ شر سے واجب ہے نہ کہ پوری آبادی سے۔ انسان آبادی میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے اور جو لوگ بدکار ہیں ان سے اپنے دل اور اپنے عمل کے ساتھ الگ رہے۔ عبداللہ بن المبارک نے عزلت کی تفسیر میں کہا تم لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہو اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں تو تم بھی ان کا ساتھ دو اور جب وہ کسی برائی میں مشغول ہوں تو ان کا ساتھ چھوڑ دو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شیخ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان جب لوگوں سے مل جل

کر رہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے تو وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی ایذاؤں پر صبر نہیں کرتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۷، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۳۲، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۶۵)۔
(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۸۹، شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۱۰۲، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۵۸۵، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۷۰)

اس حدیث میں اس شخص کی فضیلت ہے جو لوگوں کی آبادی میں ان کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے، ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور ان کو برائی سے روکتا ہے اور ان کے ساتھ خوش اسلوبی کے ساتھ تعلقات رکھتا ہے، یہ اس شخص سے افضل ہے جو لوگوں کے ساتھ آبادی میں نہیں رہتا اور مل جل کر رہنے کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں اور جو مصائب آتے ہیں، اس کو ان پر صبر کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! نجات کس میں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی زبان اور آنکھوں پر قابو رکھو، اپنے گھر میں بیٹھو اور اپنے گناہوں پر روؤ۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۶، مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۹)

عزلت نشینی اور تمدنی زندگی میں درمیانی کیفیت

میں کہتا ہوں کہ اس باب میں لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں، بعض لوگوں کو اس پر قوت ہوتی ہے کہ وہ جنگلوں، پہاڑوں اور غاروں میں رہ سکیں، اور یہ سب سے افضل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کی نبوت کی ابتداء میں پسند کیا تھا اور اس آیت میں بھی اصحاب کہف کے لیے غار میں پناہ لینے کا ذکر فرمایا ہے، اور بعض اوقات انسان کے لیے اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو جانا زیادہ سہل اور آسان ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بہت سے اصحاب بدر اپنے گھروں سے نہیں نکلے اور ان کے گھروں سے ان کا جنازہ ہی اٹھا۔

اور بعض لوگوں کی متوسط حالت ہوتی ہے۔ وہ بہ ظاہر لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں اور دل سے ان کے مخالف ہوتے ہیں، ابن المبارک نے بیان کیا کہ وہیب بن ورد کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میرے دل میں یہ خیال آیا ہے کہ میں لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دوں۔ انہوں نے کہا ایسا نہ کرو، کیونکہ تمہیں لوگوں کی ضرورت ہے اور لوگوں کو تمہاری ضرورت ہے لیکن تم ان کے درمیان اس طرح رہو جیسے تم سننے والے بہرے ہو اور دیکھنے والے اندھے اور بولنے والے گونگے ہو، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں لوگ زیادہ آتے جاتے نہ ہوں، وہ بھی غاروں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں کے حکم میں ہے۔ مثلاً انسان مساجد میں اعتکاف کے لیے بیٹھے، یا کسی ویران ساحل سمندر پر چلا جائے اور وہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا اپنے گھر میں گوشہ تنہائی میں بیٹھ جائے اور لوگوں کے شر اور فساد سے مجتنب رہے۔ اور احادیث میں جو پہاڑوں، گھاٹیوں اور بکریوں کے چرانے کی جگہوں کا ذکر آیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عام اور اغلب طور پر لوگوں کے شور و شغب اور شر اور فساد سے بچنے کی یہی جگہیں ہوتی ہیں۔ سو ہر وہ جگہ جہاں لوگوں کا زیادہ آنا جانا نہ ہو، وہ پہاڑوں اور غاروں ہی کے حکم میں ہے اور اللہ ہی نیکی کی توفیق دینے والا ہے اور برائی سے بچانے والا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

نیند کا کانوں کے ساتھ تعلق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے سالوں تک نیند مسلط کر دی۔

(الکھف: ۱۱)

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے ان کو سلا دیا' یعنی ہم نے ان کے کانوں پر ایسے حجاب طاری کر دیئے جس کی وجہ سے ان کے کانوں تک کوئی آواز پہنچ نہیں سکتی تھی۔ جب انسان سوتا ہے تو سب سے پہلے اس کے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں پھر وہ آنکھیں بند کر لیتا ہے اور جب اس کے کانوں میں کسی قسم کی آواز نہیں آتی تو یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اس پر نیند مسلط ہوتی ہے اور انسان کی جب نیند منقطع ہوتی ہے تو اس کے کانوں میں کسی آواز کے پہنچنے سے منقطع ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نیند کے ساتھ کانوں کا تعلق ظاہر فرمایا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا اور آپ کو بتایا گیا کہ وہ شخص صبح تک سوتا رہتا ہے اور نماز (فجر) کے لیے نہیں اُٹھتا۔ آپ نے فرمایا کہ شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١١٤٤' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٧٧٤' سنن النسائی رقم الحدیث: ١٦٠٧' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٣٣٠)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سالوں تک نیند مسلط کر دی اور جمع کا صیغہ وارد کیا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ بہت سالوں تک ان پر نیند مسلط فرمائی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عدد کو مبہم رکھا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ہم نے ان کو اُٹھایا تا کہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے۔ (الکھف: ١٢)

لنعلم کے چند تراجم اور ان پر اشکال

اس آیت کے الفاظ یہ ہیں: ثم بعثنھم لنعلم ای الحزبین احصی لما لبثوا امدا○

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: پھر ہم نے ان کو اُٹھایا تا کہ ہم جان لیں کہ ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے○ لیکن اس ترجمہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان کو اُٹھانے سے پہلے اللہ کو علم نہیں تھا کہ دو جماعتوں میں سے کس کو ان کے ٹھہرنے کی مدت زیادہ یاد تھی اور یہ اللہ تعالیٰ کے علام الغیوب ہونے کے خلاف ہے۔ اس لیے یہاں پر علم بہ معنی علم ظہور ہے' یعنی اللہ تو ازل سے اس چیز کا عالم تھا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے اس علم کو لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے کون سی جماعت کو ان کے ٹھہرنے کی مدت کا زیادہ علم ہے۔

اب ہم چند مترجمین سے اس آیت کا ترجمہ نقل کر رہے ہیں:

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ١٣٣٩ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پھر ہم نے ان کو اُٹھایا کہ معلوم کریں دو فریقوں میں کس نے یاد رکھی ہے جتنی مدت وہ رہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ١٣٦٤ھ لکھتے ہیں:

پھر ہم نے ان کو اُٹھایا تا کہ ہم معلوم کر لیں کہ ان دونوں گروہ میں کون سا گروہ ان کے رہنے کی مدت سے زیادہ واقف تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ١٣٤٠ھ لکھتے ہیں:

پھر ہم نے انہیں جگایا کہ دیکھیں کہ دونوں گروہوں میں کون ان کے ٹھہرنے کی مدت زیادہ ٹھیک بتاتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٩ھ لکھتے ہیں:

پھر ہم نے انہیں اُٹھایا تا کہ دیکھیں ان کے دو گروہوں میں سے کون اپنی مدت قیام کا ٹھیک شمار کرتا ہے۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ١٤١٩ھ لکھتے ہیں:

پھر ہم نے انہیں بیدار کر دیا تا کہ ہم دیکھیں کہ ان دو گروہوں میں سے کون صحیح شمار کر سکتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں:

پھر ہم نے انہیں اُٹھا دیا کہ دیکھیں دونوں گروہوں میں سے کون اس (مدت) کو صحیح شمار کرنے والا ہے۔

اللہ کے علم کے حادث ہونے کا اشکال اور اس کے جوابات

ان تمام حضرت مترجمین نے لنعلم کا تقریباً لفظی ترجمہ کیا ہے "تا کہ معلوم کریں یا تا کہ دیکھیں" جس سے بہرحال یہ اشکال ہوتا ہے کہ ان کو اُٹھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا کہ دو جماعتوں میں سے کس کو ان کے ٹھہرنے کی مدت زیادہ یاد تھی۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ علم بہ معنی انکشاف بھی ہے اور علم بہ معنی اظہار بھی ہے اور یہاں پر علم بہ معنی اظہار ہے' اللہ تعالیٰ کو خود تو علم تھا ہی لیکن وہ دوسروں پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ ان میں سے کس کو ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت زیادہ یاد تھی' اس لیے ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

پھر ہم نے ان کو اُٹھایا تا کہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی التوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

بہ ظاہر لنعلم کے لفظ کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو اس لیے اُٹھایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم حاصل ہو جائے' اور اس وقت یہ مسئلہ اُٹھ کھڑا ہو گا کہ آیا حوادث کے وقوع سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ان کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ ہشام نے کہا اللہ تعالیٰ کو حوادث کا اسی وقت علم ہوتا ہے جب وہ حادث ہوتے ہیں اور اس نے آیت سے استدلال کیا ہے۔ قرآن مجید میں اس آیت کی نظائر بہت ہیں:

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ (البقرہ: ۱۴۳)

تا کہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور اس کو اس سے ممتاز کر دیں جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے۔

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۴۲)

حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو (دوسروں سے) ممتاز نہیں کیا۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ○ (الکہف: ۷)

روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو اس زمین کی زینت بنا دیا ہے تا کہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان میں کون سب سے اچھے کام کرنے والا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۴۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ اس اشکال کو دُور کرنے کے لیے لکھتے ہیں:

لنعلم کا معنی یہ ہے کہ وہ چیز وجود اور مشاہدہ میں آ جائے' یعنی ہم اس چیز کو بحیثیت موجود بالفعل جان لیں ورنہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے یہ علم تھا کہ دو جماعتوں میں سے کون سی جماعت کو ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت زیادہ یاد ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۲۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

تا کہ ہمارے علم کا تعلق اس کے حال کے مطابق ہو جائے جیسا کہ پہلے ہمارے علم کا تعلق اس کے استقبال کے مطابق تھا۔

(تفسیر البیضاوی علی حاشیۃ الخفاجی ج ۶ ص ۱۳۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

بہ ظاہر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے اور ان کے بیدار ہونے پر مترتب ہے۔ قاضی بیضاوی نے اس اشکال کو اس طرح دور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم سرمدی ہے اس پر تغیر اور زوال جائز نہیں ہے۔ تغیر صرف معلومات میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو ازل میں اس کا علم تھا کہ کب وقت یہ چیز حادث ہوگی اور باقی رہے گی اور جب بھی اس چیز کا ایک حال دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے حدوث کے وقت اس کے حال کا علم ہوتا ہے پس تجدد اور تغیر علم کے تعلقات میں ہے نہ کہ نفس علم میں۔ ہشام نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حوادث کے وقوع سے پہلے ان کا علم نہیں ہوتا اس کو صرف ان حوادث کے وقت ان کا علم ہوتا ہے۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۵ ص ۴۵۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

اور قاضی شہاب الدین احمد بن محمد حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ قاضی بیضاوی کی عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث نہیں ہے بلکہ جب وہ چیز حادث ہوتی ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق حادث ہوتا ہے اور وہ ہے اس چیز کا بالفعل علم کہ کس جماعت کو ان کی مدت زیادہ یاد ہے اور اس کے علم کا دوسرا تعلق قدیم ہے اور وہ یہ ہے کہ عنقریب ایک جماعت کو یہ زیادہ یاد ہوگا اس طرح اس کے علم کے دو تعلق دائمی ہیں ایک کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہے اور دوسرے کا تعلق حال کے ساتھ ہے۔ (عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی ج ۶ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

ہم نے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق البقرہ: ۱۴۳ میں کی ہے۔ دیکھئے تبیان القرآن ج ۱ ص ۶۰۴۔ ۶۰۳

دو جماعتوں کا مصداق

اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ دو جماعتیں کون سی تھیں۔ علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک جماعت وہ بادشاہ ہیں جو یکے بعد دیگرے مسند اقتدار پر آتے رہے اور دوسری جماعت سے مراد اصحاب کہف ہیں اور مجاہد نے یہ کہا ہے کہ جب اصحاب کہف بیدار ہوئے تو غار کی مدت قیام کے متعلق ان میں اختلاف ہو گیا اور اس سے مراد ان کی دو جماعتیں ہیں۔ فرا نے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں ان کی مدت قیام کے متعلق اختلاف ہو گیا اس سے مراد ان کی دو جماعتیں ہیں۔ مجاہد کا دوسرا قول یہ ہے کہ دو جماعتوں سے مراد ایک مسلمانوں کی جماعت ہے اور دوسری کافروں کی۔

(جامع البیان جز ۱۵ ص ۲۵۸۔ ۲۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ

ہم ان کا واقعہ آپ کو حق کے ساتھ بیان فرماتے ہیں، بے شک یہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو

هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

مزید ہدایت یافتہ فرمایا ۰ اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے تھے جب وہ (بادشاہ وقت کے سامنے) کھڑے ہوئے سو انہوں نے کہا ہمارا

وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

رب، آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی اور معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے (ورنہ) اس وقت ہماری بات حق سے بہت

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ

دور ہو گی ○ یہ ہماری قوم ہے جس نے اس کے سوا عبادت کے مستحق بنا لیے ہیں، یہ ان کے مستحق عبادت ہونے پر کوئی

بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝۱۵ وَاِذِ

واضح دلیل کیوں نہیں لاتے، سو اس سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا افتراء باندھے ○ اور (انہوں نے آپس میں کہا)

اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ

جب تم ان سے کنارہ کش ہو چکے ہو اور ان سے بھی جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں، تو اب کسی غار میں پناہ لو، اللہ تم پر اپنی

رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝۱۶ وَتَرَى

رحمت کو کشادہ کر دے گا اور تمہارے لیے تمہارے کام میں آسانی مہیا کر دے گا ○ اور (اے مخاطب!) جب

الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ

سورج نکلتا ہے تو، تو دیکھے گا کہ دھوپ ان کے غار سے دائیں طرف جھکی رہتی ہے اور جب سورج غروب ہوتا ہے

تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ

تو دھوپ بائیں طرف پھر جاتی ہے اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں، یہ اللہ کی نشانیوں میں

اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ

سے ہے، جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گم راہ کر دے تو، تو اس کے لیے کوئی

وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝۱۷ ع ۲ ۵/۱۴

مددگار، ہدایت دینے والا نہیں پائے گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم ان کا واقعہ آپ کو حق کے ساتھ بیان فرماتے ہیں' بے شک یہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو مزید ہدایت یافتہ فرمایا ○ (الکہف: ۱۳)

فتیۃ کے معنی

چونکہ اس سے پہلے فرمایا تھا' ان کے غار میں قیام کی مدت کے متعلق دو جماعتوں کے مختلف قول تھے' اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو ان کے متعلق کچھ نہ کچھ علم تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم آپ کو ان کا قصہ حق کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔
پھر ان کے متعلق فرمایا کہ وہ چند نوجوان تھے جو از خود ایمان لے آئے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں کسی

واسطہ کے بغیر ایمان ڈال دیا تھا۔ اس آیت میں ان کے لیے فتیۃ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

فتی کا معنی ہے: تازہ نوجوان لڑکا یا لڑکی۔ فتیا اور فتویٰ کا معنی ہے کسی مشکل سوال کا جواب۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۸۲ 'مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ '۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اہل زبان نے کہا ہے کہ فتوت کی بلندی ایمان ہے' اور جنید بغدادی نے کہا ہے کہ بھلائی کو خرچ کرنا اور برائی سے اپنے آپ کو روکنا اور شکایت کو ترک کرنا فتوت ہے یعنی مردانگی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حرام چیزوں کو ترک کرنا اور نیکی میں جلدی کرنا فتوت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۳۲۷ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب وہ (بادشاہ وقت کے سامنے) کھڑے ہوئے۔ سو انہوں نے کہا: ہمارا رب! آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے' ہم اس کے سوا اور کسی معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے (ورنہ) اس وقت ہماری بات حق سے بہت دُور ہوگی۔ (الکہف: ۱۴)

اصحابِ کہف کے کھڑے ہونے کی تفسیر میں اقوال

"وربطنا علی قلوبھم" اس کا معنی ہے ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے کے لیے ہم نے ان کو جرأت اور ہمت عطا کی۔

"شططا" اس کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا' حق سے دُور ہونا۔

جب وہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا' اس کی تفسیر میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) جس وقت وہ کافر بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور اس مقام پر ان کے اندر جرأت اور ہمت کی ضرورت تھی کیونکہ انہوں نے بادشاہ کے دین کی مخالفت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں بادشاہ کی ہیبت کی پرواہ نہیں کی تھی۔

(۲) وہ اس شہر کے سرداروں کے بیٹے تھے' وہ اس شہر سے نکلے اور اتفاقاً ایک جگہ کھڑے ہو کر جمع ہو گئے جو ان میں سے بڑی عمر کا تھا' اس نے کہا میں اپنے دل میں یہ بات پاتا ہوں کہ میرا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے' باقی جوانوں نے کہا ہم بھی اپنے دلوں میں یہی بات پاتے ہیں' پھر وہ سب کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا: ہمارا رب آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے' ہم اس کے سوا اور کسی معبود کی عبادت نہیں کریں گے (ورنہ) اس وقت ہماری بات حق سے دُور ہوگی۔ یعنی اگر ہم نے اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کی تو ہمارا یہ اقدام ظالمانہ ہوگا۔

(۳) کھڑے ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگنے کا عزم لے کر اُٹھے۔

سماع کے دوران قیام پر علامہ قرطبی کا تبصرہ

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ابن عطیہ نے کہا ہے کہ صوفیا نے اس آیت میں قیام کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ سماع میں قیام کرنا جائز ہے۔ (المحرر الوجیز ج ۱۰ ص ۳۷۳) میں کہتا ہوں کہ یہ تعلق صحیح نہیں ہے اصحاب کہف جو کھڑے ہوئے تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا' وہ اپنی قوم سے خوفزدہ تھے اور اپنے رب عزوجل کی طرف متوجہ تھے' اور اللہ تعالیٰ نے

انبیاء' رُسل اور اولیاء میں یہی سنت قائم کی ہے' کہاں یہ قیام اور کہاں صوفیاء کا سماع کے دوران قیام کرنا اور رقص کرنا۔ خصوصاً ہمارے زمانے میں جب وہ بے ریش لڑکوں اور عورتوں سے حسین آوازیں سنتے ہیں اور اس سے مدہوش ہو کر ناچنے لگتے ہیں' اللہ کی قسم! ان کے درمیان زمین اور آسمان سے زیادہ بُعد ہے' پھر علماء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ سماع' قیام اور رقص حرام ہے۔ امام ابوبکر الطرسوی سے صوفیہ کے مذہب کے تعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا رقص اور تواجد کو سب سے پہلے سامری کے اصحاب نے ایجاد کیا تھا جب اس نے ان کے لیے ایک بچھڑے کا جسم بنایا جس کے منہ سے آواز نکلتی تھی تو وہ اس کے گرد کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے اور وجد کرنے لگے۔ سو یہ کافروں اور بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کا طریقہ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ٢ ص ٣٢٨' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اَصحابِ کہف نے کہا) یہ ہماری قوم ہے جس نے اس کے سوا عبادت کے مستحق بنا لیے ہیں' یہ ان کے مستحق عبادت ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے' سو اس سے زیادہ اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا افتراء باندھے۔ (الکھف: ١٥)

بتوں کی عبادت کی ممانعت پر ایک سوال کا جواب

یہ بات انہوں نے ایک دوسرے سے کہی۔ ان کی مراد یہ تھی کہ دقیانوس کے زمانہ میں لوگ پتھر سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اس آیت کا معنی بہ ظاہر یہ ہے کہ جب کسی چیز کے ثبوت پر دلیل نہ ہو تو وہ چیز ثابت نہیں ہوتی لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز پیدا نہیں کی تھی تو اس کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں تھی حالانکہ اللہ تعالیٰ کا وجود اس وقت بھی تھا' اس لیے ان پتھر کے تراشے ہوئے بتوں کے معبود ہونے پر کسی دلیل کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ معبود نہ ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سوال کا منشاء یہ ہے کہ دقیانوس کی قوم جوان بتوں کی عبادت کرتی تھی' اس کے صحیح ہونے کی کیا دلیل ہے اور کس دلیل کی وجہ سے ان کو عبادت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ انہوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے اور جب انہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا' کسی پر کوئی احسان نہیں کیا' کسی کو کوئی نعمت نہیں دی تو وہ کس بناء پر شکر کیے جانے اور عبادت کیے جانے کے مستحق ہو گئے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (انہوں نے آپس میں کہا) جب تم ان سے کنارہ کش ہو چکے ہو اور ان سے بھی جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں تو اب کسی غار میں پناہ لو' اللہ تم پر اپنی رحمت کو کشادہ کر دے گا اور تمہارے لیے تمہارے کام میں آسانی مہیا کر دے گا۔ (الکھف: ١٦)

علامہ ابن عطیہ نے کہا یہ بات ان کے رئیس نے کہی' جس کا نام یملیخا تھا' اور غزنوی نے کہا ان کے رئیس کا نام مکسلمینا تھا۔ اس نے کہا جب تم دقیانوس کی قوم اور ان کے معبودوں کو ترک کر چکے ہو تو پھر کسی غار میں پناہ لے لو' اس سے معلوم ہوا کہ اصحابِ کہف پہلے اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے اور بتوں کی عبادت بھی کرتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں حق بات ڈال دی تو انہوں نے بتوں کی عبادت کو ترک کر دیا۔ انہوں نے کہا جب ہم ان کے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرنے لگے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم کسی غار کو اپنا ٹھکانا بنا لیں اور اللہ پر توکل کر کے اس میں قیام کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنی رحمت کو کھول دے گا اور ہمارے لیے آسان معیشت کے اسباب مہیا فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب!) جب سورج نکلتا ہے تو تو دیکھے گا کہ دھوپ ان کے غار سے دائیں طرف جھکی

رہتی ہے اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو دھوپ بائیں طرف پھر جاتی ہے اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں' یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے' جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے تو تو اس کے لیے کوئی مددگار ہدایت دینے والا نہیں پائے گا۔ (الکھف: ۱۷)

مشکل الفاظ کے معانی

تزاور: ایک جانب سے دوسری جانب مائل ہونا' یعنی دھوپ اصحابِ کہف کے اجسام سے کترا کر نکل جاتی ہے۔

تقرضھم: ان کو ترک کرتا ہے' ان سے متجاوز ہوتا ہے' ان کو مَس نہیں کرتا یعنی دھوپ ان کے جسموں کو نہیں چھوتی۔

فجوۃ: کشادہ جگہ' یعنی اصحاب کہف غار کی کھلی جگہ میں تھے اور وہاں ان کو روشنی اور ہوا پہنچتی رہتی تھی۔

اصحابِ کہف کے جسموں کو دھوپ سے محفوظ رکھنے کی دو تفسیریں

اس آیت میں فرمایا ہے: اے مخاطب! جب سورج نکلتا ہے تو تو دیکھے گا کہ دھوپ ان کے غار سے دائیں طرف جھکی رہتی ہے' اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ واقع میں کوئی شخص ان کے غار کے پاس کھڑا ہوا تھا اور وہ سورج کے طلوع وغروب کے وقت دیکھ رہا تھا کہ دھوپ غار میں داخل ہوتی ہے یا نہیں' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بالفرض اگر کوئی شخص غار کے پاس کھڑا ہو تو وہ اس طرح دیکھے گا۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا' پس جب سورج طلوع ہوتا تو وہ غار کی دائیں جانب ہوتا اور جب سورج غروب ہوتا تو وہ غار کی بائیں جانب ہوتا۔ پس سورج کی دھوپ غار کے اندر نہیں پہنچ سکتی تھی اور خوشگوار اور ٹھنڈی ہوا غار کے اندر پہنچ جاتی تھی' اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو اس سے محفوظ رکھا تھا کہ ان کے اوپر سورج کی دھوپ پڑے ورنہ ان کے اجسام میں تعفن اور فساد پیدا ہو جاتا اور ان کے جسم گل سڑ جاتے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو اس سے روک دیا کہ اس کی دھوپ طلوع یا غروب کے وقت ان کے جسموں پر پڑے' اور اللہ تعالیٰ کا یہ فعل خلاف عادت ہے اور اصحابِ کہف کی کرامت ہے۔ یہ زجاج کا قول ہے اور اس نے اس قول پر اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: یہ اللہ کی آیتوں میں سے ہے' اور اگر پہلے قول کے موافق ان پر دھوپ نہ پڑتی تو پھر یہ امر معمول کے موافق اور عادت کے مطابق ہوتا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی آیت اور نشانی نہ ہوتی' اور اگر اس آیت کی ہمارے قول کے موافق تفسیر کی جائے تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب آیت اور نشانی اور اصحابِ کہف کی کرامت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ زجاج کی تفسیر کے مطابق تو اس نشانی کا ہونا واضح ہے یعنی طلوع اور غروب کے وقت اللہ تعالیٰ نے سورج کی دھوپ کو غار میں پہنچنے نہیں دیا' اور پہلے قول کے مطابق نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی مدت طویلہ تک ان کو غار میں محفوظ رکھا کہ اصحابِ کہف اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے اتنے عرصہ تک مرض اور موت اور مرورِ ایام کے اثرات سے محفوظ رہے' اور جس طرح اللہ تعالیٰ ابتدا میں ان کو کفر سے ایمان کی طرف لایا تھا' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انتہا میں بھی ان کے اجسام کو گردشِ ایام کے اثرات سے سلامت رکھا۔ اسی لیے فرمایا: جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے تو تو اس کے لیے کوئی مددگار ہدایت دینے والا نہیں پائے گا۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ

اور (اے مخاطب! اگر تو انہیں دیکھے تو) تو گمان کرے گا کہ وہ بیدار ہیں، حالانکہ وہ سوتے ہوتے ہیں، اور ہم خود ہی ان کی دائیں اور

الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ

بائیں کروٹیں بدلتے ہیں، اور ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے، اگر تو انہیں دیکھتا تو ضرور خوف

لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ⑱ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ

اور دہشت سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ۝ اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا

لِيَتَسَاۗءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا

تاکہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم یہاں کتنی دیر ٹھیرے تھے؟ انہوں نے کہا ہم ایک دن

اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ

یا اس سے بھی کم ٹھیرے تھے، انہوں نے کہا تمہارا رب ہی خوب جاننے والا ہے کہ تم کتنی دیر ٹھیرے ہو، سو اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ

هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے کر آئے،

وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ⑲ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ

اور اس کو چاہیے کہ وہ نرمی سے کام لے اور کسی کو تمہاری خبر نہ دے ۝ بے شک اگر وہ تم پر غالب آ گئے تو وہ تم کو سنگسار

اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ⑳ وَكَذٰلِكَ

کردیں گے یا وہ واپس تم کو اپنے دین میں لے آئیں گے اور پھر تم ہرگز فلاح نہ پا سکو گے ۝ اور اسی طرح

اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ

ہم نے (لوگوں کو) ان کے حال سے واقف کر دیا تاکہ ان کو یقین ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں

لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا

کوئی شک نہیں ہے، جب لوگ ان کے معاملہ میں بحث کرنے لگے تو انہوں نے کہا ان کے غار کے

عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۖ رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ

قریب عمارت بنا دو، ان کا رب ہی ان کے حالات کو زیادہ جاننے والا ہے، جو لوگ ان کے معاملات پر زیادہ حاوی تھے

أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴿٢١﴾ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ

انہوں نے کہا ہم ضرور بہ ضرور ان کے قریب مسجد بنائیں گے ○ عنقریب لوگ کہیں گے وہ تین تھے

رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا

چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا یہ تمام اقوال

بِالْغَيْبِ ۖ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ

اٹکل پچو پر مبنی ہیں، اور (بعض) کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا، آپ کہیے کہ میرا رب ہی ان کی

بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ

صحیح تعداد کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے، ان کو صرف چند لوگ جاننے والے ہیں سو آپ ان کے متعلق صرف سرسری بات کریں، اور ان کے متعلق

فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾ ع ۳ ۵ ۱۵

اہل کتاب سے کوئی سوال نہ کریں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مخاطب! اگر تو انہیں دیکھے تو) تو گمان کرے گا کہ وہ بیدار ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم خود ہی ان کی دائیں اور بائیں کروٹیں بدلتے ہیں اور ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے اگر تو انہیں دیکھتا تو ضرور خوف اور دہشت سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا۔ (الکہف: ۱۸)

اصحابِ کہف کا کروٹیں بدلنا

اس آیت میں ایقاظ کا لفظ ہے، یہ یقظ کی جمع ہے' اس کا معنی ہے جاگنے والا' بیدار۔ ان کو بیدار گمان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں یا اس وجہ سے کہ وہ کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔ اور رقود کے معنی ہیں سونے والے۔

ان کے دائیں اور بائیں کروٹیں بدلنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ ہر سال دو مرتبہ کروٹیں بدلتے تھے' چھ ماہ ایک جانب اور چھ ماہ دوسری جانب تاکہ زمین ان کا گوشت نہ کھا سکے' اور مجاہد نے کہا وہ تین سو سال تک ایک کروٹ پر لیٹے رہے پھر نو سال بعد ان کو دوسری کروٹ پر لٹایا گیا۔ قرآن مجید میں کروٹیں تبدیل کرنے کی مدت کو بیان نہیں کیا گیا اور نہ کسی صحیح حدیث میں اس کی مدت اور تعداد کا بیان ہے اور نہ اس تعداد کے ساتھ کوئی دینی غرض وابستہ ہے۔

ان کی کروٹیں تبدیل کرانے کے متعلق بھی کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کی کروٹیں تبدیل کراتا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے ان کی کروٹیں تبدیل کراتے تھے' اور تیسرا قول یہ ہے

کہ جس طرح زندگی میں سویا ہوا شخص نیند میں خود بخود کروٹیں بدلتا رہتا ہے اور اس کو شعور نہیں ہوتا' اسی طرح وہ بھی نیند میں خود بخود کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔

الوصید کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے' قرآن مجید میں الوصید کا لفظ ہے اور اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' سعید بن جبیر' مجاہد' ضحاک' قتادہ اور فرا نے کہا' اہل حجاز الوصید کہتے ہیں اور اہل نجد الاسید کہتے ہیں اور اس کا معنی ہے حائل اور صحن۔

(۲) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی دروازہ ہے۔

(۳) عطا نے کہا اس کا معنی ہے دروازہ کی چوکھٹ۔ ابن قتیبہ نے کہا' میرے نزدیک یہ معنی عمدہ ہیں کیونکہ عرب کہتے ہیں اوصد بابک اپنے دروازہ کو بند کردو۔ قرآن مجید میں ہے:

انها عليهم مؤصدة. (الھمزۃ: ۸) بے شک دوزخ کی آگ ان پر بند کی ہوئی ہوگی۔

صالحین کی مجلس کے ثمرات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اصحاب کہف رات کے وقت اپنے ملک سے فرار ہوئے تھے۔ ان کا ایک چرواہے کے پاس سے گزر ہوا' اس کے ساتھ اس کا کتا تھا' چرواہا بھی ان کے دین میں تابع ہو کر ان کے ساتھ چل پڑا۔ کعب نے کہا وہ ایک کتے کے پاس سے گزرے وہ ان پر بھونکنے لگا۔ انہوں نے اس کو بھگا دیا وہ پھر آ کر بھونکنے لگا۔ انہوں نے اس کو پھر بھگا دیا' کئی بار اس طرح ہوا۔ آخر کتے نے کہا تمہارا کیا ارادہ ہے' میری طرف سے مت ڈرو' میں اللہ کے دوستوں سے محبت کرتا ہوں' تم سو جانا میں تمہاری حفاظت کروں گا۔

علامہ قرطبی نے کہا اس پر غور کرنا چاہیے کہ جب نیک لوگوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ایک کتے کو یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے تو ان مومنین کا کیا مقام ہوگا جو اولیاء اللہ اور صالحین سے محبت کرتے ہیں' بلکہ اس میں ان مومنین کو تسلی دی گئی ہے جس کے اعمال میں تقصیر ہے اور وہ درجہ کمال تک نہیں پہنچ سکے لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اور اصحاب سے محبت رکھتے ہیں۔ (مصنف کے نزدیک یہ استدلال ضعیف ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یارسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہو گئے' جب آپ نے نماز پڑھ لی تو دریافت فرمایا قیامت کے متعلق سوال کرنے والا کہاں گیا؟ اس شخص نے کہا میں حاضر ہوں یارسول اللہ! آپ نے اس سے پوچھا: تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا میں نے قیامت کے لیے بہت (نفلی) نمازوں اور (نفلی) روزوں کی تیاری نہیں کی لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان اسی کے ساتھ رہتا ہے جس سے محبت کرے اور تم بھی اسی کے ساتھ رہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ مسلمان اسلام کے بعد کسی اور بات سے اس سے زیادہ خوش نہیں ہوئے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۰۵' ۳۴۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۴۷۹' مسند ابو یعلیٰ:

رقم الحدیث: ۳۰۲۳)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا ایک شخص کسی قوم سے محبت رکھتا ہے اور ان سے ملا نہیں' آپ نے فرمایا انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ محبت رکھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۱ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۴۷۸)

ارتکاب معصیت اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے خلاف نہیں ہے

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص تھا جس کا نام عبداللہ تھا اور لوگ اس کو حمار کہتے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شراب پینے کی وجہ سے کوڑے مارے تھے (یہ ایسے کوڑے نہیں تھے جیسے کوڑے آج کل معروف ہیں' اس سے مراد درخت کی ایسی شاخ ہے جس میں گرہ نہ ہو) ایک دفعہ وہ آپ کے پاس لایا گیا اور آپ کے حکم سے اس کو کوڑے لگائے گئے' قوم میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ! اس پر لعنت فرما' اس کو کتنی بار سزا کے لیے لایا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو' اللہ کی قسم! جو چیز میں جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۰)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ کسی گناہ کا کرنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس شخص کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نہ ہو' کیونکہ وہ شخص بار بار شراب پیتا تھا اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ نیز بعض روایات میں آتا ہے کہ جو شخص جس وقت شراب پیتا ہے' اس وقت اس کے دل سے ایمان نکل جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷) اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت اس کا ایمان کامل نہیں رہتا۔ نیز اس حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ گناہ گار کے دل میں بھی اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہوتی ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص گناہ کر کے اس پر پشیمان یا نادم ہوتا ہو اور اس پر توبہ کرتا ہو خواہ پھر شامت نفس سے پھر اس گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہو' یا اس سے وہ شخص مراد ہے جس پر گناہ کے بعد حد لگ جاتی ہو اور وہ اس پر توبہ کر لیتا ہو' اس کے برخلاف جو شخص بار بار گناہ کرے اور اس گناہ پر نادم اور تائب نہ ہو اور جو شخص اس گناہ پر اس کو ملامت کرے وہ اس سے بغض اور دشمنی رکھے' ایسے شخص کے متعلق یہ خطرہ ہے کہ اس کے دل پر مہر لگا دی جائے گی۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۷۸' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص شراب پیے' اس کو کوڑے لگاؤ اگر وہ چوتھی بار شراب پیے تو اس کو قتل کر دو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۴۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۰۸۷' مسند احمد ج ۴ ص ۹۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۸۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۷۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۳۶۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۴۶' المعجم الکبیر ج ۱۹ رقم الحدیث: ۷۶۷' المستدرک ج ۴ ص ۳۷۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۱۳)

تمام ائمہ مذاہب کے نزدیک اس حدیث پر بہ طور حد عمل نہیں ہے' اس لیے حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا یہ حدیث حضرت عبداللہ (حمار) کی حدیث سے منسوخ ہے' لیکن میرے نزدیک اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ چوتھی بار شراب پینے پر اس کو قتل کرنا

اس کی حد نہیں ہے اس کی تعزیر ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعزیر میں قتل کرنا بھی جائز ہے۔

کتوں کو رکھنے کا شرعی حکم

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اصحابِ کہف کی حفاظت کے لیے غار کے منہ پر کتا بیٹھا رہا' حفاظت کے لیے کتا رکھنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کتا رکھا اس کے اجر میں ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے ماسوا اس شخص کے جس نے مویشیوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھا ہو یا شکار کرنے کے لیے یا کھیت کی حفاظت کے لیے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۹۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۰)

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ فرماتے ہیں:

شکار کے لیے مویشیوں' گھروں اور کھیتوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا بالا جماع جائز ہے۔ بلاضرورت گھروں میں کتا رکھنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر چوروں اور دشمنوں سے خطرہ ہو تو پھر جائز ہے۔ اجناس میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

(فتح القدیر ج ۶ ص ۲۴۶' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے ان کو اُٹھایا تا کہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں' ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے تھے؟ انہوں نے کہا ہم ایک دن یا اس سے بھی کم ٹھہرے تھے' انہوں نے کہا تمہارا رب ہی خوب جاننے والا ہے کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو۔ سو اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے کر آئے اور اس کو چاہیے کہ وہ نرمی سے کام لے اور کسی کو تمہاری خبر نہ دے ○ بے شک اگر وہ تم پر غالب آ گئے تو وہ تم کو سنگسار کر دیں گے یا وہ واپس تم کو اپنے دین میں لے آئیں گے اور پھر تم ہرگز فلاح نہ پا سکو گے ○ (الکہف: ۲۰-۱۹)

اصحابِ کہف کا نیند سے اُٹھ کر اپنے ایک ساتھی کو شہر کی طرف بھیجنا

ان آیتوں کا مفصل معنی یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ان کی ہدایت کو زیادہ کیا تھا اور ہم نے ان کے دل مضبوط کیے تھے اور ان کے کانوں پر نیند مسلط کی تھی اور ان کو سلایا تھا اور ان کو بغیر کھلانے پلانے کے زندہ رکھا تھا اور ان کی کروٹیں بدلاتے رہے تھے اسی طرح ہم نے ان کو اس نیند سے اُٹھا دیا جو موت کے مشابہ تھی' تا کہ یہ ایک دوسرے سے سوال کریں اور اس بحث میں پڑیں کہ وہ کتنی دیر سوتے رہے تھے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا ان کو اُٹھانے سے یہی غرض تھی کہ وہ اس بات میں بحث کریں کہ وہ کتنی مدت تک سوتے رہے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعید نہیں ہے کیونکہ جب وہ اپنی مدت قیام میں بحث کریں گے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت منکشف ہو گی اور کئی عجیب و غریب امور معلوم ہوں گے۔ ان میں سے ایک شخص نے پوچھا ہم اس غار میں کتنی دیر ٹھہرے ہیں؟ تو اس کے ساتھیوں نے کہا: ہم اس میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ مفسرین نے کہا ہے کہ وہ صبح کے وقت غار میں داخل ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دن کے آخری حصہ میں ان کو اُٹھایا تھا۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم اس میں ایک دن ٹھہرے ہیں' پھر جب انہوں نے دیکھا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تو انہوں نے کہا یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا تمہارا رب ہی خوب جاننے والا ہے کہ تم کتنا عرصہ ٹھہرے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

فرمایا: یہ کہنے والا ان کا رئیس یملیخا تھا۔ اس نے کہا سو اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو۔ مفسرین نے کہا ہے کہ ان کے پاس چاندی کے چند درہم تھے جن پر اس زمانہ کے بادشاہ کی تصویر بنی ہوئی تھی' اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کھانے پینے کے حصول کے لیے کوشش کرنا جائز ہے اور اس سے توکل باطل نہیں ہوتا۔ اور انہوں نے کہا وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان کی مراد یہ تھی کہ وہ تفتیش کر کے حلال ذبیحہ خرید کر لائے' کیونکہ ان کے شہر کے عام لوگ مجوسی تھے اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنا ایمان مخفی رکھتے تھے۔ مجاہد نے کہا ان کا بادشاہ ظالم شخص تھا' وہ لوگوں کا مال غصب کر لیا کرتا تھا اس لیے وہ دیکھ بھال کر طعام خریدیں کہیں غلطی سے غصب شدہ طعام خرید کر نہ لے آئیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ڈھونڈھ کر لذیذ اور پسندیدہ طعام خرید کر لائیں۔ نیز فرمایا وہ نرمی سے کام لے اور کسی کو تمہارے متعلق خبر نہ دے۔ یعنی وہ چپکے سے شہر میں داخل ہو اور کسی کو اپنی قیام گاہ کے متعلق خبر نہ دے کیونکہ اگر وہ ہماری قیام گاہ پر مطلع ہو گئے تو وہ ہم سب کو قتل کر ڈالیں گے یا دوبارہ ہم کو اپنی بُت پرستی کے طریقہ میں داخل کر دیں گے اور پھر تم فلاح نہیں پا سکو گے' یعنی اگر تم ان کی بُت پرستی کے طریقہ میں داخل ہو گئے تو پھر تم کو دنیا میں کوئی کامیابی حاصل ہو گی نہ آخرت میں۔

وکیل بنانے کے متعلق قرآن مجید کی آیات:

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ. (الکہف: ۱۹)

سو اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے کر آئے۔

اس آیت میں خرید و فروخت کے لیے کسی کو وکیل بنانے کا ثبوت ہے' کیونکہ اصحابِ کہف نے اپنے ایک ساتھی کو سکے دے کر کھانا خریدنے کے لیے بھیجا تھا۔ نیز قرآن کریم میں ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا. (التوبۃ: ۶۰)

صدقات صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے ہیں جو صدقات کو وصول کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنانے کا ثبوت ہے۔ جو زکوٰۃ وصول کر کے لائیں گے پھر ان عاملین کو اس زکوٰۃ میں سے ان کا حق خدمت دیا جائے گا۔

وکیل بنانے کے متعلق احادیث

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان خازن امین ہو اور اس کو جس چیز کے دینے کا حکم دیا جائے (خواہ صدقات فرضیہ سے یا نفلیہ سے) وہ اس کو پورا پورا خوشی سے اس کو دے دے جس کو دینے کا اس کو حکم دیا گیا تھا تو وہ بھی (اللہ کے نزدیک) صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہو گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۲۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۹)

اس حدیث میں زکوٰۃ اور صدقات وصول کرنے کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے کا عامل بنایا' اس کا نام ابن اللتبیہ تھا۔ جب وہ صدقات وصول کر کے آیا تو اس نے کہا یہ مال تمہارے لیے ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ کیا گیا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثناء کی پھر آپ نے فرمایا:

حمد وصلوٰۃ کے بعد میں تم میں سے کسی شخص کو اس کام کے لیے عامل بناتا ہوں جن کاموں کا اللہ نے مجھے ولی بنایا ہے اور وہ آ کر یہ کہتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ہے اور اس کا مجھ پر ہدیہ کیا گیا ہے‘ وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھ گیا حتیٰ کہ اس کے پاس ہدیہ آتا اگر وہ سچا ہے‘ اللہ کی قسم تم میں سے جس شخص نے بھی کوئی ناحق چیز لی تو قیامت کے دن وہ شخص اس چیز کو اُٹھائے ہوئے اللہ سے ملاقات کرے گا‘ میں تم میں سے کسی شخص کو اس دن نہیں پہچانوں گا‘ کوئی شخص بڑبڑاتے ہوئے اونٹ کو اُٹھائے ہوئے ہوگا‘ اور کوئی شخص ڈکراتی ہوئی گائے کو اُٹھائے ہوئے ہوگا‘ اور کوئی شخص ممیاتی ہوئی بکری کو اُٹھائے ہوئے ہوگا‘ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی (کی جگہ) دکھائی دی اور فرمایا: اے اللہ کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۹۷‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۲‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۴۶‘ مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۳‘ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۴۰‘ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۶۷۶‘ ۲۴۹۶‘ جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۷۳۶)

اس حدیث میں بھی زکوٰۃ کی وصول یابی کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر پر عامل بنایا۔ وہ وہاں سے جنیب کھجوریں لے کر آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں اس طرح ہیں؟ اس نے کہا: نہیں ہم دو صاع (آٹھ کلوگرام) کھجوریں دے کر یہ ایک صاع (چار کلوگرام) کھجوریں لیتے ہیں اور تین صاع دے کر دو صاع لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو‘ تم کھجوریں دراہم کے عوض بیچو پھر دراہم کے عوض جنیب کھجوریں خریدو اور وزن میں بھی اسی طرح کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۰۳‘ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۵۵۳)

اس حدیث میں خرید وفروخت کرنے اور وزن کرنے میں وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تقاضا کرنے آیا اور اس نے سختی سے تقاضا کیا۔ آپ کے اصحاب نے اس کو مارنے کا قصد کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کیونکہ جس شخص کا حق ہو اس کو بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ پھر فرمایا جتنی عمر کا اونٹ اس نے دیا تھا‘ اس کو اتنی عمر کا اونٹ دے دو۔ مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے جتنی عمر کا اونٹ دیا تھا‘ ہمارے پاس اس سے زیادہ عمر کا اونٹ ہے۔ آپ نے فرمایا: وہی دے دو‘ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرض کو اچھی طرح ادا کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۰۶‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱۶‘ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۱۷‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۲۳)

اس حدیث میں قرض کی ادائیگی کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! میں نے آپ کو اپنا نفس ہبہ کر دیا۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم کو جو قرآن یاد ہے اس کی وجہ سے میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۱۰‘ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۳۹‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۱۱‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۴‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۸۹‘ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۲۳۸)

اس حدیث میں عورت کا نکاح کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت زید بن خالد اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے انیس! صبح کو اس عورت کے پاس جاؤ اگر یہ عورت (بدکاری کا) اعتراف کر لے تو اس کو سنگسار کر دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۳۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۴۴۵' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۵۴۹)

اس حدیث میں اجراء حد کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے خیبر کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو سلام کیا اور میں نے آپ سے عرض کیا میرا خیبر کی طرف جانے کا ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا: جب تم میرے وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے پندرہ وسق لے لینا (ایک وسق ۲۴۰ کلوگرام کا ہے) اگر وہ تم سے کوئی نشانی طلب کرے تو اس کے حلقوم پر ہاتھ رکھ دینا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۶۳۲)

اس حدیث میں مال پر قبضہ کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دینار دے کر بھیجا کہ وہ ان کے لیے قربانی کا جانور خرید کر لائیں۔ انہوں نے ایک دینار کا مینڈھا خریدا اور اس کو دو دینار میں فروخت کر دیا' پھر ایک دینار میں ایک قربانی کا جانور خرید لیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دینار اور قربانی کا جانور لے کر آیا۔ آپ نے ایک دینار صدقہ کر دیا اور ان کے لیے دعا کی کہ اللہ ان کو تجارت میں برکت دے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۲۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۳۸۶)

اس حدیث میں خرید و فروخت کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت عروہ بن ابی الجعد البارقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دینار دیا تاکہ وہ ایک بکری خرید کر لائیں۔ انہوں نے ایک دینار کی دو بکریاں خریدیں پھر ایک بکری کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا اور آپ کے پاس وہ بکری اور ایک دینار لے کر آئے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید و فروخت میں برکت کی دعا کی' پھر اگر وہ مٹی بھی خریدتے تو ان کو اس میں نفع ہوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۴۲)

اس حدیث میں بھی خرید و فروخت کے لیے وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل بن زید اور محیصہ بن مسعود بن زید خیبر میں گئے اور وہاں کسی جگہ میں الگ الگ ہو گئے پھر حضرت محیصہ کو حضرت عبداللہ بن سہل کی لاش ملی۔ انہوں نے ان کو دفن کر دیا' پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور حضرت حویصہ بن مسعود اور حضرت عبدالرحمٰن بن سہل' اور عبدالرحمٰن ان میں سب سے چھوٹے تھے' حضرت عبدالرحمان اپنے دونوں اصحاب سے پہلے بات کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی عمر والے کو بات کرنے دو تو وہ خاموش ہو گئے۔ پھر ان کے دونوں صاحبوں نے اس معاملہ میں بات کی اور حضرت عبدالرحمان بن سہل نے بھی ان کے ساتھ بات کی' اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جگہ بتائی جہاں حضرت عبداللہ بن سہل کی لاش ملی تھی۔ آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم پچاس قسمیں کھاؤ گے؟ پھر تم اپنے مقتول کی دیت یا اس کے قاتل کے مستحق ہو جاؤ گے۔ انہوں نے کہا ہم کیسے قسم کھا سکتے ہیں جبکہ ہم قتل کے موقع پر حاضر نہیں تھے۔ آپ نے فرمایا پھر یہود پچاس قسمیں کھا کر تم سے بری ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا ہم کافروں کی قسموں کو کس طرح قبول کر سکتے ہیں؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاملہ دیکھا تو خود دیت ادا کر دی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۲۱' صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۷۰۲' ۳۱۷۳' ۶۱۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۵۲۰'

سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۷۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۷۷، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۷۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۰۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۴۲۸، مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی عمر والے کو بات کرنے دو یعنی اس فوجداری مقدمہ میں بڑی عمر والے رشتہ دار کو وکیل بناؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی ظالم کی مدد کی تاکہ باطل عوض لے کر حق کو باطل ثابت کرے وہ اللہ کے ذمہ اور اس کے رسول کے ذمہ سے بری ہو گیا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۹۴۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ کسی جھوٹے مقدمہ میں وکیل بنانا گناہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مقدمہ میں ظلم کی مدد کی یا بغیر علم کے کسی مقدمہ میں مدد کی، وہ ہمیشہ اللہ کی ناراضگی میں رہے گا حتیٰ کہ اس کو چھوڑ دے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۹۴۲، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض، ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ کوئی شخص کسی ظالم کے مقدمہ میں وکیل نہ بنے اور نہ کسی ایسے مقدمہ میں جس کے حق یا باطل ہونے کا اسے علم نہ ہو۔

وکالت کا لغوی اور شرعی معنی

اصحابِ کہف نے اپنے ایک ساتھی کو شہر سے طعام خرید کر لانے کے لیے جو بھیجا تھا، اس میں کسی شخص کو وکیل بنانے کا ثبوت ہے۔ وکیل بنانے کا طریقہ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں رائج رہا ہے۔ مسلمان کا مسلمان کو وکیل بنانا اور مسلمان کا کافر کو وکیل بنانا، دونوں جائز ہیں۔ توکیل کا لغوی معنی ہے تفویض یعنی اپنا کام کسی کے سپرد کر دینا اور کسی معاملہ میں کسی شخص کو اپنا نائب بنانا، وکیل اپنے مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے۔ وکالت کا شرعی معنی یہ ہے:

انسان کا اپنے غیر کو کسی تصرف معلوم میں اپنا قائم مقام بنانا۔ حتیٰ کہ اگر تصرف معلوم نہ ہو تب بھی وکیل کے لیے ادنیٰ تصرف ثابت ہوگا اور وہ ہے مؤکل کی چیز کی حفاظت کرنا، اور مبسوط میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے سے یہ کہا کہ میں نے تمہیں اپنے مال کا وکیل بنا دیا ہے تو وہ ان الفاظ کے ساتھ اپنے مؤکل کے مال کا وکیل ہے۔

وکالت کے ارکان

(۱) جب کوئی شخص کسی سے یہ کہہ دے کہ میں نے تمہیں اس چیز کے خریدنے یا بیچنے کا وکیل بنایا ہے تو توکیل صحیح ہے۔

(السراج الوہاج)

(۲) وکیل کا قبول کرنا صحت وکالت کے لیے شرط نہیں ہے، لیکن جب وکیل نے وکالت کو رد کر دیا تو اب وکالت صحیح نہیں ہے۔

(۳) جب کسی آدمی نے کسی غائب شخص کو وکیل بنایا اور اس کو کسی شخص نے وکیل بنانے کی خبر دے دی تو وہ وکیل ہو جائے گا۔ عام ازیں کہ خبر دینے والا نیک ہو یا بدکار۔ خواہ اس نے اپنی طرف سے خبر دی ہو یا اس کا پیغام پہنچایا ہو۔ وکیل نے اس کی تصدیق کی ہو یا تکذیب کی ہو۔ (الذخیرہ)

مؤکل کے اعتبار سے شرائط

(۱) مجنون اور ناسمجھ بچے کا وکیل بنانا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح سمجھدار بچے کے لیے ان چیزوں کا وکیل بنانا صحیح نہیں ہے جن کا وہ خود مالک نہیں ہے۔ مثلاً طلاق دینا' ہبہ کرنا' صدقہ کرنا اور ایسے امور جن میں دنیاوی طور پر محض ضرر ہو۔ اور اس کا تصرفات نافعہ میں وکیل بنانا صحیح ہے جیسا کہ ولی کی اجازت کے بغیر صدقہ اور ہبہ کو قبول کرنا۔

(۲) وہ تصرفات جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہوتے ہیں جیسے خرید و فروخت کرنا' کوئی چیز کرائے پر دینا یا لینا' ان چیزوں کی اگر اس کو تجارت کی اجازت دی ہوئی ہے تو اس کا ان چیزوں میں وکیل بنانا بھی صحیح ہے اور اگر اس کے ولی نے اس کو تجارت کرنے کی اجازت نہیں دی ہے تو اس کا وکیل بنانا بھی ولی کی اجازت پر موقوف ہے۔

وکیل کے اعتبار سے شرائط

(۱) وکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاقل ہو' مجنون اور ناسمجھ بچے کو وکیل بنانا صحیح نہیں ہے' بلوغ اور حریت وکیل کے لیے شرط ہے' اس لیے نابالغ اور عبد ماذون کو وکیل بنانا بھی صحیح نہیں ہے۔

(۲) یہ ضروری ہے کہ وکیل کو یہ معلوم ہو کہ اس کو وکیل بنایا گیا ہے۔

(۳) کسی مسلمان نے کسی حربی کو دارالحرب میں وکیل بنایا اور مسلمان دارالاسلام میں ہو تو یہ وکالت صحیح نہیں ہے' اسی طرح اگر حربی نے دارالحرب میں کسی مسلمان کو دارالاسلام میں وکیل بنایا ہو تو یہ وکالت بھی باطل ہے۔

(۴) جب کسی حربی نے مسلمان یا ذمی یا حربی کو دارالاسلام میں قرض کے تقاضا کرنے کا وکیل بنایا ہو اور اہل اسلام میں سے کسی کو اس پر گواہ بنایا ہو پھر اس کا وکیل دارالحرب سے اس کو طلب کرنے گیا ہو تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح جب اس نے خرید و فروخت کرنے کے لیے یا کسی امانت پر قبضہ کرنے کے لیے یا اس طرح کے کسی اور کام کے لیے وکیل بنایا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

(۵) اسی طرح کسی مسلمان یا ذمی نے مستامن حربی کو دارالاسلام میں کسی مقدمہ یا کسی چیز کو فروخت کرنے کا وکیل بنایا ہو یا کسی اور چیز کا وکیل بنایا ہو تو یہ جائز ہے' اور جب وہ دارالحرب میں چلا جائے گا تو وکالت باطل ہو جائے گی۔

جس چیز میں وکالت ہے' اس کے اعتبار سے شرائط

(۱) حقوق کی دو قسمیں ہیں: اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق' اور اللہ کے حقوق کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس میں دعویٰ کرنا شرط ہے جیسے حد قذف اور حد سرقہ۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس قسم کے اثبات میں وکیل بنانا جائز ہے' خواہ مؤکل حاضر ہو یا غائب ہو' اور ایک قسم وہ ہے جس میں دعویٰ کرنا شرط نہیں ہے۔ زنا کی حد اور شراب نوشی کی حد' اس قسم میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ حد کے اثبات میں نہ حد جاری کرانے میں اور حد سرقہ میں چور کے پاس مال کو ثابت کرنے میں کسی کو وکیل بنانا بالاجماع جائز ہے۔

(۲) حقوق العباد کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جس میں شبہ کے ساتھ حد کو پورا کرانا جائز نہیں ہے جیسے قصاص ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس میں قصاص کے اثبات کے لیے وکیل بنانا جائز ہے' اور قصاص لینے کے لیے اگر مؤکل جو ولی قصاص ہے اگر وہ حاضر ہو تو وکیل بنانا جائز ہے اور اگر وہ غائب ہو تو وکیل بنانا جائز نہیں ہے' اور حقوق العباد کی ایک وہ قسم ہے جس کو شبہ کے باوجود وصول کرنا جائز ہے جیسے قرضہ جات' چیزیں اور تمام حقوق' قرض اور کسی خاص چیز

کو ثابت کرنے کے مقدمہ میں وکیل بنانا جائز ہے اور قصاص کے علاوہ باقی حقوق میں بھی فریق مخالف کی رضا سے وکیل بنانا بالا جماع جائز ہے اور تعزیرات میں حق کو ثابت کرنے کے لیے بھی اور وصول کرنے کے لیے بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

(۳) خرید و فروخت میں' کرایہ کے لین دین میں' نکاح' طلاق' خلع' صلح' اعارہ' استعارہ' ہبہ' صدقہ' امانت رکھنے' حقوق کے قبضہ' قرض کے تقاضے' رہن رکھنے اور اس قسم کے دیگر مقدمات میں وکیل بنانا جائز ہے۔

(۴) مباح چیزوں میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے' مثلاً لکڑیاں اور گھاس چننے میں اور معدنیات سے جواہر نکالنے میں' پس وکیل کو جو چیز ملی وہ اس کی ہے۔ (فتاوٰی عالمگیری ج ۳ ص ۵۶۴-۵۶۰ ملخصاً' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس طرح ہم نے (لوگوں کو) ان کے حال سے واقف کر دیا تا کہ ان کو یقین ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے' جب لوگ ان کے معاملات میں بحث کرنے لگے تو انہوں نے کہا ان کے غار کے قریب عمارت بنا دو' ان کا رب ہی ان کے حالات کو زیادہ جاننے والا ہے' جو لوگ ان کے معاملات پر زیادہ حاوی تھے انہوں نے کہا ہم ضرور بہ ضرور ان کے قریب مسجد بنائیں گے O (الکھف: ۲۱)

اصحابِ کہف اور ان کے شہر والوں کے درمیان ماجرا اور ان کی بحث

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ان کی ہدایت کو زیادہ کیا اور ان کے دلوں کو مضبوط کیا اور ان کو سلایا اور ان کی کروٹیں بدلائیں اور ان کو بیدار کر کے اُٹھایا تا کہ ہماری حکمتیں ظاہر ہوں اسی طرح ہم نے ان کے احوال پر دوسروں کو مطلع کیا۔

اعثار کا معنی ہے کسی کو خبر دینا اور مطلع کرنا۔ اس لفظ کی اصل یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز سے غافل ہو پھر وہ اس کو اچانک دیکھ کر پہچان لے تو کہتے ہیں فلان عثر بہ۔ شہر کے لوگ جو اصحابِ کہف کے احوال سے واقف ہوئے تھے' اس کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اصحابِ کہف جو عرصہ دراز تک غار میں رہے تھے' اس کی وجہ سے ان کے بال بہت لمبے اور ناخن بہت بڑے بڑے ہو گئے تھے اور ان کے چہرے کی کھال بھی خلافِ معمول بہت عجیب و غریب ہو گئی تھی اس وجہ سے شہر کے لوگوں نے جان لیا یہ بہت پہلے کے لوگ ہیں۔ لیکن یہ وجہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جب وہ غار میں بیدار ہوئے تھے تو انہوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ ہم کتنی دیر غار میں رہے؟ تو انہوں نے کہا ایک دن یا اس سے بھی کم حصہ۔ اگر ان کی ہیئت اس طرح غیر معمولی ہو چکی تھی تو وہ اس طرح نہ کہتے۔

(۲) جب اصحابِ کہف کا ایک ساتھی شہر میں کچھ چیزیں خریدنے گیا اور اس نے کھانے کی قیمت ادا کرنے کے لیے چاندی کا پرانا سکہ نکالا تو دُکان دار نے کہا یہ سکہ اب نہیں چلتا یہ تو بہت پہلے زمانے کا سکہ ہے۔ لگتا ہے تم کو کوئی خزانہ مل گیا ہے۔ یہ بات پھیل گئی اور لوگ اس شخص کو پکڑ کر حکمران کے پاس لے گئے۔ اس نے پوچھا تم کو یہ سکہ کہاں سے ملا؟ اس شخص نے کہا کل میں نے کچھ کھجوریں فروخت کر کے یہ سکہ لیا ہے۔ پھر ہم دقیانوس بادشاہ کے خوف سے بھاگ کر ایک غار میں چلے گئے تھے' تب اس حکمران نے جان لیا کہ ان کو کوئی خزانہ نہیں ملا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تا کہ ان کو یقین ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے۔ یعنی

ہم نے ان لوگوں کو اصحاب کہف کے احوال پر اس لیے مطلع کیا ہے تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہے کہ وہ لوگوں کی روح قبض کرنے کے بعد ان کو پھر زندہ کرے گا' اس کا یہ وعدہ برحق ہے' کیونکہ روایت ہے کہ اس وقت کا بادشاہ مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے کا اعتقاد نہیں رکھتا تھا لیکن وہ اپنے کفر کے باوجود منصف مزاج تھا تو اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ کو اس بادشاہ اور اس کے ہم مشرب لوگوں کے لیے دلیل بنا دیا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کا اس معاملہ میں اختلاف تھا بعض کہتے تھے کہ جسم اور روح دونوں کو اُٹھایا جائے گا اور دوسرے یہ کہتے تھے کہ صرف روح کو اُٹھایا جائے گا' رہا جسم تو اس کو زمین کھا جائے گی' وہ بادشاہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی نشانی ظاہر فرمائے جس سے اس مسئلہ میں جو حق ہے اس پر استدلال کیا جائے' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سامنے اصحاب کہف کا معاملہ ظاہر کیا۔ اس واقعہ سے اس بادشاہ نے یہ استدلال کیا کہ اجسام پر موت طاری ہونے کے بعد ان کو پھر زندہ کیا جائے گا' کیونکہ اتنی طویل نیند کے بعد ان کا پھر بیدار ہونا' موت کے بعد پھر زندہ ہونے کے مشابہ ہے۔ لوگوں نے کہا جب اللہ اس پر قادر ہے کہ تین سو نو سال تک ان کے اجسام کو محفوظ اور سلامت رکھے تو وہ اجسام پر موت آنے کے بعد ان کو زندہ کرنے اور میدانِ حشر میں ان کو جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔

ابھی وہ لوگ اس بحث میں اُلجھے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف پر ان کے غار میں ان پر موت طاری کر دی' لوگوں میں سے بعض نے کہا اب وہ حقیقت میں مر گئے ہیں اور بعض نے کہا ان پر پہلے کی طرح نیند طاری کر دی گئی ہے۔

(۳) ان میں سے بعض نے کہا کہ اب بہتر یہ ہے کہ غار کا منہ بند کر دیا جائے تاکہ اس میں کوئی شخص داخل ہو سکے اور نہ ان کے احوال سے کوئی شخص واقف ہو سکے' اور بعض دوسروں نے کہا: زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس غار کے دروازہ پر مسجد بنا دی جائے اور یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے تھے اور عبادت کرنے والے اور نماز پڑھنے والے تھے۔

(۴) اس زمانہ کے کافروں نے کہا یہ لوگ ہمارے دین پر تھے لہٰذا ہم ان کی یادگار میں اس غار کے دروازہ پر ایک عمارت بنائیں گے' اور مسلمان یہ کہتے تھے وہ ہمارے دین پر تھے اس لیے ہم غار کے دروازہ پر ایک مسجد بنائیں گے۔

(۵) ان لوگوں کا اس میں اختلاف تھا کہ اصحابِ کہف غار میں کتنی دیر ٹھہرے تھے۔

(۶) لوگوں نے اصحابِ کہف کی تعداد میں اور ان کے اسماء میں اختلاف کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کا رب ہی ان کو خوب جاننے والا ہے' ہو سکتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا قول ہو جو اصحابِ کہف کے اسماء اور ان کی تعداد میں اختلاف کر رہے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو اور اس میں ان لوگوں کا رد ہو جو بلا دلیل ان کے اسماء اور ان کی تعداد میں بحث کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو لوگ ان کے معاملات پر حاوی تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مسلمان بادشاہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اصحابِ کہف کے قریبی رشتہ دار ہیں' اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس شہر کے رہنے والے تھے۔

پھر فرمایا: انہوں نے کہا ہم ضرور بہ ضرور اس کے قریب مسجد بنائیں گے' یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور مسجد کی وجہ سے اصحابِ کہف کے آثار کی حفاظت کریں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مزارات پر گنبد بنانے کا ثبوت

اکثر علماء' مفسرین اور محدثین کے نزدیک اس آیت کی روشنی میں اولیاء اللہ کے مزار پر ان کی یادگار قائم کرنا اور ان کے

قرب اور جوار میں مسجد تعمیر کرنا اور وہاں نماز پڑھنا اور ان سے برکت اور فیض حاصل کرنا جائز ہے' اور چند علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے اور اس کو ناجائز اور حرام لکھا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے صالحین کی قبروں پر عمارت (مثلاً گنبد) بنانے اور اس کے نزدیک مسجد بنانے اور اس میں نماز پڑھنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے' اور جن لوگوں نے اس کا ذکر کیا ہے ان میں شہاب الدین خفاجی ہیں جنہوں نے حواشی بیضاوی میں اس کو لکھا ہے لیکن ان کا یہ قول باطل عاطل فاسد اور کاسد ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانے اور اس کے نزدیک مسجد بنانے کی ممانعت ہے۔ (روح المعانی جز ۱۵ ص ۳۴۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی نے یہاں پر بہت لمبی بحث کی ہے اور قبر پر گنبد بنانے کو ناجائز لکھا ہے اور یہ کہا ہے کہ جن قبروں پر گنبد بنے ہوئے ہیں' ان کو منہدم کرنا واجب ہے حتیٰ کہ امام شافعی کی قبر پر جو بادشاہوں نے گنبد بنایا ہے اس کو توڑنا بھی واجب ہے' اور ہر شخص کے لیے واجب ہے کہ وہ گنبدوں کو منہدم کر دے بہ شرطیکہ اس سے کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔

(روح المعانی جز ۱۵ ص ۳۴۴' مطبوعہ ۱۴۱۷ھ)

لیکن اس بحث کے آخر میں علامہ آلوسی نے اپنے مطلوب کے اثبات میں ایک ایسی دلیل لکھی ہے جس سے ان کا مطلوب باطل ہو گیا اور اس کے ثبوت میں دیئے ہوئے تمام دلائل ضائع ہو گئے۔ وہ لکھتے ہیں:

تمہارے لیے حق کی معرفت میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی اتباع کرنا کافی ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے ساتھ کیا' کیونکہ وہ روئے زمین کی سب سے افضل قبر ہے بلکہ وہ عرش سے بھی افضل ہے' آپ کے اصحاب آپ کی قبر کی زیارت کرتے تھے اور اس پر سلام پڑھتے تھے سو تم اصحاب رسول کے افعال کی اتباع کرو۔

(روح المعانی جز ۱۵ ص ۳۴۶' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک حضرت اُم المومنین کے حجرہ میں بنائی گئی تھی اور وہ حجرہ بہرحال ایک مسقف عمارت ہے اور اس قبر مبارک کے جوار میں مسجد نبوی ہے جہاں ہر دور میں مسلمان نماز پڑھتے رہے ہیں۔ سو علامہ آلوسی کی اپنی عبارت سے قبر پر گنبد بنانا اور قبر کے جوار میں مسجد بنانا دونوں امر ثابت ہو گئے۔

ابتداء اسلام سے لے کر اب تک اُمت کے صالحین اور علماء' بزرگانِ دین کے مزارات پر گنبد بناتے چلے آئے ہیں۔ اس لیے اُمت کے اجماعی عمل سے گنبد بنانے کا جواز ثابت ہے' اور احادیث میں جو قبر کے اوپر عمارت بنانے کی ممانعت ہے' وہ بلا ضرورت تعمیر پر محمول ہے' جس طرح شیخ عثمانی نے قبر پر لکھنے کی ممانعت کو بلاضرورت لکھنے پر محمول کیا ہے اور جواز کو اُمت کے اجماعی عمل کی بناء پر ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بعینہٖ اسی دلیل سے مزارات پر گنبد بنانے کو جائز قرار دیا ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

جب قبر پر کسی فائدہ کی وجہ سے خیمہ لگایا جائے مثلاً تاکہ خیمہ کے نیچے قاری بیٹھ کر قرآن پڑھیں تو پھر اس کی (حدیث میں) ممانعت نہیں ہے اور سلف صالحین نے مشہور علماء اور مشائخ کی قبروں پر عمارت بنانے کو جائز قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور آرام سے بیٹھیں۔ (المرقات ج ۴ ص ۶۹' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۲ھ)

علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

میرے شیخ علی اور بھائی افضل الدین عام لوگوں کی قبروں پر گنبد بنانے' تابوت رکھنے اور چادریں چڑھانے کو مکروہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ قبروں پر گنبد اور چادریں صرف انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء کی شان کے لائق ہیں' رہے ہم تو ہمیں لوگوں کے قدموں کے نیچے راستے میں دفن کر دینا چاہیے۔ (لواقح الانوار القدسیہ ص ٤٢٦' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٨ھ)

صالحین کی قبروں کے پاس مسجد بنانے پر سید مودودی کے اعتراضات اور ان کے جوابات

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٩ھ' صالحین کی قبور کے قرب اور جوار میں مسجد بنانے کے عدم جواز کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسلمانوں میں سے بعض لوگوں نے قرآن مجید کی اس آیت کا بالکل اُلٹا مفہوم لیا ہے۔ وہ اسے دلیل ٹھہرا کر مقابرِ صلحاء پر عمارتیں اور مسجدیں بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں' حالانکہ یہاں قرآن ان کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو نشانی ان ظالموں کو بعث بعد الموت اور امکانِ آخرت کا یقین دلانے کے لیے دکھائی گئی تھی' اسے انہوں نے ارتکابِ شرک کے لیے ایک خداداد موقع سمجھا اور خیال کیا کہ چلو' کچھ اور ولی پوجا پاٹ کے لیے ہاتھ آ گئے۔ پھر آخر اس آیت سے قبورِ صالحین پر مسجدیں بنانے کے لیے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اس کی نہی میں موجود ہیں:

لعن اللہ تعالٰی زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج. (احمد' ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ)

اللہ نے لعنت فرمائی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے اور چراغ روشن کرنے والوں پر۔

الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاء ھم مساجد فانی انھکم عن ذلک. (مسلم)

خبردار رہو' تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتے تھے' میں تمہیں اس حرکت سے منع کرتا ہوں۔

لعن اللہ تعالٰی الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد. (احمد' بخاری' مسلم' نسائی)

اللہ نے لعنت فرمائی یہود اور نصاریٰ پر' انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔

ان اولئک اذا کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علٰی قبرہ مسجدا وصوروا فیہ تلک الصور اولئک شرار الخلق یوم القیمۃ (احمد' بخاری' مسلم' نسائی)

ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ اگر ان میں کوئی مرد صالح ہوتا تو اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر مسجدیں بناتے اور اس کی تصویریں تیار کرتے تھے۔ یہ قیامت کے روز بدترین مخلوقات ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تصریحات کی موجودگی میں کون خدا ترس آدمی یہ جرأت کر سکتا ہے کہ قرآن مجید میں عیسائی پادریوں اور رومی حکمرانوں کے جس گمراہانہ فعل کا حکایۃً ذکر کیا گیا ہے' اس کو ٹھیک وہی فعل کرنے کے لیے دلیل و حجت ٹھہرائے؟ (تفہیم القرآن ج ٣ ص ١٩-١٨' مطبوعہ لاہور' ١٩٨٢ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ عیسائی پادری اور رومی حکمرانوں نے مسجد بنائی تھی اور یہ ان کا گمراہانہ فعل تھا۔ یہ انہوں نے غلط لکھا ہے' عیسائی پادری تو غار کے اوپر اصحابِ کہف کی یادگار قائم کرنے کے لیے ایک عمارت بنانا چاہتے تھے جبکہ مسلمان وہاں مسجد بنانا چاہتے تھے اور بالآخر انہیں کی رائے غالب رہی۔ امام ابن جریر متوفی ٣١٠ھ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن عبید بن عمیر نے بیان کیا کہ جو لوگ اصحابِ کہف کے غار پر مطلع ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو اندرونِ غار کی

جگہ سے اندھا کر دیا تھا۔ مشرکین نے کہا' ہم اس جگہ ایک عمارت بنائیں گے' وہ ہمارے آباؤ اجداد کے بیٹے ہیں' ہم اس عمارت میں اللہ کی عبادت کریں گے۔ مسلمانوں نے کہا بلکہ ہم ان کے زیادہ حق دار ہیں' وہ ہم میں سے ہیں' ہم اس جگہ پر ایک مسجد بنائیں گے' اس میں نماز پڑھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۳۱۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ابن قتیبہ نے کہا مفسرین نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے مسجد بنائی تھی' وہ بادشاہ اور اس کے مومن اصحاب تھے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۲۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو الحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

جس نے اس غار پر عمارت بنانے کی دعوت دی تھی وہ ایک کافر عورت تھی اس کا ارادہ تھا کہ وہاں ایک گرجا بنائے یا کفریہ کاموں کے لیے عمارت بنائے تو مسلمانوں نے اس کو منع کیا اور وہاں ایک مسجد بنا دی۔

(البحر المحیط ج ۷ ص ۱۵۹۔ ۱۵۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس لیے سید مودودی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ یہ مسجد عیسائی پادریوں نے بنائی تھی اور یہ ایک گمراہانہ فعل تھا۔ اب ہم ان احادیث پر گفتگو کرتے ہیں جن کی بناء پر سید مودودی نے یہ کہا ہے کہ صالحین کی قبر کے پاس مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔

صالحین کی قبروں کے پاس مساجد بنانے کی ممانعت میں احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس میں تصاویر تھیں' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: جب ان میں کسی نیک شخص کی وفات ہو جاتی تو وہ اس کی قبر کے پاس ایک مسجد بنا دیتے اور اس میں یہ تصویریں رکھ دیتے' وہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہوں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۰۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحت مند نہیں ہوئے' اس میں آپ نے فرمایا: اللہ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو میں آپ کی قبر کو ظاہر کر دیتی۔ البتہ مجھے یہ خوف ہے کہ آپ کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۹۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ یہود کو قتل کرے انہوں نے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا ڈالا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۷)

ممانعت کی احادیث کا منسوخ ہونا

حافظ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث کی بناء پر بعض علماء صالحین کے قرب میں مساجد بنانے کو ناجائز کہتے ہیں لیکن ان کے معارض یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو

مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں' ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے' اور تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور آلۂ طہارت بنا دیا گیا ہے' پس میری اُمت میں سے جس شخص نے جہاں بھی نماز کا وقت پایا وہ نماز پڑھ لے' اور میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا' اور مجھے شفاعت دی گئی ہے اور پہلے نبی ایک خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۶-۴۳۲)

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہے کہ تمام روئے زمین کو آپ کے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے اور تمام روئے زمین میں وہ جگہ بھی داخل ہے جو صالحین کے قرب و جوار میں ہے۔ لہٰذا اس جگہ مسجد بنانا بھی جائز ہے اور وہاں نماز پڑھنا بھی جائز ہے' اگر یہ کہا جائے کہ جن احادیث میں صالحین کے قرب میں مسجد بنانے کی ممانعت ہے ان سے یہ حدیث منسوخ ہو جائے گی۔ تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں ہے اور فضائل منسوخ نہیں ہوتے اور نہ فضائل میں تخصیص ہوتی ہے اور نہ فضائل میں استثناء ہوتا ہے' نسخ صرف امر اور نہی میں جاری ہوتا ہے اور جب ان احادیث میں تعارض ہے تو واضح ہو گیا کہ جس حدیث میں آپ نے فرمایا: تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے' وہ حدیث ان احادیث کے لیے ناسخ ہے جن میں صالحین کے پاس مسجد بنانے کی ممانعت ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا مسجدِ حرام۔ میں نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے پوچھا ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: چالیس سال' اور تم جس جگہ بھی نماز کا وقت پاؤ تم وہیں نماز پڑھ لو' وہی جگہ تمہارے لیے مسجد ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۵۳)

اس حدیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ صالحین کے جوار میں مسجد بنانا جائز ہے۔

(التمہید ج ۱ ص ۱۳۷-۱۳۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

صالحین کی قبور کے پاس مسجد بنانے کی ممانعت کے محامل

قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

ائمہ مسلمین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جگہ کو قبلہ بنانے سے منع کیا ہے' کیونکہ جب نماز میں نمازیوں کا منہ آپ کی طرف ہو گا تو وہ نماز صورۃً آپ کی عبادت ہو جائے گی۔ اس وجہ سے صحابہ نے قبر مبارک کی بائیں جانب ایک دیوار بنا دی حتیٰ کہ اب جو شخص وہاں نماز پڑھے گا' اس کے لیے نماز میں آپ کی طرف منہ کرنا ممکن نہیں ہو گا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۴۵۱' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ صالحین کی قبر کے پاس نماز پڑھنا' اس وقت منع ہے جب نمازی اور قبر کے درمیان کوئی حائل نہ ہو' اور جب نمازی اور قبر کے درمیان دیوار ہو یا اور کوئی حائل ہو تو پھر قبر کے پاس نماز پڑھنا ممنوع نہیں ہے۔ لہٰذا صالحین کی قبروں کے جوار میں مساجد کا بنانا بھی جائز ہے کیونکہ جب قبر کے پاس مسجد بنائی جائے گی تو مسجد کی دیوار قبر اور نمازی کے درمیان حائل ہو جائے گی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے ساتھ مسجد نبوی بنی ہوئی ہے اور اس کی دیواریں قبلہ اور نمازی کے درمیان حائل ہیں۔

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطرہ تھا کہ مسلمان آپ کی قبر کی اس طرح تعظیم کریں گے جس طرح یہود اور نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کی تعظیم کی تھی۔ اس لیے آپ نے یہود و نصاریٰ اور ان کے کاموں پر لعنت کی تاکہ مسلمان آپ کی قبر انور کے ساتھ ان کی طرح معاملہ نہ کریں کیونکہ یہود و نصاریٰ اپنے نبیوں کی تعظیم کے لیے ان کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے' اور ان کی قبروں کو قبلہ بناتے تھے اور نماز میں ان کی قبروں کی طرف منہ کرتے تھے اور انہوں نے ان کی قبروں کو بُت بنا لیا تھا اس لیے آپ نے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو اس کام سے منع کیا۔

لیکن جس شخص نے کسی مرد صالح کے قرب اور جوار میں مسجد بنائی یا اس کے مقبرہ میں نماز پڑھی اور اس کی روح سے فیض حاصل کرنے کا قصد کیا یا یہ ارادہ کیا کہ اس مرد صالح کی عبادات کا اثر اس تک پہنچے' اور نماز میں اس مرد صالح کی تعظیم اور اس کی طرف توجہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں حطیم کے پاس ہے' اس کے باوجود یہ مسجد نماز پڑھنے کی روئے زمین میں سب سے افضل جگہ ہے اور قبروں کے پاس نماز پڑھنے کی ممانعت کھدی ہوئی قبروں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ وہ جگہ نجاست کے ساتھ ملوث ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تاکید کے لیے مکرر فرمایا: انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد نہ بناؤ' میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔ (مسلم) مقبرہ میں نماز پڑھنے کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس کو مکروہ کہا ہے خواہ وہاں کی مٹی بھی پاک ہو اور جگہ بھی پاک ہو۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے اور بعض علماء نے کہا مقبرہ میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ غالب حال یہ ہے کہ قبرستان کی زمین مردوں کے جسموں اور ان کی آلائش اور پیپ وغیرہ سے مخلوط اور ملوث ہوتی ہے' اور یہ ممانعت اس جگہ کی نجاست کی وجہ سے ہے اگر جگہ پاک ہو تو پھر وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الکاشف عن حقائق السنن (شرح الطیبی) ج ۲ ص ۲۳۵' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۳ھ)

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے:

جو شخص کسی مرد صالح کے جوار میں مسجد بنائے اور اس کے قرب سے برکت حاصل کرنے کا ارادہ کرے نہ کہ اس کی تعظیم اور نماز میں اس کی طرف توجہ کا تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۲۵' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے علامہ طیبی کی عبارت نقل کی ہے اور مزید لکھا ہے:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر کی صورت حطیم میں میزاب کے نیچے ہے اور حطیم میں اور حجر اسود اور میزاب کے درمیان ستر نبیوں کی قبریں ہیں۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۰۲' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۲ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ الطیبی کی عبارت نقل کی ہے۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۳' مطبوعہ مطبع حجازی قاہرہ' ۱۳۵۷ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے اس حدیث کی شرح میں حافظ عسقلانی کی عبارت نقل کی ہے۔

(فتح الملہم ج ۲ ص ۱۲۱' مطبوعہ مکتبۃ الحجاز' کراچی)

علامہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ یہود و نصاریٰ انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے اور ان قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے انہوں نے ان قبروں کو بُت بنا لیا تھا' اس لیے مسلمانوں کو قبروں کے پاس اس طرح کے کاموں سے منع فرمایا' لیکن جس نے کسی مرد صالح کے قریب مسجد بنائی یا کسی مقبرہ میں نماز پڑھی تاکہ اس مرد صالح کے آثار سے تبرک حاصل کرے اور اس جگہ

اس کی دعا قبول ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' اور اس پر دلیل یہ ہے کہ مسجد حرام میں حطیم کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے' اس کے باوجود نماز پڑھنے کے لیے وہ جگہ روئے زمین میں سب سے افضل ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۴۲۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمد السنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی اسی عبارت کو نقل کیا ہے۔

(معلم اکمال الاکمال ج ۲ ص ۴۲۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

صالحین کے جوار میں مسجد بنانے پر مفسرین کی تصریحات

علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ الکھف: ۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مسلمانوں میں سے جو اصحاب کہف کے معاملات میں غالب دخل رکھتے تھے' انہوں نے کہا ہم غار کے دروازہ پر مسجد بنائیں گے تاکہ مسلمان اس مسجد میں نماز پڑھیں اور اس جگہ سے برکت حاصل کریں۔

(الکشاف ج ۲ ص ۶۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

قاضی احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

غار کے دروازہ پر مسلمانوں کا مسجد بنانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ صالحین کی قبروں کے پاس مسجد بنانا جائز ہے' جیسا کہ کشاف میں اس طرف اشارہ ہے اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۱۵۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن محمود النسفی الحنفی التوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

مسلمان اور ان کا بادشاہ جو اصحاب کہف کے معاملہ پر غالب تھے' انہوں نے کہا کہ ہم غار کے منہ پر مسجد بنائیں گے اور اس جگہ سے برکت حاصل کریں گے۔ (مدارک التنزیل علی حاشیۃ الخازن ج ۳ ص ۲۰۶' مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

قاضی محمد ثناء اللہ نقشبندی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اولیاء اللہ کے مقابر کے پاس مسجد بنانا جائز ہے تاکہ ان سے برکت حاصل کی جائے (الی قولہ) جن احادیث میں قبروں کے پاس نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے ان کا محمل یہ ہے کہ قبروں کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو' جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ (التفسیر المظہری ج ۶ ص ۲۴۔۲۳' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ)

قاضی ثناء اللہ نے صحیح مسلم کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر پر نہ بیٹھو اور نہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۶۰)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

اس (آیت) سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات کے قریب مسجدیں بنانا اہل ایمان کا قدیم طریقہ ہے' اور قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمانا اور اس کو منع نہ کرنا' اس فعل کے درست ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے جوار سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے اہل اللہ کے مزارات پر لوگ حصول برکت کے لیے جایا کرتے ہیں اور اسی لیے قبروں کی زیارت سنت اور موجب ثواب ہے۔ (خزائن العرفان برحاشیہ کنز الایمان ص ۴۷۳' مطبوعہ تاج کمپنی' کراچی' لاہور)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس واقعہ سے اتنا معلوم ہوا کہ اولیاء صلحاء کی قبور کے پاس نماز کے لیے مسجد بنا دینا کوئی گناہ نہیں' اور جس حدیث میں قبور

انبیاء کو مسجد بنانے والوں پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد خود قبور کو سجدہ گاہ بنا دینا ہے جو باتفاق شرک و حرام ہے۔

(مظہری) (معارف القرآن ج ۵ ص ۵۷۷' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۴۱۲ھ)

شیخ محمد ادریس کاندھلوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بالآخر جو لوگ اپنی بات میں غالب رہے یعنی بیدروس اور اس کے اصحاب تو انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنائیں گے یعنی ایک عبادت خانہ بنائیں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ خدائے وحدہ لاشریک کے عبادت گزار بندے تھے معبود نہ تھے' موحد تھے مشرک نہ تھے' اور ان کی عبادت کے مناسب بھی یہی ہے کہ ان کی یادگار میں مسجد یعنی عبادت خانہ بنا دیا جائے۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ناجائز اور حرام ہے اور قبروں کے قریب مسجد بنانا جائز ہے۔ معاذ اللہ مسجد بنانے سے یہ غرض نہ تھی کہ لوگ ان کی قبروں کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ صالحین کے قرب و جوار میں ایک عبادت خانہ بنا دیا جائے تاکہ لوگ ان کی طرح عبادت کیا کریں اور وہاں نمازیں پڑھا کریں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں' اور جس طرح اہل کہف بعث و نشور اور قیامت کے قائل تھے اسی طرح لوگوں کو چاہیے کہ مسجد میں حاضر ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور آخرت کی تیاری کریں۔ اہل کہف کے ظاہر ہونے پر مومنین غالب ہوئے جو حشر و نشر اور قیامت کے قائل تھے اس لیے ان کی رائے یہ ہوئی کہ ان کی یاد میں مسجد بنا دی جائے جو آخرت کا بازار ہے' عبادت گزار بندوں کی یادگار میں ان کے قریب مسجد بنا دینا مناسب ہے جس میں دن رات اللہ کی عبادت ہوتی رہے۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۴۰۵' مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ لاہور' ۱۹۸۳ء)

ان کثیر حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ مزار کے قریب مسجد بنانے کے فعل کو سید مودودی کا گمراہانہ فعل لکھنا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عنقریب لوگ کہیں گے وہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا یہ تمام اقوال اٹکل پچو پر مبنی ہیں اور (بعض لوگ) کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا' آپ کہیے کہ میرا رب ہی ان کی صحیح تعداد کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے' ان کو صرف چند لوگ جاننے والے ہیں سو آپ ان کے متعلق صرف سرسری بات کریں اور ان کے متعلق اہل کتاب سے کوئی سوال نہ کریں۔ (الکہف: ۲۲)

اصحابِ کہف کی تعداد بتانے والے قائلین

زجاج نے کہا جن لوگوں نے کہا تھا کہ اصحاب کہف تین ہیں ان کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) نجران کے نصاریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابِ کہف کے متعلق مناظرہ کیا' ملکیہ نے کہا وہ تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا ہے' اور الیعقوبیہ نے کہا وہ پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتا ہے' اور النسطوریہ نے کہا وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے' اس قول کو ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

(۲) الماوردی نے کہا یہ اصحاب کہف کے شہر والوں کے اقوال تھے جب تک اصحابِ کہف کا ان پر ظہور نہیں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رجما بالغیب یعنی ان کے یہ اقوال محض ظنی تھے' یقینی نہ تھے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۲۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۸ھ)

اصحابِ کہف کی صحیح تعداد

اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق تین قول ذکر کیے ہیں ان اقوال میں اولیٰ اور راجح قول کون سا ہے' مفسرین

کا مختار یہ ہے کہ ان میں تیسرا قول راجح ہے یعنی اصحاب کہف کی تعداد سات ہے اور آٹھواں ان کا کتا ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے پہلے اور دوسرے قول کے ساتھ واؤ کا ذکر نہیں کیا اور تیسرے قول کے ساتھ واؤ کا ذکر فرمایا ہے۔ (وثامنھم) اور تیسرے قول کو پہلے دو قولوں سے منفرد طریقہ سے ذکر کرنا' اس بات کی دلیل ہے کہ یہی قول صحیح ہے۔

(۲) پہلے اور دوسرے قول کے بعد فرمایا: رجما بالغیب اور تیسرے قول کے بعد رجما بالغیب نہیں فرمایا۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ پہلے دو قول کہنے والوں کے ظن اور گمان پر مبنی تھے اور تیسرا قول ظنی نہیں ہے بلکہ یقینی اور حتمی ہے۔

(۳) اللہ نے پہلے دو قولوں کے بعد فرمایا: رجما بالغیب اور تیسرے قول کے بعد فرمایا آپ کہیے کہ میرا رب ہی ان کی صحیح تعداد کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور اس اسلوب کو تبدیل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہی تیسرا قول برحق ہے۔

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اصحاب کہف سات ہیں اور ان کے یہ اسماء ہیں:

یملیخا' مکسلمینا' مسلثینا۔ یہ تینوں بادشاہ کی دائیں جانب تھے' اور بادشاہ کی بائیں جانب یہ تھے: مرنوس' دبرنوس اور سادنوس۔ بادشاہ اپنی مہمات میں ان چھ سے مشورہ کیا کرتا تھا اور ساتواں وہ چرواہا تھا جوان کے ساتھ اس وقت مل گیا تھا جب وہ ابتداءً غار کی طرف جا رہے تھے' ان کے کتے کا نام قطمیر تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۴۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو آپ ان کے متعلق صرف سرسری بات کریں اور ان کے متعلق اہل کتاب سے کوئی سوال نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب کہف کے متعلق کسی سے سوال کرنے سے منع فرما دیا اور یہ اسی وقت ہو سکے گا جب اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو اصحاب کہف کے متعلق تمام احوال اور کوائف بتا دیے ہوں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اصحاب کہف کو صرف چند لوگ جاننے والے ہیں اور یہ بہت بعید ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اصحاب کہف کی تعداد اور ان کے دیگر احوال کا علم نہ ہو اور دوسرے بعض لوگوں کو اس کا علم ہو' اور ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم صرف وحی سے حاصل ہوگا' اور وحی یہاں پر یہی آیت ہے: اور وہ کہتے ہیں کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے' کیونکہ پہلے دو قولوں کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا وہ رجماً بالغیب ہیں پھر یہی قول مراد ہے: ویقولون سبعة و ثامنھم کلبھم.

سات اوصاف کے درمیان واؤ کا ذکر نہ کرنا اور آٹھویں وصف سے پہلے واؤ کا ذکر کرنا

اللہ تعالیٰ نے پہلے دو قولوں کے ساتھ واؤ کا ذکر نہیں کیا اور تیسرے قول کے ساتھ واؤ کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًاۢ بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ. (الکھف: ۲۲)

عنقریب لوگ کہیں گے وہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا' یہ تمام اقوال اٹکل پچو پر مبنی ہیں اور (بعض) کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔

اس میں ثلثة رابعھم کلبھم' خمسة سادسھم کلبھم کے بعد واؤ نہیں ہے اور سبعة کے بعد واؤ ہے کیونکہ فرمایا سبعة و ثامنھم کلبھم۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے نزدیک عدد میں سبعة مبالغہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً. (التوبۃ: ۸۰) آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں۔

اس وجہ سے اگر سات چیزوں کے بعد وہ کسی آٹھویں چیز کا ذکر کریں تو اس کے ساتھ واؤ کا ذکر کرتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

التائبون العبدون الحمدون السائحون الرکعون السجدون الا مرون بالمعروف. (التوبۃ: ۱۱۲) یہ سات اوصاف ہیں ان کے درمیان واؤ نہیں لیکن اس کے بعد جب آٹھواں وصف ذکر کیا تو اس کے بعد واؤ ہے: والناھون عن المنکر.

اس کی دوسری مثال یہ ہے:

مسلمٰت مؤمنٰت قٰنتٰت تئبٰت عٰبدٰت سٰٓئحٰت ثیبٰت یہاں تک سات اوصاف بغیر واؤ کے ذکر فرمائے اور جب آٹھواں وصف آیا تو اس کو واؤ کے ساتھ ذکر فرمایا: وابکارا (التحریم: ۵)

اور اس کی تیسری مثال یہ ہے:

وسیق الذین کفروا الی جھنم زمرا حتی اذا جاء وھا فتحت ابوابھا یہاں فتحت سے پہلے واؤ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ جہنم کے سات دروازے ہیں پھر فرمایا: وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا حتی اذا جاء وھا و فتحت ابوابھا یہاں فتحت سے پہلے واؤ کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور سات عدد ذکر کرنے کے بعد واؤ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (الزمر: ۷۳۔۷۱)

لیکن اس پر قفال اور قشیری وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کہاں سے معلوم ہو گیا ہے کہ سات کا عدد ان کے نزدیک عدد کی انتہا ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے:

ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر. (الحشر: ۲۳) اس آیت میں المتکبر آٹھواں لفظ ہے اور اس کو واؤ کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۴۹، الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۴۳)

سورہ حشر کی آیت کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے قواعد اکثری ہوتے ہیں، کلی نہیں ہوتے۔

اس آیت میں ہے ان کو صرف چند لوگ جانتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان چند لوگوں میں سے میں بھی ہوں، ان کے نام یہ ہیں: مکسلمثا، یملیخا۔ یہ وہی ہے جو چاندی کے سکے لے کر شہر گیا تھا، اور مرطونس اور یبونس اور ذرنونس اور کفاشطیطوس یہ وہ چرواہا تھا جو ان کے ساتھ چلا گیا تھا اور ان کے کتے کا نام قطمیر دوز الکردی ہے اور فرق القبطی ہے اور القبطی کے علاوہ میں کسی کو نہیں جانتا۔

ابوشبل نے کہا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جس شخص نے ان اسماء کو کسی جلتی ہوئی چیز میں ڈال دیا تو وہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۱۰۹، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض)

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ

اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں ○ مگر یہ کہ اللہ

اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ

چاہے، اور جب بھی آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کر لیں، اور آپ کہیے کہ عنقریب میرا رب مجھے اس سے

لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾ وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ

زیادہ ہدایت کے قریب راستہ دکھلائے گا ۝ اور وہ اپنے غار میں تین سو سال ٹھیرے تھے،

وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور انہوں نے اس پر نو سال زیادہ کیے ۝ آپ کہیے کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے وہ کتنا عرصہ ٹھیرے تھے آسمانوں اور زمینوں کے غیب

اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ۫ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ

اسی کے پاس ہیں، وہ کتنا زیادہ دیکھنے والا اور کتنا زیادہ سننے والا ہے، اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں ہے اور وہ اپنے حکم میں

حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ

کسی کو شریک نہیں کرتا ۝ اور آپ اس وحی کی تلاوت کیجیے جو آپ کے رب کی کتاب سے آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اس کے کلمات کو کوئی تبدیل

لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٧﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ

کرنے والا نہیں ہے اور آپ اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے ۝ اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے

الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا

ساتھ لازم رکھیں جو صبح اور شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی

تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ

آنکھیں ان سے نہ ہٹائیں کہ آپ دنیاوی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہوں، اور آپ اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے

عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿٢٨﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ وقف

اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ۝ اور آپ کہیے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے

فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ

سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے، بے شک ہم نے ظالموں کے لیے ایسی دوزخ تیار

نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ

کی ہے جس (کے شعلوں) کی چار دیواری ان کا احاطہ کرے گی، اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اس پانی سے پوری ہوگی جو پگھلے ہوئے تانبے

يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا وہ کیسا برا مشروب ہے! اور وہ دوزخ کیسی بری آرام کی جگہ ہے ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

اور انہوں نے نیک کام کیے، یقیناً ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جنہوں نے نیک کام کیے ہوں ○ ان کے لیے

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ

دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، انہیں وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں

مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ

گے، وہ وہاں ریشم کے ہلکے اور دبیز سبز کپڑے پہنیں گے اور وہ وہاں مسندوں پر

فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع

تکیے لگائے ہوئے ہوں گے، کیسا اچھا اجر ہے اور وہ جنت کیسی اچھی آرام کی جگہ ہے ○

ع ۱۶ | ۴ | ۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں ○ مگر یہ کہ اللہ چاہے' اور جب بھی آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں اور آپ کہیے کہ عنقریب میرا رب مجھے اس سے زیادہ ہدایت کے قریب راستہ دکھائے گا۔ (الکھف: ۲۴۔۲۳)

اِن شاء اللہ کہنے کے ترک کی ممانعت

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان آیتوں کے نزول کا سبب یہ ہے کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روح اور اصحاب کہف کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے اس اعتماد سے کہ آپ پر آج وحی نازل ہو جائے گی' فرمایا: میں تمہیں کل بتا دوں گا اور آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ پس حضرت جبرائیل نے پندرہ دن تاخیر کر دی کیونکہ آپ نے ان شاء اللہ نہیں فرمایا تھا' اور اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ یوں ہرگز نہ کہیں کہ میں کل فلاں کام کروں گا بلکہ یوں کہیں کہ ان شاء اللہ میں کل فلاں کام کروں گا۔

مفسرین نے ان آیتوں کے تین معانی ذکر کیے ہیں:

(۱) جب آپ ان شاء اللہ کہنا بھول جائیں پھر آپ کو بعد میں یاد آئے تو آپ ان شاء اللہ کہہ لیں' یہ جمہور کا قول ہے۔

(۲) اذا نسیت کا معنی ہے' اذا غضبت یعنی جب آپ غضب ناک ہوں تو ان شاء اللہ کہیں کیونکہ غضب کی وجہ سے نسیان ہوتا ہے۔ یہ عکرمہ اور ماوردی کا قول ہے۔

(۳) جب آپ کسی چیز کو بھول جائیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کریں تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ چیز یاد دلا دے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۲۸۔۱۲۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۸ھ)

ان شاء اللہ کہنے کے فقہی مسائل

ان شاء اللہ کہنے کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کسی کام کا وعدہ کرے اور پھر وہ کام نہ کر سکے تو اس کی وعدہ خلافی نہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا:

سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا (الکھف: ۷۰) اگر اللہ نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت خضر علیہ السلام کے بہ ظاہر غیر شرعی کاموں پر اعتراض کرنے سے صبر نہیں کر سکے تھے لیکن چونکہ انہوں نے ان شاء اللہ کہا تھا اس لیے ان کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔

امام مالک اور امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا ان شاء اللہ تم کو طلاق ہے تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی' اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ یہ طلاق نہیں ہوگی' اور اگر کسی شخص نے قسم کے ساتھ ان شاء اللہ کہا تو اس میں اتفاق ہے کہ وہ قسم منعقد نہیں ہوگی۔

ان شاء اللہ کہنے کے وقت میں تین اقوال ہیں:

(۱) ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اگر کلام کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہا جائے تو استثناء درست ہوگا ورنہ نہیں۔ مثلاً اس نے قسم کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہا تو قسم منعقد نہیں ہوگی اور کچھ دیر بعد ان شاء اللہ کہا تو قسم منعقد ہو جائے گی۔

(۲) جب تک وہ مجلس میں موجود ہے اس کا ان شاء اللہ کہنا معتبر ہوگا اور مجلس کے بعد معتبر نہیں ہوگا' یہ حسن اور طاؤس کا قول ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد اور سعید بن جبیر نے یہ کہا کہ اگر اس نے ایک سال بعد بھی ان شاء اللہ کہا تو معتبر ہوگا۔

(ایک مرتبہ منصور کو یہ بات پہنچی کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت ابن عباس کے مذہب کی مخالفت کی ہے۔ اس نے امام ابوحنیفہ کو بلا کر باز پرس کی اور کہا تم ہمارے دادا کے مذہب کی مخالفت کرتے ہو! امام اعظم نے فرمایا امیر المومنین! حضرت ابن عباس کا مذہب تو آپ کے لیے نقصان دہ ہے۔ منصور نے پوچھا وہ کیسے؟ امام اعظم نے فرمایا ایک شخص دربار میں آ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرے گا اور باہر آ کر کہہ دے گا ان شاء اللہ تو پھر یہ بیعت لازم نہیں ہوگی۔ منصور یہ جواب سن کر بہت متاثر ہوا اور امام اعظم کی تحسین کی۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۵۲' زاد المسیر ج ۵ ص ۱۲۹-۱۲۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم الغیب عطا فرمانا

علامہ علی بن احمد الواحدی التوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

جب کفار مکہ نے بہ طور عناد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف کے قصہ کے متعلق سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: آپ کہیے کہ عنقریب میرا رب مجھے اس سے زیادہ ہدایت کے قریب راستہ دکھائے گا یعنی آپ کی نبوت پر اور بہت دلائل نازل فرمائے گا' جو بہت زیادہ واضح ہوں گے اور ہدایت کے حصول کے زیادہ قریب ہوں گے' اور اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرسلین کے احوال کے بہت علوم الغیب عطا فرمائے۔

(الوسیط ج ۳ ص ۱۴۳' معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۳۱' زاد المسیر ج ۵ ص ۱۲۹)

ان شاء اللہ کہنے کو بھولنے کی حکمتیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں تمہیں کل اس کی خبر دے دوں گا اور آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے۔ آپ کے بھول جانے میں اُمت کے لیے رحمت ہے' پہلی رحمت تو یہ ہے کہ آپ کے بھول جانے کی وجہ سے یہ آیتیں نازل ہوئیں' اور یہ بات ازل میں مقرر تھی کہ آپ بھولیں گے اور یہ آیات نازل ہوں گی۔ دوسری رحمت یہ ہے کہ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ان شاء اللہ کہنا بھول جائے تو وہ اس کا کس طرح تدارک کرے' اور تیسری رحمت یہ ہے کہ یہ واقعہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی صحت کی دلیل بن گیا کیونکہ کفار یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے اور یہ آپ کا اپنا بنایا ہوا کلام ہے جس کو آپ نے اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے' اور اس واقعہ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ قرآن آپ کا اپنا بنایا ہوا کلام ہوتا تو جب آپ نے فرمایا تھا میں کل اس کی خبر دوں گا تو آپ آنے والی کل بتا دیتے کہ ان کا کیا قصہ ہے اور جب آپ پر اس دن وحی نازل نہیں ہوئی بلکہ مسلسل پندرہ دن تک وحی نازل نہیں ہوئی تو معلوم ہو گیا کہ یہ آپ کا کلام نہیں ہے اور نہ اس کا نزول آپ کے اختیار میں ہے بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے' وہ جب چاہتا ہے اس کلام کو نازل فرماتا ہے' اور چونکہ آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے اس لیے اس دن وحی نازل نہیں ہوئی جس دن کا آپ نے وعدہ فرمایا تھا' اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وحی کا نزول آپ کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ یہ قرآن آپ کا کلام ہے بلکہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی وحی ہے اور آپ پر وحی کا نزول ہی آپ کی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے۔

نسیان کا لغوی اور اصطلاحی معنی

جو چیز انسان کی قوت حافظہ میں ہو اور اس کی طرف سے توجہ ہٹ جائے تو اس کو سہو اور ذھول کہتے ہیں اور جب وہ چیز حافظہ سے نکل جائے تو اس کو نسیان کہتے ہیں۔ اور نسیان کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا یاد نہ رہنا اور اس کو بھول جانا۔

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو ہوتا تھا' نسیان نہیں ہوتا تھا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۲۳ بیروت)

اس کی وجہ یہ ہے کہ سہو اور نسیان میں فرق ہے۔ حافظ العلائی نے کہا ہے کہ نسیان غفلت اور آفت ہے اور سہو کسی چیز میں دل کے مشغول ہونے سے ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو تو ہوتا تھا لیکن آپ نماز سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے آپ نے فرمایا: میں تمہاری مثل بشر ہوں جس طرح تم بھولتے ہو اسی طرح میں بھولتا ہوں' اور ائمہ لغت نے ان دونوں کو مساوی قرار دیا ہے کیونکہ دونوں کی تفسیر یہ کی ہے: غفلت' دل سے کسی چیز کا نکل جانا۔ علامہ راغب نے کہا ہے غفلت سے کسی چیز میں خطا کرنا سہو ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جس میں انسان کی تقصیر نہیں ہوتی' یہ وہ ہے جس کا سبب اس سے صادر نہ ہو' اور دوسری قسم وہ ہے جس میں اس نے سبب صادر کیا ہو۔ مثلاً اس نے کوئی نشہ آور چیز قصداً استعمال کی جس کی وجہ سے غافل ہوا' غفلت کی یہ قسم مذموم ہے۔ تہذیب' صحاح اور محکم میں اسی طرح مذکور ہے' اور النہایہ میں مذکور ہے بغیر علم کے کسی چیز کو ترک کر دینا سہو ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو علم کے باوجود کسی چیز کو ترک کرنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نماز میں سہو ہوا وہ اسی قسم کا ہے' اور میں یہ کہتا ہوں کہ سہو اور نسیان میں بلاشبہ فرق ہے جو چیز قوت حافظہ میں ہو' اس سے معمولی غفلت سہو ہے حتیٰ کہ ادنیٰ تنبیہ سے انسان اس چیز پر متنبہ ہو جائے اور نسیان یہ ہے کہ وہ چیز قوت حافظہ سے بالکلیہ زائل ہو جائے۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۱۶۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تحقیق یہ ہے کہ انسان کو جس چیز کا علم ہوتا ہے اس چیز کی صورت اس کی قوت مدرکہ میں بھی ہوتی ہے اور قوتِ حافظہ میں بھی ہوتی ہے۔ جب آدمی کسی چیز میں بہت مشغول ہو تو اس چیز کی صورت اس کی قوت مدرکہ سے نکل جاتی ہے لیکن قوتِ حافظہ میں باقی رہتی ہے اس کو سہو کہتے ہیں' اور کسی کے یاد دلانے سے یا لقمہ دینے سے اس کو وہ چیز یاد آ جاتی ہے' اور کسی بیماری یا آفت کی وجہ سے اس چیز کی صورت اس کی قوت مدرکہ کے علاوہ حافظہ سے بھی نکل جاتی ہے اور یاد دلانے سے بھی یاد نہیں آتی اور اس کو دوبارہ یاد کرنا پڑتا ہے' اس کو نسیان کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو جاتا تھا لیکن آپ کو نسیان نہیں ہوتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسیان کی نسبت کی تحقیق

امام مالک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ میرا فعل سنت بنایا جائے۔ (مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۲۸' کتاب السہو: ۲' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اسی طرح جب آپ کو نماز میں سہو ہوا تو آپ نے فرمایا: میں محض بشر ہوں (یعنی خدا نہیں ہوں) میں اس طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو پس جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۱۱)

ہم نے اوپر یہ لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نسیان نہیں ہوتا تھا اور ان حدیثوں میں آپ کی طرف نسیان کی نسبت کی گئی ہے اسی طرح اس آیت میں ہے: واذکر ربک اذا نسیت۔ (الکھف: ۲۴) اور اپنے رب کو یاد کیجئے جب آپ بھول جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان حدیثوں میں نسیان مجازاً سہو کے معنی میں ہے' اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ آپ نے اسی موقع پر یہ فرمایا تھا جب آپ کو نماز میں سہو ہو گیا تھا اور آپ نے ظہر یا عصر کی نماز کی پانچ رکعات پڑھ لیں تھیں' اور اس آیت میں بھی نسیان' سہو کے معنی میں ہے کیونکہ آپ کی توجہ ان شاء اللہ کہنے کی طرف نہیں ہوئی تھی' یہ بات نہیں تھی کہ ان شاء اللہ کہنا آپ کی قوتِ حافظہ سے بالکل نکل گیا تھا اور آپ کو از سر نو اس کو یاد کرنے کی ضرورت تھی۔

لیلۃ التعریس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو صبح کی نماز کے وقت اُٹھانے پر مامور کیا تھا لیکن کسی کی آنکھ نہیں کھلی حتیٰ کہ سورج نکل آیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۹۷' مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۶-۲۵)

حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض اوقات ایسی نیند آتی تھی جو آدمیوں کی نیند کے مشابہ ہوتی تھی اور ایسا کبھی کبھی ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ آپ میں ایسی نیند پیدا کرتا تھا تا کہ آپ کے بعد آپ کی اُمت میں نمونہ باقی رہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ میرا فعل سنت بنایا جائے۔ اور العلاء بن خباب کی روایت میں ہے: اگر اللہ چاہتا تو ہمیں بیدار کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ یہ تمہارے بعد سنت ہو جائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت' آپ کی جبلت اور آپ کی عادت معروفہ اور اسی طرح انبیاء سابقین کی عادت معروفہ وہ ہے جس کو آپ نے خود بیان فرمایا ہے: میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷)

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا: ہم معاشر الانبیاء ہماری آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارا دل نہیں سوتا۔

ان حدیثوں میں آپ نے اپنی نیند کی اس کیفیت کو وقت کی کسی قید کے بغیر بیان فرمایا ہے' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: صف میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوا کرو' بے شک میں تم کو اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ سو یہ آپ کی جبلت' خلقت اور عادت ہے اور سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کے وقت سوئے ہوئے رہنا یہ آپ کی عادت کے خلاف تھا تا کہ آپ کی اُمت کے لیے نمونہ قائم ہو' تا کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو کہ جب نیند کی وجہ سے نماز کا وقت نکل جائے تو ان کو کیا کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس نیند کو اُمت کی تعلیم اور ان کی بصیرت کا ذریعہ بنا دیا۔

(التمہید ج ۳ ص ۱۷۶-۱۷۵' مطبوعہ دار الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ میرا فعل سنت بنا دیا جائے۔

(مؤطا رقم الحدیث: ۲۲۸)

علامہ ابن عبد البر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: یا میں بھلا دیا جاتا ہوں' یہ محدث کا شک ہے۔ اس حدیث کا معنی ہے تا کہ میری اُمت کے لیے اس فعل کو سنت بنا دیا جائے تا کہ جب ان کو سہو لاحق ہو تو وہ کس طرح عمل کریں اور میری اقتداء کریں۔ (الاستذکار ج ۴ ص ۴۰۳-۴۰۲' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی المتوفی ۴۹۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو فرمایا ہے یا میں بھلا دیا جاتا ہوں۔ یہ شک کے لیے نہیں ہے۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میں خود بھولتا ہوں یا اللہ تعالیٰ مجھے بھلا دیتا ہے' حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ جب آپ خود بھولیں تب بھی آپ کو اللہ تعالیٰ ہی بھلاتا ہے' اس لیے یہ حدیث دو معنوں کا احتمال رکھتی ہے۔

(۱) آپ کا بھولنا بیداری میں ہو گا یا نیند میں۔ بیداری میں بھولنے کی نسبت آپ نے اپنی طرف فرمائی کیونکہ بیداری میں بھول سے احتراز کے بہت مواقع ہیں' اور نیند میں بھولنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کیونکہ نیند میں بھول سے احتراز کے مواقع نہیں ہیں۔

(۲) کبھی کسی امر اور حکم سے میری توجہ ہٹ جاتی ہے تو مجھے سہو اور ذہول ہو جاتا ہے' اور کبھی مجھے وہ حکم یاد ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت کو پورا کرنے کے لیے میری توجہ اس طرف سے ہٹا دیتا ہے۔ تا کہ میں تمہارے سہو اور نسیان کی صورت میں تمہارے لیے یہ نمونہ قائم کروں کہ ایسی صورت میں تمہیں کیا کرنا چاہیے۔

(المنتقی ج ۱ ص ۱۸۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی اندلسی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نمازوں میں سہو ہوا ہے' وہ اس غفلت کی مثل ہے جو آپ کو نیند میں ہوتی ہے' اور یہ کسی آفت کی وجہ سے آپ پر نسیان نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ آپ کی توجہ افعالِ نماز سے ہٹا دیتا ہے تا کہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ احکامِ شریعہ بیان فرمائے' اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ یہ احکام زبانی بیان فرما دیتے' لیکن کوئی کام کر کے دکھانا زبانی بیان کرنے سے زیادہ قوی ہے اور اس میں لوگوں کی زیادہ تسلی ہے۔ (القبس فی شرح مؤطا ابن انس' ج ۱ ص ۲۴۱' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المتوفی ۱۱۲۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھولتا ہوں تو اس کا محمل یہ ہے کہ بھولنے کی صفت آپ کے ساتھ قائم ہے' اور

جب آپ نے فرمایا مجھے بھلا دیا جاتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ بھولنا آپ کی طبیعت کا تقاضا نہیں ہے اور نہ یہ آپ کی ایجاد سے ہے' اس کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (شرح الزرقانی للمؤطا ج ۱ ص ۳۱۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے تھے اور انہوں نے اس پر نو سال زیادہ کیے ○ آپ کہیے کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے وہ کتنا عرصہ ٹھہرے تھے' آسمانوں اور زمینوں کے غیب اسی کے پاس ہیں' وہ کتنا زیادہ دیکھنے والا اور کتنا زیادہ سننے والا ہے' اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں ہے اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا ○ (الکھف: ۲۶-۲۵)

غار میں اصحابِ کہف کے قیام کی مدت

اصحابِ کہف کے قصہ کے سلسلہ میں یہ آخری دو آیتیں ہیں:

اور وہ اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے تھے اور انہوں نے اس پر نو سال زیادہ کیے۔ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس اور قتادہ نے یہ کہا کہ یہ ان کے غار میں قیام کی مدت کا' اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان نہیں ہے' بلکہ اس کا تعلق پچھلی آیت سے ہے۔ یعنی عنقریب لوگ یہ کہیں گے کہ اصحابِ کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ (الکھف: ۲۳) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے' وہ کتنا عرصہ ٹھہرے تھے۔ پس واضح ہو گیا کہ یہ لوگوں کا بیان ہے کہ اصحابِ کہف تین سو نو سال غار میں ٹھہرے تھے اور واقع میں اصحابِ کہف کتنی مدت غار میں ٹھہرے تھے' اس کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں۔

(۲) عبید بن عمیر' مجاہد' ضحاک' ابن زید وغیرہم نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت بیان فرمائی ہے اور وہ تین سو سال ہے' پھر انہوں نے اس پر نو سال زیادہ کیے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شمسی تقویم کے اعتبار سے ان کے قیام کی مدت تین سو سال ہے اور قمری تقویم کے اعتبار سے ان کے غار میں قیام کی مدت تین سو نو سال ہے۔ اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کے غار میں قیام کی مدت سے مطلع فرمایا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: آپ کہیے کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے وہ کتنا عرصہ ٹھہرے تھے۔ الماوردی نے بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے کہا کہ اصحابِ کہف کے غار میں داخل ہونے سے لے کر اب تک کی مدت تین سو نو سال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ اس مدت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۱۳۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کے سوا ان کا کوئی ولی اور کارساز نہیں ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اصحابِ کہف کا اللہ کے سوا کوئی ولی نہیں تھا جو اتنی طویل مدت تک نیند میں ان کی حفاظت کرتا اور ان کے جسموں کو سڑنے اور گلنے سے محفوظ رکھتا۔ اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جو لوگ انکل پچو سے اصحابِ کہف کی مدتِ قیام بتا رہے ہیں' ان کو اپنے اجسام کی حفاظت کا علم ہے نہ اصحابِ کہف کے اجسام کی حفاظت کی تدبیر کا علم ہے' اور جب ان کو یہ علم نہیں ہے تو ان کی مدتِ قیام کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔

نیز فرمایا اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا' کیونکہ جب دو آدمی کسی میں شریک ہوں تو ہر ایک کو دوسرے پر اعتراض کرنے کا حق ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی مرضی کے موافق اس کام کو بنانا چاہتا ہے اور ان میں اختلافِ رائے ناگزیر ہے اور جس کی رائے غالب ہو گی وہی خدا ہو گا دوسرا خدا نہیں ہو گا۔

آیا اصحابِ کہف اب زندہ ہیں یا نہیں؟

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ اصحاب کہف اب مر کر فنا ہو چکے ہیں یا وہ سوئے ہیں اور ان کے جسم محفوظ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ کسی غزوہ میں شام میں گئے اور وہاں لوگوں کے ساتھ پہاڑ کے اندر اس غار میں گئے' انہوں نے دیکھا وہاں غار کے اندر ہڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو مدتِ طویلہ سے فنا ہو چکے ہیں۔ راہب نے سن کر کہا مجھے نہیں معلوم تھا کہ عرب میں سے بھی کوئی ان کو پہچانتا ہوگا' اس کو لوگوں نے بتایا کہ یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۴۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس وحی کی تلاوت کیجئے جو آپ کے رب کی کتاب سے آپ کی طرف نازل کی گئی ہے' اس کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور آپ اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے O (الکہف: ۲۷)

سنت اور قیاس پر عمل کرنے کا جواز

یعنی آپ اپنے اوپر قرآن مجید کی تلاوت کو لازم کر لیجئے اور اس کے احکام پر عمل کیجئے' اس کے کلمات میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنا لازم ہے تو سنت اور قیاس پر عمل کرنے کی گنجائش نہ رہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سنت پر عمل کرنا قرآن مجید پر عمل کے منافی اور خلاف نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آپ کی اتباع کا بھی حکم دیا گیا ہے' اور قیاس سے کوئی نیا حکم ثابت نہیں ہوتا بلکہ قرآن اور سنت ہی کا حکم ظاہر ہوتا ہے۔

ملتحد کے معنی ملجاء ہے۔ یعنی پناہ لینے کی جگہ۔ یہ لفظ لحد اور الحاد سے بنا ہے' اس کا معنی ہے مائل ہونا۔ آدمی جس جگہ پناہ لیتا ہے اس جگہ کی طرف میلان کرتا ہے' اور ملحد کا معنی ہے دین حق سے کسی اور طرف مائل ہونے والا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ لازم رکھیں جو صبح اور شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں' اور اپنی آنکھیں ان سے نہ ہٹائیں کہ آپ دنیاوی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہوں' اور آپ اس شخص کا کہا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے' اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا O (الکہف: ۲۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فقراء مسلمین کی مجلس میں بیٹھنے کا حکم

عبدالرحمٰن بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی اس وقت آپ اپنے کسی گھر میں تھے۔ آپ باہر نکلے تو آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں' ان کے بال بکھرے ہوئے تھے اور انہوں نے معمولی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے جب ان کو دیکھا تو آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری اُمت میں ایسے لوگ رکھے ہیں جن کے متعلق مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اپنے آپ کو ان کے ساتھ لازم رکھوں۔ نیز فرمایا کہ آپ دنیاوی زندگی کا ارادہ کرتے ہوں' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے آپ ان عبادت گزار مومنوں سے نظر ہٹا کر مالدار مشرکین کی طرف نہ دیکھیں کہ آپ ان کی مجالس میں بیٹھنا چاہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکین میں سے بڑے بڑے مالدار لوگ آئے' انہوں نے آپ کے پاس حضرت خباب' حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان لوگوں کو اُٹھا دیا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ یہ بڑے لوگ ایمان لے آئیں پھر ان کی

اتباع میں ان کے ماتحت لوگ بھی ایمان لے آئیں گے۔اس لیے قریب تھا کہ آپ حضرت بلال وغیرہ کو ان کے آنے پر اپنی مجلس سے اُٹھا دیتے تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (الانعام:۵۲)

اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں درآں حالیکہ وہ اسی کی رضا جوئی چاہتے ہیں۔

پھر جب آپ اُٹھنے کا ارادہ کرتے تو آپ اُٹھ جاتے اور وہ مسکین مسلمان بیٹھے ہوئے ہوتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی: اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ لازم رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی آنکھیں ان سے نہ ہٹائیں کہ آپ دنیاوی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہوں۔ (الکھف ۲۸) دنیاوی زندگی کی زینت سے مراد ہے ان امیروں اور چودھریوں کی مجلس۔ باقی تفسیر سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۳۴۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مؤلفۃ القلوب آئے، عیینہ بن حصن اور الاقرع بن حابس وغیرہ۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی! اگر آپ مسجد میں صدر نشین ہوں اور ان بدبوؤں کو ہم سے دُور کر دیں یعنی حضرت سلمان، حضرت ابوذر اور دیگر فقراء مسلمین کو، کیونکہ وہ اون کے موٹے کرتے پہنتے تھے جن کپڑوں سے ان کو بدبو آتی تھی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں حتیٰ کہ یہ آیت انا اعتدنا للظلمین نارا بے شک ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے۔ ان متکبروں کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ سے ڈرایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مسکینوں کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے وہ مسجد کی پچھلی صفوں میں بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری وفات سے پہلے مجھے یہ حکم دیا کہ میں اپنی اُمت کے ان لوگوں کے ساتھ رہوں، تمہارے ساتھ ہی میری زندگی ہے اور تمہارے ساتھ ہی میری موت ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۳۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

فقراء اور مساکین کی فضیلت میں احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو تمہارے پاس اتنا مال ہونا چاہیے جتنا کسی سوار کا سفر خرچ ہو، اور تم اپنے آپ کو امیروں کی مجلس سے دُور رکھنا اور پیوند لگانے سے پہلے کسی کپڑے کو پرانا نہ کرنا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۰، المستدرک ج ۴ ص ۳۱۲، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۱۱۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس کی صورت میں اور رزق میں فضیلت دی گئی ہو، اسے ایسے شخص کی طرف دیکھنا چاہیے جو اس کی بہ نسبت کم تر ہو، یہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو کم تر نہیں جانے گا۔ عون بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں امیروں کی مجلس میں رہا تو مجھے یہی غم رہتا تھا کہ فلاں کی سواری میری سواری سے اچھی ہے اور فلاں کے کپڑے میرے کپڑوں سے اچھے ہیں اور جب میں فقراء کی مجلس میں آیا تو میں پُرسکون ہو گیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۰)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک چابی ہوتی ہے اور جنت کی چابی مساکین اور فقراء کی محبت ہے۔ الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۴۹۹۳، حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۷۳۲۲)

عبدالرحمٰن حبلی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے سوال کیا کیا میں فقراء مہاجرین

میں سے نہیں ہوں؟ حضرت عبداللہ نے اس سے پوچھا کیا تمہاری بیوی ہے جس کے پاس تم رہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں' پھر پوچھا کیا تمہارے پاس رہنے کے لیے مکان ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ کہا پھر تم اغنیاء میں سے ہو۔ اس نے کہا میرا ایک خادم بھی ہے۔ کہا پھر تم بادشاہوں میں سے ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس تین شخص آئے اور انہوں نے کہا اے ابومحمد! بے شک ہم کسی چیز پر قادر نہیں ہیں نہ ہمارے پاس کھانے کا خرچ ہے' نہ سواری ہے نہ سامان ہے۔ حضرت ابن عمرو نے کہا جو تم چاہو اگر تم چاہو تو ہمارے پاس لوٹ آنا ہم تمہیں وہ چیز دیں گے جس سے اللہ تمہارے لیے آسانی کر دے گا' اور اگر تم چاہو تو ہم سلطان کے پاس تمہارا ذکر کریں اور اگر تم چاہو تو صبر کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن فقراء مہاجرین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے تو انہوں نے کہا ہم صبر کریں گے اور کسی سے کسی چیز کا سوال نہیں کریں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۷۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۷)

ابوسلام الاسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا میں نے حضرت ثوبان رضی اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا حوض عدن سے لے کر عمان بلقاء تک ہے' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں' جس نے اس حوض سے ایک گھونٹ بھی پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ اس حوض پر لوگوں میں سب سے پہلے فقراء مہاجرین آئیں گے جن کے سر کے بال غبار آلود ہوں گے اور ان کے کپڑے میلے ہوں گے۔ انہوں نے خوشحال عورتوں سے شادی نہیں کی ہوگی اور ان کے لیے بند دروازے نہیں کھولے گئے ہوں گے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا لیکن میں نے تو خوشحال عورت فاطمہ بنت عبدالملک سے شادی کی ہے اور میرے لیے بند دروازے کھولے گئے ہیں۔ میں اب اس وقت تک سر نہیں دھوؤں گا جب تک کہ میرے بال غبار آلود نہ ہو جائیں اور جب تک کپڑے میلے نہ ہوں ان کو نہیں دھوؤں گا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۱۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقراء مسلمین اغنیاء سے نصف یوم پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور نصف یوم پانچ سو سال کا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۲۲' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! مجھے بہ طور مسکین زندہ رکھنا اور بہ طور مسکین میری روح قبض کرنا اور مجھے قیامت کے دن مسکینوں کی جماعت میں اُٹھانا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: مسکین قیامت کے دن اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! مسکین کو رد نہ کرنا خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا دو۔ اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کرو اور ان کو اپنے قریب رکھو تو بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں اپنے قریب رکھے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۳)

بعض روایات میں ہے کہ فقراء مسلمین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ بہ ظاہر یہ تعارض ہے' اس کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) اس سے مراد مبالغہ ہے یعنی وہ اغنیاء سے بہت پہلے جنت میں داخل ہوں گے' اس مبالغہ کو کہیں چالیس سال سے تعبیر فرمایا اور کہیں اس کو پانچ سو سال سے تعبیر فرمایا۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال پہلے کی خبر دی اور بعد میں ان کا مرتبہ بڑھا کر پانچ سو سال پہلے دخول کی خبر دی ہو۔

(٣) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ فقراء کے درجات اور ان کی صفات مختلف ہیں' اس لیے ان کے اجر بھی مختلف ہوں جو کامل درجہ کا فقیر ہو اور اس کے باوجود بہت زیادہ عبادت گزار ہو' وہ پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہو اور عام فقراء چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں۔

(٤) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس کا فقر اختیاری ہو وہ پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہو اور جس کا فقر اضطراری ہو وہ چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہو۔

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کیا میں تم کو اس شخص کی خبر نہ دوں جو جنت کا اہل ہے؟ ہر وہ شخص جو بہت کمزور ہو اگر وہ قسم کھالے کہ اللہ فلاں کام کرے گا تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے گا۔ کیا میں تم کو اس کی خبر نہ دوں جو دوزخ کا اہل ہے؟ ہر وہ شخص جو بدمزاج' سرکش اور متکبر ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٩١٨' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٨٥٣' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤١١٦)

مصعب بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ یہ گمان کرتے تھے کہ ان کو دوسروں پر فضیلت ہے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف کمزور لوگوں کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تم کو رزق دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٨٩٦' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٥٩٢' سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٧٠٢' سنن النسائی رقم الحدیث: ٣١٧٨)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے ضعفاء اور کمزور لوگوں میں تلاش کرو کیونکہ صرف ضعفاء اور کمزور لوگوں کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٥٩٤' سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٧٠٢)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی آمدنی کم ہو اور اس کے بال بچے زیادہ ہوں اور وہ اچھی طرح نماز پڑھے اور مسلمانوں کی غیبت نہ کرے' میں اور وہ قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ ہوں گے۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٩٩٠' مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٢٥٦)

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو چیزوں کو ابن آدم ناپسند کرتا ہے' موت کو اور موت فتنہ سے بہتر ہے اور مال کی کمی کو ناپسند کرتا ہے اور مال کی کمی کی وجہ سے حساب کم ہوتا ہے۔

(مسند احمد ج ٥ ص ٤٢٧' مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٢٥٧)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ضعفاء مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ برہنگی کی وجہ سے ایک دوسرے کا ستر کر رہے تھے اور ان میں سے ایک شخص ہمیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور ہمارے درمیان کھڑے ہوگئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو قرآن پڑھنے والا خاموش ہوگیا۔ آپ نے سلام کیا پھر فرمایا: تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ہمارا قاری ہے جو ہمارے سامنے قرآن پڑھتا ہے اور ہم اللہ کی کتاب سنتے ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ رکھے جن کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا حکم دیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھ گئے تاکہ آپ اپنے نفس کے ساتھ ہمارے درمیان عدل کریں پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا اس طرح حلقہ بناؤ' سب نے حلقہ بنایا اور آپ کا چہرہ سب کے سامنے ظاہر ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں میرے سوا اور کسی کو نہیں جانتے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فقراء مہاجرین کی جماعت خوشخبری سنو! قیامت کے دن تم کو مکمل نور

حاصل ہوگا اور تم اغنیاء سے نصف دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور یہ پانچ سو سال ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۶ مسند احمد ج ۳ ص ۹۶٬ ۶۳)

اس آیت کی زیادہ تفسیر ہم نے (الانعام: ۵۲) میں کی ہے٬ اور اس میں ان عنوانوں پر بحث کی ہے: مسکین مسلمانوں کو ان کی مسکینی کی بناء پر مجلس سے اُٹھانے کی ممانعت٬ صبح و شام اخلاص سے عبادت کرنے کی وضاحت٬ مسکینوں کا حساب آپ کے ذمہ نہ ہونے کی وضاحت٬ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کرنا دراصل اُمت کے لیے تعریض ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر اعتراض کا جواب۔ ان عنوانات کے لیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۴۸۹-۴۸۵ کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کہیے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے٬ بے شک ہم نے ظالموں کے لیے ایسی دوزخ تیار کی ہے جس (کے شعلوں) کی چار دیواری ان کا احاطہ کرے گی اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اس پانی سے پوری ہوگی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا٬ جو ان کے چہروں کو جلا دے گا٬ وہ کیسا برا مشروب ہے اور وہ دوزخ کیسی بری آرام کی جگہ ہے O (الکہف: ۲۹)

اغنیاء کے اسلام کی خاطر فقراء کو مجلس سے نہ اُٹھانے کی توجیہ

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ان اغنیاء کی طرف التفات نہ کریں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اگر آپ نے ان فقراء کو اپنی مجلس سے اُٹھا دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے٬ تو اس کے بعد فرمایا: دین حق یہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہے٬ اگر تم نے اس کو قبول کر لیا تو تمہیں اس کا فائدہ ہوگا اور اگر تم نے اس دین کو قبول نہیں کیا تو اس کا نقصان بھی تمہیں ہوگا٬ اور اس دین کے حق ہونے میں فقر اور غنا٬ حسن اور قبح اور گمنامی اور شہرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقراء مسلمین کو اپنی مجلس سے اُٹھا دیتے تو اس سے ان مسلمانوں کی عزت اور وقار میں کمی آتی اور اس کا ضرر کم ہے٬ اور ان کو نہ اُٹھانے کی وجہ سے وہ اغنیاء اپنے کفر پر قائم رہے اور ایمان نہیں لائے اور ان کے ایمان نہ لانے کا ضرر زیادہ ہے٬ اور جب کم ضرر اور زیادہ ضرر میں تعارض ہو تو کم ضرر کو اختیار کیا جاتا ہے جبکہ یہاں پر زیادہ ضرر کو اختیار کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کے کہنے پر آپ فقراء مسلمین کو اپنی مجلس سے اُٹھا دیتے تو اس فعل میں صرف فقراء مسلمین کی دل آزاری نہیں تھی بلکہ ان اغنیاء کے تکبر کو بھی قائم رکھنا تھا اور مسلمانوں کی تحقیر کو برقرار رکھنا تھا اور تکبر حرام ہے٬ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی حرام کام کو برقرار رکھیں یا اس کی حوصلہ افزائی کریں۔ اور اگر وہ بالفرض اس طریقہ سے مسلمان ہو بھی جاتے تو اس سے یہ غلط تاثر پھیلتا کہ اسلام میں فقراء اور مساکین کو حقیر سمجھنا جائز ہے٬ گویا تکبر کرنا جائز ہے۔

جب انسان کے اختیار اور اس کے اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو اس کی جزا اور سزا کی کیا توجیہ ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ اس آیت سے یہ واضح ہوا کہ انسان کا ایمان لانا یا اس کا کفر کرنا اس کے قصد اور اختیار سے ہوتا ہے اور وہ ایمان لانے یا کفر کرنے میں مجبور محض نہیں ہے٬ سو اگر وہ ایمان لانے کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان پیدا کر دیتا ہے اور کفر کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں کفر پیدا کر دیتا ہے۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ انسان کے دل میں اس قصد اور اختیار کو کون پیدا کرتا ہے تو یہ بہت مشکل سوال ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے اس کے قصد اور اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو یہ جبر محض ہے٬ اور اگر یہ کہا جائے کہ قصد اور اختیار کو انسان پیدا

کرتا ہے تو یہ معتزلہ کا مذہب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ نیز یہ ان آیات کے بھی خلاف ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ انسان کے اعمال کا اللہ تعالیٰ خالق ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۹۶) اور اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تم جو عمل کرتے ہو اس کو بھی۔

اس اشکال کا جواب متکلمین سے

جمہور متکلمین نے اس سوال کے جواب میں یہ کہا ہے کہ خلق اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بالذات موجود ہو اور قصد اور اختیار بالذات موجود ہے نہ بالذات معدوم ہے' اس کو اصطلاح میں حال کہتے ہیں اور حال کو خلق نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا احداث ہوتا ہے اور بندہ خالق تو نہیں ہو سکتا لیکن محدث ہو سکتا ہے' اور بعض متکلمین نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد: ۱۶) آپ کہیے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

یہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے یعنی اللہ تعالیٰ قصد اور ارادہ کے سوا ہر چیز کا خالق ہے' اور قصد اور ارادہ کا خالق اگر انسان کو نہ مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ انسان جو کفر کرتا ہے یا ایمان لاتا ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو پھر ایمان لانے پر انسان کی تعریف و تحسین کیوں کی جاتی ہے اور کفر کرنے پر انسان کی مذمت کیوں کی جاتی ہے' اور جب ایمان لانا انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے تو پھر نبیوں اور رسولوں کو تبلیغ کے لیے کیوں بھیجا گیا اور آسمانی کتابوں اور صحائف کو کیوں نازل کیا گیا اور رسولوں کو معجزات کیوں دیئے گئے اور پھر قیامت اور جزاء اور سزا اور جنت اور دوزخ کس لیے ہیں' اور اس خرابی سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اور انسان کے تمام اعمال کا خالق ہے' سوا انسان کے قصد اور اختیار کے۔ انسان قصد اور اختیار کا خود خالق ہے' وہ اگر ایمان لانے کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اس میں ایمان پیدا کر دیتا ہے اور کفر کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اس میں کفر پیدا کر دیتا ہے۔

اس اشکال کا جواب علامہ بہاری سے

علامہ محب اللہ بہاری نے اس اشکال کے جواب میں لکھا کہ انسان ادراکات جزئیہ جسمانیہ میں مختار ہے اور علوم کلیہ عقلیہ میں مجبور ہے۔ علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۶ھ نے کہا ہے کہ علامہ بہاری نے فطرت الٰہیہ میں لکھا ہے کہ انسان وہماً مختار ہے اور عقلاً مجبور ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کا تعلق امور جزئیہ مثلاً نماز اور روزے وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے اور امور جزئیہ کے صدور کے لیے انسان میں مبادی جزئیہ قریبہ ہوتے ہیں۔ مثلاً تخیل جزئی' شوق جزئی (کسی خاص چیز کا دل میں خیال آنا اور کسی خاص چیز کا شوق پیدا ہونا) اور ارادہ خاصہ اور ان ہی کے اعتبار سے افعال جزئیہ صادر ہوتے ہیں اور ارادہ ہی کے سبب سے انسان کے افعال' افعال قسریہ اور افعال طبعیہ سے ممتاز ہوتے ہیں۔ (پتھر کو آپ اوپر اچھالیں تو اس کا اوپر جانا فعل قسری ہے یعنی اس کی طبیعت کے خلاف ہے اور جب وہ از خود اوپر سے نیچے آئے تو یہ اس کا فعل طبعی ہے) اور امورِ جزئیہ کے صدور کے لیے مبادی کلیہ بعیدہ ہوتے ہیں جو بلا ارادہ واجبۃ التحقق ہیں اور مبادی جزئیہ کا وہم سے ادراک ہوتا ہے کیونکہ وہ معانی جزئیہ ہیں اور مبادی کلیہ کا ادراک عقل سے ہوتا ہے کیونکہ وہ معانی کلیہ ہیں' سو انسان علوم جزئیہ کے اعتبار سے مختار ہے اور ادراکات کلیہ کے اعتبار سے غیر مختار ہے اور جبکہ احکامِ شرعیہ امور جزئیہ ہیں تو اس میں وہم کا اعتبار ہے اور مکلف ہونے کی صحت مبادی قریبہ کے اعتبار سے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان حکم وہم کے اعتبار سے مختار ہے اور حکم عقل کے اعتبار سے مجبور ہے۔

علامہ خیر آبادی نے علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ سے بھی ایک جواب نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے افعال اختیاریہ کے کچھ اسباب قریب ہیں اور کچھ اسباب بعید ہیں۔ اسباب قریبہ کے اعتبار سے وہ مختار ہے اور اسباب بعیدہ کے اعتبار سے وہ مجبور ہے۔ (شرح مسلم الثبوت ص ۷۷۔۷۴ ملخصاً مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

علامہ بہاری کے جواب کی وضاحت:

علامہ خیر آبادی نے علامہ بہاری کے جواب کا جو ذکر کیا ہے اس کی مزید وضاحت اس طرح ہے کہ مثلاً انسان کے دل میں نماز پڑھنے کا خیال آتا ہے۔ یہ ادراک کلی عقلی ہے۔ اب یہ کہ وہ کون سی نماز پڑھے اور اس کے لیے کیا تیاری کرے' کہاں وضو کرے پھر یہ کہ نماز کہاں پڑھے' گھر میں یا مسجد میں' یہ سب ادراکات جزئیہ ہیں اور انسان کے ذہن میں مطلق نماز پڑھنے کا جو خیال آیا تھا' یہ ادراک کلی عقلی ہے اور انسان اس میں مجبور ہے اور اس ادراک کا خلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر اس کی تفاصیل' کون سی نماز' کس وقت پڑھے اور اس کے مخصوص مقدمات یہ سب ادراکاتِ جزئیہ ہیں اور ان میں انسان مختار ہے اور ان کو وہ خود خلق کرتا ہے۔ البتہ انسان پر خالق کے اطلاق سے احتراز کرنا چاہیے۔

اس اشکال کا جواب مصنف سے

میرے ذہن میں جو اس اشکال کا جواب آیا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ انسان اپنے قصد اور اختیار سے ایمان کا ارادہ کرے گا یا کفر کا۔ یعنی اگر بالفرض وہ اپنے قصد اور اختیار میں مستقل ہو تو وہ کیا قصد کرے گا اور کیا اختیار کرے گا اور جو کچھ قصد کرنا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کا وہی قصد پیدا کر دیا اور جو کچھ اس نے اختیار کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا وہی اختیار پیدا کر دیا۔ اس لیے انسان کے قصد اور اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے یعنی کسب کو اور اس قصد اور کسب کے موافق افعال اور اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے کسی مرتبہ میں بھی انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا اور نہ ہی یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب انسان کے قصد اور اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے تو پھر انسان جزاء اور سزا کا مستحق کیوں ہوتا ہے' نیک کاموں پر دنیا میں اس کی تحسین اور آخرت میں ثواب کیوں ہوتا ہے اور برے کاموں پر دنیا میں اس کی مذمت اور آخرت میں عذاب کیوں ہوتا ہے جبکہ ان کاموں کا قصد اور اختیار بھی اللہ نے پیدا کیا اور ان کاموں کو بھی اللہ نے پیدا کیا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ اگر بالفرض انسان کو قصد اور اختیار دیا جائے اور وہ قصد اور اس کے موافق عمل کرنے میں مستقل ہو اور ان کا خالق ہو تو اس کا کیا قصد ہوگا اور وہ کیا عمل کرے گا۔ اسی کے موافق اللہ تعالیٰ نے اس میں اعمال پیدا کر دیئے اس لیے اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کا قصد اور اختیار بھی خود پیدا کیا ہے تو پھر اس کی جزاء اور سزا کی کیا وجہ ہے۔

ایمان لانے اور اطاعت کرنے میں بندہ کا فائدہ ہے نہ کہ اللہ کا

اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ اس سے ایک یہ معنی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان لانے یا نہ لانے میں انسان کا اپنا نفع اور نقصان ہے' کسی کے ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہوگا نہ اس کے ایمان نہ لانے سے اس کو کوئی نقصان ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (بنی اسرائیل: ۷)

اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے فائدہ کے لیے اور اگر برے کام کیے تو وہ بھی اپنے لیے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو ماسوا ان کے جن کو میں نے ہدایت دی' مجھ سے ہدایت کا سوال کرو میں تم کو ہدایت دوں گا' تم سب محتاج ہو ماسوا ان کے جن کو میں غنی کروں' تم مجھ سے سوال کرو میں تم کو رزق دوں گا' تم سب گناہ گار ہو ماسوا ان کے جن کو میں عافیت سے رکھوں' پس تم میں سے جس شخص کو یہ علم ہو کہ میں مغفرت پر قادر ہوں اور اس نے مجھ سے مغفرت طلب کی تو اس کو میں بخش دوں گا اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے' اور اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے زندہ اور مردہ اور تمہارے تر اور خشک سب مل کر میرے بندوں میں سے سب سے متقی بندے کی طرح ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا' اور اگر تمہارے اوّل اور آخر اور زندہ اور مردہ اور تر اور خشک سب مل کر میرے بندوں میں سے سب سے برے بندے کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہیں ہوگی اور اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے زندہ اور مردہ اور تر اور خشک سب مل کر ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں پھر تم میں سے ہر شخص اپنی خواہشوں کا سوال کرے اور میں تم میں سے ہر سوال کرنے والے کا سوال پورا کر دوں تو میرے ملک میں صرف اتنی کمی ہوگی جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں سوئی ڈبو کر اپنی طرف نکال لے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جواد' واجد ماجد (بہت فیاض اور بہت بزرگ) ہوں' میں جو چاہوں وہ کرتا ہوں' میری عطا (بھی) میرا کلام ہے اور میرا عذاب (بھی) میرا کلام ہے۔ میں جب کسی چیز کا ارادہ کروں تو میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ ہو جا' سو وہ ہو جاتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۹' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۵' المستدرک ج ۴ ص ۲۴۱)

سرادقھا کا معنی

اس کے بعد فرمایا: ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کی ہے جس (کے شعلوں) کی چار دیواری ان کا احاطہ کرے گی۔ اس آیت میں سرادق کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے ہر وہ چیز جو کسی شے کا احاطہ کیے ہو خواہ چار دیواری ہو یا شامیانہ یا خیمہ وہ سرادق ہے۔ (النہایہ)

جوالیقی نے کہا یہ اصل میں فارسی لفظ ہے' اصل میں یہ لفظ سرادر تھا جس کا معنی دہلیز ہے' اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ سراپردہ تھا (الاتقان) علامہ زبیدی نے جوالیقی سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ لفظ سرادر اور سراطاق کا معرب ہے۔ علامہ راغب نے لکھا ہے کہ سرادق معرب ہے اور کلامِ عرب میں ایسا کوئی مفرد اسم نہیں ہے جس کا تیسرا حرف الف ہو' اور الف کے بعد دو حرف ہوں۔ البتہ ایسے اسم جمع ہیں جیسے مقابر اور مساجد۔ البتہ علامہ آلوسی نے اس سے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ علابط وغیرہ بھی اس وزن پر ہیں اور وہ اسم مفرد ہیں۔ (روح المعانی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دوزخ کے سرادق چار موٹی دیواریں ہیں ہر دیوار (کی موٹائی) چالیس سال کی مسافت ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۴' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۸۹' المستدرک ج ۴ ص ۱۶۰)

جس طرح خیمے کی قناتیں خیمے کو چاروں طرف سے محیط ہوتی ہیں اسی طرح دوزخیوں کو یہ دیواریں محیط ہوں گی' اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ سے نکلنے کے لیے کوئی راستہ نہیں ہوگا اور نہ ان دیواروں میں کوئی سوراخ ہوگا جس سے وہ دوزخ کے پار دیکھ سکیں' اور بعض نے کہا اس سے مراد دوزخ کا دھواں ہے جو ان کو اس طرح محیط ہوگا جس طرح خیمے کا قناتیں احاطہ کر لیتی ہیں۔

دوزخ کی آگ کے متعلق آیات اور احادیث

اس کے بعد فرمایا: اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اس پانی سے پوری ہوگی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا۔ اس آیت میں المھل کا لفظ ہے۔

المھل کا معنی ہے تیل کی تلچھٹ' ہر معدنی چیز کو بھی مہل کہتے ہیں جیسے تانبا' سونا' چاندی' پگھلے ہوئے لوہے کے پانی کو بھی المھل کہتے ہیں۔ روغن زیتون' روغن زیتون کی تلچھٹ' مردے سے بہنے والا زرد پانی' پیپ۔ (قاموس' منجد)

قرآن مجید میں دوزخیوں کے احوال کے متعلق یہ آیات ہیں:

تَصۡلٰی نَارًا حَامِیَۃً ○ تُسۡقٰی مِنۡ عَیۡنٍ اٰنِیَۃٍ ○ (الغاشیہ: ۴-۳)

وہ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ○ ان کو نہایت گرم چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔

سَرَابِیۡلُھُمۡ مِّنۡ قَطِرَانٍ وَّ تَغۡشٰی وُجُوۡھَھُمُ النَّارُ ○ (ابراہیم: ۵۰)

ان کا لباس گندھک کا ہوگا اور آگ نے ان کے چہروں کو ڈھانپا ہوا ہوگا۔

اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی ظِلٍّ ذِیۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ○ لَّا ظَلِیۡلٍ وَّلَا یُغۡنِیۡ مِنَ اللَّھَبِ. (المرسلات: ۳۱-۳۰)

چلو تین شاخوں والے سائے کی طرف ○ جو نہ سائے والا ہے اور نہ شعلہ سے بچا سکتا ہے ○

اور دوزخیوں کے احوال کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کالمھل الکھف: ۲۹ کی تفسیر میں فرمایا: وہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جب دوزخی اس کو پینے کے لیے اپنے چہرے کی طرف لے جائے گا تو اس کے چہرے کی کھال جھڑ جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۱' مسند احمد ج ۳ ص ۷۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گرم پانی ان کے سروں کے اوپر سے انڈیلا جائے گا یہاں تک کہ وہ ان کے پیٹ تک پہنچ جائے گا حتیٰ کہ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کو کاٹ ڈالے گا حتیٰ کہ وہ ان کے پیروں تک میں گھس کر پگھلا دے گا پھر ان کو پہلے کی طرح لوٹا دیا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۴)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ویسقی من ماء صدید ○ یتجرعہ۔ (ابراہیم: ۱۷-۱۶) اس کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا' وہ اس کو ایک ایک گھونٹ کرکے پیے گا' اس پیپ کو اس کے منہ کے قریب کیا جائے گا' وہ اس کو ناپسند کرے گا' اور جب وہ اس کے زیادہ قریب کیا جائے گا تو وہ اس کے منہ کو جلا دے گا اور اس کے سر کی کھال گر پڑے گی' اور جب وہ اس کو پیے گا تو وہ اس کی انتڑیاں کاٹ ڈالے گا حتیٰ کہ وہ پانی اس کی مقعد سے نکل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وسقوا ماء حمیما فقطع امعاء ھم۔ (محمد: ۱۵) انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیاں کاٹ ڈالے گا' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمھل یشوی الوجوہ بئس الشراب. (الکھف: ۲۹) اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اس پانی سے پوری ہوگی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا' وہ کیسا برا پانی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۳' مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۴۶۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے یقیناً ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جنہوں نے نیک کام کیے ہوں ○ ان کے لیے دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' انہیں وہاں سونے کے کنگن

پہنائے جائیں گے وہ وہاں ریشم کے ہلکے اور دبیز سبز کپڑے پہنیں گے اور وہ وہاں مسندوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے' کیسا اچھا اَجر ہے اور وہ جنت کیسی اچھی آرام کی جگہ ہے O (الکھف: ۳۱-۳۰)

جنت کی اجمالی نعمتیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے عذاب کا بیان فرمایا تھا جو قیامت کے دن مشرکوں اور کافروں کو دیا جائے گا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جنت کے ثواب اور اس کی نعمتوں کا بیان فرمایا ہے جو ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو دیا جائے گا کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ نور' ظلمت سے اور دن' رات سے پہچانا جاتا ہے' اسی طرح مومنین اور ان کا ثواب کافروں اور ان کے عذاب سے پہچانا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور نیک اعمال کا الگ الگ ذکر کیا ہے اور نیک اعمال کا ایمان پر عطف کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا غیر ہیں اور اعمال ایمان کا جز نہیں ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ البقرہ: ۳ میں ہم اس کی مکمل تفصیل کر چکے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا یقیناً ہم ان لوگوں کا اَجر ضائع نہیں کرتے جنہوں نے نیک کام کیے ہوں۔ اس آیت میں اجمالی طور پر فرمایا ہے کہ ہم نیک کام کرنے والوں کو آخرت میں اَجر عطا فرمائیں گے اور اس کی تفصیل بعد والی آیت میں ذکر فرمائی ہے۔

جنت کی تفصیلی نعمتیں

فرمایا ان کے لیے جنات عدن ہیں' جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔ علامہ ابن سیدہ نے لکھا ہے کہ عدن کا معنی ہے کسی جگہ اقامت کرنا اور جنات عدن کا معنی ہے دائمی جنتیں۔ (المحکم والمحیط الاعظم ج ۲ ص ۱۸)

پھر فرمایا انہیں وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اس آیت میں اساور من ذھب کے الفاظ ہیں اور ایک اور آیت میں ہے: وحلوا اساور من فضة۔ (الدھر: ۲۱) اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ایک اور آیت میں ہے: یحلون فیھا من اساور من ذھب ولؤلؤا۔ (الحج: ۲۳) ان کو سونے اور موتی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

جنت میں مسلمانوں کو بناؤ سنگھار کا لباس بھی پہنایا جائے گا اور ستر پوشی کا لباس بھی پہنایا جائے گا۔ سابقہ آیتوں میں اس لباس کا ذکر تھا جو بننے سنورنے کے اعتبار سے تھا اور اس کے بعد اس لباس کا ذکر فرمایا جو ستر پوشی کے اعتبار سے ہے۔

فرمایا: ان کو ایسا لباس پہنایا جائے گا جو سبز رنگ کے سندس اور استبرق کا ہوگا۔ سندس سے مراد پتلا اور ملائم ریشم ہے اور استبرق سے مراد دبیز اور موٹا ریشم ہے۔ اس کے بعد ان کی نشست گاہوں کا ذکر فرمایا کہ وہ تخت پر بیٹھے ہوں گے اور ان پر تکیے لگے ہوں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّ

اور آپ انہیں ان دو مردوں کا قصہ سنایئے جن میں سے ایک شخص کو ہم نے انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے تھے

حَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ

ان کے چاروں طرف ہم نے کھجور کے درختوں کی باڑ لگا دی تھی' اور ان دونوں کے درمیان ہم نے کھیت پیدا کیے تھے O دونوں باغ خوب پھل لائے اور

تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ ۙ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ

پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی اور ہم نے ان کے درمیان دریا رواں کردیے تھے ○ جس شخص کے پاس پھل تھے اس نے اپنے ساتھی سے

وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ

بحث کرتے ہوئے کہا میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرے پاس بہت آدمی ہیں ○ وہ اپنی جان پر ظلم

وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿٣٥﴾ ۙ وَّمَآ

کرتا ہوا باغ میں داخل ہوا اور کہنے لگا مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا ○ اور نہ

اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا

مجھے اس پر یقین ہے کہ کبھی قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا (بھی) گیا تو میں لوٹنے کی جگہ اس سے

مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ

بھی بہتر (مال) حاصل کروں گا ○ اس کے ساتھی نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا کیا تم اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس

خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ ۗ لٰكِنَّا۟ هُوَ

نے تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر تمہیں مکمل مرد بنایا ○ لیکن وہ

اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ

اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا ○ اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم باغ میں داخل ہوئے تھے

قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا

تو کہتے جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور اللہ کی مدد کے بغیر کسی کی کوئی طاقت نہیں اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں مال اور اولاد کے لحاظ سے

وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾ ۚ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ

تم سے کم ہوں ○ تو وہ دن دور نہیں کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا اور تمہارے باغ پر

عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ ۙ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا

آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے تو وہ چٹیل چکنا میدان بن جائے ○ یا اس کا پانی

غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ

زمین میں دھنس جائے پھر تم اس کو ہرگز تلاش نہ کر سکو ○ اور اس مرد کے پھل (عذاب میں) گھیر لیے گئے اور اس نے

كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

اس باغ میں جو خرچ کیا تھا وہ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا وہ باغ اپنی چھپریوں پر گرا پڑا تھا اور وہ شخص کہہ

وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ

رہا تھا کہ کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا ○ اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی

يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ

جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور وہ بدلہ لینے کے قابل نہ تھا ○ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ

الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ ع

تمام اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں جو سچا ہے، وہی سب سے اچھا ثواب دینے والا ہے اور اس کے پاس بہترین انجام ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ انہیں ان دو مردوں کا قصہ سنائیے جن میں سے ایک شخص کو ہم نے انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے تھے جن کے چاروں طرف ہم نے کھجور کے درختوں کی باڑ لگا دی تھی اور ان دونوں کے درمیان ہم نے کھیت پیدا کیے تھے ○ دونوں باغ خوب پھل لائے اور پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی اور ہم نے ان کے درمیان دریا رواں کر دیئے تھے ○ جس شخص کے پاس پھل تھے اس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرے پاس بہت آدمی ہیں ○ وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا باغ میں داخل ہوا اور کہنے لگا مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا ○ اور نہ مجھے اس پر یقین ہے کہ کبھی قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو میں لوٹنے کی جگہ اس سے بھی بہتر (مال) حاصل کروں گا ○ (الکہف: ۳۶-۳۲)

مال دار کافر اور مومن کی مثال کا شانِ نزول

اس قصے کو بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مال دار کافر اور مال دار مومن دونوں کے دنیا میں گزران اور ان کے طور طریقوں میں کیا فرق ہوتا ہے، کیونکہ کفار اپنے مال ومتاع اور اپنے دنیاوی مددگاروں کی وجہ سے فقراء مسلمین کے سامنے فخر اور تکبر کرتے ہیں اور مسلمان کو جو مال ومتاع ملے وہ اس کو محض اللہ کا فضل سمجھتا ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ اس کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں:

اس کے شانِ نزول میں دو قول ہیں:

(۱) مقاتل بن سلیمان نے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی خبر دی جو اپنے باپ کی طرف سے مالِ کثیر کے وارث ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ وہ آٹھ ہزار دینار کے وارث ہوئے تھے۔ ان

میں سے ایک مومن تھا اس نے اپنا حق وصول کیا اور اس کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کی راہ میں خرچ کر دیا۔ دوسرا بھائی کافر تھا اس نے اپنا حق وصول کیا اور اس سے دو باغ بنا لیے اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کچھ خرچ نہیں کیا پھر بعد میں ان دونوں بھائیوں کا جو حال ہوا' اس کا اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ذکر فرمایا ہے۔

(٢) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے لیے مثال دی ہے اور پچھلی اُمت کے کسی شخص کے حال کی خبر نہیں دی تا کہ آپ کی اُمت دنیا میں بے رغبتی کرے اور آخرت میں رغبت کرے اور ان آیتوں کو بہ طور نصیحت بیان فرمایا ہے۔

جنت اور اس کے مقلوب کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے دو مردوں میں سے ایک کو انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے باغ کے لیے جنت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ علامہ ابن سیدہ متوفی ٤٥٨ ھ لکھتے ہیں:

جنت کا مادہ ج ن ن ہے اس کا معنی ہے' ستر۔ باغ کو جنت اس لیے کہتے ہیں کہ گھنے درختوں اور ان کے سائے کی وجہ سے اس میں چیزیں چھپ جاتی ہیں' جب رات کا اندھیرا بہت زیادہ ہو جائے تو کہتے ہیں جن اللیل' جنون بھی ایک خفیہ بیماری ہے۔ دل کو جنان کہتے ہیں وہ بھی سینے میں مخفی ہوتا ہے۔ قبر کو الجنن کہتے ہیں کیونکہ اس میں مردہ چھپا ہوا ہوتا ہے' کفن کو بھی الجنن کہتے ہیں' روح کو بھی جنان کہتے ہیں کیونکہ وہ جسم میں چھپی ہوئی ہوتی ہے' بچہ جب تک پیٹ میں ہو اس کو الجنین کہتے ہیں کیونکہ وہ پیٹ میں چھپا ہوا ہوتا ہے' ڈھال کو مجن اور مجنۃ کہتے ہیں کیونکہ وہ حملہ کے لیے ستر ہے' بچانے والے ہتھیاروں کو الجنہ کہتے ہیں' دوپٹہ کو بھی الجنہ کہتے ہیں کیونکہ وہ سر کے بالوں کو چھپا لیتا ہے۔ الجن' اللہ کی ایک مخلوق ہے جو انسان کی آنکھوں سے چھپی رہتی ہے' الجان جنات کے باپ کو کہتے ہیں۔ الجان سانپ کی ایک قسم ہے جس کی آنکھیں سرمگیں ہیں' جس جگہ کھجور کے درخت ہوں اور دیگر درخت ہوں اس کو الجنۃ کہتے ہیں۔

ج ن ن کو اگر اُلٹ دیا جائے تو یہ لفظ نج ہے' نجت القرحۃ اس کا معنی ہے زخم رسنے لگا اور نج الشئ من فیہ اس کا معنی ہے منہ سے کلی کر دی اور نجج فی رایہ اس کا معنی ہے اس کی رائے مضطرب ہے۔

(المحکم والمحیط الاعظم ج ٧ ص ٢٢٠-٢١١ ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢١ ھ)

دو باغوں کی صفات

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باغوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ ان کو کھجور کے درختوں نے گھیرا ہوا تھا' ان کے لیے حففنا ھما بنخل کے الفاظ ہیں۔ الحفاف کے معنی ہیں ایک شے کی جانب۔ الاحفۃ اس کی جمع ہے اور حف بہ القوم کا معنی ہے' قوم اس کی تمام جانبوں میں آ گئی یعنی اس کو ہر طرف سے گھیر لیا اور اس کا احاطہ کر لیا اور ان باغوں کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ:

ان دونوں باغوں کے درمیان ہم نے کھیت پیدا کیے تھے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ یہ زمین ہر قسم کی روزی کی جامع ہو جائے۔ اس میں غلہ اور سبزیاں بھی پیدا ہوں اور پھل اور میوہ جات بھی پیدا ہوں' اور سال کے دوران ہر وقت اس زمین سے فائدہ حاصل ہو' کسی وقت اناج پیدا ہو رہا ہو اور کسی وقت پھل اور میوے پیدا ہو رہے ہوں' اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ دونوں باغ خوب پھل لائے اور پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی' اور چوتھی صفت یہ بیان کی کہ ہم نے ان کے درمیان دریا جاری کر دیئے' اور پانچویں صفت یہ بیان کی وکان لہ ثمر۔ عاصم وغیرہ نے اس کو ث اور م کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ ثمار اور ثمرۃ

کی جمع ہے' اور ابوعمرو نے اس کو ث کی پیش اور میم کی جزم کے ساتھ پڑھا ہے' اور دوسروں نے ث اور میم کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کا معنی ہے' سونا' چاندی اور دوسری اجناس کا مال۔ مجاہد نے کہا اس کے پاس ان باغوں کے علاوہ دیگر تمام اجناس کا بہت مال تھا۔

کافر کا اپنے مال پر فخر کرنا اور مسلمان کو حقیر جاننا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کے پاس مال تھا' اس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرے پاس بہت آدمی ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو مسلمان تھا' وہ اس کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا رہتا تھا اور قیامت پر یقین رکھنے کے لیے اور نیک کام کرنے کے لیے وعظ اور نصیحت کرتا رہتا تھا۔ المحاورہ کا معنی ہے رجوع کرنا اور کسی بات کا جواب دینا۔ وہ جواب میں کہتا تھا میرے پاس تم سے زیادہ مال ہے اور بہت نفر ہیں۔ نفر کے معنی ہیں کسی شخص کے قبیلہ کے لوگ اور اس کے حمایتی' پھر اس شخص نے مسلمان کو اپنا مال دکھاتے ہوئے کہا کہ اسے اس باغ کے فنا ہونے کا خطرہ نہیں ہے اور یہ بھی کہا کہ جب وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو اس کو وہاں بھی بہت مال مل جائے گا۔ اس کے اس شبہ کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دنیا میں اسی وجہ سے مال عطا کیا ہے کہ وہ اس مال کا مستحق ہے تو اس استحقاق کی بناء پر اس کو آخرت میں بھی مال عطا فرمائے گا۔ اس کی دلیل کی پہلی بنیاد ہی غلط تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا میں مال کسی استحقاق کی وجہ سے نہیں عطا فرمایا تھا بلکہ استدراج کے طور پر عطا فرمایا' اور جتنے کافروں کو جو نعمتیں دیتا ہے' وہ بہ طور استدراج ہی ہوتی ہیں۔ یعنی وہ نعمتیں ان کے لیے آزمائش ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ اس کافر کو مسلمان نے کیا جواب دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کے ساتھی نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا کیا تم اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس نے تم کو مٹی سے بنایا' پھر نطفہ سے پھر تمہیں مکمل مرد بنایا ○ لیکن وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا ○ اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم باغ میں داخل ہوئے تھے تو کہتے جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور اللہ کی مدد کے بغیر کسی کی کوئی طاقت نہیں' اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں مال اور اولاد کے لحاظ سے تم سے کم ہوں ○ تو وہ دن دور نہیں کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا اور تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے تو وہ چٹیل چکنا میدان بن جائے ○ اور اس کا پانی زمین میں دھنس جائے پھر تم اس کو ہرگز تلاش نہ کر سکو ○ (الکہف: ۴۱-۳۷)

مسلمان کا کافر کو جواب دینا

کافر نے قیامت کا انکار کیا تھا۔ مسلمان نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا: کیا تم اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس نے تم کو مٹی سے بنایا' مسلمان کا منشا یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ تم کو ایک بار عدم سے وجود میں لا چکا ہے تو اس کے لیے دوبارہ تم کو معدوم کرنا پھر عدم سے وجود میں لانا کیا مشکل ہے؟ پھر کہا اس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر تم کو معتدل ہیئت میں بنایا اس میں انسان کو پہلی بار بنانے کی طرف اشارہ ہے۔ کافر کا رد کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو اس طرح پیدا کیا ہے تو اس نے تم کو عبث پیدا نہیں کیا ہے بلکہ اس نے تم کو عبادت کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد کہا پھر تم کو معتدل ہیئت پر مرد بنایا۔ یعنی تم کو عقل عطا فرمائی جس سے بھلے اور برے کی پہچان ہوتی ہے۔ کیا تمہاری عقل اس کو جائز کہتی ہے کہ جس ذات نے تم کو اتنی نعمتیں عطا فرمائیں' تم اس کا کفر اور انکار کرو۔

پھر مومن نے کہا لیکن وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا' اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) میرا اس پر ایمان ہے کہ فقر اور غنا صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو میں اس کی حمد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے تو میں اس پر صبر کرتا ہوں' اور جب اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو میں اس پر فخر اور تکبر نہیں کرتا اور نہ یہ سمجھتا ہوں کہ مال و دولت اور حمایتیوں کی کثرت میری کوشش کی وجہ سے ہے یا اس میں میرا کوئی کمال ہے بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔

(۲) وہ کافر نہ صرف یہ کہ قیامت کا منکر تھا بلکہ وہ بُت پرست اور مشرک بھی تھا۔ اسی لیے مومن نے کہا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا۔

لاحول ولا قوة الا بالله کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

پھر مومن نے کافر کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا جب تم باغ میں داخل ہوئے تھے تو کہتے ماشاء اللہ (جو اللہ نے چاہا) اور اللہ کی مدد کے بغیر کسی کی کچھ طاقت نہیں۔ یعنی یہ باغ جو تم کو ملا ہے' یہ اللہ نے چاہا تو تم کو مل گیا اگر وہ نہ چاہتا تو تم کو یہ باغ نہ ملتا۔ اسی طرح تمہارے پاس جو مال ہے وہ اللہ کی قدرت سے ہے۔ اس میں تمہاری طاقت اور قدرت کا کوئی دخل نہیں ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہارے مال سے برکت اُٹھا لیتا پھر تمہارے پاس وہ مال جمع نہ ہوتا۔

امام مالک نے کہا جو شخص بھی اپنے گھر میں داخل ہو' اس کو چاہیے کہ وہ کہے ماشاء اللہ' وہب بن منبہ کے دروازے پر لکھا ہوا تھا: ماشاء الله لاقوة الا بالله۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے' ہم جب کسی بلندی پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو' تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے اور نہ کسی غائب کو لیکن تم سننے والے' دیکھنے والے کو پکار رہے ہو' پھر آپ میرے پاس آئے اور میں دل میں پڑھ رہا تھا لاحول ولا قوة الا بالله' آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! کہو لاحول ولا قوة الا بالله' گناہوں سے پھرنا اور نیکیوں کی طاقت اللہ کی مدد کے بغیر نہیں ہے۔ یہ کلمہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ یا فرمایا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی رہنمائی نہ کروں (وہ خزانہ یہ کلمہ ہے) لاحول ولا قوة الا بالله۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۸۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۱)

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بچانے کے بغیر بندہ کا گناہوں سے پھرنا ممکن نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر بندہ کو نیکی کی طاقت ملنا ممکن نہیں ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ اس کلمہ کا معنی ہے اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور یہ بتانا کہ بندہ اپنی کسی چیز کا مالک نہیں ہے' اور اس کے پاس برائی کو دُور کرنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے اور نیکی کو حاصل کرنے کی کوئی طاقت نہیں ہے' سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے دُور کر دے اور نیکی کی طاقت عطا فرمائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے گھر سے نکلتے وقت کہا: بسم الله توکلت علی الله (اللہ کے نام سے' میں نے اللہ پر توکل کیا) لاحول ولا قوة الا بالله' تو اس سے کہا جائے گا تمہارے لیے یہ نام کفایت کیا گیا اور تم کو محفوظ کیا گیا اور تم سے شیطان کو دُور کیا گیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۲۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۵۱)

مَاشَاءَ اللّٰهُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کے متعلق احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز کو دیکھا اور وہ اس کو اپنے لیے یا کسی اور کے لیے اچھی لگی اور اس نے کہا ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ تو اس کو نقصان نہیں ہوگا۔
(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۵۶۹۶' شعب الایمان رقم الحدیث:۴۳۷۰' جمع الجوامع رقم الحدیث:۲۱۹۴۶' کنز العمال رقم الحدیث:۱۷۶۷۰' الکامل لابن عدی ج ۴ص ۳۴۶' یہ حدیث ضعیف ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز کو دیکھا اور وہ اس کو اچھی لگی تو اس کو چاہیے کہ وہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کہے۔ ہر چند کہ اس حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے مگر اس کا مضمون قرآن مجید کے مطابق ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۵۶۹۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے کوئی چیز دیکھی اور وہ اس کو اچھی لگی اور اس نے کہا: ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ تو اس کو نظر نہیں لگے گی۔

(عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث:۲۰۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث:۸۶۸۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اس کے اہل یا مال یا اولاد میں سے کوئی نعمت اس پر انعام فرمائی تو اس نے کہا ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ تو وہ ان نعمتوں میں موت کے سوا کوئی آفت نہیں پائے گا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۴۳۶۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص کو اپنے بھائی کی صورت یا اس کا مال اچھا لگے تو اس کو اس کے لیے برکت کی دعا کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ (اسے چاہیے کہ وہ کہے فتبارک اللہ احسن الخالقین یا کہے اے اللہ! اس میں برکت دے) کیونکہ نظر کا لگنا برحق ہے۔

(عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث:۲۰۵' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے نفس میں یا اپنے مال میں یا اپنے بھائی میں کوئی ایسی چیز دیکھے جو اسے اچھی لگے تو اس کو اس میں برکت کی دعا کرنی چاہیے۔ (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث:۲۰۶' مطبوعہ بیروت)

مَاشَاءَ اللّٰهُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا معنی

مومن نے کافر کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا تھا جب تم باغ میں داخل ہوئے تھے تو تم نے کیوں نہ کہا ماشاء اللہ' اس سے ہمارے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر وہ چیز جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے' وہ واقع ہو جاتی ہے اور جس کا ارادہ نہیں فرماتا وہ واقع نہیں ہوتی' اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کے ایمان کا ارادہ نہیں فرمایا اور اگر اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان کا ارادہ فرماتا تو وہ ایمان لے آتا۔ امام غزالی نے آدابِ سفر میں سواری پر سوار ہوتے وقت ایک دعا ذکر کی ہے' اس میں یہ الفاظ ہیں:

ماشاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن اللہ نے جو چاہا وہ ہو گیا اور جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔

(احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۲۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز مومن نے کافر سے کہا تمہیں یہ کہنا چاہیے تھا لا قوۃ الا باللہ' کسی چیز اور کسی کام پر کسی شخص کو اللہ کی مدد اور اس کی

قوت دینے کے بغیر طاقت حاصل نہیں ہو سکتی اور جب تم یہ کہتے تو اس باغ کی خیر کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے وہ چاہتا تو اس میں خیر رکھتا اور اگر وہ نہیں چاہتا تو اس میں خیر کو ترک کر دیتا' اور اس میں یہ اقرار ہے کہ اس باغ کی تعمیر اور ترقی کے لیے تم نے جو کچھ بھی کیا وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کی توفیق سے کیا ہے' اور کسی شخص کو اپنے بدن اور اپنے ملک میں اللہ تعالیٰ کے طاقت دینے کے بغیر کوئی طاقت حاصل نہیں ہے۔

باغ پر کافر کے فخر کرنے کا جواب

جب مومن کافر کو ایمان کی تعلیم دے چکا تو پھر اس نے کافر کو اس کے فخر اور تکبر کا جواب دیا۔ اس نے کہا اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ میرے پاس مال اور اولاد اور میرے حمایتی اور میرے اعوان و انصار کم ہیں تو مجھے اس پر کوئی افسوس نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا فانی ہے' اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سے بہتر باغ عطا فرمائے خواہ اس دنیا میں خواہ آخرت میں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے باغ پر کوئی عذاب نازل فرما دے تو وہ چٹیل اور چکنا میدان بن جائے اور اس کے پھل' پھول' میوہ جات' غلہ اور سبزیاں سب جاتی رہیں اور اس میں جو دریا ہیں' ان کا پانی زمین میں دھنس جائے اور پھر تم اس باغ اور اس کی پیداوار کو دوبارہ حاصل کرنا چاہو اور حاصل نہ کر سکو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس مرد کے پھل (عذاب میں) گھیر لیے گئے اور اس نے اس باغ میں جو خرچ کیا تھا' وہ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا وہ باغ اپنی چھپریوں پر گرا پڑا تھا اور وہ شخص کہہ رہا تھا کہ کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا○ اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور وہ بدلہ لینے کے قابل نہ تھا○ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں جو سچا ہے' وہی سب سے اچھا ثواب دینے والا ہے اور اس کے پاس بہترین انجام ہے○ (الکھف: ۴۴۔۴۲)

انبیاء اور صالحین پر مصائب آنے کی حکمت

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ مومن نے کافر کے متعلق جو کہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام کے تمام پھلوں کو تباہ کر دیا اور وہ ندامت اور حسرت سے اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اور اس کے باغ میں انگوروں کی بیلیں جن چھپروں پر قائم تھیں' وہ سب چھپر گر گئے اور پھر اس نے کہا کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان آیتوں سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اس پر جو یہ مصیبت آئی تھی یہ اس کے شرک اور کفر کی وجہ سے آئی تھی' حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں پر بھی بہت مصائب طاری ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ○ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ○ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (الزخرف: ۳۵۔۳۳)

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی اُمت بن جائیں گے تو رحمٰن کا کفر کرنے والوں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنا دیتے اور ان کی سیڑھیوں کو بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں○ اور ان کے گھروں کے دروازوں کو بھی اور ان کی مسندوں کو بھی جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں○ اور (ان کے گھر وغیرہ) سونے کے بھی (بنا دیتے) اور یہ سب دنیاوی زندگی کا فائدہ ہے اور آخرت تو آپ کے رب کے نزدیک صرف متقین کے لیے ہے○

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! سب سے زیادہ مصائب میں کون مبتلا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء' پھر جوان کے قریب ہوں پھر جوان کے قریب ہوں۔ بندہ اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اگر وہ اپنے دین میں متشدد ہو تو اس پر بہت شدید مصیبت آتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہو تو وہ اس کے حساب سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے' پھر بندہ پر مصائب آتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۴' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۰۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۷۵' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۴۳۴) یہ حدیث صحیح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور مقربین پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے درجات میں بلندی کے لیے آتے ہیں اور عام مسلمانوں پر جو مصائب آتے ہیں' وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

صرف اللہ کے پاس اختیارات ہونے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں جو سچا ہے' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کا جو یہ قصہ ذکر کیا' اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اچھا انجام مومن کے لیے ہوتا ہے اور ہم نے یہ بھی جان لیا کہ تمام مومنوں اور کافروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس طرح کا معاملہ کرتا ہے' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت اور تصرف حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جس سے وہ اپنے اولیاء کی مدد فرماتا ہے۔ وہ انہیں ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے اور انہیں کفار کے معاملات کا والی بنا دیتا ہے' اور یہ جو فرمایا ہے یہیں سے! اس کا معنی ہے یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی کرامت کو ظاہر فرماتا ہے اور ان کے دشمنوں کو ذلیل فرماتا ہے۔

(۲) جب ایسی شدید مصیبت آئے تو اس وقت کٹر سے کٹر مشرک بھی شرک سے ناطہ توڑ لیتا ہے اور صرف اللہ کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے اور اپنے پچھلے کفر اور شرک پر پشیمان ہوتا ہے' اور کہتا ہے کاش میں نے شرک نہ کیا ہوتا۔

(۳) جب اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء مومنین کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرماتا ہے اور مسلمانوں کا سینہ ٹھنڈا کرتا ہے۔

(۴) اس میں دار آخرت کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت میں صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہو گی' جب فرمائے گا آج کس کی بادشاہی ہے اور کسی کو جواب دینے کی ہمت نہیں ہو گی' پھر خود ہی فرمائے گا اللہ کے لیے جو واحد قہار ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

اور آپ ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجئے جو اس پانی کی مثل ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ

تو اس کے سبب سے زمین کا ملا جلا سبزہ نکلا' پھر وہ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا جس کو ہوا اڑا دیتی ہے' اور اللہ

اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ

ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ مال اور بیٹے دُنیا کی زندگی کی

الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿٤٦﴾

زینت ہیں، اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس ازروئے ثواب اور امید کے بہت بہتر ہیں ○

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے سو ہم ان میں

مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿٤٧﴾ ۚ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے ○ اور سب آپ کے رب کی بارگاہ میں صف بہ صف پیش کیے جائیں گے، بے شک تم ہمارے پاس اسی حالت میں آگئے ہو جس

اَوَّلَ مَرَّةٍۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ

طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا بلکہ تمہارا زعم یہ تھا کہ ہم تم سے ملاقات کا وقت مقرر ہی نہیں کریں گے ○ اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا

فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ

پھر آپ دیکھیں گے کہ مجرم اس میں لکھے ہوئے سے خوف زدہ ہوں گے اور کہیں گے ہائے افسوس! اس

هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا

نامۂ اعمال کو کیا ہوا اس نے نہ کوئی صغیرہ گناہ چھوڑا ہے نہ کبیرہ مگر سب کا احاطہ کر لیا ہے اور انہوں نے جو بھی

مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾ ع ٦ ٥ ١٨

عمل کیا تھا سب کو لکھا ہوا اپنے سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجئے جو اس پانی کی مثل ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کے سبب سے زمین کا ملا جلا سبزہ نکلا پھر وہ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا جس کو ہوا اُڑا دیتی ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ (الکھف: ٤٥)

دنیا کو پانی کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ان متکبرین کے سامنے دنیا کی حقارت، اس کی بے مائیگی اور بے ثباتی کی ایک اور مثال بیان کیجئے، جو فقراء مومنین کی مجلس میں بیٹھنا اپنے لیے باعثِ توہین اور باعثِ عار سمجھتے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں اور دنیا میں چند وجوہ سے مناسبت ہے' جو حسب ذیل ہیں:

(۱) پانی ایک کیفیت اور ایک حالت پر برقرار نہیں رہتا' اسی طرح دنیا بھی ایک کیفیت اور ایک حالت پر برقرار نہیں رہتی۔

(۲) کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ پانی میں داخل ہو اور بھیگنے سے بچ جائے' اسی طرح کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ دنیا میں داخل ہو اور اس کے فتنوں اور اس کی آفتوں سے محفوظ رہ سکے۔

(۳) جب پانی کو بہ قدر ضرورت باغات اور کھیتوں میں ڈالا جائے تو وہ ان کے لیے نفع بخش ہے اور ان کی روئیدگی کو بڑھانے والا ہے' اور جب ان میں ضرورت سے زیادہ پانی کو ڈالا جائے گا تو وہ ان کو تباہ و برباد کر دے گا جیسا کہ دریاؤں کے سیلاب میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے' اسی طرح جب دنیا کے مال و متاع کو بہ قدر ضرورت لیا جائے گا تو وہ انسان کے لیے مفید اور نفع بخش ہے اور جب انسان دنیا کو اپنی ضروریات سے زیادہ لے گا تو وہ اس کے لیے فتنہ اور فساد کا سبب بن جائے گی۔

حرص کی مذمت اور قناعت کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام لایا اور اس کو بہ قدر کفاف (ضرورت) رزق دیا گیا اور اللہ نے جو کچھ اس کو دیا ہے' اس میں اس کو قانع کر دیا تو وہ شخص کامیاب ہو گیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۸' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸)

بہ قدر کفاف کا معنی ہے' بہ قدر ضرورت۔ یعنی اس کے پاس اتنا مال ہو جس سے وہ اپنے کھانے پینے' پہننے کے کپڑوں اور رہائش کا بندوبست کر سکے' اور بیماری کی صورت میں دوا اور علاج کا انتظام کر سکے' اور آرائش' زیبائش' عیش و آرام' اللے تللے اور گلچھرے اُڑانے کے لیے مال دنیا جمع نہ کرے' اور جس شخص نے اتنا مال حاصل کیا وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو گیا اور جس شخص نے اس سے زیادہ مال حاصل کیا اور مال کی حرص کسی حد پر جا کر ختم نہیں ہوتی' اس نے اپنے آپ کو مشکل اور امتحان میں ڈال لیا کیونکہ اس کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ جتنا مال ہوگا' آخرت میں اس مال کے بدلے میں اس کو عبادات پیش کرنی ہوں گی' اور جب انسان کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ مال ہوتا ہے تو وہ عموماً اس مال کو نفسانی خواہشوں اور دنیا کی حرام لذتوں کے حصول میں خرچ کرتا ہے' اور مالدار آدمی اپنے مال کو بڑھانے کے لیے غیر قانونی اور ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے۔ جعلی اور نقلی اشیاء بناتا ہے' نشہ آور چیزوں کا کاروبار کرتا ہے' اسمگلنگ' ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری میں ملوث ہوتا ہے' اور ان تمام دینی اور دنیاوی خرابیوں کی واحد وجہ مال دنیا کی حرص ہے' اگر وہ بہ قدر ضرورت مال پر قناعت اور اکتفا کرے تو ان تمام خرابیوں سے بچ جائے گا' اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! محمد کا رزق قوت کر دے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۶)

قوت کا معنی ہے اتنا رزق جو ان کی رمق حیات باقی رکھنے کے لیے کافی ہو' جس کی کمی سے ان کو تشویش نہ ہو اور ان کو فاقوں کا سامنا نہ ہو اور ان کو سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور نہ وہ رزق اتنا زیادہ ہو جس سے دنیا کی کشادگی اور عیاشی کا خطرہ ہو' اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی زاہدانہ تھی اور آپ دنیا میں رغبت نہیں کرتے تھے' اور اس میں ان علماء کے لیے حجت ہے جو کہتے ہیں کہ بہ قدر ضرورت رزق کا حصول فقر اور غنا دونوں سے افضل ہے۔

الھشیم کے معنی کی تحقیق

اس کے بعد فرمایا: پھر وہ (سبزہ) سوکھ کر چورا چورا ہو گیا۔ اس آیت میں چورا چورا ہونے کے لیے ھشیم کا لفظ ہے اس کا مادہ ھشم ہے' اس کے معنی کی تحقیق یہ ہے:

علامہ ابوالحسن علی بن اسماعیل بن سیدہ متوفی ۴۵۷ھ لکھتے ہیں:

ھشم کا معنی ہے کسی کھوکھلی یا خالی چیز کا توڑنا۔ ایک قول ہے ہڈیوں کو توڑنا یا سر کو پھاڑنا۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے ناک توڑنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کو ہاشم کہتے ہیں ان کا نام عمرو تھا' انہوں نے سب سے پہلے ثرید بنایا یعنی گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے بھگو کر طعام بنایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اہل مکہ قحط سے دوچار ہوئے۔ ہاشم ملک شام گئے اور وہاں سے بوریوں میں آٹا لائے پھر اونٹوں کو ذبح کیا' اس کا سالن بنایا اور اس میں روٹیاں توڑ کر ڈالیں اور اہل مکہ کو قحط کے بعد پہلی بار سیر ہو کر کھانا نصیب ہوا۔ پس سالن میں روٹیاں توڑنے کی وجہ سے ان کا لقب ہاشم پڑ گیا۔ سوکھی ہوئی گھاس کے چورے کو بھی ھشیم کہتے ہیں' جس درخت کے پتے سوکھ گئے ہوں اس کو بھی ھشیم کہتے ہیں اگر اونٹنی کا تمام دودھ دوہ لیا جائے تو اس فعل کو بھی ھشم کہتے ہیں۔

ہشم کے مقلوبات یہ ہیں:

ھمش' شھم اور مھش. الھمشة کے معنی ہیں کلام اور حرکت' جو عورت بہت زیادہ باتیں کرتی ہو اس کو ھمشٰی کہتے ہیں جو شخص اپنی انگلیوں سے تیزی سے کام کرتا ہو' اس کو الھمش کہتے ہیں۔

شھم: بیدار مغز اور بہت ذہین شخص کو شھم کہتے ہیں۔ شھم الفرس کا معنی ہے گھوڑے کو دھمکایا۔ شھم الرجل کا معنی ہے کسی شخص کو ڈرایا۔

مھش: المتھشہ اس عورت کو کہتے ہیں جو استرے سے اپنے چہرے کے بال صاف کرے۔

(المحکم والمحیط الاعظم ج ۴ ص ۱۹۷۔ ۱۹۴ ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس از روئے ثواب اور امید کے بہت بہتر ہیں ○ (الکھف: ۴۶)

بیویوں اور اولاد کی کثرت پر فخر نامناسب ہے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ دنیا کی زندگی بہت جلد زائل ہونے والی ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں' اور اس کا قیاس یوں بنے گا کہ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور جو چیز دنیا کی زندگی کی زینت ہو' وہ بہت جلد زائل ہونے والی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مال اور بیٹے بہت جلد زائل ہونے والے ہیں اور جو چیز جلد فنا ہونے والی ہو اس پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔ عیینہ بن حصن اور قریش کے دیگر متکبرین اپنے مال و دولت اور طاقتور حمایتیوں کی وجہ سے فقراء مسلمان کو حقیر جانتے تھے اور ان کے پاس بیٹھنے کو باعثِ عار گردانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رد فرماتا ہے کہ جن چیزوں پر تم گھمنڈ کر رہے ہو یہ تو خس و خاشاک کی طرح ہوا میں اُڑ جانے والی ہیں' یہ بے ثبات اور ناپائیدار ہیں۔ اس لیے مال اور بیٹوں پر نہ اتراؤ اور ان کی وجہ سے کسی کو حقیر نہ جانو۔ قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ. (التغابن:۱۴)

اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بیٹے تمہارے دشمن ہیں' ان سے خبردار رہو۔

اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ. (التغابن:۱۵)

تمہارے اموال اور تمہارے بیٹے محض فتنہ ہیں۔

الباقیات الصالحات کے بہت بہتر ہونے کی وضاحت

اس کے بعد فرمایا: اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس از روئے ثواب اور امید کے بہت بہتر ہیں۔ یعنی حضرت سلمان' حضرت صہیب اور حضرت بلال وغیرہم رضی اللہ عنہم جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتے ہیں' وہ اللہ کے نزدیک ان لوگوں سے بہت بہتر ہیں جن کے پاس مال اور بیٹے تو بہت ہیں لیکن ان کے پاس نیک اعمال نہیں ہیں۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ باقی رہنے والی نیکیاں بہت بہتر ہیں۔ یعنی مال اور بیٹوں کی بہ نسبت عبادات بہت بہتر ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ مال اور بیٹوں میں بھی اچھائی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادات میں بہت اچھائی ہے' حالانکہ جو مال اور بیٹے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے خالی ہوں ان میں کوئی خوبی اور اچھائی نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیاداروں کے ذہنوں اور دماغوں میں جو ان میں اچھائی ہے' اس کے مقابلہ میں اطاعت اور عبادات اور باقی رہنے والی نیکیوں میں بہت اچھائی ہے۔

الباقیات الصالحات کا مصداق

(۱) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا الباقیات الصالحات یہ کلمات ہیں: **لا الٰہ الا اللہ' واللہ اکبر' والحمد للہ' لا قوۃ الا باللہ۔**

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ الباقیات الصالحات پانچوں وقت کی نمازیں ہیں۔

(۳) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ الباقیات الصالحات لوگوں سے نیک اور اچھی باتیں کرنا ہے۔

(۴) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ تمام نیک اعمال الباقیات الصالحات ہیں۔

حدیث میں جن کلمات کو الباقیات الصالحات فرمایا ہے' وہ یہ ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الباقیات الصالحات کو بہ کثرت پڑھو اور وہ یہ ہیں: **سبحان اللہ' لا الٰہ الا اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔**

(مسند احمد ج ۳ ص ۷۵' المستدرک ج ۱ ص ۵۱۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۳۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۲۹' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۴۱۲)

ابوصخر کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ ان کو سالم بن محمد نے بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ آپ مجھ سے قبرستان کے ایک گوشہ میں ملاقات کریں' مجھے آپ سے کام ہے' پھر ان دونوں کی ملاقات ہوئی اور ان دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا پھر سالم نے کہا آپ کن کلمات کو الباقیات الصالحات شمار کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا **لا الٰہ الا اللہ' الحمد للہ' سبحان اللہ' اللہ اکبر اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ**' سالم نے کہا آپ نے ان کلمات میں **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** کو کب شامل کیا؟ انہوں نے کہا مجھے حضرت ابوایوب انصاری نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ فرمایا مجھے آسمانوں پر معراج کرائی گئی اور مجھے حضرت ابراہیم کو دکھایا گیا' انہوں نے کہا اے جبریل! یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور کہا اپنی اُمت کو یہ حکم دیں کہ جنت میں بہ کثرت پودے اُگائیں کیونکہ جنت کی زمین پاک ہے اور اس کی زمین بہت وسیع ہے۔ میں نے پوچھا جنت کے پودے کیا ہیں؟ تو انہوں نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۴۱۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۶۱۱' دار الفکر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ' والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنا الباقیات الصالحات میں سے ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۴۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے سوکھے ہوئے تھے۔ آپ نے اس درخت پر اپنی لاٹھی ماری تو اس کے پتے جھڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا: الحمدللہ' سبحان اللہ اور اللہ اکبر پڑھنے سے بندے کے گناہ اس طرح جھڑنے لگتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۳' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۵۵)

احادیث میں ان کلمات کی ترتیب مختلف ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی تعظیم کے کلمات مطلقاً الباقیات الصالحات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے سو ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے ○ (الکہف: ۴۷)

احوال آخرت میں سے پہاڑوں کو چلانے کا معنی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ دنیا بہت خسیس اور رذیل ہے اور آخرت بہت عمدہ اور اشرف ہے اور چونکہ آخرت قیامت کے بعد آئے گی' اس لیے اب قیامت کے احوال بیان فرما رہا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے' لیکن یہ نہیں فرمایا کہ پہاڑوں کو چلا کر کہاں لے جائیں گے۔ ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو چلا کر عدم کی طرف لے جائے گا یعنی ان پہاڑوں کو ان کی عظیم جسامت کے باوجود معدوم کر دے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں ہے:

وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ○ فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ○ لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ○ (طٰہٰ: ۱۰۷-۱۰۵)

وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں سو آپ ان سے کہیے کہ میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا ○ پس وہ زمین کو ہموار اور صاف میدان کر کے چھوڑ دے گا ○ آپ اس زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے نہ اونچ نیچ۔

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ○ فَکَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ○ (الواقعہ: ۶-۵)

اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ○ سو وہ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

احوال آخرت میں سے زمین کے صاف میدان ہونے کا معنی

نیز فرمایا: اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھیں گے' زمین کے صاف میدان ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) زمین پر بنی ہوئی کوئی عمارت باقی نہیں رہے گی نہ پہاڑ' نہ درخت اور اس میں کوئی اونچی اور نیچی چیز نہیں رہے گی۔

(۲) بارزۃ سے مراد یہ ہے کہ زمین کے بطن میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ سو قبروں میں جو مردے دفن ہیں' ان کو نکال کر باہر کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیات سے ظاہر ہے:

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ○ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ۔ (الانشقاق: ۴-۳)

اور جب زمین (کھینچ کر) پھیلا دی جائے گی ○ اور جو کچھ اس میں ہے وہ اس کو نکال کر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ○ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ○ (الزلزال: ۲-۱)

جب پوری زمین زلزلہ سے لرز جائے گی ○ اور جب زمین اپنے تمام بوجھ باہر نکال دے گی۔

پھر سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے کر دیئے جائیں گے کیونکہ زمین کا چہرہ پہاڑوں' سمندروں اور دریاؤں سے مستور تھا' پس جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور دریاؤں کو فنا کر دیا تو زمین کے جو حصے ان سے چھپے ہوئے تھے' وہ ظاہر ہو گئے اور اس طرح زمین صاف میدان ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ان سب کو جمع کریں گے سو ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم سب لوگوں کو حساب کے لیے جمع کریں گے اور اس دن اولین اور آخرین میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ○ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ○ (الواقعہ: ۵۰-۴۹)

آپ کہیے بے شک تمام پہلے اور تمام پچھلے (لوگ) ایک مقرر دن میں ضرور جمع کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سب آپ کے رب کی بارگاہ میں صف بہ صف پیش کیے جائیں گے' بے شک تم ہمارے پاس اسی حالت میں آ گئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا بلکہ تمہارا زعم یہ تھا کہ ہم تم سے ملاقات کا وقت مقرر ہی نہیں کریں گے ○ (الکہف: ۴۸)

کفار کے پیش ہونے کی پانچ حالتیں

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

جب لوگوں کو زندہ کیا جائے گا اور ان کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا تو وہ سب ایک حالت پر نہیں ہوں گے اور نہ ان کا موقف اور مقام ایک ہوگا' اور ان کے کئی مواقف اور احوال ہوں گے۔ اسی وجہ سے ان کے متعلق احادیث مختلف ہیں۔ ان کے مواقف اور ان کے احوال پانچ ہیں:

(۱) جس وقت ان کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا۔

(۲) جس وقت ان کو حساب کی جگہ لے جایا جائے گا۔

(۳) جس وقت ان سے حساب لیا جائے گا۔

(۴) جس وقت ان کو دارالجزاء کی طرف لے جایا جائے گا۔

(۵) جس مقام میں ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھہرایا جائے گا۔

جس وقت ان کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا' اس وقت ان کے حواس اور اعضاء کامل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۔ (یونس: ۴۵)

جس دن اللہ کو جمع کرے گا (ان کو یوں محسوس ہوگا) کہ گویا وہ دنیا میں دن کا ایک گھنٹہ رہے ہوں' وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔

يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ (طٰہٰ: ۱۰۳)

وہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے ہم تو دنیا میں صرف دس دن رہے تھے۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ (الزمر: ۶۸)

پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ قبروں سے اُٹھ کر دیکھ رہے ہوں گے۔

دوسری حالت وہ ہے جب انہیں حساب کی جگہ لے جایا جائے گا' اس وقت بھی ان کے حواس کامل ہوں گے:

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۲۴-۲۲)

ظالموں کو جمع کرو اور ان کی ازواج کو اور ان کو جن کی وہ عبادت کرتے تھے ۝ اللہ کے سواپس ان کو دوزخ کا راستہ دکھاؤ ۝ اور ان کو ٹھہراؤ ان سے سوالات کیے جائیں گے۔

اس آیت میں فرمایا کہ ان کو راستہ دکھاؤ' اس سے معلوم ہوا کہ وہ دیکھنے والے ہوں گے۔ نیز فرمایا ان سے سوالات کیے جائیں گے' اس سے معلوم ہوا کہ وہ سننے والے بھی ہوں گے اور بولنے والے بھی ہوں گے اور وہ چلنے پھرنے والے بھی ہوں گے۔

اور تیسرا حال وہ ہے جب ان سے حساب لیا جائے گا:

وَيَقُوْلُوْنَ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ (الکہف: ۴۹)

وہ کہیں گے یہ کیسی کتاب ہے جس نے نہ کسی چھوٹے گناہ کو چھوڑا نہ بڑے گناہ کو مگر اس کا احاطہ کر لیا۔

اور چوتھا حال وہ ہے جب کافروں کو جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔ اس وقت ان کی سماعت' بصارت اور قوتِ گویائی کو سلب کر لیا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ (بنی اسرائیل: ۹۷)

اور ہم ان کو قیامت کے دن چہروں کے بل اُٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

پانچواں حال وہ ہے جب کافر دوزخ میں ہوں گے اور اس حال کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حال وہ ہے جب وہ ابتداءً دوزخ میں ہوں گے' اور دوسرا حال ان کے قیام کے اعتبار سے ہے۔ ابتدائی حال وہ ہے جب کفار موقف حساب سے لے کر دوزخ کے کنارے تک کی مسافت قطع کریں گے اس وقت وہ اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے' اور یہ حال ان کی ذلت اور رسوائی کے اظہار کے لیے ہوگا اور ان کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لیے' پھر ان کے حواس لوٹا دیئے جائیں گے تاکہ وہ دوزخ کا مشاہدہ کر سکیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو عذاب تیار کیا ہے اس کو دیکھ سکیں' اور عذاب کے فرشتوں کا معائنہ کر سکیں اور ہر اس چیز کو دیکھ سکیں جس کا وہ دنیا میں انکار کرتے تھے پھر وہ اس حال میں دوزخ میں قیام کریں گے کہ وہ بولنے والے' سننے والے اور دیکھنے والے ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَتَرٰهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ (الشوریٰ: ۴۵)

اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ ان کو دوزخ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا' وہ ذلت سے جھکے جا رہے ہوں گے اور کنکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ○ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ○ (الملک: ۹-۸)

قریب تھا کہ غصہ کے مارے دوزخ پھٹ جاتی' جب اس میں کوئی جماعت ڈالی جائے گی اس سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا○ وہ کہیں گے بے شک آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے کہا اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی' تم محض بہت بڑی گمراہی میں ہو۔

پہلی آیت میں ہے کہ کافر کنکھیوں سے دوزخ کی آگ کی طرف دیکھیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دوزخ کو دیکھنے والے ہوں گے' اور دوسری آیت میں ہے کہ دوزخ کے محافظ فرشتوں سے ان کا مکالمہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دوزخ میں عذاب کے دوران سننے والے اور بولنے والے بھی ہوں گے۔

قبروں سے اٹھنے سے لے کر قیام دوزخ تک کفار کے ان پانچ احوال سے یہ معلوم ہو گیا کہ بعض احوال میں کفار کے حواس اور اعضاء سلامت ہوں گے اور بعض احوال میں ان کے حواس سلب کر لیے جائیں گے' اور اس سلسلہ میں جو آیات ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (التذکرہ ج ۱ ص ۳۱۹-۳۱۶' مطبوعہ دار البخاری بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بلند آواز سے ندا فرمائے گا میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میں سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہوں اور میں سب سے بڑا حاکم ہوں اور سب سے جلد حساب لینے والا ہوں۔ اے میرے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ تم غمگین ہو گے' تم اپنی حجت لے آؤ اور اپنا جواب آسان بنا لو کیونکہ تم سے سوال کیا جائے گا اور تم سے حساب لیا جائے گا۔ اے میرے فرشتو! میرے بندوں کو پیروں کے پوروں پر صف بہ صف کھڑا کر دو تاکہ ان کا حساب لیا جائے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۹۵۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۹۹۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۷۲' الدر المنثور ج ۵ ص ۴۰۰' روح المعانی جز ۱۵ ص ۴۱۷)

قیامت کے دن برہنہ حشر کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تم ہمارے پاس اسی حالت میں آ گئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ یہ تشبیہ بعض صفات میں ہے ورنہ جس وقت وہ انسان پیدا ہوا تھا اس وقت وہ نہ چل سکتا تھا' نہ کھڑا ہو سکتا تھا' نہ بیٹھ سکتا تھا' نہ باتیں کر سکتا تھا اور نہ کسی کام کاج پر قادر تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ وہ ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون ہوں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! عورتیں اور مرد سب ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! وہاں پر معاملہ اس سے کہیں سخت ہوگا کہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۷۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں ایک نصیحت کا خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے: آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم سب اس حال میں اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے کہ تم ننگے پیر' ننگے بدن غیر مختون ہو گے:

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۱۰۴) جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے اور ہم اس کو ضرور پورا کرنے والے ہیں۔

سنو! قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ سنو! عنقریب میری اُمت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا ان کو بائیں طرف سے پکڑا جائے گا۔ پس میں کہوں گا اے میرے رب! میرے اصحاب! پس کہا جائے (کیا) آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی چیزیں داخل کر لی تھیں؟ تو میں اسی طرح کہوں گا جس طرح عبد صالح نے کہا تھا: اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے (آسمان پر) اُٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے ۝ اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے ۝ پھر مجھ سے یہ کہا جائے گا جب سے آپ ان سے جدا ہوئے تھے یہ اس وقت سے اپنی ایڑیوں پر پھر گئے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۲۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۸۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے لباس پہنانے اور مرتدین کو میرے اصحاب فرمانے کی توجیہ

اس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ یہ اوّلیت اضافی ہے کیونکہ قائل عموم کلام سے خارج ہوتا ہے۔ نیز اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ میرے اصحاب ہیں' یہ عدم توجہ کی بناء پر ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس دنیا میں بھی علم تھا کہ وہ لوگ مرتد ہو چکے تھے۔ نیز قبر مبارک میں آپ پر اُمت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں' اس لیے ان کے مرتد ہو جانے کا آپ کو قبر میں بھی علم تھا۔ نیز قیامت کے دن کفار اور مرتدین کے چہرے سیاہ ہوں گے' ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی' اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا' اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر ہر شخص کو علم ہو جائے گا کہ یہ آپ کے اُمتی نہیں ہیں کیونکہ آپ کے اُمتی غرمحجل ہوں گے یعنی آثار وضو سے ان کا چہرہ اور ان کے ہاتھ پیر چمک رہے ہوں گے' ان کا چہرہ سفید ہوگا اور ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ ان کے ایمان اور ان کی نمازوں کا نور ان کے آگے آگے چل رہا ہوگا۔ ان حالات میں آپ کا ان مرتدین کو میرے اصحاب فرمانا بے توجہی پر محمول ہے۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی کرنا درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا پھر آپ دیکھیں گے کہ مجرم اس میں لکھے ہوئے سے خوفزدہ ہوں گے اور کہیں گے: ہائے افسوس! اس نامہ اعمال کو کیا ہوا اس نے نہ کوئی صغیرہ گناہ چھوڑا ہے نہ کبیرہ مگر سب کا احاطہ کر لیا ہے' اور انہوں نے جو بھی عمل کیا تھا سب کو لکھا ہوا اپنے سامنے پائیں گے' اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا ۝ (الکھف: ۴۹)

قیامت کے دن اعمال نامہ پیش کیا جانا

قرآن مجید میں الکتاب کا لفظ ہے۔ مقاتل نے کہا اس سے مراد ہے بندوں کے ہاتھ میں ان کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔

کعب احبار نے کہا جب قیامت کا دن ہوگا تو لوح محفوظ کو بلند کیا جائے گا اور مخلوق میں سے ہر شخص اپنے عمل کو دیکھ لے گا۔

امام رازی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اس دن ہر انسان کے ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا یا اس کے دائیں ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں اور اس دن کفار اور مشرکین اپنے صحائف اعمال میں اپنے برے اعمال کو دیکھ کر خوفزدہ ہوں گے کہ تمام اہل محشر کے سامنے ان کے برے اعمال کھل جائیں گے اور وہ رسوا ہوں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کو اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب کا خوف بھی ہوگا اور مخلوق کے سامنے شرمندہ اور رسوا ہونے کا بھی خوف ہوگا۔ اس وقت وہ افسوس سے کہیں گے ہائے افسوس! یہ کتاب تو نہ کسی صغیرہ گناہ کو چھوڑتی ہے نہ کبیرہ گناہ کو۔

گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کے متعلق مذاہب

گناہ صغیرہ اور کبیرہ میں اختلاف ہے۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بعض گناہ کبائر ہیں اور بعض گناہ صغائر ہیں۔ استاذ ابواسحاق اسفرائنی نے کہا کہ گناہوں میں کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہے بلکہ ہر جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اس کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ہر جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ اس کی جلال ذات کے اعتبار سے گناہِ کبیرہ ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا کہ اشاعرہ کہتے ہیں کہ تمام معاصی کبائر ہیں اور بعض معاصی کو صغیرہ ان سے بڑے کبائر کے لحاظ سے کہا جاتا ہے، جیسے امرد اور اجنبی عورت کا بوسہ لینا حرام ہے لیکن اس کو زنا کے اعتبار سے صغیرہ کہا جاتا ہے، اور ہمارے نزدیک تمام گناہ کبائر ہیں اور اس کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے وہ چاہے تو اس گناہ کو معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے اور کسی گناہ کی مغفرت واجب نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۵۔ ۱۴ ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ)

صحیح قول جمہور کا ہے۔ ہم قرآن مجید اور احادیث سے اس پر دلائل پیش کریں گے کہ بعض گناہ صغیرہ ہیں اور بعض گناہ کبیرہ ہیں۔ اس کے بعد صغیرہ اور گناہ کبیرہ کی تعریفیں پیش کریں گے۔

صغائر اور کبائر کی تقسیم کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (النجم: ۳۲)

جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں ماسوا صغیرہ گناہوں کے، بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ○ (النساء: ۳۱)

اگر تم کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ میں داخل کر دیں گے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ. (هود: ۱۱۴)

بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔

صغائر اور کبائر کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں جب تک کہ کبائر کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴، مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۶، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۱۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۷۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۶۷، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۴۵)

اس حدیث میں کبائر اور صغائر دونوں کا ثبوت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازخود کبائر کا ذکر فرمایا یا آپ سے کبائر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ کا شریک قرار دینا' کسی شخص کو قتل کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' پھر فرمایا کیا میں تم کو سب سے بڑے کبیرہ کی خبر نہ دوں! فرمایا: جھوٹی بات کہنا یا جھوٹی گواہی دینا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۰۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۷۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا' جادو کرنا' جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' میدانِ جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا' پاک دامن مومنات پر بدکاری کی تہمت لگانا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۷۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۶۷۱)

اس حدیث میں سات ہلاک کرنے والے کاموں سے مراد سات کبائر ہیں اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور تین بار فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' پھر سر جھکا لیا پھر ہم میں سے ہر شخص سر جھکا کر رونے لگا' ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ نے کس چیز کی قسم کھائی ہے' پھر آپ نے سر اُٹھایا تو آپ کے چہرے پر بشاشت تھی اور وہ ہمیں سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب تھی۔ آپ نے فرمایا: ہر جو بندہ پانچ نمازیں پڑھے' رمضان کے روزے رکھے' زکوٰۃ ادا کرے اور سات کبیرہ گناہوں سے بچے اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا سلامتی کے ساتھ داخل ہو جا۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴۳۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۷۴۵' المستدرک ج۱ص۲۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا' اس پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے' اور جو شخص زمین میں علامتیں اور حدود قائم نہیں کرتا' اللہ اس پر لعنت فرماتا ہے' اور جو شخص راستہ دکھانے سے اندھا بن جاتا ہے اللہ اس پر لعنت فرماتا ہے' اور جو شخص اپنے والدین کو گالی دیتا ہے اللہ اس پر لعنت فرماتا ہے' اور جو شخص اپنے مالکوں کے غیر کی طرف منسوب ہوتا ہے اللہ اس پر لعنت فرماتا ہے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۵۴۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۸۱)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ تم زانی' چور اور شرابی کے متعلق کیا کہتے ہو؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ بہت بے حیائی کے کام ہیں اور ان کی سزا ہے۔ کیا میں تم کو بہت بڑا کبیرہ نہ بتاؤں؟ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کا شریک قرار دینا ہے' اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے۔ آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا اور سنو جھوٹ بولنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر وہ کام جس سے اللہ نے منع فرمایا اس کو کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کبائر یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا' اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا' اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۷۷۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: میں تم کو

پر بیعت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دو گے' اور اس شخص کو ناحق قتل نہیں کرو گے جس کے قتل کو اللہ نے حرام فرما دیا ہے' اور زنا نہیں کرو گے اور چوری نہیں کرو گے اور کسی نشہ آور مشروب کو نہیں پیو گے' تم میں سے کسی نے ان میں سے کوئی کام کیا پھر اس پر حد نافذ ہو گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے' اور جس شخص پر اللہ نے ستر کر لیا تو اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۲۷)

ان تمام احادیث میں کبائر کا ثبوت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: یہ بتاؤ کہ تم میں سے کسی ایک کے دروازہ پر اگر دریا ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر میل رہے گا؟ مسلمانوں نے کہا اس کے بدن پر بالکل میل نہیں رہے گا۔ آپ نے فرمایا: پانچ نمازوں کی یہی مثال ہے' ان سے اللہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! مدینہ کے آخری کنارے میں' میں ایک عورت کے ساتھ بغل گیر ہو گیا اور دخول کرنے کے سوا میں نے اس سے سب کچھ کیا۔ اب میں یہاں حاضر ہوں آپ جو چاہیں میرے متعلق فیصلہ فرمائیں۔ حضرت عمر نے کہا اللہ تعالیٰ نے تیرا پردہ رکھ لیا تھا کاش تو بھی اپنا پردہ رکھتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ شخص اُٹھ کر چل دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے کسی شخص کو بھیج کر اس کو بلوایا اور یہ آیت پڑھی:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ۞ (ھود: ۱۱۴)

دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصہ میں نماز قائم رکھو' بے شک نیکیاں برائیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔

مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ آیت اس کے لیے خاص ہے؟ آپ نے فرمایا: تمام لوگوں کے لیے ہے۔

(صحیح مسلم التوبۃ: ۴۲' (۲۷۶۳) الرقم المسلسل ۶۸۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۳۲۴)

ان حدیثوں میں گناہ صغیرہ پر دلالت ہے اور اس پر کہ نیک کام کرنے سے صغائر معاف ہو جاتے ہیں۔

گناہ کبیرہ کی تعداد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کبائر سات ہیں اور ان سے ایک روایت ہے کہ کبائر ستر ہیں اور ایک روایت ہے کہ کبائر سات سو ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۴ ص ۶۸۵۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے الکبائر کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث کے حوالہ جات سے ستر گناہ کبیرہ لکھے ہیں ہم ان کے دلائل کو ترک کر کے صرف ان کبائر کے عنوانات لکھ رہے ہیں۔

(۱) جس کام سے اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور صحابہ نے منع کیا ہو۔ (۲) قتل ناحق (۳) جادو (۴) ترک نماز (۵) ترک زکوٰۃ (۶) بلا عذر رمضان کا روزہ نہ رکھنا (۷) باوجود قدرت کے حج نہ کرنا (۸) ماں باپ کی نافرمانی کرنا (۹) رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا (۱۰) زنا (۱۱) قوم لوط کا عمل (۱۲) سود کھانا (۱۳) ظلماً یتیم کا مال کھانا (۱۴) اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ

باندھنا (۱۵) میدانِ جہاد سے بھاگنا (۱۶) سربراہ مسلمین کا عوام پر ظلم کرنا یا عوام کا اس پر ظلم کرنا (۱۷) فخر و تکبر کرنا اور اترانا (۱۸) جھوٹی گواہی دینا (۱۹) خمر (شراب) پینا (۲۰) جوا کھیلنا (۲۱) مسلمان پاک دامن عورتوں کو بدکاری کی تہمت لگانا (۲۲) مالِ غنیمت میں خیانت کرنا (۲۳) چوری کرنا (۲۴) ڈاکا ڈالنا (۲۵) جھوٹی قسم کھانا (۲۶) ظلم کرنا (۲۷) سلطان کے حکم کے بغیر ٹیکس جمع کرنا (۲۸) حرام کھانا یا کسی طریقہ سے بھی حرام کو استعمال کرنا (۲۹) خودکشی کرنا (۳۰) باتوں میں بہ کثرت جھوٹ بولنا (۳۱) ناجائز فیصلے کرنا (۳۲) رشوت لینا (۳۳) عورتوں کا مردوں کی اور مردوں کا عورت کی مشابہت کرنا (۳۴) دیوثی کرنا (۳۵) طلاق دینے کی شرط سے حلالہ کرنا (۳۶) پیشاب کے قطروں سے نہ بچنا (۳۷) علم کو چھپانا (۳۸) دنیا کے لیے علم دین حاصل کرنا (۳۹) خیانت کرنا (۴۰) احسان جتانا (۴۱) تقدیر کو جھٹلانا (۴۲) لوگوں کو سنانے کے لیے نیک کام کرنا (۴۳) چغلی کرنا (۴۴) ایک دوسرے پر لعنت کرنا (۴۵) عہد شکنی کرنا (۴۶) نجومی کی تصدیق کرنا (۴۷) بیوی کا خاوند کی نافرمانی کرنا (۴۸) تصویر بنانا (۴۹) نوحہ اور ماتم کرنا' اپنے آپ کو پیٹنا (۵۰) حاکم کے خلاف بغاوت کرنا (۵۱) کمزوروں' باندیوں' نوکروں اور بیویوں پر تشدد کرنا (۵۲) پڑوسی کو اذیت پہنچانا (۵۳) مسلمانوں کو ایذا دینا اور ان کو گالی دینا (۵۴) اللہ کے بندوں کو اذیت پہنچانا اور ان پر سختی کرنا (۵۵) قدموں کے نیچے گھسٹتے ہوئے کپڑے پہننا یا تکبر سے ٹخنوں کے نیچے کپڑوں کو لٹکانا (۵۶) مردوں کا سونے اور ریشم کا لباس پہننا (۵۷) غلام کا بھاگنا (۵۸) غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا (۵۹) اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے نسب قائم کرنا (۶۰) شرعی جواز کے بغیر جھگڑا کرنا (۶۱) فاضل پانی دینے سے منع کرنا (۶۲) ناپ تول میں کمی کرنا (۶۳) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا (۶۴) اولیاء اللہ کو اذیت دینا (۶۵) اولیاء اللہ سے عداوت رکھنا (۶۶) بغیر عذر شرعی کے جماعت کو ترک کرنا (۶۷) بغیر عذر شرعی کے جماعت اور جمعہ کو ترک کرنا (۶۸) دھوکا اور فریب دینا (۶۹) مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنا اور ان کو بیان کرنا (۷۰) صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو سب وشتم کرنا۔ (الکبائر' دار الغد العربی قاہرہ مصر)

گناہِ کبیرہ کی متعدد تعریفیں

امام رافعی نے الشرح الکبیر میں لکھا ہے کبیرہ وہ گناہ ہے جو حد کا موجب ہو' یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کے مرتکب پر کتاب یا سنت میں وعید کی تصریح ہو۔ امام بغوی نے بھی یہی تعریف کی ہے۔

علامہ الماوردی نے کہا ہے کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر حد واجب ہو یا اس کے مرتکب پر وعید ہو۔ علامہ عسقلانی نے اس تعریف کو معتمد کہا ہے۔ علامہ عبدالسلام نے کہا جس معصیت کو معمولی سمجھ کر اس کا ارتکاب کیا جائے' وہ کبیرہ ہے۔ اسی طرح اگر گناہِ صغیرہ کا ارتکاب یہ سمجھ کر کیا جائے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو وہ بھی کبیرہ ہے' اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ صغیرہ پر عذاب نہیں ہوتا' یہ اس وقت ہے جب شامت نفس سے انسان کوئی صغیرہ گناہ کر بیٹھے پھر اس پر نادم اور تائب ہو' اور جب بے خوفی اور دیدہ دلیری سے کوئی معصیت کرے خواہ وہ معصیت صغیرہ ہو تو پھر وہ کبیرہ گناہ ہے۔ اسی طرح ہر وہ معصیت جس پر وعید ہو یا لعنت ہو وہ گناہِ کبیرہ ہے۔ اس تعریف میں واجبات کو ترک کرنا بھی داخل ہے' خواہ اس فعل کو علی الفور کرنا واجب ہو یا اس کے وجوب میں وسعت ہو۔

علامہ ابن الصلاح نے کہا کبیرہ گناہ کی علامتیں ہیں' ان میں سے بعض یہ ہیں کہ اس فعل پر حد واجب ہو یا کتاب وسنت میں اس پر عذاب کی وعید ہو یا اس کو فاسق فرمایا ہو یا اس پر لعنت فرمائی ہو' یہ زیادہ جامع تعریف ہے۔

علامہ ابوالعباس قرطبی مالکی نے المفہم میں کبیرہ کی جو تعریف کی ہے وہ سب سے احسن تعریف ہے۔

ہر وہ معصیت جس کے متعلق کتاب' سنت یا اجماع میں یہ تصریح ہو کہ یہ کبیرہ ہے یا عظیم ہے یا اس کے متعلق فرمایا ہو کہ اس کے مرتکب کو عذاب ہوگا یا اس پر حد متعلق کی ہو یا اس معصیت کی شدید مذمت کی ہو' وہ کبیرہ ہے۔

علامہ الحلیمی نے المنہاج میں لکھا ہے ہر گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے اور کبھی کسی قرینہ کی بناء پر صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے۔ (مثلاً صغیرہ کا ارتکاب معمولی سمجھ کر کرے اور اس پر نادم اور تائب ہوئے بغیر دوبارہ صغیرہ کرے' اس کو صغیرہ پر اصرار کہتے ہیں' اور اگر شامت نفس سے صغیرہ کا ارتکاب کیا پھر نادم ہوا اور اس پر توبہ کر لی پھر دوبارہ شامت نفس سے صغیرہ کر لیا اور اس پر پھر نادم اور تائب ہوا تو یہ تکرار معصیت ہے اصرار نہیں ہے' اور اس صورت میں وہ صغیرہ ہی رہے گا' بعض علماء نے کہا ہے کہ فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب صغیرہ ہے)

علامہ الحلیمی نے لکھا ہے کہ کبیرہ کی دو قسمیں ہیں ایک فاحش اور دوسرا افحش۔ مثلاً ناحق قتل کرنا کبیرہ ہے لیکن اگر کسی شخص نے اپنی اولاد کو قتل کیا یا باپ دادا کو قتل کیا یا کسی نواسے یا نواسی کو قتل کیا یا حرم میں قتل کیا یا حرمت والے مہینوں میں قتل کیا یا رمضان میں قتل کیا تو یہ کبیرہ فاحشہ ہے۔ اسی طرح زنا کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور اگر اس نے پڑوسی کی بیوی سے زنا کیا یا کسی رشتہ دار سے زنا کیا یا ماہِ رمضان میں یا حرم میں زنا کیا تو یہ کبیرہ فاحشہ ہے۔ اسی طرح شراب پینا کبیرہ ہے اور اگر ماہِ رمضان میں دن کے وقت شراب پی یا حرم میں شراب پی یا علی الاعلان شراب پی تو یہ کبیرہ فاحشہ ہے' اگر کسی اجنبی عورت کی رانوں سے لذت حاصل کی تو یہ صغیرہ ہے اور اگر اپنے باپ کی بیوی یا بہو یا کسی نواسی یا بھانجی' بھتیجی کی رانوں سے لذت حاصل کی تو یہ گناہِ کبیرہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ (فتح الباری ج ۱۴ ص ۱۶۰-۱۵۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۲۰۰۰ھ)

مکس کا لغوی اور اصطلاحی معنی

ہم نے علامہ ذہبی کی الکبائر سے ستائیسواں کبیرہ نقل کیا ہے کہ سلطان کی اجازت کے بغیر ٹیکس لینا بھی کبیرہ ہے۔ عربی میں اس کے لیے مکس کا لفظ ہے اور فقہاء اس کے لیے جبایہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ المنجد میں ان دونوں لفظوں کا معنی ٹیکس لینا لکھا ہے۔

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ نے مکس کا معنی لکھا ہے' عشر لینے والا جو حصہ وصول کرتا ہے۔ (النہایہ ج ۴ ص ۲۹۷)

اسی طرح علامہ محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے۔ (تاج العروس ج ۴ ص ۲۴۹)

علامہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے مکس کے کبیرہ ہونے پر حسب ذیل دلائل دیئے ہیں:

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (الشوریٰ: ۴۲)

مواخذہ کی راہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد کرتے ہیں' انہیں لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اور مکاس (ٹیکس لینے والا) ظالموں کا سب سے بڑا مددگار ہے بلکہ وہ خود ظالموں میں سے ہے کیونکہ وہ اس چیز کو لیتا ہے جس کا وہ مستحق نہیں ہے اور اس کو دیتا ہے جو اس کا مستحق نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکاس جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۳۷' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۶۶۶' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۳) (الکبائر ص ۱۲۶' مطبوعہ دار الغد العربی مصر)

علامہ ابوسلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صاحب مکس وہ شخص ہے جو مسلمانوں سے عشر وصول کرتا ہے اور آنے جانے والے تاجروں سے چونگی وصول کرتا ہے' اس کو مکس سے تعبیر کیا ہے جو عشر لینے والے کا نام ہے۔ صاحب مکس سے مراد وہ عامل نہیں ہے جو صدقات وصول کرتا ہے کیونکہ

صدقات وصول کرنے کا منصب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد بھی افاضل اور اکابر صحابہ کے پاس تھا۔ مکس کی اصل نقص ہے اسی لیے خریدار سودے کی قیمت جو کم کراتا ہے اس کو مکاس کہتے ہیں۔ رہا وہ عشر جو طے شدہ شرائط کے مطابق مسلمان شہروں میں آنے والے تاجروں سے لیا جاتا ہے (یعنی کسٹم ڈیوٹی) تو وہ مکس نہیں ہے اور نہ اس کا لینے والا وعید کا مستحق ہے سوا اس کے کہ وہ تجاوز اور ظلم کرے تو اس پر گناہ اور عذاب کا خطرہ ہے۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۱۹۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۰ھ)

مکس کا اصطلاحی معنی یہ ہے: شہر میں داخل ہونے والے تاجروں سے جو حصہ (چونگی) لیا جائے، وہ مکس ہے اور اس کو لینے والا ماکس ہے، اور مکس کا غالب استعمال اس مال پر کیا جاتا ہے جس کو خرید و فروخت کے وقت بادشاہ کے کارندے ظلماً وصول کرتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے مکس کو جو گناہِ کبیرہ لکھا ہے، وہ اسی معنی کے اعتبار سے لکھا ہے۔

بینک سے کاٹی ہوئی زکوٰۃ کا شرعی حکم

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

تجنیس اور الولوالجیہ میں مذکور ہے کہ ظالم بادشاہ نے جب صدقات وصول کر لیے تو ایک قول یہ ہے کہ جب دینے والے نے صدقات کی ادائیگی کی نیت کر لی تھی تو اس کو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ ظالم سلطان کے اوپر لوگوں کے اس قدر حقوق ہیں کہ اس کے پاس جتنا بھی مال ہے، وہ لوگوں کا ہے اور وہ حقیقت میں فقیر ہے، اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ وہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے۔ امام ابوجعفر طحاوی نے کہا ہے کہ سلطان کو صدقات وصول کرنے کی ولایت حاصل ہے لہٰذا صدقہ دینے والوں سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ خواہ سلطان ان صدقات کو اپنے عمل میں نہ رکھے، اس کا وصول کرنا باطل نہیں ہوگا۔ اس پر فتویٰ دیا گیا ہے لیکن یہ حکم اموال ظاہرہ کے صدقات میں ہے اگر سلطان نے سخت مطالبہ کر کے اموال باطنہ سے زکوٰۃ وصول کی ہے اور دینے والے نے زکوٰۃ کی نیت کر لی، مشائخ متاخرین کے نزدیک پھر بھی جائز ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ظالم سلطان کے لیے اموالِ باطنہ سے زکوٰۃ وصول کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے اس کو دوبارہ زکوٰۃ دینی ہوگی۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۰۰-۱۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اموالِ ظاہرہ یہ ہیں گائے، بکری اور اونٹ، مالِ تجارت اور زمین کی پیداوار، اور اموالِ باطنہ یہ ہیں سونا، چاندی اور کرنسی نوٹ۔ پاکستان کے بینکوں میں جو مسلمانوں کا روپیہ رکھا ہوا ہے حکومت ہر سال اس سے زکوٰۃ کاٹ لیتی ہے اور یہ اموالِ باطنہ سے جبراً زکوٰۃ وصول کرنا ہے۔ علامہ شامی کی اس تحقیق کے اعتبار سے یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی کیونکہ اموالِ باطنہ سے جبراً زکوٰۃ وصول کرنے کا ظالم حکومت کو اختیار نہیں ہے۔ اموالِ ظاہرہ سے حکومت جبراً زکوٰۃ وصول کر لے تو اس کے ادا ہونے میں اختلاف ہے لیکن اموالِ باطنہ میں اتفاق ہے کہ ظالم حکومت اگر جبراً زکوٰۃ وصول کر لے تو وہ ادا نہیں ہوگی۔ کیونکہ ظالم سلطان کے متعلق تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس پر لوگوں کے اتنے حقوق ہیں کہ اس کے پاس جو بھی مال ہے وہ دوسروں کا ہے اور وہ حقیقت میں فقیر ہے۔ اس لیے اس کو زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کر لی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن حکومت تو فقیر نہیں ہے، اس لیے اس کو زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت صحیح نہیں ہے کیونکہ حکومت یا بینک فقیر نہیں ہے، اور ثانیاً اس لیے کہ حکومت یا بینک کو اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار ہے اموالِ باطنہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے، اس لیے بینک سے جو زکوٰۃ وضع کی جاتی ہے، اس سے دینے والے کی زکوٰۃ شرعاً ادا نہیں ہوتی اور اس پر واجب ہے کہ وہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں مکاس جو وصول کرتے ہیں، اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ مکاس اصل میں عاشر (عشر وصول کرنے

والا) ہے جس کو امام نے مقرر کیا ہے لیکن آج کل مکاس کو امام صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کا مال ظلماً چھیننے کے لیے ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر مکاس کو زکوٰۃ دی گئی تو ادا نہیں ہوگی۔ ہاں اگر اس مکاس پر صدقہ کرنے کی نیت سے زکوٰۃ دی گئی تو وہ اسی اختلاف پر ہے بعض کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ مکاس کے پاس اگرچہ مال بہت ہے لیکن وہ ظلماً لیا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اس مال کا حقیقتاً مالک نہیں ہے اور اس پر لوگوں کے اتنے حقوق ہیں کہ دراصل وہ فقیر ہے۔ لہٰذا اس پر صدقہ کرنے کی نیت سے زکوٰۃ دی گئی تو ادا ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اس پر دوبارہ زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۰۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

مکاس کی مذمت میں احادیث

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ اللہ اپنی مخلوق کے قریب ہوگا اور جس کو چاہے گا، بخش دے گا سوا طوائف کے اور ناجائز طریقہ سے عشر لینے والے کے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۳۷۲) اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صاحب مکس جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۳۳، مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۵، المستدرک ج ۱ ص ۴۰۴، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۶، یہ حدیث صحیح ہے) امام بغوی نے کہا ہے صاحب مکس سے مراد وہ شخص ہے کہ جب اس کے پاس سے تاجر گزرتے ہیں تو وہ عشر کے نام سے ان سے مکس لیتا ہے۔ حافظ منذری نے کہا اب وہ زکوٰۃ کے نام سے مکس لیتے ہیں اور بغیر کسی عنوان کے بھی وصول کرتے ہیں بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کو وہ رشوت کے طور پر لیتے ہیں اور وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

یہ وہ عاشر نہیں ہے جس کو امام مقرر کرتا ہے، یہ تاجروں سے اس شرط کے ساتھ لیتے ہیں کہ وہ ان کو چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ رکھیں گے اور وہ شہر کے دروازوں پر کھڑے ہوتے ہیں اور حقیقت میں ان کا ضرر چوروں اور ڈاکوؤں سے زیادہ ہے۔

صاحب بزازیہ نے کہا ہے کہ مکاس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ہاں اگر ان پر صدقہ کی نیت کر لی جائے تو پھر اس میں دو قول ہیں۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ٹیکس لگانے کی تحقیق

پہلے زمانہ میں ملکی اور قومی ضروریات اتنی زیادہ نہیں تھیں جن کی وجہ سے حکومت کو ٹیکس لگانا پڑے۔ بیت المال میں جو اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ جمع کی جاتی تھی، اسی طرح عشر اور خراج کے ذریعہ جو رقوم جمع ہوتی تھیں ان سے ملکی اور قومی ضروریات پوری ہو جاتی تھیں، لیکن اب زمانہ کے تقاضے بدل گئے ہیں اور ملکی اور قومی ضروریات بہت بڑھ گئی ہیں۔ اب تلواروں، تیروں اور نیزوں سے دفاع نہیں کیا جاتا، نہ صرف بندوقوں اور توپوں سے کام چلتا ہے۔ اب ٹینک، طیاروں، میزائلوں اور آب دوزوں سے جنگ کا زمانہ ہے بلکہ اب ملک کی سالمیت کے تحفظ کے لیے ایٹمی ہتھیار بنانا ضروری ہیں۔ اب تعلیم پر حکومت کے اخراجات میں اضافہ ہو گیا ہے، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا بنانا اور چلانا، ان کے اساتذہ کو تنخواہیں دینا، اسی طرح عوام کے علاج کے لیے ہسپتال بنانا اور چلانا اور اس کے اسٹاف کو تنخواہیں دینا، اسی طرح فوج کو تنخواہیں دینا ان کو ضروریات اور مراعات فراہم کرنا، آمد و رفت کے لیے سڑکیں اور پل بنانا، اسی طرح وزیروں کو تنخواہیں دینا اور حکومت کے دیگر اخراجات، ان سب ضروریات کے لیے حکومت کو پیسہ چاہیے، زمانہ رسالت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مسلمانوں کی انفرادی یا اجتماعی

ضرورت کے لیے روپیہ کی ضرورت ہوتی تو آپ مسلمانوں سے اپیل کرتے اور وہ آپ کو روپیہ فراہم کرتے تھے۔

انفرادی اور اجتماعی اور ملکی اور قومی ضروریات کے لیے نبی ﷺ کا مدد کے لیے مسلمانوں سے اپیل کرنا

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دن کے اوائل حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' اسی اثنا میں کچھ لوگ آئے جو ننگے پیر اور ننگے بدن تھے' گلے میں چمڑے کی عبائیں پہنے ہوئے تھے اور تلواریں لٹکائے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر بلکہ سب قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا' آپ اندر گئے پھر باہر آئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر اقامت کہی۔ آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو' جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا ہے' آپ نے یہ پوری آیت پڑھی۔ (النساء:۱) اور یہ آیت پڑھی: انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کل آخرت کے لیے کیا بھیج رہا ہے۔ (الحشر:۱۸) لوگ درہم' دینار' اپنے کپڑے' گیہوں اور جو کو بہ مقدار چار کلوگرام صدقہ کریں یا پھر کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔ منذر بن جریر کہتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص ایک تھیلا اُٹھا کر لایا جس کے بوجھ سے اس کا ہاتھ تھکا جا رہا تھا' اس کے بعد لوگوں کا تانتا بندھ گیا یہاں تک کہ میں نے کھانے کی چیزوں اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے۔ میں نے دیکھا کہ (خوشی سے) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے آپ کا چہرہ سونے کا ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۱۷' سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۳)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کی انفرادی ضروریات کے لیے لوگوں سے روپے پیسے کی اپیل کی اور مسلمانوں نے رضا کارانہ طور پر آپ کی اپیل پر عمل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقہ کرنے کا حکم دیا' اتفاق سے میرے پاس اس وقت کافی مال تھا' میں نے دل میں سوچا کہ اگر میں کبھی حضرت ابوبکر سے بڑھ سکتا ہوں تو اس کا آج موقع ہے۔ میں آپ کے پاس اپنا آدھا مال لے کر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اپنے اہل کے لیے کیا رکھا ہے؟ میں نے کہا اتنا ہی مال ان کے لیے چھوڑا ہے' اور حضرت ابوبکر اپنا تمام مال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے۔ آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم نے اپنے اہل کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے' پھر میں نے سوچا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۶۷۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۷۸)

حضرت عبدالرحمان بن خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت آپ غزوۂ تبوک میں امداد کے لیے مسلمانوں کو ترغیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں میرے ذمہ سو اونٹ ہیں' اس کے پالان اور کپڑے کے ساتھ۔ آپ نے پھر لوگوں کو لشکر کی امداد پر ترغیب دی پھر حضرت عثمان نے کھڑے ہو کر کہا اللہ کی راہ میں میرے ذمہ دو سو اونٹ ہیں' ان کے پالان اور ان کے کپڑوں کے ساتھ۔ آپ نے پھر مسلمانوں کو برانگیختہ کیا تو حضرت عثمان نے کہا میرے ذمہ تین سو اونٹ ہیں' ان کے پالانوں اور ان پر ڈالنے والے کپڑوں کے ساتھ۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے اور آپ یہ فرما رہے تھے کہ آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کریں گے اس سے ان کو ضرر نہیں ہوگا۔ (یعنی اللہ ان کو گناہوں سے محفوظ رکھے گا)

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۷۰۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث:۵۹۱۱' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۹' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۱۴)

ثمامہ بن حزن قشیری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں اس حویلی کے پاس گیا جس کے اوپر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جھانک رہے تھے۔ آپ نے باغیوں سے فرمایا میں تم کو اللہ اور اسلام کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو مسلمانوں کے پینے کے لیے میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہیں تھا؟ رومہ نام کا صرف ایک میٹھے پانی کا کنواں تھا۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے کون شخص رومہ نام کے کنویں کو خریدے گا اور اس کے ڈول کو مسلمانوں کے ڈولوں کے لیے کردے گا اور اس کی نیکی اس کو جنت میں ملے گی؟ تو میں نے اس کنویں کو اپنے ذاتی مال سے خریدا اور آج تم مجھ کو اس کنویں سے پانی پینے کو منع کرتے ہو حتیٰ کہ میں سمندر کا کھاری پانی پیتا ہوں' باغیوں نے کہا ہاں' اے اللہ! حضرت عثمان نے فرمایا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ مسجد (نبوی) میں نمازیوں کی گنجائش کم تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون شخص آل فلاں کی زمین کا قطعہ خرید کر اس مسجد میں اضافہ کرے گا اور اس کے بدلہ میں اس کو جنت میں خیر ملے گی' پھر میں نے زمین کے اس قطعہ کو اپنے ذاتی مال سے خریدا اور تم اب مجھے اس مسجد میں دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے۔ انہوں نے کہا اے اللہ! ہاں' حضرت عثمان نے فرمایا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ میں نے غزوۂ تبوک کے لشکر کی اپنے ذاتی مال سے مدد کی تھی؟ انہوں نے کہا اے اللہ! ہاں' حضرت عثمان نے کہا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ثبیر نامی پہاڑ پر تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور میں تھا۔ وہ پہاڑ ہلنے لگا اور اس کے پتھر نشیب میں گرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیر سے اس پہاڑ پر ٹھوکر ماری اور فرمایا: اے ثبیر! ساکن ہو جا! تجھ پر ایک نبی ہے' ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ انہوں نے کہا اے اللہ! ہاں' آپ نے تین بار فرمایا اللہ اکبر! تم گواہ رہنا ربِ کعبہ کی قسم! تم گواہ رہنا میں شہید ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۹۲' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۹۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۶۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۱۰)

ٹیکس لگانے کے وجوب پر عقلی دلیل

ان تمام احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکی اور قومی ضروریات کے لیے مسلمانوں سے مدد کرنے کی اپیل کی اور مسلمانوں نے رضا کارانہ طور پر آپ کی اس اپیل پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' لیکن آج کے دور میں مسلمانوں میں ایثار کرنے اور اجتماعی ضروریات کے لیے کھلے دل سے مال خرچ کرنے کا جذبہ نہیں ہے' اور ملک کے دفاع' فوجوں کی تنخواہوں' اسلحہ خریدنے اور ایٹمی ہتھیار بنانے کے لیے سرمایہ کا حصول واجب ہے اور آمدورفت کے ذرائع کے لیے سڑکیں اور پل وغیرہ بنانا بھی واجب ہے' اسی طرح صحت اور علم کے فروغ کے لیے ہسپتال اور تعلیمی ادارے بنانا اور چلانا بھی واجب ہے۔ لہٰذا ان امور کے لیے سرمایہ کو فراہم کرنا واجب ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ فرض کا مقدمہ فرض اور واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے یعنی جس کام پر کوئی واجب کام موقوف ہو' وہ بھی واجب ہوتا ہے اور آج کی مہذب دنیا میں ملکی اور قومی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حکومت ٹیکس لگاتی ہے اور اس کو وصول کرتی ہے۔ اس لیے حکومت پر ان امور کے لیے ٹیکس لگانا واجب ہے اور عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان امور میں ٹیکس ادا کریں' ملکی اور قومی ضروریات کا پورا ہونا جب ٹیکس لگانے اور ٹیکس دینے پر موقوف ہے اور ان ضروریات کا پورا کرنا واجب ہے۔ لہٰذا ٹیکس دینا واجب ہے اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سربراہ مملکت اور مسلمانوں کے امیر کی جائز اور صحیح کاموں میں اطاعت کرنا واجب ہے۔

حاکم کی اطاعت کے وجوب پر قرآن مجید سے استدلال

قرآن کریم میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (النساء: ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبانِ امر ہیں ان کی اطاعت کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اولی الامر منکم سے مراد امراء اور حکام ہیں۔ ابن وہب نے کہا اس سے مراد سلاطین ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد اصحاب فقہ ہیں۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ ھ نے فرمایا: ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ اولی الامر سے مراد ائمہ اور حکام ہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب میرے بعد حکام ہوں گے۔ (ان میں) نیک حکام بھی ہوں گے اور فاسق بھی۔ تم ان کے احکام سننا اور ان کا جو حکم حق کے موافق ہو اس میں ان کی اطاعت کرنا اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا اگر وہ نیک کام کریں گے تو اس میں تمہارا اور ان کا نفع ہے اور اگر وہ برے کام کریں گے تو تم کو نفع ہوگا اور ان کو ضرر' اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان شخص پر حکم کی اطاعت لازم ہے' خواہ اس کو وہ حکم پسند ہو یا ناپسند' ہاں اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی معصیت کا حکم دیا جائے تو خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔

(جامع البیان جز ۵ ص ۲۰۷ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

حاکم کی اطاعت کے وجوب پر احادیث سے استدلال

حاکم کے احکام کی اطاعت میں حسبِ ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی' اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی' اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی' اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۸۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۲۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۹۴' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۱۰۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۲۳' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۴۲۶۹)

اُم الحصین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم پر سیاہ فام نکٹے غلام کو بھی حاکم بنا دیا جائے اور وہ تم کو کتاب اللہ کے مطابق حکم دے تو تم اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۶۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۸۶۴)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بلایا ہم نے آپ کی بیعت کی۔ آپ نے ہم سے اس پر بیعت لی تھی کہ ہم احکام سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے' خواہ ہماری خوشی ہو یا ناخوشی۔ خواہ ہمارے لیے آسانی ہو یا مشکل اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے' اور ہم سربراہ مملکت سے حکومت میں مناقشہ نہیں کریں گے سوا اس صورت کے تم کھلم کھلا کفر دیکھو' جس کے کفر ہونے پر تمہارے پاس کتاب اللہ سے دلیل قائم ہو۔ (پھر تم اس کی حکومت کے خلاف تحریک چلاؤ)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰۹' الرقم المسلسل: ۴۶۸۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان شخص پر حاکم کے احکام سننا اور اس کی اطاعت کرنا واجب ہے' خواہ وہ

ان احکام کو سننا پسند کرے یا ناپسند۔ ہاں اگر وہ معصیت کا حکم دے تو نہ اس کے احکام سنے اور نہ اس کی اطاعت کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۶۴)

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ جائز امور میں حاکم کے احکام کو سننا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے اور قومی اور ملکی ضروریات اور ان کے استحکام اور فلاح کے لیے ٹیکس لینا جائز ہے۔ لہٰذا جب حکومت ٹیکس مانگے تو اس کو ٹیکس دینا واجب ہے اور ہم بتا چکے ہیں کہ واجب جس پر موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے حدود کو قائم کرنا اور سرحدوں کا تحفظ کرنا واجب ہے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ مسلمانوں کا کوئی امیر اور سربراہ ہو اس لیے صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کو مؤخر کر دیا تھا انہوں نے پہلے امیر المومنین کا انتخاب کیا' اس کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی اسی طرح ملک کا دفاع کرنا واجب ہے اور وہ اس دور میں ٹیکسوں کی آمدنی پر موقوف ہے' اس لیے ٹیکس ادا کرنا بھی واجب ہے۔

حاکم کی اطاعت کے وجوب پر فقہاء سے استدلال

ہدایہ میں مذکور ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ عیدین میں چھ زائد تکبیریں ہیں اور حضرت ابن عباس کا مذہب یہ ہے کہ عیدین میں بارہ زائد تکبیریں ہیں اور عام لوگوں کا اسی پر عمل ہے کیونکہ خلفاء بنی عباس اسی کا حکم دیتے تھے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی اسی پر عمل تھا کیونکہ ہارون نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کے دادا یعنی حضرت ابن عباس کے قول پر عمل کریں۔ معراج میں مذکور ہے کیونکہ جو کام معصیت نہ ہو اس میں امام کی اطاعت واجب ہے۔ سو امام ابو یوسف اور امام محمد ہارون کے حکم پر اپنے مذہب کے خلاف عمل کرتے تھے' اسی طرح بعد کے لوگ بھی خلفاء عباسیہ کے حکم پر عمل کرتے تھے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۵۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

جب خلیفہ اور امیر کے حکم سے جائز امور میں اپنے مذہب کے خلاف بھی عمل کرنا واجب ہے تو خارج نماز میں اس کے احکام پر عمل کرنا بہ طریق اولیٰ واجب ہوگا بہ شرطیکہ وہ کام معصیت نہ ہو۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ حکومت کے احکام کے مطابق ٹیکس ادا کرنا واجب ہے۔

حکومت کا ٹیکس کی آمدنی کو ذاتی تصرف میں لانا' ناجائز اور ظلم ہے

یہاں تک ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ ملکی ضروریات کے حصول کے لیے ٹیکس لگانا جائز ہے لیکن ٹیکس اتنے ہی لگانے چاہئیں جتنے ٹیکسوں کی ضرورت ہو۔ فوجی افسروں اور بیوروکریٹس کی بہت بڑی بڑی تنخواہوں اور ان کے شاہانہ اخراجات پورے کرنے کے لیے غریب عوام سے بھاری ٹیکس لینا' اسی طرح گورنروں' وزیروں' صدر اور وزیراعظم کی بڑی بڑی تنخواہوں' بے تحاشہ اخراجات اور غیر ملکی دوروں میں بے دریغ زرمبادلہ لٹانے کو محنت کش اور غریب عوام کے ٹیکسوں سے پورا کرنا انتہائی ظالمانہ اقدام ہے۔

پاکستان کے ایک وزیراعظم اپنے دوسرے دورِ حکومت میں جب امریکہ کے دورہ پر گئے تو اس زمانہ میں برطانیہ کے وزیراعظم جان میجر اور مصر کے صدر حسنی مبارک بھی امریکہ کے دورے پر گئے ہوئے تھے۔ جان میجر کے ہمراہ آٹھ آدمی تھے' حسنی مبارک کے ہمراہ بارہ آدمی تھے اور پاکستان کے وزیراعظم کے ہمراہ ایک سو چالیس آدمی تھے۔ وزیراعظم پاکستان کے ساتھ جانے والے وہاں کے بہت مہنگے ہوٹلوں میں ٹھہرے اور قیمتی کاریں مہنگے کرایوں پر حاصل کیں۔ ان سب کو شاپنگ کرنے کے لیے کثیر مقدار میں زرمبادلہ دیا گیا اور ان کے تعارف اور ان کے پروگرام کے بارے میں وہاں کے اخباروں میں پورے پورے صفحات شائع ہوئے تھے اور یہ تمام اخراجات غریب عوام کے ٹیکسوں سے پورے کیے جاتے رہے۔

اس لیے ہم فی نفسہٖ ٹیکس کو جائز کہتے ہیں لیکن ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کو صرف قومی ضروریات اور ترقی کے منصوبوں پر خرچ کرنا چاہیے اس کو اپنی ذاتی آسائشوں اور عیاشیوں پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور یہ محض اسراف اور ظلم ہے۔ ایک خرابی یہ بھی ہے کہ مختلف منصوبوں کو پورا کرنے کے لیے عالمی بینک سے قرضے لیے جاتے ہیں اور وہ رقم اس منصوبہ پر خرچ ہونے کے بجائے حکمرانوں کے اللوں تللوں پر خرچ ہو جاتی ہے اور ملک سود در سود قرضوں تلے دبتا چلا جاتا ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ ۖ كَانَ مِنَ الْجِنِّ

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنات میں سے تھا،

فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهٖ ۗ أَفَتَتَّخِذُونَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ

پس اس نے اپنے رب کے حکم سے نافرمانی کی، کیا تم پھر بھی مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو! حالانکہ

لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ بِئْسَ لِلظّٰلِمِينَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ أَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ

وہ تمہارے دشمن ہیں، ظالموں کا کیسا برا بدلہ ہے ○ میں نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش

وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ ۖ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

کے وقت انہیں اپنے سامنے حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت، اور نہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا ہوں ○

وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ

اور جس دن وہ فرمائے گا ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں میرے شریک تھے، سو وہ ان کو پکاریں گے، اور وہ

يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُونَ

ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی ایک جگہ بنا دیں گے ○ اور مجرم دوزخ کو دیکھ کر سمجھ

النَّارَ فَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع

لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں اور وہ اس سے نجات کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا' وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی' کیا تم پھر بھی مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں' ظالموں کا کیسا برا بدلہ ہے○ (آیت: ۵۰)

ربط آیات' ذرّیت کا معنی اور شیطان کی ذرّیت کا بیان

سابقہ آیات کے ذکر سے یہ مقصود تھا کہ ان لوگوں پر رد کیا جائے جو اپنے مال و دولت اور اپنے اعوان اور انصار پر فخر

کرتے تھے اور فقراء مسلمین کو حقیر جانتے تھے' اور اس آیت سے بھی بعینہ اسی معنی کا ذکر کرنا مقصود ہے کیونکہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام پر تکبر کیا تھا اس نے اپنے مادہ خلقت پر تکبر کیا تھا' اس نے کہا تھا کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے تو میں اپنی اصل کے اعتبار سے آدم سے افضل ہوں' پس میں کس لیے آدم کو سجدہ کروں اور کیوں تواضع کروں' اور اسی طرح کا معاملہ متکبر' مشرکوں نے فقراء مسلمین کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم ان فقراء کے ساتھ کیوں بیٹھیں جبکہ ہم مال و دولت اور جاہ و حشم کے اعتبار سے ان سے افضل ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ بیان فرمایا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ابلیس جن تھا یا فرشتہ تھا۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ ابلیس جنات میں سے تھا' اس مسئلہ کی پوری تحقیق ہم نے البقرہ: ۳۴ میں کی ہے۔ (تبیان القرآن ج ۱ ص ۳۵۸)

اس کے بعد فرمایا: کیا تم پھر بھی مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت (اولاد) کو دوست بناتے ہو؟ اس آیت میں ذریت کا لفظ ہے۔ علامہ ابوالحسن ابن سیدہ المتوفی ۴۵۸ھ ذریت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذرأ کا معنی ہے پیدا کرنا اور الذریۃ کا معنی ہے' الخلق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات میں ایک قتل کی ہوئی عورت دیکھی تو فرمایا لاتقتلن ذریۃ ولا عسیفا نہ عورت کو قتل کرو اور نہ مزدور کو۔ آپ نے عورت کو ذرّیت فرمایا۔

(المحکم والمحیط الاعظم ج ۱۰ ص ۱۱۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ذریت اصل میں چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں پھر عرب میں چھوٹے اور بڑے اور واحد اور کثیر تمام اولاد کو ذریت کہتے ہیں اور مجازاً متبعین کو ذریت کہتے ہیں۔ تفسیر منیر ج ۳ ص ۳۱۰' قاضی بیضاوی نے لکھا ہے ذریۃ کا معنی ہے الولد یہ لفظ ذرء سے بنا ہے' جس کا معنی ہے خلق یا ذر سے بنا ہے' جس کا معنی ہے پھیلا دیا۔ (عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۳۶-۳۵)

ابلیس کی ذرّیت کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

حسن اور قتادہ نے کہا اس کی ذریت اس کی اولاد ہے' اور شیطانوں کی بھی اس طرح اولاد ہوتی ہے' جس طرح بنو آدم کی اولاد ہوتی ہے' اور مجاہد نے کہا اس کی ذریت سے مراد شیاطین ہیں' اس کی ذریت میں ذلنبور ہے جو ہر بازار میں شیطان کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے ہوتا ہے' اور ثبر ہے جو مصائب کا سبب ہے' اور اعور ہے جو ریاکاری کا سبب ہے' اور مسوط ہے جو لوگوں میں جھوٹی باتیں پھیلاتا ہے' اور داسم ہے جو اس آدمی کا ساتھی ہے جو گھر میں بغیر سلام کیے داخل ہو' اور جو بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا کھائے' وہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۱۵۴' مطبوعہ دارالمکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

بعض شیطانوں کے خصوصی نام احادیث میں بھی ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وضو کے شیطان کو ولہان کہا جاتا ہے' تم پانی کے وسوسوں سے بچو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۱' المسند الجامع ج ۱ ص ۲۰)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان شیطان حائل ہو جاتا ہے اور وہ مجھ پر قرأت مشتبہ کر دیتا ہے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شیطان ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے' جب تم اس کو محسوس کرو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو اور اپنی

بائیں جانب تین بار تھوک دو۔ انہوں نے کہا میں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس شیطان کو مجھ سے دُور کر دیا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۳ مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۶ مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۳۸۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر اپنے لشکر کو بھیجتا ہے اس کے نزدیک وہ شیطان سب سے بڑے درجہ کا ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ ڈالتا ہے۔ ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے۔ وہ کہتا ہے تم نے کچھ نہیں کیا' پھر ان میں سے ایک اور آ کر کہتا ہے میں نے فلاں شخص کو اس وقت چھوڑا جب اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفرقہ کرا دیا تو وہ اس کو اپنے قریب کرتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے کام کیا ہے۔ اعمش نے کہا وہ اس سے بغل گیر ہوتا ہے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۳' الرقم المسلسل '۶۹۷۳' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۴' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۳۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان کو مقرر کیا گیا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں! میرے ساتھ بھی مگر اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی' وہ مسلمان ہو گیا اور مجھ کو نیک کام کے سوا کوئی مشورہ نہیں دیتا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۳۷' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۶۵۸)

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ابلیس ابوالجن ہے جیسا کہ حضرت آدم ابوالانس ہیں' اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا میں جتنی آدم کی ذریت بناؤں گا' اتنی ہی تمہاری ذرّیت بناؤں گا۔ اسی وجہ سے آدم کی ہر اولاد کے ساتھ ایک شیطان مقرر ہوتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۴۳۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے وقت انہیں اپنے سامنے حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت' اور نہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا ہوں ○ اور جس دن وہ فرمائے گا ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں میرے شریک تھے' سو وہ ان کو پکاریں گے اور وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی ایک جگہ بنا دیں گے ○ اور مجرم دوزخ کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں اور وہ اس سے نجات کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے ○ (الکھف: ۵۳-۵۱)

ان لوگوں کا رد جو حقائق شناسی کا دعویٰ کرتے ہیں

اس آیت میں جو فرمایا ہے میں نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے وقت انہیں اپنے سامنے حاضر نہیں کیا تھا۔ اس میں ''انہیں'' سے مراد کون ہے؟ اس میں دو قول ہیں ایک قول جمہور مفسرین کا اور دوسرا امام رازی کا قول ہے۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ اے مشرکو! جن لوگوں کو تم نے اپنا ولی اور کارساز بنا لیا ہے' میں نے ان کو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے وقت حاضر نہیں کیا تھا۔ اس سے مقصود ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کے حقائق جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ستارہ شناسی کا دعویٰ کرتے ہیں' جو منجمین اور ستارہ شناسی کے مدعی ہیں جو کہتے ہیں کہ فلاں ستارہ اگر فلاں برج میں ہو تو اس کی یہ تاثیر ہے اور اگر فلاں برج میں ہو تو اس کی یہ تاثیر ہے۔ جو کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین گول ہے اور ایک دوسرے کو اس طرح محیط ہیں جس طرح پیاز کے چھلکے ایک دوسرے کو محیط ہوتے ہیں اور یہ کہ آسمان نو ہیں اور آسمان اور زمین گردش کر رہے ہیں اور ان میں مرکوز سیارے بھی گردش کر رہے ہیں' پہلے کہتے تھے کہ زمین ساکن ہے اور افلاک گردش کرتے ہیں پھر کہنے لگے افلاک ساکن ہیں اور زمین گردش کرتی ہے۔ پہلے کہتے تھے کہ یہ سیارے سات آسمانوں میں مرکوز ہیں' اب کہتے ہیں کہ خلاء میں ہیں۔

اسی طرح زمین کی تاثیرات کے متعلق بھی یہ دعوے کرتے ہیں اور زلزلوں اور طوفانوں کے اسباب بیان کرتے ہیں' اسی طرح انسان کے نفس اور بدن کے متعلق بھی دعوے کرتے ہیں اور اس کے بارے میں مختلف ادوار میں یہ مختلف باتیں کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا رد فرماتا ہے: میں نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے وقت انہیں اپنے سامنے حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت۔ تو انہوں نے کیسے جان لیا کہ فلاں چیز کی کیا حقیقت ہے اور وہ کس چیز سے بنائی گئی ہے اور اس کی کیا تاثیرات ہیں اور دوسری چیز کی کیا حقیقت ہے اور اس کی کیا تاثیرات ہیں؟

امام رازی نے کہا یہ ضمیر ان کافروں کی طرف لوٹتی ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ نے ان فقراء کو اپنی مجلس سے نہ اُٹھایا تو ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جن لوگوں نے آپ سے یہ باطل اور فاسد مطالبہ کیا ہے اور تکبر کا اظہار کیا ہے' وہ اس جہان کو بنانے میں میرے شریک نہیں تھے اور نہ میں نے دنیا اور آخرت کی تدبیر میں ان سے کوئی مدد لی تھی' بلکہ وہ لوگ اور مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہیں پھر انہوں نے اس متکبرانہ مطالبہ کی کس لیے جرأت کی۔

عضد کا معنی ہے اعوان' انصار اور مددگار' اصل میں اس کا معنی ہے بازو پھر اس کا استعمال مدد میں کیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ۔ (القصص: ۳۵) عنقریب ہم تمہارے بھائی سے تمہارے بازو کو مضبوط کریں گے۔

یعنی تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہاری مدد کریں گے۔

موبق کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جس دن وہ فرمائے گا ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں میرے شریک تھے۔

یعنی یاد کرو جس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے شریک کہاں ہیں؟ یعنی جن کو تم نے دنیا میں میرا شریک بنا لیا تھا' اب ان کو چاہیے کہ وہ تم کو میرے عذاب سے چھڑائیں۔ اللہ تعالیٰ یہ بات بُت پرستوں سے فرمائے گا۔ پھر وہ مشرک ان بتوں کو پکاریں گے اور وہ ان کی پکار سن کر ان کی مدد کو نہیں پہنچیں گے اور ان کو عذاب سے بالکل نہیں چھڑا سکیں گے۔ فرمایا اور ہم نے ان کے درمیان ہلاکت کی ایک جگہ بنا دی ہے۔ قرآن مجید میں اس کے لیے موبق کا لفظ ہے اور موبق کا معنی ہلاکت کی جگہ ہے' اور جن مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا فرشتوں کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنا لیا تھا' جب قیامت کے دن مشرکین ان کو پکاریں گے تو وہ ان کی پکار کو نہیں سنیں گے پھر مشرکوں اور ان کے درمیان حجاب حائل کر دیا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو جہنم میں داخل فرما دے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنت میں داخل کر دے گا اور فرشتوں کو دار کرامت میں داخل کر دے گا اور ان مشرکوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ کے درمیان موبق کو حائل کر دیا جائے گا اور یہ جہنم کی ایک وادی ہے۔ حسن نے کہا موبق سے مراد یہ ہے کہ وہ شدت عداوت سے ہلاک ہو جائیں گے' اور اس سے یہ بھی مراد ہے کہ ان کے درمیان بعد بعید کر دیا جائے گا کیونکہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنت کے سب سے بلند درجے میں ہوں گے۔

اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور مجرم دوزخ کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں۔

اس آیت میں ظن کا لفظ ہے۔ ظن کا یہاں پر معنی علم اور یقین ہے۔ یعنی مجرم دوزخ کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ کفار بہت دُور سے دوزخ کی آگ کو دیکھیں گے اور دوزخ کے طیش اور اس کے غیظ و غضب اور اس کے چیخنے اور چلانے کو سن کر وہ یہ گمان کر لیں گے کہ ان کو ابھی فوراً دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذَا رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيۡرًا۔ (الفرقان: ۱۲) اور جب دوزخ انہیں دُور سے دیکھے گی تو یہ اس کا غصہ سے بپھرنا اور دہاڑنا سنیں گے۔

اور فرمایا اور وہ اس سے نجات کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے کیونکہ وہ کہیں بھی جائیں' فرشتے ان کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر کے لیے قیامت کے دن پچاس ہزار سال مقرر کیے جائیں گے کیونکہ اس نے دنیا میں عمل نہیں کیا تھا اور کافر ضرور جہنم کو دیکھے گا اور یہ گمان کرے گا کہ اس کو چالیس سال کی مسافت تک جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (اور مؤمن پر یہ دن اتنی دیر میں گزرے گا جتنی دیر میں وہ فرض نماز پڑھتا تھا۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۷۳۷' مطبوعہ عالم الکتب بیروت' المسند الجامع ج۶ رقم الحدیث: ۴۷۴۲)

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِيۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ كُلِّ

بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثال ہر طرح سے بیان فرما دی

مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ اَكۡثَرَ شَىۡءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

ہے' اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے ○

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰى

اور لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ ان کے پاس

وَيَسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ سُنَّةُ

ہدایت آچکی تھی' سوا اس کے کہ ان کے پاس پہلے لوگوں کا

الۡاَوَّلِيۡنَ اَوۡ يَاۡتِيَهُمُ الۡعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرۡسِلُ

دستور آئے یا ان کے سامنے عذاب آجائے ○ اور ہم رسولوں کو صرف خوشخبری سنانے

الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ ۚ وَيُجَادِلُ

اور عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں' اور کفار باطل

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِيُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَقَّ وَاتَّخَذُوۡۤا

کے سہارے جھگڑتے ہیں تاکہ حق کو زائل کریں اور انہوں نے میری

اٰيٰتِيْ وَمَاۤ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝٥٦ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ

آیتوں کو اور جن باتوں سے انہیں ڈرایا گیا ہے ان کو مذاق بنالیا ہے ۝ اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کو

بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ

اپنے رب کی آیات سے نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور ان کاموں کو بھول گیا جن کو اس کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ

بیشک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ اس کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں

وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا

گرانی ہے، اور اگر آپ انہیں صحیح راستہ کی طرف بلائیں تو وہ کبھی ہرگز اس راستہ

اِذًا اَبَدًا ۝٥٧ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا

پر نہیں آئیں گے ۝ اور آپ کا رب بہت بخشنے والا، رحمت والا ہے، اور اگر وہ ان کے کرتوتوں پر

كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ

ان کا مواخذہ کرتا تو ضرور ان پر جلدی عذاب بھیج دیتا بلکہ ان کے لیے وعدہ کا ایک وقت مقرر ہے وہ اس سے

يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝٥٨ وَتِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ

سرمو ٹلنے کا وقت نہیں پائیں گے ۝ اور یہ بستیاں ہیں جب ان بستیوں والوں نے ظلم کیا

ع ۸ ۲۰ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝٥٩ ع

تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی تھی ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثال ہر طرح سے بیان کر دی ہے اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے ۝ (الکہف: ۵۴)

جدال کا معنی اور قرآن اور حدیث میں جدال کے اطلاقات

یعنی ہم نے قرآن مجید میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں اور ہر طرح کی نصیحت کی ہے اور غور وفکر کرنے کے لیے ہر طرح کے دلائل بیان کیے ہیں تاکہ یہ اپنے کفر اور شرک سے باز آ جائیں اور بتوں کی عبادت کو ترک کر دیں، لیکن انہوں نے ان دلائل کے مقابلہ میں کٹ حجتی سے کام لیا اور انبیاء علیہم السلام جب ان کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تو وہ اس پیغام کو قبول کرنے

اور اس پر عمل کرنے کے بجائے خود انبیاء علیہم السلام کی ذوات میں شک کرتے اور ان کے نبی ہونے پر اعتراض کرتے۔
علامہ راغب اصفہانی جدل کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جدل کا معنی ہے کسی بات میں دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرنا۔ اس کی اصل ہے' جدلت الحبل میں نے رسی کو بٹ کر مضبوط کیا' اور جدال میں ہر شخص دوسرے کو اپنی رائے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۱۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)
یہاں جدل سے مراد ہے کفار کا اپنے انبیاء سے بحث کرنا اور وہ جو پیغام لے کر آئے اس کو رد کرنا اور ان کی نبوت میں شبہات پیش کرنا۔ جیسا کہ ان آیتوں سے ظاہر ہے:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ○ (المؤمنون: ۳۳)
یہ تو تم جیسا ہی بشر ہے' یہ ان چیزوں کو کھاتا ہے جن کو تم کھاتے ہو اور جن چیزوں کو تم پیتے ہو یہ بھی ان ہی کو پیتا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ○ (المؤمنون: ۲۴)
ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا یہ تو تمہاری ہی طرح بشر ہے' یہ تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے' اور اگر اللہ چاہتا تو کسی فرشتے کو نازل کر دیتا' ہم نے تو اس کے متعلق اپنے اگلے باپ دادا سے کچھ سنا ہی نہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ○ (المؤمنون: ۲۵)
یہ شخص محض مجنون ہے تم ایک مقرر وقت تک ان کے متعلق انتظار کرو۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ○ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ○ (الحجر: ۱۵-۱۴)
اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں پس وہ اس میں سارا دن چڑھتے رہیں ○ تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (الانعام: ۷)
اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل کرتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی کفار یہی کہتے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

ہم نے جو آیات ذکر کی ہیں ان میں کفار نے جو انبیاء علیہم السلام سے کٹ حجتی اور خواہ مخواہ کی ضد کی تھی' اس پر جدال کا اطلاق کیا ہے۔ تاہم انبیاء علیہم السلام نے وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ سے اور فرشتوں سے جو سوالات کیے یا مسلمانوں نے انبیاء علیہم السلام کے سامنے جو خدشات اور اشکالات پیش کیے' ان پر بھی جدال کا اطلاق کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ○ (ھود: ۷۴)
جب ابراہیم سے خوف دور ہو گیا اور ان کے پاس خوشخبری آ گئی تو وہ ہم سے لوط کے متعلق گزارشات پیش کرنے لگے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا (المجادلۃ: ۱)
بے شک اللہ اس عورت کی بات سن رہا تھا جو آپ سے اپنے شوہر کے متعلق کلام کر رہی تھی۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس اور حضرت سیدتنا فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے پاس آئے اور فرمایا: کیا تم دونوں نماز نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں' وہ جب ہمیں اٹھانا چاہتا ہے تو ہم اٹھ جاتے ہیں' جب ہم نے یہ کہا تو نبی صلی اللہ علیہ

وسلم واپس چلے گئے اور آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا' آپ اپنے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے جارہے تھے اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ○ — اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

(الکھف: ۵۴)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے کس چیز نے منع کیا جبکہ ان کے پاس ہدایت آ چکی تھی سوا اس کے کہ ان کے پاس پہلے لوگوں کا دستور آئے یا ان کے سامنے عذاب آ جائے ○ اور ہم رسولوں کو صرف خوشخبری سنانے اور عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں اور کفار باطل کے سہارے جھگڑتے ہیں تاکہ حق کو زائل کریں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جن باتوں سے انہیں ڈرایا گیا ہے ان کو مذاق بنا لیا ہے ○ (الکھف: ۵۶-۵۵)

گزشتہ کافر قوموں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا دستور

یعنی ان مشرکین کے پاس جب بھی اسلام کے صحیح اور دین برحق ہونے پر دلائل آتے اور ان کو ایمان لانے سے کوئی مانع اور رکاوٹ بھی نہ ہوتی پھر بھی یہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ اسی طرح اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار کرنے میں انہیں کوئی عذر نہ ہوتا پھر بھی یہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار نہیں کرتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے پیش رو کافروں کی روش پر چلنا چاہتے ہیں اس سے پہلے کافروں کا یہ طریقہ تھا کہ جب بھی انہیں ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تو وہ اپنے زمانہ کے نبیوں سے کہتے تھے کہ آپ ہمیں ایمان نہ لانے کی بناء پر جس عذاب سے ڈراتے ہیں' آپ ہمیں وہ عذاب لاکر دکھائیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (الانفال: ۳۲)

اور جب کہ ان لوگوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے برحق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم رسولوں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ ایمان لانے والوں کو جنت کی بشارت دیں اور جو کفر پر اصرار کریں ان کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں۔ پھر فرمایا:

اور کفار باطل کے سہارے جھگڑتے ہیں تاکہ حق کو زائل کریں۔ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضد اور عناد کے طور پر بحث کرتے تھے اور آپ کو ساحر' مجنون' کاہن اور شاعر وغیرہ کہتے تھے۔ اس آیت میں لیدحضوا کا لفظ ہے' جس کا معنی ہم نے کیا ہے تاکہ زائل کریں' اور الدحض کا اصل میں معنی پھسلنا ہے۔ کہا جاتا ہے دحضت رجلہ اس کا پیر پھسل گیا اور کہا جاتا ہے دحضت الشمس سورج نصف النہار سے زائل ہو گیا۔ حدیث شریف میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا پل صراط کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دحض مزلقۃ یعنی وہ جگہ جہاں سے پیر پھسل جائیں گے۔ یہ پوری حدیث صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ (رقم الحدیث: ۱۸۲)

گزشتہ تباہ ہونے والی بستیاں

اس آخری آیت میں فرمایا ہے یہ وہ بستیاں ہیں جن کو ہم نے ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا۔ اس سے مراد عاد'

ثمود اور حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں کی بستیاں ہیں۔ جو اہل حجاز کے قریب اور ان کے راستوں میں واقع تھیں' ان بستیوں کے رہنے والوں کو بھی ان کے ظلم کی وجہ سے ہی ہلاک کیا گیا تھا لیکن ان پر عذاب نازل کرنے سے پہلے ان کو نبیوں کی دعوت قبول کرنے کا پورا پورا موقع دیا گیا تھا اور ان پر حجت پوری کر دی گئی تھی' اور جب یہ واضح ہو گیا کہ ان کا ظلم اور ان کی ضد اور ان کی سرکشی اس حد پر پہنچ چکی ہے جہاں سے ہدایت کو قبول کرنے کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور ان سے کسی انصاف اور خیر کی توقع بالکل نہیں رہتی تو پھر ان کے ایمان لانے اور ہدایت کو قبول کرنے کی مہلت ختم کر دی گئی اور ان کی تباہی کا وقت شروع ہو گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا اور یہ قومیں صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئیں۔

ان قوموں کی تباہی کا ذکر کر کے اہل مکہ کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر کے یہ مت سمجھنا کہ تم پر جو ابھی تک عذاب نہیں آیا اور تم کو جو مسلسل مہلت دی جا رہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اپنی حجت پوری نہیں کر لیتا اس وقت تک وہ اس قوم پر عذاب نہیں بھیجتا' سو اسی طرح جب تمہیں دی ہوئی عمل کی اور ایمان لانے کی مہلت ختم ہو جائے گی تو تمہارا انجام بھی پچھلی قوموں سے مختلف نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جس کو اپنے رب کی آیات سے نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور ان کاموں کو بھول گیا جن کو اس کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں' بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اس کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے' اور اگر آپ انہیں صحیح راستہ کی طرف بلائیں تو وہ کبھی ہرگز اس راستہ پر نہیں آئیں گے ○ اور آپ کا رب بہت بخشنے والا' رحمت والا ہے' اگر وہ ان کے کرتوتوں پر ان کا مواخذہ کرتا تو ضرور ان پر جلدی عذاب بھیج دیتا بلکہ ان کے لیے وعدہ کا ایک وقت مقرر ہے' وہ اس سے سرمو ٹلنے کا وقت نہیں پائیں گے ○ اور یہ بستیاں ہیں جب ان بستیوں والوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی تھی ○ (الکھف: ۵۹-۵۷)

جن برے کاموں کی وجہ سے کفار پر عذاب نازل کیا گیا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار محض ضد اور عناد سے بحث کرتے ہیں۔ اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ اوصاف بیان کیے جو ذلت اور رسوائی کے موجب ہیں۔ ان صفات میں سے پہلی صفت یہ ہے کہ اس سے بڑا اور کون ظالم ہے جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے دلائل پیش کیے جائیں تو وہ ان سے اعراض کرے' اور ان آیات اور دلائل سے اعراض کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ان برے کاموں کو بھول جائے جو وہ پہلے کر چکا ہے۔ ان برے کاموں سے مراد اس کا کفر اور شرک ہے۔ دوسری صفت یہ کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اس کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے اور اگر آپ انہیں صحیح راستہ کی طرف بلائیں تو وہ کبھی ہرگز اس راستہ پر نہیں آئیں گے۔

کفار کی اس صفت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی تو پھر وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہوئے تو اب ان کی مذمت کیوں کی جا رہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی شدید گستاخی کی کہ اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے گئے اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی گئی۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ. بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ (النساء: ۱۵۵)

ان کے کانوں میں ڈاٹ لگانے اور ان کے دلوں پر پردے ڈالنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ حسی طور پر ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی گئی تھی اور ان کے کانوں پر پردے ڈال دیئے گئے تھے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کفر اور معصیت کو اچھا جاننے اور ایمان اور اطاعت کو برا سمجھنے کے خوگر ہو چکے تھے اور اللہ کی آیات سے مسلسل اعراض کرنے کی وجہ سے ان کی گمراہی اس قدر پختہ ہو چکی تھی کہ ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی' اور ان کی اس کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے دلوں پر پردے ڈالنے اور کانوں میں گرانی پیدا کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آپ کا رب بہت بخشنے والا' رحمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بخشش کو مبالغہ کے صیغے کے ساتھ فرمایا ہے یعنی بہت بخشنے والا اور رحمت کو مبالغہ کے ساتھ نہیں تعبیر فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بخشنے کا معنی یہ ہے کہ کسی سزا اور عذاب کو ترک کر دینا' اور سزا اور عذاب دینے کی غیر متناہی صورتیں ہیں اور غیر متناہی چیزوں کو ترک کرنا ممکن ہے اور رحم فرمانے کا معنی ہے انعام اور اکرام دینا اور کسی ایک چیز کو عطا کرنے سے یہ معنی حاصل ہو جاتا ہے اس معنی کے حصول کے لیے غیر متناہی چیزوں کا دینا ضروری نہیں ہے' اور جب کسی کو بخش دیا تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو جتنی سزائیں دی جا سکتی تھیں ان سب کو ترک کر دیا۔ اس لیے بخشنے کو مبالغہ کے صیغے کے ساتھ تعبیر فرمایا اور رحمت کو مبالغہ کے ساتھ نہیں تعبیر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے بہت بخشنے کی دلیل یہ ہے کہ اہل مکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت عناد رکھتے تھے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سے مواخذہ کرنے میں جلدی نہیں کی بلکہ فرمایا ان سے مواخذہ کرنے کا ایک وقت مقرر ہے' اس سے مراد یا تو آخرت ہے اور یا دنیا میں غزوۂ بدر کے موقع پر اور مسلمانوں کی فتح کے دیگر مواقع پر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست کی ذلت سے دوچار کیا۔

اس کے بعد فرمایا: یہ بستیاں ہیں جب ان بستیوں والوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔

اس سے مراد پہلے لوگوں کی بستیاں ہیں یعنی ثمود اور قوم لوط کی بستیاں۔ اس سے مراد بستیوں والے ہیں جب ان لوگوں نے اہل مکہ کی طرح ظلم کیا تو ہم نے ان کو ایک وقت معین کی مہلت دی اور جب وہ ایک وقت معین تک اپنے کفر اور ظلم سے تائب نہیں ہوئے تو پھر ہمارے عذاب نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِفَتٰهُ لَآ أَبْرَحُ حَتّٰى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ

اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا میں مسلسل چلتا رہوں گا حتیٰ کہ میں دو سمندروں کے سنگم پر پہنچ جاؤں

أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا

یا سالہا سال تک چلتا رہوں گا ○ پس جب وہ دونوں دو سمندروں کے سنگم پر پہنچ گئے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ

سو مچھلی نے سمندر میں سرنگ بناتے ہوئے اپنا راستہ بنا لیا ○ پھر جب وہ دونوں اس جگہ سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم

اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدۡ لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اَرَءَيۡتَ

سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ، ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے ○ اس نے کہا بھلا دیکھئے

اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ نَسِيۡتُ الۡحُوۡتَ وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ

جب ہم اس چٹان کے پاس آکر ٹھیرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر

اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾

کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا، اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا ○

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

موسیٰ نے کہا یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے ○

فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ

پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو وہاں پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور ہم

عَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰى هَلۡ اَتَّبِعُكَ

نے اپنے پاس سے اس کو علم (لدنی) عطا کیا تھا ○ موسیٰ نے کہا آیا میں آپ کی اس شرط پر

عَلٰٓى اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنۡ

پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے بھی (کچھ) تعلیم دیں ○ اس بندے نے کہا آپ

تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ

میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے ○ اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے

خُبۡرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعۡصِىۡ

احاطہ نہیں کیا ○ موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی

لَكَ اَمۡرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِىۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِىۡ عَنۡ شَىۡءٍ

نافرمانی نہیں کروں گا ○ اس بندے نے کہا پس اگر تم میری پیروی کر رہے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق اس وقت تک

۹ ع ۱۱ ۲۱

حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾

سوال نہ کرنا جب تک کہ میں خود اس کا تم سے ذکر نہ کروں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا میں مسلسل چلتا رہوں گا حتیٰ کہ میں دو سمندروں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا سالہا سال تک چلتا رہوں گا ○ (الکھف: ۶۰)

ربط آیات

اصحاب کہف کے مفصل قصہ کے بعد یہ دوسرا قصہ ہے جس کو اس سورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے' اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم حاصل کرنے گئے ہر چند کہ یہ ایک مفصل قصہ ہے لیکن اس کا گزشتہ آیات کے ساتھ ربط ہے۔ گزشتہ آیات میں ان متکبرین قریش کا رد کیا گیا تھا جو فقراء مسلمین کے ساتھ بیٹھنے میں اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت برگزیدہ اور اولوالعزم نبی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت علم عطا فرمایا تھا' کثیر معجزات دیئے تھے اور بہت عزت اور وجاہت عطا فرمائی تھی اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حصول علم کی غرض سے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے میں عار نہیں سمجھا اور اس کو اپنی شان اور فضیلت کے خلاف نہیں گردانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر کرنا مذموم ہے اور امراء قریش نے تکبر کی وجہ سے فقراء مسلمین کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کر کے اپنا ہی نقصان کیا کیونکہ اس تکبر کی وجہ سے وہ اسلام قبول کرنے سے محروم ہو گئے۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ اور ان کے شاگرد یوشع بن نون کا ذکر ہے اور حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لیے مجمع البحرین جانے کا ذکر ہے۔ اس لئے ہم پہلے حضرت موسیٰ کا تعارف پیش کریں گے۔ پھر حضرت یوشع بن نون کا تعارف پیش کریں گے۔ پھر حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر کریں گے اور مجمع البحرین کا مصداق بیان کریں گے۔ پھر اس ملاقات کی غرض اور غایت کو بیان کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعارف

حضرت موسیٰ کا نام ونسب اور عمر کا بیان

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام' جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ان کے والد عمران کی عمر ستر سال تھی اور وہ ایک سو سینتیس سال کی عمر میں فوت ہوئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی۔ فربری کا قول ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو ساٹھ سال تھی۔ آپ کی وفات میدان تیہ میں ہوئی' جب بنو اسرائیل مصر سے نکلے اس وقت حضرت موسیٰ کی عمر اسی سال تھی' جب ریان بن ولید فوت ہو گیا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے خزانوں کا والی مقرر کیا تھا وہ حضرت یوسف کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا' اس کے بعد قابوس بن مصعب بادشاہ ہوا۔ حضرت یوسف نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے انکار کر دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام فوت ہو گئے۔ آپ کے کافی عرصہ بعد وہ مر گیا اور اس کا بھائی ولید بن مصعب بن ریان بادشاہ ہوا۔ اس کی حکومت کافی عرصہ رہی اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کا زمانہ آیا اس سے زیادہ لمبی عمر کا کوئی فرعون نہیں گزرا۔ اس کی عمر چار سو سال تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

حضرت یوشع بن نون کا تعارف

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں: حضرت یوشع بن نون کا نسب یہ ہے۔ یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل علیہم السلام۔ قرآن مجید میں ان کا کئی جگہ ذکر ہے: اذ قال موسی لفتہ (الکھف: ۶۰) فلما جاوزا قال لفتہ (الکھف: ۶۲) جب ان دونوں نے اس جگہ سے تجاوز کیا تو موسیٰ نے اپنے فتیٰ (شاگرد) سے کہا ان دونوں آیتوں میں فتیٰ سے مراد حضرت یوشع بن نون ہیں جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ یوشع بن نون کی نبوت پر تمام اہل کتاب کا اتفاق ہے کیونکہ ان کی ایک جماعت جس کا نام السامرہ ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون کے سوا کسی نبی کی نبوت کا اقرار نہیں کرتی' کیونکہ ان کی نبوت کی تورات میں تصریح ہے۔ وہ ان کے علاوہ دوسرے انبیاء کی نبوت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے رب کی جانب سے برحق نبی ہیں۔ سو قیامت تک ان پر مسلسل لعنت ہوتی رہے گی۔

(البدایہ والنہایہ: ج ۱ ص ۴۲۱) (مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۹۰۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء میں سے ایک نبی جہاد کو جانے لگے تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا میرے ساتھ وہ شخص نہ جائے جس کی ابھی شادی ہوئی ہو اور وہ شب زفاف گزارنا چاہتا ہو اور نہ وہ شخص جائے جو مکان بنا رہا ہو اور ابھی اس نے مکان کی چھت بلند نہ کی ہو اور نہ وہ شخص جائے جس کی بکریاں ہوں یا حاملہ اونٹنیاں ہوں اور وہ ان کے بچے پیدا ہونے کا منتظر ہو' پھر وہ جہاد کے لیے گئے۔ نماز عصر کے وقت وہ بستی کے قریب پہنچ گئے تو انہوں نے سورج سے کہا تم بھی حکم کے پابند ہو اور میں بھی حکم کا پابند ہوں۔ اے اللہ! تو سورج کو تھوڑی دیر روک لے' سو سورج کو روک لیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا کر دی۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۴۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۲۴)

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی جہاد کے لیے گئے اس سے مراد حضرت یوشع بن نون ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ردشمس کی حدیث پر حافظ ابن حجر کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ نبی یوشع بن نون ہیں جیسا کہ امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اور امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ سورج کو صرف حضرت یوشع بن نون کے لیے روکا گیا تھا جن راتوں میں انہوں نے بیت المقدس کی طرف سفر کیا تھا۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۸۳۲۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوگا کہ مغازی ابن اسحاق میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو یہ خبر دی کہ صبح کو وہ قافلہ آجائے گا جس کو آپ نے شب معراج دیکھا تھا۔ سورج طلوع ہو گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ٹھہرا لیا حتیٰ کہ قافلہ آ گیا' لیکن اس کی سند منقطع ہے۔ اور امام طبرانی کی معجم اوسط میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا تو وہ ایک گھنٹہ تک ٹھہرا رہا۔ اور ان میں تطبیق اس طرح ہے حضرت یوشع بن نون کی حدیث میں انبیاء سابقین کے اعتبار سے حصر ہے یعنی انبیاء سابقین میں حضرت یوشع بن نون کے سوا اور کسی کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا اور اس میں اس کی نفی نہیں ہے کہ بعد میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج ٹھہرایا جائے۔ اور امام طحاوی اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوت میں اور امام حاکم نے حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام صہباء میں ظہر کی نماز پڑھی پھر حضرت علی کو کسی کام سے بھیجا۔ حضرت علی جب واپس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

عصر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو ہلایا نہیں حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! بے شک تیرا بندہ علی اپنے نبی کی خدمت میں مشغول تھا تو اس پر سورج لوٹا دے۔ تو اللہ نے ان پر سورج لوٹا دیا۔ حضرت اسماء نے کہا پھر سورج طلوع ہوا حتیٰ کہ پہاڑوں اور زمین پر بلند ہو گیا۔ حضرت علی اٹھے اور انہوں نے وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی پھر سورج غروب ہو گیا۔ یہ صہباء (خیبر کے قریب ایک جگہ) کا واقعہ ہے۔

(المعجم الکبیر: ج ۲۴ ص ۱۴۵-۱۴۴، رقم الحدیث: ۳۸۲، مشکل الآثار ج ۴ ص ۲۶۹-۲۶۸، رقم الحدیث: ۳۸۵۱، ۳۸۵۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۷، اتحاف ج ۷ ص ۱۹۱، الشفاء ج ۱ ص ۲۱۵، دارالفکر)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو حاکم اور بیہقی کی دلائل النبوت کے حوالے سے بھی لکھا ہے لیکن ان کتابوں میں یہ حدیث نہیں ہے۔ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں یہ بہت عظیم معجزہ ہے اور ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کر کے خطا کی ہے، اور ابن تیمیہ نے بھی اس حدیث کو کتاب الرد علی الروافض میں درج کر کے اس کو موضوع لکھا یہ اس کی بھی خطا ہے۔ (اسی طرح حافظ ابن کثیر نے بھی اس حدیث کو منکر لکھا ہے۔ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۲۶، دارالفکر بیروت اور یہ ان کی بھی خطا ہے)۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۷، ۲۴۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

حدیث ردشمس پر حافظ سیوطی اور حافظ سخاوی کی تحقیق

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے اس حدیث کو نو سندوں سے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں پر اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ (اللآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۳۱۲، ۳۱۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن ابراہیم السخاوی متوفی ۹۰۲ ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ امام ابن جوزی نے بھی ان کی پیروی کی اور اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا، لیکن امام طحاوی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور صاحب شفاء نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے اس حدیث کو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، اور امام ابن مندہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس وقت بھی سورج کو لوٹایا گیا تھا جب آپ نے اپنی قوم کو شب معراج ان کے قافلے کے آنے کی خبر دی تھی اور یہ کہ وہ قافلہ فلاں دن آجائے گا پس اس صبح قریش اس قافلے کو دیکھ رہے تھے۔ دن چڑھ گیا اور قافلہ نہ آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو دن میں ایک گھنٹہ بڑھا دیا گیا اور سورج کو روک دیا گیا۔ اس حدیث کے راوی نے کہا ہے کہ اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کو روکا گیا تھا اور کسی کے لیے سورج کو نہیں روکا گیا اور حضرت یوشع بن نون کے لیے سورج کو روکا گیا تھا جب انہوں نے جمعہ کے دن جبارین سے قتال کیا تھا۔ جب سورج ڈھلنے لگا اور ان کو یہ خطرہ ہوا کہ ان کے جنگ سے فارغ ہونے سے پہلے سورج غروب ہو جائے گا اور ہفتہ کا دن داخل ہو جائے گا اور پھر ان کے لیے جبارین سے قتال کرنا جائز نہیں رہے گا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کو لوٹا دیا۔ (المقاصد الحسنہ ص ۲۳۶، رقم الحدیث: ۵۱۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ نے کچھ اضافے کے ساتھ یہی لکھا ہے۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس، ج ۱ ص ۲۲۰، مکتبۃ الغزالی دمشق)

حدیث ردشمس پر علامہ زبیدی کی تحقیق

علامہ سید محمد بن محمد الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور معجزات میں سے یہ ہے کہ آپ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا۔ حافظ ابوجعفر طحاوی نے مشکل الآثار میں اور امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں اسناد حسن کے ساتھ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صہباء میں ظہر کی نماز پڑھی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی کام سے بھیجا وہ کام کر کے آ گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھ چکے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی گود میں سر رکھا اور سو گئے۔ حضرت علی نے آپ کو ہلایا نہیں حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ بے شک تیرا بندہ علی اپنے نبی کی خدمت میں مشغول تھا پس اللہ نے اس پر سورج لوٹا دیا حتیٰ کہ سورج پہاڑوں اور زمین پر ٹھہر گیا۔ حضرت علی اٹھے انہوں نے وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی اور سورج غروب ہو گیا' یہ صہباء کا واقعہ ہے۔ اس حدیث کا دوسرا متن یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ اپنے اوپر کپڑا اوڑھ لیتے۔ ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی اس وقت آپ نے حضرت علی کے زانو پر سر رکھا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے کہا کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج لوٹا دیا حتیٰ کہ حضرت علی نے عصر کی نماز پڑھ لی۔ حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہو گیا۔ امام طحاوی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور قاضی عیاض نے ان سے اس حدیث کو الشفاء میں نقل کیا ہے اور امام طحاوی کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے اور کہا ہے یہ سب معجزات نبوت سے ہیں۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ امام احمد بن صالح یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کا مقصد علم ہو اس کو چاہیے کہ وہ حضرت اسماء کی حدیث کو حفظ کرے کیونکہ یہ نبوت کی علامات میں سے ہے۔

امام ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تخریج رافعی میں امام احمد سے یہ نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور ابن تیمیہ نے ان کی پیروی کی ہے' اور روافض کے رد میں جو رسالہ لکھا ہے اس میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ موضوع ہے' اور ابن جوزی نے یہ کہا ہے کہ اس کی سند میں احمد بن داؤد ہے۔ دارقطنی نے اس کے متعلق کہا ہے وہ متروک الحدیث ہے اور کذاب ہے' اور ابن حبان نے کہا ہے وہ حدیث وضع کرتا تھا' پھر ابن الجوزی نے کہا یہ حدیث باطل ہے اور جس نے اس کے موضوع ہونے سے غفلت کی اس نے اس میں محض فضیلت کی صورت کو دیکھا۔ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور سورج غروب ہونے کے بعد نماز قضا ہو جائے گی اور سورج کے لوٹ آنے سے وہ نماز ادا نہیں ہو گی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ابن الجوزی کی غلطی ہے' اس پر حافظ سیوطی اور حافظ سخاوی رد کر چکے ہیں اور اہل علم کو معلوم ہے کہ ابن الجوزی احادیث صحیحہ کو احادیث موضوعہ میں درج کر دیتے ہیں' اور اس پر ان کے معاصر اور ان کے بعد کے بکثرت علماء نے رد کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ عراقی نے نکت ابن الصلاح میں نقل کیا ہے' اور اس حدیث کو متعدد حفاظ نے صحیح کہا ہے حتیٰ کہ حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہونا اس کی صحت پر شاہد ہے اس لئے ابن الجوزی کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے' اور ابن الجوزی کا یہ کہنا کہ اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سورج کے لوٹنے سے وقت لوٹ آتا ہے' اور رہا اس کا یہ کہنا کہ سورج کا لوٹ آنا قضا نماز کو ادا نہیں بناتا اس کا حافظ ابن حجر نے شرح ارشاد میں یہ جواب دیا ہے کہ جب سورج غروب ہو اور پھر لوٹ آئے تو اس کے لوٹ آنے سے وقت بھی لوٹ آئے گا اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے' اور شہاب الدین خفاجی نے شرح الشفاء میں لکھا ہے کہ اگر سورج کے لوٹنے کے بعد بھی یہ نماز قضا ہی رہتی تو پھر

سورج کے لوٹانے کا کیا فائدہ تھا' کیونکہ یہ نماز ایک عذر کی بنا پر قضا ہوئی تھی اور وہ عذر یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں خلل نہ ڈالا جائے اور یہ فضیلت ہے اور جب وہ نماز لوٹائی گئی تو وہ فضیلت حاصل ہو گئی' اور دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ یہ نماز ادا ہوئی تھی۔ علامہ قرطبی نے التذکرہ میں اس کی تصریح کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سورج لوٹ آیا تو گویا وہ غروب نہیں ہوا اور امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا تو وہ ایک گھنٹہ مؤخر ہو گیا۔

اور یونس بن بکیر نے زیادۃ المغازی میں ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی اور آپ نے اپنی قوم کو اس کی علامتوں کی خبر دی تو انہوں نے پوچھا وہ قافلہ کب آئے گا؟ آپ نے فرمایا: بدھ کے دن' جب وہ دن آیا تو قریش صبح سے قافلہ کا انتظار کر رہے تھے دن ختم ہونے لگا اور قافلہ نہیں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی پھر دن کی مقدار میں ایک گھنٹہ بڑھا دیا گیا اور سورج کو محبوس (ٹھہرا) کر دیا گیا' اور یہ حدیث اس صحیح حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں ہے کہ حضرت یوشع بن نون کے سوا کسی کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا جب انہوں نے جمعہ کے دن جبارین سے قتال کیا تھا' کیونکہ یہ جواب دیا جائے گا کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ انبیاء سابقین میں سے حضرت یوشع بن نون کے سوا کسی کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۹۲-۱۹۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۴ھ)

حدیث ردشمس پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات

حضرت اسماء بنت عمیس کی حدیث کی سند پر علامہ ابن جوزی نے جو اعتراضات کیے ہیں ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں فضیل بن مرزوق ہے اور اس کو یحییٰ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ دوسری سند میں ابن عقدہ ہے اور رافضی ہے اس پر کذب کی تہمت ہے' نیز اس سند میں عبدالرحمٰن بن شریک ہے اس کے متعلق ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ ضعیف الحدیث ہے' نیز یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے اس کی سند میں داؤد بن فراھیج ہے۔ اس کو شعبہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ ابن جوزی کے ان اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ فضیل بن مرزوق ثقہ اور بہت زیادہ سچا راوی ہے۔ صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے مصنفین نے اس سے استدلال کیا ہے' اور عبدالرحمان بن شریک کی ابو حاتم کے علاوہ دوسرے ائمہ نے توثیق کی ہے اور امام بخاری نے کتاب الادب میں اس سے روایت کیا ہے' اور ابن عقدہ بہت بڑے حفاظ میں سے ہیں اور ان کی جرح اور تعدیل میں لوگوں کا اختلاف ہے' اور جن لوگوں نے ان پر حدیث وضع کرنے کی تہمت لگائی ہے ان کی امام دارقطنی نے تکذیب کی ہے۔ حمزہ السھمی نے کہا ان پر وضع کی تہمت کوئی طبلچی ہی لگا سکتا ہے' اور داؤد بن فراھیج کی ایک قوم نے توثیق کی ہے۔ پھر اس حدیث کو ائمہ اور حفاظ کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے۔ ان میں سے امام طحاوی ہیں اور امام سیوطی نے اس حدیث کی اسانید کے تتبع میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام کشف اللبس فی حدیث رد الشمس ہے' اور اس رسالہ کو امام شافعی کے اس قول پر ختم کیا ہے کہ جس نبی کو بھی کوئی معجزہ دیا گیا ہمارے نبی کو اس جیسا یا اس سے بڑا معجزہ دیا گیا۔ (علامہ کنانی نے بہت طویل بحث کی ہے لیکن ہم نے ان کا جتنا کلام نقل کیا ہے وہ بحث کو سمجھنے کے لیے کافی ہے)

(تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ج ۱ ص ۳۷۹ ۔ ۳۷۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ)

حدیث ردشمس پرحرف آخر

ہم نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کو ٹھہرانے یا لوٹانے کے متعلق بہت طویل اور مفصل گفتگو کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں بھی بعض متشدد علماء ابن جوزی' ابن تیمیہ اور ابن کثیر کی اتباع میں معجزہ ردالشمس کا انکار کرتے ہیں چنانچہ سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

حضرت علی کے متعلق جو روایات بیان کی جاتی ہیں ان کے تمام طرق اور رجال پر بحث کر کے ابن تیمیہ نے اس کو موضوع ثابت کیا ہے اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ بلاشک وشبہ موضوع ہے۔ غزوہ خندق کے موقع پر سورج کی واپسی والی روایت بھی بعض محدثین کے نزدیک ضعیف اور بعض کے نزدیک موضوع ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۴۴' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

البتہ جسٹس تقی عثمانی نے اس بحث میں انصاف سے کام لیا ہے وہ لکھتے ہیں:

اور رہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اور امام طبرانی نے کبیر میں اور حاکم اور بیہقی نے دلائل میں حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور ان کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی سو سورج کو لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھ لی پھر سورج غروب ہو گیا۔ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے اور ابن تیمیہ نے کتاب الرد علی الروافض میں لیکن حافظ ابن حجر نے اسے ان دونوں کی خطا قرار دیا ہے۔

(تکملہ فتح الملہم ج ۳ ص ۴۷' مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴۱۴ھ)

جسٹس تقی عثمانی نے صرف حافظ ابن حجر کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کی ہے خود تتبع نہیں کیا ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ حاکم اور بیہقی نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا۔

شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۳۲۲۔۳۱۸ میں بھی ہم نے اس حدیث پر بحث کی ہے لیکن اس جگہ زیادہ تحقیق کی ہے۔

حضرت یوشع بن النون کو فتیٰ فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے جب موسیٰ نے اپنے فتیٰ سے کہا' ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ فتیٰ سے مراد حضرت یوشع بن نون ہے۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: اس لفظ کا معنی ہے نوجوان لڑکا یا لڑکی' غلام اور باندی کو بھی فتیٰ کہا جاتا ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۸۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علماء کے اس کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) حضرت یوشع' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے اور کلام عرب میں فتیٰ جوان آدمی کو کہتے ہیں اور چونکہ عام طور پر خدمت جوان آدمی کرتے ہیں اس لئے بہ طور ادب خادم کو فتیٰ کہتے ہیں۔ شریعت میں بھی خادم پر فتیٰ کا اطلاق مستحب ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص میرا بندہ یا میری بندی! نہ کہے' تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں' لیکن تمہیں کہنا چاہئے میرا غلام یا میری کنیز' یا میرا فتی یا میری فتاۃ (میرا خادم یا میری خادمہ) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۷۵)

اس سے پہلے سورہ یوسف کی تفسیر میں بھی یہ بحث گزر چکی ہے اور اس آیت میں فتیٰ سے مراد یوشع بن نون بن افراثیم بن

یوسف علیہما السلام ہیں۔

(۲) حضرت یوشع کو حضرت موسیٰ کا فتیٰ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں لازماً حاضر رہتے تھے۔ ہر چند کہ وہ اصل میں آزاد تھے۔

(۳) ان کو فتیٰ اس لئے فرمایا کہ وہ غلام کے قائم مقام تھے قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ (یوسف: ۶۲) اور یوسف نے اپنے نوکروں سے فرمایا ان کی پونجی ان کی بوریوں میں رکھ دو۔

حضرت خضر کا نام' لقب اور کنیت

ابن قتیبہ نے معارف میں وہب بن منبہ کی روایت کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت خضر کا نام بلیا ہے۔ ابو حاتم بجستانی نے کہا ہے کہ ان کا نام خضرون ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ارمیاہ ہے۔ مقاتل نے کہا ان کا نام الیسع ہے کیونکہ حضرت خضر کا علم سات آسمانوں اور سات زمینوں کو محیط ہے' لیکن پہلا قول مشہور ہے۔ یہ لفظ خَضِر اور خِضر دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے۔ ان کو جو خضر کا لقب دیا گیا ہے اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ جب یہ زمین پر بیٹھتے تو اس زمین پر سبزہ اگ جاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے بیٹھنے سے خشک گھاس ہری ہو جاتی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ جب یہ نماز پڑھتے تو اردگرد سبز ہو جاتا تھا۔ ان کی کنیت ابوالعباس ہے۔

حضرت خضر کا نسب یہ ہے: بلیا بن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

مجمع البحرین کا مصداق

اس آیت میں فرمایا ہے حضرت موسیٰ نے کہا میں مسلسل چلتا رہوں گا حتیٰ کہ میں مجمع البحرین (دوسمندروں کے ملنے کی جگہ) پہنچ جاؤں۔ مجمع البحرین کے متعلق مفسرین کی حسب ذیل آراء ہیں:

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے لکھا ہے کہ قتادہ اور مجاہد سے مروی ہے یہ دو سمندر ہیں بحر فارس اور بحر روم۔ بحر روم مغرب کے قریب ہے اور بحر فارس مشرق کے قریب ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۴۶۲'۱۷۴۶۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے لکھا ہے مجمع البحرین' بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ ہے اور بعض علماء نے کہا ہے اس سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے ملنے کی جگہ ہے کیونکہ حضرت موسیٰ بحر شریعت تھے اور حضرت خضر بحر طریقت تھے اور مجمع البحرین ان دونوں کے ملنے کی جگہ تھی۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۷۹' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس مقام کی تعیین کسی یقینی ذریعہ سے نہیں ہو سکی تاہم قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے مراد صحرائے سینا کا وہ جنوبی راس ہے جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویس دونوں آ کر ملتے ہیں اور بحر احمر میں ضم ہو جاتے ہیں۔

حقبا کے معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حقبا کا معنی ہے دہر' ایک قول یہ ہے کہ حقب اسی (۸۰) سال کو کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ زمانہ کی غیر معینہ مدت کو حقب کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۶۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک میں مجمع البحرین نہیں پہنچ جاؤں گا چلتا ہی رہوں گا اور اپنا سفر جاری رکھوں گا خواہ کتنا ہی

عرصہ کیوں نہ لگ جائے۔

مجمع البحرین کی طرف سفر کا سبب اور حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کی تعیین

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کی اور حر بن قیس فزاری کی اس میں بحث ہوئی کہ حضرت موسیٰ کس سے ملنے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس نے کہا وہ خضر تھے۔ ان کے پاس سے حضرت ابی بن کعب گزرے۔ حضرت ابن عباس نے ان کو بلایا اور کہا میری اور میرے اس ساتھی کی اس میں بحث ہوئی کہ حضرت موسیٰ کا وہ کون صاحب تھا جس سے ملاقات کا انہوں نے سوال کیا تھا' کیا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے؟ حضرت ابی بن کعب نے کہا کہ ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں تھے تو ایک شخص نے سوال کیا' کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے بڑا عالم ہو؟ حضرت موسیٰ نے کہا نہیں' تو اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کیوں نہیں! ہمارا بندہ خضر ہے۔ پھر حضرت موسیٰ نے اللہ سے ان کی ملاقات کی سبیل کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مچھلی کو نشانی بنا دیا اور فرمایا جب تم سے مچھلی گم ہو جائے تو تم لوٹ آنا وہیں تمہاری خضر سے ملاقات ہوگی۔ حضرت موسیٰ سمندر میں مچھلی کے نشان ڈھونڈتے رہے پھر حضرت موسیٰ سے ان کے شاگرد نے کہا: بھلا دیکھئے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا' اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا' اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا○ موسیٰ نے کہا یہی تو وہ چیز ہے جسے ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے (الکھف: ۶۴-۶۳) پھر ان دونوں نے خضر کو پا لیا۔ پھر ان دونوں کا وہی قصہ ہے جس کو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۴۲۶' عالم الکتب)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف البکالی کا یہ زعم ہے کہ حضرت خضر کے ساتھ جس موسیٰ کا قصہ ہے یہ بنو اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے یہ اور موسیٰ تھے۔ حضرت ابن عباس نے کہا وہ اللہ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے۔ ہمیں حضرت ابی بن کعب نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے تو ان سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ نے کہا میں سب سے بڑا عالم ہوں' تب اللہ عزوجل نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف علم کو نہیں لوٹایا' تو اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میری ان سے کیسے ملاقات ہوگی؟ فرمایا ایک ٹوکری میں مچھلی رکھ لو پس جب وہ مچھلی گم ہو گی وہیں وہ بندہ ہو گا۔ حضرت موسیٰ اور ان کا شاگرد یوشع بن نون دونوں چل پڑے اور انہوں نے ایک ٹوکری میں مچھلی رکھ لی تھی حتیٰ کہ ان دونوں نے ایک چٹان پر سر رکھا اور وہ دونوں سو گئے۔ وہ مچھلی ٹوکری سے نکلی اور سمندر میں سرنگ کی طرح راستہ بناتی ہوئی چلی گئی اور یہ بات حضرت موسیٰ اور ان کے شاگرد کے لیے بہت عجیب و غریب ثابت ہوئی تھی۔ وہ دونوں بقیہ رات اور دن چلتے رہے جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے۔ (الکھف: ۶۲) اس نے کہا بھلا دیکھیے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا (الکھف: ۶۳) اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا۔ موسیٰ نے کہا یہی تو وہ چیز

ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے (الکہف: ۶۴) جب وہ دونوں اس چٹان پر پہنچے تو دیکھا وہاں ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے موجود ہے۔

حضرت موسیٰ نے اس کو سلام کیا۔ حضرت خضر نے کہا تمہاری زمین میں سلامتی کہاں ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے کہا بنو اسرائیل کے موسیٰ ہو؟ انہوں نے کہا ہاں' حضرت موسیٰ نے کہا آیا میں آپ کی اس شرط پر پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس علم کی مجھے بھی تعلیم دیں۔ حضرت خضر نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے (الکہف: ۶۷-۶۶) اے موسیٰ میرے پاس اللہ کے علم سے ایسا علم ہے جو اس نے مجھے سکھایا ہے وہ آپ کے پاس نہیں ہے اور آپ کے پاس ایسا علم ہے جو اس نے آپ کو سکھایا ہے اس کو میں نہیں جانتا۔ موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا (الکہف: ۶۹) پھر وہ دونوں سمندر کے کنارے کنارے چلنے لگے ان کے پاس کشتی نہیں تھی۔ ان کے پاس سے ایک کشتی گزری انہوں نے ان سے کہا کہ وہ ان کو سوار کر کے لے جائیں۔ انہوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور بغیر اجرت کے ان کو سوار کر لیا' پھر ایک چڑیا آئی اور کشتی کے ایک کنارے بیٹھ گئی اور اس نے سمندر میں ایک یا دو چونچیں ماریں۔ پس خضر نے کہا مجھے اور تمہیں علم دینے سے اللہ کے علم میں سے صرف اتنی کمی ہوتی ہے جتنی اس چڑیا کے سمندر میں چونچ مارنے سے کمی ہوتی ہے۔ پھر حضرت خضر نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختے کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا ان لوگوں نے بغیر اجرت کے ہم کو کشتی میں سوار کیا اور آپ نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا تاکہ آپ اس میں بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں۔ حضرت خضر نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا آپ اس چیز پر میری گرفت نہ کریں جو میں بھول گیا ہوں (الکہف: ۷۳-۷۲) پس پہلی بار حضرت موسیٰ سے بھول ہو گئی' پھر وہ دونوں چل پڑے۔ پس انہوں نے دیکھا کہ ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ حضرت خضر نے اوپر سے اس کے سر کو پکڑا اور اپنے ہاتھوں سے اس کا سر الگ کر دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا آپ نے ایک بے قصور شخص کو کسی جان کے حق کے بغیر قتل کر دیا (الکہف: ۷۴) حضرت خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے (الکہف: ۷۵) ابن عیینہ نے کہا اس جملہ میں پہلے جملہ سے زیادہ تاکید ہے۔ پھر وہ دونوں چلتے رہے حتیٰ کہ وہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے اور ان بستی والوں سے کھانا مانگا۔ پس انہوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔ ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار کو گرتے ہوئے دیکھا تو ان دونوں نے اس دیوار کو کھڑا کر دیا (الکہف: ۷۷) آپ نے فرمایا: حضرت خضر نے اس دیوار کو اپنے ہاتھ سے کھڑا کر دیا۔ پھر حضرت موسیٰ نے ان سے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام پر ان سے اجرت لے لیتے۔ حضرت خضر نے کہا اب ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ہے (الکہف: ۷۸-۷۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے ہماری خواہش تھی کہ حضرت موسیٰ کچھ دیر اور صبر کرتے حتیٰ کہ ان دونوں کے مزید واقعات بیان کیے جاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۲۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۴۳۶' عالم الکتب)

ان دونوں حدیثوں کے بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ جس شخص سے ملاقات کرنے مجمع البحرین گئے تھے وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے اور حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے جو شخص آئے تھے وہ بنو اسرائیل کے حضرت موسیٰ بن عمران تھے' کیونکہ پہلے معاملہ میں حضرت ابن عباس سے حر بن قیس بن حصن فزاری نے اختلاف کیا اور کہا

وہ حضرت خضر نہیں تھے کوئی اور شخص تھے اور دوسرے معاملے میں حضرت ابن عباس سے نوف بکالی نے اختلاف کیا اور کہا کہ وہ بنو اسرائیل کے موسیٰ بن عمران نہیں تھے کوئی اور موسیٰ تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب وہ دونوں دو سمندروں کے سنگم پر پہنچ گئے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے سو مچھلی نے سمندر میں سرنگ بناتے ہوئے اپنا راستہ بنا لیا۔ (الکھف: ۶۱)

سرب کا معنی

سرب کا معنی ہے سرنگ' اس کی جمع اسراب ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے حدود میں جانے کو سرب کہتے ہیں اور سرب اس جگہ کو کہتے ہیں جو ڈھلوان مقام میں ہو۔ سرب کا معنی گزرنا بھی ہے اور بہنا بھی ہے۔ سرب الدمع کا معنی ہے آنسو بہا اور سارب کا معنی ہے جو کسی طریقہ سے بھی جانے والا ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ‎ جو رات کو چھپا ہوا ہو اور دن میں چل رہا ہو۔

(الرعد: ۱۰) (المفردات ج ۱ ص ۳۰۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

مجاہد نے کہا سرب کا معنی ہے راستہ' قتادہ نے کہا پانی جم کر سرنگ کی طرح بن گیا تھا اور جمہور مفسرین نے کہا مچھلی فارغ جگہ میں چل رہی تھی اور حضرت موسیٰ مچھلی کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے' حتیٰ کہ وہ سمندر میں ایک جزیرہ کے راستہ کی طرف آپ کو لے گئی اور اس جزیرہ میں آپ نے حضرت خضر کو پایا اور ظاہر روایات اور ظاہر قرآن مجید کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کو ساحل سمندر پر پایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب وہ دونوں اس جگہ سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ' ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے O اس نے کہا بھلا دیکھئے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا' اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا O موسیٰ نے کہا یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے۔ (الکھف: ۶۴-۶۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھولنے کی نسبت کرنے کی توجیہ

صرف حضرت یوشع بن نون مچھلی کا ذکر کرنا بھولے تھے اور قرآن مجید میں ہے وہ دونوں بھول گئے تھے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوشع' حضرت موسیٰ کو بتلانا بھول گئے اور دونوں کی طرف بھولنے کی نسبت اس لئے کی کہ حضرت یوشع حضرت موسیٰ کے مصاحب تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ‎ ان دونوں پانیوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

(الرحمٰن: ۲۲)

یعنی کھاری اور شیریں دونوں پانیوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں حالانکہ موتی اور مونگے صرف کھاری پانی سے نکلتے ہیں لیکن چونکہ دریاؤں کا شیریں پانی بھی سمندر میں جا کر گرتا ہے اس لئے دونوں کی طرف نسبت کر دی۔

بعض روایات میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع سے کہا تھا میں تمہیں صرف اس بات کا پابند کر رہا ہوں کہ جب یہ مچھلی تم سے جدا ہو تو تم مجھے بتا دینا۔ ابن جریج نے کہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ ایک چٹان کے سائے میں سوئے ہوئے تھے تو وہ مچھلی مضطرب ہو کر اس ٹوکری سے نکل گئی۔ حضرت یوشع نے دل میں کہا میں ابھی ان کو بیدار نہیں کرتا جب وہ

بیدار ہوں گے تو ان کو بتا دوں گا اور پھر وہ بتانا بھول گئے' اور مچھلی مضطرب ہو کر ٹوکری سے نکل کر سمندر میں داخل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے سمندر کے بہنے کو روک لیا اور مچھلی اس میں اس طرح نشان بناتی ہوئی چلی گئی جس طرح پتھر میں نشانات ہوتے ہیں۔
پھر جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے اور اس چٹان سے آگے روانہ ہوئے تو حضرت موسیٰ نے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ ہو گئی ہے اور ان کو اسی وقت تھکاوٹ ہوئی تھی جب وہ اس چٹان سے روانہ ہوئے تھے۔ تب حضرت یوشع نے کہا بھلا دیکھئے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا۔

سفر میں زادِ راہ لینا توکل کے خلاف نہیں بلکہ سنت انبیاء ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوران سفر ناشتہ طلب کیا اس سے معلوم ہوا انسان کو چاہئے جب سفر میں جائے تو کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جائے۔ اس میں ان جاہل صوفیوں کا رد ہے جو سفر میں کھانے پینے کی چیزوں کو ساتھ لے جانا توکل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان کا زعم یہ ہے کہ کسی چیز کو ساتھ نہ لے جانا یہی اللہ عزوجل پر توکل ہے اور دیکھئے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم نبی اور اس کے کلیم ہیں اور انہوں نے سفر میں اپنے ساتھ زادِ راہ لیا حالانکہ انہیں ان سے اور سب لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اھل یمن حج کرتے تھے اور زادِ راہ ساتھ نہیں لیتے تھے اور کہتے تھے ہم توکل کرنے والے ہیں پھر جب وہ مکہ میں آتے تو لوگوں سے سوال کرنے لگتے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی — اور سفر خرچ ساتھ لو' بہترین سفر خرچ سوال سے بچنا ہے۔

(البقرہ: ۱۹۷) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۲۳)

اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کئی کئی راتوں کے لیے غارِ حرا میں جاتے تو اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے تھے۔ پھر حضرت خدیجہ کے پاس لوٹ آتے اور جب دوبارہ جاتے تو پھر کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۷۱۷)

بیماریوں اور مصائب کے بیان کرنے کا جواز

حضرت موسیٰ کے زادِ راہ اور ناشتہ میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھا؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کے تھیلے میں ایک نمکین مچھلی تھی اور وہ دونوں صبح اور شام اسی مچھلی کو کھاتے تھے۔ ابو الفضل جوہری نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مناجات کے لیے جاتے تھے تو چالیس دن تک کھانا نہیں کھاتے تھے اور جب لوگوں کے پاس آتے تھے تو ان کو بھوک اور پیاس لگتی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ انسان کو جو درد اور مرض لاحق ہو یا کسی کام سے کوئی تھکاوٹ ہو اس کی خبر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ اللہ کی رضا کے خلاف نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تسلیم کرنے کے خلاف ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب یہ کلمات بے صبری' اللہ سے شکایت اور چیخ و پکار کے طور پر نہ صادر ہوں۔ اسی طرح انسان پر جو ناگہانی آفات اور مصائب آتے ہیں اور مال اور جان کا نقصان ہو جاتا ہے' بچے گم ہو جاتے ہیں' چوری ہو جاتی ہے اور طرح طرح کے حادثات پیش آتے ہیں ان کی بھی خبر دینا جائز ہے اور یہ صبر اور ضبط کے خلاف نہیں ہے اور نہ تسلیم و رضا کے خلاف ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام گم ہو گئے تو وہ ان کو یاد کرتے رہے اور رنج اور افسوس کرتے رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک سفر میں ہار گم ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور تمام قافلہ والوں نے مل کر اس کو تلاش کیا۔ ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق پر غم زدہ ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ اُحد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سر زخمی کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا: وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کر دیا۔ (صحیح البخاری تفسیر آل عمران)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپ کو بخار چڑھا ہوا تھا۔ میں نے آپ کو چھو کر دیکھا تو آپ کو بہت تیز بخار تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کو تو بہت شدید بخار ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! جتنا بخار تم دو آدمیوں کو ہوتا ہے مجھ اکیلے کو اتنا بخار ہوتا ہے۔ میں نے کہا آپ کو دگنا اجر ہوگا فرمایا ہاں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے روئے زمین پر جس مسلمان کو بھی کسی مرض سے یا کسی اور وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۶۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۱۸ دار الفکر)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ رکھا پھر کہا آپ کے بخار کی شدت سے میں آپ پر ہاتھ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم گروہ انبیاء پر اس طرح دگنی مصیبتیں آتی ہیں جس طرح ہمیں دگنا اجر دیا جاتا ہے۔ بے شک انبیاء میں سے ایک نبی کو جوں کے ساتھ مبتلا کیا گیا تو انہوں نے اس کو مار دیا اور ایک شخص کو سردی میں مبتلا کیا جاتا تو وہ اٹھ کر کپڑے پہن لیتا اور بے شک وہ تنگی اور مصائب میں اس طرح خوش ہوتے تھے جس طرح وہ فراخی اور عیش میں خوش ہوتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو حضرت ابو بکر اور حضرت بلال کو بخار چڑھ گیا پس حضرت ابو بکر کو جب بخار آیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھا:

(ترجمہ) ہر شخص اپنے گھر میں صبح کرتا ہے اور موت جوتی کے تسمہ سے زیادہ اس کے قریب ہوتی ہے۔

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جب بخار اتر گیا تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

سنو! کاش مجھے معلوم ہوتا کیا میں ایک رات اس وادی میں گزاروں گا جس کے گرد اذخر اور جلیل (نامی گھاس) ہیں۔

اور کیا میں کسی دن مجنہ (مکہ کا ایک مقام) کے پانی پر جاؤں گا اور کیا مجھے شامہ اور طفیل (پہاڑ) دکھائی دیں گے۔

اے اللہ شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت کر جنہوں نے ہمیں ہمارے وطن سے اس وباؤں کی زمین کی طرف نکال دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۸۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۷۶، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۵۵، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۲۳، مسند احمد ج ۶ ص ۵۶)

امام احمد ایک اور سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو آپ کے اصحاب بیمار ہوگئے۔ حضرت ابو بکر، عامر بن فہیرہ اور حضرت بلال بھی بیمار ہوگئے۔ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر ان کی عیادت کے لیے گئیں حضرت ابو بکر سے پوچھا آپ کی طبیعت کیسی ہے تو انہوں نے کہا:

ہر شخص اپنے گھر میں صبح کرتا ہے۔ اور موت جوتی کے تسمے سے زیادہ اس کے قریب ہوتی ہے۔

حضرت عامر بن فہیرہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا:

میں نے موت کو چکھنے سے پہلے اس کو پا لیا بے شک بزدل کی طبعی موت اس کے اوپر سے آتی ہے۔

اور حضرت بلال نے وہی شعر پڑھا۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ہماری طرف مدینہ بھی اس طرح محبوب کر دے جس طرح تو نے ہماری طرف مکہ محبوب کیا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب کر دے۔ الحدیث (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۸۶۴، ۲۶۳۸۱، ۲۶۷۷۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۲۴، ۵۶۰۰)

ان حدیثوں میں صحابہ کرام نے اپنی بیماری کی بھی خبر دی اور مکہ مکرمہ سے جدائی پر بھی افسوس کا اظہار کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیماریوں، آفتوں اور مصائب کی خبر دینا اور ان پر غم اور افسوس کا اظہار کرنا انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کا طریقہ ہے اور یہ تسلیم و رضا کے منافی نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص مصائب پر رنج اور افسوس کا اظہار کرتا ہے اور ان کے ازالہ کی دعائیں کرتا ہے تو یہ اللہ کے سامنے اپنی بندگی، بے چارگی اور عجز کا اظہار ہے اور اگر کوئی شخص مصائب پر رنج اور افسوس نہیں کرتا اور ان کے ازالہ کے لیے دعائیں نہیں کرتا بلکہ الٹا خوش ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی جرأت اور قوت کا اظہار ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، اور جاہل صوفی ایسا ہی کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم ہر اس حال میں خوش ہیں جس حال میں ہم کو خدا رکھے حالانکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہم ہر حال میں راضی ہیں اور کسی حال کی شکایت نہیں کرتے۔

مصائب اور بیماریوں کے بیان سے صوفیا کا منع کرنا

مشہور صوفی محمد بن علی بن عطیہ المشہور ربابی طالب مکی المتوفی ۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

جو شخص علاج نہیں کرتا اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اپنی بیماریوں کو مخفی رکھے کیونکہ یہ عمل نیکیوں کے خزانے میں سے ہے، اور اس لئے کہ یہ اس کے اور اس کے خالق کے درمیان معاملات سے ہے اس لئے ان کو چھپانے میں زیادہ سلامتی اور زیادہ فضیلت ہے، ہاں اگر اظہار کرنے میں وہ مخلص ہو یا وہ امام ہو اور اس کا قول سنا جاتا ہو یا وہ معرفت میں ماہر ہو وہ اپنی بیماری کی خبر دے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو، یا وہ شخص مصیبتوں کو نعمت سمجھتا ہو اور مصائب کی خبر دینے سے اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا ہو ورنہ جو آدمی علاج نہیں کرتا اس کا بیماریوں کی خبر دینا اس کے حال کا نقص ہے اور اپنے مولا کی شکایت میں داخل ہے، کیونکہ شکایت کرنے میں نفس کو اس طرح راحت پہنچاتا ہے جس طرح بیماری کا علاج کر کے نفس کو راحت پہنچائی جاتی ہے، اور کوئی عالم ایسا نہیں کرے گا کیونکہ جس دوا کو اس کے مولا نے اس کے لیے مباح کیا ہے وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا بندہ اس کی شکایت کرے۔ علاوہ ازیں جب وہ اپنی بیماری کی خبر دے گا تو وہ اس سے مامون نہیں ہے کہ وہ بیماری کو زیادہ بیان کرے یا اس میں تصنع کرے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ قول بیان کیا ہے فصبر جمیل (یوسف: ۱۸) پس صبر کرنا بہت اچھا ہے۔ اس میں کوئی شکایت نہیں ہے اور بعض صوفیا نے کہا جس شخص نے اپنی شکایت کو پھیلایا اس نے صبر نہیں کیا۔ کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا آپ کی بینائی کس سبب چلی گئی انہوں نے کہا بہت عرصہ گزرنے اور غم کے طول کی وجہ سے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی تم میری مخلوق سے میری شکایت کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا اے میرے رب میں تیری طرف توبہ کر رہا ہوں۔ طاؤس اور مجاہد سے مروی ہے کہ مریض تکلیف سے جو ہائے ہائے کرتا ہے اس کو لکھ لیا جاتا ہے، اور صوفیا مریض کے کراہنے کو مکروہ جانتے تھے کیونکہ یہ بھی مصنوعی طور پر شکایت کا اظہار ہے، اور کہا گیا ہے کہ ابلیس حضرت ایوب علیہ السلام کے مرض میں صرف ان کے کراہنے کو حاصل کر سکا، اور حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کی طرف وحی فرماتا ہے میرے بندے کی طرف دیکھو وہ اپنے عیادت کرنے والوں سے کیا کہتا ہے؟ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے اور کلمہ خیر کہتا ہے تو اس کے لیے دعا کرو، اور اگر وہ شکایت کرتا ہے اور برے کلمات کہتا ہے تو پھر اس طرح نہ کرنا۔ بعض عیادت گزاروں نے اس خوف سے عیادت کرنے سے منع کیا ہے کہ مریض شکایت

کرے گا' بلکہ مریض سے ملنے سے بھی منع کیا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی بیماری سے زیادہ بتلائے گا اور یہ اللہ کی اس نعمت کا کفر ہے جو اس نے اس کو بیماری کی صورت میں عطا کی ہے' اور بعض صوفیا جب بیمار ہوتے تو اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیتے تھے اور جب تک وہ صحت مند نہ ہو جاتے ان کے پاس کوئی نہیں آتا تھا۔ ان میں فضیل' وھیب اور بشر ہیں وہ کہتے تھے کہ میں عیادت کرنے والوں کے بغیر مرض کے ایام گزاروں گا۔ فضیل نے کہا میں بیماری کو صرف عیادت کرنے والوں کی وجہ سے ناپسند کرتا ہوں' اور بیماری کی خبر دینا توکل کے خلاف نہیں بشرطیکہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو' اور وہ قضاء وقدر پر راضی ہو' اور بیماری کی خبر دے کر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز اور افتقار کو ظاہر کر رہا ہو' اور اپنے مسلمان بھائیوں کی دعا میں رغبت کر رہا ہو یا اس حال کے نعمت ہونے کی گواہی دے رہا ہو تا کہ اس پر شکر ادا کرے۔

حکایت ہے کہ بشر بن حارث نے طبیب عبدالرحمٰن کو اپنے دردوں کی خبر دی' اور کہا گیا کہ امام احمد نے اپنے امراض کی خبر دی اور کہا کہ میں اس خبر سے اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کر رہا ہوں' اور حسن بصری سے روایت ہے کہ جب کوئی مریض اللہ عزوجل کی حمد کرے پھر اپنی بیماری کو بیان کرے تو یہ شکایت نہیں ہے' اور امام احمد بن حنبل سے جب تک کوئی شخص ان کی بیماری کے متعلق نہیں پوچھتا تھا وہ اس کو اپنی بیماری نہیں بتاتے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی بیماری کے متعلق پوچھا کہ آپ کیسے ہیں؟ بشر نے کہا کہ حاضرین نے اس سوال کو ناپسند کیا پس حضرت علی نے فرمایا کہ کیا تم اللہ کے سامنے اپنی قوت کا اظہار کر رہے ہو' گویا کہ انہوں نے یہ پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی احتیاج کو ظاہر کیا جائے' نیز ان کا یہ ارادہ تھا کہ اپنی بیماری کی خبر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تادیب کو ثابت کریں۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قوت کے اظہار کرنے سے منع فرمایا تھا' کیونکہ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اے اللہ! مجھے مصائب پر صبر کرنے والا بنا دے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اللہ سے مصائب مانگے ہیں' لیکن اللہ سے عافیت کا سوال کرو۔ اسی وجہ سے مطرف نے کہا اگر میں عافیت پر شکر کروں تو وہ میرے نزدیک مصائب پر صبر کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے' کیونکہ مصائب پر صبر کرنا تو قوی لوگوں کا طریقہ ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں نے القوی العزیز کے سامنے قوت اور حوصلہ کا اظہار کرنا مکروہ جانا۔ حکایت ہے کہ امام شافعی مصر میں بہت بیمار ہوئے تو انہوں نے یہ دعا کی اے اللہ! اگر اس بیماری میں تیری رضا ہے تو اس بیماری کو زیادہ کر دے تو ادریس بن یحییٰ المعافری نے ان کو خط لکھا کہ اے ابوعبداللہ تم رجال بلاء (اصحاب مصائب) میں سے نہیں ہو اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔ پھر امام شافعی نے اپنے قول سے رجوع کیا اور اس پر توبہ کی۔

(قوت القلوب ج ۲ ص ۴۷۔ ۴۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مصائب اور بیماریوں کے بیان کرنے کے جواز پر قرآن مجید اور احادیث سے استدلال

صوفی ابوطالب مکی نے آخر میں جو لکھا ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور بیماری کے ازالہ اور صحت کی دعا کرنی چاہیے' اور بیماریوں اور مصائب پر خوشی کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی قوت اور طاقت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی احتیاج ظاہر کر کے اپنی بیماری کا اظہار کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرنا چاہیے' یہ صحیح اور برحق ہے۔ لیکن انہوں نے شروع میں جو لکھا ہے کہ کسی کے سامنے اپنی بیماری اور اپنے مصائب کا اظہار نہیں کرنا چاہیے' یہ درست نہیں۔ قرآن مجید میں ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے اپنی بھوک اور اپنے مصائب کا ذکر کیا:

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ (یوسف: ۸۸)

پھر جب وہ لوگ یوسف کے دربار میں داخل ہوئے تو کہنے لگے اے عزیز! ہمیں اور ہمارے خاندان کو مصیبتیں پہنچی ہیں' پس ہم یہ حقیر پونجی لائے ہیں لہٰذا آپ ہمیں پورا غلہ ناپ کے دے دیجئے اور ہم پر صدقہ کیجئے' بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو اچھی جزا دیتا ہے۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کا اللہ تعالیٰ سے ذکر کیا:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۸۴-۸۳)

اور ایوب کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے بیماری آ لگی ہے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ۝ تو ہم نے ان کی فریاد سن لی اور ان سے اس بیماری کو دور کر دیا اور ہم نے ان کو ان کے اہل عطا کئے اور اتنے ہی ان کے ساتھ اور بھی اپنے پاس سے رحمت فرما کر اور یہ عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہونے کے قریب ہے آپ ہمارے پاس آئیں۔ آپ نے کسی کے ہاتھ سلام بھیجا اور فرمایا اللہ ہی کے لیے ہے جو اس نے لے لیا اور عطا کیا اور ہر شخص کی اجل اس کے پاس مقرر ہے۔ پس اس کو چاہئے کہ وہ صبر کرے اور ثواب کو طلب کرے۔ انہوں نے پھر کسی کو قسم دے کر آپ کے پاس بھیجا کہ آپ ضرور آئیں۔ آپ اٹھے اور آپ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ' حضرت معاذ بن جبل' حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت اور دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم بھی تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بچہ کو اٹھا کر لایا گیا اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ حضرت اسامہ نے کہا اس بچہ کا جسم سوکھی ہوئی مشک کی طرح تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت سعد نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیا؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے اور اللہ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۳' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۸۸)

قرآن مجید کی نصوص صریحہ' اور صحیح بخاری کی اس حدیث سے واضح ہو گیا اور جو احادیث اور نص قرآن ہم نے پہلے ذکر کی ہیں ان سے بھی ظاہر ہو گیا کہ اپنی بیماریوں اور اپنے مصائب کا بیان کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کی سنت ہے' اور صوفی ابو طالب مکی کے اقوال میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ قرآن مجید کی نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ کے مزاحم ہو سکیں۔

عیادت کرنے کے ثبوت میں احادیث

نیز صوفی ابو طالب مکی نے عیادت کرنے کی بھی مخالفت کی ہے اور کہا فضیل' وھیب اور بشر وغیرہ عیادت کرنے والوں کی وجہ سے بیماری کو ناپسند کرتے تھے' میں کہتا ہوں کہ عیادت کرنے کے ثبوت میں بہت احادیث صحیحہ ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری آنکھوں میں تکلیف تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری

عیادت کی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۲ مسند احمد ج ۴ ص ۳۷۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے آئے اس وقت میں بیمار تھا ہوش میں نہیں تھا' آپ نے وضو کیا اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو میرے اوپر ڈالا تو میں ہوش میں آ گیا۔الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۲۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے آئے آپ کسی خچر یا ٹٹو پر سوار نہیں تھے۔ صحیح البخاری' سنن ابوداؤد (جامع الاصول رقم الحدیث: ۴۸۹۳)

حضرت عائشہ بنت سعد بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں اور وہ ان کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں وہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں مکہ میں بہت سخت بیمار ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے آئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں مال چھوڑ رہا ہوں اور میری صرف ایک بیٹی ہے۔ آیا میں دو تہائی مال کی وصیت کر دوں؟ اور ایک تہائی چھوڑ دوں! آپ نے فرمایا نہیں' میں نے پوچھا آیا میں نصف مال کی وصیت کر دوں اور نصف چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں' میں نے پوچھا آیا میں ایک تہائی مال کی وصیت کر دوں اور دو تہائی مال چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا: تہائی مال' تہائی بہت ہے' پھر آپ نے اپنا ہاتھ میری پیشانی پر رکھا پھر میرے چہرے اور پیٹ پر پھیرا' پھر کہا اے اللہ! سعد کو شفا دے اور اس کی ہجرت کو پورا کر' سعد نے کہا میں آخر وقت تک آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے جگر پر محسوس کرتا رہا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۴' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۱' الادب المفرد رقم الحدیث: ۴۹۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جنگ خندق کے دن ایک شخص نے حضرت سعد بن معاذ کے بازو کی ایک رگ پر تیر مارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مسجد میں ایک خیمہ لگوا دیا تا کہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۱۰' مسند احمد ج ۶ ص ۵۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا وہ بیمار ہو گیا تو آپ نے اس کی عیادت کی اور اس پر اسلام پیش کیا سو وہ مسلمان ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۵' الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۲۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس مریض کی عیادت کی جو موت کے قریب نہیں تھا اور اس نے سات مرتبہ یہ دعا کی: میں اللہ العظیم سے سوال کرتا ہوں' رب عرش عظیم سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تم کو شفا دے دے تو اللہ اس کو اس بیماری سے شفا دے دے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۳' مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۹)

ان احادیث صحیحہ کی بنا پر مریض کی عیادت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی سنت ہے' اور فضیل' وھیب اور بشر وغیرہ نے جو عیادت کرنے کو مکروہ کہا تو ان احادیث وافرہ کے مقابلہ میں ان کے قول کا کیا اعتبار ہو گا۔

نیز صوفی ابو طالب نے کئی باتیں بے سند لکھی ہیں مثلاً یہ کہ کسی نے حضرت یعقوب سے یہ کہا کہ آپ کی بینائی کس سبب سے چلی گئی؟ انہوں نے کہا بہت عرصہ گزرنے سے اور غم کے طویل ہونے کی وجہ سے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ تم میری مخلوق سے میری شکایت کر رہے ہو' پھر انہوں نے کہا اے میرے رب میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں' صوفی ابو طالب کو کس

ذریعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب کی طرف یہ وحی کی؟ اسی طرح انہوں نے بغیر کسی سند اور بغیر کسی حوالے کے مریض کے کراہنے اور شدت مرض کی وجہ سے اس کے ہائے ہائے کرنے کو بھی مکروہ لکھا ہے حالانکہ مرض کی شدت کی وجہ سے اس سے بے اختیار کراہنا صادر ہوتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اس کتاب کے ایک اور باب میں علاج کرنے کو بھی عزیمت کے خلاف لکھا ہے۔ ہم اس پر اس سے پہلے بحث کر چکے ہیں۔ ہم نے تبیان القرآن ج ۶ النحل: ۶۹ کی تفسیر میں اس بحث کو تفصیل سے لکھا ہے۔

وما انسانیہ میں ضمیرؔ ہٗ پر پیش لگانے کی توجیہ

عربی زبان کا اصول ہے کہ ضمیر ’ہٗ‘ سے پہلے زیر یا ’ی‘ آ جائے تو اس ضمیر کے نیچے ہمیشہ زیر پڑھی جائے گی مثلاً بہ اور الیہ اور یہی اسلوب پورے قرآن مجید میں رہا لیکن دو مقام پر اس کے خلاف آیا۔

وَمَآ اَنْسَانِيْهُ (الکھف: ۶۳) عَلَيْهُ اللّٰهَ (الفتح: ۱۰)

حالانکہ قانون وما انسانیہ اور علیہ اللہ کا تقاضا کرتا ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ صرف امام حفص کی قرأت ضمہ کے ساتھ ہے باقی ائمہ نے دونوں جگہ کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے (اتحاف فضلاء البشر فی القراءات الاربعۃ عشر ص ۳۶۹) اور دوسرا جواب اس مقام پر میرے شیخ حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وما انسانیہ کا ذکر قرآن مجید کے اس واقعہ میں ہے جو خلاف قانون اور خلاف عادت ہے۔ تو یہاں پر بھی ضمیر ’ہ‘ کے بجائے خلاف عادت اور خلاف قاعدہ ’ہٗ‘ کو ذکر کیا گویا اس سے واقعہ کے عجیب ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (اور یہاں یہی اصل قرار پایا)

واقعہ اس طرح ہے جب موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع بن نون کے ساتھ پتھر کی چٹان پر پہنچے جہاں چشمۂ حیات تھا تو ان کی زنبیل میں بھونی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر دریا میں گری پھر اس نے وہاں سرنگ بناتے ہوئے راہ لی۔ دریا کا بہاؤ اس پر رک گیا۔ یہ واقعہ حضرت یوشع حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنا بھول گئے اور سفر آگے جاری رکھا۔ جب انہیں یہ یاد آیا تو فرمایا وما انسانیہ الا الشیطن کہ مجھے یہ شیطان ہی نے بھلایا ہے۔

علیہُ اللہ اس آیت کریمہ میں وعدے کا ذکر ہے اور خصوصاً اس جملہ میں وعدہ وفائی کا بیان ہے اور وعدے کی اصل یہی ہے کہ اسے پورا کیا جائے تو علیہُ اللہ میں بھی ضمیر کو اس کی اصل پر برقرار رکھا گیا یعنی عارضہ کی بنا پر زیر نہیں دی گئی گویا اس سے وعدہ وفائی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ (تقریظ بر علم تفسیر اور مفسرین از صاحبزادہ علامہ ارشد سعید کاظمی مدظلہ ص ۷-۶)

پکی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو جانا

صحیح بخاری میں ہے حضرت موسیٰ نے علامت پوچھی تو فرمایا تم ایک مردہ مچھلی لو جس جگہ وہ مچھلی زندہ ہو گی وہیں خضر ہوں گے۔ انہوں نے اس مچھلی کو ٹوکری میں ڈال دیا اور اپنے شاگرد سے کہا میں تم کو صرف اس بات کا پابند کرتا ہوں کہ جس جگہ وہ مچھلی تم سے جدا ہو تم مجھے بتا دینا۔ اس نے کہا آپ نے مجھے کسی مشقت والے کام کا پابند نہیں کیا‘ جس وقت حضرت موسیٰ چٹان کے سائے میں سوئے ہوئے تھے وہ مچھلی ٹوکری میں مضطرب ہوئی اور سمندر میں داخل ہو گئی۔ حضرت یوشع نے سوچا کہ حضرت موسیٰ سوئے ہوئے ہیں میں ان کو بیدار نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کے بہاؤ کو روک لیا‘ اور وہ مچھلی پانی میں راستہ بناتے ہوئے جانے لگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۲۶)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنایا۔ حضرت یوشع بن نون کو اس پر تعجب ہوا کہ اس مچھلی نے سمندر میں راستہ کیسے بنا لیا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ تعجب کی وجہ یہ تھی کہ وہ مچھلی پکی ہوئی تھی اور وہ اس کی

بائیں جانب کھا چکے تھے وہ پھر اس کے بعد زندہ ہو گئی۔ حضرت ابن عباس نے اس قصہ میں بیان کیا ہے وہ مچھلی اس لئے زندہ ہوگئی کہ اس پر اس چشمہ کا پانی لگ گیا تھا جس میں آب حیات تھا اور وہ پانی جس سے بھی مس کر جاتا تھا وہ زندہ ہو جاتا تھا' اور حضرت خضر سے ملاقات کی علامت یہ تھی کہ وہ مچھلی زندہ ہو گی۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ سفر کی تھکاوٹ کے بعد جب ایک چٹان پر بیٹھے تو ان کے پہلو میں آب حیات تھا۔ اس پانی کے کچھ چھینٹے اس مچھلی پر پڑ گئے تو وہ زندہ ہو گئی۔ امام ترمذی کی حدیث میں ہے سفیان نے کہا لوگوں نے کہا اس چٹان کے پاس آب حیات تھا اور جس چیز کے ساتھ بھی اس کا پانی لگ جاتا تھا وہ چیز زندہ ہو جاتی تھی۔ اس مچھلی کا کچھ حصہ کھایا جا چکا تھا اور جب اس مچھلی پر اس پانی کا ایک قطرہ پڑ گیا تو وہ زندہ ہو گئی (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۹' مسند احمد ج ۳ ص ۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸' المسند الجامع رقم الحدیث: ۴۶۳۹) اور کتاب العروس میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چشمہ آب حیات سے وضو کیا تھا تو اس مچھلی پر بھی پانی کا ایک قطرہ پڑ گیا تھا' واللہ اعلم

حضرت موسیٰ کی حضرت خضر سے ملاقات

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس چیز کو تو ہم ڈھونڈ رہے تھے یعنی اس جگہ ہم اس شخص سے ملاقات کے لیے آئے تھے' پھر وہ دونوں اپنے پیروں کے نشانات پر چلتے ہوئے واپس لوٹے' اور صحیح بخاری میں ہے ان دونوں نے وہاں حضرت خضر کو سمندر کے وسط میں ایک سرسبز جزیرہ پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ سعید بن جبیر نے کہا وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اس کا ایک پلو ان کے سر کے اوپر تھا اور ایک پلو ان کے پیروں کے نیچے تھا۔ حضرت موسیٰ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے چادر سے اپنا چہرہ نکال کر کہا ہماری سرزمین میں سلامتی کہاں ہے؟ پھر اپنا سر بلند کر کے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور کہا اے بنی اسرائیل کے نبی و علیک السلام۔ حضرت موسیٰ نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اس شرط پر آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے اللہ کا دیا ہوا علم سکھا دیں پھر وہ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۲۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو وہاں پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم (لدنی) عطا کیا تھا۔ (الکھف: ۶۵)

حضرت خضر کو خضر کہنے کی وجہ

جمہور کے قول کے مطابق اس بندے سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور احادیث صحیحہ کا بھی یہی تقاضا ہے جیسا کہ ہم پہلے صحیح بخاری کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۰) بعض غیر معتبر لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس سے ملنے گئے تھے وہ خضر نہیں تھے کوئی اور عالم تھے' اور بعض لوگوں نے کہا وہ ایک عبادت گزار بندے تھے اور صحیح یہی ہے کہ وہ حضرت خضر تھے۔ مجاہد نے کہا ان کو خضر اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو اردگرد کی چیزیں سرسبز ہو جاتی تھیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو خضر اس لئے کہتے ہیں کہ جب وہ سفید پوستین (جانور کی کھال کی قمیص' جبہ) پر نماز پڑھتے تو اس کے نیچے سے سبزہ اگنے لگتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۲' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۴۷۱۵)

علامہ خطابی وغیرہ نے کہا ہے اس حدیث میں سفید پوستین سے مراد روئے زمین ہے۔

جمہور کے قول کے مطابق حضرت خضر نبی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے تھے نبی نہ تھے' اور قرآن مجید کی آیتیں یہ شہادت دیتی ہیں کہ وہ نبی تھے کیونکہ بواطن امور کو نبی کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ نیز انسان اسی سے علم حاصل کرتا ہے اور اس کی اتباع کرتا ہے جو مرتبہ میں اس سے بڑھ کر ہو اور یہ جائز نہیں ہے کہ نبی سے بڑھ کر وہ شخص ہو جو نبی نہ ہو' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک فرشتہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے علم باطن حاصل کرنے کا حکم دیا تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۳۹۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت خضر کے نبی ہونے کی تحقیق

حضرت خضر کے متعلق یہ اختلاف ہے کہ وہ ولی ہیں یا نبی۔ قشیری کا قول یہ ہے کہ وہ ولی ہیں اور صحیح یہ ہے کہ خضر نبی ہیں' یہ ایک جماعت کا معتمد ہے' ثعلبی اور ابن جوزی وغیرہ کا بھی یہی مختار ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر نے ایک لڑکے کو قتل کر دیا اور فرمایا' "وما فعلته عن امری" میں نے اپنی رائے سے یہ کام نہیں کیا۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ انہوں نے وحی سے اس کو قتل کیا ہے اور وحی کا تعلق نبوت سے ہے۔ کسی شخص کو ناحق قتل کرنا حرام ہے اور یہ حرمت صرف دلیل قطعی سے اٹھ سکتی ہے۔ اگر حضرت خضر ولی ہوتے اور الہام کی بنا پر اس کو قتل کرتے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ الہام دلیل ظنی ہے اور دلیل ظنی کی بنا پر کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز تکوینی امور میں حضرت خضر کا علم حضرت موسیٰ سے زیادہ تھا اور یہ جائز نہیں ہے کہ ولی کا علم نبی سے زیادہ ہو۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کا حضرت خضر انسان کے بجائے فرشتہ قرار دینا

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کا نبی ہونا یا ولی ہونا تو الگ رہا وہ سرے سے انسان ہی نہیں تھے بلکہ فرشتے تھے' پہلے ہم ان کے دلائل ذکر کریں گے۔ پھر ان کے شبہات کا جواب دیں گے پھر دلائل سے یہ ثابت کریں گے کہ حضرت خضر انسان اور نبی تھے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اس قصے میں ایک بڑی پیچیدگی ہے جسے رفع کرنا ضروری ہے۔ حضرت خضر نے یہ تین کام جو کیے ہیں ان میں سے تیسرا کام تو خیر شریعت سے نہیں ٹکراتا مگر پہلے دونوں کام یقیناً ان احکام سے متصادم ہوتے ہیں جو ابتدائے عہد انسانیت سے آج تک تمام شرائع الٰہیہ میں ثابت رہے ہیں۔ کوئی شریعت بھی کسی انسان کو یہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ کسی کی مملوکہ چیز کو خراب کر دے اور کسی متنفس کو بے قصور قتل کر ڈالے۔ حتیٰ کہ اگر کسی انسان کو بطریق الہام بھی یہ معلوم ہو جائے کہ ایک کشتی کو آگے جا کر ایک غاصب چھین لے گا اور فلاں لڑکا بڑا ہو کر سرکش اور کافر نکلے گا' تب بھی اس کے لیے خدا کی بھیجی ہوئی شریعتوں میں سے کسی شریعت کی رو سے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اس الہامی علم کی بنا پر کشتی میں چھید کر دے اور ایک بے گناہ لڑکے کو مار ڈالے۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ حضرت خضر نے یہ دونوں کام اللہ کے حکم سے کیے تھے' فی الواقع اس پیچیدگی کو کچھ بھی رفع نہیں کرتا۔ سوال یہ ہے کہ حضرت خضر نے یہ کام کس کے حکم سے کیے تھے۔

ان کا حکم الٰہی سے ہونا تو بالیقین ثابت ہے کیونکہ حضرت خضر خود فرماتے ہیں کہ ان کے یہ افعال ان کے اختیاری نہیں ہیں بلکہ اللہ کی رحمت ان کی محرک ہوئی ہے' اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ خود فرما چکا ہے کہ حضرت خضر کو اللہ کی طرف سے ایک علم خاص حاصل تھا۔ پس یہ امر تو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ یہ کام اللہ کے حکم سے کیے گئے تھے' مگر اصل سوال جو یہاں پیدا ہوتا

ب بے قصور لکھنا چاہئے تھا' بے گناہ تو صرف انبیاء علیہم السلام اور فرشتے ہیں۔ سعیدی غفرلہ

ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے ان احکام کی نوعیت کیا تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ تشریعی احکام نہ تھے' کیونکہ شرائع الٰہیہ کے جو بنیادی اصول قرآن اور اس سے پہلے کی کتب آسمانی سے ثابت ہیں ان میں کبھی کسی انسان کے لیے یہ گنجائش نہیں رکھی گئی کہ وہ بلاثبوت جرم کسی دوسرے انسان کو قتل کردے۔ اس لئے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ احکام اپنی نوعیت میں اللہ تعالیٰ کے ان تکوینی احکام سے مشابہت رکھتے ہیں جن کے تحت دنیا میں ہر آن کوئی بیمار ڈالا جاتا ہے اور کوئی تندرست کیا جاتا ہے' کسی کو موت دی جاتی ہے اور کسی کو زندگی سے نوازا جاتا ہے' کسی کو تباہ کیا جاتا ہے اور کسی پر نعمتیں نازل کی جاتی ہیں۔ اب اگر یہ تکوینی احکام ہیں تو ان کے مخاطب صرف فرشتے ہی ہوسکتے ہیں جن کے بارے میں شرعی جواز و عدم جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے ذاتی اختیار کے بغیر صرف اوامر الٰہیہ کی تعمیل کرتے ہیں۔ رہا انسان' تو خواہ وہ بلا ارادہ کسی تکوینی حکم کے نفاذ کا ذریعہ بنے اور خواہ الہاماً اس طرح کا کوئی غیبی علم اور حکم پا کر اس پر عملدرآمد کرے' بہرحال وہ گناہگار ہونے سے نہیں بچ سکتا اگر وہ کام جو اس نے کیا ہے کسی حکم شرعی سے ٹکراتا ہو۔ اس لئے کہ انسان بحیثیت اس کے کہ وہ انسان ہے' احکام شرعیہ کا مکلف ہے اور اصول شریعت میں کہیں یہ گنجائش نہیں پائی جاتی کہ کسی انسان کے لیے محض اس بنا پر احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کی خلاف ورزی جائز ہو کہ اسے بذریعۂ الہام اس خلاف ورزی کا حکم ملا ہے اور بذریعۂ علم غیب اس خلاف ورزی کی مصلحت بتائی گئی ہے۔

یہ ایک ایسی بات ہے جس پر نہ صرف تمام علمائے شریعت متفق ہیں بلکہ اکابر صوفیہ بھی بالاتفاق یہی بات کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی نے تفصیل کے ساتھ عبدالوہاب شعرانی' محی الدین ابن عربی' مجدد الف ثانی' شیخ عبدالقادر جیلانی' جنید بغدادی' سری سقطی' ابوالحسین النوری' ابوسعید الخراز' ابوالعباس احمد الدینوری اور امام غزالی جیسے نامور بزرگوں کے اقوال نقل کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ اہل تصوف کے نزدیک بھی کسی ایسے الہام پر عمل کرنا خود صاحب الہام تک کے لیے جائز نہیں ہے جو نص شرعی کے خلاف ہو۔ (روح المعانی: ج۱۶-ص۱۶-۱۸)

اب کیا ہم یہ مان لیں کہ اس قاعدہ کلیہ سے صرف ایک انسان مستثنیٰ کیا گیا ہے اور وہ ہیں حضرت خضر؟ یا یہ سمجھیں کہ خضر کوئی انسان نہ تھے بلکہ اللہ کے ان بندوں میں سے تھے جو مشیئت الٰہی کے تحت (نہ کہ شریعت الٰہی کے تحت) کام کرتے ہیں؟

پہلی صورت کو ہم تسلیم کرلیتے اگر قرآن بالفاظ صریح یہ کہہ دیتا کہ وہ "بندہ" جس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تربیت کے لیے بھیجے گئے تھے' انسان تھا۔ لیکن قرآن اس کے انسان ہونے کی تصریح نہیں کرتا بلکہ صرف عبدا من عبادنا (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) کے الفاظ بولتا ہے جو ظاہر ہے کہ اس بندے کے انسان ہونے کو مستلزم نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ فرشتوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورہ انبیاء آیت ۲۶ اور سورہ زخرف آیت ۱۹۔ پھر کسی صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی ایسا ارشاد منقول نہیں ہے جس میں صراحت کے ساتھ حضرت خضر کو نوع انسانی کا ایک فرد قرار دیا گیا ہو۔ اس باب میں مستند ترین روایات وہ ہیں جو عن سعید بن جبیر' عن ابن عباس' عن ابی بن کعب' عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے ائمہ حدیث کو پہنچی ہیں۔ ان میں حضرت خضر کے لیے صرف رجل کا لفظ آیا ہے جو اگرچہ مرد انسانوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر انسانوں کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ چنانچہ خود قرآن میں یہ لفظ جنوں کے لیے مستعمل ہوچکا ہے جیسا کہ سورۂ جن میں ارشاد ہوا ہے وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن۔ نیز یہ ظاہر ہے کہ جن یا فرشتہ یا کوئی اور غیر مرئی وجود جب انسانوں کے سامنے آئے گا تو انسانی شکل ہی میں آئے گا اور اس حالت میں اس کو بشر یا انسان ہی کہا جائے گا۔ حضرت مریم کے سامنے جب فرشتہ آیا تھا تو قرآن اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے کہ فتمثل لھا بشرا سویا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "وہاں انہوں نے ایک مرد کو پایا" حضرت خضر

کے انسان ہونے پر صریح دلالت نہیں کرتا۔ اس کے بعد ہمارے لئے اس پیچیدگی کو رفع کرنے کی صرف یہ ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہم "خضر" کو انسان نہ مانیں بلکہ فرشتوں میں سے یا اللہ کی کسی اور ایسی مخلوق میں سے سمجھیں جو شرائع کی مکلف نہیں ہے بلکہ کارگاہ مشیت کی کارکن ہے۔ متقدمین میں سے بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے جسے ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ماوردی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۴۲۔۴۰ مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور مارچ ۱۹۸۳)

حضرت خضر کے فرشتہ ہونے کا رد

متقدمین میں سے بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت خضر فرشتہ تھے اسی طرح علامہ ماوردی نے بھی بعض لوگوں کا یہ قول نقل کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے بھی یہ قول نقل کیا ہے لیکن ان میں سے کسی کا بھی یہ مختار نہیں کہ حضرت خضر فرشتہ تھے ان سب کا بھی مختار ہے کہ حضرت خضر نبی تھے علامہ قرطبی کی رائے ہم نقل کر چکے ہیں۔ علامہ ماوردی متوفی ۴۵۰ھ کی بھی یہی رائے ہے اور اسی پر انہوں نے دلائل دیئے ہیں وہ لکھتے ہیں:

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ انسانوں میں سے بشر تھے اور وہ بشر نبی تھے کیونکہ انسان اسی سے علم حاصل کرتا ہے جس کا رتبہ اس سے بلند ہو اور یہ جائز نہیں ہے کہ نبی کے اوپر ایسا انسان ہو جو نبی نہ ہو۔

(النکت والعیون ج ۶ ص ۳۲۵ موسس الکتب الثقافیہ بیروت)

اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا وما فعلته عن امری (الکہف: ۸۲) یہ کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیے۔ یعنی مجھے ان کاموں کا حکم دیا گیا اور میں ان پر واقف ہو گیا۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور دوسروں نے کہا وہ رسول تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ اس قول کو علامہ ماوردی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور بہت سے لوگوں نے یہ کہا ہے کہ وہ نبی نہ تھے اللہ کے ولی تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر بعض لوگوں نے حضرت خضر کو فرشتہ کہا ہے تو بعض لوگوں نے ان کو رسول اور ولی بھی کہا ہے لیکن یہ سب ساقط الاعتبار قول ہیں جمہور کی تحقیق یہی ہے کہ وہ نبی ہیں اور ساقط الاعتبار اقوال سے استدلال کرنا انصاف سے بعید ہے۔

علامہ محمد بن یوسف ابوحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اور جمہور اس پر متفق ہیں کہ حضرت خضر نبی ہیں اور ان کو بواطن کی معرفت کا علم دیا گیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر شریعت کا علم تھا۔ (البحر المحیط ج ۷ ص ۲۰۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

حضرت خضر کے انسان ہونے پر دلائل

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ احادیث میں حضرت خضر علیہ السلام کے لیے (رجل) مرد کا لفظ آیا ہے لیکن مرد کا لفظ صریحاً انسان ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ ہم کہتے ہیں کہ احادیث میں کم از کم حضرت خضر کے لیے مرد کا لفظ تو آیا ہے لیکن قرآن اور حدیث میں کہیں بھی یہ صراحت نہیں آئی کہ حضرت خضر انسان نہیں فرشتے تھے۔ علاوہ ازیں جنات کے لیے جو رجل کا لفظ ہے وہ مطلق نہیں ہے بلکہ برجال من الجن ہے اور حضرت جبریل کے لیے بشر کا لفظ تمثل کے ساتھ ہے بغیر قرینہ کے رجل کا لفظ صرف آدمی کے لیے ہوتا ہے۔ پھر بغیر کسی تصریح کے جمہور کے موقف کے خلاف یہ کیسے مان لیا جائے کہ وہ نبی نہیں فرشتے تھے۔ باقی رہا یہ شبہ کہ بلاقصور ایک لڑکے کو قتل کرنا اور کشتی کو عیب دار کرنا گناہ ہے یہ حضرت خضر کے لیے کیسے جائز ہو

گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ کوئی کام گناہ اس وقت ہوتا ہے جب اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا قصد کیا جائے انہوں نے تو یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیے تھے جیسا کہ انہوں نے فرمایا **وما فعلته عن امری** (الکہف: ۸۲) آپ دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں سجدہ تعظیمی جائز تھا۔ ہماری شریعت میں حرام اور گناہ ہے۔ اسی طرح بنو اسرائیل کی شریعت میں مال غنیمت سے کھانا گناہ تھا ہماری شریعت میں جائز ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کی شریعت میں یہ کام گناہ تھا اور حضرت خضر کے نزدیک یہ کام جائز تھے کیونکہ ان کو اسی طرح حکم دیا گیا تھا۔ باقی رہا سید مودودی کا یہ کہنا کہ تکوینی امور فرشتوں کے سپرد کیے جاتے ہیں نبیوں کے سپرد نہیں کیے جاتے' میں کہتا ہوں کہ یہ قاعدہ قرآن مجید کی کس آیت میں یا کس حدیث میں لکھا ہے' اور بہ فرض محال اگر کہیں یہ قاعدہ لکھا ہوا بھی ہے تو یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ اس قاعدہ سے کوئی استثناء نہیں ہو سکتا' جبکہ امام شافعی تو فرماتے ہیں **مامن عام الا و قدخص عنه البعض** ہر عام قاعدہ سے کوئی نہ کوئی فرد مستثنیٰ ہوتا ہے۔

باقی رہا یہ کہ آپ کے پاس اس پر کیا دلیل ہے کہ حضرت خضر فرشتہ نہیں تھے انسان تھے تو ہماری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۣاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا (الکہف: ۷۷)	پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے اور بستی والوں سے ان دونوں نے کھانا طلب کیا۔

امام مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں **حتیٰ اذا اتیا اهل قرية لئاما فطا فا فی المجالس فاستطعما اهلها فابوا ان يضيفوهما** وہ دونوں کم ظرف لوگوں کی بستی میں آئے اور ان کی تمام مجالس میں گھومے اور ان دونوں نے ان سے کھانا مانگا لیکن بستی والوں نے ان دونوں کو کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ (صحیح مسلم' فضائل خضر' رقم الحدیث: ۱۷۲)

قرآن مجید کی اس آیت اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر دونوں نے اس بستی کی مجلسوں میں پھر پھر کر کھانا مانگا' اور ظاہر ہے کہ کھانے کی احتیاج انسانوں کو ہوتی ہے فرشتوں کو نہیں ہوتی' بلکہ فرشتوں کے سامنے حضرت ابراہیم نے کھانا رکھا انہوں نے پھر بھی کھانا نہیں کھایا اور حضرت ابراہیم ان سے اجنبیت محسوس کر کے ان سے ڈرنے لگے (ھود: ۷۰) پس حضرت خضر علیہ السلام کا کھانا طلب کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام انسان تھے فرشتے نہ تھے۔

حضرت خضر کے نبی ہونے کا ثبوت علماء دیو بند سے

شیخ امین احسن اصلاحی بھی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی طرح عقلی شہادتوں پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں لیکن انہوں نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ حضرت خضر نبی تھے وہ لکھتے ہیں:

حضرت خضر علیہ السلام بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی تھے۔ اس کا اول قرینہ تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی بلکہ رسول کو ان کے پاس حصول علم اور حصول تربیت کے لیے بھیجا گیا۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام نبی نہیں تھے تو ایک نبی کا غیر نبی کے پاس حصول علم و تربیت کے لیے بھیجا جانا بالکل ناموزوں سی بات ہے۔ اگرچہ اس نام کے کسی نبی کا ذکر قرآن یا تورات میں نہیں ملتا لیکن یہ چیز کچھ اہمیت رکھنے والی نہیں ہے۔ قرآن میں خود اس کی اپنی تصریح کے مطابق بہت سے انبیاء کا ذکر نہیں ہے۔ یہی حال تورات کا بھی ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ قرآن میں صریح ہے اپنے ہر نبی کو کسی نہ کسی پہلو سے فضیلت دی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کو بھی ایک خاص پہلو سے فضیلت حاصل تھی اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی فضیلت حاصل تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان سے کچھ باتیں سیکھنا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مطلق فضیلت حاصل تھی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ ان کے جو اوصاف اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں وہ حضرات انبیاء ہی سے مناسبت رکھتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندہ تھا' ہم نے اپنی طرف سے اس پر خاص فضل کیا تھا۔ ہم نے اس کو اپنے پاس سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس انہوں نے خود اپنے کاموں سے متعلق فرمایا کہ میں نے کوئی کام بھی خود اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ خدا کے حکم سے کیا ہے۔ یہ سب باتیں دلیل ہے کہ وہ صاحب وحی نبی تھے اور ان کو یہ خاص امتیاز بھی حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے بعض ارادوں کے راز کھول دیئے تھے۔ (تدبر قرآن ج ۶ ص ۶۰۶' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام بھی ایک نبی اور پیغمبر ہیں مگر ان کے کچھ تکوینی خدمتیں منجانب اللہ سپرد کی گئی تھیں انہی کا علم دیا گیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ اس لئے اس پر اعتراض کیا۔ تفسیر قرطبی' بحر محیط' ابو حیان اور اکثر تفاسیر میں یہ مضمون بعنوانات مختلفہ مذکور ہیں۔

(معارف القرآن ج ۵ ص ۶۱۲' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۴۱۲ھ)

حضرت خضر کی حیات کے متعلق علماء امت کی آراء

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: جمہور علماء کی یہ رائے ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم نے ان کی لمبی زندگی کے لیے دعا کی تھی' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے آب حیات پی لیا تھا۔ علامہ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ جمہور علماء اور صالحین اور عام لوگوں کے نزدیک حضرت خضر زندہ ہیں' اور بعض محدثین نے ان کی حیات کا انکار کیا اور یہ قول شاذ ہے' صحیح مسلم میں حدیث دجال میں ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کر کے پھر اس کو زندہ کرے گا اور مسلم کے راوی ابراہیم بن سفیان نے کہا اس شخص کو خضر کہا جائے گا' اسی طرح معمر نے بھی اس حدیث کی سند میں بیان کیا ہے' امام بخاری' ابراہیم حربی' ابن مناوی' ابن الجوزی وغیرہ نے حضرت خضر کی حیات کا انکار کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۶' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں اور ہمارے ہاں موجود ہیں۔ یہ امر صوفیہ اور عرفاء کے درمیان متفق علیہ ہے اور صوفیا کی حضرت خضر کو دیکھنے' ان سے ملاقات کرنے' ان سے علم حاصل کرنے اور ان سے سوال و جواب کے متعلق حکایات مشہور ہیں اور مقدس مقامات اور مواضع خیر میں ان کے موجود ہونے کے متعلق بے شمار واقعات ہیں۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۲۶۹' مطبوعہ کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں:

لمبی زندگی ممکن ہے اور حضرت خضر کی حیات کے متعلق بکثرت حکایات ہیں جیسا کہ عنقریب حضرت ام سلمہ کی حدیث میں آئے گا کہ حضرت خضر حضرت ام سلمہ کے پاس آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتلایا کہ یہ حضرت خضر ہیں' اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ ان کی دو بیویاں ہیں ایک سفید اور ایک سیاہ اور وہ رات اور دن ہیں' میرے شیخ نے یہ بیان کیا کہ ایک شخص کی خضر سے ملاقات ہوئی تھی میں نے اس سے کہا حضرت خضر سے ان کی زوجہ کے متعلق سوال کرنا' انہوں نے سوال کیا تو حضرت خضر نے کہا ان کی دو بیویاں ہیں ایک سفید اور ایک سیاہ اور اس میں رات اور دن کا ذکر نہیں ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۶ ص ۱۷۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حیات خضر کی نفی پر دلائل

علامہ سید آلوسی لکھتے ہیں:

حضرت خضر کی حیات میں اختلاف ہے ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ حضرت خضر اب زندہ نہیں ہیں۔ امام بخاری سے حضرت خضر اور حضرت الیاس کی حیات کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا وہ کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے تھوڑا عرصہ پہلے فرمایا جو لوگ اب روئے زمین پر زندہ ہیں ایک سو سال بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا (صحیح بخاری ج ۱ص ۲۲) اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت سے پہلے فرمایا جو لوگ اب زندہ ہیں سو سال بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا" (اس حدیث میں چونکہ روئے زمین کی قید نہیں ہے اس لئے اس حدیث میں یہ تاویل نہیں ہو سکتی کہ جب حضور نے یہ فرمایا اس وقت حضرت خضر پانی یا ہوا پر تھے۔ سعیدی غفرلہ) اور یہ حدیث تاویل کی گنجائش نہیں رکھتی' امام بخاری کے علاوہ دیگر ائمہ سے حضرت خضر کی حیات کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ آیت پڑھی: وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد "ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے دوام نہیں کیا۔" شیخ ابن تیمیہ سے حیات خضر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو ان پر واجب تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور آپ کے ساتھ جہاد کرتے اور آپ سے علم حاصل کرتے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن یہ فرمایا تھا کہ اے اللہ! اگر آج یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری عبادت نہیں ہو گی' وہ جماعت تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی جن کے اسماء اور اس کے آباؤ اجداد اور قبائل کے اسماء معروف تھے اس وقت حضرت خضر کہاں تھے؟ ابراہیم حربی سے حضرت خضر کی بقا کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا حضرت خضر کی حیات کا شوشہ شیطان نے لوگوں میں چھوڑ دیا ہے۔ "البحر" میں شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی الفضل مرسی کا قول بھی حضرت خضر کی موت کے متعلق نقل کیا گیا ہے اور علامہ ابن الجوزی نے علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہما کا حضرت خضر کی موت کے متعلق قول نقل کیا ہے اور ابوالحسین ابن المناوی اس شخص کی مذمت کرتے تھے جو حضرت خضر کو زندہ کہتا تھا۔

قاضی ابویعلیٰ نے بعض اصحاب محمد سے حضرت خضر کی موت کو نقل کیا ہے' اور حضرت خضر کی زندگی کس طرح معقول ہو گی جبکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی جمعہ پڑھا' نہ کسی جماعت میں شریک ہوئے' نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں گئے' جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (آل عمران: ۸۱)

اور یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دے دوں' پھر تمہارے پاس ایک (عظیم) رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہو' تو تم ضرور بہ ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور اس کی مدد کرنا' فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا؟ اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا' فرمایا پس گواہ رہنا اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر نزول ہو گا تو وہ اس امت کے امام کے پیچھے

نماز پڑھیں گے' جو شخص حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کا قائل ہے وہ یہ کیسے بھول جاتا ہے کہ ان کو زندہ ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ انہوں نے اس شریعت سے اعراض کر کے قرآن اور حدیث کی ان نصوص کی مخالفت کی ہے۔ ہمارے نزدیک معقول بات یہ ہے کہ اب خضر علیہ السلام زندہ نہیں ہیں کیونکہ جو لوگ ان کی حیات کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت خضر آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے ہیں اور یہ قول دو وجہ سے فاسد ہے:

اول اس لئے کہ اس بنا پر اب ان کی عمر چھ ہزار سال یا اس سے زیادہ ہو گی اور انسانوں کی اتنی لمبی عمر عادۃً بعید ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ حضرت آدم کے صلبی بیٹے ہوں یا چوتھے درجے کے بیٹے ہوں (جیسا کہ بعض دوسروں کا قول ہے) تو ان کی خلقت عجیب و غریب ہو گی اور ان کا طول و عرض غیر معمولی ہو گا' کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ آدم علیہ السلام کا طول ساٹھ ذراع (تیس گز) تھا پھر مخلوق کا قد بہ تدریج کم ہوتا گیا اور جو لوگ حضرت خضر کی حیات کے قائلین ہیں اور ان سے ملاقات کے مدعی ہیں ان میں سے کسی نے ان کی غیر معمولی قامت کا ذکر نہیں کیا' دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر حضرت خضر' حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تھے تو وہ ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوتے اور یہ کسی نے نقل نہیں کیا۔ (اس دلیل میں ضعف ہے)

تیسری دلیل یہ ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے نکلے تو ان کے ساتھ والے سب فوت ہو گئے اور حضرت نوح کی نسل کے سوا کوئی باقی نہیں بچا۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی بشر کا حضرت آدم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک زندہ رہنا صحیح ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک عظیم آیت تھی اور قرآن مجید میں اس کا متعدد جگہ ذکر کیا جاتا کہ یہ آیات ربوبیت میں سے ہے' اور جب اللہ تعالیٰ نے جس کو ساڑھے نو سو سال زندہ رکھا اس کا ذکر کیا ہے تو جو اس سے کئی گنا زیادہ زندہ ہے اس کا بہ درجہ اولیٰ ذکر کرنا چاہئے تھا۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا قول کرنا' بغیر دلیل شرعی کے اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک قول کرنا ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو اس پر قرآن مجید' سنت و اجماع امت کی دلالت ہوتی۔

چھٹی دلیل یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کی حیات پر زیادہ سے زیادہ جو دلیل دی جاتی ہے وہ چند حکایات منقولہ ہیں کہ فلاں شخص نے حضرت خضر کو دیکھا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ دیکھنے والے نے کس علامت سے یہ پہچان لیا کہ یہ خضر ہیں اور بہت سے دیکھنے والے کہتے ہیں کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں خضر ہوں' لیکن دیکھنے والے نے کس دلیل شرعی سے اس کے قول کی تصدیق کی؟

ساتویں دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ مصاحبت نہیں کی اور کہا ھذا فراق بینی وبینک تو جب وہ حضرت موسیٰ ایسے اولوالعزم نبی کے ساتھ مصاحبت پر راضی نہیں تھے تو عوام کے ساتھ ملاقات اور ان کے ساتھ مصاحبت پر کیسے راضی ہوں گے جن میں سے اکثر لوگ غیر متشرع ہوتے ہیں اور طریقت اور معرفت کے دعویدار ہوتے ہیں۔

آٹھویں دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی آدمی کہے کہ میں خضر ہوں' اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تو اس کے اس قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا اور وہ حدیث شریعت میں حجت نہیں ہو گی' اور جو شخص حیات خضر کا قائل ہے وہ اس حدیث کو یا تو اس وجہ سے نہیں مانے گا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گیا اور آپ سے بیعت کی یا یہ کہے گا کہ آپ اس کی طرف مبعوث نہیں ہیں اور یہ کفر ہے۔

نویں دلیل یہ ہے کہ اگر خضر زندہ ہوتے تو ان کا کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور اسلام کی سرحدوں پر پہرہ دینا' باجماعت نماز پڑھنا اور جمعہ پڑھنا اور امت کے ان پڑھ لوگوں کو وعظ کرنا' جنگلوں' صحراؤں اور میدانوں کی سیر و سیاحت سے کئی درجہ افضل ہوتا۔

حیات خضر کے ثبوت پر دلائل

حضرت خضر علیہ السلام کی حیات پر جو دلائل دیئے جاتے ہیں ان میں سے ایک وہ روایت ہے جس کو حاکم نے مستدرک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور صحابہ کرام جمع ہوئے اس وقت ایک شخص داخل ہوا جس کی رنگ دار داڑھی تھی وہ گورے رنگ کا ایک جسیم آدمی تھا۔ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آیا اور رونے لگا پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا ہر مصیبت سے اللہ تعالیٰ کی تعزیت ہے اور ہر فوت ہونے والی چیز کا عوض ہے اور ہر ہلاک ہونے والی چیز کا خلیفہ ہے' پس اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرو اور اللہ تعالیٰ تم کو آزمائش میں دیکھتا ہے اور دیکھو مصیبت زدہ شخص وہ ہے جس پر جبر کیا جائے' حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے کہا یہ خضر علیہ السلام تھے۔

ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس ہر ماہ رمضان میں بیت المقدس میں روزے رکھتے ہیں اور ہر سال حج کرتے ہیں اور زمزم سے اتنا پانی پی لیتے ہیں جو انہیں آنے والے سال تک کے لیے کافی ہوتا ہے۔

ابن عساکر' عقیلی اور دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت خضر اور الیاس کی ہر سال موسم (حج) میں ملاقات ہوتی ہے اور ہر ایک دوسرے کا سر مونڈتا ہے اور پھر وہ یہ کلمات کہہ کر جدا ہو جاتے ہیں: ماشاء اللہ لایسوق الخیر الا اللہ ما شاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن الخطاب ایک جنازہ کی نماز پڑھا رہے تھے اچانک ایک ہاتف نے پیچھے سے آواز دی اللہ تم پر رحم کرے ہم سے پہلے نماز نہ پڑھنا۔ حضرت عمر نے انتظار کیا حتیٰ کہ وہ شخص صف اول میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت عمر نے اللہ اکبر کہا اور لوگوں نے اللہ اکبر کہا' ہاتف نے کہا ''اگر تو اس کو عذاب دے تو بہت لوگوں نے تیری نافرمانی کی ہے اور اگر تو اس کو بخش دے تو یہ تیری رحمت کا محتاج ہے'' حضرت عمر اور ان کے اصحاب نے اس شخص کی طرف دیکھا' جب میت کو دفن کر کے قبر پر مٹی ڈال دی گئی تو اس نے کہا اے قبر والے! اگر تو راستہ میں گری ہوئی چیز کا اعلان کرنے والا یا ٹیکس وصول کرنے والا یا خازن یا کاتب یا سپاہی نہیں تھا تو تیرے لئے خوشی ہو' حضرت عمر نے کہا اس شخص کو بلاؤ ہم اس کی نماز اور اس کے اس کلام کے متعلق اس سے سوال کریں۔ اچانک وہ شخص غائب ہو گیا انہوں نے اس کے قدموں کے نشانات دیکھے تو وہ ایک ایک ہاتھ کے تھے۔ حضرت عمر نے کہا بخدا یہ شخص وہ تھا جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا۔ اور یہ استدلال اس پر مبنی ہے کہ جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا وہ حضرت خضر تھے۔

اس قسم کی روایات سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت خضر اب بھی زندہ ہیں اگرچہ ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندہ تھے' اور اس وقت زندہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اب بھی زندہ ہوں' البتہ خصم کا رد کرنے کے لیے یہ روایات کافی ہیں کیونکہ وہ جس طرح اب زندہ نہیں مانتا' اس وقت بھی زندہ نہیں مانتا' ہاں اگر کوئی شخص اس وقت حضرت خضر کو زندہ مانتا ہو اور اب زندہ نہ مانتا ہو تو اس کے لیے یہ روایات کافی نہیں ہیں' لیکن اس قسم کا نظریہ رکھنے والے لوگ نہیں ہیں (یا وہ لوگ ہیں جو مطلقاً زندہ نہیں مانتے یا وہ ہیں جو مطلقاً زندہ مانتے ہیں) تابعین اور صوفیا کی

حضرت خضر سے ملاقات اور ان سے فیض حاصل کرنے کے متعلق ہر دور میں اس قدر زیادہ حکایات ہیں جو بیان اور شمار سے باہر ہیں۔ ہاں جو محدثین حضرت خضر کی حیات کے قائل ہیں ان کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت خضر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہیں ہے' جیسا کہ علامہ عراقی نے احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج میں تصریح کی ہے اور یہ چیز صوفیہ کے نظریہ کے خلاف ہے کیونکہ شیخ علاؤ الدین نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت خضر سے بلا واسطہ احادیث حاصل کی ہیں۔

حیات خضر کے حق میں اور اس کے خلاف دلائل پر بحث ونظر

سہروردی نے ''السر المکتوم'' میں ذکر کیا ہے کہ خضر علیہ السلام نے ہم کو تین سو احادیث بیان کیں جن کو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ سنا تھا۔ حیات خضر کے بعض قائلین نے استصحاب سے استدلال کیا ہے' کیونکہ حضرت خضر کی حیات پہلے دلیل سے ثابت ہے اس لئے جب تک دلیل سے اس کا خلاف ثابت نہ ہو حیات ثابت رہے گی' اور امام بخاری کی حدیث (جو لوگ اب روئے زمین پر زندہ ہیں ایک سو سال بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا) کا یہ جواب دیا ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا اس وقت حضرت خضر زمین پر نہیں تھے بلکہ پانی پر تھے' نیز یہ حدیث ان لوگوں کے متعلق ہے جن کا عام مشاہدہ ہوتا تھا کیونکہ ملائکہ اور شیطان اس حدیث کے عموم سے خارج ہیں' اور اس کا خلاصہ قرن اول ہوتا ہے۔ ہاں یہ حدیث ان لوگوں کے رد میں نص ہے جنہوں نے لمبی عمر کا دعویٰ کیا جیسا کہ رتن بن عبد اللہ ہندی تبریزی جو ساتویں صدی میں ظاہر ہوا اور اس نے صحابیت کا دعویٰ کیا۔

اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ ''روئے زمین پر'' سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ عرفاً زمین پر رہنے والے ہوں' اور یہ معنی ان کو بھی شامل ہے جو اس وقت پانی پر تھے' اور اگر یہ معنی مراد نہ لیا جائے تو پھر اس حدیث سے رتن ہندی پر بھی رد نہیں ہوگا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی اس وقت پانی پر ہو' اور دوسرے جواب پر یہ اعتراض ہے کہ اگر حضرت خضر موجود ہوتے تو ان کا مشاہدہ ہوتا جیسا کہ دوسرے انسانوں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے جو کہا ہے کہ اگر حضرت خضر ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے اور جہاد کرتے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اویس قرنی جو خیر التابعین ہیں وہ بھی اس زمانہ میں تھے لیکن وہ حضور کے ساتھ نماز اور جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ اسی طرح نجاشی رضی اللہ عنہ کو بھی آپ کی خدمت میں آنا میسر نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت خضر آپ کے پاس آتے تھے اور آپ سے پوشیدہ طور پر علم حاصل کرتے تھے کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کی وجہ سے ظاہر ہونے کا حکم نہیں تھا' اور حضرت عبد اللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ میں ایک جہاد میں تھا میرا گھوڑا گر کر مر گیا' پھر میں نے ایک حسین وجمیل شخص کو دیکھا جس سے خوشبو آرہی تھی اس نے کہا کیا تم اپنے گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہو؟ میں نے کہا ہاں اس نے گھوڑے پر ہاتھ پھیرا اور کچھ دعائیہ کلمات پڑھے اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ گھوڑا اٹھ کر کھڑا ہوگیا' اس شخص نے میری رکاب پکڑ کر کہا اب سوار ہو جاؤ' میں سوار ہو کر اپنے ساتھیوں سے مل گیا' دوسرے دن ہم نے دشمن پر فتح حاصل کر لی تو میں نے اس شخص کو اپنے سامنے دیکھا' میں نے پوچھا کیا تم کل والے شخص نہیں ہو؟ اس نے کہا کیوں! میں نے کہا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں بتاؤ تم کون ہو؟ وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اس کے نیچے جو زمین تھی اس پر سبزہ پیدا ہوگیا۔ اس نے کہا میں خضر ہوں' اس روایت سے صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر جہاد کے معرکوں میں شریک ہوتے تھے۔

شیخ ابن تیمیہ نے جو یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن دعا کی تھی ''اے اللہ! اگر آج یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین پر تیری عبادت نہیں ہوگی'' اس کا جواب یہ ہے کہ ظہور' غلبہ اور قوت کے ساتھ تیری عبادت نہیں ہوگی' ورنہ مدینہ

منورہ وغیرہا میں کئی مسلمان تھے جو جنگ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔

یہ بات واضح ہے کہ حضرت خضر کو اویس قرنی اور نجاشی وغیرہ کی سلک میں منسلک کرنا انصاف سے بعید ہے۔ اگرچہ حضرت خضر پر آپ کے پاس آنا واجب نہیں تھا لیکن جو شخص شب معراج کو تمام انبیاء کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنا مانتا ہے اس کے لیے حضرت خضر کا باوجود کسی ظاہری مانع کے نہ ہونے کے آپ کے پاس نہ آنا بعید از فہم ہے' اور یہ دعویٰ کرنا کہ وہ کسی حکمت کی بنا پر خفیہ طریقے سے آتے تھے بلا دلیل ہے' اور اگر کوئی حکمت ہوتی تو حضور بتا دیتے۔ جب حضرت جبرائیل دحیہ کلبی کی شکل میں حضور کے پاس آ سکتے تھے تو حضرت خضر کے آنے میں کیا اشکال تھا؟ جب وہ عبداللہ بن مبارک کے ساتھ جہاد میں شریک ہو سکتے تھے اور ان پر اپنے آپ کو ظاہر کر سکتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے جہاد میں شریک ہونے اور ظاہر ہونے میں کیا اشکال تھا؟ جنگ بدر میں فرشتے شریک ہوئے اور حضور نے ان کی خبر دی تو اگر حضرت خضر شریک ہوتے تو حضور ان کی خبر بھی بیان کرتے۔

وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد سے جو حیات خضر کی نفی پر استدلال کیا گیا ہے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ خلد کا معنی دوام ابدی ہے' لیکن اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ خلد کا معنی حقیقت میں مکث طویل ہے' اور اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ حضرت نوح کے لیے مکث طویل ثابت ہے۔ بہر حال حیات خضر کی نفی پر اس آیت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

حیات خضر کے سلسلہ میں حرف آخر

تمام بحث و تمحیص کے بعد یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ اور دلائل عقلیہ سے ان علماء کے نظریہ کی تائید اور تقویت ہوتی ہے جو حضرت خضر کی وفات کے قائل ہیں' اور ان احادیث کے ظاہر سے عدول کرنے کا کوئی مقتضی نہیں ہے۔ ماسوا ان حکایات کے جو بعض صالحین سے منقول ہیں جن کی صحت کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۴۷۴۔ ۴۶۱' دار الفکر ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی حیات خضر پر طویل بحث کی ہے اور جن روایات سے حیات خضر پر استدلال کیا جاتا ہے ان کی اسانید پر جرح کی ہے' اور یہ ذکر کیا ہے کہ جمہور علماء حیات کے قائل ہیں اور ان کے دلائل کو رد کیا ہے لیکن اپنا مختار ذکر نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت خضر نے آب حیات پی لیا تھا اس لئے وہ عرصہ دراز سے زندہ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اور علامہ ابو جعفر مناوی نے ایک کتاب لکھ کر یہ بیان کیا ہے کہ اس قسم کی نقول پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

یہ اشکال صرف حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے کلام سے حل ہو سکتا ہے جب آپ سے حضرت خضر علیہ السلام کی حیات اور وفات کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں متوجہ ہوئے اور اس مسئلہ کے انکشاف کی درخواست کی۔ تو آپ نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت مجدد نے ان سے ان کے حال کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں ہیں بلکہ اللہ سبحانہ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت عطا فرمائی ہے کہ ہم اجسام میں متشکل ہو جاتے ہیں اور زندہ لوگوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ گم کردہ راہ لوگوں کو راستہ دکھاتے ہیں اور اللہ کی

اجازت سے مظلوم کی دادرسی کرتے ہیں اور علم لدنی کی تعلیم دیتے ہیں' اور جس کے لیے اللہ چاہتا ہے اس کو نسبت عطا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اولیاء اللہ میں سے اس قطب مدار کا مددگار بنا دیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس جہان کا مدار بنا دیا ہے اور اس جہان کی بقا اس کے وجود کی برکت اور اس کے فیضان سے ہے' اور اس زمانہ کا قطب یمن کے ملک میں فقہ شافعی کا مقلد ہے اور ہم اس قطب کی اقتدا میں مذہب شافعی کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ لکھتے ہیں اس کشف صحیح کی وجہ سے تمام اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے اور اشکال دور ہو جاتا ہے وللہ الحمد۔

(التفسیر المظہری ج ۶ ص ۶۲' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ)

علم لدنی کی تعریف

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم (لدنی) عطا فرمایا۔

علم لدنی کی تعریف میں ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے قلب میں ڈال دیتا ہے۔ یہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال' آپ کے افعال اور آپ کے احوال سے مستفاد ہوتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اس کے افعال اور احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ علم کسی بشر کے واسطے سے حاصل ہو تو علم کسبی ہے اور اگر یہ علم کسی واسطے کے بغیر حاصل ہو تو یہ علم لدنی ہے' اور وحی' الہام اور فراست علم لدنی کی اقسام ہیں۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۶۴' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت علم لدنی کے اثبات میں اصل ہے۔ علم لدنی کو علم الحقیقۃ اور علم الباطن بھی کہتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۵ ص ۴۷۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ علم المکاشفہ اور علم باطن (علم لدنی) کی تعریف میں لکھتے ہیں:

ہم علم المکاشفہ سے یہ مراد لیتے ہیں حق اس طرح جلی اور واضح ہو جائے گویا کہ ہم اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب انسان کے دل پر دنیا کے میل کچیل کا زنگ نہ ہو' اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے احکام کی معرفت پر دل کے آئینہ میں خبیث چیزوں کے جو حجابات ہیں وہ زائل ہو جائیں' اور یہ اس وقت ہو گا جب انسان اپنے آپ کو شہوات کی اتباع سے روک لے اور اپنے تمام احوال میں انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کرے' پھر اس کے دل میں حق روشن ہو جائے گا اور اس پر حقائق منکشف ہو جائیں گے۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۷۔۲۶ ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم (لدنی) سکھایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ علوم ان کو اللہ تعالیٰ سے بغیر واسطہ کے حاصل ہوئے۔ یہ علوم جو بہ طریق مکاشفہ حاصل ہوتے ہیں صوفیاء ان علوم کو علوم لدنیہ کہتے ہیں۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ بعض علوم ہم کو کسب سے حاصل ہوتے ہیں ان میں سے بعض علوم ہم کو بغیر غور و فکر کے حاصل ہوتے ہیں جیسے ہم کو درد اور لذت کا علم ہوتا ہے اور بعض علوم ہم کو غور و فکر سے حاصل ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا علم اور قیامت کے برحق ہونے کا علم۔

اور بعض علوم وہ ہیں جو ہم کو ریاضت اور مجاہدہ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں بایں طور کہ قوت حسیہ اور قوت خیالیہ ضعیف ہو جاتی ہیں اور جب یہ قوتیں ضعیف ہو جاتی ہیں تو قوت عقلیہ قوی ہو جاتی ہے اور انوارِ الٰہیہ عقل میں روشن ہو جاتے ہیں اور بغیر

کسی واسطہ کے اور بغیر سعی اور طلب کے علوم اور معارف حاصل ہو جاتے ہیں اور ان کو علوم لدنیہ کہتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نفوس ناطقہ ماہیت کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں' بعض نفوس انوار الٰہیہ سے روشن ہوتے ہیں۔ ان کا بدنی لذتوں سے بہت کم تعلق ہوتا ہے اور وہ کسی قسم کے گناہ سے بھی ملوث نہیں ہوتے اور ان میں ہر وقت فیضان قدسیہ اور انوار الٰہیہ کے حصول کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے۔ پس عالم الغیب سے ان پر علوم اور معارف اور انوار قدسیہ کا مکمل فیضان ہوتا ہے اور علم لدنی اسی کو کہتے ہیں اور سورہ کہف کی اس آیت سے بھی یہی مراد ہے' اور جو نفوس ناطقہ گناہوں کی آلودگی سے صاف نہیں ہوتے اور بدنی لذتوں میں ڈوبے رہتے ہیں ان پر علوم اور معارف کا بلاواسطہ فیضان نہیں ہوتا ان کو علوم و معارف کے حصول کے لیے کسی انسان کے واسطے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۸۳۔۴۸۲ ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

واضح رہے کہ علوم لدنیہ کے حاملین کے درجات اور مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں اور علوم لدنیہ کی انواع بھی مختلف ہوتی ہیں تمام ملائکہ' انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین علوم لدنیہ کے حامل ہیں لیکن ان کے درجات اور مراتب مختلف ہیں۔ اسی طرح علوم لدنیہ کی انواع بھی مختلف ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عالم تشریع کا علم لدنی حاصل تھا اور حضرت خضر علیہ السلام کو عالم تکوین کا علم لدنی حاصل تھا۔ عالم تشریع سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں جن کا انسان مکلف ہے اور جن کا اسے اختیار دیا ہے' جن پر عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت میں صلاح اور فلاح حاصل کرتا ہے۔ مثلاً نماز پڑھنا' روزہ رکھنا' زکوٰۃ ادا کرنا اور قتل اور زنا نہ کرنا اور جھوٹ نہ بولنا وغیرہ۔ اور عالم تکوین سے مراد وہ امور ہیں جن میں انسان کا دخل اور اختیار نہیں ہے جیسے قدرتی آفات اور قدرتی انعامات' بارشوں' طوفانوں' زلزلوں' قحط' زمین کی زرخیزی وغیرہ کا ہونا یا نہ ہونا' موت' حیات' مرض' صحت اور حادثات وغیرہ کا ہونا یا نہ ہونا۔ یہ تکوینی امور ہیں ان کا علم حضرت خضر کو دیا تھا اور ان کی حکمتوں کا علم بھی دیا گیا تھا' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شریعت کا علم دیا گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ احکام جن پر عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کرتا ہے اور یہ دونوں علوم لدنیہ ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کو علم غیب دیئے جانے کی تصریحات

امام ابوجعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

وکان رجلا یعلم علم الغیب. حضرت خضر ایسے شخص تھے جو علم الغیب جانتے تھے۔

(جامع البیان جز ۱۵ ص ۲۴۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام علی بن احمد نیشاپوری متوفی ۴۵۰ ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

قال ابن عباس رضی اللہ عنہما اعطیناہ علما من علم الغیب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم نے اس کو علم غیب سے علم عطا فرمایا۔

(الوسیط ج ۳ ص ۱۵۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ ھ نے لکھا ہے حضرت خضر کو باطن کا علم دیا گیا تھا۔

(المحرر الوجیز ج ۱۰ ص ۴۲۵' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکہ مکرمہ' ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی مالکی اندلسی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے: ہم نے ان کو علم الغیب کی تعلیم دی تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۹۱' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۵ھ)

قاضی بیضاوی متوفی ٦٨٥ھ نے لکھا ہے:
ان کو ان علوم کی تعلیم دی تھی جو ہمارے ساتھ مختص ہیں اور جن کا علم ہماری توفیق کے بغیر نہیں ہوتا اور وہ علم الغیوب ہے۔
(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ٦ ص ٢٠٦ـ٢٠٥ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ١٤١٧ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ٧٥٤ھ لکھتے ہیں:
ہم نے ان کو وہ علوم سکھائے جو ہمارے ساتھ مختص ہیں اور وہ غیوب کی خبریں ہیں۔
(البحر المحیط ج ٧ ص ٢٠٤ مطبوعہ دارالفکر بیروت ١٤١٢ھ)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ٩٨٢ھ لکھتے ہیں:
یعنی وہ علم سکھایا جس کی کنہ کو جانا نہیں جا سکتا نہ ان کی مقدار کا اندازہ ہو سکتا ہے اور وہ علم الغیوب ہے۔
(تفسیر ابی السعود ج ٤ ص ٢٠٣ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ١٤١٦ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ١٢٥٠ھ لکھتے ہیں:
اللہ سبحانہ نے ان کو اس علم غیب سے تعلیم دی جو اس کے ساتھ خاص ہے۔
(فتح القدیر ج ٣ ص ٤١٣ـ٤١٢ مطبوعہ دارالوفا بیروت ١٤١٨ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ نے لکھا ہے وہ علم الغیوب اور اسرار العلوم الخفیہ ہیں۔
(روح المعانی جز ١٥ ص ٤٧٥ مطبوعہ دارالفکر بیروت ١٤١٧ھ)

نواب صدیق حسن خاں متوفی ١٣٠٧ھ لکھتے ہیں:
ہم نے ان کو اس غیب سے تعلیم دی جو ہمارے ساتھ مختص ہے (الی قولہ) حضرت موسیٰ کو احکام شرعیہ اور ظاہر قضا کا علم دیا گیا تھا اور حضرت خضر کو بعض غیب کا علم دیا گیا تھا اور بواطن کی معرفت کا۔ (فتح البیان جز ٨ ص ٨١ـ٨٠ مطبوعہ المکتبۃ العصریہ ١٤١٥ھ)

شریعت' طریقت اور حقیقت کی تعریفیں

علامہ ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو احکام مقرر کیے وہ شریعت ہے۔
(النہایہ ج ٢ ص ٤١٣ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ١٤١٨ھ)

زیادہ بہتر تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام مقرر کیے وہ شریعت ہے' پس حلال' حرام' فرض' واجب' سنن اور مستحبات' اسی طرح مکروہ تحریمی' مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ یہ سب شریعت ہیں۔ شرع کا معنی ہے راستہ' اللہ اور اس کے رسول نے بندوں کے عمل کرنے اور بعض اعمال سے رکنے کا جو طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ شریعت ہے۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ٨١٦ھ لکھتے ہیں:
جو سیرت ان لوگوں کے ساتھ مختص ہے جو اللہ کی طرف چلتے ہیں' منازل طے کرتے ہیں اور مقامات میں ترقی کرتے ہیں وہ طریقت ہے۔ (التعریفات ص ١٠١ مطبوعہ دارالفکر بیروت ١٤١٨ھ)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے وہ اس سے پچھلے گناہوں پر توبہ کراتا ہے اور آئندہ کے لیے اس سے اس پر بیعت لیتا ہے کہ وہ دائماً گناہوں سے مجتنب رہے گا۔ تمام فرائض اور واجبات ادا کرے گا' جو فرائض اور واجبات چھوٹ گئے ہیں ان کو قضا کرے گا اور ان کلمات کے ساتھ استغفار کرے گا اور اس طرح اوراد اور وظائف

پڑھے گا' اور اس طرح اور اتنے نوافل پڑھے گا ذکر بالسر یا ذکر بالجہر کرے گا اس کو سلوک کہتے ہیں اور اس پر عمل کرنے والے کو سالک کہتے ہیں۔ اس سلوک پر عمل کرنے سے اس کے دل سے گناہوں کا زنگ اتر جاتا ہے اور غفلت کے حجابات زائل ہو جاتے ہیں اور وہ دن بہ دن اس راہ میں ترقی کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ معرفت کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے حتیٰ کہ اس دنیا میں جو بھی واقعہ یا حادثہ رونما ہو وہ اس کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے جوڑ لیتا ہے اور اس پر منکشف ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی فلاں صفت کا ثمرہ ہے۔ سو سالکین کی اس سیرت کو طریقت کہتے ہیں۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

حقیقت کا باطن شریعت اور طریقت میں ہے جیسا کہ مکھن کا باطن دودھ میں ہے جس طرح جب تک دودھ کو بلویا نہ جائے اس سے مکھن حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح جب تک شریعت اور طریقت پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۲۹۰۔۲۸۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

ظاہر احکام پر عمل کرنا شریعت ہے اور یہ عام لوگوں کے لیے ہے' اور شریعت کے باطن پر عمل کرنا طریقت ہے اور یہ خاص لوگوں کے لیے منہاج ہے' اور شریعت کا خلاصہ حقیقت ہے اور یہ اخص الخواص کی معراج ہے۔ شریعت کا تعلق ابدان اور اجسام سے ہے اور طریقت کا تعلق دلوں سے ہے' یعنی دلوں میں علوم اور معرفت کا حصول' اور حقیقت کا تعلق ارواح سے ہے یعنی حق کو دیکھنا اور اس کا مشاہدہ کرنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حقیقت مشاہدہ ربوبیت ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۴۸' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

علامہ ابن حجر ھیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

حقیقت اسرار ربوبیت کے مشاہدہ کو کہتے ہیں۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۴۰۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

شریعت التزام عبودیت ہے' اور حقیقت مشاہدۂ ربوبیت ہے' پس ہر شریعت جس کی حقیقت سے تائید نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور ہر حقیقت جو شریعت سے مقید نہ ہو وہ بھی غیر مقبول ہے۔ شریعت میں مخلوق کو مکلف کرنا ہے اور حقیقت میں حق کے تصرفات کی خبر دینا ہے۔ شریعت یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ کا مشاہدہ کرو۔ شریعت میں ظاہر احکام پر قائم رہنا اور حقیقت میں قضاء و قدر اور ظاہر اور مخفی چیزوں کا مشاہدہ کرنا ہے۔

(الرسالۃ القشیریہ ص ۱۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا آیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس علم میں سے مجھے بھی (کچھ) تعلیم دیں O اس بندہ نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے O اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا O موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا O اس بندے نے کہا پس اگر تم میری پیروی کر رہے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق اس وقت تک سوال نہ کرنا جب تک کہ میں خود اس کا تم سے ذکر نہ کروں O (الکہف: ۷۰-۶۶)

حضرت موسیٰ کا حضرت خضر سے حصول تعلیم کے لیے ادب سے درخواست کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انتہائی لطیف پیرائے میں کہا آیا میں آپ کی پیروی کروں۔ اس طریقہ سے سوال کرنے

میں انتہائی ادب و احترام ہے اور مخاطب کو اپنے سے بہت بلند مقام پر فائز کرتا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ مجھے دکھا سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے' الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۸۔۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۵۵' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۲۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست میں ادب کی وجوہ

حضرت موسیٰ نے جو یہ کہا تھا آیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس علم سے مجھے بھی تعلیم دیں۔ اس قول میں ادب کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کا تابع قرار دیا' کیونکہ انہوں نے کہا آیا میں آپ کی اتباع کروں؟

(۲) حضرت خضر کی اتباع کرنے میں حضرت موسیٰ نے ان سے اجازت طلب کی گویا کہ انہوں نے یوں کہا کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کی اتباع کروں' اور اس میں بہت زیادہ تواضع ہے۔

(۳) کیا میں حصول تعلیم کے لیے آپ کی اتباع کروں' اس قول میں اپنے لئے عدمِ علم کا اور اپنے استاذ کے لیے علم کا اعتراف ہے۔

(۴) انہوں نے کہا آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے بھی (کچھ) تعلیم دیں۔ یہ من تبعیض کے لیے ہے یعنی انہوں نے یہ طلب کیا آپ کو جو علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے بعض کی تعلیم دیں' گویا کہ انہوں نے کہا میرا یہ سوال نہیں ہے کہ آپ مجھے علم میں اپنے برابر کر دیں بلکہ میرا مطالبہ یہ ہے کہ آپ اپنے علم کے اجزاء میں سے چند اجزاء مجھے بھی عطا کر دیں جیسا کہ فقیر غنی سے کہتا ہے کہ تم اپنے مال کے اجزاء میں سے چند اجزاء مجھے عطا کر دو۔

(۵) انہوں نے کہا آپ کو جو رشد کا علم دیا گیا ہے اس میں سے مجھے بھی عطا کر دیں گویا کہ وہ رشد کے طلبگار تھے۔

(۶) حضرت موسیٰ نے کہا آپ کو جو رشد کا علم دیا گیا ہے' اس میں یہ اعتراف ہے کہ آپ کو اللہ نے علم عطا کیا ہے۔

(۷) انہوں نے یہ کہا آپ کو جو علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے علم دیں یعنی آپ میرے ساتھ وہ معاملہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ مجھے تعلیم دینے سے آپ کا مجھ پر اس طرح انعام ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ پر انعام کیا ہے۔ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس شخص نے مجھ کو ایک حرف کی بھی تعلیم دی میں اس کا بندہ اور غلام ہوں۔

(۸) متابعت کا معنی یہ ہے کہ تابع اس وجہ سے وہ کام کرے کہ متبوع نے وہ کام کیا ہے اگر متبوع وہ کام نہ کرتا تو وہ اس کام کو نہ کرتا' جیسے ہم کعبہ کی طرف منہ کر کے صرف اس لئے نماز پڑھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے اگر آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھتے تو ہم بھی اس کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھتے۔ اسی طرح استاذ کی اتباع کرنے کا معنی یہ ہے کہ تلمیذ استاذ کے کئے ہوئے کام کو صرف اس وجہ سے کرے گا کہ وہ کام اس کے استاذ نے کیا ہے۔ اس طرح اتباع کرنے میں اول امر سے اس بات کا اقرار ہے کہ وہ استاذ کے کسی کام پر اعتراض نہیں کرے گا۔

(۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مطلقاً کہا آیا میں آپ کی پیروی کروں اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے تمام کاموں میں حضرت خضر کی اتباع کرنے کی درخواست کی اور کسی خاص کام کے ساتھ اتباع کو مقید نہیں کیا۔

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر نے ابتداءً پہچان لیا تھا کیونکہ انہوں نے کہا آپ بنی اسرائیل کے موسیٰ ہیں! گویا انہوں نے جان لیا تھا یہ وہی نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ شرف کلام سے نوازا ہے اور ان کو کثیر معجزات عطا فرمائے' اس کے باوجود حضرت موسیٰ نے اتنی وجوہ سے تواضع کی اس سے معلوم ہوا کہ جس کا رتبہ جتنا زیادہ ہوتا ہے وہ اہل علم کے سامنے اتنی زیادہ تواضع کرتا ہے اور ان کا اتنا زیادہ ادب اور احترام کرتا ہے۔

(۱۱) حضرت موسیٰ نے کہا آیا میں آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے تعلیم دیں۔ پہلے انہوں نے اپنی اتباع پیش کی اس کے بعد انہوں نے ان سے حصول تعلیم کو طلب کیا۔ گویا ادب کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے استاذ کی خدمت کرو پھر اس سے علم طلب کرو۔

(۱۲) انہوں نے کہا آیا میں اس بنا پر آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے تعلیم دیں۔ یعنی انہوں نے اس اتباع کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا بجز اس کے کہ وہ ان کو تعلیم دیں۔

حضرت خضر کے تعلیم دینے سے احتراز کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اس بندہ نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے O اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا O متعلم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جس نے پہلے بالکل کچھ بھی نہ پڑھا ہو۔ ظاہر ہے استاذ اس کے سامنے مسئلہ کی جو بھی تقریر کرے گا اس کا شاگرد اس کو بلا چون چرا تسلیم کرے گا۔ دوسری قسم وہ ہے جس نے پہلے کچھ پڑھا ہوا ہے اور اس کو اپنے پڑھے ہوئے پر مکمل اعتماد اور یقین ہو۔ یہ شخص استاذ کی اسی بات کو تسلیم کرے گا جو اس کے پڑھے ہوئے کے مطابق ہو گا اور جو اس کے مخالف ہو گا اس کے قبول کرنے میں اس کو تامل ہو گا اور اس پر وہ اعتراض کرے گا۔

حضرت خضر علیہ السلام کو علم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریع کے نبی ہیں اور جو بات ظاہر شرع کے مخالف ہو گی اس پر وہ اعتراض کریں گے' جب کہ حضرت خضر علیہ السلام تکوین کے نبی تھے اور ان کو معلوم تھا ان کے کئی کام ظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور ان پر حضرت موسیٰ اعتراض کریں گے اور اس طرح تعلیم اور تعلم کا یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چل سکے گا۔ اس لئے انہوں نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی کہہ دیا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے' اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا۔

حضرت موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ صبر کا تعلق تو مستقبل کے ساتھ ہے اور ان کو معلوم نہیں تھا کہ مستقبل میں صبر ہو سکے گا یا نہیں اس لئے اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا صحیح ہے' لیکن حضرت خضر کی نافرمانی نہ کرنے کا عزم تو انہوں نے اسی وقت کر لیا تھا اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا صحیح نہ تھا' کیونکہ اس چیز کے ساتھ ان شاء اللہ کہا جاتا ہے جس کا حصول غیر یقینی ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا اس وقت معصیت نہ کرنے کا عزم نہیں تھا ورنہ وہ اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہ ملاتے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت بھی ان کا عزم تھا کہ وہ معصیت نہیں کریں گے یعنی اپنے قصد اور ارادہ سے ان کی معصیت نہیں کریں گے' لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ بھول جائیں یا ان سے خطا سرزد ہو جائے اور اس پر وہ قادر نہیں تھے کہ وہ نسیان اور خطا کو روک لیں اور انہوں نے حضرت خضر پر جو اعتراضات بھی کیے تھے وہ نسیان ہی کی وجہ سے کیے تھے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امر کا تقاضا وجوب ہے کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرمایا میں آپ کے امر کی معصیت نہیں کروں گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ (الجن: ۲۳) اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حکم عدولی کرے تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے۔

اور یہ حضرت موسیٰ کی طرف سے بہت زیادہ تواضع ہے اور بہت بڑے تحمل اور حوصلہ کا اظہار ہے۔

تعلیم اور تعلم کے آداب

یہ تمام آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تلمیذ اور متعلم پر واجب ہے کہ استاذ کے سامنے انتہائی ادب اور احترام کا اظہار کرے اور اگر استاذ کو یہ اندازہ ہو کہ متعلم پر تشدید اور سختی کرنا اس کے حق میں مفید ہوگا تو وہ ضرور اس کے اوپر تشدید اور سختی کرے ورنہ ہو سکتا ہے کہ تشدید نہ کرنے کی وجہ سے متعلم غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جائے اور یہ اس کے حق میں مضر ہے۔

اس کے بعد حضرت خضر نے کہا پس اگر تم میری پیروی کر رہے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق اس وقت تک سوال نہ کرنا جب تک کہ میں خود اس کا تم سے ذکر نہ کروں۔

یعنی جب آپ کے نزدیک میرا کوئی کام قابل اعتراض ہو تو جب تک میں خود اس کی توجیہ نہ کروں آپ اس کے اوپر اعتراض نہ کریں اور یہی تعلیم اور تعلم کا ادب ہے۔ سبق میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی آگے چل کر خود بہ خود وضاحت ہو جاتی ہے اس لئے متعلم پر لازم ہے کہ وہ صبر سے کام لے اور جو بات بہ ظاہر غلط معلوم ہو اس پر نہ ٹوکے حتیٰ کہ آگے چل کر استاذ خود اس کی وضاحت کر دے گا۔ اگر حضرت موسیٰ حضرت خضر کی نصیحت پر کاربند رہتے تو ان کی صحبت طویل ہوتی اور بھی کئی عجیب و غریب واقعات پیش آتے لیکن وہ اپنے شرعی منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے خاموش نہ رہ سکے اور جب بھی کوئی بات بہ ظاہر خلاف شرع ہوتی تو اس پر ضرور ٹوکتے اور یوں یہ سلسلہ تعلیم ختم ہو گیا۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰیٓ اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ خَرَقَہَا ؕ قَالَ

پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خضر) نے کشتی (کے تختے) کو توڑ دیا، (موسیٰ نے) کہا

اَخَرَقْتَہَا لِتُغْرِقَ اَہْلَہَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ

کیا آپ نے اس کو اس لیے توڑا ہے کہ اس میں سوار لوگ ڈوب جائیں، بے شک آپ نے بہت خطرناک کام کیا ہے! ○ (خضر نے) کہا کیا میں نے

اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا

تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے ○ (موسیٰ نے) کہا جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت

نَسِیْتُ وَلَا تُرْہِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ٚ

کیجئے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجئے ○ پھر وہ دونوں چل پڑے

حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ

حتیٰ کہ جب ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی پس اس (خضر) نے اس لڑکے کو قتل کر دیا، (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے ایک بے قصور

بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

شخص کو بغیر کسی شخص کے بدلہ کے قتل کر دیا آپ نے یہ بہت معیوب کام کیا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خضر) نے کشتی (کے تختے) کو توڑ دیا۔ (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس کو اس لئے توڑا ہے کہ اس میں سوار لوگ ڈوب جائیں یہ تو آپ نے بہت خطرناک کام کیا ہے ○ (خضر نے) کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے ○ (موسیٰ نے) کہا جو چیز میں بھول گیا اس پر میری گرفت نہ کیجئے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجئے ○ (الکھف: ۷۳-۷۱)

کشتی کا تختہ توڑنے کی تفصیل

اس سے پہلے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالوں سے گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر سمندر کے کنارے جا رہے تھے ان کے پاس سے ایک کشتی گزری انہوں نے کشتی والے سے بات کی کہ وہ ان کو سوار کرے۔ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان کو بغیر معاوضہ کے سوار کر لیا۔ جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہو گئے تو اس وقت حضرت موسیٰ چونک پڑے جب حضرت خضر نے کلہاڑی سے کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا ان لوگوں نے ہم کو بغیر معاوضہ کے سوار کر لیا اور آپ نے ان کی کشتی کا تختہ توڑ دیا تاکہ ان کے سواروں کو غرق کر دیں' یہ تو آپ نے بہت خطرناک کام کیا حضرت خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا جو چیز میں بھول گیا اس پر میری گرفت نہ کیجئے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہوئی تھی۔ ایک چڑیا آ کر کشتی کے تختے کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے سمندر کے پانی میں ایک یا دو مرتبہ چونچ ماری۔ پس حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے کہا میرا علم اور تمہارا علم اللہ کے علم میں اتنی ہی کمی کر سکتا ہے جتنی کہ اس چڑیا کے چونچ میں پانی لینے سے سمندر میں کمی ہوئی ہے۔ حضرت خضر نے یہ ایک مثال دی تھی کہ میری معلومات اور تمہاری معلومات سے اللہ کی معلومات میں کوئی اثر نہیں پڑتا جیسا چڑیا کے چونچ میں پانی لینے سے سمندر کے پانی میں کوئی کمی نہیں ہوتی' اور یہ مثال صرف سمجھانے کے لیے ہے ورنہ ہمارے سامنے جو سمندر ہے یہ متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہی ہیں' اسی طرح تمام مخلوق کے علم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں وہ نسبت ہے جو قطرہ اور سمندر میں ہے اور آپ کے علم میں اور اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ نسبت بھی نہیں ہے کیونکہ قطرہ اور سمندر میں متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔

امام ابو العالیہ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ جس وقت حضرت خضر نے کشتی کا تختہ توڑا تھا تو ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا اور کسی نے نہیں دیکھا تھا' اور اگر لوگ ان کو دیکھ لیتے تو ان کو کشتی کے توڑنے سے منع کرتے اور ایک قول یہ ہے کہ کشتی والے ایک جزیرہ کی طرف چلے گئے تھے اور حضرت خضر کشتی میں تنہا رہ گئے تھے اس وقت انہوں نے کشتی کا تختہ اکھاڑ دیا۔

بھول کی وجہ سے مواخذہ نہ ہونے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا فرق اور دیگر فقہی مسائل

حضرت خضر علیہ السلام نے جو کشتی کا تختہ توڑا تھا اس میں یہ دلیل ہے کہ جب یتیم کا ولی یہ سمجھے کہ یتیم کے مال میں کوئی نقص پیدا کرنے میں یتیم کا فائدہ ہے تو یتیم کا ولی اس کے مال میں نقص ڈال سکتا ہے۔ مثلاً اس کو یہ خدشہ ہے کہ ظالم اس کا مال چھین کر لے جائیں گے تو اس کے لیے اس مال میں عیب ڈالنا جائز ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ ظالم بادشاہ کو یتیم کے مال سے کچھ حصہ دے کر باقی مال اس سے بچالینا جائز ہے۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا جو چیز میں بھول گیا اس پر میری گرفت نہ کیجئے‘ اس سے معلوم ہوا کہ بھولے سے کوئی کام کرنے سے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا‘ لیکن یہ حکم حقوق اللہ میں ہے حقوق العباد میں نہیں ہے۔ جیسے بھولے سے روزے میں کچھ کھا پی لیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن حقوق العباد میں یہ حکم نہیں ہے مثلاً کسی سے رقم قرض لے کر بھول گیا تو بھول کی وجہ سے اس رقم کی ادائیگی اس سے ساقط نہیں ہوگی‘ یا بیوی کو طلاق دے کر بھول گیا تو اس بھول کی وجہ سے وہ طلاق ساقط نہیں ہوگی یا کسی کی امانت رکھ کر بھول گیا تو اس امانت کی ادائیگی ساقط نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی پس اس (خضر) نے اس لڑکے کو قتل کر دیا (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے ایک بے قصور شخص کو بغیر کسی شخص کے بدلہ کے قتل کر دیا آپ نے یہ بہت معیوب کام کیا ہے O (الکھف: ۷۴)

حضرت خضر نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا وہ بالغ تھا یا نابالغ اور اس کے قتل کی کیفیت

سعید نے کہا وہ لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا‘ وہ کافر تھا۔ حضرت خضر نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا پھر اس کو چھری سے ذبح کر دیا‘ وہ لڑکا ابھی بالغ نہیں ہوا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۲۵‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۰)

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ وہ دونوں کشتی سے اترے جس وقت دونوں سمندر کے کنارے کنارے جا رہے تھے تو حضرت خضر نے دیکھا کہ ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ حضرت خضر نے اس کے سر کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اکھاڑ کر اس کو قتل کر ڈالا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۹)

بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ لڑکا بالغ تھا اور وہ دو بستیوں کے درمیان ڈاکے ڈالتا تھا اور اس کا باپ ان میں سے ایک بستی کا رئیس تھا اور اس کی ماں دوسری بستی کی رئیسہ تھی۔ حضرت خضر نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور اس کا سر دھڑ سے الگ کر دیا۔

کلبی نے کہا اس لڑکے کا نام شمعون تھا‘ ضحاک نے کہا اس کا نام حیسون تھا‘ سھیلی نے کہا اس کے باپ کا نام ازیر تھا اور اس کی ماں کا نام سھوی تھا۔ وھب نے کہا اس کے باپ کا نام سلاس تھا اور اس کی ماں کا نام رحمی تھا۔ جمہور نے کہا وہ نابالغ تھا اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ بے قصور شخص تھا۔ قرآن مجید میں اس کے لیے غلام کا لفظ ہے اور غلام کا معنی ہے لڑکا۔ کیونکہ عرب مردوں میں غلام اسی کو کہتے ہیں جو نابالغ ہو‘ اور حضرت خضر علیہ السلام کو کشف سے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے دل پر کفر کی مہر لگ چکی ہے‘ اسی وجہ سے حدیث صحیح میں ہے اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کو کفر میں مبتلا کر دیتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے حکم کے بغیر نابالغ لڑکے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

ابن جبیر نے یہ کہا کہ وہ لڑکا سن تکلیف کو پہنچ چکا تھا کیونکہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں ہے: رہا وہ لڑکا تو وہ کافر تھا اور اس کے ماں باپ مومن تھے‘ اور کفر اور ایمان مکلفین بالغین کی صفات میں سے ہے اور غیر مکلف کافر یا مومن کا اطلاق اس کے ماں باپ کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۹۶‘ مطبوعہ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿٧٥﴾

(خضر نے) کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بیشک تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکو گے ○

قَالَ اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَىۡءٍۢ بَعۡدَهَا فَلَا تُصٰحِبۡنِىۡ ۚ قَدۡ

موسیٰ نے کہا اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، بے شک

بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّىۡ عُذۡرًا ﴿٧٦﴾ فَانْطَلَقَا ۟ حَتّٰٓى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهۡلَ

آپ میری طرف سے (حد) عذر کو پہنچ چکے ہیں ○ پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی والوں کے

قَرۡيَةِ اۨسۡتَطۡعَمَاۤ اَهۡلَهَا فَاَبَوۡا اَنۡ يُّضَيِّفُوۡهُمَا فَوَجَدَا فِيۡهَا

پاس آئے اور ان دونوں نے ان بستی والوں سے کھانا مانگا، بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا پھر ان دونوں نے اس

جِدَارًا يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّنۡقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ

بستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو گرا ہی چاہتی تھی، تو اس نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو

عَلَيۡهِ اَجۡرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ

اس پر کچھ اجرت لے لیتے ○ (خضر نے) کہا اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے، اب میں آپ کو ان کاموں کی

بِتَاۡوِيۡلِ مَا لَمۡ تَسۡتَطِعْ عَّلَيۡهِ صَبۡرًا ﴿٧٨﴾ اَمَّا السَّفِيۡنَةُ فَكَانَتۡ

حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے ○ رہی وہ کشتی تو وہ چند

لِمَسٰكِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ فِى الۡبَحۡرِ فَاَرَدْتُّ اَنۡ اَعِيۡبَهَا وَكَانَ

مسکین لوگوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے، اس لیے میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں (کیونکہ) ان کے

وَرَآءَهُمۡ مَّلِكٌ يَّاۡخُذُ كُلَّ سَفِيۡنَةٍ غَصۡبًا ﴿٧٩﴾ وَاَمَّا الۡغُلٰمُ

آگے ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (صحیح و سالم) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا ○ اور رہا وہ لڑکا

فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤۡمِنَيۡنِ فَخَشِيۡنَاۤ اَنۡ يُّرۡهِقَهُمَا طُغۡيَانًا وَّ

تو اس کے ماں باپ مومن تھے تو ہمیں یہ خطرہ تھا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے

كُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّأَقْرَبَ

گا ○ تو ہم نے یہ چاہا کہ ان کا رب ان دونوں کو اس کے بدلہ میں اس سے اچھا بچہ عطا فرمائے جو پاکیزہ اور زیادہ

رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ

رحم دل ہو ○ اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی،

وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا ۚ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ

اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ

يَّبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ وَمَا

وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں، اور میں نے

فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ

یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیے، یہ ان کاموں کی حقیقت ہے جن پر آپ

ع ١٠ ١٢ ١

صَبْرًا ﴿٨٢﴾ ط ع

صبر نہ کر سکے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (خضر نے) کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکو گے ○ موسیٰ نے کہا اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں' بے شک آپ میری طرف سے (حد) عذر کو پہنچ چکے ہیں۔ (الکھف: ٧٦-٧٥)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انصاف پسندی اور استاذ کا ادب اور احترام

حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے اس کلام میں اپنے پہلے کلام کی بہ نسبت لک کا اضافہ کیا ہے اور کلام میں الفاظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے' گویا اس جملہ سے حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو نہایت سختی اور تاکید کے ساتھ تنبیہ کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ساتھ رہنے کی بہت خواہش اور حصول علم کی بہت شدید حرص تھی لیکن انہوں نے جب یہ دیکھا کہ وہ دو بار حضرت خضر علیہ السلام کے مقرر کردہ ضابطہ اور ان کی نصیحت کی خلاف ورزی کر چکے ہیں تو وہ بہت نادم ہوئے اور انہوں نے خود یہ پیشکش کی اگر تیسری بار بھی انہوں نے حضرت خضر کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بے شک حضرت خضر انہیں اپنے ساتھ نہ رکھیں اور اس معاملہ میں وہ حد عذر کو پہنچ چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت انصاف پسند تھے اور استاذ کا بہت زیادہ ادب اور احترام کرنے والے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان دونوں نے اس بستی والوں سے کھانا مانگا' بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو گرا ہی چاہتی تھی' تو اس نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا' موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے O خضر نے کہا اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے' اب میں آپ کو ان کاموں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے O

(الکھف: ۷۸-۷۷)

کھانا مانگنے کے سوال کا ضابطہ

اس بستی کے متعلق کئی قول ہیں زیادہ مشہور یہ ہے کہ بستی انطا کیہ یا ایلہ تھی۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر نے اس بستی والوں سے کھانا مانگا' حالانکہ شرفاء اور معززین کسی سے کھانے کا سوال نہیں کرتے' تو حضرت موسیٰ اور حضرت خضر اتنے عظیم پیغمبر تھے پھر بھی انہوں نے کھانے کا سوال کیا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کو شدید بھوک لگی ہو اس کے لیے کھانے کا سوال کرنا جائز ہے اور اگر اس کی بھوک اضطرار تک پہنچ جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ کھانے کا سوال کرے۔

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بڑی رقم کا مقروض ہو گیا تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ آپ سے اس کے متعلق سوال کروں۔ آپ نے فرمایا: جب تک صدقہ کا مال آئے اس وقت تک ہمارے پاس ٹھہرو ہم اس میں سے تمہیں مال دینے کا حکم کریں گے۔ پھر فرمایا: اے قبیصہ تین شخصوں کے علاوہ اور کسی شخص کے لئے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک وہ شخص جو مقروض ہو اس کے لیے اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے' اس کے بعد وہ سوال کرنے سے رک جائے۔ دوسرا وہ شخص ہے جس کے مال پر کوئی ناگہانی آفت آئی ہو جس سے اس کا مال تباہ ہو جائے اس کے لیے اتنا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گزارہ ہو جائے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو فاقہ زدہ ہو اور اس کے قبیلہ کے تین عقلمند آدمی یہ گواہی دیں کہ وہ فاقہ زدہ ہے تو اس کے لیے بھی اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گزارہ ہو جائے' اور اے قبیصہ ان تینوں شخصوں کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے اور جو (ان تین صورتوں کے علاوہ کسی اور صورت میں) سوال کر کے کھاتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۹' ۲۵۹۱)

مقروض کے لیے قرض کی ادائیگی کے واسطے سوال کرنا اس وقت جائز ہے جب اس نے کسی جائز ضرورت کے لیے قرض لیا ہو اور اگر اس نے کسی گناہ کا کام کرنے کے لیے قرض لیا ہے مثلاً سودی کاروبار کرنے کے لیے یا سینما بنانے کے لیے تو اس قرض کی ادائیگی کے لیے لوگوں سے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ فاقہ زدہ شخص کے لیے تین گواہوں کی شرط بہ طور استحباب ہے ورنہ دو گواہ بھی کافی ہیں اور یہ شرط بھی اس سائل کے لیے ہے جو اپنے علاقے میں مال دار ہونے کی شہرت رکھتا ہو' اور جس شخص کا مال دار ہونا معروف اور مشہور نہیں ہے اس کو کوئی گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں' اس کا اپنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس کے پاس مال نہیں ہے اور وہ فاقہ زدہ ہے۔

اکثر احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے کی مذمت فرمائی ہے اور مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ حتی الامکان سوال کرنے سے گریز کریں۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بلاضرورت سوال کرنا حرام ہے اور جو شخص صحت

مند ہو اور کمانے پر قادر ہو اس کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس کا سوال کرنا حرام ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا سوال کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ اس میں تین شرطیں پائی جائیں (۱) وہ سوال کرتے وقت اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے (۲) گڑگڑا کر سوال نہ کرے (۳) مسئول کو ایذا نہ دے۔ اور جو شخص بیمار ہو یا مسافر ہو اور سفر میں اس کے پاس کھانے پینے کی چیزیں یا خریدنے کی قوت نہ ہو تو پھر اس کے لیے مطلقاً سوال کرنا جائز ہے۔ شدید بھوک میں اس کے لیے سوال کرنا پسندیدہ ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت خضر نے اسی صورت میں سوال کیا تھا' اور اگر وہ اضطرار سے دوچار ہوتے تو پھر ان پر واجب تھا کہ وہ سوال کرتے اور لوگوں کے نہ دینے کی صورت میں ان پر واجب تھا کہ وہ ان سے چھین کر کھا لیتے۔

بعض احادیث میں ہے:

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سائل کا تم پر حق ہے' خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۵' ۱۶۶۶' مسند احمد ج ا ص ۲۰۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ا ص ۲۰۱' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۹۸۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۹۸۲' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۷۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۱۳' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۰۱)

اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوشحال اور سرمایہ دار شخص بھی سوال کرسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محض گھوڑے پر سوار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شخص خوش حال اور مالدار ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس شخص پر اتنا زیادہ قرض ہو کہ وہ گھوڑا بھی قرض میں ڈوبا ہوا ہو' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس کا اپنا گھوڑا نہ ہو' اس نے وہ گھوڑا کسی سے عاریۃً مانگ کر لیا ہو یا وہ کسی عذر کی وجہ سے گھوڑے پر سوار ہو۔ اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ دینے والے کو سائل کی تفتیش اور چھان بین نہیں کرنی چاہیے اور اس کے ظاہری حال سے یہ تجسس نہیں کرنا چاہیے کہ آیا وہ سوال کرنے کا اہل ہے یا نہیں ہے' بلکہ اس سے جو شخص بھی سوال کرے تو وہ اس کو اپنی حیثیت کے مطابق ضرور کچھ نہ کچھ دے دے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ام بجید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ایک مسکین میرے دروازے پر کھڑا ہو اور میرے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارے پاس اسے دینے کے بکری کے ایک بھنے ہوئے پائے کے سوا اور کچھ نہ ہو تو وہی اس کے ہاتھ پر رکھ دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۶۴' ۲۵۷۳)

اگر انسان کے پاس سائل کو دینے کے لیے کچھ بھی نہ ہو تو اس سے اچھی طرح معذرت کرلے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں سائل کے متعلق کچھ نہیں معلوم کہ سوال کرنے کا مستحق ہے یا نہیں ہے؟ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ سوال کر کے اس رقم سے کھانا کھائے گا یا افیون کھائے گا' یا چرس اور ہیروئن تقسیم کرے گا' اور آج کل تو ہر چوراہے پر پیشہ ور گداگروں کا ہجوم ہوتا ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان مانگنے والوں کو دینے کے بجائے آپ اپنے محلہ کے کسی غریب اور مستحق شخص کو کچھ دے دیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ درست طریقہ نہیں ہے اگر ہم یہ معمول بنالیں کہ ہم اسی سائل کو دیں گے جو سوال کا مستحق ہوگا اور اسی کی جزا میں اللہ بھی ہمارے ساتھ یہی معاملہ کرے کہ وہ اسی شخص کی دعا قبول کرے گا جو دعا کرنے کا مستحق ہوگا اور اسی کے سوال پر عطا کرے گا جو سوال کا مستحق ہوگا' تو ہم سے جس نے سوال کیا ہے اسے تو کوئی اور دینے والا مل جائے گا لیکن ہمارے مستحق نہ ہونے کی وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں نہ دیا تو پھر ہمارے لئے سوال کرنے کا کون سا دروازہ ہے اور اللہ کے مسترد کرنے کے بعد اس

کے سوا ہمیں کون دینے والا ہے۔

تاویل کا معنی

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام دونوں نے کھانا مانگا اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت خضر بھی انسان تھے اور فرشتے نہ تھے' جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے اور ان کے انسان ہونے کی نفی کی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان فراق ہے' حضرت خضر نے ھذا سے کس چیز کی طرف اشارہ کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کی طرف تھا اگر اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو پھر آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں' حضرت خضر نے ھذا کے لفظ سے اس فراق کی طرف اشارہ کیا تھا جس کا حضرت موسیٰ نے وعدہ کیا تھا' دوسرا جواب یہ ہے کہ ھذا کا اشارہ اس تیسرے سوال کی طرف ہے کیونکہ یہ تیسرا سوال ہی ان کے اور حضرت خضر کے درمیان فراق کا سبب بنا تھا۔

حضرت خضر نے کہا اب میں آپ کو ان کاموں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے۔ قرآن مجید میں تاویل کا لفظ ہے۔ تاویل کا لفظ 'اول' سے بنا ہے' جس کا معنی ہے لوٹنا' کسی لفظ کی تاویل کا مطلب یہ ہے کہ وہ لفظ اس معنی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ حضرت خضر نے جو کام کئے تھے ان کاموں کی تاویل کا معنی ہے ان کاموں کی حکمت۔

بہ قدر ضرورت مال دنیا جمع کرنے کا جواز اور استحباب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ محنت مزدوری کی اجرت لینا جائز ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جائیداد نہ بناؤ ورنہ دنیا میں تم رغبت کرو گے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۳۳۱' مسند حمیدی رقم الحدیث:۱۲۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۴۱' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۵۵۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۷۱۰' المستدرک ج ۴ ص ۳۲۲' شرح السنۃ رقم الحدیث:۴۰۳۵)

اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مال دنیا جمع کرنا جائز نہیں ہے اور کسی کام کی اجرت لینا بھی مال دنیا جمع کرنے کا سبب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جو دنیا کا مال عیاشی کے لیے جمع کرتے ہیں' یا دنیا کی رنگینی اور چمک دمک کی وجہ سے مال دنیا جمع کرتے ہیں' یا گناہوں سے لذت اندوزی کے لیے مال دنیا جمع کرتے ہیں' لیکن جو آدمی باعزت اور باوقار طریقہ سے روزی حاصل کرنے کے لیے مال جمع کرے یا اپنی اولاد کی تعلیم' ان کی شادی اور ان کی دیگر ضروریات کے لیے مال جمع کرے اور اس مال میں اللہ کے حقوق نہ بھولے۔ زکوٰۃ اور فطرہ ادا کرے' قربانی کرے اس کا مال جمع کرنا جائز ہے' اسی طرح جو شخص حج اور عمرہ ادا کرنے کے لیے مال جمع کرے اس کا مال جمع کرنا پسندیدہ ہے۔

حضرت ایوب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ٹیلہ کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا۔ صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقتور ہے کاش اس کی طاقت اللہ کے راستہ میں خرچ ہوتی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا صرف وہی شخص اللہ کے راستہ میں ہے جو قتل کر دیا جائے؟ پھر فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے' اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق)

حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے' جو شخص (صرف) مال کی کثرت کی طلب میں نکلے وہ شیطان کے راستہ میں ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۲۷۲-۲۷۱' مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت' ١٣٩٠ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رہی وہ کشتی تو وہ چند مسکین لوگوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے' اس لئے میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں (کیونکہ) ان کے آگے ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (صحیح وسالم) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھاO (الکھف: ٧٩)

سمندر میں کام کرنے والے مسکینوں کا بیان

امام ابن جوزی متوفی ٥٩٧ھ لکھتے ہیں ان کی مسکینی کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ کام نہیں کر سکتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے بدنوں میں ضعف تھا۔ کعب نے کہا وہ دس بھائی تھے' پانچ اپاہج تھے اور پانچ سمندر میں کام کرتے تھے۔ (زادالمسیر ج ۵ ص ١٧٨' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ١٤٠٧ھ)

علامہ قرطبی متوفی ٦٦٨ھ نے ان دس بھائیوں کے ضعف اور امراض کی بہت تفصیل لکھی ہے لیکن ان کا ماخذ صرف اسرائیلی روایات ہیں' دیگر ذرائع سے ان روایات کی تصدیق نہیں ہو سکی۔

امام رازی متوفی ٦٠٦ھ نے لکھا ہے یہ کشتی چند محتاج لوگوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مساکین فرمایا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی آیت سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ فقیر میں مسکین کی بہ نسبت زیادہ ضرر اور احتیاج ہوتی ہے' کیونکہ مسکینوں کے متعلق تو فرمایا ان کی کشتی تھی اور وہ سمندر میں کام کرتے تھے اور کشتی کے مالک تھے اور فقیر کسی مال کا مالک نہیں ہوتا۔ (تفسیر کبیر ج ٧ ص ٤٩٠' بیروت' ١٤١٥ھ)

امام ابوحنیفہ کا استدلال اس آیت سے ہے:

اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ (البلد: ١٦) یا خاک میں پڑے ہوئے مسکین کو

زیادہ نقصان سے بچنے کے لیے کم نقصان کو برداشت کرنا

حضرت خضر علیہ السلام کا اس کلام سے مقصود یہ تھا کہ اس کشتی کا تختہ اکھاڑنے سے میری غرض یہ نہیں تھی کہ اس میں بیٹھنے والے سواروں کو میں غرق کر دوں بلکہ اس سے میرا یہ مقصد تھا کہ جس راستہ پر یہ جا رہے ہیں اس میں آگے چل کر ایک ظالم بادشاہ آتا ہے جو ہر اس کشتی کو چھین لیتا ہے جو بے عیب ہو اس لئے میں نے اس کشتی کو عیب دار بنا دیا تاکہ یہ کشتی اس ظالم بادشاہ کے چھیننے سے محفوظ رہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا کسی اجنبی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی شخص کا مال بچانے کے لیے اس میں اس قسم کا تصرف کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے تو یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا تھا اور ہماری شریعت میں بھی یہ جائز ہے مثلاً ہمارے پاس کسی شخص کا مال یا زیور رکھا ہوا ہو اور ڈاکا پڑ جائے تو ہم اس شخص کے مال کو ڈاکے سے بچانے کے لیے اس میں کوئی عیب ڈال دیں تاکہ وہ مال ڈاکے سے بچ جائے' اور اس مال کے مالک کے لیے بھی یہ بہتر ہوگا کہ سارا مال جانے کے بجائے کسی عیب کے ساتھ اس کا مال بچ جائے' جیسے انسان کسی بڑی مصیبت کے بجائے کسی چھوٹی مصیبت کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے اسی پر عمل کیا جو زیادہ آسان تھی۔ بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو' اور اگر وہ گناہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی بہ نسبت اس سے بہت زیادہ دور ہونے والے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا ماسوا اس کے کہ اللہ

کی حرمت کو پامال کیا جائے۔ایسی صورت میں آپ اللہ کے لیے اس سے انتقام لیتے تھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰'۶۱۲۶'۶۷۸۶'۶۸۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' مسند احمد ج ۶ ص ۸۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۹۴۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۷۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۰)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب کسی معاملہ میں دو امر جائز ہوں مشکل اور آسان تو مشکل کام کو ترک کر کے آسان کام کو اختیار کرنا چاہئے جیسے قسم کے کفارہ میں اختیار ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے' تو دس مسکینوں کو کھانا کھلانا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانے کی بہ نسبت آسان ہے۔اسی طرح کفارۂ ظہار میں اور روزے کے کفارے میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھے اور ساٹھ دن مسلسل روزے رکھنے کی بہ نسبت ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا آسان ہے تو آسان حکم پر عمل کرے۔اسی طرح حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسانی کرو اور مشکل میں نہ ڈالو'بشارت دو اور متنفر نہ کرو۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹'۶۱۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۵۹۰)

خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ نقصان سے بچنے کے لیے کم نقصان کو برداشت کر لینا بہتر ہے اور زیادہ تکلیف اور مشقت سے بچنے کے لیے کم تکلیف اور مشقت کو برداشت کرنا سہل ہے۔جیسے شوگر اور بلڈ پریشر کی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے سوکھے اور پھیکے بے ذائقہ کھانوں پر قناعت کر لینا بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رہا وہ لڑکا تو اس کے ماں باپ مومن تھے تو ہمیں یہ خطرہ تھا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گاO تو ہم نے یہ چاہا کہ ان کا رب ان دونوں کو اس کے بدلہ میں اس سے اچھا بچہ عطا فرمائے جو پاکیزہ اور زیادہ رحم دل ہو۔(الکھف: ۸۱-۸۰)

لڑکے کو قتل کرنے کی توجیہ

ایک قول یہ ہے کہ وہ لڑکا بالغ تھا' وہ ڈاکے ڈالتا تھا اور برے کام کرتا تھا اور اس کے ماں باپ لوگوں سے اس کے شر کو دور کرتے رہتے تھے' اور جو شخص اس لڑکے کی طرف برے کاموں کو منسوب کرتا تھا اس کی تکذیب کرتے رہتے تھے' اور یہ ان کے فسق کا سبب تھا اور خطرہ یہ تھا کہ یہ فسق ان کے کفر تک پہنچ جائے گا۔اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نابالغ لڑکا تھا مگر اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جب یہ بالغ ہو جائے گا تو اس میں یہ برائیاں پائی جائیں گی' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو یہ حکم دیا تھا کہ جس کے متعلق اس قسم کا غلبۂ ظن ہو اس کو قتل کر دیا جائے' اس کی ایک اور توجیہ یہ ہے کہ وہ لڑکا کافروں اور بدمعاشوں کے ساتھ وقت گزارتا تھا اور اس کے متعلق یہ غلبۂ ظن تھا کہ وہ بھی ان کی طرح ہو جائے گا' اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ ایسے لڑکے کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس لڑکے کو حضرت خضر نے قتل کیا تھا اس پر کفر کی مہر لگا دی گئی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۰' صحیح مسلم فضائل خضر رقم الحدیث: ۱۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۲۱)

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا ہم نے یہ ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اس لڑکے کے ماں باپ کو اس سے بہتر لڑکا عطا فرما دے گا جو پاکیزہ سیرت کا حامل ہو گا اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہو گا۔

عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پھر ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کے بطن سے ستر نبی پیدا ہوئے۔(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۸۱' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا' تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں اور میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیے' یہ ان کاموں کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے ۝ (الکھف: ۸۲)

یتیم کا معنی اور اس کے شرعی احکام

اس آیت میں فرمایا ہے وہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی اس کا معنی ہے وہ لڑکے چھوٹے اور نابالغ تھے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث یاد رکھی ہے کہ احتلام ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا اور صبح سے رات تک چپ رہنا کوئی عبادت نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۷۳' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۱۶۰)

اس حدیث کا ظاہر معنی ہے کہ جب کسی لڑکے کو احتلام ہو جاتا ہے تو پھر وہ مرفوع القلم نہیں رہتا اور اس پر بالغوں کے احکام نافذ ہو جاتے ہیں' اب وہ خرید و فروخت کر سکتا ہے اور اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے اور اپنا خود نکاح کر سکتا ہے' اور اگر وہ لڑکی ہو تو اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح نہیں ہو سکتا' لیکن اگر بالغ ہونے کے بعد بھی وہ سمجھدار اور ہوشیار نہ ہو تو اس کے تصرفات پر پابندی برقرار رہے گی اور کبھی ایک چیز دو سببوں سے ممنوع ہوتی ہے اور ایک مانع کے اٹھ جانے سے وہ ممانعت ساقط نہیں ہوتی' اور اللہ تعالیٰ نے بے عقل کے تصرفات پر بھی پابندی لگانے کا حکم دیا ہے فرمایا:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا (النساء: ۵)

بے عقل لوگوں کو اپنے وہ اموال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ (البقرہ: ۲۸۲)

ہاں جس کے ذمہ حق ہے اگر وہ بے عقل ہو یا کمزور ہو یا وہ لکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح کم عقل کے لیے ولایت ثابت کی ہے اسی طرح کمزور کے لیے ولایت ثابت کی ہے اور اس آیت میں ضعیف اور کمزور سے مراد ہے کم عمر لڑکا' اور سفیہ سے مراد ہے وہ بالغ جو بے عقل یا کم عقل ہو' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (النساء: ۶)

اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پس اگر تم ان میں ہوشیاری اور سمجھداری پاؤ تو پھر ان کے اموال ان کی طرف سونپ دو۔

لہٰذا یتیموں کی طرف ان کے اموال سونپنے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وہ بالغ ہو جائیں اور دوسری یہ ہے کہ ان میں ہوشیاری اور سمجھ داری آ جائے' اور جب اس حکم کا وجوب دو چیزوں پر معلق ہے تو ان دونوں چیزوں کے بغیر اس کا وجوب متحقق نہیں ہوگا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ صبح سے رات تک چپ رہنا کوئی عبادت نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں چپ رہنے کو بھی عبادت سمجھا جاتا تھا' اور ان میں سے کوئی شخص پورا دن اور رات بھر چپ رہتا تھا اور اس کو وہ چپ کا روزہ کہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور انہیں ذکر کرنے اور نیکی کی باتیں کرنے کا حکم دیا۔

یتیم کے ساتھ نیکی کرنے والے کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا اور ان کے درمیان کشادگی رکھی۔ (کشادگی رکھنے میں یہ اشارہ ہے کہ دونوں درجوں میں فرق ہوگا۔)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٠٠٥، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٩٨٣، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٥١٥٠، سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٩١٨، مسند احمد ج ٥ ص ٣٣٣، جامع الاصول رقم الحدیث: ٢٢٢، ٢٢١)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں سے جس شخص نے یتیم کو اپنے پاس رکھا اور اس کو کھلایا اور پلایا، اللہ تعالیٰ اس کو یقیناً جنت میں داخل کر دے گا الاّیہ کہ اس نے کوئی ایسا گناہ کیا ہو جس کی بخشش نہ ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٩١٧، جامع الاصول رقم الحدیث: ٢٢٣)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اس کے دل میں سختی ہے آپ نے فرمایا: تم یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور اس کو کھانا کھلاؤ، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ٢ ص ٢٦٣، المسند الجامع رقم الحدیث: ١٤٠٥٧، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٣٥٠٨)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے اور تمہاری حاجت پوری ہو جائے؟ تم یتیم پر رحم کرو، اس کے سر پر ہاتھ پھیرو اور اس کو اپنے طعام سے کھلاؤ، تمہارا دل نرم ہو جائے گا اور تمہاری حاجت پوری ہوگی۔

(اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٣٥٠٩)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ گھر وہ ہے جس میں یتیم کی عزت کی جاتی ہو۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٣٤٣٤، اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٣٥١٣)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا ہاتھ جتنے بالوں کے اوپر سے گزرے تو ہر بال کے عوض اس کو اللہ کے لیے ایک نیکی کا اجر ملے گا، اور جس شخص کے پاس کوئی یتیم لڑکا یا لڑکی تھی اور اس نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو میں اور وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

(مسند احمد ج ٥ ص ٢٦٥، ٢٥٠، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٧٨٢١، الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ٦٥٥، امام طبرانی کی سند میں علی بن یزید الالہانی ضعیف راوی ہے)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک لڑکا اٹھ کر گیا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا اللہ تمہاری یتیمی کے نقصان کو پورا کر دے اور اپنے باپ کا جانشین بنائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! میں نے دیکھ لیا تم نے جو کچھ اس لڑکے کے ساتھ کیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اس لڑکے پر رحم آیا! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد کی جان ہے مسلمانوں میں سے جو شخص بھی کسی یتیم کی سرپرستی کرے گا اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو ہر بال کے

بدلہ میں ایک درجہ عطا فرمائے گا' اور اس کو ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی عطا فرمائے گا اور ہر بال کے بدلہ میں اس کا ایک گناہ مٹا دے گا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ١٩١١' اس حدیث کا ایک راوی ابو الورقاء متروک ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٣٥١٨)

ہم نے اس عنوان کے تحت آخر میں چار ایسی احادیث ذکر کی ہیں جو ضعیف الاسناد ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہیں۔ نیز ان میں سے بعض احادیث متعدد اسانید سے مروی ہیں اور تعدد اسانید سے ضعیف حدیث حسن لغیرہٖ ہو جاتی ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یعلیٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولوں گا تو ایک عورت بھی میرے ساتھ داخل ہونا چاہے گی۔ میں پوچھوں گا تم کون ہو وہ کہے گی میں وہ عورت ہوں جس نے اپنے یتیم بچوں کی پرورش کی تھی۔ اس حدیث کے راویوں میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابو داؤد نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور سیاہ رخساروں والی عورت جنت میں ان دو (انگلیوں) کی طرح ہوں گے' اور جو عورت بڑے عہدہ پر ہو اور خوبصورت ہو اور اس نے اپنے آپ کو اپنے یتیم بچوں کی پرورش پر وقف کر رکھا ہو حتیٰ کہ وہ بچے فوت ہو گئے یا اس سے الگ ہو گئے۔

امام طبرانی نے معجم صغیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! میں یتیم بچوں کو کس وجہ سے مار سکتا ہوں' آپ نے فرمایا: جس وجہ سے تم اپنے بچوں کو مارتے ہو سوا اس کے کہ تم اپنے مال کو اس کے مال کے ذریعے بچانا چاہتے ہو حتیٰ کہ اس کے مال سے استغناء ہو جائے۔

ہمارے شیخ نے ترمذی کی شرح میں کہا یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں آپ کے درجہ کے ساتھ یا قریب اس لئے ہوگا کہ یتیم بچہ بھی کم فہم ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہ شان ہے کہ آپ ان لوگوں کی طرف مبعوث کئے گئے جن کو اپنے دین کے معاملات کی فہم اور عقل نہیں تھی تو آپ ان لوگوں کے کفیل' معلم اور مرشد تھے' اور یتیم کا کفیل بھی ان بچوں کی کفالت کرتا ہے جن کو اپنے دین کے معاملات کی فہم نہیں ہوتی بلکہ دنیا کے معاملات کی بھی فہم نہیں ہوتی تو وہ ان کو رشد و ہدایت دیتا ہے اور ان کو تعلیم دیتا ہے اور ان کو حسن ادب سکھاتا ہے' سو اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ مناسبت ہوتی ہے اس وجہ سے اس کا جنت میں درجہ آپ کے درجہ کے ساتھ ہوگا۔ (فتح الباری ج ١٢ ص ٤٩۔ ٤٨' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤٢٠ھ)

یتیم کے مزید احکام ہم نے النساء: ٦ میں بیان کئے ہیں وہاں مطالعہ فرمائیں۔

یتیم لڑکوں اور ان کے شہر کا نام

علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی نے لکھا ہے ان دو یتیم لڑکوں کا نام صریم اور اصرم تھا' انسانوں میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کا باپ نہ ہو اور حیوانوں میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کی ماں نہ ہو۔ اس آیت میں ہے رہی وہ دیوار تو وہ مدینہ میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس شہر کا نام مدینہ تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس شہر کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو دوسرے شہروں کو کھا جائے گا (دوسرے شہروں پر غالب ہوگا) لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے وہ (برے) لوگوں کو اس طرح نکال دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو نکال دیتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٨٧١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٣٨٢' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٤٢٤١)

خزانہ کے مصداق میں اقوال

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ٥٩٧ ھ لکھتے ہیں۔

اس خزانے کے متعلق تین قول ہیں:

(١) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: وہ خزانہ سونے اور چاندی کا تھا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣١٥٢' الکامل لابن عدی ج ٧ص ٢٨٢٣' المسند الجامع رقم الحدیث: ١١٠٤٩)

(٢) عطاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر لکھا ہوا تھا اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے پھر وہ رنج وغم کرتا ہے' اس شخص پر تعجب ہے جو دوزخ پر یقین رکھتا ہے پھر وہ ہنستا ہے' اس شخص پر تعجب ہے جو موت پر ایمان رکھتا ہے وہ کیسے خوش ہوتا ہے' اس شخص پر تعجب ہے جو رزق پر یقین رکھتا ہے وہ کیوں خود کو تھکاتا ہے' اس شخص پر تعجب ہے جو حساب پر یقین رکھتا ہے وہ کیوں غفلت کرتا ہے' اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا کو الٹتے پلٹتے دیکھتا ہے وہ کیسے دنیا پر مطمئن ہوتا ہے' میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' محمد میرے بندے اور رسول ہیں۔ اور دوسری طرف لکھا ہوا تھا میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے میں واحد ہوں میرا کوئی شریک نہیں ہے' میں نے خیر اور شر کو پیدا کیا ہے' اس کے لئے خوشی ہو جس کو میں نے خیر کے لیے پیدا کیا اور اس خیر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا اور اس کے لیے تباہی ہو جس کو میں نے شر کے لیے پیدا کیا اور اس شر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا۔

(٣) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس سے مراد علم کا خزانہ ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد وہ صحائف ہیں جن میں علم ہو' ابن الانباری نے کہا اس تقدیر پر معنی یہ ہے اس دیوار کے نیچے خزانہ کی مثل تھی کیونکہ اموال کی بہ نسبت علم زیادہ نفع آور ہے۔

زجاج نے کہا لغت میں معروف یہ ہے کہ جب صرف خزانے کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد ہوتا ہے وہ مال جس کا ذخیرہ کر کے اس کو دفن کیا جاتا ہو' اور جب مال نہ ہو تو کہا جاتا ہے فلاں شخص کے پاس علم کا خزانہ ہے اور اس کے پاس علم کا خزانہ ہے' اور کنز کا لفظ مال کے زیادہ مشابہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خزانہ مال ہو اور اس کے ساتھ علم بھی لکھا ہوا ہو' پس وہ مال ہو اور علم عظیم ہو۔ (زادالمسیر ج ٥ص ١٨٢-١٨١' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ١٤١٢ ھ)

میرے نزدیک کنز (خزانہ) کی وہی صحیح تفسیر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے یعنی کنز سے مراد وہ سونا چاندی ہے جو مدفون تھا' اور میرے نزدیک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے بعد اور کسی کی تفسیر دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

یتیم بچوں کے باپ کا تعارف اور مرنے کے بعد بھی مرد صالح کا فیضان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (خضر نے کہا) اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی ٣٢٧ ھ لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر نے کہا ان کا باپ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کرتا تھا اور ان کو ادا کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کے باپ کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لڑکوں کے مال کی حفاظت کرائی کیونکہ ان کی کوئی نیکی ذکر نہیں فرمائی نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ باپ کی نیکی کی وجہ سے اس کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے کے ساتھ نیکی فرماتا ہے اور اس کی ذریت کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ ہمیشہ اللہ کے ستر اور اس کی حفاظت میں رہتے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٢٨٨٢' ١٢٨٨٣' جامع البیان رقم الحدیث: ١٧٥٤٣)

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

جعفر بن محمد نے کہا ان لڑکوں کے درمیان اور اس نیک باپ کے درمیان سات آباء تھے' اور محمد بن منکدر نے کہا کہ اللہ عزوجل کسی ایک بندے کی نیکی کی وجہ سے اس کی اولاد' اس کی اولاد کی اولاد اور اس کے محلہ والوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

(الوسیط ج ۳ ص ۱۶۳' معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۴۷' النکت والعیون ج ۳ ص ۳۳۶' زاد المسیر ج ۵ ص ۱۸۲' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱۰' تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۹۲' روح المعانی جز ۱۶ ص ۲۰۔۱۹)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

وہ ان کی پشت کے اعتبار سے ساتویں باپ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ دسویں باپ تھے' ان کے والد کا نام کاشح تھا اور ان کی والدہ کا نام دنیا تھا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک شخص کی حفاظت بھی فرماتا ہے اور اس کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتا ہے خواہ وہ اس سے نسبت میں بعید ہوں' اور یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک آدمی کی اولاد کی سات پشتوں تک حفاظت فرماتا ہے اور اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلالت کرتی ہے:

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ (الاعراف:۱۹۶)

(آپ کہیے) بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور وہ صالحین کا ولی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۱۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان لڑکوں کے نیک باپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دیوار کو بنوا دیا لیکن وہ لڑکے اس دیوار کے نیچے سے خزانہ کیسے حاصل کر سکیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے ان لڑکوں کو یا ان کے وصی کو معلوم ہو کہ اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ مدفون ہے۔

حضرت خضر کے نبی ہونے پر دلیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (خضر نے) کہا میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیے۔

یعنی آپ نے جو دیکھا ہے کہ میں نے کشتی کا تختہ توڑ دیا اور ایک لڑکے کو قتل کر دیا اور ان کنجوس لوگوں کی بستی میں جو دیوار گرا چاہتی تھی اس کی مرمت کر کے اس کو سیدھا کر دیا تو یہ تمام کام میں نے اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے نہیں کیے بلکہ میں نے یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کی وحی سے کیے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے اموال کو نقصان پہنچانا اور ان میں عیب ڈالنا اور لوگوں کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کی وحی اور نص قطعی کے بغیر جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ناحق قتل کرنا اور کسی کا ناحق مال کھانا حرام فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام:۱۵۱)

اور جس کا خون اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل مت کرو۔

اسی طرح مال کے متعلق فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (الانعام:۱۵۲)

اور نیک طریقہ کے سوا یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ۔

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: تمہاری

جانیں اور تمہارے اموال ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جیسے آج کے دن' اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۵۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۶۷۸' عالم الکتب)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: بے شک اللہ نے تم پر ایک دوسرے کی جانوں کو اور ایک دوسرے کے اموال کو اور ایک دوسرے کی عزتوں کو اس طرح حرام کر دیا ہے جیسے کہ آج کے دن' اس مہینہ میں اور اس شہر میں یہ چیزیں حرام ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۸۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۴۳)

جب یہ واضح ہو گیا کہ نصوص قطعیہ سے کسی کو ناحق قتل کرنا اور کسی کا مال ضائع کرنا حرام ہے تو پھر یہ حرمت کسی نص قطعی سے ہی مرتفع ہو سکتی ہے اور حضرت خضر علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے یقیناً وحی نازل فرمائی تھی جس کی بنا پر انہوں نے مسکینوں کی کشتی کو عیب دار کیا اور ایک لڑکے کو قتل کیا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعہ میں حضرت یوشع بن نون کا کردار

اس قصہ کے شروع میں ذکر کیا گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ حضرت یوشع بن نون کو بھی لے گئے تھے اور وہ دونوں اپنے پیروں کے نشانات پر واپس گئے اور پھر اس چٹان پر حضرت موسیٰ کی حضرت خضر سے ملاقات ہوئی اس کے بعد حضرت یوشع کا ذکر نہیں آیا۔ جب عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا تو انہوں نے کہا حضرت یوشع بن نون نے آب حیات پی لیا تھا وہ قیامت تک زندہ رہیں گے۔ حضرت خضر نے ان کو ایک کشتی میں بٹھا کر چھوڑ دیا تھا اور قیامت تک وہ کشتی سمندر میں چلتی رہے گی۔ علامہ قشیری نے کہا اگر یہ روایت ثابت ہو تو پھر یہ نوجوان حضرت یوشع بن نون نہیں تھے' کیونکہ حضرت یوشع بن نون تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد زندہ رہے تھے اور ان کے خلیفہ بنے تھے' اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی حضرت خضر سے ملاقات ہو گئی تھی تو انہوں نے حضرت یوشع کو واپس بھیج دیا تھا' اور علامہ ابوعبداللہ قرطبی کے استاذ علامہ ابوالعباس قرطبی نے یہ کہا ہے کہ ہو سکتا ہے حضرت یوشع حضرت موسیٰ کے ساتھ ہی رہے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے متبوع کے ذکر پر اکتفا کی اور تابع کا ذکر نہیں کیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۴۱۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حسن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اور عیب کی نسبت اپنی طرف کرنا

حضرت خضر علیہ السلام نے جب کشتی کو توڑا تو کہا فاردت ان اعیبھا میں نے اس میں عیب ڈالنے کا ارادہ کیا اور جب دو یتیم لڑکوں کی دیوار کو جوڑا تو کہا فاراد ربک ان یبلغا اشدھما ویستخرجا کنزھما تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں۔

اب یہاں سوال یہ ہے کہ کشتی توڑنے کے متعلق حضرت خضر نے کہا میں نے ارادہ کیا اور دیوار جوڑنے کے متعلق فرمایا آپ کے رب نے ارادہ کیا' ظاہر کے اعتبار سے دونوں کام حضرت خضر نے کئے تھے تو دونوں کے متعلق کہتے میں نے ارادہ کیا اور حقیقت کے اعتبار سے دونوں کام اللہ تعالیٰ نے کئے تھے تو دونوں کے متعلق کہتے کہ آپ کے رب نے ارادہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خضر نے توڑنے کی نسبت اپنی طرف کی اور جوڑنے کی نسبت اللہ کی طرف کی اور یہی حسن ادب کا تقاضا ہے کہ عیب کی نسبت اپنی طرف کی جائے اور حسن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے۔ اسی طرح اس لڑکے کو قتل کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہمیں یہ خطرہ ہوا کہ وہ اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا' اور جب اس کے ماں باپ کے

اس سے بہتر نیک لڑکے کے پیدا ہونے کا ذکر کیا تو کہا فاردنا ان یبدلھما ربھما خیرا منہ ہم نے یہ ارادہ کیا کہ ان کا رب اس کے بدلہ میں ان کو اس سے بہتر اور نیک لڑکا عطا کر دے گا' اس میں قتل کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور اس کے بدلہ میں نیک بیٹا دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ (النساء:۷۹) تمہیں جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور تمہیں جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اسی اسلوب پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ (الشعراء:۸۰) اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرح دعا کرنے کی تعلیم دی ہے:

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ (آل عمران:۲۶) آپ کہیے اے اللہ تمام جہان کے مالک! تو جس کو چاہے ملک عطا فرمائے اور جس سے چاہے ملک چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے' تیرے ہی ہاتھ میں خیر ہے۔

خیر اور شر دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں اور اس کے قبضہ وقدرت میں ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں صرف خیر کا ذکر فرمایا ہے اور شر کا ذکر نہیں کیا اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اللہ کی طرف حسن اور خیر کی نسبت کی جاتی ہے عیب اور شر کی نسبت نہیں کی جاتی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بیماری اور بھوک اور پیاس کی بھی نسبت کی ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی۔ وہ بندہ کہے گا اے میرے رب! میں تیری عیادت کیسے کرتا تو تو رب العالمین ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی اگر تو اس کی عیادت کرتا' تو تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ کہے گا اے میرے رب! میں تجھ کو کیسے کھانا کھلاتا' تو تو رب العالمین ہے! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا پس تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا' کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا کھلا دیتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا' اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا' وہ کہے گا اے میرے رب! میں تجھ کو کیسے پانی پلاتا حالانکہ تو رب العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے اس کو پانی نہیں پلایا اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۶۹' الادب المفرد رقم الحدیث:۵۱۷' المسند الجامع رقم الحدیث:۱۴۰۰۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیمار' بھوکے اور پیاسے بندے کی عزت افزائی کے لیے مرض' بھوک اور پیاس کی اپنی طرف نسبت کی اور اس میں ان لوگوں کی دل جوئی ہے اور ان کی زبوں حالی کی تلافی ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اگر تندرست اور امیر اپنے پیسے پر فخر کرتے ہیں تو تمہارے فخر کے لیے یہ کچھ کم تو نہیں ہے کہ تم بیمار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بیمار ہوں اور تم پیاسے ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بھوکا پیاسا ہوں' سو اس حدیث میں غریبوں کی تکریم ہے اور امیروں پر عتاب ہے' اور

اس حدیث میں جو فرمایا ہے تم مجھے وہاں پاتے اس کا معنی ہے تم میرے ثواب کو وہاں پاتے یا میری رضا کو وہاں پاتے۔

صفاء باطن کا دعویٰ کر کے احکام شرعیہ سے استغناء ظاہر کرنا زندیقی ہے

علامہ ابو العباس مالکی قرطبی نے کہا ہے کہ بعض زندیق یہ کہتے ہیں کہ یہ احکام شرعیہ عامہ تو انبیاء علیہم السلام اور عام لوگوں کے لیے ہیں' اور جو اولیاء اور خواص ہیں وہ نصوص ظاہرہ پر عمل کرنے کے محتاج نہیں ہیں بلکہ ان کے احکام وہ ہیں جو خود ان کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں' وہ کہتے ہیں ان کے دل میل کچیل اور زنگ سے صاف ہوتے ہیں اس لئے ان کے دلوں میں علوم الہیہ کی تجلیات ہوتی ہیں اور ان پر حقائق ربانیہ منکشف ہوتے ہیں وہ اسرار کائنات سے واقف ہوتے ہیں اور ان کو جزئیات کے احکام کا علم ہوتا ہے' اس وجہ سے وہ قواعد شرعیہ کے احکام سے مستغنی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت خضر کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔ ان پر جو علوم کی تجلیات تھیں وہ ان کی وجہ سے احکام شرعیہ سے مستغنی تھے' اور وہ کہتے ہیں کہ کسی بھی پیش آمدہ معاملہ میں اپنے دل سے فتویٰ لو خواہ مفتی کچھ بھی کہتے رہیں۔

ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ قول کفر اور زندیقی ہے اور اس کے قائل کو فوراً قتل کر دیا جائے گا اور اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی' کیونکہ اس قول میں ان چیزوں کا انکار ہے جو ہم کو شریعت سے معلوم ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہمیں ان رسولوں کے واسطے سے معلوم ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان سفیر ہیں وہی اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا پیغام ہم تک پہنچاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ (البقرہ:٢١٣)
تمام لوگ ایک گروہ تھے پھر اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

پس اس آیت سے اور مسلمانوں کے اجماع سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم ہونے کا ذریعہ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہیں۔ پس جس شخص نے یہ کہا رسولوں کی تعلیم کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم کرنے کا کوئی اور ذریعہ ہے یا جس شخص نے یہ کہا کہ وہ اپنے دل سے احکام حاصل کرتا ہے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے اور اس کو کتاب اور سنت کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ شخص اپنے لئے نبوت کا مدعی ہے سو وہ شخص کافر ہے اور واجب القتل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١٠ ص ٣١٣-٣١٢' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

تصوف کے جھوٹے مدعی

بعض تصوف کے جھوٹے مدعی خلاف شرع کام کرتے ہیں اور اگر ان کو کوئی عالم ان کاموں سے منع کرے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ علم ظاہر کی باتیں ہیں اور ہم کو علم باطن کا علم ہے' یا کہتے ہیں کہ علماء شریعت کی بات کرتے ہیں اور ہم طریقت اور معرفت کی بات کرتے ہیں اور پھر حضرت موسیٰ اور خضر کی مثالیں پیش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حضرت خضر کے پائے کا شخص ثابت کرتے ہیں ان لوگوں کا زور اس پر ہوتا ہے کہ حضرت خضر ولی تھے اور وہ ولی کو نبی سے افضل بتاتے ہیں اور خلاف شرع کاموں پر حضرت خضر علیہ السلام کے کاموں سے سند لاتے ہیں۔

علماء باطن کی تعریف

علماء باطن سے مراد وہ لوگ ہیں جو عارف باللہ ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے سب سے افضل کاموں کی توفیق دی ہے اور ج

ہر حال میں اپنے آپ کو تمام ممنوع کاموں سے محفوظ رکھتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ ان سے حجابات اٹھا دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرتے ہیں کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہیں اور وہ اللہ کے ماسوا کی محبت کو ترک کر کے صرف اس کی محبت میں مشغول رہتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے ملک کے عجائب اور اپنی حکمتوں کے غرائب پر مطلع فرماتا ہے اور ان کو اپنے حضرت قدس کے قریب کرتا ہے اور ان کے دلوں کو اپنے جمال اور جلال سے بھر دیتا ہے اور ان کے دلوں میں اپنے انوار اور اسرار اور معارف کے خزائن اور لطائف کے معادن رکھتا ہے' اور ان کی وجہ سے دین کے متروک طریقوں اور شعائر کو زندہ کرتا ہے۔ ان سے مریدین کو نفع پہنچتا ہے اور حاجت مندوں کی فریادرسی ہوتی ہے اور شہر کے لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے۔

علماء ظاہر کی تعریف

علماء ظاہر سے مراد وہ لوگ ہیں جو علوم کسبیہ کے ماہر ہوتے ہیں اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے حافظ ہوتے ہیں تو علماء باطن علماء ظاہر سے افضل ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ علماء ظاہر بھی بہت بڑی فضیلت کے حامل ہوتے ہیں بلکہ بعض بزوی اعتبار سے یہ علماء باطن سے افضل ہوتے ہیں بشرطیکہ علماء ظاہر صالح اور پاکباز ہوں اور کبائر سے مجتنب ہوں' کیونکہ جو علماء نیکی سے خالی ہوں وہ اللہ کے غضب اور اس کے عذاب کے خطرہ میں ہیں اور احادیث میں ان کے لیے سخت وعیدیں ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعہ سے معارضہ نہ کیا جائے کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے اجماعاً افضل ہیں اور وہ بہت خصوصیات کی بنا پر حضرت خضر سے ممتاز ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام عالم غیب کی چند ایسی جزئیات پر مطلع تھے جن کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع نہیں تھی' اس وجہ سے انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی شاگردی اختیار کی اور ان کے سامنے بہت ادب اور تواضع کو اختیار کیا۔

علماء ظاہر کی علماء باطن پر فضیلت

علماء ظاہر کی علماء باطن پر فضیلت کی ایک وجہ یہ ہے کہ علم کا شرف معلوم کے شرف سے ہوتا ہے اور علم کا شرف اس کی غرض و غایت کے شرف کے اعتبار سے ہوتا ہے' سو جو علوم اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی صفات اور اس کے افعال سے متعلق ہوں وہ اشرف العلوم ہیں (جیسے علم کلام) اور ان علوم کے حاملین اشرف العلماء ہیں اور اس کے قریب علم فقہ ہے کیونکہ اس کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کے احکام کی معرفت ہے اور اس شرع کی معرفت ہے جس کے مطابق بندے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت کی معرفت میں تمام علوم ان دو علموں (علم کلام اور علم فقہ) کے لیے وسیلہ ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذاریات:٥٦) سو جس نے ان علموں کو حاصل کیا اور ان کے تقاضوں پر عمل کیا وہ مقصود اعظم پر پہنچ گیا ورنہ وہ نقصان اٹھانے والا اور جاہل ہے خواہ وہ صورۃً عالم ہو۔

علماء باطن کی علماء ظاہر پر فضیلت

علماء باطن کی علماء ظاہر پر فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ علم لدنی کے حاملین اولیاء اور صدیقین ہوتے ہیں' اور علم ظاہر کو ہر شخص حاصل کر لیتا ہے حتیٰ کہ فساق' فجار اور بدمذہب اور زندیق بھی علم ظاہر کو حاصل کر لیتے ہیں۔ شیخ سہروردی نے عوارف المعارف میں لکھا دنیا کی محبت کے ساتھ اور حقائق تقویٰ کو ترک کر کے ہر علم کو حاصل کیا جا سکتا ہے' بلکہ بعض اوقات دنیا کی محبت ان علوم کی تحصیل میں معاون ہوتی ہے کیونکہ دنیا کے بڑے مراتب اور بڑے مناصب کا حصول ان علوم پر موقوف ہوتا ہے' اس لئے

انسان راتوں کو جاگ کر اور مشقت اور تکلیف برداشت کر کے ان علوم کو حاصل کرتا ہے اور ان میں کمال کو پہنچ جاتا ہے' اور علم لدنی اور علم باطن کو دنیا کی محبت کے ساتھ حاصل نہیں کیا جا سکتا اور یہ علم اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک انسان اپنی خواہشات اور نفس امارہ کی مخالفت نہ کرے اور اس کے بغیر انسان مدارس تقویٰ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرہ:۲۸۲) تم اللہ سے ڈرو (متقی بنو) اور اللہ تم کو علم عطا فرما دے گا۔

علماء باطن کی علماء ظاہر پر فضیلت کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس علم سے اس کے عالم کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے اور دوسروں کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے' اور عارفین ہی وہ لوگ ہیں جو اپنے علوم سے خود بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی نفع پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے جو فائدہ اٹھایا وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دلوں کو ماسوی اللہ سے پاک کر لیا اور ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی معرفت سے معمور ہو گئے' اور انہوں نے مخلوق کو جو فائدہ پہنچایا وہ یہ ہے کہ ان کی برکت بندوں کی فریاد رسی کرتی ہے اور ان کی برکت سے زمین سے فساد دور ہوتا ہے۔

علماء باطن کی فیض آفرینی پر قرآن مجید' احادیث اور آثار سے دلائل

قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرہ:۲۵۱) اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض سے دور نہ کرتا تو زمین میں فساد ہو جاتا۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں ہمیشہ سات شخص ایسے رہیں گے جن کی برکت سے تمہاری مدد کی جائے گی اور جن کے وسیلہ سے تم پر بارشیں نازل ہوں گی اور جن کی وجہ سے تم کو رزق دیا جائے گا حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی۔

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس ابدال ہیں' ان کی وجہ سے تم کو رزق دیا جاتا ہے اور ان کی وجہ سے تم پر بارشیں ہوتی ہیں۔ قتادہ نے کہا میرا گمان ہے کہ حسن بصری بھی انہیں میں سے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۴۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ ایک مومن صالح کی برکت سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے مصائب کو دور کر دیتا ہے۔ پھر حضرت ابن عمر نے یہ آیت پڑھی **ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض۔**

(جامع البیان رقم الحدیث:۴۴۸۹' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۴۴' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۲۷۴' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۶۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث:۱۷۹۴)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حکیم ترمذی متوفی ۳۲۹ھ نے نوادر الاصول میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انبیاء زمین کی میخیں ہیں اور جب نبوت منقطع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ایک قوم کو پیدا کر دیا جن کو ابدال کہا جاتا ہے' وہ زیادہ روزوں اور زیادہ نمازوں کی وجہ سے لوگوں پر فضیلت نہیں رکھتے لیکن وہ حسن اخلاق' خدا خوفی' حسن نیت' تمام مسلمانوں کے لیے دلوں میں خیر خواہی' اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی' صبر' حلم' عقلمندی اور تواضع کی وجہ سے فضیلت رکھتے

ہیں۔ وہی انبیاء علیہم السلام کے خلفاء ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پسند کر لیا اور ان کو اپنے لئے خاص کر لیا۔ وہ چالیس صدیق ہیں' ان میں سے تیس ایسے اشخاص ہیں جن کا یقین حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کی مثل ہے۔ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے آفتوں اور مصائب کو دور فرماتا ہے' ان ہی کی وجہ سے ان پر بارشیں ہوتی ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ ان میں سے جو شخص بھی فوت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اس کا بدل پیدا فرما دیتا ہے۔

(نوادر الاصول ج ۱ ص ۲۶۲' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اگر اللہ نمازیوں کی وجہ سے بے نمازیوں سے عذاب دور نہ فرماتا اور متقین کی وجہ سے غیر متقین سے عذاب دور نہ فرماتا تو لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے' اور اگر اللہ نیک مومنوں کی وجہ سے فساق اور کفار سے عذاب دور نہ فرماتا تو زمین میں فساد ہو جاتا۔

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری امت کے نمازیوں کی وجہ سے بے نمازیوں سے عذاب دور کر دیتا ہے' اور زکوٰۃ دینے والوں کی وجہ سے زکوٰۃ نہ دینے والوں سے عذاب دور فرما دیتا ہے' اور روزہ داروں کی برکت سے ان سے عذاب دور کر دیتا ہے جو روزہ نہیں رکھتے' اور حجاج کی وجہ سے ان لوگوں سے عذاب دور کر دیتا ہے جو حج نہیں کرتے اور مجاہدوں کی وجہ سے ان لوگوں سے عذاب دور کر دیتا ہے جو جہاد نہیں کرتے' اور اگر سب لوگ ان احکام کے ترک کرنے پر جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو پلک جھپکنے کی بھی مہلت نہ دے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۳ ص ۲۳۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان احادیث اور آثار کی تائید اس صحیح حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا قیامت قائم نہیں ہو گی۔

(صحیح مسلم الایمان: ۲۳۴ (۱۴۸) الرقم المسلسل: ۳۶۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۷' مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۷' المستدرک ج ۴ ص ۴۹۴' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۶۱۷)

علماء باطن اور عارفین کی فیض آفرینی کے واقعات

علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

ایک عارف کے شاگرد نے کسی عورت سے بدکاری کا ارادہ کیا اچانک اس نے دور دراز کے ایک شہر سے اپنے شیخ کی آواز سنی یہ تم کیا کر رہے ہو! تو وہ شاگرد ڈر کر بھاگ گیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہوا ایک عارف کے کسی مرید نے بدکاری کا ارادہ کیا شیخ نے اس کو زور سے طمانچہ مارا جس سے اس کی آنکھ نکل گئی۔ وہ تائب ہو کر اپنے شیخ کے پاس حاضر ہوا اور کہا میں توبہ کرتا ہوں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری آنکھ لوٹا دے شیخ نے کہا ٹھیک ہے لیکن تم مرتے وقت اندھے ہو جاؤ گے۔ شیخ نے دعا کی اس کی آنکھ لوٹ آئی لیکن موت سے تین دن پہلے وہ اندھا ہو گیا۔

اسی طرح شیخ ابو الغیث بن جمیل یمنی کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا ان کا عجم میں ایک مرید تھا اس نے کسی عورت سے بدفعلی کا ارادہ کیا' انہوں نے غصہ میں آ کر وہیں سے اپنی کھڑاؤں کھینچ کر ماری اور فقراء کے سامنے بہت غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ ان کو سمجھ نہیں آیا کہ کیا ہوا ہے حتیٰ کہ ایک ماہ بعد وہ عجمی شاگرد اس کھڑاؤں کو لے کر آیا اور اس نے اس گناہ سے توبہ کی۔

اسی طرح شیخ جیلانی نے وضو کرنے کے بعد اپنی دونوں کھڑاؤں زور سے پھینکیں' وہاں جو حاضر فقراء تھے ان کو پتا نہیں چلا کہ اس کا کیا سبب ہے حتیٰ کہ تیئیس (۲۳) دن بعد ایک قافلہ آیا' ڈاکوؤں نے ان کے اموال کو لوٹ کر آپس میں تقسیم کر لیے

اور وہ قافلے والے سب ماجرا دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر انہوں نے ان ڈاکوؤں سے نجات پالی تو وہ حضرت شیخ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کریں گے پھر اچانک انہوں نے چیخنے کی آوازیں سنیں اور وہی ڈاکو ان کے اموال لے کر آ گئے اور بتایا کہ دو کھڑاؤں آئیں اور انہوں نے آ کر ان کے سردار کو قتل کر دیا جب انہوں نے ان کھڑاؤں کو پکڑا تو وہ گیلی تھیں وہ ان کو لے کر حضرت شیخ کے پاس آ گئے۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۴۰۸۔۴۰۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

واضح رہے کہ نذر ماننا عبادت ہے۔ علامہ ابن حجر مکی بہت بڑے عالم ہیں ملا علی قاری کے استاذ ہیں اور ان کی بہت تصانیف ہیں۔ انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ قافلہ والوں نے حضرت شیخ سے یہ عرض کیا کہ اگر آپ نے ہمیں ان ڈاکوؤں سے نجات دے دی تو ہم آپ کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کریں گے اگر وہ ایسا کہتے تو یہ صریح شرک ہوتا کیونکہ نذر ماننا عبادت ہے اور غیر اللہ کی نذر ماننی جائز نہیں ہے۔ اس عبارت کا صحیح محمل یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے نذر مانی کہ اگر اللہ نے ان کو ان ڈاکوؤں سے نجات دے دی تو وہ اللہ کی رضا کے لیے اللہ تعالیٰ کے ولی حضرت شیخ جیلانی کی خدمت میں ہدیہ پیش کریں گے' لیکن ان کی یہ نذر صحیح نہیں تھی کیونکہ اللہ کے ولی کو ہدیہ پیش کرنا ہر چند کہ مستحسن کام ہے لیکن یہ عبادت مقصودہ نہیں ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندہ کی وجاہت اور کرامت کو ظاہر کرنے کے لیے حضرت شیخ کو یہ تصرف عطا کیا کہ ان کی کھڑاؤں سے ایک ڈاکو مارا گیا اور قافلہ والوں کو اپنا مال واپس مل گیا' ہمیں حضرت شیخ جیلانی کی عظمتوں کا احترام بھی ملحوظ ہے اور حدود شریعت کی رعایت بھی پیش نظر ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ

اور آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ میں عنقریب تمہارے سامنے ان کا کچھ

ذِكْرًا ۝۸۳ۭ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

ذکر کروں گا ۝ بے شک ہم نے ان کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا اور بے شک ہم نے ان کو ہر چیز کا ساز و سامان

سَبَبًا ۝۸۴ۙ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝۸۵ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ

دیا تھا ۝ سو وہ ایک مہم کی تیاری کرنے لگے ۝ حتیٰ کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اسے سیاہ

عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ

دلدل کے چشمے میں ڈوبتے ہوئے پایا، اور انہوں نے اس کے پاس ایک قوم کو پایا، ہم نے کہا اے ذوالقرنین! تم ان کو

اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝۸۶ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ

عذاب پہنچاؤ یا ان کے ساتھ حسن سلوک کرو ۝ اس نے کہا جس شخص نے (اپنی جان پر) ظلم کیا تو عنقریب ہم

ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸۷ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ

اس کو سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اس کو بدترین عذاب دے گا ۝ اور جو شخص ایمان لے آیا اور

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا

اس نے نیک عمل کیے تو ہم اس کو اچھا بدلہ دیں گے اور عنقریب ہم اس کو آسان کاموں کے احکام

يُسْرًا ؕ ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

دیں گے ٥ پھر وہ ایک اور مہم کی تیاری کرنے لگے ٥ حتیٰ کہ جب وہ طلوع آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ

تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۙ ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ

سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جن کے لیے ہم نے سورج سے کوئی حجاب نہیں بنایا ٥ واقعہ اسی طرح ہے

وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ

اور ہمارے علم نے ان کے تمام واقعات کا احاطہ کیا ہوا ہے ٥ پھر وہ ایک اور مہم پر چل پڑے ٥ حتیٰ کہ جب وہ

بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ

دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو ان کے پار انہوں نے ایک ایسی قوم دیکھی جو (ان کی) کوئی بات نہیں

قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ

سمجھتی تھی ٥ انہوں نے کہا اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کر

فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا

رہے ہیں تو کیا ہم آپ کو کچھ سامان مہیا کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک

وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ

مضبوط دیوار بنا دیں ٥ انہوں نے کہا میرے رب نے مجھے جن چیزوں پر قدرت دی ہے وہ زیادہ بہتر ہیں، سو تم صرف محنت سے

اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا

میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان بہت مضبوط دیوار بنا دوں گا ٥ تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ، حتیٰ کہ جب

سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ

اس دیوار کو ان دونوں پہاڑوں کے برابر کر دیا (تو) کہا آگ کو خوب دہکاؤ، یہاں تک کہ لوہے کی ان چادروں کو آگ بنا دیا

قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ

(پھر) کہا میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ جو میں اس پر انڈیل دوں ○ پھر یاجوج اور ماجوج اس دیوار پر چڑھ نہ سکے

وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ

اور نہ اس دیوار میں سوراخ کر سکے ○ انہوں نے کہا یہ میرے رب کی رحمت (سے بنی) ہے اور جب میرے رب کے

وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿٩٨﴾ وَتَرَكْنَا

وعدہ کا وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ریزہ ریزہ کردے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے ○ اور اس دن ہم

بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ

ان کے بعضوں کو اس طرح چھوڑ دیں گے کہ وہ تیز موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے، صور پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب

جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ

کو جمع کرلیں گے ○ اور اس دن ہم دوزخ کو کافروں پر پیش کر دیں گے ○ جن کی

كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

آنکھیں میری یاد سے پردے میں رہیں اور وہ (حق کو) سننے کی طاقت

سَمْعًا ﴿١٠١﴾ ع — ع ١١ ١٩ ٢

نہیں رکھتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ میں عنقریب تمہارے سامنے اس ک
کچھ ذکر کروں گا○ بے شک ہم نے ان کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا اور بے شک ہم نے ان کو ہر چیز کا ساز و سامان بھی عطا ک
تھا○ (الکہف: ۸۴-۸۳)

ربط آیات

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مشرکین نے یہود سے کہا ہمارے ہاں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے' ہم ا
پڑھ لوگ ہیں تم اہل کتاب ہو تم ہم کو کچھ سوالات بتاؤ جن کے ذریعہ ہم معلوم کر سکیں کہ وہ اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہیں
کاذب ہیں۔ تب یہود نے کہا تم ان سے روح کے متعلق سوال کرو اور ان نوجوانوں کے متعلق سوال کرو جو غار میں جا کر سو گ
تھے اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو۔ روح اور اصحاب کہف کے متعلق تفصیل گزر چکی ہے' اور ان آیات میں ذوالقرنین کا ذ
ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے میں عنقریب تمہارا سامنے اس کا کچھ ذکر کروں گا۔ یعنی قرآن مجید نے ذوالقرنین کی مکمل سو

نہیں بیان کی کیونکہ قرآن مجید تاریخ اور جغرافیہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس کی زندگی کے وہ اہم واقعات بیان فرمائے ہیں جن کے ضمن میں رشد و ہدایت کا پہلو ہے۔

ذوالقرنین کا مصداق اور اس کی وجہ تسمیہ

قرآن مجید نے ذوالقرنین کی جو صفات بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ایسا بادشاہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائل کی فراوانی سے نوازا تھا۔ وہ مشرقی اور مغربی ممالک کو فتح کرتا ہوا ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا جس کی دوسری طرف یاجوج اور ماجوج تھے اس نے وہاں یاجوج اور ماجوج کا راستہ بند کرنے کے لیے نہایت مضبوط بند تعمیر کیا۔ وہ اللہ کو ماننے والا اور آخرت پر یقین رکھنے والا نہایت نیک شخص تھا وہ نفس پرست اور دولت کا حریص نہیں تھا' ان خصوصیات کا حامل صرف وہ شخص ہے جو فارس کا حکمران تھا۔ جسے یونانی سائرس' عبرانی خورس اور عرب کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں اس کا دور حکم رانی تقریباً ۵۳۹ قبل مسیح ہے۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں امام ابن جریر نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہی شخص سکندر رومی ہے یہ درست نہیں ہے۔ سکندر رومی ابن فیلیس المقدونی ہے اس کا ظہور بعد میں ہوا ہے' اور ذوالقرنین کے متعلق ازرقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ کعبہ کا طواف کیا ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور اس نے آپ کی اتباع کی تھی اور اس کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اور سکندر بن فیلیس المقدونی الیونانی بعد کا ایک شخص تھا اور اس کا وزیر مشہور فلسفی ارسطا طالیس تھا' اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے گزرا ہے اور ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں گزرا۔ وھب بن منبہ نے لکھا ہے کہ یہ بادشاہ تھا اس کو ذوالقرنین اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے سر کی دونوں جانبوں میں سینگ کے مشابہ کوئی چیز تھی۔ بعض نے کہا اس کو ذوالقرنین اس لئے کہتے ہیں کہ یہ روم اور فارس کا بادشاہ تھا' اور بعض نے کہا اس کو ذوالقرنین اس لئے کہتے تھے کہ یہ فتوحات کرتا ہوا مشارق اور مغارب میں پہنچ گیا تھا یعنی جہاں سے سورج کا قرن طلوع ہوتا ہے اور جہاں پر سورج کا قرن غروب ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ اس کو ذوالقرنین اس لئے کہتے تھے کہ اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے اپنے ملک میں خواب دیکھا تھا کہ اس نے سورج کے دو سینگوں پر قبضہ کر لیا ہے اس نے اس خواب کو بیان کیا تو اس کی یہ تعبیر بیان کی گئی کہ وہ تمام دنیا کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک فتح کرے گا اسی وجہ سے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔ وھب بن منبہ نے کہا اس کے عمامہ کے نیچے دو سینگ تھے۔ ابن الکواء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ذوالقرنین نبی تھا یا بادشاہ تھا؟ حضرت علی نے فرمایا وہ نبی تھا نہ بادشاہ تھا بلکہ وہ اللہ کا ایک نیک بندہ تھا۔ اس نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف دعوت دی تو انہوں نے کنپٹی کے پاس سے اس کا سر پھاڑ دیا۔ اس نے دوبارہ قوم کو اللہ کی طرف دعوت دی تو انہوں نے دوسری طرف سے اس کا سر پھاڑ دیا تو اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ ذوالقرنین کس زمانہ میں تھے؟ ایک قوم نے کہا وہ حضرت موسیٰ کے بعد تھے۔ دوسری قوم نے کہا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد زمانہ فترت میں تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے وقت میں تھے اور حضرت خضر علیہ السلام ان کے علم بردار تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اقتدار عطا کیا تھا اور بادشاہ بنا دیا تھا اور تمام بادشاہوں کو ان کا تابع کر دیا تھا۔ روایت ہے کہ ایسے چار شخص گذرے ہیں جو تمام دنیا کے بادشاہ بنے۔ دو مومن اور دو کافر تھے۔ جو دو مومن

تھے وہ حضرت سلیمان بن داؤد اور سکندر (ذوالقرنین) تھے اور جو دو کافر تھے وہ نمرود اور بخت نصر تھے اور پانچویں شخص اس امت سے ہوں گے وہ حضرت مہدی ہیں۔ (امام قرطبی کا یہ کہنا درایتاً صحیح نہیں ہے کہ یہ آدمی ساری دنیا کے بادشاہ تھے) سکندر کو جو ذوالقرنین کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ماں اور باپ دونوں بہت نیک اور شریف تھے اور یہ کریم الطرفین تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی زندگی میں دو قرن یعنی دو صدیاں گزر گئیں اس لئے ان کو ذوالقرنین کہا جاتا ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب یہ قتال کرتے تھے تو دونوں ہاتھوں اور دونوں رکابوں سے قتال کرتے تھے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو علم ظاہر اور علم باطن دو علم دیئے گئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ظلمت اور نور دونوں میں داخل ہوئے تھے یہ دنیا کی دو طرفوں تک پہنچ گئے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ١٠ ص ٤١٩' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

تورات میں ذوالقرنین کی طرف اشارے

ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ ذوالقرنین وہی بادشاہ ہیں جن کو عبرانی میں خورس کہتے ہیں چنانچہ یہودی ان کو خورس کہتے ہیں اور تورات میں بھی اسی نام کا ذکر ہے۔

قرآن مجید میں دو بار بنی اسرائیل کے شر اور فساد کرنے اور دو بار ان کو اس فساد کی سزا دینے کا ذکر ہے:

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۴)

ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو بار فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے۔

جب انہوں نے پہلی بار فساد اور سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ نے تقریباً چھ سو سال قبل مسیح بابل کے حکمران بخت نصر کے ہاتھوں ان کو سزا دی جس نے بے دریغ یہودیوں کو قتل کیا اور ان کی بہت بڑی تعداد کو غلام بنالیا۔ پھر بخت نصر کے قتل ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ عزت اور آزادی دی' اور انہوں نے پھر دوبارہ سرکشی کی پھر اللہ تعالیٰ نے رومی بادشاہ ٹیٹس کو ان پر مسلط کر دیا اور ان کے ہاتھوں دوبارہ ان پر ہلاکت اور ذلت مسلط کی گئی۔

ایک روایت یہ ہے کہ بخت نصر کو قتل کرنے والا اور بنو اسرائیل کو ان کی قید سے چھڑانے والا یہی بادشاہ ہے جس کو عرب کیخسرو اور یہودی خورس کہتے ہیں۔ یہود پر اس بادشاہ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے ان کو بابل کی قید سے نجات دلائی اور اس کی مدد سے بیت المقدس اور ہیکل کی ازسر نو تعمیر ہوئی۔ یہود کے انبیاء نے ان کی پیش گوئی بھی کی تھی بائبل میں مذکور ہے۔

خداوند اپنے ممسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا دہنا ہاتھ پکڑا' کہ امتوں کو اس کے سامنے زیر کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا ڈالوں اور دروازوں کو اس کے لیے کھول دوں اور پھاٹک بند نہ کئے جائیں گے ۝ میں تیرے آگے آگے چلوں گا اور ناہموار جگہوں کو ہموار بنا دوں گا' میں پیتل کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کروں گا اور لوہے کے بینڈوں کو کاٹ ڈالوں گا ۝ اور میں ظلمات کے خزانے اور پوشیدہ مکانوں کے دفینے تجھے دوں گا تا کہ تو جانے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں جس نے تجھے نام لے کر بلایا ہے ۝

(کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) یسعیاہ باب: ۴۵' آیت: ۳-۱' بائبل ص ۶۹۷' مطبوعہ لاہور' ۱۹۹۲ء)

اس پیش گوئی میں خورس سائرس کی بدلی ہوئی شکل ہے اور یہ کی خسرو نام کا یونانی تلفظ ہے۔

اسی طرح تورات میں دانیال نبی کے ایک خواب کا ذکر ہے:

تب میں نے آنکھ اٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ دریا کے پاس ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ دونوں

...نگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے بعد نکلا تھا○ میں نے اس مینڈھے کو دیکھا کہ مغرب، شمال ...جنوب کی طرف سینگ مارتا ہے یہاں تک کہ نہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا ہو سکا اور نہ کوئی اس سے چھڑا سکا پر وہ جو کچھ ...چاہتا تھا کرتا تھا یہاں تک کہ وہ بہت بڑا ہو گیا۔

(کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) دانی ایل باب: ۸ آیت ۴۔۳ بائبل ص ۸۴۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲)

اس خواب کی یہ تعبیر بتائی گئی کہ دو سینگوں سے مراد مادا (Media) اور فارس کی دو بادشاہتیں ہیں جن کو یہ بادشاہ فتح کرے گا اور یہ واقعہ ہے کہ خسرو نے یہ دونوں حکومتیں مسخر کر لیں۔

ذوالقرنین کا تصرف اور اس کا اقتدار

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے اس کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا اور بے شک ہم نے اس کو ہر چیز کا ساز و سامان عطا کیا تھا○ اس آیت کا معنی ہے ہم نے ان کو ملک عظیم عطا کیا تھا اور ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت قائم کرنے کے لیے جس قدر چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ہم نے وہ چیزیں اس کو عطا کی تھیں اور ہم نے اس کو تمام اطراف مملکت میں تصرف کرنے کی قدرت عطا کی تھی اور ہم نے اس کو ہر قسم کے آلات حرب' اسباب اور وسائل عطا کئے تھے جن کی وجہ سے وہ تمام مشارق اور مغارب کا حکمران ہو گیا تھا اور تمام ممالک اس کے تابع ہو گئے تھے اور عرب اور عجم کے تمام بادشاہ اس کے اطاعت گزار ہو گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو وہ ایک مہم کی تیاری کرنے لگے○ حتیٰ کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اسے سیاہ دلدل کے چشمے میں ڈوبتے ہوئے پایا اور انہوں نے اس کے پاس ایک قوم کو پایا' ہم نے کہا اے ذوالقرنین! تم ان کو عذاب پہنچاؤ یا ان کے ساتھ حسن سلوک کرو○ اس نے کہا جس شخص نے (اپنی جان پر) ظلم کیا تو عنقریب ہم اس کو سزا دیں گے' پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اس کو بدترین عذاب دے گا○ اور جو شخص ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کئے تو ہم اس کو اچھا بدلہ دیں گے اور عنقریب ہم اس کو آسان کاموں کے احکام دیں گے○ (الکھف: ۸۸-۸۵)

ذوالقرنین کا پہلا سفر بہ جانب مغرب

ذوالقرنین نے مغرب کی جانب سفر اختیار کیا حتیٰ کہ وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں پر زمین اور خشکی کی حد ختم ہو گئی اور اس کے ...بعد سمندر تھا وہ بحر الظلمات تھا وہ تیونس' الجزائر' مراکش اور مغربی ممالک کو فتح کرتا ہوا پہنچا تھا' اور اس نے وہاں سورج کو ایک ...سیاہ دلدل میں غروب ہوتے ہوئے دیکھا۔ عین کے معنی ہیں چشمہ اور حمئۃ کے معنی ہیں گارا' کیچڑ اور دلدل' اگر آپ شام کے ...وقت سمندر کے کنارے کھڑے ہوں اور دور جہاں آسمان اور سطح سمندر کے کنارے ملتے ہوئے نظر آئیں تو ایسا لگے گا جیسے ...سورج سمندر میں ڈوب رہا ہو ورنہ حقیقت میں سورج زمین اور سمندر سے بہت بڑا ہے۔

ذوالقرنین نے وہاں ایک قوم کو پایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ذوالقرنین! تم ان کو عذاب پہنچاؤ یا ان کے ساتھ حسن ...سلوک کرو۔ اس میں اختلاف ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے یا ولی تھے اگر نبی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کلام کی وحی فرمائی اور اگر ...ولی تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی پر وحی نازل فرمائی اور اس نبی نے ذوالقرنین تک اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا' یا پھر اللہ ...تعالیٰ نے ان کے دل میں اس طرح بات ڈال دی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں بات ڈال دی تھی ...قرآن مجید میں ہے:

اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰىٓ ۝ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ (طٰہٰ :۳۹-۳۸)

جب نے ہم آپ کی ماں کی طرف وہ الہام کیا جس کی وحی (اب) کی جا رہی ہے ۝ کہ تم اس (موسیٰ) کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو اور دریا اس صندوق کو ساحل پر ڈال دے گا اور اس کو میرا اور خود اس کا دشمن اٹھا لے گا۔

سو اس طریقہ سے ذوالقرنین کے دل میں یہ بات ڈالی گئی۔ ذوالقرنین کے اس سفر میں مغرب کی آخری جانب کافروں کی ایک قوم تھی یا بنی آدم کا ایک بہت بڑا گروہ تھا' تو اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے دل میں یہ الہام کیا کہ اگر یہ لوگ کفر پر اصرار کریں تو ان کو قتل کر دو' یا تم صبر کرو اور ان کو حق اور سیدھے راستہ کی ہدایت دیتے رہو اور ان کو شرعی احکام کی تعلیم دیتے رہو' اور ذوالقرنین نے ان لوگوں سے کہا جس شخص نے میری دعوت کو قبول نہیں کیا اور کفر اور شرک پر اصرار کیا تو ہم دنیا میں اس کو قتل کر کے سزا دیں گے اور جب وہ آخرت میں اپنے رب کی طرف لوٹے گا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں بہت سخت عذاب دے گا' اور جس نے میری دعوت کو قبول کر لیا اور وہ اللہ پر ایمان لے آیا اور اس نے نیک اعمال کیے تو اس کی جزا آخرت میں جنت ہے اور ہم اس کو مشکل اور سخت احکام کا مکلف نہیں کریں گے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے آسان طریقے بتائیں گے۔

ذوالقرنین کے پہلے سفر کے متعلق شیخ ابوالکلام احمد لکھتے ہیں:

ہیروڈوٹس نے اس جنگ کی سرگزشت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اس کی بعض تفصیلات نہایت دلچسپ اور اہم ہیں لیکن یہ موقعہ اطناب کا نہیں۔ وہ کہتا ہے سائرس کی فتح مندی ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پٹیریا کے معرکہ کے بعد صرف چودہ دن کے اندر لیڈیا کا مستحکم دارالحکومت مسخر ہو گیا اور کروٹسس ایک جنگی قیدی کی حیثیت میں سائرس کے آگے سرنگوں کھڑا تھا۔

اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگین تھا وہ برابر بڑھتا گیا یہاں تک کہ مغربی ساحل تک پہنچ گیا۔ قدرتی طور پر اس کے قدم یہاں پہنچ کر اسی طرح رک گئے جس طرح بارہ سو سال بعد طارق کے قدم افریقہ کے شمالی ساحل پر رک جانے والے تھے۔ اس کے فتح مند قدموں کے لیے صحراؤں کی وسعتیں اور پہاڑیوں کی بلندیاں روک نہ ہو سکیں۔ اس نے فارس سے لے کر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا لیکن سمندر کی موجوں پر چلنے کے لیے اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور سورج اس کی لہروں میں ڈوب رہا تھا۔

یہ لشکر کشی جو اسے پیش آئی صریح مغرب کی لشکر کشی تھی کیونکہ وہ ایران سے مغرب کی طرف چلا اور خشکی کے مغربی کنارے تک پہنچ گیا۔ یہ اس کے لیے مغرب الشمس کی آخری حد تھی۔

ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل نقشہ میں نکالو تم دیکھو گے کہ تمام ساحل اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ہو گئے ہیں' اور سمرنا کے قریب اس طرح کے جزیرے نکل آئے ہیں جنہوں نے ساحل کو ایک جھیل یا حوض کی سی شکل دے دی ہے۔ لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا اور اس کا محل موجودہ سمرنا سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہ تھا' پس جب سائرس سارڈیس کی تسخیر کے بعد آگے بڑھا ہو گا تو یقیناً بحر ایجین کے اسی ساحلی مقام پر پہنچا ہو گا جو سمرنا کے قرب و جوار میں واقع ہے۔ یہاں اس نے دیکھا ہو گا کہ سمندر نے ایک جھیل کی سی شکل اختیار کر لی ہے۔ ساحل کی کیچڑ سے پانی گدلا ہو رہا

ہے اور شام کے وقت اسی میں سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی صورت حال کو قرآن نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ وجدھا تغرب فی عین حمئۃ (۸۶) اسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج ایک گدلے حوض میں ڈوب رہا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سورج کسی مقام میں بھی ڈوبتا نہیں لیکن ہم سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں تو ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ ایک سنہری تھالی آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہی ہے۔ (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۰۶ مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور ۱۹۷۶ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ ایک اور مہم کی تیاری کرنے لگے O حتیٰ کہ جب وہ طلوع آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جن کے لیے ہم نے سورج سے کوئی حجاب نہیں بنایا O واقعہ اسی طرح ہے اور ہمارے علم نے ان کے تمام واقعات کا احاطہ کیا ہوا ہے O (الکھف: ۹۱-۸۹)

ذوالقرنین کا دوسرا سفر بہ جانب مشرق

جانب مغرب کی فتوحات کرنے کے بعد ذوالقرنین مشرق کی جانب روانہ ہوا اور وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سب سے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے۔ وہاں اس نے ایسی قوم کو دیکھا جو برہنہ پاؤں اور برہنہ بدن تھی۔ وہ اپنے جسم کو کسی چیز سے نہیں چھپاتے تھے۔ سورج کی گرمی اور موسم کی سردی سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ ان کے پاس لباس تھے نہ انہوں نے گھر بنائے ہوئے تھے وہ یونہی جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور ان کا گزران مچھلی پر تھا۔

شیخ ابوالکلام احمد لکھتے ہیں:

دوسری لشکر کشی مشرق کی طرف تھی چنانچہ ہیروڈوٹس اور ٹی سیاز دونوں اس کی مشرقی لشکر کشی کا ذکر کرتے ہیں۔ جولیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے پیش آئی تھی اور دونوں نے تصریح کی ہے کہ ''مشرق کے بعض وحشی اور صحرا نشین قبائل کی سرکشی اس کا باعث ہوئی تھی'' یہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے اس اشارہ کی تصدیق ہے کہ حتی اذا بلغ مطلع الشمس وجدھا تطلع علی قوم لم نجعل لھم من دونھا سترا (۹۰) جب وہ مشرق کی طرف پہنچا تو اسے ایسی قوم ملی جو سورج کے لیے کوئی آڑ نہیں رکھتی تھی یعنی خانہ بدوش قبائل تھے۔

یہ خانہ بدوش قبائل کون تھے؟ ان مؤرخین کی صراحت کے مطابق بکٹر یا یعنی بلخ کے علاقہ کے قبائل تھے۔ نقشہ پر اگر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آ جائے گا کہ بکٹر یا ٹھیک ٹھیک ایران کے لیے مشرق اقصیٰ کا حکم رکھتا ہے کیونکہ اس کے آگے پہاڑ ہیں اور انہوں نے راہ روک دی ہے۔ اس کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ گیڈروسیا کے وحشی قبیلوں نے اس کی مشرقی سرحد میں بدامنی پھیلائی تھی اور ان کی گوشمالی کے لیے اسے نکلنا پڑا۔ گیڈروسیا سے مقصود وہی علاقہ ہے جو آج کل مکران کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کی طرف ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس لئے قیاس کہتا ہے کہ مکران سے نیچے اس کے قدم نہیں اترے ہوں گے اور اگر اترے ہوں گے تو دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھے ہوں گے۔ کیونکہ دارا کے زمانہ میں بھی اس کی جنوب مشرقی سرحد دریائے سندھ ہی تک معلوم ہوتی ہے۔

(شیخ احمد نے اس جگہ کا مصداق مکران بتایا ہے لیکن یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں روئے زمین پر سب سے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے وہ جگہ جزائر فجی میں) (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۴۰۷-۴۰۶ مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور ۱۹۷۶ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ ایک اور مہم پر چل پڑے O حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو ان کے پار انہوں نے ایک ایسی قوم دیکھی جو (ان کی) کوئی بات نہیں سمجھتی تھی O انہوں نے کہا اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج زمین فساد کر رہے ہیں تو کیا ہم آپ کو کچھ سامان مہیا کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دیں O

انہوں نے کہا میرے رب نے مجھے جن چیزوں پر قدرت دی ہے وہ زیادہ بہتر ہیں سو تم صرف محنت سے میری مدد کرو میں تمہارے اوران کے درمیان بہت مضبوط دیوار بنادوں گا ○ تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ حتیٰ کہ جب اس دیوار کو ان دو پہاڑوں کے برابر کردیا (تو) کہا آگ کو خوب دہکاؤ یہاں تک کہ لوہے کی ان چادروں کو آگ بنادیا (پھر) کہا میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ جو میں اس پر انڈیل دوں ○ پھر یاجوج اور ماجوج اس دیوار پر نہ چڑھ سکے اور نہ اس دیوار میں سوراخ کر سکے ○ انہوں نے کہا یہ میرے رب کی رحمت (سے بنی) ہے اور جب میرے رب کے وعدہ کا وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ریزہ ریزہ کردے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے ○ اور اس دن ہم ان کے بعضوں کو اس طرح چھوڑ دیں گے کہ وہ تیز موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے' صور پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو جمع کرلیں گے ○ اور اس دن ہم دوزخ کو کافروں پر پیش کردیں گے ○ جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں رہیں اور وہ (حق کو) سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ○ (الکھف:١٠١-٩٢)

ذوالقرنین کا تیسرا سفر بہ جانب شمال

شیخ ابوالکلام احمد لکھتے ہیں:

تیسری لشکر کشی اس نے اس علاقہ تک کی جہاں یاجوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے۔ یہ یقیناً اس کی شمالی مہم تھی جس میں وہ بحرخزر (کاسپین) کو دہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا کے سلسلہ کوہ تک پہنچ گیا تھا اور وہاں اسے ایک درہ ملا تھا جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا۔ اسی راہ سے یاجوج ماجوج آ کر اس طرف کے علاقہ میں تاخت و تاراج کیا کرتے تھے اور یہیں اس نے سد تعمیر کی۔

قرآن نے اس مہم کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ حتی اذا بلغ بین السدین وجد من دونهما قوما لایکادون یفقهون قولا (٩٣) یہاں تک وہ دو (پہاڑی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا ان کے اس طرف اسے ایک قوم ملی جو کوئی بات بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ پس صاف معلوم ہوتا ہے "سدین" سے مقصود کاکیشیا کا پہاڑی درہ ہے کیونکہ اس کے دہنی طرف بحرخزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روک رکھی ہے۔ بائیں جانب بحراسود ہے جو شمال مغرب کے لیے قدرتی روک ہے۔ درمیانی علاقے میں اس کا سربہ فلک سلسلہ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے' پس اگر شمالی قبائل کے حملوں کے لیے کوئی راہ باقی رہی تھی تو وہ صرف اس سلسلہ کوہ کا ایک عریض درہ یا وسطی وادی تھی اور یقیناً وہیں سے یاجوج ماجوج کو دوسری طرف پہنچنے کا موقع ملتا تھا۔ اس راہ کے بند ہوجانے کے بعد نہ صرف بحرخزر سے لے کر بحراسود تک کا علاقہ محفوظ ہو گیا بلکہ سمندروں اور پہاڑوں کی ایک ایسی دیوار قائم ہوگئی جس نے تمام مغربی ایشیا کو اپنی پاسبانی میں لے لیا اور شمال کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا اب ایران' شام' عراق' عرب' ایشیائے کوچک' بلکہ مصر بھی شمال کی طرف سے بالکل محفوظ ہو گیا تھا۔

نقشہ میں یہ مقام دیکھو۔ تمام مغربی ایشیا نیچے ہے۔ اوپر شمال میں بحرخزر ہے۔ اس سے بائیں جانب شمال مغرب میں بحر اسود ہے۔ درمیان میں بحرخزر کے مغربی ساحل سے بحراسود کے مشرقی ساحل تک کاکیشیا کا سلسلۂ کوہ چلا گیا ہے۔ ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلۂ کوہ نے مل کر سینکڑوں میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کردی ہے' اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا جہاں سے شمالی اقوام کے قدم اس روک کو پھلانگ سکتے تھے تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کے درمیان کی راہ تھی۔ ذوالقرنین نے اسے بھی بند کردیا اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا یہ درمیانی پھاٹک پوری طرح مقفل ہو گیا۔

باقی رہا یہ سوال کہ وہاں جو قوم ذوالقرنین کو ملی تھی اور جو بالکل ناسمجھ تھی وہ کونسی قوم تھی؟ تو اس سلسلہ میں دو قومیں نمایاں ہوتی ہیں اور دونوں کا اس زمانہ میں وہاں قریب قریب آباد ہونا تاریخ کی روشنی میں آچکا ہے۔ پہلی قوم وہ ہے جو بحرخزر کے مشرقی ساحل پر آباد تھی۔ اسے یونانی مؤرخوں نے "کاسپین" کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے نام سے بحرخزر کا نام بھی "کاسپین" پڑ گیا ہے۔ دوسری قوم وہ ہے جو اس مقام سے آگے بڑھ کر عین کاکیشیا کے دامن میں آباد تھی۔ یونانیوں نے اسے "کولچی" یا "کول شی" کے نام سے پکارا ہے۔

اور دارا کے کتبہ اصطخر میں اس کا نام "کوشیہ" آیا ہے' انہیں دو قوموں میں سے کسی نے یا دونوں قوموں نے ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی شکایت کی ہوگی' اور چونکہ یہ غیر متمدن قومیں تھیں اس لئے ان کی نسبت فرمایا: لایکادون یفقھون قولا۔ (ترجمان القرآن ج ۳ ص ۴۰۸-۴۰۷ مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور' ۱۹۷۶ھ)

سورۃ الکھف: ۹۲' میں دو اہم چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ایک یاجوج ماجوج کا ذکر ہے اور دوسرا ذکر سد ذوالقرنین کا ہے یعنی دو پہاڑوں کے درمیان جو ذوالقرنین نے دیوار بنائی تھی۔ اب ہم ان دو چیزوں کی تفصیل کریں گے۔ پہلے یاجوج اور ماجوج کے متعلق احادیث ذکر کریں گے اور پھر ان کے متعلق قدیم اور جدید علماء کی آراء کا ذکر کریں گے۔ اس کے بعد سد ذوالقرنین کے متعلق تحقیق کریں گے۔

یاجوج ماجوج کے متعلق احادیث

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے آئے اور آپ فرما رہے تھے عربوں کے لیے اس شر سے ہلاکت ہے جو قریب پہنچ چکا ہے۔ آج یاجوج ماجوج کے سد (بند) سے اتنا کھل گیا ہے آپ نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ملا کر دائرہ بنایا۔ حضرت زینب بنت جحش نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم میں نیک آدمی ہوں گے اس کے باوجود ہم ہلاک ہو جائیں گے آپ نے فرمایا: ہاں! جب خبیث کام بہت ہو جائیں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۳)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر بلندی سے بہ سرعت پھسلتے ہوئے آئیں گے ان کی پہلی جماعتیں بحیرہ طبرستان سے گزریں گی اور وہاں کا تمام پانی پی جائیں گی' پھر جب دوسری جماعتیں وہاں سے گزریں گی تو وہ کہیں گی یہاں پر کسی وقت پانی تھا' اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب محصور ہو جائیں گے حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے نزدیک بیل کی سری بھی تم میں سے ایک کے سو دینار سے افضل ہوگی۔ پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب دعا کریں گے۔ تب اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا پھر صبح کو وہ سب دفعۃً مر جائیں گے۔ پھر اللہ کے نبی اور ان کے اصحاب زمین پر اتریں گے مگر زمین پر ایک بالشت برابر جگہ بھی ان کی گندگی اور بدبو سے خالی نہیں ہوگی۔ پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی مانند پرندے بھیجے گا یہ پرندے ان لاشوں کو اٹھائیں گے اور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا وہاں پھینک دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک بارش بھیجے گا جو زمین کو دھو دے گی اور ہر گھر خواہ وہ مٹی کا مکان ہو یا کھال کا خیمہ وہ آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گا پھر زمین سے کہا جائے گا تم اپنے پھل اگاؤ اور اپنی برکتیں لوٹاؤ' سو اس دن ان کی ایک جماعت ایک انار کو (سیر ہو کر) کھا لے گی اور ایک دودھ دینے والی گائے لوگوں کے ایک قبیلہ کے لیے کافی ہوگی اور دودھ دینے والی بکری ایک گھر والوں کے لیے کافی ہوگی۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے لگے گی اور وہ ہر مومن اور ہر مسلم کی روح

قبض کر لے گی اور برے لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح کھلے عام جنسی عمل کریں گے اور ان ہی پر قیامت قائم ہو گی۔
(صحیح مسلم' کتاب الفتن رقم الحدیث: ۱۱۰' رقم بلاتکرار: ۲۹۳۷' الرقم المسلسل: ۷۲۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۲۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۴۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۶-۴۰۷۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے اس میں یہ جملہ بھی ہے پھر یاجوج اور ماجوج خمر کے پہاڑ کے پاس پہنچیں گے یہ بیت المقدس کا پہاڑ ہے۔ وہ کہیں گے ہم نے زمین والوں کو تو قتل کر دیا۔ اب آسمان والوں کو قتل کریں پھر وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلودہ کر کے لوٹا دے گا۔
(صحیح مسلم' کتاب الفتن' رقم الحدیث: ۱۱۱' رقم الحدیث المسلسل: ۷۲۴۰)

یاجوج اور ماجوج کے متعلق قدیم علماء کی آراء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں۔

ضحاک نے کہا یاجوج اور ماجوج ترک میں سے ہیں۔ کعب سے روایت ہے کہ یاجوج ترک سے ہیں اور ماجوج دیلم سے ہیں۔ ان کی صفت کے متعلق امام ابن عدی' امام ابن ابی حاتم اور امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاجوج ایک امت ہے اور ماجوج ایک اور امت ہے۔ ہر امت میں چار لاکھ نفر ہیں' ان میں سے ایک شخص فوت ہوتا ہے تو اس کی صلب سے ایک ہزار نر پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ سب مسلح ہوتے ہیں۔ امام ابن عدی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے کہا اس حدیث میں ایک راوی العطار منکر الحدیث ہے۔ امام حاکم اور امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں' اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ جن اور انس دس میں سے ایک ہیں اور یاجوج اور ماجوج دس میں سے نو ہیں۔ کعب سے روایت ہے کہ ان کا قد بہت اونچے درخت کی مانند ہے اور حاکم کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یاجوج اور ماجوج ایک ایک بالشت کے اور دو دو بالشت کے ہیں اور ان میں سے طویل ترین تین تین بالشت کے ہیں' اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت نوح کے تین بیٹے پیدا ہوئے سام' حام اور یافث' سام سے عرب' روم اور فارس پیدا ہوئے اور حام سے قبطی' بربر اور حبشی پیدا ہوئے اور یافث سے یاجوج' ماجوج' ترک اور صقالبہ پیدا ہوئے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اور سعید بن بشیر قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ یاجوج اور ماجوج بائیس قبیلے ہیں۔ ذوالقرنین نے ان میں سے اکیس قبیلوں پر سد بنائی ہے ان میں سے ایک قبیلہ اس وقت لڑنے کے لیے گیا ہوا تھا وہ ترک ہیں اور وہ اس سد سے باہر ہیں' اور علامہ نووی نے اپنے فتاویٰ میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت آدم کی اولاد ہیں مگر وہ حوا سے پیدا نہیں ہوئے ہیں وہ ہمارے علاتی بھائی ہیں۔ سلف نے اس قول کو صرف کعب احبار سے روایت کیا ہے اور یہ قول اس حدیث مرفوع سے مردود ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت ہیں اور حضرت نوح قطعی طور پر حضرت حوا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (فتح الباری ج ۱۴ ص ۶۲۱-۶۱۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ' ۲۰۰۰ء)

یاجوج اور ماجوج کے متعلق متاخرین کی آراء

(بعض لوگوں کی رائے میں) قرآن مجید نے ذوالقرنین کی فتوحات کے سلسلہ میں جو نشانیاں بتائی ہیں وہ اچھی خاصی حد تک سکندر یونانی کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں: حتی اذا بلغ مغرب الشمس (۱۸: الکھف: ۸۶) تاریخ کا بھی بیان ہے کہ

سکندر کی ابتدائی فوج کشی شمال ومغرب ہی کی جانب تھی۔ عین حمئۃ سے مراد جھیل Ocbrida ہو سکتی ہے جو مناستر سے پچاس میل جانب مغرب واقع ہے۔ یہ چشمہ اپنے سیاہی مائل گدلے پانی کے لیے مشہور ہے۔ یہاں تک کہ جو دریا اس سے نکلا ہے اس کا نام بھی دریائے سیاہ (Black Drin) ہے (اس سے بحر اسود بھی مراد لیا گیا ہے)۔

"مطلع الشمس" سکندر کی بعد کی فوجی مہمات مشرق کی سمت میں ہوئیں۔ (مراد ہے کہ اس کی مملکت کی انتہائی مشرقی حد) "یاجوج ماجوج" غالباً منگول قبیلے تھے جو پہاڑوں کی دوسری جانب آباد تھے اور کہیں کہیں موقع پاکر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے۔ دربند میں ایک آہنی دیوار سد سکندر کے نام سے مشہور چلی آتی تھی اور اس کا پھاٹک باب الحدید کہلاتا تھا۔ یہ دربند وسط ایشیا کے مشرقی علاقے میں ضلع حصار میں بخارا سے ۱۵۰ میل جنوب ومشرق میں ۳۸ درجے عرض بلد شمالی اور ۶۷ درجے طول البلد مشرقی پر واقع ہے۔

بہر حال یہ امر ثبوت طلب ہے کہ سکندر یونانی کی فتوحات شمالی یورپی روس اور سائبیریا تک ہوئی تھیں۔ الادریسی نے سد سکندری انہیں اطراف میں دکھائی ہے اور اس کا نقشہ بھی دیا ہے۔ (اردو دائرۃ المعارف ج ۱ ص ۶۲' لاہور ۱۹۷۳ء)

شیخ ابوالکلام احمد لکھتے ہیں:

اب صرف ایک معاملہ کی تشریح باقی رہ گئی ہے یعنی یاجوج اور ماجوج سے کون سی قوم مراد ہے؟ اور جو سد سائرس نے بنائی تھی اس کی تاریخی نوعیت کیا ہے؟

قرآن مجید نے یاجوج اور ماجوج کا دو جگہ ذکر کیا ہے۔ ایک تو یہاں ہے دوسرا سورہ انبیاء میں ہے: حتیٰ اذا فتحت یاجوج و ماجوج وھم من کل حدب ینسلون (۹۶:۲۱)

یاجوج اور ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق میں آیا ہے۔ حزقیل نبی کی کتاب میں جنہیں بخت نصر اپنے آخری حملہ بیت المقدس میں گرفتار کرکے بابل لے گیا تھا اور جو سائرس کے ظہور تک زندہ رہے۔ یہ پیش گوئی ملتی ہے:

"اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا۔ اس نے کہا اے آدم زاد! تو جوج کی طرف اپنا منہ کرکے اس کے برخلاف نبوت کر۔ جوج کی طرف' جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش' مسک اور توبال کا سردار ہے۔ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ میں تیرا مخالف ہوں' میں تجھے پھرا دوں گا۔ تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا' تیرے سارے لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو جنگی پوشاک پہنے چوپہریاں اور سپر لئے ہوئے ہیں اور سب شمشیر بکف ہیں' کھینچ نکالوں گا اور میں ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط کو بھی کھینچ نکالوں گا جو سپر لئے ہوئے اور خود پہنے ہوں گے۔ نیز جومر اور شمال بعید کے اطراف کے باشندگان تجرمہ اور ان کا سارا لشکر"

اس کے بعد دور تک تفصیلات چلی گئی ہیں اور چار باتیں خصوصیت کے ساتھ کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ جوج شمال کی طرف سے آئے گا تاکہ لوٹ مار کرے۔ دوسری یہ کہ ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں سکونت رکھتے ہیں تباہی آئے گی' تیسرے یہ کہ جو لوگ اسرائیل کے شہروں میں بسنے والے ہیں وہ بھی ماجوج کے مقابلہ میں حصہ لیں گے اور ان کے بے شمار ہتھیار ان کے ہاتھ آئیں گے۔ چوتھی یہ کہ ماجوج کی تباہی کا گورستان "مسافروں کی وادی" میں بنے گا جو "سمندر کے پورب میں ہے" ان کی لاشیں عرصہ تک وہاں پڑی رہیں گی۔ لوگ انہیں گاڑتے رہیں گے تاکہ رہگذر صاف ہو جائے۔ حزقی ایل۔ (باب ۳۸-۳۹)

یہ واضح رہے کہ اس پیشین گوئی سے پہلے سائرس کے ظہور اور یہودیوں کی آزادی وخوشحالی کی پیش گوئی بیان کی جا چکی ہے اور اس پیشین گوئی کا محل ٹھیک اس مکاشفہ کے بعد ہے جس میں حزقیل نبی نے بنی اسرائیل کی سوکھی ہڈیوں کو زندہ ہوتے دیکھا تھا' اور جسے قرآن نے بھی سورہ بقرہ کی آیت او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا (۲۵۹:۲)

میں بیان کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ جوج اور ماجوج کا معاملہ بھی اسی زمانے کے لگ بھگ پیش آنے والا ہو یعنی سائرس کے زمانہ میں۔ اور یہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا ایک مزید ثبوت ہے کیونکہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ اس نے یاجوج و ماجوج کے حملوں کی روک تھام کے لیے ایک سد تعمیر کی تھی۔

عہد عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفات یوحنا میں بھی ملتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ "جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا' اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج اور ماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑانے کے لیے جمع کرنے نکلے گا ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا۔ وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائیں گی۔ (۲۰:۷)

یاجوج اور ماجوج کے لیے یورپ کی زبانوں میں Gog اور Magog کے نام مشہور ہو گئے ہیں اور شارحین تورات کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے تورات کے ترجمہ سبعینی میں اختیار کیے گئے تھے۔ لیکن کیا اس لئے اختیار کیے گئے کہ جوج اور ماجوج کا یونانی تلفظ یہی ہو سکتا تھا' یا خود یونانی میں پہلے سے یہ نام موجود تھے؟ اس بارے میں شارحین کی رائیں مختلف ہیں لیکن زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں نام اسی طرح یا اس کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کون قوم تھی؟ تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے اس کے سوا کوئی نہیں' یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا' جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چینیوں کو سینکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی' جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے۔ اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی تھی۔

شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب منگولیا کہلاتا ہے لیکن منگول لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ اس کے لیے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں (اور ہمیں اسی طرف رجوع ہونا چاہئے کیونکہ وہ منگولیا کے ہم سایہ میں ہے) تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام موگ تھا۔ یقیناً یہی موگ ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں میگ اور مے گاگ پکارا جاتا ہو گا اور یہی عبرانی میں ماجوج ہو گیا۔ (ترجمان القرآن ص ۴۲۱' ۴۲۰' مطبوعہ لاہور' ۱۹۷۶ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

یاجوج اور ماجوج سے مراد ایشیا کے شمال مشرقی علاقے کی وہ قومیں ہیں جو قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر غارت گرانہ حملے کرتی رہی ہیں اور جن کے سیلاب وقتاً فوقتاً اٹھ کر ایشیا اور یورپ دونوں طرف رخ کرتے رہے ہیں۔ بائبل کی کتاب پیدائش (باب:۱۰) میں ان کو حضرت نوح کے بیٹے یافث کی نسل میں شمار کیا گیا ہے اور یہی بیان مسلمان مؤرخین کا بھی ہے' حزقی ایل کے صحیفے (باب ۳۸-۳۹) میں ان کا علاقہ روس اور توبل (موجودہ توبالسک) اور مسک (موجودہ ماسکو) بتایا گیا ہے۔ اسرائیلی مؤرخ یوسیفوس ان سے مراد سیتھین قوم لیتا ہے جس کا علاقہ بحر اسود کے شمال اور مشرق میں واقع تھا۔ جیروم کے بیان کے مطابق ماجوج کاکیشیا کے شمال میں بحر خزر کے قریب آباد تھے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۴۷۔ ۴۶' مطبوعہ لاہور' ۱۹۸۲ء)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

یاجوج ماجوج کون ہیں؟ کس ملک میں رہتے ہیں؟ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد (آہنی دیوار) کہاں ہے؟ یہ وہ سوالات

ہیں جن کے متعلق مفسرین و مؤرخین کے اقوال مختلف رہے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ کعب احبار نے فرمایا اور نووی نے فتاوی میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے ان کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے آدم پر منتہی ہوتا ہے' مگر ماں کی طرف سے حوا تک نہیں پہنچتا گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔ کیا عجب ہے کہ دجال اکبر جسے تمیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا اسی قوم میں کا ہو' جب حضرت مسیح علیہ السلام جو محض ایک آدم زاد خاتون (مریم صدیقہ) کے بطن سے بتوسط نفحہ ملکیہ پیدا ہوئے نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کردیں گے۔ اس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پر خروج کرے گی اور آخر کار حضرت مسیح کی دعا سے غیر معمولی موت مرے گی۔ اس وقت یہ قوم کہاں ہے اور ذوالقرنین کی دیوار آہنی کس جگہ واقع ہے؟ سو جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ملتا ہے اس کو کہنا پڑے گا کہ جن قوموں' ملکوں اور دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتا دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا۔ لہٰذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے۔ رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتا نہیں ملا' اور اسی شبہ کے جواب کے لیے ہمارے مولفین نے پتا بتلانے کی کوشش کی ہے اس کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ آلوسی بغدادی نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں' اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں' اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی اور تری پر محیط ہو چکے ہیں واجب التسلیم نہیں عقلاً جائز ہے کہ جس طرح اب سے پانچ سو برس پہلے ہم کو چوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو جہاں تک ہم رسائی نہ حاصل کر سکے ہوں' اور تھوڑے دنوں بعد ہم وہاں تک یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں۔ سمندر کی دیوار اعظم جو آسٹریلیا کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے آج کل برطانوی سائنسدان ڈاکٹر سی ایم ینگ کے زیر ہدایت اس کی تحقیقات جاری ہے۔ یہ دیوار ہزار میل سے زیادہ لمبی اور بعض بعض مقامات پر بارہ بارہ میل تک چوڑی اور ہزار فٹ اونچی ہے جس پر بے شمار مخلوق بستی ہے جو مہم اس کام کے لیے روانہ ہوئی تھی حال میں اس نے اپنی ایک سالہ تحقیق ختم کی ہے' جس سے سمندر کے عجیب غریب اسرار منکشف ہوتے ہیں اور انسان کو حیرت واستعجاب کی ایک نئی دنیا معلوم ہو رہی ہے' پھر کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہم کو خشکی وتری کی تمام مخلوق کے مکمل انکشافات حاصل ہو چکے ہیں۔ بہرحال مخبر صادق نے جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جب اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کی تصدیق کریں اور ان واقعات کے منتظر رہیں جو مشرکین و منکرین کے علی الرغم پیش آکر رہیں گے۔ (حاشیہ قرآن برترجمہ شیخ محمود حسن' مطبوعہ مملکہ عربیہ سعودیہ)

پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ١٤١٨ھ لکھتے ہیں:

یاجوج اور ماجوج کا ذکر قرآن کریم میں دوبار آیا ہے ایک یہاں اور دوسرا سورۃ الانبیاء میں' یورپ کی زبانوں میں انہیں Gog And Magog کہا جاتا ہے یہ کون سی قوم تھی تمام تاریخی قرائن متفقہ طور پر شہادت دیتے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی اور طاقتور قبائل جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چین کے شہنشاہ شین ہوانگ ٹی کو وہ عظیم الشان دیوار بنانی پڑی جو پندرہ سو میل تک چلی گئی ہے اور جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی تعمیر ٢١٤ ق م میں شروع ہوئی اور دس برس میں ختم ہوئی اس نے شمال اور مغرب کی طرف منگولین قبائل کے حملوں کی راہیں مسدود کر دیں۔ اس لئے ان کے حملوں کا رخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا۔ انہی کے حملوں کو روکنے کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی' شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب منگولیا کہلاتا ہے لیکن چینی ذرائع سے پتا چلتا ہے کہ اس کا اصلی قدیم نام

"موگ" ہے جو چھ سو برس ق م میں یونانیوں میں میگ اور میگاگ پکارا جاتا تھا اور یہی لفظ عبرانی میں ماجوج ہو گیا۔
(ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۰-۴۹ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۳۹۹ھ)

یاجوج اور ماجوج کے متعلق مصنف کا نظریہ

حاکم نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت نوح کے بیٹے یافث کی اولاد سے ہیں۔ تورات میں بھی اس طرح مذکور ہے (حزقی ایل باب: ۳۹-۳۸) شیخ ابوالکلام نے کہا یہ وہی ہیں جن کو پہلے تاتاری اور اب منگول کہا جاتا ہے۔ سید مودودی نے لکھا ہے کہ یہ ایشیا کے شمال مشرقی علاقے کی وحشی قومیں ہیں۔ شیخ عثمانی نے لکھا ہے کہ یہ عام انسانوں اور جنات سے پیدا شدہ ایک برزخی قوم ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے کہ یہ ایشیا کے شمال مشرقی علاقہ کے وحشی قبائل ہیں۔ بعض نے کہا یہ منگول ہیں۔ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ یاجوج ماجوج پیدا ہو چکے ہیں اور قرب قیامت میں ان کا ظہور ہو گا۔ قرآن مجید اور احادیث میں ان کے مصداق کا تعین نہیں کیا اور نہ ان کی واضح اور حتمی صفات بیان کی ہیں۔ ان کی صفات اور مصداق کے متعلق جو کچھ بھی کہا گیا وہ سب ظن و تخمین اور اندازوں پر مبنی ہے' اس کی نظیر یہ ہے کہ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ جنت اور دوزخ موجود ہیں لیکن ہم قطعی طور پر یہ نہیں بتا سکتے کہ جنت اور دوزخ کس جگہ پر ہیں۔ (بعض اخبار احاد سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے لیکن یہ قطعی نہیں ہے)

ان آیات میں دوسری اہم چیز سد ذوالقرنین ہے اب ہم اس کی تحقیق کرتے ہیں:

سد ذوالقرنین کی تحقیق

شیخ ابوالکلام احمد لکھتے ہیں:

اب ایک سوال اور غور طلب ہے۔ ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تھی وہ درۂ داریال کی سد ہے یا دربند کی دیوار؟ یا دونوں؟ قرآن میں ہے کہ ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا' اس نے آہنی تختیوں سے کام لیا' اس نے درمیان کا حصہ پاٹ کے برابر کر دیا' اس نے پگھلا ہوا تانبا استعمال کیا۔ تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی دربند کی دیوار پر صادق نہیں آتیں یہ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کی دیوار ہے' اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان نہیں ہے بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصہ تک چلی گئی ہے۔ اس میں آہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پس یہ قطعی ہے کہ ذوالقرنین والی سد کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا۔

البتہ درۂ داریال کا مقام ٹھیک ٹھیک قرآن کی تصریحات کے مطابق ہے۔ یہ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان ہے اور جو سد تعمیر کی گئی ہے اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کر دی ہے چونکہ اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں "آہنی دروازہ" کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے۔ اسی کا ترجمہ ترکی میں "دامرکپو" مشہور ہو گیا۔

بہر حال ذوالقرنین کی اصلی سد یہی سد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد خود اس نے یا اس کے جانشینوں نے یہ دیکھ کر کہ کاکیشیا کا مشرقی ڈھلوان بھی خطرہ سے خالی نہیں دربند کی دیوار تعمیر کر دی ہو اور نوشیرواں نے اسے اور مضبوط کیا ہو۔ یا ممکن ہے کہ فی الحقیقت نوشیرواں ہی کی تعمیر ہو۔

دربند کی دہری دیوار ۱۷۹۶ء تک موجود تھی جس کی تصویر ایک روسی سیاح کی بنائی ہوئی ایچ والڈ نے اپنی کتاب "کواکیسیس" میں نقل کی ہے' لیکن ۱۹۰۴ء میں جب پروفیسر جیکسن نے اس کا معائنہ کیا تو گو آثار باقی تھے لیکن دیوار گر چکی تھی البتہ اکہری دیوار اکثر حصوں میں اب تک باقی ہے۔

موجودہ زمانہ کے شارحین تورات میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے کہ یاجوج و ماجوج سے سیتھین قوم مراد تھی لیکن حزقیل کی پیش گوئی کا محمل ان کا وہ حملہ قرار دیتے ہیں جو ہیروڈوٹس کے قول کے مطابق ٦٣٠ قبل مسیح میں ہوا تھا۔ لیکن اس صورت میں یہ مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ حزقیل کی کتاب بابل کی اسیری کے زمانہ میں لکھی گئی ہے کیونکہ وہ خود بھی بخت نصر کے اسیروں میں سے تھے اور سیتھین حملہ اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اس باب میں مزید تفصیلات کے لیے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور جیویش انسائیکلو پیڈیا میں لفظ Gog کا مقالہ دیکھنا چاہئے۔

ہم نے ذوالقرنین کے مبحث میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے کیونکہ زمانہ حال کے معترضین قرآن نے اس مقام کو سب سے زیادہ اپنے معاندانہ استہزاء کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں ذوالقرنین کی کوئی تاریخی اصلیت نہیں ہے۔ یہ محض عرب یہودیوں کی ایک کہانی تھی جو پیغمبر اسلام نے اپنی خوش اعتقادی سے صحیح سمجھ لی اور نقل کر دی۔ اس لئے ضروری تھا کہ ایک مرتبہ مسئلہ اس طرح صاف کر دیا جائے کہ شک و تردد کا کوئی پہلو باقی نہ رہے۔ (ترجمان القرآن ج ٢ ص ٤٣٠۔٤٢٩، مطبوعہ لاہور، ١٩٧٦ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٩ھ لکھتے ہیں:

ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار کے متعلق بعض لوگوں میں یہ غلط خیال پایا جاتا ہے کہ اس سے مراد مشہور دیوار چین ہے حالانکہ دراصل یہ دیوار قفقاز (Caucasus) کے علاقہ داغستان میں دربند اور داریال (Darial) کے درمیان بنائی گئی تھی۔ قفقاز اس ملک کو کہتے ہیں جو بحیرۂ اسود (Black Sea) اور بحیرۂ خزر (Caspian Sea) کے درمیان واقع ہے۔ اس ملک میں بحیرۂ اسود سے داریال تک تو نہایت بلند پہاڑ ہیں اور ان کے درمیان اتنے تنگ درے ہیں کہ ان سے کوئی بڑی حملہ آور فوج نہیں گزر سکتی۔ البتہ دربند اور داریال کے درمیان جو علاقہ ہے اس میں پہاڑ بھی زیادہ بلند نہیں ہیں اور ان میں کوہستانی راستے بھی خاصے وسیع ہیں۔ قدیم زمانے میں شمال کی وحشی قومیں اس طرف سے جنوب کی طرف غارت گرانہ حملے کرتی تھیں اور ایرانی فرمانرواؤں کو اسی طرف سے اپنی مملکت پر شمالی حملوں کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ انہی حملوں کو روکنے کے لیے ایک نہایت مضبوط دیوار بنائی گئی تھی جو ٥٠ میل لمبی ٢٩٠ فیٹ بلند اور دس فیٹ چوڑی تھی۔ ابھی تک تاریخی طور پر یہ تحقیق نہیں ہو سکا ہے کہ یہ دیوار ابتداء کب کس نے بنائی تھی۔ مگر مسلمان مؤرخین اور جغرافیہ نویس اسی کو سد ذوالقرنین قرار دیتے ہیں، اور اس کی تعمیر کی جو کیفیت قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے اس کے آثار اب بھی وہاں پائے جاتے ہیں۔

ابن جریر طبری اور ابن کثیر نے اپنی تاریخوں میں یہ واقعہ لکھا ہے، اور یاقوت نے بھی معجم البلدان میں اس کا حوالہ دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان کی فتح کے بعد ٢٢ھ میں سراقہ بن عمرو کو باب الابواب (دربند) کی مہم پر روانہ کیا اور سراقہ نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو اپنے مقدمۃ الجیش کا افسر بنا کر آگے بھیجا۔ عبدالرحمٰن جب ارمینیہ کے علاقے میں داخل ہوئے وہاں کے فرمانروا شہر براز نے جنگ کے بغیر اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے باب الابواب کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کیا۔ اس موقع پر شہر براز نے ان سے کہا کہ میں نے اپنے ایک آدمی کو سد ذوالقرنین کا مشاہدہ اور اس علاقے کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے بھیجا تھا وہ آپ کو تفصیلات سے آگاہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے عبدالرحمٰن کے سامنے اس شخص کو پیش کر دیا۔ (طبری، ج ٣ ص ٢٣٥ تا ٢٣٩۔ البدایہ والنہایہ ج ٧، ص ١٢٢ تا ١٢٥۔ معجم البلدان، ذکر باب الابواب)۔

اس واقعہ کے دو سو برس بعد عباسی خلیفہ واثق (٢٢٧۔٢٣٢ھ) نے سد ذوالقرنین کا مشاہدہ کرنے کے لیے سلام الترجمان کی قیادت میں ٥٠ آدمیوں کی ایک مہم روانہ کی جس کے حالات یاقوت نے معجم البلدان میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ یہ وفد سامرہ (سُرَّ مَنْ رَاٰی) سے تفلیس، وہاں سے

الستر یزو ہاں سے الان ہوتا ہوا فیلان شاہ کے علاقے میں پہنچا پھر خزر کے ملک میں داخل ہوا اور اس کے بعد دربند پہنچ کر اس نے سد کا مشاہدہ کیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ٢ ص ١١١ - ج ٧ ص ١٢٢ تا ١٢٥ - معجم البلدان باب الابواب) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں بھی مسلمان عام طور پر قفقاز کی اس دیوار ہی کو سد ذوالقرنین سمجھتے تھے۔

یاقوت نے معجم البلدان میں متعدد دوسرے مقامات پر بھی اس امر کی تصریح کی ہے۔ خزر کے زیر عنوان وہ لکھتا ہے کہ ھی بلاد الترک خلف باب الابواب المعروف بالدربند قریب من سد ذی القرنین "یہ ترکوں کا علاقہ ہے جو سد ذوالقرنین کے قریب باب الابواب کے پیچھے واقع ہے جسے دربند بھی کہتے ہیں"۔ اسی سلسلہ میں وہ خلیفہ المقتدر باللہ کے سفیر احمد بن فضلان کی ایک رپورٹ نقل کرتا ہے جس میں مملکت خزر کی تفصیلی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ خزر ایک مملکت کا نام ہے جس کا صدر مقام اتل ہے۔ دریائے اتل اس شہر کے درمیان سے گزرتا ہے اور یہ دریا روس اور بلغار سے آ کر بحر خزر میں گرتا ہے۔

باب الابواب کے زیر عنوان لکھتا ہے کہ اس کو الباب اور دربند بھی کہتے ہیں۔ یہ بحر خزر کے کنارے واقع ہے۔ بلاد کفر سے بلاد مسلمین کی طرف آنے والوں کے لیے یہ راستہ انتہائی دشوار گزار ہے۔ ایک زمانہ میں یہ نوشیروان کی مملکت میں شامل تھا اور شاہان ایران اس سرحد کی حفاظت کو غایت درجہ اہمیت دیتے تھے۔ (تفہیم القرآن ج ٣ ص ٤٧-٤٧، مطبوعہ لاہور ١٩٨٢ء)

پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ١٤١٨ھ لکھتے ہیں:

آخر میں ہمیں یہ تحقیق کرنا ہے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا محل وقوع کہاں ہے۔ بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد ہے یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کاکیشیا کا سلسلہ کوہ ختم ہوتا ہے اور بحر خزر سے مل جاتا ہے یہاں ایک دیوار ہے جس کا طول پچاس میل اور اونچائی انتیس فٹ اور موٹائی دس فٹ ہے (انسائیکلو پیڈیا) اس مقام سے مغرب کی طرف درہ دانیال ہے جو دو بلند پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار ہے اور اسے آہنی دیوار کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (ضیاء القرآن ج ٣ ص ٥٠، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ١٣٩٩ھ)

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن

کیا کافروں کا یہ گمان ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا

دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ

دوست بنا لیں گے، بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے ○ آپ کہیے کیا

نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ

ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں! ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کی تمام مساعی دنیا کی زندگی میں اکارت

الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

گئیں اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے

كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ

اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کے ساتھ کفر کیا، سو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا

ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے ○ ان کی سزا جہنم ہے کیونکہ انہوں نے میری آیتوں اور میرے

آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ

رسولوں کو مذاق بنا لیا تھا ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے

لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا

ان کے لیے فردوس کی جنتوں کی مہمانی ہے ○ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ اس جگہ کو تبدیل کرنا

حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ

نہیں چاہیں گے ○ آپ کہیے اگر میرے رب کے کلمات (کو لکھنے) کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات

قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ

کے ختم ہونے سے پہلے ضرور سمندر ختم ہو جائے گا، خواہ ہم اس کی مدد کے لیے اتنا ہی سمندر (اور) لے آئیں ○ آپ کہیے

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ

میں (خدا نہ ہونے میں) تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے، سو جو شخص

كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ

اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے، اور اپنے رب کی عبادت

١٢ ع ٩ ٣ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿١١٠﴾ ع

میں کسی کو شریک نہ بنائے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا کافروں کا یہ گمان ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو دوست بنا لیں گے بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے○ آپ کہیے کہ کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان وہ کام کن لوگوں کے ہیں○ یہ وہ لوگ جن کی تمام مساعی دنیا کی زندگی میں اکارت گئیں اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں○ یہ وہ

لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کے ساتھ کفر کیا سو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے O ان کی سزا جہنم ہے کیونکہ انہوں نے میری آیتوں اور میرے رسولوں کو مذاق بنا لیا تھا O (الکہف: ١٠٦-١٠٢)

جن لوگوں کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا کافروں کا یہ گمان ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو دوست بنا لیں گے۔ میرے بندوں سے مراد ہیں ملائکہ' حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا ان کا یہ گمان ہے کہ یہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنا لیں گے اور میری عبادت کے بجائے ان کی عبادت کریں گے اور میں ان کو کوئی سزا نہیں دوں گا' یا ان کا یہ عمل ان کو نفع دے گا۔ جو لوگ ملنے کے لیے آئیں ان کی خاطر تواضع کے لیے جو سامان تیار کیا جائے اور ان کو پیش کیا جائے اس کو نُزُل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہیے کہ کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں O یہ وہ لوگ ہیں جن کی تمام مساعی دنیا کی زندگی میں اکارت گئیں اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ بعض لوگ کسی کام کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں حالانکہ اس کی وجہ سے ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ انسان کے اعمال کفر اور ارتداد کی وجہ سے ضائع ہوتے ہیں یا لوگوں کے دکھانے اور انہیں سنانے کے لیے عمل کرنے کی وجہ سے ان کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس آیت میں اس سے مراد کفر ہے۔

مصعب کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں؟ کیا اس آیت کا مصداق الحروریہ (خوارج) ہیں؟ کہا نہیں' وہ یہود اور نصاریٰ ہیں۔ رہے یہود تو انہوں نے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور رہے نصاریٰ تو انہوں نے جنت کی تکفیر کی اور جنت کے متعلق کہا نہ اس میں کوئی کھانے کی کوئی چیز ہوگی نہ پینے کی کوئی چیز ہوگی۔ اور جہاں تک الحروریہ کا تعلق ہے تو وہ اس آیت کے مصداق ہیں:

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ	جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد اس کو توڑ دیتے ہیں۔

(البقرہ: ٢٧)

اور حضرت سعد ان کو فاسقین کہتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧٢٨)

اور اس آیت سے ان کی زجر و توبیخ مراد ہے کہ جن کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کی عبادت کی ہے انہیں بتا دیں کہ تمہاری کوشش رائیگاں گئی اور تمہاری آرزوئیں ناکام ہو گئیں سو یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس سے کفار مکہ مراد ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے خوارج اہل حروراء مراد ہیں۔ مرہ نے کہا اس سے مراد گرجوں کے راہب ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ان لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کے ساتھ کفر کیا سو ان کے اعمال ضائع ہو گئے' اور خوارج اور گرجوں کے راہب وغیرہ پر یہ صادق نہیں آتا کہ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا' کیونکہ خوارج قرآن مجید کی آیتوں کو مانتے ہیں اور گرجوں کے راہب انجیل کو مانتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت کا انکار اس کی تمام آیتوں کے انکار کو مستلزم ہے۔ گرجوں کے راہب تو قرآن مجید کی کسی آیت کو مانتے ہی نہیں' اور رہے خوارج تو وہ قرآن مجید کی ان آیتوں کو نہیں مانتے جن میں اللہ تعالیٰ نے صغائر اور کبائر کے مرتکب کی

مغفرت کی تصریح کی ہے اور وہ شفاعت کی آیات کو بھی نہیں مانتے اور جن آیات میں مرتکب کبائر پر مومن کا اطلاق کیا گیا ہے وہ ان کو بھی نہیں مانتے۔

جن لوگوں کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک بہت بڑا اور بہت موٹا شخص آئے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا وزن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا' اور فرمایا تم یہ آیت پڑھو فلا نقیم لھم یوم القیامة و زنا (الکھف: ١٠٥) اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧٢٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٨٥)

اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال پر کوئی ثواب نہیں ملے گا اور قیامت کے دن میزان میں ان کی کسی نیکی کا وزن نہیں کیا جائے گا اور جس کی کوئی نیکی نہیں ہوگی تو پھر وہ دوزخ میں ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کفار تہامہ پہاڑ جتنے بڑے بڑے اعمال لے کر آئیں گے لیکن ان کا وزن نہیں کیا جائے گا' اور اس آیت کا معنی مجازاً یوں بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے اعمال کا اس دن ہمارے نزدیک کوئی وزن نہیں ہوگا۔ یعنی ان کے اعمال کی کوئی قدر نہیں ہوگی۔

بسیار خوری کے دینی اور دنیوی نقصانات

اس حدیث میں موٹے آدمی کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اس کی فقہ یہ ہے کہ جو شخص حرص اور تلذذ کی وجہ سے زیادہ کھاتا ہے قیامت کے دن اس کے نیک اعمال کا وزن نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ضرورت سے زیادہ کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ زیادہ مرغن اور چکنی چیزیں کھانا' مٹھائیاں کھانا' ثقیل اور دیر ہضم چیزیں کھانا جیسے پراٹھے' شیرمال' تافتان اور زردہ' بریانی وغیرہ' زیادہ گوشت کھانا جسم کو فربہ کرتا ہے' اور معیاری وزن سے جس کا وزن زائد ہو وہ جلد یا بدیر شوگر' ہائی بلڈ پریشر' انجائنا اور جوڑوں کے درد وغیرہ میں مبتلا ہو جاتا ہے کوئی شخص اپنے جسم کا مالک نہیں ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کو نقصان پہنچائے۔ اس لئے زیادہ چٹپٹی اور چٹخارے دار چیزیں زیادہ مقدار میں کھانا جائز نہیں ہے اس لئے احادیث میں زیادہ کھانے اور موٹے آدمی کی مذمت کی گئی ہے۔

مشہور محدث شیخ اسماعیل بن محمد العجلونی التوفی ١١٦٢ھ لکھتے ہیں:

الکشاف' البغوی اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ علماء یہود میں سے مالک بن صیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا ہے کیا تم نے تورات میں یہ پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم سے بغض رکھتا ہے' اور وہ موٹا آدمی تھا سو وہ غضب ناک ہوگیا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔

بشر اعور بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا تم زیادہ مقدار میں کھانے اور پینے سے احتراز کرو کیونکہ بسیار خوری جسم کو فاسد کرتی ہے اور بزدلی پیدا کرتی ہے اس سے نماز میں سستی پیدا ہوتی ہے' اور تم کھانے پینے میں درمیانہ روی کو لازم کرلو کیونکہ اس سے جسم کی زیادہ اصلاح ہوگی اور اس سے تم اسراف سے بچو گے' اور بے شک اللہ موٹے عالم سے بغض رکھتا ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔

امام احمد' حاکم اور امام بیہقی نے سند جید کے ساتھ حضرت جعدہ الجشمی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

موٹے آدمی کی طرف دیکھا تو اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اگر یہ (کھانا) اس (پیٹ) کے علاوہ کسی اور چیز میں ہوتا تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر تھا۔ (حافظ زین نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد رقم الحدیث: ١٥٨١٣' دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد رقم الحدیث: ١٥٩٦٣' عالم الکتب بیروت' مسند احمد ج ٣ ص ٤٧١ قدیم' مسند الطیالسی رقم الحدیث: ١٢٢٥)

(کشف الخفاء ج ٢ ص ٢٢٨' رقم الحدیث: ٢٦١٧' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو میرے قرن (زمانہ یا صدی) میں ہیں' پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں۔ عمران نے کہا مجھے پتا نہیں آپ نے اپنے بعد دو قرن ذکر فرمائے یا تین' پھر تمہارے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو شہادت دے گی تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی وہ خیانت کرے گی اس کو امین نہیں سمجھا جائے گا وہ نذر مانیں گے اور نذر کو پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٦٥٠' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٣٥' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٢٢٢' سنن النسائی رقم الحدیث: ٣٨٠٩)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص زیادہ کھا پی کر موٹا ہو جاتا ہے وہ عیش پرست اور آرام طلب ہو جاتا ہے' پھر وہ اپنی خواہشات اور اپنے نفس کی بندگی کرتا ہے اللہ کی بندگی نہیں کرتا' اور جس شخص کا یہ حال ہو وہ بالعموم مال حرام کھانے سے بھی گریز نہیں کرتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو گوشت مال حرام سے پیدا ہو دوزخ کی آگ اس کے زیادہ لائق ہے' اور اللہ تعالیٰ نے زیادہ کھانے کی وجہ سے کفار کی مذمت کی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (محمد: ١٢)

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ (دنیا کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اس طرح کھا رہے ہیں جس طرح جانور کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے۔

اور جب مومن کافروں کے ساتھ مشابہ ہوگا اور تمام اوقات اور احوال میں ان کی طرح دنیا سے لذت اندوز ہوگا تو پھر اس میں حقیقت ایمان کہاں رہے گی اور اسلام کے احکام پر عمل کب ہوگا' اور جو شخص بسیار خور ہو اس کی حرص بڑھ جاتی ہے اس پرستی' کاہلی اور نیند کا غلبہ رہتا ہے اس کا دن چرنے میں اور رات سونے میں گزرتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بہت زیادہ کھانا کھاتا تھا پھر وہ مسلمان ہو گیا تو وہ بہت کم کھانا کھانے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کہ مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٣٩٧' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٠٦٢' سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٨١٩' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٢٥٨' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٦٨٩٣)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے ڈکار لی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی ڈکار کو ہم سے دور رکھو کیونکہ جو لوگ دنیا میں زیادہ سیر ہوں گے وہ قیامت کے دن زیادہ بھوکے ہوں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٧٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٣٥٠' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٤١٢١' المسند الجامع رقم الحدیث: ٨٢٤٦)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لیے فردوس کی جنتوں کی مہمانی ہے ○ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ اس جگہ کو تبدیل کرنا نہیں چاہیں گے ○ (الکھف: ١٠٨-١٠٧)

جنت الفردوس کا مقام

قتادہ نے کہا فردوس سب سے بلند' متوسط' سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلی نے کہا فردوس جنت کی ناف ہے۔ کعب نے کہا جنتوں میں جنۃ الفردوس سے اعلیٰ کوئی جنت نہیں ہے۔ اس میں نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہوں گے۔ حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے' اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے' خواہ اس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا اپنے اس گھر میں بیٹھا رہا ہو جس گھر میں وہ پیدا ہوا ہے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی خبر نہ دیں؟ آپ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کے لیے تیار کیا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان زمین اور آسمان جتنا فاصلہ ہے پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا متوسط اور سب سے بلند درجہ ہے۔ اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کے دریا جاری ہوتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٧٤٢٣٬٢٧٩٠' مسند احمد رقم الحدیث: ٨٤٠٠ عالم الکتب' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٥٣٠)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے' اور اس کے اوپر عرش ہے پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٥٣١' مسند احمد ج ٥ ص ٣١٦' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ١٨٢' المسند الجامع رقم الحدیث: ٥٦١٤)

جنت کے فضائل

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور اس کے کسی ایک درجے میں تمام جہان سما سکتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٥٣٢' مسند احمد ج ٣ ص ٢٩' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ١٣٩٨)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو گروہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی۔ اس میں وہ نہ تھوکیں گے نہ ان کو رینٹ آئے گی اور نہ ہی وہ پاخانہ کریں گے۔ ان کے برتن سونے کے ہوں گے اور ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی' ان کی انگیٹھیاں اگر کی ہوں گی ان کا پسینہ مشک (کی طرح) ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی ان کے حسن کے سبب سے ان کی ہڈیوں کا گودا گوشت کے پار سے دکھائی دے گا۔ ان میں کوئی اختلاف ہوگا نہ بغض ہوگا ان سب کے دل ایک طرح ہوں گے' وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٥٣٧' مصنف عبدالرزاق ٢٠٨٦٦' صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٢٤٥' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٧٤٣٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدۃ: ١٧)　　کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا نعمتیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٢٤٤' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٨٢٤' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣١٩٧)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت' جنت میں اس حال میں داخل ہوں گے کہ ان کے چہروں اور جسموں پر بال نہیں ہوں گے اور ان کی عمر تیس یا تینتیس سال ہوگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۵' مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی امتوں کی ہوں گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۸۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۵۹)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ (یونس: ۲۶) جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لیے اچھا اجر ہے اور (اس سے) زیادہ بھی ہے۔

آپ نے فرمایا: جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی ندا کرے گا تمہارے لئے اللہ کے پاس ایک وعدہ ہے وہ کہیں گے کیا اللہ نے ہمارا چہرہ سفید نہیں کیا۔ کیا اس نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی' اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں! پھر (اللہ اور ان کے درمیان سے) حجاب اٹھا دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ان کو اس کی طرف دیکھنے کی بہ نسبت زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں دی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲' سنن ابوداؤد الطیالسی: ۱۳۱۵' مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۱۴' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۳۹۳' المسند الجامع رقم الحدیث: ۵۴۲۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت میں سب سے کم درجہ اس شخص کا ہوگا جو ایک ہزار سال کی مسافت سے اپنی جنتوں' اپنی بیویوں' اپنی نعمتوں' اپنے خادموں اور اپنی باندیوں کو دیکھے گا' اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل جنت میں سب سے زیادہ مکرم شخص وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے چہرے کا صبح اور شام دیدار کرے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ اس دن بعض چہرے تر و تازہ ہوں گے ۝ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔ (القیامۃ: ۲۳-۲۲)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۳' مسند احمد ج ۲ ص ۱۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۷۱۲' المستدرک ج ۲ ص ۵۰۹' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۸۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۳۹۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے ارشاد فرمائے گا اے اہل جنت! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تیری اطاعت پر کمر بستہ ہیں۔ وہ فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے۔ وہ کہیں گے ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے اور کسی کو عطا نہیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اب تم کو اس سے افضل نعمت عطا کروں گا وہ کہیں گے اس سے افضل کون سی نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارے اوپر اپنی رضا کو حلال کر دوں گا اور کبھی بھی ابد تک تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۹'۷۵۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۹' مسند احمد ج ۳ ص ۸۸' صحیح ابن حبان

رقم الحدیث: ٢٤٣٠ حلیۃ الاولیاء ج ٦ ص ٣٣٢ شرح السنۃ رقم الحدیث: ٤٣٩٤)

ان جاہل شعراء اور جعلی صوفیا کا رد جو جنت کو کم تر کہتے ہیں

موخر الذکر ان تین حدیثوں سے معلوم ہوا کہ سب سے عظیم نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا ہے لیکن یہ نعمت بھی جنت میں حاصل ہوگی۔ بعض جاہل شعراء اور جعلی اور بناوٹی صوفیاء جنت کی بہت تحقیر کرتے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی رضا کی اہمیت بیان کر کے جنت کی طلب کو بہت گھٹیا اور بہت خسیس کہتے ہیں' حالانکہ قرآن اور حدیث میں جنت کی بہت فضیلت ذکر فرمائی ہے اور اس کی طلب کی ترغیب دی ہے' اور جنت کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی جنت کا سوال کیا ہے اور ہمیں بھی جنت الفردوس کی دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں دنیا کا طلب گار مؤنث ہے جنت کا طلب گار مخنث (ہیجڑا) ہے اور مولیٰ کا طلب گار مذکر ہے' اسی طرح یہ لوگ مدینہ منورہ کی طلب کے مقابلہ میں بھی جنت کی طلب کو گھٹیا اور خسیس کہتے ہیں ان کے اس قسم کے اشعار ہوتے ہیں:

تیری میری چاہ میں زاہد بس اتنا فرق ہے
تجھ کو جنت چاہئے مجھ کو مدینہ چاہئے

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ آرام فرما ہیں وہ بھی جنت کا ایک ٹکڑا ہے اور آخرت میں بھی آپ جنت میں ہوں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ اول آخر جنت ہی ہے تو پھر جنت کو مدینہ کے مقابلہ میں کیوں گھٹیا کہا جاتا ہے' اور مدینہ منورہ میں زمین کے جس ٹکڑے پر آپ اب تشریف فرما ہیں یہ آپ کی عارضی قیام گاہ ہے اور آپ کی دائمی قیام گاہ جنت ہے تو پھر آپ کی دائمی قیام گاہ کے درجہ میں کمی کرنا کیا یہی آپ سے عشق و محبت کا تقاضا ہے۔ اللہ کی رضا کے مقابلہ میں بھی جنت کو کم درجہ کا اور گھٹیا کہا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم کو جنت نہیں اللہ تعالیٰ کی رضا چاہئے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جس جنت کی اللہ تعالیٰ نے بہت تعریف کی ہے اور اس کو طلب کرنے اور اس کی طرف دوڑنے کا حکم دیا ہے تو اس کو معمولی اور گھٹیا کہنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا یا ناراض!

سب سے بلند درجہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا کا ہے اور اس کے بعد جنت کا درجہ ہے لیکن یہ بلند درجات جنت میں ہی حاصل ہوں گے اس لئے جنت کی طرف رغبت کرنا چاہئے اور جنت کے حصول کی دعا کرنی چاہئے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کمان کے ایک سر کے برابر جنتی جگہ ان تمام جگہوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٧٩٣' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٨٨٢' سنن النسائی رقم الحدیث: ٣١١٨)

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جنت میں ایک چابک کے برابر جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٢٥٠' ٢٧٩٢' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٨٨١' سنن النسائی رقم الحدیث: ٣١١٨' مسند احمد ج ٣ ص ٤٣٣' سنن الدارمی رقم الحدیث: ٢٤٠٣' المسند الجامع رقم الحدیث: ٥١٢١)

جنت کو کم تر قرار دینے والے جاہل شعراء اور جعلی صوفی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حصول جنت کی دعا کی ہے:

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ (الشعراء: ٨٥) اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنت کے حصول کی دعا کی ہے:

واسئلک الدرجات العلی من الجنة آمین اور میں تجھ سے جنت کے بلند درجات کا سوال کرتا ہوں۔ آمین

(المعجم الکبیر ج ٢٣ ص ٣١٦' رقم الحدیث: ٧١٧' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٦٢١٨' بیروت' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ المعجم الکبیر کی دوسندوں میں سے ایک سند اور المعجم الاوسط کی سند کے راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١٧٧)

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول جنت کی دعا کی ہے تو پھر جنت کی دعا کرنے کو کم تر قرار دینے کی کیا گنجائش ہے اور ہمارے لئے یہ حدیث کافی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے تین مرتبہ اللہ سے جنت کا سوال کیا تو جنت کہتی ہے اے اللہ! اس کو جنت میں داخل کردے' اور جس نے تین مرتبہ دوزخ سے پناہ طلب کی تو دوزخ کہتی ہے اے اللہ! اس کو دوزخ سے پناہ میں رکھ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٥٧٢' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٠ ص ٣٢١' مسند احمد ج ٣ ص ١١٧' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٣٤٠' سنن النسائی رقم الحدیث: ٥٥٣٦' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٣٦٨٢' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ١٠١٤' المستدرک ج ١ ص ٥٣٥)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے اگر میرے رب کے کلمات (کو لکھنے) کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے ضرور سمندر خشک ہو جائے گا۔ خواہ ہم اس کی مدد کے لیے اتنا ہی سمندر اور لے آئیں O (الکھف: ١٠٩)

اللہ کے کلمات کا غیر متناہی ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علم کے کلمات اور اس کے احکام کو لکھا جائے اور سمندر اس کے لیے سیاہی ہو تو اس کے تمام کلمات کو لکھا نہیں جا سکتا خواہ سمندر کتنا ہی وسیع و عریض کیوں نہ ہو' وہ بہرحال متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات اور اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

یہود نے یہ اعتراض کیا تھا کہ تم یہ کہتے ہو کہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکمت دی گئی ہے اور تمہارے قرآن میں ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ: ٢٦٩)
اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔

پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ تم کو بہت کم علم دیا گیا ہے **وما اوتیتم من العلم الا قلیلا** (بنی اسرائیل: ٨٥) اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کثیر دی گئی ہے اور آپ کا علم بہت عظیم ہے۔ تمام مخلوق کا علم آپ کے علم کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہے اور آپ کا علم تمام مخلوق کے مقابلہ میں سمندر ہے' لیکن آپ کا علم اللہ کے مقابلہ میں اس طرح بھی نہیں ہے جیسے قطرہ سمندر کے سامنے ہو کیونکہ قطرہ کی نسبت سمندر کی طرف متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور آپ کے علم کی نسبت اللہ کے علم کی طرف متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَلَوْ اَنَّمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O (لقمان: ٢٧)
اگر روئے زمین کے تمام درخت قلم ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں پھر بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں (خدا نہ ہونے میں) تمہاری ہی مثل بشر ہوں میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے سو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے O (الکھف: ۱۱۰)

بشر کا معنی

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

بشر کا معنی انسان ہے خواہ ایک مرد ہو یا ایک عورت ہو اور چہرے، سر اور جسم کی اوپری کھال کو بشرۃ کہتے ہیں۔

(کتاب العین ج ۱ ص ۱۶۴، مطبوعہ انتشارات اسوہ، ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن اسماعیل بن سیدہ المرسی التوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

بشر کا مادہ ہے: ب ش ر، اس سے ایک لفظ بنا ہے الشرب جس کا معنی ہے پینا، اس کا مقلوب ہے الشبر اس کا معنی ہے بالشت، اور اس کا ایک مقلوب الاربش ہے اس کا معنی ہے مختلف رنگوں والا، اور اس کا ایک مقلوب ہے البرش اس کا معنی ہے سرخ اور سیاہ مخلوط رنگ۔ اور البشر کا معنی ہے انسان اس میں واحد، جمع اور مذکر اور مونث مساوی ہیں، اور انسان کے چہرے، سر اور جسم کی اوپر والی کھال کو البشرہ کہتے ہیں، جس چیز کی خوشخبری دی جائے اس کو بشارت کہتے ہیں اور جماع کو مباشرت کہتے ہیں، مسکراہٹ اور خوشی کے اظہار کو اَلْبِشر کہتے ہیں۔ بارش برسانے والی ہواؤں کو المبشرات کہتے ہیں۔ ہر چیز کے اول کو تباشیر کہتے ہیں خوبصورت چہرے والے کو البشیر کہتے ہیں۔ (المحکم والمحیط الاعظم ج ۸ ص ۶۰۔۵۲، ملخصاً، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ حسین محمد بن راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

انسان کے جسم کی کھال کے ظاہر کو البشرہ کہتے ہیں اور اس کھال کے باطن کو الادمۃ کہتے ہیں، انسان کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی کھال ظاہر ہوتی ہے اس کے برخلاف دیگر حیوانوں کی کھال کے اوپر بال ظاہر ہوتے ہیں اور عموماً کھال بالوں کے نیچے چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لفظ میں واحد، جمع، مذکر اور مونث برابر ہیں۔ قرآن مجید میں ہر جگہ انسان کے جثہ اور اس کے ظاہر کو بشر کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا (الفرقان: ۵۴) وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا۔

کفار انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کو کم اور پست کرنے کے لیے انہیں بشر کہتے تھے:

إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (المدثر: ۲۵)	یہ صرف بشر کا قول ہے۔
أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ (القمر: ۲۴)	کیا ہم اپنوں میں سے ایک بشر کی پیروی کریں۔
مَا أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (یٰسین: ۱۵)	تم محض ہماری طرح بشر ہو۔
أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا (المؤمنون: ۴۷)	کیا ہم اپنی طرح دو بشروں پر ایمان لے آئیں۔
قَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا (التغابن: ۶)	کافروں نے کہا کیا بشر ہم کو ہدایت دے گا۔

چونکہ لوگ بشریت میں ایک دوسرے کو مساوی سمجھتے تھے اور علوم و معارف اور غیر معمولی صلاحیتوں اور قابل تحسین کاموں کی وجہ سے ایک کی دوسرے پر فضیلت سمجھتے تھے اس لئے پہلے فرمایا: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ پھر فرمایا: يُوحَىٰ إِلَيَّ (الکھف: ۱۱۰، حم السجدۃ: ۶) یعنی پہلے فرمایا میں بشر ہونے میں تمہارے مساوی ہوں اور میری فضیلت اور تخصیص یہ ہے کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے اور میں وحی الٰہی کی وجہ سے تم سے ممیز اور ممتاز ہوں۔

مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہا:

حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (یوسف:۳۱)

حاشا اللہ! یہ بشر نہیں ہے' یہ معزز فرشتہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

ان عورتوں نے حضرت یوسف کی عظمت اور جلال کو ظاہر کرتے ہوئے کہا یہ اس سے بلند اور برتر ہیں کہ یہ کوئی انسان ہوں ان کی حقیقت اور جو ہر ذات بشر ہونے سے منزہ ہے۔ جب کسی شخص کو کوئی خوشی کی خبر سنائی جائے تو اس کے چہرے پر خون کی سرخی پھیل جاتی ہے اور اس کے چہرے کی کھال سرخ ہو جاتی ہے اس لئے خوشخبری سنانے کو تبشیر اور خوشخبری سن کر خوش ہونے کو استبشار کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (الحجر:۵۳)

(فرشتوں نے) کہا آپ ڈریں نہیں ہم آپ کو علم والے لڑکے کی بشارت دے رہے ہیں۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ (آل عمران:۱۷۱)

وہ اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۶۱ — ۶۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

کفار انبیاء علیہم السلام کو کیوں بشر کہتے تھے اور ان کا رد

کفار انبیاء علیہم السلام کو بشر اس لئے کہتے تھے کہ وہ بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ نبی کے لیے فرشتہ ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید نے کفار کا قول نقل فرمایا ہے:

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ (الانبیاء:۳)

اور ان ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشی کی کہ یہ تو تمہاری ہی مثل بشر ہے' کیا تم دیکھنے کے باوجود جادو میں جا رہے ہو۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان کافروں نے دو وجہوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں طعن کیا تھا' ایک یہ کہ آپ ان کی مثل بشر ہیں۔ دوسری یہ کہ آپ نے جو دلیل پیش کی ہے وہ جادو ہے اور یہ دونوں وجہیں باطل ہیں۔ پہلی وجہ اس لئے باطل ہے کہ نبوت کا ثبوت دلائل اور معجزات پر موقوف ہے صورتوں پر موقوف نہیں۔ بالفرض اگر ان کے پاس فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجا جاتا تو محض اس کی صورت دیکھ کر تو اس کے نبی ہونے پر یقین نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ اس کی نبوت پر دلائل نہ قائم ہو جاتے' اور جب یہ واضح ہو گیا تو اگر بشر اپنی نبوت پر معجزات اور دلائل قائم کر دے تو اس کا نبی ہونا بھی جائز ہے بلکہ واجب ہے' اور اولیٰ یہ ہے کہ بشر کی طرف بشر کو نبی بنا کر مبعوث کیا جائے کیونکہ انسان کے لیے اپنے ہم جنس اور ہم شکل کو نبی ماننا زیادہ قریب ہے کیونکہ ہر شخص اپنی جنس سے مانوس ہوتا ہے۔

اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو جو جادو کہتے تھے یہ بھی باطل ہے کیونکہ آپ کا معجزہ قرآن ہے کیونکہ آپ اس میں کوئی تلبیس اور ملمع کاری نہیں کرتے تھے۔ آپ نے ان سب کو قرآن کریم کی ایک سورت کی مثل لانے کا چیلنج دیا اور وہ عرصہ دراز گزرنے کے بعد بھی اس کی مثل نہیں لا سکے اور اب تک نہیں لا سکے پس اس معجزہ کو جادو کہنا باطل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہہ کر وہ آپ کے دعویٰ رسالت کی تکذیب کا قصد کرتے تھے کیونکہ ان کا قصد یہ تھا رسول

صرف فرشتہ ہی ہو سکتا ہے اور قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر معجزات کو وہ جادو کہتے تھے۔

(تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ٦ ص ٤١٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٧ھ)

کفار بشر کے رسول اور نبی ہونے کو جو مستبعد سمجھتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ (الانعام: ٩)

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو اسے مرد ہی (کی صورت میں) بناتے اور ہم ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ (اب) کر رہے ہیں۔

انبیاء کا بشر ہونا ہمارے لئے وجہ احسان ہے

بلکہ انسانوں کے لیے انسان کو رسول بنا کر بھیجنا ان کے لیے زیادہ مفید ہے اور اس سے استفادہ کے لیے زیادہ سہل اور آسان ہے کیونکہ اگر فرشتہ' جن یا کسی اور جنس سے ان کے لیے رسول بھیجا جاتا تو وہ اس کو دیکھ سکتے نہ اس کی بات سن سکتے۔ نہ اس کے اعمال کی اتباع اور اقتداء کر سکتے' یہ تو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا امتنان اور احسان ہے کہ اس نے انسانوں کے لیے ان کی جنس سے انسان کو رسول بنا کر بھیجا اس لئے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران: ١٦٤)

بے شک اللہ نے مومنین پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ اس نے ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الجمعہ: ٢)

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ: ١٢٨)

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی تھی کہ اہل مکہ میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج دیا جائے:

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (البقرہ: ١٢٩)

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (یوسف: ١٠٩' النحل: ٤٣' الانبیاء: ٢١)

اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود پر بشر کا اطلاق فرمانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات پر بشر کا اطلاق فرمایا ہے:

انما انا بشر مثلكم انسى كما تنسون فاذا نسيت فذكروني۔

میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) میں اس طرح بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلایا کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٠١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٥٧٢' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٠٢٠' سنن النسائی رقم الحدیث: ١٢٤٣' سنن ابن ماجہ رقم

الحدیث:١٢١١)

انما انا بشر وانه یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انه صدق فاقضی له بذالک فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیاخذها او فلیترکها۔

میں محض بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) میرے پاس متخالف فریق آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے تم میں سے بعض دوسروں سے زیادہ چرب زبان ہو اور میں (بظاہر) یہ گمان کرلوں کہ وہ سچا ہے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں پس (بالفرض) اگر میں کسی مسلمان کا حق اس کو (ظاہری حجت کی بنا پر) دے دوں تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے' خواہ وہ اس کو لے لے یا ترک کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٩٦٧' ٢٦٨٠' ٢٤٥٨' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٧١١' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٥٨٣' سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٣٣٩' سنن النسائی رقم الحدیث: ٥٤٠١' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٣١٧)

نبی اور رسول کا بشر ہونا

متکلمین نے نبی اور رسول کی حسب ذیل تعریفیں کی ہیں:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ٧٩٣ھ لکھتے ہیں:

النبی انسان بعثه الله لتبلیغ ما اوحی الیه وکذا الرسول۔

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس چیز کی تبلیغ کے لیے بھیجتا ہے جس کی اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اسی طرح رسول ہے

(شرح المقاصد ج ٥ ص ٥' مطبوعہ منشورات الرضی ایران' ١٤٠٩ھ)

میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ٨١٦ھ لکھتے ہیں۔

الرسول انسان بعثه الله الی الخلق لتبلیغ الاحکام۔

رسول وہ انسان ہے جسے اللہ احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کی طرف بھیجتا ہے۔

(کتاب التعریفات ص ٨١' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٨ھ)

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ٨٦١ھ لکھتے ہیں:

النبی انسان بعثه لتبلیغ ما اوحی الیه وکذا الرسول۔

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ نے اس کی طرف کی ہوئی وحی کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہو رسول کی بھی یہی تعریف ہے۔

(المسایرہ مع المسامرہ ص ٢٠٧' مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ مکران)

مولانا عبد العزیز پرہاروی نے علامہ تفتازانی سے یہ تعریف نقل کی ہے:

والرسول انسان بعثه الله تعالی الی الخلق لتبلیغ الاحکام الشرعیة.

رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف احکام شرعیہ پہنچانے کے لیے بھیجا ہے۔

(النبراس ص ٧٩' مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور' ١٣٩٧ھ)

علامہ محمد السفارینی حنبلی متوفی ١١٨٨ھ لکھتے ہیں:

وهو انسان اوحی الیه بشرع وان لم یؤمر بتبلیغه فان امر بتبلیغه فهو رسول

نبی وہ انسان ہے جس پر شریعت کی وحی کی جائے خواہ اس کو شریعت کی تبلیغ کا حکم نہ دیا جائے' اور اگر اس کو شریعت کی تبلیغ کا حکم

ایضا علی المشھور. بھی دیا گیا ہو تو وہ مشہور مذہب کے مطابق رسول بھی ہے۔

(لوامع الانوار البھیہ ج ١ ص ٤٨ ' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ١٤١١ھ)

صدر الشریعت علامہ امجد علی متوفی ١٣٧٦ھ لکھتے ہیں۔

عقیدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو' اور رسول بشر کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہیں۔

عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد' نہ کوئی جن' نبی ہوا نہ عورت۔ (بہار شریعت ج ١ ص ٩' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ١٣٦٧ھ لکھتے ہیں:

انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے یہ وحی کبھی فرشتہ کی معرفت آتی ہے' کبھی بے واسطہ۔

(کتاب العقائد ص ٨' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ١٣٤٠ھ سے سوال کیا گیا:

زید کا قول یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مثل ایک بشر تھے کیونکہ قرآن عظیم میں ارشاد ہے کہ قل انما انا بشر مثلکم اور خصائص بشریت بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں بلاشبہ موجود تھے۔ کیا کھانا پینا' جماع کرنا' بیٹا ہونا' باپ ہونا' کفو ہونا' سونا وغیرہ امور خواص بشریت سے نہیں ہیں! جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں بلاشبہ موجود تھے' اگر کوئی بشریت کی بنا پر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مساوات کا دعویٰ کرنے لگے تو یہ نالائق حرکت ہے جیسا کہ عارف بسطامی سے منقول ہے کہ لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (یعنی میرا جھنڈا' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے) اعلیٰ حضرت امام الشاہ احمد رضا قدس سرہ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

الجواب

مستفتی کو تعجیل اور فقیر بتیس روز سے علیل اور مسئلہ ظاہر و بین غیر محتاج دلیل' لہٰذا صرف ان اجمالی کلمات پر اقتصار ہوتا ہے عمرو کا قول مسلمانوں کا قول ہے اور زید نے وہی کہا جو کافر کہا کرتے تھے قالوا ما انتم الا بشر مثلنا کافر بولے! تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی بلکہ زید مدعی اسلام کا قول ان کافروں کے قول سے بعید تر ہے' وہ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنا سا بشر مانتے تھے اس لئے کہ ان کی رسالت سے منکر تھے کہ ما انتم الا بشر مثلنا وما انزل الرحمن من شئ ان انتم الا تکذبون تم تو نہیں مگر ہماری مثل بشر اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا تم نرا جھوٹ کہتے ہو' واقعی جب ان خبثا کے نزدیک وحی نبوت باطل تھی تو انہیں اپنی سی بشریت کے سوا کیا نظر آتا لیکن ان سے زیادہ دل کے اندھے وہ کہ وحی و نبوت کا اقرار کریں اور پھر انہیں اپنا ہی سا بشر جانیں' زید کو قل انما انا بشر مثلکم سوجھا اور یوحی الی نہ سوجھا جو غیر متناہی فرق ظاہر کرتا' زید نے اتنا ہی ٹکڑا لیا جو کافر لیتے تھے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت سے اعلیٰ ہے وہ ظاہری صورت میں ظاہر بینوں کی آنکھوں میں بشریت رکھتے ہیں جس سے مقصود خلق کا ان سے انس حاصل کرنا اور ان سے فیض پانا و لہٰذا ارشاد فرماتا ہے ولو جعلناہ ملکا لجعلنہ رجلا وللبسنا علیھم مایلبسون اور اگر ہم فرشتے کو رسول کر کے بھیجتے تو ضرور اسے مرد ہی کی شکل میں بھیجتے اور ضرور انہیں اسی شبہ میں رکھتے جس دھوکے میں اب ہیں' ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری صورت دیکھ کر انہیں اوروں کی مثل بشر سمجھنا ان کی بشریت کو اپنا سا جاننا ظاہر بینوں کو رباطنوں کا دھوکہ ہے۔

شیطان کے دھوکے میں پڑے ہیں۔

ہمسری با اولیا برداشتند انبیاء را ہمچو خود پنداشتند

ان کا کھانا پینا سونا یہ افعال بشری اس لئے نہیں کہ وہ ان کے محتاج ہیں حاشا لست کاحد کم انی ابیت عندر بی یطعمنی و یسقینی ان کے یہ افعال بھی اقامت سنت و تعلیم امت کے لیے تھے کہ ہر بات میں طریقہ محمودہ لوگوں کو عملی طور سے دکھائیں سکھائیں جیسے ان کا سہو و نسیان' حدیث میں ہے انی لاانسی ولکن انسی لیستن بی میں بھولتا نہیں بھلایا جاتا ہوں تا کہ حالت سہو میں امت کو طریقہ سنت معلوم ہو' امام اجل محمد عبدری ابن الحاج مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احوال بشری کھانا پینا سونا جماع اپنے نفس کریم کے لیے نہ فرماتے تھے بلکہ بشر کو انس دلانے کے لیے کہ ان افعال میں حضور کی اقتدا کریں' کیا نہیں دیکھتا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور مجھے ان کی کچھ حاجت نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمہاری دنیا میں سے خوشبو اور عورتوں کی محبت دلائی گئی۔ یہ نہ فرمایا کہ میں نے انہیں دوست رکھا اور فرمایا تمہاری دنیا میں سے تو اسے اوروں کی طرف اضافت فرمایا نہ اپنے نفس کریم کی طرف صلی اللہ علیہ وسلم' معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے مولیٰ عزوجل کے ساتھ خاص ہے۔ جس پر یہ ارشاد کریم دلالت کرتا ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر صورت بشری اور باطن ملکی ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ افعال بشری محض اپنی امت کو انس دلانے اور ان کے لیے شریعت قائم فرمانے کے واسطے کرتے تھے نہ یہ کہ حضور کو ان میں سے کسی شے کی کچھ حاجت ہو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے انہیں اوصاف جلیلہ و فضائل حمیدہ سے جہل کے باعث بے چارے جاہل یعنی کافر نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے' عمرو نے سچ کہا کہ یہ قول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہ فرمایا بلکہ اس کے فرمانے پر مامور ہوئے جس کی حکمت تعلیم تواضع و تانیس امت و سد غلو نصرانیت ہے۔ اول' دوم ظاہر اور سوم یہ کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی امت نے ان کے فضائل پر خدا اور خدا کا بیٹا کہا پھر فضائل محمد یہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی عظمت شان کی اندازہ کون کرسکتا ہے۔ یہاں اس غلو کے سد باب کے لیے تعلیم فرمائی گئی کہ کہو کہ میں تم جیسا بشر ہوں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں' ہاں یوحی الی رسول ہوں' دفع افراط نصرانیت کے لیے پہلا کلمہ تھا اور دفع تفریط ابلیسیت کے لیے دوسرا کلمہ' اسی کی نظیر ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا قل سبحن ربی ھل کنت الا بشرا رسولا تم فرما دو پاکی ہے میرے رب کو میں خدا نہیں میں تو انسان رسول ہوں انہیں دونوں کے دفع کو کلمہ شہادت میں دونوں لفظ کریم جمع فرمائے گئے اشھد ان محمد اعبدہ و رسولہ' بندے ہیں خدا نہیں رسول ہیں خدا سے جدا نہیں' شیطنت اس کی کہ دوسرا کلمہ امتیاز اعلیٰ چھوڑ کر پہلے کلمہ تواضع پر اقتصار کرے۔ اسی ضلالت کا اثر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دعویٰ مساوات کو صرف نالائق حرکت کہا نالائق حرکت تو یہ بھی ہے کہ کوئی بلاوجہ زید کو طپانچہ مار دے یعنی اس زید کو جس نے کفر و ضلال نہ بکے ہوں پھر کہاں یہ اور کہاں وہ دعویٰ مساوات کہ کفر خالص ہے' اور اس کا اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ارفعیت کا ادعا نسبت کرنا محض افترا اور کج فہمی ہے حاشا کوئی ولی کیسے ہی مرتبہ عظیمہ پر ہو سرکار کے دائرہ غلامی سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔ اکابر انبیاء تو دعویٰ مساوات کر نہیں سکتے۔ شیخ الانبیاء خلیل کبریا علیہ الصلوٰۃ والثنا نے شب معراج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ فضائل سن کر تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے فرمایا بھذا فضلکم محمد صلی اللہ تعالی علیه وسلم ان وجوہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے افضل ہوئے۔ ولی کس منہ سے دعویٰ ارفعیت کرے گا اور جو کرے حاشا ولی نہ ہو گا' شیطان ہو گا۔ حضرت سیدنا بایزید

بسطامی اور ان کے امثال و نظائر رضی اللہ عنہ وقت ورود تجلی خاص شجرۂ موسیٰ ہوتے ہیں۔ سیدنا موسیٰ کلیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو درخت میں سے سنائی دیا یموسیٰ انی انا اللہ رب العلمین اے موسیٰ! بے شک میں اللہ ہوں رب سارے جہان کا' کیا یہ پیڑ نے کہا تھا حاشا اللہ بلکہ واحد قہار نے جس نے درخت پر تجلی فرمائی اور وہ بات درخت سے سننے میں آئی۔ کیا رب العزت ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور اپنے محبوب بایزید پر نہیں نہیں وہ ضرور تجلی ربانی تھی کلام بایزید کی زبان سے سنا جاتا تھا جیسے درخت سے سنا گیا اور متکلم اللہ عزوجل تھا' اسی نے وہاں فرمایا یموسی انی انا اللہ رب العلمین اسی نے یہاں بھی فرمایا سبحانی ما اعظم شانی اور ثابت ہو تو یہ بھی کہ لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم' بے شک لواء الٰہی لواء محمدی سے ارفع واعلیٰ ہے۔

(اعلیٰ حضرت کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت بایزید نے یہ بظاہر لوائی ارفع من لواء محمد کہا تھا تو حقیقت میں یہ اللہ کا کلام تھا اور اللہ فرما رہا تھا میرا جھنڈا محمد کے جھنڈے سے بلند ہے۔ جیسے شجر موسیٰ سے اللہ کا کلام سنا گیا تھا اسی طرح یہاں بایزید سے اللہ کا کلام سنا گیا) فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۱۴۵-۱۴۳' مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کے متعلق علماء دیوبند کا نظریہ

شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۶ھ لکھتے ہیں:

کوئی ادنیٰ مسلمان بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ کے تقرب وشرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے قل انما انا بشر مثلکم اور بعد اس کے یوحی الی کی قید سے پھر وہی شرف تقرب بعد اثبات مماثلت بشریت فرمایا پس اگر کسی نے بوجہ بنی آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص کے کہہ دیا وہ تو خود نص کے موافق ہی کہتا ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

لاریب اخوت نفس بشریت میں اور اولاد آدم ہونے میں ہے اور اس میں مساوات بنص قرآن ثابت ہے اور کمالات تقرب میں نہ کوئی بھائی کہے نہ مثل جانے۔ (براہین قاطعہ ص ۳' مطبوعہ بلالی ڈھوک ہند)

علماء دیوبند کے نظریہ پر مصنف کا تبصرہ

شیخ سہارنپوری کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ نفس بشریت میں تمام انسان آپ کے مماثل اور مساوی ہیں ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں عام انسانوں کی بہ نسبت ایک وصف زائد ہوتا ہے جو نبوت ہے وہ حامل وحی ہوتے ہیں' فرشتوں کو دیکھتے ہیں اور ان کا کلام سنتے ہیں اس لئے نبی کی بشریت اور عام انسانوں کی بشریت مماثل اور مساوی نہیں ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ نبوت سے قطع نظر تو نفس بشریت میں مساوات ہے تو میں کہوں گا کہ اس طرح تو نفس حیوانیت میں نطق سے قطع نظر انسان گدھوں' کتوں اور خنزیروں کے مماثل اور مساوی ہے اور ایسا کہنا انسان کی توہین ہے۔ اسی طرح نفس بشریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے مماثل اور مساوی کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے' اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید میں ہے قل انما انا بشر مثلکم (الکھف:۱۱۰) تو اس کے دو جواب ہیں ایک جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (الانعام:۳۸)

ہر وہ جاندار جو زمین پر چلتا ہے اور ہر وہ پرندہ جو اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہے وہ تمہاری ہی مثل گروہ ہیں۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ زمین اور فضا کے تمام جاندار اور تمام پرندے انسانوں کی مثل ہیں تو اس طریقہ سے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ انسان گدھ' چیل اور بندر اور خنزیر کی مثل ہے تو کیا یہ انسان کی توہین نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے مساوی اور ان کی مثل ہیں تو یہ بھی آپ کی توہین ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز میں عام انسانوں کی مثل ہیں؟ کسی وجودی وصف میں کوئی انسان آپ کی مثل نہیں ہے بلکہ آپ کے ساتھ مماثلت عدمی وصف میں ہے نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں نہ ہم واجب اور قدیم ہیں نہ آپ واجب اور قدیم ہیں نہ ہم مستحق عبادت ہیں نہ آپ مستحق عبادت ہیں اور یہ آیت اسی معنی پر دلالت کرتی ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکھف: ۱۱۰) آپ کہیے کہ میں (مستحق عبادت نہ ہونے میں) تمہاری ہی مثل بشر ہوں' میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس بحث کی مزید وضاحت کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۰۸-۸۷ کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کے ذکر کے بغیر آپ کو صرف بشر کہنا جائز نہیں

جس کسی معزز اور اہم شخص کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے عام اوصاف کا ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے ان خصوصی اوصاف کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممیز اور ممتاز ہوتا ہے مثلاً آپ ملک کے صدر اور وزیر اعظم کا ذکر کریں تو یوں نہیں کہیں گے کہ یہ انسان اور بشر ہیں یا مرد ہیں۔ آپ یوں نہیں کہیں گے کہ یہ ایک پاکستانی ہیں بلکہ آپ کہیں گے یہ ملک کے صدر ہیں یا ملک کے وزیر اعظم ہیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ آپ انسان اور بشر ہیں یا مرد ہیں کیونکہ ان الفاظ میں آپ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ انسان اور بشر ہونے میں مسلمانوں کی بھی کوئی تخصیص نہیں ہیں یہ اوصاف تو مومن' کافر' مرتد سب میں مشترک ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں گئے آپ نے فرمایا: السلام علیکم دار قوم مومنین! بے شک ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں' میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں! صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں آپ نے فرمایا: انتم اصحابی تم میرے صحابہ ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۷' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے' اس سے آپ کی مراد دینی بھائی تھے اور دینی بھائی تو صحابہ بھی تھے پھر کیا وجہ ہے کہ جب صحابہ نے کہا کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں تو آپ نے فرمایا: تم میرے اصحاب ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے' اس کی وجہ یہی ہے کہ دینی بھائی ہونے میں صحابہ کا کوئی امتیاز اور ان کی کوئی خصوصیت نہیں تھی کیونکہ قیامت تک کے تمام مسلمان آپ کے دینی بھائی ہیں' صحابہ کا امتیاز اور ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ آپ کے اصحاب ہیں۔ اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کا اس وصف کے ساتھ ذکر پسند نہیں کیا جو ان میں اور دوسرے مسلمانوں میں بھی مشترک تھا جس وصف میں صحابہ کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ باجی نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دینی بھائی ہونے کی نفی نہیں کی بلکہ ان کا وہ مرتبہ ذکر کیا جو اس پر زائد ہے اور جو ان کے ساتھ مختص ہے اور جو بعد میں آنے والے مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے ان کا ذکر دینی اخوت

کے ساتھ کیا۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا تمام اہل ایمان آپ کے دینی بھائی ہیں اور آپ کے صحابہ وہ ہیں جو آپ کی صحبت میں رہے ہوں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ٢ ص ٤٨ مطبوعہ دار الوفاء بیروت ١٤١٩ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ھ اور علامہ ابی مالکی متوفی ٨٢٨ھ اور علامہ السنوسی مالکی متوفی ٨٩٥ھ نے بھی یہی تقریر ذکر کی ہے۔

(شرح مسلم للنووی ج ٢ ص ١١٩٤ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ اکمال اکمال المعلم ج ٢ ص ٤٩ معلم اکمال الاکمال ج ٢ ص ٤٩ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٥ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھو تو نہایت عمدہ طریقہ سے آپ پر صلوٰۃ پڑھو کیونکہ تم کو پتا نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ یہ صلوٰۃ آپ پر پیش کی جائے تم یوں صلوٰۃ پڑھو **اللھم اجعل صلوتک و رحمتک و برکاتک علی سید المرسلین و امام المتقین و خاتم النبیین محمد عبدک و رسولک امام الخیر و قائد الخیر و رسول الرحمۃ اللھم ابعثہ مقاما محمودا یغبطہ الاولون و الاخرون** ۔اے اللہ! اپنی صلوٰۃ اپنی رحمتیں اور برکتیں ان پر نازل فرما جو رسولوں کے سردار ہیں اور متقین کے امام ہیں، تمام نبیوں کے آخر ہیں سیدنا محمد جو تیرے بندے اور رسول ہیں خیر کے امام اور قائد ہیں، رسول رحمت ہیں اے اللہ! ان کو ایسے مقام محمود پر فائز فرما جس پر تمام اولین اور آخرین رشک کریں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٩٠٦)

ان احادیث سے یہ واضح ہوگیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ان اوصاف کے ساتھ کرنا چاہئے جو آپ کے ساتھ مخصوص ہوں اور جن کی وجہ سے آپ دوسروں سے ممتاز اور ممیز ہوں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے اصحاب کا ذکر ان اوصاف کے ساتھ بھی نہیں کیا (یعنی دینی بھائی) جن میں دوسرے مسلمان ان کے شریک ہیں تو پھر آپ کو صرف بشر کہنا کس طرح صحیح ہو گا جبکہ لفظ بشر میں تو مسلمانوں کی بھی تخصیص نہیں کیونکہ کافر، مومن اور منافق سب بشر ہیں، اور لفظ بشر میں کوئی تخصیص نہیں اس لفظ میں دینی بھائی سے بھی زیادہ عموم ہے، اس لئے اگر آپ کو خواہ مخواہ بشر کہنا ہی ہے تو آپ کو افضل البشر یا سید البشر کہا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہلوانے کی توجیہ کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں

قرآن مجید میں کہیں یہ مذکور نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشر کہا ہو نہ کسی حدیث میں یہ ہے کہ کسی صحابی نے آپ کو صرف بشر کہا ہو اور سورہ کہف کی اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو بشر نہیں کہا بلکہ یہ فرمایا ہے آپ کہیے کہ میں محض تمہاری طرح بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے علم اور قدرت کے چند معجزات دکھائے مثلاً یہ بتایا کہ تم کیا کھا کر آئے ہو اور گھر میں کیا رکھ کر آئے ہو، اور چند مردے زندہ کئے اور مٹی سے پرندے بنا کر اڑا دیئے تو لوگوں نے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ دیا، اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ما کان و ما یکون کی خبریں دی تھیں اور آپ کی توجہ سے درخت میں جان پڑگئی اور اس نے آپ کے پاس آکر آپ کی رسالت کی گواہی دی، اور کھجور کا ستون آپ کے فراق میں رویا اور مکہ کے ایک پتھر نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ اور گوہ اور ہرنی نے آپ کا کلمہ پڑھا، اونٹ نے آپ سے کلام کیا اس طرح کے بے حد وحساب معجزات ہیں۔ اس لئے یہ خطرہ تھا کہ فرط عقیدت میں آپ کی امت بھی آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہہ دے اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا تم اپنی زبان سے خود کہہ دو کہ میں تو صرف تمہاری مثل بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) اور اس کے بعد فرمایا: **یوحی الی** میری طرف وحی کی جاتی ہے یعنی نفس بشریت میں عموم اور اشتراک ہے لیکن آپ پر اللہ کی وحی کی جاتی ہے

آپ اس وصف کے لحاظ سے عالم بشریت میں ممتاز اور ممیز ہیں' جس طرح چوپائے' درندے اور پرندے حیوان ہونے میں انسان کے شریک ہیں اور انسان نطق' ادراک اور دریابندۂ معقولات ہونے کی وجہ سے ان سے ممتاز اور ممیز ہے اسی طرح دیگر انسان بشر ہونے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ہیں اور آپ پر جو وحی الٰہی کی جاتی ہے اس وجہ سے آپ دیگر انسانوں سے ممتاز اور ممیز ہیں۔ انسان اپنی عقل کی وجہ سے دوسرے حیوانوں سے ممیز ہے اور نطق اس کے لیے فصل ممیز ہے۔ جس طرح انسان اپنی آنکھوں سے حیوانات کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ فلاں حیوان ہے اور یہ فلاں حیوان ہے اور اپنی عقل سے معقولات اور کلیات کا ادراک کرتے ہیں اسی طرح نبی علیہ السلام خداداد قوت سے عالم غیب کا ادراک کرتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ یہ جن ہے' یہ فرشتہ ہے' یہ جبریل ہیں یہ میکائیل ہیں اور فرشتہ سے وحی حاصل کرتے ہیں' سو جس طرح نطق ہمارے لئے حیوانوں سے فصل ممیز ہے اسی طرح نبی کے لیے حامل وحی ہونا عام انسانوں اور بشر سے بہ منزلہ فصل ممیز ہے' اور جس طرح عام کے بعد خاص کو ذکر کیا جاتا ہے اور انسان کو حیوان ناطق کہا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے بشر ہونے کا ذکر فرمایا پھر آپ کے حامل وحی ہونے کا ذکر فرمایا' اور جس طرح انسان کو صرف حیوان کہنا درست نہیں ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بشر کہنا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ (الکھف: ۱۱۰)

دکھانے اور سنانے کے لیے عبادت کرنے کی ممانعت میں احادیث اور آثار

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب سے ملاقات کے دن سے ڈرتا ہے' اپنے گناہوں سے خوفزدہ رہتا ہے اور اپنی عبادات پر ثواب کی امید رکھتا ہے' اس کو چاہئے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اپنے رب عزوجل کی عبادت کرے اور اپنی عبادت میں شرک جلی کرے اور نہ شرک خفی کرے' دنیا کی کسی چیز کے عوض اللہ کی عبادت نہ کرے مثلاً اس نیت سے امامت' خطابت اور تعلیم دین نہ کرے کہ اس کے عوض اس کو مال دنیا حاصل ہوگا' نہ اس وجہ سے جہاد کرے کہ اس کے عوض اس کو مال دنیا حاصل ہوگا' صرف اللہ کی رضا کے لیے یہ عبادت کرے پھر اگر اس کو کچھ نذرانہ دیا جائے تو اس کو منع نہ کرے۔ پہلے سے معاوضہ مقرر نہ کرے اور اس کی گزر اوقات کے لیے اس کو جو محنتانہ دیا جائے اس کو مسترد نہ کرے۔ اسی طرح اپنی تعریف اور مدح سرائی کے لیے کوئی عبادت نہ کرے۔

اس آیت کے شان نزول میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا اے اللہ کے نبی! میں جہاد کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ لوگوں کو میرے جہاد کا علم ہو تو یہ آیت نازل ہوئی: جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو (کبھی بھی) شریک نہ بنائے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۶۵۴' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۰۱۴)

شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور آپ سے سوال کیا کہ یہ بتایئے کہ ایک شخص اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ نماز پر اس کی تعریف کی جائے' اور ایک شخص اللہ کے لیے روزے رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کی تعریف کی جائے' حضرت عبادہ نے کہا اسے کسی چیز کا اجر نہیں ملے گا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے میں سب سے اچھا شریک ہوں' جس نے میرے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو وہ کام اس کے لیے ہے مجھے اس کی کوئی

حاجت نہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۱۷۶۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر شرک اور شہوت خفیہ کا خطرہ ہے میں نے عرض کیا: کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی؟ آپ نے فرمایا: سنو! وہ سورج، چاند، پتھروں اور بتوں کی عبادت نہیں کریں گے لیکن وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کریں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور شہوت خفیہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک شخص روزے کی حالت میں صبح اٹھے گا پھر اس کو شہوت ہوگی اور وہ روزہ چھوڑ کر جنسی عمل کرے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۳۰۲۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے میں سب سے بہتر شریک ہوں، جس شخص نے کوئی عمل کیا اور اس میں میرے غیر کو شریک کیا تو میں اس سے بری ہوں وہ اسی کا عمل ہے جس کو اس نے شریک کیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۳۰۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت جندب بن زہیر عامری کے متعلق نازل ہوئی ہے اس نے کہا میں ایک عمل اللہ کے لیے کرتا ہوں پھر کوئی اس پر مطلع ہوتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ طیب ہے، وہ طیب کے سوا کوئی عمل قبول نہیں کرتا اور جس عمل میں کسی کو شریک کیا گیا ہو وہ اس عمل کو قبول نہیں فرماتا۔

(اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث:۶۰۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن جس شخص کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ شخص شہید ہوگا، اس کو لایا جائے گا اور اس کو اللہ کی دی ہوئی نعمتیں بتائی جائیں گی وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا۔ اس سے پوچھا جائے گا تو نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ میں شہید ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا لیکن تو نے اس لئے جہاد کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ یہ بہت دلیر ہے سو یہ کہا گیا، پھر حکم دیا جائے گا اور اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اس شخص کو لایا جائے گا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن مجید پڑھا، اللہ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ ان کو پہچان لے گا۔ اللہ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں کے لیے کیا عمل کیا وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور پڑھایا اور میں نے تیرے لئے قرآن پڑھا۔ اللہ فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا لیکن تو نے اس لئے علم حاصل کیا کہ تجھے عالم کہا جائے اور تو نے اس لئے قرآن پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے سو یہ کہا گیا، پھر حکم دیا جائے گا اور اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ ایک اور شخص کو لایا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ نے وسعت کی تھی اور اس کو تمام اقسام کے مال سے عطا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں بتائے گا وہ ان کو پہچان لے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں کے لیے کیا عمل کیا وہ کہے گا تجھے جن راستوں میں مال خرچ کرنا پسند ہے میں نے ان راستوں میں سے ہر راستہ میں تیری رضا کے لیے اپنا مال خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا لیکن تو نے مال اس لئے خرچ کیا تھا کہ یہ کہا جائے یہ بہت سخی ہے سو یہ کہا گیا۔ پھر اس کو گھسیٹ کر منہ کے بل دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۰۵، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۸۲، سنن النسائی رقم الحدیث:۳۱۳۷، خلق افعال العباد للبخاری رقم الحدیث:۴۲، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۲۴۸۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۴۰۸، شرح السنہ رقم الحدیث:۴۱۴۳، المسند الجامع رقم الحدیث:۱۵۲۸۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۶۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث:۲۶)

اخلاص کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

جس چیز میں کسی دوسری چیز کی ملاوٹ نہ ہو اس کو خالص کہتے ہیں' مسلمانوں کا اخلاص یہ ہے کہ وہ اس تشبیہ سے بری ہیں جس کا یہود دعویٰ کرتے تھے اس طرح وہ اس تثلیث سے بری ہیں جس کا عیسائی دعویٰ کرتے ہیں۔ اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ کے ماسوا ہر چیز سے بری ہو جائے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۰۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ ھ لکھتے ہیں:

لغت میں اخلاص کا معنی ہے عبادات میں ریاکاری کو ترک کرنا۔

اصطلاح میں اخلاص کا معنی ہے دل کو اس ملاوٹ کے شائبہ سے خالی کرنا جو دل کی صفاء کو مکدر کرتی ہے۔

اس کی تحقیق یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس میں کسی چیز کی ملاوٹ متصور ہو سکتی ہے جب اس چیز کو اس ملاوٹ سے خالی کر لیا جائے تو اس چیز کو خالص کہتے ہیں اور اس فعل کو اخلاص کہتے ہیں۔

فضیل بن عیاض نے کہا لوگوں کی وجہ سے عمل ترک کرنا ریاء ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے' اور اخلاص یہ ہے کہ ان دونوں کی نفی کرے اور اپنے عمل پر کسی کو شاہد (دیکھنے والا) نہ بنائے۔

ایک قول یہ ہے کہ اعمال کو تکدرات اور زنگ سے خالی کرنا اخلاص ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اخلاص اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان پوشیدہ عمل ہے جس کا علم فرشتہ کو نہیں ہوتا کہ وہ اس کو لکھ لے' نہ شیطان کو اس کا علم ہوتا ہے کہ وہ اس کو فاسد کر دے' نہ خواہش کو اس کا پتا چلے کہ وہ اس کی طرف کسی کو مائل کرائے۔

صدق اور اخلاص میں یہ فرق ہے کہ صدق اصل ہے اور اخلاص فرع ہے' صدق متبوع ہے اور اخلاص تابع ہے' صدق مقدم ہے اور اخلاص موخر ہے۔ (التعریفات ص ۱۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

صوفیاء کرام کے نزدیک اخلاص کی تعریفات

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ ھ لکھتے ہیں:

استاذ نے کہا عبادت میں صرف حق سبحانہ کا قصد کرنا اخلاص ہے' یعنی اپنی اطاعت سے صرف اللہ سبحانہ کے تقرب کا قصد کرے نہ کہ کسی اور چیز کا' مثلاً مخلوق کے لیے تصنع کا یا لوگوں کی تعریف حاصل کرنے کا' یا مخلوق کی مدح اور ان کی محبت کا یا اللہ کے تقرب کے سوا کسی اور معنی کا۔

فعل کو مخلوق کے ملاحظہ سے خالی کرنا اخلاص ہے اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ فعل کو مخلوق کے ملاحظہ سے بچانا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اخلاص میرے اسرار میں سے ایک سر (راز) ہے میں اپنے بندوں میں سے جس کو محبوب رکھتا ہوں اس کے دل میں اس کو رکھ دیتا ہوں۔

حضرت حذیفہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اخلاص کیا ہے؟ آپ نے حضرت جبریل سے سوال کیا' اخلاص کیا ہے؟ حضرت جبریل نے رب العزت سے اخلاص کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اخلاص میرے اسرار میں سے ایک سر ہے جسے میں اپنے محبوب بندے کے دل میں رکھ دیتا ہوں۔ ذوالنون نے کہا اخلاص کی تین علامتیں ہیں اس کے نزدیک عام لوگوں کی مدح اور مذمت برابر ہو' وہ اپنے اعمال کو بھول جائے' آخرت میں ثواب کی طلب کو بھول جائے۔

حذیفہ المرعشی نے کہا اخلاص یہ ہے کہ بندہ کے افعال ظاہر اور باطن میں برابر ہوں۔

ابو عثمان المغربی نے کہا عوام کا اخلاص یہ ہے کہ ان کے اعمال میں ان کے نفس کا کوئی حصہ نہ ہو اور خواص کا اخلاص یہ ہے کہ ان کے اعمال پر نہ کبھی ان کی نظر پڑے اور نہ کبھی وہ اپنے اعمال کا شمار کریں۔

رویم نے کہا عمل میں اخلاص یہ ہے کہ وہ اس کے عوض دارین میں کسی صلہ کا طالب ہو نہ فرشتوں سے کسی حصہ کا ارادہ کرے۔ (الرسالۃ القشیریہ ص ۲۴۴۔۲۴۲ ملخصاً و ملتقطاً' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اخلاص کے متعلق احادیث و آثار

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب انہیں یمن کی طرف بھیجا گیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم اخلاص کے ساتھ عبادت کرو' تمہیں عمل قلیل بھی کافی ہوگا۔ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۳۰۶ قدیم۔ المستدرک رقم الحدیث: ۷۸۴۴ جدید' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۴)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری حدیث کو سنا اور اس کو محفوظ اور یاد رکھا اور اس کو پہنچا دیا' کیونکہ بسا اوقات کوئی شخص اپنے سے زیادہ فقیہ تک حدیث پہنچاتا ہے۔ تین چیزوں پر مسلمان کے دل میں کھوٹ نہیں ہوتا' عمل میں اللہ کے لیے اخلاص ہو' ائمہ مسلمین کے لیے خیر خواہی کرے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم رہے کیونکہ ان کی دعا ان کے علاوہ دوسروں کو بھی شامل ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶' ۶۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۱۲۶' مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۶)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا یہ بتایئے ایک شخص جہاد کرتا ہے اس میں اجرت بھی طلب کرتا ہے اور اپنی شہرت بھی' اس کو کیا ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لیے کیا جائے اور اس عمل سے اس کی رضا کا ارادہ کیا جائے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۴۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تمہارے جسموں کی طرف نہیں دیکھتا اور نہ تمہاری صورتوں کی طرف دیکھتا ہے لیکن وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۳' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۰۸۰)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کو دوسری امتوں پر اللہ کے نزدیک چند درجوں کی بشارت دے دو' پس جس شخص نے آخرت کا عمل دنیا کے لیے کیا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۵' شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۸۳۳' المستدرک ج ۴ ص ۳۱۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ رقم الحدیث: ۲۲۰)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سنایا اللہ تعالیٰ اس کو سنائے گا اور جس نے دکھایا اللہ تعالیٰ اس کو دکھائے گا۔ یعنی جس نے لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی رسوائی لوگوں کو دکھائے گا اور جس نے لوگوں کو سنانے کے لیے عمل کیا اللہ تعالیٰ اس کی فضیحت قیامت کے دن لوگوں کو سنائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۰۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم آپس میں مسیح الدجال کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ مسیح الدجال سے زیادہ مجھ کو تم پر کس چیز کا خطرہ ہے' ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: شرک خفی (ریا کاری) ایک شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے' پھر وہ دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اس کی نماز کو دیکھ رہا ہے تو وہ نماز کو زیادہ مزین کر کے پڑھتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۰۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۸۳۲' مسند الفردوس: ۸۱۶۴)

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف گئے تو دیکھا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں' ان سے پوچھا تمہیں کیا چیز رلا رہی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے' اور جس نے اولیاء اللہ سے عداوت رکھی اس نے اللہ سے اعلان جنگ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نیک اور متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے جو چھپ کر رہتے ہیں اگر وہ غائب ہو جائیں تو ان کو تلاش نہیں کیا جاتا اور اگر وہ حاضر ہوں تو ان کو کوئی پہچانتا نہیں ہے' ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر گرد آلود اندھیرے سے نکل جاتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۹' المستدرک ج ۱ ص ۴' ج ۳ ص ۲۷۰' یہ حدیث صحیح ہے)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر شرک اصغر کا سب سے زیادہ خطرہ ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ریا' جب لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جاؤ ان سے جا کر اپنے اعمال کی جزا لو جن کو دکھانے کے لیے تم عمل کرتے تھے۔ پس دیکھو کیا تم کو ان سے جزا ملے گی۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۸۳۱' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۰۲)

حضرت ابوسعید بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ عزوجل اولین اور آخرین کو جمع کرے گا تو ایک منادی ندا کرے گا جس نے اللہ کے لیے عمل میں کسی کو شریک کیا تو وہ اسی سے اپنے ثواب کو طلب کرے کیونکہ اللہ شرکا کے شرک سے مستغنی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۰۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۰۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۸۱۷' مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۶)

نیک کاموں کے ظہور پر خوش ہونے سے اجر ملنے اور اجر نہ ملنے کے محامل

حافظ سیوطی نے امام ابن مندہ' امام ابونعیم اور امام ابن عساکر کے حوالوں سے یہ حدیث لکھی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت جندب بن زہیر جب نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ کرتے تو ان کا نیکی کے ساتھ ذکر کیا جاتا' وہ اس سے خوش ہوتے اور لوگوں کی تعریف کی وجہ سے ان نیک کاموں کو اور زیادہ کرتے تو اللہ عزوجل نے ان کو ملامت کی اور یہ آیت نازل فرمائی: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (الکہف: ۱۱۰) (الدر المنثور ج ۵ ص ۴۶۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب کسی شخص کے نیک عمل پر لوگ مطلع ہوں اور وہ اس سے خوش ہو پھر بھی اس کو اجر و ثواب ملے گا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ایک شخص کوئی نیک کام کرتا ہے جس کو وہ مخفی رکھتا ہے اور جب لوگ اس کام پر مطلع ہوتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو دو

اجر ملیں گے ایک اس کام کو مخفی رکھنے کا اجر اور ایک اس کام کے ظاہر ہونے کا اجر۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۳۸۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۲۲۶ المسند الجامع رقم الحدیث:۱۵۰۹۸ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۹۰)

امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ لکھتے ہیں:

بعض اہل علم نے اس حدیث کی یہ تفسیر کی ہے کہ جب اس شخص کو یہ علم ہو کہ لوگ اس کی نیکیوں کی وجہ سے اس کو نیک کہہ رہے ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو تو وہ اس وجہ سے خوش ہو کہ لوگ اس کے نیک ہونے کی گواہی دیں گے اور جس کو لوگ نیک کہیں اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر وہ اس وجہ سے خوش ہوتا ہو کہ جب لوگوں کو اس کی نیکیوں کا علم ہو گا تو وہ اس کی زیادہ تعظیم اور توقیر کریں گے اور وہ تعظیم و تکریم کی طلب کے لیے نیکیاں کرے تو پھر یہ ریا ہے' اور بعض اہل علم نے اس حدیث کی یہ توجیہ کی ہے کہ جب لوگوں کو اس کی نیکیوں کا علم ہو تو وہ اس وجہ سے خوش ہو کہ لوگ اب اس کی اقتداء میں اس کی طرح نیک عمل کریں گے تو اس کو اپنے نیک اعمال کا بھی اجر ملے گا اور لوگوں کے نیک اعمال کا بھی اجر ملے گا جو اس کی اقتداء میں نیک عمل کریں گے اور یہ بھی صحیح محمل ہے' علامہ آلوسی نے اضافہ کیا ہے یعنی اس کا خوش ہونا اپنے عمل کے ظہور کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس کا خوش ہونا اس وجہ سے ہو کہ اس کا نیک عمل دوسروں کے لیے نیک عمل کا باعث ہے اور اس کی اقتداء کرنے کا سبب ہے' اسی طرح اگر وہ اس لئے خوش ہو کہ جب لوگوں کو اس کے نیک عمل کا پتا چلے گا تو وہ اس کے متعلق بدگمانی اور غیبت نہیں کریں گے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جس شخص کی اقتداء کی جاتی ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے نیک اعمال کو ظاہر کرے۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کی نیت کا علم تھا کہ وہ کس وجہ سے خوش ہوتا ہے اور حضرت جندب نے جو اپنے متعلق سوال کیا تھا آپ کو ان کی نیت کا بھی علم تھا اس لئے آپ نے ہر ایک کے حسب حال جواب دیا۔ (سنن ترمذی ج ۴ ص ۱۹۳-۱۹۲' مطبوعہ دار الجیل بیروت' روح المعانی ج ۱۶ ص ۷۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قربانی کے عمل میں مسلمان بہت زیادہ دکھاوا کرتے ہیں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک صاع (چار کلو گرام) طعام صدقہ فطر ادا کرتے تھے یا ایک صاع جو یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کشمش۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۸۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا رمضان کے آخر میں اپنے روزوں کا صدقہ نکالو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صدقہ ایک صاع کھجوریں' یا ایک صاع جو یا نصف صاع گندم ہر آزاد یا مملوک' مرد یا عورت یا چھوٹے اور بڑے پر فرض کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۲۲' سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۰۷)

اس زمانہ میں نصف صاع گندم تقریباً ۲۶ روپے کے ہیں اور ایک صاع کھجوریں تقریباً دو سو روپے کی اور ایک صاع کشمش تقریباً ۳۰۰ روپے کی ہیں' چونکہ مال و دولت کے حساب سے لوگ تقریباً تین طبقات پر منقسم ہیں' غریب' متوسط اور امیر' اس وجہ سے آپ نے صدقہ فطر کے بھی تین درجات رکھے غریب لوگ گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں۔ متوسط لوگ کھجوروں کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں اور امیر لوگ کشمش کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں' لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جس کی آمدنی پانچ ہزار روپے مہینہ ہے وہ بھی گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرتا ہے اور جس کی آمدنی پانچ لاکھ روپے ماہانہ ہے وہ بھی گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرتا ہے اور جس کی آمدنی دس کروڑ روپے ماہانہ ہے وہ بھی گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرتا ہے۔

اسی طرح قربانی کے بھی تین درجات ہیں گائے کا ساتواں حصہ بھی قربانی ہے۔ سالم بکرے کی بھی قربانی ہے۔ سالم

گائے اور اونٹ کی بھی قربانی۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہوتا کہ سب لوگ گائے میں حصہ ڈالیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنی حیثیت کے مطابق سالم بکرا بھی خریدتے ہیں بلکہ کئی کئی بکرے اور دنبے خریدتے ہیں اور سالم گائے بھی خریدتے ہیں بلکہ کئی کئی گائے خریدتے ہیں اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر قیمتی سے قیمتی بیل خرید کر اس کی قربانی کرتے ہیں حتیٰ کہ لاکھوں روپے کے بیل خریدے جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالیت کے اعتبار سے صدقہ فطر میں درجات رکھے ہیں اور قربانی میں بھی مالیت کے اعتبار سے درجات رکھے ہیں' لیکن صدقہ فطر میں غریب' امیر اور متوسط سب لوگ کم سے کم مالیت کا صدقہ فطر ادا کرتے ہیں اور قربانی میں لوگ حسب حیثیت زیادہ سے زیادہ مالیت کے جانور کی قربانی کرتے ہیں' اگر غور کیا جائے تو اس کی صرف یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ صدقہ فطر کی ادائیگی میں لوگوں کو اس قدر نمود و نمائش کے مواقع نہیں ملتے جتنے نمود و نمائش کے مواقع قربانی میں ملتے ہیں لوگ مہنگے سے مہنگا' قیمتی سے قیمتی اور خوب صورت ترین جانور خرید کر اپنے دوستوں اور عزیزوں کو دکھاتے ہیں اور اس جانور کا محلہ میں گشت کراتے ہیں' ہر ایک کو اس جانور کی اہمیت اور قیمت بتاتے ہیں اور اس جانور پر فخر کرتے ہیں لوگ اس جانور کی تعریف کرتے ہیں اور وہ اس کی تعریف و تحسین سن کر پھولے نہیں سماتے۔ اب ان لوگوں کو خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ ایسی قربانی میں للّٰہیت کا کتنا جذبہ کارفرما ہے اور دکھانے اور سنانے کا کتنا جذبہ ہے' اسی طرح ہماری دیگر مالی عبادتوں کا بھی یہی حال ہے کم ایسے لوگ ہیں جو صرف اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' زیادہ تعداد ان ہی لوگوں کی ہے جو دکھانے اور سنانے کے لیے راہ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں' اور ایسے کاموں کا اللہ کے ہاں کیا انجام ہوگا یہ آپ ان احادیث میں پڑھ چکے ہیں جن کا ذکر ہم نے ابھی کیا ہے۔ میں آٹھ ذوالحجہ کو یہ سطور لکھ رہا ہوں اور آج کل قربانی کے جانوروں کی گہما گہمی ہے اور صدقہ فطر کے ایام بھی ابھی گزرے ہیں اور مسلمانوں کے عمل کا یہ تضاد ابھی ابھی میرے سامنے سے گزرا ہے کہ صدقہ فطر کی ادائیگی میں بہت کم خرچ کیا جائے اور قربانی میں بہت زیادہ خرچ کیا جائے اس لئے میں نے ان دونوں کا تجزیہ کیا۔

اختتامی کلمات

الحمد للہ علی احسانہٖ آج بہ روز پیر مؤرخہ ۹ ذوالحجہ (یوم عرفہ) ۱۴۲۱ھ' ۵ مارچ ۲۰۰۱ء کو سورۃ الکھف کی تفسیر مکمل ہوگی۔ الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے کرم فرمایا ہے اور یہاں تک قرآن کریم کی تفسیر مکمل کرادی ہے اسی طرح کرم فرماتے رہیں اور باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرادیں۔

اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں اور اپنے محبوب رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول بنادیں اور قیامت تک کے مسلمانوں کے دلوں میں اس تفسیر کو مرغوب بنادیں۔ اس تفسیر کو عقائد کی صحت اور اعمال کی صالحیت میں اور برے اعمال سے اجتناب کرنے میں مفید اور مؤثر بنادیں۔ موافقین کے لیے اس تفسیر کو موجب استقامت بنادیں اور مخالفین کے لیے اس کو ذریعہ ہدایت بنادیں۔ منکرین اور معاندین کے شر سے اس کتاب کو محفوظ اور مامون رکھیں اور قیامت تک کے مسلمانوں کے درمیان اس کتاب کو پڑھی جانے والی اور معمول بہ رکھیں۔

اے میرے رب کریم! جس طرح آپ نے مجھے بہت نعمتوں سے نوازا ہے' بیماری اور بے چارگی سے نکال کر تصنیف اور تالیف کی راہ میں پھر سے لاکھڑا کیا ہے اسی طرح مجھے تاحین حیات اپنی نعمتوں کے سائے میں برقرار رکھیں۔ نیکی' عافیت اور تصنیف و تالیف کے ذریعے خدمت دین کے ساتھ اور ایمان پر میرا خاتمہ فرمائیں۔ مرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی شفاعت نصیب فرمائیں۔

میرے والدین کی میرے اساتذہ کی میرے اعزہ اور اقربا کی' احباب اور تلامذہ کی' اس تفسیر کے ناشر' اس کے کمپوزر' اس کے مصحح' اس کے معاونین اس کے قارئین اور جملہ مسلمین کی مغفرت فرمائیں۔ مجھے اور ان سب کو دنیا کی ہر بلا اور مصیبت اور آخرت کی ہر پریشانی اور عذاب سے محفوظ اور مامون رکھیں' دارین کی سب نعمتیں اور سعادتیں مرحمت فرمائیں' دوزخ کے عذاب سے نجات میں رکھیں اور جنت الفردوس' اپنا دیدار اور اپنی رضا عطا فرمائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين سيد المرسلين' قائد الغر المحجلين شفيع المذنبين و على اله الطيبين واصحابه الراشدين وعلى ازواجه الطاهرات امهات المؤمنين و على علماء ملته واولياء امته و على سائر المسلمين اجمعين۔

سُورَةُ مَرْيَمُ

(۱۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ مریم

سورہ مریم کی وجہ تسمیہ اور اس کے متعلق احادیث اور آثار

اس سورت کا نام مریم ہے۔ اس سورت کی درج ذیل آیت میں حضرت مریم کا ذکر ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ (مریم: ۱۶) اور آپ اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کریں۔

یوں تو قرآن مجید کی کئی سورتوں میں سیدہ مریم کا ذکر ہے لیکن اس سورت میں تفصیل سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح اور کہاں ان کے پاس حضرت جبریل آئے وہ ان کو دیکھ کر کس طرح گھبرا گئیں' پھر جبریل نے ان کو لڑکے کی بشارت دی' انہوں نے کہا میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ پھر ان کے حمل کی صفت بیان کی ہے اور ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تولد کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔ پھر ان کی قوم کا انہیں مطعون کرنا اور حضرت عیسیٰ کا والدہ کی برأت بیان کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ غرض حضرت مریم کے متعلق اتنی تفصیل کسی اور سورت میں مذکور نہیں ہے اس لئے اس سورت کا نام مریم ہے۔

متعدد احادیث اور آثار میں بھی اس سورت کو مریم سے موسوم فرمایا ہے:

امام طبرانی' ابونعیم اور دیلمی نے ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم الغسانی کے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا آج رات میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا: آج رات کو مجھ پر سورہ مریم نازل ہوئی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے مورق العجلی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورہ مریم پڑھی۔

امام ابن سعد نے ہاشم بن عاصم الاسلمی سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو آپ مقام غمیم پر پہنچے' آپ کے پاس بریدہ بن الخصیب آئے اور مسلمان ہو گئے۔ ہاشم بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے منذر بن جہضم نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات حضرت بریدہ کو سورہ مریم کی ابتدائی آیات سکھائیں۔

امام ابن سعد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تھے، میں نے بنوغفار کے ایک شخص کو دیکھا وہ لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا رہا تھا میں نے سنا اس نے صبح کی پہلی رکعت میں سورہ مریم پڑھی اور دوسری رکعت میں ویل للمطففین پڑھی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۴۷۷۔۴۷٦، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

سورہ مریم کا زمانہء نزول

جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ یہ سورہ طٰہٰ سے پہلے اور سورہ فاطر کے بعد نازل ہوئی ہے۔ سورہ طٰہٰ حضرت عمر بن الخطاب کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہو چکی تھی لہٰذا اس سورت کا نزول بعثت نبوی کے چوتھے سال میں ہوا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سورت کا نزول حبشہ کی طرف ہجرت سے پہلے ہوا ہے اور نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب نے اسی سورت کی تلاوت کی تھی اس لئے ہم حبشہ کی طرف ہجرت کا کچھ حال لکھتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

مکہ کے مشرکین کمزور مسلمانوں پر بہت ظلم وستم کرتے تھے ان کو مارتے پیٹتے تھے اور ان کی اہانت کرتے تھے۔ بعثت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، سب سے پہلے جنہوں نے ہجرت کی وہ گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ ان میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت رقیہ، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ تھے۔

امام محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمان کس قدر شدید مصائب سے دوچار ہیں تو آپ نے فرمایا: کاش تم حبشہ کی سرزمین کی طرف نکل جاتے کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور وہ صدق کی جگہ ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان مصائب سے کشادگی کردے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب فتنہ کے خوف سے اپنے دین کو بچانے کے لیے حبشہ کی طرف نکل گئے اور یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔

امام ابن اسحاق نے کہا پھر دوسرے گروہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھ ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس تھیں پھر پے درپے مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے لگے اور وہاں بہت مسلمان جمع ہو گئے۔

امام ابن اسحاق نے کہا جن مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی ان کے چھوٹے بچوں کے سوا اور جو بچے وہاں پیدا ہوئے ان کے علاوہ مسلمانوں کی تعداد ۸۳ مرد تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۴۱۹، ۴۱٦، مختصراً، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نجاشی کے سامنے حضرت جعفر کا تعارف اسلام پیش کرنا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم سرزمین حبشہ میں پہنچے تو انہوں نے ہمارے ساتھ اچھے پڑوسیوں کا سلوک کیا اور نجاشی نے ہمیں ہمارے دین کے اوپر پناہ دی۔ ہم نے اللہ کی عبادت کی اور ہمیں کوئی ایذا نہیں دی جاتی تھی اور ہم کوئی ناپسندیدہ بات سنتے تھے۔ جب قریش کو ہماری خبر پہنچی تو انہوں نے یہ مشورہ کیا کہ نجاشی کے پاس دو چالاک اور قوی شخص بھیجے جائیں اور نجاشی کے پاس نایاب قسم کے تحفے بھیجے جائیں اور ان کے نزدیک جانوروں کی کھالیں بہت قیمتی تھیں سو انہوں نے بہت سی کھالیں جمع کیں اور انہوں نے وہ کھالیں حبشہ کے تمام پادریوں میں تقسیم کر دیں اور انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ مخزومی اور عمرو بن العاص بن وائل سہمی کے ہاتھ یہ کھالیں بھیجی تھیں اور ان سے کہا تھا کہ نجاشی سے بات کرنے سے پہلے تمام پادریوں میں یہ تحائف تقسیم کر دینا پھر نجاشی کے پاس جانا اور پہلے اس کو یہ تحائف دینا پھر اس سے یہ سوال کرنا کہ

ان لوگوں کو تمہارے حوالے کر دے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ دونوں نجاشی کے پاس گئے اور نجاشی سے ملاقات سے پہلے اس کے پادریوں کو تحائف پہنچا دیئے اور ان سب سے کہا ہمارے شہر کے چند ناسمجھ نوجوان اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر آپ کے ملک میں آ گئے ہیں۔ یہ نوجوان اپنے دین کو چھوڑ چکے ہیں اور آپ کے دین میں داخل نہیں ہوئے وہ ایک نئے دین میں داخل ہو گئے ہیں جس کو نہ ہم پہچانتے ہیں نہ آپ پہچانتے ہیں۔ ہم ان کو واپس لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ جب ہم اس سلسلہ میں بادشاہ سے بات کریں تو آپ ہماری سفارش کریں کہ وہ ان سے بات نہ کرے اور ان کو ہمارے حوالے کر دے۔ پادریوں نے کہا ہم ایسا ہی کریں گے۔ پھر انہوں نے نجاشی کو بھی تحفے پیش کیے اس نے ان کے تحائف قبول کر لیے۔ پھر انہوں نے نجاشی سے کہا اے بادشاہ! ہمارے شہر کے چند نادان نوجوانوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ انہوں نے ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے جس کو آپ پہچانتے ہیں نہ ہم' اور ہمیں آپ کے پاس ان کی قوم کے بزرگوں نے بھیجا ہے تاکہ آپ ہمارے ساتھ ان نوجوانوں کو بھیج دیں۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو سب سے زیادہ یہ بات ناگوار تھی کہ نجاشی ان صحابہ سے کوئی گفتگو کرے اس کے دربار کے سرداروں نے کہا اے بادشاہ! یہ سچ کہہ رہے ہیں ان کی قوم ان کے حالات کو زیادہ اچھی طرح جانتی ہے۔ آپ ان لوگوں کو ان کے حوالے کر دیجئے۔ یہ سن کر نجاشی غضبناک ہو گیا اس نے کہا نہیں خدا کی قسم میں ان کو ان کے حوالے نہیں کروں گا جن لوگوں نے آ کر میرے ملک میں پناہ لی ہے اور دوسروں کی بہ نسبت مجھے ترجیح دی ہے' میں پہلے ان لوگوں سے پوچھوں گا کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہتے ہیں اگر واقعہ ایسا ہی ہے جیسے ان لوگوں نے بیان کیا ہے تو میں ان کو ان کے حوالے کر دوں گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں ان کو واپس نہیں کروں گا اور جن لوگوں نے میرے ملک میں پناہ لی ہے میں ان کے ساتھ حسن سلوک برقرار رکھوں گا۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں پھر بادشاہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو بلایا جب بادشاہ کا پیغام پہنچا تو اصحاب رسول نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب تم اس شخص کے پاس جاؤ گے تو کیا کہو گے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! ہمیں کچھ معلوم نہیں اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کے متعلق کوئی ہدایت دی ہے۔ اس معاملہ میں جو ہونا ہو گا وہ ہو جائے گا' جب یہ لوگ دربار میں گئے تو نجاشی نے اپنے سرداروں کو قریب بلایا اور انہوں نے اپنے صحائف کھول لیے۔ بادشاہ نے پوچھا وہ دین کیا ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا' اور نہ تم میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ ان امتوں میں سے کسی اور کے دین میں داخل ہوئے ہو۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں تب حضرت جعفر بن ابی طالب نے بادشاہ سے کہا:

اے بادشاہ! ہم جاہل لوگ تھے' ہم بتوں کی عبادت کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے' ہم بے حیائی کے کام کرتے تھے اور رشتوں کو منقطع کرتے تھے' ہم پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا' ہم اسی حالت پر تھے کہ اللہ نے ہمارے پاس ایک رسول کو بھیج دیا ہم اس کے خاندان کو اور اس کے صدق کو پہچانتے تھے' اور اس کی امانتداری اور اس کی پاک دامنی کو جانتے تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کو واحد ماننے اور اس کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور کہا کہ ہم اور ہمارے باپ دادا اللہ کے سوا جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے رہے تھے اس کو ترک کر دیں' اور اس نے ہمیں سچ بولنے' امانت ادا کرنے' رشتہ جوڑنے' پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنے' حرام کاموں سے بچنے اور خون ریزی کو ترک کرنے کا حکم دیا' اور اس نے ہمیں بے حیائی کے کام کرنے' جھوٹ بولنے' یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورت کو بدکاری کی تہمت لگانے سے منع کیا' اور ہم کو یہ حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں' اور اس نے ہمیں نماز پڑھنے' زکوٰۃ

دینے اور روزے رکھنے کا حکم دیا' پھر اس نے ہمیں اسلام کے احکام بتائے ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے اور جو دین وہ لے کر آئے تھے ہم نے اس کی اتباع کی' پھر ہم نے اللہ وحدہ کی عبادت کی' ہم نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جو چیزیں انہوں نے ہم پر حرام کی تھیں ہم نے ان کو حرام قرار دیا اور جو چیزیں انہوں نے ہم پر حلال کی تھیں ہم نے ان کو حلال قرار دیا' پھر ہماری قوم ہم پر حملہ آور ہوئی' انہوں نے ہم کو اذیتیں دیں اور ہمارے دین کی وجہ سے ہم کو آزمائش میں ڈالا تا کہ وہ ہم کو اللہ کی عبادت سے بت پرستی کی طرف لوٹا دیں اور جن ناپاک چیزوں کو ہم پہلے حلال سمجھتے تھے ان کو پھر حلال کر ڈالیں۔ پھر جب انہوں نے ہم پر بہت قہر اور ظلم کیا اور وہ زیادتی کر کے ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ کو آپ کے ماسوا پر ترجیح دی' اور ہم آپ کی پناہ میں راغب ہوئے اور اے بادشاہ! ہمیں آپ سے یہ امید ہے کہ آپ کے پاس ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

حضرت ام سلمہ نے فرمایا نجاشی نے کہا' کیا تمہارے پاس اس پیغام میں سے کوئی چیز ہے جس کو وہ اللہ کے پاس سے لے کر آئے ہیں' حضرت جعفر نے کہا ہاں! نجاشی نے کہا پھر آپ اس میں سے کچھ مجھے سنائیں۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات پڑھیں۔ نجاشی ان آیات کو سن کر رونے لگا۔ حتیٰ کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی اور اس کے درباری بھی رونے لگے حتیٰ کہ ان کے مصاحف بھیگ گئے۔ پھر نجاشی نے کہا یہ دین اور جس دین کو موسیٰ لے کر آئے تھے ایک ہی طاق سے نکلے ہیں' تم دونوں جاؤ پس اللہ کی قسم! ان لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ حضرت ام سلمہ نے کہا جب وہ دونوں نجاشی کے پاس سے چلے گئے تو عمرو بن العاص نے کہا اللہ کی قسم کل میں نجاشی کے سامنے ان کے عیوب بیان کروں گا۔ عبداللہ بن ربیعہ نے کہا ایسا نہ کرو ہر چند کہ انہوں نے ہمارے دین کی مخالفت کی ہے لیکن بہر حال وہ ہمارے رشتہ دار ہیں۔ عمرو بن العاص نے کہا اللہ کی قسم! میں نجاشی کو ضرور بتاؤں گا کہ ان لوگوں کا یہ زعم ہے کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کے بندے ہیں! حضرت ام سلمہ نے کہا پھر صبح کو عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ بن مریم کے متعلق ایک سنگین بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے اصحاب رسول کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ تم عیسیٰ بن مریم کے متعلق کیا کہتے ہو؟ حضرت جعفر نے کہا ہم ان کے متعلق وہی کہتے ہیں جو ہم کو ہمارے نبی نے بتایا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کی (پسندیدہ) روح ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اس نے مقدس کنواری مریم کے سینہ میں ڈالا تھا۔ پھر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا تم نے عیسیٰ بن مریم کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں' جب نجاشی نے یہ کہا تو اس کے قریب کھڑے ہوئے درباری غضبناک ہو گئے تو نجاشی نے کہا اگرچہ تم کو ناگوار ہے' اور صحابہ سے کہا تم کو اس زمین میں امان ہے جو شخص تم کو برا کہے گا اس کو سزا دی جائے گی۔ یہ اس نے تین بار کہا مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ خواہ مجھ کو سونے کے پہاڑ دیئے جائیں اور اس کے بدلہ میں کوئی شخص تم کو ایذا دے۔ ان لوگوں نے جو ہدیے دیئے تھے وہ ان کو واپس کر دو۔ ہمیں ان کی ضرورت نہیں' خدا کی قسم! جب اللہ نے مجھے یہ ملک دیا تھا تو اس نے مجھ سے رشوت نہیں لی تھی تو میں کیسے رشوت لے سکتا ہوں۔ حضرت ام سلمہ نے کہا وہ دونوں نہایت ناکام اور نامراد ہو کر واپس چلے گئے اور ہم اس ملک میں بہت اچھی طرح رہتے رہے۔ پھر جب نجاشی پر اس کے دشمنوں نے حملہ کر دیا تو ہم اس کی کامیابی کے لیے دعا کرتے رہے حتیٰ کہ نجاشی اپنے دشمنوں پر غالب آ گیا۔ ہم اس کے ملک میں بہت حفظ و امان سے رہے حتیٰ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے اس وقت آپ مکہ میں تھے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۴۔۲۰۲ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۴۰' عالم الکتب' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۲۶۰)

الکھف اور مریم میں باہمی مناسبت

یہ دونوں سورتیں عجیب وغریب قصص پر مشتمل ہیں۔ سورۃ الکھف میں اصحاب کہف کا قصہ ہے اور ایک طویل مدت تک ان کے غار میں بغیر کھائے پیئے رہنے کا ذکر ہے' اور ذوالقرنین کا قصہ ہے اور اخیر میں حضرت موسیٰ اور خضر کا قصہ ہے' اور سورہ مریم میں دو عجیب وغریب واقعات ہیں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کی ولادت کا قصہ ہے۔ ان کے والد بہت بوڑھے تھے اور ان کی والدہ بانجھ تھیں اور ان سے اولاد کا پیدا ہونا بہت عجیب وغریب تھا' اور اس سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہے جو بغیر باپ کے حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔

سورہ مریم کے مشمولات

جس طرح دیگر مکی سورتوں کا موضوع اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کا اثبات ہے اسی طرح اس سورت کا بھی موضوع ہے اور اس سورت کی مختلف آیتوں کے ضمن میں اسی موضوع کو دہرایا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور جزاء اور سزا کو بھی ثابت کیا گیا ہے۔

(۱) اس سورت کا افتتاح حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کی ولادت سے کیا گیا ہے ان کے باپ حضرت زکریا شیخ فانی تھے اور ان کی والدہ بانجھ تھیں ان سے اولاد نہیں ہوتی تھی' لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ عادت کے خلاف بھی چیزوں کو وجود میں لے آتا ہے' اور ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ حضرت زکریا ایک نیک مرد تھے انہوں نے اولاد کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان آیات میں یہ ذکر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں حضرت یحییٰ کو نبوت عطا فرما دی۔ (مریم: ۱۵-۱)

(۲) اس کے بعد مقدس کنواری سیدہ مریم سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہے تاکہ یہ خلاف عادت کاموں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دوسری دلیل ہو جائے' اور اس کے بعد سیدہ مریم کو جو طعن وتشنیع کا سامنا ہوا اور لوگوں نے ان کو ملامت کی اور حضرت مریم نے جھولے میں حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا وہ نومولود تھے' پھر حضرت عیسیٰ نے جھولے میں کلام کیا اپنی ماں کی پاک دامنی بیان کی اور اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اور اس ضمن میں عجیب وغریب واقعات ہیں۔ حضرت مریم کو ندا کی گئی کہ وہ کھجور کے درخت کو ہلائیں تو ان پر تر و تازہ کھجوریں گریں گی۔ (مریم: ۳۶-۱۶)

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے یہود اور نصاریٰ میں اختلاف وجود میں آیا۔ (مریم: ۴۰-۳۷)

(۴) حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا اپنے عرفی باپ آزر سے مناقشہ کا ذکر ہے اور یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے تھے اور ان کی بیوی حضرت سارہ بانجھ تھیں اور اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت ان کو اولاد عطا کی اور ان کے ہاں حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ اس سے پہلے حضرت ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے۔ (مریم: ۵۰-۴۱)

(۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ انہوں نے طور پر اپنے رب سے مناجات کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست پر حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی بنایا۔ (مریم: ۵۳-۵۱)

(۶) حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہے وہ صادق الوعد تھے۔ نماز پڑھتے تھے اور زکوٰۃ ادا کرتے تھے' اور حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت سے ان انبیاء علیہم السلام پر انعام فرمایا انہیں لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ وہ انہیں توحید کی دعوت دیں اور شرک کو ترک کرنے کا حکم دیں۔ (مریم ۵۸-۵۴)

(۷) نیک لوگوں کے بعد میں آنے والے لوگوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا اپنی باطل خواہشات کی پیروی کی' اور جو شخص اللہ

تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے تو بہ کرے اور نیک عمل کرے اللہ تعالیٰ نے اس سے دائمی جنات کا وعدہ کیا ہے اور یہ بیان کیا کہ جبریل اللہ کے اذن کے بغیر وحی نازل نہیں کرتے۔ (مریم: ۶۵-۵۹)

(۸) اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو ڈرایا کہ گزشتہ امتوں کی سرکشی اور ایمان لانے سے تکبر کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آچکا ہے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے اور مہلت دیتا ہے اور مسلمانوں کی ہدایت زیادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بیٹے اور شریک سے منزہ ہے۔ (مریم ۸۴-۷۳)

(۹) حشر کے دن اللہ مومنین کو جنت میں داخل فرمائے گا اور مجرمین کو دوزخ کی طرف ہانک دے گا۔ (مریم: ۸۷-۸۵)

(۱۰) جو شخص اللہ کی طرف اولاد کو منسوب کرے اس کو عذاب سے ڈرانا اور مومنین صالحین سے راضی ہونا' اور یہ کہ قرآن مجید میں مومنین کے لیے بشارت ہے اور کفار معاندین کے لیے عذاب کی وعید ہے۔ (مریم ۹۸-۸۸)

اس تمہید کے بعد ہم سورہ مریم کا ترجمہ اور تفسیر اللہ تعالیٰ کی تائید اور توفیق سے شروع کرتے ہیں۔ الٰہ العالمین میری حق اور صواب کی طرف رہنمائی فرمانا اور نسیان اور خطا سے بچانا۔ آمین!

یا رب العلمین بحرمة نبینا سیدنا محمد رحمة للعلمین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہ اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۱۲ ذوالحجہ ۱۴۲۱ھ' ۸ مارچ ۲۰۰۱ء

سُورَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَتِسْعُونَ آيَةً وَسِتُّ رُكُوعَاتٍ

سورہ مریم مکی ہے اس میں اٹھانوے آیات اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾ اِذْ نَادٰى

کاف ہا یا عین صاد ○ یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس کے بندہ زکریا پر ہوئی ○ جب اس نے

رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ

اپنے رب کو چپکے سے پکارا ○ اس نے دعا کی اے میرے رب! بےشک میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں ہیں اور سر

الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ

بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے اور اے میرے رب! میں تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا ○ اور مجھے اپنے بعد اپنے

الْمَوَالِيَ مِن وَّرَآءِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن

قرابت داروں سے خطرہ ہے، اور میری اہلیہ بانجھ ہے سو تو مجھے اپنے پاس سے

لَّدُنكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ

وارث عطا فرما ○ جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو، اور اے میرے رب اس کو

رَضِيًّا ﴿٦﴾ يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُ

پسندیدہ بنا دے ○ اے زکریا! بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں، اس کا نام یحییٰ ہوگا ہم نے اس سے پہلے اس کا

مِن قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ

کوئی ہم نام نہیں بنایا ○ زکریا نے کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میری

امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذَٰلِكَ ج

اہلیہ بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو چکا ہوں ○ فرمایا اسی طرح ہو گا!

قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِن قَبْلُ وَلَمْ

آپ کے رب نے فرمایا یہ میرے لیے آسان ہے اور میں اس سے پہلے تم کو پیدا کر چکا ہوں جب تم

تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّي آيَةً ۚ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ

کچھ بھی نہ تھے ○ زکریا نے کہا اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دے فرمایا تمہارے لیے یہ نشانی ہے کہ تم

النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ

تندرست ہونے کے باوجود تین راتوں تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے ○ پھر زکریا اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے

فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿١١﴾ يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ

اور ان کو اشارے سے کہا کہ تم صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو ○ اے یحییٰ! پوری قوت سے

بِقُوَّةٍ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۖ وَكَانَ

کتاب کو لے لو، اور ہم نے ان کو بچپن میں ہی نبوت عطا کر دی ○ اور اپنے پاس سے ان کو نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی اور وہ

تَقِيًّا ۝١٣ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝١٤ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ

متقی شخص تھے ○ اور وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش نافرمان نہ تھے ○ اور ان پر سلام ہو

يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝١٥

جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن ان کی وفات ہوگی اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کاف ھایا عین صاد ○ یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس کے بندہ زکریا پر تھی ○

(مریم: ۲-۱)

کھیٰعص کی تفسیر

کھیٰعص حروف مقطعات میں سے ہے اور حروف مقطعات کی مکمل تفسیر سورۃ البقرہ: ا میں گزر چکی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ک سے مراد ہے کافی' ہ سے مراد ہے ہادی' ی سے مراد ہے حکیم' عین سے مراد ہے علیم' اور ص سے مراد ہے صادق اس کو ابن عزیز قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے یعنی وہ اپنی مخلوق کے لیے کافی ہے' اپنے بندوں کے لیے ہادی ہے' ان کے ہاتھوں پر اس کا ہاتھ ہے' وہ ان کا عالم ہے اور اپنے وعدہ میں صادق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ کھیٰعص' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی قول مروی ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے تھے یا کھیٰعص! اغفرلی اے کھیٰعص! مجھے بخش دے' امام عبدالرزاق نے معمر سے روایت کیا ہے کہ قتادہ نے کہا یہ قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' قشیری نے کہا سورت کے اوائل میں جو حروف مقطعات ہوتے ہیں وہ اس سورت کا اسم ہوتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ص ۵-۴)

حضرت زکریا پر رحمت کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس کے بندہ زکریا پر تھی۔ اس کے معنی میں تین اقوال ہیں: (ا) جس چیز کا تم پر بیان کیا جائے گا وہ تمہارے رب کی رحمت ہے۔ (ب) جو تم پر تلاوت کیا جائے گا وہ تمہارے رب کی رحمت ہے۔ (ج) یہ تمہارے رب کی رحمت کا ذکر ہے۔

یہ رحمت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ زکریا پر کی تھی' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت زکریا کی امت پر رحمت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان اور اعمال صالحہ کی ہدایت دی' ایک قول یہ ہے کہ یہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر رحمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ حضرت زکریا نے کس طرح تواضع' عاجزی اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی سو اللہ تعالیٰ سے جو مراد بھی مانگنی ہو اس سے اسی طرح دعا مانگنا چاہیے اور دعا کا یہ طریقہ بتانا آپ پر اور آپ کی امت پر رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اس نے اپنے رب کو چپکے سے پکارا ○ (مریم: ۳)

ذکر خفی کی فضیلت

حضرت زکریا نے آہستگی سے اور چپکے چپکے دعا کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند آواز سے اور چپکے چپکے دعا کرنا دونوں برابر ہیں اور چپکے چپکے دعا کرنا اس لیے اولیٰ ہے کہ اس میں زیادہ اخلاص ہے اور یہ ریا سے دور ہے۔

ذکر خفی کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے۔ لوگ بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو' تم کسی بہرے کو پکار رہے ہو نہ غائب کو تم سمیع اور قریب کو پکار رہے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٤٠٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٠٤' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٥٢٦' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٤٧٢)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو بہ قدر کفایت ہو۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٨٠٩' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٠ص ٣٧٥' مسند احمد ج ١ص ١٧٨' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ٧٣١' کتاب الدعاء للطبرانی رقم الحدیث: ١٨٨٣' شعب الایمان ج ١ص ٣٣٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آہستگی کے ساتھ دعا کرنا ستر (٧٠) با آواز دعاؤں کے برابر ہے۔ (کتاب الفردوس رقم الحدیث ٢٨٦٩' الجامع الصغیر رقم الحدیث ٤٢٠٦' کنز العمال رقم الحدیث ٣١٩٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جو نماز مسواک کے ساتھ پڑھی جائے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس نماز پر ستر (٧٠) درجہ فضیلت دیتے تھے جو بغیر مسواک کے پڑھی جائے' اور آپ فرماتے تھے جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مخلوقات کو ان کے حساب کے لیے جمع فرمائے گا اور فرشتے ان اعمال کو لے کر آئیں گے جن کو انہوں نے لکھ کر محفوظ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا دیکھو کوئی چیز رہ تو نہیں گئی؟ فرشتے کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کا ہمیں علم ہو اور جس کی ہم نے حفاظت کی ہو ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر لیا ہے اور اس کو لکھ لیا ہے۔ تب اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا بے شک ہمارے پاس ایک چیز چھپی ہوئی ہے جس کو تم نہیں جانتے اور اس کی میں خود جزا دوں گا اور وہ ذکر خفی ہے۔

(اتحاف السادۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ رقم الحدیث: ٦٨٠٩' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ٣٤٢١' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ٤٧٣٨' مجمع الزوائد ج ١٠ص ٨١' المقصد العلی رقم الحدیث: ١٦٣٠)

حضرت زکریا کے نداء خفی کرنے کی وجوہ

حضرت زکریا نے آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے بیٹے کے طلب کی اس لیے دعا کی کہ ان کی اس پر مذمت نہ کی جائے کہ وہ بڑھاپے میں اولاد کے حصول کی دعا کر رہے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس دعا کو اپنے ان رشتہ داروں سے مخفی رکھا جن سے ان کو خطرہ تھا' تیسری وجہ یہ ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے ان کی آواز ہلکی اور پست تھی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نداء تو بلند آواز سے کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انہوں نے نداء خفی کی' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا قصد بلند آواز سے دعا کرنے کا تھا لیکن ان کے بڑھاپے کی وجہ سے ان کے منہ سے پست آواز نکلی لہٰذا نداء کا تعلق ان کے قصد سے ہے' اور پست یا خفی کا تعلق واقع کے اعتبار سے' پس کوئی تضاد نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس نداء کے خفی ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نماز میں دعا کی تھی اور نماز میں پست آواز کے ساتھ دعا کی جاتی ہے اور اس پر دلیل کہ انہوں نے نماز میں یہ دعا کی تھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے دوران اس دعا کا جواب دیا تھا' فرمایا:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى سو فرشتوں نے ان کو نداء کی جس وقت وہ حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بے شک اللہ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔ (آل عمران: ۳۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے دعا کی اے میرے رب! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے اور اے میرے رب! میں تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا○ (مریم: ۴)

دعا کے آداب

حضرت زکریا نے فرمایا تھا و اشتعل الراس شیبا 'اشتعال کا معنی ہے آگ کی شعاع کا پھیلنا اور بھڑکنا' انہوں نے سر میں بڑھاپے (سفید بالوں) کے پھیلنے کو آگ کے بھڑکنے سے تشبیہ دی اور یہ نہیں کہا کہ میرے سر میں بڑھاپا بھڑک اٹھا ہے کیونکہ سیاق کلام سے مخاطب کو اس کا علم ہو جائے گا۔ زمخشری نے کہا حضرت زکریا نے بالوں کی سفیدی کو آگ کی سفیدی کے ساتھ تشبیہ دی۔

دعا میں ایسے امور کا ذکر کرنا مستحب ہے جن سے دعا کرنے والے کی عاجزی اور تذلل کا اظہار ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہو۔ حضرت زکریا نے اپنی عاجزی اور تذلل کا اظہار کرنے کے لیے کہا میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں کیونکہ انسان کے جسم کے زیادہ مضبوط اور سخت اعضاء اس کے جسم کی ہڈیاں ہوتی ہیں جن کے مقابلہ میں گوشت اور خون کمزور ہوتا ہے' اور جب ہڈیاں کمزور ہو جائیں تو جسم کے باقی اعضاء نسبتاً زیادہ کمزور ہو جاتے ہیں' اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور پورا جسم نرم اور کمزور ہو جاتا ہے' اور جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ کہا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے عاجزی اور تواضع کی اور اسباب ظاہر پر اعتماد کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی امداد اور اعانت پر بھروسا کیا۔

اس کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کیا اور کہا اے میرے رب! میں تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا' گویا کہ حضرت زکریا نے یہ کہا کہ تو نے پہلے میری دعا کو رد نہیں کیا تھا حالانکہ اس وقت میرا جسم قوی اور توانا تھا اور مجھے اتنی شدید حاجت نہ تھی تو اب جب کہ میرا جسم کمزور اور لاغر ہو چکا ہے اور مجھے دعا کے قبول ہونے کی پہلے سے زیادہ احتیاج ہے تو میں تیرے کرم کا زیادہ محتاج ہوں اور مجھے قوی امید ہے کہ اب تو ضرور میری دعا کو قبول فرمائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک سائل کسی سخی داتا کے پاس جا کر کہتا ہے کہ آپ نے پہلے بھی میرے سوال کو پورا کیا تھا اب میں پھر آپ کے پاس اسی امید اور اسی توقع پر آیا ہوں' تو وہ سخی داتا یہ کہتا ہے کہ اس شخص نے ہمارے کرم کو اپنا وسیلہ بنایا ہے ہم اس کو مایوس نہیں کریں گے' اور اگر کوئی شخص کسی کو ابتداءً کچھ نہ دے تو وہ اتنا تکلیف دہ نہیں ہوتا بہ نسبت اس کے کہ اس سے ملنے کی توقع ہو اور وہ نہ دے' تو سخی داتا اس شخص کا سوال رد نہیں کرتا تو وہ کیسے سوال کو رد کرے گا جو سب کریموں سے بڑا کریم ہے اور سب سے زیادہ فیاض اور سب سے بڑا داتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں سے خطرہ ہے اور میری اہلیہ بانجھ ہے سو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما○ جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو' اور اے میرے رب اس کو پسندیدہ بنا دے○ (مریم: ۶-۵)

انبیاء کے علم کا وارث بنایا جاتا ہے ان کے مال کا وارث نہیں بنایا جاتا

زجاج نے کہا حضرت زکریا کے رشتہ دار دین دار نہیں تھے' ان کو خطرہ تھا کہ ان کی وفات کے بعد دین ضائع ہو جائے گا اس لیے انہوں نے اللہ سے ایسا وارث طلب کیا جو ان کے بعد دین کی حفاظت کرے اور دین کی اشاعت کرے اور یہی صحیح قول

...ہے۔ حضرت زکریا نے مال کے وارث کی دعا نہیں کی تھی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے مال کا وارث نہیں بنایا جاتا بلکہ ان کے علم ...ور نبوت کا وارث بنایا جاتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو چھوڑا ...ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۹۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۳۱۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۸۳' عالم الکتب بیروت)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے' اور طالب علم کی رضا کے لیے فرشتے اپنے پر رکھتے ہیں' اور عالم کے لیے وہ سب استغفار کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور مچھلیاں جو پانی کے اندر ہیں' اور عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح چودھویں رات کے چاند کی فضیلت ستاروں پر ہے' اور انبیاء دینار اور درہم کے وارث نہیں بناتے وہ علم کا وارث بناتے ہیں سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصے کو حاصل کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۶۸۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے حدیث میں ہے ہم گروہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا جاتا ہم نے جو ترکہ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۴۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

تاہم **نحن معاشر الانبیاء** کے الفاظ کسی حدیث میں نہیں ہیں۔ یہ صرف شراح اور علماء کی زبان پر ہیں حدیث **لا نورث** سے شروع ہوتی ہے' دیکھئے صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۹۴' ۴۰۳۳' ۵۳۵۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۶۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۵۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۳۳' البتہ فتح الباری' زاد المسیر' اللئالی المصنوعۃ' اور البدایہ میں یہ الفاظ ہیں **نحن معاشر الانبیاء لا نورث**۔

ائمہ شیعہ میں سے شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبداللہ بن جندب روایت کرتے ہیں کہ امام رضا علیہ السلام نے ان کو لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مخلوق میں امین تھے اور جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم اہل بیت آپ کے وارث ہوئے' ہمیں علم دیا گیا اور ہم کو جب علم دیا گیا تھا اور جس علم کو ہمارے پاس امانت رکھا گیا تھا ہم نے وہ علم پہنچا دیا سو ہم اولوالعزم رسولوں کے وارث ہیں۔

ابوجعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک علی بن ابی طالب اللہ کی عطا ہیں اور وہ وصیوں کے علم کے وارث ہیں اور تمام پہلوں کے علم کے وارث ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سابقین انبیاء اور مرسلین کے علم کے وارث تھے۔

مفضل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: سلیمان' داؤد کے وارث تھے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سلیمان کے وارث تھے اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وارث ہیں۔

(الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۵-۲۲۳' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران' ۱۳۶۵ھ)

انبیاء علیہم السلام کی وراثت کے مسئلہ میں ایک معرکۃ الآراء موضوع مسئلہ فدک ہے اس پر ہم نے سیر حاصل بحث شرح ...یح مسلم ج ۵ ص ۴۴۲-۳۸۸ میں کی ہے' اس بحث کا وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے زکریا! بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں' اس کا نام یحییٰ ہوگا ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایاO (مریم: ۷)

حضرت زکریا کو اللہ نے بشارت دی تھی یا فرشتوں نے

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت زکریا کو یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے دی تھی یا فرشتوں نے' اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت زکریا کو یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے دی تھی کیونکہ اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ حضرت زکریا نے اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا تھا اور اس سے سوال کیا تھا' اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بشارت دی ہو اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ کو یہ بشارت فرشتوں نے دی تھی ان کی دلیل یہ آیت ہے:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى

جب زکریا حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے ان کو نداء کی کہ بے شک اللہ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔

(آل عمران: ۳۹)

امام رازی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ہو سکتا ہے دو مرتبہ بشارت دی گئی ہو' ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہو اور دوسری بار فرشتوں نے بشارت دی ہو۔

سمی کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے اس سے پہلے ان کا سمی نہیں بنایا۔ سمی کے دو معنی ہیں ہم نام اور مثل اور نظیر' یعنی ہم نے اس سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا یا ہم نے اس سے پہلے کوئی اس جیسی صفات کا نبی نہیں بنایا۔

اگر یہ معنی ہو کہ ان جیسی صفات کا پہلے کوئی نبی نہیں بنایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے متعلق فرمایا سیدا و حصورا۔ (آل عمران: ۳۹)

حافظ ابن کثیر نے حصور کے معنی میں لکھا ہے ان میں عورتوں کی طرف رغبت اور شہوت رکھی گئی تھی لیکن وہ اپنی عفت اور پاکدامنی کی بنا پر عورتوں سے اجتناب کرتے تھے' اور یہ ان میں حضرت عیسیٰ کی طرح مجاہدہ تھا' اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی کے کام بالکل نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۹' دار الفکر ۱۴۱۹ھ) امام رازی نے لکھا ہے کہ نہ انہوں نے کبھی معصیت کی اور نہ کبھی معصیت کا ارادہ کیا کیونکہ حضرت زکریا نے دعا میں یہ درخواست کی تھی اے میرے رب اس کو پسندیدہ بنا دے۔ (مریم: ٦) حضرت یحییٰ کے عدیم النظیر ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر شخص کا نام اس کے پیدا ہونے کے بعد رکھا جاتا ہے اور حضرت یحییٰ کا نام اللہ تعالیٰ نے ان کے پیدا ہونے سے پہلے رکھ دیا' فرمایا: ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں اس کا نام یحییٰ ہوگا (مریم: ۷) تاہم زیادہ ظاہر یہی ہے کہ سمی کا معنی ہم نام ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کسی شخص کو حضرت یحییٰ کا ہم نام نہیں بنایا اور یہ حضرت یحییٰ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی آپ کی ولادت سے بہت پہلے رکھا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے نام احمد کی بشارت دی و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف: ٦)

حضرت یحییٰ کا نام یحییٰ رکھنے کی وجوہ

یحییٰ کا لفظ حیات سے بنا ہے' اور حضرت یحییٰ کا نام یحییٰ رکھنے کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کی وجہ سے ان کی ماں کا بانجھ پن دور کر دیا گویا وہ مکمل خاتون ہو گئیں۔

(۲) قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کا دل ایمان اور اطاعت سے زندہ کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ مومن اور اطاعت گزار کو زندہ اور کافر اور عاصی کو مردہ فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایمان اور اطاعت کو زندگی سے تعبیر فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ (الانفال: ۲۴) اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہارے حیات آفریں کاموں کے لیے تمہیں بلائیں تو حاضر ہو جاؤ۔

اور کفار کو مردہ فرمایا:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (النمل: ۸۰) بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے۔

(۳) حضرت یحییٰ کو اللہ کی راہ میں ظلماً شہید کر دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے شہداء کو زندہ فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا! جبکہ میری اہلیہ بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو چکا ہوں O (مریم: ۸)

حضرت زکریا کے اس سوال کی توجیہ کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟

غلام کا معنی ہے وہ انسان جو مذکر ہو اور اس میں ابتداءً جماع کی شہوت پیدا ہوئی ہو' اور ''عتیا'' کا معنی ہے وہ شخص جس کا جسم طویل بڑھاپے کی وجہ سے سوکھ گیا ہو۔

اس مقام پر یہ سوال ہے کہ حضرت زکریا نے خود لڑکے کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی تو پھر انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیوں کیا کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میں بہت بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے تعجب کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ یہ جاننا چاہا تھا کہ ان کے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہوگا آیا وہ میاں بیوی اسی طرح بڑھاپے کے حال میں ہوں گے اور ان کے ہاں بیٹا ہوگا یا اللہ تعالیٰ ان کے جسموں کو توانا اور مضبوط بنا دے گا اور ان کی بیوی سے بانجھ پن کے مرض کو زائل کر دے گا پھر ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا' اور قرآن مجید کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کمزوری اور ان کی بیوی سے بانجھ پن کو دور کر کے ان کو بیٹا عطا فرمائے گا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو یحییٰ عطا فرمایا اور ہم نے اس کی بیوی کو تندرست کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زکریا نے یہ جاننے کے لیے سوال کیا تھا کہ کس حال میں ان کے لیے بیٹا ہوگا' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بڑھاپے کے عوارض کو دور فرما کر اور ان کی بیوی کے مرض کو دور کر کے ان کے ہاں بیٹا پیدا کیا اور حضرت زکریا کے سوال کرنے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک تھا یا ان کو اس پر تعجب تھا کہ ان کے ہاں بیٹا کیسے ہوگا!

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جب اچانک حضرت زکریا کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی ہے تو شدت فرح کی وجہ سے وہ غور و فکر نہ کر سکے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے اور جب وہ ان کو عدم سے وجود میں لا چکا ہے تو ان دونوں سے بیٹا پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور کب مستبعد ہے۔ جیسا کہ جب حضرت ابراہیم کی زوجہ کو حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت دی گئی تو انہوں نے بھی شدت فرح سے غور و فکر کیے بغیر کہا:

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰىٓ ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ○ (هود: ۷۲)

وہ کہنے لگیں اے ہے! کیا مجھ سے بچہ ہوگا حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بوڑھا ہے' بے شک یہ تو عجیب بات ہے!

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○ (هود: ۷۳)

فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کررہی ہو؟ اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں' بیشک اللہ حمد کیا ہوا بزرگ ہے۔

اوراس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک بوڑھے شخص اوراس کی بوڑھی اور بانجھ بیوی کے بیٹا پیدا کرسکتا ہے لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام اوراس کے جواب کی لذت حاصل کرنے کے لیے یہ سوال کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا اسی طرح ہوگا! آپ کے رب نے فرمایا یہ میرے لیے آسان ہے اور میں اس سے پہلے تم کو پیدا کرچکا ہوں جب تم کچھ بھی نہ تھے ○ (مریم: ۹)

اس کا معنی یہ ہے کہ یہ پیدائش اسی طرح ہوگی' اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ غلط ہے نہ اس کے خلاف کچھ ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل قائم فرمائی یہ میرے لیے آسان ہے' میں تم کو عدم سے وجود میں لاچکا ہوں اور اللہ تعالیٰ جو اب بوڑھے مرد اور عورت سے بچہ پیدا کرے گا تو اسے اس کی حاجت نہیں ہے کہ وہ ان پر جوانی لوٹا دے بلکہ وہ ان کے بڑھاپے کی حالت میں ہی ان میں جوانوں کی سی قوت اور توانائی پیدا کردے گا اوران کی بیوی سے بانجھ پن کے مرض کو زائل کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرمادے' فرمایا تمہارے لیے یہ نشانی ہے کہ تم تندرست ہونے کے باوجود تین راتوں تک لوگوں سے بات نہ کرسکو گے ○ (مریم: ۱۰)

حضرت زکریا کا تین دن تک لوگوں سے بات نہ کرسکنا

اس پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ حضرت زکریا کلام پر قادر ہونے کے باوجود لوگوں سے بات نہیں کرسکتے تھے اس طرح یہ اللہ کی طرف سے نشانی اور آپ کا معجزہ ہوگیا' اگر آپ مطلقاً کلام پر قادر نہ ہوتے تو یہ وہم ہوتا کہ آپ کو کوئی مرض لاحق ہوگیا ہے جس کی وجہ سے آپ بات نہیں کرسکتے' آپ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے' نماز پڑھتے تھے اور تورات کی تلاوت کرتے تھے لیکن لوگوں سے بالمشافہ بات نہیں کرسکتے تھے' ان سے اشاروں کے ساتھ بات کرتے تھے یا ان کو لکھ کر بھیج دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر زکریا اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو اشارے سے کہا تم صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو ○ (مریم: ۱۱)

حضرت زکریا کی محراب کا مصداق

محراب کا لفظ حرب سے بنا ہے گویا وہ جس جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اس جگہ کھڑے ہو کر وہ اپنے نفس امارہ' شہوات اور شیطان سے جنگ کرتے تھے' محراب بلند جگہ کو کہتے ہیں' جو جگہ زمین سے بلند ہو وہ اس جگہ محراب بنایا کرتے تھے' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس جگہ کھڑے ہو کر انہوں نے جھانکا اور اشاروں کے ساتھ قوم سے کہا تم صبح اور شام تسبیح کیا کرو۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ ص ۱۳)

امام رازی نے کہا حضرت زکریا نے نماز پڑھنے اور عبادت کرنے کے لیے مخصوص جگہ بنائی ہوئی تھی' وہ اس جگہ سے نکل کر قوم کے پاس گئے اور ان سے اشاروں کے ساتھ بات کی۔ ایک قول یہ ہے کہ محراب کا معنی ہے عبادت گاہ جس میں حضرت زکریا اور ان کی قوم عبادت کرتی تھی اس میں وہ لوگ صرف نماز پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔ قوم وہاں پر جمع ہو کر حضرت زکریا کا انتظار کر رہی تھی' حضرت زکریا وہاں گئے اس وقت وہ زبان سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے ان سے اشاروں سے کہا صبح اور شام کے وقت تسبیح کرو۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۱۵)

محراب کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ گھر کی سب سے بلند جگہ کو محراب کہتے ہیں اور مسجد کی سب سے بلند جگہ کو محراب کہتے ہیں' گھر کے بالا خانہ (گیلری اور بالکونی) کو بھی محراب کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ بن مسعود ثقفی کو طائف میں اپنی قوم کے پاس بھیجا وہ ان کے پاس گئے اور اپنی محراب (بالکونی) میں داخل ہوئے اور فجر کے وقت اپنی قوم کو جھانک کر دیکھا پھر نماز کے لیے اذان دی۔ زجاج نے کہا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محراب وہ بالا خانہ (گیلری یا بالکونی) ہے جس پر سیڑھیوں سے چڑھ کر جاتے ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا محراب سے معزز جگہ مراد ہے۔ مصباح میں ہے محراب اشرف المجالس ہے۔ ازھری نے کہا عام لوگوں کے نزدیک محراب وہ جگہ ہے جس پر کھڑے ہو کر امام نماز پڑھاتا ہے' ابن الانباری نے کہا مسجد کی محراب کو محراب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ امام کی مخصوص جگہ ہے اور قوم سے دور ہے' اور اس جگہ نماز پڑھتے وقت وہ شیطان سے حرب اور جنگ کرتا ہے اور اپنے دل کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر رکھنے کے لیے اپنے نفس سے حرب کرتا ہے اور دوسرے خیالات کو ذہن سے دور کرتا ہے۔ بادشاہ کی مخصوص جگہ کو بھی محراب کہتے ہیں' اور مسجد کی محراب سے مراد ہے مسجد کا صدر مقام اور اشرف موضع' حدیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ محاریب کو مکروہ جانتے تھے' یعنی مجلس میں صدر مقام پر بیٹھنے کو مکروہ جانتے تھے' قرآن مجید میں محاریب اور تماثیل کا ذکر ہے فراء نے کہا اس سے مراد انبیاء اور ملائکہ کے مجسمے اور تصاویر ہیں جن کو مساجد میں عبرت اور نصیحت کے حصول کے لیے رکھا جاتا تھا۔ (تاج العروس ج ۱ ص ۲۰۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں محراب سے مراد وہ ہیئت مخصوصہ ہے جس کو اب لوگ قبلہ کہتے ہیں کیونکہ مساجد کی یہ محرابیں ان چیزوں میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بنایا گیا ہے' اور اسی وجہ سے سلف کی ایک جماعت نے محراب بنانے کو مکروہ کہا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کو بھی مکروہ کہا ہے۔ قضاعی نے کہا سب سے پہلے عمر بن عبدالعزیز نے محراب بنائی وہ اس وقت ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ میں گورنر تھے' جب انہوں نے مسجد نبوی کو منہدم کر کے دوبارہ تعمیر کی اور اس میں اضافہ کیا' اور مسجد میں امام کے کھڑا ہونے کی جگہ کو محراب کہتے ہیں کیونکہ وہ مسجد میں اشرف المجالس ہے۔

(مرقات ج ۱ ص ۲۲۴' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

امام کے محراب میں کھڑے ہونے کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ امام کے پیر مسجد میں ہوں اور اس کا سجدہ محراب میں ہو اور اس کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ یہ اہل کتاب کے طریقہ کے مشابہ ہے کہ ان کے ہاں امام کی مخصوص جگہ ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے کہ اس کا سجدہ

محراب میں ہو۔(ھدایہ اولین ص ۱۴۱ مطبوعہ مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن الھمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

محراب میں کھڑے ہونے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ممتاز ہوتا کہ اس کے دائیں اور بائیں کے لوگوں پر اس کا حال مشتبہ نہ ہو حتیٰ کہ محراب کی دونوں طرف دو ستون ہوں اور اس کے سامنے کشادہ جگہ ہو اور اس کی دونوں طرف والے اس کے حال پر مطلع ہوں تو اس کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے' اور مکروہ ہونا عراق میں ہوتا ہے جن کی محرابیں کھلی اور طاق کے اندر ہوتی ہیں۔اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ جگہ کے اعتبار سے امام کا ممتاز ہونا شرع میں مطلوب ہے حتیٰ کہ امام کا صفوں پر مقدم ہونا واجب ہے' اور یہاں امام کی مخصوص جگہ کو مکروہ کہا ہے اور اس کی تائید میں کوئی اثر (حدیث) نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے مساجد میں محاریب بنائی گئی ہیں اور اگر محاریب نہ بنائی گئی ہوں تب بھی سنت یہ ہے کہ امام اس کی محاذات میں صف کے وسط میں سب سے آگے کھڑا ہو اور یہی مطلوب ہے کیونکہ محراب کی محاذات (سیدھ) کے بغیر امام کا کھڑا ہونا مکروہ ہے' اور امام کے محراب میں کھڑے ہونے سے زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ دو ملتوں کے بعض احکام متفق ہو جائیں اور اس میں کوئی بدعت نہیں ہے۔علاوہ ازیں اہل کتاب امام کے لیے خصوصیت کے ساتھ بلند چبوترہ بناتے ہیں اور جب امام محراب میں فرش پر کھڑا ہوگا تو اس میں اہل کتاب کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۴۲۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ تشبہ اس وقت ہے جب امام بلند جگہ پر کھڑا ہو کیونکہ اھل کتاب امام کو چبوترے پر کھڑا کرتے ہیں' اس صورت میں امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے کیونکہ کراہت کا مدار مشابہت پر ہے اور وہ امام کو نیچے (فرش پر) کھڑا نہیں کرتے۔چبوترہ کی اتنی اونچائی جس پر کراہت موقوف ہے وہ آدمی کے قد کے برابر ہے اور مختار قول یہ ہے وہ ایک ذراع اونچائی ہے یعنی ڈیڑھ فٹ۔(فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام کا غیر محراب میں کھڑے ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس سے پہلے علامہ علائی نے یہ کہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام محراب میں کھڑا ہو' اور ایک اور جگہ کہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام وسط صف کے مقابل کھڑا ہو' کیا تم نہیں دیکھتے کہ محاریب کو مسجد کے وسط میں صرف اس لیے بنایا گیا ہے کہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ معین ہو۔اھ' اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم اس امام کے لیے ہے جو امام راتب ہو یعنی جماعت اولیٰ کثیرہ کا امام ہو نہ کہ جماعت ثانیہ کا امام کیونکہ وہ محراب کے دائیں یا بائیں کھڑا ہوتا ہے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲٦٦' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

بعض ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محراب مسجد سے خارج ہوتی ہے اس لیے امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے' علامہ ابن ہمام کی تحقیق سے واضح ہو گیا ہے کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا اس وقت مکروہ ہے جب محراب میں امام کے لیے چبوترہ بنا گیا ہو' ورنہ امام کا محراب میں کھڑے ہونا مکروہ نہیں ہے' نیز مسجد سے خارج وہ چیز ہوگی جس کو مسجد بناتے وقت مسجد سے خارج رکھا جائے اور عرف اس پر شاہد ہے کہ مسجد بناتے وقت محراب کو مسجد سے خارج رکھنے کا قصد نہیں کیا جاتا۔

امام ابن ہمام نے جو یہ لکھا ہے کہ امام کا محراب میں کسی بلند جگہ یا چبوترہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھانا مکروہ ہے اس کی دلیل ان احادیث میں ہے:

ہمام بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو حذیفہ نے مدائن میں چبوترہ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائی' حضرت ابو سعید رض

اللہ عنہ نے ان کو قمیص سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو کہا کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ مسلمانوں کو اس سے منع کیا جاتا تھا! انہوں نے کہا ہاں! جب تم نے مجھے کھینچا تو مجھے یاد آ گیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۹۷)

عدی بن ثابت انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ حدیث بیان کی کہ وہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدائن میں تھے' حضرت عمار آگے بڑھ گئے اور ایک چبوترے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھانے لگے اور لوگ ان سے نیچے تھے۔ حضرت حذیفہ نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا۔ حضرت عمار نے ان کی اتباع کی' حتیٰ کہ حضرت حذیفہ نے ان کو نیچے اتار لیا۔ جب حضرت عمار نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت حذیفہ نے ان سے کہا کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص لوگوں کا امام بنے تو لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو۔ حضرت عمار نے کہا اسی وجہ سے میں نے آپ کی اتباع کی تھی جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۵۹۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۰۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے یحییٰ! پوری قوت سے کتاب کو لے لو اور ہم نے ان کو بچپن میں ہی نبوت عطا کر دی ○ اور اپنے پاس سے (ان کو) نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی اور وہ متقی شخص تھے ○ اور وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش نافرمان نہ تھے ○ اور ان پر سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن ان کی وفات ہو گی اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے ○ (مریم: ۱۵-۱۲)

حضرت یحییٰ کو بچپن میں نبوت عطا فرمانا

آیت: ۱۲ سے پہلے یہ عبارت محذوف ہے' پس حضرت زکریا کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس بیٹے سے فرمایا: اے یحییٰ پوری قوت سے کتاب کو لے لو' کتاب سے مراد تورات ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ پوری قوت سے تورات کو حفظ کرو' اس میں غور و فکر کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو' پھر فرمایا ہم نے ان کو بچپن میں ہی نبوت دے دی تھی' معمر نے بیان کیا ہے کہ ان کے ہم عمر بچے کہتے تھے آؤ کھیلیں! تو حضرت یحییٰ فرماتے میں کھیلنے کے لیے پیدا نہیں ہوا۔ قتادہ نے کہا ان کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی نبوت دی گئی اور حضرت یحییٰ کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم روح اور جسد کے درمیان تھے' ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے یا اس کو بعد میں نبوت دی جاتی ہے اس کی تحقیق ہم نے تبیان القرآن ج اص ۴۱۸ میں کی ہے۔

حنان اور زکوٰۃ کا معنی

نیز فرمایا ہم نے اپنے پاس سے ان کو حنان اور زکوٰۃ عطا کر دی تھی' حنان کے معنی ہیں شفقت' رحمت اور محبت' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں' ایک یہ ہے کہ: اللہ عزوجل کا ان پر شفقت اور رحمت فرمانا اور دوسرا یہ ہے کہ ان کا لوگوں پر شفقت اور رحمت فرمانا اور ان کو کفر اور شرک سے نکالنا۔

زکوٰۃ کا معنی ہے پاک کرنا اور برکت دینا اور ان کی خیر اور نیکی کو بڑھانا یعنی ہم نے ان کو برکت والا بنا دیا وہ لوگوں کو ہدایت دیتے تھے' اور وہ متقی تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار تھے اس لیے کہا گیا ہے کہ انہوں نے کبھی گناہ کیا اور نہ گناہ کا ارادہ کیا۔

حضرت یحییٰ پر تین بار سلام کی خصوصیت

اس کے بعد فرمایا اور ان پر سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن ان کی وفات ہوگی اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے۔ ان تین دنوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے:

امام ابن جریر طبری نے کہا یہاں سلام کا معنی ہے امان' ہر شخص جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو ضرر پہنچاتا ہے لیکن وہ اس کے ضرر سے سلامت رہیں گے' اور جب وہ فوت ہوں گے تو عذاب قبر سے امان میں رہیں گے' اور جب وہ حشر کے دن اٹھیں گے تو عذاب قیامت سے مامون رہیں گے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا مخلوق کو تین دنوں میں وحشت کا سامنا ہوتا ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے تو وہ ماں کے پیٹ سے باہر آ کر ایک نئی دنیا کا سامنا کرتا ہے اور جب وہ مرتا ہے تو ان چیزوں کا سامنا کرتا ہے جن کو اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا اور جب وہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو اپنے آپ کو عظیم محشر میں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات پر حضرت یحییٰ پر سلام بھیجا تا کہ وہ ان تینوں مقامات پر سلامتی کے ساتھ رہیں۔

عبد اللہ بن نفطویہ نے کہا جب وہ پیدا ہوں اور پہلی بار دنیا کو دیکھیں تو ان پر سلامتی ہو اور جب وہ فوت ہوں اور پہلی بار امر آخرت کو دیکھیں تو ان پر سلامتی ہو اور جب ان کو اٹھایا جائے اور وہ پہلی بار جنت اور دوزخ کو دیکھیں تو ان پر سلامتی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اور انبیاء پر بھی سلام بھیجا ہے مثلاً فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ (الصّٰفّٰت: ۷۹) اور فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ (الصّٰفّٰت: ۱۰۹) لیکن ایک بار سلام بھیجا ہے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین بار سلام بھیجا ہے۔ ہر چند کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی تین بار سلام کا ذکر ہے "وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا" (مریم: ۳۳) لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اوپر خود سلام بھیجا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے امر سے بھیجا ہے اور حضرت یحییٰ پر اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا ہے۔

یوم میلاد پر خوشی منانے اور یوم وفات پر غم نہ منانے کا جواب

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام پر کثرت سے سلام پڑھنا چاہیے خصوصاً ان کے میلاد کے دن۔ اس لیے اہل سنت بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی مناتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس دن درود و سلام پڑھتے ہیں اور مجالس منعقد کرتے ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں پڑھی جاتی ہیں اور آپ کے فضائل و مناقب بیان کیے جاتے ہیں۔

بعض اہل تنقیص اور مبتدعین یہ اعتراض کرتے ہیں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کے یوم وفات پر بھی سلام بھیجا گیا' پھر جس طرح تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم میلاد مناتے ہو اس طرح تم ان کا یوم وفات بھی منایا کرو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں ہمیں نعمت ملنے پر خوشی کے اظہار کا تو حکم دیا گیا ہے اور مصیبت پر غم منانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس سے منع فرمایا ہے' اور نعمت کے بیان کرنے اور اس پر اظہار خوشی کرنے کا ذکر ان آیتوں میں ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (الضحیٰ: ۱۱) — اور آپ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجئے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (یونس: ۵۸) — آپ کہیے لوگوں کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منانا چاہیے۔

اور کسی مصیبت پر اللہ تعالیٰ نے غم منانے کا حکم نہیں دیا بلکہ صبر اور ضبط نفس کا حکم دیا ہے' اور رونے پیٹنے' ماتم کرنے اور چیخنے چلانے سے منع فرمایا ہے۔ جس طرح شیعہ کرتے ہیں' اور تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو

اورآپ کی وفات ٢ ربیع الاول کو ہوئی ہے۔امام محمد بن سعد متوفی ٢٣٠ھ امام بیہقی متوفی ٤٥٨ھ علامہ سہیلی متوفی ٥٨١ھ حافظ ابن کثیر متوفی ٧٧٤ھ حافظ ابن حجر متوفی ٨٥٢ھ علامہ محمد بن یوسف الصالحی متوفی ٩٤٢ھ ملا علی قاری متوفی ١٠١٤ھ کی بھی یہی تحقیق ہے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ٢ص ٢٠٨ دلائل النبوۃ ج ٧ص ٢٣٥ الروض الانف ج ٤ص ٤٤٠ البدایہ والنہایہ ج ٤ص ٢٢٨ فتح الباری ج ٨ص ٤٧٤ سبل الہدیٰ والرشاد ج ١٢ص ٣٠٥ مرقات ج ١١ص ٢٣٨)

اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے الانبیاء ٣٤ میں کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

وقف لازم

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾

اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے جب وہ اپنے گھر والوں سے دور مشرق میں ایک جگہ چلی گئیں ○

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۖ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا

سو انہوں نے لوگوں کی طرف سے ایک آڑ بنالی، پس ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتے کو بھیجا اس نے مریم کے سامنے ایک تندرست

سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ

بشر کی شکل اختیار کرلی ○ مریم نے کہا میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے ○ فرشتے نے کہا

إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ۖ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ أَنّٰى

میں تو صرف تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا دوں ○ مریم نے کہا میرے ہاں

الربع

يَكُونُ لِي غُلٰمٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ

لڑکا کیسے ہو سکتا ہے! حالانکہ کسی بشر نے مجھے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں ○ فرشتہ نے کہا اسی طرح ہوگا،

قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا ۚ

آپ کے رب نے فرمایا ہے یہ مجھ پر آسان ہے تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں،

وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾

اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے ○ پس مریم کو اس کا حمل ہو گیا اور وہ اس حمل کے ساتھ دور جگہ پر چلی گئیں ○

فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِي مِتُّ

پھر دردِ زہ ان کو ایک کھجور کے درخت کی طرف لے گیا انہوں نے کہا کاش میں اس سے

قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ

پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو جاتی ○ پھر درخت کے نیچے سے فرشتہ نے ان کو آواز دی آپ پریشان

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ

نہ ہوں آپ کے رب نے آپ کے نیچے سے ایک نہر جاری کر دی ہے ○ اور آپ اس کھجور کے درخت کو اپنی طرف ہلائیں

تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا

تو آپ کے اوپر تر و تازہ پکی کھجوریں گریں گی ○ سو کھاؤ اور پیو اور آنکھ ٹھنڈی رکھو، پس تم

تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِىْٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا

جب بھی کسی انسان کو دیکھو تو اس سے (اشارہ سے) کہو کہ میں نے رحمٰن کے لیے یہ نذر مانی ہے کہ میں آج ہرگز

فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ

کسی انسان سے بات نہیں کروں گی ○ پھر وہ اس بچے کو اٹھائے ہوئے لوگوں کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا اے مریم!

لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ

تم نے تو بہت سنگین کام کیا ہے ○ اے ھارون کی بہن! نہ تمہارا باپ بدکردار تھا

سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ

اور نہ تمہاری ماں بد چلن تھی ○ سو مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا، ان لوگوں نے کہا ہم

نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰنِىَ

گود کے بچے سے کیسے بات کریں! ○ اس بچہ نے کہا بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے

الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِىْ

کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے ○ اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے خواہ میں کہیں بھی ہوں اور میں جب

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِىْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِىْ

تک زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے ○ اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے اور مجھے

جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾

متکبر اور بدبخت نہیں بنایا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے۔ جب وہ اپنے گھر والوں سے دور مشرق میں ایک جگہ چلی گئیں ○ (مریم: ۱۶)

حضرت مریم کے مشرقی جگہ جانے کی وجوہ

انتبذت کا لفظ نبذ سے بنا ہے اور نبذ کا معنی ہے پھینکنا' قرآن مجید میں ہے:

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ (آل عمران: ۱۸۷) انہوں نے اللہ کے عہد کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا۔

اسی سے بیع منابذہ بنی ہے یعنی مشتری کا مبیع پر کنکر پھینکنا یعنی جس چیز پر وہ کنکر پھینکے گا اس چیز کی بیع واجب ہو جائے گی' اور اس معنی کو دور ہونا لازم ہے اس وجہ سے انتبذت من اهلها کا معنی ہے وہ اپنے گھر سے دور چلی گئیں اور گھر سے دور جانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جب انہوں نے حیض دیکھا تو وہ گھر سے دور کسی جگہ غسل کرنے گئیں تاکہ پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں' وہیں پر ان کے پاس حضرت جبریل آئے تھے۔

(۲) وہ تنہائی میں عبادت کرنے کے لیے کسی جگہ کی تلاش میں بیت المقدس کی مشرقی جانب گئی تھیں۔

(۳) ان کے خالو حضرت زکریا نے اپنے گھر میں ان کے لیے حجرہ بنا دیا تھا' جب وہ گھر سے باہر جاتے تو اس کو بند کر جاتے تھے ان کی یہ خواہش تھی ان کی کوئی الگ جگہ ایسی ہو جہاں وہ آزادی سے آ جا سکیں سو وہ بیت المقدس کی مشرقی جانب ایک جگہ چلی گئیں اور وہیں ان کے پاس حضرت جبریل آئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو انہوں نے لوگوں کی طرف سے ایک آڑ بنالی' پس ہم نے ان کے پاس ایک فرشتے کو بھیجا اس نے مریم کے سامنے ایک تندرست بشر کی شکل اختیار کر لی ○ (مریم: ۱۷)

حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل کا بشر کی صورت میں آنا

جب حضرت مریم بیت المقدس کی مشرقی جگہ جا کر بیٹھ گئیں تو انہوں نے وہاں لوگوں کے سامنے سے ایک آڑ بنالی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے ان کے پاس اپنی روح کو بھیجا' اس روح سے مراد حضرت جبریل ہیں' اور قرآن مجید کی کئی آیتوں میں حضرت جبریل پر روح کا اطلاق کیا گیا ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ (الشعراء: ۱۹۴-۱۹۳) اس قرآن کو الروح الامین (جبریل) نے آپ کے قلب پر نازل کیا۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا (القدر: ۴) لیلۃ القدر میں فرشتے اور روح (جبریل) نازل ہوتے ہیں۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت جبریل کس صورت میں ظاہر ہوئے تھے۔ بعض نے کہا وہ ایک خوب رو بے ریش جوان کی شکل میں ظاہر ہوئے تھے' اور بعض نے کہا کہ بیت المقدس میں یوسف نام کا ایک خادم تھا اس کی شکل میں ظاہر ہوئے تھے' اور بشر کی شکل میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مریم اس کو دیکھ کر خوف زدہ نہ ہو جائیں اور گھبرا نہ جائیں اور ان سے

گفتگو کر سکیں۔

بعض علماء اس نظریہ کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مادہ خلقت نور تھا اور بشریت آپ کا محض لباس تھا اور نور ہونا بشریت کے منافی نہیں ہے کیونکہ حضرت جبریل نور تھے اور حضرت مریم کے پاس بشری شکل میں آئے تھے' لیکن اس پر یہ کلام ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم ہی میں سے مبعوث کیا گیا ہے اور ہم نوع انسان سے ہیں اور بشر ہیں' عقیدہ کا مدار قطعی دلیل پر ہوتا ہے اور قرآن مجید میں یا کسی حدیث صحیح متواتر میں یہ وارد نہیں ہے کہ آپ کا مادہ خلقت نور ہے' شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۰۴-۹۵' تبیان القرآن المائدہ: ۱۵' الکھف: ۱۱۰ میں ہم نے اس کی مکمل تحقیق کی ہے' البتہ قرآن مجید میں آپ پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے مراد نور ہدایت ہے اور نور حسی سے بھی آپ کو وافر حصہ دیا گیا ہے۔ بشری کثافتوں سے آپ منزہ تھے' آپ کے تمام فضلات طیب و طاہر تھے اور آپ کے دانتوں کی جھریوں سے نور کی طرح کوئی چیز نکلتی تھی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ نور حسی اور معنوی ہر ایک کی اصل ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ نبی صرف مرد ہوتا ہے اور نور میں مرد اور عورت نہیں ہوتے' اور نور حسی سے نور علم اور نور ھدایت افضل ہے۔ نور حسی جیسے چراغ اور سورج اور چاند کا نور ہے جس سے دنیاوی اندھیرا دور ہوتا ہے اور نور ہدایت جیسے قرآن مجید اور انبیاء علیہم السلام کا نور ہے جس سے کفر کا اندھیرا دور ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق یہی نور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مریم نے کہا میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے O فرشتہ نے کہا میں تو صرف تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا دوں O (مریم: ۱۹-۱۸)

فرشتہ سے ہم کلام ہونا حضرت مریم کی نبوت کو مستلزم نہیں

حضرت مریم کا منشا یہ تھا کہ اللہ کی پناہ میں آنا صرف اسی شخص کے متعلق متصور ہو سکتا ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو اس لیے انہوں نے کہا میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تو متقی شخص نہیں ہے ورنہ ایک اجنبی خاتون کے پاس ہرگز نہ آتا ایسے موقع پر آپ کے لیے یہی ممکن تھا کہ آپ اللہ کی پناہ طلب کریں۔

جب حضرت جبریل کو یہ علم ہوا کہ حضرت مریم انہیں اجنبی مرد سمجھ کر ان سے خوف زدہ ہیں تو انہوں نے کہا میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں' امام رازی نے کہا صرف اتنا کہہ دینے سے حضرت مریم کا خوف زائل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے لازم ہے کہ حضرت جبریل نے ان کو کوئی ایسی نشانی دکھائی ہو جس سے ان کو یقین آ گیا ہو کہ یہ فرشتہ ہیں' اور حضرت مریم کو کوئی نشانی دکھانے اور فرشتے کے ساتھ ہم کلام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نبیہ ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى. (یوسف: ۱۰۹)

ہم نے آپ سے پہلے جتنی بستیوں میں بھی رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل کرتے تھے۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی کا نظریہ ہے کہ حضرت مریم نبیہ تھیں کیونکہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور ان سے ہم کلام ہوا اور اس نے اپنے فرشتہ ہونے پر ان کے سامنے کوئی نشانی بھی پیش کی' لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ مذکور الصدر آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی اور رسول صرف مرد ہی ہوتا ہے۔ حضرت مریم کا فرشتہ سے ہم کلام ہونا ان کی کرامت تھی کیونکہ وہ ولیہ تھیں۔

حضرت جبریل نے کہا تاکہ میں تمہیں ایک غلام زکی دوں' زکی کا معنی ہے گناہوں سے پاک اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اس لڑکے کو مقام نبوت پر فائز کیا جائے گا کیونکہ گناہوں سے پاک ہونا انبیاء علیہم السلام ہی کی شان ہے۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر مرادیں مانگنا

بیٹا دینا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' حضرت جبریل نے جو کہا تاکہ میں تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا دوں یہ اسناد مجازی ہے' بعض لوگ اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ولی کے وسیلہ سے یا اس کی دعا سے ان کو بیٹا دے دے یا ان کا کوئی اور کام بنا دے' اور جب ان کے ہاں بیٹا ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ فلاں ولی نے بیٹا دیا ہے یہ بھی اسناد مجازی ہے اور حضرت جبریل کے قول کی طرح ہے۔ البتہ مزار پر جا کر یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اے صاحب مزار! آپ ہمیں بیٹا دے دیں اگرچہ اس میں بھی اسناد مجازی کی تاویل ہو سکتی ہے کہ آپ ہمارے لیے بیٹے کی دعا کر دیں' لیکن یہ کلمات موہم شرک ہیں اس لیے صاف اور سیدھا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اپنے اس مقرب بندہ کے وسیلہ سے ہماری دعا قبول کرے اور ہمارا فلاں کام کر دے' یہ دعا اپنے گھر میں بھی کی جا سکتی ہے' لیکن اللہ کے نیک بندوں کے پاس جا کر دعا کی جائے تو دعا کا قبول ہونا زیادہ متوقع ہے اور نیک بندوں پر جو برکتیں نازل ہوتی ہیں وہ بھی شامل حال ہوں گی' اور نذر صرف اللہ کی ہوتی ہے اولیاء اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں ہے اور صدقہ و خیرات کر کے اس کا ثواب انہیں پہنچانا ایک الگ چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مریم نے کہا میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے! حالانکہ کسی بشر نے مجھے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں ○ فرشتہ نے کہا اسی طرح ہوگا' آپ کے رب نے فرمایا ہے یہ مجھ پر آسان ہے تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے ○ (مریم: ٢١۔٢٠)

عادت کے خلاف بیٹے کی پیدائش پر حضرت مریم کا تعجب فرمانا اور اس کا ازالہ

جب حضرت جبریل نے حضرت مریم کو بشارت دی کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں تم کو ایک پاکیزہ بیٹا دوں تو حضرت مریم کو تعجب ہوا کہ عادت کے خلاف بغیر نکاح اور بغیر شوہر کے ان کے ہاں بیٹا کیسے ہوگا! اس لیے انہوں نے کہا مجھ سے لڑکا کیسے ہوگا نہ تو کسی بشر نے مجھے مس کیا ہے۔ یعنی نہ تو میرا نکاح ہوا ہے اور نہ میں بدکار ہوں۔

حضرت جبریل نے کہا اسی طرح ہوگا آپ کے رب نے فرمایا ہے وہ مجھ پر آسان ہے' سورہ آل عمران میں ہے:

كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران: ٤٧)

اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے' جب بھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے وہ فرماتا ہے ''ہو جا'' سو وہ کام ہو جاتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کام کے کرنے کے لیے مادہ اور آلات کی احتیاج نہیں ہوتی اور نہ اس کو کسی کام میں وقت لگتا ہے ادھر کسی کام کا ارادہ کیا ادھر وہ وجود میں آ گیا' اور اللہ تعالیٰ اس لڑکے کی ولادت کو اپنے وجود اور اپنی قدرت کی نشانی اور اپنی رحمت بنانا چاہتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو بغیر باپ کے بیٹا پیدا کر دے' اور اس کام کا اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما چکا ہے اور جس کام کا وہ فیصلہ فرما لے اس کا ٹلنا محال ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس مریم کو اس کا حمل ہو گیا اور وہ اس حمل کے ساتھ دور جگہ پر چلی گئیں ○ (مریم: ٢٢)

حضرت مریم کے حمل کا سبب

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے حمل کی وجہ بیان فرمائی ہے:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (التحریم: ١٢)

اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کی تھی سو ہم نے اس کے چاک گریبان میں اپنے پاس سے روح پھونک دی۔

جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: و نفخت فیہ من روحی (الحجر:٢٩)"اور میں نے آدم کے پتلے میں اپنے پاس سے روح پھونک دی" یہ روح خود اللہ تعالیٰ نے پھونکی تھی جیسا کہ اس آیت کا ظاہری معنی ہے یا حضرت جبریل نے کیونکہ انہوں نے کہا تھا تا کہ میں آپ کو پاکیزہ بیٹا دوں' وہب بن منبہ نے کہا حضرت جبریل نے حضرت مریم کے چاک گریبان میں پھونک ماری تو وہ پھونک ان کے چاک گریبان سے ان کے رحم تک پہنچ گئی۔ بہرحال حضرت آدم بھی نفخ روح سے پیدا ہوئے اور حضرت عیسیٰ بھی نفخ روح سے پیدا ہوئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَاللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔

(آل عمران:٥٩)

حضرت مریم کے حمل کی مدت

حضرت مریم کے حمل اور وضع حمل کی مدت میں کئی اقوال ہیں اور اس کی مدت زیادہ طویل نہیں تھی' لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس وقت وضع حمل ہو گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ اس حمل کے ساتھ دور جگہ پر چلی گئیں۔ حسن بصری نے کہا اس میں ٩ گھنٹے لگے۔ سعید بن جبیر نے کہا اس میں ٩ ماہ لگے' زجاج نے کہا اس میں ٨ ماہ لگے' الماوردی نے کہا اس میں ٦ ماہ لگے۔ (زاد المسیر ج ٥ ص ٢١٩' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ١٤١٢ھ)

یوسف نجار کا تعاون

علامہ ثعلبی نے العرائس میں وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حمل ہوا تو ان دنوں ان کے ساتھ ان کا عم زاد یوسف نجار رہتا تھا وہ دونوں اس مسجد میں جاتے تھے جو صہیون پہاڑ کے پاس تھی' اور وہ دونوں اس مسجد کی خدمت کرتے تھے اور لوگوں کے نزدیک ان دونوں سے زیادہ مسجد کی خدمت اور مسجد میں عبادت کرنے والا اور کوئی نہیں تھا' اور سب سے پہلے یوسف حضرت مریم کے حمل پر مطلع ہوا' وہ بہت حیران ہوا کہ حضرت مریم تو کبھی اس سے اوجھل نہیں ہوئی تھیں یہ حمل کیسے ہو گیا۔ بالآخر اس نے حضرت مریم سے کہا: اے مریم یہ بتاؤ کیا بغیر بیج ڈالے فصل اگ سکتی ہے' کیا بغیر بارش کے درخت پیدا ہو سکتے ہیں اور کیا بغیر مرد کے بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ حضرت مریم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے پہلے درخت کو پیدا فرمایا تو کیا اس کو بغیر بیج کے پیدا نہیں کیا' کیا حضرت آدم کو بغیر مرد کے پیدا نہیں کیا۔ جب حضرت مریم نے یہ جواب دیا تو یوسف کے دل سے شک اور شبہ زائل ہو گیا اور چونکہ حمل کی وجہ سے حضرت مریم کمزور ہو گئی تھیں اور مشقت کے کام نہیں کر سکتی تھیں تو ان کے ذمہ جو کام تھے وہ بھی یوسف نجار کر دیا کرتا تھا۔ (جامع البیان جز ١٦ ص ٨١' ٨٢' تفسیر کبیر ج ٧ ص ٥٢٥-٥٢٤)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: : پھر دردِزہ ان کو ایک کھجور کے درخت کی طرف لے گیا۔ انہوں نے کہا کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو جاتی ○ (مریم:٢٣)

وضع حمل کے لیے حضرت مریم کے دور جانے کی وجوہ

(١) جب حضرت مریم کے وضع حمل کا زمانہ قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈالا کہ وہ اپنی قوم کے علاقہ سے باہر چلی جائیں تا کہ لوگ ان کے بچہ کو قتل نہ کر دیں' تب یوسف نجار ان کو دراز گوش پر سوار کرا کے ارض مصر لے گئے' جب وہ اس شہر میں پہنچ گئیں تو وضع حمل کا وقت قریب آ گیا' وہ موسم خزاں اور سردیوں کا زمانہ تھا وہ کھجور کے ایک سوکھے ہوئے درخت کی پناہ میں گئیں اور اس کے پاس ان کے ہاں ولادت ہو گئی۔

(۲) اپنے علاقہ سے دور جانے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کو حضرت زکریا سے حیا آتی تھی وہ چاہتی تھیں کہ وضع حمل کا ان کو پتا نہ چلے۔

(۳) حضرت مریم بنی اسرائیل میں اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے مشہور تھیں۔ کیونکہ ان کی والدہ نے ان کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کرنے کی نذر مانی تھی' اور ان کی پرورش کرنے کے لیے کئی انبیاء خواہش مند تھے اور حضرت زکریا نے ان کی کفالت کی تھی' ان کے پاس اللہ کی طرف سے بے موسمی پھل آتے تھے اور جب ان کی اس قدر نیک شہرت تھی تو ان کو حیا آئی کہ اگر ان کو یہاں وضع حمل ہو گیا تو لوگوں کو بہت رنج بھی ہوگا اور وہ بہت باتیں بنائیں گے۔

یہ کہنے کی توجیہ کہ کاش میں اس سے پہلے مر جاتی

حضرت مریم وضع حمل کے لیے کھجور کے ایسے درخت کے پاس گئیں جو اجاڑ تھا اور سوکھا ہوا تھا۔ زمخشری نے کہا وہ سردیوں کا موسم تھا وہ صحرا میں اس درخت کے پاس گئیں اس کا سر تھا نہ اس میں پھل اور نہ وہ سرسبز تھا وہاں انہوں نے یہ کہا کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب حضرت جبریل انہیں اس بچے کی بشارت دے چکے تھے تو پھر انہوں نے یہ کلمات کیوں کہے اور اس قدر حزن و ملال کا اظہار کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو جو دردزہ لاحق ہوا تھا وہ اتنا شدید تھا کہ وہ حضرت جبریل کی بشارت کو بھول گئی تھیں' اور قیامت کی ہولناکی اور اللہ کے عذاب کا خوف جب حضرات صحابہ کرام پر طاری ہوتا تھا تو وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی بشارات کو بھول جاتے تھے اور خوف خدا کے غلبہ سے کہتے تھے:

مجاہد کہتے تھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔ میری خواہش ہے کہ مجھ کو پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ (کتاب الزھد للوکیع رقم الحدیث: ۱۵۹' المستدرک ج ۴ ص ۵۷۹' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کاش میں بھولی بسری ہوتی۔

(کتاب الزھد للوکیع رقم الحدیث: ۱۶۰' مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۳۰۷' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۵)

یعقوب بن زید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ایک پرندہ کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو کہا کاش میں اس پرندہ کی جگہ ہوتا۔ (کتاب الزھد للوکیع رقم الحدیث: ۱۶۵' مسند الحمیدی ج ۱ ص ۷۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۷)

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ایک پرندہ کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے پرندہ تمہارے لیے خوشی ہو' خدا کی قسم! میری یہ خواہش ہے کہ میں تمہاری مثل ایک پرندہ ہوتا' درخت پر بیٹھتا اس کے پھل کھاتا' تجھ سے حساب لیا جائے گا نہ تجھے عذاب ہوگا۔ (کتاب الزھد للھناد رقم الحدیث: ۴۳۷)

حضرت عمر نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کاش میں اس طرح تنکا ہوتا' حضرت علی نے جنگ جمل کے دن کہا کاش میں اس دن کے آنے سے بیس سال پہلے فوت ہو چکا ہوتا' حضرت بلال نے کہا کاش بلال کو اس کی ماں نے نہ جنا ہوتا' اس سے معلوم ہوا کہ جب صالحین پر مصائب اور سختیاں آتی ہیں تو ان سے اس طرح کا کلام صادر ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۲۶)

حضرت مریم کی طرف سے ایک اور جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ کلمات اس لیے کہے کہ ان کے متعلق جو ناگفتنی باتیں کی جائیں گی ان کی وجہ سے وہ کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر درخت کے نیچے سے (فرشتہ نے) ان کو آواز دی آپ پریشان نہ ہوں آپ کے رب نے آپ کے نیچے سے ایک نہر جاری کر دی ہے ○ اور آپ اس کھجور کے درخت کو اپنی طرف ہلائیں تو آپ کے اوپر تر و تازہ پکی کھجوریں

گریں گی○ (٢٤-٢٥)

معاش کے حصول کے لیے کسب کرنا ضروری ہے

حسن اور سعید بن جبیر نے کہا یہ نداء کرنے والے حضرت عیسیٰ تھے۔ عمرو بن میمون عودی نے کہا ایک فرشتہ نے ندا کی اور حضرت ابن عباس نے فرمایا جبریل نے ندا کی اور یہی ظاہر ہے امام ابن جریر کا بھی یہی مختار ہے' کیونکہ حضرت عیسیٰ نے اس وقت تک کلام نہیں کیا تھا جب تک کہ وہ قوم کے پاس نہیں گئی تھیں۔ حسن اور عبدالرحمٰن بن زید کا مختار یہ ہے کہ 'سری' سے مراد نہر ہے کیونکہ اس میں پانی جاری رہتا ہے۔

اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ وہ سردی کا موسم تھا اور وہ درخت سوکھا ہوا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس درخت سے اسی حال میں تروتازہ پکی کھجوریں گرنے لگی تھیں یا پہلے وہ درخت سرسبز ہوا اور پھر اس سے کھجوریں گرنے لگیں۔ ہر حال میں یہ حضرت مریم کی کرامت ہے جیسے ان کے پاس بچپن میں بے موسمی پھل آتے تھے یہاں بھی ان پر بے موسمی کھجوریں گرنے لگیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم سے یہ فرمایا ہے کہ آپ اس کھجور کو اپنی طرف ہلائیں تو آپ کے اوپر تروتازہ پکی کھجوریں گریں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سوکھے ہوئے درخت میں آناً فاناً کھجوریں پیدا کر دیں تو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ حضرت مریم کے ہلائے بغیر وہ کھجوریں گر جاتیں لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ بندہ اپنے لیے رزق کی تلاش میں سعی اور جدوجہد کرے۔ جو کام بندہ کی قدرت میں نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے' لیکن جو کام بندہ کر سکتا ہے وہ اس کو کرنا پڑتا ہے۔ زمین سے پیداوار کے حصول میں ہل چلا کر زمین کو نرم کرنے اور اس میں بیج ڈالنے اور پانی دینے کی ضرورت ہے۔ سورج کی حرارت' بارش اور ہواؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سے سورج کی حرارت' ہواؤں کو بھیجنا اور بارش برسانا انسان کی قدرت میں نہیں ہیں یہ کام اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے' لیکن زمین کو ہل چلا کر نرم کرنا اور پانی دینا انسان کی قدرت میں ہے تو یہ کام اس کو کرنے ہوں گے۔ اسی طرح اس سوکھے ہوئے درخت میں تازہ پکی ہوئی کھجوریں آناً فاناً پیدا کر دینا حضرت مریم کے اختیار میں نہ تھا وہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیں' لیکن درخت ہلا کر کھجوریں گرانا تو ان کے اختیار میں تھا سو وہ کام ان کو کرنا پڑا۔

اسی طرح رزق کی تلاش میں سعی اور جدوجہد کرنا بندوں کے اختیار میں ہے تو وہ ان پر کرنا لازم ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا پہلے ان کے پاس خود بخود بے موسمی پھل آتے تھے اور اب ان کو درخت کے ہلانے کا حکم دیا' اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے ان کا دل اللہ کی یاد کے لیے فارغ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعضاء کو کام کرنے اور تھکنے سے فارغ رکھا' اور جب ان کا دل اپنے بچہ کی حفاظت' اس کی پرورش اور اس کی دیکھ بھال کی طرف متوجہ ہو گیا تو ان کو بھی عام لوگوں کی طرح کسب اور اسباب کے حصول کی طرف متوجہ کر دیا۔ بہرحال اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاش کو حاصل کرنے کے لیے کسب کرنا اور اسباب کا حصول ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو کھاؤ اور پیو اور آنکھ ٹھنڈی رکھو' پس تم جب بھی کسی انسان کو دیکھو تو اس سے (اشارہ سے) کہو کہ میں نے رحمٰن کے لیے یہ نذر مانی ہے کہ میں آج ہرگز کسی انسان سے بات نہیں کروں گی○ (مریم: ٢٦)

اموشی کا روزہ رکھنا غیر مشروع ہے

سابقہ شریعتوں میں خاموشی کا رکھنا جائز تھا' صوم کا معنی ہے کسی کام سے رکنا اور صمت کا معنی ہے بولنے سے رکنا' اس لیے لم کو صمت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ آیا ہماری شریعت میں بھی خاموشی کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے یہ کہا کہ یوں کے ساتھ کلام سے رکنا اور اللہ کو یاد کرنے کے لیے اپنے ذہن کو فارغ رکھنا یہ بھی ایک نوع کی عبادت ہے' لیکن صحیح یہ ہ کہ چپ کا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے' کیونکہ اس میں نفس کو تنگی اور عذاب میں مبتلا کرنا ہے' جیسے کوئی آدمی دھوپ میں کھڑے نے کی نذر مان لے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے آپ نے ایک شخص کو کھڑے وئے دیکھا' آپ نے اس کے متعلق پوچھا' صحابہ نے کہا وہ ابو اسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا یں اور نہ سایہ طلب کرے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا اور روزہ سے رہے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے کہو کہ بات کرے' اور سایہ طلب کرے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۰۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ اس بچہ کو اٹھائے ہوئے لوگوں کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا اے مریم! تم نے تو بہت سنگین کام کیا ہے ○ اے ہارون کی بہن نہ تمہارا باپ بدکار تھا اور نہ تمہاری ماں بدچلن تھی ○ تو مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا ان لوگوں نے کہا ہم گود کے بچے سے کیسے بات کریں ○ (مریم: ۲۹-۲۷)

حضرت مریم کو لوگوں کا ملامت کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ یوسف نجار حضرت مریم کو غار تک پہنچا کر آیا وہ چالیس دن غار میں رہیں حتیٰ کہ نفاس سے پاک ہو گئیں پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں اٹھا کر قوم کے پاس جانے لگیں راستہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا اے میری ماں آپ خوش ہو جائیں میں اللہ کا بندہ اور اس کا مسیح ہوں۔

''فری'' کا معنی ہے کسی کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا' بہتان گھڑ کر کسی کے ذمہ لگانا' کسی سنگین بات کہنے کو بھی ''فری'' کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ (الممتحنہ: ۱۲)

اور کوئی ایسا بہتان نہیں باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھ پیروں کے سامنے گھڑ لیں۔

اور جو بچہ ولد الزنا ہو وہ بھی اس چیز کی طرح ہے جس کو گھڑ لیا گیا ہو۔ جب حضرت مریم بچہ کو لے کر لوگوں کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا اے مریم تم نے تو بہت سنگین کام کیا ہے' یعنی تم ایک ولد الزنا لے آئی ہو۔ وھب بن منبہ نے کہا جب حضرت مریم کو قوم کے پاس لے کر آئیں تو بنو اسرائیل کے تمام مرد اور عورتیں جمع ہو گئیں' ایک عورت نے حضرت مریم کو مارنے کے لیے تھ بڑھایا تو اس کا آدھا دھڑ سوکھ گیا' پھر اس کو اسی طرح اٹھا کر لے جایا گیا۔ ایک اور شخص نے کہا مجھ یقین ہے اس نے زنا ہی کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی سلب کر لی اور وہ گونگا ہو گیا' پھر لوگ سہم گئے اور ان کو مارنے اور ان کو کوئی تکلیف دہ بات کہنے سے باز رہے اور خوف زدہ ہوئے' اور چپکے چپکے باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے اے مریم تم نے بہت سنگین کام کیا ہے۔

اخت ہارون کی توجیہات

پھر انہوں نے کہا اے ہارون کی بہن! نہ تمہارا باپ بدکار تھا اور نہ تمہاری ماں بدچلن تھی۔ اس ہارون کے متعلق چار قول

ہیں:

(۱) یہ بنو اسرائیل کا ایک مرد صالح تھا جو نیکی کرنے میں بہت مشہور تھا' ان کا مطلب یہ تھا کہ تم تو زہد و تقویٰ میں ہارون کی بہن تھیں پھر کیا ہوا کہ تم نے اس قدر سنگین کام کیا کہ بغیر باپ کے بچہ لے آئیں۔

(۲) یہ ہارون وہی تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اور حضرت مریم ان ہی کی نسل سے تھیں اور اس طرح کہنا عربوں کا اسلوب ہے۔

(۳) ہارون نام کا ایک شخص فسق و فجور اور برے کاموں میں بہت مشہور تھا تو انہوں نے بطور تشبیہ کے کہا اے ہارون کی بہن!

(۴) حضرت مریم کے ایک صلبی (سگے) بھائی تھے جن کا نام ہارون تھا تو انہوں نے اس کو عار دلانے کے لیے کہا اے ہارون کی بہن!

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نجران گیا تو وہاں کے لوگوں نے مجھ سے سوال کیا اور کہا تم قرآن میں پڑھتے ہو یا اخت ھارون! حالانکہ موسیٰ علیہ السلام تو عیسیٰ علیہ السلام سے اتنا عرصہ پہلے تھے' پھر جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: وہ لوگ پہلے انبیاء اور صالحین کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۳۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۵' مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۱۵)

انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنا مستحب ہے' خود ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادہ کا نام ابراہیم رکھا' لیکن آج کل لوگوں کو یہ شوق ہے کہ ایسا نام رکھیں جو نیا اور انوکھا ہو خواہ اس کا کوئی معنی اور مطلب ہو یا نہ ہو۔ وہ نیلی' پیلی' گیلی اور ٹینا' شینا اور نینا ایسے نام رکھتے ہیں اور کئی ناموں کو غلط املاء اور تلفظ کرتے ہیں مثلاً شرح بیل کو شرجیل پڑھتے ہیں اور ثوبیہ کو ثوبیہ پڑھتے ہیں۔

زمخشری نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک لمبا عرصہ ہے جو ایک ہزار سال سے زیادہ ہے اس لیے یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت مریم حضرت ہارون علیہ السلام کی حقیقی بہن تھیں۔

حضرت مریم کا حضرت عیسیٰ کی طرف جواب کا اشارہ کرنا

ان لوگوں نے حضرت مریم کو جب بہت زیادہ ملامت کی تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ تمہاری تہمت اور تمہارے الزام کا جواب یہ بچہ دے گا۔ انہوں نے کہا ہم گود کے بچے سے کیسے کلام کریں گے۔ مہد کا معنی ہے بستر اور گہوارہ اور یہاں مراد ہے ماں کی گود۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت مریم کو کیسے معلوم ہوا تھا کہ حضرت عیسیٰ کلام کریں گے اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت جبریل' حضرت مریم کو ندا کر چکے تھے کہ آپ غم نہ کریں اور اس معاملہ میں اور بچہ کے معاملہ میں پریشان نہ ہوں یا حضرت زکریا پر اللہ تعالیٰ نے وحی کی تھی اور انہوں نے حضرت مریم سے کہا تھا کہ تم بچہ کی طرف اشارہ کر دو وہ جواب دے گا' یا اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی اور یہ الہام ان کی کرامت تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس بچہ نے کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے ○ اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے خواہ میں کہیں بھی ہوں' اور میں جب تک زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے ○ اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے اور مجھے متکبر اور بد بخت نہیں بنایا ○ (مریم: ۳۲-۳۰)

حضرت عیسیٰ کا پیدا ہوتے ہی غالی نصاریٰ کا رد فرمانا

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ سنا کہ وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم اس بچہ سے کیسے بات کریں جو ماں کی گود میں ہے تو انہوں نے ان کی طرف منہ کیا اور سیدھے ہاتھ کی انگشت شہادت سے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

انی عبداللہ میں اللہ کا بندہ ہوں! ان کے منہ سے سب سے پہلی جو بات نکلی وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اپنے بندہ ہونے کا اعتراف تھی اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جنہوں نے بعد میں ان کی شان میں غلو کیا' اور فرمایا اس نے مجھے کتاب دی ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی حال میں ان کو کتاب (انجیل) عطا فرمادی تھی اور اس کی فہم اور اس کا علم عطا فرمادیا تھا اور ان کو نبوت عطا فرمادی تھی۔ جس طرح حضرت آدم علیہ اسلام کو دفعتاً تمام اسماء کا علم دے دیا تھا' اور وہ اسی زمانہ میں نماز پڑھتے تھے اور زکوٰۃ ادا کرتے تھے' لیکن یہ قول بہت ضعیف ہے اور صحیح یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ ازل میں ہی میرے متعلق یہ حکم کر دیا گیا تھا کہ مجھے کتاب اور نبوت دی جائے گی اگرچہ اس وقت کتاب نازل نہیں کی گئی تھی۔

حضرت عیسیٰ کے مبارک ہونے کا معنی

نیز فرمایا اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے یعنی مجھے دین کی دعوت دینے والا اور دین کی تعلیم دینے والا بنا کر بھیجا ہے' اور میرے اندر دین کے منافع رکھے ہیں' مجھے نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا' گمراہوں کو ہدایت دینے والا' مظلوموں کی مدد کرنے والا اور ستم رسیدہ کی فریاد کو پہنچنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

برکت کا لغت میں معنی ہے کسی چیز کا ثابت اور برقرار رہنا' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے دین پر ثابت اور برقرار رکھا ہے۔ نیز برکت کا معنی ہے زیادتی اور بلندی' گویا کہ آپ نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام احوال میں غالب' کامیاب اور سرخرو بنا کر بھیجا ہے' کیونکہ جب تک میں دنیا میں رہوں گا میں حجت اور دلیل کے اعتبار سے دوسروں پر غالب رہوں گا اور جب وقت معین آئے گا تو اللہ مجھے آسمانوں پر اٹھالے گا' اور اس کا معنی ہے میں لوگوں کے حق میں مبارک ہوں' کیونکہ میری دعا کے سبب سے مردے زندہ ہوں گے اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی تندرست ہو جائیں گے۔ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ آپ مردوں کو زندہ کر رہے تھے اور مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کر رہے تھے تو ایک عورت نے آپ کو دیکھ کر کہا اس عورت کے لیے خوشی ہو جس نے آپ کو پیٹ میں رکھا اور آپ کو دودھ پلایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا اس شخص کے لیے خوشی ہو جس نے کتاب اللہ کی تلاوت کی اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا تھا اس پر عمل کیا اور اس نے تکبر اور شقاوت سے کام نہیں لیا' اور یہ جو فرمایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اس کا معنی یہ ہے کہ میرے اس حال میں اور میری اس صفت میں کوئی تغیر نہیں ہوگا میں جہاں کہیں بھی ہوں۔

حضرت عیسیٰ پر زکوٰۃ کی فرضیت کی تحقیق

نیز فرمایا اور میں جب تک زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے۔

امام رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا کیسے حکم دیا گیا جب کہ اس وقت آپ دودھ پیتے بچے تھے اور بچوں سے قلم تکلیف اٹھالیا گیا ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ بچے سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے' سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۰۲' مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۰' المستدرک ج ۲ ص ۵۹' ج ۴ ص ۳۸۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۵۶' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۶۸' مشکوۃ رقم الحدیث: ۳۲۸۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۳۲۲)

اس سوال کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ وصیت نہیں کی تھی کہ وہ اسی وقت نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں بلکہ یہ وصیت کی تھی کہ بالغ ہونے کے بعد جب نماز اور زکوٰۃ کا وقت آ جائے تو دائماً پابندی کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ جیسے ہی حضرت عیسیٰ اپنی ماں کی گود سے الگ ہوئے ہوں تو اسی وقت وہ بالغ ہو گئے ہوں' ان کی عقل کامل ہو گئی ہو اور ان کی خلقت اور جسامت جوانوں کی طرح مکمل ہو گئی ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ — بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے۔

(آل عمران: ۵۹)

پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو دفعتاً تام الخلقت اور کامل پیدا کیا' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ماں کی گود سے الگ ہوتے ہی تام الخلقت اور کامل بنا دیا اور یہ دوسرا قول مادمت حیا کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی حیات کے تمام زمانوں میں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے مکلف ہوں۔ اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عیسیٰ کا کلام کرنا ان کے لیے باعث تعجب نہ ہوتا کیونکہ جو شخص بالغ ہو اور اس کی جسمانی ساخت کامل ہو اس کا کلام کرنا کب باعث حیرت ہوگا' مگر اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ ان کے کلام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی جسمانی حیثیت کو تمام و کمال تک پہنچایا ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۳۶-۵۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب میں مکلف ہو جاؤں گا اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر قادر ہو جاؤں گا تو تمام زندگی نماز پڑھتا رہوں گا اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں گا' یہی صحیح قول ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۳۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

زکوٰۃ میں دو قول ہیں ابن سائب نے کہا اس سے مراد مال کی زکوٰۃ ہے اور زجاج نے کہا اس سے مراد بدن کی زکوٰۃ ہے یعنی پاکیزگی۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۲۲۹' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا تاکیداً حکم دیا ہے' اور بظاہر نماز سے مراد بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ سے مراد مالی عبادت ہے' جیسا کہ ان کا معروف معنی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ سے مراد صدقہ فطر ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے اور زکوٰۃ سے مراد نفس کو رذائل سے پاک کرنا ہے' اور یہ معنی اس لیے متعین ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا سے منزہ رکھا ہے' ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے لیے ہوتا ہے اسی لیے ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا' اور یا اس لیے کہ زکوٰۃ مال کی تطہیر کے لیے ہوتی ہے اور ان کا کسب پہلے ہی طاہر ہوتا ہے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کو یہ حکم دیا گیا ہو کہ آپ اپنی امت پر زکوٰۃ کو واجب کریں' لیکن یہ معنی ظاہر کے خلاف ہے' اور اگر

زکوٰۃ کو ظاہر اور معروف معنی پر محمول کیا جائے تو اس آیت کا یہ معنی ہوگا کہ اگر میں بقدر نصاب مال کا مالک ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے جب تک میں زندہ ہوں اس سے ظاہر اور متبادر یہ ہے کہ جب تک آپ اس متعارف دنیا میں زندہ ہیں اور یہ مدت اس زمانہ کو شامل نہیں ہے جب آپ آسمان میں ہیں۔

(روح المعانی جز ١٦ ص ١٣٠ مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٧ھ)

حضرت عیسیٰ کا اپنی والدہ کی برأت بیان کرنا

حضرت عیسیٰ نے فرمایا: اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے اور مجھے متکبر اور بدبخت نہیں بنایا۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ان کی والدہ زنا کی تہمت سے بری ہیں کیونکہ اگر وہ زانیہ ہوتیں تو رسول معصوم کو ان کی تعظیم کا حکم نہ دیا جاتا۔ بار کا معنی ہے نیکی کرنے والا اور بر کا معنیٰ ہے نیک' اس آیت میں حضرت عیسیٰ کو بار نہیں بلکہ بر فرمایا ہے یعنی وہ صرف نیکی کرنے والے نہیں ہیں بلکہ مجسم نیکی ہیں۔ نیز فرمایا وہ متکبر نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ متکبر ہوتے تو اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے والے نہ ہوتے اور اگر وہ متکبر ہوتے تو معصیت کرنے والے اور بدبخت ہوتے۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا جب میں چھوٹا تھا اس وقت بھی میرے دل میں نرمی تھی' اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جو شخص ماں باپ کا نافرمان ہوگا وہ متکبر اور بدبخت ہوگا پھر انہوں نے اس آیت کو پڑھا۔

ابن زید وغیرہ نے کہا ہے کہ جب ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام سن لیا تو انہوں نے مان لیا کہ حضرت مریم پاک دامن ہیں اور اس تہمت سے بری ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بچپن میں یہ کلمات کہے تھے پھر وہ عام بچوں کی حالت کی طرف لوٹ گئے حتیٰ کہ جس طرح عام انسانوں کے بچے بتدریج نشوونما پاتے ہیں اسی طرح وہ بھی نشوونما پاتے رہے۔ ان کا بچپن میں کلام کرنا اپنی ماں کی برأت کے لیے تھا یہ بات نہیں تھی کہ وہ اس حالت میں عقل و شعور رکھتے تھے' اور ان کا ماں کی گود میں کلام کرنا ایسے تھا جیسے قیامت کے دن انسان کے اعضاء کلام کریں گے' اور یہ منقول نہیں ہے کہ وہ مسلسل کلام کرتے رہے اور نہ یہ منقول ہے کہ وہ ایک دن کی عمر میں یا ایک ماہ کی عمر میں نماز پڑھتے تھے' اور اگر وہ مسلسل باتیں کرتے رہتے اور تسبیح پڑھتے رہتے اور وعظ کرتے رہتے اور ولادت کے وقت سے لے کر نماز پڑھتے رہتے تو اس کی مثل چھپی نہ رہتی' اور اس سے یہ قول باطل ہو جاتا ہے کہ وہ ماں کی گود سے الگ ہوتے ہی جوان ہو گئے تھے اور نمازیں پڑھنے لگے تھے۔

یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نماز پڑھنا' زکوٰۃ ادا کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا گزشتہ امتوں پر بھی واجب تھا اور یہ احکام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی ثابت تھے اور کسی نبی کی شریعت میں منسوخ نہیں ہوئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت زیادہ تواضع کرنے والے تھے وہ درختوں کے پتے کھاتے تھے اور اون کا لباس پہنتے تھے۔ زمین پر بیٹھ جاتے تھے اور جہاں رات آ جاتی تھی وہیں رہ جاتے تھے اور آپ علیہ السلام کا کوئی مسکن نہیں تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١١ ص ٣٠ مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ)

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿٣٣﴾

اور مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا کیا گیا اور جس دن میری وفات ہوگی اور جس دن میں (دوبارہ) زندہ اٹھایا جاؤں گا ○

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾

یہ عیسیٰ بن مریم ہیں ، یہی حق بات ہے جس میں یہ شک کرتے ہیں ٥

مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا

اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ پاک ہے، وہ جب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے

فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ

تو اس سے صرف یہی فرماتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتا ہے ٥ اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے،

فَاعْبُدُوهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ

سو تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے ٥ پھر نصاریٰ کی جماعتیں آپس میں مختلف ہو

بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٣٧﴾ أَسْمِعْ

گئیں پس کافروں کے لیے عذاب ہو اس عظیم دن میں پیش ہونے پر ٥ جس دن وہ

بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ۖ لٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٣٨﴾

ہمارے سامنے پیش ہوں گے تو کیسے سنتے ہوں گے اور کیسے دیکھتے ہوں گے! لیکن ظالم آج کے دن کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں ٥

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ

اور آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیے، جب فیصلہ ہو چکا ہو گا اور وہ غفلت میں ہیں اور

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا

ایمان نہیں لا رہے ٥ بے شک ہم ہی زمین، اور ان کے وارث ہیں جو اس پر ہیں اور وہ سب ہماری ہی

يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾ ع

طرف لوٹائے جائیں گے ٥

ع ٢ ٢٥ ٥

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (عیسیٰ نے کہا) اور مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا کیا گیا اور جس دن میری وفات ہو گی اور جس دن میں (دوبارہ) زندہ اٹھایا جاؤں گا ٥ (مریم: ٣٣)

اس شبہ کا جواب کہ یہود اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے بچپن میں کلام کرنے کو کیوں نقل نہیں کیا؟

اس سے پہلے حضرت یحییٰ پر سلام کا ذکر تھا وہ بغیر الف لام کے تھا وسلام علیہ اور اس کے بعد حضرت عیسیٰ پر سلام کا ذکر ہے اور یہ الف لام کے ساتھ ہے اور یہ لام عہد ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو سلام حضرت یحییٰ پر کیا گیا تھا وہی سلام حضرت عیسیٰ پر ہو۔

سلام کا معنی ہے نعمتیں سلامت رہیں اور آفات اور بلیات سے امان حاصل ہو گویا حضرت عیسیٰ نے یہ دعا کی کہ جو سلامتی اور امان حضرت یحییٰ پر نازل کی گئی تھیں وہی سلامتی اور امان ان پر نازل کی جائے۔ یوم ولادت' یوم وفات اور یوم بعث ان تین دنوں میں انسان اللہ تعالیٰ کی سلامتی کا بہت زیادہ محتاج ہوتا ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ ان تین دنوں میں سلامتی کے حصول کی دعا کی۔

یہود اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن میں کلام کرنے کے منکر ہیں' وہ کہتے ہیں کہ یہ بہت عجیب وغریب واقعہ تھا اگر ایسا ہوتا تو نصاریٰ کو اس کا علم ہوتا کیونکہ وہ سب سے زیادہ ان کے حالات سے بحث کرنے والے ہیں اور ان کے فضائل اور کمالات کو سب سے زیادہ بیان کرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ ان سے محبت کرنے والے ہیں' اور جب انہوں نے اس واقعہ کو بیان نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ثابت نہیں ہے' اسی طرح یہود اس وقت سے حضرت عیسیٰ سے عداوت رکھتے ہیں جس وقت سے حضرت عیسیٰ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ نے ماں کی گود میں کلام کیا ہوتا تو اس وقت وہ ان کے قتل کرنے کے درپے ہو جاتے اور جب دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ نے ماں کی گود میں کلام نہیں کیا۔ اور مسلمان یہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰ نے ماں کی گود میں کلام نہ کیا ہوتا تو ان کی ماں کی زنا سے برأت ثابت نہ ہوتی اور پھر یہود ضرور ان کو رجم کر دیتے اور جب یہود نے ان کو سنگسار نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ اس تہمت سے ان کی برأت ثابت ہو گئی تھی اور اس تہمت سے ان کی برأت کا یہی طریقہ ہے' اور رہا یہ کہ نصاریٰ نے باوجود حضرت عیسیٰ سے شدید محبت کے اس واقعہ کو بیان نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نصاریٰ کا تو اس وقت وجود ہی نہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بڑے ہونے اور ان کی تعلیم اور تبلیغ کے بعد ان کے متبعین اور نصاریٰ وجود میں آئے تھے' اور یہود نے ان کو اس وقت اس لیے قتل نہیں کیا کہ وہ ماں کی گود میں بچے کے کلام کرنے سے بہت مبہوت اور خوف زدہ تھے اور حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ اس وقت حضرت زکریا کے سایہ عاطفت میں تھے اس لیے اس وقت وہ ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ عیسیٰ بن مریم ہیں' یہی حق بات ہے جس میں یہ شک کرتے ہیں○ اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ پاک ہے' وہ جب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ ''ہو جا'' سو وہ ہو جاتا ہے○

(مریم: ۳۵-۳۴)

حضرت عیسیٰ کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ میں اختلاف

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی حق بات ہے اس کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ کا مریم کا بیٹا ہونا ہی حق بات ہے' یعنی وہ ابن اللہ نہیں ہیں' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جس کی یہ صفات بیان کی ہیں یہی عیسیٰ بن مریم ہیں اور یہ بات برحق ہے۔

اس کے بعد فرمایا جس میں یہ شک کرتے ہیں' جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا تھا تو اس وقت ان کے اکابر میں سے چار شخص موجود تھے' جب ان سے پوچھا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کون تھے تو ان چار میں سے ایک نے کہا وہ خود اللہ زمین پر اتر آئے تھے۔ انہوں نے جس کو زندہ رکھا اس کو زندہ رکھا اور جس کو مار دیا اس کو مار دیا' پھر وہ آسمان پر چڑھ گئے۔

اس عقیدہ کے پیروکاروں کا نام یعقوبیہ ہے' باقی تینوں نے اس کو جھوٹا کہا' پھر ان باقی ماندہ میں سے ایک نے کہا وہ ابن اللہ تھے اور اس عقیدہ کے پیروکار نسطوریہ ہیں' اور باقی دو نے اس کو جھوٹا کہا' پھر باقی دو میں سے ایک نے کہا وہ تین میں کا تیسرا ہے اللہ معبود ہے' اور وہ یعنی عیسیٰ معبود ہے اور اس کی ماں معبود ہے اور اس کے پیروکاروں کا نام اسرائیلیہ ہے یہ نصاریٰ کے بادشاہ ہیں' پھر چوتھے نے اس کی تکذیب کی اور کہا بلکہ وہ اللہ کے بندے' اس کے رسول' اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں اور یہی مسلمان ہیں' ان میں سے ہر ایک مختلف عقائد کے پیروکار تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١١ص ٣٢' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ ہونے پر دلائل

اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اور اولاد سے اپنی برأت پر یہ دلیل قائم فرمائی کہ اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے' وہ پاک ہے' اللہ کے ولد سے پاک ہونے پر علماء نے جو دلائل قائم فرمائے ہیں ان میں سے بعض دلائل یہ ہیں:

(١) اگر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ بیٹا ازلی اور قدیم ہوگا یا حادث اور ممکن ہوگا' اگر وہ ازلی اور قدیم ہو تو یہ دو وجہ سے باطل ہے ایک وجہ یہ ہے کہ بیٹا باپ سے موخر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا بیٹا ازلی اور قدیم کیسے ہو سکتا ہے۔ ثانیاً اللہ تعالیٰ بھی قدیم ہو اور اس کا بیٹا بھی قدیم ہو تو اس سے تعدد قدماء اور تعدد وجباء لازم آئے گا اور یہ باطل ہے' اور اگر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہو اور وہ حادث اور ممکن ہو تو یہ بھی دو وجہ سے باطل ہے ایک اس وجہ سے کہ جب وہ حادث اور ممکن ہوگا تو پھر خدا نہیں ہوگا اور فرض یہ کیا ہے کہ وہ خدا ہے' اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے تو اس کا جو بیٹا فرض کیا گیا ہے وہ بھی واجب اور قدیم ہونا چاہیے اور جب بیٹے کو حادث اور ممکن فرض کیا تو پھر وہ باپ کی جنس سے نہ رہا۔

(٢) دوسری دلیل لوگوں کے عام عرف اور عادت کے اعتبار سے ہے کہ جس کا بیٹا ہوتا ہے اس کی بیوی ہوتی ہے اور پھر کم و بیش نو ماہ بعد بیوی کے بطن سے بیٹا پیدا ہوتا ہے تو اگر اللہ کا بیٹا ہوتا تو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کا بیٹا وجود میں آتا جب کہ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کے وجود میں آنے میں کوئی دیر نہیں لگتی وہ اس چیز کے متعلق فرماتا ہے ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتی ہے۔

(٣) کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مملوک ہے اگر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہوتا تو وہ بھی اللہ کا مملوک ہوتا حالانکہ بیٹا باپ کا مملوک اور غلام نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت عیسیٰ نے کہا) اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے ○ پھر نصاریٰ کی جماعتیں آپس میں مختلف ہو گئیں' پس کافروں کے لیے عذاب ہو اس عظیم دن میں پیش ہونے پر ○ جس دن وہ ہمارے سامنے پیش ہوں گے تو کیسے سنتے ہوں گے اور کیسے دیکھتے ہوں گے! لیکن ظالم آج کے دن کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں ○ اور آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیے' جب فیصلہ ہو چکا ہوگا' اور وہ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لا رہے ○ بے شک ہم ہی زمین اور ان کے وارث ہیں جو اس پر ہیں اور وہ سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے ○ (مریم: ٤٠۔ ٣٦)

اللہ ہمارا رب ہے' اس کے تقاضے

مریم: ٣٦ میں مذکور ہے اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے' اس پر یہ اشکال ہے کہ اس کلام کا قائل کون ہے' ظاہر ہے یوں تو نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کے اس کلام کے ساتھ متصل ہے بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے (الی قولہ) اور مجھے متکبر اور بدبخت نہیں بنایا' اس کے بعد فرمایا اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ عبارت مقدر ہے اے محمد! جب آپ نے دلائل سے واضح کر دیا کہ عیسیٰ اللہ کے بندہ ہیں تو آپ کہیے اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس جہان کا مدبر اور اس کا نظام بنانے والا اور چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور نجومیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ کواکب اس جہان کے مدبر ہیں اور جب فلاں ستارہ فلاں برج میں ہوتا ہے تو اس کی یہ تاثیر ہوتی ہے اور جس کے نام کے عدد جس ستارے کے موافق ہوں اس پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو' یہاں عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر کیا ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی علت اس کا رب ہونا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اور اس نے ہم پر ہر قسم کی نعمتیں انعام فرمائی ہیں اس نے ہم کو پیدا کیا اور ہمارے زندہ رہنے اور ہماری بقا کے اسباب پیدا کیے وہی ہماری پکار کو سنتا ہے اور ہمارا حاجت روا ہے' سو وہی ہماری عبادت کا مستحق ہے اسی وجہ سے حضرت ابراہیم نے آزر کو بتوں کی عبادت سے منع کیا تھا کہ جنہوں نے تم کو پیدا کیا نہ تم کو کوئی نعمت دی نہ تم سے کوئی مصیبت دور کی تم ان کی کیوں عبادت کرتے ہو!

لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا (مریم: ۴۲)

آپ اس کی کیوں عبادت کر رہے ہیں جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ آپ کو کسی چیز سے مستغنی کر سکتا ہے!

پس اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ عبادت کا وہی مستحق ہے جس نے پیدا کیا ہو اور تمام نعمتیں دی ہوں اور جو ایسا نہ ہو وہ عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا یہی صراط مستقیم (سیدھا راستہ) ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اور اس کے لیے اولاد اور بیوی کو نہ ماننا یہی سیدھا راستہ ہے۔

روز قیامت کے مشاہدہ کا عظیم ہونا

آیت: ۳۷ میں فرمایا: پھر نصاریٰ کی جماعتیں آپس میں مختلف ہو گئیں' اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں: (۱) اس سے مراد نصاریٰ کے فرقے ہیں یعنی یعقوبیہ' نسطوریہ' اسرائیلیہ اور مسلمون۔ (۲) اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں جو ایک دوسرے کی تکذیب کرتے تھے۔ (۳) اس سے مراد کفار ہیں جن میں یہود اور نصاریٰ بھی داخل ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو کفار تھے وہ بھی داخل ہیں۔ اس کے بعد فرمایا پس کافروں کے لیے عذاب ہو اس عظیم دن کے مشہد سے۔ مشہد کے معنی ہیں حاضر ہونے کی جگہ یا جس سے شہادت متعلق ہو' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشہد سے مراد ہو خود ان کا حساب کے لیے پیش ہونا اور یہ بھی ہو سکتا ہے اس سے مراد ہو روز قیامت کی جزاء یا میدان قیامت مراد ہو یا شہادت کا وقت مراد ہو' اور شہادت سے انبیاء اور ملائکہ کی شہادت مراد ہے یا خود ان کی زبانوں' ان کے ہاتھوں اور ان کے پیروں کی ان کی بداعمالیوں اور کفر پر شہادت مراد ہے' یا انہوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں کے متعلق جو شہادت دی تھی وہ مراد ہے۔ اس شہادت کو یا اس شہادت کے دن کو عظیم فرمایا ہے کیونکہ اس دن جو حساب و کتاب کا مشاہدہ کیا جائے گا اس سے بڑھ کر کوئی عظیم چیز نہیں ہے' اور اس دن جو مومنوں کو ثواب ہو گا اس سے بڑھ کر نفع دینے والی کوئی چیز نہیں ہے اور اس دن جو کفار کو عذاب ہو گا اس سے بڑھ کر کوئی

نقصان وہ چیز نہیں ہے۔

فعل تعجب کے صیغہ کا معنی اور اللہ تعالیٰ کے اظہار تعجب کی توجیہات

آیت: ۳۸ میں فرمایا اسمع بھم وابصر یوم یاتوننا' یہ دونوں فعل تعجب کے صیغے ہیں یعنی جب کفار قیامت کے دن ہمارے سامنے پیش ہوں گے تو کس قدر زیادہ سنتے ہوں گے اور کس قدر زیادہ دیکھتے ہوں گے' کلبی نے کہا جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو۔ (المائدہ: ۱۱٦) تو قیامت کے دن ان سے زیادہ کوئی سننے والا نہیں ہوگا اور نہ کوئی ان سے زیادہ دیکھنے والا ہوگا

اسمع بھم وابصر یہ دونوں صیغے اظہار تعجب کے لیے بولے جاتے ہیں یعنی وہ کس قدر زیادہ سنتے ہیں اور کس قدر زیادہ دیکھتے ہیں' تعجب کا معنی ہے کسی چیز کو بہت عظیم سمجھنا' جب کہ اس کے عظیم ہونے کا سبب معلوم نہ ہو یا اس کا سبب مخفی ہو' اور کبھی اخفاء سبب کے بغیر بھی اظہار تعجب کیا جاتا ہے اور کسی عجیب و غریب چیز کے ادراک پر بھی حیرت اور تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تعجب تو وہ شخص کرتا ہے جس کو کسی چیز کے عظیم یا غریب ہونے کا سبب معلوم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو تو ہر چیز کا علم ہے اور اس کے تعجب کرنے کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اظہار تعجب کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فعل صادر کیا ہے کہ اگر مخلوق میں سے کسی سے وہ فعل صادر ہوتا تو ان کے دلوں میں تعجب ہوتا' اور اسی تاویل سے اللہ تعالیٰ کی طرف مکر اور استہزاء کی نسبت ہے۔ اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ کفار دنیا میں ہمارا کلام سننے سے بہرے اور ہماری نشانیوں کو دیکھنے سے اندھے تھے اس کے باوجود جب وہ قیامت کے دن حساب کامل سننے اور دیکھنے کے لیے ہمارے پاس آئیں گے تو ان کا سننا اور دیکھنا اس لائق ہے کہ اس پر تعجب کیا جائے نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ان پر تعجب ہوگا' اور اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس میں وعید اور تہدید ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ عنقریب وہ اپنے متعلق ایسا فیصلہ سنیں گے جس سے ان کے دل دہل جائیں گے اور عنقریب یہ ایسا عذاب دیکھیں گے جس سے ان کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے' اور اس کی چوتھی توجیہ یہ ہے کہ اسمع بھم و ابصر فعل تعجب کے صیغے نہیں ہیں بلکہ یہ حقیقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امر اور حکم ہے کہ آپ ان کو اس عذاب کی وعید سنائیں اور دکھائیں جو قیامت کے دن ان کو دیا جائے گا تاکہ یہ ڈریں اور باز آئیں' اور اس کی پانچویں توجیہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو ان کا اخروی انجام سنائیں تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔

ائمہ نحو نے یہ کہا ہے کہ فعل تعجب کا صیغہ صورۃً امر ہے اور حقیقتاً خبر ہے' اور اکرم بزید کا معنی یہ ہے کہ زید نے اس قدر زیادہ کرم کیا ہے کہ وہ مجسم کرم ہو گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا لیکن ظالم آج کے دن کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اس کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ ظالم آج کے دن یعنی دنیا میں کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اور قیامت کے دن ان کو حقیقت کا پتا چل جائے گا' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ظالم جنت کے راستہ سے قیامت کے دن کھلی ہوئی گمراہی میں ہوں گے یعنی ان کو جنت کا راستہ نہیں ملے گا اس کے برخلاف مومنین جنت کے راستہ پر جارہے ہوں گے۔

روز قیامت کا یوم حسرت ہونا

آیت: ۳۹ میں فرمایا اور آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیے جب فیصلہ ہو چکا ہوگا۔ اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے کافروں کو اس دن کے عذاب سے ڈرائیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی

عبادت کو ترک کرنے سے ڈریں اور یوم حسرت سے مراد قیامت کا دن ہے' کیونکہ کفار کو قیامت کے دن یہ علم ہو گا کہ ان کے لیے جنتیں بنائی گئی تھیں لیکن ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے وہ جنتیں مومنوں کو دے دی گئیں اور ان کو دوزخ میں ڈال دیا گیا پھر انہیں جنت کو دیکھ کر حسرت ہو گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سب اہل دوزخ جنت میں اپنا گھر دیکھیں گے تو کہیں گے کاش اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ان کو حسرت ہو گی' اور جب سب اہل جنت دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھیں گے تو کہیں گے اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا...... تو دیکھنا ان کے لیے باعث شکر ہو گا' اور ایک روایت میں ہے کوئی شخص دوزخ میں داخل نہیں ہو گا مگر جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لے گا اگر وہ نیک کام کرتا تاکہ اس کو حسرت ہو' اور کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا مگر وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھ لے گا اگر وہ برے کام کرتا تاکہ اس کا شکر زیادہ ہو۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۵۴۱' ۵۱۲' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۶۶۱' ۱۸۶۶۰ حافظ الہیثمی نے کہا پہلی روایت کے تمام رجال صحیح ہیں)

اس دن کا مصداق جب فیصلہ ہو چکا ہو گا

نیز اس آیت میں ہے: جب فیصلہ ہو چکا ہو گا۔ اس کا ایک محمل یہ ہے کہ دنیا میں پوری تبلیغ ہو چکی ہو گی اور ثواب اور عذاب کے تمام دلائل بیان کیے جا چکے ہوں گے اور وہ غفلت میں پڑے رہے اور ایمان نہیں لائے۔

اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جب دنیا کو فنا کرنے اور مکلف کرنے کے سلسلہ کو ختم کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہو گا۔

اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا کہ ''جب فیصلہ ہو چکا ہو گا'' تو آپ نے فرمایا:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کو سرمئی مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا پھر ایک منادی یہ ندا کرے گا اے اھل جنت! تو وہ گردن اٹھا کر دیکھیں گے تو وہ کہے گا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے۔ پھر وہ ندا کرے گا اے اہل دوزخ! تو وہ گردن اٹھا کر دیکھیں گے وہ کہے گا کیا تم اس کو پہچانتے ہو! وہ کہیں گے ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے' پھر اس مینڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا پھر وہ منادی کہے گا: اے اہل جنت! اب دوام ہے پس موت نہیں ہے' اور کہے گا اے اہل دوزخ! اب دوام ہے اور موت نہیں ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: **وانذرهم يوم الحسرة اذ قضى الامر و هم فى غفلة** (مریم: ۳۹)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۴۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۱۶)

اللہ تعالیٰ پر وارث کے اطلاق کی توجیہ

آیت: ۴۰ میں فرمایا بے شک ہم ہی زمین اور ان کے وارث ہیں جو اس پر ہیں اور وہ سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اس دن کوئی مالک ہو گا نہ کوئی حاکم ہو گا' کسی کا کوئی ملک ہو گا نہ کوئی چیز کسی کی ملکیت ہو گی' اور ہر چیز ظاہر اور باطن کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہو گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم ہی وارث ہیں' وارث اس کو کہتے ہیں جو مرنے والے کے ترکہ کا پہلے مالک نہیں ہوتا اس کے مرنے کے بعد مالک ہوتا ہے' اور مورث کی ملکیت وارث کی طرف منتقل ہو جاتی ہے' اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا ہمیشہ سے مالک ہے تو اس پر وارث کا اطلاق کیسے جائز ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مالک ہے لیکن ظاہر میں دنیا اور زمین کی بہت سی چیزوں کے لوگ مالک ہیں اگرچہ ان کی یہ ملکیت عارضی اور فانی ہے اور بعد والوں

کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے' لیکن ظاہری اور مجازی طور پر ان کو زمین اور اس کی چیزوں کا مالک کہا جاتا ہے' لیکن قیامت آنے سے ان کی یہ ظاہری اور مجازی ملکیت بھی ختم ہو جائے گی اور ہر چیز کی ظاہری ملکیت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جائے گی سو اللہ تعالیٰ پر وارث کا اطلاق ظاہری ملکیت کے اعتبار سے ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ اِذْ قَالَ

اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے ، بے شک وہ بہت سچے نبی تھے ○ جب انہوں نے

لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ

اپنے (عرفی) باپ سے کہا: اے میرے ابا! آپ اس کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے' اور نہ آپ

شَيْـًٔا ﴿٤٢﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ

کے کسی کام آسکتا ہے ○ اے میرے ابا! بے شک میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا آپ میری پیروی کیجئے

اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا ○ اے میرے ابا! آپ شیطان کی پیروی نہ کریں، بے شک شیطان

كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ

رحمٰن کا نافرمان ہے ○ اے میرے ابا! مجھے خطرہ ہے کہ آپ کو رحمٰن کی طرف سے

مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ

عذاب پہنچے گا پس آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے ○ اس نے کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں

عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ

سے اعراض کرنے والا ہے ، اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو ہمیشہ کے لیے

مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ

مجھے چھوڑ دے ○ ابراہیم نے کہا تجھے سلام ہو میں عنقریب اپنے رب سے تیرے لیے استغفار کروں گا ، بے شک وہ مجھ پر

حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ

بہت مہربان ہے ○ میں تم سب کو (بھی) چھوڑتا ہوں اور ان کو (بھی) جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، اور میں اپنے رب کی عبادت کرتا

عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ

ہوں، اور امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہیں ہوں گا ○ پھر جب ابراہیم ان سب سے الگ ہو گئے اور ان سے (بھی) جن کی وہ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾

لوگ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے تو ہم نے ان کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا ○

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ ع

اور ہم نے ان کو اپنی رحمت عطا کی اور ہم نے (دنیا میں) ان کا ذکر جمیل بلند کیا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے' بے شک وہ بہت سچے نبی تھے ○ (مریم: ٤١)

حضرت ابراہیم کا قصہ شروع کرنے کی وجوہ

اس سورت سے مقصود ہے توحید' رسالت' قیامت اور حشر کو بیان کرنا' اور منکرین توحید وہ تھے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور معبود کو مانتے تھے۔ پھر ان کے دو گروہ تھے' ایک گروہ زندہ انسان کو معبود مانتا تھا اور دوسرا گروہ پتھروں کے تراشیدہ بتوں کو خدا مانتا تھا' ہر چند کہ یہ دونوں گروہ گم راہ تھے لیکن دوسرا فریق زیادہ گم راہ تھا' پہلے اللہ تعالیٰ نے کم گم راہ فریق کا رد کیا اور اب اس کے بعد زیادہ گم راہ فریق کا رد شروع فرمایا۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا' حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا قصہ بیان فرمایا تھا اور اب حضرت ابراہیم کا قصہ شروع فرمایا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سب کو معلوم تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم' آپ کی قوم اور آپ کے صحابہ کتابوں کے مطالعہ' مدرسہ اور پڑھنے لکھنے سے شغف نہیں رکھتے تھے' پھر جب آپ نے حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم کے واقعات ٹھیک ٹھیک بیان کر دیئے تو لامحالہ آپ نے غیب کی خبریں بیان کیں اور آپ کا غیب پر مطلع ہونا آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔ اور خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(١) عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا باپ کہتے تھے اور ان کے دین اور ان کی ملت کو برحق مانتے تھے قرآن مجید میں ہے:

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج: ٧٨) — اپنے باپ ابراہیم کی ملت کو قائم رکھو

نیز عرب کہتے تھے:

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ — بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا

وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ (الزخرف: ٢٢) — اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل کر ہدایت یافتہ ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم حضرت ابراہیم کو اپنا باپ مانتے ہو اور تم اپنے باپ دادا کے دین کو برحق مانتے ہو تو تمہارے سامنے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے باپ ابراہیم کی ملت اور ان کا دین پیش کر رہے ہیں سو اس کو مانو اور قبول کرو۔

(٢) عرب کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا بت پرستی کرتے آئے تھے ہم ان کے طریقہ کو نہیں چھوڑ سکتے' اس کا رد فرمایا کہ حضرت ابراہیم کے عرفی باپ دادا بھی بت پرستی کرتے تھے لیکن انہوں نے اپنے عرفی باپ دادا کے طریقہ کو نہیں اپنایا بلکہ توحید کو مانا سو تم بھی حضرت ابراہیم کے نقش قدم پر چلو' اور اگر باپ دادا کی اتباع کرنی ہے تو جو سب سے معظم اور مکرم

باپ ہیں اور سب کے نزدیک مسلم ہیں ان کی اتباع کرو۔

(۳) اکثر کفار اپنے باپ دادا کی تقلید کا دعویٰ کرتے تھے ان کو بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تقلید نہیں تھا بلکہ دلائل میں غور وفکر کر کے توحید کو اپنانا تھا سو تم بھی دلائل میں غور وفکر کر کے توحید کو اختیار کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا: اے میرے ابا! آپ اس کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کسی کام آ سکتا ہےO (مریم: ۴۲)

بتوں کی عبادت کے بطلان کی وجوہ

اس آیت میں بتوں کی عبات کے باطل ہونے کو بیان فرمایا ہے اور اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) عبادت سب سے زیادہ تعظیم کرنے کو کہتے ہیں اور سب سے زیادہ تعظیم کا وہی مستحق ہو گا جس نے سب سے زیادہ انعام کیے ہوں اور سب سے زیادہ انعام صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں تو وہی عبادت کا مستحق ہے اور بتوں کا انسانوں پر کوئی انعام نہیں ہے تو بت کسی تعظیم کے مستحق نہیں ہیں۔

(۲) جب بت سنتے اور دیکھتے نہیں ہیں تو وہ عبادت گزار کو غیر عبادت گزار سے متمیز نہیں کر سکتے سو ان کی عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۳) عبادت کا مغز دعا کرنا ہے اور جب بت دعا کو سن ہی نہیں سکتے تو ان کی عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور جب وہ دیکھ نہیں سکتے تو ان کا تقرب حاصل کرنے میں کوئی منفعت نہیں ہے۔

(۴) سننے والا' دیکھنے والا' نفع اور نقصان پہنچانے والا اس سے افضل ہے جو ان کاموں پر قادر نہ ہو' انسان میں سننے' دیکھنے' نفع اور نقصان پہنچانے کی صفات ہیں اور بتوں میں یہ صفات نہیں ہیں لہٰذا انسان بتوں سے افضل اور اعلیٰ ہے' پھر افضل اور اعلیٰ کا گھٹیا اور ادنیٰ کی عبادت کرنا کیسے صحیح ہو گا؟

(۵) جب بت خود اپنے آپ کو ٹوٹ پھوٹ اور نقصان سے نہیں بچا سکتے تو اپنی عبادت کرنے والوں کو نقصان اور ضرر سے کیسے بچا سکیں گے!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منشا یہ تھا کہ اس کی عبادت کرنی چاہیے جو دعاؤں کو سنتا ہو اور دعا کرنے والے کو دیکھتا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى (طٰہٰ: ۴۶)

فرمایا تم دونوں (موسیٰ اور ہارون) مت ڈرو میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

اور اس کی عبادت کرنی چاہیے جو کسی کام آ سکے' کوئی حاجت پوری کر سکے' کوئی ضرر دور کر سکے اور کوئی نفع پہنچا سکے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے:

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ O (النمل: ۶۲)

جب بے بس پکارتا ہے تو اس کی پکار کو کون سنتا ہے اور اس سے مصیبت کو کون دور کرتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا حاکم بناتا ہے' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ابراہیم نے کہا) اے میرے ابا! بے شک میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا آپ میری پیروی کیجئے میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا (مریم: ۴۳)

نبی کی اتباع کو تقلید نہ کہنے کی وجہ

اس آیت سے مقلدین نے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ان کو خود غور وفکر کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ وہ ان کی اتباع اور پیروی کریں' اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت نہ ہو اور جس کے پاس علم کے ذرائع نہ ہوں اس پر علم والے کی تقلید کرنا لازم ہے' لیکن انبیاء علیہم السلام کی اتباع کو تقلید نہیں کہتے کیونکہ تقلید تشکیک مشکک سے زائل ہو جاتی ہے اور تقلید میں اس پر جزم ہوتا ہے کہ جس امام کی وہ تقلید کر رہا ہے اس کے متعلق یہی غالب ظن ہے کہ وہ برحق ہے' لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کی رائے غلط ہو اور دوسرے امام کی رائے صحیح ہو' لیکن جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے اس کے متعلق سو فیصد جزم ہوتا ہے کہ نبی کا حکم برحق اور صحیح ہے اس میں غلط ہونے کا امکان یا احتمال نہیں ہے اس لیے نبی کی اتباع کو تقلید نہیں کہتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ابراہیم نے کہا) اے میرے ابا! آپ شیطان کی پیروی نہ کریں بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے ○ (مریم: ۴۴)

آزر کو شیطان سے متنفر کرنے کی وجہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان سے متنفر کرنے کے لیے آزر سے یہ کہا کہ شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے' کیونکہ کسی شخص سے متنفر ہونے کی یہی سب سے بڑی وجہ ہے' اور جب شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان تھا تو کسی چیز میں بھی اس کی اطاعت جائز نہیں ہے اور آزر کے جو عقائد تھے وہ شیطان کی اطاعت سے ہی مستفاد تھے اس لیے حضرت ابراہیم نے آزر کو شیطان سے متنفر کرنا چاہا' اس کے بعد کہا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ابراہیم نے کہا) اے میرے ابا! مجھے خطرہ ہے کہ آپ کو رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا پس آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے ○ (مریم: ۴۵)

شیطان کی ولایت کا معنی

فرا نے کہا "مجھے خطرہ ہے" کا معنی ہے مجھے علم ہے کہ آپ کو عذاب پہنچے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ آزر کفر پر مرے گا' اور اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ یہاں خوف اپنے معنی میں ہے۔ یعنی یہ بھی ہوسکتا تھا کہ آزر ایمان لے آتا اور اس کو دوزخ کے عذاب سے نجات مل جاتی اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ ایمان نہ لاتا اور دوزخ میں چلا جاتا' اور ظاہر قرآن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ یقین ہوتا کہ آزر نے کفر پر ہی مرنا ہے تو ان کی تبلیغ میں اس قدر زور نہ ہوتا کیونکہ اگر انسان کو پہلے ہی یہ علم ہو کہ اس کی کوشش رائیگاں جائے گی تو پھر اس کی کوشش میں اس قدر جذبہ نہیں ہوتا' پھر حضرت ابراہیم نے کہا: پس آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) کسی شخص کا کسی کا ولی ہونا اس کے "مع" ہونے کا سبب ہوتا ہے اور جب آزر بھی عذاب کا مستحق ہوگا تو وہ دوزخ میں شیطان کے "مع" ہوگا اس لیے فرمایا وہ شیطان کا ولی ہوگا۔

(۲) اس آیت میں عذاب سے مراد رسوا ہونا ہے اور جو آدمی شیطان کو اپنا ولی بناتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے اور رسوا ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا (النساء: ۱۱۹)

اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو ولی بنائے گا تو وہ کھلا ہوا نقصان اٹھائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں سے اعراض کرنے والا ہے' اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھے چھوڑ دے O (مریم:۴۶)

لارجمنک اور واهجرنی کے معنی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے عرفی باپ کو توحید کی دعوت دی اور بتوں کی عبادت کے فساد اور بطلان پر دلائل قائم کیے اور اس کے ساتھ ساتھ نہایت نرمی اور ملائمت کے ساتھ ان کو سمجھایا' تو ان کے عرفی باپ آزر نے ان کی ہر بات کا جواب انتہائی سختی اور ناگواری کے ساتھ دیا اور ان کے دلائل کے مقابلہ میں صرف اپنے آباؤ اجداد کی تقلید پر اعتماد کیا۔

آزر نے حضرت ابراہیم سے کہا اگر تم باز نہ آئے تو میں تم کو رجم کردوں گا اس آیت میں رجم کے حسب ذیل معنی بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اس سے رجم باللسان مراد ہے' یعنی گالیاں دینا اور مذمت کرنا۔ مجاہد نے کہا قرآن مجید میں جہاں بھی رجم کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ہے گالی دینا' تاہم اس کا عموم اور اطلاق محل نظر ہے۔

(۲) اس سے مراد ہے ہاتھوں سے مارنا' یعنی میں لوگوں سے تمہاری شکایت کروں گا تو وہ تمہیں مار مار کر ادھ موا کردیں گے یا اس سے مراد ہے میں پتھر مار مار کر تمہیں سنگسار کردوں گا۔

(۳) لغت قریش میں اس کا معنی ہے میں تمہیں ہلاک کردوں گا' ابو مسلم نے کہا کسی شخص کو بھگانے اور دور کرنے کے لیے بھی اس لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے۔

واهجرنی ملیا کا معنی ہے تم مجھ سے بات کرنا چھوڑ دو' اور اس کا دوسرا معنی ہے تم مجھے چھوڑ دو یعنی اس شہر اور اس ملک سے نکل جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ابراہیم نے کہا تجھے سلام ہو! میں عنقریب تیرے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے O (مریم:۴۷)

سلام کی دو قسمیں سلام تحیت اور سلام متارکہ

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار کو سلام کرنا جائز نہیں ہے پھر حضرت ابراہیم نے آزر کو کیوں سلام کیا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعظیم اور تحیت کا سلام نہیں تھا بلکہ یہ متارکہ کا سلام تھا یعنی کسی کو چھوڑنے اور اس سے قطع تعلق کرنے کا سلام تھا' اللہ تعالیٰ نے مومنین اہل کتاب کی صفات میں فرمایا:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ O (القصص:۵۵)

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں' بس تمہیں سلام ہو ہم جاہلوں سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفات میں فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا O (الفرقان:۶۳)

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بحث کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں بس تمہیں سلام ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ سلام کا حقیقی معنی تو دعا ہے یعنی اللہ تم کو سلامت رکھے' یا اللہ تم کو ہر آفت اور ہر مصیبت سے محفوظ اور مامون رکھے' یا تم جس حال میں ہو اللہ تمہیں اس میں سلامت رکھے' اس معنی کے اعتبار سے کفار اور فساق کو سلام کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں کفر اور فسق پر سلامت رہنے کی دعا ہے اور کفار اور فساق کی تعظیم اور تحیت ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود اور نصاریٰ کو سلام میں پہل نہ کرو جب وہ تم سے راستہ میں ملیں تو تم ان کو تنگ راستہ میں چلنے پر مجبور کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۰۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۰۵)

حضرت ابراہیم بن میسرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے منہدم ہونے پر اعانت کی۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۴۶۴' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۸۹)

ان احادیث کی بنا پر کفار اور فساق کو تعظیماً سلام کرنا جائز نہیں ہے' اور سلام کا التزامی اور مجازی معنی ہے کسی کو رخصت کرنا کیونکہ رخصت ہونے کے مقام پر سلام کیا جاتا ہے تو جب کفار اور فساق سے بحث کو ترک کرنا اور ان سے تعلق کو ترک کرنا مقصود ہو تو ان کو سلام کر دیا جاتا ہے جیسا کہ مذکورۃ الصدر آیتوں میں ہے۔

کفار اور فساق کو سلام کرنے کی تحقیق

ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ جب تمہیں یہود و نصاریٰ سے کوئی کام ہو تو ان کو ابتداءً سلام کرو' اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں جو ہے یہود و نصاریٰ کو ابتداءً سلام نہ کرو وہ اس پر محمول ہے جب تمہیں ان سے کوئی کام یا غرض نہ ہو' لیکن جب تمہیں ان سے کوئی کام ہو یا کوئی ذمہ داری پوری کرنی ہو' یا صحبت یا سفر کا حق ادا کرنا ہو یا پڑوس کا حق ادا کرنا ہو تو پھر ان کو سلام کر لو۔ امام طبری نے کہا ہے کہ سلف سے منقول ہے کہ وہ اہل کتاب کو سلام کرتے تھے۔ ایک دہقان حضرت ابن مسعود کے راستہ میں ساتھ ہو گیا انہوں نے اس کو سلام کیا' علقمہ نے کہا اے ابوعبدالرحمان کیا ان کو ابتداءً سلام کرنا مکروہ نہیں ہے! فرمایا: ہاں! لیکن یہ صحبت کا حق ہے' اور ابو اسامہ جب اپنے گھر واپس جاتے تو راستہ میں ان کو جو بھی ملتا خواہ مسلمان ہو یا عیسائی یا چھوٹا یا بڑا وہ اس کو سلام کرتے جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ سلام کو پھیلائیں' امام اوزاعی سے یہ پوچھا گیا کہ جب کوئی مسلمان کسی کافر کے پاس سے گزرے تو آیا اس کو سلام کرے؟ انہوں نے کہا اگر تم سلام کرو تو تم سے پہلے صالحین نے ان کو سلام کیا ہے اور اگر تم سلام نہ کرو تو تم سے پہلے صالحین نے ان کو سلام کرنا ترک کیا ہے' حسن بصری نے کہا جب تم ایسی مجلس کے پاس سے گزرو جس میں مسلمان اور کفار ہوں تو ان کو سلام کرو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۳۸-۳۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

مسلمان کو اگر ذمی سے کوئی کام ہے تو وہ اس کو سلام کرے ورنہ اس کو سلام کرنا مکروہ ہے' یہی قول صحیح ہے' علامہ شامی لکھتے ہیں کہ تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ کفار کو سلام کرنے کی ممانعت ان کی تعظیم اور توقیر کی بنا پر ہے اور جب کسی کام یا کسی غرض کی بنا پر ان کو سلام کیا جائے گا تو وہ ان کی تعظیم اور توقیر کی بنا پر نہیں ہوگا' اور تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ جب اہل ذمہ سلام کریں تو ان کو جواب دینا چاہیے' ہم اسی قول پر عمل کرتے ہیں۔ علامہ حصکفی نے کہا اگر ذمی کو تعظیماً سلام کیا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ کافر کی تعظیم کفر ہے۔ علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں لیکن اگر کسی غرض صحیح کی بنا پر کافر کو سلام کیا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے' اور اگر بغیر کسی نیت کے سلام کیا ہے تو پھر یہ فعل مکروہ ہے' محیط میں اسی طرح مذکور ہے اور علامہ بیری نے کہا ہے کہ

یہ مکروہ بھی نہیں ہے۔ (ردالمحتار مع الدر المختار ج ۹ ص ۵۰۶ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

ہماری تحقیق یہ ہے کہ کسی کافر یا فاسق کو دعا کے معنی میں ابتداءً سلام کیا جائے یعنی اللہ تم کو اسلام کی ہدایت دے یا اس کی تعظیم کی نیت نہ ہو اس کی پرورش کا حق ادا کرنے کی وجہ سے یا اس کے جوار کی وجہ سے یا اس کی مصاحبت کی وجہ سے اس کو سلام کرے' دیکھا گیا ہے کہ بعض لڑکے دیندار وضع اختیار کر لیتے ہیں اور ان کا باپ ڈاڑھی منڈواتا ہے تو وہ اپنے باپ کو فاسق معلن قرار دے کر اس کو سلام نہیں کرتے' یہ دین میں بہت تشدد اور افراط ہے کفار اور فساق کو ابتداءً سلام کرنے کی بہت وجوہ صحیحہ موجود ہیں' بس ان کے کفر کی وجہ سے ان کی تعظیم کرنا کفر اور ممنوع ہے' ان کی پرورش کا حق ادا کرنے کی وجہ سے ان کو سلام کرنا جائز ہے۔ سو اس اعتبار سے ان کو سلام کرے یا اس دعا کی نیت سے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی سلامتی میں لے آئے۔

کفار کے لیے مغفرت کی دعا

کفار کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ سے یہ کہا تھا کہ میں عنقریب تیرے لیے استغفار کروں گا یہ اس توقع کی بنا پر تھا کہ وہ اسلام لے آئے گا' اور جب وہ اسلام نہیں لایا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے اور پھر اس کے لیے دعا نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۚ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ (التوبہ: ۱۱۴)

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے دعا کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا' جب ان پر منکشف ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے' بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بردبار تھے۔

اس آیت کی پوری تفسیر اور تحقیق التوبہ: ۱۱۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (تبیان القرآن ج ۵ ص ۲۷۶-۲۷۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب ابراہیم ان سے الگ ہو گئے اور ان سے (بھی) جن کی وہ لوگ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے تو ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا○ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت عطا کی اور ہم نے (دنیا میں) ان کا ذکر جمیل بلند کیا○ (مریم: ۵۰-۴۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر جمیل کا جاری رہنا

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کو چھوڑتا ہے اس کو کوئی خسارہ نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی خاطر اپنے شہر اور اپنے عزیز واقارب کو چھوڑا تو ان کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ دین میں نہ دنیا میں بلکہ اس ہجرت سے ان کو نفع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی اولاد عطا فرمائی جن کو اللہ تعالیٰ نے مقام نبوت پر سرفراز فرمایا اور کسی بشر اور انسان کے لیے اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور فضیلت ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اس کو مقام نبوت عطا فرمائے اور مخلوق پر اس کی اطاعت کو لازم کر دے اور آخرت میں اس کو اجر عظیم عطا فرمائے یہ اس کے لیے دنیا اور آخرت کی عظیم نعمتیں ہیں۔

نیز فرمایا ہم نے دنیا میں ان کا ذکر جمیل بلند کیا' اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرما لیا ہے' وہ دعا یہ ہے:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ (الشعراء: ۸۴)

اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر جمیل جاری رکھ۔

سو تمام قوموں نے حضرت ابراہیم کو اپنا مقتداء اور پیشوا مان لیا اور وہ ان کی طرف منسوب ہونے میں فخر کرتے تھے اللہ

تعالیٰ نے ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں۔ حج سارا کا سارا' حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کی پیروی ہے' ہم آج تک ہر نماز میں حضرت ابراہیم پر بھیجی جانے والی صلاۃ کا ذکر کرتے ہیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

اور آپ اس کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجیے جو برگزیدہ تھے اور رسول نبی تھے ○

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ

ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور ہم نے انہیں قریب کرکے رازدار بنایا ○ اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کو

رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ

ان کے بھائی ہارون نبی عطا فرمائے ○ اور آپ اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجیے، وہ

كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ

سچے وعدہ والے اور رسول نبی تھے ○ اور وہ اپنے گھر والوں کو

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي

نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے ○ اور آپ اس کتاب میں

الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا

ادریس کا ذکر کیجیے بے شک وہ بہت سچے نبی تھے ○ اور ہم نے ان کو بلند جگہ پر

عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ

اٹھالیا ○ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے نبیوں میں سے انعام کیا جو آدم کی اولاد

ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ

سے ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا اور جو ابراہیم

اِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ

یعقوب کی اولاد سے ہیں اور جو ان میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور چن لیا، جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت

الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ۩ ﴿٥٨﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ السجدۃ

کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں ۝ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آئے

اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ لا

جنہوں نے نمازیں ضائع کیں اور خواہشات کی پیروی کی تو عنقریب وہ غی (ہلاکت) میں جا گریں گے ۝

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

سوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو وہی لوگ جنت میں

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿٦٠﴾ لا جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ

داخل ہوں گے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ۝ ہمیشگی کی جنتیں ہیں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں کے ساتھ

عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا

غیب سے وعدہ کیا ہے، بے شک اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہے ۝ وہ جنت میں سلام کے سوا

لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ

کوئی لغو بات نہیں سنیں گے، ان کے لیے اس میں صبح و شام ان کا رزق ہوگا ۝ یہ ایسی

الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ وَمَا

جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہوگا ۝ اور ہم (فرشتے)

نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا

صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، ہمارے آگے اور ہمارے پیچھے اور جو اس کے درمیان ہے وہ سب

بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ ۚ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اسی کی ملکیت ہے، اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے ۝ آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ

وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ ع ٤ ١٥

ان کے درمیان ہے ان سب کا وہی رب ہے سو اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو، کیا تم اس کے کسی ہم نام کو جانتے ہو؟ ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجئے جو برگزیدہ تھے اور رسول نبی تھے O ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور ہم نے انہیں قریب کر کے رازدار بنایا O اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کو ان کے بھائی ہارون نبی عطا فرمائے O (مریم: ۵۳-۵۱)

نبی اور رسول کے لغوی اور اصطلاحی معنی

آیت: ۵۱ میں مخلص کا لفظ ہے اور اس کی دو قرائتیں ہیں لام کی زبر کے ساتھ اور لام کی زیر کے ساتھ۔ اگر لام کی زبر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے برگزیدہ اور چنا ہوا اور اگر لام کی زیر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے جو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو یعنی اس میں ریا اور دکھاوا نہ ہو۔ اور جب قرآن مجید میں ایسا لفظ ہو جس کی دو قرائتیں ہوں تو دونوں کا معنی قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام برگزیدہ نبی بھی تھے اور صاحب اخلاص بھی تھے۔ نیز اس آیت میں فرمایا ہے وہ رسول نبی تھے رسالت کا لغوی معنی ہے پیغام بھیجنا اور رسول کا معنی ہے بھیجا ہوا اور نبأ کا لغوی معنی ہے خبر دینا اور نبی کا لغوی معنی ہے اللہ کی طرف سے خبر دینے والا۔ (مختار الصحاح) نیز لکھا ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بنا پر غیب کی باتیں بتانے والا پیشین گوئی کرنے والا خدا تعالیٰ کے متعلق خبریں دینے والا (المنجد مترجم ص ۹۸۷) اور نبی اور رسول دونوں کا اصطلاحی معنی ہے وہ انسان اور بشر جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کی طرف بھیجا ہو اور ان دونوں میں یہ فرق بھی کیا جاتا ہے کہ نبی وہ انسان ہے جس پر وحی نازل کی گئی ہو عام ازیں کہ اس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو یا نہیں اور رسول وہ انسان ہے جس پر وحی بھی نازل کی گئی ہو اور اس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو اس لیے حدیث میں ہے کہ تین سو تیرہ رسول ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۷) مسند احمد کی روایت میں ہے تین سو پندرہ رسول ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۶)

حضرت موسیٰ کا مقرب ہونا

آیت: ۵۲ میں ہے ہم نے انہیں قریب کر کے راز دار بنایا اس سے قرب مکانی بھی مراد ہو سکتا ہے اور قرب شرف اور قرب مرتبہ بھی قرب مکانی پر یہ دلیل ہے کہ ابو العالیہ نے کہا کہ جب تورات لکھی جا رہی تھی تو حضرت موسیٰ اس پر قلم چلنے کی آواز سنتے تھے اور قرب شرف اور قرب مرتبہ پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے متعارف اور متبادر قرب مرتبہ ہوتا ہے اسی اعتبار سے ملائکہ کو مقربین کہا جاتا ہے۔

آیت: ۵۳ میں حضرت موسیٰ کے بھائی ہارون کا ذکر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو نبوت عطا کیے جانے کے متعلق دعا کی تھی سو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے وہ سچے وعدہ والے اور رسول نبی تھے O اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے O (مریم: ۵۵-۵۴)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی صفات

ان آیتوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کئی صفات ذکر کی گئی ہیں جن کا بیان حسب ذیل ہے:

(۱) حضرت اسماعیل علیہ السلام صادق الوعد تھے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں وہ نہایت صادق تھے۔

(۲) وہ لوگوں سے جس بات کا وعدہ کرتے تھے اس کو پورا کرتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا وہ وہاں پر نہیں آیا تو آپ نے ایک سال تک اس کا انتظار کیا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۴۹)

عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے کوئی چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فروخت کی اور آپ کا کچھ بقایا میرے پاس رہ گیا میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں آپ کے پاس اسی جگہ آؤں گا' پھر میں بھول گیا اور مجھے تین دن بعد یاد آیا' میں آیا تو آپ اسی جگہ میرا انتظار فرما رہے تھے' آپ نے فرمایا: اے شخص تم نے مجھے بہت مشکل میں ڈالا میں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۹۶)

(۳) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ رسول نبی ہیں' رسول نبی کی تفسیر ہم کر چکے ہیں۔ حضرت اسماعیل قوم جرہم کی طرف رسول تھے۔

(۴) چوتھی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ اہل سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جن کو تبلیغ کرنا ان پر واجب تھا تو اس میں ان کی امت بھی داخل ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب نماز اور زکوٰۃ سے فرض نماز فرض زکوٰۃ کا ارادہ کیا جائے' اور ایک قول یہ ہے کہ اہل سے مراد ان کے اہل خانہ ہیں اور وہ ان کو نفلی نمازوں اور نفلی صدقات ادا کرنے کا حکم دیتے تھے' اور گھر والوں کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا کہ انسان پر لازم ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے گھر والوں کی اصلاح کرے پھر اس کے بعد پورے ملک اور قوم کی اصلاح کرے۔ جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء: ۲۱۴) — اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔

وَاْمُرْ اَهْلَکَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا (طٰہٰ: ۱۳۲) — اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر جمے رہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا (التحریم: ۶) — اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

(۵) اور پانچویں صفت یہ بیان فرمائی: کہ اللہ ان سے راضی ہے اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ کی صفت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی سے راضی ہوتا ہے جو تمام عبادات میں اعلیٰ درجہ پر پہنچ چکا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے' بے شک وہ بہت سچے نبی تھے○ اور ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھالیا○ (مریم: ۵۸-۵۷)

حضرت ادریس علیہ السلام کی سوانح

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام اخنوخ ہے' حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں یہ پہلے شخص ہیں جن کو حضرت آدم اور شیث علیہما السلام کے بعد نبوت ملی۔ امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم سے خط کھینچا' انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی حیات سے تین سو اٹھارہ سال پائے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ادریس' سفید رنگ کے طویل القامت تھے اس کا سینہ چوڑا تھا اور جسم پر بال کم تھے اور سر پر بڑے بڑے بال تھے' جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر اہل زمین کا ظلم اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرکشی دیکھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چھٹے آسمان کی طرف اٹھالیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے و رفعناہ مکانا علیا ○ (مریم: ۵۷) (المستدرک ج ۲ ص ۵۴۹' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ادریس' حضرت نوح سے پہلے نبی بنائے گئے تھے' المستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ تھا' ان کا نام اخنوخ بن یرد بن مھلائیل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم علیہم السلام ہے۔ وھب بن منبہ سے روایت ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں اور مشہور یہ ہے کہ یہ ان کے باپ کے دادا ہیں کیونکہ حضرت نوح لمک بن متوشلخ بن اخنوخ کے بیٹے ہیں۔ حضرت ادریس وہ پہلے شخص ہیں جس نے ستاروں اور حساب میں غور وفکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کے معجزات میں رکھا' جیسا کہ البحر المحیط میں مذکور ہے اور وہ پہلے نبی ہیں جنہوں نے قلم کے ساتھ خط کھینچا۔ کپڑے سیئے اور سلے ہوئے کپڑے پہنے اور وہ درزی تھے' اور آپ سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالوں سے جسم پوشی کرتے تھے اور حضرت آدم کے بعد ان کو سب سے پہلے نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل کیے تھے اور وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ناپنے اور تولنے کے آلات اور ہتھیار بنائے اور بنو قابیل سے قتال کیا' حضرت ابن مسعود سے ایک روایت ہے کہ وہ حضرت الیاس ہیں اور اعتماد پہلے قول پر ہے' اور ادریس کا لفظ سریانی ہے اور یہ درس سے مشتق نہیں ہے کیونکہ غیر عربی کو عربی سے مشتق کرنے کا کسی نے قول نہیں کیا اور اگر یہ عربی سے مشتق ہوتا تو پھر غیر منصرف نہ ہوتا حالانکہ یہ غیر منصرف ہے' البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ سریانی زبان میں اس کا معنی عربی کے قریب ہو اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کا نام ادریس اس لیے ہے کہ یہ درس تدریس بہت کرتے تھے۔ (روح المعانی جز ۱۶ ص ۱۵۴-۱۵۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمل کے خط کھینچنے کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا: ایک نبی خط کھینچتے تھے پس جس کا خط ان کے خط کے موافق ہو جائے سو وہ درست ہے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۸۲۳' دار الفکر' ۲۴۱۶۴' عالم الکتب' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۹۳۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۸' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۵۰۲)

رمل (زائچہ بنانے) کی تعریف اور اس کا شرعی حکم

رمل ایک علم ہے جس میں ہندسوں اور خطوط وغیرہ کے ذریعہ غیب کی بات دریافت کرتے ہیں۔ نجوم' جوتش (فیروز اللغات ص ۷۱۸) زائچہ بنانے کو بھی رمل کہتے ہیں: زائچہ اس کاغذ کو کہتے ہیں جس کو نجومی بچے کی پیدائش کے وقت تیار کرتے ہیں' اس میں ولادت کی تاریخ' وقت' ماہ و سال وغیرہ درج ہوتا ہے اور وقت پیدائش کے مطابق اس کی ساری عمر کے نیک و بد کا حال بتلایا جاتا ہے' کنڈلی' جنم پتر' رمل کی شکلیں جو رمال قرعہ ڈال کر بناتے ہیں' لگن کنڈلی کھینچنا' جنم پتری بنانا۔ (قائد اللغات ص ۵۵۱)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

یہ وہ خطوط ہیں جن کو نجومی کھینچتے تھے اور اب لوگوں نے ان کو ترک کر دیا ہے' نجومی نرم زمین پر جلدی جلدی خطوط کھینچتا تاکہ ان کو گنا نہ جاسکے پھر واپس آ کر دو دو خط مٹاتا اگر دو خط باقی رہ جاتے تو یہ کامیابی کی علامت تھی اور اگر ایک خط باقی رہ جاتا تو یہ ناکامی کی علامت تھی۔ مکی نے اس کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ وہ نبی اپنی انگشت شہادت اور انگشت وسطی سے ریت پر خط

کھینچتے تھے اب ان کی نبوت منقطع ہو چکی ہے اس لیے اب یہ جائز نہیں ہے حضرت ابن عباس کے ظاہر قول کا معنی بھی یہ ہے کہ ہماری شریعت میں یہ منسوخ ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۴۶۴ مطبوعہ دار الوفاء بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ ھ لکھتے ہیں:

ابن الاعرابی نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ ایک شخص نجومی کے پاس جاتا اس کے سامنے ایک لڑکا ہوتا وہ اس کو کہتا کہ ریت میں بہت سے خطوط کھینچو، پھر کچھ کلمات پڑھ کر اس سے کہتا کہ ان خطوط میں سے دو دو خط مٹاؤ، پھر دیکھتا اگر آخر میں دو خط بچ گئے تو وہ کامیابی کی علامت ہوتی اور اگر آخر میں ایک خط بچتا تو وہ ناکامی کی علامت ہوتی۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے جس کا خط اس نبی کے خط کے موافق ہو گیا اس میں اس سے منع کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس نبی کی نبوت منقطع ہو چکی ہے اور ان کے خط کھینچنے کے طریقہ کو جاننے کا اب کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

(معالم السنن ج ۱ ص ۴۳۷ مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۴۳۷ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ نے لکھا ہے کہ آپ کا مقصود یہ ہے کہ رمل حرام ہے کیونکہ موافقت کے یقین کے بغیر یہ جائز نہیں ہے اور ہمارے پاس اس یقین کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۳ ص ۱۸۰۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری التوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نبی کا ذکر کیا ہے وہ حضرت ادریس یا دانیال علیہما السلام تھے۔

(المرقات ج ۳ ص ۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں جس خط کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے وہ مشہور و معروف علم ہے اور لوگوں کی اس میں بہت تصانیف ہیں اور اس علم پر اب بھی عمل کیا جاتا ہے۔ ان کی اس میں بہت سی اصطلاحات اور بہت سے نام ہیں اس علم سے وہ دل کے حالات وغیرہ معلوم کر لیتے ہیں اور بعض اوقات وہ صحیح بات معلوم کر لیتے ہیں۔

(النہایہ ج ۲ ص ۴۶-۴۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

زائچہ اور رمل کی تعریف اور احکام بیان کرنے کے بعد ہم پھر حضرت ادریس علیہ السلام کی سوانح کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حضرت ادریس کا چوتھے یا چھٹے آسمان پر فوت ہونا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھا لیا (مریم: ۵۷) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم چوتھے آسمان کے پاس سے گزرے تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ھلال بن یساف بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے میرے سامنے کعب سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت ادریس کے متعلق فرمایا ہے و رفعنٰہ مکانا علیا ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھا لیا اس کا کیا مطلب ہے؟ کعب نے کہا حضرت ادریس کی طرف اللہ نے یہ وحی کی کہ میں ہر روز تمہارے اتنے عمل بلند کروں گا جتنے تمام بنو آدم کے اعمال ہیں تو تم زیادہ عمل کرنے سے محبت رکھو، پھر فرشتوں میں سے حضرت ادریس کے ایک دوست ان کے پاس آئے تو حضرت ادریس

نے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اس طرح وحی کی ہے تو تم ملک الموت سے کہو کہ وہ میری روح قبض کرنے کو مؤخر کر دے تاکہ میں اور زیادہ عمل کروں' وہ فرشتہ حضرت ادریس کو اپنے پروں پر بٹھا کر آسمان پر چڑھ گیا' جب وہ چوتھے آسمان پر پہنچا تو ملک الموت نیچے اتر رہے تھے تو اس فرشتہ نے ملک الموت سے وہ بات کہی جو حضرت ادریس نے اس سے کہی تھی ملک الموت نے کہا ادریس کہاں ہیں؟ اس فرشتہ نے کہا وہ میری پیٹھ پر ہیں۔ ملک الموت نے کہا حیرت کی بات ہے مجھے ادریس کی روح قبض کرنے کے لیے چوتھے آسمان پر بھیجا گیا ہے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں ان کی روح چوتھے آسمان پر کیسے قبض کروں گا وہ تو زمین پر ہیں' پھر انہوں نے چوتھے آسمان پر حضرت ادریس کی روح قبض کر لی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۹۱۷' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث اسرائیلیات سے ہے اور اس کی بعض عبارت میں نکارت ہے (یعنی ناقابل یقین باتیں ہیں) مجاہد سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو انہوں نے کہا حضرت ادریس کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اور ان کو موت نہیں آئی جیسے حضرت عیسیٰ کو اٹھا لیا گیا۔ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ان کو ابھی تک موت نہیں آئی تو یہ محل نظر ہے اور اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا اور پھر وہاں ان کی روح قبض کر لی گئی تو پھر یہ کعب کی روایت کے منافی نہیں ہے۔

عوفی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ادریس کو چھٹے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا اور وہیں ان کی روح قبض کر لی گئی اور جو حدیث متفق علیہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ چوتھے آسمان میں ہیں' حسن بصری نے کہا وہ جنت میں ہیں۔

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ الیاس ہی ادریس ہیں اور معراج کی حدیث میں بیان کیا ہے کہ جب آپ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہو اور جس طرح حضرت آدم اور حضرت ابراہیم نے کہا تھا نیک بیٹے کو مرحبا ہو اس طرح نہیں کہا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ادریس آپ کے اجداد میں سے نہیں ہیں' لیکن یہ کوئی قطعی دلیل نہیں ہے ہو سکتا ہے انہوں نے تواضعاً آپ کو بھائی کہا ہو اور بیٹا نہ کہا ہو۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۶۰۔ ۱۵۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابن جریر نے مجاہد اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ادریس چوتھے آسمان میں ہیں۔ حضرت انس اور قتادہ سے بھی یہی روایت ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی اسی طرح ہے۔

(جامع البیان جز ۱۶ ص ۱۲۲۔ ۱۲۱ مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام کا جنت میں زندہ ہونا

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: جیسے اور بنو آدم کے اعمال اوپر چڑھائے جاتے ہیں اسی طرح حضرت ادریس کے اعمال بھی اوپر چڑھائے جاتے تھے۔ ملک الموت کو ان سے محبت ہو گئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کی دوستی کی اجازت لی اور آدمی کی صورت میں زمین پر آ گئے اور ان کے ساتھ رہنے لگے' جب حضرت ادریس کو معلوم ہو گیا کہ یہ عزرائیل ہیں تو ایک دن ان سے کہا مجھے آپ سے ایک کام ہے' پوچھا کیا کام ہے' کہا مجھے موت کا ذائقہ چکھائیں' میں چاہتا ہوں کہ مجھے اس کی شدت کا پتا چلے تاکہ میں اس کی تیاری کروں' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ ان کی روح ایک ساعت کے لیے قبض کر لو' پھر چھوڑ دینا۔ ملک الموت نے اسی طرح کیا' پھر ملک الموت نے پوچھا آپ نے موت کو کیسا پایا

توانہوں نے کہا میں نے موت کے متعلق جتنا سنا تھا اس سے زیادہ سخت پایا۔ پھر ان سے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے دوزخ دکھائیں' ملک الموت ان کو لے کر گئے اور ان کو دوزخ دکھا دی' پھر کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے جنت دکھائیں' انہوں نے جنت دکھا دی' حضرت ادریس جنت میں داخل ہو کر گھومنے لگے' پھر ملک الموت نے کہا اب آپ باہر نکلیں' حضرت ادریس نے کہا اللہ کی قسم! میں باہر نہیں نکلوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے باہر نکلنے کا حکم دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ بھیجا اس نے ملک الموت سے پوچھا آپ کیا کہتے ہیں تو انہوں نے پورا قصہ بیان کیا۔ پھر حضرت ادریس سے کہا آپ کیا کہتے ہیں تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کل نفس ذائقة الموت (آل عمران: ۱۸۵) ''ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے'' اور میں نے موت کو چکھ لیا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: و ان منكم الا وار دها (مریم: ۷۱) ''تم میں سے ہر شخص جہنم پر وارد ہوگا'' اور میں دوزخ پر وارد ہو چکا ہوں' اور اللہ تعالیٰ نے اہل جنت سے فرمایا ہے: و ما هم منها بمخرجين (الحجر: ۴۸) ''وہ جنت سے نکالے نہیں جائیں گے'' پس اللہ کی قسم میں جنت سے باہر نہیں نکلوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت سے باہر نکلنے کا حکم دے۔ پھر اوپر سے ایک ہاتف کی آواز آئی یہ میرے اذن سے داخل ہوا ہے اور اس نے جو کچھ کیا ہے وہ میرے حکم سے کیا ہے اس کا راستہ چھوڑ دو۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں اگر یہ اعتراض ہو کہ حضرت ادریس کو ان آیات کا کیسے علم ہوا یہ تو ہماری کتاب میں ہیں' تو ابن الانباری نے بعض علماء سے اس کا یہ جواب ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس کو ان باتوں کا علم دے دیا تھا جو قرآن میں ہیں کہ ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور ہر شخص کا دوزخ سے گزر ہوگا اور اہل جنت کو جنت سے نکالا نہیں جائے گا۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۲۴۲ - ۲۴۱' معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۶۷' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۴۴- ۴۳' الدر المنثور ج ۵ ص ۵۲۱- ۵۱۹' روح المعانی جز ۱۱ ص ۱۵۶- ۱۵۵' تفسیر ابو السعود ج ۴ ص ۲۴۶)

حضرت ادریس کو اوپر اٹھانے اور ان کی زندگی میں علماء اور مفسرین کا اختلاف

قرآن مجید میں ہے و رفعناه مكانا عليا (مریم: ۵۷) ''ہم نے ادریس کو بلند جگہ پر اٹھالیا'' بعض علماء نے کہا اس سے کسی جگہ پر اٹھانا مراد نہیں ہے حتیٰ کہ حضرت ادریس کا آسمان پر ہونا لازم آئے بلکہ اس سے مراتب کی بلندی مراد ہے یعنی ان کے درجات کو بلند کیا۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی نے یہی معنی کیا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں ہے ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھالیا اور یہ درجات کی بلندی کے منافی ہے۔

کعب کی روایت میں ہے کہ حضرت ادریس کی روح چھٹے آسمان پر قبض کر لی گئی۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے' مجاہد اور حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ وہ چوتھے آسمان پر ہیں اور زید بن اسلم نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضرت ادریس جنت میں زندہ ہیں۔

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ادریس آسمان پر زندہ ہیں یا فوت شدہ ہیں' بعض نے کہا وہ فوت شدہ ہیں اور بعض نے کہا وہ زندہ ہیں۔ انہوں نے کہا چار نبی زندہ ہیں دو زمین پر ہیں خضر اور الیاس اور دو آسمان میں ہیں ادریس اور عیسیٰ علیہم السلام۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۶۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ اور علامہ ابو الحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ نے لکھا ہے کہ ایک فرشتہ ان کا دوست تھا وہ ان کو چوتھے

آسمان پر لے گیا وہاں ان کی روح قبض کر لی گئی۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۵۰ البحر المحیط ج ۷ ص ۲۷۶)

قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ مکانا علیا سے مراد ہے ان کو شرف نبوت اور مقام قرب عطا کیا گیا' ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت میں ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ چھٹے آسمان میں ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ چوتھے آسمان میں ہیں۔

(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۲۸۶-۲۸۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ادریس کے متعلق قول فیصل

ہمارے نزدیک یہ بات تو حتمی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو بلند جگہ پر اٹھانے سے ان کے درجات کی بلندی مراد نہیں ہے۔ انہیں زمین سے اوپر اٹھا کر لے جایا گیا تھا اور صحیح بات یہی ہے کہ وہ اب زندہ نہیں ہیں' رہا یہ کہ ان کو موت کس جگہ آئی زمین پر یا آسمان پر' اور یہ کہ وہ اب جنت میں ہیں یا نہیں' سو اس بارے میں مختلف روایات ہیں اور اس سلسلہ میں ہمارے لیے فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے نبیوں میں سے انعام کیا جو آدم کی اولاد سے ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا اور جو ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے ہیں اور جو ان میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور چن لیا' جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں○ (مریم: ۵۸)

سجدہ تلاوت کرنے کے آداب

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا تھا ان سب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جمع فرمایا اور ان سب کی تعریف اور تحسین فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو آدم کی اولاد سے ہیں اس سے مراد حضرت ادریس اور حضرت نوح ہیں' پھر فرمایا اور ان لوگوں (کی نسل) سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا اس سے مراد حضرت ابراہیم ہیں کیونکہ وہ سام بن نوح کی اولاد سے ہیں' پھر فرمایا جو ابراہیم کی اولاد سے ہیں اس سے مراد حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب ہیں' پھر فرمایا جو حضرت اسرائیل (یعقوب) کی اولاد سے ہیں اس سے مراد حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔

پس حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کے قریب ہونے کا شرف ہے' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کے قریب ہونے کی فضیلت ہے' اور حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قرب کی خصوصیت ہے۔

اس کے بعد ان انبیاء علیہم السلام کا خضوع اور خشوع اور خوف خدا بیان فرمایا کہ جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ خوف خدا سے روتے ہیں اور سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ رحمٰن کی آیتوں سے مراد ان نبیوں کے صحائف کی آیتیں ہیں یا اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدت اور قدرت کی نشانیاں ہیں' الکیا نے کہا اس سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر قرآن مجید کی آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں۔

یہ آیت سجدہ ہے اور جو شخص آیت سجدہ پر سجدہ کرے اس پر لازم ہے کہ اس آیت کے مناسب جو آیات ہوں ان کے ساتھ دعا کرے' مثلاً جو شخص الم السجدة کی آیت سجدہ پر سجدہ کرے وہ یہ دعا کرے اے اللہ! مجھے اپنی رضا کے لیے سجدہ ریز

ہونے والوں میں سے بنادے اور اپنی حمد کرنے والوں میں سے بنادے اور میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں تیرا حکم سن کر تکبر کروں' اور جب اس سورت کی آیت سجدہ کو پڑھے تو یہ دعا کرے اے اللہ! مجھے اپنے ان بندوں میں سے بنادے جن پر تو نے انعام کیا ہے جو تیری آیات کی تلاوت کرتے وقت روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں ضائع کیں اور خواہشات کی پیروی کی تو عنقریب وہ غیّ (ہلاکت) میں جا گریں گے O (مریم: ۵۹)

تعدیل ارکان میں کمی کی وجہ سے نمازوں کو ضائع کرنا

نیک اولاد کو خلف (لام کی زبر) کہتے ہیں اور بری اولاد کو خلف (لام کی جزم) کہتے ہیں۔

(المحکم والمحیط الاعظم ج ۵ ص ۱۹۷' قاموس ج ۳ ص ۱۹۹)

نمازوں کو ضائع کرنے کا ایک معنی یہ ہے کہ نماز کے حقوق اور اس کے واجبات کی رعایت نہ کی جائے' مثلاً انسان نماز میں تعدیل ارکان نہ کرے جیسا کہ اس حدیث میں اس کی تصریح ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے آپ کے بعد ایک اور شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے نماز پڑھی' پھر اس نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا واپس جاؤ اور پھر نماز پڑھو' کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس گیا اور پہلے کی طرح نماز پڑھی' پھر آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے پھر فرمایا واپس جاؤ اور (دوبارہ) نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی' تین بار اس طرح ہوا' پھر اس نے کہا اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس سے زیادہ اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا' آپ مجھے تعلیم دیجئے' آپ نے فرمایا: جب تم نماز پڑھنے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو' پھر تم جتنا قرآن آسانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہو اتنا قرآن پڑھو' پھر رکوع کرو حتیٰ کہ اطمینان سے رکوع کرو' پھر رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہو حتیٰ کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ' پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرو' پھر سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھو حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور اپنی تمام نمازیں اس طرح پڑھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۷' صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۹۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۵۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۸۴)

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا ایک شخص نماز میں رکوع اور سجدہ کامل طریقہ سے نہیں کر رہا تھا' جب وہ نماز پڑھ چکا تو انہوں نے اس شخص سے کہا تم نے نماز نہیں پڑھی اور اگر تم مر گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کرتے ہوئے مرو گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۹' ۷۹۱' ۸۰۸)

زید بن وھب بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے ایک شخص کو دیکھا وہ ارکان نماز میں کمی کرتے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا' حضرت حذیفہ نے اس سے پوچھا تم کتنے عرصہ سے اس طرح نماز پڑھ رہے ہو اس نے کہا چالیس سال سے' حضرت حذیفہ نے کہا تم نے چالیس سال سے نماز نہیں پڑھی اور اگر تم اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے مر گئے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف پر عمل کرتے ہوئے مرو گے' پھر فرمایا ایک آدمی نماز تخفیف سے پڑھتا ہے' لیکن رکوع و سجود مکمل کرتا ہے اور اچھی طرح نماز پڑھتا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ لمبی نمازیں پڑھنا مقصود نہیں ہے بلکہ تعدیل ارکان کے ساتھ نماز پڑھنا مقصود ہے۔)

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۱۱)

مستحب وقت کے بعد نماز پڑھ کر نمازوں کو ضائع کرنا

نماز کو بہت تاخیر سے پڑھنا یہ بھی نماز کو ضائع کرنا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ منافق کی نماز ہے وہ بیٹھ کر سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو وہ کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور اس میں وہ اللہ کا بہت کم ذکر کرتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۱۳' سنن الترمذی رقم الحدیث ۱۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث ۵۱۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے حاکم ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھیں گے یا نماز کو اس کا وقت ضائع کر کے پڑھیں گے۔ میں نے عرض کیا پھر آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھ لو' پھر اگر تم ان کے ساتھ نماز کو پاؤ تو پڑھ لو وہ تمہاری نفلی نماز ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۴۸' سنن الترمذی رقم الحدیث ۱۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۲۵۶)

علامہ ابوسلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر وہ لوگ جو جلدی جلدی چند ٹھونگیں مار کر نماز پڑھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سستی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں ان کو نماز پڑھنے میں کوئی ذوق آتا ہے نہ خوشی ہوتی ہے' یہ لوگ جب کسی دنیادار رئیس یا کسی مقتدر شخصیت کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو یہ خواہ کتنی دیر کھڑے رہیں ان کو تھکاوٹ اور اکتاہٹ نہیں ہوتی' لیکن اگر انہیں باجماعت نماز میں امام کے پیچھے کچھ دیر کھڑا ہونا پڑے تو ان کو سخت تھکاوٹ' اکتاہٹ اور بدمزگی ہوتی ہے اور یہ امام کو بہت برا کہتے ہیں۔

(معالم السنن ج ۱ ص ۲۱۶ مع مختصر سنن ابوداؤد' مطبوعہ دارالمعرفت بیروت)

نوافل سے فرائض میں کمی کی تلافی اور تدارک

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن بندہ کے اعمال سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے' اگر نماز صحیح ہے تو وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور اگر نماز فاسد ہے تو وہ ناکام اور نقصان زدہ ہو گیا۔ اگر اس کے فریضہ میں کوئی کمی ہو تو رب تبارک وتعالیٰ فرمائے گا دیکھو میرے بندہ کا کوئی نفل ہے' پھر فریضہ میں جو کمی ہوگی اس کو نفل سے پورا کیا جائے گا۔ پھر اس کے باقی اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۴' سنن الترمذی رقم الحدیث ۴۱۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۲۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۱۴۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۱۷' المستدرک ج ۱ ص ۲۶۲)

علامہ محمد بن عبداللہ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے فرائض کی تعداد میں جو کمی رہ گئی ہے وہ نوافل سے پوری کر دی جائے گی' اور یہ بھی احتمال ہے کہ فرائض کے خضوع اور خشوع میں جو کمی رہ گئی ہے وہ نوافل سے پوری کر دی جائے گی' اور میرے نزدیک پہلا احتمال راجح ہے۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۲ ص ۵۔ ۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

شیخ محمد عبدالرحمن مبارک پوری متوفی ١٣٥٣ھ لکھتے ہیں:

علامہ عراقی نے شرح ترمذی میں کہا ہے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ نماز کی سنن' اس کے آداب' خشوع' اذکار اور دعاؤں میں جو کمی رہ گئی ہے اس کو نوافل سے پورا کر دیا جائے اور اس کو فریضہ میں اس کا ثواب مل جائے۔ خواہ اس نے یہ امور فرض میں نہ کیے ہوں بلکہ نفل میں کیے ہوں' اور یہ بھی احتمال ہے کہ نماز کے فرائض اور اس کی شروط میں جو کمی رہ گئی ہو اس کو نوافل سے پورا کر دیا جائے' اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے جو فرض نمازیں بالکل نہ پڑھی ہوں اس کی تلافی نفل نمازوں سے ہو جائے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرض نمازوں کے عوض نوافل صحیحہ کو قبول فرمالے گا۔

(تحفۃ الاحوذی ج ٢ ص ٧٧،٤ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٩ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ١٠١٤ھ لکھتے ہیں:

اس کے فرائض کی مقدار اور اس کی تعداد میں جو کمی ہوگئی اس کو نوافل سے پورا کر لیا جائے گا' اور جس حدیث میں یہ ہے کہ بندہ کے نوافل اس وقت تک قبول نہیں ہوتے جب تک فرائض ادا نہ کر لیے جائیں وہ حدیث ضعیف ہے۔

(المرقات ج ٣ ص ٢١٨' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ١٣٩٠ھ)

فرض نہ پڑھنے سے نفل نامقبول ہونے کی حدیث ضعیف ہے

ملا علی قاری نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے' اس کو حافظ ابونعیم متوفی ٤٣٠ھ نے روایت کیا ہے۔ حلیۃ الاولیاء ج ١ ص ٣٦' مطبوعہ دار الکتاب العربی ١٤٠٧ھ' حلیۃ الاولیاء ج ١ رقم الحدیث: ٨٣' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت' ١٤١٨ھ' جامع الاحادیث الکبیر ج ١٣ ص ٥٣' جمع الجوامع ج ١١ ص ٤٣' مسند ابوبکر رقم: ١٨٩' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢٠ھ۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے فطر بن خلیفہ' یہ ١٥٣ھ یا ١٥٥ھ میں فوت ہو گیا تھا ہر چند کہ بعض لوگوں نے اس کی تعدیل کی ہے لیکن اکثر ائمہ حدیث نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے' امام دارقطنی نے کہا اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا' امام ابن سعد نے کہا لوگ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ابوبکر بن عیاش نے کہا میں نے اس کے بدمذہب ہونے کی وجہ سے اس سے حدیث کی روایت ترک کر دی۔ احمد بن یونس نے کہا میں اس کے پاس سے گزرتا تو اس کو کتے کی مثل ترک کر دیتا' ابن معین نے کہا یہ ثقہ شیعی ہے' عبداللہ بن احمد نے کہا یہ متشیع ہے' جوزجانی نے کہا یہ گمراہ غیر ثقہ ہے۔

(میزان الاعتدال ج ٥ ص ٤٤١' رقم: ٦٧٨٤' تہذیب الکمال ج ١٥ ص ١٢٣' طبع جدید ج ٢ ص ١١٠٥ طبع قدیم' تہذیب التہذیب ج ٨ ص ٢٦٢' رقم: ٥٦٥٧' طبع جدید' ج ٨ ص ٣٠١ طبع قدیم' التاریخ الکبیر ج ٧ ص ١٣٩ رقم: ٦٢٥)

نوافل سے تدارک نہ ہونے کا رد قرآن' حدیث اور تصریحات علماء سے

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے فرائض پورے نہ ہوں تو اس کے نوافل باطل نہیں ہوتے' اور جس اثر میں یہ مذکور ہے کہ بندہ کے نوافل قبول نہیں ہوتے حتیٰ کہ فرائض ادا کر لیے جائیں اس کی سند ضعیف ہے' اور درایت کا بھی یہی تقاضا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ (الزلزال: ٨-٧)

پس جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اس کی جزا پائے گا○ اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی برائی کی ہوگی وہ اس کی سزا پائے گا○

سو اس آیت کے موافق جس شخص کے جس قدر فرائض رہ گئے ہیں وہ ان کی سزا کا مستحق ہوگا اور جس شخص نے جتنے نوافل ادا کیے ہیں وہ ان کی جزا کا مستحق ہوگا' اللہ تعالیٰ کسی کی ایک ذرہ کے برابر نیکی کو بھی ضائع نہیں فرماتا وہ فرائض میں کمی کی وجہ سے کسی شخص کے ساری عمر کے پڑھے ہوئے نوافل کو کب ضائع فرمائے گا۔ علاوہ ازیں سنن اربعہ کی اس صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جس شخص کے فرائض میں کمی ہو اس کے نوافل سے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے' خواہ فرائض میں کمی خضوع اور خشوع کے اعتبار سے ہو یا اس نے کچھ فرائض بالکل پڑھے ہی نہ ہوں۔ اور علامہ ابن العربی' علامہ عراقی اور ملا علی قاری کا یہی نظریہ ہے کہ اگر اس کے فرائض کی تعداد اور مقدار میں کمی ہو تو وہ کمی نوافل کے پڑھنے سے پوری ہو جاتی ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جب فرائض میں کمی ہونے کے باوجود اس کے نوافل مقبول ہوں۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ ھ نے اس بحث میں تفصیل سے لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو نوافل بہت اخلاص سے پڑھنے چاہئیں کیونکہ اگر کسی وجہ سے اس کے فرائض ضائع ہو گئے تو نوافل سے فرائض کی کمی پوری ہو جائے گی' لیکن اگر اس نے نوافل دکھاوے اور ریاکاری سے پڑھے ہیں تو پھر اس کی نجات کی کوئی صورت نہیں ہے' اور انہوں نے انہی احادیث سے استدلال کیا ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۹۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام حاکم نے الکنیٰ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر جو چیز سب سے پہلے فرض کی ہے وہ پانچ نمازیں ہیں' اور میری امت کے جو اعمال سب سے پہلے بلند کیے جائیں گے وہ پانچ نمازیں ہیں' اور سب سے پہلے میری امت سے جس چیز کا سوال کیا جائے گا وہ پانچ نمازیں ہیں' پس جس نے ان میں سے کوئی نماز ضائع کر دی تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: دیکھو میرے بندے کی کوئی نفلی نماز ہے جس کے ساتھ تم اس کے فرض کی کمی کو پورا کر دو اور میرے بندے کے رمضان کے روزے دیکھو اگر اس نے ان میں سے کوئی روزہ ضائع کر دیا تو دیکھو میرے بندہ کا کوئی نفلی روزہ ہے جس سے تم اس کے روزے کی کمی کو پورا کر دو' اور میرے بندہ کی زکوٰۃ کو دیکھو اگر اس میں سے کوئی زکوٰۃ ضائع ہو گئی ہے تو دیکھو میرے بندہ کا کوئی نفلی صدقہ ہے جس کے ساتھ تم زکوٰۃ کی کمی کو پورا کر دو' سو اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عدل سے اس کے فرائض قبول ہوں گے اگر اس کے زائد عمل مل گئے تو ان کو میزان میں رکھ دیا جائے گا اور اس بندہ سے کہا جائے گا تم خوشی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ' اور اگر اس کا کوئی زائد عمل نہیں ملے گا تو دوزخ کے فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کو باندھ کر دوزخ میں پھینک دو۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۸ ص ۳۲۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

آیا نوافل سے فرائض کی مقدار میں کمی کا تدارک ہوتا ہے یا اس کی کیفیت میں کمی کا

فرائض میں کمی ہو تو اس کا تدارک نوافل سے ہو جاتا ہے' حدیث میں صرف اتنا ہے' لیکن اس سے کیا مراد ہے آیا فرائض کے خضوع اور خشوع اور اخلاص کی کیفیت میں کمی ہو تو اس کا تدارک نوافل سے ہوتا ہے یا فرائض کی تعداد اور مقدار میں کمی ہو تو اس کا تدارک نوافل سے ہو جاتا ہے' اس بحث میں سب سے عمدہ تقریر حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

نفل سے فرض کی تلافی اس صورت میں ہوگی کہ ایک شخص پر فرض میں سجدۂ سہو تھا اور اس نے اس کو ادا نہیں کیا' یا اس نے رکوع اچھی طرح نہیں کیا اور اس کو اس کا پتا نہیں چلا' لیکن جس شخص نے عمداً نماز کو ترک کیا' یا جو نماز پڑھنا بھول گیا پھر اس کو یاد آیا اس کے باوجود اس نے عمداً نماز نہیں پڑھی' اور وہ فرض ادا کرنے کے بجائے نوافل میں مشغول رہا حالانکہ اس کو یاد تھا کہ اس

کے ذمہ فرض پڑھنا ہے تو اب نوافل اس کے فرائض کا تدارک نہیں ہوں گے۔

(التمہید ج ١٠ ص ٢٣١، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٩ھ)

حافظ ابن عبدالبر نے یہ لکھا ہے کہ موخر الذکر صورت میں نوافل فرائض کا تدارک نہیں ہوں گے یہ نہیں لکھا کہ فرض نہ پڑھنے سے نفل قبول ہی نہیں ہوں گے۔ کیونکہ فرض نہ پڑھنے سے بندہ سزا کا مستحق ہو گا اور نفل پڑھنے سے بندہ اس کی جزا کا مستحق ہو گا صرف کفر اور ارتداد ایسا جرم ہے جس کی وجہ سے بندہ کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں یا نیک اعمال قبول نہیں ہوتے اس کے علاوہ اور کسی کام سے بندہ کے نیک اعمال ضائع نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اس نظریہ کا بطلان کہ فرض نہ پڑھنے سے نفل قبول نہیں ہوتے

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ (آل عمران: ١٩٥)

پس ان (صالحین) کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ○ (النساء: ٤٠)

بے شک اللہ ایک ذرہ برابر (بھی) ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو وہ اس کو دگنا کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔

مومن کا نفل نماز پڑھنا بہر حال ایک نیک کام ہے سو اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ اس کو دگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے اس پر اجر عظیم عطا فرمائے گا، اور یہ نہیں ہو سکتا کہ بغیر کفر اور ارتداد کے اس کے نوافل کو قبول نہ فرمائے یا ان کو ضائع فرما دے، اور سستی یا غفلت سے بعض فرائض کو ترک کر دینا کفر یا ارتداد نہیں ہے۔ ترک فرض کو کفر یا ارتداد قرار دینا خوارج کا مذہب ہے اہل سنت کا مذہب نہیں ہے۔

فرض اور نذرانے کی مثال کا جواب اور تحقیق مزید

بعض علماء نے لکھا ہے کہ پھر اس سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنا مال جھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور اس بادشاہ قہار کا وہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے، شیطان کا بڑا دھوکا ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے، نادان سمجھتا ہی نہیں، نیک کام کر رہا ہوں اور یہ نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے، اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔ اے عزیز! فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ و نذرانہ، قرض نہ دیجئے اور بالائی بے کار تحفے بھیجئے وہ قابل قبول ہوں گے! یوں یقین نہ آئے تو دنیا کے جھوٹے حاکموں کو ہی آزمائے۔

ہمارے نزدیک یہ عبارت وعظ اور نصیحت کے اعتبار سے تو درست ہے اور جو شخص سرے سے فرائض پڑھتا ہی نہ ہو اور نوافل پڑھنے پر کمربستہ ہو یا جیسے ان پڑھ عوام فرض نمازیں نہیں پڑھتے اور میلاد شریف اور گیارہویں شریف کی محافل کو قضا نہیں کرتے ان کو زجر و توبیخ کے لیے اس طرح کہنا صحیح ہو سکتا ہے لیکن تحقیق کے اعتبار سے یہ عبارت درست نہیں ہے کیونکہ فرض نہ پڑھنے کا بہر حال گناہ ہو گا اور نوافل پڑھنے اور میلاد شریف اور گیارہویں شریف کے صدقات کا ثواب ہو گا۔ قرآن مجید میں ہے فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ○ ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره (زلزال: ٨-٧) اور یہ کہنا کہ نفل بے فرض کے قبول کی امید مفقود اس آیت کریمہ کے مقابلہ میں درست نہیں ہے۔ اور قرض اور تحفہ کی مثال بھی درست نہیں ہے کیونکہ جو قرض

خواہ شریف النفس اور کریم ہو وہ مقروض کے نذرانہ کو اصل قرض سے منہا کر لے گا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون کریم ہے ا مثلاً ایک شخص نے کسی سے ایک ہزار روپے لینے ہیں مقروض اس کو سو روپے نذر کرتا ہے تو اگر قرض خواہ بد مزاج اور مغلوب الغضب ہو تو وہ سو روپے اس کے منہ پر مار دے گا اور کہے گا پہلے قرض ادا کرو تحفے بعد میں دینا' اور اگر قرض خواہ شریف اور کریم ہو تو اس کے سو روپے بھی قبول کر لے گا اور کہے گا میاں میں نے یہ سو روپے تمہارے قرض میں کاٹ لیے اب تمہارا قرض نو سو روپے ہے' اور اللہ تعالیٰ تو سب کریموں سے بڑھ کر کریم ہے اس لیے وہ فرائض کی تعداد میں کمی کی تلافی بندہ کے نوافل سے کر لیتا ہے' اور چونکہ وہ نیکی کو دگنا چوگنا کر دیتا ہے اس لیے کچھ عجب نہیں کہ کسی شخص کے ذمہ فرائض بہت زیادہ ہوں اور اس کے نوافل ان کے مقابلہ میں بہت کم ہوں تو وہ ان کم نوافل ہی کو دگنا چوگنا کر کے اس کے فرائض کا تدارک کر دے' آخر اسی نے تو فرمایا ہے:

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء: ٤٠) اور اگر کوئی نیکی ہو تو وہ اس کو دگنا کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔

سو اس کریموں کے کریم کا قیاس بد مزاج اور مغلوب الغضب لوگوں پر نہ کیجئے!

غی کا معنی

مریم: ٥٩ میں فرمایا ہے پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں ضائع کیں اور خواہشات کی پیروی کی تو عنقریب وہ غی (ہلاکت) میں جا گریں گے۔

نمازیں ضائع کرنے کی تفسیر ابھی ہم کر چکے ہیں' غی کا لغوی معنی ہے گم راہی اور ناکامی (مختار الصحاح ص ٢٨٧) اور یہاں اس سے مراد تین چیزیں ہیں (١) وہ عنقریب گم راہی کی سزا پائیں گے جیسے قرآن مجید میں ہے یلق اثاما (الفرقان ٦٨) یعنی وہ گناہوں کی سزا پائیں گے (٢) وہ جنت کے راستہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ (٣) جہنم کی ایک وادی ہے جس کا نام غی ہے وہ اس وادی میں جا گریں گے۔

لقمان بن عامر خزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو امامہ صدی بن عجلان باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور میں نے کہا آپ مجھے کوئی حدیث سنائیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو' انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دس اواق وزنی پتھر جہنم کے کنارے سے جہنم کی گہرائی میں پھینکا جائے تو وہ پچاس سال بعد غی اور اثام تک پہنچے گا۔ میں نے پوچھا غی اور اثام کیا چیزیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ جہنم کے نیچے دو کنویں ہیں جن میں دوزخیوں کی پیپ بہہ کر آتی ہے اور ان دونوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے (غی کا ذکر اس آیت میں ہے) اضاعوا الصلوة و اتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا' اور اثام کا ذکر اس آیت میں ہے: ومن يفعل ذالك يلق اثاما (الفرقان: ٦٨) جو زنا کریں گے ان کو اثام میں ڈال دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O (مریم: ٦٠)

گناہ کبیرہ کے مرتکب کی مغفرت

پہلے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی صفات بیان کیں تا کہ ہم ان کے طریقہ پر چلیں' اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کے بعد کے لوگوں کی صفات بیان کیں تو ان میں پہلے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے برعکس تھے اور ان کے بُرے انجام کو بیان کیا تا کہ ہم ان کے طریقہ سے بچیں' اور اب نیک لوگوں کا ذکر فرمایا جو توبہ کرتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں

اور نیک عمل کرتے ہیں سو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

اس آیت سے خوارج استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جنت میں صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جو مومن اور صالح ہوں' اس سے معلوم ہوا کہ جو مومن ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی بہت آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ کے مرتکب کی بھی مغفرت فرمادے گا مثلاً یہ آیت ہے:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ (الرعد:٦)

بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہمیشگی کی جنتیں ہیں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں کے ساتھ غیب سے وعدہ کیا ہے، بے شک اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہے O (مریم:٦١)

جنت اور جنتیوں کی صفات

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ نیک مسلمان جنت میں داخل ہوں گے اور اس آیت میں جنت کی صفات بیان فرمائی ہیں' ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ جنات عدن ہیں، عدن کے معنی ہیں کسی شے کا دائمی ہونا، یعنی وہ ایسے باغ ہیں جو ہمیشہ قائم رہیں گے اس کے برخلاف دنیا کے باغات دائمی نہیں ہوتے اور خزاں کے موسم میں ان کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور جنت ایسے باغات ہیں جن کے پتوں، پھلوں اور پھولوں میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے جنت کی دوسری صفت یہ ذکر فرمائی ہے کہ رحمٰن نے اس جنت کا اپنے بندوں کے ساتھ غیب سے وعدہ کیا ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جنت ان بندوں سے غائب تھی، ان کے سامنے حاضر نہ تھی' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے وہ بندے اس جنت سے غائب تھے اور اس کا مشاہدہ نہیں کر رہے تھے' اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ رحمٰن نے ان بندوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے جو غیب میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ یعنی تنہائی میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، منافقین کی طرح نہیں ہیں جو صرف لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ جنت میں سلام کے سوا کوئی لغو بات نہیں سنیں گے' ان کے لیے اس میں صبح و شام ان کا رزق ہو گا O (مریم:٦٢)

لغو اس کلام کو کہتے ہیں جو فضول، بے مقصد اور بے فائدہ ہو، فحش باتوں کو بھی لغو کلام کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

اللہ تعالیٰ مومنین اہل کتاب کی صفات میں فرماتا ہے:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ O (القصص:٥٥)

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں' تم کو سلام ہے، ہم جاہلوں سے بحث کرنا نہیں چاہتے O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے دوران اپنے صاحب سے کہا چپ رہو تو تم نے لغو کام کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٩٣٤، صحیح مسلم رقم الحدیث:٨٥١) اس آیت میں فرمایا ہے وہ اس میں صرف سلام سنیں گے اس سے مراد ہے جنتیوں کا ایک دوسرے کو سلام کرنا، یا فرشتوں کا ان کو سلام کرنا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ○ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ○ (الرعد: ۲۴-۲۳)

اوران کے پاس ہر دروازہ سے فرشتے آئیں گے○ وہ کہیں گے تم پر سلام ہو، تم کو صبر کے بدلہ میں کیسا اچھا دار آخرت ملا ہے○

اور یہ بھی ہوسکتا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا سلام ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ○ (یٰسین: ۵۸)

پروردگار رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ ایسی جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہوگا○ (مریم: ۶۳)

میت کا ترکہ جو اس کے رشتہ داروں کو منتقل کیا جاتا ہے اس کو وراثت کہتے ہیں اور اس آیت میں جنت کا وارث بنانے سے مراد صرف جنت کو منتقل کرنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کی جنتیں مسلمانوں کو منتقل کردیں گے، اس آیت کی مکمل تفسیر الاعراف: ۴۳، تبیان القرآن ج ۴ ص ۱۴۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم (فرشتے) صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، ہمارے آگے اور ہمارے پیچھے اور جو اس کے درمیان ہے وہ سب اسی کی ملکیت ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے○ (مریم: ۶۴)

جبریل کے زیادہ نہ آنے کی وجہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے فرمایا کہ آپ ہم سے ملاقات کے لیے جتنی بار آتے ہیں اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۳۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۸، المستدرک ج ۲ ص ۶۱۱)

امام رازی نے لکھا ہے جب کفار نے آپ سے روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیے اور آپ نے نزول وحی کے اعتماد پر فرمادیا میں کل بتادوں گا اور وحی نازل نہیں ہوئی اس موقع پر آپ نے جبریل سے یہ کہا تھا، جب کفار یہ کہنے لگے تھے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ہمارے آگے اور ہمارے پیچھے اور جو اس کے درمیان ہے سب اس کی ملکیت ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن جریج نے کہا دنیا کے جو معاملات ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور جو ہمارے بعد واقع ہوں گے اور آخر کے معاملات وہ سب اس کی ملکیت ہیں۔

اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے، یعنی جب آپ کا رب چاہتا ہے تو ہمیں آپ کی طرف بھیج دیتا ہے، اور خواہ وحی کا نزول کسی وجہ سے موخر ہو آپ کا رب آپ کو بھولنے والا نہیں ہے' اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اگلی اور تمام پچھلی چیزوں کا جاننے والا ہے اور وہ کسی چیز کو بھولنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا وہی رب ہے سو اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو' کیا تم اس کے کسی ہم نام کو جانتے ہو○ (مریم: ۶۵)

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نام اللہ نہیں ہے

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کا مالک اور مربی ہے، وہی ان سب چیزوں کا خالق ہے، وہی اس کائنات کو بنانے والا اور اس کو چلانے والا ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے' سو تم سب اسی کی عبادت کرو، اور اس راہ میں اگر کچھ رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آئیں تو ان سے گھبرانا مت اور اگر نزول وحی میں تاخیر ہو جائے تو آپ اس سے آزردہ

خاطر نہ ہوں اور دل جمعی سے پہلے کی طرح اس کی عبادت پر کمربستہ رہیں اور اگر کفار طعنے دیں تو ان کی پروانہ کریں۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: کیا تم اس کے کسی ہم نام کو جانتے ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا کیا تم اس کے کسی بیٹے کو جانتے ہو؟ یا اس کی کسی نظیر یا اس کے کسی مثیل کو جانتے ہو، حضرت ابن عباس کا دوسرا قول یہ ہے کہ کیا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جس کا نام رحمٰن ہو، بعض مفسرین نے کہا کیا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جس کا نام اللہ ہو، مشرکین اپنے بتوں کو الٰہ تو کہتے تھے لیکن انہوں نے اپنے کسی معبود یا کسی بت کا نام کبھی اللہ نہیں رکھا اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں کسی کو کبھی اللہ نہیں کہا گیا۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا

اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو کیا میں ضرور عنقریب زندہ کر کے (قبر سے) نکالا جاؤں گا؟ ○ اور کیا

يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ

انسان یہ یاد نہیں کرتا کہ اس سے پہلے بے شک ہم نے اس کو پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا ○ سو آپ کے رب کی قسم!

لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

ہم ضرور ان سب کو اور شیطانوں کو جمع کریں گے، پھر ہم انہیں ضرور جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے ○

ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

پھر ہم ہر گروہ سے اس کو ضرور باہر نکالیں گے جو رحمٰن پر سب سے زیادہ اکڑنے والا ہو گا ○

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ

پھر بے شک ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں ○ اور بے شک تم میں سے

إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي

ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہو گا یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے ○ پھر ہم متقین کو

الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے ○ اور جب ان پر ہماری واضح آیات کی

آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ

تلاوت کی جاتی ہے، تو کفار مومنوں سے کہتے ہیں کہ دو فریقوں میں سے کس کا

خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ

مقام زیادہ اچھا ہے اور کس کی مجلس زیادہ بہتر ہے؟ ○ اور ہم ان سے پہلے کتنی بستیوں کو تباہ کر چکے ہیں

هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ

جن کا سامان اور آرائش ان سے زیادہ شاندار تھی ○ آپ کہیے جو لوگ گمراہی میں مبتلا ہوں، پھر ان کو

لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ

رحمٰن نے خوب ڈھیل بھی دی ہو، حتیٰ کہ وہ اس چیز کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یا عذاب

وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ

یا قیامت ا پھر وہ عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مقام زیادہ برا تھا اور کس کا لشکر

جُنْدًا ﴿٧٥﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ

زیادہ کمزور تھا ○ اور اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے اور باقی رہنے والی

الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ اَفَرَءَيْتَ

نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہیں اور انجام کے لحاظ سے (بھی) زیادہ اچھی ہیں ○ کیا آپ نے اس

الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ ۭ اَطَّلَعَ

شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی ○ کیا وہ غیب پر

الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ

مطلع ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے ○ ہرگز نہیں! ہم عنقریب اس کی باتوں کو لکھ لیں گے

وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا

اور اس کے عذاب کو بڑھاتے رہیں گے ○ اور ہم ہی اس کی باتوں کے وارث ہیں اور وہ ہمارے پاس

فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾

تنہا آئے گا ○ اور انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں ○

ع ٥ / ١٤ / ٨

كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

ہرگز نہیں! عنقریب وہ ان کی عبادتوں کا انکار کردیں گے اور وہ ان کے خلاف ہوجائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو کیا میں ضرور عنقریب زندہ کر کے (قبر سے) نکالا جاؤں گا○ اور کیا انسان یہ یاد نہیں کرتا کہ اس سے پہلے بے شک ہم نے اس کو پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا○ سو آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور ان سب کو اور شیطانوں کو جمع کریں گے، پھر ہم انہیں ضرور جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے○ پھر ہم ہر گروہ سے اس کو ضرور باہر نکال لیں گے جو رحمٰن پر سب سے زیادہ اکڑنے والا ہوگا○ پھر بے شک ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں○ (مریم ۷۰-۶۶)

قیامت کے دن کفار کے حشر کی کیفیت

انسان سے مراد وہ کافر ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کی تصدیق نہیں کرتا، بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد معین کافر ہے۔ پھر بعض نے کہا وہ ابوجہل ہے اور بعض نے کہا وہ ابی بن خلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور اٹھائے جانے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتا ہے کیا اس کو یہ یاد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عدم سے وجود میں لایا تھا اور کسی چیز کو دوبارہ بنانا پہلی بار بنانے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا ہم ضرور ان سب کو اور شیطانوں کو جمع کریں گے، تمام لوگوں کا ایک ساتھ حشر کیا جائے گا اور کفار اور ان کو گمراہ کرنے والے شیاطین ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور مسلمانوں کا ان کے ساتھ ہی حشر ہوگا، لیکن ان کی یہ حالت نہیں ہوگی اور یہ اس لیے ہوگا کہ مسلمانوں کو کفار کی یہ رسوائی دیکھ کر خوشی ہو اور کافروں کو اور زیادہ غم ہو ایک غم اس لیے ہو کہ ان کا ذلت کے ساتھ حشر ہو رہا ہے اور دوسرا غم اس لیے ہو کہ ان کے دشمن اور مخالف مسلمانوں کا حشر عزت کے ساتھ ہو رہا ہے، جب کہ کفار جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر ہوں گے، مجاہد اور قتادہ نے کہا وہ حشر کی ہولناکیوں اور شدت خوف کی وجہ سے سیدھے کھڑے نہ ہو سکیں گے اور گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر ہم ہر گروہ سے اس کو ضرور باہر نکال لیں گے جو رحمٰن پر سب سے زیادہ اکڑنے والا ہوگا، اس آیت میں گروہ کے لیے شیعہ کا لفظ ہے اور شیعہ سے مراد عموماً وہ فرقہ اور وہ گروہ ہوتا ہے جس کی گمراہی بہت زیادہ مشہور ہو چکی ہو، قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا (الانعام: ۱۵۹) بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ گروہ در گروہ بن گئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ سب کافروں کو جہنم کے گرد جمع فرمائے گا پھر ان میں سے جو لوگ اپنے کفر میں زیادہ سرکش تھے ان کو دوسروں سے متمیز کر کے الگ کھڑا کر دے گا تا کہ ان کو ان کے تابعین اور مقلدین سے زیادہ عذاب دیا جائے، کیونکہ جو شخص لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر ان کو باطل پر اکساتا ہے اس کا عذاب ان لوگوں سے زیادہ ہوگا جو غفلت کی وجہ سے اس کی پیروی کرتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ○ (النحل: ۸۸)

جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسرے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کے عذاب پر مزید عذاب کو زیادہ کریں گے کیونکہ وہ فساد پھیلاتے تھے۔

اس لیے فرمایا کہ گمراہ لوگوں میں سے جو اللہ تعالیٰ کے خلاف زیادہ سرکشی کرتے تھے ہم ان کو دوسروں سے الگ اور ممتاز کرلیں گے تاکہ معلوم ہو کہ ان کا عذاب دوسروں سے زیادہ ہوگا۔ پھر متبوع اور تابع ہر ایک کے متعلق فرمایا: پھر بے شک ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔ یعنی جو دوزخ میں داخل ہونے کے مستحق ہیں، اس آیت میں ''صلیا'' کا لفظ ہے اور ''صلیا'' کا معنی ہے گزرنا، جوہری نے کہا جب کسی شخص کو دوزخ میں پھینک کر اس میں داخل کیا جائے تو اس وقت یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے ○ پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے ○ (مریم ٧٢-٧١)

آیا دوزخ میں دخول کافروں کے ساتھ خاص ہے یا ہر شخص دوزخ میں داخل ہوگا

اس آیت کی تفسیر میں کئی وجوہ سے اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت کفار کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس سے پہلی آیات کفار کے متعلق ہیں کہ ان کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے متعلق شک ہے، اور ہم ضرور ان سب کو اور شیطانوں کو جمع کریں گے پھر ہم انہیں ضرور جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے' اس کے بعد فرمایا اور بے شک تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا۔ اور ایک شاذ قرأت یہ ہے و ان منهم الاوار دها اور ان (کافروں) میں سے ہر شخص دوزخ پر وارد ہوگا، عکرمہ اور سعید بن جبیر کا بھی یہی قول ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ مومنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ جہنم سے دور رہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ○ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا

بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے نیک انجام پہلے ہی مقدر ہو چکا ہے وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے ○ وہ دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے۔ (الانبیاء: ١٠٢-١٠١)

سو اگر مسلمانوں کا بھی جہنم میں ورود اور دخول ہو تو وہ اس آیت کے خلاف ہوگا' اور جو اس آیت کو عام مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ سے مسلمانوں کو دور رکھا جائے گا اور وہ آگ کی آہٹ نہیں سنیں گے اور جب وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو وہ ٹھنڈی ہو چکی ہوگی۔

اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ مومن اور کافر ہر شخص کا جہنم پر ورود ہوگا اور ورود کا معنی دخول ہے یعنی ہر شخص جہنم میں داخل ہوگا۔

ابوسمیعہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارا ورود کے معنی میں اختلاف ہوا، ہم میں سے بعض نے کہا دوزخ میں مومن داخل نہیں ہوں گے اور بعض نے کہا سب لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ متقین کو دوزخ سے نجات دے دے گا۔ پھر میری حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے اس اختلاف کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ورود، دخول ہے اور ہر نیک اور بد دوزخ میں داخل ہوگا، پھر دوزخ مسلمانوں پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے گی' جیسا کہ حضرت ابراہیم پر تھی حتیٰ کہ ان کی ٹھنڈک کی وجہ سے دوزخ چیخ و پکار کرے گی پھر اللہ تعالیٰ دوزخ سے متقین کو نجات دے دے گا اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل دوزخ میں چھوڑ دے گا۔

(مسند احمد ج ٣ ص ٣٢٩-٣٢٨ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث ١٤٥٧٤، عالم الکتب بیروت، حافظ زین نے کہا اس کی سند حسن ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ١٤٤٥٧ دارالحدیث قاہرہ، المستدرک ج ٤ ص ٥٨٧ مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ١١٠٧، حافظ الہیثمی نے کہا اس کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد

ج ۷ ص ۵۵، حافظ المنذری نے کہا اس کی سند صحیح ہے الترغیب ج ۴ ص ۴۲۷)

خالد بن معدان نے کہا جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو آپس میں کہیں گے کیا ہمارے رب نے ہم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم دوزخ میں جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا کیوں نہیں! لیکن جب تم دوزخ سے گزرے تھے تو وہ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۲۵۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے تین (نابالغ) بچے فوت ہو گئے ہوں (اور اس نے ان پر صبر کیا ہو) وہ دوزخ میں صرف قسم پوری کرنے کے لیے داخل ہو گا اور قسم سے مراد ہے

وان منکم الا واردھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۵۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۷۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۳، معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۴۰۹)

اس حدیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمان بھی دوزخ میں داخل ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے نجات دے دے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے پھر اپنے اعمال کی وجہ سے اس سے نکل جائیں گے بعض پلک جھپکنے کی طرح نکل جائیں گے بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح، بعض شتر سوار کی طرح اور بعض تیز رفتار چلنے والے شخص کی طرح۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۹، المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۲۱)

اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نافع بن ارزق خارجی سے بحث ہوئی۔ آپ نے فرمایا: میں اور تو دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے، رہا میں تو مجھے اللہ تعالیٰ اس سے نجات دے دے گا اور رہا تو، تو میں یہ گمان نہیں کرتا کہ تجھے اللہ تعالیٰ دوزخ سے نجات دے گا کیونکہ تو اس آیت کی تکذیب کرتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۵۹)

دوزخ میں دخول پل صراط سے گزرنا ہے

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، قتادہ اور کعب الاحبار وغیرہم سے یہ بھی مروی ہے کہ ورود سے مراد دوزخ میں دخول نہیں ہے بلکہ اس سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے امام مسلم نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس میں مذکور ہے کہ پھر دوزخ کے اوپر ایک پل بچھایا جائے گا اور شفاعت کی اجازت مل جائے گی اور انبیاء کرام کہیں گے اے اللہ سلامت رکھ، اے اللہ سلامت رکھ، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! وہ پل کیا چیز ہے آپ نے فرمایا: وہ ایک پھسلواں جگہ ہو گی اور اس میں دندانے دار کانٹے ہوں گے، وہ لوہے کے کانٹے سعدان نامی جھاڑی کے کانٹوں کی طرح ہوں گے۔ بعض مسلمان اس پل سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے بعض بجلی کی طرح، بعض آندھی کی طرح۔ بعض پرندوں کی طرح، بعض تیز رفتار اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی طرح اور بعض اونٹوں کی طرح، یہ سب صحیح سلامت پار پہنچ جائیں گے اور بعض مسلمان کانٹوں سے الجھتے ہوئے پار پہنچیں گے اور بعض مسلمان کانٹوں سے زخمی ہو کر جہنم میں گر جائیں گے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے جو مومن نجات پا کر جنت میں چلے جائیں گے وہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کو جو جہنم میں پڑے ہوں گے جہنم سے چھڑانے کے لیے (بہ طور ناز) اللہ تعالیٰ سے ایسا جھگڑا کریں گے جیسے کوئی شخص اپنا حق مانگنے کے لیے بھی کسی سے جھگڑا نہیں کرتا' اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے: اے ہمارے رب! یہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے،

ہمارے ساتھ حج کرتے تھے، ان سے کہا جائے گا جن لوگوں کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو، ان لوگوں پر دوزخ کی آگ حرام کر دی جائے گی پھر جنتی مسلمان کثیر تعداد میں ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے جن میں سے بعض کی نصف پنڈلیوں کو اور بعض کو گھٹنوں تک دوزخ کی آگ نے جلا ڈالا تھا، الحدیث۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٨٣، صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٥٨١)

اس حدیث سے پل صراط پر استدلال کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ مسلم اور کافر سب دوزخ میں داخل ہوں گے۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جہنم میں ورود سے مراد یہ ہے کہ لوگ جہنم کو جھانک کر دیکھیں گے اور اس پر مطلع ہوں گے کیونکہ لوگ حساب و کتاب کی جگہ پر حاضر ہوں گے اور وہ جہنم کے قریب ہے، پس وہ حالت حساب میں جہنم کو دیکھیں گے پھر اللہ تعالیٰ متقین کو دوزخ سے نجات دے دے گا جس کو انہوں نے دیکھا تھا اور ان کو جنت میں بھیج دے گا' اور کافروں کو دوزخ میں بھیجنے کا حکم دے گا، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ورود کا معنی دخول ضروری نہیں ہے بلکہ ورود کسی جگہ کے دیکھنے کو بھی کہتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ (القصص: ٢٣) جب موسیٰ مدین کے پانی پر وارد ہوئے۔

اس کا معنی ہے اس پانی کے نزدیک پہنچے نہ یہ کہ اس پانی میں داخل ہوئے۔

مسلمانوں کے دخول نار سے مراد ان پر بخار آنا ہے

بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں جو بخار آتا ہے وہی ان کے حق میں دوزخ میں داخل ہونا ہے، اور جن مسلمانوں کو دنیا میں بخار آ گیا وہ آخرت میں دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے۔

حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی متوفی ٤٦٣ ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے کہا ہے کہ مومن کو دوزخ سے دور کر دیا جائے گا، وہ اس کو دیکھے گا نہ اس پر وارد ہو گا، اور دنیا میں اس کو جو بخار آیا تھا وہی اس کے حق میں دوزخ پر ورود ہو گا۔ عثمان بن اسود نے کہا دوزخ کی آگ سے مومن کا حصہ دنیا میں بخار آنا ہے۔ سو وہ آخرت میں دوزخ پر وارد نہیں ہو گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بخار والے مریض کی عیادت کی میں بھی آپ کے ساتھ تھا' آپ نے اس سے فرمایا تمہیں خوش خبری ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میری آگ ہے جس کو میں بندۂ مومن کے اوپر مسلط کرتا ہوں تا کہ یہ اس کے لیے آخرت کی آگ کا حصہ ہو جائے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٤٧٠، مصنف ابن ابی شیبہ ج ٣ ص ٢٢٩، مسند احمد ج ٢ ص ٤٤٠، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٠٨٨، المستدرک ج ١ ص ٣٤٥، المسند الجامع رقم الحدیث: ١٣٩٦٧)

ابو ریحانہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخار دوزخ کی بھٹی ہے اور یہ مومن کا آگ سے حصہ ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ٢ ص ٢٧٠، الاستذکار رقم الحدیث: ١١٧٥٢)

اس کی تائید میں وہ احادیث بھی ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ مومن پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ اس کے لیے آگ سے حجاب بن جاتے ہیں۔

ابو النظر اسلمی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے تین بچے فوت ہوں اور وہ ان پر صبر کرے تو وہ اس کے لیے دوزخ سے ڈھال بن جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خاتون تھیں انہوں

نے کہا یا رسول اللہ! یا دو ہوں! آپ نے فرمایا: یا دو ہوں۔ (مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ٢٣٥، الاستذکار رقم الحدیث: ٥١٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی اولاد اور اس کے رشتہ داروں پر ہمیشہ مصائب آتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

(مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ٢٣٦، مسند احمد ج ٢ ص ٤٥٠، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٢٩١٣، المستدرک ج ١ ص ٣٤٦، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٩٩)

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ انسان پر اس کی اپنی جان، اس کی اولاد اور اس کے قرابت داروں پر جو مصائب آتے ہیں ان کی وجہ سے اس کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی جان، اس کے مال اور اس کی اولاد پر مصائب آتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

(الاستذکار رقم الحدیث: ١١٧٦١)

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ صرف کفار، دوزخ میں داخل ہوں گے مسلمان داخل نہیں ہوں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مومن اور کافر سب دوزخ میں داخل ہوں گے، تیسرا قول یہ ہے کہ دوزخ میں دخول سے مراد سب کا پل صراط سے گزرنا ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ سب دوزخ کے قریب سے دوزخ کو دیکھیں گے اور پانچواں قول یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو دنیا میں بخار آتا ہے یا دیگر مصائب آتے ہیں وہ ان کے دوزخ میں داخل ہونے کے عوض ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کفار مومنوں سے کہتے ہیں کہ دو فریقوں میں سے کس کا مقام زیادہ اچھا ہے اور کس کی مجلس زیادہ بہتر ہے ○ اور ہم ان سے پہلے کتنی بستیوں کو تباہ کر چکے ہیں جن کا سامان اور آرائش ان سے زیادہ شاندار تھی ○ (مریم: ٧٤-٧٣)

دنیاوی فراخ دستی اور تنگ دستی حق اور باطل کا معیار نہیں ہے

مشرکین قریش جو مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کے منکر تھے جب ان کے سامنے قیامت اور حشر اجسام پر دلائل قائم کیے گئے تو انہوں نے اس پر معارضہ کرتے ہوئے مسلمانوں سے کہا کہ اگر تم حق پر ہوتے اور ہم باطل پر ہوتے تو تم دنیا میں بہت خوش حال اور ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے اور کفار بہت زبوں حال ہوتے' حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے تم بہت غربت اور پس ماندگی کی زندگی گزار رہے ہو اور کفار بہت کشادگی اور شادمانی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا تم جس طرح عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہو پچھلی امتوں کے کفار اس سے زیادہ خوشحال اور فراخی کی زندگی گزار رہے تھے لیکن ان کے کفر اور ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اچانک ان پر ہمارا عذاب آ گیا اور ان کا تمام سامان عیش و عشرت ملیا میٹ کر دیا گیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی کی پرتعیش زندگی اس کے برحق ہونے کی علامت نہیں ہے اور کسی کی پس ماندگی اور درماندگی اس کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ جو لوگ گم راہی میں مبتلا ہوں پھر ان کو رحمٰن نے خوب ڈھیل بھی دی ہو، حتیٰ کہ وہ اس چیز کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یا عذاب یا قیامت! پھر وہ عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مقام زیادہ برا تھا اور کس کا لشکر زیادہ کمزور تھا ○ اور اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کو زیادہ ہدایت کرتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہیں اور انجام کے لحاظ سے (بھی) زیادہ اچھی ہیں ○ (مریم: ٧٦-٧٥)

کفار کے مقام کا زیادہ برا ہونا اور ان کے لشکر کا زیادہ کمزور ہونا

ان آیتوں میں کفار کے شبہ کا دوسرا جواب ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ چلو مان لیا کہ کفار کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں زیادہ ڈھیل دی ہوئی ہے لیکن دنیا کی زندگی فانی اور متناہی ہے آخر یہ زندگی ایک دن ختم ہوگی۔ پھر پہلے ان کو موت کی سختیوں کا سامنا ہوگا' پھر عذاب قبر کا پھر حشر کا عذاب ہوگا' اور بالآخر دوزخ کا عذاب ہوگا تو پھر ان دنیاوی زندگی کی نعمتوں پر فخر اور خوشی کا کیا موقع ہے!

کفار مومنوں سے کہتے تھے کہ کس کا مقام زیادہ اچھا ہے اور کس کی مجلس زیادہ بہتر ہے۔ سو جب وہ دیکھ لیں گے کہ ان کا مقام دوزخ ہے اور دنیا میں وہ اپنی جس جمعیت اور مددگاروں پر مان رکھتے تھے جب قیامت کے دن ان میں سے کوئی ان کے کام نہیں آسکے گا تو پھر وہ جان لیں گے کہ کس کا مقام زیادہ برا تھا اور کس کا لشکر زیادہ کمزور تھا۔

اور سب دن ایک سے نہیں رہتے جس قوت اور طاقت اور عیش و عشرت پر یہ فخر کر رہے ہیں، یہ دنیا میں بھی زائل ہو جاتی ہے' اور قوت اور طاقت کے بجائے ضعف اور لاچاری، صحت کے بعد مرض اور عیش و عشرت کے بعد تنگی اور فقر کے ایام آجاتے ہیں' اور جب مسلمان جنگوں میں فتح یاب ہوں اور کفار شکست سے دوچار ہوں تو پھر ان کا فخر و غرور دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے اور ایسے وقتوں میں ان پر منکشف ہوگا کہ کس کا مقام زیادہ برا ہے اور کس کا لشکر زیادہ کمزور ہے۔

الباقیات الصالحات کا معنی

نیز فرمایا اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے، یعنی جو شخص اللہ پر ایمان لے آتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اخلاص کے سبب سے اس کی ہدایت میں اور اضافہ فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے درجات غیر متناہی ہیں۔ پہلے اسے معرفت کے ایک مرتبہ کی طرف ہدایت دیتا ہے پھر اس کے اخلاص کی وجہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف ہدایت دیتا ہے اور علیٰ ھذا القیاس یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے قرب کے درجات غیر متناہی ہیں، پہلے اسے ایک درجہ کا قرب عطا فرماتا ہے پھر دوسرے درجہ کا اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔

پھر فرمایا اور باقی رہنے والی نیکیاں ثواب کے لحاظ سے آپ کے رب کے نزدیک زیادہ اچھی اور زیادہ بہتر ہیں، کفار نے اپنے عیش و آرام اور قوت اور استحکام کا مقابلہ مسلمانوں کی تنگ دستی اور ان کے ضعف سے کیا تھا۔ سو مسلمانوں کی تنگی اور ان کا ضعف عارضی ہے اور اس کے بعد ان کو جو عظیم ثواب حاصل ہوگا وہ دائمی ہے' اور کفار کو جو دنیا میں نفع حاصل ہے وہ عارضی ہے اس کے بعد ان کو آخرت میں جو ضرر لاحق ہوگا وہ دائمی اور غیر متناہی ہے۔

اور باقیات صالحات سے مراد ایمان اور اعمال صالحہ ہیں کیونکہ ان کا نفع دائمی ہے اور باقی رہنے والا ہے، اور بعض علماء نے کہا باقیات صالحات سے مراد نمازیں ہیں اور بعض نے کہا اس سے مراد وہ نیک اعمال اور صدقہ و خیرات ہیں جس سے دوسرے مسلمانوں کو نفع پہنچے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد: ۱۷) اور جو چیز لوگوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں برقرار رہتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک بکری ذبح کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس میں سے کچھ باقی ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا ایک شانہ باقی ہے، آپ نے فرمایا: اس شانہ کے علاوہ سب باقی ہے، یہ حدیث صحیح ہے (یعنی جو اللہ کی راہ میں دے دیا وہ باقی ہے جو اپنے لیے رکھ لیا وہ فانی ہے)

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۴۷۰، مسند احمد ج ۶ ص ۵۰، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۶۲۷۹)

بعض مخصوص تسبیحات کو بھی آپ نے باقیات صالحات فرمایا ہے:
حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ایک لاٹھی سے ایک درخت کے پتے گرائے پھر فرمایا لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر و الحمد للہ و سبحان اللہ کہنے سے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں، اے ابوالدرداء اس سے پہلے کہ تمہارے اور ان کلمات کے درمیان کوئی چیز (موت) حائل ہو ان کلمات کو یاد کر لو یہ الباقیات الصالحات ہیں اور یہ جنت کے خزانوں میں سے ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۰۱۱)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ کفار تو اس وقت دنیا میں آرام اور مزے سے ہیں اور یہ عالم لوگ ہمیں آخرت کے وعدہ پر بہلاتے رہتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان نام ہی غیب پر یقین رکھنے اور اس کو ماننے کا ہے اور جس شخص کو جنت اور اس کی نعمتوں پر یقین نہیں اور وہ صرف ظاہر اور مادہ پرستی پر یقین رکھتا ہے اس سے ہمارا روئے سخن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی ○ کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے ○ ہرگز نہیں! ہم عنقریب اس کی باتوں کو لکھ لیں گے اور اس کے عذاب کو بڑھاتے رہیں گے ○ اور ہم ہی اس کی باتوں کے وارث ہیں اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا ○ (مریم: ۸۰-۷۷)

العاصی بن وائل کی مذمت

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں العاصی بن وائل کے پاس اپنے قرض کا تقاضا کرنے گیا، اس نے کہا میں اس وقت تک تمہارا قرض واپس نہیں کروں گا جب تک کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر نہیں کرو گے، میں نے کہا (میں آپ کے ساتھ کفر نہیں کروں گا) حتیٰ کہ تو مر جائے اور پھر تجھ کو اٹھایا جائے (حضرت خباب نے یہ اس لیے کہا کیونکہ کفار کے نزدیک موت کے بعد زندہ کیا جانا محال تھا) العاصی نے کہا میں مر جاؤں گا، پھر زندہ کیا جاؤں گا؟ میں نے کہا ہاں! اس نے کہا میرا وہاں بھی مال ہوگا اور اولاد ہوگی تو میں تمہارا قرض وہاں ادا کر دوں گا۔ تب یہ آیات نازل ہوئیں: افرء یت الذی کفر بایتنا......

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۳۲، مسند الطیالسی رقم الحدیث: ۱۰۵۴، مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۹۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۲۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۸۸۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۶۵۰)

ان آیات میں فرمایا ہے کیا وہ غیب پر مطلع ہے؟ حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا کیا اس نے لوح محفوظ میں پڑھ لیا ہے؟ مجاہد نے کہا کیا اس کو غیب کا علم ہو گیا ہے حتیٰ کہ اس نے جان لیا کہ وہ جنت میں ہوگا یا نہیں۔

پھر فرمایا: یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے؟ قتادہ اور ثوری نے اس کی تفسیر میں کہا اس نے کوئی عمل صالح کیا ہے یا وہ توحید پر ایمان لا چکا ہے' یا اس نے اللہ سے وعدہ لے رکھا ہے، کلبی نے کہا کیا اللہ نے اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا! اس کے بعد فرمایا، کلا! ہرگز نہیں! یعنی ان میں سے کوئی بات نہیں ہے، وہ غیب پر مطلع ہے نہ اللہ نے اس سے کوئی وعدہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں ○ ہرگز نہیں! عنقریب وہ ان کی عبادتوں کا انکار کر دیں گے اور وہ ان کے خلاف ہو جائیں گے ○ (مریم: ۸۲-۸۱)

بت پرستی کا رد

مشرکین قریش حشر اور دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے تھے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے، اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حشر کے ثبوت میں دلائل دیئے اور اب بت پرستی کے رد میں آیات نازل فرمائیں۔

مشرکین بتوں کی اس لیے عبادت کرتے تھے تا کہ وہ بت ان کے لیے باعث عزت اور مددگار ہوں کیونکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ قیامت کے دن بت ان کی اللہ تعالیٰ سے شفاعت کریں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑالیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: کلا! ایسا ہرگز نہیں ہوگا' بلکہ وہ بت خود اپنی عبادت کرنے والوں کا رد کریں گے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان بتوں کو زندہ کر دے گا، حتیٰ کہ وہ ان لوگوں کو زجر و توبیخ کریں گے جو دنیا میں ان کی عبادت کرتے رہے تھے جس سے مشرکین کی حسرت اور ان کی مایوسی اور زیادہ ہوگی۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ مشرکین قیامت کے دن خود ان بتوں سے بے زاری کا اظہار کریں گے اور بتوں کی عبادت کی مذمت کریں گے۔

ضد کا معنی

نیز فرمایا وہ بت ان کی ضد (ان کے خلاف) ہو جائیں گے، علامہ راغب اصفہانی ضد کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دو ضدیں وہ چیزیں ہیں جو ایک جنس کے تحت ہوتی ہیں، اور ہر ضد اپنے اوصاف خاصہ میں دوسری ضد کے خلاف ہوتی ہے اور دونوں کے درمیان سب سے زیادہ بُعد ہوتا ہے، جیسے سیاہ اور سفید' اور شر اور خیر، اور جب تک وہ ایک جنس کے تحت نہ ہوں تو ان کو ایک دوسرے کی ضد نہیں کہا جاتا۔ مثلاً مٹھاس اور حرکت ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ مٹھاس کی ضد کڑواہٹ ہے اور حرکت کی ضد سکون ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ ضد ان متقابلات میں سے ایک ہے، جو دو چیزیں اپنی ذات میں مختلف ہوں اور ہر ایک دوسرے کے متقابل ہو اور ایک چیز میں بیک وقت وہ دونوں جمع نہ ہوں وہ آپس میں متقابل ہوتی ہیں۔ مثلاً دو ضدیں جیسے سیاہ اور سفید اور دو نقیضیں جیسے وجود اور عدم اور عدم اور ملکہ جیسے عمی اور بصر' اور متضایف جیسے نصف اور ضعف۔ اور بہت سے متکلمین اور اہل لغت ہر متقابل کو ضد کہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ دو ضدیں وہ ہیں جن کا ایک محل میں جمع ہونا صحیح نہ ہو۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی ''ند'' ہے اور نہ کوئی ''ضد'' ہے کیونکہ ''ند'' اس کو کہتے ہیں جو جوہر اور ذات میں مشترک ہو اور ''ضد'' اس کو کہتے ہیں کہ ایک جنس کے تحت دو منافی چیزیں ہوں' اور اللہ تعالیٰ جوہر ہونے سے منزہ ہے پس اللہ تعالیٰ کی کوئی ''ضد'' ہے اور نہ کوئی ''ند'' ہے۔

اور اس آیت میں جو فرمایا ہے وہ ان کی ضد ہو جائیں گے اس کا معنی ہے وہ ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر (مسلط کر کے) بھیجا ہوا نہیں (برائیوں پر) برانگیختہ کرتے رہتے ہیں ○

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ

سو آپ ان کے متعلق جلدی نہ کریں' ہم تو صرف ان کی میعاد پوری کر رہے ہیں ○ جس دن ہم متقین کو

إلى الرحمن وفدا ﴿٨٥﴾ ونسوق المجرمين إلى جهنم

رحمٰن کی طرف سواریوں پر بھیجیں گے ○ اور ہم مجرموں کو پیاسا جہنم کی طرف

وردا ﴿٨٦﴾ لا يملكون الشفاعة إلا من اتخذ عند الرحمن

ہانکیں گے ○ وہی شفاعت کے مالک ہوں گے جو رحمٰن سے عہد لے

عهدا ﴿٨٧﴾ وقالوا اتخذ الرحمن ولدا ﴿٨٨﴾ لقد جئتم شيئا

چکے ہیں ○ اور کافروں نے کہا رحمٰن نے (اپنی) اولاد بنالی ہے ○ بے شک تم نے بہت سخت بات

إدا ﴿٨٩﴾ تكاد السموت يتفطرن منه وتنشق الأرض و

کہی ہے ○ قریب ہے کہ اس بات سے آسمان پھٹ جائیں ، اور زمین شق ہو جائے اور

تخر الجبال هدا ﴿٩٠﴾ أن دعوا للرحمن ولدا ﴿٩١﴾ وما

پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں ○ کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا ○ رحمٰن کے

ينبغي للرحمن أن يتخذ ولدا ﴿٩٢﴾ إن كل من في السموت

یہ لائق نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے ○ آسمانوں اور زمینوں میں سے

والأرض إلا آتي الرحمن عبدا ﴿٩٣﴾ لقد أحصىهم وعدهم

ہر ایک رحمٰن کے سامنے بطورِ بندہ حاضر ہو گا ○ اللہ نے ان سب کا احاطہ کر لیا ہے اور ان کو

عدا ﴿٩٤﴾ وكلهم آتيه يوم القيمة فردا ﴿٩٥﴾ إن الذين آمنوا

گن لیا ہے ○ اور قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے سامنے تنہا پیش ہو گا ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے

وعملوا الصلحت سيجعل لهم الرحمن ودا ﴿٩٦﴾ فإنما يسرنه

اور انہوں نے نیک کام کیے عنقریب رحمٰن ان کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا ○ ہم نے اس قرآن کو آپ کی

بلسانك لتبشر به المتقين وتنذر به قوما لدا ﴿٩٧﴾ وكم أهلكنا

زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ آپ اس سے متقین کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو اس سے ڈرائیں ○ اور ہم اس سے

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ

پہلے کتنی صدیوں کے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی

رِكْزًا ع ﴿۹۸﴾

آہٹ سنتے ہیں o

۹ ع ۱ ع ۶ النصف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر (مسلط کر کے) بھیجا جو انہیں (برائیوں پر) برانگیختہ کرتے رہتے ہیں o سو آپ ان کے متعلق جلدی نہ کریں ہم تو صرف ان کی میعاد پوری کر رہے ہیں o جس دن ہم متقین کو رحمٰن کی طرف سواریوں پر بھیجیں گے o اور ہم مجرموں کو پیاسا جہنم کی طرف ہانکیں گے o وہی شفاعت کے مالک ہوں گے جو رحمٰن سے عہد لے چکے ہیں o (مریم: ۸۷۔ ۸۳)

شیاطین کو کافروں پر مسلط کرنا اور ''از'' کا معنی

مریم: ۸۳ میں مذکور ہے ان ارسلنا الشیاطین علی الکافرین اس کا لفظی معنی ہے ہم نے شیاطین کو کافروں پر بھیجا، لیکن امام رازی، علامہ قرطبی اور علامہ آلوسی نے کہا ہے اس کا معنی ہے ہم نے شیاطین کو کافروں پر مسلط کر دیا، نیز مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ ارسلنا تسلیط کے معنی کو متضمن ہے اب اس کا ترجمہ ہوگا ہم نے شیاطین کو کافروں پر مسلط کر کے بھیجا اور ہم نے یہی ترجمہ کیا ہے۔

زجاج نے کہا اس آیت کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ ہم نے شیطانوں کے لیے کافروں کا راستہ خالی چھوڑ دیا اور ان کے لیے شیطانوں کے وسوسوں سے کوئی حفاظت نہیں کی اور دوسرا معنی یہ ہے کہ شیطانوں کو ان پر مسلط کر دیا اور ان کے کفر کی وجہ سے ان پر شیطانوں کو قادر کر دیا (زاد المسیر) نیز اس آیت میں فرمایا ہے ''تؤزھم ازا'' یعنی جو انہیں برائیوں پر ابھارتے ہیں اور اکساتے ہیں، ''از'' کا معنی ہے کسی کو کسی کام پر برانگیختہ کرنا، اس کو بھڑکانا اور جوش میں لانا' جب دیگچی میں پانی ابلتا ہے اور جوش میں آتا ہے تو اس کے ابلنے کی آواز کو ازیز کہتے ہیں۔ حدیث میں ثابت بن مطرف اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ کے سینہ سے رونے کی ایسی آواز آ رہی تھی جیسے چکی چلنے کی آواز آتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۰۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شیطان کافروں کو اطاعت کے بجائے معصیت کی طرف لاتے تھے، نیز انہوں نے فرمایا وہ ان کو مسلسل برے کاموں کی طرف راغب کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ انہیں دوزخ میں پہنچا دیتے ہیں۔

اس آیت سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دینا ہے کہ کافر جو ایمان نہیں لا رہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان ان کو بھڑکا رہے ہیں نہ یہ کہ آپ کی تبلیغ میں کوئی کمی اور قصور ہے۔

مریم: ۸۴ میں مذکور ہے آپ ان کے متعلق جلدی نہ کریں یعنی ان کے عذاب کے متعلق جلدی نہ کریں ہم تو صرف ان کی میعاد پوری کر رہے ہیں' یعنی ان کی زندگی کے دنوں اور راتوں کو گن رہے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان کی سانسوں کو گن رہے ہیں' ایک قول یہ ہے ہم ان کے اعمال کو گن رہے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ آپ جلدی نہ کریں ہم ان کو اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ ان کے گناہ زیادہ ہوں۔ (الجامع لاحکام القرآن)

محشر میں مومنین کا سواریوں پر سوار ہو کر جنت کی طرف جانا

مریم: ۸۵ میں مذکور ہے: جس دن ہم متقین کو رحمٰن کی طرف یعنی رحمٰن کی جنتوں کی طرف سواریوں پر بھیجیں گے، وفد کا معنی ہے امیر کے پاس جانے والے لوگ (مختار الصحاح) جو لوگ بادشاہوں کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے جائیں ان کو وفد کہتے ہیں (المفردات) ابن جریج نے کہا متقین رحمٰن کی جنتوں کی طرف سواریوں پر سوار ہو کر جائیں گے کیونکہ عموماً کسی کے پاس وفد سواریوں پر سوار ہو کر جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا سنو! اللہ کی قسم! یہ لوگ پیدل نہیں جائیں گے اور نہ ان کو ہنکایا جائے گا لیکن یہ ایسی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے کہ مخلوق نے ان جیسی اونٹنیاں نہیں دیکھی ہوں گی' ان کے پالان سونے کے ہوں گے اور ان کی مہاریں زمرد کی ہوں گی وہ ان پر سواری کریں گے حتیٰ کہ جنت کے دروازوں تک پہنچ جائیں گے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۰۳۶، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۴۰۰۳، المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۲۷، مجمع الزوائد ج ۷ص ۵۵' تاریخ بغداد ج ۳ص ۱۴۰، اس کی سند میں عبدالرحمٰن ضعیف ہے)

عمرو بن قیس ملائی بیان کرتے ہیں کہ مومن جب قبر سے نکلے گا تو ایک حسین اور خوشبو دار صورت اس کا استقبال کرے گی اور مومن سے کہے گی کہ کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ مومن کہے گا نہیں بے شک اللہ نے تجھے بہت پاکیزہ خوشبو دی اور تیری بہت حسین صورت بنائی، تو وہ صورت کہے گی: تو بھی دنیا میں اسی طرح تھا میں تیرا نیک عمل ہوں، میں دنیا میں بہت عرصہ تک تجھ پر سوار رہا آج تو مجھ پر سوار ہو جا پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی یوم نحشر المتقین الی الرحمن و فدا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۰۳۹' تفسیر السمعانی ج ۳ص ۳۱۴)

اور کافر کا استقبال اس کا عمل بدصورت اور بدبودار حالت میں کرتا ہے اور کہتا ہے تو مجھے پہچانتا ہے وہ کہتا ہے نہیں مگر یہ کہ تجھے اللہ نے بہت بدصورت اور بہت بدبودار بنایا ہے، وہ کہے گا تو بھی دنیا میں اسی طرح تھا، میں تیرا برا عمل ہوں، تو بہت عرصہ دنیا میں مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سواری کروں گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ص ۷۳، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

مریم: ۸۶ میں ہے: اور ہم مجرموں کو پیاسا جہنم کی طرف ہانکیں گے۔ اس آیت میں ''ورداً'' کا لفظ ہے ورد کا اصل معنی ہے پانی کا قصد کرنا، ابن عرفہ نے کہا ورد اس قوم کو کہتے ہیں جو پانی پر جاتی ہے، اس لیے جو لوگ پانی کی طلب میں پانی پر جاتے ہیں ان کو بھی ورد کہتے ہیں اس آیت کا معنی ہے مجرموں کو پیاسا ننگے پیر پیدل فوج در فوج جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔

مومنوں کا رحمٰن سے لیا ہوا عہد

مریم: ۸۷ میں ہے: وہی شفاعت کے مالک ہوں گے جو رحمٰن سے عہد لے چکے ہیں۔ امام ابن جریر نے کہا عہد سے مراد اللہ پر ایمان لانا، اس کے رسول کی تصدیق کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کا اقرار کرنا اور جو کچھ آپ نے حکم دیا اس پر عمل کرنا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا عہد سے مراد ہے لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا اور اللہ کے سوا گناہوں سے پھرنے اور نیکیوں کی طاقت سے اظہار برأت کرنا، اور اللہ کے سوا کسی سے امید نہ رکھنا، ابن جریج نے کہا عہد سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔

(جامع البیان جز ۱۶ص ۱۶۰، مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ہر صبح اور شام اللہ تعالیٰ سے عہد لے، پوچھا گیا یا رسول اللہ! وہ کیسے

آپ نے فرمایا: وہ ہر صبح اور شام کو یہ کہے اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے، غیب اور شہادت کو جاننے والے میں تیری طرف اس دنیا کی زندگی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ میں یہ شہادت دوں گا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو واحد ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے، اور بے شک محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں تو مجھے میرے نفس کی طرف نہ سونپ دینا، کیونکہ اگر تو نے مجھے میرے نفس کی طرف سونپ دیا تو وہ مجھے خیر سے دور اور شر سے قریب کردے گا اور میں تیری رحمت کے سوا اور کسی چیز پر اعتماد نہیں کرتا، پس تو میرے لیے اپنے پاس عہد کرلے جس کو تو قیامت کے دن پورا کرے گا بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ پس جب وہ یہ کلمات پڑھ لے گا تو اللہ ان کلمات پر مہر لگا کر ان کو عرش کے نیچے رکھ دے گا اور جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی یہ ندا کرے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اللہ کے پاس عہد ہے پھر وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ ص ۷۶، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۹۱۷، المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۱۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا رحمٰن نے (اپنی) اولاد بنالی ہے ○ بے شک تم نے بہت سخت بات کہی ہے ○ قریب ہے کہ اس بات سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں ○ کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا ○ رحمٰن کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے ○ آسمانوں اور زمینوں میں سے ہر ایک رحمٰن کے سامنے بطور بندہ حاضر ہوگا ○ اللہ نے ان سب کا احاطہ کرلیا ہے اور ان کو گن لیا ہے ○ اور قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے سامنے تنہا پیش ہوگا ○ (مریم: ۹۵-۸۸)

ان کافروں کی مذمت جنہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا گھڑ لیا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کرنے والوں کا رد فرمایا تھا اور ان آیات میں اب ان کافروں کا رد فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد مانتے تھے، یہود کہتے تھے عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے تھے کہ المسیح اللہ کے بیٹے ہیں، (التوبۃ: ۳۰) اور مشرکین عرب کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا لقد جئتم شیئا ادا، بے شک تم نے بہت سخت بات کہی ہے، علامہ راغب نے کہا ہے کہ ''ادا'' کا معنی ہے ایسا برا کام جس کے کرنے سے شور مچ جائے، اور ابن خالویہ نے کہا تعجب خیز بات، یعنی رحمٰن کا بیٹا کہنا ایسا برا کلمہ ہے جس کے کہنے سے شور مچ جائے یا جس پر لوگ بہت تعجب کریں۔

''ھدا'' کا معنی ہے دیوار گرنے کی آواز، تخر اور ھدا دونوں کا معنی گرنا ہے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کا قول کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت غضب میں لانے والی بات ہے، اگر اللہ تعالیٰ حلیم نہ ہوتا اور اس نے اپنے عذاب کو مؤخر نہ کیا ہوتا تو اس بات کے سبب وہ ایسا عذاب بھیجتا کہ آسمان پھٹ جاتا، زمین شق ہو جاتی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا الی آخر الایات۔ حافظ ابن کثیر نے اس کی تفسیر میں لکھا:

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ اہل شام میں سے ایک شخص نے مسجد منیٰ میں مجھ سے بیان کیا کہ یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اور زمین میں درختوں کو پیدا کیا تو بنو آدم جس درخت کے پاس بھی جاتے تھے تو اس سے کوئی فائدہ اٹھاتے تھے، اور وہ اسی طرح زمین اور درختوں سے فائدے اٹھاتے رہے حتیٰ کہ بنو آدم میں سے بعض فاجروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، اس کلمہ کو سن کر زمین کانپنے لگی اور درختوں میں کانٹے پیدا ہو گئے۔ کعب احبار نے کہا فرشتے غضب میں آ گئے اور جہنم بھڑکنے لگا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذیت

ناک باتوں کو سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی صبر کرنے والا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے اور اس کے لیے بیٹا لیا جاتا ہے اس کے باوجود وہ لوگوں کو عافیت کے ساتھ رکھتا ہے اور ان سے مصائب کو دور کرتا ہے اور ان کو رزق دیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۴۰۵ قدیم مسند احمد رقم الحدیث ۱۹۴۱۹ طبع دار الحدیث قاہرہ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۷۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰۴ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۷۴)

رحمٰن کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے یعنی اللہ کی عظمت اور جلال کے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی اس کا کفو نہیں ہے، کیونکہ تمام مخلوق اس کی مملوک اور اس کی غلام ہے اسی لیے اس نے فرمایا آسمانوں اور زمینوں میں سے ہر ایک رحمٰن کے سامنے بہ طور بندہ حاضر ہوگا○ اللہ نے ان سب کا احاطہ کر لیا ہے اور ان کو گن لیا ہے○ یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اور قیامت تک جن کو پیدا کرتا رہے گا وہ ان سب کی تعداد کو جانتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ ان میں کتنے مذکر اور کتنے مونث ہیں، کتنے بچے ہیں اور کتنے بڑے وہ ان کی زندگی کے تمام حالات اور واقعات اور مرنے کے بعد ان کی جزاء اور سزا سب کو تفصیل سے جانتا ہے اور قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے سامنے تنہا پیش ہوگا○ یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس کا کوئی مددگار نہیں ہوگا' اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کوئی پناہ دینے والا نہیں ہوگا' وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے گا وہ حکم دے گا وہ عادل ہے کسی پر ایک ذرہ کے برابر ظلم نہیں کرتا' اور رحیم و کریم اور نہایت فضل کرنے والا ہے سو وہ اپنے رحم اور فضل سے اپنے بے حساب بندوں کو بخش دے گا جن کا دامن شرک سے آلودہ نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے عنقریب رحمٰن ان کے لیے (لوگوں کے دلوں میں) محبت پیدا کر دے گا○ ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس سے متقین کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو اس سے ڈرائیں○ اور ہم اس سے پہلے کتنی صدیوں کے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں، کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی آہٹ سنتے ہیں:○ (مریم: ۹۸-۹۶)

اولیاء کرام کی ولایت کی دلیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو ندا کر کے فرماتا ہے کہ بے شک اللہ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے سو تم اس سے محبت رکھو، پس جبریل اس سے محبت کرتا ہے، پھر جبریل آسمان والوں میں ندا کرتا ہے کہ اللہ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے سو تم اس سے محبت رکھو، تو اس بندہ سے آسمان والے محبت رکھتے ہیں۔ پھر زمین والوں کے لیے اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۴۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۱، مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۰۰۶، مسند الطیالسی رقم الحدیث: ۲۴۳۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۷۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۴، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۵۸، الاسماء والصفات: ج ۲ ص ۲۶۰، المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۴۱۴۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے صالحین اور ملائکہ مقربین کے دلوں میں مومن کی الفت، ملاحت اور محبت پیدا کر دی ہے۔

(نوادر الاصول ج ۴ ص ۸۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت ۱۴۱۲ھ)

انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور اولیاء کرام کی محبت اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے حضرت علی ہجویری، حضرت غوث اعظم، حضرت معین الدین چشتی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ ان سب اور دیگر اولیاء کرام

کی محبت اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے اور ہم ان کی ولایت کو لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت سے پہچانتے ہیں اور ان کی ولایت کو مسلمانوں کی شہادت سے پہچانتے ہیں۔

"لُد" کا معنی

مریم: ۹۷ میں فرمایا: ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے یعنی ہم نے اس قرآن کو آپ کی عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس کی فہم کو آسان کر دیا ہے۔

اس آیت میں جھگڑالو کے لیے "لُد" کا لفظ ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا "الالد" وہ شخص ہے جو حق کو قبول نہیں کرتا اور باطل کا دعویٰ کرتا ہے، حسن نے کہا "لُد" وہ شخص ہے جو حق سننے سے بہرا ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو سخت جھگڑا کرتا ہو۔ ڈرانے کے لیے جھگڑالو کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کیونکہ جو شخص معاند اور جھگڑالو نہ ہو اس کو سمجھانا آسان ہے۔

"رِکز" کا معنی

مریم: ۹۸ میں فرمایا: ہم اس سے پہلے کتنی صدیوں کے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں یعنی لوگوں کے کتنے گروہوں کو اس آیت سے اہل مکہ کو ڈرانے کا قصد کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا: کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا کسی کی آواز سنتے ہیں؟ اس آیت میں "رکز" کا لفظ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی آواز ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا جو آواز یا حرکت سمجھ نہ آئے اس کو "رکز" کہتے ہیں۔ پست اور مخفی آواز کو بھی "رکز" کہتے ہیں اور مدفون مال کو رکاز کہتے ہیں۔

اختتامی کلمات اور دعا

الحمد لله علی احسانہ آج ۵ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ، ۳۱ مارچ ۲۰۰۱ء بروز ہفتہ بعد نماز ظہر سورۂ مریم کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ الٰہ العلمین! اے میرے رب جس طرح آپ نے اس سورت کو مکمل کرا دیا ہے باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں، آپ نے مجھے اس کام کی تکمیل کے لیے بہت کتابیں عطا کیں، الٰہ العلمین! میری ضرورت کی دیگر کتابوں کو بھی عطا فرمائیں، آپ نے مجھے بہت صحت اور توانائی عطا فرمائی ہے اے میرے رب! آپ اس صحت اور توانائی کو برقرار رکھیں اور مجھے مزید صحت اور توانائی عطا فرمائیں، تادم مرگ چلتا پھرتا رکھیں بس اپنا محتاج رکھیں مخلوق میں سے کسی کا محتاج نہ کریں۔ ایمان پر قائم رکھیں۔ اے میرے رب! آپ نے مجھے ایمان دیا اور اعمال صالحہ دیئے یہ آپ کا بہت کرم ہے۔ آپ میرے ایمان کو اور مضبوط کر دیں اور مجھے مزید اعمال صالحہ عطا فرمائیں، آپ نے مجھے گناہوں سے بچایا اے میرے رب! مجھے بقیہ آخری عمر میں بھی گناہوں سے بچائے رکھیں، میں بیمار پڑ گیا کسی چیز کے لکھنے کی توقع نہ رہی آپ نے مجھ سے حدیث اور تفسیر کی بہت کتابیں لکھوالیں۔ میں اس کرم کے کہاں تھا لائق یہ سب آپ کی عنایت اور آپ کا احسان ہے۔ اے میرے رب اس احسان اور کرم کو برقرار اور جاری رکھیں اور اس میں یوماً فیوماً ترقی فرمائیں' میری لکھی ہوئی تمام کتابوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں' اپنے محبوب اور میرے آقا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول بنا دیں تمام مسلمانوں کے نزدیک مقبول بنا دیں۔ ان کتابوں کو مفید، مفیض اور مؤثر بنا دیں، الٰہ العلمین اے میرے رب میری تمام کتابوں کو مخالفین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون بنا دیں!

میں کیا ہوں اور میرا کام کیا ہے! آپ محض اپنے فضل سے میری مغفرت کر دیں میرے گناہوں کو بخش دیں' میرے آقا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عطا فرمائیں۔ دنیا کے مصائب، قبر اور حشر اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ اور مامون

رکھیں۔ میری اس کتاب کے کمپوزر، اس کے مصحح، اس کے ناشر اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کی مغفرت فرمائیں۔ میرے والدین، میرے اساتذہ، میرے احباب، میرے قرابت دار اور جملہ مسلمین کو بخش دیں۔ اے میرے رب! قیامت کے دن مجھے شرمندہ نہ کرنا، میری عزت رکھنا مجھے سرخرو اٹھانا اور علماء صالحین، مفسرین، محدثین اور فقراء مجتہدین کے زمرہ میں میرا حشر کرنا اور جنت الفردوس عطا کرنا اور مجھے اپنی رضا سے نوازنا!

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم الانبياء و المرسلين قائد الغر المحجلين شفيع المذنبين و على اصحابه الكاملين و اله الطاهرين و ازواجه الطاهرات امهات المؤمنين و على علماء ملته واولياء امته والمسلمين اجمعين.

سُوْرَۃُ طٰہٰ

(۲۰)

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمده و نصلی ونسلم علی رسوله الکریم

سورۃ طٰہٰ

سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام طٰہٰ ہے کیونکہ اس سورت کا پہلا کلمہ طٰہٰ ہے۔ جیسا کہ سورۃ ص اور ق ہیں ان سورتوں کا پہلا کلمہ بھی ص اور ق ہے۔ طٰہٰ کے معنی میں کئی اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے اے آدمی! اور ایک قول یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ہے اور اس آیت میں آپ کو ندا فرمائی ہے کہ اے طٰہٰ۔

(البحر المحیط' ج ۷ص ۳۰۹' روح المعانی جز ۱۶ص ۲۱۷' تفسیر منیر ج ۱۶ص ۱۷۴)

اس سورت کا نام سورہ طٰہٰ رکھنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور تکریم کو ظاہر کرنا ہے اور کفار کی طعن اور تشنیع آمیز باتوں سے آپ کو تسلی دینا ہے۔

مقاتل نے کہا جب ابوجہل' ولید بن مغیرہ' نضر بن حارث اور مطعم بن عدی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ جب سے آپ نے اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑا ہے آپ بہت سختی اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور اس کی پیشانی پر یہ لکھوا دیا: اے طٰہٰ ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ کو سختی اور مشقت میں مبتلا کریں۔ طٰهٰ ○ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ○ (طٰہٰ: ۲-۱)

سورہ مریم اور سورہ طٰہٰ کی باہمی مناسبت

اس سورت کی اس سے پہلی سورت مریم کے ساتھ حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے:

(۱) سورہ مریم میں دس انبیاء علیہم السلام کا اجمال اور اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے' حضرت زکریا' حضرت یحیٰی' حضرت عیسیٰ' حضرت ابراہیم' حضرت اسحٰق' حضرت یعقوب' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس۔ اور اس سورت میں یعنی سورہ طٰہٰ میں ان میں سے بعض انبیاء علیہم السلام کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) سورہ مریم کے آخر میں فرمایا ہے کہ آسانی کے لیے قرآن مجید کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں نازل فرمایا ہے' اور اس سورت کے شروع میں بھی یہ مضمون ہے کہ ہم نے آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لیے قرآن کو نازل نہیں کیا' یعنی

آپ کی آسانی کے لیے قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے۔
(۳) سورہ مریم کی انتہا بھی قرآن مجید کے ذکر پر ہوتی ہے اور سورہ طٰہٰ کی ابتدا بھی قرآن مجید کے ذکر سے ہوتی ہے۔

سورہ طٰہٰ کا زمانہ نزول

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۴ (چون) ہے یہ سورت سورہ مریم کے بعد اور سورہ واقعہ سے پہلے نازل ہوئی ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۰ (بیس) ہے۔

یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین مسلمانوں پر بہت مظالم ڈھا رہے تھے اور بہت کم تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے تھے' اور ابھی تک مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی اور نہ اس وقت تک حضرت عمر اسلام لائے تھے۔ حضرت عمر بعثت نبوی کے پانچ سال بعد اور حبشہ کی طرف ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

امام عبدالمالک بن ہشام المعافری التوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ مجھ تک جو خبر پہنچی ہے اس کے مطابق حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنت الخطاب رضی اللہ عنہا' حضرت سعید بن زید کے نکاح میں تھیں وہ اسلام لا چکی تھیں اور ان کے شوہر سعید بن زید بھی مسلمان ہو چکے تھے اور وہ دونوں اپنے اسلام کو حضرت عمر سے مخفی رکھتے تھے۔ بنو عدی کے ایک شخص نعیم بن عبداللہ بھی مسلمان ہو چکے تھے اور وہ بھی اپنی قوم کے خوف سے اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے' اور حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ قرآن مجید پڑھانے کے لیے حضرت فاطمہ بنت الخطاب کے گھر جایا کرتے تھے' ایک دن حضرت عمر تلوار حمائل کیے ہوئے (العیاذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو قتل کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلے' اور حضرت عمر کو یہ بتایا گیا تھا کہ وہ سب صفا پہاڑ کے پاس ایک گھر میں ہیں اور اس وقت مسلمان مردوں اور عورتوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے عم محترم سیدنا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب' حضرت ابوبکر صدیق بن ابوقحافہ' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اور دیگر مسلمان تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں ہی مقیم تھے اور حبشہ نہیں گئے تھے۔ جب حضرت عمر سے نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ملے تو ان سے پوچھا: اے عمر! تم کہاں جا رہے ہو؟ حضرت عمر نے کہا میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارادہ کیا ہے جو دین بدلنے والے ہیں جنہوں نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ان کے نوجوان اور کم عقل لڑکوں کو بہکایا ہے' ان کے دین کی مذمت کی ہے اور ان کے خداؤں کو برا کہا ہے' سو میں ان کو قتل کروں گا۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمر! تم دھوکے میں مبتلا ہو' کیا تم سمجھتے ہو کہ بنو عبد مناف تم کو زمین پر چلنے کے لیے چھوڑ دیں گے اور تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر چکے ہو گے! تم اپنے گھر کی خبر کیوں نہیں لیتے! حضرت عمر نے کہا میرے گھر میں کیا ہوا ہے؟ حضرت نعیم نے کہا تمہارے بہنوئی اور تمہارے عم زاد سعید بن زید اور تمہاری بہن فاطمہ بنت الخطاب' خدا کی قسم وہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں اور وہ دونوں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی پیروی کرتے ہیں تم پہلے ان سے نمٹو' حضرت عمر اپنی بہن اور بہنوئی کا قصد کر کے واپس ہوئے' اس وقت ان کے پاس حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں لکھا تھا طٰہٰ' وہ ان کو وہ صحیفہ پڑھا رہے تھے' جب ان دونوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنی تو انہوں نے حضرت خباب کو گھر میں کہیں چھپا دیا اور حضرت فاطمہ بنت الخطاب نے وہ صحیفہ بھی چھپا دیا۔ حضرت عمر نے حضرت خباب کے قرآن پڑھانے کی آواز سن لی تھی۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو پوچھا یہ کیسی آواز تھی؟ ان

...دونوں نے کہا ہم نے تو کوئی آواز نہیں سنی' حضرت عمر نے کہا کیوں نہیں! خدا کی قسم! مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ تم دونوں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی پیروی کر رہے ہو' پھر انہوں نے اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید کے ایک تھپڑ مارا' ان کی بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لیے کھڑی ہوئی تو اس کو بھی مارا' اور ان کا سر پھاڑ دیا' جب انہوں نے بہت مارا تو ان کی بہن اور بہنوئی نے کہا ہاں ہم مسلمان ہو چکے ہیں' ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں' اب جو تمہارے جی میں آئے کرو' جب حضرت عمر نے اپنی بہن کا خون بہتے ہوئے دیکھا تو ان کو اپنے مارنے پر ندامت ہوئی اور وہ مارنے سے رک گئے اور اپنی بہن سے کہا اچھا مجھے اپنا وہ صحیفہ دکھاؤ جس کو تم ابھی پڑھ رہے تھے۔ میں بھی دیکھوں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا پیغام لے کر آئے ہیں اور حضرت عمر پڑھے لکھے انسان تھے' جب حضرت عمر نے یہ کہا تو ان کی بہن نے کہا ہمیں خطرہ ہے کہ تم اس صحیفہ کی توہین نہ کرو' حضرت نے کہا تم مجھ سے مت ڈرو اور اپنے بتوں کی قسم کھا کر کہا وہ اس صحیفہ کو واپس کر دیں گے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۳۵' سنن کبریٰ ج ۱ ص ۸۸) جب حضرت عمر نے یہ کہا تو ان کی بہن کو امید ہوئی کہ شاید وہ اسلام لے آئیں۔ انہوں نے کہا اے بھائی تم ناپاک ہو اور مشرک ہو اور قرآن مجید کو پاک شخص کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا' حضرت عمر نے غسل کیا اور ان کی بہن نے ان کو صحیفہ دے دیا جس میں لکھا ہوا تھا طٰہٰ جب انہوں نے اس کی ابتدائی آیات پڑھیں تو انہوں نے کہا یہ کس قدر حسین اور عظیم کلام ہے۔ جب حضرت خباب نے حضرت عمر کا یہ قول سنا تو وہ اپنی چھپی ہوئی جگہ سے باہر آ گئے اور انہوں نے کہا اے عمر! اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا تیرے حق میں خصوصیت کے ساتھ قبول کر لی ہے کیونکہ میں نے آپ کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! اسلام کی ابوالحکم بن ہشام سے تائید فرما یا عمر بن الخطاب سے (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۱' الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۶۷' مسند احمد ج ۲ ص ۹۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۸۱' المستدرک ج ۳ ص ۸۳' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۵) اس وقت حضرت عمر نے کہا اے خباب! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف میری رہنمائی کرو تاکہ میں اسلام لاؤں' حضرت خباب نے کہا وہ پہاڑ صفا کے پاس ایک گھر میں ہیں اور ان کے ساتھ ان کے اصحاب بھی ہیں' حضرت عمر نے اپنی تلوار لٹکائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی طرف چل پڑے اور جا کر ان کا دروازہ کھٹکھٹایا' جب انہوں نے دستک کی آواز سنی تو اصحاب میں سے کسی نے اٹھ کر دروازہ کی جھری میں سے جھانک کر دیکھا اور گھبرا کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' یہ تو عمر ہے وہ تلوار لٹکائے ہوئے آیا ہے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے کہا اس کو آنے دو اگر وہ کسی نیکی کے ارادہ سے آیا تو ہم اس کو خوش آمدید کہیں گے اور اگر وہ کسی برائی کے ارادہ سے آیا ہے تو ہم اس کو اسی کی تلوار سے قتل کر دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آنے کی اجازت دو' پھر اس نے اجازت دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند سنبھالتے ہوئے کھڑے ہوئے پھر حضرت عمر کو اپنی طرف زور سے کھینچا اور فرمایا اے عمر! تم کس لیے آئے ہو؟ پس اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے حتیٰ کہ اللہ تم پر کوئی سخت عذاب بھیج دے۔ حضرت عمر نے کہا میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں تاکہ میں اللہ پر' اس کے رسول پر اور اللہ کے پاس سے لائی ہوئی چیزوں پر ایمان لاؤں' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ آواز بلند فرمایا اللہ اکبر' حتیٰ کہ گھر میں موجود تمام اصحاب نے جان لیا کہ عمر اسلام لے آئے ہیں۔

امام ابن ہشام لکھتے ہیں امام ابن اسحاق نے حضرت عمر کے اسلام لانے کا دوسرا واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر نے کہا میں اسلام سے بہت دور تھا میں زمانہ جاہلیت میں شراب پیتا تھا' ہماری ایک مجلس تھی جس میں ہمارے دوست احباب جمع ہوتے اور شراب پیتے تھے' میں ایک دن وہاں گیا تو مجھے وہاں پر کوئی نہیں ملا' میں نے سوچا کہ میں فلاں شراب فروخت کرنے

والے کے پاس جاؤں تو اس سے شراب لے کر پیوں۔ میں اس کے پاس گیا تو مجھے وہ نہیں ملا' پھر میں نے سوچا کہ میں کعبہ میں چلا جاؤں اور اس کے سات طواف کرلوں' پھر میں مسجد میں پہنچا تا کہ میں کعبہ کا طواف کروں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں' جب آپ نماز پڑھتے تو شام (بیت المقدس) کی طرف منہ کرتے تھے اور کعبہ کو اپنے اور شام کے درمیان کر لیتے تھے اور حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان نماز پڑھتے تھے جب میں نے آپ کو دیکھا تو سوچا کہ دیکھوں تو سہی یہ نماز میں کیا پڑھتے ہیں۔ میں آپ کے قریب ہو گیا (علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ شریح بن عبید کی روایت میں ہے اس وقت آپ سورۃ الحاقہ پڑھ رہے تھے) مجھے قرآن مجید کے الفاظ کی ترتیب سے بہت تعجب ہوا میں نے دل میں کہا خدا کی قسم یہ ضرور شاعر ہیں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی انه لقول رسول کریم ○ و ما ھو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون ○ (الحاقہ: ۴۱-۴۰) ''بے شک یہ قرآن بزرگ رسول کا قول ہے ○ یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے' تم بہت کم یقین کرتے ہو ○ پھر میں نے سوچا کہ یہ کاہن ہیں ان کو میرے دل کی بات کا پتا چل گیا ہے' پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون ○ تنزیل من رب العلمین ○ (الحاقہ: ۴۳-۴۲) ''اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے' تم بہت کم نصیحت حاصل کر رہے ہو ○ یہ تو رب العالمین کا نازل کردہ ہے ○ (پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر تک سورۃ الحاقہ پڑھی) حضرت عمر نے کہا جب میں نے قرآن سنا تو میرا دل نرم ہو گیا میں آبدیدہ ہو گیا اور میرے دل میں اسلام داخل ہو گیا' میں اسی جگہ پر کھڑا رہا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر واپس چلے گئے اور اپنے مقررہ راستے سے گزرتے ہوئے اپنے گھر جانے لگے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آپ کا پیچھا کیا حتیٰ کہ جب آپ دار عباس اور دار ازھر میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آہٹ سن لی اور مجھے پہچان لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گمان کیا کہ میں نے آپ کو ضرر پہنچانے کے لیے آپ کا پیچھا کیا ہے' آپ نے پوچھا اے ابن الخطاب اس وقت کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ اللہ پر ایمان لاؤں اور اس کے رسول پر اور اس پر جو اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد کی اور فرمایا: اے عمر! بے شک تمہیں اللہ نے ہدایت دے دی' پھر آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کی' پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے۔ امام ابن اسحاق نے کہا اللہ ہی کو علم ہے کہ کون سا واقعہ درست ہے۔

(السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۳۸۵-۳۸۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ' انسان العیون ج ۲ ص ۱۲۶-۱۲۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۵' الطبقات الکبریٰ ج ۹ ص ۱۴۱' الاستیعاب رقم: ۱۸۹۹' اسد الغابہ رقم: ۳۸۳۰' الاصابہ رقم: ۵۷۵۲' سبل الھدی والرشاد ج ۲ ص ۳۷۳-۳۷۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

سورہ طٰہٰ کے مقاصد اور مسائل

سورہ طٰہٰ کے مضامین حسب ذیل ہیں:

(۱) اس سورت کے شروع میں طٰہٰ حروف مقطعہ میں سے ہے' اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت ہے کیونکہ ان حروف سے یہ تنبیہ کی ہے کہ یہ کلام ان ہی حروف سے مرکب ہے جن حروف سے تم اپنا کلام مرکب کرتے ہو اگر تمہارے نزدیک یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو تم بھی ان حروف سے کلام بنا کر لے آؤ' اور اگر نہیں لا سکتے تو مان لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور یہ آپ کی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے' اور اس کے بعد یہ بتایا ہے کہ یہ قرآن آپ پر اس لیے نہیں نازل کیا گیا کہ آپ کو کسی مشقت اور دشواری میں مبتلا کیا جائے اور نہ آپ کے ذمہ یہ

لگایا گیا ہے کہ آپ ان کافروں کو مسلمان کر دیں' آپ کا کام تو صرف ان کو نصیحت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانا ہے' یہ قرآن آسمان وزمین کے خالق اور عرش وکرسی کے مالک کا فرمان ہے اس کو ان تک پہنچا دیجئے اور بس! (طٰہٰ: ۸-۱)

طٰہٰ: ۹۸-۹ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے نازل فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کا سابقہ فرعون کی متکبر اور ضدی قوم سے تھا اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سابقہ کفار قریش سے تھا اور وہ بھی بہت متکبر اور ضدی تھے سو ہدایت کے لیے جس قسم کی آیات فرعون کی قوم کے حق میں ہیں اسی قسم کی آیات کفار قریش پر بھی منطبق ہوں گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں جو خاص خاص باتیں بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں: حضرت موسیٰ کا ہجرت کر کے مصر سے مدین کی طرف سفر کرنا اور مدین سے واپس ہوتے ہوئے مقام طویٰ میں نبوت سے سرفراز کیا جانا۔ حضرت موسیٰ کو عصا اور ید بیضا کے معجزات عطا کیا جانا' حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو فرعون کے دربار میں تبلیغ کے لیے جانے کا حکم دینا' حضرت موسیٰ کے معجزات کے مقابلہ میں جادوگروں کا اپنے جادو سے معارضہ کرنا اور اپنی شکست کو تسلیم کر کے حضرت موسیٰ پر ایمان لانا' فرعون کا ان ایمان لانے والوں کو سولی پر چڑھانے کی دھمکی دینا' حضرت موسیٰ کا بنو اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے روانہ ہونا' فرعون کا تعاقب کرنا' بنو اسرائیل کا نجات پانا اور فرعون کا غرق ہونا' حضرت موسیٰ کا طور پر تورات لینے جانا اور بنی اسرائیل کا سامری کے فتنہ میں مبتلا ہونا اور دیگر کئی امور۔

طٰہٰ: ۱۱۴-۹۹ میں قرآن مجید میں قصہ موسیٰ بیان کرنے کا فائدہ ہے' جو قرآن مجید کے مضامین سے اعراض کرے اس کی سزا کا ذکر ہے' قیامت اور حشر کے ہولناک امور کا ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسیان سے محفوظ ہونے کا ذکر ہے۔

طٰہٰ: ۱۲۳-۱۱۵ میں حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان لعین کے قصہ کا ذکر ہے۔

طٰہٰ ۱۲۹-۱۲۴ میں قرآن سے اعراض کرنے والوں کی دنیا اور آخرت میں سزا کا ذکر ہے۔ پچھلی امتوں پر عذاب بھیجنے کا بیان ہے تاکہ اس زمانہ کے مشرکین نصیحت حاصل کریں۔

طٰہٰ: ۱۳۵-۱۳۰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو کفار کی اذیتوں پر صبر کرنے کی تلقین ہے اور یہ حکم ہے کہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے' جو مشرکین فرمائشی معجزات کے طالب تھے ان کا رد ہے اور یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیجنے سے پہلے عذاب نازل نہیں فرماتا اور یہ بتایا ہے کہ عنقریب مشرکوں کو معلوم ہو جائے گا کہ راہ راست پر کون ہے۔

سورہ طٰہٰ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب ہم اس کا ترجمہ اور تفسیر شروع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ترجمہ اور تفسیر کے دوران مجھے ہدایت اور صراط مستقیم پر قائم رکھے اور وہی بات لکھوائے جو حق اور صواب ہو اور خطا اور ضلال سے بچائے۔

آمین یا رب العلمین بحرمة سید المرسلین سیدنا محمد صلی الله علیه وسلم وعلی آله و اصحابه اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۹ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ/۱۴ اپریل ۲۰۰۱ء

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ

سورہ طٰہٰ مکی ہے اور اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

طٰهٰ ۞١ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۞٢ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ

طاھا ○ ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں ○ یہ صرف ان کے لیے نصیحت ہے جو (اللہ سے)

يَّخْشٰى ۞٣ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۞٤ اَلرَّحْمٰنُ

ڈرتے ہیں ○ اس کو نازل کرنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمینوں کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ○ جو رحمٰن ہے

عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۞٥ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ

اور (اپنی شان کے لائق) عرش پر جلوہ فرما ہے ○ اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے

وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۞٦ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ

اور ان کے درمیان میں ہے اور زمین کی تہہ میں ہے ○ اور اگر آپ بلند آواز سے بات کریں، تو بے شک وہ آہستہ اور

السِّرَّ وَاَخْفٰى ۞٧ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۞٨ وَهَلْ

اس سے بھی زیادہ پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے ○ اللہ معبود ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تمام اچھے نام اسی کے ہیں ○ کیا

اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۞٩ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ وقف لازم

آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے ؟ ○ جب انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا ٹھیرو بے شک

اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۞١٠

میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس سے تمہارے پاس کوئی انگارہ لاؤں یا میں آگ سے راستہ کی کوئی نشانی پاؤں ○

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِىَ يٰمُوْسٰى ۞١١ اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ

جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں پکارا گیا اے موسیٰ ○ بے شک میں ہی آپ کا رب ہوں، سو آپ اپنے جوتے اتار دیجیے

إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑫ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا

بے شک آپ مقدس میدان طویٰ میں ہیں ○ اور میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے پس جو وحی کی جائے

يُوحَىٰ ⑬ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ

اس کو بغور سنیے ○ بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو آپ میری عبادت کیجیے اور میری یاد

لِذِكْرِي ⑭ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ

کے لیے نماز قائم کیجیے ○ بے شک قیامت آنے والی ہے جس کو میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کی

بِمَا تَسْعَىٰ ⑮ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ

سعی کا صلہ دیا جائے ○ پس آپ کو قیامت کے ماننے سے کوئی ایسا شخص نہ روک دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور وہ اپنی خواہش کی

هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ⑯ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ⑰ قَالَ هِيَ عَصَايَ

پیروی کرتا ہو ورنہ آپ ہلاک ہو جائیں گے ○ اور اے موسیٰ! یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ○ موسیٰ نے کہا یہ میرا عصا ہے،

أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ⑱

میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کئی فائدے ہیں ○

قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ ⑲ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ⑳ قَالَ

فرمایا اے موسیٰ اس کو ڈال دو ○ موسیٰ نے اس کو ڈال دیا تو اچانک وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ تھا ○ فرمایا

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ㉑ وَاضْمُمْ

اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت، ہم ابھی اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے ○ اور اپنا ہاتھ

يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ㉒

اپنی بغل میں ملا لیں تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہے ○

لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ㉓ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ㉔ ع ۱۴ ۱۰

تاکہ ہم آپ کو اپنی بعض بڑی نشانیاں دکھائیں ○ آپ فرعون کی طرف جائیے اس نے بہت سرکشی کی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طاھا O ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں O (طٰہٰ: ۲-۱)

طٰہٰ الخ کا شان نزول

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

''طٰہٰ'' کے شان نزول میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھک جاتے تو کبھی ایک پیر پر وزن ڈالتے تو کبھی دوسرے پر' تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) ضحاک نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوا تو آپ نے اور آپ کے اصحاب نے نماز پڑھی اور بہت لمبا قیام کیا تو قریش نے کہا اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مشقت میں ڈالنے کے لیے ان پر قرآن نازل کیا ہے' تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) مقاتل نے کہا ابوجہل' نضر بن حارث اور المطعم بن عدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ ہمارے دین کو ترک کر کے مشقت اور مصیبت میں پڑ گئے ہیں' تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(زادالمسیر ج ۵ ص ۲۶۸' اسباب النزول للواحدی ص ۱۷۴)

طٰہٰ کے معانی

طٰہٰ کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس' حسن بصری' سعید بن جبیر اور مجاہد وغیرھم نے کہا اس کا معنی ہے اے آدمی!

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوالعالیہ نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' طا سے طیب اور طاہر کی طرف اشارہ ہے اور ھا سے ہادی کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) ابوسلیمان دمشقی نے کہا: طا سے مراد ہے طابہ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ ہے اور ھا سے مراد ہے مکہ۔

(۴) ثعلبی نے کہا طا سے مراد ہے اہل جنت کی طرب (خوشی) اور ھا سے مراد ہے اہل دوزخ کی ھوان (ذلت)۔

(۵) ثعلبی کا دوسرا قول ہے حساب جمل کے اعتبار سے طا کے نو عدد ہیں اور ھا کے پانچ عدد ہیں سو یہ چودہ عدد ہوئے یعنی چودھویں کی رات کے چاند اور اس کا معنی ہے: اے بدر کامل! ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔

(۶) علی بن ابی طلحہ نے کہا طٰہٰ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اس نے اپنے نام کی قسم کھائی ہے۔

(زادالمسیر ج ۵ ص ۲۷۰-۲۶۹' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام طٰہٰ رکھا جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام محمد رکھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۸۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم اس سے پہلے سورہ طٰہٰ کے مقدمہ میں بتا چکے ہیں کہ علامہ ابوالحیان اندلسی' علامہ آلوسی اور ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے بھی اس قول کا ذکر کیا ہے' اور قاضی عیاض مالکی' علامہ خفاجی اور ملا علی قاری نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ زبیدی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۷۸' بیروت' نسیم الریاض وشرح الشفاء ج ۲ ص ۳۸۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پانچ اسماء ہیں: میں محمد ہوں اور احمد ہوں اور میں ماحی ہوں' میرے سبب سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے' اور میں حاشر ہوں' اللہ تعالیٰ میرے قدموں پر حشر کرے گا اور میں عاقب (سب نبیوں کے بعد آنے والا) ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۹۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کا نام محمد اور احمد رکھا ہے' آپ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کی حمد کرنے والے ہیں' اور آپ کی سب سے زیادہ حمد کی گئی ہے پس آپ احمد المحمودین اور احمد الحامدین ہیں۔ آپ نے یہ جو فرمایا ہے کہ میرے پانچ اسماء ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ پچھلی آسمانی کتابوں میں میرے پانچ اسماء ہیں' اور بعض روایات میں ہے کہ میرے دس اسماء ہیں (دلائل النبوۃ لابی نعیم وتفسیر ابن مردویہ) اور ان میں سے طٰہٰ اور یٰسین بھی ہیں' اور بعض تفاسیر میں ہے کہ طٰہٰ کا معنی ہے یا طاہر یا ہادی اور یٰسین کا معنی ہے یا سید' اور دوسروں نے ذکر کیا ہے کہ میرے دس اسماء ہیں' پانچ اسماء تو وہ ہیں جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور باقی پانچ اسماء یہ ہیں: میں رسول رحمت ہوں اور رسول راحت ہوں اور رسول ملاحم ہوں اور میں مقفی ہوں نبیوں کے بعد آیا ہوں۔ اور میں قیم ہوں۔ قیم کے معنی ہیں الجامع الکامل۔

اور نقاش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ میرے قرآن میں سات اسماء ہیں: محمد' احمد' یٰسین' طٰہٰ' مدثر' مزمل اور عبداللہ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے یہ اسماء بتائے: میں محمد اور احمد اور المقفی اور نبی التوبۃ اور نبی الملحمۃ اور نبی رحمت ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۵)

نبی الملحمۃ میں یہ اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال اور سیف کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ کثرت القاب ہیں: نور' سراج منیر' منذر' نذیر' المبشر' البشیر' الشاہد' الشہید' الحق المبین' خاتم النبیین' الرؤف' الرحیم' الامین' قدم صدق' رحمۃ للعالمین' نعمۃ اللہ' العروۃ الوثقیٰ' الصراط المستقیم' النجم الثاقب' الکریم' النبی الامی' داعی الی اللہ۔

کتب سابقہ اور احادیث مبارکہ میں آپ کے اسماء حسب ذیل ہیں:

المصطفیٰ' المجتبیٰ' ابوالقاسم' الحبیب' رسول رب العلمین' الشفیع المشفع' المتقی' المصلح' الطاہر' المہیمن' الصادق' المصدوق' الہادی' سید ولد آدم' سید المرسلین' امام المتقین' قائد الغر المحجلین' حبیب اللہ' خلیل الرحمٰن' صاحب الحوض المورود والشفاعۃ' والمقام المحمود' صاحب الوسیلۃ والفضیلۃ' والدرجۃ الرفیعۃ' صاحب التاج والمعراج' واللواء' والقضیب' راکب البراق' والناقۃ' والنجیب' صاحب الحجۃ' السلطان' الخاتم' العلامۃ والبرہان' صاحب الھراوۃ والنعلین۔

کتب مقدسہ میں آپ کے بعض اسماء یہ ہیں: المتوکل' المختار' مقیم السنۃ' المقدس' روح الحق' انجیل میں الفارقلیط کا یہی معنی ہے' ثعلب نے کہا فارقلیط کا معنی ہے جو حق اور باطل میں فرق کرے۔

کتب سابقہ میں آپ کے بعض اسماء یہ ہیں: ماذ ماذ اس کا معنی ہے طیب طیب' حمطایا' الخاتم' الحاتم' اس کو کعب احبار نے بیان کیا ہے۔

صاحب القضیب کا معنی ہے صاحب تلوار اور الھراوۃ کا معنی ہے عصا' اور التاج سے مراد ہے عمامہ۔
(الشفاء ج ۱ ص ۱۸۰-۱۷۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ جو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ بھی ہیں

(۱) اللہ تعالیٰ کا اسم رؤف رحیم ہے اور اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رؤف رحیم فرمایا۔

وَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ (التوبہ: ۱۲۸)　اور وہ مومنوں کے ساتھ رؤف رحیم ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا نام الحق اور المبین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الحق اور المبین فرمایا:

حَتّٰی جَآءَهُمُ الۡحَقُّ وَ رَسُوۡلٌ مُّبِیۡنٌ (الزخرف: ۲۹)　یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف سنانے والا رسول آ گیا۔

اور آپ کا نام النذیر المبین رکھا:

وَ قُلۡ اِنِّیۡۤ اَنَا النَّذِیۡرُ الۡمُبِیۡنُ (الحجر: ۸۹)　آپ کہیے بے شک میں ہی النذیر المبین (صاف صاف ڈرانے والا) ہوں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا اسم نور ہے یعنی خالق النور یا نور والا یا آسمانوں اور زمینوں کو منور کرنے والا یا مومنوں کے دلوں کو ہدایت سے منور کرنے والا' اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نور فرمایا ہے:

قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ (المائدۃ: ۱۵)　بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ گیا اور کتاب مبین۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے شہید ہے اس کا معنی عالم ہے یا وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر شاہد ہوگا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شاہد اور شہید فرمایا:

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا (الاحزاب: ۴۵)　بے شک ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔

وَ یَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَهِیۡدًا (البقرہ: ۱۴۳)　اور رسول تمہارے حق میں شہید (گواہ) ہوں گے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کریم ہے اس کا معنی ہے بہت خیر والا' بہت معاف کرنے والا' اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کریم فرمایا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ (الحاقہ: ۶۹)　بے شک یہ رسول کریم کا قول ہے۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل ہیں۔

(۶) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے عظیم ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عظیم فرمایا:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم: ۴)　بے شک آپ بہت عظیم اخلاق پر ہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ کا اسم خبیر ہے اور اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خبیر فرمایا ہے:

ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِیۡرًا (الفرقان: ۵۹)　پھر رحمٰن عرش پر جلوہ فرما ہوا' (اے مخاطب!) تو کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ لے۔

قاضی ابوبکر بن العلاء نے کہا اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کو سوال کرنے کا حکم دیا ہے اور خبیر سے مراد

آپ کی ذات گرامی ہے۔

(۸) اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے القوی اور ذی قوۃ ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے ذی قوۃ فرمایا ہے:

اِنَّـہٗ لَـقَوْلُ رَسُوْلٍ کَـرِیْمٍ ○ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ○ (التکویر: ۲۰-۱۹) یہ رسول کریم کا قول ہے ○ جو عرش والے کے نزدیک قوت والا بلند مرتبہ کا ہے۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں رسولِ کریم سے مراد حضرت جبریل ہیں' اور ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۹) اللہ تعالیٰ کا ایک اسم ولی ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ولی فرمایا ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰـہُ وَرَسُوْلُہٗ (المائدہ ۵۵) اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول ہے۔

(۱۰) طٰہٰ کی تفسیر میں کہا گیا ہے اس کا معنی ہے یا طاہر یا ہادی اور اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اور ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے طٰہٰ اور یٰسین ہیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اسماء ہیں۔

(الشفاء ج اص ۱۸۷-۱۸۱ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جو اسماء اللہ تعالیٰ کے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اسماء ہیں ان میں صرف ظاہری اور صوری طور پر اشتراک ہے اور معنی کے اعتبار سے ان میں زمین اور آسمان سے زیادہ فرق ہے' مثلاً رحیم اللہ تعالیٰ کا بھی اسم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اسم ہے' لیکن اللہ تعالیٰ از خود رحیم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ تعالیٰ کے بنانے سے رحیم ہیں' اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی رحیم ہے اور آپ حادث اور فانی رحیم ہیں' اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار غیر متناہی ہیں اور آپ کی رحمت کے آثار متناہی ہیں اس کے علاوہ اور بہت وجوہ سے فرق ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیس کمثلہ شئ (الشوریٰ: ۱۱) کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کی تعداد

علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ' ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد اسماء رکھے اور جب کوئی چیز بہت عظیم ہوتی ہے تو اس کے اسماء بھی بہت ہوتے ہیں۔ بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسم ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ایک ہزار اسم ہیں' رہے اللہ تعالیٰ کے اسماء تو ایک ہزار کا عدد ان کے لیے بہت کم ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے اسماء لکھنے کے لیے تمام سمندر بھی سیاہی بن جائیں بلکہ ان جیسے سات اور سمندر بھی سیاہی بن جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کے کل اسماء نہیں لکھے جا سکتے' اور رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء تو یہ وہی ہیں جو احادیث معتبرہ میں صریح اسم کے ساتھ وارد ہو چکے ہیں اور وہ تمام اسماء میں نے محفوظ کر لیے ہیں اور اس وقت ان میں سے سرسٹھ (۶۷) اسم متحضر ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) الرسول (۲) المرسل (۳) النبی (۴) الامی (۵) الشہید (۶) المصدق (۷) النور (۸) المسلم (۹) البشیر (۱۰) المبشر (۱۱) النذیر (۱۲) المنذر (۱۳) المبین (۱۴) الامین (۱۵) العبد (۱۶) الداعی (۱۷) السراج (۱۸) المنیر (۱۹) الامام (۲۰) الذاکر (۲۱) المذکر (۲۲) الہادی (۲۳) الشاہد (۲۴) المہاجر (۲۵) العامل (۲۶) المبارک (۲۷) الرحمت (۲۸) الامر

(۲۹) الناھی (۳۰) الطیب (۳۱) الکریم (۳۲) المحلل (۳۳) المحرم (۳۴) الواضع (۳۵) الرافع (۳۶) المجیر (۳۷) خاتم النبیین (۳۸) ثانی اثنین (۳۹) منصور (۴۰) اُذن (۴۱) خیر (۴۲) مصطفیٰ (۴۳) امین (۴۴) مامون (۴۵) قاسم (۴۶) نقیب (۴۷) المزمل (۴۸) المدثر (۴۹) العلی (۵۰) الحکیم (۵۱) المومن (۵۲) الرؤف (۵۳) الرحیم (۵۴) الصاحب (۵۵) الشفیع (۵۶) المشفع (۵۷) المتوکل (۵۸) محمد (۵۹) احمد (۶۰) الماحی (۶۱) الحاشر (۶۲) المقفی (۶۳) العاقب (۶۴) نبی التوبۃ (۶۵) نبی الرحمۃ (۶۶) نبی الملحمۃ (۶۷) عبداللہ۔ ان کے علاوہ آپ کے اور بھی اسماء ہیں۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۱۰ ص ۲۱۲-۲۱۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کے معانی

علامہ ابن العربی نے ان تمام اسماء کے معنی بھی بیان کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

رسول وہ ہے جس کی خبر پے در پے اللہ کی طرف سے آئے' اور وہی مرسل ہے اور وہ اس کا تقاضا نہیں کرتا کہ اس کی خبر پے در پے آئے' وہ بھیجنے والے کی بات سنتا ہے اور اس کی تبلیغ کرتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تم سنتے ہو اور تم سے سنا جائے گا اور جس نے تم سے سنا ہے اس سے بھی سنا جائے گا۔ نبی کے لفظ میں اگر ہمزہ ہو تو یہ نبأ سے بنا ہے اور اس کا معنی خبر دینا ہے' اور اگر اس میں ہمزہ نہ ہو تو نبوۃ سے بنا ہے اس کا معنی زمین کی بلند جگہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی خبر دینے والے ہیں' اور اس کے نزدیک بلند مرتبہ والے ہیں سو آپ میں دو وصف اور دو شرف جمع ہو گئے۔

امی کے معنی میں کئی اقوال ہیں' سب سے صحیح قول یہ ہے کہ امی وہ شخص ہے جو نہ پڑھتا ہو نہ لکھتا ہو اسی کیفیت پر ہو جس طرح اپنی ماں کے بطن سے نکلا تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْــٴًـا (النحل: ۷۸)

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ علم نہیں رکھتے تھے۔

پھر تم کو جو چاہا علم عطا فرمایا۔

اور آپ شہید ہیں کیونکہ آپ دنیا اور آخرت میں مخلوق کی شہادت دیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ۱۴۳)

ہم نے تم کو بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں۔

اور آپ اس وجہ سے بھی شہید ہیں کہ معجزہ آپ کے صدق کی شہادت دیتا ہے۔

آپ مصدق ہیں کیونکہ آپ اپنے سے پہلے تمام نبیوں کی تصدیق کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (البقرہ: ۹۷)

بے شک جبریل نے آپ پر اللہ کا کلام نازل کیا ہے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے۔

آپ نور ہیں' کیونکہ لوگ کفر اور جہالت کے اندھیروں میں تھے تو آپ نے لوگوں کے دلوں کو ایمان اور علم سے روشن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ۙ بے شک آ گیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین۔ (المائدہ: ۱۵)

آپ مسلم ہیں' کیونکہ آپ سب سے پہلے مسلم ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ (الانعام: ۱۶۳) آپ کہیے میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔

اور آپ سب سے پہلے ہر حال میں اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں اور آپ جہل اور معاصی سے سلامتی میں ہیں۔

آپ بشیر ہیں کیونکہ آپ نے مخلوق کو ان کی اطاعت پر ثواب کی خبر دی اور ان کی نافرمانی پر سزا کی خبر دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ (آل عمران: ۲۱) پس آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے۔

اسی طرح مبشر کا معنی ہے اور آپ نذیر اور منذر ہیں کیونکہ آپ ان چیزوں کی خبر دیتے ہیں جن سے لوگ ڈریں اور عذاب کو دور کرنے والے کام کریں۔

آپ مبین ہیں' کیونکہ آپ نے اپنے رب کی وحی اور دین کو بیان کیا اور آیات اور معجزات کو ظاہر فرمایا۔

آپ امین ہیں کیونکہ آپ نے ان سب چیزوں کی حفاظت کی جن کی آپ کی طرف وحی کی گئی تھی' اور ان کی حفاظت کی جنہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔

آپ سید ہیں کیونکہ جو اللہ کے لیے عبادت کرے اور تواضع کرے اللہ اس کو سربلند کرتا ہے' سو آپ نے فرمایا: میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میں مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں جو حق ہے۔

آپ سراج ہیں یعنی نور ہیں' آپ کے سبب سے مخلوق رشد اور ہدایت کو دیکھتی ہے اور آپ منیر ہیں۔

آپ امام ہیں کیونکہ مخلوق آپ کی اقتداء کرتی ہے اور آپ کے اقوال اور افعال کی پیروی کرتی ہے۔

آپ ذکر ہیں کیونکہ آپ فی نفسہٖ شریف ہیں اور دوسروں کو شرف دینے والے ہیں' آپ میں ذکر اور سلامتی کی تمام وجوہ جمع ہیں آپ مذکر ہیں کیونکہ آپ کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ ذکر کو پیدا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَذَكِّرۡ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ ۝ (الغاشیہ: ۲۲-۲۱) سو آپ نصیحت کیجئے آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں' آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو جبر کرنے پر قدرت عطا کی آپ کو سلطنت دی اور آپ کے دین کو روئے زمین پر غالب کر دیا۔

آپ ہادی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان سے خیر اور شر کے دونوں راستے واضح کر دیئے۔

آپ مہاجر ہیں کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے ہجرت کی (ان کو ترک کر دیا) اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت کی وجہ سے مخلوق کو چھوڑ دیا اور اس کی اطاعت کی محبت میں ان سے الگ ہو گئے' یعنی ان سے شدید تعلق نہ رکھا۔

آپ مبارک ہیں کیونکہ آپ کی وجہ سے ثواب زیادہ ہوتا ہے اور آپ کے اصحاب کے اعمال کے فضائل زیادہ ہوتے ہیں اور آپ کی امت کا مرتبہ دوسری امتوں پر زیادہ ہے۔

آپ رحمت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء: ۱۰۷)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے مخلوق پر دنیا میں یہ رحمت کی کہ ان کو عذاب نہیں ہوگا اور آپ کی وجہ سے آخرت میں یہ رحمت ہوگی کہ ان کا جلد حساب ہوگا اور ان کا ثواب دگنا ہوگا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال: ۳۳) اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب بھیجے۔

آپ آمر اور ناھی ہیں حقیقت میں اللہ تعالیٰ امر کرتا ہے اور نہی (منع) کرتا ہے اور آپ اس کے امر اور نہی کو پہنچاتے ہیں یا اس کی اجازت سے امر اور نہی کرتے ہیں۔ بعض چیزوں کا حکم دیتے ہیں اور بعض چیزوں سے منع فرماتے ہیں۔

آپ طیب ہیں' آپ سے بڑھ کر کوئی پاکیزہ نہیں ہے آپ کا دل زنگ کی آلودگی سے پاک اور صاف ہے' آپ کے اقوال قول کے خبث سے پاک اور صاف ہیں اور آپ کے تمام افعال فعل کے خبث سے پاک اور صاف ہیں اور آپ کا ہر فعل اطاعت اور عبادت ہے۔

آپ کریم ہیں' کیونکہ مخلوق میں آپ سب سے بڑھ کر معاف کرنے والے اور عطا کرنے والے ہیں۔

آپ محلل اور محرم ہیں کیونکہ آپ پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

آپ واضع ہیں کیونکہ آپ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھتے ہیں' نیکوں کو سر بلند کرتے ہیں بروں کو سرنگوں کرتے ہیں۔

آپ خاتم النبیین ہیں کیونکہ آپ تمام نبیوں کے آخر ہیں اور یہ کنایہ ہے کیونکہ خاتم کا معنی مہر ہے اور کسی چیز کے آخر میں مہر لگا دی جاتی ہے (اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ کی مہر لگا کر نبی بنائے جاتے ہیں) آپ کی شریعت اور آپ کی فضیلت قیامت تک باقی رہے گی۔

آپ ثانی اثنین ہیں کیونکہ آپ اللہ کی خبر کے ساتھ مقترن ہیں۔ آپ منصور ہیں کیونکہ اللہ کی طرف سے آپ کی مدد کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام رسول منصور ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۱۷۲-۱۷۱) اور بے شک اپنے ان بندوں کے لیے جو رسول ہیں ہمارا وعدہ پہلے ہی صادر ہو چکا ہے ○ یقیناً ان ہی کی مدد کی جائے گی ○

آپ اُذنِ خیر (خیر کے کان) ہیں کیونکہ آپ اسی بات کو غور سے سنتے ہیں جو خیر ہو۔

آپ مصطفیٰ ہیں کیونکہ آپ تمام مخلوق میں سے چنے ہوئے اور پسندیدہ ہیں جیسا کہ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے ابراہیم کی اولاد میں سے اسماعیل کو چن لیا اور اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۶' ۳۶۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۶)

آپ امین ہیں کیونکہ آپ نے معانی کی چابیوں کی قیامت تک کے لیے حفاظت کی ہے' اور آپ مامون ہیں کیونکہ آپ سے شر کا خطرہ نہیں ہے۔ آپ قاسم ہیں کیونکہ آپ زکوٰۃ' خمس اور دیگر اموال سے مسلمانوں کے حقوق کو تقسیم کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۷)

آپ نقیب ہیں کیونکہ آپ کے تمام صحابہ پر انصار کا فخر ہے' آپ نے ان کے متعلق فرمایا میں ان کا نقیب ہوں' کیونکہ ہر وہ جماعت جس کا کوئی نقیب ہوتا ہے وہ اس کے معاملات کا ولی اور سرپرست ہوتا ہے اور اس کی خبروں کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی منتشر چیزوں کو جمع کرتا ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو شرف عطا فرمانے کے لیے ان کو یہ عزت دی۔

آپ مرسل (سین پر زبر) ہیں کیونکہ آپ نے اطراف عالم میں اپنے نمائندے بھیجے تاکہ وہ آپ کے دین کی تبلیغ کریں۔

آپ علی ہیں کیونکہ آپ شرف' مقام' مرتبہ اور اپنے دعاوی پر دلائل کے لحاظ سے تمام مخلوق پر بلند ہیں۔

آپ حکیم ہیں کیونکہ آپ نے اپنے رب کی طرف سے قوانین بنائے اور ان کے تقاضوں پر عمل کیا۔

آپ مومن (میم پر زبر) ہیں یعنی مصدق ہیں' آپ کے رب نے آپ کے اقوال اور افعال کی تصدیق کی ہے۔

آپ الرؤف الرحیم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں پر شفقت کرنے والا بنایا ہے' آپ نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہوتی ہے۔ ہر نبی نے اس دعا کو دنیا میں خرچ کر لیا اور میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کرنے کے لیے چھپا کر رکھا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۸) نیز آپ نے فرمایا اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۱۱ عالم الکتب)

آپ صاحب ہیں کیونکہ آپ اس شخص کے ساتھ ہیں جو حسن معاملہ' نیکی' کرامت' مروت اور وفاداری میں آپ کی اتباع کرے۔

آپ الشفیع المشفع ہیں کیونکہ آپ مخلوق کے حساب میں جلدی کریں گے اور عذاب کو دور کرنے میں ان کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ کی بہت تعظیم اور تکریم کی جائے گی۔

آپ متوکل ہیں یعنی آپ نے تمام معاملات کی چابیاں اللہ تعالیٰ کو سونپ دی ہیں خواہ علم کا معاملہ ہو یا عمل کا۔ مقفی کا معنی عاقب کی مثل ہے۔

آپ نبی التوبہ ہیں کیونکہ آپ نے اپنی امت کی زبانی توبہ قبول فرمالی اور ان کو قتل کرنے یا قید کرنے کا حکم نہیں دیا۔

آپ نبی الرحمۃ ہیں' اس کا معنی رحمت کی تفسیر میں گزر گیا ہے۔

آپ نبی الملحمۃ ہیں کیونکہ آپ کو اللہ کے دشمنوں کے ساتھ حرب اور جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۱۰ ص ۲۱۴-۲۱۲' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کے متعلق دیگر علماء کی تحقیقات

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابوالفضل نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں' کتب قدیمہ اور اطلاقات ائمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ کثرت اسماء اور آپ کی صفات کا تتبع کیا ہے اور یہ ان کی کتاب الشفاء میں مذکور ہیں' اور قاضی ابو بکر بن العربی نے احکام القرآن میں آپ کے سرسٹھ (۶۷) اسماء کا ذکر کیا جو ان کو پڑھنا چاہے وہ اس کا مطالعہ کرے۔

(المفہم ج ۶ ص ۱۴۹' دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ' شرح النواوی ج ۱۰ ص ۶۱۹۰' مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

علامہ محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کی تعداد ننانوے (۹۹) تک پہنچائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی تعداد کے موافق ہے جو حدیث میں وارد ہے۔ قاضی عیاض نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں سے تینتیس (۳۳) اسماء کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص کیا ہے' ابن دحیہ نے المستوفی میں لکھا ہے کہ جب کتب متقدمہ' قرآن مجید سنت میں تتبع اور تلاش کی گئی تو آپ کے اسماء کی تعداد تین سو ہے' اور بعض صوفیاء نے کہا آپ کے اسماء کی تعداد اللہ تعالیٰ کے

اسماء کی طرح ایک ہزار ہے۔ علامہ بدرالبلقینی نے ایک ضخیم جلد میں ان اسماء کو جمع کیا ہے' اسی طرح ابن دحیہ نے المستوفی میں
ان اسماء سے مراد آپ کے اوصاف ہیں اور ہر وہ وصف جو آپ کے ساتھ مختص ہے اس سے آپ کا اسم بنا لیا گیا ہے یا آپ
کے اوصاف غالبہ سے یا ان اوصاف سے جو آپ میں اور دوسرے انبیاء میں مشترک ہیں' قاضی عیاض' ابن العربی اور ابن سید
الناس نے ان اسماء کا عدد چار سو تک پہنچایا ہے۔

نقاش نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن میں میرے سات اسماء ہیں محمد' احمد' یٰسین' طٰہٰ'
مزمل' مدثر اور عبداللہ۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۶۳۔۱۶۱ ملخصاً مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اسماء قرآن مجید میں بالاتفاق مذکور ہیں وہ یہ ہیں: الشاھد' المبشر' النذیر المبین' الداعی الی اللہ'
السراج المنیر' المذکر' الرحمۃ' النعمۃ' الھادی' الشہید' الامین' المزمل اور المدثر' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث میں آپ
کا اسم المتوکل بھی ہے۔ اور آپ کے مشہور اسماء یہ ہیں: المختار' المصطفیٰ' الشفیع' المشفع' الصادق المصدوق۔ ان کے علاوہ اور بھی
ہیں' علامہ ابن دحیہ نے الاسماء النبویہ میں ایک الگ مستقل کتاب لکھی ہے۔ بعض علماء نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء اللہ
تعالیٰ کے اسماء کے موافق ننانوے ہیں اور اگر کوئی شخص تتبع کرے تو ان کا عدد تین سو تک پہنچتا ہے۔ علامہ ابن دحیہ نے اپنی اس
تصنیف مذکور میں قرآن مجید اور احادیث سے ان اسماء کا ذکر کیا ہے اور ان آیات اور احادیث کا بھی ذکر کیا ہے اور ان اسماء کو
منضبط کیا ہے اور ان کے معانی کی شرح کی ہے اور اپنی عادت کے مطابق بہت زیادہ فوائد کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے زیادہ تر جن
اسماء کا ذکر کیا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ہیں اور ان میں سے اکثر بہ طور اسم کے وارد نہیں ہوئے مثلاً حدیث میں
ہے "میں وہ لبنۃ (اینٹ) ہوں جس سے قصر نبوت مکمل ہوا ہے" تو انہوں نے لبنۃ کو بھی آپ کا اسم قرار دیا ہے' اور علامہ ابن
العربی نے ترمذی کی شرح میں بعض صوفیاء سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسم ہیں اور اس کے رسول کے بھی ایک
ہزار اسم ہیں' اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پانچ اسم ہیں میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں
الماحی ہوں میرے سبب سے اللہ کفر مٹا دیتا ہے اور میں الحاشر ہوں میرے قدموں پر لوگوں کا حشر کیا جائے گا (یعنی میرے بعد
قیامت آ جائے گی اور درمیان میں کوئی اور نبی نہیں آئے گا) اور میں العاقب ہوں (یعنی میں تمام انبیاء کے آخر میں ہوں)
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲) اس حدیث میں صرف پانچ اسماء پر اقتصار کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ کے دوسرے اسماء کی بہ
نسبت یہ اسماء زیادہ مشہور ہیں۔ یہ اسماء گزشتہ امتوں کے درمیان گزشتہ کتابوں میں بھی مذکور ہیں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ صرف ان کے لیے نصیحت ہے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں ○ اس کو نازل کرنا اس کی طرف سے ہے
جس نے زمینوں کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ○ جو رحمٰن ہے اور (اپنی شان کے لائق) عرش پر جلوہ فرما ہے ○ اسی کی ملکیت میں
ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور ان کے درمیان میں ہے اور زمین کی تہہ میں ہے ○ اور اگر آپ بلند
آواز سے بات کریں تو بے شک وہ آہستہ اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے ○ اللہ معبود ہے اس کے سوا کوئی
عبادت کا مستحق نہیں تمام اچھے نام اسی کے ہیں ○ (طٰہٰ: ۸۔۳)

صرف ڈرنے والوں کے لیے قرآن کے نصیحت ہونے کی توجیہ

طٰہٰ: ۳ کا معنی ہے کہ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ تبلیغ کے سلسلہ میں مشقت برداشت کریں

(مشقت) اٹھائیں بلکہ ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ اس قرآن سے ان لوگوں کو نصیحت کریں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں' اس پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ قرآن مجید کی نصیحت صرف ان لوگوں کے لیے کیوں خاص کی گئی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ تو قرآن مجید سب کے لیے نصیحت ہے لیکن واقع میں اس قرآن سے نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متعلق ایک جگہ فرمایا: ھدی للناس (البقرۃ:۱۸۵) یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور دوسری جگہ فرمایا ھدی للمتقین (البقرہ:۲) یہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے' اس کا بھی یہی معنی ہے کہ ہر چند کہ قرآن کریم فی نفسہٖ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے لیکن واقع میں اس سے ہدایت صرف متقین حاصل کرتے ہیں' اسی طرح ایک جگہ فرمایا:

تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (الفرقان:۱)

وہ برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔

اس آیت میں فرمایا ہے آپ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہیں' اور ایک اور آیت میں فرمایا:

وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (الذاریات:۵۵)

اور نصیحت کرتے رہیے بے شک یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا والوں کو نصیحت فرماتے تھے لیکن آپ کی نصیحت سے نفع ایمان والے ہی حاصل کرتے تھے اس لیے اس آیت میں بھی خصوصیت سے فرمایا کہ یہ قرآن صرف ان کے لیے نصیحت ہے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔

قرآن کریم کی عظمت

طٰہٰ:۴ میں فرمایا اس کو نازل کرنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمینوں کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی عظمت بیان فرمائی ہے کہ اس کو نازل کرنے والا وہ عظیم ہے جس نے زمینوں اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا ہے' جو رحمٰن ہے اور عرش پر جلوہ فرما ہے' اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور ان کے درمیان میں ہے اور زمین کی تہہ میں ہے ○ کیونکہ مخلوق اور نعمت کی عظمت سے اس کے خالق اور منعم کی عظمت ظاہر ہوگی کہ جو مخلوق اتنی عظیم ہے اس کا خالق کتنا عظیم ہوگا اور جو نعمت اس قدر عظیم ہے اس نعمت کا دینے والا کس قدر عظیم ہوگا' اور جب اس قدر عظیم ذات نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے تو وہ قرآن مجید کس قدر عظیم ہوگا اور قرآن مجید کی عظمت اس لیے بیان فرمائی تاکہ لوگ اس کے معانی میں غور و فکر کریں اور اس کے حقائق میں تدبر کریں' کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے پاس اپنا نمائندہ یا سفیر بھیجتا ہے تو اگر وہ بھیجنے والا بہت عظیم اور صاحب اقتدار ہو تو اس سفیر اور نمائندہ کو بہت اہم اور قابل قدر قرار دیا جاتا ہے اور پوری تندہی سے اس کے احکام کی اطاعت کی جاتی ہے۔

طٰہٰ:۵ میں فرمایا جو رحمٰن ہے اور عرش پر جلوہ فرما ہے' عرش پر جلوہ فرما ہونے کی تفسیر ہم الاعراف:۵۴ میں بیان کر چکے ہیں۔

طٰہٰ:۶ میں ماتحت الثری کا لفظ ہے' ثری کا معنی ہے گیلی مٹی' خاک (مختار الصحاح ص ۶۲) اس سے مراد وہ پتھر ہیں جن کے نیچے کیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' محمد بن کعب نے کہا اس سے مراد ساتویں زمین ہے۔

اور اخفٰی کا معنی

طٰہٰ:۷ میں ہے اگر آپ بلند آواز سے بات کریں تو بے شک وہ آہستہ اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے ○

اس آیت میں سر اور اخفٰی کے الفاظ ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انسان دوسرے شخص سے پوشیدگی میں جو بات کرے وہ سر ہے' اور انسان اپنے دل میں جو بات چھپالے اور کسی دوسرے شخص کو اس پر مطلع نہ کرے وہ اخفٰی ہے۔ نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا تمہارا دل میں کسی کام کا منصوبہ بنانا سر ہے اور جس کام کا تم عنقریب اپنے دل میں منصوبہ بناؤ گے وہ اخفٰی ہے' تم یہ جانتے ہو کہ تم نے آج اپنے دل میں کیا پروگرام بنایا ہے اور تم یہ نہیں جانتے کہ تم کل اپنے دل میں کیا پروگرام بناؤ گے' اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم نے آج اپنے دل میں کیا چھپایا ہے اور تم کل اپنے دل میں کیا چھپاؤ گے اس لیے فرمایا وہ سر کو بھی جانتا ہے اور اخفٰی کو بھی جانتا ہے۔

اللہ کے واحد ہونے پر ایمان کے مدارج اور مراتب

طٰہٰ: ۸ میں ہے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' پھر تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے سے انسان مسلمان ہو جاتا ہے اس پر دوزخ کے عذاب کا دوام حرام ہو جاتا ہے اور وہ دخول جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس آیت کے پہلے جز میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا بیان فرمایا ہے' امام رازی نے لکھا ہے کہ توحید کے چار مراتب ہیں: (۱) زبان سے توحید کا اقرار کرنا (۲) دل میں توحید کا اعتقاد رکھنا (۳) دلائل سے اس اعتقاد کی تائید کرنا (۴) بندہ بحر توحید میں اس طرح غرق ہو جائے کہ اس کے دل میں ماسوا اللہ تعالیٰ کی معرفت کے اور کوئی خیال نہ آئے۔

اگر کوئی شخص زبان سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرے اور اس کا دل اس کے اعتقاد سے خالی ہو تو وہ منافق ہے' اور اگر اس کے دل میں توحید کا اعتقاد ہو اور اس نے زبان سے توحید کا اقرار نہ کیا ہو تو اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

صورت اولیٰ: ایک شخص نے دلائل میں غور وفکر کیا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی معرفت ہوگئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ توحید کا اقرار کرتا اس کو موت آ گئی۔ ایک قوم نے یہ کہا اس کا ایمان مکمل نہیں ہوا' اور حق یہ ہے کہ اس کا ایمان مکمل ہو گیا کیونکہ جس چیز کا وہ مکلف تھا اس کو اس نے ادا کر لیا اور وقت کی مہلت نہ ملنے کی وجہ سے وہ کلمہ پڑھنے سے عاجز رہا' اور میں نے بعض کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ ملک الموت کی پیشانی پر لا الہ الا اللہ لکھا ہوا ہے تا کہ جب مومن ملک الموت کی طرف دیکھے تو اس کو کلمہ پڑھنا یاد آ جائے۔

صورتِ ثانیہ: ایک شخص نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اور اس پر اتنا وقت گزر گیا جس میں وہ کلمہ پڑھ سکتا تھا' لیکن اس نے کوتاہی کی اس کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ امام غزالی نے یہ کہا کہ زبان دل کی ترجمان ہے' جب اس کے دل میں ایمان آ چکا اور پھر اس نے زبان سے اقرار کرنے میں تقصیر کی تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے میں کوتاہی کرے' تو وہ کیسے اہل دوزخ میں سے ہوگا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو گا اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴) اور اس شخص کا دل تو ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ اور بعض علماء نے یہ کہا کہ ایمان اور کفر امور شرعیہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ جو شخص کلمہ نہ پڑھے وہ کافر ہے۔

صورت ثالثہ: جس نے دلائل میں غور وفکر کیے بغیر زبان سے اللہ کے واحد ہونے کا اقرار کیا اور دل میں اس کا اعتقاد رکھا تو یہ مقلد کا ایمان ہے اور اس کے صحیح ہونے میں اختلاف مشہور ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۲' مطبوعہ ۱۴۱۵ھ)

مقلد کے ایمان کا صحیح ہونا

میں کہتا ہوں کہ اس ایمان کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے عہد صحابہ وتابعین سے لے کر آج تک کے نوے فیصد

۔۔۔سے زیادہ مسلمان اس لیے مسلمان ہیں کہ ان کے ماں باپ مسلمان تھے' ان کے ماں باپ نے انہیں کلمہ پڑھایا اور اسلام کے ۔۔۔یادی عقائد کی تعلیم دی اور اسلام کے احکام پر عمل کرایا' یہ اور بات ہے کہ بعد میں پڑھ لکھ کر ان میں سے بعض کو توحید و رسالت ۔۔۔کے دلائل پر اطلاع ہو گئی لیکن ان میں بہ کثرت ایسے مسلمان ہیں کہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ۔۔۔ونے پر کیا دلیل ہے تو وہ کوئی دلیل نہیں بتا سکیں گے' یا آپ ان سے پوچھیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی کیا ۔۔۔لیل ہے تو وہ آپ کو کوئی دلیل نہیں بتا سکیں گے۔ اس لیے یہ کہنا کہ مقلد کا ایمان صحیح نہیں ہے در اصل بے شمار مسلمانوں کے ۔۔۔یمان کی نفی کرنا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو شخص اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا اعتراف کرتا یا آپ کی نبوت کا اقرار کرتا آپ اس ۔۔۔سے یہ سوال نہیں کرتے تھے کہ تم کس دلیل سے اللہ کو واحد مانتے ہو یا کس دلیل سے مجھ کو نبی مانتے ہو۔

حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ایک باندی تھی جو میری بکریاں چراتی تھی ایک دن میں اس کے پاس گیا اور میری بکریوں میں سے ایک بکری نہیں تھی' میں نے اس سے اس بکری کے متعلق سوال کیا اس نے بتایا کہ اس کو ایک بھیڑیا کھا گیا' اور میں بھی بنو آدم سے ہوں' میں نے اس کے چہرے پر ایک تھپڑ مارا' اور میرے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے کیا میں اس باندی کو آزاد کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا اللہ کہاں ہے اس نے کہا آسمان میں' پھر آپ نے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ رسول اللہ ہیں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کردو۔

(مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۰' ۳۲۸۲' ۳۹۰۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۹' مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۶۸۱۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۲۰' سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۵۷' شرح السنۃ ج ۹ ص ۲۳۶)

حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سیاہ فام باندی لے کر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میرے ذمہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے' اگر آپ کے نزدیک یہ باندی مومنہ ہو تو میں اس کو آزاد کردوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتی ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اس نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتی ہو کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ اس نے کہا ہاں' آپ نے پوچھا کیا تم مرنے کے بعد اٹھنے پر یقین رکھتی ہو اس نے کہا ہاں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کردو۔ (مؤطا امام مالک رقم الحدیث ۱۵۳۵' مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۲-۴۵۱)

ان دونوں حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باندیوں سے صرف کلمہ سن کر ان کو مومنہ قرار دیا' اور آپ نے یہ نہیں ۔۔۔چھا کہ وہ کس دلیل سے اللہ کو واحد اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے مومن ہونے ۔۔۔کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ دلائل سے اللہ اور رسول کو مانے۔

حافظ ابو عمر ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

عطا بن ابی رباح نے کہا ہر وہ غلام جو اسلام میں پیدا ہوا ہو اس کو کفارہ میں آزاد کرنا درست ہے اوزاعی کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے پوچھا آیا دودھ پیتے بچے کو کفارۂ قتل میں آزاد کرنا درست ہے' انہوں نے کہا ہاں! کیونکہ وہ فطرت پر پیدا ہوا ۔۔۔ہے اور یہی اوزاعی کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا جب کسی غلام کے ماں باپ میں سے ایک مومن ہو تو اس کو کفارہ قتل میں ۔۔۔کرنا جائز ہے' یہی امام شافعی کا بھی قول ہے مگر ان کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ وہ ایمان کی تصریح کرے' امام مالک نے یہ

فرمایا کہ اس صورت میں اس کے باپ کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔
حافظ ابوعمر کہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص مسلمان والدین کے ہاں پیدا ہوا ہو اور وہ ا
اور تمیز کی حد کو نہ پہنچا ہو تو وہ وراثت میں مسلمان اور مومن کے حکم میں ہے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو مسلمان
کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ (الاستذکار ج ٢٣ ص ١٧٣ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ١٤١٤ھ)
نیز حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ٤٦٣ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دی وہ مومن ہے جب کہ وہ اس کی د
سے تصدیق کرتا ہو اور زبان سے اس کا اظہار کرتا ہو خواہ وہ روزہ رکھتا ہو نہ نماز پڑھتا ہو اور اسی طرح وہ بچہ جو مسلمان ماں باپ
کے درمیان رہتا ہو' کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے اس شہادت کے سوا اور کسی چیز کا سوال نہیں
کیا۔ (التمہید ج ٤ ص ١١٩ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٩ھ فتح المالک ج ٨ ص ٤٤٢' مطبوعہ بیروت' ١٤١٨ھ)
علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کافر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے بغیر مومن نہیں ہوتا
اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ جس شخص نے ان دونوں شہادتوں کا اقرار کیا اور اس پر مضبوط یقین رکھا وہ اس کے ایمان کی صحت
کے لیے کافی ہے' اور اس کے اہل قبلہ اور اہل جنت سے ہونے کے لیے بھی کافی ہے اور اس کو اس کا مکلف نہیں کیا جائے گا کہ وہ
اس اعتقاد کو دلیل اور برہان سے بھی ثابت کرے اور نہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اس کی دلیل کو جانے' اور یہی صحیح مذہب ہے جس
پر جمہور ہیں۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ٣ ص ١٨١٠' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ١٤١٧ھ)

لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کی فضیلت میں احادیث

طٰہٰ: ٨ میں ہے لا الـٰہ الا ھو' اور ھو ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے سو اس کا معنی ہے لا الٰہ الا اللہ اس لیے ہم یہاں
لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے فضائل کے متعلق احادیث کو بیان کر رہے ہیں:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کی زیادہ
سعادت کون حاصل کرے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا یہی گمان تھا اے ابو ہریرہ کہ اس کے متعلق تم سے پہلے
مجھ سے کوئی سوال نہیں کرے گا' قیامت کے دن میری شفاعت کی سعادت وہ شخص حاصل کرے گا جس نے اخلاص قلب کے
ساتھ کہا ہو لا الٰہ الا اللہ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٩٩' مسند احمد رقم الحدیث: ٨٨٤٥' عالم الکتب)
حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ
الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پوچھا گیا اخلاص کیا ہے؟ فرمایا جن چیزوں کو اللہ نے حرام کیا ہے ان سے باز رہے۔
(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ١٢٥٧' مکتبۃ المعارف ریاض' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٥٠٧٤' الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ٢٢٥٣' مجمع
الزوائد رقم الحدیث: ١٨)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ایمانوں کو تازہ کرو' کہا گیا
رسول اللہ! ہم اپنے ایمانوں کو کیسے تازہ کریں آپ نے فرمایا: بہ کثرت لا الٰہ الا اللہ پڑھو۔
(مسند احمد ج ٢ ص ٣٥٩' الترغیب للمنذری رقم الحدیث: ٢٢٦٠' حافظ منذری نے کہا یہ حدیث حسن ہے' حافظ الہیثمی
کہا اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور امام طبرانی کی سند کے راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٨٢)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے مجھے ایک ایسے کلمہ کا علم ہے اس کو جو شخص بھی دل سے پڑھے گا اور تادم مرگ اس پر قائم رہے گا اس کو دوزخ پر حرام کر دیا جائے گا وہ کلمہ ہے لا الٰہ الا اللہ۔ (المستدرک ج ا ص ۷۲) امام حاکم نے کہا اس حدیث کی سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کی چابیاں لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۲' اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے مجمع الزوائد ج ا ص ۱۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور افضل الدعاء الحمد للہ ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۴۶' المستدرک ج ا ص ۵۰۳' ۴۹۸' الاسماء و الصفات ج ا ص ۱۷۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایک پالان پر آگے پیچھے سوار تھے' آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! میں آپ کی اطاعت کے لیے حاضر ہوں۔ آپ نے اس طرح تین بار فرمایا تھا' پھر آپ نے فرمایا: جو شخص بھی صدق دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے گا اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دے گا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دوں تا کہ وہ خوش ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ اسی پر اعتماد کر لیں گے۔ حضرت معاذ نے موت کے وقت گناہ سے بچنے کے لیے اس حدیث کو بیان کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۷۷۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حشر کے دن میری امت کے ایک شخص کو لوگوں کے درمیان سے بلایا جائے گا' اس کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے اور ہر رجسٹر منتہاء نظر تک ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ کیا میرے لکھنے والے محافظ فرشتوں نے تم پر کوئی ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اے میرے رب! اللہ فرمائے گا کیوں نہیں! ہمارے پاس تمہاری ایک نیکی ہے بے شک آج تم پر کوئی ظلم نہیں ہوگا پھر ایک پرچی نکالی جائے گی جس میں لکھا ہوگا: اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کو اپنے میزان میں رکھو' وہ بندہ کہے گا اے میرے رب! ان رجسٹروں کے سامنے اس پرچی کا کیا وزن ہوگا۔ پس اللہ فرمائے گا بے شک تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر اس کے گناہوں کے رجسٹروں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور اس پرچی کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا پھر وہ رجسٹر میزان میں ہلکے ہوں گے اور وہ پرچی بھاری ہوگی اور اللہ کے نام کے سامنے کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔

(یہ حدیث صحیح ہے سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۲۵' المستدرک ج ا ص ۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سفید چادر اوڑھے ہوئے سو رہے تھے' میں دوبارہ آیا تو آپ بیدار ہو چکے تھے' آپ نے فرمایا: جو بندہ بھی لا الٰہ الا اللہ کہے پھر اسی کلمہ پر مر جائے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا اگر وہ زنا کرے' اگر وہ چوری کرے' آپ نے فرمایا: اگر وہ زنا کرے اور اگر وہ چوری کرے! میں نے کہا اگر وہ زنا کرے اور اگر وہ چوری کرے' فرمایا اگر وہ زنا کرے اور اگر وہ چوری کرے' میں نے

(تیسری بار) کہا اگر وہ زنا کرے اور اگر وہ چوری کرے آپ نے فرمایا: اگر وہ زنا کرے اور اگر وہ چوری کرے ابوذر کی ناک کو خاک میں رگڑتے ہوئے۔ حضرت ابوذر جب بھی یہ حدیث بیان کرتے تو یہ کلمات ضرور کہتے تھے' امام بخاری نے فرمایا یہ حدیث اس شخص پر محمول ہے جو مرتے وقت لا الٰہ الا اللہ پڑھے' یا موت سے پہلے جب بندہ توبہ کرے اور نادم ہو اور کہے لا الٰہ الا اللہ تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۲۷' ۱۲۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۷۴۳)

جو شخص فرائض کا تارک ہو اور محرمات کا مرتکب ہو آیا صرف کلمہ پڑھنے سے اس کی نجات ہو جائے گی

حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ ھ لکھتے ہیں:

اس قسم کی جو احادیث ہیں جن میں مذکور ہے جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا یا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جائے گی۔ ان کے متعلق اساطین اھل علم نے یہ کہا ہے یہ ابتداء اسلام پر محمول ہیں جب اسلام کی دعوت صرف توحید کے اقرار کے لیے تھی پھر جب فرائض مقرر ہو گئے اور حدود متعین ہو گئیں تو یہ حکم منسوخ ہو گیا' اور اس پر بہت زیادہ دلائل ہیں جن میں نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج ادا کرنے والے اور حرام کام کرنے والوں پر عذاب کی وعید کی گئی ہے۔ ضحاک' سفیان ثوری اور زہری وغیرہ کا یہی قول ہے' اور ایک جماعت نے یہ کہا کہ نسخ کا دعویٰ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ارکان دین اور فرائض اسلام میں سے ہر چیز توحید اور رسالت کی شہادت کے لوازم میں سے ہے' سو جس شخص نے کسی فرض کا انکار کرتے ہوئے اس کو ادا نہیں کیا یا اس کو معمولی یا غیر اہم سمجھتے ہوئے اس کو ادا نہیں کیا ہم اس پر کفر کا حکم لگائیں گے اور یہ قول بھی صحت کے قریب ہے' اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ کلمہ توحید پڑھنا دخول جنت اور دوزخ سے نجات کا سبب ہے' بہ شرطیکہ وہ فرائض کو ادا کرے اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے اور اگر وہ فرائض ادا نہ کرے اور کبائر سے اجتناب نہ کرے تو کلمہ توحید پڑھنا دوزخ میں دخول سے مانع نہیں ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۹۱۔ ۳۹۰' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۴ ھ)

جس شخص نے کلمہ توحید پڑھا' اور فرائض ادا نہیں کیے اور کبائر کا ارتکاب کیا اس کے متعلق میری تحقیق یہ ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات اور بہت سی احادیث کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسا شخص خواہ ابتداءً جنت میں داخل نہ ہو لیکن وہ جنت میں بہرحال داخل ہو گا اور اس پر دوزخ کا خلود اور دوام نہیں ہو گا' رہا اس کا نیک عمل نہ کرنا اور برے کام کرنا تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے اس کے گناہوں کو بخش کر اس کو ابتداءً جنت میں داخل کر دے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرما دیں کیونکہ آپ نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳' سنن بیہقی ج ۸ ص ۱۷' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۹۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۵۹۶' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۴۴۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۰۵۵) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دیگر انبیاء' صلحاء یا علماء میں سے اسے کسی کی شفاعت نصیب ہو جائے' یا دنیا میں جو اس پر مصائب ڈالے گئے تھے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں' اور اگر بالفرض وہ ان تمام مراحل سے محروم رہے تو بہرحال یہ یقینی امر ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر پھر جنت میں داخل ہو جائے گا لیکن وہ جنت میں داخل ضرور ہو گا اور دوام اور خلود کے ساتھ دوزخ میں نہیں رہے گا' اور یہی ان احادیث کا منشا اور محمل ہے اور امام بخاری نے جو فرمایا ہے کہ جو شخص گناہ کرنے کے بعد نادم اور تائب ہو یا جو مرتے وقت کلمہ پڑھ لے وہ بھی ان احادیث کا بہت عمدہ محمل ہے۔

...اسماءِ حسنیٰ

اس کے بعد فرمایا: تمام اچھے نام اسی کے ہیں: (طٰہٰ: ۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں جس نے ان کو شمار کرلیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۷)

ان اسماء کا تفصیل سے ذکر جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱۸ میں ہے۔

ہم نے اس آیت کی مکمل اور جامع تفسیر الاعراف: ۱۸۰ میں کی ہے۔ دیکھئے تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۳۲۔ ۴۲۴، وہاں ہم نے ان عنوانات پر بحث کی ہے: اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا معنیٰ، اسم مسمّٰی کا عین ہے یا غیر، اللہ تعالیٰ کے اسماء کے توقیفی ہونے کی تحقیق، اسم اعظم کی تحقیق، اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی تفصیل، اللہ تعالیٰ کے اسماء کے توقیفی ہونے پر مذاہب اربعہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟ O جب انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا ٹھہرو، بے شک میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس سے تمہارے پاس کوئی انگارہ لاؤں یا میں آگ سے راستہ کی کوئی نشانی پاؤں O (طٰہٰ: ۱۰۔۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر کرنے کی وجہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بیان فرمائی تھی اب اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرما رہا ہے تا کہ انبیاء علیہم السلام کے احوال سن کر اور ان کو تبلیغ کی راہ میں جو مشکلات پیش آئیں اور انہوں نے جو سختیاں اٹھائیں اور کفار نے ان کو جو دل آزار باتیں کہیں ان سب پر مطلع ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان اور تسلی ہوگی اور کفار کو تبلیغ کرنے کے لیے آپ کا دل مزید مضبوط ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (ھود: ۱۲۰)

ہم آپ کے سامنے رسولوں کے تمام احوال بیان فرما رہے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو مضبوط کر رہے ہیں۔

اور انبیاء علیہم السلام کے احوال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے ابتدا کی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت فتنوں اور بہت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا تھا تا کہ اس راہ میں سختیوں کے برداشت کرنے کے لیے آپ کے حق میں تسلی کا سبب فراہم ہو۔

حضرت موسیٰ کا حضرت شعیب کی اجازت سے مدین سے روانہ ہونا

یہ جو فرمایا ہے کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟ اس کے دو محمل ہیں، ایک یہ کہ جب پہلی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ کی خبر دی تو فرمایا کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟ یعنی اب تک آپ کے پاس موسیٰ کی خبر نہیں پہنچی۔ ہم آپ کو اب موسیٰ کی خبر دے رہے ہیں اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اس سے پہلے آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچ چکی ہے اور یہ فرما کر کہ کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے ہم آپ کو اس خبر پر متنبہ کر رہے ہیں۔

وھب بن منبہ یمانی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کرنے کی مدت پوری کردی تو وہ ان سے اجازت لے کر مصر کی طرف واپس روانہ ہوئے، ان کے ساتھ ان کی اہلیہ بھی تھیں اور ایک بکری بھی اور عصا تھا جس سے وہ دن میں بکری کے لیے پتے جھاڑتے تھے، اور ایک چقماق تھا جس سے وہ رات کو آگ جلا کر حرارت حاصل کرتے کیونکہ وہ انتہائی سرد موسم تھا اور برفانی راتیں تھیں۔ جب وہ رات آئی جس میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ

السلام کو نبوت سے مشرف کرنا چاہتا تھا اور ان کو اپنے کلام سے سرفراز کرنا چاہتا تھا اس رات حضرت موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول گئے حتیٰ کہ انہیں پتا نہیں چلا کہ وہ کس طرف متوجہ ہوں۔ انہوں نے چقماق نکالا تا کہ اپنے اھل کے ساتھ رات گزارنے کے لیے آگ روشن کریں' اس رات وہ چقماق نہ جل سکا اور وہ اس کو جلانے کی کوشش میں تھک گئے' حتیٰ کہ انہوں نے ایک جگہ آگ دیکھی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۱۰۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اھل سے کہا تم لوگ ٹھہرو' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اھل سے مراد ان کی زوجہ صفوراء ان کا بچہ اور ان کا خادم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اھل سے مراد صرف ان کی زوجہ ہو کیونکہ اھل کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ ان کی بیوی کا نام صفورا تھا (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۸۶۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انی انست نارا میں نے آگ کو دیکھا ہے' ایناس کا معنی ہے اس واضح چیز کو دیکھنا جس میں کوئی اشتباہ نہ ہو' اس لفظ سے انسان العین بنا ہے جس کا معنی ہے آنکھ کی پتلی جس سے چیزیں دکھائی دیتی ہیں' اور اسی سے انس بنا ہے جس کا معنی ہے انسان' کیونکہ وہ بھی ظاہر ہوتا ہے اس کے برخلاف جن کا معنی ہے چھپی ہوئی چیز اور جنات کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مخفی ہوتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ سو انس کا معنی ظاہر اور جن کا معنی مخفی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

حضرت موسیٰ نے اپنے اھل سے فرمایا شاید میں اس سے تمہارے پاس کوئی انگارہ لاؤں یا میں آگ سے راستہ کی کوئی نشانی پاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تمہارے پاس انگارہ لے کر آتا ہوں' کیونکہ ہو سکتا ہے ان کو جو آگ نظر آئی تھی وہ کوئی اور چیز ہوتی اور وہ اس سے اپنے وعدہ کے مطابق انگارہ نہ لا سکتے تو انہوں نے وعدہ کی خلاف ورزی سے بچنے کے لیے فرمایا شاید میں تمہارے پاس اس سے انگارہ لے آؤں!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ کو دیکھنا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

وھب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کو دیکھا تو وہ تھوڑی دور چلے حتیٰ کہ آگ کے قریب پہنچ کر ٹھہر گئے۔ انہوں نے دیکھا وہ بہت عظیم الشان آگ تھی جو ایک سرسبز درخت کی شاخوں سے بھڑک رہی تھی اور آگ کے بھڑکنے سے درخت جلنے کے بجائے اور زیادہ سرسبز ہو رہا تھا اور اس کا حسن اور زیادہ نکھر رہا تھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا یہ ایسی آگ ہے کہ اس سے انگارے حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ وہ وہاں پر حیران کھڑے ہوئے تھے اور یہ سوچ رہے تھے کہ میں یہیں پر کھڑا رہوں یا واپس چلا جاؤں' وہ اسی کیفیت میں تھے کہ اس درخت سے عمودی شکل میں آسمان کی جانب ایک نور بلند ہوا جو سورج کی شعاع کی مثل تھا اور اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی وہ اسی خوف اور دہشت کی حالت میں کھڑے ہوئے تھے کہ درخت سے ایک بلند آواز آئی یا موسیٰ!

(کتاب الزھد ص ۸۰۔۷۹' ملخصاً' اس روایت کا امام رازی نے بھی ذکر کیا ہے تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷۔۱۶' بیروت' حافظ سیوطی نے اس روایت کو امام احمد کی کتاب الزھد' امام ابن ابی حاتم' امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر کے حوالوں سے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۵۵۵۔۵۵۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں پکارا گیا اے موسیٰ ○ بے شک میں ہی آپ کا رب ہوں' سو آپ اپنے جوتے اتار دیجئے' بے شک آپ مقدس میدان طویٰ میں ہیں ○ اور میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے پس جو وحی کی جائے اس کو بہ غور سنئے ○ بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو آپ میری عبادت

کیجئے اور میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے O (طٰہٰ: ۱۴-۱۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ندا کو سننا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے:

جب درخت سے ندا کی گئی اے موسیٰ! تو حضرت موسیٰ نے فوراً جواب دیا لبیک' حالانکہ ان کو یہ پتا نہیں تھا کہ ان کو کس نے پکارا ہے' لیکن ان کو اس آواز سے انس ہو گیا اس لیے انہوں نے بار بار لبیک کہا انہوں نے کہا میں آپ کی آواز سن رہا ہوں اور میں آپ کی جگہ کو نہیں دیکھ رہا' آپ کہاں ہیں؟ فرمایا میں تمہارے اوپر ہوں اور تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے قریب ہوں' جب حضرت موسیٰ نے یہ کلام سنا تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ کلام ان کے رب عزوجل کے سوا اور کسی کا نہیں ہے' سو انہوں نے اپنے رب پر یقین کر لیا پس انہوں نے کہا اے میرے معبود! میں تیرا کلام سن رہا ہوں یا تیرے کسی رسول کا؟ اللہ عزوجل نے فرمایا بلکہ میں ہی تم سے کلام کر رہا ہوں' تم میرے قریب ہو جاؤ' حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر کھڑے ہو گئے ان کے کندھے کپکپا رہے تھے' ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور دل مضطرب تھا' حتیٰ کہ وہ اس درخت کے قریب کھڑے ہو گئے جس سے ندا آئی تھی۔ (کتاب الزہد ص ۸۰' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت موسیٰ نے جس کلام کو سنا تھا اس کے سننے کی کیفیت

اس جگہ پر یہ بحث کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کلام سنا تھا اس کی کیا کیفیت تھی' امام اشعری نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام قدیم سنا تھا جس میں نہ کوئی حرف تھا نہ کوئی آواز تھی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ بغیر آواز کے کلام کس طرح سنائی دے سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس وقت تک کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی جب تک اس کا کوئی رنگ نہ ہو' اور اللہ تعالیٰ بے رنگ ہے اور جنت میں اور حشر میں مومنوں کو دکھائی دے گا تو جس طرح وہ باوجود بے رنگ ہونے کے دکھائی دے سکتا ہے اسی طرح اس کا کلام بغیر کسی آواز کے سنائی دے سکتا ہے۔ اور ماوراء النہر کے علماء اہل سنت نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے' لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو سنا تھا وہ کلام قدیم نہیں تھا وہ ایک آواز تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اس درخت میں پیدا کر دیا تھا اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے آگ کے پاس آنے پر ندا کو مرتب کیا ہے اور جو چیز کسی حادث پر مرتب ہو وہ بھی حادث ہوتی ہے سو حضرت موسیٰ نے کلام قدیم نہیں سنا تھا کلام حادث سنا تھا' اور رہے معتزلہ تو وہ سرے سے اللہ تعالیٰ کے کلام کے قائل ہی نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ندا کسی جسم میں پیدا کر دی تھی مثلاً درخت میں یا کسی اور چیز میں۔ ہمارے نزدیک اس بحث میں امام اشعری کا نظریہ حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔

حضرت موسیٰ کو کیسے یقین ہوا کہ یہ اللہ کا کلام ہے

دوسری بحث یہ ہے کہ یہ ندا سن کر حضرت موسیٰ کو یہ کیسے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے' امام رازی کے نزدیک راجح یہ ہے کہ کسی فرشتہ نے حضرت موسیٰ کے سامنے اس پر کوئی معجزہ پیش کیا تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے' لیکن میرے نزدیک امام رازی کی یہ رائے صحیح نہیں ہے کیونکہ درخت سے ایک آگ کا ظاہر ہونا اور اس آگ سے ایک ندا کا سنائی دینا بجائے خود ایک معجزہ ہے۔

امام غزالی کی تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بداھۃً یہ علم عطا فرما دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ عام انسانوں کو اللہ تعالیٰ ادراک کے لیے صرف حواس اور عقل عطا فرماتا ہے جس کے ذریعہ وہ جان لیتے ہیں کہ یہ مثلاً گائے ہے یہ بیل ہے یہ زید ہے اور ان کی آوازوں سے بھی ان کی شناخت کر لیتے ہیں' اور نبی کو اللہ تعالیٰ ان ذرائع ادراک کے علاوہ ایک اور قوت ادراک عطا فرماتا ہے جس سے وہ امور غیب کا ادراک کر لیتا ہے اور وہ پہچان لیتا ہے یہ انسان ہے یہ

فرشتہ ہے اور یہ جنت ہے اور ان کی آوازوں سے بھی ان کی شناخت کر لیتا ہے' سو اس قوت ادراک سے حضرت موسیٰ نے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آواز ہے' امام رازی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ نے دلائل میں غور وفکر کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت کو جان لیا اور ان کو یہ علم اپنے وجدان سے بداہۃً حاصل ہو گیا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت اور اس کی وحدانیت کو ماننے کے مکلف نہ رہے' اس لیے یہ ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت موسیٰ کے سامنے اس پر معجزہ پیش کیا گیا اور وہ معجزہ دیکھ کر ایمان لائے' میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض اس لیے صحیح نہیں ہے کہ تمام متقدمین اور متاخرین کا اس پر اجماع ہے کہ نبی پیدائشی مومن ہوتا ہے اور وہ ایک آن کے لیے بھی ایمان کے بغیر نہیں ہوتا۔

نیز امام رازی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے جب حضرت موسیٰ نے یہ دیکھا کہ اس درخت سے آسمان کی طرف ایک نور جا رہا ہے اور انہوں نے فرشتوں کی تسبیح سنی تو انہوں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے پھر جب ان کو ندا کی گئی یا موسیٰ! تو انہوں نے کہا لبیک میں آپ کی آواز تو سن رہا ہوں لیکن آپ کو دیکھ نہیں رہا! آپ کہاں ہیں؟ فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے آگے ہوں اور تمہارے پیچھے ہوں اور تم کو محیط ہوں اور تم سے زیادہ تمہارے قریب ہوں' پھر ابلیس نے ان کے دل میں یہ شک ڈالا اور کہا تمہیں یہ یقین ہو گیا کہ تم اللہ کا کلام سن رہے ہو؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا کیونکہ میں اس کلام کو اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے اور اپنے دائیں سے اور اپنے بائیں سے سن رہا ہوں جیسا کہ میں اپنے سامنے سے سن رہا ہوں پس مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کسی مخلوق کا کلام نہیں۔ حضرت موسیٰ کا منشا یہ تھا کہ میں اپنے جسم کے تمام اجزاء اور تمام اعضاء سے یہ کلام سن رہا ہوں گویا کہ میرے جسم کا ہر عضو کان ہو گیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷-۱۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے اس اقتباس سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عام انسانوں سے زائد جو ایک قوت ادراک دی گئی تھی انہوں نے اس سے جان لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

نعلین (جوتیاں) اتارنے کے حکم کی توجیہات

طٰہٰ: ۱۲ میں ہے بے شک میں ہی آپ کا رب ہوں' سو آپ اپنے جوتے اتار دیجئے۔ الآیۃ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نعلین کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے کلام کیا اس دن انہوں نے اون کی چادر اور اون کا جبہ پہنا ہوا تھا اور اس کی آستینیں بھی اون کی تھیں اور شلوار بھی اون کی تھی اور ان کی نعلین مردہ گدھے کے اون کی تھیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۴' مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۴۹۸۳' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۸۸' المستدرک ج ۱ ص ۲۸' ج ۲ ص ۴۳۹' المسند الجامع رقم الحدیث: ۹۳۵۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وادی میں نعلین اتارنے کا حکم دیا اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ' مقاتل' ضحاک اور قتادہ وغیرہ نے کہا ہے وہ جوتیاں ایک مردار گدھے کی کھال کی بنی ہوئی تھیں اور مردار نجس ہوتا ہے اور وادی طویٰ مقدس سرزمین تھی جیسا کہ اس کے بعد والے جملہ میں تصریح ہے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتیاں اتارنے کا حکم اس لیے دیا کہ آپ کے پیروں کو اس مقدس سرزمین کی مٹی لگے اور اس کی برکت آپ تک پہنچے۔

(۳) اس میں یہ تنبیہ کی ہے کہ مقدس جگہ پر جوتی اتار کر جاتے ہیں جیسے مسجد حرام' مسجد نبوی میں اور دیگر مساجد میں' اور یہ عمل

مقدس اور مبارک سرزمین کی عزت اور کرامت کو اور اس کے ادب اور احترام کو ظاہر کرنے کے لیے کیا جاتا ہے' اور خصوصاً اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے ہم کلام ہونے والے تھے تو یہاں پر زیادہ ادب اور احترام ملحوظ تھا۔

(۴) جب لوگ بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں تو ادب کے تقاضے سے جوتے اتار دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت یہ زیادہ چاہئے تھا کہ جوتے اتار دیئے جاتے۔

(۵) حضرت امام مالک رحمہ اللہ جب مدینہ منورہ میں چلتے تھے تو سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے اور یہ مدینہ منورہ کی سرزمین کی تعظیم اور تکریم کی وجہ سے تھا۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ کو بھی اس مقدس سرزمین میں نعلین اتارنے کا حکم دیا۔

(۶) نعلین سے بیوی اور بچوں کو بھی کنایہ کیا جاتا ہے' اگر کوئی شخص خواب میں نعلین کو دیکھ لے تو یہ اس سے کنایہ ہے کہ اس کی شادی ہوگی اور یہاں نعلین اتارنے کے حکم میں یہ اشارہ ہے کہ آپ اب اپنے رب کے سامنے حاضر ہو رہے ہیں تو اپنے ذہن سے بیوی اور بچوں کا خیال نکال دیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے اس راستہ میں حضرت موسیٰ کے لیے نور اور ہدایت کا فرش بچھا دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے بچھائے ہوئے فرش کو جوتیوں سے روندنا نہیں چاہئے۔

(۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پہلا حکم دیا گیا تھا وہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نعلین اتار دو' جیسا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ابتدائی احکام دیئے گئے تھے وہ یہ تھے:

قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ (المدثر: ۵-۲)

اُٹھیے اور لوگوں کو اللہ سے ڈرایئے ○ اور اپنے رب کی کبریائی بیان کیجئے ○ اور اپنے لباس کو پاک رکھئے ○ اور بتوں کو چھوڑے رہئے ○

(۹) اب آپ وادی مقدس میں پہنچ گئے ہیں تو اپنے دل کو دنیا اور آخرت سے خالی کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت میں مستغرق ہو جائیں۔

(۱۰) انسان خالق پر اس دلیل سے استدلال کرتا ہے کہ یہ جہان حادث اور ممکن ہے اور ہر حادث اور ممکن کا کوئی پیدا کرنے والا ہوتا ہے سو اس جہان کا بھی کوئی پیدا کرنے والا ہے' اور جب آپ خالق تک پہنچ گئے تو اب اس دلیل کو بھی ذہن سے نکال دیں اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہوں۔

کلام الٰہی کے قدیم ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

معتزلہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو قدیم نہیں مانتے انہوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہو تو ازل میں بھی یہ کلام ہوگا اے موسیٰ اپنی نعلین اتار دیجئے حالانکہ حضرت موسیٰ ازل میں تھے نہ وادی مقدس تھی تو پھر ازل میں یہ کلام کس طرح معقول ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کا کلام تھا مگر اس کی تعبیر اس وقت امر اور نہی کے ساتھ نہیں تھی بلکہ اس کی تعبیر اس طرح تھی کہ موسیٰ کو یہ حکم دیا جائے گا کہ اپنی نعلین اتارو۔ اس کا نظیر یہ ہے کہ معتزلہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم کو قدیم مانتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے و اغرقنا ال فرعون (البقرۃ: ۵۰) ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا' اب ازل میں اللہ تعالیٰ کو کیا علم تھا؟ آل فرعون کو غرق کر دیا! ازل میں تو نہ فرعون تھا نہ سمندر تھا سو یہ علم تو واقع کے خلاف ہے' اور اگر یہ علم تھا کہ ہم فرعون کو غرق کریں گے اور بعد میں یوں علم ہو گیا کہ ہم نے فرعون کو غرق کر دیا تو پھر یہ علم متغیر ہو گیا اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے سو اللہ کا علم حادث ہو گیا۔ اس لیے کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کو فرعون کے غرق ہونے کا علم تھا اور ازل میں اس علم کی تعبیر تھی وہ غرق ہوگا' اور اب اس

کی تعبیر یوں ہے کہ وہ غرق ہو چکا یا ہم اس کو غرق کر چکے ہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعبیر وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اگرچہ نفس کلام میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق احادیث

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادی مقدس سے پہلے جوتیاں اتار دی تھیں' ابو الاحوص نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی زیارت کرنے ان کے گھر گئے' اسی اثنا میں اذان ہوگئی حضرت ابوموسیٰ نے اقامت کہی اور حضرت عبداللہ سے کہا آپ نماز پڑھائیے' حضرت عبداللہ نے کہا نہیں یہ آپ کا گھر ہے آپ نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوموسیٰ آگے بڑھے اور انہوں نے اپنی جوتیاں اتار دیں۔ حضرت عبداللہ نے کہا کیا یہ وادی مقدس ہے؟ حضرت ابوموسیٰ نے کہا ہاں! (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ص ۹۴)

سعید بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعلین کے ساتھ نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں!

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۰۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۷۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے آپ نے اچانک اپنی نعلین اتار دیں اور اپنی بائیں جانب رکھ دیں۔ جب قوم نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کرنے کے بعد فرمایا تم کو جوتیاں اتارنے پر کس چیز نے برانگیختہ کیا۔ اصحاب نے کہا ہم نے آپ کو نعلین اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی جوتیاں اتار دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس ابھی ابھی جبرائیل آئے تھے اور انہوں نے یہ بتایا کہ ان نعلین پر گندگی لگی ہوئی ہے۔ اور فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں آئے تو جوتیوں کو دیکھ لے اگر ان میں کوئی گندگی ہو تو ان کو رگڑ لے اور پھر ان میں نماز پڑھ لے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۳۱)

جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس مسئلہ میں لکھتے ہیں:

جب جوتیوں پر نجاست نہ لگی ہو تو ان میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ان میں نجاست ہو تو اس کو رگڑ کر صاف کرلے اور پھر ان میں نماز پڑھ لے' ایک جماعت نے کہا ہے اگر جوتیوں پر گیلی نجاست لگی ہو تو اس کو مٹی سے رگڑ کر صاف کرلے اور ان کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا گیلی نجاست بغیر دھونے کے پاک نہیں ہو گی اور اگر خشک ہو تو اس کو رگڑنا کافی ہے' اور امام شافعی نے کہا اگر جوتیوں پر نجاست لگی ہو تو خواہ وہ خشک ہو یا تر جوتیاں پانی سے دھوئے بغیر پاک نہیں ہوں گی۔

ابن دقیق العید نے کہا جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھنا رخصت ہے مستحب نہیں ہے۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں یہ مستحب کیوں نہیں ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہے یہود کی مخالفت کرو کیونکہ وہ اپنی جوتیوں اور موزوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۵۲' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۵۳۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۱۸۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۱۶۴' سنن کبریٰ ج ۲ ص ۴۳۲' المستدرک رقم الحدیث: ۹۹۵' یہ حدیث حسن صحیح ہے) سو جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھنا یہود کی مخالفت کے سبب سے مستحب ہے اور یہ سنت نہیں ہے کیونکہ جوتیوں میں نماز پڑھنا مقصود بالذات نہیں ہے۔ نیز امام ابوداؤد

نے عمرو بن شعیب کے والد اوران کے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ننگے پاؤں اور جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۶۵۳) اوراس میں یہ دلیل ہے کہ جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔(عمدۃ القاری ج۴ ص ۱۱۰ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر ۱۳۴۸ھ)

حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

انگریزی بوٹ جوتے پر مسح جائز ہے جبکہ وہ ایسے ہوں کہ ان سے ٹخنے چھپے ہوں' کہ ان پر موزہ کی تعریف صادق آتی ہے' رہا یہ امر کہ ان کے ساتھ نماز جائز ہے یا نہیں' اگر ان کے پنجے اتنے نرم ہوں کہ سجدہ میں انگلیاں قبلہ رو ہوسکتی ہوں اور دبتی ہوں تو نماز ہو جائے گی' اور اگر انگلیاں بالکل کھڑی رہتی ہوں تو سجدہ نہ ہوگا اور نماز بھی نہ ہوگی کہ سجدہ میں ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط فرض ہے' اور اگر بعد مسح وہ جوتا اتار لیا تو مسح جاتا رہا پاؤں دھونا فرض ہوگا یہ حکم نفس نماز کا ہے مگر جوتا پہن کر مسجد میں جانا بہر حال مکروہ ہے کذا فی العالمگیریہ۔(فتاویٰ امجدیہ ج ا ص ۱۸۹ مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی ۱۴۱۹ھ)

سجدہ کی تعریف ہے پیشانی کو زمین پر رکھنا' امام ابو حنیفہ کے نزدیک ناک کا بھی رکھنا ضروری نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک ناک کا رکھنا ضروری ہے (ھدایہ اولین ص ۹۸ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان) اور پیشانی کو سہولت کے ساتھ زمین پر رکھنا ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر رکھنے پر موقوف ہے' اور سجدہ کرنا فرض ہے اور فرض کی ادائیگی چونکہ ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر رکھنے پر موقوف ہے اس لیے ان کا زمین پر رکھنا بھی فرض ہے سجدہ کی ادائیگی میں پیروں کی انگلیوں کے قبلہ رو ہونے کا کوئی دخل نہیں ہے۔البتہ پیروں کی انگلیوں کو قبلہ رو رکھنا ہمارے فقہاء کی تصریح کے مطابق سنت یا مستحب ہے' صرف صاحب الدر المختار نے زاہدی معتزلی کی اتباع میں اس کو فرض کہا ہے۔الدر المختار کے متن تنویر الابصار میں علامہ محمد بن عبداللہ تمرتاشی متوفی ۱۰۰۴ھ نے بھی سجدہ میں انگلیوں کے قبلہ رو نہ رکھنے کو مکروہ کہا ہے' اور الدر المختار کے محشی علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے: ہمارے نزدیک انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنا سنت ہے اور یہی ایک قول ہے اس کے برخلاف صاحب ردالمحتار علامہ الحصکفی المتوفی ۱۰۸۸ھ نے اس کو فرض لکھا ہے۔(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۸۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس مسئلہ کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ا ص ۱۳۰۱-۱۲۹۹ میں کردی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

البتہ مسجد میں جوتی پہن کر جانا جائز نہیں ہے عالمگیری میں ہے مسجد میں جوتی پہن کر جانا جائز نہیں ہے' اسی طرح سراجیہ میں مذکور ہے۔(عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۱ مطبوعہ مطبعہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

نقش نعل پاک پر آیات اور اسماء مبارکہ لکھنے کا شرعی حکم

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارکین پر قرآن مجید کی آیات' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ لکھنا جائز ہے بلکہ انہوں نے کہا کہ خود عین نعلین پر بھی یہ لکھنا جائز اور ثابت ہے تو نعلین کے عکس اور نقش پر یہ لکھنا تو بہ طریق اولیٰ جائز ہوگا' اور اس کے جواز پر انہوں نے دو دلیلیں قائم کی ہیں' مجوزین کی پہلی دلیل یہ ہے کہ بعض فقہاء نے یہ روایت نقل کی ہے:

وقد روی انه کان مکتوبا علی افخاذ الفراس فی اصطبل الفاروق رضی لله عنه حبیس فی سبیل الله.

روایت ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے اصطبل میں گھوڑوں کی رانوں پر حبیس (وقف) فی سبیل اللہ لکھا ہوا تھا۔

(البزازیہ علی ھامش الھندیہ ج ۶ ص ۳۸۰' ردالمحتار ج ۳ ص ۱۴۶' طبع جدید)

مجوزین کہتے ہیں کہ گھوڑوں کی رانیں سخت بے احتیاطی کے محل میں ہوتی ہیں' یعنی ان پر ان کے پیشاب اور لید کا لگ جانا

وقوع پذیر ہوتا ہے تو جب ایسی گندی جگہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا جائز ہے تو پاک اور صاف جوتی پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنا بہ طریق اولیٰ جائز ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ نے ذکر کی ہے اور ان کے حوالہ سے علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے ذکر کی ہے اور کسی فقیہ کی کتاب میں یہ روایت مذکور نہیں ہے' اور نہ حدیث کی کسی کتاب میں اس کا وجود ہے' احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ حافظ جلال الدین سیوطی کی جمع الجوامع ہے' اس میں کل پینتالیس ہزار پانچ سو پچاسی (۴۵۵۸۵) احادیث ہیں' اور اس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تین ہزار ایک سو بیانوے (۳۱۹۲) روایات ہیں' آپ کے اقوال' احوال' افعال' تقریرات اور معمولات' ان سب کے متعلق روایات ہیں' میں نے اس کو تفصیل سے پڑھا' اس میں یہ روایت نہیں ہے' نہ حدیث کی کسی اور کتاب میں ہے۔ نہ صرف یہ کہ یہ روایت ثابت نہیں بلکہ یہ روایت چونکہ اللہ تعالیٰ کے اسم جلالت کی اہانت کو مستلزم ہے اس لیے اس روایت کا رد کرنا واجب ہے' کوئی انسان یہ گوارہ نہیں کرے گا کہ اس کا نام گھوڑوں کی رانوں پر بلکہ نجس رانوں پر لکھا جائے اور نہ کوئی انسان یہ گوارا کرے گا کہ اس کے پیرو مرشد یا اس کے کسی اور معظم اور محترم بزرگ کا نام گھوڑوں کی رانوں پر لکھا جائے تو کوئی مسلمان یہ کیسے گوارہ کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اسم معظم کو گھوڑوں کی رانوں پر لکھا جائے' جن لوگوں نے اس عمل کو جائز کہا ہے کیا ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی اتنی قدر و منزلت بھی نہیں ہے جتنی اپنے پیرو مرشد یا خود اپنی ہوتی ہے۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الانعام: ۹۱) انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہیں کی جیسی اس کی قدر کا حق تھا۔

فقہاء کرام سے بعض اوقات احادیث کو نقل کرنے میں تسامح ہو جاتا ہے: علامہ علاء الدین الحصکفی الحنفی التوفی ۱۰۸۸ھ نے امام اعظم کے فضائل میں ان احادیث کو ذکر کیا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: بے شک آدم کو مجھ پر فخر ہے اور میں اپنی اُمت کے اس شخص پر فخر کروں گا' جس کا نام نعمان ہے اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہے' اور وہ اس امت کا چراغ ہے' اور فرمایا تمام انبیاء مجھ پر فخر کریں گے اور میں ابوحنیفہ پر فخر کروں گا' (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ا ص ۱۳۵' بیروت) علامہ شامی نے حافظ سیوطی سے نقل کیا ہے کہ ان احادیث کی سند میں کذاب اور وضاع ہیں' (رد المحتار ج ا ص ۱۳۷)۔

خود علامہ شامی نے یہ حدیث نقل کی ہے: جس نے متقی عالم کی اقتداء میں نماز پڑھی گویا اس نے نبی کی اقتداء میں نماز پڑھی (رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۸) ملا علی قاری نے لکھا ہے: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(الاسرار المرفوعہ فی الاحادیث الموضوعہ رقم الحدیث: ۹۲۶' ص ۲۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ)

اس لئے جب فقہاء کسی حدیث کو بغیر کسی حوالے کے لکھ دیں اور کتب معروفہ میں اس کی شہادت نہ مل سکے تو صرف ان کا نقل کر دینا حدیث کے معاملہ میں سند اور حجت نہیں ہے۔

عالمگیری میں لکھا ہے:

كتابة القران على ما يفترش ويبسط مكروهة (فتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۳۲۳' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ) جو کپڑا بچھایا جائے یا پھیلایا جائے اس پر قرآن مجید لکھنا مکروہ ہے۔

زمین پر بچھائے جانے والے کپڑے پر قرآن مجید کی آیات لکھنا مکروہ ہے تو گھوڑوں کی غیر محتاط رانوں پر اللہ کا نام لکھنا کیسے جائز ہوگا جب کہ قرآن مجید کی آیات کا احترام بھی اللہ تعالیٰ کے کلام ہونے کی وجہ سے ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی الحنفی التوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے مصحف کو یعنی قرآن مجید کے الفاظ کی لکھی ہوئی صورتوں کو نجاست یا گندی جگہ میں پھینک دیا تو وہ تمام اہل علم کے نزدیک بالاجماع کافر ہے۔

(ملخصاً نسیم الریاض ج ۴ ص ۵۵۵-۵۵۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' نسیم الریاض ج ۶ ص ۴۱۸-۴۱۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سو گھوڑوں کی رانوں پر حبیس فی سبیل اللہ لکھنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کب متصور ہو سکتا ہے' جب کہ گھوڑوں کی رانوں پر ان کی لید اور پیشاب کا گرنا وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے تو گندگی کے محل میں اللہ کا نام لکھنا حضرت عمر ایسے عظیم صحابی سے متصور نہیں ہے۔ اور اس سے یہ استدلال کرنا کہ پھر جوتیوں پر بھی اللہ کا نام لکھنا جائز ہے' اللہ تعالیٰ کے اسم جلالت کی زیادہ توہین ہے اور ہم ایسے استدلال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

ان مجوزین نے جوتیوں پر اللہ کا نام اور قرآن مجید کی آیات لکھنے کے جواز پر دوسری دلیل یہ پیش کی ہے:

امام دارمی متوفی ۲۴۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن جعفر بن ابی المغیرة عن سعید بن جبیر قال کنت اکتب عند ابن عباس فی صحیفة واکتب فی نعلی. (سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۰۴)

جعفر بن ابی المغیرہ روایت کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے کہا' میں حضرت ابن عباس کے پاس ایک کاغذ میں لکھتا تھا اور اپنی جوتیوں میں لکھتا تھا۔

حدثنی جعفر بن ابی المغیرہ' عن سعید بن جبیر قال کنت اجلس الی ابن عباس فاکتب فی الصحیفة حتی تمتلئ ثم اقلب نعلی فاکتب فی ظهورهما. (سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۰۵)

امام دارمی کہتے ہیں مجھے جعفر بن ابی المغیرہ نے سعید بن جبیر سے روایت کر کے یہ حدیث بیان کی کہ (سعید بن جبیر) حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھ کے ایک کاغذ پر حدیث لکھتا تھا حتیٰ کہ وہ کاغذ بھر جاتا پھر میں اپنی جوتیوں کو الٹا کر کے ان کی پشت پر لکھتا تھا۔

مجوزین یہ کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لکھوانے سے جوتیوں پر لکھتے تھے پس ثابت ہوا کہ جوتیوں پر قرآن مجید اور احادیث کا لکھنا جائز ہے۔

مجوزین کا یہ استدلال بھی باطل ہے اول تو یہ حدیث ضعیف ہے۔

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ اور حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ جعفر بن ابی المغیرہ' سعید بن جبیر سے روایت میں قوی نہیں ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۴۸-۱۴۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۹۸' دارالکتب العلمیہ بیروت)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ جعفر بن ابی المغیرہ سچا تھا لیکن وہمی تھا۔

(تقریب التہذیب ج ۱ ص ۱۶۴' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

لہٰذا اول تو یہ روایت ضعیف ہے اور ضعیف روایت سے کسی چیز کی حلت یا حرمت کو ثابت کرنا حرام ہے' ثانیاً ہمارا کلام اس میں ہے کہ جوتیوں پر قرآن مجید کی آیات اور اللہ اور اس کے رسول کا نام لکھنا ادب کے خلاف ہے اور جائز نہیں ہے اور اس ضعیف روایت میں بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ سعید بن جبیر اپنی جوتیوں پر قرآن مجید کی آیات اور اللہ اور اس کے رسول کا نام لکھتے تھے' ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کچھ دنیاوی امور لکھواتے ہوں' یا خریدنے کے لئے ساز و سامان لکھواتے ہوں' اور سعید بن جبیر ایسے جلیل القدر تابعی کے حال سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ جوتیوں پر قرآن مجید کی آیات یا احادیث لکھتے ہوں' اور مجوزین کا مدعا اس وقت تک ثابت نہیں ہوگا جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ سعید بن جبیر جوتیوں پر آیات اور احادیث لکھتے تھے اور یہ ثابت

نہیں ہے وبدونہ خرط القتاد۔

نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ مسجد میں جوتیاں پہن کر جانا مکروہ ہے' عالمگیری میں ہے:

دخول المسجد متنعلا مکروہ — جوتی پہن کر مسجد میں داخل ہونا مکروہ ہے۔

(فتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۳۲۱' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

جوتا پہن کر مسجد میں جانا بہرحال مکروہ ہے۔ (فتاویٰ امجدیہ ج ۱ ص ۱۸۹' مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی' ۱۴۱۹ھ)

اور مسجد کے فرش کی بہ نسبت قرآن مجید کی آیات اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کہیں زیادہ محترم اور مکرم ہیں اور جب مسجد کے فرش کے ساتھ جوتیوں کا الصاق اور اتصال مکروہ ہے تو جوتیوں کے اوپر ان مقدس اسماء اور آیات کا لکھنا کیوں کر جائز ہوگا اور کیونکر ادب کے خلاف نہیں ہوگا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل مبارک کا نقش عین نعل تو نہیں ہے بلکہ اصل نعل کا عکس اور اس کا نقش ہے اس لیے اس پر لکھنا عین نعل پر لکھنے کی طرح نہیں ہوگا' ہم کہتے ہیں کہ تعظیم اور توقیر میں مثال بھی اصل کے حکم میں ہوتی ہے' قرآن مجید کی آیات جو مصحف میں اوراق پر چھپی ہوئی ہوتی ہیں بھی عین کلام اللہ نہیں ہیں بلکہ وہ نقوش ہیں جو کلام اللہ پر دلالت کرتے ہیں اور ان کے نقوش ہونے کی وجہ سے ان کی تعظیم اور توقیر میں کوئی کمی نہیں آتی' قائد اعظم محمد علی جناح کی تصویر عزت واحترام کے ساتھ دفاتر میں آویزاں کی جاتی ہے اور اس کی بے حرمتی کو پاکستان کے ساتھ بے وفائی اور غداری کے مترادف قرار دیا جاتا ہے' مجوزین جن بزرگوں کا احترام کرتے ہیں ان بزرگوں کی تصاویر کو پاؤں تلے روندا جائے تو یقیناً اس فعل سے ان کی دل آزاری ہوگی اور وہ اس فعل کو ان بزرگوں کی توہین قرار دیں گے۔

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل مبارک یا اس کا نقش ہمارے سروں کا تاج ہے۔

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور — تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

لیکن قرآن مجید کی آیات اگر اس نقش پر لکھی جائیں یا اس نقش پر اللہ اور اس کے رسول کا نام لکھا جائے تو بہرحال یہ نعل پاک کا نقش ہے اور وہ قرآن مجید کی آیات ہیں' اور یہ دونوں نقوش ہیں نہ وہ عین نعل ہے اور نہ یہ عین کلام اللہ ہے' ایک نعل کا نقش ہے اور دوسرا اللہ کے کلام کا نقش ہے اور اللہ کے کلام کے نقش کو نعل کے نقش پر لکھنا یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کے نقش کو نعل کے نقش پر لکھنا بہرحال ادب کے خلاف ہے' اور اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم کی ایک گونہ توہین ضرور ہے اور عامۃ المسلمین کی دل آزاری ہے۔

وادی طویٰ کا مصداق

اس کے بعد فرمایا بے شک آپ مقدس میدان طویٰ میں ہیں۔ ارض سیناء میں طور کے قریب ایک وادی کا نام طویٰ ہے' اللہ تعالیٰ نے اس وادی کو مقدس فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین سے کفار کو نکال کر یہاں مومنوں کو آباد کر دیا تھا' حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ نے کہا طویٰ ایک وادی کا نام ہے' ضحاک نے کہا یہ پتھریلے کنویں کی طرح گہری اور گول وادی ہے' طوی'' کا معنی پتھروں سے چنا ہوا کنواں ہے' جوہری نے کہا یہ وادی شام میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز کرنا اور آپ کو نماز پڑھنے کا حکم دینا

طٰہٰ: ۱۳ میں فرمایا اور میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے' یعنی آپ کی قوم میں سے آپ کو نبی اور رسول

بنانے کے لیے منتخب فرمالیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے ذاتی استحقاق کی وجہ سے اس کو نبی نہیں بنایا جاتا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے وہ جس کو چاہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ کے علم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تو پہلے سے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنانے کا اعلان فرمایا ہے اس کو بعثت کہتے ہیں۔

طٰہٰ ۱۳ میں فرمایا: پس جو وحی کی جائے اس کو بغور سنئے' ابو الفضل جوہری نے کہا جب حضرت موسیٰ سے کہا گیا جو وحی کی جائے اس کو بغور سنئے تو وہ ایک پتھر پر کھڑے ہوگئے اور انہوں نے ایک پتھر سے ٹیک لگالی' اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ لیا اور ٹھوڑی سینہ پر ٹکالی اور اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے لیے بالکلیہ متوجہ ہوگئے۔ وہب بن منبہ نے کہا غور سے سننے کے آداب یہ ہیں کہ اعضاء پرسکون رہیں۔ نظر نیچی رہے' کان متوجہ ہوں' عقل حاضر ہو اور جو کچھ سنا جائے اس پر عمل کرنے کا عزم ہو۔

طٰہٰ ۱۴ میں فرمایا بے شک میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو آپ میری عبادت کیجئے اور میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے ○ اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے' عبادت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے انتہائی ذلت اور عجز کو اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار رہنا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادات میں سے یہاں نماز کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا کیونکہ تمام عبادات میں نماز سب سے افضل عبادت ہے' کیونکہ اس میں قیام' رکوع اور سجدہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے انتہائی ادب اور تذلل پر دلالت کرتے ہیں اور فرمایا میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے' یعنی آپ مجھے یاد کرنے والے ہوں بھولنے والے نہ ہوں جیسا کہ مخلصین کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور اس کی رضا پوری کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور ہر کام میں اسی پر توکل کرتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ آپ دائماً نماز پڑھیں تاکہ آپ دائماً مجھے یاد کرتے رہیں۔ اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ آپ خاص میرے لیے نماز پڑھیں اور نماز میں میرے سوا کسی اور کو یاد نہ کریں اور اخلاص کے ساتھ میری یاد کے لیے اور میری رضا کی طلب کے لیے نماز پڑھیں اور میری یاد کے سوا نماز میں کوئی اور قصد نہ کریں۔

''لذکری'' کا ایک معنی یہ ہے کہ تم مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھو اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ تم اس لیے نماز پڑھو کہ میں تمہیں یاد کروں اور تمہارا ذکر کروں کیونکہ جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر فرماتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز پڑھنا بھول گیا یا نماز کے وقت سویا رہا اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب اس کو نماز یاد آجائے اس وقت نماز پڑھ لے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **اقم الصلوة لذکری** 'میری یاد کے لئے نماز قائم کیجئے۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ: ۳۱۵' رقم بلاتکرار ۶۸۴' رقم مسلسل: ۱۵۴۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص سونے کی وجہ سے نماز نہ پڑھے یا کسی کام میں مشغولیت کی وجہ سے نماز نہ پڑھے یا غفلت کی وجہ سے نماز نہ پڑھے اس پر اس نماز کی قضا کرنا واجب ہے۔

عمداً نماز ترک کرنے والے پر نماز کی قضاء کا واجب ہونا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے عمداً نماز کو ترک کردیا جمہور فقہاء کے نزدیک اس پر بھی نماز کو قضا کرنا واجب ہے' اور وہ عمداً نماز قضا کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا' اور داؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ اس پر نماز قضا کرنا واجب نہیں ہے' عمداً نماز قضا کرنے والے' نماز کو بھولنے والے اور سوتے رہ جانے کی وجہ سے نماز قضا کرنے والوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ جو نماز کو بھول جائے یا سوتا رہ جائے وہ گنہگار نہیں ہوگا اور جو عمداً نماز ترک کرے گا وہ گنہگار ہوگا' جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اقیموا الصلوة

(الانعام: ۷۲) اور اس میں کوئی فرق نہیں کیا کہ نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے یا وقت گزرنے کے بعد پڑھی جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ نیز حدیث میں سونے والے اور بھولنے والے کو بھی اس نماز کی قضا کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ وہ گنہگار بھی نہیں ہیں تو عمداً نماز ترک کرنے والے پر بطریق اولیٰ نماز کو قضا کرنا واجب ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک قیامت آنے والی ہے جس کو میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو اس کی سعی کا صلہ دیا جائے ○ پس آپ کو قیامت کے ماننے سے کوئی ایسا شخص نہ روک دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو ورنہ آپ ہلاک ہو جائیں گے ○ (طٰہٰ ۱۶-۱۵)

وقوع قیامت پر دلیل اور قیامت کو مخفی رکھنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے قیامت کو بھی مخفی رکھا ہے اور موت کے وقت کو بھی مخفی رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے' پس اگر بندوں کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا تو وہ آخر وقت تک برے اور ناجائز کرتے رہتے اور موت سے پانچ دس منٹ پہلے توبہ کر لیتے اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا اور وہ سزا پانے سے بچ جاتے' پس بندوں کو موت کے وقت پر مطلع کرنا دراصل ان کو معصیت کرنے پر ابھارنا ہوتا' اور یہ جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا تا کہ ہر شخص کو اس کی سعی کا صلہ دیا جائے۔ آیت کا یہ حصہ قیامت کے وقوع کی دلیل ہے کیونکہ قیامت کے وقوع کے بعد جزا اور سزا کا نظام قائم ہو گا اگر قیامت واقع نہ ہوتی تو اطاعت گزار نافرمان سے اور نیکوکار بدکار سے ممتاز نہ ہوتا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ○ (ص: ۲۸)

کیا جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی مثل کر دیں گے۔

طٰہٰ: ۱۶ کے دو محمل ہیں آپ کو نماز پڑھنے سے کوئی ایسا شخص نہ روکے جو نماز پر ایمان نہ رکھتا ہو' یہ اس صورت میں ہے جب عنھا کی ضمیر نماز کی طرف راجع ہو اور دوسرا محمل یہ ہے کہ آپ کو قیامت کے ماننے سے کوئی ایسا شخص نہ روک دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو' یہ اس صورت میں ہے جب کہ عنھا کی ضمیر قیامت کی طرف راجع ہو اور یہی صورت راجح ہے کیونکہ ضمیر کو اقرب کی طرف لوٹانا چاہیے' پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا ایک محمل یہ ہے کہ اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہو اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہو اور یہی راجح ہے کیونکہ ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اے موسیٰ یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ○ موسیٰ نے کہا یہ میرا عصا ہے' میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کئی فائدے ہیں ○ (طٰہٰ ۱۸-۱۷)

اللہ تعالیٰ کے اس سوال کی حکمتیں کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے' تو پھر اس سوال کی کیا حکمت تھی' مفسرین نے اس سوال کی حسب ذیل حکمتیں بیان کی ہیں:

(۱) جو شخص کسی معمولی چیز کی بہت عظیم افادیت اور اس کے بہت زیادہ منافع بتانا چاہتا ہو وہ پہلے حاضرین سے پوچھتا ہے کہ بتاؤ اس کے کیا فوائد ہیں' اور جب وہ فوائد بتا چکتے ہیں تو وہ اس چیز کے اس سے بڑھ کر بہت عظیم اور کثیر فوائد بیان کرتا

ہے۔ اس نہج پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے ان کے عصا کے متعلق سوال کیا اور جب وہ اس کے فوائد بتا چکے تو اللہ تعالیٰ نے اس عصا کے غیر معمولی فوائد ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا کہ یہ عصا اژدھا بن جاتا ہے' اس کو سمندر پر مارو تو سمندر دو حصوں میں بٹ جاتا ہے' اور اس کو پتھر پر مارو تو اس میں سے پانی نکل آتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کیا تم اس لاٹھی کی حقیقت جانتے ہو جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے۔ بظاہر یہ ایک لکڑی ہے جس میں کوئی غیر معمولی خواص نہیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس لاٹھی کو ایک عظیم اژدھا بنا دیا اور اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی عقلوں کو اپنی قدرت کاملہ اور عظمت بے نہایت پر متنبہ فرمایا' کیونکہ اس نے ایک معمولی چیز سے عظیم الشان کمالات کو ظاہر فرمایا۔

(٢) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان انوار پر مطلع کیا جو درخت سے آسمان کی طرف جا رہے تھے اور ان کو فرشتوں کی تسبیح سنائی پھر ان کو اپنا کلام سنایا' پھر پہلے ان کو اپنی رسالت کے لیے منتخب فرما کر ان پر لطف فرمایا پھر ان کو مشکل احکام کا مکلف فرمایا پھر ان پر یہ لازم کیا کہ وہ جزا اور سزا کے دن کو یاد رکھیں' اور یہ کہ ہر شخص نے بہر حال لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے جہاں اس سے اس زندگی کا حساب لیا جائے گا' پھر وعید سنائی کہ جس نے اس دن کو نہ مانا یا اس کو یاد نہ رکھا وہ ہلاک ہو جائے گا اس وعید اور تہدید کو سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران اور دہشت زدہ ہو گئے۔ جیسے کوئی انسان بہت خوفناک دھمکی سن کر حواس باختہ ہو جاتا ہے تو حضرت موسیٰ کی حیرت اور ان کی دہشت کو دور کرنے کے لیے اور ان کو معمول پر لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک آسان سوال کیا کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ گویا کہ وہ اس قدر دہشت زدہ تھے کہ ان کو یہ بھی پتا نہیں چل رہا تھا کہ ان کا دایاں ہاتھ کون سا ہے اور بایاں ہاتھ کون سا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا تا کہ ان کی دہشت زائل ہو کیونکہ جو انسان دہشت زدہ ہو جب اس کی توجہ دوسری طرف پھیر دی جائے تو اس کی دہشت زائل ہو جاتی ہے۔

(٣) جب اللہ کی بارگاہ میں حضرت موسیٰ کی دہشت بہت زیادہ ہو گئی تو اس کو زائل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے عصا کے متعلق سوال کیا کیونکہ اس کے جواب میں وہ غلطی نہیں کر سکتے تھے' اسی طرح جب مومن اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے انوار جلال کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو جاتا ہے تو اس سے دنیا کے اس کلام کے متعلق سوال کیا جاتا ہے جس میں وہ غلطی نہیں کر سکتا تھا اور وہ توحید کے متعلق سوال ہے۔

(٤) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کمال الوہیت کی معرفت کرائی تو یہ ارادہ کیا کہ ان کو بشریت کی کمزوریوں پر مطلع کیا جائے' اس لیے ان سے لاٹھی کے متعلق سوال کیا اور جب حضرت موسیٰ نے اس لاٹھی کے بعض فوائد بتائے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لاٹھی کے اس سے کہیں زیادہ عظیم فوائد پر انہیں مطلع کیا تو اس میں یہ تنبیہ کی کہ انسان کی عقل تو جو چیز اس کے سامنے حاضر ہو اس کے فوائد کو بھی نہیں جان سکتی تو جو اس سے زیادہ اعلیٰ اور اشرف اشیاء ہیں ان کے فوائد کا وہ کیسے ادراک کر سکتی ہے ماسوا اس کے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت حاصل ہو جائے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کی افضلیت

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ خطاب فرمایا اور یہ شرف ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں ہوا' اس سے لازم آئے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى (النجم: ۱۰) سو اس نے اپنے عبد مکرم کی طرف (بلاواسطہ) وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔

شب معراج اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمایا۔

فرق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام فرمایا اس کو مخلوق پر ظاہر فرما دیا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کلام فرمایا وہ ایک سر اور راز ہے جس پر کسی کو مطلع نہیں فرمایا حتیٰ کہ کراماً کاتبین کو بھی اس پر مطلع نہیں فرمایا' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے کلام فرمایا لیکن یہ منقول نہیں ہے کہ ان کے کسی امتی نے بھی اللہ تعالیٰ سے کلام فرمایا ہو۔ جب کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کو یہ شرف دنیا میں بھی حاصل ہوا ہے آخرت میں بھی حاصل ہو گا۔ دنیا میں اس کی مثال یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی میں باتیں کرتا ہے' الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱' ۲۴۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۷۵۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۱۱۷' عالم الکتب)

اور آخرت میں اس کی مثال یہ ہے:

صفوان بن محرز بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے سوال کیا کہ اے ابن عمر! کیا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نجویٰ (سرگوشی کرنے) کے متعلق کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کو اپنے رب کے نزدیک کیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اپنی رحمت کا پر رکھ دے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا' آیا تم فلاں گناہ کو پہچانتے ہو وہ کہے گا: میں پہچانتا ہوں! وہ دوبار کہے گا میں پہچانتا ہوں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تم پر پردہ رکھا تھا اور آج میں تم کو بخش دیتا ہوں پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور دوسروں کو یا کافروں کو لوگوں کے سامنے پکارا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۲۴۲)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ○ (یٰسین: ۵۸) مہربان رب کی طرف سے انہیں سلام کیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کو طول دینے کی حکمتیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے صرف یہ سوال کیا تھا کہ آپ کے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ حضرت موسیٰ نے اس کے جواب میں ان چیزوں کو بھی ذکر کیا جن کا سوال نہیں کیا گیا تھا اور کافی طویل جواب دیا وہ صرف یہ کہہ سکتے تھے لاٹھی' لیکن انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے' پھر اس کے فوائد بھی ذکر کیے اور کہا میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے درخت کے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی فوائد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی سوال کے جواب میں ان چیزوں کا ذکر کرنا بھی درست ہے جن کے متعلق سوال نہ کیا گیا ہو' احادیث میں اس کی مثال یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے اگر ہم اس پانی سے وضو کرلیں تو پیاسے رہیں گے کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرلیا کریں: آپ نے فرمایا: سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۹' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۱۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۸۵' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۴۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۱۳۰)

آپ سے صرف سمندر کے پانی کے پاک کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تھا لیکن آپ نے اس کے پاک کرنے کا بھی ذکر فرمایا اور اس کے مردار کے حلال ہونے کا بھی ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ کسی سوال کا طویل جواب دینا جائز ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ اپنے شیخ حاجی امداد اللہ متوفی ۱۳۱۷ھ کا ایک ملفوظ نقل کرتے ہیں:

(۱۸۱) فرمایا منقول ہے کہ شب معراج کو جب آں حضرت' حضرت موسیٰ سے ملاقی ہوئے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استفسار فرمایا کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل جو آپ نے کہا ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے' (یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں) حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی حاضر ہوئے اور سلام بہ اضافہ الفاظ برکاتہ ومغفرتہ وغیرہ عرض کیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کیا طوالت بزرگوں کے سامنے کرتے ہو؟ آپ (امام غزالی) نے عرض کیا: آپ سے حق تعالیٰ نے صرف اس قدر پوچھا تھا ماتلک بیمینک یا موسی' تو آپ نے کیوں جواب میں اتنا طول دیا کہ ھی عصای اتوکؤا علیھا واھش بھا علی غنمی ولی فیھا مارب اخری۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ادب یا غزالی. (امداد المشتاق ص ۹۲' مکتبہ اسلامیہ لاہور)

بر تقدیر صحت امام غزالی کا یہ مطلب تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں آپ نے اس لیے طویل کلام کیا تھا کہ جب تک آپ کلام کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ سنتا رہے گا اور آپ کو اس کی توجہ کے حصول کا شرف حاصل ہوگا۔ اسی طرح میں نے آپ کے سامنے طویل کلام اس لیے کیا ہے کہ جب تک میں کلام کرتا رہوں گا آپ سنتے رہیں گے اور مجھے آپ کی توجہ کا شرف حاصل رہے گا۔ آپ کے لیے بارگاہ الوہیت میں حاضر ہونا باعث فضیلت تھا اس لیے آپ نے کلام کو طول دیا اور میرے لیے بارگاہ کلیم اللہ میں حاضر ہونا باعث عزت ہے اس لیے میں نے اپنے کلام کو طول دیا۔

عصا رکھنے کے فوائد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب تم کسی ایسے کنویں پر جاؤ جس کی رسی چھوٹی ہو تو تم اس کے ساتھ عصا جوڑ کر پانی نکال سکتے ہو' اور جب تم سفر میں اور سخت دھوپ اور گرمی ہو تو تم زمین میں عصا گاڑ کر اس پر کپڑا پھیلا کر سایہ حاصل کر سکتے ہو' اور جب تم کو حشرات الارض سے خطرہ ہو تو عصا کے ذریعہ تم ان کو مار سکتے ہو' اور تم اس کی مدد سے بکریوں سے درندوں کو دور کر سکتے ہو۔

میمون بن مہران نے بیان کیا کہ عصا رکھنا انبیاء کی سنت ہے اور مومن کی علامت ہے' اور حسن بصری نے کہا کہ عصا رکھنے میں چھ فضیلتیں ہیں' یہ انبیاء کی سنت ہے' صلحاء کی زینت ہے' دشمنوں کے خلاف ہتھیار ہے' کمزوروں کا مددگار ہے' منافقین کے لیے باعث پریشانی ہے' اور عبادات میں زیادتی کا باعث ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب مومن کے پاس عصا ہو تو اس سے شیطان بھاگتا ہے' منافق اور بدکار اس سے ڈرتا ہے' اور جب وہ نماز پڑھے تو اس کے لیے سترہ ہے' اور جب وہ تھک جائے تو اس کے لیے قوت ہے۔ حجاج کی ایک اعرابی سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا اے اعرابی تم کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے کہا جنگل سے' کہا تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے کہا یہ میری لاٹھی ہے اس کو میں نماز کے وقت گاڑ لیتا ہوں' اور اس کو میں اپنے دشمنوں کے لیے تیار رکھتا ہوں' اور اس سے میں اپنے جانوروں کو ہنکاتا ہوں' اور اس کی مدد سے میں اپنے سفر میں قوت حاصل کرتا ہوں' چلتے وقت اس پر اعتماد کرتا ہوں تاکہ لمبے لمبے قدم رکھ سکوں' اس کے ساتھ میں نہر میں داخل ہوں اور یہ مجھے پھسلنے سے محفوظ

رکھتا ہے اس پر میں اپنی چادر ڈال دیتا ہوں تو یہ مجھے دھوپ سے بچاتا ہے اس سے میں دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں اور کتوں سے محفوظ رہتا ہوں اور یہ میرے لیے تلوار اور نیزے کا قائم مقام ہے اس سے میں درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں اور بھی فوائد ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۰۸-۱۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت عیدگاہ جاتے اور آپ کے سامنے عصا اٹھایا جاتا اور عیدگاہ میں آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا اور آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۸۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے جاتے تو میں اور ایک نوجوان (حضرت ابن مسعود) آپ کے ساتھ جاتے تھے ہمارے ساتھ نیزہ یا عصا ہوتا تھا اور ہمارے ساتھ ایک مشکیزہ ہوتا تھا جب آپ قضاء حاجت سے فارغ ہو جاتے تو ہم آپ کو وہ مشکیزہ دیتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا اے موسیٰ! اس کو ڈال دو ○ موسیٰ نے اس کو ڈال دیا تو اچانک وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ تھا ○ فرمایا اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت' ہم ابھی اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے ○ اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ملا لیں تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا یہ دوسری نشانی ہے ○ تا کہ ہم آپ کو اپنی بعض بڑی نشانیاں دکھائیں ○ آپ فرعون کی طرف جائیے اس نے (بہت) سرکشی کی ہے ○ (طٰہٰ: ۲۴-۱۹)

عصائے موسیٰ کی تاریخی حیثیت

پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا پھر اللہ نے ان کو عصا اور ید بیضا کے دو معجزے عطا فرمائے تاکہ انہیں خود بھی اپنے نبی ہونے پر شرح صدر اور کامل بصیرت ہو اور جن کو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دیں وہ بھی ان دو دلیلوں سے آپ کی نبوت کو پہچان لیں اور آپ کی تصدیق کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے سر پر دو شاخیں تھیں' اس عصا کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ جنت کے درخت کا تھا' ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت جبریل نے لا کر آپ کو دیا تھا' ایک قول یہ ہے کہ جب آپ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہونے لگے تو حضرت شعیب نے آپ کو یہ عصا دیا تھا اور دراصل یہ حضرت آدم علیہ السلام کا عصا تھا جس کو وہ جنت سے لے کر آئے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

عصا کو زمین پر ڈالنے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے موسیٰ اس عصا کو زمین پر ڈال دیں' اس حکم کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا اس عصا میں میرے اور بھی فائدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا اور دکھایا کہ ہم نے اس میں جو فوائد رکھے ہیں وہ تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ تھے کیونکہ زمین پر ڈالنے کے بعد وہ عصا دوڑتا ہوا سانپ بن گیا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑا تو وہ پھر اسی طرح لکڑی کا عصا بن گیا۔

(۲) حضرت موسیٰ کے پاؤں میں نعلین تھیں جن کی مدد سے وہ خطرہ کے وقت بھاگتے تھے اور ان کے ہاتھ میں عصا تھا جس کی مدد سے وہ کسی چیز کو حاصل کرتے تھے گویا نعلین خطرہ کو دور کرنے کے لیے اور عصا کسی چیز کی طلب کے لیے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نعلین اتار دو اور عصا زمین پر ڈال دو دنیا کی کسی چیز سے ڈرو نہ کسی چیز کی طرف رغبت کرو اور ہر چیز سے خالی الذہن ہو کر میری معرفت میں ڈوب جاؤ۔

(۳) حضرت موسیٰ نعلین اور عصا لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گئے تو ان کو بھی چھوڑنے کا حکم دیا' تو ہم جب اپنی خواہشات اور گناہوں کا بارلے کر اللہ کی بارگاہ میں نماز کے لیے کھڑے ہوں گے تو ہم کیوں کر اس کا قرب حاصل کر سکیں گے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں پہنچے تو ہاتھ میں عصا تھا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے تو آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور نہ کسی چیز کی طرف آپ کی نظر اور توجہ تھی حتیٰ کہ آپ کے متعلق فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (النجم:۱۷) نہ (آپ کی) نظر بہکی نہ حد سے بڑھی۔

عصا کے سانپ بن جانے کی حکمتیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اللہ تعالیٰ نے دوڑتا ہوا سانپ بنا دیا' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جب غیب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی گئی تو یہ بھی معجزہ تھا اور حضرت موسیٰ کو اپنے نبی ہونے کا یقین ہو گیا تھا لیکن اس میں یہ احتمال بھی تھا کہ ہو سکتا ہے یہ کسی جن یا فرشتہ کی آواز ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے لاٹھی کو سانپ بنا دیا تاکہ آپ کا معجزہ ہر قسم کے شک اور شبہ سے پاک ہو اور آپ پوری بصیرت کے ساتھ قوم کو اللہ تعالیٰ پر اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ فرعون کے پاس جانے سے پہلے عصا کے سانپ بن جانے کا مشاہدہ کر لیں تاکہ فرعون کے سامنے بے خوفی سے اپنا معجزہ پیش کر سکیں۔

(۳) حضرت موسیٰ اس سے پہلے تنگ دست تھے اور آپ کے پاس ظاہری عزت و وجاہت کی کوئی چیز نہ تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے عصا میں یہ معجزہ رکھا تاکہ معلوم ہو کہ آپ اللہ کے نزدیک وجیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اور نصرت فرمائے گا۔

حیۃ' ثعبان اور جانّ کے معانی اور ان میں تطبیق

اس آیت میں فرمایا ہے فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی اور ایک اور جگہ فرمایا ہے: فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ (الاعراف:۱۰۷) اور ایک اور جگہ فرمایا ہے فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ (النمل:۱۰) حیۃ کا معنی سانپ ہے یہ اسم جنس ہے اور اس کا اطلاق چھوٹے اور بڑے اور مذکر اور مونث سانپ پر ہوتا ہے' اور ثعبان کا اطلاق بہت بڑے سانپ یا اژدھے پر کیا جاتا ہے' اور جانّ کا اطلاق باریک سانپ پر کیا جاتا ہے۔ ثعبان اور جانّ میں منافات ہے اور ان میں تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ جب ابتداءً وہ لاٹھی سانپ بنی تو وہ چھوٹا اور باریک سانپ تھا پھر بتدریج اس کا جسم پھول کر بڑا ہو گیا اور وہ اژدھا بن گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کے اعتبار سے اژدھا تھا اور اپنی حرکت کے اعتبار سے جان تھا۔

اس سانپ کی گھوڑے کی طرح ایال تھی' اور اس کے دو جبڑوں میں چالیس ہاتھ کا فاصلہ تھا' وہ جس چیز کے پاس سے بھی گزرتا تھا اس کو کھا جاتا تھا حتیٰ کہ درختوں اور چٹانوں کو بھی کھا جاتا تھا' حتیٰ کہ حضرت موسیٰ نے اس کے منہ میں پتھر چبانے کی آواز سنی۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۷)

سانپ سے حضرت موسیٰ کے ڈرنے کی توجیہات

طٰہٰ: ۲۰ میں فرمایا اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت' ہم ابھی اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیتے ہیں:

اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اتنی کرامات سے نوازا تھا اور انہوں نے یہ جان لیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں تو پھر وہ سانپ سے کیوں ڈر گئے' اس کا جواب یہ ہے کہ انسان فطری طور پر حشرات الارض سے متنفر ہوتا ہے تو ان کا اژدھے سے بھاگنا فطری تقاضے کے اعتبار سے تھا۔ نیز

حضرت موسیٰ کی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور وجاہت تھی اور ان کی جو نبوت اور رسالت تھی یہ سب امور عقلیہ تھے اور بسا اوقات جب انسان پر خوف اور دہشت غالب ہو تو امور عقلیہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور ہمیشہ وہم عقل پر غالب رہتا ہے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سانپ سے دہشت زدہ ہونا بشری تقاضے سے تھا۔ نیز اس سانپ سے آپ کا خوف زدہ ہونا آپ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اگر آپ ساحر ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ کے کسی عمل کی وجہ سے لاٹھی سانپ بن گئی ہے تو پھر آپ نہ ڈرتے جیسا کہ فرعون کے جادوگروں نے جب رسیوں اور لاٹھیوں کو سانپ بنا دیا تو وہ نہیں ڈرے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ان کے عمل کا نتیجہ ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سانپ کا اژدھا بن جانا ان کے کسی عمل کا نتیجہ نہ تھا نہ آپ کو اس کے متعلق کوئی پیشگی علم تھا انہوں نے عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ اژدھا بن گیا سو ان کا اس سے خوف زدہ ہونا ایک فطری عمل تھا۔ اس کا بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت موسیٰ کو علم تھا کہ سانپ نے حضرت آدم کے ساتھ کیا عداوت کی تھی تو ان کو خوف ہوا کہ کہیں یہ سانپ ان کے ساتھ بھی دشمنی نہ کرے' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے ڈرو مت اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ سانپ سے ڈرے ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ ○ (الاحزاب: ١) آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے کافروں کی اطاعت کی ہو' باقی رہا یہ سوال کہ جب آپ سانپ سے ڈرے نہیں تو اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا اور ڈرو مت' اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حضرت موسیٰ ڈرے نہیں تھے لیکن یہ حال ایسا تھا کہ اس حال میں انسان ڈر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مقتضائے حال کے اعتبار سے فرمایا ڈرو مت اور مقتضائے حال کے اعتبار سے آپ کے نہ ڈرنے کو ڈرنے کے مرتبہ میں نازل کر کے کلام فرمایا' جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا:

وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ (ھود: ٢٧)

اور ظالموں کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ کریں کیونکہ وہ ضرور غرق کیے جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ظالموں کے متعلق کوئی سفارش نہیں کی تھی لیکن حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ظالموں پر طوفان کا عذاب آنے والا ہے' اسی لیے حضرت نوح کو اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ ایمان والوں کو اپنے ساتھ لے کر چلے جائیں' تو اس حال کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام ان ظالموں کی سفارش کرتے کہ ان کو غرق ہونے سے بچا لیا جائے۔ پس ہر چند کہ حضرت نوح علیہ السلام نے سفارش نہیں کی تھی' لیکن چونکہ یہ موقع سفارش کرنے کا تھا اس لیے فرمایا تم ان ظالموں کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ کرنا۔ اسی طرح ہر چند کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اژدھے کو دیکھ کر ڈرے نہیں تھے لیکن چونکہ یہ موقع ڈرنے کا تھا اس لیے فرمایا اور ڈرو مت۔ اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ سانپ اور اژدھا زہریلا جانور ہے اور یہ اپنے زہر سے لوگوں کو ہلاک کر دیتا ہے اس لیے سانپ اور اژدھا اللہ تعالیٰ کی صفت قہر اور صفت غضب کے مظہر ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سانپ سے نہیں ڈرے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت قہر اور غضب سے ڈرے تھے۔

ید بیضا اور عصا میں کون سا معجزہ زیادہ عظیم ہے

طٰہٰ: ٢٢: میں فرمایا اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ملا لیں تو وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا' یہ دوسری نشانی ہے۔

قرآن مجید میں عیب کے لیے سوء کا لفظ ہے' سوء کا معنی ہے کسی چیز میں ردی چیز ہو جو اس میں قبح پیدا کر دے' لیکن یہاں اس سے مراد برص ہے اور عرب برص کو بہت برا جانتے تھے اس لیے اس کو کنایہ کے ساتھ تعبیر کیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت گندم گوں رنگ کے تھے۔ جب انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ کو بغل کے نیچے سے نکالا تو وہ بجلی کی طرح چمکتا ہوا تھا یا آفتاب کی

[ط]رح روشن تھا اور وہ برص کی طرح سفید نہ تھا' اور جب وہ اس ہاتھ کو دوبارہ اپنی بغل کے ساتھ ملاتے تو وہ پھر اسی طرح گندم [گ]وں ہو جاتا۔

اس کے بعد فرمایا: تاکہ ہم آپ کو اپنی بعض بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں یعنی تم ہماری ان دو نشانیوں کو لے جاؤ تاکہ ہم تم کو [ا]پنی اور بڑی نشانیاں دکھائیں۔ امام رازی نے فرمایا ہے کہ ید بیضا کی بہ نسبت عصا کا معجزہ زیادہ بڑا ہے کیونکہ ید بیضا کے معجزہ [م]یں تو صرف رنگ کا تغیر ہے اور عصا کے معجزہ میں رنگ کا تغیر ہے اور جسم کا بڑا ہونا ہے' اور اس میں حیات' قدرت اور مختلف اعضاء کا پیدا کرنا ہے اور پتھروں اور درختوں کو نگلنا ہے اور پھر اس کا اسی طرح عصا بن جانا ہے لہٰذا عصا ان کا بہت عظیم معجزہ تھا۔

[ف]رعون کی طرف جانے کا حکم دینا

اس کے بعد فرمایا آپ فرعون کی طرف جایئے اس نے (بہت) سرکشی کی ہے۔ فرعون کی طرف بھیجنے کی علت یہ بیان [ف]رمائی کہ اس نے بہت سرکشی کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب کی طرف مبعوث تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے [س]اتھ فرعون کی طرف بھیجنے کا ذکر فرمایا کیونکہ اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا تھا اور وہ بہت متکبر تھا اور سب لوگ اس کی پیروی کرتے تھے اس لیے اس کا ذکر کرنا زیادہ لائق تھا۔

وھب بن منبہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تم میرا کلام سنو اور میری وصیت کو یاد رکھو اور میرا پیغام لے کر جاؤ۔ تم میری آنکھوں اور کانوں کے سامنے ہو' میں تمہیں اپنی اس مخلوق کے پاس بھیج رہا ہوں جو میری نعمتوں پر اترا رہی ہے اور میرے عذاب سے بے خوف ہے اس کو دنیا نے مغرور کر دیا ہے حتیٰ کہ وہ میرے حق کو بھول گیا اور اس نے خدائی کا [د]عویٰ کر دیا اور مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم اگر مجھے اپنے عہد کا پاس نہ ہوتا تو میں اس کو فوراً اپنے عذاب میں جکڑ لیتا' لیکن میں [میں] نے نرمی کی تم اس کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ اس کو میری عبادت کی دعوت دو اور اس کو میرے عذاب سے ڈراؤ اور اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنا' پھر حضرت موسیٰ سات دن تک خاموش رہے اور کسی سے بات نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے پاس [ف]رشتہ آیا اور اس نے کہا آپ کے رب نے جو حکم دیا ہے اس کا جواب دیں تو حضرت موسیٰ نے عرض کیا:

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِىْ اَمْرِىْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ

موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے ○ اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے ○ اور

عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِىْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِىْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّىْ وَزِيْرًا

[م]یری زبان کی گرہ کھول دے ○ کہ وہ لوگ میری بات سمجھیں ○ اور میرے لیے میرے اہل میں سے ایک

مِّنْ اَهْلِىْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِى ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِىْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ

[وز]یر بنا دے ○ میرے بھائی ہارون کو ○ اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے ○ اور میرے مشن میں اس

[فِ]ىْۤ اَمْرِىْ ﴿۳۲﴾ كَىْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ

[کو م]یرا شریک کر دے ○ تاکہ ہم تیری بہت تسبیح کریں ○ اور تجھے بہت یاد کریں ○ بے شک تو

كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسٰى ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ

ہیں خوب دیکھنے والا ہے ○ فرمایا اے موسیٰ! تمہارا سوال پورا کر دیا گیا ○ بے شک اس

مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰى ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلٰى أُمِّكَ مَا يُوحٰى ﴿٣٨﴾

سے پہلے بھی ہم نے ایک بار اور آپ پر احسان فرمایا تھا ○ جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وہ وحی کی تھی جو وحی آپ کی طرف

أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

کی جا رہی ہے ○ کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو، پھر دریا کو حکم دیا کہ وہ اس کو کنارے پر لے آئے،

يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِي وَعَدُوٌّ لَهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ

اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن لے لے گا، اور میں نے آپ کے اوپر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تاکہ میری نظر کے

عَلٰى عَيْنِي ﴿٣٩﴾ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَكْفُلُهُ وقف لازم

سامنے آپ کی پرورش کی جائے ○ جب آپ کی بہن جا رہی تھی وہ (آل فرعون سے) کہہ رہی تھی کیا میں تمہاری اس کی طرف رہنمائی کروں جو اس بچہ کی

فَرَجَعْنٰكَ إِلٰى أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا

پرورش کرے، پھر ہم نے آپ کو آپ کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں، اور آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا

فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ

تو ہم نے آپ کو اس غم سے نجات دی، اور ہم نے آپ کی کئی طرح آزمائش کی، سو آپ کئی سال اہل مدین میں

مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوسٰى ﴿٤٠﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿٤١﴾

رہے، پھر اے موسیٰ آپ اللہ کے مقرر کردہ وقت پر آ گئے ○ اور میں نے آپ کو خاص اپنے لیے چن لیا ○

اِذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيٰتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ﴿٤٢﴾ اِذْهَبَا إِلٰى

آپ اور آپ کے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کریں ○ آپ دونوں فرعون کے

فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى ﴿٤٣﴾ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ

پاس جائیں بے شک اس نے سر اٹھا رکھا ہے ○ آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا

يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾

ڈرے ۝ ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا ۝

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِىْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا

فرمایا تم دونوں مت ڈرو بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں ۝ سو اس کے پاس جاؤ پھر اس سے کہو کہ ہم

رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ

تیرے رب کے رسول ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو ایذاء نہ دے، بے شک ہم تیرے

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِىَ

رب کی طرف سے تیرے پاس نشانی لے کر آئے ہیں اور اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی ۝ بے شک ہماری طرف

اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا

وحی کی گئی ہے کہ اسی پر عذاب ہوگا جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری ۝ اس نے کہا پھر تم دونوں کا رب کون ہے؟

يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ

اے موسیٰ! ۝ موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا کی پھر

هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا

ہدایت دی ۝ فرعون نے کہا تو پہلی قوموں کا کیا حال ہوا؟ ۝ موسیٰ نے کہا اس کا علم

عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِىْ جَعَلَ

میرے رب کے پاس لوح محفوظ میں ہے، میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے ۝ جس نے تمہارے لیے

لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

زمین کو فرش بنایا اور تمہارے چلنے کے لیے زمین میں مختلف راستے بنائے اور آسمان سے

مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا

پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے مختلف نباتات کے جوڑے پیدا کیے ۝ کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو

اَنْعَامَكُمْ ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ۝

چراؤ ، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ۝

ع ۲ / ۱۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے ۝ اور میرے لیے میرا کام آسان کردے ۝ اور میری زبان کی گرہ کھول دے ۝ کہ وہ لوگ میری بات سمجھیں ۝ اور میرے لیے میرے اہل میں سے ایک وزیر بنادے ۝ میرے بھائی ہارون کو ۝ اس سے میری کمر کو مضبوط کردے ۝ اور میرے مشن میں اس کو میرا شریک کردے ۝ تاکہ ہم تیری بہت تسبیح کریں ۝ اور تجھے بہت یاد کریں ۝ بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے ۝ (طٰہٰ: ۳۵-۲۵)

شرح صدر کی دعا کی حکمت

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا اور ایک سخت اور مشکل کام کرنے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے آٹھ چیزوں کا سوال کیا اور اخیر میں یہ عرض کیا کہ میں نے ان آٹھ چیزوں کا اس لیے سوال کیا تاکہ میں تیری تسبیح اور تیرا ذکر زیادہ سے زیادہ کرسکوں۔ پہلا سوال یہ کیا کہ میرا سینہ کھول کر وسیع کردے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

وَيَضِيْقُ صَدْرِىْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ		میرا سینہ تنگ ہے اور میری زبان نہیں چل رہی۔

(الشعراء: ۱۳)

سو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے سینہ کی تنگی کو فراخی اور وسعت سے تبدیل کردے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا منشاء یہ تھا ان کو جرأت' ہمت اور حوصلہ عطا فرما۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا سینہ کھول دے بلکہ فرمایا میرے لیے میرا سینہ کھول دے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس شرح صدر کا فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچے گا نہ کہ اللہ تعالیٰ کو۔

دوسرا سوال یہ کیا اور میرے لیے میرا کام (مشن) آسان کردے۔ یعنی اس مشن میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو دور فرمادے اور اس مشن کی تکمیل کے جو اسباب اور وسائل ہیں وہ مہیا فرمادے۔

حضرت موسیٰ کی زبان میں گرہ کی وجوہ

تیسرا سوال یہ کیا کہ میرے لیے میری زبان کی گرہ کھول دے۔ ان کی زبان میں جو گرہ تھی اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ ان کی زبان میں پیدائشی گرہ تھی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ اس گرہ کو زائل کردے' دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں فرعون کی داڑھی نوچ لی تھی تو فرعون نے کہا یہ میرا دشمن بنے گا اور ان کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا' تب اس کی بیوی آسیہ نے کہا: یہ بے عقل بچہ ہے اور ایک تھال میں یاقوت اور انگارہ رکھا اور کہا اگر اس نے یاقوت کو اٹھالیا تو اس کو ذبح کردینا اور اگر اس نے انگارہ اٹھالیا تو پھر یہ اس کے بچپن کا تقاضا ہے اس کو چھوڑ دینا' پھر حضرت جبریل آئے اور انہوں نے حضرت موسیٰ کا ہاتھ انگارے پر رکھ دیا حضرت موسیٰ نے اس انگارے کو اٹھا کر منہ میں ڈال لیا اس وجہ سے ان کی زبان جل گئی اور ان کی زبان میں گرہ پڑ گئی اور ان کی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۱۷۳) اس روایت پر یہ اشکال ہے کہ اگر بچہ بالفرض انگارے کو پکڑ بھی لے تو اس کا ہاتھ فوراً جل جائے گا اور وہ انگارے کو چھوڑ دے گا اور اس کا انگارے کو منہ میں رکھ لینا عادۃً بہت بعید ہے' اسی لئے صحیح وجہ پہلی ہی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس گرہ کو کھولنے کا سوال ان وجوہ سے کیا تھا (۱) تاکہ فرائض رسالت کی ادائیگی میں خلل نہ ہو۔ (۲) جس شخص کی زبان میں لکنت ہو لوگ اس کی بات کو توجہ سے نہیں سنتے اور اس کو اچھا نہیں جانتے اور رسول کے لیے ضروری ہے کہ لوگ اس کی بات

توجہ سے سنیں اور اس کو اچھا جانیں۔ (۳) اس لکنت کا دور ہونا ان کا معجزہ ہو جائے کیونکہ مصر والوں کو پتا تھا کہ ان کی زبان میں لکنت ہے اور یہ روانی سے بات نہیں کر سکتے' پھر جب وہ روانی سے بات کریں گے تو حضرت موسیٰ کا معجزہ ہوگا۔ (۴) اس سے حضرت موسیٰ کا مشن آسان ہوگا کیونکہ فرعون جو غرور اور تکبر کی وجہ سے خدا بنا ہوا تھا اگر اس کے سامنے حضرت موسیٰ اٹک اٹک کر اور لکنت سے اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے تو وہ متاثر ہونے کے بجائے الٹا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتا۔

فقہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ لوگ میری بات سمجھیں۔ قرآن مجید میں ہے یفقھوا قولی' یعنی لوگ جان لیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور میری بات سمجھیں' لغت میں فقہ کا معنی ہے فہم اور عرف میں اس سے علم شریعت مراد ہوتا ہے اور جس کو اس کا علم ہو اس کو فقیہ کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا فقہ کی تعریف یہ ہے کہ نفس کو اپنے نفع اور ضرر کی چیزوں کی معرفت ہو جائے اور اس کی مشہور تعریف یہ ہے: احکام شرعیہ عملیہ کا جو علم ان احکام کے دلائل سے ہو وہ فقہ ہے۔

وزیر کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چوتھا سوال یہ کیا کہ میرے لیے ایک وزیر بنا دے۔ وزیر کا لفظ وزر سے ماخوذ ہے اور وزر کا معنی ہے بوجھ' وزیر کو وزیر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سلطان کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھاتا ہے' وزیر کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص کسی منصب پر فائز ہوا پھر اللہ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا تو اس کے لیے ایک نیک وزیر دیتا ہے۔ اگر وہ بھول جائے تو وہ اس کو یاد دلا دیتا ہے اور اگر کو یاد ہو تو اس کی مدد کرتا ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۱۵)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کو بھی خلیفہ بناتا ہے اس کے دو راز دار ہوتے ہیں ایک راز دار اس کی نیکی کا حکم دیتا ہے اور اس پر ابھارتا ہے' اور دوسرا راز دار اس کی برائی کا حکم دیتا ہے اور اس پر ابھارتا ہے اور معصوم وہ ہے جس کو اللہ معصوم رکھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۱۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۹۲' مسند احمد رقم الحدیث ۱۱۳۶۲' عالم الکتب)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان والوں میں سے بھی میرے دو وزیر ہیں اور زمین والوں میں سے بھی میرے دو وزیر ہیں' آسمان والوں میں سے میرے جو دو وزیر ہیں' وہ جبریل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے جو میرے دو وزیر ہیں وہ ابوبکر اور عمر ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۰' المستدرک رقم الحدیث ۳۱۰۱' طبع جدید' المستدرک ج ۲ ص ۲۶۴' طبع قدیم' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۶۰' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۹۸' کنز العمال رقم الحدیث ۳۲۶۶۱)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وزیر کی ضرورت تو بادشاہوں کو ہوتی ہے' اور رسول جو اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے احکام پہنچانے کا مکلف ہوتا ہے اس کو وزیر کی کیا ضرورت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ نیکی اور خیر کے کاموں میں جو شخص اخلاص کے ساتھ تعاون کرے اس کی اللہ سے دعا کرنے میں بھی بڑی تاثیر ہوتی ہے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بھائی پر پورا اعتماد تھا کہ وہ نیکی اور خیر کے کاموں میں اور فرائض نبوت کی ادائیگی میں ان کے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے۔

وزارت کے لیے بھائی کی تخصیص کی وجہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پانچواں سوال یہ تھا کہ وہ وزیر ان کے اھل سے ہو یعنی ان کے اقارب سے ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چھٹا سوال یہ تھا کہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنا دیا جائے اور اس کے دو سبب تھے (۱) دین کے کاموں میں تعاون کرنا بہت قابل تعریف اور لائق تحسین منصب ہے تو حضرت موسیٰ نے چاہا کہ یہ عظیم منصب ان کے بھائی کو حاصل ہو یا اس وجہ سے کہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ بہت تعاون کرتے تھے۔ (۲) دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت ہارون کی زبان حضرت موسیٰ سے بہت زیادہ فصیح تھی اور وہ اپنا موقف اور مافی الضمیر بہت آسانی کے ساتھ بیان کر سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے متعلق فرمایا تھا:

وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ ۡ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ○ (القصص: ۳۴)

اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح زبان والا ہے پس اس کو بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دے کہ وہ میری تصدیق کریں گے مجھے خطرہ ہے کہ وہ سب میری تکذیب کریں گے۔

ازر کا معنی

حضرت موسیٰ کا ساتواں سوال یہ تھا کہ میرے بھائی سے میری کمر مضبوط کر دے ازر کے معنی ہیں قوت فازرہ کے معنی ہیں اس کی اعانت کی ابوعبیدہ اور خلیل نے کہا ازر کے معنی ہیں پشت خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا وہ ان کے بھائی حضرت ہارون کو ان کا وزیر بنا دے تا کہ وہ ان کی مدد کریں اور ان کی کمر کو مضبوط رکھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آٹھواں سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ہارون کو ان کے مشن میں شریک کر دے اور مشن سے مراد نبوت ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ کو علم تھا کہ حضرت ہارون عمر میں ان سے بڑے ہیں اور ان کی زبان صاف اور زیادہ فصیح ہے۔

حضرت موسیٰ کی ان دعاؤں کا سبب

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عرض کیا کہ میں نے یہ دعائیں اس لیے کی ہیں کہ ہم تیری بہت تسبیح کریں اور تجھے بہت یاد کریں۔ تسبیح کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات صفات اور اس کے افعال کی ان چیزوں سے برأت بیان کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں خواہ دل میں اس برأت کا اعتقاد رکھا جائے یا زبان سے اس کی برأت کو بیان کیا جائے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے اور اس کو یاد کرنے کا بھی ذکر ہے ذکر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ اور اس کی صفات جمال اور اس کی صفات جلال کو بیان کرنا پس تسبیح کرنے کا معنی ہے نامناسب صفات کی اس سے نفی کرنا اور ذکر کا معنی ہے اس کی شان کے لائق صفات کا ذکر کرنا۔

اس کے بعد فرمایا بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے۔ اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) بے شک تو خوب جاننے والا ہے کہ ہم اپنی دعاؤں اور عبادتوں سے محض تیری رضا جوئی کا ارادہ کرتے ہیں اور تیرے سوا اور کسی سے دعا نہیں کرتے۔

(۲) تجھ کو خوب معلوم ہے کہ میں نے جو یہ دعائیں کیں یہ صرف کار نبوت کی تکمیل کے لیے کیں ہیں۔

(۳) بے شک تو ہماری مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے تو ہمیں وہ چیزیں عطا فرما جو ہمارے حق میں مفید اور بہتر ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعائیں کرنے کے بعد یہ کلمات اس لیے کہے تا کہ ظاہر ہو کہ انہوں نے اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا اے موسیٰ تمہارا سوال پورا کر دیا گیا○ بے شک (اس سے پہلے بھی) ہم نے ایک بار اور آپ پر احسان فرمایا تھا○ جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وہ وحی کی تھی جو وحی آپ کی طرف کی جا رہی ہے○ کہ اس بچے کو صندوق

میں رکھ کر دریا میں ڈال دو پھر دریا کو حکم دیا کہ وہ اس کو کنارے پر لے آئے اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن لے لے گا' اور میں نے آپ کے اوپر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تا کہ میری نظر کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے ○ جب آپ کی بہن جارہی تھی وہ (آل فرعون سے) کہہ رہی تھی کیا میں تمہاری اس کی طرف رہ نمائی کروں جو اس بچہ کی پرورش کرے' پھر ہم نے آپ کو آپ کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں' اور وہ غم نہ کریں' اور آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے آپ کو اس غم سے نجات دی' اور ہم نے آپ کی کئی طرح سے آزمائش کی' سو آپ کئی سال اہل مدین میں رہے' پھر اے موسیٰ! آپ اللہ کے مقرر کردہ وقت پر آ گئے ○ اور میں نے آپ کو خاص اپنے لیے چن لیا ○ آپ اور آپ کے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کریں ○ آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سر اٹھا رکھا ہے ○ آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے ○ (طٰہٰ: ۴۴-۳۶)

حضرت موسیٰ کی دعاؤں کو باریاب کرنے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہے ہوئے آٹھ سوالات کو پورا فرمایا اور ان کی دعاؤں کو باریاب فرمایا تا کہ وہ وسعت قلب اور فرحت کے ساتھ کار نبوت کو پورا کرنے کے لیے روانہ ہوں' اس لیے فرمایا اے موسیٰ! تمہارا سوال پورا کر دیا گیا' اس کے بعد فرمایا۔ بے شک (اس سے پہلے بھی) ہم نے ایک بار اور آپ پر احسان فرمایا تھا ○ اس میں حسب ذیل وجوہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کے قبول کرنے کی وجوہ پر متنبہ فرمایا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ میں تمہارے ان سوالوں سے پہلے بھی تمہاری مصلحت کے تقاضوں کو پورا کر چکا ہوں تو اب تمہاری دعاؤں کو کیوں قبول نہیں کروں گا۔

(۲) میں اس سے پہلے تمہاری پرورش کر چکا ہوں اگر اب میں تمہاری مراد پوری نہ کروں تو یہ قبول کرنے کے بعد رد کرنا ہوگا اور احسان کرنے کے بعد محروم کرنا ہوگا اور یہ فعل میرے کرم کے کب لائق ہے۔

(۳) جب ہم ماضی میں تمہاری ہر ضرورت کو پورا کر چکے ہیں اور تمہیں نچلے درجہ سے درجہ عالیہ میں پہنچا چکے ہیں تو اب اس مرتبہ پر پہنچا کر تمہاری درخواست کو رد کر دینا ہماری شان کے کب لائق ہوگا!

حضرت موسیٰ کی ماں پر وحی کرنے کا احسان اور عورت کے نبی نہ ہونے پر دلائل

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوپر اپنے آٹھ احسانات کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پہلا احسان' جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وہ وحی کی تھی جو وحی آپ کی طرف کی جارہی ہے' کہ اس بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو پھر دریا کو حکم دیا کہ وہ اس کو کنارے پر لے آئے' اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن لے لے گا۔

علامہ قرطبی مالکی اور بعض دیگر علماء کی یہ رائے ہے کہ عورت بھی نبی بن سکتی ہے اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی گئی ہے اور وحی صرف انبیاء اور رسل کی طرف کی جاتی ہے' اور جمہور علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں انبیاء اور رسل میں سے نہ تھیں' اس لیے اس آیت میں وحی سے وہ وحی مراد نہیں ہے جو انبیاء کی طرف کی جاتی ہے' اور یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ عورت قاضی اور امام بننے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ اپنا نکاح بھی خود نہیں کر سکتی تو وہ نبی بننے کی کب صلاحیت رکھ سکتی ہے۔ اور اس پر قوی دلیل یہ آیت ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (الانبیاء: ۷)
آپ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب مرد تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

اور قرآن مجید میں غیر انبیاء کے لیے بھی وحی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (النحل: ۶۸)
اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ (المائدہ: ۱۱۱)
اور جب میں نے حواریین کی طرف وحی کی۔

باقی رہا یہ امر کہ حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف جو وحی کی گئی تھی اس وحی سے کیا مراد ہے؟ اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اس وحی سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دیکھا ہوا خواب ہے' انہوں نے خواب دیکھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کو تابوت میں رکھا پھر اس تابوت کو دریا میں ڈال دیا' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو پھر ان کی طرف لوٹا دیا۔

(۲) اس وحی سے مراد یہ ہے کہ ان کے دل میں ایک بات آ کر جم گئی تھی اور ہر شخص کو ایسا سابقہ پیش آتا ہے۔

(۳) اس وحی سے مراد الہام ہے' اور الہام سے مراد ہے دل میں کسی نیک بات کا آ کر ٹھہر جانا۔

حضرت موسیٰ پر ان کے صندوق کو دریا میں سلامت رکھنے کا احسان (۲)

فرعون ایک سال بچوں کو قتل کرتا پھر دوسرے یا تیسرے سال بچوں کو چھوڑ دیتا تھا حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے تھے جس سال وہ بچوں کو چھوڑ دیتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ایک سال بعد پیدا ہوئے جو بچوں کو قتل کرنے کا سال تھا' تو حضرت موسیٰ کی ماں نے ایک صندوق کے اندر روئی رکھی اور اس میں حضرت موسیٰ کو رکھا پھر اس صندوق کو دریائے نیل میں ڈال دیا' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کی ماں کو یہ خطرہ تھا کہ فرعون ان کو قتل کر دے گا تو صندوق میں حضرت موسیٰ کو رکھ کر اس صندوق کو دریا میں ڈال دینا اس سے کم خطرناک تو نہیں تھا یہ بھی تو ایک طرح سے ان کو موت کے حوالے کر دینا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کو اپنے خواب یا الہام پر کامل اعتماد تھا۔

اس آیت میں اقذفیہ کا لفظ ہے یہ واحد مونث مخاطب کا لفظ ہے' اور قذف کا معنی ہے ڈالنا قرآن مجید میں ہے:

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ . (الاحزاب: ۲۶)
ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

سو اقذفیہ کا معنی ہے اس کو ڈال دو' اور ''الیم'' کا معنی ہے سمندر' اس کا اطلاق سمندر اور دریا دونوں پر ہوتا ہے اور یہاں اس سے مراد دریائے نیل ہے' اور ساحل سحل کا اسم فاعل ہے اور یہ مفعول یعنی مسحول کے معنی میں ہے۔ سحل کا معنی بھی پھینکنا اور ڈالنا ہے اور چونکہ سمندر اور دریا کے کنارے پانی سمندر اور دریا کی چیزیں لا کر پھینک دیتا ہے اس لیے اس کو ساحل کہتے ہیں۔

فرعون کے گھر حضرت موسیٰ کو پہنچانے کا احسان (۳)

فرعون کی بیوی آسیہ دریا سے اپنی باندیوں کے ذریعہ پانی منگوا رہی تھی تو اچانک اس کی نظر اس صندوق پر پڑی' اس نے باندیوں سے کہا اس صندوق کو اٹھا لو۔ جب اس صندوق کو اٹھایا تو اس میں حضرت موسیٰ تھے۔ حضرت موسیٰ کی دل لبھانے والی صورت تھی جو دیکھتا تھا اس کو آپ پر پیار آتا تھا تو فرعون نے بھی آپ کو پالنے اور پرورش کرنے کا ارادہ کر لیا' اس کی دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے:

دریا نے اس صندوق کو ساحل پر لا پھینکا' ساحل سے پانی کی ایک چھوٹی سی نہر فرعون کے گھر کے باغ میں جاتی تھی اس طرح حضرت موسیٰ فرعون کے گھر میں پہنچ گئے اور فرعون نے جب حضرت موسیٰ کو دیکھا تو اٹھا لیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس کو میرا اور اس کا دشمن لے لے گا۔

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ فرعون کا اللہ کا دشمن ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ وہ کفر اور سرکشی میں بہت بڑھ چکا تھا' لیکن اس وقت تک اس کا حضرت موسیٰ کا دشمن ہونا تو ظاہر نہیں ہوا تھا بلکہ اس وقت تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کرنے والا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ مستقبل میں اس نے حضرت موسیٰ سے دشمنی کرنی تھی ان کی مخالفت کرنی تھی اور ان کے قتل کے درپے ہونا تھا تو آئندہ کے اعتبار سے اس کو بھی مجازاً ان کا دشمن فرمایا۔

فرعون کے دل میں حضرت موسیٰ کی محبت ڈالنے اور ان کی پرورش کا احسان (۴)

پھر فرمایا اور میں نے آپ کے اوپر اپنی طرف سے محبت ڈال دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ بہت حسین تھا اور آپ کی آنکھیں بہت خوب صورت تھیں' جو بھی آپ کو دیکھتا تھا اس کو آپ پر محبت آتی تھی اور یہ بھی آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان تھا' اسی وجہ سے فرعون اور اس کی بیوی دونوں آپ سے محبت کرنے لگے اور آپ کی پرورش میں لگ گئے۔

اس کے بعد فرمایا: اور تاکہ میری نظر کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے' اس کا معنی یہ ہے تاکہ میرے ارادہ کے موافق آپ کی پرورش کی جائے' اور اس کے دو محمل میں ایک یہ ہے کہ عین سے مراد علم ہے اور جب کوئی شخص کسی چیز کا عالم ہوتا ہے تو اس چیز کی آفات اور بلیات سے اس طرح حفاظت کرتا ہے جس طرح اس کو دیکھنے والا اس کی حفاظت کرتا ہے' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے عین سے مراد ہے حفاظت کرنا' کیونکہ جو شخص کسی چیز کو دیکھ رہا ہو وہ اس چیز کی ایذا دینے والی چیزوں سے حفاظت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی آنکھ کا معنی

عین کے معنی آنکھ ہیں' اس آیت کا ترجمہ یہ ہے تاکہ میری آنکھ کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی آنکھ کے متعلق امام ابوحنیفہ اور دیگر متقدمین کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھ ہے لیکن وہ ہماری آنکھ کی طرح نہیں ہے' بلکہ اس کی آنکھ کی کوئی مثال نہیں ہے' یہ اس کی صفت بلاکیف ہے۔ اس کی صفت کی نفی کی جائے نہ اس کی کسی مخلوق کے ساتھ کوئی مثال دی جائے اور نہ اس کی کوئی تاویل کی جائے' لہٰذا یہاں آنکھ کی تاویل رویت یا نظر سے کرنا درست نہیں ہے۔ اور متاخرین نے جب دیکھا کہ اسلام کے معاندین اس قسم کی آیات کی وجہ سے اسلام پر طعن کر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں کے خدا کے جسمانی اعضاء ہیں تو انہوں نے اس قسم کی آیات کی تاویل کی اور کہا عین کا معنی رویت' نظر اور علم ہے۔ اس کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم نے الاعراف: ۵۴ میں کی ہے۔

حضرت موسیٰ کی ماں پر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا احسان (۵)

جب آپ کی بہن جارہی تھی وہ (آل فرعون سے) کہہ رہی تھی کیا میں اس کی طرف رہنمائی کروں جو اس بچہ کی پرورش کرے۔ الآیۃ (طٰہٰ: ۴۰)

جب فرعون نے حضرت موسیٰ کو اپنی بیوی کے حوالے کردیا تو اس نے دودھ پلانے والیوں کو طلب کیا' حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہیں پی رہے تھے' حتیٰ کہ ان کی بہن آگے بڑھی اور حضرت موسیٰ کو اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا' اور اپنا پستان ان کے منہ میں دے دیا حضرت موسیٰ نے اس کے پستان کو چوسنا شروع کردیا اور خوش ہوگئے' فرعون کے گھر والوں نے اس سے کہا تم ہمارے گھر میں رہو' اس نے کہا میرا دودھ نہیں اترا' لیکن میں اس عورت کی طرف تمہاری رہنمائی کروں گی جو اس کو دودھ پلائے گی' وہ لوگ حضرت موسیٰ کے خیر خواہ تھے' انہوں نے پوچھا وہ عورت کون ہے؟ اس نے کہا وہ میری ماں ہے' انہوں نے پوچھا اس کا دودھ اتر رہا ہے؟ اس نے کہا میرا بھائی اس کا دودھ پی رہا ہے' حضرت ہارون علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے ایک سال بڑے تھے' اور ایک قول یہ ہے کہ تین یا چار سال بڑے تھے کیونکہ فرعون نے اپنی قوم کی آسانی کے لیے بنو اسرائیل پر رحم کیا تھا اور چار سال تک ان کے قتل کو موقوف کر دیا تھا اور اسی اثناء میں حضرت ہارون پیدا ہوئے تھے' پھر جب حضرت موسیٰ کی ماں آ گئیں تو حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پی لیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔

حضرت موسیٰ پر فرعون سے نجات دینے کا احسان (٦)

اس کے بعد فرمایا اور آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے آپ کو اس غم سے نجات دی۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو ایک دن وہ شہر کی طرف جا رہے تھے' انہوں نے دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا ان میں سے ایک بنو اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا آل فرعون سے تھا' اسرائیلی نے فرعونی کے خلاف حضرت موسیٰ سے مدد طلب کی' حضرت موسیٰ نے غضب میں آ کر فرعونی کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا' اس وقت سوا اس اسرائیلی کے ان کو اور کوئی دیکھنے والا نہیں تھا' جب حضرت موسیٰ نے گھونسا مار کر اس فرعونی کو قتل کر دیا تو انہوں نے کہا:

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ○ (القصص: ١٥)

یہ کام شیطان کے بہکانے سے سرزد ہوا' بے شک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا۔

پھر فرمایا:

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (القصص: ١٦)

موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے معاف فرما دے' تو اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔ بے شک وہی بہت مغفرت فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! جس طرح تو نے اب مجھ پر احسان فرمایا ہے سو اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا ○ پس اس شہر میں انہوں نے ڈرتے ہوئے صبح کی اور انتظار کرتے رہے کہ (اب کیا ہو گا) پس اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی (آج پھر) انہیں مدد کے لیے پکار رہا تھا' موسیٰ نے اس سے کہا یقیناً تو کھلا ہوا گمراہ ہے ○ پھر جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑ لیں جو ان دونوں کا دشمن تھا تو (فریاد کرنے والے اسرائیلی نے غلط فہمی سے) کہا: اے موسیٰ آپ مجھے (بھی) اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جیسے کل آپ نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا' آپ یہی چاہتے ہیں کہ آپ زمین میں زبردستی کرنے والے بن جائیں اور آپ یہ نہیں چاہتے کہ آپ اصلاح کرنے والوں میں سے ہوں ○ اور ایک آدمی شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا' اس نے کہا اے موسیٰ بے شک (فرعون کے) درباری آپ کو قتل کرنے کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں' سو آپ یہاں سے نکل جائیے' بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں ○ سو موسیٰ اس شہر سے خوف زدہ ہو کر نکلے وہ انتظار کر رہے تھے (کہ اب کیا ہو گا) انہوں نے دعا کی اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے نجات دے دے۔ (القصص: ۲۱-۱۷)

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ اس اسرئیلی کو ڈانٹ رہے تھے اور وہ اسرائیلی غلط فہمی سے یہ سمجھا تھا کہ حضرت موسیٰ اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح انہوں نے کل ایک فرعونی کو قتل کر دیا تھا تو وہ بھاگ کر فرعون کے دربار میں

پہنچا اور وہاں جا کر فرعون کو بتایا کہ موسیٰ نے ایک فرعونی کو قتل کر دیا ہے اور جو کچھ دیکھا تھا اس کا ماجرا سنا دیا۔ تب فرعون نے ذبح کرنے والوں کو بلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے کارندے بھیج دیے۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک حمایتی آ کر ان سے ملا اور ان کو بتایا کہ ان کے خلاف کیا سازش ہو رہی ہے' تب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر مدین کی طرف چلے گئے اور وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس ایک عرصہ گزارا جس کی تفصیل انشاء اللہ آ گے آئے گی۔

(جامع البیان جز ۱۶ ص ۲۰۹۔۲۰۸ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت۔ ۱۴۱۵ھ)

حضرت موسیٰ کو آزمائشوں سے گزارنا

نیز طٰہٰ: ۴۰ میں فرمایا اور ہم نے آپ کی کئی طرح سے آزمائش کی۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ فتون کا معنی ہے ایک آزمائش کے بعد دوسری آزمائش میں واقع ہونا' اور اللہ تعالیٰ کا آپ کو ان سے نجات دینا۔ پہلی آزمائش یہ تھی کہ آپ کی ماں کو آپ کا اس سال حمل ہوا جس سال فرعون نومولود بچوں کو ذبح کرتا تھا۔ پھر دوسری آزمائش وہ تھی جب آپ کو دریائے نیل میں ڈالا گیا' تیسری آزمائش وہ تھی جب آپ نے اپنی ماں کے علاوہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیا' چوتھی آزمائش وہ تھی جب آپ نے بچپن میں فرعون کی داڑھی نوچ لی اور فرعون نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا' پھر آپ نے ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا' پھر آپ خوف زدہ ہو کر مدین کی طرف بھاگ گئے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۲۸۶۔۲۸۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت۔ ۱۴۰۷ھ)

حضرت موسیٰ کو مدین میں پناہ دینے کا احسان (۷)

اس کے بعد فرمایا سو آپ کئی سال اہل مدین میں رہے' پھر آپ اے موسیٰ! اللہ کے مقرر کردہ وقت پر آ گئے۔ (طٰہٰ: ۴۰)

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ حضرت شعیب کے شہر مدین میں گئے حضرت موسیٰ کی وہاں مدت قیام کے متعلق دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا آپ وہاں دس سال رہے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ وہاں اٹھائیس سال رہے تھے۔ دس سال اپنی بیوی صفورا کے مہر میں رہے اور اٹھارہ سال اس کے بعد رہے حتیٰ کہ آپ کا وھب نام کا بیٹا پیدا ہوا۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۲۸۶)

وھب نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس بائیس سال رہے تھے۔ دس سال وہ اپنی بیوی صفورا بنت شعیب کے مہر کے عوض رہے اور بارہ سال اپنی بیوی کے پاس رہے حتیٰ کہ ان کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔

اس کے بعد فرمایا: پھر آپ اے موسیٰ اللہ کے مقرر کردہ وقت پر آ گئے۔ (طٰہٰ: ۴۰)

انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا جانا

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ اور عبد الرحمٰن بن کیسان نے کہا کہ آپ نبوت اور رسالت کی مدت کے موافق وہاں رہے' کیونکہ انبیاء علیہم السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیے جاتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۱۷)

امام رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس آیت کے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) میری لکھی ہوئی قضاء اور قدر میں یہ پہلے مقرر ہو چکا تھا کہ میں تم کو اس معین وقت میں رسول بناؤں گا جس کو میں پہلے تمہارے لیے معین کر چکا ہوں' سو تم اسی معین وقت پر آئے ہو نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ (القمر: ۴۹) بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے موافق پیدا کیا ہے۔

(۲) تم اس مقرر وقت آئے ہو جس وقت میں انبیاء علیہم السلام پر وحی کی ابتداء کی جاتی ہے۔

(۳) ہوسکتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یا کسی اور نبی نے حضرت موسیٰ کے آنے کے لیے یہ وقت مقرر کر دیا ہو اور حضرت موسیٰ اس وقت پر آئے ہوں' اور حضرت موسیٰ پر یہ اس لیے احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت پر پہنچنے کی توفیق دی۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف گئے تو ان کی عمر بارہ سال تھی۔ پھر دس سال وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چراتے رہے۔ پھر اس کے بعد وہ اٹھارہ سال اپنی بیوی صفورا بنت شعیب کے ساتھ رہے اور ان سے ان کا ایک بیٹا ہوا پھر ان کی عمر مکمل چالیس سال ہوگئی اور یہ وہ مدت ہے جس کے پورے ہونے پر انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرنے کی اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے۔ (البحر المحیط ج ۷ ص ۳۳۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۸ھ لکھتے ہیں:

سن نبوت چالیس سال مکمل ہونے کے بعد ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۳۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قاضی ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مقرر وقت پر آئے جس وقت میں انبیاء علیہم السلام پر وحی کی جاتی ہے اور یہ وہ وقت ہے جب چالیس سال مکمل ہو جائیں۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۴ ص ۲۸۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

شیخ زادہ محمد بن مصلح الدین المصطفیٰ القوجوی المتوفی ۹۵۱ھ وہب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے لیے چالیس سال کی مدت مقرر ہے۔

(حاشیہ شیخ زادہ ج ۵ ص ۲۸۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام پر چالیس سال پورے ہونے کے بعد وحی کی جاتی ہے۔

(روح المعانی جز ۱۶ ص ۲۸۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کے ساتھ مزج کر کے لکھتے ہیں:

پھر تو ایک ٹھہرائے وعدہ پر حاضر ہوا اے موسیٰ! یعنی اپنی عمر کے چالیسویں سال اور یہ وہ سن ہے کہ انبیاء کی طرف اس سن میں وحی کی جاتی ہے۔ (کنز الایمان و خزائن العرفان ص ۵۰۳' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' امام رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۸ھ' علامہ ابوالسعود متوفی ۹۵۱ھ' علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور صدر الافاضل مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ سب نے یہ تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں تب ان پر وحی کی جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت پر فائز کرنے کا احسان (۸)

طٰہٰ: ۴۱ میں فرمایا اور میں نے آپ کو خاص اپنے لیے چن لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کے لیے چننے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا قرب عطا کیا‘ آپ کی عزت افزائی کی اور آپ کو شرف کلام عطا کیا اور یہ اوصاف اس لیے عطا کیے کہ آپ کو منصب رسالت پر فائز کرنا تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایسے الطاف اور عنایات کیے جن کا تقاضا آپ کو منصب رسالت سے نوازنا تھا۔

(۳) میں نے آپ کو رسالت کے لیے اس وجہ سے چنا ہے کہ آپ میرے احکام کی اطاعت میں مشغول رہیں۔ میری الوہیت اور میری توحید پر دلائل قائم کریں اور آپ کی تمام حرکات اور سکنات صرف میرے لیے ہوں کسی اور کے لیے نہ ہوں۔

عصا اور ید بیضاء دو نشانیوں پر آیات کے اطلاق کی توجیہ

طٰہٰ: ۴۲ میں فرمایا: آپ اور آپ کے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کریں۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بایاتی میری نشانیاں‘ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صرف دو نشانیاں دی تھیں اور عربی میں دو پر جمع کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہر چند کہ ایک نشانی تھا لیکن وہ متعدد نشانیوں کا جامع تھا کیونکہ اس لاٹھی کا دوڑتا ہوا سانپ بن جانا اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت پر اور حضرت موسیٰ کی نبوت پر دلیل تھا۔ اس عصا کو پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے یہ اللہ تعالیٰ کی رزاقی اور اس کی حکمت پر دلیل ہے‘ سمندر پر عصا مارنے سے بارہ راستوں کا بن جانا اور بعد ازاں فرعون کو غرق کر دینا‘ یہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب پر دلیل تھا‘ خلاصہ یہ ہے کہ ایک عصا متعدد نشانیوں پر مشتمل تھا۔ اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ میں مقرر ہے کہ جمع کے کم از کم افراد دو ہوتے ہیں لہٰذا ان دو نشانیوں پر جمع کا اطلاق درست ہے‘ اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ید بیضا اور عصا کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک تیسری نشانی بھی عطا فرمائی تھی اور وہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکنت کو دور کر دینا سو اب بغیر کسی تاویل کے ان نشانیوں پر جمع کا اطلاق درست ہے۔

ذکر میں سستی سے منع کرنے کے محامل

اور تم دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ اس کے معنی یہ ہے کہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مجھے یاد کرتے رہنا اور یہ یاد رکھنا کہ اس دنیا کا کوئی اہم اور نیک کام میرے ذکر کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ ذکر کا دوسرا محمل یہ ہے کہ میرے پیغام کو پہنچانے میں کوئی سستی نہ کرنا کیونکہ ذکر کا اطلاق ہر قسم کی عبادت پر ہوتا ہے اور تبلیغ رسالت تو سب سے عظیم عبادت ہے تو یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس پر ذکر کا اطلاق کیا جائے‘ اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ فرعون کے سامنے تم میرا ذکر کرنے میں سستی نہ کرنا اور اس ذکر کی کیفیت یہ ہے کہ تم فرعون اور اس کی قوم سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ ان کے کفر سے راضی نہیں ہے اور ان کے سامنے ثواب اور عذاب کا ذکر کرنا‘ اور اس کا چوتھا محمل یہ ہے کہ فرعون کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر کرنا اور اس کے احسانات کا ذکر کرنا۔

فرعون کے ساتھ نرمی سے کلام کرنے کی وجوہ اور نرم کلام کے محامل

طٰہٰ: ۴۳ میں فرمایا: آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سر اٹھا رکھا ہے۔

یہ خطاب صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا کیونکہ اس وقت اس جگہ حضرت ہارون علیہ السلام حاضر نہ تھے‘ لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام متبوع تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کے تابع تھے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خطاب کو ان کے ساتھ خطاب قرار دیا۔

طٰہٰ: ۴۴ میں فرمایا: آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔
فرعون اپنی الوہیت کا مدعی تھا اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید کا منکر اور مخالف تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنے کا کیوں حکم دیا؟ اس کی دو وجہیں ہیں: (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون نے پرورش کی تھی' اس حق کی رعایت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنے کا حکم دیا۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ ماں باپ کا حق کس قدر عظیم ہے۔ (۲) جابر اور مقتدر لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو سختی کے ساتھ نصیحت کی جائے تو وہ مزید اکڑ جاتے ہیں اور ان کے غرور اور تکبر میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کی انانیت ان کو حق قبول کرنے سے باز رکھتی ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ساتھ جو نرمی کے ساتھ کلام کیا تھا اس کی ایک مثال تو عنقریب طٰہٰ: ۴۷ میں آ رہی ہے اور دوسری مثال یہ آیت ہے:

هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ○ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ○ (النازعات: ۱۹۔۱۸)

کیا تم پاکیزہ ہونا چاہتے ہو؟○ (اور یہ چاہتے ہو کہ) میں تمہارے رب کی طرف تمہاری راہنمائی کروں سو تم (اس سے) ڈرو؟

اس کی تیسری مثال کے متعلق حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کو اس کی کنیت کے ساتھ مخاطب کرنا۔ اس کی کنیت کے متعلق چار قول ہیں: (۱) ابومرہ (۲) ابومصعب (۳) ابوالعباس (۴) ابوالولید۔
اور اس کو چوتھی مثال یہ ہے کہ حسن بصری نے کہا اس سے کہنا اس کا رب ہے اور اس کے لوٹنے کی جگہ ہے اور اس کے آگے جنت اور دوزخ ہے' اور اس کی پانچویں مثال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے پاس جا کر کہا: میں جو پیغام لے کر آیا ہوں تم اس پر ایمان لے آؤ اور رب العالمین کی عبادت کرو' پھر تمہارا شباب قائم رہے گا اور تم بوڑھے نہیں ہو گے' اور تم تاحیات بادشاہ رہو گے یہ ملک تم سے کوئی چھین نہیں سکے گا اور جب تم فوت ہو گے تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ فرعون کو یہ کلام اچھا لگا پھر جب ہامان آیا تو اس نے ہامان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کی خبر دی۔ اس نے کہا میرا خیال ہے کہ تم خود دانش مند ہو تم رب ہو کیا تم مربوب (مخلوق) بننا چاہتے ہو؟ اور اس نے فرعون کی رائے بدل دی۔
یحییٰ بن معاذ رازی نے کہا: جو شخص خدائی کا دعویٰ کرتا ہو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نرمی کی یہ شان ہے تو جو شخص اللہ تعالیٰ کو خدا مانتا ہو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نرمی کا کیا حال ہو گا!
خالد بن معدان نے معاذ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کی قسم! فرعون اس وقت تک نہیں مر سکتا تھا حتیٰ کہ وہ یا نصیحت حاصل کر لیتا یا اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتا' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔ اور جب وہ سمندر میں غرق ہونے لگا تھا تو اس نے نصیحت بھی حاصل کر لی تھی اور ڈرا بھی تھا۔

(زادالمسیر ج ۵ ص ۲۸۹۔۲۸۷' ملخصاً' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا○ فرمایا تم دونوں مت ڈرو' بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں○ سو اس کے پاس جاؤ پھر اس سے کہو کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو ایذاء نہ دے' بے شک ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس نشانی لے کر آئے ہیں اور اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی○ بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اسی پر عذاب ہو گا جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری○ (طٰہٰ: ۴۸-۴۵)

فرعون سے حضرت موسیٰ کے خوف کی توجیہ اور فرط کا معنی

طٰہٰ: ۴۵ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے یہ دعا کی تھی کہ اے رب میرا سینہ کھول دے اور میرا کام مجھ پر آسان کر دے' پھر ان کو یہ خوف کیوں ہوا کہ فرعون ان پر زیادتی یا سرکشی کرے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ شرح صدر اور سینہ کھولنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو منضبط کرنے پر ان کے سینہ کو قوی کر دے' اور کام آسان ہونے کے معنی یہ ہے کہ وہ احکام شرعیہ کی اس طرح تبلیغ کریں کہ اس میں سہو اور نسیان نہ آسکے اور تبلیغ کرنے میں کوئی خوف اور خطرہ نہ ہو یہ الگ چیز ہے۔

قرآن مجید میں ان یفرط کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے زیادتی کرنا کیا ہے۔ فرط کا ایک معنی سبقت ہے جو پانی پلانے والا حوض پر پہلے پہنچ جائے اس کو فارط کہتے ہیں اور جو گھوڑا دوسرے گھوڑوں پر سبقت کرے اس کو فرط کہتے ہیں' اس صورت میں معنی یہ ہے کہ ہم کو خطرہ ہے کہ وہ ہم کو سزا دینے میں سبقت کرے گا' دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ افرط غیرہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کسی کو کسی کام پر ابھارنا' اس صورت میں معنی یہ ہے کہ کوئی ابھارنے والا فرعون کو ہمیں سزا دینے پر ابھارے گا اور وہ ابھارنے والا شیطان ہوگا یا اس کا خدائی کا دعویٰ ہوگا یا سلطنت کی خواہش ہوگی یا اس کی قوم کے متکبرین ہوں گے' اور یہ فرط افراط سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے وہ ہم پر زیادتی کرے گا اور وہ ہم پر سرکشی کرے گا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم کو قتل کر ڈالے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے خوف کو زائل کرنے کے لیے فرمایا: بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں' میں سن رہا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے دلوں میں جو یہ خوف ہے کہ وہ تمہارے ساتھ زیادتی یا سرکشی کرے گا سو تم اس سے مت ڈرو میں تمہاری حفاظت کروں گا تم اس سے جو بات کرو گے میں اس کو سن رہا ہوں گا' میں اس کو تمہارا کلام سننے کے لیے مسخر کردوں گا اور میں اس کی حرکتوں کو دیکھ رہا ہوں گا وہ تمہیں ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہو سکے گا۔ میں تمہاری مدد کے لیے فرعون پر گرفت کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہوں۔

طٰہٰ: ۴۷ میں فرمایا اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔

سلام کا معنی سلامتی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص ہدایت کی پیروی کرے گا وہ سلامت رہے گا' اور عارف باللہ ہدایت کی پیروی کرتا ہے سو وہ سلامتی والا ہے۔ زجاج نے کہا یہ خبر ہے' سلام تحیت نہیں ہے اور اس میں خبر دی گئی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کرے گا وہ اس کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

اللہ کے دشمنوں سے ڈرنا انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کی سنت ہے

ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ فرعون کے دربار میں تبلیغ کے لیے جانے سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے دل میں خوف ہوا کہ وہ ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرے گا یا ان کو قتل کر دے گا۔ اس آیت میں ان جاہل صوفیا کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ والوں کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔ ان کا یہ قول اس لیے باطل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر سب سے زیادہ اعتماد ہوتا ہے اس کے باوجود ان کو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ڈر اور خوف ہوتا ہے۔

کسی شخص نے حسن بصری سے یہ کہا کہ عامر بن عبداللہ شام کی طرف جا رہے تھے وہ پانی پینے کے لیے ایک جگہ جانا چاہتے تھے تو ان کے اور پانی کے درمیان ایک شیر حائل ہو گیا۔ عامر پانی کی طرف گئے اور پانی پی کر اپنی حاجت پوری کی۔ ان سے یہ کہا گیا کہ آپ نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا تھا۔ عامر نے کہا اگر میرے پیٹ میں نیزے گھونپ دیئے جائیں تو وہ

مجھے اس سے زیادہ محبوب ہیں کہ میں اللہ کے علاوہ کسی اور سے ڈروں۔

حسن بصری نے اس شخص کو جواب دیا کہ جو شخص عامر بن عبداللہ سے بہت افضل تھے وہ اللہ کے غیر سے ڈرے تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے متعلق ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا اور وہ ہلاک ہو گیا:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (القصص: ۲۱)

سو موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے وہ انتظار کر رہے تھے (کہ اب کیا ہوگا) انہوں نے دعا کی اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے نجات دے دے۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تو اچانک حضرت موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں:

فَاَوْجَسَ فِىْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ○ (طٰہٰ: ۶۸-۶۷)

تو موسیٰ نے اپنے دل میں یہ خوف پایا (کہ لوگ اس سے متاثر نہ ہوں) ہم نے فرمایا تم ڈرو نہیں بے شک تم ہی غالب رہو گے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے لیے مدینہ کے گرد جو خندق کھودی تھی وہ بھی اسی قبیل سے تھی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کرنے میں جو آپ کا مقام تھا اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے متعلق سب کو علم ہے کہ انہوں نے کفار مکہ کے خوف سے اپنے گھروں کو چھوڑا۔ پہلی بار انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور دوسری بار مدینہ کی طرف ہجرت کی تاکہ مشرکین مکہ سے اپنی جانوں کو بچائیں اور دین اسلام کی وجہ سے کفار ان کو جس قسم کے فتنوں اور عذاب میں مبتلا کرتے تھے اس سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے متعلق خبر ملی تو اس وقت ہم یمن میں تھے' سو ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی نیت سے نکل پڑے۔ میں اور میرے دو بھائی ابو بردہ اور ابو رہم تھے اور میں ان سے چھوٹا تھا۔ ہمارے ساتھ اور بھی مسلمان تھے جو پچاس سے زائد تھے۔ ہم (مدینہ پہنچنے کے لیے) کشتی میں سوار ہوئے لیکن ہماری کشتی ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں لے گئی وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ہم بھی وہیں ٹھہر گئے حتیٰ کہ ہم سب اکٹھے وہاں سے مدینہ پہنچے۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ خیبر فتح کر چکے تھے۔ کچھ مسلمان ہم سے یعنی کشتی کے ذریعے آنے والوں سے کہنے لگے کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے' حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جو ہمارے ساتھ ہی مدینہ آئیں تھیں وہ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہ بھی نجاشی کے ملک میں ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہجرت کر کے چلی گئیں تھیں۔ اسی اثناء میں حضرت عمر بھی حضرت حفصہ کے گھر آ گئے حضرت اسماء بنت عمیس وہیں تھیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو پوچھا یہ کون ہیں' حضرت حفصہ نے بتایا کہ یہ اسماء بنت عمیس ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وہی ہیں جو حبشہ سے آئیں ہیں اور سمندری سفر کر کے آئیں ہیں۔ حضرت اسماء نے کہا جی ہاں! حضرت عمر نے فرمایا ہم ہجرت میں تم سے سابق ہیں اور ہم تمہاری بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ حق دار ہیں۔ یہ سن کر حضرت اسماء غصہ میں آ گئیں انہوں نے کہا ہرگز نہیں! تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہو تم میں سے جو بھوکا ہوتا تھا

اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھلاتے تھے اور جو دین سے ناواقف ہوتا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرتے تھے اور ہم بہت دور دراز علاقے میں دشمنوں کے ساتھ رہتے تھے اور ہماری یہ ہجرت اللہ کے راستے میں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں تھی' اور اللہ کی قسم! میں اس وقت تک کچھ کھاؤں گی نہ کچھ پیوں گی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کروں جو کچھ تم نے کہا ہے' اور ہم لوگوں کو اذیت دی جاتی تھی اور ہم کو ڈرایا جاتا تھا اور میں ابھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کروں گی اور آپ سے اس کے متعلق سوال کروں گی' اور اللہ کی قسم! میں جھوٹ بولوں گی' نہ کج روی اختیار کروں گی اور نہ اس بات میں کوئی اضافہ کروں گی۔ سو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت اسماء نے کہا: یا نبی اللہ! بے شک عمر نے اس طرح کہا ہے آپ نے پوچھا پھر تم نے اس سے کیا کہا؟ تو میں نے کہا میں نے اس اس طرح کہا۔ آپ نے فرمایا ان کا مجھ پر تم سے زیادہ حق نہیں ہے۔ ان کے لیے اور ان کے اصحاب کے لیے ایک ہجرت ہے اور تمہارے لیے تم جو کشتی کے ذریعہ آنے والے ہو دو ہجرتیں ہیں۔ اس واقعہ کے بعد میں نے دیکھا کہ ابوموسیٰ اور کشتی والے فوج در فوج میرے پاس آنے لگے وہ مجھ سے اس حدیث کے متعلق سوال کرتے تھے' اور ان کے نزدیک دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز اتنی عظیم اور خوشی کا باعث نہیں تھی جتنی خوش کا باعث ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۵۰۲_۲۵۰۳)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اللہ کے دشمنوں کے خوف کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اپنے گھروں سے ہجرت کی۔ بعض نے ایک بار اور بعض نے دو بار ہجرت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ن کی تعریف اور تحسین فرمائی' اور اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے دلوں میں یہ ڈر اور خوف مرکوز کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اور ان کی طبائع میں یہ چیز رکھی ہے کہ وہ ضرر دینے والی اور تکلیف پہنچانے والی اور تلف اور ضائع کر دینے والی چیزوں سے ڈر کر بھاگتے ہیں اور جنگل میں پھاڑنے والے درندوں سے بڑھ کر نقصان پہنچانے والی اور کون سی چیز ہوگی جبکہ انسان کے پاس مدافعت کے لیے کوئی آلہ اور ہتھیار بھی نہ ہو' سو جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے وہ جھوٹا ہے اور بڑھانکتا ہے۔

دائمی عذاب صرف کفار کو ہوگا

طٰہٰ: ۴۸ میں فرمایا بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اسی پر عذاب ہوگا جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری۔

اس آیت میں اس پر قوی دلیل ہے کہ مومن کو دائمی عذاب نہیں ہوگا' کیونکہ العذاب میں الف لام استغراق کا ہے یا جنس کا ہے اور ہر تقدیر پر معنی یہ ہے کہ جنس عذاب اسی پر ہوگا جو اللہ تعالیٰ کا مکذب ہو اور اس سے روگردانی کرنے والا ہو' اور جو اس طرح نہیں ہوگا اس پر بالکل عذاب نہیں ہوگا اور آیت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ جو مومن بعض اوقات عمل ترک کر دیتا ہے اس کو بھی عذاب نہ ہو کیونکہ عذاب صرف مکذب اور پیٹھ پھیرنے والے پر ہوتا ہے' لیکن چونکہ دوسری آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترک عمل پر بھی عذاب ہوتا ہے جیسے فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (الماعون: ۵-۴)

ان نمازیوں کے لیے عذاب ہے ۝ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرنے والے ہیں۔

اسی طرح بعض آیتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ برے عمل کرنے والوں کو بھی عذاب ہوگا:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ (الھمزہ: ۱)

ہر عیب تلاش کرنے والے اور غیبت کرنے والے کے لیے عذاب ہے۔

اس لیے زیر بحث آیت کا معنی یہ ہے کہ دائمی عذاب صرف ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتے ہوں اور اس سے پیٹھ پھیرتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا پھر تم دونوں کا رب کون ہے؟ اے موسیٰ! ○ موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا کی پھر ہدایت دی ○ فرعون نے کہا تو پہلی قوموں کا کیا حال ہوا؟ ○ موسیٰ نے کہا اس کا علم میرے رب کے پاس لوح محفوظ میں ہے' میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے ○ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے چلنے کے لیے زمین میں مختلف راستے بنائے اور آسمان سے پانی اتارا' پھر ہم نے اس سے مختلف نباتات کے جوڑے پیدا کیے ○ کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ (طٰہٰ: ۵۴-۴۹)

مباحثہ میں فریق مخالف پر سختی کرنے کے بجائے نرمی سے دلائل پیش کرنا

فرعون بہت طاقت ور بادشاہ تھا اور اس کا بہت بڑا لشکر تھا اور وہ اپنے خدا ہونے کا مدعی تھا۔ اس کے باوجود جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی تو اس نے صبر اور ضبط سے کام لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سختی کرنے اور ان کو ایذا پہنچانے کا کوئی اقدام نہیں کیا اور اس کے بجائے حضرت موسیٰ سے دلائل کے ساتھ بحث کرنی شروع کر دی کیونکہ اگر وہ اپنے خلاف بات سن کر بھڑک جاتا اور حضرت موسیٰ کو اذیت دینا شروع کر دیتا تو لوگ اس کی مذمت کرتے اور کہتے کہ جس کے پاس دلائل نہیں ہوتے یا جو لاجواب ہو جاتا ہے وہ اپنے مقابل کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہے' سو یہ وہ طریقہ ہے جس کو فرعون نے اپنے کفر اور اپنی جہالت کے باوجود پسند نہیں کیا سو جو شخص علم اور اسلام کا مدعی ہو اس کو یہ لائق نہیں کہ وہ دلائل سے بات کرنے کے بجائے سختی کرنے اور ہاتھا پائی پر اتر آئے۔

پھر جب فرعون نے حضرت موسیٰ سے سوال کیا کہ تم دونوں کا رب کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ نے اس کے سوال کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل قائم کرنے شروع کر دیئے' اس سے معلوم ہوا کہ عقائد کے باب میں کسی کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت پر مقدم ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل قائم کیے' اپنی نبوت اور رسالت پر پہلے دلائل قائم نہیں کیے۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخالف کافر کے قول اور اس کے شبہات کو بھی نقل کرنا جائز ہے کیونکہ ان آیات میں فرعون کے اقوال اور اس کے شبہات کو نقل فرمایا ہے' البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کے شبہات کے جوابات بھی پیش کیے جائیں تاکہ کسی عام آدمی کے ذہن میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات پیدا نہ ہوں۔ نیز تبلیغ کرنے میں مخالف کی بات صبر و سکون سے سنی جائے پھر طیش اور غضب میں آئے بغیر اطمینان اور تسلی سے اس کے جوابات دیئے جائیں جیسا کہ حضرت موسیٰ نے فرعون کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ. (النحل: ۱۲۵)

اپنے رب کی طرف لوگوں کو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور بہترین طریقہ سے ان سے گفتگو کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور توحید پر دلیل

جب فرعون نے یہ کہا کہ تم دونوں کا رب کون ہے تو حضرت موسیٰ نے نہ صرف یہ بتایا کہ ہمارا رب اللہ عزوجل ہے بلکہ اس پر ایک سادہ اور پرمغز دلیل بھی قائم کی کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر ہدایت دی۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت پر پیدا کیا اور ہر چیز میں یہ شعور اور ہدایت رکھی کہ وہ کس طریقہ سے اپنا رزق

تلاش کریں کس طریقہ سے اپنے گھونسلے اور ٹھکانے بنائیں۔ آپ جنگل کے درختوں کو دیکھیں اس میں پرندے کس طرح ایک ایک تنکا اکٹھا کر کے کئی کئی منزلہ گھر بنا لیتے ہیں پھر بعض پرندے دانہ دنکا چگ کر اپنا رزق حاصل کرتے اور بعض پرندے شکار کر کے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ اپنی نسل بڑھانے اور بچوں کو پالنے کے لیے کیا کارروائی کرتے ہیں۔ کس طرح ان کو دودھ پلا کر ان کی نشوونما کرتے ہیں' ان کو دانے دنکے کا چوگا دیتے ہیں' مرغی کو دیکھیے وہ کس طرح انڈوں کو سیتی ہے' اس کو یہ عمل کس نے بتایا' یہ صرف اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں ہدایت رکھی ہے جس کے مطابق وہ یہ سب کام انجام دے رہے ہیں۔ شہد کی مکھی اپنا مسدس گھر بناتی ہے' اس کا گھر نہایت باریک باریک خانوں پر حکمت اور تدبیر کے ساتھ بنا ہوا ہوتا ہے جیسے کسی ماہر سول انجینئر نے اس کو بنایا ہے' چیونٹی گرمیوں میں سردیوں کے لیے خوراک کا ذخیرہ کرتی ہے۔ ان ننھے منے جانوروں کو ایسی حکمت اور دانائی کی باتیں کس نے سکھائی ہیں۔ تمام دنیا کے ہر قسم کے جانوروں کو دیکھو زمین پر رینگنے والے کیڑوں کو درندوں اور چرندوں کو فضا میں اڑنے والے پرندوں کو اور پانی کے جانوروں کو ان سب کو اپنی اپنی زندگی گزارنے کے طریقوں کی فطری ہدایت کس نے دی' فرعون ہو یا کوئی اور خدائی کا دعویٰ دار انسان کیا وہ زمین کے چپے چپے پر' فضاء بسیط میں اور دریاؤں اور سمندروں کی تمام تہوں میں پہنچ گیا ہے۔ اس نے اپنی' زمین اور فضا کے تمام جانداروں کو دیکھ بھی لیا ہے؟ ان سب کو فطری ہدایت دینا تو دور کی بات ہے' آخر اللہ کے سوا وہ کون ہے جس نے ہر جان دار کو اپنی زندگی گزارنے کے طریقے بتائے ہیں' وہ سورج ہے' چاند ہے' ستارے ہیں' کوئی انسان ہے' کوئی دیوی یا دیوتا ہے' پتھر کی مورتی ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی چیز بھی ان تمام جانداروں کے حالات اور کوائف کے علم کو محیط نہیں ہے' تو پھر وہ کون ہے جو ان تمام مخلوقات کو اپنے اپنے نظام حیات بنانے کی ہدایت دے رہا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی اور ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے تمام جانداروں کے اندر اپنی زندگی گزارنے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کی ہدایت رکھی ہے۔ ہم اس سے اس کے دلائل پوچھنے کی بات تو بعد میں کریں گے پہلے یہ تو معلوم ہو کہ وہ کون ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ تمام جانداروں کو فطری ہدایت دیتا ہے' اور جب کسی کا یہ دعویٰ نہیں ہے تو مان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی واحد لاشریک ہے جو سب کو پیدا کرنے والا ہے اور ان کو ان کی معیشت کی ہدایت دینے والا ہے۔

نیز اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ہر وہ چیز عطا کی ہے جس کی اس کو ضرورت پیش آ سکتی ہے' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ہر مخلوق کو اپنے منفعت کے لحاظ سے جس قسم کی شکل وصورت کی ضرورت پیش آ سکتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو اس قسم کی شکل وصورت عطا فرمائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل سے فرعون کا پریشان ہونا

طٰہٰ: ۵۱ میں ہے: فرعون نے کہا تو پہلی قوموں کا کیا حال ہوا؟ سابقہ آیات کے ساتھ اس آیت کے ربط کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جب اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر اس قدر واضح دلائل ہیں تو پہلی قوموں نے اس کی توحید اور الوہیت کو کیوں نہیں مانا' گویا فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مضبوط اور قوی عقلی دلائل کا تقلید کے ساتھ معارضہ کیا۔

(۲) اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا جو اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرے گا اور اس سے پیٹھ پھیرے گا اس کو عذاب ہوگا تو اس پر فرعون نے کہا گزشتہ قوموں نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی تھی ان پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ اس کا جواب واضح تھا کہ جو قومیں حجت پوری ہونے کے بعد بھی اپنی تکذیب پر برقرار رہیں ان پر ایسا عذاب آیا جس نے ان

قوموں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔

(٣) جب حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی الوہیت پر واضح دلیل قائم کر دی تو فرعون کو خطرہ ہوا کہ یہ اگر اس طرح دلائل قائم کرتے رہے تو لوگوں پر اس کی خدائی کا جھوٹ کھل جائے گا اور لوگ اس سے منحرف ہو جائیں گے' اس لیے اس نے گفتگو کا رخ بدلنے کے لیے کہا اچھا بتاؤ کہ سابقہ قوموں میں سے جو ایمان نہیں لائے ان کا کیا حال ہوا تھا!

نہ وہ غلطی کرتا ہے نہ وہ بھولتا ہے کے محامل

جب فرعون نے یہ پوچھا کہ پچھلی قوموں کا کیا حال ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: اس کا علم میرے رب کے پاس لوح محفوظ میں ہے' میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوا ہے یا ہونے والا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب میں لکھ دیا ہے اور وہ کتاب یعنی لوح محفوظ فرشتوں پر ظاہر کر دی گئی ہے تا کہ وہ اس پر زیادہ استدلال کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا عالم ہے اور وہ سہو اور غفلت سے منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے ''وہ نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے'' اس کے علماء نے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(١) قفال نے کہا وہ غلطی نہیں کرتا اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور وہ بھولتا نہیں ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس کا علم دائمی ہے۔ ابد الآباد تک باقی رہنے والا ہے۔ اس میں کوئی تغیر نہیں ہے۔

(٢) مقاتل نے کہا اس کتاب میں میرا رب کوئی خطاء نہیں کرتا اور نہ اس میں لکھے ہوئے کو بھولتا ہے۔

(٣) حسن بصری نے کہا وہ حشر کے وقت میں کوئی خطا نہیں کرتا اور نہ اس کو بھولتا ہے۔

(٤) ابوعمرو نے کہا نہ وہ کسی چیز سے غائب ہوتا ہے' نہ اس سے کوئی چیز غائب ہوتی ہے۔

(٥) ابن جریر نے کہا وہ تدبیر میں خطا نہیں کرتا کہ نادرست کو درست اعتقاد کر لے اور وہ تمام اشیاء کو جانتا ہے اور ان کو بھولتا نہیں ہے۔

لکھنے کے جواز کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اس آیت میں مذکور ہے کہ اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے۔ اس آیت میں لکھنے کا ثبوت ہے اور اس کی تائید میں حسب ذیل آیات ہیں:

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً (الاعراف: ١٤٥)

اور ہم نے موسیٰ کو تختیوں پر ہر چیز کی نصیحت لکھ دی۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء: ١٠٥)

اور ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ (الاعراف: ١٥٦)

اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔

وَكُلُّ شَىْءٍ فَعَلُوْهُ فِى الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ (القمر: ٥٢-٥٣)

ہر وہ کام جو انہوں نے کیا ہے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ۝ ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا ۝ جس نے انسان کو وہ سب سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔

علم کی باتوں اور احادیث کے لکھنے کے جواز کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں' آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ الا یہ کہ آپ ہمیں خبر دیں! آپ کے دائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی' اس کے متعلق آپ نے فرمایا یہ کتاب رب العلمین کی طرف سے ہے اس میں اہل جنت کے اسماء ہیں اور ان کے آباء کے اسماء ہیں اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں پھر آخر میں ان کا میزان کر دیا گیا ہے۔ ان میں کوئی اضافہ کیا جائے گا نہ کوئی کمی کی جائے گی۔ پھر اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں اہل دوزخ کے اسماء ہیں اور ان کے آباء کے اسماء ہیں اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں پھر آخر میں ان کا میزان کر دیا گیا ہے' اس میں کوئی اضافہ کیا جائے گا نہ کوئی کمی کی جائے گی کبھی بھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۷' المسند الجامع رقم الحدیث: ۸۷۲۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اس کتاب میں لکھ دیا جو اس کے پاس عرش کے اوپر تھی بے شک میری رحمت میرے غضب کے اوپر غالب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۵۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار سے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنتا تھا۔ اس کو وہ حدیث اچھی لگتی تھی اور یاد نہیں رہتی تھی۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی اور کہا یا رسول اللہ! میں آپ کی حدیث سنتا ہوں وہ مجھے اچھی لگتی ہے اور میں اس کو یاد نہیں رکھ سکتا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو' اور آپ نے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۶۶' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۹۲۸' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۳۰۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے دن جو خطبہ دیا تھا آپ نے فرمایا یہ خطبہ ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۲' ۲۴۳۴' ۶۸۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس احادیث نہیں تھیں ماسوا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے کیونکہ وہ احادیث لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۱۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۶۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۸' سنن داری رقم الحدیث: ۲۶۰۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ہر اس بات کو لکھ لیتا تھا جس کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا' میں اس کو محفوظ کرنے کا ارادہ کرتا تھا' پھر مجھے قریش نے منع کیا اور کہا تم ہر اس بات کو لکھ لیتے ہو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں آپ غصہ میں بھی بات کرتے ہیں اور خوشی میں بھی۔ پھر میں نے لکھنا چھوڑ دیا' پھر میں نے اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تم لکھتے رہو' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اس (منہ) سے حق کے سوا اور کوئی بات نہیں نکلتی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۶' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۲' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۸۴)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے فرمایا تم حدیث بیان کرو اور جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ سے بہت سی چیزیں سن کر لکھ لیتے ہیں آپ نے فرمایا لکھو اور کوئی حرج نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۴۱۰' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۲۲۷' مجمع الزوائد ج ۱ص ۱۵۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۲۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا اور میں ان میں سب سے کم عمر تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے اٹھ کر آئے تو میں نے کہا آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرنے میں منہمک رہتے ہیں' وہ سب ہنسنے لگے اور کہنے لگے اے بھتیجے! ہم جو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہیں وہ ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ص ۱۵۲' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اس کی سند میں اسحاق بن یحییٰ متروک ہے)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آیا میں علم کو مقید کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا کیسے قید کروں؟ فرمایا: لکھ کر۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۵۲' المستدرک ج ۱ص ۱۰۶)

ثمامہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا علم کو لکھنے کے ساتھ مقید کرو۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۴۹۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے حافظہ میں کمی کی شکایت کی آپ نے فرمایا تم اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۸۴۶)

ابوالملیح نے کہا یہ لوگ ہمارے لکھنے کی مذمت کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **علمها عند ربي في كتاب** ۔ (طٰہٰ: ۵۲) اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کی احادیث کو یاد کرنے سے محبت رکھتا ہوں لیکن میرے دل میں یاد نہیں رہتیں کیا میں اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لوں؟ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو' اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(اتحاف السادۃ المہرۃ رقم الحدیث: ۴۰۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۰۱۴)

لکھنے کی ممانعت کی احادیث اور ان کے جوابات

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ہم کو اجازت نہیں دی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۶۵' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۵۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ مت لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ لکھا ہے وہ اس کو مٹا دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۰۴' مسند احمد ج ۱ص ۱۲' ۲۱' ۳۹' ۵۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۲۸۸' المستدرک ج ۱ص ۲۷-۲۶)

ہم اس سے پہلے لکھنے کے جواز میں احادیث بیان کر چکے ہیں اور یہ حدیثیں لکھنے کے خلاف ہیں علماء نے ان میں تطبیق کی حسب ذیل وجوہ بیان کیں ہیں۔

(۱) یہ ممانعت نزول قرآن کے وقت کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اگر نزول قرآن کے وقت کچھ اور بھی لکھا گیا تو قرآن کے ساتھ غیر قرآن کے التباس کا خطرہ ہے اور اس وقت کے بعد لکھنا جائز ہے۔

(۲) یہ ممانعت قرآن کے ساتھ ملا کر لکھنے کے ساتھ مخصوص ہے اور اگر الگ الگ لکھا جائے تو جائز ہے۔

(۳) ابتدا میں آپ نے لکھنے سے منع فرمایا تھا بعد میں لکھنے کی اجازت دے دی سو ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں۔

(۴) لکھنے کی ممانعت ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو صرف لکھنے پر اعتماد کرتے تھے اور احادیث کو یاد نہیں کرتے تھے۔

(۵) قاضی عیاض نے کہا ہے کہ متقدمین صحابہ اور تابعین کا علم کی باتوں کے لکھنے میں اختلاف تھا' بعض نے لکھنے کو مکروہ کہا اور بعض نے بلا کراہت اجازت دی' پھر مسلمانوں کا لکھنے کے جواز پر اجماع ہو گیا اور یہ اختلاف زائل ہو گیا' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو لکھنے کی اجازت دی تھی۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸' ص ۵۵۳' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

(۶) خطیب بغدادی نے کہا صدر اول میں لکھنے کو مکروہ کہا گیا تھا کیونکہ یہ خدشہ تھا کہ کوئی چیز کتاب اللہ کے مشابہ نہ ہو جائے یا قرآن مجید کے علاوہ دوسری چیزوں کے ساتھ لکھنے میں لوگ مشغول ہو جائیں یا لوگ کتب قدیمہ کے لکھنے میں مشغول ہو جائیں اور صحیح اور غلط میں تمیز نہ کر سکیں' جب کہ ان کے لیے قرآن مجید کو ہی لکھنا کافی تھا' اور یہ خطرہ تھا کہ ناواقف لوگ دوسری کتابوں کی باتیں قرآن مجید میں لکھ دیں گے کیونکہ اس وقت فقہاء اور علماء کی مجلس میں بیٹھنے والے کم تھے۔ (تقیید العلم ص ۶۵-۶۴)

(۷) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کی اجازت دے دی ہے تو احادیث کا لکھنا ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید کے مجمل احکام کی احادیث سے وضاحت ہوتی ہے' اگر احادیث نہ ہوں تو ہم نماز' روزے اور دیگر ارکان اور عبادات کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے اور جس چیز پر واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر ایک اور دلیل

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر ایک اور دلیل قائم فرمائی اور فرمایا: جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے چلنے کے لیے مختلف راستے بنائے۔

آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر اس طرح دلیل ہے کہ فرعون کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو بنا دیا تھا۔ اسی طرح جن نیک انسانوں کی صورت پر بت بنائے گئے اور ان کی پوجا کی جاتی ہے ان کے بھی پیدا ہونے سے پہلے یہ زمین بنا دی گئی تھی۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی اس زمین کا خالق نہیں ہو سکتا۔ سورج' چاند اور ستارے خود ایک لگے بندھے نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں سو وہ بھی اس زمین کے خالق نہیں ہو سکتے' اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس زمین کے پیدا کرنے کا کوئی دعویٰ دار نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے سوا اس زمین کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔

نیز فرمایا اور آسمان سے پانی اتارا' پھر ہم نے اس سے مختلف نباتات کے جوڑے پیدا کیے' کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

آیت کے اس حصہ میں بھی مذکور الصدر نہج پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر دلیل ہے' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو بھی یاد دلایا ہے کہ اس نے تمہارے رہنے کے لیے اس زمین کو ہموار بنایا' تمہارے چلنے کے لیے پہاڑوں' وادیوں اور جنگلوں میں راستے بنائے اور تمہارے پینے اور تمہاری دیگر ضروریات کے لیے آسمان سے پانی اتارا' اور تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے کھانے کے لیے انواع و اقسام کی سبزیاں اور پھل پیدا کیے۔ اس نے تم کو پیدا کیا اور تمہاری بقاء کے لیے زمین و

آسمان کی یہ تمام چیزیں پیدا کیں کہ جب تم اس کی نعمتوں سے استفادہ کرو تو اس کا شکر بجالاؤ' پھر کتنا افسوس ہے کہ بجائے ان کا شکر ادا کرنے کے تم یہ بھی نہیں مانتے کہ یہ تمام نعمتیں دینے والا وہ ہے جو اس جہان کا خالق اور واحد لاشریک ہے اور تم ان نعمتوں کو ان کی طرف منسوب کر دیتے ہو جو تمہاری طرح اس کی مخلوق ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تم کو باہر نکالیں گے ○

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ

اور بے شک ہم نے فرعون کو سب نشانیاں دکھائیں اس نے پھر بھی جھٹلایا اور انکار کیا ○ اس نے کہا اے موسیٰ کیا تم اس لیے ہمارے

اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ

پاس آئے ہو کہ ہم کو اپنے جادو کے ذریعہ ہمارے ملک سے نکال دو ○ پس ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ضرور ایسا ہی جادو لائیں گے، لہٰذا تم

بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

اپنے اور ہمارے درمیان ایک مدت مقرر کر لو نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم کرنا، یہ مقابلہ کھلے میدان میں ہوگا ○

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى

موسیٰ نے کہا تمہارے ساتھ جشن کے دن کا وعدہ ہے اور دن چڑھے لوگ جمع ہو جائیں ○ پھر فرعون چلا گیا

فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا

اور اپنے ہتھکنڈے جمع کر کے آگیا ○ موسیٰ نے ان سے کہا تم پر افسوس ہے تم جھوٹ بول کر

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾

اللہ پر بہتان نہ باندھو وہ تم کو عذاب سے ملیا میٹ کر دے گا، اور بے شک جس نے بہتان باندھا وہ نامراد رہا ○

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ

پھر وہ لوگ اپنے معاملہ میں مختلف ہو گئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے ○ وہ کہنے لگے بے شک یہ دونوں ضرور

لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا

جادوگر ہیں جو اپنے جادو سے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین

بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ

مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں ○ تم اپنے سارے داؤ پیچ جمع کر لو، پھر صف باندھ کر آؤ، بے شک

اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ

آج وہی کامیاب ہو گا جو غالب رہے گا ○ انہوں نے کہا اے موسیٰ آیا تم پہلے ڈالو گے یا ہم

اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ

پہلے ڈالنے والے ہو جائیں ○ موسیٰ نے کہا بلکہ تم پہلے ڈالو، پس اچانک

عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ

موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں ○ پس موسیٰ نے

فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾

اپنے دل میں خوف پایا ○ ہم نے کہا آپ نہ ڈریں بے شک آپ ہی غالب رہیں گے ○

وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ

اور جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دیجیئے وہ ان کی تمام کاری گری کو نگل جائے گا انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا

جادوگر کا فریب ہے، اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا ○ پس سب جادوگر سجدے میں گر گئے انہوں نے کہا

اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ

ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے ○ فرعون نے کہا تم میری اجازت دینے سے پہلے اس پر

لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ

ایمان لے آئے، بے شک یہی تمہارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے، سو میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں

مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ

مخالف جانب سے کاٹوں گا اور تم کو ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا

أَشَدُّ عَذَابًا وَّأَبْقٰى ﴿٧١﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ

عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے ۰ انہوں نے کہا ہم تجھ کو ہرگز ان واضح دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے

الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ

سامنے آچکی ہیں اور اس ذات پر (ترجیح نہیں دیں گے) جس نے ہم کو پیدا کیا ہے، پس تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے وہ کر گزر تو صرف اس دنیا کی

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ ﴿٧٢﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا

زندگی میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے ۰ بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے جادو کے

عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿٧٣﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا

اس گناہ کو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا اور اللہ بہت بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ۰ اور بے شک جو اپنے رب کے پاس

فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا

جرم کرتا ہوا آئے گا تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے، جس میں وہ نہ مرے گا نہ جیے گا ۰ اور جو اس کے پاس ایمان کے ساتھ حاضر ہو

قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ

اور اس کے اعمال نیک ہوئے، تو ان ہی لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں ۰ دائمی

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

جنتیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہی ان لوگوں کی جزا ہے

مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ع ۳ ع ۲۲ ۱۲

جو گناہوں سے پاک رہتے ہیں ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تم کو باہر نکالیں گے ۰ (طٰہٰ: ۵۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا ایک ہی مٹی سے مخلوق ہونا

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا ہے' حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نطفہ سے پیدا کیا ہے اور قرآن مجید میں بھی یہی فرمایا ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ (النحل: ۴) انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ (الدھر:۲) بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔

اس عتراض کا جواب یہ ہے کہ ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور وہ ہماری اصل ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے تو چونکہ اصل انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے تو اس وجہ سے فرمایا ہم نے تم کو اس زمین سے پیدا کیا ہے' ایک اور سورت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری خلقت کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ أَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۗ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ (المومنون:۱۴-۱۲)

اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا فرمایا۝ پھر ہم نے اس کو مضبوط جائے قرار میں نطفہ بنا کر رکھا۝ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا' پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کی بوٹی بنا دیا' پھر گوشت کی بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا۔ پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) ایک اور مخلوق بنایا' سو اللہ بڑی برکت والا ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کی پیدائش نطفہ اور حیض کے خون سے ہوتی ہے' اور نطفہ اور حیض کا خون دونوں غذا سے بنتے ہیں اور غذا گوشت اور سبزیوں سے حاصل ہوتی ہے اور گوشت بھی حیوانوں کے سبزہ کھانے سے بنتا ہے تو غذا کا رجوع اور مآل سبزیوں کی طرف ہے' اور سبزیاں پانی اور مٹی کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں تو خلاصہ یہ ہے کہ نطفہ اور حیض کا خون زمین کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے۔

اس اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے' ابو عاصم نے کہا تم حضرت ابو بکر اور عمر کے لیے اس جیسی فضیلت نہیں پاسکو گے' کیونکہ ان دونوں کی مٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی سے ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۱۸' رقم الحدیث: ۲۳۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت: ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہر انسان کو اس مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۵۳۱' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت: ۱۴۰۳ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے' فرشتہ زمین سے مٹی لے کر اس کی ناف کاٹنے کی جگہ پر رکھتا ہے' اس مٹی میں اس کی شفاء ہوتی ہے اور اسی میں اس کی قبر ہوتی ہے۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۵۳۳' مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے' اور جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو وہ اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے' حتیٰ کہ اس مٹی میں اس کو دفن کیا جاتا ہے اور میں اور ابو بکر اور عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی سے ہم اٹھائے جائیں گے۔ (فردوس الاخبار ج ۴ ص ۲۲۵' اللآلی المصنوعۃ ج ۱ ص ۲۸۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور ابو بکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ (فردوس الاخبار ج ۲ ص ۳۰۵' رقم الحدیث: ۶۷۷۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۸۳' تنزیہ الشریعۃ ج ۱ ص ۳۴۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو فرشتہ ارحام کے ساتھ موکل ہے وہ رحم سے نطفہ لے کر اپنی ہتھیلی پر رکھتا ہے'

اور کہتا ہے اے رب یہ پیدا کیا جائے گا یا پیدا نہیں کیا جائے گا' اے رب اس کا رزق کتنا ہے' اے رب اس کے اعمال کیسے ہیں اے رب اس کی مدت حیات کتنی ہے' پھر جس جگہ اس کو دفن کیا جائے گا وہاں کی مٹی لے کر اس کو نطفہ کے ساتھ گوندھتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ. (طٰہٰ: ۵۵)

(نوادر الاصول ج ۱ ص ۶۷' دار الجیل' المطالب العالیہ المصورہ ج ۱ ص ۱۸۵' ۱۸۴)

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

خطیب نے کتاب المتفق والمفترق میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا یہاں تک کہ اسی میں دفن کیا جائے گا اور میں اور ابوبکر وعمر ایک مٹی سے بنے' اسی میں دفن ہوں گے۔ (فتاویٰ افریقیہ ص ۱۰۰' ۹۹' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

توحید اور رسالت کے وہ دلائل جن کا فرعون نے انکار کیا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے فرعون کو سب نشانیاں دکھائیں اس نے پھر بھی جھٹلایا اور انکار کیا O (طٰہٰ: ۵۶)

سب نشانیوں سے مراد توحید اور رسالت پر دلائل ہیں' توحید پر یہ دلیل قائم کی کہ اللہ تعالیٰ نے جانداروں میں سے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت پر پیدا کیا پھر ہر چیز میں اس کی خوراک کے حصول اور افزائش نسل کے طریقوں کی فطری ہدایت رکھی' اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس پوری کائنات میں کوئی بھی اس بات کا دعویٰ دار نہیں ہے کہ یہ کارنامہ اس نے انجام دیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر ایک اور دلیل قائم کی کہ اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا' اور اس میں تمہارے چلنے کے لیے راستے بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا' پھر اس پانی سے مختلف قسم کی زمینی پیداوار کے جوڑے پیدا کیے' کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ' بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے ہماری نشانیاں ہیں۔ یہ زمین اور اس کی پیداوار فرعون کے پیدا ہونے سے پہلے بھی موجود تھی لہٰذا فرعون کا خدائی کا دعویٰ جھوٹا ہو گیا' اسی طرح فرعون کے علاوہ جن انسانوں اور مورتیوں کو خدا کہا گیا ان سب سے پہلے یہ زمین موجود تھی اور اس کی روئیدگی بھی تھی۔ جس کے متعلق بھی خدائی کا دعویٰ کیا گیا وہ دعویٰ جھوٹا تھا اور صرف اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا سچا ہے کہ اس زمین کو اور اس کی روئیدگی کو اس نے پیدا فرمایا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر بھی نشانیاں اور معجزات دکھائے لیکن فرعون نے اس سب کی تکذیب کی اور انکار کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر جو معجزات دکھائے گئے وہ یہ ہیں: (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) سمندر کو چیرنا (۴) پتھر سے پانی نکالنا (۵) فرعونیوں پر ٹڈیوں کو بھیجنا (۶) ان پر جوؤں کو بھیجنا (۷) ان پر مینڈکوں کو بھیجنا (۸) ان پر خون کی بارش کرنا (۹) ان پر پہاڑ اٹھا کر معلق کر دینا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم اسی لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم کو اپنے جادو کے ذریعہ ہمارے ملک سے نکال دو O پس ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ضرور ایسا ہی جادو لائیں گے لہٰذا تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک مدت مقرر کر لو نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم کرنا' یہ مقابلہ کھلے میدان میں ہو گا O (طٰہٰ: ۵۸-۵۷)

جب فرعون نے وہ معجزات دیکھے جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے تو اس نے کہا یہ جادو ہے' تم نے یہ جادو اس لیے کیا ہے کہ تم لوگوں کے دلوں میں یہ وہم ڈالو کہ تم نے ایسی نشانی پیش کی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ تم پر ایمان لایا جائے اور تمہاری پیروی کی جائے' تاکہ تم ہم پر اور ہمارے ملک پر غالب آ جاؤ۔ لہٰذا ہم بھی تمہارا مقابلہ کریں گے اور جس طرح تم نے

جادو کر کے دکھایا ہے ہم بھی ایسا ہی جادو کر کے دکھائیں گے تا کہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ تم نے جو کچھ کر کے دکھایا ہے وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے' پس اب تم اپنے اور ہمارے درمیان مقابلہ کے لیے ایک جگہ مقرر کر لو' اور ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ تم اپنے اور ہمارے درمیان مقابلہ کا ایک دن مقرر کر لو' ہم اس کی خلاف ورزی کریں اور نہ تم کرنا۔

مکانا سوی کا معنی ہے ہموار جگہ یا کھلا میدان' یا ایک ایسی جگہ ہو جس میں تمام لوگوں کے سامنے ہمارا مقابلہ پیش کیا جا سکے' مجاہد نے کہا اس سے مراد منصف ہے' قتادہ نے کہا اس سے مراد ہمارے درمیان عادل ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ سوی سے مراد وسط ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا تمہارے ساتھ جشن کے دن کا وعدہ ہے اور دن چڑھے لوگ جمع ہو جائیں ○ پھر فرعون چلا گیا اور اپنے ہتھکنڈے جمع کر کے آ گیا ○ موسیٰ نے ان سے کہا تم پر افسوس ہے تم جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان نہ باندھو وہ تم کو عذاب سے ملیامیٹ کر دے گا اور بے شک جس نے بہتان باندھا وہ نامراد رہا ○ (طٰہٰ: ۶۱-۵۹)

یوم الزینت کا مصداق

اس آیت میں یوم الزینت کا لفظ ہے اور اس کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس سے مراد ان کی عید کا دن ہے۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس سے مراد عاشورا (دس محرم) کا دن ہے۔

(۳) ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس سے مراد یوم النیروز ہے اور وہ اس سال کے پہلے دن ہفتہ کے روز تھا۔

(۴) سعید بن جبیر کا قول ہے وہ ان کے بازار جانے کا دن تھا۔

ضحیٰ سے مراد ہے جب دن چڑھ جائے اور سورج کی روشنی خوب پھیل جائے' اور دن چڑھنے پر اس مقابلہ کو اس لیے معلق کیا تا کہ سورج کی روشنی کامل ہو اور لوگ آسانی سے جمع ہو جائیں اور حجت خوب واضح ہو جائے اور شک و شبہ سے بالاتر ہو۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۲۹۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

جادوگروں کی تعداد

فرعون نے اپنے ہتھکنڈے جمع کر لیے' اس سے مراد ہے فرعون نے اپنے جادوگر جمع کر لیے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ بہتر (۷۲) جادوگر تھے اور ان میں سے ہر جادوگر کے پاس رسیاں اور لاٹھیاں تھیں' جادوگروں کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ چار سو تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ بارہ ہزار تھے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ چودہ ہزار تھے۔ ان جادوگروں کے رئیس کا نام شمعون تھا۔ نیز فرمایا تم پر افسوس ہے تم جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان نہ باندھو' اس کا معنی ہے تم اللہ کے متعلق جھوٹی باتیں نہ کہو' اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور معجزات کے متعلق یہ نہ کہو کہ یہ جادو ہے' ورنہ وہ تم کو ملیامیٹ کر دے گا۔ قرآن مجید میں فیسحتکم کا لفظ ہے اس کا معنی ہے کسی کو ہلاک کر کے جڑ سے اکھاڑ دینا۔ اور فرمایا جس نے اللہ پر افتراء باندھا یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس کے متعلق کوئی بات کہی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے ثواب کے حصول میں ناکام ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ لوگ اپنے معاملہ میں مختلف ہو گئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے ○ وہ کہنے لگے بے شک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں جو اپنے جادو سے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین مذہب کو مٹانا چاہتے

ہیں○ تم اپنے سارے داؤ پیچ جمع کرلو پھر صف باندھ کر آؤ' بے شک آج وہی کامیاب ہوگا جو غالب رہے گا○(طٰہٰ: ۶۴-۶۳)

سرگوشیاں کرنے والوں اور ان کی سرگوشیوں کا بیان

پھر وہ لوگ مختلف ہو گئے یعنی انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا تا کہ ایک رائے پر متفق ہو جائیں' اور یہ مشورہ کرنے والے جادوگر تھے۔ انہوں نے جو سرگوشیاں کی تھیں اس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنی باتوں کو فرعون سے مخفی رکھنا چاہتے تھے' اور ان کی باتوں کے متعلق درج ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا انہوں نے یہ سرگوشی کی تھی کہ اگر موسیٰ ان پر غالب آ گئے تو وہ ان کی پیروی کریں گے۔

(۲) قتادہ نے کہا ان کی سرگوشی یہ تھی کہ اگر موسیٰ جادوگر ہیں تو ہم ان پر غالب آ جائیں گے' اور اگر ان کا تعلق آسمانوں سے ہے تو پھر وہی کامیاب ہوں گے۔

(۳) وہب بن منبہ نے کہا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا تم پر افسوس ہے تم جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان نہ باندھو وہ تم کو عذاب سے ملیامیٹ کر دے گا' یہ سن کر جادوگروں نے کہا یہ کسی جادوگر کا کلام نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جادوگروں نے اپنی باتوں کو حضرت موسیٰ اور فرعون سے مخفی رکھا اور فرعون کی قوم سے بھی مخفی رکھا اور ان کی سرگوشی یہ تھی: سدی نے کہا یہ دونوں جادوگر ہیں جو اپنے جادو سے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں' اور ضحاک نے کہا وہ یہ سرگوشی کر رہے تھے رسیوں اور لاٹھیوں کے ساتھ کس طرح کی تدبیر اختیار کی جائے کہ ہم کو غلبہ حاصل ہو اور ہماری شعبدہ بازی کا کسی کو پتا نہ چلے۔

بعض مشکل الفاظ کے معانی اور اعراب کا بیان

ان ھذان لسحران' اس کی حرکات اور اعراب پر اعتراض کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ نحوی قاعدہ کے اعتبار سے ان ھذین لساحران ہونا چاہیے تھا' امام رازی نے اس پر بہت طویل بحث کی لیکن وہ چونکہ خالص علمی اور دقیق بحث ہے اور اس کا تعلق عربی گرائمر سے ہے اور اردو قارئین کے لیے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اس لیے ہم نے اس کو ترک کر دیا' امام رازی نے لکھا ہے کہ اس آیت کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ یہ بعض عرب کی لغت کے موافق ہے اور یہ بلحارث بن کعب کی لغت ہے' اور الزجاج نے کہا یہ کنانہ کی لغت ہے اور ابن جنی نے ان کو بنی ربیعہ کی طرف منسوب کیا۔ جو حضرات اس بحث سے استفادہ کرنا چاہیں وہ تفسیر کبیر ج ۸' ص ۷۰-۶۵' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ کا مطالعہ فرمائیں۔

جادوگروں نے کہا تھا یہ دونوں جادوگر ہیں۔ اس سے ان کا مقصد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات پر طعن کرنا تھا کیونکہ جو چیز جادو کے زور پر بنائی گئی ہو اس کو قرار اور ثبات نہیں ہوتا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت موسیٰ جس دین کی دعوت دے رہے ہیں اس کو بھی قرار اور ثبات نہیں ہے۔

پھر انہوں نے کہا یہ اپنے جادو سے تم کو تمہارے وطن سے نکالنا چاہتے ہیں۔ جادوگروں نے یہ شبہ فرعون سے حاصل کیا تھا اور اس کا منشا بھی لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے منحرف کرنا تھا۔ جادوگروں نے مزید یہ کہا کہ یہ تمہارے بہترین مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں' انہوں نے یہ جملہ بھی لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شدید متنفر کرنے کے لیے کہا تھا کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک ان کا مذہب اور ان کا طریقہ بہت عمدہ تھا اور ان کے نزدیک جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ان کو اس عمدہ طریقہ سے برگشتہ کرنا چاہ رہے ہیں تو لوگ ان سے سخت متنفر ہوں گے۔

اس آیت میں بطریقتکم المثلی کے الفاظ ہیں' فراء نے بیان کیا ہے کہ طریقہ کا معنی ہے وہ عزت دار لوگ جو دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ ہوتے ہیں کہا جاتا ہے وہ لوگ اپنی قوم کے لیے طریقہ ہیں۔ زجاج نے کہا طریقہ سے پہلے مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے باھل طریقتکم المثلی یعنی تمہاری قوم میں جو مشرف' مکرم اور اکابر لوگ ہیں یہ ان کو لے جائیں گے۔ اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے فرمایا تھا ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو' اور مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ الطریقۃ المثلی سے ان کی مراد تھی پسندیدہ اور بہترین دین' کیونکہ ہر شخص اپنے دین کو سب سے اچھا سمجھتا ہے قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (الروم: ۳۲) ہر گروہ اسی پر خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے۔

المثلیٰ' الامثل کی تانیث ہے' اس کا معنی ہے جو حق کے زیادہ مشابہ ہو یا جو زیادہ واضح اور زیادہ ظاہر ہو۔ اس کے بعد فرمایا تم سب اپنے داؤ پیچ جمع کر لو پھر صف باندھ کر آؤ آج وہی کامیاب ہوگا جو غالب رہے گا۔

اس آیت میں ہے اجمعوا امرکم' فراء نے کہا اجماع کا معنی ہے کسی کام کا پختہ ارادہ کرنا۔ زجاج نے کہا تم سب کا ارادہ ایک ہونا چاہیے اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا اکٹھے ہو کر صف باندھ کر آنا۔ اس کا معنی ہے تم سب اس جگہ جمع ہونا جہاں تم سب اپنی عبادت اور اپنی عید کے لیے جمع ہوتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے موسیٰ! آیا تم پہلے ڈالو گے یا ہم پہلے ڈالنے والے ہو جائیں ○ موسیٰ نے کہا بلکہ تم پہلے ڈالو' پس اچانک موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں ○ پس موسیٰ نے اپنے دل میں خوف پایا ○ ہم نے کہا آپ نہ ڈریں بے شک آپ ہی غالب رہیں گے ○ اور جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دیجئے وہ ان کی تمام کاری گری کو نگل جائے گا' انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ جادو کا فریب ہے اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا ○ (طٰہٰ: ۶۹-۶۵)

جادوگروں کو لاٹھیاں ڈالنے کا حکم دینا کیا کفر کا حکم دینے کو مستلزم ہے؟

اس سے پہلے یہ بیان گزر چکا ہے کہ تم یوم زینت کو آنا' اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ تم سب مجتمع ہو کر آنا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ سب مقابلہ کے دن جمع ہو گئے۔ پھر انہوں نے کہا: اے موسیٰ! آیا تم پہلے ڈالو گے یا ہم پہلے ڈالنے والے ہو جائیں یہ ان کی طرف سے انتہائی حسن ادب اور تواضع کا اظہار تھا' اور انہوں نے اللہ کے نبی کے سامنے جو تواضع کی تھی اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان ڈال دیا۔ پھر جب انہوں نے تواضع کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس کے مقابلہ میں تواضع کی اور فرمایا بلکہ تم پہلے ڈالو۔

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جادوگروں کا اپنی لاٹھیاں وغیرہ ڈالنا جادو اور کفر تھا' کیونکہ اس جادو سے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کا قصد کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کفر ہے تو گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کفر اور تکذیب کا حکم دیا' اس اعتراض کا جواب چند وجوہ سے ہے:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو لاٹھیاں وغیرہ ڈالنے کا حکم دیا تھا وہ اس جہت سے تھا کہ معجزہ اور جادو کا فرق ظاہر ہو جائے اور سب لوگوں کے سامنے فرعون کا خدائی کا دعویٰ جھوٹا ہو جائے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو ان کو لاٹھیاں وغیرہ ڈالنے کا حکم دیا تھا وہ ایک شرط کے ساتھ مشروط تھا یعنی اگر تم حق پر ہو تو لاٹھیوں کو ڈالو اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اگر تم سچے ہو تو اس قرآن کی مثل کوئی سورت بنا کر لے آؤ۔
(البقرہ: ۲۳)

(۴) ان جادوگروں کا اور دوسرے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ حضرت موسیٰ بھی ان کی طرح جادوگر ہیں پس جب تک وہ اپنی لاٹھیاں نہ ڈالتے اور حضرت موسیٰ کا عصا ان پر حاوی اور غالب نہ ہوتا' ان جادوگروں اور لوگوں کا یہ شبہ زائل نہ ہوتا۔ سو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو لاٹھیاں وغیرہ ڈالنے کا جو حکم دیا تھا وہ اس وجہ سے تھا کہ ان کے معجزہ کا ظہور ہو نہ اس لیے کہ جادو کی بڑائی ظاہر ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈرنے کی توجیہات

ان لوگوں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں میں پارہ بھرا ہوا تھا جب ان لاٹھیوں اور رسیوں پر سورج کی دھوپ پڑی تو یوں معلوم ہوا کہ وہ رینگ رہی ہیں اور دیکھنے والے ان کو سانپ گمان کر رہے تھے۔

قرآن مجید میں ہے "فاوجس" الایجاس کا معنی ہے خوف محسوس کرنا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خوف دور کرنے کے لیے پہلے ان سے کلام کیا۔ پھر ان کو عصا اور ید بیضاء کے بہت عظیم معجزات عطا کیے۔ پھر ان کی آٹھ دعاؤں کو قبول فرمایا پھر فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں تمہارا کلام سن رہا ہوں اور تم کو دیکھ رہا ہوں (طٰہٰ: ۴۶) سو اتنے کثیر مبادی اور مقدمات کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ کر کیوں ڈرے تھے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل اور اس کی طبیعت میں نامانوس چیز کو دیکھ کر توحش اور خوف پیدا ہونے کی کیفیت رکھی ہے۔ بشری تقاضے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بھی ان لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ کر خوف پیدا ہوا ہر چندان کو یقین تھا کہ وہ لاٹھیاں اور رسیاں ان تک نہیں پہنچ سکتیں اور اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہے۔

(۲) پہلے جادوگروں نے لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تھیں حضرت موسیٰ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کر ان کے عصا ڈالنے سے پہلے دیکھنے والے عام لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں جادو کی تاثیر بیٹھ جائے اور وہ جادوگروں سے متاثر ہو جائیں۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف ہوا کہ عام لوگ جب لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ بنتا دیکھیں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح اپنی لاٹھی کو سانپ بنایا ہوگا۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ بغیر وحی کے از خود کوئی اقدام نہ کریں۔ جب اس موقع پر وحی مؤخر ہو گی تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف ہوا کہ اگر وحی نازل نہ ہوئی تو ان کو شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

(۵) علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے کہ بعض اہل حقائق نے یہ کہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے یہ کہا تھا: تم پر افسوس ہے تم جھوٹ بول کر اللہ تعالیٰ پر افتراء نہ باندھو' پس وہ تم کو عذاب سے ملیامیٹ کر دے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو ان کی دائیں جانب حضرت جبریل کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ! آپ اللہ کے دوستوں کے ساتھ نرمی کریں' حضرت موسیٰ نے کہا: اے جبریل یہ لوگ تو معجزہ کو باطل کرنے کے لیے بہت بڑے جادو کا سامان لے کر آئے ہیں یہ فرعون کے دین کی مدد کر رہے ہیں اور اللہ کے دین کو رد کر رہے ہیں اور آپ ان کے متعلق کہہ رہے ہیں: اللہ کے دوستوں کے ساتھ نرمی کریں! جبریل نے کہا اس وقت سے لے کر عصر کے وقت تک یہ آپ کے ساتھ ہیں اور عصر کے بعد یہ جنت میں ہوں گے۔ جب حضرت جبریل نے یہ بتایا تو حضرت موسیٰ

اپنے دل میں ڈرے اور ان کے دل میں خیال آیا کہ مجھے کون بتائے گا کہ میرے متعلق اللہ تعالیٰ کا کیا علم ہے' ہوسکتا ہے کہ اس ساعت میں' میں جس حال میں ہوں اگلی ساعت میں میرا حال اللہ کے علم میں اس کے برعکس ہو۔ جس طرح یہ جادوگر اس حال میں کفر پر ہیں اور اس کے بعد ایمان سے مشرف ہو کر جنت میں ہوں گے' جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ حالت دیکھی تو ان کو وحی فرمائی تم ذرومت دنیا میں بھی تم ہی غالب رہو گے اور جنت میں بھی تم ہی بلند درجات میں ہو گے کیونکہ میں نے تم کو نبی بنایا ہے اور تم کو فضیلت دے کر چن لیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۳۹)

حضرت موسیٰ کی لاٹھی کا جادوگروں کی لاٹھیوں پر غالب آنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دیجئے وہ ان کی تمام کاری گری کو نگل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیجئے ہوسکتا ہے اس کی وجہ اس لاٹھی کی تصغیر ہو۔ یعنی ہر چند کہ ان جادوگروں کی لاٹھیاں بہت بڑی بڑی اور تعداد میں بہت زیادہ ہیں' آپ اس کی پرواہ نہ کریں۔ آپ کے ہاتھ میں چھوٹی سی ایک لاٹھی ہے اس کو زمین پر ڈال دیجیے وہ ان کی اس سب بڑی لاٹھیوں کو نگل جائے گی' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اس عصا کی تعظیم کے لیے ہو کہ آپ ان بہت بڑی بڑی لاٹھیوں سے خوف زدہ نہ ہوں آپ کے ہاتھ میں بہت عظیم عصا ہے اور یہ سب لاٹھیاں اس کے مقابلہ میں حقیر ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جادوگروں کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا تھا' اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس عصا کا بہت بڑا جسم ہو اور اس میں بہت شدید قوت ہو' اور یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب اس وقت جادوگروں نے یہ دیکھا کہ اس عصا نے ان کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل لیا تو ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ پیش کیا ہے وہ کسی بشر کی طاقت میں نہیں ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) عصا کا اس قدر تیزی سے دوڑنا کسی حیلہ' یا کسی شعبدہ اور کسی تکنیک کی وجہ سے نہیں تھا۔

(۲) کسی تکنیک اور کسی تدبیر کی وجہ سے ایک چھوٹی سی لاٹھی کو اتنے عظیم جسم کا نہیں بنایا جاسکتا تھا۔

(۳) یہ عصا اژدھے کی صورت اختیار کر گیا تھا اس کی آنکھیں بھی تھیں' اس کے نتھنے بھی تھے اور اس کا دہانہ بھی تھا اور چشم زدن میں اس کا لاٹھی سے اس اژدھے کی صورت بن جانا اور پلک جھپکنے سے پہلے لاٹھی بن جانا کسی تدبیر اور حیلہ کے ذریعہ ممکن نہ تھا۔

(۴) اس اژدھے نے ان کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل لیا تھا اور اس کے باوجود وہ ایک چھوٹی سی لاٹھی ہو گیا یہ بھی عادۃً ممکن نہ تھا۔

اس کے بعد فرمایا: انہوں نے جو کچھ بنایا وہ جادو کا فریب ہے اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ یعنی جادو سے جادوگر کی غرض کہیں پوری نہیں ہوتی دنیا میں نہ آخرت میں' یا دنیاوی امور میں اس کا مطلوب حاصل ہوتا ہے نہ اخروی امور میں۔

ساحر کے کہیں کامیاب نہ ہونے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا (طٰہٰ: ۶۹) اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جادو پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا دنیا میں نہ آخرت میں' لیکن ایسا نہیں ہے قرآن مجید کی دوسری آیات اور احادیث سے یہ معلوم ہے کہ جادو کا اثر ہوتا ہے۔

قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ○ (الاعراف: ۱۱۶)

موسیٰ نے کہا تم ڈالو سو جب انہوں نے (لاٹھیاں) ڈالیں انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر سحر کر دیا اور ان پر ہیبت طاری کر دی اور انہوں نے سحر عظیم پیش کیا۔

اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے' اور ہمارے نزدیک طٰہٰ: ۶۹ کا محمل یہ ہے کہ معجزہ کے مقابلہ میں سحر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا ہر چند کہ ہم سورہ بقرہ: ۱۰۲' سورہ بنی اسرائیل: ۴۷ اور الاعراف: ۱۰۹ میں سحر پر گفتگو کر چکے ہیں لیکن یہاں پر بھی مختصراً سحر پر گفتگو کر رہے ہیں:

سحر کی تعریف

سحر کی حقیقت مختلف حیلوں اور تدبیروں سے ملمع کاری اور شعبدہ بازی اور نظر بندی ہے یعنی ساحر اپنی قوت خیلہ کو لوگوں کے ذہنوں پر اثر انداز کر دیتا ہے اور جو کچھ وہ لوگوں کے دماغوں پر اثر ڈالتا ہے ان کو وہی نظر آنے لگتا ہے جیسے سراب' کوئی شخص دور سے چمکتی ہوئی ریت کو دیکھے تو وہ اس کو پانی دکھائی دیتا ہے یا کسی تیز رفتار گاڑی میں بیٹھے ہوئے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں۔ معتزلہ کے نزدیک یہ محض ایک دھوکا ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ وسوسہ اور مرض ہے۔ علامہ غزنوی حنفی نے کہا یہ ایک طلسم ہے اور یہ ستاروں کے خواص اور ان کی تاثیرات پر مبنی ہے۔ جیسے فرعون کی لاٹھیوں میں پارے کی تاثیر ہوئی تھی' یا شیطان کی تعظیم کرنے سے ان کے لیے کوئی مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں سحر برحق ہے اور اس کی حقیقت ہے اللہ تعالیٰ جس کے پاس چاہتا ہے اس کو پیدا کر دیتا ہے' سحر کی بعض اقسام شعبدہ اور ملمع کاری پر مبنی ہیں' اور بعض اقسام وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء سے دم کیا جاتا ہے اور بعض اقسام وہ ہیں جو شیطان کے عہود سے حاصل ہوتی ہیں اور بعض اقسام دواؤں اور دھوئیں وغیرہ سے حاصل ہوتی ہیں۔

سحر کا شرعی حکم

سحر کی بعض انواع وہ ہیں جن کا فاعل کافر ہو جائے گا۔ مثلاً جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ جادو سے انسان کو جانور بنا دے گا یا ایک رات میں ایک ماہ کی مسافت کو طے کرے گا یا ہوا میں اڑے گا۔ سو جس شخص نے یہ افعال کیے تاکہ اپنے آپ کو برحق ثابت کرے تو یہ اس کا کفر ہے' ابو عمرو نے کہا جس شخص نے یہ گمان کیا کہ جادوگر ایک صورت کو دوسری صورت میں بدل دیتا ہے مثلاً انسان کو گدھا بنا دیتا ہے تو وہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح کا دعویٰ کرتا ہے سو ایسے شخص کو قتل کر دینا چاہیے' اور جس نے یہ زعم کیا کہ سحر میں دھوکا' شعبدہ بازی اور نظر بندی ہے وہ درست ہے۔

ہمارے علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جائے گا کہ جادوگر کے ہاتھ سے خلاف عادت کام ظاہر ہو جاتے ہیں جن پر عام لوگ قادر نہیں ہوتے مثلاً وہ کسی کو بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں' لوگوں میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں' کسی کی عقل زائل کر دیتے ہیں کسی کا عضو ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ جادوگر اپنا جسم پتلا کر کے کھڑکیوں اور روشن دانوں سے گزر سکتا ہے۔ ہوا میں اڑ سکتا ہے پانی پر چل سکتا ہے لیکن جادوگر ان افعال میں مستقل موثر نہیں ہوتا۔ البتہ ان کے جادو کے وقت اللہ تعالیٰ ان افعال کو پیدا کر دیتا ہے جیسے کھانے پینے کے بعد اللہ تعالیٰ سیر ہونے کو پیدا کر دیتا ہے۔

اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لیے بطور معجزہ ظاہر فرمائے ہیں ان جادوگروں کو قدرت نہیں ہوتی۔ مثلاً ٹڈیوں' جوؤں اور مینڈکوں کو نازل کرنا اور سمندر کو چیرنا اور لاٹھی کو اژدھا بنا دینا اور مردوں

ندہ کرنا اور اس قسم کے دیگر اور معجزات جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائے تھے۔ قاضی ابوبکر بن الطیب نے کہا ہم نے ان افعال کے صدور کو اجماع کی وجہ سے منع کیا ہے اور اگر اجماع نہ ہوتا تو جادوگر سے ان افعال کا صدور بھی جائز تھا۔

سحر اور معجزہ میں یہ فرق ہے کہ جو کام سحر سے ہوا ہے وہ ساحر کے علاوہ کسی شخص سے بھی ہو سکتا ہے اور ساحر کے سحر کا معارضہ کیا جا سکتا ہے۔ اور نبی جس فعل کو بطور معجزہ کرتا ہے کوئی اور شخص اس پر قادر نہیں ہوتا اور نہ کوئی شخص اس کا معارضہ کر سکتا ہے۔

سحر کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے امام مالک کا یہ مذہب ہے کہ جب کوئی مسلمان یا ذمی اپنے کلام سے جادو کرے تو یہ کفر ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو کفر فرمایا ہے:

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ. (البقرہ: ۱۰۲)

اور وہ دونوں بھی اس وقت تک کسی کو (جادو) نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہیں کہتے تھے ہم تو ایک آزمائش ہیں تم کفر نہ کرو۔

امام احمد بن حنبل' امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت ابن عمر' حضرت حفصہ' اور حضرت ابوموسیٰ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ساحر کو قتل کر دیا جائے۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سحر کی حد یہ ہے کہ اس کو تلوار سے مار دیا جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۶۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۶۶۵' الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۸۲' سنن الدارقطنی ج ۳ ص ۱۱۴' المستدرک ج ۴ ص ۳۶۰' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۳۶)

امام ترمذی اس حدیث کو درج کر کے لکھتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا ساحر کو اس وقت قتل کیا جائے گا جب اس کے سحر میں کوئی ایسی چیز ہو جو اس کو کفر تک پہنچا دے۔

امام ابن المنذر نے کہا یہ حدیث ہم نے روایت کی ہے کہ ایک ساحرہ نے جادو کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو بیچ دیا اور اس کی قیمت غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف کر دی۔ امام ابن المنذر نے کہا ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ اگر ساحر کا سحر کفر تک پہنچ جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' اور اگر اس کا سحر کفر تک نہ پہنچے تو پھر اس کو قتل نہ کیا جائے گا جیسا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فعل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۴۷۔۴۲ ملخصاً مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آیا جادو سے کسی چیز کی حقیقت بدل سکتی ہے یا نہیں؟

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن حجر مکی نے کتاب التحفہ کے باب الانجاس میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ کسی شے کی حقیقت مختلف ہو جاتی ہے جیسے پیتل سونا بن جائے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ حضرت موسیٰ کا عصا حقیقت میں اژدہا بن گیا تھا' ورنہ معجزہ باطل ہو جاتا' اور ایک قول یہ ہے کہ نہیں کیونکہ حقائق کا منقلب ہونا محال ہے' اور حق پہلا قول ہے پھر انہوں نے کہا کہ علم کیمیا کے متعلق اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ آیا اس کا سیکھنا جائز ہے یا نہیں' اور ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس مسئلہ پر بحث کی ہو' اور جو چیز ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ وہ بھی اسی اختلاف پر مبنی ہے اور پہلے قول کی بناء پر جس نے ایسے علم کو سیکھا جس سے یقینی طور پر حقائق کے منقلب ہونے کا علم ہو جاتا ہے تو اس کے لیے اس علم کو سیکھنا اور اس کی تعلیم دینا جائز ہے' کیونکہ اس میں کسی وجہ سے

کوئی خرابی نہیں ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ حقائق کا منقلب ہونا محال ہے یا انسان کو اس کا یقینی علم حاصل نہ ہو اور یہ محض دھوکا دینے کا وسیلہ ہو تو پھر اس علم کا حاصل کرنا حرام ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب ہم کہیں کہ حقائق منقلب ہو جاتے ہیں اور یہی حق ہے تو اس کا عمل کرنا اور اس کا سیکھنا جائز ہے کیونکہ یہ دھوکا نہیں ہے' کیونکہ پیتل حقیقۃً سونا یا چاندی بن جاتا ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ حقائق کا منقلب ہونا ثابت نہیں ہے تو پھر یہ جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ یہ عمل اس کے لیے جائز نہیں ہے جو اس کی حقیقت کو نہ جانتا ہو کیونکہ پھر یہ مال کو ضائع کرنا ہے اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے' اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ حقائق کا منقلب ہونا ثابت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نجاست منقلب ہو جاتی ہے مثلاً شراب سرکہ بن جاتی ہے اور خون مشک بن جاتا ہے۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۱۲۷۔۱۲۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔ ۱۴۱۹ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک سحر کی تعریف اور اس کا شرعی حکم

علامہ شامی سحر کی تعریف میں لکھتے ہیں:

یہ وہ علم ہے جس سے کسی شخص کو ایسی مہارت حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ ایسے عجیب وغریب افعال پر قادر ہو جاتا ہے جس کے اسباب مخفی ہوتے ہیں۔

اور سحر کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک سحر کا وجود' اس کا تصور اور اس کا اثر برحق ہے اور ذخیرۃ الناظر میں مذکور ہے اہل حرب کے ساحر کا رد کرنے کے لیے سحر کا سیکھنا فرض ہے' اور عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے لیے سحر کا سیکھنا حرام ہے اور ان میں موافقت پیدا کرنے کے لیے سحر کا سیکھنا جائز ہے۔ علامہ طحطاوی نے المحیط سے نقل کیا ہے کہ حدیث میں التولۃ سے منع کیا ہے اور یہ وہ عمل ہے جو عورت کو اس کے خاوند کے نزدیک محبوب بنانے کے لیے کیا جاتا ہے۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۱۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

تعویذات کے بعض احکام

''التولہ'' اس وقت ممنوع ہے جب اس میں شرکیہ کلمات ہوں ورنہ وہ جائز ہے' کیونکہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

التمیمہ اس وقت مکروہ ہے جب اس میں غیر قرآن کے کلمات ہوں اور ایک قول یہ ہے کہ تمیمہ ان سیپیوں کو کہتے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لٹکائی جاتی تھیں۔ بعض لوگوں کا یہ وہم ہے کہ تعویذات بھی تمائم ہیں اور یہ غلط ہے کیونکہ تمیمہ سیپیوں کو کہتے ہیں اور تعویذات میں کوئی حرج نہیں ہے جب ان میں قرآن کو لکھا جائے یا اللہ تعالیٰ کے اسماء لکھے جائیں' اور تعویذات اس وقت مکروہ ہیں جب وہ عربی زبان میں نہ ہوں' یا پتا نہ ہو کہ اس میں کیا لکھا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس میں سحر ہو یا کفر ہو یا اور کوئی چیز ہو' اور جن تعویذات میں قرآن مجید لکھا ہو یا دعائیں لکھی ہوں تو ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے جس نے تمیمہ (سیپی) کو لٹکایا اللہ اس کا کام پورا نہ کرے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۲۱۷۔۲۱۶)

کیونکہ ان کے اعتقاد میں تمیمہ مکمل دواء اور شفاء تھی' بلکہ وہ اس میں شرک کے مرتکب ہوتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس سے لکھی ہوئی تقدیر ٹل جائے گی اور وہ غیر اللہ سے مصیبت دور کرنے کا اعتقاد رکھتے تھے' اور مجتبیٰ میں لکھا ہے کہ قرآن مجید سے شفا طلب کرنے میں اختلاف ہے' بایں طور کہ مریض پر قرآن پڑھا جائے یا ڈسے ہوئے پر سورہ فاتحہ پڑھی جائے یا کسی ورق میں قرآن کی آیات کو لکھا جائے اور اس کو گلے میں لٹکایا جائے یا کسی طشتری میں لکھ کر اس کو دھویا جائے اور اس کا دھوون

پیا جائے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر معوذات پڑھ کر دم فرماتے تھے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۱۹) اور آج کل اس کے جواز پر لوگوں کا عمل ہے اور اس کے ثبوت میں آثار وارد ہیں۔ جب تعویذ کسی چیز میں لپٹا ہوا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جنبی یا حائضہ اس کو اپنے بازو پر باندھ لے۔ (ردالمحتار ج ۹ ص ۴۴۳' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

التولۃ' التمیمہ' اور دم کرنے اور تعویذ لٹکانے کی بحث ہم نے زیادہ تفصیل اور تحقیق سے یونس: ۵۷ میں کی ہے' تبیان القرآن ج ۵ ص ۴۰۸۔۳۸۷' مزید شرح صدر کے لیے اس بحث کو وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس سب جادوگر سجدہ میں گر گئے' انہوں نے کہا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے O فرعون نے کہا تم میری اجازت دینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے' بے شک یہی وہ تمہارا بڑا بزرگ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے' سو میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹوں گا اور تم کو ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا اور تم ضرور جان لوگے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے O (طٰہٰ: ۷۱۔۷۲)

فرعون کے جادوگروں کا ایمان لانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈالا اور وہ جادوگروں کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا اور وہ پھر دوبارہ اپنی جسامت میں واپس آ گیا تو جادوگروں نے سمجھ لیا کہ یہ جادو کا کام نہیں ہے کیونکہ وہ بہت ماہر جادوگر تھے اور وہ جانتے تھے کہ کیا چیز جادو ہوتی ہے اور کیا چیز جادو نہیں ہوتی' ان جادوگروں کے رئیس نے کہا ہم لوگوں پر اپنے سحر سے غلبہ پاتے تھے اور ہمارے آلات باقی رہتے تھے۔ اگر موسیٰ نے جو کچھ کیا تھا وہ جادو تھا تو ہماری ڈالی ہوئی لاٹھیاں اور رسیاں کہاں گئیں' اور لاٹھیوں کے متغیر اور فانی ہونے سے انہوں نے یہ استدلال کیا کہ جس طرح یہ لاٹھیاں متغیر اور فنا ہو گئیں اسی طرح یہ سارا جہان متغیر ہوتا ہے اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے اور ہر حادث کا کوئی صانع اور خالق ہوتا ہے پس اس جہان کا بھی کوئی صانع اور خالق ہے' اور چونکہ اس جہان کا حادث اور فانی ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے ظاہر ہوا تو وہ ضرور اللہ کے برحق رسول ہیں' اس لیے وہ یہ کہتے ہوئے بے ساختہ سجدہ میں گر گئے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔

علامہ زمخشری نے کہا پہلے ان جادوگروں نے اپنی لاٹھیوں کو زمین پر گرایا اور بعد میں خود زمین پر گر گئے۔ جب لاٹھیوں کو زمین پر گرایا تھا اس وقت وہ کفر کے حامی اور توحید کے مخالف تھے اور جب انہوں نے اللہ کو سجدہ کر کے خود کو زمین پر گرایا تو وہ توحید کے حامی اور کفر کے مخالف بن چکے تھے۔ روایت ہے کہ انہوں نے اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھایا جب تک کہ انہوں نے جنت اور دوزخ کو اور جنت کے ثواب کو دیکھ نہیں لیا۔

رب العالمین کے بجائے رب ھارون وموسیٰ کہنے کی وجوہ

جادوگروں نے یہ کہا کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے اور یہ نہیں کہا کہ ہم رب العلمین پر ایمان لے آئے' اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ کے دکھائے ہوئے معجزات کی وجہ سے ایمان لائے تھے اور ان نبیوں کی تبلیغ کی وجہ سے دولت ایمان سے مالا مال ہوئے تھے تو ان کا شکر ادا کرنے کے لیے ان کا ذکر کیا اور کہا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے' اور اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر وہ کہتے کہ ہم رب العلمین پر ایمان لے آئے تو فرعون کہتا کہ یہ مجھ پر ایمان لائے ہیں کیونکہ وہ بھی رب العلمین کا دعویٰ رکھتا تھا:

فَحَشَرَ فَنَادٰى O فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى O فرعون سب کو جمع کر کے پکارا O اس نے کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

(النازعات: ۲۳۔۲۴)

اور اس پر واضح دلیل یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ہارون کے ذکر کو حضرت موسیٰ کے ذکر پر مقدم کیا۔ کیونکہ اگر وہ پہلے حضرت موسیٰ کا ذکر کرتے تو وہ کہتا یہ مجھ پر ایمان لائے ہیں کیونکہ موسیٰ کی پرورش تو میں نے کی ہے جیسا کہ اس نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا:

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّکَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِکَ سِنِیْنَ ○ (الشعراء: ١٨)

فرعون نے (موسیٰ سے) کہا: کیا ہم نے بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی! اور کیا تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہم میں نہیں گزارے تھے۔

اس لیے انہوں نے پہلے حضرت ہارون کا نام لیا تا کہ فرعون کو کوئی غلط فہمی ہو نہ وہ لوگوں کو کسی غلط فہمی میں مبتلا کر سکے۔ اس لیے انہوں نے کہا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔

اور اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے اور ان کو بہت عظیم معجزات عطا فرمائے ہیں اس لیے کہا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے ہیں' اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس قول سے انہوں نے یہ تنبیہ کی ہے کہ ہمارے ایمان لانے کا باعث اور محرک العلمین نہیں ہیں بلکہ ہمارے ایمان لانے کا باعث اور محرک حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ ہیں' اور ہماری عقیدت اور محبت کا مرکز العلمین نہیں حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ ہیں۔ اور اس میں یہ نکتہ بھی ہے کہ اللہ کی جناب میں اس کا ذکر اس وقت مقبول ہوتا ہے جب ان کے ساتھ اس کے نبی کا ذکر بھی کیا جائے اور اللہ پر ایمان لانے کا اسی وقت اعتبار ہوتا ہے جب اس کے ساتھ اس کے نبی پر بھی ایمان لایا جائے جیسا کہ ہمارے کلمہ میں ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

فرعون کی لاف و گزاف کی توجیہ

فرعون نے کہا تم میری اجازت دینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے!

فرعون کا اس کلام سے منشاء یہ تھا کہ تم سرسری طور پر بغیر بصیرت کے ایمان لے آئے ہو اور وہ لوگوں کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ ان کے ایمان لانے کی وجہ سے تم کسی دھوکے میں نہ آنا۔ اس کے بعد اس نے کہا بے شک یہی وہ تمہارا بڑا بزرگ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔

اس سے فرعون کا منشاء یہ تھا یہ جادوگر جو حضرت موسیٰ سے مقابلہ کرنے کے لیے آئے تھے دراصل حضرت موسیٰ کے شاگرد تھے اور یہ صرف دکھاوے کا مقابلہ تھا درحقیقت یہ نورا کشتی تھی اور ان کے درمیان پہلے سے طے شدہ معاہدہ کے مطابق نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ اس لیے ان کے حضرت موسیٰ پر ایمان لانے سے تم دھوکا نہ کھانا' اور یہ کلام بھی فرعون نے لوگوں سے سنانے کے لیے کیا تھا تا کہ ان جادوگروں کے ایمان لانے سے لوگ فرعون کے ساتھ اپنی وابستگی کو ختم نہ کر دیں۔ حالانکہ فرعون خود بھی جانتا تھا کہ یہ بات جھوٹ ہے وہ جادوگر تو حضرت موسیٰ کی آمد سے پہلے جادو سیکھ چکے تھے۔

پھر فرعون نے کہا سو میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹوں گا اور تم کو ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پھر فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور ان کو قتل کر دیا اور اس وقت انہوں نے یہ دعا کی تھی۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ. اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور حالت اسلام میں ہماری روح قبض فرما۔ (الاعراف: ۱۲۶)

حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ دن کے اول وقت میں کافر جادوگر تھے اور دن کے آخر وقت میں مسلمان شہداء تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۱۸۲۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فرعون نے بہت قریب سے دیکھا تھا کہ حضرت موسیٰ کا عصا اژدھا بن گیا تھا اور وہ فرعون سمیت اس کے پورے محل کو نگلنے لگا تھا حتیٰ کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ اس کو اس اژدھے سے بچائیں اور وہ خود کو اس اژدھے سے بچانے سے عاجز اور قاصر تھا' اور جب فرعون' حضرت موسیٰ اور ان کے اژدھے سے اس قدر مرعوب اور خوف زدہ تھا تو یہ بات کس طرح معقول ہے کہ اس نے ان جادوگروں کو دھمکیاں دیں جو حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں بھی ہتک آمیز کلام کہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان بہت زیادہ خوف زدہ ہوتا ہے تو وہ اپنی عزت کو بچانے کے لیے اور اپنے گرتے ہوئے اقتدار کو سہارا دینے کے لیے اس طرح کی بڑک مارتا ہے اور دھمکیاں دیتا ہے' اور فرعون کی اس لاف و گزاف سے اس کا منشاء یہ تھا کہ اس کی ساکھ قائم رہے اور لوگوں کا اس پر اعتماد قائم رہے جیسے کوئی ڈھیٹ شخص کشتی میں ہار کر بھی ڈینگیں مارنے اور شیخی بگھارنے سے باز نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا ہم تجھ کو ہرگز ان واضح دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے سامنے آ چکی ہیں اور اس ذات پر (ترجیح نہیں دیں گے) جس نے ہم کو پیدا کیا ہے' پس تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے وہ کر گزر تو صرف اس دنیا کی زندگی میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے ○ بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے جادو کرنے کے اس گناہ کو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا اور اللہ بہت بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ○ اور بے شک جو اپنے رب کے پاس جرم کرتا ہوا آئے گا تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا نہ جیے گا ○ اور جو اس کے پاس ایمان کے ساتھ حاضر ہو اور اس کے اعمال نیک ہوئے تو ان ہی لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں ○ دائمی جنتیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی ان لوگوں کو جزا ہے جو گناہوں سے پاک رہتے ہیں ○ (طٰہٰ: ۷۶-۷۲)

جادوگروں کے اس قول کی توجیہ کہ فرعون نے ان کو جادو کرنے پر مجبور کیا تھا

جب فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تو فرعون نے ان کو ڈرایا اور دھمکایا اور ان کو دوبارہ فرعون پر ایمان لانے کے لیے کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے فرعون ہم جو دلائل اور معجزات دیکھ چکے ہیں ہم ان پر تجھے کبھی ترجیح نہیں دیں گے اور نہ تجھ کو اس ذات پر ترجیح دیں گے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اور نہ تیری اطاعت کو اس کی عبادت پر ترجیح دیں گے۔ اب تجھے جو کرنا ہو وہ کر لے تو جو کچھ کر سکتا ہے وہ اسی دنیا میں کر سکتا ہے۔ یعنی تو صرف اسی دنیا میں ہم کو عذاب دینے پر قادر ہے' اس کے بعد تیری کوئی سلطنت اور تیرا کوئی اختیار نہیں ہو گا۔

اس کے بعد انہوں نے کہا: ہم اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ ہمارے سارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے جادو کرنے کے اس گناہ کو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا جب وہ بچے تھے تو فرعون نے انہیں جادوگروں کے حوالے کیا اور کہا کہ ان کو جادو سکھاؤ۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۲۶۸۔۱۸۲۶۷۔ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے یہ کیسے کہا کہ تو نے ہمیں جادو کرنے پر مجبور کیا تھا حالانکہ انہوں نے اپنی خوشی سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جادو کے مقابلہ میں حصہ لیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ○ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ (الاعراف: ١١٤-١١٣)

اور جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہا اگر ہم غالب ہو گئے تو یقیناً ہمارے لیے انعام ہوگا؟○ فرعون نے کہا ہاں! اور بے شک تم یقیناً مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ٥٩٧ ھ نے اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات دیئے ہیں:

(١) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرعون لوگوں کو جادو سیکھنے پر مجبور کرتا تھا' ابن الانباری نے کہا کہ فرعون اپنی سلطنت کے لوگوں کو بلاتا اور ان کو یہ حکم دیتا کہ وہ پنی اولاد کو جادو سکھائیں اور وہ اس کو ناپسند کرتے تھے' اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا شغف جادو کے ساتھ تھا اور اس کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف جاگزین ہو گیا' پس جادو پر مجبور کرنے سے ان کی مراد فرعون کا ان کو ابتداء میں جادو پر مجبور کرنا تھا۔

(٢) ان جادوگروں نے پہلے فرعون سے یہ کہا تھا کہ اگر ہم غالب ہو گئے تو کیا ہم کو اجر ملے گا' لیکن اس کے بعد جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ وہ اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے ہیں تو وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ جادو کا مقابلہ کرنے سے ڈرے' اور ان کو یہ خوف ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام ان پر غالب آ جائیں گے اور ان کی جادو کرنے کی صنعت ماند پڑ جائے گی اور ان کا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ لیکن فرعون اس کے سوا نہیں مانا کہ وہ حضرت موسیٰ سے مقابلہ کریں اور فرعون کے مجبور کرنے سے ان کی یہی مراد تھی۔

(٣) ان کو یہ خوف تھا کہ اس عظیم مجمع میں مغلوب ہو جائیں گے اور اس سے ان کے کاروبار پر اثر پڑے گا لیکن فرعون نے ان کو جادو کرنے پر مجبور کیا۔

(٤) فرعون نے ان جادوگروں کو ان کے وطنوں سے آنے پر مجبور کیا تھا اور یہی ان کے جادو کرنے کا سبب تھا۔

یہ چاروں اقوال ابن الانباری نے نقل کیے ہیں۔ (زاد المسیر ج ٥ ص ٣١٨ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ـ ١٤٠٧ ھ)

فرعون کی بیوی کا ایمان لانا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں:

فرعون کی بیوی لوگوں سے پوچھ رہی تھی اس معرکہ میں کون غالب رہا۔ اس کو بتایا گیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون غالب رہے تو اس نے کہا میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئی۔ فرعون نے کسی شخص کو اس کے پاس بھیجا کہ اگر وہ اپنے ایمان سے رجوع نہ کرے تو اس کے اوپر پتھر کی ایک بھاری چٹان گرا دو' جب وہ لوگ اس کے پاس گئے تو اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کو جنت میں اپنا مکان نظر آیا' وہ اپنے ایمان پر قائم رہی اور اسی حال میں اس کی روح قبض کر لی گئی اور اس وقت اس کے جسم پر وہ بھاری چٹان گرائی گئی تو اس کے جسم میں روح نہیں تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١١ ص ١٤١' بیروت ـ ١٤١٥ ھ)

ایمان لانے کے بعد جادوگروں کا فرعون اور اس کے حواریوں کو نصیحت کرنا

اس کے بعد جو آیات ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لانے والے جادوگروں کا قول ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو' وہ آیات یہ ہیں:

اور بے شک جو اپنے رب کے پاس جرم کرتا ہوا آئے گا تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا نہ جیئے گا○

اور جو اس کے پاس ایمان کے ساتھ حاضر ہوا اور اس کے اعمال نیک ہوئے تو ان ہی لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں ○ دائمی جنتیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی ان لوگوں کی جزا ہے جو گناہوں سے پاک رہتے ہیں ○

وہ جادوگر جو ایمان لا چکے تھے وہ فرعون اور اس کے حواریوں کو برابر نصیحت کرتے رہے۔ عذاب آخرت سے ڈراتے رہے اور جنت کی طرف راغب کرتے رہے۔ انہوں نے بتایا کہ مجرم دوزخ میں داخل ہوگا اور مومن جنت میں داخل ہوگا۔ اس آیت میں مجرم سے مراد کافر ہے کیونکہ دوسری آیت میں اس کے مقابلہ میں مومن کا لفظ ہے' اس لیے اس آیت سے معتزلہ کا یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ جو مومن مرتکب کبیرہ ہو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا نہ مرے گا نہ جیئے گا' کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یہاں مجرم سے مراد کافر ہے۔

اگر ان آیتوں میں جادوگروں کا کلام ہو تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کلمات سن لیے تھے کہ آخرت میں مومن کا کیا حال ہوگا اور کافر کا کیا انجام ہوگا' یا بنو اسرائیل میں جو مومنین تھے ان سے انہوں نے یہ کلام سن لیا تھا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب وہ جادوگر ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کلمات کا الہام کر دیا۔

ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ جس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہو اور وہ ان کاموں کو کرتا رہا ہو جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور ان کاموں سے باز رہا ہو جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تو وہ شخص دائمی جنتوں میں رہے گا اور اس کے درجات بلند ہوں گے' اور جو شخص اپنے آپ کو کفر سے اور کبیرہ گناہوں سے بچائے رکھے اور پاکیزہ زندگی گزارے اللہ تعالیٰ اس کو ایسی ہی جزا عطا فرماتا ہے۔

یہ مضامین الاعراف: ۱۲۲-۱۰۹ میں بھی گزر چکے ہیں۔ وہاں ہم نے ان عنوانوں پر بحث کی ہے: ہر نبی کا معجزہ اس چیز کی جنس سے ہوتا ہے' جس چیز کا اس زمانہ میں چرچا ہو' سحر کی تعریف اور سحر اور معجزہ میں فرق' سحر اور ساحر کا شرعی حکم' سحر کے سیکھنے اور سکھانے کا حکم' حضرت موسیٰ اور فرعون کے جادوگروں کا مقابلہ' رب موسیٰ و ہارون کہنے کی وجہ' فرعون کا عوام کو شبہات میں ڈالنا' آیا فرعون اپنی دھمکی پر عمل کر سکا یا نہیں؟ راہ حق میں قربانی دینے کے لیے تیار رہنا۔ (تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۶۴-۲۵۷)

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىٓ ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے بندوں کو لے جائیں پھر ان کے لیے سمندر

طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

میں سے خشک راستہ نکالیں' آپ کو کسی کے پکڑنے کا خوف ہوگا نہ ڈر ہوگا ○ پس فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ

بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ

ان کا پیچھا کیا' پھر سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا جو ڈھانپ لیا ○ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا'

وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ

اور سیدھا راستہ نہ دکھایا ○ اے بنی اسرائیل بے شک ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے

جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾ كُلُوْا مِنْ

(آکر) طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا اور تم پر من اور سلوٰی نازل کیا ○ ان پاک چیزوں

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ

کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور ان میں حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر

يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

میرا غضب نازل ہوا وہ یقیناً تباہ ہو گیا ○ اور بے شک میں اس کو ضرور بہت زیادہ معاف فرمانے والا

وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾

ہوں جو توبہ کرتا ہے، ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر جم جاتا ہے ○ اے موسیٰ! آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی؟ ○

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ

موسیٰ نے کہا وہ لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں، اور اے رب! میں نے تجھے راضی کرنے کے لیے جلدی کی ○ فرمایا

فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ

پس ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا ○ پس موسیٰ غم

مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ

اور غصہ کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے، موسیٰ نے کہا اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے

وَعْدًا حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ

اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ پھر کیا تم پر بہت مدت گزر گئی تھی! یا تمہارا یہ ارادہ تھا کہ تم پر تمہارے

غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ

رب کا غضب نازل ہو، سو اس لیے تم نے مجھ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی ○ انہوں نے کہا ہم نے دانستہ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کی

بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

خلاف ورزی نہیں کی، لیکن قوم (فرعون) کے زیورات کا بوجھ ہم پر لاد دیا گیا تھا تو ہم نے ان کو آگ میں ڈال دیا، سو اسی طرح

اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ
سامری نے (ان کو آگ میں) ڈالا تھا ٥ پس اس نے ان کے لیے بچھڑے کا مجسمہ بنایا جس کی بیل کی (طرح) آواز تھی تو لوگوں نے
اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ
کہا یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود، موسیٰ تو بھول رہا تھا ٥ تو کیا یہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے
وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ ع
سکتا تھا اور نہ ان کے کسی نقصان اور نفع کا مالک تھا ٥

ع ۱۴/۱۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے بندوں کو لے جائیں پھر ان کے لیے سمندر میں سے خشک راستہ نکالیں آپ کو کسی کے پکڑنے کا خوف ہوگا نہ ڈر ہوگا٥ پس فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا' پھر سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا جو ڈھانپ لیا٥ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا٥

(طٰہٰ: ۷۹-۷۷)

حضرت موسیٰ کا رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہونا

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات وہاں سے نکل جائیں اور ان کو فرعون کے قبضہ سے چھڑا لیں۔ سورۃ الشعراء میں اللہ تعالیٰ نے اس کو زیادہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ' بنو اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے' جب صبح ہوئی اور فرعون کو پتا چلا کہ بنو اسرائیل راتوں رات یہاں سے نکل گئے ہیں تو صبح ہوتے ہی فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ان کے تعاقب میں نکلا' جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو حضرت موسیٰ کے اصحاب نے کہا ہم تو اب یقیناً پکڑ لیے جائیں گے' اب بنی اسرائیل گھبرا گئے کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے اگر پکڑے گئے تو پھر فرعون کی غلامی اور اس کا ظلم وستم ہوگا' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا پھر ان کے لیے سمندر سے خشک راستہ نکالیں یہ سمندر بحر قلزم تھا' آپ کو فرعون کے پکڑنے کا خوف ہوگا اور نہ سمندر میں ڈوبنے کا خطرہ ہوگا' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف یہ وحی کی کہ اپنے عصا کو سمندر پر ماریں' جب حضرت موسیٰ نے اپنے عصا کو سمندر پر مارا تو وہ بارہ حصوں میں منقسم ہو کر پھٹ گیا' پانی کا ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا اور بنو اسرائیل کے بارہ قبیلے ان بارہ راستوں سے گزرنے لگے' پھر بنی اسرائیل نے کہا ہم کو اپنے ساتھیوں کی کچھ خبر نہیں اللہ جانے وہ صحیح وسلامت گزر رہے ہیں یا نہیں' تو پھر ان راستوں کی دیواروں میں کھڑکیاں اور روشن دان بن گئے وہ وہاں سے گزرتے جاتے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھتے جاتے تھے اور باتیں کرتے جاتے تھے۔

حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کے بارہ گروہوں کے ساتھ اس سمندر سے پار گزر گئے بعد میں جب فرعون اور اس کا لشکر اس راستے سے گزرنے لگا تو سمندر آپس میں مل گیا اور فرعون اور قبطیوں پر مشتمل اس کا لشکر غرق ہو گیا' قتادہ نے کہا ہے کہ بنو اسرائیل چھ لاکھ تھے اور قبطی بارہ لاکھ تھے۔

بنی اسرائیل کو رات کے وقت لے جانے کی حکمتیں

بنو اسرائیل کو رات میں لے جانے کی یہ حکمتیں ہیں:

(۱) جب بنو اسرائیل روانہ ہونے کے لیے جمع ہوں تو کسی کو ان کا پتا نہ چل سکے اور کسی کو ان کی تیاریوں کا علم نہ ہو۔

(۲) فرعون اور اس کے حواری ان کے منصوبہ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈال سکیں اور راستہ میں ان کے مزاحم نہ ہوں۔

(۳) اور اگر بالفرض دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب آ جائیں تو حضرت موسیٰ کے اصحاب فرعون کے لشکر کو نہ دیکھ پائیں ورنہ وہ ڈر جاتے۔

سمندر میں بنائے ہوئے خشک راستہ پر فرعون کے جانے کی توجیہ مفسرین کی طرف سے

فرعون جو بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے کے لیے سمندر کے ان خشک راستوں پر چل پڑا تھا اس کی وجہ مفسرین نے یہ ذکر کی ہے کہ فرعون کے لشکر نے فرعون سے کہا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ موسیٰ نے سمندر پر جادو کر دیا ہے فرعون ایک گھوڑے پر سوار تھا' اس وقت حضرت جبریل ایک گھوڑی پر سوار ہو کر فرعون کے آگے سے اس راستہ پر گئے۔ فرعون کے گھوڑے کو جب گھوڑی کی خوشبو آئی تو وہ فرعون کو لے کر اس راستہ پر دوڑا اور دوسرے فرشتوں نے چلا کر لشکریوں سے کہا بادشاہ سے مل جاؤ سو وہ سب ان راستوں میں داخل ہوئے' سمندر آپس میں مل گیا اور وہ سب غرق ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا اور بنو اسرائیل کھڑے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو سمندر سے نکالے تا کہ ہم ان کو اچھی طرح دیکھ لیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو سمندر نے ان سب کو لا کر ساحل پر پھینک دیا اور بنو اسرائیل نے ان کے تمام ہتھیار لے لیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا محمد! کاش آپ وہ منظر دیکھتے جب میں فرعون کو پانی اور مٹی میں چھپا رہا تھا اس خطرہ سے کہ وہ کہیں توبہ نہ کر لے۔

سمندر میں بنائے ہوئے خشک راستہ پر فرعون کے جانے کی توجیہ امام رازی کی طرف سے

امام رازی نے یہ لکھا ہے کہ فرعون بہت عقلمند شخص تھا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ سمندر میں جو خشک راستے حضرت موسیٰ کے معجزے کی وجہ سے بن گئے تھے وہ ان پر چل پڑا ہو' اور یہ جو مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت جبریل نے اس کے آگے گھوڑی دوڑائی اس کے پیچھے اس کا گھوڑا دوڑ پڑا یہ بھی نا قابل فہم ہے۔ حضرت جبریل کو اس حیلہ کی کیا ضرورت تھی وہ ویسے ہی فرعون کو پورے لشکر سمیت اٹھا کر ان راستوں پر ڈال دیتے یا سمندر میں پھینک دیتے۔ پھر امام رازی لکھتے ہیں دراصل یوں ہوا ہو گا کہ فرعون لشکر کے درمیان ہو گا' کیونکہ بادشاہ خطرات سے بچنے کے لیے لشکر کے درمیان میں چلتے ہیں تا کہ اچانک جو مصیبت پیش آئے وہ آگے چلنے والوں کو پیش آئے۔ پھر جب حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل ان راستوں سے سلامتی کے ساتھ پار گزر گئے تو اس نے آزمائش کے لیے فوج کے چند دستوں کو روانہ کیا جب اس نے دیکھا کہ وہ سلامتی کے ساتھ ان راستوں سے گزر رہے ہیں تو پھر لشکر کے ساتھ وہ بھی اس راستہ سے گزرنے لگا اور جب پورا لشکر ان راستوں میں پہنچ گیا تو پھر وہ راستے پھٹ گئے اور سمندر آپس میں مل گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔

فرعون کو کلمہ پڑھنے سے روکنے پر امام رازی کے اعتراض کا جواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تو اس نے کہا میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں (یونس: ۹۰) تو جبریل نے کہا اے محمد! کاش آپ اس وقت

مجھے دیکھتے جب میں سمندر کی کیچڑ اس کے منہ میں ڈال رہا تھا اس خوف سے کہ اس کے اوپر رحمت ہو جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۷، مسند احمد ج ا ص ۲۴۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۹۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ جبریل فرعون کے منہ میں اس خوف سے کیچڑ ڈال رہے تھے کہ وہ کہے گا لا الہ الا اللہ تو اللہ اس پر رحم فرمائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۸، مسند احمد ج ا ص ۳۴۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۱۵، المستدرک ج ۲ ص ۳۴۰، شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۳۹۱)

امام رازی نے ان احادیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ جو نقل کیا گیا ہے کہ جبریل اس کے منہ میں اس خوف سے کیچڑ ڈال رہے تھے کہ وہ ایمان لے آئے گا' یہ بعید ہے کیونکہ ایمان لانے سے منع کرنا فرشتوں اور نبیوں کی شان کے لائق نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۸۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت: ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا ان احادیث پر یہ بہت قوی اعتراض ہے لیکن میں نے چونکہ اپنی زندگی احادیث کے پڑھنے' پڑھانے اور احادیث کی خدمت کرنے میں گزار دی ہے اس لیے میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے یہ کہتا ہوں کہ فرعون اللہ تعالیٰ کی متعدد آیتوں کا انکار کر کے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے مسلسل تکبر اور سرکشی کر کے' لوگوں پر ناحق بے دریغ ظلم کر کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں شدید گستاخیاں کر کے اس سزا کا مستحق ہو چکا تھا کہ اب اگر وہ ایمان لاتا پھر بھی اس کا ایمان قبول نہ کیا جاتا' اس کی نظیر وہ آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ (البقرہ: ۷)

اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء: ۱۵۵)

بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی پس وہ بہت کم ایمان لائیں گے۔

اسی طرح النحل: ۱۰۸، محمد: ۱۶، الاعراف: ۱۰۰-۱۰۱، یونس: ۷۴، الروم: ۵۹، المومن: ۳۵، التوبۃ: ۸۷ اور المنافقون: ۳ میں کفار' منافقین اور جاہلوں اور معاندوں کے دلوں پر مہر لگانے کا ذکر ہے۔ اسی نہج پر جبریل کو اس وقت فرعون کے منہ میں مٹی ڈالنے کے لیے بھیجا تاکہ اس پر یہ واضح کر دیا جائے کہ تو اب راندۂ درگاہ ہو چکا ہے اور اب تیرا ایمان لانا مقبول نہیں ہے۔

امام رازی نے یونس: ۹۲ میں بھی اس اعتراض کا ذکر کیا ہے اور وہاں بھی میں نے اس اعتراض کا جواب لکھا ہے۔ (تبیان القرآن ج ۵ ص ۴۶۳) لیکن یہاں پر میں نے زیادہ تحقیق کی ہے۔

حضرت موسیٰ کا ایک بڑھیا کی رہنمائی سے حضرت یوسف کا تابوت نکالنا

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام پر وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو بلا کر کہا: اے میرے بھائیو! میں نے دنیا میں کسی سے بھی اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ نہیں لیا اور مجھے یہ پسند تھا کہ میں لوگوں کی نیکیاں ظاہر کروں اور ان کی برائیاں چھپاؤں اور دنیا سے میرا یہی آخرت کے لیے زادِ راہ ہے' اے میرے بھائیو! میں نے اپنے باپ دادا جیسے عمل کیے ہیں تو تم مجھے ان کی قبروں کے ساتھ ملا دینا' اور ان سے اس بات کا پکا وعدہ لیا' لیکن انہوں نے

اپنے وعدہ کو پورا نہیں کیا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا' انہوں نے حضرت یوسف کے متعلق معلوم کیا کہ ان کا صندوق کہاں دفن ہے تو صرف ایک بوڑھی عورت کو اس کا پتا تھا' اس کا نام شارح بنت شیر بن یعقوب تھا' اس نے حضرت موسیٰ سے کہا میں دو شرطوں پر تم کو اس کا پتا بتاؤں گی۔ اس نے کہا ایک شرط تو یہ ہے کہ میں بوڑھی ہوں میں جوان ہو جاؤں۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا: منظور ہے۔ اس نے کہا دوسری شرط یہ ہے کہ میں جنت میں آپ کے درجہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے گریز کر رہے تھے کہ آپ پر وحی ہوئی کہ اس شرط کو بھی مان لو تو آپ نے مان لیا۔ پھر اس بڑھیا نے اس صندوق کی رہنمائی کی تو حضرت موسیٰ نے اس صندوق کو نکال لیا۔ وہ عورت جب ۵۲ سال کی عمر کو پہنچتی تو اس کی جسامت ۳۲ سال کی ہو جاتی' اس نے ۱۶۰۰ یا ۱۴۰۰ سال کی عمر پائی اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے اس سے شادی کی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷' ص ۲۲۰۵' رقم الحدیث: ۱۲۰۱۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ جلال الدین السیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے بھی اس حدیث کو امام ابن اسحٰق اور امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۴' ص ۵۹۲-۵۹۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت عطا کرنے کا اختیار تھا

امام حافظ احمد بن علی تمیمی متوفی ۳۱۷ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا' آپ نے اس کی عزت افزائی کی اور فرمایا: ہمارے پاس آؤ' وہ آیا آپ نے اس سے فرمایا: تم اپنی حاجت بیان کرو۔ اس نے کہا: مجھے سواری کے لیے ایک اونٹنی چاہیے اور بکریاں چاہئیں جن کا ہم دودھ دوہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم بنو اسرائیل کی بڑھیا کی طرح ہونے سے بھی عاجز ہو؟ آپ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو وہ راستہ بھول گئے۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ ان کے علماء نے کہا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات قریب ہوئی تو انہوں نے ہم سے (یعنی ہمارے آباء واجداد سے) یہ پختہ وعدہ لیا تھا اور اس پر قسم لی تھی کہ ہم مصر سے اس وقت تک روانہ نہیں ہوں گے جب تک ان کی نعش کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا: ان کی قبر کی جگہ کس کو معلوم ہے؟ انہوں نے کہا: بنو اسرائیل کی ایک بڑھیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بلوایا پس وہ آئی' حضرت موسیٰ نے فرمایا: مجھے حضرت یوسف کی قبر بتاؤ۔ اس نے کہا اس وقت تک اس کا پتا نہیں بتاؤں گی حتیٰ کہ آپ میری ایک درخواست منظور نہ کریں۔ آپ نے پوچھا: تمہاری کیا درخواست ہے؟ اس نے کہا: میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں! حضرت موسیٰ کو یہ ماننا ناگوار ہوا' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ اس کی درخواست منظور کرلیں! تو وہ آپ کو دریائے نیل کی اس جگہ پر لے گئی جہاں کا پانی متغیر ہو چکا تھا' اس نے کہا: یہاں سے پانی نکالو' انہوں نے وہاں سے پانی نکالا۔ اس نے کہا: یہاں کھدائی کرو' کھدائی کے بعد وہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش برآمد کی' جب انہوں نے حضرت یوسف کی نعش اوپر اٹھائی تو ان کو گمشدہ راستہ روز روشن کی طرح مل گیا۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۱۳' ص ۲۳۷-۲۳۶' رقم الحدیث: ۷۲۵۴' مطبوعہ دار الثقافت العربیہ' ۱۴۱۳ھ)۔

حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ ھ نے لکھا ہے کہ مسند ابو یعلیٰ کی حدیث کے راوی صحیح ہیں اور اسی وجہ سے میں نے اس حدیث کو درج کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰' ص ۱۷۱-۱۷۰' مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ موارد الظمآن ج ۲' رقم الحدیث: ۲۴۳۵' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔
(المستدرک ج ۲ ص ۵۷۲۔۵۷۱‘ علامہ ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے‘ حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے: المطالب العالیہ ج ۳‘ رقم الحدیث: ۳۴۶۲)
امام ابوحاتم محمد بن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔
(صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۵۰۱۔۵۰۰‘ رقم الحدیث: ۷۲۳)
خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کو متعدد ائمہ حدیث کے حوالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔
(الدرالمنثور ج ۶ ص ۳۰۳‘ ۳۰۲‘ مطبوعہ دارالفکر بیروت‘ ۱۴۱۴ھ)

امام ابوبکر محمد بن جعفر الخرائطی المتوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی کام کے متعلق سوال کیا جاتا‘ اگر آپ کا ارادہ اسے کرنے کا ہوتا تو فرماتے ہاں! اور اگر آپ کا ارادہ نہ کرنے کا ہوتا تو آپ خاموش رہتے‘ اور آپ کسی کام کے متعلق ’’نہ‘‘ نہیں فرماتے تھے۔ آپ کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے کچھ سوال کیا‘ آپ خاموش رہے‘ اس نے پھر سوال کیا آپ خاموش رہے‘ پھر اس نے تیسری بار سوال کیا تو آپ نے گویا اسے جھڑکنے کے انداز میں فرمایا: اے اعرابی مانگ کیا چاہتا ہے؟ ہمیں اس پر رشک آیا اور ہم نے گمان کیا کہ اب وہ جنت کا سوال کرے گا‘ اس نے کہا میں آپ سے ایک سواری کا سوال کرتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہیں مل جائے گی‘ پھر فرمایا: سوال کرو‘ اس نے کہا: میں اس کے پالان کا سوال کرتا ہوں‘ آپ نے فرمایا: یہ تمہیں مل جائے گا‘ پھر فرمایا: سوال کرو‘ اس نے کہا: میں آپ سے سفر خرچ کا سوال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: یہ تمہیں مل جائے گا۔ حضرت علی نے کہا: ہمیں اس پر بہت تعجب ہوا‘ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اعرابی نے جن چیزوں کا سوال کیا وہ اس کو دے دو۔ پھر اس کو وہ چیزیں دے دی گئیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اعرابی کے سوال میں اور بنی اسرائیل کی بڑھیا کے سوال میں کتنا فرق ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پار جانے کا حکم ہوا تو آپ کے پاس سواری کے لیے جانور لائے گئے‘ وہ جانور سمندر کے کنارے تک پہنچے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے منہ پھیر دیئے اور خود بخود پلٹ آئے۔ حضرت موسیٰ نے کہا: اے رب! یہ کیا ماجرا ہے؟ حکم ہوا کہ تم یوسف کی قبر کے پاس ہو‘ اس کی نعش کو اپنے ساتھ لے جاؤ وہ قبر ہموار ہو چکی تھی اور حضرت موسیٰ کو پتا نہیں تھا کہ وہ قبر کہاں ہے؟ پھر حضرت موسیٰ نے لوگوں سے سوال کیا کہ تم میں سے کسی کو پتا ہے‘ وہ قبر کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا: اگر کوئی جاننے والا ہے تو وہ بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا ہے‘ اس کو معلوم ہے کہ وہ قبر کہاں ہے۔ حضرت موسیٰ نے اس بڑھیا کو بلوایا‘ جب وہ پہنچ گئی تو حضرت موسیٰ نے کہا: کیا تم کو حضرت یوسف کی قبر کا علم ہے؟ اس نے کہا: ہاں! حضرت موسیٰ نے کہا: ہمیں بتاؤ۔ اس نے کہا نہیں! اللہ کی قسم! جب تک تم میرا سوال پورا نہیں کرو گے! حضرت موسیٰ نے کہا: بتاؤ تمہارا کیا سوال ہے؟ اس بڑھیا نے کہا: میں یہ سوال کرتی ہوں کہ جنت کے جس درجہ میں تم رہو گے‘ اسی درجہ میں میں رہوں! حضرت موسیٰ نے کہا: صرف جنت کا سوال کرو۔ اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ میں تمہارے ساتھ جنت میں تمہارے درجہ میں نہ رہوں! حضرت موسیٰ اس کو ٹالتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: اس کو وہ درجہ دے دو‘ اس سے تم کو کوئی کمی نہیں ہوگی! حضرت موسیٰ نے اس کو جنت کا وہ درجہ دے دیا‘ اس نے قبر بتائی اور وہ حضرت یوسف کی نعش لے کر سمندر کے پار گئے۔
(مکارم الاخلاق ج ۲ ص ۶۲۶‘ رقم الحدیث: ۶۶۹‘ مطبوعہ مطبع المدنی مصر‘ ۱۴۱۱ھ)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔
(المعجم الاوسط ج ۸ ص ۲۷۷-۲۷۶' رقم الحدیث: ۷۷۶۳' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۱۵ھ)
حافظ الہیثمی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۱) امام علی متقی ہندی متوفی ۹۷۵ ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۱۶' رقم الحدیث: ۳۲۴۱۲' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت)

ان حدیثوں کے اہم اور نمایاں فوائد میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا ہے کہ جس شخص کو جو چاہیں عطا کر دیں' کیونکہ آپ نے فرمایا: مانگ اے اعرابی جو چاہتا ہے' اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا سوال کرنے کی ترغیب دی' کیونکہ آپ نے فرمایا کہ تم میں اور بنی اسرائیل کی بڑھیا میں کتنا فرق ہے! اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کی اس پیرزن کو جنت میں اپنا درجہ عطا فرما دیں' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف جنت عطا کرنے کی نسبت فرمائی اور یہی صحابہ کرام کا اعتقاد تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت تک عطا کرنے کا اختیار تھا' اسی طرح بنی اسرائیل کی اس پیرزن کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ صرف جنت بلکہ جنت میں اپنا درجہ بھی عطا فرما سکتے ہیں' اور یہ کہ دنیا اور آخرت کی نعمتیں خواہ جنت ہو' ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنا شرک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے بنی اسرائیل بے شک ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے (کوہ) طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا' اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا O ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دیں ہیں' اور ان میں حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ یقیناً تباہ ہو گیا O اور بے شک میں اس کو ضرور بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے' ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر جم جاتا ہے O (طٰہٰ: ۸۲-۸۰)

بنی اسرائیل کو نعمتیں یاد دلانا

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان انواع و اقسام کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے بنی اسرائیل پر انعام فرمائیں تاکہ وہ ان نعمتوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور اس کی زیادہ سے زیادہ عبادت کریں' یہ نعمتیں دو قسم کی تھیں ایک قسم یہ تھی کہ ان سے آلام اور مصائب کو دور کیا' اور دوسری قسم یہ تھی کہ ان کو خوش حالی اور راحتیں عطا فرمائیں' اور چونکہ ضرر کو زائل کرنا نفع پہنچانے پر مقدم ہوتا ہے' اس لیے پہلے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو ازالہ ضرر کے قبیل سے تھیں' اس لیے فرمایا اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی' کیونکہ فرعون ان پر انواع و اقسام کے مظالم ڈھایا کرتا تھا' وہ ان کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کر دیتا تھا اور ان سے گھٹیا اور خسیس قسم کی مشقت لیتا تھا اور ان سے بے گار لیتا تھا۔ پھر اس کے بعد ان کو جو نفع پہنچایا ان نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان پر کتاب نازل فرمائی جس میں ان کے اصول اور عقائد کا بیان اور فروع اور احکام شرعیہ کا ذکر تھا۔ یہ ان کے حق میں دینی نعمت تھی اور ان کے حق میں دنیاوی نعمت یہ تھی کہ میدان تیہ میں ان پر من اور سلویٰ نازل فرمایا اور کھانے کے لیے ان کو پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں' اور ان احکام کی نافرمانی کرنے سے ان کو ڈرایا اور فرمایا اگر تم نے میری نافرمانی کی تو تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ بے شک تباہ ہو گیا' اور جو لوگ کسی غلطی اور لغزش سے معصیت کے مرتکب ہوں اور پھر اس غلطی پر نادم اور تائب ہوں ان کو بخشش کی نوید سنائی۔

طور کی دائیں جانب جانے کا بیان

مفسرین نے ذکر کیا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر سمندر کے پار گئے تو بنو اسرائیل نے حضرت

موسیٰ علیہ السلام سے کہا کیا آپ نے ہم سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہمارے پاس ہمارے رب کی طرف سے فرائض اور احکام پر مشتمل ایک کتاب آئے گی! حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں' پھر حضرت موسیٰ نے اپنے رب کے پاس جانے کی جلدی کی تا کہ بنی اسرائیل کے پاس کتاب لے کر آئیں اور ان سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنے جانے کے بعد ان کے پاس کتاب لے کر آ جائیں گے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان کو بنی اسرائیل کے لیے تورات عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا ہم نے تم سے (کوہ) طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا تھا' ہر چند کہ یہ وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا لیکن چونکہ یہ وعدہ بنو اسرائیل کی وجہ سے کیا تھا اس لیے فرمایا ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا۔

اس آیت میں فرمایا ہے طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا تھا۔ فی نفسہٖ طور کی کوئی دائیں یا بائیں جانب نہیں ہے۔ البتہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی شخص مصر سے شام کی طرف جائے تو پہاڑ طور اس کی دائیں جانب ہوتا ہے۔

کھانے میں حد سے بڑھنے کا معنی

طٰہٰ: ۸۱ میں فرمایا ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور ان میں حد سے نہ بڑھو۔

پاک چیزوں کو کھانے کا حکم وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ استحباب کے لیے ہے' اور پاک چیزوں کے متعلق دو قول ہیں ایک قول ہے اس سے مراد لذیذ کھانے ہیں کیونکہ من اور سلویٰ لذیذ کھانے تھے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حلال کھانے ہیں۔ کیونکہ یہ وہ کھانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نازل کیا تھا اور اس کھانے کو کسی آدمی کے ہاتھ نے مس نہیں کیا تھا۔

اور فرمایا اور ان میں حد سے نہ بڑھو اس کے تین محمل ہیں: (۱) کوئی شخص دوسرے پر زیادتی نہ کرے کہ اس کا حصہ خود چھین کر کھالے۔ (۲) کوئی شخص اپنے اوپر زیادتی نہ کرے کہ اباحت کی حد سے زیادہ کھائے' یعنی کسی شخص کا ضرورت سے زیادہ کھانا اپنے اوپر زیادتی کرنا ہے اور حد سے بڑھنا ہے۔ (۳) اللہ کی نعمت کا کفر نہ کرو' یعنی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے احکام کی مخالفت میں صرف نہ کرو' مثلاً کسی شخص کو زیادہ بدنی طاقت حاصل ہو تو وہ لوگوں پر ظلم کرے' عیاشی اور بدکاری کرے' اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ تباہ ہو گیا یہ مرادی معنی ہے۔ آیت میں لفظ ہے ''ھوی'' اس کا ایک معنی ہے وہ شخص ہاویہ یعنی دوزخ میں گر گیا اور اس کا دوسرا معنی ہے وہ شخص اوپر سے نیچے گر گیا۔

بندہ کا بہت زیادہ گناہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ معاف فرمانا

طٰہٰ: ۸۲ میں فرمایا: اور بے شک میں اس کو ضرور بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے' ایمان لاتا ہے' نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر جم جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی صفت غافر' غفور اور غفّار سے کی ہے: غافر الذنب (المومن: ۳) گناہوں کو بخشنے والا اور غفور اور غفار مبالغے کے صیغے ہیں: وربک الغفور ذوالرحمة (الکہف: ۵۸) آپ کا رب بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ رحمت والا ہے۔ وانی لغفار لمن تاب (طٰہٰ: ۸۲) اور جو توبہ کرے میں اس کو بہت زیادہ بخشنے والا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال میں غفر اور یغفر ماضی اور مستقبل کے صیغے استعمال فرمائے ہیں اور مغفرت کا ذکر فرمایا ہے۔ مغفرت کا ذکر اس آیت میں ہے: وان ربک لذو مغفرة للناس (الرعد: ۶) اور بے شک آپ کا رب ضرور لوگوں کی مغفرت کرنے والا ہے' اور غفر کا ذکر اس آیت میں ہے: حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا فغفرنا له ذالک (ص: ۲۵) سو ہم

نے ان کا یہ کام معاف فرمادیا' اور یغفر کا ذکر اس آیت میں ہے: ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا (الزمر: ۵۳) بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ پہلا ماضی کا اور دوسرا مستقبل کا صیغہ ہے۔

انسان کے گناہ صغیرہ ہوتے ہیں یا کبیرہ' صغیرہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کی وجہ سے معاف فرمادیتا ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ. (النساء: ۳۱)

اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیں گے۔

نیز صغیرہ گناہوں کو نیک اعمال کرنے کی وجہ سے بھی معاف فرمادیتا ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود: ۱۱۴)

بے شک نیک اعمال گناہوں کو دور کردیتے ہیں۔

واضح رہے کہ اولیٰ اور مستحب کا ترک اور مکروہ تنزیہی کا ارتکاب سرے سے گناہ ہی نہیں ہے' اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے اور فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے' اور گناہ کبیرہ کو اللہ تعالیٰ توبہ سے بھی معاف فرماتا ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے: بے شک میں اس کو بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے' ایمان لاتا ہے نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر جم جاتا ہے۔ نیز فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ (الشوریٰ: ۲۵)

وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بغیر توبہ کے عین عالم معصیت میں بھی گناہوں کو بخش دیتا ہے!

اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ (الرعد: ٦)

بے شک آپ کا رب لوگوں کے گناہوں کے باوجود ان کو ضرور بخشنے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم کو بخش دیتا ہے جس کے لیے چاہے۔

یعنی وہ شرک کے ماسوا تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے خواہ ان پر توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔

زیر تفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں کے بخشنے کو چار چیزوں پر مرتب فرمایا ہے' توبہ' ایمان' نیک عمل کرنا پھر ہدایت پر جم جانا' گناہ کرنے کے اعتبار سے بندہ کی تین صفات ہیں وہ ظالم ہے' ظلوم اور ظلّام ہے' فمنهم ظالم لنفسه (فاطر: ۳۲) سو ان میں سے بعض اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں' انه کان ظلوما جهولا (الاحزاب: ۷۲) بے شک انسان بہت ظلم کرنے والا جاہل ہے۔ اور بندہ کی ہر صفت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے' اگر بندہ ظالم ہے تو اللہ تعالیٰ غافر ہے' اگر بندہ ظلوم ہے تو اللہ تعالیٰ غفور ہے' اور اگر بندہ ظلّام ہے تو اللہ تعالیٰ غفّار ہے' بندہ بہت زیادہ ظلم اور گناہ کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ گناہوں کو بخشنے والا ہے۔

بار بار گناہ بخشنے کی وضاحت

علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

غفّار کا معنی جو بار بار بندہ کے گناہوں کو بخش دے۔ جب بندہ کے گناہ بہت زیادہ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت بہت زیادہ ہوتی ہے' غفر کا لغوی معنی ہے ستر کرنا چھپانا پس غفّار وہ ہے جو اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپالے اور اپنے کرم سے

...ان پر ثواب اڈیل دے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۱۲-۳۱۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میرا بندہ کوئی گناہ کرتا ہے پھر کہتا ہے اے اللہ! میرے گناہ کو بخش دے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کا یقین ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ گناہوں پر گرفت بھی فرماتا ہے۔ وہ پھر دوبارہ گناہ کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اے رب میرے گناہ کو بخش دے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کا یقین ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ گناہوں پر گرفت بھی فرماتا ہے' وہ پھر گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب میرے گناہ کو بخش دے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو بخشتا ہے اور گناہوں پر گرفت بھی فرماتا ہے۔ تو جو چاہے عمل کر میں نے تجھ کو بخش دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۶' عمل الیوم واللیلہ للنسائی رقم الحدیث: ۴۱۹)

علامہ ابو العباس قرطبی مالکی متوفی ۶۵۶ھ المفہم میں لکھتے ہیں بندہ کا یہ استغفار توبہ سے کنایہ ہے' لیکن اگر اس نے صرف زبان سے استغفار کیا اور وہ اس گناہ پر برابر اصرار کرتا رہا تو یہ وہ استغفار ہے جو خود استغفار کا محتاج ہے' اور اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ دوبارہ گناہ کرنا ہر چند کہ پہلی بار گناہ کرنے سے زیادہ برا ہے۔ کیونکہ اب اس گناہ کے ساتھ پہلی توبہ کو توڑنے کا گناہ بھی شامل ہو گیا' لیکن اب دوبارہ توبہ کرنا پہلی توبہ سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اب وہ کریم کے دروازہ پر زیادہ شدت کے ساتھ اور گڑگڑا کر دستک دے گا۔

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے علامہ قرطبی کی اس عبارت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بندہ کا گناہ پر استغفار کرنا لازماً توبہ سے کنایہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مغفرت کی دعا ہے جیسے اور مغفرت کی دعائیں ہوتی ہیں لہٰذا اگر اس نے دوبارہ گناہ کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ اس نے پہلے جو استغفار کیا تھا اب اس استغفار پر بھی استغفار کرنا ضروری ہے' اور اس نے جس گناہ پر پہلے توبہ کی تھی اس گناہ کو دوبارہ کرنے سے پہلی توبہ نہیں ٹوٹتی بلکہ اہل حق کے نزدیک پہلی توبہ صحیح ہے۔

کیا توبہ کرنے کے بعد دوبارہ گناہ کرنا توبہ کو کھیل بناتا ہے؟

علامہ ابی مالکی کے شاگرد علامہ السنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ اپنے استاذ کا رد کرتے ہوئے علامہ قرطبی کے دفاع میں لکھتے ہیں: جب اس نے دوبارہ گناہ کیا تو وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے پہلے استغفار کو ختم کر دیا' اور یہ بالکل واضح ہے کہ گناہ پر اصرار کرنے کے باوجود اس گناہ پر استغفار کرنا بجائے خود معصیت ہے' کیونکہ یہ استغفار اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے توبہ کو کھیل اور مشغلہ بنا لیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزاء کر رہا ہے اور اس سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ اس گناہ کو اس کے لیے مباح کر دے' اور علامہ قرطبی نے یہ نہیں کہا کہ دوبارہ گناہ کرنے سے اس کی پہلی توبہ ٹوٹ جائے گی بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس نے پہلے یہ توبہ کی تھی کہ وہ آئندہ مستقبل میں وہ گناہ نہیں کرے گا اور جب اس نے وہ گناہ پھر کر لیا تو اس کی پہلی توبہ کا خلاف ثابت ہو گیا۔ (اکمال اکمال المعلم مع مکمل اکمال الاکمال ج ۹ ص ۱۷۱-۱۷۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی اور علامہ السنوسی کی عبارت کا محمل یہ ہے کہ جب آدمی کو دوبارہ گناہ کرتے وقت یہ یاد ہو کہ وہ اس گناہ سے پہلے توبہ کر چکا ہے لیکن وہ اس گناہ سے ممانعت کو غیر اہم اور معمولی سمجھ کر پھر دوبارہ وہ گناہ کرے اور یہ سوچے کہ گر دوبارہ گناہ کر بھی لیا تو کیا ہوا پھر توبہ کر لیں گے' تو یہ ایسی توبہ ہے جو کھیل اور مشغلہ کے مشابہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ستہزاء کرنے کے مترادف ہے اور حدیث میں یہ صورت نہیں ہے' بلکہ حدیث میں یہ صورت ہے کہ ایک شخص نے کسی گناہ کے

ارتکاب کے بعد اخلاص کے ساتھ پکی توبہ کی لیکن شامت نفس، اغواء شیطان اور نفسانیت کے غلبہ سے اس نے پھر وہی گناہ کر لیا پھر اس کے بعد وہ نادم ہوا اور تائب ہوا اور پھر پکی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا خواہ وہ بار بار گناہ میں مبتلا ہو اور بار بار توبہ کرتا رہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ ھ لکھتے ہیں:

اگر وہ سو یا ہزار بار یا اس سے بھی زیادہ بار گناہ کرے اور ہر بار توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی اور اس کے گناہ ساقط ہو جائیں گے اور اگر تمام گناہوں سے ایک ہی بار توبہ کرے تب بھی اس کی توبہ صحیح ہے۔

اور یہ جو فرمایا ہے تو جو چاہے عمل کر میں نے تجھ کو بخش دیا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک تو گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتا رہے گا میں تجھ کو بخشتا رہوں گا۔ (صحیح مسلم مع الشرح النووی ج ١١ ص ٦٨٨١، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ١٤١٧ ھ)

علامہ ابوالعباس قرطبی مالکی متوفی ٦٥٦ ھ نے لکھا ہے اس قول میں اس شخص کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پچھلے گناہوں کو بخش دیا اور آئندہ کے لیے اس کو گناہوں سے محفوظ کر دیا ہے، اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے لیے ہر کام کو مباح کر دیا ہے وہ جو چاہے کرے۔ علامہ تورپشتی نے کہا ہے اس قسم کا کلام کبھی بطور غیظ و غضب کیا جاتا ہے اور کبھی بطور لطف و کرم کے کیا جاتا ہے، غیظ و غضب کی مثال یہ آیت ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (حٰم السجدہ: ٤٠)

بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج بحثی کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں، (بتاؤ!) جو آگ میں ڈال دیا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو امن و سلامتی کے ساتھ قیامت کے دن پیش ہو، تم جو چاہو کرتے رہو، وہ تمہارے کرتوتوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اور لطف و کرم کے ساتھ فرمانے کی یہ مثال ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق فرمایا شاید کہ اللہ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٩٨٣، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٩٤)

(مکمل اکمال الاکمال ج ٩ ص ١٧٢-١٧١، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٥ ھ)

توبہ کرنے، ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے کے بعد ہدایت کے حصول کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے اور بے شک میں اس کو ضرور بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے ایمان لاتا ہے نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر جم جاتا ہے۔ آیت میں یہ الفاظ ہیں ثم اھتدی پھر وہ ہدایت حاصل کرتا ہے یا ہدایت پاتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس کا توبہ کرنا، ایمان لانا اور نیک عمل کرنا ہدایت پر ہونے کی وجہ سے تو ہیں، پھر ان کے بعد یہ کیوں فرمایا پھر وہ ہدایت حاصل کرتا ہے، اس کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(١) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس کو ان اعمال پر ثواب ملے گا۔ (٢) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس کو اس میں شک نہیں ہوتا۔ (٣) عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ امور اللہ کی توفیق سے ہیں۔ (٤) سعید بن جبیر نے کہا وہ سنت اور جماعت پر لازم رہتا ہے۔ (٥) ضحاک نے کہا وہ ان امور پر جم جاتا ہے۔ (٦) قتادہ نے کہا وہ تادم مرگ اسلام پر قائم رہتا ہے۔ (٧) زید بن اسلم نے کہا اس کو یہ ہدایت حاصل ہو جاتی ہے کہ اس کو کس طرح عمل کرنا چاہیے۔ (٨) ثابت بنانی نے کہا اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی ہدایت حاصل ہو جاتی ہے۔ (زاد المسیر ج ٥ ص ٣١٢، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٧ ھ)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ توبہ ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے سے مراد یہ ہو کہ اس کو ان امور کا علم دلائل سے حاصل ہو اور ان امور کے مجموعہ کو شریعت سے تعبیر کرتے ہیں' اور شریعت پر عمل کرنے کے بعد وہ اپنے ذہن کو فاسد خیالات سے اور اپنے قلب کو اخلاق مذمومہ سے پاک کرے اور صفاء باطن کے اس مرتبہ کو طریقت کہتے ہیں۔ اس مرتبہ کے بعد اس پر حقائق الاشیاء منکشف ہو جاتے ہیں اور اس کا قلب تجلیات ربانیہ کی جلوہ گاہ بن جاتا ہے اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہو جاتی ہے اور اس مرتبہ کو لسان تصوف میں حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ توبہ' ایمان اور اعمال صالحہ سے مراد شریعت ہے اور "ثم اھتدی" سے مراد طریقت اور حقیقت ہے یعنی شریعت پر عمل کرنے کے بعد طریقت اور حقیقت حاصل ہو جاتی ہیں۔

کلمہ پڑھنے سے پہلے کفریہ عقائد سے اظہار براءت ضروری ہے

اس آیت میں پہلے توبہ کا ذکر ہے پھر ایمان لانے کا ذکر ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ ایمان لانے سے پہلے ضروری ہے کہ انسان کفر سے توبہ کرے' اگر انسان کوئی کلمۂ کفریہ کہہ دے تو صرف کلمہ پڑھنے سے وہ مسلمان نہیں ہوگا جب تک وہ اس کلمۂ کفریہ سے توبہ نہیں کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی بدمذہب مثلاً شیعہ یا رافضی' اہل سنت ہونا چاہیے یا کوئی عیسائی مسلمان ہونا چاہے تو صرف کلمہ پڑھنے سے وہ اہل سنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک عقائد شیعہ سے توبہ اور براءت کا اظہار نہیں کرے گا' اور نہ عیسائی صرف کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہوگا جب تک عیسائی عقائد سے تائب نہیں ہوگا اور براءت کا اظہار نہیں کرے گا۔ سو یہ لوگ پہلے کفریہ عقائد سے توبہ کریں پھر کلمہ پڑھ کر ایمان لائیں پھر نیک اعمال کریں پھر اسی دین پر تادم مرگ قائم رہیں اور جمے رہیں اور ڈٹے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے موسیٰ! آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی؟ ○ موسیٰ نے کہا وہ لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں اور اے رب! میں نے تجھے راضی کرنے کے لیے جلدی کی ○ فرمایا پس ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا ○ (طٰہٰ: ۸۵-۸۳)

حضرت موسیٰ کے عجلت کے ساتھ جانے کی توجیہ

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر کے پار اترے تو وہاں انہوں نے ایک قوم کو دیکھا جو بتوں کی پرستش کر رہی تھی۔ بنو اسرائیل نے کہا اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی اسی طرح کا ایک معبود بنا دیجئے جس طرح ان لوگوں کے معبود ہیں' حضرت موسیٰ نے فرمایا تم لوگ کیسی جہالت کی باتیں کر رہے ہو' یہ تو برباد شدہ لوگ ہیں اور ان کی عبادت بھی باطل ہے' اور حضرت موسیٰ کے رب نے ان سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا تھا پھر ان میں دس راتوں کا اور اضافہ فرما دیا۔ یعنی ان چالیس دنوں میں دن اور رات روزے رکھیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کا کلام سننے کے شوق میں جلدی جلدی روانہ ہوئے اور بنو اسرائیل کی دیکھ بھال اور ان کو ہدایت پر قائم رکھنے کے لیے اپنے بھائی ہارون کو خلیفہ مقرر کر دیا اور خود طور کی طرف چل پڑے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے موسیٰ! آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب عالم ہے لیکن اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل کو تسکین دینے کے لیے اور ان کی عزت افزائی کے لیے یہ سوال کیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۸۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے

کلام کے جلال سے متحیر ہو گئے اور بجائے اس کے کہ عجلت کا سبب بیان کرتے یہ کہا وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے سوال کی طرف متوجہ ہوئے اور عجلت کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا اے میرے رب! میں نے تیرے پاس آنے میں اس لیے جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے۔

حضرت موسیٰ نے جو یہ کہا تھا کہ وہ لوگ میرے پیچھے ہیں۔ اس سے ان کی یہ مراد نہیں تھی کہ وہ لوگ ان کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں یعنی وہ بھی طور کی طرف آ رہے ہیں، بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ وہ بھی یہاں پر قریب ہیں اور میری واپسی کا انتظار کر رہے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو یہ حکم دیا تھا کہ ان کے روانہ ہونے کے بعد وہ بھی بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہوں اور ان کے ساتھ آ کر مل جائیں، اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں قوم سے مراد وہ ستر نفوس ہیں جن کو حضرت موسیٰ نے چن لیا تھا وہ بھی حضرت موسیٰ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے شوق میں ان سے آگے نکل گئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے پوچھا آپ نے اپنی قوم سے پہلے پہنچنے میں کیوں عجلت کی۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق طور سینا کی طرف روانہ ہوئے تو اپنے رب کی طرف مشتاق ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق کی شدت کی وجہ سے یہ مسافت ان پر طویل ہو گئی، پھر وہ صبر نہ کر سکے اور ان لوگوں کو چھوڑ کر اکیلے ہی چل پڑے پھر جب اپنے مقام پر ٹھہرے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ نے اپنی قوم کو چھوڑ کر آنے میں کیوں جلدی کی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! میں نے اس لیے جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے۔ قتادہ نے اس کی تفسیر میں کہا یعنی تیری ملاقات کے شوق میں جلدی کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ بارش ہونے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار دی حتیٰ کہ بارش آپ کے جسم مبارک پر پڑنے لگی، ہم نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا یہ بارش ابھی ابھی اپنے رب کے پاس سے آئی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے لوگ اس طرح اللہ تعالیٰ کا شوق رکھتے تھے۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ کی کسی اور زوجہ نے کہا یارسول اللہ! ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں آپ نے فرمایا: یہ بات نہیں ہے لیکن جب مومن کے پاس موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی کرامت کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس وقت اس کو اس سے زیادہ اور کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی جو اس کے سامنے آنے والی ہے۔ پس جو اللہ کی ملاقات سے محبت کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے محبت رکھتا ہے اور کافر کے پاس جب موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے پس اس وقت اس کو اس سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں ہوتی جو اس کے سامنے آنے والی ہے۔ وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۴-۲۶۸۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۴۰، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۵۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۳۶)

بنو اسرائیل کو آزمائش میں ڈالنا

اس کے بعد فرمایا: پس ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا۔

یعنی ہم نے ان کو آزمائش اور امتحان میں مبتلا کیا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ ان میں کون الوہیت اور توحید کے عقیدہ میں راسخ ہے اور کس کا عقیدہ کمزور ہے۔ بنو اسرائیل اس وقت چھ لاکھ تھے ان میں سے بارہ ہزار توحید پر قائم رہے اور باقی گوسالہ پرستی میں مشغول ہو گئے' اس کی تفصیل اس کے بعد کی آیتوں میں آ رہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے قبطیوں سے عاریۃً سونے کے زیورات لیے تھے وہ ان کے پاس تھے' بنو اسرائیل نے ان زیورات سے براءت حاصل کرنے کے لیے وہ سامری کو دے دیئے اس نے ان زیورات کو جمع کر کے ان کو آگ لگا دی پھر اس پگھلے ہوئے سونے سے بچھڑا ڈھال لیا۔ حضرت جبریل جس گھوڑی پر سوار تھے سامری نے اس کے پیر کے نیچے سے خاک کی ایک مٹھی اٹھالی تھی اس نے بچھڑے کے منہ کے اندر وہ خاک ڈال دی جس کے اثر سے وہ آواز نکالنے لگا۔ سامری نے بنو اسرائیل سے کہا موسیٰ بھول گئے ہیں اصل میں یہی ان کا خدا ہے۔ سو بارہ ہزار کے سوا باقی چھ لاکھ نے اس گوسالہ کی پرستش شروع کر دی۔ یہ وہ آزمائش ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ آیا وہ یہ سمجھتے ہیں یا نہیں کہ جس بچھڑے کو خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے وہ ان کا خالق اور ان کا رب کیسے ہو سکتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سامری اس قوم سے تھا جو گائے کی عبادت کرتی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ قبطیوں میں سے ایک شخص تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پڑوسی تھا اور آپ پر ایمان لے آیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ بنو اسرائیل میں سامرہ نام کا ایک قبیلہ تھا اور سامری کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس موسیٰ غم اور غصہ کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے' موسیٰ نے کہا اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا پھر کیا تم پر بہت مدت گزر گئی تھی! یا تمہارا یہ ارادہ تھا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو' سو اس لیے تم نے مجھ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی ○ انہوں نے کہا ہم نے دانستہ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی' لیکن قوم (فرعون) کے زیورات کا بوجھ ہم پر لاد دیا گیا تھا تو ہم نے ان کو (آگ میں) ڈال دیا سو اسی طرح سامری نے (ان کو آگ میں) ڈالا تھا ○ پس اس نے ان کے لیے بچھڑے کا مجسمہ بنایا جس کی بیل کی (طرح) آواز تھی تو لوگوں نے کہا یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود' موسیٰ تو بھولا رہا تھا ○ تو کیا یہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا اور نہ ان کے کسی نقصان اور نفع کا مالک تھا ○ (طٰہٰ: ۸۹-۸۶)

حضرت موسیٰ کا اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت پر زجر و توبیخ کرنا

طٰہٰ: ۸۶ میں ''غضبان'' اور ''اسف'' کے الفاظ ہیں۔ غضب کے معنی غصہ ہیں اور اسف کے معنی غم اور افسوس ہیں۔ غیظ اور غضب میں فرق ہے اللہ تعالیٰ غضب کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور غیظ کے ساتھ متصف نہیں ہوتا۔ غضب کا معنی ہے جس پر غصہ ہو اس کو ضرر پہنچانا اور غیظ کا معنی ہے غصہ میں شکل متغیر ہو جائے مثلاً چہرہ سرخ ہو اور اس پر کرختگی کے آثار ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے جس وعدہ کا ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان پر تورات نازل فرمائے گا' تاکہ انہیں احکام شرعیہ کا علم ہو اور وہ ان احکام پر عمل کر کے دنیا اور آخرت کی سرفرازی حاصل کریں اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے: ووعدنکم جانب الطور الایمن (طٰہٰ: ۸۰) دوسرا قول یہ ہے کہ اس وعدہ سے مراد ہے عبادات پر اجر و ثواب کا وعدہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: پھر کیا تم پر بہت مدت گزر گئی تھی؟ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ابھی تو تم پر اتنی نعمتیں عطا فرمائیں تھیں تم کو فرعون سے نجات دی ہے جس نے تم کو غلام بنا رکھا تھا' اور تم پر ظلم کرنے والے فرعون کو تمہاری آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا اور اس کے تمام حواریوں کو بھی غرق کیا۔ تمہارے لیے سمندر میں خشکی کا راستہ بنا دیا۔ بارہ قبیلوں کے لیے بارہ راستے بنائے اور تمہاری فرمائش پر ان میں کھڑکیاں اور روشن دان بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو گزرتے ہوئے دیکھ سکو اور باتیں کر سکو۔ ابھی ان نعمتوں کو دیے ہوئے کوئی زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا کہ تم اللہ کی ان نعمتوں کو بھول جاتے اور اس کی ناشکری پر اتر آتے اور اس کے ساتھ شرک کرنے لگتے!

نیز حضرت موسیٰ نے فرمایا تم نے میرے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے' اس وعدہ کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں اور ان کے ساتھ مل جائیں گے مگر انہوں نے حضرت موسیٰ کے پیچھے بچھڑے کی پرستش کرنی شروع کر دی' دوسرا محمل یہ ہے کہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ کے واپس آنے تک دین کے ان احکام پر عمل کرتے رہیں گے جو حضرت موسیٰ نے انہیں بتائے تھے۔ نیز ان کو معلوم تھا کہ فرعون کے ساتھ حضرت موسیٰ کا یہی اختلاف تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے بجائے اپنی خدائی کا دعویٰ دار تھا۔ پھر انہوں نے قبطیوں سے بھی بدتر عمل کیا کیونکہ وہ فرعون کو خدا مانتے تھے جو بولتا تھا' سنتا تھا' ہاتھ پیروں سے تصرف کر سکتا تھا' صاحب اقتدار تھا لوگوں کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر تھا' اور انہوں نے تو سونے کا ایک بچھڑا بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی جو ان میں سے کسی چیز پر بھی قادر نہ تھا بلکہ خود ان کے ہاتھوں سے بنایا ہوا تھا۔

بنی اسرائیل کا بچھڑے کی عبادت پر عذر پیش کرنا

طٰہٰ: ۸۷ میں بنی اسرائیل کا جواب ذکر فرمایا ہے انہوں نے کہا انہوں نے یہ کام اپنی ملک سے نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے یہ کام ایسی چیز کی وجہ سے کیا ہے جس کے وہ مالک نہیں تھے۔ یہ ان لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے بچھڑے کے مجسمہ کی پرستش نہیں کی تھی گویا کہ انہوں نے یہ کہا کہ یہ کام ہمارے لوگوں نے کیا ہے اور چونکہ ہم ان کو روک نہیں سکے اس لیے ہم اس کام کو اپنا ہی کام قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہمارا ان لوگوں پر بس نہیں چل سکا اور ان کے کاموں کی باگ دوڑ ہمارے اختیار میں نہ تھی' اور اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے گوسالہ کے مجسمے کی پرستش کی تھی لیکن انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ گوسالہ کے معاملہ میں ہم پر ایسا شبہ پیش کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے ہم اس کی پرستش کرنے پر مجبور ہو گئے تھے' اور وہ شبہ یہ تھا کہ بغیر کسی خارجی تحریک اور سبب کے وہ بیل کی سی آواز نکالتا تھا ہم کو سامری نے یہ بتایا کہ چونکہ یہ خدا ہے اس لیے آواز نکال رہا ہے۔

پھر انہوں نے کہا ہم پر قبطیوں کے زیورات لاد دیے گئے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم ان سے عاریۃً زیورات لے لو۔ (یہ قول صحیح نہیں ہے) پھر فرمایا ان زیورات کو ساتھ لے چلو' اور انہوں نے حضرت موسیٰ پر حجت پیش کرنے کے لیے اور الزام قائم کرنے کے لیے یہ کہا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ زیورات بہ منزلہ مال غنیمت تھے اور مال غنیمت کھانا ان کے لیے حلال نہ تھا اس لیے وہ ان کو ٹھکانے لگانا چاہتے تھے۔

زیورات سے بچھڑا بنانے کی تفصیل

مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان سے کہا تھا یہ زیورات نجس ہیں تم ان سے پاکیزگی حاصل کرو' اور سامری نے کہا حضرت موسیٰ کو جو دیر ہو گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان زیورات کی سزا میں ان کو روک لیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں اوزار کا لفظ ہے اس کا معنی ہے گناہ' اور چونکہ قبطی ان زیورات کو اپنی کفریہ مجالس میں پہن کر جاتے اس لیے ان کو گناہ فرمایا۔

پھر بنی اسرائیل نے کہا ہم نے ان کو آگ میں ڈال دیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ حضرت موسیٰ کے آنے تک ان زیورات کو ایک گڑھے میں ڈال دو اور سامری کے کہنے سے انہوں نے ان کو آگ میں ڈال دیا۔ سامری نے ان زیورات کو پگھلا کر بچھڑے کا مجسمہ بنالیا۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ وہ سونے کا بے جان مجسمہ تھا یا وہ گوشت پوست کا چلتا پھرتا جاندار بچھڑا بن گیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ بے جان مجسمہ تھا کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ ایک گمراہ شخص کے ہاتھ پر کسی خلاف عادت کام کو ظاہر کر دیا جائے۔ سامری نے اس کی بچھڑے جیسی شکل و صورت بنائی تھی اور اس مجسمہ میں سوراخ اور جھریاں رکھیں ان سے ہوا گزرتی تھی' اس مجسمہ میں ایک طرف سے ہوا داخل ہوتی اور دوسری طرف سے نکل جاتی اور ہوا کے گزرنے سے اس میں آواز پیدا ہوتی تھی جو بچھڑے کی سی آواز کے مشابہ تھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زندہ بچھڑا بن گیا تھا اور بیل کی طرح آواز نکالتا تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سامری نے کہا:

(۱) فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ. (طٰہٰ:۹۶) میں نے تو اللہ کے رسول (جبریل) کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی تھی۔

اگر وہ زندہ بچھڑا نہیں تھا تو پھر سامری کے اس قول کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس کو العجل فرمایا ہے اور العجل حقیقت میں زندہ اور جاندار بچھڑے کو کہتے ہیں۔

(۳) اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے خوار یعنی بیل کی سی آواز کو ثابت کیا ہے' اور جو شخص الوہیت کا مدعی ہو اس کے ہاتھ پر خلاف عادت کام کو ظاہر کرنا جائز ہے کیونکہ اس سے کوئی اشتباہ پیدا نہیں ہوتا۔ سامری اس مجسمہ کے لیے الوہیت کا مدعی تھا اور عقل کے نزدیک اس کے رد پر بہت شواہد تھے جس کو زیورات سے ڈھالا گیا ہو وہ کیسے بنانے والوں کا خدا ہو سکتا ہے۔ ہاں جو نبوت کا مدعی ہو اس کے ہاتھ پر اس کے دعویٰ کے موافق خلاف عادت کام کا ظاہر ہونا جائز نہیں ہے ورنہ سچے نبی اور جھوٹے نبی میں امتیاز کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت سامری وہ بچھڑا ڈھال کر بنا رہا تھا تو وہاں سے حضرت ہارون علیہ السلام کا گزر ہوا۔ انہوں نے پوچھا یہ تم کیا بنا رہے ہو اس نے کہا میں ایسی چیز بنا رہا ہوں جو نفع تو پہنچائے گی لیکن کسی کو نقصان نہیں دے گی۔ آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرا مقصد پورا کر دے تو حضرت ہارون نے دعا کی: اے اللہ! اس نے جو سوال کیا ہے اس کو پورا کر دے' جب حضرت ہارون چلے گئے تو سامری نے کہا اے اللہ میرا یہ سوال ہے یہ بیل کی طرح آواز نکالے سو ایسا ہی ہوا۔ (جامع البیان ج ۱۶ ص ۲۵۰۔ ۲۴۹ ملخصاً) اس تقدیر پر یہ حضرت ہارون کا معجزہ تھا۔

بچھڑے کو معبود قرار دینے کا بطلان

اس مقام پر امام رازی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ سامری نے کہا یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے' اور بارہ ہزار کے سوا چھ لاکھ بنی اسرائیل نے اس کو مان لیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کو انہوں نے خود ڈھال کر بنایا ہو اس کو وہ اپنا اور تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا مان لیں۔ ایسا تو کوئی مجنون اور پاگل ہی کہہ سکتا ہے اور وہ پاگل اور مجنون تو نہ تھے پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے متعلق حلول کا عقیدہ رکھتے ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس بچھڑے میں حلول کر لیا ہے "اور وہ بھول گئے" کا معنی یہ نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ بھول گئے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ سامری یہ بھول گیا کہ وہ اس

بچھڑے کے حادث ہونے سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر استدلال کرتا اور وہ یہ بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا۔ اس کی دوسری تقریر یہ ہے کہ سامری نے کہا یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ کا خدا ہے اور موسیٰ اس خدا کو بھول گئے تھے۔ اس لیے وہ خدا کو ڈھونڈنے کے لیے کہیں اور چلے گئے ہیں اکثر مفسرین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا وہ یہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا اور ان کے کسی ضرر اور نفع کا مالک نہیں تھا۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے اس کی الوہیت کے بطلان پر دلیل قائم کی ہے۔

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ اگر وہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا تو پھر اس کو خدا ماننا صحیح تھا' کیونکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے وہ ان کے کسی ضرر اور نفع کا (بالذات) مالک نہیں تھا' اور معبود اور خدا ہونے کی شان یہ ہے کہ وہ لوگوں کو بالذات ضرر اور نفع پہنچانے پر قادر ہو۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ بعض یہودیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تم اپنے نبی کو دفن کرنے سے پہلے ہی آپس میں (مسئلہ خلافت میں) اختلاف کرنے لگے تھے۔ حضرت علی نے فرمایا ہمارا اس میں اختلاف تھا کہ نبی کا خلیفہ کس کو ہونا چاہیے نبی کی ذات میں ہمارا اختلاف نہیں تھا اور تمہارے پاؤں تو ابھی سمندر کے پانی سے خشک نہیں ہوئے تھے کہ تم نے کہا ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیں جیسا ان کا معبود ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۔ ۱۴۱۵ھ)

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ

اور ہارون ان سے پہلے ہی یہ کہہ چکے تھے کہ اے میری قوم! اس بچھڑے کی وجہ سے تم کو صرف آزمائش میں ڈالا گیا ہے' اور بے شک

رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ

تمہارا رب رحمٰن (ہی) ہے' سو تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو ○ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ کے واپس آنے تک

عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ

ہم اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے ○ موسیٰ نے کہا اے ہارون! جب آپ نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہو

اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ

گئے تو آپ کو کس چیز نے منع کیا؟ ○ جو آپ نے میری پیروی نہ کی؛ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی ○ ہارون نے کہا: اے میری

لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ

ماں کے بیٹے' آپ میری ڈاڑھی نہ پکڑیں اور نہ میرے سر کو' بے شک مجھے یہ خطرہ تھا کہ آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں

بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ

تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا ○ موسیٰ نے کہا اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے! ○ سامری نے کہا

بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ

میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی تو میں نے اللہ کے رسول (جبریل) کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی،

فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ

پھر میں نے اس مٹھی بھر خاک کو (بچھڑے کے مجسمہ میں) ڈال دیا، میرے دل نے یہی بات بنائی تھی ○ موسیٰ نے کہا اب تو یہاں سے چلا جا، اب

فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ج

تو زندگی بھر یہی کہے گا کہ "مجھے مت چھونا" اور تجھ سے (آخرت میں) سزا کا وعدہ ہے جس سے تو ہرگز نہیں بچ سکے گا،

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ط لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ

اور تو اپنے اس (خود ساختہ) معبود کو دیکھ جس کی عبادت پر تو جما بیٹھا تھا، ہم اس کو ضرور جلا دیں گے پھر اس کی راکھ کو

فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط وَسِعَ كُلَّ

اڑا کر سمندر میں پھینک دیں گے ○ تمہارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اس کے علم نے ہر چیز کا

شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ج وَقَدْ

احاطہ کرلیا ہے ○ ہم اسی طرح آپ پر گزشتہ خبروں کا بیان فرماتے ہیں، اور بے شک ہم

اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ ج صلے مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ

اپنے پاس سے آپ کو ذکر (قرآن) عطا فرما چکے ہیں ○ اور جس شخص نے اس سے منہ موڑا وہ یقیناً قیامت کے دن

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ لا خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ط وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ لا

(بہت وزنی) بوجھ اٹھائے گا ○ وہ ہمیشہ اسی بوجھ میں رہے گا، اور قیامت کے دن ان کے لیے وہ کیسا برا بوجھ ہوگا ○

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ ج صلے

جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اٹھائیں گے اس دن ان کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی ○

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا

وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے تم صرف دس دن ٹھہرے تھے ○ ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ

يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۵ ۱۵ ۱۴

کیا کہیں گے، جب کہ ان کے نزدیک سب سے اچھے طریقہ والا یہ کہے گا کہ تم تو صرف ایک دن ٹھیرے تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہارون ان سے پہلے ہی یہ کہہ چکے تھے کہ اے میری قوم اس بچھڑے کی وجہ سے تم کو صرف آزمائش میں ڈالا گیا ہے اور بے شک تمہارا رب رحمٰن ہی ہے سو تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو O انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ کے واپس آنے تک ہم اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے O (طٰہٰ: ۹۱-۹۰)

ان آیتوں کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی طور سے واپسی سے پہلے ہارون علیہ السلام نے بچھڑے کی پرستش کرنے والوں کو سرزنش کی اور ان کو سمجھایا کہ اس بچھڑے سے جو خلاف عادت آواز آ رہی ہے یہ صرف تمہاری آزمائش ہے کہ تم اپنے ایمان اور عقیدۂ توحید پر قائم رہتے ہو یا اس آواز سے دھوکا کھا کر اور سامری کے کہنے میں آ کر اس بچھڑے کو خدا بنا لیتے ہو۔ تمہارا رب یہ بچھڑا نہیں ہے رحمٰن ہے۔ جس کا فضل اور اس کی رحمت' اس بچھڑے کو بنانے سے پہلے بھی ہر نیک اور بد پر عام تھی اور سب کو شامل تھی اور اس کے فنا ہونے کے بعد اس کی رحمت سب کو شامل رہے گی سو تم پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ میری پیروی کرو اور میرے حکم کو مانو اور پوری لگن کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کرتے رہو وہی تم سے نقصان اور ضرر کو دور کرنے والا ہے اور تم کو خیر اور نفع پہنچانے والا ہے' یا تم میرے ساتھ حضرت موسیٰ کے پاس چلو اور اس بچھڑے کی عبادت چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا جب تک حضرت موسیٰ واپس نہیں آتے ہم اس بچھڑے کی پرستش پر ڈٹے رہیں گے۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ اس بچھڑے کی عبادت کرتے ہیں یا نہیں۔ ان کا یہ زعم تھا کہ حضرت موسیٰ بھی ان کے ساتھ بچھڑے کی عبادت کریں گے۔

بارہ ہزار بنی اسرائیل کو چھوڑ کر چھ لاکھ میں سے باقی بنی اسرائیل بچھڑے کی عبادت اختیار کر چکے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا قوت سے ساتھ دینے والا کوئی تھا نہیں۔ اگر انہوں نے اس سے قتال اور جہاد کیا تو دوسرے اپنی رشتہ داری کی وجہ سے ان کا ساتھ دیں گے اور اس طرح بنی اسرائیل میں دو فرقے ہو جائیں گے' جب کہ حضرت موسیٰ' حضرت ہارون کو ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دے کر نہیں گئے تھے۔ اس لیے حضرت ہارون ان سے علیحدہ ہو گئے اور بارہ ہزار ساتھیوں کے ساتھ رہے جو اس فتنہ سے محفوظ تھے اور انہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے متعلق احادیث

حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو نیکی کا حکم دیا اور ان کو برائی سے روکا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نیکی کی تلقین کرو اور برائی سے روکو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان کو یہ کہہ کر گئے تھے کہ:

وَقَالَ مُوسٰى لِأَخِيهِ هٰرُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ O (الاعراف: ۱۴۲)

اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میرے بعد میری قوم میں میری نیابت کرنا اور ان کی اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے راستہ کی پیروی نہ کرنا۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے سلسلہ میں بہت احادیث ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے وہ اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے' اور اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی

طاقت نہ رکھے تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ سب سے کمزور درجہ کا ایمان ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور تم ضرور برائی سے روکتے رہنا ورنہ اللہ عنقریب تم پر اپنے پاس سے عذاب نازل فرمائے گا۔ پھر تم ضرور اللہ سے دعائیں کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۶۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ کسی برائی کو دیکھیں اور اس کو نہ مٹائیں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب نازل فرمائے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے جبریل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ فلاں شہر اور اس میں رہنے والوں کو الٹ دو۔ حضرت جبریل نے کہا اے رب! اس میں تیرا فلاں بندہ ہے جس نے پلک جھپکنے میں بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ عزوجل نے فرمایا اس شہر کو اور شہر والوں پلٹ دو اس شخص کا چہرہ ایک ساعت کے لیے بھی میری نافرمانی سے متغیر نہیں ہوا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۵۹۵)

بے عمل عالم اور واعظ کے متعلق احادیث

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا اس کی انتڑیاں بکھر جائیں گی وہ دوزخ میں اس طرح چکر کھائے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر کاٹتا ہے۔ دوزخ والے اس کے گرد جمع ہو کر کہیں گے: اے فلاں شخص تجھے کیا ہوا؟ کیا تو ہم کو نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور ہم کو برائی سے نہیں روکتا تھا! وہ کہے گا ہاں! میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیک کام نہیں کرتا تھا اور میں تم کو برے کاموں سے منع کرتا تھا اور خود برے کام کرتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۹)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تم پر ہر اس شخص کا خطرہ ہے جو منافق عالم ہو وہ حکمت کی باتیں کرے گا اور گناہ کے کام کرے گا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۰۴۴، اتحاف السادۃ المھرۃ رقم الحدیث: ۷۹۶۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنے بعد تم پر کسی یقین کرنے والے مومن سے خطرہ نہیں ہے اور نہ کسی ظاہر کافر سے خطرہ ہے۔ رہا یقین کرنے والا مومن تو اس کو اس کا ایمان روکے گا اور رہا ظاہر کافر تو اس کو اس کا کفر روکے گا' مجھے اپنے بعد اس شخص سے خطرہ ہے جس کی زبان عالم ہوگی اور اس کا دل جاہل ہوگا۔ وہ باتیں نیکی کی کرے گا اور عمل جاہلوں کے کرے گا۔ (المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۹۶۸، اتحاف السادۃ المھرۃ رقم الحدیث: ۷۹۶۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے کچھ لوگ دیکھے جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے' میں نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں کہا یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود کو بھول جاتے تھے۔ ایک اور روایت ہے کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو وہ کہتے تھے کرتے نہیں تھے اور اللہ کی کتاب پڑھتے تھے اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

(شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۵۹، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۷۳)

حضرت علی مظہر ہارون تھے اور تقیہ نہیں کرتے تھے

شیعہ اور روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں اس حدیث کا ذکر کرتے ہیں:

ابراہیم بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لیے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٧٠٦' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٠٤' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٧٣١' مسند احمد رقم الحدیث: ١١٢٩٢' عالم الکتب' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٨٤٣٥)

پس معلوم ہوا کہ حضرت علی حضرت ہارون کی صفات کے مظہر تھے' جب کہ شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی نے تقیہ کیا اور خلفاء ثلاثہ کے ہاتھ پر تقیہ سے بیعت کی اور تقیہ سے ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے' اور صحیح قرآن مجید انہوں نے لکھا اور تقیہ کی وجہ سے اس کو چھپا لیا اور تقیہ کی وجہ سے اپنی خلافت کا استحقاق ظاہر نہیں کیا۔ جب کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی صفات کا مظہر ہونے کی وجہ سے ان پر لازم تھا کہ وہ تقیہ نہ کرتے۔ کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کے سامنے چھ لاکھ کے قریب بنی اسرائیل تھے جو بچھڑے کے پرستش کر رہے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام کی مخالفت کر رہے تھے لیکن حضرت ہارون علیہ السلام نے تقیہ نہیں کیا اور بہ بانگ دہل ان کو بچھڑے کی پرستش سے روکا اور فرمایا اے میری قوم اس بچھڑے کی وجہ سے تم کو صرف آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہے۔ بے شک تمہارا رب رحمان ہی ہے سو تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ سو اگر خلفاء ثلاثہ اور مسلمانوں کی جماعت خطا پر تھی تو حضرت علی پر لازم تھا کہ وہ منبر پر چڑھ کر حق کا اعلان کرتے اور واشگاف الفاظ میں اپنے خلیفہ بلافصل ہونے کا اعلان کرتے اور خلفاء ثلاثہ کی اطاعت سے روکتے اور منع کرتے' سو اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت خطاء پر تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب تھا کہ وہ اس طرح کرتے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے کیا تھا اور بغیر تقیہ اور خوف کے یہ کہتے کہ میری اطاعت کرو اور میرا حکم مانو' اور جب حضرت علی نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ مسلمان خطا پر نہ تھے اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت برحق تھی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی' ان کی اطاعت کی' ان کے احکام سنے اور مانے اور مسلسل ان سے تعاون کرتے رہے۔

ہم نے نیکی کا حکم دینے کے سلسلہ میں جو احادیث بیان کیں ہیں ان میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تم میں سے جس شخص نے کوئی برائی دیکھی تو وہ اپنے ہاتھ سے اس کا انکار کرے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ اپنی زبان سے اس کا انکار کرے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ اس کو دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور درجے کا ایمان ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢١٧٢' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١١٤٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٢٧٥' سنن النسائی رقم الحدیث: ٥٠٢٤' مسند احمد ج ٣ ص ١٠)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو برائی کو اپنے ہاتھ سے بدلے وہ ایمان کے پہلے درجہ میں ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے برائی کو صرف دل سے برا جانے اس کا ایمان سب سے کمزور ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت باطل تھی لیکن حضرت علی نے تقیہ کیا اور اس کو صرف دل سے برا جانا لہٰذا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سب سے کمزور درجہ کا ایمان ثابت کرتے ہیں' اور ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی تقیہ نہیں کرتے تھے وہ برے کام کو اپنے ہاتھ اور اپنی طاقت سے مٹاتے تھے جیسا کہ انہوں نے خوارج سے قتال کیا سو ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ایمان کا پہلا درجہ ثابت کرتے ہیں اور شیعہ حضرت علی کے

لیے ایمان کا تیسرا درجہ ثابت کرتے ہیں جو سب سے کمزور درجہ کا ایمان ہے اب بتائیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محب وہ ہیں یا ہم ہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی تبلیغ کا بہترین طریقہ

حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو بہترین طریقہ سے وعظ فرمایا تھا' کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے ان کو شرک اور کفر سے منع کیا اور فرمایا تم بچھڑے کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کیے گئے ہو۔ پھر دوسری بار ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف دعوت دی اور فرمایا تمہارا رب تو صرف رحمٰن ہی ہے۔ پھر تیسری بار ان کو نبوت اور رسالت کی معرفت کی دعوت دی پس تم میری اتباع کرو' اور چوتھی مرتبہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی دعوت دی اور فرمایا میرے احکام کی اطاعت کرو' اور یہ بہت عمدہ ترتیب ہے کیونکہ سب سے پہلے راستہ سے گندگی اور تکلیف دہ چیز دور کرنی چاہیے اور آخرت کے راستہ میں گندگی اور تکلیف دہ چیز توحید کے متعلق شکوک وشبہات ہیں سو پہلے حضرت ہارون نے ان کے شکوک زائل کیے اور فرمایا: گوسالہ کے منہ سے جو بیل کی سی آواز آرہی ہے اس سے تم دھوکا نہیں کھاؤ' یہ تو صرف تمہاری آزمائش کے لیے ہے اور تمہارا امتحان ہے کہ تم عقیدہ توحید پر کتنے راسخ ہو۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کرائی۔ پھر نبوت اور شریعت کی معرفت کرائی' اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے خصوصیت کے ساتھ صفت رحمٰن کا ذکر کیا کیونکہ رحمٰن ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مومن اور کافر اور نیک اور بد سب پر رحم فرماتا ہے اور تمہارے بچھڑے کو معبود بنانے سے پہلے بھی اس نے تم پر رحم فرمایا تھا جب اس نے تم کو فرعون سے نجات دی تھی اور اگر تم نے توبہ کرلی تو بعد میں بھی وہی رحم فرمائے گا' اور جب اول آخر تمہاری ضروریات کو پورا کرنے والا اور تم پر رحم فرمانے والا وہی ہے تو پھر یہ بچھڑا تمہاری عبادت کا مستحق کیسے ہوگیا! سو یہ وہ عمدہ اور بہترین طریقہ ہے جس سے حضرت ہارون علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو تبلیغ فرمائی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا اے ہارون! جب آپ نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہوگئے تو آپ کو کس چیز نے منع کیا؟○ جو آپ نے میری پیروی نہ کی؟ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی○ ہارون نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! آپ میری داڑھی نہ پکڑیں اور نہ میرے سر کو بے شک مجھے یہ خطرہ تھا کہ آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا○ (طٰہٰ: ۹۴-۹۲)

حضرت موسیٰ کا حضرت ہارون پر ناراض ہونا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ طور سے واپس آئے تو انہوں نے لوگوں کے شور وشغب اور چلانے کی آوازیں سنیں اس وقت بنی اسرائیل بچھڑے کے گرد خوشی سے ناچ رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ستر (۷۰) اسرائیلی تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا یہ فتنہ کی آوازیں ہیں۔ پھر جب انہوں نے حضرت ہارون کو دیکھا تو غضب میں آ کر دائیں ہاتھ سے ان کے سر کے بال پکڑے اور بائیں ہاتھ سے ان کی داڑھی پکڑی اور کہا اے ہارون جب آپ نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہوگئے تو آپ کو کس چیز نے منع کیا؟ جو آپ نے میری پیروی نہ کی اور میرے حکم کی نافرمانی کی۔ یعنی آپ نے میری اتباع میں ان پر انکار کیوں نہیں کیا۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ آپ کو علم تھا کہ اگر میں ان میں ہوتا تو میں ان کے کفر کی بناء پر ان سے قتال کرتا تو پھر آپ نے ان سے قتال کیوں نہیں کیا؟ جب یہ غیر اللہ کی عبادت کر رہے تھے تو پھر آپ کا ان کے درمیان ٹھہرے رہنا میری نافرمانی تھی' آپ ان سے اس وقت الگ کیوں نہیں ہوئے؟

حمد وثنا کے بعد ڈھول بجانے، رقص کرنے اور اظہار وجد کرنے کا شرعی حکم

یہ تمام آیات نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی اصل ہیں اور جب کوئی شخص کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ وہ ان کو اس برائی سے روکے اور اگر یہ نہ کر سکے تو ان کے درمیان سے اٹھ کر چلا جائے اور جو شخص ان کے درمیان بیٹھا رہے گا خصوصاً اس وقت جب وہ ان کے کام سے راضی ہو تو اس کا بھی وہی حکم ہو گا جو ان نافرمانی کرنے والوں کا حکم ہو گا۔

امام ابوبکر الطرطوشی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ مذہب صوفیہ کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مجلس میں ذکر کرتے ہیں پھر وہ ڈھول پر چھڑیاں مارتے ہیں اور کچھ لوگ کھڑے ہو کر رقص کرتے ہیں اور وجد کا اظہار کرتے ہیں حتیٰ کہ ان میں ایک شخص بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے، پھر وہ مل کر کھانا کھاتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ صوفیہ کا مذہب بطالت، جہالت اور ضلالت ہے، اور اسلام تو صرف کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ رہا رقص کرنا اور وجد کا اظہار کرنا تو سب سے پہلے اس کو سامری اور اس کے اصحاب نے اختراع کیا تھا اور اس کا احداث کیا تھا جب انہوں نے سونا پگھلا کر اس کا بچھڑا بنا لیا اور اس میں سے بیل کی سی آواز نکلنے لگی تو وہ اس کے گرد رقص کرنے لگے اور وجد کا اظہار کرنے لگے، سو یہ کفار اور بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کا دین ہے اور رہا ڈھول بجانا تو سب سے پہلے اس کو زندیقوں نے ایجاد کیا تھا تا کہ مسلمانوں کو اللہ کی کتاب سے دور کر دیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ اس طرح وقار کے ساتھ بیٹھتے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں، پس سلطان اور دیگر حکام پر لازم ہے کہ ان لوگوں کو مساجد وغیرہ میں ایسی مجلس منعقد نہ کرنے دیں اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے ان کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے اور نہ ان کے مشغلہ میں تعاون کرنا جائز ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ مسلمین کا یہی مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق مطلوب ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ص ۱۵۲۔۱۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ہارون کے سر کے بال اور داڑھی پکڑنے کے اعتراض کے جوابات

حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا اے میری ماں جائے! میری داڑھی اور میرے سر کے بالوں کو نہ پکڑیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا حضرت موسیٰ نے اپنے دائیں ہاتھ سے حضرت ہارون کے سر کے بال پکڑ لیے تھے اور بائیں ہاتھ سے ان کی داڑھی پکڑ لی تھی۔ حضرت ہارون نے یہ اس لیے کہا تھا کہ لوگ یہ وہم کریں گے کہ حضرت موسیٰ ان کی توہین کر رہے ہیں اور ان کو سزا دے رہے ہیں۔

عصمت انبیاء کے منکرین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام اللہ کے نبی اور رسول تھے اور ان کے سر کے بالوں اور ان کی داڑھی کو پکڑنا اور جوش غضب کے ساتھ ان سے کلام کرنا ان کی توہین ہے اور اللہ کے نبی کی توہین کرنا کفر ہے ورنہ کم از کم گناہ کبیرہ ضرور ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہوتے اور ان سے گناہ صادر ہو جاتے ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) کسی کے سر کو پکڑ کر کھینچنا ان کے زمانہ میں متعارف تھا جیسا کہ اب عرب کسی شخص کے اکرام اور اس کی تعظیم کے لیے اس کی داڑھی پکڑتے ہیں، سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کے سر کو پکڑ کر کھینچنا بطور اہانت نہ تھا۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو قریب کر کے ان سے راز دارانہ بات کرنا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات کی

الواح نازل کی ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا میرے سر اور میری داڑھی کو نہ پکڑو ورنہ آپ کے اس طرح بات کرنے سے بنی اسرائیل کو یہ غلط فہمی ہوگی کہ آپ میری اہانت کر رہے ہیں۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب سے حضرت ہارون علیہ السلام کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ حضرت ہارون نے بنواسرائیل کو گوسالہ پرستی سے روکنے میں قرار واقعی سختی نہیں کی اور چونکہ ان کا غضب اللہ کے لیے تھا اس لیے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے احوال سنانے کے لیے ان کو اپنے قریب کیا تھا۔ حضرت ہارون کو یہ ناگوار ہوا کیونکہ اس سے بنواسرائیل کو یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ حضرت موسیٰ حضرت ہارون سے مواخذہ کر رہے ہیں' اس لیے انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی معذرت پیش کی۔

(۵) حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا تھا اے میری ماں جائے! میرے سر کے بالوں اور داڑھی کو نہ پکڑیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بالوں اور داڑھی کو پکڑا ہو کیونکہ کسی شخص کو کسی فعل سے منع کرنا اس کو لازم نہیں کرتا کہ اس شخص نے اس فعل کو کیا ہو' دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی کاموں سے منع فرمایا تھا حالانکہ آپ نے ان کاموں کو پہلے نہیں کیا تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ. (الاحزاب: ۴۸) — اور آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ○ (المدثر: ۶) — اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کیجئے۔

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ○ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ○ (الضحیٰ: ۱۰-۹) — سو آپ یتیم پر سختی نہ کریں ○ اور سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ کریں۔

ان آیتوں میں آپ کو کافروں او منافقوں کی اطاعت سے' زیادہ لینے کے لیے احسان کرنے سے' یتیم پر سختی کرنے اور سائل کو جھڑکنے سے منع فرمایا ہے حالانکہ آپ نے کبھی کافروں اور منافقوں کی اطاعت کی نہ ہی دوسرے منع کیے ہوئے کام کیے' اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو کسی کام سے منع کرنا اس کو مستلزم نہیں ہوتا کہ اس شخص نے وہ کام کیے ہوں۔ اسی طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سر کے بال پکڑنے اور داڑھی پکڑنے سے منع کیا تھا اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سر کے بالوں اور داڑھی کو پکڑا ہو' رہا یہ کہ جب حضرت موسیٰ نے ان کے سر اور داڑھی کو پکڑا نہیں تھا تو پھر حضرت ہارون کو اس سے منع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ سخت غیظ و غضب میں تھے اور یہ خطرہ تھا کہ وہ ان کے سر اور داڑھی کو بطریق اہانت پکڑیں گے اس لیے انہوں نے اس کا سد باب کرنے کے لیے پہلے ہی سر اور داڑھی کو پکڑنے سے منع کیا اور اپنا عذر بیان کر دیا۔

حضرت ہارون کے جواب کی وضاحت

حضرت موسیٰ نے تو یہ کہا تھا کہ اے ہارون! جب آپ نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہو گئے تو آپ کو کس چیز نے منع کیا جو آپ نے میری پیروی نہ کی۔ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟ حضرت ہارون کو چاہیے تھا کہ یہ کہتے کہ میں نے آپ کی نافرمانی نہیں کی' لیکن انہوں نے جواب میں کہا: بے شک مجھے یہ خطرہ تھا کہ آپ کہیں گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا۔ بظاہر یہ جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتراض سے مربوط اور منطبق نہیں ہے اس کی

وضاحت اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ میرے بعد میری نیابت کرنا اور قوم کی اصلاح کرنا اور ایسا کوئی کام نہ کرنا جس سے قوم میں تفرقہ ہو اور پھوٹ پڑ جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ. (الاعراف: ۱۴۲) تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کے طریقہ کی پیروی نہ کرنا۔

پس حضرت ہارون کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے مجھے قوم میں پھوٹ ڈالنے سے منع کیا تھا اور جب میں نے یہ دیکھا کہ ان کو شرک سے روکنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ان سے قتال کیا جائے تو پھر میں ان سے الگ ہو گیا۔

ایمان دلائل سے نہیں اللہ کی توفیق اور عنایت سے ملتا ہے

معجزہ کی دلالت بھی ایمان لانے کا سبب ہے اور دین کی تبلیغ بھی لوگوں کے ایمان لانے کا سبب ہے' لیکن اصل اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے نہ تھے وہ آپ کے مخالف تھے اور آپ سے مقابلہ کرنے کے لیے آئے تھے اور انہوں نے صرف ایک معجزہ دیکھا اور ایمان لے آئے۔ انہیں اس ایمان کی خاطر دنیا میں بہت سخت سزا برداشت کرنی پڑی جانب مخالف سے ان کے ہاتھ پیر کاٹے گئے۔ ان کو سولی پر لٹکایا گیا لیکن کوئی چیز ان کو ایمان سے متزلزل نہ کر سکی۔ اس کے برعکس یہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدھا بن گیا اور جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا' پھر دوبارہ اسی طرح عصا بن گیا' اور انہوں نے دیکھا کہ جادوگروں نے اعتراف کیا کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی ہے۔ پھر ایک بڑے عرصہ میں انہوں نے مزید نشانیاں دیکھیں۔ قبطیوں کے گھروں پر خون کی' مینڈکوں کی' اور ٹڈیوں کی بارش ہوتی اور بنی اسرائیل کے گھر محفوظ رہتے۔ اسی طرح کی انہوں نے نو نشانیاں دیکھیں پھر انہوں نے دیکھا کہ ان کے لیے سمندر میں بارہ خشک راستے بنا دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو غرق سے محفوظ رکھا اور ان کے دشمن کو غرق کر دیا۔ انہوں نے اتنے کثیر معجزات دیکھے تھے پھر جیسے ہی وہ سمندر سے نکلے تو انہوں نے ساحل پر کچھ لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا' ابھی ان کے گیلے پاؤں خشک بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دیں جیسا ان کا خدا ہے۔ پھر جیسے ہی انہوں نے سونے کے مجسمہ سے بیل کی سی آواز سنی تو اس کی پوجا کے لیے آسن جما کر بیٹھ گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت دلائل اور معجزات سے حاصل نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوتی ہے اور ایمان کی دولت اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟○ سامری نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی تو میں نے اللہ کے رسول (جبریل) کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی' پھر میں نے اس مٹھی بھر خاک کو (بچھڑے کے مجسمہ میں) ڈال دیا میرے دل نے یہی بات بنائی تھی○ موسیٰ نے کہا اب تو یہاں سے چلا جا اب تو زندگی بھر یہی کہے گا کہ "مجھے مت چھونا" اور تجھ سے (آخرت میں) سزا کا وعدہ ہے' جس سے تو ہرگز نہیں بچ سکے گا اور تو اپنے اس (خودساختہ) معبود کو دیکھ جس کی عبادت پر تو جما بیٹھا تھا' ہم اس کو ضرور جلا دیں گے پھر اس کی راکھ کو اڑا کر سمندر میں پھینک دیں گے○ تمہارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر لیا ہے○

(طٰہٰ: ۹۸-۹۵)

حضرت موسیٰ کا سامری کو ملامت کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ سے فارغ ہو گئے اور بنو اسرائیل کو سرزنش نہ کرنے کے متعلق ان کا عذر قبول کر لیا تو اب سامری کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ سامری اس وقت وہیں موجود ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں اور ہو اور اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلایا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس حضرت موسیٰ خود گئے ہوں تا کہ اس سے خطاب کریں۔ بہر حال حضرت موسیٰ نے اس سے پوچھا تیرا کیا معاملہ ہے؟ یعنی تو نے اس بچھڑے کو معبود کیوں بنایا تھا؟ سامری نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی تو میں نے اللہ کے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی پھر اس مٹھی بھر خاک کو بچھڑے کے مجسمہ میں ڈال دیا' میرے دل نے یہی بات بنائی تھی۔

اثر رسول کے متعلق مفسرین کی توجیہ

جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں رسول سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور اثر سے مراد حضرت جبریل کی سواری کے پاؤں کے نیچے کی مٹی ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ سامری نے حضرت جبریل کو کب دیکھا تھا؟ اکثر نے یہ کہا ہے کہ جس دن سمندر کو چیرا گیا تھا اس دن سامری نے حضرت جبریل کو دیکھا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے تا کہ حضرت موسیٰ کو طور پر لے جائیں تو سامری نے حضرت جبریل کو لوگوں کے درمیان دیکھ لیا تھا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ اس نے حضرت جبریل کو اس لیے پہچان لیا تھا کہ سامری نے حضرت جبریل کو بچپن میں دیکھا تھا کیونکہ جب فرعون نے بنی اسرائیل کی اولاد کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اس سال سامری پیدا ہوا اس کی ماں سامری کو ایک غار میں ڈال آئی تھی وہاں حضرت جبریل آتے اور اپنا ہاتھ سامری کے منہ میں ڈالتے وہ اس کو چوستا تو اس کو غذا حاصل ہو جاتی۔ اس وقت سے سامری کے ذہن میں حضرت جبریل کی صورت نقش تھی اب اس نے ان کو دیکھا تو پہچان لیا۔ اس نے ان کی سواری کے پاؤں کے نیچے سے مٹی اٹھالی اور اپنے پاس محفوظ رکھ لی اور اس نے جب بچھڑے کو بنایا تو اس کے اندر وہ مٹی ڈال دی جس کے اثر سے اس میں حیات آ گئی اور وہ بیل کی سی آواز نکالنے لگا۔

اثر رسول کے متعلق ابو مسلم کی توجیہ

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے لکھا ہے کہ ابو مسلم اصفہانی نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید میں یہ تصریح نہیں ہے کہ طٰہٰ: ۹۶ میں رسول سے مراد جبریل ہیں یہ صرف مفسرین کا قول ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں رسول سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں اور ان کے اثر سے مراد ان کی سنت اور ان کا وہ طریقہ ہو جس کا انہوں نے حکم دیا تھا' اور مفہوم یہ ہو کہ جب حضرت موسیٰ نے سامری کو بچھڑے کی عبادت پر ملامت کی تو اس نے یوں کہا مجھے اس چیز کی بصیرت حاصل ہوئی جس کی اور لوگوں کو بصیرت حاصل نہیں ہوئی۔ یعنی میں نے جان لیا آپ لوگ حق پر نہیں ہیں اور اے رسول میں نے آپ کی سنت اور آپ کے دین کا کچھ حصہ حاصل کیا تھا پھر میں نے اس کو پھینک دیا اور ترک کر دیا' اور اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو خبر دی کہ اس کو دنیا اور آخرت کا عذاب ہو گا۔

ابو مسلم کی یہ تقریر ہر چند کہ عام مفسرین کی تفسیر کے خلاف ہے لیکن یہ تقریر حسب ذیل وجوہ سے راجح ہے اور تحقیق کے قریب ہے:

(۱) حضرت جبریل کے لیے رسول کا لفظ مشہور نہیں ہے اور نہ طٰہٰ: ۹۶ سے پہلی آیتوں میں حضرت جبریل کا ذکر ہے حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ الرسول میں لام عہد ہے اور اس سے مراد حضرت جبریل ہیں۔

(۲) مفسرین کی تفسیر میں قبضۃ من اثر الرسول میں دو لفظ محذوف ماننے ہوں گے اور عبارت یوں بنے گی قبضۃ من اثر حافر فرس الرسول 'میں نے رسول یعنی جبریل کی گھوڑی کے پیر کی خاک سے ایک مٹھی بھرلی اور حذف خلاف اصل ہے۔

(۳) اس کی وجہ بتانی پڑے گی کہ تمام لوگوں میں سے صرف سامری نے کیسے جبریل کو دیکھا اور پہچان لیا اور یہ کیسے جان لیا کہ ان کی گھوڑی کے پاؤں کی خاک میں یہ اثر ہے کہ اس سے بے جان چیز زندہ ہو جائے گی۔ اور مفسرین نے جو یہ بیان کیا ہے کہ حضرت جبریل نے سامری کی اس کے بچپن میں تربیت اور پرورش کی تھی اول تو یہ بہت بعید ہے' ثانیاً سامری نے جوان ہونے اور عقل و شعور کے کامل ہونے کے بعد جبریل کو دیکھ کر یہ کیسے پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے میری پیدائش کے بعد میری پرورش کی تھی۔

(۴) اگر اس تفسیر کو مان لیا جائے تو پھر کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ سامری کافر تھا اور جب اس کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک خاک کی چٹکی بے جان چیز کو زندہ کر سکتی ہے اور سامری کے ایک عمل سے بے جان مجسمہ بیل کی سی آواز نکال سکتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو بھی اس طرح کی کسی چیز کا علم ہو گیا ہو جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ معجزات دکھائے ہوں اور پھر معجزات کے ثبوت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۹۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سامری کی دنیا میں سزا

طٰہٰ: ۹۷ میں ہے موسیٰ نے کہا اب تو یہاں سے چلا جا اب تو زندگی بھر یہی کہے گا ''مجھے مت چھونا'' اور تجھ سے آخرت میں سزا کا وعدہ ہے جس سے تو ہرگز نہیں بچ سکے گا۔ حضرت موسیٰ نے جو فرمایا تھا کہ اب تو زندگی بھر یہی کہے گا ''مجھے مت چھونا'' اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) جب کوئی شخص اس کو چھوتا تو اس کو اور چھونے والے کو دونوں کو بخار چڑھ جاتا اس لیے جب کوئی شخص اس کو چھونے کا ارادہ کرتا تو وہ خوف سے چلاتا مجھے مت چھونا۔

(۲) حضرت موسیٰ نے اس کو محلہ سے نکال دیا تھا اور اس کو کسی آبادی میں رہنے سے منع کر دیا تھا اور تمام لوگوں کو اس سے ملنے جلنے سے منع کر دیا تھا وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں پڑا رہتا تھا اور افسوس سے یہ کہتا رہتا تھا مجھ سے کوئی ملتا جلتا نہیں ہے اور یہی لامساس کا معنی ہے یعنی مجھے کوئی مس نہیں کرتا کوئی چھوتا نہیں ہے۔

(۳) لامساس کا معنی یہ ہے کہ اس کو عورتوں کے مس سے محروم کر دیا گیا تھا اور اس کی نسل منقطع کر دی گئی اور جسمانی فطرت کے تقاضوں کی لذت اس سے سلب کر لی گئی تھی۔

سامری کے بچھڑے کو جلا کر راکھ کرنا

جس بچھڑے کو اس نے معبود بنایا تھا حضرت موسیٰ نے اس کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا: اور تو اپنے اس (خودساختہ) معبود کو دیکھ جس کی عبادت پر تو جما بیٹھا تھا ہم اس کو ضرور جلا دیں گے پھر اس کی راکھ کو اڑا کر سمندر میں پھینک دیں گے (طٰہٰ: ۹۷)

سامری کے اس بچھڑے کے متعلق ہم نے دو قول ذکر کیے تھے ایک یہ کہ وہ سونے کا مجسمہ تھا اور جب اس میں حضرت جبریل کی سواری کے پاؤں کے نیچے کی خاک ڈالی تو وہ اس خاک کی برکت سے بیل کی سی آواز نکالنے لگا' اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ گوشت پوست اور خون کے ساتھ زندہ ہو گیا تھا' اس آیت میں ان مفسرین کی تائید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ سونے کا مجسمہ

اس خاک کی برکت سے گوشت پوست کے ساتھ زندہ ہو گیا تھا' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے حضرت موسیٰ نے اس کو جلا کر راکھ کر دیا' اور سونا جل کر راکھ نہیں ہوتا' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مجسمہ گوشت' پوست اور خون کے ساتھ زندہ ہو گیا تھا' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ذبح کیا اور جلا کر راکھ کر دیا' اور جو مفسرین یہ کہتے ہیں کہ وہ سونے کا مجسمہ ہی تھا اور خاک ڈالنے کی برکت کی وجہ سے صرف بیل کی سی آواز نکالنے لگا تھا وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ بے شک سونا جل کر راکھ نہیں ہوتا' لیکن یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ وہ جل کر راکھ ہو گیا۔

سامری کو ملامت کرنے اور اس کو سزا دینے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دین حق کا بیان فرمایا: تمہارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر لیا ہے (طٰہٰ: ۹۸) یعنی وہ جانتا ہے کہ کون اس کی عبادت کرے گا اور کون اس کی عبادت نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم اسی طرح آپ پر گزشتہ خبروں کا بیان فرماتے ہیں اور بے شک ہم اپنے پاس سے آپ کو ذکر (قرآن) عطا فرما چکے ہیں ○ اور جس شخص نے اس سے منہ موڑا وہ یقیناً قیامت کے دن (بہت وزنی) بوجھ اٹھائے گا ○ وہ ہمیشہ اسی بوجھ میں رہے گا اور قیامت کے دن اس کے لیے وہ کیسا برا بوجھ ہو گا ○ جس دن میں صور میں پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اُٹھائیں گے اس دن ان کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی ○ وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے تم صرف دس دن ٹھہرے تھے ○ ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کیا کہیں گے' جب ان کے نزدیک سب سے اچھے طریقہ والا یہ کہے گا کہ تم تو صرف ایک دن ٹھہرے تھے ○ (طٰہٰ: ۱۰۴-۹۹)

قرآن مجید پر ذکر کا اطلاق

اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامری کے ساتھ تفصیل سے قصہ بیان فرمایا' پھر اس کے بعد دوسری امتوں کی خبریں اور ان کے احوال بیان فرمائے۔ سو ارشاد فرمایا ہم اسی طرح آپ پر گزشتہ خبروں کا بیان فرماتے ہیں تا کہ آپ کا علم اور آپ کی شان زیادہ ہو اور آپ کے معجزات کی کثرت ہو' کیونکہ ہر آیت کئی وجوہ سے معجزہ ہوتی ہے اور آپ کی امت کے لیے عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے کے زیادہ مواقع ہوں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ذکر فرمایا ہے اسی طرح اور بھی کئی آیات میں قرآن مجید کو ذکر فرمایا ہے: وھذا ذکر مبارک انزلنہ (الانبیاء: ۵۰) یہ ذکر مبارک ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ وانہ لذکر لک (الزخرف: ۴۴) اور یہ قرآن آپ کے لیے ذکر ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون (الحجر: ۹) بے شک ہم نے الذکر کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم (النحل: ۴۴) اور ہم نے آپ کی طرف الذکر کو نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کو بیان کریں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

قرآن مجید پر ذکر کے اطلاق کی وجوہ

قرآن مجید کو الذکر فرمانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) لوگوں کو دین اور دنیا کے تمام شعبوں اور تمام چیزوں میں جس ہدایت اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے اس سب کا تفصیل سے قرآن مجید میں ذکر ہے۔

(۲) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے شرف اور فضیلت کا ذکر ہے انہ لذکر لک و لقومک۔ (الزخرف: ۴۴)

(۳) اس میں اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر ہے اور اس میں تذکیر اور مواعظ ہیں۔
(۴) اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا ذکر ہے پچھلی اقوام کا' ان کے ایمان لانے والوں کا' ان کے کافروں کا اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر ہے جس سے عبرت اور نصیحت حاصل ہوتی ہے۔

روز حشر کی سختیاں اور اس دن کفار کے احوال اور اھوال

طٰہٰ: ۱۰۰ میں فرمایا: جس شخص نے اس سے منہ موڑا وہ یقیناً قیامت کے دن (بہت وزنی) بوجھ اٹھائے گا۔
اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح قرآن مجید ان لوگوں کے لیے نعمت ہے جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں' اسی طرح یہ ان لوگوں کے لیے زحمت اور ہلاکت کا باعث ہے جو اس پر ایمان نہیں لاتے اور اس سے منہ موڑتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں۔ جو لوگ قرآن مجید سے اعراض کرتے ہیں' ان کے گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن ان کی کمر پر لاد دیا جائے گا' جیسے کسی شخص کی پشت پر وزنی بوجھ ہو جس سے اس کی کمر ٹوٹ رہی ہو۔
طٰہٰ: ۱۰۱ میں فرمایا: وہ ہمیشہ اسی بوجھ میں رہیں گے اور قیامت کے دن ان کے لیے وہ کیسا برا بوجھ ہوگا۔ یعنی قرآن مجید سے اعراض کرنے کی سزا میں وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔
طٰہٰ: ۱۰۲ میں فرمایا: جس دن میں صور پھونکا جائے گا اور مجرموں کو اکٹھا کیا جائے گا اس دن ان کی آنکھیں نیلگوں ہوں گیں۔ صور سے مراد وہ نرسنگا ہے جس میں حضرت اسرافیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھونک ماریں گے تو قیامت واقع ہوگی (مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۱) ایک اور حدیث میں ارشاد ہے اسرافیل قرن کو منہ لگائے کھڑا ہے۔ پیشانی جھکائی یا موڑی ہوئی ہے اور رب کے حکم کا منتظر ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے اور وہ اس میں پھونک مارے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۳) دو مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ پہلی بار صور پھونکنے سے قیامت آجائے گی اور ساری مخلوق فنا ہو جائے گی اور دوسری بار صور پھونکنے سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے اور سب لوگوں کو میدان حشر کی طرف لے جایا جائے گا' اور اس آیت میں یہی صور مراد ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا ہے اور مجرموں کو اکٹھا کیا جائے گا اس دن ان کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی۔
مجرموں کے چہرے سیاہ ہوں گے اور ان کی آنکھیں پتھرا کر نیلگوں ہو جائیں گی' ازہری نے کہا پیاس کی شدت سے ان کی آنکھیں نیلگوں ہو جائیں گی۔ زجاج نے کہا پیاس کی شدت سے ان کی آنکھوں کی پتلیوں کی سیاہی متغیر ہو کر نیلگوں ہو جائے گی۔
اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ ایک اور جگہ فرمایا ہے وہ اندھے ہو کر اٹھیں گے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا (بنی اسرائیل: ۹۷)	ہم ان لوگوں کو قیامت کے دن اوندھے منہ اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے۔

ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝ (ابراہیم: ۴۲)	اللہ انہیں صرف اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

بہ ظاہر ان آیتوں میں تعارض ہے۔ کسی آیت میں فرمایا ہے ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی' کسی آیت میں فرمایا ہے وہ اندھے ہوں گے اور کسی آیت میں فرمایا ہے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی' یہ دراصل قیامت کے مختلف احوال ہوں گے۔

طٰہٰ: ۱۰۳ میں فرمایا: وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے تم صرف دس دن ٹھہرے تھے۔ وہ چپکے چپکے اس لیے باتیں کریں گے کہ رعب اور دہشت سے ان کے دل بہت خوف زدہ ہوں گے یا اس لیے کہ وہ خوف اور دہشت سے بہت کم زور ہو چکے ہوں گے اور ان میں بلند آواز سے بولنے کی طاقت نہیں رہے گی۔

انہوں نے جو کہا تھا کہ تم صرف دس دن ٹھہرے تھے آیا اس سے مراد یہ تھی کہ تم دنیا میں صرف دس دن ٹھہرے تھے۔ یا ان کی مراد یہ تھی کہ تم قبر میں صرف دس دن ٹھہرے تھے۔ حسن' قتادہ اور ضحاک نے یہ کہا ان کی مراد یہ ہوگی کہ تم دنیا میں صرف دس دن ٹھہرے تھے۔ انہوں نے اس مراد پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ۝ (المومنون: ۱۱۳-۱۱۲)

اللہ دریافت فرمائے گا تم زمین میں کتنے برس شمار کر کے رہے تھے ۝ وہ کہیں گے ہم ایک دن یا ایک دن سے کم رہے تھے آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔

قیامت کے ہولناک واقعات اور اس دن کی سختیوں سے ان کے حافظہ پر اثر پڑے گا اور ان کو یاد نہیں رہے گا کہ وہ کتنا عرصہ دنیا میں رہے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب انسان تکلیف اور پریشانی میں وقت گزارتا ہے تو خوشی کے گزارے ہوئے دن اس کو بہت کم معلوم ہوتے ہیں۔ ایک اور وجہ یہ ہے کہ ان کو علم ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں کتنا وقت گزارا ہے۔ لیکن جب وہ دنیا میں اپنی گزاری ہوئی عمروں کا آخرت کے تکلیف دہ اور عذاب والے ایام سے مقابلہ کریں گے تو ان کو دنیا کی زندگی بہت کم معلوم ہوگی اس لیے وہ کہیں گے دنیا میں تو ہم نے صرف دس دن گزارے تھے۔ اور جو ان میں زیادہ عقل مند ہوگا وہ کہے گا ہم نے تو دنیا میں صرف ایک ہی دن گزارا تھا' تیسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ آخرت کی سختیوں کو دیکھیں گے تو وہ دنیا میں راحت اور خوشی میں گزارے ہوئے ایام یاد کریں گے اور ان گزرے ہوئے دنوں پر افسوس کریں گے اور ان دنوں کو کم شمار کریں گے کیونکہ خوشی کے ایام جلد گزر جاتے ہیں اور کم ہوتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قبر میں ٹھہرنے کی مدت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو قبر میں زندہ کیا اور عذاب دیا پھر ان کو روز قیامت میں فنا کر دیا پھر ان کو روز حشر میں پھر زندہ کر کے اٹھایا تو پھر ان کو یاد نہیں رہے گا کہ وہ قبر میں کتنی مدت رہے تھے۔ پھر بعض کافروں کے دل میں آئے گا کہ وہ دس دن رہے تھے اور بعض کے دل میں آئے گا کہ وہ صرف ایک دن رہے تھے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝۱۰۵ فَيَذَرُهَا

اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا ۝ اور زمین کو کھلے

قَاعًا صَفْصَفًا ۝۱۰۶ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝۱۰۷ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ

ہوئے ہموار میدان کی حالت میں چھوڑ دے گا ۝ آپ اس زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے نہ اونچ نیچ ۝ اس دن سب لوگ پکارنے والے کے

الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝۱۰۸

پیچھے جائیں گے' اس میں کوئی کجی نہیں ہوگی اور رحمٰن کے خوف سے سب کی آوازیں پست ہوں گی۔ سو اے مخاطب! تو معمولی سی آہٹ کے سوا کچھ

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ

زسن سکے گا ○ اس دن اس کے سوا کسی کی شفاعت نفع نہیں پہنچائے گی جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی ہو اور جس کے قول سے

قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

راضی ہو ○ اس کو وہ سب معلوم ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور لوگوں کے پیچھے ہے اور لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے ○

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾

اس ہمیشہ سے زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والے کے سامنے سب ذلت سے اطاعت کر رہے ہیں اور بے شک وہ شخص ناکام اور نامراد ہوگا جو ظلم کا بوجھ لاد کر

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا

لائے گا ○ اور جو شخص ایمان کی حالت میں نیک اعمال کرے گا اسے نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا اور نہ کسی

هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ

نقصان کا ○ اور اسی طرح ہم نے اس کو عربی قرآن نازل کیا ہے اور اس میں کئی قسم کی سزاؤں کی خبر سنائی

الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ

ہے تاکہ لوگ ڈریں یا وہ (سزا کی خبر) ان کے دلوں میں نصیحت پیدا کر دے ○ پس بلند شان والا ہے اللہ جو سچا

الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ

بادشاہ ہے، اور اس سے پہلے کہ آپ کی طرف پوری وحی کی جائے آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجیے

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ

اور آپ دعا کیجیے کہ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر دے ○ اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا،

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ ع ٦ ١١ ١٥

پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا نافرمانی کرنے کا قصد نہیں پایا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا ○ اور زمین کو کھلے ہوئے ہموار میدان کی حالت میں چھوڑ دے گا ○ آپ اس زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے نہ اونچ نیچ ○ اس دن سب لوگ پکارنے والے کے پیچھے جائیں گے اس میں کوئی کجی نہیں ہوگی اور رحمٰن کے خوف سے سب کی آوازیں

ہوں گی سو (اے مخاطب!) تو معمولی سی آہٹ کے سوا کچھ نہ سن سکے گا۔ (طٰہٰ: ۱۰۸-۱۰۵)

قیامت کے وقوع پر کفار کا شبہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ جو لوگ الذکر یعنی قرآن مجید سے اعراض کرتے ہیں قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا' اور قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے ان کا ذہن متاثر ہو جائے گا اور قیامت کی سختیوں کے مقابلہ میں وہ دنیا میں اپنے قیام کی مدت کو کم سمجھیں گے۔ اور ان آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے قیامت اور آخرت کے منکروں کے احوال بیان فرمائے ہیں۔ وہ لوگ کہتے تھے کہ اتنے بڑے بڑے' بلند و بالا اور ہیبت ناک پہاڑ زمین پر قائم ہیں' ان کے ہوتے ہوئے زمین کیسے تباہ ہوگی؟ نیز وہ کہتے تھے کہ اگر واقعی دنیا فنا ہوگی تو چاہیے کہ دنیا بہ تدریج کم ہوتی چلی جائے پھر آخر میں فنا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان سے کہیے جن پہاڑوں کو تم وقوع قیامت سے مانع اور اس کی رکاوٹ سمجھتے ہوئے ان کو میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا اور زمین کو کھلے ہوئے ہموار میدان کی حالت میں چھوڑ دے گا۔

نسف کا معنی

اس آیت میں ہے "ینسفها ربی نسفا" نسف کا معنی ہے بکھیر کر اڑا دینا' نسفۃ کا معنی ہے جلا ہوا سیاہ پتھر۔ نسیف کا معنی ہے پیشانی اور ہتھیلی کی شکن' نسوف کا معنی ہے گھاس کو جڑ سے اکھاڑ دینے والا اونٹ۔ فرس نسوف کا معنی ہے سم سے زمین کو اکھاڑ کر غبار اڑانے والا گھوڑا۔ عقبۃ نسوف: دشوار گزار گھاٹی' نسف اور نسوف نَصَرَ کے باب سے ہو تو اس کا معنی ہے کاٹنا اور ضَرَبَ کے باب سے ہو تو اس کا معنی ہے بنیاد اکھاڑنا۔ پہاڑ کھودنا' پہاڑ کھود کر برابر کرنا' ریزہ ریزہ کر کے اڑا دینا۔ خاک اڑانا۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۳۴' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ' القاموس المحیط ج ۳ ص ۲۸۸۔ ۲۸۷۔ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

طٰہٰ: ۱۰۶ میں ہے قاعا صفصفا. قاعا کا معنی ہے نرم ہموار نشیبی میدان' جو پہاڑوں اور ٹیلوں سے دور واقع ہو' اس کی جمع قیعان ہے قیامت کے دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر پھیل جائیں گے اور سب چٹیل میدان کی طرح ہو جائیں گے۔ (القاموس المحیط ج ۳ ص ۱۰۹' المفردات ج ۲ ص ۵۳۶) صفصفا: چٹیل میدان ایسی ہموار زمین گویا اس کے تمام اجزاء ایک ہی صف میں ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۷۰۔ مطبوعہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

زمینوں اور لوگوں کی قسمیں

حسب ذیل حدیث میں قیعان کا لفظ ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو (مختلف قسم کی) زمینوں پر برسے' ان میں سے بعض زمینیں صاف اور زرخیز ہوتی ہیں جو پانی کو جذب کر لیتی ہیں اور بہت زیادہ سبزہ اور گھاس کو اگاتی ہیں' اور ان میں سے بعض زمینیں بنجر ہوتی ہیں وہ پانی روک لیتی ہیں' اللہ ان زمینوں سے لوگوں کو نفع دیتا ہے' وہ خود بھی پانی لیتے ہیں اپنے مویشیوں کو بھی پانی پلاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں' اور زمین کی ایک قسم پر بارش ہوتی ہے اور وہ زمین محض قیعان (چٹیل میدان) ہے' پانی کو روکتی ہے نہ سبزہ اگاتی ہے۔ اور (پہلی دو زمینیں) اس شخص کی مثال ہیں جو دین میں فہم حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت دے کر بھیجا ہے وہ اس سے نفع پہنچائے سو وہ علم دین حاصل کرے اور لوگوں کو تعلیم دے اور (تیسری زمین) اس شخص کی مثال ہے جو اس کے ساتھ بالکل سر نہ اٹھائے اور اللہ کی اس ہدایت کو بالکل قبول نہ کرے جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۲' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۵۸۴۳)

زمینوں اور لوگوں کی قسموں کی وضاحت

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کی بارش کے ساتھ مثال دی ہے۔ اس کا معنی ہے کہ زمین کی تین قسمیں ہیں اور اسی طرح لوگوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ زمین کی پہلی قسم وہ ہے جو بارش سے سیراب ہوتی ہے اور مردہ ہونے کے بعد بارش سے زندہ ہو جاتی ہے اور سبزہ اور گھاس اگاتی ہے' جس سے انسان اور مویشی اور کھیتیاں نفع حاصل کرتی ہیں' اسی طرح لوگوں کی پہلی قسم وہ ہے جن کے پاس ہدایت اور علم پہنچتا ہے تو وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں اس سے ان کا قلب زندہ ہوتا ہے وہ خود بھی اس علم کے مطابق عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی تعلیم دیتے ہیں وہ خود بھی نفع حاصل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی نفع پہنچاتے ہیں۔

زمین کی دوسری قسم وہ ہے جو خود تو بارش سے کوئی نفع حاصل نہیں کرتی لیکن اس میں دوسروں کے لیے فائدہ ہے' وہ پانی کو دوسروں کے لیے روک لیتی ہے پھر اس پانی سے انسان اور مویشی نفع اٹھاتے ہیں' اسی طرح انسانوں کی دوسری قسم وہ ہے جس کی قوت حافظہ تیز ہوتی ہے لیکن ان میں مسائل کے استنباط کا ملکہ اور اجتہاد کی صلاحیت نہیں ہوتی اور ان کی عقل اس قدر راسخ نہیں ہوتی کہ وہ معانی اور احکام کو حاصل کر سکیں' لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو محفوظ رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس جو علم کا پیاسا اور متلاشی آتا ہے اس تک وہ اس علم اور ان احادیث کو پہنچا دیتے ہیں' وہ اس علم سے فائدہ اٹھاتا ہے پس یہ لوگوں کی وہ قسم ہے جو اس علم سے نفع پہنچاتے ہیں جو ان تک پہنچایا گیا ہے۔

زمین کی تیسری قسم وہ ہے جو شور والی (نمکین اور کھاری) اور دلدلی زمین ہوتی ہے جو نہ کوئی چیز اگا سکتی ہے اور نہ اپنے اندر پانی کو جمع کر سکتی ہے تاکہ دوسرے اس پانی سے فائدہ حاصل کر لیں اس طرح لوگوں کی تیسری قسم وہ ہے جن کی قوت حافظہ ہوتی ہے نہ ان میں مسائل نکالنے اور احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے' جب وہ کسی حدیث کو یا کسی علم کی بات کو سنتے ہیں تو وہ خود اس پر عمل کرتے ہیں اور نہ اس کو یاد رکھتے ہیں تاکہ وہ دوسروں تک اس علم کی بات کو پہنچا سکیں۔

اس حدیث میں علم حاصل کرنے اور علم پڑھانے کی فضیلت ہے اور علم سے اعراض کرنے کی مذمت ہے۔

طٰہٰ: ۱۰۶ میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی کئی صفات بیان کی ہیں' ایک صفت قاعاً بیان کی ہے اس کا معنی ہے نشیب والی جگہ' اور ایک قول ہے جس جگہ پانی جمع ہو' اور دوسری صفت الصفصف بیان کی ہے' اس کا معنی ہے جس زمین میں روئیدگی نہ ہو' اور ابومسلم نے کہا قاعاً اور صفصفاً دونوں کا معنی ہے ہموار زمین۔

اَلْعِوَج اور اَمْت کے معنی

طٰہٰ: ۱۰۷ میں ہے آپ اس زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے اور نہ کوئی اونچ نیچ' اس آیت میں عِوَج اور اَمْت کے الفاظ ہیں' العوج (عین پر زبر) کا معنی ہے کسی نصب شدہ چیز کو موڑنا' عرب کہتے ہیں عجت البعیر بزمامہ میں نے مہار کے ساتھ اونٹ کو موڑ دیا' جس کا ٹیڑھا پن آنکھ سے دیکھا جائے اس کو (زبر کے ساتھ) عوج کہتے ہیں۔ جیسے زمین میں کوئی ٹیڑھی لکڑی گاڑی ہوئی ہو' اور جس چیز کی کجی اور ٹیڑھے پن کو فکر اور بصیرت سے معلوم کیا جائے اس کو عوج (عین کی زیر) کہتے ہیں جیسے کسی کے دین اور اس کے ذریعہ معاش میں کجی ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (الزمر: ۲۸)　　قران عربی زبان میں بغیر کجی کے۔

اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (الاعراف: ۴۵)　　جو اللہ کے راستہ سے اعراض کرتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں۔

اور جو شخص بداخلاق ہو اس کو اعوج کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۵۶ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ کرمہ' ۱۴۱۸ھ)
اَمْتًا کا معنی ہے ٹیلہ' بلندی' نشیب و فراز' کسی چیز کا مختلف ہونا۔ (القاموس ج ۱ ص ۴۱۳' بیروت' ۱۴۱۲ھ)
اس آیت میں فرمایا ہے آپ زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے نہ کوئی اونچ نیچ' اور کجی کے لیے عِوج (عین کی زیر) کا لفظ ذکر فرمایا ہے۔ حالانکہ عِوَج اس کجی کو کہتے ہیں جس کا فکر اور بصیرت سے ادراک ہو نہ کہ آنکھ سے' اور زمین میں جو کجی اور ٹیڑھ پن ہوتا ہے' اس کا آنکھ سے ادراک کیا جا سکتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں زمین کے ہموار ہونے کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یعنی وہ زمین اس قدر ہموار ہو گی کہ اس میں کوئی باریک سی کجی بھی نہیں ہو گی جس کو بہت غور و فکر کے ساتھ جانا جا سکے۔

قیامت کے دن پکارنے والے کی تفسیر

طٰہٰ: ۱۰۸ میں فرمایا ہے: اس دن سب پکارنے والے کے پیچھے جائیں گے اس میں کوئی کجی نہیں ہو گی' اور رحمٰن کے خوف سے سب کی آوازیں پست ہوں گی۔ سو (اے مخاطب!) تو معمولی سی آہٹ کے سوا کچھ نہیں سن سکے گا۔
اس پکارنے والے کی تفسیر میں دو قول ہیں (۱) اس داعی سے مراد صور میں پھونکنا ہے اور اس میں کجی نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ پکارنے والا کسی کو نہیں چھوڑے گا بلکہ سب کو محشر میں حاضر کرے گا۔ (۲) وہ ایک فرشتہ ہے جو بیت المقدس کی ایک چٹان پر کھڑے ہو کر یہ ندا کرے گا: اے بوسیدہ ہڈیو! اور اے متفرق اعضاء اور اے پارہ پارہ گوشت! اپنے رب کے سامنے حساب اور جزاء کے لیے کھڑے ہو جاؤ! لوگ اس بلانے والے کی آواز سن کر اس کے پیچھے چل پڑیں گے' کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے جو اپنا قدم چٹان پر رکھیں گے' اور حضرت اسرافیل کی یہ پکار مردوں کو زندہ کرنے کے بعد ہو گی۔
اس کے بعد فرمایا: اور رحمٰن کے خوف سے سب کی آوازیں پست ہوں گی' سو (اے مخاطب!) تو معمولی سی آہٹ کے سوا کچھ نہیں سن سکے گا۔
اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے سب کی آوازیں پست ہوں گی' پس تم آہٹ کے سوا اور کچھ نہیں سن سکو گے اور اس سے مراد ذکر خفی ہے' تمام انسانوں اور جنوں کو یہ معلوم ہو چکا ہو گا کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی مالک نہیں ہے اس لیے کھسر پھسر سے زیادہ ان کی کوئی آواز نہیں سنائی دے گی' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صرف ایسا کلام ہو جس کا صرف ہونٹوں کے ہلنے سے اندازہ ہو' اور جس شخص کا اللہ تعالیٰ حساب لینے والا ہو اس کو خوف میں ڈوبا ہوا ہونا چاہیے اور اس کی آواز بہت پست ہونی چاہیے اور اس کا غم بہت زیادہ ہونا چاہیے' اس کی دوسری تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن' عکرمہ اور ابن زید سے منقول ہے انہوں نے کہا "همس" معنی ہے قدموں کی آہٹ' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میدان حشر میں سوا قدموں کی آہٹ کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دے گی۔
ھمس کا معنی ہے پست آواز' اور قدموں کی آہٹ قدموں کے چلنے کی آواز سے بہت پست ہوتی ہے۔
(مختار الصحاح ص ۴۰۲' دار احیاء التراث العربی بیروت: ۱۴۱۲ھ)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس دن اس کے سوا کسی کی شفاعت نفع نہیں پہنچائے گی جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی ہو اور جس کے قول سے وہ راضی ہو ○ اس کو وہ سب معلوم ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور لوگوں کے پیچھے ہے اور لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے ○ اس ہمیشہ سے زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والے کے سامنے سب ذلت سے اطاعت کر رہے ہیں اور بے شک

وہ شخص ناکام اور نامراد ہوگا جو ظلم کا بوجھ لاد کر لائے گا O اور جو شخص ایمان کی حالت میں نیک اعمال کرے گا اسے نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا اور نہ کسی نقصان کا O (طٰہٰ: ۱۱۲:۱۰۹)

شفاعت کی تحقیق

علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے کہا ہے کہ اس آیت میں الشفاعۃ پر رفع علی البدلیت ہے اور مضاف مقدر ہے اور اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ کوئی شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی مگر اس کی شفاعت جس کو رحمٰن نے اذن دیا ہو اور اس کے قول سے راضی ہو' خلاصہ یہ ہے کہ اس شخص کی شفاعت نفع دے گی جس کو رحمٰن نے شفاعت کی اجازت دی ہو اور وہ اس کے قول سے راضی بھی ہو۔ (الکشاف ج ۳ ص ۸۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کو شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی مگر اس شخص کو جس کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن دے گا اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا' اور فاسق اور گناہ کبیرہ کے مرتکب سے اللہ راضی نہیں ہے اور اللہ اس کے لیے شفاعت کا اذن نہیں دے گا لہٰذا اس کو شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ فاسق اور مرتکب کبیرہ کی شفاعت کے ثبوت میں یہ آیت بہت قوی ہے کیونکہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ شفاعت اسی کو فائدہ دے گی جس کے کسی قول سے اللہ راضی ہو اور جس کے ایک قول سے بھی اللہ راضی ہو اس کو شفاعت فائدہ دے گی اور فاسق کے کم از کم اس قول سے اللہ راضی ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى. (الانبیاء: ۲۸) وہ اسی کی شفاعت کرتے ہیں جس سے اللہ راضی ہو۔

اور جس سے اللہ راضی ہوگا اس کے لیے شفاعت کرنے کا اذن بھی دے گا۔ سو اس آیت سے واضح ہو گیا کہ فاسق اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن بھی دے گا اور وہ اس کے لیے شفاعت کرنے پر راضی بھی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۰۲-۱۰۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم نے البقرہ: ۴۸ (تبیان القرآن ج ۱ ص ۴۱۵-۴۱۰) کی تفسیر میں شفاعت میں مذاہب' شفاعت کے ثبوت میں قرآن مجید کی پچاس سے زیادہ آیات اور پندرہ حدیثیں ذکر کیں ہیں۔ اس جگہ ہم تفصیل سے شفاعت پر بحث کرنا چاہتے ہیں' ہم شفاعت کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے۔ شفاعت میں مذاہب کا ذکر کریں گے۔ شفاعت کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات پیش کریں گے اور شفاعت کے ثبوت میں تفصیل سے احادیث کا ذکر کریں گے' فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق.

شفاعت کا لغوی معنی

امام خلیل بن احمد الفراہیدی التوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

شفاعت کا لفظ شفع سے بنا ہے' شفع کا معنی ہے جفت' کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز طاق تھی میں نے اس کے ساتھ دوسری چیز ملا کر اس کو جفت کر دیا۔ قرآن مجید میں ہے والشفع والوتر (الفجر: ۳) اور قسم ہے جفت اور طاق کی۔ الشفع یوم اضحیٰ کو کہتے ہیں الوتر یوم عرفہ کو کہتے ہیں۔ میں نے فلاں کی شفاعت طلب کی۔ اس نے میری اس کی طرف شفاعت کی۔ اس کا اسم شفاعت ہے اور شفاعت کرنے والے کو شافع اور شفیع کہتے ہیں۔ (کتاب العین ج ۲ ص ۹۲۸-۹۲۷' مطبوعہ تیز حوش قم' ایران' ۱۴۱۴ھ)

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل بن سیدہ التوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

کسی فرد عدد کو زوج بنانا شفع ہے' شفع کا معنی ہے طلب کیا یا حاجت پوری کی۔
(المحکم والمحیط الاعظم ج ۱ ص ۲۷۹' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

کسی دوسرے کی حاجت پوری کرنے کے لیے بادشاہ سے کلام کرنا شفاعت ہے' شفع الیه کا معنی ہے اس سے طلب کیا' شافع اس شخص کو کہتے ہیں جو دوسرے کے لیے کسی چیز کو طلب کرے۔ استشفعته الی فلان کا معنی ہے میں نے اس سے یہ سوال کیا کہ وہ فلاں شخص سے میری شفاعت کرے' اور حدود کی حدیث میں ہے جب حد سلطان کے پاس پہنچ جائے تو شفاعت کرنے والے اور جس کی شفاعت کی گئی ہو ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ (لسان العرب ج ۸ ص ۱۸۴' مطبوعہ نشر ادب الحوزة ایران' ۱۴۰۵ھ)

میں کہتا ہوں اصل میں حدیث اس طرح ہے:

عروہ بن الزبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زبیر سے ایک چور ملا' ان سے کہا گیا کہ جب ہم اس کو امام کے پاس پہنچا دیں تو پھر آپ اس کی شفاعت کریں' انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب (مجرم) امام کے پاس پہنچ جائے پھر شفاعت کرنے والے پر اور جس کی شفاعت کی گئی ہے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔
(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۵۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۳۰۵' مطبوعہ ریاض' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۹)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

شفع کا معنی ہے ایک چیز کو اس کی مثل کی طرف ملانا' کہا جاتا ہے کہ تمام مخلوقات شفع ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے زوج (جوڑے) پیدا کیے ہیں: ومن کل شیء خلقنا زوجین (الذاریات: ۴۹) اور اللہ تعالیٰ وتر ہے کیونکہ وہ ہر جہت سے واحد ہے' اور تمام اولاد آدم شفع ہیں اور حضرت آدم وتر ہیں' اور شفاعت کا معنی ہے ایک شخص کا دوسرے کے ساتھ ملنا' بایں طور کہ وہ اس کا ناصر ہو اور اس کے متعلق سائل ہو' اس کا اکثر استعمال اس صورت میں ہوتا ہے کہ کم رتبہ اور کم حیثیت والا شخص زیادہ مرتبہ اور زیادہ حیثیت والے شخص سے سوال کرے اور مدد کرنے کے لیے کہے۔ قیامت میں جو شفاعت ہوگی وہ بھی اسی معنی میں ہے' قرآن مجید میں شفاعت کے متعلق حسب ذیل آیات ہیں:

لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مریم: ۸۷)	ان کے سوا کسی کو شفاعت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا مگر جنہوں نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے۔
یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا (طٰهٰ: ۱۰۹)	اس دن اس کے سوا کسی کی شفاعت نفع نہیں پہنچائے گی جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس کی بات سے وہ راضی ہو۔
وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی. (الانبیاء: ۲۸)	اور وہ صرف اسی کی شفاعت کریں گے جس سے وہ راضی ہے۔
فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ (المدثر: ۴۸)	سو ان (مجرموں) کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ پہنچائے گی۔
وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ. (الزخرف: ۸۶)	اور جن کی یہ لوگ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ (یونس: ۳) اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے پاس شفاعت کرنے والا نہیں۔

یعنی اللہ واحد تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے اور کسی چیز کے فیصلہ میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے' ہاں اگر وہ تدبیر اور تقسیم کرنے والے فرشتوں کو اجازت دے تو وہ اس کی اجازت کے بعد کرتے ہیں جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

اور الشفعة کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص کسی مکان یا زمین کو فروخت کر رہا ہو تو اس کا شریک یا اس کا پڑوسی اس مکان یا زمین کو اپنے مکان یا زمین کے ساتھ ملائے اور اس سے کہے کہ تم کسی اور کو فروخت کرنے بجائے مجھے فروخت کرو۔ ہر وہ مال جو تقسیم نہیں کیا گیا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۱۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۱۴)

(المفردات ج ا ص ۳۴۷-۳۴۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' ۱۴۱۸ھ)

شفاعت کا اصطلاحی معنی

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

دنیا اور آخرت سے متعلق امور میں شفاعت کا ذکر احادیث میں بار بار آیا ہے اور شفاعت کی تعریف یہ ہے کہ گناہوں اور بندوں کے آپس کے جرائم کے بارہ میں تجاوز اور درگزر کرنے کا سوال کرنا۔

(النہایہ ج ۲ ص ۴۳۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

جس شخص کا جرم کیا ہے اس سے اس جرم کے معاف کرنے کا سوال کرنا شفاعت ہے۔

(التعریفات ص ۹۲- مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

شفاعت کی تعریف یہ ہے: کسی دوسرے کے لیے گڑگڑا کر اس دوسرے سے ضرر کو ترک کرنے یا اس کے لیے فعل خیر کرنے کا سوال کرنا۔ مبرد اور ثعلب نے کہا ہے کہ شفاعت دعا ہے اور دوسرے کی حاجت پوری کرنے کے لیے شفیع کا بادشاہ سے کلام کرنا شفاعت ہے' اور الجامع میں مذکور ہے شفیع کے ذریعہ جرم کی معافی طلب کرنا شفاعت ہے' اور جب کوئی شخص تم سے وسیلہ پکڑے اور تم اس کی شفاعت کرو تو تم اس کے لیے شافع اور شفیع ہو' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں' (چوتھی چیز یہ فرمائی) اور مجھے الشفاعة دی گئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵) ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ الشفاعة میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے مراد الشفاعة العظمیٰ ہے جو میدان محشر میں لوگوں کو خوف سے راحت دلانے کے لیے کی جائے گی اور اس کے وقوع میں کسی کا اختلاف نہیں ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ شفاعت ہے جو آپ کے ساتھ مختص ہے اور یہ وہ ہے جس میں آپ کا سوال مسترد نہیں ہوگا' اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے خارج کرنے کے لیے جو آپ شفاعت کریں گے اس سے وہ شفاعت مراد ہے' چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے جنت میں درجات بلند کرنے کے لیے شفاعت مراد ہے' پانچواں قول یہ ہے کہ جو لوگ دوزخ کے مستحق ہو چکے تھے ان کو دوزخ میں داخل نہ کرنے کی شفاعت مراد ہے' چھٹا قول یہ ہے بعض مسلمانوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کی شفاعت مراد ہے اور یہ شفاعت بھی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ (عمدۃ القاری جز ۴ ص ۱۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں۔ علامہ طیبی نے اس کی شرح میں کہا یعنی گنہ گاروں کو جنت میں داخل کرنے کے لیے یا جنت میں بلند درجات کے لیے' علامہ نووی نے کہا آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور یہی مقام محمود ہے یعنی اہل محشر کو خوف اور گھبراہٹ سے راحت پہنچانے کے لیے آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور حساب کو جلد شروع کرنے کے لیے' اس شفاعت کا معتزلہ انکار نہیں کرتے اور نہ وہ بلند درجات کے لیے شفاعت کا انکار کرتے ہیں۔ پھر آپ کی امت میں شفاعت شروع ہوگی اور انبیاء اور ملائکہ صراط پر شفاعت کریں گے' پھر دوزخ میں داخل ہونے والے گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے' اور ابوطالب کی حدیث میں ہے اس کو میری شفاعت نفع پہنچائے گی یعنی اس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی کیونکہ اس نے نیک عمل کیے تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا تھا اور آپ کی حفاظت کی تھی اور آپ کی حمایت کی تھی' جیسا کہ پیر کی رات کو ابولہب کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی کیونکہ جب اس کی باندی ثویبہ نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی بشارت دی تھی تو ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ اور جو علماء کافر کے عذاب میں تخفیف کا انکار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کو آپ کی صحبت سے یہ نفع پہنچا کہ وہ بہت سارے گناہوں سے بچ گیا نیز حدیث میں ہے جو شخص مدینہ کے مصائب کے باوجود مدینہ میں ثابت قدم رہے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ یہ شفاعت درجات کی بلندی کے علاوہ ہے اور یہ بھی فرمایا یا میں ان کی شہادت دوں گا یعنی بعض کی شفاعت فرمائیں گے اور بعض کی شہادت دیں گے یا گنہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے اور نیکوکاروں کی شہادت دیں گے' یا جو آپ کے بعد فوت ہوئے ان کی شفاعت کریں گے اور جو آپ کی حیات مبارکہ میں فوت ہوئے ان کی شہادت دیں گے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۲۳۷۔۲۳۶۔ مطبوعہ مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ)

شفاعت کے متعلق معتزلہ کا نظریہ

مشہور معتزلی عالم محمود بن عمر زمخشری الخوارزمی متوفی ۵۳۸ھ البقرہ: ۴۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ پوچھو کہ آیا اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ گنہ گاروں کے لیے شفاعت کو قبول نہیں کیا جائے گا؟ تو میں کہوں گا کہ ہاں! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (البقرہ: ۴۸) اور کسی کی طرف سے کوئی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی' کیونکہ جس شخص نے بھی کسی فعل یا ترک میں کوئی تقصیر کی ہو تو کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے کسی قسم کی کوئی تلافی نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی شفاعت کے قبول کرنے کی نفی کی اس سے معلوم ہوا کہ گنہگار مسلمانوں کے لیے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ (الکشاف ج ۱ ص ۱۶۵' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

جس آیت سے علامہ زمخشری نے استدلال کیا ہے وہ بنی اسرائیل کے کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔

شفاعت کے متعلق شیخ ابن تیمیہ کا نظریہ

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن تمام مخلوق کی شفاعت کریں گے' جب لوگ آپ سے اس کا سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا اذن حاصل کرنے کے بعد آپ شفاعت کریں گے۔ پھر اہل سنت جماعت اس پر متفق ہیں' جس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین متفق تھے اور اسی کے موافق احادیث مشہور ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ اپنی امت کے کبیرہ گناہ کرنے والے مسلمانوں کے لیے شفاعت کریں گے اور عام مخلوق کے لیے بھی شفاعت کریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی ایسی شفاعتیں ہیں جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں اور جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے اور کئی ایسی شفاعات ہیں جن میں دوسرے انبیاء اور صالحین بھی آپ کے شریک ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اکرم ہیں' ان خصوصی شفاعات میں سے ایک مقام محمود ہے جس پر تمام اولین اور آخرین رشک کریں گے' اور شفاعت کی احادیث بہ کثرت ہیں اور متواتر ہیں' صحیحین' سنن اور مسانید میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے' اور خوارج اور معتزلہ کا یہ زعم ہے کہ شفاعت صرف مومنین کے درجات بلند کرنے کے لیے ہوگی اور ان میں سے بعض نے مطلقاً شفاعت کا انکار کیا ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۱۹' مطبوعہ دار الجیل' ۱۴۱۸ھ)

شفاعت کے متعلق غیر مقلدین کا نظریہ

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ طٰہٰ: ۱۰۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے شفاعت صرف اس شخص کو نفع دے گی جس کی شفاعت کرنے کے لیے رحمٰن نے اذن دیا ہو اور اس کے قول سے وہ راضی ہو' اس قسم کی اور آیات بھی ہیں اور ان میں یہ دلیل ہے کہ کوئی شخص کسی کے لیے اس وقت تک شفاعت نہیں کر سکتا جب تک اللہ اس کی اجازت نہ دے' اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ مومنین کے سوا اور کسی کے لیے شفاعت نہیں ہے' اور یہ آیت فاسقوں کے حق میں شفاعت کے ثبوت پر قوی ترین دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ورضی لہ قولا اللہ اس کے قول سے راضی ہو' اور اس کے صدق کے لیے یہ کافی ہے کہ اللہ اس کے اقوال میں سے کسی ایک قول سے راضی ہو جائے' اور فاسق جب لا الہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہے تو اللہ اس کے اس قول سے راضی ہے پس واجب ہے کہ اذن کے بعد اس کے لیے شفاعت نفع دینے والی ہو۔ (فتح البیان ج ۴ ص ۳۷۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

شفاعت کے متعلق شیعہ کا نظریہ

شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

البقرہ: ۴۸ میں ہے کسی نفس کے لیے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی ہمارے نزدیک یہ آیت کفار کے ساتھ مخصوص ہے' کیونکہ ہمارے نزدیک شفاعت کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے ضرر ساقط کیا جائے بجائے اس کے کہ اس کے منافع زیادہ کیے جائیں اور ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے لیے شفاعت کریں گے اور جو مسلمان عذاب کے متعلق ہوں گے ان کی شفاعت کر کے ان سے عذاب کو ساقط کریں گے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے لیے اپنی شفاعت کو ذخیرہ کر رکھا ہے۔ (التبیان فی تفسیر القرآن ج ۱ ص ۲۱۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ ابو الفضل بن الحسن الطبرسی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کسی نفس کے لیے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی مفسرین نے کہا ہے کہ یہ حکم یہود کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اگرچہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی کیفیت عذاب کو ساقط کرنے کے ساتھ مخصوص ہے یعنی ان مومنین سے جو عذاب کے مستحق ہیں' معتزلہ نے کہا شفاعت اطاعت گزاروں اور توبہ کرنے والوں کو زیادہ ثواب پہنچانے کے لیے کی جاتی ہے۔ گنہ گاروں کے لیے شفاعت نہیں کی جاتی اور ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ کے اصحاب' ائمہ اہل بیت اور نیک مسلمانوں کی گنہگار مسلمانوں کے لیے شفاعت ثابت ہے اور ان کی شفاعت سے بہت خطا کاروں کو اللہ تعالیٰ نجات دے گا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو تمام امت نے قبول کر لیا ہے کہ میں نے اپنی شفاعت کو کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے محفوظ رکھا

ہے اور ہمارے اصحاب نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں شفاعت کروں گا سو میری شفاعت قبول کی جائے گی اور علی شفاعت کریں گے سو ان کی شفاعت قبول کی جائے گی اور اہل بیت شفاعت کریں گے سو ان کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مومنین میں سے ادنیٰ شخص اپنے ایسے چالیس بھائیوں کی شفاعت کرے گا جن پر دوزخ واجب ہو چکی ہو گی۔ (مجمع البیان ج ۱ ص ۲۲۲-۲۲۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۶ھ)

شیخ محمد بن عبدالوہاب کا شفاعت کے متعلق نظریہ

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ لکھتے ہیں:

تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان کا توحید ربوبیت کا اقرار کرنا ان کو اسلام میں داخل نہیں کرتا اور وہ جو ملائکہ اور انبیاء کا قصد کرتے ہیں اور ان کی شفاعت کا ارادہ کرتے ہیں اور اس سے اللہ کا تقرب چاہتے ہیں یہی وہ چیز ہے جس نے ان کی جانوں اور مالوں کو حلال کر دیا ہے اور اب تم نے اس توحید کو جان لیا ہو گا جس کی رسولوں نے دعوت دی ہے خواہ اس کا انکار کرنے سے مشرکوں نے انکار کیا ہو۔ (کشف الشبہات ص ۹ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۹ھ)

اس جارحانہ عبارت کا باطل ہونا کسی دلیل اور تبصرہ کا محتاج نہیں ہے۔

شفاعت کے متعلق شیخ اسماعیل دہلوی کا نظریہ

شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

پھر بات الٹنے کا تو کیا ذکر اور کسی کی وکالت اور حمایت کرنے کی کیا طاقت اس جگہ ایک بات بڑے کام کی ہے اس کو کان رکھ کر سن لینا چاہیے کہ اگر لوگ انبیاء اولیا کی شفاعت پر پھول رہے ہیں اور اس کے معنی غلط سمجھ کر اللہ کو بھول گئے ہیں سو شفاعت کی حقیقت سمجھ لینا چاہیے۔ سو سننا چاہیے کہ شفاعت کہتے ہیں سفارش کو اور دنیا میں سفارش کئی طرح کی ہوتی ہے جیسے ظاہر کے بادشاہ کے یہاں کسی شخص کی چوری ثابت ہو جاوے اور کوئی امیر وزیر اس کو اپنی سفارش سے بچا لیوے تو ایک تو یہ صورت ہے کہ بادشاہ کا جی تو اس چور کر پکڑنے ہی کو چاہتا ہے اور اس کے آئین کے موافق اس کو سزا پہنچتی ہے مگر اس امیر سے دب کر اس کی سفارش مان لیتا ہے اور اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ امیر اس سلطنت کا بڑا رکن ہے اور اس کی بادشاہت کو بڑی رونق دے رہا ہے سو بادشاہ یہ سمجھ رہا ہے کہ ایک جگہ اپنے غصہ کو تھام لینا اور ایک چور سے درگذر جانا بہتر ہے اس سے کہ اتنے بڑے امیر کو ناخوش کر دیجئے کہ بڑے بڑے کام خراب ہو جائیں اور سلطنت کی رونق گھٹ جائے اس کو شفاعت وجاہت کہتے ہیں یعنی اس امیر کی وجاہت کے سبب سے اس کی سفارش قبول کی سو اس قسم کی سفارش اللہ کی جناب میں ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی اور جو کوئی کسی نبی وولی کو یا امام وشہید کو یا کسی فرشتے کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے سو وہ اصل مشرک ہے اور بڑا جاہل ہے کہ اس نے خدا کے معنی کچھ بھی نہیں سمجھے اور اس مالک الملک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن وفرشتہ جبرئیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے اور ایک دم میں سارا عالم عرش تک الٹ پلٹ کر ڈالے اور ایک اور ہی عالم اس جگہ قائم کرے کہ اس کے تو محض ارادے ہی سے ہر چیز ہو جاتی ہے کسی کام کے واسطے کچھ اسباب اور سامان جمع کرنے کی حاجت نہیں اور جو سب لک پہلے اور پچھلے اور آدمی اور جن بھی سب مل کر جبرئیل اور پیغمبر ہی سے ہو جاویں تو اس مالک الملک کی سلطنت میں ان کے سبب سے کچھ رونق بڑھ نہ جائے گی اور جو سب شیطان اور دجال ہی سے ہو جاویں تو اس کی کچھ رونق گھٹنے کی نہیں وہ ہر صورت بڑوں کا بڑا ہے اور بادشاہوں کا بادشاہ اس کا نہ کوئی کچھ بگاڑ سکے نہ کچھ سنوار سکے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی بادشاہ

زادوں میں سے یا بیگماتوں میں سے یا کوئی بادشاہ کا معشوق اس چور کا سفارشی ہو کر کھڑا ہو جاوے اور چوری کی سزا نہ دے دیوے اور بادشاہ اس کی محبت سے لاچار ہو کر اس چور کی تقصیر معاف کر دے تو اس کو شفاعت محبت کہتے ہیں یعنی بادشاہ نے محبت کے سبب سے سفارش قبول کر لی اور یہ بات سمجھی کہ ایک بار غصہ پی جانا اور ایک چور کو معاف کر دینا بہتر ہے اس رنج سے کہ جو اس محبوب کے روٹھ جانے سے مجھ کو ہوگا اس قسم کی شفاعت بھی اس دربار میں کسی طرح ممکن نہیں اور جو کوئی کسی کو اس جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے وہ بھی ویسا ہی مشرک ہے اور جاہل جیسا کہ مذکور اول ہو چکا وہ مالک الملک اپنے بندوں کو بہتیرا ہی نوازے اور کسی کو حبیب کا اور کسی کو خلیل اور کسی کو کلیم کا اور کسی کو روح اللہ وجیہہ کا خطاب بخشے اور کسی کو رسول کریم اور مکین اور روح القدس اور روح الامین فرماوے مگر پھر مالک مالک ہے اور غلام غلام کوئی بندگی کے رتبے سے قدم باہر نہیں رکھ سکتا اور غلامی کی حد سے زیادہ بڑھ نہیں سکتا جیسا اس کی رحمت سے ہر دم خوشی سے جھکتا ہے ویسا ہی اس کی ہیبت سے رات دن زہرہ پھٹتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ چور پر چوری ثابت ہو گئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو اس نے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہو گیا اس پر شرمندہ ہے اور رات دن ڈرتا ہے اور بادشاہ کی آئین کو سر و آنکھوں پر رکھ کر اپنے تئیں تقصیر دار سمجھتا ہے اور لائق سزا کے جانتا ہے اور بادشاہ سے بھاگ کر کسی امیر و وزیر کی پناہ نہیں ڈھونڈھتا اور اس کے مقابلہ میں کسی کی حمایت نہیں جتاتا اور رات دن اسی کا منہ دیکھ رہا ہے کہ دیکھئے میرے حق میں کیا حکم فرماوے سو اس کا یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے دل میں اس پر ترس آتا ہے مگر آئین بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگزر نہیں کرتا کہ کہیں لوگوں کے دلوں میں اس آئین کی قدر گھٹ نہ جاوے سو کوئی امیر وزیر اس کی مرضی پا کر اس تقصیر دار کی سفارش کرتا ہے اور بادشاہ اس امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر میں اس کی سفارش کا نام کر کے اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے سو اس امیر نے اس چور کی سفارش اس لیے نہیں کی کہ اس کا قرابتی ہے یا آشنا یا اس کی حمایت اس نے اٹھائی بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھ کر کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ چوروں کا تھانگی جو چور کا حمایتی بن کر اس کی سفارش کرتا ہے تو آپ بھی چور ہو جاتا ہے اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں یعنی یہ سفارش خود مالک کی پروانگی سے ہوتی ہے سو اللہ کی جناب میں ایسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی یہی ہیں۔ (تقویت الایمان کلاں ص ۲۲۔۲۱ مطبوعہ مطبع علیمی لاہور)

شفاعت بالوجاہت کا صحیح معنی

علامہ فضل حق خیر آبادی متوفی ۱۸۶۱ء لکھتے ہیں:

جس کے پاس سفارش کی گئی ہے اس نے سفارش کرنے والے کو اپنی بارگاہ میں قرب عطا کیا ہے اور اپنے متعلقین میں اسے عزت و امتیاز بخشا ہے' ان عزتوں میں سے ایک یہ ہے کہ دیگر ماتحت افراد کے مراتب کی بلندی اور گناہگاروں کی معافی کے لیے اسے بات کرنے کی اجازت ہے' اس کی عرض قبول کی جاتی ہے اور اس کی سفارش مانی جاتی ہے اگر اس معزز شخصیت کی عرض اور سفارش کو نہ مانا جائے تو اس کے رنجیدہ ہونے سے اس شخص کو (جس کی بارگاہ میں سفارش کی گئی ہے) کوئی رنج یا نقصان نہیں پہنچے گا لیکن اس کی عرض کو نہ ماننا اور اس کی بات کو اہمیت نہ دینا اس عزت افزائی اور بندہ نوازی کے خلاف ہے جو اس شخص کو دی گئی ہے' یہ شفاعت وجاہت ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس کے پاس سفارش کی گئی ہے' اسے شفاعت کرنے والے کی ناخوشی سے خطرہ ہو اور سفارش قبول نہ کرنے کی صورت میں نقصان کا خوف ہو کیونکہ شفاعت کا معنی سفارش ہے اور وجاہت کے معنی لحاظ اور عزت ہے' کسی لفظ سے ڈر اور فکر نہیں سمجھا جاتا۔

بایں ہمہ ہر شخص جانتا ہے کہ شفاعت اور سینہ زوری الگ الگ ہیں۔ سفارش میں سینہ زوری نہیں ہوتی' اگر کوئی شخص کسی

کی بات نقصان یا ضرر کے ڈر سے مانتا ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے سفارش مان لی' یہ سفارش کا ماننا نہیں بلکہ اپنے نقصان اور ضرر کو دور کرنا ہے' اسے اطاعت کہا جا سکتا ہے کیونکہ نافرمانی کی صورت میں نقصان کا خوف ہوتا ہے' سفارش قبول کرنے میں کوئی خوف شامل نہیں ہوتا مثلاً ایک صاحب اقتدار بادشاہ اپنے ہم نشینوں میں سے کسی کو اتنا مقام و مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اسے حاجت مندوں کی حاجتیں پیش کرنے اور مجرموں کے لیے معافی چاہنے کی اجازت ہے' اسے دوسروں کی نسبت یہ خصوصیت حاصل ہے' وہ شخص بادشاہ سے کسی ایسے گناہ کے بخشنے کی درخواست کرتا ہے جسے بخش دینا بادشاہ سے بعید نہیں ہے' بادشاہ اس کے جاہ و منزلت کا لحاظ کرتے ہوئے وہ گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس مقرب کی سفارش قبول کر کے اس کی عزت افزائی کرتا ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ بادشاہ نے اپنے کارخانہ سلطنت میں خلل کے خوف سے سفارش قبول کی ہے' بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ بادشاہ نے اپنے مقرب ترین خادم کے مقام کی رعایت اور اس کی دلداری کے لیے اس کی سفارش قبول کی ہے اور مجرموں کے گناہ معاف کر دیئے ہیں اور اگر کوئی شخص برائے نام بادشاہ ہو اور امور مملکت کے بست و کشاد اور قوانین سلطنت کے نفاذ کی صلاحیت نہ رکھتا ہو' دوسرے لوگ حکومت کے تمام شعبوں پر مسلط ہوں' ملک کے بست و کشاد اور نظم و ضبط پر مکمل اختیار رکھتے ہوں۔ ان ارباب اقتدار میں سے کوئی شخص برائے نام بادشاہ سے کسی جرم کی معافی کا مطالبہ کرتا ہے اور بادشاہ اس خوف سے کہ اگر اس کے کہنے پر عمل نہ کیا تو اس سے ضرر پہنچے گا یعنی ظاہری حکومت بھی جاتی رہے گی' اس کے کہنے پر عمل کرتا ہے اور مجرم کا گناہ معاف کر دیتا ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ بادشاہ نے اس کی شفاعت قبول کر لی ہے بلکہ بادشاہ فی الواقع ان لوگوں کا تابع اور پابند ہے اور ان کی بات ماننے پر مجبور ہے۔ اسے فرمانبرداری اور اطاعت تو کہا جا سکتا ہے قبول شفاعت نہیں کہا جا سکتا۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ وجاہت و عزت' خوف اور اندیشہ کے بغیر قبول شفاعت کا سبب بن سکتی ہے۔

یہ تو ہوئی عقلی دلیل اب سنئے نقلی دلیل۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے اور دنیا و آخرت کی وجاہت سے ان کی تعریف فرماتا ہے:

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ○ (آل عمران: ۴۵)
دنیا اور آخرت میں وجاہت (عزت) والے اور مقربین میں سے ہیں۔

مفسرین اخروی وجاہت کو شفاعت پر محمول فرماتے ہیں۔ علامہ بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

الوجاهة فی الدنیا النبوة وفی الاخرة الشفاعة
یعنی وجاہت دنیا میں نبوت ہے اور آخرت میں شفاعت۔

(تفسیر بیضاوی مع عنایت القاضی ج ۳ ص ۵۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

(۲) شفاعت محبت

جس کے پاس سفارش کی گئی ہے اسے سفارشی سے محبت ہو' محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی رضاجوئی اور ہر طرح اس کے دل کو خوش کرنا منظور ہوتا ہے۔ دل شکنی اور رنج کے اسباب اس سے دور رکھے جاتے ہیں کیونکہ محب' محبوب کی دل شکنی بلکہ دوست دوستوں کا دل دکھانے کے روادار نہیں ہوتے۔ اہل محبت محبوبوں کی دل آزاری گوارا نہیں کرتے' ان کی فرمائش قبول کرتے ہیں اور ان کی سفارش قبول کرتے ہیں اور اکثر ان کی سفارش قبول کرنے میں یہ امر ملحوظ نہیں ہوتا کہ اگر ان کی سفارش قبول نہ کی گئی تو غیظ و غضب میں آ کر ان کو رنجیدہ کر سکتے ہیں یا غصہ میں آ کر ان کے دلوں کو صدمہ پہنچا سکتے ہیں' کیونکہ پاری' محبت کا تقاضا ہے اور محبوب کی بات مان لینا اس صفت کو لازم ہے۔ یہ حال اس شخص سے پوچھا جا سکتا ہے جو محبت رکھتا

ہو' یہ حقیقت عقلاً اور نقلاً ثابت ہے۔

عقلی ثبوت تو بیان ہو چکا' نقلی ثبوت ملاحظہ ہو' حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کم اشعث اغبر ذی طمرین لایؤبہ لہ لواقسم علی اللہ لابرہ۔

بہت سے گرد آلود بالوں والے' خاکسار' جن کے پاس دو پرانی چادروں کے علاوہ کچھ نہ ہو اور جنہیں کوئی اہمیت نہ دی جاتی ہو ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حق میں قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٨٥٤' مسند احمد ج ٣ ص ١٤٥' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٣٩٨٧' المستدرک ج ٣ ص ٢٩١)

یعنی اللہ تعالیٰ ان کی دلداری کرے گا اور جس بات کی انہوں نے قسم کھائی ہے اسے پورا کر دے گا اور ان کی خواہش رد نہیں فرمائے گا۔

غور کیجئے! یہ تمام تقاضائے محبت ہے ورنہ یہ خاکسار اللہ تعالیٰ کو کونسا رنج یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟

ہاں بارگاہ ایزدی کے محبوبوں کی شان وہ ہے جو حدیث قدس میں وارد ہوئی ہے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''جب میں اس بندے کو محبوب بنالیتا ہوں تو اس کا کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' اس کا ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' اس کا پاؤں ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (اور ایک روایت میں ہے) اس کی زبان ہوتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے (یعنی ان کے اعضاء میری قدرت کے مظہر اور میری رضا کے پابند ہوتے ہیں) اور اگر وہ بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں اور میں جس کام کو کرنے والا ہوں اس میں کبھی اتنی تاخیر نہیں کرتا جتنی بندہ مومن کی روح قبض کرنے میں تاخیر کرتا ہوں کیونکہ وہ (بشری تقاضے سے) موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنا' ناپسند کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٥٠٢' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٩٨٩' سنن بیہقی ج ٣ ص ٣٦٤' کنز العمال رقم الحدیث: ١١٦١)

اس حدیث قدسی کی بنا کر محبوبان الٰہی کے قرب' عزت اور ان کی محبوبیت کے آثار پر ایمان لانا چاہیے۔ شفاعت کی مقبولیت کی دیگر وجوہ بھی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ سفارش کرنے والے کو مستشفع الیہ (جس کے سامنے سفارش کی گئی) کے نزدیک عزت اور امتیازی مقام حاصل ہوتا ہے چونکہ ان وجوہ کا تعلق اس مقام سے نہیں ہے اس لیے اسی بیان پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اس تمہید کے بعد سنیے!

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام مخلوق انسان ہوں یا فرشتے' نبی ہوں یا امتی' بادشاہ ہوں یا خدام' جہاں تک بندگی کا تعلق ہے یکساں نسبت رکھتی ہے کسی کو کسی لحاظ سے اس کے ملک و اقتدار میں شرکت یا اس کے ارادہ و اختیار میں مزاحمت یا اس کے حکم اور فعل میں تاب مقابلہ نہیں ہے' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جو چاہتا ہے اس کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے اور جس طرح اس کا ارادہ ہوتا ہے' کائنات میں تصرف فرماتا ہے۔ اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ ہمسر' نہ مددگار ہے نہ کارساز' اسے کسی وزیر کی امداد اور کسی مددگار کے تعاون کی حاجت نہیں ہے' کسی کی رضا اور خوشنودی سے اس کی مملکت میں رونق کا اضافہ نہیں ہوتا' نہ ہی کسی کی ناراضگی سے اس کے کارخانہ حکمت میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

ہاں اس نے اپنی مخلوق کو مختلف مراتب اور مقامات دے کر پیدا کیا ہے۔ ان کے مراتب و درجات میں بہت فرق رکھا

ہے۔ بعض کو برگزیدہ اور بارگاہ قدس کا مقرب بنایا اور بعض کو مردود' ذلیل اور گمراہ کیا' دونوں قسموں میں مختلف مراتب اور متفرق درجات رکھے اور اپنی بارگاہ کے مقربین کو ان کے درجات کے مطابق مقام و مرتبہ عطا فرمایا ان میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ کے مطابق عزت و کرامت عطا فرمائی۔ ان میں سے ہر ایک کو بارگاہ الٰہی میں جتنی عزت اور خداوندی محبت ہے' اس کے مطابق ان کے وابستگان اور متوسلین کی دینی اور دنیاوی حاجتوں کے بارے میں ان کی سفارش قبول فرماتا ہے اور اپنی بارگاہ کے مقربین کو ان کے مراتب کے مطابق اجازت عطا فرماتا ہے کہ اپنے متعلقین اور متوسلین کے لئے دنیا و آخرت میں مصیبت اور عذاب کے دفع کرنے اور منافع کے حصول کے لیے سفارش کریں' اس عزت افزائی کے ذریعے انہیں مخلوق میں ممتاز فرماتا ہے۔

اسی لیے اکثر لوگ ہر دو جہان کی حاجتوں میں ان سے شفاعت اور سفارش کے طلب گار ہوتے ہیں اور ان مقربین کی شفاعت کے فیض سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے اور ہوتے ہیں اور ہوں گے' ان کی شفاعت اکثر مقبول ہوتی ہے' اور قول و فعل سے ان کی ایذاء رسانی اور بے ادبی کے درپے ہونے والے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہو کر دین و دنیا کو برباد کر چکے اور کرتے ہیں اور کریں گے' چونکہ بارگاہ الٰہی میں مقربین کی عزت و وجاہت ان کی شفاعت اور ان کے سوال کی قبولیت کا سبب ہے اسی لئے دوسروں کی نسبت صالحین کی دعائیں زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص از راہ عناد یہ بات نہ مانے یا بدعقیدگی کی بنا پر اسے شک لاحق ہو تو اسے کتب صحاح میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے تا کہ اسے معلوم ہو کہ جن حضرات نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دعا کی گزارش کی یا شفاعت کی درخواست کی وہ دنیا و آخرت میں خیرات و برکات سے مالا مال ہوئے' اور جو لوگ درپے ایذاء اور بے ادبی ہوئے وہ ہلاکتوں میں گرفتار ہوئے اور جہنم کے نچلے طبقوں میں داخل ہوئے۔

جب شفاعت کا معنی سفارش ہے اور بارگاہ الٰہی میں شفاعت کے منظور ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کو اس کے کارخانہ تقدیر پر تسلط حاصل ہو' یا سفارش کرنے والے کی دل شکنی کے سبب اس کی مملکت میں خلل کا احتمال ہو یا اسے ضرر کے لاحق ہونے' منافع کے فوت ہونے یا رنج و ملال عارض ہونے کا اندیشہ ہو (حاشا وکلا یہ کسی کا عقیدہ نہیں ہے) بلکہ شفاعت کے مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل محبت و اطاعت کو بیش از بیش انعام و اکرام سے نوازا ہے اور ان کے درجات دوسری مخلوق سے بلند فرما کر انہیں اپنی بارگاہ کا مقرب بنایا ہے۔

شفاعت اور دعا

اب شفاعت کے ثبوت اور بارگاہ الٰہی میں مقبول ہونے کی دلیل سنیے:

بارگاہ الٰہی میں ایک شخص کے دوسرے شخص کے لئے شفاعت کرنے اور دعا کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ یہ دو لفظ ہیں جن کا معنی ایک ہے' اور دعا دو حال سے خالی نہیں' یا تو کہا جائے کہ دعا لغو اور بے فائدہ فعل ہے۔ کارخانہ قضاء و قدر میں کسی انسان کی دعا کسی نفع کے حصول یا کسی نقصان کے دور کرنے میں اثر نہیں رکھتی' دعا کرنا اور نہ کرنا برابر ہے' یا کہا جائے کہ دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ مقصد پورا کر دیتا ہے۔ مطالب عطا کر دیئے جاتے ہیں اور مصیبتیں دور کر دی جاتی ہیں' پہلی صورت باطل اور کتاب و سنت کی نصوص کے مخالف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ: ۱۰۳)

اے حبیب! ان کے لئے دعا کیجئے بے شک تمہاری دعا ان کے اطمینان و سکون کا سبب ہے۔

اس کے علاوہ بے شمار آیات ہیں۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لا یرد القضاء الا الدعاء قضا کو صرف دعا لوٹا سکتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۲۸)

اس کے علاوہ بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ علماء دین کی تصانیف' حصن حصین وغیرہ جو ہر جگہ اہل علم کے پاس موجود ہیں۔ انہیں دعاؤں کے جمع کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ دعا کی فضیلت' اللہ تعالیٰ کی عبادت ہونے اور بارگاہ الٰہی میں اس کی مقبولیت کا انکار صریح کفر ہے جس سے نصوص قرآن و حدیث کا انکار لازم آتا ہے۔ ثابت ہوا کہ دعا حصول مقصد کا ذریعہ ہے اور یہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوتی ہے۔

انبیاء و اولیاء کی دعاؤں کی قبولیت

اب غور فرمایئے! (۱) کہ کیا انبیاء اور عوام الناس اور اشقیاء' نیکوں اور بدکاروں' مقربانِ حضرتِ باری تعالیٰ اور مردودانِ بارگاہ' مومنین صالحین اور بدبخت کافروں کی دعائیں مقبولیت کی کمی اور زیادتی میں برابر ہیں یا (۲) انبیاء و اولیاء' ابرار اور مومنین صالحین کی دعائیں عوام' اشقیاء' اشرار و کفار کی دعاؤں سے زیادہ مقبول ہوتی ہیں اور اکثر طور پر حصولِ مراد کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

پہلی شق باطل ہے چند دلیلیں ملاحظہ ہوں:

(۱) دلیل عقلی کہ دعا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مقبول ہوتی ہے اور اس کی رحمت نیکوں کے قریب اور بدکاروں سے بعید ہوتی ہے۔ انبیاء و اولیاء' ابرار و صالحین کو رحمت الٰہیہ کے قرب و بعد میں عوام الناس' اشقیاء' اشرار اور مفسدہ پردازوں کے برابر جاننا کفر اور الحاد ہے۔

(۲) دلیل سمعی: احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ انبیاء و صالحین کی دعائیں' عامۃ الناس اور خطاکاروں کی نسبت زیادہ قبول ہوتی ہیں اور حصول مدعا کا اکثر سبب بنتی ہیں اس امر کی حقیقت کا انکار بھی کفر اور زندقہ کی طرف لے جائے گا اور درحقیقت نبوت و ولایت کے انکار تک پہنچا دے گا۔

لہٰذا دوسری شق متعین ہوگئی اور واضح ہوگیا کہ دعا کی قبولیت' قرب اور نیکی کی علامت ہے۔ ہر شخص کو اجازت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اپنی ذات کے لئے اپنوں اور بیگانوں کے لئے دعا کر سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مومنوں کو اس کے لئے دعا سے منع نہ فرمایا ہو جیسے کہ مشرکین کے لئے دعا کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ. (التوبۃ: ۱۱۳)

اور نبی اور مسلمانوں کو جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں جبکہ ان پر ظاہر ہو چکا کہ وہ جہنمی ہیں۔

اس بیان سے ظاہر ہوگیا کہ قبول شفاعت کی دو شرطیں ہیں:

(۱) ایسے شخص کی سفارش کی گئی ہو جس کے لئے سفارش کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ممانعت نہ فرمائی۔

(۲) سفارش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا قرب حاصل ہو لہٰذا اگر مقرب دربارالٰہی کسی ایسے شخص کی شفاعت کرے جس کی شفاعت سے ممانعت وارد نہ ہو تو اس کی شفاعت مقبول ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۔ (طٰہٰ:۱۰۹) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف اس شخص شفاعت فائدہ دے گی جس کے لئے اس نے اجازت دی ہوگی اور جس کا قول اس کو پسند ہوگا۔

(یعنی بلند مقام اور پسندیدہ گفتگو والے کی شفاعت ہی فائدہ دے گی)

(۳) شفاعت بالاذن

شفاعت بالاذن کا معنی اس طرح سمجھنا چاہئے کہ مثلاً اگر بادشاہ کے دربار میں ایسے مجرم کو پکڑ کر پیش کیا جائے کہ اس جیسے کثر جرائم بادشاہ نے معاف کر دیئے ہیں۔ کچھ مقرب جو بادشاہ کے سامنے بات کر سکتے ہیں اور اپنے ہم مرتبہ افراد میں عزت و مرتبہ کی زیادتی کے اعتبار سے ممتاز ہیں اس مجرم کی شفاعت کرنا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کے دربار میں شفاعت کے لئے لب کشائی کریں کیونکہ انہیں بادشاہ کے سامنے ایسے جرائم کی معافی طلب کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور جرم ایسا نہیں ہے کہ بادشاہ نے عہد کیا ہو کہ اس جرم کے مرتکب کو ضرور سزا دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ بادشاہ ان مقربین کے مقام اور مرتبہ کے پیش نظر جو اسی کا عطا کردہ ہے سفارش قبول کرلے اور اس مجرم کو سزا نہ دے۔

ہاں ہر کس و ناکس جو بادشاہ کے سامنے بات کرنا تو کجا اونچا سانس تک نہیں لے سکتا' اس کی یہ مجال نہیں کہ مجرم کی طرف دیکھے وہ خود کسی حیثیت کا مالک نہیں اس کی بات کی کیا وقعت ہوگی شفاعت تو دور کی بات ہے۔

اگر جرم ایسا ہے کہ بادشاہ کی عادت ہے کہ اس کے بدلے ضرور سزا دیتا ہے تو کسی کو ہمت نہیں پڑے گی کہ اس کی معافی کی درخواست کرے اور اس کی بخشش چاہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ بادشاہ نے عہد کر رکھا ہے کہ اس جرم پر ضرور سزا دی جائے گی لہٰذا کسی کی طاقت نہیں کہ سر اٹھا کر بادشاہ کو دیکھے اور اس مجرم کو چھڑا لے۔

شفاعت بالاذن کی صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بادشاہ خود بخود از راہ مہربانی اس مجرم کے گناہ بخشنا چاہتا تھا۔ مقربین کی سفارش لغو اور بے فائدہ ہے کیونکہ بادشاہ نے خود رحم نہیں کیا بلکہ سفارشی کی سفارش بخشش کا سبب بنی ہے لہٰذا اگر مجرم کہے کہ بادشاہ نے از خود رحم فرما کر مجھے بخش دیا ہے اور شفاعت کا کوئی دخل نہیں ہے تو وہ نعمت شفاعت کا ناشکرا ہوگا۔

(تحقیق الفتویٰ ص ۸۳ــ۷۲' مطبوعہ بندیال' ۱۳۹۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

ہم اس سے پہلے علامہ فضل حق خیر آبادی سے شفاعت بالوجاہت کا معنی نقل کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عموماً اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصاً بہت عزت اور فضیلت عطا فرمائی ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہوئی عزت اور فضیلت کو ظاہر کرنے کے لیے ہم یہاں چند آیات پیش کر رہے ہیں:

(۱) وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ ○ (الانبیاء:۱۰۷) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

(۲) مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ ۔ (الانفال:۳۳) اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ کفار پر عذاب نازل کرے در آں حالیکہ آپ ان کے درمیان ہوں۔

(۳) فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۔ (البقرۃ:۱۴۴) ہم آپ کا قبلہ وہی بنا دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔

(۴) فَسَبِّحۡ وَ اَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى ○ (طٰہٰ:۱۳۰)

آپ دن کے اطراف میں نماز پڑھیے تاکہ آپ (اللہ سے) راضی ہوں۔

(۵) وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى ○ (الضحیٰ:۵)

آپ کا رب آپ کو عنقریب اس قدر دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

(۶) عَسٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ○ (بنی اسرائیل:۷۹)

اللہ تعالیٰ آپ کو عنقریب مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

(۷) اَلَّذِىۡ يَرٰٮكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ ○ وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيۡنَ ○ (الشعراء:۲۱۹-۲۱۸)

وہ جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے خواہ آپ قیام میں ہوں یا سجدہ کرنے والوں میں پلٹ رہے ہوں۔

(۸) وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ○ (سبا:۲۸)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۹) قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ○ (آل عمران:۳۱)

آپ کہیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ خود تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

(۱۰) اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ○ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۙ○ وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا ○ (الفتح:۳-۱)

بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی ○ تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما دے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر برقرار رکھے ○ اور اللہ آپ کی غالب مدد فرمائے ○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے متعلق احادیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں ان عورتوں پر غیرت کرتی تھی جنہوں نے اپنا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا اور میں کہتی تھی کیا عورت بھی اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے؟ پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

تُرۡجِىۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُـْٔوِىۡۤ اِلَيۡكَ مَنۡ تَشَآءُ‌ ؕ وَمَنِ ابۡتَغَيۡتَ مِمَّنۡ عَزَلۡتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكَ‌ (الاحزاب:۵۱)

آپ کو اپنی ازواج کے متعلق اختیار ہے کہ آپ ان میں سے جس کو چاہیں مؤخر کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس زوجہ کو آپ نے مؤخر کیا تھا اگر آپ اس کو (پھر) طلب کر لیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔

(یعنی آپ پر ازواج کے پاس باری باری جانا واجب نہیں ہے۔ آپ جس کے پاس چاہیں پہلے جائیں اور جس کے پاس چاہیں بعد میں جائیں اور چاہیں تو بعد والی کے پاس پہلے چلے جائیں۔) تو میں نے کہا میں اس کے سوا کچھ نہیں دیکھتی کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۶۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۰۰، صحیح ابن حبان

...یث: ۲۳۶۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۷۶۵، عالم الکتب)

(...) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی اور میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۷۶)

(۳) حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل کو چن لیا اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا، اور بنو کنانہ میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۴۸۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۴۲، المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۱۶۱، دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۶۶، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۱۳)

(۴) المطلب بن ابی وداعۃ نے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: میں کون ہوں، صحابہ نے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن المطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے ان کے بہتر گروہ میں رکھا، پھر ان کے دو گروہ کیے اور مجھے سب سے اچھے گروہ میں رکھا، پھر اس گروہ کے قبائل بنائے اور مجھے سب سے اچھے قبیلہ میں رکھا، پھر ان کے گھر بنائے اور مجھے سب سے اچھے گھر میں رکھا اور میں ان میں سے سب سے اچھا شخص ہوں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۸، مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۱، دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۷۱)

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے نکلوں گا، اور جب وہ وفد بنائیں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا، اور جب وہ مایوس ہوں گے تو میں ان کو بشارت دوں گا، اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہو گا اور میں اللہ کے نزدیک اولاد آدم میں سب سے مکرم ہوں گا، اور فخر نہیں ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۰، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۹، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۴، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۲۴)

(۶) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں، اور حمد کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہو گا اور فخر نہیں، حضرت آدم ہوں یا ان کے سوا جو نبی بھی ہو وہ اس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہو گا اور میں سب سے پہلے (قبر کی) زمین سے نکلوں گا اور فخر نہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۵)

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ باہر نکلے حتیٰ کہ ان کے قریب پہنچ کر ان کی باتیں سننے لگے۔ ان میں سے بعض نے کہا تعجب ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا اس سے زیادہ کیا تعجب ہو گا کہ حضرت موسیٰ کو کلیم بنایا۔ ایک اور نے کہا حضرت عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، ایک اور نے کہا حضرت آدم کو اللہ نے چن لیا، پھر ان کے پاس آپ آئے اور ان کو سلام کر کے فرمایا: میں نے تمہاری باتیں اور تمہارا تعجب سنا کہ ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں اور وہ اسی طرح ہیں، اور موسیٰ اللہ سے کلام کرنے والے ہیں وہ اسی طرح ہیں، اور عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں

وہ اسی طرح ہیں' اور آدم کو اللہ نے چن لیا ہے وہ اسی طرح ہیں۔ سنو! میں اللہ کا حبیب ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور فخر نہیں ہے' اور قیامت کے دن میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول ہو گی اور فخر نہیں ہے' اور میں ہی سب سے پہلے جنت کی کنڈی کھٹکھٹانے والا ہوں پس جنت کو میرے لیے کھول دیا جائے گا اور مجھ کو اس میں داخل کیا جائے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور فخر نہیں ہے' اور میں تمام اولین اور آخرین سے زیادہ مکرم ہوں اور فخر نہیں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶)

(۸) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں' اور میں خاتم النبیین ہوں اور فخر نہیں' اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر نہیں۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۴۹' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۷۶۴' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۷۲' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۸۳' ۳۲۰۵۵)

(۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن جنت کے دروازہ کے پاس آ کر اس کو کھلواؤں گا جنت کا محافظ کہے گا آپ کون ہیں میں کہوں گا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہے گا مجھے آپ ہی کے لیے حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے پہلے میں کسی کے لیے دروازہ نہیں کھولوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت کی:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنۡ تَبِعَنِیۡ فَاِنَّهٗ مِنِّیۡ وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ○ (ابراہیم: ۳۶)

اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے سو جس شخص نے میری پیروی کی وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر ہے' اور جس نے میری نافرمانی کی تو' تو بہت بخشنے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (المائدہ: ۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو بہت غالب بہت حکمت والا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! میری امت' میری امت' اور آپ رو پڑے' پھر اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ' اور آپ کا رب خوب جاننے والا ہے' سو ان سے سوال کرو کہ ان کو کیا چیز رلاتی ہے؟ پس آپ کے پاس جبریل علیہ السلام گئے اور آپ سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا جو انہوں نے دعا کی تھی' تب اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور کہو ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور ہم آپ کو رنجیدہ نہیں کریں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۶۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے متعلق علامہ نووی' علامہ آلوسی اور شیخ ابن تیمیہ کی تصریحات

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے اس حدیث میں آپ کی امت کے لیے عظیم بشارت ہے اور آپ کی

کے لیے اس حدیث میں تمام احادیث سے زیادہ امید افزا کلمات ہیں' اور اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا رتبہ ہے اور اللہ سبحانہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت لطف و کرم ہے' اور جبریل السلام کو بھیج کر سوال کرنے کی حکمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کا اظہار ہے اور یہ بتانا ہے کہ آپ بہت بلند مقام پر ہیں کو راضی کیا جاتا ہے اور آپ کی وہ تکریم کی جاتی ہے جس سے آپ راضی ہوں اور یہ حدیث اللہ عزوجل کے اس قول کے ق ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىؕ اور ضرور عنقریب آپ کا رب آپ کو (اتنا) عطا فرمائے گا (الضحیٰ:۵) کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے: اور ہم آپ کو رنجیدہ نہیں کریں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بعض گنہگار مسلمانوں معاف کر دیتا اور باقی مسلمانوں کو دوزخ میں ڈال دیتا تو بعض کو معاف کر دینے سے آپ راضی تو ہو جاتے لیکن باقی لمانوں کو دوزخ میں داخل کرنے سے آپ رنجیدہ ہوتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم آپ کو رنجیدہ نہیں کریں گے بلکہ م مسلمانوں کو نجات دے دیں گے۔ واللہ اعلم۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ "ولسوف یعطیک ربک فترضٰی" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ اللہ تعالیٰ کا آپ سے وعدہ کریمہ ہے جو ان چیزوں کو شامل ہے جو اس نے آپ کو دنیا میں عطا فرمائی ہیں کہ آپ کی ت کو کامل بنایا ہے' اور آپ کو اولین اور آخرین کے علوم عطا فرمائے ہیں آپ کے زمانہ اور آپ کے خلفاء کے زمانہ کی حات سے آپ کے دین کو ظہور اور غلبہ عطا فرمایا ہے اور آپ کی دعوت کو زمین کے مشارق اور مغارب میں پھیلا دیا ہے' اور خرت میں اللہ عزوجل نے آپ کے لیے ان عزتوں اور کرامتوں کو ذخیرہ کیا ہوا ہے جن کی تفصیل کو وہ خود ہی جانتا ہے۔

امام ابن المنذر' امام ابن مردویہ اور امام ابونعیم روایت کرتے ہیں کہ حرب بن شریح نے امام ابوجعفر محمد بن علی بن الحسن علیہ لام سے پوچھا کہ یہ بتائیے شفاعت کی جو حدیث اہل عراق بیان کرتے ہیں کیا وہ برحق ہے؟ انہوں نے کہا ہاں خدا کی قسم! محمد بن حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ حدیث بیان کی ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت لیے شفاعت کروں گا حتیٰ کہ میرا رب ندا کرے گا اے محمد! کیا آپ راضی ہو گئے میں کہوں گا ہاں اے میرے رب! میں ی ہو گیا۔

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے کہا ہے کہ اس آیت میں دنیا اور آخرت کی رضا کا عموم مراد لینا زیادہ بہتر ہے' نذ کہ آخرت کی نعمتوں کا مرتبہ دنیا کی نعمتوں سے بہت زیادہ ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں داخل نہیں ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۵۳)

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ کی کل امت جنت داخل ہو۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۶۴' رقم الحدیث: ۱۴۴۵)

خطیب بغدادی نے تلخیص المتشابہ میں ایک اور سند سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوں گے پ کا ایک امتی بھی دوزخ میں ہو۔

وہ احادیث ہیں جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر عظیم شفقت' رحمت اور ان کی مغفرت کی حرص معلوم ہوتی

ہے۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۸۹۔۲۸۷ ملخصاً، البحر المحیط ج ۱۰ ص ۲۹۶، الدر المنثور ج ۸ ص ۵۴۳-۵۴۲)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (الاحزاب: ۶۹) وہ اللہ کے نزدیک وجاہت اور عزت والے تھے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ (آل عمران: ۴۵) وہ دنیا اور آخرت میں وجاہت والے اور مقربین میں تھے۔

اور جب حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجاہت والے تھے تو وہ صاحب وجاہت کیوں نہ ہوں گے جو تمام اولاد آدم کے سردار ہیں اور مقام محمود والے ہیں، جن پر اولین اور آخرین رشک کریں گے، حوض کوثر کے وارث ہیں، وہ قیامت کے دن اس وقت شفاعت کریں گے جب حضرت آدم اور اولوالعزم نبی، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ شفاعت سے پیچھے ہٹ جائیں گے اور آپ آگے بڑھ کر شفاعت کریں گے، اور آپ ہی صاحب اللواء ہیں۔ حضرت آدم اور ان کے ماسوا سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور آپ ہی تمام انبیاء کے امام ہیں اور ان کے وفد کے خطیب ہیں۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۳، مطبوعہ دار الجیل، ۱۴۱۸ھ)

شفاعت کے متعلق سید ابوالاعلیٰ مودودی کا نظریہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

یہاں وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ شفاعت پر یہ پابندی کیوں ہے فرشتے ہوں یا انبیاء یا اولیاء، کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا کہ کس کا ریکارڈ کیسا ہے۔ کون دنیا میں کیا کرتا رہا ہے اور اللہ کی عدالت میں کس سیرت و کردار اور کیسی کیسی ذمہ داریوں کے بارے کر آیا ہے۔ اس کے برعکس اللہ کو ہر ایک کے پچھلے کارناموں اور کرتوتوں کا بھی علم ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اب اس کا موقف کیا ہے۔ نیک ہے تو کیسا نیک ہے اور مجرم ہے تو کس درجے کا مجرم ہے۔ معافی کے قابل ہے یا نہیں۔ پوری سزا کا مستحق ہے یا تخفیف اور رعایت بھی اس کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء اور صلحاء کو سفارش کی کھلی چھٹی دے دی جائے اور ہر ایک جس کے حق میں جو سفارش چاہے کر دے۔ ایک معمولی افسر اپنے ذرا سے محکمے میں اگر اپنے ہر دوست یا عزیز کی سفارشیں سننے لگے تو چار دن میں سارے محکمے کا ستیاناس کر کے رکھ دے گا۔ پھر بھلا زمین و آسمان کے فرمانروا سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کے ہاں سفارشوں کا بازار گرم ہوگا، اور ہر بزرگ جا جا کر جس کو چاہیں گے بخشوا لائیں گے، درآنحالیکہ ان میں سے کسی بزرگ کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ جن لوگوں کی سفارش وہ کر رہے ہیں ان کے نامۂ اعمال کیسے ہیں۔ دنیا میں جو افسر کچھ بھی احساس ذمہ داری رکھتا ہے اس کی روش یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کا کوئی دوست اس کے کسی قصوروار ماتحت کی سفارش لے کر جاتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ آپ کو خبر نہیں ہے کہ یہ شخص کتنا کام چور، نافرض شناس، رشوت خوار اور خلق خدا کو تنگ کرنے والا ہے، میں اس کے کرتوتوں سے واقف ہوں۔ اس لیے آپ براہِ کرم مجھ سے اس کی سفارش نہ فرمائیں۔ اسی چھوٹی سی مثال پر قیاس کر کے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس آیت میں شفاعت کے متعلق جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہ کس قدر صحیح، معقول اور مبنی بر انصاف ہے۔ خدا کے ہاں شفاعت کا دروازہ بند نہ ہوگا۔ نیک بندے جو دنیا میں خلق خدا کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرنے کے عادی تھے انہیں آخرت میں بھی ہمدردی کا حق ادا کرنے کا موقع دیا جائے گا

ن وہ سفارش کرنے سے پہلے اجازت طلب کریں گے اور جس کے حق میں اللہ تعالیٰ انہیں بولنے کی اجازت دے گا صرف سی کے حق میں وہ سفارش کر سکیں گے۔ پھر سفارش کے لیے بھی شرط یہ ہوگی کہ وہ مناسب اور مبنی برحق ہو۔ جیسا کہ وقال صواباً (اور بات ٹھیک کہے) کا ارشاد ربانی صاف بتا رہا ہے بونگی سفارشیں کرنے کی وہاں اجازت نہ ہوگی کہ ایک شخص دنیا یں سینکڑوں ہزاروں بندگان خدا کے حقوق مار آیا ہو اور کوئی بزرگ اٹھ کر سفارش کر دیں کہ حضور اسے انعام سے سرفراز فرمائیں یہ میرا خاص آدمی ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۲۸۔۱۲۶ مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۳ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نظریہ شفاعت پر بحث ونظر اور قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کا علم

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں سید ابوالاعلیٰ مودودی نے شفاعت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے اس اقتباس میں سید مودودی نے تین باتیں غلط لکھی ہیں ایک یہ کہ انبیاء علیہم السلام جن کی شفاعت کریں گے انہیں ان کے ایمان اور اعمال کا علم نہیں ہوگا۔ دوسری یہ کہ انہوں نے فرض کر لیا ہے کہ ہر شخص کی شفاعت کے لیے اس کے متعلق اذن مخصوص لینا ضروری ہے اور تیسری یہ کہ جو شخص غلط کار بدکار اور گنہگار ہو گا اس کی شفاعت نہیں کی جائے گی۔

سید مودودی نے اللہ تعالیٰ کو سرکاری افسر پر اور انبیاء کرام کو اس کے دوستوں پر قیاس کیا ہے اور یہ فرض کر لیا ہے کہ انبیاء کرام اور خصوصاً سید الانبیاء وسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں ہوگا کہ جن کی وہ شفاعت کر رہے ہیں انہوں نے کیسی زندگی گزاری تھی اور ان کا کیا عقیدہ تھا اور یہ عقیدہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں باطل ہے۔ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے نیک ہونے اور ان کی شہادت کے برحق اور صادق ہونے کی شہادت دیں گے اور ظاہر ہے کہ بغیر علم کے شہادت دینا صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن نوح کو بلایا جائے گا وہ کہیں گے اے میرے رب! میں حاضر ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے تبلیغ کی تھی وہ کہیں گے ہاں پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا آیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نوح سے فرمائے گا تمہارے حق میں کون گواہی دے گا وہ کہیں گے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی امت۔ پھر وہ گواہی دیں گے کہ نوح نے تبلیغ کی تھی اور اس کی تصدیق اس آیت میں ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ۱۴۳)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۸۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۶۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۸۴ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۵۴ مسند حمد ج ۳ ص ۹ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۷۳ کتاب الاسماء والصفات ص ۲۱۶)

مشہور مفسر قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۶ھ اس اشکال کا جواب دیتے ہیں کہ جب شہادت کے بعد "علیٰ" کا ذکر ہو تو اس کا معنی عربی قواعد کے مطابق کسی کے خلاف گواہی دینا ہوتا ہے اور یہاں مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے حق میں ان کے نیک ہونے اور ان کی شہادت کے صادق اور برحق ہونے کی شہادت دیں۔ پس قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

اس آیت میں شہید کا لفظ رقیب اور مہیمن (نگہبان) کے معنی کو متضمن ہے اور "علیٰ" کا لفظ شہادت کا صلہ نہیں ہے بلکہ

رقیب کا صلہ ہے اور اس کا معنی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر نگہبان اور ان کے احوال پر مطلع ہیں۔

علامہ احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ قاضی بیضاوی کی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب شہادت کا صلہ "علی" ہو تو اس کا معنی کسی کے خلاف شہادت دینا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت امت کے حق میں ہوگی کیونکہ آپ ان کی شہادت کا تزکیہ کریں گے یعنی ان کی شہادت کو برحق قرار دیں گے۔ علامہ بیضاوی نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہاں شہید کا لفظ رقیب اور مہیمن کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ جو شخص کسی کا تزکیہ کرتا ہے وہ اس کے احوال کو جاننے والا ہوتا ہے۔ (عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی ج ۲ ص ۴۱۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں:

یعنی تمہارے رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں کیونکہ وہ نور نبوت سے ہر دیندار کے دین پر مطلع ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور جس حجاب کی وجہ سے وہ دین میں ترقی نہ کر سکا وہ کون سا ہے پس وہ تمہارے گناہوں اور ایمان کے درجات اور تمہارے اچھے اور برے اعمال اور اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں اس لیے امت کے دنیاوی امور میں آپ کی گواہی بہ حق شرع مقبول اور واجب العمل ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے زمانہ کے حاضرین مثلاً اصحاب و ازواج و اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین یا غائبین مثلاً اویس و مہدی اور مفتون دجال کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں یا اپنے زمانہ کے حاضر و غائب لوگوں کے عیوب و قبائح بیان فرمائے ہیں، ان پر اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے جو روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اپنی امت کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے کہ فلاں آج یہ کرتا ہے اور فلاں یہ تا کہ قیامت کے دن ان پر گواہی دے سکیں۔ (تفسیر عزیزی (فارسی) ج ۱ ص ۶۳۶، مطبوعہ ہند)

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ اور مستند اور مسلم مفسرین نے جو اس کی تفسیر کی ہے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ایمان اور اس کے درجات کا اور ان کے اعمال کا علم ہوگا۔ اس کے علاوہ بہ کثرت احادیث میں بھی اس پر دلیل ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے نیک اور بد، میں نے نیک اعمال میں یہ (عمل) پایا کہ راستہ سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دی جائے اور برے اعمال میں یہ پایا کہ مسجد میں ناک کی رینٹ ڈال دی جائے اور اس کو دفن نہ کیا جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸۳، مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۰۔۱۷۸، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۳۰۸)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب اللہ اپنے بندوں میں سے کسی امت پر رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس امت سے پہلے اس کے نبی کی روح کو قبض فرما لیتا ہے، اور اس کو ان کے لیے صالح پیش رو اور ان کی خیر اور فلاح کا منتظم بنا دیتا ہے اور وہ ان کے حق میں نیکی کی گواہی دیتا ہے، اور جب اللہ کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو نبی کی زندگی میں اس امت کو عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے اور اس کو ہلاک کر کے نبی کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہے کیونکہ انہوں نے نبی کی تکذیب کی تھی اور اس کی نافرمانی کی تھی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۸، المسند الجامع رقم الحدیث: ۸۹۲۸، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۷-۲۵۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے احادیث بیان کی جاتی ہیں، اور میری وفات (بھی) تمہارے لیے بہتر ہے، تمہارے

اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں میں جو نیک عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور میں جو برا عمل دیکھتا ہوں اس پر تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ۸۴۵ الوفاص ۸۱۰ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۷ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۷۷۱)

ان کے علاوہ بعض دیگر احادیث میں ایسے واقعات مذکور ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو امت کے احوال اور اعمال کا علم ہوتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے باغات میں سے ایک باغ میں سے گزرے۔ آپ نے دو ایسے انسانوں کی آواز سنی جن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا جس سے بچنا بہت دشوار ہو' پھر فرمایا کیوں نہیں! ان میں ایک پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔ پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگائی پھر اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا نصب کر دیا۔ آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷)

ہر شخص کی شفاعت کے لیے مخصوص اذن لینا ضروری نہیں

یہ دونوں قبر والے مسلمان تھے اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ان کے کیا گناہ ہیں اور ان کو کس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے' اور آپ نے اپنے عمل سے ان کی شفاعت کی اور آپ کی اس شفاعت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوئی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح عذاب کو بالکلیہ ساقط کرنے کے لیے شفاعت کی جاتی ہے اسی طرح عذاب میں تخفیف کے لیے بھی شفاعت کی جاتی ہے' اور اس حدیث سے نہایت اہم چیز یہ معلوم ہوئی کہ ہر شخص کی شفاعت کے لیے مخصوص اذن لینا ضروری نہیں ہے۔

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اذن سے یہاں مراد شفاعت کرنے کا حکم دینا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا اشفع تشفع آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' یا علم ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کرے گا) یا شفاعت پر قدرت دینا ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر شفاعت کریں (یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء' اولیاء اور صلحاء کو گنہگار کی شفاعت پر قادر کر دیا ہے)۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۶۱۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کرنے کا حکم دیا ہے اس کی مثال قرآن مجید کی ان آیات میں ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ. (محمد: ۱۹) اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی بخشش طلب کریں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کے لیے استغفار کریں۔

جنگ احد میں جو صحابہ آپ کے منع کرنے کے باوجود احد پہاڑ کے درہ سے ہٹ گئے تھے ان کے متعلق عمومی حکم فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ. (آل عمران: ۱۵۹) سو آپ انہیں معاف کر دیں اور ان کے لیے بخشش طلب کریں۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ. (النور: ۶۲) اور ان مسلمانوں کے لیے اللہ سے بخشش طلب کیجئے۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ (الممتحنہ: ١٢) اور ان مسلمان عورتوں کے لیے اللہ سے بخشش طلب کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان گنہگاروں کی شفاعت کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے ہر ایک کے لیے مخصوص اذن کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں۔ پھر نبی اپنی امتوں کے ساتھ گزر رہے تھے ایک نبی کے ساتھ ایک گروہ تھا۔ ایک نبی کے ساتھ دس نفر تھے۔ ایک نبی کے ساتھ پانچ تھے اور ایک نبی کے ساتھ صرف ایک امتی تھا۔ پھر میں نے دیکھا تو بہت لوگ نظر آئے میں نے کہا اے جبریل یہ میری امت ہے؟ انہوں نے کہا لیکن آپ آسمان کے کناروں کو دیکھئے۔ میں نے دیکھا تو بہت بڑی جماعت تھی۔ جبریل نے کہا یہ آپ کی امت ہے اور ان کے آگے ستر ہزار ایسے لوگ ہیں جن پر نہ حساب ہوگا نہ عذاب ہوگا' میں نے پوچھا کیوں تو کہا یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغ لگوائیں گے نہ دم کرائیں گے نہ فال نکالیں گے یہ صرف اپنے رب پر ہی توکل کریں گے۔ پھر آپ کی طرف عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور کہا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے آپ نے کہا اے اللہ اس کو ان میں سے کر دے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٥٤١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٢٠' مسند احمد رقم الحدیث: ٣٨١٩' عالم الکتب)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اذن مخصوص کے حضرت عکاشہ کی شفاعت کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب تم مؤذن (کی اذان) کو سنو تو اس کی مثل (کلمات اذان) کہو' پھر مجھ پر صلوٰۃ پڑھو۔ کیونکہ جو مجھ پر ایک صلوٰۃ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس صلاتیں پڑھتا ہے۔ پھر میرے لیے اللہ سے وسیلہ کا سوال کرو کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک بلند مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں' سو جس نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٣٨٣' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٥٢٣' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٦١٤' سنن النسائی رقم الحدیث: ٦٧٨)

اس حدیث میں شفاعت کا استحقاق بیان فرمایا ہے اور اس میں بھی اذن مخصوص کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت کے ساتھ سب سے زیادہ کامیاب وہ شخص ہوگا جس نے اخلاص قلب کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٩٩' مسند احمد رقم الحدیث: ٨٨٤٥)

اس حدیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کلمہ پڑھتے ہی شفاعت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس میں بھی اذن مخصوص حاصل کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے کلمہ پڑھنے والوں اور موحدین کے لیے انبیاء علیہم السلام کو شفاعت کا اذن بلکہ حکم دیا ہے اور کسی کلمہ پڑھنے والے موحد کے لیے الگ سے اذن شفاعت حاصل کرنا ضروری نہیں ہے تاہم بعض احادیث میں اذن لینے کا بھی ذکر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے' قیامت کے دن سب نبیوں کے پاس جانے کے بعد لوگ میرے پاس آئیں گے سو میں اپنے رب سے اذن طلب کروں گا پھر میں سجدہ میں گر جاؤں گا اللہ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں چھوڑے رکھے گا پھر فرمائے گا اپنا سر اٹھائیے' سوال کیجئے عطا کیا جائے گا کہیے سنا جائے گا شفاعت کیجئے' شفاعت قبول کی جائے گی۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٥٦٥' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٩٣)

گناہ کبیرہ کی شفاعت کے جواز اور وقوع پر قرآن اور حدیث سے دلائل

اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ کافر اور مشرک کی شفاعت نہیں کی جائے گی لیکن گناہ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت میں اختلاف ہے۔ معتزلہ اور خوارج کے نزدیک ان کی شفاعت نہیں کی جائے گی اور اہل سنت کے نزدیک ان کی شفاعت کی جائے گی۔ سید ابوالاعلیٰ نے لکھا ہے:

دنیا میں جو افسر کچھ بھی احساس ذمہ داری رکھتا ہے اس کی یہ روش ہوتی ہے کہ اگر اس کا کوئی دوست اس کے کسی قصوروار ماتحت کی سفارش لے کر جاتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ آپ کو خبر نہیں ہے کہ یہ شخص کتنا کام چور' نافرض شناس' رشوت خور اور خلق خدا کو تنگ کرنے والا ہے میں اس کے کرتوتوں سے واقف ہوں اس لیے آپ براہ کرم مجھ سے اس کی سفارش نہ فرمائیں۔ الخ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۲۷)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جتنے گناہ گنوائے ہیں وہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کبیرہ کی شفاعت سے منع نہیں فرمایا بلکہ گناہ کبیرہ کی شفاعت قبول کرنے کی بشارت دی ہے' فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۶۴)

اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو آپ کے پاس آ جاتے پھر وہ اللہ سے بخشش طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے بخشش طلب کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم فرمانے والا پاتے۔

واضح رہے کہ اپنی جان پر ظلم کرنا گناہ کبیرہ ہے جیسے نماز نہ پڑھنا' رشوت لینا اور دیگر حرام کام کرنا' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی شفاعت قبول کرنے کی بشارت دی ہے۔ اور حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر (کبیرہ گناہ کرنے والوں) کے لیے ہوگی۔ امام ترمذی نے کہا اس سند سے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (صغائر نیک کام کرنے اور کبائر سے بچنے کی وجہ سے بغیر شفاعت کے محض اللہ کے فضل سے معاف ہو جاتے ہیں)

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۹' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۹' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

گناہ کبیرہ کے مرتکب کی شفاعت کی نفی پر سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ○ (النباء: ۳۸)

جس دن جبریل کھڑے ہوں گے اور فرشتے صف باندھے ہوئے اس دن صرف وہی بات کر سکے گا جسے رحمٰن نے اذن دیا ہو اور اس نے درست بات کہی ہو۔

سید مودودی لکھتے ہیں:

پھر سفارش کے لیے بھی یہ شرط ہوگی کہ وہ مناسب اور مبنی برحق ہو جیسا کہ وقال صوابا (اور بات ٹھیک کہے) کا ارشاد ربانی صاف بتا رہا ہے بونگی سفارشیں کرنے کی وہاں اجازت نہ ہوگی' کہ ایک شخص دنیا میں ہزاروں بندگان خدا کے حقوق مار آیا ہو اور کوئی بزرگ اٹھ کر سفارش کر دیں کہ حضور اسے انعام سے سرفراز فرمائیں یہ میرا خاص آدمی ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۲۷)

سفارش کی صرف ایک ہی شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ کافر اور مشرک کی سفارش نہیں ہوگی اور جو شخص دنیا میں ہزاروں بندگان خدا کے حقوق مار آیا ہو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اس کی سفارش ہو سکتی ہے۔ امام رازی اور علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں

لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ صرف اس کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت کی رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس نے درست بات کہی ہو۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ وہ گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے کیونکہ انہوں نے درست بات کہی ہے اور وہ ہے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینا اور یہ سب سے زیادہ درست اور سب سے زیادہ سچی بات ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۵' علامہ آلوسی نے یہی تقریر حضرت ابن عباس اور عکرمہ کے حوالہ سے کی ہے' روح المعانی جز ۳۰' ص ۳۵)

جو شخص ہزاروں آدمیوں کے حقوق مار آیا ہو اس کی شفاعت کو سید ابوالاعلیٰ نے بونگی شفاعت کہا ہے' ان کے اس قول کے خلاف یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص نے ننانوے قتل کیے' پھر اس نے زمین والوں سے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اسے ایک بڑا راہب (عیسائیوں میں تارک الدنیا عبادت گزار) کا پتا بتایا گیا وہ شخص اس راہب کے پاس گیا اور یہ کہا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں۔ کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا نہیں' اس شخص نے اس راہب کو بھی قتل کر کے پورے سو قتل کر دیئے' پھر اس نے سوال کیا کہ روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو اس کو ایک عالم کا پتا دیا گیا۔ اس شخص نے کہا کہ اس نے سو قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ عالم نے کہا: ہاں! توبہ کی قبولیت میں کیا چیز حائل ہو سکتی ہے! جاؤ' فلاں' فلاں جگہ پر جاؤ' وہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں' تم ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' اور اپنی زمین کی طرف واپس نہ جاؤ کیونکہ وہ بری جگہ ہے' وہ شخص روانہ ہوا' جب وہ آدھے راستہ پر پہنچا تو اس کو موت نے آلیا' اور اس کے متعلق رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا' رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ شخص توبہ کرتا ہوا اور دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہوا آیا تھا' اور عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے بالکل کوئی نیک عمل نہیں کیا' پھر ان کے پاس آدمی کی صورت میں ایک فرشتہ آیا' انہوں نے اس کو اپنے درمیان حکم بنالیا' اس نے کہا دونوں زمینوں کی پیمائش کرو' وہ جس زمین کے زیادہ قریب ہو اسی کے مطابق اس کا حکم ہوگا۔ جب انہوں نے پیمائش کی تو وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا جہاں اس نے جانے کا ارادہ کیا تھا' پھر رحمت کے فرشتوں نے اس پر قبضہ کر لیا' حسن نے بیان کیا ہے کہ جب اس پر موت آئی تو اس نے اپنا سینہ پہلی جگہ سے دور کر لیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۲۲)

اور جب سو آدمیوں کے قاتل کی مغفرت ہو سکتی ہے تو سو آدمیوں کے قاتل کی شفاعت بھی ہو سکتی ہے اور اس شفاعت کو بونگی شہادت کہنا قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے اس میں مذکور ہے اللہ تعالیٰ نے اس زمین سے (جہاں سے وہ روانہ ہوا تھا) فرمایا "تو دور ہو جا" اور اس زمین سے (جہاں اللہ تعالیٰ کے عبادت گزاروں کی بستی تھی) فرمایا "تو قریب ہو جا"

(صحیح مسلم' کتاب التوبۃ باب: ۸' رقم حدیث الباب: ۴۸' الرقم المسلسل: ۶۸۷۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اولیاء اللہ کا خود شفاعت کرنا تو بڑی چیز ہے' اگر سو آدمیوں کا قاتل صرف ان کی بستی کا رخ بھی کرے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان اولیاء اللہ کی اس قدر وجاہت ہے کہ وہ اس قاتل کو معاف فرما دیتا ہے' اللہ تعالیٰ نے بستی کی جانب کی زمین کو قریب ہونے اور اس کے مقابل زمین کو دور ہونے کا حکم دیا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ زمین کی واقعی پیمائش اور فاصلوں کو تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن اولیاء اللہ کی طرف جانے والوں کو محروم نہیں کیا جا سکتا' ابھی تو سو آدمیوں کے

قاتل نے اللہ کے دوستوں کی شفاعت بالفعل حاصل نہیں کی تھی صرف ان کی شفاعت کے حصول کا قصد کیا تھا تو بخش دیا گیا اگر وہ عبادت گزار نیک بندے اس کی شفاعت کر دیتے تو اس کی بخشش کا کیا ٹھکانا ہوتا' اور جب سو آدمیوں کے قاتل کی مغفرت کی شفاعت ہوسکتی ہے تو ہزار آدمیوں کے قاتل کی مغفرت کی بھی شفاعت ہوسکتی ہے اور یہی وہ شفاعت ہے جس کو سید مودودی نے لکھا ہے کہ یہ بونگی شفاعت ہے' اور اس شفاعت کو بونگی شفاعت کہنا قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ کا مذاق اڑانا ہے' بہرحال آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ شفاعت کے متعلق سید ابوالاعلیٰ مودودی کا نظریہ وہی ہے جو خوارج اور معتزلہ کا نظریہ تھا اور یہ نظریہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے اور باطل اور مردود نظریہ ہے۔

شفاعت کے متعلق علماء اہل سنت کا نظریہ

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکب کی شفاعت کرنا جائز ہے کیونکہ دلائل سے ثابت ہے کہ گناہ کبیرہ معاف ہو جاتے ہیں نیز تواتر سے منقول ہے کہ اہل کبائر کی شفاعت ہوگی اور شفاعت کے عموم پر اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ. (محمد: ۱۹) اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی بخشش چاہیں اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے گناہوں کی معافی طلب کریں۔

اور اصل شفاعت نص اور اجماع سے ثابت ہے اور معتزلہ کے نزدیک توبہ کے بعد عذاب نہیں ہوتا' اور کبیرہ سے اجتناب کے بعد کوئی صغیرہ نہیں رہتا پس متعین ہوگیا کہ شفاعت کبائر کو ساقط کرنے کے لیے ہوتی ہے' معتزلہ نے شفاعت کی نفی پر اس قسم کی آیات سے استدلال کیا ہے:

لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (البقرۃ: ۴۸) اس دن کسی نفس سے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ (المومن: ۱۸) ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (آل عمران: ۱۹۲) اور ظالموں کا کوئی دوست نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں کفار کی شفاعت کی نفی کی گئی ہے' ثانیاً اگر ان کو مرتکب کبیرہ کے لیے بھی فرض کیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ دنیا میں ان کی شفاعت قبول نہ ہو اور آخرت میں قبول ہو' اور محشر میں کئی احوال ہوں گے ہوسکتا ہے جس وقت اللہ تعالیٰ جلال میں ہو اس وقت ان کی شفاعت قبول نہ ہو اور بعد میں قبول ہو جائے۔

معتزلہ نے کہا خصوصیت کے ساتھ مرتکب کبیرہ کے لیے شفاعت نہ ہونے پر یہ آیت دلیل ہے:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى. (الانبیاء: ۲۸) وہ صرف ان کی شفاعت کریں گے جن سے اللہ راضی ہے۔

اور اللہ گناہ کبیرہ کرنے والے سے راضی نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے بھی ایمان اور کلمہ سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔

مرتکب کبیرہ کے لئے شفاعت نہ ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے:

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا (المومن: ۷) ان کے لیے بخشش کی دعا کیجئے جنہوں نے توبہ کی ہے۔

اور جو فاسق بغیر توبہ کے مر گیا' اس آیت میں اس کے لیے شفاعت کی نفی کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ ان کے لیے شفاعت کیجئے جنہوں نے شرک اور کفر سے توبہ کی ہے' اور اس آیت میں گناہ کبیرہ سے توبہ مراد نہیں ہے'

کیونکہ دوسری آیات سے ان کے لیے شفاعت ثابت ہے۔

معتزلہ کے نزدیک شفاعت کے ثبوت کی جو آیات ہیں وہ اطاعت کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کے درجات بلند کرنے کے ساتھ مخصوص ہیں' اور ہمارے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے گناہ ساقط کرنے کے لیے شفاعت کرنا جائز ہے۔ خواہ یہ شفاعت میدان محشر میں ہو یا دوزخ میں دخول کے بعد ہو' کیونکہ مشہور بلکہ متواتر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرتکبین کبیرہ کی شفاعت فرمائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر (کبیرہ گناہ کرنے والوں) کے لیے ہوگی۔ امام ترمذی نے کہا اس سند سے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٣٥' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٧٣٩' مسند البزار رقم الحدیث: ٣٤٦٩' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ٣٢٨٤' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٤٦٨' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٨٥١٣' المستدرک ج ١ ص ٦٩' مسند احمد ج ٣ ص ٢١٣)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لیے ہے (اس حدیث کے راوی) محمد بن علی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت جابر نے کہا اے محمد! جو شخص اہل کبائر سے نہ ہو اس کا شفاعت سے کیا تعلق ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٣٦' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٣١٠' مسند ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ١٦٦٩' الشریعۃ للآجری ص ٣٣٨' حلیۃ الاولیاء ج ٣ ص ٢٠٠)

اور توبہ کے بعد عذاب کو ترک کر دینا معتزلہ کے نزدیک واجب ہے' پھر جن آیات میں شفاعت کا ذکر کیا ہے ان کا کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہوگا' کیونکہ درجات کی بلندی کوئی خاص فائدہ نہیں ہے اور صغائر ویسے ہی معاف ہو جاتے ہیں اس لیے شفاعت کی آیات کو کبائر کی معافی پر محمول کرنا ہی لائق ہے۔

ہر چند کہ ہم تبیان القرآن کی اسی جلد میں الکہف: ٤٩ کی تفسیر میں گناہ کبیرہ کے متعلق تفصیل سے لکھ چکے ہیں' لیکن علامہ تفتازانی نے اس بحث میں کبائر کا بھی ذکر کیا ہے اس لیے ہم اس کو بھی نقل کر رہے ہیں۔

گناہ کبیرہ اس معصیت کو کہتے ہیں جو دین کے ساتھ بے پرواہی برتنے کی خبر دیتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جس معصیت پر شارع نے خصوصیت کے ساتھ وعید سنائی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ شرک' قتل ناحق' پاک دامن کو تہمت لگانا' زنا' میدان جہاد سے بھاگنا' جادو کرنا' یتیم کا مال کھانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' حرم میں کوئی گناہ کرنا' سود کھانا' چوری کرنا اور شراب پینا یہ تمام کام گناہ کبیرہ ہیں۔ (ہمارے نزدیک مختار تعریف یہ ہے کہ فرض کو ترک کرنا اور حرام کا ارتکاب کرنا گناہ کبیرہ ہے اور واجب کو ترک کرنا اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب کرنا گناہ صغیرہ ہے۔)

(شرح المقاصد ج ٥ ص ١٦١۔١٥٧' ملخصا و موضحا' مطبوعہ منشورات الشریف' قم' ایران' ١٤٠٩ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شفاعت کرنا عقلاً جائز ہے اور دلائل سمعیہ کے اعتبار سے شفاعت کا عقیدہ رکھنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ○ (طٰہٰ: ١٠٩)

اس دن اس کے سوا کسی کی شفاعت نفع نہیں پہنچائے گی جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس کے قول سے وہ راضی ہو۔

وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی اور وہ صرف اس کی شفاعت کریں گے جس سے وہ راضی ہوگا۔ (الانبیاء:۲۸)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کے متعلق اس کثرت سے احادیث فرمائی ہیں جو معنیً متواتر ہیں' اور آثار صحابہ اور ان کے بعد تمام متقدمین اور متاخرین کا اس پر اجماع ہے کہ میدان حشر میں مسلمان گنہ گاروں کی شفاعت کی جائے گی۔ خوارج اور معتزلہ نے شفاعت کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ مسلمان گنہ گار دائماً دوزخ میں رہیں گے' اور ان کا استدلال ان آیات سے ہے: فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (المدثر:۴۸) مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ (المؤمن:۱۸) حالانکہ یہ آیات کفار کے متعلق ہیں۔ وہ شفاعت کی احادیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ شفاعت درجات میں بلندی کے لیے ہوگی لیکن ان کی یہ تاویل باطل ہے اور شفاعت کی آیات اور احادیث میں یہ صراحت ہے کہ جو مسلمان دوزخ کا مستحق ہو چکا ہوگا اس کے لیے شفاعت کی جائے گی۔ تاہم شفاعت کی پانچ اقسام ہیں:

(۱) ایک شفاعت ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور یہ میدان محشر کے خوف اور دہشت سے راحت پہنچانے اور حساب اور کتاب جلد شروع کرانے کے لیے ہوگی۔

(۲) مسلمانوں کے ایک گروہ کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل کرنے کے لیے آپ شفاعت کریں گے اور یہ شفاعت بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

(۳) جو مسلمان دوزخ کے مستحق ہو چکے ہوں گے ان کے لیے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شفاعت کریں گے' اور دیگر انبیاء اور صلحاء بھی۔

(۴) جو گنہگار مسلمان دوزخ میں داخل کر دیئے گئے ہوں گے' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا اور ملائکہ کی شفاعت سے اور ان کے مسلمان بھائیوں کی شفاعت سے' پھر اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو دوزخ سے نکال لے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو' حدیث میں ہے کفار کے سوا دوزخ میں کوئی نہیں رہے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۴)

(۵) اہل جنت کے درجات کی بلندی کے لیے شفاعت کی جائے گی۔ معتزلہ اس قسم کا اور پہلی قسم کا انکار نہیں کرتے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نقل متواتر سے یہ ثابت ہے کہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا سوال کرتے تھے اور آپ کی شفاعت کے حصول میں رغبت کرتے تھے' اس لیے ان لوگوں کے قول کی طرف توجہ نہ کی جائے جو شفاعت کا سوال کرنے سے منع کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ شفاعت تو گناہگاروں کے لیے کی جائے گی سو جو شخص اپنے لیے شفاعت کا سوال کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ کو گناہگار قرار دیتا ہے' ان لوگوں کا اس دلیل سے شفاعت کے سوال کو منع کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جس طرح شفاعت گناہگاروں کے لیے کی جائے گی اسی طرح شفاعت تخفیف حساب کے لیے بھی کی جائے گی اور درجات کی بلندی کے لیے بھی کی جائے گی' پھر ہر صاحب عقل اپنی تقصیر کا اعتراف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا محتاج ہوتا ہے اور اپنے اعمال پر مغرور نہیں ہوتا اور ان کو لائق شمار نہیں گردانتا' اور اس سے ڈرتا ہے کہ وہ عذاب میں مبتلا ہو جائے' اور جو شخص اس وجہ سے شفاعت کے حصول کی دعا سے منع کرتا ہے کہ جب وہ کہے گا: اے اللہ! مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عطا فرما تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہگار قرار دے رہا ہے تو پھر اس شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا بھی نہ کیا کرے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج اص ۱۰۲۵۔۱۰۲۳' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

شفاعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

انبیاء علیہم السلام کی شفاعت

حضرت نوح علیہ السلام

(١) رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا (نوح: ٢٨)

اے میرے رب! میری' میرے والدین کی اور جو مومن میرے گھر میں داخل ہوں ان کی مغفرت فرما۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

(٢) رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم: ٤١)

اے ہمارے رب! روز حشر میری' میرے والدین کی اور تمام مومنوں کی مغفرت فرما۔

(٣) سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ○ (مریم: ٤٧)

میں عنقریب اپنے رب سے تیری شفاعت کروں گا' وہ مجھ پر مہربان ہے۔

(٤) اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ (الممتحنہ: ٤)

مگر ابراہیم کا قول اپنے باپ کے لیے کہ میں تیری شفاعت کروں گا۔

(٥) فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (ابراہیم: ٣٦)

جو میرا پیروکار ہے' وہ میرا ہے' اور جس نے میرے کہنے پر عمل نہیں کیا تو اس کے لیے تو بخشنے والا اور مہربان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

(٦) رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ (الاعراف: ١٥١)

اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر دے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

(٧) سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (یوسف: ٩٨)

میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری شفاعت کروں گا' لاریب وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

(٨) لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ (یوسف: ٩٢)

آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

(٩) اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (المائدہ: ١١٨)

اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو' تو غالب اور حکمت والا ہے۔

حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت

(١٠) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

اگر یہ لوگ گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کی بارگاہ میں حاضری دیں' اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں اور

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۶۴)

آپ ان کی شفاعت کردیں تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

(۱۱) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد: ۱۹)

اپنے (بظاہر) خلاف اولیٰ کاموں اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔

(۱۲) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آل عمران: ۱۵۹)

ان کو معاف کردیجئے اور ان کے لیے شفاعت کیجئے۔

صالحین کی شفاعت مومنین کے لیے

(۱۳) رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (الحشر: ۱۰)

اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہم سے پہلے گزرے ہوئے مسلمان بھائیوں کی۔

فرشتوں کی شفاعت

(۱۴) اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (المومن: ۷)

وہ فرشتے جو عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں۔

(۱۵) يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ڱ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ○ (النباء: ۳۸)

جس دن جبرئیل اور عام فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اس دن اللہ تعالیٰ کے حضور وہی بات کرسکے گا جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے گا اور وہ صحیح بات کرے گا۔

(۱۶) وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (الانبیاء: ۲۸)

اور فرشتے اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

(۱۷) فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ (المومن: ۷)

اے اللہ! ان لوگوں کو معاف کر جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا۔

(۱۸) رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (المومن: ۸)

اے ہمارے رب! مسلمانوں کو دائمی جنت میں داخل فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے آباء' ازواج اور اولاد میں سے صالح ہوں ان کو بھی جنت میں داخل فرما' لاریب تو غالب اور حکمت والا ہے۔

(۱۹) وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (المومن: ۹)

اے اللہ! ان لوگوں کو گناہوں کے عذاب سے بچا اور جس شخص کو تو نے اس دن گناہوں کے عذاب سے بچالیا اس پر تو نے رحم کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

کفار کا شفاعت سے محروم ہونا' شفاعت کا ان کے لیے نفع آور نہ ہونا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہونا اور اس محرومی پر ان کی حسرت (اگر مسلمانوں کو بھی کسی کی نصرت اور شفاعت حاصل نہ ہو تو کفار کے لیے محرومی باعث حسرت نہ ہوگی کیوں کہ وہ کہیں گے کہ مسلمان بھی اس محرومی میں ان کے ساتھ ہیں۔)

(٢٠) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ ○ (المدثر: ٤٨) کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی۔

(٢١) فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا. (الاعراف: ٥٣) تو کیا ہماری شفاعت کرنے والے کوئی ہیں؟ جو ہماری شفاعت کریں۔

(٢٢) فَهَلْ لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ○ (الشعراء: ١٠٠) تو کیا ہمارے لیے شفاعت کرنے والے ہیں؟

(٢٣) لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ (الانعام: ٥١) تو اللہ سے ہٹ کر کفار کا کوئی مددگار ہے نہ کوئی شفاعت کرنے والا۔

(٢٤) مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ○ (الغافر: ١٨) کفار کے لیے کوئی ایسا مددگار اور شفاعت کرنے والا نہ ہوگا جس کی بات مانی جائے۔

شفاعت کے متعلق چالیس احادیث

(١) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ قیامت کے دن آپ میرے لیے شفاعت کریں' آپ نے فرمایا میں کرنے والا ہوں' میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا تم سب سے پہلے مجھے صراط پر تلاش کرنا' میں نے عرض کیا اگر میں صراط پر آپ سے ملاقات نہ کرسکوں! آپ نے فرمایا: پھر تم مجھے میزان کے پاس طلب کرنا' میں نے عرض کیا اگر میں میزان کے پاس آپ سے ملاقات نہ کرسکوں' فرمایا پھر تم مجھے حوض کے پاس طلب کرنا کیونکہ میں ان تین مقامات سے تجاوز نہیں کروں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٣٣' مسند احمد ج ٣ ص ١٧٨)

(٢) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کی ایک دعا قبول ہوتی ہے۔ پس ہر نبی نے وہ دعا جلد مانگ لی اور میں نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھا ہوا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت میں سے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٣٠٤' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٩٩' مسند احمد ج ٢ ص ٤٨٦' مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ١٤٩' سنن دارمی رقم الحدیث: ٢٨٠٩' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٦٠٢' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٣٠٧)

(٣) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر (کبیرہ گناہ کرنے والوں) کے لیے ہوگی (صغائر کی مغفرت' کبائر سے اجتناب اور نیک کام کرنے کی وجہ سے بغیر شفاعت کے محض اللہ کے فضل سے ہوجائے گی)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٧٣٩' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٣٥' مسند احمد ج ٣ ص ٢١٣)

(٤) حضرت جابر نے کہا جس شخص کے کبیرہ گناہ نہ ہوں اس کا شفاعت سے کیا تعلق ہے!

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٣١٠' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٣٦)

(٥) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب کی طرف سے میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے شفاعت کے درمیان اور اس میں اختیار دیا کہ میری نصف امت جنت میں داخل کردی جائے' تو میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا' اور یہ ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حال میں مرا ہو کہ اس

نے شرک نہ کیا ہو۔(مسند احمد ج ۶ ص ۲۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۱)

(۶) حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت کی وجہ سے ایک قوم کو جہنم سے نکالا جائے گا ان کا نام جہنمین رکھا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۵ مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۴ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۵۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۰۰)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے پیروکار تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۵۱)

(۸) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور فخر نہیں اور اس دن ہر نبی خواہ آدم ہوں یا کوئی اور سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں سب سے پہلے (قبر کی) زمین سے اٹھوں گا اور فخر نہیں فرمایا اس دن لوگ تین بار خوف زدہ ہوں گے پھر وہ حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ ہمارے باپ آدم ہیں آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے وہ کہیں گے میں نے ایک (ظاہری) گناہ کیا ہے میں اس کی وجہ سے زمین پر اتار دیا گیا۔ لیکن تم نوح کے پاس جاؤ پھر لوگ حضرت نوح کے پاس جائیں گے پس وہ کہیں گے میں نے زمین والوں کے خلاف ایک دعا کی تھی جس کے نتیجہ میں وہ ہلاک کردیئے گئے لیکن تم ابراہیم کے پاس جاؤ پھر لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے بے شک میں نے تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے ہر جھوٹ ایسا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے دین کی کسی رخصت کو حلال کیا لیکن تم موسیٰ کے پاس جاؤ۔ پھر لوگ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے بے شک میں نے ایک شخص کو قتل کردیا تھا لیکن تم عیسیٰ کے پاس جاؤ پھر وہ لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے بے شک میری اللہ کے سوا عبادت کی گئی ہے لیکن تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ۔ آپ نے فرمایا پھر لوگ میرے پاس آئیں گے۔ پس میں ان کے ساتھ چل پڑوں گا۔ حضرت انس نے کہا گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا ہوں آپ نے فرمایا میں جنت کے دروازہ کی کنڈی کو پکڑ کر کھٹکھٹاؤں گا۔ پس کہا جائے گا یہ کون ہے؟ پھر کہا جائے گا یہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں وہ مجھے مرحبا مرحبا کہیں گے پھر میں سجدہ میں گر جاؤں گا پس اللہ مجھے حمد اور ثنا الہام فرمائے گا مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھائیے آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

(بنی اسرائیل: ۷۹)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸ مسند احمد ج ۳ ص ۲)

فائدہ: اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ عذر پیش کیا کہ ان کی اللہ کے سوا عبادت کی گئی ہے۔ اگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی تو آپ بھی یہ عذر پیش کرتے اور شفاعت نہ کرتے

لیکن آپ نے ایسا نہیں فرمایا اور شفاعت فرمائی' اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک آپ کی عبادت نہیں کی جائے گی اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ سے مدد طلب کرنا' دور سے آپ کو پکارنا' یا رسول اللہ کہنا' ان میں سے کوئی چیز بھی آپ کی عبادت نہیں ہے' اسی طرح آپ کو صفاتی نور ماننا' آپ کے لیے علم غیب ماننا' آپ کو شافی الامراض اور دافع البلاء ماننا اور آپ کو مختار ماننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے آپ تمام روئے زمین کو دیکھتے ہیں اور ہر جگہ سے سنتے ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی شرک نہیں ہے' ورنہ یہ لازم آئے گا کہ آپ کو بھی حضرت عیسیٰ کی طرح اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا گیا ہو اور اللہ کو چھوڑ کر آپ کی عبادت کی گئی ہو' اور اگر ایسا ہوتا تو آپ بھی لوگوں کی شفاعت نہ کرتے اور حضرت عیسیٰ کی طرح عذر فرما دیتے لیکن ایسا نہیں ہوا پس واضح ہو گیا کہ ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں ہے۔

(٩) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں جن کی سب سے پہلے شفاعت کروں گا وہ میرے اہل بیت ہیں' پھر قریش اور انصار میں سے جو سب سے زیادہ قریب ہوں' پھر اہل یمن میں سے جو لوگ مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میری اتباع کی' پھر باقی عرب' پھر عجم اور جو اولوالفضل ہیں میں ان کی پہلے شفاعت کروں گا۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٣٥٥٠' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٨٥٣٨)

(١٠) عبدالملک بن عباد بن جعفر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت میں پہلے اہل مدینہ' اہل مکہ اور اہل طائف کی شفاعت کروں گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ٣٤٧٠' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ١٨٣٨' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٨٥٣٩)

(١١) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے انبیاء شفاعت کریں گے پھر شہداء شفاعت کریں گے' پھر مؤذنین شفاعت کریں گے۔

(مسند احمد ج ٢ ص ٤٧١' مسند البزار رقم الحدیث: ٣٤٧١' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٨٥٤٣)

(١٢) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ سے میرے رب نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار کو جنت میں داخل فرمائے گا جن سے کوئی حساب ہوگا نہ ان کو عذاب ہوگا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے اور تین بار دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر جنت میں ڈال دے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٣٧' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ص ٤٧١' مسند احمد ج ٥ ص ٢٦٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٨٦' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٧٥٢٠' مسند الشامیین رقم الحدیث: ٨٢٠' الاسماء والصفات جز ٢ ص ٦٢)

(١٣) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے بعض وہ ہیں جو ایک جماعت کے لیے شفاعت کریں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٤٠' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١١ص ٤٦٤-٤٦٣' مسند احمد ج ٣ ص ٢٠' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ١٠١٣)

(١٤) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے دوزخ والے تو یہ وہ لوگ ہیں جو دوزخ کے مستحق ہیں' یہ لوگ دوزخ میں نہ مریں گے نہ جئیں گے لیکن کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو ان کے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا' پس اللہ ان پر موت طاری کر دے گا۔ (یعنی ان کو بے ہوش کر دے گا گویا ان کو صورۃً عذاب ہوگا' حقیقۃً عذاب نہیں ہوگا) حتیٰ کہ جب وہ کوئلہ ہو جائیں گے' تو شفاعت کی اجازت دی جائے گی' پھر ان کو گروہ در گروہ لایا جائے گا۔ پھر ان کو جنت کے دریاؤں میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا اے اہل جنت ان پر پانی ڈالو'

پھر جس طرح کیچڑ میں پڑے ہوئے بیج سے سبزہ اگتا ہے وہ اس طرح اُگنے لگیں گے' مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھیتی باڑی کرتے رہے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۹' مسند احمد ج ۳ ص ۵' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۹۷' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۶۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۸۴)

(۱۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' مجھے گوروں اور کالوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے' اور مجھ سے پہلے صرف ایک قوم کی طرف نبی مبعوث کیا جاتا تھا' اور میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور آلہ تیمم بنا دیا گیا' اور ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غنیموں کو حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے وہ کسی کے لیے حلال نہیں تھیں' اور مجھے شفاعت دی گئی تو میں نے اس کو اپنی امت کے لیے مؤخر کر دیا سو وہ ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کرے گا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۰' اس کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۰۰)

(۱۶) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا حتیٰ کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا اے محمد! کیا آپ راضی ہو گئے؟ میں کہوں گا اے رب! بے شک میں راضی ہو گیا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۶' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۰۸۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند کے ایک راوی کو میں نہیں پہچانتا باقی تمام راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۱۶)

(۱۷) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کا چہرہ پھول کی طرح چمک رہا تھا' ہم نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کس وجہ سے اس قدر خوش ہو رہے ہیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھے یہ بشارت دی ہے کہ اللہ عزوجل نے مجھے شفاعت عطا فرمائی ہے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وہ صرف بنو ہاشم کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! ہم نے عرض کیا' کیا وہ صرف قریش کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں ہم نے عرض کیا' کیا وہ آپ کی (پوری) امت کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا یہ میری امت کے گناہگاروں کے لیے ہے جو گناہوں سے بوجھل ہوں۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۰۵۲' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۸۲۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند کے ایک راوی کو میں نہیں پہچانتا باقی تمام راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۱۷)

(۱۸) حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ہی خوب ہے وہ شخص! میں اپنی امت کے بدکار لوگوں کے لیے ہوں! آپ کی مجلس میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! پھر آپ اپنی امت کے نیک لوگوں کے لیے کس طرح ہوں گے۔ آپ نے فرمایا میری امت کے جو بدکار لوگ ہوں گے ان کو اللہ تعالیٰ میری شفاعت کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا اور جو میری امت کے نیک لوگ ہوں گے ان کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۴۸۳' اس کی سند کا ایک راوی ضعیف ہے باقی راوی صحیح ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۱۸)

(۱۹) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمل کرو اور (عمل پر) اعتماد نہ کرو' میری

شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لیے ہے جو گناہوں میں ہلاک ہو چکے ہوں گے۔
(المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۶۹ 'اس کی سند کا صرف ایک راوی ضعیف ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۲۳)

(۲۰) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں روئے زمین کے تمام درختوں اور پتھروں کی تعداد کے برابر شفاعت کروں گا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۷ 'مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۲۵)

(۲۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت ان لوگوں کو نہیں پائیں گے جن کو وہ دنیا میں پہچانتے تھے۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے پاس جا کر ان کا ذکر کریں گے وہ ان کی شفاعت کریں گے ان کی شفاعت قبول کی جائے گی ان کو طلقاء کہا جائے گا۔ ان پر آب حیات ڈالا جائے گا۔
(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۰۶۸ 'اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۲۹)

(۲۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں پر عذاب دیا جائے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ دوزخ میں رہیں گے' پھر مشرکین ان کو عار دلائیں گے اور کہیں گے تم نے جو نبی کی تصدیق کی تھی اور یمان لائے تھے اس نے تم کو نفع نہیں دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ دوزخ میں کسی موحد کو نہیں چھوڑے گا' سب کو دوزخ سے نکال دے گا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا:

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ○ بسا اوقات کافر یہ تمنا کریں گے کاش وہ مسلمان ہوتے۔
(الحجر: ۲) (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۵۰۹ 'مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۳۲)

(۲۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے لیے ایسے نور کے منبر بچھائے جائیں گے جن پر وہ بیٹھیں گے' میں ان پر نہیں بیٹھوں گا' میں اپنے رب کے سامنے کھڑا رہوں گا' اس خوف سے کہ مجھے جنت میں بھیج دیا جائے گا اور میری امت رہ جائے گی' پس میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! پس اللہ عزوجل فرمائے گا: یا محمد! آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں آپ کی امت کے ساتھ کیا کروں؟ پس میں کہوں گا: اے میرے رب! ان کا حساب لے لے' پس ان کو بلایا جائے گا اور ان کا حساب لیا جائے گا' پس ان میں سے بعض اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ان میں سے بعض میری شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے' میں ان کی مسلسل شفاعت کرتا رہوں گا' حتیٰ کہ جن لوگوں کو دوزخ میں داخل کیا ہو گا ان کو بھی رہائی کا پروانہ لکھ دیا جائے گا' اور دوزخ کا داروغہ مالک یہ کہے گا یا محمد! آپ نے اپنے رب کے غضب کا نشانہ بننے کے لیے اپنی امت کے کسی فرد کو نہیں چھوڑا۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۷۷۱ 'المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۹۵۸ 'المعجم الاوسط کا ایک راوی ضعیف ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۳۶)

(۲۳) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن روزہ اور قرآن بندہ کی شفاعت کریں گے' روزہ کہے گا: اے میرے رب اس کو کھانے اور شہوت پوری کرنے سے میں نے منع کر دیا تھا اس کے لیے میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا اس کو رات کی نیند سے میں نے منع کر دیا تھا' اس کے لیے میری شفاعت قبول فرما' پس ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔
(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۴ 'اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۴۳)

(۲۴) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جو نبی نہیں ہو گا اس کی شفاعت سے ربیعہ اور مضر دو قبیلوں جتنے

لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۷'المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۳۸ ۷'یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے'مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۴۴)

(۲۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ والوں کی صفیں بنائی جائیں گی ان کے پاس سے مومنین گزریں گے' پھر دوزخ کی صفوں میں سے ایک شخص کسی کامل مومن کو دیکھے گا جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا وہ اس سے کہے گا: اے شخص کیا تجھے یاد ہے کہ تو نے فلاں فلاں کام میں مجھ سے مدد طلب کی تھی' پھر اس کو مومن کامل یاد کرے گا اور اس کو پہچان لے گا' پھر اس کی اپنے رب کے حضور شفاعت کرے گا اور اللہ اس کی شفاعت قبول فرمالے گا۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۴۷۳'المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۵۰۷'اس کی سند ضعیف ہے'مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۴۷)

(۲۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جنگل میں دو آدمی سفر کر رہے تھے ایک عبادت گزار تھا اور دوسرا بدکار تھا' عبادت گزار کو پیاس لگی حتیٰ کہ وہ شدت پیاس سے گر گیا' بدکار اس کو دیکھ رہا تھا اس کے پاس پانی تھا اور عابد بے ہوش پڑا تھا اس نے سوچا اگر میرے پاس پانی ہونے کے باوجود یہ نیک بندہ پیاس سے مر گیا تو مجھے اللہ کی طرف سے کبھی خیر نہیں پہنچے گی' اور اگر میں نے اپنا پانی اس کو پلا دیا تو میں پیاس سے مر جاؤں گا وہ اللہ پر توکل کر کے اٹھا اور اس پر پانی کے چھینٹے ڈالے اور اس کو اپنا فاضل پانی پلا دیا' پھر اس نے اپنا سفر طے کر لیا' قیامت کے دن وہ بدکار حساب کے لیے پیش کیا گیا' اس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا گیا' فرشتے اس کو دوزخ میں لے جا رہے تھے' اس نے اس عابد کو دیکھ کر کہا: اے فلاں شخص کیا تم مجھ کو پہچانتے ہو' عابد نے کہا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں وہ شخص ہوں جس نے جنگل میں اپنے اوپر تم کو ترجیح دی تھی' عابد نے کہا ٹھیک ہے! میں تم کو پہچانتا ہوں' پھر فرشتوں سے کہا ٹھہرو! فرشتوں کو ٹھہرایا گیا اس عابد نے اپنے رب سے دعا کی' اے میرے رب! تو جانتا ہے اس شخص نے مجھ پر احسان کیا تھا اور کس طرح اس نے اپنے اوپر مجھے ترجیح دی تھی! اے میرے رب اس کو میرے لیے ہبہ کر دے' اللہ فرمائے گا وہ تمہارے لیے ہے پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو جنت میں داخل کر دے گا! (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۲۱۲'مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۸۲'المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۶۵۸)

(۲۷) شرحبیل بن شفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن بچوں سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ' وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! حتیٰ کہ ہمارے آباء اور امہات داخل ہو جائیں' اللہ عزوجل فرمائے گا کیا سبب ہے کہ میں ان کو انکار کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ چلو جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے آباء اور امہات! اللہ عزوجل فرمائے گا تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ اور تمہارے آباء بھی!

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۵'اس حدیث کے تمام راوی صحیح اور ثقہ ہیں'مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۵۱)

(۲۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناتمام بچہ اپنے رب سے جھگڑا کرے گا جب اس کے ماں باپ کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا' اس سے کہا جائے گا: اے ناتمام بچے اپنے رب سے جھگڑنے والے! اپنے ماں باپ کو جنت میں داخل کر لے پھر وہ اپنے ماں باپ کو گھسیٹتا ہوا لائے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۸'مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۶۸'اس کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میری

امت میں سے جس کے دو کم سن بچے پیش رو ہوں' اللہ تعالیٰ اس کو ان کی وجہ سے جنت میں داخل کر دے گا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اور جس کا آپ کی امت میں سے ایک کم سن بچہ پیش رو ہو؟ آپ نے فرمایا جس کا ایک کم سن بچہ پیش رو ہو! اے خیر کی توفیق یافتہ! حضرت عائشہ نے کہا اور جس کا آپ کی امت میں سے کوئی کم سن بچہ پیش رو نہ ہو؟ آپ نے فرمایا تو میں اپنی امت کا پیش رو ہوں! میرے فراق سے بڑھ کر ان کے لیے کون سی مصیبت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۲' مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۷۵۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۸۸۰' سنن کبریٰ بیہقی ج ۴ ص ۶۸' تاریخ بغداد ج ۱۲' ص ۲۰۸)

(۳۰) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن مجید پڑھا اور حفظ کیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا' اور اس کو اپنے گھر کے ایسے دس افراد کے لیے شفاعت کرنے والا بنا دے گا جو سب دوزخ کے مستحق ہو چکے ہوں گے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۰۵)

(۳۱) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے دکھایا گیا کہ میری امت کو میرے بعد کیا حالات پیش آئیں گے' اور وہ ایک دوسرے کا خون بہائیں گے' سو اس نے مجھے غم زدہ کر دیا' اور یہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں میں بھی مقدر کر دیا تھا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ مجھے قیامت کے دن ان کی شفاعت کا والی بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔

(المستدرک ج ۱ ص ۶۸' ذہبی نے اس حدیث کی موافقت کی ہے' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۵۳۱۸)

(۳۲) حضرت عبدالرحمان بن ابی عقیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' ہم میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے رب سے سلیمان کے ملک کی طرح کسی ملک کا سوال کیوں نہیں کیا؟ آپ نے ہنس کر فرمایا: تمہارے پیغمبر کے لیے اللہ کے پاس حضرت سلیمان کے ملک سے افضل چیز ہے' اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھیجا اس کو ایک دعا عطا فرمائی' بعض نبیوں نے اس دعا سے دنیا مانگ لی تو وہ ان کو دے دی گئی' اور بعض نبیوں کی امت نے جب ان کی نافرمانی کی تو انہوں نے اس دعا کو خرچ کر کے ان کے لیے ہلاکت کی دعا کی تو ان کی امت کو ہلاک کر دیا گیا' اور مجھے وہ دعا دی گئی تو میں نے قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کرنے کے لیے اس دعا کو چھپا کر رکھا۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷۱' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۵۹)

(۳۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قبلہ کے اہل سے بے شمار لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی' اور جنہوں نے اس کی نافرمانی کی جرأت کی اور اس کی اطاعت کی مخالفت کی' ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' پس مجھے شفاعت کا اذن دیا جائے گا' میں جس طرح کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں اسی طرح سجدہ میں اس کی حمد و ثنا کروں گا' مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھائیے' سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۳' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۵۱۱' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۵۳۲۵)

(۳۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۲۶۹' مسند البزار ج ۲ ص ۵۷' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۸۳' حضرت عمر رضی اللہ عنہ

بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کی شفاعت کرنے والا اور شہادت دینے والا ہوں گا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۳۷۱' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۲۴)

(۳۵) حضرت عبداللہ بن ابی الجدعا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے ضرور بنو تمیم سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے علاوہ؟ آپ نے فرمایا: میرے علاوہ!

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۶' مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۸۶۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۷۶' المستدرک ج ۱ ص ۷۱-۷۰)

(۳۶) حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ رب نے مجھے آج رات کس چیز کا اختیار دیا ہے' ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے' فرمایا اس نے مجھے میری نصف امت کو جنت میں داخل کیے جانے اور شفاعت کے درمیان اختیار دیا ہے تو میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ ہمیں بھی شفاعت (کے حصول) کا اہل کر دے' آپ نے فرمایا وہ ہر مسلمان کو حاصل ہوگی۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۷' مسند ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۹۹۸' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۱۱' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۱۳۴)

(۳۷) حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! ابو طالب آپ کا دفاع کرتے تھے اور آپ کی مدد کرتے تھے' اور آپ کے لیے غضب ناک ہوتے تھے' آپ نے ان کو کوئی نفع پہنچایا؟ آپ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳)

(۳۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا ان کے دل میں ایک خیال ڈالا جائے گا پس وہ کہیں گے کاش ہم اپنے رب کے پاس کسی کی شفاعت طلب کرتے حتیٰ کہ وہ ہمیں اس جگہ سے رہائی دلاتا! پھر وہ حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ آدم ہیں اور تمام مخلوق کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آپ کو سجدہ کریں' آپ ہمارے لیے اپنے رب سے شفاعت کیجئے تاکہ وہ ہم کو اس جگہ سے رہائی دے' پس وہ کہیں گے میں اس کام کا اہل نہیں ہوں' وہ اپنی (اجتہادی) خطا کو یاد کریں گے اور اپنے رب سے حیا کریں گے' وہ کہیں گے لیکن تم نوح کے پاس جاؤ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا' پھر لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ (بھی) کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' وہ اپنی اس (اجتہادی) خطا کو یاد کریں گے۔ (امام بخاری نے کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت نوح نے یہ دعا کی تھی: اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ برحق ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اے نوح! وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے اس کے عمل نیک نہیں ہیں سو تم اس چیز کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ (ھود: ۴۶-۴۵) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۶' اور امام بخاری نے کتاب التوحید میں روایت کیا ہے کہ حضرت نوح نے کہا کہ میں نے اپنی

قوم کے خلاف انہیں ہلاک کرنے کی دعا کی تھی' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲) وہ دعا یہ تھی: اے میرے رب زمین پر کوئی بسنے والا کافر نہ چھوڑ' اگر تو نے انہیں چھوڑا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار کافر ہو گی۔ (نوح: ۲۷-۲۶) حضرت نوح نے ان دو باتوں کی وجہ سے ان سے شفاعت نہ کرنے کا عذر کیا اور فرمایا مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے لیکن تم ابراہیم کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا تھا' پھر لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' وہ اپنی (اجتہادی) خطا کو یاد کریں گے (وہ خطا یہ تھی کہ انہوں نے تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲) وہ اپنے رب سے حیا کریں گے اور کہیں گے لیکن تم موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے نوازا اور ان کو تورات عطا کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام یاد کریں گے کہ انہوں نے ایک شخص کو (تادیباً) قتل کر دیا تھا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۶) اور وہ اپنے رب سے حیا کریں گے اور کہیں گے لیکن تم عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے پاس جاؤ' پھر لوگ حضرت عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں لیکن تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ' ان کے اگلے اور پچھلے ذنب (یعنی بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی گئی ہے (باقی انبیاء علیہم السلام اپنی اجتہادی خطاؤں کی وجہ سے خوف زدہ تھے اور آپ خوف زدہ نہیں تھے ورنہ آپ بھی عذر پیش کرتے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی کسی قسم کی کوئی خطا نہیں تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر لوگ میرے پاس آئیں گے' پھر میں دیکھوں گا کہ میں سجدہ میں ہوں' پس اللہ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رہنے دے گا' پھر کہا جائے گا یا محمد! اپنا سر اٹھائیے' آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی' آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا' آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی ان کلمات کے ساتھ حمد کروں گا جو مجھے میرا رب اسی وقت سکھائے گا' پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے یعنی میرے لیے ہر بار کی شفاعت کے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی جس سے میں تجاوز نہ کروں مثلاً اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہیں ان کے لیے شفیع بنایا ہے جن کی نمازوں کی جماعت میں کوتاہی ہو' پھر ان کے لیے شفیع بنایا جن کی نمازوں میں کوتاہی ہو' پھر ان کے لیے شفیع بنایا جنہوں نے شراب نوشی کی ہو' پھر ان کے لیے شفیع بنایا جنہوں نے زنا کیا ہو اسی اسلوب پر باقی گناہوں کے لیے شفیع بنایا (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۶۲' دار الفکر' شرح الطیبی ج ۱۰ ص ۱۹۴' مطبوعہ کراچی' التوشیح ج ۵ ص ۱۴۰' مطبوعہ بیروت' ۱۴۲۰ھ) پس میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کر دوں گا' پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا' پھر اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رہنے دے گا' پھر کہا جائے گا یا محمد! اپنا سر اٹھائیے' آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا' آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا' اور اپنے رب کی ان کلمات کے ساتھ حمد کروں گا جو وہ مجھ کو اسی وقت تعلیم فرمائے گا' پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی سو میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا' پھر آپ تیسری یا چوتھی بار میں فرمائیں گے' پس میں کہوں گا اے میرے رب! اب دوزخ میں صرف وہ رہ گئے جن کو قرآن نے دوزخ میں بند کر دیا ہے یعنی ان پر خلود اور دوام واجب ہو گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۳' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۴۳)

(۳۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا' آپ کو اس

کی دستی دی گئی جو آپ کو پسند تھی' آپ نے اس میں سے کچھ گوشت کھایا' پھر آپ نے فرمایا میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا' پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ ایسا کیوں ہوگا؟ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اولین اور آخرین کو ایک میدان میں جمع کرے گا' پھر ان کو منادی کی آواز سنائے گا' وہ سب لوگ دکھائی دیں گے' سورج قریب ہوگا اور لوگوں کو ناقابل برداشت پریشانی اور گھبراہٹ کا سامنا ہوگا' اس وقت لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہارا کیا حال ہے' اور کیا تم یہ نہیں سوچتے کہ تم کس قسم کی پریشانی میں مبتلا ہو چکے ہو' آؤ ایسے شخص کو تلاش کریں جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کرے' پس لوگ ایک دوسرے سے مشورہ کر کے کہیں گے' چلو حضرت آدم کے پاس چلیں اور ان سے عرض کریں کہ اے آدم! علیک السلام آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے اور تمام فرشتوں کو آپ کی تعظیم کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے' آپ اللہ کے سامنے ہماری شفاعت کیجئے' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کیسی پریشانی میں ہیں' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہو چکا ہے! حضرت آدم فرمائیں گے: آج میرا رب بہت غضب میں ہے' اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں تھا نہ اس کے بعد کبھی ہوگا' اس نے مجھے درخت سے منع کیا تھا میں نے اس کی (بہ ظاہر) نافرمانی کی' مجھے صرف اپنی فکر ہے' تم میرے علاوہ کسی اور شخص کے پاس جاؤ' نوح کے پاس جاؤ' لوگ حضرت نوح کے پاس جائیں گے' اور کہیں گے اے نوح! آپ زمین پر بھیجے جانے والے سب سے پہلے رسول ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو عبد شکور (شکر گزار بندہ) فرمایا ہے' آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کیسی پریشانی میں ہیں! کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہو چکا ہے! حضرت نوح ان سے فرمائیں گے میرا رب آج سخت غضب میں ہے' اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں تھا نہ اس کے بعد کبھی اتنے غضب میں ہوگا' اور میں نے اپنی قوم کے خلاف ایک دعا کی تھی' مجھے اپنی فکر ہے مجھے اپنی فکر ہے' تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ' پھر لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے' اور کہیں گے آپ اللہ کے نبی ہیں! اور زمین کے لوگوں میں سے اللہ کے خلیل ہیں! آپ ہمارے لیے اپنے رب کے پاس شفاعت کیجئے' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس پریشانی میں ہیں! کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہے! حضرت ابراہیم ان سے کہیں گے کہ میرا رب آج بہت غصہ میں ہے اور اس سے پہلے اتنے غصہ میں تھا نہ اس کے بعد کبھی اتنے غصہ میں ہوگا' اور وہ اپنے (ظاہری) جھوٹ یاد کریں گے اور کہیں گے مجھے اپنی فکر ہے' مجھے اپنی فکر ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ' پس لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں! اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت اور کلام سے لوگوں پر فضیلت دی ہے' آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس پریشانی میں ہیں' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہے! پس ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں گے: میرا رب آج سخت غضب میں ہے' اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں تھا نہ اس کے بعد کبھی اتنے غضب میں ہوگا' اور میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس کو قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا' مجھے اپنی فکر ہے' مجھے اپنی فکر ہے' تم کسی اور کے پاس جاؤ حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ' پس وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں! آپ نے لوگوں سے پنگھوڑے میں کلام کیا تھا' اور آپ اللہ کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف القا کیا تھا اور اس کی پسندیدہ روح ہیں' آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے' کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس پریشانی میں ہیں' کیا

آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہے! پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے: میرا رب آج سخت غضب میں ہے' اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں تھا نہ اس کے بعد کبھی اتنے غضب میں ہوگا' اور وہ اپنے کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے' مجھے اپنی فکر ہے' مجھے اپنی فکر ہے' میرے علاوہ کس اور کے پاس جاؤ' (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ' پھر لوگ میرے پاس آ کر کہیں گے: یا محمد! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ کو مغفرت کی نوید سنا دی ہے' آپ اپنے رب کے سامنے ہماری شفاعت کیجئے! کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہم کس پریشانی میں ہیں کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں ہیں! پھر میں عرش کے نیچے اپنے رب کے لیے سجدہ کروں گا' پھر اللہ تعالیٰ میرا سینہ کھول دے گا' اور میرے دل میں حمد وثنا کے ایسے کلمات القاء فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کے دل میں القاء نہیں فرمائے تھے' پھر کہا جائے گا یا محمد! اپنا سر اٹھایئے' سوال کیجئے' آپ کو عطا کیا جائے گا' شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت' میری امت' کہا جائے گا یا محمد! آپ کی امت میں سے جن لوگوں کا حساب نہیں لیا گیا ہے ان کو جنت کے دائیں دروازہ سے داخل کر دو' اور یہ لوگ جنت کے باقی دروازوں سے بھی داخل ہو سکتے ہیں اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے' جنت کے دروازوں کے کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ مکہ اور مقام ہجر میں یا مکہ اور مقام بصریٰ میں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٩٤' صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧١٢' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٣٤' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٣٠٧' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١٢٨٦)

(٤٠) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مسلمانوں کو جمع فرمائے گا اور جنت ان کے نزدیک کر دی جائے گی' پھر تمام مسلمان حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: اے ہمارے والد! ہمارے لیے جنت کا دروازہ کھلوایئے وہ فرمائیں گے تمہارے باپ کی ایک (اجتہادی) خطا نے ہی تم کو جنت سے نکالا تھا میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ جاؤ میرے بیٹے حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم فرمائیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' میرے خلیل ہونے کا مقام' مقام شفاعت سے بہت پیچھے ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ' جن کو اللہ تعالیٰ نے شرف کلام سے نوازا ہے' پھر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے' حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں جاؤ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جو اللہ کا کلمہ اور اس کی پسندیدہ روح ہیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' جاؤ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ پھر لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں گے اور آپ کو شفاعت کی اجازت دے دی جائے گی' اس کے علاوہ امانت اور رحم کو چھوڑ دیا جائے گا اور وہ دونوں صراط کے دائیں بائیں کھڑے ہو جائیں گے' تم میں سے پہلا شخص صراط سے بجلی کی طرح گزرے گا' (راوی نے کہا) میرے ماں اور باپ آپ پر فدا ہوں' بجلی کی طرح کون سی چیز گزرتی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے بجلی کی طرف نہیں دیکھا وہ کس طرح گزرتی ہے اور پلک جھپکنے سے پہلے لوٹ آتی ہے' اس کے بعد وہ لوگ صراط سے گزریں گے جو آندھی کی طرح گزر جائیں گے' اس کے بعد پرندوں کی رفتار سے گزر جائیں گے' پھر آدمیوں کے دوڑنے کی رفتار سے گزریں گے' ہر شخص کی رفتار اس کے اعمال کے مطابق ہوگی' اور تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) صراط پر کھڑے ہوئے یہ دعا کر رہے ہوں گے "اے میرے رب ان کو

سلامتی سے گزار دے'' ''ان کو سلامتی سے گزار دے'' پھر ایک وقت وہ آئے گا کہ گزرنے والوں کے اعمال ان کو عاجز کر دیں گے اور ان میں چلنے کی طاقت نہیں ہو گی' اور وہ اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے صراط سے گزریں گے' اور صراط کی دونوں جانب لوہے کے کنڈے لٹکے ہوئے ہوں گے اور جس شخص کے متعلق حکم ہو گا وہ اس کو پکڑ لیں گے' بعض ان کی وجہ سے زخمی ہونے کے باوجود نجات پا جائیں گے' اور بعض ان سے الجھ کر دوزخ میں گر جائیں گے' حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے دوزخ کی گہرائی ستر سال کی مسافت کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۵' المسند الجامع رقم الحدیث: ۳۴۰۱)

شفاعت بالوجاہت کی حدیث پر تعجیل حساب کی شفاعت اور مسلمانوں کو دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کو خلط ملط کرنے کا اشکال

علامہ داؤدی نے کہا گویا کہ حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ کی حدیثوں کے راوی نے ان حدیثوں کی اصل کو ملحوظ نہیں رکھا' کیونکہ ان حدیثوں کا ابتدائی حصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شفاعت میدان محشر میں پریشان لوگوں کو محشر سے رہائی دلانے اور ان کے حساب میں تعجیل کے لیے ہے' اور یہ شفاعت بالوجاہت ہے' اور ان حدیثوں کا آخری حصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شفاعت گنہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کے لیے ہے اور یہ شفاعت اس وقت ہو گی جب لوگ میدان محشر سے صراط کی طرف منتقل ہو جائیں گے اور گناہ گار صراط سے گزرتے ہوئے دوزخ میں گر جائیں گے' شفاعت بالوجاہت موقف (محشر) میں ہو گی اور دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت صراط پر ہو گی اور اس حدیث میں ان دونوں شفاعتوں کا ملا دیا ہے' حافظ ابن حجر نے کہا یہ بہت قوی اشکال ہے۔ (التوشیح ج ۵ ص ۱۴۰۔ ۱۳۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

تعجیل حساب اور دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کو خلط ملط کرنے کے اشکال کا جواب

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اس اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے رب سے اذن طلب کروں گا تو مجھے اذن دیا جائے گا' اس کا معنی یہ ہے کہ میں اس شفاعت کا اذن طلب کروں گا جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا اور وہی مقام محمود ہے' جس کا آپ کے لیے ذخیرہ کیا ہے اور آپ کو بتایا ہے کہ آپ کو اس پر فائز کیا جائے گا' اور حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے کہ آپ کے سجدہ کرنے اور آپ کے حمد کرنے کے بعد آپ کو شفاعت کا اذن دیا جائے گا اور آپ فرمائیں گے میری امت' میری امت' اور اس کے بعد حضرت حذیفہ کی حدیث میں ہے پھر لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے پھر آپ کھڑے ہوں گے اور آپ کو اذن دیا جائے گا اور امانت اور رحم کو بھیجا جائے گا اور وہ صراط کی دائیں بائیں جانب کھڑے ہو جائیں' پھر پہلا شخص صراط سے بجلی کی طرح سے گزرے گا پھر آندھی کی طرح گزرے گا' پھر پرندوں کی طرح' پھر دوڑنے والے لوگوں کی طرح' لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے گزریں گے' اور تمہارے نبی صراط پر کھڑے ہوں گے اور وہ کہہ رہے ہوں گے رب سلم رب سلم اے رب! سلامتی سے گزار اے رب! سلامتی سے گزار' حتیٰ کہ بندوں کے اعمال کم ہو جائیں گے' حتیٰ ایک شخص گھسٹتا ہوا گزرے گا' اور صراط کے دونوں کناروں پر لوہے کے کنڈے (ہک) لٹکے ہوئے ہوں گے اور جس کے متعلق حکم ہو گا اس کو پکڑ لیں گے' پس بعض چھلے ہوئے نجات پائیں گے اور بعض دوزخ میں گر جائیں گے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۵) اس توجیہ سے حدیث متصل ہو گئی ہے (گویا حضرت انس کی حدیث کے راوی نے دوزخیوں کو دوزخ سے نکالنے سے پہلے والا حدیث کا حصہ ساقط کر دیا جس میں تعجیل حساب کی شفاعت اور اس کے قبول ہونے کا ذکر تھا)۔

کیونکہ یہی وہ شفاعت ہے جس کی خاطر لوگ آپ کے پاس آئے تھے اور یہ محشر سے راحت پہنچانے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کے لیے تھی' پھر اس شفاعت کے بعد آپ کی امت اور گنہگاروں کے لیے شفاعت شروع ہوگی' اور انبیاء علیہم السلام وغیرہم اور فرشتوں کی شفاعت ہوگی' جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے' اور رویت باری اور لوگوں کے حشر کی حدیث میں یہ آیا ہے کہ ہر امت اس چیز کی اتباع کرے گی جس کی وہ پرستش کرتی تھی' پھر مومنوں کو منافقوں سے ممتاز اور متمیز کیا جائے گا' پھر شفاعت شروع ہوگی' اور صراط کو رکھا جائے گا پس یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے مومنوں کو منافقوں سے متمیز کیا جائے اور محشر کے خوف سے رہائی دلائی جائے اور یہی مقام محمود ہے' اور جس شفاعت کا احادیث میں ذکر ہے یہ صراط پر گنہگاروں کی شفاعت ہے' اور یہی احادیث کا ظاہر معنی ہے اور یہ شفاعت ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسروں کے لیے ہوگی' اس کے بعد ان لوگوں کے لیے شفاعت ہوگی جو دوزخ میں داخل ہو گئے اور اس طریقہ سے احادیث کے متون مجتمع ہو گئے اور ان کے معانی مترتب ہو گئے اور مختلف نہیں ہوئے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۵۷۸' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے بھی اس جواب کو نقل کیا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ ص ۱۰۵۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکۃ المکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں:

گویا بعض راویوں نے اس چیز کو محفوظ رکھا جس کو دوسروں نے محفوظ نہیں رکھا' اس سے متصل باب میں یہ حدیث آئے گی کہ بعض لوگ صراط سے گھسٹتے ہوئے گزریں گے اور صراط کی دونوں جانب لوہے کے کنڈے ہوں گے جن سے بعض لوگ چھل جائیں گے اور بعض لوگ آگ میں گر جائیں گے' اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس لیے شفاعت کریں گے تاکہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے اس کے بعد ان لوگوں کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت کی جائے گی جو صراط سے دوزخ میں گر جائیں گے' ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سورج قریب ہوگا حتیٰ کہ نصف کانوں تک پسینہ پہنچ جائے گا وہ اسی حال میں ہوں گے' پھر حضرت آدم سے فریاد کریں گے' پھر حضرت موسیٰ سے' پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے' پھر آپ شفاعت کریں گے تاکہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے' پس آپ جائیں گے حتیٰ کہ جنت کے دروازہ کی کنڈی پکڑ لیں گے' اس دن اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا جس کی تمام اہل محشر مدح کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۷۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۴۹)

اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے پھر میں اللہ تعالیٰ کی ایسی مدح کروں گا جس سے اللہ مجھ سے راضی ہو جائے گا' پھر مجھے کلام کرنے کی اجازت دی جائے گی پھر میری امت صراط سے گزرے گی' جو جہنم کی پشتوں پر نصب کیا ہوا ہوگا سو وہ گزریں گے' اور مسند احمد میں ہے اے محمد آپ کیا چاہتے ہیں میں آپ کی اُمّت کے معاملے میں کیا کروں؟ میں عرض کروں گا: اے ربّ ان کا حساب جلد لے لے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۶۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اشکال مذکور کا جواب مصنف کی جانب سے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو شفاعت کی حدیث مروی ہے اس کی ابتداء میں تعجیل حساب کی شفاعت طلب کرنے کا ذکر ہے لیکن پھر اس کے بعد تعجیل حساب کی شفاعت کے بجائے دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرنے کی شفاعت کا ذکر ہے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح ہے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴) گویا کہ ال

دونوں حدیثوں کے راویوں نے حدیث کے اس حصہ کو ترک کر دیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجیل حساب کے لیے شفاعت کی ہے اور اس کے بعد والا حصہ ذکر کر دیا' اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صرف اوپر والے حصہ کا ذکر ہے جب مومنین سب نبیوں کے بعد آپ سے دخول جنت کی شفاعت طلب کریں گے اور آپ ان کے لیے وہ شفاعت فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۵) لیکن میرا گمان ہے کہ اس حدیث میں بھی راوی سے کچھ سہو ہو گیا ہے کیونکہ دخول جنت کی شفاعت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص نہیں ہے یہ شفاعت دوسرے انبیاء علیہم السلام بلکہ ملائکہ اور مومنین صالحین بھی کریں گے جیسا کہ ہم شفاعت کی احادیث میں بیان کر چکے ہیں۔

درحقیقت اس باب میں مکمل اور جامع حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ میدان محشر میں تمام لوگ تمام نبیوں سے تعجیل حساب کی شفاعت طلب کریں گے اور ان کی معذرت کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شفاعت کو طلب کریں گے' پھر میدان محشر میں اس شفاعت کو کرنے کے بعد آپ صراط پر جائیں گے اور لوگوں کو دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرنے کی شفاعت کریں گے اور اس حدیث پر کوئی اشکال نہیں ہے۔ ہر چند کہ شفاعت کی بحث کافی طویل ہو گئی ہے لیکن ہم اس اشکال کو دور کرنے کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پیش کر رہے ہیں۔ فنقول و باللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق.

ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے پاس ایک دعا تھی جس کو اس نے دنیا میں خرچ کر لیا' اور میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھا ہے' اور میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں اور فخر نہیں' اور میں سب سے پہلے (قبر کی) زمین سے اٹھوں گا اور فخر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور فخر نہیں' آدم اور ان کے ماسوا سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور فخر نہیں' قیامت کا دن لوگوں پر بہت طویل ہوگا۔ پس بعض بعض سے کہیں گے' چلو آدم کے پاس جو ہر بشر کے باپ ہیں' وہ ہمارے رب عزوجل کے پاس ہماری شفاعت کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارا فیصلہ کرے' پس وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' میں اپنی (اجتہادی) خطا کی وجہ سے جنت سے نکال دیا گیا تھا اور آج کے دن مجھے صرف اپنے نفس کی فکر ہے' لیکن تم نوح کے پاس جاؤ جو تمام انبیاء کے سردار ہیں پھر لوگ حضرت نوح کے پاس جائیں گے اور ان سے کہیں گے اے نوح! آپ ہمارے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے تاکہ وہ ہمارا فیصلہ کرے' وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' میں نے یہ دعا کی تھی کہ تمام روئے زمین کے لوگوں کو غرق کر دیا جائے اور آج مجھے صرف اپنی ذات کی فکر ہے' لیکن تم ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ' پھر لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے ابراہیم! اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے تاکہ وہ ہمارا فیصلہ کرے' سو وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' میں نے اسلام میں تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے' اور اللہ کی قسم میں نے ان سے اللہ کے دین کی مدافعت اور حفاظت کی تھی وہ حضرت ابراہیم کا قول ہے اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصافات: ۸۹) میں بیمار ہوں' اور ان کا یہ قول ہے: بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ (الانبیاء: ۶۳) بلکہ ان میں سب سے بڑا یہ ہے' سو اس سے پوچھ لو اگر یہ بات کر سکتے ہوں۔ اور جب وہ بادشاہ کے پاس گئے تو انہوں نے اپنی بیوی کے متعلق کہا یہ میری (دینی) بہن ہے' اور آج کے دن مجھے صرف اپنی ذات کی فکر ہے لیکن تم موسیٰ کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے' سو وہ ان کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کی فضیلت دی ہے آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے تاکہ وہ ہمارا فیصلہ کر دے' پس وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں

ہوں' میں نے ایک شخص کو بغیر قصاص کے قتل کر دیا تھا اور آج مجھے صرف اپنی ذات کی فکر ہے' لیکن تم عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے پاس جاؤ' تو وہ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ! آپ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں تو آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے تا کہ وہ ہمارا فیصلہ کر دے' وہ کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں' مجھے اللہ کے سوا معبود بنا لیا گیا تھا اور مجھے صرف اپنی ذات کی فکر ہے' لیکن تم یہ بتاؤ کہ اگر کسی برتن کے اندر کوئی قیمتی چیز رکھی ہوئی ہو اور اس پر مہر لگی ہوئی ہو تو کیا کوئی شخص اس برتن کی مہر توڑے بغیر اس قیمتی چیز کو حاصل کر سکتا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ حضرت عیسیٰ نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم النبیین ہیں اور آج وہ موجود ہیں' اللہ نے ان کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کر دی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر لوگ میرے پاس آ کر کہیں گے یا محمد! اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے تا کہ وہ ہمارا فیصلہ کر دے۔ پس میں کہوں گا کہ میں ہی اس شفاعت کے لیے ہوں حتیٰ کہ اللہ عزوجل اجازت دے' جس کے لیے وہ چاہے اور جس سے وہ راضی ہو۔ پس جب اللہ تبارک وتعالیٰ مخلوق میں اعلان کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو ایک منادی ندا کرے گا' احمد اور ان کی امت کہاں ہے؟ پس ہم ہی آخر اور اول ہیں' ہم آخری امت ہیں اور ہم ہی پہلے وہ ہیں جن کا حساب لیا جائے گا۔ پھر ہمارے راستے سے تمام امتوں کو ایک طرف کر دیا جائے گا اور ہم اس کیفیت کے ساتھ گزریں گے کہ ہمارے چہرے اور ہمارے ہاتھ اور پیر وضو کے آثار سے سفید اور چمکدار ہوں گے' اور ہمیں دیکھ کر تمام امتیں یہ کہیں گی لگتا ہے اس ساری امت میں نبی ہیں' (یہاں تک یہ ذکر ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجیل حساب کی شفاعت کی اور سب سے پہلے آپ کی امت کا حساب لیا گیا اور اس کے بعد دوسری شفاعت کا ذکر ہے جو آپ گناہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کے لیے کریں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میں جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور دروازہ کی کنڈی کو پکڑوں گا' پس دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ سو پوچھا جائے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمد۔ سو میرے لیے دروازہ کھول دیا جائے گا۔ پھر میں اپنے رب عزوجل کو دیکھوں گا وہ کرسی یا عرش پر ہو گا' میں اس کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا اور ایسے کلمات حمد کے ساتھ اس کی حمد کروں گا جن کلمات حمد کے ساتھ مجھ سے پہلے کسی نے اس کی حمد کی تھی اور نہ میرے بعد کرے گا' مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھایئے اور کہئے آپ کی بات سنی جائے گی' اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا' اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا: پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا' پس میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت' میری امت' پس مجھ سے کہا جائے گا آپ دوزخ سے ان تمام (مسلمانوں) کو نکال دیجئے جن کے دل میں اتنا اتنا ایمان ہو' پس میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا' اور سجدہ میں گر جاؤں گا اور اس کی ان کلمات حمد کے ساتھ حمد کروں گا جن کلمات حمد سے مجھ سے پہلے کسی نے حمد کی تھی اور نہ میرے بعد کرے گا' پھر مجھ سے کہا جائے گا اپنا سر اٹھایئے اور کہئے آپ کی بات سنی جائے گی' سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا' اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا اے میرے رب میری امت' میری امت! پس کہا جائے گا ان تمام کو دوزخ سے نکال لیجئے' جن کے دل میں اتنا اتنا ایمان ہو' سو میں ان کو نکالوں گا۔ آپ نے فرمایا پھر تیسری بار بھی اسی طرح ہو گا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۵' ۲۸۲' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۹۲' ۲۵۴۶' طبع جدید عالم الکتب بیروت' حافظ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۴۶' دار الحدیث قاہرہ' مسند الطیالسی رقم الحدیث: ۲۷۱۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۱۳۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث' ۲۳۸۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷۳-۳۷۲)

شفاعت کی اور بھی بہت احادیث ہیں لیکن میں شفاعت کی صرف چالیس حدیثیں ذکر کرنا چاہتا تھا' تا کہ میرا شمار بھی ان

محدثین میں ہو جائے جنہوں نے اس امید پر چالیس حدیثیں جمع کیں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق قیامت کے دن ان کا حشر فقہاء کے گروہ میں ہو جائے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت کو ان کے دین سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں اللہ اس کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔ (شعب الایمان ج ۲ رقم الحدیث: ۱۷۲۵ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۵۸ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۰۷۶)

اس بشارت کی دیگر احادیث ہم نے تبیان القرآن ج ۴ ص ۱۸۵-۱۸۳ میں ذکر کی ہیں' ہر چند کہ میں گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں اور فقہاء کی صف میں کھڑے ہونے کا ہرگز مستحق نہیں ہوں لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم جب عطا فرماتے ہیں تو وہ کسی استحقاق کی بنا پر عطا نہیں فرماتے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گناہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے سو آپ میری ایسی شفاعت فرما دیں کہ میں قبض روح کے وقت' قبر' حشر اور دوزخ میں ہر قسم کے عذاب سے محفوظ اور مامون کر دیا جاؤں' میں شفاعت کے اس باب کو حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

فکن لی شفیعا یوم لا ذو شفاعة — سواک بمغن عن سواد بن قارب

(الاستیعاب ج ۲ ص ۲۳۴' رقم: ۱۱۱۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کو وہ سب معلوم ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور لوگوں کے پیچھے ہے اور لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ (طٰہٰ: ۱۱۰)

لوگوں کے آگے اور لوگوں کے پیچھے کی تفسیر

لوگوں کے آگے اور لوگوں کے پیچھے کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) کلبی نے کہا لوگوں کے آگے سے مراد آخرت کے احوال اور لوگوں کے پیچھے سے مراد ہے دنیا کے احوال' یعنی اللہ تعالیٰ کو وہ سب معلوم ہے جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کو وہ سب بھی معلوم ہے جو آخرت میں انہیں ان کے اعمال کی جزا ملے گی۔

(۲) مجاہد نے کہا ان کے آگے سے مراد ہے ان کے دنیاوی معاملات اور ان کے اعمال اور ان کے پیچھے سے مراد ہے ان کا ثواب یا عتاب۔

(۳) ضحاک نے کہا اس سے مراد ہے جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے اور یہ کہ قیامت کب آئے گی۔

اور لوگ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اس کی بھی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) بندے نہیں جانتے کہ ان کے آگے کیا پیش ہونے والا ہے اور وہ اپنے پیچھے کیا احوال اور کیا اعمال چھوڑ آئے ہیں۔

(۲) بندے اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس ہمیشہ سے زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والے کے سامنے سب ذلت سے اطاعت کر رہے ہیں' اور بے شک وہ شخص ناکام اور نامراد ہوگا جو ظلم کا بوجھ لاد کر لائے گا۔ (طٰہٰ: ۱۱۱)

عَنَتِ الْوُجُوْهُ اور القیوم کے معانی

اس آیت میں عنت کا لفظ ہے' عنیٰ کا معنی ہے عاجزی کرنا اور ذلیل ہونا' العانی کا معنی ہے الاسیر' یعنی قیدی' الماوردی نے کہا ذلت اور خشوع میں فرق ہے۔ ذلیل اس کو کہتے ہیں جو فی نفسہٖ ذلیل ہو اور جو اطاعت کی وجہ سے ذلیل ہو اس کو خشوع

کرنے والا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عنت الوجوہ فرمایا ہے اس کا لفظی معنی ہے اس کے لیے سب چہرے ذلیل ہیں' چہروں سے مراد چہروں والے ہیں' اس سے مراد انسان ہیں اور چہروں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ انسان کے احوال اور اعمال کا اظہار اس کے چہرے سے ہوتا ہے۔ جو شخص کسی کے سامنے عاجزی کرے اور ذلت اختیار کرے اس کا پتا اس کے چہرے سے چل جاتا ہے اور جو کسی کے سامنے رعونت اور تکبر کرے اس کا اظہار بھی اس کے چہرے سے ہو جاتا ہے اس لیے اس آیت میں انسانوں کو چہروں سے تعبیر فرمایا ہے' اس آیت کا معنی ہے اس کو سجدہ کرتے ہیں اور اس کے لیے اپنے چہروں اور پیشانی کو زمین پر رکھتے ہیں۔

القیوم کے تین معنی ہیں۔ (۱) جو مخلوق کی تدبیر کرنے کے ساتھ قائم ہو (۲) جو انسان کے ہر کسب پر قائم ہو (۳) وہ ذات جو ازلی' ابدی' سرمدی ہو' اس کو حدوث ہو نہ اس کو فنا ہو۔

اسم اعظم کے متعلق احادیث

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم وہ ہے کہ جب اس کو پکارا جائے تو وہ جواب دے۔ وہ قرآن مجید کی تین سورتوں میں ہے: البقرہ' آل عمران اور طٰہٰ۔ (یہ حدیث صحیح ہے)

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۷۵۸' المستدرک ج ۱ ص ۵۰۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۷۸)

اور ان تینوں سورتوں میں جو اللہ تعالیٰ کا اسم مشترک ہے وہ ہے الحی القیوم (البقرہ: ۲۵۵' آل عمران: ۲' طٰہٰ: ۱۱۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا وہ اسم اعظم جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ اس کو قبول فرمائے یہ ہے: قل اللھم مالک الملک الایۃ (اس کی سند ضعیف ہے)

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۹۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۷۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۳۳)

حضرت اسماء بنت زید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے: والھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم اور اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم۔ (اس کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۶۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۹۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۵' المشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۲۹۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۸۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۳۲)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کا وہ اسم اعظم جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو دعا قبول ہو اور جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا کیا جائے وہ حضرت یونس بن متیٰ کی دعا ہے۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین (الانبیاء: ۸۷) اس کی سند ضعیف ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ا ص ۳۲۴' طبع جدید' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۸۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۳۴)

نیز اس آیت میں فرمایا: وہ شخص ناکام اور نامراد ہوگا اس سے مراد ہے وہ شخص ثواب سے محروم رہے گا' جو ظلم کا بوجھ لاد کر لائے گا یعنی جو شخص گناہ کبیرہ کرے گا اور اس پر توبہ نہیں کرے گا' لیکن اس آیت میں یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر اللہ اس کو معاف نہ فرمائے' کیونکہ دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ نے گناہ کبیرہ کو بلکہ شرک کے سوا ہر گناہ کو معاف فرمانے کی بشارت بھی دی ہے' اس لیے اس آیت کا معنی اس طرح ہے' اگر کوئی شخص قیامت کے دن گناہ کا بوجھ لاد کر لایا! اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف نہیں کیا اور وہ شفاعت سے بھی محروم رہا' تو وہ ثواب سے محروم رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص ایمان کی حالت میں نیک اعمال کرے گا اسے نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا نہ کسی نقصان کا ○ (طٰہٰ: ۱۱۲)

اس سے پہلی آیتوں میں قیامت کے دن کافروں کا حال بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں قیامت کے دن مومنوں کا حال بیان فرمایا ہے' ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس جگہ رکھنا جو اس کا محل نہ ہو' مثلاً کسی شخص کو بغیر جرم کے سزا دینا' اور ھضم کا معنی ہے نقص اور کمی یعنی قیامت کے دن مومنوں کو نہ بغیر جرم کے سزا دی جائے گی اور نہ ان کے ثواب میں کمی کی جائے گی۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًاO (الجن: ۱۳) اور جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے کسی نقصان کا خطرہ ہوگا نہ کسی ظلم کا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے اس کو عربی قرآن نازل کیا ہے اور اس میں کئی قسم کی سزاؤں کی خبر سنائی ہے تاکہ لوگ ڈریں یا وہ (سزا کی خبر) ان کے دلوں میں نصیحت پیدا کردےO (طٰہٰ: ۱۱۳)

قرآن مجید کی صفات

اس آیت میں قرآن مجید کی دو صفتیں بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ یہ عربی زبان میں ہے اور دوسری یہ کہ اس میں کئی قسم کی سزاؤں کی خبر ہے۔ قرآن مجید کو عربی زبان میں اس لیے نازل فرمایا کہ عرب اس کو سمجھ سکیں اور وہ قرآن مجید کے معجز ہونے کی وجوہ کو جان سکیں' تاکہ ان پر یہ منکشف ہو جائے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ دوسری صفت یہ ہے کہ اس میں کئی قسم کی سزاؤں کی خبر ہے۔ یعنی ہم نے ان خبروں کو بار بار بیان فرمایا ہے اور ان کی تفصیل کی ہے اور ہم نے وہ احکام بیان فرمائے جن کو ہم نے فرض کیا ہے اور ان احکام کی تعمیل نہ کرنے پر ہم نے سزاؤں کو بیان فرمایا ہے' اسی طرح جن کاموں کو ہم نے حرام کیا ہے ان کے کرنے پر ہم نے سزاؤں کو بیان کیا ہے تاکہ لوگ فرائض اور واجبات کو ترک کرنے اور محرمات کا ارتکاب کرنے سے ڈریں یا ان کے دلوں میں نصیحت اور خوف خدا پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس بلند شان والا ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے' اور اس سے پہلے کہ آپ کی طرف پوری وحی کی جائے آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے اور آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کردےO (طٰہٰ: ۱۱۴)

اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر تنبیہ

اس آیت میں یہ تنبیہ کی ہے کہ مخلوق پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سچا بادشاہ ہے کیونکہ اس کی بادشاہی ذاتی ہے' کسی سے مستفاد نہیں ہے' اس کی بادشاہی کو زوال ہے نہ اس میں تغیر ہے' اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور اس کی بادشاہی کے لائق ہے۔ وہ بلند اور برتر ہے' وہم اور عقل اس کی بلندی کا تصور نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی ذات کے لیے نفع کے حصول اور اپنی ذات سے ضرر کو دور کرنے سے منزہ ہے' اس نے قرآن مجید کو اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگ وہ کام نہ کریں جو نامناسب ہیں اور وہ کام کریں جو کرنے چاہئیں' کسی کی اطاعت اور عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور کسی کی معصیت اور حکم عدولی سے اس کو کوئی ضرر نہیں ہوتا۔ جو اطاعت کرتا ہے وہ اپنے فائدہ کے لیے کرتا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے' اس کی توفیق سے بندہ اطاعت کرتا ہے اور اپنے نفس کی شامت اور شیطان کے بہکانے سے انسان گناہ کرتا ہے۔

قرآن کی تلاوت میں عجلت سے ممانعت کی وجوہ

اور اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی کی جائے آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے۔ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سورت یا آیت لے کر نازل ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی تلاوت کرتے' ابھی جبریل وہ پوری سورت یا آیت ختم نہ

کرتے تھے کہ آپ ابتداء سے پڑھنا شروع کردیتے اس خوف سے کہ آپ اس کا کچھ حصہ بھول جائیں گے۔

(۲) مجاہد اور قتادہ نے کہا آپ پر جو سورت یا آیت نازل کی گئی آپ اس کی تلاوت اپنے اصحاب پر اس وقت تک نہ کریں جب تک کہ آپ کو اس کے معانی نہ بتا دیئے جائیں۔

(۳) جب تک اللہ تعالیٰ ازخود آپ پر کوئی سورت یا آیت نازل نہ کرے آپ اس کو نازل کرنے کا سوال نہ کریں۔

اور فرمایا آپ دعا کریں اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر' یعنی زیادہ قرآن نازل فرما' یا اس کی فہم زیادہ فرما یا اس کا حفظ زیادہ فرما۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۲۷-۳۲۶' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا' پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (نافرمانی کرنے کا) قصد نہیں پایا۔ (طٰہٰ: ۱۱۵)

نسیان کے باوجود حضرت آدم پر عتاب کیوں ہوا

عہد لینے سے مراد یہ ہے کہ ہم نے آدم کو اس درخت کے قریب جانے یا اس کے پھل کھانے سے منع کیا تھا' اور فرمایا ''اس سے پہلے'' اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یا قرآن مجید کو نازل کرنے سے پہلے اور فرمایا وہ بھول گئے' یعنی انہوں نے دانستہ اور عمداً اور نافرمانی کرنے کے قصد سے اس درخت سے نہیں کھایا' اس پر سوال ہے کہ جب وہ بھول گئے تھے تو ان پر عتاب کیوں کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ عتاب اس وجہ سے کیا گیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کو ہر وقت ذہن میں مستحضر کیوں نہیں رکھا اور ایسے امور میں کیوں مشغول ہوئے جن کی وجہ سے ان پر نسیان طاری ہوا۔

حضرت آدم کا اولوالعزم رسول نہ ہونا

اس سورت میں چھٹی بار حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ پہلی بار یہ قصہ سورۃ البقرہ میں بیان فرمایا۔ دوسری بار سورۃ الاعراف میں تیسری بار سورۃ الحجر میں' چوتھی بار سورۂ بنی اسرائیل میں پانچویں بار سورۃ الکہف میں اور چھٹی بار سورۂ طٰہٰ میں یہاں پر۔

اس قصہ کی اس سورت سے مناسبت یہ ہے کہ اس سورت میں فرمایا تھا:

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ. (طٰہٰ: ۹۹)   اور اسی طرح ہم آپ کے اوپر گزرے ہوئے واقعات کے قصے بیان کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کرنے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ شیطان کے بہکانے میں آجاتے ہیں حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ شیطان ان کا کھلا دشمن ہے۔ اس کے باوجود وہ احتیاط نہیں کرتے اور اپنے آپ کو شیطان سے محفوظ رکھنے کے اسباب کو اختیار نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ میں یہ بتایا ہے کہ یہ امر قدیم ہے حضرت آدم کو بھی بتا دیا گیا تھا کہ شیطان ان کا کھلا دشمن ہے اس کے باوجود انہوں نے احتیاط نہیں کی اور ان اسباب کو اختیار نہیں کیا جن سے وہ شیطان کے بہکانے میں نہ آتے' وہ بھول گئے اس طرح ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے اور شیطان کے بہکانے میں آجاتی ہے۔

علامہ ابن عطیہ اندلسی نے اس مناسبت کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخفیف ہے اور ان کے معاملہ کو کفار اور نافرمانوں کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔

قرآن مجید میں جو فرمایا ہے ''ولم نجدلہ عزما'' ہم نے (حضرت) آدم کا کوئی عزم نہیں پایا' اس کی ایک تقریر تو وہ ہے جو ہم

بیان کر چکے ہیں کہ وہ بھول گئے تھے اور ہم نے معصیت اور نافرمانی کرنے کا ان کا کوئی ارادہ نہیں پایا۔ اور اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے:

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے حضرت آدم کو بتا دیا تھا کہ آپ اس درخت سے نہ کھائیں لیکن جب شیطان نے ان کو بہکایا تو اس نصیحت پر کاربند رہنے کے لیے ہم نے ان کا عزم نہیں پایا جب کہ ان کو بتا دیا گیا تھا کہ شیطان ان کا دشمن ہے' حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے اس درخت کو کھانے سے رکنے پر ہم نے ان کا صبر نہیں پایا اور ہماری ممانعت پر قائم رہنے کا عزم نہیں پایا' النحاس نے کہا عزم کا لغت میں بھی یہی معنی ہے کہا جاتا ہے فلاں نے عزم کیا یعنی خود کو معصیت سے بچانے پر ثابت قدم رہا اور صبر کیا' اسی اعتبار سے فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ پس آپ صبر کیجئے جس طرح عالی ہمت رسولوں نے صبر کیا۔

(الاحقاف: ۳۵)

حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے: میں نے جس چیز سے منع کیا تھا انہوں نے اس ممانعت کی حفاظت نہیں کی' جب ابلیس نے ان سے کہا اگر آپ نے اس معین درخت سے کھا لیا تو آپ کو جنت میں خلود اور دوام حاصل ہو جائے گا تو انہوں نے اس کی بات نہیں مانی اور جب ابلیس نے اسی نوع کے دوسرے درخت سے کھانے کے لیے کہا تو انہوں نے تاویل کر کے اس درخت سے کھا لیا اور یہ بھول گئے کہ یہ درخت بھی ممانعت کے عموم میں داخل ہے' ابن زید نے کہا حضرت آدم نے اللہ تعالیٰ کے امر کی حفاظت نہیں اسی لیے علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ وہ اولوالعزم رسولوں میں سے نہ تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۶۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابراہیم بھی اولوالعزم رسول نہ تھے کیونکہ انہوں نے تین مواقع پر ظاہری جھوٹ بول کر رخصت پر عمل کیا اور عزیمت پر عمل نہ کیا' جب کہ حضرت غوث اعظم نے ڈاکوؤں کے سامنے سچ بول کر عزیمت پر عمل کیا اور مال بچانے کے لیے جھوٹ بول کر رخصت پر عمل نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مواقع پر رخصت پر عمل مطلوب ہوتا ہے اور عزیمت پر عمل مطلوب نہیں ہوتا اگر روزہ دار کی جان کو خطرہ ہو اور وہ جان بچانے کے لیے رخصت پر عمل نہ کرے اور عزیمت پر عمل کرتے ہوئے روزہ برقرار رکھے تو وہ گناہگار ہوگا اور مر گیا تو حرام موت مرے گا۔ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں مکہ جا رہے تھے آپ نے کراع الغمیم پہنچ کر روزہ رکھا اور لوگوں نے بھی روزہ رکھا' پھر بعد میں سب کے سامنے پانی پی کر روزہ افطار کر لیا۔ آپ کو بتایا گیا کہ بعض لوگ روزے پر برقرار رہے آپ نے فرمایا وہ نافرمان ہیں' وہ نافرمان ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۲۶۲) حضرت ابراہیم نے جن تین مواقع پر رخصت پر عمل کیا تھا وہاں وہی عمل اولیٰ تھا۔ رہا یہ کہ آپ نے اپنے اس عمل کی وجہ سے شفاعت نہیں کی تو وہ آپ کی تواضع اور آپ کا انکسار ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ ﴿۱۱۶﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کر دیا ○

فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ

پس ہم نے آدم سے فرمایا: اے آدم! یہ آپ کا اور آپ کی بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ یہ آپ دونوں کو جنت سے نکلوا دے'

فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾ وَاَنَّكَ لَا

تو آپ مشقت میں پڑ جائیں گے ○ بے شک آپ جنت میں نہ بھوکے رہیں گے اور نہ برہنہ ○ اور نہ آپ جنت میں

تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ

پیاسے رہیں گے اور نہ دھوپ کی تپش محسوس کریں گے ○ شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا اور کہا: اے آدم!

هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا

کیا میں دائمی حیات کے درخت کی طرف آپ کی رہنمائی کروں اور اس بادشاہت کی طرف جس کو کبھی زوال نہ ہو ○ پس ان دونوں نے اس

فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ز

درخت میں سے کھا لیا سو ان دونوں کے ستر کھل گئے اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپنے لگے

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿١٢١﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ

اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ لغزش میں مبتلا ہو گئے ○ پھر ان کے رب نے انہیں برگزیدہ فرمایا، اور ان کی توبہ قبول

هَدٰى ﴿١٢٢﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج فَاِمَّا

فرمائی اور ان کو (بلند درجات کی) ہدایت دی ○ فرمایا تم دونوں اکٹھے جنت سے اتر جاؤ، تم میں سے بعض، دوسرے بعض کے دشمن ہوں گے، پھر اگر

يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۵ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾

تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ مشقت میں مبتلا ہو گا ○

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ

اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو یقیناً اس کی زندگی بہت تنگی میں گزرے گی اور قیامت کے دن

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ

ہم اسے اندھا اٹھائیں گے ○ وہ کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں (دنیا میں)

بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ج وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾

دیکھنے والا تھا! ○ اللہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس میری نشانیاں آئیں تھیں تو تو نے ان کو فراموش کر دیا تھا اور اسی طرح آج

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ

اور جو شخص حد سے تجاوز کرے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے ہم اسی طرح اس کو سزا دیتے ہیں' اور بے شک

الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ

آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور بہت باقی رہنے والا ہے ○ کیا انہوں نے اس سے ہدایت نہیں پائی کہ ہم ان سے پہلے کتنی بستیوں کو ہلاک کر چکے ہیں

يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع

جن کے رہنے کی جگہوں میں یہ لوگ چل پھر رہے ہیں' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○

ع ۱۳ / ۱۶

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا' اس نے انکار کر دیا ○ پس ہم نے آدم سے فرمایا: یہ آپ کا اور آپ کی بیوی کا دشمن ہے' ایسا نہ ہو کہ یہ آپ دونوں کو جنت سے نکلوا دے' تو آپ مشقت میں پڑ جائیں گے ○ بے شک آپ جنت میں نہ بھوکے رہیں گے اور نہ برہنہ ○ اور نہ آپ جنت میں پیاسے رہیں گے اور نہ دھوپ کی تپش محسوس کریں گے ○ (طٰہٰ: ۱۱۹-۱۱۶)

ابلیس کی حضرت آدم سے عداوت کی وجوہ

ان آیات میں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں: (۱) سجدہ کرنے کا حکم سب فرشتوں کو دیا گیا تھا یا بعض کو (۲) سجدہ کی کیا تعریف ہے (۳) آیا ابلیس فرشتوں میں سے تھا یا جنات میں سے تھا (۴) آیا ابلیس حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہوا یا پہلے سے کافر تھا۔ ان امور پر ہم البقرہ ۳۴-۳۹ میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ ابلیس جو حضرت آدم علیہ السلام سے عداوت رکھتا تھا اس کی عداوت کا کیا سبب ہے' مفسرین نے اس کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

(۱) ابلیس بہت زیادہ حسد کرنے والا تھا' جب اس نے حضرت آدم علیہ السلام کے اوپر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ نعمتیں دیکھیں تو وہ ان سے حسد کرنے لگا اور یہی اس کی عداوت کا سبب تھا۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام نوجوان عالم تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آدم کو کل اسماء سکھا دیئے' اور ابلیس بوڑھا ہونے کے باوجود جاہل تھا کیونکہ اس نے صرف مادۂ خلقت دیکھ کر خود کو حضرت آدم سے افضل قرار دیا اور جو بوڑھا جاہل ہو وہ ہمیشہ نوجوان عالم سے دشمنی رکھتا ہے۔

(۳) ابلیس کو آگ سے پیدا کیا گیا اور حضرت آدم کو پانی اور مٹی سے پیدا کیا گیا اور پانی اور مٹی اور آگ میں اپنی اصل کے اعتبار سے عداوت ہے۔

جنت کی نعمتوں کی قدر دلانا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسا نہ ہو کہ یہ آپ کو جنت سے نکلوا دے تو آپ مشقت میں پڑ جائیں گے۔

مشقت سے مراد ہے تلاش معاش اور روزی کی طلب میں جدوجہد اور محنت اور مشقت کرنا جس کے نتیجہ میں انسان تھکاوٹ میں مبتلا ہوتا ہے' اور یہ محنت اور مشقت صرف مرد کرتا ہے عورتیں نہیں کرتیں اس لیے اس آیت میں صرف حضرت آدم

کے متعلق فرمایا ہے ورنہ آپ مشقت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ کھیتی باڑی کرنے ہل چلانے اور دیگر اسباب معیشت سے جو مشقت اور تھکاوٹ حاصل ہوتی ہے اس سے وہ مراد ہے سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم ایک سرخ بیل کے ساتھ ہل چلاتے تھے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے تھے اور یہ ان کی مشقت تھی۔

نیز فرمایا آپ جنت میں نہ بھوکے رہیں گے اور نہ برہنہ ○ اور نہ آپ جنت میں پیاسے رہیں گے اور نہ دھوپ کی تپش محسوس کریں گے۔

انسان کو پیٹ بھر کر کھانا مل جائے' پھر سیر ہو کر پینے کیلئے پانی مل جائے' تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا مل جائے اور درختوں کا سایہ میسر ہو جائے تو یہ اس کے لیے بہت اہم اور بڑی نعمتیں ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں یہ نعمتیں بغیر کسی محنت اور مشقت کے حاصل تھیں اور ان نعمتوں کی انسان کو اس وقت قدر ہوتی ہے جب یہ نعمتیں اس کو میسر نہ ہوں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ان نعمتوں کی اضداد کا ذکر فرمایا کہ جنت میں آپ نہ بھوکے رہتے ہیں نہ پیاسے نہ برہنہ ہوتے ہیں اور نہ آپ کو دھوپ کی تپش محسوس ہوتی ہے اور جب آپ جنت سے چلے جائیں گے تو آپ کو ان تمام نعمتوں کے حصول کے لیے محنت اور مشقت کرنا ہوگی اس لیے آپ شیطان کے بہکانے میں نہ آئیں تاکہ آپ کو جنت سے جانا نہ پڑے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا اور کہا: اے آدم! کیا میں دائمی حیات کے درخت کی طرف آپ کی رہنمائی کروں! اور اس بادشاہت کی طرف جس کو کبھی زوال نہ ہو ○ پس ان دونوں نے اس درخت سے کھالیا سو ان دونوں کے ستر کھل گئے اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپنے لگے اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ لغزش میں مبتلا ہو گئے ○ پھر ان کے رب نے انہیں برگزیدہ فرمایا اور ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو (بلند درجات کی) ہدایت دی ○ (طٰہٰ: ۱۲۲۔۱۲۰)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہت عظیم مقام عطا فرمایا ان کو مسجود ملائکہ بنایا اور ان کو تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا اور ان کو یہ بتا دیا کہ ان سے اور ان کی بیوی سے ابلیس سخت عداوت رکھتا ہے اور وہ ان کو بہکائے گا اور ان سے معصیت صادر کرا کر ان کو جنت سے نکلوانے کی کوشش کرے گا' اور ابلیس نے حضرت آدم کو اور ان کی بیوی کو لغزش میں مبتلا کرا دیا' اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا علم بہت کامل تھا اور ان کی عقل بہت روشن تھی اور ان کو معلوم تھا کہ ابلیس ان کا دشمن ہے اور اس نے ان کو سجدہ نہیں کیا اور وہ اسی وجہ سے دائمی لعنت کا مصداق اور مستحق بن گیا اس کے باوجود انہوں نے اس کے فریب میں آکر اس درخت سے کھالیا اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی قضا اور اس کی تقدیر کو روک نہیں سکتی۔

رہا یہ کہ ابلیس نے کیا وسوسہ کیا اور کس طرح کیا اس کی تفصیل ہم البقرہ میں بیان کر چکے ہیں اور الاعراف میں بھی اس کا ذکر کیا ہے اور حضرت آدم اور ان کی بیوی کا ستر کھل جانا اور پتوں سے ان کا اپنے جسموں کو ڈھانپنا اس کی تفسیر بھی ہم سورۃ الاعراف میں بیان کر چکے ہیں۔

"عصى ادم ربه فغوى" سے حضرت آدم کی عصمت پر اعتراض اور امام رازی کی طرف سے اس کا جواب

اس آیت: ۱۲۱ میں ہے فعصى ادم ربه اس کا لفظی معنی ہے پس آدم نے اپنے رب کی معصیت (نافرمانی) کی۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں عصا کا معنی ہے لاٹھی' عصیان کی اصل ہے اپنی لاٹھی کے سبب سے کسی کام سے منع کرنا' اور اس کا معنی ہے اطاعت سے باہر نکلنا۔ (المفردات: ج ۲ ص ۴۳۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

امام رازی لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے منکرین کہتے ہیں کہ عاصی اس شخص کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا

ارتکاب کرے اور جو اپنے فعل کی وجہ سے سزا کا مستحق ہو اور عصیان کی مذمت کی جاتی ہے اور اس پر وعید ہے قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا (النساء: ۱۴)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

اور غویٰ کا مصدر ہے غوایت' اور غوایت اور ضلالت دونوں مترادف ہیں اور غی' رشد اور ہدایت کی ضد ہے اور اس قسم کے لفظ کا اطلاق اسی شخص پر کیا جاتا ہے جو فاسق ہو اور اپنے فسق میں مستغرق ہو۔

پھر علماء نے اس استدلال کے جواب میں کہا معصیت کا معنی ہے امر کی مخالفت کرنا اور امر کبھی وجوب کے لیے ہوتا ہے اور کبھی استحباب کے لیے ہوتا ہے' اور حضرت آدم پر جو معصیت کا اطلاق ہے اس کا معنی ہے انہوں نے ایک مستحب کام کو ترک کر دیا نہ یہ کہ انہوں نے کسی واجب کو ترک کیا' لیکن اس آیت سے استدلال کرنے والوں نے اس جواب کو رد کر دیا اور کہا ہے کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ معصیت کا مرتکب عتاب اور سزا کا مستحق ہوتا ہے اور عرف میں بھی عاصی کا لفظ بہ طور مذمت کے استعمال ہوتا ہے' اور بعض علماء نے اس کے جواب میں یہ کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم نے معصیت صغیرہ کا ارتکاب کیا نہ یہ کہ معصیت کبیرہ کا ارتکاب کیا' اور ابو مسلم اصفہانی نے یہ جواب دیا کہ حضرت آدم نے مصالح دنیا میں حکم کی مخالفت کی نہ کہ تکلیف شرعی میں' اور دنیاوی مصلحتوں میں حکم کی مخالفت کرنا مباح ہے' اور غویٰ کے لفظ کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہو گئے کیونکہ جب انہوں نے اپنے ملک کو دائماً برقرار رکھنے کے لیے اس درخت سے کھایا تو ان کا ملک زائل ہو گیا اور ان کی کوشش ناکام ہو گئی اور وہ کامیاب نہ ہو سکے تو کہا گیا غویٰ' غویٰ' رشد کی ضد ہے اور رشد کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کے وسیلہ سے مقصود تک پہنچا جائے اور جب مقصود کے بجائے اس کی ضد حاصل ہو تو کہا جاتا ہے غویٰ یعنی وہ ناکام اور نامراد ہو گیا' اور بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ غویٰ کا معنی ہے بدہضمی یعنی بہ کثرت گندم کھانے سے انہیں بدہضمی ہو گئی' ان تمام جوابات کو ذکر کرنے اور ان پر بحث تمحیص کرنے کے بعد امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ میرے نزدیک سب سے اولیٰ اور مادۂ اعتراض کو جڑ سے اکھاڑنے والا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم سے یہ فعل اس وقت سرزد ہوا جب وہ نبی نہیں تھے اس کی تفصیل ہم نے البقرہ میں کی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۰۹-۱۰۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورہ بقرہ کی تفسیر میں امام رازی نے پہلے عصمت انبیاء میں حسب ذیل مذاہب بیان فرمائے ہیں:

عصمت انبیاء میں مذاہب

(۱) حشویہ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا عمداً گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنا جائز ہے۔

(۲) اکثر معتزلہ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے کبائر کا صدور جائز نہیں ہے لیکن عمداً صغائر کا صدور جائز ہے' سوا ان صغائر کے جن سے لوگ متنفر ہوں۔

(۳) جبائی معتزلی کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے صغائر اور کبائر کا عمداً صدور ناجائز ہے' ہاں ان سے تاویل کے ساتھ صدور ہو سکتا ہے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام سے بغیر سہو اور خطا کے گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا' سہو اور خطا کے ساتھ ان سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے' لیکن ان سے ان پر مواخذہ ہوتا ہے' اس کے برخلاف ان کی امتوں سے اگر سہو اور خطاء سے گناہ ہو تو ان سے مواخذہ

نہیں ہوتا' کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے پاس معرفت کے دلائل بہت قوی اور بہت زیادہ ہیں اور دوسروں کی بہ نسبت وہ گناہوں سے اجتناب پر زیادہ قادر ہیں۔

(۵) روافض کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے صغیرہ یا کبیرہ گناہ صادر نہیں ہوتا نہ قصداً نہ سہواً نہ تاویلاً نہ خطاءً۔

عصمت کے وقت میں علماء کے تین قول ہیں:

(۱) معتزلہ کے نزدیک ان کی عصمت کا وقت بالغ ہونے کے بعد ہے اور نبوت سے پہلے ان سے کفر اور کبیرہ کا ارتکاب جائز نہیں ہے۔

(۲) روافض کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی ولادت کے وقت سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

(۳) ہمارے اکثر اصحاب کا مذہب اور ابوالھذیل اور ابوعلی معتزلی کا مذہب اور ہمارا مختار یہ ہے کہ حال نبوت میں انبیاء علیہم السلام سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا نہ کبیرہ نہ صغیرہ۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۵۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس تمہید کے بعد امام رازی ''عصی ادم ربہ فغوی'' کے جواب میں منکرین عصمت کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہارا کلام اس وقت مکمل ہوگا جب تم دلیل سے یہ ثابت کر دو کہ حضرت آدم نے حال نبوت میں اس درخت سے کھایا تھا اور یہ ثابت نہیں ہے' یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ حضرت آدم سے اس زلت (لغزش) کا صدور اس وقت ہوا ہو جب وہ نبی نہیں تھے اور اس زلت کے بعد ان کو نبی بنایا گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۵۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عصی ادم ربہ فغوی کے متعلق علامہ قرطبی مالکی کی تفسیر

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس میں علماء کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتے' اور اس میں ان کا اختلاف ہے کہ آیا وہ گناہ صغیرہ کرتے ہیں جن سے ان کا مواخذہ ہوتا ہے اور ان پر عتاب ہوتا ہے یا نہیں' اسی طرح اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے وہ ایسا ذلیل کام نہیں کرتے جس سے ان کی ذات پر نقص یا عیب لگے یا جس کی وجہ سے ان کی مذمت کی جائے اور لوگ ان سے متنفر ہوں' ہمارے نزدیک اس کی دلیل معجزہ ہے' اور معتزلہ کے نزدیک اس کی دلیل عقل ہے۔ امام طبری اور دیگر فقہاء' متکلمین اور محدثین نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے صغائر واقع ہوتے ہیں اس میں رافضیوں کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام تمام گناہوں سے معصوم ہیں۔

امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام شافعی' ان کے اصحاب اور جمہور فقہاء اور محدثین کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اسی طرح صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں' کیونکہ ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کے افعال' ان کے آثار اور ان کی سیرتوں کی اتباع کریں اور یہ حکم مطلق دیا گیا ہے اس میں کوئی استثناء نہیں ہے اور نہ کسی قرینہ کے التزام کا ذکر ہے' اگر ہم انبیاء علیہم السلام سے صغائر کے وقوع کو جائز قرار دیں تو ان کی اقتداء کرنا ممکن نہیں ہوگی' کیونکہ ان کے افعال میں سے ہر فعل اس سے متمیز نہیں ہے کہ وہ عبادت ہے یا اباحت ہے یا ممنوع ہے یا معصیت ہے' اور نہ کسی شخص کو یہ حکم دینا صحیح ہوگا کہ وہ ان کے کسی حکم پر عمل کرے کیونکہ ہوسکتا ہے ان کا وہ حکم معصیت ہو۔

قاضی ابواسحاق اسفرائنی نے کہا کہ صغائر کے ارتکاب میں اختلاف ہے اور اکثر کا مختار یہ ہے کہ ان سے صغائر کا صدور جائز نہیں ہے اور بعض نے جائز کہا ہے اور اس قول کی کوئی اصل نہیں ہے۔

بعض متاخرین نے پہلے قول کو اختیار کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض گناہوں کے وقوع کی خبر دی ہے اور ان کو انبیاء علیہم

السلام کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام پر عتاب کیا ہے' اور خود انبیاء علیہم السلام نے بھی ان گناہوں کے وقوع کی خبر دی اور ان سے ڈرے اور ان پر توبہ کی اور یہ تمام امور بہت جگہ وارد ہیں اور یہ مجموعی طور پر تاویل کو قبول نہیں کرتے اگرچہ فرداً فرداً تاویل کو قبول کرتے ہیں' اور ان تمام امور سے ان کے مناصب میں کمی نہیں ہوتی اور یہ کام ان سے شاذ اور نادر طور پر خطا اور نسیان سے واقع ہوئے ہیں یا انہوں نے یہ کام کسی تاویل سے کیے ہیں کیونکہ کبھی وزیر سے اس کام پر گرفت کی جاتی ہے جس کام پر سائیس کو انعام دیا جاتا ہے' اس وجہ سے وہ میدان حشر میں امن امان اور سلامتی ملنے کے باوجود ان کاموں کے ارتکاب سے ڈرتے رہیں گے اور یہ قول حق ہے اور جنید نے کیا خوب کہا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں' اور ہر چند کہ بعض نصوص ان سے گناہوں کے وقوع پر شاہد ہیں لیکن اس سے ان کے مناصب پر طعن نہیں ہوگا اور نہ ان کے مراتب میں کوئی کمی ہوگی بلکہ انہوں نے ان گناہوں کی تلافی کر لی' اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بزرگی دی اور ان کو ہدایت دی اور ان کی مدح کی اور ان کا تزکیہ کیا اور ان کو پسند کیا اور ان کو فضیلت دی۔ صلوٰت اللہ علیہم و سلامہ۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۹۲۔۲۹۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اور علامہ قرطبی وعصی ادم ربہ فغوی کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فغویٰ کا معنی ہے ان کی زندگی کا عیش و آرام جاتا رہا اور ان کی زندگی خراب ہوگئی' غی کا ایک معنی ضلالت اور گمراہی ہوتا ہے اور دوسرا معنی فساد ہے اور یہاں پر یہی معنی مراد ہے' نقاش' قشیری اور استاذ ابوجعفر نے بھی یہی مراد لیا۔ یعنی جب وہ جنت سے باہر آ گئے تو جنت کے عیش و آرام کے بجائے ان کو محنت اور مشقت کی زندگی گزارنی پڑی اور وہ مشقت میں پڑ گئے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۶۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عصی ادم ربہ فغوی کے متعلق علامہ آلوسی کی تفسیر

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت آدم نے اس درخت سے کھانے کی ممانعت میں اپنے رب کی معصیت کی اور ان کا جو مطلوب تھا کہ ان کو دائمی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہو اس سے بھٹک گئے یعنی اس کو نہ پا سکے۔ یہ اس صورت میں ہے جب غوی کا معنی ضلالت کیا جائے اور غوی کا معنی فساد بھی ہے یعنی ان کی زندگی میں جنت سے آنے کے بعد محنت' مشقت اور تھکاوٹ ہوگئی عیش و آرام جاتا رہا اور وہ مشقت میں پڑ گئے۔

علامہ تفتازانی نے شرح المقاصد میں ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم سے جو یہ کام صادر ہوا یہ نبوت سے پہلے تھا اور اس کا صدور سہو یا تاویل سے ہوا' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر گرفت فرمائی کیونکہ ان کا مقام بہت بلند تھا اور ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت فضل اور احسان تھا اور ان جیسے شخص کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہر وقت یاد رکھنا چاہیے تھا تاکہ سہو اور نسیان کی نوبت نہ آتی اور مشہور ہے کہ نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔ (روح المعانی جز ۱۶ ص ۴۰۲۔۴۰۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

عصی ادم ربہ فغوی کے متعلق سید مودودی کی تفسیر

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی (الی ان قال) بس ایک فوری جذبہ نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا' ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے' یہی وہ ''بھول'' اور ''فقدان عزم'' ہے جس کا ذکر قصہ کے آغاز میں کیا گیا تھا

اور اسی چیز کا نتیجہ وہ نافرمانی اور بھٹک ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۳۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

سید مودودی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

سید مودودی نے اپنی اس عبارت میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی پستی میں جا گرنے نافرمانی اور بھٹکنے کی نسبت کی ہے، جب کہ علماء اور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کی آیت یا کسی حدیث کے ترجمہ کے بغیر از خود حضرت آدم کی طرف معصیت اور بھٹکنے کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی التوفی ۵۴۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مولیٰ اور مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے بندہ اور غلام کے متعلق کہے ''عصٰی'' اس نے میری نافرمانی کی، اور پھر اس پر اپنے فضل سے رجوع کرے اور کہے وہ تنزیہ کو بھول گئے اور ہم میں سے کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کی خبر بیان کرتے ہوئے کہے انہوں نے معصیت اور نافرمانی کی ماسوا اس صورت کے کہ وہ اس آیت یا حدیث کا ترجمہ بیان کرے، اور رہا یہ کہ ہم اپنی طرف سے اس واقعہ کا بیان کریں، تو جب ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم اپنے آباء کو گناہ گار کہیں حالانکہ وہ حضرت آدم کی بہ نسبت بہت ادنیٰ درجہ کے ہیں تو ہمارے لیے یہ کس طرح جائز ہوگا کہ ہم حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ایسا کہیں جو ہمارے سب سے مقدم باپ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مکرم نبی ہیں۔ جن کی اللہ توبہ قبول فرما چکا ہے اور ان کی مغفرت کر چکا ہے۔(احکام القرآن ج ۳ ص ۲۵۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ، علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کر کے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۶۸۔ ۱۶۷، مطبوعہ بیروت، البحر المحیط ج ۷ ص ۳۹۲، بیروت، روح المعانی جز ۱۶ ص ۴۰۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابن الحاج مالکی متوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید کی تلاوت کے بغیر یا کسی حدیث کے بغیر، انبیاء میں سے کسی نبی کے متعلق یہ کہا کہ اس نے معصیت کی (اللہ کی نافرمانی کی) یا اللہ کی مخالفت کی تو وہ کافر ہو گیا، نعوذ باللہ من ذالک۔ اس کے بعد انہوں نے علامہ ابن العربی کی مذکور الصدر عبارت نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔

(المدخل ج ۲ ص ۱۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ باقی مفسرین نے وعصی ادم ربہ فغوی کی تفسیر میں اس آیت کی توجیہ کی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کو ثابت کیا اور ان کی گناہ سے برأت کو بیان کیا ہے، اور سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت سے حضرت آدم علیہ السلام پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ ''وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے'' انا للہ وانا الیہ راجعون!

وعصی ادم ربہ فغوی کے متعلق مصنف کی تفسیر

ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد عمداً گناہ کبیرہ صادر نہیں ہوتا، ہاں نسیان اور اجتہادی خطاء سے صغائر کا ارتکاب ہو سکتا ہے خواہ نبوت سے پہلے ہو یا نبوت کے بعد۔ اور سورہ طٰہٰ کی زیر تفسیر آیت میں جو وارد ہے وعصی ادم ربہ: آدم نے اپنے رب کی معصیت (نافرمانی) کی، سو یہ اطلاق ظاہری اور صوری اعتبار سے

ہے اور یہ حقیقتاً گناہ نہیں ہے نہ صغیرہ اور نہ کبیرہ ' کیونکہ گناہ کی تعریف یہ ہے کہ اپنے قصد اور اختیار سے اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم کے خلاف کوئی کام کیا جائے اور اگر بھولے سے کوئی کام اللہ کے حکم کے خلاف کیا جائے تو وہ گناہ نہیں ہے ' جیسے انسان رمضان کے روزہ میں بھول کر کھا پی لے تو یہ گناہ نہیں ہے بلکہ اس کا روزہ بھی نہیں ٹوٹتا ' اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت آدم نے بھول کر اس درخت سے کھایا تھا یا قصداً اور عمداً کھایا تھا ' قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ: ۱۱۵)

اور بے شک اس سے پہلے ہم نے آدم سے عہد لیا تھا (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائیں) پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (نافرمانی کرنے کا) قصد نہیں پایا۔

اور اس کو ظاہری اور صوری اعتبار سے معصیت اس لیے فرمایا کہ انہوں نے بہرحال اس درخت سے کھایا تھا خواہ ان کا قصد معصیت کا نہیں تھا ' اور انہوں نے چونکہ بھولے سے یہ فعل کیا تھا اس لیے یہ گناہ نہیں ہے اور نہ عصمت کے خلاف ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (طٰہٰ: ۱۲۱-۱۲۰)

پھر شیطان نے آدم کی طرف وسوسہ کیا کہا اے آدم کیا تمہیں (جنت میں) ہمیشہ رہنے کا درخت بتادوں اور ایسی بادشاہت جو کبھی کمزور نہ ہو' تو (آدم وحوا) دونوں نے اس درخت سے کھالیا سو ان کی سترگاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنا جسم چھپانے لگے۔

وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ○ (الاعراف: ۲۱-۲۰)

اور شیطان نے کہا تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

حضرت آدم نے اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی جھوٹی نہیں کھا سکتا اور انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تنزیہاً منع کیا ہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریماً منع فرمایا تھا ' یا انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اس درخت سے منع فرمایا ہے میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھا لیتا ہوں ' دونوں صورتوں میں ان کے اجتہاد کو خطاء لاحق ہوئی اور وہ یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوع شجر سے منع کیا تھا ' اور یہ واضح رہے کہ اجتہادی خطاء اور نسیان عصمت کے منافی نہیں ہے اور باقی رہا ان کا عرصہ دراز تک توبہ اور استغفار کرنا تو یہ ان کا کمال تواضع اور انکسار ہے۔ اور رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب کیوں فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نیک انسانوں کی بعض نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔ اور اس لیے کہ اگرچہ یہ فعل حقیقت میں گناہ نہیں تھا لیکن حضرت آدم علیہ السلام کا مقام اور مرتبہ بہت بلند تھا اس لیے ان کو اپنے مرتبہ کے لحاظ سے چاہیے تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد رکھتے تا کہ بھولنے کی نوبت نہ آتی ' اور رہا یہ کہ وہ بے لباس کیوں ہو گئے تو ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ اس درخت سے کھانا بے لباس ہونے کا سبب ہو جیسے آگ جلانے کا سبب ہے اور زہر ہلاکت کا سبب ہے ' اور "غوی" کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس کا معنی گمراہ ہونا بھی ہے اور خراب اور فاسد ہونا بھی ہے اور یہاں یہی دوسرا معنی مراد ہے کہ جنت سے آنے کے بعد ان کی زندگی کا عیش و آرام خراب ہو گیا اور ان کو کھانے پینے اور لباس پہننے کے لیے

محنت اور مشقت کرنی پڑی۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا اپنے رب کے سامنے مباحثہ ہوا۔ پس حضرت آدم‘ حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے‘ حضرت موسیٰ نے کہا آپ وہ آدم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا‘ پھر آپ نے اپنی خطا سے لوگوں کو زمین پر اتار دیا‘ حضرت آدم نے کہا آپ وہ موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کی فضیلت دی اور آپ کو الواح عطا کیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا‘ اور آپ کو قریب کر کے سرگوشی کی‘ آپ یہ بتایئے کہ میری تخلیق سے کتنا عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے تورات کو لکھا تھا؟ حضرت موسیٰ نے کہا چالیس سال پہلے! حضرت آدم نے کہا کیا آپ نے تورات میں یہ لکھا ہوا دیکھا تھا **عصی ادم ربہ فغوی** (طٰہٰ: ۱۲۱) اور آدم نے اپنے رب کی معصیت کی تو وہ مشقت میں پڑ گئے‘ حضرت موسیٰ نے کہا ہاں! حضرت آدم نے کہا تو کیا آپ مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا‘ پھر حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۲‘ الرقم المسلسل: ۶۶۲۰‘ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۰۹)

حضرت آدم علیہ السلام کے کلام کی تشریح یہ ہے کہ اے موسیٰ! آپ جانتے ہیں کہ میرے پیدا کئے جانے سے پہلے یہ لکھ دیا گیا تھا اور مقدر کر دیا گیا تھا۔ اس لیے اس کا واقع ہونا واجب تھا اور اگر میں‘ بلکہ ساری مخلوق مل کر بھی اللہ کے لکھے ہوئے سے ایک نقطہ کو بھی مٹانا چاہیں تو اس پر قادر نہیں ہیں‘ پھر آپ مجھے اس پر کیوں ملامت کر رہے ہیں اور اس لیے کہ گناہ پر ملامت کرنا شرعی امر ہے عقلی امر نہیں ہے‘ اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی توبہ قبول فرمالی اور ان کی مغفرت فرمادی تو ان سے ملامت زائل ہوگئی‘ اور اب ان کو جو ملامت کرے گا وہ شرعاً مغلوب ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر اب کوئی شخص گناہ کر کے یہ عذر پیش کرے کہ یہ گناہ تو میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا تو کیا اس کا عذر مقبول ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا عذر مقبول نہیں ہوگا کیونکہ وہ دارالتکلیف میں ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اس گناہ پر توبہ کرے اور اس کی تلافی کرے ورنہ وہ اس گناہ کی سزا کا مستحق ہوگا‘ اور حضرت آدم بھی جب تک دارالتکلیف میں رہے اپنی اس ظاہری معصیت پر توبہ کرتے رہے اور اشک ندامت بہاتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ اور یہ گناہ کرنے والا دارالتکلیف میں باقی ہے اور اس پر مکلفین کے احکام جاری ہوں گے اس کو زجر و توبیخ اور ملامت کی جائے گی اور اس پر حد یا تعزیر ہوگی اور اس پر توبہ کرنا لازم ہے‘ اور حضرت آدم نے تقدیر کا عذر اس وقت پیش کیا تھا جب وہ اس دارالتکلیف سے جا چکے تھے‘ اس لیے اب ان کو ملامت کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور سوا ان کو ایذاء پہنچانے اور شرمندہ کرنے کے ان کو ملامت کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا‘ اور جب انسان کسی گناہ سے توبہ کر لے تو اس کا گناہ باقی نہیں رہتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا تو حقیقت میں کوئی گناہ بھی نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان کو عزت اور کرامت سے سرفراز فرمایا۔ اس لیے اب ان کو ملامت کرنے کی کیا وجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا تم دونوں اکٹھے جنت سے اتر جاؤ‘ تم میں سے بعض دوسرے بعض کے دشمن ہوں گے‘ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں مبتلا ہوگا○ (طٰہٰ: ۱۲۳)

اس کی تفسیر البقرہ: ۳۸ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو یقیناً اس کی زندگی بہت تنگی میں گزرے گی' اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے ○ وہ کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں (تو دنیا میں) دیکھنے والا تھا! ○ اللہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس دنیا میں میری نشانیاں آئیں تھیں تو تو نے ان کو فراموش کر دیا تھا اور اسی طرح آج تجھے بھی فراموش کر دیا جائے گا ○ اور جو شخص اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور حد سے تجاوز کرے ہم اسی طرح اس کو سزا دیتے ہیں اور بے شک آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور بہت باقی رہنے والا ہے ○ (طٰہٰ: ۱۲۷۔ ۱۲۴)

ذکر سے مراد اور ''ضنک'' کا معنی

میرے ذکر سے مراد ہے میرا دین اور میری کتاب کی تلاوت' اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے اسلام کے دین برحق ہونے پر جو دلائل نازل کئے گئے ہیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذکر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہو' کیونکہ ذکر آپ ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

''ضنکا'': ضنک کا معنی ہے تنگی اور اس کا معنی زکام بھی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۹۰) ابوعبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے تنگی میں بسر ہونے والی زندگی۔ ہر زندگی جو تنگی میں بسر ہو' یا تنگ جگہ ہو یا تنگ منزل ہو اس کو ضنک کہتے ہیں۔ زجاج نے کہا ضنک کی لغت میں اصل ہے: تنگی اور سختی۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۳۱۔ ۳۳۰)

مفسرین نے کہا تنگی میں زندگی گزرنے کے تین محمل ہیں دنیا میں' قبر میں' آخرت میں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سب جگہوں پر اس کی زندگی تنگی سے گزرے یا اکثر جگہوں پر اس کی زندگی تنگی سے گزرے۔

کافر کی تنگ زندگی کا محمل دنیا میں

اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ کافر کی زندگی دنیا میں تنگی کے ساتھ گزرے گی اس لیے کہ مسلمان کو اللہ پر توکل اور اعتماد ہوتا ہے اور وہ جس حال میں بھی ہو وہ پرسکون اور خوش رہتا ہے قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل: ۹۷)

جو شخص نیک عمل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو' تو ہم اس کو ضرور اچھی اور پرسکون زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔

اور جو شخص کافر ہوتا ہے وہ دنیا کے جمع کرنے پر حریص ہوتا ہے اور ہر وقت دنیا کے مال میں زیادتی کا طالب ہوتا ہے اور چونکہ اس کی نظر صرف دنیا پر ہوتی ہے آخرت پر نہیں ہوتی تو اس کو ہر وقت یہ فکر رہتی ہے کہ کہیں اس کا یہ مال اور دولت اور اس کی سلطنت اس سے زائل نہ ہو جائے' آپ امریکا' روس اور چین کو دیکھ لیں ان کے پاس نئے نئے اور مہلک ہتھیاروں کی کمی نہیں ہے اس کے باوجود وہ اپنے ملک' کے وسائل ہتھیار بنانے پر خرچ کر رہے ہیں' روس معاشی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے اس کے خزانے میں سرکاری ملازموں کو تنخواہیں دینے کے لیے رقم نہیں ہے کھانے کے لیے گندم نہیں ہے وہ عالمی بینک سے قرض لے کر ملازموں کی تنخواہوں اور عوام کے لیے روٹی کا بندوبست کر رہا ہے اس کے باوجود اس کو مخالف طاقتوں سے خطرہ ہے اور وہ اسلحہ بنانے کی دوڑ میں پیچھے نہیں رہنا چاہتا' امریکہ کو بھی اپنی بقا کا خطرہ لگا رہتا ہے اور وہ اپنے دفاع کے لیے مہلک سے مہلک ہتھیار بنا رہا ہے روس معاشی طور پر تباہ ہو چکا ہے اور کوئی دن جاتا ہے کہ امریکا میں بھی روٹیوں کے لالے پڑ جائیں گے اس وقت امریکا کی جس قدر ساکھ بنی ہوئی ہے وہ سب عالمی بینک سے قرضوں کی بنیاد پر ہے۔ غرض کافر ملک بہ ظاہر کتنے طاقتور اور خوش حال ہوں ان کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں آج ہم روس کے ہاتھوں میں کشکول دیکھ رہے ہیں لیکن بیس پچیس

سال پہلے کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا سو ان شاء اللہ چند سال بعد امریکہ کا بھی یہی حال ہوگا حقیقی پرسکون اور خوشحال زندگی صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (البقرہ: ٦١)

اور ان پر ذلت اور مسکینی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (المائدۃ: ٦٦)

اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل اور جو کچھ ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (اس) پر پورا پورا عمل کرتے تو یہ اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: ٩٦)

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔

اس سوال کا جواب کہ کفار دنیا میں عیش و آرام سے ہیں اور مسلمان تنگ دستی میں مبتلا ہیں

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار دنیا میں تنگی اور تنگ دستی کی زندگی گزاریں گے اور مسلمان کشادگی اور خوشحالی کی زندگی گزاریں گے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہے' کفار دنیا میں کشادگی اور خوشحالی کی زندگی گزار رہے ہیں اور مسلمان معاشی تنگی اور تنگ دستی کا شکار ہیں اور حدیث میں بھی یہی ہے کہ نیک لوگ دنیا میں مصائب کا شکار ہوں گے۔

مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون سے لوگ زیادہ مصائب میں مبتلا ہوں گے؟ آپ نے فرمایا انبیاء پھر جو ان کے زیادہ قریب ہو اور پھر جو ان کے زیادہ قریب ہو' انسان اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اگر اس کے دین میں صلابت (سختی اور جماؤ) ہو تو اس کی مصیبت زیادہ سخت ہوگی اور اگر اس کی دین میں نرمی ہو تو وہ اس کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوگا' بندہ پر اس طرح مصائب آتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٩٨' مصنف ابن شیبہ' ج ٣ ص ٢٣٣' مسند احمد ج ١ ص ١٧٢' سنن الدارمی رقم الحدیث: ٢٧٨٦' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٠٢٣' مسند البزار رقم الحدیث: ١١٥٠' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٢٩٠١' حلیۃ الاولیاء ج ١ ص ٣٦٨)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ مصائب میں انبیاء مبتلا ہوتے ہیں پھر علماء پھر وہ جو ان کے زیادہ قریب ہوں' پھر وہ جو ان کے زیادہ قریب ہوں۔

(المستدرک رقم الحدیث: ٥٥١٤' کنز العمال رقم الحدیث: ٦٧٨٢' المستدرک ج ٣ ص ٣٤٣ قدیم)

اس کا جواب یہ ہے کہ ''ضنکا'' کا مطلب تنگ دستی نہیں ہے بلکہ زندگی کی تنگ گزران ہے' یہ درست ہے کہ کفار اور مشرکین نے مال و دولت کے انبار جمع کر لیے مگر ان کو طمانیت قلب اور ذہنی سکون حاصل نہیں ہے وہ بہ ظاہر عیش و عشرت میں ہیں لیکن ان کا دل غمگین اور پریشان رہتا ہے' وہ شب و روز مال و دولت اور منصب اور اقتدار کے حصول میں سرگرداں رہتے ہیں پھر ان کو اس کی حفاظت کی فکر رہتی ہے' وہ جو دنیاوی مال و متاع حاصل کرتے ہیں اس کے لیے ہزاروں قسم کے ناجائز

ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا ضمیر مجرم ہوتا ہے اور وہ اطمینان اور سکون سے محروم رہتے ہیں۔

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "معیشۃ ضنکا" کی تفسیر میں روایت کیا ہے ہر وہ مال جو میں اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کو دیتا ہوں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ وہ اس میں میری اطاعت نہ کرے تو اس میں کوئی خیر نہیں اور وہی معیشت میں ضنک (تنگی) ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے "معیشۃ ضنکا" کی تفسیر میں روایت کیا ہے جب اللہ کسی بندہ کو رزق میں وسعت دے اور وہ اپنی معیشت کو حرام کر لیتا ہے تو اللہ اس کے لیے دوزخ کی آگ میں تنگی کر دیتا ہے۔ امام ابن جریر نے روایت کیا ہے یہ وہ معیشت ہے جس میں حرام کی وسعت ہو۔

امام ابن ابی حاتم نے مالک بن دینار سے "معیشۃ ضنکا" کی تفسیر میں روایت کیا' اللہ اس کا رزق حرام میں کر دیتا ہے اور اس کو تادم مرگ حرام کھلاتا ہے حتیٰ کہ وہ مر جاتا ہے پھر اس کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

امام عبد بن حمید اور امام ابن ابی حاتم نے "معیشۃ ضنکا" کی تفسیر میں روایت کیا ہے اس سے مراد برے عمل اور رزق خبیث ہے۔ الدر المنثور ج ۵ ص ۶۰۹' (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۴۴۰)

امام ابن جریر نے ابو حازم سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے یہ وہ معیشت ہے جس میں معصیت کا رزق ہو۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۴۱۶)

امام ابن جریر نے ضحاک سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے اس سے مراد کسب خبیث ہے' ایک اور سند سے روایت کیا ہے اس سے مراد عمل خبیث اور برا رزق ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۴۱۷)

کافر کی تنگ زندگی کا محمل قبر میں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ جانتے ہو کہ یہ آیت کن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے: فان لہ معیشۃ ضنکا اور کیا تم جانتے ہو کہ معیشت ضنک کیا ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا یہ قبر میں کافر کا عذاب ہے' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے کافر پر ننانوے تنین مسلط کیے جائیں گے' کیا تم جانتے ہو کہ تنین کیا ہیں؟ وہ ننانوے سانپ ہیں' ہر سانپ کے ننانوے پھن ہیں' وہ اس کے جسم میں پھونکیں ماریں گے اور قیامت تک اس کو ڈستے اور نوچتے رہیں گے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۴۲۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۳۳۴' مطبوعہ دار الفکر' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۵۶۴)

(حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو متعدد سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۸۸' دار الفکر' ۱۴۱۹ھ)

حافظ سیوطی نے امام عبد الرزاق کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ کافر کی قبر اس پر تنگ ہو جائے گی حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جائیں گی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۶۰۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

کافر کی تنگ زندگی کا محمل آخرت میں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے کہ کافر کی زندگی دوزخ میں بڑی سختی سے گزرے گی ان کو کھانے کے لیے کانٹے والے بدبودار درخت اور تھوہر کے درخت ملیں گے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۱۳۳)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ معیشت ضنک یہ ہے کہ کافر پر خیر کے دروازے تنگ کر دیئے جائیں

گے وہ کسی خیر کے دروازہ کی راہ نہیں پائے گا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ شبلی سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ جب تم اہل بلاء کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو تو شبلی نے کہا اہل بلا سے مراد اہل غفلت ہیں' ان کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نفسوں کی طرف لوٹا دے گا اور اس سے زیادہ اور کون سی معیشت تنگ اور سخت ہو گی کہ انسان کو اس کے نفس کے سپرد کر دیا جائے' عطا نے کہا معیشت ضنک کافر کی معیشت ہے کیونکہ اس کا ثواب پر یقین ہوتا ہے نہ عذاب پر۔

اور اگر یہ مراد ہو کہ کافر دنیا' قبر اور آخرت میں تنگی کی زندگی گزارتا ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ کی سزا کی تین قسمیں ہیں' معیشت کا تنگ ہونا' بہت زیادہ مشکلات کا شکار ہونا اور بغیر اللہ کی معصیت کے روزی کا حاصل نہ ہونا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۱۱' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔ ابو صالح نے اس کی تفسیر میں کہا وہ اعمی الحجت ہو گا' یعنی قیامت کے دن اس کے پاس اپنے کفر اور فسق پر کوئی عذر اور کوئی حجت نہیں ہو گی۔

وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں دنیا میں دیکھنے والا تھا! اللہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس دنیا میں میری نشانیاں آئی تھیں تو تو نے ان کو فراموش کر دیا تھا اور اسی طرح آج تجھے بھی فراموش کر دیا جائے گا۔ (طٰہٰ: ۱۲۶-۱۲۵)

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ وہ یہ کیسے کہے گا کہ تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم سلطنت کو دیکھ رہا ہو گا' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ یہ جاننے کے لیے سوال کرے گا کہ اس کو کس جرم میں اندھا اٹھایا گیا ہے حالانکہ وہ دنیا میں دیکھنے والا تھا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بغیر جرم کے سزا نہیں دیتا۔

بعض آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر میدان حشر میں دیکھنے والا ہو گا وہ اپنے اعمال نامہ کو پڑھے گا اور جنتیوں اور دوزخیوں کو دیکھے گا اس کا جواب یہ ہے کہ اعمی سے مراد اعمی البصر نہیں ہے بلکہ اعمی الحجت ہے' یعنی دنیا میں تو اس نے اپنے کفر اور فسق پر حجتیں بنا رکھیں تھیں لیکن آخرت میں اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہو گی اور وہ بالکل خالی ہاتھ ہو گا' اور اگر اس سے مراد اعمی البصر ہو تو پھر اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے بعض احوال میں اس کی بینائی نہیں ہو گی اور وہ اندھا ہو گا اور بعض دوسرے احوال میں وہ بینا ہو گا اور قیامت کے ہولناک مناظر کو دیکھنے کے لیے اس کو بینائی عطا کر دی جائے گی۔ پھر فرمایا:

اور جو شخص اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور حد سے تجاوز کرے ہم اسی طرح اس کو سزا دیتے ہیں اور بے شک آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ (طٰہٰ: ۱۲۷)

یعنی جو اپنے رب کی نافرمانی کرے اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان نہ لائے تو ہم دنیا' یا برزخ میں اس کی زندگی تنگ کر دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب دنیا اور قبر کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے' کیونکہ دنیا اور قبر کے عذاب کی ایک انتہا ہے اور آخرت کا عذاب غیر متناہی مدت تک جاری رہے گا' آخرت کا عذاب کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے دنیا اور برزخ کے عذاب سے زیادہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے اس سے ہدایت نہیں پائی کہ ہم ان سے پہلے کتنی بستیوں کو ہلاک کر چکے ہیں' جن کی رہنے کی جگہوں میں یہ لوگ چل پھر رہے ہیں' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ (طٰہٰ: ۱۲۸)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا جو شخص اللہ عزوجل کے ذکر اور اس کے دین سے اعراض کرتا ہے اس کا

قیامت کے دن کس طرح حشر کیا جائے گا' اب اس کے بعد یہ بتایا کہ دنیا میں ہونے والے واقعات سے انسانوں کو یہ سبق حاصل کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا اہل مکہ کو ان کی خبر معلوم نہیں ہوئی جو ان سے صدیوں پہلے اپنے گھروں میں رہتے تھے' یعنی جب اہل مکہ تجارت کرنے اور اپنی روزی طلب کرنے کے لیے سفر پر نکلتے ہیں اور پچھلی امتوں کے شہروں کے کھنڈرات دیکھتے ہیں اور ان بستیوں کو دیکھتے ہیں جو اپنی بنیادوں پر گری پڑی ہیں تو کیا ان کو یہ خوف لاحق نہیں ہوتا کہ اگر وہ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے رہے تو ان پر بھی وہ عذاب آ سکتا ہے جو پچھلی امتوں پر آ چکا ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ ط

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی مقدر نہ ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کو اسی وقت عذاب آ چمٹتا ۝

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے رہیے، طلوع آفتاب سے پہلے

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ج وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ

اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے بعض اوقات میں، اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح پڑھیے تاکہ آپ

تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ

راضی ہو جائیں ۝ اور ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آزمانے کے لیے دنیا کی آرائش اور زیبائش کی جو چیزیں دے

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ط وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَاْمُرْ

رکھی ہیں آپ ان کی طرف ہرگز آنکھیں نہ پھیلائیں، آپ کے رب کا دیا ہوا ہی بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے ۝ اور آپ

اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ط نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط

اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی نماز پر جمے رہیں، ہم آپ سے (آپ کے) رزق کا سوال نہیں کرتے، ہم خود آپ کو رزق

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ط اَوَلَمْ

دیتے ہیں اور نیک انجام صرف تقویٰ کا ہے ۝ اور انہوں نے کہا یہ اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے، کیا ان کے

تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ

پاس وہ واضح دلیل نہیں آچکی جو پہلی کتابوں میں ہے؟ ۝ اور اگر ہم رسول کو بھیجنے سے پہلے انہیں عذاب سے

مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَقَالُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَيۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ

ہلاک کر دیتے تو یہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم (عذاب میں) ذلیل اور رسوا

مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَنَخۡزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلۡ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوۡا

ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی اتباع کر لیتے ٥ آپ کہیے سب انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرو،

فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِىِّ وَمَنِ اهۡتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع

عنقریب تم جان لو گے کہ سیدھے راستے والے اور ہدایت یافتہ کون لوگ ہیں ٥

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی مقدر نہ ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کو اسی وقت عذاب آ چمٹتا ٥ سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے رہیے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے، اور رات کے بعض اوقات میں اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح پڑھیے تاکہ آپ راضی ہو جائیں ٥ (طٰہٰ: ١٢٩)

آپ کی تکذیب کرنے کے باوجود کفار کو عذاب نہ دینے کی وجوہ

اس بات سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو خبر دینا اور لوح محفوظ میں یہ لکھ دینا کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت خواہ اپنے رسول کی تکذیب کریں ان کے اوپر پچھلی امتوں کی مثل عذاب نہیں بھیجا جائے گا جو ان سب کو ہلاک کر دے اور ان کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دے، اس کی متعدد وجوہ ہیں: (١) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان مکذبین میں سے بعض ایمان لے آئیں گے۔ (٢) ان مکذبین کی نسل میں سے بعض ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو مسلمان ہو جائیں گے اگر ان سب پر عذاب نازل کر دیا جاتا تو وہ لوگ بھی ہلاک ہو جاتے۔ (٣) اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر کوئی عذاب دے (الانفال: ٣٣)۔ (٤) اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے: ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء: ١٠٧) اور عذاب بھیجنا رحمت کے منافی ہے، پہلے انبیاء اپنی امتوں کے لیے عذاب کا مقدمہ بن کر آتے تھے اگر ان کی امت ان کی تکذیب کرتی تو ان کی امتوں سے عذاب ٹل نہیں سکتا تھا اور آپ اپنی امت کے لیے رحمت کا مقدمہ بن کر آئے آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب آ نہیں سکتا تھا۔ (٥) اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے اپنے فضل کی بنا پر عذاب سے مستثنیٰ کر دے۔

نزول عذاب کی میعاد

اس آیت میں جس میعاد کا ذکر کیا گیا ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنگِ بدر کا دن ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ قرآن مجید میں ان دونوں میعادوں کا ذکر ہے:

سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ٥ (القمر: ٤٥) عنقریب (جنگِ بدر میں) اس جماعت کو شکست دی جائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوۡعِدُهُمۡ وَالسَّاعَةُ اَدۡهٰى وَاَمَرُّ ٥ (القمر: ٤٦) بلکہ ان کے وعدہ کا وقت قیامت ہے اور قیامت بہت سخت اور بہت تلخ ہے۔

اگر یہ میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان پر اسی وقت عذاب لازم ہو جاتا' کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے اور آپ کو ایذاء پہنچاتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ خبر دی کہ وہ کسی قوم کو یا کسی فرد کو اس کا وقت پورا ہونے سے پہلے ہلاک نہیں کرتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دینے کا محمل

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ صبر کیجئے یعنی ان کی دل آزار باتوں پر صبر کیجئے' بعض آپ کو ساحر کہتے تھے' بعض آپ کو شاعر یا مجنون کہتے تھے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ یہ آپ کے دعویٰ نبوت کی جو تکذیب کرتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے مراد یہ ہو کہ یہ لوگ جو آپ پر ایمان نہیں لاتے اور بسیار دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں اس سے آپ کو بہت رنج اور غم ہوتا ہے آپ اس پر صبر کیجئے' آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیے اور فرائض رسالت کو ادا کرتے رہیے۔

کلبی اور مقاتل نے یہ کہا کہ یہ آیت جہاد کی آیتوں سے منسوخ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں کیونکہ جہاد کا حکم تو دو ہجری میں نازل ہو گیا تھا لیکن اس وقت بھی فی الفور تمام کافروں کو ملیامیٹ نہیں کر دیا گیا تھا۔ ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا تھا اور ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا غرض کفار کی باتوں اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرنے کے مواقع کافی عرصہ تک باقی رہے تھے اور اب بھی ہیں اس لیے اس آیت کو منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

نماز کے اوقات اور رات کو نماز پڑھنے کی فضیلت

صبر کا حکم دینے کے بعد فرمایا آپ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھیے' اس میں یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح پڑھنے سے رنج اور غم زائل ہو جاتا ہے اور صبر کرنے میں تقویت حاصل ہوتی ہے ان اوقات میں حمد اور تسبیح پڑھنے سے مراد پانچ وقتوں کی نماز پڑھنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان اوقات میں پانچ نمازیں داخل ہیں۔ طلوع شمس سے پہلے حمد اور تسبیح پڑھنے سے مراد فجر کی نماز ہے اور غروب شمس سے پہلے تسبیح اور حمد پڑھنے سے مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں' کیونکہ یہ دونوں نمازیں غروب آفتاب سے پہلے پڑھی جاتی ہیں اور رات کے اوقات میں تسبیح پڑھنے سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور دن کے حصوں میں جو تسبیح پڑھنے کا ذکر ہے اس سے مراد ظہر اور عصر کی نمازوں کی تاکید ہے۔ حمد اور تسبیح کرنے اور نماز پڑھنے کا سب سے افضل وقت رات کا وقت ہے' کیونکہ اس وقت لوگوں پر سکون ہوتے ہیں اور ان کے ظاہری اعضا کام کاج سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں۔ رات کا وقت انسان کے سکون اور آرام کا وقت ہے اور اس وقت عبادت کے لیے اٹھنا نفس پر بہت شاق اور بہت دشوار ہوتا ہے اور بدن کے لیے بہت تھکاوٹ کا باعث ہوتا ہے تو جو شخص اس وقت اٹھ کر عبادت کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتا ہے' سو اس وقت عبادت کرنے کی زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ قرآن مجید میں رات کے وقت عبادت کرنے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝ (المزمل: ۶)

بے شک رات کو اٹھنے میں (نفس کو) سخت دباتا ہے اور بات کو زیادہ صحیح کہتا ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ (الزمر: ۹)

کیا وہ جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ (الفرقان: ۶۴)

اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے محامل

اس آیت کے آخر میں فرمایا آپ دن کے حصوں میں بھی نماز پڑھیے تا کہ آپ راضی ہو جائیں' اس سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام اور بلند مرتبہ کی خبر دینا ہے کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہے اور اللہ عزوجل آپ کو راضی کرتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ (الضحیٰ:٥) — اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل:٧٩) — عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا (البقرہ:١٤٤) — ہم آپ کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس سے آپ راضی ہوں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما اری ربک الا یسارع فی ھواک — میں صرف یہی دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧٨٨' سنن النسائی رقم الحدیث: ٣١٩٩' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ١١٤١٤)

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ آپ کو اتنا ثواب عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے' اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ آپ کا رب آپ کی شفاعت اس قدر زیادہ قبول فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے' اس کا چوتھا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کو اس قدر فتوحات عطا فرمائے گا اور آپ کے دین کو اس قدر غلبہ عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے' اور پانچواں محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے افراد کو باقی تمام امتوں سے اس قدر زیادہ کر دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے' اور چھٹا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے اس قدر زیادہ گناہ گاروں کی مغفرت فرمائے گا اور آپ کی امت کے اس قدر زیادہ افراد کو جنت میں داخل فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اور اس کا ساتواں محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ تمام چیزیں عطا فرمائے گا جو آپ کو پسند ہیں اور جن سے آپ راضی ہوتے ہیں۔ اور اس کا آٹھواں محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا دیدار عطا فرمائے گا تو آپ راضی ہو جائیں گے کیونکہ آپ نماز اس کیفیت سے پڑھتے تھے کہ گویا آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی رضا الگ الگ نہیں ہیں۔ آپ ان ہی چیزوں سے راضی ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ آپ کی رضا اللہ کی رضا اور اللہ کی رضا آپ کی رضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آزمانے کے لیے دنیا کی آرائش اور زیبائش کی جو چیزیں دے رکھی ہیں' آپ ان کی طرف ہرگز آنکھیں نہ پھیلائیں' آپ کے رب کا دیا ہوا ہی بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے ۝ اور آپ اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی نماز پر جمے رہیں' ہم آپ سے (آپ کے) رزق کا سوال نہیں کرتے' ہم خود آپ کو رزق دیتے ہیں' اور نیک انجام صرف تقویٰ کا ہے ۝ اور انہوں نے کہا یہ اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے کیا ان کے پاس وہ واضح دلیل نہیں آچکی جو پہلی کتابوں میں ہے ۝ (طٰہٰ: ١٣٣-١٣١)

الفاظ کے معانی

ولاتمدن عینیک: اصل میں مد کا معنی ہے کھینچنا' جو وقت دراز ہو اس کو مدت کہتے ہیں' مددت عینی الی کذا میں نے فلاں چیز کی طرف آنکھیں پھاڑ کر آنکھیں پھیلا کر دیکھا' امداد کا لفظ پسندیدہ چیز کیلئے استعمال ہوتا ہے اور مد کا لفظ ناپسندیدہ چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحۡمٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ. (الطور: ۲۲) ہم ان کو ان کے پسندیدہ میوے اور گوشت بہت زیادہ دیں گے۔

اَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ ○ (المومنون: ۵۵) کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ان کے مال اور اولاد کو بڑھا رہے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۰۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

یعنی دوسروں کے پاس جو مال و متاع ہے اور دنیا کی زیب و زینت کی چیزیں ہیں آپ ان کو اچھا سمجھتے ہوئے رغبت سے اس کی طرف لمبی نظر نہ کریں اور یہ تمنا نہ کریں کہ آپ کو بھی ان جیسی چیزیں مل جائیں۔

ازواجا: اس کا معنی ہے اصنافا و اشکالا یعنی مختلف اقسام اور مختلف شکل و صورت کی چیزیں۔

زھرۃ الحیوۃ الدنیا: دنیاوی زندگی کی آرائش اور زیبائش کی پررونق اور چمکتی دمکتی چیزیں۔

ورزق ربک: یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جو اجر و ثواب کا ذخیرہ کر رکھا ہے' یا دنیا میں آپ کو جو نبوت سے سرفراز فرمایا ہے اور ہدایت پر آپ کو برقرار اور ثابت قدم رکھا ہے۔

نماز پڑھنے کی تاکید

طٰہٰ: ۱۳۲ میں فرمایا آپ اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دیں' اس سے مراد ہے آپ اپنے اقارب کو نماز پڑھنے کا حکم دیں' اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر جاتے تھے اور ان کو نماز کے لیے اٹھاتے تھے۔ حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ جب بادشاہوں کے محلات میں آرائش اور زیبائش کی چیزیں دیکھتے تو یہ آیت پڑھتے ولا تمدن عینیک .. الایۃ پھر ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے اور کہتے نماز پڑھو اللہ تم پر رحم فرمائے' اور خود نماز پڑھتے' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو تہجد کی نماز کے لیے اٹھاتے اور خود بھی نماز پڑھتے اور اس آیت پر عمل کرتے۔

اس کے بعد فرمایا ہم آپ سے آپ کے رزق کا سوال کرتے ہیں اور نہ ان کے رزق کا سوال کرتے ہیں کہ آپ رزق کی فراہمی میں مشغولیت کی وجہ سے نماز نہ پڑھیں بلکہ آپ کے اور ان کے رزق کے کفیل اور ذمہ دار ہم ہیں۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کو تنگی کا سامنا ہوتا تو آپ ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ ○ مَاۤ اُرِيۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ يُّطۡعِمُوۡنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ ○ (الذاریات: ۵۸-۵۶)

میں نے جن اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ○ میں ان سے نہ روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں ○ بے شک اللہ خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا' طاقت والا' زبردست ہے۔

ان آیتوں کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمانوں کو دن رات نمازیں پڑھنی چاہئیں اور روزی حاصل کرنے کے لیے کسب نہیں کرنا

چاہئے کیونکہ جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے روزی حاصل کرنا بھی فرض ہے۔قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ:١٠)　جب نماز پڑھ لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب سے نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے البتہ جو شخص مال کی کثرت کی طلب میں نکلے وہ شیطان کے راستے میں ہے۔(مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۲۷۲-۲۷۱ مطبوعہ بیروت' ۱۳۹۰ھ)

طٰہٰ: ۱۳۳ میں فرمایا اور انہوں نے کہا یہ اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لائے' کیا ان کے پاس وہ واضح دلیل نہیں آ چکی جو پہلی کتابوں میں ہے؟

کفار نے اپنے اس کلام سے یہ وہم پیدا کیا کہ ان کو بغیر کسی دلیل اور معجزہ کے ایمان لانے کا مکلف کیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کیا پہلے صحائف میں ان کے پاس واضح دلائل نہیں آ چکے تھے اور اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کئی وجوہ سے دلیل ہے:

(۱) قرآن مجید کی متعدد آیات سابقہ آسمانی کتابوں کے موافق ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی درس میں جا کر پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا تھا اور نہ کسی استاذ سے استفادہ کیا تھا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ تمام امور آپ کو غیب سے حاصل ہوئے تھے یہ آپ کا معجزہ ہے۔

(۲) سابقہ آسمانی کتابوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور بعثت کی بشارت ہے۔

(۳) کیا ان کو سابقہ آسمانی کتابوں سے یہ نہیں معلوم ہو چکا کہ ہم ان قوموں کو عذاب بھیج کر ہلاک کر چکے ہیں جنہوں نے نشانیوں اور معجزات کا مطالبہ کیا اور جب ان کو ان کے فرمائشی معجزات دے دیئے گئے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو ہم نے ان قوموں پر عذاب بھیج کر ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم رسول کو بھیجنے سے پہلے انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم (عذاب میں) ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی اتباع کر لیتے○ آپ کہئے کہ سب انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرو عنقریب تم جان لو گے کہ سیدھے راستے والے اور ہدایت یافتہ کون لوگ ہیں○ (طٰہٰ: ۱۳۵-۱۳۴)

اشیاء میں اصل اباحت ہے

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اگر بالفرض ہم رسول کے بھیجنے سے پہلے ان کو عذاب سے ہلاک کر دیتے تو پھر ان کے لیے یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا' لیکن اب جب کہ ہم نے آپ کو پیغام دے کر ان کی طرف بھیج دیا ہے اور ان کی زبان میں ان کو بتا دیا ہے کہ ان کے اوپر کیا فرائض اور واجبات ہیں تو اب ان کے لیے کوئی عذر نہیں ہے بلکہ ان کے خلاف حجت قائم ہو چکی ہے۔

ہمارے علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی چیز کا وجوب حکم شرعی سے ثابت ہوتا ہے' کیونکہ اگر حکم شرعی کے بغیر وجوب ثابت ہو جاتا تو رسول کو بھیجنے سے پہلے بھی کفار پر عذاب آ سکتا تھا' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے' یعنی احکام شرعیہ کے وارد ہونے سے پہلے ہر کام کا کرنا یا نہ کرنا مباح اور جائز تھا اور جب احکام شرعیہ آ گئے اور اللہ

تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے کرنے کا حکم دے دیا تو وہ واجب ہو گیا اور جس کام کے کرنے سے منع فرما دیا وہ حرام ہو گیا۔

پھر اللہ سبحانہ نے اس سورت کو وعید پر ختم فرمایا آپ کہیے ہم بھی انتظار کر رہے ہیں اور تم بھی انتظار کرو جب موت آئے گی تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم حق پر تھے یا تم حق پر تھے' یا مراد یہ ہے کہ قیامت کا انتظار کرو جب قیامت آئے گی تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر ہے اور کون حق پر نہیں ہے۔

سورت کا اختتام

الحمد للہ علیٰ احسانہ آج بہ روز جمعہ ۲۳ صفر ۱۴۲۲ھ / ۱۷ مئی ۲۰۰۱ء بعد نماز عصر سورہ طٰہٰ کی تفسیر ختم ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی قرآن مجید کے سولہ پاروں کی تفسیر بھی مکمل ہو گئی۔ الٰہ العلمین جس طرح آپ نے محض اپنے کرم سے اتنی تفسیر مکمل کرا دی ہے باقی پاروں اور سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔ اس تفسیر کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنا دیں' اس کتاب کو اعتقاد اور عمل میں موثر بنا دیں اور اس کو تا قیام قیامت باقی اور مفیض رکھیں' اور میری اس کتاب کو اور اسی طرح باقی کتابوں کو مخالفین کے شر سے محفوظ رکھیں' اور محض اپنے لطف و کرم اور اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ اور شفاعت سے میری اور میرے تمام متعلقین کی مغفرت فرمائیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين و الصلاة و السلام علىٰ سيدنا محمد خاتم النبيين و علىٰ آله الطيبين و اصحابه المعظمين و على اولياء امته و علماء ملته اجمعين.

سُورَةُ الْاَنْبِيَاءِ

(۲۱)

بسم الله الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی ونسلم علی رسوله الکریم

سورۃ الانبیاء

سورۃ کا نام:

اس سورت کا نام الانبیاء ہے' اس کے علاوہ اس سورت کا اور کوئی نام معروف نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سورت کو الانبیاء کہا ہے۔

عبدالرحمٰن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنی اسرائیل' الکہف' مریم' طٰہٰ اور الانبیاء قدیم سورتوں میں سے ہیں' اور ان کو ابتداء اسلام سے حفظ کیا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۳۹' مطبوعہ بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پانچ مسلسل اور ایک دوسرے کے بعد آنے والی سورتوں کے نام ذکر کیے ہیں اور یہ سب سورتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں جمہور علماء کا یہی موقف ہے' اس کے خلاف جو قول ہے وہ شاذ ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اس سورت کا نام الانبیاء رکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ اکثر انبیاء علیہم السلام کے اسماء کی تصریح ہے اور بعض کی صفات اور القاب کا ذکر ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) حضرت موسیٰ' (۲) حضرت ہارون' (۳) حضرت ابراہیم' (۴) حضرت لوط' (۵) حضرت اسحٰق' (۶) حضرت یعقوب' (۷) حضرت نوح' (۸) حضرت داؤد' (۹) حضرت سلیمان' (۱۰) حضرت ایوب' (۱۱) حضرت اسماعیل' (۱۲) حضرت ادریس' (۱۳) حضرت ذی الکفل' (۱۴) حضرت ذوالنون' (۱۵) حضرت زکریا' (۱۶) حضرت یحییٰ' (۱۷) حضرت عیسیٰ کا بھی ذکر ہے مگر ان کا نام ذکر نہیں' انہیں مریم کا بیٹا فرمایا ہے' (۱۸) اور ہمارے نبی کو رحمۃ للعلمین فرمایا' خلاصہ یہ ہے کہ ذکر تو اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا ہے مگر نام پندرہ کے مذکور ہیں۔

سورۃ الانعام میں اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کے ناموں کا ذکر ہے (الانعام: ۸۶-۸۳) اور وہ سورۃ الانبیاء سے پہلے نازل ہوئی ہے کیونکہ اس کے نزول کا نمبر ہے ۵۵' اور الانبیاء کے نزول کا نمبر ہے ۷۱' اس لیے الانعام کا نام الانبیاء ہونا چاہیے تھا' لیکن چونکہ اس میں مویشیوں کا ذکر ہے اور اس سورت میں الانعام (مویشیوں) کا لفظ چھ بار آیا ہے۔ اس لیے اس سورت کا نام الانعام رکھا۔ اور اس سورت کا نام الانبیاء رکھا۔ اس کے علاوہ ہم یہ کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی۔

سورۃ طٰہٰ اور سورۃ الانبیاء میں باہمی مناسبت

سورۃ طٰہٰ کے آخر میں قیامت کے آنے سے خبردار کیا گیا تھا:

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ○ (طٰہٰ:۱۳۵)

آپ کہیے سب انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرو، عنقریب تم جان لو گے کہ کون سیدھے راستے والے ہیں اور کون ہدایت یافتہ ہیں۔

اور سورۃ الانبیاء کی ابتدا میں قیامت کے آنے سے خبردار فرمایا ہے:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ○ (الانبیاء:۱)

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ چکا ہے اور وہ پھر بھی غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کرنے والے ہیں۔

نیز سورۃ طٰہٰ کے آخر میں یہ تنبیہ فرمائی تھی کہ دنیا کی آرائش اور زیبائش سے فریب نہیں کھانا چاہیے کیونکہ یہ سب چیزیں زائل ہونے والی ہیں:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ (طٰہٰ:۱۳۱)

اور ہم نے دنیا کی آرائش اور زیبائش کی چیزیں جو ان میں سے مختلف لوگوں کو آزمانے کے لیے دے رکھی ہیں آپ ہرگز ان کی طرف آنکھیں نہ پھیلائیں اور آپ کے رب کا دیا ہوا بہت اچھا ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے۔

اور الانبیاء کی پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ قیامت کا وقوع قریب آ چکا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے دل نہ لگایا جائے اور عبادت اور ریاضت میں دل لگایا جائے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جن چیزوں کا حساب پیش کرنا ہے ان میں دل لگایا جائے اور ان کی تیاری کی جائے اور اس طرح سورۃ طٰہٰ کا آخر اور سورۃ انبیاء کا اول دونوں قیامت کے قرب کی خبر دے رہے ہیں اور اس کی تیاری کرنے پر برانگیختہ کر رہے ہیں۔

سورۃ الانبیاء کے مقاصد اور مسائل

☆ اس سورت کا موضوع عقائد اسلام ہیں اور خصوصیت کے ساتھ توحید رسالت قیامت مرنے کے بعد اٹھنا اور جزاء اور سزا کا بیان ہے اس کی ابتداء ہی قیامت کے ذکر سے کی گئی ہے اور اس میں انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کیے گئے ہیں۔

☆ اس سورت کی ابتدا قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرانے والی ہے تاکہ لوگ لہو ولعب اور یاد الٰہی سے غافل کرنے والی جن چیزوں میں مشغول ہیں ان کو ترک کر کے آخرت کی تیاری کرنے میں منہمک ہو جائیں۔

☆ کفار مکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کا اس لیے انکار کرتے تھے کہ آپ نوع بشر سے مبعوث کیے گئے تھے وہ کہتے تھے یہ تو ہماری جنس سے ہیں۔ ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں اور بازاروں میں چلتے ہیں۔ یہ اللہ کے نبی کیسے ہو سکتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو رسول بھیجے گئے تھے وہ بھی بشر تھے کھاتے پیتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور بشر ہونا نبی ہونے کے منافی نہیں ہے کفار کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی طرح معجزات پیش نہیں کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کیا کہ ہم نے آپ پر قرآن مجید نازل کیا ہے وہ ہمارا کلام ہے تم اس کی کسی ایک سورت یا کسی آیت کی بھی مثل لانے سے عاجز رہے اور یہ ہمارے نبی کا معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے معجزات تو وقتی اور عارضی

تھے جوان کے ساتھ چلے گئے اور ہمارے نبی علیہ السلام کا معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ وہ دنیا سے چلے جائیں گے تو پھر بھی ان کی نبوت کی دلیل قائم رہے گی تو تم ایسے کامل اور پائیدار معجزہ کے ہوتے ہوئے دوسرے معجزات کی طلب کیوں کرتے ہو! تم سے پہلے پچھلی قوموں کو ان کے فرمائشی معجزات دیئے گئے اور جب وہ ایمان نہیں لائے تو ان کو عذاب بھیج کر ہلاک کر دیا گیا۔

☆ کفار کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ان کے اس قول کا رد فرمایا اور یہ بتایا کہ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت پر دلائل قائم کئے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا دن اور رات کا سلسلہ قائم کیا' زمین کو قائم رکھنے کے لیے اس کے اوپر پہاڑوں کو نصب کیا' اور اپنی توحید پر یہ دلیل قائم کی کہ اگر متعدد خدا ہوتے تو زمین اور آسمان اور پوری کائنات وجود میں نہیں آ سکتی تھی۔ اور جب قیامت آئے گی تو ہر چیز فنا ہو جائے گی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی۔

☆ ان آیات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان فرمائے اور وہ یہ انبیاء ہیں: حضرت موسیٰ' حضرت ھارون' حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب' حضرت نوح' حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت ایوب' حضرت اسماعیل' حضرت ادریس' حضرت ذی الکفل' حضرت یونس' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام۔

☆ انبیاء علیہم السلام کے قصص کو ذکر کرنے کے بعد یہ بیان کیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مقصد وحید یہ تھا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی جائے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ان کو آخرت میں ثواب اور اچھی جزا کی بشارت دی جائے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں ان کو آخرت کے عذاب کی وعید سنائی جائے۔

☆ یہ بتایا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ یاجوج اور ماجوج کے باہر نکلنے میں جو سد اور رکاوٹ ہے اس کو دور کر دیا جائے گا۔

☆ قیامت کے دن شدید عذاب ہوگا اور بہت ہولناک مناظر ہوں گے اس زمین کو کسی اور زمین سے تبدیل کر دیا جائے گا اور آسمان کو وثیقہ کی طرح لپیٹ دیا جائے گا۔

☆ اس سورت کو اس بیان پر ختم کیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں' آپ کی طرف یہ وحی کی گئی کہ عبادت کا مستحق واحد لاشریک ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے۔ آپ لوگوں کو جلد آنے والے عذاب سے ڈراتے ہیں اور قیامت کا آنا حتمی اور یقینی ہے اور اس میں جو مہلت دی گئی ہے وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے سورۃ الانبیاء کا ترجمہ اور اس کی تفسیر اس دعا کے ساتھ شروع کرتے ہیں کہ اے بار الٰہ! مجھ کو ہر آیت کی تفسیر میں حق بات بتانا اور اسی کو لکھنے کی توفیق دینا اور جو بات باطل ہو اس کا بطلان مجھ پر آشکار کرنا اور اس کے رد کی توفیق دینا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۲۸- صفر ۱۴۲۲ھ / ۲۳ مئی ۲۰۰۱ء

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاۗءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الانبیاء مکی ہے اس میں ایک سو بارہ آیتیں ہیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

الجزء ١٧

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ
لوگوں کے حساب کا وقت قریب آگیا اور وہ پھر بھی غفلت میں پڑے ہوئے
مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا
اعراض کر رہے ہیں ○ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے وہ اس کو
اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ
کھیل کود کے مشغلہ میں ہی سنتے ہیں ○ ان کے دل کھیل کود میں ہیں، اور ظالموں نے آپس میں یہ سرگوشی کی
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ
کہ یہ شخص تو تمہاری ہی مثل بشر ہے کیا تم جانتے بوجھتے جادو کے
وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ
پاس جا رہے ہو! ○ (رسول اللہ) نے کہا میرا رب آسمان اور زمین میں ہر بات کو خوب جانتا ہے
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ
اور وہ بہت سننے والا بے حد علم والا ہے ○ (کافروں نے) کہا بلکہ (قرآن) پریشان خوابوں کا بیان ہے بلکہ اس کو انہوں نے خود گھڑ لیا ہے
بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ښ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ مَآ اٰمَنَتْ
بلکہ یہ شاعر ہیں، ان کو کوئی نشانی لانی چاہیئے، جیسے پہلے رسول لائے تھے ○ ان سے پہلے جس
قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَمَآ اَرْسَلْنَا
بستی والوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں کیا وہ ایمان لے آئے تھے؟ جو یہ ایمان لے آئیں گے! ○ اور ہم نے آپ سے

قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا

پہلے صرف مردوں کو رسول بنایا تھا جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے، سو اگر تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے

تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا

پوچھ لو ۝ ہم نے ان (رسولوں) کو ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ (دنیا میں) ہمیشہ

خٰلِدِيْنَ ۝۸ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاۗءُ وَاَهْلَكْنَا

رہنے والے تھے ۝ پھر ہم نے ان کے سامنے (اپنا) وعدہ سچا کر دکھایا تو ہم نے ان کو اور جن کو ہم نے چاہا نجات دے دی اور حد سے

الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰ ع ۱۰

تجاوز کرنے والوں کو ہلاک کر دیا ۝ بے شک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہاری نصیحت ہے، سو کیا تم نہیں سمجھتے؟ ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا اور وہ پھر بھی غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کر رہے ہیں ۝ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے وہ اس کو کھیل کود کے مشغلہ ہی میں سنتے ہیں ۝ ان کے دل کھیل کود میں ہیں' اور ظالموں نے آپس میں یہ سرگوشی کی کہ یہ شخص تو تمہاری ہی مثل بشر ہے کیا تم جانتے بوجھتے جادو کے پاس جا رہے ہو ۝ (الانبیاء: ۳-۱)

موت یا قیامت آنے سے پہلے نیکیاں کرنے کے متعلق احادیث

لوگوں نے دنیا میں جو کچھ بھی عمل کیے ہیں' ان کے حساب کا وقت آ پہنچا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں' ان کے بدنوں' ان کے کھانے پینے کی چیزوں' ان کے لباس اور ان کی دیگر ضروریات پوری کرنے کے لیے جو نعمتیں ان کو عطا فرمائی ہیں' ان نعمتوں کے مقابلہ میں عبادات پیش کرنے کا وقت آ پہنچا ہے' ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ ان نعمتوں کے بدلہ میں انہوں نے کیا عبادتیں کی ہیں' آیا جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا وہ ان کو بجا لائے اور جن کاموں سے ان کو منع کیا تھا ان سے باز رہے؟ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے جو معاملہ کرنے والا تھا اس کی انہوں نے کوئی تیاری کی تھی یا وہ دنیا کے عیش و آرام میں منہمک رہے اور اس دن کے متعلق انہوں نے بالکل غور و فکر نہیں کیا۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص ایک دیوار بنا رہا تھا' جس دن یہ سورت نازل ہوئی اس دن اس کے پاس سے ایک شخص گزرا' دیوار بنانے والے شخص نے پوچھا آج قرآن میں کیا نازل ہوا ہے' اس نے بتایا یہ آیت نازل ہوئی ہے: لوگوں کے حساب کا وقت آ گیا اور وہ پھر بھی غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کر رہے ہیں' اس شخص نے اس دیوار سے اسی وقت ہاتھ جھاڑ لیے اور کہا اللہ کی قسم! جب حساب کا وقت قریب آ گیا ہے تو پھر یہ دیوار نہیں بنے گی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے اس وقت ہم اپنی جھونپڑی کو درست کر رہے تھے' آپ نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا یہ جھونپڑی ٹوٹ پھوٹ رہی تھی تو ہم اس

کو بنا رہے ہیں' (اس خدشہ سے کہ اس کی چھت گر نہ جائے) آپ نے فرمایا اجل اس سے بھی پہلے آنے والی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۶۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۹۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۰۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ ہے کہ گھر کی مرمت اور اصلاح سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرلو' تم گھر کی اصلاح کرتے رہو اور کیا پتا گھر تیار ہونے سے پہلے موت آ جائے۔

اس معنی میں یہ حدیث ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے ایک اونچا گنبد دیکھا' آپ نے پوچھا: یہ کس کا ہے؟ آپ کے اصحاب نے کہا یہ انصار میں سے فلاں شخص کا ہے! آپ خاموش ہو گئے اور اس کو دل میں رکھ لیا' حتیٰ کہ جب وہ گنبد بنانے والا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے لوگوں کے درمیان آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس سے منہ موڑ لیا' ایسا کئی بار ہوا حتیٰ کہ اس شخص نے آپ پر غضب اور اعراض کرنے کے آثار دیکھے' اس نے اپنے اصحاب سے اس کی شکایت کی اور کہا اللہ کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدلا ہوا پا رہا ہوں' اس کے اصحاب نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے تمہارا بنایا ہوا گنبد دیکھا تھا' وہ شخص واپس اپنے گنبد کی طرف گیا اور اس کو گرا دیا حتیٰ کہ اس کو زمین کے برابر کر دیا۔ پھر ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو اس گنبد کو نہیں دیکھا پوچھا وہ گنبد کہاں گیا؟ صحابہ نے کہا اس شخص نے ہم سے آپ کے منہ موڑنے کی شکایت کی تھی' ہم نے اس کو اس کی خبر دی تو اس نے اس گنبد کو گرا دیا تو آپ نے فرمایا ہر عمارت اس کے بنانے والے پر وبال ہے سوا اتنی مقدار کے جس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۷' اتحاف ج ۹ ص ۳۶۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۰۷۴' تاریخ کبیر ج ۱ ص ۸۷' ج ۹ ص ۴۵)

اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ جب لوگ بڑی بڑی اور بلند عمارتیں بنانا شروع کر دیں گے تو ان کا دل دنیا کی زیب و زینت اور دنیا کی چمک دمک میں لگا رہے گا اور وہ اللہ کی عبادت کرنے اور اس کی یاد سے غافل ہو جائیں گے' انسان دنیا کی جتنی زیادہ نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا قیامت کے دن ان نعمتوں کے مقابلہ میں اتنی زیادہ عبادتیں پیش کرنی ہوں گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور دنیا کی مثال اس طرح ہے جس طرح کوئی سوار ہو وہ کسی گرم دن میں ایک درخت کے نیچے تھوڑی دیر قیلولہ کر کے آرام کرے اور پھر اس کو چھوڑ دے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۷' مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۹۸' المستدرک ج ۱ ص ۳۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۹) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا: دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہو یا اس طرح جیسے کوئی شخص کوئی راستہ عبور کر رہا ہو' اور حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ جب تم شام کو پاؤ تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح کو پاؤ تو شام کا انتظار نہ کرو (کیا پتا کس وقت موت آ جائے) اور اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے ایام کے لیے نیک عمل کرلو' اور اپنی زندگی میں موت کے لیے نیک عمل کرلو (تاکہ جب تم مرض کی وجہ سے عمل نہ کر سکو تو صحت میں کئے ہوئے عمل تم کو نفع دیں)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴' مصنف ابن ابی شیبہ

ج ۱۳ ص ۲۱۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۶۹)

اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ دنیا کی طرف میلان اور رغبت نہ کرو اور اس کو اپنے رہنے کے لیے وطن نہ بناؤ' اور اپنے دل میں یہ منصوبہ نہ بناؤ کہ تم نے یہاں پر ہمیشہ رہنا ہے اور دنیا سے صرف اتنا تعلق رکھو جتنا مسافر دوران سفر کسی جگہ سے اپنا تعلق رکھتا ہے' یہ حدیث دنیا سے فراغت حاصل کرنے اور دنیا میں زہد اور بے رغبتی اور دنیا کو حقیر جاننے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اسی پر قناعت کرنے کی اصل ہے' جس طرح مسافر راستے میں کسی جگہ دل نہیں لگاتا اور اس کو وطن پہنچنے کی لگن ہوتی ہے تم بھی دنیا میں کسی جگہ دل نہ لگاؤ اور آخرت کی لگن رکھو۔

ابن جعدہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عیادت کی اور کہا آپ کو خوش خبری ہو' اے ابوعبداللہ! آپ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض پر حاضر ہوں گے۔ حضرت خباب نے کہا یہ کیسے ہوگا؟ حالانکہ یہ اس گھر کی نچلی منزل ہے اور اس کے اوپر بھی ایک منزل ہے! حالانکہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ تمہارے لیے دنیا کی صرف اتنی چیز کافی ہے جتنی مسافر کے پاس سفر میں خرچ کرنے کے لیے کوئی چیز ہوتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۹' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۴۵' مسند الحمیدی ج ۱ ص ۸۳)

حضرت معاویہ اپنے ماموں ابوہاشم بن عتبہ کی عیادت کرنے گئے تو وہ رو رہے تھے' حضرت معاویہ نے ان سے کہا: اے میرے ماموں آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ کو درد کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے یا دنیا پر حرص کی وجہ سے رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اس میں سے کوئی بات نہیں ہے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ نصیحت کی تھی اے ابوہاشم! شاید تمہارے پاس وہ مال آئے گا جو دوسری قوموں کو دیا گیا ہے' تمہارے پاس اس مال میں سے اتنا کافی ہے کہ ایک خادم ہو اور اللہ کی راہ میں سفر کرنے کے لیے ایک سواری ہو' اور اب میں اپنا حال دیکھتا ہوں کہ میں نے مال جمع کر لیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۹' مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۳)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ' حضرت سلمان کی عیادت کرنے کے لیے گئے تو وہ رونے لگے' حضرت سعد نے کہا اے عبداللہ! آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے؟ حالانکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو وہ آپ سے راضی تھے! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کریں گے اور ان کے پاس حوض پر حاضر ہوں گے' انہوں نے کہا میں موت سے گھبرا کر نہیں رو رہا اور نہ دنیا کی حرص پر رو رہا ہوں' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ نصیحت کی تھی: کہ تمہارے پاس فقط اتنا مال ہونا چاہیے جتنا ایک مسافر کے پاس سفر خرچ ہوتا ہے اور اب میرے اردگرد یہ تکیے لگے ہوئے ہیں' ان کے اردگرد تکیہ تھا' ٹب تھا اور وضو کا سامان تھا' حضرت سعد نے کہا اے ابوعبداللہ! آپ ہم کو نصیحت کیجئے' جس پر ہم آپ کے بعد عمل کریں حضرت سلمان نے کہا جب تم کو کوئی پریشانی ہو' اور جب تم کوئی فیصلہ کرو اور جب تم مال تقسیم کرو تو اللہ کو یاد کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۲۰' المستدرک ج ۴ ص ۳۱۷' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر علماء اپنے علم کی حفاظت کرتے اور جو علم کا اہل ہو اسی کو تعلیم دیتے تو وہ اپنے زمانہ والوں کے سردار ہوتے' لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا کے حصول کے لیے دنیاداروں پر خرچ کیا تو وہ دنیا داروں کی نظر میں بے وقعت ہو گئے اور میں نے تمہارے نبی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے تمام تفکرات کو صرف ایک فکر بنا دیا اللہ اس کی آخرت کی فکر کے لیے کافی ہوگا' اور جس شخص نے بہت سے تفکرات میں اور دنیا کے احوال میں اپنے آپ کو مبتلا کر لیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ کون سی وادی میں جا گرتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۲۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۷)

ام الولید بنت عمر بیان کرتی ہیں کہ ایک شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! تم حیا نہیں کرتے! ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس چیز سے؟ آپ نے فرمایا تم اس چیز کو جمع کرتے ہو جن کو تم کھاتے نہیں ہو اور ان مکانوں کو بناتے ہو جن میں تم رہتے نہیں ہو اور تم ان چیزوں کی امید رکھتے ہو جن کو تم حاصل نہیں کر سکتے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۷۲ ' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں الوازع بن نافع متروک ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۰۴۳)

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے' ان کے پاس (افطار کے وقت) کھانا لایا گیا انہوں نے کہا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے وہ مجھ سے بہتر تھے' ان کو صرف ایک چادر میں کفن دیا گیا' اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پیر کھل جاتے اور اگر ان کے پیر ڈھانپے جاتے تو سر کھل جاتا' اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے وہ مجھ سے افضل تھے' پھر ہم پر دنیا بہت کشادہ کر دی گئی اور ہم کو دنیا کا وہ مال و متاع ملا جو ملا' اور ہم ڈر رہے ہیں کہ ہماری نیکیوں کا اجر ہم کو دنیا میں ہی دے دیا گیا ہے' پھر انہوں نے رونا شروع کر دیا اور کھانا چھوڑ دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۵' المسند الجامع رقم الحدیث: ۹۵۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو' جوانی کو بڑھاپا آنے سے پہلے' صحت کو بیماری آنے سے پہلے' خوشحالی کو فقر آنے سے پہلے' فرصت کو مشغول ہونے سے پہلے اور زندگی کو موت آنے سے پہلے۔

حاکم نے کہا یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے موافق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۷۹۱۶)

ان احادیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور مال و دولت کو بالکل حاصل نہیں کرنا چاہیے اگر انسان کے پاس مال و دولت نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ اور عشر کیسے فرض ہوگا۔ قربانی کس طرح واجب ہوگی اور حج کیونکر فرض ہوگا۔ ان احادیث کا منشا یہ ہے کہ انسان مال و دولت کے حصول میں اس طرح مستغرق نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھول جائے' انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں مال کو خرچ کرتا رہے اور حقوق العباد کو ادا کرتا رہے تو دنیاوی مال و متاع بھی اس کے لیے باعث اجر و ثواب ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت عظیم تاجر تھے ان کے پاس بہت مال تھا ایک دن وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہا اے میری ماں! مجھے ڈر ہے کہ مال کی کثرت کہیں مجھے ہلاک نہ کر دے' حضرت ام سلمہ نے فرمایا اے میرے بیٹے مال کو خرچ کرو۔

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنے مال میں سے چار ہزار دینار صدقہ کیے' پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کیے' پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کیے' پھر پانچ سو گھوڑے سامان لاد کر اللہ کی راہ میں دیئے' پھر دوبارہ پانچ سو اونٹنیاں اللہ کی راہ میں دیں اور ان کا عام مال تجارت کے ذریعہ سے تھا۔

زہری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے وصیت کی تھی کہ شہداء بدر میں سے جو صحابہ باقی ہیں ان میں سے ہر ایک کو چار سو دینار دیئے جائیں وہ تعداد میں سو صحابہ تھے ان میں سے ہر ایک کو چار سو دینار دیئے گئے' حضرت عثمان بھی ان میں تھے اور انہوں نے ایک ہزار گھوڑے اللہ کی راہ میں دینے کی وصیت کی تھی۔

(اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۷۹-۴۷۸' رقم: ۳۳۷۰' مطبوعہ دار الکتب العربیہ' بیروت)

یوم حساب اگر قریب ہے تو اب تک آ چکا ہوتا

اس آیت پر ایک یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے یوم حساب قریب ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو بھی چودہ صدیاں گزر چکی ہیں ابھی تک تو قیامت آئی نہیں اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے اعتبار سے یوم حساب کو قریب فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ایک دن بھی ایک ہزار سال کا ہوتا ہے:

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○ (الحج: ۴۷)

اور یہ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں اور اللہ اپنی وعید کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے۔

(۲) ہر وہ چیز جس کا آنا یقینی اور حتمی ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قریب ہے۔

(۳) جب کسی چیز کی میعاد کا اکثر حصہ گزر جائے تو پھر کہا جاتا ہے کہ وہ قریب ہے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے گزر جانے کے بعد قیامت آنی تھی اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام اب تک گزر چکے ہیں اور اب صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت رہ گئی ہے اس لیے آپ اور آپ کی امت کے لحاظ سے اب یوم حساب قریب آ چکا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح (ساتھ ساتھ) بھیجے گئے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۵۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۰، ۴۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۰۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۳۴۸، تہذیب تاریخ دمشق ج ۴ ص ۱۹۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۴۰۷)

اللہ تعالیٰ نے موت کا وقت معین فرمایا ہے اور نہ قیامت کا وقت معین فرمایا ہے تاکہ انسان ہر وقت گناہ سے بچتا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہ کر رہا ہو اور اسی وقت موت آ جائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے تاکہ اگر اس کو موت آئے تو اس وقت آئے جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہو۔ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ نے یوم حساب سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے تاکہ انسان روز قیامت سے ڈرتا رہے کہ اس دن اس کا حساب لیا جائے گا۔

قرآن مجید کے حادث ہونے کے اشکال کا جواب

الانبیاء: ۲ میں فرمایا: ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے وہ اس کو کھیل کود کے مشغلہ میں ہی سنتے ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نصیحت کے لیے وقتاً فوقتاً آیات نازل فرماتا رہتا ہے قرآن مجید میں اس کے لیے ذکر محدث کا لفظ ہے۔ معتزلہ نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں یہ واضح تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حادث ہے ہم کہتے ہیں اس کا تعلق کلام لفظی کے ساتھ ہے اور کلام لفظی کو ہم بھی حادث کہتے ہیں ہم قدیم کلام نفسی کو کہتے ہیں۔

نیز فرمایا وہ نصیحت کو کھیل کود کے مشغلہ میں سنتے ہیں اس کے دو معنی ہیں ایک یہ ہے کہ وہ اس نصیحت کو غفلت اور بے پرواہی سے سنتے ہیں اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ اس نصیحت کا مذاق اڑاتے ہوئے اس کو سنتے ہیں۔

آپ کا بشر ہونا آپ کی نبوت کے خلاف نہیں

الانبیاء: ۳ میں فرمایا: اور ظالموں نے آپس میں یہ سرگوشی کی کہ یہ شخص تو تمہاری ہی مثل بشر ہے۔

کفار مکہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ اعتراض کیا کہ یہ شخص تو تمہاری ہی مثل بشر ہے' ان کا یہ اعتراض باطل تھا' کیونکہ نبوت کسی شخص کی صورت اور شکل پر موقوف نہیں ہے' نبوت کا ثبوت دلائل اور معجزات پر ہے' اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت پر دلائل اور معجزات پیش کر دیئے اور خصوصاً قرآن مجید کو اس چیلنج کے ساتھ پیش کیا کہ تم اس کی نظیر نہیں لا سکتے اور وہ نہیں لا سکے تو آپ کی نبوت اور رسالت ثابت ہو گئی' اور ان کا اعتراض ساقط ہو گیا' ان کا کہنا یہ تھا کہ نبی کو فرشتہ ہونا چاہئے لیکن ان کا یہ قول بداہۃً باطل تھا کیونکہ اگر فرشتہ اپنی اصل شکل وصورت میں آتا تو وہ اس کو دیکھ سکتے اور نہ اس کا کلام سن سکتے کیونکہ فرشتے تو دنیا میں ہر جگہ ہیں لیکن وہ کسی کو نظر نہیں آتے نہ کوئی ان کا کلام سنتا ہے۔ ہمارے دائیں بائیں کراماً کاتبین ہیں لیکن ہم ان کو نہیں دیکھتے تو اگر فرشتے اپنی شکل وصورت میں آتے تب بھی کفار ان سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے اور اگر وہ انسان اور بشر کی صورت میں آتے تو وہ کہتے یہ تو ہماری ہی طرح انسان اور بشر ہے ہم اس کو نبی کیوں مانیں؟ دراصل ان کا یہ اعتراض ان کی نہایت کم عقل پر مبنی ہے کیونکہ یہ ضروری تھا کہ انسانوں کے پاس انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا جاتا تا کہ وہ اس کو دیکھ سکتے' اس کی باتیں سن سکتے اس کے افعال ان کے لیے نمونہ اور حجت ہوتے' اگر کسی اور جنس کا رسول ان کی طرف بھیج دیا جاتا تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اس کی عبادت ہم پر حجت نہیں ہے اور اس کے افعال ہمارے لیے نمونہ نہیں ہیں کیونکہ یہ اور جنس سے ہے اور ہم اور جنس سے ہیں' ہو سکتا ہے کہ اس کی حقیقت میں ایسا عنصر ہو جس کی وجہ سے یہ اس قدر کٹھن عبادات کر سکتا ہو اور ہماری حقیقت میں یہ عنصر نہیں ہے اس لیے ہم ایسی عبادات نہیں کر سکتے اور ایسے کام نہیں کر سکتے' اس لیے ضروری تھا کہ انسانوں کے لیے کسی انسان اور بشر کو ہی رسول بنا کر بھیجا جاتا ہاں اگر زمین میں فرشتوں کی آبادی ہوتی تو ان کے لیے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیج دیا جاتا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۹۵)

آپ کہئے اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔

اگر کسی اور جنس کا رسول ان کے پاس بھیج دیا جاتا تو اس کی اتباع کرنا اور اس کے نقش قدم پر چلنا ان کے لیے بہت مشکل اور بے حد دشوار ہوتا' یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر بے حد کرم اور بہت بڑا احسان ہے کہ وہ انسان اور بشر تھے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انسان اور بشر ہی کو رسول بنا کر بھیجا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران: ۱۶۴)

بے شک اللہ کا مومنین پر یہ احسان ہے کہ اس نے ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دیا جو ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے' ان کے باطن کو پاک اور صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے بے شک اس (کو بھیجنے) سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

قرآن مجید کو جادو قرار دینے کا جواب

نیز کفار کہتے تھے: کیا تم جانتے بوجھتے جادو کے پاس جا رہے ہو' یہ کفار کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دوسرا اعتراض تھا' وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو ہے' اور یہ اعتراض بھی ان کی جہالت پر مبنی تھا' کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کے ثبوت پر قرآن مجید کو پیش کیا تھا اور اس میں کوئی ملمع کاری' شعبدہ بازی اور

بندی نہیں تھی۔ عرب میں لوگ فصیح اور بلیغ تھے آپ نے ان کے سامنے یہ کلام پڑھا اور فرمایا یہ اللہ کا کلام ہے اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ انسان کا کلام ہے تو تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ' آپ متواتر اور مسلسل ان کو اس جیسا کلام لانے کے لیے للکارتے رہے وہ آپ کی نبوت کو باطل کرنے پر بہت حریص تھے اور فصاحت اور بلاغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اگر وہ اس کلام کی نظیر لانے پر قادر ہوتے تو ضرور اس کی نظیر لے آتے لیکن جب وہ پیہم مطالبوں کے باوجود ایسا کلام نہیں لا سکے تو واضح ہو گیا کہ یہ قرآن عظیم آپ کا معجزہ ہے اور آپ کے دعویٰ نبوت کا صدق ظاہر ہو گیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جادو نہیں ہے اور ان کا قرآن مجید کو جادو کہنا باطل ہے وہ صرف جان چھڑانے اور اپنے چیلوں چانٹوں کو مطمئن کرنے کے لیے قرآن مجید کو جادو کہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (رسول اللہ نے) کہا: میرا رب آسمان اور زمین میں ہر بات کو خوب جانتا ہے اور وہ بہت سننے والا بے حد علم والا ہے O (کافروں نے) کہا یہ (قرآن) پریشان خوابوں کا بیان ہے' بلکہ اس کو انہوں نے خود گھڑ لیا ہے' بلکہ یہ شاعر ہیں' ان کو کوئی نشانی لانی چاہئے جیسے پہلے رسول لائے تھے O ان سے پہلے جس بستی والوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں کیا وہ ایمان لے آئے تھے؟ جو یہ ایمان لے آئیں گے O (الانبیاء: ۶-۴)

شعر کا معنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شعر کی تحقیق

کافروں نے آپس میں جو چپکے چپکے سرگوشی کی تھی' اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سرگوشی سے مطلع فرما دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتا دیا کہ تم نے یہ سرگوشی کی ہے اور آپ نے ان کو یہ غیب کی خبر دی اور یہ آپ کا معجزہ ہے' پھر فرمایا کہ تم چھپ کر جو سرگوشیاں کرتے ہو ان کی میرے رب کو خبر ہے کیونکہ وہ آسمان اور زمین میں ہونے والی ہر بات کو جانتا ہے اور وہ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے' کفار نے کہا آپ جو قرآن پیش کرتے ہیں یہ آپ کے دیکھے ہوئے پریشان خواب ہیں' پھر کہا یہ قرآن آپ کا من گھڑت کلام ہے' پھر کہا بلکہ آپ شاعر ہیں۔

شعر کے دو معنی ہیں ایک شعر کا معنی ہے جس کلام میں قافیہ اور ردیف کی موافقت کا قصد کیا گیا ہو۔ جیسا کہ نظم اور غزل میں ہوتا ہے اور شعر کا دوسرا معنی ہے جس کلام میں خیالی باتوں کو پیش کیا جائے جیسے غالب کا یہ شعر ہے:

تصویر یار بہر نکیرین ساتھ ہے
رکھنا میری قبر پر شیشہ گلاب کا

اس کا معنی ہے میں اپنے کفن میں اپنے محبوب کی تصویر رکھ کر لے جاؤں گا جب منکر نکیر مجھ سے میرے اعمال کے متعلق سوال کریں گے تو میں ان کو یہ تصویر دکھاؤں گا کہ بتاؤ اتنے حسین شخص کو دیکھ کر انسان کوئی عمل کرنے کے قابل رہ سکتا ہے اور جب وہ اس تصویر کو دیکھیں گے تو بے ہوش ہو جائیں گے سو تم میری قبر پر عرق گلاب کی بوتل رکھنا تا کہ میں ان بے ہوش فرشتوں پر عرق گلاب چھڑک کر ان کو ہوش میں لا سکوں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب غالب کی خیال آرائی ہے واقع میں اس طرح نہیں ہو گا پس شعر کا معنی اپنے تصورات اور خیال آرائیوں کو پیش کرنا بھی ہے اور کفار عرب اسی معنی میں آپ کو شاعر کہتے تھے' کہ آپ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور لوگوں کے حساب و کتاب اور میزان پر وزن کرنے اور مومنوں کے لیے جنت کی بشارت اور جنت میں دودھ' شہد اور شراب کے دریاؤں کا' حوروں کا غلمان اور محلات کا ذکر کرتے ہیں اور کافروں کے لیے دوزخ کے عذاب کی خبر دیتے ہیں اور دوزخ کی ہولناکیوں کا بیان کرتے ہیں یہ سب آپ کے تصورات ہیں اور آپ کی خیال آرائیاں ہیں۔ حقیقت اور واقعہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ شعر کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شعر کا معنی بال ہے اور بال بہت باریک اور دقیق ہوتا ہے' شعر کو بھی شعر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا معنی بہت باریک اور دقیق ہوتا ہے اور عرف میں شعر اس کلام کو کہتے ہیں جو ایک ردیف اور قافیہ پر ہو' بعض محققین نے کہا ہے کہ کفار عرب آپ کو اس معنی کے لحاظ سے شاعر نہیں کہتے تھے' بلکہ بعض اوقات جھوٹ کو شعر سے اور جھوٹے شخص کو شاعر سے تعبیر کرتے ہیں' اسی وجہ سے قرآن مجید میں عام شعراء کے متعلق فرمایا ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (الشعراء: ۲۲۴) اور شعراء کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔

اور چونکہ شعر جھوٹ کی قرارگاہ ہوتا ہے اس لیے عرب کہتے ہیں کہ سب سے اچھا شعر وہ ہے جس میں سب سے زیادہ جھوٹ ہو' اور کفار قریش اس معنی کے لحاظ سے آپ کو شاعر اور قرآن مجید کو شعر کہتے تھے۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۴۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

کفار قریش نے کہا بلکہ یہ شاعر ہیں اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ جو کلام پیش کر رہے ہیں یہ اشعار ہیں یعنی محض خیالی باتیں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے' کیونکہ اکثر اشعار میں خیالی باتیں ہوتی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اس لیے عموماً جھوٹے شخص کو شاعر کہا جاتا ہے اور قرآن مجید میں شعر کے اسی معنی کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ (یٰسین: ۶۹) اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھائے اور نہ وہ آپ کی شان کے لائق ہیں وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۴۱۹۔ ۴۱۸ ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قرآن مجید نے آپ کے شاعر ہونے اور قرآن کریم کے شعری مجموعہ ہونے کی نفی کی ہے' قرآن مجید تو صرف ہدایت اور نصیحت ہے' شاعری میں بالعموم مبالغہ' افراط اور تفریط اور محض تخیلات کی تصویر کشی ہوتی ہے اور اس طرح اس کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے آپ کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ آپ پر اشعار کی وحی کی ہے اور نہ شعر گوئی آپ کی شان کے لائق ہے۔ بعض اوقات آپ سے بلاقصد کلام موزون صادر ہوا مثلاً جنگ حنین کے دن آپ نے فرمایا:

انا النبی لا کذب - انا ابن عبد المطلب میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے' میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۸۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۹۱۳ عالم الکتب)

بعض غزوات میں آپ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپ نے فرمایا:

ھل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ ما لقیت وفی سبیل اللہ مالقیت. تم صرف ایک انگلی ہو جو زخمی ہو گئی ہے اور تم کو جو کچھ ملا ہے' اللہ کی راہ میں ملا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۲' صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۹۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۵)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کرتے ہوئے فرمایا:

اللھم لا خیر الا خیر الاخرۃ فاغفر الانصار والمھاجرہ. اے اللہ اچھائی تو صرف آخرت کی اچھائی ہے' انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۰۲' سنن ابن ماجہ رقم

(الحدیث: ۷۴۲)

آپ سے یہ کلام موزون بلا قصد صادر ہوا ہے یہ کلام اس معنی میں شعر نہیں ہے جس معنی میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے شعر کے علم کی اور قرآن مجید کے شعر ہونے کی نفی کی ہے' اور اس طرح کلام موزون تو قرآن مجید میں بہ کثرت ہے۔ مثلاً سورہ بروج' سورہ اعلیٰ' سورہ غاشیہ اور سورہ کوثر وغیرہ۔ نیز اس کلام کو منظم اور مقفّٰی لانے کا قصد نہیں کیا گیا اور شعر وہ ہوتا ہے جس میں وزن کی موافقت کا قصد کیا جائے۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۴۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۵' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۰۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ جس شعر اور رجز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو اور اس کی تعظیم ہو اور اس کی وحدانیت کا بیان ہو اور اس کی اطاعت کرنے کی ترغیب ہو وہ اچھے شعر ہیں اور مرغوب ہیں اور حدیث میں جن اشعار کو حکمت فرمایا ہے اس سے مراد ایسے ہی اشعار ہیں اور جن اشعار میں جھوٹ اور بے حیائی کی باتیں ہوں وہ مذموم ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شاعر کے اشعار پڑھے ہیں یا نہیں' صحیح یہ ہے کہ آپ نے ایسے اشعار پڑھے ہیں آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار پڑھے ہیں آپ نے خود بھی کلام منظوم پڑھا ہے۔ جیسے غزوہ حنین میں آپ نے پڑھا: انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب' لیکن آپ نے اس کلام کو ایک نظم اور ایک وزن پر لانے کا قصد نہیں کیا تھا لہٰذا یہ شعر نہیں ہے اور اس طرح کا کلام تو قرآن مجید میں بھی بہ کثرت ہے۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۷۶۔ ۱۷۴ ملخصا مطقطاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

کفار مکہ کے آپ کی نبوت پر چھ اعتراضات اور ان کے جوابات

کفار مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چھ اعتراضات کئے' پہلے یہ کہا کہ آپ بشر ہیں اور بشر ہونا رسول ہونے کے منافی ہے' دوسرا اعتراض یہ کیا کہ اگر بشر ہونا رسالت کے منافی نہ بھی ہو تب بھی یہ قرآن معجز کلام نہیں ہے' تیسرا اعتراض یہ کیا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اس قرآن کی مثال بنا کر لانا طاقت بشر سے خارج ہے تو پھر یہ کلام سحر اور جادو ہے' چوتھا اعتراض یہ کیا کہ یہ قرآن اگر جادو نہیں ہے تو پھر یہ آپ کے پریشان خواب ہیں جن کو آپ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں' پھر پانچواں اعتراض یہ کیا کہ یہ کلام آپ نے خود گھڑ لیا ہے اور اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے' اور چھٹا اعتراض یہ کیا کہ بلکہ یہ آپ کی شاعری ہے۔

ان کے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بشر ہونا رسالت کے منافی نہیں ہے بلکہ جب انسانوں اور بشر کے پاس رسول بھیجا جائے تو اس کا بشر ہونا ضروری ہے ورنہ اس سے استفادہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قرآن آپ کی نبوت پر دلیل اور معجزہ ہے اور کفار قریش بلکہ کوئی بھی اس کی مثال نہیں لا سکتا ورنہ جو لوگ آپ کی تکذیب کے درپے تھے وہ اب تک اس قرآن کی مثال لا چکے ہوتے' تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن سحر اور جادو نہیں ہے کیونکہ سحر اور جادو شعبدہ اور نظر بندی پر مبنی ہوتا ہے اور قرآن مجید کے معجز کلام ہونے میں کسی شعبدہ' تلبیس اور نظر بندی کا دخل نہیں ہے' چوتھے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن خواب پریشان نہیں ہے' پریشان خواب ان خوابوں کو کہتے ہیں جو بے ربط' خلط ملط اور غیر منضبط باتوں مشتمل ہوں اور قرآن مجید ایک مربوط اور منضبط کلام ہے' اس میں انسانی معیشت کا ایک جامع ضابطہ حیات بیان کیا گیا ہے

اور دنیا اور آخرت کی فلاح اور کامیابی کے حصول کا ایک مکمل طریقہ بیان کیا گیا ہے یہ بے ربط' خلط ملط اور غیر منضبط کلام نہیں ہے اور نہ بے تکی باتوں کا مجموعہ ہے' پانچویں اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام جھوٹ اور من گھڑت نہیں ہے کیونکہ کفار مکہ اس بات کو مانتے تھے کہ آپ صادق اور امین ہیں اور جس نے کبھی بندوں پر جھوٹ نہ باندھا ہو وہ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہے' اور چھٹے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ آپ شاعر ہیں نہ یہ قرآن شاعری ہے کیونکہ شعر میں خیال آرائی ہوتی ہے' افراط اور مبالغہ ہوتا ہے اور واقع اور حقائق کے خلاف باتیں ہوتی ہیں اور قرآن مجید تو صرف ذکر اور نصیحت ہے اور آپ صادق اور امین ہیں آپ کا کلام جھوٹ نہیں ہے' اور نہ آپ نے قافیہ اور ردیف کی موافقت کے قصد سے یہ کلام بنایا ہے اس لیے شعر کی کسی تعریف کے اعتبار سے آپ شاعر ہیں نہ قرآن مجید شعری مجموعہ ہے۔

کفار عرب کے فرمائشی معجزات نہ بھیجنے کی وجوہ

کفار مکہ نے کہا ان کو کوئی نشانی لانی چاہیے جیسے پہلے رسول لائے تھے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ جیسے حضرت صالح علیہ السلام نے پتھر کی چٹان سے اونٹنی نکالی تھی اس طرح اونٹنی نکال کر دکھائیں یا جس طرح حضرت موسیٰ نے لاٹھی کو اژدھا بنا دیا تھا اس طرح لاٹھی کو اژدھا بنا کر دکھائیں' یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مردے زندہ کر کے دکھائیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کے معجزے بہت عظیم تھے لیکن وہ محدود وقت کے لیے تھے' جب تک وہ نبی اس دنیا میں رہے ان کے معجزے بھی رہے اور جب وہ نبی دنیا سے چلے گئے تو ان کے معجزے بھی ان کے ساتھ جاتے رہے' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیامت تک رہے گی اس لیے آپ کو ایسا معجزہ دیا ہے جو قیامت تک قائم اور باقی رہے گا' قرآن کا معجزہ یہ ہے کہ اس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں لا سکے گا اور قیامت تک کوئی ایسا نہیں کر سکے گا' اور قرآن مجید کا معجزہ یہ ہے کہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکے گی اور قیامت تک کوئی قرآن مجید میں کمی یا زیادتی نہیں کر سکے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے جب کوئی قوم کسی معجزہ کی فرمائش کرے اور اس کی فرمائش پوری کر دی جائے اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ ایک ہمہ گیر عذاب بھیج کر اس قوم کو ملیا میٹ کر دیتا ہے اور صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے' اور کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ صفحہ ہستی سے مٹانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس کو علم تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں گے یا ان سے ایسی اولاد پیدا ہوگی جو مسلمان ہو جائے گی اور تیسری وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا اور آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ تھا۔

فرمایا ان سے پہلے جس بستی والوں کو ہم ہلاک کر چکے تھے کیا وہ ایمان لے آئے تھے؟ جو یہ ایمان لے آئیں گے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے پہلے کئی قوموں نے فرمائشی معجزات طلب کئے اور جب وہ ان معجزات کو دیکھنے کے باوجود ان پر ایمان نہیں لائے تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا' تو اگر اب ہم نے ان کی فرمائش پوری کر دی تو ہم کو علم ہے یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور ان کا ایمان نہ لانا ان پر عذاب نازل کرنے کا مقتضی ہوگا اور آپ کے ہوتے ہوئے ہم ان پر عذاب نازل کرنا نہیں چاہتے اس لیے ان کے فرمائشی معجزات بھی نہیں بھیجے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنایا تھا جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے۔ سو اگر تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے پوچھ لو○ ہم نے ان (رسولوں) کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ (دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے○ پھر ہم نے ان کے سامنے (اپنا) وعدہ سچا کر دکھایا تو ہم نے ان کو اور جن کو ہم نے چاہا نجات دے دی' اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہلاک کر دیا○ بے شک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں

تمہاری نصیحت ہے' سو کیا تم نہیں سمجھتے؟○ (الانبیاء: ۱۰-۷)

رسول صرف انسانوں اور اور مردوں کو بنایا جاتا ہے

الانبیاء: ۷ میں کفار کے پہلے اعتراض کا جواب ہے کہ یہ شخص تو تمہاری مثل بشر ہے یہ نبی کس طرح ہو سکتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے عادت جاریہ رہی ہے کہ وہ مردکو انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجتا رہا ہے' اس سے پہلے جس قدر رسول آئے وہ سب مرد ہی تھے اسی عادت کے مطابق (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ سو آپ کا مرد ہونا آپ کے رسول ہونے کے منافی نہیں ہے' رسول کے لیے دلیل اور معجزہ کا ہونا ضروری ہے سو ہم نے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دلائل اور معجزات دے کر بھیجا ہے' لہٰذا آپ کا بشر ہونا آپ کے نبی اور رسول ہونے کے خلاف نہیں ہے اگر تم کو اس پر یقین نہیں ہے تو تم اہل ذکر یعنی علماء سے پوچھ لو۔ اس زمانہ میں علماء اہل کتاب تھے' یہودی اور عیسائی علماء' اور یہودیوں کو بھی یہ اعتراف تھا کہ حضرت موسیٰ بشر تھے اور جب حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام بشر اور انسان ہونے کے باوجود نبی ہو سکتے تھے تو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہونے کے باوجود نبی کیوں نہیں ہو سکتے!

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ رسول صرف مرد ہی کو بنایا جاتا ہے' عورت کو رسول نہیں بنایا جاتا' اس آیت میں علامہ قرطبی وغیرہ کے اس نظریہ کا رد ہے کہ عورت بھی نبی ہو سکتی ہے۔

مسئلہ تقلید

اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ عام شخص پر علماء کی تقلید کرنا واجب ہے اور اس آیت میں اہل ذکر سے مراد علماء ہیں' اور اس پر اجماع ہے کہ جب نابینا شخص کو قبلہ کا علم نہ ہو تو اس پر اس شخص کی تقلید کرنا واجب ہے جس کو قبلہ کا علم ہو' اسی طرح جس شخص کو دینی مسائل میں علم اور بصیرت نہ ہو' اس پر اس شخص کی تقلید کرنا واجب ہے جس کو ان مسائل کا علم ہو اور جس کو ان مسائل پر بصیرت حاصل ہو' اسی طرح اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ عام آدمی کو فتویٰ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کو ان دلائل کا علم نہیں ہے جن کے ساتھ تحلیل اور تحریم کا تعلق ہوتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۸۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے تقلید کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے اور یہ استدلال خطا ہے' اور اگر اس استدلال کو مان لیا جائے تو اس کا معنی ہے کہ علماء سے کتاب اور سنت کی نصوص کا سوال کیا جائے نہ کہ علماء کی رائے کے متعلق سوال کیا جائے' اور تقلید کا معنی ہے کہ کسی شخص کے قول کو بغیر دلیل کے قبول کیا جائے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۵۴۶' مطبوعہ دار الوفاء' ۱۴۱۸ھ)

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ تقلید جائز ہے اور یہ استدلال خطاء ہے اور اگر یہ استدلال مان لیا جائے تو اس کا معنی ہے کتاب اور سنت کی نصوص اور تصریحات کے متعلق سوال کرنا نہ کہ محض رائے کے متعلق سوال کرنا' اور تقلید کا معنی ہے بغیر دلیل کے غیر کے قول کو قبول کرنا' اور مقلد جب اہل الذکر سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے متعلق سوال کرے گا تو وہ مقلد نہیں رہے گا۔ اکثر فقہاء نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ عام آدمی کے لیے علماء کے فتویٰ کی طرف رجوع کرنا جائز ہے' اور ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا جائز ہے لیکن یہ قول بعید ہے کیونکہ اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ علماء یہود اور علماء نصاریٰ سے یہ معلوم کر لو کہ بشر کو رسول بنا کر بھیجنا جائز ہے یا نہیں' آیات کے سیاق اور سباق سے یہی متعین ہے۔ (فتح البیان ج ۸ ص ۳۰۹' مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہر چند کے اس آیت کا شان نزول خاص ہے لیکن اس کے الفاظ عام ہیں اور اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصیت مورد کا' اس کی وضاحت ہم النحل: ٤٣ میں کر چکے ہیں۔

علامہ محمد بن احمد السفارینی الحنبلی المتوفی ١١٨٨ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ مکلف جس میں اجتہاد مطلق کی صلاحیت نہ ہو اس کے لیے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرنا جائز ہے' ان ائمہ کے مذاہب اور ان کے اقوال ہر زمانہ میں محفوظ اور منضبط ہیں اور ان کی شرائط اور ان کے ارکان تواتر سے معلوم ہیں۔

تقلید کا لغت میں معنی ہے کسی چیز کو گلے میں اس طرح ڈالنا کہ وہ گلے کا احاطہ کر لے' اسی لیے ہار اور پٹے کو قلادہ کہتے ہیں۔ اور عرف میں اس کا معنی ہے کسی دوسرے کے مذہب کو صحیح اعتقاد کر کے قبول کرنا اور اس کی اتباع کرنا بغیر اس کی دلیل کی معرفت کے' لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی طرف رجوع کرنا' یا مفتی' یا اجماع یا قاضی کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے ہر چند کے لغوی اعتبار سے اس کو تقلید کہنا جائز ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور اجماع دلیل ہے' اس طرح صحابی کا قول بھی دلیل ہے لہٰذا ان کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے' تقلید کے جواز پر قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (الانبیاء: ٧)

پس اگر تم کو معلوم نہیں ہے تو اہل ذکر (علماء) سے معلوم کر لو۔

یہ آیت عام ہے اور سوال کرنے کی علت جہل ہے' اور اس پر اجماع ہے کہ ہمیشہ سے عام لوگ علماء کی تقلید کرتے رہے ہیں' نیز اگر یہ کہا جائے کہ ہر آدمی کے لیے اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے کہ وہ کتاب' سنت' آثار صحابہ اور اجماع سے براہ راست مسائل نکال سکے تو اس سے لازم آئے گا کہ لوگ ذریعۂ معاش اور صنعت اور حرفت سے معطل ہو جائیں' اور توحید و رسالت اور آخرت کے عقائد میں یہ لازم نہیں آتا' اس لیے امام مالک نے یہ کہا ہے کہ عوام پر واجب ہے کہ وہ احکام شرعیہ میں مجتہدین کے اقوال پر عمل کریں۔ (لوامع الانوار البہیۃ: ج ٢ ص ٤٦٤۔ ٤٦٣' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ١٤١١ھ)

اس مسئلہ کی مکمل بحث اور تفصیل ہم النحل: ٤٣ میں کر چکے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

بشری تقاضوں کی وجہ سے آپ کی رسالت پر اعتراض کا جواب

الانبیاء: ٨ میں ہے: ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ (دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے' کفار مکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ طعن کرتے تھے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ○ (الفرقان: ٧)

اور کافروں نے کہا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے' اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (عذاب سے) ڈراتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کفار کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں تو اگر ہمارے رسول (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے ہوں تو ان کی نبوت پر اعتراض کی کیا وجہ ہے! اس طرح رسول دنیا میں ہمیشہ نہیں رہتے اور اپنا وقت پورا ہونے پر دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو جاتے ہیں اور ان کے رسول ہونے کی بناء اور نبی ہونے کا سبب کھانے پینے سے بری ہونا اور ہمیشہ زندہ رہنا نہیں ہے بلکہ ان کے رسول ہونے کا سبب ان کے ہاتھوں پر معجزات کا ظہور ہے' اور ان کا گناہوں سے اور برے کاموں سے بری ہونا اور ان کی معصوم اور پاکیزہ سیرت ہے اور امور تبلیغیہ میں ان سے جھوٹ کے صدور کا محال ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد والی آیت میں فرمایا:

پھر ہم نے ان کے سامنے (اپنا) وعدہ سچا کر دکھایا تو ہم نے ان کو اور جن کو ہم نے چاہا نجات دی اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ (الانبیاء: ۹)

یعنی جن کافروں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی ان پر آسمان سے عذاب بھیجا جس نے ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور ملیامیٹ کر دیا اور انبیاء علیہم السلام اور مومنوں کو اس عذاب سے محفوظ رکھا' اس کے بعد فرمایا:

بے شک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہاری نصیحت ہے' سو کیا تم نہیں سمجھتے؟ ○ (الانبیاء: ۱۰)

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا ذکر ہے۔ اس میں ذکر کے تین محامل ہیں:

(۱) اس کتاب میں تمہارے شرف اور تمہارے مرتبہ کا ذکر ہے اور دوسری امتوں پر تمہاری افضلیت کا بیان ہے۔

(۲) اس کتاب میں تمہیں نصیحت کی گئی ہے تاکہ جو کام تمہارے لیے ناجائز ہیں تم ان سے بچو اور جو کام تمہارے لیے ضروری ہیں تم ان کو انجام دو اور ذکر سے مراد نیک کاموں پر تمہارے لیے بشارت ہے اور برے کاموں پر تمہاری سزا کی وعید ہے۔

(۳) ذکر سے مراد تمہارے دین اور تمہارے احکام شرعیہ کا بیان ہے' جن پر عمل کر کے تم دین اور دنیا کی فلاح حاصل کر سکتے ہو۔

پھر فرمایا کیا تم نہیں سمجھتے؟ یعنی کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے' یعنی تم قرآن مجید میں غور و فکر کر کے اپنی دین اور دنیا کو بہتر بنانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا

اور کتنی ہی (ایسی) بستیاں ہم نے تباہ کر دیں جو ظلم کرتی تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسرے لوگوں کو

اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا

پیدا کر دیا ○ سو جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو فوراً اس سے بھاگنے لگے ○ (ان سے کہا گیا) اب بھاگو

وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا

مت اور اسی جگہ لوٹ کر جہاں تمہیں آسودگی دی گئی تھی اور اپنی رہائش گاہوں میں تاکہ تم سے پوچھ گچھ کی جائے ○ انہوں نے کہا

يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ

ہائے افسوس بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے ○ ان کا مسلسل یہی کہنا رہا حتیٰ کہ ہم نے ان کو کاٹی ہوئی فصل کی طرح کر دیا

حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

(زندگی) کی حرارت سے بجھا ہوا ○ اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کود کے مشغلہ میں

لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ

نہیں بنایا ○ اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے تو ہم اسے اپنے پاس سے ہی بنا لیتے اگر ہم

كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ

(اس کو واقعی) بنانے والے ہوتے ○ بلکہ ہم حق سے باطل پر ضرب لگاتے ہیں تو وہ (حق) اس (باطل) کا سر کچل دیتا ہے

فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي

اور وہ (باطل) اسی وقت ملیامیٹ ہو جاتا ہے، اور تمہارے لیے ان باتوں کی وجہ سے تباہی ہو جو تم بناتے ہو ○ اور جو آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

اور زمینوں میں ہیں وہ سب اسی کی ملکیت میں ہیں، اور جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تکبر

وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ

کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں ○ وہ رات اور دن اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے ○ کیا

اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ

ان لوگوں نے جن کو زمین میں معبود قرار دیا ہوا ہے وہ (مردہ کو) زندہ کر سکتے ہیں ○ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا

اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

معبود ہوتے تو وہ ضرور درہم برہم ہو جاتے، سو اللہ جو رب العرش ہے وہ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں ○

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

اس سے ان کاموں کا سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ کرتا ہے، اور ان سب سے بازپرس کی جائے گی ○ کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود

اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ

قرار دے رکھے ہیں؟ آپ کہیے تم اپنی دلیل لاؤ، یہ میرے عہد کے لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور مجھ سے پہلوں کی نصیحت بھی (یہی) ہے

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا

بلکہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے، اس لیے وہ منہ موڑ رہے ہیں ○ اور ہم نے آپ سے پہلے

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا

جس کو بھی رسول بنا کر بھیجا اس کی طرف ہم یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو تم

فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ

میری عبادت کرو ○ اور انہوں نے کہا رحمٰن نے اولاد بنالی ہے، وہ اس سے پاک ہے، وہ سب اس کے

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

باعزت بندے ہیں ○ وہ کسی بات میں اس پر سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں ○

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ

وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے

ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ

وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے لرزہ براندام ہیں ○ اور ان میں سے جس نے یہ کہا کہ

اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي

میں اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ہوں تو اس کو ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا

ع ۱۹/۲ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

دیتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کتنی ہی (ایسی) بستیاں ہم نے تباہ کردیں جو ظلم کرتی تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسرے لوگوں کو پیدا کردیا○ سو جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو فوراً اس سے بھاگنے لگے○ (ان سے کہا گیا) اب بھاگو مت! اور اسی جگہ لوٹو جہاں تمہیں آسودگی دی گئی تھی' اور اپنی رہائش گاہوں میں' تاکہ تم سے پوچھ گچھ کی جائے○ انہوں نے کہا: ہائے افسوس! بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے○ ان کا مسلسل یہی کہنا رہا حتیٰ کہ ہم نے ان کو کاٹی ہوئی فصل کی طرح کردیا' زندگی کی حرارت سے بجھا ہوا○ (الانبیاء: ۱۵-۱۱)

مشکل الفاظ کے معانی:

کم قصمنا: کم کے بعد جو لفظ ذکر ہوتا ہے اس سے اس کی کثرت مراد ہوتی ہے۔ کم قصمنا کے معنی ہیں ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کردیا۔ قصم کے معنی ہیں کسی مرکب کو توڑ کر اس کے اجزاء الگ الگ کردینا' اس کو توڑ کر ریزہ ریزہ کرنا۔ قاصمۃ الظھر کمر توڑنے والی مصیبت کو کہتے ہیں' اور فصم کے معنی ہیں کسی چیز کے اجزاء الگ الگ کیے بغیر اس کو کاٹنا

یا اس کے ٹکڑے کر دینا۔

وانشانا بعدھا قوما اخرین: اس بستی والوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو پیدا کر دیا۔

فلما احسوا باسنا: جب انہوں نے ہمارے عذاب کی شدت اور سختی کا اس طرح ادراک کر لیا جس طرح کسی محسوس چیز کا ادراک کیا جاتا ہے' یعنی انہوں نے اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیا' یا اس کی آواز کو سن لیا۔

یرکضون: وہ تیزی سے بھاگنے لگے' رکض کے معنی ہیں سواری کا اچھلنا اور کودنا' قرآن مجید میں ہے: ارکض برجلک ص: ۴۲' اپنے پیر کو زمین پر مارو۔

اترفتم: تم عیش و عشرت میں لذت اندوز تھے' اتراف کا معنی ہے کسی نعمت اور عیش و عشرت سے لذت حاصل کرنا۔

حصیدا: جڑ سے کاٹی ہوئی کوئی چیز' کٹی ہوئی کھیتی' کھلیان' یعنی اس قوم کو عذاب سے ہلاک کر کے اس طرح نیست و نابود کر دیا تھا جس طرح درانتی سے کسی فصل کو کاٹ دیا جائے۔

خامدین: خمود کا معنی ہے بجھنا' یعنی ان لوگوں میں زندگی کی کوئی چنگاری باقی نہیں رہی تھی اور وہ مردہ ہو چکے تھے۔

کفار مکہ کو پچھلی قوموں کا عذاب سنانا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات کا ذکر فرمایا تھا' اور ان آیتوں میں ان کو ان سے پہلی امتوں کے احوال سے ڈرایا ہے' جس طرح یہ کفار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام توحید کو قبول نہیں کر رہے اور اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں بت پرستی اور کفر اور شرک پر اصرار کر رہے ہیں' اس طرح ماضی میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے لوگوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ ایک نبی کو پیغام توحید دے کر بھیجتا وہ اس پیغام کو قبول نہ کرتے اور پیہم اس کا انکار کرتے اور جب اللہ کا نبی ان کو ڈراتا اور یہ کہتا کہ اگر تم نے میرا پیغام قبول نہ کیا تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا جو تم سب کو ملیامیٹ کر دے گا اور تمہاری پوری آبادی تباہ اور برباد کر دی جائے گی تو پھر وہ اس نبی کا مذاق اڑاتے اور اس سے عذاب کا مطالبہ کرتے' اور جب وہ اس عذاب کے آثار کو دیکھتے تو خوف زدہ ہو کر بھاگتے' پھر ان سے کہا جاتا اب بھاگو مت! اپنی ان ہی آرام گاہوں اور عشرت کدوں کی طرف واپس جاؤ' تاکہ تم سے یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں کے مقابلہ میں تم نے کیا عبادتیں کی ہیں اور اس کے دیئے ہوئے ان انعامات کا کس طرح شکر یہ ادا کیا ہے! اس وقت انہوں نے اعتراف کیا کہ ہائے افسوس! بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے' پھر ان قوموں پر ایسا عذاب آیا جس نے ان سب کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ ان آیات میں کفار مکہ کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو وہ اس طرح کے عذاب کے مستحق ہیں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے ان پر ایسا عذاب نازل نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کود کے مشغلہ میں نہیں بنایا○ اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے تو ہم اسے اپنے پاس سے ہی بنا لیتے' اگر ہم (اس کو واقعی) بنانے والے ہوتے○ بلکہ ہم حق سے باطل پر ضرب لگاتے ہیں تو وہ (حق) اس (باطل) کا سر کچل دیتا ہے اور وہ (باطل) اسی وقت ملیامیٹ ہو جاتا ہے' اور تمہارے لیے ان باتوں کی وجہ سے تباہی ہو جو تم بناتے ہو○ (الانبیاء: ۱۸-۱۶)

مشکل الفاظ کے معانی

لعبین: جو کام بے مقصد اور عبث ہو اس کو لعب کہتے ہیں' اور ہر وہ کام جو انسان کو اس کے مقصد سے غافل کر دے اس کو لھو کہتے ہیں' مقصد یہ ہے کہ ہم نے زمین اور انسان کو عبث اور بے مقصد نہیں بنایا بلکہ ہم نے ان کو اس لیے بنایا ہے کہ وہ ہماری

قدرت پر دلالت کریں اور ہماری الوہیت اور توحید پر دلالت کریں' لعب اور لھو میں یہ فرق بھی کیا جاتا ہے کہ لعب سے کسی غرض صحیح کا ارادہ نہیں کیا جاتا اور لھو سے نفس کو راحت پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔

نقذف : قذف کا معنی ہے کسی چیز کو دور پھینکنا۔

فیدمغہ : دمغ کا معنی ہے کسی نرم چیز کو توڑ دینا' دماغ پر ضرب لگانے اور اس کا بھیجا نکال دینے کو بھی دمغ کہتے ہیں۔

زاھق: جانے والا' ھلاک ہونے والا' زائل ہونے والا۔

آسمان اور زمین بنانے کی حکمتیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آسمان کی یہ بلند چھت اور زمین کا یہ فرش اور ان کے درمیان یہ عجیب وغریب چیزیں بطور لھو ولعب اور فضول نہیں بنائیں۔ ان کو ہم نے دینی اور دنیاوی فوائد کے لیے بنایا ہے' دینی فائدہ یہ ہے کہ غور وفکر کرنے والے آسمان اور زمین کی خلقت اور بناوٹ میں غور وفکر کریں اور ان کے اسرار کو معلوم کر کے صاحب اسرار تک اور صنعت سے صانع اور خلقت سے خالق تک پہنچیں' اور دنیاوی فوائد بے شمار ہیں' زمین کے اندر اللہ تعالیٰ نے معدنیات کی دولت رکھی ہے' سونا' چاندی' تانبا اور پیتل ہے' کوئلہ' تیل اور قدرتی گیس ہے' جن سے انسان اپنی انواع واقسام کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ اور زمین میں زرعی پیداوار کی صلاحیت رکھی ہے جس سے انسان اپنی غذا فراہم کرتے ہیں اور زمین کے اوپر انسانوں' مویشیوں اور پرندوں درندوں کی آبادی ہے' اور آسمان میں ثوابت اور سیارے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے عجیب وغریب حکمتیں اور فوائد رکھے ہیں۔ نیز ان آیات میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ہم نے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر معجزات کو ظاہر کیا ہے اور ان کو نبی بنا کر بھیجا ہے اگر بالفرض آپ کا پیغام جھوٹا ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کے ہاتھ پر جو معجزات ظاہر کئے ہیں وہ عبث اور بے فائدہ ہیں اور محض کھیل کود کے مشغلہ کے طور پر آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے' حالانکہ ہمارا کوئی کام لغو اور عبث نہیں ہوتا' اور اگر ہم کو کھیل کود کا مشغلہ کرنا ہی ہوتا تو ہم انسانوں کو کیوں پیدا کرتے ہم فرشتوں سے اپنا شوق پورا کر لیتے' بلکہ ہمارا طریقہ تو باطل پر ضرب لگانا ہے' ہم کھیل کود پر سنجیدگی کو مسلط کرتے ہیں' تم جو ہمارے نبی اور رسول کی تکذیب کرتے ہو اور قرآن مجید کو پراگندہ خواب اور جادو سے تعبیر کرتے ہو اور اسی طرح ان پر اور اعتراضات کرتے ہو اور حق سے روگردانی کرتے ہو تو اس طرح تم اپنے آپ کو عذاب اور ہلاکت میں مبتلا کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ سب اسی کی ملکیت میں ہیں اور جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں ○ وہ رات اور دن اسی کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور سستی نہیں کرتے ○ کیا ان لوگوں نے جن کو زمین میں معبود قرار دیا ہوا ہے وہ (مردہ کو) زندہ کر سکتے ہیں ○ (الانبیاء: ٢١-١٩)

اگر فرشتے ہر وقت تسبیح کرتے ہیں تو باقی کام وہ کس وقت کرتے ہیں؟

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام کو زمین پر اپنا پیغام دے کر بھیجا تو کافروں اور مشرکوں نے سرکشی کی اور ان کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے انکار کیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی عبادت کی کیا ضرورت ہے' یہ زمین اور آسمان بلکہ یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مملوک اور غلام ہے' انسانوں کی بہ نسبت فرشتے بہت طاقت ور ہیں اور بہت عظیم مخلوق ہیں وہ ہر وقت اس کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور اس کی عبادت سے نہیں تھکتے۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ○ (البقرہ: ۱۶۱)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر کی حالت میں مر گئے ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

پس اگر فرشتے ہر وقت تسبیح کرتے رہتے ہیں تو وہ لعنت کس وقت کرتے ہیں' کعب احبار نے اس کے جواب میں کہا فرشتوں کا تسبیح کرنا ایسا ہے جیسے ہم سانس لیتے ہیں پس جس طرح ہمیں سانس لینا دوسرے کاموں سے مانع نہیں ہے اسی طرح فرشتوں کا تسبیح کرنا ان کو لعنت کرنے سے مانع نہیں ہے۔ امام رازی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے ان کی کئی زبانیں ہوں' ایک زبان سے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہوں اور دوسری زبانوں سے وہ کافروں پر لعنت کرتے ہوں۔ اسی طرح یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا' کہ فرشتوں کے ذمہ اور بھی کئی کام ہیں مثلاً وہ عورت کے رحم میں انسان کی صورت بناتے ہیں' اس کا مذکر ہونا یا مونث ہونا لکھتے ہیں' اس کا رزق' اس کی موت حیات اور اس کا سعید یا شقی ہونا لکھتے ہیں' اسی طرح فرشتے روح قبض کرنے پر بھی مامور ہیں' کئی فرشتے بادلوں اور بارش نازل کرنے پر مامور ہیں' کئی فرشتے زمین میں گھوم پھر کر ذکر کی مجالس تلاش کرنے پر مامور ہیں' کئی فرشتے انسان کے نیک اور بد اعمال لکھنے پر مامور ہیں' کئی فرشتے قبر میں سوالات کرنے پر مامور ہیں' اسی طرح اور بہت قسم کے فرشتے ہیں جن کی الگ الگ ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں تو وہ فرشتے ہر وقت تسبیح پڑھتے رہتے ہیں یا اپنے ان فرائض کو ادا کرتے رہتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ فرشتوں کی بناوٹ اور ساخت کس قسم کی ہے ہوسکتا ہے کہ فرشتوں کی ساخت اس قسم کی ہو کہ وہ اپنے اپنے فرائض بھی ادا کرتے رہتے ہوں اور ہر وقت تسبیح بھی پڑھتے رہتے ہوں اور اس میں ان کے لیے کوئی مشکل نہ ہو۔

کافر تو حیات بعد الموت کے قائل نہیں پھر ان پر بتوں کے زندہ نہ کرسکنے کا اعتراض کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا ان لوگوں نے جن کو زمین میں معبود قرار دیا ہوا ہے وہ (مردہ کو) زندہ کرسکتے ہیں؟ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار اور مشرکین نے تو اپنے معبودوں کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کرسکتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک تو مردوں کو زندہ کرنا بہت بعید تھا' کیونکہ وہ یہ مانتے تھے کہ آسمان اور زمینوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اس کے باوجود وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے تھے وہ یہ کہتے تھے:

مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (یٰسین: ۷۸)

ان ہڈیوں کو بوسیدہ ہونے کے بعد کون زندہ کرے گا؟

تو جب وہ اللہ تعالیٰ کو خالق ماننے کے باوجود یہ نہیں مانتے کہ وہ مردوں کو زندہ کرسکتا ہے تو اپنے بتوں کے لیے مردوں کو زندہ کرنے کی طاقت کیا مانیں گے۔

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ جب وہ بتوں کی عبادت میں مشغول ہوگئے اور عبادت کا فائدہ ثواب کی صورت میں مترتب ہونا ضروری ہے پس ان کا بتوں کی عبادت کرنا اس بات کو واجب کرتا ہے کہ وہ بتوں کو عبادت کا اجر و ثواب عطا کرنے والا مانیں' اور بہت سے لوگوں کو اس زندگی میں اپنے کاموں پر اجر و ثواب نہیں ملتا اس لیے لازم آئے گا کہ وہ اپنے بتوں کے لیے یہ مانتے ہوں کہ وہ اس زندگی کے بعد انہیں دوسری زندگی دینے پر قادر ہوں اور ان کا بتوں کو معبود ماننا اس بات کو واجب کرتا ہے کہ وہ بتوں کو حیات آفرینی اور زندگی دینے پر قادر مانیں۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ ینشرون کا معنی موت کے بعد زندگی دینا ہے لیکن مجازاً اس سے ابتداءً زندگی دینا بھی مراد ہوسکتا ہے یعنی کسی کو پیدا کرنا' مطلب یہ ہے کہ یہ کافر جن بتوں کو معبود مانتے ہیں کیا وہ کسی چیز کو پیدا کرسکتے

ہیں؟ اور جب وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے تو پھر ان کو معبود ماننا صحیح اور درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو وہ ضرور درہم برہم ہو جاتے' سو اللہ جو رب العرش ہے وہ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں ○ اس سے ان کاموں کا سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ کرتا ہے اور ان سب سے باز پرس کی جائے گی ○ (الانبیاء: ۲۳۔۲۲)

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر عقلی دلائل

الانبیاء: ۲۲ میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل قائم کی گئی ہے اس کو برہان تمانع کہتے ہیں یہ بہت مشہور دلیل ہے اس کی بہت تقریریں ہیں ہم سطور ذیل میں اس کی چند تقریریں پیش کر رہے ہیں۔

(۱) اگر دو خدا فرض کیے جائیں اور ان میں سے ہر خدا ایک معین وقت میں زید کے حرکت کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرا خدا اسی وقت میں زید کے سکون کا ارادہ کرے تو یا تو دونوں خداؤں کا ارادہ پورا ہوگا اور اس سے لازم آئے گا کہ زید اسی وقت میں حرکت بھی کرے اور ساکن بھی ہو اور یہ اجتماع ضدین ہونے کی وجہ سے محال ہے' اور یا وہ صرف حرکت کرے گا تو جس خدا نے اس کے ساکن ہونے کا ارادہ کیا تھا اس کا ارادہ پورا نہیں ہوگا سو وہ خدا نہیں ہوگا' اور یا وہ صرف ساکن ہوگا تو جس خدا نے اس کے حرکت کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کا ارادہ پورا نہیں ہوگا سو وہ خدا نہیں ہوگا' غرض یہ کہ جب دو خدا فرض کیے جائیں تو ان میں سے ایک خدا ہوگا اور دوسرا خدا نہیں ہوگا۔

(۲) اگر یہ کہا جائے کہ دونوں خدا اتفاق سے کام کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتے تو ہم کہیں گے کہ ان کا ایک دوسرے سے اختلاف کرنا ممکن تو ہے اور اس تقدیر پر کس کا ارادہ پورا ہوگا؟ جس کا ارادہ پورا ہوگا وہی خدا ہوگا دوسرا خدا نہیں ہوگا۔

(۳) اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتے تو ضرور ان میں سے ایک دوسرے کی موافقت کرے گا تو جو موافقت کرے گا وہ تابع ہوگا اور دوسرا متبوع ہوگا اور تابع خدا نہیں ہو سکتا۔

(۴) اگر دو خدا ہوں تو ضروری ہوگا ان میں سے ہر ایک تمام مقدورات کو وجود میں لانے پر قادر ہو اور ایک معلول کے لیے دو مستقل علتوں کا ہونا محال ہے' اول تو اس لیے کہ علت تامہ کا اپنے معلول سے تخلف محال ہے اور جب معلول ایک علت سے حاصل ہو گیا تو دوسری علت کا ہونا عبث ہوا' اور ثانیاً اس لیے کہ جب ایک علت کے لیے دو مساوی مستقل علتیں ہوں تو اس معلول کو ایک علت سے صادر ماننا نہ کہ دوسری علت سے یہ ترجیح بلا مرجح ہے' اور اگر وہ دونوں علتیں مل کر معلول کو صادر کرتی ہیں تو ان میں سے کوئی علت بھی مستقل نہیں ہوگی ان میں سے ہر ایک علت ناتمام اور دوسرے کی محتاج ہوگی۔

(۵) جب ہم دو خدا فرض کرتے ہیں تو اس عالم کو خلق کرنے اور اس کی تدبیر کے لیے ان میں سے ایک اکیلا خدا کافی ہے یا نہیں اگر وہ اکیلا اس عالم کی خلق اور تدبیر کے لیے کافی ہے تو دوسرے کو ماننا عبث ہے اور اگر ان میں سے ایک اکیلا اس عالم کی خلق اور تدبیر کے لیے کافی نہیں ہے تو پھر وہ ناقص ہے اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔

(۶) اگر فرض کیا جائے ایک خدا اس عالم کے خلق اور اس کی تدبیر کے لیے کافی نہیں ہے اور اس کو دوسرے کی بھی ضرورت پڑتی ہے تو کیا ضروری ہے کہ دو مل کر کافی ہو جائیں ان کو تیسرے کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے' چوتھے کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے اور یہ ضرورت کسی ایک عدد پر موقوف نہیں ہوگی اور اس طرح غیر متناہی خداؤں کی ضرورت ہوگی۔

(۷) اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ان میں سے ایک خدا اس پر قادر ہوگا کہ اس کی مخلوق صرف اس کی خدائی پر دلالت کرے نہ کہ دوسرے خدا کی خدائی پر' اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو یہ اس کا عجز ہوگا اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا اور اگر وہ اس پر قادر ہو تو یہ محال ہے کیونکہ مخلوق اور مصنوع تو صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا کوئی خالق اور صانع ہے نہ کہ اس پر کہ اس کا فلاں صانع اور خالق ہے فلاں اس کا صانع اور خالق نہیں ہے۔

(۸) اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو دونوں میں سے کوئی ایک اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہوگا یا نہیں' اگر ایک خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر نہیں ہے تو اس کا عاجز ہونا لازم آئے گا ورنہ دوسرے خدا کا جاہل ہونا لازم آئے گا کیونکہ اس سے ایک خدا کی مخلوق مخفی ہوگی اور اسے اس کا علم نہیں ہوگا۔

(۹) اگر دو خدا ہوں تو دونوں خداؤں کی قوت کا مجموعہ ہر ایک کی قوت سے دگنا ہوگا' پس ہر ایک کی قوت متناہی ہوگی کیونکہ وہ مجموعہ سے کم ہوگی اور جس کی قوت متناہی ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) اگر دو خدا فرض کیے جائیں اور ایک ممکن کو موجود کرنا ہو تو یا تو دونوں مل کر اس کو موجود کریں گے تو دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہوگا کیونکہ ہر ایک دوسرے کا محتاج ہوگا' اور یا ان میں سے ہر ایک اس کو مستقل طور پر دوسرے سے مستغنی ہو کر اس کو موجود کر سکے گا اس صورت میں جب ایک نے اس کو موجود کر دیا تو دوسرے کی قدرت باقی رہے گی یا نہیں اگر اس کی قدرت باقی ہے تو موجود کو ایجاد کرنا لازم آئے گا اور یہ محال ہے کیونکہ ایجاد تو معدوم کو کیا جاتا ہے نہ کہ موجود کو' اور اگر اس کی قدرت باقی نہیں رہی تو وہ عاجز ہوگا اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا۔

(۱۱) اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ایک خدا کسی جسم کو دائماً متحرک کر سکتا ہے یا نہیں' وہ اگر اس کو دائماً متحرک نہیں کر سکتا تو یہ اس کا عجز ہوگا اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا' اور اگر اس نے ایک جسم کو دائماً متحرک کر دیا تو دوسرا خدا اس متحرک جسم کو ساکن کر سکتا ہے یا نہیں اگر اس نے متحرک جسم کو ساکن کر دیا تو پہلے خدا کی قدرت زائل ہو گئی اور وہ خدا نہیں رہا اور اگر وہ اس متحرک جسم کو ساکن نہیں کر سکتا تو یہ اس کا عجز ہے اور وہ خدا نہیں رہا۔

(۱۲) شرکت عیب ہے' ہر شخص یہ چاہتا ہے وہ جس چیز کا مالک ہو وہ بلا شرکت غیر مالک ہو' وہ اس چیز میں آزادانہ' دوسرے کے عمل دخل کے بغیر مالک ہو' اگر دو آدمی مل کر مکان خریدیں تو ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے وہ اس مکان کا اکیلا مالک ہو جائے اور دوسرے کو اس کے حصہ کی قیمت دے کر اس کو الگ کر دے اور اگر وہ اس کا تنہا مالک نہیں ہوگا تو ان میں سے ہر ایک منقبض اور تنگ ہوگا اور ہر ایک دوسرے کا پابند اور تابع ہوگا اور پابند ہونا' تابع ہونا اور منقبض ہونا الوہیت کے منافی ہے پس ضروری ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی شرکت کو ختم کرے' اگر ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی شرکت کو ختم نہ کر سکے تو دونوں عاجز ہوں گے اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا اور اگر ان میں سے ایک دوسرے پر غالب آ گیا اور دوسرا مغلوب ہو گیا تو وہ خدا نہیں رہے گا کیونکہ مغلوب خدا نہیں ہو سکتا۔

اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (المؤمنون: ۹۱)

اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں ہے' ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور ہر ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا' اللہ کے لیے یہ لوگ جو شریک بیان کرتے ہیں اللہ ان سے پاک ہے۔

(۱۳) خدا کے لیے ضروری ہے کہ وہ واجب الوجود ہو یعنی اس کے لیے ہونا ضروری ہو اور نہ ہونا محال ہو پس اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک واجب الوجود ہوگا اور وجوب وجود ان میں امر مشترک ہوگا پھر ان میں کوئی امر ایسا بھی ہونا ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہوں پس ان میں سے ہر ایک دو چیزوں سے مرکب ہوگا ایک امر مشترک ہوگا یعنی وجوب وجود اور ایک امر ممیز ہوگا اور جو مرکب ہو وہ حادث ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور حادث اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا۔ یہ دلیل سب سے قوی ہے۔

(۱۴) اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو الوہیت میں وہ دونوں مشترک ہوں گے پھر ان میں کوئی امر ممیز بھی ضرور ہوگا پس ہر دو مرکب ہوں گے اور جو دو چیزوں سے مرکب ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

(۱۵) ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے اور جو کثرت کسی وحدت کے تابع نہ ہو اس کا نظام فاسد ہو جاتا ہے چند کانسٹیبل ہوں تو ان کے اوپر ایک ہیڈ کانسٹیبل ہوگا' چند ہیڈ کانسٹیبل ہوں تو ان کے اوپر ایک سب انسپکٹر ہوگا چند سب انسپکٹر ہوں تو ان کے اوپر ایک انسپکٹر ہوگا' چند انسپکٹر ہوں تو ان کے اوپر ایک ڈی ایس پی ہوگا' چند ڈی ایس پی ہوں تو ان کے اوپر ایک ایس پی ہوگا' چند ایس پی ہوں تو ان کے اوپر ایک ڈی آئی جی ہوگا اور چند ڈی آئی جی ہوں تو ان کے اوپر ایک آئی جی ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس چند وزراء پر ایک وزیر اعلیٰ ہوتا ہے' چند وزراء اعلیٰ ہوں تو پھر صدر مملکت ایک ہوتا ہے' کسی ملک کے دو صدر نہیں ہوتے دو وزیر اعظم نہیں ہوتے تو پھر اس دنیا کے دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

(۱۶) ہم دیکھتے ہیں کہ نظام کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا ناظم واحد ہے' کسی نظام کے دو ناظم نہیں ہوتے' اس دنیا میں تکوینی اور طبعی نظام واحد ہے' سورج' چاند اور ستاروں کے طلوع اور غروب کا نظام واحد ہے' انسانوں' حیوانوں' چرندوں اور پرندوں کے پیدا ہونے اور مرنے کا نظام واحد ہے' کھیتوں اور باغوں کی روئیدگی کا نظام واحد ہے' بارش اور بادلوں کا نظام واحد ہے' غرض اس وسیع و عریض کائنات کے ہر شعبہ کا نظام واحد ہے اور ان نظاموں کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان نظاموں کا ناظم بھی واحد ہے۔

عرش عظیم کا رب کہنے کی وجہ

اس کے بعد فرمایا: سو اللہ جو رب العرش ہے وہ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں۔

عرش کا ذکر اس لیے فرمایا کہ مشرکین بتوں کو خدا کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش عظیم کا رب ہے' آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے' نور' ظلمت' لوح' قلم' اجسام' عناصر' موالید' جمادات' نباتات' حیوانات' انسانوں اور فرشتوں کا خالق ہے اس کو چھوڑ کر بے جان جامد چیزوں کی پرستش کرنا اور ان کو معبود کہنا جن کو ان کے ہاتھوں نے بنایا ہے کیسی بے عقلی کی بات ہے!

اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں ہونا اور اغراض نہ ہونا

مجوسی یہ کہتے ہیں کہ اس جہان میں خیر ہے اور شر ہے' لذت ہے اور تکلیف ہے' حیات ہے اور موت ہے' صحت ہے اور بیماری ہے' خوشحالی ہے اور تنگ دستی ہے' اچھائی ہے اور برائی ہے' خیر اور اچھائی کا فاعل اچھا ہوتا ہے اور شر اور برائی کا فاعل برا ہوتا ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ فاعل واحد خیر بھی ہو اور شر بھی ہو' پس اس جہان کے دو خالق ہیں' خیر اور اچھائی کا فاعل یزدان ہے اور شر اور برائی کا فاعل اہرمن ہے' ہم یہ کہتے ہیں کہ خیر اور شر ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور شر کے خلق کرنے میں کوئی برائی

نہیں ہے شر کے ساتھ متصف ہونا برا ہے۔
بعض اوقات شر کا حصول بھی ناگزیر ہوتا ہے' جسم کو کاٹنا اور چیرنا برا ہے لیکن جسم سے کسی فاسد مواد یا فاسد جز کو نکالنے کے لیے اس کو کاٹنا اور چیرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے' اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور سب کا مولیٰ ہے۔ سب اس کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں' اسے یہ پوچھنے کا حق ہے کہ فلاں بندے نے فلاں کام کیوں کیا اور کسی بندہ کو اپنے مالک سے اور کسی مخلوق کو اپنے خالق سے یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں ہوتی ہیں' بعض افعال کی حکمتوں سے اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کو مطلع فرما دیتا ہے اور بعض حکمتوں سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مطلع فرما دیتے ہیں' لیکن اس کے افعال کی تمام حکمتوں کا احصاء اور احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی یہ انسان کے محدود علم اور اس کی قدرت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بعض کاموں کی حکمتوں پر مطلع فرمایا ان کی بعض مثالیں یہ ہیں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذاریات: ۵۶)

اور میں نے جن اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری (ہی) عبادت کریں۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ. (النساء: ۱۶۵)

ہم نے بشارت دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے (پیش کرنے کے لیے) کوئی عذر باقی نہ رہے اور اتمام حجت ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا تو فرشتوں نے اس کی حکمت کو جاننا چاہا' اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت بتائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیفہ اور نائب کے لیے ضروری ہے کہ اس کا علم زیادہ ہو اور (حضرت) آدم کا علم تم سب سے زیادہ ہے' (فرشتے ان چیزوں کے نام نہ بتا سکے جن چیزوں کے نام حضرت آدم نے بتا دیئے تھے)
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض احکام شرعیہ کی بھی حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرمائی ہیں' مثلاً اللہ تعالیٰ نے قصاص کی مصلحت بیان فرمائی:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ (المائدہ: ۳۲)

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا جس نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا جس نے نہ کسی کو قتل کیا ہو نہ زمین میں فساد کیا ہو تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی شخص کی جان بچائی تو اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن حارثہ کی مطلقہ سے آپ کا نکاح کر دیا تھا تاکہ آپ کی زندگی میں یہ نمونہ قائم ہو کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا اور اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے' سو ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ

پس جب زید نے اس عورت سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے'

كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ○ (الاحزاب: ۳۷) جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں' اور اللہ کا حکم پورا ہونے والا تھا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام اور افعال کی حکمتیں ہوتی ہیں مثلاً مومنوں کو ان کی عبادتوں پر اجر عطا فرمانے کی حکمت اللہ تعالیٰ کے فضل کا اظہار ہے' اور کفار کو دائمی عذاب دینے کی حکمت اللہ تعالیٰ کے عدل کا اظہار ہے اور گناہ گار مسلمانوں کے حق میں انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقربین کی شفاعت قبول کرنے میں اپنے نیک بندوں کا اعزاز' اکرام اور ان کی وجاہت کو ظاہر کرنا ہے' دنیا میں کفار کو عیش و آرام اور نعمتوں کے ساتھ رکھنے میں ان کا استدراج ہے اور ان کو ڈھیل دینا ہے' اور چونکہ آخرت میں ان کے لیے کوئی نفع اور عیش نہیں ہے تو ان کو دنیا میں ہی نواز دیتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ محروم نہ ہوں' اور مسلمانوں پر دنیا میں مصائب نازل کرنے میں دنیا میں ہی ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیتا ہے اور ان کے اخروی درجات کو بلند کرنا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اور ہمارا ان تمام یا بعض حکمتوں کو جاننا ضروری نہیں ہے' وہ مالک علی الاطلاق ہے وہ اپنے بندوں کے ساتھ جو معاملہ چاہے کرے کسی کو سوال کرنے یا اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کوئی کام کسی غرض سے نہیں کرتا' کیونکہ جو شخص کوئی کام کسی غرض سے کرتا ہے اس غرض کے پوری ہونے سے اس کی تکمیل ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ جو کام کرتا ہے بے غرض کرتا ہے اس کی کوئی غرض نہیں ہے' اور وہ کسی بات پر جواب دہ نہیں ہے اور لوگوں سے ہر چیز کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

میمون بن عمران حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور ان پر تورات کو نازل کیا تو حضرت موسیٰ نے کہا: اے اللہ! بے شک تو رب عظیم ہے' اگر تو چاہے کہ تیری اطاعت کی جائے تو تیری اطاعت کی جائے گی اور تو چاہے کہ تیری نافرمانی کی جائے تو تیری نافرمانی کی جائے گی اور تو یہ پسند کرتا ہے کہ تیری اطاعت کی جائے اس کے باوجود تیری نافرمانی کی جاتی ہے! اے میرے رب یہ کیوں کر ہوتا ہے؟ تب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی فرمائی میں جو کچھ کرتا ہوں اس کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا! اس کے بعد حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے یہی سوال کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی یہی جواب دیا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۰۶۰۶' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۰)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ابن جریج نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو قضاء اور فیصلہ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے سوال نہیں کیا جائے گا اور مخلوق سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا' کیونکہ وہ اس کے غلام ہیں' کل حضرت مسیح اور ملائکہ سے سوال کیا جائے گا کیونکہ وہ معبود ہونے کے لائق اور قابل نہ تھے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی قول اور فعل پر گرفت نہیں ہوگی اور مخلوق کے اقوال اور افعال پر گرفت ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین! کیا ہمارا رب یہ پسند کرتا ہے کہ ہم اس کی نافرمانی کریں؟ حضرت علی نے فرمایا کیا ہمارے رب کی زبردستی نافرمانی کی جاتی ہے؟ اس شخص نے کہا یہ بتائیں اگر اللہ مجھے ہدایت پر عمل کرنے سے روک دے اور مجھے برے کاموں پر لگا دے تو کیا اس نے اچھا کیا یا برا کیا؟ حضرت علی نے فرمایا اگر اللہ تم کو (بالفرض) تمہارا حق نہ دے تو اس نے (معاذ اللہ) برا کیا (ہم نے بالفرض اس لیے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے) اور اگر وہ تم پر فضل اور احسان نہ کرے تو وہ مالک ہے جس پر چاہے اپنا فضل فرمائے۔ پھر حضرت علی نے یہ آیت پڑھی:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ○ (الانبیاء: ٢٣)
اس سے ان کاموں کا سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ کرتا ہے اور ان سب سے باز پرس کی جائے گی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١١ص ١٨٩۔ ١٨٨ مطبوعہ دارالفکر بیروت ١٤١٥ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو کچھ تصرف فرماتا ہے کسی کو زندگی دیتا ہے کسی کو موت دیتا ہے کسی کو در جنوں بچے دیتا ہے کسی کو لاولد رکھتا ہے کسی کو مال و دولت عطا کرتا ہے کسی کو فقر و فاقہ میں مبتلا کرتا ہے کسی کو صحت اور قوت عطا فرماتا ہے اور کسی کو بیمار اور کمزور رکھتا ہے کسی کو عزت دیتا ہے اور کسی کو ذلت میں مبتلا رکھتا ہے اس سے کسی بات کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ سب اسی کی مخلوق، مملوک اور غلام ہیں سب اس کے زیر سلطنت اور زیر حکم ہیں سب پر اس کی قضا نافذ ہے اس کے اوپر کوئی ہستی نہیں ہے جو اس سے سوال کر سکے اور آسمان اور زمین میں جو بھی مخلوق ہے وہ سب اس کے بندے ہیں اور ان سب سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا اور ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا کیونکہ وہ سب کا مالک اور معبود ہے۔

(جامع البیان جز ١٧ص ٢٠ مطبوعہ دارالفکر بیروت ١٤١٥ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود قرار دے رکھے ہیں؟ آپ کہیے کہ تم اپنی دلیل لاؤ یہ میرے عہد کے لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور مجھ سے پہلوں کی نصیحت بھی موجود ہے بلکہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے اس لیے وہ منہ موڑ رہے ہیں○ اور ہم نے آپ سے پہلے جس کو بھی رسول بنا کر بھیجا اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو تم میری عبادت کرو○ (الانبیاء: ٢٥۔ ٢٤)

اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ہونے پر دلیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ان مشرکوں کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود قرار دینا بہت سنگین جرم ہے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود نہیں ہے پچھلے زمانوں میں جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا انہوں نے بھی اپنی خدائی پر یا اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں کی تھی اور جن کو مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا اب معبود مانتے ہیں انہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے نہ اس دعویٰ کی ان کے پاس کوئی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دعویٰ کیا کہ وہ واحد لاشریک ہے اس نے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے انبیاء اور رسل بھیجے کتابیں اور صحائف نازل کیے اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی اس جہان کا پیدا کرنے والا تھا اور اللہ عزوجل کا کوئی شریک تھا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے رد میں کوئی اپنا نمائندہ بھیجا؟ کوئی کتاب نازل کی؟ کوئی دلیل پیش کی؟ تو ہم بغیر ثبوت کے کیسے مان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی اس جہان کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ اس کا شریک ہے؟

قرآن مجید اور کتب سابقہ کے تین محامل

نیز اس آیت میں فرمایا: یہ میرے عہد کے لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور مجھ سے پہلوں کی بھی نصیحت موجود ہے۔ آیت کے اس حصہ کے متعدد محامل ہیں:

(١) یہ وہ کتاب ہے جو مجھ پر نازل کی گئی ہے اور جو کتابیں مجھ سے پہلے انبیاء پر نازل کی گئی ہیں یعنی تورات انجیل اور زبور وہ بھی موجود ہیں اور ان میں سے کسی کتاب میں یہ مذکور نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو کہ میرے سوا کسی اور کو خدا قرار دے لو بلکہ سب کتابوں میں یہی لکھا ہوا ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو تم صرف میری عبادت کرو۔

(۲) میرے پاس جو قرآن مجید ہے اس میں جس طرح اس امت کے احوال ہیں اسی طرح اس میں مجھ سے پہلی امتوں کے بھی احوال ہیں۔

(۳) آپ ان سے کہیے کہ میں تمہارے پاس جو کتاب لے کر آیا ہوں اس میں میرے دور کے موافقین اور مخالفین کے بھی احوال ہیں اور مجھ سے پہلے موافقین اور مخالفین کے بھی احوال ہیں' تم ان میں سے جس کے طریقہ کو اختیار کرنا چاہتے ہو کرلو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی دلیل کو ذکر کیا پھر ان سے یہ مطالبہ کیا کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہے تم اس دعویٰ پر کوئی دلیل پیش کرو' پھر فرمایا ان کے پاس اپنے شرک پر کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی دلیل ہے بلکہ ان کا دعویٰ بے بنیاد ہے' اور ان کے عقائد محض جہالت اور اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید پر مبنی ہیں اسی وجہ سے یہ لوگ آپ کی دعوت سے منہ موڑ رہے ہیں' اور آپ نے ان کے سامنے جو دعوت پیش کی ہے وہ کوئی نئی دعوت نہیں ہے آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے تھے سب کی طرف یہی وحی کی تھی کہ صرف میں عبادت کا مستحق ہوں سو تم صرف میری عبادت کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا رحمٰن نے اولاد بنالی ہے' وہ اس سے پاک ہے' وہ سب اس کے باعزت بندے ہیں○ وہ کسی بات میں اس پر سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں○ (الانبیاء: ۲۷-۲۶)

مشرکین کے اس قول کا رد کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلائل قائم فرمائے تھے اور یہ بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ شریک سے پاک ہے اور ان آیتوں میں یہ بیان فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو یا اس کا بیٹا یا بیٹیاں ہوں۔ ان کافروں نے یہ کہا تھا کہ اللہ عزوجل نے فرشتوں کو اولاد بنا لیا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو بہت سنگین قرار دیتے ہوئے اور ان کے اس الزام سے اظہار برأت کرتے ہوئے فرمایا وہ اس سے پاک ہے وہ سب اس کے باعزت بندے ہیں۔

قتادہ نے کہا کہ یہود کہتے تھے جنات اللہ تعالیٰ کی سسرال ہیں کیونکہ فرشتے بھی ان ہی میں سے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۱۵۹-۱۵۸)

اور ان مشرکوں نے اللہ اور جنات کے درمیان نسب کا رشتہ قرار دیا حالانکہ ان جنات کو خوب علم ہے کہ وہ اللہ کے سامنے پیش کیے جائیں گے○ اللہ ان کے بیان کردہ اوصاف سے پاک اور منزہ ہے۔

مشرکین کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات سے رشتۂ ازدواج قائم کیا جس سے بیٹیاں پیدا ہوئیں اور وہ بیٹیاں یہی فرشتے ہیں' اگر ان کا یہ قول صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ جنات کو عذاب میں کیوں دیتا' کیا وہ اپنی قرابت داری کا لحاظ نہ کرتا! حالانکہ خود جنات کو بھی علم ہے کہ ان کو اللہ کا عذاب بھگتنے کے لیے دوزخ میں جانا ہوگا' اللہ تعالیٰ ان کے اس افتراء سے پاک ہے۔ اور زیر تفسیر آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد فرمایا ہے۔

اولاد والد کے مشابہ ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے اگر فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہوتے تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتے جب کہ وہ ممکن اور حادث ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں' نیز اولاد غلام نہیں ہوتی' فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے اور غلام ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس کے سامنے چون

وچرانہیں کرتے' اس کے حکم کو ماننے میں پس و پیش نہیں کرتے وہ اس کی کامل اتباع کرتے ہیں وہ اس کی اولاد کیونکر ہو سکتے ہیں کیونکہ کوئی شخص اپنی اولاد کو اپنا غلام نہیں بناتا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے لرزہ براندام ہیں○ اور ان میں سے جس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ہوں تو اس کو ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں○ (الانبیاء: ۲۹-۲۸)

وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہیں' حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا وہ ان کے پہلے کیے ہوئے اعمال کو بھی جانتا ہے اور ان کے بعد کے کئے ہوئے اعمال کو بھی جانتا ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کی دنیا کے احوال کو بھی جانتا ہے اور ان کی آخرت کے احوال کو بھی جانتا ہے' مقاتل نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ ان کی تخلیق سے پہلے کیا تھا اور ان کی تخلیق کے بعد کیا ہوگا اور حقیقت میں اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو محیط ہے اور وہ اس کے ملک اور اس کی سلطنت میں اس کے محکوم ہیں' اور جب ان کی یہ کیفیت ہے تو وہ لوگوں کی عبادت کے کس طرح مستحق ہوں گے وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے ہاتھ باندھے غلام ہیں' اور جب وہ اس کے سامنے لب کشائی نہیں کر سکتے تو وہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی شفاعت کیونکر کر سکتے ہیں! اس معنی کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے لرزہ براندام ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا○ (النباء: ۳۸)

جس دن جبریل اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے اور جس دن وہی شفاعت کریں گے جن کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہیں گے۔

پھر فرمایا: اور ان میں سے جس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ہوں تو اس کو ہم دوزخ کی سزا دیں گے۔

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے اس کی تفسیر میں کہا کہ فرشتوں میں سے جس نے یہ کہا' اور ابلیس کے سوا کسی نے یہ نہیں کہا تھا اس نے لوگوں کو اپنی عبادت اور اطاعت کی دعوت دی تھی سو یہ آیت ابلیس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

قتادہ نے کہا خصوصیت کے ساتھ یہ آیت اللہ کے دشمن ابلیس کے متعلق نازل ہوئی ہے جب اس لعین نے وہ کہا جو اس نے کہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مردود قرار دے دیا تھا۔ (جامع البیان جز ۱۷ ص ۲۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

فرشتوں کا مکلف ہونا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے ابلیس مراد ہے' کیونکہ اس نے اللہ کا شریک ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت دی' اور وہ فرشتوں میں سے تھا (حقیقت میں وہ جنات میں سے تھا لیکن چونکہ وہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اس لیے حکماً ان ہی میں سے تھا) اور فرشتوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اللہ کے سوا معبود ہے' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ فرشتے معصوم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' اور فرشتے مجبوراً اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے جیسا کہ بعض جاہلوں کا گمان ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ ص ۱۹۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت تین چیزوں پر دلالت کرتی ہے: (۱) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے مکلف ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کسی بات میں اس پر سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں (الانبیاء: ۲۷) اور فرمایا وہ اس کے خوف سے لرزہ براندام ہیں (الانبیاء: ۲۸) اس میں ان کو وعید سنائی ہے' (۲) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے معصوم ہیں' کیونکہ فرمایا وہ اس کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں (۳) اس آیت میں وعید کا عموم ہے کیونکہ فرمایا ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ گناہ گار مسلمانوں کو اپنے فضل سے معاف فرمادے گا' اس لیے اس آیت میں ظالم سے مراد کافر ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۳۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام فرشتوں اور نبیوں پر فضیلت

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام آسمان والوں پر بھی فضیلت دی ہے اور تمام انبیاء پر بھی فضیلت دی ہے' لوگوں نے کہا اے ابن عباس! ہمارے نبی کی آسمان والوں پر کیا فضیلت ہے! حضرت ابن عباس نے کہا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں سے فرمایا:

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء: ۲۹)

ان میں سے جس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ہوں' تو اس کو ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح: ۲-۱)

(اے نبی مکرم!) بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی تاکہ اللہ آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام معاف فرمادے۔

لوگوں نے کہا اے ابن عباس! ہمارے نبی کی دیگر انبیاء پر کیا فضیلت ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا اللہ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراہیم: ۴)

ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا: ۲۸)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے ہی رسول بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جن اور انس کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

(دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۷-۴۸۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

مرتکب کبیرہ کے لیے شفاعت کا جواز

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: اور وہ (فرشتے) اس کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے وہ راضی ہوگا۔ (الانبیاء: ۲۸)

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے شفاعت نہیں ہوگی کیونکہ اہل کبائر کے

متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے' امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ ان کے رد میں فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے لمن ارتضی (جس سے اللہ راضی ہو) کی تفسیر میں کہا ہے یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو۔

یہ آیت اہل کبائر کے لیے شفاعت کو ثابت کرنے کے لیے ہماری انتہائی قوی دلیل ہے' اور اس کی تقریر اس طرح ہے کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہو گیا اور اس کے لیے فرشتوں کی شفاعت جائز ہو گئی' اسی طرح اس کے لیے نبیوں اور دیگر مقربین کی شفاعت بھی جائز ہو گئی۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۳۶۔ ۱۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ وہ مسلمان ہیں جنہوں نے لا الہ الا اللہ کی شہادت دی ہو' مجاہد نے کہا اس سے مراد ہر وہ مسلمان ہے جس سے اللہ راضی ہو اور فرشتے کل آخرت میں بھی شفاعت کریں گے اور دنیا میں بھی' کیونکہ وہ مومنین کے لیے استغفار کرتے ہیں' اور زمین والوں کے لیے بھی' جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۹۱۔ ۱۹۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی نے بھی اس آیت سے اہل کبائر کے لیے شفاعت کے جواز پر استدلال کیا ہے اور حضرت ابن عباس کی روایت سے ثابت کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے' علامہ ابو الحیان اندلسی نے بھی حضرت ابن عباس کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۴۹' دار الفکر' ۱۴۱۷ھ' البحر المحیط ج ۷ ص ۴۲۳' دار الفکر' ۱۴۱۲ھ)

مسئلہ شفاعت میں سید مودودی کی تفسیر پر تبصرہ

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

خواہ فرشتے ہوں یا انبیاء و صالحین ہر ایک کا اختیار شفاعت لازماً اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کسی کے حق میں شفاعت کی اجازت دے بطور خود ہر کس و ناکس کی شفاعت کر دینے کا کوئی بھی مجاز نہیں ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۵۶' مطبوعہ لاہور' ۱۹۸۳ء)

سید ابو الاعلیٰ نے یہ صحیح نہیں لکھا' ہر فرد کی شفاعت کرنے کے لیے خصوصی اجازت لینی ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شفاعت کرنے کے جواز کا عام قاعدہ بیان فرما دیا ہے' کہ کفار اور مشرکین کے لیے شفاعت نہیں کی جائے گی اور گناہ گار مسلمانوں کے لیے شفاعت کرنے کی عام اجازت دی ہے بلکہ ان کی شفاعت کرنے کا حکم دیا ہے' شفاعت تو مغفرت کے حصول کی دعا ہے اور استغفار ہے اور کسی کے لیے استغفار کرنے کے لیے اس کے لیے خصوصی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ گناہ گار مسلمانوں کے لیے استغفار کرنا' اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ اظہار بندگی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ جو اس پر زور دیا ہے کہ اللہ کی اجازت اور اس کے اذن کے بغیر کوئی کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت نہیں کر سکتا اس میں کفار اور مشرکین کا رد ہے جو اپنے بتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کی شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا' اور اللہ تعالیٰ نے بتوں کو شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دی اس کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرنا جیسا کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی نے کیا ہے نہ صرف غلط ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سخت بے ادبی ہے' خوارج کفار کے متعلق نازل ہونے والی آیات کو مسلمانوں پر

چسپاں کرتے تھے۔ حضرت ابن عمران کو بدترین مخلوق کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں انہوں نے ان کو مومنوں پر چسپاں کر دیا۔ (صحیح البخاری کتاب استتابۃ المرتدین باب قتل الخوارج والملحدین: ۶)

سید مودودی نے کفار کی آیات کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کر دیا۔

کفار اور مشرکین کے لیے استغفار اور شفاعت کا عدم جواز اور مسلمانوں کے لیے شفاعت کا جواز

ہم نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے لیے استغفار اور شفاعت کرنے سے منع فرمایا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ (التوبہ: ۱۱۳)

نبی اور مومنین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار اور شفاعت کریں۔

اور مسلمانوں کے لیے استغفار کرنے کے حکم کی دلیل یہ آیت ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد: ۱۹)

اور آپ اپنے بظاہر خلاف اولیٰ کاموں کے لیے استغفار کریں اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بغیر شفاعت کا اذن طلب کیے ہوئے اپنے والدین اور عام مومنوں کے لیے استغفار کیا اور شفاعت کی۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (ابراہیم: ۴۱)

اے ہمارے رب! میری مغفرت کر اور میرے والدین کی اور مومنوں کی جس دن حساب قائم ہو۔

نیز بغیر طلب اذن کے اہل کبائر کے لیے شفاعت کی:

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ابراہیم: ۳۶)

سو جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بیشک تو بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گناہ گار مسلمانوں کے لیے بغیر طلب اذن کے شفاعت کی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (المائدہ: ۱۱۸)

اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرمادے تو تو زبردست ہے، بہت حکمت والا ہے۔

فرشتے بغیر طلب اذن کے اللہ سے مومنین کے لیے شفاعت کرتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ (المومن: ۷)

حاملین عرش اور جو اس کے نزدیک (فرشتے) ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور مومنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، اور یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو شامل اور محیط ہے، جن لوگوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے ان کو معاف فرما اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ (الشوریٰ: ۵)

اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتے رہتے ہیں جب تک کہ تم اپنی نماز کی جگہ بیٹھے رہو جب تک تم بے وضو نہ ہو فرشتے دعا کرتے ہیں: اے اللہ! اس کو معاف فرما' اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۹' ۶۴۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۳۶۳)

اسی طرح قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلمانوں کے لیے استغفار کرنے کا ذکر ہے اور یہ ذکر نہیں ہے کہ آپ نے اس سے پہلے گناہ گار مسلمانوں کے لیے شفاعت کرنے کی خصوصیت سے اجازت طلب کی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۶۴)

اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو یہ آپ کے پاس آ جاتے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا پاتے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عاصیوں اور گناہ گاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان سے خطا اور گناہ ہو جائے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ کے پاس آ کر استغفار کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کریں کہ آپ بھی ان کے لیے اللہ سے درخواست کریں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پائیں گے' مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے ان میں شیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں' انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں عتبی کی یہ مشہور حکایت لکھی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آ کر کہا السلام علیک یا رسول اللہ' میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا ہے: ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وک -الایہ اور میں آپ کے پاس آ گیا ہوں اور اپنے گناہ پر اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت طلب کرنے والا ہوں' پھر اس نے دو شعر پڑھے:

جو زمین کے مدفونین میں سب سے بہتر ہیں
جن کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے

میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں
اس میں عفو ہے اس میں سخاوت ہے اور لطف و کرم ہے

پھر وہ اعرابی چلا گیا عتبی بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی' میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ نے فرمایا: اے عتبی! اس اعرابی کے پاس جا کر اس کو خوشخبری دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۹-۳۲۸' الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵' البحر المحیط ج ۳ ص ۶۹۴' مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۱ ص ۳۹۹)

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے' لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ (اس کے بعد مفتی صاحب نے بھی عتبی کی مذکور الصدر حکایت بیان

ہے)۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰۔۴۵۹ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

اس آیت کی تفسیر میں کسی مفسر نے بھی یہ نہیں لکھا کہ جب گناہ گار مسلمان آپ سے شفاعت کی درخواست کریں تو آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنے اور ان کی شفاعت کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے اس کی اجازت طلب کریں۔

قرآن مجید میں یہ بھی ذکر ہے کہ مسلمانوں نے اپنے فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے لیے مغفرت کی دعا اور ان کی شفاعت کی' اور یہ ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے اس سے پہلے اللہ سے اس شفاعت کی خصوصی اجازت طلب کی' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (الحشر: ۱۰)

اور جو مسلمان ان کے بعد (ہجرت کر کے) آئے وہ کہتے تھے کہ اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ: ۲۵۵)

کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کرے؟

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب اللہ اپنے مملوکوں کو سزا دینے کا ارادہ کرے تو کون ہے جو ان کو اللہ کی اجازت کے بغیر اس سے چھڑا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے فرمایا ہے کہ مشرکین نے یہ کہا تھا کہ ہم بتوں کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمام آسمان اور زمین میری ملکیت ہیں اس لیے میرے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے تم بتوں کی عبادت نہ کرو' جن کے متعلق تمہارا یہ زعم ہے کہ وہ تم کو میرے قریب کر دیں گے' کیونکہ وہ تم سے کسی عذاب کو دور نہیں کر سکتے' شفاعت تو رسولوں' میرے اولیاء اور میرے اطاعت گزاروں کے لیے ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ نے بھی لکھا ہے اس آیت سے مشرکین کو مایوس کرنا ہے جو بتوں کے متعلق شفاعت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ (روح المعانی جز ۳ ص ۱۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اذن سے مراد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جیسا کہ حدیث میں ہے آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی یا علم ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کے بغیر کون شفاعت کر سکتا ہے) یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے کے بغیر کون شفاعت کر سکتا ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر شفاعت کرے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۶۱۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ ھ)

قرآن مجید کی آیات' احادیث اور مفسرین کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ گناہ گار مسلمانوں کے لیے انبیاء اور مقربین کی شفاعت کے لیے اذن لینا لازمی شرط نہیں ہے اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کا اذن کو شفاعت کے لیے لازمی شرط قرار دینا صحیح نہیں۔

البتہ بعض احادیث میں شفاعت کے لیے اذن حاصل کرنے کا بھی ذکر ہے لیکن اذن کے بغیر بھی شفاعت کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی شفاعت کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے یہ شفاعت کرنے کی لازمی شرط نہیں ہے۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا

کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ (بارش نازل ہونے سے) آسمان اور (سبزہ اگانے سے) زمین بند تھے تو ہم

فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾

نے دونوں کو کھول دیا اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی تو کیا وہ ایمان نہیں لاتے ○

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا

اور ہم نے زمین میں اونچے اونچے پہاڑ بنادیے تاکہ لوگوں کے بوجھ سے زمین ایک طرف ڈھلک نہ جائے اور ہم

فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۚ

نے اس زمین میں کشادہ راستے بنائے تاکہ لوگ ہدایت حاصل کریں ○ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا،

وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

اور وہ اس (آسمان) کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں ○ اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ

اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے ○ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے (دنیا

قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُونَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ

میں) دوام کو مقدر نہیں کیا، سو اگر آپ کی وفات ہو جائے تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ○ ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے،

وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۳۵﴾ وَإِذَا رَاٰكَ الَّذِينَ

اور ہم تم کو بری اور اچھی حالت میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں، اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ اور یہ کفار جب بھی

كَفَرُوٓا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ

آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہ ہے وہ شخص جو تمہارے خداؤں کا (برائی سے) ذکر کرتا ہے! حالانکہ وہ خود

بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُونَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَاُورِيكُمْ

رحمن کے ذکر کا انکار کرتے ہیں ○ انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے، عنقریب میں تم لوگوں کو

اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

اپنی نشانیاں دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلد بازی نہ کرو ○ وہ کہتے ہیں کہ یہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ

سچے ہو؟ ○ کاش ان کافروں کو اس وقت کا علم ہوتا جب یہ اپنے چہروں سے اور اپنی پیٹھوں سے

النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ

آگ کو دور نہ کرسکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○ بلکہ وہ (قیامت) ان کے پاس اچانک

بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

ہی آجائے گی اور وہ اس کو مسترد کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ○

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا

اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا (بھی) مذاق اڑایا گیا تھا سو مذاق اڑانے والوں کو اس عذاب نے

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

۳ ع ۲/۴ ۲

گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ (بارش نازل ہونے سے) آسمان اور (سبزہ اگانے سے) زمین بند تھے تو ہم نے دونوں کو کھول دیا' اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی تو کیا وہ ایمان نہیں لاتے!○ اور ہم نے زمین میں اونچے اونچے پہاڑ بنا دیے تاکہ لوگوں کے بوجھ سے زمین ایک طرف ڈھلک نہ جائے' اور ہم نے اس زمین میں کشادہ راستے بنائے تاکہ لوگ ہدایت حاصل کریں○ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا اور وہ اس (آسمان) کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں○ اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے○

(الانبیاء: ۳۳-۳۰)

زمین اور آسمان کے فتق اور رتق کا معنی

اولم یر الذین کفروا: اس سے مراد حاسۂ بصر سے دیکھنا نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد علم اور جاننا ہے' یعنی کیا کافروں نے یہ نہیں جانا۔

رتقا: دو چیزوں کا ملا ہوا ہونا' خواہ وہ قدرتی اور پیدائشی طور پر ملی ہوئی ہوں' یا صنعت اور کاری گری سے دو چیزوں کو ملا دیا یا دو چیزیں چپک کر ایک ہوگئی ہوں' اور اس کا معنی بند ہونا بھی ہے۔

ففتقنھما: الفتق کا معنی ہے دو متصل چیزوں کو الگ الگ کرنا' یہ رتق کی ضد ہے' دو جڑی ہوئی چیزوں کو الگ الگ کرکے

ایک دوسرے سے متمیز کر دینا۔
آسمان اور زمین کے رتق اور فتق کی مفسرین نے حسب ذیل تفسیریں کی ہیں:
(۱) عبداللہ بن دینار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے آسمان بند تھے۔ ان سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بند تھی اس سے سبزہ نہیں اگتا تھا' پھر آسمان کو بارش سے کھول دیا گیا اور زمین کو سبزہ اگانے کے ذریعہ کھول دیا گیا' عطا' عکرمہ اور مجاہد اور ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔
(۲) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آسمان اور زمین پہلے ملے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو کھول کر الگ الگ اور متمیز کر دیا' حسن' سعید بن جبیر اور قتادہ سے بھی یہی روایت ہے۔
(۳) ابونجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے زمین سے چھ زمینیں اور نکالیں تو وہ سات زمینیں ہوگئیں اور آسمان سے چھ آسمان اور نکالے تو وہ سات آسمان ہو گئے۔ (زاد المسیر ج ۵ص ۳۴۸' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس اشکال کا جواب کہ بعض چیزوں کو پانی سے نہیں بنایا گیا

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی۔
اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف اشیاء کو مختلف چیزوں سے پیدا کرنے کے متعلق فرمایا ہے مثلاً ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ (النور: ۴۵)
تمام چلنے پھرنے والوں کو اللہ نے پانی سے پیدا کیا ہے۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ (الحجر: ۲۷)
اور اس سے پہلے ہم نے جنات کو بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: ۵۹)
ہم نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔

اور حضرت حواء کے متعلق فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (الاعراف: ۱۸۹)
وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ہم نے ان کو پھونک سے پیدا کیا:

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء: ۹۱)
اور جس (مریم) نے اپنی عفت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹے کو تمام جہانوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بھی اللہ عزوجل کے اذن سے پھونک مار کر پرندے پیدا کر دیتے تھے:

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ (المائدۃ: ۱۱۰)
اور جب تم میرے اذن سے مٹی سے پرندے کی طرح صورت بناتے تھے' پھر تم اس میں پھونک مارتے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتی تھی۔

اور احادیث میں ہے کہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنات کو بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور حضرت آدم کو اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جو تم کو بتائی گئی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۹۶)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا' حضرت حواء کو خود حضرت آدم سے پیدا کیا' حضرت عیسیٰ کو پھونک سے پیدا کیا' اور حضرت عیسیٰ نے بھی بعض پرندوں کو اپنی پھونک سے پیدا کیا' فرشتوں کو نور سے پیدا کیا اور جنات کو بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا' تو پھر علی العموم یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سوال میں جو صورتیں ذکر کی گئی ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہیں اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے' ہر قاعدہ سے کچھ افراد مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

ہر حیوان کو اللہ تعالیٰ نے نطفہ سے پیدا کیا ہے اور وہ پانی ہے اور درختوں' سبزہ زاروں اور نباتات میں بھی ایک نوع کی حیات ہوتی ہے اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے پانی سے پیدا کیا ہے فرمایا:

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الروم: ۵۰)

پس آپ اللہ کی رحمت کے آثار دیکھیں کہ وہ کس طرح زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کر دیتا ہے۔

غرض حیوانات اور نباتات اور ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

پانی سے ہر چیز کی حیات کے متعلق سائنس کا نظریہ

زندگی اور قوت میں ایک باریک فرق ہوتا ہے زندگی ایک طرح سے عضویاتی ڈھانچہ ہوتا ہے جبکہ قوت حیات کو اس ڈھانچے کا مقرر کردہ کام سرانجام دینا ہوتا ہے۔ یہ نظریہ جو کسی حد تک مشکل سے سمجھ میں آتا ہے ایک مثال کے ذریعے باآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

زمین میں کچھ وائرس اور کچھ بیکٹیریا اپنے اردگرد کے حالات کی وجہ سے اپنی کارگزاری ظاہر نہیں کر سکتے یعنی وہ نہ ہی حرکت کر سکتے ہیں اور نہ ہی مزید تخلیق کر سکتے ہیں۔ جیسے ایک طرح سے جامد زندگی۔ مخصوص حالات میں یہ اپنی حرکت کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں اور تخلیقی عمل بھی شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ زندگی عبارت ہے وائرس اور بیکٹیریا کی ساکت اور متحرک حالت سے جبکہ قوت حیات (VITALITY) کا مطلب صرف ان کی محرک حالت ہی ہے۔

آیت کریمہ میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ زندہ ہونا جو قوت حیات (VITALITY) کے مترادف ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ قرآنی آیات میں لفظ انتہائی اہم رازوں کے حامل ہوتے ہیں۔

آیئے اب دوبارہ آیت کریمہ کی طرف لوٹیں۔ اس کے اصل معنی اس طرح ہیں ''ہم نے تمام زندہ چیزوں کو پانی سے پیدا کیا ہے'' آیئے اب اس آیت میں اہم نکات کی نشاندہی کریں۔

(الف) پندرہ صدیاں قبل زندگی کا تصور جانوروں تک محدود تھا۔ بعض حلقوں میں نباتات پودوں کو بھی اس زمرے میں شامل سمجھا جاتا تھا جبکہ دوسری طرف یہ آیت انتہائی صراحت سے جانوروں اور نباتات سے ماورا نظریہ پیش کرتی ہے۔ ''تمام چیزوں'' کی تعریف میں ''چیز'' کے نظریہ سے قوت حیات (VITALITY) بہت سی نوع کی چیزوں کا احاطہ کرتی ہے۔

قرآن کے اس ایک بیان سے قوت حیات کے نظریہ کو اتنی وسعت مل جاتی ہے کہ یہ وائرس اور (DNA) مالیکیول وغیرہ کا مکمل احاطہ کر لیتی ہے اس طرح ایک سائنسی حقیقت کو چودہ صدیاں قبل ہی انسانیت کو بطور پیشگی بتا دیا گیا۔

(ب) قوت حیات پانی ہی سے نکلتی ہے اور پانی ہی سے توانائی حاصل کرتی ہے آیت مبارکہ تخلیق ''(خلقنا)'' نہیں کہتی بلکہ

کہتی ہے قوت دی" (وجعلنا)"۔

(ج) اس کے بعد آیت اس اعلان پر ختم ہوتی ہے کہ "پھر وہ کیوں نہیں مانتے؟" اس کا اشارہ کفار کی طرف ہے یہ بات بطور خاص ہمارے موجودہ دور کے کفار کے لیے ہے اس لیے کہ ابھی صرف تیس سال قبل ہی تو قوت حیات کے لیے پانی کے ناگزیر ہونے کی حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

آیئے اب غور کریں کہ ابھی حال ہی میں علم حیاتیات کے قوانین کی دریافت کے مطابق قوت حیات کے لیے پانی ہی کیوں ناگزیر سمجھا گیا ہے؟

ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ حیات کی بنیادی اکائی یعنی اس کا نمائندہ ایک سالیہ ہے جسے (DNA) کہتے ہیں قوت حیات صرف اسی سالیے میں ہوتی ہے اگر یہ سالمہ صرف پانی ہی کے سالیے سے پیدا ہوتا تو یہ آیت اس طرح سے ہوتی "ہم نے تمام زندہ چیزوں کو پانی سے پیدا کیا"۔ جبکہ قوت حیات ایک نئے اور ایک ہی جیسے سالیے کی بناوٹ ہے جس نے نامیاتی کیمیا (CHEMICALS) اصلی یا ابتدائی سالیے سے حاصل کئے ہوتے ہیں۔

جدید علم حیاتیات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پانی کے سالیوں کے +H اور آئن -OH (ION) (رواں برقی پارہ کے جوہر یا جواہر) کے ذریعے پیدا ہو سکتے ہیں۔ خاص طور پر (ATP) جو فاسفورس، امینو ایسڈ اور شکر کا مرکب ہوتا ہے کے آمیزش کے عمل میں پانی +H آئن ہی استعمال ہوتا ہے، تابکار ہائیڈروجن (TRITIUM) کے ساتھ تجربات نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ڈی این اے سالیے ہائیڈروجن آئن (ION) صرف پانی ہی سے حاصل کرتے ہیں۔ اسی تجربے نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ ہائیڈروجن آئن جسے "حرکت پذیر ہائیڈروجن" کہتے ہیں رائبوز شکر اور امینو ایسڈ نکلائیڈ کے درمیان ایک مسلسل برقی میدان پیدا کرتا ہے اس طرح وہ بنیاد تیار ہوتی ہے جس پر قوت حیات برقرار رہتی ہے جیسا کہ میں نے بارش کے موضوع پر پہلے ہی بیان کیا ہے، کہ قوت حیات اس وقت حرکت پذیر ہو جاتی ہے جبکہ یہ برقی میدان بیکٹیریا یا ایک زندہ مگر خوابیدہ حالت میں ہوتا ہے یعنی بیکٹیریا یا حرکت پذیر ہو کر مزید پیدائش کے عمل میں لگ جاتا ہے۔

یہ اصول تمام قسم کے جسمیوں (ORGANISMS) کے متعلق بھی اسی طرح ہے۔ یعنی خلیے (CELLS) صرف ہائیڈروجن کی مدد سے ہی اپنی مصروفیات یا حرکت جاری رکھ سکتے ہیں۔ خلیوں کی کیمسٹری پر تحقیق نے یہ ظاہر کیا ہے کہ تمام برقی سلسلے خلیے میں لائسوسوم (LYSOSOME) اور پانی کے برقی چارج (IONS) کی مدد سے قائم رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ تمام کیمیائی سلسلے، خلیاتی لیبارٹری جسے ہم مٹوکونڈریا (MITOCHONDRIA) کہتے ہیں پانی کے آئن کی وساطت سے ہی کارگر ہوتے ہیں۔

"بھاری پانی" کے ساتھ تجربات میں جہاں ہائیڈروجن کو آئسوٹوپس سے تبدیل کر دیا جائے یہ ثابت ہوا ہے کہ پانی کا سالمہ جسم میں سات سے چودہ دن تک رہتا ہے پھر خارج ہوتا ہے، اور پانی کے نئے آئن اس کی جگہ لے لیتے ہیں اس طرح پانی نئی اور تازہ قوت حیات مہیا کرنے کا باعث ہے یہی وجہ ہے کہ جسمیے پانی کے ختم ہونے (شدید پیاس) کو برداشت نہیں کر سکتے۔

پانی اور قوت حیات کا تعلق اسی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ عام معنی میں قوت حیات کے لیے توانائی کی ضرورت مسلسل طور پر رہتی ہے یہ توانائی آئن کے تبادلہ سے حاصل ہوتی ہے خوراک کے کھانے کا عمل کیمیائی ربط اور بعض سالموں کے تحلیل ہونے سے پیدا ہونے والی برق سے متشابہ عمل پیدا کرتا ہے، ان تمام پھرتیلے اعمال میں خلیہ +H اور OH آئن تبادلے کی بنیاد مہیا کرتے ہیں، جیسے بین الاقوامی تجارت میں زر یا تبادلہ زر کی اصطلاح ہوتی ہے۔ ایک خلیہ اس وقت صحت مند ہوتا ہے جب پانی کے وہ

(آ)ئن جو اسے گھیرے میں لیے ہوتے ہیں خود توازن میں ہوں ورنہ یا تو بیماری آ جاتی ہے یا موت واقع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ پانی' زندگی کی جین (GENESIS) اور قوت حیات کی بنیاد ہے اور یہ آیت کریمہ اس لطیف موشگافی کو اس (خ)وب صورتی سے بیان کرتی ہے کہ اس سلسلے میں قرآنی معجزہ کو کبھی بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا یہ اس حقیقت کو دوبارہ پرزور (ط)ریقہ سے بیان کرتی ہے کہ "کس طرح وہ ایمان نہیں لاتے"۔

خلیے کا تنفس یعنی طاقت بخش چیزوں کا خرچ' آئن کے تبادلے کا ایک خاص عجوبہ ہے جو پانی کے آئن سے تعلق رکھتا ہے' (پ)انی اور قوت حیات کے درمیان عظیم تعلق کو ابھی تک تسلی بخش طریقہ سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً الیکٹرو کیمسٹری (ELECTROCHEMISTRY) اور بائیو کیمسٹری (BIOCHEMISTRY) یہ پوری طرح نہیں بتا سکتے کہ ایک خاص وقت کے بعد پانی کے سالمے کیوں ضائع ہو جاتے ہیں۔ مزید یہ امر کہ ایک خلیہ کس طرح پانی کا ذخیرہ کرتا ہے ابھی تک صحیح طور پر دریافت نہیں ہو سکا۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ خلیہ میں کھانے والے نمک یا سوڈیم کلورائیڈ کے استعمال کا مقصد سالموں میں پانی کے خرچ اور اس کے جمع ہونے سے متعلق ہے۔

درحقیقت ہر جسمیہ اپنی مختصر لیبارٹری میں پانی کو نقدی کی طرح خرچ کرتا ہے اسی وجہ سے ہمارے جسم میں گلینڈز (غدودوں) میں خاص قسم کے ہارمون پیدا ہوتے رہتے ہیں جو خلیوں کے اپنے اندر اور ایک دوسرے کے درمیان پانی کا تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔ جسم میں موجود بہت سے مراکز بدن کی رطوبت کو جدا کرنے والے گلینڈز سے ایک کمپیوٹر جیسے نظام کے ذریعے منسلک ہیں۔ مثلاً بخار سے پہلے فالتو پانی نکل جاتا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ جسم اس قسم کی مدافعتی جنگ میں مصروف ہے جس میں بیکٹیریا کی موجودگی یا حملہ مشکل ہو جائے۔ ہمارے جسم نقصان دہ جراثیم کو زندہ رہنے کی مہلت نہیں دیتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل اس آیت کریمہ کے راز کے احساس کے تحت ہی وقوع پذیر ہے۔

چنانچہ یہ عظیم معنی اللہ کے اس کلام میں پوشیدہ ہیں کہ "ہم نے تمام چیزوں کو پانی کے توسط سے پیدا کیا"۔

(قرآنی آیات اور سائنسی حقائق ص ۸۵۔۸۲' مطبوعہ کراچی' ۲۰۰۰ء)

زمین کا اپنے مدار میں گردش کرنا

رواسی: اس کا استعمال ٹھہرے ہوئے پہاڑوں کے لیے ہوتا ہے' اس کا مادہ رسو ہے اس کا معنی ہے کسی جگہ پر قائم رہنے والی چیز۔

ان تمید بھم: ان پہاڑوں کی وجہ سے زمین اپنے مرکز پر قائم ہے اپنے مدار پر گردش کر رہی ہے اور اس سے ادھر ادھر نہیں ہٹتی۔

فجاجا: دو پہاڑوں کے درمیان جو گھاٹی یا راستہ ہوتا ہے اس کو فج کہتے ہیں' اس کا استعمال کشادہ راستہ کے لیے ہوتا ہے۔

لعلھم یھتدون: تاکہ وہ اپنی مصلحت کی چیزوں' سفر میں اپنے مقاصد اور کھیتی باڑی میں کام آنے والی چیزوں کی طرف راہ پا سکیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ زمین کے اوپر بڑے بڑے اور اونچے اونچے پہاڑ پیدا کیے تاکہ ان کے بوجھ کی وجہ سے زمین (ا)پنی جگہ پر قائم اور برقرار رہے اور لوگوں کے چلنے کی وجہ سے اس میں جنبش اور اضطراب نہ ہو اور وہ اپنے مرکز سے ہٹ نہ سکے۔ زمین اپنی جگہ پر بھی گردش کرتی ہے اور سورج کے گرد بھی گردش کرتی ہے' سائنس دان کہتے ہیں پہلے زمین آگ کا ایک

گولہ تھی پھر یہ ٹھنڈی ہوگئی پھر یہ سخت جامد ہوگئی اور یہ سہا برس تک اسی طرح رہی۔

اس کائنات کی پیدائش کے متعلق سائنس کی تحقیق

(1) تمام آسمان اور کائناتیں زمین کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انتہائی خوش اسلوب طریقے سے آسمانوں اور زمین کو ایک دوسرے سے علیحدہ کردیا۔

(2) کائناتیں (HEAVENS) جنہیں جنتیں بھی کہا جاتا ہے اور جو آسمان کے مخصوص حصے ہیں ایک کے بعد ایک تہہ در تہہ موجود ہیں۔ یہ ایک بے پناہ کھچاؤ (تناؤ) یا ممکنہ اختلاف (POTENTIAL DIFFERENCE) سے وجود میں لائی گئی ہیں۔ مگر یہی مضبوط نظام یا تناؤ ہی ہے جس کی وجہ سے یہ کائناتیں اپنی جگہ موجود اور قائم ہیں۔ اس تناؤ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت نے ہی خلائی وقت کے تسلسل میں برقرار رکھ کر قائم کیا ہوا ہے۔

ان آیات کریمہ سے متعلق دیگر حقائق اب ذیل میں بیان کئے جائیں گے۔ ہم مزید مطالعہ کے ذریعے یہ بھی دیکھیں گے کہ ایک دھماکے سے الگ کرنے کا عمل' کہ جس کے ذریعے یہ کائنات تشکیل پذیر ہوئی یا موجودہ صورت میں وجود میں آئی' دراصل اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ اس سلسلے میں صرف ایک ہی تناؤ (TENSION) یا نظم نہیں' بلکہ مزید کئی تناؤ یا نظام بھی ہیں۔

(الف) کئی عشروں کے غور و خوض اور تحقیقات کے بعد ماہرین علم طبیعیات اور کائناتی فزکس کے ماہرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کائنات کی تشکیل کو سب سے بہتر طور پر صرف ''عظیم دھماکہ'' (BIG-BANG THEORY) کے نظریئے نے ہی بیان کیا ہے یہ نظریہ دو سائنس دانوں مارٹن رائیل اور ایلن سینڈیج نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس نظریئے کی رو سے کائنات ایک ناقابل یقین کثیف دھوئیں دار نکتے یا مقام سے پھٹ کر وجود میں آ گئی۔ اس مقام یا نکتہ کو اکائی (SINGULARITY) کا نام دیا گیا۔ کائنات کی تشکیل کے پہلے مرحلہ میں یہ اکائی یا ''سنگولیرٹی'' اتنی شدید گرم حالت میں تھی کہ اس کی حدت کے متعلق قیاس آرائی کرنا بھی عبث ہے۔ ایک سیکنڈ کے سویں حصہ میں یہ اکائی ایک ابتدائی آگ کے گولے کی صورت میں پھیل گئی اور اس کا درجہ حرارت تقریباً ایک سو ارب ڈگری کیلون (KELVIN) تک تھا۔ اس کے گاڑھے شوربے جیسے وجود سے اس وقت تک پروٹون (PROTON) اور نیوٹرون (NEUTRON) نکل کر پھیل نہیں گئے تھے۔ اور نہ ہی مشہور چاروں اندرونی مادی باہمی عمل (PHYSICAL INTERACTIONS) برآمد ہوئے تھے۔ تب اس گاڑھے شوربہ جیسی چیزیں یعنی مادہ اور توانائی متواتر ایک دوسرے میں تحلیل ہو رہے تھے اور چاروں اندرونی باہمی عمل (INTERACTIONS) ایک مضبوطی سے جڑے ہوئے تھے۔

جیسے جیسے یہ انتہائی گرم اور دھوئیں سے اٹی ہوئی آتشی گیند پھیلنا شروع ہوئی' یہ بتدریج ٹھنڈی بھی ہونے لگی۔ چنانچہ ایک مکمل ترتیب کی صورت پیدا ہونا شروع ہوگئی۔ پہلے پہلے کشش ثقل کی قوت یا مخالف باہمی عمل (INTERACTION) سے علیحدہ شکل میں الگ ہوئی۔ اور اس کے بعد طاقت ور اور کمزور برقی کشش کے مخالف باہمی عمل (ELECTROMAGNETIC INTERACTION) خود اسی میں ترتیب سے پیدا ہوئے۔ آسمانوں اور زمین کا دھماکے سے علیحدہ ہونا (فتق) وقوع پذیر ہوا۔ اور ترتیب کے ٹوٹ جانے اور ابتدائی ترتیب دیئے گئے مخالف باہمی عمل (SYMMETRICAL INTERACTIONS) کے علیحدہ (چاک) ہونے کی وجہ سے فزکس کے علم کے چار جانے

پیمانے "مخالف باہمی عمل" پیدا ہوئے دوسرے لفظوں میں نہ صرف ابتدائی اکائی کائنات سے ٹوٹ کر علیحدہ ہوئی بلکہ اس کے قوانین کی علیحدہ پہچان بھی اسی قسم کے عمل کی وجہ سے ظاہر ہوئی۔

پھر اللہ نے اپنی بے پناہ اور لامحدود شان کے طفیل کائنات کو ایک نکتے یا مقام سے پوری طرح پھیلا دیا۔ جس کھچاؤ یا تناؤ کے ذریعے یہ عمل وقوع پذیر ہوا وہ سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر پانچ میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ نے آسمانوں کو ترتیب دیا پھر اس تناؤ کے ذریعے زمین کو قائم کیا اس طرح موجودہ نظر آنے والی کائنات اور اس کے قوانین کو پیدا اور جاری کیا۔

اس سلسلے میں ایک اور اہم نکتہ آسمانوں اور زمین کے ابتدائی ملاپ یا یکجان ہونے سے متعلق ہے جو سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر تیس میں بیان کیا گیا ہے۔ مشہور سائنسدان آئن سٹائن کا شہرہ آفاق نظریہ یعنی نظریہ اضافیت (THEORY OF RELATIVITY) اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ مادہ اور توانائی ایک موقع پر ایک ہی چیز تھیں۔ مادہ بجائے خود توانائی کی تکثیفی (CONDENSED) صورت ہے۔ اور توانائی اپنی جگہ ایک آزاد شدہ مادہ ہے۔ وہ یہ ثابت کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا کہ آسمانی کرہ اور وقت ایک دوسرے سے الگ نہیں کیے جا سکتے۔ یہ دونوں ایک خلا (کرہ آسمان) اور وقت کے تسلسل میں بندھے ہوئے ہیں۔ مزید برآں اس کی دریافتوں نے بھی بتایا کہ کشش ثقل اور اسی لیے حجم بھی اس تسلسل میں محض ایک خم (CURVATURE) ہے۔ دوسرے لفظوں میں مادہ کی تشکیل خلائی وقت کے تسلسل کو موڑنے یا جھکانے سے ہوئی۔ اس عمل کے ہونے میں ایک ایسے تناؤ کا کھچاؤ کو دخل ہے' جس نے درحقیقت آسمانوں اور زمین کو دھماکے سے الگ "فتق" کر دیا۔

(ب) اب جبکہ کائنات وجود میں آ گئی تو یہ اسی تناؤ کی مدد سے قائم رہی ہے جو اس کے وجود میں آنے کے سلسلہ میں مددگار رہا تھا۔ ایک طریقے سے یہ تناؤ بطور خود بھی اپنی طرف کھچاؤ یا میلانیت (ATTRACTION) اور دور کرنے یا پھینکنے (REPULSION) کے باہمی عمل سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے۔ بجلی کے معاملے میں یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ مخالف چارج ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور ایک ہی قسم کے چارج ایک دوسرے کو دور دھکیلتے ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کے توسط سے جوہر (ایٹم) اور دیگر مادہ کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ مزید برآں کشش ثقل کی تمام قوت اس مرکز گریز قوت کی مدد سے توازن پذیر ہے جسے لوکس (LOCUS) کہتے ہیں۔ جو سیاروں اور ستاروں کے نظام کو قائم رکھتی ہے۔ چنانچہ ہر چیز کی بقاء' یعنی چھوٹے سے چھوٹے جوہر (ایٹم) سے لے کر ستاروں کے نظام تک کی بقا کی ضمانت بھی اسی تناؤ یا کھچاؤ کے ذریعے مہیا کر دی گئی ہے۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے سورۃ کے شروع میں اپنی قدرت کاملہ کے ذریعے کائنات کی مادی اور ریاضیاتی تشکیل کا اعلان کیا ہے اس کے فوراً بعد کے بیان میں ہی اللہ کے رحیم اور مہربان ہونے کی خصوصیت بیان کی گئی ہے۔ اللہ کا رحم سے دیکھنا' اس کی تمام مخلوق اور پوری کائنات پر کمال مہربانی کا اظہار ہے۔ اس رحم اور مہربانی کی خصوصیات میں' ان تمام کے لیے اللہ کی شفقت' حفاظت اور پناہ کا تصور موجود ہے۔

ثقل کی قوت جس سے تمام چیزیں ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتی ہیں' اللہ کی پاک شفقت کی نشانی کا اظہار ہے۔ دوسری طرف تمام چیزوں کا چکر کی صورت میں گھومنا یعنی موشن (ROTATIONAL MOTION) ہے' جو چاہے وہ سورج کے گرد گھومنے والے ستارے ہوں یا ایک نوات یعنی مرکزہ (NUCLEUS) کے گرد گھومنے والے الیکٹرون ہوں' کائنات میں پورے مادے کو کائنات میں کشش ثقل کی قوت کے ذریعے مرتکز یا یکجان ہو کر فنا ہو جانے کے عمل سے روکے ہوئے ہے۔

اور یہ گھومنے والی حرکت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ تمام موجودات اپنے رب کی شان اور عظمت بیان کرتی ہیں۔ اس کا شکریہ ادا کرتی ہیں اور اس کی تعریف کی تسبیح کرتی ہیں۔ چنانچہ مادی کائنات میں اللہ کی شفقت اور محبت کا ایک اظہار کشش ثقل کی قوت کی موجودگی ہے جبکہ اس کا رحم اور ترس کا عمل اس کی پیدا کردہ چھوٹی سے چھوٹی کائنات (MICROCOSMOS) اور بڑی سے بڑی کائنات (MACROCOSMOS) میں موجود گھومتی ہوئی رفتار (روٹیشنل موشن) میں نظر آتا ہے۔

(ج) جیسا کہ نظریہ اضافیت کے متعلق اوپر اشارہ کیا گیا تھا' خالی جگہ یا کرہ بالکل خلا (یا ویکوم) نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے جدید فزکس میں پلینم (PLENUM) کہا جاتا ہے۔ سائنس دان ہائزن برگ کے ''اصول غیر یقینی کے نظریئے'' کے مطابق خالی جگہ یا خلا وقت کے اندر گھٹتا بڑھتا یا ڈگمگاتا رہتا ہے۔ ہائزن برگ کے بیان کردہ اس اصول کے تناظر میں جو حدود مقرر کی جاسکتی ہیں' اس میں مادہ اور توانائی (انرجی) کا تحفظ اس حد سے گزر جاتا ہے' جو عقل و بیان سے ماورا ہوتا ہے اور توانائی کی واضح اکائیوں کو اناً کو غیر وجود سے وجود میں لایا جاسکتا ہے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ محفوظ ہو جائیں یا وجود حاصل کریں وہ فوراً دوسرے ہی لمحے میں فنا ہو جاتی ہیں۔ ایسا ذرہ جو حقیقت میں نمودار ہوتا ہے پھر اسی لمحے غیر وجود میں غائب ہو جاتا ہے۔ وہ مجازی ذرّہ (VIRTUAL PARTICLE) کہلاتا ہے۔ دوسری طرف اگر ان بھوتوں کی خصلت والے ذرّوں تک مناسب مقدار میں توانائی پہنچادی جائے تو ان کو فعل میں لایا جاسکتا ہے یعنی ان میں جان ڈالی جاسکتی ہے محض کو اناً سے وجود میں لانے کے عمل کا تو اب سائنسی لیبارٹریوں میں بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

مشہور سائنسدان ڈیراک کے ابتدائی نظریہ خالی سمندر ویکیوم سی (VACUUM SEA) کا خیال' جس میں ایک غائب ذرّے (ANTIPARTICLE) کو ایک ذرّے کا چھوڑا ہوا شگاف سمجھا جاتا ہے قرآن میں بتائے گئے ''فتق'' کی صاف طور پر نشاندہی کرتا ہے یا اس کی مخصوص جگہ سے اس کا ایسا عمل یعنی موجودہ مثال میں' خلا (یا ویکیوم) میں اس کی وہ ہیئت' جو دور سے ایک ہی جیسی اور بغیر کسی کونے کے نظر آئے جبکہ اگر مائیکروسکوپ سے دیکھا جائے تو وہ ذرّوں کے اور غیر ذرّوں (ANTIPARTICLES) کے ابلتے ہوئے تیز چکر کھاتے ہوئے ایک سمندر کی طرح اسی ہی لمحے جوڑوں میں بننے والے غیر ذرّوں کی صورت اختیار کرکے ایک دم سے فنا ہو جاتے ہیں۔ یہ ناقابل یقین خیال اس وقت مادی طور پر ثابت کیا گیا جب سائنسدان ولس لیمب نے اس حقیقت کو دریافت کیا جسے آج کل فزکس میں لیمب شفٹ (LAMB SHIFT) کہا جاتا ہے۔

لیمب' ہائیڈروجن جواہر (ایٹوں) کی بھوت یا روح کی طرح سے مختصر تبدیلی مکان (SHIFT) کی پیمائش حاصل کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوا کہ اس تبدیلی مکان (شفٹ) کا عمل مجازی ذرّوں کے جوڑوں کی مرکزہ اور منفی برقی پارہ (الیکٹرون) کے درمیانی خالی مقام یا خلا میں مسلسل پیدائش اور مسلسل فنا ہو جانے کے عمل کی وجہ سے تھا۔ وہ برقی میدان جو منفی برقی پارہ (الیکٹرون) کو مدار میں باندھے رکھتا ہے کبھی کبھی خالی جگہ (ویکوم) کے سمندر سے منفی برقی پارہ اور مثبت برقی پارہ (یعنی الیکٹرون اور پوزی ٹران) کا جوڑا بناتا ہے اور پھر فوراً ہی یہ جوڑا فنا ہو جاتا ہے۔ یہ عمل جسے ویکوم پولارائزیشن (VACUUM POLA-RISATION) کہتے ہیں اتنے عرصے کے لیے باقی رہتا ہے جس میں وہ منفی برقی پارہ (الیکٹرون) کی مدار میں چکر کھاتی ہوئی توانائی میں تبدیلی مکان (شفٹ) پیدا کردے۔ اس طرح یہ برقی میدان کے تناؤ (ٹینشن) کا وجود ہی ہے کہ جو اس صورت میں مجازی ذرّوں کے جوڑوں کو اپنی طرف کھینچ کر قائم رکھتا ہے۔

آسمانی طبیعیات کے عجیب وغریب سیاہ شگافوں (BLACK HOLES) کے ضمن میں انگریز ماہر طبیعیات اسٹیفن

ہاکنگ نے دریافت کیا کہ سیاہ شگاف غیر مستحکم ہوتا ہے اور اشعاع (RADIATION) کے بالواسطہ اخراج کا ذریعہ بنتا ہے۔ سیاہ شگاف کے واقعاتی دائرہ افق کے نزدیک شدید ثقلی میدان، مجازی ذرّوں کے جوڑوں کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں۔ اور ان کا فنا ہو جانا برقی مقناطیسی اشعاع (ELECTROMAGNETIC RADIATION) کے نکلنے کی وجہ سے ہے۔ ان کا نظر آ جانا ممکن ہے اور ان کا بالواسطہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ زیر مطالعہ مسئلہ میں یہ ثقلی میدان کا شدید کھچاؤ یا تناؤ ہی ہے جس کی وجہ سے خالی جگہ یعنی ویکوم کے تقسیم ہو جانے کے عمل سے مادہ اور توانائی کی تشکیل ہوتی ہے۔ یونیورسٹی آف نیو کاسل کے ماہر طبیعیات پال ڈیویز نے اپنی تازہ کتاب جس کا نام ''خدا اور نئی طبیعیات'' (COD AND NEW PHYSICS) ہے، میں کہا ہے کہ آزاد خلا (ویکوم) یا بالکل نہ ہونے سے ہو جانے کی صورت، اللہ کی دخل اندازی (مرضی) کے بغیر ناممکن ہے۔

اوپر بیان کئے گئے حقائق کی روشنی میں، میں یہ بھی تجویز کرنا چاہوں گا کہ برقی اور ثقلی میدانوں کے علاوہ ایک شدید مقناطیسی میدان کا تناؤ بھی ذرّوں کے اچانک وجود میں آ جانے کا باعث ہو سکتا ہے۔ یہی وہ میدان ہے جو کائنات کے ہر مقام پر موجود ہے۔ جو آخر الذکر کے لیے حکم کرتا ہے اس کی شکل وصورت کی تشکیل کرتا ہے۔ اس کی پرت پر پرت جماتا ہے اور اس کو قائم رکھتا ہے، جیسا کہ ہم آئندہ موضوع میں دیکھیں گے۔ میرے ذہن میں جو بات ہے وہ تو بطور خاص آسمان کے طبقوں سے متعلق ہے۔ دوسرے لفظوں میں سات آسمان اسی میدانی تناؤ کا سہارا لئے ہوئے قائم ہیں۔

(د) سیاہ شگاف وہ نکتے یا مقام ہیں جن کے متعلق سورۃ الشوریٰ آیت نمبر پانچ اور سورۃ الانبیاء آیت نمبر تیس میں اس تناؤ کی نشاندہی اور اصلیت کو ثابت کرتی ہے۔ کشش ثقل کا میدان اس طرح مرکوز ہے اور ہر مقام پر اس کثرت سے موجود ہے کہ اس سے بچ کر نکل جانا ناممکن ہو جاتا ہے ایک کم خطرناک مگر زیادہ خوش کن سطح پر پروٹونز اور الیکٹرونز اس مقناطیسی آندھی میں بہے جاتے ہیں جو سورج پر برپا (شمسی آندھی) ہے۔ زمین پر پہنچنے پر یہ ایک حیران کن خوب صورت انداز میں قطبین پر چکر کھاتے ہوئے اترتے ہیں۔ اس عجوبے کو ''ارورا بوریلیس'' (AURORA-BOREALIS) کہتے ہیں چنانچہ اس عجوبے کی ابتدا اور اس کا اختتام مقناطیسی میدانوں کے تناؤ میں ہی مضمر ہے۔

سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر تیس میں حقیقتاً صحیح طور پر پوچھا گیا ہے کہ ان بے پناہ نشانیوں کی موجودگی میں کس طرح ایک شخص کافر اور منکر رہ سکتا ہے۔

ایک لمبے عرصے سے بے دین ملحد لوگ افراتفری اور درہم برہم چیزوں کو ہی کائنات کی تشکیل کا ذریعہ بتاتے رہے ہیں مگر وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ ان سب کو ترتیب دینے والی ایک عظیم ہستی کے بغیر افراتفری کو ایک کائنات کی شکل نہیں دی جا سکتی۔ ورنہ تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے افراتفری ہی کی صورت میں ہوتی۔

مزید برآں اگر عظیم منتظم (اللہ) کا وجود کائناتوں کو ہر وقت اور ہر مقام پر سنبھالے نہ ہوتا تو یہ پراگندہ ہو کر افراتفری کا شکار ہو جاتیں۔ اور یہ افراتفری ایک سیکنڈ کے ایک ارب ویں حصے کے وقت ہو جاتی۔ مگر اللہ کے قائم کردہ تناؤ چستی (ٹینشن) ہی کی وجہ سے کائنات کے ہر مقام پر ایک ناقابل یقین ترتیب اور ڈسپلن موجود ہے، اور سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر پانچ اللہ جل شانہ کی اس قوت کو ظاہر کرتی ہے جو فضاؤں کے ہر مقام کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس عظیم الشان ڈسپلن اور قوت کو جو ساری کائنات میں جاری و ساری ہے کو سورۃ الملک میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ آیت نمبر چار میں پھر اس طرح فرمایا گیا ''پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی''۔

سورۃ الانبیاء میں پھر کس طرح یہ سوال کر کے "پھر بھی وہ ایمان نہ لائیں گے؟" اللہ تعالیٰ یہ واضح اعلان کر رہا ہے کہ کفر ایک معمولی سے معمولی علم سے بھی مطابقت نہیں رکھتا اور یہ نامطابقت ملحدوں کی مکمل لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں فزکس اور کائناتی فزکس نے قرآن کی نفی کے تمام ممکنات کو ختم کر دیا ہے۔ اسی طرح اللہ کے وجود سے انکار کو بھی ناممکن بنا دیا ہے چنانچہ ایک ملحد شخص کا تو "سائنس کے شہر" میں داخلہ ہی ممنوع ہے۔

(قرآنی آیات اور سائنسی حقائق ص ۱۲۱۔ ۱۲۳ مطبوعہ کراچی ۲۰۰۰ء)

آسمان کی حفاظت کے دو محمل

الانبیاء: ۳۲ میں فرمایا: اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا۔

آسمان کو محفوظ چھت بنانے کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ جس طرح دوسری چھتیں گر جاتی ہیں اس طرح آسمان کو گرنے سے محفوظ بنا دیا۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج: ۶۵)

وہی آسمان کو روکے ہوئے ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر زمین پر گر نہ پڑے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ (الروم: ۲۵)

اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ (فاطر: ۴۱)

بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو برقرار رکھے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں' اور اگر وہ (اپنی جگہ سے) ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو روک نہیں سکتا۔

وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا (البقرہ: ۲۵۵)

اور آسمان اور زمین کی حفاظت اس کو تھکاتی نہیں ہے۔

زیر تفسیر آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ آسمان کو فرشتوں یا ستاروں کے ذریعہ شیطان سے محفوظ رکھا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور وہ اس (آسمان) کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں○ اس کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں کی حرکات میں اور اس کی حرکات اور کیفیات اور جہات میں اور اس کے ستاروں اور خود آسمانوں کے اتصال اور انفصال میں اور اس کے ستاروں کی گردش میں جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید کی نشانیاں ہیں یہ مشرکین ان پر غور و فکر نہیں کرتے۔

ہر سیارہ کا اپنے مدار میں گردش کرنا

الانبیاء: ۳۳ میں فرمایا: اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک اور نعمت کا بیان فرمایا ہے کہ اس نے رات بنائی جس میں وہ آرام کریں اور دن بنایا جس میں وہ حصول معاش کے لیے جدوجہد کریں اور سورج اور چاند کو بنایا' سورج کو دن کی علامت بنایا اور چاند کو رات کی علامت بنایا تاکہ لوگ مہینوں اور سالوں کا حساب کر سکیں۔

پھر فرمایا: ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔ اصل میں فلک ہر دائرہ اور گول چیز کو کہتے ہیں' اسی وجہ سے چرخے میں جو گول چمڑا لگا ہوتا ہے اس کو فلکۃ المغزل کہتے ہیں اور اسی وجہ سے آسمان کو بھی فلک کہہ دیا جاتا ہے' یہاں فلک سے مراد سورج اور چاند کے وہ مدار ہیں جس پر وہ گردش کرتے ہیں' قرآن اور حدیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ مدار آسمان کے اندر ہیں یا خلا میں ہیں۔ قدیم فلاسفہ یہ کہتے تھے کہ یہ مدار آسمانوں میں ہیں وہ کہتے تھے کہ پہلے آسمان میں قمر کی مدار ہے اور دوسرے

آسمان میں عطارد کی مدار ہے' تیسرے آسمان میں زہرہ کی مدار ہے' اور چوتھے آسمان میں سورج کی مدار ہے' پانچوں آسمان میں مریخ کی مدار ہے اور چھٹے آسمان میں مشتری کی مدار ہے اور ساتویں آسمان میں زحل کی مدار ہے' یہ سات کواکب سیارہ (گردش کرنے والے ستارے) ہیں۔ان کے بعد آٹھواں آسمان ہے جس کو فلک اطلس اور فلک البروج کہتے ہیں۔فلک اطلس میں وہ ستارے ہیں جو ثوابت ہیں اور گردش نہیں کرتے۔ یہ وہ ستارے ہیں جو ہم کو یہاں پر زمین سے نظر آتے ہیں۔ان ستاروں کی ہیئتِ اجتماعیہ سے مختلف شکلیں بن جاتی ہیں جس کے نام پر بارہ برج فرض کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں: حمل' ثور' جوزا' سرطان' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو اور حوت۔اس وجہ سے اس آسمان کو فلک البروج بھی کہتے ہیں اور نواں آسمان فلک اعظم ہے۔ علماء شرع کے نزدیک سات آسمان ہیں۔وہ فلاسفہ کے اقوال میں تطبیق کے لیے آٹھویں آسمان کو کرسی اور نویں آسمان کو عرش کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

یہ تفصیل قدیم فلسفہ کے مطابق ہے۔اب حالیہ جدید تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ چاند اور سورج افلاک میں مرکوز نہیں ہیں۔چاند زمین سے پونے دو لاکھ میل کی مسافت پر ہے اور کوئی سیارہ کسی آسمان میں مرکوز نہیں ہے اور زمین سمیت تمام سیارے خلا کے اندر اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں اور جب خلا نورد چاند پر پہنچے تو ان کو زمین بھی چاند کی طرح ایک روشن گولے کی طرح نظر آئی۔

ہر سیارے کی اپنی گردش کے متعلق سائنس کی تحقیق

ہماری زمین کے گرد چاند گردش کر رہا ہے اور زمین سورج کے گرد گردش کر رہی ہے۔یہ دراصل بڑے سیارے یا ستارے کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے ہے۔دوسرے لفظوں میں چاند کی گردش کا مرکز زمین ہے اور زمین کی گردش کا مرکز سورج ہے اسی طرح سورج کسی اور بڑے مرکز کے گرد مصروف گردش ہے۔جب ہم زمین پر کوئی چیز پھینکتے ہیں تو وہ تھوڑی دور جا کر گر جاتی ہے اور اگر زور سے پھینکی جائے تو وہ اور دور جا کر گرے گی۔اس کی مثال پانی کے فوارہ کی ہے اگر ٹیوب کے ذریعے اسے زمین کے متوازی چھوڑا جائے تو وہ ایک گولائی کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے اگر پانی کو اور زیادہ دباؤ سے چھوڑا جائے تو گولائی لمبائی میں زیادہ نظر آنے لگے گی۔

پانی کی یہ خود بخود گولائی کا بن جانا دراصل زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ ہے کیونکہ زمین اپنی کشش ثقل کی وجہ سے ہر چیز کو اپنے مرکز کی طرف کھینچتی ہے۔زمین چونکہ گول ہے اس لیے اگر کسی پتھر یا چیز کو زمین کے متوازی (Horizontly) اس رفتار سے پھینکا جائے کہ اس پتھر کے گرنے کا عمل زمین کی گولائی کے مطابق بن جائے تو وہ پتھر زمین پر نہیں گرے گا بلکہ زمین کے ارد گرد گردش کرنے لگے گا۔دراصل پتھر ہر لحہ زمین پر گرے گا مگر زمین گول ہونے کی وجہ سے اور پتھر بھی خاص رفتار کی وجہ سے زمین کی گولائی کے متوازی ہر لمحے جھکے گا' آج کل کے سائنس دانوں نے زمین کے گرد جو سیارے (Satellites) بلندی پر چھوڑے ہیں وہ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر چھوڑے ہیں تاکہ زمین کے اوپر بلندی پر ہوا ان کی رفتار پر اثر انداز نہ ہو بلکہ ایک ہی رفتار (Orbital Velocity) برقرار رہے جس رفتار سے ان کو راکٹ کے ذریعے چھوڑا گیا۔

چاند بھی زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے ہر لحہ اس کے مرکز کی طرف گرتا ہے مگر چاند کی خاص رفتار (Orbital Velocity) کی وجہ سے زمین کی بلندی پر اس کی خاص کشش ثقل کی وجہ سے زمین کے گرد اس کا مدار (Orbit) بن جاتا ہے۔جو کہ تقریباً گول ہے اس گولائی پر ہر دوسرا نقطہ پہلے نقطہ سے نیچا ہوتا ہے۔دائرے پر ایک نقطہ سے

دوسرے نقطہ کا فرق یا جھکاؤ (Fall Of Curve) زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے ہے۔ کشش ثقل بلندی پر کم ہوتی جاتی ہے جس کی وجہ سے رفتار (Orbital Velocity) بھی سطح زمین سے قریب کی نسبت کم درکار ہوتی ہے۔

کسی چیز کو سورج کے کسی سیارے (Planet) کے گرد چلانے (Orbiting) کے لیے خاص بلندی (Particular Height) پر خاص رفتار (Particular Orbital Velocity) اور خاص سمت (Particular Direction) اس بلندی پر بڑے سیارہ کی نسبتاً کشش ثقل (Proportionate Gravitational Force) کے پیش نظر درکار ہوتی ہے۔ اسی اصول سے سورج کے گرد سیارے گردش کر رہے ہیں' دوسرے لفظوں میں یہ سیارے سورج کے مرکز کی طرف ہر لحہ گرتے ہیں یا جھکتے ہیں مگر خاص بلندی پر خاص رفتار (Orbital Velocity) کی وجہ سے اور اس بلندی پر اثر انداز سورج کی نسبتاً کشش ثقل (Proportionate Gravitational Force) کی وجہ سے اپنے دائرے (Orbit) میں جھکتے چلے جاتے ہیں اور دائرہ برقرار رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان سیاروں کو جو سورج کے گرد متحرک ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں خلا میں خاص حساب سے بنایا ہے یہ بغیر حساب کے نہیں بن گئے یا خود بخود نہیں بن گئے۔ اگر ان کی رفتار مقررہ حساب سے بہت زیادہ ہوتی تو یہ سورج کی کشش ثقل سے آزاد ہو جاتے یعنی (Escspe Velocity) اختیار کر لیتے اور کسی دیگر ستارے سے منسلک ہو جاتے۔ لہٰذا یہ سیارے خلا میں مختلف بلندیوں پر بڑے حساب سے بنائے گئے ہیں اور یہ آج سے چودہ سو سال پہلے اس کے نازل کردہ قرآن مجید کی حقانیت کا واضح ثبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ○ (الزمر: ۵)

اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے' سب ایک مقرر وقت تک چلتے رہیں گے' سنو وہی بہت غالب اور بہت بخشنے والا ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (الرحمٰن: ۵)

سورج اور چاند ایک مقرر حساب سے چل رہے ہیں۔

فلکیاتی سائنس کی اصطلاح میں ان کو گرتے ہوئے اجسام یعنی (Falling Bodies) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کائنات میں جو اور سیارے یا ستارے متحرک ہیں وہ بھی ایک مرکز کے گرد مصروف گردش ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ اپنے مرکز کی طرف جھکتے ہیں' یہ ستارے یا تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے عرش (مرکز) کے گرد متحرک ہیں جس کا قطر یا وسعت تقریباً ۳۲ ارب میل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَکَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ○ (فاطر: ۴۱)

بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو تھامے رکھتا ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں (اپنے محور سے ہٹ نہ جائیں) اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے جو ان کو تھام سکے۔ بے شک وہ بہت بردبار بہت بخشنے والا ہے۔

زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) نے چاند کو پکڑے رکھا ہے کہ چاند زمین کی طرف گرتا ہے مگر اس

کی خاص رفتار کی وجہ سے اس کا ہر لمحہ جھکاؤ زمین کے چاند کی اونچائی پر دائرے کے مطابق ہے۔ لہٰذا وہ زمین پر نہیں گرتا بلکہ اس کے گرد گردش میں مصروف ہے۔ اسی طرح زمین یا دیگر سیارے سورج کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے اس کے گرد مصروف گردش ہیں۔ سورج ایک اور مرکز کے گرد اس مرکز کی کشش ثقل کی وجہ سے چکر لگا رہا ہے اور ایک ستارہ کسی اور دوسرے طاقتور ستارے کے گرد حتیٰ کہ آخری ستارہ یا ستارے اللہ تعالیٰ کے زبردست طاقت والے عرش یا مرکز نور کے گرد مصروف گردش ہیں۔ اب آپ اندازہ کیجئے کہ مرکز نور یا اللہ تعالیٰ کا عرش کس قدر طاقت سے بھرپور ہے کہ وہ تمام کائنات کو تھامے ہوئے ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا آیت کی وضاحت پوری طرح ہو جاتی ہے کہ ''اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۝ (یٰسین: ۳۸)

اور سورج اپنے مقرر راستہ پر چلتا رہتا ہے یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے جو بہت غالب اور بہت علم والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ۝ (الانبیاء: ۳۳)

اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔

ان آیات سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ سورج کی طرح دوسرے ستارے بھی ایک مرکز کے گرد متحرک ہیں۔ جو ستارے مرکز سے دور ہیں ان کی رفتار مشاہدہ میں بہت زیادہ ہوگی اور جوں جوں ستارے مرکز (عرش) کے نزدیک آتے جائیں گے ان کی رفتار کم نظر آئے گی۔ یہ زاویہ نما رفتار Angular Velocity کی وجہ سے ہوگی۔ اس کی مثال سائیکل کے پہیے کی سی ہے کہ اس کے ایکسل کی رفتار کم ہوگی جبکہ ایکسل (مرکز) سے باہر کی طرف رم کی رفتار بہت زیادہ ہوگی۔ ماہرین فلکیات کے مشاہدہ کے مطابق جو کہکشائیں بہت دور ہیں وہ بہت تیزی سے حرکت کر رہی ہیں اور جو نزدیک ہیں ان کی رفتار کم ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے عرش یعنی مرکز نور کے گرد متحرک ہے۔ (قرآن اور کائنات ص ۱۲۳۔۱۱۶ ملخصاً)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے (دنیا میں) دوام کو مقدر نہیں کیا' سو اگر آپ کی وفات ہو جائے تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ۝ ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے' اور ہم تم کو بری اور اچھی حالت میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ۝ (الانبیاء: ۳۵۔۳۴)

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی چیزوں سے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا' اب ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ زمین اور آسمان کی یہ عظیم الشان چیزیں' اس لیے نہیں بنائی گئیں کہ ان کو بقا اور دوام ہو' اور نہ ان چیزوں کے لیے بقا اور دوام ہے جن کے لیے یہ چیزیں بنائی گئیں ہیں یہ دنیا بھی فنا ہو جائے گی اور اس میں رہنے والے بھی سب فنا ہو جائیں گے۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا رد کرنے کے لیے کہا یہ عنقریب فوت ہو جائیں گے۔ جیسے فلاں فلاں شاعر فوت ہو گیا تھا پھر ان کا دین اور ان کی تحریک بھی ختم ہو جائے گی اور ان کے پیروکاروں کا جوش وخروش بھی ٹھنڈا پڑ جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر آپ فوت ہو گئے تو یہ کوئی نئی بات تو نہیں اس سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام فوت ہوتے رہے ہیں آپ سے پہلے کوئی بشر ہمیشہ نہیں رہا' اور تم خوشی سے کیوں بغلیں بجا رہے ہو؟

آپ کے فوت ہو جانے سے کیا ہوگا؟ تم بھی تو اس دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے نہیں ہو۔
امام رازی نے کہا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے چونکہ آپ خاتم النبیین ہیں تو شاید آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے اس لیے فرمایا کہ آپ کا حال بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثل ہے جس طرح وہ دائماً نہیں رہے آپ بھی اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہیں گے اور وقت مقرر پر آپ کی وفات ہو جائے گی۔

ہر نفس کے موت کو چکھنے پر اعتراضات کے جوابات

نیز اس آیت میں فرمایا ہے ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اوپر نفس کا اطلاق فرمایا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ نے بھی موت کو چکھنا ہے' قرآن مجید میں ہے:

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: ۱۲) اللہ نے اپنے نفس پر رحم کرنے کو لازم کر لیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں نفس سے مراد ہر نفس ممکن یا ہر نفس مخلوق ہے' اس لیے نفس کے عموم میں اللہ تعالیٰ کی ذات داخل نہیں ہے۔
دوسرا اعتراض یہ ہے کہ موت آنے کے بعد تو کسی چیز کو چکھنا متصور نہیں ہے' اور تیسرا اعتراض یہ ہے کہ موت تو اس قسم کی چیز نہیں ہے جس کو کھایا یا چکھا جائے' اس کا جواب یہ ہے کہ چکھنے سے مراد ہے ادراک کرنا' اور موت سے مراد ہے موت کے مقدمات اور وہ کیفیات جو موت سے پہلے وارد ہوتی ہیں یعنی ہر نفس کو موت سے پہلے آنے والے امراض اور ان کے آلام کا سامنا کرنا ہے اور جن تکلیفوں میں مبتلا ہو کر جان نکلتی ہے ان کا ہر شخص کو سامنا کرنا ہے اور ان کا ادراک کرنا ہے۔

اچھی اور بری حالت اور اس میں آزمانے کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم تم کو بری اور اچھی حالت میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں۔ اس آیت میں بری حالت سے مراد دنیا کی وہ تکالیف اور مصائب ہیں جو مسلمانوں پر وارد ہوتی ہیں جیسے فقر' تنگ دستی' بیماریاں اور ناگہانی افتاد اور اچھی حالت سے مراد صحت' خوشحالی اور دیگر دنیاوی نعمتیں ہیں' اور آزمانے سے مراد یہ ہے کہ یہ دکھایا جائے کہ مسلمان خوش حالی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور تنگ دستی میں صبر کرتے ہیں اور اپنی بیماریوں اور بدحالیوں پر اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ اور شکایت نہیں کرتے۔
ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر آ گیا ہے' اس لیے ہم یہاں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے کے اہم امور' آپ کی وفات کی کیفیت اور آپ کی وفات کے بعد پیش آنے والے واقعات کا تفصیل سے ذکر کر رہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی وفات کی خبر دینا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا کے درمیان اور جو اس کے پاس اجر ہے اس کے درمیان اختیار دیا تو اس بندے نے اس کو اختیار کر لیا جو اس کے پاس ہے' پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے' اور ہمیں ان کے رونے پر تعجب ہوا' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے (تو اس میں رونے کی کیا بات ہے!) دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا تھا' اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ علم والے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنی صحبت میں اور اپنے مال میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کیا ہے وہ ابوبکر ہیں' اور اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن ان کے ساتھ اسلام کی اخوت اور دوستی ہے مسجد کے ہر دروازہ کو بند کر دیا

جائے سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۹۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۵۱۱، عالم الکتب بیروت)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کا پہلے سے علم تھا' اور آپ کی موت اختیاری تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کا اختیار دے دیا تھا۔

حافظ احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

جب آخر عمر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل قریب آ گئی تو آپ اس کا مسلسل بیان فرماتے رہے جب آپ نے حجۃ الوداع کا خطبہ دیا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا مجھ سے حج کے احکام حاصل کر لو' شاید کہ اس سال کے بعد میں تم سے ملاقات نہیں کروں گا اور آپ لوگوں سے الوداع ہونے لگے تو لوگ اس حج کو حجۃ الوداع کہنے لگے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے بعد مدینہ لوٹے تو مکہ اور مدینہ کے درمیان لوگوں کو مقام خم پر جمع کیا اور آپ نے ان سے خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! میں تمہاری مثل بشر ہوں' عنقریب میرے پاس میرے رب کا پیغام آئے گا تو میں لبیک کہوں گا' پھر آپ نے لوگوں کو یہ نصیحت کی کہ وہ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھیں اور آپ کے اہل بیت کے ساتھ خیر خواہی کریں۔

حافظ ابن رجب نے کہا آپ کے مرض کی ابتداء ماہ صفر کے اواخر میں ہوئی اور مشہور قول کے مطابق آپ تیرہ دن بیمار رہے' اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس خطبہ کا ذکر ہے وہ آپ نے اس مرض کی ابتدا میں دیا تھا پھر آپ فوت ہو گئے۔ جیسا کہ امام دارمی نے روایت کیا ہے آپ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی پھر آپ منبر پر جا کر بیٹھ گئے پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے میں اپنے اس مقام سے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے فرمایا ایک بندہ کو دنیا' اس کی زینت اور آخرت کے درمیان اختیار دیا گیا تو اس نے آخرت کو اختیار کر لیا' اس بات کو حضرت ابوبکر کے سوا اور کوئی نہیں سمجھا' ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ رونے لگے پھر انہوں نے کہا بلکہ یا رسول اللہ! ہم آپ پر اپنے ماں باپ' اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو قربان کرتے ہیں پھر آپ اس منبر سے اتر آئے پھر زندگی میں اس پر نہیں بیٹھے۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۷۷) (المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۳۷۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ بکثرت پڑھتے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس سے پہلے آپ سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ و اتوب الیہ اتنی کثرت کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے آپ نے فرمایا میرے رب نے مجھے ایک علامت بتائی تھی جب میں اپنی امت میں وہ علامت دیکھوں تو اپنے رب کی حمد اس کی تسبیح کے ساتھ کروں اور اس سے استغفار کروں میں نے اپنی امت میں وہ علامت دیکھ لی وہ یہ ہے:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۝ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۝ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر: ۳-۱)

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ۝ اور آپ دیکھیں کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں ۝ تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے استغفار کریں۔ بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے ۝

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ص ۱۴۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب سورۃ النصر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا مجھے اپنی اجل (موت) کی خبر دے دی گئی ہے حضرت فاطمہ رونے لگیں تو آپ نے فرمایا رو ؤ مت' میرے اہل میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے ملو گی' پھر حضرت فاطمہ ہنسنے لگیں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ص ۱۴۹ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت (سیدتنا) فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے قریب کسی کو نہیں دیکھا جو اپنی نشست برخواست اور زندگی کے عام معمولات میں آپ کے سب سے زیادہ مشابہ ہو' جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے' ان کو بوسہ دیتے اور ان کو اپنے پاس بٹھاتے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو حضرت فاطمہ آئیں اور جھک کر آپ کو بوسہ دیا اور سر اٹھا کر رونے لگیں' پھر دوبارہ آپ پر جھکیں اور سر اٹھا کر ہنسنے لگیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو میں نے ان سے کہا جب آپ پہلی بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکی تھیں تو رونے لگی تھیں پھر جب آپ دوبارہ جھکیں اور سر اٹھایا تو آپ ہنسنے لگی تھیں۔ اس کا کیا سبب تھا؟ حضرت فاطمہ نے فرمایا میں آپ کا راز بتا رہی ہوں پہلی بار آپ نے یہ بتایا تھا کہ آپ اس درد اور اس بیماری سے فوت ہو جائیں گے تو میں رونے لگی' پھر دوسری بار آپ نے یہ بتایا کہ آپ کے اہل میں سے سب سے پہلے میں آپ کے ساتھ ملوں گی تو میں ہنسنے لگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۱۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۵۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۳۸' المستدرک ج ۴ص ۲۷۲' دلائل النبوۃ ج ۷ص ۱۰۱)

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال بعد شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی' جیسے کوئی شخص زندوں اور مردوں سے الوداع ہو رہا ہو' پھر آپ منبر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں' اور میں تم پر گواہ ہوں اور میرا تم سے حوض پر ملاقات کا وعدہ ہے اور میں اپنی اس جگہ سے اب بھی اس کی طرف دیکھ رہا ہوں' اور مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم سب مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم پر یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ حضرت عقبہ نے کہا یہ میرا آخری بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا تھا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ص ۱۵۸' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

محمد بن عمر بن علی اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتداء بدھ کے روز سے ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روح قبض ہونے تک تیرہ روز بیمار رہے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ص ۱۵۹' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

یہ صفر کا آخری بدھ ہے جس دن جاہل مسلمان خوشی مناتے ہیں مٹھائیاں بانٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل صحت کیا تھا' غالباً یہ دشمنان اسلام کی پھیلائی ہوئی خبر ہے کیونکہ اس دن سے آپ کی اس بیماری کی ابتدا ہوئی تھی جس میں آپ کی روح قبض کر لی گئی تھی۔

آخری ایام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں اور آپ کی بیماری کی کیفیت

عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور میں نے عرض کیا کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کے متعلق نہیں بیان کریں گی۔ حضرت عائشہ نے کہا کیوں نہیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض زیادہ

کیا تو آپ نے پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا نہیں وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں آپ نے فرمایا میرے لیے مخضب (لگن ناند یا ٹب) میں پانی رکھو ہم نے اس میں پانی رکھ دیا آپ نے غسل کیا پھر آپ اٹھ کر جانے لگے تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی پھر جب آپ ہوش میں آئے تو آپ نے فرمایا میرے لیے مخضب میں پانی رکھ دو حضرت عائشہ نے فرمایا آپ نے بیٹھ کر غسل کیا پھر آپ اٹھ کر جانے لگے تو پھر آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ آپ نے پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے ہم نے کہا نہیں وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میرے لیے مخضب میں پانی رکھ دو آپ بیٹھ گئے آپ نے غسل کیا پھر آپ اٹھ کر جانے لگے تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی پھر آپ ہوش میں آئے تو آپ نے پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے کہا نہیں وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں یا رسول اللہ! اور لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے عشاء کی نماز کے لیے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو بلایا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر حضرت ابوبکر کے پاس پیغام دینے والا گیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دے رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر نرم دل شخص تھے انہوں نے حضرت عمر سے کہا: اے عمر! تم لوگوں کو نماز پڑھا دو حضرت عمر نے ان سے کہا آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں سو ان ایام میں حضرت ابوبکر نے نماز پڑھائی۔ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طبیعت میں افاقہ محسوس ہوا تو آپ دو آدمیوں کے سہارے سے ظہر کی نماز کے لیے نکلے۔ ان میں سے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب حضرت ابوبکر نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ کیا کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں۔ آپ نے فرمایا ان دونوں نے آپ کو حضرت ابوبکر کے پہلو میں بٹھا دیا۔ حضرت ابوبکر اپنی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر صدیق کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے عبید اللہ نے کہا میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کیا میں آپ کو وہ حدیث نہ سناؤں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کے متعلق بیان کی ہے! انہوں نے کہا سناؤ! میں نے ان کو یہ حدیث سنائی تو انہوں نے اس میں سے اور کسی چیز سے اختلاف نہیں کیا سوا اس کے کہ انہوں نے پوچھا کیا حضرت عائشہ نے اس شخص کا نام لیا تھا جو حضرت عباس کے ساتھ تھے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا: وہ حضرت علی تھے! (حضرت عائشہ نے حضرت علی کا نام اس لئے نہیں لیا تھا کہ ایک جانب تو مستقل حضرت عباس تھے اور دوسری جانب کبھی حضرت علی ہوتے کبھی حضرت فضل بن عباس اور کبھی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم' یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ رنج تھا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۰۸۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع' آپ کے خادم اور صحابی تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ جس درد اور مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو نماز (فجر) پڑھا رہے تھے حتیٰ کہ جب پیر کا دن آیا اور مسلمان صف باندھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کا پردہ کھولا' آپ کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھ رہے تھے آپ کا چہرہ قرآن کے ورق کی طرح لگ رہا تھا' پھر آپ ہنستے ہوئے مسکرائے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ہم کو اس قدر خوشی ہوئی کہ لگتا تھا کہ ہم نماز توڑ دیں گے' حضرت ابوبکر نے یہ گمان کیا کہ آپ حجرہ سے باہر آ کر نماز میں شامل ہوں گے وہ الٹے پاؤں پھرے تا کہ آپ صف میں آ جائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ تم اپنی نماز پوری کرو' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ میں گئے اور پردہ گرا دیا اور آپ اسی دن فوت ہو گئے' امام بخاری کی ایک اور روایت میں ہے آپ اس دن کے آخر میں فوت ہوئے اور اس روایت میں یہ تصریح بھی ہے کہ یہ صبح کی نماز کا واقعہ تھا۔ (رقم الحدیث: ۷۵۴)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۴۸، ۱۲۰۵، ۷۵۴، ۶۸۱ - ۶۸۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۳۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۹۵۷)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہشام نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے آپ نے حضرت ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تخفیف محسوس کی تو آپ آئے اور حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر حضرت ابوبکر کو نماز پڑھائی اور حضرت ابوبکر نے (وہ نماز) لوگوں کو کھڑے ہو کر پڑھائی۔ (یعنی حضرت ابوبکر مکبر تھے)

زیادہ روایات اس پر متفق ہیں کہ اس نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور حضرت ابوبکر اور باقی مسلمانوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی' اور یہ بھی روایت ہے کہ اس نماز میں حضرت ابوبکر امام تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

مسروق نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے' اس مرض میں آپ نے حضرت ابوبکر کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔

ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

امام شافعی نے کہا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے تو یہ اس سے مانع نہیں ہے کہ آپ نے دوسری بار بھی حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی ہو۔

موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ پیر کے دن حضرت ابوبکر ایک رکعت نماز پڑھا چکے تھے یہ وہی دن ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تھی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت میں کچھ تخفیف محسوس کی تھی آپ باہر آئے اور آپ نے حضرت ابوبکر کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی اور جب حضرت ابوبکر نے سلام پھیر دیا تو آپ نے کھڑے ہو کر دوسری رکعت پڑھی' پس ہو سکتا ہے جنہوں نے یہ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض میں حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی اس سے مراد یہی نماز ہو' اور رہی وہ نماز جو ہفتہ یا اتوار کے دن حضرت ابوبکر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں آپ کی اقتداء میں پڑھی تھی تو وہ ظہر کی نماز تھی جیسا کہ ہم نے حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' پس ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۸۳-۸۲ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

خلاصہ یہ ہے حضرت عائشہ یا حضرت ابن عباس کی روایت میں جو مذکور ہے کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور حضرت ابوبکر نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی وہ ظہر کی نماز ہے' اور جس حدیث میں ہے کہ آپ نے مرض میں حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی اس سے مراد پیر کے دن نماز فجر کی دوسری رکعت ہے جیسا کہ موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے' اور بخاری میں جو حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ پیر کے دن مسلمانوں کو نماز فجر پڑھتا دیکھ کر خوش ہوئے اور پھر حجرہ میں چلے گئے اور اسی دن آپ فوت ہو گئے تھے اس سے مراد پیر کے دن کی نماز فجر کی پہلی رکعت ہے۔

ایام مرض میں آپ نے حضرت ابوبکر کی اقتداء میں ظہر کی نماز پڑھی تھی یا آپ خود امام تھے

صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۸۷ اور صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۸ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس اور ایک صحابی کے ساتھ ظہر کی نماز کے لیے گئے اس وقت حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے آپ ان کی بائیں جانب بیٹھ گئے اور آپ نے بیٹھ

نماز پڑھی اب اس میں ائمہ حدیث اور شارحین کا اختلاف ہے کہ یہ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور دوسرے صحابہ کو پڑھائی تھی اور حضرت ابوبکر صرف مبلغ اور مکبر تھے یا یہ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی صحابہ کی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں پڑھی تھی۔

قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی متوفی ۵۴۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو ایام مرض میں نمازوں کا امام بنایا تھا' اور حضرت ابوبکر نے مسلمانوں کو بہ کثرت نمازیں پڑھائیں' صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر پیر کے دن تک مسلمانوں کو نمازیں پڑھاتے رہے' اور حضرت عائشہ نے کہا کہ حضرت ابوبکر نے ان ایام میں نمازیں پڑھائیں۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ صرف ایک نماز کا واقعہ نہیں ہے' ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر بارہ دن تک نماز پڑھاتے رہے تھے الا یہ کہ بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طبیعت میں تخفیف محسوس کرتے اور آپ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت ہوتی تو آپ مسجد میں آ کر مسلمانوں کو نماز پڑھاتے جیسا کہ حضرت عائشہ کی بعض روایات میں ہے' اور حضرت انس سے ایک روایت میں ہے کہ آپ آئے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی اور حجرہ کا پردہ گرا دیا' یہ اور حدیث ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث میں دوسرا واقعہ ہے پس کوئی بعید نہیں ہے کہ ایک نماز میں آپ امام ہوں اور دوسری نماز میں آپ مقتدی ہوں اور زیادہ صحیح اور مشہور یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام تھے۔

حضرت ابوبکر نے مسلمانوں کو جو پہلی نماز پڑھائی تھی وہ عشاء کی نماز تھی' اور امام مالک نے مؤطا کے علاوہ ایک حدیث میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر امام تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ نے فرمایا کوئی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے کسی امتی کی اقتداء میں نماز نہ پڑھے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۲۳' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المالکی التوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اختلاف ہے آیا اس نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور حضرت ابوبکر نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کی اقتداء کر رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۸)

اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جو آخری نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے اس میں آپ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے اور آپ نے وہ نماز حضرت ابوبکر کی اقتداء میں پڑھی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳' مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹' سنن النسائی ج ۲ ص ۷۹' دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۱۹۲' امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ رقم الحدیث: ۳۶۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۵۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۱۱۸' سنن کبریٰ ج ۳ ص ۸۳ علامہ قرطبی نے جو لکھا ہے کہ آخری نماز (حضرت ابوبکر کے پیچھے پڑھی) تو یہ الفاظ سنن ترمذی میں نہیں ہیں البتہ مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹ اور سنن النسائی ج ۲ ص ۷۹ میں ہیں۔)

علماء نے ان احادیث میں یہ تطبیق دی ہے کہ جس نماز میں آپ امام تھے وہ اور نماز تھی اور جس نماز میں آپ مقتدی تھے وہ اور نماز تھی' لیکن اس کی تائید میں کوئی صحیح نقل وارد نہیں ہے۔ (المفہم ج ۲ ص ۵۱' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا بعض لوگ یہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر صف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے تھے' امام ابن المنذر نے شعبہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی' اور امام ابن حبان نے شقیق سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے یعنی ابوبکر مبلغ اور مکبر تھے۔

اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے' بعض علماء نے ترجیح کا طریقہ اختیار کیا اور اس کو ترجیح دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ہے' بعض علماء نے تطبیق کا طریقہ اختیار کیا اور کہا کہ یہ متعدد واقعات ہیں۔ حضرت ابن عباس حدیث میں یہ ہے کہ حضرت ابوبکر مقتدی تھے اور حضرت انس کی حدیث میں یہ ہے کہ حضرت ابوبکر امام تھے اور یہ آخری نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی اقتداء میں پڑھی تھی' اس حدیث کو امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری' ج ۲ ص ۲۷۷-۲۷۶ ملخصاً' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس میں روایات مختلف ہیں کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے یا حضرت ابوبکر صدیق امام تھے' ایک جماعت نے یہ کہا کہ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے' اور ایک جماعت نے یہ کہا کہ حضرت ابوبکر امام تھے کیونکہ شعبہ نے از ابراہیم از اسود از عائشہ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی تھی' امام بیہقی نے کہا ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ جن احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امام ہونے کا ذکر ہے ان میں ہفتہ یا اتوار کے دن کی ظہر کی نماز مراد ہے اور جن احادیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی ان میں پیر کے دن فجر کی نماز کی دوسری رکعت مراد ہے اور یہ آپ کی آخری نماز تھی جیسا کہ سنن ترمذی اور سنن نسائی میں ہے' امام نعیم بن ابی ہند نے بھی یہی کہا ہے کہ ان احادیث میں تعارض نہیں ہے ایک نماز میں آپ امام تھے اور ایک نماز میں آپ مقتدی تھے' اور امام ضیاء المقدسی اور ابن ناصر نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام مرض میں تین مرتبہ حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے اور اس کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو جاہل ہو اور اس کو روایات کا علم نہ ہو' امام ابن حبان نے کہا ایسا دو مرتبہ ہوا ہے اور امام ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام تھے۔

(عمدۃ القاری جز ۵ ص ۱۶۱' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

ابن القاسم نے کہا مجھے امام مالک نے ربیعہ بن عبدالرحمٰن سے یہ حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی حالت میں باہر نکلے' اس وقت حضرت ابوبکر مسلمانوں کو نماز پڑھا رہے تھے' آپ حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ گئے' امام حضرت ابوبکر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ نے فرمایا کوئی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوا جب تک کہ اس کی امت کے کسی شخص نے اس کو نماز نہ پڑھائی ہو۔

امام مالک نے کہا ہمارے نزدیک اس حدیث پر عمل ہے اور ربیعہ ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے۔

(الاستذکار ج ۵ ص ۳۹۳-۳۹۲' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

اس تصریح سے واضح ہو گیا کہ علامہ عینی نے جو امام ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے یہ نقل صحیح نہیں ہے۔

ول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض الموت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں فرمایا: اے عائشہ مجھے ہمیشہ
ں کھانے سے درد ہوتا رہا ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اب وقت آ گیا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری ابہر (وہ رگ جو
ت سے لے کر دل تک متصل ہے' موت کے وقت یہ رگ منقطع ہو جاتی ہے) منقطع ہو جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۲۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں یہ سنتی تھی کہ کوئی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتا جب تک کہ اسے دنیا
ور آخرت کے درمیان اختیار نہ دیا جائے اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الموت میں سنا آپ کی آواز بھاری ہو چکی تھی
س وقت آپ فرما رہے تھے: مع الذین انعم اللہ علیھم تو میں نے جان لیا کہ اب آپ کو اختیار دیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۰۵)

ی الرفیق الاعلیٰ کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ کی وفات
ہوگئی تو آپ یہ کہہ رہے تھے فی الرفیق الاعلیٰ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تندرستی کی حالت میں فرمایا اس وقت تک کوئی نبی
فوت نہیں ہوا جب تک کہ اس کو جنت میں اس کا مقام دکھا نہیں دیا گیا پھر اس کو زندہ رکھا جاتا یا اس کو اختیار دیا جاتا' پھر جب
آپ بیمار ہو گئے اور قبض روح کا وقت آیا اور اس وقت آپ کا سر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر تھا آپ پر غشی طاری تھی'
جب آپ کو ہوش آتا تو آپ کی نظر گھر کی چھت کی طرف اٹھی ہوئی ہوتی اور آپ یہ کہتے تھے ''اے اللہ رفیق اعلیٰ میں'' اس
وقت میں نے دل میں کہا اب آپ ہمارے ساتھ نہیں رہیں گے اور اس وقت وہ حدیث یاد آ گئی جو آپ نے حالت صحت میں
ارشاد فرمائی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قبض روح سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ میرے ساتھ لگائی
ہوئی تھی میں نے آپ کی طرف کان لگا کر سنا تو آپ یہ دعا کر رہے تھے: اے اللہ! مجھے معاف کر دے' مجھ پر رحم فرما اور مجھے
رفیق (اعلیٰ) سے ملا دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۴۰)

الرفیق الاعلیٰ کا معنی

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

رفیق اعلیٰ سے مراد وہ حضرات قدس ہیں جن کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے:

مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء: ۶۹)

انبیاء' صدیقین' شہداء' صالحین اور یہ بہترین رفیق ہیں۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ ان سب لوگوں کو رفیق اعلیٰ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام نفوس قدسیہ کا قلب ایک جیسا ہو
اور بعض مغاربہ کا یہ زعم ہے کہ الرفیق الاعلیٰ سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے کیونکہ الرفیق اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے'
مسلم اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ اللہ رفیق ہے اور رفق (نرمی اور ملائمت) کو پسند فرماتا ہے' اور یہ ہوسکتا ہے کہ حکیم کی طرح

رفیق اللہ تعالیٰ کی صفت ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رفیق اللہ تعالیٰ کی صفت فعل ہو یعنی اللہ تعالیٰ نرمی سے کام کرتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے حضرت القدس مراد ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے وہ نفوس قدسیہ مراد ہوں جن کا النساء: ۶۹ میں ذکر ہے اور ان کے رفیق ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ لطف اور ملائمت کے ساتھ پیش آتے ہیں' اور یہی تیسرا معنی معتمد ہے اور اکثر شارحین نے اس کا ذکر کیا ہے۔ علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنے کلام کو ختم کیا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور ذکر بالقلب کو متضمن ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ضروری نہیں کہ انسان مرتے وقت اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرے بلکہ اس کو دل سے بھی یاد کر لینا کافی ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں یہ دعا ہے اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۵) رفیق سے مراد ہے انبیاء علیہم السلام کی جماعت جو اعلیٰ علیین میں سکونت پذیر ہیں' رفیق کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے' اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ سے ملا دے کیونکہ وہ اپنے بندوں پر رفیق ہے یعنی ان پر نرمی فرماتا ہے۔

(النہایہ ج ۲ ص ۲۲۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

سنن نسائی میں اور صحیح ابن حبان میں ہے اے اللہ میں الرفیق الاعلی الاسعد کا جبریل' میکائیل اور اسرافیل کے ساتھ کا سوال کرتا ہوں' اور ظاہر یہ ہے کہ رفیق اعلیٰ سے مراد وہ مقام ہے جہاں ان کی رفاقت حاصل ہو' ابن الاثیر نے کہا اس سے مراد جماعت انبیاء ہے جو اعلیٰ علیین میں ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضیرۃ القدس ہے۔ (المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۸۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

نزع روح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید تکلیف ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں فوت ہوئے اور میری باری میں فوت ہوئے' اس وقت آپ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کے وقت میرے اور آپ کے لعاب دہن کو جمع کر دیا۔ اس وقت میرے پاس عبد الرحمٰن (بن ابی بکر) آئے اور ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مجھ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ آپ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں' میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک کو پسند فرما رہے ہیں' میں نے پوچھا کیا میں اس کو لے لوں! آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا: ہاں! میں نے آپ کو مسواک دی آپ نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ میں نے پوچھا کیا میں اس کو آپ کے لیے نرم کر دوں؟ آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا: ہاں! پھر میں نے اس کو آپ کے لیے نرم کیا' آپ کے سامنے پانی کا برتن تھا آپ اس برتن میں ہاتھ ڈال کر دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتے اور فرماتے لا الہ الا اللہ بے شک موت کے لیے سکرات ہے (سختیاں اور شدتیں ہیں) پھر آپ اپنا ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے "الرفیق الاعلی" میں' حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ ڈھلک گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۴۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حال میں روح قبض کی گئی کہ آپ میری

[illegible] ٹھوڑی کے درمیان تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں کسی پر موت کی شدت اور سختی کو برا نہیں جانتی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۴۶)

نزع روح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید تکلیف کی توجیہات

ان حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی شدت اور سختی کا ذکر کیا گیا ہے اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک عام لوگوں سے بہت لطیف تھا اس لیے آپ کو معمولی سی تکلیف بھی سخت معلوم ہوتی تھی۔

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر نازل ہوتے ہیں پھر جوان کے مماثل ہوں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۰۲۳، المستدرک: ۵۵۱۴، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۱۴۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۷۸۰) اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی سختی نازل کی گئی۔

(۳) عام آدمیوں کو کسی چیز سے جتنی تکلیف ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے دگنی تکلیف ہوتی ہے۔

جن کا رتبہ ہے سوا ان کو سوا مشکل ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کو بخار ہو رہا تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو تو بہت شدید بخار ہو رہا ہے! آپ نے فرمایا: ہاں! مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر آپ کو اس کا دگنا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اسی طرح ہوگا۔ مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچے خواہ کانٹا چبھنے کی ہو یا اس سے زیادہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہ مٹا دیتا ہے جیسے درخت کے پتے گرا دیئے جاتے ہیں۔ (اور جب گناہ نہ ہوں تو ان کے درجات بلند کر دیئے جاتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ مصیبت بقدر نعمت نازل ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں ان پر مصائب بھی زیادہ سخت نازل ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قوی انسان پر سخت بلائیں نازل کی جاتی ہیں اور ضعیف انسان کے ساتھ نرمی کی جاتی ہے کیونکہ مصیبت زدہ کی جب معرفت قوی ہوتی ہے تو اس پر مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے۔ ان میں سے بعض افراد مصیبت کے اجر پر نظر رکھتے ہیں تو ان کو وہ مصیبت معمولی معلوم ہوتی ہے، اور اس کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ خیال کرتا ہے کہ یہ مالک کا اپنی ملکیت میں تصرف ہے تو وہ اس بلا اور مصیبت کو تسلیم کرتا ہے اور اس پر اعتراض نہیں کرتا، اور اس سے بھی بلند درجہ یہ ہے کہ جو اپنے مولیٰ کی محبت میں مشغول اور مستغرق ہوتا ہے اس کو مصیبت کا احساس نہیں ہوتا جیسے حسن یوسف کے جلوؤں میں کھو کر مصر کی عورتوں کو انگلیاں کاٹنے کا درد اور احساس نہیں ہوا، اور اس سے بھی بڑا درجہ یہ ہے کہ جس طرح عام لوگ نعمت سے لذت حاصل کرتے ہیں خواص اس طرح مصائب سے لذت حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان کی نظر مصائب کی طرف نہیں مصائب نازل کرنے والے کی طرف ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو درد میں مبتلا نہیں دیکھا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ رکھ کر کہا: اللہ کی قسم میں

آپ کے بخار کی شدت وجہ سے آپ کے اوپر اپنا ہاتھ نہیں رکھ سکتا' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم انبیاء کے گروہ پر اسی طرح مصائب کو دگنا کیا جاتا ہے جس طرح ہمارے اجر کو دگنا کیا جاتا ہے' بیشک انبیاء سابقین کو جوؤں کے ساتھ مبتلا کیا جاتا حتیٰ کہ وہ جوؤں کو مار دیتے اور ان کو فقر کے ساتھ مبتلا کیا جاتا حتیٰ کہ وہ ستر پوشی کے لیے اپنے گرد چادر لپیٹ لیتے اور بے شک وہ مصائب میں اسی طرح فرحت محسوس کرتے تھے جس طرح تم خوش حالی میں فرحت محسوس کرتے ہو۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۹۴ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۹۱۵' عالم الکتب' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۶۲۶' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۹۶۱' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۰۴)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع روح کے وقت جو زیادہ سختی اور شدت کی گئی اس کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اگر امت کے کسی فرد پر نزع روح کے وقت سختی اور شدت ہو تو وہ گھبرائے نہیں اور یہ نہ سمجھے کہ اس پر ظلم ہو رہا ہے بلکہ یہ سمجھ کر اپنے آپ کو تسلی دے کہ وہ کیا چیز ہے تمام انبیاء کے قائد اور سردار پر بھی سکرات موت کی شدت کی گئی تھی' اسی طرح اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر سکرات کی سختی دیکھ کر اس کے متعلق یہ بدگمانی نہ کرے کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سکرات موت کی شدت کی گئی تھی۔

(۵) روح معصیت کی آلودگی سے منزہ ہوتی ہے' اور جب جسم معصیت میں ڈوبا ہوا ہو تو روح اور جسم میں اتصال اور چسپیدگی نہیں ہوتی سو جو لوگ بدکار اور گناہ گار ہوتے ہیں تو نزع روح کے وقت حضرت عزرائیل کے ایک جھٹکے سے روح جسم سے اکھڑ کر الگ ہو جاتی ہے اور اگر جسم عبادت اور اطاعت میں ڈوبا ہوا ہو تو روح سختی کے ساتھ جسم سے چمٹ جاتی ہے پس حضرت عزرائیل جب نیک لوگوں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو روح جسم سے الگ ہونے میں سخت مزاحمت کرتی ہے اس لیے نیک لوگوں کو نزع روح کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔

(۶) روح کو جسم سے الگ کرتے وقت تکلیف کا ایک یہ سبب ہوتا ہے کہ اس شخص کا چند لوگوں سے تعلق ہوتا ہے اور وہ ان سے جدا ہونا نہیں چاہتا' عام انسانوں کا چند لوگوں سے تعلق ہوتا ہے اور ان کو چند لوگوں سے جدا ہونے کی تکلیف ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا پوری امت سے تعلق ہوتا ہے اور ان کی روح پوری امت سے جدا ہوتی ہے سو ان کو پوری امت سے جدا ہونے کی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے عام انسانوں کی بہ نسبت انبیاء علیہم السلام کو نزع روح کے وقت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

(۷) آپ کے درجات کو بلند کرنے کے لیے آپ کو شدت سکرات میں مبتلا کیا گیا۔

(۸) سکرات کی سختی شدت کرب کی وجہ سے ہوتی ہے اور شدت فرح کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت بلال پر جب نزع روح کی کیفیت طاری تھی تو ان کے گھر والوں نے کہا ہائے ان کی تکلیف' حضرت بلال نے آنکھیں کھول کر کہا ہائے اس کی خوشی! کل میں اپنے دوستوں سے ملوں گا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے اصحاب سے' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ملاقات میں خوشی کی یہ کیفیت ہے تو اللہ عزوجل سے ملاقات کی خوشی کا کیا عالم ہوگا اور جب وہ نعمتیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدہ: ۱۷) — کوئی نفس ان نعمتوں کو نہیں جانتا جو ہم نے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہیں۔

تو ان کی خوشی کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ (المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۳۸۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع روح اور شدت سکرات کو اس لیے طاری کیا گیا تا کہ اس حال میں بھی آپ کی امت کے لیے نمونہ ہو۔

(۱۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شدت سکرات کو امت کی تعلیم کے لیے طاری کیا گیا تا کہ آپ نے اس موقع پر جو دعائیں پڑھی تھیں وہ بھی ان دعاؤں کو پڑھیں۔ وہ دعائیں یہ ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کے وقت دیکھا' آپ کے پاس ایک پیالہ میں پانی تھا آپ اس پیالہ میں ہاتھ ڈال کر اپنے ہاتھ سے چہرے پر پانی لگاتے اور یہ دعا کرتے: اے اللہ سکرات الموت پر میری مدد فرما۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۷۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۵۸' مسند احمد ج ۶ ص ۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۶۲۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۵۱۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۲۶۸' المستدرک رقم الحدیث ۴۴۴۲' ۳۷۸۳' طبع جدید)

امام ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمارہے تھے: اے اللہ: تو روح کو پٹھوں' ہڈیوں اور انگلیوں کی پوروں کے درمیان سے قبض کرتا ہے سو تو موت پر میری مدد فرما اور اس کو مجھ پر آسان کر دے۔

(احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۵۰۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

(۱۱) عام لوگوں کا جسم عناصر اربعہ سے مرکب ہوتا ہے تو روح کو صرف ان چار عناصر سے منفصل ہونے کی تکلیف ہوتی ہے' صوفیا کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم تمام حقائق کونیہ سے مرکب تھا اس لیے نزع روح کے وقت آپ کی روح کو تمام حقائق کونیہ سے منفصل ہونے کی تکلیف ہوئی اور صرف عناصر اربعہ کی بہ نسبت تمام حقائق کونیہ سے انفصال کی تکلیف بہت زیادہ ہے۔

(۱۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت ہوئی تو آپ پر بار بار بے ہوشی طاری ہو رہی تھی' حضرت فاطمہ علیہا السلام نے کہا واکرب اباہ "آہ! میرے والد کا کرب اور بے چینی" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے دن کے بعد تمہارے والد پر کرب اور بے چینی نہیں ہوگی' جب آپ فوت ہو گئے تو حضرت فاطمہ نے کہا: ہائے میرے والد نے رب کی دعوت پر لبیک کہا! ہائے میرے والد نے جنت الفردوس کو اپنا ٹھکانا بنا لیا' ہائے ہم جبریل کو اپنے والد کی خبر سناتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ نے کہا اے انس! اب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈال کر خوش ہو گئے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۳۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۴۳' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۷' سنن داری رقم الحدیث: ۸۸' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۳۶۴' المسند الجامع رقم الحدیث: ۶۰۳)

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ کی تکلیف کی شدت کو دیکھ کر سیدہ فاطمہ زہرا نے رنج اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: آہ میرے والد کا کرب اور بے چینی! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی اور فرمایا آج کے بعد تمہارے والد کو بے چینی نہیں ہوگی۔ اس میں یہ تعلیم دی ہے کہ کسی شخص کو نزع روح کی تکلیف میں دیکھ کر اس کے اقرباء گھبرائیں تو وہ ان کو تسلی دے۔

(۱۳) نزع روح کے وقت آپ نے پانی کے پیالہ میں ہاتھ ڈال کر اس پانی کو اپنے ہاتھ سے چہرے پر لگایا اس میں یہ تعلیم دی کہ جو شخص نزع روح کی کیفیت میں مبتلا ہو اس کو اپنے چہرے پر پانی مل کر اپنے جسم کو تسکین پہنچانی چاہیے۔

(۱۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزع روح کی اس شدید تکلیف کے باوجود کوئی جزع فزع اور آہ و زاری نہیں کی اور صبر و اطمینان کے ساتھ اپنی جان' جان آفرین کے سپرد کر دی' سو اسی طرح امت کو بھی صبر و اطمینان کے ساتھ جان دینی چاہیے۔

(۱۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت آیا اور آپ کا سانس اکھڑ رہا تھا' اس وقت آپ فرما رہے تھے **الصلاۃ و ما ملکت ایمانکم**: نماز اور زکوٰۃ کو لازم رکھنا یا نماز اور اپنے خادموں کا خیال رکھنا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۹۷' الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵' المسند الجامع رقم الحدیث: ۲۹۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت وصیت کی جب آپ کی زبان بڑی مشکل سے چل رہی تھی آپ نے فرمایا **الصلاۃ و ماملکت ایمانکم** (یہ حدیث صحیح ہے)

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۹۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۶۶۰۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۲۱۴' الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ نزع روح کی شدت کے وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال تھا کہ آپ کی امت نماز میں کوئی کمی اور کوتاہی نہ کرے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں سستی نہ کرے' نزع روح کی شدت میں بھی آپ کو اپنی امت کی فکر دامن گیر تھی تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر یاد رکھنا چاہیے اور نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی کتنی فکر کرنی چاہیے۔

(۱۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس آخری کلمہ کے ساتھ کلام کیا وہ یہ تھا **اللھم الرفیق الاعلٰی** ''اے اللہ سب سے اعلیٰ رفیق''۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۷۱۰۵)

جب انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو اس کے دل و دماغ میں سوا اپنی تکلیف اور اس سے نجات کے اور کوئی فکر نہیں ہوتی' اللہ تعالیٰ نے یہ دکھایا کہ نزع روح کی اس شدید تکلیف میں بھی آپ نہ اپنی امت کو بھولے تھے اور نہ اپنے مولیٰ کو اور آپ کی زبان سے جو آخری کلمہ نکلا وہ اپنے مولیٰ کا نام تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت اور تعزیت

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل میں تین روز رہ گئے تو آپ پر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا یا احمد! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خصوصی تعظیم اور تکریم کے لیے بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا حال پوچھا ہے حالانکہ اس کو آپ سے زیادہ آپ کے حال کا علم ہے' آپ نے فرمایا: اے جبریل! مجھے سخت بے چینی اور تکلیف ہے' دوسرے دن پھر جبریل آئے اور کہا یا احمد! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خصوصی تعظیم اور تکریم کے لیے بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا حال پوچھا ہے حالانکہ اس کو آپ سے زیادہ آپ کے حال کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا: اے جبریل! مجھے سخت بے چینی اور تکلیف ہے' تیسرے دن حضرت جبریل آئے اور ان کے ساتھ ملک الموت اور ایک اور فرشتہ بھی آیا جس کا نام اسماعیل تھا وہ خلا میں رہتا تھا وہ کبھی آسمان پر چڑھا اور نہ کبھی زمین پر اترا تھا' پھر جبریل نے آپ سے کہا یا احمد! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خصوصی تعظیم اور تکریم کے لیے بھیجا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا حال پوچھا ہے حالانکہ اس کو آپ سے زیادہ آپ کا حال معلوم ہے آپ نے فرمایا: اے جبریل مجھے سخت بے چینی اور تکلیف ہے' پھر ملک الموت نے اجازت طلب کی اور جبریل نے کہا یا احمد! یہ ملک الموت ہے جو آپ سے آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے' اس نے

آپ سے پہلے کسی آدمی سے اجازت طلب کی تھی اور نہ آپ کے بعد کسی آدمی سے اجازت طلب کرے گا' آپ نے فرمایا اس کو اجازت دو' پھر ملک الموت آئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے پس کہا یا رسول اللہ! یا احمد! بے شک اللہ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کے ہر حکم کی اطاعت کروں۔ اگر آپ حکم دیں گے تو میں آپ کی روح قبض کروں گا اور اگر آپ اس کو ترک کرنے کا حکم دیں گے تو میں اس کو ترک کردوں گا۔ آپ نے فرمایا: اے ملک الموت! تم ایسا کرو گے! انہوں نے کہا مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں۔ پھر جبریل نے کہا اے احمد! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے پھر آپ نے فرمایا اے ملک الموت! تم کو جو حکم دیا گیا ہے تم اس کو بجالاؤ' جبریل نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ! یہ میرا دنیا میں آخری بار آنا ہے میں تو صرف آپ کی وجہ سے دنیا میں آیا کرتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ پھر تعزیتی کلمات کی آواز آئی' کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر یہ آواز آ رہی تھی: السلام علیکم یا اھل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران: ۱۸۵) ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے اور تمہارے اجور قیامت کے دن ہی پورے کئے جائیں گے۔

بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہر مصیبت سے تعزیت ہے اور ہر ہلاک ہونے والے کی خلافت ہے اور ہر جانے والی چیز کی تلافی ہے' سو تم اللہ پر ہی اعتماد کرو اور اسی سے امید رکھو اصل میں مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم ہو والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۹۔۱۹۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' المنتظم ج ۱ ص ۴۷۶۔۴۷۵' دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۶۸۔۲۶۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۷۲' المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۳۸۷' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۹۔۲۵۸' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۸ھ' سبل الھدیٰ والرشاد ج ۱۲ ص ۲۶۴۔۲۶۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۹۶' الوفا رقم الحدیث: ۱۵۶۱ ص ۸۶۵' بیروت' ۱۴۰۸ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۸۶۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اور وفات کے بعد کے مفصل احوال

وھب بن منبہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اذا جاء نصر اللہ والفتح ۔الایۃ (النصر) کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے جبریل مجھے اس آیت میں اپنی موت کی خبر دی گئی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا آپ کے لیے آخرت دنیا سے بہتر ہے' اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ نماز کی جماعت کے لیے اذان دیں پھر تمام مہاجرین اور انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جمع ہو گئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور اللہ عزوجل کی حمد وثناء کے بعد ایسا خطبہ دیا جس سے دل خوف زدہ ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' پھر آپ نے فرمایا اے لوگو! میں تم میں کیسا بطور نبی رہا؟ لوگوں نے کہا جزاک اللہ آپ رحیم باپ اور خیر خواہ بھائی کی طرح تھے آپ نے اللہ عزوجل کے پیغامات ادا کئے اور ہم تک وحی پہنچائی اور اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دی' اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے نبیوں کو دینے والی سب سے اچھی جزا دے! آپ نے فرمایا: اے مسلمانو! میں تم کو قسم دیتا ہوں میں نے جس شخص کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہو وہ اس کا بدلہ لے لے کوئی کھڑا نہیں ہوا جب آپ نے تیسری بار اس کو دہرایا تو عکاشہ نام کا ایک بوڑھا شخص کھڑا ہوا اس نے کہا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! اگر آپ بار بار قسم نہ دیتے تو میں [illegible] میں اور آپ ایک غزوہ میں تھے' جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو فتح دی اور ہم واپس جا رہے تھے تو میری اونٹنی آپ کی اونٹنی کے

برابر آ گئی میں' اونٹنی سے اتر کر آپ کے قریب آیا تاکہ آپ کی ران کو بوسہ دوں آپ نے ایک چری ہوئی لاٹھی اٹھا کر میری کوکھ میں ماری مجھے پتا نہیں کہ آپ نے دانستہ مجھے مارا تھا یا آپ نے اونٹنی کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو دانستہ مارنے سے اللہ کے جلال کی پناہ میں دیتا ہوں' اے بلال تم فاطمہ کے گھر جاؤ اور میری لاٹھی لے کر آؤ' حضرت بلال مسجد سے گئے اور وہ چلا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بدلہ دے رہے ہیں' اور جا کر کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی! مجھے چری ہوئی لاٹھی دو حضرت فاطمہ نے کہا یہ حج کا موقع ہے نہ جہاد کا لاٹھی کی کیا ضرورت پڑ گئی' حضرت بلال نے کہا آپ کو پتا نہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا قرض ادا کر رہے ہیں۔ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں اور اپنا بدلہ دے رہے ہیں۔ حضرت فاطمہ نے کہا اے بلال! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لے کر کس کا دل خوش ہو رہا ہے؟ اے بلال! تم حسن اور حسین سے کہو وہ اس شخص کو بدلہ دیں گے۔ حضرت بلال مسجد میں گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لاٹھی دے دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لاٹھی عکاشہ کو دے دی' جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے یہ منظر دیکھا تو کہا اے عکاشہ تم ہم سے بدلہ لے لو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! اور اے عمر! تمہارا مرتبہ اللہ کو معلوم ہے تم یہ کام ہونے دو' پھر حضرت علی کھڑے ہوئے اور کہا اے عکاشہ! میرا دل یہ گوارہ نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لاٹھی ماری جائے یہ میری پیٹھ اور میرا پیٹ حاضر ہے تم اس پر سو بار مارو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ نہ لو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! بیٹھ جاؤ' اللہ تعالیٰ کو تمہارا مقام اور تمہاری نیت معلوم ہے' پھر حضرت حسن اور حضرت حسین کھڑے ہوئے اور کہا اے عکاشہ! تم کو معلوم ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں اور ہم سے قصاص لینا گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قصاص لینا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک بیٹھ جاؤ' اللہ تعالیٰ تمہارا مقام نہیں بھولا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عکاشہ! اگر تم مارنے والے ہو تو مارو' اس نے کہا یا رسول اللہ! جب آپ نے مجھے مارا تھا تو میرا پیٹ کھلا ہوا تھا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹا دیا' مسلمان بلند آواز سے رونے لگے اور کہنے لگے کیا عکاشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے والا ہے' جب عکاشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ کی سفیدی کی طرف دیکھا تو وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اس نے جھک کر آپ کے پیٹ کو بوسہ دیا اور کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ سے بدلہ لینے کی کون طاقت رکھ سکتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا تو تم لاٹھی مارو یا مجھے معاف کر دو' عکاشہ نے کہا میں نے اس امید پر آپ کو معاف کیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جنت میں میرے رفیق کو دیکھنا چاہتا ہو وہ عکاشہ کو دیکھ لے' پھر مسلمان کھڑے ہو کر عکاشہ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دینے لگے اور اس کو جنت میں آپ کی رفاقت کی نوید پر مبارک باد دینے لگے۔

اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے آپ اٹھارہ دن بیمار رہے اور مسلمان آپ کی عیادت کرنے کے لیے آتے رہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے' پیر کے دن آپ نے اعلان نبوت کیا اور پیر کے دن آپ کی وفات ہوئی' اتوار کے دن آپ کا مرض زیادہ ہو گیا' حضرت بلال نے اذان دی' پھر دروازہ پر ٹھہر گئے اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ! ورحمۃ اللہ! نماز کا وقت ہو گیا اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کی آواز سنی حضرت فاطمہ نے کہا یا بلال! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہیں (یعنی آپ کی حالت مسجد میں جانے کی نہیں ہے) پھر حضرت بلال مسجد میں گئے' جب صبح کی سفیدی ہو گئی تو حضرت بلال نے کہا اللہ کی قسم! میں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہ لوں اقامت نہ کہوں گا۔ پھر وہ لوٹ گئے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر کہا السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

اللہ آپ پر رحم فرمائے نماز کا وقت ہو گیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کی آواز سنی پھر فرمایا: اے بلال آ جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہیں' تم ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں' حضرت بلال افسوس کرتے ہوئے واپس گئے اور کہا اے ابوبکر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے' حضرت ابوبکر رقیق القلب تھے جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ خالی دیکھی تو اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور مسلمان زور زور سے رونے لگے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی دل خراش آوازیں سنیں تو آپ نے پوچھا یہ کیسی آوازیں ہیں تو حاضرین نے کہا آپ کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ مسلمانوں کے رونے کی آوازیں ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو بلایا آپ ان کا سہارا لے کر نکلے اور مسجد میں گئے اور مسلمانوں کو دو خفیف رکعتیں پڑھائی پھر مسلمانوں سے فرمایا میں تم کو اللہ کی امان اور اس کی حفاظت میں دیتا ہوں' اے مسلمانو! تم پر اللہ نگہبان ہے' اے مسلمانو! تم اللہ سے ڈرنا اور میرے بعد اللہ کی اطاعت کی حفاظت کرنا' کیونکہ میں دنیا سے جا رہا ہوں یہ میرا آخرت کی طرف پہلا اور دنیا میں آخری دن ہے۔

جب پیر کا دن آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درد بڑھ گیا اور اللہ عزوجل نے ملک الموت کی طرف وحی کی کہ وہ میرے حبیب اور صفی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حسین اور ملائم صورت میں روح قبض کرنے کے لیے جائیں۔ پھر ملک الموت علیہ السلام ایک اعرابی کی شبیہ میں نازل ہوئے اور آپ کے دروازہ کی طرف کھڑے ہو گئے' اور السلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ ومعدن الرسالۃ و موردالملائکۃ' کیا میں داخل ہو جاؤں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا اس شخص کو جواب دیں' اے اللہ کے بندے' اللہ تجھ کو چل کر آنے کا اجر دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہیں' اس نے دوسری بار صدا دی' پھر حضرت عائشہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا اس شخص کو جواب دو' حضرت فاطمہ نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ تجھ کو چل کر آنے کا اجر دے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کے ساتھ مشغول ہیں' اس نے پھر تیسری بار کہا السلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ ومعدن الرسالۃ وموردالملائکۃ کیا میں داخل ہو جاؤں؟ میرا داخل ہونا ضروری ہے' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک الموت کی آواز سنی' آپ نے پوچھا: اے فاطمہ! دروازہ پر کون ہے؟ حضرت فاطمہ نے کہا یا رسول اللہ! ایک آدمی دروازہ پر کھڑا ہوا ہے اور بار بار اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے' ہم نے اس کو ہر بار جواب دیا اس نے تیسری بار اس طرح سوال کیا کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا:

اے فاطمہ تم جانتی ہو دروازہ پر کون ہے! یہ وہ شخص ہے جو لذات کو منقطع کر دیتا ہے' جماعتوں کو متفرق کر دیتا ہے' جو عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیتا ہے جو گھروں کو برباد اور قبرستانوں کو آباد کر دیتا ہے' یہ ملک الموت علیہ السلام ہے' اے ملک الموت! اللہ تم پر رحمت کرے تم داخل ہو جاؤ پھر ملک الموت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ملک الموت! تم ملاقات کرنے آئے ہو یا روح قبض کرنے آئے ہو۔ انہوں نے کہا میں آپ کی زیارت کرنے اور آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں اور مجھے اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا تھا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں اور آپ کی اجازت کے بغیر آپ کی روح قبض نہ کروں' اب اگر آپ اجازت دیں گے تو میں آپ کی روح قبض کروں گا ورنہ میں اپنے رب عزوجل کی طرف واپس چلا جاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ملک الموت تم نے میرے دوست جبریل کو کہاں چھوڑا' عزرائیل نے کہا میں نے ان کو آسمان دنیا میں چھوڑا ہے اور فرشتے ان سے آپ کی تعزیت کر

رہے ہیں۔ پھر بہت سرعت سے جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آ گئے اور آ کر آپ کے سر کی جانب بیٹھ گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبریل اب دنیا سے روانہ ہونے کا وقت ہے مجھے بشارت دو کہ میرے لیے اللہ کے پاس کیا اجر ہے؟ جبریل نے کہا یا حبیب اللہ! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ میں (آپ کے استقبال کے لیے) تمام آسمانوں کے دروازوں کو کھلا چھوڑ کر آیا ہوں اور وہاں تمام فرشتے آپ کو سلامی دینے کے لیے اور آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہنے کے لیے صف باندھے ہوئے کھڑے ہیں' اور میں آپ کو بشارت دیتا ہوں یا محمد کہ تمام جنتوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور تمام دریا جاری کر دیئے ہیں اور تمام درخت جھوم رہے ہیں اور یا محمد آپ کے لیے تمام حوریں مزین ہو چکی ہیں' آپ نے فرمایا: میں اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے اس کی حمد کرتا ہوں' اے جبریل مجھے اور بشارت دو' جبریل نے کہا قیامت کے دن آپ سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' آپ نے فرمایا میں اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے حمد کرتا ہوں' جبریل نے کہا اے میرے حبیب! آپ مجھ سے کس چیز کا سوال کرتے ہیں' آپ نے فرمایا میں تم سے اپنی فکر اور پریشانی کے متعلق سوال کرتا ہوں' میرے بعد قرآن پڑھنے والوں کو کیا اجر ملے گا' میرے بعد رمضان کے روزے رکھنے والوں کو کیا اجر ملے گا اور میرے بعد بیت اللہ کا حج کرنے والوں کو کیا ملے گا اور میرے بعد صاف باطن والوں کو کیا ملے گا (اللہ اللہ' امت کا کتنا خیال ہے عالم نزع ہے اور اتنی شدید تکلیف ہے پھر بھی امت کی اخروی فلاح کی فکر ہے!) جبریل نے کہا اے حبیب آپ کو بشارت ہو اللہ عزوجل فرماتا ہے میں نے تمام نبیوں اور ان کی امتوں پر جنت میں داخل ہونے کو اس وقت تک کے لیے حرام کر دیا ہے جب تک کہ آپ اور آپ کی امت جنت میں داخل نہ ہو جائے' آپ نے فرمایا اب میرا دل مطمئن ہو گیا' اے ملک الموت اب تمہیں اجازت ہے اب تم کو جو حکم دیا گیا ہے تم اس کی تعمیل کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ جب آپ کی روح قبض کر لی جائے گی تو آپ کو غسل کون دے گا اور آپ کو کس چیز میں کفن دیا جائے گا اور آپ کی نماز جنازہ کون پڑھے گا اور آپ کی قبر میں کون داخل ہو گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہا غسل تو اے علی مجھے غسل تم دو گے اور فضل بن عباس تمہارے لیے پانی ڈالیں گے' اور تمہارے تیسرے معاون جبریل علیہ السلام ہوں گے اور جب تم مجھے غسل دے کر فارغ ہو جاؤ تو تم مجھے تین نئے کپڑوں میں کفن دینا اور جبریل علیہ السلام میرے لیے جنت سے خوشبو لے کر آئیں گے اور جب تم مجھے تخت پر رکھ چکو تو مجھے مسجد میں رکھ دینا اور میرے پاس سے تم سب چلے جانا' کیونکہ سب سے پہلے مجھ پر میرا رب عزوجل عرش کے اوپر سے صلوٰۃ پڑھے گا (یعنی رحمت نازل فرمائے گا) پھر جبریل علیہ السلام' پھر میکائیل پھر اسرافیل علیہما السلام پھر تمام فرشتے گروہ در گروہ صلوٰۃ پڑھیں گے' پھر تم سب صف بہ صف کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھنا اور نماز جنازہ میں میرا کوئی امام نہیں ہو گا' حضرت فاطمہ نے کہا آج کا دن فراق کا دن ہے کب ملاقات ہو گی؟ آپ نے فرمایا: اے میری بیٹی! تم قیامت کے دن مجھ سے حوض پر ملاقات کرو گی' اور میری امت میں سے جو شخص حوض پر آئے گا میں اس کو پانی پلاؤں گا' حضرت فاطمہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں آپ سے وہاں ملاقات نہ کروں؟ آپ نے فرمایا پھر تم مجھ سے میزان پر ملاقات کرو گی' میں وہاں اپنی امت کی شفاعت کر رہا ہوں گا' حضرت فاطمہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں آپ سے وہاں بھی ملاقات نہ کروں؟ آپ نے فرمایا پھر تم مجھ سے صراط پر ملاقات کرو گی۔ میں اپنے رب سے دعا کر رہا ہوں گا کہ میری امت کو دوزخ سے سلامت رکھنا' پھر ملک الموت علیہ السلام روح قبض کرنے کے لیے آپ کے قریب ہوئے' جب روح گھٹنوں تک پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوہ' پھر جب روح ناف تک پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واکرباہ (ہائے تکلیف) تو فاطمہ علیہا السلام نے کہا ہائے میرے والد کی تکلیف' پھر جب روح آپ کے

پستانوں تک پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے پکار کر کہا اے جبریل! موت کی تلخی کتنی سخت ہے! پھر جبریل علیہ السلام نے اپنا چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھیر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل! تم میری طرف دیکھنے کو ناپسند کرتے ہو؟ جبریل نے کہا اے میرے حبیب! جب آپ سکرات الموت کی اذیت میں مبتلا ہوں تو آپ کے چہرے کی طرف دیکھنے کی کون ہمت کر سکتا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی' آپ کو حضرت علی ابی طالب رضی اللہ عنہ نے غسل دیا' حضرت فضل ابن عباس نے آپ پر پانی ڈالا' حضرت جبریل ان دونوں کے ساتھ تھے' آپ کو تین نئے کپڑوں میں کفن دیا گیا' آپ کو ایک تخت پر رکھا گیا پھر اس تخت کو مسجد میں لایا گیا اور لوگ آپ کے پاس سے چلے گئے' سب سے پہلے آپ کے رب تبارک وتعالیٰ نے عرش کے اوپر آپ پر صلوٰۃ پڑھی (آپ کے حسب مرتبہ رحمت نازل فرمائی) پھر جبریل نے' پھر میکائیل نے' پھر اسرافیل نے پھر فرشتوں نے گروہ در گروہ آپ پر صلوٰۃ پڑھی (آپ پر رحمت اور درجات کی بلندی کے لیے دعا کی) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے مسجد میں آوازیں سنی ہیں اور ہم نے کسی شخص کو مسجد میں نہیں دیکھا' پھر ہم نے غیب سے ایک آواز سنی کوئی شخص کہہ رہا تھا اللہ تم پر رحم فرمائے مسجد میں داخل ہو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھو' پھر ہم مسجد میں گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسجد میں صف بہ صف کھڑے ہو گئے' پھر ہم نے جبریل علیہ السلام کی تکبیر پر تکبیر پڑھی۔ ہم میں سے کوئی شخص مقدم ہو کر امام نہیں ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قبر میں داخل ہوئے اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا جب لوگ لوٹ گئے تو حضرت فاطمہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابوالحسن تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا' انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالنے کو تمہارے دلوں نے کیسے گوارہ کر لیا کیا تمہارے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نرمی نہیں تھی! کیا آپ خیر کے معلم نہیں تھے حضرت علی نے کہا کیوں نہیں! اے فاطمہ لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے' پھر حضرت فاطمہ رونے لگیں اور وہ کہہ رہی تھیں ہائے میرے والد! اب جبریل علیہ السلام کا آنا منقطع ہو گیا اور جبریل ہمارے پاس آسمان سے وحی لایا کرتے تھے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۷۶' ج ۳ص ۶۴-۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' حلیۃ الاولیاء ج ۴ص ۷۹-۷۲' طبع قدیم دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ' حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۴۸۰۶' ج ۴ص ۸۱-۷۶' طبع جدید دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے اس پوری حدیث کو درج کرنے کے بعد کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک راوی عبدالمنعم بن ادریس کذاب اور وضاع ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۹ص ۳۱-۲۶' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۶ھ)

علامہ علی بن محمد عراق الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ نے اس پوری حدیث کو درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالمنعم بن ادریس متہم ہے۔ (تنزیہ الشریعہ ج ۱ص ۳۳۱-۳۲۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ نے اس پوری حدیث کو درج کر کے لکھا ہے یہ حدیث موضوع ہے اور اس کی آفت عبدالکریم ہے۔ (اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ ج ۱ص ۲۵۷-۲۵۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے اس مکمل حدیث کو طبرانی اور ابونعیم کے حوالے سے بلا جرح نقل کیا ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ص ۲۹۶-۲۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ١٠٥٢ھ نے اس حدیث کے اکثر اجزاء کو بلا جرح نقل کیا ہے۔

(مدارج النبوۃ ج ٢ ص ٤٣٠-٤٢٩ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ١٣٩٧ھ)

ہر چند کہ اس حدیث کو عبدالمنعم بن ادریس کی وجہ سے موضوع کہا گیا ہے لیکن یہ موضوع السند ہے موضوع المتن نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کا کوئی جز کسی حدیث صحیح کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کے تمام اجزاء کی تائید میں احادیث صحیحہ ثابت ہیں اور اس حدیث میں کوئی بات اصول شرع کے خلاف نہیں ہے' امام غزالی' امام ابن الجوزی اور اکثر مصنفین سیرت نے اس حدیث کے بعض اجزاء سے استدلال کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ کی تحقیق

اس پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاوّل کے مہینہ میں پیر کے دن ہوئی البتہ تاریخ میں اختلاف ہے' جمہور کے نزدیک وفات کی تاریخ بارہ ربیع الاوّل ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات یکم یا دو ربیع الاوّل کو ہوئی ہے اگر چہ یہ جمہور کے خلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے' کیونکہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس سال حجۃ الوداع تھا اس سال یوم عرفہ جمعہ کے دن تھا اور وہ ذوالحجہ کی نو تاریخ تھی' اس اعتبار سے اگر یہ فرض کیا جائے کہ ذوالحجہ' محرم اور صفر تینوں مہینے ٣٠' ٣٠ دن کے تھے تو پیر کے دن چھ ربیع الاوّل ہوگی اور یکم ربیع الاوّل بدھ کو ہوگی' اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ تینوں مہینے ٢٩' ٢٩ دن کے تھے تو پیر کے دن دو ربیع الاوّل ہوگی اور یکم ربیع الاوّل اتوار کو ہوگی' اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ دو مہینے تیس دن کے ہیں اور ایک مہینہ انتیس دن کا ہے تو پیر کے دن سات ربیع الاوّل ہوگی اور یکم ربیع الاوّل منگل کے دن ہوگی' اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ دو مہینے انتیس دن کے ہیں اور ایک مہینہ تیس کا دن ہے تو پیر کے دن یکم ربیع الاوّل ہوگی' غرض کوئی حساب بھی فرض کیا جائے جب نو ذوالحجہ جمعہ کے دن ہو تو بارہ ربیع الاوّل پیر کے دن کسی حساب سے نہیں ہوسکتی لہٰذا درایتاً اور عقلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ بارہ ربیع الاوّل نہیں ہے' پیر کے دن ربیع الاوّل کی تاریخ کے عقلی احتمال یہ ہیں اگر سب مہینے تیس دن کے ہوں تو چھ ربیع الاوّل اگر سب ماہ انتیس دن کے ہوں تو دو ربیع الاوّل' اگر دو ماہ تیس دن کے ہوں اور ایک انتیس دن کا تو سات ربیع الاوّل' اور اگر دو ماہ انتیس دن کے ہوں اور ایک ماہ تیس دن کا ہو تو یکم ربیع الاوّل۔ چھ اور سات ربیع الاوّل کا کوئی قائل نہیں ہے تو پھر آپ کی وفات کی تاریخ یکم ربیع الاوّل ہے یا دو ربیع الاوّل' حسب ذیل علماء نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ آپ کی وفات کی تاریخ یکم ربیع الاوّل ہے یا دو ربیع الاوّل۔

امام محمد بن سعد متوفی ٢٣٠ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی ابتداء انیس صفر بہ روز بدھ ١١ھ کو ہوئی آپ تیرہ دن بیمار رہے اور آپ دو ربیع الاوّل ١١ھ پیر کے دن فوت ہو گئے' اس کے بعد امام ابن سعد نے بارہ ربیع الاوّل کو فوت ہونے کے متعلق اقوال نقل کئے ہیں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ٢ ص ٢٠٩-٢٠٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٨ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ اپنی سند کے ساتھ محمد بن قیس سے روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ١٩ صفر بہ روز بدھ ١١ھ کو سخت بیمار ہوئے اس وقت آپ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے آپ کی تمام ازواج وہاں جمع ہو گئیں' آپ تیرہ دن بیمار رہے اور دو ربیع الاوّل گیارہ ہجری کو پیر کے دن فوت ہو گئے۔ (دلائل النبوۃ ج ٧ ص ٢٣٥' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٠ھ)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن العساکر متوفی ٥٧١ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکم ربیع الاوّل کو پیر کے دن گیارہ ہجری کو فوت ہوئے۔
(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۸۷ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:
آپ ۶۳ سال کی عمر میں بارہ ربیع الاوّل کو پیر کے دن دوپہر کے وقت فوت ہوئے' ایک قول یکم ربیع الاوّل کا ہے اور ایک قول دو ربیع الاوّل کا ہے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱ ص ۵۵ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حافظ مغلطائی بن قلیج متوفی ۷۶۲ھ لکھتے ہیں:
الکلبی اور ابومخنف نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو ربیع الاوّل کو فوت ہوئے۔
(الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ ص ۳۵۱ 'مطبوعہ الدار الشامیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:
مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے حجۃ الوداع میں یوم عرفہ یعنی نو ذوالحجہ جمعہ کے دن تھا' لہٰذا یکم ذوالحجہ جمعرات کو تھی پھر یکم محرم جمعہ کو ہوگی (اگر چاند انتیس کا ہو) یا ہفتہ کو ہوگی (اگر چاند تیس کا ہو) اگر جمعہ کو یکم محرم ہو' تو یکم صفر ہفتہ کو ہوگی یا اتوار کو' اگر یکم صفر ہفتہ کو ہو تو یکم ربیع الاوّل اتوار کو ہوگی یا پیر کو' لہٰذا آپ کی وفات کی تاریخ پیر کے دن یا یکم ربیع الاوّل ہوگی یا دو ربیع الاوّل (اور اگر یکم صفر اتوار کی ہو تو یکم ربیع الاوّل پیر کی ہوگی یا منگل کی) اور کسی طرح بارہ ربیع الاوّل پیر کا نہیں پڑتا۔ (بارہ ربیع الاوّل کے تاریخ وفات نہ ہونے کا یہ نکتہ سب سے پہلے علامہ سہیلی نے اٹھایا)
(الروض الانف مع السیرۃ النبویہ ج ۴ ص ۴۴۰-۴۳۹ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:
علامہ واقدی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲ ربیع الاوّل پیر کے دن فوت ہوئے۔
(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۲۸ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
ابومخنف اور کلبی نے کہا ہے کہ آپ کی وفات ۲ ربیع الاوّل کو ہوئی ہے اور علامہ سہیلی نے اسی کو ترجیح دی ہے' اور موسیٰ بن عقبہ' اللیث' الخوارزمی اور ابن الزبیر نے کہا ہے کہ آپ کی وفات یکم ربیع الاوّل کو ہوئی ہے' دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کرلیا گیا پھر بعض نے بعض کی پیروی کی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۷۴-۴۷۳ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
ابوبکر نے لیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن یکم ربیع الاوّل کو فوت ہوئے' اور سعد بن ابراہیم الزہری نے کہا آپ پیر کے دن دو ربیع الاوّل کو فوت ہوئے' اور ابونعیم الفضل بن دکین نے کہا آپ پیر کے دن یکم ربیع الاوّل کو فوت ہوئے۔ (عمدۃ القاری جز ۱۸ ص ۶۰ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:
علامہ سہیلی نے اس کو ترجیح دی ہے کہ آپ یکم ربیع الاوّل یا دو ربیع الاوّل کو فوت ہوئے۔
(التوشیح ج ۴ ص ۱۴۳ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

ابومخنف اور کلبی نے کہا آپ کی وفات ۲ ربیع الاوّل کو ہوئی' سلیمان بن طرخان نے مغازی میں اسی کو ترجیح دی ہے' ...
محمد بن سعد' امام ابن عساکر اور امام ابونعیم الفضل بن دکین کا بھی یہی قول ہے اور سہیلی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔
(سبل الھدیٰ والرشاد ج ۱۲ ص ۳۰۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:
ایک قول یہ ہے کہ آپ پیر کے دن ۲ ربیع الاوّل کو فوت ہوئے۔ (المرقات ج ۱۱ ص ۲۲۸' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)
علامہ علی بن برھان الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ لکھتے ہیں:
الخوارزمی نے کہا آپ یکم ربیع الاوّل کو فوت ہوئے۔ (انسان العیون ج ۳ ص ۴۷۳' مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر' ۱۳۸۴ھ)
شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:
آپ کی وفات ۲ ربیع الاوّل کو پیر کے دن ہوئی۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۰۴' مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو)
علامہ نوربخش صاحب توکلی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:
اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وفات شریف ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن ہوئی جمہور کے نزدیک ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ تھی' ماہ صفر کی ایک یا دوراتیں باقی تھیں کہ مرض کا آغاز ہوا۔ بعضے تاریخ وصال یکم ربیع الاوّل بتاتے ہیں' بنا برقول حضرت سلیمان التیمی ابتداء مرض یوم شنبہ ۲۲ صفر کو ہوئی اور وفات شریف یوم دوشنبہ ۲ ربیع الاوّل کو ہوئی' حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابومخنف کا قول ہی معتمد ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاوّل کو ہوئی' دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کر لیا گیا پھر اس وہم میں بعضوں نے بعضوں کی پیروی کی۔ (سیرت رسول عربی ص ۲۲۶' مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)
شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:
اور تاریخ کی تحقیق نہیں ہوئی اور بارہویں جو مشہور ہے وہ حساب درست نہیں ہوتا کیونکہ اس سال ذی الحجہ کی نویں جمعہ کی تھی اور یوم وفات دوشنبہ ثابت ہے پس جمعہ نویں ذی الحجہ ہو کر بارہ ربیع الاوّل دوشنبہ کو کسی حساب سے نہیں ہو سکتی۔
(نشر الطیب ص ۲۴۱' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:
کسی حالت اور کسی شکل سے بارہ ربیع الاوّل کو دوشنبہ کا دن نہیں پڑ سکتا' (حاشیہ میں لکھتے ہیں) اس لیے وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاوّل ہے۔ (سیرت النبی ج ۲ ص ۱۰۷-۱۰۶' مطبوعہ دارالاشاعت کراچی' ۱۹۸۵ء)
ہم نے روایت اور درایت کے اعتبار سے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ آپ کی وفات کی تاریخ یکم ربیع الاوّل یا دو ربیع الاوّل ہے۔ کیونکہ مشہور بارہ ربیع الاوّل ہے جب کہ بارہ ربیع الاوّل آپ کی ولادت کا دن ہے اور اب یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ آپ کی وفات کے دن خوشی کیوں منائی جاتی ہے' یہاں پر ہم نے جتنی تفصیل اور تحقیق کی ہے شاید کسی اور جگہ نہ مل سکے' والحمد للہ رب العلمین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کی تحقیق

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی اس وقت حضرت ابوبکر مدینہ کے بالائی حصہ میں اپنی بیوی بنت خارجہ کے پاس تھے' مسلمان کہنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔ آپ پر

کیفیت طاری ہے جو نزول وحی کے وقت ہوتی ہے' حضرت ابوبکر آئے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور آپ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا' اور کہا آپ اللہ کے نزدیک اس سے مکرم ہیں کہ آپ پر دو دو موتیں طاری کرے' بے شک' خدا کی قسم' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں' ادھر حضرت عمر مسجد کی ایک جانب یہ کہہ رہے تھے' خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے' جب تک آپ تمام منافقوں کے ہاتھ اور پیر نہیں کاٹ دیں گے اس وقت تک آپ فوت نہیں ہوں گے' حضرت ابوبکر نے منبر پر چڑھ کر فرمایا: جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی' اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک فوت ہو گئے ہیں' وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و من ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا وسیجزی الله الشاکرین: حضرت عمر نے کہا مجھے ایسا لگا جیسے میں نے اس دن سے پہلے یہ آیت نہیں پڑھی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قبر کھودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ کی طرف ایک آدمی بھیجا جو اہل مکہ کی طرح (شق) قبر بناتے تھے' اور ایک آدمی حضرت ابوطلحہ کی طرف بھیجا جو اہل مدینہ کی طرح لحد (بغلی قبر) بناتے تھے' اور یہ دعا کی اے اللہ! اپنے رسول کے لیے ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرلے' تو مسلمانوں کو حضرت ابوطلحہ مل گئے' ان کو بلایا گیا اور حضرت ابوعبیدہ (وقت پر) نہیں ملے تو انہوں نے لحد بنائی' منگل کے دن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ تیار کرلیا (غسل دے کر کفن پہنا دیا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں آپ کو ایک تخت پر رکھا گیا' پھر باری باری مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے اور نماز جنازہ پڑھتے' حتیٰ کہ جب مرد فارغ ہو گئے تو پھر عورتیں آئیں اور کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ کی امامت نہیں کی۔ مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کس جگہ بنائی جائے' بعض مسلمانوں نے کہا آپ کو آپ کے اصحاب کے ساتھ دفن کیا جائے' حضرت ابوبکر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جس جگہ نبی کی روح قبض کی جاتی ہے اس کو وہیں دفن کیا جاتا ہے' پھر جس بستر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تھے انہوں نے اس بستر کو اٹھایا اور وہیں آپ کی قبر کھودی پھر بدھ کی رات جب آدھی ہو گئی تو آپ کو دفن کر دیا گیا' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت فضل بن عباس اور ان کے بھائی قثم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام شقران آپ کی قبر میں اترے' حضرت اوس بن خولی نے حضرت علی سے کہا میں تم کو اللہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی قسم دیتا ہوں' حضرت علی نے ان سے کہا تم بھی اترو' حضرت شقران نے اس چادر کو لیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنتے تھے' اور اس کو قبر میں رکھ دیا اور کہا خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس چادر کو کوئی نہیں پہنے گا۔

(سنن ابن ماجہ' باب: ۶۵' ذکر وفاته ودفنه صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابن عباس کی اس روایت میں ایک راوی حسین بن عبید اللہ ہاشمی ہے۔ امام احمد' علی بن مدینی اور امام نسائی نے اس کو متروک قرار دیا' امام بخاری نے کہا اس پر زندقہ کی تہمت ہے' اور اس حدیث کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت سالم بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے مرض میں بے ہوشی طاری ہو گئی' آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا نماز کا وقت ہو گیا؟ صحابہ نے عرض کی ہاں' آپ نے فرمایا بلال سے کہو اذان کہیں اور ابوبکر سے کہو مسلمانوں کو نماز پڑھائیں' حضرت عائشہ نے کہا میرے والد رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں

گے تو رونا شروع کر دیں گے اور نماز نہیں پڑھا سکیں گے' اگر آپ کسی اور کو حکم دے دیں! آپ پر پھر بے ہوشی طاری ہوگئی جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا بلال سے اذان کے لیے کہو اور ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' تم تو یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی مثل ہو' حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا' انہوں نے اذان دی' اور حضرت ابو بکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام محسوس کیا' آپ نے فرمایا دیکھو میں کس کے سہارے چلوں' پھر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک اور شخص آئے' آپ ان کے سہارے سے چلے' جب حضرت ابو بکر نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے' آپ نے اشارہ کیا وہ اسی جگہ کھڑے رہیں حتیٰ کہ حضرت ابو بکر نے نماز پوری کر لی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی' حضرت عمر نے کہا بخدا میں نے جس شخص کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی ہے اس تلوار سے اس کو قتل کر دوں گا' اور وہ لوگ ان پڑھ تھے ان میں اس سے پہلے کوئی نبی نہیں ہوا تھا' لوگ رک گئے' لوگوں نے کہا اے سالم جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب کو بلا کر لاؤ' میں حضرت ابو بکر کے پاس گیا وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے میں روتا ہوا گیا جب حضرت ابو بکر نے میری یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی ہے میں نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے جس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی ہے تو میں اس کو اپنی اس تلوار سے مار دوں گا' حضرت ابو بکر نے کہا چلو' میں ان کے ساتھ گیا' حضرت ابو بکر آئے اس وقت لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہے تھے' حضرت ابو بکر نے کہا میرے لیے جگہ چھوڑو' ان کے لیے کشادگی کی گئی' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے' آپ کو چھوا' اور پڑھا **انک میت وانھم میتون** ''بے شک آپ پر موت آنی ہے اور بے شک انہوں نے بھی مرنا ہے''۔ (الزمر: ٣٠) صحابہ نے پوچھا اے رسول اللہ کے صاحب! کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ حضرت ابو بکر نے کہا ہاں صحابہ نے پوچھا کس طرح؟ حضرت ابو بکر نے کہا ایک قوم جائے تکبیر پڑھے دعا کرے اور درود پڑھے۔ پھر دوسری قوم جائے' تکبیر پڑھے درود پڑھے اور دعا کرے پھر باہر آ جائے' حتیٰ کہ تمام لوگ اسی طرح داخل ہوں' صحابہ نے پوچھا: اے رسول اللہ کے صاحب! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا فرمایا: ہاں! پوچھا کہاں؟ فرمایا جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی تھی کیونکہ اللہ نے آپ کی روح صرف پاک جگہ پر ہی قبض کی ہے' تب صحابہ نے جان لیا کہ آپ نے سچ کہا ہے' پھر حضرت ابو بکر نے کہا کہ آپ کے عم زاد آپ کو غسل دیں گے اور مہاجرین باہم مشورہ کرنے لگے' صحابہ نے کہا انصار کو بلاؤ تا کہ اس معاملہ (خلافت) میں ہم ان سے مشورہ کریں' انصار نے کہا ایک امیر ہم سے ہو جائے' ایک امیر تم میں سے ہو جائے' حضرت عمر نے کہا اس شخص کی مثل کون ہوگا جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: **ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا'** پھر حضرت ابو بکر نے ہاتھ پھیلایا اور حضرت عمر نے بیعت کی پھر سب لوگوں نے بیعت کر لی۔

(الشمائل المحمدیہ ص ٣٣٨۔٣٣٧' رقم الحدیث: ٣٩٧' یہ حدیث صحیح ہے' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٢٣٤' مطبوعہ المکتبہ التجاریہ مکہ مکرمہ' ١٤١٥ھ)

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو لوگ حجرہ میں داخل ہوئے اور باری باری آپ پر نماز جنازہ پڑھی' جب مرد فارغ ہو گئے تو پھر عورتوں نے نماز جنازہ پڑھی' پھر بچوں نے نماز پڑھی' پھر غلاموں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کسی نے امامت نہیں کی۔

(سنن کبریٰ ج ٧ ص ٢٥٠' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

علامہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۲۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی صرف صلوٰۃ و سلام عرض کیا گیا تھا' بعض روایات اس کی موید بھی ہیں لیکن جمہور کے نزدیک آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی جیسا کہ شمائل ترمذی میں تصریح ہے کہ آپ پر نماز جنازہ میں تکبیرات پڑھی جائیں اور صلوٰۃ پڑھی جائے اور دعا کی جائے۔

امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں:

جنازہ اقدس پر نماز کے باب میں علماء مختلف ہیں ایک کے نزدیک یہ نماز معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر آتے اور صلوٰۃ و سلام عرض کرتے' بعض احادیث بھی اس کی موید ہیں اور بہت علماء یہی نماز معروف مانتے ہیں۔ امام قاضی عیاض نے اس کی تصحیح فرمائی' جیسا کہ زرقانی شرح المؤطا میں ہے' سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تسکین فتن و انتظام امت میں مشغول' جب تک اون کے دست حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی' لوگ فوج فوج آتے اور جنازہ انور پر نماز پڑھتے جاتے' جب بیعت ہوئی ولی شرعی صدیق ہوئے انہوں نے جنازہ اقدس پر نماز پڑھی' پھر کسی نے نہ پڑھی' کہ بعد صلوٰۃ ولی پھر اعادہ نماز جنازہ کا اختیار نہیں' مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ معاملات کو درست کرنے اور فتنہ کو سرد کرنے میں مشغول تھے' مسلمان آپ کے آنے سے پہلے نماز جنازہ پڑھتے رہے اور حق آپ کا تھا' کیونکہ آپ ہی خلیفہ مقرر ہوئے تھے جب آپ فارغ ہو گئے تو آپ نے نماز جنازہ پڑھی' پھر آپ کے بعد کسی نے آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ (مبسوط ج ۲ ص ۶۷' مطبوعہ بیروت)

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۵۴' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

بعض علماء جو اس کے قائل ہیں کہ آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی صرف آپ پر صلوٰۃ و سلام عرض کیا گیا تھا وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں:

حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کا غلبہ ہوا تو ہم نے پوچھا یارسول اللہ! آپ پر نماز کون پڑھے گا؟ حضور روئے' ہم بھی روئے' آپ نے فرمایا' ٹھہرو' اللہ تمہاری مغفرت کرے اور تمہارے نبی کی طرف سے تم کو اچھی جزا دے' جب تم مجھے غسل دے چکو' اور مجھ پر خوشبو لگا چکو' اور مجھے کفن پہنا چکو تو مجھے میری قبر کے کنارے رکھ دینا' پھر ایک ساعت کے لیے میرے پاس سے چلے جانا' کیونکہ پہلے مجھ پر میرے دوست اور میرے ہم نشین جبریل اور میکائیل نماز پڑھیں گے' پھر اسرافیل' پھر ملک الموت اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھیں گے' پھر تمام فرشتے آ کر نماز پڑھیں گے' پھر تم لوگ فوج در فوج آ کر داخل ہونا اور مجھ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا الحدیث' اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے لیکن اس کی اسانید منقطع ہیں' عبدالرحمٰن نے مرہ سے سماع نہیں کیا' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں کئی ضعیف راوی ہیں ان میں سے ایک اشعث بن طابق ہے ازدی نے کہا اس کی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث کو حاکم نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالملک بن عبدالرحمٰن مجہول ہے ہم کو اس کی عدالت یا جرح کا علم نہیں ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

(المستدرک ج ۲ ص ۶۰' مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ)

علامہ ذہبی امام حاکم پر تعقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں عبدالملک مجہول نہیں ہے بلکہ اس کو فلاس نے کذاب قرار دیا ہے اور

انہوں نے جو کہا ہے کہ اس کے باقی راوی ثقہ ہیں تو ہر موضوع حدیث اسی طرح ہوتی ہے جس میں ایک کے سوا باقی راوی ثقہ ہوتے ہیں۔

اگر حاکم احتیاط کرتے تو اس حدیث کو اپنی کتاب میں درج نہ کرتے۔ (تلخیص المستدرک ج ۳ ص ۶۰ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نماز جنازہ پڑھی گئی تھی اس میں معروف دعا کی بجائے آپ کی تعریف وتوصیف میں کلمات طیبات عرض کئے گئے تھے۔

علامہ شہاب الدین قسطلانی متوفی ۹۱۱ ھ نے یہ کلمات نقل کئے ہیں:

لبیک اللھم ربنا وسعدیک صلوۃ اللہ البر الرحیم والملائکۃ المقربین والنبیین والصدیقین والشھداء والصالحین، وما سبح لک من شئی یا رب العلمین علی محمد بن عبداللہ خاتم النبیین وسید المرسلین و امام المتقین و رسول رب العلمین الشاھد المبشر الداعی الیک باذنک السراج المنیر و علیہ السلام. (المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۳۹۹، شرح الزرقانی للمواہب ج ۸ ص ۲۹۲-۲۹۱، دار المعرفۃ)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ سے روایت کیا ہے:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تخت پر رکھ دیا گیا تو حضرت علی نے کہا آپ کا امام کوئی نہیں ہوگا آپ اپنی حیات اور موت میں خود ہمارے امام ہیں پھر لوگ باری باری داخل ہوتے اور صف بہ صف آپ کی نماز جنازہ پڑھتے۔ ان کا کوئی امام نہیں تھا، وہ تکبیرات پڑھتے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر کہا اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔ اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب پہنچا دیا جو آپ پر نازل کیا گیا تھا اور امت کی خیر خواہی کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، حتیٰ کہ اللہ کے دین کو غالب کر دیا اور اس کے کلمہ کو پورا کر دیا، اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے کر دے جو اس کی اتباع کرتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور ہمیں آپ کے بعد ثابت قدم رکھ، اور ہمیں اور آپ کو جمع فرما، اور لوگ کہتے تھے آمین، آمین، حتیٰ کہ آپ پر تمام مردوں، عورتوں اور بچوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۲، طبع جدید، سبل الھدیٰ والرشاد ج ۱۲ ص ۳۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے اعمال پر مطلع ہونا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر امت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے اور برے، میں نے اچھے اعمال میں راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا پایا اور برے اعمال میں یہ پایا کہ بلغم کو مسجد میں ڈال کر دفن نہ کیا جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸۳)

اس حدیث میں حیات یا ممات کی قید نہیں ہے اس لیے اس حدیث کے عموم الفاظ سے استدلال ہے۔

بکر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حیات بھی تمہارے لیے بہتر ہے تم حدیث بیان کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور جب میں فوت ہو جاؤں گا تو میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہوگی تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے جب میں نیک اعمال دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا اور جب میں برے اعمال دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کروں گا۔ اس حدیث کے رجال صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۰-۱۴۹، طبع جدید، الوفا رقم الحدیث: ۱۵۶۴، طبع جدید، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۷، طبع جدید، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۸۵۳، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۱۳۳۷، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۷۷۱، مسند البزار رقم الحدیث: ۸۴۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۰۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے مجھ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ تمہارے لیے کیا چیز حلال ہے اور تم پر کیا چیز حرام ہے' اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے' ہر جمعہ کی رات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں جو اچھے اعمال ہوتے ہیں میں ان پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو گناہ ہوتے ہیں تو میں اللہ سے تمہارے گناہوں کی مغفرت طلب کرتا ہوں۔

(الوفا رقم الحدیث: ۱۵۶۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زمین میں اللہ کے فرشتے ہیں جو سیر کرتے ہیں اور وہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۴۲۰۹' عالم الکتب' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۷۷' مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۵۲۱۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۸۱' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۲۴۷۴)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ایام میں افضل دن جمعہ کا ہے' اسی میں آدم پیدا کیے گئے' اسی دن ان کی روح قبض کی گئی' اسی دن میں صور پھونکا جائے گا اور اسی دن میں لوگ بے ہوش کیے جائیں گے تم اس دن میں مجھ پر بہ کثرت صلوٰۃ پڑھا کرو' کیونکہ تمہاری صلاۃ (درود) مجھ پر پیش کی جاتی ہے صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر ہماری صلاۃ کیسے پیش کی جائے گی حالانکہ آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی' آپ نے فرمایا اللہ نے انبیاء کے اجسام کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۳۶-۱۰۸۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۶' مسند احمد ج ۴ ص ۸ رقم الحدیث: ۱۶۲۶۲' عالم الکتب' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۵۸۰' سنن النسائی رقم الحدیث ۱۳۷۳' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۷۳۳-۱۷۳۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۱۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۸۹' المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۳۰' سنن کبری للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۸' شعب الایمان ج ۳ ص ۱۱۰)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ' اور میری قبر کو عید نہ بناؤ' اور مجھ پر صلاۃ (درود) پڑھو کیونکہ تمہاری صلاۃ (درود) مجھ تک پہنچتی ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۷' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۷۹۰' عالم الکتب' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۹۲۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۵۰۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۵۱۲' جلاء الافہام ص ۳۶)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۷۲۹' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۶۷' حافظ منذری نے کہا اس کی سند حسن ہے الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۲۴۷۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲ جلاء الافہام ص ۳۶)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے جس کو تمام مخلوق کی سماعت عطا فرمائی ہے قیامت تک تم میں سے جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا وہ اس کے اور اس کے والد کے نام سے مجھ تک پہنچائے گا کہ فلاں بن فلاں نے آپ پر درود پڑھا ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۶۲' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۲۴۷۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲' جلاء الافہام ص ۵۵)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے مجھ پر درود پڑھا اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے اور ایک فرشتہ مقرر ہے جو اس کا درود مجھ تک پہنچاتا ہے۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۶۱۱' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۲۴۷۳' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲' جلاء الافہام ص ۵۳)
حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا وہ میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے مجھ پر درود پڑھا وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔
(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۵۸۳' مشکوۃ رقم الحدیث: ۹۳۴' جلاء الافہام ص ۲۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۵)
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھو کیونکہ ہر جمعہ کے دن میری امت کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جو مجھ پر زیادہ درود پڑھتا ہے وہ میرے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (جلاء الافہام رقم الحدیث: ۶۳' ص ۴۵' ۳۷ص ۲۳۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۰۳۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۰۴)
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ (جلاء الافہام رقم الحدیث: ۶۵ ص ۴۵)
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے میری امت میں سے جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو مجھ سے وہ فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں بن فلاں نے اس وقت آپ پر درود پڑھا ہے۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۸۵۰)
حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چاندرات کو مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے' یہ حدیث ایک سند کے ساتھ حسن اور دوسری سند کے ساتھ صحیح ہے' یہ حدیث حضرت انس سے بھی مروی ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۰۳۴' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۰۲' جلاء الافہام رقم الحدیث: ۷۵ص ۲۳۳)
حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کے فارغ ہونے سے پہلے اس کا درود میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۳۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۰۳)
حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ جو شخص بھی جمعہ کے دن مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔
(جمع الجوامع رقم الحدیث ۳۸۵۳' جلاء الافہام رقم الحدیث: ۷۴' ص ۲۳۳)
حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو بندہ بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو' ہم نے عرض کیا آپ کی وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا میری وفات کے بعد بھی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے جسم کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ (جلاء الافہام رقم الحدیث: ۱۱۰ص ۶۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۱۷ھ)
ان تمام احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دیگر اعمال اور درود شریف کو پہنچایا جاتا ہے اور بعض احادیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ خود درود شریف کو سنتے ہیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ قبر میں زندہ ہوں' اس سے معلوم ہوا کہ وفات کے بعد پھر آپ کو حیات عطا کر دی گئی تھی اس پر مفصل دلائل ہم ان شاء اللہ الزمر ۳۰ میں پیش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ کفار جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (کہتے ہیں:) کیا یہ ہے وہ شخص جو تمہارے خداؤں کا (برائی سے) ذکر کرتا ہے حالانکہ وہ خود رحمٰن کے ذکر کا انکار کرتے ہیں○ (الانبیاء: ۳۶)

بتوں کا انتقام لینے کے لیے رحمٰن کی مذمت کرنا

مقاتل وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے اس وقت اس کے پاس ابوسفیان بیٹھا ہوا تھا' ابوجہل نے ابوسفیان سے کہا یہ شخص بنوعبد مناف کا نبی ہے۔ ابوسفیان نے کہا کیا تم بنی عبد مناف کے نبی ہونے کا انکار کرتے ہو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتیں سنیں تو ابوجہل سے فرمایا: میرا خیال ہے تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ تم پر وہ وبال نازل نہ ہو جو تمہارے چچا ولید بن مغیرہ پر نازل ہوا ہے' اور اے ابوسفیان تم نے جو کچھ کہا ہے وہ عار کی بنا پر کہا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت اس لیے کرتے ہیں کہ آپ ان کے معبودوں کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں حالانکہ ان کے معبود کسی کو نقصان سے بچا سکتے ہیں نہ اس کو نفع پہنچا سکتے ہیں' اور جبکہ یہ رحمٰن کی برائی کرتے ہیں حالانکہ رحمٰن منعم حقیقی ہے وہ ان کو زندگی دینے والا ہے اور وہی ان پر موت کو طاری کرے گا اور اس سے بری بات اور کیا ہوگی کہ بے جان بتوں کی مذمت کا برا منایا جائے اور اس کے انتقام میں خالق حقیقی اور قادر ومختار کی مذمت کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے' عنقریب میں تم لوگوں کو اپنی نشانیاں دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلد بازی نہ کرو○ وہ کہتے ہیں کہ یہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟○ کاش ان کافروں کو اس وقت کا علم ہوتا جب یہ اپنے چہروں اور اپنی پیٹھوں سے آگ کو دور نہ کر سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی○ بلکہ وہ (قیامت) ان کے پاس اچانک ہی آ جائے گی اور وہ اس کو مسترد کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی○ اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا (بھی) مذاق اڑایا گیا تھا' سو مذاق اڑانے والوں کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے○

(الانبیاء: ۴۱۔۳۷)

عجلت کا انسان کی فطرت میں داخل ہونا

اس آیت میں فرمایا: انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے' اس میں انسان سے کیا مراد ہے اس میں تین قول ہیں ایک یہ ہے کہ اس سے جنس انسان مراد ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں' اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے نضر بن حارث مراد ہے۔

اگر یہ مراد لیا جائے کہ اس آیت میں انسان سے جنس انسان مراد ہے تو پھر اس کی تقریر اس طرح ہے کفار عذاب الٰہی کے نزول میں جلدی کرتے تھے وہ کہتے تھے اگر یہ نبی برحق ہیں اور ہم ان کی تکذیب کرنے میں جھوٹے ہیں تو چاہیے کہ فوراً ہم پر عذاب آئے' یا وہ یہ کہتے تھے کہ اگر یہ نبی سچے ہیں تو ان کو چاہیے کہ یہ بہت جلد ایسے معجزات لے کر آئیں جن کی وجہ سے ہم فوراً ایمان لے آئیں' یا جن نشانیوں کا ہم نے مطالبہ کیا ہے ان نشانیوں کو وہ جلد از جلد لے آئیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں'

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب حضرت آدم میں روح پھونکی گئی تو جب وہ روح ان کے سر میں پہنچی تو ان کو چھینک آئی' فرشتوں نے کہا آپ کہیے الحمد للہ' حضرت آدم نے کہا الحمد للہ' اللہ تعالیٰ نے فرمایا رحمک ربک 'آپ کا رب آپ پر رحم کرے' پھر جب روح آپ کی

آنکھوں میں پہنچی اور آپ نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا تو آپ کے پیٹ میں طعام کی خواہش پیدا ہوئی تو اس سے پہلے کہ روح آپ کی ٹانگوں میں پہنچتی آپ جنت کے پھلوں کی طرف لپکے تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے کہ انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

مجاہد نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ حضرت آدم کو تمام چیزوں کے پیدا کرنے کے بعد دن کے آخری حصہ میں پیدا کیا گیا جب روح ان کی آنکھوں' زبان اور سر تک پہنچی اور ابھی سر کے نچلے حصہ میں نہیں پہنچی تھی تو انہوں نے کہا اے میرے رب میری خلقت کو غروب شمس سے پہلے مکمل کر دے۔

امام ابن جریر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے یعنی انسان کی فطرت اور خلقت میں عجلت رکھی گئی ہے۔

(جامع البیان جز ۱۷ص ۳۷ - ۳۵ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اور عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد نضر بن الحارث ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار جو عذاب کی طلب میں عجلت کرتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عذاب کی وعید کی تکذیب کرتے تھے درحقیقت وہ عجلت نہیں کرتے تھے بلکہ عذاب کی وعید کو جھوٹا کہتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتبار سے وہ زیادہ لائق مذمت ہیں' کیونکہ جو چیز معلوم ہو اور پتا ہو کہ وہ کب حاصل ہو گی تو اس کی طلب میں عجلت کرنا لائق مذمت ہے' تو جس چیز کے وقوع کا وقت معلوم نہ ہو اس کی طلب میں عجلت کرنا تو زیادہ لائق مذمت ہے' نیز وہ عذاب کی طلب میں جلدی کرتے تھے یا قیامت کی طلب میں جلدی کرتے تھے' حالانکہ عذاب کا آنا یا قیامت کا آنا تو ان کی ہلاکت کا موجب ہے پس اس سے زیادہ لائق مذمت اور کیا چیز ہو گی کہ وہ اپنی ہلاکت کی طلب میں جلدی کرتے تھے۔

عجلت کی بناء پر کفار کی مذمت کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب میں تم لوگوں کو اپنی نشانیاں دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلد بازی نہ کرو۔ اس آیت میں نشانیوں کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) عنقریب تم کو دنیا میں جلد ہلاک کر دیا جائے گا خواہ آسمانی عذاب کے ذریعہ خواہ کسی جہاد میں' جیسے جنگ بدر میں کفار مارے گئے پھر اس کے فوراً بعد تم کو اخروی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس لیے فرمایا یہ امر عنقریب ہونے والا ہے تم اس کے مطالبہ میں جلدی نہ کرو۔

(۲) ان نشانیوں سے مراد توحید اور رسالت کے دلائل ہیں اور قرآن مجید کی آیات میں یہ دلائل تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔

(۳) تم شام اور یمن کی طرف سفر کرتے رہتے ہو' وہاں دوران سفر تم نے گزشتہ قوموں کی بستیوں کی ہلاکت اور تباہی کے آثار دیکھے ہیں۔

کفار کی عجلت کے باوجود ان پر فوراً عذاب نازل نہ کرنے کی توجیہ

کفار کہتے تھے: یہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟ (الانبیاء: ۳۸) کفار یہ اس لیے نہیں کہتے تھے کہ واقعی ان کو عذاب کا یا قیامت کا شدت سے انتظار تھا' بلکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کے لیے اس طرح کہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۵۳)

یہ لوگ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں' اگر نزول عذاب کا ایک مقرر وقت نہ ہوتا تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا اور ان پر ان کی بے خبری میں ضرور عذاب آئے گا۔

یعنی ان کے اعمال اور اقوال تو یقیناً اس لائق ہیں کہ ان کو فوراً صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے' لیکن ہماری سنت یہ ہے کہ ہم ہر قوم کو ایک خاص وقت تک مہلت دیتے ہیں اور جب وہ مہلت ختم ہو جاتی ہے تو ان پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ اور ہم نے عذاب کو نازل کرنے کا ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے اور جب اس کا مقرر شدہ وقت آ جائے گا تو ان پر اس طرح عذاب آئے گا کہ ان کو پتا بھی نہیں چلے گا' اگر اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے تو اس کی مثال جنگ بدر میں کفار کا مارا جانا ہے' اور اگر اس سے مراد قیامت کا عذاب ہے تو قیامت ان پر اچانک آ جائے گی۔

کفار کے استہزاء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے استہزاء اور ان کے مذاق اڑانے سے رنج ہوتا تھا اور تکلیف پہنچتی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس رنج اور تکلیف کو زائل کرنے کے لیے فرمایا: کاش ان کافروں کو اس وقت کا علم ہوتا جب یہ اپنے چہروں اور اپنی پیٹھوں سے آگ کو دور نہ کر سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ (الانبیا: ۳۹) یعنی وہ وقت ان کے لیے سخت مشکل اور عذاب کا ہوگا جب دوزخ کی آگ ان کو آگے اور پیچھے سے گھیر لے گی اور یہ اس آگ کو اپنے نفسوں سے دور کرنے پر قادر نہیں ہوں گے اور ان کو اس وقت کوئی مددگار میسر نہیں ہوگا جو اس آڑے وقت میں ان کے کام آ سکے۔ اس آیت میں ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان اعضاء پر عذاب بہت شدت کے ساتھ محسوس ہوتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کی شدت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس عذاب کی آمد کا وقت معلوم نہیں ہے بلکہ ان پر وہ عذاب اچانک ہی آ جائے گا' وہ اس عذاب کے منتظر ہوں گے اور نہ وہ عذاب ان کے وہم و گمان میں ہوگا۔ وہ اس عذاب کے نزول کے وقت حیرت زدہ ہوں گے' اس عذاب کو دور کرنے کا کوئی حیلہ ان کی دسترس میں ہوگا اور نہ کوئی ان کی مدد کے لیے پہنچے گا نہ ان کو توبہ کرنے یا معذرت کرنے کی مہلت دی جائے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے فرمایا: اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا (بھی) مذاق اڑایا گیا تھا' سو مذاق اڑانے والوں کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے (الانبیاء: ۴۱) یعنی اگر آپ کا یہ کفار مکہ مذاق اڑا رہے ہیں تو آپ رنج اور غم نہ کریں' یہ کوئی نئی بات نہیں ہے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے اور حق بات کہنے والوں کو ہمیشہ ایسی دل آزار باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ

آپ کہیے کہ رات اور دن میں رحمٰن کے عذاب سے تمہاری کون حفاظت کر سکتا ہے؟ بلکہ یہ تو

عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۲ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ

اپنے رب کے ذکر سے ہی منہ پھیرنے والے ہیں ۝ کیا ان کے پاس کوئی اور معبود ہیں جو ان کو ہمارے عذاب سے چھڑا لیں گے'

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِنَّا يُصْحَبُونَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا

وہ تو خود اپنی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی مدد کی جائے گی ○ بلکہ ہم نے ان کو اور

هٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي

ان کے باپ دادا کو دنیا کی زندگی میں بہت نفع پہنچایا حتیٰ کہ ان کی زندگی بہت لمبی ہو گئی، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم

الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۗ أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۴۴﴾ قُلْ إِنَّمَا

ان پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آ رہے ہیں، تو کیا یہ اب بھی غالب ہو سکتے ہیں ؟ ○ آپ کہیے میں تم کو

أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۚ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنْذَرُونَ ﴿۴۵﴾

صرف وحی سے ڈرا رہا ہوں اور بہروں کو جب ڈرایا جائے تو وہ کسی پکار کو نہیں سنتے ○

وَلَئِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَا وَيْلَنَا إِنَّا

اور اگر ان کو آپ کے رب کا عذاب ذرا سا بھی چھو جائے تو یہ ضرور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی ہم ضرور

كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ

ظلم کرنے والے تھے ○ اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو رکھیں گے، سو کسی شخص پر بالکل

نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا

ظلم نہیں کیا جائے گا، اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ برابر بھی ہوا تو ہم اس کو لے آئیں

بِهَا ۗ وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِينَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسٰى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ

گے اور ہم حساب کرنے کے لیے کافی ہیں ○ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو کتاب فیصل اور

وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِلْمُتَّقِينَ ﴿۴۸﴾ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنَ

روشنی اور متقین کے لیے نصیحت دی ○ جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ

السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ ۚ أَفَأَنْتُمْ لَهُ

قیامت سے بھی ڈرنے والے ہیں ○ اور یہ برکت والا ذکر ہے جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے سو کیا تم اس کا

مُنكِرُونَ ﴿٥٠﴾

انکار کرنے والے ہو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ رات اور دن میں رحمٰن (کے عذاب) سے تمہاری کون حفاظت کر سکتا ہے؟ بلکہ یہ تو اپنے رب کے ذکر سے ہی منہ پھیرنے والے ہیں○ کیا ان کے پاس کوئی اور معبود ہیں جو ان کو ہمارے عذاب سے چھڑالیں گے وہ تو خود اپنی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی مدد کی جائے گی○ بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا کی زندگی میں بہت نفع پہنچایا حتیٰ کہ ان کی زندگی بہت لمبی ہوگئی۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم ان پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آ رہے ہیں تو کیا یہ اب بھی غالب ہو سکتے ہیں؟○ (الانبیاء: ۴۴-۴۲)

دنیا میں کافروں کی حفاظت کرنا

یکلئو کم: اس کا مادہ کلاء ہے۔ اس کا معنی ہے حراست اور حفاظت کرنا۔ کلاہ اللہ کا معنی ہے اللہ اس کو حفاظت میں رکھے۔ اس آیت سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کفار آخرت میں اپنے چہروں اور پیٹھوں کو دوزخ کی آگ سے نہیں بچا سکتے اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ دنیا میں بھی اگر اللہ ان کی حفاظت نہ کرتا تو وہ عذاب میں مبتلا ہو جاتے۔ یعنی وہ اپنے کفر اور سرکشی کی وجہ سے جس عذاب کے مستحق ہیں' اس سے ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی بچایا ہوا ہے' یا دنیا کی آفات اور مصائب سے یا مختلف جنگوں میں مارے جانے اور قید کیے جانے سے ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی حفاظت میں رکھا ہوا ہے ورنہ ان کے کرتوت تو ایسے تھے کہ ان کو اب تک صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور اس کی اطاعت کرتے' شکر اور اطاعت تو بجائے خود رہی' وہ تو اللہ تعالیٰ کو یاد بھی نہیں کرتے۔

لایصحبون کا معنی

الانبیاء: ۴۳ میں فرمایا ہے: ولاھم منا یصحبون۔ عام طور پر مترجمین نے اس کا معنی صحبت اور رفاقت کیا ہے۔ شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

اور نہ وہ ہماری طرف سے رفاقت کیے جاتے ہیں۔

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ نے لکھا ہے: اور نہ ان کی ہماری طرف سے رفاقت ہو۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ نے اس کے ترجمہ میں کہا ہے:

اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی اور ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔

ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اور نہ ہماری طرف سے ان کی مدد کی جائے گی۔

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں: المازنی نے کہا ہے جب تم کسی کی حفاظت کرو تو کہا جاتا ہے اصحبت الرجل یعنی صحب کا معنی حفاظت کرنا ہے' اور اس آیت میں یصحبون کا معنی صحبت سے نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صحبت یہاں پر نصرت اور مدد کے معنی میں ہے۔ مسافر کے لیے کہا جاتا ہے صحبک اللہ و نصرک اللہ' اللہ تمہارا صاحب ہو اور اللہ تمہاری مدد کرے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کو ہماری طرف سے کوئی مدد اور اعانت حاصل نہیں ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار اپنے معبودوں کے متعلق یہ کہتے تھے کہ وہ آخرت میں ہماری مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ وہ نہ تو خود اپنی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اللہ کی طرف سے ان کی مدد کی جائے گی۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

پہلے زمین کے کنارے کافروں پر کم ہو رہے تھے اور اب مسلمانوں پر

الانبیاء: ۴۴ میں فرمایا: کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم ان پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آ رہے ہیں۔
اس آیت کا معنی یہ ہے کہ سرزمینِ عرب کے جن علاقوں پر پہلے کفار قابض تھے اب ہم کافروں کو پیہم شکست دے کر ان علاقوں پر مسلمانوں کو قابض اور فتح یاب کرتے چلے آ رہے ہیں اور جن علاقوں پر کافروں کی حکومت اور ان کا تسلط تھا' ان کو ہم کم کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا اب بھی کافروں کو یہ امید ہے کہ وہ مسلمانوں پر غالب آ جائیں گے جبکہ سرزمینِ عرب میں اب اسلام پھیلتا جا رہا ہے۔

تقریباً ایک ہزار صدی ہجری تک ایسا ہی تھا جب تک مسلمان فنونِ حرب میں ترقی کرتے رہے اور علم و دانش کی تحقیقات میں مصروف رہے اور عیش کوشی اور رقص و سرود کی محفلیں سجانے اور طوائف الملوکی سے دُور رہے' مسلمانوں کو غلبہ رہا لیکن جب وہ ایک دوسرے سے اقتدار کی چھینا جھپٹی میں مشغول ہو گئے اور وحدتِ ملی کو پارہ پارہ کر دیا' ان کی دانش گاہیں ویران اور عشرت کدے آباد ہو گئے اور وہ اپنی سلطنت کے ٹکڑوں کو دوسرے مسلمان حاکموں سے بچانے کے لیے اسلام دشمنوں سے مدد حاصل کرنے لگے تو پھر وہ دنیا میں مغلوب اور محکوم ہوتے گئے۔ اسپین آپس کی اسی رقیبانہ چھینا جھپٹی سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا' متحدہ ہندوستان کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا' مشرقی پاکستان بھارت کی شہ پر بنگلہ دیش بن گیا' ماوراء النہر کی مسلم ریاستیں روس میں ضم ہو گئیں تھیں اور اب باقی ماندہ پاکستان بھی بے راہ روی' غیر ملکی قرضوں کے اللوں تللوں اور آپس کی لوٹ مار اور تعصب کے طوفان میں ہچکولے کھا رہا ہے۔ چیچنیا' بوسنیا' یوگوسلاویہ اور فلسطین کے مسلمان اپنی آزادی اور بقاء کے لیے غیر مسلم طاقتوں کی طرف دیکھ رہے ہیں اور انڈونیشیا اور ملائیشیا بھی اب غیر یقینی حالات سے دوچار ہیں۔ چین اور بھارت میں کروڑوں مسلمان غلامانہ طریقہ سے رہنے پر مجبور ہیں۔ سو اب زمین کے کنارے مسلمانوں کے لیے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس انقلاب کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قرآن کی آیات اب جھوٹی ہو گئیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب ہم اجتماعی طور پر قرآن کی ہدایت اور اس کے معیار کے مطابق مسلمان نہیں رہے' جب ہم قرآن کے معیار کے مطابق مسلمان تھے تو زمین کے کنارے ہم پر کشادہ اور وسیع ہو رہے تھے اور کفار پر تنگ اور کم ہو رہے تھے اور جب ہم قرآن کے معیار کے مطابق مسلمان نہیں رہے تو دنیا میں حکومت اور اقتدار کا نقشہ بھی بدلنے لگا۔

کافروں پر زمین کے کنارے کم ہونے کی سید مودودی کی تفسیر پر تبصرہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے کفار پر زمین کے کناروں کو کم کرنے کی تفسیر میں لکھا ہے:
اچانک کبھی قحط کی شکل میں' کبھی وباء کی شکل میں' کبھی سیلاب کی شکل میں' کبھی زلزلے کی شکل میں' کبھی سردی یا گرمی کی شکل میں اور کبھی کسی اور شکل میں کوئی بلا ایسی آ جاتی ہے جو انسان کے سب کیے دھرے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ ہزاروں' لاکھوں آدمی مر جاتے ہیں' بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں' لہلہاتی کھیتیاں غارت ہو جاتی ہیں' پیداوار گھٹ جاتی ہے' تجارتوں میں کساد بازاری آنے لگتی ہے' غرض انسان کے وسائل زندگی میں کبھی کسی طرف سے کمی ہو جاتی ہے اور کبھی کسی طرف سے۔
(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۶۱' مطبوعہ لاہور' ۱۹۸۳ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ قدرتی آفات اور موسمی تغیرات سے دن بہ دن انسانوں کی آبادی کم ہو رہی ہے اور اس طرح زمین کے کنارے انسانوں کے وجود سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ تفسیر دو وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ اوّل وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں مطلقاً انسانوں کے وجود سے زمین کے کناروں کا کم ہونا نہیں فرمایا بلکہ کافروں کے متعلق فرمایا ہے

کہ ہم ان پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آ رہے ہیں' جبکہ سید مودودی کی تقریر مطلقاً انسانوں کے بارے میں ہے اور ثانی وجہ یہ ہے کہ مشاہدہ سے یہ ثابت ہے کہ دن بہ دن انسانوں کی آبادی فزوں تر ہو رہی ہے اور بڑھتی جا رہی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں موجودہ مغربی پاکستان کی آبادی ساڑھے تین کروڑ تھی اور اب ۲۰۰۱ء میں ساڑھے بارہ کروڑ ہے۔ بھارت کی آبادی ۱۹۴۷ء میں چالیس کروڑ سے کم تھی اور اب ایک ارب سے زیادہ ہے۔ اس لیے اس آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔

اس لیے اس آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ میں مکہ میں جو کفر و اسلام کے درمیان آویزش تھی' اس میں مکہ کے مسلمانوں پر اگرچہ کفار ظلم و ستم کر رہے تھے اور بہ ظاہر غالب تھے لیکن مکہ کے اطراف میں اور مدینہ میں اسلام کی دعوت جڑ پکڑ رہی تھی اور کفار کا حیطہ اقتدار دن بہ دن کم ہو رہا تھا اور بہ تدریج اسلام کا غلبہ ہو رہا تھا' ان حالات کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم ان پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آ رہے ہیں تو کیا یہ اب بھی غالب ہو سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں تم کو صرف وحی سے ڈرا رہا ہوں اور بہروں کو جب ڈرایا جائے تو وہ کسی پکار کو نہیں سنتے ○ اور اگر ان کو آپ کے رب کا عذاب ذرا سا بھی چھو جائے تو یہ ضرور کہیں گے ○ ہائے ہماری کم بختی ہم ضرور ظلم کرنے والے تھے ○ اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو رکھیں گے' سو کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوا تو ہم اس کو لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے کے لیے کافی ہیں ○ (الانبیاء: ۴۷-۴۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں اس کلام کو سنا کر ڈرا رہا ہوں جو تمہارے رب کا کلام ہے' تم یہ گمان نہ کرو کہ میں اپنی طرف سے کچھ کہہ رہا ہوں اور اب جب کہ میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے تو تم پر اس کا قبول کرنا لازم ہے' اور اگر تم نے اس پیغام کو قبول نہ کیا اور اس کے تقاضوں پر عمل نہ کیا تو اس کا وبال صرف تم پر ہوگا۔ اس آیت میں ان کافروں کو بہرا فرمایا ہے کیونکہ سننے کی غرض و غایت یہ ہے کہ حق کو سن کر اس کو قبول کیا جائے لیکن جب انہوں نے پیغامِ حق کو قبول نہیں کیا تو گویا انہوں نے اس کو نہیں سنا اور وہ بہرے ہیں۔

الانبیاء: ۴۶ میں نفحۃ کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے ہوا کا جھونکا۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اب تو یہ اپنے تکبر اور سرکشی کی وجہ سے عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن اگر ان کو معمولی سا عذاب بھی چھو گیا تو ان کی ساری اکڑ فوں جاتی رہے گی اور اس وقت یہ ضرور کہیں گے کہ ہائے ہماری بدبختی! اللہ کے رسول تو ہمیں اس عذاب سے بچانے کے لیے آئے تھے' ہم نے خود ہی ان کے پیغام کو مسترد کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

میزان میں اعمال کا وزن کرنے کی تحقیق

الانبیاء: ۴۷ میں موازین کا ذکر ہے۔ یہ میزان واحد ہے اور اس کو جمع اس لیے لائے ہیں کہ اس میں تمام مخلوق کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ گویا یہ میزان اگرچہ واحد ہے لیکن یہ موازین کا کام دے گی اور اس کو قسط (انصاف) کے ساتھ مقید فرمایا کیونکہ دنیا میں بعض میزان عدل کے ساتھ قائم ہوتی ہیں اور بعض ظلم کے ساتھ' اور یہ آخرت کی میزان صرف عدل اور قسط کے ساتھ قائم ہوگی۔

موازین کے متعلق دو قول ہیں مجاہد' قتادہ اور ضحاک کا قول یہ ہے کہ وزن کرنے کا معنی یہ ہے کہ ان کے اعمال میں انصاف کیا جائے گا۔ پس جس کی نیکیوں نے اس کی برائیوں کا احاطہ کر لیا ہو گا' اس کے میزان کا پلڑہ بھاری ہوگا اور جس کی برائیوں نے اس کی نیکیوں کا احاطہ کر لیا ہو گا' اس کے میزان کا پلڑہ ہلکا ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اعمال کا حقیقتاً وزن کیا جائے گا۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ نیکیوں اور برائیوں کے الگ الگ رجسٹر ہوں گے' ایک پلڑہ میں نیکیوں کے رجسٹر ہوں گے اور دوسرے پلڑہ میں برائیوں کے رجسٹر ہوں گے۔ جو پلڑہ بھاری ہوگا اسی کے مطابق اس شخص کا فیصلہ کیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نیک اعمال کو سفید اور حسین صورتوں میں مجسم کر دیا جائے گا اور برے اعمال کو سیاہ اور قبیح صورتوں میں مجسم کر دیا جائے گا اور ان صورتوں کا وزن کیا جائے گا۔

میزان میں وزن کرنے کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! میرے دو غلام ہیں جو میری تکذیب کرتے ہیں اور میری خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں۔ میں ان کو برا کہتا ہوں اور مارتا ہوں' میرا اور ان کا آخرت میں کس طرح معاملہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: انہوں نے جو تمہاری خیانت اور تکذیب کی ہے اور تمہاری نافرمانی کی ہے اور تم نے اس پر جو ان کو سزا دی ہے' ان کا وزن کیا جائے گا اگر تمہاری سزا ان کے جرائم کے مطابق ہے تو معاملہ برابر ہو جائے گا۔ نہ تمہیں ثواب ہوگا اور نہ عذاب ہوگا اور اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے کم ہوئی تو یہ تمہاری فضیلت ہے اور اگر تمہاری دی ہوئی سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوئی تو اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائے گا۔ وہ شخص ایک طرف ہو کر رونے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ (الانبیاء: ۴۷)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو رکھیں گے سو کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوا تو ہم اس کو لے آئیں گے۔

اس شخص نے کہا اب مجھے اپنے اور ان غلاموں کے درمیان نجات کی صورت یہی نظر آتی ہے کہ میں ان غلاموں کو خود سے جدا کر دوں۔ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ وہ غلام آزاد ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۵' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۰)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری اُمت میں سے ایک شخص کو قیامت کے دن تمام مخلوق سے ممتاز اور متمیز کر کے الگ کھڑا کرے گا پھر اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے جو منتہاء بصر تک ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' تم ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ وہ کہے گا' نہیں! اے میرے رب! اللہ فرمائے گا! کیا تمہارا کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا' نہیں! اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں نہیں؟ ہمارے پاس تمہاری ایک نیکی ہے' آج تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا پھر ایک پرچی نکالی جائے گی جس پر لکھا ہوگا: اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ اللہ فرمائے گا اس کو اپنے میزان پر رکھو۔ وہ شخص کہے گا اے میرے رب! ان رجسٹروں کے مقابلے میں اس ایک پرچی کا کیا وزن ہوگا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا پھر ان گناہوں کے رجسٹروں کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور اس پرچی کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو وہ رجسٹروں کا پلڑہ ہلکا ہوگا اور اس پرچی کا پلڑہ بھاری ہوگا اور اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۲۵' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۷۲۲' المستدرک ج ۱ ص ۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۳۲۱)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ صحائف اعمال کو وزن کیا جائے گا اور اس کی تائید قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الانفطار: ۱۲-۱۰) بے شک تم پر نگہبان ہیں ○ معزز لکھنے والے مقرر ہیں ○ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو جانتے ہیں۔

حضرت ابن عمر نے فرمایا: اس آیت میں یہ ثبوت ہے کہ صحائفِ اعمال کو وزن کیا جائے گا اور صحائف اجسام ہیں' ان کا وزن کیا جاسکتا ہے۔

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ابن آدم کو لایا جائے گا اور اس کو میزان کے دو پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اس کے ساتھ ایک فرشتہ کو مقرر کیا جائے گا اگر اس کے میزان کا پلڑہ بھاری ہوگا تو فرشتہ بلند آواز سے کہے گا جس کو تمام مخلوق سنے گی فلاں شخص ایسی کامیابی کے ساتھ کامیاب ہوگیا کہ اب نامراد نہیں ہوگا' اور اگر اس کے میزان کا پلڑہ ہلکا ہوگیا تو یہ فرشتہ بلند آواز سے کہے گا جس کو تمام مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص ایسی ناکامی کے ساتھ ناکام ہوگیا کہ اب کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ (البدور السافرہ ص ۳۱۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۴۷۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میزان کے دو پلڑے ہیں اور ایک زبان ہے' اس میں نیکیوں اور برائیوں کو وزن کیا جائے گا' نیکیوں کو حسین صورتوں میں متمثل کر کے میزان کے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو وہ پلڑہ بھاری ہو جائے گا پھر اس کو جنت میں اس کے مرتبہ میں رکھ دیا جائے گا پھر مومن سے کہا جائے گا' اپنے عمل کے ساتھ جا کر مل جاؤ پھر وہ جنت میں جائے گا اور اپنے عمل کی وجہ سے اپنے ٹھکانے کو پہچان لے گا' اور ایک شخص کے گناہوں کو بری شکل میں متشکل کر کے میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو وہ پلڑہ ہلکا ہو جائے گا اور باطل ہلکا ہوتا ہے پھر اس شخص کو دوزخ میں اس کے ٹھکانے میں پھینک دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا جا کر دوزخ میں اپنے عمل سے مل جاؤ۔ وہ دوزخ میں جا کر اپنے عمل کی وجہ سے اپنے ٹھکانے کو پہچان لے گا اور عذاب کی ان اقسام کو جو اللہ نے اس کے لیے تیار کی ہیں۔

(شعب الایمان ج ۱ ص ۲۸۳' رقم الحدیث: ۲۸۲' البدور السافرہ رقم الحدیث: ۹۲۶)

میزان میں وزن کرنے کی حکمتیں

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نیک اعمال کو حسین صورتوں میں متمثل کر کے اور برے اعمال کو قبیح صورتوں میں متشکل کر کے ان کا وزن کیا جائے گا' اور اس سے پہلے سنن ترمذی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ صحائفِ اعمال کا میزان میں وزن کیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ دونوں طرح سے اعمال کا میزان میں وزن کیا جائے اور یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر انسان کے نیک اور بد عمل کا علم ہے۔ وزن اس لیے کیا جائے گا کہ اس شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جارہا' اس کے اعمال کے مطابق اس کو جزا دی جا رہی ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ معاف کر دے' اس کو یہ معلوم ہو کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا کتنا کرم ہے۔ اس کے گناہ کس قدر زیادہ اور نیکیاں کس قدر کم تھیں پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا' اور میزان سے نتیجہ معلوم ہونے کے بعد شفاعت کرنے والے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی شفاعت کریں اور جن مقربین کو اللہ تعالیٰ بلند درجات عطا فرمائے تو اہل محشر پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان عظیم عبادات کی وجہ سے ان کو نواز رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے محبوبین کی شان اور ان کی عبادات کا کمال ظاہر ہو۔ اسی طرح کوئی شخص لوگوں کے نزدیک بہت نیک اور بزرگ ہوتا ہے اور وہ اس کو اللہ تعالیٰ کا بہت مقرب ولی جانتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ بہت بدکار اور مبغوض ہوتا ہے اگر اعمال کا وزن کیے بغیر اس کو سزا دی جاتی' لوگ سمجھتے اس پر

ظلم ہو رہا ہے سو اللہ تعالیٰ اپنے عدل کو ظاہر کرنے کے لیے اس کے اعمال کا وزن کرائے گا۔

میزان کے خطرہ سے بچنے کے لیے حقوق العباد کی ادائیگی ضروری ہے

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

یاد رکھو! میزان کے خطرہ سے قیامت کے دن وہی شخص نجات پا سکتا ہے جو دنیا میں میزان شرع سے اپنے اعمال' اقوال اور خواہشوں کا محاسبہ کرے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آخرت کے محاسبہ سے پہلے اپنا محاسبہ کرلو اور آخرت میں وزن سے پہلے اپنے اعمال کا وزن کرلو۔ انسان اپنا محاسبہ کر کے موت سے پہلے ہر گناہ سے پکی توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی میں جو تقصیر ہوگئی ہے' اس کا تدارک کرے اور لوگوں کے جو حقوق اس پر واجب ہیں' ان کو ادا کر دے اور اس نے لوگوں پر جو زیادتیاں کی ہیں' ان کی تلافی کرے۔ اس نے جس کو زبان سے جو تکلیف دی ہے یا جس کی غیبت کی ہے یا جس کے متعلق بدگمانی کی ہے' مرنے سے پہلے ان کو راضی کر لے تو وہ بغیر محاسبہ کے جنت میں داخل ہو جائے گا' اور جو لوگوں کے حقوق ادا کرنے اور زیادتیاں معاف کرانے سے پہلے مر گیا تو قیامت کے دن اس کو حق دار گھیر لیں گے۔ کوئی شخص کہے گا اس نے مجھ پر ظلم کیا تھا۔ کوئی شخص کہے گا اس نے مجھے گالی دی تھی۔ کوئی شخص کہے گا اس نے میرا مذاق اُڑایا تھا۔ کوئی شخص کہے گا اس نے میری غیبت کی تھی۔ کوئی کہے گا یہ میرا پڑوسی تھا اور اس نے ہمسائیگی کا حق ادا نہیں کیا۔ کوئی شخص کہے گا اس نے مجھے فلاں چیز فروخت کی اور عیب دار چیز دی یا بیچ میں دھوکا کیا یا قیمت بتانے میں جھوٹ بولا۔ یہ غنی اور میں محتاج تھا' اس نے میری مدد نہیں کی' میں بھوکا تھا اس نے مجھے کھلایا نہیں' مجھ پر ظلم ہو رہا تھا اور اس نے قادر ہونے کے باوجود مجھ سے ظلم دُور نہیں کیا۔ اس نے میرے ساتھ خیانت کی اور اس نے مجھے حقارت سے دیکھا پھر اس وقت ان حق داروں کا حق تم سے دلایا جائے گا۔ ان حقوق کے بدلے میں تمہاری نیکیاں ان کو دی جائیں گی اور جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہ تمہارے اوپر ڈال دیئے جائیں گے۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۴۵۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ مسلمانوں نے کہا ہمارے نزدیک مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس کوئی درہم ہو' نہ کوئی متاع ہو۔ آپ نے فرمایا: میری اُمت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نمازیں' روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے اس شخص کو گالی دی ہوگی اور اس شخص کو تہمت لگائی ہوگی اور اس کا مال کھایا ہوگا اور اس کا خون بہایا ہوگا اور اس کا مارا ہوگا۔ پس ان کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور جب ان کے حقوق ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہوں کو اس پر ڈال دیا جائے گا اور پھر اس شخص کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۱۶' عالم الکتب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن حقوق والوں کو ان کے حقوق ادا کیے جائیں گے حتیٰ کہ سینگوں والی بکری سے بغیر سینگ والی بکری کا بدلہ لیا جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۴۴' المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۶۷)

اللہ تعالیٰ کرم فرمائے تو حقوق العباد بھی معاف کرا دے گا

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد المعروف بابن ابی الدنیا متوفی ۲۸۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہل دوزخ' دوزخ میں چلے جائیں گے اور وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے ذمہ

(ایک دوسرے کا) حساب ہوگا تو عرش کے نیچے سے ایک منادی ندا کرے گا اے اہل محشر! تم اپنے اوپر ایک دوسرے کا کیا ہوا ظلم معاف کرو اور تمہارا ثواب میرے ذمہ ہے۔

(رسائل ابن ابی الدنیا' حسن الظن باللہ تعالیٰ رقم الحدیث: ۱۱۵' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۳۵۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۵۵)

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک مومن آئے گا اور وہ اپنے مقروض کو پکڑ لے گا اور کہے گا میں نے اس شخص سے قرض لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے بندوں کا حق معاف کرنے کا میں زیادہ حق دار ہوں پھر اللہ اس قرض خواہ کو راضی کرے گا اور اس وجہ سے اس کی مغفرت کر دے گا۔

(حسن الظن باللہ رقم الحدیث: ۱۱۶' (رسائل ابن ابی الدنیا) مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے آپ کو ہنستے ہوئے دیکھا حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا: میری اُمت کے دو آدمی اپنے رب کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے' ان میں سے ایک کہے گا اے میرے رب! میرے اس بھائی سے مجھ پر ظلم کرنے کا بدلہ لے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم اپنے اس بھائی پر ظلم کرنے کا بدلہ دو' وہ شخص کہے گا میری نیکیوں میں سے تو اب کچھ باقی نہیں ہے (سب نیکیاں حق دار لے گئے) وہ شخص (مظلوم اور صاحب حق) کہے گا پھر میرے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں۔ پس گریہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' پھر آپ نے فرمایا: یہ بہت عظیم دن ہوگا اور لوگ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ ان کے گناہ ان سے ہٹا لیے جائیں پھر اللہ تعالیٰ حق طلب کرنے والے سے فرمائے گا اپنا سر اُٹھا کر جنتوں کی طرف دیکھ۔ وہ شخص سر اُٹھا کر دیکھے گا اور کہے گا اے میرے رب! میں چاندی اور سونے کے محلات دیکھ رہا ہوں جن میں موتی جڑے ہوئے ہیں' یہ کسی نبی کے لیے ہیں یا کسی صدیق کے لیے ہیں یا کسی شہید کے لیے ہیں؟ اللہ عزوجل فرمائے گا یہ اس شخص کے لیے ہیں جو ان کی قیمت ادا کرے۔ وہ شخص کہے گا اے میرے رب! ان کی قیمت کون ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم ان کی قیمت ادا کر سکتے ہو۔ وہ شخص پوچھے گا اے میرے رب! ان کی کیا قیمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم اپنے بھائی کی زیادتی معاف کر دو۔ وہ شخص کہے گا۔ اے میرے رب! میں نے معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اپنے بھائی کو ساتھ لو اور اس کو جنت میں داخل کر دو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مومنین کے درمیان صلح کرائے گا۔ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (رسائل ابن ابی الدنیا' حسن الظن باللہ رقم الحدیث: ۱۱۷' المستدرک رقم الحدیث: ۸۷۵۸)

وزن کیے جانے والوں کی تین قسمیں

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

آخرت میں لوگوں کے تین طبقات ہوں گے۔ بعض ایسے مسلمان ہوں گے جن کا کوئی کبیرہ گناہ نہیں ہوگا' یہ متقین ہیں' اور بعض ایسے مسلمان ہوں گے جن کے فواحش اور کبیرہ گناہ بھی ہوں گے اور ان کی نیکیاں بھی ہوں گی' یہ مخلطین ہیں اور تیسری قسم میں کفار اور مشرکین ہیں۔

رہے متقین تو ان کی نیکیاں ایک روشن پلڑے میں رکھی جائیں گی اور ان کے صغیرہ گناہ دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے صغیرہ گناہوں کا کوئی وزن نہیں ہونے دے گا اور ان کی نیکیوں کا پلڑہ بھاری ہو جائے گا اور دوسرا تاریک پلڑہ وزن سے خالی رہے گا۔

اور رہے مخلطین تو ان کی نیکیاں روشن پلڑے میں رکھی جائیں گی اور ان کی برائیاں تاریک پلڑے میں رکھی جائیں گی۔ پس ان کی برائیوں کا وزن ہوگا تو اگر ان کی نیکیاں زیادہ وزنی ہوں تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے خواہ ان کی نیکیوں کا وزن معمولی سا زیادہ ہو اور اگر ان کی برائیاں زیادہ وزنی ہوں تو وہ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے خواہ برائیاں معمولی سی زیادہ ہوں ماسوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے معاف فرما دے۔ اور اگر ان کی نیکیوں اور برائیوں کا وزن برابر ہو تو وہ اصحاب اعراف میں سے ہوں گے۔ یہ اس وقت ہے کہ جب ان کے گناہوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور اگر ان کے گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہو اور ان کی نیکیاں زیادہ ہوں تو ان کی نیکیوں کے ثواب کو بہ قدر حقوق کم کر دیا جائے گا' اور اگر ان کی نیکیاں دے کر بھی ان کے حقوق پورے نہ ہوئے تو حق داروں کے گناہ ان پر بہ قدر حقوق ڈال دیئے جائیں گے۔ (جیسا کہ احادیث سے گزر چکا ہے) احمد بن حرب نے کہا قیامت کے دن تین قسم کے لوگ اُٹھائے جائیں گے ایک وہ جو اعمالِ صالحہ کے اعتبار سے غنی اور خوشحال ہوں گے' دوسرے وہ جو فقراء ہوں گے یعنی ان کے اعمالِ صالحہ نہیں ہوں گے اور تیسرے وہ جو پہلے اعمالِ صالحہ کے اعتبار سے غنی ہوں گے اور پھر لوگوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد مفلس ہو جائیں گے۔ سفیان ثوری نے فرمایا اگر تم اپنے رب سے ستر گناہوں کے ساتھ ملاقات کرو' جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو تو وہ اس سے آسان ہے کہ تم ایک گناہ کے ساتھ ملاقات کرو جس کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہو۔ یہ قول صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غنی کریم ہے اور ابنِ آدم فقیر مسکین ہے' وہ اس دن ایک نیکی کا بھی محتاج ہوگا جس سے اپنے گناہ کو دُور کر سکے۔

رہا کافر تو اس کے کفر کا تاریک پلڑہ میں وزن کیا جائے گا' اس کی کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کو روشن پلڑہ میں رکھا جائے۔ اس کا روشن پلڑہ فارغ ہوگا اور نیکی اور خیر سے خالی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں جانے کا حکم دے گا اور ہر کافر کو اس کے باقی گناہوں کے اعتبار سے عذاب دیا جائے گا۔

متقین کے صغائر ان کے کبائر سے اجتناب کرنے کی وجہ سے مٹا دیئے جائیں گے' ان کو جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا اور ہر شخص کو اس کی اطاعت اور نیکیوں کے اعتبار سے اَجر وثواب دیا جائے گا۔ قرآن مجید کی میزان کی آیات میں صرف کافر اور متقی دو قسموں کا ذکر فرمایا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان کا ذکر فرمایا ہے جن کا میزان میں نیکیوں کا پلڑہ بھاری ہو اور جن کی نیکیوں کا پلڑہ خالی ہو۔ اوّل الذکر ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور ثانی الذکر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور رہے مخلطین تو ان کا ذکر احادیث میں ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام' ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے ان کی مغفرت ہو جائے گی۔ (التذکرہ ج ۲ ص ۱۹-۱۸' مطبوعہ دار البخاری مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ)

نیک لوگوں کے اعمال کا وزن ان کی فضیلت کے اظہار کے لیے کیا جائے گا اور لوگوں کے سامنے ان کی شان بڑھانے اور ان کی عزت افزائی کے لیے کیا جائے گا اور کفار کے اعمال کا وزن ان کی ذلت اور رسوائی کے اظہار کے لیے کیا جائے گا۔

حشر کے دن نیک لوگوں کی عزت افزائی کی مثال اس حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے: جو میری ذات سے محبت کرنے والے ہیں' ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے' ان کی انبیاء اور اولیاء تحسین کریں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۷' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۶۷' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۱)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو نبی

ہوں گے نہ شہید اور قیامت کے دن ان کا اللہ کے ساتھ قرب دیکھ کر انبیاء اور شہداء ان کی تحسین کریں گے۔ مسلمانوں نے کہا یارسول اللہ! ہمیں بتائیں' وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو محض اللہ کی وجہ سے لوگوں سے محبت کریں گے' ان کے درمیان کوئی رشتہ داری ہوگی اور نہ انہوں نے ان کو کوئی مال دیا ہوگا' ان کے چہرے نورانی ہوں گے' وہ نور پر فائز ہوں گے اور جب (قیامت کے دن) لوگ خوفزدہ ہوں گے تو انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غمگین ہوں گے تو انہیں کوئی غم نہیں ہوگا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (یونس: ۶۲) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۵۲۷' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۰۱۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو کتاب فیصل اور روشنی اور متقین کے لیے نصیحت دی ○ جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے بھی ڈرنے والے ہیں ○ اور یہ برکت والا ذکر ہے جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے سو کیا تم اس کا انکار کرنے والے ہو ○ (الانبیاء: ۵۰-۴۸)

فرقان کی تفسیر میں مختلف اقوال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید' رسالت اور قیامت کے دلائل کو مکمل فرمایا تو اب اس نے انبیاء علیہم السلام کے قصص کا ذکر شروع فرمایا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے جس سختی اور ہٹ دھرمی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے میں آپ کو جو مشکلات اور مصائب پیش آ رہے ہیں' اس میں آپ کو تسلی دی جا سکے اور آپ کے صبر کے لیے مثالیں اور مواقع فراہم ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے دس قصص بیان فرمائے ہیں۔ پہلا قصہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرقان کا ذکر فرمایا ہے اور اس کی تفسیر میں مفسرین کے تین قول ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ فرقان سے مراد تورات ہے کیونکہ تورات حق اور باطل میں فرق کرتی تھی اور ضیاء اور روشنی بھی تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور احکام شرعیہ کی ہدایت کے راستوں کو بہت وضاحت اور تفصیل سے بیان کرتی تھی' اور ان کے پیش آمدہ مسائل اور دین اور دنیا کی ضرورتوں میں مکمل نصیحت کرتی تھی اور اس میں ان کے شرف اور فضیلت کا پورا بیان تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فرقان سے مراد تورات نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرقان سے مراد وہ مدد ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی' جیسا کہ جنگِ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مدد کی گئی تھی اس کو بھی یوم الفرقان فرمایا:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ. (الانفال: ۴۱)

اور ہم نے اپنے بندہ پر فرقان کے دن (حق اور باطل میں فرق کے دن) جو نازل کیا جس دن دو فوجوں میں مقابلہ ہوا تھا۔

یعنی جنگ بدر کے دن جب اسلام اور کفر وشرک کے درمیان پہلا معرکہ برپا ہوا تھا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ فرقان سے مراد وہ برہان ہے جس سے دینِ حق اور ادیان باطلہ میں فرق ہوا تھا۔ یہ ابن زید کا قول ہے۔

چوتھا قول یہ ہے اس سے مراد سمندر کا چیرنا ہے جب سمندر کو چیر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بارہ راستے بنائے گئے تھے۔ یہ ضحاک کا قول ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنی اسرائیل کے شبہات کو زائل کرنا ہے۔ یہ محمد بن کعب کا قول ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ متقین کے لیے نصیحت ہے۔ اس پر اعتراض ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ تورات تمام بنی اسرائیل

کے لیے نصیحت ہوتی اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ متقین کے لیے نصیحت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تورات فی نفسہٖ تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہے لیکن چونکہ اس سے فائدہ صرف متقین نے حاصل کرنا تھا' اس لیے فرمایا یہ متقین کے لیے نصیحت ہے۔ اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ متقین تو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں' ان کے لیے نصیحت کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ متقین سے مراد ہے جو تقویٰ اور پرہیزگاری کا ارادہ کرنے والے ہوں یا ان کو مستقبل کے اعتبار سے مجازاً متقین فرمایا ہے' جیسے قرآن مجید حفظ کرنے والے کو حافظ اور میڈیکل کالج میں پڑھنے والے کو ڈاکٹر صاحب کہہ دیتے ہیں۔

غیب میں ڈرنے کا معنی

الانبیاء: ۴۹ میں فرمایا: جو غیب میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اس آیت میں غیب سے مراد آخرت کا عذاب ہے جو غیب ہے یعنی جو لوگ آخرت کے عذاب سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں' یا غیب سے مراد ان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی غیب ہے اور وہ بن دیکھے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے' اور تیسرا معنی یہ ہے کہ جس طرح وہ لوگوں کے سامنے اللہ سے ڈرتے ہیں اور بے حیائی اور برائی کے کام نہیں کرتے' اسی طرح جب لوگ ان کے سامنے نہیں ہوتے اور وہ خلوت میں ہوتے ہیں' اس وقت بھی وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور بے حیائی کے کام اور دوسرے جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے' ان کو نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ○ (الملک: ۱۲)

بے شک جو لوگ غیب (تنہائی) میں اللہ سے ڈرتے ہیں' ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔

الانبیاء: ۵۰ میں فرمایا یہ مبارک ذکر ہے یعنی اس کے بہت منافع ہیں اور اس میں بہت وسیع علوم ہیں۔ نیز فرمایا: سو کیا تم اس کا انکار کرنے والے ہو؟ یعنی تم قرآن مجید کو نازل کرنے کا کیوں انکار کر رہے ہو حالانکہ ہم اس سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون پر تورات نازل کر چکے ہیں جبکہ اس قرآن میں معجز کلام ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس میں دلائل عقلیہ ہیں اور احکام شرعیہ کا مفصل بیان ہے اور ایسی کتاب کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾

اور بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے تھے ○

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا

جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسی مورتیاں (بت) ہیں جن (کی پرستش) پر

عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ

تم جمے ہوئے ہو ○ انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا تھا ○ (ابراہیم نے) کہا بے شک

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ

تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ○ انہوں نے کہا کیا آپ واقعی حق بات کہہ رہے ہیں

أَمْ أَنتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَل رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ

یا یونہی مذاق کر رہے ہیں ○ (ابراہیم نے) کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ ۖ وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۵۶﴾

زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں ○

وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُم بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ

اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا ○ سو ابراہیم نے

جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴿۵۸﴾ قَالُوا مَن فَعَلَ

ان کے بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ○ انہوں نے کہا ہمارے معبودوں کے

هَٰذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۹﴾ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ

ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے ○ انہوں نے کہا ہم نے ایک جوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے

يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ

ہوئے سنا تھا جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے ○ انہوں نے کہا اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ﴿۶۱﴾ قَالُوا أَأَنتَ فَعَلْتَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿۶۲﴾

تاکہ سب دیکھ لیں ○ انہوں نے کہا اے ابراہیم کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے؟ ○

قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِن كَانُوا يَنطِقُونَ ﴿۶۳﴾

(ابراہیم نے) کہا بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے (یعنی ابراہیم نے) ان میں کا بڑا یہ ہے سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہوں ○

فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوا

پس انہوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور (آپس میں) کہا بے شک تم ہی ظالم ہو ○ پھر انہوں نے اپنے

عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَٰؤُلَاءِ يَنطِقُونَ ﴿۶۵﴾ قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ

سر جھکا لیے (اور شرمندگی سے کہا) تم کو معلوم ہے یہ بول نہیں سکتے ○ (ابراہیم نے) کہا کیا تم اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ

ان کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں ○ تف ہے تم پر

وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ

اور ان پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ○ انہوں نے کہا اس کو جلا دو

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ

اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو ○ ہم نے فرمایا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈک

سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ لا وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ ع

اور سلامتی ہو جا ○ انہوں نے ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلی سو ہم نے ان کو ناکام کر دیا ○

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور ہم ابراہیم کو اور لوط کو نجات دے کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت فرمائی تھی ○

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق عطا فرمایا اور اس پر زائد یعقوب عطا فرمایا اور ہم نے (ان) سب کو نیکوکار بنایا ○

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ

اور ہم نے ان کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے کی وحی کی

وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ج وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ لا وَلُوْطًا

اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے ○ اور ہم نے

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ

لوط کو حکم (نبوت) اور علم عطا فرمایا اور ان کو اس شہر سے نجات دی جس کے لوگ بے حیائی کے کام کرتے

الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ لا وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ

تھے، بے شک وہ نافرمانی کرنے والے بدترین لوگ تھے ○ اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا

۵ ع۴۵ ۵

اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۠

بے شک وہ نیکو کاروں میں سے تھے o

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جاننے والے تھے o جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسی مورتیاں (بت) ہیں جن (کی پرستش) پر تم جمے ہوئے ہو؟ o انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا تھا o (ابراہیم نے) کہا بے شک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے o انہوں نے کہا کیا آپ واقعی حق بات کہہ رہے ہیں یا یونہی مذاق کر رہے ہیں؟ o (الانبیاء: ۵۵-۵۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت عطا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصص بیان فرمائے ہیں' ان میں یہ دوسرا قصہ ہے۔ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس میں فرمایا اور بے شک اس سے پہلے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے پہلے ہم نے حضرت ابراہیم کو رشد عطا فرمائی۔ رشد کے معنی کے متعلق علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

الرشد الغی کی ضد ہے۔ "الغی" کا معنی گمراہی ہے اور الرشد کا معنی ہدایت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ. (البقرۃ: ۲۵۶) بے شک ہدایت گمراہی سے متمیز ہو چکی ہے۔

رُشد (ر پر پیش) دنیا اور آخرت میں راہِ راست کے ساتھ خاص ہے اور رَشد (ر اور ش پر زبر) کا اطلاق صرف امور اخرویہ میں ہوتا ہے اور راشد اور رشید کا اطلاق دنیا اور آخرت دونوں میں ہوتا ہے: اولٰئک ھم الراشدون۔ (الحجرات: ۷) یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ اس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے: وما امر فرعون برشید۔ (ھود: ۹۷) اور فرعون کا کوئی حکم درست نہیں تھا' اس کا تعلق دنیا سے تھا۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۶۰-۲۵۹' مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

رشد کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ان کو خوب جاننے والے تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو نبوت کے ساتھ مختص کرتا ہے جس کے متعلق اس کو معلوم ہو کہ یہ شخص نبوت کا حق ادا کرے گا اور جو کام منصب نبوت کے نامناسب ہوں اور جن کاموں سے اس کی قوم متنفر ہو' وہ کام نہیں کرے گا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ رشد سے مراد ہدایت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (النساء: ۶) پھر اگر تم یتیموں میں ہدایت (ہوشیاری اور حسنِ تدبیر) پاؤ تو ان کے اموال انہیں سونپ دو۔

اس میں ایک تیسرا قول بھی ہے کہ نبوت اور ہدایت دونوں رشد کے تحت داخل ہیں کیونکہ اسی شخص کو منصب نبوت پر فائز کرنا جائز ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات پر رہنمائی کر چکا ہو اور اس کو وہ امور بتا چکا ہو جو اس کی قوم کے رذائل سے منزہ ہونے اور فضائل سے متصف ہونے کے لیے ضروری ہوں۔ یعنی اس کو وہ کام معلوم ہوں جن کے کرنے سے دنیا اور آخرت میں مذمت ہوتی ہے اور جن کے کرنے سے دنیا اور آخرت میں تعریف اور تحسین ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۵۲-۱۵۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

فرمایا: بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی۔ امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا یعنی حضرت موسیٰ اور ہارون سے پہلے ان کو نبوت اور ہدایت عطا فرمائی تھی' اور مقاتل نے کہا ان کے بالغ ہونے سے پہلے بچپن میں ان کو نبوت عطا فرمائی تھی جب انہوں نے ستاروں کو دیکھ کر ان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر استدلال کیا تھا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر بھی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلب اور پشت میں ان کو نبوت عطا فرمائی تھی جب اللہ تعالیٰ نے ان کی پشت سے نبیوں کو نکال کر ان سے میثاق لیا تھا۔ (جامع البیان جز ۱۷ ص ۴۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا

تماثیل تمثال کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے تراشا ہوا مجسمہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم مختلف چیزوں کی بنائی ہوئی مجسم تصویروں کی پرستش کرتی تھی۔ مثلاً انسان یا کسی حیوان کی صورت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے' جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ تو ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ وہ اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم اور تمہارے باپ دادا تو کھلی ہوئی گمراہی میں تھے' ان کی قوم نے کہا آیا آپ سنجیدگی سے بات کہہ رہے ہیں یا مذاق کر رہے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ بہت بعید تھا کہ جو کام برسوں سے نسل در نسل ہوتا چلا آ رہا ہو اس کو گمراہی کہا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ابراہیم نے) کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں ○ اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا ○ سو ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ○ انہوں نے کہا ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے' وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے ○ انہوں نے کہا ہم نے ایک جوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے ○ (الانبیاء: ۶۰-۵۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے بتوں کو توڑنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم یہ سمجھ رہی ہے کہ وہ ان کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں تو انہوں نے توحید کا اعلان کیا تاکہ قوم کو یقین ہو جائے کہ وہ اظہارِ حق میں سنجیدہ ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی زبان اور عمل سے اپنے عقیدۂ توحید کا اظہار کیا اور کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ خالق وہ ہے جس نے ان چیزوں کو بندوں کے نفع کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ دنیا اور آخرت میں بندوں کو ضرر اور عذاب سے بچانے اور نفع اور ثواب پہنچانے پر قادر ہے۔ سو اسی کی عبادت کرنی چاہیے' اس کے علاوہ انہوں نے ایک عملی تدبیر اختیار کی۔ اس کی تفصیل امام ابن جریر نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرت ابراہیم سے ان کے (عرفی) والد نے کہا اے ابراہیم! ہماری ایک عید ہے اگر تم ہمارے ساتھ اس دن جاؤ تو تم کو ہمارا دین اچھا لگے گا۔ جب عید کا دن آیا تو وہ سب روانہ ہوئے جب کچھ راستہ طے ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام گر گئے اور فرمایا میں بیمار ہوں اور میرے پیر میں تکلیف ہے۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ دیا۔ جب وہ چلے گئے تو انہوں نے زور سے کہا اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا۔ ان کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس بات کو سن لیا تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بت کدہ کی طرف گئے' اس بت کدہ میں

فرمایا: بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی۔ امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا یعنی حضرت موسیٰ اور ہارون سے پہلے ان کو نبوت اور ہدایت عطا فرمائی تھی' اور مقاتل نے کہا ان کے بالغ ہونے سے پہلے بچپن میں ان کو نبوت عطا فرمائی تھی جب انہوں نے ستاروں کو دیکھ کر ان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر استدلال کیا تھا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر بھی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلب اور پشت میں ان کو نبوت عطا فرمائی تھی جب اللہ تعالیٰ نے ان کی پشت سے نبیوں کو نکال کر ان سے میثاق لیا تھا۔ (جامع البیان جز ۱۷ ص ۴۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا

تماثیل تمثال کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے تراشا ہوا مجسمہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم مختلف چیزوں کی بنائی ہوئی مجسم تصویروں کی پرستش کرتی تھی۔ مثلاً انسان یا کسی حیوان کی صورت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے' جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اس کی کیا دلیل ہے؟ تو ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ وہ اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم اور تمہارے باپ دادا تو کھلی ہوئی گمراہی میں تھے' ان کی قوم نے کہا آیا آپ سنجیدگی سے بات کہہ رہے ہیں یا مذاق کر رہے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ بہت بعید تھا کہ جو کام برسوں سے نسل در نسل ہوتا چلا آ رہا ہو اس کو گمراہی کہا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ابراہیم نے) کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں ○ اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا ○ سو ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ○ انہوں نے کہا ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے' وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے ○ انہوں نے کہا ہم نے ایک جوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے ○ (الانبیاء: ۶۰-۵۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے بتوں کو توڑنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم یہ سمجھ رہی ہے کہ وہ ان کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں تو انہوں نے توحید کا اعلان کیا تاکہ قوم کو یقین ہو جائے کہ وہ اظہارِ حق میں سنجیدہ ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی زبان اور عمل سے اپنے عقیدۂ توحید کا اظہار کیا اور کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ خالق وہ ہے جس نے ان چیزوں کو بندوں کے نفع کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ دنیا اور آخرت میں بندوں کو ضرر اور عذاب سے بچانے اور نفع اور ثواب پہنچانے پر قادر ہے۔ سو اسی کی عبادت کرنی چاہیے' اس کے علاوہ انہوں نے ایک عملی تدبیر اختیار کی۔ اس کی تفصیل امام ابن جریر نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرت ابراہیم سے ان کے (عرفی) والد نے کہا اے ابراہیم! ہماری ایک عید ہے اگر تم ہمارے ساتھ اس دن جاؤ تو تم کو ہمارا دین اچھا لگے گا۔ جب عید کا دن آیا تو وہ سب روانہ ہوئے جب کچھ راستہ طے ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام گر گئے اور فرمایا میں بیمار ہوں اور میرے پیر میں تکلیف ہے۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ دیا۔ جب وہ چلے گئے تو انہوں نے زور سے کہا اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا۔ ان کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس بات کو سن لیا تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بت کدہ کی طرف گئے' اس بت کدہ میں

ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس کے سامنے ایک بہت بڑا بت نصب تھا اور اس کے ساتھ بہت چھوٹے چھوٹے بت رکھے ہوئے تھے اور ان بتوں کے سامنے کھانا رکھا ہوا تھا۔ ان کا پروگرام تھا کہ وہ اپنی عید یا میلے سے واپس آ کر اس طعام کو کھائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کے سامنے کھانا رکھا ہوا دیکھا تو فرمایا:

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝ (الصّٰفّٰت: ۹۳-۹۱)

آپ نے ان بتوں کے پاس جا کر فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟ تم کو کیا ہوا تم بات کیوں نہیں کرتے؟ پھر ان کی طرف مڑ کر ان کو دائیں ہاتھ سے مارنا شروع کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑے سے تمام بتوں کو توڑنا شروع کر دیا اور تمام بت ٹوٹ کر ان کے قدموں میں گر گئے پھر انہوں نے کلہاڑا اٹھا کر سب سے بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا پھر جب ان کی قوم میلے سے واپس آئی تو کھانا کھانے کے لیے اپنے بت کدہ میں گئی۔ وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ بڑے بت کے سوا ان کے سارے خدا ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے' اس وقت انہوں نے کہا ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے' وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے۔ انہوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا' اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ سب دیکھ لیں ۝ انہوں نے کہا اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے؟ ۝ انہوں نے کہا بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے (یعنی ابراہیم نے) ان میں کا بڑا یہ ہے سو ان سے پوچھ لو؟ اگر یہ بول سکتے ہوں ۝ پس انہوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور (آپس میں) کہا بے شک تم ہی ظالم ہو ۝ پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لیے (اور شرمندگی سے) کہا تم کو معلوم ہے یہ بول نہیں سکتے ۝ (ابراہیم نے) کہا کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں ۝ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۝ (الانبیاء: ۶۷-۶۱)

بتوں کو توڑنے کی بڑے بت کی طرف نسبت کرنے کے جوابات

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے دیکھے اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ بتوں کو توڑنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں تو انہوں نے آپس میں کہا ان کو لوگوں کے سامنے لاؤ۔ اس کے بعد کہا لعلھم یشھدون' اس کے دو محمل ہیں ایک کہ شاید وہ اس کے خلاف شہادت دیں۔ دوسرا یہ کہ تاکہ وہ دیکھ لیں کہ ان کے بتوں کو توڑنے والے کو کیا سزا دی جاتی ہے تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو اور آئندہ کوئی شخص اس کی جرأت نہ کرے اور ہو سکتا ہے یہ دونوں معنی مراد ہوں۔

ان کی قوم نے ان سے سوال کیا کہ اے ابراہیم! کیا آپ نے ان بتوں کو توڑا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ان کا بڑا یہ ہے' سو تم اس سے پوچھ لو۔ بہ ظاہر یہ جھوٹ ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو خود توڑا تھا اور نسبت اس بڑے بت کی طرف کر دی اور یہ جھوٹ ہے' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ (مریم: ۴۱)

اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے بے شک وہ بہت سچے نبی تھے۔

اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اس کے فعل کی نسبت حقیقتاً ان کی طرف کی جائے اور انہوں نے اس بڑے

بت کے عجز کو ثابت کرنے اور اس کی توہین کرنے کے لیے اس کی طرف نسبت کر دی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کیجئے ایک شخص بہت مشہور خوش نویس ہو اور ایک دوسرا شخص ہو جس کے متعلق سب جانتے ہوں کہ یہ اچھا نہیں لکھتا۔ وہ خوش نویس کوئی بہت عمدہ اور نفیس عبارت لکھے اور جب لوگ پوچھیں کہ یہ اتنی عمدہ عبارت کس نے لکھی ہے تو وہ اس دوسرے شخص کی طرف اشارہ کر دے کہ اس نے لکھی ہے' یعنی اس جیسا بدخط ایسی عبارت کب لکھ سکتا ہے۔ سو وہ اس کی مذمت کرنے کے لیے اس کی طرف نسبت کرے۔ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس کے عجز اور بے بسی کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی طرف اشارہ فرمایا اور تعریضاً اس کی طرف نسبت کی۔ تعریض کا معنی یہ ہے کہ بہ ظاہر فعل کی نسبت ایک شخص کی طرف کی جائے اور حقیقت میں مراد دوسرا شخص ہو۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بڑے بت کی طرف توڑنے کی نسبت بہ طور سبب کی ہے کیونکہ آپ کے غیظ وغضب اور بت توڑنے کا سبب وہ بڑا بت تھا کیونکہ اس کی بہت زیادہ تعظیم اور پرستش کی جاتی تھی تو اس کی پرستش کو باطل کرنے کے لیے آپ نے ان چھوٹے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کر دی۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے مذہب کے اعتبار سے فرمایا یہ کام اسی نے کیا ہے' تم اس بڑے بت سے اس فعل کے صادر ہونے کو کیوں عجیب سمجھ رہے ہو اور اس کا کیوں انکار کر رہے ہو' جو الوہیت کا مدعی ہو اور جس کی پرستش کی جاتی ہو' کیا وہ اتنے سے کام پر بھی قادر نہیں ہے' کیا وہ ان چھوٹے بتوں کو نہیں توڑ سکتا؟

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا فاعل ذکر نہیں کیا اور اصل عبارت یوں ہے **بل فعله من فعله**' بلکہ یہ کام اسی نے کیا جس نے کیا۔ ان میں کا بڑا یہ ہے سو تم اس سے پوچھ لو۔

(۵) جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا: اے ابراہیم! کیا تم نے یہ کام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: **بل فعله** اور اس پر وقف کیا' کیونکہ اس پر وقف جائز کی علامت ''ق'' ہے بلکہ اسی نے کیا ہے (یعنی جس کے متعلق تمہارا گمان ہے اسی نے توڑا ہے) اور ان کا بڑا یہ ہے' اس سے تصدیق کر لو۔

(۶) جب انہوں نے سوال کیا' اے ابراہیم! کیا تم نے یہ کارروائی کی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **بل فعله کبیرھم** بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے۔

لوگ یہ سمجھے کہ آپ بتوں میں سے بڑے بت کو کہہ رہے ہیں حالانکہ آپ فرما رہے تھے جو ان میں سے بڑا ہے اس نے کیا ہے اور ان کی قوم میں بڑے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کیونکہ نبی اپنی اُمت میں سب سے بڑا ہوتا ہے' اور اس معنی پر قرینہ یہ ہے کہ آپ نے **کبیرھم** فرمایا **کبیرھا** نہیں فرمایا اگر بتوں کا بڑا مراد ہوتا تو **کبیرھا** فرماتے کیونکہ بت غیر ذوی العقول ہیں' اور چونکہ آپ کی مراد قوم کا بڑا تھی اس لیے **کبیرھم** فرمایا اور **ھم** ضمیر ذوی العقول کے لیے لائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ضمیر آپ ہی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

جھوٹ سے بچنے کے لیے کلام میں تعریض کے استعمال کی تحقیق

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمان کو جھوٹ سے بچنے کے لیے معاریض کافی ہیں۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمان کو جھوٹ سے بچنے کے لیے جھوٹ میں بڑی گنجائش ہے۔

(الادب المفرد رقم الحدیث: ۹۰۸-۹۰۹' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

معاریض کا معنی ہے' تعریض کے ساتھ کلام کرنا۔ کلام میں صراحت کے ساتھ ایک شخص کی طرف نسبت ہو اور مراد دوسرا شخص ہو' یا ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک قریب اور ایک بعید' متکلم قریب کے معنی کا ارادہ کرے اور مخاطب کے ذہن میں بعید معنی کا وہم ڈالے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے متعلق فرمایا یہ میری بہن ہے خود ایمانی بہن کا ارادہ کیا اور سننے والے نسبی بہن سمجھے' یا جیسے آپ نے فرمایا میں بیمار ہوں۔ آپ نے روحانی بیماری کا ارادہ کیا اور سننے والے جسمانی بیماری سمجھے۔ اس کو صفتِ ایہام کہتے ہیں' اور تعریض کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑنے کی صراحت کے ساتھ بڑے بت کی طرف نسبت کی اور ارادہ اپنی ذات کا کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸' ۳۳۵۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶)

امام رازی نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:

اس حدیث کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا قرار دینے سے بہتر یہ ہے کہ ان راویوں کو جھوٹا کہا جائے جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے' کیونکہ اس پر دلیل قطعی یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کا جھوٹ بولنا جائز ہو تو یہ احتمال ان کی ہر حدیث میں جاری ہوگا اور وہ اللہ کی طرف سے جو بھی خبر دیں گے' اس میں یہ احتمال ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کسی مصلحت سے جھوٹ بولا ہو' اور اس سے شریعت پر اعتماد ختم ہو جائے گا اور ہر بات پر جھوٹ کی تہمت ہوگی' اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تو یہ معاریض پر محمول ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے معاریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کو ابتداء ہی یہ کہنا چاہیے تھا کہ اس حدیث میں جھوٹ سے مراد ظاہری جھوٹ ہے اور حقیقت میں معاریض مراد ہیں۔ جیسا کہ ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے تاکہ عوام المسلمین صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن ترمذی اور دیگر کتب صحاح کی حدیث کے متعلق شکوک اور شبہات کا شکار نہ ہوتے' کیونکہ میں نے خود دیکھا کہ ایک عالم دین نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور دلیل میں امام رازی کا مذکور الصدر حوالہ پیش کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام رازی نے معاریض کی حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرار دیا ہے حالانکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے' اثر ہے اور قول صحابی ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ان فی معاریض الکلام مندوحة عن الکذب اس اثر کو امام بخاری نے الادب المفرد میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (جیسا کہ ہم نے باحوالہ ذکر کیا ہے) اور امام طبری نے التہذیب میں اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ امام ابن عدی نے اس کو ایک اور سند کے ساتھ حضرت عمران بن حصین سے مرفوعاً روایت کیا ہے یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۳ ص ۵۶۷' طبع جدید) اسی طرح امام بیہقی نے بھی مرفوعاً روایت کیا ہے (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۹۹) جوہری نے کہا تعریض اس کلام کو کہتے ہیں جو تصریح کے خلاف ہو' اور کلام میں معاریض کا معنی یہ ہے ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ توریہ کیا جائے۔ (الصحاح ج ۳ ص ۱۰۸۷' دار العلم بیروت' ۱۳۷۶ھ) اور الراغب نے کہا ہے کہ تعریض اس کلام کو کہتے ہیں جس کے صدق اور کذب کے دو محمل ہوں یا ظاہر اور باطن کے دو محمل ہوں۔ قرآن مجید میں ہے: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ۔ (البقرہ: ۲۳۵) یعنی اگر تم عدت میں بیٹھی ہوئی عورت کو تعریض کے ساتھ نکاح کا پیغام دو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً کہو

تم بہت خوبصورت ہو یا تم میں تو بہت مرد رغبت کرتے ہوں گے۔ (المفردات ج ٢ ص ٤٣٠، مکہ مکرمہ ١٤١٨ھ) لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ایک کلام کے دو محمل ہوں۔ ایک کو مطلق کہا جائے اور دوسرا اس کو لازم ہو اور وہی مراد ہو اور تعریض اور کنایہ میں فرق کا بہت سوال کیا جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ١٢ ص ٢٣٩، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤٢٠ھ)

کنایہ اور تعریض کا فرق

کنایہ اور تعریض میں فرق یہ ہے کہ کنایہ کی تعریف یہ ہے کہ دل میں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ ذکر مشبہ کا ہو، مراد بھی مشبہ ہو لیکن مشبہ بہ کے لوازم اور مناسبات کے ذکر کی وجہ سے ذہن مشبہ بہ کی طرف منتقل ہو۔ جیسا کہ اس مصرع میں ہے:

انشبت المنية اظفارها. — موت نے اپنے پنجے گاڑ دیئے۔

موت کو درندہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ موت مشبہ اور درندہ مشبہ بہ ہے۔ ناخن درندہ کو لازم ہیں اور گاڑنا ان کے مناسبات میں سے ہے، ذکر موت کا ہے اور مراد بھی موت ہے لیکن ناخنوں اور گاڑنے کی وجہ سے ذہن درندہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہے، اور ناخنوں کا ذکر استعارہ تخییلیہ ہے اور گاڑنے کا ذکر استعارہ ترشیحیہ ہے۔

اور تعریض یہ ہے کہ کلام میں متکلم نے جس چیز کی طرف صراحتاً نسبت کی ہے، وہ اس کا ارادہ نہ کرے بلکہ جس کی طرف اس نے اشارۃً نسبت کی ہے اس کا ارادہ کرے۔ جیسا کہ جب عورت عدت میں بیٹھی ہو تو اس کو صراحتاً نکاح کا پیغام دینا منع ہے لیکن تعریضاً نکاح کا پیغام دینا جائز ہے۔ مثلاً اس سے کہے، تم بہت حسین ہو یا کہے تم جیسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے تو بہت لوگ رغبت کرتے ہیں۔ اب صراحتاً تو یہ کہا ہے کہ لوگ اس سے نکاح کی رغبت کرتے ہیں اور اس میں تعریضاً یہ کہا ہے کہ وہ خود اس سے نکاح میں رغبت کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ. (البقرۃ: ٢٣٥) — اور اگر تم نے (عدت والی) عورت کو بغیر صراحت کے نکاح کا پیغام دیا تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

قرآن مجید اور احادیث میں تعریض کا استعمال

قرآن مجید میں تعریض کی مثال یہ ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. (الزمر: ٦٥) — اور اگر آپ نے (بالفرض) شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت میں صراحت سے آپ کی طرف شرک کرنے کی نسبت ہے لیکن مراد آپ کی اُمت ہے۔

اور حدیث میں اس کی مثال یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من عرض عرضنا له. (سنن کبریٰ: ج ٨ ص ٤٣) — جس نے کسی پر تعریضاً تہمت لگائی تو ہم بھی اس کو تعریضاً حد لگائیں گے۔

یعنی ہم اس پر حد جاری نہیں کریں گے بلکہ اس پر تعزیر جاری کریں گے۔ اس سلسلہ میں دیگر احادیث یہ ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی غزوہ میں جاتے تو اس کا توریہ کسی اور غزوہ سے کرتے (یعنی جہاں آپ کا قصد ہوتا، اس کے بجائے کسی اور جگہ کا کنایۃً ذکر کرتے) حتیٰ کہ غزوۂ تبوک آ

گیا۔ (الحدیث)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۱۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۰۲ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۸۸۲ عالم الکتب بیروت)

اس حدیث میں تعریض کے ساتھ کلام کرنے کی تصریح ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کو طلب کیا۔ آپ نے فرمایا میں تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا۔ اس نے کہا یارسول اللہ! میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا؟ آپ نے فرمایا: تمام اونٹ اونٹنیوں کے بچے ہی ہوتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا: ہر اونٹ' اونٹ کا بیٹا ہی ہوتا ہے۔

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس شخص نے سمجھا کہ آپ اونٹ کا بچہ فرمار ہے ہیں اور آپ کی مراد اونٹ کا بیٹا تھی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۱ مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۹۸ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۷۷۶)

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی اور اس نے کہا یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے جنت میں داخل کردے۔ آپ نے فرمایا: اے فلاں کی ماں! بے شک جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی' وہ عورت واپس جا کر رونے لگی۔ آپ نے فرمایا: کوئی عورت بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ (الواقعہ: ۳۷۔۳۵)

ہم نے جنتیوں کی بیویوں کو بنایا ہے○ ہم نے ان کو کنواریاں بنایا ہے○ محبت کرنے والیاں اور ہم عمر○

(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱ الوفاء رقم الحدیث: ۷۷۲ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۴۹۹ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۰۶)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس بڑھیا نے سمجھا کہ آپ اس کے متعلق فرمار ہے ہیں حالانکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی جس کا نام زاہر بن حرام تھا' وہ دیہات میں رہتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گاؤں سے ہدیے اور تحفے لاتا تھا اور جب وہ جانے لگتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو کچھ سامان دیتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا اور وہ بدشکل تھا۔ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس اس وقت گئے جب وہ سودا بیچ رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے آ کر اس سے اس طرح بغل گیر ہوئے کہ وہ دیکھ نہیں سکا۔ اس نے کہا کون ہے؟ مجھے چھوڑ دو' پھر اس نے مڑ کر دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا پھر اس نے اپنی پیٹھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے چپکائے رکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: یہ عبد (غلام) کون خریدے گا؟ اس نے کہا یارسول اللہ! تب مجھے آپ کھوٹا پائیں گے۔ آپ نے فرمایا: لیکن تم اللہ کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو۔

(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۸۸ مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۱ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۴۵۶ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۲۷۶ مسند البزار رقم الحدیث: ۲۷۳۵ سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۴۸ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۰۴)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ بہ ظاہر عبد سے مراد غلام تھی لیکن وہ آزاد شخص تھا اور آپ کی اس سے مراد تھی اللہ کا بندہ۔

الزبیر بن بکار نے کتاب الفاکہہ میں زید بن اسلم سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ ایک عورت جس کا نام اُم ایمن تھا' وہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا میرا خاوند آپ کو بلا رہا ہے۔ آپ نے پوچھا: وہ کون ہے؟ کیا وہی جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم اس کی آنکھوں میں سفیدی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اس کی آنکھوں میں سفیدی ہے۔ اس نے کہا نہیں' اللہ کی قسم۔ آپ نے فرمایا: ہر شخص کی آنکھوں میں سفیدی ہوتی ہے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۷ ص ۱۱۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ' زاد المسیر ج ۵ ص ۳۶۲)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس عورت نے آنکھوں میں سفیدی سے یہ سمجھا کہ اس کے شوہر کی آنکھوں میں کوئی بیماری ہے جبکہ آپ کی اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو ہر شخص کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔

ان احادیث سے امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ اور علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے بھی کلام میں تعریض کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۲۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ' رد المحتار ج ۹ ص ۵۲۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابراہیم کی قوم نے جو خود کو ظالم کہا' اس کی وجوہ

الانبیاء: ۶۴ میں فرمایا: پس انہوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور (آپس میں) کہا بے شک تم ہی ظالم ہو۔

انہوں نے جو اپنے آپ کو ظالم کہا' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ واضح کر دیا کہ بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے کیونکہ جو اپنے آپ کو کسی کی مار سے نہیں بچا سکتے' وہ سارے جہان کے خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ تب ان کو یہ اندازہ ہوا کہ بتوں کی عبادت کر کے وہ اب تک اپنے اوپر ظلم کرتے رہے تھے۔

(۲) مقاتل نے کہا انہوں نے آپس میں یہ کہا کہ کلہاڑا تو بڑے بت کے اوپر رکھا ہوا ہے تو پھر تم ابراہیم پر بتوں کے توڑنے کا الزام لگا کر ان پر ظلم کر رہے ہو۔

(۳) تم اپنے بتوں کو اکیلا چھوڑ کر عید کے میلہ میں کیوں گئے تھے حتیٰ کہ ابراہیم تمہارے بتوں کو توڑنے پر قادر ہوئے۔

(۴) تم نے ابراہیم سے یہ سوال کیا کہ آیا تم نے ہمارے خداؤں کو توڑا ہے' اس کا جواب دینے کی وجہ سے ابراہیم نے ہمارے طریقہ عبادت کے باطل ہونے کو ظاہر کیا۔

الانبیاء: ۶۵ میں فرمایا: پھر انہوں نے سر جھکا لیے اور کہا تم کو معلوم ہے یہ بول نہیں سکتے۔ بتوں کو توڑے جانے سے جو ان کو حیرت اور دہشت ہوئی تھی اس وجہ سے انہوں نے یہ اعتراف کر لیا۔

پھر الانبیاء: ۶۷-۶۶ میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی اس پر مذمت کی کہ وہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو کسی کے نفع اور ضرر پر قادر نہیں ہیں' اف لکم کا معنی ہے تم سے گھن آ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو○ ہم نے فرمایا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا○ انہوں نے ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلی سو ہم نے ان کو ناکام کر دیا○ اور ہم ابراہیم کو اور لوط کو نجات دے کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت فرمائی تھی○ (الانبیاء: ۷۱-۶۸)

حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالنے والے کا مصداق

جب وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل سے لاجواب ہو گئے تو انہوں نے کہا' اس کو آگ میں جلا دو۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا حکم کس نے دیا۔ مشہور یہ ہے کہ یہ حکم دینے والا نمروذ بن کنعان بن سنجاریب بن نمروذ بن کوش بن حام بن نوح تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کہا یہ شخص اعراب فارس کے قبیلہ کرد سے تھا' وہب بن منبہ نے شعیب الجبائی سے نقل کیا ہے اس کا نام ہیرین تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا سو وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۵۷' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۶۱۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی تفصیل

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اہل تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ نمروذ اور اس کے کارندوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گھر میں قید کر دیا پھر ایک بلند پہاڑ کے دامن میں ان کے لیے ایک قلعہ بنایا' جس کی دیواریں ۶۰ ذراع (نوے فٹ) اونچی تھیں اور بادشاہ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ ابراہیم کو جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کرو اور اس کام کو کرنے میں کوئی بچہ یا بوڑھا کوتاہی نہ کرے' جو اس کام میں شریک نہیں ہوگا' اس کو بھی آگ میں جلا دیا جائے گا۔ تمام لکڑیاں اس دیوار کے برابر ہو گئیں' وہ چالیس دن تک اس مہم میں لگے رہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک عورت نذر مانتی تھی کہ اگر میری فلاں مراد پوری ہوگئی تو میں ابراہیم کی آگ کے لیے لکڑیاں جمع کرلاؤں گی پھر جب اس مکان میں تمام لکڑیاں جمع ہوگئیں تو انہوں نے اس مکان سے نکلنے کے راستے بند کر دیئے اور اس میں آگ لگا دی۔ اس میں شعلے بھڑکنے لگے' اس کی تپش اس قدر زیادہ تھی کہ اس کے اوپر سے فضا میں بھی کوئی پرندہ گزرتا تو جل جاتا تھا پھر انہوں نے اس قلعہ کے لیے ایک بہت بلند جگہ منتخب کی اور اس پر منجنیق نصب کی اور اس منجنیق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کیا: اے اللہ! تو آسمان پر واحد ہے اور میں زمین پر واحد ہوں اور اس زمین پر میرے سوا اور کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں ہے' اللہ مجھے کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے' پھر آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں اور فرشتوں نے کہا اے ہمارے رب! ابراہیم علیہ السلام کو تیرے نام کی سربلندی کی وجہ سے جلایا جارہا ہے تو ہمیں اس کی مدد کرنے کی اجازت دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اس کا خوب علم ہے اگر وہ تم کو مدد کے لیے پکارے تو تم اس کی مدد کرو' پھر ان کافروں نے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ اس وقت آپ کی عمر سولہ سال تھی اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی عمر اس وقت چھبیس سال تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا حسبی اللہ و نعم الوکیل' حضرت جبریل' حضرت ابراہیم کے پاس آئے اور کہا اے ابراہیم! آپ کی کوئی حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے تم سے کوئی کام نہیں ہے' پھر اس نے کہا آپ اپنے رب سے سوال کیجئے۔ آپ نے فرمایا اس کو جو میرے حال کا علم ہے' وہی کافی ہے۔ (یعنی الگ سے دعا کرنے کی ضرورت نہیں ہے) (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۶۷-۳۶۶' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہ کی؟

امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ' امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ' امام رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ سب نے اس حدیث کا مفصل ذکر کیا ہے جس میں مذکور ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب جبریل علیہ السلام نے دعا کے لیے کہا تو انہوں نے کہا اللہ کو جو میرے حال کا علم ہے وہی کافی ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ' حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے اس قصہ میں اس جملہ کا ذکر نہیں کیا۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۱۱' زاد المسیر ج ۵ ص ۳۶۷' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۵۸' الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۲۱۱' انوار التنزیل و اسرار التاویل

مع الشہاب ج ۶ ص ۴۵۶-۴۵۵' روح المعانی جز ۱۷ص ۱۰۱' معارف القرآن ج ۶ ص ۲۰۲)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ اس کو جو میرے حال کا علم ہے وہ کافی ہے' اور وہ علم مجھے سوال کرنے سے غنی کر دیتا ہے اور یہ مقام انبیاء علیہم السلام کے دعا کرنے کے منافی نہیں ہے۔ ان کا دعا کرنا اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی احتیاج کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور گڑگڑا کر اپنی پیشانی کو ذلت کی مٹی پر رکھنے کے لیے ہے کیونکہ حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ گڑگڑا کر دعا کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور ہر مقام کی ایک توجیہ ہوتی ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۶ ص ۴۵۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصیبتوں اور شدائد میں اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب انہوں نے ایسی شدید مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے نہ صرف یہ کہ دعا نہیں کی بلکہ دعا کرنے سے بھی منع کر دیا تو کیا ہم بھی مصیبتوں میں دعا نہ کیا کریں؟ حالانکہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کا انکار کرنا ان کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ اس قصہ میں یہ جملہ الحاقی ہے۔ اسی وجہ سے امام ابن جریر' حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے اس قصہ میں اس جملہ کا ذکر نہیں کیا اور قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت زیادہ دعا کرنے والا فرمایا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ○ (ھود: ۷۵) بے شک ابراہیم متحمل مزاج' بہت گڑگڑا کر دعا کرنے والے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ متصور نہیں ہے کہ جب ان سے یہ کہا جائے گا کہ آپ اللہ سے دعا کریں تو وہ کہیں کہ جب اللہ کو میرے حال کا علم ہے تو وہ کافی ہے' دعا کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان کا موقع تھا اس لیے اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا نہیں کی کیونکہ اس موقع پر دعا کرنا اس امتحان سے بچنے کے مترادف ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالتے وقت جو کچھ انہوں نے کہا' اس کا ذکر حدیث صحیح میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو ان کا آخری قول یہ تھا: **حسبی اللہ و نعم الوکیل** (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۱)

چھپکلی کو مارنے کا حکم

سائبہ بیان کرتی ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں تو دیکھا کہ گھر میں ایک جگہ نیزہ رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا اے اُم المومنین آپ اس نیزہ سے کیا کرتی ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہم اس نیزہ سے چھپکلیوں کو مارتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو روئے زمین کا ہر جانور اس آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا' ماسوا چھپکلی کے' وہ آگ میں پھونک مار رہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارنے کا حکم دیا۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۳۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۴۰۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۵۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پہلی ضرب میں چھپکلی کو

مار دیا اس کو اتنی اور اتنی نیکیوں کا اَجر ملے گا اور جس نے دوسری ضرب میں مارا اس کو اتنی اور اتنی نیکیوں کا اَجر ملے گا اور یہ اَجر پہلی ضرب سے کم ہوگا اور جس نے اس کو تیسری ضرب میں مارا اس کو اتنا اور اتنا اَجر ملے گا اور یہ دوسری بار کے اَجر سے کم ہوگا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۸۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈا ہونا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یانار کونی بردا وسلاما علی ابراھیم کی تفسیر میں فرمایا: وہ آگ اس طرح حضرت ابراہیم پر ٹھنڈی ہوئی کہ ان کو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۶۲۲)

ابوالعالیہ بیان کرتے ہیں کہ سلاما کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ٹھنڈک نقصان نہیں دے گی اور اگر اللہ تعالیٰ وسلاما نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈک آگ کی گرمی سے زیادہ نقصان دہ ہوتی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۶۲۹)

منہال بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا مجھ پر اللہ کی سب سے زیادہ نعمتیں ان دنوں تھیں جب مجھے آگ میں ڈالا گیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۶۲۳)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر وہ آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی نہ ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک سے فوت ہو جاتے اور دنیا میں جس جگہ بھی آگ تھی وہ بجھ جاتی۔ سدی نے کہا فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بغلوں سے پکڑ کر اٹھایا' وہاں میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور انواع واقسام کے پھول تھے۔ اس آگ نے صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیڑیوں اور زنجیروں کو جلایا تھا۔ منہال بن عمرو نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میری زندگی کے سب سے اچھے ایام وہ تھے جو اس آگ میں گزرے تھے۔ امام ابن اسحاق نے کہا اللہ تعالیٰ نے سائے کے فرشتے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا' وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور آپ کا دل بہلاتا رہا۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس جنت سے ریشم کی قمیص لے کر آئے اور کہا اے ابراہیم! آپ کا رب فرماتا ہے کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ آگ میرے محبوب بندوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتی' پھر نمروذ نے اپنے قلعہ سے جھانک کر دیکھا تو حضرت ابراہیم باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے اردگرد لکڑیاں جل رہی تھیں' پھر نمروذ نے چلا کر کہا اے ابراہیم! کیا تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا پھر نکل آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چل پڑے حتیٰ کہ اس آگ سے نکل آئے۔ نمروذ نے پوچھا: میں نے آپ کی صورت میں جو ایک شخص کو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تھا' وہ کون تھا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ سائے کا فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرا دل بہلانے کے لیے بھیجا تھا۔ نمروذ نے کہا میں نے آپ کے رب کے نزدیک آپ کی عزت اور وجاہت دیکھی ہے تو میں اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے چار ہزار گایوں کو ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی قبول نہیں فرمائے گا۔ نمروذ نے کہا میں اپنے دین کو چھوڑ نا نہیں چاہتا لیکن میں عنقریب گایوں کو ذبح کروں گا پھر اس نے گایوں کو ذبح کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بہت بڑا گڑھا کھودا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈالا پھر ان پر سات دن تک آگ جلتی رہی پھر اس گڑھے کو پاٹ دیا پھر اگلے دن اس

گڑھے کو کھولا تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے اور آپ پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا پھر ان سے حضرت لوط کے باپ ہاران نے کہا ان پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ انہوں نے آگ پر جادو کر دیا ہے لیکن ان کو کسی چیز پر بٹھا کر اس کے نیچے آگ جلاؤ تو یہ اس کے دھوئیں سے مر جائیں گے' تو انہوں نے ایک کنویں کے اندر آگ لگا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے اوپر بٹھا دیا اس آگ کی ایک چنگاری حضرت لوط کے باپ ہاران کی ڈاڑھی میں جا کر گری اور وہ خود جل کر مر گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جلائی ہوئی آگ کے ٹھنڈی ہونے کی کیفیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وہ آگ کس کیفیت سے ٹھنڈی ہوئی' اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس آگ سے جلانے اور تپش کے فعل کو زائل کر دیا تھا اور اس کی روشنی اور چمک کو باقی رکھا تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم میں ایسی کیفیت پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے آگ کی اذیت آپ کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ جس طرح جہنم کے فرشتوں کو آگ ضرر نہیں پہنچاتی اور جس طرح سمندل ایک کیڑا ہے جو صرف آگ میں زندہ رہتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آگ کے درمیان ایک حائل چیز پیدا کر دی جس کی وجہ سے آگ کا اثر آپ تک نہیں پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ سے فرمایا تو ابراہیم (علیہ السلام) پر ٹھنڈی ہو جا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ خود وہ آگ ٹھنڈی ہوگئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اس کا اثر نہیں پہنچا' اور وہ آگ اپنی حالت پر باقی نہیں رہی پھر فرمایا: سلاماً اس کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی چیز بہت زیادہ ٹھنڈی ہو تو وہ بھی آگ کی طرح ہلاک کر دیتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ وہ اعتدال کے ساتھ ٹھنڈی ہو۔

پھر فرمایا: انہوں نے ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلی سو ہم نے ان کو ناکام کر دیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مباحثہ اور مناظرہ کیا اور اس میں وہ مبہوت اور لاجواب ہوگئے پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانا چاہا لیکن وہ اس میں بھی ناکام ہوگئے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۶۰۔ ۱۵۸ ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نمروذ اور اس کی قوم کا عذاب سے ہلاک ہونا

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اور امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ (نمروذ) کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جو اس کو اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا تھا۔ نمروذ نے اس کی دعوت کا انکار کیا پھر دوسری بار بھیجا پھر انکار کیا پھر تیسری بار بھیجا پھر انکار کیا' پھر اس فرشتہ نے کہا تم اپنا لشکر جمع کرو' میں اپنا لشکر جمع کرتا ہوں۔ سو نمروذ نے اپنے حواریوں اور سپاہیوں کا لشکر جمع کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مچھر بھیجے جن کو دھوپ کی وجہ سے انہوں نے نہیں دیکھا پھر اللہ تعالیٰ نے وہ مچھر ان پر مسلط کر دیئے۔ مچھروں نے ان کا خون پی لیا اور ان کا گوشت کھا گئے اور جنگل میں صرف ان کی ہڈیاں پڑی رہ گئیں۔ ایک مچھر نمروذ کے نتھنے کے راستہ سے اس کے دماغ میں داخل ہو گیا اور چار سو سال تک وہ اس عذاب میں مبتلا رہا۔ اس عرصہ میں اس کے سر پر ہتھوڑے مارے جاتے رہے حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے اس کو ہلاک کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۲۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ' طبع جدید المنتظم لابن الجوزی ج ۱ ص ۱۶۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے امتحان میں سرخ رو ہوئے اور نمروذ اور اس کی قوم اللہ کے عذاب میں مبتلا ہو کر

ہلاک ہو گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ عراق سے شام کی طرف ہجرت فرمانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ابراہیم کو اور لوط کو نجات دے کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت فرمائی تھی۔ (الانبیاء: ۷۱)

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو ان کے دشمنوں کے علاقہ سے نکال لیا اور ان کو برکتوں والے علاقہ میں بھیج دیا۔ یعنی عراق سے شام کی طرف بھیج دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم اور اس کے دین کو ترک کر کے شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعہ کی خبر دی ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم قریش کو بتایا ہے کہ تمہاری طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بھی بت پرستی کرتی تھی اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اذیت پہنچائی تھی' اسی طرح قریش بھی آپ کو اذیت پہنچاتے تھے۔ آپ ان کو پیغام حق سناتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے' وہ اس دعوت کی مخالفت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنا کر یہ بتایا کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی ایذاؤں پر صبر کیا تھا' آپ بھی اپنی قوم کی ایذا رسانیوں پر صبر کریں اور جس طرح انہوں نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی تھی' آپ کو بھی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنی ہو گی۔

شام کا برکت والی سرزمین ہونا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام دونوں سرزمینِ شام میں تھے' اسی سرزمین کو ارضِ محشر بھی کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن تمام لوگ یہیں پر جمع ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم بھی یہیں پر آسمان سے اُتریں گے اور دجال کذاب بھی یہیں پر ہلاک ہو گا۔ ہمیں ابوقلابہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے کتابوں کا ڈھیر اُٹھا کر لائے اور اس کو شام میں لا کر رکھ دیا۔ میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ جب فتنے پھیل جائیں گے تو ایمان شام میں ہو گا' اور ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا ایک جماعت شام میں ہو گی اور ایک جماعت عراق میں ہو گی اور ایک جماعت یمن میں ہو گی۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرے لیے ان میں سے کسی جگہ کو منتخب کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم شام میں رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ میرے لیے شام کا اور وہاں کے رہنے والوں کا ضامن ہو گیا ہے' اور ہم کو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا اے کعب! تم مدینہ سے کیوں منتقل ہو رہے ہو؟ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی جگہ ہے' یہیں آپ کی قبر (مبارک) ہے۔ کعب نے کہا اے امیر المومنین! میں نے اللہ کی نازل کردہ کتاب (تورات) میں پڑھا ہے کہ اللہ کی سرزمین میں شام اللہ کا خزانہ ہے اور اس کے پسندیدہ بندے بھی وہیں ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۶۳۵)

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی طرف ہجرت کی اور ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی گئے اور آپ نے اپنی عم زاد حضرت سارہ سے نکاح کر لیا۔ وہ اپنے دین' اپنے رب کی عبادت اور اپنی جان اور عزت کی حفاظت کرتے ہوئے نکلے۔ حتیٰ کہ حران (ایک جگہ کا نام) میں ٹھہرے اور جب تک اللہ نے چاہا' وہاں رہے پھر

آپ ہجرت کر کے مصر چلے گئے پھر مصر سے شام واپس چلے گئے اور فلسطین میں ٹھہرے اور حضرت لوط علیہ السلام المؤتفکہ میں ٹھہرے جو وہاں سے ایک دن رات کی مسافت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنا کر بھیجا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ١٨٦٢٨)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق عطا فرمایا اور اس پر زائد یعقوب عطا فرمایا اور ہم نے (ان) سب کو نیکوکار بنایا ○ اور ہم نے ان کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے کی وحی کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے ○ (الانبیاء: ٧٣-٧٢)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی مزید نعمتیں

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام پر اس نعمت کا ذکر فرمایا تھا کہ اس نے ان کو ظالموں کے علاقہ سے برکت والی زمین کی طرف نجات دی۔ اس آیت میں ان کے اوپر کی جانے والی نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ ان کو اولاد سے نوازا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ. (الصّٰفّٰت: ١٠٠) اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو اسحاق عطا فرمائے اور ان کی دعا کے بغیر حضرت اسحاق کو حضرت یعقوب عطا فرمائے۔ حضرت یعقوب کو نفل فرمایا ہے کیونکہ نفل فرض پر زیادتی کو کہتے ہیں اور حضرت اسحاق کو جو یعقوب عطا فرمائے تھے، وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا پر زائد تھے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دوسری نعمت یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف اور اپنی توفیق سے سب کو صالح اور نیک بنایا۔

اور تیسری نعمت یہ ہے کہ ان کو امام اور نبی بنایا۔ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے حکم سے اس کے دین کی دعوت دیتے تھے۔

اور چوتھی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی وحی سے مشرف فرمایا اور ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جو بدنی عبادات میں سب سے افضل ہے اور زکوٰۃ کا حکم دیا جو مالی عبادات میں سب سے افضل ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر دلالت کرتی ہے اور زکوٰۃ مخلوق کی شفقت پر دلالت کرتی ہے۔ علامہ شامی نے کہا ہے کہ انبیاء پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ کیونکہ زکوٰۃ مال کو میل سے پاک کرنے کے لیے نکالی جاتی ہے اور انبیاء کا مال میل سے متلوث نہیں۔ اس لیے اس آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو زکوٰۃ کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا نہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے کا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ سے مراد تزکیہ نفس ہو یعنی ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے باطن کو پاک اور صاف رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی پہلی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ صالح اور نیک ہیں پھر ان کی صفت میں ترقی فرما کر بیان فرمایا کہ وہ امام ہیں پھر مزید ترقی فرمائی کہ ان پر وحی کی جاتی ہے اور وہ شرف نبوت سے مشرف ہیں اور فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر نعمتیں فرمائی ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے لوط کو حکم (نبوت) اور علم عطا فرمایا اور ان کو اس شہر سے نجات دی جس کے لوگ بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ بے شک وہ نافرمانی کرنے والے بدترین لوگ تھے ○ اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ بے شک وہ نیکوکاروں میں سے تھے ○ (الانبیاء: ٧٥-٧٤)

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے یہ تیسرا قصہ ہے جو حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ہے۔ اس آیت میں حضرت لوط

السلام کو حکم عطا فرمانے کا ذکر ہے، حکم کی ایک تفسیر ہے حکمت، جس کے تقاضوں پر عمل کرنا واجب ہو اور دوسری تفسیر ہے نبوت۔ اسی بستی سے مراد سدوم ہے۔ یہ لوگ ہم جنس پرست تھے اور مرد لڑکوں سے اپنی خواہش پوری کرتے تھے، اور حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا وہ بے شک نیک لوگوں میں سے تھے، رحمت کی تفسیر نبوت کے ساتھ کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نبوت عطا فرمانے کے لیے چن لیا کیونکہ وہ نیک شخص تھے اور نبوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ دوسری تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رحمت سے مراد ثواب ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ان کو برے لوگوں کی صحبت سے محفوظ رکھا اور ان پر کشف کے دروازے کھول دیئے اور ان کے قلب پر اللہ تعالیٰ کے انوار اور تجلیات کی بارش ہونے لگی، اور یہ ایسا بحر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں اور حقیقت میں رحمت سے یہی مراد ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہم نے الاعراف: ۸۴۔۸۰ اور ھود: ۸۳۔۷۷ میں کیا ہے۔ ان کا تفصیلی تعارف ان آیتوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ

اور (اے رسول مکرم!) نوح کو یاد کیجیے، اس سے پہلے، جب انہوں نے (ہم کو) پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے ان کو

الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا

اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی تکلیف سے نجات دی ○ اور ہم نے ان کی ان لوگوں کے مقابلہ میں مدد کی جنہوں نے

بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾ وَدَاوٗدَ

ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، بے شک وہ بہت برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا ○ اور داؤد

وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ

اور سلیمان کو یاد کیجئے جب وہ ایک کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے، جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات میں اس کھیت

الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَیْنَا

کو چر لیا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے ○ سو ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو

حُكْمًا وَّعِلْمًا ؗ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ ؕ

قوت فیصلہ اور علم عطا کیا تھا، اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا جو داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی

وَكُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ

اور ہم ہی ہر ا کام کرنے والے ہیں ○ اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تا کہ وہ تم کو جنگوں میں

بَأْسِكُمْ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ شٰكِرُونَ ﴿٨٠﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيحَ عَاصِفَةً

محفوظ رکھے، پس کیا تم شکر ادا کرو گے؟ ○ اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا

تَجْرِي بِأَمْرِهٖ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ

جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی، اور ہم ہر چیز کو خوب جاننے

عٰلِمِينَ ﴿٨١﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِينِ مَنْ يَغُوصُونَ لَهٗ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا

والے ہیں ○ اور کچھ جنات بھی ان کے تابع کر دیے تھے جو ان کے حکم سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے

دُونَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِينَ ﴿٨٢﴾ وَأَيُّوبَ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ أَنِّي

سوا بھی کام کرتے تھے، اور ہم (ہی) ان کی نگرانی کرنے والے تھے ○ اور ایوب کو یاد کیجیے جب انہوں نے اپنے رب کو

مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ ﴿٨٣﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا

پکارا کہ بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے ○ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی پس ان کو جو

مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنٰهُ أَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا

تکلیف تھی اس کو ہم نے دور کر دیا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے (پہلے سے) دگنے اہل و عیال عطا فرمائے اور (یہ) عبادت

وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِينَ ﴿٨٤﴾ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ

کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے ○ اور اسماعیل اور ادریس اور ذو الکفل کو یاد کیجیے یہ سب

مِنَ الصّٰبِرِينَ ﴿٨٥﴾ وَأَدْخَلْنٰهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُمْ مِنَ

صبر کرنے والے تھے ○ ہم نے ان (سب) کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا، بے شک یہ سب

الصّٰلِحِينَ ﴿٨٦﴾ وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ

نیکو کار تھے ○ اور مچھلی والے (یونس) کو یاد کیجیے جب وہ (اپنی قوم پر) غضب ناک ہو کر نکلے تو انہوں

نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ

نے یہ گمان کیا کہ ہم ہرگز ان پر تنگی نہیں کریں گے پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے

سُبْحٰنَكَ ۖ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ

تو پاک ہے ، بے شک میں (ہی) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا ○ تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو غم سے

مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِيَّآ إِذْ

نجات دے دی ، اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں ○ اور زکریا کو یاد کیجیے جب

نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾

انہوں نے اپنے رب کو پکارا ، اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے ○

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَأَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ إِنَّهُمْ

تو ہم نے ان کی دعا سن لی اور ہم نے ان کو یحییٰ عطا کیے اور ہم نے ان کی (بانجھ) بیوی کو تندرست کر دیا ، بے شک وہ

كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا

(سب) نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور شوق اور خوف سے ہم سے دعائیں کرتے تھے اور وہ

لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِيْٓ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ

ہم سے عاجزی کرنے والے تھے ○ اور اس عورت (مریم) کو یاد کیجیے جس نے اپنی پاک بازی قائم رکھی تو ہم نے اس

رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً

میں اپنی روح سے پھونک دیا ، اور اس کو اور اس کے بیٹے کو سارے جہان والوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا ○ بے شک یہ تمہاری

وَّاحِدَةً ۖ وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ

ملت ہے جو (درحقیقت) ایک ہی ملت ہے اور میں (ہی) تمہارا رب ہوں سو تم میری (ہی) عبادت کرو ○ اور انہوں نے اپنے دین میں (مختلف)

إِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

فرقے بنا لیے ، وہ سب ہماری ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسولِ مکرم!) نوح کو یاد کیجیے اس سے پہلے جب انہوں نے (ہم کو) پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی تکلیف سے نجات دی ○ اور ہم نے ان کی ان لوگوں کے مقابلہ

میں مدد کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا' بے شک وہ بہت برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیاO
(الانبیاء: ۷۷-۷۶)

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

اس سورت میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصص بیان کیے گئے ہیں' ان میں یہ چوتھا قصہ ہے جس میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ختم کیا جس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے ساتھ یہ مناسبت تھی کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کو انگاروں پر ڈال دیا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا جس میں نوح علیہ السلام کی دعا سے پانی مسخر کر دیا اور تمام روئے زمین والوں کو پانی میں غرق کر دیا۔

اس آیت میں جو حضرت نوح علیہ السلام کی دعا اور پکار کا ذکر کیا گیا ہے' اس سے مراد ان کی وہ دعا ہے جو انہوں نے کفار کے خلاف کی تھی' جس کا اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ذکر فرمایا ہے:

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ O (القمر: ۱۰) میں مغلوب ہوں سو تو میرا (ان سے) انتقام لے۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًاO (نوح: ۲۶) اور نوح نے دعا کی اے میرے رب! روئے زمین پر کوئی کافر رہنے کے قابل نہ چھوڑ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کے جواب میں فرمایا:

ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی تکلیف سے نجات دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا صرف کافروں اور مخالفوں کو غرق کرنے کے لیے نہیں تھی بلکہ آپ نے یہ دعا بھی کی تھی کہ جو لوگ آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ کے طریقہ کو اپنا چکے ہیں' ان کو ان ظالموں اور مخالفوں سے نجات دے دے' اسی لیے اس آیت کے بعد فرمایا:

اور ہم نے ان کی ان لوگوں کے مقابلہ میں مدد کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اس دعا کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور ابو امامہ نے کہا ہے کہ اللہ کی مخلوق میں کوئی اس قدر پشیمان نہیں ہوا جس قدر حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام پشیمان ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام ابلیس کے وسوسہ کو قبول کرنے پر پشیمان ہوئے اور حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے خلاف دعائے ضرر کرنے کی وجہ سے پشیمان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ آپ اس قدر پشیمان نہ ہوں۔ آپ کی دعا قضاء وقدر کے موافق ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۶۴)

لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا اللہ تعالیٰ کے اذن کے تابع تھی اگر یہ دعا اللہ تعالیٰ کے اذن کے مطابق نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو کیوں قبول فرماتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کو اور ان کے اہل کو کربِ عظیم سے نجات دی۔ اہل سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا اور ان کے دین کی پیروی کی' اور کربِ عظیم سے مراد یہ ہے کہ ان کی قوم ان کی تکذیب کرتی تھی اس وجہ سے ان کو غم لاحق ہوتا تھا اور ان کی قوم ان کو اذیت پہنچاتی تھی۔ اس غم اور اس اذیت کو کربِ عظیم فرمایا جس سے ان کو نجات عطا فرمائی۔ نیز حضرت نوح علیہ السلام کافی عرصہ سے ان کے خلاف دعا کر رہے تھے اور اس دعا کے قبول ہونے کے انتظار میں تھے' اس وجہ سے ان کو تکلیف ہو رہی تھی جب ان کی دعا قبول ہوئی اور کفار غرق کر دیئے گئے تو ان کو اس غم

سے نجات ملی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی زیادہ تفصیل ہم نے الاعراف: ۶۴-۵۹ اور ھود: ۴۸-۳۶ میں بیان کی ہے۔ اس کی تفصیل جاننے کے لیے ان آیات کی تفسیر کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور داؤد اور سلیمان کو یاد کیجئے جب وہ ایک کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے‘ جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات میں اس کھیت کو چر لیا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے ○ سو ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو قوت فیصلہ اور علم عطا کیا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا جو داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی‘ اور ہم (ہی ہر) کام کرنے والے ہیں ○ اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تا کہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے‘ پس کیا تم شکر ادا کرو گے ○ اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور ہم ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں ○ اور کچھ جنات بھی ان کے تابع کر دیئے تھے جو ان کے حکم سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے سوا بھی کام کرتے تھے اور ہم (ہی) ان کی نگرانی کرنے والے تھے ○

(الانبیاء: ۸۲-۷۸)

حضرت داؤد علیہ السلام کا نام و نسب

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا نام اور نسب اس طرح بیان کیا ہے:

داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عوینا ذب بن ارم بن حصرون بن فارس بن یہوذا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل النبی علیہ السلام

وہب بن منبہ نے کہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا قد چھوٹا تھا‘ آنکھیں نیلی تھیں‘ بال کم تھے اور وہ بہت پاکیزہ شخص تھے۔ جب انہوں نے جالوت کو قتل کر دیا تو بنو اسرائیل ان سے محبت کرنے لگے اور ان کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت کو جمع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ. (البقرہ: ۲۵۱) یعنی اگر بادشاہوں کو لوگوں پر حاکم مقرر نہ کیا جاتا تو طاقت ور لوگ کمزور لوگوں کو کھا جاتے۔

اور بعض آثار میں ہے کہ سلطان زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام رات کو قیام کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۵۵)

حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت میں احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہیں۔ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے‘ اور اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے وہ نصف شب نیند کرتے تھے اور ایک تہائی رات قیام کرتے تھے اور رات کے چھٹے حصے میں پھر نیند کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۲۰‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹‘ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۰۰‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۱۲‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۱۹)

حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت دلکش آواز عطا کی گئی تھی جب وہ زبور کی تلاوت کرتے تھے تو پرندے ہوا میں ٹھہر جاتے

تھے اور ان کے سُر کے ساتھ سُر ملاتے تھے اور ان کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔

عبداللہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کو ایسا حسن عطا کیا گیا تھا جو کسی کو عطا نہیں کیا گیا حتیٰ کہ ان کا ترنم سن کر پرندے ان کے پاس آ کر بیٹھ جاتے اور یونہی بیٹھے بیٹھے بھوکے پیاسے مرجاتے حتیٰ کہ دریا چلتے چلتے رُک جاتا تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۸ ص ۱۱۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا ابوموسیٰ کو آل داؤد کے مزامیر (بانسریاں) عطا کیے گئے ہیں۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۳۹۸ دارالفکر بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوموسیٰ کو مزامیر داؤد عطا کیے گئے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۸۶۵۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر قرأت آسان کر دی گئی تھی۔ وہ گھوڑے پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور زین ڈالے جانے سے پہلے زبور ختم کر لیتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام صرف اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ (مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۸۱۶۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاش تم مجھے گزشتہ رات اس وقت دیکھتے جب میں تمہاری قرأت سن رہا تھا۔ بے شک تمہیں آلِ داؤد کی بانسریوں میں سے ایک بانسری دی گئی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ نے کہا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اور مزین پڑھتا۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۰ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰۷ معارف القرآن ج ۶ ص ۲۱۱)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانے اور سنانے کے لیے اعمال کو مزین کرنا ریا اور گناہ نہیں ہے کیونکہ آپ کی خوشی اللہ کی خوشی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام میں بہت شدید غیرت تھی، وہ جب گھر سے باہر جاتے تھے تو دروازے بند کر دیتے تھے اور جب تک وہ واپس نہ آتے، ان کے گھر میں کوئی نہیں آتا تھا۔ ایک دن وہ دروازہ بند کر کے گئے، ان کی بیوی گھر کو دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے دیکھا ایک شخص گھر کے وسط میں کھڑا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا حویلی تو بند تھی یہ شخص کہاں سے داخل ہو گیا۔ اللہ کی قسم! ہم تو حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے شرمندہ ہو جائیں گے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام آئے تب بھی وہ شخص گھر کے وسط میں کھڑا ہوا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا۔ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں وہ ہوں جو نہ بادشاہوں سے ڈرتا ہوں اور نہ کوئی چیز اس کے لیے راستہ کی رکاوٹ بن سکتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا پھر تم بے شک ملک الموت ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو خوش آمدید کہتا ہوں پھر وہ تھوڑی دیر ٹھہرے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی پھر جب ان کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا اور ان کے امور سے فراغت حاصل کی گئی تو سورج طلوع ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے کہا حضرت داؤد علیہ السلام پر سایہ کرو پھر پرندوں نے آپ پر سایہ کیا حتیٰ کہ تمام زمین پر اندھیرا چھا گیا پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے فرمایا تم اپنے پر سمیٹ لو۔

(مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۹۴۳۲ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۶۴ دارالفکر ۱۴۱۸ھ)

قتادہ حسن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام سو سال کی عمر گزار کر فوت ہوئے وہ بدھ کا دن تھا اور آپ کو صورۃً اچانک موت آئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کو بھی صورۃً اچانک موت آئی تھی اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو بھی صورۃً اچانک موت آئی تھی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۸ ص ۱۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ. (ص: ۲۵-۲۱) میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک قصہ کا ذکر ہے۔ اس کو ان شاء اللہ ہم اس آیت کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام و نسب

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

سلیمان بن داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عوینا ذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہوذا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل النبی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا وورث سلیمان داؤد - الایۃ. (النمل: ۱۶) اس کی تفسیر ان شاء اللہ ہم سورۃ النمل میں کریں گے۔ نیز فرمایا وحشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس۔ (النمل: ۱۹) اس کی تفسیر بھی ان شاء اللہ ہم وہیں کریں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے احوال اور فضائل

زہری بیان کرتے ہیں کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام اور ان کے اصحاب بارش کے لیے دعا کرنے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک چیونٹی بھی ایک ٹانگ پر کھڑی ہوئی دعا کر رہی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا واپس چلو تم پر بارش ہوگی اس چیونٹی نے بارش کی دعا کی ہے سو اس کی دعا قبول کر لی گئی۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۴۹۲۱، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۶۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے انبیاء سابقین میں سے ایک نبی لوگوں کو لے کر بارش کی دعا کرنے گئے اس وقت ایک چیونٹی بھی اپنی ٹانگوں کو آسمان کی طرف کیے ہوئے کھڑی تھی۔ اس نبی نے کہا واپس چلو تمہاری دعا اس چیونٹی کی وجہ سے قبول ہوگئی ہے۔

(دار قطنی ج ۱ ص ۶۶، المستدرک رقم الحدیث: ۱۲۱۵، مختصر تاریخ دمشق ج ۱۰ ص ۱۴۸)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیادہ احوال سورہ سبا، سورہ نمل اور سورہ ص میں ہیں۔ وہاں ہم ان شاء اللہ ان کا ذکر کریں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مزید فضائل ہم ان شاء اللہ اس سورت (الانبیاء: ۸۲-۸۱) میں بیان کریں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۞ (سبا: ۱۴)

پھر جب ہم نے ان کی موت کا حکم بھیج دیا تو جنات کو کسی نے اس کی خبر نہ دی سوائے دیمک کے جو ان کے عصا کو کھا رہی تھی، سو جب سلیمان گر پڑے تو جنات پر یہ منکشف ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو (تعمیر کی) مشقت کی ذلت میں مبتلا نہ رہتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو اپنے آگے ایک درخت اُگا ہوا دیکھتے۔ حضرت سلیمان درخت سے پوچھتے تیرا نام کیا ہے؟ وہ بتاتا میرا فلاں نام ہے۔ پوچھتے تم کس لیے ہو؟ اگر تم بہ طور درخت ہو تو تم کو اُگا دوں اور اگر تم دوا کے لیے ہو تو بھی میں اُگاؤں سو اسی طرح ہوتا رہتا۔ ایک دن انہوں نے نماز پڑھی تو اپنے سامنے ایک درخت دیکھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ویرانی۔ آپ نے پوچھا تم کس لیے ہو؟ اس نے کہا اس گھر کو ویران کرنے کے لیے' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! جنات کو میری موت سے اندھا (غافل) کر دے حتیٰ کہ تمام انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جنات غیب نہیں جانتے۔ انہوں نے ایک عصا تراشا اور اس پر ٹیک لگا کر ایک سال تک کھڑے رہے اور جنات ان کے سامنے تعمیر کا کام کرتے رہے (وہ پہاڑوں سے پتھر توڑ کر لاتے تھے اور محل بناتے تھے) پھر اس لاٹھی کو دیمک نے کھانا شروع کر دیا (وہ لاٹھی ٹوٹ گئی اور حضرت سلیمان گر گئے) تب انسانوں کو پتا چلا کہ اگر جنات کو غیب کا علم ہوتا اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کو جان چکے ہوتے تو اس مشقت والے کام کو کب کا چھوڑ چکے ہوتے (وہ یہی سمجھتے رہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام زندہ ہیں اور ان کے کام کی نگرانی کر رہے ہیں' وہ ان کے خوف سے بہ دستور کام کرتے رہے) پھر جنات نے اس دیمک کا شکر ادا کیا۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١٢٢٨١' مسند البزار ٢٣٥٥' مختصر تاریخ دمشق ج ١٠ ص ١٥٥' البدایہ والنہایہ ج ١ ص ٤٨١)

امام ابن اسحاق وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام باون سال زندہ رہے اور ان کی حکومت چالیس سال رہی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ١٠ ص ١٥٥' البدایہ والنہایہ ج ١ ص ٤٨٣)

مویشیوں کے کھیت کا نقصان کرنے کی تلافی میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا اجتہادی اختلاف

نفش کا معنی ہے بغیر چرواہے کے رات کو بکریوں کا کھیت کو چر لینا۔ (مختار الصحاح ص ٣٨٧' المفردات ج ٢ ص ٦٤٩)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے' ان میں سے ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا مالک تھا۔ کھیت کے مالک نے کہا اس آدمی نے اپنی بکریاں میرے کھیت میں ہانک دیں اور میرے کھیت میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا جاؤ یہ ساری بکریاں تمہاری ہیں۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ تھا' پھر بکریوں والا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گیا اور ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کا کیا ہوا فیصلہ بتایا پھر حضرت سلیمان' حضرت داؤد علیہما السلام کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے نبی! آپ نے جو فیصلہ کیا ہے' اس کے سوا ایک اور فیصلہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا وہ کیا ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کھیت والے کو معلوم ہے کہ ہر سال اس کی کتنی فصل ہوتی ہے' وہ اس فصل کی قیمت بکریوں والے سے لے لے اور بکریوں والا بکریوں کے بال' ان کا اُون اور ان کے بچوں کو بیچ کر وہ قیمت ادا کر دے اور بکریوں کی نسل تو ہر سال چلتی رہتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا تم نے صحیح فیصلہ کیا ہے اور فیصلہ یہی ہے' یہ محمد بن سعد کی روایت ہے۔ اور خلیفہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا بکریاں کھیت والے کو دے دیں' وہ ان کے دودھ' ان کے بچوں اور ان کے دیگر منافع سے استفادہ کرے اور اس عرصہ میں بکریوں والا کھیت میں دوبارہ فصل اُگائے حتیٰ کہ جب پہلے جتنی فصل ہو جائے تو کھیت کھیت والے کے حوالے کر کے اپنی بکریاں لے لے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ١٨٦٥٦' مصنف ابن ابی شیبہ ج ٥ رقم الحدیث: ٢٧٩٦٩' ج ٧ رقم الحدیث: ٣٦٢٩١' زاد المسیر ج ٥ ص ٣٧٢-٣٧١)

مویشیوں کے کھیت کا نقصان کرنے کی تلافی میں ائمہ ثلاثہ کا نظریہ اور ان کے دلائل

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابوسلیمان الدمشقی نے کہا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں نے یہ فیصلہ اپنے اپنے اجتہاد سے کیا تھا اگر اس مسئلہ میں کوئی نص ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔ قاضی ابویعلیٰ نے کہا اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر کسی کی بکریاں کسی دوسرے کے کھیت میں داخل ہو کر اس کو چر لیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ ہمارے اصحاب (حنبلیہ) کا مذہب یہ ہے کہ بکریوں والا اس نقصان کا ضامن ہوگا اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۳۷۲، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

باغات اور کھیتوں کے مالکوں پر لازم ہے کہ وہ دن کے وقت اپنے کھیتوں اور باغات کی حفاظت کریں، اور رات کے وقت بکریوں نے کھیت کا جو نقصان کر دیا تو بکریوں والا اس نقصان کا ضامن ہوگا اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے امام مالک نے حرام بن سعد بن محیصہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت البراء بن عازب کی اونٹنی ایک شخص کے باغ میں داخل ہوگئی اور اس باغ کو خراب کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ باغ والوں پر رات کو باغ کی حفاظت کرنا لازم ہے اور مویشی (پھر بھی) اگر باغات کو خراب کر دیں تو مویشی والوں پر اس نقصان کا تاوان بھرنا لازم ہے۔

(مؤطا امام مالک کتاب القضاء باب: ۲۸ رقم الحدیث: ۱۵۰۰)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں یہ حدیث ہر چند کہ مرسل ہے لیکن اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ فقہاء حجاز نے اس حدیث پر عمل کیا ہے اور اس کو قبول کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری ایک اونٹنی تھی، وہ ایک باغ میں داخل ہوئی اور اس کو خراب کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ مقدمہ پیش کیا گیا۔ آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ باغ والوں پر واجب ہے کہ وہ دن میں اپنے باغات کی حفاظت کریں اور مویشی رکھنے والوں پر واجب ہے کہ وہ رات کو اپنے مویشیوں کی حفاظت کریں اور رات کو مویشی اگر کسی کے باغ کا نقصان کر دیں تو مویشی رکھنے والوں پر اس نقصان کا پورا کرنا لازم ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۳۲، مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۵)

علامہ ماوردی شافعی فرماتے ہیں کہ دن کے وقت مویشیوں نے کھیتوں یا باغات کو جو نقصان پہنچایا ہے، اس نقصان کو پورا کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ مویشیوں والوں کے لیے دن کے وقت مویشیوں کی حفاظت کرنا دشوار ہے اور رات کے وقت ان کی حفاظت کرنا دشوار نہیں ہے (کیونکہ دن کے وقت وہ ان کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیتے ہیں اور رات کے وقت ان کو باندھ کر رکھتے ہیں) پس مویشی رکھنے والوں پر رات کے وقت ان کی حفاظت کرنا واجب ہے، اس لئے اگر رات کو کسی کے مویشی نے کسی کے کھیت یا باغ کا نقصان کر دیا تو اس کا پورا کرنا مویشی والوں پر واجب ہے، اور دن کے وقت کھیتوں اور باغات والوں پر اپنے اموال کی حفاظت کرنا واجب ہے اس لیے دن کے وقت آپ نے ان کے نقصان کی تلافی کا حکم نہیں دیا کیونکہ یہ نقصان ان کی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہے اور یہ بہت بہترین قضاء ہے اور اس میں دونوں فریقوں کی رعایت ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ (النکت والعیون ج ۳ ص ۴۵۹، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت)

مویشیوں کے کھیت کا نقصان کرنے کی تلافی میں امام ابوحنیفہ کا نظریہ اور ان کے دلائل

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بکریوں کے کیے ہوئے نقصان کی تلافی کے متعلق حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا کیا ہوا حکم منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ حکم دیا تھا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ حکم دیا تھا کہ بکریوں کے بچے اور ان کا اُون کھیت والے کو دیا جائے' اور اس میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس شخص کی بکریاں دوسرے شخص کے کھیت کو خراب کر دیں' اس پر اپنی بکریوں یا ان کے بچے کھیت والے کو تاوان میں دینا واجب نہیں ہے اور نہ ان کا اُون اور دودھ سپرد کرنا واجب ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ دونوں حکم منسوخ ہو چکے ہیں' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ قصہ دو حکموں کو شامل ہے ایک یہ کہ بکریوں والے پر تاوان واجب ہے اور دوسرا اس تاوان کی کیفیت ہے' جو حکم منسوخ ہوا ہے وہ تاوان کی کیفیت ہے نفس تاوان تو منسوخ نہیں ہوا' اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نفس تاوان بھی منسوخ ہو چکا ہے اور یہ وہ حدیث ہے جو تمام مسلمانوں کے نزدیک مقبول اور مسلم ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مویشی کسی کو زخمی کر دیں تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے' کنویں میں گرنے کا کوئی تاوان نہیں ہے' کان میں دب جانے کا کوئی تاوان نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۱۲' ۱۴۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۹۹' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۳۷۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۶۷۵' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۰۷۹' مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۹)

امام بخاری نے اس حدیث کے تحت لکھا کہ مویشیوں کے زخمی کرنے کا کوئی تاوان نہیں ہے۔ امام ابن سیرین نے کہا کہ جانور کے لات مارنے پر علماء تاوان نہیں دلاتے لیکن اگر لگام موڑتے وقت جانور کسی کو زخمی کر دیتا تو علماء سوار سے تاوان دلاتے تھے' اور حماد نے کہا کہ لات مارنے پر تاوان نہیں ہوتا لیکن اگر کوئی شخص جانور کو اُکسائے تو اُکسانے والے پر تاوان ہوگا۔ شریح نے کہا اس صورت میں تاوان نہیں ہوگا جبکہ پہلے اس نے جانور کو مارا پھر جانور نے اس کو لات ماری۔ حکم نے کہا کہ اگر کوئی مزدور گدھے کو ہانک رہا ہو جس پر عورت سوار ہو پھر وہ عورت گر جائے تو مزدور پر کوئی تاوان نہیں۔ شعبی نے کہا اگر جانور اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے تو وہ جانور کے کسی نقصان کا ضامن نہیں۔

علامہ جصاص حنفی فرماتے ہیں کہ فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مویشی اگر کسی انسان کا یا اس کے مال کا کوئی نقصان کر دیں تو اس مویشی کے مالک پر کوئی تاوان نہیں ہے' جبکہ اس نے خود اس جانور کو نہ چھوڑا ہو اور جب کہ صحیح بخاری کی اس حدیث پر تمام فقہاء کا عمل ہے تو اس کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ مویشی اگر کسی کے کھیت یا باغ کو نقصان پہنچائیں تو مویشی کے مالک پر کوئی تاوان نہیں ہے خواہ رات کا وقت ہو یا دن کا وقت ہو۔ (جب کہ اس نے مویشیوں کو نہ بھیجا ہو) اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے قصہ سے جو حکم ثابت ہوا ہے' وہ منسوخ ہو چکا ہے۔ اسی طرح حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ کے قصہ سے جو حکم ثابت ہوا ہے وہ بھی منسوخ ہو چکا ہے' کیونکہ اس حدیث میں یہ ہے کہ دن کے وقت مویشیوں نے جو نقصان کیا ہے اس پر تاوان نہیں ہے' اور رات کے وقت جو انہوں نے نقصان کیا ہے اس پر تاوان ہے' جب کہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں یہ ہے کہ رات ہو یا دن مویشیوں کے از خود کیے ہوئے نقصان پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ خواہ رات ہو یا دن اور حضرت البراء کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت کیے ہوئے نقصان پر جو تاوان

واجب کیا ہے وہ اس پر محمول ہے کہ مویشی کے مالک نے مویشی کو خود کسی کے باغ یا کھیت میں چھوڑا ہو اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب مویشی کا مالک کسی کے باغ یا کھیت میں ازخود مویشی چھوڑے گا اور وہ باغ یا کھیت کا نقصان کر دیں تو اس کو اس نقصان کا تاوان دینا ہوگا خواہ رات ہو یا دن' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے قصہ کا بھی یہی محمل ہو کہ بکریوں کے مالک نے اپنی بکریوں کو رات کے وقت چھوڑ دیا اور وہ بکریاں کسی کا کھیت چر گئیں اور اس کو اس کا علم ہو۔ اس وجہ سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے بکریوں والے پر تاوان واجب کیا اور اب ان کا کیا ہوا فیصلہ ہماری شریعت کے بھی خلاف نہیں ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۲۲۲۔ ۲۲۳' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام ابوبکر رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف ہو تو اس میں جانب حق' واحد ہے یا متعدد' بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس مسئلہ میں حق واحد ہوتا ہے۔ ففهمنها سليمان پس ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام کو مسئلہ کی فہم کے ساتھ خاص کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں جانب حق تک صرف وہی پہنچے تھے نہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام' کیونکہ اگر دونوں جانب حق تک پہنچے ہوتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو فہم کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی' اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد کی رائے صحیح ہوتی ہے' وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو غلط نہیں فرمایا اور ان کو اس فیصلہ پر ملامت نہیں کی اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں کی رائے صحیح تھی' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی فہم کے ساتھ اس لیے تخصیص کی کہ حضرت سلیمان حقیقت مطلوب تک پہنچ گئے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام نہیں پہنچے تھے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں کا حکم وحی سے تھا' ان کے اجتہاد سے نہیں تھا لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے حکم کو پختہ نہیں کیا تھا اور نہ اپنے فیصلہ کو جاری کیا تھا' یا ان کا یہ فیصلہ بہ طریق فتویٰ تھا یا ان کا یہ فیصلہ کسی شرط پر موقوف تھا جس کو بیان نہیں کیا گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فیصلہ کو جاری کر دیا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو منسوخ کر دیا ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۲۲۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مجتہدین کے مختلف اقوال میں حق صرف واحد ہوتا ہے۔ امام مالک سے اختلاف صحابہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ بعض صحابہ خطا پر ہوتے ہیں اور بعض صحابہ صواب پر ہوتے ہیں' اور ان کے تمام اقوال صحیح نہیں ہوتے۔ اور یہ کہنا کہ کسی ایک مسئلہ میں ہر مجتہد کا قول صحیح ہوتا ہے' یہ قول اس کو واجب کرتا ہے کہ ایک چیز حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو اور واجب بھی ہو اور مستحب بھی' اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد کا قول صحیح ہوتا ہے' ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ احزاب کے دن فرمایا تم میں سے کوئی شخص بنی قریظہ میں پہنچے بغیر نماز نہ پڑھے پھر بعض صحابہ کو راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا۔ بعض صحابہ نے کہا جب تک ہم بنو قریظہ میں نہیں پہنچ جائیں گے عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے۔ بعض صحابہ نے کہا بلکہ ہم نماز پڑھیں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کسی فریق کو اس پر ملامت نہیں کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۴۶' ۴۱۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۰)

جو فریق یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد کی رائے صحیح ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر اس مسئلہ میں کسی فریق کی رائے غلط ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو معین کر دیتے' اور دوسرا فریق اس کا یہ جواب دے سکتا ہے کہ آپ نے کسی ایک کی رائے کو اس لیے غلط نہیں فرمایا کیونکہ وہ گناہ گار نہیں تھا بلکہ ماجور تھا اس لیے وہ تعیین سے مستغنی تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۱۹-۲۱۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص جھگڑتے ہوئے آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! ان کے درمیان فاصلہ کرو۔ حضرت عمرو نے کہا یا رسول اللہ ! میری بہ نسبت فیصلہ کرنے کے آپ زیادہ مستحق ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر چند کہ میں ہوں۔ انہوں نے کہا اگر میں نے فیصلہ کر دیا تو مجھے کیا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا اگر تم نے ان کے درمیان درست فیصلہ کیا تو تم کو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور خطا کی تو تم کو ایک نیکی ملے گی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۰۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۹۷۸' عالم الکتب)

اس حدیث میں اہل سنت رحمہم اللہ کی دلیل ہے کہ مجتہد صواب کو بھی پہنچتا ہے اور خطا کو بھی' اور اس آیت میں بھی اس پر دلیل ہے۔ ففھمنھا سلیمن ۔ (الانبیاء: ۷۹) اور فہم کا معنی ہے' حق کو پہنچنا' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کے ساتھ خاص فرمایا' اور مجتہد نے اگر خطا کی تو وہ معذور ہے یہ اس وقت ہے جب حق واضح نہ ہو تو اس کو اپنے اجتہاد کا ثواب ملے گا سو جو شخص اپنے اجتہاد سے مطلوب تک پہنچ گیا تو اس کو اجتہاد کرنے کا بھی ثواب ملے گا اور اپنی کوشش سے حق تک پہنچنے کا بھی ثواب ملے گا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لیے دس نیکیاں ہوں گی اور اگر اس نے خطا کی تو اجتہاد کرنے کی وجہ سے اس کو پھر بھی ایک نیکی ملے گی۔ (المبسوط ج ۱۶ ص ۸۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ایک اور مسئلہ میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا اختلاف

احادیث میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے ایک اور فیصلہ کا بھی ذکر ہے جس میں ان دونوں کا اختلاف تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو عورتیں تھیں اور ان کے ساتھ دو بچے تھے۔ بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بچے کو کھا گیا۔ ایک نے دوسری سے کہا بھیڑیے نے تمہارے بچے کو کھایا ہے اور دوسری نے کہا بھیڑیے نے تمہارے بچے کو کھایا ہے پھر ان دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ پیش کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا پھر وہ دونوں عورتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گئیں اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: مجھے چھری لا کر دو۔ میں اس بچہ کو کاٹ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں پھر اس کو تم دونوں کے درمیان تقسیم کر دوں گا۔ تب چھوٹی عورت نے کہا نہیں اللہ آپ پر رحم فرمائے یہ اسی کا بچہ ہے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی چھوٹی عورت کے حق میں بچے کا فیصلہ کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۲۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۴۱۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۲)

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں کیسے فیصلہ کر دیا تھا۔ علامہ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی مالکی متوفی ۶۵۶ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ کسی دلیل کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کے نزدیک بڑی عورت کا قول راجح ہو اور حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ بچہ بڑی عورت کے ہاتھ میں ہو جو اس پر قرینہ تھا کہ بچہ اس کا ہے' اور یہ بھی ہوسکتا

ہے کہ وہ بچہ شکل وصورت میں بڑی عورت کے مشابہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں بڑے کے حق میں فیصلہ کیا جاتا ہو اور یہ کہ چھوٹی عورت اپنے حق میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکی ہو۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک فیصلہ کر دیا تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس فیصلہ کے خلاف کیوں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان عورتوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ نہیں بتایا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے فیصلہ کو قطعی اور حتمی قرار نہیں دیا تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ان کی شریعت میں یہ جائز تھا کہ جب مقدمہ کا کوئی فریق دوسرے حاکم کے پاس مقدمہ لے جائے تو وہ کسی دلیل کی بناء پر پہلے فیصلہ کے خلاف فیصلہ دے' اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک لطیف حیلہ سے اس چھوٹی عورت کے صدق کو جان لیا۔ انہوں نے کہا میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں اگر بڑی عورت اس کی واقعی ماں ہوتی تو وہ حضرت سلیمان کو اس سے منع کرتی کیونکہ اس طرح وہ بچہ مر جاتا جبکہ منع چھوٹی عورت نے کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچہ اسی کا ہے' بڑی عورت کا نہیں ہے کیونکہ وہ خاموش رہی تھی۔ (المفہم ج ۵ ص ۱۷۷-۱۷۶' شرح مسلم للنووی ج ۷ ص ۴۷۳۶-۴۷۳۵)

انبیاء علیہم السلام کا اجتہاد

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ بھی بحث کی ہے کہ آیا انبیاء علیہم السلام کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ ہم نے اجتہاد کے متعلق شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن دونوں میں یہ بحث کی ہے۔ شرح صحیح مسلم کے عنوان یہ ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے بارے میں فقہاء مجتہدین کی آراء' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے بارے میں فقہاء اسلام کی آراء' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر قرآن مجید سے دلائل' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر احادیث سے دلائل' اجتہادی خطاء منصب نبوت کے خلاف نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد اتباع وحی کے خلاف نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر اعتراضات کے جوابات۔ (شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۷۷-۲۶۸)

تبیان القرآن میں اس بحث کے عنوان یہ ہیں:

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع وحی کرنا آپ کے اجتہاد کے منافی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر دلائل' صحابہ کرام کے اجتہاد پر دلائل' آپ کا وحی کی اتباع کرنا اجتہاد کے منافی نہیں ہے۔ اجتہاد کی تعریف' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے متعلق علمائے اسلام کے مذاہب' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے عدم جواز کے قائلین' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے جواز کے قائلین' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے وقوع کے متعلق مذاہب علماء' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے وقوع کے ثبوت میں احادیث۔ (تبیان القرآن ج ۳ ص ۴۸۳-۴۷۶)

عصرِ حاضر میں اجتہاد کرنے کی تحقیق

انبیاء علیہم السلام' صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ کے اجتہاد پر تو شرح صحیح مسلم جلد ثالث اور تبیان القرآن جلد ثالث میں بحث آ گئی ہے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں بھی نئے پیش آمدہ حالات اور نئے اور تازہ مسائل میں اجتہاد کرنا جائز ہے یا نہیں' اس سلسلہ میں پہلے ہم ضرورتِ اجتہاد پر نظر ڈالیں گے پھر مجتہد کی تعریف ذکر کریں گے' اس کے بعد طبقات فقہاء کا بیان کریں گے اور اخیر میں بعض عصری مسائل میں متاخرین علماء کے اجتہاد کی مثالیں بیان کریں گے جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ جن عصری مسائل کا فقہ کی سابقہ کتب میں ذکر نہیں ہے' ان کا حکم معلوم کرنے کے لیے اب بھی اجتہاد کرنا جائز ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے' یہ صحیح نہیں ہے۔

ضرورتِ اجتہاد

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ تتبع اور استقراء سے یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ علم و فضل میں اب اس پائے کے لوگ نہیں ہیں جو اجتہاد کے اصولِ کلیہ وضع کر کے مجتہد فی الشرع کا مقام پا سکیں یا فروع میں وہ مقام پا سکیں جو اصحاب ابی حنیفہ کا ہے' لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانہ میں ایسے پختہ اور ثقہ اصحاب فتویٰ علماء موجود ہیں جو دورِ حاضر میں پیدا ہونے والے نئے نئے مسائل کا اصول و فروع میں اپنے امام کی اتباع کرتے ہوئے حل تلاش کر سکیں اور یہی لوگ مجتہد فی المسائل کہلانے کے مستحق ہیں' جس طرح امام ابو جعفر طحاوی اور امام قاضی خان نے اپنے اپنے دور میں پیش آنے والے مسائل کا اصول و فروع کی پابندی کرتے ہوئے استخراج اور استنباط کیا۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ آج کے اربابِ حل و کشاد انفرادی طور پر یا علماء کا ایک بورڈ بنا کر موجودہ دور کے مسائل کے لیے فقہ اسلامی سے رہنمائی نہ مہیا کر سکیں۔ مثلاً لاؤڈ اسپیکر پر نماز' ریل گاڑی اور طیارہ میں نماز' ریڈیو پر رویت ہلال کا اعلان' اعضاء کی پیوند کاری' انگریزی دواؤں سے علاج' مردے کا پوسٹمارٹم' قطبین میں نماز اور روزے کا مسئلہ نئے اوزان کی اوزان شرعیہ سے تطبیق' غیر سودی بینکاری' چور کے کٹے ہوئے ہاتھ سے انتفاع' بیمہ کا جواز یا عدم جواز' پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ' انعامی بانڈ لینے کا جواز یا عدم جواز۔ ایک شخص کسی شہر میں عید کر کے آیا اور دوسرے شہر میں رمضان پایا تو روزہ رکھے یا نہیں۔ کسی شخص نے تیس سال پہلے ایک ہزار روپیہ قرض لیا اب تیس سال بعد وہ قرض خواہ کو ایک ہزار ہی ادا کرے گا جبکہ اس کی مالیت اب سو روپیہ رہ گئی ہے یا سونے کے حساب سے زیادہ رقم' نوٹوں پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے سونا معیار ہو گا یا چاندی' اس قسم کے سینکڑوں مسائل بیسویں صدی میں ایجاداتِ زمانہ کی تیز رفتار ترقی اور بدلتے ہوئے حالات نے پیدا کر دیئے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے اور مجتہد فی المسائل قسم کے علماء ہی اس ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں۔

مجتہد کی تعریف

علامہ محب اللہ بہاری نے ذکر کیا ہے کہ مجتہد وہ مسلمان فقیہ ہے جو حکمِ شرعی کا استخراج کرنے کے لیے اپنی تمام علمی صلاحیت کو بروئے کار لائے اور انہوں نے مجتہد کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے دلائل پر کم سے کم اجمالی نظر رکھتا ہو اور احکام سے متعلق قرآنِ کریم کی آیات کے معانی' فصاحت و بلاغت اور صرف و نحو اور قرأت کی باریکیوں اور اصولِ استخراج کے علم کا ماہر ہو۔

اسبابِ نزول اور ناسخ و منسوخ کا علم رکھتا ہو۔ اس طرح جو احادیث احکام سے متعلق ہیں ان تمام احادیث پر اس کی نظر ہو' ان احادیث کی سند پر راویوں کے احوال سے باعتبارِ قوت اور ضعف کے واقف ہو' تعدد اسانید کے اعتبار سے متواتر' مشہور' مستفیض اور غریب کے فرق سے واقف ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معمولات اور اقوال میں منشاء رسالت تلاش کر کے ان میں تطبیق دینے یا نسخ کا فہم رکھتا ہو' آثارِ صحابہ سے واقف ہو اور یہ جانتا ہو کہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کون سے عمل کو آخری عمل قرار دیا' کس عمل کو خصوصیت قرار دیا اور متعارض احادیث کی کس طرح توجیہ کی' جس مسئلہ پر اہلِ علم کا اجماع ہو چکا ہو' اس پر مطلع ہو اور جس پیش آمدہ مسئلہ کا حل صراحتاً کتاب' سنت' آثار اور اجماع سے نہ حاصل ہو سکے' اس کو اس مسئلہ کے اشباہ و نظائر پر قیاس کر کے حاصل کر سکے۔ ایک مجتہد جب قرآن یا حدیث کے متن سے استدلال کرتا ہے تو عموماً اس کے استدلال کے چار طریقے ہوتے ہیں۔ کتاب' سنت' اجماع اور قیاس۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۶۲' مطبوعہ مصر' ۱۹۷۰ء)

طبقات فقہاء

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فقہاء کے حسب ذیل چھ طبقات ہیں:

۱۔ مجتہد مطلق

اس کو مجتہد فی الشرع بھی کہتے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو قواعد واصول مقرر فرماتے ہیں اور احکامِ فرعیہ کو اصول اربعہ سے مستنبط کرتے ہیں اور اصول وفروع میں کسی کے تابع نہیں ہوتے۔ جیسے ائمہ اربعہ۔

۲۔ مجتہد فی المذہب

یہ صرف اصول میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور ادلّہ اربعہ سے فروع کے استخراج پر قدرت رکھتے ہیں اور مسائلِ فرعیہ میں بعض جگہ اپنے امام سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ جیسے اصحابِ ابی حنیفہ وغیرہ۔

۳۔ مجتہد فی المسائل

یہ اصول وفروع میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور جن مسائل میں امام سے کوئی روایت نہیں ہوتی' ان میں امام کے اصول کے مطابق استخراج کرتے ہیں۔ جیسے ابوجعفر طحاوی۔

۴۔ اصحابِ تخریج

انہیں اجتہاد پر قدرت نہیں ہوتی لیکن اصول اور اس کے مآخذ پر انہیں مکمل عبور ہوتا ہے' اس لیے یہ قول مجمل کی تفصیل پر قدرت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوبکر رازی' ابوبکر جصاص اور کرخی۔

۵۔ اصحابِ ترجیح

یہ بعض روایتوں کو بعض دوسری روایتوں پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوالحسن قدوری اور صاحبِ ہدایہ۔

۶۔ ممیّزین

یہ وہ لوگ ہیں جو روایات میں سے صحیح' اصح' قوی' ضعیف اور ظواہر ونوادر وغیرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں اور انہیں روایات کو باہم ممیّز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جیسے صاحب کنز اور صاحب شرح وقایہ وغیرہا۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۶۔ ۱۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اب ہم بعض عصری مسائل میں بعض متاخرین علماء اور فقہاء کے اجتہاد کی مثالیں پیش کر رہے ہیں۔

چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے کے متعلق متاخرین علماء کا اجتہادی حکم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے کے متعلق لکھتے ہیں:

فرض وواجب جیسے وتر اور نذر اور ملحق بہ یعنی سنت فجر چلتی ریل میں نہیں ہوسکتے اگر ریل نہ ٹھہرے اور وقت نکلتا دیکھے' پڑھ لے پھر بعد استقرار اعادہ کرے (الیٰ قولہ) لیکن اگر ریل روک لی جائے تو زمین ہی پر ٹھہرے گی اور مثل تخت ہوجائے گی۔ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع من جہت العباد ہوا اور ایسے منع کے متعلق حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعد زوال مانع اعادہ کرے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۶۷' مطبوعہ سنی دار الاشاعت' لائل پور)

فقیہ العصر مولانا محمد نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ اس مسئلے کے متعلق لکھتے ہیں:

چلتی ریل گاڑی' چلتی کشتی کے مشابہ ہے کہ دونوں کسی جانور کے کھینچنے سے نہیں بلکہ ہوا و بھاپ کے ذریعہ سے چلتی ہیں اور کشتی باوجودیکہ پانی پر چلتی ہے اور زمین یا کسی ایسی ٹھوس چیز پر نہیں چلتی جس پر بلاواسطہ سجدہ یا قیام ہو سکے مگر پھر بھی اس میں نماز فرض بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ نوریہ ج ۱ص ۲۰۸' مطبوعہ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور)

اس مسئلہ کی مکمل تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۲ص ۴۰۷-۳۹۷ میں کر دی ہے۔

لاؤڈ اسپیکر کے مائیک پر نماز پڑھنے کے متعلق اجتہادی حکم

لاؤڈ اسپیکر کے مائیک پر نماز پڑھانے یا پڑھنے کے متعلق مولانا نور اللہ نعیمی لکھتے ہیں:

بلاشک وشبہ وگنجائش ریب قرآن کریم اور احادیث طیبہ اور اجماع عملی ونقول مذہبیہ فقہیہ سے اس کا جواز آفتاب بے حجاب سے بھی زیادہ واضح و بے نقاب ہے۔ (فتاویٰ نوریہ ج ۱ص ۳۶۹' مطبوعہ بصیر پور)

روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانے کے متعلق اجتہادی حکم

روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانے کے متعلق مولانا نور اللہ نعیمی لکھتے ہیں:

ایسے عام ٹیکے جن میں دوائی جوف (پیٹ) و دماغ تک بذریعہ سوئی نہیں جاتی بلکہ سوئی رہتی ہی جوف سے بالائی یا زیریں حصوں میں ہے' روزہ فاسد نہیں کرتے۔ (فتاویٰ نوریہ ج ۲ص ۱۱۲' مطبوعہ بصیر پور)

مولانا محمد وقار الدین متوفی ۱۴۱۳ھ اس مسئلہ میں لکھتے ہیں:

روزے کی حالت میں انجکشن لگوانا مختلف فیہ ہے یعنی اس میں اختلاف ہے۔ ہماری رائے کے مطابق اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لہٰذا روزہ دار کو انجکشن لگوانے سے بچنا چاہیے۔ انجکشن دن میں لگوانا ضروری نہیں' رات میں بھی لگوایا جا سکتا ہے۔ اس لیے رات میں لگوائیں۔ (وقار الفتاویٰ ج ۲ص ۴۲۹' مطبوعہ بزم وقار الدین کراچی' ۱۴۱۹ھ)

مفتی وقار الدین صاحب نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک بار بریلی میں طاعون پھیل گیا' اسکول میں انجکشن لگائے جا رہے تھے۔ لڑکوں نے کہا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ فتویٰ لیا جائے' وہ لڑکے بریلی شہر کے تھے۔ وہ فتویٰ لینے گئے اور فتویٰ لائے تو ہم نے پوچھا کہ کہاں سے فتویٰ لیا ہے تو کہا کہ بڑے مولوی صاحب سے لائے ہیں۔ اتنی بات طالب علمی کے زمانہ میں سنی تھی چونکہ اس وقت اعلیٰ حضرت کو بڑے مولانا صاحب کہا جاتا تھا' اس فتویٰ کو ہیڈ ماسٹر نے دیکھ کر کہا جب بڑے مولوی صاحب نے لکھ دیا پھر تو نہیں لگ سکتا۔ یہ تذکرہ اعلیٰ حضرت کا میرے سامنے ہوا تھا۔

(حیات وقار الملت ص ۲۳' ملخصاً محصلاً' مطبوعہ بزم وقار الدین کراچی' ۱۹۹۳ء)

اس مسئلہ کی مفصل اور مکمل تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۱ص ۳۵۸ میں کی ہے اور تبیان القرآن ج ۱ص ۷۰۸-۷۰۷ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

ریڈیو اور ٹی وی کی مرمت کی اُجرت لینے کا اجتہادی حکم

ریڈیو اور ٹی وی کی مرمت کی اُجرت کے متعلق مفتی وقار الدین مرحوم سے سوال کیا گیا تو انہوں نے لکھا:

ریڈیو اور ٹی وی مشینی آلات ہیں' ان سے جائز کام بھی لیے جاتے ہیں اور ناجائز کام بھی۔ یہ صرف حرام کام کے لیے استعمال نہیں ہوتے اور نہ محض غلط کاموں کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ جس طرح چھری اور بندوق وغیرہ جیسے آلات سے جہاد بھی کیا جاتا ہے اور اپنے ذاتی کاموں اور شکار میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور ان ہی سے انسان کو قتل کرنے والا فعل قبیح بھی

کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جو آلات صرف معصیت کے لیے متعین نہ ہوں' ان کا بنانا اور مرمت کرنا جائز ہے تو ریڈیو اور ٹی وی کی مرمت کرنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح اس کی مرمت کی اُجرت بھی حلال ہے۔ (وقار الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۱۹' مطبوعہ کراچی)

حالتِ اضطرار میں مریض کو خون دینے کے متعلق اجتہادی حکم

جان بچانے کے لیے مریض کو خون دینے کے مسئلہ میں مفتی وقار الدین لکھتے ہیں:

خون کی حرمت ونجاست قطعی ہے۔ قرآن پاک نے اسے ناپاک قرار دیا ہے۔ (المائدہ: ۳) اس لیے اس کی خرید و فروخت اور اس کا استعمال سب ناجائز ہے۔ لہٰذا مریض زندہ رہے یا ہلاک ہو جائے' دونوں صورتوں میں ایسا کرنے والے گناہ گار ہوں گے۔ (وقار الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۶' مطبوعہ کراچی)

مفتی نور اللہ نعیمی اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ایسی ضرورت شدیدہ کے وقت کہ زخمی مجاہد کی زندگی خطرہ میں ہو اور کوئی نافع دوائی خون کے بغیر نہ ملے تو استعمالِ خون بقدرِ ضرورت شرعاً جائز ہوگا۔ (الیٰ قولہ) بہرحال روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ ایسے مریض کے لیے ایسی ضرورت کے وقت انسانی خون کا استعمال جائز ہے اور جب استعمالِ خون جائز ہے تو خون کے عطیات پیش کرنے بھی جائز ہوں گے۔

(فتاویٰ نوریہ ج ۳ ص ۴۵۵۔۴۵۲' ملخصاً' مطبوعہ بصیر پور' ۱۹۸۳ء)

ہم نے اس مسئلہ کی مکمل تحقیق شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۳۲۔۸۳۰ اور تبیان القرآن ج ۱ ص ۶۶۷ میں کی ہے۔

ایلوپیتھک اور ہومیو پیتھک دواؤں کے استعمال کے متعلق اجتہادی حکم

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

انگریزی رقیق دوائیں جو ٹنچر کہلاتی ہیں' ان میں عموماً اسپرٹ پڑتی ہے اور اسپرٹ یقیناً شراب بلکہ شراب کی نہایت بدتر قسموں سے ہے' وہ نجس ہے' ان کا کھانا حرام' بدن یا کپڑے یا دونوں کی مجموع پر ملا کر اگر روپیہ بھر جگہ سے زیادہ میں ایسی شے لگی ہوئی ہو نماز نہ ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۸۸' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی متوفی ۱۹۶۶ء لکھتے ہیں:

لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا' یہ معلوم ہوا کہ یہ (اسپرٹ) بھی اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً خمر کہا جاتا ہے بلکہ یہ (اسپرٹ) ایسی شراب کا جوہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع وشراء بھی جائز ہے۔

(فتاویٰ مظہریہ ص ۲۹۸' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

مفتی وقار الدین اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ہومیو پیتھک کی کوئی دوا بغیر الکحل کے نہیں بنتی۔ الکحل شراب ہے لہٰذا ہومیو پیتھک کی دوا کھانا ناجائز ہے۔ (الیٰ قولہ) ایلوپیتھک کی ہر دوا میں الکحل نہیں ہوتا۔ ٹیبلیٹ اور کیپسول میں الکحل نہیں ہوتا' پتلی دوائیوں میں سے کچھ میں شامل ہے' کچھ میں نہیں۔ لہٰذا جس دوا میں الکحل ہوگا' اس کا کھانا اور اس کی خرید وفروخت ناجائز ہوگی اور جس میں الکحل شامل نہیں' وہ جائز ہے۔ (وقار الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۵۔۲۶۴' ملخصاً' مطبوعہ کراچی)

مفتی نور اللہ نعیمی اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ہاں اس میں شک نہیں کہ انگریزی ادویہ کا استعمال شرقاً غرباً عرباً عجماً عام ہو چکا ہے اور یہ بھی متیقن ومتعین کہ تمام دواؤں

میں عموماً شراب کی ملاوٹ نہیں ہوتی بلکہ صرف تر اور سیال دواؤں میں سے بعض میں ہوتی ہے اور وہ بھی یقینی نہیں کہ انگوری ہوتی ہے' تو اندریں حالات غیر مسکر دواؤں کا استعمال جائز و حلال ہونا چاہیے کہ ایک ایک دوائی کے متعلق شراب کی آمیزش یقینی نہیں ہے حالانکہ یہ امر محقق ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے وذالك ثابت كالشمس والامس من الايات المتكاثرة والاحاديث المتوافرة و نصوص الائمة الكرام والمشائخ العظام علىٰ كثرتها بلکہ فتاویٰ امام قاضی خاں فقیہ النفس ص ۷۷۹ میں ہے:

ليس زماننا زمان الشبهات فعلى المسلم ان يتقى الحرام المعاين.

بلکہ فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۱۰۵ میں ہے:

قال محمد وبه ناخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه وهو قول ابى حنيفة واصحابه كذافى الظهيرية

تو واضح ہوا کہ حرمت و نجاست عارضی ہیں لیکن ان کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ خصوصی دلیل ہو اور محض شکوک وظنون سے ان کا اثبات ممکن نہیں اور یہ بھی واضح کہ احتیاط یہ نہیں کہ بے تحقیقِ بالغ وثبوتِ کامل کسی شے کو حرام ومکروہ کہہ کر افتراء کیا جائے اور بازاری افواہ بھی قابلِ اعتبار نہیں کہ احکامِ شرع کی مناط و مدار بن سکے۔ نیز کسی شے کا محل احتیاط سے دور یا کسی قوم کا بے احتیاط وشعور اور پروائے نجاست وحرمت سے مہجور ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ شے یا اس قوم کی استعمالی یا بنائی ہوئی اشیاء مطلقاً ناپاک یا حرام وممنوع قرار پائیں۔ چنانچہ مسائل کثیرہ فقہیہ سے یہ چیز روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ مثلاً وہ کنویں جن سے کفار' فجار' جہال' گنوار' نادان بچے' بے تمیز عورتیں سب طرح کے لوگ پانی بھرتے ہیں' شرع مطہر ان کی طہارت کا حکم دیتی ہے' ان سے شرب و وضو روا فرماتی ہے اور یونہی گلی کوچوں میں پھرنے والے جوتوں سے کوئی جوتا کنویں سے نکلے اور اس پر کوئی نجاست ظاہر نہ ہو تو کنواں طاہر ہے اور اس قسم کے بکثرت اور مسائل ہیں جن کی فتاویٰ عالمگیری' البحر الرائق' شامی' قاضی خان وغیرہا کتبِ معتمدہ میں تصریح ہے اور فتاویٰ رضویہ شریفہ جلد ۲ میں نہایت تشریح ہے۔ سائل فاضل نے یہ درست فرمایا کہ انگریزی ادویہ میں عمومِ بلویٰ اور ابتلاء کا اعتبار ہونا چاہیے اور ایسی صورت میں ضرورت کے لیے روایتِ ضعیفہ کا سہارا بھی لیا جا سکتا ہے۔ چہ جائیکہ حضرت امامِ عالی مقامِ اوّل اور حضرتِ امامِ ثانی رضی اللہ عنہما کا مذہب شریف معاذ وملاذ بن جائے حالانکہ ہمارے پیارے ارحم الراحمین ربِ تبارک وتعالیٰ اور سراپائے رحم وکرم محبوبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تیسیر پسند اور حرج وتعسیر مرفوع ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: يريد الله بكم اليسر ولايريد بكم العسر ۔ (پ۲ ع۷) نیز فرمایا: وما جعل عليكم فى الدين من حرج۔ (پ۱۷ ع۱۷) الى غير ذلك من الايات والاحاديث الصحيحة الصريحة ۔

البتہ ایلو پیتھک ادویہ کی طرح ہومیو پیتھک ادویہ کا استعمال فقیر کی نظر میں حد ابتلاء تک نہیں پہنچ سکا تو ان میں اباحت اصلیہ اور عدم تیقن نجاست سے ہی جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ نوریہ ج ۳ ص ۴۶۰-۴۵۸' مطبوعہ بصیر پور)

ہم نے اس مسئلہ کی مکمل تحقیق اور تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۴۳-۸۳۰ میں کی اور تبیان القرآن ج ۱ ص ۶۷۶-۶۶۷ میں بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔

بعض دیگر مسائل اجتہادیہ

جن اجتہادی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ بھی کچھ تازہ اور نئے مسائل ہیں جن پر ہم نے گفتگو کی ہے۔ مثلاً ریڈیو اور ٹی وی کے اعلان پر رمضان' عید اور قربانی کرنا۔ اس مسئلہ پر ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۴۷-۵۷ میں بحث کی ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید بھی ایک نیا مسئلہ ہے۔ اس پر ہم نے مفصل بحث شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۷۸-۸۸۷

کی ہے۔ اسقاط حمل پر شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۹۸-۸۹۱ میں تفصیل ہے۔ تازہ ترین مسئلہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا ہے۔ شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۹۴۷-۹۳۵ میں اس کی بحث ہے۔ ٹیلی فون پر نکاح بھی ایک نیا مسئلہ ہے اس کا ذکر شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۲۹-۸۲۸ میں ہے۔ اعضاء کی پیوند کاری بھی اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس پر ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۶۲-۸۴۳ میں گفتگو کی ہے۔ انعامی بانڈز کے جواز کی بحث ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۲۴-۱۱۱ میں کی ہے اور بیمہ کے متعلق شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۸۶۷-۸۴۶ میں لکھا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نئے تازہ مسائل ہیں' یہ سب جدید مسائل ہیں اور سائنس کی تیز رفتار ترقی اور نئی نئی ایجادات کے نتیجے میں ظہور میں آئے ہیں۔ اس لیے ان پر از سر نو غور و فکر اور اجتہاد کی ضرورت ہے۔

ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کا معنی

یہ جو کہا جاتا ہے ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ ائمہ اربعہ نے اصول کلیہ وضع کیے' جن کے تحت مسائل کا استنباط اور استخراج کیا جاتا ہے اور بعد کے لوگ اصول کلیہ وضع کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے لیکن ان اصول کے تحت متقدمین فقہاء نے اجتہاد کیا اور اب بھی ان ہی قواعد کی روشنی میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً امام اعظم کا اصول ہے کہ وہ قرآن مجید کو احادیث پر مقدم کرتے ہیں اور متعارض احادیث میں حتی الامکان تطبیق دیتے ہیں' اور اگر احادیث قرآن مجید سے متصادم ہوں تو قرآن مجید کے مقابلہ میں احادیث کو ترک کر دیتے ہیں اور احادیث کو اقوال صحابہ پر مقدم رکھتے ہیں اور اقوال صحابہ کو اقوال تابعین پر مقدم رکھتے ہیں۔ مطلق کو مقید پر محمول نہیں کرتے' فرض قطعی اور فرض ظنی اور اسی طرح حرام قطعی اور حرام ظنی میں فرق کرتے ہیں' اسی طرح باقی ائمہ کے بھی اصول ہیں جن کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ سو اگر کوئی ایسا نیا مسئلہ ہو جس کا حل سابقہ فقہ کی کتابوں میں نہ ہو تو اس کی دوسری نظائر پر قیاس کر کے اس کا حکم معلوم کیا جائے اور اگر اس کی نظائر بھی نہ مل سکیں تو اپنے اپنے امام کے اصول اور قواعد کے مطابق کتاب' سنت اور آثار صحابہ کی روشنی میں اجتہاد کیا جائے۔

مویشیوں میں اللہ کے حقوق

اس آیت میں مویشیوں کا ذکر ہے جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات میں اس کھیت کو چر لیا تھا۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ مویشیوں کے احکام سے متعلق بھی چند احادیث ذکر کر دیں۔ مویشیوں کے کچھ احکام حقوق اللہ سے متعلق ہیں اور کچھ حقوق العباد سے۔ اللہ کے حقوق میں سے اہم حق مویشیوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہے' یاد رہے کہ ان مویشیوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو قدرتی چراگاہوں میں گھاس چرتی ہیں اور جن مویشیوں کو خرید کر چارہ کھلایا جاتا ہے' ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سونا چاندی رکھتا ہو اور اس کا حق (زکوٰۃ) نہ ادا کرے' قیامت کے دن اس کے لیے آگ کے پرت بنائے جائیں گے اور دوزخ کی آگ سے اس کو تپایا جائے گا اور اس کے پہلو' پیشانی اور پیٹھ کو اس کے ساتھ داغا جائے گا۔ ایک بار یہ عمل کرنے کے بعد دوبارہ پھر کیا جائے گا جب ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اس دن یہ عمل مسلسل کیا جائے گا۔ بالآخر جب تمام لوگوں کے فیصلے کر دیئے جائیں گے تو اس کو جنت یا دوزخ کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ! اونٹ والوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ فرمایا جو اونٹ والا اونٹوں کا حق (ان کی زکوٰۃ) ادا نہیں کرے گا اور اونٹوں کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ پانی پلانے کے دن اونٹنیوں کا دودھ دوہ کر غریبوں کو پلایا جائے۔ (ان کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو) قیامت کے دن چٹیل زمین پر اوندھا لٹا دیا جائے گا اس وقت اونٹ آئیں گے در آں حالیکہ وہ بہت فربہ ہوں گے اور ان کا کوئی بچہ تک گم نہیں ہوگا' وہ اس شخص کو اپنے کھروں سے روندیں اور اپنے مونہوں سے کاٹیں گے' ان کا ایک ریوڑ گزر جائے گا تو پھر دوسرا آ جائے گا' پچاس ہزار سال کے برابر دن میں یہ

سلسلہ یونہی جاری رہے گا حتیٰ کہ جب لوگوں کے فیصلے ہو جائیں گے تو اس کو جنت یا دوزخ کا راستہ دکھایا جائے گا۔ عرض کیا یارسول اللہ! گائے اور بکریوں والوں کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا جو گائے اور بکریوں والا ان کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرے قیامت کے دن چٹیل زمین میں اسے منہ کے بل گرایا جائے گا' تمام گائیں اور بکریاں اس کو کھروں سے روندیں گی اور اس سینگوں سے ماریں گی۔ اس روز ان میں کوئی اُلٹے سینگوں والی ہوگی نہ بغیر سینگوں والی' نہ ٹوٹے ہوئے سینگوں والی' ایک ر گزرنے کے فوراً بعد دوسرا ریوڑ آ جائے گا اور پچاس ہزار سال کے برابر دن میں یونہی ہوتا رہے گا حتیٰ کہ لوگوں کے درمیا فیصلہ کر دیا جائے گا پھر اسے جنت یا دوزخ کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۷)

مویشیوں میں بندوں کے حقوق

کسی اونٹنی' گائے' یا بکری کا دودھ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر دوہنا جائز نہیں ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص مویشیوں کے پاس سے گزر ہو اگر مویشیوں کے پاس ان کا مالک موجود ہے تو اس سے اجازت طلب کرلے' اگر وہ اجازت دے دے تو ان کا دودھ دوہ کر پی لے اور اگر وہاں کوئی نہ ہو تو تین بار آواز دے اگر کوئی شخص اس کی آواز کا جواب دے تو اس سے اجازت حاصل کرے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو دودھ دوہ کر پی لے لیکن دودھ ساتھ لے کر نہ جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۹۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۱۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۸۷۷' سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۵۹' المسند الجامع رقم الحدیث: ۵۰۱۰)

تین بار آواز کا جواب نہ آنے پر دودھ پینے کی اجازت حالتِ اضطرار پر محمول ہے۔ یعنی جب اس کو شدید بھوک لگی ہو اور اگر اس نے دودھ نہ پیا تو وہ مر جائے گا۔

مویشیوں کو گیا بھن کرنے کی اُجرت کی تحقیق

لوگوں کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ مادہ کو گیا بھن کرنے کی اُجرت نہ لی جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نر کو مادہ کے گیا بھن کرنے کے لیے دینے کی اُجرت سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۸۵)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ان فقہاء نے استدلال کیا ہے جو نر کی جفتی کی بیع یا اس کے کرایہ کو حرام کہتے ہیں۔ صحابہ کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ نر کے مادہ منویہ کی عرف میں کوئی قیمت اور نہ اس کی مقدار معلوم ہے اور نہ اس کو سپرد کرنا قدرت میں ہے' اور اس کو کرائے پر دینے کے متعلق دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ بھی ممنوع ہے۔ امام مالک کے نزدیک اگر نر کو جفتی کے لیے کرائے پر لیا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ پہلے یہ طے کر جائے کہ نر مادہ کو اتنی بار ضرب لگائے گا اور اتنی مدت کے لیے یہ عمل کیا جائے گا اور اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت تک نر کو کرا پر لیا جائے حتیٰ کہ مادہ گیا بھن ہو جائے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ حسن بصری' ابن سیرین اور عطا نے اس کو بھی جائز کہا ہے جب کہ ما کو گیا بھن کرنے کی اور کوئی صورت نہ ہو۔ علامہ ابن بطال نے کہا بعض علماء نے حسبِ ذیل حدیث سے اس کے کرائے جواز پر استدلال کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بنوکلاب کے ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نر کی جفتی

ئے کے متعلق سوال کیا آپ نے منع فرمایا۔ اس شخص نے کہا ہم نر کو جفتی کے لیے دیتے ہیں پھر ہماری تکریم کی جاتی ہے۔ ہم کو ہدیہ دیا جاتا ہے) آپ نے تکریم (ہدیہ قبول کرنے) کی اجازت دی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۷۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۸۶' المسند الجامع رقم الحدیث: ۷۷۷)

اس حدیث میں جفتی پر دینے کے بعد ہدیہ قبول کرنے کی اجازت ہے' ہر چند کہ اس کی بیع اور اس کو کرائے پر دینا حرام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۰۶' مصر' ۱۳۴۸ھ' فتح الباری ج ۵ ص ۲۲۵' دار الفکر' ۱۴۲۰ھ)

کرائے پر دینے اور بعد میں ہدیہ قبول کرنے میں یہ فرق ہے کہ کرائے میں پہلے یہ مقرر کیا جائے گا کہ نر کو اتنے وقت اور اتنی بار ضرب لگانے کے لیے اتنے پیسوں کے عوض دیا جائے گا جب کہ تکریماً اور ہدیۃً کا معنی یہ ہے کہ بغیر کچھ طے کیے نر کو جفتی کے لیے دے دیا جائے اور بعد میں نر یا نر کو دینے والے کی تکریم کے لیے کچھ ہدیہ دے دیا جائے۔

اس زمانے میں نر جانور کا نطفہ بیرون ملک سے درآمد کیا جاتا ہے اور اس کی مقدار متعین اور معلوم ہوتی ہے' اور اس کو انجکشن کے ذریعہ مادہ کے رحم میں پہنچا دیا جاتا ہے' لہٰذا عرف میں جو اس کی قیمت ہو وہ لینی جائز ہے۔

رہن رکھے ہوئے مویشیوں سے استفادہ کی تحقیق

جن مویشیوں کو رہن رکھا جائے ان کے متعلق یہ حکم شرعی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سواری کو رہن رکھا جائے' اس پر اس کے چارہ اور دیگر اخراجات کے عوض سواری کی جائے گی' جب کہ اس کو رہن رکھا ہو اور جس مویشی کو رہن رکھا ہو' اس کے اخراجات کے عوض اس کا دودھ پیا جائے گا جب کہ اس کو رہن رکھا ہو' اور اس مویشی پر خرچ کرنا اس کے ذمہ ہے جو اس پر سواری کرتا ہو اور اس کا دودھ پیتا ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۱۲)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے امام شافعی اور ظاہریہ کی ایک جماعت (غیر مقلدین) نے استدلال کیا ہے کہ رہن شدہ سواری سے استفادہ کرنا یعنی اس پر سواری کرنا اور اس کا دودھ پینا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق یہ ناجائز ہے کیونکہ مرتہن (جس نے قرض دے کر مقروض کی چیز کو رہن رکھا ہے) اگر رہن شدہ چیز سے فائدہ اٹھائے گا تو یہ قرض سے فائدہ حاصل کرنا ہے اور قرض سے فائدہ حاصل کرنا سود ہے' اور سود حرام ہے اور یہ ائمہ کرام اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ سود کو حرام قرار دینے سے پہلے کا واقعہ ہے اور جب سود حرام ہو گیا تو رہن شدہ چیز سے فائدہ حاصل کرنا بھی حرام ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۴۳ ۷ ملخصاً' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

رہن شدہ چیز سے فائدہ اٹھانے کے لیے بیع الوفا کا حیلہ

لوگوں نے رہن سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایک حیلہ نکالا ہے' اس کو بیع الوفا کہتے ہیں۔

صدر الشریعت مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

مسئلہ: بیع الوفاء اس کو بیع الامانہ اور بیع الاطاعۃ اور بیع المعاملہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس طور پر بیع کی جائے کہ بائع جب ثمن مشتری کو واپس دے گا تو مشتری مبیع کو واپس کر دے گا یا یوں کہ مدیون نے دائن کے ہاتھ دین کے عوض میں کوئی چیز بیع کر دی اور یہ طے ہو گیا کہ جب میں دین ادا کر دوں گا تو اپنی چیز لے لوں گا' یا یوں کہ میں نے یہ چیز تمہارے ہاتھ اتنے میں بیع کر دی ہے اس طور پر کہ جب ثمن لاؤں گا تو تم میرے ہاتھ بیع کر دینا۔ آج کل جو بیع الوفاء لوگوں میں جاری

ہے اس میں مدت بھی ہوتی ہے کہ اگر اس مدت کے اندر یہ رقم میں نے ادا کر دی تو چیز میری ورنہ تمہاری۔

مسئلہ: بیع الوفاء حقیقت میں رہن ہے۔ لوگوں نے رہن کے منافع کھانے کے لیے یہ ترکیب نکالی ہے کہ بیع کی صورت میں رہن رکھتے ہیں تا کہ مرتہن اس کے منافع سے مستفید ہو۔ لہٰذا رہن کے تمام احکام اس میں جاری ہوں گے اور جو کچھ منافع حاصل ہوں گے' سب واپس کرنے ہوں گے اور جو کچھ منافع اپنے صرف میں لا چکا ہے یا ہلاک کر چکا ہے' سب کا تاوان دینا ہوگا۔ اور اگر مبیع ہلاک ہوگئی تو دین کا روپیہ بھی ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ وہ دین کی رقم کے برابر ہو اور اگر اس کے پڑوس میں کوئی مکان یا زمین فروخت ہو تو شفعہ بائع کا ہوگا کہ وہی مالک ہے' مشتری کا نہیں کہ وہ مرتہن ہے۔ (ردالمحتار)

(بہار شریعت حصہ ۱۱ ص ۱۲۸' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں خریدار' خریدی ہوئی چیز سے فائدہ تو اُٹھا سکتا ہے لیکن اس کو فروخت نہیں کر سکتا۔ علامہ الزیلعی نے کہا اسی قول پر فتویٰ ہے۔ (ردالمحتار ج ۷ ص ۴۲۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کی آسان عبارت یہ ہے کہ جب مثلاً زید نے اپنی گائے یا اپنا گھوڑا عمرو کے پاس رکھ کر اس سے دس ہزار روپے قرض لیے تو یہ رہن ہے اور عمرو اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا' تو اس کا حل یہ ہے کہ زید رہن رکھنے کے بجائے اپنی گائے یا گھوڑے کو عمرو کے ہاتھ فروخت کر دے' اب وہ گھوڑے پر سواری کر سکتا ہے اور گائے کا دودھ پی سکتا ہے لیکن وہ اس گائے یا گھوڑے کو کسی اور کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا اور جب زید اس کو رقم ادا کر دے گا تو عمرو سے اپنے گھوڑے یا اپنی گائے کو واپس لے لے گا۔ اس بیع کو بیع الوفاء کہتے ہیں۔

علامہ شامی نے اس کو بیع الوفاء کہنے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

اس بیع کا نام بیع الوفاء رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ خریدار وفاء کرنے کا عہد کرتا ہے کہ جب فروخت کرنے والا خریدار کو قیمت واپس دے گا تو وہ اس چیز کو واپس کر دے گا' اور بعض فقہاء اس کو ''البیع الجائز'' کہتے ہیں اور یہ اس پر مبنی ہے کہ سود سے بچنے کے لیے یہ بیع صحیح ہے حتیٰ کہ خریدار کے لیے اس سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے' اور بعض اس کو بیع المعاملہ کہتے ہیں کیونکہ یہ قرض سے نفع حاصل کرنے کا معاملہ ہے اور قرض دینے والا اس چیز کو خریدتا ہے تا کہ اس سے نفع حاصل کرے اور یہ نفع اس کے قرض کے مقابلہ میں ہے' اور اس کی صورت یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار سے یہ کہے کہ میں نے تم کو یہ چیز اس کے عوض میں فروخت کی ہے جو میرے ذمہ تمہارا قرض ہے اس شرط کے ساتھ کہ جب میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا تو پھر یہ چیز میری ہو جائے گی۔ (علامہ شامی نے کہا ہے کہ علامہ زیلعی نے اس بیع کو جائز کہا ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے)

(ردالمحتار ج ۷ ص ۴۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

مویشیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں یاد رکھی ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ اچھے سلوک کو فرض کر دیا ہے جب تم کسی (دشمن دین) کو قتل کرو تو اچھے طریقہ سے قتل کرو (جس میں اس کو زیادہ ایذاء نہ پہنچے) اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو اور تم اپنی چھری کو تیز کر لو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۱۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۰۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۰۵' سنن ابن ماجہ رقم

یث: ۳۱۷۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مویشیوں کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۱۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۵۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۱۶ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۸۶ مسند احمد رقم یث: ۱۲۱۸۵ عالم الکتب بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے اور لڑانے سے منع فرمایا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۶۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۰۹ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۲۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک گدھا گزرا جس کے چہرے پر (جلا کر) داغ لگایا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اللہ اس شخص پر لعنت کرے جس نے اس کے چہرے کو جلا کر داغ لگایا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر مارنے اور داغ لگانے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۱۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۸ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۵۵۱ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۲۳۵ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۵۵)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف پڑھانے کے بعد فرمایا اور دوزخ کی آگ میرے قریب کی گئی حتیٰ کہ میں نے کہا اے میرے رب! جس وقت میں دوزخیوں کے پاس تھا' اچانک ایک عورت تھی جس کو بلی نوچ رہی تھی۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا اس عورت نے بلی کو باندھ کر رکھا حتیٰ کہ وہ بھوک سے مر گئی نہ اس نے بلی کو کچھ کھلایا اور نہ اس کو آزاد کیا حتیٰ کہ وہ کچھ گھاس پھوس کھا لیتی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۵ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴۹۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۵۰۳ عالم الکتب بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی راستہ میں جا رہا تھا' اس کو بہت شدید پیاس لگی۔ وہ کنویں میں اترا اور اس نے پانی پیا پھر اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس نے کہا اس کتے کو بھی ایسی ہی پیاس لگی ہوئی ہے جیسی پیاس مجھے لگی تھی۔ وہ پھر کنویں میں اترا اور اس نے اپنے (چمڑے کے) موزہ میں پانی بھرا پھر اس موزہ کے منہ کو بند کیا اور کنویں سے باہر آیا اور کتے کو سیر کر کے پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس عمل کی جزا دی اور اس کو بخش دیا۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ان جانوروں کی وجہ سے بھی ہمیں اجر ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر تر جگر کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وجہ سے اجر ملتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۶۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۵۰)

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کی تسبیح کرنے کے محامل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا جو داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندے اور ہم (ہی ہر) کام کرنے والے ہیں۔ (الانبیاء: ۷۹)

پہاڑ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ اس کے مفسرین نے متعدد محامل بیان فرمائے ہیں۔

(۱) جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنے رب کا ذکر کرتے تو آپ کے ساتھ پہاڑ اور پرندے بھی اپنے رب کا ذکر کرتے تھے۔

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح پڑھتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کی اتباع میں تسبیح پڑھتے تھے۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تسبیح کرتے کرتے تھک جاتے تو اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو تسبیح کرنے کا حکم دیتا۔ ان کی تسبیح سن کر حضرت داؤد علیہ السلام کی تھکن دور ہو جاتی اور وہ پھر تازگی اور ذوق و شوق کے ساتھ تسبیح کرنے لگتے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ۔ (الاسراء: ۴۴) اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ خصوصیت سے پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کا ذکر فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا ذوق شوق تازہ کرنے کے لیے آپ کو پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سنا دیتا تھا۔

اس آیت میں اس پر غور کرنا چاہیے کہ پتھر اور جانور بھی اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اگر انسان اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح نہ کرے تو وہ پتھروں اور جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا مختلف پیشوں کو اپنانا

اس کے بعد فرمایا: اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تا کہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے پس کیا تم شکر ادا کرو گے! ○ (الانبیاء: ۸۰)

قتادہ نے کہا سب سے پہلے جس نے زرہ کی صنعت ایجاد کی وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ اس سے پہلے فولاد کے پتروں کو لوگ بہ طور ڈھال استعمال کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے لوہے کے حلقے (چھلے) بنائے اور ان کو جوڑ کر قمیص تیار کر لی۔ حسن نے ذکر کیا ہے کہ لقمان حکیم حضرت داؤد علیہ السلام سے ملنے گئے اس وقت وہ زرہ بنا رہے تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ پوچھیں آپ کیا بنا رہے ہیں لیکن وہ خاموش رہے حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام قمیص بنا کر فارغ ہو گئے۔ تب انہوں نے کہا خاموش رہنا بھی حکمت ہے اور کم لوگ اس حکمت کو اختیار کرتے ہیں۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا اور وہ اس کو آگ سے پگھلائے بغیر دھاگے کی طرح اس سے زرہ بن لیتے تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۶۸)

یہ آیت حصول معاش کے لیے صنعت، کاری گری اور پیشے کی اصل ہے۔ بعض جاہل غبی اور متکبر لوگ بعض پیشوں کو خسیس اور گھٹیا کام سمجھتے ہیں حالانکہ اسباب، صنعتوں اور پیشوں کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا طریقہ ہے سو جو شخص پیشوں پر طعن کرتا ہے وہ درحقیقت کتاب اور سنت پر طعن کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے سے زرہ بناتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کاشت کاری کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی تھے لکڑی سے چیزیں بناتے تھے۔ حضرت لقمان علیہ السلام درزی تھے کپڑے سیتے تھے۔ حضرت طالوت علیہ السلام رنگ ریز تھے، کپڑے رنگتے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۲۷) اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چند کہ خصوصیت کے ساتھ کوئی پیشہ نہیں اپنایا لیکن آپ نے بکریاں چرائی ہیں، بکریوں کا دودھ دوہا ہے، پھٹے ہوئے کپڑے سی لیے ہیں، کپڑے دھوئے ہیں، جوتیوں کی مرمت کی ہے، زمین کھودی ہے، اس لیے کسی کام اور پیشہ کو برا اور حقیر سمجھنا چاہیے کیونکہ ہمارے آقا اور مولیٰ نے بہت سے ان کاموں کو کیا ہے، جن کو آج کل گھٹیا سمجھا جاتا ہے۔ رزق حلال حاصل

رنے کے لیے جو بھی جائز کام اور حلال پیشہ اپنایا جائے' وہ قابل تعریف اور لائق تحسین ہے۔

رزق حلال کی طلب کے لیے کسی بھی کام اور پیشے کی فضیلت میں احادیث

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتا ہو اس سے بہتر طعام کوئی نہیں کھاتا اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں کاٹ کر اپنی پشت پر لاد کر لائے' وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے کوئی اس کو دے اور کوئی اس کو منع کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۸۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۱۵)

حضرت سعید بن عمیر انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا پیشہ سب سے زیادہ پاکیزہ ہے؟ آپ نے فرمایا: کسی شخص کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز بیع (خرید و فروخت' تجارت) ایک روایت میں ہے کسب حلال۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۶۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۲۲۵' ۱۲۲۶' المستدرک ج ۲ ص ۱۰' حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی)

سکن نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال کو طلب کرنا ایسا ہے جیسے بہادر اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور ہتھیار مارتے ہیں اور جس نے رزق حلال کی طلب میں تھکے ہوئے رات گزاری' اس نے اس حال میں رات گزاری کہ اللہ اس سے راضی تھا۔ کسی نے پوچھا بہادروں کے مارنے سے کیا مراد ہے؟ کہا رزقِ حلال کو طلب کرنا اور اپنے اہل و عیال کی پرورش کرنا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۲۳۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رزقِ حلال کو طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۸۰۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین کے گوشے گوشے سے رزق کو طلب کرو۔ امام بیہقی نے کہا اس سے مراد زمین میں کھیتی باڑی کرنا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۲۳۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۰۹۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین کسب وہ ہے جس میں کوئی شخص اپنے ہاتھ سے عمل کرتا ہے بہ شرطیکہ وہ کسب حلال ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۲۳۶' مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس مومن سے محبت کرتا ہے جو کوئی (جائز) پیشہ کرتا ہو۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۲۰' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۲۳۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۸۷۳' الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۳۶۹' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۰۹۷' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند ضعیف ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۶۲۳۱)

نافع بیان کرتے ہیں کہ میں شام کی طرف اور مصر کی طرف سامانِ تجارت لے کر جاتا تھا' اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں بہت

اچھا اور بہت زیادہ رزق عطا فرماتا تھا' پھر ایک بار عراق کی طرف سامانِ تجارت لے گیا تو میں اصل پونجی بھی کھو بیٹھا پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے! اپنی تجارت کو لازم رکھو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تمہارے لیے رزق کا کوئی دروازہ کھول دیا جائے تو اسی پر لازم رہو۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ١٢٣٣)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص شام تک اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھک گیا' اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٦٢٣٨' مجمع الزوائد ج ٤ ص ٦٣)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نماز' روزے' حج اور عمرہ سے نہیں ہوتا۔ مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! پھر ان گناہوں کا کفارہ کس چیز سے ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: طلب معاش کی فکر اور پریشانی سے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ١٠٢)

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں اس حدیث کی سند میں محمد بن سلام مصری ہے جو یحییٰ بن بکیر سے موضوع حدیث روایت کرتا ہے اور اس حدیث میں اسی سے روایت ہے۔ مجمع الزوائد ج ٤ ص ٦٤' حافظ سیوطی نے اس حدیث پر ضعف کی علامت لگائی ہے' یعنی یہ حدیث ضعیف ہے' موضوع نہیں ہے۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ٢٤٦١)

صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' عرفطہ بن نہیک تمیمی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اور میرے اہل بیت کو شکار کرنے سے رزق ملتا ہے اور اس میں ہمارے لیے رزق کا حصہ اور برکت ہے لیکن اس کی مشغولیت کی وجہ سے اللہ کا ذکر اور نماز کی جماعت رہ جاتی ہے اور ہمیں اس شکار کی احتیاج ہے۔ آیا یہ ہمارے لیے حلال ہے یا حرام ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے اس کو تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔ (احل لكم صيد البحر و طعامه. المائدہ: ٩٦' تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے) اور یہ بہت خوب عمل ہے اور اللہ تعالیٰ بہت عذر قبول کرنے والا ہے اور مجھ سے پہلے اللہ کے رسول تھے جو سب شکار کرتے تھے اور شکار کو طلب کرتے تھے اور جب تم رزق کی طلب کی وجہ سے باجماعت نماز نہ پڑھ سکو (تو اس کی تلافی کے لیے) باجماعت نماز پڑھنے والوں سے تمہاری محبت اور اللہ کا ذکر کرنے والوں سے تمہاری محبت کافی ہے' تم اپنے لیے اور اپنے بال بچوں کے لیے رزقِ حلال کو طلب کرو کیونکہ یہ (بھی) اللہ کی راہ میں جہاد ہے اور یاد رکھو کہ نیک تجارت میں اللہ کی مدد ہوتی ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٧٣٤٢' مسند الشامیین رقم الحدیث: ٣٦٢٨' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں بشر بن نمیر ہے اور وہ متروک ہے' مجمع الزوائد ج ٤ ص ٦٣)

میں کہتا ہوں کہ ہر چند کہ یہ حدیث روایتاً ضعیف ہے لیکن درایتاً صحیح ہے۔ تاہم جس قدر مقدار میں رزق کا حصول ناگزیر ہو اس کے لیے جماعت کو ترک کرنا جائز ہے' اور اگر مال کی کثرت کے لیے اور دنیا جمع کرنے کی وجہ سے نمازوں کی جماعت کو ترک کرتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے نماز پڑھنے کی بہت تاکید فرمائی ہے حتیٰ کہ میدانِ جہاد میں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا لازم ہے۔

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ٹیلے کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا۔ صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقتور ہے' کاش اس کی طاقت اللہ کے راستہ میں خرچ ہوتی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا صرف وہی شخص اللہ کے راستہ میں ہے جو قتل کر دیا جائے؟ پھر فرمایا: جو شخص اپنے اہل کو سوال سے

...نے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے۔ البتہ جو شخص مال کی طلب میں اللہ کے راستہ میں نکلے وہ شخص شیطان کے راستہ میں ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۲۷۱-۲۷۲، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۳۷۷)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزرا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کی قوت اور اطمینان کو دیکھ کر کہا یا رسول اللہ! کاش یہ شخص اللہ کی راہ میں ہوتا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ شخص اپنے چھوٹے بچوں کے لیے کسب معاش کر رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے لیے کسب معاش کر رہا ہے تو بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے کسب معاش کر رہا ہے تو بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے' اور اگر یہ دکھاوے اور فخر کے لیے نکلا ہے تو پھر یہ شیطان کے راستے میں ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۱۲۹ رقم الحدیث: ۲۸۲' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۵' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰-۸۷۱۱-۸۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب محنت مزدوری کرتے تھے' ان کے جسم سے بو آنے لگی تھی۔ ان سے کہا گیا کاش تم غسل کر لیا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے فرمایا: میری قوم کو معلوم ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل وعیال کی کفالت سے عاجز نہیں ہے لیکن اب میں مسلمانوں کے ملکی انتظام سنبھالنے میں مشغول ہو گیا ہوں' تو اب ابوبکر کی اولاد اس مال سے کھائے گی اور ابوبکر مسلمانوں کے دینی اور ملکی امور انجام دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۰)

عطا بن السائب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا تو حضرت ابوبکر اپنے کندھے پر کپڑوں کی گٹھڑی رکھ کر کپڑے بیچنے کے لیے بازار نکل گئے' ان کی حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا: اے خلیفہ رسول! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے کہا بازار' ان دونوں نے کہا یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ مسلمانوں کے خلیفہ بن چکے ہیں۔ آپ نے کہا پھر میں اپنے اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ ان دونوں نے کہا چلیے ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں پھر انہوں نے آپ کے لیے ہر روز آدھی بکری اور سر اور پیٹ ڈھانپنے کا لباس مقرر کیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۸۴' دار صادر بیروت' ۱۳۳۸ھ قدیم' الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۳۷' دار الکتب العلمیہ' ۱۴۱۸' جدید)

بعض پیشوں کو گھٹیا اور باعثِ عار سمجھنا صرف اس دور کی لعنت ہے

آج کل جو شخص پھیری لگا کر کندھے پر گٹھڑی رکھ کر کپڑا بیچتا ہو اس کو گھٹیا خیال کرتے ہیں مگر حضرت ابوبکر یہی کام کرتے تھے۔ امام احمد بن عمر الخصاف المتوفی ۲۶۱ھ بہت بڑے فقیہ اور عابد و زاہد تھے' ان کی فقہ میں بہت تصانیف ہیں' عربی میں خصاف موچی کو کہتے ہیں یہ جوتیوں کی مرمت کرتے تھے۔ علامہ احمد بن محمد بن احمد القدوری المتوفی ۴۲۸ھ بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کی کتاب مختصر القدوری بہت عظیم کتاب ہے اور درس نظامی میں شامل ہے' القدوری عربی میں مٹی کی ہنڈیا بیچنے والے کو کہتے ہیں۔ علامہ محمود بن احمد الحصیری المتوفی ۵۴۶ھ ایک فقیہ ہیں عربی میں الحصیری اس شخص کو کہتے ہیں جو چٹائی بنا تا ہو۔ امام ابوبکر ابن علی الحدادی المتوفی ۸۰۰ھ بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے مختصر القدوری کی شرح لکھی ہے۔ عربی میں حداد لوہار کو

کہتے ہیں' اس لیے ان کو حدادی کہتے ہیں۔

آج کل کندھے پر گٹھڑی رکھ کر بیچنے والے' جوتیوں کی مرمت کرنے والے' مٹی کے برتن بنانے والے' چٹائی بنا
والے اور لوہار کو حقیر اور کمتر آدمی سمجھا جاتا ہے اور پوش علاقوں میں رہنے والے ایسے لوگوں کو رشتہ دینے پر تیار نہیں ہوتے
مسلمانوں کے زرین دور میں یہ لوگ مسلمانوں کے امام تھے۔ اس زمانہ میں کسی بھی پیشہ کو صرف حصولِ رزق کا ذریعہ سمجھا
تھا اور کسی پیشہ کو خسیس اور باعثِ عار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اب عزت اور ذلت کا معیار اور اس کے پیمانے بدل گئے ہیں۔ اب
سودی کاروبار کرنے والے' اسمگلنگ کرنے والے' نقلی دوائیں بنا کر بیچنے والے اور ناجائز اور حرام ذرائع سے مال بنا کر کوٹھیو
میں رہنے والے' بینک بیلنس والے عزت دار ہیں اور رزقِ حلال کے حصول کے لیے پھیری لگانے والا' لوہے کا کام کرنے والا
چٹائی بنانے والا' مٹی کے برتن بنانے والا اور جوتی کی مرمت کرنے والا حقیر اور ذلیل ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے
نزدیک عزت والے ہیں' وہ اس دور کے لوگوں کے نزدیک ذلت والے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تیز ہواؤں اور نرم ہواؤں کو مسخر کرنا

الانبیاء: ٨١ میں فرمایا: اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی' جس میں
ہم نے برکت رکھی تھی اور ہم ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطیع اور تابع کر دیا اگر وہ چاہتے کہ وہ ہوا تیز چلے تو
وہ تیز چلتی اور اگر وہ چاہتے کہ وہ ہوا آہستہ چلے تو وہ آہستہ چلتی اور وہ ہوا ہر دو حال میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں تیز ہوا کے مسخر کرنے کا ذکر ہے اور ایک اور آیت میں نرم ہوا کو مسخر کرنے کا ذکر ہے:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ (ص: ٣٦)

پس ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا' وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے نرمی سے پہنچا دیتی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ ہوا نرم اور خوشگوار تھی جیسے صبح کے وقت ہوا آہستہ آہستہ چلتی ہے اور جب ہوا ان کے تخت کو
لے کر چلتی تو ان کو تیزی کے ساتھ ان کی منزلِ مقصود پر پہنچا دیتی تھی۔ جیسا کہ فرمایا:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ (سبا: ١٢)

اور ہم نے ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا' صبح کی سیر ایک ماہ کی مسافت ہوتی تھی اور شام کی سیر (بھی) ایک ماہ کی مسافت ہوتی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ارکانِ سلطنت اور لشکر کے ساتھ تخت پر بیٹھ جاتے اور آپ جہاں حکم دیتے' ہوائیں وہاں
اس تخت کو لے جاتیں۔ ایک ماہ کی مسافت کو صبح کی سیر میں طے کر لیتیں اور ایک ماہ کی مسافت کو شام کی سیر میں طے کر لیتیں۔
اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکم ہوتا ہوا آہستہ چلتی اور جب آپ کا حکم ہوتا ہوا تیز
چلتی۔ ایک آیت میں ہوا کے تیز چلنے کا بیان فرمایا اور دوسری آیت میں ہوا کے آہستہ چلنے کا بیان فرمایا۔

اور فرمایا اس زمین کی طرف ہوا چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی' اس سے مراد شام کی زمین ہے۔

نیز فرمایا اور ہم ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں کیونکہ ہم کو علم ہے کہ رسولوں کو کب کون سا معجزہ عطا فرماتا ہے۔

جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کرنا

الانبیاء: ٨٢ میں فرمایا: اور کچھ جنات بھی ان کے تابع کر دیئے تھے جو ان کے حکم سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے سوا بھی

کرتے تھے اور ہم (ہی) ان کی نگرانی کرنے والے تھے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بعض جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندروں میں غوطے لگاتے تھے اور اس میں سے جواہر اور قیمتی چیزیں نکال کر لاتے تھے اور اس کے علاوہ اور بھی اعمال شاقہ کرتے تھے شہر اور محلات بناتے تھے' مجسمے اور پیالے اور چکیاں' بوتلیں اور شیشے کی مصنوعات بناتے تھے۔

جنات میں مومن بھی تھے اور کافر بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے احکام کے تابع کر دیا جو کافر تھے' اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کے لیے شیاطین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ ہم ان کی حفاظت کرنے والے تھے تاکہ وہ کام سے بھاگ نہ جائیں یا حضرت سلیمان علیہ السلام کے احکام کو ماننے سے انکار نہ کر دیں اور یہ حفاظت کفار کے مناسب ہے نہ کہ مومنین کے۔

ان کی حفاظت کرنے کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ان کے اوپر فرشتوں کو مقرر کر دیا تھا یا جنات میں سے مومنین کو ان کی حفاظت پر مقرر کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح مقرر کر دیا تھا کہ ان کی طبیعت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کو پسندیدہ بنا دیا تھا اور ان کی مخالفت کرنے کا ان کے دلوں میں خوف پیدا کر دیا تھا۔ رہا یہ کہ کس چیز سے ان کی حفاظت کی گئی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی حفاظت اس سے کی گئی تھی کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائیں اور کام چھوڑ نہ دیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی اس سے حفاظت کی جاتی تھی کہ وہ اس زمانہ کے کسی شخص کو نقصان نہ پہنچائیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جو کام انہوں نے دن میں بنایا تھا' کہیں اس کو وہ رات میں خراب نہ کر دیں۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے معجزات کے مقابلہ میں ہمارے نبی ﷺ کے معجزات

ان آیتوں میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے معجزات کا ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پتھر تسبیح کرتے تھے اور وہ لوہے سے تاگے کی طرح زرہ بن لیتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہواؤں اور جنات کو مسخر کر دیا تھا۔ اس جہان میں اجسام کی دو قسمیں ہیں' کثیف اجسام ہیں اور لطیف اجسام ہیں۔ سب سے زیادہ کثیف اجسام پتھر اور لوہا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ بنا دیا' پتھر بولنے لگے اور وہ ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور لوہے کو نرم کر دیا اور یہ معجزات جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح حشر اجساد کی صحت اور امکان پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ جو پتھروں کو زندہ کرنے پر قادر ہے' اس سے کب بعید ہے کہ وہ بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کر دے' اور جو حضرت داؤد علیہ السلام کی انگلیوں میں آگ کی قوت پیدا کر سکتا ہے اس سے کب بعید ہے کہ خشک مٹی کو زندہ جسم بنا دے' اسی طرح اس جہان میں سب سے لطیف چیز ہوا اور آگ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ بنا دیا۔ ہوا ان کے تخت کو لے جاتی تھی اور شیاطین آگ سے بنے ہیں' وہ ان کے احکام کے مطابق عمل کرتے تھے۔ آگ پانی کی ضد ہے اور شیاطین ان کے حکم سے سمندر میں غوطے لگاتے تھے۔

بے شک یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا بہت عظیم معجزہ ہے کہ لوہا ان کے لیے اس طرح نرم کر دیا گیا تھا کہ وہ اس سے اس طرح زرہ بُن لیتے تھے جس طرح تاگے سے کوئی چیز بُنی جاتی ہے لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اس سے زیادہ عظیم ہے کیونکہ لوہا بہر حال نرم ہو جاتا ہے' لوہا آگ سے پگھل کر نرم ہو جاتا ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پتھر نرم ہو گیا اور آپ سے محبت کرنے لگا جب کہ پتھر کی حقیقت میں نرمی نہیں ہے۔ جس شخص کا دل سخت ہو اور اس کو کسی سے محبت نہ ہو اس کو سنگ دل کہتے ہیں لیکن ہمارے نبی نے پتھر کے دل میں اپنی محبت پیدا کر دی۔ آپ نے فرمایا اُحد ایک پہاڑ

ہے' یہ ہم سے محبت کرتا ہے' ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹
اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا بھی بہت عظیم معجزہ ہے۔ ہوا ان کو صبح کی سیر میں ایک ماہ کی مسافت پر منزل مقصود تک لے جاتی تھی لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اس سے زیادہ عظیم ہے آپ کو منزل مقصود تک جانا نہیں تھا' منزلِ مقصود خود چل کر آپ کے پاس آ جاتی تھی۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قریش نے (معراج میں) میری تکذیب کی تو میں مقام الحجر (میزاب رحمت یعنی کعبہ کے پرنالے کے نیچے) میں کھڑا ہو گیا' اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو منکشف کر دیا۔ پس میں بیت المقدس کو دیکھ دیکھ کر ان کو نشانیاں بتاتا رہا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵' مصنف عبدالرزاق: ۹۷۱۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۰۹۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۸۲' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۵۹)
حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام مسلم نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے: قریش نے مجھ سے بیت المقدس کی ایسی نشانیاں پوچھنی شروع کر دیں جن کو میں نے یاد نہیں رکھا تھا۔ اس سے میں اس قدر پریشان ہوا کہ میں اس سے پہلے کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو بلند کر دیا پھر میں اس کو دیکھ کر اس کی نشانیاں بتاتا رہا وہ جس نشانی کا بھی سوال کرتے' میں ان کو اس کی خبر دیتا رہا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۸۰)
اس میں یہ احتمال ہے کہ بیت المقدس کو اُٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا آپ اس کو دیکھ دیکھ کر بتا رہے تھے پھر اس کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا' اور حضرت ابن عباس نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے کہ بیت المقدس کو لایا گیا' میں اس کو دیکھ رہا تھا حتیٰ کہ اس کو دارِ عقیل کے پاس رکھ دیا گیا پھر میں اس کو دیکھ کر بتاتا رہا' اور اس میں بہت بڑا معجزہ ہے اور اس میں کوئی استبعاد اور استحالہ نہیں ہے کیونکہ پلک جھپکنے سے پہلے تختِ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے حاضر کیا گیا تھا اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ بیت المقدس کو اپنی جگہ سے اُکھاڑ کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کچھ مشکل نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۹۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)
باقی رہا یہ شبہ کہ جب بیت المقدس کو وہاں سے اُکھاڑ لیا گیا تو وہاں کے لوگوں میں بیت المقدس کا اُکھاڑا جانا اور ان کی نظروں سے غائب ہو جانا مشہور ہو جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیت المقدس کو وہاں سے اُکھاڑ کر اس کی مثل کو وہاں قائم کر دیا گیا' اس لیے وہ وہاں کے لوگوں کے سامنے سے غائب نہیں ہوئی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بیت المقدس کو وہاں سے اُکھاڑ کر آپ کے سامنے رکھا اور اس کی مثل بنا کر وہاں رکھی' اتنا کچھ کرنے سے کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ پہلے سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان نشانیوں کو یاد رکھنے کی طرف متوجہ کر دیتا حتیٰ کہ اس قدر تکلف اور تردد کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دکھانا چاہتا تھا کہ اگر عام لوگوں کی توجہ کسی چیز سے ہٹ جائے تو کچھ نہیں ہوتا اور آپ کی توجہ کسی چیز سے ہٹ جائے تو وہ چیز اپنی جگہ سے ہٹ جاتی ہے اور اس کو آپ کے سامنے لاکھڑا کر دیا جاتا ہے' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ کے مقابلہ میں آپ کے معجزہ کی برتری دکھانی تھی کہ حضرت سلیمان کو ایک ماہ کی مسافت پر ہوا صرف صبح کی سیر میں پہنچا دیتی تھی لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی منزل مقصود تک جا

تھا اور آپ کو کہیں جانا نہیں پڑتا تھا منزلِ مقصود خود چل کر آپ کے پاس آ جاتی تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جھپکنے سے پہلے تختِ بلقیس لایا گیا بے شک یہ بہت بڑا معجزہ ہے لیکن اس قدر حیران کن نہیں ہے کیونکہ تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے' حیران کن معجزہ تو آپ کا ہے کیونکہ عمارت ایک جگہ سے دوسری جگہ پلک جھپکنے میں منتقل نہیں ہوتی آپ کے لیے پلک جھپکنے سے پہلے بیت المقدس اُٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا اور پھر اسی لمحہ دوبارہ وہیں رکھ دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنات پر تصرف کی قدرت

ان آیات میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جنات پر قدرت عطا کی تھی' تاہم آپ نے جنات پر اپنے تصرف کا اظہار نہیں فرمایا تاکہ عملاً حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت برقرار رہے۔ یہ آپ کے اعلیٰ ظرف اور بلند اخلاق کا بہترین نمونہ ہے ورنہ آپ کو حضرت سلیمان علیہ السلام سے زیادہ جنات پر تصرف اور اقتدار حاصل تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ رات ایک جن نے دھوکے سے مجھ پر حملہ کیا تاکہ میری نماز خراب کرے اور بے شک اللہ نے مجھے اس پر قادر کر دیا' میں نے اس کو زور سے دھکا دیا اور میں نے یہ ارادہ کیا میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ تم سب لوگ اس کو صبح دیکھتے پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آئی:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ (ص۔ ۳۵) اے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو۔ (کسی اور کو نہ ملے)

تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل اور رسوا کر کے لوٹا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۴۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۴۴۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۹۵۶' عالم الکتب)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی جنات کے جسموں پر حکومت تھی لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنات کے دلوں پر حکومت تھی۔ متعدد جن آپ پر ایمان لائے اور انہوں نے آپ کی اطاعت کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا ایک ہم زاد جن مقرر کیا گیا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی' وہ مسلمان ہو گیا اور وہ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۴۲' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۵۸)

جنات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا مکلف ہونا

علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

متعدد اسانید کے ساتھ درجہ حسن کو پہنچنے والی حدیث میں ہے کہ ہامہ بن ہیم بن لاقس بن ابلیس' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس وقت آپ کے پاس آپ کے اصحاب بھی تھے اور آپ اور وہ مکہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہامہ نے بتایا وہ اس وقت لڑکا تھا جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا اور وہ ان لوگوں میں سے تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ایمان لائے تھے اور جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا کی تھی تو اس نے حضرت نوح علیہ السلام پر عتاب کیا تھا اور ہابیل کے معاملہ میں وہ بھی شریک تھا۔ اس نے آپ سے پوچھا کیا اب اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو

آپ نے اس کو چند کام کرنے کا حکم دیا۔ ان کاموں میں سے یہ بھی تھا کہ وہ وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے۔ اس اسی وقت وہ کام کر لیے۔ آپ نے اس کو بتایا کہ آسمان سے اس کی توبہ نازل ہو گئی تو وہ ایک سال تک سجدہ میں پڑا رہا اور حضرت ھود علیہ السلام پر ایمان لایا اور حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اس نے حضرت ھود پر بھی عتاب کیا تھا اور اس حضرت یعقوب علیہ السلام کی زیارت کی تھی۔ حضرت یونس کے نزدیک وہ امین تھا اور وہ لوگوں کو دوائیں دیتا تھا۔ اس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تورات کی تعلیم دی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو یہ حکم دیا تھا کہ اگر اس کی حضرت عیسیٰ بن مریم سے ملاقات ہو تو وہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلام پہنچائے۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلام پہنچایا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر تمہاری سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو تو ان کو میرا سلام پہنچانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے اور فرمایا جب تک دنیا قائم ہے' عیسیٰ پر سلام ہو اور ھامہ تم پر بھی سلام کیونکہ تم نے امانت پہنچا دی' پھر ھامہ نے سوال کیا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تورات کی تعلیم دی تھی اسی طرح آپ اس کو قرآن کی تعلیم دیں تو آپ نے اس کو الواقعۃ' المرسلات' عمّ' الکوثر' قل ھو اللہ احد اور المعوذتین کی تعلیم دی اور فرمایا: اے ھامہ! تم اپنی حاجت پیش کرو اور ہماری زیارت کو ترک نہ کرنا۔

ابن مفلح حنبلی نے کہا ہے کہ جنات مکلف ہیں' ان میں جو کافر ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اور جو مومن ہیں' وہ جنت میں ہوں گے' اور علامہ السبکی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل شریعت کے مکلف ہیں۔

شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ وہ امر' نہی' حلال اور حرام میں ہماری طرح مکلف ہیں اور ان کے نکاح اور دوسرے معاملات میں بہت طویل کلام کیا ہے۔ قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ ان میں قدریہ' مرجئہ' رافضہ اور شیعہ بھی ہیں۔

امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص رات کو نماز پڑھے' وہ بہ آواز بلند قرأت کرے کیونکہ فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور اس کی قرأت کو سنتے ہیں اور اسی طرح جو مومنین جن ہوا میں ہوتے ہیں اور ان کے پڑوسی بھی ان کے ساتھ اپنے مسکن میں ہوتے ہیں' وہ اس کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کی قرأت کو سنتے ہیں اور اس کی قرأت کو سن کر فساق جن اور سرکش شیاطین اپنے گھروں سے بھاگ جاتے ہیں۔

اور دوسری احادیث اور آثار میں ہے کہ مومنین جن نماز پڑھتے ہیں' روزے رکھتے ہیں' حج کرتے ہیں' طواف کرتے ہیں' قرآن مجید پڑھتے ہیں اور انسانوں سے علوم اور معارف سیکھتے ہیں۔ اگرچہ انسانوں کو اس کا پتا نہیں چلتا۔ شیرازی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کو سمندر میں مقید کر دیا تھا۔ ایک سو پینتیس (۱۳۵) سال گزرنے کے بعد وہ نکل آئے اور اس کے بعد انسانوں کی صورتوں میں مساجد اور مجالس میں انسانوں کے ساتھ بیٹھنے لگے اور ان سے قرآن اور حدیث میں بحث کرنے لگے۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۹۹-۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

جنات کا آپس میں اور انسانوں کے ساتھ نکاح کا شرعی حکم

نیز علامہ ابن حجر مکی ہیتمی لکھتے ہیں:

جنات کے آپس میں نکاح کرنے پر ان آیتوں سے استدلال کیا جاتا ہے:

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ. کیا تم مجھے چھوڑ کر ابلیس اور اس کی اولاد کو دوست بنا رہے ہو۔ (الکہف: ۵۰)

امام ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا جنات کی اس طرح اولاد ہوتی ہے جس طرح بنو آدم کی اولاد ہوتی ہے اور ان کی اولاد بہت زیادہ ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۳۶۷ رقم الحدیث: ۱۲۸۵۱)

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ○ اور اس سے پہلے ان (حوروں) کو کسی انسان نے چھوا ہے (الرحمٰن: ۵۶) نہ کسی جن نے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جنات جماع کرتے ہیں اور عورت کا کنوارہ پن توڑ دیتے ہیں۔

اور امام بیہقی نے ثابت سے روایت کیا ہے کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ابلیس نے کہا اے میرے رب تو نے آدم کو پیدا کیا اور میرے اور اس کے درمیان عداوت رکھ دی تو مجھے تو اس کی اولاد پر مسلط کر دے۔ فرمایا ان کے سینے تیرے مسکن ہیں۔ کہا اے میرے رب اور زیادہ کر فرمایا آدم کا ایک بیٹا ہوگا تو تیرے دس بیٹے ہوں گے۔ کہا اے میرے رب اور زیادہ کر۔ فرمایا:

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ چڑھائی کر اور وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔ (بنی اسرائیل: ۶۴) ان کے مال اور اولاد میں شریک ہو جا۔

اور انسان اور جنات کا بھی ایک دوسرے سے نکاح ہوتا ہے اور بعض علماء نے اس کو محال قرار دیا ہے۔

اور بعض احناف اور حنابلہ نے یہ کہا ہے کہ جن کے وطی کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا اور صحیح یہ ہے کہ حشفہ غائب ہو جانے سے غسل واجب ہو جاتا ہے اور جنات اور انسانوں کے درمیان نکاح کے شرعی جواز میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے اس کو کراہت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے ورنہ جو عورتیں زنا سے حاملہ ہوتی ہیں ان کو بہانا مل جائے گا وہ کہیں گی کہ ان کو جن سے حمل ہو گیا ہے۔ اسی طرح حکم بن عیینہ قتادہ حسن عقبۃ الاصم اور حجاج بن ارطاۃ نے بھی اس نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے۔

امام ابن جریر نے امام احمد اور اسحاق سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے ساتھ نکاح سے منع فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے امام اسحاق نے اس کو مکروہ کہا ہے اور فقہاء احناف کے فتاویٰ سراجیہ میں مذکور ہے کہ انسان اور جن کے درمیان نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی جنس مختلف ہے اور ہمارے ائمہ شافعیہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا یہ احسان قرار دیا ہے کہ اس نے ہمارے لیے ہمارے نفسوں میں سے ہماری بیویاں پیدا کیں۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا اور اللہ نے تمہارے لیے تم میں سے ہی تمہاری بیویاں پیدا (النحل: ۷۲) کیں۔

یعنی تمہاری جنس اور تمہاری نوع سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں تو اگر جنات سے نکاح جائز ہوتا تو انسانوں سے بیویاں پیدا کرنے کا احسان نہ رہتا۔ (خلاصہ یہ ہے کہ صرف امام مالک نے انسان اور جنات کے درمیان نکاح کو کراہت کے ساتھ جائز کہا ہے باقی ائمہ نے اس کو ناجائز کہا ہے)

بہر حال حق اور صحیح یہ ہے کہ جن مکلف ہیں اور فرشتے تو ابتداء ہی سے مکلف ہیں۔

(الفتاویٰ الحدیثیہ ص ۹۸-۹۶ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایوب کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے ○ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی پس ان کو جو تکلیف تھی اس کو ہم نے دور کر دیا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے (پہلے سے) دُگنے اہل و عیال عطا فرمائے اور (یہ) عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے ○ (الانبیاء: ۸۴-۸۳)

حضرت ایوب علیہ السلام کا نام ونسب اور ان کی بعثت کی ترتیب

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے یہ چھٹا قصہ ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں جو دلائل ہیں اور نصیحت آموز باتیں ہیں، وہ کسی اور قصہ میں نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عظیم فضل کرنے کے باوجود ان کو بیماری میں مبتلا کیا اور ان پر بہت سخت بیماری نازل کی۔ انہوں نے اس بیماری پر صبر کیا اور کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے اور اس میں انسانوں کے لیے یہ نصیحت ہے کہ غم ہو یا خوشی وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے، مصائب پر صبر کرے اور نعمتوں پر شکر کرے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے حضرت ایوب علیہ السلام کا نسب اس طرح بیان کیا ہے:

ایوب بن موص بن زراح بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل النبی۔ حضرت ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ. (الانعام: ۸۴)

داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف اور موسیٰ اور ہارون سب ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔

قرآنِ مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ان آیتوں میں ہے: (الانبیاء: ۸۴-۸۳ ص ۴۴-۴۱)

حافظ ابن عساکر نے بیان کیا کہ سب سے پہلے جو نبی مبعوث ہوئے وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، پھر حضرت نوح علیہ السلام پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام پھر حضرت اسحاق علیہ السلام پھر حضرت یعقوب علیہ السلام پھر حضرت یوسف علیہ السلام پھر حضرت لوط علیہ السلام پھر حضرت ھود علیہ السلام پھر حضرت صالح علیہ السلام پھر حضرت شعیب علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت ہارون علیہ السلام پھر حضرت الیاس علیہ السلام پھر حضرت الیسع علیہ السلام پھر حضرت عرنی بن سویلخ بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہ السلام پھر حضرت یونس بن متی علیہ السلام پھر حضرت ایوب بن زراح علیہ السلام۔ حافظ ابن عساکر کی اس ترتیب میں یہ اعتراض ہے کیونکہ حضرت ھود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا جانا

علماء التفسیر اور علماء التاریخ نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب بہت مالدار شخص تھے، ان کے پاس ہر قسم کا مال تھا، مویشی اور غلام تھے اور زرخیز اور غلہ سے لہلہاتے ہوئے کھیت اور باغات تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد بھی بہت تھی پھر ان کے پاس سے یہ تمام نعمتیں جاتی رہیں اور ان کے دل اور زبان کے سوا ان کے جسم کا کوئی عضو سلامت نہ رہا جن سے وہ اللہ عزوجل کا ذکر کرتے رہتے تھے اور وہ ان تمام مصائب میں صابر تھے اور ثواب کی نیت سے صبح اور شام اور دن اور رات اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ ان کے مرض نے بہت طول کھینچا حتیٰ کہ ان کے دوست اور احباب ان سے اُکتا گئے، ان کو اس شہر سے نکال دیا گیا اور کچرے اور کوڑے کی جگہ ڈال دیا گیا، ان کی بیوی کے سوا ان کی دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہ تھا، ان کی

بیوی لوگوں کے گھروں میں کام کرتی اور اس سے جو اُجرت ملتی اس سے اپنی اور حضرت ایوب کی ضروریات کو پورا کرتی۔

وہب بن منبہ اور دیگر علماء بنی اسرائیل نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور ان کے مال اور اولاد کی ہلاکت کے متعلق بہت طویل قصہ بیان کیا ہے۔ مجاہد نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جن کو چیچک ہوئی تھی' ان کی بیماری کی مدت میں کئی اقوال ہیں' وہب بن منبہ نے کہا وہ مکمل تین سال تک بیماری میں مبتلا رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا وہ سات سال اور کچھ ماہ بیماری میں مبتلا رہے' ان کو بنی اسرائیل کے گھورے (کچرا ڈالنے کی جگہ) پر ڈال دیا گیا تھا اور ان کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بیماری کو دور کر دیا اور ان کو صحت اور عافیت عطا فرمائی۔ حمید نے کہا وہ اٹھارہ سال بیماری میں مبتلا رہے ان کے سارے جسم سے گوشت گل کر گر گیا تھا اور جسم پر صرف ہڈیاں اور گوشت باقی رہ گیا تھا۔ ایک دن ان کی بیوی نے کہا اے ایوب! آپ کی بیماری بہت طول پکڑ گئی ہے' آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو صحت اور عافیت عطا فرمائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ستر سال صحت اور عافیت کے ساتھ رہا ہوں' حق تو یہ ہے کہ میں اب ستر سال صبر کروں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۰۹-۳۰۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی تحقیق

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے حضرت ایوب کی بیماری کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

زبان اور دل کے علاوہ حضرت ایوب کے تمام جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ ان کا دل اللہ کی مدد سے غنی تھا اور زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا۔ کیڑوں نے ان کے تمام جسم کو کھا لیا تھا حتیٰ کہ ان کی صرف پسلیاں اور رگیں باقی رہ گئی تھیں پھر کیڑوں کے کھانے کے لیے بھی کچھ باقی نہ رہا پھر کیڑے ایک دوسرے کو کھانے لگے دو کیڑے باقی رہ گئے تھے' انہوں نے بھوک کی شدت سے ایک دوسرے پر حملہ کیا اور ایک کیڑا دوسرے کو کھا گیا پھر ایک کیڑا ان کے دل کی طرف بڑھا تا کہ اس میں سوراخ کرے تب حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ دعا کی بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کا واقعہ حافظ ابن عساکر اور حافظ ابن کثیر دونوں نے بنی اسرائیل کے علماء سے نقل کیا ہے اور ان کی اتباع میں مفسرین نے بھی ذکر کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ واقعہ صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو ایسے حال میں مبتلا نہیں کرتا جس سے لوگوں کو نفرت ہو اور وہ ان سے گھن کھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ	یہ سب ہمارے پسندیدہ اور نیک لوگ ہیں۔

(ص: ۴۷)

حضرت ایوب علیہ السلام پر کوئی سخت بیماری مسلط کی گئی تھی لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن کھائیں۔ حدیث صحیح مرفوع میں بھی اس قسم کی کسی چیز کا ذکر نہیں ہے' صرف ان کی اولاد اور ان کے مال مویشی کے مرجانے اور ان کے بیمار ہونے پر صبر کا ذکر ہے۔ علماء اور واعظین کو چاہیے کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایسے احوال منسوب نہ کریں جن سے لوگوں کو گھن آئے۔ اب ہم اس سلسلہ میں حدیث صحیح مرفوع کا ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری میں اٹھارہ سال مبتلا رہے' ان کے بھائیوں میں سے دو شخصوں کے سوا سب لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا خواہ وہ

رشتہ دار ہوں یا اور لوگ ہوں۔ وہ دونوں روز صبح و شام ان کے پاس آتے تھے۔ ایک دن ایک نے دوسرے سے کہا کیا تم کو معلوم ہے کہ ایوب نے کوئی ایسا بہت بڑا گناہ کیا ہے جو دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ دوسرے نے کہا کیونکہ اٹھارہ سال سے اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم نہیں فرمایا حتیٰ کہ اس سے اس کی بیماری کو دُور فرما دیتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ میں دو آدمیوں کے پاس گزرا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے' میں اپنے گھر گیا تا کہ ان کی طرف سے کفارہ ادا کروں کیونکہ مجھے یہ ناپسند تھا کہ حق بات کے سوا اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی ضروریات کے لیے جاتے تھے اور جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی تو ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر لے آتی۔ ایک دن ان کو واپس آنے میں کافی دیر ہو گئی' اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی کی:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ○ (ص: ۴۲)

(زمین پر) اپنی ایڑی ماریے یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری بیماری کو اس پانی میں نہانے سے دُور کر دیا (اور پانی پینے سے ان میں طاقت آ گئی) اور وہ پہلے سے بہت صحت مند اور حسین ہو گئے۔ ان کی بیوی ان کو ڈھونڈتی ہوئی آئی اور پوچھا اے شخص! اللہ تمہیں برکت دے' کیا تم نے اللہ کے نبی کو دیکھا ہے جو بیمار تھے' اللہ کی قسم! میں نے تم سے زیادہ ان کے مشابہ اور تندرست شخص کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا میں ہی تو وہ شخص ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے' ایک گندم کا کھلیان تھا اور ایک جو کا کھلیان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے' ایک گندم کے کھلیان پر برسا اور اس کو سونے سے اس قدر بھر دیا کہ سونا کھلیان سے باہر گرنے لگا اور دوسرا بادل جو کے کھلیان پر برسا اور اس کو چاندی سے بھر دیا حتیٰ کہ چاندی باہر گرنے لگی۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۹۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۵۷' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۷۵۔ ۳۷۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۶۱۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۰' المستدرک ج ۲ ص ۵۸۲' ۵۸۱' حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور امام بزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۸)

حضرت ایوب کے نقصانات کی تلافی کرنا

قرآن مجید میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ○ (ص: ۴۳)

اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اپنی رحمت سے اتنا ہی اور بھی اس کے ساتھ اور یہ عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو بہ طور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا' اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کی مثل اور مزید کنبہ عطا کر دیا گیا اور اللہ نے پہلے سے زیادہ مال اور اولاد سے انہیں نواز دیا جو پہلے سے دُگنا تھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ کے لیے قسم پوری کرنے میں تخفیف اور رعایت

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابلیس نے راستہ میں ایک تابوت بچھایا اور اس پر بیٹھ کر بیماروں کا علاج کرنے لگا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی وہاں سے گزری تو اس نے پوچھا کیا تم بیماری میں مبتلا اس شخص کا بھی علاج کر دو گے؟ اس نے کہا ہاں' اس شرط کے ساتھ کہ جب میں اس کو شفا دے دوں تو تم یہ کہنا کہ تم نے شفا دی ہے' اس کے سوا میں

تم سے کوئی اور اُجر نہیں طلب کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا انہوں نے فرمایا تم پر افسوس ہے یہ تو شیطان تھا اور اللہ کے لیے مجھ پر یہ نذر ہے کہ اگر اللہ نے مجھے صحت دے دی تو میں تمہیں سو کوڑے ماروں گا اور جب وہ تندرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ○ (ص: ۴۴)

اور اپنے ہاتھ سے (سو) تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) پکڑ لیں اور اس سے ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں، بے شک ہم نے ان کو صابر پایا، وہ کیا ہی خوب بندے تھے بہت زیادہ رجوع کرنے والے۔

سو حضرت ایوب نے اپنی بیوی پر جھاڑو مار کر اپنی قسم پوری کر لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ)

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ رعایت صرف ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص تھی یا کوئی دوسرا شخص بھی سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں کی جھاڑو مار کر قسم توڑنے سے بچ سکتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں ایک شخص رہتا تھا، جس کی خلقت ناقص تھی۔ وہ اپنے گھر کی ایک باندی (نوکرانی) سے زنا کرتا تھا۔ یہ قصہ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: اس کو سو کوڑے مارو۔ مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو اس کے مقابلہ میں بہت کمزور ہے اگر ہم نے اس کو سو کوڑے مارے تو یہ مرجائے گا۔ آپ نے فرمایا پھر اس کے لیے سو تنکوں کی ایک جھاڑو لو اور وہ جھاڑو اس کو ایک مرتبہ مار دو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۷۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۵۲۱، مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۲۸۱، عالم الکتب بیروت، المسند الجامع رقم الحدیث: ۴۸۴۴، علامہ بوصیری نے کہا اس کی سند ضعیف ہے)

قرآن اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمزور اور بیمار شخص پر قسم پوری کرنے کے لیے یا حد جاری کرنے کے لیے سو کوڑے مارنے کے بجائے سو تنکوں کی جھاڑو ماری جا سکتی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا نام رحمت بنت منشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق تھا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو تندرست کرنے کے بعد ان کا حسن و شباب بھی لوٹا دیا تھا اور ان کے ہاں اس کے بعد چھبیس بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اس کے بعد ستر سال تک مزید زندہ رہے۔ تاہم اس کے خلاف مؤرخین کا یہ قول ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۱۲-۳۱۱ ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اس میں بھی مختلف روایات ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اس بھاری ابتلاء میں مبتلا کرنے کی کیا وجہ تھی۔ بہر حال صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کو مصائب میں مبتلا کرتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب میں انبیاء علیہم السلام مبتلا ہوتے ہیں پھر صالحین، پھر جوان کے قریب ہو اور جوان کے قریب ہو۔ انسان اپنی دین داری کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اگر وہ اپنے دین میں سخت ہو تو اس پر مصائب بھی سخت آتے ہیں۔ الحدیث

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶، سنن ابن ماجہ رقم

الحدیث: ۴۰۲۳، مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۰، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۰)

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا کے لطیف نکات

حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا میں یہ نہیں فرمایا میری بیماری کو زائل فرما اور مجھ پر رحم فرما بلکہ رحمت کی ضرورت اور اس کا سبب بیان کیا اور کہا: اے رب! مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے اور اپنے مطلوب کو کنایتاً بیان فرمایا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بہرحال اللہ تعالیٰ سے شکوئی کیا اور یہ صبر کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شکوئی کرنا صبر کے منافی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے مصائب کی لوگوں سے شکایت کرنا صبر کے خلاف ہے۔ مثلاً لوگوں سے کہا جائے کہ دیکھو اللہ نے مجھ پر کتنی مصیبتیں نازل کی ہیں اور مجھے کیسی سخت بیماریوں میں مبتلا کیا ہے اور اس پر بے چینی اور بے قراری اور آہ و فغاں کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کا حال کہنا اور اپنے مصائب کا ذکر کرنا اور اسی سے شکایت اور فریاد کرنا صبر کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَى اللّٰهِ — میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

(یوسف: ۸۶)

حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ رحم فرمانے پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارحم الراحمین ہونے کی وجوہ

(۱) ہر وہ شخص جو دوسرے پر رحم کرتا ہے وہ دنیا میں اپنی تعریف و تحسین کرانے کے لیے کسی پر رحم کرتا ہے یا آخرت میں اس کا اَجر طلب کرنے کے لیے رحم کرتا ہے یا کسی مصیبت زدہ شخص کو دیکھ کر اس کے دل میں جو رقت ہوتی ہے اس رقت کو زائل کرنے کے لیے رحم کرتا ہے یا اس غرض سے رحم کرتا ہے کہ آج میں اس پر رحم کر رہا ہوں ہوسکتا ہے کہ کل مجھ پر رحم کی ضرورت ہو تو کوئی مجھ پر رحم کر دے یا ماضی میں اس شخص نے اس کے ساتھ کوئی نیکی کی تھی تو اس کا احسان اُتارنے کے لیے وہ اس پر رحم کرتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رحم کرنے والا کسی نہ کسی غرض اور کسی نہ کسی فائدہ کے حصول کے لیے کسی پر رحم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بغیر کسی غرض کے رحم فرماتا ہے اس کا مطلوب نہ کسی ضرر سے بچنا ہوتا ہے نہ کسی فائدہ کا حصول ہوتا ہے۔

(۲) جو شخص کسی پر رحم کرتا ہے اس کا یہ رحم اللہ کی مدد کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے کو کھانا، کپڑا یا دوائیں دیتا ہے تو یہ کھانا، کپڑے اور دوائیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں وہ ان چیزوں کو پیدا نہ کرتا تو وہ کیسے رحم کرتا اور پیدا کرنے کے علاوہ یہ چیزیں اگر رحم کرنے والے کی ملکیت میں نہ ہوتیں تو وہ کیسے رحم کرتا اگر اس کی ملکیت اور قدرت میں یہ چیزیں ہوتیں لیکن جس پر رحم کرنا ہے اس میں ان سے فائدہ حاصل کرنے کی صلاحیت نہ ہوتی تو وہ کیسے رحم کرتا۔ مثلاً وہ کسی پیاسے کو پانی پلانا چاہتا مگر پیاسے شخص کا اوپر کا جبڑا نچلے جبڑے پر بیٹھ گیا اس کا منہ بند ہوگیا اور وہ پانی پی نہیں سکتا تو وہ اس پر کیسے رحم کرے گا، پیاسے کو پانی پلانے کے لیے بھی پانی اللہ نے پیدا کیا پھر رحم کرنے والے کو پانی پلانے پر قدرت بھی اللہ نے دی، پانی پینے والے میں پانی پینے کی صلاحیت بھی اللہ نے رکھی تو پھر بندوں کا کیا رحم ہے بندوں کے رحم کی اللہ تعالیٰ کے رحم کے مقابلہ میں وہ نسبت ہے جو معمولی قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے بلکہ وہ بھی نہیں ہے۔

(۳) بندہ کسی پر اس وقت رحم کرتا ہے جب اس کے دل میں رحم کرنے کا محرک، باعث اور داعی پیدا ہوتا ہے اور یہ محرک اور داعی

بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو پھر بندہ نے کیا رحم کیا؟ سب کچھ تو اللہ نے کیا ہے' اس لیے حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

کیا دنیا میں مصائب کا آنا اللہ تعالیٰ کے ارحم الراحمین ہونے کے منافی ہے؟

ایک اعتراض یہ ہے کہ یہ دنیا آفتوں' مصیبتوں' بیماریوں اور دردوں سے بھری ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں' ڈاکے ڈالتے ہیں' بھتے لیتے ہیں اور قتل کر دیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین کیسے ہوا جب کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ وہ لوگوں کو ان آلام اور مصائب سے محفوظ کر دیتا۔ امام فخر الدین رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ضارّ (ضرر پہنچانے والا) بھی ہے اور نافع بھی ہے اور اس کا ضارّ ہونا' نافع ہونے کے منافی نہیں ہے' اور اس کا ضرر پہنچانا اپنی ذات سے کسی مشقت کو دُور کرنے کے لیے نہیں ہے اور اس کا نفع پہنچانا کسی منفعت کو حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ مالک ہے جو چاہے کرے' وہ کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا جواب بھی درست ہے لیکن میرے نزدیک بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ بھی اس کے لیے رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ دنیا میں اس پر بیماریاں اور مصائب نازل کر کے اس کو آخرت کے عذاب سے بالکل بچا لیتا ہے یا اس کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے۔ یہ تو مسلمانوں کے حق میں ہے اور رہے کفار تو ان پر اللہ تعالیٰ کی یہی رحمت کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں سامانِ زیست مہیا کیا ہوا ہے' خواہ وہ کسی حال میں ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ کوئی تکلیف ہو' اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۵' مسند احمد ج ۶ ص ۴۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو جب بھی تھکاوٹ' بیماری' پریشانی اور غم ہوتا ہے اور جب بھی کوئی رنج اور فکر ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کو کانٹا بھی چبھے تو اس کو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۶۶' مسند احمد ج ۳ ص ۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۲۵۶)

نیز فرمایا: اور یہ عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے' یعنی حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں مسلمانوں کو مصائب میں صبر پر برانگیختہ کیا ہے تاکہ وہ تقدیر پر صابر و شاکر رہیں اور انہیں صبر کرنے پر حوصلہ ملے' اور عبادت کرنے والوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ قرآن مجید کی ہدایت سے مسلمان اور عبادت گزار ہی نفع حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کیجئے یہ سب صبر کرنے والے تھے ○ ہم نے ان (سب) کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا' بے شک یہ سب نیکوکار تھے ○ (الانبیاء: ۸۶-۸۵)

حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کا تذکرہ

یہ انبیاء علیہم السلام کا ساتواں قصہ ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا ذکر فرمایا تھا اور ان آیتوں میں حضرت اسماعیل' حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہ حضرات بھی سختیوں' مصائب اور عبادت کی مشکلات پر صبر کرنے والے تھے۔ رہے حضرت اسماعیل علیہ السلام تو انہوں نے اپنے والد کے حکم پر ذبح کیے جانے کو صبر کے ساتھ تسلیم کر لیا' اور ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو غیر آباد بیابان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے اس پر انہوں نے صبر کیا' جہاں پر نہ ایسے

مویشی تھے جن کا دودھ دوہا جا سکے اور نہ کھیت اور باغات تھے جن سے زمین کی پیداوار حاصل ہو سکے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام صبر وسکون کے ساتھ اس جگہ رہتے رہے اور صبر کے ساتھ ہی اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی تعمیر کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس صبر کا یہ پھل عطا فرمایا کہ قائد المرسلین اور خاتم النبیین حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی صلب سے پیدا فرمایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مکمل سوانح ہم ابراہیم: ۳۹ میں بیان کر چکے ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی مفصل سوانح ہم مریم: ۵۶ میں ذکر کر چکے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان کو توحید کا پیغام سنائیں' ان کی قوم نے اس پیغام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا اور حضرت ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر اُٹھا لیا۔

حضرت ذوالکفل کو نبی بنانے کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے الانبیاء: ۸۵ میں حضرت ذوالکفل کا حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ص: ۴۸ میں حضرت اسماعیل اور الیسع علیہما السلام کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تعریف اور تحسین کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے اور ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے ساتھ ملا کر رکھا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے اور یہی قول مشہور ہے اور بعض نے یہ کہا ہے وہ نبی نہ تھے لیکن نیک اور عادل حکمران تھے۔ امام ابن جریر نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت الیسع علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے کہا کاش میں کسی شخص کو اپنی زندگی میں خلیفہ مقرر کر دوں اور دیکھوں کہ وہ کس طرح عمل کرتا ہے پھر انہوں نے لوگوں کو جمع کر کے کہا جو شخص میری تین شرطیں پوری کرے گا' میں اس کو خلیفہ بنا دوں گا۔ فرمایا وہ دن کو روزہ رکھے' رات کو نماز میں قیام کرے اور کسی پر غصہ نہ کرے۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا جس کو لوگ غیر اہم سمجھتے تھے' اس نے کہا میں ایسا کروں گا۔ حضرت الیسع علیہ السلام نے اس دن اس کو لوٹا دیا۔ دوسرے دن پھر اسی طرح فرمایا' لوگ خاموش رہے اور وہ شخص پھر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا میں اس طرح کروں گا تو حضرت الیسع علیہ السلام نے اس کو خلیفہ بنا دیا۔ پھر شیطان ان کو لغزش دینے کے لیے پہنچا اور وہ ان کے پاس اس وقت گیا جب وہ قیلولہ (دوپہر کے وقت آرام کرنے) کے لیے لیٹ گئے تھے' وہ رات کو بالکل نہیں سوتے تھے اور دن کو اسی وقت سوتے تھے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا' انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا۔ میں بوڑھا مظلوم شخص ہوں۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو اس نے کہا میرا کچھ لوگوں سے جھگڑا ہے۔ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا اور اب تک مارتے پیٹتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور دوپہر آ گئی۔ انہوں نے کہا تم شام کو میرے پاس آنا میں تمہارا حق ان سے لے کر دوں گا۔ حضرت الیسع مجلس میں گئے اور وہ دیکھنے لگے کہ وہ بوڑھا شخص نظر آ رہا ہے یا نہیں' انہوں نے اس بوڑھے شخص کو نہیں دیکھا۔ دوسرے روز وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر رہے تھے' وہ اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے' وہ نہیں آیا پھر وہ دوپہر کو اپنے گھر گئے اور سونے کے لیے بستر پر لیٹ گئے تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا' پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا ایک بوڑھا مظلوم آدمی ہے۔ انہوں نے کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ جب میں فیصلہ کے لیے بیٹھوں تم اس وقت میرے پاس آنا؟ اس نے کہا وہ بہت خبیث لوگ ہیں' جب انہوں نے دیکھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں تو انہوں نے کہا ہم تمہیں تمہارا حق ادا کر دیتے ہیں اور جب آپ اُٹھ کر چلے گئے تو پھر انہوں نے مجھے حق دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا اب تم جاؤ' جب میں فیصلہ کے لیے جاؤں تو تم میرے پاس آ جانا۔ ان کا قیلولہ (دوپہر کا سونا) اس دن بھی رہ گیا۔ دوسرے دن وہ پھر اس کا انتظار کرتے رہے' وہ نہیں آیا۔ ان کو اونگھ بہت ستا رہی تھی' انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تم اس دروازہ کے قریب کسی کو مت آنے دینا حتیٰ کہ میں سو جاؤں کیونکہ مجھے بہت سخت نیند آ رہی ہے' وہ اسی وقت آ گیا

گھر والوں نے کہا پیچھے جاؤ' پیچھے جاؤ۔ اس نے کہا میں ان کے پاس کل آیا تھا اور میں نے ان سے اپنے معاملہ کا ذکر کیا تھا۔ گھر والوں نے کہا۔ نہیں' خدا کی قسم! انہوں نے ہمیں منع کیا ہے کہ کسی کو میرے قریب نہ آنے دینا کیونکہ میں کئی دن سے سو نہیں سکا۔ جب وہ تھک گیا تو اسے گھر میں ایک روشن دان نظر آیا' وہ اس میں سے گھر میں داخل ہو گیا اور کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ وہ بیدار ہو گئے اور کہا اے فلاں شخص! میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا' میں دیکھتا ہوں کہ تم آئے کہاں سے ہو۔ انہوں نے دیکھا گھر کا دروازہ اسی طرح بند تھا جس طرح انہوں نے بند کیا تھا اور وہ شخص ان کے ساتھ تھا پھر وہ اس کو پہچان گئے کہ یہ شیطان ہے۔ انہوں نے پوچھا کیا وہ اللہ کا دشمن ہے؟ اس نے کہا ہاں! تم نے مجھے ہر داؤ میں ناکام کر دیا۔ میں نے جو کچھ کیا' وہ تم کو غضب میں لانے کے لیے کیا تھا' تب اللہ تعالیٰ نے ان کا نام کفل (ضامن) رکھا کیونکہ انہوں نے جس چیز کا ذمہ لیا تھا' اس کو پورا کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۷۰۲' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷۷' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۱۳)

حضرت ذوالکفل کی نبوت میں علماء کا اختلاف

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور مجاہد نے یہ کہا کہ حضرت ذوالکفل نبی نہیں تھے اور جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ نبی تھے اور یہ قول حسب ذیل وجوہ سے راجح ہے:

(۱) ذوالکفل آپ کا نام ہے یا لقب' ظاہر ہے یہ آپ کا نام ہے اور آپ کا یہ نام اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور کفل کا معنی ہے حصہ یعنی آپ کے اعمال کے ثواب کا حصہ دوسروں سے دگنا تھا۔ آپ کے زمانہ میں اور انبیاء علیہم السلام بھی تھے اور غیر نبی کے ثواب کا حصہ نبی سے زیادہ نہیں ہو سکتا' اس لیے لازماً ماننا پڑے گا کہ آپ نبی تھے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کے ساتھ کیا ہے اور مقصد اپنے فضیلت والے بندوں کا ذکر کرنا تھا تاکہ ان کی اقتداء کی جائے اس سے معلوم ہوا کہ آپ نبی تھے۔

(۳) اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں جن کا تعظیماً ذکر کیا جائے' وہ نبی ہوں۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سب صابر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانے کی مشقت پر صبر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ میں جو اذیت پہنچتی ہے' اس پر صبر کرتے ہیں' اور فرمایا ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا۔ مقاتل نے کہا اس رحمت سے مراد نبوت ہے اور دوسروں نے کہا اس سے تمام نیک اعمال مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مچھلی والے (یونس) کو یاد کیجئے جب وہ (اپنی قوم پر) غضب ناک ہو کر نکلے تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے تو پاک ہے' بے شک میں (ہی) زیادتی کرنے والوں میں سے تھاO تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو غم سے نجات دے دی اور ہم اسی طرح مومنوں کو غم سے نجات دیتے ہیںO (الانبیاء: ۸۸-۸۷)

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ

یہ انبیاء علیہم السلام کا آٹھواں قصہ ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے پورے قصہ کی تفصیل ہم نے یونس: ۹۸ (تبیان القرآن ج ۵ ص ۴۷۸-۴۶۹) میں ذکر کر دی اور حسب ذیل عنوانات پر بحث کی ہے:

حضرت یونس علیہ السلام کا نام و نسب، حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات، حضرت یونس علیہ السلام کی فضیلت میں احادیث، حضرت یونس علیہ السلام کی سوانح، آثارِ عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا توبہ کرنا، حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول کرنے اور فرعون کی توبہ قبول نہ کرنے کی وجہ، حضرت یونس علیہ السلام پر گرفت کی توجیہ اور نگاہِ رسالت میں ان کا بلند مقام، حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش پر سید مودودی کی تنقید، سید مودودی کی تنقید پر مصنف کا تبصرہ۔

فظن ان لن نقدر علیہ کے ترجمہ کی تحقیق

اس آیت میں نقدر کا لفظ تقدیر سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے اس صورت میں اس کا معنی ہوگا حضرت یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم ان کے لیے کسی سزا یا گرفت کو مقدر نہیں کریں گے، اور اگر یہ قدرت سے ماخوذ ہو تو اس کا معنی ہوگا انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر قادر نہیں ہوں گے۔ اہل لغت اور مفسرین نے اس معنی کو کفر قرار دیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ قدر کا معنی ہے تنگی کرنا، یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے۔ ہم نے ترجمہ میں اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔ پہلے ہم اس آیت کے مختلف تراجم پیش کریں گے پھر ہم اپنے موقف پر اہل لغت اور مفسرین کی تصریحات پیش کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق۔

فظن ان لن نقدر علیہ کے مختلف تراجم

شیخ سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ لکھتے ہیں:

پس گمان برد آنکہ تنگ نہ خواہم کرد براو۔

شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

پس گمان کرد کہ تنگ نہ گیریم بروے۔

شاہ رفیع الدین دہلوی متوفی ۱۲۳۳ھ لکھتے ہیں:

پس جانا یہ کہ ہرگز نہ تنگ پکڑیں گے ہم اوپر اوس کے۔

شاہ عبدالقادر دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے۔

مؤخر الذکر ترجمہ میں قدر کو قدرت سے ماخوذ مانا ہے، اس کی اتباع میں شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ نے قدر کا ترجمہ قدرت سے کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس ترجمہ کی تاویل میں لکھتے ہیں:

یا اسی طرح نکل کر بھاگا جیسے کوئی یوں سمجھ کر جائے کہ اب اس کو پکڑ کر واپس نہیں لا سکیں گے۔ گویا بستی سے نکل کر ہماری قدرت سے ہی نکل گیا۔ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ یونس علیہ السلام فی الواقع ایسا سمجھتے تھے ایسا خیال تو ایک ادنیٰ مومن بھی نہیں کر سکتا، بلکہ غرض یہ ہے کہ صورتحال ایسی تھی جس سے یوں مترشح ہو سکتا تھا۔ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ کاملین کی ادنیٰ ترین لغزش کو بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتا ہے۔ (حاشیہ شبیر احمد عثمانی بر تفسیر محمود الحسن ص ۴۳۹، مطبوعہ مملکت سعودی عربیہ)

اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے سخت پیرایہ میں ادا نہیں کیا کیونکہ ارباب لغت اور مفسرین کی تصریحات کے مطابق ان لن نقدر

کا معنی ہے ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے سخت پیرایہ بلکہ گستاخانہ پیرایہ تو شیخ محمود الحسن کا ترجمہ ہے "پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو۔" اور اس آیت میں نقدر کو بہ معنی قدرت لینے کو ارباب لغت اور مفسرین نے کفر قرار دیا ہے۔

نقدر بہ معنی قدرت کو ائمہ لغت کا کفر قرار دینا

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اور علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے اس آیت کا معنی ہے حضرت یونس علیہ السلام نے گمان کیا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۱۲ ' مطبوعہ مکہ مکرمہ ' ۱۴۱۸ھ ' مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۲۲۸ ' مطبوعہ مدینہ منورہ ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ اور علامہ سید محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

الفراء اور ابوالہیثم نے کہا فظن ان لن نقدر علیه کا معنی ہے انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے ' اور زجاج نے کہا ہم ان کے لیے مچھلی کے پیٹ میں رہنا مقدر نہیں کریں گے ' اور نقدر تقدیر سے ماخوذ ہے ' ازہری نے کہا یہ معنی بھی صحیح ہے اور یہ اطلاقات از روئے لغت کے جائز ہیں اور جس نے نقدر کو قدرت سے ماخوذ مانا سو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ کو اس پر قدرت نہیں ہوگی اس نے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ظن اور شک کفر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو کفر سے معصوم رکھا ہے اور اس معنی کی وہی تاویل کرے گا جو کلام عرب اور اس کی لغات سے جاہل ہو۔

(لسان العرب ج ۵ ص ۷۷ ملخصاً ' مطبوعہ ایران ' تاج العروس ج ۳ ص ۴۸۲ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نقدر بہ معنی قدرت کو مفسرین کا کفر قرار دینا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ عاجز ہے ' وہ کافر ہے ' کسی ایک مومن کی طرف بھی اس کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے تو انبیاء علیہم السلام کی طرف اس کی نسبت کرنا کس طرح جائز ہوگا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے اور اب نقدر کا معنی تنگی کرنا ہوگا اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے اور حسب ذیل آیات میں قدر بہ معنی تنگی کرنا ہے:

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ (العنکبوت: ۶۲)	اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے ' رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔
وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ (الطلاق: ۷)	اور جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا۔
وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝ (الفجر: ۱۶)	اور رہا وہ جس کو وہ آزماتا ہے سو اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۸۰ ' دار احیاء التراث العربی بیروت ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ شیطان نے ان کے ذہن میں یہ گمان ڈالا کہ اللہ ان کو سزا دینے پر قادر نہیں ہے یہ قول مردود ہے اور کفر ہے۔ عطاء ' سعید بن جبیر اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر تنگی نہیں فرمائے گا جس طرح الرعد: ۲۶ میں یقدر اور الطلاق: ۷ میں قدر تنگی کرنے کے معنی میں ہے۔

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے بھی اس آیت میں ان لن نقدر کا معنی تنگی نہ کرنا کیا ہے۔ اس کی شرح میں علامہ احمد

بن محمد حنفی خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

یہ لفظ قدرت سے ماخوذ نہیں ہے کیونکہ اس کا گمان کوئی بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ (حضرت یونس) جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (عنایۃ القاضی ج ٦ ص ٤٦٧ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٧ھ)

مفتی محمد شفیع دیو بندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لفظ نـقـدر میں بہ اعتبار لغت کے ایک احتمال یہ ہے کہ یہ مصدر قدرت سے مشتق ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ ہم ان پر قدرت اور قابو نہ پاسکیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی پیغمبر سے تو کیا کسی مسلمان سے بھی اس کا گمان نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسا سمجھنا کفر صریح ہے اس لیے یہاں یہ معنی قطعاً نہیں ہو سکتے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مصدر قدر سے مشتق ہو جس کے معنی تنگی کرنے کے ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں ہے:

اَللّٰـهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ۔ اللہ تعالیٰ وسعت کر دیتا ہے رزق میں جس کے لیے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے جس پر چاہے۔

ائمہ تفسیر میں سے عطاء، سعید بن جبیر، حسن بصری اور بہت سے علماء نے یہی معنی اس آیت میں لیے ہیں اور مراد آیت کی یہ قرار دی کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے قیاس و اجتہاد سے یہ گمان تھا کہ ان حالات میں اپنی قوم کو چھوڑ کر کہیں چلے جانے کے بارے میں مجھ پر کوئی تنگی نہیں کی جائے گی۔ (معارف القرآن ج ٦ ص ٢٢٣ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ١٤١٣ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زکریا کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے O تو ہم نے ان کی دعا سن لی اور ہم نے ان کو یحییٰ عطا کیے اور ہم نے ان کی (بانجھ) بیوی کو تندرست کر دیا، بے شک وہ (سب) نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور شوق اور خوف سے ہم سے دعائیں کرتے تھے اور وہ ہم سے عاجزی کرنے والے تھے O (الانبیاء: ٩٠-٨٩)

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ

یہ انبیاء علیہم السلام کا نواں قصہ ہے۔

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ ہم نے آل عمران: ٤١-٣٧، تبیان القرآن ج ٢ ص ١٥١-١٤١ میں بیان کیا ہے اور ان عنوانات پر بحث کی ہے: حضرت زکریا علیہ السلام کی سوانح، حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم کی کفالت کرنا، حضرت زکریا علیہ السلام کے دعا کرنے کا سبب، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی سوانح، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کو حضرت زکریا کے مستبعد سمجھنے کی توجیہ، تین دن کے لیے حضرت زکریا علیہ السلام کی زبان بند کرنے کے فوائد اور حکمتیں۔

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا ذکر ہم نے تبیان القرآن کی اس جلد سادس میں بھی کیا ہے، مریم: ١٥-١ میں، اور اس میں ان عنوانات پر بحث کی ہے: حضرت زکریا علیہ السلام پر رحمت کی توجیہ، حضرت زکریا علیہ السلام کے نداء خفی کرنے کی توجیہ، دعا کے آداب، انبیاء کے علم کا وارث بنایا جاتا ہے ان کے مال کا وارث نہیں بنایا جاتا، حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ نے بشارت دی تھی یا فرشتوں نے، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام یحییٰ رکھنے کی وجوہ، حضرت زکریا علیہ السلام کے اس سوال کی توجیہ کہ میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ حضرت زکریا علیہ السلام کا تین دن تک بات نہ کر سکنا، حضرت زکریا علیہ السلام کی محراب کا مصداق، محراب کا لغوی اور اصطلاحی معنی، امام کے محراب میں کھڑے ہونے کی تحقیق، حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین بار سلام کی

خصوصیت' یوم میلاد پر خوشی منانے اور یوم وفات پر غم نہ منانے کا جواب۔

علماء أمتي كانبياء بني اسرائيل کی تحقیق

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو۔ (مریم: ۶-۵)

امام بخاری نے تعلیقاً یہ حدیث ذکر کی ہے:

ان العلماء هم ورثة الانبياء ورثوا العلم. بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں' انبیاء علم کا وارث کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب العلم باب: ۱۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۸' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۲۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۲۹)

اسی مضمون کی ایک اور حدیث زبان زد خلائق ہے' وہ ہے علماء أمتي كانبياء بني اسرائيل میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں۔

علامہ شمس الدین محمد بن ابراہیم السخاوی التوفی ۹۰۲ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کے بارے میں ہمارے شیخ اور ان سے پہلے علامہ دمیری اور زرکشی نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ کسی معتبر کتاب میں معروف نہیں ہے۔ البتہ ابونعیم نے پاک دامن عالم کی فضیلت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبوت کے سب سے قریب وہ لوگ ہیں جو اہل علم اور اہل جہاد ہوں۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(مقاصد الحسنہ ص ۲۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی التوفی ۱۱۶۲ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

علامہ سیوطی نے الدرر المنتثرہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے' اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی کہا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۶۴' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس عورت (مریم) کو یاد کیجئے جس نے اپنی پاک بازی قائم رکھی تو ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونک دیا' اور اس کو اور اس کے بیٹے کو سارے جہان والوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا○ (الانبیاء: ۹۱)

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا قصہ

یہ اس سورت میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے متعلقین کا دسواں قصہ ہے۔

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا ذکر ہم نے آل عمران: ۵۸-۴۲' میں بہت تفصیل سے کیا ہے۔ تبیان القرآن ج ۲ ص ۱۸۵-۱۴۲ میں اس کے اہم عنوانات یہ ہیں: حضرت مریم کے فضائل' حضرت عیسیٰ کو اللہ کا کلمہ قرار دینے کی توجیہ' مسیح کا معنی' حضرت عیسیٰ کی وجاہت' حضرت عیسیٰ کے ساتھ وفات کا تعلق بہ معنی موت نہ ہونے کی تحقیق' حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کی دلیل کا رد۔ اور تبیان القرآن کی اس جلد (سادس) میں مریم: ۳۶-۱۶ میں بہت تفصیل سے ان کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے چند اہم عنوانات یہ ہیں: حضرت مریم کے مشرقی جگہ جانے کی وجوہ' حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل کا بشر کی صورت میں آنا' فرشتہ سے ہم کلام ہونا حضرت مریم کی نبوت کو مستلزم نہیں' اولیاء اللہ کے مزارات پر مرادیں مانگنا' حضرت عیسیٰ کا پیدا ہوتے ہی عالی نصاریٰ کا رد فرمانا' اللہ تعالیٰ کے بیٹا نہ ہونے پر دلائل' معاش کے حصول کے لیے کسب کرنا ضروری ہے' خاموشی کا روزہ رکھنا

غیر مشروع ہے‘ ان کے علاوہ اور بہت سے عنوانات ہیں۔

حضرت مریم میں روح پھونکنے پر اشکال کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے تو ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونک دیا۔ اس پر بہ ظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت مریم میں روح پھونکنے کا معنی یہ ہے کہ ان کو زندہ کر دیا حالانکہ وہ تو پہلے ہی زندہ تھیں۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ ہم نے مریم میں عیسیٰ کے اندر روح کو پھونک دیا اور ان کو مریم کے پیٹ میں زندہ کر دیا‘ اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے اپنی روح یعنی جبریل علیہ السلام کی طرف سے مریم کے چاک گریبان میں روح پھونک دی اور وہ پھونک ان کے پیٹ تک پہنچ گئی۔

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

نیز اس آیت میں فرمایا اور اس (مریم) کو اور اس کے بیٹے کو سارے جہان والوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا۔

حضرت مریم میں یہ نشانیاں ہیں:

(١) بغیر مرد کے حضرت مریم کا حاملہ ہونا خلافِ عادت کام ہے‘ یہ حضرت مریم کی کرامت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارہاص ہے۔

(٢) حضرت مریم کا رزق جنت سے آتا تھا۔ حضرت مریم سے جب پوچھا جاتا یہ رزق کہاں سے آیا؟ تو وہ کہتی تھیں یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے۔

(٣) حسن نے کہا انہوں نے ایک دن بھی دودھ نہیں پیا اور انہوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بچپن میں کلام کیا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں بہت نشانیاں ہیں وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے‘ انہوں نے گہوارے میں کلام کیا‘ وہ مردے زندہ کرتے تھے‘ وہ مادرزاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دیتے تھے‘ ان کو آسمان پر اُٹھا لیا گیا اور بہت نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ تمہاری ملت ہے جو درحقیقت ایک ہی ملت ہے اور میں (ہی) تمہارا رب ہوں سو تم میری (ہی) عبادت کرو○ اور انہوں نے اپنے دین میں (مختلف) فرقے بنا لیے وہ سب ہماری ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں○ (الانبیاء: ٩٣-٩٢)

اُمت کا معنی اور دین اور شریعت کا فرق

الانبیاء: ٩٢ میں ہے یہ تمہاری اُمت‘ اُمت واحدہ ہے۔ اس آیت میں روئے زمین کے تمام لوگوں سے خطاب ہے۔ اُمت اس قوم یا لوگوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں جو دین واحد پر مجتمع ہو پھر اس کے مفہوم میں وسعت دے کر نفسِ دین پر بھی اُمت کا اطلاق کیا جاتا ہے‘ اور یہاں مراد یہ ہے کہ روئے زمین کے تمام لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ملت اور ایک دین کی دعوت دی گئی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی دین کی دعوت دی ہے اور سب کا دین اسلام ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوریٰ - ١٣)

اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی اور جس کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ کرو۔

جو اصول اور عقائد تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہیں ان کو دین کہتے ہیں' اور تمام انبیاء علیہم السلام نے یہ دعوت دی تھی کہ اللہ کو ایک مانو وہی سب کا خالق اور رازق ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ کے رسول' اللہ کا پیغام پہنچانے والے اور اس کے سچے اور برگزیدہ بندے ہیں' تمام فرشتے' تمام آسمانی صحائف اور کتابیں برحق ہیں۔ ہر اچھی چیز اور بری چیز اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہے۔ قتل' زنا اور جھوٹ بولنا حرام ہے اور اللہ کے احکام کو ماننا اور اس کی عبادت کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا فرض ہے۔ قیامت قائم ہوگی اور مرنے کے بعد بندوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور حساب لیا جائے گا' نیک لوگوں کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور بدکاروں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے ان ہی چیزوں کی دعوت دی ہے اور یہی سب کا واحد دین ہے' اس میں اختلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ ہر نبی کی شریعت میں عبادت کے طریقے الگ الگ ہیں جو انہوں نے اپنے اپنے زمانے کے حالات اور رسم و رواج کے اعتبار سے مقرر فرمائے۔ قرآن مجید میں ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (المائدہ: ۴۸)

تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک (خاص) شریعت اور (مخصوص) راستہ معین کر دیا ہے۔

مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں مال غنیمت حرام تھا' قربانی کے قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ اس کو آگ لے جاتی تھی۔ ہماری شریعت میں یہ چیزیں حلال ہیں۔ پچھلی شریعتوں میں تیمم کی سہولت نہ تھی' مسجد کے سوا نماز پڑھنا جائز نہ تھا' ہماری شریعت میں تیمم کی سہولت اور ہر پاک زمین پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ پہلی شریعتوں میں غیر اللہ کے لیے سجدہ تعظیم جائز تھا' ہماری شریعت میں اس کو حرام کر دیا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الانبیاء اخوۃ لعلات امھاتھم شتی و دینھم واحد۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۳)

تمام نبی باپ شریک بھائی ہیں' ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے۔

یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور ان کی شریعت مختلف ہیں۔ سو اُمتوں کا دین میں اختلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

دین میں فرقے بنانے کی ممانعت

اور فرمایا اور انہوں نے یعنی بے دینوں نے اپنے اپنے دین میں اختلاف کیا اور مختلف فرقے بنا لیے۔ اس آیت میں دین میں فرقے بنانے کی مذمت کی گئی ہے اور احادیث میں بھی دین میں فرقہ بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود کے اکہتر یا بہتر فرقے تھے اور نصاریٰ کے بھی اتنے ہی فرقے تھے اور میری اُمت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۹۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۹۱۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۴۷' المستدرک ج ۱ ص ۱۲۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت پر بھی برابر برابر وہی امور وارد ہوں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوتے رہے تھے حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی تھی تو میری اُمت کے لوگ بھی ایسا کریں گے' اور بنی اسرائیل کے بہتر فرقے تھے اور میری اُمت کے تہتر فرقے ہوں گے

اور ایک ملت کے سوا باقی تمام فرقے دوزخ میں ہوں گے۔ مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سی ملت ہوگی؟ فرمایا جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ (سنن ابن ماجہ میں ہے: جس ملت پر جماعت (صحابہ) ہو)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۱ المستدرک ج ۱ ص ۱۲۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۲)

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے ان فرقوں کی یہ تفصیل ذکر کی ہے روافض کے بیس فرقے ہیں' خوارج کے بیس فرقے ہیں' القدریہ المعتزلہ کے بیس فرقے ہیں' سات فرقے الارجاء کے ہیں۔ ان کے علاوہ الفراریہ' الجہمیہ' الکرامیہ' النجاریہ ہیں اور ایک فرقہ جہمیہ اور مرجیہ کا جامع ہے' یہ بہتر فرقے ہوگئے۔ (یہ فرقے علامہ ابن العربی کے دور کے اعتبار سے ہیں' ان میں سے کچھ فرقے اپنی موت مرگئے اور کچھ نئے فرقے وجود میں آگئے۔ سعیدی غفرلہ) ایک اور فرقہ ہے جو صرف ظاہر قرآن اور حدیث کو مانتا ہے اور قیاس اور استدلال کا انکار کرتا ہے۔ یہ بھی قدریہ کی ایک قسم ہے' ان کو ہمارے ملک اندلس میں ایک شخص نے گمراہ کیا اس کا نام ابن حزم ہے۔ اس نے اپنے آپ کو ظاہر کی طرف منسوب کیا اور داؤد کی پیروی کی۔ (ہمارے دور میں غیر مقلدین اس کے پیروکار ہیں) (عارضۃ الاحوذی ج ۱۰ ص ۸۰-۷۸' ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

اس حدیث کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۲۵-۵۲۱ میں کی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ

سو جو شخص بھی حالت ایمان میں نیک اعمال کرے گا اس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی'

وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور بے شک ہم اس کے اعمال لکھنے والے ہیں ۝ اور جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ان کا دنیا میں لوٹ کر آنا محال ہے ۝

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج (کی رکاوٹ) کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے ۝

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ

اور سچا وعدہ قریب آ پہنچے گا اس وقت کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی'

يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا

(وہ کہیں گے) ہائے ہماری بدنصیبی! بے شک ہم تو اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھے ۝ بے شک تم خود اور

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾

جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن ہیں' تم (سب) اس میں داخل ہونے والے ہو ۝

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَ كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا

اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو دوزخ میں نہ داخل ہوتے، اور وہ سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ٥ ان کی اسی میں

زَفِيْرٌ وَّ هُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ

چیخ و پکار ہو گی اور وہ اس میں کچھ بھی نہ سن سکیں گے ٥ بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزا پہلے سے مقرر ہو چکی ہے

اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِيْ

وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے ٥ وہ دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور انہوں نے جن

مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ ۚ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ

لذتوں کو چاہا تھا ان میں ہمیشہ رہیں گے ٥ بڑی گھبراہٹ بھی ان کو غمگین نہ کر سکے گی

وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

فرشتے (یہ کہتے ہوئے) ان کا استقبال کریں گے یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ٥

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ

جس دن ہم آسمانوں کو (یوں) لپیٹ لیں گے جیسے صحیفہ کے کاغذوں کی طرح لپیٹ لیں گے، جس طرح ہم نے ابتداءً

خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي

پیدا کیا تھا ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے یہ ہمارا وعدہ ہے جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں ٥ اور ہم نصیحت کرنے کے بعد

الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

زبور میں یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے ٥

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ ؕ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً

بے شک اس (قرآن) میں عبادت گزاروں کے لیے عظیم پیغام ہے ٥ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

ہی بنا کر بھیجا ہے ٥ آپ کہیے میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک مستحق عبادت ہے

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ

سو کیا تم اسلام لانے والے ہو؟ ○ پھر اگر یہ پیٹھ پھیر لیں تو آپ کہیے میں واضح طور پر تم کو خبردار کر چکا ہوں،

وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٩﴾ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ

اور میں (از خود) نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ نزدیک ہے یا دور ○ بے شک وہ بلند آواز سے

مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿١١٠﴾ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ

کہی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو ○ اور میں (از خود) نہیں جانتا کہ اس (ڈھیل) میں ہو

لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ﴿١١١﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا

سکتا ہے تمہارے لیے آزمائش ہو اور ایک معین وقت تک تمہیں فائدہ پہنچانا ہو ○ (نبی نے) کہا اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے ہمارا

الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١١٢﴾ ع ٧ ١٩ ٧

رب رحمٰن ہے، اسی سے ان باتوں پر مدد طلب کی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو شخص بھی حالتِ ایمان میں نیک اعمال کرے گا' اس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی اور بے شک ہم اس کے اعمال لکھنے والے ہیں ○ اور جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں' ان کا (دنیا میں) لوٹ کر آنا محال ہے ○ حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج (کی رکاوٹ) کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے ○ اور سچا وعدہ قریب آ پہنچے گا' اس وقت کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی (وہ کہیں گے) ہائے ہماری بدنصیبی! بے شک ہم تو اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھے ○ (الانبیاء: ٩٧-٩٤)

نیک اعمال کے لیے ایمان کی شرط ہونا

الانبیاء: ٩٤ کا معنی ہے جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کو جانا اور ان کو مانا یعنی ان کی تصدیق کی اور نیک اعمال کیے یعنی فرائض اور واجبات کو دائماً کیا اور سنن اور مستحبات کو اکثر اوقات میں بجالایا اور حرام اور مکروہ تحریمی کاموں سے دائماً بچا رہا اور مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ سے اکثر اوقات بچا رہا تو اس کے ان اعمال کی ناقدری نہیں ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ اس کے ان اعمال کی بہترین جزا عطا فرمائے گا۔ اس کی مثل یہ آیتیں ہیں:

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ١٩)

اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور حالتِ ایمان میں اس کی قرار واقعی کوشش کی تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔ (یعنی اچھی جزا دی جائے گی۔)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

اور جس شخص نے بھی حالتِ ایمان میں نیک عمل کیے خواہ وہ

مَنْ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةًۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۹۷) مرد ہو یا عورت تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور ہم اس کو ضرور ان نیک کاموں کا اجر دیں گے جن کو وہ کیا کرتے تھے۔

ان آیات میں ایمان کے ساتھ نیک اعمال کی قید لگائی ہے کیونکہ جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرتا ہے اس کے اعمال ضائع کر دیے جاتے ہیں۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ (المائدہ: ۵) اور جو ایمان کا انکار کرتے ہیں ان کے اعمال ضائع کر دیے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں صلہ رحم کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا' کیا یہ عمل اس کو نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا! اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا اے میرے رب! قیامت کے دن میرے گناہوں کو بخش دینا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۴' مسند احمد ج ۶ ص ۹۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۱۲۸)

امام احمد کی ایک روایت میں ہے حضرت عائشہ نے کہا وہ مہمان نوازی کرتا تھا' قیدیوں کو قید سے چھڑاتا تھا' صلہ رحم کرتا تھا' پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کرتا تھا اور میں نے اس کی تعریف کی کیا یہ اعمال اس کو نفع دیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اعمال اس کو نفع نہیں دیں گے' اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا اے اللہ! مجھے قیامت کے دن بخش دینا۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۴۰۴' عالم الکتب' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۰)

علامہ قرطبی پر مواخذہ

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں من تبعیضیہ ہے جنس کے لیے نہیں ہے' کیونکہ کسی مکلف میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ فرض اور نفل تمام عبادت کرے سو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس نے فرائض اور نوافل میں سے ایمان کی حالت میں کچھ بھی ادا کر لیے تو اس کی سعی مشکور ہو گی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۲۴۵' مطبوعہ بیروت)

اگر سعی مشکور ہونے کا یہ معنی ہو کہ وہ جتنا عمل کرے گا' اس کو ان کا ثواب مل جائے گا تو یہ تفسیر صحیح ہے اور اگر سعی مشکور ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مغفرت ہو جائے گی تو یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ مغفرت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام فرائض اور واجبات کو بجالائے اور تمام محرمات اور مکروہات تحریمہ سے بچے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے۔ نیز علامہ قرطبی کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ تمام فرائض اور نوافل کو ادا کرنا مکلف کی قدرت میں نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اس کا مکلف کیا ہے کہ وہ تمام فرائض اور واجبات کو ادا کرے اور تمام محرمات اور مکروہات تحریمہ سے اجتناب کرے اور یہ اس کی قدرت میں ہے۔ البتہ نوافل کا اللہ تعالیٰ نے بندہ کو مکلف نہیں کیا' وہ ان کو اپنی طرف سے بجالاتا ہے۔

حرام کا بہ معنی واجب ہونا اور ''لا'' کا زائدہ ہونا

الانبیاء: ۹۵ کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں ان کا نہ لوٹنا حرام ہے' حالانکہ ان کا دنیا میں لوٹ کر آنا حرام ہے اور نہ لوٹ کر آنا واجب ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ بعض اوقات حرام واجب کے معنی میں ہوتا ہے یعنی کسی کام کا نہ کرنا واجب ہے' اس آیت میں اسی طرح ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے: درج ذیل آیت کا بھی لفظی ترجمہ اس طرح ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (الانعام - ۱۵۱)

آپ کہیے آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ وہ یہ ہیں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ (اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں ہیں)

حالانکہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا حرام ہے' شرک نہ کرنا حرام نہیں ہے۔ اس لیے اس آیت میں بھی حرام بہ معنی واجب ہے کیونکہ شرک نہ کرنا واجب ہے' اور آیت کا معنی یہ ہے: آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کا کرنا واجب ہے' وہ یہ ہیں کہ تم اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو' الآیۃ۔ اس اسلوب پر زیر تفسیر آیت کا معنی ہے: جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں' ان کا (دنیا میں) نہ لوٹنا واجب ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''لا'' زائد ہے اور اس کی نظیر یہ ہے:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (الاعراف: ۱۲) تجھ کو سجدہ نہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا۔

حالانکہ ابلیس کو سجدہ کرنے کا حکم تھا سجدہ نہ کرنے کا حکم نہیں تھا اس لیے یہاں بھی ''لا'' زائد ماننا پڑے گا' اور اب معنی ہوگا تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا؟ اسی اسلوب پر اس آیت کا معنی ہے: جن بستی والوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں ان کا (دنیا میں) لوٹنا حرام ہے۔

ہم نے مشکل اصطلاحات سے دامن بچاتے ہوئے بہت آسان پیرائے میں اس آیت کی توجیہ کر دی ہے' فتفکر و تشکر۔

اس آیت کا ظاہر معنی تو یہی ہے کہ جس قوم کو ہم اس کے کفر پر اصرار کی وجہ سے عذاب سے ہلاک کر چکے ہیں' اس کا پھر دنیا میں امتحان کے لیے آنا شرعاً ممکن نہیں ہے' یہ معنی عکرمہ' قتادہ اور مقاتل سے منقول ہے' اور مجاہد اور حسن نے یہ کہا ہے کہ جن لوگوں کو کفر پر اصرار کی وجہ سے ہلاک کیا جا چکا ہے' ان کا توبہ کرنا اور شرک اور کفر سے رجوع کرنا محال تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے بھی اوّل الذکر معنی کو ترجیح دی ہے۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۱۱۴-۱۱۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یاجوج ماجوج کا تذکرہ

الانبیاء: ۹۶' میں فرمایا حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج (کی رکاوٹ) کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے قریب وہ سد (دیوار) ٹوٹ جائے گی جس کو ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کے حملوں کو روکنے کے لیے بنایا تھا' اس رکاوٹ کے ٹوٹتے ہی یاجوج ماجوج اس طرح اُمڈ آئیں گے جس طرح دریا کا بند ٹوٹ جائے تو سیلاب اُمڈ آتا ہے۔ یاجوج ماجوج کا یہ حملہ' ان کی پیش قدمی اور یورش آخری زمانہ میں ہوگی اور اس کے بعد قیامت بہت جلد واقع ہوگی۔ درج ذیل حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے' اس وقت ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: قیامت اس دن تک قائم نہیں ہوگی جب تک اس سے پہلے دس علامتیں نمودار نہ ہو جائیں پھر آپ نے (۱) دھوئیں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کے مغرب سے طلوع ہونے (۵) حضرت عیسیٰ بن مریم کے نازل ہونے (۶) یاجوج اور ماجوج کے نکلنے اور تین بار زمین کے دھنسنے (۷) ایک بار مشرق میں دھنسنے (۸) ایک بار مغرب میں دھنسنے (۹) اور ایک بار جزیرۃ العرب میں دھنسنے کا ذکر فرمایا (۱۰) اور فرمایا ان کے آخر میں یمن کی طرف سے ایک آگ نکلے گی

لوگوں کو ہانک کر میدانِ محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۱۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۳ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۸۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۵۵)

امام رازی نے لکھا ہے کہ یاجوج اور ماجوج انسانوں کی جنس سے دو قبیلے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۸۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

یاجوج اور ماجوج کے متعلق ہم مفصل بحث الکہف: ۹۴ میں کر چکے ہیں' اسی جلد میں ملاحظہ فرمائیں۔

قیامت کا خوف اور دہشت

الانبیاء: ۹۷ میں فرمایا: اور سچا وعدہ قریب آ پہنچے گا۔ اس وعدہ سے مراد قیامت کا دن ہے' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی تو اس کے شدید ہولناک واقعات سے ہر شخص پر گھبراہٹ طاری ہوگی اور اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور خوف اور دہشت سے کوئی شخص پلک تک نہیں جھپکا سکے گا۔ اس وقت جو بت پرست سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے' وہ افسوس سے ہاتھ مل کر کہیں گے افسوس! ہم اس سے غافل رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تم خود اور جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن ہیں۔ تم (سب) اس میں داخل ہونے والے ہو ○ اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو دوزخ میں نہ داخل ہوتے' اور وہ سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ ان کی اس میں چیخ و پکار ہوگی اور وہ اس میں کچھ بھی نہ سن سکیں گے ○ (الانبیاء: ۱۰۰-۹۸)

مشرکین کے اس اعتراض کا جواب کہ پھر عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام بھی دوزخ میں جائیں گے

جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش پر بہت دشوار گزاری اور انہوں نے کہا انہوں نے ہمارے خداؤں کو برا کہا ہے' وہ ابن الزبعری کے پاس گئے اور اس کو یہ واقعہ سنایا۔ اس نے کہا اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کا رد کرتا' کفار نے کہا تم کیا کہتے' اس نے کہا میں یہ کہتا کہ مسیح کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں اور یہود عزیر کی عبادت کرتے ہیں تو اس آیت کے عموم کے اعتبار سے وہ بھی دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ قریش اس کے اعتراض سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اب (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دلیل سے مغلوب ہو جائیں گے۔ (ان کا یہ اعتراض لغو تھا کیونکہ عربی زبان میں ''ما'' غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام ذوی العقول ہیں۔ سو یہ آیت ان پر نہیں بلکہ بتوں پر چسپاں ہوتی ہے کیونکہ وہ غیر ذوی العقول ہیں) جب قریش نے یہ لغو اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۱)

بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزا پہلے سے مقرر ہو چکی ہے' وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔

اور یہ آیات بھی اسی سلسلہ میں نازل ہوئیں:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ○ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ○ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ○ (الزخرف: ۵۹-۵۷)

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم چیخنے لگی اور انہوں نے کہا آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (عیسیٰ)؟ وہ آپ سے محض جھگڑا کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ عیسیٰ بھی صرف ایک بندے ہیں جن پر ہم نے انعام کیا اور انہیں بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کا نشان بنا دیا۔

شرک کے رد اور بتوں کی بے وقعتی اور بے بسی ظاہر کرنے کے لیے جب مشرکین مکہ سے یہ کہا گیا کہ تم خود اور چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہیں۔ (الانبیاء:۹۸) تو ان چیزوں سے مراد پتھر کے وہ بت تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے نہ کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر صالحین جو اپنی تمام زندگی لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے' مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے ان کو معبود سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔ (الانبیاء:۱۰۱) کیونکہ ان کی جو پرستش کی گئی تھی اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا' اسی لیے قرآن نے اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ لفظ ''ما'' ہے جو غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے اس آیت کے عموم (لفظ ما) سے انبیاء علیہم السلام اور وہ صالحین نکل گئے جن کو لوگوں نے از خود معبود بنا لیا تھا' لیکن مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر سن کر یہ مجادلہ اور کٹ حجتی کرتے تھے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائق مدح ہیں حالانکہ عیسائی ان کی عبادت کرتے ہیں تو پھر ہمارے بت کیوں قابل مذمت ہیں آیا وہ بھی بہتر نہیں ہیں' اگر ہمارے معبود دوزخ میں جائیں گے تو پھر حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام بھی دوزخ میں جائیں گے' اللہ تعالیٰ نے سورۂ زخرف کی ان آیتوں میں فرمایا ان کا خوشی سے چلانا محض ان کا جدل' کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی ہے۔

مشرکین کا آخرت میں بہرا ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم سب اس میں داخل ہونے والے ہو۔ اس میں مشرکین سے خطاب ہے یعنی تم اور بت سب اس میں داخل ہوں گے پھر بتوں کی الوہیت کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو دوزخ میں داخل نہ ہوتے اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (الانبیاء:۹۹) پھر فرمایا ان کی اسی میں چیخ و پکار ہوگی وہ اس میں کچھ بھی نہ سن سکیں گے۔ (الانبیاء:۱۰۰) اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس میں اس لیے نہیں سن سکیں گے کہ ہم ان کو بہرا اٹھائیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا (بنی اسرائیل:۹۷) — ہم قیامت کے دن ان کو ان کے مونہوں کے بل اٹھائیں گے درآں حالیکہ وہ اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ آہستہ سے کہی ہوئی بات نہیں سنیں گے۔ فرشتے ان سے چلا کر جو بات کہیں گے' وہ سن لیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ○ (المؤمنون:۱۰۸) — اللہ فرمائے گا اسی دوزخ میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ان سے غضب میں فرمائے اور یا فرشتے اللہ تعالیٰ کا ارشاد پہنچائیں۔

سورہ ہود میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزا پہلے سے مقرر ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے○ وہ دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور انہوں نے جن لذتوں کو چاہا تھا' ان میں ہمیشہ رہیں گے○ بڑی گھبراہٹ بھی ان کو غمگین نہ کر سکے گی' فرشتے (یہ کہتے ہوئے) ان کا استقبال کریں گے یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا○ (الانبیاء:۱۰۳-۱۰۱)

ابن الزبعریٰ کا رد

بعض روایات میں ہے کہ جب ابن الزبعریٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا کہ اگر سب معبود دوزخ میں ڈا

ہیں گے تو پھر عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزا مقرر ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دُور رکھے جائیں گے یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام۔

لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے: انکم وما تعبدون بے شک تم اور جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو یہاں پر بالعموم یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے سوا جن کی بھی عبادت کی گئی ہے وہ دوزخ کا ایندھن ہیں بلکہ بالخصوص اہل مکہ کو خطاب ہے اور وہ صرف بتوں کی عبادت کرتے تھے اور عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا وہ اس آیت میں داخل نہیں ہیں۔ ثانیاً اس آیت میں "ما" کا لفظ ہے جو غیر عقلاء کے لیے وضع کیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام ذوالعقول ہیں۔ لہٰذا وہ اس آیت کے عموم میں داخل نہیں ہیں اور عربی زبان جاننے والے کے لیے یہ امور بالکل واضح اور بدیہی ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امور مخفی ہوں جو افصح العرب ہیں۔

دوزخ سے دُور رکھے جانے اور دوزخ میں داخل ہونے کے تعارض کا جواب

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک لوگ دوزخ میں بالکل داخل نہیں ہوں گے حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا. (مریم: ۷۱) تم میں سے ہر شخص دوزخ میں وارد ہونے والا ہے۔

اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ دوزخ میں وارد ہونے کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں گے بلکہ وہ دوزخ کے نزدیک کھڑے ہوں یا پل صراط پر کھڑے ہوں اس پر بھی صادق آئے گا کہ وہ دوزخ میں وارد ہوئے۔ ثانیاً نیک لوگوں کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا لیکن دوزخ ان کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی ہو گی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نمروذ کی آگ تھی اور اس میں کفار کو زیادہ عذاب ہو گا کہ جو آگ انہیں جلا رہی ہے وہ نیک لوگوں کو نہیں جلا رہی' اور پھر نیک لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا تو جب نیک لوگوں کو دوزخ کی آگ مس نہیں کرے گی تو گویا وہ دوزخ میں داخل ہی نہیں ہوئے۔

الفزع الاکبر کی تفسیر میں اقوال

(۱) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الفزع الاکبر سے مراد وہ صور ہے جو آخرت میں پھونکا جائے گا۔

(۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اہل دوزخ کا دوزخ میں بند ہو جانا ہے۔

(۳) ابن جریج نے کہا اس سے مراد جنت اور دوزخ کے درمیان موت کو ذبح کرنا ہے۔

(۴) حسن بصری نے کہا الفزع الاکبر سے مراد وہ وقت ہے جب کسی شخص کو دوزخ میں جانے کا حکم دیا جائے گا۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۳۹۴' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

الفزع الاکبر سے نہ گھبرانے والوں کے مصداق

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام بزار اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: مہاجرین کے لیے سونے کے منبر ہوں گے جن پر وہ قیامت کے دن بیٹھیں گے اور وہ الفزع (گھبراہٹ) سے ما[مون]
ہوں گے۔

امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ اندھیروں م[یں]
مسجدوں میں داخل ہوتے ہیں انہیں قیامت کے دن نور کے منبروں کی بشارت دو' لوگ گھبرائیں گے اور وہ نہیں گھبرائیں گے۔

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی ذات کے لیے محبت کرنے والے قیامت کے دن اللہ کے سائے میں ہوں گے جس دن اللہ
کے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہوگا' وہ نور کے منبروں پر ہوں گے' لوگ گھبرائیں گے اور وہ نہیں گھبرائیں گے۔

امام احمد اور امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: قیامت کے دن تین شخص مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے' وہ الفزع الاکبر سے خوف زدہ اور دہشت زدہ نہیں ہوں گے
ایک وہ شخص جو لوگوں کا امام ہو اور لوگ اس سے راضی ہوں' دوسرا وہ شخص جو ہر دن اور رات اذان دے اور تیسرا وہ شخص جو اللہ کا
بھی حق ادا کرے اور اپنے مالکوں کا بھی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۶۸۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

فرشتے ان کا استقبال کس جگہ کریں گے اس کے متعلق دو قول ہیں مقاتل نے کہا جس وقت وہ اپنی قبروں سے کھڑے
ہوں گے۔ ابن السائب نے کہا جنت کے دروازہ پر۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۹۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن ہم آسمانوں کو وثیقہ کے کاغذوں کی طرح لپیٹ لیں گے جس طرح ہم نے ابتداءً پیدا کیا تھا
ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے' یہ ہمارا وعدہ ہے جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں ○ اور ہم نصیحت کرنے کے بعد زبور
میں یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے ○ بے شک اس (قرآن) میں عبادت گزاروں کے
لیے عظیم پیغام ہے ○ (الانبیاء: ۱۰۶-۱۰۴)

السجل کے معنی کی تحقیق

اس آیت میں السجل کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے معاہدات کا رجسٹر' احکام اور دعووں کے ضبط کرنے کا رجسٹر جس کو قاضی
اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے' اس کو جوڈیشنل ریکارڈ بھی کہتے ہیں۔ (المنجد: ص ۴۵۹)

سجل: کاغذ کا طومار' صحیفہ' محضر' وثیقہ' لکھنے والا امرد' ایک شخص کا نام' سجلات' جمع۔ یہ ان اسماء میں سے ہے کہ باوجود مذکر
ہونے کے ان کی جمع الف تا کے ساتھ آتی ہے۔ (تاج العروس) علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ لفظ
عربی ہے یا معرب؟ اہل بصرہ نے کہا یہ عربی لفظ ہے اور ابو الفضل رازی نے کہا زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ فارسی سے معرب ہے۔
ابن جنی جو نحو اور عربی لغت کے امام ہیں' انہوں نے المحتسب میں لکھا ہے کہ ایک قوم نے اس کو فارسی سے معرب کہا ہے۔
امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ یہ لفظ اصل میں فارسی ہے اس کو عربی بنا لیا گیا ہے اور سجل اس پتھر کو کہتے ہیں جس پر لکھا جاتا تھا
بعد میں ہر وہ چیز جس پر لکھا جاتا تھا اس کو سجل کہا جانے لگا' اس لحاظ سے سجل سنگ سے بنایا گیا ہے۔ علامہ نظام الدین نیشاپوری
نے لکھا ہے کہ ابو الجوزاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حبشی زبان میں سجل کا معنی شخص ہے' زجاج
بھی یہی مختار ہے۔ امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ جس سجل کا اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر فرمایا ہے اس کے معنی میں اختلاف
ہے۔ بعض کے نزدیک وہ ایک فرشتہ کا نام ہے۔ بعض کے نزدیک وہ ایک کاتب تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
کتابت کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ سجل وہ صحیفہ ہے جس میں لکھا جاتا ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں ہمارے نزدیک ا[س]

س کا قول راجح ہے جس نے سجل کا معنی صحیفہ کہا ہے کیونکہ سجل اس معنی میں کلام عرب میں معروف ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایسے کاتب کا پتا نہیں چلتا جس کا نام سجل ہو اور نہ کسی فرشتے کا نام سجل ہے۔ (لغات القرآن ج ۲ ص ۱۸۲)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

سجل کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سدی نے کہا یہ ایک فرشتہ ہے۔

(۲) ابوالجوزاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب کا نام ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ حبشی زبان میں سجل مرد کو کہتے ہیں۔

(۴) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سجل صحیفہ کو کہتے ہیں۔ مجاہد، الفراء اور ابن قتیبہ کا یہی مختار ہے، اور اس آیت میں کتاب بہ معنی مکتوب ہے یعنی جس طرح کسی چیز کو صحیفہ میں لکھ کر صحیفہ کو لپیٹ لیا جاتا ہے، اسی طرح آسمانوں کو لپیٹ لیا جائے گا۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۹۶-۳۹۵، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

طی السجل للکتب کا معنی ہے کہ سجل اس لکھے ہوئے کے لیے ساتر ہے کیونکہ طی کا معنی لپیٹنا اور تہہ کرنا ہے اور یہ کھولنے کی ضد ہے اس کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح طومار (صحیفہ) کو لکھ کر لپیٹ دیا جاتا ہے اور یہی اکثرین کا قول ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۹۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سجل کا معنی صحیفہ یا وثیقہ ہے جس میں حاکم فیصلہ لکھ کر اپنی مہر لگا دیتا ہے یا جس میں کسی معاہدہ کو لکھا جاتا ہے یا جس میں کسی ملکیت کے انتقال کو لکھ کر اس پر گواہوں کے دستخط کرائے جاتے ہیں یا طلاق لکھ کر اس پر دستخط کرائے جاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں اس کو لپیٹ کر ٹین کے گول اور لمبے ڈبے میں حفاظت سے رکھ دیتے تھے پھر اس کو لکھ کر فائلوں اور رجسٹروں میں محفوظ کیا جانے لگا اور اب اس کو کمپیوٹر میں فیڈ کر کے اسٹور کر لیتے ہیں۔

عام لوگ حشر میں بغیر لباس کے اور شہداء لباس کے ساتھ اٹھیں گے

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس طرح ہم نے ابتدا میں پیدا کیا تھا ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قیامت کے دن ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر مختون اٹھائے جاؤ گے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کما بدانا اول خلق نعیدہ (الانبیاء: ۱۰۴) اور قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم کو قمیص پہنائی جائے گی۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۲۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۰۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۱۳)

قرآن مجید کی اس آیت میں ہے کہ حشر کے دن انسان کو بغیر کپڑوں اور لباس کے اٹھایا جائے گا۔ اس کی شرح میں حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے کہا ہے کہ امام ابوداؤد اور امام ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگا کر پہن لیے اور کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میت کو ان ہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن کپڑوں میں اس کی وفات ہوئی ہے، اور یہ حدیث صحیح بخاری کی اس حدیث کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض لوگوں کو بے لباس اٹھایا جائے گا اور بعض لوگوں کو کپڑوں

کے ساتھ اُٹھایا جائے گا' یا سب کو بے لباس اُٹھایا جائے گا پھر انبیاء علیہم السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے اور سب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا' یا سنن ابوداؤد کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ ان کو قبروں سے اس لباس میں جائے گا جس لباس میں وہ فوت ہوئے تھے پھر ان کا لباس اُتار کر ان کو میدانِ حشر میں لایا جائے گا اور بغیر لباس کے ان کا حشر کیا جائے گا پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ بعض علماء نے حضرت ابوسعید کی حدیث کو شہداء پر محمول کیا ہے کیونکہ شہداء کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کو ان کے کپڑوں میں ہی دفن کر دیا جائے' پس یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوسعید نے یہ حدیث شہداء کے متعلق سنی ہو پھر اس کو بہ طور عموم روایت کر دیا ہو' اور جن لوگوں نے اس حدیث کو عموم پر محمول کیا ہے ان میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی ہیں کیونکہ امام ابن ابی الدنیا نے سند حسن کے ساتھ عمرو بن الاسود سے روایت کیا ہے ہم نے حضرت معاذ بن جبل کی والدہ کو دفن کیا (کفن دیا) انہوں نے کہا ان کو نئے کپڑوں میں کفن دیا جائے اور کہا اپنے مردوں کو اچھے کپڑوں کا کفن پہناؤ کیونکہ ان کو انہی کپڑوں میں اُٹھایا جائے گا۔

حضرت ابوسعید کی حدیث کو شہداء پر محمول کیا جائے کیونکہ ان کو اپنے کپڑوں سمیت دفن کیا جاتا ہے تاکہ وہ دوسروں سے ممتاز ہوں تو حشر میں بھی ان کو کپڑوں کے ساتھ اُٹھایا جائے گا تاکہ وہاں بھی وہ دوسروں سے ممتاز ہوں۔ علامہ ابن عبدالبر نے آخرت میں بے لباس اُٹھائے جانے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ لباس انسان کا مال ہے اور آخرت میں انسان کے پاس دنیا کا کوئی مال نہیں ہوگا۔ لباس دنیا میں انسان کی مکروہ چیزوں کو چھپاتا ہے اور آخرت میں جو چیز انسان کی مکروہ چیزوں کو چھپائے گی وہ اس کے نیک اعمال کا ثواب ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے' دنیا کے لباس کی وہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

امام غزالی نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میری اُمت کا حشر ان کے کفنوں میں کیا جائے گا اور باقی اُمت بے لباس ہوگی۔

علامہ قرطبی نے کہا کہ اگر یہاں اُمت کو شہداء پر محمول کر دیا جائے تو ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

(فتح الباری ج ۱۳ص ۱۹۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ' عمدۃ القاری جز ۱۵ص ۲۴۲' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

آیا حشر میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا یا ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو' اس بحث میں علامہ ابوالعباس قرطبی کی تقریر

صحیح البخاری' صحیح مسلم اور سنن ترمذی کی حدیث میں ہے قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قمیص پہنائی جائے گی۔ اس کی شرح میں علامہ ابوالعباس احمد بن عمر مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء وغیرہم اور تمام لوگ بے لباس اُٹھائے جائیں گے اور اہل سعادت کو جنت کے کپڑے پہنائے جائیں گے' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کو جنت کا لباس پہنا دیا جائے گا وہ اس کو حشر کی تکلیفوں اور پسینے وغیرہ سے محفوظ رکھے گا اور سورج کی اور دوزخ کی حرارت سے بھی محفوظ رکھے گا' اور اس حدیث کا ظاہر عموم یہ تقاضا کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلے قمیص پہنائی جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خصائص میں سے ہو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خصائص میں سے یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے باہر آئیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہوں گے۔ حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے قبر سے باہر آئیں گے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلقاً افضل ہوں' بلکہ تمام اہل محشر سے آپ ہی مطلقاً افضل ہیں' آپ تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی تمام لوگوں سے

لباس پہنائی جائے گی اور یہ اوّلیت اضافی ہو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام کے عموم میں داخل نہ ہوں۔

(المفہم من تلخیص مسلم ج ۷ ص ۱۵۳۔ ۱۵۲ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت '۱۴۱۷ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق علامہ ابوعبداللہ قرطبی کی تقریر

علامہ ابوالعباس قرطبی متوفی ۶۵۶ھ کے تلمیذ علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اپنے استاذ کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اگر ہمارے شیخ کے اس کلام کے خلاف حدیث صریح نہ ہوتی تو یہ ان کا بہت عمدہ کلام تھا۔ (یعنی اوّلیت کا اضافی ہونا) کیونکہ امام ابن المبارک نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت خلیل اللہ ابراہیم کو دو قبطی کپڑے پہنائے جائیں گے پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کی دائیں جانب سے یمن کی ایک منقش چادر پہنائی جائے گی' اس کو امام بیہقی نے بھی ذکر کیا ہے۔ (کتاب الرقائق مع الزھد' رقم الحدیث: ۳۶۵' کتاب الاسماء والصفات ص ۳۹۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اذان دینے والے اور تلبیہ پڑھنے والے قیامت کے دن اپنی قبروں سے باہر آئیں گے پھر مؤذن اذان دے گا اور تلبیہ پڑھنے والا تلبیہ پڑھے گا اور سب سے پہلے جنت کے حلوں میں سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو حلہ پہنایا جائے گا پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر باقی انبیاء اور رسل علیہم السلام کو پھر مؤذنوں کو لباس پہنایا جائے گا۔ اس حدیث کا الحلیمی نے منہاج الدین میں ذکر کیا ہے۔ (الحلیمی کی منہاج الدین ہم کو نہیں مل سکی کہ اس حدیث کی تحقیق اور تخریج کی جاتی)

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو ننگے پیر' ننگے بدن اُٹھایا جائے گا اور سب سے پہلے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو جنت کے حلوں سے لباس پہنایا جائے گا پھر عرش کی دائیں جانب ایک کرسی لا کر بچھائی جائے گی پھر مجھے جنت کا حلہ پہنایا جائے گا۔

(کتاب الاسماء والصفات ص ۳۹۵' کنز العمال رقم الحدیث' ۳۸۹۴۳)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس پہنایا جائے۔ سو اس آدمی کے لیے خوشی ہو جس کو اس وقت جنت کا لباس پہنایا جائے گا کیونکہ جو اس لباس کو پہن لے گا اس کو حشر کی گرمی' سورج کی تپش' پسینہ اور دیگر دہشت ناک چیزوں سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

(التذکرہ ج ۱ ص ۳۲۱۔ ۳۲۰' مطبوعہ دار البخاری مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کو سب سے پہلے لباس پہنانے کی حکمت یہ ہے کہ ان کو برہنہ کر کے نار نمرود میں ڈالا گیا تھا' اس کی تلافی کے لیے ان کو دو حلے پہنائے جائیں گے۔ (التوشیح ج ۳ ص ۳۲۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق حافظ عسقلانی شافعی کی تقریر

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ ابوالعباس قرطبی کی تقریر ذکر کی ہے پھر اس پر علامہ ابوعبداللہ قرطبی کا تبصرہ اور ان کی بیان کردہ احادیث مزید اسانید کے ساتھ ذکر کی ہیں پھر انہوں نے اس سلسلہ میں مزید احادیث پیش کی ہیں:

مرسل عبید بن عمیر میں جعفر بن فریابی سے لکھتے ہیں لوگوں کا ننگے بدن حشر کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا وجہ ہے کہ میں اپنے خلیل کو برہنہ دیکھ رہا ہوں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سفید کپڑے پہنائے جائیں گے اور وہ سب سے پہلے شخص ہوں گے جن کو لباس پہنایا جائے گا' اور ان کو سب سے پہلے لباس پہنانے کی حکمت یہ ہے کہ جب ان کو نمرود کی جلائی ہوئی آگ میں پھینکا گیا تھا تو ان کا لباس اُتار لیا گیا تھا' اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے شلوار پہننے کی سنت قائم کی

تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے تو ان کو بے خوف رکھنے کے لیے جلد لباس پہنایا گیا تا کہ وہ مطمئن رہیں۔ امام ابن مندہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے خلیل کو لباس پہناؤ تا کہ آج لوگوں پر ان کی فضیلت ظاہر ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خصوصیت سے کہ انہیں سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا' یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلقاً افضل ہوں' اور اب مجھ پر یہ وجہ ظاہر ہوئی ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر سے اسی لباس میں باہر آئے ہوں جس لباس میں آپ کی وفات ہوئی تھی اور آپ کو جنت کے حلوں میں سے جو حلہ پہنایا جائے گا' وہ محض آپ کی عزت اور کرامت کے اظہار کے لیے ہو اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ آپ کو عرش کے پائے کے پاس کرسی پر بٹھایا جائے گا۔ (الاسماء والصفات ص ۳۹۵) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے لباس پہنانے کی فضیلت باقی مخلوق کے اعتبار سے ہے (کیونکہ آپ تو پہلے ہی لباس میں تھے) اور حلیمی نے یہ جواب دیا ہے کہ پہلے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کو لباس پہنایا جائے گا جیسا کہ ظاہر حدیث میں ہے لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلہ بہت افضل اور اکمل ہوگا اور اس کی نفاست سے اس کمی کی تلافی ہو جائے گی جو اوّلیت کے فوت ہونے سے ہوئی ہے۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۹۷۔۱۹۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق علامہ عینی حنفی کی تقریر

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے قیامت کے دن جس شخص کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا' وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ظاہر منقبت' عظیم فضیلت اور خصوصیت ہے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس فضیلت کے ساتھ خاص کیا گیا کہ جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے باہر آئیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ حضرت موسیٰ عرش کے پائے کو پکڑے ہوئے کھڑے ہیں' حالانکہ آپ سید المرسلین ہیں اور سب سے پہلے قبر سے باہر آئیں گے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ یا حضرت ابراہیم علیہما السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی قیامت کے دن سب سے افضل ہوں گے' اور اگر کوئی شخص کسی ایک فضیلت کے ساتھ خاص ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مطلقاً افضل ہو۔ (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جزوی فضیلت ہے اور فضیلت کلی آپ ہی کو حاصل ہے) دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو فرمایا سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا' اس میں آپ کی مراد آپ کے علاوہ ہے کیونکہ اہل اصول نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ متکلم اپنے خطاب کے عموم میں داخل نہیں ہوتا یعنی آپ کے علاوہ باقی لوگوں کی بہ نسبت سب سے پہلے حضرت ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا' اور امام ابن المبارک نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو قبطی کپڑے پہنائے جائیں گے پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کی دائیں جانب ایک منقش چادر پہنائی جائے گی' اور حلیمی نے منہاج میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ سب سے پہلے جنت کے حلوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا جائے گا پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر باقی نبیوں کو' اور آپ کے حلہ کا کپڑا سب سے نفیس ہوگا گویا کہ آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی حلہ پہنایا جائے گا' اور امام ابو نعیم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے خلیل کو پہناؤ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو سفید کپڑے پہنائے جائیں گے وہ

عرش کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں گے، پھر ایک کرسی لائی جائے گی اور اس کو عرش کی دائیں جانب رکھا جائے گا اور اس پر مجھے بٹھایا جائے گا پھر مجھے ایسا حلہ پہنایا جائے گا جس کے مرتبہ کا حلہ کسی کے پاس نہیں ہوگا۔ (حلہ کا معنی ہے ایک قسم کی دو چادریں) (عمدۃ القاری ج ۱۵ص ۲۴۳-۲۴۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر ۱۳۴۸ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق علامہ طیبی شافعی کی تقریر

علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل نہیں ہیں پھر اس کی کیا توجیہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو فضائل اور خصوصیات عطا فرما کر سب سے افضل قرار دے پھر کسی اور شخص کو کسی ایک فضیلت میں خصوصیت عطا فرمائے تو اس ایک فضیلت میں خصوصیت سے اس بندہ کے افضل ہونے میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور یہ سب کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو سب سے پہلے کلام کرنے اور شفاعت کرنے کا اذن عطا کیا جائے گا اس کے مقابلہ میں کسی کی فضیلت نہیں ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے بہت فضائل عطا کیے گئے ہیں جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جزوی فضیلت ہے۔ (الکاشف عن حقائق السنن (شرح الطیبی) ج ۱۰ص ۱۶۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۳ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق ملا علی قاری حنفی کی تقریر

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے لباس اس لیے پہنایا جائے گا کہ وہ فقراء کو لباس پہناتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ کی ذات کی وجہ سے سب سے پہلے دنیا میں ان کا لباس اُتارا گیا تھا، نہ اس وجہ سے کہ وہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور باپ ہیں تو باپ کے شرف کی وجہ سے ان کو ہمارے نبی سے پہلے لباس پہنایا جائے گا۔ علاوہ ازیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس لباس میں دفن کیا گیا تھا، آپ کو اسی لباس میں ملبوس اُٹھایا جائے گا، اور میرا یہ نظریہ ہے کہ تمام انبیاء بلکہ اولیاء بھی اپنی قبروں سے ننگے پیر اور ننگے بدن اُٹھیں گے لیکن وہ اپنے کفنوں کو اس طرح اوڑھے ہوئے ہوں گے کہ ان کی شرم گاہیں خود ان سے اور دوسرے لوگوں سے مستور اور محجوب ہوں گی، اور یہی معنی اس حدیث کے مناسب ہے کہ میں اس حال میں قبر سے باہر آؤں گا کہ میری دائیں طرف ابوبکر اور بائیں طرف عمر ہوں گے پھر میں البقیع کی طرف جاؤں گا۔ الحدیث

پھر یہ نفوس قدسیہ اونٹنیوں اور دیگر سواریوں پر سوار ہو کر میدانِ محشر کی طرف جائیں گے اور محشر میں جو جنت کے حلے پہنائے جائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی الطاف، اکرامات اور انعامات کے قبیل سے ہوں گے جو وہ اپنے پسندیدہ اور مقبول بندوں پر فرمائے گا۔

پھر میں نے الجامع الصغیر میں یہ حدیث دیکھی: جس سے زمین سب سے پہلے شق ہوگی وہ میں ہوں اور اس پر فخر نہیں، پھر مجھے جنت کے حلوں میں سے حلے پہنائے جائیں گے پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور تمام مخلوق میں سے کوئی شخص بھی اس مقام پر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۲۸۴۳ اور الجامع الکبیر رقم الحدیث: ۸۷۷۵ میں صرف اتنا ہے: جس سے زمین سب سے پہلے شق ہوگی وہ میں ہوں اور فخر نہیں اور اس میں حلے پہننے وغیرہ کا ذکر نہیں۔ البتہ کنز العمال اور الاسماء والصفات میں اس کا ذکر

ہے۔ غالباً ملا علی قاری کو حوالہ میں اشتباہ ہو گیا) اور امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے مجھ سے زمین شق ہو گی پھر ابوبکر اور عمر سے پھر میں اہل البقیع پر آؤں گا' ان کا میرے ساتھ حشر کیا جائے گا' پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا۔ (ملا علی قاری کو یہاں بھی تسامح ہوا ہے۔ ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸ اور ۳۶۱۵ میں صرف اتنی حدیث ہے سب سے پہلے میں قبر سے شق ہوں گا اور فخر نہیں' اور حاکم کی المستدرک رقم الحدیث: ۴۴۸۶ میں اس کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے اور اہل بقیع کی طرف جانے اور اہل مکہ کے انتظار کا ذکر نہیں ہے) اس کے بعد ملا علی قاری نے تورپشتی کے حوالے سے علامہ طیبی کی تقریر ذکر کی ہے۔ (المرقات ج ۱۰ ص ۲۵۱' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تقریر

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اعزاز اور اکرام آپ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے کیا گیا تھا جب کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کپڑوں میں دفن کیا گیا تھا' ان ہی میں اُٹھایا جائے گا۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۳۶۷' مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن لباس پہنانے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ حدیث صحیح میں ہے:

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوسعید خدری کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میت کو ان ہی کپڑوں میں اُٹھایا جائے گا جن میں اس کو موت آئی تھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۴' جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۵۹۵)

اور اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ شہداء کو اسی لباس میں اُٹھایا جائے گا جس لباس میں شہید ہوئے تھے اور باقی لوگوں کو بے لباس اُٹھایا جائے گا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی اُمت کے شہداء کو تو لباس کے ساتھ اُٹھایا جائے اور آپ کو بے لباس اُٹھایا جائے اور میدانِ محشر میں آپ کی اُمت کے شہداء آپ سے افضل حال میں ہوں۔ اس لیے لازماً یہ کہنا پڑے گا کہ آپ کو بھی لباس کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ ثانیاً آپ بھی معناً شہید ہیں کیونکہ آپ کو جو خیبر میں زہر دیا گیا تھا' اسی کے اثر سے آپ کی وفات ہوئی۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں فرمایا: اے عائشہ! میں نے خیبر میں جو طعام کھایا' میں ہمیشہ اس (زہر آلود) طعام کا درد محسوس کرتا رہا ہوں اور اب وقت آ گیا ہے کہ اسی زہر کے اثر سے میری شہ رگ منقطع ہو جائے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۲۸' جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۵۲۸)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہیں اور سنن ابوداؤد کی حدیث کا یہ محمل ہے کہ شہداء کو ان ہی کپڑوں میں اُٹھایا جائے گا جن میں ان کی وفات ہوئی' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کپڑوں میں اُٹھایا جائے گا جن کپڑوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی۔ وللہ الحمد۔

نیز میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام - ۱۶۲)

آپ کہیے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت (سب) اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

شہید کی تو صرف موت اللہ کے لیے ہوتی ہے' آپ کی تو موت اور حیات سب اللہ کے لیے اور اس کے راستہ میں ہے۔ اس لیے آپ شہید سے کہیں زیادہ عزت اور کرامت کے مستحق ہیں۔ اس لیے آپ کو آپ کے ان ہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں آپ کی وفات ہوئی تھی پھر آپ کی عزت و کرامت کو ظاہر کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آپ کو ان سے اچھے جنت کے حلے پہنائے جائیں گے اور آپ کو عرش کے پائے کے پاس کرسی پر بٹھایا جائے گا جو اللہ کے حبیب ہیں تمام اولین اور آخرین سے مکرم ہیں' تمام رسولوں کے قائد ہیں' آدم اور ان کے ماسوا تمام لوگ قیامت کے دن ان کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے جو سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں' جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے ہیں' ان کی عزت اور کرامت سے یہ مناصب کب بعید ہیں۔

کیا قیامت کے دن برہنہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا حشر اس حال میں کیا جائے گا کہ تم ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون ہو گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ! مرد اور عورت ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: وہاں اس سے زیادہ سخت معاملہ ہوگا کہ لوگوں کو اس کا خیال آئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوبکر بن ابی شیبہ کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہمیں حیا نہیں آئے گی؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! وہاں معاملہ اس سے زیادہ سخت ہوگا کہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں۔ حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! پھر شرم گاہوں کا کیا ہوگا؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی:

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ○ (عبس: ۳۷)

ان میں سے اس دن ہر ایک کو ایسی فکر ہو گی جو دوسروں سے مستغنی کر دے گی۔

ترمذی اور حاکم کی روایت میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی:

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام: ۹۴)

تم ہمارے پاس تنہا تنہا آئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہائے ان کی شرم گاہیں! مرد اور عورت ایک دوسرے کی شرم گاہوں کی طرف دیکھ رہے ہوں گے تو آپ نے یہ آیت پڑھی:

لکل امریٔ منھم یومئذ شان یغنیہ اور فرمایا مرد عورتوں کی طرف نہیں دیکھیں گے اور عورتیں مردوں کی طرف نہیں دیکھیں گی ہر ایک دوسرے سے بے نیاز ہوگا۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۹۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

زبور کے معانی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور ہم نصیحت کرنے کے بعد زبور میں یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔ (الانبیاء: ۱۰۵)

زبور کے متعلق مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) سعید بن جبیر' مجاہد' مقاتل اور ابن زید نے کہا آسمانی کتابوں کو زبور کہتے ہیں اور من بعد الذکر میں ذکر سے مراد لوح

محفوظ ہے کیونکہ اس میں مستقبل میں ہونے والی تمام باتیں لکھی ہوئی ہیں اور انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابیں بھی وہیں سے لکھی گئی ہیں' اور اب آیت کا معنی ہوگا ہم نے لوحِ محفوظ میں لکھنے کے بعد آسمانی کتابوں کو لکھ دیا۔

(۲) قتادہ اور شعبی نے کہا زبور سے مراد قرآن مجید ہے اور ذکر سے مراد تورات ہے اور اب معنی یہ ہے کہ ہم نے تورات میں قرآنِ مجید کو نازل کرنے کے متعلق لکھ دیا تھا۔

(۳) زبور سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور ہے اور ذکر سے مراد نصیحت ہے۔

(۴) ذکر سے مراد علم ہے۔ یعنی ہم نے علم کے باوجود زبور میں لکھ دیا تھا اور لکھنے سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے لکھا تھا کہ اس کو سہو ہو جائے گا یا وہ بھول جائے گا۔

قرآن مجید کے صدق پر زبور کی شہادت

ہم نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے اور ہم نصیحت کرنے کے بعد زبور میں یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ اب ہم زبور کے حوالے سے اس نصیحت اور نیک بندوں کے لیے زمین کی وراثت کو بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ قرآنِ مجید کی صداقت اور حقانیت واضح ہو جائے۔

باب: ۳۷' داؤد کا مزمور (یعنی ان کا گیت)

تو بدکرداروں کے سبب سے بیزار نہ ہو اور بدی کرنے والوں پر رشک نہ کر کیونکہ وہ گھاس کی طرح جلد کاٹ ڈالے جائیں گے اور سبزہ کی طرح مرجھا جائیں گے۔ خداوند پر توکل کر اور نیکی کر۔ ملک میں آباد رہ اور اس کی وفاداری سے پرورش پا۔ خداوند سے مسرور رہ اور وہ تیرے دل کی مرادیں پوری کرے گا۔ اپنی راہ خداوند پر چھوڑ دے اور اس پر توکل کر وہی سب کچھ کرے گا۔ اور وہ تیری راستبازی کو نور کی طرح اور تیرے حق کو دوپہر کی طرح روشن کرے گا۔ خداوند میں مطمئن رہ اور صبر سے اس کی آس رکھ۔ اس آدمی کے سبب سے جو اپنی راہ میں کامیاب ہوتا اور برے منصوبوں کو انجام دیتا ہے بیزار نہ ہو۔ قہر سے باز آ اور غضب کو چھوڑ دے۔ بیزار نہ ہو۔ اس سے برائی ہی نکلتی ہے کیونکہ بدکردار کاٹ ڈالے جائیں گے لیکن جن کو خداوند کی آس ہے' ملک کے وارث ہوں گے۔ (زبور باب: ۳۷' آیت: ۹-۱' پرانا عہد نامہ ص: ۵۴۸' مطبوعہ لاہور' ۱۹۹۲)

یہ گیت ۴۰ آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں مسلسل نصیحت کی آیتیں ہیں اور کئی جگہ نیکوں کو زمین کا وارث کرنے کا ذکر ہے۔ آیت: ۹ کے بعد آیت: ۱۱ میں ہے لیکن حلیم ملک کے وارث ہوں گے اور سلامتی کی فراوانی سے شادمان رہیں گے۔ اس کے بعد آیت: ۲۲ میں ہے کیونکہ جن کو وہ برکت دیتا ہے وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ اور جن پر وہ لعنت کرتا ہے وہ کاٹ ڈالے جائیں گے۔ پھر آیت: ۳۴ میں ہے خداوند کی آس رکھ اور اس کی راہ پر چلتا رہ اور وہ تجھے سرفراز کر کے زمین کا وارث بنائے گا۔ (پرانا عہد نامہ ص ۵۴۹-۵۴۸' مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

اور اس طرح قرآنِ مجید نے جو کہا تھا کہ ہم زبور میں نصیحت کرنے کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے' اس آیت کا صدق زبور کی شہادت سے ظاہر ہو گیا۔

ہزاروں سال گزر گئے' بائبل میں بہت تبدیلی اور تحریف بھی کی گئی ہے لیکن قرآنِ مجید نے جو کہا تھا کہ زبور میں نصیحت کے بعد ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے' وہ نصیحت اور وراثت کا قاعدہ زبور میں آج بھی اسی طرح موجود ہے اور یہ قرآن مجید کی صداقت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت پر آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے۔

زمین کی وراثت سے جنت کی زمین مراد ہونا

زمین کی وراثت کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ اس سے مراد جنت کی زمین ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اس سے مراد دنیا کی زمین ہے۔ اکثر مفسرین کا یہ رجحان ہے کہ اس زمین سے مراد جنت کی زمین ہے کیونکہ دنیا کی زمین کے وارث تو نیک اور بد مومن اور کافر سب قسم کے لوگ ہوتے رہتے ہیں' اور آیت کا معنی اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اور انبیاء علیہم السلام کی کتابوں اور صحیفوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے جنت کے وارث نیک بندے ہی ہوں گے۔ حضرت ابن عباس' مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ اور ابوالعالیہ وغیرہ کا یہی قول ہے' اور اس معنی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اہل جنت' جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ (الزمر: ۷۴)

اور (جنتی) کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں قیام کرتے ہیں اور نیک عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جنت ہی وہ زمین ہے جو نیک لوگوں کے ساتھ خاص کی گئی ہے اور ان کے لیے بنائی گئی ہے اور ہم جیسے گناہ گار اگر جنت میں گئے تو بالتبع جائیں گے۔ (اللہ ہم کو بھی جنت میں داخل کر دے گو ہم اس کے لائق نہیں) اور رہی دنیا کی زمین تو وہ خصوصیت کے ساتھ نیک لوگوں کے لیے نہیں بنائی گئی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زبور کا حوالہ دیا ہے کہ ہم زبور میں نصیحت کرنے کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے' اور زبور کی آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وراثت دائمی اور ابدی ہوگی اور زمین میں ابدی وراثت تو صرف جنت میں ہو سکتی ہے کیونکہ دنیا تو فانی ہے۔ اب حضرت داؤد علیہ السلام کے اس گیت میں وہ آیتیں پڑھیں جن میں دائمی وراثت کا ذکر ہے:

کامل لوگوں کے ایام کو خداوند جانتا ہے' ان کی میراث ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ زبور: باب: ۳۷' آیت: ۱۸' بدی کو چھوڑ دے اور نیکی کر اور ہمیشہ تک آباد رہ۔ زبور: باب: ۳۷' آیت: ۲۷' صادق زمین کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے۔ زبور: باب: ۳۷' آیت: ۲۹

زمین کی وراثت سے دنیا کی زمین مراد ہونا

اور بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد دنیا کی زمین ہے اور اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں سے حکومت اور اقتدار عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور وہ اعمال صالحہ کر چکے ہیں' ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط کر دے گا جس کو وہ ان کے لیے پسند کر چکا ہے اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا' جو لوگ میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ بالکل

شرک نہیں کرتے اور جن لوگوں نے اس کے بعد کفر اور ناشکری کی سو وہی لوگ فاسق ہیں۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (الاعراف: ۱۲۸)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد طلب کرو اور (جنگ کی مشکلات پر) صبر کرو۔ بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس زمین کا وارث کرتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ جب زمین کی وراثت صرف نیک بندوں کو دی جاتی ہے تو پھر کافروں کو حکومتیں اور اقتدار کیوں دیا گیا

ان آیات کا محمل یہ ہے کہ جب نیک مسلمان اللہ کے دین کے نظام کو قائم کرنے کی کوشش اور جدوجہد کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا اور اپنے فضل سے ان کو زمین پر اقتدار عطا فرمائے گا' اور جب تک وہ نیک کام کرتے رہیں گے ان کو اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل رہے گی' اور جب وہ گناہ اور سرکشی کو اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت ان سے منہ موڑ لے گی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر کفار اور فساق کو زمین پر اقتدار کیسے حاصل ہوا اور اب زمین پر زبردست اور مستحکم اقتدار ان ہی کو حاصل ہے' اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں کو جو زمین پر اقتدار عطا فرماتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت اور اس کو خوشنودی اور رضا حاصل ہوتی ہے' اور جب تک مسلمان نیک طریقہ پر قائم رہیں ان کے پاس وہ اقتدار رہتا ہے اور جب وہ معصیت اور سرکشی کو اختیار کریں اور اسی میں ڈوب جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ ان سے وہ نعمت چھین لیتا ہے۔ خلفاء راشدین اور بعد کے نیک مسلمانوں کی حکومتیں اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت سے قائم رہیں اور جب مسلمانوں نے اللہ کے نظام کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت نے انہیں چھوڑ دیا۔

رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کفار اور بدترین فساق جیسے امریکہ' روس' اسرائیل' برطانیہ اور فرانس وغیرہ کو بھی زمین پر اقتدار عطا فرمایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی خوشنودی اور رضا سے زمین پر اقتدار نہیں عطا فرمایا بلکہ اپنی مشیت کے تحت ان کو زمین پر اقتدار عطا فرمایا اور ان کو ان کے کفر اور ان کی سرکشی میں ڈھیل دی ہوئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی نظام کے تحت کفر کی حکومتیں قائم ہیں جیسے زمین پر قدرتی آفات آتی ہیں' زلزلے آتے ہیں' طوفان آتے ہیں' قحط آجاتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے تکوینی نظام اور مشیت کے تحت کافروں' ظالموں اور فاسقوں کو اقتدار عطا فرمایا اور اس میں مسلمانوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے اور ان کی سزا ہے کیونکہ انہوں نے زمین پر اقتدار ملنے کے باوجود اللہ کے نظام کو قائم نہیں کیا اور عیش وعشرت اور رنگ رلیاں منانے میں ڈوب گئے تو اللہ نے ان کے دشمنوں کو زمین پر اقتدار دے دیا' اور اس میں کافروں کو ڈھیل دی گئی ہے وہ اپنے کفر اور سرکشی میں بڑھتے رہیں گے اور زیادہ سے زیادہ اُخروی سزا کے مستحق ہوتے جائیں گے لیکن ایک وقت آئے گا جب کفار سے یہ اقتدار واپس لے لیا جائے گا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو پھر تمام روئے زمین پر نیک مسلمانوں کا ہی اقتدار ہوگا۔

سید مودودی کے جواب پر تبصرہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس اعتراض کے جواب میں یہ لکھا ہے:

مشیتِ الٰہی کے تحت یہ وراثت مومن اور کافر' صالح اور فاسق' فرماں بردار اور نافرمان سب کو ملتی ہے مگر جزاء اعمال کے طور پر نہیں بلکہ امتحان کے طور پر۔ اسی آیت کے بعد دوسری آیت میں فرمایا ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون۔ (آیت: ۱۲۹) اور وہ تم کو خلیفہ بنائے گا پھر دیکھے گا تم کیسے عمل کرتے ہو۔

(تفہیم القرآن جلد ۳ ص ۱۹۲-۱۹۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

سید مودودی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نعمت عطا فرما کر ان سے امتحان لیتا ہے کہ وہ نیک روش پر قائم رہتے ہیں یا نہیں' کفار مثلاً روس' امریکہ' برطانیہ اور فرانس کو جو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اقتدار دیا' وہ ان سے امتحان نہیں لیا بلکہ ان کو ان کے کفر میں ڈھیل دی ہے اور مسلمانوں کے لیے تازیانہ عبرت اور سزا ہے' اور سید مودودی نے جو آیت پیش کی ہے اس سے بھی غلط نتیجہ نکالا ہے۔ الاعراف: ۱۲۸ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ سے مدد طلب کرو اور (جنگ کی مشکلات میں صبر کرو) بے شک زمین اللہ کی ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس زمین کا وارث کرتا ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں ہے:

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۲۹)

(بنی اسرائیل نے) کہا آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم مصائب میں مبتلا تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تم کو زمین میں خلیفہ بنا دے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ کا یہ ارشاد مسلمانوں سے تھا کہ جب تم کو زمین پر اقتدار دیا جائے گا تو یہ تمہارا امتحان ہو گا کیونکہ نیک اور بدعمل کا امتحان مسلمانوں سے ہی متصور ہے۔ کافر حکمران سے یہ امتحان مطلوب نہیں ہے کیا کافر حکمران کفر سے توبہ کیے بغیر زمین میں عدل و انصاف کرنے لگیں تو ان کی نجات ہو جائے گی۔ امریکہ' برطانیہ اور فرانس وغیرہ نے اپنے اپنے ملکوں میں تو عدل و انصاف قائم کیا ہوا ہے' وہاں خوشحالی ہے' عوام کو روزگار مہیا ہے' بے روزگاروں کو وظیفہ دیتے ہیں اگر کوئی کسی پر ظلم اور تعدی کرے تو اس کو سزا دی جاتی ہے' ہر شہری کی جان اور مال کی حفاظت کی حکومت ضامن ہے اور ہر شہری کو شخصی آزادی حاصل ہے' یہ سب فلاحی حکومتیں ہیں اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد حکومت چلانے میں وہ کامیاب ہیں۔ ان کے لیے عدل و انصاف میں امتحان کی کوئی گنجائش نہیں ہے' ان کا اقتدار ان کا امتحان نہیں ہے بلکہ قدرت کی طرف سے ان کی سرکشی اور کفر میں ڈھیل دینا ہے اور الاعراف: ۱۲۹ میں یہ قاعدہ بیان نہیں فرمایا کہ کفار اور فساق کو بھی بہ طور امتحان اقتدار دیا جاتا ہے۔ وہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صرف مسلمانوں سے خطاب ہے ان اسرائیلیوں سے جو ان پر ایمان لا چکے تھے' جو مومن تھے' ان کے اعمال کا امتحان لیا گیا۔ رہے کفار تو ان کے امتحان لینے کا کیا موقع اور کیا گنجائش ہے؟ وہ نیک عمل اور عدل و انصاف کریں بھی تو ان کے نیک اعمال مقبول نہیں ہیں' اور اگر یہ کہا جائے کہ کافروں کو اقتدار دے کر یہ امتحان لینا مقصود ہے کہ وہ ایمان لاتے ہیں یا نہیں تو اوّل تو اقتدار ملنے اور اس کے بعد ایمان لانے کے امتحان میں کوئی ربط اور مناسبت نہیں ہے اور ثانیاً یہ کہ امتحان اس کا لیا جاتا ہے جس کے ذرہ برابر بھی کامیاب ہونے کا امکان ہو اور امریکہ' روس' چین' بھارت اور دیگر دہریے اور بے دین ممالک جو سینکڑوں اور ہزاروں سال سے اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں' ان کے ایمان کے امتحان لینے کی کون سی وجہ ہے۔

عابدین کا معنی

الانبیاء: ۱۰۶ میں فرمایا: بے شک اس (قرآن) میں عبادت گزاروں کے لیے عظیم پیغام ہے۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اس سورت میں جو انبیاء علیہم السلام کے قصص اور ان کے واقعات بیان کیے گئے ہیں وعد اور وعید کا ذکر کیا گیا ہے' اس میں ان لوگوں کے لیے پیغام ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں۔ ہر چند کہ یہ پیغام سب کے لیے ہے اور ہر شخص اس پیغام پر عمل کر کے اُخروی فلاح حاصل کر سکتا ہے لیکن انجام کار اس پیغام کو قبول عبادت گزار ہی کریں گے اور وہی اس پیغام پر عمل کریں گے' اس لیے خصوصیت کے ساتھ عبادت گزاروں کا ذکر فرمایا۔ عبادت گزار سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو شریعت کا پورا علم ہو اور وہ اس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوں کیونکہ جو شخص بغیر علم کے عبادت کرے گا وہ گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا' اور جو علم رکھنے کے باوجود عمل نہ کرے وہ درخت بے ثمر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہےO (الانبیاء: ۱۰۷)

وما ارسلنک الا رحمة للعٰلمین کے مختلف تراجم

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لیے۔ پھر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی مکلفین پر مہربانی کرنے کے لیے۔ (بیان القرآن ج ۲ ص ۶۵۱' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اے محمد! ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۸۹)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

رحمة للعٰلمین کی تفسیر صدر الافاضل سے

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

کوئی ہو جن ہو یا انس' مومن ہو یا کافر' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور کا رحمت ہونا عام ہے' ایمان والے کے لیے بھی اور اس کے لیے بھی جو ایمان نہ لایا ہو۔ مومن کے لیے تو آپ دنیا اور آخرت دونوں میں رحمت ہیں اور جو ایمان نہ لایا اس کے لیے آپ دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ کی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور خسف (زمین میں دھنسانے کا عذاب) و مسخ (شکل بدل دینے کا عذاب) اور استیصال (کسی قوم کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا) کے عذاب اُٹھا دیے گئے۔ تفسیر روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں اکابر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت مطلقہ' تامہ کاملہ' عامہ' شاملہ' جامعہ' محیطہ' بہ جمیع مقیدات' رحمت غیبیہ و شہادت علمیہ' وعینیہ و وجودیہ و شہودیہ و سابقہ و لاحقہ وغیر ذالک' تمام جہانوں کے لیے' عالم ارواح ہوں یا عالم اجسام' ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول اور جو تمام عالموں کے لیے رحمت ہو لازم ہے کہ وہ تمام جہانوں سے افضل ہو۔ (حاشیہ بر کنز الایمان ص ۵۳۱' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

رحمة للعٰلمین کی تفسیر امام رازی سے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین میں بھی رحمت ہیں اور دنیا میں بھی رحمت ہیں۔ دین میں اس لیے رحمت ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت بھیجا گیا لوگ جہالت اور گمراہی میں تھے اور اہل کتاب میں سے یہود و نصاریٰ اپنے دین کے معاملہ میں زحمت میں تھے ان کا اپنی کتابوں میں بہت اختلاف تھا' اللہ تعالیٰ نے اس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا جب طالب حق کے سامنے نجات کا کوئی راستہ نہیں تھا' اس وقت آپ نے لوگوں کو حق کی دعوت دی اور نجات کا راستہ دکھایا اور ان کے لیے احکام شرعیہ بیان کیے اور حلال اور حرام میں تمیز دی۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران: ۱۶۴)

بے شک اللہ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دیا جو ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے ان کا باطن صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے' اور بے شک اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اور آپ دنیا میں اس لیے رحمت ہیں کہ آپ کی وجہ سے ان کو ذلت' قتال اور مختلف جنگوں سے نجات ملی اور آپ کے دین کی برکت سے انہیں فتح حاصل ہوئی' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ رحمت کیسے ہوں گے جب کہ آپ تلوار اور مال غنیمت کے احکام لے کر آئے؟ اس کے حسب ذیل جواب ہیں:

(۱) آپ ان منکرین اور متکبرین کے لیے تلوار لے کر آئے جنہوں نے تفکر اور تدبر نہیں کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان اور رحیم ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نافرمانوں سے انتقام لیتا ہے۔ پانی اور بارش بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ (الشوریٰ: ۲۸)

اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت کھول دیتا ہے۔

حالانکہ بارش سے بعض اوقات فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں' مکان گر جاتے ہیں' مال اور مویشی بہہ کر ڈوب جاتے ہیں' سمندری طوفان اور سائیکلون آتے ہیں تو شہر کے شہر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور ہزاروں اور لاکھوں لوگ مر جاتے ہیں۔

(۲) ہمارے نبی کے آنے سے پہلے جب بھی کوئی قوم اپنے نبی کی تکذیب کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ مکذبین کو غرق کر کے یا زمین میں دھنسا کر یا ان کی شکلیں مسخ کر کے ان کو ہلاک کر دیتا تھا اور ہمارے رسول کی جس نے تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عذاب کو اس کی موت یا قیامت تک کے لیے مؤخر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ آپ ان میں ہوں اور وہ ان پر عذاب بھیج دے۔

رحمۃ للعالمین کی تفسیر علامہ آلوسی سے

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو صرف اس سبب سے بھیجا ہے کہ آپ تمام جہانوں پر رحم کریں یا ہم نے آپ کو صرف اس حال میں بھیجا ہے کہ آپ تمام جہانوں پر رحم کرنے والے ہیں' اور ظاہر یہ ہے کہ تمام جہانوں میں کفار بھی شامل ہیں کیونکہ آپ کو جو دین دے کر بھیجا ہے اس میں دنیا اور آخرت کی سعادت اور مصلحت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کافروں میں آپ سے استفادہ کی صلاحیت نہ تھی تو انہوں نے اپنے حصہ کی رحمت کو ضائع کر دیا' جیسے کوئی پیاسا شخص دریا کے کنارے کھڑا ہو اور پانی

کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے یا کوئی شخص دھوپ میں آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو تو اس سے دریا کی فیاضی اور سورج کے روشنی پہنچا میں کوئی قصور نہیں ہے۔ قصور ان کا ہے جنہوں نے پانی کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا یا روشنی کے باوجود آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ تمام ممکنات پر ان کی صلاحیت کے اعتبار سے فیض الٰہی کے لیے واسطہ ہیں اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اول المخلوقات ہے' اور حدیث میں ہے اے جابر! سب سے پہلے اللہ نے تمہارے نبی کے نور کو پیدا کیا' اور حدیث میں ہے اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں' اور ابن القیم مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے اگر نبی نہ ہوتے تو جہان میں کوئی چیز کسی کو نفع نہ دیتی' نہ کوئی نیک عمل ہوتا' نہ روزی حاصل کرنے کوئی جائز طریقہ ہوتا اور نہ کسی حکومت کا قیام ہوتا اور تمام لوگ جانوروں اور درندوں کی طرح ہوتے' ایک دوسرے پر حملہ کر اور ایک دوسرے سے چھین کر کھا جاتے۔ سو دنیا میں جو بھی خیر اور نیکی ہے وہ آثار نبوت سے ہے اور جو شر اور برائی ہے وہ آ نبوت کے مٹ جانے یا چھپ جانے کی وجہ سے ہے۔ پس یہ عالم ایک جسم ہے اور نبوت اس کی روح ہے اور جب زمین نبوت کے آثار میں سے کوئی اثر باقی نہیں رہے گا تو آسمان پھٹ جائے گا' ستارے بکھر جائیں گے' سورج کو لپیٹ دیا جائے چاند تاریک ہو جائے گا' پہاڑوں کو جڑ سے اکھاڑ کر روئی کے گالوں کی طرح منتشر کر دیا جائے گا' زمین میں زلزلہ آ جائے گا اور جو لوگ زمین کے اوپر ہیں وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ پس اس جہان کا قیام آثار نبوت کی وجہ سے ہے اور جب نبوت کا کوئی اثر نہیں رہے گا تو یہ جہان بھی نہیں رہے گا۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ العالمین سے مراد صرف مومنین ہیں (جیسے شیخ محمود الحسن اور شیخ تھانوی وغیرہم) میرے نزدیک یہ لوگ اس حق پر مطلع نہیں ہو سکے جس کی اتباع واجب ہے اور حقائق پر مطلع ہو کر ان لوگوں کا رد کرنا بہت آسان ہے اور میرا یہ نظریہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم العلمین کے ہر فرد کے لیے رحمت ہیں خواہ وہ فرشتوں کا عالم ہو یا انسانوں کا عالم ہو یا جنات کا عالم ہو' اور انسانوں میں بھی آپ مومنوں اور کافروں سب کے لیے رحمت ہیں اسی طرح جنات میں بھی سب کے لیے رحمت ہیں' البتہ رحمت کا فیضان ہر فرد پر اس کی صلاحیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

(روح المعانی جز ۱۷ ص ۱۵۵ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

رحمۃ للعالمین کی تفسیر مصنف سے

ہمارے نزدیک اس آیت کریمہ کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرا اور مجسم رحمت بنا کر بھیجا ہے' اور سید ابو الاعلیٰ مودودی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے: اے محمد! ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل د والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔ اس آیت کا یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے اور تواتر اور اجماع سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رحمۃ للعالمین کا مصداق قرار دیا گیا ہے اس کے خلاف ہے۔ اسی طرح مفسرین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر عالم کے لیے رحمت ہیں خواہ فرشتوں کا عالم ہو' جنات کا عالم ہو' انسانوں کا عالم ہو اور خواہ انسانوں میں سے کافر ہوں' مسلما ہوں' اولیاء ہوں یا انبیاء علیہم السلام ہوں' آپ سب کے لیے رحمت ہیں' اور خواہ حیوانوں کا عالم ہو' یا نباتات کا عالم ہو یا جمادا کا عالم ہو' آپ ہر ہر عالم کے لیے رحمت ہیں' اس لیے شیخ محمود الحسن کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ آپ صرف لوگوں کے لیے رحم ہیں اور نہ شیخ تھانوی کا یہ ترجمہ اور تفسیر صحیح ہے کہ آپ صرف مکلفین کے لیے رحمت ہیں۔ مکلف ہو یا غیر مکلف انسان ہو' ج ہو یا فرشتہ ہو' حیوان ہو یا شجر و حجر ہو آپ سب کے لیے رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ رب العلمین ہے اور آپ رحمۃ للعالمین ہیں ج جس چیز کے لیے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے اس اس چیز کے لیے آپ رحمت ہیں' وجود عین جود ہے اور ہر چیز کو وجود آپ واسطہ سے ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو عطا کرنے والا ہے اور آپ ہر چیز کو تقسیم کرنے والے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو القاسم صر

لیے نہیں تھی کہ آپ کے فرزند ارجمند کا نام قاسم تھا' بلکہ ابوالقاسم کا معنی ہے سب سے زیادہ تقسیم کرنے والے اور ابتداء آفرینش عالم سے لے کر قیامت تک جس کو بھی جو نعمت ملتی ہے وہ آپ کی تقسیم سے ملتی ہے۔ تمام دینی اور دنیاوی امور میں آپ ابتداء آفرینش عالم سے تقسیم کرنے والے ہیں۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو — بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے — نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے — عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب
وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

ہم رحمۃ للعالمین کی تفسیر میں پہلے آپ کی رحمت کے متعلق قرآنِ مجید کی دیگر آیات اور ان کی تفسیر پیش کریں گے پھر آپ کی رحمت کے عموم پر احادیث اور آثار کا ذکر کریں گے' پھر خصوصیت کے ساتھ مومنین پر رحمت کی احادیث کو بیان کریں گے پھر حیوانوں' درختوں اور جمادات پر آپ کی رحمت کی احادیث کو بیان کریں گے جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ آپ عالم کے ہر ذرہ کے لیے رحمت ہیں۔ غالب نے کہا ہے:

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود — رحمت للعٰلمینے ہم بود

اور آخر میں آپ کی رحمت پر اعتراضات کے جوابات بیان کریں گے فنقول و باللہ التوفیق و به الاستعانة یلیق۔

رسول اللہ کی رحمت کے متعلق دیگر آیات اور ان کی تفسیر میں احادیث

اس آیت کے علاوہ قرآنِ مجید کی اور آیات میں بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ذکر فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران: ۱۵۹)

سو اللہ کی عظیم رحمت سے آپ مسلمانوں کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ایک شخص نے اپنے قرض کا سختی سے تقاضا کیا آپ کے اصحاب نے اس کو ڈانٹنے یا مارنے کا قصد کیا۔ آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کیونکہ جس کا حق ہوتا ہے' اس کو بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۰۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تقسیم کرتے ہوئے کچھ لوگوں کو زیادہ دیا' آپ نے اقرع بن حابس کو سو اونٹ دیئے اور عیینہ کو بھی اتنے ہی دیئے اور عرب سرداروں کے لوگوں کو بھی کچھ عطا فرمایا اور اس دن آپ نے تقسیم میں (بعض لوگوں کو) ترجیح دی۔ ایک شخص نے کہا اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا اور نہ اس میں اللہ کی رضا کا ارادہ کیا گیا ہے۔ میں نے کہا اللہ کی قسم! میں ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دوں گا۔ میں نے جا کر آپ کو خبر دی' آپ نے فرمایا: جب اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کریں گے تو پھر اور کون عدل کرے گا۔

اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ ایذاء دی گئی تھی تو انہوں نے صبر کیا تھا۔ (نبی صلی اللہ علیہ [وسلم] تالیفِ قلب کے لیے بعض نو مسلموں کو دوسروں سے زیادہ حصہ دیتے تھے)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣١٥٠ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٦٨ 'مسند احمد رقم الحدیث: ٣٦٠٨ 'مسند حمیدی رقم الحدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فطرتاً بدگو تھے' نہ تکلفاً بدگوئی کرتے تھے اور بازاروں میں بلند آواز سے بات کرتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔ (شمائلِ ترمذی رقم الحدیث: ٣٤٨ ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ٨ ص ٣٣٠ 'صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٤٠٩ 'سنن بیہقی ج ٧ ص ٤٥)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے سوا کبھی کسی کو نہیں مارا نہ کبھی کسی عورت پر ہاتھ اُٹھایا اور نہ کبھی کسی خادم کو مارا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٣٢٨ 'شمائلِ ترمذی رقم الحدیث: ٣٤٩ 'مسند احمد ج ٦ ص ٣١ 'مصنف ابن شیبہ ج ٨ ص ٣٦٨

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا سوا اس کے کہ اللہ کی حدود کو پامال کیا جائے جب اللہ کی حد توڑی جاتی تو آپ سب سے زیادہ غضب ناک ہوتے' اور آپ کو جب بھی دو چیزوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ آسان چیز کو اختیار کرتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٥٦٠ '٦١٢٦ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٣٢٧ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٧٨٥ 'شمائلِ ترمذی رقم الحدیث: ٣٥٠ 'مسند احمد ج ٦ ص ٨٥ 'مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ١٧٩٤٢)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں ''نہ'' نہیں فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٠٣٤ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٣١١ 'شمائلِ ترمذی رقم الحدیث: ٣٥٣ 'مسند احمد ج ٣ ص ٣٠٧

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے سوال کیا کہ آپ اس کو کچھ عطا فرمائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت میرے پاس نہیں ہے' تم اس کو میری طرف سے اُدھار خرید لو جب میرے پاس رقم آئے گی تو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ! آپ اس کو عطا کر چکے ہیں اور جس چیز پر آپ قادر نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا مکلف نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی بات کو ناپسند فرمایا پھر انصار میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! آپ خرچ کیجیے اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کیجیے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور آپ کے چہرے پر انصاری کی بات سے خوشی کے آثار دکھائی دیئے پھر آپ نے فرمایا: مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔ (شمائلِ ترمذی رقم الحدیث: ٣٥٦ 'مسند البزار رقم الحدیث: ٣٦٦٢ 'البحر الزخار رقم الحدیث: ٢٧٣ 'مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٢٤٢)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تورات اور انجیل میں بعض یہ صفات مذکور ہیں:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف: ١٥٧) جو ان سے ان کے (مشکل احکام کے) بوجھ اُتارے گا اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے (سختیوں کے) طوق اُتار کر پھینک دے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔ فرمایا میں اپنا عذاب تو جسے چاہے اسے پہنچاتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز پر محیط

تو عنقریب میں اس (دنیا اور آخرت کی بھلائی) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو گناہوں سے بچیں گے اور زکوٰۃ دیں گے ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے۔ (الاعراف: ۱۵۶)

اس آیت میں دنیا کی بھلائی سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں احکام شرعیہ آسان ہوں کیونکہ بنو اسرائیل پر بہت مشکل احکام تھے۔ ان کی توبہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں' ان کو تیمم کی سہولت حاصل نہ تھی' مال غنیمت حلال نہیں تھا' قربانی کو کھانے کی اجازت نہیں تھی' قصاص لازم تھا' دیت کی رخصت نہیں تھی' ہفتہ کے دن شکار کی اجازت نہیں تھی' روزے کا دورانیہ رات اور دن کو محیط تھا' غرض بہت سخت احکام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ ان کے یہ سخت احکام آسان ہو جائیں اور آخرت کی بھلائی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کم عمل پر زیادہ اجر عطا فرمائے' ان کو ایک نیکی پر ایک ہی اجر ملتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ ایک نیکی پر دس گنا یا سات سو گنا اجر عطا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی یہ خیر اور رحمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے بجائے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے لکھ دی فرمایا میں ان لوگوں کے لیے یہ خیر اور رحمت لکھ دوں گا جو:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (الاعراف: ۱۵۷)

جو لوگ اس عظیم رسول نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' جو ان کو نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرے گا اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا اور جو ان سے (مشکل احکام کے) بوجھ اتارے گا اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے سختیوں کے طوق اتار کر پھینک دے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ذکر اس آیت میں بھی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبۃ: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں' تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے' تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں اور مومنوں پر بہت شفیق' نہایت مہربان ہیں۔

امت کے سخت اور مشقت والے احکام کون سے تھے اور آپ نے ان کو کیسے دور فرمایا اور دنیا اور آخرت کی فلاح آپ نے کیسے عطا فرمائی' اس کی تفصیل ہم نے تبیان القرآن ج ۵ ص ۳۰۷۔۳۰۵ میں بیان کر دی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کی رحمت کے عموم کے متعلق احادیث

امام ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اس کے لیے دنیا اور آخرت میں رحمت لکھ دی جاتی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا اس کو دنیا میں زمین میں دھنسانے اور اس پر پتھر برسانے کے اس عذاب سے محفوظ رکھا جاتا ہے جس عذاب میں پہلی امتیں مبتلا ہوتی رہی ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۸۲۰' الدر المنثور ج ۵ ص ۶۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مشرکین کے خلاف دعا کیجئے' آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا' مجھے صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹۹' الوفاء رقم الحدیث: ۷۵۴)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور تمام متقین کے لیے ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۷ 'المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۸۰۳' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۶۹)

حضرت سلمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنی اُمت کے جس شخص کو بھی غصہ میں برا کہا یا اس پر لعنت کی تو میں بنو آدم کا ایک فرد ہوں' مجھے بھی اس طرح غصہ آتا ہے جس طرح انہیں غصہ آتا ہے اور اللہ نے تو مجھے صرف تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اے اللہ! قیامت کے دن اس برا کہنے کو اس کے لیے دعائے خیر بنا دے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۴۳۷ 'المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صرف رحمت ہوں' اللہ کی طرف سے ہدایت۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۵۸ 'المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۶۴ 'المستدرک ج ۱ ص ۳۵ 'کامل ابن عدی ج ۴ ص ۲۳۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! کیا غزوۂ احد کے دن سے بھی کوئی سخت دن آپ پر آیا تھا؟ آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری قوم کی طرف سے جن سختیوں کا سامنا ہوا سو ہوا اور ان کی طرف سے سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جو یوم العقبہ (جب آپ طائف کی گھاٹیوں میں تبلیغ کے لیے جاتے تھے) کو پیش آیا جب میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال کو اسلام کی دعوت دی' اس نے میری دعوت کو قبول نہیں کیا۔ میں اپنے غمزدہ چہرے کے ساتھ واپس آیا' ابھی میں قرن الثعالب میں پہنچا تھا کہ میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایہ کیا ہوا تھا میں نے دیکھا اس بادل میں جبریل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا بے شک اللہ نے سن لیا کہ آپ کی قوم نے کیا کہا اور آپ کو کیا جواب دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے' آپ ان کافروں کے متعلق اس کو جو چاہیں حکم دیں' پہاڑوں کے فرشتے نے آپ کو سلام کر کے کہا اے محمد! آپ جو چاہیں میں وہ کر دوں! اگر آپ چاہیں تو میں ان کے اوپر مکہ کے دو پہاڑوں کو گرا کر انہیں زمین میں پیس دوں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پیٹھوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۳۱ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۵ 'السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۷۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا' ہاں اگر اللہ کی حدود کو توڑا جاتا تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۵۳ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵ 'شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹ 'مؤطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۶۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا' اس وقت آپ ایک نجرانی (یمنی) چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ راستہ میں ایک اعرابی (دیہاتی) ملا' اس نے بہت زور سے آپ کی چادر کھینچی۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو کندھوں کے درمیان نشان پڑ گیا تھا پھر اس نے کہا اے محمد! آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے' اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۴۹ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۷ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۵۳)

سراقہ بن مالک آپ کا سر اُتارنے کے لیے آپ کا پیچھا کر رہا تھا' آپ نے اس پر قابو پا کر اسے معاف کر دیا۔ صفوان بن امیہ نے عمیر بن وہب کو زہر میں بجھی ہوئی تلوار دے کر آپ کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا جب وہ آپ کی دسترس میں آیا تو آپ نے اس کو معاف کر دیا' بعد میں صفوان کو بھی معاف کر دیا۔ ابوسفیان نے متعدد بار مدینہ پر حملے کیے۔ وحشی نے آپ کے

عزیز چچا کو قتل کیا' ہند نے حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا۔ ہبار بن اسود نے آپ کی صاحبزادی کو سواری سے گرا دیا جس سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور جب ان سب کی گردنیں آپ کی تلوار کے نیچے تھیں' آپ نے ان سب کو معاف کر دیا۔ عبداللہ بن ابی نے بہت ایذائیں پہنچائی تھیں لیکن جب اس نے مرتے وقت درخواست کی کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں تو آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ ان تمام احادیث کی تفصیل اور حوالہ جات تبیان القرآن ج ۲ ص ۲۷-۴۲۲-۴۱۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمانوں پر آپ کی رحمت کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے سو تم حج کرو۔ ایک شخص نے کہا کیا ہر سال؟ یارسول اللہ! آپ خاموش رہے حتیٰ کہ اس نے تین بار سوال کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے' پھر فرمایا جس چیز میں میں تم کو (بیان کرنا) چھوڑ دوں اس چیز میں تم مجھ کو چھوڑ دیا کرو' تم سے پہلی اُمتیں زیادہ سوال کرنے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو تم اس کو بہ قدر استطاعت کرلو اور میں جب تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۱۹)

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مجھے اپنی اُمت پر دشوار نہ ہوتا تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کر کے پڑھنے کا حکم دیتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۹۸' مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۶' المسند الجامع رقم الحدیث: ۳۹۰۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کو باہر آئے اور مسجد میں نماز پڑھی' لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر لوگوں نے ایک دوسرے سے اس کا ذکر کیا' پھر (دوسری رات) اس سے بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے پھر صبح انہوں نے (دوسرے لوگوں کو) بتایا' پھر تیسری رات کو مسجد میں بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ نے نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی نماز پڑھی' چوتھی رات کو اتنے زیادہ لوگ آ گئے کہ مسجد تنگ پڑ گئی حتیٰ کہ آپ صبح کی نماز پڑھانے کے لیے آئے جب آپ نے صبح کی نماز پڑھا دی تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے آپ نے کلمہ شہادت پڑھا پھر فرمایا: حمد و صلاۃ کے بعد' مجھ پر تمہارا اشتیاق مخفی نہیں تھا لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ تم پر یہ نماز فرض کر دی جائے گی پھر تم اس کو پڑھنے سے عاجز ہو جاؤ گے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور لوگوں کا عمل اسی طرح رہا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۵۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۵۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۶۹ عالم الکتب)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کو پڑھا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنۡ تَبِعَنِىۡ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡ ۚ (ابراہیم:۳۶)

اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے سو جس نے میری پیروی کی وہ میرے طریقہ پر ہے۔

اور عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ‌ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ○ (المائدہ:۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو بہت غلبہ والا بہت حکمت والا ہے۔

پھر آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور دعا کی اے اللہ! میری اُمت' میری اُمت اور آپ روئے' تب اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور تمہارا رب خوب جانتا ہے' ان سے سوال کرو' انہیں کیا چیز رُلاتی ہے؟ پھر آپ کے پاس جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور آپ سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ آپ کیا کہہ رہے تھے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو ہم آپ کو آپ کی اُمت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۰۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۲۶۹)

حیوانات اور جمادات پر رحمت کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر مجھے اپنے ساتھ بٹھایا پھر مجھے چپکے سے ایک بات بتائی جو میں کبھی بھی کسی کو نہیں بتاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے کسی ٹیلہ یا گنجان اور گھنے کھجور کے درختوں کی اوٹ میں جانا پسند کرتے تھے۔ آپ انصار کے باغوں میں سے ایک باغ میں داخل ہوئے وہاں ایک اونٹ آیا اور اس نے بڑبڑ کر کے آپ سے کچھ کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کان کی ہڈی کے پیچھے ہاتھ پھیرا تو وہ پُرسکون ہو گیا پھر آپ نے فرمایا یہ اونٹ کس کا ہے؟ انصار کا ایک جوان آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم ان جانوروں کے معاملہ میں خدا سے نہیں ڈرتے؟ جن کا اللہ نے تمہیں مالک بنا دیا ہے اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ اس کو تم بھوکا رکھتے ہو اور کام لے لے کر اس کو تھکا دیتے ہو۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۴ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث:۱۷۴۵' دار الفکر' جدید' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۱' دار الفکر جدید)

حضرت یعلیٰ بن مرہ الثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھیں ایک دن ہم آپ کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے' ہمارا ایک اونٹ کے پاس سے گزر ہوا جب اونٹ نے آپ کو دیکھا تو بڑبڑ کرنے لگا اور اپنی گردن آگے بڑھائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس ٹھہر گئے اور فرمایا اس کا مالک کون ہے؟ وہ شخص آ گیا۔ آپ نے فرمایا اس اونٹ کو مجھے بیچ دو۔ اس نے کہا نہیں میں آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں مجھ کو فروخت کر دو۔ اس نے کہا نہیں' میں آپ کو ہبہ کرتا ہوں' ہمارے گھر والوں کی گزر اوقات کے لیے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: جب تم نے یہ کہا ہے تو سنو' اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور اس کو چارہ کم ڈالتے ہو' اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (مسند احمد رقم الحدیث:۱۷۵۷۰' دار الفکر' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہرنی کے پاس سے گزرے جو ایک خیمہ میں بندھی ہوئی تھی' اس ہرنی نے کہا یا رسول اللہ! مجھے کھول دیجئے تا کہ میں اپنے بچوں کو جا کر دودھ پلا آؤں پھر میں واپس آ جاؤں گی تو آپ مجھے باندھ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک قوم کا شکار ہے اور اس کی باندھی ہوئی ہے پھر آپ نے

سے عہد لیا کہ وہ ضرور واپس آئے گی پھر اس کو کھول دیا۔ وہ تھوڑی دیر میں واپس آگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندھ دیا پھر خیمہ والے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان سے مانگ لیا۔ انہوں نے وہ ہرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی' آپ نے اس کو کھول دیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۴' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۴۳' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۶۱)

امام بیہقی کی ایک اور روایت میں ہے:

حضرت زید بن ارقم نے کہا اللہ کی قسم! میں نے دیکھا' وہ ہرنی جنگل میں چلاتی ہوئی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۵' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۴۳' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۶۱' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۲۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے' ہمارا درختوں کے پاس سے گزر ہوا ایک شخص ان میں گیا اور سرخ پرندہ کے انڈے نکال لایا' وہ سرخ پرندے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے اوپر اپنے بازو پھیلانے لگے۔ آپ نے فرمایا ان کے انڈے کس نے جمع کیے ہیں؟ ایک شخص نے کہا میں نے ان کے انڈے لیے ہیں۔ آپ نے ان پرندوں پر رحمت فرماتے ہوئے فرمایا ان کے انڈے واپس کرو۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۲)

ایک اور سند سے امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے ہمارا ایک درخت کے پاس سے گزر ہوا' اس میں سرخ پرندہ کے دو چوزے تھے' ہم نے وہ اُٹھا لیے' وہ سرخ پرندہ آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگا' آپ نے فرمایا: ان کو واپس رکھ دو۔ سو ہم نے ان کو واپس رکھ دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۷۵-۵۲۶۸' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۳-۳۲' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۴۷-۵۴۶' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۶۳)

ان احادیث میں حیوانوں اور پرندوں پر آپ کی رحمت کا ذکر ہے اور درختوں اور جمادات پر رحمت کا ذکر درج ذیل احادیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن ایک درخت یا کھجور (کے تنے) کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے' انصار کی کسی عورت یا مرد نے کہا یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے لیے منبر نہ بنا دیں؟ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو! انہوں نے منبر بنا دیا جب جمعہ کا دن آیا تو آپ منبر کی طرف گئے تو وہ کھجور کا تنا بچے کی طرح زور زور سے رونے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اُتر کر اس کو اپنے ساتھ لپٹایا تو وہ سسکیاں لینے لگا پھر پُرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۴)

امام بخاری کی ایک اور روایت میں ہے وہ کھجور کا تنا اس طرح چلا رہا تھا جیسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں چلاتی ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ پُرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۹۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۱۲۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۹۵' عالم الکتب بیروت)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے:

امام ابو یعلیٰ اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر بیٹھ گئے تو وہ کھجور کا تنا بیل کی طرح آواز نکال کر چلا رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے فراق) کے غم کی وجہ سے اس کی

آواز میں لرزش تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اُترے اور اس کو لپٹا لیا پھر وہ پُرسکون ہو گیا پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے اگر میں اس کو نہ لپٹاتا تو وہ قیامت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (فراق کے) غم میں روتا رہتا پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زمین میں دفن کر دیا گیا۔

امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ساتھ چمٹایا تو وہ پُرسکون ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اگر میں اس کو نہ چمٹاتا تو یہ قیامت تک روتا رہتا۔

امام بغوی نے اس حدیث کو حسن سے روایت کر کے کہا حسن جب اس حدیث کو بیان کرتے تو روتے اور کہتے اے اللہ کے بندو! درخت کا تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں روتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آپ کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مقام ہے تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شوق رکھنے کے زیادہ حق دار ہو۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۱۹-۵۱۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، طبع جدید ۱۴۱۸ھ)

امام ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اگر میں اس کو اپنے ساتھ نہ لپٹاتا تو یہ قیامت تک روتا اور چلاتا رہتا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۰۵-۳۰۲، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۹، حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۲)

نیز حافظ ابونعیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کے ستون سے فرمایا: تو پُرسکون ہو جا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا یہ میری محبت میں رو رہا ہے پھر آپ نے اس سے فرمایا تو پُرسکون ہو جا اگر تو چاہے تو میں تجھ کو جنت میں اُگا دوں، تیرا پھل نیک لوگ کھائیں گے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے دنیا میں پہلے کی طرح تر و تازہ درخت اُگا دوں تو اس درخت نے آخرت کو دنیا پر اختیار کر لیا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۰۶، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۶، الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۰۷، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۸۰)

ان احادیث میں درختوں اور جمادات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ذکر ہے۔

آپ کی رسالت کا ہر چیز کو علم ہے

ہم نے حیوانات پر رحمت کے سلسلہ میں جو احادیث ذکر کی ہیں اس میں اونٹ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنے کا ذکر ہے، اس حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

لیس شیء بین السماء والارض الا یعلم انی رسول اللہ الا عاصی الجن والانس۔	کفار جن اور انس کے سوا آسمان اور زمین کے درمیان ہر چیز یہ جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۰، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۳۸۵، عالم الکتب، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۱۲۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۸، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۷۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۳، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۷، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۵۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! گویا یہ اونٹ جانتا تھا کہ آپ نبی ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما بین لابتیھا احد الا یعلم انی نبی الا کفرۃ الجن والانس۔	مدینہ کے دو سروں کے درمیان ہر چیز کو علم ہے کہ میں نبی ہوں، سوا کافر جن اور کافر انس کے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۰۰۳، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۱۵۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۰)

حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شیء الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ الجن والانس.

ہر شے کو علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوا کافریا فاسق جن اور انس کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۳، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۱۵۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے پر اعتراضات

بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کفار اور مشرکین کے لیے ہلاکت اور ضرر کی دعا فرمائی۔ اس وجہ سے آپ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں تو آپ نے ان کافروں کے لیے ہلاکت اور ضرر کی کیوں دعا فرمائی؟ وہ احادیث حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنا مکتوب دے کر عظیم البحرین کی طرف بھیجا، عظیم البحرین نے وہ مکتوب کسریٰ کو دے دیا جب کسریٰ نے آپ کے مکتوب کو پڑھا تو اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ میرا گمان ہے کہ ابن مسیب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴، ۴۴۲۴)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پھاڑا تھا، اس کا نام پرویز بن ہرمز تھا جب اس نے آپ کے مکتوب کے ٹکڑے ٹکڑے کیے تو آپ نے فرمایا: اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے، اور آپ نے فرمایا: جب کسریٰ مر جائے گا تو پھر کسریٰ (نام کا کوئی) بادشاہ نہیں ہوگا۔ علامہ واقدی نے کہا کسریٰ کے اوپر اس کا بیٹا شرویہ مسلط ہو گیا اور اس نے سات ہجری میں کسریٰ کو قتل کر دیا اور اس کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کے خلاف دعا کی تھی، وہ پوری ہو گئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ)

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت ان میں سے کسی نے کہا بنو فلاں کے ہاں اونٹنی ذبح ہوئی ہے، تم میں سے کون جا کر اس کی اوجھڑی لے کر آئے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب سجدہ میں جائیں تو اس کو ان کی پشت پر رکھ دے تو ان میں جو سب سے بدبخت شخص تھا (عقبہ بن ابی معیط) وہ اٹھا اور اوجھڑی لے کر آیا اور دیکھتا رہا حتیٰ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اس نے وہ اوجھڑی آپ کے کندھوں کے درمیان آپ کی پشت پر رکھ دی۔ (حضرت ابن مسعود کہتے ہیں) میں یہ منظر دیکھ رہا تھا اور میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا تھا کاش کہ میرے پاس مددگار ہوتے۔ وہ کافر ہنس رہے تھے اور بعض بعض کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہے تھے کہ تم نے یہ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تقاضائے بشری سے) سجدہ سے سر نہیں اٹھا سکے حتیٰ کہ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے اس اوجھڑی کو اٹھا کر آپ کی پشت سے پھینکا۔ آپ نے سجدہ سے سر اٹھا کر تین بار فرمایا اے اللہ! قریش کو پکڑ لے ان کو یہ دعا بہت سخت معلوم ہوئی کیونکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے پھر آپ نے نام لے لے کر فرمایا اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ لے، عتبہ بن ربیعہ کو پکڑ لے، شیبہ بن ربیعہ کو پکڑ لے اور ولید بن عتبہ کو پکڑ لے اور امیہ بن خلف کو پکڑ لے اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے اور ساتویں کا نام بھی لیا، وہ راوی کو یاد نہیں رہا۔ (امام بخاری نے ایک

اور جگہ ذکر کیا ہے کہ وہ ساتواں شخص عمارہ بن الولید بن مغیرہ تھا۔ عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۷۴) حضرت ابن مسعود ...
اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' جن جن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیے ...
ساتوں بدر کے کنویں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۲۹...

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (قبیلہ) رعل' ذکوان' عصیہ اور بنولحیان نے اپنے دشمنوں ... خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی (ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ تھا) آپ نے ... انصاریوں کو ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ ہم ان کو اپنے زمانہ میں قراء کہتے تھے' وہ دن میں لکڑیاں چنتے تھے اور رات کو نماز پڑ... تھے جب وہ قراء بیر معونہ پہنچے تو ان کو بلانے والوں نے ان کو قتل کر دیا اور عہد شکنی کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آ... ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں عرب کے ان قبیلوں کے خلاف دعا کرتے رہے۔ رعل' ذکوان' عصیہ اور بنولحیان کے خلاف۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۸۸' ۴۰۹۰)

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ الاحزاب کے دن فرمایا اللہ تعالیٰ کفار کے ... گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے' ہم ان کی وجہ سے غروب آفتاب تک عصر کی نماز نہیں پڑھ سکے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۴' سنن النسائی رقم ... الحدیث: ۴۷۳' ۴۷۲)

اعتراضات مذکورہ کے جوابات

ان احادیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے خلاف دعائے ضرر کی' ان پر اعتراض ہے کہ آپ ... تو رحمۃ للعٰلمین ہیں۔ کفار کے لیے عذاب کی دعا کرنا آپ کی شان اور منصب کے خلاف ہے' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اللہ ... تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے اس کے باوجود وہ کفار کو عذاب دے گا تو جب اللہ تعالیٰ کا رحمٰن اور رحیم ہونا' اس کے عذاب دینے کے ... خلاف نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا' عذاب کی دعا کے خلاف کیسے ہوگا۔

باقی رہا یہ شبہ کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہو کر کفار کو عذاب کیسے دے گا۔ اس کا جواب رحمت کے معنی سمجھنے پر موقوف ہے۔

امام شعرانی نے ابن عربی رحمہ اللہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ سہل بن عبداللہ تستری کے پاس شیطان آیا اور کہنے لگا بتا... میری بخشش ہوگی یا نہیں؟ سہل نے کہا نہیں۔ شیطان نے کہا اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے "ورحمتی وسعت کل شیء" (الاعراف: ۱۵۶) "میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے" اور ہر شے کے عموم میں میں بھی داخل ہوں تو میری مغفرت بھی ہونی چاہیے۔ سہل نے ... کہا یہ مومنین کے ساتھ خاص ہے' تم اس کے عموم سے خارج ہو۔ شیطان نے کہا پہلے تو میں تم کو عالم سمجھتا تھا' آج تمہارا جہل ... مجھ پر آشکار ہو گیا تم اللہ تعالیٰ کی صفت (یعنی رحمت کے شمول) میں تقیید کر رہے ہو حالانکہ تقیید اور تحدید مخلوق کی صفات میں ... ہوتی ہے اس کی صفات غیر مقید اور لامحدود ہوتی ہیں۔ شیطان کا یہ جواب سن کر سہل بالکل لاجواب اور مبہوت ہو گئے۔

(الکبریت الاحمر علی ہامش الیواقیت ج ۱ ص ۲۰...

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے بھی اس سوال کا کوئی جواب ذکر نہیں کیا۔ میں نے اس حکایت کو پڑھ کر غور کیا تو اللہ ... تعالیٰ نے مجھ پر یہ جواب منکشف فرمایا کہ ضرورت کے وقت کسی کو کوئی چیز دینا بھی رحمت ہے اور اس چیز کے اسباب فراہم کر... دینا بھی رحمت ہے۔ مثلاً بھوکے کو آپ کھانا کھلا دیں یہ اس کے حق میں رحمت ہے اور اگر اسی کھانے کے پیسے دے دیں تو ...

ں اس کے لیے رحمت ہے۔ اس طرح جنت کا معاملہ ہے بنفسہٖ جنت عطا کر دینا بھی رحمت ہے اور جنت کے اسباب مہیا کر دینا بھی رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت' مغفرت اور رضامندی کے حصول کا سبب اپنے احکام کی اطاعت مقرر کیا ہے۔ یہ احکام فرشتوں کے ساتھ شیطان کو بھی دیئے گئے تھے اور فرشتوں کے ساتھ اسے بھی حضرت آدم کی تعظیم کا حکم دیا گیا لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے خود منہ موڑ لیا' بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا آدم (علیہ السلام) کی قبر کو سجدہ کر لے' تیرا گناہ معاف کر دیا جائے گا اور تیری توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اس لعین نے اللہ تعالیٰ سے کہا جب میں نے آدم کو سجدہ نہیں کیا تو اب ان کی قبر کو کب سجدہ کروں گا۔ (روح البیان ج ۱ ص ۱۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اسے کل بھی شامل تھی' آج بھی شامل ہے۔ اس لعین نے خود اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بیکراں رحمت سے دُور رکھا ہوا ہے۔ دریا کے ساحل پر کھڑا ہو کر کوئی شخص کہے دریا میری پیاس نہیں بجھاتا تو یہ دریا کی سیرابی میں کمی نہیں ہے' خود اس شخص کے ظرف میں کمی ہے جو دریا کے قریب آ کر پانی نہیں پی رہا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں بایں معنی کہ آپ نے تمام جہان والوں کو توحید و رسالت کی دعوت دی اور ابدی رحمت کے حصول کا دروازہ دکھایا جو لوگ جان کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے' ان میں سے ایک ایک کے گھر جا کر پیغامِ حق سنایا جو راستہ میں کانٹے بچھاتے تھے اور غلاظت بکھیرتے تھے' ان کے دروازوں پر دستک دے کر جنت اور دائمی سلامتی کی دعوت دی۔ اس کے باوجود جن لوگوں نے آپ کی دعوت کو مسترد کر کے جنت اور رحمت سے منہ موڑ لیا تو اس میں آپ کی رحمت کے عموم اور شمول کا قصور نہیں۔ قصور ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو آپ کی رحمت سے دُور رکھا۔ جب نصف النہار کے وقت آفتاب روئے زمین پر نور افگن ہو اور کوئی شخص آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو جائے تو قصور آفتاب کے فیض کا نہیں' قصور اس شخص کا ہے جس نے آفتاب کے سامنے ہوتے ہوئے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

کفار کے لیے عذاب کی دعا کرنے کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ کفار اور مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں آپ نے ان کے خلاف دعا نہیں کی۔ طائف کی وادیوں میں آپ پیغامِ توحید سنانے گئے جواب میں انہوں نے پتھر مار مار کر آپ کو لہولہان کر دیا دل آزار باتیں کیں' آوازے کسے' آپ نے اُف نہ کی۔ ان کا ظلم دیکھ کر جبریل علیہ السلام سے بھی یارائے ضبط نہ رہا' پہاڑوں کے فرشتہ نے حاضر ہو کر کہا آپ حکم دیں تو مکہ کے لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں لیکن آپ نے کہا تو یہی کہا: بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پیٹھوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۳۱)

جبلِ اُحد کی گھاٹیوں پر ابوسفیان کی قیادت میں مشرکین حملہ آور ہوئے' کسی شقی نے پتھر مارا اور آپ کا چہرہ خون آلود ہو گیا' دانت کا ایک کنارہ شہید ہو گیا پھر بھی آپ نے ان کے خلاف دعا نہیں کی۔ اسی غزوہ میں آپ کے پیارے اور محبوب چچا سیدنا حمزہ کو وحشی نے قتل کر دیا' ان کے جسم کو گھائل کیا گیا' جسم کے نازک حصے کاٹ ڈالے گئے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے ان کا کلیجہ نکال کر دانتوں سے کچا چبایا۔ آپ نے یہ سارے ظلم و ستم دیکھے اور کچھ نہ کہا بلکہ فتح مکہ کے بعد جب یہ سارے اشقیاء مغلوب ہو کر پیشِ خدمت ہوئے جب عربوں کے روایتی انتقام کی آگ کے خوف سے مارے ڈر کے یہ سارے سہمے ہوئے تھے' آپ نے قادر اور غالب ہونے کے باوجود بدلہ نہیں لیا۔ بار بار حملہ آور ہونے والے ابوسفیان کو معاف کر دیا۔ حضرت حمزہ کے قاتل وحشی کو بخش دیا۔ حمزہ (رضی اللہ عنہ) کا کلیجہ چبانے والی ہند سے درگزر کر لیا۔ وحشی نے قبولِ اسلام کے لیے شرائط پیش کیں اس کی ایک ایک شرط پوری کر کے اسے آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ قاتلِ حمزہ کا ایک ایک نخرہ برداشت کر کے اسے مشرف

بہ اسلام کیا۔ ایسے بے عدیل، رحیم و کریم اور بے مثیل مہربان آقا کو ہم دیکھتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں مشرکوں سے جنگ کی وجہ سے نمازِ عصر رہ گئی تو ان کے خلاف دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ جس صابر و شاکر شخص نے طائف کے ظلم سہہ کر کسی ظالم کے خلاف دعا نہیں کی' ابوسفیان' وحشی اور ہند کو کچھ نہ کہا' بڑی سے بڑی زیادتی کے بعد جس کا پیمانہ صبر لبریز نہیں ہوا' وہ نماز میں خلل ڈالنے' تبلیغ دین کو سبوتاژ کرنے اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی وجہ سے کفار کے خلاف دعائے ضرر کرتا ہے۔ اس سے یہی بتلانا مقصود تھا کہ اپنی جان' اپنی عزت' آبرو اور اپنے عزیزوں کے خون کی بہ نسبت دین کی تبلیغ' نماز اور مسلمانوں کا خون مجھے پیارا ہے۔ میں اپنی جان پر زیادتی برداشت کرسکتا ہوں' اپنے عزیزوں کا خون معاف کرسکتا ہوں لیکن تم مجھے تبلیغ نہ کرنے دو' اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرنے دو یہ برداشت نہیں کرسکتا۔ سوچئے ہم اسی نبی کے نام لیوا ہیں جو اپنی ذات پر زیادتیوں سے درگزر کرلیتا ہے مگر دین کی کسی بات سے صرف نظر نہیں کرتا۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ اسلام کے خلاف جو شخص جو چاہے کہتا رہے' ہمیں غیرت نہیں آتی اور ہماری ذات کے معاملے میں ذرا سی زیادتی ہو تو ہم سلگ اُٹھتے ہیں۔

طائف میں جب آپ گئے تو انہوں نے بھی آپ کے ساتھ بہت ناروا سلوک کیا اور دل آزار باتیں کیں لیکن آپ نے ان کے لیے دعائے ضرر نہیں فرمائی کیونکہ آپ کو علم تھا کہ اہل طائف اسلام قبول کرلیں گے اور پھر نو ہجری وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

رحمۃ للعالمین کی تفسیر میں میں نے کوشش کی ہے کہ ہر اعتبار سے آپ کا رحمت ہونا واضح ہو جائے' اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے' میرے گناہوں پر پردہ رکھے' مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے' مرنے سے پہلے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبک سیدنا محمد قائد المرسلین رحمۃ للعلمین شفیع المذنبین صلوٰت اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وعلماء ملتہ واولیاء امتہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک مستحق عبادت ہے سو کیا تم اسلام لانے والے ہو؟○ پھر اگر یہ پیٹھ پھیر لیں تو آپ کہیے میں واضح طور پر تم کو خبردار کرچکا ہوں اور میں (ازخود) نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ نزدیک ہے یا دُور○ بے شک وہ بلند آواز سے کہی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو○ اور میں (ازخود) نہیں جانتا کہ اس (ڈھیل) میں ہوسکتا ہے کہ تمہارے لیے آزمائش ہو اور ایک معین وقت تک تمہیں فائدہ پہنچانا ہو○ (نبی نے) کہا اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے' ہمارا رب رحمٰن ہے اسی سے ان باتوں پر مدد طلب کی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو○ (الانبیاء: ١١٢-١٠٨)

صرف توحید کی وحی کی جانے پر اعتراض کا جواب

الانبیاء: ١٠٨ میں فرمایا آپ کہیے کہ میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک مستحق عبادت ہے۔ اس آیت پر یہ اعتراض ہوگا کہ اس آیت کا معنی تو یہ ہوا کہ آپ پر صرف توحید کی وحی کی جاتی ہے۔ حالانکہ آپ پر توحید کے علاوہ رسالت' قیامت' تقدیر' عذاب وثواب' انبیاء سابقین کے قصص وغیرہ کی بھی وحی کی جاتی ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ لفظ انما سے جو حصر مستفاد ہو رہا ہے' وہ حصر مبالغہ ہے۔ یعنی بہ طور مبالغہ یہ فرمایا ہے کہ آپ پر صرف توحید کی وحی کی جاتی ہے جب کہ آپ پر دیگر امور کی بھی وحی کی جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ٨ ص ١٩٣' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ھ)

امام رازی کا جواب بھی درست ہے لیکن میرے نزدیک اس کے اور بھی جواب ہیں' اوّلاً یہ کہ یہاں پر مشرکین سے خطاب ہے اور ان کے ساتھ سب سے بڑا نزاع توحید اور شرک میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو توحید ہی کی دعوت دیتے تھے۔ اس لیے یہ حصر ان کے اعتبار سے ہے اور اصطلاح میں یہ حصر اضافی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نبوت اور دیگر عقائد اور احکام سب توحید ہی کی فرع ہیں جب انسان توحید کو مان لے گا اور اللہ تعالیٰ کے واحد خالق اور مالک ہونے کا اعتراف کرے گا تو پھر وہ باقی عقائد اور احکام بھی مان لے گا اور یہ تمام امور توحید کے تابع ہیں اس لیے فرمایا کہ آپ کہیے کہ میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک مستحق عبادت ہے۔

مشرکین سے کس چیز کا وعدہ کیا گیا تھا؟

الانبیاء: ۱۰۹ میں فرمایا: پھر اگر یہ پیٹھ پھیر لیں تو آپ کہیے کہ میں واضح طور پر تم کو خبردار کر چکا ہوں۔

ایذان کا معنی ہے کسی کو جنگ کے لیے بلانا' للکارنا اور مبارزت کرنا یعنی اگر تم نے میری دعوتِ اسلام کو قبول نہیں کیا تو میری طرف سے اعلانِ جنگ قبول کرلو' میں معلم کی حیثیت سے تم کو پوری پوری تعلیم دے چکا ہوں۔ اس کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے میں نے تم سے جو اعلانِ جنگ کیا ہے' اس سے خبردار کر رہا ہوں' فوراً تم سے جنگ نہیں کر رہا بلکہ تم کو مہلت دے رہا ہوں تا کہ تم اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اسلام قبول کرلو۔

پھر فرمایا: میں (ازخود) نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا دُور۔ مفسرین نے کہا اس سے مراد قیامت ہے اور بعض نے کہا اس سے ان پر دنیا میں عذاب کا نزول مراد ہے۔ وہ کہتے تھے کہ بتائیں قیامت کب آئے گی؟ یا آپ کا انکار کرنے کی وجہ سے ہم پر آسمانی عذاب کب نازل ہوگا؟ یا اس سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کو اعلانِ جنگ سنایا تھا' وہ جنگ کب ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہیے کہ میں ازخود بغیر وحی کے نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' وہ قریب ہے یا دُور۔

الانبیاء: ۱۱۰ میں فرمایا: بے شک وہ بلند آواز سے کہی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ تم اخلاص سے عمل کرو اور ریا اور نفاق کو چھوڑ دو کیونکہ جب وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے تو پھر نفاق اور ریاکاری کا کیا فائدہ ہے۔

الانبیاء: ۱۱۱ میں فرمایا: میں (ازخود) نہیں جانتا کہ اس (ڈھیل) میں ہوسکتا ہے تمہارے لیے آزمائش ہو اور ایک معین وقت تک تمہیں فائدہ پہنچانا ہو۔ اس فائدہ کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) ایک معین وقت تک فائدہ پہنچانے سے مراد ان سے عذاب کو مؤخر کرنا ہے۔

(۲) ان سے عذاب کو نازل کرنے کے وقت کو مخفی رکھا اس میں ان کے اعمال کی آزمائش ہے' آیا وہ اپنے کفر اور ہٹ دھرمی سے رجوع اور توبہ کرتے ہیں یا نہیں۔

(۳) ان سے جہاد کو مؤخر کرنے میں ان کی آزمائش ہے تا کہ اس سے پہلے کہ ان کے خلاف جہاد کیا جائے' وہ توبہ کرلیں۔

الانبیاء: ۱۱۲ میں فرمایا: (نبی نے) کہا اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے۔ ہمارا رب رحمٰن ہے' اسی سے ان باتوں پر مدد طلب کی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ اے میرے رب! جو میرے لائے ہوئے پیغام کے منکر ہیں' ان کے اور میرے درمیان عذاب نازل کر کے فیصلہ فرمادے۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان

حق کے ساتھ اس طرح فیصلہ فرمادے کہ سب پر حق ظاہر ہو جائے۔

اختتامی کلمات اور دعا

الحمدللہ علیٰ احسانہٖ ٢٨ صفر ١۴٢٢ھ' ٢٣ مئی ٢٠٠١ء کو سورۃ الانبیاء شروع کی تھی اور آج بہ روز جمعرات ۴ جمادی الاولیٰ ١۴٢٢ھ' ٢٦ اگست ٢٠٠١ء کو بعد از نمازِ ظہر یہ سورت اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ ان تین ماہ کے عرصہ میں مجھے کمر کے درد' شوگر' اسہال اور ضعف اعصاب کے عوارض در پیش رہے۔ بہر حال جب بھی کوئی صحت اور توانائی کے لمحات نصیب ہوتے میں باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ تفسیر لکھنے کے کام میں لگا رہتا' ایک مسئلہ یہ ہے کہ لوگ ملنے کے لیے چلے آتے ہیں' کچھ ٹیلی فون کرتے ہیں جس کی وجہ سے کام کے تسلسل میں بہت فرق پڑتا ہے۔ کاش ہمارے لوگ وقت کی اہمیت کو سمجھیں اور جو شخص اپنی صحت اور جان کو داؤ پر لگا کر دین کا کام کر رہا ہے' اس کو سکون کے ساتھ کام کرنے دیں۔

اللہ تعالیٰ کا بے اندازہ اور بے حد و حساب شکر ہے کہ اس نے یہاں تک اس تفسیر کو مکمل کرا دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح آپ نے یہاں تک محض اپنے کرم سے یہ تفسیر لکھوا دی ہے' بقیہ قرآنِ مجید کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔ اس کو قبول عام عطا فرمائیں اور اس کے مضامین میں اثر آفرینی پیدا فرمائیں اور محض اپنے کرم سے میرے گناہوں کو بخش دیں اور دارین میں اپنی رحمتوں اور عطاؤں سے نوازیں۔ میں اس لائق تو نہیں ہوں مگر صرف اپنے لطف و کرم سے سرکارِ دو عالم سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بہرہ یاب فرمائیں اور آپ کی زیارت سے شاد کام فرمائیں۔

وآخر دعونا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة و السلام على سيدنا محمد خاتم النبيين قائد المرسلين وعلى آله الطيبين و اصحاب الراشدين و ازواجه امهات المؤمنين وعلى اولياء امته و علماء ملته وسائر المسلمين اجمعين -

سُوْرَةُ الْحَجِّ

(٢٢)

بسم الله الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الحج

سورۃ الحج کی وجہ تسمیہ:

اس سورت کا نام الحج اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس طرح لوگوں کو البیت الحرام کا حج کرنے کی دعوت دی اور لوگوں کو حج کی عبادات کی تعلیم دی اور حج کے فضائل اور منافع بتائے' اور ان مشرکین کی زجر و توبیخ اور مذمت کی جو مسلمانوں کو المسجد الحرام میں جانے سے منع کرتے تھے ہر چند کہ اس سورت کا نزول بالاتفاق مسلمانوں پر حج کی فرضیت سے پہلے ہوا ہے کیونکہ حج ان آیات سے فرض ہوا ہے جو سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران میں ہیں۔

اس سورت کا نام الحج رکھنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس سورت میں الحج کا ذکر ہے:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ○ (الحج: ۲۷)

اور آپ لوگوں میں حج کرنے کا اعلان کر دیجئے لوگ آپ کے پاس پیدل اور ہر قسم کے دُبلے پتلے اونٹوں پر (بھی) دُور دراز کے ہر راستہ سے آئیں گے۔

ہر چند کہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران میں بھی حج کا ذکر ہے لیکن ہم کئی بار لکھ چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ کا جامع اور مانع ہونا ضروری نہیں ہے۔

عہدِ رسالت میں ہی اس سورت کو سورۃ الحج کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا سورۃ الحج کو اس وجہ سے فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں جس نے ان سجدوں کو ادا نہیں کیا' اس نے ان آیتوں کی (کامل) قرأت نہیں کی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۰۲' مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۵' ۱۵۱' المستدرک ج ۱ ص ۲۲۱)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ سجدے کئے' ان سجدوں میں سے مفصل میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔ (جن سورتوں میں آیات سجدہ ہیں وہ یہ ہیں) الاعراف' الرعد' النحل' بنی اسرائیل' مریم' الحج' سورۃ الفرقان' سورۃ النمل' السجدۃ' ص' الحوامیم۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۵۶' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۹۹۸)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین سجدے مفصل میں ہیں اور الحج میں دو سجدے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:١٤٠١' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:١٠٥٧' المسند الجامع رقم الحدیث:١٠٧٤٧)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الحج میں ایک سجدہ ہے۔

(الدرالمنثور بہ حوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ج٦ص ٤' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابوالدرداء کی حدیث میں ہے مفصل میں کوئی سجدہ نہیں ہے اور حضرت عمرو بن العاص کی حدیث میں ہے مفصل میں تین سجدے ہیں۔ مفصل سے مراد ہے' النجم' اذا السماء انشقت اور اقرأ اور حضرت ابوالدرداء کی حدیث سنداً ضعیف ہے۔

ہماری غرض ان احادیث کو نقل کرنے سے یہ ہے کہ اس سورت کا نام سورۃ الحج عہد رسالت میں ہی معروف ہو چکا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبانوں پر یہی نام جاری تھا' الحج کے سوا اس سورت کا اور کوئی نام نہیں ہے۔

سورۃ الحج کے مکی یا مدنی ہونے کا اختلاف

اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی ہے یا اس کی زیادہ آیتیں مکی ہیں یا مدنی ہیں۔ حضرت ابن عباس' مجاہد اور عطا سے مروی ہے کہ الحج:٢٢-١٩ کے علاوہ باقی آیات مکی ہیں۔ حضرت ابن عباس کا دوسرا قول اور ضحاک' قتادہ اور حسن کا قول یہ ہے کہ الحج:٥٥-٥٢ کے علاوہ باقی آیات مدنی ہیں۔ مجاہد نے ابن الزبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کیا ہے۔

جمہور کا قول یہ ہے کہ اس سورت کی بعض آیات مکی ہیں اور بعض مدنی ہیں' اور یہ آیات ایک دوسرے سے مختلط ہیں' یعنی یہ معین نہیں ہے کہ کون سی آیت مکی ہے اور کون سی آیت مدنی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا یہی قول صحیح ہے۔

(التحریر والتنویر جز ١٧ص ١٨٠' الاتقان ج١ص ٦٥-٦٤' مطبوعہ بیروت)

اس سورت کی جو مکی آیات ہیں وہ مکہ کے آخری دور کی آیات ہیں اور جو مدنی آیات ہیں وہ ہجرت کے ابتدائی دور کی آیات ہیں۔

سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج کی باہمی مناسبت

سورۃ الانبیاء کی متعدد آیات میں قیامت اور حشر کا ذکر کیا گیا ہے:

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ (الانبیاء:٤٠-٣٩)

کاش کفار اس وقت کو جان لیتے جب یہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو دور کر سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ بلکہ وہ (قیامت) ان کے پاس اچانک آئے گی اور ان کو مبہوت کر دے گی پھر یہ اس کو ٹال نہ سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ (الانبیاء:٤٧)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا' اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے اور ہم حساب کرنے کے لیے کافی ہیں۔

اور سورۃ الحج کو بھی اللہ تعالیٰ نے قیامت اور حشر کی ہولناکیوں کے بیان سے شروع فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ (الحج: ۲-۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ بہت سنگین چیز ہے۔ جس دن تم اس کو دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اس (بچے) کو فراموش کردے گی جس کو دودھ پلایا تھا اور ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

سورۃ الانبیاء میں گیارہ انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان فرمائے تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اور شرک کو ترک کرنے کا پیغام دیا اور قیامت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کی دعوت دی' اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر آسمانوں اور زمینوں اور انسانوں کی تخلیق سے استدلال فرمایا ہے اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت پر دلائل دیئے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ پچھلی ایمان نہ لانے والی بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھو اور ان کی تباہی اور بربادی سے سبق حاصل کرو۔

سورۃ الحج کے مشمولات

☆ لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور یوم جزا اور یوم حساب کو پیش نظر رکھنے کا حکم دیا ہے اور مشرکین سے فرمایا ہے کہ وہ ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دیں اور کٹ حجتی سے باز آجائیں' اللہ تعالیٰ کو واحد مانیں اور شیطان کے وساوس کی اتباع نہ کریں' شیطان دنیا اور آخرت میں ان کے کسی کام نہیں آسکتا۔

☆ اللہ تعالیٰ بنجر اور مردہ زمین پر پانی برسا کر اس کو زندہ کرتا ہے اور اس میں فصل اُگاتا ہے اور جس طرح وہ مردہ زمین کو زندہ کرنے پر قادر ہے' اسی طرح وہ مردہ انسانوں کو بھی زندہ کرنے پر قادر ہے۔

☆ مشرکین اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے تھے' ان سے فرمایا جب تم ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہو تو ان کی سنت اور ان کے شعائر پر کیوں عمل نہیں کرتے۔

☆ ان پچھلی اُمتوں کے احوال سے ڈرایا جنہوں نے ایمان کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو ان کو عذاب نے پکڑ لیا۔

☆ جن لوگوں نے اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں کیا وہ نظریاتی انتشار کا شکار ہو کر متعدد فرقوں میں بٹ گئے۔

☆ قیامت کا دن فیصلہ کا دن ہے' اس دن ہدایت یافتہ اور گمراہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ وہ شیطان کی گمراہ کن باتوں سے نہ گھبرائیں' ہر نبی اور رسول کی تبلیغ اور دین کی اشاعت میں شیطان رخنہ اندازیاں کرتا ہے پھر بالآخر اللہ تعالیٰ شیطان کی سازش کو ناکام بنا دیتا ہے۔

☆ قرآن مجید کی عظمت بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ کفار قرآن کو ناپسند کرتے ہیں اور رسولوں سے بغض رکھتے ہیں' اور مسلمانوں کی تحسین کی ہے کہ اللہ نے ان پر ملت حنفیہ کی اتباع کو آسان کر دیا ہے اور ان کا نام مسلمان رکھا ہے۔

☆ مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کی اجازت دی ہے اور ان کی نصرت اور مدد کا وعدہ فرمایا اور ان کو زمین پر اقتدار کی بشارت دی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو بندوں کے اوپر اپنی نعمتوں کا بیان کر کے ختم کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے کچھ فرشتوں کو برگزیدگی دی ہے اور انسانوں میں سے کچھ انسانوں کو فضیلت دی ہے اور مسلمانوں کو ان چیزوں کی ہدایت دی ہے جن سے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ ہی ان کا مولیٰ اور مددگار ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں سورۃ الحج کا ترجمہ اور تفسیر اس دعا کے ساتھ شروع کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے حق بات کو دلائل کے ساتھ لکھنے اور باطل کو رد کرنے کی توفیق' ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے اور میری اس تحریر کو پُر اثر بنائے اور مجھے ایمان اور اعمالِ صالحہ پر صحت اور سلامتی کے ساتھ قائم رکھے۔

کیا تفسیر کبیر امام رازی نے مکمل نہیں کی؟

اس تفسیر میں ہمارا سب سے اہم' قوی اور محبوب ماخذ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ کی تفسیر کبیر ہے' امام رازی نے اس تفسیر میں زیادہ تر معتزلہ کے عقائد کا رد کیا ہے' دہریت کا رد کیا ہے اور فقہی مسائل میں فقہ شافعی کو ترجیح دی ہے' اور علامہ ابو بکر جصاص حنفی نے فقہاء احناف کے جو دلائل ذکر کئے ہیں ان کا خصوصیت سے رد اور ابطال کیا ہے' وہ قرآن مجید کی آیات کی تفسیر میں بہت زیادہ علمی نکات بیان کرتے ہیں' روافض اور خوارج کا بھی بہت رد کرتے ہیں۔ نیز قرآن مجید کی آیات کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' عظمت اور افضلیت کے نکات بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی عظمت کا استنباط اور استخراج کرتے ہیں۔ شانِ نزول کے بیان میں ابن جریر اور واحدی پر اعتماد کرتے ہیں' فصاحت و بلاغت اور صرف ونحو کی موشگافیوں میں زمخشری کی تفسیر کشاف سے استفادہ کرتے ہیں ان پر چونکہ عقلی دلائل کا غلبہ ہے اس لئے جو احادیث ان کی درایت کے خلاف ہوں ان کو مسترد کر دیتے ہیں' بعض مقامات پر ضعیف احادیث بھی لے آتے ہیں لیکن اکثر احادیث صحیحہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی آیات سے بھی بہت استشہاد کرتے ہیں' الغرض ان کی تفسیر بیش بہا خوبیوں اور محاسن کا مجموعہ ہے۔

علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان متوفی ۶۸۱ ھ نے لکھا ہے کہ امام رازی اس تفسیر کو مکمل نہ کر سکے تھے (وفیات الاعیان ج ۴ ص ۲۴۹' ایران) اور حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ باقی تفسیر کو علامہ نجم الدین احمد بن محمد القمولی متوفی ۷۲۷ ھ نے مکمل کیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۵۶' ایران) اور علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ ھ نے لکھا ہے کہ امام رازی سورۃ الانبیاء کی تفسیر تک پہنچ سکے تھے۔ (کلمۃ دار احیاء التراث العربی ج ۱ ص ۶)

شروع میں' میں بھی ان عبارات سے متاثر ہو گیا تھا لیکن بعد میں مجھ پر منکشف ہوا کہ یہ عبارات صحیح نہیں ہیں۔ اور تفسیر کبیر کو امام رازی نے ہی مکمل فرمایا ہے اس کی مکمل تحقیق میں نے تبیان القرآن ج ۱۰ کے شروع میں سورۂ ص کے مقدمہ میں لکھ دی ہے۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ' ۲۷ جولائی ۲۰۰۱ء

سُورَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٍ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحج مدنی ہے اور اس میں اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

اے لوگو! تم سب اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت سنگین چیز ہے ○

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ

جس دن تم اس کو دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اس (بچے) کو فراموش کر دے گی جس کو دودھ پلا یا تھا اور ہر حاملہ کا

ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى

حمل ساقط ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے

وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ

لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے ○ بعض لوگ اللہ کے متعلق بغیر علم کے

فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ ۙ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ

جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں ○ جس کے متعلق (لوح محفوظ میں) یہ لکھا جا

مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④ يٰٓاَيُّهَا

چکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا وہ اس کو گمراہ کر دے گا اور اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف لے جائے گا ○

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ

لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد زندگی میں شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تم کو مٹی سے

تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ

پیدا کیا پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو مکمل شکل کا ہوتا ہے

وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۗ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ

اور ادھوری شکل کا بھی، تاکہ ہم تمہارے لیے (اپنی قدرت کو) ظاہر کر دیں، اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقرر مدت تک

أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنكُم

رحم مادر میں رکھتے ہیں، پھر ہم بچے کی صورت میں تمہیں نکالتے ہیں تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچ جاؤ، اور تم میں سے

مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ

بعض لوگ (اس سے پہلے) وفات پا جاتے ہیں اور تم میں سے بعض ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ علم کے بعد

مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا

کسی چیز کو نہ جان سکیں، اور تم زمین کو خشک حالت میں دیکھتے ہو پس جب ہم اس پر پانی برساتے

الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿٥﴾ ذَٰلِكَ

ہیں تو وہ تروتازہ اور ہری بھری ہو جاتی ہے اور وہ ہر قسم کا خوش نما سبزہ اگاتی ہے ○ یہ اس لیے ہے

بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

کہ اللہ ہی حق ہے اور بے شک وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور بلا شبہ وہ ہر چیز پر

قَدِيرٌ ﴿٦﴾ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن

قادر ہے ○ اور بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ ان سب کو اٹھائے گا جو

فِي الْقُبُورِ ﴿٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ

قبروں میں ہیں ○ اور بعض لوگ بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اللہ

لَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴿٨﴾ ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۖ

کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں ○ وہ (ازراہ تکبر) اپنی گردن موڑے ہوئے ہے تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے

لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٩﴾

گمراہ کرے، اس کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور ہم قیامت کے دن اس کو جلانے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے ○

١٠ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ⑩ ع ١ ٨

اور اس سے کہا جائے گا) یہ تیرے ان کاموں کی سزا ہے جن کو تیرے ہاتھ پہلے بھیج چکے ہیں، اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! تم سب اپنے رب سے ڈرو' بے شک قیامت کا زلزلہ بہت سنگین چیز ہے ○ جس دن تم اس کو دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اس (بچے) کو فراموش کر دے گی جس کو دودھ پلا یا تھا' اور ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے ○ بعض لوگ اللہ کے متعلق بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں ○ جس کے متعلق (لوح محفوظ) میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا' وہ اس کو گمراہ کر دے گا' اور اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف لے جائے گا ○ (الحج: ۴-۱)

مشکل الفاظ کے معانی

زلزلہ: زمین کی حرکت شدیدہ' تزلزل کا معنی ہے اضطراب۔ اس کی اصل ہے ''زل'' یعنی کوئی چیز پھسل گئی اور اپنی جگہ سے حرکت کر گئی۔ زلزلہ کا لفظ کسی کو دھمکانے اور دہلانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' قیامت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ قیامت سے پہلے زمین میں زلزلہ آئے گا اور قیامت کے ہولناک امور میں سے ایک امر زلزلہ ہے' سخت خوف اور دہشت کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (البقرہ: ۲۱۴) تم سے پہلے لوگوں پر مصیبتیں اور بیماریاں آئیں اور ان کو جھنجھوڑ ڈالا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے خلاف دعا فرمائی:

اللھم اھزمھم وزلزلھم. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۹۲) اے اللہ! ان کو ناکام کر دے اور ان کو جھنجھوڑ ڈال۔

ذھول: تکلیف کی شدت یا خوف اور دہشت کی وجہ سے کسی چیز کا ذہن سے نکل جانا۔ مقصود یہ ہے کہ قیامت کی ہولناکیاں دیکھ کر لوگ اپنے عزیزوں اور متعلقین کے تعلق کو بھول جائیں گے۔

تقویٰ کی تعریف اور اس کی ضرورت

الحج: ۱ میں فرمایا ہے اے لوگو! تم سب اپنے رب سے ڈرو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو تقویٰ کا حکم دیا ہے اور تقویٰ کا معنی ہے بچنا' اجتناب کرنا' ترک کرنا۔ یعنی ہر حرام اور مکروہ کام سے اجتناب کیا جائے اور ہر فرض اور واجب کے ترک سے اجتناب کیا جائے اور متقی اللہ کے عذاب سے ڈر کر حرام کاموں کو اور فرائض کے ترک کرنے کو چھوڑ دے۔

اللہ سبحانہ نے لوگوں کو تقویٰ کا حکم دیا پھر قیامت کی ہولناکیوں اور عذابِ شدید کو بیان فرمایا تا کہ لوگ جان لیں کہ جب وہ تقویٰ اختیار کریں گے تو اپنے آپ کو قیامت کے اس دہشت ناک عذاب سے بچالیں گے اور اپنے نفس کو ضرر سے بچانا واجب ہے' اس لیے تقویٰ کا اختیار کرنا واجب ہے۔

مسلمانوں اور کافروں کے درمیان عددی نسبت

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے آگے بڑھ گئے پھر آپ نے بلند آواز سے سورۃ الحج کی پہلی دو آیتیں تلاوت فرمائیں۔ جب آپ کے اصحاب نے ان کو سنا تو وہ اپنی

سواریوں کو نکال کر حضور تک پہنچے جب وہ آپ کے پاس پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا: کیا تم کو معلوم ہے وہ کون سا دن ہوگا؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں حضرت آدم کو ندا کی جائے گی اور ان کا رب فرمائے گا: اے آدم! دوزخ والوں کو بھیج دو۔ حضرت آدم عرض کریں گے: اے میرے رب! دوزخ والے کون ہیں؟ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے دوزخی ہیں اور ایک جنتی ہے۔ یہ سن کر صحابہ ناامید ہو گئے اور انہوں نے ہنسنا چھوڑ دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ حال دیکھا تو فرمایا: (نیک) عمل کرو اور خوش رہو اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے تمہارے ساتھ دو قسم کی مخلوق ہے وہ جس چیز کے ساتھ بھی ہوں بڑھتی رہتی ہیں یاجوج اور ماجوج' اور جو بنو آدم سے ہلاک ہوئے اور جو بنو ابلیس سے ہلاک ہوئے پھر اصحاب خوش ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا (نیک) عمل کرو اور خوش رہو' اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے' تم لوگوں کے مقابلہ میں اس طرح ہو جس طرح کسی چوپائے کے ہاتھ میں تل ہو یا اونٹ کے پہلو میں تل ہو۔

حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (یہ حاکم کا تسامح ہے' صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے اور زیادہ واضح ہے)

(المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۰۲' طبع جدید' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا اے آدم! وہ کہیں گے لبیک وسعدیک' پھر بلند آواز سے ندا فرمائے گا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنی اولاد میں سے دوزخ والوں کو نکال لو۔ وہ کہیں گے اے میرے رب! دوزخ والے کتنے ہیں؟ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے۔ اس وقت حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور تم لوگوں کو مدہوش دیکھو گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ یہ بات اصحاب پر بہت سخت گراں گزری حتیٰ کہ ان کے چہرے متغیر ہو گئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نوسو ننانوے یاجوج اور ماجوج میں سے ہوں گے اور ایک تم میں سے ہوگا' اور تم لوگوں کے مقابلہ میں ایسے ہو جیسے سفید بیل کے پہلو میں سیاہ بال ہو یا سیاہ بیل کے پہلو میں سفید بال ہو' اور مجھے توقع ہے کہ تم اہل جنت کے چوتھائی ہو گے پھر ہم نے نعرہ لگایا اللہ اکبر' پھر فرمایا تم تہائی اہل جنت ہو گے ہم نے پھر کہا اللہ اکبر' پھر فرمایا تم نصف اہل جنت ہو گے پس ہم نے کہا اللہ اکبر۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۴۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۳۰۴' عالم الکتب بیروت' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ ابو العباس قرطبی سے نقل کیا ہے کہ ہزار میں سے نوسو ننانوے یاجوج ماجوج ہوں گے اور وہ کفار جو یاجوج اور ماجوج کی مثل ہوں گے اور ہزار میں سے ایک تم ہو گے یعنی تم اور وہ مسلمان جو تمہاری مثل ہوں۔ حافظ عسقلانی نے کہا اور ایک تم ہو گے' اس سے مراد ہے تمام اُمتوں کے مسلمان کیونکہ حضرت ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ جنت میں صرف مسلمان داخل ہوں گے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۰۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

میں کہتا ہوں اس طرح یاجوج اور ماجوج سے مراد ہے تمام اُمتوں کے کفار جو کفر میں یاجوج اور ماجوج کی مثل ہوں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے کافر ہوں گے اور اس کے مقابلہ میں ایک مسلمان ہوگا اور وہی جنتی ہوگا اور باقی دوزخی ہوں گے۔

علامہ نووی کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ حاملہ کا وضع حمل کس وقت ہوگا؟ بعض علماء نے کہا یہ دنیا میں ہوگا جب قیامت سے پہلے زلزلہ آئے گا اور بعض نے کہا قیامت کے دن ہوگا۔ اوّل الذکر صورت میں وضع حمل حقیقۃً ہوگا اور ثانی

[ا]گر صورت میں وضع حمل مجازاً ہوگا کیونکہ قیامت کے دن نہ کوئی حمل ہوگا اور نہ کوئی ولادت ہوگی اور معنی یہ ہے کہ وہ ایسا [ہو]لناک اور دہشت ناک دن ہوگا کہ اگر اس دن کوئی حاملہ عورت فرض کی جاتی تو اس کا حمل ساقط ہو جاتا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: المخلقة سے مراد ہے زندہ بچہ جو پورا ہو اور غیر المخلقه سے مراد ہے ناقص اور کچا [ب]چہ۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۰۴ طبع جدید دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۸ھ)

جدال کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم

الحج: ۳ میں فرمایا بعض لوگ اللہ کے متعلق بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔

اس آیت میں جھگڑے کے لیے جدل کا لفظ ہے۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ جدال کا معنی ہے: بحث میں ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرنا۔ اصل میں یہ لفظ جدلت الحبل سے بنا ہے اس کا معنی ہے رسی کو بٹ کر مضبوط کرنا' اور جب دو آدمی بحث کرتے ہیں تو ہر ایک دوسرے آدمی کو اس کی رائے سے پھیر کر اپنے موقف کو مضبوط کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جدل کا معنی ہے کشتی میں اپنے حریف کو پچھاڑنا۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۱۷) علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے جدل کا اصطلاحی معنی یہ لکھا ہے: جو دلیل مشہورات اور فریق مخالف کے مسلّمات پر مشتمل ہو' اس سے غرض ہوتی ہے فریق مخالف کو ساکت کرنا اور اس پر الزام قائم کرنا' اس کا معنی یہ بھی ہے فریق مخالف کے فاسد قول کو دلیل سے رد کرنا یا اس پر اعتراض کرنا۔ (التعریفات ص ۵۵)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر علم کے جدال کرنے کی مذمت کی ہے' اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ علم کے ساتھ مجادلہ کرنا جائز ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۰۲) جدال باطل کے متعلق فرمایا: ماضربوه لک الا جدلا (الزخرف: ۵۸) وہ آپ سے صرف جھگڑا کرتے ہیں' اور جدال حق کے متعلق فرمایا: وجادلهم بالتی هی احسن. (النحل: ۱۲۵) اور ان سے اچھی طرح بحث کیجئے۔ باقی رہا یہ کہ وہ اللہ کے متعلق کس چیز میں جدال کرتے تھے سو وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے' اس کو خالق اور مالک جانتے تھے' البتہ یہ نہیں مانتے تھے کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور قیامت اور حشر کا انکار کرتے تھے' یہ جدال کرنے والا النضر بن الحارث تھا۔

مَرید اور مارد کا معنی

نیز فرمایا اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ اس سے شیاطین انس مراد ہیں یعنی کافر سردار جو لوگوں کو کفر کی دعوت دیتے تھے' اسلام کے خلاف شبہات پھیلاتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اُلجھتے تھے اور اس سے ابلیس اور اس کا لشکر بھی مراد ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطٰن مرید فرمایا ہے۔ مَرید اور مارد کا معنی ہے سرکش جو ہر خیر سے خالی ہے اصل میں مَرَدَ کا معنی ہے خالی ہونا۔

جس درخت پر پتے نہ ہوں' اس کو شجرۃ امرد کہتے ہیں' امرد اس لڑکے کو کہتے ہیں جس کی ڈاڑھی اور مونچھیں نہ آئی ہوں۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۰۲)

بدمذہبوں سے دوستی رکھنے کی ممانعت

الحج: ۴ میں فرمایا: جس کے متعلق لوح محفوظ میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا وہ اس کو گمراہ کر دے گا' اور [اس] کو بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف لے جائے گا۔

اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ جو شخص حشر اور قیامت کا انکار کرتا ہے اور اس میں جدال اور جھگڑا کرتا ہے اس کے متعلق لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ وہ لوگوں کو جنت سے گمراہ کر دے گا اور دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جو شخص سرکش شیطان کی پیروی کرتا ہے اور اس سے دوستی رکھتا ہے تو وہ شیطان اس کو جنت سے گمراہ کر دے گا اور دوزخ کی طرف لے جائے گا' اس سے مقصود یہ ہے کہ سرکش شیطانوں اور بدمذہب لوگوں سے دوستی نہ رکھی جائے اور ان سے محبت کا تعلق نہ رکھا جائے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب میری اُمت کے آخر میں ایسے لوگ (ظاہر) ہوں گے جو تم سے ایسی باتیں کریں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے' تم ان سے دُور رہنا وہ تم سے دُور رہیں۔

(مقدمہ صحیح مسلم باب: ۶ رقم الحدیث: ۱' ص ۲۵۴' مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱' قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۲۵۰' جدید' المستدرک ج ۱ ص ۱۰۳' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۷' جدید' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۹۹۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۳۰۸۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں دجالوں اور کذابوں کا ظہور ہوگا وہ تم کو ایسی باتیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے' تم ان سے دُور رہنا وہ تم سے دُور رہیں' کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں' کہیں تم کو گمراہ نہ کر دیں۔

(مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۵۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۰۲۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد زندگی میں شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر گوشت کے لوتھڑے سے' جو مکمل شکل کا ہوتا ہے اور ادھوری شکل کا بھی' تا کہ ہم تمہارے لیے (اپنی قدرت کو) ظاہر کر دیں اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقرر مدت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں' پھر ہم بچے کی صورت میں تمہیں نکالتے ہیں تا کہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے بعض لوگ (اس سے پہلے) وفات پا جاتے ہیں' اور تم میں سے بعض ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں تا کہ وہ علم کے بعد کسی چیز کو نہ جان سکیں' اور تم زمین کو خشک حالت میں دیکھتے ہو پس جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ تروتازہ اور ہری بھری ہو جاتی ہے اور وہ ہر قسم کا خوش نما سبزہ اُگاتی ہے ○ (الحج: ۵)

انسان کی تخلیق کے مراحل اور زمین کی پیداوار سے حشر ونشر پر استدلال

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ بغیر علم کے حشر اور نشر کے وقوع میں جدال اور جھگڑا کرتے ہیں اور ان کی اس پر مذمت کی تھی' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حشر اور نشر کی صحت اور امکان پر دلائل قائم کیے ہیں۔ گویا کہ یوں فرمایا اگر تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے پر شک ہے تو تم اپنی تخلیق پر غور کرو جب وہ تم کو پہلی بار عدم سے وجود میں لا سکتا ہے تو تمہارے مرنے کے بعد دوبارہ تم کو کیوں پیدا نہیں کر سکتا' پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کی خلقت کے سات مراتب بیان فرمائے ہیں:

(۱) ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' مٹی سے پیدا کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تمہاری اصل اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو ہم نے مٹی سے پیدا کیا۔ فرمایا: کمثل ادم خلقہ من تراب۔ (آل عمران: ۵۹) (عیسیٰ) آدم کی مثل ہیں جن کو ہم نے مٹی سے پیدا کیا' اور اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان کو منی اور حیض کے خون سے پیدا کیا اور یہ دونوں

چیزیں غذا سے بنتی ہیں اور غذا گوشت اور زمین کی پیداوار (غلہ اور سبزیوں) سے حاصل ہوتی ہے اور گوشت کا مآل بھی زمین کی پیداوار پر ہے' اور زمین کی پیداوار زمین کی مٹی اور پانی سے حاصل ہوتی ہے پس منی اور خون مٹی سے حاصل ہوئے۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔

(۲) ہم نے تم کو نطفہ سے پیدا کیا' مرد کی صلب سے جو پانی نکلتا ہے وہ نطفہ ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے ہی اس مٹی کو لطیف پانی بنا دیا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ جب نطفہ کو رحم میں چالیس دن گزر جاتے ہیں پھر چالیس دن وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن وہ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر جب وہ تخلیق کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے جس کی انگلیوں میں مٹی ہوتی ہے' وہ اس کو گوشت کے لوتھڑے میں ملا کر گوندھتا ہے اور پھر اس کی تصویر بناتا ہے' پھر پوچھتا ہے یہ مرد ہے یا عورت؟ نیک ہے یا بد ہے' اس کا رزق کتنا ہے' اس کی عمر کتنی ہے' اس کے مصائب کیا کیا ہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے لکھنے کا حکم دیتا ہے اور فرشتہ لکھ دیتا ہے اور جب وہ شخص مر جاتا ہے تو اس کو اس جگہ دفن کر دیا جاتا ہے جہاں سے اس کی مٹی لی گئی تھی۔ (الدرالمنثور ج ۳ ص ۱۴۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

(۳) تخلیق کا تیسرا مرتبہ ہے العلقۃ یعنی جمے ہوئے خون کا ٹکڑا اور اس میں بھی اللہ کی قدرت کا اظہار ہے کیونکہ جما ہوا خون بھی نطفہ کے پانی سے بنتا ہے اور رقیق پانی اور جمے ہوئے خون میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔

(۴) گوشت کا لوتھڑا خواہ وہ مکمل ہو یا ناقص' مخلقہ سے مراد ہے جو نقصان اور عیب سے سالم ہو' اس کے اعضاء اور حواس سالم ہوں' اور غیر المخلقہ سے مراد ہے جس کی خلقت میں کوئی نقص اور عیب ہو۔ نیز فرمایا اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقرر مدت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں یعنی اس کو ولادت کے وقت تک رحم میں رکھتے ہیں' وہ وقت کم از کم چھ ماہ ہے اور اس کی عام معروف مدت نو ماہ ہے اور بعض اوقات بچہ دو سال تک ماں کے رحم میں رہتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک یہ مدت چار سال تک ہے۔

(۵) پھر ہم بچہ کی صورت میں تمہیں نکالتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان کی نوع سے ہر فرد کو اسی طرح پیدا کرتے ہیں۔

(۶) تاکہ تم اشد عمر کو پہنچ جاؤ' اس سے مراد ہے قوت' عقل اور تمیز کا اپنے کمال کو پہنچنا۔ یعنی تمہارے پیدا ہونے کے بعد ہم بہ تدریج تمہاری پرورش کرتے رہے اور تمہاری غذا میں یہ اضافہ اور تبدیلی کرتے رہے حتیٰ کہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچ گئے۔

(۷) پھر تم میں سے بعض لوگ (اس سے پہلے) وفات پا جاتے ہیں اور تم میں سے بعض ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ علم کے بعد کسی چیز کو نہ جان سکیں۔ یعنی بعض تو نوجوانی میں فوت ہو جاتے ہیں اور بعض بڑھاپے تک پہنچ جاتے ہیں اور اسی طرح نحیف اور کمزور ہو جاتے ہیں جیسے اپنی طفولیت کی ابتدا میں تھے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ جو آدمی بوڑھا ہو وہ کچھ نہ کچھ چیزوں کو تو جانتا ہے پھر یہ کیسے فرمایا کہ وہ کسی چیز کو نہ جان سکے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نفی مبالغہ ہے۔

اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق سے حشر و نشر اور بعث بعد الموت پر استدلال فرمایا ہے۔

اور دوسرا استدلال زمین کی روئیدگی سے کیا ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ زمین بنجر اور خشک ہوتی ہے اور اس میں فصل اور سبزہ کے

کوئی آثار نہیں ہوتے پھر اللہ تعالیٰ اس مردہ زمین پر پانی برسا کر اس کو زندہ کر دیتا ہے' تو جس طرح اللہ تعالیٰ بے جان نطفہ
گوشت کے لوتھڑے سے جیتا جاگتا' چلتا پھرتا اور ہنستا بولتا انسان کھڑا کر دیتا ہے اور مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اسی طرح اللہ
تعالیٰ تمہارے مرنے کے بعد دوبارہ تمہیں زندہ کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور بے شک وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے O اور بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ ان سب کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں O (الحج: ۷-۶)

کائنات کے امکان سے حشر ونشر کے امکان پر استدلال

اللہ ہی حق ہے اس کا معنی ہے وہی واجب الوجود ہے یعنی اس کا ہونا ضروری ہے اور نہ ہونا محال ہے' اور اس کے سوا ہر چیز ممکن اور حادث ہے اور ممکن کی شان یہ ہے کہ اس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوں' پھر اس کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے ایسی چیز ہونی چاہیے جو اس کی طرح ممکن نہ ہو ورنہ وہ بھی اسی کی طرح ہوگی اور کسی چیز کو وجود میں لانے کی علت نہیں ہو سکے گی' اور یہ سارا جہان ممکن ہے تو اس کو پیدا کرنے والا ایسا ہونا چاہیے جو واجب الوجود ہو' اور جو واجب الوجود ہوگا اور ہر چیز پر قادر ہوگا' وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہوگا' اور جب یہ ساری کائنات ممکن ہے تو پھر اس ساری کائنات کو معدوم کرنا بھی ممکن ہوگا اور پھر اس کو دوبارہ پیدا کرنا بھی ممکن ہوگا اور جب یہ سب امور ممکن ہیں تو پھر تم قیامت کا کیوں انکار کرتے ہو اور حشر اور نشر کا کیوں انکار کرتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض لوگ بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اللہ کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں O وہ (از راہِ تکبر) اپنی گردن موڑے ہوئے ہے تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے گمراہ کرے' اسی کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور ہم قیامت کے دن اس کو جلانے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے O (اس سے کہا جائے گا) یہ تیرے ان کاموں کی سزا ہے جن کو تیرے ہاتھ پہلے بھیج چکے ہیں اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے O (الحج: ۱۰-۸)

الحج: ۳ اور الحج: ۸ میں تکرار کے اعتراض کا جواب

اس سے پہلے الحج: ۳ میں بھی فرمایا تھا بعض لوگ اللہ کے متعلق بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں O اور یہاں بھی یہی فرمایا ہے اور بعض لوگ بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اللہ کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں O اور بہ ظاہر یہ تکرار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت کافر سرداروں کے اتباع اور مقلدین کے متعلق ہے اور دوسری آیت ان کافر سرداروں کے بارے میں ہے جن کی وہ تقلید کرتے تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت نضر بن الحارث کے متعلق ہے اور دوسری آیت ابوجہل کے متعلق ہے' اور تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں آیتیں نضر بن الحارث ہی کے متعلق ہیں اور یہ تکرار نہیں ہے بلکہ تاکید ہے اور مبالغہ ہے' اور چوتھا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ شیطان کے پیروکار بغیر دلیل کے اس کی پیروی کرتے ہیں اور دوسری آیت میں فرمایا ہے وہ دین میں جدال کرتے ہیں اور بغیر دلیل کے دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ علم' ہدایت اور روشن کتاب۔ علم سے مراد ہے علم بدیہی جو بغیر غور اور فکر کے حاصل ہو جیسے سردی اور گرمی کا علم یا دو اور دو چار کا علم' اور ہدایت سے مراد ہے علم نظری اور اکتسابی جو غور وفکر سے حاصل ہوتا ہے جیسے مثلث کے تین زاویوں کا مجموعہ دو زاویہ قائمہ کے برابر ہوتا ہے یا جیسے اس جہان میں ممکنات اور حوادث کو دیکھ کر اس کے

[ج]اننے والے اور صانع کا علم حاصل کرنا' اور روشن کتاب سے مراد ہے وہ علم جو کتابوں کو پڑھ کر حاصل ہوتا ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کافروں کو اللہ کے بارے میں بدیہی علم ہے نہ نظری علم ہے نہ کتابی علم ہے اور یہ اس کے متعلق جھگڑا کر رہے ہیں اور یہ سخت مذموم اور جہالت کی بات ہے۔

الحج: ۹ میں ہے: ثانی عطفہ' اس کا معنی ہے تکبر سے گردن اکڑانا یا تکبر سے اپنی گردن پھیر لینا۔ یعنی نضر بن الحارث تکبر سے اپنی گردن اکڑائے ہوئے ہے یا تکبر کی بناء پر ذکر اور نصیحت سے اعراض کر رہا ہے' یہ معنی مبرد نے کیا ہے اور مفضل نے کہا اس کا معنی ہے پہلو تہی کر رہا ہے اور تکبر سے دوسری جانب پھر رہا ہے۔ یعنی وہ اپنے جدال میں حق کو قبول کرنے سے پہلو بچا رہا ہے اور فرمایا تا کہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کرے یعنی انجام کار لوگوں کو گمراہ کرے۔ اس کے لیے دنیا میں ذلت ہے یعنی قیامت تک مومن اس آیت کی تلاوت کرتے رہیں گے اور اس کی ذلت اور رسوائی ہوتی رہے گی۔ جیسے ولید بن مغیرہ کے قرآن مجید نے دس عیوب بیان فرمائے:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ○ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ○ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ○ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ○ (القلم: ۱۳-۱۰)

آپ ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہے' ذلیل ہے' کمینہ ہے' عیب گو ہے' چغل خور ہے' نیکی سے بہت زیادہ منع کرنے والا ہے' حد سے بڑھنے والا ہے' گناہ گار ہے' مغرور اور اس کے علاوہ ولد الحرام ہے۔

سو جب تک مسلمان یہ آیتیں پڑھتے رہیں گے ولید بن مغیرہ کی دنیا میں رسوائی ہوتی رہے گی۔ اور العاص بن وائل نے آپ کو ابتر (مقطوع النسل) کہا تو یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر: ۳)

بے شک آپ کا دشمن ہی ابتر اور مقطوع النسل اور بے نام و نشان ہے۔

اور مسلمان جب تک اس آیت کو پڑھتے رہیں گے العاص بن وائل کو ابتر کہا جاتا رہے گا' اسی طرح الحج کی یہ آیتیں جب تک پڑھی جاتی رہیں گی' نضر بن الحارث کی مذمت ہوتی رہے گی یہ دنیا میں رسوائی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دنیا میں رسوائی یہ ہے کہ نضر بن الحارث جنگِ بدر میں مارا گیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۸۶۱) اور قیامت کے دن اس کو دوزخ کی آگ کا عذاب دیا جائے گا۔

الحج: ۱۰ میں فرمایا (اس سے کہا جائے گا) یہ تیرے ان کاموں کی سزا ہے جن کو تیرے ہاتھ پہلے بھیج چکے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے عدل کو بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو جو عذاب دیتا ہے وہ ان ہی کے اعمال کی سزا ہے' اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ

اور کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے، پس اگر اس کو کوئی بھلائی مل جائے

اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ

تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی آزمائش آ جائے تو وہ منہ کے بل پلٹ جاتا ہے، اس نے

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ
دنیا اور آخرت کا نقصان سمیٹا، یہی کھلا ہوا نقصان ہے ○ وہ اللہ کے سوا اس کی
دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫
عبادت کرتا ہے جو اس کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے، یہی دور کی گمراہی ہے ○
يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ
وہ اس کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، وہ کیسا برا مددگار ہے اور کیسا
الْعَشِيْرُ ⑬ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
برا ساتھی ہے ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑭ مَنْ
اللہ ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، بے شک اللہ جس کا ارادہ کرتا ہے اس کو کر کے رہتا ہے ○ جو
كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ
یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا اور آخرت میں ہرگز مدد نہیں کرے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ اونچی جگہ پر
بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا
رسا باندھ کر اپنے گلے میں ڈال لے پھر اس رسے کو کاٹ دے پھر یہ دیکھے کہ آیا اس کی یہ تدبیر اس کے غضب اور غصہ کو
يَغِيْظُ ⑮ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ
دور کرتی ہے (یا نہیں) ○ اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو واضح آیتوں کے ساتھ نازل کیا ہے، اور بے شک اللہ جس کو چاہے
يُّرِيْدُ ⑯ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ
ہدایت دے دیتا ہے ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابئی (ستارہ پرست)
وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ
اور عیسائی اور آتش پرست اور شرک کرنے والے، یقیناً اللہ ان سب کے درمیان

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰ اَلَمْ تَرَ

قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ

اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

اللہ کے لیے ہی سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ

اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور

مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا

بہت انسان ، اور بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب مقدر ہو چکا ہے، اور جس کو اللہ ذلیل کر دے اس کو کوئی

السجدة ۱۱ لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۭ ⑱ السجدة ۱۱ ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ

عزت دینے والا نہیں ہے، بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے ○ یہ دو فریق ہیں

اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ

جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا، سو جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے پیونت (کاٹ) کر کے بنائے جائیں گے

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ⑲ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ

اور ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا ○ جس سے وہ سب گل جائے گا جو

بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ⑳ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ㉑ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا

ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں (بھی) گل جائیں گی ○ اور ان (کو مارنے) کے لیے لوہے کے گرز ہیں ○ جب بھی وہ شدت تکلیف

اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ

سے اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے ان کو پھر اسی آگ میں جھونک دیا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) اور جلانے والے

ع ۲ ۹ ۲ الْحَرِيْقِ ㉒ ع

عذاب کو چکھو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے' پس اگر اس کو کوئی بھلائی مل جائے تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اس پر کوئی آزمائش آ جائے تو وہ منہ کے بل پلٹ جاتا ہے' اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان سمیٹا یہی کھلا ہوا نقصان ہے ○ وہ اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتا ہے جو اس کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے' یہی دور کی گمراہی ہے ○ وہ اس کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے' وہ کیسا برا مددگار ہے اور کیسا برا ساتھی ہے ○ (الحج: ۱۳-۱۱)

ایک کنارے پر کھڑے ہو کر عبادت کرنے کے مطالب

الحج: ۱۱ میں فرمایا کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) یعنی وہ شخص دین کے ایک کنارے پر کھڑا ہے اس کا دین میں کوئی ثبات نہیں ہے۔ اس میں منافقین کے حال کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی ہے جو پہاڑ کے ایک کنارے پر کھڑا ہو اور پہاڑ پر اس کے قدم جمے ہوئے نہ ہوں' اسی طرح منافقین کے دلوں میں بھی اسلام جما ہوا نہیں ہے' یا جو لشکر کے ایک کنارے پر کھڑا ہو اگر لشکر فتح یاب ہو تو وہ لشکر میں شامل رہے ورنہ بھاگ جائے' سو اسی طرح منافقین ہیں ان کو اسلام کی صداقت اور حقانیت پر یقین نہیں ہے اگر ان کو زکوٰۃ' صدقات اور مالِ غنیمت سے حصہ ملے تو وہ اسلام پر قائم رہتے ہیں اور اگر ان کو آفات اور مصائب پیش آئیں تو وہ اسلام سے روگردانی کرتے ہیں۔

(۲) ابو عبیدہ نے کہا ہر وہ شخص جس کو کسی چیز میں شک ہو وہ اس چیز کے کنارے پر ہوتا ہے' وہ اس میں ثابت قدمی اور دوام پر نہیں ہوتا اور جو شخص کسی چیز کے کنارے پر کھڑا ہو اس پر اس کے قدم جمے ہوئے نہیں ہوتے' تو جس شخص کو دین میں شک ہو اس کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ اس کو اپنے دین میں قلق اور اضطراب ہے اور وہ اس میں ثابت قدم نہیں ہے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۴۱۱)

(۳) حسن بصری نے کہا جس شخص کے دل میں اسلام کا اعتقاد ہو اور وہ زبان سے اس کا اظہار کرے' وہ دین کے دونوں کناروں پر جما ہوا ہے اور اس کا دین کامل ہے' اور جس شخص کے دل میں اسلام پر اعتقاد نہ ہو صرف زبان سے اظہار کرے' وہ دین کے ایک کنارے پر کھڑا ہوا ہے اور ڈگمگا رہا ہے اور منافق کا یہی حال ہے۔ اس لیے فرمایا کہ وہ ایک کنارے پر کھڑا ہو کر عبادت کر رہا ہے۔

(۴) وہ دین کے ایک کنارے پر ہے۔ یعنی دین کے وسط اور قلب میں نہیں ہے' کیونکہ اس کو دین میں قلق اور اضطراب ہے تاکہ اس کو جب بھی دین سے اپنے لیے خطرہ محسوس ہو تو فوراً بھاگ جائے۔

زیر تفسیر آیت کے شانِ نزول میں متعدد اقوال

یہ آیت کس شخص کے متعلق نازل ہوئی' اس میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) ضحاک نے کہا یہ آیت ان دیہاتیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنے دیہاتوں سے ہجرت کر کے مدینہ آتے تھے' ان میں سے جب کوئی شخص مدینہ آتا اور اس کو مدینہ کی آب و ہوا موافق آ جاتی' اس کی گھوڑی اچھے بچے جنتی اور اس کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا اور اس کے مال اور مویشی بڑھ جاتے تو وہ خوش اور مطمئن ہوتا اور کہتا جب سے میں اس دین میں داخل ہوا ہوں مجھے بھلائی اور اچھائی ہی ملی ہے' اور اگر وہ مدینہ آ کر بیمار پڑ جاتا' اس کی بیوی لڑکی جنتی اور اس کے مال میں نقصان ہو جاتا اور صدقات دیر سے ملتے تو شیطان اسے آ کر بہکاتا اور وہ کہتا اللہ کی قسم! جب سے میں اس دین میں

داخل ہوا ہوں مجھے شر اور مصائب ہی ملے ہیں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: اور کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۸۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا یہودیوں میں سے ایک شخص مسلمان ہو گیا' اس کی بینائی چلی گئی' اس کا مال اور مویشی خسارے میں ڈوب گئے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہا میری بیعت توڑ دیجئے' آپ نے فرمایا اسلام کو فسخ نہیں کیا جاتا۔ اس نے کہا اس دین میں آنے کے بعد مجھے کوئی خیر نہیں ملی میری بینائی چلی گئی' میرا مال اور میری اولاد چلی گئی۔ آپ نے فرمایا: اے یہودی! اسلام لوگوں کو اس طرح پگھلاتا ہے (تاکہ ان کا کھوٹ نکل جائے) جس طرح آگ لوہے' سونے اور چاندی کو پگھلا کر ان کا زنگ اور میل کچیل نکال دیتی ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف۔

(اسباب النزول رقم الحدیث: ۶۱۸-۶۱۷ ص ۳۱۷-۳۱۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس سبب نازل ہوئی کہ ایک شخص مدینہ آتا اگر اس کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا اور اس کے گھوڑوں کی نسل میں افزائش ہوتی تو وہ کہتا یہ اچھا دین ہے اور اگر اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوتا اور اس کے گھوڑوں میں افزائش نہ ہوتی تو وہ کہتا یہ برا دین ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۴۲)

(۴) ابن زید نے کہا یہ آیت منافق کے متعلق نازل ہوئی ہے اگر اس کی دنیا اچھی رہتی تو وہ عبادت پر قائم رہتا اور اگر اس پر آزمائش آتی اور اس کی عبادت خراب ہو جاتی تو وہ عبادت کو ترک کر دیتا اور کفر کی طرف لوٹ جاتا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۸۶۸' مطبوعہ بیروت)

(۵) ضحاک کا (دوسرا) قول یہ ہے کہ یہ آیت مولفۃ القلوب کے متعلق نازل ہوئی ہے جن میں عیینہ بن بدر' الاقرع بن حابس' اور العباس بن مرداس تھے' ان میں سے بعض نے بعض سے کہا ہم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں داخل ہوتے ہیں اگر ہم کو اچھائی مل گئی تو ہم جان لیں گے یہ دین برحق ہے اور اگر ہم کو برائی ملی تو ہم جان لیں گے یہ دین باطل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۰۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

چند اعتراضات کے جوابات

اس کے بعد فرمایا پس اگر اس کو کوئی بھلائی مل جائے تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی آزمائش آ جائے تو وہ منہ کے بل پلٹ جاتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہاں آزمائش کو بھلائی اور خیر کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے حالانکہ خیر اور بھلائی بھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے؟ اس کا جواب ہے کہ یہاں منافق کے اعتبار سے کلام فرمایا ہے اور منافق کے نزدیک خیر صرف وہی ہے جو دنیوی خیر ہو اور شر صرف وہی ہے جو دنیوی شر ہو' اس لیے اس کے اوپر بہ طور آزمائش جو مصائب اور بلائیں آتی ہیں وہ اس کے نزدیک صرف شر ہیں اس لیے آزمائش کو خیر کے مقابلہ میں ذکر فرمایا ہے۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہاں فرمایا ہے اس پر آزمائش آئے تو وہ منہ کے بل پلٹ جاتا ہے۔ یہ کلام اس وقت درست ہوتا جب وہ پہلے مومن ہوتا اور آزمائش آنے کے بعد کافر یا مرتد ہو جاتا لیکن منافق تو پہلے بھی کافر تھا تو پھر اس کے منہ کے بل پلٹنے کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منافق پہلے زبان سے اسلام کا اقرار کرتا تھا اور آزمائش آنے کے بعد وہ زبانی اقرار سے بھی منحرف ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا: اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان سمیٹا۔ دنیا کا نقصان یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کی عزت اور کرامت نہیں رہتی، مالِ غنیمت سے اس کو حصہ نہیں ملتا اور وہ شہادت دینے اور امامت اور قضا کا اہل نہیں رہتا اور اظہار اسلام کی وجہ سے اس کی جان اور مال جو محفوظ تھے وہ اب محفوظ نہیں رہتے، اور اُخروی نقصان یہ ہے کہ وہ ثواب سے محروم رہے گا اور دائمی عذاب میں مبتلا رہے گا۔

الانبیاء: ۱۲ میں فرمایا: وہ اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتا ہے جو اس کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے، یہی دور کی گمراہی ہے۔

بہت دُور کی گمراہی کا بیان

یہ منافق جو دنیا سے منافع اور فوائد نہ ملنے کی وجہ سے کفر ظاہر کی طرف لوٹ گیا اور اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنے لگا جو اس کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں یہ بہت دُور کی گمراہی میں ہے، وہ یہ سمجھ کر کفر کی طرف لوٹا تھا کہ ظاہراً اسلام قبول کر کے تو اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا اب اس کے خود ساختہ معبود اس کو کوئی فائدہ پہنچائیں گے حالانکہ اس کے باطل معبود اسے کیا فائدہ پہنچا سکتے تھے وہ تو بالکل بے بس اور لاچار ہیں ان سے کسی فائدہ کی توقع رکھنا تو بہت دُور کی گمراہی ہے۔ ایسا شخص یہ کیوں نہیں سوچتا کہ کفر کی طرف لوٹنے کے بعد بھی اس کو جو دنیاوی فائدہ حاصل ہوگا وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت کی وجہ سے کوئی خیر روک لیتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مایوس ہو کر بتوں کی طرف مائل ہونا اور شرک کی طرف جھک جانا سخت جہالت اور بہت دُور کی گمراہی ہے۔

الانبیاء: ۱۳ میں فرمایا: وہ اس کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، وہ کیسا برا مددگار اور کیسا برا ساتھی ہے۔

کفار کے ضرر پہنچانے اور نہ پہنچانے میں تعارض کا جواب

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا: بت کوئی نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اس آیت میں فرمایا: ان کا ضرر ان کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ضرر پہنچاتے ہیں اور یہ تعارض ہے، اس کے حسبِ ذیل جوابات ہیں:

(۱) بت فی نفسها ضرر نہیں پہنچاتے لیکن ان کی عبادت کرنا اُخروی عذاب اور ضرر کا سبب ہے اور سبب کے اعتبار سے ان کی طرف ضرر کی اضافت کی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے متعلق فرمایا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ. اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ (ابراہیم: ۳۶)

حالانکہ بت خود گمراہ نہیں کرتے، گمراہی کا سبب ہیں۔ پس سبب کے اعتبار سے ان کی طرف اضافت کی۔

(۲) واقع میں بت نفع اور ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہیں لیکن بہ فرض محال یہ مان بھی لیا جائے تو ان کا ضرر پہنچانا نفع دینے سے زیادہ ہے۔

(۳) کفار جب اپنے دل میں انصاف کریں گے تو جان لیں گے کہ دنیا میں ان بتوں سے ان کو نفع یا ضرر حاصل نہیں ہوا پھر جب وہ آخرت میں ان بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے عذابِ عظیم کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ تمہارا ضرر تمہارے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اللہ ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، بے شک اللہ جس کا ارادہ کرتا ہے اس کو کر کے رہتا ہے ○ جو یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ اپنے رسول

دنیا اور آخرت میں ہرگز مدد نہیں کرے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ اونچی جگہ پر رسا باندھ کر (اپنے گلے میں ڈال لے) پھر اس رسے کو کاٹ لے پھر یہ دیکھے کہ آیا اس کی یہ تدبیر اس کے غضب اور غصہ کو دور کرتی ہے (یا نہیں) O اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو واضح آیتوں کے ساتھ نازل کیا ہے اور بے شک اللہ جس کو چاہے ہدایت دے دیتا ہے O (الحج: ۱۶-۱۴)

کافروں کی سزا کے بعد مومنوں کی جزا کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی عبادات اور ان کے معبودوں کا حال بیان کیا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی عبادات کی صفت اور ان کے معبود کی صفت بیان فرمائی ہے' منافقین کی عبادت کسی طرح درست نہیں تھی اور ان کے معبود کسی کو نفع یا ضرر پہنچانے پر قادر نہیں تھے' اور رہے مومنین تو ان کی عبادت ایک حقیقت ثابتہ ہے اور ان کا معبود ان کو سب سے عظیم نفع عطا فرمائے گا اور وہ جنت ہے پھر اللہ تعالیٰ نے جنت کے محاسن بیان فرمائے کہ اس میں سبزہ زار ہیں' دریا ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے ارادہ فرمائے گا اس کو اپنے فضل اور احسان سے اور بہت نعمتیں عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ فرمایا:

فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ. تو وہ ان کو پورا پورا اجر عطا فرمائے گا اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ عطا فرمائے گا۔ (النساء: ۱۷۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والے کو چاہیے کہ خود اپنے بغض میں جل کر مر جائے

الحج: ۱۵ میں فرمایا: جو یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ اس کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا۔ ''اس کی'' یہ ضمیر کس کی طرف راجع ہے حضرت ابن عباس' مقاتل' ضحاک اور ابن زید وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ ضمیر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے' ہر چند کہ آپ کا اس سے پہلے صراحتاً ذکر نہیں ہے لیکن اشارتاً آپ کا ذکر پہلے مذکور ہے کیونکہ اس سے پہلی آیت میں ایمان لانے کا ذکر ہے اور ایمان لانے کا یہی معنی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانا جائے' اور اب جب ضمیر کا مرجع متعین ہو گیا تو اس آیت کا معنی یہ ہے: جو یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ اونچی جگہ پر رسہ باندھ کر (اپنے گلے میں لٹکا لے) پھر اس رسے کو کاٹ لے پھر یہ دیکھے کہ اس کی یہ تدبیر اس کے غضب اور غصہ کو دور کرتی ہے (یا نہیں؟)

رہا یہ سوال کہ کون یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا؟ تو مقاتل نے کہا یہ آیت بنو اسد اور بنو غطفان کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ یہ کہتے تھے کہ ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اللہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہیں کرے گا پھر ہمارے اور ہمارے حلیف یہودیوں کے درمیان رابطہ منقطع ہو جائے گا پھر وہ ہم کو غلہ فراہم نہیں کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حاسدین اور آپ کے اعداء کو یہ توقع تھی کہ اللہ آپ کی مدد نہیں کرے گا اور آپ کو آپ کے دشمنوں پر غلبہ نہیں دے گا' اور جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بہت بھاری مدد کی ہے تو وہ غیظ و غضب سے جل بھن گئے' ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔

اس آیت میں فرمایا ہے وہ السماء پر رسہ باندھ لے' السماء کا معنی آسمان بھی ہے اور اونچی اور بلند جگہ بھی ہے اگر اس کا معنی آسمان ہو تو پھر یہ معنی ہے کہ جس کا یہ گمان تھا کہ اللہ آپ کی مدد نہیں کرے گا پھر اس کا مطلوب پورا نہ ہونے سے وہ غصہ میں جل بھن گیا تو اگر وہ اپنے غیظ و غضب کو دور کرنے کے لیے آسمان تک پہنچ سکتا ہے اور آسمان میں رسہ باندھ کر اپنے آپ کو لٹکا سکتا ہے تو اپنے گلے میں پھندہ باندھ کر لٹکا لے اور پھندہ کاٹ کر اپنا گلا گھونٹ لے۔ اور اگر السماء کا معنی بلند جگہ ہو تو معنی یہ ہے کہ وہ کسی بلند جگہ رسہ باندھ کر اپنے گلے میں پھندہ ڈال لے پھر رسہ کاٹ دے تا کہ گلا گھٹنے سے وہ مر جائے۔

عطا کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے کہا یہ ضمیر "من" کی طرف لوٹتی ہے۔ مجاہد اور ابوعبیدہ کا بھی یہی قول ہے اور اب معنی اس طرح ہے اور جس شخص کا یہ گمان ہے کہ (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کرنے سے) اللہ اس کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا یعنی اس کو رزق نہیں دے گا تو وہ آسمان میں رسی باندھ کر اپنا گلا گھونٹ لے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۴۱۳)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا اولیٰ یہ ہے کہ یہ ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹائی جائے۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۱۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہدایت دینے کے محامل

الحج: ۱۶ میں فرمایا: اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو واضح آیتوں کے ساتھ نازل کیا ہے اور بے شک اللہ جس کو چاہے ہدایت دے دیتا ہے۔

ہدایت کے دو معنی ہیں ایک یہ ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل قائم کیے جائیں لیکن اس معنی میں ہدایت تو سب کے لیے حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: وہ جس کو چاہے ہدایت دے دیتا ہے' یعنی یہ ہدایت ہر ایک کو حاصل نہیں ہے اس لیے یہاں پر ہدایت کا دوسرا معنی مراد ہے اور وہ ہے انسانوں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت پیدا کرنا' اور اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے یہ ہدایت پیدا کر دیتا ہے۔ اس آیت کے اور بھی محمل بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مکلف کر دیتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ کسی چیز کا مکلف کرے گا اس کے لیے اس چیز کو بیان فرمائے گا۔

(۲) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے جنت کا راستہ دکھاتا ہے اور مومنین صالحین کو اللہ ثواب کی راہیں دکھاتا ہے۔

(۳) جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ ایمان پر ثابت قدم رہیں گے ان کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے' اور ان میں سے جن کو چاہتا ہے ان پر لطف و کرم فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابئ (ستارہ پرست) اور عیسائی اور آتش پرست اور شرک کرنے والے' یقیناً اللہ ان سب کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا' بے شک اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لیے ہی سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت انسان' اور بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب مقدر ہو چکا ہے' اور جس کو اللہ ذلیل کر دے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے' بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے○ (الحج: ۱۸۔۱۷)

ادیانِ مختلفہ اور ان کا شرعی حکم

جو لوگ ایمان لائے' ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور یہودیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ صابئین' یہ قوم ستارہ پرست ہے' اس کی مکمل تشریح ہم نے البقرہ: ۶۲' تبیان القرآن ج ۱ ص ۳۴۷ میں کر دی ہے۔ عیسائی وہ ہیں جو اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں' اور مجوس آگ کی پرستش کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں' عالم کی دو اصلیں ہیں نور اور ظلمت۔ قتادہ نے کہا ادیان پانچ ہیں' چار شیطان کے ادیان ہیں اور ایک رحمان کا دین ہے' اور شرک کرنے والے: اس سے مراد بت پرست ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا' پس کافروں کو دوزخ میں بھیج دے گا اور

مسلمانوں کو جنت میں۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس دنیا میں تو حق اور باطل کا پتا غور و فکر سے چلتا ہے اور قیامت کے دن ہر شخص کو بداہتاً علم ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان میں یہ علم پیدا کر دے گا جس سے سب کو معلوم ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ تمام مخلوقات کے اعمال کو ان کے اقوال کو اور ان کی حرکات کو دیکھ رہا ہے اور اللہ سبحانہ کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔

سورج کے سجدہ کر کے ٹھہرنے کی توجیہ

الحج: ۱۸ میں فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں۔ الخ

کیا آپ نے نہیں دیکھا اس کا معنی ہے کیا آپ نے اپنی عقل سے نہیں جانا' اور سجدہ کا لغوی اور شرعی معنی ہم البقرہ: ۳۴ میں اور النحل: ۵۰ میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح ہم وہاں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول کے سجدوں کا معنی اور فرق بھی بیان کر چکے ہیں۔

علامہ ابن انباری نے کہا کہ امام ابو العالیہ نے بیان کیا ہے کہ ہر ستارہ' چاند اور سورج جب غروب ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گرا ہوا ہوتا ہے پھر جب تک اس کو واپس ہونے کی اجازت نہ ہو وہ سجدہ میں گرا رہتا ہے اور جب اس کو اجازت ملتی ہے تو وہ اپنی جگہ سے طلوع ہوتا ہے۔ علامہ قشیری نے کہا اس مسئلہ میں سورج کے سجدہ کرنے کے متعلق حدیث مروی ہے اور وہ یہ ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ صحابہ کرام نے کہا کہ اللہ اور رسول کو ہی خوب علم ہے' آپ نے فرمایا: یہ سورج چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب یہ اپنے مستقر پر پہنچ جاتا ہے تو عرش کے نیچے سجدہ میں گر جاتا ہے پھر اسی طرح سجدہ میں پڑا رہتا ہے حتیٰ کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو اور جہاں سے آیا ہے وہیں واپس لوٹ جا' پھر یہ واپس لوٹ جاتا ہے اور پھر صبح کو اپنے مطلع سے طلوع ہوتا ہے' پھر اسی طرح چلتا رہتا ہے لوگ اس کی کسی حرکت کو غیر معمولی نہیں پائیں گے حتیٰ کہ یہ اپنے مستقر پر عرش کے نیچے جا کر ٹھہر جائے گا پھر اس سے کہا جائے گا بلند ہو اور اپنے غروب کی جگہ سے طلوع ہو' پھر صبح کو یہ اپنے غروب کی جگہ (یعنی مغرب سے) طلوع ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ ایسا کب ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جب کسی شخص کے لیے ایمان لانا مفید نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لا چکا ہو یا جس نے اس سے پہلے اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۰۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۶)

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورج کا ہر وقت کسی نہ کسی جگہ طلوع اور دوسری جگہ غروب ہوتا رہتا ہے پھر اس کے ٹھہرنے کی کیا توجیہ ہے؟

علامہ طیبی نے کہا کہ سورج عرش کے نیچے اس طرح ٹھہرتا ہے کہ ہم اس کا ادراک نہیں کرتے اور نہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبر دی ہے سو نہ ہم اس کی تکذیب کرتے ہیں اور نہ اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں کیونکہ ہمارا علم اس کو محیط نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۶ ص ۴۴۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا مراد ہے؟ اس کا حقیقی علم تو اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے' اس حدیث

سے جو ہم نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غروبِ آفتاب کو آفتاب کے سجدہ سے تعبیر فرمایا ہے' کیونکہ ہر چیز کی عبادت اس کے حسب حال ہوتی ہے لہٰذا جب سورج نصف النہار کے وقت حالتِ استواء پر ہوتا ہے تو اس کا یہ استواء قیام کے قائم مقام ہے اور زوال کے بعد جب سورج ڈھل جاتا ہے تو اس کا ڈھلنا رکوع سے عبارت ہے اور جب سورج اُفق میں غروب ہوتا ہے تو اس کا یہ غروب سجدہ کے مشابہ ہے' اور جس اُفق میں سورج غروب ہوتا ہے وہ چونکہ عرش کے نیچے واقع ہے اس لیے اس کو عرش کے نیچے سجدہ کرنے سے تعبیر فرمایا۔ رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر سورج اسی طرح سجدہ میں پڑا رہتا ہے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رات بھر سورج سجدہ میں پڑا رہے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حالتِ سجدہ (یعنی حالتِ غروب) میں ہی اس سے کہا جاتا ہے کہ "جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا" اور لوٹنے کا مطلب اُلٹے پاؤں واپس جانا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام تکوینی کے تحت لوٹنا ہے' یعنی معروف طریقہ اور معمول کے مطابق جس اُفق سے غروب ہوا ہے اس کے مقابل دوسرے اُفق سے طلوع ہو' پھر اپنی منازل طے کرتا ہوا اس اُفق پر غروب ہو کر پہلے اُفق پر طلوع ہو اس طرح اپنا دورہ مکمل کرنے کے بعد اس اُفق سے پھر طلوع ہوتا ہے جس سے غروب ہوا تھا۔ قیامت تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا لیکن جب قیامت قائم ہوگی تو سورج جس اُفق سے غروب ہوا تھا' اس اُفق پر جانب غروب سے ہی طلوع ہو جائے گا۔ اس حدیث کی کوئی قابلِ ذکر توجیہ کسی نے نہیں لکھی اور اب تک میرے مطالعہ میں نہیں آئی۔ اکیس سال پہلے میرے دل میں یہ توجیہ آئی تھی' میں نے اس کو شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۴۹-۶۴۸ میں بھی لکھا اور یہاں بھی لکھ دیا ہے' اگر یہ حق ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور اس کے رسول کا فیضان ہے ورنہ میرے علم کا نقص اور فکر کی غلطی ہے۔

سورج' چاند' ستاروں' پہاڑوں' درختوں' مومنوں اور کافروں کے سجدہ کی کیفیت

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے لکھا ہے کہ آسمان والوں اور زمین والوں اور پہاڑوں اور درختوں اور چوپایوں کا سجدہ کرنا دراصل ان چیزوں کا سایہ ہے جب ان چیزوں پر سورج طلوع ہوتا ہے اور جب ان سے زائل ہوتا ہے اس وقت ہر چیز کا سایہ مڑ جاتا ہے اور یہی اس کا سجدہ کرنا ہے' اور سورج' چاند اور ستاروں کا سجدہ کرنا ان کا غروب ہونا ہے۔

اور فرمایا: اور بہت لوگ یعنی بہت سے بنو آدم سجدہ کرتے ہیں اور وہ مومنین ہیں۔

نیز فرمایا: اور بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب مقدر ہو چکا ہے۔ یعنی بہت سے بنو آدم ایسے ہیں جن کے لیے عذاب ثابت ہے اور ان کے کفر کی وجہ سے ان پر عذاب واجب ہے' اس کے باوجود ان کے سائے بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۱۷۱-۱۷۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز فرمایا: اور جس کو اللہ ذلیل کر دے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے' یعنی جس کو اللہ اس کی شقاوت اور اس کے کفر کی وجہ سے رسوا کر دے تو کوئی شخص اس کو اس ذلت اور رسوائی سے بچا نہیں سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص اللہ کی عبادت میں سستی کرتا ہے وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے۔

اور فرمایا: اور بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے' یعنی اللہ جن کافروں کو دوزخ میں ڈالے گا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا' سو جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے بیونت (کاٹ) کر کے بنائے جائیں گے اور ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا○ جس سے وہ سب گل جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں (بھی گل جائیں گی)○ اور ان (کو مارنے) کے لیے لوہے کے گرز

ہیں ○ جب بھی وہ شدت تکلیف سے اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے ان کو پھر اسی آگ میں جھونک دیا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) اور جلانے والے عذاب کو چکھو ○ (الحج: ۲۲-۱۹)

رب کے متعلق جھگڑا کرنے والے دو فریقوں کے مصداق

اس میں اختلاف ہے کہ یہ جھگڑنے والے دو فریق کون تھے؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ دو فریق وہ تھے جنہوں نے جنگ بدر میں ایک دوسرے سے مبارزت کی تھی اور جنگ کے لیے للکارا تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ آیت حضرت حمزہ اور ان کے دو ساتھیوں اور عتبہ اور اس کے دو ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے جنگ بدر کے دن ایک دوسرے کو للکارا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۴۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جو رحمان کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرنے کے لیے گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا جاؤں گا۔ قیس نے کہا ان ہی کے متعلق یہ آیت (ھذان خصمان الایۃ) نازل ہوئی ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جنگ بدر کے دن ایک دوسرے کو للکارا تھا۔ حضرت علی' حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ اور شیبہ بن ربیعہ' عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۳۵' السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۴۱)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مومنین اور اہل کتاب کے دو فریق ہیں جنہوں نے آپس میں مباحثہ کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یہ اہل کتاب ہیں' جنہوں نے مومنین سے کہا تھا ہم تم سے زیادہ اللہ کے قریب ہیں' ہماری کتاب تم سے پہلے نازل ہوئی اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے تھے' اور مومنین نے کہا ہم اللہ کے زیادہ حق دار ہیں ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور تمہارے نبی پر بھی ایمان لائے اور اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے اس پر بھی ایمان لائے۔ تم ہماری کتاب کو اور ہمارے نبی کو پہچانتے تھے پھر تم نے ان کو چھوڑ دیا اور ان سے حسد کی وجہ سے ان کا کفر کیا' ان کی یہ خصومت ان کے رب کے سامنے ہوگی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۸۸۹' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۸۱۹)

امام ابن جریر نے جھگڑا کرنے والے دو فریقوں کے متعلق اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں:

عکرمہ نے کہا اس سے مراد جنت اور دوزخ ہیں۔ دوزخ نے کہا اللہ نے مجھے سزا دینے کے لیے پیدا کیا ہے اور جنت نے کہا اللہ نے مجھے رحمت کے لیے پیدا کیا ہے۔

عاصم نے کہا اس سے مراد اہل الشرک اور اہل اسلام ہیں۔

مجاہد نے کہا اس سے مراد مومن اور کافر ہیں جن کی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے میں بحث ہوئی۔

(جامع البیان جز ۱۷ ص ۱۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آخرت میں کفار کی تین قسم کی سزائیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کی آخرت میں سزا کے تین حال بیان فرمائے:

(۱) سو جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے بیونت (کاٹ) کر کے بنائے جائیں گے۔ آگ کے کپڑوں سے مراد یہ ہے کہ آگ ان کے پورے جسم کا احاطہ کر لے گی۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ. ان کے لیے دوزخ کی آگ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا۔ (الاعراف: ۴۱)

(۲) دوسرا حال یہ ہے کہ اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی اُنڈیلا جائے گا ○ جس سے وہ سب گل جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں (بھی گل جائیں گی) ○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر اس پانی کا ایک قطرہ بھی پہاڑوں پر ڈالا جائے تو وہ گل جائیں گے۔ اس گرم پانی کو جب ان کے سروں کے اوپر سے ڈالا جائے گا تو جس طرح وہ ان کے ظاہر جسم پر اثر کرے گا' اسی طرح ان کے جسم کے باطن پر بھی اثر کرے گا اور ان کے پیٹ' انتڑیاں اور دیگر اجزا جل جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھولتا ہوا پانی ان کے سروں کے اوپر سے اُنڈیلا جائے گا اور وہ کھولتا ہوا پانی ان کے جسم کے اندر داخل ہو کر ان کے پیٹ تک پہنچ جائے گا اور جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے' اس کو کاٹ ڈالے گا حتیٰ کہ وہ پانی ان کے قدموں سے نکل جائے گا پھر دوبارہ ان کے سروں پر ڈالا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۴' المستدرک ج ۲ ص ۳۸۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۸۲)

(۳) تیسرا حال یہ ہے کہ اور ان (کو مارنے) کے لیے لوہے کے گرز ہیں ○ جب وہ (شدتِ تکلیف سے) اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے' ان کو پھر اسی آگ میں جھونک دیا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) اور جلانے والے عذاب کو چکھو ○

ابوظبیان نے بیان کیا کہ جب دوزخ کی آگ جوش سے اُبل رہی ہوگی اور ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پھینک رہی ہوگی تو دوزخ ان کو دوزخ کے بڑے دروازوں کی طرف پھینک دے گی' اس وقت وہ دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو دوزخ کے محافظ انہیں لوہے کے گرز مار کر پھر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب ان کی تکلیف بہت بڑھ جائے گی تو وہ دوزخ سے نکل کر اس کے کناروں تک پہنچیں گے تو فرشتے گرز مار کر انہیں پھر دوزخ میں دھکیل دیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کو اللہ ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

نیچے سے دریا بہتے ہیں، ان جنتوں میں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں

وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ

گے اور وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا ○ اور ان کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت

الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

کی جائے گی اور حمد کرنے والوں کے راستہ کی طرف ان کو ہدایت کی جائے گی ○ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ

اور وہ اللہ کے راستہ سے روکنے لگے اور اس مسجد حرام سے جس کو ہم نے لوگوں کے لیے

لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ

مساوی بنایا ہے خواہ وہ اس مسجد میں معتکف ہوں یا باہر سے آئیں، اور جو اس مسجد میں ظلم کے ساتھ زیادتی کا

بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ ع وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ ۳ ع ۱۰/۳

ارادہ کرے گا، ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے ○ اور یاد کیجیے جب ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ بنانے کی جگہ

الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ

مقرر کردی (اور حکم دیا کہ) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں

وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ

اور قیام کرنے والوں، اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا ○ اور لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کیجیے

يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ

وہ آپ کے پاس دُور دراز راستوں سے پیدل اور ہر دُبلے اونٹ پر

عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لا لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ

سوار ہو کر آئیں گے ○ تاکہ وہ اپنے فوائد کے مقامات پر حاضر ہوں اور مقررہ ایام میں ان بے زبان

مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ج فَكُلُوْا مِنْهَا

مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو دیے ہیں، پس تم ان میں سے خود کھاؤ

وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ز ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا

اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ ○ پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذروں کو

نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ق وَمَنْ يُّعَظِّمْ

پورا کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں ○ یہی حکم ہے، اور جو اللہ کی حرمت والی

حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ

چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس کے رب کے نزدیک اس کے لیے بہتر ہے اور تمہارے لیے سب مویشی حلال کر دیے گئے

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ

سوا ان کے جو تم پر تلاوت کیے جاتے ہیں، سو تم بتوں کی نجاست سے اجتناب کرو

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ

اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو ○ ہر باطل سے الگ، صرف اللہ کے ہو کر رہو کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بناتے ہوئے

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ

اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک قرار دیا وہ گویا آسمان سے گر گیا، پھر اسے مردار خور پرندے جھپٹ لیتے ہیں

اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ

یا آندھی اس کو کسی دور جگہ پھینک دیتی ہے ○ یہی حق ہے، اور جس نے

يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ

اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو بیشک یہ دلوں کے تقویٰ (کے آثار) سے ہے ○ تمہارے لیے

فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ

ان مویشیوں میں مدت معین تک فوائد ہیں، پھر ان کو ذبح کرنے کا مقام

الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع

قدیم گھر کی طرف ہے ○

ع ۸/۱۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کو اللہ ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' ان جنتوں میں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا○ اور ان کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت کی جائے گی اور حمد کرنے والوں کے راستہ کی طرف ان کو ہدایت کی جائے گی○ (الحج: ۲۳-۲۴)

آخرت میں مومنوں کے چار قسم کے انعامات

اس سے پہلی آیتوں میں آخرت میں کفار کی تین قسم کی سزاؤں کا بیان فرمایا تھا اور ان آیتوں میں آخرت میں مومنوں

کے چار قسم کے انعامات کا بیان فرمایا ہے:

(۱) پہلا انعام ان کے مسکن کا ذکر ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو ان جنتوں میں رکھے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔

(۲) دوسرا انعام یہ ہے کہ ان کا لباس ریشم کا ہوگا' دنیا میں ریشم مردوں پر حرام کر دیا تھا اور آخرت میں ان پر ریشم حلال فرما دیا۔

ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے' انہوں نے پانی مانگا ایک دہقان ان کے لیے چاندی کے برتن میں پانی لایا۔ حضرت حذیفہ نے اس برتن کو پھینک دیا پھر کہا میں نے یہ چاندی کا برتن اس لیے پھینکا ہے کہ میں نے اس کو چاندی کے برتن میں پانی دینے سے منع کیا تھا مگر یہ باز نہیں آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا اور چاندی اور ریشم اور دیباج (ریشم کی ایک قسم) کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور یہ تمہارے لیے آخرت میں ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۰۱)

(۳) تیسرا انعام یہ ہے کہ مومنوں کو جنت میں زیورات پہنائے جائیں گے۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور وہ نماز کا وضو کر رہے تھے' وہ اپنا ہاتھ بغل تک دھو رہے تھے' میں نے کہا اے ابو ہریرہ! یہ کیسا وضو ہے؟ انہوں نے کہا اے چوزے کے بچے! تو یہاں کھڑا ہوا ہے!! اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ تو یہاں کھڑا ہے تو میں اس طرح وضو نہ کرتا۔ میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جہاں تک مومن کا وضو پہنچے گا' وہاں تک اس کا زیور پہنچے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۹)

اس حدیث میں مومن کو جنت میں زیورات پہنانے کا بھی ثبوت ہے اور ناسمجھ لوگوں کو ڈانٹنے کا بھی ثبوت ہے اور یہ بھی ثبوت ہے کہ خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں کے سامنے ایسی احادیث بیان کرو جو ان کے درمیان معروف ہیں (یعنی ان کے سامنے کوئی نئی بات نہ بیان کرو) کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔ (صحیح البخاری کتاب العلم باب: ۴۹)

اس آیت میں فرمایا ہے: ان جنتوں میں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے' اور ایک اور آیت میں ہے:

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۖ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ (الدھر: ۲۱)

ان کے جسموں پر سبز باریک اور دبیز ریشمی کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ انہیں جنت میں سونے' چاندی اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

مردوں کے لیے سونے اور چاندی کے زیورات کی جنت میں تخصیص کی وجہ

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے کہ مفسرین نے کہا ہے کہ جب کہ دنیا کے بادشاہ کنگن اور تاج پہنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے جنت میں ان کا پہننا حلال کر دیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۸)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

ابن عیینہ نے از اسرائیل از ابو موسیٰ از حسن روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک سے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۸)

انہوں نے کہا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کے کنگن اور اس کا منطقہ (پٹکا) اور تاج لایا گیا تو حضرت عمر نے وہ کنگن حضرت سراقہ کو پہنا دیئے۔ حضرت سراقہ پست قد تھے اور ان کی کلائیوں پر بال بہت زیادہ تھے' حضرت عمر نے

کہا اپنے ہاتھ اوپر اُٹھائیں اور کہیں اللہ کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے یہ کنگن کسریٰ بن ہرمز سے اُتار کر سراقہ اعرابی کو پہنا دیئے۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۳۶-۳۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

دنیا میں ریشم اور سونا چاندی پہننے اور شراب پینے والے کا شرعی حکم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں اس کو نہیں پہنے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۷۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۴۲ سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۱۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۸۸ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۶۲۶ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۶۹ عالم الکتب بیروت)

ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ ٹھیک ہے مسلمان آخرت میں تو ریشم نہیں پہنے گا لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کو جنت میں ریشم پہنا دیا جائے۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ اگر اس نے ریشم پہننے سے توبہ نہیں کی تو وہ جنت میں بھی ریشم پہننے سے محروم رہے گا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس پر ریشم اس وقت حرام ہوگا جب اس کو آگ میں عذاب دیا جائے گا یا اس کو محشر میں طول قیام کی سزا دی جائے گی لیکن جب وہ جنت میں داخل ہو جائے گا تو پھر محروم نہیں ہوگا' کیونکہ جنت میں جنت کی لذات میں سے کسی لذت سے محروم ہونا بھی ایک قسم کی سزا ہے اور جنت سزا کی جگہ نہیں ہے بلکہ جزا اور انعام کی جگہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بہت مستحکم تھا اگر اس کے خلاف احادیث نہ ہوتیں اور وہ یہ ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دنیا میں ریشم پہنا وہ اس کو آخرت میں نہیں پہنے گا خواہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۲۹۴)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں ریشم پہننے سے محروم رہے گا خواہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔

اسی طرح جس نے دنیا میں سونے اور چاندی کے زیورات پہنے وہ جنت میں ان کو پہننے سے محروم رہے گا۔ اسی طرح دنیا میں شراب پینے والے کا حکم ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں خمر (انگور کے کچے شیرہ کی شراب) کو پیا اور اس سے توبہ نہیں کی' وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۳)

باقی رہا یہ کہ ان نعمتوں سے محروم ہونا تو ایک طرح کی سزا ہے اور جنت سزا کی جگہ نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ان چیزوں کی خواہش ہی پیدا نہیں کرے گا حتیٰ کہ اس کو محرومی کا احساس ہو۔

(۴) جنت میں چوتھا انعام یہ ہوگا کہ ان کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت کی جائے گی اور حمد کرنے والوں کے راستہ کی طرف ان کو ہدایت کی جائے گی۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو لا الہ الا اللہ پڑھنے اور الحمدللہ پڑھنے کی ہدایت دی جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ صبح اُٹھ کر یہ کہیں گے: الحمد للہ الذی ھدانا لھذا اللہ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی' اور کہیں گے:

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن اللہ کی حمد ہے جس نے ہم سے غم کو دُور کر دیا۔ پس جنت میں کوئی لغو بات ہو گی نہ جھوٹ ہو گا' اور وہ جو کچھ بھی کہیں گے وہ حق اور سچ بات ہو گی اور انہیں جنت میں اللہ کے راستہ کی طرف ہدایت دی جائے گی کیونکہ جنت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت پر مبنی ہو۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ انہیں دنیا میں پاکیزہ باتوں اور حمد کے راستہ کی ہدایت دی گئی ہے لیکن یہ تفسیر سیاق اور سباق کے مناسب نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ اللہ کے راستہ سے روکنے لگے اور اس مسجد حرام سے جس کو ہم نے لوگوں کے لیے مساوی بنایا ہے وہ اس مسجد میں معتکف (مقیم) ہوں یا باہر سے آئیں' اور جو اس مسجد میں ظلم کے ساتھ زیادتی کا ارادہ کرے گا ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے ○ (الحج: ۲۵)

مسجد حرام سے روکنے والوں کی مذمت کا شانِ نزول

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ "بے شک جن لوگوں نے کفر کیا" یہ ماضی کا صیغہ ہے اور وہ اللہ کے راستے سے روکنے لگے یہ حال کا صیغہ ہے اور حال کا ماضی پر عطف کرنا مستحسن نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب دوام اور استمرار مقصود ہو تو حال کا ماضی پر عطف کر دیا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ (الرعد: ۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان بن حرب اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے' جب انہوں نے حدیبیہ کے سال (چھ ہجری میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ان سے جنگ کرنے کو ناپسند کیا تھا آپ اس وقت عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے' پھر آپ نے ان سے اس شرط پر صلح کی کہ آپ اگلے سال آ کر عمرہ کریں گے۔

(تکملہ تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۱۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مکہ کی زمین اور اس کے مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کی ممانعت میں مذاہب فقہاء

مسجد حرام' صفا اور مروہ کی پہاڑیاں' منیٰ' مزدلفہ' عرفات اور موضع جمرات مکہ مکرمہ کی سرزمین کے حصہ' تمام فقہاء کے نزدیک وقف عام ہیں اور مکہ کے رہنے والے اور باہر سے مکہ مکرمہ آنے والے سب وہاں عبادات اور مناسکِ حج ادا کر سکتے ہیں اور یہ جگہ کسی کی ملکیت نہیں ہے اور یہاں پر کوئی کسی مسلمان کو عبادت کرنے اور ٹھہرنے سے منع نہیں کر سکتا اور نہ مکہ کے ان حصوں کو فروخت کرنا یا کرائے پر دینا جائز ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۴ ص ۱۷۸' روح المعانی جز ۱۷' ص ۲۰۷-۲۰۶)

سرزمین مکہ کے ان حصوں کے علاوہ باقی سرزمین مکہ میں اختلاف ہے کہ آیا ان کو بیچنا اور کرائے پر دینا جائز ہے یا نہیں۔

امام شافعی اور امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ مکہ کی زمین کو اور اس کے مکانات کو فروخت کرنا اور کرائے پر دینا جائز ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۴ ص ۱۷۷' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۱۷' فتح الباری ج ۴ ص ۲۴۵) امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مکہ کی تمام زمین وقف ہے' اس کو بیچنا اور کرائے پر دینا جائز نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۳۲-۳۱)

اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ مکہ کی سرزمین کے جو حصے مناسکِ حج کے لیے وقف ہیں' ان کے علاوہ مکہ کی باقی زمینوں اور مکانوں کو فروخت کرنا اور کرائے پر دینا جائز ہے۔ البتہ حج کے ایام میں مکہ کے مکانوں کو کرائے پر دینا مکروہ ہے

کیونکہ اس سے زائرین حرم اور حجاج کو زحمت اور تکلیف ہوگی۔ (درمختار و ردالمحتار ج ۹ ص ۴۸۰-۴۷۹)

امام مالک اور ان کے موافقین یہ کہتے ہیں کہ مکہ کی تمام زمین وقف ہے اور کسی جگہ کو فروخت کرنا اور اس کو کرائے پر دینا جائز نہیں ہے۔ ان کا استدلال اس آیت سے ہے اس میں فرمایا ہے **والمسجد الحرام الذی جعلنه للناس سواء ن العاکف فیه والباد** ۔ (الحج: ۲۵) وہ اس آیت میں المسجد الحرام سے مراد ارض حرم لیتے ہیں یعنی سرزمین مکہ اور العاکف کا معنی کرتے ہیں مکہ میں رہنے والا' الباد کا معنی کرتے ہیں مسافر۔ ان کے نزدیک اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ تمام سرزمین مکہ میں مکہ میں رہنے والوں اور مسافروں کا برابر کا حق ہے اور مکہ کی زمین اور اس میں بنے ہوئے مکانوں کا کوئی مالک نہیں ہے' ہر جگہ اور ہر مکان میں ہر شخص رہ سکتا ہے۔

مکہ کی زمین اور مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کی ممانعت کے دلائل اور ان کا ضعف

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اپنے مسلک کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

مساوات مکہ کی حویلیوں اور مکانوں میں رہنے والوں میں ہے اور ان مکانوں میں رہنے والا مسافر سے زیادہ حق دار نہیں ہے اور یہ اس بناء پر ہے کہ اس آیت میں مسجد حرام سے مراد پورا حرم ہے' اور یہ مجاہد اور امام مالک کا قول ہے' اور حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جو شخص مکہ میں آئے' وہ جس مکان میں چاہے ٹھہر جائے اور مکان والے پر اس کو ٹھہرانا لازم ہے' وہ چاہے یا نہ چاہے۔ اور سفیان ثوری وغیرہ نے کہا ہے کہ ابتدائی دور میں مکہ کے مکانوں کے دروازے نہیں بنائے جاتے تھے (تاکہ جب کوئی مسافر جہاں چاہے ٹھہر جائے) حتیٰ کہ جب چوریاں بہت ہونے لگیں تو ایک شخص نے اپنے مکان کا دروازہ بنا لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا اور کہا تم بیت اللہ کا حج کرنے والے پر دروازہ بند کرتے ہو؟ اس نے کہا میں نے اپنے سامان کو چوری سے محفوظ رکھنے کا ارادہ کیا ہے پھر حضرت عمر نے اس کو چھوڑ دیا' پھر لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے بنانے شروع کر دیئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ وہ حج کے ایام میں مکہ کے گھروں کے دروازوں کو توڑنے کا حکم دیتے تھے تاکہ مکہ آنے والے مسافر جس گھر میں چاہیں' آ کر ٹھہر جائیں۔ اور امام مالک سے یہ بھی مروی ہے کہ گھر مسجد کی طرح نہیں ہیں اور گھر والوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے گھروں میں آنے والوں کو منع کریں۔

اس کے بعد علامہ قرطبی لکھتے ہیں صحیح وہی ہے جو امام مالک کا قول ہے اور اس کی تائید میں احادیث ہیں: علقمہ بن نضلہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فوت ہو گئے اور اس وقت تک مکہ کی زمین کو وقف کہا جاتا تھا' جس کو ضرورت ہو وہ اس میں خود رہے اور جو مستغنی ہے' وہ کسی اور کو ٹھہرائے۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۰۰۳' یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ارسال اور انقطاع ہے) اور علقمہ بن نضلہ سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں مکہ کے گھر وقف کیے جاتے تھے' ان کو فروخت نہیں کیا جاتا تھا۔ جس کو ضرورت ہوتی وہ ان گھروں میں خود رہتا اور جس کو ضرورت نہ ہوتی' وہ کسی اور کو ٹھہرا لیتا۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۰۰۲' یہ حدیث بھی حسب سابق ہے) اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ حرم ہے' اس کی حویلیوں کو فروخت کرنا حرام ہے اور ان کو کرائے پر دینا حرام ہے۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۲۹۹۵' یہ حدیث بھی ضعیف ہے) (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۳۲-۳۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

امام مالک اور ان کے موافقین نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے المسجد الحرام کا معنی پوری سرزمین حرم کیا ہے اور یہ مجاز ہے اور بغیر قرینہ صارفہ کے مجاز کو اختیار کرنا صحیح نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے

العاکف کا معنی مکہ میں رہنے والا کیا ہے حالانکہ العاکف کا شرعی معنی المعتکف ہے' اور جن احادیث سے علامہ قرطبی نے استدلال کیا ہے' ہم نے ان کا ضعف قوسین میں ذکر کر دیا ہے۔

جو احادیث علامہ قرطبی نے ذکر کی ہیں' ان کے علاوہ بھی کچھ احادیث ہیں جن سے امام مالک کے موقف پر استدلال کیا جاتا ہے' وہ یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے' اس کی حویلیاں فروخت کی جائیں نہ اس کے مکان کرائے پر دیئے جائیں۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۳' طبع قدیم' دارالباز مکہ مکرمہ)

علامہ ذہبی متوفی ۷۴۸ ھ فرماتے ہیں اس کی سند میں ایک راوی ''اسماعیل'' ضعیف ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۵۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا جو شخص مکہ کے مکانوں کا کرایہ کھاتا ہے' وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۲۹۹۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

اس حدیث کا ایک راوی عبیداللہ بن ابی زیاد ہے۔ حافظ عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں ابن معین نے کہا یہ ضعیف ہے۔ ابو حاتم نے کہا یہ قوی اور متین نہیں ہے اور اس کی احادیث لکھنے کے لائق نہیں ہیں۔ آجری نے کہا اس کی احادیث منکر ہیں۔ امام نسائی نے کہا یہ قوی اور ثقہ نہیں ہے۔ حاکم ابو احمد نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۴' مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن' ۱۳۲۶ ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جو فقہاء مکہ کی زمین کو فروخت کرنے اور اس کے مکانوں کو کرائے پر دینے کو حرام کہتے ہیں' ان کا قرآن مجید سے استدلال صحیح نہیں ہے' اور جن احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے ان سب کی سندیں ضعیف ہیں۔

مکہ کی زمین اور اس کے مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کے جواز میں قرآن مجید اور احادیث و آثار سے استدلال

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ. (الحج: ۴۰) — یہ وہ لوگ ہیں جن کو ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا۔

امام ابن جریر نے کہا۔ کفار قریش نے مومنین کو مکہ سے نکال دیا تھا۔ (جامع البیان جز ۱۷ ص ۲۲۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو مکہ سے نکال دیا گیا تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۹۶۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی ہے' ہمیں ہمارے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا تھا۔ الحدیث (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۹۶۷)

مکہ کے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنا ناحق اسی وقت ہوگا جب ان کا ان کے گھروں پر حق ہو اور وہ گھر وقف عام نہ ہوں اور مسلمانوں کا ان گھروں کو فروخت کرنا اور کرائے پر دینا جائز ہو۔

اس آیت کے بعد اس موقف پر یہ حدیث بہت قوی دلیل ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ مکہ کے کون سے گھر میں ٹھہریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لیے حویلیاں اور مکانات چھوڑے ہیں؟ عقیل ابو طالب کے وارث ہوئے تھے اور

حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ابوطالب کے وارث نہیں ہوئے تھے کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ (اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا) اور عقیل اور طالب کافر تھے سو حضرت عمر بن الخطاب یہ کہتے تھے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۸۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۴۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۲۵۵)

عقیل ابوطالب کے مکان کے وارث ہو گئے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ابوطالب اور عقیل دونوں مکہ میں اپنے مکانوں کے مالک تھے اور ان کے مکان وقف عام نہیں تھے اور ان کا ان مکانوں کو فروخت کرنا اور ان میں تصرف کرنا صحیح تھا۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے مکہ میں مکانات تھے۔ حضرت ابوبکر، حضرت زبیر، حضرت حکیم بن حزام، حضرت ابوسفیان اور باقی اہل مکہ کے مکانات تھے۔ بعض نے اپنے مکانوں کو فروخت کر دیا اور بعض نے اپنے مکانوں کو اپنی ملک میں رہنے دیا۔ حضرت حکیم بن حزام نے دارالندوہ کو فروخت کر دیا تو حضرت ابن الزبیر نے کہا آپ نے قریش کی عزت کو بیچ دیا تو حضرت حکیم بن حزام نے کہا اے بھتیجے! عزت تو صرف تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، اور حضرت معاویہ نے دو مکان خریدے۔ حضرت عمر نے حضرت صفوان بن امیہ سے چار ہزار درہم میں ایک قید خانہ خریدا اور ہمیشہ سے اہل مکہ اپنے مکانوں میں مالکانہ تصرف کرتے رہے ہیں اور خرید و فروخت کرتے رہے ہیں اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا تو یہ اجماع ہو گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے مکانوں کی ان کی طرف نسبت کو برقرار رکھا۔ آپ نے فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے، اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا اس کو امان ہے، اور ان کے مکانوں اور ان کی حویلیوں کو برقرار رکھا اور کسی شخص کو اس کے گھر سے منتقل نہیں کیا گیا اور نہ کوئی ایسی حدیث پائی گئی جو ان کے مکانوں سے ان کی ملکیت زائل ہونے پر دلالت کرے، اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کا بھی یہی معمول رہا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قید خانہ بنانے کے لیے مکان کی سخت ضرورت تھی مگر انہوں نے خریدنے کے سوا اس کو نہیں لیا، اور اس کے خلاف جو احادیث مروی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور صحیح یہ ہے کہ مکہ جنگ سے فتح ہوا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو ان کی املاک اور حویلیوں پر برقرار رکھا اور آپ نے ان کے مکانوں کو ان کے لیے اس طرح چھوڑ دیا جس طرح ہوازن کے لیے ان کی عورتوں اور بیٹوں کو چھوڑ دیا تھا۔ ابن عقیل نے کہا ہے کہ مکہ کی زمینوں کا یہ اختلاف افعال حج کی ادائیگی کے مقامات کے علاوہ میں ہے لیکن زمین کے جن حصوں میں افعالِ حج کی ادائیگی کی جاتی ہے جیسے صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کی جگہ اور شیطان کو کنکریاں مارنے کی جگہیں، ان جگہوں کا حکم مساجد کا حکم ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۴ ص ۱۷۸، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

مکہ کی زمین اور مکانوں کو فروخت کرنے اور کرائے پر دینے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

مکہ کے مکانوں اور اس کی زمین کو فروخت کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ صاحب ہدایہ کی مختارات النوازل میں مذکور ہے کہ مکہ کے مکانوں کو فروخت کرنے اور ان کو کرائے پر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن زیلعی وغیرہ میں مذکور ہے کہ ان کو کرائے پر دینا مکروہ ہے اور التاتارخانیہ کی آخری فصل الوہبانیہ کے باب اجارہ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا میں حج کے ایام میں مکہ کے مکانوں کو کرائے پر دینا مکروہ قرار دیتا ہوں اور آپ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حجاج ایامِ حج میں مکہ والوں کے گھروں میں رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: سواء ن العاكف فيه والباد۔

ج:۲۵) مسجد حرام میں مقیم اور مسافر برابر ہیں' اور ایام حج کے علاوہ کرایا لینے کی رخصت دی ہے' اس سے فرق اور تطبیق کا علم ہو گیا۔ حضرت عمر ایام حج میں فرماتے تھے اے مکہ والو! اپنے گھروں میں دروازے نہ بناؤ تا کہ آنے والے جہاں چاہیں' ٹھہریں پھر یہ آیت پڑھتے تھے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

غایۃ البیان میں مذکور ہے امام ابو یوسف نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ایام حج میں مکہ کے مکانوں کو کرائے پر دینا مکروہ کہتے تھے اور غیر ایام حج میں اس کی اجازت دیتے تھے' امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے۔ امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ایام حج میں مکہ کے مکانوں کو کرائے پر دینا مکروہ کہتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ مکہ والوں کو چاہیے کہ اگر ان کے مکانوں میں زائد جگہ ہو تو وہ مسافروں کو اپنے مکانوں میں ٹھہرائیں ورنہ نہیں' اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کرائے پر دینے کی کراہت میں ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے۔

علامہ حصکفی نے کہا ہے کہ اسی سے فرق اور تطبیق کا علم ہو گیا۔ اس کی شرح یہ ہے کہ ایام حج میں مکانوں کو کرائے پر دینا مکروہ ہے اور زیلعی کی نوازل میں جو اس کو مکروہ کہا ہے اس کا یہی معنی ہے' اور مختارات النوازل میں جو کہا ہے اس میں کوئی حرج نہیں' وہ ایام حج کے علاوہ دنوں پر محمول ہے اور امام اعظم کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

(الدر المختار و رد المختار ج ۹ ص ۴۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ہمارے فقہاء کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام حج میں مکانوں کو کرائے پر دینے کی کراہت تنزیہی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر ان کے پاس زائد جگہ ہو تو آنے والے کو ٹھہرائیں ورنہ نہیں' اور اسلام کے عام اصول سے یہ بات معلوم اور مقرر ہے کہ کوئی شخص مالک مکان کی مرضی اور اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید نے مسجد حرام میں مقیم اور مسافروں کا حق برابر قرار دیا ہے۔ ارضِ حرم میں یہ حق برابر نہیں فرمایا' اور اگر بالفرض ارضِ حرم بھی مراد ہو تو بھی حرم کے مکانوں میں تو مقیم اور مسافر کا حق برابر نہیں فرمایا۔ ارض حرم میں مسافر جہاں چاہیں خیمہ ڈال کر رہیں' کسی کے مکان میں اس کی اجازت اور اس کی مرضی کے بغیر رہنے کا انہیں کیا حق ہے؟ اور ائمہ احناف نے ایام حج میں مکانوں کو کرائے پر دینے کو مکروہ کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اخلاق اور مروت کے خلاف ہے کہ مسافروں' مہمانوں اور زائرین حرم سے ان کے ٹھہرنے کا کرایہ طلب کیا جائے' یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ شرعاً مکروہ یا حرام ہے۔

الحاد کا معنی اور اس کے مصداق کے تعین میں مختلف اقوال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: من یرد فیہ بالحاد بظلم ۔ یہ لفظ ورود سے بھی مشتق ہو سکتا ہے یعنی جو شخص مکہ میں ظلم اور زیادتی کے ساتھ وارد (داخل) ہو گا' ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے' اور یہ لفظ ارادہ سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے یعنی جو شخص مکہ میں ظلم اور زیادتی کا ارادہ کرے گا' ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے۔

الحاد کا معنی ہے درمیانہ روی سے انحراف یا تجاوز کرنا' اور مفسرین نے الحاد کی حسب ذیل تفسیریں کی ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس' عطاء بن ابی رباح' سعید بن جبیر' قتادہ اور مقاتل نے کہا الحاد سے مراد شرک ہے یعنی جو شخص اللہ کے حرم میں شرک کرنے کے لیے آیا' اس کو اللہ عذاب دے گا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۱۴)

(۲) حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سعد کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اسلام لانے کے بعد مشرک ہو گیا تھا' اور قیس بن ضبابہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور مقاتل نے کہا یہ آیت عبداللہ

بن خطل کے متعلق نازل ہوئی ہے جو ایک انصاری کو قتل کر کے مکہ بھاگ گیا تھا اور کافر ہو گیا تھا اور فتح مکہ کے دن صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کو حالتِ کفر میں قتل کیا گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۱۷)

(۳) مکہ میں شکار کو قتل کرنا۔

(۴) مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا اور مکہ میں جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان کاموں کو کرنا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۱۸)

(۵) مجاہد اور سعید بن جبیر سے روایت ہے ذخیرہ اندوزی کرنا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۲۳)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے دو خیمے تھے ایک حرم میں تھا اور ایک حل میں تھا۔ انہوں نے جب کسی کو ڈانٹنا ہوتا تھا تو حل میں ڈانٹتے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۲۵)

(۷) محققین نے کہا ظلم کے ساتھ الحاد کرنا تمام قسموں کے گناہوں کو شامل ہے کیونکہ کوئی گناہ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو حرم میں اس کا عذاب بہت سخت ہے۔ مجاہد نے کہا جس طرح حرم میں نیکیوں کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اسی طرح حرم میں برائیوں کا عذاب بھی زیادہ ہوتا ہے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۴۲۱)

آیا مکہ میں گناہ کا عذاب بھی دُگنا ہوتا ہے یا نہیں؟

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کوئی شخص مکہ میں ظلم کرنے کا ارادہ کرے پھر ظلم نہ کرے تو آیا اس پر گرفت ہوگی؟ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ ہے کہ یہ حرم شریف کی خصوصیت ہے کہ حرم میں برائی کا ''ھم'' کرنے پر بھی گرفت ہوتی ہے۔ (غالب جانب کام کے کرنے کی ہو اور مغلوب جانب کام کے نہ کرنے کی ہو تو اس کو ''ھم'' کہتے ہیں) یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ انہوں نے کہا اگر کوئی شخص برے کام کا ''ھم'' کرے اور وہ برا کام نہ کرے تو اس کو لکھا نہیں جاتا جب تک اس کام کو کر نہ لے اور اگر کوئی شخص بیت اللہ کے پاس کسی شخص کو قتل کرنے کا ''ھم'' کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں عذابِ الیم چکھائے گا۔ ضحاک نے کہا اگر کوئی شخص غیر حرم میں ہو اور یہ ''ھم'' کرے کہ وہ حرم میں کوئی گناہ کرے گا پھر بھی اس کا گناہ لکھا جائے گا خواہ وہ حرم میں وہ گناہ نہ کرے۔ مجاہد نے کہا مکہ میں برائیوں کو اسی طرح دُگنا کیا جاتا ہے جس طرح مکہ میں نیکیوں کو دُگنا کیا جاتا ہے۔ امام احمد سے یہ سوال کیا گیا کیا ایک برائی کو ایک سے زیادہ بار لکھا جاتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! ماسوا مکہ مکرمہ کے اس شہر کی تعظیم کی وجہ سے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جو ارادہ کرے اس کا معنی ہے جو عمل کرے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۴۲۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ ھ)

اس کی تحقیق یہ ہے کہ حرم میں ایک گناہ درحقیقت دو گناہ ہیں ایک تو اللہ اور اس کے رسول کی نفس مخالفت اور دوسرا مکہ کی حرمت اور تعظیم کے خلاف کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجئے جب ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ بنانے کی جگہ مقرر کر دی (اور حکم دیا کہ) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا ○ اور لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کیجئے وہ آپ کے پاس دُور دراز راستوں سے پیدل اور دُبلے اونٹ پر سوار ہو کر آئیں گے ○ تاکہ وہ اپنے فوائد کے مقامات پر حاضر ہوں اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو دیئے ہیں پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ ○ پھر وہ اپنا میل کچیل

کریں اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں ○ (الحج: ۲۹-۲۶)

یر کعبہ کی تفصیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں' دو فریقوں کا ذکر فرمایا اور ہر ایک کی اُخروی جزا کا بھی ذکر رمایا اور ان آیات کو بیت اللہ کے ذکر پر ختم فرمایا۔ اب ان کے بعد بیت اللہ یعنی کعبہ کا ذکر فرمایا' اس کی تعمیر کا اور اللہ کے گھر یں حاضر ہونے کی ہدایت دی اور اسی کا نام حج ہے کہ لوگ ادب اور احترام اور خضوع اور خشوع کے ساتھ اللہ کے گھر حاضر ہونے کا قصد کریں' اور جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں وہاں سب جمع ہوں اور حج میں چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں اور ان کے طریقوں پر عمل کیا جاتا ہے اس لیے فرمایا اور یاد کیجئے جب ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ بنانے کی جگہ مقرر کردی۔ قرآن مجید میں اس جگہ بوانا کا لفظ ہے' اس کا مصدر تبویہ ہے اس کا معنی ہے ٹھکانا دینا' کسی مناسب جگہ کو قیام کے لیے مہیا کرنا۔ بوانا کا معنی ہے ہم نے جگہ دی' کسی مناسب مقام کو قیام کے لیے تیار کیا۔ یعنی ہم نے کعبہ کو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے منزل اور جائے رجوع بنا دیا' جو شخص کعبہ سے جدا ہو کر جاتا ہے وہ پھر دوبارہ وہاں آنے کا مشتاق ہوتا ہے۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کعبہ کو پہلے بنانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حدیث میں ہے: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے کہا یارسول اللہ! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا المسجد الحرام۔ میں نے کہا پھر کون سی؟ فرمایا: بیت المقدس' میں نے پوچھا ان کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟ فرمایا چالیس سال۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۵۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کعبہ کو بنانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بیت المقدس کو بنانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور ان کے درمیان تو چالیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کعبہ اور بیت المقدس کی تجدید کی ہے یہ پہلے سے بنے ہوئے تھے۔ جیسا کہ ہم اس کے متعلق روایات بیان کریں گے۔

اور جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی تھے اور منصب نبوت کا تقاضا ہے لوگوں کو اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دینا' اس لیے فرمایا اس جگہ اپنے اہل و عیال کو ٹھہراؤ اور اس جگہ عبادت کرنے کے لیے بار بار آؤ۔ اور فرمایا میرے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا' اس کا معنی ہے اخلاص کے ساتھ میری عبادت کرنا اور عبادت میں کوئی اور غرض شامل نہ کرنا' اور فرمایا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا' یعنی میرے گھر کو ہر قسم کی ظاہری اور باطنی نجاست سے پاک رکھنا یعنی بتوں سے اور اس میں برہنہ طواف کرنے سے۔ اب ہم وہ روایات ذکر کر رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بنایا گیا تھا۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اُتارا تو ان کے ساتھ اپنے بیت کو بھی زمین پر رکھ دیا۔ ابتداءً یہ بہت بڑا تھا پھر اس کو چھوٹا کر کے ساٹھ ہاتھ کا کر دیا جب حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آ کر فرشتوں کی تسبیح کی آوازیں نہیں سنیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! میں نے تمہارے لیے اپنا بیت زمین پر رکھ دیا ہے' اس کے گرد بھی اسی طرح طواف کیا جاتا ہے' جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا تھا' اور اس کے پاس بھی اسی طرح نماز پڑھی جاتی ہے' جس طرح میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی تھی پھر

حضرت آدم علیہ السلام سفر کر کے بیت اللہ تک گئے اور اس کا طواف کیا اور ان کے بعد انبیاء علیہم السلام نے اس کا طواف کیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۲۷ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۸۷۲)

سدی بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام سے یہ عہد لیا کہ وہ طواف کرنے والوں کے لیے میرے بیت کو پاک کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام روانہ ہو کر مکہ گئے پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کدال اور پھاوڑے لے کر کھڑے ہوئے اور ان کو یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ کعبہ کس جگہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ایک سانپ کی صورت میں بھیجا اس نے کعبہ کے اردگرد اور اس کی پہلی بنیادوں سے کوڑا کرکٹ صاف کر دیا پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے ان بنیادوں سے کعبہ کی تعمیر شروع کی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۲۸ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۸۷۴ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۳۵)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

کعبہ کو پانچ مرتبہ بنایا گیا ہے' پہلی بار کعبہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتوں نے بنایا اور اس وقت یہ سرخ یاقوت سے بنا ہوا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان میں اس کی بنیادیں اُکھڑ گئیں اور اس کو دوسری بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بیت اللہ کو بنانے کا حکم دیا تو ان کو یہ پتا نہیں چلا کہ وہ کس جگہ بیت اللہ کو بنائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جس کا نام ریح الخجوج تھا' اس نے کعبہ کی بنیادوں سے کوڑا کرکٹ صاف کر دیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو اس کی قدیم بنیادوں پر تعمیر کیا' اور تیسری بار اس کو زمانہ جاہلیت میں قریش نے بنایا اس کی تعمیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے' اس وقت آپ جوان تھے جب انہوں نے حجر اسود کو نصب کرنے کا ارادہ کیا تو ان میں اختلاف ہوا ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ وہ اس کو نصب کرے پھر انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ کل جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہوگا' وہی اس کو نصب کرے گا۔ دوسرے دن سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ حجر اسود کو ایک چادر پر رکھ دیں اور تمام قبیلوں کے سردار اس چادر کو مل کر اُٹھائیں پھر آپ نے اس کو اُٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دیا۔ وہ آپ کو امین کہتے تھے یہ واقعہ آپ کے اعلانِ نبوت سے پندرہ سال پہلے کا ہے۔ چوتھی مرتبہ کعبہ کو حضرت عبداللہ ابن الزبیر نے بنایا اور پانچویں بار اس کو حجاج نے بنایا اور وہی بنا آج تک قائم ہے۔ اس کی بلندی ستائیس ہاتھ ہے (تقریباً چالیس فٹ) اور اس کی لمبائی رُکن یمانی سے حجر اسود تک چھپیس ہاتھ (تقریباً پینتیس فٹ) ہے اور اس کا عرض رُکن یمانی سے حجر اسود تک بیس ہاتھ ہے۔ (تقریباً تیس فٹ) اس کی مشرقی جانب میں ساگوان کی لکڑی کا دروازہ ہے جس پر چاندی سے کام کیا گیا ہے رکن یمانی اور حجر اسود کی درمیانی دیوار میں میزابِ رحمت ہے۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

تعمیر کعبہ کی زیادہ تفصیل ہم نے البقرہ: ۱۲۷ تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۷۴-۵۷۳ میں بیان کر دی ہے۔

الحج: ۲۷ میں فرمایا اور لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کیجئے وہ آپ کے پاس دُور دراز راستوں سے پیدل اور دُبلے اونٹ پر سوار ہو کر آئیں گے۔

حج کا لغوی اور شرعی معنی ہم نے البقرہ: ۱۵۸ تبیان القرآن ج ۱ ص ۶۳۹ میں بیان کر دیا ہے' اور آل عمران: ۹۷-۹۶ میں ہم نے یہ امور بیان کیے ہیں: حج کی تعریف' شرائط' فرائض' واجبات' سنن اور آداب' ممنوعات اور مکروہات' حج کے فضائل' حج کی استطاعت کی تفصیل' قدرت کے باوجود حج نہ کرنے والے پر وعید' حلال مال سے حج کرنے کی فضیلت اور حرام مال سے حج کرنے کی مذمت۔ (تبیان القرآن ج ۲ ص ۲۸۰-۲۷۴)

[قی]امت تک وہی حج کرسکیں گے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر لبیک کہا تھا

حج کا اعلان کرنے کے متعلق امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے یہ روایات ذکر کی ہیں:

حضرت ابن عباس رضی عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ آپ لوگوں میں حج کرنے کا اعلان کیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! ان سب لوگوں تک میری آواز کیسے پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اعلان کرو آواز پہنچانا میرا کام ہے' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا اے لوگو! تم پر اس قدیم گھر کا حج فرض کر دیا گیا پس تم حج کرو' آسمان اور زمین کی تمام مخلوق نے اس اعلان کو سنا' کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین کے دور دراز علاقوں سے لوگ تلبیہ پڑھتے ہوئے حج کرنے کے لیے آتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۳۵' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۸۷۷' المستدرک ج ۲ ص ۳۸۹-۳۸۸)

مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر ندا کی: اے لوگو! اللہ نے تمہارے اوپر حج فرض کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ندا ان سب کو سنا دی جو مردوں کی پشت میں اور عورتوں کے رحموں میں تھے اور ان سب نے اس ندا کا جواب دیا جو اللہ کے علم میں قیامت تک حج کرنے والے تھے' انہوں نے کہا **لبیک اللھم لبیک**۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۳۶' المستدرک ج ۲ ص ۵۵۲)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے اونچے پہاڑ پر کھڑے ہو کر حج کا اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سات سمندروں کی گہرائی تک یہ اعلان سنوا دیا **لبیک اطعنا**' **لبیک اجبنا** ہم حاضر ہیں ہم نے اطاعت کی' ہم حاضر ہیں ہم نے قبول کیا' اور قیامت تک وہی حج کر سکے گا جس نے اس ندا پر لبیک کہا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۸۸۲' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۹۳۹)

مویشیوں کی قربانی کرنے کا طریقہ

الحج: ۲۸ میں فرمایا: تاکہ وہ اپنے فوائد کے مقامات پر حاضر ہوں اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں دیئے ہیں' پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت کے مارے فقیر کو بھی کھلاؤ۔

ان منافع سے مراد دنیاوی منفعت بھی ہے اور اُخروی منفعت بھی۔ دنیوی منفعت یہ ہے کہ سفر حج میں تجارت کر کے دنیا کا مال کمائیں اور اُخروی منفعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخش دے۔ پھر فرمایا: ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں۔

اس آیت میں ذبح اور نحر کو اللہ کا نام لینے سے تعبیر فرمایا اور اس میں مشرکین کے طریقہ کی مخالفت ہے کیونکہ وہ ذبح کرتے وقت بتوں کا نام لیتے تھے۔ مقاتل نے کہا جب تم ذبح کرو تو قبلہ کی طرف منہ کر کے کہو **بسم اللہ واللہ اکبر' اللھم منک والیک** اے اللہ اس قربانی کی ابتداء اور انتہا تیری ہی طرف سے ہے' اور بعض نے کہا یہ بھی کہے:

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ رب العلمین کے لیے ہے۔

گویا اس جانور کا خون بہا کر اس کی قربانی دینے والا خود اپنے آپ کو فدا کر رہا ہے اور اپنی جان کے بدلہ میں اس بکری یا اونٹنی کی قربانی دے رہا ہے۔

مسافروں اور حجاج پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے

حج کے موقع پر جو قربانی کی جاتی ہے وہ حج تمتع یا حج قران کی قربانی ہوتی ہے اور یہ واجب ہے کیونکہ بندہ قربانی کر کے اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اللہ نے ایک سفر میں اس کو حج اور عمرہ کی دو عبادتیں عطا فرمائی ہیں' ورنہ مسافر اور حجاج پر دس ذی الحج کی قربانی واجب نہیں ہے۔ عالم گیری میں لکھا ہے:

مسافروں پر قربانی واجب نہیں ہے اور نہ حجاج پر جب کہ وہ محرم ہوں' خواہ وہ اہل مکہ میں سے ہوں۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۳' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

حج کرنے والے مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے اور اہل مکہ اگر حج کریں تو ان پر قربانی لازم ہے اور ایک قول یہ ہے کہ لازم نہیں ہے۔ (سراج)

علامہ شامی نے کہا جوہرہ نیرہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(الدر المختار ورد المحتار ج ۹ ص ۳۸۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ حج کرنے والے پر قربانی نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور متقدمین رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے' کیونکہ حج کرنے والے کو اصل میں ھدی پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب وہ قربانی کرتا ہے تو اس کو ھدی بنا دیتا ہے' اور جو لوگ حج نہیں کرتے' انہیں اہل منیٰ کی مشابہت کی وجہ سے قربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۴۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قربانی کرنے کا وقت

اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے کہ قربانی کے ایام کتنے ہیں؟ امام مالک کے نزدیک تین دن ہیں یوم الاضحیٰ (۱۰ ذوالحج) اور اس کے بعد دو دن۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قربانی چار دن ہے' یوم الاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **فی ایام معلومات** اور یہ جمع کا صیغہ ہے لیکن اس میں تین دن متعین اور متفق علیہ ہیں اور چوتھا دن مشکوک اور مختلف فیہ ہے تو عبادت اس دن کرنی چاہیے جس دن اس کا قبول ہونا یقینی ہو۔

اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۱۳۱۔ ۱۳۰ میں کی ہے۔

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں عید الاضحیٰ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا' آپ نے نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دیکھا کہ نماز عید سے پہلے کچھ قربانیاں کر لی گئی تھیں۔ آپ نے فرمایا جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے' اور جس نے پہلے ذبح نہیں کیا وہ اللہ کا نام لے کر قربانی کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۵۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹوں کو نحر کیا (نحر کا معنی ہے' اونٹ کو کھڑا کر کے اس کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مارنا) تو آپ نے اپنے ہاتھ سے تیس اونٹوں کو نحر کیا اور مجھے حکم دیا تو باقی اونٹوں کو میں نے نحر کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۴)

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے عظیم دن یوم النحر (۱۰ ذوالحج) ہے پھر یوم القر ہے' ثور نے کہا یہ قربانی کا دوسرا دن ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ یا چھ اونٹنیوں کی قربانی کی وہ سب اونٹنیاں آپ کے قریب ہو رہی تھیں کہ آپ کس اونٹنی سے ابتدا کرتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۵ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۶۶ مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۰ قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۲۸۵ عالم الکتب بیروت)

ہم اونٹنیوں کو نحر کرنے کے لیے باندھتے ہیں دو تین آدمی اس کو قابو میں رکھتے ہیں اور وہ اونٹنیاں از خود آپ کے سامنے گردنیں پیش کر رہی تھیں کہ آپ کس اونٹنی کو پہلے ذبح کرتے ہیں۔

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف

بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

قربانی کا گوشت خود کھانے اور دوسروں کو کھلانے کا حکم

نیز فرمایا: پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ۔ قرآن مجید میں البائس الفقیر ہے البائس' الفقیر کی صفت ہے اور البائس کا معنی ہے شدید یعنی بہت محتاج اس لیے ہم نے اس کا معنی مصیبت زدہ فقیر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قربانی کا گوشت کھانے کی اس لیے اجازت دی ہے کہ عرب اپنی قربانی کا گوشت خود نہیں کھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا اور اس کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عبداللہ بن واقد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا۔ عبداللہ بن ابی بکر کہتے ہیں میں نے اس حدیث کا عمرۃ سے ذکر کیا انہوں نے کہا اس نے سچ کہا' میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیہات کے کچھ فقراء غم گساری حاصل کرنے کے لیے عید الاضحیٰ کے موقع پر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تین دن تک قربانی کا گوشت رکھو پھر جو بچ جائے اس کو صدقہ کر دو' پھر اس کے بعد مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! لوگ اپنی قربانی کی کھالوں سے مشکیں بناتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تم کیوں کہہ رہے ہو؟ مسلمانوں نے کہا آپ نے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا میں نے تم کو اس لیے منع کیا تھا کہ فقراء آتے ہیں پس تم قربانی کا گوشت کھاؤ' اس کو ذخیرہ کرو اور اس کو صدقہ کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۱۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۳۱)

اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں ایک حصہ خود کھائے اور اہل و عیال کو کھلائے' ایک حصہ احباب اور رشتہ داروں کو دے اور ایک حصہ فقراء کو صدقہ کر دے۔

تفث کا معنی

الحج: ۲۹ میں فرمایا: پھر وہ اپنا میل کچیل دُور کر دیں اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

ہم نے تفث کا معنی میل کچیل کیا ہے اس کی کئی تفسیریں ہیں۔ اس کا ایک معنی ہے تمام مناسکِ حج ادا کرنا۔ اس کا دوسرا معنی ہے میل کچیل اپنے بدن سے زائل کر کے اس کو صاف کرنا۔ ازہری نے کہا اس کا معنی ہے مونچھیں تراشنا' ناخن کاٹنا' بغلوں اور زیر ناف بالوں کو مونڈنا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب حج کرنے والا احرام کھول دے۔ النضر بن شمیل نے کہا تفث کا معنی ہے

بکھرے ہوئے غبار آلود بالوں کو درست کرنا۔

نذر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اس کی شرائط اور اس کا شرعی حکم

قرآن مجید میں ہے:

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ (الدھر: ۷) جو لوگ اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جب اس دن کی گرفت یا عذاب چاروں طرف پھیل جائے گا۔

اور سورۃ الحج کی اس آیت میں نذر پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ نذر کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نذر یہ ہے کہ کسی واقعہ کے پیش آنے کی وجہ سے تم اپنے اوپر اس عبادت کو واجب کرلو جو تم پر پہلے واجب نہیں تھی اور تم یہ کہو کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس عبادت کی نذر مانی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۳۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

نذر کی سب سے عمدہ قسم یہ ہے کہ جب انسان کسی مرض سے شفا پا جائے تو کہے کہ مجھ پر نذر ہے کہ میں اللہ کے لیے اتنے روزے رکھوں گا یا مجھ پر نذر ہے کہ میں اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اتنی چیزوں کو صدقہ کروں گا' اور اس نذر کو کسی چیز پر معلق نہ کرے' اور اسی کے قریب وہ نذر ہے جس میں کسی عبادت کو کسی کام پر معلق کیا جائے مثلاً یوں کہے کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی تو میں اتنے روزے رکھوں گا یا اتنی نمازیں پڑھوں گا۔ (یہ نذر ناپسندیدہ ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا' ان شاء اللہ) اس کے علاوہ اور بھی اقسام ہیں مثلاً کسی شخص کا غلام اس پر بوجھ بنا ہوا ہے تو وہ اس کو آزاد کرنے کی نذر مانتا ہے تاکہ اس سے اس کو چھٹکارہ مل جائے اور اس نذر سے عبادت کا قصد نہیں کرتا' یا جیسے کوئی شخص اپنے اوپر بہت سخت اور دشوار عبادتوں کی نذر مان لیتا ہے مثلاً وہ ایک ہزار نفل پڑھے گا یا مسلسل چھ ماہ کے روزے رکھے گا یا پیدل حج کرے گا اور یہ ایسے کام ہیں جن کے کرنے سے اس کو جسمانی ضرر ہوگا۔ اس قسم کی نذر ماننا مکروہ ہے اور بعض اوقات یہ کراہت تحریم تک پہنچ جاتی ہے۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۳۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے نذر مطلق مانی (یعنی اس کو کسی کام پر معلق نہیں کیا مثلاً وہ کہے کہ میں اللہ کے لیے ایک سال کے روزے رکھنے کی نذر مانتا ہوں) یا اس نے نذر کو کسی شرط پر معلق کیا اور اس عبادت کی نذر مانی جو فرض یا واجب ہو اور وہ عبادتِ مقصودہ ہو' اس لیے مثلاً وضو اور میت کو کفن دینے کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ عباداتِ مقصودہ نہیں ہے اور جب وہ شرط پائی جائے تو نذر ماننے والے پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ حدیث میں ہے جس شخص نے کسی عبادت کی نذر مانی تو اس پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے' جیسے روزے' نماز' صدقہ اور اعتکاف اور جس عبادت کی جنس سے کوئی عبادت فرض نہ ہو اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہے جیسے مریض کی عیادت کرنا' جنازہ کے ساتھ جانا اور مسجد میں داخل ہونا خواہ مسجد نبوی ہو۔ اور البحر الرائق میں نذر کی پانچ شرائط ذکر کی ہیں:

(۱) جس کام کی نذر مانی ہے وہ کام لذاتہٖ معصیت اور گناہ نہ ہو اس لیے عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے کی نذر ماننی صحیح ہے کیونکہ وہ معصیت لغیرہٖ ہے۔

(۲) اور جس عبادت کی نذر مانی ہے وہ اس پر نذر سے پہلے واجب نہ ہو مثلاً اگر کسی شخص نے حجۃ الاسلام کی نذر مانی تو اس نذر سے اس پر حج واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی نذر ماننے سے پہلے ہی واجب ہے۔

(۳) جس چیز کو عبادت میں خرچ کرنے کی نذر مانی ہے وہ اس کی ملکیت سے زائد نہ ہو یا وہ چیز کسی اور کی ملکیت میں نہ ہو۔ مثلاً اس نے ایک ہزار روپے صدقہ کرنے کی نذر مانی اور اس کے پاس صرف سو روپے ہیں تو اس پر صرف سو روپے صدقہ کرنے واجب ہوں گے۔

(۴) جس عبادت کی نذر مانی ہے اس کا کرنا محال نہ ہو۔ مثلاً اگر اس نے گزشتہ کل کے روزے یا اعتکاف کی نذر مانی تو اس کی یہ نذر صحیح نہیں ہے۔

(۵) اگر اس نے صاحب نصاب پر صدقہ کرنے کی نذر مانی تو یہ نذر صحیح نہیں ہے الا یہ کہ وہ مسافر صاحب نصاب پر صدقہ کرنے کی نیت کرے‘ اور اگر اس نے ہر نماز کے بعد تسبیحات پڑھنے کی نذر مانی تو یہ نذر لازم ہوگی اور اگر اس نے یہ نذر مانی کہ وہ ہر روز اتنی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے گا تو اس پر یہ نذر لازم ہو جائے گی۔ (اس کی توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ اسی طرح تسبیحات کی جنس سے بھی ایام تشریق میں تکبیرات تشریق کو پڑھنا واجب ہے۔)

(رد المحتار ج ۵ ص ۴۱۵-۴۱۱‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۲۰ھ)

نذر کے احکام سے متعلق احادیث

نذر پورا کرنے کے وجوب کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۷‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۷۳‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۶۴‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷‘ سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۰۹‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷۱)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے قرن (زمانہ) میں ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں‘ پھر ان کے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو نذر مانیں گے اور اس کو پورا نہیں کریں گے‘ وہ خیانت کریں گے اور امانت داری نہیں کریں گے‘ وہ شہادت دیں گے اور ان سے شہادت طلب نہیں کی جائے گی اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۵‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۵‘ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۰۹‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۷‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۲)

معصیت کی نذر کو پورا نہ کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہے وہ اللہ کی اطاعت کرے‘ اور جس شخص نے اللہ کی معصیت کی نذر مانی ہے وہ اللہ کی معصیت نہ کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۶‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۸۹‘ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۷۳‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۶‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۲۶‘ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۳۸۷‘ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۹۴‘ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۳۳‘ مسند احمد رقم

الحدیث: ٦ ٢٤٥٧٦ عالم الكتب بیروت)

اپنے نفس کو مشقت میں ڈالنے والے کاموں کی نذر کی ممانعت میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا' اس کے گلے میں رسی باندھی ہوئی تھی اور وہ طواف کر رہا تھا' آپ نے اس کی وہ رسی کاٹ دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٧٠٢' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٣٠٢' سنن النسائی رقم الحدیث: ٢٩٢٠' مسند احمد رقم الحدیث: ٣٣٤٣' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ١٥٨٦١' ١٥٨٦٢)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے' آپ نے دیکھا ایک آدمی (دھوپ میں) کھڑا ہوا ہے۔ آپ نے اس کے متعلق پوچھا صحابہ نے بتایا کہ اس نے نذر مانی تھی کہ یہ کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور سائے میں نہیں رہے گا اور یہ بات نہیں کرے گا اور روزے رکھے گا۔ آپ نے فرمایا اس سے کہو کہ باتیں کرے اور سائے میں رہے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٧٠٤)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے اور وہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا' اس کی ناک میں نکیل پڑی ہوئی تھی اور دوسرا شخص اس کو پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس نکیل کو کاٹ دیا اور اس شخص سے فرمایا اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٧٠٣' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٣٠٢' سنن النسائی رقم الحدیث: ٢٩٢٠' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ١٦١ ١٥٨' مسند احمد رقم الحدیث: ٣٤٤٢)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عقبہ بن عامر کی بہن نے یہ نذر مانی ہے کہ وہ پیدل حج کرے گی' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کی اس نذر سے مستغنی ہے' اس سے کہو کہ سوار ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٢٩٧)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص اپنے دو بیٹوں کے درمیان سہارے سے چل رہا تھا۔ آپ نے اس کا سبب دریافت کیا لوگوں نے بتایا اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا اس شخص نے اپنے آپ کو جس عذاب میں مبتلا کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے' اس سے کہو کہ سوار ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٨٦٥' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٦٤٢' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٣٠١' سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٥٣٧' سنن النسائی رقم الحدیث: ٣٨٦١' ٣٨٦٢)

جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس کی نذر ماننے سے ممانعت کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے اس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر ماننا جائز ہے جس کا ابن آدم مالک نہیں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٦٤١' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٣١٦' سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٥٦٨' سنن النسائی رقم الحدیث: ٣٨٥٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢١٢٤)

اپنے کل مال کو صدقہ کرنے کی نذر کی ممانعت کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا یارسول اللہ! میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنا کل مال اللہ اور اس کے رسول کی طرف صدقہ کردوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنا بعض مال روک لو یہ تمہارے لیے بہتر ہے گا میں نے کہا خیبر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو رکھ لیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۳۳)

حضرت ابولبابہ نے کہا میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کے اس گھر کو چھوڑ دوں جس میں میں نے گناہ کیا تھا اور میں اپنے تمام مال کو اللہ کے لیے صدقہ کردوں' آپ نے فرمایا تمہارے لیے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۹)

جس کام کو کرنا انسان کی طاقت میں نہ ہو اس کی نذر ماننے کی ممانعت کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے کوئی نذر مانی اور اس کو معین نہیں کیا' اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے گناہ کرنے کی نذر مانی' اس کا کفارہ (بھی) قسم کا کفارہ ہے' اور جس نے ایسے کام کی نذر مانی جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا اس کا کفارہ (بھی) قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی عبادت کی نذر مانی ہے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے وہ اس نذر کو پورا کرے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۲۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۲۸)

ورثاء میت کی نذر پوری کریں' اس کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نذر کے متعلق سوال کیا جوان کی ماں پر تھی اور وہ اس نذر کو پوری کرنے سے پہلے فوت ہوگئیں آپ نے فرمایا وہ اپنی ماں کی طرف سے یہ نذر پوری کریں' پھر ان کے بعد یہ طریقہ مقرر ہوگیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر کہا میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور وہ فوت ہو چکی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اس قرض کو ادا کرتے؟ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا تو پھر اللہ کا قرض ادا کرو' وہ ادا کیے جانے کے زیادہ مستحق ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۸۴۰' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۰۷' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۳۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۶۶)

نذر کے ناپسندیدہ ہونے کے متعلق احادیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع فرمایا اور فرمایا نذر کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی اور نذر بخیل سے عبادت نکالتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۸۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۲۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۵۸۴۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۴۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۵۲۷۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نذر ماننے سے ابن آدم کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں آسکتی جو اس سے پہلے مقدر نہ ہو چکی ہو لیکن تقدیر اس کے لیے وہ چیز لے آتی ہے جو اس کے لیے پہلے مقدر ہو چکی

ہو نذر بخیل سے اس کی عبادت کو نکالتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۹ ٗ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۳۸ ٗ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۸۸ ٗ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۰۵ ٗ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۲۳ ٗ مسند احمد رقم الحدیث: ۷۲۹۵)

نذر ماننے کی ممانعت کے متعدد محامل اور توجیہات

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

امام مازری رحمہ اللہ نے کہا اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ نذر کی حفاظت کی جائے اور اس کو لازماً پورا کیا جائے اور میرے نزدیک یہ توجیہ ظاہر حدیث سے بعید ہے ٗ اور میرے نزدیک ممانعت کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عبادت کی نذر ماننے والا اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد اس عبادت کو جرمانہ ٗ تاوان اور سزا کے طور پر ادا کرتا ہے ٗ کیونکہ اب اس کو اس عبادت کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار نہیں رہا وہ اس پر لازم اور واجب ہو گئی ٗ اور ہر وہ کام جس میں انسان پر جبر ہو وہ اس کو خوشی سے نہیں کرتا ٗ اور امام مالک کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ انسان کسی معین دن کا روزہ مان لے اور ہمارے مشائخ نے اس کراہت کی یہی وجہ بیان کی ہے۔

اور حدیث میں نذر ماننے کی ممانعت کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ نذر ماننے والے نے جب تک نذر نہیں مانی تھی اس وقت تک اس نے وہ عبادت نہیں کی تھی ٗ اور وہ اس شرط پر اس عبادت کو کرتا ہے کہ اس کا وہ کام ہو جائے جس کے لیے اس نے اس عبادت کی نذر مانی تھی ٗ اور اس کی یہ عبادت گویا کہ اس کے کام کا معاوضہ ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے تقرب کی زینت خراب ہو جاتی ہے اور وہ اُجر نہیں ملتا جو خالص عبادت پر ملتا ہے ٗ اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں تمام شرکاء کے شرک سے مستغنی ہوں اور جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے غیر کو شریک کیا ٗ میں اس عمل کو اور اس کے شرک کو ترک کر دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۵ ٗ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۰۲ ٗ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۹۵ ٗ مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۱)

اس تاویل کی طرف آپ کی اس حدیث میں اشارہ ہے کہ ''نذر کسی خیر کو نہیں لاتی'' اور اس حدیث میں اشارہ ہے: نذر تقدیر سے مستغنی نہیں کرتی ٗ اور اس حدیث میں اشارہ ہے کہ نذر کبھی تقدیر کے موافق ہو جاتی ہے پھر بخیل سے وہ عبادت نکالتی ہے جس کو بخیل نکالنا نہیں چاہتا تھا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۵ ص ۳۸۷ ٗ مطبوعہ دار الوفاء بیروت ٗ ۱۴۱۹ ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں نذر سے ممانعت کا ذکر بہت آیا ہے اور یہ نذر کی تاکید اور اس میں نذر کے واجب ہونے کے بعد اس کو پورا کرنے میں سستی سے ڈرانا ہے ٗ اور اگر اس سے مقصود نذر سے جھڑکنا ہوتا حتیٰ کہ نذر نہ مانی جائے تو اس میں نذر کے حکم کو باطل کرنا ہوتا اور اس کو پورا کرنے کے لزوم کو ساقط کرنا ہوتا ٗ کیونکہ ممانعت کے بعد نذر ماننا گناہ ہوتا اور اس کو پورا کرنا لازم نہ ہوتا ٗ اور ممانعت کی احادیث کی توجیہ یہ ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ نذر ان کے مقصود کو جلد کھینچ کر نہیں لاتی اور نہ ان سے جلد کسی ضرر کو دُور کرتی ہے اور نہ ان سے قضا اور تقدیر کو ٹالتی ہے ٗ تو گویا آپ نے فرمایا تم اس طرح نذر نہ مانو گویا تم نذر مان کر اس چیز کو حاصل کر لو گے جو تمہارے لیے مقدر نہیں کی گئی یا تم نذر سے کسی ایسی مصیبت کو دُور کر دو گے جو تمہارے لیے مقدر ہو چکی ہے۔ پس جب تم اس قسم کے اعتقاد سے نذر نہیں مانو گے تو پھر تم اس نذر کو پورا کرو کیونکہ تم نے جس عبادت کی نذر مان لی ہے وہ تم پر لازم ہے۔ (النہایہ ج ۵ ص ۳۳ ٗ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ٗ ۱۴۱۸ ھ ٗ معالم السنن للخطابی مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۳۷۰)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ ھ لکھتے ہیں:

اس کا حل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی یا میرے گم شدہ آدمی کو لوٹا دیا تو میں ایک غلام آزاد کروں گا یا اتنی چیز صدقہ کروں گا یا اتنے روزے رکھوں گا۔ اس نذر سے ممانعت کی توجیہ یہ ہے کہ جب اس نے اس عبادت کو اپنی کسی غرض کے جلد پورا ہونے پر موقوف کر دیا تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس کی نیت اس عبادت سے محض اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا نہیں تھی بلکہ اس نے اپنی غرض پوری کرنے کے عوض میں اس عبادت کی نیت کی تھی۔ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ اگر اس کی وہ غرض پوری نہیں ہوئی تو پھر وہ اس عبادت کو نہیں کرے گا' اور یہی بخیل کا حال ہوتا ہے اس کے مال سے کوئی چیز اس وقت تک نہیں نکالی جا سکتی جب تک اسے اس چیز کا جلد معاوضہ نہ حاصل ہو جائے' اور اس معنی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے: نذر کے سبب سے بخیل سے اس عبادت کو نکالا جاتا ہے جس کو بخیل نہیں نکالتا' پھر اس کے ساتھ جاہل کا یہ اعتقاد مل جاتا ہے کہ نذر اس کی غرض کے حصول کو واجب کر دیتی ہے یا اللہ تعالیٰ اس نذر کی وجہ سے اس کی غرض کو پورا کر دیتا ہے اور ان ہی دو علتوں کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے: بے شک نذر اللہ کی تقدیر سے کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی' اور یہ دونوں جہالتیں ہیں البتہ پہلی جہالت کہ نذر اللہ تعالیٰ پر غرض پورا کرنا واجب کر دیتی ہے کفر کے قریب ہے' اور دوسری جہالت یعنی اللہ تعالیٰ نذر کی وجہ سے اس کی غرض پوری کرتا ہے' اس کے اعتقاد میں خطاء صریح ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر نذر کا ماننا حرام ہے یا مکروہ ہے؟ تو علماء کا معروف مذہب یہ ہے کہ نذر ماننا مکروہ ہے' اور میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ جس کے حق میں اس فاسد اعتقاد کا خطرہ ہو' اس کا نذر ماننا حرام ہے اور جس کا یہ اعتقاد نہ ہو اس کا نذر ماننا مکروہ ہے۔ بہرحال جب بھی نذر مانی جائے خواہ وہ کسی طرح ہو' اس کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر کی وہ اس کی اطاعت کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۶)

(المفہم ج ۴ ص ۶۰۷-۶۰۶' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نذر ماننے کے متعلق مصنف کی تحقیق

ہمارے نزدیک اگر نذر اس فاسد اعتقاد کے ساتھ مانی ہے جس کی علامہ قرطبی نے تفصیل کی ہے تو پھر نذر کا ماننا حرام ہے یا مکروہ ہے' اور اگر اس نے عبادت کو اپنی کسی شرط پر معلق کیا ہے مثلاً اس کی بیماری دُور ہو جائے لیکن اس کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ اس نذر کی وجہ سے اس کا کام ضرور ہو جائے گا یا اس کی تقدیر بدل جائے گی تو پھر اس نذر کا ماننا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہے' کیونکہ بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نذر ماننے سے منع فرمایا ہے۔ البتہ اگر اس نے بغیر کسی شرط کے محض اللہ کی محبت میں اور اس کی عبادت کے شوق میں نذر مانی ہے مثلاً میں فلاں دن کا روزہ رکھوں گا یا فلاں دن اتنے نفل پڑھوں گا یا اس سال حج کروں گا تو ایسی نذر ماننا مستحب ہے اور اس نذر کو بھی پورا کرنا واجب ہے' اور قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسی نذر کی تعریف اور تحسین فرمائی ہے:

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ (الدھر: ۷)

جو لوگ اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جب اس دن کی گرفت یا عذاب چاروں طرف پھیل جائے گا۔

امام ابن جریر نے مجاہد سے اس کی تفسیر میں روایت کیا جب وہ اللہ کے حق میں نذر مانیں۔

قتادہ نے کہا جو لوگ نماز' روزہ' حج' عمرہ اور دیگر فرائض کی اللہ کی اطاعت میں نذر مانتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ابرار رکھا ہے۔ (جامع البیان جز ۲۹ ص ۲۵۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

طواف کی اقسام

الحج: ۲۹ کے اخیر میں فرمایا اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔
طواف کی تین قسمیں ہیں طواف قدوم' طواف زیارت اور اس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں اور طواف وداع اس کو طواف صدر بھی کہتے ہیں' جو حج کرنے والا مسافر ہو اس کے لیے طواف قدوم سنت ہے اور طواف زیارت ہر حج کرنے والے پر فرض ہے اور طواف وداع' حج کرنے والے مسافر پر واجب ہے۔
علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ طواف قدوم کے متعلق لکھتے ہیں:
اور بیت اللہ کا طواف قدوم کرے اور یہ باہر سے آ کر حج کرنے والے کے لیے سنت ہے کیونکہ وہ بیت اللہ میں قدم رکھنے والا ہے' اس طواف کی ابتداء طواف کرنے سے پہلے کعبہ کے دروازہ کے قریب اپنی دائیں جانب سے کرے اس طرح بیت اللہ اس کی بائیں جانب ہو جائے گا۔ طواف شروع کرنے سے پہلے اپنے احرام کی چادر اپنی دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے کے اوپر ڈال لے اور حطیم کے پیچھے سے طواف کرے اور سات بار کعبہ کے گرد چکر لگائے اور پہلے تین چکروں میں رمل کرے یعنی تیز تیز چلے' اور ہر چکر میں طواف حجر اسود سے شروع کر کے حجر اسود پر ختم کرے' اور جب بھی حجر اسود کے سامنے سے گزرے تو تعظیم کرے اگر ممکن ہو تو اس کو بوسہ دے یا چھوئے یا اس کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر اس طرح اشارہ کرے گویا اس کو پکڑ رہا ہے' اور رکن یمانی کی بھی تعظیم کرے اور یہ مستحب ہے لیکن بوسہ دینے کے بغیر۔ امام محمد نے کہا یہ سنت ہے اور رکن یمانی کو بھی بوسہ دے اور دلائل اس کے سنت ہونے اور اس کو بوسہ دینے کی تائید کرتے ہیں۔ (علامہ شامی نے کہا ہے کہ رکن یمانی کو صرف دائیں ہاتھ سے چھوئے اور بوسہ نہ دے۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے' الکافی' الھدایہ' البدائع وغیرہ معتبر کتب میں مذکور ہے کہ رکن یمانی کو بوسہ نہ دے اور امام محمد کی طرف جو قول منسوب ہے' وہ ضعیف ہے) اور حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ باقی ارکان (کعبہ کے باقی دو کونے) کی تعظیم کرنا مکروہ ہے اور حجر اسود کی تعظیم کرتے ہوئے طواف کو ختم کرے پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھے۔ (الدر المختار مع رد المختار ج ۳ ص ۴۵۴۔ ۴۴۸' مختصراً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)
طواف زیارت یہ ہے کہ ایام نحر (دس' گیارہ' بارہ ذوالحج) میں سے کسی دن کعبہ کے گرد سات چکر لگائے اور اس میں رمل نہ کرے اور نہ اس کے بعد سعی کرے اگر اس سے پہلے سعی کر چکا ہے ورنہ رمل بھی کرے اور سعی بھی کرے۔ اس کا افضل وقت دس ذوالحج کو نماز فجر کے بعد ہے اور اس کا وقت آخر عمر تک رہتا ہے۔ (علامہ شامی نے کہا ہے اگر اس نے بغیر عذر کے ۱۲ ذوالحج کے بعد طواف زیارت کیا تو وہ گناہ گار ہوگا) طواف زیارت سے قبل جب اس نے حلق کرا لیا (سر منڈا لیا یا بال کٹوا لیے) تو اس کی بیوی اس پر حلال ہو جائے گی اور ایام نحر کے بعد اگر طواف زیارت کیا تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اس پر دم واجب ہوگا (ایک بکری ذبح کرنا ہوگی) اور یہ بہ قدر امکان ہے' اگر عورت کو حیض آیا ہوا ہو یا کوئی اور عذر ہو تو طواف زیارت کو بغیر کراہت اور وجوب دم کے مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ (الدر المختار مع رد المختار ج ۳ ص ۴۷۸۔ ۴۷۶' ملخصاً' بیروت)
جب حج کرنے والا مکہ مکرمہ سے سفر کرنے کا ارادہ کرے تو پھر کعبہ کا الوداعی طواف کرے' اس کو طواف وداع اور طواف صدر کہتے ہیں۔ اس میں کعبہ کے گرد سات بار چکر لگائے نہ رمل کرے اور نہ سعی کرے۔ یہ اہل مکہ کے علاوہ ہر حج کرنے والے پر واجب ہے اور اہل مکہ کے لیے مستحب ہے۔ (الدر المختار مع رد المختار ج ۳ ص ۴۸۳۔ ۴۸۲' مختصراً' بیروت)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی حکم ہے' اور جو اللہ کی حرمت والی چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس کے رب کے نزدیک اس کے لیے بہتر ہے' اور تمہارے لیے سب مویشی حلال کر دیئے گئے سوا ان کے جو تم پر تلاوت کیے جاتے ہیں' سو تم بتوں کی نجاست سے

[اجت]ناب کرو اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو○ ہر باطل سے الگ صرف اللہ کے ہو کر رہو' کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بناتے [ہو]ئے' اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک قرار دیا وہ گویا آسمان سے گر گیا پھر اسے مردار خور پرندے جھپٹ لیتے ہیں یا آندھی اس [کو] کسی دُور جگہ پھینک دیتی ہے○ یہی حق ہے' اور جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو بے شک یہ دلوں کے تقویٰ (کے آثار) [سے] ہے○ تمہارے لیے ان مویشیوں میں مدت معین تک فوائد ہیں پھر ان کو ذبح کرنے کا مقام قدیم گھر کی طرف ہے○

(الحج: ۳۳-۳۰)

کافر کی روح نکلنے کی کیفیت

حرمات سے مراد مناسکِ حج ہیں۔ یعنی حج کی مخصوص عبادات' اس کا معنی ہے ان عبادات کی تعظیم کی جائے اور جن جگہوں پر وہ عبادات کی جاتی ہیں ان جگہوں کی تعظیم کی جائے۔ ابن زید نے کہا حرمات سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے فرائض' واجبات اور مستحبات پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر سرعت کے ساتھ عمل کرنا' ان احکام کے بجالانے میں سستی کرنے سے بہتر ہے۔

پھر فرمایا اور تمہارے لیے سب مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں یعنی اونٹ' گائے اور بکری وغیرہ کا کھانا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے سوا ان کے جو تم پر تلاوت کیے جاتے ہیں۔ یعنی قرآنِ مجید میں جن کا کھانا حرام کر دیا ہے' اور یہ مردار اور چوٹ لگنے سے مرا ہوا وغیرہ ہیں جن کا المائدہ: ۳ میں تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح اگر غیر محرم نے خصوصیت کے ساتھ محرم کے لئے جانور کو شکار کیا تو اس محرم کے لیے اس جانور کا کھانا حرام ہے۔

اس کے بعد فرمایا سو تم بتوں کی نجاست سے اجتناب کرو اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو' رجس ناپاک چیز کو کہتے ہیں اور عرب پتھر کی مورتیوں اور لکڑی' لوہے' سونے اور چاندی کے بنائے ہوئے مجسموں کی پوجا کرتے تھے اور نصاریٰ صلیب کو نصب کر کے اس کی تعظیم اور اس کی عبادت کرتے تھے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹکی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: اے عدی! اس بت کو اپنے گلے سے اُتار کر پھینک دو۔ الحدیث

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۵' المعجم الکبیر ج ۱۷ رقم الحدیث: ۲۱۹' ۲۱۸)

بتوں کو نجس اس سے فرمایا کہ جس طرح نجاست صرف پانی سے زائل ہوتی ہے' اسی طرح بتوں کی پرستش کا کفر اور عذاب صرف توبہ اور ایمان سے زائل ہوتا ہے۔

اور فرمایا قول الزور سے اجتناب کرو۔ زور کا معنی باطل اور کذب ہے اور اللہ کا شریک بنانا بھی باطل اور زور ہے۔

حضرت فاتک اسدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک جگہ پر کھڑے ہو کر تین بار فرمایا: جھوٹی گواہی کو اللہ کے ساتھ شریک بنانے کے برابر قرار دیا گیا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: **واجتنبوا قول الزور حنفاء للہ غیر مشرکین بہ.** اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو اور ہر باطل سے الگ صرف اللہ کے ہو کر رہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۷۲)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑا (کبیرہ) گناہ نہ بتاؤں؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اللہ کا شریک بنانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ آپ پہلے تکیہ لگائے ہوئے تھے پھر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا سنو اور قول الزور (جھوٹی بات) آپ بار بار یہ فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے سوچا

کاش آپ سکوت فرمائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٦٥٤، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٨٧، سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٩٠١)

حنفاء للہ کا معنی ہے اللہ کے دین پر مستقیم رہتے ہوئے اور ادیان باطلہ سے اعراض کرتے ہوئے اور دین حق کی طرف مائل ہوتے ہوئے۔

اور فرمایا: اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک قرار دیا وہ گویا آسمان سے گر گیا' یعنی وہ شخص قیامت کے دن اس شخص کی طرح ہوگا جو اپنے نفس کے لیے کسی نفع کا مالک ہو اور نہ اپنے نفس سے کسی ضرر اور عذاب کو دُور کر سکے' اور فرمایا پھر اس کو مردار خور پرندے جھپٹ لیتے ہیں یعنی اس پر اپنے پنجے مارتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کیفیت اس وقت ہوگی جب اس کی روح نکلے گی اور فرشتے اس کی روح کو لے کر آسمانِ دنیا کی طرف جائیں گے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور فرشتے کہیں گے اس کو دُور لے جاؤ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ۔ (الملک: ١١)

اس آیت کا مصداق یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص پر موت آئے تو فرشتے اس کے پاس آ کر کہتے ہیں: اے پاکیزہ روح جو پاک جسم میں تھی تو تحسین کیے ہوئے حال میں باہر نکل آ' اور خوشیوں کی بشارت لے اور رب کے راضی ہونے اور ناراض نہ ہونے کی۔ اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا حتیٰ کہ روح باہر نکل آئے گی پھر فرشتے اس روح کو لے کر آسمان کی طرف جائیں گے اور اس کے لیے آسمان کو کھول دیا جائے گا' پھر کہا جائے گا یہ کون ہے؟ تو فرشتے بتائیں گے یہ فلاں بن فلاں ہے۔ اس سے کہا جائے گا اس پاکیزہ روح کو مرحبا ہو جو پاکیزہ جسم میں تھی پھر یونہی کہا جاتا رہے گا حتیٰ کہ (اس کو لے کر) اس آسمان میں پہنچیں گے جس میں اللہ تعالیٰ ہے (یعنی اس کی خاص رحمت ہے) اور اگر بدکار شخص پر موت آئے تو فرشتے کہیں گے اے خبیث روح! جو خبیث جسم میں تھی' مذمت کیے ہوئے حال میں اس جسم سے باہر نکل' تجھے دوزخ کی' گرم کھولتے ہوئے پانی اور اس طرح اور عذاب کی بشارت ہو۔ اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا حتیٰ کہ اس کی روح اس جسم سے باہر نکل آئے گی' پھر فرشتے اس کو لے کر آسمان کی طرف جائیں گے کہا جائے گا: یہ کون ہے؟ فرشتے کہیں گے یہ فلاں ہے پھر کہا جائے گا یہ خبیث روح جو خبیث جسم میں تھی اس کو مرحبا نہ ہو۔ تو مذمت کیے ہوئے حال میں واپس جا' تیرے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے' پھر اس کو آسمان سے نیچے بھیج دیا جائے گا اور وہ قبر میں چلی جائے گی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٦٢، مسند احمد ج ٢ ص ١٣٩، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٣٣٨٧)

شعائر اللہ کے معنی اور مصداق کی تحقیق

الحج: ٣٢ میں ہے: اور جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو بے شک یہ دلوں کے تقویٰ کے آثار سے ہے۔

مشعرہ کے معنی نشانی اور اشعار کا معنی علم میں لانا ہے۔ شعائر شعیرہ کی جمع ہے' شعیرہ اس نشانی کو کہتے ہیں جو اس چیز کو بتاتی ہے جس چیز کے لیے اس کو نشانی بنایا گیا ہے۔ اشعار بدنہ کے معنی یہ ہیں اونٹ پر ایسا نشان بنا دو جس سے پتا چلے کہ وہ ھدی (قربانی کا جانور) ہے۔ اس بناء پر کہا گیا ہے کہ مناسکِ حج کی تمام علامات کو شعائر حج کہتے ہیں جن میں کعبہ کا طواف' صفا اور مروہ کی سعی' رمی جمار اور زمزم کے پانی کو قبلہ رو کھڑے ہو کر ادب سے پینا بھی شعائر اللہ کی تعظیم میں داخل ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شعائر اللہ کا معنی ہے اللہ کی نشانیاں' اللہ کے نام کی چیزیں' اور ایک قول یہ ہے کہ جو چیزیں عبادت کی جگہ ہوں یا عبادت کا زمانہ ہوں یا عبادت کے کام ہوں' وہ سب شعائر اللہ ہیں۔ جگہ کے اعتبار سے کعبہ' میدانِ عرفات' مزدلفہ' جمار ثلاثہ' صفا اور مروہ' منیٰ اور تمام مساجد شعائر اللہ ہیں' اور زمانہ کے اعتبار سے' رمضان' حرمت والے مہینے (ذوالقعدہ' ذوالحج' محرم اور رجب)

الفطر، عید الاضحیٰ، جمعہ اور ایام تشریق یہ سب شعائر اللہ ہیں' اور عبادت کے افعال مثلاً اذان' اقامت' نماز کی جماعت' نماز جمعہ' نماز عیدین یہ سب شعائر اللہ ہیں۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن موسیٰ سے روایت کیا ہے کہ عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کرنا شعائر اللہ میں سے ہے' اور شیطانوں کو کنکریاں مارنا شعائر اللہ میں سے ہے' اور قربانی کے اونٹ (ھدی) شعائر اللہ میں سے ہیں' اور جو شخص ان کی تعظیم کرے گا وہ اس کے دل میں تقویٰ کا اظہار ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۰۱۷)

ابن زید نے کہا شیطانوں کو کنکریاں مارنا اور صفا و مروہ اور المشعر الحرام اور المزدلفہ یہ سب شعائر اللہ ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۰۱۸)

امام ابن جریر نے کہا جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی عبادت اور ان کے مناسکِ حج کی علامات بنا دیا ہے اور وہ مقامات جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرائض ادا کرنے کا حکم دیا ہے وہ سب شعائر اللہ ہیں اور ان کی تعظیم کرنا دلوں کا تقویٰ ہے۔

(جامع البیان ج ۱۷ ص ۲۰۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شعائر سے مراد ہے ھدایا یعنی قربانی کے اونٹ جیسا کہ حضرت ابن عباس اور تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ یہ شعیرہ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے علامت' اور الھدایا پر شعائر کا اطلاق اس لیے کیا ہے کہ وہ حج کی علامتیں ہیں یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی ہدایت کی علامتیں ہیں' اور ان کی تعظیم کا یہ معنی ہے کہ قربانی کے لیے بہت خوبصورت' بہت فربہ اور بہت مہنگے اونٹ خریدے جائیں۔ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے لیے سو اونٹ لے گئے' ان میں ایک اونٹ ابوجہل کا تھا اس کی ناک میں سونے کا چھلا تھا' اور حضرت عمر ایک عمدہ اونٹ ھدی کے لیے اپنے ساتھ لے گئے' ان کو اس اونٹ کو خریدنے کے لیے تین سو دینار کی پیش کش کی گئی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس اونٹ کو بیچ دیں اور اس رقم سے اور کئی اونٹ خرید لیں۔ تو آپ نے منع فرمایا بلکہ یہ حکم دیا کہ اس کو قربانی کے لیے اپنے ساتھ لے جاؤ' اور زید بن اسلم نے کہا الشعائر چھ ہیں: الصفا' المروۃ' قربانی کے اونٹ' جمار (شیطانوں کو مارنے کی کنکریاں) المسجد الحرام' میدانِ عرفات اور حجر اسود' اور ان کی تعظیم کا معنی یہ ہے کہ ان کے متعلق تمام افعال اور مناسکِ حج کو تمام و کمال کے ساتھ کیا جائے' اور حضرت ابن عمر' حسن بصری' امام مالک اور ابن زید نے کہا ہے کہ منیٰ' عرفہ' المزدلفہ' الصفا' المروۃ اور بیت اللہ وغیرہ تمام مواضع حج شعائر اللہ ہیں۔

(روح المعانی ج ۱۷ ص ۲۲۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اولیاء اللہ کے مزارات کا شعائر اللہ میں داخل ہونا

نیز علامہ آلوسی نے لکھا ہے:

شیعہ اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ائمہ کی قبروں اور باقی صالحین کی قبروں کی تعظیم کرنا جائز ہے۔ بایں طور کہ ان پر شمعیں جلائی جائیں اور سونے اور چاندی کی مصنوعات لٹکائی جائیں اور وہ کام کیے جائیں جو بت پرست کرتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۷ ص ۲۲۵)

میں کہتا ہوں کہ ائمہ سلف' صالحین اور اولیاء اللہ بھی شعائر اللہ ہیں کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی کسی صفت کی علامت ہو وہ شعائر اللہ میں داخل ہے' اور اللہ کا ولی وہ ہوتا ہے جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور جس کی مجلس میں بیٹھ کر دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو اور اس کی عبادت کی طرف دل جھک جائے' تو اللہ تعالیٰ کے ولی کے شعائر اللہ ہونے میں کیا شک ہے اور جب

قربانی کا جانور شعائر اللہ کا مصداق ہو سکتا ہے تو انسان کامل اللہ کے نیک بندے اور اولیاء اللہ شعائر اللہ کا مصداق کیوں نہیں ہو سکتے اور جب ریت' مٹی اور پتھروں سے بنی ہوئی مسجدیں شعائر اللہ کا مصداق ہو سکتی ہیں تو اللہ کا بنایا ہوا انسان کامل اور اس کا سنوارا ہوا ولی کامل شعائر اللہ میں کیوں داخل نہیں ہو سکتا' اور ان کی قبروں کے اردگرد روشنی کرنا تاکہ مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کر سکیں اور ان کے مزارات پر گنبد بنانا اور ان کی قبروں پر چادریں چڑھانا یقیناً شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ البتہ اس میں اسراف کرنا اور حد سے تجاوز کرنا مثلاً بے تحاشہ چادریں چڑھانا اور سونے چاندی کے چڑھاوے چڑھانا اور ان کے عرس پر کھیل تماشے کرنا اور میلہ لگانا اور ان سے منتیں اور مرادیں مانگنا یہ تمام امور ناجائز اور حرام ہیں۔ اسی طرح ان کے مزارات کو بوسہ دینا' حد رکوع تک جھکنا اور سجدے کرنا اور طواف کرنا' یہ سب امور مکروہ اور حرام ہیں اور اگر عبادت کی نیت سے سجدہ کیا جائے تو اس کے شرک ہونے میں کیا شک ہے۔

علامہ عبدالغنی نابلسی' علامہ اسماعیل حقی' علامہ شامی' علامہ رافعی اور علامہ شعرانی نے اولیاء اللہ کی قبروں پر چادر چڑھانے' ان کے مزارات پر گنبد بنانے اور ان کی قبروں کی تعظیم کرنے کے متعلق بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ ان عبارات کو مع حوالہ جات کے ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲۲-۸۱۴ میں لکھ دیا ہے' وہاں سے مطالعہ فرمائیں۔

اولیاء اللہ کے مزارات کو بوسہ دینا' طواف کرنا' حد رکوع تک جھکنا اور سجدہ کرنے کی ممانعت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

قبروں کا بوسہ لینا نہ چاہیے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۶۳' مطبوعہ کراچی' ۱۴۱۰ھ)

قبروں کے بوسہ دینے کو جمہور علماء مکروہ جانتے ہیں تو اس سے احتراز ہی چاہیے۔ (الی قولہ) راجح یہ ہے کہ قبر کا طواف کرنا ممنوع ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ طواف کرنا کعبہ کی خصوصیات میں سے ہے پس انبیاء اور اولیاء کی قبروں کا طواف کرنا حرام ہے۔ (منسک متوسط) (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۸۱ ملخصاً' مطبوعہ کراچی' ۱۴۱۰ھ)

مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بہ خانہ کعبہ ہے' مزار کو بوسہ دینا نہ چاہیے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۸' مطبوعہ کراچی' ۱۴۱۰ھ)

(۱۷) خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۷' مطبوعہ کراچی' ۱۴۱۰ھ)

(۳۸) روضۂ انور کا نہ طواف کرو نہ سجدہ نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۴۷' مطبوعہ کراچی' ۱۴۱۰ھ)

ھدی کا معنی اور ھدی پر سوار ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء

الحج: ۳۳ میں فرمایا: تمہارے لیے ان مویشیوں میں مدت معین تک فوائد ہیں پھر ان کو ذبح کرنے کا مقام قدیم گھر کی طرف ہے۔

ان مویشیوں کے فوائد سے مراد ہے اونٹوں پر سوار ہونا' اونٹنیوں کا دودھ پینا' ان کی نسل بڑھانا اور ان کے اُون اور بالوں کو کام میں لانا بہ شرطیکہ ان مویشیوں کے مالک نے ان کو ھدی (قربانی کا جانور) نہ قرار دیا ہو۔ حج یا عمرہ کرنے والا جس جانور کو اپنے ساتھ اس نیت سے لے جائے کہ اس کو حرم میں ذبح کیا جائے گا تو اس کو ھدی کہتے ہیں۔ جب کسی جانور کو ھدی کے لیے نامزد کر دیا جائے تو پھر بغیر کسی مجبوری کے اس جانور سے کسی قسم کا نفع اُٹھانا جائز نہیں ہے مثلاً اونٹ کو ھدی بنا کر ساتھ

اور خود پیدل چل رہا ہے' سواری کے لیے کوئی اور جانور نہیں اور پیدل چلنا اس پر دشوار ہو تو مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے اس ھدی پر اس کا سوار ہونا جائز ہے۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے فرمایا اونٹ یا اونٹنی کو بدنہ اور ھدی قرار دینے کے بعد اس کا دودھ پینے' اس پر سوار ہونے اور دیگر فوائد ختم ہو جاتے ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۰۲۲'۱۹۰۲۱'۱۹۰۲۰'۱۹۰۱۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص بدنہ کو کھینچ کر لے جا رہا تھا' آپ نے اس سے فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ' اس نے کہا یہ بدنہ (قربانی کا اونٹ) ہے آپ نے دو یا تین بار فرمایا تم پر افسوس ہے اس پر سوار ہو جاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۷۹۹)

امام مالک' امام احمد اور غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے بھی بدنہ اور ھدی پر سوار ہو سکتا ہے بہ شرطیکہ اس کو ضرر نہ ہو' اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ بغیر ضرورت کے ھدی پر سوار نہ ہو ان کی دلیل حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ھدی پر سوار ہونے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تم مجبوری کی حالت میں اس پر سوار ہو سکتے ہو حتیٰ کہ تمہیں کوئی اور سواری مل جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۸۰۲)

حرم سے باہر ھدی کو ذبح کرنا جائز نہیں

اس کے بعد فرمایا پھر ان کو ذبح کرنے کا مقام البیت العتیق کی طرف ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تمام شعائر حج' وقوف عرفہ' شیطانوں کو کنکریاں مارنا اور صفا اور مروہ کی سعی بیت اللہ میں طواف افاضہ پر ختم ہو جاتے ہیں۔ یعنی بیت اللہ کا طواف زیارت کرنے کے بعد مناسکِ حج پورے ہو جاتے ہیں۔ علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ اس سے مراد موضع ذبح ہے یعنی ھدی کے جانوروں کو ذبح کرنے کا مقام بیت العتیق کے پاس ہے اور اس سے مراد پورا حرم مکہ ہے کیونکہ وہ بیت العتیق ہی کے حکم میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ھدی کا ذبح کرنا حرم کے اندر ضروری ہے' حرم سے باہر ھدی کو ذبح کرنا جائز نہیں اور حرم سے مراد عام ہے خواہ منیٰ کا منحر اور مذبح ہو یا مکہ مکرمہ کی کوئی اور جگہ ہو۔ حدیث میں ہے مکہ کے تمام راستے منحر (مذبح) ہیں اور منیٰ کے تمام راستے منحر (مذبح) ہیں۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۲۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا

اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے، تاکہ وہ اللہ کے دئیے ہوئے بے زبان چوپایوں پر

رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ

(ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں، پس تمہاری عبادت کا مستحق، واحد مستحق عبادت ہے اسی کی

أَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿٣٤﴾ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ

اطاعت کرو، اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجئے ○ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل

قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي

تھرتھرا جاتے ہیں اور وہ مصائب پر صبر کرتے ہیں، اور نماز قائم

الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا

رکھتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ۰ اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے

لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ

تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے ان میں تمہارے لیے بھلائی ہے، پس تم ان کو قطار میں کھڑا کر کے

اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا

(ان کو نحر کرنے کے وقت) اللہ کا نام لو، پس جب ان کے پہلو زمین پر گر جائیں تو تم خود (بھی) ان سے کھاؤ

وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ

اور محتاج اور مانگنے والے کو بھی کھلاؤ، اسی طرح ہم نے ان مویشیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا

تاکہ تم شکر ادا کرو ۰ ان کے خون اور ان کے گوشت اللہ کے پاس ہرگز نہیں پہنچتے

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ

لیکن تمہارا تقویٰ اس کے پاس پہنچتا ہے، اسی طرح اس نے ان مویشیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

تاکہ تم اللہ کی ہدایت کے مطابق اس کی بڑائی بیان کرو اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دیجیے ۰

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

بے شک اللہ ایمان والوں کی مدافعت کرتا ہے، بے شک اللہ کسی خیانت کرنے والے

كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ ع اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ع ۵ ۱۲

ناشکرے کو پسند نہیں کرتا ۰ جن لوگوں سے (ناحق) قتال کیا جاتا ہے ان کو (جہاد کی) اجازت دے

ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ

سے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے ○ جن لوگوں کو

أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا

ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا محض اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ

رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ

ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں سے دور کرتا نہ رہتا تو

لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ

راہبوں کی خانقاہیں اور کلیسائیں اور یہودیوں کے معبد اور جن مسجدوں میں اللہ کا بہت

فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ

ذکر کیا جاتا ہے ان سب کو ضرور منہدم کر دیا جاتا، اور جو اللہ (کے دین) کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي

بے شک اللہ ضرور قوت والا بہت غلبہ والا ہے ○ ان لوگوں کو اگر ہم زمین میں اقتدار عطا

الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا

فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا

بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾

حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے ○

وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں (تو آپ پریشان نہ ہوں) سو ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور

نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿٤٣﴾

عاد نے اور ثمود نے تکذیب کی تھی ○ اور ابراہیم کی قوم نے اور لوط کی قوم نے ○

وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ

اور اصحاب مدین نے (بھی تکذیب کی تھی) اور موسیٰ کی تکذیب کی گئی، پس میں نے کافروں کو

لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾

کچھ مہلت دی پھر میں نے ان کو پکڑ لیا تو کیسا تھا میرا عذاب! ○

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ

پس ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا جو ظالم تھیں سو اب وہ اپنی

خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ

چھتوں پر گری ہوئی پڑی ہیں اور بہت سے غیر آباد کنویں اور بہت سے

مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ

مضبوط محل ○ سو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ ان کے دل

قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ

ایسے ہوتے جن سے یہ سمجھتے یا ان کے کان ایسے ہوتے جن سے یہ غور سے سنتے!

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ

پس حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن سینوں میں جو دل ہیں

الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ

وہ اندھے ہو جاتے ہیں ○ اور یہ آپ سے جلد عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ

اور اللہ اپنی وعید کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا، اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن

كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ

تمہاری گنتی کے ہزار دنوں کی مثل ہے ○ اور میں نے ایسی بہت سی بستیوں کو

أُمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۚ وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿۴۸﴾

مہلت دی تھی جو ظالم تھیں، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا، اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر اُمت کے لیے ہم نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے تا کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں' پس تمہاری عبادت کا مستحق واحد مستحق عبادت ہے' اسی کی اطاعت کرو اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجئے ○ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل تھرتھرا جاتے ہیں اور وہ مصائب پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ○ اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے' ان میں تمہارے لیے بھلائی ہے' پس تم ان کو قطار میں کھڑا کر کے (ان کو نحر کرنے کے وقت) اللہ کا نام لو' پس جب ان کے پہلو زمین پر گر جائیں تو تم خود (بھی) ان سے کھاؤ اور محتاج اور مانگنے والے کو بھی کھلاؤ اسی طرح ہم نے ان مویشیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تا کہ تم شکر ادا کرو ○ (الحج: ۳۶-۳۴)

منسک اور مخبتین کے معنی

اس آیت میں نسک کا لفظ ہے' نسک کا معنی ہے عبادت اور الناسک کا معنی ہے عابد' اور یہ لفظ حج کے اعمال کے ساتھ مخصوص ہے۔ منسک کی جمع مناسک ہے اور اس کا معنی ہے حج کے اعمال اور اس کے طریقے اور نسیکہ ذبیحہ کے ساتھ مختص ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۳۴)

اس آیت میں منسک کا معنی ہے قربانی کا طریقہ۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر سابقہ تمام اُمتوں میں سے ہر اُمت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی قربانیوں پر اللہ عزوجل کا نام لیں' پھر فرمایا پس تمہاری عبادت کا مستحق' واحد مستحق عبادت ہے۔ یعنی زمانوں اور قوموں کے اختلاف سے قربانی کرنے کے طریقے مختلف ہوتے رہے ہیں لیکن ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں صرف اسی خدائے واحد کی عبادت مشروع کی گئی تھی' شریعتیں مختلف رہی ہیں اور دین سب کا ایک ہے' پھر فرمایا اسی کی اطاعت کے ساتھ گردن جھکاؤ یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اللہ کے تمام احکام کو تسلیم کرو اور مانو اور ان کے تقاضوں پر عمل کرو۔

اس کے بعد فرمایا اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجئے۔ نظم قرآن میں مخبتین کا لفظ ہے خبت کا معنی پست زمین اور گڑھا ہے' اور جو جگہ پست ہو وہ جھکی ہوئی ہوتی ہے' اس لیے حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا ہے مخبتین کا معنی ہے' متواضعین یعنی عاجزی کرنے والے۔ کلبی نے کہا اس کا معنی ہے زیادہ کوشش سے عبادت کرنے والے۔ مقاتل نے کہا اس کا معنی ہے مخلصین۔ مجاہد سے یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد وہ صالحین ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن رہتے ہیں۔ عمرو بن اوس نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور جب ان پر ظلم کیا جائے تو وہ اس کا بدلہ نہیں لیتے۔

صبر کہاں کرنا چاہیے اور کہاں نہیں

الحج: ۳۵ میں فرمایا: جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل تھرتھرا جاتے ہیں' یعنی ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف کے آثار ظاہر ہوتے ہیں' اور اس خوف کے دو اثر ہیں ایک یہ کہ وہ مشکلات اور مصائب پر صبر کرتے ہیں جیسا کہ اس کے بعد فرمایا اور وہ مصائب پر صبر کرتے ہیں اور یہ سوچ کر پرسکون رہتے ہیں کہ یہ بیماریاں اور تکلیفیں اللہ کی طرف سے آتی ہیں اور جو چیز

محبوب کی طرف سے آئے وہ بھی محبوب ہوتی ہے' اور جو مظالم ظالموں اور کافروں کی طرف سے آئیں' ان پر صبر کرنا واجب نہیں ہے بلکہ انسان پر واجب ہے کہ حتی الامکان ان مظالم کو دفع کرے خواہ اس کے لیے اس سے جنگ کرنی پڑے' اور اس کا دوسرا اثر یہ ہے کہ انسان اپنی جان اور مال سے اللہ کی تعظیم میں مشغول رہے' جان سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم نماز پڑھنے میں ہے اور مال سے اس کی تعظیم' اس کی دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرنے میں ہے اس لئے اس کے بعد فرمایا اور وہ نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔

البدن کا معنی

الحج: ۳۶ میں فرمایا: اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے۔

قربانی کے اونٹ کے لیے اس آیت میں البدن کا لفظ ہے۔ بدن کا معنی ہے جسم لیکن جثہ کے اعتبار سے جسم کو بدن کہا جاتا ہے اور رنگ کے اعتبار سے جسم کو جسد کہا جاتا ہے۔ جس عورت کا بدن بھاری ہو اس کو بادن اور بدین کہتے ہیں اور جو اونٹ بہت فربہ اور بہت موٹے تازے ہوں ان کو بدنہ کہتے ہیں۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکوع اور سجود میں مجھ پر سبقت نہ کرو کیونکہ میں اگر تم سے پہلے رکوع کروں تو تم مجھے پالو گے اور اسی طرح جب میں سر اُٹھاؤں' فانی قد بدنت کیونکہ اب میرا جسم بھاری ہو گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۶۳) اور قرآن مجید میں ہے: والبدن جعلنها لکم من شعائر اللہ۔ (الحج: ۳۶) اس آیت میں البدن بدنۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے وہ اونٹ جن کو قربانی کے لیے روانہ کیا جائے۔

(المفردات ج ۱ ص ۵۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

آیا البدن میں گائے شامل ہے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ البدن کا اطلاق اونٹوں کے علاوہ گایوں پر بھی کیا جاتا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود' عطا اور امام شافعی کے نزدیک اس کا اطلاق گایوں پر نہیں کیا جاتا اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا اطلاق گایوں پر بھی کیا جاتا ہے۔ ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ کسی شخص نے بدنہ کی نذر مانی اور اس کو اونٹ نہیں ملے تو اب وہ اونٹوں کی جگہ گایوں کی قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی کے نزدیک وہ گایوں کی قربانی نہیں کر سکتا' اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ اونٹوں کی جگہ گایوں کی قربانی کر سکتا ہے اور اس کی نذر پوری ہو جائے گی۔ حدیث سے امام شافعی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پہلی ساعت میں جمعہ کی نماز کے لیے گیا اس نے گویا بدنہ کو صدقہ کیا اور جو دوسری ساعت میں گیا اس نے گویا بقرۃ (گائے) کو صدقہ کیا۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۰)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنہ اور بقرۃ کو الگ الگ ذکر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدنہ صرف اونٹ کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق گائے پر نہیں ہوتا۔

نیز اس آیت میں ہے فاذا وجبت جنوبھا یعنی جب نحر کرتے وقت اونٹوں کو کھڑا کر کے ان کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مارا جائے اور وہ اس کی ضرب سے پہلو کے بل گر کر ٹھنڈے ہو جائیں اور یہ وصف اونٹوں کا ہے' ان ہی کو کھڑا کر کے نحر کیا جاتا ہے' گایوں کا یہ وصف نہیں ہے کیونکہ ان کو زمین پر گرا کر ذبح کیا جاتا ہے نحر نہیں کیا جاتا' اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اونٹوں کو بدنہ ان کی ضخامت کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور ضخامت اونٹوں اور گایوں دونوں میں پائی جاتی ہے۔ نیز

بدن بنا کر اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں گائیں‘ اونٹوں کی مثل ہیں حتیٰ کہ گایوں اور اونٹوں دونوں میں قربانی کے سات حصے کیے جاسکتے ہیں اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گائے کی قربانی سات کی طرف سے ہوسکتی ہے اور اونٹ کی قربانی سات کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۸۰۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ کی قربانی دی اور سات آدمیوں کی طرف سے گائے کی قربانی دی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۸۰۹)

بدن اور ھدی میں یہ فرق ہے کہ بدن صرف اونٹوں کو کہتے ہیں جن کو قربانی کے لیے کعبہ کی طرف روانہ کیا جاتا ہے اور ھدی عام ہے‘ اونٹ‘ گائے اور بکری میں سے جس کو بھی قربانی کے لیے کعبہ کی طرف روانہ کیا جائے‘ وہ ھدی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج۱۲ص ۵۸‘ مطبوعہ دارالفکر بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

اونٹوں کو نحر کرنے کا طریقہ

اس آیت میں فرمایا: پس تم ان کو قطار میں کھڑا کر کے (ان کو نحر کرنے کے وقت) اللہ کا نام لو۔

ابن ابی ذئب کہتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب سے الصواف (صف میں کھڑے ہوئے) کا معنی دریافت کیا۔ انہوں نے کہا پہلے تم اونٹوں کو باندھو پھر ان کو صف بہ صف کھڑا کرو‘ اور امام مالک نے بھی اسی طرح کہا اور باقی فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے سوا امام ابوحنیفہ کے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اونٹوں کو بٹھا کر اور کھڑا کر کے ہر طرح نحر کرنا جائز ہے (لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا) جمہور کی دلیل یہ آیت ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے جب اونٹ پہلو کے بل گر جائیں اور گرنا اسی وقت ہوگا جب پہلے اونٹ کھڑے ہوئے ہوں۔

زیاد بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر ایک شخص کے پاس گئے‘ وہ اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ حضرت ابن عمر نے کہا اس اونٹ کو کھڑا کرو اور یہ بندھا ہوا ہو پھر نحر کرو یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۷۱۳‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۳۲۰‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۳۶۸)

ابوالزبیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عبدالرحمن بن سابط رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اونٹ کو اس حال میں نحر کرتے تھے کہ اس کا اُلٹا پیر بندھا ہوا ہوتا تھا اور وہ اپنے باقی پیروں پر کھڑا ہوا ہوتا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۷۶۷)

امام مالک نے کہا اگر انسان کمزور ہو یا اس کو خطرہ ہو کہ اونٹ بھاگ جائے گا تو اس کو باندھ کر نحر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے‘ اور مختار یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے بغیر باندھے نحر کیا جائے اگر خطرہ ہو تو اونٹ کو باندھ دیا جائے اور کھڑا کرنے کے لیے اس کی کونچیں نہ اُٹھائی جائیں۔ الایہ کہ اس کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اس پر قوت نہیں پائے گا‘ اور اس کی کونچیں اُٹھا کر کھڑا کرنے سے افضل یہ ہے کہ اس کو بٹھا کر نحر کیا جائے۔ حضرت ابن عمر جب جوان تھے تو اس کے سینہ میں نیزہ مار کر اس کے کوہان سے نکال دیتے تھے اور جب ان کی عمر زیادہ ہوگئی تو وہ اونٹ کو بٹھا کر نحر کرتے تھے۔ ایک آدمی ان کے ساتھ نیزہ پکڑے ہوئے ہوتا تھا اور دوسرا آدمی اس کی نکیل پکڑے ہوئے ہوتا تھا۔ اور گائے اور بکری کو لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج۱۲ص ۶۰-۵۹‘ مطبوعہ دارالفکر بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اونٹوں کی گردن کے نچلے حصے میں نحر کرنا مستحب ہے اور ان کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔
علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ١٢٥٢ھ لکھتے ہیں:
شتر مرغ' زرافہ' اونٹ اور ہر لمبی گردن والے جانور کو ذبح کیا جائے گا۔ المضمرات میں مذکور ہے کہ سنت یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کیا جائے اور گائے اور بکری کو لٹا کر ذبح کیا جائے۔

(الدر المختار و رد المحتار ج ۹ ص ۳۶۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

القانع اور المعتر کے معنی

اس کے بعد اس آیت میں فرمایا: تم خود بھی اس میں سے کھاؤ اور محتاج اور مانگنے والے کو بھی کھلاؤ۔
فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کا اپنی ھدی (قربانی) سے کھانا مستحب ہے۔ اس میں اَجر بھی ہے اور اللہ کی اطاعت بھی ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین اپنی ھدی سے نہیں کھاتے تھے۔ ابو العباس نے کہا کھانا اور کھلانا دونوں مستحب ہیں اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک پر اقتصار کرلے۔
اور فرمایا: القانع اور المعتر کو کھلاؤ' القانع کا معنی ہے قناعت کرنے والا' جو شخص سوال کرنے سے رُکتا ہو اور اس کے پاس جتنا مال ہو اسی کو کافی سمجھے' سوال نہ کرے اور لوگوں سے مستغنی رہے۔ ابن السکیت نے کہا قناعت کا معنی ہے راضی رہنا اور سوال نہ کرنا' اور معتر کا معنی ہے جو گھوم پھر کر مانگتا ہے۔ حسن بصری نے کہا القانع کا معنی محتاج ہے اور المعتر کا معنی ہے زیارت کرنے والا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے خون اور ان کے گوشت اللہ کے پاس ہرگز نہیں پہنچتے لیکن تمہارا تقویٰ اس کے پاس پہنچتا ہے' اسی طرح اس نے ان مویشیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی ہدایت کے مطابق اس کی بڑائی بیان کرو اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دیجئے O بے شک اللہ ایمان والوں کی مدافعت کرتا ہے' بے شک اللہ کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا O (الحج: ۳۸-۳۷)

آیت مذکورہ کا شانِ نزول

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی التوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:
اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ مشرکین جب کسی جانور کو ذبح کرتے تھے تو اس کا خون کعبہ کی دیواروں پر چھڑکتے تھے' ان کو دیکھ کر مسلمانوں نے بھی اس طرح کرنے کا ارادہ کیا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مفسرین نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس قربانی کے جانوروں کا خون اور گوشت نہیں پہنچایا جاتا' اس کے پاس صرف تقویٰ پہنچایا جاتا ہے اور جس عمل سے صرف اللہ کی رضا کا ارادہ کیا جائے' اور اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اگر اللہ کا تقویٰ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کسی جانور کے خون اور گوشت کو قبول نہیں فرماتا اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جب کسی عمل کی نیت صحیح نہ ہو تو اس عمل کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۴۳۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قربانی کی دعا ذبح سے پہلے یا ذبح کے بعد مانگی جائے نہ کہ ذبح کرنے کی حالت میں

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا چاہیے اور اس کی تکبیر پڑھنا چاہیے۔
حضرت جندب بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عید الاضحیٰ کے موقع پر حاضر

آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا اور فرمایا جس نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا وہ دوبارہ ذبح کرے' اور جس نے ابھی تک ذبح نہیں کیا وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الاضحیٰ کو دو سینگوں والے سرمئی رنگ کے خصی مینڈھے ذبح کیے جب آپ نے ان کا منہ قبلہ کی طرف کر کے ان کو لٹا دیا تو یہ دعا پڑھی:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض علی ملة ابراهيم حنيفا وما انا من المشركين ان صلاتی ونسكی ومحياى ومماتی لله رب العلمين لاشريك لك وبذالك امرت وانا من المسلمين اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله والله اكبر.

میں اپنا رخ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ میں ابراہیم کی ملت پر ہوں درآں حالیکہ میں باطل مذاہب سے اعراض کرنے والا ہوں اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ رب العلمین کے لیے ہے۔ (اے اللہ!) تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری توفیق سے اور تیرے لیے ہے محمد اور اس کی اُمت کی طرف سے اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

یہ دعا پڑھنے کے بعد آپ نے ان کو ذبح کر دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۱)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے ذبح کرنے سے پہلے اپنی اور اُمت کی طرف سے قربانی کے مقبول ہونے کی دعا کی۔

عروۃ بن الزبیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگوں والے مینڈھے کو لانے کا حکم دیا جس کی ٹانگیں سیاہ ہوں اور اس کا پچھلا حصہ سیاہ ہو اور اس کی آنکھیں سیاہ ہوں' آپ کے پاس وہ مینڈھا قربانی کے لیے لایا گیا پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا چھری لاؤ پھر فرمایا اس کو پتھر سے تیز کرو۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: پس میں نے ایسا کیا پھر آپ نے چھری لی اور مینڈھے کو پکڑ کر لٹایا پھر اس کو ذبح کیا پھر یہ دعا کی:

باسم الله اللهم تقبل من محمد وال محمد ومن امة محمد.

اللہ کے نام سے' اے اللہ اس قربانی کو محمد اور آلِ محمد اور اُمتِ محمد کی طرف سے قبول فرما۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے ذبح کرنے کے بعد اپنے اور اہل بیت اور اُمت کی طرف سے قربانی کے قبول ہونے کی دعا کی۔

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی نے لکھا ہے کہ ذبح کرنے والے کا یہ کہنا اللھم تقبل منی جائز ہے اور امام ابوحنیفہ نے اس کو مکروہ کہا ہے' اور ان کے خلاف وہ حدیث حجت ہے جو صحیح مسلم میں ہے' آپ نے فرمایا بسم الله اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن امة محمد۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۶۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اسی طرح علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ نے صحیح مسلم کی اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ذبح کرنے والا' ذبح کرنے کے حال میں بسم اللہ اللہ اکبر کے ساتھ کہے: اللھم تقبل

منی اے اللہ میری طرف سے قبول فرما' اور یہ ہمارے اور حسن کے نزدیک مستحب ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ بدعت ہے۔ (شرح مسلم للنواوی ج ۹ ص ۵۳۹۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی اور علامہ نووی نے صحیح نہیں لکھا۔ کوئی مسلمان بھی اللہ سے دعا کرنے کو مکروہ نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ امام اعظم ابوحنیفہ اللہ سے دعا کرنے کو مکروہ کہیں' اور حدیث میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کے حال میں بسم اللہ اللہ اکبر کے ساتھ اللھم تقبل منی فرمایا بلکہ حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مینڈھے کو ذبح کیا اور اس کے بعد اپنے اور اہل بیت اور اُمت کے لیے دعا کی' اور امام ابوحنیفہ نے ذبح کرتے وقت دعا سے اس لیے منع کیا ہے کہ جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو جائے جب وہ ذبح کرتے وقت یہ دعا کرے گا اے اللہ! اس کو میری طرف سے میرے گھر والوں کی طرف سے اور تمام اُمت کی طرف سے قبول فرما تو ذبیحہ پر اللہ کے ساتھ غیر اللہ کا نام بھی بولا جائے گا۔ البتہ اگر چھری پھیرنے سے پہلے دعا کرے یا چھری پھیرنے کے بعد دعا کرے تو پھر یہ جائز ہے۔

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

بسم اللہ پڑھنے میں یہ شرط ہے کہ ذکر خالص ہو اور اس میں دعا کی آمیزش نہ ہو (الی قولہ) اور اگر اس نے اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کو ملا کر ذکر کیا مثلاً بسم اللہ اللھم تقبل من فلان تو یہ مکروہ ہے۔ (الی قولہ) اور اگر اس نے فصل کر لیا۔ مثلاً ذبح کرنے سے پہلے دعا کر لی یا ذبح کرنے کے بعد دعا کر لی تو اب صحیح ہے کیونکہ اب ذبح کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کے نام کا اتصال نہیں ہوا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۹ ص ۳۶۴' ۳۶۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر اس نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے اور اپنا یا کسی اور کا نام لینے میں صورۃً یا معنیً فصل کر لیا تو یہ جائز ہے۔ مثلاً اس نے جانور کو لٹایا پھر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر جانور ذبح کیا پھر دعا کی یا پہلے دعا کی پھر بسم اللہ پڑھ کر جانور کو ذبح کیا تو یہ جائز ہے اور حدیث میں ہے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر مینڈھا ذبح کیا پھر دعا کی۔

(رد المحتار ج ۹ ص ۳۶۴ - ۳۶۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قربانی کے جانوروں اور صدقہ فطر میں تنوع

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف مسنّہ کی قربانی کرو' ہاں اگر دنبوں میں مسنّہ دشوار ہو تو چھ ماہ کے دنبہ کی قربانی کر سکتے ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۱)

بکرے' گائے اور اونٹ میں مسنّہ اس جانور کو کہتے ہیں' جس کے دودھ پینے کے دانتوں کی جگہ چرنے اور کھانے کے دانت نکل آئے ہوں۔ بکروں میں دو دانت اس وقت نکل آتے ہیں جب اس کی عمر ایک سال کی ہو چکی ہو اور گائے اور اونٹ میں دو دانت اس وقت نکل آتے ہیں جب گائے کی عمر دو سال کی ہو چکی ہو اور اونٹ کی عمر پانچ سال کی ہو چکی ہو۔

جس طرح قربانی کے جانوروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تنوع کو مشروع اور مسنون فرمایا۔ یعنی بکرے' گائے اور اونٹ ہر ایک کی قربانی ہو سکتی ہے اور آپ نے کی ہے اور اب تک مسلمان حسب استطاعت بکروں' گایوں اور اونٹوں کی قربانی کرتے ہیں' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر میں بھی تنوع کو مشروع فرمایا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم ایک صاع (چار کلوگرام)

طعام (صدقہ فطر) ادا کرتے تھے یا ایک صاع (چار کلو) کھجوریں یا ایک صاع (چار کلو) جو یا ایک صاع (چار کلو) پنیر یا ایک صاع (چار کلو) کشمش' جب حضرت معاویہ کا زمانہ آیا تو گندم آ گیا اور انہوں نے کہا میری رائے میں نصف صاع (دو کلو) گندم ان کے چار کلو کے برابر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۰۶' ۱۵۰۷' ۱۵۰۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۷۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۲۹)

آج کل (۲۰۰۱ء میں) نصف صاع یعنی دو کلو گندم تقریباً چھبیس روپے کے ہیں اور چار کلو کھجور تقریباً دو سو روپے کی ہیں اور چار کلو کشمش تقریباً چار سو روپے کی ہیں اور چار کلو پنیر تقریباً ایک ہزار روپے کا ہے سو جس طرح قربانی کے جانوروں میں تنوع ہے اور ان کی کئی اقسام ہیں' اسی طرح صدقہ فطر میں بھی تنوع ہے اور اس کی کئی اقسام ہیں' اور جو لوگ جس حیثیت کے ہوں وہ اس حیثیت سے صدقہ فطر ادا کریں۔ مثلاً جو کروڑ پتی لوگ ہیں' وہ چار کلو پنیر کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں جو لکھ پتی ہیں' وہ چار کلو کشمش کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں اور جو ہزاروں روپوں کی آمدنی والے ہیں' وہ چار کلو گرام کھجور کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں اور جو سینکڑوں کی آمدنی والے ہیں' وہ دو کلو گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کریں' لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل کروڑ پتی ہوں یا سینکڑوں کی آمدنی والے ہوں' سب دو کلو گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرتے ہیں اور تنوع پر عمل نہیں کرتے' جب کہ قربانی کے جانوروں میں لوگ تنوع پر عمل کرتے ہیں اور کروڑ پتی لوگ کئی کئی لاکھ کے بیل خرید کر اور متعدد قیمتی اور مہنگے دنبے اور بکرے خرید کر ان کی قربانی کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم اپنا جائزہ لیں کہیں اس کی یہ وجہ تو نہیں ہے کہ قربانی کے مہنگے اور قیمتی جانور خرید کر ہمیں اپنی شان و شوکت اور امارت دکھانے کا موقع ملتا ہے۔ ہم بڑے فخر سے وہ قیمتی جانور اپنے عزیزوں اور دوستوں کو دکھاتے ہیں اور نمود اور نمائش کرتے ہیں اور صدقہ فطر کسی غریب آدمی کے ہاتھ پر رکھ دیا جاتا ہے' اس میں دکھانے اور سنانے اور اپنی امارت جتانے کے مواقع نہیں ہیں' اس لیے کروڑ پتی سے لے کر عام آدمی تک سب دو کلو گندم کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرتے ہیں۔ سوچیے ہم کیا کر رہے ہیں؟ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن یہ ساری قربانیاں ریا کاری قرار دے کر ہمارے منہ پر ماردی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانوروں کی متعدد قسمیں اس لیے کی ہیں کہ ہر طبقہ کے لوگ اپنی حیثیت کے لحاظ سے قربانی کا تعین کریں۔ اسی طرح آپ نے صدقہ فطر کی متعدد اقسام بھی اس لیے کی ہیں کہ ہر طبقہ کے لوگ اپنی حیثیت کے لحاظ سے صدقہ فطر ادا کریں سو جس طرح ہم اپنی حیثیت کے لحاظ سے قربانی کے جانوروں کا تعین کرتے ہیں' اس طرح ہمیں اپنی حیثیت کے لحاظ سے صدقہ فطر کی قسم کا تعین بھی کرنا چاہیے اور تمام طبقات کے لوگوں کو صرف دو کلو گندم کے حساب سے صدقہ فطر کو نہیں ٹرخانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں سے (ناحق) قتال کیا جاتا ہے' ان کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے' بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے ○ جن لوگوں کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا محض اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں سے دُور کرتا نہ رہتا تو راہبوں کی خانقاہیں اور کلیسائیں اور یہودیوں کے معبد اور جن مسجدوں میں اللہ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے' ان سب کو ضرور منہدم کر دیا جاتا' اور جو اللہ (کے دین) کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ بے شک اللہ ضرور قوت والا' بہت غلبہ والا ہے ○ (الحج: ۴۰-۳۹)

کافروں کو قتل کرنے کی ممانعت کی توجیہات

الحج: ۳۸ اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب کفار کی ایذاء رسانیوں اور زیادتیوں پر مسلمانوں کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور

ان کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم تھا اور یہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ خفیہ طریقہ سے کافروں کو قتل کر دیں تو آپ نے ان کو منع فرما دیا اور یہ آیت نازل ہوئی کہ مسلمان فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مشرکین سے خود دفاع کرے گا اور ان کا بدلہ لے گا' بے شک اللہ کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا یعنی مسلمانوں کو اس سے منع کیا کہ وہ خفیہ طریقہ سے کافروں کو قتل کریں کیونکہ یہ غدر' دھوکا اور خیانت ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دھوکا دینے والے اور عہد شکنی کرنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۵۴۵۷۰' عالم الکتب' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۷۳۷)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں ہمیشہ ایمان کو جاگزیں رکھے گا اور مشرکین ان کو' ان کے دین سے پھیرنے پر قدرت نہیں پائیں گے خواہ وہ ان پر جبر کیوں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دین سے مرتد ہونے سے محفوظ رکھے گا۔

اور اس آیت کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حجت اور دلیل کے ساتھ مسلمانوں کی مدافعت اور حفاظت کرے گا' اور کوئی مشرک کسی مسلمان کو قتل نہیں کر سکے گا اور اگر کسی مشرک نے کسی مسلمان کو قتل کر بھی دیا تو مسلمان اللہ کی رحمت میں ہوگا۔

اس آیت کی چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بشارت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کفار پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ان کے مظالم اور ایذاؤں کو مسلمانوں سے دُور کر دے گا۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّآ اَذًی ؕ وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۱۱)

وہ تمہیں ایذاء پہنچانے کے سوا اور زیادہ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر انہوں نے تم سے جنگ کی تو یہ پیٹھ موڑ کر بھاگیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

کفار سے درگزر کی آیات کا منسوخ ہونا اور ان سے قتال کی اجازت دینا

الحج: ۳۹ میں فرمایا: جن لوگوں سے (ناحق) قتال کیا جاتا ہے ان کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جن کو مکہ میں مشرکین بہت سخت ایذائیں پہنچاتے تھے۔ مسلمان آپ کے پاس آتے' کسی کا سر پھٹا ہوا ہوتا' کسی کو کوڑوں سے مارا ہوا ہوتا' کسی کو تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹا ہوا ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے: صبر کرو' ابھی مجھے ان سے قتال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا حتیٰ کہ آپ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کر لی۔ ستر سے زیادہ آیتیں کفار کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرنے کے متعلق نازل ہوئیں تھیں اور یہ پہلی آیت ہے جس میں کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے' اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ تمام آیتیں منسوخ ہو گئیں جن میں کفار کی زیادتیوں پر عفو اور درگزر کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ ستر سے زیادہ آیات درحقیقت ایک آیت کے حکم میں ہیں جن میں کفار کی زیادتیوں پر صبر کا حکم دیا گیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا انہوں نے اپنے نبی کو نکال دیا انا للہ و انا الیہ راجعون' اور جب یہ آیت نازل ہوئی: اذن للذین یقاتلون الآیۃ تو میں نے جان لیا کہ اب جنگ ہوگی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۰۹۸)

اس آیت کی تفسیر میں ابن زید نے کہا مشرکین کو معاف کرنے کا حکم دینے کے دس سال بعد یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو ان سے قتال کی اجازت دی گئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۱۰۰)

قتادہ نے کہا یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار سے قتال کی اجازت دی گئی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۱۰۵)

بعض لوگوں کو بعض دوسرے لوگوں سے دور کرنے کے محامل

الحج: ۴۰ میں فرمایا: جن لوگوں کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا محض اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے!

آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے دو وجہوں سے ان کا ظلم بیان فرمایا ہے' ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کو ان کے گھروں سے نکالا گیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو صرف اس کہنے پر نکالا گیا کہ انہوں نے کہا تھا ہمارا رب اللہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور اگر اللہ بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں سے دور کرتا نہ رہتا تو راہبوں کی خانقاہیں اور کلیسائیں اور یہودیوں کے معبد اور جن مسجدوں میں اللہ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے' ان سب کو ضرور منہدم کر دیا جاتا۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے اللہ بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں سے دور فرماتا رہتا ہے۔ اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس سے مراد ہے مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کی اجازت دینا گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ مسلمانوں کو مشرکین کے خلاف جہاد کی اجازت دے کر ان سے کفار اور مشرکین کو دور فرماتا ہے' اور اگر اللہ یہ اجازت نہ دیتا تو مشرکین مسلمانوں کی عبادت گاہوں پر قبضہ کر لیتے اور اسی وجہ سے راہبوں کی خانقاہوں' کلیساؤں اور یہودیوں کے معبد کا بھی ذکر فرمایا۔ ہر چند کہ یہ غیر اہل اسلام کی عبادت گاہیں ہیں۔

(۲) جو مسلمان عذر کی وجہ سے جہاد نہیں کر سکتے' ان سے جہاد کی مشقت کو جہاد کرنے والے مسلمانوں کے سبب سے دور فرما دیتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی وجہ سے برے لوگوں سے عذاب کو دور فرما دیتا ہے۔ سو نمازیوں کی برکت سے بے نمازوں کے عذاب کو دور فرما دیتا ہے' اور صدقہ کرنے والوں کی وجہ سے ان سے عذاب کو دور کر دیتا ہے جو صدقہ نہیں کرتے' اور حج کرنے والوں کی وجہ سے ان سے عذاب کو دور کر دیتا ہے جو حج نہیں کرتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نیک مسلمان کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے مصائب کو دور کر دیتا ہے۔

(الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۲۷۴' جدید العقیلی ج ۴ ص ۴۰۴' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۶۷' اس کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکی میں سبقت کرو' نیکی میں سبقت کرو' اگر نوجوان اللہ سے ڈرنے والے اور بوڑھے نمازیں پڑھنے والے اور چرنے والے چوپائے نہ ہوتے تو تم سب پر آندھیوں کا عذاب آ جاتا۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۴۰۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۱۹۳' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۵' تاریخ بغداد ج ۶ ص ۶۴' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۲۷' ۲۳۰' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۱۸۵)

یہود ونصاریٰ کی عبادت کے مقامات اور مسلمانوں کی عبادت کے مقام کو جمع کرنے کی توجیہات

(۱) حسن نے کہا' ان مقامات سے مراد مومنوں کی عبادات کے مقامات ہیں خواہ وہ کسی مذہب کے مومنین ہوں۔
(۲) زجاج نے کہا اگر اللہ ہر نبی کی شریعت میں بعض لوگوں کو بعض لوگوں سے دُور نہ کرتا تو کسی نبی کے زمانہ میں نماز پڑھنے کی جگہ سلامت نہ رہتی' اور اگر اللہ بعض شریروں اور مفسدوں کو نیک لوگوں سے دُور نہ کرتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی عبادت گاہیں قائم نہ رہتیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے معبد سلامت نہ رہتے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی مسجدیں باقی نہ رہتیں۔ اس بناء پر یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہوں سے اس وقت تک مفسدوں کو دُور رکھا گیا جب تک وہ دینِ حق پر قائم تھے اور انہوں نے اپنے دین میں تحریف نہیں کی تھی اور ان کی شریعت منسوخ نہیں کی گئی تھی۔
(۳) اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ان کے معابد کی حفاظت کی گئی کیونکہ ان عبادت گاہوں میں بہر حال اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے اور وہ بت پرستوں اور مشرکوں کے بت کدوں اور مندروں کی طرح نہیں ہیں۔
(۴) اگر قتال اور جہاد کو مشروع نہ کیا جاتا تو کسی زمانہ میں اور کسی نبی کی اُمت میں بھی اہل حق کی عبادت گاہیں محفوظ نہ رہتیں۔

الصوامع' البیع اور صلوات کے معانی

صوامع' صومعہ کی جمع ہے' صومعہ اس بلند عمارت کو کہتے ہیں جس کا بالائی حصہ محدب (گاؤ دم) ہو' عیسائی چونکہ اپنے عبادت خانوں کا سرا بلند' باریک اور گاؤ دم بناتے ہیں' اس لیے اس کو صومعہ کہتے ہیں۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے صوامع نصاریٰ کے راہبوں کے ساتھ مخصوص تھے اور صابئین (آتش پرست) گرجوں کے ساتھ مختص تھے پھر بعد میں مسلمانوں کی اذان کی جگہ کو صومعہ کہا جانے لگا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۶۷)

بِیَــع : یہ بیعہ کی جمع ہے عبادت خانہ' اس کا معنی ہے یہود ونصاریٰ کا عبادت خانہ اور گرجا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ عیسائیوں کا معبد ہے اور امام طبری نے لکھا ہے یہ یہودیوں کی عبادت گاہ ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۶۷)

صلوات: یہ صلوٰۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے رحمتیں' دعائیں' نمازیں عبادت خانے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا الصلوٰت سے مراد ہے یہود ونصاریٰ کی عبادت گاہیں۔ ابو العالیہ نے کہا اس سے مراد ہے صابئین کی مساجد۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد ہے جب دشمنانِ اسلام کے حملوں کی وجہ سے مسلمانوں کی مساجد ویران ہو جائیں اور ان میں نمازیں معطل ہو جائیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۶۷)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں۔

الصوامع' البیع' الصلوات اور المساجد کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) ابو العالیہ نے کہا الصوامع نصاریٰ کی وہ عبادت گاہیں ہیں' اور البیع یہودیوں کی عبادت گاہیں اور صلوات' صابئین کی عبادت گاہیں ہیں اور مساجد مسلمانوں کی عبادت گاہیں ہیں۔
(۲) زجاج نے کہا الصوامع نصاریٰ کی وہ عبادت گاہیں ہیں جن کو انہوں نے صحرا میں بنایا تھا' اور البیع ان کی وہ عبادت گاہیں ہیں جن کو انہوں نے شہروں میں بنایا تھا' اور صلوات یہودیوں کی عبادت گاہیں ہیں عبرانی میں اس کو صلوتا کہتے ہیں۔
(۳) قتادہ نے کہا الصوامع صابئین کے لیے ہیں' البیع نصاریٰ کے لیے اور صلوات یہود کے لیے۔
(۴) حسن نے کہا یہ تمام مساجد کے اسماء ہیں۔ رہا الصوامع تو وہ اس لیے ہے کہ کبھی مسلمان اس طرز کی مساجد بناتے ہیں اور

رہا المسجد تو یہ اس لیے کہ مسلمانوں کی مساجد پر اس کا تشبیہاً اطلاق ہے اور رہا الصلوات تو اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مفسدوں کو دُور نہ کرتا تو نمازیں معطل ہو جاتیں اور مساجد منہدم اور ویران ہو جاتیں۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۳۰ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان لوگوں کو اگر ہم زمین میں اقتدار عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں' زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے ○ اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں (تو آپ پریشان نہ ہوں) سو ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور عاد نے اور ثمود نے (تکذیب کی تھی) ○ اور ابراہیم کی قوم نے اور لوط کی قوم نے ○ اور اصحاب مدین نے (بھی تکذیب کی تھی) اور موسیٰ کی تکذیب کی گئی پس میں نے کافروں کو کچھ مہلت دی پھر میں نے ان کو پکڑ لیا تو کیسا تھا میرا عذاب ○ (الحج: ۴۴-۴۱)

خلفاء راشدین کی فضیلت

الحج: ۴۱ میں اقتدار دینے سے مراد ہے ان کو سلطنت اور حکومت عطا فرمانا اور ان کو یہ قوت دینا کہ وہ اپنے احکام کو لوگوں پر نافذ کر سکیں' اور اس سے مراد مطلق قدرت نہیں ہے کیونکہ مطلق قدرت تو ہر شخص کو حاصل ہے لیکن ہر شخص کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ زمین میں نماز کا نظام قائم کرے' مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کر کے اس کے مصارف پر خرچ کرے' نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے یعنی لوگوں سے نیک کاموں پر عمل کرائے اور برے کاموں پر ان پر حد اور تعزیر جاری کرے۔

اب رہا یہ کہ ان لوگوں سے مراد کون ہیں اور یہ کن لوگوں کی صفت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں فرمایا ہے: جن لوگوں کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا' محض اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ (الحج: ۴۰) خلاصہ یہ ہے کہ اس سے مراد مہاجرین ہیں اور اس آیت کا مصداق خلفاء راشدین ہیں' کیونکہ ان ہی کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں سلطنت عطا فرمائی تھی اور اقتدار دیا تھا اور انہوں نے ہی نمازوں اور زکوٰۃ کا نظام قائم کیا' نیک کاموں کو پھیلایا اور برے کاموں پر حدود و تعزیرات جاری کیں۔ خلفاء راشدین کے بعد بھی ہر چند کہ نیک اور عادل حکمران آئے لیکن خیر اور فلاح کا جو نظام خلفاء راشدین کے عہد میں جاری ہوا تھا' اس کی نظیر بعد کے کسی دور میں نہیں مل سکی۔

جن کو اقتدار عطا کیا جائے گا ان کے مصادیق

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی نے اس آیت کے مصداق میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) یہ چار خلفاء راشدین ہیں' زمین میں ان کے علاوہ اور کسی کو ایسا اقتدار نہیں ملا۔

(۲) حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد مہاجرین اور انصار ہیں اور جو ان کی نیکی کے ساتھ اتباع کریں۔

(۳) قتادہ نے کہا یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔

(۴) الحسن اور ابو العالیہ نے کہا یہ اُمت اس آیت کا مصداق ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو فتح عطا فرماتا ہے تو یہ نمازوں کو قائم کرتی ہے یعنی حکمران۔

(۵) ضحاک نے کہا اللہ تعالیٰ نے ملک اور اقتدار عطا فرمانے کی شرط عائد کی ہے کہ وہ ان چار امور پر عمل کرائیں۔

(۶) سہل بن عبداللہ نے کہا سلطان پر اور جو علماء اس کے پاس آتے ہیں ان پر واجب ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں' عام لوگوں پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ سلطان اور علماء کو حکم دیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۶۹-۶۸ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مشرکین کی مخالفت اور ایذاؤں پر آپ کو تسلی دینا

الحج: ۴۲ میں فرمایا: اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں (تو آپ پریشان نہ ہوں) سو ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور عاد نے اور ثمود نے تکذیب کی تھی۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کفار نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا اور ان سے قتال کرنے کی اجازت دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی نصرت اور مدد کا وعدہ فرمایا اور یہ فرمایا کہ تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے' اور کفار اور مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور مخالفت کرتے تھے اور آپ کا مذاق اُڑاتے تھے اور آپ ان کے اس ظالمانہ سلوک پر صبر کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں کہ آپ سے پہلے تمام اُمتوں کے کافروں نے اپنے اپنے نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کی ہے۔ حضرت نوح کی قوم نے ان کی تکذیب کی اسی طرح عاد اور ثمود نے اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کی' اور الحج: ۴۳ میں فرمایا اور ابراہیم کی قوم نے اور لوط کی قوم نے ان کی تکذیب کی' اور الحج: ۴۴ میں فرمایا اور اصحاب مدین نے (بھی تکذیب کی تھی) اور موسیٰ کی تکذیب کی گئی' یہاں پر اس طرح نہیں فرمایا کہ موسیٰ کی تکذیب ان کی قوم نے کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب ان کی قوم بنی اسرائیل نے نہیں کی تھی بلکہ ان کی تکذیب قبطیوں نے کی تھی جو کہ فرعون کی قوم تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس کے ذیل میں فرمایا ہے کہ ہر قوم نے اپنے رسول کی تکذیب کی' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی گئی تھی حالانکہ ان کی نبوت کی نشانیاں بہت واضح تھیں اور ان کے معجزات بہت عظیم تھے تو اگر آپ کی بھی مشرکین اور مخالفین نے تکذیب کی ہے تو آپ غم نہ کریں۔

پھر فرمایا: میں نے ان مکذبین کو اس وقت تک مہلت دی جو وقت ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے میرے علم میں مقرر تھا' پھر یہ مکذبین جو میرے عذاب کے نازل ہونے کا انکار کرتے تھے تو عذاب آنے کے بعد ان کا کیا حال ہوا؟ کیا میں نے ان کی نعمتوں کو مصیبتوں سے نہیں بدلا۔ کیا ان کے افراد کی کثرت کو قلت سے نہیں بدلا۔ کیا ان کی زندگی کو موت سے نہیں بدلا۔ کیا ان کے آباد شہروں کو کھنڈرات سے نہیں بدلا۔ کیا میں نے انبیاء علیہم السلام سے جو کافروں پر عذاب نازل کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کو پورا نہیں کیا' اور ان نبیوں کو زمین میں کامیابی عطا نہیں فرمائی۔ سوائے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو بھی ان کی تکذیب پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مصلحت کی وجہ سے مہلت دے رہا ہے' اس لیے خواہ آپ پر دشوار ہو آپ تسلیم و رضا کے طریقہ کو اپنائیں' ہر چند کہ اس بیان سے تسلی ہو جاتی ہے لیکن چونکہ کفار مسلسل آپ کو ایذاء پہنچاتے رہتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ آپ کی تسلی کے لیے وقتاً فوقتاً ایسی آیات نازل فرماتا رہتا تھا۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ پچھلی اُمتوں میں تو بہر حال مکذبین پر عذاب آ گیا تھا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکذبین اور مخالفین پر عذاب نہیں آیا۔ اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نزولِ عذاب کی ایک حد مقرر ہے جو اس حد پر پہنچ جاتا ہے اس پر عذاب نازل ہوتا ہے' اور جو اس حد تک نہیں پہنچتے' ان پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عذاب اس وقت نازل ہوتا ہے جب ان میں سے کوئی بھی ایمان نہ لائے یا اکثر لوگ ایمان نہ لائیں۔ یہ دو وجہیں امام رازی نے بیان کی ہیں اور میری رائے میں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اور آپ کے ہوتے ہوئے ان مکذبین پر عذاب نازل کرنا آپ کو رحمۃ للعالمین بنانے کے منافی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ. (الانفال: ۳۳) اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان میں عذاب بھیج دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا جو ظالم تھیں سو اب وہ اپنی چھتوں پر گری ہوئی پڑی ہیں اور بہت سے غیر آباد کنویں اور بہت سے مضبوط محل ○ سو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ ان کے دل ایسے ہوتے جن سے یہ سمجھتے یا ان کے کان ایسے ہوتے جن سے یہ غور سے سنتے! پس حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔ (الحج: ۴۶-۴۵)

پچھلی اُمتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا

الحج: ۴۵ میں یہ بیان فرمایا: ہم نے کتنی ایسی بستیوں کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا جن میں ظالم لوگ رسولوں کی تکذیب کرتے تھے' جن بستیوں کے محلات کھنڈر بن چکے ہیں' اوندھے منہ گرے ہوئے ہیں' ان کی منزلیں ویران ہو گئیں' ان کے کنویں خالی پڑے ہوئے ہیں' چونے اور پتھروں سے بنائے ہوئے ان کے مضبوط اور بلند و بالا محلات زمین بوس ہو گئے' ان کی خوبصورتی اور مضبوطی عبث اور بے کار ثابت ہوئی۔ اللہ کے عذاب نے ان کو تہس نہس کر دیا۔

الحج: ۴۶ میں فرمایا: سو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ ان کے دل ایسے ہوتے جن سے یہ سمجھتے۔

حافظ اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی الدنیا نے کتاب التفکر والاعتبار میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ اے موسیٰ! آپ لوہے کی دو جوتیاں بنائیں اور لاٹھی لیں اور زمین میں سفر کریں پھر آثارِ قدرت اور عبرت کی نشانیاں دیکھیں۔ آپ کی جوتی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور لاٹھی ٹوٹ جائے گی مگر وہ نشانیاں ختم نہیں ہوں گی۔

نیز امام ابن ابی الدنیا نے بعض حکماء کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ نصیحت کے ساتھ اپنے دل کو زندہ رکھو اور غور و فکر کے ساتھ دل کو منور کرو' اور زہد اور دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ نفس کو مارو اور یقین کے ساتھ اس کو قوی کرو' موت کی یاد سے دل کو ذلیل کرو اور فنا کے یقین سے اس کو صابر بناؤ اور زمانے کی مصیبتوں کو دکھا کر اس کو خوفزدہ کرو' دن اور رات کے تعاقب اور تواتر سے اس کو بیدار رکھو' گزشتہ لوگوں کے واقعات سے اسے عبرت دلاؤ اور پہلے لوگوں کے قصے سنا کر اس کو بیدار رکھو' ان کے شہروں اور ان کے حالات میں اس کو غور و فکر کرنے کا عادی بناؤ اور دیکھو کہ بدکاروں اور گناہ گاروں کے ساتھ کیسا معاملہ ہوا' وہ کس طرح اُلٹ پلٹ کر دیئے گئے۔ سو اس آیت میں بھی یہی ارشاد ہے کہ پہلی اُمتوں کے واقعات کو سامنے رکھ کر دلوں کو سمجھدار بناؤ' اور ان کی تباہی اور بربادی کے واقعات سن کر عبرت حاصل کرو اور یاد رکھو کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں' دل بھی اندھے ہوتے ہیں اور سب سے برا اندھا پن دل کا اندھا ہونا ہے' دل اگر اندھا ہو تو انسان نصیحت پکڑتا ہے نہ عبرت حاصل کرتا ہے اور نہ خیر و شر کی تمیز ہوتی ہے۔

ابو محمد عبداللہ بن محمد بن حیان اندلسی شترینی متوفی ۵۱۷ھ نے اپنے بعض اشعار میں اس مضمون کو خوب نبھایا ہے' وہ کہتے ہیں کہ:

اے وہ شخص جو گناہوں سے لذت حاصل کر رہا ہے ... کیا تو اپنے بڑھاپے اور برے انجام سے بے خبر ہے!

اگر تجھے وعظ سن کر نصیحت حاصل نہیں ہوتی ... تو کیا تجھے آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے بھی عبرت حاصل نہیں ہوتی!

سنو آنکھیں اور کان اپنا کام نہ کریں تو ... یہ اس قدر برا نہیں جتنا واقعات سے عبرت حاصل نہ کرنا برا ہے!

یاد رکھو یہ دنیا باقی رہے گی نہ آسمان نہ یہ بلند اور روشن آفتاب اور نہ خوبصورت ماہتاب! ضرور ایک دن اس دنیا سے کوچ کر جانا ہے خواہ دل کو ناگوار ہو' خواہ وہ امیر ہو یا غریب' شہری ہو یا دیہاتی
(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۵۲-۲۵۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

غور وفکر کرنے کا محل آیا دل ہے یا دماغ؟

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
کیا یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عقل علم ہے اور علم کا محل دل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا۔ (الحج: ۴۶) کہ ان کے دل ایسے ہوتے جن سے یہ سمجھتے' اس لیے قلب کو تعقل اور غور وفکر کا محل قرار دینا واجب ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ. اس قرآن میں ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس کا دل ہو۔ (ق: ۳۷)
(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۳۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:
اس آیت میں قلب کی اضافت دل کی طرف کی ہے کیونکہ دل عقل کا محل ہے جیسا کہ سننے کا محل کان ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ عقل کا محل دماغ ہے اور یہ امام ابو حنیفہ سے روایت ہے اور میری رائے میں یہ قول صحیح نہیں ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۷۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:
ایک قوم کے نزدیک غور وفکر کا محل دماغ ہے اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس کا محل سینہ (دل) ہے۔
(البحر المحیط ج ۷ ص ۵۲۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ عقل دماغ میں ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ جب دماغ فاسد ہو تو عقل فاسد ہو جاتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ عقل دماغ میں ہوتی ہے۔ علامہ نووی اس دلیل کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ عقل دماغ میں نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہو کہ وہ دماغ کے فساد کے وقت عقل کو فاسد کر دیتا ہو اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۸' مطبوعہ کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ آنکھ سے بصارت کا ادراک نہیں ہوتا اور آنکھ ضائع ہو جانے سے بصارت اس لیے چلی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہے کہ وہ آنکھوں کے فساد کے وقت بصارت کو فاسد کر دیتا ہے اور یہ بداہت کے خلاف ہے۔

دماغ کے محل عقل ہونے پر دلائل

عقل کا محل دماغ ہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کی استعداد اور صلاحیت جس عضو میں رکھی ہے اس کا محل اسی عضو کو بنایا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے' اور ہم بداہتہً جانتے ہیں کہ غور وفکر اور سوچ و بچار کا کام دماغ سے لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ مطالعہ کرنے' زیادہ غور وفکر کرنے اور زیادہ سوچ و بچار سے دماغ تھک جاتا ہے' دل کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ زیادہ پڑھنے سے بھی سر میں درد ہو جاتا ہے دل میں کوئی درد نہیں ہوتا' اگر چربی بڑھ جانے اور مٹاپے سے

قلب کی بیماری لاحق ہو جائے اور دل کے دورے پڑنے لگیں تو اس سے انسان کی عقل متاثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح بلڈ پریشر بڑھ جانے کی وجہ سے دل کو زیادہ مشقت اور محنت کرنا پڑے تو اس سے بھی عقل کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے برخلاف اگر دماغ کو کوئی بیماری لاحق ہو جیسے عدم ارتکاز' ذہنی انتشار' انجانا خوف' نسیان' مالیخولیا اور جنون وغیرہ تو ان بیماریوں سے عقل کی کارکردگی کم یا فاسد ہو جاتی ہے۔ نیز اگر دماغ پر کوئی چوٹ لگ جائے تو اس سے بھی عقل متاثر ہوتی ہے بعض اوقات دماغ کی چوٹ کی وجہ سے انسان کی یادداشت ختم ہو جاتی ہے' بعض دفعہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کم یا ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تمام چیزیں بکثرت مشاہدات اور بداہت سے ثابت ہیں اور ان کا انکار کرنا بداہت کا انکار کرنا ہے' اور سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ مغربی ممالک میں بعض لوگوں کا آپریشن سے دل بدل دیا گیا اگر عقل اور ادراک کا محل دل ہوتا تو دل بدل جانے سے پوری شخصیت بدل جانی چاہیے تھی جبکہ ان لوگوں نے بتایا کہ ان کے علوم اور معلومات' احساسات اور جذبات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عقل کا محل دماغ ہے دل نہیں ہے۔

قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور ادراک کی نسبت کرنے کی توجیہ

رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں عقل اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کی گئی ہے' دماغ کی طرف نہیں کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن سائنس کی زبان میں نہیں بلکہ عرف اور ادب کی زبان میں کلام کرتا ہے اور روزمرہ کی گفتگو' عرف' محاورات اور ادبی زبان میں علم و ادراک' سوچ و بچار' احساسات' جذبات' خیالات بلکہ تقریباً دماغ کے تمام افعال کو سینے اور دل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے' حتیٰ کہ کسی چیز کے یاد ہونے کو کہتے ہیں کہ وہ تو میرے سینے میں موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا' میرا دل اس کو نہیں مانتا حالانکہ دل تو صرف خون پمپ کا کرنے کا ایک آلہ ہے۔ سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی پڑھے لکھے ادیب اور سائنس دان اپنی گفتگو میں اُلفت اور محبت اور علم اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کرتے ہیں دماغ کی طرف نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں عام لوگوں کے عرف اور محاورے کے مطابق خطاب ہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (البقرہ: ٢٢) اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اُتارا۔

حالانکہ یہ پانی بخارات کی صورت میں زمین سے اوپر جاتا ہے اور بارش کی صورت میں نازل ہوتا ہے لیکن چونکہ عرف اور محاورے میں کہا جاتا ہے کہ آسمان سے بارش ہوئی اس لیے اس کے مطابق خطاب فرمایا۔ نیز ارشاد ہے:

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِىۡ عَيۡنٍ حَمِئَةٍ (الکہف: ٨٦) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اس (سورج) کو سیاہ دلدل کے چشمہ میں غروب ہوتا ہوا دیکھا۔

حالانکہ عقل اور سائنس کے نزدیک سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ اپنے مدار میں گھومتا رہتا ہے اور یہ تو بالکل بدیہی ہے کہ سورج چشمہ میں غروب نہیں ہوسکتا لیکن عرف میں ایسا ہی کہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں ''سورج پہاڑ کے پیچھے چھپ گیا'' اسی طرح عرف کے مطابق یہاں ارشاد فرمایا ہے۔

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے فرمایا قرآنِ مجید میں عام سطح کے لوگوں اور عرف کے مطابق خطاب کیا ہے اور عقلاء اور سائنس دانوں کی اصطلاح کے مطابق خطاب نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ عقل اور سائنس اور اعلیٰ درجہ کے دماغوں کے مطابق خطاب کرتا تو یہ عام لوگوں کے لیے غیر مانوس ہوتا اور وہ اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکتے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے

بھی خلاف تھی اور اس کی رحمت کے بھی خلاف تھی۔

ایک حدیث میں صراحتاً عقل اور ادراک کی دل کی نسبت نہیں کی گئی بلکہ انسانی دل کو اخلاق اور عادات کا مرکز قرار دیا ہے اگر دل میں اچھے خیالات ہوں تو انسان کے تمام اعضاء سے اچھے افعال کا ظہور ہو گا لیکن چونکہ اخلاق کا اچھا برا ہونا بھی انسانی فکر پر موقوف ہے' اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں فکر کا مرکز دل کو قرار دیا ہے' اور ہمارے نزدیک یہ بھی عرف اور محاورے کے مطابق اطلاق مجازی ہے۔ اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے ہم اس سلسلے میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء اسلام کے نظریات پیش کریں گے۔ علامہ نووی کے حوالے سے ہم امام شافعی کا نظریہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ دل کو عقل کا محل قرار دیتے ہیں۔ اب ہم باقی ائمہ اور فقہاء کے نظریات پیش کریں گے۔ تاہم اس سے پہلے ہم عقل کی تعریف بیان کریں گے۔

عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال

علامہ محمد فرید وجدی لکھتے ہیں:

عقل انسان میں ادراک کرنے کی قوت ہے اور یہ روح کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور اس کا محل مخ (مغز) ہے جیسا کہ ابصار روح کے خصائص میں سے ایک خاصہ ہے اور اس کا آلہ آنکھ ہے۔ (دائرۃ المعارف العشرین ج ۶ ص ۵۲۲)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

عقل وہ قوت ہے جس سے حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل سر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل قلب ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۶۵' ایران)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

عقل وہ قوت ہے جس میں علوم اور ادراکات کی صلاحیت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عقل ایک جوہر ہے جس سے غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے۔ (شرح العقائد ص ۱۶)

علامہ زبیدی نے المحیطی سے نقل کیا ہے کہ عقل اگر عرض ہے تو وہ نفس میں ایک ملکہ ہے' جس کی وجہ سے نفس میں علوم اور ادراکات کی صلاحیت ہے اور اگر عقل جوہر ہے تو ایک جوہر لطیف ہے جس کی وجہ سے غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دماغ میں پیدا کیا ہے اور اس کا نور قلب میں ہے۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۲۶)

علامہ زبیدی نے علامہ مجد الدین کی اس تعریف کا ذکر کیا ہے:

عقل وہ قوت ہے جس سے اچھی اور بری چیزوں میں تمیز حاصل ہوتی ہے' اور علامہ راغب اصفہانی کی یہ تعریف ذکر کی ہے: عقل وہ قوت ہے جس سے قبول علم کی صلاحیت ہے اور لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ عقل قلب یا دماغ میں ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہیہ اور نظریہ کا ادراک کرتا ہے۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۲۵)

علامہ شرتونی نے لکھا ہے عقل ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہیہ اور نظریہ کا ادراک کرتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک طبعی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان میں فہم خطاب کی صلاحیت ہوتی ہے۔ (اقرب الموارد ج ۲ ص ۱۲)

محل عقل کے بارے میں ائمہ مذاہب کے اقوال

امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے عقل دماغ میں ہے۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ضرب لگائے جس سے اس کی عقل چلی جائے تو عقل کے جانے کے اعتبار سے اس پر دیت

لازم ہوگی اور اس میں موضحہ (ایسی ضرب جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے' درمختار) کی ارش (جرمانہ) بھی داخل ہوگی اور حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس میں موضحہ کی ارش داخل نہیں ہوگی' کیونکہ جنایت (ضرب لگانے) کا محل مختلف ہے کیونکہ موضحہ کا محل اور ہے برخلاف اس صورت کے جب موضحہ بالوں کے ساتھ ہو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل کا جانا نفس کے تبدیل ہو جانے اور اس کے بہائم (حیوانوں) کے ساتھ لاحق ہو جانے کے مترادف ہے اور یہ بمنزلہ موت ہے' اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائے جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے اور وہ اس سے مر جائے تو اس سے پوری دیت لازم آتی ہے اور اس میں سر پر ضرب لگانے کا جرمانہ بھی داخل ہے۔ (المبسوط ج ۲۶ ص ۹۹)

شمس الائمہ سرخسی کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر سر پر ضرب لگانے سے مکمل عقل زائل ہو جائے تو پوری دیت لازم آئے گی ورنہ اس کے حساب سے لازم آئے گی اور اس مسئلہ پر یہ دلیل ہے کہ امامِ اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک عقل کا محل دماغ ہے۔

امام مالک کے نزدیک بھی عقل کا محل دماغ ہے۔ علامہ سحنون بن سعید تنوخی مالکی لکھتے ہیں:

میں نے امام عبدالرحمٰن بن قاسم سے سوال کیا کہ کسی شخص کے سر پر عمداً ایسی ضرب لگائی گئی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہوگئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس مسئلہ میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اگر اس نے ایسی ضرب لگائی جس سے ہڈی ظاہر ہوگئی اور وہ دماغ تک پہنچ گئی تو موضحہ کا قصاص لیا جائے گا اور مامومہ (ضرب دماغ تک پہنچے میں) اس کی عاقلہ دیت ادا کریں گے' اور اگر اس نے کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہوگئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس کے علاج کے بعد دیکھا جائے گا اگر وہ ٹھیک ہوگیا تو موضحہ میں ضارب سے قصاص لیا جائے گا پھر دیکھا جائے گا آیا اس ضرب سے مضروب کی سماعت اور عقل زائل ہوگئی ہے یا نہیں اگر اس کی عقل اور سماعت زائل ہوگئی ہے تو اس کے مال سے سماعت اور عقل کی دیت وصول کی جائے گی اور اگر اس کی سماعت اور عقل زائل نہیں ہوئی ہے تو اس سے علاج کا خرچ وصول کیا جائے گا۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۴ ص ۴۸۷)

اس مسئلہ سے واضح ہوگیا کہ امام مالک کے نزدیک بھی عقل دماغ میں ہے۔ امام شافعی کے بارے میں ہم پہلے علامہ نووی سے نقل کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک عقل قلب میں ہے۔ امام رازی شافعی کی بھی یہی رائے ہے۔ امام احمد بن حنبل کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حنبلی علماء نے عقل کا مستقر قلب قرار دیا ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن محمد بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ء لکھتے ہیں:

قلب سیاہ جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا ہے' یہ دل کی کوٹھڑی ہے' نفس کا گھر ہے اور عقل کا مسکن ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ آپ سے جلد عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اللہ اپنی وعید کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا' اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے ہزار دنوں کی مثل ہے ○ اور میں نے ایسی بہت سی بستیوں کو مہلت دی تھی جو ظالم تھیں پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ○ (الحج: ۴۸-۴۷)

آخرت میں عذاب کا ایک دن دنیا کے ہزار دنوں کے برابر ہوگا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جلد عذاب بھیجنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہمیشہ ڈراتے رہتے تھے کہ اگر تم نے کفر' شرک اور بت پرستی کو ترک نہیں کیا تو تم پر عذاب

آئے گا اور اس عذاب سے مراد آخرت کا عذاب نہیں ہے' کیونکہ اگر اس سے مراد دنیا کا عذاب نہ ہوتا اور آخرت کا عذاب ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا: اور اللہ اپنی وعید کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا' اور اگر یہ آخرت کا عذاب ہوتا تو پھر وہ اس عذاب کو جلد بھیجنے کا مطالبہ نہیں کرتے' اور یہ عذاب جنگِ بدر کے دن شکست کی صورت میں ان پر آ چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وعید پوری ہوگئی۔ اس کے بعد فرمایا اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے ہزار دنوں کی مثل ہے۔ یعنی ان کو آخرت میں جو عذاب دیا جائے گا اس کا ایک دن بھی ہزار دنوں کے برابر ہوگا۔ یعنی اس عذاب کا درد اور اس کی شدت اس قدر زیادہ ہوگی کہ اس عذاب کا ایک دن بھی ہزار دنوں کے برابر معلوم ہوگا۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جس دن حساب لیا جائے گا وہ اس قدر طویل دن ہوگا جو اپنے طول میں ہزار دنوں کے برابر ہوگا اور جب کہ دنیاوی دن جو کم مقدار میں ہوتے ہیں' ان میں بھی درد اور شدت کا وقت بہت طویل معلوم ہوتا ہے تو جو دن فی نفسہٖ طویل ہو اور اس میں درد اور شدت بھی بہت زیادہ ہو' اس دن کی تکلیف اور اذیت کا کون اندازہ کر سکتا ہے پھر وہ کیسے بے عقل لوگ تھے جو اللہ کے عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کرتے تھے۔

اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ اللہ کے اعتبار سے دنیاوی ایک دن ہو یا ہزار سال کا ایک دن دونوں برابر ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جب وہ ایک دن کی مہلت کو دور نہیں سمجھ رہے تو ہزار دن کی مہلت کو کیسے دور سمجھ رہے ہیں۔

اس کا چوتھا محمل یہ ہے کہ وہ دنیاوی کم مقدار کے دنوں میں جلد عذاب بھیجنے کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ آخرت میں جو ان پر عذاب آئے گا وہ بہت لمبے دنوں میں آئے گا' اس کا ایک دن بھی ہزار دنوں کے برابر ہوگا۔

الحج: ۴۸ میں فرمایا: اور میں نے ایسی بہت سی بستیوں کو مہلت دی تھی جو ظالم تھیں پھر میں نے ان کو پکڑ لیا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ کتنی ہی ایسی بستیاں تھیں جو کفر اور ظلم کرتی تھیں اور اس کے باوجود میں نے ان کو مہلت دی اور ان سے عذاب کو مؤخر رکھا' اور اس مہلت سے انہوں نے دھوکا کھایا اور اپنے کفر اور ظلم پر ڈٹے رہے پھر میں نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور ان پر اپنا عذاب نازل کر دیا۔ پس ان کا عذاب رکا ہوا ہے اور بالآخر انہوں نے میری ہی طرف لوٹنا ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ

آپ کہیے اے لوگو! میں تمہیں واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں ○ سو جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾

ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے ○

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب میں سر توڑ کوشش کرتے ہیں وہی

الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ

دوزخ والے ہیں ○ اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول اور

وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ

نبی بھیجا تو جب بھی اس نے (اپنی امت کی وسعت کی) تمنا کی تو شیطان نے (لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر) اس کی تمنا

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ

(پوری ہونے) میں رخنہ ڈال دیا، سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو زائل کر دیتا ہے، پھر اللہ اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ

اور اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ○ تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو

فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ

ان لوگوں کے لیے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّ

ہو چکے ہیں، بے شک ظالم لوگ بہت دور کی مخالفت میں ہیں ○ اور

لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

جو اہل علم ہیں ان کو یہ جان لینا چاہیے کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے

فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ

پس وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں، اور بے شک اللہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ

ایمان والوں کو ضرور صراط مستقیم کی طرف راہ دکھانے والا ہے ○ اور جو لوگ کافر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ

ہیں وہ اس کے متعلق ہمیشہ شک میں ہی رہیں گے، حتیٰ کہ ان پر اچانک قیامت

بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ

ٹوٹ پڑے یا ان کے پاس بے رحم دن کا عذاب آ جائے ○ اس دن صرف

يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اللہ کی حکومت ہو گی وہی ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا، پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اعمال کیے وہ نعمت والی جنتوں میں ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ ع ۷/۹ ۱۴

اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی، ان ہی لوگوں کے لیے ذلت والا عذاب ہے ○

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا

اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی پھر وہ قتل کر دیئے گئے یا وہ (طبعی موت) مر گئے،

لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ

اللہ ان کو ضرور عمدہ رزق عطا فرمائے گا، اور بے شک اللہ سب دینے والوں سے

الرّٰزِقِيْنَ ﴿٥٨﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ

بہترین دینے والا ہے ○ اللہ انہیں ضرور ایسی جگہ داخل فرمائے گا جس سے وہ راضی ہوں گے اور بے شک اللہ

لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿٥٩﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ

خوب جاننے والا بردبار ہے ○ اور یہ اس لیے ہے کہ جس نے اتنی ہی اذیت پہنچائی جتنی اسے اذیت پہنچائی گئی تھی،

بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾

پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا، بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے ○

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ

یہ اس لیے ہے کہ اللہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں

فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ

داخل فرماتا ہے اور بے شک اللہ بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے ○ اور یہ اس لیے ہے کہ

هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ

اللہ ہی حق ہے اور یہ (مشرکین) اس کے سوا جس کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہے،

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ

بے شک اللہ بہت بلند نہایت بڑا ہے ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ

پانی نازل کیا جس سے زمین سرسبز ہو گئی، بے شک اللہ بہت

لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

لطف کرنے والا نہایت خبر رکھنے والا ہے ○ اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے،

ع ۸/۷ ۱۵ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾

اور بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے تمام تعریفیں کیا ہوا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے اے لوگو! میں تمہیں واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں ○ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے ○ اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب میں سرتوڑ کوشش کرتے ہیں' وہی دوزخ والے ہیں ○ (الحج: ۵۱-۴۹)

آپ کو پیغام حق سنانے میں ثابت قدم رکھنا

الحج: ۴۹ میں فرمایا: آپ کہیے اے لوگو! میں تمہیں واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ دائمی طور پر مستقلاً ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہیں اور مشرکین مکہ جو آپ کا انکار اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کا مذاق اُڑاتے ہوئے یہ پوچھتے ہیں کہ آپ جس عذاب سے ہم کو ڈرا رہے ہیں' وہ آخر کب آئے گا؟ تو آپ اس سے دل برداشتہ اور رنجیدہ نہ ہوں' اور ان سے کہیں کہ میں تو تم کو صرف عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہوں اور تمہاری یہ تند و تیز اور طنز آمیز باتیں اور تمہاری یہ تضحیک مجھے اپنا مشن پورا کرنے اور عذاب سے ڈرانے سے نہیں روک سکیں گی۔

الحج: ۵۰ اور ۵۱ میں اللہ تعالیٰ نے وعد اور وعید کا ذکر فرمایا ہے کہ جو لوگ میرے پیغام کو قبول کریں گے اور اللہ کے عذاب سے ڈر کر ایمان لے آئیں گے اور کفر اور گناہوں کو ترک کر دیں گے اور نیک عمل کریں گے' ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔ اور جو لوگ کفر اور سرکشی میں ڈٹے رہیں گے اور ہماری آیتوں کی تکذیب میں سرتوڑ کوشش کریں گے اور وہ اپنے زعم میں ایسی زبردست مہم چلائیں گے اور ایسے اعتراضات کریں گے جن کی بناء پر وہ ہمارے رسول کو اور رسول کے متبعین کو عاجز کر دیں گے تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں۔

الحج: ۵۱ میں فرمایا ہے: والذین سعوا فی ایتنا معجزین اس کا لفظی ترجمہ ہے جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب میں عاجز کر دینے کی حد تک کوشش کرتے ہیں' یعنی ان کا زعم یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب میں ایسے شبہات وارد کریں گے جس کے جواب سے وہ اللہ کے رسول اور مسلمانوں کو عاجز کر دیں گے' پھر الحج: ۵۲ میں ایسے ہی شبہات اور ان شبہات کی وجہ سے نبی کی اس آرزو میں رخنے ڈالنے کا بیان فرمایا ہے کہ نبی کے دین کی اشاعت اور تبلیغ ہو اور اس کی اُمت میں کثرت اور وسعت ہو' پھر بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے شبہات کو بیخ و بن سے اُکھاڑ دیتا ہے اور اپنی آیتوں کو راسخ اور محکم کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا تو جب بھی اس نے (اپنی اُمت کی وسعت کی) تمنا کی تو شیطان نے (لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر) اس کی تمنا (پوری ہونے) میں رخنہ ڈال دیا' سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو زائل کر دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا' بہت حکمت والا ہے O (الحج: ۵۲)

الحج: ۵۲ کے چند مشہور تراجم

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ ھ لکھتے ہیں:

ونفرستادیم پیش از تو' ہیچ رسولے و نہ خبر دہندہ از خدا مگر چوں تلاوت کرد بیفگند شیطان در تلاوت او آنچہ خواست پس اجل گرداند خدائے آنچہ در افگندہ باشد شیطان پس ثابت کند خدائے آیت ہائے خود را۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ ھ لکھتے ہیں:

و نہ فرستادیم پیش از تو' ہیچ فرستادہ و نہ ہیچ صاحب وحی الا چوں آرزوئے بخاطر بست با فگند شیطان چیزے در آرزوئے وے پس دور مے کند خدا آنچہ شیطان انداختہ است باز محکم مے کند خدا آیات خود را۔

شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ ھ لکھتے ہیں:

اور نہیں بھیجا ہم نے پہلے تجھ سے کوئی رسول اور نہ نبی مگر جس وقت آرزو کرتا تھا ڈال دیتا تھا شیطان بیچ آرزو اس کے کے' پس موقوف کر دیتا ہے اللہ' جو ڈالتا ہے شیطان پھر محکم کرتا ہے اللہ نشانیوں اپنی کو۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۰ ھ لکھتے ہیں:

اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب خیال باندھنے (لگا) شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں' پھر اللہ مٹاتا ہے شیطان کا ملایا پھر پکی کرتا ہے اپنی باتیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی متوفی ۱۳۴۰ ھ لکھتے ہیں:

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا تو مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے۔

حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی متوفی ۱۹۶۱ ھ لکھتے ہیں:

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہ نبی مگر یہ کہ جب پڑھا تو شیطان نے اپنی طرف سے اپنوں کے لیے بڑھا دیا ان کے پڑھنے میں تو میٹ دیتا ہے اللہ جو شیطان کا القاء ہے پھر مضبوط فرما دیتا ہے اللہ اپنی آیتوں کو۔

حضرت سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اور ہم نے (غیب کی خبریں دینے والا اپنا مبعوث) کوئی رسول اور نبی آپ سے پہلے نہیں بھیجا مگر اس نے تلاوت کی تو شیطان نے اس کی تلاوت کے دوران (لوگوں پر اپنی طرف سے) ڈال دیا تو اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کے ڈالے ہوئے کو اور پھر اپنی آیتیں خوب پکی کر دیتا ہے۔

شاہ ولی اللہ' شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اس آیت میں تمنٰی کا معنی آرزو کیا ہے۔ شیخ تھانوی اور سید مودودی نے بھی یہی معنی کیا ہے اور باقی مترجمین نے تمنٰی کا معنی پڑھایا تلاوت کیا' کیا ہے' اور مؤخر الذکر معنی ایک روایت پر مبنی ہے جو شدید ترین ضعیف ہے اور بعض نے اس کو موضوع کہا ہے اور تمام محققین علماء' مفسرین اور محدثین نے تمنٰی کا معنی آرزو کی' کیا ہے۔ پہلے ہم اس شدید ضعیف روایت کا ذکر کریں گے جس کو اس آیت کے شان نزول میں بیان کیا جاتا ہے پھر اس روایت کا شدید ضعف بیان کریں گے پھر اس سلسلہ میں مفسرین اور محدثین کی نقول اور تصریحات پیش کریں گے فنقول و باللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

الحج: ۵۲ کا شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ذکر ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی تو آپ نے سجدہ کیا اور سب مسلمانوں اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۷۱) مشرکوں نے جو سجدہ کیا اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ○ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى○ (النجم: ۲۰-۱۹)

کیا تم نے دیکھا لات اور عزیٰ کو اور اس تیسری مناۃ کو۔

تو مشرکین اس بات سے خوش ہوئے کہ قرآنِ کریم میں ان کے بتوں کا ذکر آ گیا اور انہوں نے بھی سجدہ کر لیا۔ اس سلسلہ میں مسند بزار اور تفسیر ابن مردویہ میں ایک شدید ضعیف روایت ذکر کی گئی ہے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ومنوۃ الثالثۃ الاخری کی تلاوت کی تو شیطان نے آپ کی تلاوت میں خود یہ الفاظ ملا دیئے یا آپ کی زبان سے جاری کرا دیئے:

تلک الغرانیق العلی فان شفاعتھن

یہ مرغان بلند بانگ ان کی شفاعت کی مقبولیت متوقع ہے۔

لترتجی۔

یہ سن کر مشرکین خوش ہوئے اور سجدہ کر لیا۔ بعد میں جبرئیل نے آ کر عرض کیا آپ نے وہ چیز تلاوت کی جس کو میں لے کر آیا نہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل کیا اور آپ کے استفسار پر بتلایا کہ آپ نے یہ کلمات پڑھے ہیں۔ آپ رنجیدہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ. (الحج: ۵۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اس کے ساتھ یہ واقعہ گزرا ہے) جب اس نے آیات کی تلاوت کی تو شیطان نے اس کی تلاوت میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے شیطان کے ملائے کو منسوخ کر دیا اور اپنی آیات کو محکم کر دیا۔

یہ روایت اپنی تمام اسانید کے ساتھ سنداً باطل اور عقلاً مردود ہے' کیونکہ نہ یہ ممکن ہے کہ شیطان آپ کی زبان سے کلام

کرے اور نہ یہ کہ اپنی آواز کو آپ کی آواز کے مشابہ کر سکے اور سننے والے اس کی آواز آپ کی آواز قرار دیں' اگر بالفرض یہ ممکن ہو تو تمام شریعت سے اعتماد اُٹھ جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہم تک صحابہ کی روایت سے جو احکام پہنچے ہیں' وہ آپ کا فرمان نہ ہوں بلکہ شیطان کا کہا ہوا ہو۔ نیز حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ شیطان خواب میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل نہیں بن سکتا تو جب شیطان آپ کی صورت کے مماثل نہیں ہو سکتا تو آواز کے مماثل کیسے ہو سکتا ہے اور جب وہ سونے والے پر اشتباہ نہیں ڈال سکتا حالانکہ وہ اس حال میں مکلف نہیں ہوتا تو بیدار پر کیسے اشتباہ ڈال سکتا ہے جبکہ وہ مکلف ہوتا ہے۔ امام ابو منصور ماتریدی' امام بیہقی' امام رازی' قاضی بیضاوی' علامہ نووی' علامہ کرمانی' علامہ بدر الدین عینی' علامہ قسطلانی اور علامہ آلوسی اور دیگر تمام محققین نے ان روایات کو رد کر دیا ہے۔ اہل علم میں سوا علامہ عسقلانی اور علامہ کورانی کے کسی نے ان روایات پر اعتماد نہیں کیا۔ سورۂ حج کی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ آلوسی نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی تبلیغ کے پیش نظر اُمت میں وسعت کی تمنا کرتے تو شیطان مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک ڈال دیتا۔ مثلاً شجرۃ الزقوم کے بارے میں کہتا جہنم میں درخت کا کیا معنی؟ درخت تو لکڑی کا ہوتا ہے اور آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے پھر جہنم میں درخت کیسے ہو سکتا ہے۔ قرآن میں مکھی کا ذکر آیا تو کہا اتنا بڑا خدا ہے اور اتنی حقیر چیز کی مثال دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ (الانبیاء: ۹۸)　تم اور اللہ کے سوا تمہارے معبود سب جہنم کا ایندھن ہیں۔

تو کہا عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی بھی عبادت کی گئی ہے اگر وہ بھی جہنم میں گئے تو ہمارے بت بھی چلے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الانعام: ۱۲۱)　جس پر خدا کا نام نہ لیا جائے' اسے مت کھاؤ۔

تو کہا کمال ہے خدا کا مارا ہوا حرام ہو اور تمہارا مارا ہوا حلال ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے ان تمام شبہات کو زائل کر کے اپنے دین اور اپنی آیات کو محکم فرما دیا۔ اس تفسیر کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تمنّی کا معنی ''پڑھا'' نہیں بلکہ ''آرزو کی'' ہے۔ اور اب آیت کا ترجمہ یوں ہوگا:

''ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول اور نبی کو نہیں بھیجا مگر جب بھی اس نے (اپنی اُمت کی وسعت کی) تمنا کی تو شیطان نے اس کی تمنا میں (لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر کے) خلل ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ شیطان کے وسوسہ کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے۔'' (روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۵۷)

روایت تلک الغرانیق کا متن

امام بزار بیان کرتے ہیں:

امام بزار اپنی سند میں یوسف بن حماد' اُمیہ بن خالد' شعبہ' ابوبشر' سعید بن جبیر کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے' آپ نے سورۃ النجم پڑھی جب اس آیت پر پہنچے ''افرایتم اللات والعزی ومنوۃ الثالثۃ الاخری۔'' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے ''تلک الغرانیق العلی الشفاعۃ منھم ترتجی'' ''یہ مرغان بلند بانگ' ان کی شفاعت متوقع ہے۔'' حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ مشرکین یہ سن کر خوش ہوئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کوئی نبی یا رسول بھیجا تو اس کے ساتھ یہ ہوا ہے کہ جب اس نے تلاوت کی تو شیطان اس کی تلاوت میں کچھ القاء کر دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے القاء کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات پختہ کر دیتا ہے۔

اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام بزار لکھتے ہیں:

کہ ہمارے علم میں اس سند کے سوا اس حدیث کی اور کوئی ایسی سند متصل نہیں ہے جس کا ذکر کرنا جائز ہو۔ اُمیہ بن خالد مشہور ثقہ ہے' یہ حدیث کلبی از ابو صالح از ابن عباس کی سند کے ساتھ معروف ہے۔ (کشف الاستار ج ۲ ص ۷۲)

علامہ الہیثمی اسی روایت کو امام طبرانی اور امام بزار کے حوالے سے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے فرمایا: میں اس حدیث کو صرف حضرت ابن عباس کی روایت سے جانتا ہوں۔ سورۂ حج کی تفسیر میں اس سے طویل حدیث گزر چکی ہے لیکن وہ ضعیف الاسناد ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۵' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

علامہ الہیثمی نے امام طبرانی کی اس دوسری روایت کو عروہ بن الزبیر سے روایت کیا ہے اور یہ روایت مرسل ہے کیونکہ عروہ بن الزبیر تابعی ہیں' انہوں نے زمانہ رسالت کو نہیں پایا تھا۔ اس کا ذکر مجمع الزوائد ج ۷ ص ۷۲-۷۱ میں ہے اور ہم نے اس کو تفصیل کے ساتھ شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۸-۱۵۷ میں بیان کیا ہے۔

روایت تلک الغرانیق کی فنی حیثیت پر بحث ونظر

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ان روایات کی تمام اسانید ہر چند کہ ضعف' انقطاع اور ارسال سے خالی نہیں لیکن چونکہ یہ روایت متعدد اسانید سے منقول ہے' اس لیے اس کی کثرتِ اسانید سے پتا چلتا ہے کہ ان کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۹' طبع لاہور)

علم حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا مقام بہت بلند ہے اور ہم ان کی عظمتوں کی گردِ راہ کو بھی نہیں پا سکتے لیکن اس کے باوجود معذرت کے ساتھ یہ کہنے کی جسارت کرتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے انقطاع کی صراحت کے ساتھ یہ حدیث بزار اور ابن مردویہ کی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے پھر کلبی' سدی' نحاس' ابن اسحاق' طبری' ابن ابی حاتم اور ابن منذر کی اسانید کے ساتھ بھی حضرت ابن عباس سے اس روایت کا ذکر کیا ہے اور یہ تصریح بھی کی ہے کہ یہ اسانید ضعف اور انقطاع سے خالی نہیں ہیں۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ یہ روایت اپنی تمام اسانید کے ساتھ صرف حضرت ابن عباس سے مروی ہے' ان کے علاوہ کسی اور صحابی سے یہ روایت مروی نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہوتی تو یہ واقعہ ان عجیب وغریب امور پر مبنی ہونے کی وجہ سے بکثرت صحابہ سے مروی ہوتا۔ جبکہ اس روایت کے مطابق اس وقت بکثرت صحابہ موجود تھے پھر صرف حضرت ابن عباس ہی اس کو کیوں روایت کرتے ہیں؟ دوسری گزارش یہ ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے اور ہجرت کے وقت حضرت ابن عباس کی عمر صرف تین سال تھی۔ تو کیا ایک یا دو سال کی عمر میں حضرت ابن عباس نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا؟ اس روایت کو وضع کر کے حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کرنے والوں نے اس وقت ابن عباس کی عمر پر بھی غور نہیں کیا۔ تیسری گزارش یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے شیطان نے یہ کلمات (تلک الغرانیق العلی) کہلوا لیے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر کہا آپ نے وہ بات کہی جس کو میں لے کر نہیں آیا اور نہ اللہ تعالیٰ نے نازل کی اس پر آپ رنجیدہ ہوئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے حزن وملال کو زائل کرنے کے لیے سورۂ حج کی یہ آیت نازل فرمائی (وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی) اور سورۂ حج مدنی ہے اور سورۂ نجم سن کر مشرکوں کے

سجدے کا واقعہ ہجرت سے کئی سال پہلے کا ہے تو گویا آپ کو جو اس واقعہ سے رنج و ملال ہوا اس کو زائل کرنے کے لیے کئی سال بعد سورۂ حج کی یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بات منطق کے بھی خلاف ہے اور اس من گھڑت روایت کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ آپ رنجیدہ ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر آئے۔ چوتھی گزارش یہ ہے کہ اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآنِ مجید کو پہنچانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمداً 'خطأً' نسیاناً 'سہواً کسی طرح غلطی نہیں ہوسکتی پھر یہ کیسے متصور ہوسکتا ہے کہ بقول اس روایت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے العیاذ باللہ! کفریہ کلمات صادر ہوگئے۔ پانچویں گزارش یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطان کا جبر کرنا کسی مسلمان کے نزدیک متصور نہیں ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شیطان نے یہ کلمات آپ سے کہلوا لیے ہوں۔ ہم اس روایت سے ہزار بار اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

روایت تلک الغرانیق کے بارے میں محدثین کی آراء

حافظ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض اور ابن عربی نے اس روایت کو رد کیا ہے اور یہی چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت قدر اور عظمت شان کے لائق ہے۔ کیونکہ ان کلمات کفریہ کے جاری ہونے سے آپ کی زبان کی عصمت' نزاہت اور براءت دلائل کثیرہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔ آپ اس چیز سے بری ہیں کہ آپ کے قلب یا زبان پر اس قسم کی کوئی چیز جاری ہو یا شیطان کا آپ پر تسلط ہو یا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات کی عمداً یا سہواً نسبت کریں۔ یہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے محال ہے اور اگر بالفرض ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے اور یہ منقول نہیں ہے۔ نیز اگر ایسا ہوتا تو صحابہ سے یہ امر مخفی نہ رہتا۔ (عمدۃ القاری جز ۱۹ ص ۶۶)

قاضی عیاض اس بحث میں لکھتے ہیں اس روایت کو مصنفین کتب صحاح میں سے کسی نے نقل نہیں کیا نہ یہ کسی سند صحیح اور متصل سے مروی ہے۔ اس روایت کو بعض ان مفسرین اور مؤرخین نے ذکر کیا ہے جو عجیب و غریب باتوں کو جمع کرنے کے شوق میں ہر قسم کی رطب و یابس اور غلط سلط باتیں بیان کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد قاضی عیاض نے اس روایت کے راویوں کی فنی کمزوریاں ذکر کی ہیں پھر بکثرت دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شیطان کا تسلط محال ہے اور یہ ممکن نہیں کہ قرآنِ مجید کو پہنچاتے ہوئے آپ کی زبان سے وہ بات نکلے جو اللہ تعالیٰ نے نہ فرمائی ہو۔ پھر قاضی عیاض فرماتے ہیں اگر ایسا ہوا ہوتا تو مشرکین مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے۔ منافقین' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں طعنہ زنی کرتے اور العیاذ باللہ کئی ضعیف القلب مسلمان مرتد ہو جاتے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ شیطان نے القاء ضرور کیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں بلکہ ان بعض غافل محدثین پر القاء کیا ہے جنہوں نے ضعیف مسلمانوں کے دین میں خلل ڈالنے کے لیے شیطان سے یہ روایت سنی اور (حضرت عبداللہ ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہوئے) مختلف اسانید سے پھیلا دی۔

(الشفا محصلہ ج ۲ ص ۱۱۰-۱۰۶' طبع ملتان)

علامہ کرمانی لکھتے ہیں کہ تلک الغرانیق العلی والی روایت باطل ہے۔ عقلاً صحیح ہے نہ نقلاً' کیونکہ مشرکین کے خداؤں کی تعریف کرنا کفر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کرنا صحیح نہیں نہ یہ صحیح ہے کہ آپ نے یہ کہا' العیاذ باللہ آپ اس سے بری ہیں۔ سورۂ نجم کی تفسیر میں بھی علامہ کرمانی نے اس کا رد کیا ہے۔ (شرح الکرمانی ج ۶ ص ۱۵۳' ج ۸ ص ۱۱۶)

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ بعض مفسرین نے اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ جو روایت میں ہے کہ مشرکین نے اس لیے سجدہ کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باطل خداؤں کی تعریف کی تھی' یہ باطل قول ہے اور زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے۔ (مرقات ج ۳ ص ۴۲' طبع ملتان)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں کہ یہ عقلاً اور نقلاً وجوہ کثیرہ سے باطل ہے اور یہ روایت موضوع ہے۔
(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۲ لکھنؤ)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمنٰی کا معنی "پڑھا" کرنا صحیح بخاری کی اس حدیث پر مبنی ہے:

وقال ابن عباس فی امنیتہ اذا حدث القی الشیطن فی حدیثہ فیبطل اللہ مایلقی الشیطان ویحکم آیاتہ و یقال امنیتہ قراتہ.
(صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۹۳' کراچی)

حضرت ابن عباس نے امنیۃ کی تفسیر میں کہا جب آپ بات کرتے تو شیطان آپ کی بات میں کچھ ڈال دیتا پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے کو باطل کر دیتا اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا۔ امنیۃ کا معنی ہے اس کا پڑھنا۔

یہ امام بخاری کی (سند کے ساتھ) روایت نہیں ہے۔ انہوں نے بغیر سند کے حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کر کے اس کو تعلیقاً ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصریح کے مطابق امام بخاری کی تعلیقات میں شدید ترین ضعیف احادیث بھی ہیں۔

حافظ بدرالدین عینی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:
اس قسم کے واقعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت اور نزاہت پر دلیل قائم ہے اور اس پر اُمت کا اجماع ہے۔ آپ اس سے بری ہیں کہ آپ کے دل یا زبان پر ایسی کوئی چیز بھی جاری ہو' عمداً نہ سہواً یا شیطان کسی طرح سے آپ پر کوئی سبیل نکال سکے' یا آپ اللہ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کریں' عمداً نہ سہواً۔ عقل کے نزدیک بھی یہ واقعہ محال ہے اگر یہ واقعہ ہوتا تو بکثرت مسلمان مرتد ہو جاتے اور یہ منقول نہیں ہے اور آپ کے پاس جو مسلمان تھے' ان سے یہ واقعہ مخفی نہ رہتا۔
(عمدۃ القاری جز ۱۹ ص ۶۶' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

روایت تلک الغرانیق کے بارے میں مفسرین کی آراء

قاضی ابوبکر بن العربی نے دس وجوہ سے اس روایت کو باطل کیا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب نبی کے پاس فرشتہ کو وحی دے کر بھیجتا ہے تو اس میں ایک علم پیدا کرتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے ورنہ نبی کو کیسے یقین ہوگا کہ یہ اللہ کی وحی ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان آ کر کچھ کلمات پڑھے اور آپ کو پتا نہ چلے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفر و شرک سے معصوم رکھا ہے اور جو شخص ایک آن کے لیے بھی آپ پر کفر کو جائز رکھے وہ خود اسلام سے خارج ہو جائے گا' اور ظاہر ہے کہ بتوں کی تعریف کرنا اور ان کو شفاعت کرنے والا کہنا کفر ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم اُمتِ محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلچھٹ ہیں ہم بھی ان کلمات کا کفریہ ہونا جانتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی معرفت کرائی ہے' کب ان کلمات کے کفر سے غافل ہو سکتے ہیں۔ علامہ ابن العربی نے اسی طرح باقی وجوہات بیان کیں اور آخر میں فرمایا کہ یہ تمام روایات باطل ہیں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۳۰۳۔۱۳۰۰' بیروت)

علامہ نسفی اس روایت پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس روایت کے مطابق اگر آپ نے یہ کلمات عمداً کہے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ کفر ہے اور اگر شیطان نے بزور آپ کی زبان سے یہ کلمات جاری کرائے تو یہ بھی محال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ (الاسراء: ۶۵)

(اے شیطان) تجھے میرے خاص بندوں پر تسلط نہیں ہو سکتا۔

تو حضور پر بطریق اولیٰ تسلط نہیں ہوگا' یا سہواً اور غفلت کی وجہ سے یہ کلمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گئے۔ یہ

بھی باطل ہے کیونکہ وحی پہنچاتے ہوئے اس قسم کی غفلت آپ پر جائز نہیں ہے ورنہ شریعت سے بالکلیہ اعتماد اُٹھ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ. (حٰم السجدہ: ۴۲) (قرآن میں) باطل نہ سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔

یعنی غیر قرآن، قرآن میں شامل نہیں ہوسکتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (الحجر: ۹) ہم نے قرآنِ مجید کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

(مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۳۱۳ پشاور)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں کہ یہ روایت قرآن، سنت اور عقلی دلائل سے باطل ہے پھر انہوں نے اس کے بطلان پر قرآن مجید کی سات آیات پیش کی ہیں، اور سنت سے اس کے بطلان پر دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے اس قصہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ روایت زندیقوں نے گھڑی ہے اور اس پر انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی، اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے فرمایا یہ قصہ از روئے روایت ثابت نہیں ہے اور انہوں نے اس روایت کے تمام راویوں پر کلام کیا اور یہ واضح کیا کہ اس کے تمام راوی مطعون ہیں۔ نیز صحیح بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی جس کو سن کر تمام مسلمانوں، مشرکوں اور جن و انس نے سجدہ کیا اور اس میں غرانیق کا قصہ نہیں ہے۔ اس کے بعد امام رازی نے اس روایت کے بطلان پر پانچ عقلی دلیلیں قائم کی ہیں۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ اگر یہ جائز ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پہنچانے میں شیطان آپ کی زبان سے وہ کلمات کہلوا دے جو قرآن نہیں ہیں تو شریعت سے بھروسہ اور اعتماد اُٹھ جائے گا اور ہر آیت میں یہ احتمال ہوگا کہ شاید یہ غیر قرآن ہو اور یہ بداہۃً باطل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۳۸-۲۳۷، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا ○ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ شَیْـًٔا قَلِیْلًا ○ (الاسراء: ۷۴-۷۳) وہ آپ کو ہماری وحی سے لغزش دینے کے قریب تھے تاکہ آپ ہم پر کوئی بات گھڑ دیں اور اس وقت وہ ضرور آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم آپ کو مضبوط نہ رکھتے تو آپ ان کی طرف تھوڑا سا مائل ہو جاتے۔

ان آیتوں کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اللہ پر افتراء باندھنے سے محفوظ اور معصوم رکھا اور اس روایت میں ہے کہ آپ نے اللہ پر افتراء باندھا اور وہ بات کہی جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی۔ نیز یہ ہے کہ آپ نے کہا "میں نے شیطان کی اطاعت کی اور اس کا کلام کہا" لہٰذا یہ روایت صراحتاً ان آیتوں کے خلاف ہے اور ان کی ضد ہے۔ پس یہ روایت اگر سند صحیح سے بھی وارد ہوتی تو مردود قرار دی جاتی اور جب فی الواقع اس کی سند صحیح نہیں ہے تو یہ کیونکر نہ مردود ہوگی۔ نیز علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ہم اس روایت سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، اس کی کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۷۶-۷۵، دارالفکر بیروت)

علامہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں کہ ابن عطیہ، زمخشری اور بعض دوسرے مفسرین نے اس جگہ ایسی چیزیں لکھی ہیں جن کا وقوع

عام مسلمانوں سے بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ان کی نسبت نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے' جامع السیرۃ النبویہ امام محمد بن اسحاق سے اس قصہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو زندیقوں نے گھڑ لیا ہے اور اس پر انہوں نے ایک مستقل کتاب لکھی' اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے فرمایا کہ از روئے روایت یہ قصہ صحیح نہیں ہے اور اس کے تمام راوی مطعون ہیں اور صحاح اور حدیث کی دیگر معتبر کتب میں یہ قصہ نہیں ہے اور اس قصہ کو پھینک دینا واجب ہے' اس لیے میں نے اپنی کتاب کو اس قصہ کے ذکر سے پاک رکھا ہے۔ جن لوگوں نے اس قصہ کو نقل کیا ہے ان پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو وہ قرآن مجید میں یہ آیات تلاوت کرتے ہیں:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم: ۴-۱)

قسم ہے روشن ستارے کی جب وہ زمین پر اُترا۔ تمہارے آقا نہ کبھی گمراہ ہوئے اور نہ بے راہ چلے۔ اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے۔ ان کا فرمانا صرف وحی سے ہوتا ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اور یہ آیت پڑھتے ہیں:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (یونس: ۱۵)

مجھے حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں' میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

اور ان آیات کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ بھی منسوب کرتے ہیں کہ آپ نے قرآن مجید پہنچاتے ہوئے اس میں کچھ اور کلمات ملا دیئے۔ (البحر المحیط ج ۷ ص ۵۲۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ آلوسی نے ص ۲۶۴ سے لے کر ص ۲۷۶ تک اس موضوع پر طویل بحث کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی اور شیخ ابراہیم کورانی نے اس روایت کی جس قدر تاویلات بیان کی ہیں سب کا چن چن کر رد کیا ہے۔ اس بحث میں انہوں نے حصص الاتقیاء سے شیخ ابو منصور ماتریدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ شیطان نے اپنے زندیق اور بے دین چیلوں کے دلوں میں تلک الغرانیق کا وسوسہ ڈالا ہے تاکہ وہ ضعیف مسلمانوں کو دین کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا کریں حالانکہ بارگاہِ رسالت پناہ اس قسم کی خرافات سے بری ہے۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۲۷۶-۲۶۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شیخ ابو منصور ماتریدی کی طرح قاضی عیاض نے بھی یہی لکھا ہے اور اس کی تائید میں حضرت ملا علی قاری نے یہ آیت پیش کی:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○ (الانعام: ۱۱۲)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کا شیاطین انس اور جن کو دشمن بنا دیا' یہ ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی جھوٹی بات (لوگوں کو) بہکانے کے لیے پہنچاتے ہیں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے پس آپ انہیں اور ان کے بہتان کو چھوڑ دیں۔

اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ ایسی حدیثیں بیان کریں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے۔ تم ان سے دُور رہو وہ تم سے دُور رہیں تاکہ وہ تمہیں گمراہ کر سکیں نہ فتنہ میں ڈال سکیں۔ نیز آپ نے فرمایا: آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے وہ تم کو ایسی حدیثیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔ تم ان سے دُور رہو وہ تم سے دُور رہیں تاکہ وہ تم کو گمراہ کر سکیں نہ فتنہ

میں ڈال سکیں۔(شرح الشفاءج ۴ ص ۹۲ 'بیروت)

ان کے علاوہ دیگر مفسرین نے الحج :۵۲ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

تنویر المقباس' جامع البیان' کشاف' مدارک' روح البیان' جلالین' درمنثور' جمل' تفسیر مظہری اور تفاسیر شیعہ میں سے تبیان' مجمع البیان اور قمی میں ان روایات پر اعتماد کیا گیا ہے' جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سورۃ والنجم کی آیات تلاوت کر رہے تھے تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ کلمات کہلوا دیئے تلک الغرانیق العلی ان شفاعتھن ترتجی اور سورۃ الحج :۵۲ کا یہ معنی کیا ہے ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی رسول اور نبی کو بھیجا تو جب اس نے تلاوت کی تو شیطان نے اس کی تلاوت میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیا۔ اس کے برخلاف الجامع لاحکام القرآن القرطبی' احکام القرآن لابن العربی' تفسیر ابن کثیر' تفسیر ثعالبی' احکام القرآن للجصاص' غرائب القرآن ورغائب الفرقان' زادالمسیر' فتح البیان اور تفسیر منیر میں ان روایات کو مسترد کر دیا ہے اور بر سبیل تنزل ان کی یہ توجیہ کی ہے کہ جب آپ نے تلاوت کے دوران وقفہ کیا تو شیطان نے آپ کی آواز کے مشابہ آواز بنا کر اس وقفہ میں یہ کہا تلک الغرانیق العلیٰ ان شفاعتھن ترتجی اور سننے والوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے یہ کلمات فرمائے ہیں' اور تفسیر مراغی' نظم الدرر اور تفسیر صاوی نے سورۃ حج :۵۲ کا یہ معنی کیا ہے ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی رسول یا نبی کو بھیجا تو اس نے تلاوت کی تو شیطان نے اس کے سننے والوں کے دلوں میں اس تلاوت کے خلاف شبہات ڈال دیئے' اور البحر المحیط' تفسیر بیضاوی' خفاجی' تفسیر مدارک' خازن' روح المعانی' تفسیر کبیر' الاساس فی التفسیر' المحرر الوجیز' اضواء البیان' تفسیر قاسمی' الجواہر للطنطاوی' فی ظلال القرآن' فتح القدیر اور تفاسیر شیعہ میں سے منہج الصادقین اور تفسیر نمونہ میں ان روایات کو بہ کثرت دلائل سے مسترد کر دیا ہے اور سورۃ حج :۵۲ کا یہ معنی کیا ہے: ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی رسول اور نبی کو بھیجا اور اس نے (اپنی اُمت کے بڑھنے کی) تمنا کی تو شیطان نے (لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر) اس تمنا میں خلل ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسوں کو مٹا دیا اور اپنی آیات کو محکم کر دیا۔ اور ہمارے نزدیک یہی تفسیر صحیح ہے اور جن اہل سنت مفسرین اور مترجمین نے اس کے خلاف ترجمہ اور تفسیر کی ہے وہ صحیح العقیدہ علماء ہیں اگر وہ بھی زیادہ غور و خوض سے کام لیتے اور زیادہ تحقیق اور جستجو کرتے تو امید ہے کہ وہ بھی اسی ترجمہ اور تفسیر کو اختیار کرتے۔

ایک شبہ کا ازالہ

ہم نے اس روایت کی فنی نوعیت واضح کی ہے اور جلیل القدر محدثین اور مفسرین کی آراء بھی بیان کی ہیں جن سے اس روایت کا من گھڑت اور جھوٹ ہونا واضح ہو گیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہ آواز میں یہ کلمات کہے اور سننے والوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے یہ کلمات فرمائے ہیں۔ اس جواب کو بعض علماء نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے لیکن یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جس طرح شیطان آپ کی مثل نہیں بن سکتا' اسی طرح آپ کی آواز کی مثل بھی نہیں بنا سکتا' کیونکہ مماثلت کی نفی یا اس وجہ سے ہے کہ ہدایت اور گمراہی میں اشتباہ نہ ہو یا تعظیم کی وجہ سے ہے اور اگر شیطان آپ کی آواز کی مثل پر قادر ہو تو یہ تعظیم کے خلاف ہے اور اگر شیطان آپ کی آواز کی نقل اُتار سکے اور لوگ شیطان کی آواز کو آپ کی آواز سمجھ لیں تو ہدایت گمراہی کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گی۔ بعض علماء نے اس پر اس سے استدلال کیا ہے کہ لوگ شیطان کی آواز سنتے تھے کیونکہ جنگِ بدر میں شیطان نے کفار سے کہا تھا کہ "لاغالب لکم الیوم" اور جنگِ احد میں شیطان نے آواز دی تھی کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے" لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں شیطان کی آواز' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھی نہ کسی نے اس کی آواز کو آپ کے مشابہ سمجھا تھا پھر اس سے اس پر کیسے

استدلال ہوسکتا ہے کہ شیطان آپ کی آواز کی مشابہت کرسکتا ہے۔
میرے نزدیک چونکہ یہ روایت بارگاہ رسالت کی عظمتوں کے منافی تھی' اس لیے میں نے اس کے رد اور ابطال میں کافی تفصیل اور تحقیق سے گفتگو کی ہے۔ میں اس پر بہت عرصہ سے غور وفکر کرتا رہا ہوں۔ سب سے پہلے میں نے یہ بحث ابریز میں پڑھی جس میں سیدی غوث عبدالعزیز دباغ قدس سرہ نے اس روایت کو باطل اور موضوع قرار دیا اور سورۂ حج کی زیر بحث آیت: ۵۲ کا صحیح محمل بیان کیا۔ اس کے بعد میں اس پر مسلسل مطالعہ کرتا رہا۔ میں نے اپنے معاصر علماء سے اس روایت کے بارے میں مذاکرہ بھی کیا' میں نے دیکھا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی اتباع میں بعض جید علماء نے بھی اس موضوع روایت کو اس باطل تاویل کے سہارے اختیار کرلیا ہے' جس کو ابھی ہم نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ تاہم یہ علماء صحیح العقیدہ ہیں اور ان کی نیت فاسد نہیں ہے صرف روایت پرستی کے روگ کی وجہ سے انہوں نے اس روایت کو اس باطل تاویل کے ساتھ اپنی تصانیف میں درج کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور مصنف کے دل میں محبت رسول کو اور زیادہ کر دے۔ اے اللہ! تو گواہ ہے کہ میں شخصیت پرست نہیں ہوں' اللہ اور اس کے رسول کی حرمت سے بڑھ کر مجھے کسی کی حرمت عزیز نہیں ہے۔ میں نے جو یہ سعی کی ہے وہ صرف اور صرف مقامِ رسول کے تحفظ کی خاطر کی ہے۔ اے اللہ! اس کوشش کو قبول فرما اور اس کو مصنف کے لیے توشۂ آخرت اور مغفرت اور رحمت کا ذریعہ بنا دے' مصنف کو بیش از بیش خدمتِ دین کی توفیق دے اور اس کا ایمان پر خاتمہ فرما اور دارین کی نعمتیں اور سعادتیں اس کا مقدر کر دے۔

آمین یارب العالمین! والحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی محمد سیدالمرسلین خاتم النبیین علیہ وعلی آلہ واصحابہ و ازواجہ واولیاء امتہ و علماء ملتہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو ان لوگوں کے لیے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہو چکے ہیں' بے شک ظالم لوگ بہت دُور کی مخالفت میں ہیں○ (الحج: ۵۳)

جن کے دلوں میں بیماری ہے' ان سے مراد منافقین ہیں جن کے دلوں میں شکوک اور شبہات کی بیماری ہے۔ اور جن کے دل سخت ہو چکے ہیں ان سے مراد کفار ہیں۔ شیطان نے یہ شبہات ڈالے تھے کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ دوزخ میں شجرۃ الزقوم ہے تو آگ میں درخت کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اللہ تو سب سے بڑا ہے اس نے مچھر کی مثال کیوں دی ہے' اسی طرح کے دوسرے شبہات ڈالے جن کا بیان گزر چکا ہے۔ سو منافقین تو ان شبہات کی بنیاد پر اسلام کے خلاف مہم چلائیں گے اور کفار کو ان شبہات کی وجہ سے اپنی ہٹ دھری پر ڈٹے رہنے کا اور موقع ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو اہل علم ہیں ان کو یہ جان لینا چاہیے کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے پس وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اسی کی طرف جھک جائیں اور بے شک اللہ ایمان والوں کو ضرور صراطِ مستقیم کی طرف راہ دکھانے والا ہے○ (الحج: ۵۴)

ایک قول یہ ہے کہ اہل علم سے مراد مومنین ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں۔
نیز اس آیت میں فرمایا یہ حق ہے' مقاتل نے کہا اس سے مراد ہے کہ یہ قرآن حق ہے۔ کلبی نے کہا شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کا منسوخ ہونا حق ہے' اور فرمایا: اور اللہ ایمان والوں کو ضرور صراطِ مستقیم دکھانے والا ہے جس سے وہ جان لیں گے کہ شیطان کے یہ ڈالے ہوئے شبہات باطل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ کافر ہیں وہ اس کے متعلق ہمیشہ شک میں ہی رہیں گے حتیٰ کہ ان پر اچانک قیامت ٹوٹ

پڑے یا ان کے پاس بے رحم دن کا عذاب آ جائے ○ (الحج:۵۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر کفار کو قیامت تک کی طویل زندگی بھی مل جائے تو وہ پھر بھی اسلام اور قرآن مجید کے حق ہونے کے متعلق شکوک اور شبہات ہی میں مبتلا رہیں گے۔

یوم عقیم کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے یا ان کے پاس یوم عقیم کا عذاب آ جائے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عقم اصل میں اس خشکی کو کہتے ہیں جو اثر قبول کرنے سے مانع ہو۔ چنانچہ محاورہ ہے' عقمت مفاصلہ اس کے جوڑ خشک ہو گئے اور لا علاج مرض کو داء عقام کہتے ہیں' اور عقیم اس عورت کو کہتے ہیں جو مرد کا نطفہ قبول نہیں کرتی۔ حضرت سارہ نے کہا: قالت عجوز عقیم (الذاریات:۲۹) میں بوڑھی بانجھ ہوں۔ ریح عقیم اس ہوا کو کہتے ہیں جو بادل لے کر آئے نہ کسی درخت میں پھل لائے:

اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ○ (الذاریات:۴۱) — جب ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی ہوا بھیجی۔

جو چیز کسی خیر کا اثر قبول نہ کرے اس کو بھی عقیم کہتے ہیں اس بناء پر یوم عقیم کا معنی ہے وہ دن جس میں کوئی خیر نہ ہو۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۴۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس دن کو یوم عقیم اس لیے فرمایا کہ کفار اس دن میں کوئی راحت اور کسی قسم کا آرام نہیں پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس دن صرف اللہ کی حکومت ہوگی اور وہی ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ نعمت والی جنتوں میں ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی ان ہی لوگوں کے لیے ذلت والا عذاب ہے ○ (الحج:۵۷-۵۶)

اس ملک سے مراد قیامت کا دن ہے اور وہی جزا اور سزا کا دن ہے' اس دن مومنوں اور صالحین کو ان کی نیکیوں پر اجر دیا جائے گا اور کافروں اور مکذبوں کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کر دیئے گئے یا وہ (طبعی موت) مر گئے اللہ ان کو ضرور عمدہ رزق عطا فرمائے گا اور اللہ سب دینے والوں سے بہتر دینے والا ہے ○ اللہ انہیں ضرور ایسی جگہ داخل فرمائے گا جس سے وہ راضی ہوں گے اور بے شک اللہ خوب جاننے والا بردبار ہے ○ (الحج:۵۹-۵۸)

آیا اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والے اور طبعی موت مرنے والے دونوں کا اجر برابر ہے

اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد جب مدینہ میں فوت ہو گئے تو بعض لوگوں نے کہا جو اللہ کی راہ میں فوت ہو جائے وہ اس سے افضل ہے جو طبعی موت مرے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ مہاجرین میں سے جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے یا جو طبعی موت مرے گا اللہ تعالیٰ دونوں کو رزق حسن عطا فرمائے گا' یعنی دونوں کا مرتبہ برابر ہے اور ظاہر شریعت کی اس پر دلالت ہے کہ شہید افضل ہے۔ اور بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جانے والا اور اللہ کی راہ میں مرنے والا دونوں شہید ہیں لیکن اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والے کا مرتبہ اور اس کی فضیلت زیادہ ہے' اور بعض نے کہا کہ دونوں کا مرتبہ زیادہ ہے اور انہوں نے اس آیت سے اور حسب ذیل آیت اور احادیث

سے استدلال کیا ہے:

وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَيۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ يُدۡرِكۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ (النساء:۱۰۰)

اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلا پھر اس کو موت نے آلیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم) پر ثابت ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم حرام بنت ملحان کے گھر گئے' آپ نے وہاں پر تکیہ لگالیا پھر آپ ہنسے' انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کس وجہ سے ہنسے ہیں؟ آپ نے فرمایا میری اُمت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں سمندر میں جہازوں پر سواری کریں گے' وہ جہاز بادشاہوں کے تخت کی طرح ہوں گے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کردے۔ آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! اس کو ان میں سے کردے' پھر آپ دوبارہ ہنسے' انہوں نے پھر اس کی وجہ پوچھی یا اس کی مثل کہا۔ آپ نے پھر پہلے کی طرح کہا حضرت اُم حرام نے کہا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ان میں سے کردے۔ آپ نے فرمایا تم پہلوں میں سے ہو اور دوسروں میں سے نہیں ہو۔ حضرت انس نے کہا پھر حضرت اُم حرام نے حضرت عبادہ بن الصامت سے شادی کی' وہ بنت قرظہ کے ساتھ سمندر میں سوار ہوئیں' جب وہ واپس لوٹیں تو ایک سواری پر سوار ہوئیں اس سواری نے ان کو گرادیا اور اس سے وہ فوت ہو گئیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۱۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۹۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۱)

وجہ دلالت یہ ہے کہ حضرت اُم حرام اللہ کی راہ میں قتل نہیں کی گئی تھیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا شمار اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں میں کیا۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں گھر سے نکلا پھر مر گیا یا اس کو قتل کر دیا گیا تو وہ شہید ہے' یا اس کو اس کے گھوڑے نے گرادیا یا اس کو کسی سانپ یا بچھو نے ڈس لیا یا وہ بستر پر مر گیا یا جس طرح اللہ نے چاہا وہ طبعی موت مر گیا تو وہ شہید ہے اور اس کے لیے جنت ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۹۹' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۲۶۰۹)

عبداللہ بن المبارک نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص ایک جہاد میں منجنیق کے پتھر لگنے سے فوت ہوا اور دوسرا شخص طبعی موت سے فوت ہوا۔ فضالہ بن عبید اس شخص کے پاس بیٹھ گئے جو طبعی موت سے فوت ہوا تھا۔ لوگوں نے کہا آپ شہید کو چھوڑ کر اس کے پاس بیٹھ گئے ہیں' انہوں نے کہا مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں ان دونوں میں سے کسی کی قبر سے بھی اُٹھایا جاؤں پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوۡۤا اَوۡ مَاتُوۡا لَيَرۡزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ

اور جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کر دیئے گئے یا وہ (طبعی موت) مر گئے' اللہ ضرور ان کو عمدہ رزق عطا فرمائے گا۔ (الحج:۵۸)

اور سلیمان بن عامر نے کہا کہ فضالہ بردس ایک علاقہ کے امیر تھے' وہ دو آدمیوں کے جنازہ پر گئے ایک قتل کیا گیا تھا اور دوسرا طبعی موت مرا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگوں کا میلان اس شخص کی طرف تھا جو قتل کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا یہ کیا وجہ ہے کہ تم مقتول کی طرف میلان کر رہے ہو' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے

کہ مجھے دونوں میں سے کس کی قبر سے اُٹھایا جاتا ہے پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

(تفسیر الثعالبی الجامع لاحکام القرآن جز ١٢ ص ٨٣)

میری رائے یہ ہے کہ افضل تو وہی ہے جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا اور ان دلائل کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اور ان احادیث اور آثار میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے مجاہدین کے ساتھ نکلا پھر اس کو طبعی موت نے آلیا تو اس کی نیت اور جہاد کے لیے اس کے نکلنے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اس کو بھی وہی ثواب عطا فرمائے گا جو شہید کو عطا فرماتا ہے۔ ان احادیث اور آثار کا یہ معنی نہیں ہے کہ ہر طبعی موت مرنے والا اَجر وثواب میں شہید کے برابر ہے۔

اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والے کا اَجر وثواب

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا یا رسول اللہ! کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس کا خون بہایا جائے اور اس کا گھوڑا زخمی کیا جائے۔ (اس کی سند ضعیف ہے)

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٧٩٤، مسند احمد ج ٤ ص ٣٨٥، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ٣٠٠)

حضرت عبداللہ بن حبشی الخثعمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا (نماز میں) لمبا قیام۔ پوچھا گیا کہ کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا مفلس کی کمائی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کون سی ہجرت سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس نے ان چیزوں سے ہجرت کر لی جن کو اللہ نے اس پر حرام کر دیا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کون سا جہاد سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس نے اپنے مال اور اپنی جان سے مشرکین کے خلاف جہاد کیا پھر پوچھا گیا کون سا قتل ہونا سب سے مکرم ہے؟ آپ نے فرمایا جس کا خون بہایا گیا اور اس کا گھوڑا زخمی کر دیا گیا۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٤٤٩، سنن النسائی رقم الحدیث: ٢٥٢٥، ٥٠٠١، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٣٣٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ ہی کو علم ہے کو کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے خون کا رنگ خون کی طرح ہوگا اور اس میں مشک کی خوشبو آ رہی ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٨٠٣، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٨٧٦، سنن النسائی رقم الحدیث: ٥٠٢٩، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٧٥٣)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک شہید کی چھ خصوصیات ہیں: پہلی بار جب اس کے جسم سے خون نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتا ہے اور وہ جنت میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ لیتا ہے' اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے' اور وہ قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ سے مامون رکھا جاتا ہے' بڑی آنکھوں والی حور سے اس کا نکاح کر دیا جاتا ہے' اور اس کے ستر رشتہ داروں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٦٦٣، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٧٩٩، مسند احمد ج ٤ ص ١٣١، المسند الجامع رقم الحدیث: ١١٨١٨)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام جنگِ اُحد کے دن شہید کر دیئے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تمہارے رب عزوجل نے تمہارے والد سے کیا ارشاد فرمایا؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر شخص سے حجاب کی اوٹ سے کلام فرمایا اور تمہارے والد سے بالمشافہ کلام فرمایا۔ پس فرمایا اے میرے بندے مجھ سے تمنا کر میں تجھے عطا کروں گا۔ انہوں نے کہا اے

میرے رب تو مجھے (دوبارہ) زندہ کردے میں دوسری بار تیری راہ میں قتل کیا جاؤں۔ فرمایا: میرے علم میں پہلے سے یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔ انہوں نے کہا اے میرے رب! تو ان کو میری خبر دے دے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا -الاية. (آل عمران: ۱۶۹) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو ہرگز مردہ گمان مت کرو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۰۰، ۱۹۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۱، اس کی سند حسن ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کے سوا اہل جنت میں سے کوئی شخص یہ خواہش نہیں کرے گا کہ اسے دنیا میں لوٹا دیا جائے۔ شہید یہ چاہے گا کہ اس کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے حتیٰ کہ وہ چاہے گا کہ اس کو دس بار اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے کیونکہ وہ دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کتنی عزت عطا فرمائی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۴۱۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۶۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۸۷۹، سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۶۳، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۶۲۷، مسند ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۱۹۶۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کو قتل ہونے کے وقت اتنی تکلیف بھی نہیں ہوتی جتنی تم میں سے کسی ایک کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۶۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۰۲، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۴۱۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۵۵، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۶۴، سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۶۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ اس لیے ہے کہ جس نے اتنی ہی اذیت پہنچائی جتنی اسے اذیت پہنچائی گئی تھی، پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے ○ (الحج: ۶۰)

سزا بہ قدر جرم دینا عدل ہے

یعنی ہم نے تم سے جو بیان کیا ہے، وہ اسی طرح ہے، مقاتل نے کہا یہ آیت مکہ کے ان مشرکین کے متعلق نازل ہوئی جب رجب شروع ہونے سے دو دن پہلے مسلمانوں کے ساتھ مشرکوں کا ٹکراؤ ہوا۔ انہوں نے آپس میں کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب حرمت والے مہینوں میں قتال مکروہ جانتے ہیں سو انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا، پس مسلمانوں ثابت قدم رہے اور اللہ نے مشرکین کے خلاف ان کی مدد فرمائی پھر حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے دل میں خطرہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان جز ۱۷ ص ۲۵۶، زاد المسیر ج ۵ ص ۴۴۶)

جس شخص نے کسی شخص کو اس کے جرم کی اتنی ہی سزا دی جتنا اس کا جرم ہے تو یہ جرم نہیں بلکہ عدل اور انصاف ہے۔ مثلاً کسی شخص نے کسی کا دانت توڑا تو اس کا دانت توڑنا جرم ہے اور اس کے بدلے میں اس کا دانت توڑنا عدل اور انصاف ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا. (الشوریٰ: ۴۰) برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ. (البقرہ: ۱۹۴) جس نے تم پر زیادتی کی تو تم بھی اس کے اوپر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

قصاص کے تمام احکام اسی اصول پر مبنی ہیں۔

تلوار سے قصاص لینے میں اختلاف فقہاء

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جس شخص نے کسی کو آگ سے جلایا ہم اس کو آگ سے جلانے کی سزا دیں گے اور جس شخص نے کسی کو دریا میں غرق کیا ہم اس کو دریا میں غرق کرنے کی سزا دیں گے' اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا بلکہ قاتل کو تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مظلوم کے لیے یہ جائز قرار دیا ہے کہ وہ ظالم سے ویسا ہی بدلہ لے جیسا اس نے مظلوم پر ظلم کیا ہے اور اس کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۴۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوحنیفہ پر امام رازی کے اعتراض کا جواب

ہم کہتے ہیں کہ قصاص (بدلہ) لینے میں مماثلت واجب نہیں ہے مثلاً ایک شخص دوسرے کو کہے اے زانی! اور وہ بھی بدلہ لینے کے لیے اس کو کہے تم زانی ہو یا اے زانی کہے تو دونوں پر حد قذف لگے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قصاص میں مماثلت شرعی حدود کے اندر ہوگی اور جو شخص کسی کو آگ میں جلا دے اس کے بدلہ میں اس کو آگ میں جلانا صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک لشکر میں بھیجا اور فرمایا اگر تم کو فلاں فلاں شخص مل جائیں تو ان کو آگ میں جلا دینا' پھر جب ہم نکلنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے یہ حکم دیا تھا کہ ان دونوں کو آگ میں جلا دینا لیکن آگ کا عذاب اللہ کے سوا کوئی نہیں دیتا' اگر تم کو وہ دونوں مل جائیں تو تم ان دونوں کو قتل کر دینا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۱۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۷۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۵۴' عالم الکتب)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو آگ میں جلا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا اگر میں ہوتا تو ان کو آگ میں نہ جلاتا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے عذاب سے عذاب مت دو اور میں ان کو ضرور قتل کر دیتا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنا دین بدلے اس کو قتل کر دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۵۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۷۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۳۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۱' عالم الکتب' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۳۳)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تلوار کے سوا کسی چیز سے قصاص لینا جائز نہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تلوار کے سوا اور کسی چیز کے ساتھ قصاص لینا جائز نہیں ہے۔ یہ حدیث حضرت ابوبکرہ سے بھی مروی ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۶۸' ۲۶۶۷' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۰۶' سنن بیہقی ج ۳ ص ۶۳' ج ۸ ص ۴۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۵۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۰۴۴' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۹۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۸۰۷)

بدلہ لینے کے بجائے معاف کر دینا بہتر ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ	اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے' پس جس شخص نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے'

الظّٰلِمِيْنَ ○ (الشوریٰ: ۴۰) بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (الشوریٰ: ۴۳) اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو وہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى. (البقرہ: ۲۳۷) اور اگر تم معاف کر دو تو یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔

زیر تفسیر آیت میں بدلہ لینے کی اجازت دینے کے بعد فرمایا ہے: بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا' بہت بخشنے والا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ سورۂ شوریٰ میں فرمایا ہے افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ انسان اپنا بدلہ نہ لے اور صبر کرے اور معاف کر دے' لیکن اگر اس نے تقاضائے بشریت سے بدلہ لے لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس کی اس تقصیر کو معاف کر دوں گا کیونکہ میں نے ہی اس کو بدلہ لینے کی اجازت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں معاف کرنے اور بخشنے کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے وہ اپنے بندہ کو معاف کر دیتا ہے اور سزا نہیں دیتا' تو بندہ کو بھی چاہیے کہ وہ بھی بدلہ نہ لے اور معاف کر دے اور اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی صفت کا مظہر بنے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سیرت ہے کہ آپ بدلہ نہیں لیتے تھے' معاف فرما دیتے تھے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً بے ہودہ باتیں کرتے تھے نہ تکلفاً' اور نہ بازار میں چلاتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶' مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۰۹' سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی زیادتی کی گئی میں نے آپ کو کبھی اس کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا ماسوا اس کے کہ اللہ کی حدود کو توڑا جائے اور جب اللہ کی حدود کو توڑا جاتا تو آپ سب سے زیادہ غضب فرمانے والے تھے' اور آپ کو جب بھی دو چیزوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان جانب کو اختیار فرماتے تھے بہ شرطیکہ وہ جانب گناہ نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۶' ۳۵۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' مسند احمد ج ۶ ص ۸۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اس لیے ہے کہ اللہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور بے شک اللہ بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے ○ (الحج: ۶۱)

رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کا محمل

اللہ نے اس سے پہلی آیت میں جو فرمایا ہے کہ وہ مظلوم کی مدد پر قادر ہے یہ ارشاد اسی طرح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت قادر ہے اور یہ اس کی قدرت کے آثار میں سے ہے کہ وہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے۔ سو جو رات اور دن میں تصرف فرماتا ہے وہ مصیبت زدہ کی مدد پر ضرور قادر ہے۔

رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کا محمل یہ ہے کہ جب اندھیرا چلا جاتا ہے تو روشنی آ جاتی ہے اور جب روشنی چلی جاتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ کبھی راتوں کی مقدار کم کر کے دن کو زیادہ کر دیتا ہے اور کبھی دن کی مقدار کم کر کے رات کو زیادہ کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ (مشرکین) اس کے سوا جس کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل

ہے' بے شک اللہ بہت بلند نہایت بڑا ہے O (الحج: ٦٢)

اس سے پہلے جو اللہ نے اپنی قدرت کا بیان فرمایا ہے وہ اسی طرح ہے کیونکہ اللہ ہی حق ہے یعنی وہی ایسا موجود ہے جس کا وجود واجب لذاتہٖ ہے' اس پر تغیر اور زوال ممتنع اور محال ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وعد اور وعید کے کرنے پر قادر ہے اور اس کی عبادت کرنا حق ہے اور اس کے غیر کی عبادت کرنا باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا جس سے زمین سرسبز ہوگئی' بے شک اللہ بہت لطف کرنے والا' نہایت خبر رکھنے والا ہے O (الحج: ٦٣)

اللہ اپنی مخلوق پر بہت رحیم ہے اور ان کی ضروریات کی خبر رکھنے والا ہے' اس لیے اس نے آسمان سے پانی نازل فرما کر زمین میں سبزہ' غلہ اور پھل وغیرہ پیدا فرمائے تاکہ انسانوں اور حیوانوں کی غذا کا سامان فراہم ہو' اور اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کرنے پر قادر ہے تو اس تمام کائنات کو بھی دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے' تمام تعریفیں کیا ہوا O (الحج: ٦٤)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام کائنات اپنے اختیار سے یا بغیر اختیار کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کائنات میں ہر قسم کا تصرف فرما رہا ہے اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے اور وہ کسی کی تعریف کرنے سے بھی مستغنی ہے۔ اس نے مخلوق کو پیدا کیا اور اپنی حکمت سے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے اناج پیدا فرمایا۔ یہ اس کی انسانوں اور حیوانوں پر رحمت ہے اور اس کا انعام اور احسان ہے' اسے اس کی ضرورت اور غرض نہ تھی سو وہی حمد کا مستحق ہے' اس لیے اس کا حمد کیا ہوا ہونا واجب ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے نفع کے لیے مسخر کر دی ہیں اور اسی کے حکم سے

تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ

سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں اور وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے

تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ

روکے ہوئے ہے مگر اس کی اجازت سے، بے شک اللہ لوگوں پر بہت

لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿٦٥﴾ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَحْیَاكُمْ ز

شفقت کرنے والا، بہت مہربانی کرنے والا ہے O وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا

ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ

پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر تم کو زندہ کرے گا، بے شک انسان

لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ

بہت ناشکرا ہے ۝ ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کردیا ہے جس کے موافق

نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ

وہ عبادت کرنے والے ہیں تو انہیں اس (طریقہ) میں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے اور آپ انہیں اپنے

اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾ وَ

رب کی طرف دعوت دیں، بے شک آپ ضرور سیدھے راستہ پر ہیں ۝ اور

اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ

اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہیں کہ اللہ تمہارے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے ۝ اور اللہ قیامت کے دن

بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ۝

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے،

اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

بے شک یہ سب ایک کتاب میں (مرقوم) ہے، بے شک یہ سب اللہ پر آسان ہے ۝

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

اور یہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت پر اللہ نے

سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

کوئی دلیل نازل نہیں کی اور جن (کے معبود ہونے) کا انہیں خود بھی کوئی علم نہیں ہے اور ظالموں کا کوئی

مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ

حامی نہیں ہے ۝ اور جب ان پر ہماری واضح آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ

آپ کافروں کے چہروں پر ناگواری کو پہچان لیتے ہیں

يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ

لگتا ہے کہ وہ ہماری آیتیں تلاوت کرنے والوں پر حملہ کر

اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ

بیٹھیں گے، آپ کہیے کیا میں تم کو اس سے بھی زیادہ بری خبر دوں،

اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ

وہ دوزخ کی آگ ہے جس کا اللہ نے کفار سے وعدہ کیا ہے اور وہ

الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا ع ۹ ۸ ۱۶

برا ٹھکانا ہے ○ اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اس کو غور سے

لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ

سنو، بے شک تم جن چیزوں کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ سب

يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ

مل کر بھی ہرگز ایک مکھی کو (بھی) پیدا نہیں کر سکتے، اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین

الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ

کر لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے، طالب

الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

اور مطلوب دونوں کمزور ہیں ○ انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح اس کی

قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ

قدر کرنے کا حق تھا، بے شک اللہ نہایت قوی بے حد غالب ہے ○ اللہ فرشتوں میں سے

مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

رسولوں کو چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے، بے شک اللہ بہت

سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ

سننے والا بہت دیکھنے والا ہے ○ وہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جائیں گے ○ اے ایمان والو

ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا

رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیکی کے

الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ ۩ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ

کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○ اور اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو

حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى

جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے، اسی نے تم کو برگزیدہ بنایا ہے اور اس نے تم پر

الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ

دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی، (یہ) تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے، اس نے

الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ

اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس (قرآن) میں

الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

تاکہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں

عَلَى النَّاسِ ۚ ۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

پر گواہ ہو جاؤ، پس تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى

اور اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑ لو، وہی تمہارا مالک ہے تو کیا اچھا مالک ہے

وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٧٨﴾ ع ١٠ ع ١٧

اور کیا اچھا مدد گار ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے نفع کے لئے مسخر کر دی ہیں اور اسی کے حکم سے سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں اور وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے' مگر اس کی اجازت سے' بے شک اللہ لوگوں پر بہت شفقت کرنے والا' بہت مہربانی کرنے والا ہے ○ (الحج: ٦٥)

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے مطیع اور تمہارے تابع بنا دی ہیں' پتھر سے زیادہ کوئی سخت چیز نہیں اور لوہے سے زیادہ کوئی وزنی چیز نہیں اور آگ سے زیادہ گرم کوئی چیز نہیں اور ان سب چیزوں کو تمہاری قدرت اور دسترس میں کر دیا' اسی طرح حیوانات پر تم کو متمکن کر دیا' تم ان کو کھاتے ہو' ان پر سواری کرتے ہو اور ان پر بوجھ لادتے ہو اور ان کو دیکھ کر خوش ہوتے ہو' اونٹ' بیل اور گھوڑے کتنے قوی ہیکل جانور ہیں اس کے باوجود ان کو کمزور سے کمزور انسان کے تابع کر دیا وہ جس طرح چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے۔

اور دریاؤں اور سمندروں میں چلنے والی کشتیوں کو تمہارے تابع کر دیا اور کشتیوں کو تابع کرنا اس کو متضمن ہے کہ ہوا اور پانی کو تمہارے لئے مسخر کر دیا کیونکہ ان ہی کی وجہ سے کشتیاں رواں دواں رہتی ہیں۔

انسان کا ظاہر وہم یہ سمجھتا ہے کہ آسمان بہت ثقیل اور وزنی ہے اور اس کو زمین پر گرنے سے صرف اللہ روکے ہوئے ہے اور جب اللہ اجازت دے گا تو آسمان زمین پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں موت دے گا' پھر تم کو زندہ کرے گا' بے شک انسان بہت ناشکرا ہے ○ (الحج: ٦٦)

یعنی جس نے تمہارے نفع کے لئے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے اور تم پر انعام کیا ہے اسی کا تم پر یہ انعام ہے کہ اس نے پانی کی ایک بوند سے تم کو پہلی بار زندگی دی' پھر تم کو موت دی اور دوسری بار زندگی دے کر آخرت کی نعمتوں کا دروازہ تم پر کھول دیا' اللہ تعالیٰ نے تم پر اس قدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں سوچو کہ تم اس کا کتنا شکر ادا کرتے ہو اور فرمایا کہ بے شک انسان بہت ناشکرا ہے کیونکہ انسانوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتی فرمایا:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا: ١٣) اور میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے ہر امت کے لئے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کے موافق وہ عبادت کرنے والے ہیں تو انہیں اس (طریقہ) میں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہئے اور آپ انہیں اپنے رب کی طرف دعوت دیں' بے شک آپ ضرور سیدھے راستہ پر ہیں ○ (الحج: ٦٧)

منسک کے معنی کی تحقیق

منسک کے معنی میں کئی اقوال ہیں (١) حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد عید کا دن ہے جس میں وہ جانور ذبح

...رتے ہیں' (۲) مجاہد نے کہا منسک کا لفظ قربانی کے جانوروں کے لئے مخصوص ہے۔ (۳) کسی عبادت کی ادائیگی کے لئے ...رف میں جو جگہ یا جو وقت معین ہو اس کو منسک کہتے ہیں۔ (۴) قفال کا مختار یہ ہے کہ منسک کا معنی ہے شریعت اور عبادت ...کرنے کا مخصوص طریقہ' اور یہ معنی اس آیت کے قریب ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے عبادت کا ایک مخصوص منشور اور دستور مقرر کر دیا ہے۔ (المائدۃ: ۴۸)

اور منسک کا لفظ نسک سے بنا ہے جس کا معنی عبادت ہے اور جب منسک کا لفظ ہر عبادت پر بولا جاتا ہے تو اس کو کسی ایک طریقہ عبادت کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم نے منسک کے لفظ کو ذبح پر محمول کیوں نہیں کیا کیونکہ عرف میں نسک کے لفظ سے قربانی کا ہی معنی سمجھا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ درست نہیں ہے کہ عرف میں نسک کے لفظ سے قربانی کا ہی معنی سمجھا جاتا ہے کیونکہ عرف میں تمام افعال حج کو مناسک کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذوا عنی مناسککم (سنن بیہقی ج ۵ ص ۱۲۵) مجھ سے اپنے حج کے ارکان اور افعال کا علم حاصل کرو۔

پھر آپ اپنی امت کی عبادت کرنے کے لئے جو طریقہ بھی مقرر کریں اس پر کسی کو اعتراض اور بحث نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ہر نبی نے اپنے زمانہ کے مخصوص حالات' رسم و رواج اور تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے مخصوص عبادت کے طریقے مقرر کئے ہیں اور ہر زمانہ کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے یہ اعتراض کیا کہ جو جانور طبعی موت مر جائے تم اس کو نہیں کھاتے اور جس کو تم ذبح کرتے ہو اس کو کھا لیتے ہو' گویا اللہ کا مارا ہوا نہیں کھاتے اور اپنا مارا ہوا کھا لیتے ہو' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ اللہ کی عبادت کرنے کا جو طریقہ چاہیں مقرر کریں کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور آپ اپنے طریقہ پر قائم رہیں اور لوگوں کو اللہ کی توحید' اس کے دین اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہیں آپ سیدھی راہ پر ہیں اس میں کوئی کجی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہیں کہ اللہ تمہارے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے○ اور اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے○ (الحج: ۶۹-۶۸)

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت سے مشرکین مکہ مراد ہیں جو آپ کی نبوت کے دعویٰ میں آپ سے جھگڑا کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ان کے کرتوتوں کو یعنی ان کے شرک اور بت پرستی کو اور حق کے خلاف شور و غوغا کرنے کو اور بے حیائی کے کاموں کو اور کمزوروں اور ناتوانوں پر ظلم و ستم کرنے کو خوب جانتا ہے اور قیامت کے دن فیصلہ ہو جائے گا کہ کس کا طریقہ حق تھا اور کس کا طریقہ باطل تھا اور کون جنت میں جائے گا اور کس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حسن ادب کی تعلیم دی ہے کہ جو شخص بحث اور تمحیص میں کٹ حجتی' ہٹ دھرمی اور تکبر سے کام لے اس سے بحث نہیں کرنی چاہئے اور یہ کہہ دینا چاہئے کہ بحث مت کرو' قیامت کے دن تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے اور اب اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے' بے شک یہ سب ایک کتاب میں (مرقوم) ہے' بے شک یہ سب اللہ پر آسان ہے○ (الحج: ۷۰)

لوح محفوظ میں سب کچھ لکھے ہوئے ہونے کے متعلق احادیث

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اور اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے' اور قیامت کے دن فیصلہ کرنا اس چیز پر موقوف ہے کہ اللہ کو علم ہو کہ کون سزا کا مستحق ہے اور کون انعام کا مستحق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو ہر چیز کا علم ہے اور سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس لئے اللہ پر فیصلہ کرنا بہت آسان ہے' سب کچھ ایک کتاب میں لکھے ہوئے ہونے کے متعلق یہ احادیث ہیں:

عبدالواحد بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ میری مکہ میں عطاء بن ابی رباح سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے کہا اے ابومحمد بے شک اہل بصرہ تقدیر میں بحث کرتے ہیں' انہوں نے کہا اے میرے بیٹے کیا تم قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں انہوں نے کہا سورہ زخرف پڑھو' میں نے پڑھا:

حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ (الزخرف: ۴-۱)

حامیم ○ اس روشن کتاب کی قسم ○ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم اس کو سمجھ سکو ○ بے شک یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور (وہ) ہمارے نزدیک بلند درجہ حکمت والی ہے ○

عطاء بن ابی رباح نے کہا تم جانتے ہو ام الکتاب کیا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو علم ہے' انہوں نے کہا یہ وہ کتاب ہے جس کو اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پہلے لکھ دیا تھا' اس میں لکھا ہوا ہے کہ فرعون اہل دوزخ سے ہے اور اس میں لکھا ہوا ہے تبت یدا ابی لهب و تب. ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک ہو گیا۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا پھر میری ولید بن عبادۃ بن الصامت سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا تمہارے والد نے مرتے وقت تمہیں کیا نصیحت کی تھی' انہوں نے کہا میرے والد نے مجھے بلا کر کہا اے میرے بیٹے اللہ سے ڈرنا اور یاد رکھو تم اس وقت تک ہرگز اللہ سے نہیں ڈرو گے جب تک تم اللہ پر ایمان نہ لے آؤ اور ہر اچھی اور بری چیز اللہ کی تقدیر کے ساتھ وابستہ ہونے پر ایمان نہ لے آؤ' اگر تم اس کے خلاف عقیدہ پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا' اور فرمایا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں فرمایا تقدیر کو لکھو جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں' آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے کہا نہیں یا رسول اللہ! سوا اس کے کہ آپ ہمیں بتائیں' جو کتاب آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی اس کے متعلق آپ نے فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں جنت والوں کے نام ہیں اور ان کے باپ دادا کے نام ہیں اور ان کے قبائل کے نام ہیں' پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے اور اس میں نہ کبھی اضافہ کیا جائے گا اور نہ کبھی کمی کی جائے گی' پھر آپ کے بائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی اس کے متعلق فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں دوزخ والوں کے نام ہیں اور ان کے باپ دادا کے نام ہیں اور ان کے قبائل کے نام ہیں پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے نہ ان میں کبھی کوئی اضافہ ہوگا نہ ان میں کبھی کوئی کمی ہوگی' آپ کے اصحاب نے کہا یا رسول اللہ! جب سب کاموں سے فراغت ہو چکی ہے تو پھر عمل کس میں ہوگا؟ آپ نے فرمایا تم ٹھیک ٹھیک اور صحت کے قریب کام کرتے رہو کیونکہ جو شخص جنتی ہے اس کا خاتمہ جنت والوں کے اعمال پر ہوگا خواہ وہ کوئی عمل

کرتا رہے اور جو دوزخی ہے اس کا خاتمہ دوزخیوں کے اعمال پر ہوگا خواہ وہ کوئی عمل کرتا رہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کتابوں کو گرا دیا پھر فرمایا تمہارا رب اپنے بندوں سے فارغ ہو چکا ہے ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۱ مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۷ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۲۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیر کو لکھ دیا تھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۳ مشکوۃ رقم الحدیث: ۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جوان شخص ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہے اور عورتوں سے شادی کرنے کے لیے میرے پاس مال نہیں ہے گویا کہ وہ خصی ہونے کی اجازت طلب کرتے تھے آپ میری بات پر خاموش رہے میں نے پھر اسی طرح کہا آپ پھر خاموش رہے جب میں نے تیسری بار دہرایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہونے والا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے اب تم خصی ہو یا نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدث: ۵۰۷۶ مشکوۃ رقم الحدیث: ۸۸)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے بکری کا جو زہر آلود گوشت کھایا تھا اس کی وجہ سے ہر سال آپ کے جسم میں درد ہوتا ہے آپ نے فرمایا مجھے صرف وہی مصیبت پہنچتی ہے جو میرے لئے اس وقت لکھ دی گئی تھی جب حضرت آدم ہنوز مٹی اور گارے میں تھے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۴۶ مشکوۃ رقم الحدیث: ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت پر اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور جن (کے معبود ہونے) کا انہیں خود بھی کوئی علم نہیں ہے اور ظالموں کا کوئی حامی نہیں ہے ○ (الحج: ۷۱)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مشرکین جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں ان کی یہ عبادت کسی سمعی دلیل پر مبنی نہیں ہے اس کے بعد فرمایا اور انہیں خود بھی اس کا کوئی علم نہیں ہے یعنی ان کی یہ عبادت کسی عقلی دلیل پر مبنی نہیں ہے پس ان کا بتوں کی عبادت کرنا اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید پر مبنی ہے یا جہالت پر مبنی ہے یا کسی کمزور شبہ پر سو ہر صورت میں ان کا بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بھی کافر کو خود بھی اپنے کافر ہونے کا علم نہیں ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اندھی تقلید کرنا باطل ہے۔

اور فرمایا ظالموں کا کوئی حامی نہیں ہے اور یہاں ظالم سے مراد مشرک اور کافر ہیں خلاصہ یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کی کوئی شفاعت نہیں کرے گا کیونکہ حمایت اور نصرت حق کی ہوتی ہے باطل کی نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہماری واضح آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے چہروں پر ناگواری کو پہچان لیتے ہیں لگتا ہے کہ وہ ہماری آیتیں تلاوت کرنے والوں پر حملہ کر بیٹھیں گے آپ کہیے کیا میں تم کو اس سے بھی زیادہ بری خبر دوں وہ دوزخ کی آگ ہے جس کا اللہ نے کفار سے وعدہ کیا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ○ (الحج: ۷۲)

المنکر اور یسطون کا معنی

ان آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جن پر ہماری آیات بینات کی تلاوت کی جاتی ہے کیونکہ یہ آیات دلائل عقلیہ اور احکام کو متضمن ہیں اس لئے یہ آیات بین اور واضح ہیں اور یہ بتایا کہ ان کی جہالت اس درجہ پہنچ چکی ہے کہ جب ان کو ان دلائل پر متنبہ کیا جاتا ہے تو ان کے چہرے سے ناگواری اور غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے۔

اس آیت میں ناگواری اور غیظ و غضب کے لئے منکر کا لفظ ہے علامہ زمخشری نے کہا اس کا معنی ہے قباحت میں حد سے

گزرنا' اچانک ٹوٹ پڑنا' گالی گلوچ کرنا' نافرمانی کرنا' اور اس کی تفسیر میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں' کلبی نے کہا قرآن مجید کی آیات سن کر ان کے چہروں پر کراہیت اور ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کے چہروں پر تکبر کے آثار ظاہر ہوتے ہیں' مقاتل نے کہا ان کے چہروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان آیات کو اللہ کا کلام ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔

حملہ کرنے کے لئے اس آیت میں یسطون کا لفظ ہے علامہ راغب نے کہا سطو کا معنی ہے کسی چیز کو شدت سے پکڑنا' اچھلنا' کسی پر حملہ کرنا اس کی اصل یہ ہے کہ جب گھوڑا خوشی کی وجہ سے دو پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر دو اگلی ٹانگوں کو اٹھالے تو کہتے ہیں سطا الفرس اور جب پانی جوش میں آ کر ابلنے لگے تو کہتے سطا الماء۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۰۶)

امام رازی نے لکھا ہے کہ خلیل' فرا اور زجاج نے کہا ہے السطو کا معنی ہے کسی چیز کو سختی سے پکڑنا اور غصہ سے اچھلنا' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو وہ قرآن پڑھنے والے کو غصہ میں آ کر سختی سے پکڑنے کا ارادہ کرتے ہیں' کفار جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ سرکشی کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا نقشہ کھینچا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں یہ وعید سنائی فرمایا: آپ کہیے کیا میں تم کو اس سے بھی زیادہ بری خبر دوں! یعنی میں تم کو ایسی خبر دوں جو تمہاری ناگواری کو اور تمہارے غیظ و غضب کو اور زیادہ بڑھا دے جس سے تم اور زیادہ بھر جاؤ اور پھٹ پڑو اور وہ یہ ہے کہ تم اپنے برے عقیدہ اور برے اعمال کی وجہ سے اور قرآن مجید کی آیات کو سن کر غیظ و غضب میں آنے کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہو گے' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم غصہ میں آ کر زیادہ سے زیادہ قرآن مجید پڑھنے والے کو ہلاک کر دو گے اور پھر قرآن پڑھنے والا جنت میں جائے گا اور ہمیشہ جنت میں رہے گا اور تم دوزخ میں داخل ہو گے اور ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہو گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اس کو غور سے سنو' بے شک تم جن چیزوں کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ سب مل کر بھی ہرگز ایک مکھی کو (بھی) پیدا نہیں کر سکتے' اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے' طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں O (الحج: ۷۳)

بتوں کا عجز اور ان کی پرستش کا باطل ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت کے اوپر ان کے پاس کوئی سمعی دلیل ہے نہ عقلی دلیل ہے اور اس آیت میں ان کی بدعقیدگی کا رد فرمایا ہے۔

اس جگہ ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے' اس کے بعد مثال میں بیان فرمایا ہے کہ یہ بت ایک مکھی کو بھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین کر لے جائے تو یہ اس سے اس چیز کو واپس نہیں لے سکتے' حالانکہ یہ جو ذکر فرمایا ہے یہ کوئی ضرب المثل نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے کیسے فرمایا کہ ایک مثال بیان کی جاتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ مثال کسی عجیب و غریب نکتہ پر مبنی ہوتی ہے اور اس آیت میں جو مثال بیان کی گئی ہے یہ بھی ایک عجیب و غریب امر پر مبنی ہے اس لئے اس کو مثال قرار دینا صحیح ہے۔

فرمایا ہے کہ یہ سب مل کر ایک مکھی کو پیدا نہیں کر سکتے اور جب سب بت مل کر مکھی کو پیدا نہیں کر سکتے تو ایک بت تو بہ طریق اولیٰ مکھی کو پیدا نہیں کر سکتا جب کہ یہ ایک بت کی بھی عبادت کرتے ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت زندہ اور متصرف نہیں ہیں اور مشرکین ان بتوں کی اس اعتقاد سے عبادت نہیں کرتے تھے کہ یہ زندہ ہیں اور اس کائنات میں تصرف کرنے پر قادر ہیں' بلکہ وہ اس اعتقاد سے ان کی تعظیم

اور عبادت کرتے تھے کہ دراصل یہ بت ان کے معبودوں کی تصویر ہیں۔ ان میں سے بعض ستاروں اور سیاروں کو خدا مانتے تھے اور ان کا اعتقاد یہ تھا کہ ستارے نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہیں' اور ان میں سے بعض فرشتوں کو خدا مانتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ فرشتے نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہیں اور بعض کا اعتقاد تھا کہ انبیا علیہم السلام خدا ہیں سو وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی صورتیں بنا کر ان کی پرستش کرتے تھے' اور بعض کا عقیدہ یہ تھا کہ پچھلی امتوں میں کچھ نیک بندے گزرے ہیں جیسے لات' منات' عزیٰ اور ہبل وغیرہ تو انہوں نے اپنے خیال میں ان کی صورتوں کے موافق بت بنا لئے تھے اور وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جن کی صورتوں کی یہ تعظیم اور عبادت کرتے ہیں وہ اس تعظیم اور عبادت سے خوش ہوں گے اور ان کو اپنا مقرب بنالیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جن کی صورتوں کی یہ تعظیم اور پرستش کرتے تھے یعنی ستارے' سیارے' فرشتے' انبیاء اور صالحین' ان میں سے ستارے اور سیارے تو مطلقاً کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے ہیں اور اگر ان سے کوئی چیز چھین لی جائے تو اس کو واپس نہیں لے سکتے' رہے فرشتے' انبیاء اور صالحین تو وہ بھی اپنی ذاتی قدرت سے کوئی چیز پیدا کر سکتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی چیز میں کوئی تصرف کر سکتے ہیں' ہر چند کہ حضرت عیسیٰ نے بعض پرندے تخلیق کئے اور بعض مردے زندہ کئے لیکن اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے اور اس کی اجازت سے' اسی طرح سے فرشتے' انبیاء اور صالحین کائنات میں تصرف کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کی اجازت سے' اور اس کی عطا اور اس کی اجازت کے بغیر نہ یہ بت کچھ بنا سکتے ہیں نہ کچھ تصرف کر سکتے ہیں اور جن ہستیوں کی صورتوں میں یہ بت تراشے گئے ہیں وہ بھی اس کی عطا اور اس کی اذن کے بغیر کوئی چیز پیدا کر سکتے ہیں اور نہ کسی چیز میں کوئی تصرف کر سکتے ہیں۔

پھر اس پر کیا دلیل ہے کہ جن ہستیوں کی یہ تصویریں اور مجسمے ہیں وہ ان تصویروں اور مجسموں کی عبادت سے خوش ہوتے ہیں ان ہستیوں نے تو کبھی اپنی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ہمیشہ اس پر انکار کیا چہ جائیکہ وہ اپنی تصویروں اور مجسموں کی عبادت کرنے سے خوش ہوں اور عبادت کرنے والوں کو اپنا مقرب بنائیں وہ ہستیاں تو تمام عمر صرف اللہ عزوجل کی عبادت کا حکم دیتی رہیں اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرنے سے منع کرتی رہیں۔

اس کے بعد فرمایا طالب اور مطلوب دونوں ضعیف ہیں' طالب اور مطلوب کے تعین میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ بت طالب ہیں اور مکھی مطلوب ہے کیونکہ بت مکھی کو پیدا کرنا چاہتے ہیں یا اس سے چھنی ہوئی چیز واپس لینا چاہتے ہیں' اور دوسرا قول یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے والا طالب ہے اور خود بت مطلوب ہیں۔

بعض لوگ شرک کی نفی کرنے اور توحید کے اثبات میں حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے احترام کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور یہ آیت جو بتوں کی اور ان کی پرستش کرنے والوں کی مذمت میں نازل ہوئی ہے اس کو انبیاء علیہم السلام پر چسپاں کرتے ہیں یہ بہت خطرناک اور توہین آمیز طریقہ ہے اور خوارج سے بھی بدتر طریقہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کو اللہ کی مخلوق میں سب سے بدتر قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں یہ ان کو مومنین پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ (صحیح البخاری کتاب استتابۃ المرتدین باب قتل الخوارج والملحدین)

کفار کی آیات کو مومنوں پر چسپاں کرنے والے جب مخلوق میں سب سے بدتر ہیں تو ان کی برائی اور بدعقیدگی کا کیا عالم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا' بے شک اللہ نہایت

قوی بے حد غالب ہے O (الحج: ۷۴)

بت پرستوں کا اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کرنا

یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح تعظیم نہیں کی جس طرح تعظیم کرنے کا حق تھا کیونکہ بت جو انتہائی کمزور اور گھٹیا ہیں انہوں نے ان کو استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا' اور اللہ تعالیٰ قوی ہے اس کے لئے کوئی کام کرنا مشکل نہیں ہے اور وہ غالب ہے کیونکہ کوئی شخص اور کوئی چیز اس سے مقابلہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔

یہ آیت یہودیوں میں سے مالک بن الصیف' کعب بن اشرف اور کعب بن اسد وغیرہم کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ سات آسمان اور سات زمینیں بنانے کے بعد تھک گیا' پھر وہ لیٹ گیا اور ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھ کر آرام کیا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۵۲' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی' اسی طرح حسب ذیل آیت بھی ان کے رد میں نازل ہوئی:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ O (ق: ۳۸)

بے شک ہم نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہم کو تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں۔

یہ تمام شبہات اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے مشابہ مانا جائے اور جب یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے مشابہ نہیں ہے اور کوئی چیز اس کی مثال نہیں ہے' تو پھر کوئی اشتباہ نہیں ہوتا پس اللہ سبحانہ عزیز اور غالب ہے وہم اس کا تصور نہیں کر سکتا اور فکر اس کا اندازہ نہیں کر سکتا اور عقل اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتی زمانہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا' جہات اس کی تحدید نہیں کر سکتیں وہ صمدی الذات ہے اور سرمدی الصفات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ فرشتوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے' بے شک اللہ بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے O وہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جائیں گے O (الحج: ۷۶-۷۵)

فرشتوں کو رسول بنانے کی آیتوں میں تعارض کا جواب

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے الٰہیات کا ذکر فرمایا تھا اور الحج: ۷۵ میں نبوات کا ذکر فرمایا' مقاتل نے یہ کہا کہ ولید بن مغیرہ نے یہ کہا تھا کہ ہمارے ہوتے ہوئے ان پر ذکر نازل کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی (زاد المسیر ج ۵ ص ۴۵۳)

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سورت میں فرمایا اللہ فرشتوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ بعض فرشتوں کو رسول بناتا ہے' سب فرشتوں کو رسول نہیں بناتا' اور ایک اور سورت میں فرمایا ہے **جاعل الملائكة رسلا** (فاطر: ۱) فرشتوں کو رسول بنانے والا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ سب فرشتوں کو رسول بنایا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر ان فرشتوں کو رسول بنانے کا ذکر ہے جن کو بنو آدم کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور وہ اکابر ملائکہ ہیں جیسے حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم الصلوٰۃ والسلام' اور یہ بعض رسول ہیں اور باقی تمام فرشتے ایک دوسرے کی طرف رسول ہیں۔ لہٰذا سورہ الحج: ۷۵ میں ان فرشتوں کے رسول بنانے کا ذکر ہے جو بنو آدم کی طرف رسول ہیں اور فاطر: ۱ میں ان فرشتوں کو رسول بنانے کا ذکر ہے جو ایک دوسرے کی طرف رسول ہیں' پس ان آیتوں میں تعارض نہ رہا۔

بعض فرشتوں اور بعض انسانوں کو بیٹا بنانے کا اعتراض اور اس کا جواب

اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا ہے:

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (الزمر: ۴) اور اگر اللہ بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔

اور سورہ حج: ۷۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض فرشتے اور بعض انسان چنے ہوئے ہیں اور جب اللہ چنے ہوئے کو بیٹا بناتا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ نے بعض فرشتوں اور بعض انسانوں کو بیٹا بنایا ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ زمر میں جو فرمایا ہے اور اگر اللہ بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا بیٹا چنا ہوا ہونا چاہیے لیکن اس پر دلالت نہیں کرتا کہ ہر چنا ہوا اس کا بیٹا ہو حتیٰ کہ یہ لازم آئے کہ پھر بعض فرشتوں اور بعض انسانوں کو اس کا بیٹا ہونا چاہیے۔

دوسری تقریر یہ ہے کہ زمر میں فرمایا ہے اگر اللہ بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا بیٹا بنا لیتا اس سے مقصود ان لوگوں کی مذمت کرنا ہے جو حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے یعنی وہ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں' اگر اللہ بیٹا بنانا چاہتا تو حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی کیا خصوصیت تھی وہ جس کو چاہتا اپنا بیٹا بنا لیتا' اور سورۃ الحج: ۷۵ میں ان مشرکین کی مذمت کی ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے' یعنی فرشتوں کا بلند درجہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں یا وہ معبود ہیں بلکہ ان کا بلند درجہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی عبادت کرنے اور اپنی پیغام رسانی کے لئے چن لیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے' یعنی وہ جو کچھ باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ کام کرتے ہیں وہ سب اس کے علم میں ہیں' اور الحج: ۷۶ میں فرمایا وہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں پہلے جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ دنیا میں بعد میں ہوگا' یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہے اور جو کچھ آخرت میں ہوگا' پھر فرمایا اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جائیں گے اس میں بتایا کہ وہ اپنی حاکمیت میں منفرد ہے اور لوگوں کو اپنی نافرمانی سے ڈرایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیکی کے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو○ (الحج: ۷۷)

یاایہا الذین کا خطاب صرف مومنوں کو شامل ہے

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے الٰہیات پر کلام فرمایا' پھر نبوت پر کلام فرمایا' اس کے بعد احکام شرعیہ پر کلام کو شروع فرمایا' اور اس میں چار وجہوں سے کلام فرمایا: (۱) جن کو احکام کا مکلف کیا ہے ان کا تعین فرمایا (۲) جو احکام دیئے ہیں ان کی تفصیل (۳) ان احکام پر عمل کرنے کے بعد جو ثمرہ مرتب ہوگا (۴) ان احکام کا مکلف کرنے کی تاکید۔

جن کو ان احکام کا مکلف کیا ہے ان کا تعین کرتے ہوئے فرمایا: اے ایمان والو! اور اس خطاب سے مراد تمام مکلفین ہیں خواہ وہ مومن ہوں یا کافر' کیونکہ ان احکام کا مکلف ہر شخص ہے اس لئے ان احکام کے ساتھ صرف مومنوں کو مکلف کرنے کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے' یہ امام شافعی اور ان کے متبعین کا موقف ہے اور بعض احناف کا بھی یہی نظریہ ہے کہ کفار بھی احکام کے مکلف ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے: جب اہل جنت نے اہل دوزخ سے سوال کیا:

مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ ۝ (المدثر: ۴۲-۴۴)

تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کر دیا ۝ وہ کہیں گے کہ ہم نمازیوں میں سے نہ تھے ۝ اور ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے ۝

اس سے معلوم ہوا کہ کفار بھی اس حکم کے مکلف ہیں کہ وہ نماز پڑھیں اور مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔

اور جمہور احناف کا موقف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے صرف مومن مکلف ہیں' کفار احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں وہ صرف ایمان لانے کے مکلف ہیں کیونکہ کفر کے ساتھ نماز پڑھنا' روزہ رکھنا' زکوٰۃ دینا اور حج کرنا مقبول نہیں ہے اس لئے ان احکام کے صرف مومن مکلف ہیں کفار ان احکام کے مکلف نہیں ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یایھا الذین امنوا کا مصداق صرف مومنین ہیں کفار اس خطاب میں داخل نہیں ہیں' اور تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اجتبکم اس نے تم کو برگزیدہ بنایا ہے' یہ خطاب صرف مومنوں کے لائق ہے اور پھر فرمایا وسمکم المسلمین اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے' اور یہ خطاب بھی صرف مومنین کے لائق ہے اور فرمایا و تکونوا شھداء علی الناس اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ' یہ تمام خطابات صرف مومنین کے لائق ہیں۔

چار قسم کے احکام شرعیہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے احکام کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار احکام بیان فرمائے ہیں:

(۱) نماز' اس پر واسجدوا دلالت کرتا ہے کیونکہ بعض علماء کے نزدیک نماز کا سب سے افضل رکن سجدہ ہے' اور رکوع اور سجود نماز کے ساتھ مختص ہیں حتیٰ کہ رکوع اور سجود نماز کے قائم مقام ہیں۔

(۲) دوسرے حکم کا ذکر ہے اور تم اپنے رب کی عبادت کرو' اور اس کے کئی محمل ہیں: (ا) تم اپنے رب کی عبادت کرو اور اس کے غیر کی عبادت نہ کرو (ب) جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سب کاموں میں اپنے رب کی عبادت کرو (ج) رکوع اور سجود اور باقی اطاعت کو بطور عبادت کرو کیونکہ فقط ان افعال کو کرنا کافی نہیں ہے جب تک کہ ان میں عبادت کا قصد نہ کیا جائے کیونکہ عبادت سے ہی ثواب کا دروازہ کھلتا ہے۔

(۳) اور نیکی کے کام کرو' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد ہے صلہ رحم اور دوسرے اچھے اخلاق۔

امام رازی نے فرمایا ہے میرے نزدیک یہ ترتیب اس نکتہ پر مبنی ہے کہ نماز انواع عبادت کی ایک قسم ہے اور عبادت نیکی کے کاموں کی انواع کی ایک قسم ہے' کیونکہ نیکی کے کاموں کی دو قسمیں ہیں خالق کی تعظیم کرنا اور وہ عبادت ہے' اور مخلوق پر شفقت کرنا اور اس میں تمام مکارم اخلاق' فقراء پر صدقہ کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنا داخل ہیں گویا کہ اللہ سبحانہ نے یوں فرمایا میں نے تم کو نماز کا مکلف کیا ہے بلکہ اس سے بھی عام چیز کا مکلف کیا ہے وہ ہے عبادت کرنا' بلکہ اس سے بھی عام چیز کا مکلف کیا ہے اور وہ ہے نیکی کے کام کرنا۔ اس کے بعد فرمایا: تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ یعنی آخرت کی نعمتوں کو حاصل کر لو' عربی میں لعل کا لفظ امید کے لئے آتا ہے' کیونکہ کبھی کبھی انسان سے عبادت میں کوتاہی ہو جاتی ہے اور اس دور کے مسلمانوں سے تو زیادہ تر عبادت میں کوتاہی ہی ہوتی ہے اس لئے اس کا یقین نہیں ہوتا کہ یہ عبادت آیا مقبول ہوگی یا نہیں؟ اور انجام اور عواقب بھی مستور اور مخفی ہیں اس لئے انسان اخروی فوز و فلاح کی صرف امید ہی کر سکتا ہے' اور ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے' یعنی بندہ اللہ کے عذاب سے خوف زدہ رہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور ثواب کا امیدوار رہے۔

چوتھے حکم کا ذکر اس کے بعد والی آیت میں ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے' اسی نے تم کو برگزیدہ بنایا ہے اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی' (یہ) تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے' اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس (قرآن) میں' تاکہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ' پس تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑ لو وہی تمہارا مالک ہے تو کیسا اچھا مالک ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے O (الحج: ۷۸)

جہاد کا حق ادا کرنے کی متعدد تفاسیر

اس سے پہلی آیت میں تین احکام شرعیہ بیان فرمائے تھے نماز پڑھنا' عبادت کرنا (یعنی اطاعت کو بہ طور عبادت کرنا)' اور نیکی کے کام کرنا' اور اس آیت میں چوتھا حکم بیان فرمایا اور وہ اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرنا ہے جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔

اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرنا جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے' اس کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) اس سے مراد خصوصیت کے ساتھ جہاد کرنا ہے' یعنی یہ جہاد دنیا کے لئے کیا جائے نہ ناموری کے لئے نہ مال غنیمت کے حصول کے لئے' صرف اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کی رضا کے حصول کے لئے جہاد کیا جائے۔

(۲) جس طرح ابتداءً جہاد کیا گیا ہے اسی طرح انتہاءً بھی جہاد کیا جائے' کیونکہ ابتداءً جو جہاد کیا جاتا ہے وہ زیادہ قوی ہوتا ہے اور اس میں مسلمان نسبتاً زیادہ ثابت قدم ہوتے ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم اس طرح جہاد کرو جس طرح تم نے پہلی بار جہاد کیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۰۱)

(۳) ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا تم اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرو۔ (جامع البیان: ۱۹۲۰۲)

(۴) ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے اللہ کے احکام پر عمل کرنے کا حق ادا کرو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۰۳)

(۵) اللہ کے دین کے احیاء اور اس کی اشاعت کے لئے اور زبان اور قوت سے اس کی حدود کو قائم کرنے کے لئے اپنی مقدور کے مطابق جدوجہد کرو جہاں تک تم سے ممکن ہو سکے' اور اپنے دلوں سے ناجائز خواہشوں اور اللہ سے غافل کرنے والی چیزوں کی محبت کو نکال دو۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۵۵)

(۶) عبداللہ بن مبارک نے کہا جہاد کرنے کا حق یہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنی خواہشوں سے جہاد کرو' خطیب بغدادی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے آئے تو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا تم آ گئے خوش آمدید ہو' تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہو۔ مسلمانوں نے کہا جہاد اکبر کی کیا تعریف ہے آپ نے فرمایا بندہ کا اپنی خواہشوں سے جہاد کرنا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۹۳)

اس حدیث کا امام سیوطی اور امام علی متقی ہندی نے بھی ذکر کیا ہے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۲۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۲۶۰' ۱۱۷۷۹)

اس حدیث کو امام غزالی نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے' اور عراقی نے کہا اس حدیث کو امام بیہقی نے کتاب الزھد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے (احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۱۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ) علامہ سید محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ جہاد بالنفس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا

کے لئے نفس پر قہر کر کے عبادات کو انجام دینا اور معاصی کو ترک کرنا' اس کو جہاد اکبر اس لئے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے نفس سے جہاد نہ کر سکے اور اپنے داخل سے مقابلہ نہ کر سکے وہ اپنے خارج اور اللہ کے دشمن سے کیسے مقابلہ کر سکے گا' اس کا نفس جو اس کا دشمن ہے وہ اس کے دو پہلوؤں کے درمیان ہے وہ اس پر قاہر اور مسلط ہے اور جب تک وہ دشمن کے مقابلہ پر جانے کے لئے اپنے نفس سے جہاد نہیں کرے گا اس کے لئے خارجی دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلنا ممکن نہیں ہوگا' اس لئے اپنے نفس سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے اور خارجی دشمن سے جہاد کرنا جہاد اصغر ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۷۹)

(۷) علامہ قرطبی نے کہا جہاد کرنے کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے نفس سے جہاد کیا جائے اور نفس کی خواہشات کو رد کر دیا جائے' اور شیطان کے وسوسوں کی مخالفت کی جائے' ظالموں کے ظلم کو رد کرنے میں اور کافروں کے کفر کو رد کرنے میں جہاد کیا جائے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۹۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے عظیم جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۱' تاریخ بغداد ج ۷ ص ۲۳۸' المسند الجامع رقم الحدیث: ۴۶۱۶)

دین میں تنگی نہ ہونے کی متعدد تفاسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ماجعل علیکم فی الدین من حرج کی تفسیر میں فرمایا حرج کا معنی تنگی ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۰۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس دین کی تم عبادت کرتے ہو اس میں تم پر کوئی تنگی نہیں ہے' تم کو جن احکام کا مکلف کیا گیا ہے ان میں کوئی مشکل حکم نہیں ہے اور کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا کوئی حل نہ ہو' کوئی ایسی دشواری نہیں ہے جس کا کوئی مخرج نہ ہو' بعض چیزوں کا مخرج توبہ ہے' بعض چیزوں کا مخرج کفارہ ہے اور بعض چیزوں کا مخرج قصاص ہے۔

بعض چیزوں میں عزیمت کے مقابلہ میں رخصت ہے' جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے' سفر میں چار رکعت کی نماز کی جگہ دو رکعت نماز پڑھ لے' روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کر لے اس طرح بیمار کے لئے بھی روزہ قضا کرنے کی رخصت ہے' اور جو شخص دائمی مریض ہو وہ روزے رکھنے کے بجائے فدیہ دے دے' اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کرے' قتل خطا میں' قسم توڑنے میں' روزہ توڑنے میں' اور بیوی کو یہ کہہ دیا کہ تیری پشت میری ماں کی پشت کی مثل ہے ان سب میں کفارہ کو مشروع کر دیا' قسم توڑنے کے سوا باقی سب میں دو ماہ کے روزے ہیں اور قسم توڑنے کا کفارہ دس آدمیوں کا کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا یا تین روزے ہیں غرض دین میں کوئی تنگی نہیں ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس رازی المعروف بابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے ہم سے کون سی تنگی اور حرج کو دور کیا ہے انہوں نے کہا بنو اسرائیل پر جو مشکل احکام تھے ان کا بوجھ تم سے اتار دیا گیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۰۳۳)

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسلام میں تم پر وسعت رکھی ہے تمہارے لئے توبہ اور کفارہ کو مشروع کر دیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۰۳۴)

مقاتل بن حیان اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں تمہارے اوپر تنگی نہیں رکھی' اور جو شخص

بھی دین میں داخل ہو اس کے لئے وسعت اور گنجائش ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہر وہ حکم جو بندہ پر فرض کیا گیا ہے جب اس کی ادائیگی میں مشکل یا اضطرار ہو تو ضرورت کے وقت اس میں رخصت کو مشروع کیا گیا ہے' مسلمانوں پر چار رکعت نماز فرض کی گئی ہے لیکن سفر میں چار رکعات کے بجائے دو رکعت مشروع کر دی گئی ہیں' جب کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکے تو اشارہ سے نماز کو مشروع کر دیا ہے۔ اگر دشمن کے خوف سے قبلہ کی طرف منہ نہ کر سکے تو چلتی سواری کا جس طرف منہ ہو اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ اگر وضو یا غسل کے لئے پانی نہ ملے تو تیمم کر لے' مقیم پر روزہ فرض ہے اور مسافر کے لئے قضا کی رخصت ہے اور اگر بالکل روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے دے۔ اگر سفر کا خرچ نہ ہو یا ظالم حکمران حج کے لئے نہ جانے دیں تو حج نہ کرنے کی بھی رخصت ہے' اسی طرح بیماروں' کمزوروں اور معذوروں کے لئے جہاد نہ کرنے کی بھی رخصت ہے' اگر سخت بھوک کی وجہ سے مرنے کا خطرہ ہو اور کوئی حلال چیز دستیاب نہ ہو تو بہ قدر ضرورت حرام چیز کھانے کی بھی رخصت ہے اور اس حالت میں مردار' خون' حتیٰ کہ خنزیر کا گوشت کھانے کی بھی رخصت ہے اور ان تمام امور کا ذکر قرآن مجید میں ہے' اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ آسانی فرمائی ہے کہ اس کو اتنی کثیر رخصتیں عطا فرمائی ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۰۳۶' ج ۸ ص ۲۵۰۷-۲۵۰۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

جب عزیمت (فرض) پر عمل کرنا مشکل ہو تو رخصت پر عمل کرنا فرض ہے

اللہ تعالیٰ نے عزیمت (اصل حکم) کو بھی مشروع فرمایا ہے اور عذر کے وقت رخصت کو بھی مشروع فرمایا ہے کیونکہ اسلام دین فطرت اور دین یسر ہے اور جس طرح بلا عذر اصل حکم پر عمل نہ کرنا گناہ ہے اسی طرح عذر کے وقت رخصت پر عمل نہ کرنا بھی گناہ ہے'۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے اللہ کی دی ہوئی ان رخصتوں پر عمل کرنا واجب ہے جو اس نے تم کو دی ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۵' رقم الحدیث المسلسل: ۲۵۷۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۳۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ روانہ ہوئے' آپ نے روزہ رکھ لیا' جب آپ کراع الغمیم میں پہنچے تو آپ نے پانی کا پیالہ منگوا کر اسے اوپر اٹھایا حتیٰ کہ لوگوں نے اسے دیکھ لیا' پھر آپ نے وہ پانی پی لیا' آپ کو بتایا گیا کہ بعض لوگ اپنے روزے پر برقرار ہیں آپ نے فرمایا وہ نافرمان ہیں! وہ نافرمان ہیں!!۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۲۶۳)

ابو طعمہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا' ایک شخص نے آ کر کہا اے ابو عبد الرحمٰن! میں سفر میں روزے رکھنے کی قوت رکھتا ہوں' حضرت ابن عمر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کی دی ہوئی رخصتوں کو قبول نہیں کرتا اس کو (میدان) عرفہ کے پہاڑوں جتنا گناہ ہوگا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۷۱ طبع قدیم' احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد ج ۵ ص ۵۱ رقم الحدیث: ۵۳۹۲' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۳۲' اس کی روایت حضرت عقبہ بن عامر سے ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کرنے کو اس طرح پسند کرتا ہے جس طرح اپنی نافرمانی کو ناپسند کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۸' قدیم' احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۵۸۷۳' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

مسند البزار رقم الحدیث: ۹۸۸، ۹۸۹، شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصت پر عمل کیا جائے جس طرح اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے عزائم (فرائض) پر عمل کیا جائے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۸۸۰، مسند البزار رقم الحدیث: ۹۹۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۵۴، حافظ الہیثمی نے کہا مسند البزار کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۲، شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۸۹) کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۳۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں کو قبول کیا جائے جس طرح اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کے عزائم (فرائض) پر عمل کیا جائے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۰۳۰، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۶۰۲، حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں معمر بن عبداللہ انصاری ہے اس کی مرفوع حدیث کی متابعت نہیں کی جاتی، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۴۱)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے یہ ہم نے سخت گرمی میں سفر کیا تھا، ہم راستہ میں ایک جگہ ٹھہر گئے، ہم میں سے ایک شخص درخت کے نیچے جا کر لیٹ گیا، وہ بیمار لگتا تھا اور اس کے ساتھی اس کی تیمارداری کر رہے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو پوچھا اس کو کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ روزہ دار ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رخصتیں دی ہیں ان کو لازم کرلو اور ان کو قبول کرو۔

(حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۱)

دین آسان ہے سو مشکل احکام نہ بتائے جائیں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ: ۱۸۵)

اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرے (روزے قضا کرے) اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

اور اس باب میں حسب ذیل احادیث ہیں:

دین آسان ہونے کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک دین آسان ہے اور جو شخص بھی دین پر غالب آنے کی کوشش کرے گا اس پر دین غالب آ جائے گا، پس تم ٹھیک ٹھیک کام کرو، صحت اور درستگی کے قریب اور خوشی سے عبادت کرو، صبح اور شام اور کچھ رات کے وقت۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۰۴۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۹۴۵، عالم الکتب بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین شخص (حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن مظعون: مصنف عبدالرزاق) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجروں میں گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت (کی مقدار) کے متعلق پوچھ گچھ کی، جب ان کو آپ کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اتنی عبادت کو کم سمجھا اور

کہا' کہاں ہم! اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے تو اگلے اور پچھلے تمام بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کر دی گئی ہے' ان میں سے ایک شخص نے کہا رہا میں' تو میں ہمیشہ پوری رات نماز پڑھوں گا' اور دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی دن میں کھانا نہیں کھاؤں گا اور تیسرے نے کہا اور میں کبھی نکاح نہیں کروں گا اور عورتوں سے الگ رہوں گا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا تم لوگوں نے اس اس طرح کہا ہے سنو! اللہ کی قسم! بے شک میں ضرور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور دن میں کھاتا بھی ہوں' اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں' پس جس شخص نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۱' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! لگتا ہے کہ میں جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکوں گا' کیونکہ فلاں شخص بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے' تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کرتے ہوئے کبھی اس قدر زیادہ غصہ میں نہیں دیکھا آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم (جماعت سے) تنفر کرتے ہو' سو جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے وہ تخفیف سے نماز پڑھائے کیونکہ نمازیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں' کمزور بھی ہوتے ہیں اور ضروری کام پر جانے والے بھی ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۹۸۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۹۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان دونوں سے فرمایا: تم دونوں آسان احکام نافذ کرنا اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالنا اور لوگوں کو خوش رکھنا اور ان کو متنفر نہ کرنا اور ایک دوسرے سے موافقت کرنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۴' ۲۰۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۳' ۲۰۰۱' الرقم المسلسل: ۵۱۱۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۹۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسان احکام بیان کرو اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالو اور پرسکون رکھو اور لوگوں کو متنفر نہ کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۸۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ نے اس چیز کو اختیار فرمایا جو زیادہ آسان ہو بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو' اگر وہ گناہ ہو تو آپ اس سے سب سے زیادہ دور ہونے والے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۶۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۲۶ عالم الکتب)

ازرق بن قیس کہتے ہیں کہ ہم (مقام) اھواز میں دریا کے کنارے نماز پڑھ رہے تھے' اس کا پانی خشک ہو چکا تھا' حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ گھوڑی پر آئے اور گھوڑی کو چھوڑ کر نماز پڑھنے لگے' وہ گھوڑی چل پڑی' تو انہوں نے نماز کو چھوڑ کر گھوڑی کا پیچھا کیا اور گھوڑی کو واپس لا کر باندھ دیا پھر آ کر نماز پڑھی' ایک شخص نے ان کو دیکھ کر کہا اس بڈھے کو دیکھو نماز کو چھوڑ کر گھوڑی کو پکڑنے کے لئے چل دیا تھا' حضرت ابو برزہ نے مڑ کر اس کو جواب دیا اور فرمایا جب سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوا ہوں مجھے کسی نے ملامت نہیں کی اور میرا گھر متراخ (ایک جگہ کا نام) میں ہے اور اگر میں نماز پڑھتا رہتا اور گھوڑی کو چھوڑ دیتا تو میں اپنے اہل کے پاس رات تک نہیں پہنچ سکتا تھا' اور انہوں نے بتایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور

انہوں نے دیکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (عبادات اور احکام کو) آسان کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۶'۳۵۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے آکر مسجد میں پیشاب کر دیا' لوگ اس کو مارنے کے لئے دوڑے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو' اور اس کے پیشاب کے اوپر ایک ڈول یا دو ڈول پانی بہادو' کیونکہ تم آسانی پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو اور مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۷۸۶' عالم الکتب بیروت)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ ذات السلاسل میں ایک سردی کی رات میں ان کو احتلام ہو گیا' انہوں نے کہا مجھ کو خطرہ تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا' میں نے تیمم کیا اور اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھادی' لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے عمرو کیا تم نے جنبی ہونے کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھادی' تب میں نے بتایا کہ میں نے کس وجہ سے غسل نہیں کیا تھا' اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پڑھتے ہوئے سنا ہے:

لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (النساء: ۲۹) اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو' اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے ہم میں سے ایک شخص کے سر پر پتھر آکر لگا جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر اس کو احتلام ہو گیا' اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا تم میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو' اس کے اصحاب نے کہا ہم تمہارے لئے تیمم کی رخصت نہیں پاتے تم پانی کے استعمال پر قادر ہو' اس نے غسل کیا جس سے وہ مر گیا' جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا ان لوگوں کو اللہ مار ڈالے انہوں نے تو اس کو قتل کر دیا' جب ان کو اس صورت حال کے حکم کا علم نہیں تھا انہوں نے کسی (اہل علم سے) سے پوچھا کیوں نہیں! جہالت کی شفاء سوال کرنے میں ہے' اس کے لئے تیمم کرنا کافی تھا یا وہ اپنے زخم پر کپڑا باندھ کر اس پر مسح کر لیتا پھر باقی جسم کو دھو لیتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۷۲)

ابوعروہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے آپ نے ایک پیر کو باہر نکالا اور وضو یا غسل کی وجہ سے آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے' لوگ آپ سے پوچھ رہے تھے یا رسول اللہ! ہم پر کوئی حرج ہے اگر ہم فلاں کام کر لیں! آپ نے فرمایا نہیں اے لوگو' پھر آپ نے تین بار فرمایا بے شک اللہ کا دین آسان ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۶۹' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۹۴۵' عالم الکتب)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہ دین متین (مضبوط) ہے' اس میں نرمی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۰۸۳' عالم الکتب)

حضرت انس بن مالک' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام نرم دین ہے اس میں نرمی کے ساتھ داخل ہونا چاہئے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۶۱۷' عالم الکتب بیروت' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۸۶)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اوپر سختی نہ کرو (سخت اور مشکل کاموں کی نذر نہ مانو) تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہو گئیں کہ انہوں نے اپنے اوپر سخت اور مشکل کاموں کو لازم کر لیا تھا

مثلاً رہبانیت) ان کے باقی ماندہ لوگوں کو تم کلیساؤں اور گرجوں میں دیکھو گے۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۵۵۱ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۴ شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۸۸۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرائض کو ادا کرو اور رخصتوں کو قبول کرو اور لوگوں کو چھوڑ دو تم ان سے کفایت کر چکے ہو۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۷۸۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۴۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے سب سے افضل لوگ وہ ہیں جو رخصتوں پر عمل کرتے ہیں۔ (المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۱۶۵ الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۵۰۵ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۳۰۰)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ایک اعرابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے دین میں سب سے بہتر وہ عبادت ہے جو سب سے آسان ہو' تمہارے دین میں سب سے بہتر وہ عبادت ہے جو سب سے آسان ہو۔ (دوبار فرمایا) (مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۹ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۰۳۲' عالم الکتب بیروت)

حضرت ابراہیم کو مسلمانوں کا باپ فرمانے کی توجیہ

اس کے بعد الحج: ۷۸ میں فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے' اور اس (قرآن) میں تا کہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو جن احکام شرعیہ کا مکلف فرمایا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت کرتے تھے کیونکہ وہ ان کی اولاد سے تھے اس تنبیہ سے مقصود یہ ہے کہ عرب کے مشرکین کو اسلام قبول کرنے پر راغب کیا جائے کہ آخر یہ تمہارے جد کریم کا دین ہے تم اس دین پر ایمان لانے سے کیوں گریز کر رہے ہو۔

اس آیت میں فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے' اور حضرت ابراہیم کو تمام مسلمانوں کا باپ فرمایا ہے' حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام مسلمانوں کے باپ نہیں ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہیں اور آپ اپنی تمام امت کے لئے بہ منزلہ باپ ہیں' کیونکہ باپ اولاد کی حیات کا سبب ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی حیاتِ ابدیہ کا سبب ہیں اور اخروی حیات کا سبب ہیں اور وہی حیات قابل شمار اور قابل ذکر ہے' اور یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں سو عرب کے لوگوں کو باقی امت پر غلبہ دے کر فرمایا وہ تمہارے باپ ہیں۔

ملت کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ملت کی اصل ہے املت الکتاب میں نے کتاب لکھوائی' قرآن مجید میں ہے:

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ (البقرہ: ۲۸۲) — اور جس کے ذمہ حق ہے وہ لکھوائے۔

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ (البقرہ: ۲۸۲) — پس جس کے ذمہ حق ہے اگر وہ کم عقل ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوائے۔

ملت کے معنی دین کی مثل ہے اور دین کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے اپنے بندوں پر جو

احکام مشروع اور مقرر فرمائے ہیں تاکہ اس کے بندے ان احکام پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں' اور ملت اور دین میں فرق یہ ہے کہ ملت کی اضافت صرف نبی کی طرف ہوتی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے اتبعوا ملة ابراهيم (آل عمران: ٩٥) ملت ابراہیم کی پیروی کرو' اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا واتبعت ملة آباءی (یوسف: ٣٨) میں نے اپنے آباؤ اجداد کی ملت کی پیروی کی ہے' اور ملت کی اضافت اللہ کی طرف نہیں کی جاتی اور نہ نبی کی امت کے افراد کی طرف کی جاتی ہے اس کا استعمال صرف حاملین شریعت کے لئے ہوتا ہے ان کے افراد کی طرف نہیں ہوتا' اس لئے اللہ کی ملت اور میری ملت اور زید کی ملت نہیں کہا جاتا جس طرح اللہ کا دین اور زید کا دین اور میرا دین کہا جاتا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی کی اس تقریر پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں باطل مذاہب پر بھی ملت کا اطلاق کیا گیا ہے' حضرت یوسف نے فرمایا:

اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (یوسف: ٣٧)

میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ آخرت کا بھی کفر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کا قول نقل فرمایا:

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ (ص: ٧)

ہم نے یہ بات پچھلی ملت میں (بھی) نہیں سنی یہ صرف من گھڑت بات ہے۔

کفار کا مطلب یہ تھا کہ یہ نبی جو توحید کی دعوت دے رہے ہیں یہ ان کی خود ساختہ دعوت ہے ورنہ عیسائیت میں بھی دوسروں کو اللہ کے ساتھ شریک بنایا گیا ہے۔

ان آیات میں باطل مذاہب پر بھی ملت کا اطلاق کیا گیا ہے اور یہ اطلاق علامہ راغب کے بیان کئے ہوئے معنی کے خلاف ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاقات مجاز ہیں ورنہ ملت حقیقت میں اس دستور الٰہی کا نام ہے جو انبیاء کے واسطہ سے انسانوں کی طرف بھیجا جاتا ہے' لیکن اگر کبھی انسان اس دستور میں تحریف کر لیں تب بھی اس پر ملت کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

علامہ راغب نے دین اور ملت میں یہ فرق بھی کیا ہے کہ دین کا معنی اصل میں اطاعت ہے پس اللہ کے بھیجے ہوئے دستور میں یہ لحاظ کیا جائے کہ انبیاء اس دین کو قائم کریں گے اور لوگ اس دستور کی اطاعت کریں گے تو اس دستور کو دین کہتے ہیں اور اگر اس دستور میں صرف یہ لحاظ کیا جائے کہ وہ اللہ کا مشروع اور مقرر کیا ہوا دستور ہے تو اس کو ملت کہتے ہیں۔

(المفردات ج ٢ ص ٦١١' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

ملت سے یہاں پر دین کے اصول اور فروع مراد ہیں یعنی عقائد اور احکام شرعیہ یا صرف احکام شرعیہ مراد ہیں۔

(روح المعانی جز ١٧ ص ٣١٠)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا:

يا رسول الله ماهذه الاضاحی قال سنة ابيكم ابراهيم.

یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں فرمایا تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں۔

انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ اس میں ہمارے لئے کیا اجر ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ہے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ اگر اون ہو تو فرمایا اون کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے' لیکن فضائل اعمال

میں سند ضعیف بھی معتبر ہوتی ہے)

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۷ مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۸ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۰۷۵ المسند الجامع رقم الحدیث: ۳۸۰۶)

امام رازی نے یہ اعتراض قائم کیا ہے کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت وہی ہو جو ملت ابراہیم ہے اور اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے ان اتبع ملۃ ابراھیم (النحل: ۱۲۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی الگ اور مخصوص شریعت نہیں ہے' پھر امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ آیت بت پرستوں کے لئے اتری ہے گویا اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرنا اور بت پرستی کو ترک کرنا یہ ملت ابراہیم ہے یعنی ملت کا تعلق صرف عقائد سے ہے اور باقی تمام احکام شرعیہ مفصلہ کا اس اتباع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۵۶)

ممکن ہے کہ امام رازی کا جواب صحیح ہو لیکن ہمارے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ تمام احکام شرعیہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع نہیں کی جاتی حتیٰ کہ یہ اعتراض ہو کہ پھر ہمارے نبی کی الگ مخصوص شریعت نہیں رہی بلکہ صرف مناسک حج' قربانی اور طہارت کی دس سنتوں (ختنہ' زیر ناف بالوں کو کاٹنا' ناخن تراشنا' کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' ڈاڑھی بڑھانا' مونچھیں کم کرانا وغیرہ) میں ان کی اتباع کی جاتی ہے اور باقی تمام احکام شرعیہ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جاتی ہے' اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مناسک حج اور قربانی میں آپ کی مطلقاً اتباع نہیں ہے بلکہ اس میں بھی آپ کی مخصوص شریعت ہے ایک دفعہ مفتی سید شجاعت علی قادری رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا بعض آزاد خیال لوگ یہ کہتے ہیں کہ حج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کی اتباع نہیں ہے صفا اور مروہ کی سعی میں حضرت ہاجرہ کی اتباع ہے' شیطان کو کنکریاں مارنے میں اور طواف کرنے میں حضرت ابراہیم کی اتباع ہے اور قربانی دینے میں حضرت اسماعیل کی اتباع ہے' میں نے کہا یہ غلط ہے' طواف کے ابتدائی تین چکروں میں جو رمل کیا جاتا ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے اور حجر اسود کو بوسہ دینے اور رکن یمانی کی تعظیم کرنے میں صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب (عمرہ حدیبیہ کی قضاء کرنے) مکہ میں آئے تو مشرکین نے ان کو دیکھ کر کہا تمہارے پاس ایک وفد آرہا ہے جس کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کریں (کندھے ہلاتے ہوئے بھاگ بھاگ کر طواف کریں) اور حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان آہستہ آہستہ چلیں اور طواف کے باقی چکروں میں رمل کا اس لئے حکم نہیں دیا کہ وہ اپنی اصل پر باقی رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۰۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۶۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۸۵)

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو مخاطب کر کے کہا مجھے خوب علم ہے کہ تو ایک پتھر ہے کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور اگر میں نے یہ نہ دیکھا ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ دیا ہے تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا پھر حضرت عمر نے اس کو بوسہ دیا' پھر کہا ہمیں رمل کرنے کی کیا ضرورت ہے! ہم مشرکین کو (اپنی طاقت) دکھانے کے لئے رمل کرتے تھے اور اب اللہ مشرکین کو ہلاک کر چکا ہے' پھر کہا جس فعل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے ہم اس کو ترک کرنا نہیں چاہتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۱۰' ۱۶۰۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۱۸)

عبید بن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ آپ (کعبہ کے

ارکان میں سے) صرف حجر اسود اور رکن یمانی کی تعظیم کرتے اور باقی ارکان کی تعظیم نہیں کرتے؟ حضرت ابن عمر نے جواب دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ان ہی دو رکنوں کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھا ہے (کعبہ کے ارکان سے مراد خانہ کعبہ کے چار کونے ہیں پہلے دو کونوں کو حجر اسود اور رکن یمانی کہتے ہیں اور حطیم کی جانب پچھلے دو کونوں کو رکن عراقی اور رکن شامی کہتے ہیں)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٦٦' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١١٨٧' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ١٧٧٢' سنن النسائی رقم الحدیث: ١١٧' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٦٢٦)

حج میں احرام باندھنا حضرت ابراہیم کی سنت ہے لیکن احرام میں جو کام منع ہیں اور جو جائز ہیں یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کئے ہیں اور یہ آپ کی شریعت ہے' احرام باندھنے کے لئے جو مختلف میقات ہیں یہ آپ نے بیان فرمائے ہیں اور یہ آپ کی شریعت ہے' نفس طواف حضرت ابراہیم کی سنت ہے اور طواف قدوم' طواف زیارت اور طواف وداع کا تعین یہ آپ کی شریعت ہے' جس طواف کے بعد سعی ہو اس میں رمل کرنا یہ آپ کی شریعت ہے' مقام ابراہیم پر نماز پڑھنا یہ آپ کی شریعت ہے' رمی' ذبح اور حلق کی ترتیب یہ آپ کی سنت ہے' حج افراد' حج تمتع اور حج قران کا تعین یہ آپ کی شریعت ہے اور جنایات میں دم دینے کا تعین بھی آپ نے کیا ہے۔

نفس قربانی حضرت ابراہیم یا حضرت اسماعیل کی سنت ہے قربانی کے جانوروں کی اصناف اونٹ' گائے اور بکری کا تعین یہ آپ کی شریعت ہے' اونٹ اور گائے میں سات آدمیوں کی شرکت یہ آپ کی شریعت ہے' ان جانوروں کی کیا عمریں ہونی چاہئیں اور کن عیوب سے ان کو خالی ہونا چاہئے یہ آپ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ آپ کی شریعت ہے' قربانی کرنا نماز عید کے بعد معتبر ہے نماز عید سے پہلے قربانی کرنا معتبر نہیں ہے یہ آپ کا ارشاد ہے اور یہ آپ کی شریعت ہے۔

غرض مناسک حج اور قربانی میں نفس حج اور نفس قربانی تو ملت ابراہیم ہے لیکن اس کی تمام تفصیلات اور تمام جزئیات آپ نے بیان فرمائی ہیں حج کے فرائض' واجبات' آداب اور ممنوعات اور ممنوعات کے ارتکاب پر دم اور تاوان کا تعین یہ سب آپ نے کیا ہے اور یہ تمام امور آپ کی شریعت ہیں اور ہم تو کہتے ہیں کہ حج اور قربانی کو اور طہارت کی سنتوں کو بھی ہم اس نیت سے کرتے ہیں کہ یہ کام آپ نے کئے ہیں خواہ آپ نے حضرت ابراہیم کی سنت اور ملت کی وجہ سے حج کیا ہو اور قربانی کی ہو لیکن ہم اس لئے حج کرتے ہیں کہ آپ نے حج کیا ہے اور اس لئے قربانی کرتے ہیں کہ آپ نے قربانی کی ہے' یہ درست ہے کہ ہم کو ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم ہے لیکن ہم ملت ابراہیم کی پیروی شریعت محمد میں کرتے ہیں۔

اس امت کا نام امت مسلمہ اللہ نے رکھا ہے یا حضرت ابراہیم نے!

نیز اس آیت میں فرمایا اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس میں۔

اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے تمہارا نام مسلمان رکھا کیونکہ ہر نبی کی دعا مقبول ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ: ١٢٨)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنے لئے مسلمان (اطاعت گزار) رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت کو مسلمان رکھ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو امت مسلمہ بنا دیا۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ یہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام امت مسلمہ رکھا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ' مجاہد اور ضحاک کا قول یہ ہے کہ اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔
(جامع البیان جز ۱۷ص ۲۷۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)
ابن زید نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابراہیم نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے' امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ ابن زید کا قول بلا دلیل ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا نام قرآن میں مسلمین نہیں رکھا' کیونکہ قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت عرصہ بعد نازل ہوا ہے۔ (جامع البیان جز ۱۷ص ۲۷۲-۲۷۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر علامہ آلوسی کے اعتراضات

اس کے بعد الحج: ۷۸ میں فرمایا تا کہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔
علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن نبیوں کو اور ان کی امتوں کو لایا جائے گا پھر انبیاء علیہم السلام سے سوال کیا جائے گا کیا آپ لوگوں نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی وہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے تبلیغ کی تھی' ان کی امتیں اس کا انکار کریں گی پھر اس امت کو لایا جائے گا اور وہ گواہی دیں گے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی ان سے کہا جائے گا تم کو اس کا کیسے پتا چلا وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے ہم کو اس کی اپنی کتاب میں خبر دی ہے۔
یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ شہادت دیں گے کہ فلاں شخص نے اطاعت کی ہے اور فلاں شخص نے معصیت کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی اطاعت اور معصیت کا ان علامات سے پتا چلے گا جو اللہ تعالیٰ اس دن نیکوں اور گناہ گاروں میں نیکی اور گناہ کی علامت رکھے گا اور آپ اس علامت سے پہچان لیں گے اور اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کی اطاعت اور معصیت کی گواہی دینا صحیح ہو گا۔
اور یہ جو بعض احادیث میں ہے کہ برزخ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ہر ہفتہ یا اس سے کم دن میں امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں یہ احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو یہ علم قطعی اور یقین کا فائدہ نہیں دیتیں اور شہادت کے لئے علم قطعی اور یقین کی ضرورت ہے' اور ان احادیث پر یہ اشکال بھی ہے کہ مسند احمد اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے پاس حوض پر میرے اصحاب آئیں گے حتیٰ کہ جب میں ان کو دیکھ لوں گا اور پہچان لوں گا تو میں کہوں گا میرے اصحاب! میرے اصحاب! تو مجھ سے کہا جائے گا آپ اپنی عقل اور قیاس سے نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا بدعتیں نکالیں اور نئے کام کئے۔ امت کے اعمال پیش کئے جانے والی احادیث اگر صحیح ہوں تو خواہ وہ یقین اور علم قطعی کا فائدہ دیں یا نہ دیں اس حدیث سے ان پر اشکال ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو دیکھا اس وقت آپ کے ذہن میں یہ متحضر نہیں تھا کہ یہ لوگ دین میں کیا بدعات نکال چکے ہیں یعنی اس طرف آپ متوجہ نہیں تھے اس سے آپ کے علم کی نفی نہیں ہوتی اور یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں ہے کہ آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں' اور چونکہ آپ کی توجہ ان کی بدعات کی طرف نہیں تھی اس لئے آپ نے وہ فرمایا جو فرمایا۔
اور یہ جو فرشتوں نے کہا آپ اپنی عقل سے نہیں جانتے اس سے آپ کی وفات کے بعد بدعات کے ارتکاب کے جرم کی سنگینی مراد ہے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کو علم نہیں ہے' جو شخص آپ کی وفات کے بعد نیکی کرتے ہوئے مرا یا جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں گناہ کرتا ہوا مرا اس کے اعمال آپ کے سامنے پیش کئے جانے کا کسی حدیث میں ذکر نہیں ہے اور یہ کہنا

کہ ایسے شخص کا وجود نہیں ہے بہت بعید ہے اور جس نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے اعمال کا علم ہے اور آپ ہر شخص کو جانتے ہیں خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اطاعت یا معصیت کے متعلق قیامت کے دن گواہی دیں گے اس کے اس قول پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اس آیت سے استدلال کرنے میں یہی بحث ہو گی۔ علاوہ ازیں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی' وہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم اور شمول کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔ (روح المعانی جز ۱۷ ص ۳۱۲۔ ۳۱۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی کے اعتراضات کے جوابات اور آپ کے علم کے عموم کا دفاع

علامہ آلوسی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ آیت اس باب میں قطعاً نص صریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے اوپر شاہد اور گواہ ہیں' اور شہادت میں اصل یہ ہے کہ واقعہ کا مشاہدہ کر کے گواہی دی جائے اور بغیر علم کے گواہی دینا جائز نہیں ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے اعمال پر شاہد اور گواہ ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ کو تمام مسلمانوں کے اعمال کا علم ہو' اور اگر کچھ روایات اس کے خلاف ہیں تو اگر ان کی توجیہہ ممکن ہو تو ان کی توجیہ کی جائے گی ورنہ اس نص قطعی کے مقابلہ میں ان روایات کو ترک کر دیا جائے گا' اس بحث میں پہلے ہم مستند تفاسیر کے حوالوں سے یہ بیان کریں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام امت کے اعمال پر شاہد ہیں پھر اس کی تائید میں احادیث کا ذکر کریں گے اور خود علامہ آلوسی کی عبارت سے آپ کے علم کا عموم بیان کریں گے اور آخر میں ان روایات کا محمل بیان کریں گے جن کو علامہ آلوسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم کے خلاف سمجھا ہے۔ فنقول وباللہ التوفیق:

مشہور مفسر قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۲ھ اس اشکال کا جواب دیتے ہیں کہ جب شہادت کے بعد علیٰ کا ذکر ہو تو اس کا معنی عربی قواعد کے مطابق کسی کے خلاف گواہی دینا ہوتا ہے اور یہاں مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے حق میں ان کے نیک ہونے اور ان کی شہادت کے صادق اور برحق ہونے کی شہادت دیں' پس قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

اس آیت میں شہید کا لفظ رقیب اور مھیمن (نگہبان) کے معنی کو متضمن ہے اور علیٰ کا لفظ شہادت کا صلہ نہیں ہے بلکہ رقیب کا صلہ ہے اور اس کا معنی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر نگہبان اور ان کے احوال پر مطلع ہیں۔

علامہ احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ قاضی بیضاوی کی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب شہادت کا صلہ علیٰ ہو تو اس کا معنی کسی کے خلاف شہادت دینا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت امت کے حق میں ہو گی' کیونکہ آپ ان کی شہادت کا تزکیہ کریں گے یعنی ان کی شہادت کو برحق قرار دیں گے' علامہ بیضاوی نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہاں شہید کا لفظ رقیب اور مھیمن کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ جو شخص کسی کا تزکیہ کرتا ہے وہ اس کے احوال کو جاننے والا ہوتا ہے۔ (عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی ج ۶ ص ۴۱۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی تمہارے رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں کیونکہ وہ نور نبوت سے ہر دین دار کے دین پر مطلع ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے' اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے' جس حجاب کی وجہ سے وہ دین میں ترقی نہ کر سکا وہ کون سا ہے پس وہ تمہارے گناہوں اور ایمان کے درجات اور تمہارے اچھے اور برے اعمال اور اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں' اس لئے امت کے دنیاوی امور میں آپ کی گواہی بہ حق شرع مقبول اور واجب العمل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے زمانہ کے حاضرین

مثلاً اصحاب و ازواج و اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین یا غائبین مثلاً اویس و مہدی اور مقتول دجال کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں یا اپنے زمانہ کے حاضر و غائب لوگوں کے عیوب و قبائح بیان فرمائے ہیں ان پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اسی قبیل سے ہے جو روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اپنی امت کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے کہ فلاں آج یہ کرتا ہے اور فلاں یہ تا کہ قیامت کے دن ان پر گواہی دے سکیں۔ (تفسیر عزیزی (فارسی) ج ا ص ٦٣٦ مطبوعہ ہند)

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ اور مستند اور مسلم مفسرین نے جو اس کی تفسیر کی ہے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ایمان اور اس کے درجات کا اور ان کے اعمال کا علم ہو گا' اس کے علاوہ بہ کثرت احادیث میں بھی اس پر دلیل ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن نوح کو بلایا جائے گا وہ کہیں گے اے میرے رب! میں حاضر ہوں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے تبلیغ کی تھی وہ کہیں گے ہاں' پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا آیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی' وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا' پھر اللہ تعالیٰ نوح سے فرمائے گا تمہارے حق میں کون گواہی دے گا وہ کہیں گے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی امت' پھر وہ گواہی دیں گے کہ نوح نے تبلیغ کی تھی' اور اس کی تصدیق اس آیت میں ہے: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ١٤٣)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٤٨٧' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٩٦١' صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٢٨٤' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١١ ص ٤٥٤' مسند احمد ج ٣ ص ٩' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ١١٧٣' کتاب الاسماء والصفات ص ٢١٦)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے گئے' نیک اور بد' میں نے نیک اعمال میں یہ (عمل) پایا کہ راستہ سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دی جائے اور برے اعمال میں یہ پایا کہ مسجد میں ناک کی رینٹ ڈال دی جائے اور اس کو دفن نہ کیا جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٥٥٣' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٦٨٣' مسند احمد ج ٥ ص ١٨٠' ١٧٨' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ١٣٠٨)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب اللہ اپنے بندوں میں سے کسی امت پر رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس امت سے پہلے اس کے نبی کی روح کو قبض فرما لیتا ہے اور اس کو ان کے لئے صالح پیش رو اور ان کی خیر اور فلاح کا منتظم بنا دیتا ہے اور وہ ان کے حق میں نیکی کی گواہی دیتا ہے' اور جب اللہ کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو نبی کی زندگی میں اس امت کو عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے' اور اس کو ہلاک کر کے نبی کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہے' کیونکہ انہوں نے نبی کی تکذیب کی تھی اور اس کی نافرمانی کی تھی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٢٨٨' المسند الجامع رقم الحدیث: ٨٩٢٨' البدایہ والنہایہ ج ٤ ص ٢٥٧-٢٥٦)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے' تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لئے احادیث بیان کی جاتی ہیں اور میری وفات (بھی) تمہارے لئے بہتر ہے' تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں میں جو نیک عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور میں جو برا عمل دیکھتا ہوں اس پر تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ٢ ص ١٤٩' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٨ھ' مسند البزار رقم الحدیث: ٨٤٥' الوفاء ص ٨١٠' مجمع الزوائد ج ٩ ص ٢٤'

البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۲۷۷۱)

ان کے علاوہ بعض دیگر احادیث میں ایسے واقعات مذکور ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو امت کے احوال اور اعمال کا علم ہوتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے باغات میں سے ایک باغ میں گزرے' آپ نے دو ایسے انسانوں کی آواز سنی جن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جارہا تھا آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جارہا جس سے بچنا بہت دشوار ہو' پھر فرمایا کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا' پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگائی پھر اس کے دو ٹکڑے کیئے اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا نصب کر دیا' آپ سے کہا گیا: یارسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷)

ان احادیث کے علاوہ اور صحاح ستہ میں بہت احادیث ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم اور شمول پر دلالت کرتی ہیں' ان میں سے بعض احادیث یہ ہیں:

(۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو امور پیش ہونے والے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب امور بیان کر دیئے جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا' اور میرے ان اصحاب کو ان کا علم ہے' ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں' جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴' صحیح مسلم الجنۃ ۲۳ (۲۸۹۱) ۷۱۳۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰' جامع الاصول ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۸۲)

(۲) حضرت ابو زید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے' پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی' آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی' پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' پھر آپ نے ہمیں ما کان و ما یکون (جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے) کی خبریں دیں' پس ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔

(صحیح مسلم الجنۃ: ۲۶ (۲۸۹۲) ۷۱۳۴' مسند احمد ج ۳' ص ۳۱۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۲۹' البدایہ والنہایہ ج ۶' ص ۱۹۲' جامع الاصول ج ۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۸۵' الاحاد والمثانی ج ۴' رقم الحدیث: ۲۱۸۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶' ص ۳۱۳)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں مخلوق کی ابتداء سے خبریں دینی شروع کیں' حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے' جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲' امام احمد نے اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۱۴۰' طبع دارالحدیث' قاہرہ)

امام ترمذی نے کہا اس باب میں حضرت حذیفہ' حضرت ابو مریم' حضرت زید بن اخطب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ سے احادیث مروی ہیں' انہوں نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قیامت تک تمام ہونے والے امور بیان کر دیئے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں چھوڑا کہ فضا میں جو بھی اپنے پروں سے اڑنے والا پرندہ تھا آپ نے ہمیں اس سے متعلق علم کا ذکر کیا۔
(مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۴۵۸' مطبوعہ قاہرہ' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۶۴۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۴۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۶۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۴' مسند ابویعلیٰ' رقم الحدیث: ۵۱۰۹)

ہم نے یہ کہا تھا کہ علامہ آلوسی نے خود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم کی تصریح کی ہے ان کی وہ عبارت یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انزلہ بعلمہ (النساء: ۱۶۶) اس کی تفسیر میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اپنے علم کے ساتھ نازل کیا یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے اس علم محیط کے ساتھ مقارن ہے جس سے آسمانوں اور زمینوں کا ایک ذرہ بھی غائب نہیں ہے اور اس جگہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ما کان اور ما یکون (جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا) کو جان لیا۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۳۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

رہا علامہ آلوسی کا یہ اعتراض کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام امت کے احوال کا علم ہے تو قیامت کے دن جب وہ لوگ حوض پر آئیں گے جنہوں نے آپ کے بعد دین میں بدعات نکالی تھیں تو پھر آپ نے ان کو کیوں فرمایا کہ یہ میرے اصحاب ہیں' یہ میرے اصحاب ہیں' حتیٰ کہ آپ سے کہا جائے گا کہ آپ محض اپنی عقل سے نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا بدعات نکالی ہیں پھر آپ فرمائیں گے یہ دور ہوں' یہ دور ہوں' اس کا جواب خود علامہ آلوسی نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث آپ کے علم کی نفی پر دلالت نہیں کرتی' اس کا محمل یہ ہے کہ آپ کا علم اس وقت مستحضر نہیں تھا۔

اور یہی جواب صحیح ہے کیونکہ قیامت کے دن ہر شخص کو علم ہوگا کہ مومن کون ہے اور کافر کون ہے' کیونکہ مومنوں کے چہرے سفید ہوں گے اور کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے' مومنوں کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں ہوگا اور کافروں کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا' کافروں کے چہرے سیاہ تاریک اور مرجھائے ہوئے ہوں گے اور مومنوں کے چہرے خوش' تر و تازہ اور ہنستے ہوئے ہوں گے' اور جو لوگ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے ان نشانیوں سے تو ہر شخص ان کو جان لے گا کہ یہ آپ کے امتی نہیں ہیں تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے یہ علم نہیں ہوگا کہ یہ لوگ آپ کے امتی نہیں ہیں' نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں آئے اور فرمایا: السلام علیکم اے مومنوں کے گھر والو! ہم انشاء اللہ تمہارے ساتھ لاحق ہوں گے' اور میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے! صحابہ نے کہا یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا تم میرے اصحاب ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے' صحابہ نے کہا یارسول اللہ! آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک نہیں آئے' آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر کسی آدمی کے گھوڑے غر محجل (جن کا ماتھا اور ہاتھ پیر سفید ہوں) اور وہ سیاہ گھوڑوں میں مخلوط ہو جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچان لے گا؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں یارسول اللہ! فرمایا میرے امتی بھی قیامت کے دن غر محجل ہوں گے وضو کی وجہ سے ان کا چہرہ اور ہاتھ پیر سفید ہوں گے' اور میں حوض پر ان کا استقبال کروں گا اور سنو! کچھ لوگوں کو حوض سے اس طرح

دور کیا جائے گا جس طرح آوارہ اونٹوں کو دور کیا جاتا ہے میں انہیں آواز دے کر بلاؤں گا ادھر آؤ تو کہا جائے گا انہوں نے آپ کے بعد دین بدل لیا تھا پس میں کہوں گا یہ دور ہوں' دور ہوں۔(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٤٩' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤٣٠٦)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غر محجل کی علامت سے اپنے امتیوں کو دوسروں سے ممتاز کرلیں گے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قیامت دن جو مرتدین آپ کے پاس حوض پر آئیں اور ان میں کافروں کی نشانیوں ہوں گی آپ کو ان کا پتا نہ چلے اور آپ ان کو اپنا امتی سمجھیں جب کہ میدان محشر میں ہر شخص کو ان نشانیوں سے پتا چل جائے گا کہ یہ آپ کے امتی نہیں ہیں' اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کو ان کا علم نہ ہو جب کہ آپ کو دنیا میں بھی علم ہے کہ کچھ مرتدین آپ کے پاس حوض پر آئیں گے اور ان کو حوض سے دور کیا جائے گا' یہ اور بات ہے کہ اللہ اپنی کسی حکمت کو پورا فرمانے کے لئے وقتی طور پر آپ کی توجہ ہٹا دے اور آپ انہیں میرے صحابی' میرے صحابی فرمائیں اور توجہ دلانے پر پھر فرمائیں یہ دور ہوں' یہ دور ہوں۔

رہا علامہ آلوسی کا دوسرا اعتراض کہ حضرت عائشہ پر جب منافقین نے بری بات کی تہمت لگائی اور آپ نے اس کا رد نہیں کیا تو یہ بھی آپ کے علم کے عموم کے خلاف ہے اکثر منکرین علوم نبوت یہی اعتراض کرتے ہیں اور ہمارے علماء نے اس کا بارہا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی اور پاکیزگی کا علم تھا لیکن آپ نے ان کی برأت کا اس لئے اعلان نہیں فرمایا کہ آپ کو علم تھا کہ خود خالق کائنات حضرت عائشہ کی برأت کے سلسلہ میں قرآن مجید میں سورہ نور کی دس آیتیں نازل فرمانے والا ہے۔ صحیح بخاری میں ایک بہت طویل حدیث ہے اس کی بعض سطریں یہ ہیں:

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على المنبر يا معشر المسلمين من يعذرني من رجل قد بلغني اذاه في اهل بيتي فوالله ماعلمت على اهلي الاخيرا ولقد ذكروا رجلا ماعلمت عليه الاخيرا وماكان يدخل على اهلي الامعي- الحديث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا اے مسلمانو! تم میں سے کون شخص میرا اس شخص سے دفاع کرے گا جس نے میری اہلیہ کے متعلق مجھے اذیت پہنچائی ہے' پس اللہ کی قسم مجھے اپنی اہلیہ کے متعلق سوا نیکی کے اور کسی چیز کا علم نہیں ہے اور انہوں نے جس شخص کے متعلق تہمت لگائی ہے اس کے متعلق بھی مجھے نیکی کے سوا اور کسی چیز کا علم نہیں ہے اور وہ شخص جب بھی میری اہلیہ کے پاس گیا میں اس کے ساتھ تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧٥٠' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢١٣٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٣٤٧' ١٩٧٠' مسند احمد رقم الحدیث: ٢٥٣٧١)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صراحت کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول وحی سے پہلے حضرت عائشہ کی پاک دامنی کا علم نہیں تھا اور آپ کے علم کے عموم پر اعتراض کرے تو ہم سوا افسوس کے اور کیا کرسکتے ہیں۔

احکام شرعیہ کی تعداد' ان کی تعریفات اور ان کی مثالیں

(الحج: ٧٨ کے آخر میں فرمایا: پس تم نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو' اور اس آیت کے شروع میں فرمایا تھا اور اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے' اور ہم نے شروع میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا تھا کہ اس سے مراد جہاد بالنفس ہے اور جہاد بالنفس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نفس پر قہر کر کے عبادات کو انجام دینا اور معاصی کو ترک کرنا' سو تمام احکام شرعیہ جہاد بالنفس میں آ گئے نماز اور زکوۃ کا حکم بھی جہاد بالنفس میں آ گیا تھا لیکن ان کی اہمیت کی وجہ سے ان کا علیحدہ ذکر فرمایا' اس مناسبت سے ہم یہاں پر احکام شرعیہ کی تعداد' ان کی تعریفات اور ان کی مثالیں لکھ دینا چاہتے ہیں فنقول

وبا للہ التوفیق۔

کل احکام شرعیہ گیارہ ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت مؤکدہ (۴) سنت غیر مؤکدہ (۵) مستحب (۶) حرام (۷) مکروہ تحریمی (۸) اساءت (۹) مکروہ تنزیہی (۱۰) خلاف اولیٰ (۱۱) مباح۔

فرض کی تحقیق

فرض: وہ کام جس کا کرنا ضروری ہو اور اس کا ترک کرنا لازماً منع ہو اس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور اس کے فعل کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہو اس کا انکار کفر ہو اور اس کا ترک کرنے والا عذاب کا مستحق ہو خواہ دائماً ترک کیا جائے یا احیاناً (کبھی کبھی) (محصلہ ردالمحتار ج ۱ ص ۱۸۶) اس کی مثال ہے نماز' زکوٰۃ' رمضان کے روزے اور بہ شرط استطاعت حج کرنا۔

نماز اور زکوٰۃ کا ثبوت قطعی ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' اور قرآن مجید قطعی الثبوت ہے اور اس کی لزوم پر دلالت بھی قطعی ہے کیونکہ نماز اور زکوٰۃ کا تارک عذاب کا مستحق ہے۔

اِلَّآ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ ○ فِیۡ جَنّٰتٍ ۟ؕ یَتَسَآءَلُوۡنَ ○ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ○ مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ ○ قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ ○ وَ لَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ ○ (المدثر: ۴۴-۳۹)

جن کی دائیں ہاتھوں میں نوشتہ اعمال ہوگا۔ وہ جنتوں میں بیٹھے سوال کر رہے ہوں گے۔ مجرمین سے تم کو کس عمل نے دوزخ میں داخل کر دیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔ اور ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

واجب کی تحقیق

واجب: جس کا کرنا ضروری ہو اور اس کا ترک کرنا لازماً منع ہو اور ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز ظنی ہو یعنی اس کا ثبوت قطعی ہو اور لزوم پر دلالت ظنی ہو یا ثبوت ظنی ہو اور لزوم پر دلالت قطعی ہو' اور اس کا انکار کفر نہ ہو اور اس کا ترک کرنے والا عذاب کا مستحق ہو خواہ دائماً ترک کرے یا احیاناً۔ (محصلہ ردالمحتار ج ۱ ص ۱۸۷)

جس واجب کا ثبوت قطعی اور لزوم پر دلالت ظنی ہو جیسے جماعت سے نماز پڑھنے کے وجوب پر یہ آیت دلالت کرتی ہے:

وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ (البقرہ: ۴۳) اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو' اس کا ثبوت قطعی ہے کیونکہ قرآن مجید کی یہ آیت قطعی ہے اور اس کی لزوم پر دلالت ظنی ہے کیونکہ رکوع کا معنی نماز پڑھنا بھی ہے اور رکوع کا معنی اللہ سے ڈرنا اور خشوع بھی ہے۔

اور جس واجب کا ثبوت ظنی ہو اور لزوم پر دلالت قطعی ہو جیسے نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے لیکن اس کا ثبوت ظنی ہے کیونکہ اس کا ثبوت اس حدیث سے ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۲۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳۷) تاہم یہ حدیث خبر واحد ہے اور اس کا ثبوت ظنی ہے لیکن اس کا لزوم قطعی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورہ فاتحہ کو پڑھے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

واجب کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ جس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت دائماً کیا ہو اور اس کے تارک پر آپ نے انکار کیا ہو یا اس کے ترک پر وعید فرمائی ہو' (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۷' فتح القدیر ج ۲ ص ۳۹ بیروت) اس کی مثال بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ہے کیونکہ آپ نے بطور عبادت ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور اس کے ترک پر انکار اور وعید فرمائی

ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم دوں' پھر نماز کا حکم دوں اس کے لیے اذان دی جائے' پھر کسی شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں' پھر یہ دیکھوں جو نماز پڑھنے نہیں آئے تو میں ان کے اوپر ان کے گھروں کو جلا ڈالوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۱)

اس کی دوسری مثال ہے کہ نفس ڈاڑھی رکھنا واجب ہے آپ نے ہمیشہ ڈاڑھی رکھی اور ڈاڑھی منڈوانے پر انکار فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مجوسی آیا اس نے اپنی ڈاڑھی مونڈی ہوئی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ ہمارے دین میں ہے آپ نے فرمایا ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کم کریں اور ڈاڑھی بڑھائیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۷۹' مطبوعہ کراچی' ۱۴۰۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی منڈوانے پر انکار فرمایا ہے' قبضہ سے کم مقدار ڈاڑھی رکھنے پر انکار نہیں فرمایا اس لئے قبضہ تک ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں ہے لیکن اتنی ڈاڑھی رکھنا ضروری ہے جس پر بغیر کسی قید کے ڈاڑھی کا اطلاق ہو سکے' خشخشی ڈاڑھی رکھنے یا فرنچ کٹ ڈاڑھی رکھنے سے ڈاڑھی رکھنے کے حکم پر عمل نہیں ہوتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دراز گردن تھے اور آپ کی ڈاڑھی مبارک سینہ کے ابتدائی حصہ کو بھر لیتی تھی اس لئے آپ کی سنت صرف قبضہ تک ڈاڑھی رکھنا نہیں ہے بلکہ قبضہ سے زائد ہے یا ڈیڑھ یا دو قبضہ کے برابر' پس آپ کی محبت اور سنت کا تقاضا یہ ہے کہ قبضہ سے زائد ڈاڑھی رکھی جائے اور فقہاء کی عبارات میں جو مذکور ہے کہ قبضہ بھر ڈاڑھی سنت ہے اس سے مراد آپ کی سنت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے ڈاڑھی کا معروف طریقہ اور مسلمانوں کا چلن۔

سنت مؤکدہ کی تحقیق

جس فعل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت دائماً کیا ہو اور اس کو ترک کرنے پر انکار نہ فرمایا ہو یا آپ نے اس فعل کو اکثر اوقات بطور عبادت کیا ہو' اس کا ترک اساءت ہے یعنی برا کام' جو شخص سنت مؤکدہ کو دائماً ترک کرے وہ مستحق عذاب ہے اور جو اس کو احیاناً ترک کرے وہ مستحق ملامت ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ شمنی نے سنت کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت ہو اور وہ کام واجب یا مستحب نہ ہو' لیکن یہ مطلق سنت کی تعریف ہے اور سنت مؤکدہ کی یہ شرط ہے کہ آپ نے اس پر دوام کیا ہو اور کبھی ترک بھی کیا ہو خواہ ترک حکماً ہو۔ (درمختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۱۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جس فعل پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے بعد خلفاء راشدین نے دائماً عمل کیا ہو اور اس کو ترک کرنے سے منع نہ فرمایا ہو وہ سنت مؤکدہ ہے ورنہ وہ مستحب اور نفل ہے' اور سنت کی دو قسمیں ہیں ایک سنت الہدیٰ ہے اس کا ترک کراہیت اور اساءت کو واجب کرتا ہے جیسے جماعت' اذان اور اقامت اور دوسری سنۃ الزوائد ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لباس پہننے' کھڑے ہونے اور بیٹھنے میں سیرت' اس کا ترک مکروہ نہیں ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۹۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سنت مؤکدہ کی مثال صبح و شام کے فرائض کے ساتھ بارہ رکعات نمازیں ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ایک دن اور رات میں بارہ رکعات نمازیں پڑھیں اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا' چار رکعات ظہر سے پہلے' دو رکعت ظہر کے بعد' دو رکعت مغرب کے بعد' دو رکعت عشاء کے بعد اور دو رکعت صلاۃ فجر سے پہلے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۱۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۷۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۴۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۰۳' مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۴۳۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۱۲۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۴۵۱' المستدرک ج ۱ ص ۳۱۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۷۳)

علامہ ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں: جمعہ سے پہلے چار رکعات اور جمعہ کے بعد چار رکعت بھی سنت مؤکدہ ہیں۔ (غنیۃ المستملی ص ۳۸۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور) جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار رکعت پڑھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۳۲)

اور جمعہ سے پہلے چار رکعت پر دلیل یہ حدیث ہے:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے' ابواسحاق نے کہا کہ حضرت علی جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۴۷' طبع بیروت' ۱۳۹۰ھ)

چار رکعت سنت مؤکدہ میں پہلے قعدہ میں صرف تشہد پڑھے اور تیسری رکعت کے شروع میں ثناء نہ پڑھے اور آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود اور دعا بھی پڑھے۔ (مراقی الفلاح ص ۳۹۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ کمال الدین عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص ان سنتوں کا استخفاف کرے اور کہے کہ میں یہ نہیں پڑھتا تو اس کی تکفیر کی جائے گی' نوازل میں مذکور ہے جو شخص پانچ نمازوں کی سنتیں نہ پڑھے اور ان کو حق نہ جانے اس کی تکفیر کی جائے گی اور اگر کوئی شخص ان سنتوں کو برحق جانے اور نہ پڑھے تو ایک قول ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ وہ گناہ گار ہوگا کیونکہ اس کے ترک پر وعید ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

البحر الرائق میں ہے کہ سنت مؤکدہ کے ترک پر ملامت ہے عذاب نہیں ہے۔ لیکن تلویح میں ہے کہ سنت مؤکدہ کا ترک حرام کے قریب ہے' اس سے وہ شفاعت سے محرومی کا مستحق ہوگا کیونکہ حدیث میں ہے جس نے میری سنت کو ترک کیا وہ میری شفاعت کو نہیں پائے گا' اور ابن ہمام کی تحریر میں مذکور ہے ان سنتوں کا تارک گمراہ قرار دیئے جانے اور ملامت کا مستحق ہے' اور ترک سے مراد یہ ہے کہ جو بلا عذر ترک کرے اور اس ترک پر اصرار کرے جیسا کہ تحریر کی شرح میں ابن امیر الحاج نے لکھا ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۹۸-۱۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سنت غیر مؤکدہ کی تحقیق

سنت غیر مؤکدہ جس فعل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات کیا ہو' اس کو دائماً ترک کرنے پر ملامت کا استحقاق ہے اور احیاناً ترک کرنے پر ملامت نہیں ہے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

سنت وہ ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائمی عمل کیا ہو' لیکن اگر اس کو کبھی ترک نہ کیا ہو تو وہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر

اس کو کبھی کبھی ترک بھی کیا ہو تو وہ سنت غیر مؤکدہ ہے اور اگر آپ نے اس پر دائمی عمل کیا ہو اور ترک کرنے والے پر انکار بھی کیا ہو تو وہ وجوب کی دلیل ہے۔ (ردالمحتار ج ص ۱۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

سنت غیر مؤکدہ کی مثال عصر سے پہلے چار رکعت ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۷۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۰ مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۷ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۴۵۳)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ ھ نے لکھا ہے کہ عشاء سے پہلے چار رکعت میں کوئی خصوصی حدیث نہیں ہے اس لئے ان کو مستحب لکھا ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۵۰ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

علامہ طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ نے لکھا ہے کہ چار رکعت سنت غیر مؤکدہ کے ہر دوگانہ کی ابتداء میں ثناء بسم اللہ اعوذ باللہ اور تشہد کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھی جائے گی۔

(مراقی الفلاح علی نور الایضاح ص ۳۹۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

مستحب کی تحقیق

مستحب: یہ وہ فعل ہے جس کا ثبوت بھی ظنی ہو اور اس کی دلالت بھی ظنی ہو جیسے وضو میں دائیں عضو کو پہلے دھونا وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسجد میں جاتے وقت پہلے دایاں پیر داخل کرنا اور آتے وقت بایاں پیر پہلے باہر نکالنا چاشت اور اشراق کے نوافل ہر وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا اور تحیۃ المسجد پڑھنا وغیرہ اس کا فعل موجب ثواب ہے اور اس کے ترک پر عذاب ہے نہ ملامت خواہ دائماً ترک ہو یا احیاناً (محصلہ ردالمحتار ج ۱ ص ۱۸۶) حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو دائیں اعضاء سے ابتداء کو پسند فرماتے تھے اور جب کنگھی کرتے تو دائیں جانب سے کنگھی کی ابتداء پسند فرماتے اور جب جوتی پہنتے تو دائیں پیر سے ابتداء کو پسند فرماتے دوسری روایت میں ہے کہ آپ تمام کاموں میں دائیں جانب سے ابتداء کو پسند فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۴۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۰۸ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مستحب کام کو لازم نہیں کر لینا چاہئے اور جو مستحب کام کو نہ کرے اس کو ملامت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ مستحب کام کو لازم کر لینا اور اس کے ترک پر ملامت کرنا اس مستحب کو واجب بنا دینا ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو بدلنا ہے اور احداث فی الدین ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے اور یہ نہ سمجھے کہ اس پر واجب ہے کہ وہ نماز پوری کرنے کے بعد دائیں طرف ہی مڑ کر بیٹھے گا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی بار بائیں طرف بھی مڑ کر بیٹھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۵۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۲ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۵۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۳۰)

نماز سے فارغ ہو کر دائیں طرف مڑ کر بیٹھنا مستحب ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کو لازم سمجھ لیتا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کی مذمت فرمائی ہے۔ اسی طرح عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے لیکن اس کو لازم سمجھنا بدعت سیئہ ہے اور

واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سیاہ رنگ کا عمامہ ہے۔

حرام کی تحقیق

حرام: وہ کام جس کا ترک کرنا ضروری ہو اور اس کو کرنا لازماً ممنوع ہو اس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور اس کی ممانعت کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہو' اس کا انکار کفر ہو اور اس کام کو کرنے والا عذاب کا مستحق ہو خواہ وہ دائماً اس کام کو کرے یا احیاناً' اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔

اس کی مثال ہے یتیم کا مال ظلماً کھانا' اس کی ممانعت بھی قطعی ہے کیونکہ قرآن کریم میں اس کی ممانعت کا ثبوت ہے اور ممانعت کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہے کیونکہ اس کے مرتکب پر عذاب کی وعید ہے' قرآن مجید میں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ (النساء: ۱۰)

بے شک جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے۔

اس کی دوسری مثال ہے زنا کرنا' اس کی ممانعت کا ثبوت قطعی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۷)

اور زنا کے قریب مت جاؤ کیونکہ یہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔

اس کی ممانعت کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور: ۲)

زانیہ عورت اور زانی مرد ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

اور اگر شادی شدہ زنا کریں تو ان کو رجم (سنگسار) کر دیا جائے گا یہ تواتر معنوی سے ثابت ہے اور تواتر بھی دلیل قطعی ہے۔

مکروہ تحریمی کی تحقیق

مکروہ تحریمی: جس کام کو ترک کرنا ضروری ہو اور اس کام کو کرنا لازماً ممنوع ہو اور اس کے کرنے پر عذاب کی وعید ہو اور اس کی ممانعت کے ثبوت یا لزوم پر دلالت دونوں میں سے ایک ظنی ہو اور اس کا انکار کفر نہ ہو اور اس کام کو کرنے والا عذاب اور ملامت کا مستحق ہو خواہ دائماً ترک کرے یا احیاناً تاہم اس کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۳۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر سنت مؤکدہ قویہ ہو (قریب بہ وجوب جیسے نماز فجر کی سنتیں) تو اس کا ترک مکروہ تحریمی ہے اور اگر سنت غیر مؤکدہ ہو تو اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۳۶۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

فقہاء جب مکروہ کا ذکر کریں تو اس کی دلیل میں غور کرنا ضروری ہے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو اور ممانعت کے خلاف پر کوئی قرینہ نہ ہو (مثلاً حضور کا اس کام کو کرنا) تو وہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر کراہت کی دلیل میں کوئی ممانعت نہ ہو بلکہ وہ دلیل اس فعل کو ترک کرنے کی مفید ہو تو وہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹' مطبوعہ کوئٹہ)

اس کی مثال ہے جیسے بغیر عذر کے باجماعت نماز کو ترک کرنا' یا سونے چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنا یا چاندی کے

زیورات پہنا' کیونکہ ان چیزوں کی ممانعت احادیث میں آئی ہے اور وہ اخبار احاد ہیں اور ظنی ہیں:

حضرت ام سلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چاندی کے برتنوں میں پانی پیتا ہے' اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ گڑگڑاتی رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۱۳)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے سے منع فرمایا اور ہم کو ریشم کے کپڑوں کو پہننے اور ان پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۳۱)

اساءت کی تحقیق

اساءت: یہ سنت مؤکدہ کو دائماً ترک کرنا اور اس پر اصرار کرنا ہے اور یا دائماً سنت مؤکدہ کے خلاف کام کرنا ہے' اس پر دوام کرنا موجب استحقاق عذاب ہے اور احیاناً کرنا موجب استحقاق ملامت ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

نماز میں سنت کو ترک کرنا نماز کے فساد یا سجدہ سہو کو واجب نہیں کرتا بلکہ اساءت کو واجب کرتا ہے (اس کے برخلاف فرض کے ترک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور واجب کو ترک کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ شامی) بہ شرطیکہ عمداً سنت کو ترک کیا جائے (اور اگر بغیر عمد کے بھولے سے سنت کو ترک کیا تو پھر یہ اساءت نہیں ہے بلکہ اس صورت میں نماز کو دہرا لینا مستحب ہے۔ (شامی) اور سنت کو ترک کرنے والا سنت کے استخفاف (سنت کو کم یا معمولی چیز سمجھے) کی نیت سے اس کو ترک نہ کرے (اور اگر اس نے سنت کے استخفاف کی نیت سے سنت کو ترک کیا تو اس کی تکفیر کی جائے گی' جیسا کہ النہر الفائق میں مذکور ہے اور فتاویٰ بزازیہ میں مذکور ہے کہ اگر وہ سنت کو حق نہیں سمجھتا تب بھی اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ سنت کو حق نہ سمجھنا بھی سنت کا استخفاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت ان احکام شرعیہ میں سے ایک حکم ہے جن کے مشروع ہونے پر علماء دین کا اتفاق ہے اور جو شخص سنت کو کوئی ثابت چیز نہ سمجھے اور دین میں معتبر نہ سمجھے تو وہ سنت کا استخفاف کرتا ہے اور سنت کا استخفاف اور اس کی توہین کفر ہے۔ شامی) اور فقہاء نے کہا اساءت' کراہت سے کم درجہ کا حکم ہے۔

(الدر المختار و رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

تحقیق یہی ہے کہ اساءت کراہت سے کم ہے یہی التقریر الاکملی میں مذکور ہے' لیکن ابن نجیم نے شرح المنار میں یہ تصریح کی ہے کہ اساءت کراہت سے زیادہ سنگین اور بری چیز ہے' اور تحریر میں مذکور ہے کہ سنت کا تارک اساءت کا مستحق ہے یعنی گم راہ قرار دیئے جانے اور ملامت کا' اور ان عبارات میں اس طرح موافقت ہے کہ تحریر میں' جو مذکور ہے اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے اور شرح المنار میں جو مذکور ہے کہ اساءت کراہت سے زیادہ سنگین اور بری چیز ہے اس سے مراد کراہت تنزیہی ہے' بس اساءت مکروہ تحریمی سے کم درجہ کی چیز ہے اور مکروہ تنزیہی سے بڑے درجہ کی چیز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اصول ابی الیسر میں مذکور ہے کہ سنت پر عمل کرنا مستحب ہے اور اس کے ترک کرنے پر ملامت کی جائے گی اور تھوڑا سا گناہ ہوگا' اسی وجہ سے البحر الرائق میں مذکور ہے کہ فقہاء کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ واجب یا سنت مؤکدہ کے ترک کرنے سے ہوتا ہے' کیونکہ فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ پانچ وقت کی نمازوں کی سنتوں کو ترک کرنا گناہ ہے اور انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ

جماعت کو ترک کرنا گناہ ہے حالانکہ صحیح قول کے مطابق جماعت بھی سنت مؤکدہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض گناہ بعض گناہوں سے زیادہ ہوتے ہیں پس سنت مؤکدہ کے ترک کا گناہ واجب کو ترک کرنے کے گناہ سے کم ہے' اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ بھی سنت مؤکدہ کے ترک کرنے سے گناہ ہوگا' اور شرح التحریر میں یہ لکھا ہے کہ اساءت' سنت مؤکدہ کو بلا عذر دوام اور اصرار کے ساتھ ترک کرنا ہے' اسی طرح الخلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر ایک بار اعضاء وضو کو صرف ایک ایک بار دھویا تو حرج نہیں اور اگر اس کو عادت بنالیا تو گناہ گار ہوگا' اسی طرح الکشف میں مذکور ہے کہ امام محمد نے کہا جو سنت مؤکدہ کے ترک پر اصرار کرے اس سے قتال کیا جائے گا' اور امام ابو یوسف نے کہا اس کو تعزیر دی جائے گی اس سے متعین ہو گیا کہ اساءت کی تعریف میں جو سنت کو ترک کرنا لکھا ہے اس سے مراد سنت مؤکدہ کو دوام اور اصرار کے ساتھ ترک کرنا ہے تاکہ فقہاء کی عبارات میں تطبیق ہو۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۵۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مکروہِ تنزیہی کی تحقیق

مکروہ تنزیہی: یہ وہ کام ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا پھر خود اس کام کو کیا ہو پس منع فرمانا کراہت تنزیہ پر دلالت کرتا ہے اور عمل فرمانا اس کے بیان جواز پر۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پیئے' قتادہ نے پوچھا اور کھڑے ہو کر کھانا' انہوں نے کہا وہ تو اس سے زیادہ برا اور خبیث ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۷۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ڈول سے زمزم کا پانی پلایا اور آپ نے کھڑے ہو کر وہ پانی پیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۸۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۲)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا کیسے مکروہ ہوگا جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل بیان جواز کے لئے ہے اور آپ کا یہ فعل مکروہ نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان کرنا واجب ہے' تو یہ کیسے مکروہ ہوگا' اور یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھویا اور آپ نے اونٹ پر بیٹھ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا' حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ تین تین بار اعضاء وضو کو دھونا اور پیدل چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرنا زیادہ کامل اور زیادہ افضل ہے اور اس کی نظائر بے شمار ہیں' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی ممنوع کام کو کر کے اس کے بیان جواز پر متنبہ کرتے اور دائمی طور پر افضل عمل کو کرتے تھے' اسی طرح آپ اکثر اوقات تین تین بار اعضاء وضو کو دھوتے تھے اور اکثر اوقات بیٹھ کر پانی پیتے تھے' خلاصہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا ہمارے اعتبار سے مکروہ ہے اور آپ کے اعتبار سے مکروہ نہیں ہے بلکہ اس پر آپ کو فرض کا ثواب ملے گا کیونکہ احکام شرعیہ کو بیان کرنا اور امت کے عمل کے لئے نمونہ فراہم کرنا آپ پر فرض ہے۔ (شرح مسلم للنواوی ج ۹ ص ۵۵۳۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ہم نے بیان کیا ہے کہ حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے' اور مکروہِ تنزیہی کا ارتکاب مطلقاً گناہ نہیں ہے نہ ہی کبیرہ نہ صغیرہ' اور جس طرح مستحب کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی اس طرح مکروہِ تنزیہی کے ارتکاب پر بھی ملامت نہیں کی جاتی علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مستحب کا ترک مکروہِ تنزیہی ہے (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۲۳) نیز لکھا

ہے کہ مستحب کے فعل پر ثواب ہوتا ہے اور اس کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی (ردالمحتار ج ۱ص ۲۴۱) خلاصہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی کا گناہ ہونا تو درکنار اس کے ارتکاب پر ملامت بھی نہیں کی جاتی۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

مکروہِ تنزیہی کے ارتکاب پر عتاب نہیں ہوتا اور اس کے ترک پر ثواب ہوتا ہے۔

(تلویح مع التوضیح ج ۱ص ۲۲ مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

مکروہِ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلافِ اولیٰ ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لئے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے اور گناہ میں مبتلا کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہے تو بیان جواز کے کیا معنی؟ پھر یہ اباحت کے ساتھ جمع ہوتا ہے جیسا کہ اشربہ ردالمحتار میں ابوسعود سے ہے اور معصیت اباحت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ص ۴۵۰-۴۴۹، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور، اپریل ۱۹۹۶ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں: مکروہِ تنزیہی اباحت کے ساتھ جمع ہوتا ہے۔ (ردالمحتار ج ۱۰ص ۴۲، طبع ۱۴۱۷ھ)

خلافِ اولیٰ کی تحقیق

خلافِ اولیٰ: یہ وہ کام ہے جس کی ممانعت میں حدیث نہ ہو اور یہ کام مستحب کے خلاف ہو اس کے ترک پر ثواب ہے اور اس کے فعل پر نہ عذاب ہے نہ ملامت، خواہ یہ فعل دائماً کیا جائے یا احیاناً اس میں اور مکروہِ تنزیہی میں خفیف سا فرق ہے، مکروہِ تنزیہی وہ کام ہے جس کی ممانعت حدیث سے ثابت ہو اور خلافِ اولیٰ وہ کام ہے جو مستحب کے خلاف ہو، یا مستحب کام کو ترک کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

البحر الرائق میں یہ تصریح ہے کہ مستحب کے ترک سے کراہت لازم نہیں آتی کیونکہ کراہت تنزیہہ کے ثبوت کے لئے خصوصی دلیل ضروری ہے اور اس کی طرف تحریر ابن ہمام میں اشارہ ہے کہ خلافِ اولیٰ وہ کام ہے جس میں ممانعت کا صیغہ نہ ہو بہ خلاف مکروہِ تنزیہی، اور ظاہر یہ ہے کہ خلافِ اولیٰ عام ہے پس ہر مکروہِ تنزیہی خلافِ اولیٰ ہے لیکن ہر خلافِ اولیٰ مکروہِ تنزیہی نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات خلافِ اولیٰ مکروہِ تنزیہی نہیں ہوتا کیونکہ اس پر خصوصی دلیل نہیں ہوتی جیسے چاشت کی نماز ترک کرنا، اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ مستحب کو ترک کرنا خلافِ اولیٰ کی طرف راجع ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہِ تنزیہی ہو کیونکہ مکروہِ تنزیہی وہ کام ہے جس کی خصوصیت سے ممانعت ہو کیونکہ کراہت ایک حکم شرعی ہے اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ دلیل ضروری ہے۔ (ردالمحتار ج ۲ص ۳۶۷، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ مکروہِ تنزیہی وہ کام ہے جس کی ممانعت حدیث میں وارد ہو اور اس کا بیان جواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہو، جیسے کھڑے ہو کر پانی پینا اور خلافِ اولیٰ وہ کام ہے جو مستحب کے خلاف ہو جیسے مسجد میں پہلے بایاں پیر رکھنا یا جس کام میں مستحب کا ترک ہو جیسے وضو سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھنا۔

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ جب سنت مؤکدہ قویہ ہو (جیسے دو رکعت سنت فجر) تو یہ بعید نہیں ہے کہ اس کا ترک کرنا مکروہِ تحریمی ہو جیسے ترک واجب مکروہِ تحریمی ہے اس کا ترک کرنا بھی مکروہِ تحریمی ہے، اور اگر سنت غیر مؤکدہ ہو تو اس کا ترک کرنا مکروہِ تنزیہی

ہے اور اگر کوئی کام مستحب ہو یا مندوب (مطلوب) ہو یا سنت نہ ہو تو پھر چاہیے کہ اس کا ترک بالکل مکروہ نہ ہو جیسا کہ فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن نماز سے پہلے کچھ نہ کھائے اور قربانی کر کے اس کے گوشت سے کھائے اور اگر اس نے قربانی کے گوشت کے علاوہ کسی اور چیز کو کھالیا تو یہ مکروہ نہیں ہے لہٰذا مستحب کے ترک سے مکروہ کا ثبوت لازم نہیں آتا البتہ اس پر یہ اشکال ہے کہ فقہاء نے یہ کہا ہے کہ مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ترک مستحب خلاف اولیٰ ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

میرے نزدیک اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی کا خلاف اولیٰ کی طرف رجوع کرنا اور چیز ہے اور مکروہِ تنزیہی کا خلاف اولیٰ ہونا ایک الگ چیز ہے اور مجازاً اور توسعاً ایک مقابل کا دوسرے مقابل پر اطلاق ہو جاتا ہے جیسے فرض پر واجب کا اطلاق کر دیتے ہیں اور مکروہِ تحریمی پر حرام کا اطلاق کر دیتے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فرض اور واجب میں اور حرام اور مکروہِ تحریمی میں کوئی فرق نہ ہو اس لئے اگر فقہاء مکروہِ تنزیہی پر خلاف اولیٰ کا اطلاق کر دیتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں کوئی فرق نہ ہو۔

مباح کی تحقیق

ہم نے بیان کیا ہے کہ پانچ ایسے احکام ہیں جن کا تعلق فعل کی طلب کے ساتھ ہے جیسے فرض' واجب' سنت مؤکدہ' سنت غیر مؤکدہ اور مستحب اور پانچ ایسے افعال ہیں جن کا تعلق فعل کی ممانعت کے ساتھ ہے جیسے حرام' مکروہِ تحریمی' اساءت' مکروہِ تنزیہی اور خلاف اولیٰ اور جس حکم کا تعلق فعل کی طلب کے ساتھ ہو اور نہ فعل کی ممانعت کے ساتھ ہو وہ مباح ہے۔

مباح وہ کام ہے جس میں فعل اور ترک فعل دونوں مساوی ہوں اور کسی ایک کی دوسرے پر ترجیح نہ ہو' کبھی کسی کام کا مباح ہونا منصوص ہوتا ہے اور کبھی اس کی اباحت پر صاف تصریح نہیں ہوتی بلکہ جس فعل کی شریعت میں طلب یا ممانعت نہ ہو وہ مباح ہوتا ہے' جن کی اباحت مخصوص ہے ان کی بعض مثالیں یہ ہیں:

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا (النور: ۶۱)

نابینا پر' لنگڑے پر' بیمار پر اور خود تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے آباء کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے کھاؤ یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیوں کے تم مالک ہو' یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ' اور اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ سب مل کر ایک ساتھ کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔

اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ صحابہ کرام جہاد کے لئے جاتے وقت اپنے گھروں کی چابیاں ان معذور لوگوں کو دے جاتے تھے جن کا اس آیت میں ذکر ہے اور انہیں اپنے گھروں کی چیزیں کھانے کی اجازت بھی دے دیتے تھے لیکن یہ معذور صحابہ ان کی اجازت کے باوجود مالکوں کی غیر موجودگی میں ان کی چیزوں کو کھانا گناہ سمجھتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان مذکورہ لوگوں کے لئے اپنے رشتہ داروں کے گھروں سے یا جن گھروں کی چابیاں ان کے پاس ہیں ان گھروں سے کھانے پینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تندرست صحابہ بیمار اور معذور صحابہ کے ساتھ کھانا اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ وہ خود زیادہ کھا لیں گے اور یہ بیمار اور معذور کم کھائیں گے' اس طرح ان کے ساتھ کھانے میں کہیں ان پر ظلم نہ ہو جائے اس طرح خود معذور صحابہ بھی صحت مند صحابہ کے ساتھ کھانا اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ تندرست صحابہ ان کے ساتھ کھانے میں کراہت محسوس کریں گے اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھا سکتے ہیں۔

فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اس آیت میں جو رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت دی ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب وہ عام کھانا ہو اور ان کے کھانے سے اصل مالکوں کو ناگواری نہ ہو اور ان کی طبیعت پر بوجھ نہ ہو' البتہ ایسی لذیذ اور قیمتی چیزیں جو مالکوں نے خصوصیت سے الگ چھپا کر رکھی ہوں تاکہ کسی کی ان پر نظر نہ پڑے ان کو نکال کر کھانا جائز نہیں ہے' اسی طرح دیگر ذخیرہ شدہ چیزیں ان کو بھی استعمال میں لانا جائز نہیں ہے کسی کے فرج سے کچھ نکال کر کھانا اسی حکم میں ہے۔ اور بیٹوں کے گھر باپوں کے اپنے گھر ہیں سو باپوں کا اپنے بیٹوں کے گھر سے کھانا مطلقاً جائز ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے حلال اور پاکیزہ کھانا وہ ہے جس کو تم اپنی کمائی سے کھاؤ اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی میں سے ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٥٢٨' سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٣٥٨' سنن النسائی رقم الحدیث: ٤٤٦٤' ٤٤٦٣' ٤٤٦٢' ٤٤٦١' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٢٩٠' مسند حمیدی رقم الحدیث: ٢٤٦' مسند احمد ج ٦ ص ٣١' سنن الدارمی رقم الحدیث: ٢٥٤٠' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٤٢٥٩' المستدرک ج ٢ ص ٤٦' سنن بیہقی ج ٧ ص ٤٨٠-٤٧٩)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میرا مال بھی ہے اور میری اولاد بھی ہے اور میرا باپ میرا مال کھانا چاہتا ہے' آپ نے فرمایا تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٢٩١' مسند احمد ج ٢ ص ٢١٤' ٢٠٤' ١٧٩)

اباحت کی تصریح کی دوسری مثال یہ آیت ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ: ١٩٨)

(اگر تم سفر حج میں) تجارت کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرہ: ٢٢٩)

اگر تم دونوں (میاں بیوی) کو یہ خطرہ ہو کہ تم اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکو گے تو تم دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ بیوی شوہر سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس کو کچھ دے ڈالے (یعنی خلع کر لے)

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ: ٢٣٤)

پھر جب بیوہ عورتوں کی عدت ختم ہو جائے تو وہ رواج کے مطابق جو اپنی زیب و زینت کریں تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس آیت میں عدت ختم ہونے کے بعد سوگ ختم کرنے اور بیوہ کے عقد ثانی کی اباحت ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ (البقرہ: ٢٣٥)

اگر تم دوران عدت عورتوں سے اشارہ کنایہ سے منگنی کا پیغام دو یا اس کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں جن میں مباح کی تصریح کی گئی ہے ان کے علاوہ قرآن مجید اور احادیث میں اور بہت مثالیں ہیں۔ اور

جن کاموں کی اباحت کی تصریح نہیں ہے وہ اس حدیث سے مستنبط قاعدہ میں داخل ہیں:
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی' پنیر اور جنگلی گدھے کو کھانے کے متعلق سوال کیا گیا' تو آپ نے فرمایا حلال وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا اور جس کے متعلق اللہ نے سکوت فرمایا وہ معاف ہے (یعنی مباح ہے)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۲۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۶۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۲۴' المستدرک ج ۴ ص ۱۱۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۲' المسند الجامع رقم الحدیث: ۴۸۵۵)

اس حدیث سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے' یعنی جب کسی چیز کی ممانعت کی کوئی دلیل نہ ہو تو وہ اپنی اصل کے مطابق مباح ہے' علماء اہل سنت نے میلاد شریف' سوئم' چہلم اور عرس وغیرہ کے جواز پر اسی حدیث اور اسی قاعدہ سے استدلال کیا ہے۔

ہر مباح مستحب کے ضمن میں متحقق ہوگا یا مکروہ کے ضمن میں

مباح کی تعریف اسی طرح کی گئی ہے کہ اس پر کوئی ثواب اور عقاب نہیں لیکن اس کا تعلق بھی نیت کے ساتھ ہے مثلاً رات کو سونا مباح ہے لیکن اگر آدمی اس نیت سے سوئے کہ وہ رات کے دو تہائی حصہ میں سو کر بقیہ ایک تہائی میں تہجد پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرے گا' یا اس نیت سے سوئے کہ دن کو عبادت کی مشقت یا تبلیغ دین اور کتب دینیہ کی تدریس' دینی تصنیف و تالیف سے جو تھکاوٹ ہوتی ہے رات کو آرام کر کے اس تھکاوٹ کو زائل کرے گا تاکہ صبح کو تر و تازہ ہو کر پھر دینی خدمات کرے' یا اپنی اور اہل و عیال کی ضروریات پوری کرنے اور رزق حلال کے لئے کمائی کرنے سے جو تھکاوٹ ہوئی ہے رات کو سو کر اس تھکاوٹ کو دور کرے گا تاکہ صبح پھر تازہ دم ہو کر رزق حلال کی طلب کی جدوجہد میں مصروف ہو' تو اس کا یہ سونا بھی عبادت ہے اور کار ثواب ہے' اور اگر اس نیت سے رات کو آرام کرتا ہے کہ دن بھر گانے بجانے یا ناچنے اور اداکاری اور صداکاری کرنے یا فوٹوگرافری کرنے یا ڈاڑھیاں مونڈنے یا اسمگلنگ کرنے' جعلی ادویات اور نقلی اشیاء فروخت کرنے' ناجائز بھتے جمع کرنے' ڈاکے ڈالنے' لوٹ مار کرنے' قتل و غارت گری کرنے اور تخریب کاری کرنے سے جو تھکاوٹ ہوئی ہے اس کو زائل کر کے صبح پھر نئی توانائی سے ان ناجائز دھندوں پر لگ جائے گا تو اس کا سونا بھی گناہ ہے اور باعث عذاب ہے۔

اسی طرح عمدہ اور لذیذ کھانے کھانا بھی مباح ہے لیکن یہ کھانا اگر اس نیت سے ہو کہ اس کھانے سے جو طاقت حاصل ہوگی اس کو نیک کاموں میں صرف کرے گا تو اس کا کھانا بھی عبادت ہے اور کار ثواب ہے' اور اگر یہ کھانا اس نیت سے ہو کہ اس سے جو طاقت حاصل ہوگی اس کو برائی کے راستہ میں خرچ کرے گا تو اس کا کھانا بھی گناہ ہے اور باعث عذاب ہے' اسی طرح قیمتی اور خوب صورت لباس پہننا مباح ہے لیکن اگر اس نیت سے قیمتی کپڑے پہنے کہ اللہ کی نعمت کا اظہار ہو' لوگ اس کو برے حال میں دیکھتے تو اس کی غیبت اور بدگوئی کرتے وہ اچھے کپڑے پہن کر ان کو غیبت اور بدگوئی سے بچاتا ہے تو اس کا قیمتی اور خوب صورت کپڑے پہننا بھی عبادت ہے' اور اگر وہ قیمتی کپڑے اپنی برتری کے اظہار اور تکبر کرنے اور اترانے کے لئے یا پرائی عورتوں کو لبھانے کے لئے پہنے تو اس کا قیمتی کپڑے پہننا بھی گناہ ہے اور باعث عذاب ہے۔

غرض ہر مباح کام کے دو پہلو ہیں اگر وہ کام نیک نیت سے ہو تو وہ مستحب اور سنت ہے اور اگر وہ مباح کام برائی کی نیت سے ہو تو مکروہ یا حرام ہے' اس لئے محققین نے کہا ہے کہ مباح الگ سے کوئی حکم شرعی نہیں ہے وہ ان ہی دس قسموں میں سے کوئی ایک قسم بن جاتا ہے' اور مومن کامل کا کوئی فعل مباح نہیں ہوتا ہر فعل مستحب یا سنت ہوتا ہے اور فاسق اور بدچلن کا بھی کوئی فعل

مباح نہیں ہوتا اس کا ہر فعل مکروہ یا حرام ہوتا ہے۔

احکام شرعیہ کی تعداد ان کی تعریفات' ان کے احکام' ان کی مثالیں اور ان کے دلائل پر ہم نے بہت مفصل گفتگو کی ہے اور شاید کہ قارئین کرام کو احکام شرعیہ کی اس قدر تفصیل اور تحقیق کسی اور جگہ نہیں مل سکے گی اور یہ بحث ہماری اس تفسیر کے خصائص میں سے ہے' اور میں نے یہ جو کچھ لکھا ہے اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے یہ صرف اور صرف اللہ عزوجل کی توفیق' اس کی ہدایت اور اس کا فضل ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ' عنایت اور آپ کا فیضان ہے۔

سورۃ الحج کا اختتام

۵ جمادی الاولیٰ' ۱۴۲۲ھ / ۲۷ جولائی' ۲۰۰۱ کو سورۃ الحج کی تفسیر شروع کی تھی اور آج ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ / ۲۱ اگست' ۲۰۰۱ء بروز منگل بعد نماز فجر تقریباً ۲۵ دنوں میں اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی۔ فالحمدلله حمد اكثيرا و شكرا جزيلا.

اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے اور بے حساب شکر ہے کہ عموماً جب میں کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے کوئی کتاب کھولتا ہوں تو کتاب کھولتے ہی میرے سامنے مطلوبہ مسئلہ آ جاتا ہے اور جب کسی حدیث کی تلاش میں کسی حدیث کی کتاب کو اٹھاتا ہوں تو کتاب کھولتے ہی وہ حدیث میرے سامنے آ جاتی ہے' بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مجھے کسی حدیث کی تلاش میں بہت محنت کرنی پڑی ہو اور زیادہ وقت لگا ہو' ایک مرتبہ میں ایک حدیث تلاش کر رہا تھا میرے پاس جس قدر کتابیں ہیں سب میں ڈھونڈتا رہا میں بہت دیر کھڑا ہو کر تلاش کرتا رہا اور میری کمر میں سخت درد ہو گیا قریب تھا کہ تکلیف کی شدت سے میرے آنسو نکل آتے اچانک اللہ نے کرم فرمایا اور وہ حدیث میرے سامنے آ گئی ایسے مواقع پر بے اختیار یہ آیت میری زبان پر آتی ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا — اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقت برداشت کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھاتے ہیں۔ (العنکبوت: ۶۹)

یہ لکھنے سے میرا مقصد اپنے کمال کا اظہار نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کا بیان ہے اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا ہے' جو شخص بیماری اور مصائب کے سبب لکھنے پڑھنے سے مایوس ہو چکا تھا کیا اس کے متعلق کوئی سوچ سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل' احسان اور اس کی اعانت اور توفیق کے بغیر شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کی ضخیم مجلدات لکھ سکتا ہے!

آج بھی جب میں اللہ کی نعمتوں اور اپنے گناہوں کے متعلق سوچتا ہوں تو سر ندامت سے جھک جاتا ہے اور پلکوں سے آنسو اُمڈ آتے ہیں' مولیٰ کریم! آپ نے بہت کرم فرمایا ہے کہ یہاں تک تفسیر تبیان القرآن کو مکمل کرا دیا ہے باقی تفسیر کو بھی مکمل فرما دیں! اور اس کو تا قیامت مقبول بنا دیں۔

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين و الصلوٰة و السلام على سيدنا محمد خاتم النبيين شفيع المذنبين قائد الغر المحجلين وعلى اصحابه الكاملين و آله الطيبين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته و علماء ملته وعامة المسلمين اجمعين۔

سُورَةُ المُؤمِنُونَ

(۲۳)

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمده و نصلی ونسلم علی رسوله الکریم

سورۃ المؤمنون

سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ اور اس سورۃ کی فضیلت

اس سورت کا نام المؤمنون ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت المؤمنون کی صفات کے ذکر سے شروع ہوتی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ : (المؤمنون:۱) بے شک ایمان والے کامیاب ہوئے۔

اور حسب ذیل احادیث میں اس سورت کو المؤمنون فرمایا گیا ہے:

حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی آپ نے سورۃ المومنین کو شروع فرمایا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا ذکر آیا یا حضرت عیسیٰ کا ذکر آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانسی اٹھی پھر آپ نے رکوع کر لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۴۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۰۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۲۰)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے منہ سے شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز سنائی دیتی' ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی ہم تھوڑی دیر ٹھہرے رہے' پھر آپ سے وہ کیفیت دور ہو گئی' آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کئے اور دعا کی کہ اللہ! ہمیں زیادہ دے' ہم سے کمی نہ کر' ہمیں عزت دے' ہمیں رسوائی نہ دے' اور ہم کو عطا فرما اور ہم کو محروم نہ کر' ہمیں ترجیح دے' ہم پر ترجیح نہ دے' اور ہم سے راضی ہو اور ہم کو راضی کر دے' پھر آپ نے فرمایا مجھ پر دس آیتیں نازل ہوئی ہیں جس نے ان دس آیتوں کے احکام پر عمل کیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا پھر آپ نے المؤمنون کی ابتدائی دس آیتیں پڑھیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۰۳۸' مسند احمد ج ۱ ص ۳۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۰۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۴۴۸' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۴۶۰' الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۶۳۲' المستدرک ج ۲ ص ۲۹۲' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۷۶' مسند احمد رقم الحدیث ۲۲۳' المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۳۱' دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۵۵' الدر المنثور ج ۵ ص ۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو پیدا کیا اور اس میں اپنے دست قدرت سے درخت اگائے' پھر جنت کے درخت سے فرمایا تم کلام کرو تو اس نے کہا قد افلح

المؤمنون۔اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المستدرک رقم الحدیث:۳۵۲۲'الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۴'طبع جدید'علامہ ذہبی نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے'حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے)

یزید بن بابنوس بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اے ام المومنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کیسا تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا' پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۃ المومنین کی اس آیت کو پڑھا قد افلح المومنون اور اس سمیت دس آیتیں پڑھیں اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اس طرح تھے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۵' الادب المفرد للبخاری رقم الحدیث : ۳۰۸' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۷۳' المستدرک ج ۲ ص ۶۱۳' طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث:۳۵۴۳)

سورۃ المؤمنون کا زمانہ نزول

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے' اعلان نبوت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تیرہ سال رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اعلانِ نبوت کے چھٹے سال میں اسلام لائے تھے' اور ہم نے سنن الترمذی اور متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے حدیث نقل کی ہے جس میں حضرت عمر نے نزول وحی کی کیفیت بیان کی ہے اور اس میں سورۃ المؤمنون کے نازل ہونے کا بیان کیا ہے اس سے متعین ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس سورت میں ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ (المؤمنون:۴) اور وہ لوگ جو زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے والے ہیں۔

زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تھی' اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مکی نہیں مدنی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں زکوٰۃ سے مراد معروف زکوٰۃ نہیں ہے یعنی بہ قدر نصاب مال پر ایک سال گزر جانے کے بعد اس سے چالیسواں حصہ نکال کر فقراء کو اللہ کی راہ میں دینا' اصل میں زکوٰۃ کا معنی نفس کو گناہ کی آلودگیوں اور میل اور کچیل سے پاک اور صاف کرنا ہے' پھر معروف زکوٰۃ پر بھی زکوٰۃ کا اطلاق کیا جانے لگا کیونکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے نفس پاک اور صاف ہو جاتا ہے' اس کا دوسرا معنی ہے بڑھنا اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بندہ کا مال بڑھتا ہے سو یہاں سبب کا اطلاق مسبب پر کیا گیا ہے' زکوٰۃ ادا کرنے سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور اس کا باطن پاک اور صاف ہوتا ہے اس کا ثبوت اس آیت میں ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبہ:۱۰۳) آپ ان کے مالوں سے صدقہ وصول کیجئے جو ان کو پاکیزہ اور ان کے باطن کو پاک اور صاف کرے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں زکوٰۃ سے فرض زکوٰۃ مراد نہیں ہے' بلکہ نفلی صدقات مراد ہیں اور قرآن مجید میں صدقہ پر زکوٰۃ کا اطلاق مشہور ہے' مشرکین پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے ان کے متعلق فرمایا:

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (حٰمٓ السجدۃ:۷-۶) اور ان مشرکین کے لئے بڑا عذاب ہے ۝ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ○ (مریم:۵۵)

اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ سے مراد اس کا معروف معنی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد نفلی صدقہ ہو' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں زکوٰۃ کا اطلاق صدقات پر بھی ہوتا ہے' اور المؤمنون: ۴ میں بھی زکوٰۃ کا اطلاق صدقات پر ہے اس لئے اس آیت میں زکوٰۃ کا لفظ آنے سے اس سورہ کے مکی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۳ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۷۶ ہے یہ سورت' سورۃ الطور کے بعد اور سورہ تبارک الذی سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ المؤمنون اور سورۃ الحج کی باہمی مناسبت

(۱) سورۃ الحج کے اخیر میں ایسی آیت ہے جس میں نماز پڑھنے اور عبادت کرنے پر اخروی فلاح کی نوید سنائی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (الحج:۷۷)

اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور (دیگر) نیکی کے کام کرو تا کہ تم اخروی فلاح حاصل کرو۔

اور سورۃ المؤمنون کی ابتداء میں فرمایا قد افلح المؤمنون یعنی جو مومن خضوع' خشوع سے نماز پڑھیں گے' فضول کاموں سے اعراض کریں گے صدقہ دیں گے' پاک دامنی کی حفاظت کریں گے سوا اپنی بیویوں کے' اور جو اپنے عہد اور امانت کا پاس رکھیں گے اور جو اپنی نمازوں کو دوام کے ساتھ پڑھیں گے' وہ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے' غرض الحج کا اختتام اخروی فلاح کی بشارت سے ہوا اور المؤمنون کی ابتداء بھی اخروی فلاح کی نوید سے ہوئی۔

سورۃ الحج کی ابتداء میں انسان کی تخلیق کے مراحل کا ذکر فرمایا:

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ (الحج:۵)

ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جس کی مکمل شکل بنائی گئی اور (کبھی) ناتمام تا کہ ہم تم سے بیان کریں' اور ہم جتنی مدت تک چاہتے ہیں اس کو ماؤں کے ارحام میں رکھتے ہیں' پھر ہم تم کو طفولیت کی حالت میں دنیا میں لاتے ہیں تا کہ تم اپنی کڑیل جوانی تک پہنچ جاؤ۔

(۲) اور سورۃ المؤمنون میں پھر انسان کی تخلیق کے مراحل کا نقشہ کھینچا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ (المؤمنون:۱۴-۱۲)

اور ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ میں رکھ دیا۔ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا' پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا' پھر ہم نے اس گوشت کے لوتھڑے کو ہڈیاں بنا دیا' پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت پہنا دیا' پھر اس کے بعد دوسری تخلیق میں انسان کو پیدا کر دیا' پس اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے۔

اس طرح دونوں سورتوں کے شروع میں انسان کی تخلیق کے مراحل کا نقشہ کھینچا ہے۔

(۳) سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ نے مختلف نشانیوں سے اپنی قدرت اور اپنی ذات پر استدلال فرمایا ہے' کہ اللہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے' اور اس نے آسمان سے پانی برسا کر زمین کو سرسبز بنایا اور اس نے تمہارے نفع کے لئے زمین کی تمام چیزوں کو مسخر فرمایا اور ان کشتیوں کو مسخر فرمایا جو اس کے حکم سے سمندروں میں چلتی ہیں۔ (الحج: ۶۵-۶۱) اور سورۃ المؤمنون میں اس طرح اپنی قدرت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا: کہ ہم نے تمہارے اوپر سات اوپر تلے آسمان بنائے اور آسمان سے ایک اندازہ کے مطابق پانی نازل فرمایا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا حالانکہ ہم اس کو بہا کر لے جانے پر بھی قادر تھے' پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیئے اور دوسری قسم کے میوہ جات کے اور طور سیناء کے درخت (زیتون) سے تیل نکالا جو کھانے والوں کا سالن ہے اور ہم نے مویشی پیدا کئے جن کے پیٹوں سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں اور تمہیں کشتیوں پر سوار کیا۔

(المؤمنون: ۲۲-۱۷)

(۴) اور دونوں سورتوں میں بعض انبیاء علیہم السلام کے قصص اور واقعات بیان فرمائے تا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا سامان فراہم ہو کہ جس طرح مکہ کے مشرکین آپ کو ستاتے ہیں اور آپ سے دل آزار باتیں کرتے ہیں اور پیہم نشانیاں اور معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کو جھٹلاتے ہیں سو یہی سب انبیاء سابقین کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے کوئی نئی بات نہیں ہے' انہوں نے بھی ان کی ایذاؤں پر صبر کیا تھا آپ بھی صبر کریں' اور اس میں مشرکین مکہ کے لئے نصیحت اور عبرت کا سامان ہے کہ جب گزشتہ امتیں اپنے کفر اور ہٹ دھرمی پر ڈٹی رہیں اور اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا جس عذاب کے آثار عرب کے لوگ اپنے سفر میں جگہ جگہ دیکھتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں کہ ان پر بھی کہیں ایسا ہی عذاب نہ آ جائے۔

سورۃ الحج میں حضرت نوح کی قوم اور عاد اور ثمود کا ذکر فرمایا اور حضرت ابراہیم کی قوم اور قوم لوط کا ذکر فرمایا اور اصحاب مدین کا ذکر فرمایا اور حضرت موسیٰ کے جھٹلائے جانے کا ذکر فرمایا۔ (الحج: ۴۴-۴۱)

اور سورۃ المؤمنون میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو معجزات دے کر فرعون کی طرف بھیجنے کا ذکر فرمایا اور فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے ان کی تکذیب کو بیان فرمایا پھر ان پر عذاب بھیجنے کا ذکر فرمایا' ان کے بعد حضرت عیسیٰ ابن مریم کا ذکر فرمایا۔ (المؤمنون: ۵۰-۴۵)

سورۃ المؤمنون کے اہداف اور مقاصد

☆ اس سورت میں توحید پر دلائل دیئے گئے ہیں اور اس کی تحقیق کی ہے اور شرک کا رد اور ابطال فرمایا ہے' شرکیہ عقائد کو منہدم فرمایا ہے اور ایمان اور احکام شرعیہ کا بیان فرمایا ہے۔

☆ سورت کے آغاز میں ان احکام کا بیان فرمایا ہے جن پر عمل کر کے انسان اپنے ظاہر اور باطن کے خدوخال درست کرتا ہے اور نفس کے میل کچیل اور کدورتوں اور ظلمتوں کو دور کر کے آئینہ دل کو صیقل اور شفاف بنا سکتا ہے تا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کی تجلیات منعکس ہو سکیں۔

☆ اس کے بعد انسان کی تخلیق کے مراحل کو بیان فرمایا ہے تا کہ انسان یہ غور کرے کہ اس کی خلقت میں کتنی نعمتیں اور حکمتیں

پنہاں ہیں اور وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرے اور اپنی تخلیق میں مضمر اسرار پر غور کر کے اپنے خالق کی معرفت کو حاصل کرے۔

☆ انسان عالم صغیر ہے اور یہ پوری کائنات عالم کبیر ہے' عالم صغیر کی تخلیق کے نکات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عالم کبیر اور اس کی تخلیق کے نکات بیان فرمائے تاکہ انسان یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کی جو نشانیاں اس کے اندر رکھی ہیں وہی نشانیاں اس کائنات میں اس کے باہر بھی رکھی ہیں' اس کا اندر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلیل ہے اور اس کا باہر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلیل ہے۔

☆ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نفع کے لئے آسمان سے پانی نازل کیا' زمین میں روئیدگی رکھی اور اس سے فصلوں اور باغات کو پیدا کیا' دریاؤں اور سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کو رواں دواں رکھا تاکہ انسان زمین کی پیداوار سے اپنی غذا حاصل کرے اور کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف منتقل ہو سکے۔

☆ جسم کے لئے اس کے فوائد اور نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اس کی روح کی غذا اور روح کو سنوارنے اور نکھارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ذکر شروع فرمایا تاکہ روح اپنے خالق کی معرفت حاصل کرے اور اپنے مولیٰ کی عبادت کرے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اور کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کن کاموں سے راضی ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے اس کو راضی کرنے کے لئے کس طرح اس کی عبادت کی جائے تاکہ اخروی فلاح حاصل ہو اور اس کی ناراضگی سے بچنے کے لئے کن کاموں سے اجتناب کیا جائے تاکہ انسان آخرت میں عذاب سے محفوظ رہے۔

☆ اس کے بعد مشرکین کو اس پر متنبہ فرمایا کہ ان کا انکار اور ان کا کفر پر اصرار اور ان کے ہمارے نبی پر اعتراضات اور ان کے مطالبات ایسے ہیں جیسے پچھلی امتوں کے مطالبات تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان مکذبین کی بستیوں کو تہ و بالا کر دیا اور مشرکین ان اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات دوران سفر دیکھ چکے ہیں' اگر انہوں نے اپنا رویہ نہ بدلا تو وہ اس خطرہ میں ہیں کہ ان پر بھی وہ عذاب آ جائے۔

☆ یہ بتایا کہ جب ان سے پوچھا جائے کہ ان کا خالق اور رب کون ہے تو وہ پھر پکار اٹھتے ہیں کہ وہ صرف اللہ ہے تو پھر وہ اللہ کی عبادت میں بتوں کو کیوں شریک کرتے ہیں! اور جب ان پر موت آئے گی تو وہ اپنے اس طریقہ پر اور بت پرستی اور شرک پر نادم ہوں گے اور پچھتائیں گے مگر اس وقت کی ندامت اور پشیمانی کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

☆ یہ فرمایا کہ مشرکین کو اس بات کا اعتراف تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور راست گو ہیں وہ ان کو الصادق الامین کہتے تھے اور یہ بھی مانتے تھے کہ آپ اپنی کسی ذاتی منفعت کے لئے ان کو توحید کی دعوت نہیں دے رہے اور آپ محض ان کی خیر خواہی اور بھلائی کے لئے ان کو دین اسلام کی دعوت دے رہے ہیں' اس لئے اب ان کے پاس اس دعوت کو قبول نہ کرنے کا کوئی عذر نہیں ہے اور ان کے پاس اپنے شرک اور تکذیب رسول کی کوئی دلیل نہیں وہ محض اپنی خواہشات اور اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کی بناء پر حق سے اعراض کر رہے ہیں۔

☆ اور اس سورت کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا کہ آپ ان کی بدسلوکیوں سے صرف نظر کریں اور ان کی ایذاء رسانیوں کو نظر انداز کر دیں اور صبر کریں' اور ان کی بدمعاملگی کا نیک سلوک سے جواب دیں اور حسن و خوبی کے

ساتھ ان کو نصیحت کرتے رہیں‘ اور مومنین اور اپنے متبعین کے لئے مغفرت کا سوال کرتے رہیں اور یہی وہ اخروی فلاح ہے جس کے ساتھ سورت کی ابتداء کی تھی۔

اس تمہید اور تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی توفیق سے سورۃ المؤمنون کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتا ہوں اور یہ دعا کرتا ہوں کہ اے میرے رب! مجھے صدق اور حق کی ہدایت دینا اور وہی بات لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور باطل اور کذب سے میری اس تفسیر کو محفوظ رکھنا میری اس تحریر میں اثر آفرینی عطا فرمانا‘ تا قیام قیامت اس کو باقی اور نفع آور رکھنا اور محض اپنے فضل و کرم سے اور اپنے محبوب مکرم کی شفاعت سے میری مغفرت فرما دینا‘ میرے لئے دنیا میں لسان صدق مقدر کر دینا اور آخرت میں جنت النعیم کا وارث بنا دینا۔

واخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين و الصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم الانبياء والمرسلين قائد الغر المحجلين شفيع المذنبين وعلى آله الطاهرين واصحابه الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين و على اولياء امته وعلماء ملته وامته اجمعين.

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ دار العلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

۳ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ/ ۲۴ اگست ۲۰۰۱ء

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانِيْ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ المومنون مکی ہے‘ اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ① الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ

بے شک ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی ○ جو اپنی نمازوں میں

خٰشِعُوْنَ ② وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ③ وَالَّذِيْنَ

خشوع کرتے ہیں ○ اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں ○ اور جو

هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ④ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ⑤ اِلَّا

اپنا باطن صاف کرنے والے ہیں ○ اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ سوا

عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ⑥ فَمَنِ

اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے سو بے شک ان میں وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں ○ اور جس نے

ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۞ ٧ وَالَّذِيْنَ هُمْ

ان کے علاوہ کسی اور کو طلب کیا سو وہی لوگ (اللہ کی حدود سے) تجاوز کرنے والے ہیں ○ اور وہ لوگ

لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ ٨ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ٩

وقف لازم

جو اپنی امانتوں اور عہد کی پاس داری کرنے والے ہیں ○ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرنے والے ہیں ○

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ ١٠ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا

وہی لوگ وارث ہیں ○ جو (جنت) الفردوس کی وراثت پائیں گے، وہ اس میں

خٰلِدُوْنَ ١١ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ١٢

ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ○

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ١٣ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً

پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ میں رکھ دیا ○ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ

پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا، پھر ہم نے اس گوشت کو ہڈیاں بنا دیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر

لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ١٤

گوشت پہنا دیا، پھر اس کے بعد دوسری تخلیق میں انسان پیدا کر دیا، پس اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے ○

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ؕ ١٥ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ١٦

پھر اس کے بعد تم سب ضرور مرنے والے ہو ○ پھر یقیناً تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے ○

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ١٧

اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں ○

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى

اور ہم نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس کو زمین میں ٹھہرایا اور بے شک ہم

ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝۱۸ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ
اس کو (بہا کر) لے جانے پر بھی قادر ہیں ○ پھر ہم نے اس پانی سے تمہارے لیے کھجور اور
اَعْنَابٍ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۱۹ وَشَجَرَةً — وقف لازم
انگور کے باغات اُگائے جن میں تمہارے لیے بکثرت پھل ہیں اور جن سے تم کھاتے ہو ○ اور وہ درخت (زیتون)
تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝۲۰ وَ
پیدا کیا جو طور سیناء سے نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کا سالن ہے ○ اور
اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا
تمہارے لیے چوپایوں میں ضرور مقام غور ہے، ہم تمہیں ان میں سے وہ (دودھ) پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے
مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۲۱ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝۲۲ — ع ۲۲
لیے ان میں بہت زیادہ فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ○ اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی ○ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں ○ اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں ○ اور جو اپنا باطن صاف کرنے والے ہیں ○ اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ سوا اپنی بیویوں یا باندیوں کے سو بے شک ان میں وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں ○ اور جس نے ان کے علاوہ کسی اور کو طلب کیا سو وہی لوگ (اللہ کی حدود سے) تجاوز کرنے والے ہیں ○ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرنے والے ہیں ○ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرنے والے ہیں ○ وہی لوگ وارث ہیں ○ جو (جنت) الفردوس کی وراثت پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ (المؤمنون: ۱۱-۱)

الخشوع کا لغوی معنی

ابن فارس نے کہا خشوع کا صرف ایک معنی ہے جھکنا اور پست ہونا' جب کوئی شخص جھک جائے اور سر کو جھکا لے تو کہا جاتا ہے: خشع فلان' اور یہ لفظ خضوع کے قریب المعنی ہے مگر بدن کے ساتھ عاجزی اور ذلت کے ساتھ اطاعت اور فرمانبرداری کرنے کو خضوع کہتے ہیں اور خشوع' بدن' آواز اور بصر سب میں عام ہے' بدن کو جھکانا' پست آواز سے بات کرنا' نظریں جھکانا یہ سب خشوع ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خاشعة ابصارهم (القلم: ۴۳) درآں حالیکہ ان کی نظریں جھکی ہوئی ہیں۔ اور قرآن مجید میں ہے وخشعت الاصوات للرحمن (طٰہٰ: ۱۰۸) رحمٰن کے لئے آوازیں پست ہو گئیں۔ ابن درید نے کہا رکوع کرنے والے کو الخاشع کہتے ہیں' علامہ راغب نے کہا الخشوع کا معنی ہے عاجزی اور انکسار کرنا اس کا اطلاق زیادہ تر ظاہری اعضاء سے عاجزی اور انکسار پر ہوتا ہے' اور ضراعت کا اطلاق دل کی عاجزی اور انکسار پر ہوتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب

دل میں عاجزی ہو تو ظاہری اعضاء میں خشوع ہوتا ہے' زجاج نے کہا جو بستی اجڑی ہوئی ہو اور اس میں کوئی ٹھہرتا نہ ہو اس کو الخاشعہ کہتے ہیں اور جو زمین خشک ہو اور اس پر بارش نہ ہو اس کو بھی الخاشعہ کہتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ (حٰم السجدہ: ۳۹)

اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے تم زمین کو سوکھا ہوا اور خشک دیکھتے ہو پھر جب ہم اس پر بارش نازل کرتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر بڑھنے لگتی ہے (یعنی سرسبز ہو جاتی ہے)

(مقاییس اللغہ لابن فارس ج ۲ ص ۱۸۲' المفردات ج ۱ ص ۱۹۷' الصحاح للجوہری ج ۳ ص ۱۲۰۴' النہایہ لابن الاثیر ج ۲ ص ۳۳' لسان العرب لابن منظور ج ۸ ص ۷۱)

الخشوع کا اصطلاحی معنی

علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری التوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

الخشوع کا معنی ہے حق کی اطاعت کرنا اور التواضع کا معنی ہے حق کو ماننا اور اس کو تسلیم کرنا اور کسی حکم پر اعتراض نہ کرنا۔

حضرت حذیفہ نے کہا تمہارے دین سے جو چیز سب سے پہلے گم ہو گی وہ خشوع ہے۔

محمد بن علی الترمذی نے کہا الخاشع وہ شخص ہے جس کی شہوت کی آگ بجھ گئی ہو اور اس کی سینہ میں غضب کا دھواں ٹھنڈا ہو چکا ہو' اس کے دل میں اللہ کی تعظیم کا نور روشن ہو اور اس کے اعضاء سے تواضع ظاہر ہو۔

حسن بصری نے کہا الخشوع اس خوف کو کہتے ہیں جو دل میں ہمیشہ لازم رہے۔

جنید بغدادی سے الخشوع کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا علام الغیوب کے لئے دلوں کا نرم اور ذلیل ہونا۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔

ایک قول یہ ہے کہ نماز میں خشوع یہ ہے کہ اس کو نماز میں یہ پتا نہ چلے کہ اس کے دائیں جانب کون ہے اور بائیں جانب کون ہے۔ (الرسالۃ القشیریہ ص ۱۸۲-۱۸۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ الخشوع ایسا معنی ہے جو اللہ کی تعظیم' اس کی محبت اور اس کی جناب میں ذلت اور انکسار کے مجموعہ سے مرکب ہے۔ (مدارج السالکین ج ۱ ص ۵۵۹-۵۵۸' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

الخشوع کے درجات

علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

الخشوع کے حسب ذیل تین درجات ہیں:

(۱) حکم کے سامنے سرنگوں ہونا' حکم کو تسلیم کرنا اور نظر حق کے لئے عاجزی کرنا' حکم کے سامنے سرنگوں ہونے کا معنی ہے عاجزی کے ساتھ حکم کی اطاعت اور فرماں برداری کرنا اور اپنے ضعف اور ہدایت کی احتیاج کو ظاہر کرتے ہوئے اپنے ظاہر اور باطن کے ساتھ حکم کی موافقت کرنا' اور حکم کو تسلیم کرنے کا معنی یہ ہے کہ حکم شرعی کے بالمقابل اپنی رائے اور خواہش کا اظہار نہ کرنا اور اس پر غضب اور کراہت کا اظہار نہ کرنا اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرنا' اور نظر حق کے لئے عاجزی کرنے کا معنی یہ ہے کہ دل کو اور اعضاء کو نظر حق کے لئے جھکا دینا۔

(۲) نفس اور عمل کی آفات کا انتظار کرنا' اور ہر صاحب فضل کی فضیلت کو دیکھنا' اور یہ اس وقت ہو گا جب تم اپنے نفس اور عمل کے نقائص اور عیوب کے ظہور کا انتظار کرو' اور جب تم اپنے نفس کے نقائص اور عیوب کے ظہور کا انتظار کرو گے اور اپنے فخر اور تکبر' اور صدق کے ضعف اور یقین کی کمی اور نیت کے پختہ نہ ہونے کا مطالعہ کرو گے تو لامحالہ اس سے تمہارا دل خشوع کرنے والا ہو جائے گا' اور رہا ہر صاحب فضل کی فضیلت میں غور وفکر کرنا تو اس کی وجہ سے تم لوگوں کے حقوق کی رعایت کرو گے اور ان کو ادا کرو گے' اور اگر کوئی شخص تمہارے حقوق کی ادائیگی میں کمی کرتا ہے تو تم اس سے بدلہ نہ لینا کیونکہ یہ نفس کی رعونت اور اس کی حماقت ہے۔

(۳) جب کسی چیز کا کشف ہو جائے تو اس کی حفاظت کرنا اور دل کو مخلوق کے دکھاوے سے صاف رکھنا' اور عاجزی اور انکسار کے ساتھ دل کو منضبط رکھنا۔ (مدارج السالکین ج ا ص ۵۶۰-۵۵۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

قرآن مجید میں الخشوع کے اطلاقات

قرآن مجید میں الخشوع کا اطلاق حسب ذیل معانی پر ہے:

(۱) خشوع بہ معنی ذلت' عاجزی اور انکسار' اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ (طٰہٰ: ۱۰۸) اور رحمان کے سامنے تمام آوازیں پست ہو جائیں گی۔

(۲) اعضاء کا پرسکون اور مؤدب رہنا' اس کی مثال یہ آیت ہے:

اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المؤمنون: ۲) اور جو لوگ سکون اور ادب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں' (یعنی نماز میں اعضاء کو ادھر ادھر فضول حرکت نہیں دیتے' اپنے اعضاء سے صرف افعال نماز انجام دیتے ہیں)۔

(۳) خشوع بہ معنی خوف' جیسے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۹۰) وہ رغبت اور خوف کے ساتھ ہماری عبادت کرتے ہیں اور وہ ہم سے ڈرنے والے ہیں۔

(۴) خشوع کا اطلاق قرآن مجید میں تواضع پر بھی ہے' اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ (البقرہ: ۴۵) بے شک یہ نماز ضرور بھاری ہے سوا ان پر جو تواضع اور عاجزی کرنے والے ہیں۔

(۵) خشوع کا اطلاق سوکھی ہوئی اور خشک چیز پر بھی کیا گیا ہے' اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَتَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً (حٰم السجدہ: ۳۹) تم زمین کو سوکھی ہوئی اور خشک دیکھتے ہو۔

الخشوع کے متعلق لفظاً اور معنیً احادیث

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس مسلمان شخص پر فرض نماز کا وقت آئے وہ اس نماز کا اچھی طرح وضو کرے اور نماز میں اچھی طرح خشوع اور رکوع کرے تو وہ نماز اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے' جب تک کہ وہ کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور یہ سلسلہ تمام دہر تک رہے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸' سنن بیہقی ج ا ص ۱۸۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۰۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی راہ

میں جہاد کرنے والے کی مثال اس طرح ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں جہاد کرتا ہے' جس طرح روزہ رکھنے والا نماز میں قیام کرنے والا' خشوع کرنے والا' رکوع کرنے والا اور سجدے کرنے والا ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۲۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میری توجہ صرف سامنے ہوتی ہے اللہ کی قسم مجھ پر نہ تمہارا رکوع مخفی ہوتا ہے اور نہ تمہارا خشوع مخفی ہوتا ہے اور بے شک میں تم کو ضرور اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۵' ۴۲۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۱۱' ۸۵۷۵' ۸۸۶۴' عالم الکتب)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب آدھی رات کو ہوتا ہے اگر تم اس وقت میں اللہ کا ذکر کر سکتے ہو تو کرو۔ (یہ حدیث حسن صحیح' غریب ہے)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۲' مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تمہاری صورتوں کو اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۴۳)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بھی اچھے طریقہ سے وضو کرتا ہے پھر اس طرح کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے کہ وہ ان دو رکعتوں کی طرف اپنے دل اور چہرہ سے متوجہ ہوتا ہے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹' ۹۰۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز استسقاء کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر زینت کے عام لباس میں باہر آئے' عاجزی کرتے ہوئے اور گڑگڑاتے ہوئے حتیٰ کہ عید گاہ پہنچے پھر تمہارے خطبوں کی طرح خطبہ نہیں دیا' لیکن آپ دعا کرنے' آہ وزاری کرنے اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے میں مصروف رہے اور اس طرح نماز پڑھی جس طرح عید کی نماز پڑھی جاتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۶۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۸۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۰۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۷۳' مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۴۰۵' سنن الدار قطنی ج ۲ ص ۶۷' المستدرک ج ۱ ص ۳۲۶' سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۴۷)

حضرت عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور نماز میں آپ کے رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے چکی چلنے کی آواز آتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۰۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۲' شمائل الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے قرآن پڑھو' میں نے عرض کیا میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں! حالانکہ آپ پر تو خود قرآن مجید نازل کیا گیا ہے! آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے علاوہ کسی اور سے قرآن سنوں' میں نے آپ کے سامنے سورۃ النساء پڑھی جب میں اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا' تو آپ نے فرمایا رک جاؤ اس وقت آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۸' سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۰۲۵)

الخشوع کے متعلق آثار صحابہ اور اقوال تابعین

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے لئے خشوع کرتے ہوئے عاجزی کی' اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سربلند کرے گا اور جس شخص نے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے تکبر کیا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو سرنگوں کرے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۶۲' المعجم الکبیر ج ۹ ص ۱۶۳' ج ۹ ص ۹۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۲۳' ۲۲۵' کتاب الزھد للوکیع بن الجراح رقم الحدیث: ۲۱۶' کتاب الزھد لاحمد بن حنبل رقم الحدیث: ۱۴۲' مختصر تاریخ دمشق ج ۱۳ ص ۲۷۷)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص گردن جھکا کر نماز پڑھ رہا تھا' حضرت عمر نے فرمایا اے گردن والے اپنی گردن اوپر اٹھاؤ' خشوع گردنوں میں نہیں ہوتا خشوع دل میں ہوتا ہے۔

(مدارج السالکین ج ۱ ص ۵۵۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے الذین ھم فی صلوتھم خاشعون کی تفسیر میں فرمایا جب صحابہ نماز پڑھتے تھے تو اپنی نماز کی طرف متوجہ رہتے تھے' اپنی نظریں جھکا کر سجدہ کی جگہ رکھتے تھے اور ان کو یہ یقین ہوتا تھا کہ اللہ ان کی طرف متوجہ ہے اور وہ دائیں بائیں التفات نہیں کرتے تھے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۸۴' بہ حوالہ تفسیر ابن مردویہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ویل للمطففین کی چھ ابتدائی آیتیں پڑھیں جب وہ یوم یقوم الناس لرب العالمین پر پہنچے تو ان پر گریہ طاری ہوا اور وہ زمین پر گر گئے اور آگے نہ پڑھ سکے۔

(کتاب الزھد للوکیع بن الجراح رقم الحدیث: ۲۷' کتاب الزھد لاحمد بن حنبل رقم الحدیث: ۱۹۲' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۰۵' المستدرک ج ۵ ص ۲۱۷)

حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے تو ان کا چہرہ زرد پڑ جاتا اور متغیر ہو جاتا' ان سے پوچھا جاتا آپ کو کیا ہوا وہ کہتے کیا تم کو معلوم ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑے ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں۔

(مختصر منہاج القاصدین لابن قدامہ ص ۲۷۳' دار التراث العربی بیروت' ۱۹۸۲ء)

قتادہ نے کہا دل میں جب خشوع ہو تو خدا کا خوف ہوتا ہے اور نماز میں نظریں نیچے ہوتی ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۳۹' الدر المنثور ج ۶ ص ۸۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دل میں خشوع یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے لیے نرم ہو اور نماز میں ادھر ادھر التفات نہ کرو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۳۶' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۳' حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی موافقت کی)

حافظ جلال الدین سیوطی نے الخشوع کی تفسیر میں حسب ذیل احادیث اور آثار نقل کئے ہیں:

حکیم ترمذی اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نفاق کے خشوع سے اللہ کی پناہ طلب کرو' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ نفاق کا خشوع کیسا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا بدن میں خشوع ہوتا ہے اور دل میں نفاق ہوتا ہے۔ (نوادر الاصول ج ۲ ص ۱۷۲)

امام ابن المبارک' امام ابن ابی شیبہ اور امام احمد نے کتاب الزھد میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا نفاق کے خشوع سے اللہ کی پناہ طلب کرو' ان سے پوچھا نفاق کا خشوع کس طرح ہوتا ہے' انہوں نے کہا جسم خوف خدا سے کانپ رہا ہو اور دل میں خوف خدا نہ ہو۔ (کتاب الزھد لامام احمد بن حنبل ص ۱۸۲' مکتبہ دار الباز' ۱۴۱۴ھ)

امام عبد الرزاق' امام عبد بن حمید' امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے زہری سے روایت کیا ہے کہ نماز کو سکون سے پڑھنا

خشوع ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۲۶۲ بیروت)

امام حکیم ترمذی نے حضرت ام رومان والدہ حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے مجھے نماز میں آگے پیچھے جھولتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے مجھے اس قدر سختی کے ساتھ ڈانٹا کہ قریب تھا میری نماز ٹوٹ جاتی' پھر حضرت ابوبکر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے تمام اعضاء کو ساکن رکھے اور نماز میں یہودیوں کی طرح آگے پیچھے ہلے نہیں کیونکہ تمام اعضاء کو ساکن رکھنا نماز کی تکمیل سے ہے۔

(نوادر الاصول ج ۲ ص ۱۷۱)

امام حکیم ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا وہ نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا تھا آپ نے فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔

(نوادر الاصول ج ۲ ص ۱۷۲)

امام ابن ابی شیبہ' امام بخاری' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر التفات (مڑنے) کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا یہ شیطان کا اچکنا اور چھیننا ہے' بندہ کی نماز سے اتنا حصہ شیطان اچک لیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۱۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۹۵)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے اپنے ایام مرض میں کہا میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکھی ہوئی ایک امانت ہے وہ میں تم تک پہنچا رہا ہوں' آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص نماز میں التفات نہ کرے (ادھر ادھر مڑ کر نہ دیکھے) اگر ضرور ایسا کرنا ہو تو فرائض کے غیر میں کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۴۴)

امام عبدالرزاق اور امام ابن ابی شیبہ نے عطا کی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب تم نماز پڑھ رہے ہوتے ہو تو تمہارا رب تمہارے سامنے ہوتا ہے اور تم اس سے مناجات کر رہے ہوتے ہو' پس تم ادھر ادھر التفات نہ کرو۔ اور عطا نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رب فرماتا ہے اے ابن آدم! تو کس کی طرف التفات کر رہا ہے؟ میں تیرے لئے اس سے بہتر ہوں جس کی طرف تو التفات کر رہا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۳۸)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ تم نماز میں ادھر ادھر التفات کرنے سے خود کو بچاؤ کیونکہ التفات کرنے والے کی نماز (کامل) نہیں ہوتی اور اگر تم کو ایسا کرنا ہی ہو تو نوافل میں کرو فرائض میں نہ کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۳۵)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' بے شک اللہ بندہ کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ اپنا وضو نہ توڑے یا جب تک ادھر ادھر التفات نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۳۴)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن معقد سے روایت کیا ہے کہ جب بندہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ اپنے بندہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور جب وہ ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اس سے اعراض کر لیتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۴۰)

امام ابن ابی شیبہ' امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ نماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں وہ اس سے باز آ جائیں ورنہ ان کی نظریں واپس نہیں آئیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۶۳۱۸)

امام ابن ابی شیبہ' امام بخاری' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنی نمازوں میں آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہیں' پھر آپ نے اس میں بہت سختی کی اور فرمایا وہ لوگ اس سے باز آ جائیں ورنہ ان کی آنکھیں چھین لی جائیں گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۴۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۹۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۸۸' عالم الکتب بیروت' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۶۳۱۶' بیروت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو لوگ نماز میں آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہیں وہ اس سے باز آ جائیں ورنہ ان کی نظریں واپس نہیں آئیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۶۳۱۵)

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو کیا وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اس کی نظر واپس نہ آئے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۶۳۷۱' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

امام ابن سعد' امام ابن ابی شیبہ اور امام احمد نے کتاب الزہد میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن الزبیر نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے کوئی لکڑی کا ستون کھڑا ہو اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح نماز پڑھتے تھے' مجاہد نے کہا یہ نماز میں ان کا خشوع تھا۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۸۷-۸۴ ملتقطاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

خشوع کی تعریف میں اختلاف ہے' بعض علماء نے خشوع کو افعال قلوب سے قرار دیا ہے' جیسے خوف اور ڈر' بعض نے خشوع کو اعضاء ظاہرہ سے قرار دیا ہے مثلاً جسم کو ساکن رکھنا اور ادھر ادھر التفات نہ کرنا' اور بعض نے کہا کہ خشوع ان دونوں چیزوں کو شامل ہے اور یہی تعریف راجح اور اولیٰ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۵۹' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نماز میں خشوع کرنا آیا واجب ہے یا نہیں؟ تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نماز میں خشوع کرنا واجب ہے اور اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

نماز میں خضوع اور خشوع کے وجوب پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(۱) اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد: ۲۴) کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟

قرآن میں تدبر اسی وقت متصور ہو گا جب نماز میں قرآن کے معانی پر غور کرے گا اور نماز میں قرآن کے معانی پر غور کرنا ہی خشوع ہے۔

(۲) وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ (طٰہٰ: ۱۴) اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم رکھو۔

نماز غفلت سے پڑھنا اللہ کو یاد کرنے کے منافی ہے اور یاد رکھنے کا امر ہے اور امر حقیقتاً وجوب کے لئے آتا ہے پس نماز میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہونا واجب ہے اور یہی خشوع ہے۔

(۳) وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (الاعراف: ۲۰۵) اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

اس آیت کا تقاضا ہے کہ نماز میں اللہ کی یاد سے غافل رہنا حرام ہے اور یہی خشوع کا معنی ہے۔

(۴) حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء: ۴۳) (تم اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ) حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم نماز میں کیا پڑھ رہے ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو آدمی دنیا کے افکار میں ڈوبا ہوا ہو اور نماز میں قرآن کے معانی کی طرف متوجہ نہ ہو وہ اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک دنیا کی مہمات اور افکار سے فارغ نہ ہو اور نماز کی طرف پوری طرح متوجہ نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں خشوع کرنا واجب ہے۔

نماز میں خضوع اور خشوع کے وجوب پر احادیث سے دلائل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم تنه صلاته عن الفحشاء و المنكر لم يزدد من الله الابعدا۔ جس شخص کی نماز اس کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے نہ منع کرے وہ اللہ سے صرف دور ہی ہوتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۰۲۵، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۵۸)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من لم تامره صلاته بالمعروف وتنهاه عن المنكر لم يزد من الله الابعدا. جس شخص کی نماز اس کو نیکی کا حکم نہ دے اور اس کو برائی سے نہ روکے وہ اللہ تعالیٰ سے صرف دور ہی ہوتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۵۴۳)

اور جو شخص بغیر خشوع کے غفلت سے نماز پڑھتا ہے اس کو نماز نیکی کا حکم نہیں دیتی اور برائی سے نہیں روکتی اس سے معلوم ہوا کہ خشوع کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے یہ احادیث ذکر کی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کم من قائم حظه من صلوته التعب و النصب، (کتنے نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جن کو نماز پڑھنے سے سوائے تھکاوٹ اور درد کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا) اس سے آپ کی مراد غافل کی نماز ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ليس للعبد من صلوته الا ماعقل منها (نماز میں سے بندہ کا اتنا ہی حصہ ہے جو اس نے سمجھ کر پڑھا ہے) (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام غزالی نے یہ احادیث معنًی روایت کی ہیں، ان احادیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جس کو روزہ رکھنے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اور بہت سے رات کو نماز میں قیام کرنے والے ایسے ہیں جن کو قیام سے سوائے جاگنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۹۰، (اس حدیث کی سند حسن ہے) مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۳۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۸۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۲۷۰، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۷۴۷)

علامہ زین الدین عراقی متوفی ۸۰۶ھ نے احیاء العلوم کی تخریج میں لکھا ہے:

لیس للعبد من صلاته الا ما عقل اس حدیث مرفوع کو میں نے نہیں پایا اور محمد بن نصر مروزی نے کتاب الصلوٰۃ میں یہ حدیث مرسل لکھی ہے کہ اللہ بندہ کا وہ عمل قبول نہیں کرتا جس میں بدن کے ساتھ اس کا قلب حاضر نہ ہو اور ابو منصور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابی بن کعب سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص غفلت سے نماز پڑھتا ہے اس کی نماز نہیں لکھی جاتی۔ (المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار مع احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس آدمی کی نماز میں خشوع نہیں ہوتا اس کی نماز (کامل) نہیں ہوتی۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۷۹۳۵ زہر الفردوس ج ۴ ص ۲۳۹ اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۱۱۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو نماز کی اطاعت نہ کرے اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ نماز اس کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے منع کرے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۷۹۲۸ زہر الفردوس ج ۴ ص ۲۴۰ اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۱۱۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی جانب میں بلغم پڑا ہوا دیکھا یہ آپ پر بہت ناگوار گزرا حتیٰ کہ آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دکھائی دیئے' آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کو کھرچ کر صاف کر دیا پھر آپ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات (چپکے چپکے کلام) کرتا ہے اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے' سو تم میں سے کوئی شخص قبلہ کی طرف نہ تھوکے لیکن بائیں جانب یا قدموں کے نیچے تھوکے (جب مسجد کا فرش کچا ہو) ورنہ اپنی چادر میں اس تھوک کو مل دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۰ ۱۷۵ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۹۱۷' عالم الکتب)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نمازی نماز میں اپنے رب سے چپکے چپکے باتیں کرتا ہے' یعنی اس کی حمد اور ثناء کرتا ہے اس سے صراط مستقیم کا سوال کرتا ہے اس کی پاکیزگی بیان کرتا ہے اس کی بارگاہ میں اپنی عبادات کے تحائف پیش کرتا ہے اس کے نبی پر سلام عرض کرتا ہے صلاۃ پڑھتا ہے اور اپنے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہے اور آخر میں دائیں اور بائیں فرشتوں کو سلام کرتا ہے' یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ خضوع اور خشوع سے نماز پڑھے اور جو کچھ زبان سے کہے دل اس کی طرف متوجہ ہو اور دل و دماغ حاضر ہو' اگر وہ غفلت' بے توجہی اور غائب دماغی کے ساتھ نماز پڑھے گا تو یہ مناجات اور رب کے ساتھ کلام حاصل نہیں ہو سکے گا' اس لئے ہم کہتے ہیں کہ غفلت اور بے توجہی سے نماز پڑھنا منع ہے اور حضور قلب اور خضوع اور خشوع کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔

نماز میں خشوع کے وجوب کا محمل

ہم نے جو کہا ہے کہ نماز خشوع کے ساتھ پڑھنا واجب ہے یہ نماز کے ظاہری اجزاء کے اعتبار سے واجب نہیں ہے لہٰذا اس کے ترک سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا' یہ نماز کی صورت اور ظاہر کا متمم نہیں ہے بلکہ یہ نماز کے باطن کا متمم ہے' خشوع کو ترک کرنے سے نماز کے ظاہر میں نقص نہیں ہو گا بلکہ نماز کے باطن اور اس کی حقیقت میں نقص ہو گا' اور جس طرح نماز کی قبولیت میں کمال ظاہر ضروری ہے اسی طرح اس کا کمال باطن بھی ضروری ہے' خشوع نہ کرنے سے نماز کی فرضیت ساقط ہو جائے گی' سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہو گا' لیکن اس نماز پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہو گا۔ اور نماز پڑھنے سے جو نورانیت' للّٰہیت' تقویٰ اور طہارت اور صالحیت پیدا ہوتی ہے وہ حاصل نہیں ہو گی' امام غزالی اور امام رازی دونوں نے نماز میں خشوع کو واجب کہا ہے (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۳' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۵۹) لیکن دونوں نے وجوب فقہی اور ظاہری اور وجوب سری اور باطنی میں فرق نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ بے شک نماز بے حیائی کے کاموں سے اور برائیوں سے روکتی ہے۔ (العنکبوت: ۴۵)

اگر آپ نے نماز پڑھی اور اس کے باوجود آپ برے کام کر رہے ہیں اور نماز نے آپ کو بے حیائی اور برے کاموں سے نہیں روکا تو پھر اس کے دو ہی مطلب ہیں یا تو اللہ تعالیٰ کا یہ کلام غلط ہے اور یا پھر آپ نے نماز کی صورت میں جو کچھ پڑھا ہے وہ حقیقت میں نماز نہیں ہے اگر آپ نے حقیقت میں نماز پڑھی ہوتی تو پھر نماز آپ کو ضرور برے کاموں سے روکتی' اللہ تعالیٰ کا فرمان غلط نہیں ہے وہ سچا کلام ہے۔

نماز آپ کو بے حیائی اور برے کاموں سے ضرور روکے گی آپ خشوع اور خضوع سے نماز پڑھیں اس یقین کے ساتھ کہ آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ آپ کو دیکھ رہا ہے' پھر اس نماز پر تقویٰ اور صالحیت کا ثمرہ مرتب ہوگا۔ میں نے بہت محنت اور مشقت سے خشوع کی یہ بحث لکھی ہے اگر اس کو پڑھ کر ایک مسلمان بھی خشوع سے نماز پڑھنے لگا تو میری یہ محنت ٹھکانے لگ جائے گی!

خشوع کے فوائد

(۱) خشوع سے اللہ عزوجل کا ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے۔ (۲) خشوع ایمان اور حسن اسلام کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ (۳) خشوع بندے کی نیکی اور استقامت کی دلیل ہے۔ (۴) اللہ کی عبودیت کا اعلان اور اس کے ماسوا کو ترک کرنا ہے۔ (۵) خشوع سے گناہ مٹ جاتے ہیں اور ثواب زیادہ ملتا ہے۔ (۶) عذاب اور سزا سے نجات ملتی ہے۔ (۷) جنت کی کامیابی ملتی ہے۔ (۸) قیامت کے دن خشوع کرنے والوں کا مرتبہ بلند ہوگا۔ (۹) خشوع انسان کی نظروں اور اس کے کندھوں کو جھکا کر رکھتا ہے۔ (۱۰) خشوع دل کی سختی کو دور کرتا ہے۔ (۱۱) نماز میں خشوع اخروی فلاح تک پہنچاتا ہے' (۱۲) جس شخص کے دل میں خشوع ہو شیطان اس کے پاس نہیں پھٹکتا۔

نماز میں خشوع کرنے والوں کی چند مثالیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں گئے' مسلمانوں میں سے کسی شخص نے کسی مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا' اس مشرک نے قسم کھائی وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کا خون نہیں بہائے گا' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرتے ہوئے نکلا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ پر قیام کیا' آپ نے پوچھا رات کو کون شخص ہمارا پہرہ دے گا' ایک شخص مہاجرین میں سے اور ایک شخص انصار میں سے اٹھا اور انہوں نے رات کو پہرہ دینے کی ذمہ داری قبول کی' آپ نے فرمایا تم دونوں گھاٹی کے منہ پر پہرہ دینا جب وہ دونوں گھاٹی کے منہ پر پہنچے تو مہاجر لیٹ گیا اور انصاری کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا' جو شخص صحابہ کا پیچھا کر رہا تھا وہ بھی پہنچ گیا۔ جب اس نے انصاری کو دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ قوم کا پہرہ دار ہے اس نے اس انصاری کو تاک کر تیر مارا اور لگاتار تین تیر مارے وہ اسی طرح رکوع اور سجدہ کرتے رہے' پھر ان کا مہاجر ساتھی بیدار ہو گیا' جب اس مشرک نے دیکھا کہ یہ خبردار ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا جب مہاجر نے انصاری کے جسم سے خون بہتے ہوئے دیکھا تو کہا جب تمہیں پہلا تیر لگا تو تم نے مجھے اٹھایا کیوں نہیں! اس نے کہا میں نماز میں جس سورت کی تلاوت کر رہا تھا اس کو منقطع کرنا نہیں چاہتا تھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۸' دار الفکر بیروت: ۱۴۱۴ھ)

سبحان اللہ! یہ ہے نماز میں خشوع کا عالم جسم پر پیہم تیر لگ رہے ہیں خون بہہ رہا ہے اور صحابی رسول اسی طرح نماز پڑھ رہے ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

عبادت میں مشغول ہونا جہان غرور سے جہان سرور کی طرف منتقل ہونا ہے' اور مخلوق کو چھوڑ کر خالق کے دربار میں پہنچنا ہے اور اس سے لذت اور خوشی کا کمال پیدا ہوتا ہے' امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے ایک سانپ چھت سے گر گیا لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے اور امام ابو حنیفہ نماز میں مشغول تھے انہیں کچھ پتا نہیں چلا۔ اور حضرت عروہ بن الزبیر کے کسی عضو میں زخم ہو گیا اس زخم کے زہر کو پھیلنے سے روکنے کے لئے اس عضو کو کاٹنا ضروری تھا' جب حضرت عروہ نے نماز پڑھنی شروع کی تو لوگوں نے اس عضو کو کاٹ دیا اور عروہ کو اس عضو کے کٹنے کا مطلقاً پتا نہیں چلا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سینہ سے ایسی آواز آتی تھی جیسے ہنڈیا کے ابلنے کی آواز آتی ہے۔ اور جو شخص ان مثالوں کو مستبعد سمجھتا ہو اسے اس آیت کی تلاوت کرنی چاہئے:

فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ۔ جب مصر کی عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو ان کو بہت بڑا جانا اور (پھل کے بجائے) اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ (یوسف: ۳۱)

جب مصر کی عورتوں کے دلوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا غلبہ ہوا اور یہ غلبہ اس حد کو پہنچا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ان کو پتا نہ چلا' تو جب بشر کے حق میں یہ بے خودی اور سرشاری ممکن ہے تو جس کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال اور اس کی عظمتوں کا غلبہ ہو اس کا اس طرح بے خود' سرشار اور مستغرق ہونا تو بہ درجہ اولیٰ ممکن ہے۔

(تفسیر کبیر ج ا ص ۲۱۴-۲۱۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابو بکر بن منیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن امام محمد بن اسماعیل بخاری نے نماز پڑھی' زنبور (تتیہ یا بھڑ) نے ان کی پیٹھ پر سترہ جگہ ڈنک لگائے اور انہوں نے اپنی نماز منقطع نہیں کی' نماز پوری کرنے کے بعد انہوں نے شاگردوں سے کہا ذرا دیکھو تو یہ کیا چیز ہے جو نماز میں مجھے اذیت پہنچا رہی تھی انہوں نے دیکھا تو ان کی پیٹھ سترہ جگہ سے سوجی ہوئی تھی' اور انہوں نے نماز منقطع نہیں کی۔ محمد بن ابی حاتم وراق نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے انہوں نے اس واقعہ کے آخر میں کہا امام بخاری نے نماز نہ توڑنے کے متعلق بتایا میں جس آیت کی تلاوت کر رہا تھا' میں چاہتا تھا کہ میں اس آیت کو پورا کرلوں۔

(ھدی الساری ص ۶۶۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ہم لوگ جو نماز میں چہرے سے مکھیوں کو اڑاتے رہتے ہیں جو جسم پر مکھی کو برداشت نہیں کرتے وہ امام بخاری کے اس خشوع کا کب اندازہ کر سکتے جن کی پیٹھ پر زنبور نے سترہ جگہ ڈنک لگائے اور وہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے!

علامہ محمد بن یحییٰ' حلبی التوفی ۹۶۳ھ لکھتے ہیں:

احمد بن صالح الجیلی بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا الشیخ عبد القادر کے ساتھ مدرسہ نظامیہ میں تھا' آپ کے پاس فقراء اور فقہاء بیٹھے ہوئے تھے آپ ان کے سامنے قضاء اور قدر کے موضوع پر خطاب فرما رہے تھے اچانک ایک بہت بڑا سانپ چھت سے گرا تو آپ کی مجلس میں جتنے لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ سب بھاگ گئے اور سوائے حضرت شیخ کے اور کوئی بیٹھا نہ رہا وہ سانپ آپ کے کپڑوں کے نیچے داخل ہو گیا اور آپ کے جسم میں پھرتا رہا' پھر وہ آپ کی گردن میں لپٹ گیا اس کے باوجود آپ نے

اپنا خطاب منقطع نہیں کیا اور نہ اپنی نشست میں کوئی تغیر تبدل کیا' وہ سانپ پھر زمین پر اترا اور آپ کے سامنے اپنی دم پر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے کچھ کلام کیا جس کو ہم سمجھ نہیں سکے پھر وہ سانپ چلا گیا اور پھر لوگ آپ کے پاس حجرہ میں آ گئے اور آپ سے پوچھا کہ سانپ نے آپ سے کیا کہا تھا اور آپ نے اس کا کیا جواب دیا تھا۔ آپ نے فرمایا سانپ نے مجھ سے کہا میں نے بہت سے اولیاء اللہ کو آزمایا لیکن آپ ایسا استقامت والا اور عالی ہمت کسی کو نہیں پایا' میں نے اس سانپ سے کہا جس وقت تم چھت سے مجھ پر گرے تھے میں اس وقت قضاء قدر کے مسئلہ پر خطاب کر رہا تھا اور تم تو صرف ایک سانپ ہو اور تم کو حرکت دینے والی اور ٹھہرانے والی چیز تو تقدیر ہے اور تقدیر سے کوئی شخص بھاگ نہیں سکتا تو میں نے یہ چاہا کہ میرا فعل میرے قول کے خلاف نہ ہو۔

اور سیدی عبدالرزاق ابن سیدنا الشیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد سے سنا انہوں نے فرمایا میں ایک رات جامع المنصوری میں نماز پڑھ رہا تھا میں نے کسی چیز کے چلنے کی آہٹ سنی پس اچانک ایک بہت زہریلا سانپ آیا وہ میرے سجدہ کی جگہ پر اپنا پھن کھول کر بیٹھ گیا جب میں نے سجدہ کا ارادہ کیا تو اس کو اپنے ہاتھ سے ہٹا دیا اور سجدہ کر لیا' جب میں تشہد میں بیٹھا تو وہ میرے زانو پر سے چلتا ہوا میری گردن تک پہنچا پھر گردن میں لپٹ گیا' جب میں نے سلام پھیرا تو وہ نظر نہیں آیا دوسرے روز میں ظاہر الجامع کے کھنڈر میں گیا وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا اس کی آنکھیں طول میں پھٹی ہوئی تھیں (یعنی اس کی آنکھیں عرض میں نہیں طول میں تھیں) میں نے جان لیا کہ وہ جن ہے اس نے مجھ سے کہا میں ہی وہ زہریلا سانپ ہوں جس کو تم نے گزشتہ کل دیکھا تھا اور میں نے جس طرح آپ کو آزمایا ہے اس طرح میں نے بہت سے اولیاء اللہ کو آزمایا سو ان میں سے کوئی بھی آپ کی طرح ثابت قدم نہیں رہا' بعض وہ تھے جن کا ظاہر اور باطن دونوں مضطرب ہو گئے اور بعض وہ تھے جن کا ظاہر ثابت قدم رہا اور ان کا باطن مضطرب رہا اور میں نے آپ کو دیکھا کہ میری وجہ سے نماز میں آپ کا ظاہر مضطرب ہوا نہ باطن پھر اس نے میرے ہاتھ پر توبہ کرنے کی درخواست کی اور میں نے اس کو توبہ کرائی۔

(قلائد الجواہر ص ۳۴' مطبوعہ شرکۃ مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر' ۱۳۷۵ھ)

یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو نماز میں اس طرح خشوع کرتے تھے کہ نماز میں ان کے جسم پر تیر لگے' خون بہے' ان کا عضو کاٹ دیا جائے' مسجد میں چھت سے سانپ گر جائے' زنبور جگہ جگہ ڈنک مارے اور نماز میں سانپ ان کی گردن سے لپٹ جائے تب بھی ان کی نماز کے خشوع میں کوئی فرق نہیں آتا تھا' اللہ تعالیٰ ان خاشعین کے تصدق اور توسل سے ہماری نمازوں میں بھی خشوع عطا فرمائے آمین۔

میں نے خشوع کی تحقیق میں بہت طویل گفتگو کی ہے اور یہ تحقیق ہماری اس کتاب کے خصائص میں سے ہے اور شاید کہ خشوع کی ایسی تحقیق قارئین کو اور کسی کتاب میں نہیں ملے گی فالحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔

المؤمنون: ۳ میں فرمایا اور جو لوگ لغو کاموں یا لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔

لغو کا لغوی معنی

ابن فارس نے کہا لغو کے دو معنی ہیں' ایک معنی ہے ایسی بات یا ایسا کام جو قابل شمار نہ ہو' دوسرا معنی ہے کسی چیز سے دل لگی کرنا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے اونٹ کے جن بچوں کو دیت میں ادا نہیں کیا جاتا ان کو لغو کہتے ہیں۔ (مقاییس اللغۃ ج ۵ ص ۲۵۵)

ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ نے کہا جب کوئی چیز ساقط کی جائے تو کہتے ہیں الغی' وہ کام یا وہ بات جو ساقط کرنے کے

لائق ہو اس کو لغو کہتے ہیں۔ (النہایہ ج ۴ ص ۲۲۲-۲۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حدیث میں ہے:

من قال لصاحبه والامام يخطب صه فقد لغا۔ امام کے خطبہ جمعہ کے دوران جس نے اپنے ساتھی سے کہا خاموش رہو اس نے لغوبات کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۳۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۱۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۰۱)

من مس الحصى فقد لغا۔ جس نے (نماز جمعہ میں) کنکریوں کو چھوا اس نے لغو کام کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۰۵۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۹۰)

لغو کا اصطلاحی معنی

علامہ مناوی متوفی ۱۰۰۲ھ نے کہا جو کام زبان پر بغیر قصد اور عزم کے جاری ہو اس کو لغو کہتے ہیں۔

(التوقیف علی مہمات التعریف' القاہرہ' ۱۴۱۰ھ)

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے کہا جو کلام ساقط الاعتبار ہو یا جس کلام سے کوئی حکم ثابت نہ ہو اس کو لغو کہتے ہیں۔ (التعریفات ص ۱۳۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے کہا جو کلام قابل شمار نہ ہو اس کو لغو کہتے ہیں' جو بات آدمی بے سوچے سمجھے کہہ دے اس کو لغوبات کہتے ہیں اور ہر بری بات کو بھی لغو کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۸۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

امام شافعی کے نزدیک بغیر عزم کے جو قسم کھائی جائے وہ یمین لغو ہے جیسے کوئی شخص بات بات پر لا واللہ' بلی واللہ کہے' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک انسان کسی ایسی بات پر قسم کھائے جو اس کے اعتقاد کے موافق ہو اور واقع کے موافق نہ ہو وہ یمین لغو ہے کیونکہ اس میں نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ ہے' اس کی مفصل بحث ہم البقرہ: ۲۲۵ تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۳۵-۸۲۹ میں کر چکے ہیں۔

المؤمنون: ۴ میں فرمایا اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔

زکوٰۃ کے معانی

ابو مسلم نے کہا ہر پسندیدہ اور مستحسن فعل کو زکوٰۃ کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ: ۱۴) جس نے اپنا باطن صاف کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النجم: ۳۲) تم اپنی تعریف اور تحسین نہ کرو۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبۃ: ۱۰۳) ان کے مالوں سے صدقہ لے کر ان کو پاک کریں اور ان کے باطن کو صاف کریں۔

اس آیت میں زکوٰۃ کا یہی معنی مراد ہے' زکوٰۃ کا دوسرا معنی ہے: بہ قدر نصاب مال پر جب ایک سال گزر جائے تو اس میں سے ڈھائی فیصد مال نکال کر فقراء اور مساکین کو دینا' اس آیت سے زکوٰۃ کا یہ معنی مراد نہیں ہے کیونکہ اس معنی میں زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تھی اور یہ سورت مکی ہے' اس کا معنی یہی ہے کہ وہ اچھے اور نیک کام کرتے ہیں' المؤمنون کے مقدمہ میں ہم نے اس کی زیادہ تفصیل کی ہے۔

المؤمنون: ۷-۵ میں فرمایا: اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں' سوا اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے' سو بے شک ان میں وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔ اور جس نے ان کے علاوہ کسی اور کو طلب کیا سو وہی لوگ اللہ کی حدود سے

تجاوز کرنے والے ہیں۔

بغیر نکاح کے باندیوں سے جنسی عمل کرنے کے جواز کی توجیہ

اس آیت میں یہ اجازت دی گئی ہے کہ انسان اپنی باندیوں سے بھی جنسی خواہش پوری کرسکتا ہے اور اس میں اس پر کوئی ملامت نہیں ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اسلام نے بغیر نکاح کے باندیوں سے جنسی خواہش پوری کرنے کی اجازت دی ہے اور بغیر نکاح کے جنسی عمل کرنا بہت معیوب اور مذموم فعل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح سے جنسی عمل کرنے کے جواز کی کیا علت ہے! نکاح میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب اور قبول ہوتا ہے' لیکن اگر کوئی شخص پانچ عورتوں سے بیک وقت نکاح کر لے تو پانچویں عورت سے جنسی عمل جائز نہیں ہوگا حالانکہ اس کے ساتھ بھی گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوا ہے' اسی طرح اگر دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کرلے پھر بھی نکاح کے باوجود ان سے جنسی عمل جائز نہیں ہوگا' اگر کسی مشرکہ سے نکاح کر لے تو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کے باوجود اس سے جنسی عمل جائز نہیں ہوگا' اور اگر کسی ایک مسلمان عورت سے ہی نکاح کرے تو اس سے بھی حیض اور نفاس کے ایام میں جنسی عمل جائز نہیں ہوگا' حالانکہ ان تمام صورتوں میں نکاح تو ہے تو پھر اس منکوحہ سے جنسی عمل کیوں جائز نہیں ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ کسی عورت سے جنسی عمل کے جواز کی علت صرف نکاح نہیں ہے بلکہ اس کی علت اللہ تعالیٰ کی اجازت ہے وہ اگر اجازت نہ دے تو نکاح کے باوجود عورت سے جنسی عمل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر وہ اجازت دے دے تو نکاح کے بغیر بھی باندیوں سے جنسی عمل کرنا جائز ہے۔

اس دور میں غلام اور باندی بنانے کا عدم جواز

واضح رہے کہ اب دنیا میں غلاموں اور لونڈیوں کا چلن ختم ہو چکا ہے اسلام میں جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانا اس وقت مشروع تھا جب دشمن ہمارے جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بناتے تھے' اور اب جبکہ تمام دنیا میں جنگی قیدیوں کو تبادلہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور انسانوں کو غلام بنانا مذموم سمجھا جاتا ہے تو اسلام جو مکارم اخلاق کا سب سے بڑا داعی اور مبلغ ہے' اس میں بھی اب جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانا جائز نہیں ہے' جنگی قیدیوں کے متعلق اسلام کی ہدایت یہ ہے:

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ (محمد: ۴)	سو جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنوں پر وار کرو' حتیٰ کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے باندھ کر گرفتار کرلو پھر خواہ تم ان پر احسان کرکے انہیں بلا معاوضہ آزاد کردو یا ان سے مالی یا جانی فدیہ لے کر انہیں آزاد کردو۔

مالی فدیہ سے مراد یہ ہے کہ ان سے رقم یا ہتھیار اور ساز و سامان لے کر انہیں آزاد کر دیا جائے' اور جانی فدیہ سے مراد یہ ہے کہ ان کا اپنے جنگی قیدیوں سے تبادلہ کرلیا جائے۔ اس کی زیادہ تفصیل تبیان القرآن ج ۴ ص ۶۸۲ - ۶۷۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

عورتوں کا غلاموں سے جنسی عمل کرانا' ہم جنس پرستی' استمناء بالید اور متعہ

اس جگہ ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح مردوں کے لئے جائز ہے کہ وہ بغیر نکاح کے اپنی باندیوں سے جنسی عمل کریں کیا اس طرح عورتوں کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ بغیر نکاح کے اپنے غلاموں سے جنسی عمل کرائیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صریح فحشاء اور بے حیائی ہے' اور قرآن مجید میں زنا اور بے حیائی کو سخت حرام فرمایا ہے۔ اور مردوں کا اپنی باندیوں سے جنسی عمل کرنا قرآن مجید کی متعدد نصوص اور بہ کثرت احادیث سے جائز ہے اور اس آیت میں بھی ماملکت ایمانھم کی ضمیر

مذکر ہے جو مردوں کی طرف راجع ہے یعنی مرد جن باندیوں کے مالک ہیں ان سے بغیر نکاح کے جنسی عمل کر سکتے ہیں نہ یہ کہ عورتیں جن مردوں کی مالک ہیں ان سے جنسی عمل کر سکتی ہیں' اس آیت میں بیویوں اور باندیوں کے ماسوا سے جنسی لذت حاصل کرنے کو حرام فرمایا ہے' اس سے لواطت یعنی مردوں کا مردوں سے جنسی عمل کرنا یا عورتوں کا عورتوں سے جنسی لذت حاصل کرنا بھی حرام ہے' اسی طرح کوئی شخص اپنے ہاتھ سے یا اپنی ران سے رگڑ کر منی نکالے یہ بھی اس آیت سے حرام ہے' اس سلسلہ میں ایک حدیث بیان کی جاتی ہے ناکح الیدملعون' ہاتھ سے نکاح کرنے والا ملعون ہے۔ ملا علی قاری نے اس کے متعلق لکھا ہے:

اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (الاسرار المرفوعہ فی احادیث الموضوعہ ص ۲۵۷' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں کہ امام مالک سے استمناء بالید کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس آیت کو پڑھا۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے اس کو حرام کہا ہے' الا یہ کہ کسی شخص کو غلبہ شہوت کی وجہ سے اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہو' امام احمد بن حنبل نے باوجود بہت زیادہ پرہیز گار ہونے کے اس عمل کو جائز کہا ہے' انہوں نے کہا یہ ضرورت کے وقت اپنے بدن سے فضلہ کو خارج کرنا ہے جیسے فصد لگواتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۹۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت میں چونکہ بیویوں اور باندیوں کے سوا ہر طریقہ سے جنسی عمل کو حرام فرما دیا ہے اس لئے بعض مفسرین مثلاً امام رازی' علامہ قرطبی اور علامہ آلوسی وغیرہم نے اس آیت سے متعہ کو بھی حرام قرار دیا ہے کیونکہ ممتوعہ عورت کو بیوی نہیں کہا جاتا۔ بیوی شوہر کی وارث ہوتی ہے اور ممتوعہ وارث نہیں ہوتی' بیوی کے لئے نکاح' طلاق' ایلاء' ظہار اور عدت وغیرہ کے احکام ہیں جب کہ ممتوعہ کے لئے ان میں سے کوئی حکم نہیں ہوتا اس لئے ممتوعہ بیوی نہیں ہے نہ باندی ہے اس لئے اس کے ساتھ بھی جنسی عمل ناجائز ہوا' لیکن یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور مدینہ منورہ میں متعہ ہوتا رہا تھا پھر سات ہجری میں غزوۂ خیبر کے موقع پر متعہ کو پہلی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا پھر فتح مکہ کے موقع پر اس کو تین دن کے لئے حلال قرار دیا اور پھر اس کو آخری بار قطعی طور پر آپ نے حرام قرار دے دیا' متعہ کی حرمت پر ہم اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور: ۳۳)

اور جو لوگ نکاح کی طاقت نہیں رکھتے ان پر لازم ہے کہ وہ ضبط نفس کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مبہم الفاظ میں واضح فرما دیا ہے کہ اگر نکاح نہیں کر سکتے تو ضبط نفس کرو' اگر متعہ جائز ہوتا تو نکاح کی استطاعت نہ ہو۔ نے کی صورت میں متعہ کی اجازت دے دی جاتی اور جب متعہ کی اجازت کے بجائے ضبط نفس کا حکم دیا ہے تو معلوم ہو گیا کہ اسلام میں متعہ کے جواز کا کوئی تصور نہیں' اور سورہ نور مدنی ہے اس لئے سورہ نور کی اس آیت سے حرمت متعہ پر استدلال کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم نے حرمت متعہ کی تفصیلی بحث النساء: ۲۴ تبیان القرآن ج ۲ ص ۶۳۲-۶۲۹ - میں کی ہے دیکھئے۔

المؤمنون: ۸ میں فرمایا اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرنے والے ہیں۔

امانت اور عہد کی حفاظت کرنے کا حکم

کسی شخص پر اعتماد کر کے لوگ اس کے پاس اپنی کوئی چیز حفاظت کے لئے رکھ دیں اس کو امانت کہتے ہیں' اس کا حکم یہ ہے کہ اگر امین نے اس چیز کی پوری پوری حفاظت کی اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی تو اس سے کوئی تاوان وصول نہیں کیا جائے گا' اور اگر اس نے اس چیز کی حفاظت میں کوئی کوتاہی کی تھی جس وجہ سے وہ چیز ضائع ہو گئی تو اس کو اس چیز کا تاوان دینا ہو گا یا اس کی مثل واپس کرنی ہو گی۔

عہد کا معنی ہے قول' اقرار' پیان اور معاہدہ وغیرہ' علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ کسی چیز کی حفاظت اور اس کی بتدریج رعایت کرنے کو عہد کہتے ہیں اور جس چیز کا عہد کیا جائے اس کو پورا کرنا لازم ہے' قرآن میں ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○ اور عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(بنی اسرائیل: ۳۴)

عہد کی کئی قسمیں ہیں: (۱) اللہ کا عہد کبھی ہماری عقلوں میں مرکوز اور ہماری فطرت میں پیوست ہوتا ہے جیسے اللہ پر ایمان لانے کا عہد ہماری عقلوں میں مرکوز ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی وساطت سے کتاب اور سنت کے ذریعہ ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم اس کے تمام احکام پر عمل کریں گے۔ (۳) کبھی کوئی عبادت ابتداءً ہم پر لازم نہیں ہوتی ہم نذر مان کر اس عبادت کو اپنے اوپر فرض کر لیتے ہیں یہ نذر بھی ہمارا عہد ہے۔ (۴) دو عقد کرنے والے آپس میں کوئی بات طے کر لیتے ہیں اور اس کو وثیقہ یا اشامپ پیپر پر لکھ لیتے ہیں۔ (۵) مسلمان حکومتیں کافر حکومتوں سے باہمی دلچسپی کا کوئی معاملہ طے کر لیتی ہیں مثلاً تجارت' یا صنعت و حرفت اور ثقافت سے متعلق امور۔ (۶) مسلمان حکومت اہل کتاب سے جزیہ لے کر ان کے جان و مال کی حفاظت کرنے کا وعدہ کرتی ہے اس کو بھی عہد کہتے ہیں' عہد کی ان تمام اقسام کا پورا کرنا لازم ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۵۵' ملخصاً و موضحاً' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں امانت اور عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے پاس اپنے احکام شرعیہ کی امانت رکھی ہے اور ان سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اس کے احکام پر عمل کریں گے اور کلمہ اسلام پڑھتے ہی انسان اس کا امین اور اس عہد کا ذمہ اٹھانے والا ہو جاتا ہے' اور اس سے مراد تمام احکام شرعیہ کا پورا کرنا ہے خواہ وہ فرائض اور واجبات ہوں یا محرمات اور مکروہات ہوں۔ ہم نے النساء: ۵۸ میں امانت پر بہت مفصل گفتگو کی ہے دیکھئے تبیان القرآن ج ۲ ص ۷۰۳-۶۹۸

المؤمنون: ۹ میں فرمایا اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرنے والے ہیں۔

نماز کو سستی اور غفلت سے پڑھنے اور وقت نکلنے کے بعد پڑھنے کی ممانعت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ نماز کو اپنے وقت پر پڑھ لیتے ہیں اور نماز کو ضائع نہیں کرتے اور نماز کے وقت میں کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوتے' اور اس کا معنی یہ بھی ہے کہ جو لوگ نماز کو دائماً پڑھتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے حکام مسلط ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھیں گے یا نماز کا وقت ضائع کر کے پڑھیں گے' میں نے پوچھا کہ اس صورت میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم نماز کو اس کے وقت میں پڑھ لو' پھر اگر تم نماز میں ان سے مل جاؤ تو پڑھ لو یہ تمہاری نفل نماز ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۴۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو عبادت کے معمولات تھے میں اب ان میں سے کسی کو نہیں پہچانتا' ان سے کہا گیا کہ نماز؟ انہوں نے کہا کیا تم نماز میں بھی ان چیزوں کو ضائع نہیں کر چکے جن کو ضائع کر چکے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۹' مطبوعہ دار ارقم بیروت)

زہری بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے' میں نے پوچھا آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے' انہوں نے کہا میں جن چیزوں کو جانتا تھا اب ان میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی سوا اس نماز کے اور یہ

نماز بھی ضائع کی جا چکی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۰' دارارقم بیروت)
العلاء بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ ہم بصرہ میں ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور ان کا گھر مسجد کے پہلو میں تھا' جب ہم ان کے پاس گئے تو انہوں نے پوچھا کیا تم لوگوں نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے کہا ہم تو ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر آ رہے ہیں' انہوں نے کہا عصر کی نماز پڑھو' ہم نے ان کے ساتھ نماز پڑھی جب ہم نماز سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ منافق کی نماز کا وقت ہے' وہ بیٹھ کر سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو وہ کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور وہ نماز میں بہت کم اللہ کا ذکر کرتا ہے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۱)
اللہ تعالیٰ نے سستی اور غفلت سے نماز پڑھنے اور نماز ضائع کرنے کی بہت مذمت فرمائی ہے:

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (النساء: ۱۴۲)

اور منافق جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت سستی سے کھڑے ہوتے ہیں' لوگوں کو دکھانے کے لئے پڑھتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○ (الماعون: ۶-۴)

ان نمازیوں پر افسوس اور عذاب ہے' جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں' اور جو ریا کاری کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ نماز کو ضائع کرنے کا مطلب ہے نماز کا وقت نکلنے کے بعد نماز کو پڑھنا' امام ابن سعد نے الطبقات میں یہ حدیث بیان کی ہے: ثابت بنانی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے حجاج نے نماز میں تاخیر کر دی' حضرت انس نے ارادہ کیا کہ اس سے بات کریں تو ان کے دوستوں نے حضرت انس پر شفقت کرتے ہوئے ان کو اس سے منع کیا' پھر حضرت انس اپنی سواری پر بیٹھ کر گئے اور راستے میں کہہ رہے تھے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عبادت کے جو معمولات دیکھتا تھا اب ان میں سے کسی کو نہیں پاتا ماسوا لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کے' ایک شخص نے کہا اے ابوحمزہ! اور نماز! حضرت انس نے کہا تم ظہر کو مغرب کے وقت پڑھتے ہو کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی؟
(فتح الباری ج ۲ ص ۱۹۶' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)
علامہ ابوالحسین علی بن خلف بن عبدالملک المعروف بابن بطال التوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:
حضرت انس نے جو فرمایا تھا کہ تم نے نماز کو ضائع نہیں کر دیا اس سے ان کی مراد تھی تم نماز کو اس کا مستحب وقت نکلنے کے بعد تاخیر سے پڑھتے ہو' ان کی مراد یہ نہیں تھی کہ تم نماز کا وقت نکلنے کے بعد نماز پڑھتے ہو' قرآن مجید میں ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ○ (مریم: ۵۹)

پھر ان کے بعد ایسے برے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے وہ عنقریب دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اس کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے اس طرح نماز کو ضائع نہیں کیا تھا کہ نماز کو ترک کر دیا تھا اگر وہ نماز کو ترک کر دیتے تو وہ کافر ہو جاتے' لیکن انہوں نے نمازوں کو ان کے اوقات سے مؤخر کر دیا تھا۔
(شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۲ ص ۱۵۷' مطبوعہ مکتبۃ الرشد ریاض' ۱۴۲۰ھ)

نماز کے اوقات ضائع کرنے سے مراد ہے وقت پر نماز نہ پڑھنا' جب جی چاہا نماز پڑھ لی' یا بلا عذر نمازیں اکٹھی کر کے پڑھنا' کبھی دو نمازیں' کبھی چار نمازیں اور کبھی پانچوں نمازیں اکٹھی کر کے پڑھنا' یہ تمام صورتیں نماز کو ضائع کر کے پڑھنے کی ہیں۔اس کا مرتکب سخت گناہ گار ہے اور وہ اس آیت میں مذکور وعید کا مستحق ہے' غی دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔

علامہ ابن بطال نے نماز کو ضائع کرنے کی تفسیر اس کے مستحب وقت نکلنے کے بعد نماز پڑھنے سے کی ہے یہ صحیح نہیں ہے' نماز کو ضائع کرنا یہی ہے کہ نماز کا وقت نکلنے کے بعد اس کو پڑھا جائے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے طبقات کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

المؤمنون: ۱۱-۱۰ میں فرمایا وہی لوگ وارث ہیں ○ جو الفردوس کی وراثت پائیں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

کیا جنت میں دخول صرف ان ہی صفات سے ہو گا جن کا المؤمنون کی ابتداء میں ذکر ہے؟

اس آیت سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہی مومن جنت میں جائیں گے جو اپنی نمازوں میں خشوع کریں گے' لغو باتوں سے اعراض کریں گے اپنا باطن صاف کریں گے' جو اپنی پاک دامنی کی حفاظت کریں گے' جو اپنے عہد اور امانت کا پاس کریں گے اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کریں گے' حالانکہ اس آیت میں مومنوں کے نیک کاموں کے کرنے کا ذکر ہے اور ممنوعات سے بچنے کا ذکر نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عہد اور امانت تمام قسم کے احکام شرعیہ کو شامل ہیں خواہ وہ فرائض اور واجبات ہوں یا محرمات اور مکروہات ہوں۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت سے بہ ظاہر حصر معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہی مومن جنت میں جائیں گے جو تمام احکام شرعیہ پر عمل کرتے ہوں حالانکہ بچے اور مجنون بھی جنت میں جائیں گے اور عفو کے بعد فساق بھی جنت میں جائیں گے' اس کا جواب یہ ہے کہ عفو کے بعد فساق ان مومنین کے ساتھ لاحق ہو جائیں گے اور رہے بچے اور مجنون تو وہ غیر مکلف ہیں اور اس آیت میں مکلفین کے اعتبار سے حصر ہے' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ مومنین اصالتاً جنت میں جائیں گے اور بچے اور مجنون ان کے تابع ہو کر جنت میں جائیں گے۔

الفردوس کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

فردوس حبشی یا رومی زبان کا لفظ ہے' یہ فارسی زبان سے لیا گیا ہے' فارسی میں فردوس اس باغ کو کہتے ہیں جس کے درخت پھیلتے جائیں' اور قبطی زبان میں فردوس انگور کی بیلوں کو کہتے ہیں' قاموس اور منتہی الارب میں مذکور ہے کہ فردوس پانی کی اس چھوٹی سی نہر کو کہتے ہیں جس میں ہر طرف سبزہ اگا ہوا ہو اور جس باغ کے اندر ہر طرح کے پھل اور پھول ہوں۔

(تاج العروس ج ۴ ص ۲۰۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کیا ہے' ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا اوسط ہے اور سب سے بلند درجہ ہے' اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اس سے جنت کے دریا نکلتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۰۰' عالم الکتب بیروت)

یہ حدیث حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۱' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۶)

جنت کے وارث ہونے کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مومنین جنت الفردوس کے وارث ہوں گے' اس وراثت کی دو طرح توجیہ ہے' ایک یہ کہ انسان دنیا میں کچھ مال و متاع کو تو اپنے قوت بازو سے حاصل کرتا ہے اور اس میں اس کی محنت اور کسب کا دخل ہوتا ہے' اور کچھ مال اس کو وراثت سے ملتا ہے مثلاً کوئی عزیز کچھ مال اور ترکہ چھوڑ کر مر گیا اور وہ اس کو وراثت سے مل گیا تو اس مال میں اس کی محنت اور کسب اور اس کے کسی استحقاق کا دخل نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومنوں کو جنت بہ طور وراثت ملے گی یعنی اس میں ان کی محنت اور ان کے عمل کا کوئی دخل نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت ان کے کسی حق کے بغیر محض اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے' اور اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ وراثت میں انسان کو کسی کا ترکہ ملتا ہے اور آخرت میں مومنوں کو ایک جنت تو اپنی ملے گی اور ننانوے جنتیں کفار کے ترکہ سے ملیں گی جو ان کے لئے بنائی گئی تھیں وہ اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں چلے گئے اور اپنی جنتوں کو ترکہ میں چھوڑ گئے جو مومنوں کو وراثت میں دے دی جائیں گی' جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے دو ٹھکانے ہیں ایک ٹھکانہ جنت میں ہے اور ایک ٹھکانہ دوزخ میں ہے' پس جو انسان مر جاتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے تو اہل جنت اس کے ٹھکانے کے وارث ہو جاتے ہیں' اور اللہ عزوجل نے جو فرمایا ہے اولئک ھم الوارثون اس کا یہی معنی ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۴۱- اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ مومنین جنت میں اپنے ٹھکانوں کے وارث ہوں گے اور اپنے ان بھائیوں کے ٹھکانوں کے وارث ہوں گے جو اگر اللہ کی اطاعت کرتے تو ان ٹھکانوں میں رہتے جو ان کے لئے تیار کئے گئے تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۲۵۲' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۳' حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے بھی اس کی موافقت کی ہے)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ○ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ میں رکھ دیا ○ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا' پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا' پھر ہم نے اس گوشت کو ہڈیاں بنا دیا' پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت پہنا دیا' پھر اس کے بعد دوسری تخلیق میں انسان کو پیدا کر دیا' پس اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے ○ پھر اس کے بعد تم (سب) ضرور مرنے والے ہو ○ پھر یقیناً تم سب قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے ○ (المؤمنون: ۱۶-۱۲)

تخلیق انسان کے مراحل کی حدیث

روایت ہے کہ جب حضرت عمر نے المؤمنون: ۱۵ کو یہاں تک سنا پھر اس کے بعد دوسری تخلیق میں انسان کو پیدا کر دیا تو ان کے منہ سے بے اختیار نکلا فتبارک اللہ احسن الخالقین تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے' حافظ ابن کثیر نے اس تفسیر کو امام ابن ابی حاتم سے روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح نے اس طرح کہا تھا اس نے کہا فتبارک اللہ احسن الخالقین تو یہ آیت اسی طرح نازل ہوگئی وہ مرتد ہو گیا اس نے کہا مجھ پر بھی قرآن اسی طرح نازل ہوتا ہے جس طرح (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (الانعام: ۹۳)

اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ افتراء باندھتا ہے اور جو کہتا ہے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے حالانکہ اس پر کچھ وحی نہیں کی گئی اور جو کہتا ہے میں عنقریب اس طرح نازل کروں گا جس طرح اللہ نے نازل کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ص ۱۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ان آیتوں میں انسان کی تخلیق کے جو مراحل بیان کئے گئے ہیں حدیث میں بھی اسی طرح انسان کی تخلیق کے مراحل کا بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ صادق اور مصدوق ہیں بے شک تم میں سے کسی ایک کی خلقت کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک رکھا جاتا ہے پھر چالیس دن تک وہ جما ہوا خون ہوتا ہے پھر چالیس دن میں وہ گوشت بن جاتا ہے پھر اللہ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے وہ اس کا رزق لکھتا ہے اس کی موت حیات لکھتا ہے اس کا عمل لکھتا ہے اور اس کا شقی یا سعید ہونا لکھتا ہے۔ پس اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تم میں سے کوئی شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر کتاب (تقدیر) سبقت کرتی ہے وہ اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے کوئی شخص اہل دوزخ کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر کتاب (تقدیر) سبقت کرتی ہے اور وہ اہل جنت کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۹۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۶ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۴۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں ○ اور ہم نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس کو زمین میں ٹھہرایا اور بے شک ہم اس کو (بہا کر) لے جانے پر بھی قادر ہیں ○ پھر ہم نے اس پانی سے تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغات اگائے جن میں تمہارے لئے بہ کثرت پھل ہیں اور جن سے تم کھاتے ہو ○ اور وہ درخت (زیتون) پیدا کیا جو طور سیناء سے نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کا سالن ہے ○ اور تمہارے لئے چوپایوں میں ضرور مقام غور ہے ہم تمہیں ان میں سے وہ (دودھ) پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے لیے ان میں بہت زیادہ فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ○ اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو ○ (المؤمنون: ۲۲-۱۷)

مخلوق کی ضروریات اور مصلحتوں کی رعایت

اس آیت میں راستوں کے لئے طرائق کا لفظ ہے یہ طریقہ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے راستہ یہاں اس سے مراد آسمان ہیں عربی میں اوپر تلے کی چیزوں کو بھی طریقہ کہتے ہیں آسمان بھی اوپر تلے ہیں اس لئے انہیں طرائق فرمایا' یا طریقہ راستہ کے معنی میں ہے کیونکہ ملائکہ کے آنے جانے کے لئے آسمان گزرگاہ اور راستہ ہے فرشتے آگ کے گولے بھی آسمانوں سے پھینکتے ہیں اس لئے آسمانوں کو طرائق فرمایا۔

پھر فرمایا ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں' یعنی ہم آسمانوں کو پیدا کر کے اپنی زمین کی مخلوق سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم نے آسمانوں کو زمین پر گرنے سے محفوظ بنا دیا ہے تاکہ زمین کی مخلوق ہلاک نہ ہو' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہم آسمانوں کو پیدا کر کے زمین کی مخلوق کی مصلحتوں اور ان کی زندگی کی ضروریات سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم ان کی تدبیر اور ان کا انتظام کرتے رہتے ہیں اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ زمین سے جو کچھ نکلتا ہے یا جو کچھ زمین کے اوپر آتا ہے' اسی طرح آسمان سے جو کچھ نازل ہوتا ہے اور جو کچھ آسمان کی طرف چڑھتا ہے ہم اس سے غافل نہیں ہیں وہ سب ہمارے علم میں ہے اور ہر چیز پر ہماری نظر ہے اور ہم اپنے علم کے لحاظ سے ہر جگہ تمہارے ساتھ ہیں۔

المؤمنون: ۱۸ میں فرمایا اور ہم نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی نازل کیا یعنی نہ اتنا زیادہ کہ تمام زمین والے سیلاب اور طوفانوں کی زد میں آ جائیں اور نہ اتنا کم کہ وہ زمین کی پیداوار اور دیگر ضروریات کے لئے کافی نہ ہو۔ اور فرمایا پھر اس کو زمین میں ٹھہرایا یعنی یہ تدبیر کی کہ تمام پانی نازل ہو کر فوراً بہہ کر ختم نہ ہو جائے بلکہ ہم نے چشموں' نہروں' دریاؤں اور کنوؤں کی صورت میں اس پانی کو محفوظ کر دیا' تاکہ جن دنوں میں بارشیں نہ ہوں یا جن علاقوں میں بارشیں کم ہوتی ہیں اور وہاں پانی کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے ان دنوں میں اس ذخیرہ کئے ہوئے پانی کو حاصل کر لیا جائے' پھر فرمایا: اور بے شک ہم اس (پانی) کو بہا کر لے جانے پر بھی قادر ہیں' یعنی جس طرح ہم نے محض اپنے فضل سے پانی کے حصول کی ایسی وسیع تدبیر کی ہے وہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم پانی کی سطح اتنی نیچی کر دیں کہ تمہارے لئے پانی کا حصول ناممکن ہو جائے۔ ایک اور جگہ فرمایا:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ (الملک: ۳۰)

آپ کہیے اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے پینے کا پانی زمین میں دھنس جائے اور بہت نیچے اتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے صاف پانی مہیا کرے!

غور کے معنی ہیں خشک ہو جانا یا پانی کا اتنی گہرائی میں اتر جانا کہ وہاں سے پانی کا نکالنا ممکن نہ ہو' یعنی اگر اللہ پانی کو خشک فرما دے کہ اس کا وجود ہی نہ رہے یا پانی کو اتنی گہرائی میں کر دے کہ تمام قسم کی مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو پھر کون ہے جو تم کو صاف ستھرا نتھرا ہوا پانی مہیا کرے' کہو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

المؤمنون: ۱۹ میں فرمایا: پھر ہم نے اس پانی سے تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغات اگائے اور جن سے تم کھاتے ہو یعنی ان باغوں میں کھجور اور انگور کے علاوہ اور بہت سے پھل ہیں جن سے تم لذت اندوز ہوتے ہو اور کچھ کھاتے ہو۔

المؤمنون: ۲۰ میں فرمایا: اور وہ درخت زیتون پیدا کیا جو طور سیناء سے نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کا سالن ہے۔

زیتون کا روغن بطور تیل استعمال ہوتا ہے اور اس کا پھل کھایا جاتا ہے۔ سالن کو صبغ فرمایا ہے کیونکہ صبغ کے معنی رنگنا ہیں اور روٹی سالن میں ڈوبنے اور بھیگنے کے بعد گویا رنگی جاتی ہے' طور سیناء کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ اس کا قرب و جوار زیتون کی پیداوار کے لئے بہت زرخیز علاقہ ہے۔

انگور' کھجور' زیتون اور دودھ کے غذائی اور طبی فوائد

انگور شیریں اور لذیذ پھل ہے زود ہضم ہے اس کا مزاج گرم تر ہے اس میں غذائیت بہت ہوتی ہے' خون صالح پیدا کرتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے' زیادہ مقدار میں کھانے سے اسہال ہوتے ہیں' خون کی کمی کے لئے یہ بہت عمدہ غذا ہے روزانہ آدھ پاؤ میٹھا انگور کھانے سے خون بڑھتا ہے جب انگور دستیاب نہ ہوں تو کشمش کھانی چاہئے۔ سو گرام انگور میں ۶۹ حرارے

ایک گرام پروٹین ۱۶ گرام نشاستہ اور ایک گرام چکنائی ہوتی ہے۔

کھجور ایک مکمل غذا ہے اس کا مزاج گرم خشک ہے اس کا بدرقہ (دف توڑ) انار اور سکنجبین ہے کھجور دل اعصاب اور دماغ کو قوت دیتی ہے بلغم کو خارج کرتی ہے کاسر ریاح اور ہاضم ہے اس کے کھانے سے پیٹ کے سرخ خلیات میں اضافہ ہوتا ہے یہ کلسٹر ول کو توازن میں رکھتی ہے عرب کی کھجور خاص طور پر دل کے لئے مفید ہے اس کے کھانے سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں اور پیشاب کھل کر آتا ہے سو گرام کھجور میں ۲۱۴ حرارے ۲ گرام پروٹین ۴۷ گرام نشاستہ ایک گرام چکنائی اور سات گرام ریشہ (پھوک) ہوتا ہے۔

زیتون زیادہ تر بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں میں پیدا ہوتا ہے مثلاً یونان فلسطین اور اسپین وغیرہ اس کا پھل قدرے کسیلا ہوتا ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے اس کا مزاج گرم تر ہے زیتون کا تیل نسیان اور جوڑوں کے درد میں مفید ہے اعصاب کو مضبوط کرتا ہے قوت باہ پیدا کرتا ہے کلسٹر ول کو حل کر لیتا ہے فالج زدہ عضو پر زیتون کے تیل کی مالش کی جاتی ہے۔

دودھ کے غذائی اور طبی فوائد

المؤمنون: ۲۱ میں فرمایا اور تمہارے لئے چوپایوں میں ضرور مقام غور ہے ہم تمہیں ان میں سے وہ (دودھ) پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے لئے ان میں بہت زیادہ فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔

گائے کے خالص سو گرام دودھ میں ۶۵ حرارے ۳،۳ گرام پروٹین ۳،۸ گرام چکنائی ۴،۷ گرام لیکٹوز ۱۲۰ ملی گرام کیلشیم ۰،۵ ملی گرام فولاد ۰،۰۴ ملی گرام وٹامن بی ۰،۵ ملی گرام وٹامن سی ۳۵ مائیکرو گرام وٹامن اے ۵ مائیکرو گرام فولک ایسڈ ہوتے ہیں۔

انسان کے لئے دودھ بہترین غذا ہے اس میں گوشت ہڈی اور خون پیدا کرنے کے تمام ضروری اجزاء موجود ہیں بکری گائے اور بھینس کے دودھ زیادہ تر استعمال ہوتے ہیں۔ بکری کے دودھ میں چکنائی کم ہوتی ہے بھینس کے دودھ میں زیادہ چکنائی ہوتی ہے اور گائے کے دودھ میں متوازن چکنائی ہوتی ہے اس لئے ہم نے صرف گائے کے دودھ کے غذائی اجزاء بیان کئے ہیں۔

المؤمنون: ۲۲ میں فرمایا: اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو۔

یعنی ہم نے تم کو مویشیوں کا مالک اور ان پر متصرف بنا رکھا ہے تم ان کا گوشت کھاتے ہو اور ان پر سواری کرتے ہو اور ان سے اور طرح طرح کے فوائد حاصل کرتے ہو یہ تمہاری خشکی کی سواریاں ہیں پھر تمہارے لئے دریاؤں اور سمندروں میں سفر کرنے کے لئے الگ سواریاں بنائی ہیں کیا ان تمام نعمتوں سے فائدے حاصل کرنے کے باوجود اب بھی تمہارے دل میں اس مالک رازق اور منعم پر ایمان لانے اور اس کا شکر ادا کرنے کی تحریک پیدا نہیں ہوتی!

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے! ○ پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا

قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ

یہ تو محض تمہاری مثل بشر ہیں جو تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اگر اللہ کسی کو

اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۲۴

(پیغام دے کر) بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو نازل کر دیتا، ہم نے تو اس بات کو اپنے پہلے باپ دادا میں سے کسی سے نہیں سنا ۝

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۲۵ قَالَ رَبِّ

یہ تو صرف ایک مجنون آدمی ہے سو تم اس کو ایک معین میعاد تک ڈھیل دو ۝ نوح نے دعا کی اے میرے رب!

انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۲۶ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا

میری مدد فرما کیونکہ یہ میری تکذیب کر رہے ہیں ۝ پس ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے

وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ

موافق کشتی بنائیں پھر جب ہمارا عذاب آنے لگے اور تنور جوش میں آجائے تو آپ ہر جنس کے جانوروں میں سے

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ

ایک ایک جوڑا اس (کشتی) میں بٹھالیں اور اپنے اہل کو بھی اس میں سوار کرلیں، سوا ان کے جن کے متعلق پہلے فیصلہ ہو

مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۲۷

چکا ہے، اور ان ظالموں کے متعلق آپ مجھ سے سفارش نہ کیجئے گا، بے شک وہ ضرور غرق کیے جائیں گے ۝

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَي الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ

پھر جب آپ اور آپ کے اصحاب اطمینان سے کشتی میں سوار ہو جائیں تو آپ کہیں کہ تمام تعریفیں

لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۲۸ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا

اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات دی ۝ اور آپ کہیں: اے میرے رب مجھے برکت والی

مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۲۹ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا

زمین پر اتارنا بے شک تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے ۝ بے شک اس قصہ میں ہماری (معرفت کی) ضرور نشانیاں ہیں اور ہم

لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا

ضرور (بندوں کو) آزمانے والے ہیں ○ پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور زمانہ کے لوگ پیدا کیے ○ پس ہم نے ان میں

فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا

ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جس نے کہا کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں، تو کیا

تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾

تم نہیں ڈرتے ○

ع ۲ / ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے' تو کیا تم نہیں ڈرتے ○ پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا یہ تو محض تمہاری مثل بشر ہیں جو تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اگر اللہ کسی کو (پیغام دے کر) بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو نازل کر دیتا' ہم نے تو اس بات کو اپنے پہلے باپ دادا میں سے کسی سے نہیں سنا ○ یہ تو صرف ایک مجنون آدمی ہے سو تم اس کو ایک معین مدت تک ڈھیل دو ○ (المؤمنون: ۲۵-۲۳)

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

حضرت نوح علیہ السلام سے متعلق آیات کی مفصل تفسیر ہم الاعراف: ۶۴-۵۹' تبیان القرآن ج ۴ ص ۱۹۸-۱۹۱ میں بیان کر چکے ہیں' وہاں ہم نے ان عنوانات پر بحث کی ہے' ۱- حضرت نوح علیہ السلام کا نام ونسب اور ان کی ولادت۔ ۲- بت پرستی کی ابتداء کیسے ہوئی ہے۔ ۳- حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور ان کا اول رسل ہونا۔ ۴- حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا بیان۔ ۵- حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کا عذاب۔ ۶- طوفان نوح اور کشتی کی بعض تفاصیل۔ ۷- حضرت نوح علیہ السلام کی عمر۔ ۸- قصہ نوح نازل کرنے کے فوائد۔ ۹- اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل۔ ۱۰- اہم اور مشکل الفاظ کے معانی۔ ۱۱- حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر قوم نوح کے استبعاد اور تعجب کی وجوہات۔ ۱۲- قوم نوح کے استبعاد اور تعجب کا ازالہ۔ تاہم یہاں پر ہم نہایت اختصار کے ساتھ اس رکوع کی آیات کی تفسیر کریں گے' فنقول وباللہ التوفیق.

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کو پیغام پہنچانا اور ان کا پیغام کو مسترد کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بشیر ونذیر بنا کر ان کی قوم کی طرف بھیجا' آپ نے اپنی قوم کو اللہ کا پیغام سنایا' کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے؟ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو محض تمہاری مثل بشر ہیں یہ نبی اور رسول کیسے ہو سکتے ہیں' اگر یہ نبوت اور رسالت کا دعویٰ کر رہے ہیں تو ان کا مقصد صرف تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا ہے' بھلا انسان کی طرف وحی کیسے آ سکتی ہے' اگر اللہ کا ارادہ کسی کو نبی بنا کر بھیجنا ہوتا تو وہ کسی فرشتہ کو نبی اور رسول بنا کر بھیج دیتا جو ہم کو توحید کا مسئلہ سمجھاتا' ان کی یہ دعوت تو ایک نرالی اور انوکھی دعوت ہے جس کو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانہ میں بھی کبھی نہیں سنا یہ ہم کو اور ہمارے باپ دادا کو بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے کم عقل اور بے وقوف کہتے ہیں' دراصل یہ خود ہی مجنون اور دیوانے ہیں' ان کو ایک معین مدت تک ڈھیل دے دو' جب یہ وفات پا جائیں

گے تو ان کی موت کے ساتھ ہی ان کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی' یا شاید ان کا جنون جاتا رہے اور یہ خود ہی اپنی اس دعوت کو ترک کر دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نوح نے دعا کی اے میرے رب میری مدد فرما کیونکہ یہ میری تکذیب کر رہے ہیں O پس ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے موافق کشتی بنائیں پھر جب ہمارا عذاب آنے لگے اور تنور جوش میں آ جائے تو آپ ہر جنس کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا اس (کشتی) میں بٹھالیں' اور اپنے اہل کو بھی اس میں سوار کر لیں سوا ان کے جن کے متعلق پہلے فیصلہ ہو چکا ہے' اور ان ظالموں کے متعلق آپ مجھ سے سفارش نہ کیجئے گا بے شک وہ ضرور غرق کئے جائیں گے O پھر جب آپ اور آپ کے اصحاب اطمینان سے کشتی میں سوار ہو جائیں تو آپ کہیں کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات دی O اور آپ کہیں: اے میرے رب مجھے برکت والی زمین پر اتارنا بے شک تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے O بے شک اس قصہ میں ہماری (معرفت کی) ضرور نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (بندوں کو) آزمانے والے ہیں O (المؤمنون: ۳۰-۲۶)

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے اہم نکات

ان آیات کی مفصل تفسیر ھود: ۴۸-۳۶ میں بیان کی جا چکی ہے' تبیان القرآن ج ۵ ص ۵۶۰-۵۳۵ میں ملاحظہ فرمائیں ہم نے حسب ذیل عنوانات کے تحت ان آیات کی تفسیر کی ہے:

(۱) امتناع کذب اور مسئلہ تقدیر۔ (۲) جان بچانے کے وجوب پر بعض مسائل کی تفریع۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں متاخرین کا مسلک۔ (۴) اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات میں متقدمین کا مسلک۔ (۵) اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔ (۶) اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات کے متعلق احادیث۔ (۷) متاخرین کے اختلاف کا منشاء۔ (۸) کشتی بنانے کی کیفیت۔ اس کی مقدار اور اس کو بنانے کی مدت کی تفصیل۔ (۹) کشتی بنانے کا مذاق اڑانے کی وجوہ۔ (۱۰) حضرت نوح علیہ السلام کے جواباً مذاق اڑانے کا محمل۔ (۱۱) تنور کا معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق۔ (۱۲) حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والوں کی تفصیل۔ (۱۳) ہر کام کے شروع سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لینا۔ (۱۴) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کشتی پر کیوں بلایا جب کہ وہ کافر تھا۔ (۱۵) اللہ اور اس کے رسول کا جمادات کو خطاب کرنا۔ (۱۶) جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہرنے کی تفصیل۔ (۱۷) تکبر کی مذمت اور تواضع کی تعریف۔ (۱۸) ان بچوں اور جانوروں کا کیا قصور تھا جن کو طوفان میں غرق کیا گیا؟ (۱۹) اللہ تعالیٰ کسی کافر پر رحم نہیں فرمائے گا۔ (۲۰) حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کی تفصیل۔ (۲۱) منکرین عصمت کا حضرت نوح علیہ السلام پر اعتراض اور اس کا جواب۔ (۲۲) حضرت نوح علیہ السلام کے سوال پر امام رازی کی تقریر۔ (۲۳) حضرت نوح علیہ السلام کے سوال پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کا تبصرہ۔ (۲۴) حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے متعلق جمہور مفسرین کی توجیہہ۔ (۲۵) حرام اور امور مشتبہ کے متعلق دعا کرنے کا عدم جواز۔ (۲۶) ایمان اور تقویٰ کے بغیر نسلی امتیاز اور نسبی برتری کی کوئی وقعت نہیں۔ (۲۷) اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور برکتوں کا معنی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے بعد ان کی قوم کو طوفان میں غرق کرنے کا خلاصہ

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرنے کے بعد بالآخر قوم کے ایمان سے مایوس ہو کر دعا کی:

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ (القمر: ۱۰) سوانہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مظلوم ہوں تو ان سے میرا انتقام لے۔

وَقَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ○ اِنَّکَ اِنۡ تَذَرۡہُمۡ یُضِلُّوۡا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ○ (نوح: ۲۷-۲۶) اور نوح نے دعا کی اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ بے شک تو نے اگر انہیں چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گم راہ کر دیں گے اور ان کی اولاد بدکار شدید کافر ہی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول کی اور فرمایا میری آنکھوں کے سامنے یعنی میری نگرانی اور ہدایت کے مطابق کشتی تیار کریں اور حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ حیوانات' نباتات اور ثمرات میں سے ہر ایک کا' ایک ایک جوڑا (نر اور مادہ) کشتی میں رکھ لیں تاکہ سب کی نسل باقی رہے اور جن لوگوں کے کفر اور ان کی سرکشی کی وجہ سے ان کو ہلاک کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے جیسے حضرت نوح کی بیوی اور ان کا بیٹا تو ان میں سے کسی کی سفارش نہ کریں' اور کشتی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ظالموں کو غرق کر کے ان سے نجات عطا فرمائی' اور یہ دعا کریں کہ کشتی خیر و عافیت کے ساتھ کنارے لگ جائے' حضرت نوح علیہ السلام کی جو سرگزشت بیان کی گئی ہے کہ اہل ایمان کو نجات دی گئی اور کافروں کو ہلاک کر دیا گیا اس میں یہ نشانیاں ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اللہ کی طرف سے جو پیغام لے کر آتے ہیں اس میں وہ سچے ہوتے ہیں' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جب حق اور باطل میں کشمکش ہو تو وہ ایک مدت تک ڈھیل دیتا ہے پھر وقت مقرر پر کفار کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور ان پر اپنا عذاب نازل فرما کر ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور وہ انبیاء اور رسل کے ذریعہ اس طرح کی آزمائش کرتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور زمانہ کے لوگ پیدا کیے ○ پس ہم نے ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا (جس نے کہا) کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں' تو کیا تم نہیں ڈرتے ○ (المؤمنون: ۳۲-۳۱)

حضرت ھود علیہ السلام کا قصہ

ان آیتوں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے بعد حضرت ھود کو مبعوث فرمایا ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَکُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّزَادَکُمۡ فِی الۡخَلۡقِ بَصۜۡطَۃً (ھود: ۶۹) اور یاد کرو جب قوم نوح کے بعد اللہ نے تم کو ان کا جانشین بنا دیا اور تمہاری جسامت کو بڑھا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام کا قصہ الاعراف: ۷۲-۶۵' میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے' تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۰۷-۱۹۸ ہم نے اس کی تفصیل حسب ذیل عنوانات کے تحت کی ہے:

(۱) حضرت ھود علیہ السلام کا شجرہ نسب۔ (۲) حضرت ھود علیہ السلام کی قوم عاد کی طرف بعثت۔ (۳) عاد کی قوت اور سطوت اور ان پر عذاب نازل ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔ (۴) قوم عاد کے وطن کی تاریخی حیثیت۔ (۵) صالحین کے عرس کی تحقیق۔ (۶) حضرت ھود علیہ السلام کے قصہ اور حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے مابین فرق۔ (۷) حضرت نوح اور حضرت ھود علیہما السلام کے مقابلہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت۔ (۸) اللہ تعالیٰ کی توحید اور استحقاق عبادت پر دلیل۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ

اور رسول کی قوم کے وہ کافر سردار جنہوں نے آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی

وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا

اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں فراوانی عطا فرمائی تھی (وہ) کہنے لگے: یہ رسول صرف تمہاری مثل بشر ہے یہ ان ہی

تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا

چیزوں میں سے کھاتا ہے جن سے تم کھاتے ہو اور ان ہی چیزوں سے پیتا ہے جن سے تم پیتے ہو ○ اور اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی

مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ ﴿۳۴﴾ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا

اطاعت کی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے ○ کیا یہ رسول تم سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور

وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُخْرَجُونَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿۳۶﴾ إِنْ

ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے! ○ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (اس کا پورا ہونا) بہت دور ہے! بہت دور ہے! ○ ہماری

هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۷﴾ إِنْ

تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم (قبروں سے) اٹھائے نہیں جائیں گے ○ یہ رسول

هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ

تو صرف اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ رہا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ رسول نے دعا کی

رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿۴۰﴾

اے میرے رب! میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے میری تکذیب کی ہے ○ اللہ نے فرمایا تھوڑی دیر گزرتی ہے کہ یہ اپنے کیے پر پشیمان ہوں گے ○

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ

بالآخر تقاضائے عدل کے مطابق ان کو ایک زبردست چنگھاڑ نے پکڑ لیا پس ہم نے ان کو ہلاک کر کے خس و خاشاک بنا دیا سو ظالم لوگوں

الظَّالِمِينَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿۴۲﴾ مَا

کے لیے دوری ہو ○ پھر ان کے بعد ہم نے اور کئی امتیں پیدا کیں ○ کوئی امت

تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا

اپنی مقررہ میعاد سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے ۝ پھر ہم نے لگاتار

رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ

اپنے رسول بھیجے، جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی سو ہم بعض کو

بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ

بعض کے بعد لائے اور ہم نے ان سب کو نیست و نابود کر کے افسانہ کہانی بنا دیا پس ان لوگوں کے لیے دوری ہو جو ایمان نہیں لاتے ۝ پھر

اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٥﴾

ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجا ۝

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَقَالُوْٓا

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ بہت سرکش لوگ تھے ۝ تو وہ کہنے لگے

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿٤٧﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا

کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان دونوں کی قوم تو ہماری عبادت کرتی ہے ۝ سو انہوں نے ان دونوں کی

فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ

تکذیب کی تو وہ ہلاک شدہ لوگوں میں سے ہو گئے ۝ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ لوگ

يَهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى

راہ راست پر آ جائیں ۝ اور ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا اور ہم نے ان کو بلند ہموار

ع ٣ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿٥٠﴾

زمین کی طرف پناہ دی جو لائق سکونت تھی اور اس میں چشمے جاری تھے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رسول کی قوم کے وہ کافر سردار جنہوں نے آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں فراوانی عطا فرمائی تھی (وہ) کہنے لگے: یہ رسول صرف تمہاری مثل بشر ہے یہ ان ہی چیزوں میں سے کھاتا ہے جن سے تم کھاتے ہو اور ان ہی چیزوں سے پیتا ہے جن سے تم پیتے ہو ۝ اور اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت کی تو تم ضرور

نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے○ کیا یہ رسول تم سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے○ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (اس کا پورا ہونا) بہت دور ہے بہت دور ہے○ ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے‘ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم (قبروں سے) اٹھائے نہیں جائیں گے○ یہ رسول تو صرف اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ رہا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں○ (المؤمنون: ۳۸-۳۳)

رسول کا اپنی قوم کی طرف پیغام پہنچانا اور قوم کا سرکشی سے اس پیغام کو رد کرنا

اکثر مفسرین کے نزدیک قوم نوح کے بعد جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور ان میں رسول کو مبعوث فرمایا وہ قوم عاد ہے‘ کیونکہ قرآن مجید کی اکثر سورتوں میں قوم نوح کے بعد عاد ہی کا ذکر کیا گیا ہے‘ ایک قول یہ ہے کہ یہ قوم ثمود ہے کیونکہ ان آیات میں آگے چل کر المؤمنون: ۴۱ میں فرمایا ہے کہ ایک زبردست چنگھاڑ نے ان کو پکڑ لیا اور یہ عذاب قوم ثمود پر آیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس قوم کا مصداق حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مدین ہے کیونکہ ان کی ہلاکت بھی ایک زبردست چنگھاڑ کی وجہ سے ہوئی تھی۔

اس قوم کی طرف جس رسول کے بھیجنے کا ذکر ہے وہ رسول بھی اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں سے ہی بھیجا تھا جن کی نشو ونما ان ہی کے درمیان ہوئی تھی‘ جن کو وہ اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے‘ ان کے خاندان‘ مکان‘ مولد اور ان کی سیرت اور کردار سے اچھی طرح واقف تھے‘ اکثریت کے قول کے مطابق یہ رسول حضرت ھود علیہ السلام تھے‘ ان کا تفصیلی تعارف ہم الاعراف: ۶۵ میں بیان کر چکے ہیں۔ حضرت ھود علیہ السلام نے بعثت کے بعد سب سے پہلے وہ پیغام پہنچایا اور اسی دین کی دعوت دی جو ہر نبی کا اولین نصب العین اور ان کے مشن کا سرنامہ رہا ہے۔

ان کی قوم کے سرداروں نے اس طرح ان کے پیغام کو مسترد کر دیا جس طرح ہر نبی کی قوم کے کافر سردار اپنے اپنے نبیوں کے لائے ہوئے پیغام کو رد کرتے رہے ہیں اور ان کی اکثریت ایمان لانے سے محروم رہتی ہے‘ کیونکہ یہ لوگ بہت مالدار‘ مضبوط جتھے والے اور اثر رسوخ والے ہوتے تھے اور پوری قوم ان کے پیچھے چلتی تھی۔ ان کے کفر اور گمراہی کے دو بنیادی سبب تھے ایک تو ان کا آخرت کے عقیدے پر ایمان نہیں تھا‘ اور دوسرا سبب یہ تھا کہ ان کے پاس دنیاوی مال و دولت اور سامان عیش و عشرت کی فراوانی تھی چنانچہ انہوں نے یہ کہہ کر اپنے رسول کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ شخص تو ہماری طرح کھاتا پیتا ہے‘ یہ اللہ کا رسول کس طرح ہو سکتا ہے‘ انہوں نے صرف اپنے رسول کی بشریت اور ظاہر حال کو سامنے رکھا اور اس کے دیگر فضائل اور مناقب اور اس کے باطن کی روشنی کی طرف دیکھنے سے آنکھیں بند کر لیں جس طرح آج بھی ان کے طریقہ پر چلتے ہوئے بہت سے گمراہ فرقے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو سامنے رکھتے ہیں اور آپ کے بشری تقاضوں کا ذکر کرتے ہیں اور توحید کے پرچار کے نام پر کمالات نبوت اور آپ کے تمام فضائل و مناقب سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں‘ اور آپ کی خصوصیات اور شرف و مرتبہ اور آپ کی عزت و وجاہت کا بالکل تذکرہ نہیں کرتے وہ نبی کو ایک عام آدمی کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سوا شرعی مسائل کے آپ کو اور کسی چیز کا علم تھا اور نہ کسی کمال کے اظہار کی قدرت تھی‘ اور وہ آپ کے کمالات کے باب میں ذاتی اور عطائی کے فرق کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

ان کافر سرداروں نے اپنے متبعین سے کہا اگر تم نے اپنے جیسے انسان کے دعویٰ نبوت کو تسلیم کر لیا اور اس کی فضیلت اور برتری کو مان لیا تو تم زبردست نقصان اٹھاؤ گے کیونکہ ایک بشر دوسرے بشر سے کیوں کر افضل ہو سکتا ہے یہی وہ مغالطہ ہے جس کی وجہ سے ان کافر سرداروں نے اپنے رسول کی رسالت کو نہیں مانا حالانکہ اللہ تعالیٰ جس بشر کو اپنا پیغام پہنچانے کے لئے چن لیتا

ہے تو وہ اس وحی اور رسالت کی وجہ سے تمام غیر نبی اور غیر رسول انسانوں سے شرف اور مرتبہ میں بہت بلند اور افضل اور اعلیٰ ہو جاتا ہے۔

ھیھات' اس کا معنی ہے دوری ہو اور اس کو تاکید کی وجہ سے دوبار ذکر کیا گیا ہے' انہوں نے دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کیا اور کہا صرف اسی دنیا کی زندگی ہے جس میں ہم جیتے اور مرتے ہیں اور دوبارہ زندہ کیے جانے کا وعدہ محض ایک افتراء اور بہتان ہے جو یہ شخص اللہ تعالیٰ پر باندھ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رسول نے دعا کی اے میرے رب! میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے میری تکذیب کی ہے○ اللہ نے فرمایا تھوڑی دیر گزرتی ہے کہ یہ اپنے کئے پر پشیمان ہوں گے○ بالآخر تقاضائے عدل کے مطابق ایک زبردست چنگھاڑ نے ان کو پکڑ لیا پس ہم نے ان کو (ہلاک کرکے) خس و خاشاک بنا دیا سو ظالم لوگوں کے لئے دوری ہو○ (المؤمنون: ۴۱-۳۹)

رسول کا قوم کے ایمان سے مایوس ہو کر ان کی ہلاکت کی دعا کرنا

جب وہ رسول اپنی قوم کے اکابر اور اصاغر کے ایمان لانے اور پیغام حق کو قبول کرنے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے میرے رب میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے میری تکذیب کی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھوڑی دیر گزرتی ہے کہ یہ اپنے کئے پر پشیمان ہوں گے' اس کا محمل یہ ہے کہ ان کی قوم کے سامنے عذاب کی علامات نمودار ہو گئیں جس کی وجہ سے وہ اپنے نبی کی دعوت قبول نہ کرنے پر پچھتائے اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان لانا قبول نہیں ہوتا اس لئے ان کو اپنی ندامت اور حسرت سے کوئی فائدہ نہ ہوا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے برحق عذاب کا ذکر فرمایا کہ ایک زبردست چنگھاڑ نے ان کو پکڑ لیا' اس چنگھاڑ کے متعلق کئی اقوال ہیں: ۱- حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے اوپر ایک زبردست چنگھاڑ ماری اور اس کی وجہ سے وہ مر گئے۔ ۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس چنگھاڑ سے مراد زلزلہ ہے۔ ۳- حسن نے کہا چنگھاڑ سے مراد نفس عذاب اور موت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ظالم لوگوں کے لئے دوری ہو' یہ ارشاد لعنت کے منزلہ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی خیر سے ان کے لئے دوری ہو' یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے استخفاف اور ان کی توہین کے لئے فرمایا اور ان کے اوپر ایسا عذاب نازل فرمایا جو ان کے عذاب اخروی پر دلالت کرتا ہے جس میں یہ نعمتوں' راحتوں اور اجر و ثواب سے بہت دور ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان کے بعد ہم نے اور کئی امتیں پیدا کیں○ کوئی امت اپنی مقررہ میعاد سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے○ پھر ہم نے لگاتار اپنے رسول بھیجے' جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو اس نے اس کی تکذیب کی سو ہم بعض کو بعض کے بعد لائے اور ہم نے ان سب کو (نیست و نابود کر کے) قصہ کہانی بنا دیا پس ان لوگوں کے لئے دوری ہو جو ایمان نہیں لائے○ (المؤمنون: ۴۴-۴۲)

حضرت ہود علیہ السلام کے بعد آنے والے دیگر انبیاء کا قصہ

اللہ سبحانہ قرآن مجید میں کبھی انبیاء علیہم السلام کا تفصیل سے قصہ ذکر فرماتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے' اور کبھی ان کا اجمال سے قصہ ذکر فرماتا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ذکر ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان آیتوں میں جن رسولوں کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت لوط' حضرت شعیب' حضرت ایوب اور حضرت یوسف علیہم السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر ان کے بعد ہم نے اور کئی امتیں پیدا کیں' اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے زمین کو مکلفین سے خالی نہیں رکھا' ہم نے زمین میں لوگوں کو پیدا کیا اور ان کو مکلف ہونے کی عمر تک پہنچایا حتیٰ کہ وہ متمدن دنیا میں پچھلے لوگوں کے

قائم مقام ہو گئے۔

المؤمنون: ۴۳ میں فرمایا: کوئی امت اپنی مقررہ میعاد سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔

اس آیت میں اجل کا لفظ ذکر فرمایا ہے اور جب اجل کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد موت کا وقت ہوتا ہے' اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ہر امت کی زندگی اور موت کی ایک میعاد مقرر ہے' جو نہ مقدم ہوتی ہے نہ مؤخر اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (نوح: ۴)

بے شک جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجائے تو وہ مؤخر نہیں کیا جاتا کاش کہ تم جانتے۔

اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ جس امت کے ایمان نہ لانے کی بناء پر اس کے عذاب کا وقت مقرر کر دیا ہے اس امت پر اس وقت سے پہلے عذاب نہیں آسکتا اور نہ وقت آنے کے بعد اس امت سے عذاب مؤخر ہو سکتا ہے' اور وہ عذاب اس امت کو اس وقت تک جڑ سے نہیں اکھاڑتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم نہ ہو کہ یہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور دن بہ دن ان کے عناد میں اضافہ ہوتا رہے گا' اور ان سے کوئی مومن نہیں پیدا ہوگا اور ان کو زمین پر زندہ رکھنے میں کسی کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہے اور ان کے ہلاک ہونے سے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوگا' تو پھر ان کو عذاب بھیج کر ملیامیٹ کر دیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی:

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ○ (نوح: ۲۷)

بے شک اگر تو نے ان کافروں کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے (دوسرے) بندوں کو گمراہ کریں گے اور یہ صرف بدقماش کافروں کو پیدا کریں گے۔

المؤمنون: ۴۴ میں فرمایا: پھر ہم نے لگاتار اپنے رسول بھیجے' جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو اس نے اس کی تکذیب کی سو ہم بعض کو بعض کے بعد لائے اور ہم نے ان (سب) کو (نیست و نابود کر کے) قصہ کہانی بنا دیا پس ان لوگوں کے لئے دوری ہو جو ایمان نہیں لائے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے بعض قوموں کے فنا ہونے کے بعد دوسری بعض قوموں کو پیدا فرمایا اور ہر قوم کی طرف ایک رسول کو مبعوث فرمایا' اور ہر بعد والی قوم اپنے سے پہلی قوموں کی تکذیب کے راستہ پر چل پڑی جن کو اللہ تعالیٰ انواع و اقسام کے عذاب نازل فرما کر غرق کر چکا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی ان کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر دیا حتیٰ کہ وہ محض ایک قصہ کہانی بن کر رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجا○ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف' سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ بہت سرکش لوگ تھے○ تو وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان دونوں کی قوم تو خود ہماری عبادت کرتی ہے○ سو انہوں نے ان دونوں کی تکذیب کی تو وہ ہلاک شدہ لوگوں میں سے ہو گئے○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تا کہ وہ لوگ راہ راست پر آجائیں○ (المؤمنون: ۴۹-۴۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل واقعہ طٰہٰ: ۹۹-۹ میں گزر چکا ہے۔

ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن نشانیوں کے دینے کا ذکر ہے ان کی تعیین اور ان کے مصداق میں اختلاف

ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ یہ نو نشانیاں ہیں :(۱) عصا۔ (۲) ید بیضا۔ (۳) ٹڈیوں کو نازل کرنا۔ (۴) جوؤں کو نازل کرنا۔ (۵) مینڈکوں کو نازل کرنا۔ (۶) خون کو نازل کرنا۔ (۷) سمندر کو چیر کر بارہ راستے بنانا۔ (۸) قبطیوں پر قحط نازل کرنا۔ (۹) ان کے پھلوں کی پیداوار کو کم کرنا۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ آیات اور نشانیاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھیں تو جب آیات سے مراد معجزات ہیں تو پھر سلطان مبین (روشن دلیل) سے کیا مراد ہے اگر اس سے بھی مراد معجزہ ہو تو لازم آئے گا کہ کسی چیز پر خود اسی چیز کا عطف ہو حالانکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) آیات سے معجزات مراد ہیں اور سلطان مبین سے سب سے اشرف معجزہ مراد ہے اور وہ حضرت موسیٰ کا عصاء ہے کیونکہ وہ بہت سے معجزات کو مستلزم ہے کیونکہ وہ عصا اژدھا بن گیا تھا' اور فرعون کے جادوگروں کے اژدھوں کو نگل گیا تھا اور جب اس کو سمندر پر مارا تو بارہ راستے بن گئے اور جب اس کو پتھر پر مارا تو بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور وہ حضرت موسیٰ کی حفاظت کرتا تھا' ان تمام فضائل کی وجہ سے عصا کا الگ ذکر فرمایا۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الآیات سے مراد حضرت موسیٰ کے عصا سمیت نو معجزات ہوں اور سلطان مبین سے مراد ان معجزات کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلالت ہو۔

(۳) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سلطان مبین سے یہ مراد ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل پیش کرنے اور اپنی نبوت پر براہین پیش کرنے میں فرعون اور اس کے حواریوں پر غالب آ گئے کیونکہ سلطنت کے معنی غلبہ ہیں۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون میں نبوت مشترک تھی اسی طرح ان کے معجزات بھی مشترک تھے۔

المؤمنون: ۴۶ میں فرمایا فرعون اور اس کے حواری متکبر لوگ تھے' یعنی ان کو دنیا میں حکومت اور اقتدار دیا گیا تھا اور ان کے پاس مال و دولت کی بہتات تھی اور ان کو بہت قوت اور سطوت حاصل تھی۔

المؤمنون: ۴۷ میں فرمایا ان دونوں کی قوم تو خود ہماری عبادت کرتی ہے' انہوں نے یہ اس لئے کہا کہ حضرت موسیٰ کی قوم ان کی خدمت اور ان کی غلامی کرتی تھی اور جو شخص کسی کی خدمت کرے عرب اس کو عبادت سے تعبیر کرتے تھے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرعون الوہیت کا مدعی تھا اس لئے اس نے یہ کہا کہ لوگ اس کے بندے ہیں اور لوگوں کا اس کی اطاعت کرنا درحقیقت اس کی عبادت کرنا ہے۔

المؤمنون: ۴۸ میں یہ بیان فرمایا کہ ان کو پچھلی امتوں کی طرح اس وجہ سے ہلاک کیا گیا تھا کہ انہوں نے بھی پچھلی امتوں کی طرح اپنے نبی کی تکذیب کی تھی۔

المؤمنون: ۴۹ میں فرمایا اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تا کہ وہ لوگ راہ راست پر آ جائیں۔

اس کتاب سے مراد تورات ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کتاب اس لئے دی تھی کہ وہ ہدایت حاصل کریں لیکن جب وہ اس کے باوجود اپنے کفر پر اصرار کرتے رہے تو پھر وہ بھی سابقہ امتوں کی طرح عذاب کے مستحق ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا اور ہم نے ان کو بلند ہموار زمین کی طرف پناہ دی جو لائق سکونت تھی اور اس میں چشمے جاری تھے ○ (المؤمنون: ۵۰)

حضرت عیسیٰ بن مریم کا قصہ

حضرت عیسیٰ بن مریم کا قصہ پوری تفصیل کے ساتھ مریم: ۴۰-۱۶ میں گزر چکا ہے۔

حضرت عیسیٰ بن مریم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا کیونکہ ان کو بغیر کسی مرد کے پیدا کیا اور پیدا ہوتے ہی پنگھوڑے میں ان کو متکلم بنا دیا' اور ان کے ہاتھ سے مادر زاد اندھوں کو' برص کے مریضوں کو شفا دی اور مردوں کو زندہ کیا' اور حضرت مریم کو بھی اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا کیونکہ وہ بغیر مرد کے حاملہ ہوئیں ان کے پاس بے موسمی پھل آتے تھے اور جب حضرت زکریا نے پوچھا تمہارے پاس یہ پھل کہاں سے آئے تو انہوں نے کہا:

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران: ٣٧) یہ اللہ کے پاس سے آئے ہیں' بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

انہوں نے کسی عورت کے پستان کو منہ نہیں لگایا تھا' اگر یہ روایت ثابت ہو تو یہ حضرت عیسیٰ کا معجزہ ہے اور حضرت مریم کی کرامت ہے' اور یہ دونوں ہی اللہ کی قدرت کی نشانی ہیں کیونکہ حضرت مریم بغیر مرد کے حاملہ ہوئیں اور ان سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اور حضرت عیسیٰ بغیر مرد کے اور بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

فرمایا ہم نے ان کو بلند ہموار زمین کی طرف پناہ دی جو لائق سکونت تھی اور اس میں چشمے جاری تھے۔

قتادہ اور ابو العالیہ نے کہا یہ بیت المقدس کی سرزمین ہے جس کو ایلیا کہتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ رملہ (فلسطین) ہے' کلبی اور ابن زید نے کہا یہ مصر ہے' اور زیادہ مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ دمشق ہے' قتادہ نے کہا اس جگہ پانی کے چشمے تھے اور پھل تھے۔ انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے یہ آخری قصہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۗ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ' اور نیک عمل کرتے رہو' بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب

عَلِيْمٌ ﴿٥١﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿٥٢﴾

جاننے والا ہوں ○ بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرو ○

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۗ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٣﴾

پھر لوگوں نے اپنے دین کے امور کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر لیا' ہر گروہ اسی سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہو ○

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٥٤﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ

پس (اے رسول مکرم!) آپ ان کو ان کے کفر کی غفلت میں چھوڑ دیں حتیٰ کہ ان کا وقت آ جائے ○ کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور

مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿٥٥﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۗ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٦﴾

اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں ○ تو ہم ان کی بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے ○

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ

بے شک جو لوگ اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں ○ اور جو لوگ اپنے رب کی

رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ

آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ○ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے ○ اور جو لوگ

يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾

(اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں ○

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾ وَلَا نُكَلِّفُ

وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں ○ اور ہم ہر نفس کو

نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کا نوشتہ اعمال ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتا ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا ○

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ

(نہیں نہیں!) بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اس کے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں

هُمْ لَهَا عَامِلُونَ ﴿٦٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ

جن کو وہ کرنے والے ہیں ○ حتیٰ کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں گرفتار کریں گے تو وہ

يَجْأَرُونَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْأَرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ

بلبلانے لگیں گے ○ آج مت بلبلاؤ، بے شک ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی ○ بے شک اس سے

آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِينَ

پہلے میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو تم ایڑیوں کے بل پلٹ کر بھاگ جاتے تھے ○ اس پر تکبر کرتے ہوئے اس

بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ

قرآن کو افسانہ کہہ کر بکواس کرتے ہوئے ○ آیا انہوں نے اللہ کے کلام میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آ گئی تھی جو ان کے

اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی ۝ یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں تو وہ اس کے منکر ہو گئے ۝

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ

یا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو جنون ہے! (نہیں نہیں!) بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے اور ان میں سے اکثر حق کو

كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ

ناپسند کرتے ہیں ۝ اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو تمام آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان

الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ

میں ہیں وہ سب ہلاک ہو جاتے (نہیں نہیں!) بلکہ ہم تو ان کے پاس ان کی نصیحت لائے ہیں سو وہ اپنی نصیحت سے ہی

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ

منہ پھیرنے والے ہیں ۝ کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں! سو آپ کے رب کا اجر ہی سب سے بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر

الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ ربع

روزی دینے والا ہے ۝ اور بے شک آپ ضرور ان کو صراط مستقیم کی دعوت دیتے ہیں ۝ اور بے شک

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ ضرور صراط مستقیم سے منحرف ہونے والے ہیں ۝

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ

اور اگر ہم ان پر (مزید) رحم کرتے اور جو تکلیف انہیں پہنچی ہے اس کو دور کر دیتے تو یہ ضرور اپنی سرکشی میں بھٹکنے

يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ

پر اصرار کرتے ۝ اور بے شک ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا مگر پھر بھی یہ لوگ نہ اپنے رب کے سامنے جھکے

وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ

اور نہ گڑگڑائے ۝ حتیٰ کہ جب ہم ان پر عذاب شدید کا دروازہ کھول دیں گے تو

اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ؏

اس وقت وہ نا امید ہو کر رہ جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو' بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں ○ (المؤمنون: ۵۱)

تمام رسولوں سے بیک وقت خطاب کرنے کی توجیہ

اس آیت میں بہ ظاہر تمام رسولوں سے خطاب ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ تمام رسولوں کو الگ الگ قوموں کی طرف الگ الگ زمانوں میں مبعوث کیا گیا ہے پھر تمام رسولوں کی طرف یہ خطاب کس طرح متوجہ ہوگا' اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

(۱) اس آیت کا محمل یہ ہے کہ ہر رسول کے ساتھ اس کے زمانہ میں یہ خطاب کیا گیا اور اس کو یہ ندا اور وصیت کی گئی اور یہاں پر اس کو جمع کے صیغے سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے تا کہ سننے والا یہ جان لے کہ یہ وہ حکم ہے جو تمام رسولوں کو دیا گیا اور سب کو اس حکم کی وصیت کی گئی ہے' اس لئے یہ حکم اس لائق ہے کہ اس پر مضبوطی کے ساتھ دائماً عمل کیا جائے۔

(۲) اس آیت میں الرسل سے مراد ہمارے رسول ہیں کیونکہ تمام رسولوں کے ذکر کے بعد آپ کا ذکر کیا گیا اور آپ کو جمع کے صیغہ الرسل سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ ہر چند کہ آپ واحد رسول ہیں لیکن آپ تمام رسولوں کی صفات محمودہ کے جامع اور تمام رسولوں کے کمالات کو محیط ہیں۔

(۳) یہ حکم ہمارے رسول کو دیا گیا ہے اور تمام رسولوں کے ساتھ اس لئے تعبیر فرمایا کہ اگر تمام رسول اس وقت حاضر اور مجتمع ہوتے تو ان سے بھی یہی خطاب کیا جاتا تا کہ ہمارے رسول یہ جان لیں کہ اس حکم کا بوجھ صرف آپ پر نہیں ہے بلکہ یہ حکم تمام انبیاء علیہم السلام کو لازم رہا ہے۔

(۴) ایک قول ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

اپنی حلال کمائی سے کھانے کی ترغیب اور ناپاک اور حرام چیزیں کھانے کی ترہیب (ممانعت)

اس آیت میں پاک چیزوں سے کھانے کا حکم دیا گیا ہے اور پاک چیزوں سے مراد حلال چیزیں ہیں اور سب سے زیادہ حلال چیز وہ ہے جس کو انسان نے اپنے کسب اور محنت سے حاصل کیا ہو۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس نے بکریاں چرائی ہیں' آپ کے اصحاب نے پوچھا اور آپ نے؟ فرمایا: ہاں میں چند قیراط کے عوض مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۶۲' دار ارقم بیروت)

قیراط سے مراد درہم یا دینار کا ایک جز ہے آپ ہر بکری کو چرانے کا ایک قیراط لیتے تھے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۱۹۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص نے بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر طعام نہیں کھایا اور اللہ کے نبی داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں کاٹ کر اس کا گٹھا اپنی پشت پر لاد کر لائے وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے وہ اس کو دیں یا منع کر دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۲، سنن النسائی: رقم الحدیث: ۲۵۸۴، مسند احمد رقم الحدیث ۷۳۱۵، عالم الکتب بیروت)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پاک اور حلال چیزوں کے کھانے کا حکم دیا ہے اور یہ حکم اس حکم کو متضمن ہے کہ ناپاک اور حرام چیزیں نہ کھائی جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! بے شک اللہ طیب ہے اور وہ سوا طیب اور طاہر چیز کے کسی چیز کو قبول نہیں کرتا (طاہر کا معنی ہے وہ چیز فی نفسہٖ حلال ہو اور طیب کا معنی ہے وہ چیز حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہو مثلاً چوری کا دودھ فی نفسہٖ حلال ہے لیکن حلال ذریعہ سے حاصل نہیں ہوا اس لئے وہ طاہر ہے طیب نہیں ہے اور انسان دودھ خرید کر لائے اور اس میں کوئی ناپاک چیز گر جائے تو وہ دودھ طیب تو ہے لیکن طاہر نہیں ہے) اور بے شک اللہ نے مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا ہے جس چیز کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے اس نے فرمایا:

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ (المؤمنون: ۵۱)

اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں۔

اور فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (البقرۃ: ۱۷۲)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

پھر آپ نے اس شخص کا ذکر فرمایا جو دور دراز کا سفر طے کر کے آتا ہے اس کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں وہ آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اور اس کا پینا حرام ہوتا ہے اور اس کا لباس حرام ہوتا ہے اس کی غذا حرام ہوتی ہے تو اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی؟

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۸)

عبدالوہاب بن ابی حفص بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام شام کو روزے سے تھے افطار کے وقت ان کے پینے کے لئے دودھ لایا گیا، انہوں نے پوچھا تمہارے پاس یہ دودھ کہاں سے آیا؟ کہا یہ ہماری بکریوں کا دودھ ہے، آپ نے پوچھا اس کی قیمت کہاں سے آئی، انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی آپ یہ سوال کیوں کر رہے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم رسولوں کی جماعت کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم پاک چیزوں سے کھائیں اور نیک عمل کریں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۶۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

ام عبداللہ بنت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے تھے میں نے آپ کے افطار کے لئے ایک پیالہ میں دودھ بھیجا، اس وقت ابتدائی دن کا وقت تھا اور شدید گرمی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ واپس کر دیا اور پوچھا جس بکری کا یہ دودھ ہے وہ بکری کہاں سے آئی ہے؟ میں نے کہا میں نے اپنے مال سے خریدی تھی، تب آپ نے اس دودھ کو پیا، دوسرے دن صبح کو ام عبداللہ بنت شداد آپ کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں نے آپ کے پاس بہت اچھا دودھ بھیجا تھا وہ دن بہت طویل اور سخت گرم تھا، پھر آپ نے وہ دودھ میری طرف واپس بھیج دیا تھا، آپ نے

فرمایا رسولوں کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ سوا طیب چیزوں کے اور کچھ نہ کھائیں اور سوا نیکی کے اور کوئی عمل نہ کریں۔
(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ حافظ ابن کثیر نے یہ حدیث امام ابن ابی حاتم کی سند سے ذکر کی ہے لیکن مطبوعہ تفسیر امام ابن ابی حاتم میں یہ حدیث نہیں ہے اور امام رازی نے اس حدیث کو بلا حوالہ نقل فرمایا ہے تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ اور حدیث کی کسی کتاب میں ہم کو یہ حدیث نہیں ملی)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے طیب چیز کو کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگوں کو اپنے مظالم سے محفوظ رکھا وہ جنت میں ہوگا۔
(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۵۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا زیادہ سبب ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کا ڈر اور اچھے اخلاق! اور آپ سے سوال کیا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو دوزخ میں داخل کرنے کا زیادہ سبب ہے؟ آپ نے فرمایا شرم گاہ اور منہ۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۵۶)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جنت میں وہ گوشت اور خون داخل نہیں ہوگا جو اس مال سے حاصل کیا گیا ہو جو لوگوں کا حق مار کر اور انہیں نقصان پہنچا کر حاصل کیا گیا ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے منہ میں مٹی ڈال لے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے منہ میں اس چیز کو ڈالے جس کو اللہ عزوجل نے حرام کر دیا ہے۔
(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۶۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو ان کے لئے کچھ مال کما کر لاتا تھا اور حضرت ابوبکر اس مال سے کھاتے تھے' ایک دن وہ کوئی چیز لے کر آیا جس سے حضرت ابوبکر نے کھا لیا' پھر اس غلام نے آپ سے کہا کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا بتا کیا چیز ہے؟ اس نے کہا میں زمانہ جاہلیت میں کاہنوں (نجومیوں) کا کام کرتا تھا اور مجھے یہ کام اچھی طرح نہیں آتا تھا' مگر میں لوگوں کو فریب دیتا تھا' آج مجھے ایک شخص ملا جس نے مجھے اس کام کا معاوضہ دیا اور یہ وہی معاوضہ ہے جس سے آپ نے کھایا' حضرت ابوبکر نے اپنا ہاتھ حلق میں ڈالا اور ہر اس چیز کی قے کر دی جو ان کے پیٹ میں گئی تھی۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۷۰)

حسب ذیل حدیث میں اس کی زیادہ وضاحت ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کے پاس بیٹھا ہوا تھا' ان کے پاس ان کا ایک غلام طعام لے کر آیا انہوں نے اس میں سے ایک لقمہ کھا لیا' پھر پوچھا تم نے یہ طعام کیسے حاصل کیا تھا اس نے کہا میں زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا پادری تھا انہوں نے مجھے کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا' آج انہوں نے مجھے یہ طعام دیا تھا' آپ نے فرمایا میں یہی گمان کرتا ہوں کہ تم نے مجھے اس طعام سے کھلایا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے' پھر آپ نے حلق میں انگلیاں ڈال کر قے کر دی پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو گوشت لقمہ حرام سے بنا وہ دوزخ کے زیادہ لائق ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۷۶۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرو○ (المؤمنون: ۵۲)

اُمت کا معنی

اس آیت میں دین کے لئے امت کا لفظ ہے اور امت کا معنی ہے جماعت' اور حیوان کی جنس میں سے ہر جماعت ایک امت ہے حدیث میں ہے اگر کتے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا' اور امت کا معنی طریقہ اور دین ہے کہا جاتا ہے فلان لا امة له یعنی اس کا کوئی دین نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے کنتم خیر امة یعنی تم اہل دین میں سب سے بہتر ہو اور امت کا معنی ہے وقت اور مدت' قرآن مجید میں ہے وادکر بعد امة اس کو ایک مدت کے بعد یاد آیا۔

(مختار الصحاح ص ۲۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس آیت کا معنی ہے کہ جس طرح تمام انبیاء کا اس پر اتفاق واجب ہے کہ وہ حلال کھائیں اور اعمال صالحہ کریں اسی طرح ان کا اس پر اتفاق واجب ہے کہ وہ توحید پر قائم رہیں اور گناہوں سے اجتناب کریں۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب تمام رسولوں کی شریعتیں مختلف ہیں تو ان کا دین واحد کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دین سے مراد وہ امور ہیں جن میں ان کا اختلاف نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت' اور رہیں ان کی شریعتیں تو ان میں جو ان کا اختلاف ہے اس کو دین میں اختلاف نہیں کہا جاتا۔ اور فرمایا میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں سب کا ایک ہی دین ہے اور اس کی معصیت سے اجتناب میں سب کا ایک ہی دین ہے اور اس میں شریعتوں کے اختلاف کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر لوگوں نے اپنے دین کے امور کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر لیا' ہر گروہ اسی سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہو۔ (المؤمنون: ۵۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی امتوں نے اپنے اپنے دین کے امور کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اس آیت میں فرمایا ہے انہوں نے زبر کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا زبر' زبور کی جمع ہے' اس کا معنی ہے کتابیں' یعنی انہوں نے اپنے دین کو مختلف کتابیں اور مختلف ادیان بنا دیا' مقاتل اور ضحاک نے کہا یعنی مشرکین مکہ' مجوس' یہود اور نصاریٰ نے' اور ہر فریق نے جو اپنا نظریہ گھڑ لیا اور اپنی خواہشات کو دین کا جامہ پہنا دیا وہ یہ سمجھتا ہے اس نے جو نظریہ اپنایا ہے وہ حق ہے اور اس کا مخالف باطل پر ہے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا سنو تم سے پہلے جو اہل کتاب تھے وہ بہتر فرقوں میں متفرق ہو گئے اور یہ امت تہتر فرقوں میں متفرق ہو گی' اس میں سے بہتر دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں ہو گا' اور یہ وہ فرقہ ہے جو سب سے بڑی جماعت ہو' ابن یحییٰ اور عمرو بن عثمان نے اپنی اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ نکلیں گے کہ گمراہی ان میں اس طرح سرایت کر جائے گی جس طرح باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے کے جسم میں زہر سرایت کر جاتا ہے' عمرو بن عثمان نے کہا جیسے سگ گزیدہ کے جسم میں زہر داخل ہو جاتا ہے کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ اس زہر کے اثر سے نہیں بچتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۹۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد ہم کو بہت مؤثر نصیحت فرمائی جس سے ہر آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے اور ہر دل خوف سے لرز گیا' ایک شخص نے کہا یہ تو اس شخص کی نصیحت ہے جو الوداع ہو رہا ہو' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرو کہ آپ ہم سے کیا عہد لیتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اگر تمہارا حاکم حبشی غلام بھی مقرر کر دیا جائے تو اس کے احکام سننا اور اس کی اطاعت کرنا اور بے شک جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا' اور تم بدعات سے دور رہنا کیونکہ بدعات (سیئہ) گمراہی ہیں پس تم میں سے جو شخص ان بدعات کو پائے تو وہ میری سنت اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم کر لے اور اس کو داڑھوں سے پکڑ لے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳' مسند احمد ج ۴ص ۱۲۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۹۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵' المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۶۱۷' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۱۸۰' المستدرک ج ۱ص ۹۵' الآجری فی الشریعہ رقم الحدیث: ۴۷)

علامہ حمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ حضرت معاویہ کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے' اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ تمام فرقے اسلام سے خارج نہیں ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو اپنی امت قرار دیا ہے اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ تاویل کرنے سے کوئی شخص ملت سے خارج نہیں ہوتا خواہ اس کی تاویل خطا پر مبنی ہو۔ (معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۷ص ۴' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ نے فرقہ ناجیہ کا مصداق اہل سنت و جماعت کو قرار دیا ہے پھر اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

اگر کہیں کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ ناجی گروہ اہلسنت و جماعت کا ہے' یہی راہ راست اور خدا کی طرف جانے کا راستہ ہے اور دوسرے تمام راستے جہنم کے راستے ہیں حالانکہ ہر فرقہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ راہ راست پر ہے اور اس کا مذہب برحق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ خالی دعویٰ کافی نہیں ہوتا' دلیل چاہئے جبکہ اہلسنت و جماعت کے برحق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان کا دین اسلام نقل ہوتا آیا ہے جبکہ یہاں صرف عقل کافی نہیں ہوتی' اور متواتر خبروں سے معلوم ہوا نیز احادیث و آثار کی چھان بین سے یقین آیا کہ سلف صالحین میں سے صحابہ و تابعین اور ان کے بعد والے تمام بزرگ اسی عقیدے اور طریقے پر تھے۔ مذہب اور ارشادات اکابر میں بدعت اور من مانی کارروائی کی ملاوٹ صدر اول کے بعد واقع ہوئی۔ صحابہ اور پہلے بزرگوں میں سے کوئی بھی ان کے طریقوں پر نہ تھا اور وہ ان راستوں سے بری تھے بدعات جاری ہونے کے بعد ان فرقوں نے ان بزرگوں سے صحبت و محبت کا رشتہ توڑ لیا اور رد کیا۔ صحاح ستہ والے محدثین اور دوسری مشہور قابل اعتماد کتابوں والے کہ جن پر اسلامی احکام کا دارومدار ہے اور مذاہب اربعہ کے ائمہ مجتہدین اسی جماعت سے ہیں اور جتنے فقہاء ان کے طبقے میں ہیں' سب اسی مذہب پر تھے اور اشاعرہ و ماتریدیہ کہ اصول و کلام کے امام ہیں' انہوں نے بھی سلف کے مذہب کی تائید کی اور عقلی دلائل سے اسے ثابت کیا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور سلف کے اجماع سے ثابت ہے اسے مؤکد کیا۔ اسی لئے تو اس جماعت کا نام اہل سنت و جماعت ہوا۔ اگرچہ یہ نام بعد میں رکھا گیا لیکن ان کا مذہب اور عقیدہ وہی قدیم ہے اور ان حضرات کا طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور اسلاف کے ارشادات کی پیروی کرتے ہیں اور نصوص کو ان کے ظاہری معانی پر محمول کرتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ص ۱۴۱-۱۴۰' مطبوعہ تیج کمار لکھنو)

اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ لکھتے ہیں:

نجات کا راستہ اہل سنت و جماعت کی پیروی میں ہے اللہ تعالیٰ ان کے اقوال و افعال اور اصول و فروغ میں برکت مرحمت فرمائے کیونکہ نجات پانے والی جماعت یہی ہے' اور اس کے سوا باقی سب فرقے خرابی اور ہلاکت میں پڑے ہوئے

ہیں۔ آج خواہ کسی کو اس بات کا علم نہ ہو لیکن کل ہر ایک جان لے گا جبکہ وہ جاننا فائدہ نہ دے گا۔ (مکتوبات دفتر اول' مکتوب: ۴۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس (اے رسول مکرم) آپ ان کو ان کے کفر کی غفلت میں چھوڑ دیں حتیٰ کہ ان کا وقت آ جائے۔ (المؤمنون: ۵۴)

غمرۃ کا معنیٰ اور مصداق

اس آیت میں فرمایا ہے ان کو ان کی غمرۃ میں چھوڑ دیں' یعنی آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جو اپنے پیش رو کفار کے حکم میں ہیں اور ان کے کفر اور سرکشی کے باوجود جو ان سے عذاب مؤخر ہو رہا ہے اس کی آپ پرواہ نہ کیجئے۔ غمرۃ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو تم کو ڈھانپ لے اور تم سے بلند ہو جائے' اس کی اصل ہے ستر یعنی کسی چیز کو چھپا لینا۔ اسی وجہ سے کینہ کو غمر کہتے ہیں کیونکہ کینہ دل کو چھپا لیتا ہے۔ اور جو پانی بہت زیادہ ہو اس کو بھی غمرۃ کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین کو ڈھانپ لیتا ہے اور غمر الرداء اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی عطا اور بخشش سے لوگوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔

یہاں اس سے مراد حیرت' غفلت اور ضلالت (گمراہی) ہے' یعنی ان کو ان کی گمراہی میں چھوڑ دیجئے حتیٰ کہ ان کو موت آ جائے۔ اس کا یہ معنیٰ بھی ہے ان کافروں کو دوزخ میں جانے دیجئے' حتیٰ کہ یہ منکر خود اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں○ تو ہم ان کی بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں نہیں!) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے○ (المؤمنون: ۵۶-۵۵)

کافروں کے کفر کے باوجود ان کو نعمتیں دینے کی وجوہ

یہ امداد تو ان کو صرف گناہوں میں ڈھیل دینے کے لئے ہے اور ان کو معاصی کی دلدل میں زیادہ کھینچنے کے لئے ہے اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کی زیادہ نیکیوں کا ان کو صلہ مل رہا ہے نہیں نہیں یہ تو حیوانات اور بہائم کے مشابہ ہیں ان میں کوئی سمجھ اور شعور نہیں ہے کہ یہ اس پر غور کرتے کہ یہ استدراج اور ڈھیل ہے یا ان کی نیکیوں کا انعام ہے۔

امام رازی نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ یزید بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں میں سے کسی نبی کی طرف یہ وحی کی کیا میرا بندہ اس پر خوش ہوتا ہے کہ اس پر دنیا کشادہ کر دی گئی حالانکہ وہ مجھ سے بہت دور ہوتا ہے اور وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ میں اس سے دنیا اٹھا لیتا ہوں حالانکہ وہ میرے قریب ہوتا ہے۔ اور حسن نے بیان کیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کے کنگن آئے تو انہوں نے وہ کنگن اٹھا کر حضرت سراقہ بن مالک کے ہاتھ میں پہنا دیئے وہ کنگن اتنے کھلے تھے کہ حضرت سراقہ کے کندھوں تک پہنچ گئے' پھر حضرت عمر نے کہا اے اللہ! تجھ کو علم ہے کہ تیرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو پسند کرتے تھے کہ ان کے پاس مال آئے تو وہ اس کو تیری راہ میں خرچ کریں اور حضرت ابوبکر بھی اسی کو پسند کرتے تھے' اے اللہ! اس مال کو لوگوں کے لئے آزمائش نہ بنانا پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: ایحسبون انما نمدھم بہ من مال وبنین ' کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں تو وہ ان کی بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں۔ (نہیں نہیں!) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے ان کو یہ نعمتیں اس لیے عطا کیں کہ وہ فارغ البال ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کریں اور روزی کا حصول اور اس کے لئے مشقت کرنا ان کی اطاعت اور عبادت میں مانع نہ ہو' لیکن انہوں نے ان نعمتوں کے حصول کے باوجود اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے اعراض کیا تو ان پر اللہ کے عذاب کے نزول کی وجہ اور زیادہ مستحکم ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں○ اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں○ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے○ اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں○ وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں○ (المؤمنون: ۶۱-۵۷)

مومنوں کی تحسین کی پانچ وجوہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت فرمائی تھی اور ان آیتوں میں حسب ذیل پانچ وجوہ سے مومنین کی تحسین فرمائی ہے:

(۱) مومنین اپنے رب سے ڈرتے ہیں' مقاتل اور کلبی وغیرہ نے کہا وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور بعض مفسرین نے کہا وہ اپنے رب کے ڈر سے دائماً اس کی اطاعت کرتے ہیں' اور تحقیق یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اپنے رب کا خوف کامل درجہ کا ہوگا' وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے سے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے حد خوف زدہ ہوگا اور جس شخص کا یہ حال ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بہت دور رہے گا۔

(۲) اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات اور صفات پر نشانیاں بکھری ہوئی ہیں جو لوگ ان نشانیوں میں غور اور فکر کر کے صاحب نشان تک پہنچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان لاتے ہیں۔

(۳) اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے' اس سے مراد شرک جلی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کو مستلزم ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے' بلکہ اس سے مراد شرک خفی ہے یعنی وہ ریاکاری نہیں کرتے اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت صرف اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں کسی کو دکھانے اور سنانے کے لئے اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔

(۴) اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں' اس سے مراد وہ تمام کام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم کر دیئے ہیں' خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو' جیسے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ یا ان کا تعلق حقوق العباد سے ہو جیسے لوگوں کی امانتیں ادا کرنا اور ان کے قرض ادا کرنا اور ان کے معاملات میں عدل و انصاف کرنا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اس آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ (المؤمنون: ۶۰) کیا اس آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں اے صدیق کی بیٹی اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں' نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۸' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۷۵' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۳' شرح السنۃ ج ۶ ص ۲۵)

(۵) وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بہت رغبت اور اہتمام سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کہیں یہ عبادت اپنے وقت سے مؤخر نہ ہو جائے اور کہیں اس عبادت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ اور فرمایا وہی نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں' یعنی وہ دوسرے لوگوں سے پہلے نیکی کرنا چاہتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ عبادت کے اجر میں سبقت کرنے والے ہیں ان کو ان کی نیکیوں کا اجر آخرت سے

پہلے دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کا نوشتہ اعمال ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتا ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گاO (نہیں نہیں!) بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اس کے سوا ان کے اور (بھی) برے اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیںO حتیٰ کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں گرفتار کریں گے تو وہ بلبلانے لگیں گےO آج مت بلبلاؤ! بے شک ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گیO (المؤمنون: ۶۵-۶۲)

اللہ تعالیٰ کے ظلم نہ کرنے کی وجوہ

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلص مومنوں کی صفات کا اور ان کے اعمال کی کیفیت کا ذکر فرمایا تھا' اور اب بندوں کے اعمال کے احکام میں سے دو حکم بیان فرمائے ایک حکم یہ ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف نہیں کرتا' اور دوسرا حکم یہ ہے کہ اللہ کے پاس ایک کتاب میں بندوں کے اعمال لکھے ہوئے محفوظ ہیں اور وہ کتاب حق کے ساتھ کلام کرتی ہے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا' اور اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَO (الجاثیہ: ۲۹)

یہ ہے ہماری کتاب جو تمہارے خلاف سچ سچ بتا رہی ہے' بے شک تم جو بھی عمل کرتے رہے تھے ہم اس کو لکھوا رہے تھے۔

وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا۔ (الکہف: ۴۹)

اور وہ کہیں گے ہائے ہماری خرابی! اس کتاب کو کیا ہوا اس نے کسی چھوٹے اور بڑے گناہ کو محفوظ کئے بغیر نہیں چھوڑا۔

اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا' ظلم اس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ ان کو ان کے جرم سے زیادہ سزا دی جائے یا ان کو ان کی نیکی سے کم ثواب دیا جائے یا ان کو اس جرم کی سزا دی جائے جو انہوں نے کیا نہیں' یا ان کو ان کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف کیا جائے' اور اس قسم کا ظلم وہی کر سکتا ہے جو بندوں کی طاقت سے بے خبر ہو یا بندوں کے کئے ہوئے کاموں اور اس پر مرتب ہونے والی سزا یا جزاء سے لاعلم ہو' اور اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا علم مخفی نہیں ہے اور اس کا بے خبر ہونا محال ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا ظلم کرنا بھی محال ہے۔ اور یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی بندہ کا کوئی حق نہیں ہے اجر و ثواب دینا اس کا فضل ہے اور گناہوں پر گرفت کرنا اور سزا دینا اس کا عدل ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی طرح بھی ظلم کا تصور نہیں ہو سکتا۔

کفار کے کرتوت اور ان پر نزول عذاب کی کیفیت

المؤمنون: ۶۳ میں فرمایا: بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں' اس آیت میں غفلت کے لئے غمرة کا لفظ فرمایا ہے اور ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غمرة کا معنی غفلت' حجاب اور قرآن کے معانی سے اندھا ہونا ہے' جب کسی شخص کو پانی ڈھانپ لے تو کہتے ہیں غمرة الماء ان کے دل غمرة میں ہیں' اس کا معنی یہ بھی ہے کہ ان کے دل حیرت میں ہیں اور قرآن کے معانی سے اندھے پن اور حجاب میں ہیں' نیز فرمایا اور اس کے سوا ان کے اور بھی برے اعمال ہیں جن کو وہ کرنے والے ہیں' قتادہ اور مجاہد نے کہا حق کے انکار کے علاوہ ان کے اور بھی گناہ ہیں جن کو وہ ضرور کرنے والے ہیں' حسن اور ابن زید نے کہا اور بھی برے اعمال ہیں جو انہوں نے ابھی تک نہیں کئے لیکن وہ ان کو ضرور کریں گے اور ان کی وجہ سے وہ دوزخ میں داخل ہوں گے' اور اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ خالق کا کفر کرنے کے علاوہ انہوں نے مخلوق پر بھی ظلم کیا ہے۔

المؤمنون: ۶۴ میں فرمایا: حتیٰ کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں گرفتار کریں گے تو وہ بلبلانے لگیں گے'

اور المومنون: ۶۵ میں فرمایا آج مت بلبلاؤ بے شک ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

اس گرفت سے مراد وہ عذاب ہے جو جنگ بدر کے دن شکست کی صورت میں ان پر نازل ہوا ان کے ستر افراد قتل کئے گئے اور ستر افراد قید کئے گئے اور باقی افراد پسپا ہو کر ذلت کے ساتھ الٹے پاؤں بھاگے۔

ضحاک نے کہا اس سے مراد وہ عذاب ہے جو قحط کی صورت میں ان پر مسلط کیا گیا تھا' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے تو کہتے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد' پھر چند مشرکوں کا نام لے کر ان کے خلاف دعا فرماتے: اے اللہ ولید بن الولید کو نجات دے اور سلمہ بن ھشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ کو اور کمزور مومنوں کو' اے اللہ قبیلہ مضر پر اپنی سخت گرفت کر' اے اللہ ان پر ایسے قحط کے سال مسلط کر دے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط مسلط کیا تھا' اور ان دنوں مضر کے اہل مشرق آپ کے مخالف تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۰۷۵)

یجئرون کا معنی ہے وہ زور سے چیخیں گے اور فریاد کریں گے جؤار کا اصل معنی ہے بیل کی طرح گڑگڑا کر آواز نکالنا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج تم مت بلبلاؤ' تم سے عذاب دور نہیں کیا جائے گا اور تمہارا چیخنا اور چلانا تم کو کوئی نفع نہیں دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اس سے پہلے میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو تم ایڑیوں کے بل پلٹ کر بھاگ جاتے تھے ○ اس پر تکبر کرتے ہوئے اس قرآن کو افسانہ کہہ کر بکواس کرتے ہوئے ○ (المؤمنون: ۶۷-۶۶)

نکوص' سمر اور ہجر کے معانی

تنکصون' نکوص سے بنا ہے' نکوص کا معنی ہے کسی چیز سے پھرنا' باز رہنا اور بھاگ جانا۔

سامرا: سمر سے بنا ہے' اس کا معنی ہے رات کو باتیں کرنا قصے کہانیاں سنانا' اور سامر کا معنی ہے کہانی سنانے والا' افسانہ گو' داستان سرا' علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ سمر اصل میں ظل قمر (چاند کا سایا) کو کہتے ہیں' "مطلع" میں مذکور ہے کہ چاند کا سایا اپنے دھندلے پن کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہے' اور البحر المحیط میں مذکور ہے کہ جو چاندنی درختوں پر چڑھتی ہے اس کو سمر کہتے ہیں' اور علامہ راغب نے لکھا ہے کہ رات کے اندھیرے کو سمر کہتے ہیں' بعد میں اس لفظ کا استعمال رات میں باتیں کرنے کے لئے ہونے لگا اور بعض نے کہا سامر کا معنی ہے اندھیری رات۔

تھجرون: یہ لفظ ھجر سے بنا ہے' ھجر کا معنی ہے گپ چھوڑنا' شیخی بگھارنا' ڈینگ مارنا' بے ہودہ باتیں کرنا' ہذیان بکنا اور کسی چیز کے ترک کرنے کو بھی ہجر کہتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں کاغذ اور قلم مانگا تاکہ آپ ایسی چیز لکھ دیں جس کے بعد مسلمان گمراہ نہ ہوں تو بعض مسلمانوں نے کہا اھجر استفھموہ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۲۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۵۴) یعنی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر اللہ کے پاس جا رہے ہیں' آپ سے دریافت کر لو' اس حدیث میں ہجر بیماری میں ہذیان بکنے اور بے ہودہ باتیں کرنے کے معنی میں نہیں ہے۔ ترک کرنے اور چھوڑنے کے معنی میں ہے' اور قرآن مجید کی اس آیت میں تھجرون بیہودہ باتیں کرنے اور ہذیان بکنے کے معنی میں ہے۔

مشرکین کے تکبر کے محامل

اس آیت میں ہے اس پر تکبر کرتے ہوئے' جمہور نے کہا یہ ضمیر حرم کی طرف یا مسجد حرام کی طرف یا شہر مکہ کی طرف لوٹ رہی ہے' ہرچند کہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے' کیونکہ وہ مشہور ہے' مشرکین کہا کرتے تھے ہم اہل حرم ہیں' ہم کسی سے نہیں ڈرتے'

ایک قول یہ ہے کہ ان کا اپنے دلوں میں یہ اعتقاد تھا کہ حرم پر اور کعبہ پر ان کا تمام لوگوں سے زیادہ حق ہے سو وہ اس پر تکبر کرتے تھے' اور بعض مفسرین نے کہا یہ ضمیر قرآن مجید کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ ذکر ہے: بے شک اس سے پہلے میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم میری آیات کو سنتے ہو تو تم تکبر اور سرکشی کرتے ہو اور تم ان پر ایمان نہیں لاتے' ابن عطیہ نے کہا یہ بہت عمدہ تفسیر ہے اور النحاس نے کہا پہلی تفسیر راجح ہے مشرکین حرم پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ کے حرم کے رہنے والے ہیں۔

عشاء کی نماز کے بعد جاگ کر باتیں کرنے کا شرعی حکم اور اس کے متعلق احادیث

سَامِرًا کے معنی ہم نے ذکر کئے کہ اس کا معنی ہے رات کو باتیں کرنے والا اور تھجرون کا معنی ہے بری باتیں کرنا یعنی وہ رات کو قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بری اور بے ہودہ باتیں کرتے تھے' حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ اپنی راتیں اطاعت اور عبادت کے بجائے' معصیت اور بے ہودہ گوئی میں گزارتے تھے' سمر (رات کو باتیں کرنے) کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۴۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۱۸)

جو شخص عشاء کی نماز کے بعد رات گئے تک باتیں کرتا رہے گا وہ تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھ سکے گا اور بعض اوقات صبح کی نماز کے وقت بھی اس کی آنکھ نہیں کھلے گی' رات کو باتیں کرنے کی ممانعت میں یہ حدیث بھی ہے:

بنو سلمہ کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عشاء کے بعد باتیں کرنے سے اجتناب کرو اور جب رات کو گدھے بولیں تو اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھو۔

حضرت عمران لوگوں کو مارا کرتے تھے جو رات کو باتیں کرتے تھے' رات کو عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن کام کاج اور روزی کمانے کے لئے بنایا ہے اور رات آرام کرنے اور سونے کے لئے بنائی ہے' اور رات کو دیر تک جاگ کر باتیں کرنا اللہ تعالیٰ کی اس حکمت اور صنعت کے خلاف ہے قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۝ (الفرقان: ۴۷)

اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس بنا دیا اور نیند کو راحت بنا دیا اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنا دیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر لیٹتے تو یہ دعا کرتے باسمک اموت واحیا ''تیرے نام سے ہی میں سوتا ہوں اور تیرے نام سے ہی بیدار ہوں گا'' اور جب بستر سے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے: الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کر دیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے''۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۱۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۱۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۸۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۶۶۰' عالم الکتب بیروت' سنن داری رقم الحدیث: ۲۶۸۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵۳۲)

رات کو جاگ کر دیر تک باتیں کرنا اس صورت میں ممنوع اور مکروہ ہے' جب قصہ کہانی اور کھیل تماشے کی یا دنیاوی باتیں کی جائیں لیکن اگر فقہ اور دین کی باتیں کی جائیں یا ذکر اذکار' تسبیح پڑھنے یا نوافل پڑھنے' صلاۃ التسبیح اور شبینہ پڑھنے یا وعظ اور

دینی تقاریر سننے اور سنانے میں رات کو دیر تک جاگا جائے تو وہ مذموم نہیں ہے محمود ہے' حدیث میں ہے:

قرة بن خالد بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حسن بصری کا انتظار کیا انہوں نے آنے میں دیر کر دی تھی حتیٰ کہ ہم اٹھنے کے وقت کے قریب پہنچ گئے پھر وہ آ گئے اور کہا ہم کو ہمارے ان پڑوسیوں نے بلا لیا تھا' پھر کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک رات ہم عشاء کی نماز کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے حتیٰ کہ آدھی رات کے قریب وقت آ گیا' پھر آپ آئے اور آپ نے ہم کو نماز پڑھائی پھر ہم کو خطبہ دیا اور فرمایا سنو! لوگوں نے عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئے اور بے شک تمہارا شمار نماز میں ہوتا رہا جب تک تم نماز کا انتظار کرتے رہے' حسن بصری نے کہا لوگوں کا اس وقت تک نیکی میں شمار ہوتا رہتا ہے جب تک وہ نیکی کے انتظار میں رہتے ہیں' قرة نے کہا یہ بھی حضرت انس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٠٠' مسند احمد رقم الحدیث: ١٥٠١٢' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٦٤٠)

نیکی اور خیر کی وجہ سے رات کو جاگنے اور باتیں کرنے کے متعلق یہ حدیث بھی ہے:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ (مسجد نبوی کے طالب علم) فقراء تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرا (طالب علم) لے جائے' اور اگر چار کا کھانا ہو تو پانچواں لے جائے' اور اگر پانچ کا کھانا ہو تو چھٹا لے جائے' اور حضرت ابوبکر صدیق تین کو لے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس کو لے گئے' پس میں اور میرے والد حضرت ابوبکر اور میری والدہ اور میری بیوی اور میرا خادم' ہم لوگ حضرت ابوبکر کے گھر میں تھے اور حضرت ابوبکر رات کا کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھاتے تھے پھر وہیں ٹھہرے رہتے تھے اور جب عشاء کی نماز پڑھ لی جاتی تھی تو پھر واپس آتے تھے' پس اس رات وہ ٹھہرے رہے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھا لیا پھر کافی رات گزرنے کے بعد آئے' ان کی بیوی نے کہا آپ کو کسی چیز نے مہمانوں کی خاطر جلد آنے سے روک لیا' حضرت ابوبکر نے پوچھا کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا' ان کی بیوی نے کہا انہوں نے آپ کے بغیر کھانے سے انکار کر دیا' انہیں کھانا پیش کیا گیا تھا مگر انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے کہا میں ایک جگہ جا کر چھپ گیا' حضرت ابوبکر نے (میرے متعلق) کہا اے ملامت زدہ' اللہ اس کی ناک کاٹ ڈالے اور مزید برا کہا' اور مہمانوں سے کہا تم کھاؤ خدا کرے تمہیں یہ کھانا اچھا نہ لگے' اور کہا اللہ کی قسم میں اس کھانے کو کبھی نہیں کھاؤں گا' اور اللہ کی قسم ہم اس کھانے سے جو بھی لقمہ کھاتے تے وہ نیچے سے اور زیادہ نکل آتا اور پہلے سے زیادہ ہو جاتا' حضرت عبدالرحمٰن نے کہا حتیٰ کہ مہمان سیر ہو گئے اور وہ کھانا پہلے سے زیادہ تھا' حضرت ابوبکر نے اس کھانے کی طرف دیکھا وہ اتنا ہی تھا یا اس سے زیادہ تھا' تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا: اے بنو فراس کی بہن! یہ کیا معاملہ ہے ان کی بیوی نے کہا میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم یہ کھانا تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہے پھر حضرت ابوبکر نے بھی اس کھانے سے کھایا اور کہا میں نے جو اس کھانے کو نہ کھانے کی قسم کھائی تھی وہ شیطانی کام تھا' انہوں نے اس کھانے سے ایک لقمہ اور لیا پھر وہ کھانا اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور وہ کھانا آپ کے پاس رہا اور ہمارے اور ایک قوم کے درمیان معاہدہ تھا' اس کی مدت گزر چکی تھی' ہم نے بارہ نقیبوں (مختار کار' قوم کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے والوں) کو بلایا اور ہر نقیب کے ساتھ لوگ تھے اللہ ہی جانتا ہے ان لوگوں کی تعداد کتنی تھی' سو ان سب لوگوں نے وہ کھانا کھا لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٠٢' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٠٥٧' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٢٧١)

حضرت ابوبکر کے مہمانوں کی حدیث سے استنباط شدہ مسائل

اس حدیث سے بہت سے فقہی احکام مستنبط ہوتے ہیں' ہم نے جس وجہ سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے وہ ہے عشاء کے

بعد نیکی کی باتیں کرنا' کیونکہ حضرت ابوبکر عشاء کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر آئے تھے پھر گھر آ کر مہمانوں کے متعلق دریافت کیا' ان کو کھانا کھلایا اور بقیہ کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے اور نقیبوں اور ان کے ساتھیوں کو وہ برکت والا کھانا کھلایا۔

اس حدیث کے بقیہ مسائل اور احکام یہ ہیں کہ فقراء کی غم خواری کرنی چاہئے اور ان کے لئے ایثار کرنا چاہئے اور جب فقراء زیادہ ہوں تو قوم کے امیر کو انہیں لوگوں میں تقسیم کر دینا چاہئے اور جو شخص جتنے مہمان لے جا سکے اتنے مہمان لے جائے اور قوم کے امیر کو چاہیے کہ وہ بھی جتنے مہمان یا فقراء لے جا سکتا ہو وہ لے جائے' حضرت ابوبکر تین کو لے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس کو لے گئے' اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جود و سخا میں سب سے بڑھ کر تھے اور آپ دوسروں کو جو حکم دیتے تھے خود اس سے زیادہ پر عمل کرتے تھے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عیال کی تعداد ان مہمانوں کے قریب تھی آپ نے اور آپ کے عیال نے نصف طعام کھایا اور باقی مہمانوں کو کھلا دیا اور حضرت ابوبکر نے دو تہائی کھانا اپنے عیال کو کھلایا اور باقی مہمانوں کو کھلا دیا' حضرت ابوبکر رات کا کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھاتے تھے اور رات گئے عشاء کی نماز پڑھ کر آتے تھے اس سے پتا چلتا ہے کہ ان کو آپ سے کتنی محبت تھی اور وہ اپنے اہل' اپنی اولاد اور اپنی بیوی اور مہمانوں کے لئے جو وقت ہوتا تھا وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزار دیتے تھے۔ مہمانوں نے جو حضرت ابوبکر کے بغیر کھانا نہیں کھایا وہ ان کا حسن ادب تھا اور حضرت ابوبکر کے اہل خانہ کے ساتھ نرمی اور ملائمت تھی ان کو یہ گمان تھا کہ ان کے کھانے کے بعد شاید حضرت ابوبکر کے لئے کھانا نہ بچے' علماء نے یہ کہا ہے کہ مہمان کو یہ چاہئے کہ وہ میزبان کے کہنے کے مطابق کریں اگر وہ ان کو جلد کھانا کھلانا چاہئے یا جس طرح کا اور جتنی مقدار میں کھلانا چاہئے اس کی موافقت کریں' ہاں اگر اس کو معلوم ہو کہ میزبان اس کی وجہ سے تکلف کر رہا ہے اور دشواری میں پڑ رہا ہے تو وہ نرمی سے منع کر دے ہو سکتا ہے کہ میزبان کا اس میں کوئی عذر ہو یا کوئی غرض ہو اور وہ اس کا اظہار نہ کرنا چاہتا ہو اور مہمانوں کے اختلاف کرنے کی وجہ سے اس کو دشواری کا سامنا ہو۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر' حضرت ابوبکر کے آنے کے بعد ان کے ڈر کی وجہ سے چھپ گئے۔ حضرت ابوبکر نے ان کو ڈانٹا اور تادیباً برا کہا اس سے معلوم ہوا کہ اولاد بڑی بھی ہو جائے پھر بھی ماں باپ کو اسے جھڑکنے اور ڈانٹنے کا اختیار ہوتا ہے' حضرت ابوبکر نے مہمانوں سے کہا تم کھاؤ تم کو یہ کھانا خوش گوار نہ لگے' انہوں نے مہمانوں کو بددعا نہیں دی تھی بلکہ یہ بتایا تھا کہ اتنی تاخیر سے کھانا خوش گواری کا باعث نہیں ہوتا' حضرت ابوبکر نے قسم کھائی تھی کہ وہ یہ کھانا نہیں کھائیں گے پھر جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ کھانا برکت والا ہے اور پہلے سے تین گنا زیادہ ہے تو انہوں نے قسم توڑ دی اور اس کھانے سے کھایا اور اس حدیث پر عمل کیا کہ جو شخص کسی کام کو نہ کرنے کی قسم کھائے پھر معلوم ہو کہ وہ کام اچھا ہے تو وہ قسم توڑ کر اس کام کو کر لے اور اس قسم کا کفارہ دے دے۔

حضرت ابوبکر ایثار کر کے تین آدمیوں کو کھانا کھلانے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کی جزاء میں اس کھانے کو تین گنا زیادہ کر دیا' اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق کی ظاہر کرامت ہے اور اہل سنت کے نزدیک اولیاء کی کرامت ثابت ہے' اور معتزلہ اس کے منکر ہیں' حضرت ابوبکر کی بیوی نے قسم کھائی میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! اس کی وجہ یہ ہے کہ خوشی کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور جلد خشک ہو جاتے ہیں' اور غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں اور جلد خشک نہیں ہوتے اس لئے کہا جاتا ہے اللہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رکھے' غیر اللہ کی قسم کھانا منع ہے اور حضرت ابوبکر کی بیوی نے قسم کھائی میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! یعنی حضرت ابوبکر کی قسم اس کا جواب یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا اس وقت منع ہے جب مقصود یہ ہو کہ اگر قسم پوری نہیں کی تو وہ کفارہ دے گا یعنی شرعی قسم' اور یہ لغوی قسم ہے جس سے مقصود صرف اظہار تعظیم ہے۔ حضرت ابوبکر اس کھانے کو

اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اس سے حضرت ابوبکر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت کا پتا چلتا ہے کہ جو اچھی چیز ہو وہ اس کو آپ کے پاس لے جاتے تھے اور وہ کھانا آپ کی برکت سے اتنا زیادہ ہو گیا کہ بارہ نقیبوں اور ان کے ساتھ جتنے آدمی تھے ان سب نے کھالیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آیا انہوں نے اللہ کے کلام میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی تھی جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی○ یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں تو وہ اس کے منکر ہو گئے○ یا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو جنون ہے (نہیں نہیں) بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں○ اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو تمام آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں وہ سب ہلاک ہو جاتے' (نہیں نہیں) بلکہ ہم تو ان کے پاس ان کی نصیحت لائے ہیں سو وہ اپنی نصیحت سے ہی منہ پھیرنے والے ہیں○ کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں! سو آپ کے رب کا اجر ہی سب سے بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے○ (المؤمنون: ۷۲-۶۸)

مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجوہ اور ان کا رد اور ابطال

المؤمنون: ۶۸ میں یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید ان کے نزدیک مشہور اور معروف تھا اور وہ اس میں غور وفکر کرنے پر قادر تھے کیونکہ ان کے کلام اور قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت میں نمایاں اور غیر معمولی فرق تھا اور قرآن مجید میں کسی قسم کا تضاد اور تعارض نہیں تھا اور قرآن مجید نے ان کو صانع کے وجود کی معرفت اور اس کی وحدانیت کی معرفت پر متنبہ کیا تھا تو وہ اس قرآن میں کیوں تدبر نہیں کرتے تاکہ باطل کو ترک کر کے حق کو اختیار کر لیں۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مشرکین اس لئے آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے کہ اللہ کا کسی رسول کو اپنا پیغام دے کر بھیجنا خلاف عادت اور غیر معمولی کام ہے تو یہ بات غلط ہے' اس کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی تھی جو ان کے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی۔ کیونکہ وہ تواتر سے جانتے تھے کہ رسول اپنی امتوں کے پاس آتے رہے تھے اور اپنی امتوں کے سامنے معجزات پیش کرتے رہے تھے اور ان امتوں میں سے بعض لوگ رسول کی تصدیق کر کے نجات پانے والے تھے اور بعض لوگ ان کی تکذیب کر کے ہلاک ہو گئے اور ان مکذبین پر ایسا عذاب آیا تھا جس نے ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔

(المؤمنون: ۶۹ میں فرمایا یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں تو وہ اس کے منکر ہو گئے' یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور آپ کی دیانت اور آپ کے مکارم اخلاق سے ناواقف تھے اس لئے آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے سو یہ بات بھی غلط ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت سے پہلے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور امین ہیں اور جھوٹ اور برے اخلاق سے بہت دور ہیں تو جب وہ آپ کے صادق اور امین ہونے پر متفق تھے تو پھر کیوں آپ کی نبوت کا انکار کر رہے ہیں۔

المؤمنون: ۷۰ میں فرمایا یا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو جنون ہے۔ یعنی اس دعویٰ رسالت کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی عقل میں خرابی ہے سو یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ وہ بداھتاً جانتے تھے کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ عقل مند ہیں' اور کوئی مجنون شخص ایسے قوی دلائل کیسے پیش کر سکتا ہے اور ایسی جامع شریعت اور ماضی اور مستقبل کی صحیح صحیح خبریں کیسے بیان کر سکتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا رد فرمایا نہیں نہیں بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں' ان کے ناپسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو تسلیم کر لیتے تو تمام لوگ آپ کی اتباع کرتے اور عوام پر ان کی ریاست اور ان کا اقتدار جاتا رہتا' اور اکثر اس لئے فرمایا کہ بعض لوگ آپ کے برحق ہونے کو پہچانتے تھے اور وہ آپ

پر اس لئے ایمان نہیں لائے تھے کہ ان کی قوم ان کو ملامت کرے گی اور کہے گی کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کے دین کو ترک کر دیا۔

المؤمنون: ۷۱ میں فرمایا اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو تمام آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں وہ سب ہلاک ہو جاتے۔ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ حق یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کے اور شرکاء بھی عبادت کے مستحق ہیں' حالانکہ اللہ کے ساتھ اور شریک بھی ہوتے تو آسمان اور زمین کا نظام فاسد ہو جاتا کیونکہ ہر خدا کا حکم دوسرے کے مخالف ہوتا مثلاً ایک سورج کو مشرق سے نکالنا چاہتا اور دوسرا مغرب سے' دونوں کا ارادہ بیک وقت پورا ہونا محال تھا پھر کسی ایک کا ارادہ پورا ہوتا اور وہی خدا ہوتا۔ الانبیاء: ۲۲ میں ہم اس معنی کو وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔

(۲) ان کی خواہش یہ تھی کہ بتوں کی عبادت کی جائے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کی جائے' اور ان کی اس خواہش کا پورا ہونا محال تھا کیونکہ متعدد خداؤں کی عبادت اس وقت صحیح ہوتی جب واقع میں متعدد خدا ہوتے اور اگر واقع میں متعدد خدا ہوتے تو عالم کا نظام فاسد ہو جاتا۔

(۳) ان کی خواہشات متعارض اور متضاد تھیں اور اگر ان متضاد خواہشوں کو پورا کیا جاتا تو عالم کا نظام فاسد ہو جاتا۔

(المؤمنون ۷۲ میں فرمایا: کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں۔ یعنی کیا یہ مشرکین اس لئے آپ کے دعویٰ نبوت کو نہیں مان رہے کہ آپ ان سے کوئی معاوضہ طلب کر رہے ہیں یہ شبہ تو بہت بعید ہے آپ کو تو آپ کا رب روزی دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک آپ ضرور ان کو صراط مستقیم کی دعوت دیتے ہیں○ اور بے شک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ ضرور صراط مستقیم سے منحرف ہونے والے ہیں○ اور اگر ہم ان پر (مزید) رحم کرتے اور جو تکلیف انہیں پہنچی ہے اس کو دور کر دیتے تو یہ ضرور اپنی سرکشی میں بھٹکنے پر اصرار کرتے○ اور بے شک ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا مگر پھر بھی یہ لوگ نہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ گڑگڑائے○ حتیٰ کہ جب ہم ان پر عذاب شدید کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت وہ ناامید ہو کر رہ جائیں گے○ (المؤمنون: ۷۷-۷۳)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق مشرکین کے شبہات کو زائل فرمایا تھا اور اب یہ بیان فرما رہا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت برحق ہے اور جو آپ کی نبوت کو نہیں مانتے اور آپ کا کفر کرتے ہیں وہ آخرت میں اس کا خمیازہ اٹھائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر ہم ان پر (مزید) رحم کرتے اور جو تکلیف انہیں پہنچی ہے اس کو دور کر دیتے تو یہ ضرور اپنی سرکشی میں بھٹکنے پر اصرار کرتے۔ اس آیت میں جس تکلیف کا ذکر فرمایا ہے اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

۱- اس سے مراد قحط اور بھوک ہے اور دنیا کے باقی مصائب اور تکلیفیں مراد ہیں۔

۲- اس سے مراد ہے مختلف جنگوں اور جہادوں میں ان کا قتل کیا جاتا اور ان کا قید کیا جانا۔

۳- اس سے مراد آخرت کا ضرر اور عذاب ہے اور یہ بیان فرمایا کہ وہ اپنے عناد اور سرکشی میں اس قدر پہنچ چکے ہیں کہ آخرت کا عذاب ان سے دور نہیں ہو سکتا پھر یہ کہیں گے کہ ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے لیکن ان کو دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹایا جائے گا اور اگر ان کو دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ پھر اسی ڈگر پر چلیں گے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا

اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے (مگر) تم بہت کم شکر

تَشْكُرُوْنَ ۝۷۸ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۹

ادا کرتے ہو ○ اور وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلا دیا اور تم اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے ○

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۸۰

اور وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، اور رات اور دن کا اختلاف (بھی) اسی کے اختیار میں ہے، کیا پس تم نہیں سمجھتے! ○

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۸۱ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ

بلکہ انہوں نے بھی اسی طرح کہا جس طرح پہلے لوگ کہتے آئے تھے ○ انہوں نے کہا کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں

عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۸۲ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا

ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے ○ بے شک ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے بھی اسی طرح کا وعدہ کیا گیا تھا،

مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۸۳ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ

یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ○ آپ پوچھیے کہ یہ زمین اور اس میں جو لوگ ہیں وہ کس کی

وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۴ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۸۵

ملکیت ہیں؟ (ذرا بتاؤ) اگر تم جانتے ہو؟ ○ عنقریب وہ کہیں گے کہ سب اللہ کی ملکیت ہیں، آپ پوچھیے کہ کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝۸۶ سَيَقُوْلُوْنَ

کرتے! ○ آپ پوچھیے کہ سات آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ ○ عنقریب وہ کہیں گے

لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۸۷ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ

اللہ ہی سب کا رب ہے! آپ کہیے کہ کیا پھر (بھی) تم نہیں ڈرتے ○ آپ پوچھیے کہ کس کے ہاتھ میں سب کی سلطنت ہے؟

وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۸ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ

اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو ○ عنقریب وہ کہیں گے کہ سب اللہ ہی

قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

مالک ہے، آپ کہیے پھر کہاں سے تم پر جادو کیا گیا ہے؟ ○ بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے ہیں اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ○

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ

اللہ نے (اپنی) کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ کوئی عبادت کا مستحق ہے ورنہ ہر معبود اپنی

كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا

مخلوق کو الگ کر لیتا اور ان میں سے بعض دوسرے بعض پر غالب آجاتے، اللہ ان اوصاف سے پاک ہے جو

يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۵ ۱۵ ۵

یہ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں ○ وہ ہر باطن اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہ اس شرک سے بلند ہے جو وہ اس کے متعلق کہتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو○ اور وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلا دیا اور تم اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے○ اور وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور رات اور دن کا اختلاف (بھی) اسی کے اختیار میں ہے کیا پس تم نہیں سمجھتے○ (المؤمنون: ۸۰-۷۸)

اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں اور بندوں کی ناشکری

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کفار اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو سننے سے انکار کرتے ہیں اور حقائق میں غور وفکر نہیں کرتے اور ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتے، اب اللہ تعالیٰ مومنوں کے سامنے اپنی آیات بیان فرما رہا ہے کہ وہی ہے جس نے تم کو کان، آنکھیں اور دل عطا کئے ہیں اور تم کو ان اعضاء کو استعمال کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا کی ہے، اور اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ جو ان اعضاء کا صحیح استعمال نہیں کرتا وہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس یہ اعضاء نہ ہوں جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَلَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (الاحقاف: ۲۶)

اور بے شک ہم نے ان (قوم عاد) کو ان چیزوں پر اقتدار دیا تھا جن پر تمہیں اقتدار نہیں دیا اور ہم نے انہیں کان اور آنکھیں اور دل بھی دیئے ہوئے تھے لیکن ان کے کان اور آنکھوں اور دلوں نے ان کو نفع نہیں پہنچایا جب کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

اللہ سبحانہ نے ان آیتوں میں اپنی عظیم نعمتوں کا بیان فرمایا ہے کہ اس نے کان، آنکھیں اور دل عطا کئے ہیں، اور ان نعمتوں کا خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر استدلال کرنا ان ہی اعضاء پر موقوف ہے، پھر یہ فرمایا کہ لوگ ان نعمتوں کا بہت کم شکر ادا کرتے ہیں، اور دوسری نعمت کا اس طرح ذکر فرمایا اور وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلا دیا یعنی نسل در نسل تم کو زمین میں آباد کر دیا اور قیامت کے دن تم کو دار آخرت میں جمع فرمائے گا جہاں اس کے سوا

اور کوئی حاکم نہیں ہوگا' اور تیسری نعمت کا اس طرح ذکر فرمایا کہ وہی ہے جس نے تم کو حیات عطا کی تا کہ تم اس حیات میں نیک عمل کر کے دنیا اور آخرت کی نعمتوں کے امیدوار ہو جاؤ' اور موت عطا کی اور موت اس وجہ سے نعمت ہے کہ موت کے بعد ہی تم آخرت کی دائمی اور غیر متناہی نعمتوں کو حاصل کر سکتے ہو' اور چوتھی نعمت کا اس طرح ذکر فرمایا کہ وہی دن اور رات کو بار بار لاتا رہتا ہے دن میں تم اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کام کاج اور کسب کرتے ہو اور دن کی تھکاوٹ دور کرنے کے لئے تم رات میں آرام کرتے ہو' اگر دن اور رات کا یہ اختلاف نہ ہوتا مثلاً اگر مسلسل دن ہوتا اور رات نہ ہوتی تو تمہاری تھکاوٹ دور نہ ہوتی اور نیند اور سکون میسر نہ ہوتا اور اگر مسلسل رات ہوتی تو تم کام کاج اور کاروبار نہ کر سکتے اس لئے دن اور رات کا اختلاف بنایا سو دن اور رات کا یہ اختلاف بھی تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے' وہ فرماتا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (القصص: ۷۱-۷۲)

آپ کہیے بھلا بتاؤ تو سہی اگر اللہ تمہارے لئے قیامت تک مسلسل رات ہی رات بنا دیتا تو کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس دن کی روشنی لے آتا کیا پس تم سنتے نہیں ہو؟○ آپ کہیے ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تمہارے لئے قیامت تک مسلسل دن ہی دن بنا دیتا تو کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس رات لے آتا جس میں تم آرام کرتے کیا پس تم دیکھتے نہیں ہو○

پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں غور اور فکر نہیں کرتے ان کے متعلق فرمایا کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ انہوں نے بھی اسی طرح کہا جس طرح پہلے لوگ کہتے آئے تھے○ انہوں نے کہا کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے؟○ بے شک ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے بھی اسی طرح کا وعدہ کیا گیا تھا یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں○ (المؤمنون: ۸۱-۸۳)

حشر کے وقوع میں مشرکین کے شبہات اور ان کے جوابات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی توحید پر دلائل ذکر فرمائے تھے اس کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے حشر نشر اور آخرت کا ذکر فرمایا' جس طرح پہلی امتوں کے لوگوں نے روشن اور واضح دلائل سامنے آنے کے باوجود مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کیا تھا اسی طرح اس دور کے مشرکین بھی اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید میں دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کر رہے ہیں' ان کا ایک شبہ یہ تھا کہ جب ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر اور گل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور خاک بن کر خاک میں مل جائیں گی اور ہواؤں کے تھپیڑوں سے ان کی خاک دوسروں کی خاک میں مل جائے گی تو ان بکھرے ہوئے منتشر ذروں کو کس طرح جمع کیا جائے گا' اور جو ذرات ایک دوسرے سے مختلط ہو چکے ہیں ان کو کیسے الگ الگ اور متمیز کیا جائے گا؟ اور ان کا یہ شبہ اس لئے باطل ہے کہ ان مختلط ذرات کو وہ متمیز نہیں کر سکتا جس کا علم ناقص ہو اور ان منتشر ذرات کو وہ جمع نہیں کر سکتا جس کی قدرت ناقص ہو' اور جس کا علم بھی کامل ہے اور جس کی قدرت بھی کامل ہے اس کے لئے ان منتشر ذرات کو جمع کرنا اور ان مختلط ذرات کو متمیز کرنا کیا مشکل ہے اور کیسے بعید ہے' اور ان کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ اس سے پہلے دوسرے انبیاء بھی قیامت آنے اور حشر ونشر کا وعدہ کر چکے تھے اور اتنا طویل عرصہ گزر گیا اور ابھی تک قیامت آئی نہ حشر ہوا' سو یہ محض قصے اور کہانیاں ہیں ان کا یہ شبہ بھی باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں قیامت کا ایک وقت مقرر ہے اور جب وہ وقت آ جائے گا تو قیامت کے آنے میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ یہ زمین اور اس میں جو لوگ ہیں وہ کس کی ملکیت ہیں؟ (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو○ عنقریب وہ کہیں گے کہ سب اللہ کی ملکیت ہیں' آپ کہیے کہ کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے○ آپ کہیے کہ سات آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟○ عنقریب وہ کہیں گے کہ اللہ ہی سب کا رب ہے! آپ کہیے کہ کیا پھر (بھی) تم نہیں ڈرتے○ آپ کہیے کہ کس کے ہاتھ میں سب کی سلطنت ہے؟ اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو○ عنقریب وہ کہیں گے کہ سب کا اللہ ہی مالک ہے' آپ کہیے پھر کہاں سے تم پر جادو کیا گیا ہے؟○ بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے ہیں اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں○ (المؤمنون: ۹۰-۸۴)

مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور بت پرستی کے بطلان پر دلائل

ان آیتوں سے ان کا رد کرنا مقصود ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے' اور ان مشرکین کا رد کرنا مقصود ہے جو بتوں کی پرستش کرتے تھے' کیونکہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بتوں کی اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر تین دلیلیں قائم کیں:

(۱) فرمایا: یہ زمین اور اس میں جو لوگ ہیں وہ کس کی ملکیت ہیں! اور حشر پر اس سے اس طرح استدلال ہے کہ جب تم یہ جانتے ہو کہ اس زمین کو اور اس میں بسنے والے لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ہم نے ان کو زندگی اور قدرت عطا کی تو پھر واجب ہے کہ ان کو فنا کرنے کے بعد بھی ہم ان کو زندگی دینے پر قادر ہوں' اور بتوں کی عبادت کی نفی پر اس طرح استدلال ہے کہ جس نے تم کو زندگی عطا کی اور زندگی گزارنے کے لئے بے شمار نعمتیں عطا کیں وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے نہ کہ وہ جو کسی قسم کا نفع یا ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ اور فرمایا: کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے! اس میں ان کو غور و فکر اور تدبر کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ جان لیں کہ ان کا بت پرستی کرنا انصاف سے دور اور باطل ہے۔

(۲) فرمایا: سات آسمانوں کا رب کون ہے اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ یعنی جب تم یہ مانتے ہو کہ اللہ ہی سات آسمانوں اور عرش عظیم کا بنانے والا ہے تو وہ تمہیں مرنے کے بعد زندہ کیوں نہیں کر سکتا' اور سات آسمان اور عرش عظیم کو بنانے والا عبادت کے لائق ہے یا پتھر کی وہ بے جان مورتیاں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتیں' فرمایا کیا پھر تم ڈرتے نہیں ہو؟ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ آخرت میں اللہ کے عذاب سے وہی بچ سکتا ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر ایمان لائے اور بتوں کی پرستش کو باطل قرار دے کر ترک کر دے۔

(۳) فرمایا: کس کے ہاتھ میں سب کی سلطنت ہے؟ پہلے اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنانے کا ذکر کیا پھر سات آسمانوں اور عرش عظیم کے بنانے کا ذکر کیا پھر اپنی قدرت کا عموم اور شمول بتایا کہ تمام چیزوں کو اسی نے بنایا ہے' تو جو ایسا زبردست قادر ہے وہ تمہیں موت دے کر پھر زندہ کیوں نہیں کر سکتا؟ اور جس نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا ہے وہ عبادت کا مستحق ہے یا پتھر کی بے جان مورتیاں؟ فرمایا: پھر تم کہاں سے جادو کئے گئے ہو' یعنی تم نے کس سے دھوکا کھایا ہے' ان کو دھوکا دینے والا شیطان ہے اور ان کی باطل خواہشیں ہیں۔ اور فرمایا: ہم حق لے کر آئے ہیں اور یہ حق کی تکذیب کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے (اپنی) کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ کوئی عبادت کا مستحق ہے' ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور ان میں سے بعض دوسرے بعض پر غالب آ جاتے' اللہ ان اوصاف سے پاک ہے جو یہ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں○ وہ ہر باطن اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہ اس شرک سے بلند ہے جو وہ اس کے متعلق کہتے ہیں○ (المؤمنون: ۹۲-۹۱)

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے اور اس کا شریک نہ ہونے پر دلائل

المؤمنون: ۹۱ میں اللہ تعالیٰ نے دو دعوے کیے ایک یہ دعویٰ فرمایا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے اور اس میں ان مشرکین کا رد فرمایا جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' اور دوسرا دعویٰ یہ فرمایا کہ اس کے ساتھ کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اس میں ان مشرکین کا رد فرمایا جو بتوں کو بھی عبادت کا مستحق کہتے تھے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت سے عیسائیوں اور مجوسیوں کا رد مقصود ہو کیونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور مجوسی یہ کہتے تھے کہ عبادت کے دو مستحق ہیں یزداں خالق خیر ہے اور اہرمن خالق شر ہے۔ پھر فرمایا ورنہ ان میں سے بعض دوسرے بعض پر غالب آجاتے جیسے جب متعدد بادشاہ ہوں تو ان میں اقتدار کی کش مکش رہتی ہے اور ہر قوی اپنے سے ضعیف پر غالب آنا چاہتا ہے اور جو ضعیف اور مغلوب ہو وہ الوہیت کا مستحق نہیں' اور اس دلیل سے اللہ کی اولاد کی بھی نفی ہوتی ہے کیونکہ بیٹا بھی ملک اور سلطنت کے حصول کے لئے باپ پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے جیسے اورنگ زیب نے اپنے باپ شاہ جہاں کو اقتدار سے محروم کر کے قید خانہ میں ڈال دیا تھا۔

المؤمنون: ۹۲ میں فرمایا: وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے یعنی وہ ہر باطن اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر عالم الغیب کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔ ہم نے الانعام: ۵۰ میں اس کی مکمل وضاحت کی ہے دیکھیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۴۷۵' اور الاعراف: ۱۸۸ میں بھی اس پر مفصل بحث کی ہے دیکھیے تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۸۷-۴۸۵)

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي

آپ کہیے کہ اے میرے رب! اگر تو مجھے وہ عذاب دکھا دے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے ○ اے میرے رب! تو مجھے ظلم کرنے والے

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

لوگوں میں شامل نہ کرنا ○ بے شک ہم آپ کو وہ عذاب دکھانے پر ضرور قادر ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے ○

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

برائی کو اس طریقہ سے دور کیجئے جو بہت اچھا ہو، (آپ کے متعلق) یہ جو باتیں بناتے ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں ○

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ

آپ کہیے اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں ○ اور اے میرے رب! میں اس سے تیری

رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ

پناہ میں آتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں ○ حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب!

ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ

مجھے واپس بھیج دے ○ تاکہ میں اس دنیا میں وہ نیک کام کروں جن کو میں چھوڑ آیا ہوں، ہرگز نہیں! یہ صرف ایک بات ہے

هُوَ قَآئِلُهَا ۖ وَمِن وَرَآئِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۰۰﴾ فَإِذَا

جس کو یہ کہہ رہا ہے اور ان کے پس پشت ایک حجاب ہے جس دن تک ان کو اٹھایا جائے گا ○ پھر جب

نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَآءَلُونَ ﴿۱۰۱﴾

صور پھونک دیا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کرسکیں گے ○

فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ

سو جن (کی نیکیوں) کے میزان میں پلڑے بھاری ہوں گے وہی کامیاب ہوں گے ○ اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے

مَوَازِينُهُ فَأُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ

ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا (وہ) ہمیشہ دوزخ میں

خَٰلِدُونَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَٰلِحُونَ ﴿۱۰۴﴾

رہیں گے ○ آگ ان کے چہروں کو جھلستی رہے گی اور وہ اس میں بری حالت میں ہوں گے ○

أَلَمْ تَكُنْ ءَايَٰتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوا

کیا تمہارے سامنے میری آیتوں کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی پھر تم ان کی تکذیب کرتے تھے ○ وہ کہیں گے

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّينَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ

اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم (واقعی) گمراہ لوگ تھے ○ اے ہمارے رب

أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَٰلِمُونَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوا فِيهَا

ہمیں اس دوزخ سے نکال اگر ہم پھر (کفر کی طرف) لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے ○ (اللہ) فرمائے گا تم اسی میں دھتکارے ہوئے

وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿۱۰۸﴾ إِنَّهُۥ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ

پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو ○ بے شک میرے بندوں میں سے ایک گروہ یہ کہتا تھا اے

رَبَّنَآ ءَامَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّٰحِمِينَ ﴿۱۰۹﴾ صلے ج

ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے ○

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ

تو اے کافرو! تم نے ان کا مذاق اڑایا حتیٰ کہ (اس مشغلہ نے) تمہیں میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان

تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ

پر ہنسا کرتے تھے ۵ بے شک میں نے آج انکے صبر کی انہیں جزا دی اور بے شک وہی

الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

کامیاب ہیں ۵ اللہ فرمائے گا تم زمین میں کتنے سال رہے تھے؟ ۵

قٰلُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾

وہ کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے آپ گنتی والوں سے پوچھ لیجیے ۵

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اللہ فرمائے گا تم بہت کم وقت ٹھیرے تھے کاش تم نے پہلے جان لیا ہوتا ۵

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

کیا پس تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا تھا اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے ۵

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ

پس اللہ بلند شان والا ہے اور سچا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ عرش کریم

الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ

کا رب ہے ۵ اور جو شخص اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت کرتا ہے، جس کی اس کے پاس کوئی دلیل

بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

نہیں ہے، سو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہی ہوگا، بے شک کافر کامیاب نہیں ہوں گے ۵

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع ۶

اور آپ کہیے اے میرے رب! مغفرت فرما اور رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اے میرے رب اگر تو مجھے وہ عذاب دکھادے جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے○ اے میرے رب تو مجھے ظلم کرنے والے لوگوں میں شامل نہ کرنا○ بے شک ہم آپ کو وہ عذاب دکھانے پر ضرور قادر ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے○ برائی کو اس طریقہ سے دور کیجئے جو بہت اچھا ہو' (آپ کے متعلق) یہ جو باتیں بناتے ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں○ آپ کہیے اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں○ اور اے میرے رب! میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں○ (المؤمنون: ۹۸-۹۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دعا کرانے کی توجیہ کہ اللہ آپ کو ظالموں کے عذاب میں شامل نہ کرے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی ہے کہ آپ تواضع اور انکسار کے طور پر یہ دعا کریں کہ اے میرے رب! اگر تو مجھے ضرور وہ عذاب دکھائے جو ان کافروں کو دنیا میں دیا جائے گا یا آخرت میں دیا جائے گا تو مجھے ان معذب لوگوں میں شامل نہ کرنا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں آپ کو دنیا یا آخرت کے عذاب میں شامل کرنا کس طرح متصور ہو سکتا ہے تو پھر آپ کو عذاب سے محفوظ رکھنے کی دعا کیوں تعلیم فرمائی ہے؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تواضع کرنے اور انکسار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ تعلیم دی ہے کہ ہر چند کہ آپ معصوم ہیں اور آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے آپ عذاب کے مستحق ہوں تاہم اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے آپ اس کے جلال سے ڈرتے رہیے اور یہ دعا کرتے رہیے کہ جب اللہ ظالموں کو عذاب دے تو آپ کو وہ اس عذاب سے محفوظ رکھے۔

(۳) اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے لئے آئیڈیل اور نمونہ ہیں آپ یہ دعا کریں تاکہ آپ کی امت بھی آپ کی اتباع میں یہ دعا کرے' اور اس دعا کرنے میں آپ کی امت کے لئے دو فائدے ہیں ایک اس دعا کرنے کا صلہ ملے گا یعنی ان کی دعا قبول کی جائے گی اور دوسرا آپ کی سنت پر عمل کرنے اور آپ کی اتباع کرنے کا ان کو ثواب ملے گا۔

(۴) اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ آپ کو اس دعا کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ آپ اپنے رسول اور معصوم ہونے سے صرف نظر کر کے صرف اس حیثیت سے یہ دعا کریں کہ آپ اللہ کے بندے ہیں' اور بندگی کا یہ تقاضا ہے کہ بندہ اپنے رب سے یہ دعا کرتا رہے کہ وہ اس کو عذاب سے محفوظ رکھے۔

(۵) اور اس کا پانچواں جواب یہ ہے کہ بعض احکام عقل سے ماوراء اور محض تعبدی ہوتے ہیں جیسے پانی نہ ہونے یا پانی پر قدرت نہ ہونے کے وقت طہارت کے لئے تیمم کا حکم دیا' جب کہ ہاتھوں اور چہرے پر مٹی ملنے سے صفائی حاصل نہیں ہوتی یہ حکم عقل سے ماوراء ہے لیکن چونکہ ایسی صورت میں طہارت حاصل کرنے کے لئے ہم کو تیمم کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے ہم تیمم کرتے ہیں' اسی طرح موزوں کے اوپر والے حصہ پر مسح کیا جاتا ہے اور یہ حکم بھی عقل سے ماوراء ہے کیونکہ موزوں کے نچلے حصہ پر گندگی یا میل کچیل لگنے کا احتمال ہے اوپر والے حصہ پر نہیں ہے لیکن ہم کو اوپر والے حصہ پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے تو ہم اس حصہ پر مسح کریں گے خواہ ہماری عقل میں نہ آئے' اسی طرح ریح خارج ہونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی عقل سے ماوراء حکم ہے کیونکہ ریح خارج ہونے سے جسم پر کوئی نجاست نہیں لگتی اور یہ طہارت کے منافی نہیں ہے' اسی طرح نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹنے کا حکم بھی عقل سے ماوراء ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے افضل ہیں'

اس کے باوجود آپ کو کعبہ کا طواف کرنے کا حکم دیا یہ حکم بھی عقل سے ماوراء ہے اور تعبدی حکم ہے' اس طرح باوجود اس کے کہ آپ رسول معصوم ہیں آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ یہ دعا کریں کہ اے میرے رب! جب تو ظالموں کو عذاب دے تو مجھے ان میں شامل نہ کرنا سو یہ حکم بھی ماوراء عقل ہے اور محض تعبدی ہے۔

(۶) اور اس کا چھٹا جواب یہ ہے کہ آپ رسول معصوم ہیں آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا اس کے باوجود آپ کو توبہ کرنے اور استغفار کرنے کا حکم دیا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○ (النصر: ۳)

آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت کی دعا کریں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی قسم! میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۵ مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۷۴)

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کا بھی گناہ نہیں کیا اور توبہ اور استغفار گناہوں پر کیا جاتا ہے' اس لئے اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ آپ کا توبہ اور استغفار کرنا آپ کے درجات اور مراتب میں ترقی اور بلندی کے لئے ہے' اسی طرح اس آیت میں آپ کو جو یہ حکم دیا ہے کہ آپ یہ دعا کریں کہ جب اللہ ظالموں کو عذاب دے تو وہ آپ کو اس عذاب میں شامل نہ کرے آپ کی یہ دعا بھی آپ کے درجات اور مراتب میں ترقی کے لئے ہے۔

اس آیت کے موافق وہ طویل حدیث ہے جس کو حضرت معاذ بن جبل نے روایت کیا ہے اس کے آخر میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو مجھے فتنہ سے بچا کر میری روح قبض فرمانا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۵' مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۴۶۰' عالم الکتب بیروت)

۷- اور اس کا ساتواں جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور آپ کا ظالموں کے عذاب میں مبتلا ہونا متصور نہیں ہے اس کے باوجود آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ یہ دعا کریں کہ اللہ آپ کو ظالموں کے عذاب میں شامل نہ کرے کیونکہ کبھی ظالموں کے ظلم کی نحوست ان کو بھی پہنچ جاتی ہے جو ظالم نہیں ہوتے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً (الانفال: ۲۵)

اور تم اس وبال سے بچو جو خصوصیت سے صرف ان ہی لوگوں پر نہیں آئے گا جو تم میں سے ظلم اور گناہ کے مرتکب ہوئے تھے۔

اور کبھی جب عام عذاب آتا ہے تو اس سے بروں کے ساتھ نیک بھی متاثر ہو جاتے ہیں' دنیا میں اس کی مثال یہ ہے کہ جب کثرت سے بارشیں ہوں' سیلاب آجائیں' یا زلزلے آجائیں' یا قحط پڑ جائے یا کوئی اور ارضی وسماوی آفات ہوں تو اس سے نیک اور بد سب ہی متاثر ہوتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ جب ظالموں کو عام عذاب دیا جائے تو آپ یہ دعا کریں کہ اللہ آپ کو ظالموں کے عذاب کی نحوست سے اور اس عذاب کے عموم سے سلامت اور محفوظ رکھے۔

ہم نے اس آیت پر اشکال کے یہ سات جواب لکھے ہیں اور اپنے کلام کی حکمتوں اور اس کی باریکیوں کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کا عذاب دکھانا

مشرکین عذاب کا انکار کرتے تھے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس سے ڈراتے کہ اگر وہ اس طرح کفر اور شرک پر قائم رہے اور اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے المؤمنون: ۹۵ میں فرمایا: بے شک ہم آپ کو وہ عذاب دکھانے پر ضرور قادر ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اس پر قادر ہے کہ وہ اپنے رسول کو ان کا عذاب دکھائے لیکن اس نے ان سے اس عذاب کو مؤخر کر دیا ہے' کیونکہ اس کو علم ہے کہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لے آئیں گے یا ان کی اولاد ایمان لے آئے گی یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال: ۳۳) اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ جب آپ ان کے درمیان ہوں تو وہ ان پر عذاب بھیج دے۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا عذاب دکھا دیا جب ان پر قحط کی صورت میں بھوک کا عذاب نازل کیا حتیٰ کہ وہ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قریش نے اسلام قبول کرنے کو مؤخر کر دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعائے ضرر کی تو ان کو قحط نے پکڑ لیا حتیٰ کہ وہ اس میں ہلاک ہونے لگے اور انہوں نے مردار جانور اور ہڈیاں کھائیں' پھر ابوسفیان آپ کے پاس آئے اور کہا اے محمد! آپ رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے آپ اللہ سے دعا کیجئے تو آپ نے یہ آیت پڑھی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○ (الدخان: ۱۰) آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان ظاہر دھواں لائے گا۔

(کفار قحط کے ایام میں بھوک سے مجبور ہو کر آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے انہیں آسمان دھوئیں کی طرح نظر آتا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ قرب قیامت کی دس بڑی علامات میں سے ایک علامت دھواں بھی ہے جس سے کافر بہت زیادہ متاثر ہوں گے اور مومن کم' اس آیت میں اسی دھوئیں کا ذکر ہے اس تفسیر کے اعتبار سے یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگی جب کہ پہلی تفسیر کے اعتبار سے یہ علامت ظاہر ہو چکی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اور یہ دونوں تفسیریں صحیح ہیں)۔

پھر وہ لوگ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى (الدخان: ۱۶) جس دن ہم بڑی سخت گرفت کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۲۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۸۱)

اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کا عذاب جنگ بدر کے دن دکھا دیا جب ستر کافر قتل کئے گئے اور ستر کافر گرفتار اور باقی ذلت کے ساتھ پسپا ہو کر بھاگ گئے' اور فتح مکہ کے دن کفار کا عذاب دکھایا جب کفار مکہ کو شکست فاش ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

برائی کا جواب اچھائی سے دینے کی نصیحت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں اس کی مثالیں

المؤمنون: ۹۶ میں فرمایا: برائی کو اس طریق سے دور کیجئے جو بہت اچھا ہو آپ کے متعلق یہ جو باتیں بناتے ہیں ہم ان کو

خوب جانتے ہیں۔اسی طرح ایک اور آیت میں بھی فرمایا ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ○ (حٰم السجدۃ: ۳۴)

نیکی اور بدی برابر نہیں' آپ برائی کو بھلائی سے دور کیجئے پھر وہی شخص جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا محب اور دوست ہو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ظلم کا جواب احسان سے دیجئے' زیادتی کا جواب عفو کے ساتھ اور غضب کا جواب عفو اور درگزر کے ساتھ اور بے ہودگیوں کا جواب چشم پوشی کے ساتھ اور ناپسندیدہ باتوں کا جواب برداشت اور حلم سے دیجئے' اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ کا دشمن آپ کا دوست بن جائے گا اور دور رہنے والا قریب ہو جائے گا اور آپ کے خون کا پیاسا آپ کا گرویدہ اور جاں نثار ہو جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں اس کی بہت مثالیں ہیں' ہم چند مثالیں ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو سراقہ بن مالک بن جعشم نے (سو اونٹوں کے لالچ میں) آپ کا پیچھا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا کی تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا' اس نے کہا آپ میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے میں آپ کو ضرر نہیں پہنچاؤں گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا کی' ایک اور حدیث میں ہے اس نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ مجھے امان لکھ کر دے دیں' آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر اس کو امان لکھ دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۸' ۳۹۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۸۶۶۳)

غور کیجئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو امان لکھ کر دے رہے ہیں جو سو اونٹوں کے لالچ میں آپ کا سر اتارنے کے لئے نکلا تھا آپ نے اس کی بدی کا جواب نیکی سے دیا اور بالآخر وہ مسلمان ہو گیا۔

جنگ بدر کے بعد صفوان بن امیہ کی ترغیب پر عمیر بن وہب آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا اور مسجد نبوی میں زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر آپ کے قریب آ کر بیٹھ گیا آپ نے اس سے پوچھا کہ اے عمیر تم کس لئے آئے ہو؟ اس نے کہا آپ کے پاس جو ہمارے قیدی ہیں میں ان کی سفارش کر کے آپ سے چھڑانے کے لئے آیا ہوں' آپ نے فرمایا پھر تمہارے گلے میں یہ تلوار کیسی ہے؟ اس نے کہا ان تلواروں کے لئے خرابی ہو انہوں نے ہم سے کون سی مصیبت دور کر دی ہے؟ آپ نے فرمایا تم سچ کہہ رہے ہو تم اسی لئے آئے ہو' اس نے کہا خدا کی قسم میں اسی لئے آیا ہوں' آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اور صفوان بن امیہ صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے تم نے مقتولین بدر کا ذکر کیا پھر تم نے کہا اگر مجھ پر قرض اور بچوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں ابھی روانہ ہو جاتا اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے آتا' پھر صفوان اس شرط پر تمہارے قرض اور تمہارے بچوں کی کفالت کا ضامن ہو گیا کہ تم مجھے قتل کر دو گے اور تمہارے اور تمہارے اس ارادہ کے پورے ہونے کے درمیان اللہ حائل ہو گیا' یہ سن کر عمیر نے بے ساختہ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' یا رسول اللہ! پہلے ہم آسمانی خبروں اور وحی کے متعلق آپ کی تکذیب کرتے تھے اور یہ ایسی خبر ہے جس کے موقع پر میرے اور صفوان کے سوا کوئی موجود نہیں تھا خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ آپ کو یہ بات صرف اللہ نے بتائی ہے' اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت کی' اس نے کلمہ شہادت پڑھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارا دینی بھائی ہے اس کو قرآن کی تعلیم دو اور اس کے قیدی آزاد کر دو' پھر حضرت عمیر بن وہب مکہ چلے گئے اور اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور جس طرح پہلے مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے' اب مشرکین کے خلاف تیغ بے

نیام رہتے تھے ان کی تبلیغ سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔
(سیرۃ النبویہ علی ہامش الروض الانف ج ۴ ص ۸۴ مطبوعہ بیروت' فتح الباری ج ۴ ص ۳۷-۳۶ مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)
فتح مکہ کے بعد آپ نے عمیر بن وھب کی سفارش سے صفوان بن امیہ کو بھی معاف کر دیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔
(کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۵۳' الکامل لابن اثیر ج ۲ ص ۱۶۸ بیروت)
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول فوت ہو گیا تو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں دوڑ کر آپ کے پاس پہنچ گیا' میں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ اس ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں؟ حالانکہ اس نے فلاں دن یہ اور یہ کہا تھا (کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے اور یہ کہا تھا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں جب تک وہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں اس وقت تک ان پر خرچ نہ کرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگائی تھی جس سے آپ کو سخت رنج پہنچا تھا اور آپ سے کہا تھا کہ اپنی سواری دور کرو مجھے اس سے بدبو آتی ہے' جنگ اُحد میں عین لڑائی کے دن اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر لشکر سے نکل گیا تھا) میں آپ کو یہ تمام باتیں گنواتا رہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرما کر کہا "اپنی رائے کو رہنے دو" جب میں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا مجھے اختیار دیا گیا ہے (کہ استغفار کرو یا نہ کرو) سو میں نے (استغفار کرنے کو) اختیار کر لیا' اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ اگر میں نے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا' حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵' عالم الکتب بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میری قمیص اور اس پر میری نماز جنازہ اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی اور بے شک مجھے یہ امید ہے کہ میرے اس عمل سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں گے۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۱۴۲' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

آپ کی اس نرمی اور حسن اخلاق کو دیکھ کر عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئے۔

ابوسفیان نے متعدد بار مدینہ پر حملے کئے تھے اس کو معاف کر دیا' وحشی نے آپ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اس کو معاف کر دیا' ھند نے حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا تھا اس کو معاف کر دیا' اور مکہ کے جن ظالموں نے آپ پر ظلم وستم ڈھائے تھے جنہوں نے آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے' جنہوں نے سجدہ کی حالت میں آپ پر اوجھڑی ڈالی تھی' جنہوں نے آپ کا سماجی بائیکاٹ کیا تھا اور شعب ابی طالب میں غلہ کا ایک دانہ تک نہیں پہنچنے دیا تھا ان سب کو معاف کر دیا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت کا حکم اب بھی باقی ہے یا منسوخ ہو چکا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جہاد کے احکام نازل ہونے کے بعد کافروں کی زیادتی کے جواب کو نرمی سے دینے کا وجوب اب منسوخ ہو گیا ہے اور مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں زیادتی کا جواب نرمی کے ساتھ دینا اب بھی معمول ہے اور مستحسن ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الشوریٰ: ۴۰)

برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے بے شک اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (الشوریٰ: ۴۳)

اور جس شخص نے صبر کیا اور معاف کر دیا بے شک یہ بلند ہمت والوں کے کاموں میں سے ہے۔

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ (حٰم السجدۃ: ۳۵)

اور یہ بات (برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا) صرف ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کریں اور ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑی سعادت والے ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً بے شرمی کی باتیں کرتے تھے اور نہ تکلفاً' آپ بازار میں شور نہیں کرتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶' مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۰۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی زیادتی کی گئی ہو اور آپ نے اس کا بدلہ لیا ہو' جب تک اللہ کی حدود کو پامال نہ کیا گیا ہو اور جب اللہ کی حدود کی ذرا سی بھی خلاف ورزی کی گئی ہو تو آپ سے زیادہ غضب ناک کوئی نہیں ہوتا تھا اور آپ کو جب بھی دو چیزوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ زیادہ آسان چیز کو اختیار کرتے تھے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰' ۶۷۸۶' ۶۸۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' مسند احمد ج ۶ ص ۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۰' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۹۴۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۷۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بھی یہی تلقین کی ہے کہ وہ برائی کا جواب اچھائی سے اور بدی کا جواب نیکی سے دیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی میں نے آپ کا ہاتھ پکڑنے میں پہل کی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بتایئے کہ سب سے اچھے اعمال کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عقبہ! جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو' جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۴۶۷' عالم الکتب بیروت' حافظ زین نے کہا یہ حدیث حسن ہے اور انہوں نے ترمذی کا حوالہ دیا مگر مجھے ترمذی میں یہ حدیث نہیں ملی' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۲۶۷' دارالحدیث القاہرہ' المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۲۷۰' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۶۸۹' حافظ الہیثمی نے کہا امام احمد کی دو سندوں میں سے ایک سند حسن ہے)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو' جو تم سے برا سلوک کرے اس سے اچھا سلوک کرو اور حق بات کہو خواہ وہ تمہارے خلاف ہو۔

(ابن النجار رقم الحدیث: ۶۹۲۹' تہذیب تاریخ ابن عساکر ج ۳ ص ۶۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۳۳۹۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۵۰۰۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۹۲۹' سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ للالبانی' رقم الحدیث: ۱۹۱۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے (تقویٰ) کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ وہ تمہارے ہر کام کا سردار ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور زیادہ نصیحت کیجئے' آپ نے فرمایا تم تلاوت قرآن اور اللہ کے ذکر کو لازم کر لو کیونکہ یہ تمہارے لئے آسمانوں میں نور ہے اور زمین میں نور ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور زیادہ نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا تم زیادہ ہنسا نہ کرو کیونکہ یہ دل کو مار دیتا ہے اور

چہرے کا نور ختم کر دیتا ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اور نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا تم جہاد کو لازم کر لو کیونکہ یہ میری امت کی رہبانیت ہے' میں نے کہا یا رسول اللہ! اور نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا سوائے کلمہ خیر کہنے کے خاموش رہو کیونکہ یہ (خاموش رہنا) شیطان کو بھگائے گا اور دین کے کاموں میں تمہارا مددگار ہو گا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا اپنے سے کم تر کو دیکھو اور اپنے سے برتر کو نہ دیکھو' یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ کی ان نعمتوں کو حقیر نہ جانو گے جو اس نے تم کو عطا کی ہیں' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا اپنے رشتہ داروں سے تعلق جوڑو خواہ وہ تم سے تعلق توڑیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور زیادہ نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا اللہ کا پیغام سنانے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا لوگوں کے لئے ان چیزوں کو پسند کرو جن چیزوں کو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو' پھر آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا اے ابوذر عقل سے بڑھ کر کوئی تدبیر نہیں اور گناہ سے رکنے سے بڑھ کر کوئی تقویٰ نہیں اور اچھے اخلاق سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۶۵۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۱' حافظ الہیثمی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن ہشام بن یحیٰی الغسانی ہے اس کی امام ابن حبان نے توثیق کی اور امام ابوزرعہ نے اس کو ضعیف قرار دیا' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۱۶)

میں اس بحث کو شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی متوفی ۶۹۲ ھ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اساء

برائی کا بدلہ برائی سے دینا بہت آسان ہے' مردانگی یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔

شیطان کے وسوسوں اور اس کے حاضر ہونے سے پناہ طلب کرنے کے متعلق احادیث

المؤمنون: ۹۸-۹۷ میں فرمایا: آپ کہئے: اے میرے رب میں شیطان کے ھمزات (وسوسوں) سے تیری پناہ میں آتا ہوں○ اور اے میرے رب میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ وہ (شیاطین) میرے پاس آئیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عفو اور درگزر کی نصیحت کی تھی اور برائی کا جواب اچھائی سے دینے کی تلقین کی تھی' اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جس سے عفو و درگزر اور بدی کا جواب نیکی سے دینے کی طاقت حاصل ہو گی اور وہ ہے شیطان کے ہمزات (وسوسوں) سے اللہ کی پناہ طلب کرنا۔

الھمزۃ کا لغت میں معنی ہے کچو کے لگانا اور دھکا دے کر کسی کو دور کرنا' لیث نے کہا پس پشت بات کرنا الھمز ہے اور منہ کے سامنے بات کرنا لمز ہے اور شیطان چپکے چپکے ابن آدم کے سینہ میں وسوسے ڈالتا ہے' اور اعوذبک من ھمزات الشیاطین کا معنی ہے اللہ کے ذکر سے غافل کرنے کے لئے شیطان جن باتوں کو دل میں ڈالتا ہے ان سے اللہ کی پناہ طلب کرنا' حدیث میں ہے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے راوی نے کہا پتا نہیں وہ کون سی نماز تھی آپ نے پڑھا اللہ اکبر کبیرا' اللہ اکبر کبیرا' اللہ اکبر کبیرا' الحمدللہ کثیرا' الحمدللہ کثیرا اور تین مرتبہ پڑھا سبحان اللہ بکرۃ واصیلا پھر دعا کی: میں شیطان کے نفخ' اس کی نفث اور اس کے ھمز سے اللہ کی پناہ

میں آتا ہوں' حضرت جبیر نے کہا نفث کا معنی شعر ہے اور نفخ کا معنی تکبر ہے اور همز کا معنی ہے الموتہ یعنی جنون۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۷۸۴' دارالفکر)

نیز اس آیت میں شیطان کے حاضر ہونے سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شیطان تمہاری ہر چیز کے پاس حاضر ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ کھانے کے پاس بھی حاضر ہوتا ہے' پس جب تم میں سے کسی شخص کا لقمہ گر جائے تو اس لقمہ پر جو خراب چیز لگ گئی ہے اس کو صاف کر کے اس لقمہ کو کھالے اور جب کھانے سے فارغ ہو تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے طعام کے کون سے جز میں برکت ہے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار ۲۰۳۳' الرقم المسلسل: ۵۲۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۷۹)

اگر کسی شخص کو شیطان خواب میں آ کر ڈرائے تو اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈرتا ہو تو وہ یہ کہے اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ وعقابہ و شر عبادہ و من همزات الشیاطین و ان یحضرون (میں اللہ کے غضب' اس کے عذاب اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانوں کے وسوسوں سے اور ان کے حاضر ہونے سے اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ میں آتا ہوں' حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے بالغ بچوں کو یہ کلمات یاد کراتے تھے اور نابالغ بچوں کے لئے ان کلمات کو ایک کاغذ میں لکھ کر اس کاغذ کو ان کے گلے میں لٹکا دیتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۶۳' ۳۶' ج ۱۰ ص ۳۶۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۱' کتاب الدعاء للطبرانی رقم الحدیث: ۱۰۸۶' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵' عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث: ۷۵۳' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۸' الاسماء والصفات للبیہقی ج ۱ ص ۳۰۴' کتاب الآداب للبیہقی رقم الحدیث: ۹۹۳)

حافظ ابن کثیر اور علامہ شوکانی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دے ○ تاکہ میں اس دنیا میں وہ نیک کام کرلوں جن کو میں چھوڑ آیا ہوں' ہرگز نہیں یہ صرف ایک بات ہے جس کو یہ کہہ رہا ہے اور ان کے پس پشت ایک حجاب ہے جس دن تک ان کو اٹھایا جائے گا ○ (المؤمنون: ۱۰۰-۹۹)

موت کے وقت دنیا میں دوبارہ لوٹنے کی تمنا کرنے والے کافر ہوں گے اور بدکار مسلمان

جب کافر کی موت کا وقت آجاتا ہے اور موت کی علامات ظاہر ہو جاتی ہیں اس وقت وہ ان فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے جو اس کی روح قبض کرنے کے لئے آتے ہیں اس وقت اس کو اپنے گمراہ ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○ (الانفال: ۵۰)

کاش آپ اس وقت دیکھتے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے اور ان کے چہروں پر اور ان کے کولہوں پر ضرب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم جلنے کا عذاب چکھو۔

اور موت کے وقت کافر اپنے دل میں کہتا ہے کہ اے رب! مجھے واپس بھیج دے' ارجعون جمع کا صیغہ ہے' اللہ واحد ہے لیکن کافر اس وقت اس کے لئے تعظیم کے قصد سے جمع کا صیغہ بولتا ہے۔

موت کے وقت ایمان لانے اور نیک عمل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کی درخواست کرنا صرف کافروں کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ جو مسلمان ساری عمر اللہ کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور گناہوں میں ڈوبے رہتے ہیں وہ بھی جب موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھیں گے تو وہ بھی اس وقت یہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تا کہ وہ نیک عمل کریں اور گناہ نہ کریں' جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

(المنافقون: ۱۰-۹)

اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جس نے ایسا کیا تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں ○ اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ یہ کہے کہ اے میرے رب تو مجھے تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا تا کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں۔

اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے' اور حج کی استطاعت ہو تو حج کرنے میں بھی دیر نہیں کرنی چاہئے' کیونکہ کسی کو موت کا وقت معلوم نہیں کیا پتا کس وقت موت آ جائے اور یہ فرائض اس کے ذمہ رہ جائیں اور موت کے وقت یہ آرزو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کہ کاش مجھے کچھ اور زندگی دے دی جائے تا کہ میں زکوٰۃ ادا کرلوں اور جو نیک کام مجھ سے رہ گئے ہیں ان کی قضا کرلوں۔

موت کے وقت ہر شخص کو لازماً علم ہوگا کہ وہ اللہ کے اولیاء میں سے ہے یا اس کے اعداء میں سے

یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جس شخص کو بھی موت آئے گی اس کو مرنے سے پہلے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اللہ کے اولیاء میں سے ہے یا اللہ کے اعداء میں سے ہے' وہ کہے گا تا کہ میں دنیا میں وہ نیک کام کرلوں جن کو میں نے ترک کر دیا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نیک عمل سے مراد کلمہ شہادت ہے یعنی اس نے کلمہ شہادت کے تقاضے کے مطابق جو اطاعات ترک کر دیں اور ان کو ضائع کر دیا۔ اور وہی شخص دنیا میں دوبارہ لوٹائے جانے کا سوال کرے گا جس کو اپنے عذاب کا یقین ہو جائے گا۔

لعلّ اور کلّا کا معنی

لعلّ کا معنی ہوتا ہے شاید' جس کام کے ہونے یا نہ ہونے کا تردد ہو' مرنے والے کو اس میں تردد ہوگا کہ اس کو لوٹایا جائے گا یا نہیں اور اس میں تردد ہوگا کہ اس کو عبادت کی توفیق ہوگی یا نہیں ورنہ اس کا اپنی طرف سے نیک عمل کرنے کا پختہ ارادہ ہوگا' اس صورت میں اس آیت کا معنی ہوگا کہ میں نے جو اطاعات ترک کیں ہیں شاید میں لوٹائے جانے کے بعد نیک عمل کروں' لعلّ کا معنی تا کہ بھی ہوتا ہے اور ہم نے ترجمہ میں یہی معنی کیا ہے تا کہ میں اس دنیا میں وہ کام کروں جن کو میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کلّا یعنی ہرگز نہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ تمہاری دعا ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور تم کو دنیا میں دوبارہ ہرگز نہیں بھیجا جائے گا' اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اگر تم کو دنیا میں دوبارہ بھیج بھی دیا تو تم نیک عمل ہرگز نہیں کرو گے' بلکہ جس طرح پہلے عمل کرتے تھے اسی طرح عمل کرو گے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام: ۲۸) اور اگر ان لوٹا بھی دیا جائے تو یہ پھر وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

اس لئے فرمایا: یہ صرف ایک بات ہے جس کو یہ کہہ رہا ہے' یعنی یہ صرف زبانی دعویٰ ہے اور محض دفع وقتی کے طور پر ایک بات کہی ہے۔

برزخ کا معنی

ان کے پس پشت تک برزخ ہے جس دن تک انہیں اٹھایا جائے گا۔

برزخ کا معنی ہے دو چیزوں کے درمیان کی حد' روک' حائل' موت سے حشر تک کے عالم کو برزخ کہتے ہیں۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے جو وقت موت اور حشر کے درمیان حائل ہے وہ برزخ ہے یہ ضحاک' مجاہد اور ابن زید کا قول ہے' ضحاک نے کہا جو وقت دنیا اور آخرت ے درمیان ہے وہ برزخ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا برزخ حجاب ہے۔ ابن عیسیٰ نے کہا قیامت تک کی مہلت برزخ ہے' کلبی نے کہا دو صوروں کے درمیان جو مدت ہے وہ برزخ ہے اور یہ مدت چالیس سال ہے' یہ تمام اقوال ۳۰ ارب ہیں اور ہر وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو وہ برزخ ہے' جوہری نے کہا جو چیز دو چیزوں کے درمیان حائل ہو وہ برزخ ہے' اور برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان موت کے وقت سے لے کر حشر تک کا وقت ہے۔ سو جو شخص مر گیا وہ عالم برزخ میں داخل ہو گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ص ۱۳۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب صور پھونک دیا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کر سکیں گے ○ سو جن (کی نیکیوں) کے پلے میزان میں بھاری ہوں گے وہی کامیاب ہوں گے ○ اور جن (کی نیکیوں) کے پلے ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا (وہ) ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ○ آگ ان کے چہروں کو جھلستی رہے گی اور وہ اس میں بری حالت میں ہوں گے ○ کیا تمہارے سامنے میری آیتوں کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی پھر تم ان کی تکذیب کرتے تھے ○ (المؤمنون: ۱۰۵-۱۰۱)

قیامت کے دن رشتوں کا قائم نہ رہنا اور اپنے اپنے حقوق وصول کرنا

المؤمنون: ۱۰۱ میں جو صور پھونکنے کا ذکر ہے اس سے مراد دوسری بار صور کا پھونکنا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس طرح لوگ دنیا میں اپنے اپنے نسب پر فخر کرتے ہیں آخرت میں کوئی اس طرح اپنے نسب پر فخر نہیں کرے گا' اور جس طرح دنیا میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں کہ تم کس قبیلہ سے ہو اور تمہارا کیا نسب ہے آخرت میں کوئی کسی سے اس طرح سوال نہیں کرے گا اور اس دن کے شدید خوف اور دہشت کی وجہ سے کوئی شخص دوسرے سے متعارف نہیں ہو گا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق ہلاک ہو جائے گی ماسوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا' اس دن ان کے درمیان کوئی نسب ہو گا اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے' پھر جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو وہ سب کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے' ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق سوال کیا:

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ○ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال کریں گے۔

(الصّٰفّٰت: ۵۰)

تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پہلے صور کے وقت کوئی کسی سے سوال نہیں کرے گا کیونکہ اس وقت روئے زمین پر کوئی زندہ شخص نہیں ہوگا اور نہ ان کے درمیان کوئی رشتہ ہوگا اور نہ وہ کسی سے سوال کریں گے' اور یہ آیت "پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال کریں گے" اہل جنت کے متعلق ہے کیونکہ جب وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۴۲۵-۱۹۴۲۳)

اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا اس آیت سے مراد دوسرا صور ہے' نیز حضرت ابن مسعود نے فرمایا قیامت کے دن کسی بندہ یا بندی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو تمام اولین اور آخرین کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا پھر ایک منادی منع کرے گا یہ فلاں بن فلاں ہے' جس شخص نے اس سے اپنا کوئی حق لینا ہو وہ اس سے اپنا حق وصول کرلے' پھر کوئی عورت اپنے باپ سے کوئی حق لینے آئے گی یا اپنے شوہر سے اپنا حق لینے آئے گی یا اپنے بھائی سے یا اپنے بیٹے سے پھر حضرت ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی:

فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ — تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کرسکیں گے۔ (المؤمنون: ۱۰۱)

پھر اس سے رب سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا' ان لوگوں کے حقوق ادا کرو' وہ شخص کہے گا اے میرے رب! دنیا فنا ہو چکی ہے اب میں ان کو حق کہاں سے دوں' پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا اس شخص کی نیکیوں میں سے ہر شخص کو اس کے حق کے مطابق نیکیاں دے دو' اگر وہ شخص اللہ کا ولی ہوگا اور اس کی نیکیوں میں سے رائی کے دانہ کے برابر ایک نیکی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی اس نیکی کو بہت زیادہ بڑھا دے گا حتیٰ کہ اس نیکی کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کر دے گا پھر حضرت ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ — بے شک اللہ ایک ذرہ کے برابر (بھی) ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی ایک نیکی ہو تو اللہ اس کو دگنا چوگنا کر دے گا اور خاص اپنے پاس سے اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ (النساء: ۴۰)

اور اگر وہ شخص شقی ہو تو فرشتے کہیں گے اے رب! اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور حقوق کے طلب کرنے والے باقی ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا حق داروں کے گناہ لے کر اس کے گناہوں میں ڈال دو اور اس کو جہنم کی طرف دھکا دے دو۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۴۲۷-۱۹۴۲۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قیامت کے دن نبی ﷺ کے نسب نکاح اور سسرال کے رشتوں کے سوا تمام رشتوں کا منقطع ہو جانا

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جو چیز اسے غصہ میں لائے وہ مجھے غصہ میں لاتی ہے اور جس چیز سے وہ خوش ہو اس سے میں خوش ہوتا ہوں اور قیامت کے دن تمام رشتے منقطع ہو جائیں گے سوا میرے نسب کے اور میرے نکاح کے اور میری سسرال کے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۳' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۱۱۴' عالم الکتب' المستدرک ج ۳ ص ۱۵۸' یہ حدیث صحیح ہے' ذہبی نے بھی اس کی موافقت کی ہے' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۴)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۱۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۸' السنن

الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۲۷۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ ان کی قوم کو نفع نہیں پہنچائے گا نہیں نہیں بلکہ میرا رشتہ دنیا اور آخرت میں ملا ہوا ہے' اور اے لوگو! جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا' ایک شخص کہے گا میں فلاں ہوں اور دوسرا شخص کہے گا میں فلاں بن فلاں ہوں اور اس کا بھائی کہے گا میں فلاں بن فلاں ہوں' آپ ان سے فرمائیں گے تمہارا نسب میں پہچانتا ہوں لیکن تم نے میرے بعد دین میں نئی باتیں نکالیں اور تم میرے بعد مرتد ہو گئے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۸' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۸۱' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲' المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۶' ج ۱۱ ص ۲۴۳' اس حدیث کے رجال صحیح ہیں)۔

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے چپکے چپکے کوئی بات کی پھر حضرت علی آ کر الصفہ (چبوترے) پر کھڑے ہو گئے وہاں حضرت عباس' عقیل اور حضرت حسین ملے' حضرت علی نے ان سے ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کرنے کے متعلق مشورہ کیا' عقیل غضب ناک ہوئے اور کہا اے علی جوں جوں تمہاری عمر بڑھ رہی ہے تمہاری غیر دانش مندی میں اضافہ ہو رہا ہے' اللہ کی قسم اگر تم نے یہ نکاح کیا تو ایسی ایسی خرابیاں ہوں گی' پھر حضرت علی نے حضرت عباس سے کہا اللہ کی قسم! اس کا یہ مشورہ خیر خواہی کی وجہ سے نہیں ہے' حضرت عمر کے درہ سے گھبرا کر اس نے ایسی باتیں کی ہیں اور مجھے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر سبب (نکاح کا رشتہ) اور نسب کا رشتہ منقطع ہو جائے گا سوا میرے سبب اور میرے نسب کے' پھر حضرت عمر ہنسے اور فرمایا عقیل پر افسوس ہے وہ احمق اور جاہل ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۳' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲' طبع قدیم' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۳۵۴)

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر سبب اور نسب (نکاح کا رشتہ اور نسب کا رشتہ) منقطع ہو جائے گا سوا میرے سبب اور نسب کے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن ہر نکاح کا رشتہ اور ہر نسب کا رشتہ منقطع ہو جائے گا سوا میرے نکاح اور میرے نسب کے رشتے کے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے الاوسط اور الکبیر میں روایت کیا ہے اس کے تمام راوی صحیح ہیں سوا الحسن بن سہل کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۷۳' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲' سنن بیہقی ج ۸ ص ۶۴)

حضرت مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ حسن بن حسن نے حضرت مسور بن مخرمہ کی بیٹی کا اپنے لئے رشتہ مانگا۔ حضرت مسور نے کہا حسن بن حسن سے کہنا کہ میں کسی وقت اس کا جواب دوں گا' پھر ان کی حضرت حسن سے ملاقات ہوئی' حضرت مسور نے اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے کے بعد کہا مجھے تمہارے نسب کے رشتہ اور تمہارے سسرالی رشتے سے کوئی نکاح کا رشتہ یا کوئی نسب کا رشتہ یا کوئی سسرالی رشتہ زیادہ عزیز نہیں ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میری فرع (شاخ) ہے جو چیز اس کو خوش کرے وہ مجھے خوش کرتی ہے اور جو چیز اس کو رنجیدہ کرے وہ مجھے رنجیدہ کرتی ہے اور بے شک قیامت کے دن تمام نسب

کے رشتے منقطع ہو جائیں گے سوا میرے نسب اور میرے نکاح کے رشتہ کے' اور بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کی بیٹی تمہارے نکاح میں ہے اگر تم اس کے اوپر میری بیٹی کو بہ طور سوکن لاؤ گے تو اس سے ان کو رنج ہو گا' پھر حضرت مسور معذرت کر کے چلے گئے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۲۶-۲۵' رقم الحدیث: ۳۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں ام بکر بنت المسور ہیں ان پر نہ کسی نے جرح کی ہے نہ توثیق کی ہے' اور اس کے باقی راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۳)

ان تمام احادیث کو حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ نے المؤمنون: ۱۰۱ کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

ان احادیث میں چونکہ حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا ذکر آ گیا ہے' اس لئے اب ہم حضرت سیدہ فاطمہ کے باقی فضائل اور مناقب کی احادیث درج کر رہے ہیں۔

حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل اور مناقب کی احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت سیدہ فاطمہ کو اپنے اس مرض میں بلایا جس میں آپ کی وفات ہو گئی تھی پھر ان سے چپکے چپکے کوئی بات کی تو وہ رونے لگیں پھر ان کو دوبارہ بلا کر کچھ کہا تو وہ ہنسنے لگیں' میں نے حضرت فاطمہ سے پوچھا وہ کیا بات تھی؟ انہوں نے فرمایا پہلی مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتایا کہ اس درد اور مرض میں میری روح قبض کر لی جائے گی تو میں رونے لگی اور دوسری بار یہ بتایا کہ آپ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے میں آپ کے ساتھ ملوں گی تو میں ہنسنے لگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۱۶' ۳۷۱۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۶۲۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۶۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۹۴۵)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنو ہشام بن المغیرہ نے مجھ سے اس بات کی اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا علی بن ابی طالب سے نکاح کر دیں' میں اس کی اجازت نہیں دیتا' میں پھر اس کی اجازت نہیں دیتا' میں پھر اس کی اجازت نہیں دیتا' سوا اس صورت کے کہ علی بن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے دیں اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں' کیونکہ وہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے اور جو چیز اس کو غمگین کرتی ہے وہ مجھ کو غمگین کرتی ہے اور جو چیز اس کو ایذاء پہنچاتی ہے وہ مجھ کو ایذاء پہنچاتی ہے' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۳۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۷۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۵۵' المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۱۰۱۲' ۱۰۱۱' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۲۵' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۰۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۹۵۸' ۳۹۵۷)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب حضرت فاطمہ تھیں اور مردوں میں سب سے زیادہ محبوب حضرت علی تھے' یعنی آپ کے اہل بیت میں سے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۲۵۸' المستدرک ج ۳ ص ۱۵۵)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوجہل

کی بیٹی کا ذکر کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو چیز ان کو ایذاء پہنچاتی ہے وہ مجھے ایذاء پہنچاتی ہے اور جو چیز انہیں پریشان کرتی ہے وہ مجھے پریشان کرتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۹ مسند احمد ج ۴ ص ۵ المستدرک ج ۳ ص ۱۵۹ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۰)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے متعلق فرمایا میں ان سے جنگ کرنے والا ہوں جو ان سے جنگ کرے اور میں ان سے صلح کرنے والا ہوں جو ان سے صلح کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۹۷ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۱۹ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۷۷ المستدرک ج ۳ ص ۱۴۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن' حضرت حسین' حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم پر چادر ڈالی پھر فرمایا اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے خواص ہیں' ان سے ناپاکی کو دور کر دے اور ان کو اچھی طرح پاک کر دے' حضرت ام سلمہ نے پوچھا یا رسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ فرمایا بے شک تم خیر پر ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۱ مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۸ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۱۲ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۶۴)

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے اور بیٹھنے میں آپ کی سیرت اور آپ کی عادات اور طور طریقوں میں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ آپ کے مشابہ تھیں' جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ ان کی طرف کھڑے ہو جاتے' ان کو بوسہ دیتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو حضرت فاطمہ آئیں اور آپ پر جھک گئیں اور آپ کو بوسہ دیا پھر رونے لگیں پھر آپ پر جھک گئیں پھر سر اٹھایا اور ہنسنے لگیں' میں نے دل میں کہا میں تو ان کو عقل مند عورت سمجھتی تھی مگر یہ تو (عام) عورتوں کی طرح ہیں' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو میں نے ان سے پوچھا یہ بتائیں کہ جب آپ پہلی بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکی تھیں پھر آپ نے سر اٹھایا تو آپ رو رہی تھیں اور جب آپ دوسری بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکیں اور سر اٹھایا تو آپ ہنس رہی تھیں اس چیز پر آپ کو کس نے برانگیختہ کیا تھا' انہوں نے میں اب اپنا راز افشاء کرنے والی ہوں' آپ نے مجھے یہ خبر دی تھی آپ اپنے اس درد میں فوت ہونے والے ہیں تو میں رونے لگی' پھر آپ نے مجھے یہ خبر دی کہ آپ کے اہل میں سے سب سے پہلے میں آپ سے ملوں گی تو پھر میں ہنسنے لگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۱۷ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۵۳ المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۱۰۳۸' المستدرک ج ۳ ص ۲۷۲ سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۰۱ مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۴۵ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۹' دلائل النبوۃ بیہقی ج ۶ ص ۳۶۴' الادب المفرد رقم الحدیث: ۹۴۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلایا پھر ان سے سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں پھر ان سے کوئی بات کی تو وہ ہنسنے لگیں' وہ کہنے لگیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ وہ فوت ہو جائیں گے تو میں رونے لگی پھر آپ نے مجھے یہ خبر دی کہ میں مریم بنت عمران کے سوا تمام جنت کی عورتوں کی سردار ہوں تو میں ہنسنے لگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۳ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۴۳' الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۴۸ المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۱۰۳۹)

جمیع بن عمر التیمی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سب سے زیادہ محبوب تھا انہوں نے کہا حضرت فاطمہ' ان سے پوچھا گیا مردوں میں انہوں نے کہا ان کے خاوند' بیشک میں جانتی ہوں کہ وہ بہت روزے رکھنے والے بہت قیام کرنے والے تھے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸۵۷)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میری ماں نے کہا کہ تم کب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے؟ میں نے کہا میں تو اتنے دنوں سے آپ سے نہیں ملا' وہ مجھ پر ناراض ہونے لگیں میں نے کہا مجھے چھوڑ دیں میں آپ کے پاس جاتا ہوں اور اس وقت تک واپس نہیں آؤں گا حتیٰ کہ حضور آپ کے لئے اور میرے لئے استغفار کریں' میں نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی' آپ کھڑے ہو کر پھر نماز پڑھنے لگے حتیٰ کہ آپ نے عشاء کی نماز پڑھی' پھر آپ باہر نکلے میں بھی آپ کے ساتھ باہر نکلا' پھر کوئی شخص آپ سے آ کر ملا پھر جب وہ چلا گیا تو آپ نے مجھے دیکھا اور فرمایا حذیفہ! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! فرمایا: کیا تم نے ابھی اس آنے والے کو دیکھا تھا' میں نے کہا جی ہاں آپ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ تھا وہ اپنے رب سے اجازت لے کر مجھے سلام کرنے آیا تھا اور مجھے یہ بشارت دینے کہ حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور فاطمہ بنت محمد جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ (السنن الکبریٰ للنسائی ج ۵ رقم الحدیث: ۸۳۶۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک فاطمہ نے اپنی عفت کی حفاظت کی ہے تو اللہ نے ان کی اولاد کو دوزخ پر حرام کر دیا۔

(المستدرک ج ۵ رقم الحدیث: ۴۷۷۹' طبع جدید' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۵۱' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۱۸۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۲۵' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۵۹ طبع جدید' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۸۸' مسند فاطمہ رقم الحدیث: ۱۰۲' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۹۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن انبیاء کو سواریوں پر اٹھایا جائے گا تا کہ وہ اپنی اپنی امتوں کے مومنوں کے پاس پہنچیں' حضرت صالح کو اپنی اونٹنی پر اٹھایا جائے گا اور مجھے براق پر اٹھایا جائے گا اس کا قدم منتہاء نظر پر ہوگا اور فاطمہ کو میرے آگے اٹھایا جائیگا۔ یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۵ رقم الحدیث: ۴۷۸۰' مسند فاطمہ رقم الحدیث ۳٬۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۲۹' المعجم الصغیر ج ۲ ص ۱۲۶' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۴۰' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۲)

حضرت علی علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو ایک منادی پردے کی اوٹ سے ندا کرے گا اے اہل محشر اپنی نظریں جھکا لو حتیٰ کہ فاطمہ بنت محمد گزر جائیں' یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۵ رقم الحدیث: ۴۷۸۱' المعجم الکبیر ج ۱ رقم الحدیث: ۱۸۰' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۴۰۷' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۵' مسند فاطمہ ص ۱۳۰' المستدرک ج ۳ ص ۱۶۱' طبع قدیم' کنز العمال ج ۱۲ رقم الحدیث: ۳۴۲۲۹' حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۱۲' یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے حافظ جلال الدین نے کہا اس کی یہ سند صحیح ہے الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۲۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۵۸' الصواعق المحرقہ ص ۱۹۰' معرفۃ الصحابہ رقم الحدیث: ۳۵۵' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۲۷۵-۲۷۴)

علامہ عبدالرؤف مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کو حاکم نے مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے اور ذھبی نے کہا نہیں خدا کی قسم یہ حدیث موضوع ہے اس کی سند میں عباس ہے' امام دار قطنی نے کہا وہ کذاب ہے' ابن الجوزی نے بھی اس کو موضوع کہا ہے' السیوطی نے ابن جوزی کا تعاقب کیا اور اس کے شواہد بیان کئے اور کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۲ص ۸۴۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حافظ جلال الدین عبدالرحمن السیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے اور کہا یہ صرف حضرت علی سے مروی ہے اور اس کی روایت میں عبدالحمید اور العباس بن بکار الضبی منفرد ہیں' اور مجھے حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابو ایوب' حضرت عائشہ اور حضرت ابو سعید کی حدیث سے اس کے شواہد ملے' امام ابو بکر الشافعی نے الغیلانیات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش کے باطن سے ایک منادی ندا کرے گا اے لوگو! اپنی نظریں جھکا لو حتیٰ کہ فاطمہ جنت کی طرف چلی جائیں' اور انہوں نے [illegible] رت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش کے باطن سے ایک منادی ندا کرے گا اے اہل محشر! اپنی نظروں کو جھکا لو حتیٰ کہ فاطمہ بنت محمد پل صراط سے گزر جائیں پھر حضرت فاطمہ ستر جوان حوروں کے ساتھ بجلی کی طرح پل سے گزر جائیں گی۔

(علامہ سیوطی نے حضرت ابو ہریرہ تک سند کو الجامع الصغیر: ۸۲۲ میں صحیح کہا ہے) اور حضرت ابو ایوب کی سند کے متعلق لکھا ہے اس میں محمد بن یونس الکدیمی اور اس کے اوپر کے تین راوی متروک ہیں' اور امام ابو الحسن بن بشران نے اپنے فوائد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا کرے گا اے معشر الخلائق اپنے سروں کو جھکا لو حتیٰ کہ فاطمہ گزر جائیں' اس حدیث کو اس سند کے ساتھ خطیب بغدادی نے بھی روایت کیا ہے اور عبداللہ خراسانی کی سند سے بھی روایت کیا ہے' اس سند میں حسین بن معاذ راوی ہے حافظ عسقلانی نے اس کے متعلق میزان میں کہا اس کی سند میں اضطراب ہے اور خطیب نے حسین کا ذکر بغیر جرح اور تعدیل کے کیا ہے' اور خطیب بغدادی نے الحسن بن ابی بکر کی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا اپنی نظروں کو جھکا لو حتیٰ کہ فاطمہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم گزر جائیں' اور امام ابو الفتح الازدی نے کتاب الضعفاء میں حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن حجاب کی اوٹ سے ایک منادی ندا کرے گا اپنی نظریں نیچی کر لو اور اپنے سروں کو جھکا لو کیونکہ فاطمہ بنت محمد پل صراط سے گزر رہی ہیں' اس سند میں العزری اور عمیر متروک ہیں اور امام الازدی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا اے لوگو! اپنی نظریں نیچی کر لو حتیٰ کہ فاطمہ پل صراط سے گزر جائیں' اس سند میں ایک راوی داؤد مجہول ہے۔

(اللآلی المصنوعہ ج ۱ص ۳۶۹-۳۶۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی جس سند کو ذہبی اور ابن جوزی نے موضوع کیا ہے وہ حضرت علی کی روایت ہے' اور حافظ سیوطی نے تصریح کی ہے کہ الغیلانیات میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت صحیح ہے اور خطیب نے الحسن بن ابی بکر کی سند سے جو حضرت عائشہ سے حدیث روایت کی ہے اس کا کوئی سقم بیان نہیں کیا' اور باقی روایات میں متروک' مضطرب یا مجہول راوی ہیں جو زیادہ سے زیادہ ضعیف روایات ہیں' اللہ تعالیٰ حافظ سیوطی کے درجات بلند فرمائے انہوں نے اس حدیث کی سندوں کو

بے غبار کردیا میں نے اس حدیث کی سند کی تصحیح میں بہت محنت کی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا تمہارے غضب کی وجہ سے اللہ غضب ناک ہوتا ہے اور تمہاری رضا کی وجہ سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۸۳، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۰۸، رقم الحدیث ۱۸۲، علل الدار قطنی ج ۳ ص ۱۰۳، مسند فاطمہ رقم الحدیث: ۱۲۰، ۱۱۹)

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا اے فاطمہ! اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپ سے زیادہ کسی کو محبوب نہیں دیکھا اور اللہ کی قسم آپ کے والد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں مجھے آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ہے۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۸۹، مسند فاطمہ رقم الحدیث: ۱۸۵، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۳۳۶)

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ یا کسی سفر سے واپس آتے تو مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے' پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتے' پھر اس کے بعد اپنی ازواج کے پاس جاتے۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۹۰، طبع جدید' المستدرک ج ۱ ص ۴۸۸، طبع قدیم)

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل علیہ السلام میرے پاس جنت سے بہی دانے لے کر آئے میں نے شب معراج ان دانوں کو کھایا اور خدیجہ فاطمہ سے لیٹی ہوئی تھیں' اور مجھے جب بھی جنت کی خوشبو کی خواہش ہوتی تو میں فاطمہ کی گردن کو سونگھتا تھا۔ اس حدیث کا متن اور سند غریب ہے۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۹۱، مسند فاطمہ رقم الحدیث: ۱۱۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ سے ملاقات کرتے اور جب کسی سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ سے ملاقات کرتے۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۹۲، طبع جدید' المستدرک ج ۱ ص ۴۸۹، طبع قدیم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اس میں آپ نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہو' اور اس امت کی عورتوں کی سردار ہو اور مومنین کی عورتوں کی سردار ہو۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۴۷۹۴، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۲۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۵۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲۰)

المؤمنون: ۱۰۲ میں فرمایا سو جن (کی نیکیوں) کے پلے میزان میں بھاری ہوں گے وہی کامیاب ہوں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ دوسرا صور پھونکنے کے بعد حساب شروع ہو جائے گا۔

موازین کے محامل

آخرت میں لوگوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا سو جن کی نیکیوں کے پلے بھاری ہوں گے وہ اہل جنت میں سے ہوں گے اور جن کی نیکیوں کے پلے ہلکے ہوں گے وہ اہل دوزخ میں سے ہوں گے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مکلف یا اہل جنت میں سے ہوگا یا اہل دوزخ میں سے ہوگا' لیکن دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے وہ اعراف میں ہوں گے اور بعد میں اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنے کرم سے جنت میں داخل فرما دے گا۔ اس آیت میں موازین کا ذکر ہے'

موازین میزان کی جمع ہے اور اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) موازین سے مراد اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

(۲) موازین سے مراد اعمال حسنہ ہیں سو جس کا ایسا عمل ہو گا جو قابل ذکر اور قابل شمار اور قابل قدر ہو وہ کامیاب ہو جائے گا اور جس کا ایسا عمل ہو گا جو قابل شمار اور قابل قدر نہ ہو اس کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔـا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (النور: ۳۹)

اور کافروں کے اعمال اس چمکتی ہوئی ریت کی طرح ہیں جو ریگستان میں ہو جس کو پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے قریب پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا' ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے جو اس کا پورا پورا حساب لیتا ہے' اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا موازین موزون کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جس کا اللہ کے نزدیک وزن ہو اور وہ قابل قدر ہوں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ (الکہف: ۱۰۵)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا کفر (انکار) کیا' قیامت کے دن ان کے اعمال ضائع ہو گئے ہم ان کا کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

(۳) موازین میزان کی جمع ہے اس میزان کی ایک ڈنڈی ہے اور اس کے دو پلے ہیں اس میں نیکیوں کا اچھی صورت میں وزن کیا جائے گا اور برائیوں کا بری صورت میں وزن کیا جائے گا' سو جس کی نیکیاں بھاری ہوں گی اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جس کی برائیاں بھاری ہوں گی اس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ الانبیاء: ۴۷ میں ہم نے اس کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کی ہے۔

المؤمنون: ۱۰۵-۱۰۳ میں فرمایا: اور جن کی نیکیوں کے پلے ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا (وہ) ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ۝ آگ ان کے چہروں کو جھلستی رہے گی اور وہ اس میں بری حالت میں ہوں گے ۝ کیا تمہارے سامنے میری آیات کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی پھر تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔

آخرت میں کفار کے چار اوصاف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اشقیاء کے حساب کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے چار اوصاف بیان فرمائے ہیں:

(۱) انہوں نے اپنی جانوں کو نقصان پہنچایا' حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کا نقصان یہ ہے کہ جنت میں کافروں کے لئے جو ٹھکانے بنائے گئے تھے وہ مومنوں کو مل جائیں گے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نقصان یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دائمی عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ کفار جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۳) آگ ان کے چہروں کو جھلستی رہے گی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یعنی آگ ان پر تھپیڑے لگائے گی اور ان کے گوشت اور کھالوں کو کھا جائے گی' زجاج نے کہا لفح اور نفح کا ایک معنی ہے لیکن لفح کی تاثیر زیادہ ہوتی ہے' اور اس آیت میں کالحون کا لفظ ہے اور کلوح کا معنی یہ ہے کہ دونوں ہونٹ پھیل کر دانتوں سے دور ہو جائیں جیسے بھنی ہوئی

سری ہوتی ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **وھم فیھا کالحون** کی تفسیر میں فرمایا آگ اس کو جلا دے گی حتیٰ کہ اس کا اوپر والا ہونٹ پھیل کر سر کے وسط تک پہنچ جائے گا اور نچلا ہونٹ لٹک کر اس کی ناف کو ضرب لگائے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۶، المسند الجامع رقم الحدیث: ۴۲۷۳)

المومنون: ۱۰۵ میں فرمایا: **کیا تمہارے سامنے میری آیتوں کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی پھر تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔**

یعنی ان واضح آیات کے نزول کے باوجود تم ہٹ دھرمی سے ان کا انکار کرتے تھے اس لئے لامحالہ تم اس دردناک عذاب کے مستحق ہو گئے ہو اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اختیار دیا تھا کہ وہ اس کی اطاعت کریں یا اس کی نافرمانی کریں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو اختیار کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعضاء میں نافرمانی کے افعال پیدا کر دیئے اور ان کے اختیار کی وجہ سے ان کو عذاب دیا جائے گا۔ ان آیات میں چونکہ مومنوں اور کافروں کے عمل کے وزن اور ان کے حساب کے متعلق آیات ہیں اس لئے اب ہم حساب کے متعلق احادیث پیش کر رہے ہیں۔

آخرت میں حساب کے متعلق احادیث

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخروی سوال کی سنگینی بیان کی آپ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا تو اہل جاہلیت اپنی پیٹھوں پر اپنے بتوں کو اٹھائے ہوئے آئیں گے ان سے ان کا رب تبارک وتعالیٰ سوال کرے گا تو وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا! ہمارے پاس تیرا کوئی حکم نہیں پہنچا اگر تو ہمارے پاس کوئی رسول بھیجتا تو ہم تیری سب سے زیادہ عبادت کرنے والے ہوتے تب ان سے ان کا رب فرمائے گا یہ تو بتاؤ اگر میں اب تمہیں کوئی حکم دوں تو کیا تم میری اطاعت کرو گے؟ اور ان سے پکی قسمیں لے گا پھر فرمائے گا چلو دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ وہ دوزخ کی طرف جائیں گے اور جب دوزخ کی آگ دیکھیں گے تو خوف زدہ ہو کر لوٹ آئیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم اس آگ سے ڈرتے ہیں اور اس میں داخل نہیں ہو سکتے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ پہلی بار آگ میں داخل ہو جاتے تو وہ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جاتی۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۴ رقم الحدیث: ۳۴۴۳، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۰۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے بنو آدم کے اعمال پیش کئے جائیں گے اور ان کے صحائف اعمال پر مہر لگی ہو گی اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس صحیفہ کو پھینک دو اور اس صحیفہ کو قبول کر لو فرشتے کہیں گے اے رب ہم نے اس شخص کے صرف نیک عمل ہی دیکھے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے یہ عمل میری ذات کے لئے نہیں تھے اور آج کے دن میں صرف اس عمل کو قبول کروں گا جو صرف میری ذات کے لئے کیا گیا ہو۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۳۵)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک اللہ کے سامنے کھڑا رہے گا حتیٰ کہ وہ اس سے چار چیزوں کے متعلق سوال کرے گا اس نے اپنی عمر کو کن چیزوں میں فنا کیا اس نے اپنے جسم کو کن کاموں میں بوسیدہ کیا اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا اور اس نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور اس کو کس چیز میں خرچ کیا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۳۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظلم کی تین قسمیں ہیں ایک وہ ظلم ہے

جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا۔ دوسرا وہ ظلم ہے جس کو وہ معاف کر دے گا' اور تیسرا وہ ظلم ہے جس کو ترک نہیں کرے گا' رہا وہ ظلم جس کو وہ معاف نہیں فرمائے گا وہ شرک ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الشرک لظلم عظیم (لقمان: ۱۳) اور جس ظلم کو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا یہ وہ ظلم ہے جو بندے اپنی جانوں پر اللہ کی معصیت کر کے کرتے ہیں' اور جس ظلم کو ترک نہیں فرمائے گا یہ وہ ظلم ہے جو بندے ایک دوسرے پر کرتے ہیں' ان کا قصاص لیا جائے گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۳۹' حافظ الہیثمی نے کہا اس کے رجال صحیح اور ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۴۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ابن آدم کے تین رجسٹر نکالے جائیں گے۔ ایک رجسٹر میں اس کے نیک اعمال ہوں گے دوسرے رجسٹر میں اس کے گناہ ہوں گے اور تیسرے رجسٹر میں اس کو اللہ کی طرف سے دی گئی نعمتیں ہوں گی' اللہ تعالیٰ اپنی چھوٹی نعمت سے فرمائے گا اس کے نیک اعمال سے اپنی قیمت وصول کرلو اس کے تمام نیک اعمال ختم ہو جائیں گے اور وہ نعمت ابھی ایک طرف کھڑی ہو گی اور کہے گی تیری عزت کی قسم ابھی میری قیمت پوری نہیں وصول ہوئی' اس کے گناہ اور نعمتیں باقی ہوں گی اور اس کے نیک اعمال ختم ہو جائیں گے تب اللہ اس بندے پر رحم فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا اے میرے بندے میں نے تیری نیکیوں کو دگنا اور چوگنا کر دیا اور تیرے گناہوں سے درگزر کر لیا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۴۴' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۵۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ابن آدم کو لا کر میزان کے دو پلڑوں کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا اور اس کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کر دیا جائے گا اگر اس کا میزان بھاری ہو گا تو فرشتہ اتنی بلند آواز سے کہے گا جس کو ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص کامیاب ہو گیا اب وہ کبھی ناکام نہیں ہو گا' اور اگر اس کا میزان ہلکا ہو گا تو فرشتہ اتنی بلند آواز سے کہے گا جس کو ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص ناکام ہو گیا اب وہ کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۴۵' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۶۴۳' اتحاف السادۃ المہرۃ رقم الحدیث: ۸۶۸۰' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میدان محشر میں لوگوں کو ننگے پیر' ننگے بدن اور غیر مختون جمع کیا جائے گا' حضرت عائشہ نے کہا عورتیں بھی آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت عائشہ نے کہا اور ان کی شرم گاہیں آپ نے فرمایا اے ابو بکر کی بیٹی تم کو کس چیز پر تعجب ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا مجھے اس چیز پر تعجب ہے کہ بعض' بعض کی طرف دیکھ رہے ہوں گے آپ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اے ابو قحافہ کی بیٹی! لوگ اس دن جس حال میں مشغول ہوں گے اس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے باز رہیں گے وہ چالیس سال تک نظر اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے' کھائیں گے نہ پئیں گے ان میں سے بعض کا پسینہ قدموں تک ہو گا اور بعض کا پسینہ پنڈلیوں تک ہو گا اور بعض کا پسینہ پیٹ تک ہو گا اور بعض کا پسینہ ان کے منہ تک ہو گا پھر اس کے بعد اللہ بندوں پر رحم فرمائے گا' پھر ملائکہ مقربین کو حکم دے گا وہ اس کا عرش آسمانوں سے اٹھا کر زمین پر رکھ دیں گے' ایسی زمین پر جس میں کسی کا خون بہایا گیا ہو گا نہ اس میں کوئی گناہ کیا گیا ہو گا وہ زمین سفید چاندی کی طرح ہو گی' پھر ملائکہ عرش کے گرد صف باندھے کھڑے ہوں گے اور وہ پہلا دن ہو گا جب کوئی آنکھ اللہ کی طرف دیکھے گی پھر ایک منادی کو حکم دیا جائے گا وہ اتنی بلند آواز سے ندا کرے گا جس کو تمام جن اور انس سنیں گے فلاں بن فلاں کہاں ہے؟ وہ شخص گردن اٹھا کر دیکھے گا اور اہل محشر سے نکل کر آئے گا اللہ تعالیٰ اس کا تمام لوگوں سے تعارف کرائے گا پھر کہا جائے گا اس کی نیکیاں نکالی جائیں پھر تمام اہل محشر کو اس کی نیکیاں بتائی جائیں گی' پھر

جب وہ شخص رب العالمین کے سامنے کھڑا ہوگا تو کہا جائے گا وہ لوگ کہاں ہیں جن پر اس نے ظلم کیا تھا' پھر ایک ایک کر کے لوگ آئیں گے پھر اس سے پوچھا جائے گا کیا تم نے اس پر یہ ظلم کیا تھا وہ کہے گا ہاں اے میرے رب! اور یہ وہ دن ہوگا جب اس کے خلاف اس کی زبان اور اس کے ہاتھ اور اس کے پیر گواہی دیں گے اس کی نیکیاں نکال کر اس شخص کو دی جائیں گی جس پر اس نے ظلم کیا تھا جس دن کوئی دینار ہوگا نہ درہم ہوگا مگر نیکیاں لی جائیں گی اور گناہ ڈالے جائیں گے۔ اسی طرح ہوتا رہے گا اور جن پر ظلم کیا گیا تھا وہ اس کی نیکیاں لیتے رہیں گے حتیٰ کہ اس کی ایک نیکی بھی نہیں بچے گی۔ پھر وہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کو ان کے حقوق سے کچھ بھی نہیں ملا وہ کہیں گے دوسروں نے تو اپنے حقوق پورے لے لئے اور ہم رہ گئے' ان سے کہا جائے گا جلدی نہ کرو پھر ان کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے حتیٰ کہ کوئی مظلوم باقی نہیں رہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ تمام اہل محشر کو اسے دکھائے گا' پھر جب اس کی نیکیوں سے فراغت ہو جائے گی تو اس سے کہا جائے گا اب تم دوزخ کی طرف جاؤ' آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اس دن ہر فرشتہ' ہر نبی مرسل' ہر صدیق' ہر شہید اور ہر بشر حساب کی شدت دیکھ کر یہی گمان کرے گا جس کو اللہ بچالے اس کے سوا کسی کی نجات نہیں ہو سکتی۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۶۲۶' علامہ بوصیری نے کہا اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے: اتحاف السادۃ المہرۃ رقم الحدیث: ۸۶۹۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم (واقعی) گم راہ لوگ تھے ○ اے ہمارے رب! ہمیں اس دوزخ سے نکال' اگر ہم پھر (کفر کی طرف) لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے ○ (اللہ) فرمائے گا تم اسی میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو ○ بے شک میرے بندوں میں سے ایک گروہ یہ کہتا تھا اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے ○ تو (اے کافرو!) تم نے ان کا مذاق اڑایا حتیٰ کہ (اس مشغلہ نے) تمہیں میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے ○ بے شک میں نے ان کے صبر کی اچھی جزا دی اور بے شک وہی کامیاب ہیں ○ (المؤمنون: ۱۱۱-۱۰۶)

دوزخ میں کافروں کی چھ دعائیں جو وہ چھ ہزار سال تک کریں گے

اس سے پہلے فرمایا تھا کیا تمہارے سامنے میری آیتوں کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی پھر تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا جو قول نقل فرمایا ہے وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم (واقعی) گم راہ لوگ تھے۔ یہ ان کی طرف سے جواب کے قائم مقام ہے۔

ان کی مراد یہ ہے کہ ہم نے حرام لذات کو طلب کیا اور ہم نے برے کاموں کی حرص کی جس کی وجہ سے بدبختی ہم پر غالب آ گئی یہ ان کی طرف سے کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ ان کا کوئی عذر نہیں ہے' لیکن یہ ان کی طرف سے اعتراف ہے کہ ان کے غلط کاموں کی وجہ سے ان کے خلاف اللہ کی حجت قائم ہو چکی ہے۔ نیز انہوں نے کہا ہم واقعی گم راہ لوگ تھے ان کا اپنے آپ کو گمراہ کہنا اس لئے ہوگا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی جو تکذیب کی تھی اس کی علت یہی تھی کہ وہ گم راہ تھے' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے ہمارے رب ہم کو اس دوزخ سے نکال لے اور ہمیں اس دار آخرت سے دار دنیا کی طرف بھیج دے اور اگر ہم نے دوبارہ کفر اور سرکشی کی تو پھر بے شک ہم ظالم ہوں گے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے یہ درخواست کیوں کی جب کہ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ ان کا عذاب دائمی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دوزخ کے عذاب کی شدت کی وجہ سے ان کے دماغوں سے اس عذاب کا دائمی ہونا نکل گیا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو اس کا علم ہو لیکن انہوں نے چلانے اور آہ و زاری کرنے کے طور پر ایسا کہا ہو۔

المؤمنون: ١٠٨ میں فرمایا تم اسی دوزخ میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو' اخسـاء کا لفظ تحقیر کے ساتھ کسی کو دھتکارنے کے لئے ہے جیسے کتے کو دھتکارتے ہیں' اور یہ جو فرمایا ہے مجھ سے بات مت کرو اس میں انہیں بات نہ کرنے کا مکلف نہیں کیا کیونکہ آخرت دار تکلیف نہیں ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ عذاب ساقط کرنے یا عذاب میں تخفیف کرنے کے لئے مجھ سے دعا نہ کرو اور یہ کافروں کا آخری کلام ہے اس کے بعد وہ سوا چلانے' چنگھاڑنے اور کتوں کی طرح بھونکنے کے کوئی آواز نہیں نکال سکیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو وہ دوزخ سے نجات کی دعا کریں گے' پھر ہر ہزار سال گزرنے کے بعد دعا کریں گیا اور چھ ہزار سال میں چھ دعائیں کریں گے' پہلے ایک ہزار سال تک یہ دعا کریں گے:

(١) وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○ (السجدہ: ١٢)

کاش آپ اس وقت دیکھتے جب مجرم اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے' وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب تو ہمیں واپس لوٹا دے ہم نیک اعمال کریں گے بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّىْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ (السجدۃ: ١٣)

اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت عطا کر دیتے' لیکن میرا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ میں ضرور بہ ضرور دوزخ کو جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا۔

(٢) پھر ایک ہزار سال تک یہ دعا کریں گے:

قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ○ (المومن: ١١)

وہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو بار مارا اور دو بار زندہ کیا ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا کیا اب ہمارے نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرمائے گا:

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِىَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِىِّ الْكَبِيْرِ ○ (المؤمن: ١٢)

یہ عذاب تمہیں اس لئے دیا گیا ہے کہ جب صرف اللہ وحدہ کا ذکر کیا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے' پس اب اللہ بلند و بزرگ کا فیصلہ ہی نافذ ہوگا۔

٣- پھر ایک ہزار سال تک یہ دعا کرتے رہیں گے:

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (الزخرف: ٧٧)

اور وہ پکار کر کہیں گے کہ اے مالک چاہیے کہ آپ کا رب ہمارا کام تمام کردے' وہ کہے گا تم (اس میں) ہمیشہ رہنے والے ہو۔

پھر چوتھی بار ایک ہزار سال تک یہ دعا کرتے رہیں گے:

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ

آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرایئے جس دن ان کے پاس عذاب آئے گا اور ظالم کہیں گے اے ہمارے رب قریب کی مدت

دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ (ابراہیم: ۴۴)

کے لئے ہمارے عذاب کو مؤخر کر دے ہم تیرے پیغام کو قبول کریں گے اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں گے (ان کو جواب دیا جائے گا) کیا اس سے پہلے تم نے قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تمہیں اس دنیا سے جانا ہی نہیں ہے۔

پھر پانچویں بار ایک ہزار سال تک یہ دعا کریں گے:

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ (فاطر: ۳۷)

اور کافر دوزخ میں چلائیں گے: اے ہمارے رب ہم کو نکال دے! ہم پہلے کاموں کے برخلاف اچھے کام کریں گے (اللہ جواب دے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں کوئی سمجھنے والا سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا سو اب (عذاب کا) مزہ چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

۷- پھر پانچ ہزار سال گزرنے کے بعد ان کی آخری دعا وہ ہوگی جس کا المؤمنون: ۱۰۸-۱۰۷ میں ذکر ہے: اے ہمارے رب ہمیں اس دوزخ سے نکال اگر ہم پھر کفر کی طرف لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے ۝ (اللہ) فرمائے گا تم اسی میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

اور اس طرح چھ ہزار سال گزرنے کے بعد وہ کوئی دعا نہیں کریں گے بس درد اور اذیت سے چیختے چلاتے رہیں گے۔

المؤمنون: ۱۱۱-۱۰۹ میں فرمایا: بے شک میرے بندوں میں سے ایک گروہ یہ کہتا تھا اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے ۝ تو (اے کافرو) تم نے ان کا مذاق اڑایا حتیٰ کہ اس (مشغلہ) نے تمہیں میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے ۝ بے شک میں نے ان کے صبر کی اچھی جزا دی اور بے شک وہی کامیاب ہیں۔

نیک مسلمانوں کو اچھی جزا عطا فرمانے کی وجہ

پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو کیوں عذاب میں مبتلا کیا تھا' اور اب ان آیتوں میں بتا رہا ہے کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے کیوں اچھی جزا دی ہے۔

مقاتل نے کہا کہ قریش کے سردار مثلاً ابوجہل' عتبہ اور ابی بن خلف وغیرہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا مذاق اڑاتے تھے اور حضرت بلال' حضرت خباب اور حضرت عمار اور حضرت صہیب ایسے فقراء صحابہ پر ہنستے تھے اور ان کا مذاق اڑانے کو انہوں نے اپنا مشغلہ بنا لیا تھا' اور ان صحابہ نے ان کی ان باتوں پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو آخرت کی کامیابی عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ فرمائے گا تم زمین میں کتنے سال رہے تھے؟ ۝ وہ کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے' آپ گننے والوں سے پوچھ لیجئے ۝ اللہ فرمائے گا تم بہت کم وقت ٹھہرے تھے کاش تم نے پہلے جان لیا ہوتا! ۝ کیا پس تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا تھا اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے ۝ پس اللہ بلند شان والا ہے اور سچا بادشاہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ عرش کریم کا رب ہے ۝ (المؤمنون: ۱۱۶-۱۱۲)

کفار کو آخرت میں دنیا کی ناپائیداری پر متنبہ کرنا

اس سوال سے ان کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کا قصد فرمایا ہے کیونکہ وہ آخرت میں ٹھہرنے کا مطلقاً انکار کرتے تھے اور صرف دنیا میں ٹھہرنے کو مانتے تھے' اور ان کا یہ یقین تھا کہ مرنے کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائیں گے اور ان کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی وہ دوزخ میں جائیں گے' اس لئے ان سے یہ سوال کیا تاکہ ان کو اس پر متنبہ کریں کہ دنیا میں جس قیام کو انہوں نے دائمی سمجھا ہوا تھا ان کی زبانوں سے اعتراف کرائیں کہ وہ کتنا کم اور مختصر تھا' اس وقت ان کو حسرت ہوگی کہ دنیا میں ان کا اعتقاد کس قدر غلط اور واقع کے خلاف تھا۔ اور انہوں نے جواب میں جو یہ کہا ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے تو یہ انہوں نے جھوٹ نہیں بولا ہوگا بلکہ دوزخ کے عذاب کے درد اور دہشت کی وجہ سے وہ دنیا میں اپنے قیام کی اصل اور صحیح مدت کو بھول گئے ہوں گے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوزخ میں انہوں نے عذاب میں جو وقت گزارا اور غیر متناہی مدت تک انہوں نے اس عذاب کو برداشت کرنا تھا اس کے مقابلہ میں انہوں نے دنیا میں جو وقت عیش و آرام میں گزارا تھا وہ ان کو بہت کم اور تھوڑا محسوس ہوگا۔

انہوں نے کہا آپ گننے والوں سے پوچھ لیجئے' اس سے مراد کراماً کاتبین فرشتے ہیں جو ان کی گزری ہوئی زندگی کا ایک ایک عمل لکھتے رہے تھے یا مراد یہ ہے کہ ان فرشتوں سے پوچھ لیجئے جو دنیا کے ایام اور اس کی ساعات کو لکھتے رہتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے پوچھ لیجئے جو ان ایام کو گنتے رہتے ہیں ہم تو بھول چکے ہیں۔

اللہ فرمائے گا تم بہت کم وقت ٹھہرے تھے کاش تم نے پہلے جان لیا ہوتا' اس کا معنی یہ ہے کہ تم نے سچ کہا تم دنیا میں بہت کم وقت ٹھہرے تھے اور اس سوال سے یہی غرض تھی کہ آخرت کے ایام کے مقابلہ میں دنیا کے ایام بہت کم ہیں' اور اگر تم نے دنیا میں حشر اور نشر کو جان لیا ہوتا تو تم دنیا میں قیام کی مدت کم ہونا جان لیتے اور حشر و نشر کا انکار نہ کرتے!

پھر ان کو اور زیادہ جھڑکا اور ڈانٹا اور ملامت کی کہ کیا پس تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا تھا اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے' اللہ تعالیٰ نے پہلے قیامت کی صفات بیان کیں پھر قیامت کے دلائل کی طرف متوجہ کیا کہ اگر قیامت نہ ہوتی تو مطیع اور عاصی اور صدیق اور زندیق اور نیک اور بد کے درمیان امتیاز نہ ہوتا' اور اس وقت اس جہان کو پیدا کرنا عبث اور فضول ہوتا اور جب تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے تو معلوم ہو گیا کہ اس کے سوا اور کوئی مالک اور حاکم نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے فضول اور بے فائدہ چیزیں پیدا کرنے سے اپنی تنزیہہ بیان فرمائی پس اللہ بلند شان والا سچا بادشاہ ہے' الملک سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام اشیاء کا مالک ہے اس کے ملک' اس کی سلطنت اور اس کی قدرت کو کبھی زوال نہیں ہے' اور الحق سے مراد یہ ہے کہ ملک اور سلطنت اسی کو سزاوار اور لائق اور زیبا ہے کیونکہ ہر چیز کی اسی سے ابتداء ہے اور اسی کی طرف انتہا ہے' اور وہ عرش کریم کا رب ہے عرش کو کریم اس لئے فرمایا کیونکہ رحمت' خیر اور برکت اسی سے نازل ہوتی ہے اور اس لئے بھی کہ عرش کی نسبت اکرم الاکرمین کی طرف ہے جیسے کسی کریم شخص کے گھر کے متعلق کہا جاتا ہے یہ گھر کریم ہے یعنی اس کے رہنے والے کریم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت کرتا ہے' جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے' سو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہی ہوگا' بے شک کافر کامیاب نہیں ہوں گے ○ اور آپ کہیے: اے میرے رب! مغفرت فرما اور رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے ○ (المؤمنون: ١١٨-١١٧)

المؤمنون کی ابتداء اور انتہا میں مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ وہی الملک الحق ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق

نہیں ہے تو اب یہ بتایا کہ جس نے اللہ کے سوا کسی اور معبود کی پرستش کا دعویٰ کیا تو اس کا یہ دعویٰ باطل ہے کیونکہ اس دعویٰ کی صحت اور ثبوت پر کوئی دلیل نہیں ہے' پھر یہ بتایا کہ جس نے اللہ کے سوا کسی اور معبود کی پرستش کا دعویٰ کیا تو اس کی سزا یہ ہے کہ آخرت میں اس کو سخت عذاب دیا جائے اس لئے فرمایا سو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہی ہو گا اور بے شک کافر کامیاب نہیں ہوں گے۔

اس سورت کو قد افلح المؤمنون سے شروع فرمایا تھا اور ختم لا یفلح الکافرون پر کیا' مومنوں کی کامیابی کی نوید سے اس سورت کو شروع فرمایا اور کافروں کی ناکامی کی وعید پر اس سورت کو ختم فرمایا اور یہ اس سورت کی فاتحہ اور خاتمہ اور ابتداء اور انتہاء میں بہت قوی مناسبت ہے' اور آخری آیت میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرنے کی تلقین کی کہ اے میرے رب مغفرت فرما اور رحم فرما اور تو سب سے اچھا رحم فرمانے والا ہے' اس سے پہلے کفار کی صفات بیان کی تھیں اور دنیا میں ان کی جہالت اور آخرت میں ان کے عذاب کا بیان فرمایا تھا تو اب اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اس کی مغفرت اور اس کی رحمت کی پناہ میں آنے کا حکم دیا' کیونکہ اللہ کی مغفرت اور رحمت سے ہی ہر آفت' مصیبت اور عذاب سے نجات مل سکتی ہے۔

جس شخص نے سورۃ المومنین کی پہلی تین آیات پر عمل کیا اور آخری چار آیتوں سے نصیحت حاصل کی وہ نجات پالے گا اور کامیابی حاصل کرلے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ واھل بیتہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وسائر المسلمین اجمعین.

اختتامی کلمات

یکم شوال' ۱۴۲۱ھ / ۲۸ دسمبر ۲۰۰۰ء بروز جمعرات بہ وقت سحر تبیان القرآن کی ساتویں جلد کا آغاز کیا تھا اور الحمد للہ رب العالمین ۲۳ جمادی الثانیہ' ۱۴۲۲ھ / ۱۲ ستمبر ۲۰۰۱ء بروز بدھ بہ وقت سحر یہ ساتویں جلد ختم ہو گئی' اس طرح ۸ ماہ پندرہ دن میں یہ جلد مکمل ہو گئی' اور اب تک تبیان القرآن کی جتنی جلدیں لکھی گئی ہیں ان میں سے یہ جلد سب سے کم وقت میں مکمل ہوئی ہے' کمر کے درد کی شدید تکلیف اور شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کے امراض اور ان امراض کی وجہ سے کسی توانائی بخش چیز کا نہ کھا سکنا اور ضعف اور لاغری کی شدت ان کے ساتھ پڑھانے اور افتاء کی مشغولیت ایسے امور ہیں جس کی وجہ سے اتنے کم عرصہ میں اتنا زیادہ کام کر لینا بہ ظاہر کسی انسان کی قوت سے بہت بعید اور بہت مشکل معلوم ہوتا ہے الا یہ کہ انسان کو اپنی قوت پر بالکل اعتماد نہ ہو اور اس کی نظر صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق' تائید اور اس کی اعانت پر ہو' تو یہ سب اسی کا کیا ہوا ہے اس میں میرا کچھ نہیں ہے ہاں اگر اس میں کوئی تقصیر اور نقص ہے تو وہ میرا کیا دھرا ہے' اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات میں سے ایک اہم احسان یہ ہے کہ جب میں ۶ جولائی ۱۹۸۵ء کو کراچی آیا تھا تو میری نظر کا نمبر ساڑھے تین اور ساڑھے چار تھا' مسلسل دماغی کام کرنے اور لکھنے پڑھنے کی مشغولیت اور شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کے امراض کی وجہ سے چاہئے تو یہ تھا کہ میری نظر اور گر جاتی اور چشمہ کا نمبر اور بڑھ جاتا لیکن اللہ نے یہ کرم کیا کہ میری نظر بڑھ گئی اور چشمے کا نمبر گر گیا اب میرے چشمے کا نمبر ڈیڑھ اور دو ہے میں لکھنے پڑھنے کا کام بغیر چشمہ کے کرتا ہوں اور صرف دور دیکھنے کے لئے چشمہ لگاتا ہوں۔ **فالحمد للہ رب العالمین.**

قارئین کرام مجھے خطوط لکھتے رہتے ہیں میرے لئے ان کے جواب دینا بہت مشکل ہوتا ہے' میں جب تک تازہ دم ہوتا

ہوں کلاس میں بیٹھ کر تبیان القرآن کا کام کرتا رہتا ہوں اور جب تھک کر بے دم ہو جاتا ہوں تو کمرے میں جا کر لیٹ جاتا ہوں سو میرے لئے خطوط کا جواب لکھنا ممکن نہیں ہے' البتہ جن خطوط میں دینی سوالات ہوتے ہیں ان کے جوابات اپنے کسی شاگرد کو بتا دیتا ہوں اور ان سے جواب لکھوا دیتا ہوں' بہت سے محبین مجھ سے ملنے کے لئے بھی ذوق وشوق اور بہت محبت سے آتے ہیں اور بعض اوقات میں لکھ رہا ہوتا ہوں تو وہ آ جاتے ہیں ان کی خواہش ہوتی ہے کہ میں ان سے باتیں کروں یہ میرے لئے بہت مشکل اور سخت امتحانی پرچہ ہے۔ قارئین کرام! مجھے اس مشکل میں نہ ڈالیں تو ان کا بہت کرم ہوگا' اسی طرح بہت سے لوگ ٹیلی فون کرتے ہیں' میں کچھ اپنی بیماری اور تکلیف اور کچھ تبیان القرآن کی مصروفیت کی وجہ ٹیلی فون اٹینڈ نہیں کرتا۔ ممکن ہے کچھ لوگ مجھے بد دماغ اور متکبر سمجھتے ہوں لیکن یہ میری مجبوری ہے' میں کہیں آتا جاتا نہیں ہوں اور بہت کم آمیز ہوں' میں نے دو سال سے جمعہ کا خطاب بھی چھوڑ دیا ہے' تقاریر اور تقاریب کے سلسلہ میں بھی کہیں نہیں جاتا میں نے اپنا سارا وقت اس کام کے لئے وقف کر دیا ہے' سو محبین سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اپنے خطوط کے جوابات' ٹیلی فون پر بات کرنے اور تقاریر اور تقاریب میں جانے کا مکلف نہ کریں اور یہ ان کا بہت احسان اور کرم ہوگا مجھے ان کی دعاؤں کی ضرورت ہے سو وہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور میں بھی اپنی دعاؤں میں اپنے قارئین کو یاد رکھتا ہوں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے یہاں تک تبیان القرآن کا کام کرا دیا ہے باقی تفسیر کو بھی مکمل فرما دیں' اس تفسیر کو تا روز قیامت مقبول' مؤثر اور فیض آفرین بنا دیں' میرا اس کتاب کے ناشر کا' اس کے کمپوزر' اس کے مصحح اور اس کے قارئین کا ایمان پر خاتمہ فرمائیں' مرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عطا فرمائیں اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائیں' اپنی رحمت اور مغفرت سے ہمارے گناہوں کو ڈھانپ لیں اور دنیا اور آخرت کی بلاؤں اور عذاب سے محفوظ اور مامون رکھیں اور دارین میں سرخروئی عطا فرمائیں۔ (آمین)

فالحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين سيدنا محمد وعلى آله واصحابه وازواجه واولياء امته و علماء ملته وامته اجمعين۔

مآخذ ومراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید
۲- تورات
۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت' متوفی ۱۵۰ھ' مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی
۵- امام مالک بن انس اصحی' متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ
۶- امام عبداللہ بن مبارک' متوفی ۱۸۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم' متوفی ۱۸۳ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل
۸- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد' کارخانہ تجارت کتب کراچی
۹- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۷ھ
۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ' کتاب الزہد' مکتبۃ الدار مدینہ منورہ' ۱۴۰۴ھ
۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی' متوفی ۲۰۳ھ' مسند طیالسی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۳۹۱ھ
۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' المسند' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۰ھ
۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ' کتاب المغازی' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۱۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' المصنف' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی' متوفی ۲۱۹ھ' المسند' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی' مکی متوفی ۲۲۷ھ' سنن سعید بن منصور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۷- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ' المصنف' مطبوعہ ادارہ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۸- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵' مسند ابن ابی شیبہ' مطبوعہ دار الوطن بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۹- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' المسند' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ

۲۰- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۱- امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ' سنن دارمی' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۷ھ' دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۲- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ دار ارقم بیروت۔
۲۳- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' خلق افعال العباد' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۱ھ
۲۴- مام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' الادب المفرد' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۲۵- امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری' متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ کرمہ' ۱۴۱۷ھ
۲۶- امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ' متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۷- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۸- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' مراسیل ابوداؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی
۲۹- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' سنن ترمذی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ' دار الجیل بیروت' ۱۹۹۸ء
۳۰- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' شمائل محمدیہ' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ
۳۱- امام علی بن عمر دار قطنی' متوفی ۳۸۵ھ سنن دار قطنی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۲- امام ابن ابی عاصم' متوفی ۲۸۷ھ' الاحاد والمثانی' مطبوعہ دار الرایہ' ریاض' ۱۴۱۱ھ
۳۳- امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار' متوفی ۲۹۲ھ' البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار' مطبوعہ مؤسسۃ القرآن' بیروت
۳۴- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ
۳۵- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' عمل الیوم واللیلہ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ
۳۶- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ
۳۷- امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی' متوفی ۳۰۷ھ' مسند الصحابہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۸- امام احمد بن علی المثنی التمیمی' المتوفی ۳۰۷ھ' مسند ابویعلیٰ موصلی' مطبوعہ دار المامون التراث بیروت' ۱۴۰۴ھ
۳۹- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری' متوفی ۳۰۷ھ' المنتقیٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ' متوفی ۳۱۱ھ صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۵ھ
۴۱- امام ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی' متوفی ۳۱۲ھ' مسند عمر بن عبدالعزیز
۴۲- امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق' متوفی ۳۱۶ھ' مسند ابوعوانہ' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ
۴۳- امام ابوعبداللہ محمد الحکیم الترمذی' المتوفی ۳۲۰ھ' نوادر الاصول' مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ' ۱۴۰۸ھ
۴۴- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح مشکل الآثار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۴۵- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح معانی الآثار' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان لاہور' ۱۴۰۴ھ
۴۶- امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ' کتاب الضعفاء الکبیر' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۷- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی' متوفی ۳۲۷ھ' مکارم الاخلاق' مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر' ۱۴۱۱ھ
۴۸- امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی' متوفی ۳۵۴ھ' الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۷ھ

۴۹- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری' متوفی ۳۶۰ھ' الشریعہ' مطبوعہ مکتبہ دارالسلام' ریاض' ۱۴۱۳ھ
۵۰- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' معجم صغیر' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ
۵۱- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' معجم اوسط' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۰۵ھ دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ
۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' معجم کبیر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۵۳- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' مسند الشامیین' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
۵۴- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' التوفی ۳۶۰ھ' کتاب الدعاء' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۵۵- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی' متوفی ۳۶۴ھ' عمل الیوم واللیلۃ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ
۵۶- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی' التوفی ۳۶۵ھ' الکامل فی ضعفاء الرجال' مطبوعہ دارالفکر بیروت' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۵۷- امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین التوفی ۳۸۵ھ' الناسخ والمنسوخ من الحدیث' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۵۸- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ' متوفی ۳۹۶ھ' کتاب العظمۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت
۵۹- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری' متوفی ۴۰۵ھ' المستدرک' مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' المکتبہ العصریہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۶۰- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۶۱- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دارالنفائس' بیروت
۶۲- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ نشرالسنہ' ملتان
۶۳- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الاسماء والصفات' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' معرفۃ السنن والآثار' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۶۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الآداب' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ
۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب فضائل الاوقات' مطبوعہ مکتبہ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' شعب الایمان' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ
۶۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' البعث والنشور' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ
۷۰- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی' متوفی ۴۶۳ھ' جامع بیان العلم وفضلہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۷۱- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی' التوفی ۵۰۹ھ' الفردوس بماثور الخطاب' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ

۷۲- امام حسین بن مسعود بغوی، متوفی ۵۱۶ھ، شرح السنہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۷۳- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ
۷۴- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ
۷۵- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی، المعروف بابن الاثیر الجزری، متوفی ۶۰۶ھ، جامع الاصول، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۷۶- امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ، الاحادیث المختارہ، مطبوعہ مکتب النہضۃ الحدیثیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
۷۷- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری، المتوفی ۶۵۶ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۰۷ھ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۷۸- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرۃ فی امور الآخرہ، مطبوعہ دار البخاری، مدینہ منورہ
۷۹- حافظ شرف الدین عبدالمومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ، المتجر الرابح، مطبوعہ دار خضر بیروت، ۱۴۱۹ھ
۸۰- امام ولی الدین تبریزی، متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، دار ارقم بیروت
۸۱- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی، متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند، ۱۳۵۷ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۸۲- امام محمد بن عبداللہ زرکشی، متوفی ۷۹۴ھ، اللآلی المنثورۃ، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۸۳- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
۸۴- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۴ھ
۸۵- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، موارد الظمآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۸۶- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۸۷- امام محمد بن محمد جزری، متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، ۱۳۵۰ھ
۸۸- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری، شافعی، متوفی ۸۴۰ھ، زوائد ابن ماجہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۸۹- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان، متوفی ۸۴۵ھ، الجواہر النقی، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان
۹۰- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
۹۱- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
۹۲- امام عبدالرؤف بن علی المناوی، المتوفی ۱۰۳۱ھ، کنوز الحقائق، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۹۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۲۰ھ
۹۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مسند فاطمۃ الزہراء
۹۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۹۶- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۱۴ھ

٩٧- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ٩١١ھ' جمع الجوامع' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢١ھ

٩٨- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ٩١١ھ' الخصائص الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤٠٥ھ

٩٩- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ٩١١ھ' الدرر المنتثرہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٤١٥ھ

١٠٠- علامہ عبدالوہاب شعرانی' متوفی ٩٧٣ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ مصر' ١٣٠٣ھ' دارالفکر بیروت' ١٤٠٨ھ

١٠١- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری' متوفی ٩٧٥ھ' کنز العمال' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت

کتب تفاسیر

١٠٢- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' متوفی ٦٨ھ' تنویر المقباس' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمی ایران

١٠٣- امام حسن بن عبداللہ البصری' المتوفی ١١٠ھ' تفسیر الحسن البصری' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ' ١٤١٣ھ

١٠٤- امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی' متوفی ٢٠٤ھ' احکام القرآن' مطبوعہ داراحیاء العلوم بیروت' ١٤١٠ھ

١٠٥- امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء' متوفی ٢٠٧ھ' معانی القرآن' مطبوعہ بیروت

١٠٦- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ٢١١ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت

١٠٧- شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی' متوفی ٣٠٧ھ' تفسیر قمی' مطبوعہ دارالکتاب ایران' ١٤٠٦ھ

١٠٨- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ٣١٠ھ' جامع البیان' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ١٤٠٩ھ' دارالفکر بیروت

١٠٩- امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج' متوفی ٣١١ھ' اعراب القرآن' مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران' ١٤٠٦ھ

١١٠- امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی' متوفی ٣٢٧ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ١٤١٧ھ

١١١- امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی' متوفی ٣٧٠ھ' احکام القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ١٤٠٠ھ

١١٢- علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی' متوفی ٣٧٥ھ' تفسیر سمرقندی' مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ' ١٤١٣ھ

١١٣- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی' متوفی ٣٨٥ھ' التبیان فی تفسیر القرآن' مطبوعہ عالم الکتب بیروت

١١٤- علامہ مکی بن ابی طالب' متوفی ٤٣٧ھ' مشکل اعراب القرآن' مطبوعہ انتشارات نور ایران' ١٤١٢ھ

١١٥- علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی' متوفی ٤٥٠ھ' النکت والعیون' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

١١٦- علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشا پوری' متوفی ٤٦٨ھ' الوسیط' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٥ھ

١١٧- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی' المتوفی ٤٦٨ھ' اسباب نزول القرآن' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

١١٨- امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی' المتوفی ٤٨٩ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ دارالوطن ریاض' ١٤١٨ھ

١١٩- امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی' المتوفی ٥١٦ھ' معالم التنزیل' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٤ھ' داراحیاء التراث العربی بیروت' ١٤٢٠ھ

١٢٠- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ٥٣٨ھ' الکشاف' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٧ھ

١٢١- علامہ ابو بکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی' مالکی' متوفی ٥٤٣ھ' احکام القرآن' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت

۱۲۲- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی، متوفی ۵۴۶ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
۱۲۳- شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۴۰۶ھ
۱۲۴- علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت
۱۲۵- خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار وعدۃ الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران
۱۲۶- امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۲۷- شیخ ابومحمد روز بہان بن ابوالنصر البقلی شیرازی متوفی ۶۰۶ھ، عرائس البیان فی حقائق القرآن، مطبع منشی نولکشور لکھنو
۱۲۸- علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۹۷۸ء
۱۲۹- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۳۰- قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر
۱۳۱- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
۱۳۲- علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
۱۳۳- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی، متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۳۴- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ
۱۳۵- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ
۱۳۶- علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۳۷- علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی، متوفی ۷۵۶ھ، الدر المصون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۳۸- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ
۱۳۹- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی، متوفی ۸۶۰ھ، حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۴۰- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت
۱۴۱- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ، ۱۴۱۳ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۴۲- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمٰی ایران، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۴۳- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، جلالین، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۴۴- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، لباب النقول فی اسباب النزول، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۴۵- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی، متوفی ۹۵۱ھ، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی، مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۱۴۶- شیخ فتح اللہ کاشانی، متوفی ۹۷۷ھ، منہج الصادقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران

۱۴۷- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ' تفسیر ابوالسعود' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ

۱۴۸- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی' متوفی ۱۰۶۹ھ' عنایۃ القاضی' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۴۹- علامہ احمد جیون جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کریمی بمبئی

۱۵۰- علامہ اسماعیل حقی حنفی' متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ

۱۵۱- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل' متوفی ۱۲۰۴ھ' الفتوحات الالہیہ' مطبوعہ المطبع البہیۃ' مصر ۱۳۰۳ھ

۱۵۲- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' تفسیر صاوی' مطبوعہ داراحیاء الکتب العربیہ' مصر' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ

۱۵۳- قاضی ثناء اللہ پانی پتی' متوفی ۱۲۲۵ھ' تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ

۱۵۴- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۳۹ھ' تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

۱۵۵- شیخ محمد بن علی شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' دارالوفا بیروت' ۱۴۱۸ھ

۱۵۶- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی' متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۵۷- نواب صدیق حسن خان بھوپالی' متوفی ۱۳۰۷ھ' فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبری بولاق مصر' ۱۳۰۱ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۲ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۱۵۸- علامہ محمد جمال الدین قاسمی' متوفی ۱۳۳۲ھ' تفسیر القاسمی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ

۱۵۹- علامہ محمد رشید رضا' متوفی ۱۳۵۴ھ' تفسیر المنار' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت

۱۶۰- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری' متوفی ۱۳۵۹ھ' الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبۃ الاسلامیہ ریاض

۱۶۱- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۴ھ' بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

۱۶۲- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' خزائن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۶۳- شیخ محمود الحسن دیوبندی' متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' حاشیۃ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۶۴- علامہ محمد طاہر بن عاشور' متوفی ۱۳۸۰ھ' التحریر والتنویر' مطبوعہ تونس

۱۶۵- سید محمد قطب شہید' متوفی ۱۳۸۵ھ' فی ظلال القرآن' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۸۶ھ

۱۶۶- مفتی احمد یار خان نعیمی' متوفی ۱۳۹۱ھ' نور العرفان' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ گجرات

۱۶۷- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ' معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ

۱۶۸- سید ابوالاعلیٰ مودودی' متوفی ۱۳۹۹ھ' تفہیم القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور

۱۶۹- علامہ سید احمد سعید کاظمی' متوفی ۱۴۰۶ھ' التبیان' مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان

۱۷۰- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی' اضواء البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۷۱- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی' تفسیر المراغی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

۱۷۲- آیت اللہ مکارم شیرازی' تفسیر نمونہ' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ

۱۷۳- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری ۱۴۱۹ھ ضیاء القرآن مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۷۴- شیخ امین احسن اصلاحی تدبر قرآن مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۷۵- علامہ محمود صافی اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۷۶- استاذ محی الدین درویش اعراب القرآن وبیانہ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
۱۷۷- ڈاکٹر وھبہ زحیلی تفسیر منیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ
۱۷۸- سعیدی حوی الاساس فی التفسیر مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۷۹- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ البرھان فی علوم القرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۸۰- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الاتقان فی علوم القرآن مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۸۱- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی مناہل العرفان مطبوعہ دار احیاء العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۸۲- علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۴۹ھ شرح صحیح البخاری مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ
۱۸۳- حافظ ابو عمر وابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ الاستذکار مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ
۱۸۴- حافظ ابو عمر وابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ تمہید مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۴۰۴ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
۱۸۵- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۷۴ھ المنتقی مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۳۲ھ
۱۸۶- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ عارضۃ الاحوذی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۷- قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ القبس فی شرح موطا ابن انس دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
۱۸۸- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اکمال المعلم بہ فوائد مسلم مطبوعہ دار الوفا بیروت ۱۴۱۹ھ
۱۸۹- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری متوفی ۶۵۶ھ مختصر سنن ابو داؤد مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۹۰- علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ المفہم مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ
۱۹۱- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ
۱۹۲- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ شرح الطیبی مطبوعہ ادارۃ القرآن ۱۴۱۳ھ
۱۹۳- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ
۱۹۴- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور
۱۹۵- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار دار ابن کثیر

بیروت
۱۹۶- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ
۱۹۷- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ شرح سنن ابوداؤد مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ
۱۹۸- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ مکمل اکمال المعلم مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ
۱۹۹- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ ارشاد الساری مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ
۲۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ التوشیح علی الجامع الصحیح مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۲۰۱- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۲ھ
۲۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تنویر الحوالک مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۲۰۳- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ فیض القدیر مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱۳۹۱ھ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ
۲۰۴- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ شرح الشمائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۰۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ جمع الوسائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۰۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ شرح مسند ابی حنیفہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ
۲۰۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ مرقات مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ
۲۰۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ الحرز الثمین مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۴ھ
۲۰۹- شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ اشعۃ اللمعات مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو
۲۱۰- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ تحفۃ الذاکرین مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ
۲۱۱- شیخ عبدالرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ تحفۃ الاحوذی مطبوعہ نشر السنہ ملتان دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ
۲۱۲- شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ فیض الباری مطبوعہ مطبع حجازی مصر ۱۳۵۷ھ
۲۱۳- شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ فتح الملہم مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۱۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ التعلیق الصبیح مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور

کتب اسماء الرجال

۲۱۵- علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ العلل المتناہیہ مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد ۱۴۰۱ھ
۲۱۶- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ تہذیب الکمال مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۲۱۷- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ
۲۱۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۱۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تقریب التہذیب مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۲۰- علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی متوفی ۹۰۲ھ المقاصد الحسنہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۲۲۱- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' اللآلی المصنوعہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۲۲- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' طبقات الحفاظ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۲۳- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ' الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۲۲۴- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' تذکرۃ الموضوعات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۲۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' التوفی ۱۰۱۴ھ' موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۲۶- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی' متوفی ۱۱۶۴ھ' کشف الخفاء ومزیل الالباس' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق
۲۲۷- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' الفوائد المجموعہ' مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض
۲۲۸- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد درویش متوفی ۱۲۶۷ھ' اسنی المطالب' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۲۹- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی' متوفی ۱۷۵ھ' کتاب العین' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ
۲۳۰- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ' الصحاح' مطبوعہ دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ
۲۳۱- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ' المفردات' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۲۳۲- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۸۳ھ' الفائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۳۳- علامہ محمد بن اثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۳۴- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی متوفی ۶۶۰ھ' مختار الصحاح' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۳۵- علامہ یحیٰی بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۳۶- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی' متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران
۲۳۷- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی' متوفی ۸۱۷ھ' القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۳۸- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ
۲۳۹- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
۲۴۰- لوئیس معلوف الیسوعی' المنجد' مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ' بیروت' ۱۹۲۷ء
۲۴۱- شیخ غلام احمد پرویز' متوفی ۱۴۰۵ھ' لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۴۲- ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور
۲۴۳- قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری' دستور العلماء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ' سیرت وفضائل

۲۴۴- امام محمد بن اسحاق' متوفی ۱۵۱ھ' کتاب السیر والمغازی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۲۴۵- امام عبدالملک بن ہشام' متوفی ۲۱۳ھ' السیرۃ النبویہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۴۶- امام محمد بن سعد' متوفی ۲۳۰ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۴۷- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی' المتوفی ۴۵۰ھ' اعلام النبوت' دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۰۸ھ
۲۴۸- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دار القلم بیروت
۲۴۹- حافظ ابوعمر و یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر' متوفی ۴۶۳ھ' الاستیعاب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۵۰- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی' متوفی ۵۴۴ھ' الشفاء' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۵۱- علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی' متوفی ۵۸۱ھ' الروض الانف' مکتبہ فاروقیہ ملتان
۲۵۲- علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی' متوفی ۵۹۷ھ' الوفاء' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۵۳- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' اسد الغابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۵۴- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۵۵- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان' متوفی ۶۸۱ھ' وفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۵۶- علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی' متوفی ۷۵۶ھ' شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام' مطبوعہ کراچی
۲۵۷- شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ' المتوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۵۸- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی' متوفی ۷۷۴ھ' البدایہ والنہایہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۵۹- علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون' متوفی ۸۰۸ھ' تاریخ ابن خلدون' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۶۰- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی' متوفی ۸۵۲ھ' الاصابہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۱- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی' متوفی ۹۱۱ھ' وفاء الوفاء' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۱ھ
۲۶۲- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۲۶۳- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی' متوفی ۹۴۲ھ' سبل الہدیٰ والرشاد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۶۴- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی' متوفی ۹۷۴ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۲۶۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح الشفاء' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۲۶۶- شیخ عبدالحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ' مدارج النبوت' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۶۷- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی' متوفی ۱۰۶۹ھ' نسیم الریاض' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۶۸- علامہ محمد عبدالباقی زُرقانی' متوفی ۱۱۲۲ھ' شرح المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ
۲۶۹- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' نشر الطیب' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۷۰- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' المبسوط' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

۲۷۱- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' شرح سیر کبیر' مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان' ۱۴۰۵ھ

۲۷۲- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری' متوفی ۵۴۲ھ' خلاصۃ الفتاویٰ' مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۷ھ

۲۷۳- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی' متوفی ۵۸۷ھ' بدائع الصنائع' مطبوعہ ایچ - ایم - سعید اینڈ کمپنی' ۱۴۰۰ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۷۴- علامہ حسین بن منصور اوز جندی' متوفی ۵۹۲ھ' فتاویٰ قاضی خاں' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۷۵- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی' متوفی ۵۹۳ھ' ہدایہ اولین و آخرین' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان

۲۷۶- علامہ محمد بن محمود بابرتی' متوفی ۷۸۶ھ' عنایہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۷۷- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی' متوفی ۷۸۶ھ' فتاویٰ تاتارخانیہ' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۱ھ

۲۷۸- علامہ ابوبکر بن علی حداد' متوفی ۸۰۰ھ' الجوہرۃ المنیرہ' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

۲۷۹- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی' متوفی ۸۲۷ھ' فتاویٰ بزازیہ' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۸۰- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی' متوفی ۸۵۵ھ' بنایہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ

۲۸۱- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۸۲- علامہ جلال الدین خوارزمی' کفایہ' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۸۳- علامہ معین الدین الھروی المعروف بہ محمد ملا مسکین' متوفی ۹۵۴ھ' شرح الکنز' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر

۲۸۴- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی' متوفی ۹۵۶ھ' غنیۃ المستملی' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ھ

۲۸۵- علامہ محمد خراسانی' متوفی ۹۶۲ھ' جامع الرموز' مطبوعہ مطبع منشی نولکشور' ۱۲۹۱ھ

۲۸۶- علامہ زین الدین بن نجیم' متوفی ۹۷۰ھ' البحر الرائق' مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر' ۱۳۱۱ھ

۲۸۷- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی' متوفی ۹۸۲ھ' حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر' ۱۲۸۷ھ

۲۸۸- علامہ حامد بن علی قونوی رومی' متوفی ۹۸۵ھ' فتاویٰ حامدیہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۸۹- علامہ خیرالدین رملی' متوفی ۱۰۸۱ھ' فتاویٰ خیریہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ' مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۹۰- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی' متوفی ۱۰۸۸ھ' الدرالمختار' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

۲۹۱- علامہ سید احمد بن محمد حموی' متوفی ۱۰۹۸ھ' غمز عیون البصائر' مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ

۲۹۲- ملا نظام الدین' متوفی ۱۱۶۱ھ' فتاویٰ عالمگیری' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۹۳- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' منحۃ الخالق' مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر' ۱۳۱۱ھ

۲۹۴- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ' مطبوعہ دارالاشاعۃ العربی کوئٹہ

۲۹۵- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' رسائل ابن عابدین' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۶ھ

۲۹۶- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' ردالمحتار' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ' ۱۴۱۹ھ

۲۹۷- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' جدالممتار' مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی

۲۹۸- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی

۲۹۹- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' فتاویٰ افریقیہ' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۳۰۰- علامہ امجد علی' متوفی ۱۳۷۶ھ بہار شریعت' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۳۰۱- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ اعلاء السنن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۰۲- علامہ نور اللہ نعیمی' متوفی ۱۴۰۳ھ فتاویٰ نوریہ' مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور' ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۳۰۳- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ الام' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۳ھ
۳۰۴- علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی' متوفی ۴۵۰ھ الحاوی الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۰۵- علامہ ابو اسحاق شیرازی' متوفی ۴۵۵ھ المہذب' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۳ھ
۳۰۶- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ شرح المہذب' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۰۷- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ روضۃ الطالبین' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
۳۰۸- علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ الحاوی للفتاویٰ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۳۰۹- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ نہایۃ المحتاج' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۱۰- علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبراملسی' متوفی ۱۰۸۷ھ حاشیہ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۱۱- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی' متوفی ۲۵۶ھ المدونۃ الکبریٰ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۱۲- قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی' متوفی ۵۹۵ھ بدایۃ المجتہد' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۱۳- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی' متوفی ۷۶۷ھ مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۱۴- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی' المتوفی ۹۵۴ھ مواہب الجلیل' مطبوعہ مکتبۃ النجاح' لیبیا
۳۱۵- علامہ علی بن عبد اللہ بن الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ الخرشی علی مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۱۶- علامہ ابو البرکات احمد دردیر مالکی' متوفی ۱۱۹۷ھ الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۱۷- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی' متوفی ۱۲۱۹ھ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۱۸- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ المغنی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ
۳۱۹- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ الکافی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۲۰- شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ مجموعۃ الفتاویٰ' مطبوعہ ریاض' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۲۱- علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن مفلح مقدسی' متوفی ۷۶۳ھ کتاب الفروع' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۲۲- علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی' متوفی ۸۸۵ھ الانصاف' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۳۲۳- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ کشاف القناع مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۲۴- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی

۳۲۵- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ الاصول من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران

۳۲۶- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ الفروع من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران

۳۲۷- شیخ ابومنصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس الاحتجاج مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱۴۰۳ھ

۳۲۸- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی المتوفی ۶۷۹ھ شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران

۳۲۹- ملاباقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ حق الیقین مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران ۱۳۴۷ھ

۳۳۰- ملاباقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ حیات القلوب مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

۳۳۱- ملاباقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ جلاء العیون مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۳۳۲- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ المنقذ من الضلال مطبوعہ لاہور ۱۴۰۵ھ

۳۳۳- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن محمد الانباری المتوفی ۵۷۷ھ الداعی الی الاسلام مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت ۱۴۰۹ھ

۳۳۴- شیخ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ العقیدۃ الواسطیہ مطبوعہ دار السلام ریاض ۱۴۱۴ھ

۳۳۵- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ شرح عقائد نسفی مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۳۳۶- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ شرح المقاصد مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۳۷- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ شرح المواقف مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۳۸- علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ مسائرہ مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۳۹- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ مسامرہ مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۴۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ شرح فقہ اکبر مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۷۵ھ

۳۴۱- علامہ محمد بن احمد السفارینی المتوفی ۱۱۸۸ھ لوامع الانوار البھیہ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۱۱ھ

۳۴۲- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ کتاب العقائد مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۴۳- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ المحصول مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ

۳۴۴- علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ کشف الاسرار مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۱۱ھ

۳۴۵- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ توضیح وتلویح' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۴۶- علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الشہیر با بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ التحریک مع التیسیر' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض

۳۴۷- علامہ محب اللہ بہاری' متوفی ۱۱۱۹ھ' مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۳۴۸- علامہ احمد جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ نور الانوار' مطبوعہ ایچ -ایم -سعید اینڈ کمپنی کراچی

۳۴۹- علامہ عبد الحق خیر آبادی' متوفی ۱۳۱۸ھ شرح مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۵۰- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ قوت القلوب' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۵۱- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' احیاء علوم الدین' مطبوعہ دار الخیر بیروت' ۱۴۱۳ھ

۳۵۲- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ التذکرہ' مطبوعہ دار البخاریہ مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ

۳۵۳- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی' متوفی ۷۲۸ھ' قاعدہ جلیلہ' مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر' ۱۳۷۳ھ

۳۵۴- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' الکبائر' مطبوعہ دار الغد العربی قاہرہ' مصر

۳۵۵- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ جلاء الافہام' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۵۶- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' اغاثۃ اللھفان مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۳۵۷- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ التوفی ۷۵۱ھ زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ

۳۵۸- علامہ عبد اللہ بن اسعد یافعی' متوفی ۷۶۸ھ روض الریاحین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۴ھ

۳۵۹- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' کتاب التعریفات' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ

۳۶۰- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' شرح الصدور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۴ھ

۳۶۱- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المیزان الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۳۶۲- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الیواقیت والجواہر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ

۳۶۳- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الکبریت الاحمر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۳۶۴- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' لواقح الانوار القدسیہ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ

۳۶۵- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ

۳۶۶- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۳۶۷- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المنن الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۳۶۸- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ' الفتاویٰ الحدیثیہ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ

۳۶۹- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' اشرف الوسائل الی فہم الشمائل' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ

۳۷۰- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ 'الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۳۷۱- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الزواجر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۷۲- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی' متوفی ۱۰۳۴ھ' مکتوبات امام ربانی' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' ۱۳۷۰ھ
۳۷۳- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' اتحاف سادۃ المتقین' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۱ھ
۳۷۴- شیخ رشید احمد گنگوہی' متوفی ۱۳۲۳ھ' فتاویٰ رشیدیہ کامل' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۳۷۵- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ' کشف الظنون' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران' ۱۳۷۸ھ
۳۷۶- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' الملفوظ' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور
۳۷۷- شیخ وحید الزمان' متوفی ۱۳۴۸ھ' ہدیۃ المہدی' مطبوعہ میور پریس دہلی' ۱۳۲۵ھ
۳۷۸- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی' متوفی ۱۳۵۰ھ' جواہر البحار' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۷۹- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لمٹیڈ لاہور
۳۸۰- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' حفظ الایمان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۳۸۱- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی' نداء یارسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور' ۱۴۰۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم
احمد صلی اللہ علیہ وسلم
حامد صلی اللہ علیہ وسلم
محمود صلی اللہ علیہ وسلم
قاسم صلی اللہ علیہ وسلم
عاقب صلی اللہ علیہ وسلم
فاتح صلی اللہ علیہ وسلم
شاہد صلی اللہ علیہ وسلم
حاشر صلی اللہ علیہ وسلم
رشید صلی اللہ علیہ وسلم
مشہود صلی اللہ علیہ وسلم
بشیر صلی اللہ علیہ وسلم
نذیر صلی اللہ علیہ وسلم
داعی صلی اللہ علیہ وسلم
شافی صلی اللہ علیہ وسلم
ہادی صلی اللہ علیہ وسلم
ماحی صلی اللہ علیہ وسلم
منج صلی اللہ علیہ وسلم
تہامی صلی اللہ علیہ وسلم
ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم
امی صلی اللہ علیہ وسلم
نبی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد
صلی اللہ علیہ وسلم

ناہ صلی اللہ علیہ وسلم
رسول صلی اللہ علیہ وسلم
ابطحی صلی اللہ علیہ وسلم
عزیز صلی اللہ علیہ وسلم
حریص علیکم صلی اللہ علیہ وسلم
رؤف صلی اللہ علیہ وسلم
رحیم صلی اللہ علیہ وسلم
طٰہٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
طٰسٓ صلی اللہ علیہ وسلم
مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
حٰمٓ صلی اللہ علیہ وسلم
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
یٰسٓ صلی اللہ علیہ وسلم
اولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مزمل صلی اللہ علیہ وسلم
ولی صلی اللہ علیہ وسلم
مدثر صلی اللہ علیہ وسلم
متین صلی اللہ علیہ وسلم
مصدق صلی اللہ علیہ وسلم
طیب صلی اللہ علیہ وسلم
ناصر صلی اللہ علیہ وسلم
منصور صلی اللہ علیہ وسلم
مصباح صلی اللہ علیہ وسلم
امر صلی اللہ علیہ وسلم

حجازی ﷺ — نزاری ﷺ — صادق ﷺ — امین ﷺ — عبداللہ ﷺ

کلیم اللہ ﷺ — حبیب اللہ ﷺ — نجی اللہ ﷺ — صفی اللہ ﷺ

خاتم الانبیاء ﷺ — رحیب ﷺ — مجیب ﷺ — شکور ﷺ — مقتصد ﷺ

رسول الرحمۃ ﷺ — قوی ﷺ — حفی ﷺ — مامون ﷺ

معلوم ﷺ — حق ﷺ — مبین ﷺ — مطیع ﷺ — رسول الراحۃ ﷺ

اول ﷺ — آخر ﷺ — ظاہر ﷺ — باطن ﷺ

نبی الرحمۃ ﷺ — یتیم ﷺ — کریم ﷺ — حکیم ﷺ — خاتم الرسل ﷺ

سید ﷺ — سراج ﷺ — مبشر ﷺ — محرم ﷺ

مکرم ﷺ — منیر ﷺ — مذکر ﷺ — مطہر ﷺ — قریب ﷺ

خلیل ﷺ — مدعو ﷺ — جواد ﷺ — خاتم ﷺ

عادل ﷺ — شہیر ﷺ — شہید ﷺ — رسول الملاحم ﷺ — شفیع ﷺ

مومن ﷺ — مضری ﷺ — نبی التوبۃ ﷺ — حافظ ﷺ

کامل ﷺ — قرشی ﷺ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور

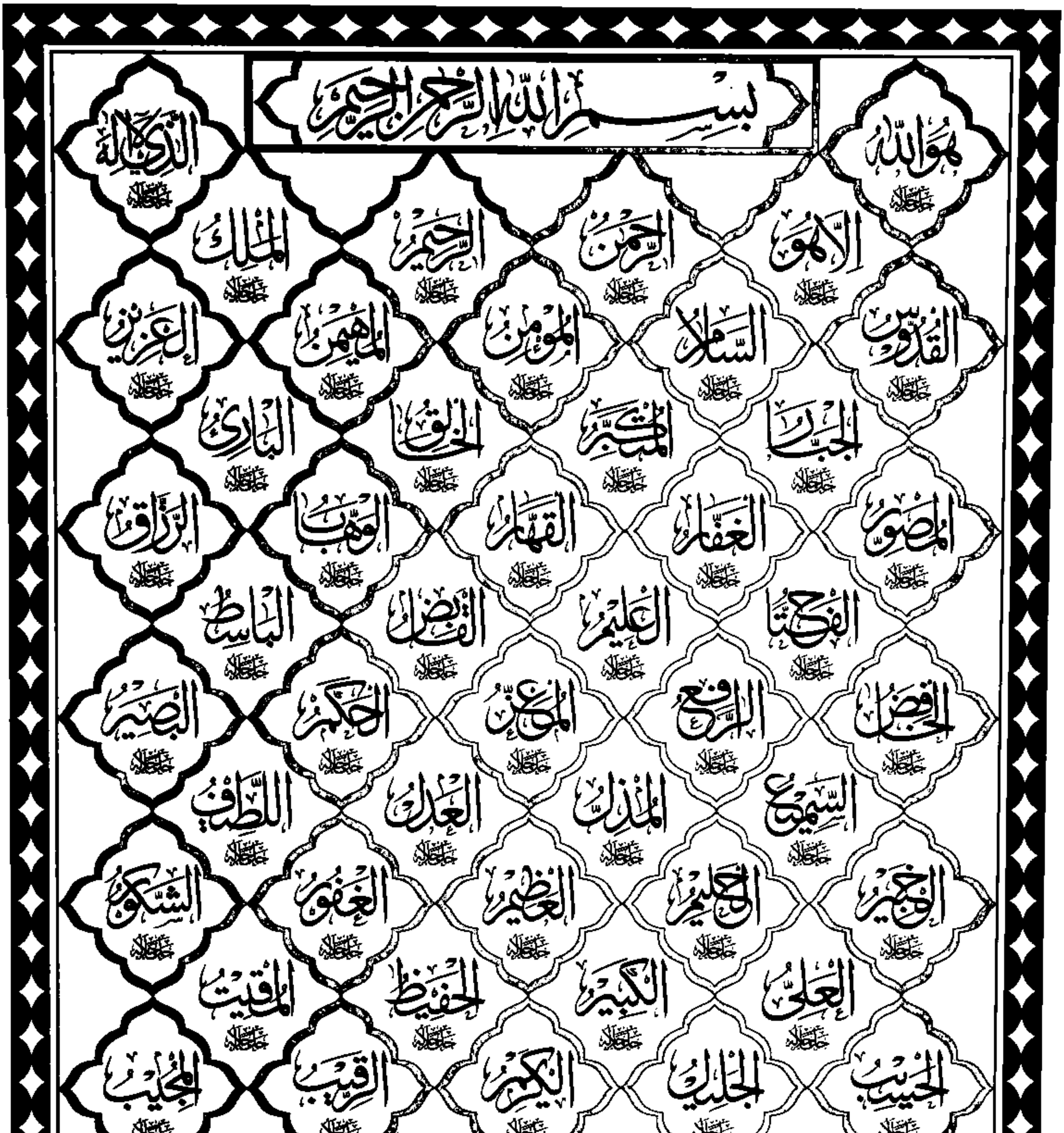
بسم الله الرحمن الرحيم
هو الله
الذي لا إله
إلا هو
الرحمن
الرحيم
الملك
القدوس
السلام
المؤمن
المهيمن
العزيز
الجبار
المتكبر
الخالق
البارئ
المصور
الغفار
القهار
الوهاب
الرزاق
الفتاح
العليم
القابض
الباسط
الخافض
الرافع
المعز
الحكم
البصير
السميع
المذل
العدل
اللطيف
الخبير
الحليم
العظيم
الغفور
الشكور
العلي
الكبير
الحفيظ
المقيت
الحسيب
الجليل
الكريم
الرقيب
المجيب
الواسع
الحكيم
الودود
المجيد
الباعث
الشهيد
الحق
الوكيل
القوي
جل جلاله

المتین الولی الحمید المحیی الممیت

الرحیم القیوم الواجد الماجد

الواحد الاحد الصمد القادر المقتدر

المقدم المؤخر الاول الآخر

الظاهر الباطن الوالی المتعال

البر التواب

الله
جل جلالہ

المنتقم العفو

الرؤف مالک الملک

ذوالجلال والاکرام المقسط الجامع الغنی

المغنی المانع الضار النافع

النور الهادی البدیع الباقی الوارث

الرشید الصبور رب العالمین مالک یوم الدین

القدیر الوحید

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی - ۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸ - اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد ہشتم

النور تا القصص

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی، فاضل علوم شرقیہ
مطبع : رومی پبلیکشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاوّل : ذوالعقدہ1425ھ / جنوری2004ء
الطبع الثانی : ذوالحجہ1426ھ / جنوری2005ء

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	سورۃ النور	۲۹
۱	سورت کا نام اور وجہ تسمیہ	۳۱
۲	سورۃ النور کی فضیلت میں احادیث اور آثار	۳۱
۳	سورۃ النور اور سورۃ المومنون کی باہمی مناسبت	۳۲
۴	سورۃ النور کا زمانہ نزول	۳۳
۵	النور کے مسائل اور مقاصد	۳۷
۶	سورة انزلنها وفرضنها وانزلنا فيها ايت بينت (۱۰-۱)	۴۰
۷	نحوی اشکال کا جواب' انزال پر اعتراض کا جواب' اور سورت اور فرض کا معنی	۴۱
۸	زنا کا لغوی معنی	۴۳
۹	فقہاء حنبلیہ کے نزدیک زنا کی تعریف	۴۳
۱۰	فقہاء شافعیہ کے نزدیک زنا کی تعریف	۴۵
۱۱	فقہاء مالکیہ کے نزدیک زنا کی تعریف	۴۵
۱۲	فقہاء احناف کے نزدیک زنا کی تعریف	۴۵
۱۳	حد زنا کی شرائط	۴۸
۱۴	احصان کی تحقیق	۴۹
۱۵	زنا کی ممانعت' اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۴۹
۱۶	زنا کی ممانعت' مذمت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق احادیث اور آثار	۵۰
۱۷	زنا کی حد میں عورت کے ذکر کو مقدم کرنے کی توجیہ	۵۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۸	کوڑے مارنے کے مسائل اور فقہی احکام	۵۸
۱۹	زانی کو کوڑے مارنے کے بعد شہر بدر کرنے میں مذاہب فقہاء	۵۹
۲۰	زانی اور زانیہ کو شہر بدر کرنے میں فقہاء احناف کا موقف اور دلائل	۶۰
۲۱	ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات اور فقہاء احناف کے دلائل	۶۱
۲۲	غیر شادی شدہ زانی کو صرف کوڑے مارنے کے ثبوت میں احادیث	۶۱
۲۳	رجم کی تحقیق	۶۲
۲۴	قرآن مجید سے رجم کا ثبوت	۶۲
۲۵	رجم کی منسوخ التلاوت آیت	۶۴
۲۶	آیت رجم کی بحث	۶۵
۲۷	رجم کی احادیث متواترہ	۶۶
۲۸	زانیہ کے لئے صرف زانی سے نکاح کی اجازت کی احادیث	۶۷
۲۹	زانیہ سے مومن کے نکاح کی ممانعت کی توجیہات	۶۸
۳۰	زانیہ سے مومن کے نکاح کی ممانعت کا منسوخ ہونا	۶۹
۳۱	قذف کا لغوی معنی	۶۹
۳۲	قذف کا شرعی معنی	۷۰
۳۳	قرآن مجید کی روشنی میں قذف کا حکم	۷۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۴	احادیث کی روشنی میں قذف کا حکم	۷۰
۳۵	احصان کی شرائط میں مذاہب فقہاء	۷۱
۳۶	احصان کی شرائط میں مذہب احناف	۷۱
۳۷	کوڑے مارنے کے احکام	۷۲
۳۸	جس پر حد قذف لگ چکی ہو اس کی شہادت قبول کرنے میں اختلاف فقہاء	۷۲
۳۹	لعان کے متعلق احادیث	۷۳
۴۰	لعان کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۷۵
۴۱	لعان کے شرعی معنی میں مذاہب فقہاء	۷۵
۴۲	لعان کی وجہ تسمیہ	۷۶
۴۳	زانی کو از خود قتل کرنے کا حکم	۷۶
۴۴	لعان کے بعد تفریق میں مذاہب فقہاء	۷۶
۴۵	فقہاء احناف کے نظریے پر دلائل	۷۷
۴۶	علامہ نووی کے اعتراضات کے جوابات	۷۷
۴۷	لعان کی وجہ سے بچے کے نسب کی نفی میں مذاہب فقہاء	۷۹
۴۸	ان الذین جاء و بالافک عصبة منکم ط (۲۰-۱۱)	۸۰
۴۹	مشکل الفاظ کے معانی	۸۰
۵۰	النور ۱۰-۱۱ کی مختصر تفسیر	۸۱
۵۱	حضرت عائشہ پر تہمت کی مفصل حدیث	۸۲
۵۲	سفر میں بیوی کو ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ اندازی میں مذاہب	۸۷
۵۳	نزول وحی سے پہلے رسول اللہ کا حضرت عائشہ کی برأت کے متعلق علم اور شبہات کے جوابات	۸۷
۵۴	کسی نبی کی زوجہ نے کبھی بدکاری نہیں کی	۸۹
۵۵	حضرت عائشہ کی برأت پر علماء اہل سنت کے دلائل	۸۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۶	حضر[illegible] [illegible]شہ کی [illegible]	[illegible]
۵۷	حضرت عائشہ [illegible]	[illegible]
۵۸	حدیث افک سے استنباط [illegible] مسائل	[illegible]
۵۹	حضرت عائشہ کا یہ کہنا کہ "میں حضور کے لئے [illegible] نہیں کروں گی میں صرف اللہ کی حمد کروں گی"	[illegible]
۶۰	حدیث افک پر بعض معاصرین کے اعتراضات	۹۷
۶۱	اعتراضات مذکورہ کے جوابات	۹۷
۶۲	شہاب الزہری کون [illegible]؟ کیسے تھے؟	۱۰۲
۶۳	حضرت عائشہ کی فضیلت میں احادیث اور آثار	۱۰۳
۶۴	یایها الذین امنوا لا تتبعوا خطوات الشیطن ط (۲۶-۲۱)	۱۱۱
۶۵	الفحشاء والمنکر اور الترکیہ کے معانی	۱۱۳
۶۶	حضرت ابوبکر کے افضل امت ہونے پر دلائل اور نکات	۱۱۴
۶۷	حضرت عائشہ پر تہمت لگانے والے منافقوں کی اخروی سزا	۱۱۸
۶۸	حضرت عائشہ کے لئے جنت کی بشارت	۱۱۹
۶۹	یایها الذین امنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستأنسوا (۳۴-۲۷)	[illegible]
۷۰	بغیر اجازت گھروں میں داخلے کی اور دیگر آداب کے متعلق احادیث اور آثار	[illegible]
۷۱	بیوت غیر مسکونہ (غیر رہائشی) عمارات کی تعیین	[illegible]
۷۲	مردوں کو نیچی نگاہ رکھنے کے متعلق احادیث	[illegible]
۷۳	عورتوں کو نگاہ نیچی رکھنے کے متعلق احادیث	[illegible]
۷۴	ایامی کا معنی	[illegible]
۷۵	عبد النبی نام رکھنے کی تحقیق	[illegible]
۷۶	نکاح کا لغوی اور اصطلاحی معنی	[illegible]
۷۷	نکاح کی فضیلت میں احادیث	[illegible]

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۸	نکاح کے شرعی حکم میں مذاہب فقہاء	۱۳۴
۷۹	جو شخص مجرد ہو وہ اپنی پاکیزگی برقرار رکھے	۱۳۶
۸۰	غلاموں اور باندیوں کے بعض احکام	۱۳۶
۸۱	اللہ نور السموات والارض (۴۰-۳۵)	۱۳۸
۸۲	نور کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۴۰
۸۳	اللہ پر نور کے اطلاق کی توجیہات	۱۴۰
۸۴	احادیث میں اللہ پر نور کا اطلاق	۱۴۱
۸۵	مشکل الفاظ کے معانی	۱۴۱
۸۶	آپ پر قرآن نہ بھی نازل ہوتا تب بھی آپ کی نبوت عالم میں آشکارا ہو جاتی	۱۴۲
۸۷	مساجد کی تعمیر، مساجد میں ذکر اور تسبیح اور مساجد کے آداب کے متعلق احادیث	۱۴۳
۸۸	ان لوگوں کا مصداق اور اجر جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل نہیں کرتی	۱۴۴
۸۹	قیامت کے دن دلوں اور آنکھوں کے الٹ پلٹ جانے کا معنی	۱۴۵
۹۰	عبادت میں غفلت نہ کرنے والوں کا اجر	۱۴۵
۹۱	سراب اور القیعہ کا معنی اور شان نزول	۱۴۶
۹۲	کفار کے اعمال سراب کی طرح دھوکا ہیں یا سمندر کی تاریکی کی طرح بے فیض ہیں	۱۴۷
۹۳	الم تر ان اللہ یسبح له من فی السموٰت والارض والطیر صفت (۵۰-۴۱)	۱۴۸
۹۴	"کیا آپ نے نہیں دیکھا" اس سے مراد استفہام تقریری ہے	۱۵۰
۹۵	جانداروں اور بے جانوں کی تسبیح	۱۵۰
۹۶	حیوانات کے ادراک پر علم کے اطلاق کی توجیہ	۱۵۰
۹۷	علم کی تعریف	۱۵۰
۹۸	تخییل، تکذیب، شک، وہم اور ظن کی تعریفات	۱۵۱
۹۹	تقلید مخطی، جہل مرکب، تقلید مصیب، عین الیقین اور حق الیقین کی تعریف	۱۵۱
۱۰۰	علم کا ذوی العقول کے ساتھ مختص ہونا اور حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہ کیا جانا	۱۵۲
۱۰۱	پرندوں اور حیوانوں کی معرفت اور علم کے شواہد	۱۵۳
۱۰۲	جمادات، نباتات اور حیوانات کے علم پر قرآن مجید سے دلائل	۱۵۴
۱۰۳	جمادات، نباتات اور حیوانات کے علم کے ثبوت میں احادیث	۱۵۵
۱۰۴	کنکریوں، طعام اور پرندوں کی تسبیح کے متعلق احادیث اور آثار	۱۵۶
۱۰۵	علم کی تعریف میں خلاصہ بحث	۱۵۹
۱۰۶	مشکل الفاظ کے معانی	۱۶۰
۱۰۷	مخلوقات کے تنوع سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال	۱۶۱
۱۰۸	فیصلہ کے لئے قاضی کے بلانے پر جانے کا وجوب	۱۶۲
۱۰۹	انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی اللہ ورسوله (۵۷-۵۱)	۱۶۳
۱۱۰	کتاب، سنت اور حکام مسلمین کی اطاعت کی تاکید	۱۶۴
۱۱۱	جوامع الکلم کی مثال	۱۶۵
۱۱۲	منافقین کی قسموں کا غیر معتبر ہونا	۱۶۶
۱۱۳	کتب سابقہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات	۱۶۶
۱۱۴	النور: ۵۵ کا شان نزول	۱۶۷
۱۱۵	تنگ دستی کے بعد مسلمانوں کی خوشحالی	۱۶۸
۱۱۶	نواب قنوجی کا آیت استخلاف کو خلفاء راشدین کے ساتھ مخصوص نہ قرار دینا	۱۶۹
۱۱۷	بعض آیات میں عموم الفاظ کی بجائے خصوصیت	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	مورد کا اعتبار کیا جاتا ہے	۱۶۹
۱۱۸	آیتِ استخلاف کے خلفاء راشدین کے ساتھ مخصوص ہونے پر دلائل	۱۷۱
۱۱۹	دلائل مذکورہ پر اعتراضات کے جوابات	۱۷۱
۱۲۰	آیتِ استخلاف سے حضرت علی' بارہ امام' یا امام مہدی کے مراد نہ ہونے پر دلائل	۱۷۴
۱۲۱	حضرت علی کی خلافت کا برحق ہونا' خلفاء ثلاثہ کے برحق ہونے پر موقوف ہے	۱۷۵
۱۲۲	آیتِ استخلاف سے شیعہ مفسرین کا حضرت علی' بارہ اماموں اور امام مہدی کی خلافت پر استدلال	۱۷۶
۱۲۳	علماء شیعہ کی تفسیروں پر مصنف کا تبصرہ	۱۷۸
۱۲۴	اس امت کی پہلی اجتماعی ناشکری قتل عثمان ہے	۱۷۹
۱۲۵	حکمران دنیاوی امور کے منتظم ہیں اور علماء دینی امور کے	۱۸۰
۱۲۶	یایھا الذین امنوا لیستأذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم (۶۱-۵۸)	۱۸۱
۱۲۷	تین اوقات میں گھر میں دخول کے لئے نوکروں اور نابالغ لڑکوں کو اجازت لینے کا حکم	۱۸۳
۱۲۸	اجازت مذکورہ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے یا باقی ہے	۱۸۴
۱۲۹	بالغ لڑکوں کو گھر میں داخل ہونے کے لیے ہر وقت اجازت طلب کرنا ضروری ہے	۱۸۴
۱۳۰	بوڑھی عورتوں کے حجاب کی وضاحت	۱۸۵
۱۳۱	بیماروں اور معذوروں کے ساتھ مل کر کھانے کی اجازت کے اسباب	۱۸۶
۱۳۲	اولاد کے گھروں کو اپنا گھر فرمانا	۱۸۶
۱۳۳	وکیلوں کے لیے اپنے موکلوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت	۱۸۷
۱۳۴	اپنے دوستوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت خواہ مل کر یا الگ الگ	۱۸۸
۱۳۵	گھر میں دخول کے وقت گھر والوں کو سلام کرنا	۱۸۸
۱۳۶	انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ واذا کانو معہ (۶۴-۶۲)	۱۸۹
۱۳۷	امر جامع (مجتمع ہونے والی مہم) کا بیان	۱۹۰
۱۳۸	پیری اور مریدی کے آداب	۱۹۱
۱۳۹	مشکل الفاظ کے معانی	۱۹۱
۱۴۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تاکید	۱۹۱
۱۴۱	لاتجعلوا دعاء الرسول کے تین محامل	۱۹۲
۱۴۲	ندا یا محمد پر اعتراض کے جوابات	۱۹۳
۱۴۳	احادیث' آثار' علماء متقدمین اور علماء دیوبند سے نداء یا محمد کا ثبوت	۱۹۴
۱۴۴	اللہ تعالیٰ کا یا محمد فرمانا	۱۹۵
۱۴۵	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصریحات سے نداء یا محمد کا جواز	۱۹۶
۱۴۶	اللہ تعالیٰ کے خالق اور مستحق عبادت ہونے پر دلیل	۱۹۹
۱۴۷	سورۃ النور کے اختتامی کلمات	۱۹۹
	سورۃ الفرقان	۲۰۱
۱	سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ	۲۰۳
۲	قرآن مجید کے سات حروف پر نازل ہونے کی تحقیق	۲۰۴
۳	سورۃ الفرقان کا زمانۂ نزول	۲۰۶
۴	سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی باہمی مناسبت	۲۰۷
۵	سورۃ الفرقان کے مشمولات	۲۰۸
۶	تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ (۹-۱)	۲۱۰
۷	بسم اللہ کے معانی	۲۱۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸	تبارک، الفرقان، النذیر اور العلمین کے معانی	۲۱۲
۹	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم	۲۱۲
۱۰	اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت کی تمہید	۲۱۳
۱۱	شرک کی پستی	۲۱۴
۱۲	مشرکین کا یہ اعتراض کہ یہ قرآن اہل کتاب کے تعاون سے بنایا گیا ہے	۲۱۴
۱۳	مشرکین کے اعتراض مذکور کا جواب	۲۱۴
۱۴	پیغامِ حق نہ سنانے پر کفار کا آپ کو مال اور حکومت کی پیش کش کرنا	۲۱۵
۱۵	کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ بازاروں میں چلتے ہیں	۲۱۶
۱۶	کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ کے پاس سونے چاندی کے محلات کیوں نہیں اور آپ کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں؟	۲۱۶
۱۷	تبرک الذی ان شاء جعل لک خیرا من ذالک (۲۰-۱۰)	۲۱۷
۱۸	باغات اور محلات کے طعنہ کا جواب	۲۱۹
۱۹	دوزخ کی آنکھوں، کانوں اور زبان کے متعلق احادیث	۲۲۰
۲۰	تغیظ اور زفیر کے معنی	۲۲۰
۲۱	کفار کا جہنم میں جھونکا جانا اور ان کا موت کی دعا کرنا	۲۲۱
۲۲	آیا دوزخ میں کوئی اچھائی ہے؟	۲۲۱
۲۳	جنت میں ہر چاہی ہوئی چیز کے ملنے کا محمل	۲۲۲
۲۴	اللہ کے وعدہ کی بناء پر اس سے سوال کرنا	۲۲۲
۲۵	نعمتوں کی بہتات کی وجہ سے لوگوں کا کفر اور شرک کرنا	۲۲۳
۲۶	"بورا" کے معنی اور شرک کی مذمت	۲۲۴
۲۷	رزق اور دیگر مقاصد کے حصول کے لیے اسباب اور وسائل کو تلاش کر کے اختیار کرنا	۲۲۴
۲۸	ترک اسباب پر صوفیاء کے دلائل اور ان کے جوابات اور توکل کا صحیح مفہوم	۲۲۶
۲۹	اہل نعمت کی اہل مصیبت سے شکر میں اور اہل مصیبت کی اہل نعمت سے صبر میں آزمائش	۲۲۸
۳۰	وقال الذین لا یرجون لقاء نا لولا انزل علینا الملئکة او نری ربنا (۳۴-۲۱)	۲۲۹
۳۱	ایمان لانے کو فرشتوں کے نزول اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر معلق کرنے کا جواب	۲۳۱
۳۲	حجرا محجورا کے دو محمل	۲۳۱
۳۳	هباء منثورا کا معنی	۲۳۲
۳۴	قیامت کا دن جو پچاس ہزار سال کا ہو گا وہ مومنوں پر کتنا طویل ہوگا؟	۲۳۳
۳۵	قیامت کے احوال	۲۳۴
۳۶	عقبہ بن ابی معیط کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنا اور اس کی دنیا اور آخرت میں سزا	۲۳۴
۳۷	کیسے شخص کو دوست بنایا جائے؟	۲۳۶
۳۸	مهجور کا معنی	۲۳۶
۳۹	قرآن مجید کو تدریجاً نازل کرنے کی وجوہ	۲۳۷
۴۰	ولقد اتینا موسی الکتاب وجعلنا معه اخاه هرون وزیرا (۴۴-۳۵)	۲۳۹
۴۱	فرعون کی طرف صرف حضرت موسیٰ کو جانے کا حکم دیا تھا یا ان کے بھائی حضرت ہارون کو بھی؟	۲۴۰
۴۲	حضرت نوح کی قوم نے صرف حضرت نوح کی تکذیب کی تھی پھر یہ کیوں فرمایا کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی؟	۲۴۱
۴۳	"الرّس" کا معنی	۲۴۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۴	اصحاب الرّس کی تفسیر اوران کے مصداق کے متعلق متعدد اقوال	۲۴۲
۴۵	قریش کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑانا اور آپ کو اذیت پہنچانا	۲۴۳
۴۶	اپنی خواہش کے پرستاروں کے مصادیق	۲۴۴
۴۷	کفار سے سننے اور عقل کی نفی کی توجیہ	۲۴۴
۴۸	کفار کا چوپایوں سے زیادہ گمراہ ہونا	۲۴۵
۴۹	الم تر الی ربک کیف مد الظل ج ولو شاء لجعله ساکنا ج (۶۰-۴۵)	۲۴۵
۵۰	ظل اور فیء کا معنی	۲۴۸
۵۱	کفر کے اندھیروں کا ختم ہونا اور ایمان کے سورج کا طلوع ہونا	۲۴۸
۵۲	طہور کا معنی اور اس کا مصداق	۲۴۹
۵۳	کسی نجس چیز کے گرنے سے اگر پانی میں نجاست کی بو اس کا رنگ یا اس کا ذائقہ آ جائے تو پانی طہور نہیں رہے گا	۲۴۹
۵۴	دہ دردہ (۱۰×۱۰) کی مقدار میں پانی کا طہور ہونا	۲۵۰
۵۵	قُلتین کی مقدار میں پانی کا طہور ہونا	۲۵۰
۵۶	جاری پانی کا طہور ہونا	۲۵۱
۵۷	مختلف علاقوں میں بارش نازل فرمانے کے متعلق احادیث	۲۵۲
۵۸	بارش کے نظام میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلیل	۲۵۲
۵۹	جہاد کبیر کا معنی	۲۵۲
۶۰	مرج اور حجراً محجوراً کا معنی	۲۵۳
۶۱	پانی اور بشر کی تفسیر	۲۵۳
۶۲	نسب کا معنی اور اس کی تحقیق	۲۵۴
۶۳	صِہر کا معنی اور اس کی تحقیق	۲۵۴
۶۴	اصہار (سسرالی رشتہ داروں) کے مصادیق	۲۵۵
۶۵	نکاح سے حرمتِ مصاہرت کا متفق علیہ ہونا اور زنا سے حرمتِ مصاہرت کا متفق علیہ نہ ہونا	۲۵۵
۶۶	زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہونے پر فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے دلائل اور ان کے جوابات	۲۵۵
۶۷	امام شافعی کا یہ اعتراض کہ زنا گناہ ہے اور وہ صہر کی نعمت کے حصول کا سبب نہیں بن سکتا!	۲۵۶
۶۸	زنا سے حرمتِ مصاہرت کے ثبوت میں فقہاء احناف اور فقہاء حنبلیہ کے دلائل	۲۵۸
۶۹	زنا سے حرمتِ مصاہرت کے ثبوت میں احادیث اور آثار	۲۵۸
۷۰	زنا سے حرمتِ مصاہرت کے ثبوت میں فقہاء حنبلیہ کا موقف	۲۶۰
۷۱	تبرک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیھا سراجا وقمرا منیرا (۷۷-۶۱)	۲۶۱
۷۲	بروج کے لغوی اور عرفی معنی	۲۶۴
۷۳	رات کی کوئی عبادت قضاء ہو جائے تو اس کو دن میں ادا کر لیا جائے اسی طرح بالعکس	۲۶۴
۷۴	قرآن اور حدیث سے رات کو اُٹھ کر عبادت کرنے کی فضیلت	۲۶۵
۷۵	زمین پر وقار کے ساتھ چلنے اور جاہلوں سے بحث نہ کرنے کا حکم	۲۶۶
۷۶	فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا تمام رات قیام کرنے کی مثل ہے	۲۶۷
۷۷	غراماً کا معنی	۲۶۸
۷۸	اسراف کا معنی	۲۶۸
۷۹	اقتار کا معنی	۲۶۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸۰	ان لوگوں کا مصداق جو فضول خرچ اور بخل نہیں کرتے	۲۷۰
۸۱	اسلام میں اچھے کھانوں اور اچھے لباس پر پابندی نہیں ہے	۲۷۰
۸۲	میانہ روی کی اسلام میں تاکید	۲۷۱
۸۳	حضرت وحشی کا قبول اسلام	۲۷۲
۸۴	اللہ تعالیٰ کا گناہوں کے بدلہ میں نیکیاں عطا فرمانا	۲۷۴
۸۵	دوبار توبہ کرنے والوں کے ذکر کا فائدہ	۲۷۴
۸۶	زور اور لغو کا معنی	۲۷۵
۸۷	قرآن مجید کو غفلت اور بے پرواہی سے سننے کی مذمت	۲۷۵
۸۸	مال اور اولاد میں کثرت کی دعا کا جواز	۲۷۵
۸۹	اپنی اولاد کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک دنیا میں مطلوب ہے یا آخرت میں؟	۲۷۷
۹۰	متقین کا امام بننے کی دعا کریں یا ان کا مقتدی بننے کی؟	۲۷۸
۹۱	رحمان کے مقبول بندوں کی جزاء	۲۷۸
۹۲	رحمان کے مردود بندوں کی سزا	۲۷۹
۹۳	سورۃ الفرقان کے اختتامی کلمات	۲۷۹
	سورۃ الشعراء	۲۸۱
۱	سورت کا نام اور وجہ تسمیہ	۲۸۳
۲	سورۃ الفرقان سے سورۃ الشعراء کی مناسبت	۲۸۳
۳	سورۃ الشعراء کے مقاصد اور مسائل	۲۸۴
۴	سورۃ الشعراء کی فضیلت	۲۸۵
۵	طسٓمٓ ○ تلک ایت الکتب المبین○ (۹-۱)	۲۸۶
۶	طسٓمٓ کے محامل	۲۸۷
۷	الکتاب المبین کا معنی	۲۸۷
۸	کفار کے ایمان نہ لانے سے شدت غم میں گھلنے سے آپ کو منع فرمانا	۲۸۸
۹	اختیاری ایمان اور اختیاری اطاعت کا مطلوب ہونا اور جبری ایمان اور جبری اطاعت کا نامطلوب ہونا	۲۸۸
۱۰	کفار کا بتدریج سرکشی میں بڑھنا	۲۸۹
۱۱	زوج کریم کا معنی	۲۹۰
۱۲	واذ نادی ربک موسی ان ائت القوم الظلمین (۳۳-۱۰)	۲۹۰
۱۳	گزشتہ رسولوں کے واقعات سنا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا	۲۹۳
۱۴	سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنانے کی حکمت	۲۹۳
۱۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کا زیادہ قوی ہونا	۲۹۳
۱۶	حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے رسالت کا سوال کرنے کی توجیہ	۲۹۴
۱۷	حضرت موسیٰ نے اپنے بجائے حضرت ہارون کی رسالت کا سوال کیا تھا یا اپنی مدد کے لئے؟	۲۹۴
۱۸	حضرت موسیٰ کی طرف ذنب کی نسبت کی توجیہ	۲۹۶
۱۹	فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ناشکری کا الزام لگانا	۲۹۶
۲۰	حضرت موسیٰ کا ناشکری کے الزام کا جواب دینا	۲۹۷
۲۱	علم کے کمال کے بعد منصب نبوت عطا فرمانا	۲۹۷
۲۲	فرعون کے اس احسان کا جواب کہ اس نے حضرت موسیٰ کی پرورش کی تھی	۲۹۸
۲۳	کافر اگر کسی کے ساتھ نیکی کرے تو آیا وہ شکر کا مستحق ہے یا نہیں؟	۲۹۸
۲۴	اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے متعلق موسیٰ اور فرعون کا مباحثہ	۳۰۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۵	آیا فرعون موحد تھا' مشرک تھا یا دہریہ تھا؟	۳۰۱
۲۶	اللہ تعالیٰ کے واجب' قدیم اور واحد ہونے کے دلائل کی مزید وضاحت	۳۰۳
۲۷	مباحثہ میں اشتعال میں نہ آنا اور مخاطب کے فہم کے لحاظ سے دلائل کے اسالیب کو تبدیل کرنا	۳۰۴
۲۸	ثعبان' حیہ اور جآن کے معنی	۳۰۵
۲۹	قال للملا حوله ان هذا لسحر علیم ○ (۳۴-۵۱)	۳۰۵
۳۰	فرعون کا حضرت موسیٰ سے مرعوبیت اور ان کے برحق ہونے کے تاثر کو زائل کرنا	۳۰۷
۳۱	فرعون اور اس کے حواریوں کی اپنی کامیابی کے متعلق خوش فہمی	۳۰۸
۳۲	اس کی توجیہات کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو پہلے لاٹھیاں اور رسیاں ڈالنے کا حکم دیا	۳۰۹
۳۳	غیر اللہ کی قسم کھانے کا ممنوع ہونا	۳۰۹
۳۴	سانپوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوفزدہ ہونے کی توجیہات	۳۰۹
۳۵	بعض علماء کا سحر کو صرف تخییل اور مسمریزم قرار دینا اور واقع میں اس کی حقیقت کا انکار کرنا	۳۱۰
۳۶	سحر کا لغوی اور شرعی معنی	۳۱۱
۳۷	سحر اور کرامت میں فرق	۳۱۳
۳۸	سحر کے واقع ہونے کے دلائل	۳۱۳
۳۹	سحر کی اقسام اور اس کے وقوع میں مذاہب	۳۱۵
۴۰	فرعون کے ساحروں کا ایمان لانا	۳۱۶
۴۱	فرعون کا اپنے عوام کو حضرت موسیٰ سے متنفر کرنے کے لیے جادوگروں پر الزام تراشی کرنا	۳۱۷
۴۲	صلیب کا معنی	۳۱۷
۴۳	اہل معرفت پر مصائب کا آسان ہونا' اور مصائب برداشت کرنے پر انہیں مراتب سے نوازنا	۳۱۸
۴۴	جادوگروں کا اول المؤمنین ہونا	۳۱۹
۴۵	واوحینا الی موسی ان اسر بعبادی انکم متبعون (۵۲-۶۸)	۳۲۰
۴۶	بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی اور فرعون کا تعاقب	۳۲۰
۴۷	شرذمه اور حذرون کے معنی	۳۲۰
۴۸	بنی اسرائیل کو کس سرزمین کا وارث بنایا گیا تھا؟	۳۲۲
۴۹	ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت	۳۲۳
۵۰	سمندر پر عصا مارنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات	۳۲۴
۵۱	فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والوں کا بیان	۳۲۵
۵۲	واتل علیهم نبا ابراهیم ○ اذ قال لابیه وقومه ما تعبدون ○ (۶۹-۱۰۴)	۳۲۷
۵۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ	۳۲۹
۵۴	قوم کا معنی اور مصداق	۳۲۹
۵۵	صنم کا معنی	۳۳۲
۵۶	بتوں کی عبادت کا رد فرمانا	۳۳۳
۵۷	بتوں کو دشمن فرمانے کی توجیہ	۳۳۴
۵۸	بتوں کو کفار کا دشمن کہنے کے بجائے اپنا دشمن کہنے کی توجیہ	۳۳۴
۵۹	پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر کرنا پھر اس کی پرورش کی نعمت کا ذکر کرنا	۳۳۵
۶۰	کھلانے پلانے کی نعمت میں لپٹی ہوئی بے شمار نعمتیں	۳۳۵
۶۱	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے کے اسرار	۳۳۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۲	عام لوگوں کی بیماری کے اسباب	۳۳۷
۶۳	نبی علیہ السلام اور نیک لوگوں کی بیماری کے اسباب	۳۳۸
۶۴	عیب کی نسبت اپنی طرف اور حسن کی نسبت اللہ کی طرف کرنا	۳۳۹
۶۵	مرض اور شفاء کے متعلق عارفین کے اقوال	۳۳۹
۶۶	دوا اور علاج کے متعلق احادیث	۳۴۰
۶۷	پرہیز کے متعلق احادیث	۳۴۲
۶۸	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے حق میں موت کا نعمت ہونا	۳۴۲
۶۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خطا کا ذکر کر کے مغفرت طلب کی' اس کی توجیہات	۳۴۳
۷۰	حضرت ابراہیم نے کہا ''میرے لئے میری خطا معاف فرما'' اس کی توجیہات	۳۴۶
۷۱	دوسرے نبیوں کو مانگنے سے عطا کرنا اور ہمارے نبی کو بے مانگے عطا فرمانا	۳۴۷
۷۲	ذنب کا ترجمہ گناہ کرنے کے متعلق مصنف کا موقف	۳۴۸
۷۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا پہلا مطلوب اور حکم کا معنی	۳۴۹
۷۴	بعد والوں کی ثنا کے حصول کی دعا کی توجیہات	۳۵۰
۷۵	جنت کی دعا کا مطلوب ہونا اور شہر مدینہ سے جنت کا زیادہ محبوب ہونا	۳۵۱
۷۶	حضرت ابراہیم کی آزر کے لیے دعا کی توجیہات	۳۵۱
۷۷	قیامت کے دن حضرت ابراہیم کی آزر سے ملاقات کے متعلق احادیث	۳۵۲
۷۸	قیامت کے دن آزر کی شفاعت کرنے پر اشکال اور اس کے جوابات	۳۵۳
۷۹	آزر کو دوزخ میں ڈالنے پر خلف وعد اور خلف وعید کے اعتراض کا جواب	۳۵۴
۸۰	وضو کے بعد حضرت ابراہیم کی اس دعا کو پڑھنے کا ثواب	۳۵۴
۸۱	قیامت کے دن پردہ رکھنے کی دعا کی تلقین	۳۵۵
۸۲	آخرت میں مسلمانوں کے مال کی نفع رسانی	۳۵۶
۸۳	آخرت میں مسلمانوں کی اولاد کی نفع رسانی	۳۵۷
۸۴	قلب سلیم کی تعریف' اس کی علامات اور اس کا مصداق	۳۵۸
۸۵	جنت اور دوزخ کی صفات	۳۶۰
۸۶	جنت اور دوزخ کس جگہ پر واقع ہے؟	۳۶۱
۸۷	مشرکین' ان کے باطل معبودوں اور ان کی عبادت کی ترغیب دینے والوں کی دوزخ میں حالت زار	۳۶۲
۸۸	دوزخ میں مشرکین اور بتوں کا ایک دوسرے کو مطعون کرنا	۳۶۳
۸۹	صدیق اور حمیم کا معنی	۳۶۴
۹۰	مومنوں کی مغفرت اور اس پر کفار کی حسرت کے متعلق احادیث	۳۶۴
۹۱	مومنوں کے دوستوں کا قیامت کے دن کام آنا اور کفار کا اس نعمت سے محروم ہونا	۳۶۵
۹۲	مصائب میں گھر کر انسان کا اللہ کی طرف رجوع کرنا اور مصائب دور ہونے کے بعد پھر غافل ہو جانا	۳۶۶
۹۳	اللہ تعالیٰ کا رحیم ہونا	۳۶۷
۹۴	کذبت قوم نوح ن المرسلین ○ اذ قال لهم اخوهم نوح الا تتقون. (۱۰۵-۱۲۲)	۳۶۸
۹۵	ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے	۳۷۰
۹۶	حضرت نوح کو بھائی کہنے کی توجیہ اور ان کی نبوت	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	پر دلیل	۳۷۰
۹۷	مواعظ اور خطابات پر اجرت لینے کا جواز	۳۷۱
۹۸	جن نیک لوگوں کو معاشرے میں پست اور بے وقعت سمجھا جاتا ہے اللہ کے نزدیک وہی عزت والے ہیں	۳۷۳
۹۹	احکام شرعیہ ظاہر پر مبنی ہیں اور باطن اللہ کے سپرد ہے	۳۷۴
۱۰۰	امیر کافروں کی خوشنودی کے لیے غریب مسلمانوں کو نہ اٹھایا جائے	۳۷۵
۱۰۱	حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے خلاف دعا کی توجیہ	۳۷۶
۱۰۲	قصہ نوح کے بعض اسرار	۳۷۷
۱۰۳	جاہل پیروں کی بیعت کا حرام ہونا	۳۷۷
۱۰۴	کذبت عاد المرسلین ○ اذ قال لھم اخوھم ھود الا تتقون (۱۴۰-۱۲۳)	۳۷۹
۱۰۵	قوم عاد کا مختصر تعارف	۳۸۰
۱۰۶	قوم عاد کے عبث لھو ولعب کے متعلق اقوال	۳۸۱
۱۰۷	لھو ولعب اور کبوتر بازی کے متعلق احادیث	۳۸۲
۱۰۸	محدثین کے نزدیک لھو کی تعریف	۳۸۳
۱۰۹	جسمانی صحت کے حصول کے لیے جائز کھیلوں اور ورزشوں کا جواز	۳۸۴
۱۱۰	لھو باطل (غیر شرعی شغل) کے نقصانات	۳۸۵
۱۱۱	لھو باطل اور کبوتر بازی کے متعلق فقہاء کی تصریحات	۳۸۵
۱۱۲	جن کاموں سے انسان فاسق ہو جاتا ہے اس کی شہادت قابل قبول نہیں ہوتی	۳۸۶
۱۱۳	ہمارے زمانہ کے بناوٹی صوفیاء کا سماع، رقص اور دھمال کرنا	۳۸۷
۱۱۴	پرندوں اور جانوروں کو پالنے کے متعلق احادیث	۳۸۹
۱۱۵	موذی جانورات اور حشرات الارض کو قتل کرنے کے متعلق احادیث	۳۸۹
۱۱۶	پرندوں اور جانوروں کو پالنے اور موذی جانوروں کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء کی عبارات	۳۹۰
۱۱۷	متعدد منزلہ بلڈنگیں اور خوبصورت عمارات، پلازہ اور شاپنگ سنٹر بنانے کا شرعی حکم	۳۹۰
۱۱۸	کسی کو تادیب اور سرزنش کے لئے زیادہ سزا نہ دی جائے اور دس ڈنڈیوں سے زیادہ نہ مارا جائے	۳۹۲
۱۱۹	قید کرنے اور مالی جرمانے کی سزائیں	۳۹۴
۱۲۰	اگر بروقت حکام سے رابطہ نہ ہو سکے تو مسلمان از خود ظلم اور برائی کو مٹائے	۳۹۵
۱۲۱	نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی فرضیت	۳۹۶
۱۲۲	ناگزیر حالات کے سوا نیکی کے حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ترک نہ کیا جائے	۳۹۷
۱۲۳	اگر برائی اور ظلم کو روکنا ناگزیر ہو تو مسلمان از خود کارروائی کریں	۳۹۷
۱۲۴	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے خود نیک ہونا ضروری نہیں ہے	۳۹۸
۱۲۵	ہتھیاروں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فتنہ کہنے کا بطلان	۳۹۹
۱۲۶	کسی شخص سے محبت کی وجہ سے امر بالمعروف کو ترک نہ کیا جائے	۳۹۹
۱۲۷	امر بالمعروف میں ملائمت کو اختیار کیا جائے	۳۹۹
۱۲۸	قوم ھود کا تکبر اور اس کا ہلاک ہونا	۴۰۰
۱۲۹	کذبت ثمود المرسلین ○ اذ قال لھم اخوھم صلح الا تتقون (۱۵۹-۱۴۱)	۴۰۱
۱۳۰	قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجنا	۴۰۲
۱۳۱	مشکل الفاظ کے معانی	۴۰۳
۱۳۲	جسمانی اور روحانی لذتیں	۴۰۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۳۳	فساد اور شر کی دو قسمیں	۴۰۳
۱۳۴	حضرت صالح علیہ السلام سے دلیل کا مطالبہ	۴۰۴
۱۳۵	حضرت صالح کا چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھانا	۴۰۴
۱۳۶	قوم ثمود کا اونٹنی کو قتل کرنا اور ان کا عذاب سے ہلاک ہونا	۴۰۵
۱۳۷	قوم ثمود کے نادم ہونے کے باوجود عذاب آنے کی توجیہ	۴۰۶
۱۳۸	اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور اس کے قہر و غلبہ کے آثار اور تقاضے	۴۰۷
۱۳۹	کذبت قوم لوط ن المرسلین ○ (۱۶۰-۱۷۵)	۴۰۸
۱۴۰	حضرت لوط علیہ السلام کی اہل سدوم کی طرف بعثت	۴۰۹
۱۴۱	جنسی اعضاء اور جنسی عمل کا ذکر اشارہ اور کنایہ سے کرنے کی تلقین	۴۱۰
۱۴۲	عورتوں سے عمل معکوس کرنے کی ممانعت	۴۱۱
۱۴۳	عمل قوم لوط کی سزا	۴۱۲
۱۴۴	قوم لوط کی بُری خصلتیں	۴۱۳
۱۴۵	حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی زبان درازی اور عذاب کا مستحق ہونا	۴۱۳
۱۴۶	حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت اور اس کا عذاب	۴۱۳
۱۴۷	حدود کے نفاذ کا رحمت ہونا	۴۱۵
۱۴۸	کذب اصحب لئیکة المرسلین ○ (۱۷۶-۱۹۱)	۴۱۶
۱۴۹	حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ	۴۱۸
۱۵۰	حضرت شعیب علیہ السلام کا مقام بعثت	۴۲۰
۱۵۱	اہل مدین اور اصحاب الایکہ	۴۲۱
۱۵۲	قسطاس کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۴۲۱
۱۵۳	قسطاس (عدل کرنے) کے متعلق احادیث	۴۲۲
۱۵۴	قسطاس (عدل کرنے) کے متعلق آثار	۴۲۳
۱۵۵	عدل کے متعلق اقوال علماء	۴۲۴
۱۵۶	عدل عقلی اور عدل شرعی	۴۲۵
۱۵۷	عدل اور احسان	۴۲۵
۱۵۸	عدل اور انصاف کے فوائد	۴۲۶
۱۵۹	فساد کی دو قسمیں	۴۲۷
۱۶۰	جبلّت کا معنی	۴۲۷
۱۶۱	طبیعت، خصلت، خلق اور عادت کا فرق	۴۲۷
۱۶۲	جبلّت کے متعلق احادیث	۴۲۸
۱۶۳	حسنِ اخلاق کے متعلق احادیث	۴۲۹
۱۶۴	وہ افعال جو حسنِ اخلاق کا مصداق ہیں اور نبی علیہ السلام کے اخلاقِ حسنہ	۴۳۰
۱۶۵	خصلت اور عادت کا معنی اور آیا عادت کا بدلنا ممکن ہے یا نہیں؟	۴۳۴
۱۶۶	اصحاب لئیکة کا اپنے انکار پر اصرار اور ان پر عذاب کا نازل ہونا	۴۳۶
۱۶۷	سورۃ الشعراء میں انبیاء علیہم السلام کے قصص کی تنقیح	۴۳۷
۱۶۸	مستقبل میں عذاب سے نجات کا مدار	۴۳۷
۱۶۹	وانہ لتنزیل رب العالمین ○ نزل بہ الروح الامین (۱۹۲-۲۲۷)	۴۳۸
۱۷۰	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل	۴۴۰
۱۷۱	حضرت جبرئیل علیہ السلام کو روح الامین کہنے کی وجہ	۴۴۱
۱۷۲	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر قرآن مجید کو نازل کرنے کی کیفیت	۴۴۱
۱۷۳	حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قرآن مجید کے علاوہ دیگر احکام کے متعلق بھی آپ پر وحی نازل کی ہے	۴۴۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۷۴	قرآن مجید کے عربی زبان میں ہونے کی تحقیق اور غیر عربی الفاظ کا جواب	۴۴۶
۱۷۵	عربی زبان کی فضیلت	۴۴۷
۱۷۶	عربی زبان کی تاریخ	۴۴۷
۱۷۷	سابقہ آسمانی کتابوں میں قرآن مجید کے مذکور ہونے کے محامل	۴۴۸
۱۷۸	آیا قرآن مجید کو غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟	۴۴۹
۱۷۹	غیر عربی میں قرآن مجید پڑھنے کی مزید تحقیق	۴۴۹
۱۸۰	آیا ترجمۂ قرآن پر قرآن مجید کا اطلاق ہوسکتا ہے یانہیں؟	۴۵۰
۱۸۱	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل	۴۵۱
۱۸۲	کفارِ مکہ کا عناد اور ہٹ دھرمی	۴۵۲
۱۸۳	کفار کی ہٹ دھرمیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا	۴۵۳
۱۸۴	اللہ کے عذاب کو جلد طلب کرنے کی مذمت	۴۵۴
۱۸۵	اس فانی زندگی پر مغرور نہ ہونے کی تلقین	۴۵۴
۱۸۶	جرم کے بغیر بھی عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے	۴۵۵
۱۸۷	انسان کو خیر اور شر کا اختیار عطا فرمانا	۴۵۶
۱۸۸	اس پر دلائل کہ شیاطین قرآن کو نازل نہیں کر سکتے	۴۵۷
۱۸۹	شیاطین فرشتوں کا کلام نہیں سن سکتے اس کی توجیہ اور بحث ونظر	۴۵۸
۱۹۰	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر اللہ کی عبادت سے ممانعت کی توجیہ	۴۵۹
۱۹۱	عشیرۃ کا معنی اور صلہ رحم میں الاقرب فالاقرب کی ترجیح	۴۶۰
۱۹۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے قرابت داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا	۴۶۱
۱۹۳	رحم کی تراوٹ سے فائدہ پہنچانا	۴۶۲
۱۹۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر خاص و عام کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا	۴۶۲
۱۹۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اقربین کی دعوت کر کے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا	۴۶۳
۱۹۶	اہل بیت اور اپنے دیگر قرابت داروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخرت میں نفع پہنچانا	۴۶۴
۱۹۷	نفع رسانی کی بظاہر نفی کی روایات کی توجیہ	۴۶۵
۱۹۸	اس پر دلیل کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفع اور ضرر کی نفی ذاتی نفع اور ضرر پر محمول ہے	۴۶۶
۱۹۹	نسب پر اعتماد کرنے کے بجائے عمل کی کوشش کی جائے	۴۶۷
۲۰۰	خطا کاروں کے لیے استغفار اور منکروں سے برأت	۴۶۷
۲۰۱	اللہ تعالیٰ کے غالب اور رحیم ہونے کا معنی	۴۶۸
۲۰۲	توکل کی تحقیق	۴۶۸
۲۰۳	حق توکل کا معنی	۴۶۹
۲۰۴	آیا اسباب کو ترک کرنا توکل میں داخل ہے یا نہیں؟	۴۶۹
۲۰۵	توکل کی تعریف میں صوفیاء کے اقوال	۴۷۰
۲۰۶	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب کی عبادات کی تفتیش کرنا	۴۷۱
۲۰۷	تہجد کی نماز کی فضیلت اور اہمیت	۴۷۲
۲۰۸	انبیاء علیہم السلام کے ذنوب کی توجیہ اور بندہ کے شکر اور اللہ کے شکر کا معنی	۴۷۳
۲۰۹	قرآن مجید میں مذکور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنب کا ترجمہ گناہ کرنے کی تحقیق	۴۷۴
۲۱۰	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ قیام اور ساجدین میں دیکھنے کے دیگر محامل	۴۷۶
۲۱۱	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اَبوین کریمین (والدین	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	کریمین) کے ایمان کے ثبوت میں احادیث	۴۷۷
۲۱۲	والدین کریمین کے ایمان پر امام فخر الدین رازی کے دلائل	۴۸۰
۲۱۳	والدین کریمین کے ایمان پر علامہ قرطبی کے دلائل	۴۸۱
۲۱۴	والدین کریمین کے ایمان پر علامہ سہیلی کے دلائل	۴۸۳
۲۱۵	والدین کریمین کے ایمان پر علامہ اُبی مالکی کے دلائل	۴۸۳
۲۱۶	والدین کریمین کے ایمان کے ثبوت میں حافظ سیوطی کے دلائل	۴۸۳
۲۱۷	المقامة السندسية في النسبة المصطفويه کا خلاصہ (آپ کے والدین کو زندہ کرنا اوران کا ایمان لانا)	۴۸۵
۲۱۸	آپ کے والدین کریمین کا اہل فترت سے ہونا اور غیر معذب ہونا	۴۸۵
۲۱۹	آپ کے والدین کا مومن ہونا اور آپ کے نسب کی طہارت پر حضرت عباس کے اشعار	۴۸۶
۲۲۰	تنزيه الانبياء عن تشبيه الاغبياء کا خلاصہ (آپ کی تعظیم آپ کے والدین کے ایمان کو مستلزم ہے)	۴۸۷
۲۲۱	السبيل الجليله في الاباء العليه کا خلاصہ	۴۸۸
۲۲۲	آپ کے والدین کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی سو وہ غیر معذب ہیں	۴۸۸
۲۲۳	آپ کے والدین اصحاب فترت سے ہیں اس لئے نجات یافتہ ہیں	۴۸۸
۲۲۴	آپ کے والدین کو زندہ کرنا اوران کا ایمان لانا اور اس کے مخالف احادیث کی تاویل	۴۸۹
۲۲۵	آپ کے والدین ملتِ ابراہیم پر تھے	۴۸۹
۲۲۶	مسالک الحنفاء في والدي المصطفیٰ (مسلک اوّل آپ کے والدین کا اصحاب فترت سے ہونا)	۴۹۰
۲۲۷	مسلک ثانی آپ کے والدین کا دین ابراہیم پر ہونا	۴۹۰
۲۲۸	آپ کے تمام آباء کے مومن ہونے کے متعلق احادیث	۴۹۰
۲۲۹	زمین کبھی مومنوں سے خالی نہیں رہی اس کے متعلق احادیث	۴۹۲
۲۳۰	اولاد ابراہیم کے ایمان پر قائم رہنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۴۹۳
۲۳۱	حضرت عبدالمطلب کے ایمان کی بحث	۴۹۴
۲۳۲	نشر العلمين المنيفين في احياء الابوين الشريفين کا خلاصہ (والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث کی تقویت اور ترجیح کی وجوہ)	۴۹۶
۲۳۳	والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث کی سند کی تحقیق	۴۹۷
۲۳۴	الدرج المنيفه في الاباء الشريفه کا خلاصہ	۴۹۸
۲۳۵	التعظيم والمنه في ان ابوى رسول الله في الجنة کا خلاصہ (والدین کریمین کو قبر میں زندہ کرنے کے متعلق پہلی حدیث)	۴۹۹
۲۳۶	اس حدیث کے متن پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات	۵۰۰
۲۳۷	اس حدیث کی سند پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات	۵۰۱
۲۳۸	محمد بن حسن بن زیاد نقاش پر ابن جوزی کی جرح کا جواب حافظ ذہبی سے	۵۰۱
۲۳۹	محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ پر جرح کا جواب حافظ ذہبی اور حافظ عسقلانی سے	۵۰۱
۲۴۰	والدین کریمین کو زندہ کر کے ایمان لانے کی	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	حدیث میں حفاظ حدیث کا اختلاف	۵۰۲
۲۴۱	اصحاب کہف کو زندہ کیے جانے سے والدین کریمین کو زندہ کئے جانے پر استدلال	۵۰۳
۲۴۲	والدین کریمین کو زندہ کیے جانے اور اس کے خلاف احادیث میں تطبیق	۵۰۳
۲۴۳	حضرت آمنہ کے موحدہ ہونے پر دلیل	۵۰۴
۲۴۴	جب حضرت آمنہ مومنہ تھیں تو آپ کو ان کے لیے استغفار کی اجازت کیوں نہیں ملی اور آپ نے ان کو دوزخی کیوں فرمایا؟	۵۰۴
۲۴۵	تمام انبیاء کی امہات کے ایمان سے حضرت آمنہ کے ایمان پر استدلال	۵۰۵
۲۴۶	ابولہب کے عذاب میں تخفیف سے حضرت آمنہ کے غیر معذب ہونے پر استدلال	۵۰۶
۲۴۷	ابوین کریمین کے معذب ہونے کی احادیث کے منسوخ ہونے کی نظائر اور اطفال مشرکین کے ایمان سے استدلال	۵۰۶
۲۴۸	زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیم پر قائم رہنے والے دوسرے لوگ	۵۰۷
۲۴۹	والدین کریمین کے ایمان کی نفی پر ملا علی قاری کے دلائل	۵۰۸
۲۵۰	ملا علی قاری کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ	۵۰۹
۲۵۱	ملا علی قاری کے افکار پر ان کے استاد ابن حجر مکی کا تبصرہ	۵۱۰
۲۵۲	ملا علی قاری پر علامہ آلوسی کا تبصرہ	۵۱۰
۲۵۳	دلائل اور وجوہات جن کی بناء پر قرآن مجید شیطان کا نازل کیا ہوا نہیں ہے	۵۱۱
۲۵۴	افاک اور اثیم کے معنی	۵۱۲
۲۵۵	کاہن کا معنی' کاہن کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح	۵۱۳
۲۵۶	کاہنوں کی اقسام	۵۱۳
۲۵۷	نجومیوں سے سوال کی ممانعت	۵۱۴
۲۵۸	شہاب ثاقب کے متعلق حدیث اور اس کی تشریح	۵۱۵
۲۵۹	ستاروں کی تاثیر کی نفی کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح	۵۱۶
۲۶۰	علم نجوم کا لغوی معنی	۵۱۷
۲۶۱	علم نجوم کے اصول اور مبادی	۵۱۷
۲۶۲	علم نجوم کا اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم	۵۱۸
۲۶۳	علم نجوم کے متعلق فقہاء اسلام کی آرا (امام غزالی' امام بخاری' علامہ سیوطی' ملا علی قاری' علامہ شامی' امام احمد رضا' علامہ امجد علی' مفتی احمد یار خاں' مفتی وقار الدین اور شیخ ابن تیمیہ وغیرہم کے آراء)	۵۱۹
۲۶۴	اخباروں میں شائع ہونے والی نجومیوں کی پیش گوئیوں اور غیب کی خبروں پر مصنف کا تبصرہ	۵۲۶
۲۶۵	جفر کا لغوی معنی	۵۲۷
۲۶۶	جفر کا اصطلاحی معنی	۵۲۷
۲۶۷	علم جفر کا تفصیلی تعارف	۵۲۸
۲۶۸	علم جفر کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء (اعلیٰ حضرت' مولانا وقار الدین اور شیخ ابن تیمیہ کی آراء)	۵۳۰
۲۶۹	علم جفر کی بنیاد پر اخبارات و رسائل میں غیب کی خبروں اور پیش گوئیوں پر مصنف کا تبصرہ	۵۳۲
۲۷۰	حساب و کتاب اور سائنسی آلات کے ذریعہ پیش گوئیوں کا شرعی حکم	۵۳۲
۲۷۱	چاند نظر آنے کی سائنسی اور تکنیکی وجوہ	۵۳۴
۲۷۲	شعر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور شعر کی تاریخ	۵۳۶
۲۷۳	نیک لوگوں کی پیروی کرنے سے آپ کی نبوت	

نمبرشار	عنوان	صفحہ
	کے برحق ہونے پر استدلال	۵۳۷
۲۷۴	شعراء کا ہر وادی میں بھٹکتے پھرنا	۵۳۷
۲۷۵	اشعار کی مذمت میں احادیث اور ان کا محمل	۵۳۸
۲۷۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لینے کے لئے کفار کی ہجو کرنا	۵۳۹
۲۷۷	اشعار کی فضیلت میں احادیث	۵۴۱
۲۷۸	حکیمانہ اشعار کا معدن ومنبع	۵۴۳
۲۷۹	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعار نہ کہنے کا سبب	۵۴۳
۲۸۰	اختتام سورت	۵۴۳
	سورۃ النمل	۵۴۵
۱	سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ	۵۴۷
۲	سورۃ النمل اور سورۃ الشعراء کی باہمی مناسبت	۵۴۷
۳	سورۃ النمل کے مضامین اور مقاصد	۵۴۷
۴	طٰس تلک ایت القران وکتاب مبین○ (۱۴-۱)	۵۴۹
۵	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے معانی	۵۵۰
۶	طاسین کے اسرار	۵۵۱
۷	اس سورت کو قرآن اور کتاب مبین فرمانے کی وجہ	۵۵۱
۸	ہدایت اور بشارت کو مومنین کے ساتھ مخصوص کرنے کی توجیہات	۵۵۱
۹	اس سوال کا جواب کہ ایمان والوں کے ذکر کے بعد آخرت پر یقین رکھنے والوں کا ذکر کیوں فرمایا	۵۵۲
۱۰	زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی پھر مکی سورت میں اس کے ذکر کی توجیہ	۵۵۳
۱۱	جب کفریہ کاموں کو اللہ تعالیٰ نے مزین فرمایا ہے تو پھر اس کی مذمت کیوں کی جاتی ہے؟	۵۵۴
۱۲	دوزخ سے پناہ مانگنے اور جنت کے حصول کی دعا کے متعلق آیات اور احادیث	۵۵۵
۱۳	جنت کی تعریف اور تحسین اور جنت کے مطلوب ہونے پر قرآن اور حدیث میں تصریحات	۵۵۷
۱۴	اللہ کی رضا کا بہت بڑا درجہ ہے	۵۶۱
۱۵	جنت کی تخفیف نہ کی جائے	۵۶۳
۱۶	اس سورت کے قصص انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا قصہ	۵۶۴
۱۷	اھل کا معنی	۵۶۴
۱۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ کو دیکھنا	۵۶۴
۱۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں جو آگ دیکھی وہ اصل میں کیا چیز تھی؟	۵۶۵
۲۰	اللہ کا کلام سننے کی کیفیت	۵۶۷
۲۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے آواز سن کر کیسے یقین کر لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس باب میں امام قمولی کی تحقیق	۵۶۸
۲۲	نبی کیسے جان لیتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے' اس باب میں مصنف کی تحقیق	۵۶۹
۲۳	نبی کو ابتدائے نبوت میں اپنے نبی ہونے کا علم ہوتا ہے یا نہیں' اس باب میں سید مودودی کا نظریہ اور اس پر مصنف کا تبصرہ	۵۷۰
۲۴	حیّہ' جآن اور ثعبان کے معنی اور ان میں تطبیق	۵۷۵
۲۵	رسولوں کے اللہ سے ڈرنے یا نہ ڈرنے کی تحقیق	۵۷۵
۲۶	انبیاء علیہم السلام کا اللہ سے ڈرنا	۵۷۵
۲۷	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ سے ڈرنا	۵۷۶
۲۸	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا	۵۷۷
۲۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا	۵۷۸
۳۰	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا	۵۷۹
۳۱	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا	۵۷۹
۳۲	عصمت کی تحقیق	۵۸۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۳	رسولوں کے اللہ سے نہ ڈرنے کا محمل	۵۸۱
۳۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو گھونسا مار کر ہلاک کر دینا آیا گناہ تھا یا نہیں؟	۵۸۲
۳۵	قبطی کے قتل کو ظلم فرمانے کی تحقیق	
۳۶	عوام اور خواص کے معاصی کا فرق	۵۸۳
۳۷	عصا کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیگر معجزات	۵۸۳
۳۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص اور قمیص میں بٹن لگانے کی تحقیق	۵۸۴
۳۹	دو آیتوں میں تعارض کا جواب	۵۸۶
۴۰	کفار اور مشرکین کو تنبیہ	۵۸۶
۴۱	ولقد اتینا داؤد وسلیمان علما (۱۵-۳۱)	۵۸۷
۴۲	اس سورت میں انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا دوسرا قصہ	۵۸۹
۴۳	حضرت داؤد علیہ السلام کا نام ونسب اور ان کا جالوت کو قتل کرنا	۵۹۰
۴۴	حضرت داؤد علیہ السلام کی بعثت اور ان کی سیرت کے متعلق احادیث اور آثار	۵۹۱
۴۵	حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں کے متعلق احادیث اور آثار	۵۹۲
۴۶	حضرت داؤد علیہ السلام کے شکر کی ادائیگی کا طریقہ	۵۹۳
۴۷	حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی	۵۹۴
۴۸	حضرت داؤد علیہ السلام کی دعائیں	۵۹۴
۴۹	حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر	۵۹۵
۵۰	حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات	۵۹۷
۵۱	حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام ونسب اور انبیاء مبعوثین کی ترتیب	۵۹۸
۵۲	قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر	۵۹۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۳	جہاد کے گھوڑوں کے معائنہ کی مشغولیت کی وجہ سے حضرت سلیمان کی عصر کی نماز کا قضا ہونا	۵۹۹
۵۴	حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد	۶۰۰
۵۵	حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد کے بیان میں مضطرب روایات میں تطبیق	۶۰۰
۵۶	حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق ایک حدیث صحیح پر سید مودودی کے اعتراض کے جوابات	۶۰۱
۵۷	حضرت سلیمان علیہ السلام کی اجتہاد میں اصابت رائے	۶۰۲
۵۸	حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعاتی شہادت سے استدلال	۶۰۳
۵۹	ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے کب اختلاف کر سکتا ہے	۶۰۳
۶۰	حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسا ملک عطا کرنا جو کسی اور کو نہ دیا گیا ہو	۶۰۴
۶۱	حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کرنا	۶۰۴
۶۲	حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات کو مسخر کرنا	۶۰۵
۶۳	حضرت سلیمان علیہ السلام کے معمولات اور ان کے احوال وکوائف کے متعلق احادیث	۶۰۷
۶۴	حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات	۶۰۹
۶۵	حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عظیم علم کے مصداق کے متعلق مفسرین کے اقوال	۶۱۱
۶۶	علم کی فضیلت	۶۱۱
۶۷	جہل کی مذمت	۶۱۲
۶۸	اپنے آپ کو عالم کہنے یا جنتی بننے کی تحقیق	۶۱۵
۶۹	من عرف نفسه فقد عرف ربه کے حدیث ہونے کی تحقیق	۶۱۶
۷۰	من عرف نفسه فقد عرف ربه کے معانی اور محامل	۶۱۷
۷۱	حضرت داؤد علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر	

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
	ادا کرنا	۶۱۹
۷۲	اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں نعمت علم کی خصوصیت	۶۱۹
۷۳	وراثت کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۶۲۰
۷۴	سنی مفسرین کے نزدیک حضرت سلیمان' حضرت داؤد کی نبوت اور علم کے وارث تھے نہ کہ مال کے	۶۲۲
۷۵	شیعہ مفسرین کے نزدیک حضرت سلیمان' حضرت داؤد کے مال کے وارث تھے نہ کہ نبوت وعلم کے	۶۲۳
۷۶	شیعہ مفسرین کے دلائل کے جوابات	۶۲۴
۷۷	علم کا وارث بنانے اور مال کا وارث نہ بنانے کے ثبوت میں روایات ائمۂ اہل سنت	۶۲۶
۷۸	علم کا وارث بنانے اور مال کا وارث نہ بنانے کے ثبوت میں روایات ائمۂ شیعہ	۶۲۶
۷۹	تحدیث نعمت (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرنا)	۶۲۷
۸۰	نطق اور منطق کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۶۲۸
۸۱	طیر کے معانی	۶۲۹
۸۲	چیونٹیوں اور بعض پرندوں سے متعلق احادیث	۶۲۹
۸۳	انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا پرندوں کی باتیں سمجھنا	۶۳۱
۸۴	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حیوانوں کا باتیں کرنا اور آپ کی تعظیم کرنا	۶۳۲
۸۵	حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کی ہر چیز دی جانے کا محمل	۶۳۳
۸۶	سلطان کے متعلق احادیث	۶۳۴
۸۷	حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اور ان کا لشکر	۶۳۵
۸۸	وادی کا معنی	۶۳۶
۸۹	نملة کا معنی	۶۳۷
۹۰	جس چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر سے ڈرایا تھا وہ مذکر تھی یا مونث؟	۶۳۷
۹۱	انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا اور ان کے اصحاب کا محفوظ ہونا	۶۴۰
۹۲	مسافت بعیدہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا چیونٹی کو کیسے شعور ہوا اور آپ نے اس کا کلام کیسے سن لیا؟	۶۴۲
۹۳	تبسم' ضحک اور قہقہہ کے معانی اور وجوہ استعمال	۶۴۳
۹۴	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکرانے اور ہنسنے کے متعلق احادیث	۶۴۴
۹۵	انسان کے والدین کی نعمتوں کا بھی اس کے حق میں نعمت ہونا	۶۴۵
۹۶	ادائیگی شکر کا طریقہ	۶۴۶
۹۷	حضرت سلیمان کا اپنے جد کریم کی اتباع میں جنت اور بعد از وفات ثناء جمیل کی دعا کرنا	۶۴۷
۹۸	انبیاء علیہم السلام اپنے صالح ہونے کی دعا کیوں کرتے تھے؟	۶۴۸
۹۹	شیخ اور امام یا امیر کی معرفت اور اس کی بیعت اور اطاعت کا ضروری ہونا	۶۴۹
۱۰۰	حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا میں ہمارے لئے تنبیہ اور نصیحت	۶۵۰
۱۰۱	حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی گمشدگی کے متعلق جو سوال کیا تھا اس کی وجوہ	۶۵۱
۱۰۲	حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دینا	۶۵۲
۱۰۳	تقدیر کا تدبیر پر غالب آنا	۶۵۲
۱۰۴	تربیت دینے اور ادب سکھانے کے لئے جانوروں کو مارنے اور سزا دینے کا جواز	۶۵۲
۱۰۵	ہدہد کی سزا کے متعلق متعدد اقوال	۶۵۳
۱۰۶	عربی قواعد کے خلاف قرآن مجید کی کتابت کی تحقیق	۶۵۳

نمبرشار	عنوان	صفحہ
۱۰۷	قواعد رسم الخط کے خلاف مصحف میں مذکور الفاظ کی فہرس	۶۵۵
۱۰۸	قواعد رسم الخط کی مخالفت کے جوابات کی تنقیح	۶۵۶
۱۰۹	ہدہد کا ملک سبا کی سیر کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں آنا	۶۵۷
۱۱۰	ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جو اپنے علم کا اظہار کیا اس کی علامہ زمخشری کی طرف سے توجیہ	۶۵۸
۱۱۱	علامہ زمخشری کی توجیہ کا رد اور اس کی صحیح توجیہ	۶۵۹
۱۱۲	انبیاء علیہم السلام کے علم غیب کے متعلق علامہ قرطبی کا نظریہ	۶۶۰
۱۱۳	ملکہ سبا کی تحقیق	۶۶۰
۱۱۴	ملکہ سبا کا تعارف	۶۶۱
۱۱۵	آیا جن اور انسان کا نکاح عقلاً ممکن ہے یا نہیں؟	۶۶۱
۱۱۶	آیا جن اور انسان کا نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟	۶۶۲
۱۱۷	بلقیس کی حکمرانی سے عورت کی حکمرانی پر استدلال کا جواب	۶۶۴
۱۱۸	عورت کے وزیر اعظم ہونے کے جواز کے دلائل اور اس کے جوابات	۶۶۴
۱۱۹	امامت اور خلافت کی تین تعریفیں اور ان پر بحث ونظر	۶۶۵
۱۲۰	آیا اس دور میں مسلمانوں پر خلیفہ کو مقرر کرنا واجب ہے یا نہیں؟	۶۶۶
۱۲۱	عورت کو مردوں کے کسی بھی ادارہ کی سربراہ بنانے کی ممانعت	۶۶۷
۱۲۲	عورت کے گھر سے بے پردہ نکلنے کے متعلق قرآن اور سنت کی تصریحات	۶۶۷
۱۲۳	پردہ کے لزوم کے متعلق قرآن اور سنت کی تصریحات	۶۶۸
۱۲۴	اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی ممانعت کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل	۶۶۸
۱۲۵	مردوں سے عورتوں کے کلام کی ممانعت	۶۶۹
۱۲۶	عورت کو سربراہ مملکت بنانے کی ممانعت پر قرآن اور سنت کا استدلال	۶۶۹
۱۲۷	عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء مالکیہ کی تصریحات	۶۷۱
۱۲۸	عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء شافعیہ کی تصریحات	۶۷۱
۱۲۹	عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کی تصریحات	۶۷۲
۱۳۰	حدود اور قصاص کے سوا عورتوں کی قضاء کے جواز کے متعلق فقہاء احناف کا موقف	۶۷۳
۱۳۱	حدود اور قصاص کے ماسوا میں عورت کی قضاء کا جواز اس کو مستلزم نہیں کہ اس کو دیوانی عدالت کا قاضی بنا دیا جائے	۶۷۴
۱۳۲	عورت کو سربراہ مملکت بنانے کے عدم جواز کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات	۶۷۵
۱۳۳	تخت بلقیس کی صفت	۶۷۵
۱۳۴	ان لا یسجدوا کی متعدد نحوی ترکیبیں اور تراجم	۶۷۶
۱۳۵	تخت بلقیس اور عرش الٰہی دونوں کے عظیم ہونے کا فرق	۶۷۷
۱۳۶	خبر واحد اور خبر متواتر وغیرہ کی تعریفیں اور ان کے احکام	۶۷۷
۱۳۷	حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب میں پہلے اپنا نام لکھنا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب میں پہلے اللہ کا نام لکھنا	۶۷۸
۱۳۸	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر بادشاہوں کی	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	طرف مکاتیب	۶۷۸
۱۳۹	ہدہد کا بلقیس کو مکتوب پہنچانا	۶۷۹
۱۴۰	نبی کے ادب سے ایمان پانا اور نبی کی بے ادبی سے ایمان سے محروم ہونا اور دنیا و آخرت کی ذلت	۶۸۰
۱۴۱	حضرت سلیمان علیہ السلام نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے پہلے اپنا نام کیوں لکھا؟	۶۸۰
۱۴۲	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتیب میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا کب شروع کیا؟	۶۸۱
۱۴۳	آیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا یا اپنی بادشاہت تسلیم کرنے کا؟	۶۸۲
۱۴۴	قالت یاایھا الملؤ افتونی فی امری ما کنت قاطعة امرا حتی تشھدون (۳۴-۳۲)	۶۸۲
۱۴۵	مشورہ کی اہمیت	۶۸۵
۱۴۶	ایک دوسرے کو ہدیہ دینے کے جواز اور استحسان کے متعلق احادیث	۶۸۵
۱۴۷	بلقیس کے بھیجے ہوئے ہدیہ کی تفصیل	۶۸۷
۱۴۸	بلقیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں روانہ ہونا	۶۸۸
۱۴۹	تخت بلقیس منگوانے کی وجوہات	۶۸۸
۱۵۰	عفریت کا معنی	۶۸۹
۱۵۱	عفریت من الجن کی پیش کش کہ وہ دربار برخواست ہونے سے پہلے تخت کو حاضر کر دے گا	۶۸۹
۱۵۲	حضرت سلیمان کے ولی کا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو حاضر کر دینا	۶۹۰
۱۵۳	جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس کا مصداق کون تھا؟	۶۹۰
۱۵۴	تخت بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	سامنے حاضر کرنے کی کیفیت	۶۹۱
۱۵۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ''کن'' کے مظاہر	۶۹۲
۱۵۶	ولی اور اس کی کرامت کی تعریفیں اور کرامت کے وقوع پر دلائل	۶۹۳
۱۵۷	بلقیس کے ایمان لانے کی تفصیل	۶۹۴
۱۵۸	بلقیس کے نکاح کا بیان	۶۹۵
۱۵۹	ولقد ارسلنا الی ثمود اخاھم صلحا ان اعبدوا اللہ (۵۹-۴۵)	۶۹۵
۱۶۰	اس سورت میں حضرت صالح علیہ السلام کا تیسرا قصہ	۶۹۸
۱۶۱	حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا تعارف	۶۹۸
۱۶۲	نحوست اور بدشگونی کی تحقیق	۶۹۹
۱۶۳	اونٹنی کو قتل کرنے والے نو آدمیوں کے نام	۶۹۹
۱۶۴	حضرت صالح کے مخالفین کی سازش کو اللہ تعالیٰ کا ناکام بنانا	۷۰۰
۱۶۵	قوم ثمود کے ہلاک ہونے کی کیفیت	۷۰۰
۱۶۶	حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے متبعین کا الحجر سے نکل جانا	۷۰۱
۱۶۷	اس سورت میں حضرت لوط علیہ السلام کا چوتھا قصہ	۷۰۱
۱۶۸	قوم لوط کو بے حیائی کے کاموں پر بصیرت رکھنے والا بھی فرمایا اور جاہل بھی اس کی توجیہ	۷۰۱
۱۶۹	قوم لوط پر زمین کا پلٹ دینا	۷۰۲
۱۷۰	فعل قوم لوط کی سزا اور اس کی دینی اور دنیاوی خرابیاں	۷۰۳
۱۷۱	ہر اہم کام کی ابتداء بسم اللہ الحمد للہ اور صلوٰۃ وسلام سے کرنے میں قرآن، حدیث اور سلف صالحین کی اتباع ہے	۷۰۳
۱۷۲	اس اعتراض کا جواب کہ کفار کے خود ساختہ معبودوں میں بھی کوئی اچھائی ہے	۷۰۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۷۳	امن خلق السمٰوٰت والارض وانزل لکم من السماء ماء (۶۶-۶۰)	۷۰۵
۱۷۴	اللہ تعالیٰ کا اپنی توحید پر دلائل بیان فرمانا	۷۰۷
۱۷۵	آسمانوں اور زمینوں کی نعمتیں عطا کرنے سے توحید پر استدلال	۷۰۷
۱۷۶	تصویر بنانے کے شرعی حکم کی تحقیق	۷۰۸
۱۷۷	جاندار کی تصویر بنانے کی تحریم اور ممانعت کے متعلق احادیث	۷۰۸
۱۷۸	بے جان چیزوں کی تصویر بنانے کے جواز کی حدیث	۷۰۹
۱۷۹	تصویر بنانے کے حکم میں فقہاء شافعیہ اور مالکیہ کا نظریہ	۷۰۹
۱۸۰	تصویر بنانے کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ	۷۱۰
۱۸۱	تصویر اور فوٹو گراف کے متعلق علماء ازہر کا نظریہ	۷۱۱
۱۸۲	تصویر اور فوٹو گراف کے متعلق مصنف کا موقف	۷۱۱
۱۸۳	وڈیو اور ٹی وی کی تصاویر کا شرعی حکم	۷۱۲
۱۸۴	جو علماء دلائل کی بناء پر فوٹو اور ٹی وی کی تصاویر کے جواز کے قائل ہیں ان پر لعن طعن نہیں کرنی چاہیے	۷۱۳
۱۸۵	ضرورت کی بناء پر پاسپورٹ کے فوٹو گراف کی رخصت	۷۱۳
۱۸۶	زمین کی خصوصیات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال	۷۱۵
۱۸۷	مضطر کے مصداق کے متعلق اقوال	۷۱۶
۱۸۸	مضطر (بے قرار) کی دعا	۷۱۷
۱۸۹	قرآن اور حدیث سے اس پر استدلال کہ مضطر اور مصیبت زدہ کی دعا قبول ہوتی ہے خواہ وہ مومن ہو یا کافر	۷۱۷
۱۹۰	مظلوم، مسافر اور والد کی دعا جلد قبول فرمانے کی	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	حکمت	۷۱۸
۱۹۱	مضطر اور مکروب کی فریادرسی سے توحید پر استدلال	۷۱۹
۱۹۲	حشر ونشر کا ثبوت اور شرک کا ابطال	۷۲۰
۱۹۳	بل ادارک علمھم فی الاخرۃ کے معنی	۷۲۰
۱۹۴	علم غیب کی تحقیق	۷۲۱
۱۹۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مفتی محمد شفیع کا نظریہ	۷۲۱
۱۹۶	سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ	۷۲۲
۱۹۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہ کہنے کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کی تصریح	۷۲۴
۱۹۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے ثبوت میں اعلیٰ حضرت کے دلائل	۷۲۴
۱۹۹	غیب کا لغوی معنی	۷۲۵
۲۰۰	غیب کا اصطلاحی معنی	۷۲۵
۲۰۱	رسول اللہ کو علم غیب دیئے جانے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۷۲۶
۲۰۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق احادیث	۷۲۶
۲۰۳	النمل: ۶۵ میں اللہ کے غیر سے علم غیب کی نفی کا محمل	۷۲۸
۲۰۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی کی ایک دلیل	۷۲۹
۲۰۵	وقال الذین کفروا ء اذا کنا ترابا واباؤنا ائنا لمخرجون (۸۲-۶۷)	۷۳۲
۲۰۶	کفار کی باتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا	۷۳۴
۲۰۷	موت کا قیامت صغریٰ ہونا	۷۳۵
۲۰۸	مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ سینہ صاف رکھیں	۷۳۵
۲۰۹	یہودیوں کا اختلاف کن امور میں تھا؟	۷۳۶
۲۱۰	سماع موتی کے ثبوت میں احادیث اور آثار	۷۳۷
۲۱۱	جن کے ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	وہی دولت ایمان سے مشرف ہوگا	۷۴۰
۲۱۲	اللہ تعالیٰ کے قول واقع ہونے کی تفسیر میں اقوال	۷۴۱
۲۱۳	دآبۃ الارض کی صورت اور اس کے محل خروج کے متعلق احادیث' آثار اور مفسرین کے اقوال	۷۴۲
۲۱۴	ویوم نحشر من کل امة فوجا ممن یکذب بایتنا فھم یوزعون (۸۳-۹۳)	۷۴۵
۲۱۵	حشر کے دن کفار کے کفر وشرک پر زجر وتوبیخ	۷۴۷
۲۱۶	دن اور رات کے تعاقب میں' توحید' رسالت اور حشر کی دلیل	۷۴۸
۲۱۷	صور کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۷۴۸
۲۱۸	صور اور صور پھونکنے کے متعلق احادیث	۷۴۹
۲۱۹	کتنی بار صور پھونکا جائے گا؟	۷۴۹
۲۲۰	تین بار صور پھونکنے کے دلائل اور ان کے جوابات	۷۵۰
۲۲۱	دو بار صور پھونکنے کے دلائل	۷۵۲
۲۲۲	نفخة الصعق سے کون کون سے افراد مستثنیٰ ہیں؟	۷۵۳
۲۲۳	کیا حضرت موسیٰ کا ہمارے نبی سے پہلے ہوش میں آنا ان کی افضلیت کو مستلزم ہے؟	۷۵۵
۲۲۴	نفخة الصعق سے استثناء میں علامہ قرطبی کا آخری قول	۷۵۷
۲۲۵	قیامت کے دن پہاڑوں کی ٹوٹ پھوٹ اور ریزہ ریزہ ہونے کی مختلف حالتیں	۷۵۷
۲۲۶	لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا سب سے بڑی نیکی ہونا	۷۵۸
۲۲۷	نیکی کا اجر نیک کام سے کیوں افضل ہے؟	۷۵۹
۲۲۸	قیامت کے دن عام مسلمان کیسے بے خوف ہوں گے جب کہ انبیاء کرام بھی خوف زدہ ہوں گے	۷۶۰
۲۲۹	شہر مکہ کی اہمیت اور خصوصیت	۷۶۱
۲۳۰	سورۃ النمل کا خاتمہ	۷۶۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	سورۃ القصص	۷۶۳
۱	سورت کا نام	۷۶۵
۲	القصص کی النمل سے مناسبت	۷۶۵
۳	سورۃ القصص کے مشمولات	۷۶۶
۴	سورۃ القصص کے اغراض	۷۶۷
۵	طسٓمٓ ○ تلک ایت الکتب المبین (۱-۱۳)	۷۶۸
۶	طسٓمٓ کا معنی	۷۷۰
۷	سورۃ القصص کا خلاصہ	۷۷۰
۸	مومنوں پر تلاوت کرنے کی تخصیص کی توجیہ	۷۷۱
۹	شیعًا کا معنی	۷۷۱
۱۰	بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کی وجوہ	۷۷۱
۱۱	بنی اسرائیل کو امامت اور بادشاہت سے نوازنا	۷۷۲
۱۲	فرعون کا اپنے خدشات کا شکار ہونا	۷۷۳
۱۳	حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کا معنی اور اس وحی کا بیان	۷۷۴
۱۴	حضرت موسیٰ کی ولادت کے سلسلہ میں ارھاصات (اعلانِ نبوت سے پہلے کے خلافِ عادت واقعات)	۷۷۴
۱۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا نام	۷۷۶
۱۶	حضرت موسیٰ کے فرعون کے گھر پہنچنے میں مزید ارھاصات	۷۷۷
۱۷	حضرت موسیٰ کی ماں کے دل خالی ہونے کے محامل	۷۷۸
۱۸	دوسری عورتوں کا دودھ نہ پینے کی وجوہ	۷۷۹
۱۹	اکثر لوگوں کے نہ جاننے کے محامل	۷۷۹
۲۰	فرعون کی بیوی اور حضرت موسیٰ کی بہن کے فضائل اور جنت میں ان کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہونا	۷۸۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۱	ولما بلغ اشدہ واستوی اتینہ حکما وعلما (۲۱-۱۴)	۷۸۰
۲۲	اشد اور استوی کے معنی کی تحقیق	۷۸۲
۲۳	اس کی تحقیق کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے یا اس کو چالیس سال کی عمر میں نبوت دی جاتی ہے؟	۷۸۳
۲۴	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تخلیق کائنات سے پہلے نبوت سے متصف ہونا	۷۸۵
۲۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم اور علم دینے کا معنی	۷۸۶
۲۶	حضرت موسیٰ کے شہر میں دخول کے وقت لوگوں کے غافل ہونے کا معنی	۷۸۷
۲۷	عصمت انبیاء پر اعتراض کا جواب	۷۸۷
۲۸	حضرت موسیٰ کے اس قول کی توجیہ کہ ''میں مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا''	۷۸۸
۲۹	قرآن مجید اور احادیث سے ظالم کی مدد کرنے کی ممانعت	۷۸۸
۳۰	اپنی جماعت کے اسرائیلی کو کھلا ہوا گمراہ کہنے کی توجیہ	۷۹۰
۳۱	اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو جبار (داداگیر) کیوں کہا تھا؟	۷۹۰
۳۲	ولما توجہ تلقاء مدین قال عسی ربی ان یہدینی سواء السبیل (۲۸-۲۲)	۷۹۱
۳۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین پہنچنا اور شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلانا	۷۹۲
۳۴	حضرت موسیٰ کا حضرت شعیب کے گھر جانا	۷۹۳
۳۵	لڑکی والوں کی طرف سے لڑکے کو نکاح کی پیشکش کرنے کا جواز اور استحسان	۷۹۴
۳۶	قرآن مجید اور احادیث میں اجارہ (اجرت لے کر کام کرانے) کا ثبوت	۷۹۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۷	اس بات کا جواب کہ منکوحہ کے تعین کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا اور شعیب علیہ السلام نے کسی ایک بیٹی کا تعین نہیں کیا تھا	۷۹۶
۳۸	بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہے	۷۹۶
۳۹	خدمت اور کسی کام کو مہر قرار دینے پر امام مالک اور امام شافعی کا استدلال	۷۹۷
۴۰	امام مالک اور امام شافعی کے استدلال کے مفسرین احناف کی طرف سے جوابات	۷۹۷
۴۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا جانا	۷۹۹
۴۲	فلما قضی موسی الاجل وسار باهله انس من جانب الطور (۴۲-۲۹)	۸۰۰
۴۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام اللہ سننے کی کیفیت	۸۰۳
۴۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کہنے کی خصوصیت	۸۰۴
۴۵	شب معراج ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا	۸۰۵
۴۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ سے ہم کلام ہونے کی بنا پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ سے ہم کلام ہونے کا انکار	۸۰۶
۴۷	انکار مذکور کے رد پر دلائل	۸۰۷
۴۸	ہمارے نبی کے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے پر دلائل	۸۰۹
۴۹	درخت سے آنے والی آواز کی مختلف عبارات اور مقصود کا واحد ہونا	۸۱۰
۵۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزے	۸۱۰
۵۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات سے تسلی دے کر فرعون کی طرف روانہ کرنا	۸۱۱
۵۲	حضرت موسیٰ کا فرعون کے دربار میں اللہ کا پیغام پہنچانا اور فرعون کا تکبر سے اس کو رد کرنا	۸۱۲

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
۵۳	فرعون کا کفر اور اس کی سرکشی اور اس کا عبرتناک انجام	۸۱۳
۵۴	فرعون نے خدا کو دیکھنے کے لئے بلند عمارت بنوائی تھی یا نہیں؟	۸۱۴
۵۵	ولقد اتینا موسی الکتب من بعد ما اھلکنا القرون الاولی (۵۰-۴۳)	۸۱۵
۵۶	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل	۸۱۷
۵۷	قرن کا معنی اور نبیوں اور رسولوں کی تعداد	۸۱۸
۵۸	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی فضیلت	۸۱۸
۵۹	مشرکین کے شبہات کے جوابات	۸۱۹
۶۰	ولقد وصلنا لھم القول لعلھم یتذکرون (۶۰-۵۱)	۸۲۱
۶۱	ایک بار پورا قرآن نازل کرنے کی بجائے لگاتار آیتیں نازل کرنے کی حکمت	۸۲۳
۶۲	جن مومنین اہل کتاب کو دگنا اجر دیا جائے گا ان کے مصادیق	۸۲۳
۶۳	جن لوگوں کو ان کے نیک اعمال دگنا اجر دیا جائے گا اس کی وجہ استحقاق	۸۲۴
۶۴	مومنین اہل کتاب کے لئے دگنے اجر کی بشارت زمانہ رسالت کے ساتھ مخصوص ہے یا قیامت تک کے لئے عام ہے؟	۸۲۵
۶۵	اس کی تحقیق کہ اسلام اور مسلمین کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے	۸۲۶
۶۶	لفظ اسلام کا ہمارے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہونے کے ثبوت میں آیات	۸۲۶
۶۷	لفظ مسلمین کے ہمارے نبی کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہونے کے ثبوت میں آیات	۸۲۷
۶۸	لفظ اسلام کے ہمارے نبی کے شریعت کے ساتھ مخصوص ہونے کے ثبوت میں احادیث	۸۲۸
۶۹	مسلمین کے لقب سے صرف ہمارے نبی کے متبعین کے مخصوص ہونے کے ثبوت میں احادیث	۸۲۹
۷۰	ان علماء کے دلائل جو اسلام اور مسلمین کے وصف کو تمام شرائع اور تمام امتوں کے لئے عام قرار دیتے ہیں اور ان کے جوابات	۸۲۹
۷۱	لفظ اسلام کو ہمارے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجوہات	۸۳۰
۷۲	اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید میں بعض اہل کتاب کو بھی مسلمین کہا گیا ہے	۸۳۲
۷۳	سید مودودی کا علامہ سیوطی کے موقف کو رد کرنا اور اس پر مصنف کا تبصرہ	۸۳۳
۷۴	کفار کی لغو اور بے ہودہ باتیں	۸۳۶
۷۵	سلام کی دو قسمیں سلام متارکہ اور سلام تحیت اور علامہ آلوسی کی غلط نقل اور اس کا رد	۸۳۷
۷۶	ابوطالب کے ایمان کے متعلق آیات اور احادیث	۸۳۹
۷۷	ابوطالب کے متعلق مفسرین اہل سنت کی تصریحات	۸۳۹
۷۸	ابوطالب کے اسلام لانے کی روایت پر امام بیہقی اور علامہ ابی کا تبصرہ	۸۴۱
۷۹	ابوطالب کے اسلام لانے کی روایت پر علامہ آلوسی کا تبصرہ	۸۴۲
۸۰	ابوطالب کے ایمان کے متعلق مفسرین شیعہ کی تصریحات	۸۴۳
۸۱	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت دینے اور نہ دینے کے محامل	۸۴۴
۸۲	کفار کے اس شبہ کے تین جوابات کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو ہماری دنیاوی نعمتیں زائل ہو جائیں گی	۸۴۵
۸۳	افمن وعدنہ وعدا حسنا فھو لاقیہ کمن	

نمبرشمار	عنوان	صفحہ
	متعنه (۷۵-۶۱)	۸۴۶
۸۴	مومن اور کافر کی دنیا اور آخرت میں تقابل	۸۴۸
۸۵	قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا مشرکین سے بطور زجر وتوبیخ کلام فرمانا	۸۴۹
۸۶	جن چیزوں کو اللہ نے پسند فرمایا	۸۴۹
۸۷	استخارہ کے متعلق احادیث	۸۵۰
۸۸	استخارہ کا طریقہ	۸۵۱
۸۹	اولیاء اللہ کو مشکل کشا کہنے کو سید مودودی کا شرک قرار دینا اور اس کا جواب	۸۵۱
۹۰	اسباب معیشت کی نعمتیں	۸۵۳
۹۱	ایک آیت کو دوبار ذکر فرمانے کی توجیہ	۸۵۳
۹۲	ان قارون كان من قوم موسى فبغى عليهم واتينه من الكنوز (۸۲-۷۶)	۸۵۴
۹۳	قارون کا نام ونسب اور اس کے مال دولت کی فراوانی	۸۵۶
۹۴	قارون کا اپنے مال کو عطیہ الٰہی قرار دینے کی بجائے اپنی قابلیت کا ثمرہ سمجھنا	۸۵۶
۹۵	قارون کا اپنے مال ودولت پر اترانا اور اکڑنا	۸۵۷
۹۶	قارون کو زمین میں دھنسا دینا	۸۵۸
۹۷	قارون کی حضرت موسیٰ سے دشمنی اور حضرت موسیٰ کی اس کے خلاف دعا کرنے کی وجہ	۸۵۸
۹۸	ویکان کا معنی اور اس کی ترکیب	۸۵۹
۹۹	تلك الدار الاخرة نجعلها للذين لايريدون علوا فى الارض (۸۸-۸۳)	۸۵۹
۱۰۰	علو اور فساد کے معنی	۸۶۰
۱۰۱	معاد کے متعلق مختلف اقوال	۸۶۱
۱۰۲	بعثت سے پہلے آپ کو نبی بنائے جانے کا علم تھا یا نہیں؟	۸۶۲
۱۰۳	مشرکین کے مددگار بننے کی ممانعت کے محمل	۸۶۴
۱۰۴	اس آیت کی توجیہ کہ آپ ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں	۸۶۴
۱۰۵	اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلائل	۸۶۵
۱۰۶	اختتامی کلمات اور دعا	۸۶۵
۱۰۷	مآخذ ومراجع	۸۶۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیٔ عند العارفین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوۃ اللہ عن صلوۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القراٰن وبین لنا ما نزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القراٰن وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمٰن لواء فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والاٰخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی اٰلہ الطیبین الطاہرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاہرات امہات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ اللھم اجعلنی فی تبیان القراٰن علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہٖ اللھم الق فی قلبی اسرار القراٰن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القراٰن ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القراٰن، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانًا نصیرا۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت اٰمین یارب العالمین۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد ﷺ پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے ''تبیان القرآن'' کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ''تبیان القرآن'' کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کردے' اور اس کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی بارگاہ میں مقبول کردے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفرین بنادے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کردے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ النُّورِ

(۲۴)

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

سورۃ النور

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ النور ہے' اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں یہ آیت ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (النور: ۳۵) اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔

اور اسی کے نور سے آسمان اور زمین منور اور روشن ہیں اور اسی کے نور سے جن اور انس ہدایت پاتے ہیں۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں تمام انسانوں کی تمدنی اور اجتماعی حیات کے اصول اور احکام منور اور روشن کر دیئے ہیں' اور اس کے آداب اور فضائل بیان فرما دیئے ہیں اور اس کے فقہی احکام اور قواعد مقرر فرما دیئے ہیں۔

سورۃ النور کی فضیلت میں احادیث اور آثار

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سورۃ البقرہ' سورۃ النساء' سورۃ المائدہ' سورۃ الحج اور سورۃ النور کا علم حاصل کرو کیونکہ ان میں فرائض ہیں۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۳۹۵' طبع قدیم' المستدرک طبع جدید رقم الحدیث: ۳۵۴۵)

امام ابو عبید نے فضائل قرآن میں حارثہ بن مضرب سے روایت کیا ہے کہ ہماری طرف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ لکھ کر بھیجا کہ تم لوگ سورۃ النساء' سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا علم حاصل کرو۔

امام حاکم نے ابو وائل سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ حج کیا اور میرے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تھے' حضرت ابن عباس سورۃ النور کو پڑھتے تھے اور اس کی تفسیر کرتے تھے' میرے ساتھی نے کہا سبحان اللہ! اس شخص کے منہ سے کیسے جواہر پارے نکل رہے ہیں' اگر ترک ان کو سن لیتے تو مسلمان ہو جاتے۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۱۲۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کو بالا خانوں (اور گیلریوں) میں نہ بٹھاؤ' اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ اور ان کو سوت کاتنا اور سورۃ النور سکھاؤ۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کو امام بخاری اور امام

مسلم نے روایت نہیں کیا۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۴۶ طبع جدید مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴۱۸ھ شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۴۲۷)

امام حاکم کا اس حدیث کی سند کو صحیح کہنا ان کا تسامح ہے علامہ ذہبی نے لکھا ہے یہ حدیث موضوع ہے اور اس کی آفت ایک راوی عبدالوہاب ہے امام ابو حاتم نے کہا وہ کذاب ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۹۵ طبع قدیم)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کی سند میں ایک راوی محمد بن ابراہیم شامی ہے جو حدیث وضع کرتا تھا حاکم نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور تعجب ہے کہ ان پر اس کا معاملہ کیسے مخفی رہا۔ (حافظ سیوطی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ حاکم نے اس راوی کی سند سے اس کو روایت نہیں کیا بلکہ عبدالوہاب بن الضحاک کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام بیہقی نے کہا یہ حدیث محمد بن ابراہیم کی سند سے منکر ہے کسی اور سند سے یہ حدیث منکر نہیں ہے۔ ہاں حافظ ابن حجر عسقلانی نے حاکم کی اس حدیث کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے پھر حاکم کا رد کر کے کہا بلکہ عبدالوہاب متروک راوی ہے۔ محمد بن ابراہیم شامی کی روایت سے اس کا ایک متابع ہے امام ابن حبان نے کہا اس پر بھی وضع کی تہمت ہے۔

(اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۴۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

اس حدیث کی سند کے موضوع ہونے کے علاوہ یہ حدیث اس صحیح حدیث کے خلاف ہے:

حضرت الشفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ تم ان کو پھوڑے پھنسی کا دَم کیوں نہیں سکھاتیں جس طرح تم نے ان کو لکھنا سکھایا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۸ مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۲ قدیم مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۱۶۳ دارالفکر مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۰۹۴ دارالحدیث قاہرہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۶۳۵ عالم الکتب بیروت المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۲۱۷ ج ۲۴ ص ۳۱۲ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۲ الاحاد والمثانی رقم الحدیث: ۳۱۷۷)

سورۃ النور کی فضیلت میں یہ حدیث بھی ہے:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو سورۃ المائدہ کی تعلیم دو اور اپنی عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم دو۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۴۵۴ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۴۱۸۲ اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۴۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۹۴۹ فوائد رقم الحدیث: ۱۲۷)

سورۃ النور اور سورۃ المؤمنون کی باہمی مناسبت

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون کے شروع میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ (المؤمنون: ۷-۵)

اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ۝ سوا اپنی بیویوں یا باندیوں کے کیونکہ ان کے معاملہ میں ان پر ملامت نہیں کی جائے گی ۝ اور جن لوگوں نے ان کے ماسوا کو طلب کیا پس وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

سورۃ المؤمنون میں اجمالی طور پر فرمایا تھا کہ جن لوگوں نے اپنی بیویوں اور باندیوں کے حلال محل کے علاوہ حرام محل میں

شہوانی تقاضوں کو پورا کیا سو یہی لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں اور سورۃ النور میں تفصیل کے ساتھ حرام محل میں شہوت پوری کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور: ۲)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر اللہ کی حد جاری کرنے میں تم ہرگز نرمی نہ کرو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو' اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان کی سزا کا ضرور مشاہدہ کرنا چاہیے۔

زنا کی حد بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے تتمہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں زنا کی تہمت (قذف) کی حد کا بیان فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (النور: ۴)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر وہ چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو' اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں۔

اسی ضمن میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو بدکاری کی ناپاک تہمت لگائی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت میں سورۃ النور کی دس آیتیں (النور: ۲۰-۱۱) نازل فرمائیں۔

اور چونکہ زنا کا باعث اور محرک عورتوں اور مردوں کا ایک دوسرے کو دیکھنا اور آزادانہ میل جول ہوتا ہے اور باوجود قدرت کے شادی نہ کرنا ہوتا ہے' اس لیے یہ احکام دیئے کہ عورتیں اور مرد ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اور نظریں نیچی رکھیں اور عورتیں اجنبی مردوں سے پردہ کریں اور جو مرد نکاح کی قدرت رکھتے ہوں وہ نکاح کر کے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کریں۔

سورۃ النور کا زمانۂ نزول

منافقین نے حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو بدکاری کی تہمت لگائی تھی' اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اُم المؤمنین کی برأت بیان فرمائی ہے اور تہمت لگانے والوں پر اسی (۸۰) کوڑے مارنے کا حکم نازل فرمایا' تہمت لگانے کا یہ واقعہ غزوۂ بنو مصطلق یا غزوۂ مریسیع میں پیش آیا تھا۔

خزاعہ قریش کا حلیف اور ان کا ہم عہد ایک قبیلہ تھا' خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا' اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا' یہ خاندان مقام مریسیع میں تھا' مریسیع مدینہ منورہ سے نو منزل کے فاصلہ پر ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا یہ غزوہ چھ ہجری میں ہوا' موسیٰ بن عقبہ نے کہا یہ غزوہ چار ہجری میں ہوا اور النعمان بن راشد نے زہری سے روایت کیا کہ حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا واقعہ غزوۃ المریسیع میں ہوا تھا۔ المریسیع مکہ کے شمال میں قدید کی طرف پانی کا ایک چشمہ ہے۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی غزوۂ بنو المصطلق اور یہی غزوۃ المریسیع ہے)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

المصطلق لقب ہے اور اس کا نام جذیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ ہے اور یہ بنو خزاعہ کے بطن سے ہے۔

المریسیع بنو خزاعہ کے پانی کے چشمہ کا نام ہے یہ الفرع سے ایک دن کی مسافت پر ہے۔ امام طبرانی نے سفیان بن وبرہ سے روایت کیا ہے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۃ المریسیع میں تھے اور یہی غزوۂ بنو المصطلق ہے۔

امام ابن اسحاق نے کہا یہ غزوہ ۶ ہجری میں ہوا تھا (مغازی ابن اسحاق) امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا یہ غزوہ چار ہجری میں ہوا ہے' لیکن یہ سبقت قلم کی لغزش ہے۔ امام بخاری نے پانچ ہجری لکھنے کا ارادہ کیا لیکن ان کے قلم سے چار ہجری لکھا گیا' کیونکہ مغازی موسیٰ بن عقبہ میں پانچ ہجری ہی لکھا ہوا ہے اور حاکم' ابوسعید نیشاپوری اور امام بیہقی وغیرہ نے بھی پانچ ہجری ہی نقل کیا ہے۔ ابن شہاب زہری نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے نقل کیا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوالمصطلق اور بنولحیان سے شعبان پانچ ہجری میں جہاد کیا' اور حاکم نے اکلیل میں کہا ہے کہ یہ غزوہ پانچ ہجری میں ہوا تھا' عروہ وغیرہ سے اسی طرح منقول ہے' اور یہ ابن اسحاق کے قول سے زیادہ حق کے قریب ہے جنہوں نے کہا تھا کہ یہ غزوہ چھ ہجری میں ہوا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ پر تہمت کی حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے درمیان تنازع ہو گیا تھا' اگر غزوہ المریسیع چھ ہجری میں ہوتا جب کہ تہمت لگانے کا واقعہ اسی غزوہ میں ہوا تھا' تو اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ کا ذکر غلط ہوتا کیونکہ حضرت سعد بن معاذ ایام بنوقریظہ میں فوت ہو گئے تھے اور یہ غزوہ پانچ ہجری میں ہوا تھا' پس اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ غزوہ المریسیع شعبان پانچ ہجری میں ہوا تھا' اور یہ غزوۂ خندق سے پہلے ہوا تھا اور غزوۂ خندق شوال پانچ ہجری میں ہوا تھا' اور غزوۂ خندق' غزوۂ بنوالمصطلق کے بعد ہوا تھا' اور حضرت سعد بن معاذ غزوہ المریسیع میں زندہ موجود تھے اور غزوۂ خندق میں ان کو ایک تیر آ کر لگا تھا اور اس کے زخم میں حضرت سعد بن معاذ فوت ہو گئے تھے۔

غزوہ المریسیع کے پانچ ہجری میں ہونے کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ تہمت کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہ واقعہ پردہ کے احکام نازل ہونے کے بعد ہوا تھا اور حجاب کے احکام ایک جماعت کے نزدیک چار ہجری میں نازل ہوئے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ غزوہ المریسیع چار ہجری کے بعد وقوع پذیر ہوا لہٰذا یہ راجح قرار پایا کہ غزوہ المریسیع پانچ ہجری میں ہوا ہے' اور علامہ واقدی نے جو یہ کہا ہے کہ پردہ کے احکام پانچ ہجری میں نازل ہوئے تو ان کا یہ قول مردود ہے' اور خلیفہ اور ابوعبید اور متعدد علماء نے کہا ہے کہ پردہ کے احکام تین ہجری میں نازل ہوئے' خلاصہ یہ ہے کہ پردہ کے احکام کے نزول کے متعلق تین قول ہیں اور مشہور قول یہ ہے کہ وہ چار ہجری میں نازل ہوئے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۹۶-۱۹۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' رمضان ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے متعدد دلائل اور شواہد سے یہ واضح کر دیا ہے کہ غزوۂ بنوالمصطلق پانچ ہجری کو وقوع پذیر ہوا تھا' اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ سورۃ النور پانچ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔ غزوۂ بنوالمصطلق کی تاریخ کے سلسلہ میں حسب ذیل احادیث بھی لائق مطالعہ ہیں:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بنوالمصطلق اور لحیان شعبان پانچ ہجری میں ہوئے۔

ابن شہاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی میں ذکر کیا ہے کہ غزوہ بنوالمصطلق اور بنولحیان شعبان پانچ ہجری میں ہوئے۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ المریسیع پانچ ہجری میں ہوا۔

واقدی نے کہا کہ غزوۃ المریسیع پانچ ہجری میں ہوا۔ دو شعبان کو پیر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور یکم رمضان کو واپس مدینہ میں آئے۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا تھا۔

(دلائل النبوة ج ۴ ص ۴۶-۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

امام محمد بن عمر بن واقد المتوفی ۲۰۷ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۲ شعبان ۵ ہجری کو پیر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ المریسیع کے لیے روانہ ہوئے اور یکم رمضان کو مدینہ واپس آئے' آپ دو دن کم ایک ماہ مدینہ سے غائب رہے۔

عمر بن عثمان المخزومی' عبداللہ بن یزید بن قسیط' عبداللہ بن یزید الہذلی وغیرہم نے بیان کیا ہے کہ بنو المصطلق خزاعہ کی شاخ ہیں اور وہ الفرع کی جانب رہتے تھے۔ یہ لوگ بنو مدلج کے حلیف تھے' ان کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا۔ وہ اپنی قوم اور دوسرے عرب قبائل کے پاس گیا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دی' سو انہوں نے گھوڑے اور ہتھیار خرید لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے' ان کی طرف سے کچھ سوار آئے اور انہوں نے ان کی روانگی کی خبر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے حضرت بریدہ بن الحصیب الاسلمی کو اس کی تحقیق کے لیے روانہ کیا' حضرت بریدہ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ وہ ان کو دھوکا دینے کے لیے آپ کے خلاف باتیں کریں تاکہ ان کے راز معلوم ہوں آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

حضرت بریدہ بنو المصطلق کے چشمہ (المریسیع) پر پہنچ گئے وہاں انہوں نے ایک مغرور قوم کو دیکھا جو ایک جمعیت کے ساتھ وہاں پر موجود تھی۔ ان لوگوں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں تم ہی میں سے ایک شخص ہوں' مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم یہاں پر اس مدعی نبوت کے لیے اکٹھے ہوئے ہو سو میں اپنی قوم میں اپنے ساتھیوں کے پاس جاتا ہوں تاکہ ہم سب مل کر حملہ کریں اور اس شخص کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ الحارث بن ابی ضرار نے کہا ہمارا بھی یہی مقصد ہے تم جلدی سے واپس آؤ۔ حضرت بریدہ نے کہا میں ابھی روانہ ہوتا ہوں' اور تمہارے پاس اپنی قوم اور اپنے موافقین کے متبعین کے ایک عظیم لشکر کو لے کر آتا ہوں۔ وہ سب یہ سن کر بہت خوش ہو گئے۔ حضرت بریدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ آئے اور آپ کو ان لوگوں کے جمع ہونے کی خبر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا اور انہیں دشمن کی تیاریوں کی خبر دی' پھر مسلمان جلدی روانہ ہوئے ان کے ساتھ تیس گھوڑے تھے' ان میں دس مہاجر گھوڑوں پر سوار تھے اور بیس انصار گھوڑوں پر سوار تھے۔ (امام واقدی نے سب کے نام ذکر کیے ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت منافقین بھی روانہ ہوئے' اس سے پہلے کسی غزوہ میں اتنے منافقین روانہ نہیں ہوئے تھے۔ ان کو جہاد کرنے میں کوئی رغبت نہیں تھی' وہ صرف مال غنیمت حاصل کرنے کی طمع میں اور یہ سوچ کر نکلے تھے کہ یہ مقام زیادہ دور نہیں ہے' آپ نے مدینہ کے قریب الحلائق نام کی ایک بستی میں قیام کیا' وہاں عبدالقیس کا ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اس نے کہا میں آپ کے پاس آیا ہوں اور آپ کے ساتھ دشمن کے خلاف جہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی حمد ہے جس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی پھر آپ بقعاء (مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک جگہ) پہنچے وہاں مشرکین کا ایک جاسوس ملا۔ مسلمانوں نے اس سے پوچھا تمہارے پیچھے کون لوگ ہیں؟ اور کہاں ہیں' اس نے کہا مجھے معلوم نہیں! حضرت عمر بن الخطاب نے کہا تم سچ سچ بتاؤ ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا' تب اس نے بتایا میں بنو المصطلق سے ہوں اور میرے پیچھے الحارث بن ابی ضرار ہے اور اس نے تمہارے خلاف بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے اور بہ کثرت لوگ اس کے ساتھ ہیں اور مجھے اس نے اس لیے بھیجا ہے کہ میں مدینہ جا کر تمہاری خبر لاؤں' آیا تم مدینہ سے روانہ ہو چکے ہو یا نہیں! اس پر

اسلام پیش کیا گیا اس نے اسلام قبول نہیں کیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا گیا۔ یہ خبر بنوالمصطلق میں پہنچ گئی۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین بھی بنوالمصطلق سے تھیں اور بنوالمصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں' انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بیان کیا کہ ہمارے پاس اس جاسوس کے قتل کیے جانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حملہ کرنے سے قبل ہی یہ خبر پہنچ گئی تھی۔ میرے والد اور ان کے اصحاب اس خبر سے بہت خوفزدہ ہوئے اور عرب کے وہ قبائل جو ان کے ساتھ آ کر مل گئے تھے' وہ سب بھاگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المریسیع (پانی کے چشمہ) پر پہنچ گئے۔ آپ وہاں ٹھہر گئے اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چمڑے کا ایک خیمہ لگا دیا گیا' آپ کے ساتھ آپ کی ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما بھی تھیں۔ مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی صفیں بنائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مہاجرین کا جھنڈا دیا اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انصار کا جھنڈا دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ بنوالمصطلق میں یہ اعلان کریں کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا' اس کی جان اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا' سب سے پہلے ان کی طرف سے ایک شخص نے تیر مارا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حملہ کرنے کا حکم دے دیا' پھر مسلمانوں نے یکبارگی حملہ کیا جس سے کوئی شخص بچ نہیں سکا' بنوالمصطلق کے دس آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں' عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔ (کتاب المغازی للواقدی ج ۱ ص ۴۰۷-۴۰۴' عالم الکتب بیروت' الطبع الثالث' ۱۴۰۴ھ)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۃ المریسیع ہے جو شعبان پانچ ہجری میں واقع ہوا' بنوالمصطلق خزاعہ کی ایک شاخ ہے' یہ بنوالمدلج کے حلیف تھے' یہ ایک کنویں کے پاس رہتے تھے جس کو المریسیع کہا جاتا تھا' یہ کنواں الفرع سے ایک دن کی مسافت پر تھا' اور الفرع اور مدینہ کے درمیان آٹھ برید کا فاصلہ ہے (ایک برید بارہ میل کی مسافت ہے) ان کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا اس نے اپنی قوم اور اپنے متبعین کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی تیاری کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپ نے حضرت بریدہ بن الحصیب الاسلمی کو حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا' اس کے بعد وہی تفصیل ہے جو امام واقدی نے بیان کی ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۵۰-۴۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ام المؤمنین جویریہ بنت الحارث' بنوالمصطلق کے سردار الحارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی تھیں جب بنوالمصطلق کو شکست ہو گئی اور وہ گرفتار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت الحارث سے نکاح کر لیا' ان کے نکاح کی تفصیل امام ابوداؤد نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بنوالمصطلق کے قیدی تقسیم کیے گئے تو حضرت جویریہ' حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں یا ان کے عم زاد کے حصہ میں آئیں' انہوں نے اپنے آپ کو مکاتب کرا لیا' وہ بہت حسین عورت تھیں جس ان پر خواہ مخواہ نظر پڑتی تھی' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدل کتابت کے متعلق سوال کرنے آئیں' جب وہ دروازہ پر کھڑی تھیں تو میں نے ان کو دیکھ لیا' اور میں نے ان کے وہاں پر آنے کو ناپسند کیا اور میں نے یہ جان لیا کہ جس طرح میں نے ان کے حسن کو دیکھا تھا اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی خوبصورتی کو دیکھ لیں گے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں جویریہ بنت الحارث ہوں' اور میرے گرفتار ہونے کا معاملہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے' اور میں (بہ طور باندی) حضرت ثابت بن قیس بن

شماس کے حصہ میں آئی ہوں' اور میں نے اپنے آپ کو مکاتب کرالیا ہے اور میں آپ سے بدل کتابت کا سوال کرنے آئی ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو اس سے زیادہ اچھی بات نہ بتاؤں؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا میں تمہاری کتابت کی رقم ادا کردوں اور تم سے نکاح کرلوں! انہوں نے کہا میں نے یہ کرلیا۔ حضرت عائشہ نے کہا جب مسلمانوں نے یہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا ہے تو ان کے پاس بنوالمصطلق کے جتنے قیدی تھے' انہوں نے ان سب کو آزاد کردیا اور کہا یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہوگئے (اب ہم ان کو کیسے غلام رکھ سکتے ہیں) حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے حضرت جویریہ کے علاوہ اور کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے لیے اتنی بابرکت ثابت ہوئی ہو ان کے سبب سے بنوالمصطلق کے سو گھرانے آزاد کردیئے گئے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۹۳۱' مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۷' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث:۲۶۲۴۳' دارالحدیث قاہرہ' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۷۴)

علامہ ابن حجر عسقلانی کے دلائل' اور امام بیہقی' امام واقدی اور امام محمد بن سعد کی روایت کردہ صریح احادیث سے یہ واضح ہوگیا کہ غزوۂ بنوالمصطلق شعبان پانچ ہجری میں ہوا ہے اور امام ابن اسحاق کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ غزوۂ بنوالمصطلق چھ ہجری میں ہوا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے امام ابن اسحاق کے قول کو اختیار کیا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۳۰۷)

ہماری تحقیق کے مطابق یہ قول صحیح نہیں ہے اور اس تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ سورۃ النور کا زمانہ نزول پانچ ہجری ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے غزوۂ بنوالمصطلق سے واپسی میں تہمت لگائی تھی اس کا تفصیل سے ذکر ہم ان شاء اللہ النور: ۲۰-۱۱ میں کریں گے۔

النور کے مسائل اور مقاصد

النور: ۳-۱ میں زنا کی حد کا بیان فرمایا اور مسلمان مردوں پر کسی زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کو حرام فرمادیا اور مسلمان عورتوں پر کسی زانی یا مشرک مرد سے نکاح کو حرام فرمادیا' مگر بعد میں مسلمان مرد کے لیے زانیہ سے نکاح کی حرمت منسوخ فرمادی۔ منسوخ ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ . (النساء:۳) اور جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کرلو۔

لیکن مشرک عورتوں اور مشرک مردوں کا مسلمان مردوں اور عورتوں سے نکاح ابداً حرام ہے' صرف اہل کتاب کی عورتیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ پس مسلمان مرد اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب مردوں سے نکاح بہر حال جائز نہیں ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ مسلمان مردوں کا اہل کتاب عورتوں سے دارالاسلام میں نکاح کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور دارالکفر میں یہ نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

النور: ۵-۴ میں مسلمان پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے (قذف) کی سزا اسی (۸۰) کوڑے مقرر فرمائی اور یہ فرمایا کہ جو شخص اپنی تہمت پر چار گواہ نہ پیش کرسکے وہ حد قذف کا مستحق ہوگا۔

النور: ۱۰-۶ میں یہ ضابطہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کرسکے اور اس کی بیوی اس تہمت کا انکار کرے تو فریقین ایک دوسرے پر لعان کریں گے۔ شوہر چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو' اور عورت چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کا خاوند یقیناً جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو تو اس (عورت) پر

اللہ کا غضب نازل ہو۔

النور: ۲۶-۱۱ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو منافقین نے تہمت لگائی تھی اس کی طرف اشارہ فرمایا اور ان چیزوں کا سدباب کیا جو معاشرہ کے بگاڑ کا باعث ہو سکتے ہیں' اور جن منافقین نے یہ تہمت لگائی تھی ان کا پردہ فاش کیا اور جو مسلمان اس لپیٹ میں آ گئے تھے ان پر بھی عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اپنی تقصیر سے منافقین کو تقویت پہنچائی اور ان کو تنبیہ فرمائی کہ وہ آئندہ ہوشیار رہیں اور منافقین کے کہنے میں نہ آئیں' منافقین مسلمانوں کی عزت اور ناموس کو برباد کرنے کے درپے ہیں اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ منافق مسلمانوں کی ساکھ مجروح کرنے کے لیے جو تہمت لگائیں تو وہ اس ناپاک اور بے حیائی کی بات کو آگے پھیلانا شروع کر دیں' مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے اور بغیر ثبوت کے کسی الزام اور تہمت کو درخور اعتناء اور قابلِ توجہ نہیں سمجھنا چاہیے۔

النور: ۳۱-۲۷ میں فرمایا مسلمانوں کے لیے ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے اور داخل ہونے کے بعد گھر والوں کو سلام کریں' اور جب ان کو واپس جانے کے لیے کہا جائے تو واپس چلے جائیں۔ ہاں اگر کسی گھر میں لوگوں کی رہائش نہ ہو اور وہاں مسلمانوں کی کوئی چیز ہو تو پھر اس گھر میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے' مسلمان مردوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں' اور مسلمان عورتوں کو بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا وہ اپنی عصمت کی حفاظت کریں' اور جسم کے جس حصہ کا پردہ ممکن نہ ہو جیسے ہاتھ اور پیر ان کے سوا باقی جسم کو ڈھانپ کر رکھیں' اور اپنے گریبانوں کو دوپٹوں سے چھپائے رکھیں اور اپنے خاوند اور محارم' اپنے نوکروں اور کم عمر ناسمجھ بچوں کے سوا اپنے بناؤ سنگھار کو کسی پر ظاہر نہ کریں اور زمین پر بھی زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں تاکہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر نہ ہو۔

النور: ۴۰-۳۲ میں حکم دیا کہ جن مردوں اور عورتوں کا نکاح نہیں ہوا ہے ان کا نکاح کر دیا جائے' اور جن کے پاس نکاح کرنے کے وسائل نہ ہوں' وہ اپنی پاکیزگی کو برقرار رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے ان کے لیے نکاح کے وسائل کو مہیا کر دے' جن گھروں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام بلند کرنے اور اس کو یاد کرنے کا حکم دیا ہے وہاں صبح و شام اس کا ذکر کیا جائے' ان مسلمانوں کی تعریف اور تحسین فرمائی جو اپنے کاروبار اور تجارت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے اور کافروں کے برے اعمال کی مذمت فرمائی۔

النور: ۴۶-۴۱ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر دلائل بیان فرمائے۔

النور: ۵۴-۴۷ میں منافقین کو متنبہ فرمایا کہ ان کی یہ دوغلی پالیسی کسی کام نہیں آ سکے گی' وہ اپنے مفاد کی خاطر تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کو ظاہر کرتے ہیں اور ظاہری اطاعت بھی کرتے ہیں اور جس حکم کی تعمیل میں ان کو اپنا نقصان نظر آئے تو اس پر عمل نہیں کرتے اگر ان کو دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں کامیابی مطلوب ہے تو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں ورنہ وہ نفاق اور گمراہی کی وادی میں بھٹکنا چاہتے ہیں اس میں بھٹکتے رہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے' یہ لوگ بہت پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم آپ کا حکم ہوتے ہی جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں گے۔ آپ کہیے کہ زیادہ قسمیں نہ کھاؤ' ہم کو تمہاری اطاعت کی حقیقت معلوم ہے' آپ کہیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو' رسول کے ذمہ تو صرف احکام کا پہنچانا ہے اور اس کی جواب دہی تم سے ہوگی۔

النور: ۵۷-۵۵ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو یہ بشارت دی کہ زمین کی خلافت تمہارے لیے ہے' تمہارے مخالفین تمہارے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے تم نماز قائم کرتے رہو' زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اخلاص کے ساتھ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ڈٹے رہو' عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے خوف اور پریشانی کی حالت کو امن اور سکون سے بدل دے گا۔

النور:۶۱-۵۸ میں پردے کے احکام کی وضاحت فرمائی کہ تمہارے نوکروں اور نابالغ بچوں کے لیے بھی گھروں میں داخل ہونے کے لیے تین اوقات میں اجازت حاصل کرنی ضروری ہے' نماز فجر سے پہلے' اور ظہر کے وقت جب تم نے اپنے فالتو کپڑے اُتارے ہوئے ہوتے ہیں' اور عشاء کی نماز کے بعد۔ اور بچے جب بالغ ہو جائیں تو وہ بھی بڑے لوگوں کی طرح اجازت لے کر گھروں میں داخل ہوں' اور وہ بوڑھی عورتیں جنہیں اب نکاح کی خواہش نہ رہی ہو وہ بھی اگر فالتو کپڑے اُتار کر گھروں میں رہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم ان کے لیے بھی احتیاط سے رہنا زیادہ افضل ہے۔ نیز یہ اجازت دی کہ معذور لوگ اور دیگر مسلمان اپنے ماں باپ' رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں سے کچھ کھالیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

النور:۶۴-۶۲ میں اطاعت رسول کی ایک بار پھر تاکید فرمائی اور بتایا کہ مخلص مسلمان ضرورت کے مواقع پر ہمیشہ اپنے رسول کے ساتھ رہتے ہیں اور آپ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے سوا ایسے مسلمان جب آپ سے کہیں جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ انہیں اجازت دے دیں' اور آخری آیت میں مسلمانوں سے فرمایا کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں اس سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی ناگہانی مصیبت نہ ٹوٹ پڑے یا ان پر کوئی دردناک عذاب آ جائے۔

یہاں تک ہم نے سورۃ النور کی آیات کا خلاصہ بیان کیا ہے اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید اور نصرت کی امید رکھتے ہوئے سورۃ النور کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

الٰہ العٰلمین! اس سورت کی تفسیر میں مجھ سے وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور حق اور صواب کو دلائل کے ساتھ پیش کرنے کی توفیق دینا اور جو نظریات غلط اور باطل ہوں ان کی غلطی اور بطلان کو مجھ پر منکشف فرمانا اور ان کا رد کرنے کی سعادت عطا فرمانا۔ قرآن مجید کے اسرار اور نکات کے لیے میرے سینہ کو کھول دینا' مجھے نیکی اور نیک چلنی پر مستقیم رکھنا اور صحت اور سلامتی کے ساتھ اس تفسیر کو لکھواتے رہنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور شفاعت سے بہرہ مند فرمانا' دنیا اور آخرت کی بلاؤں اور عذاب سے محفوظ رکھنا اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دینا۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین و الصلوٰۃ و السلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین' سید المرسلین شفیع المذنبین و علی الہ الطیبین و اصحابہ الراشدین و ازواجہ امہات المؤمنین و علی اولیاء امتہ و علماء ملتہ و امتہ اجمعین

غلام رسول سعیدی غفرلہ
۲۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ / ۱۹ ستمبر ۲۰۰۱ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

سورۃ النور ۲۴ مدنیۃ ۔ آیاتہا ۶۴ ۔ رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ النور مدنی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس کی چونسٹھ آیات نو رکوع ہیں

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ

یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا اور ہم نے اس میں واضح آیتیں نازل فرمائیں تاکہ

تَذَكَّرُوْنَ ۝۱ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

تم نصیحت حاصل کرو ۝ زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم

مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ

سو کوڑے مارو اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے اگر تم

كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ

اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۠ وَّ

حاضر ہونی چاہیے ۝ زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا، اور

الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى

زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مومنوں پر اس (نکاح) کو

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا

حرام کر دیا گیا ہے ۝ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر (اس کے ثبوت میں)

بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ

چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو

شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

کبھی بھی قبول نہ کرو، اور یہی لوگ فاسق ہیں ۝ سوا ان لوگوں کے جو

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَالَّذِيْنَ

اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ○ اور جو لوگ

يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ

اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں'

فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶

تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ○

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۷

اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ○

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ

اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک

لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۸ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ

اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے ○ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ (خاوند)

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۹ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ

سچوں میں سے ہو ○ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا) اور بے شک اللہ

ع ۱۰/۷ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع

بہت توبہ قبول کرنے والا بہت حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل فرمائیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو ○ (النور:۱)

نحوی اشکال کا جواب' انزال پر اعتراض کا جواب اور سورت اور فرض کا معنی

اس آیت پر عربی گرامر کے اعتبار سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورۃ مبتدا ہے اور یہ لفظ نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتدا ہونا صحیح نہیں ہے' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس کا مبتداء محذوف ہے اور سورہ خبر ہے' اصل عبارت یوں ہے ھذہ سورۃ انزلنا ھا دوسرا جواب یہ ہے کہ سورۃ موصوف ہے اور انزلناھا اس کی صفت ہے اور صفت کی وجہ سے اس میں تخصیص ہوگئی اور اب اس کا

مبتداء ہونا صحیح ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی فیما اوحینا الیک' اور اس کا معنی یوں ہے وہ سورت جس کو ہم نے نازل کیا ہے ان امور میں سے ہے جن کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔

سورت کا معنی ہے المنزلة الرفیعة یعنی بلند مقام سور المدینة اس چاردیواری کو کہتے ہیں جو کسی شہر کے گردبنی ہوئی ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی سورت کو بھی اسی مشابہت کی وجہ سے سورت کہا جاتا ہے' کیونکہ ایک سورت بھی اپنی آیتوں کو اسی طرح محیط ہوتی ہے جس طرح شہر کی چار دیواری شہر کو محیط ہوتی ہے یا جس طرح چاند کی منازل ہوتی ہیں اسی طرح سورت بھی قرآن کی منازل میں سے ایک منزل ہے اور سور کا معنی ہے کسی چیز کا بقیہ اور سورت بھی قرآن مجید کا بقیہ ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۲۷-۳۲۶)

اس آیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انزال کا معنی ہے کسی چیز کو اوپر سے نیچے کی طرف بھیجنا' اور اس سے بہ ظاہر اللہ تعالیٰ کا کسی ایک جہت اور جانب میں ہونا لازم آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جہات سے پاک ہے' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت جبریل علیہ السلام نے اس سورت کو لوحِ محفوظ سے حفظ کرلیا پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور چونکہ انہوں نے یہ سورت اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے اس سورت کو یکبارگی نازل فرمایا پھر اس کو قسط وار حضرت جبریل کی زبان سے نازل کرایا۔

(۳) انزلناھا کا معنی ہے' ہم نے یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کردی۔

پھر فرمایا: اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا۔

فرض کا معنی ہے کسی سخت چیز کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور فرض کا معنی ہے کسی چیز کو حساب سے مقدر اور معین کرنا۔

فرمایا: فنصف مافرضتم۔ (البقرة: ۲۳۷) یعنی تم نے میت کا جو تر کہ معین کیا ہے اس کا نصف' اور فرمایا اَلَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ . (القصص: ۸۵) یعنی جس ذات نے آپ پر قرآن مجید کو معین کیا ہے۔ اور اس کا معنی کسی چیز کو واجب کرنا ہے اور اس آیت کا معنی ہے ہم نے اس سورت کے احکام کو آپ پر واجب کیا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۸۷-۴۸۶)

نیز فرمایا اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل فرمائیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء میں مختلف احکام اور حدود کو بیان فرمایا اور سورت کے آخر میں توحید کے دلائل بیان فرمائے' احکام اور حدود کا تو پہلے بندوں کو علم نہ تھا لیکن توحید کے دلائل تو زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان نشانیوں کو دیکھ کر ہر شخص صاحب نشان تک پہنچ سکتا ہے اس لیے اس آیت کے آخر میں فرمایا: تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ واضح آیتوں سے مراد حدود اور احکامِ شرعیہ ہوں اور آیت پر شرعی حکم کا اطلاق اس آیت میں ہے:

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ○ (مریم: ۱۰)

(زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے لیے کوئی آیت (علامت) مقرر فرمادے فرمایا تمہاری آیت (علامت) یہ ہے کہ تم باوجود تندرست ہونے کے تین دن تک کسی سے بات نہیں کرسکو گے۔

(۳) اس سورت میں جس طرح فرائض اور واجبات بیان کیے گئے ہیں اسی طرح اس سورت میں بہت سے مستحبات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو' اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے' اگر تم اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے O (النور: ۲)

اس آیت کی تفسیر میں ہم زنا کا معنی بیان کریں گے' زنا کی حد میں کوڑوں اور ایک سال کی جلاوطنی کا فقہی اختلاف بیان کریں گے' زنا کی حد میں رجم کے دلائل کا ذکر کریں گے۔ زنا کی حد میں عورتوں کے ذکر کو مقدم کرنے کی وجہ بیان کریں گے' زنا کی حد میں کوڑوں کی کیفیت اور کوڑے مارنے کی تفصیل بیان کریں گے اور زنا کی ممانعت اور مذمت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق احادیث بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

زنا کا لغوی معنی

زنا کا لغوی معنی ہے پہاڑ پر چڑھنا' سائے کا سکڑنا' پیشاب کو روک لینا' حدیث میں ہے:

لایصلی احدکم وھو زناء. — تم میں سے کوئی شخص پیشاب روکنے کی حالت میں نماز نہ پڑھے۔

(مسند الربیع بن حبیب' ج ۱ ص ۶۰' مکتبۃ الثقافۃ العربیہ بیروت)

اسی طرح حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۷۲' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۹۵' تلخیص الحبیر رقم الحدیث: ۵۶۶' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۶۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کھانا آ جائے تو نماز (کامل) نہیں ہوتی اور نہ اس وقت جب نمازی پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۹' شرح السنہ رقم الحدیث: ۸۰۲' تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۴۳ ص ۱۶۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ زنا کا معنی ہے کسی عورت کے ساتھ بغیر عقد شرعی کے وطی (مباشرت) کرنا۔

(مختار الصحاح ص ۱۷۰' النہایہ ج ۲ ص ۲۸۴' المفردات ج ۱ ص ۲۸۴)

قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

الزنا: اس اندام نہانی میں وطی (مباشرت' جماع) کرنا جو وطی کرنے والے کی ملکیت یا ملکیت کے شبہ سے خالی ہو۔

(دستور العلماء ج ۲ ص ۱۱۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سید مرتضیٰ حسین زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

لغت میں زنا کا معنی کسی چیز پر چڑھنا ہے اور اس کا شرعی معنی ہے کسی ایسی شہوت انگیز اندام نہانی میں حشفہ (آلہ تناسل کے سر) کو داخل کرنا جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۶۵' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

اہل علم کا اس شخص کے زانی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو کسی ایسی عورت کی قبل (اندام نہانی) میں وطی کرے جو

حرام ہو اور وطی کسی شبہ سے نہ ہو اور دُبر (سرین) میں وطی کرنا بھی اس کی مثل زنا ہے کیونکہ یہ بھی اس عورت کی فرج (شرمگاہ) میں وطی کرنا ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے اور نہ ملکیت کا شبہ ہے۔ لہٰذا یہ قبل (اندام نہانی) میں وطی کی طرح ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ. تمہاری وہ عورتیں جو بے حیائی کا کام کرتی ہیں

(النساء:۱۵)

اور دُبر میں وطی کرنا بھی بے حیائی کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قومِ لوط کے متعلق فرمایا:

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ. (الاعراف:۸۰) کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو؟

یعنی مرد مردوں کی دُبر میں وطی کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے قومِ لوط کے لوگ عورتوں کی دُبر میں وطی کرتے تھے پھر مردوں کی دُبر میں وطی کرنے لگے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص مردہ عورت سے وطی کرے تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد ہے اور یہی امام اوزاعی کا قول ہے' کیونکہ اس نے آدم زاد کی فرج میں وطی کی ہے پس یہ زندہ عورت سے وطی کے مشابہ ہے' نیز اس لیے کہ یہ بہت عظیم گناہ ہے کیونکہ اس میں بے حیائی کے ارتکاب کے علاوہ مردہ کی عزت کو بھی پامال کرنا ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے اور یہ حسن کا قول ہے۔ ابوبکر نے کہا میرا بھی یہی قول ہے مردہ سے وطی کرنا وطی نہ کرنے کی مثل ہے' کیونکہ اس پر شہوت نہیں آتی اور لوگ اس سے کراہت محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے اس سے زجر کو مشروع کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور حد کو زجر کے لیے مشروع کیا گیا ہے...... اور نابالغ لڑکی سے زنا کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے وطی کرنا ممکن ہو تو اس سے وطی کرنا زنا ہے اور اس سے وطی کرنے پر بالغہ سے وطی کی طرح حد واجب ہوگی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے محرم سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح بالاجماع باطل ہے' اور اگر اس سے وطی کر لی تو اکثر اہل علم کے قول کے مطابق پر اس پر حد واجب ہے۔ حسن' جابر بن زید' امام مالک' امام شافعی' امام ابو یوسف' امام محمد' اسحاق' ابوایوب' ابن ابی خیثمہ کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ثوری کا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے' کیونکہ یہ ایسی وطی ہے جس (کے جواز) میں شبہ پیدا ہو گیا اس لیے اس وطی سے حد واجب نہیں ہوگی' جیسے کوئی شخص اپنی رضاعی بہن کو خرید کر اس سے وطی کر لے۔ اور شبہ کا بیان یہ ہے کہ اس نے محرم سے نکاح کر لیا اور نکاح اباحت وطی کا سبب ہے (اور حضرت آدم کی شریعت میں محارم مثلاً بہن سے نکاح جائز تھا) اس شبہ کی وجہ سے اس پر حد لازم نہیں ہوگی۔ (لیکن ایسے شخص کو تعزیراً قتل کر دیا جائے گا' کیونکہ ایک شخص نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ (یعنی اس پر حد جاری نہیں کی) نیز حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو۔ (جامع ترمذی ص ۲۳۱ مطبوعہ نور محمد کراچی' اور یہی امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں کہ امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد واجب ہے' کیونکہ اس نے ایسی عورت کے ساتھ وطی کی ہے جس کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور اس میں ملکیت کا کوئی شبہ نہیں ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے جیسا کہ جامع ترمذی' سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت براء کہتے ہیں میری اپنے چچا سے ملاقات ہوئی در آں حالیکہ ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ میں نے کہا کہاں جا رہے ہیں' انہوں نے کہا ایک شخص نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی گردن مارنے

اور اس کا مال ضبط کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ نیز جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو''

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ امام احمد کا یہ قول راجح ہے کیونکہ یہ حدیث کے مطابق ہے۔ نیز علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ جو شخص بغیر نکاح کے محرم سے زنا کرے اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو نکاح کے بعد وطی کرنے میں اختلاف ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۹ ص ۵۵-۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: مرد اپنے حشفہ (سپاری) کو کسی ایسی فرج (اندام نہانی) میں داخل کر دے جو طبعاً مشتہیٰ ہو اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس وطی پر حد واجب ہوتی ہے اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کی حد رجم ہے اور اس کے ساتھ اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے' اور اگر غیر محصن (غیر شادی شدہ) ہو تو اس کی حد کوڑے اور شہر بدر کرنا ہے' اس میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

محصن ہونے کی تین شرطیں ہیں: پہلی شرط مکلف ہونا ہے' اس لیے بچہ اور مجنون پر حد نہیں لگے گی لیکن ان کو زجر و توبیخ کی جائے گی' دوسری شرط ہے حریت پس غلام' مکاتب' ام ولد اور جس کا بعض حصہ غلام ہو محصن نہیں ہیں' اور تیسری شرط ہے نکاح صحیح ہونا۔ (روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۰ ص ۸۶' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابوعبداللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں:

علامہ ابن حاجب مالکی نے زنا کی یہ تعریف کی ہے ''کسی ایسے فرد کی فرج میں عمداً وطی کرے جو اس کی ملک میں بالاتفاق نہ ہو' فرج کی قید سے وہ وطی خارج ہو گئی جو غیر فرج میں ہو' اور آدمی کی قید سے وہ وطی خارج ہو گئی جو جانور کے ساتھ وطی ہو' کیونکہ جانور کے ساتھ وطی کرنے میں حد نہیں' تعزیر ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۴۴۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' طبع قدیم)

فقہاء احناف کے نزدیک زنا کی تعریف

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں جو شخص دار العدل میں احکام اسلام کا التزام کرنے کے بعد اپنے اختیار سے زندہ مشتہاۃ عورت کی قُبل (اندام نہانی) میں وطی کرے درآں حالیکہ وہ قُبل حقیقتاً ملکیت اور ملکیت کے شبہ اور حق ملک اور حقیقتاً نکاح اور شبہ نکاح اور نکاح اور ملک کے موضع اشتباہ کے شبہ سے خالی ہو۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۳) علامہ ابن ہمام نے بھی یہی تعریف کی ہے۔ (فتح القدیر ج ۷ ص ۳۳ سکھر)

اس تعریف کی قیود کی وضاحت حسب ذیل ہے:

وطی: عورت کی اندام نہانی میں بقدر سپاری آلہ تناسل کو داخل کرنا' پس جس وطی سے حد واجب ہو گی اس میں بقدر سپاری داخل ہونا ضروری ہے اور اس سے کم میں حد واجب نہیں ہو گی۔

حرام: کسی مکلف شخص نے اجنبی عورت سے وطی کی ہو تو اس کو حرام کہا جائے گا' اگر چہ بچہ یا مجنون نے وطی کی تو اس پر حرام کا حکم نہیں لگے گا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخصوں سے قلم تکلیف اُٹھا لیا گیا' بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے' سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ اس حدیث کو امام ترمذی (رقم: ۱۴۲۳) اور امام ابوداؤد (رقم: ۱۴۴۰۱) نے روایت کیا ہے۔

قُبُل: عورت کی اندام نہانی کو کہتے ہیں اس قید کی وجہ سے مرد یا عورت کی دُبر (سرین) میں وطی امام ابوحنیفہ کے نزدیک زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی' اس کے برخلاف امام ابو یوسف' امام محمد اور فقہاء شافعیہ' فقہاء مالکیہ' اور فقہاء حنبلیہ عورت کی دُبر میں وطی کو بھی زنا قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ دُبر میں وطی کو لواطت کہتے ہیں اور اس کی حد میں صحابہ کا اختلاف تھا اگر یہ زنا ہوتا تو اختلاف نہ ہوتا' نیز زنا اس لیے حرام ہے کہ اس سے نسب مشتبہ ہوتا ہے اور بچہ ضائع ہوتا ہے اور لواطت میں صرف نطفہ ضائع ہوتا ہے جیسا کہ عزل میں ہے۔

عورت: اس قید کی وجہ سے جانور کے ساتھ وطی' زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی' کیونکہ یہ ایک نادر چیز ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

زندہ: اس قید کی وجہ سے مردہ کے ساتھ وطی' زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی' کیونکہ یہ بھی ایک نادر امر ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

مشتہاۃ: یعنی اس عورت سے وطی کی جائے جس پر شہوت آتی ہو اتنی چھوٹی لڑکی جس پر شہوت نہ آتی ہو اس سے وطی کرنا زنا نہیں ہے۔ (ہر چند کہ اتنی چھوٹی لڑکی سے وطی کرنے والے پر تعزیر ہوگی)

حالتِ اختیار: یعنی وطی کرنے والے کو اختیار ہو' اسی طرح حد کے وجوب کے لیے وطی کرانے والی عورت کا مختار ہونا بھی ضروری ہے' اس لیے مکرَہ (جس پر جبر کیا گیا ہو) پر حد نہیں ہے' کیونکہ حافظ الہیثمی نے امام طبرانی کی متعدد اسانید کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے: حضرت عقبہ بن عامر' حضرت عمران بن حصین' حضرت ثوبان' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت سے خطاء' نسیان اور جس کام پر جبر کیا گیا ہو (کے گناہ کو) اُٹھا لیا گیا۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۵۰' دار الکتاب العربی)

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت پر جبر کر کے اس کے ساتھ وطی کی جائے تو اس پر حد نہیں ہے' لیکن مرد میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور محققین مالکیہ کے نزدیک اگر مرد پر جبر کر کے اس سے وطی کرائی جائے تو اس پر حد ہے نہ تعزیر۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد لگائی جائے گی کیونکہ اس کے آلہ کا منتشر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اکراہ نہیں ہے۔ اور وہ اپنے اختیار سے وطی کر رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرد پر بھی حد نہیں ہے کیونکہ انتشار اس کے مرد ہونے کی دلیل ہے' اختیار کی دلیل نہیں ہے۔ امام ابو یوسف' اور امام محمد کا بھی یہی نظریہ ہے۔

دار العدل: دار العدل سے مراد دار الاسلام ہے' کیونکہ دار الحرب اور دار الکفر میں قاضی کو حد جاری کرنے کی قدرت نہیں ہے یعنی اگر کوئی شخص دار الحرب میں یا دار الکفر میں زنا کرے گا تو بھی وہ اسلامی سزا سو کوڑوں یا رجم کا مستحق ہے' لیکن چونکہ قاضی اسلام' دار الکفر یا دار الحرب میں اسلامی سزائیں نافذ کرنے پر قادر نہیں ہے اس لیے اس پر حد جاری نہیں ہوگی' دار الکفر میں بھی زانی سزا کا مستحق ہے اور اس کا یہ فعل گناہ ہے جیسا کہ سود' چوری' ڈاکہ' قتل اور دیگر جرائم دار الکفر اور دار الحرب میں ناجائز اور گناہ ہیں' اسی طرح زنا بھی وہاں ناجائز اور گناہ ہے۔

احکام اسلام کا التزام: اس قید کی وجہ سے حربی مستامن خارج ہے' کیونکہ اس نے احکام اسلام کا التزام نہیں کیا' مسلمان اور ذمی اگر زنا کریں گے تو ان پر حد جاری کی جائے گی۔

حقیقت ملک سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے ایسی باندی سے وطی کر لی جو مشترکہ ہے اس کی اور کسی کی ملکیت میں ہے' یا اس نے ایسی باندی سے وطی کی جو اس کی محرم تھی تو چونکہ وہ حقیقتاً اس کی ملکیت میں تھی اس لیے اس کا یہ فعل ہر چند کہ ناجائز ہے لیکن

زنا نہیں ہے اور اس پر حد نہیں ہے۔

حقیقتِ نکاح سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے حالتِ حیض یا نفاس میں وطی کر لی یا روزہ دار یا مُحرِمہ بیوی سے وطی کر لی یا ایلاء یا ظہار کے بعد وطی کر لی تو ہر چند کہ یہ فعل گناہ ہے لیکن زنا نہیں ہے' کیونکہ عورت حقیقتاً اس کے نکاح میں موجود ہے۔

شبہ ملک سے خالی ہونا: جب ملک یا نکاح میں شبہ ہو جائے تو حد نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادروا الحدود بالشبھات.   شبہات کی بناء پر حدود ساقط کردو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۴)

مثلاً اگر کسی شخص نے بیٹے کی باندی سے وطی کر لی تو اس پر حد نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو یہ شبہ ہوا ہو کہ بیٹے کے مال کا میں مالک ہوں۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی اور میرا باپ میرا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہے آپ نے فرمایا:

انت ومالک لابیک. (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۱)   تو اور تیرا مال تیرے باپ کی ملکیت ہے۔

اسی طرح مکاتب کی باندی سے وطی کرنا بھی زنا نہیں ہے' کیونکہ مکاتب جب تک پوری رقم ادا نہ کرے مالک کا غلام ہے سو اس کی باندی بھی اس کی ملکیت ہے۔

شبہ نکاح سے خالی ہونا

یعنی عقد نکاح میں شبہ نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص نے بغیر ولی یا بغیر گواہ کے نکاح کر کے وطی کر لی' یا نکاح متعہ کر کے وطی کر لی تو اس کا یہ فعل زنا نہیں ہے خواہ وہ اس نکاح کے عدم جواز کا اعتقاد رکھتا ہو کیونکہ اس نکاح کے جواز اور عدم جواز میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے اس نکاح میں شبہ آ گیا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے نسبی' رضاعی یا سسرال کے رشتہ سے کسی محرم سے نکاح کر لیا یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کر لیا یا کسی عورت سے اس کی عدت میں نکاح کر لیا اور اس عقد نکاح کی وجہ سے وطی کر لی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہو گی خواہ اس کو نکاح کی حرمت کا علم ہو' کیونکہ اس وطی میں اس کو شبہ لاحق ہو گیا ہے۔ لہٰذا یہ وطی زنا نہیں ہے البتہ اس پر تعزیر ہے۔

فقہاء مالکیہ' فقہاء شافعیہ' فقہاء حنبلیہ' امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ جو وطی ابداً حرام ہو اس سے حد لازم آتی ہے اور یہ نکاح باطل ہے اور اس کے شبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ البتہ جو وطی ابداً حرام نہ ہو جیسے بیوی کی بہن یا جس نکاح میں اختلاف ہو جیسے بغیر ولی یا بغیر گواہوں کے نکاح' اس وطی کی وجہ سے حد لازم نہیں آتی۔

امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کے درمیان منشاء اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب نکاح کا اہل شخص اس محل میں نکاح کرے جو مقاصد نکاح کے قابل ہو تو وہ نکاح وجوب حد سے مانع ہے' خواہ وہ نکاح حلال ہو یا حرام اور خواہ وہ تحریم متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ اور خواہ اس کو حرمت کا علم ہو یا نہ ہو' جمہور فقہاء اور صاحبین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس عورت سے نکاح کرے جس سے نکاح کرنا ابداً حرام ہو یا اس کی تحریم پر اتفاق ہو تو اس نکاح سے وطی پر حد لازم آتی ہے اور اگر وہ نکاح ابداً حرام نہ ہو یا اس کی حرمت میں اختلاف ہو تو پھر اس نکاح سے وطی پر حد لازم نہیں آتی۔

(بدائع صنائع ج ۷ ص ۳۵' مغنی المحتاج ج ۴ ص ۱۴۵' المہذب ج ۲ ص ۲۶۸' المیزان الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۷' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۴ ص ۲۵۱' المغنی ج ۸ ص ۱۸۲' الفروق ج ۴ ص ۱۷۴' رحمۃ الامۃ ج ۲ ص ۱۳۶)

حدزنا کی شرائط

حدزنا جاری کرنے کے لیے جن شرائط پر فقہاء کا اتفاق ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) زنا کرنے والا بالغ ہو نابالغ پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔

(۲) زنا کرنے والا عاقل ہو پاگل اور مجنون پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔

(۳) جمہور فقہاء کے نزدیک زانی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے شادی شدہ کافر پر فقہاء حنفیہ کے نزدیک حد جاری نہیں ہوتی' البتہ اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زنا اور شراب خوری کی کافر پر کوئی حد نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے اور اس نے حقوق الٰہیہ کا التزام نہیں کیا' فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر کافر نے کافرہ کے ساتھ زنا کیا تو اس پر حد نہیں ہے البتہ تادیباً اس کو سزا دی جائے گی' اور اگر اس نے مسلمان عورت سے جبراً زنا کیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر باہمی رضا مندی سے زنا کیا تو عبرتناک سزا دی جائے گی۔

(۴) زانی مختار ہو اگر اس پر جبر کیا گیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد ہے اور اگر عورت پر جبر کیا گیا تو اس پر بالاتفاق حد نہیں ہے۔

(۵) عورت سے زنا کرے' اگر جانور سے وطی کی ہے تو مذاہب اربعہ میں بالاتفاق اس پر حد نہیں ہے' البتہ تعزیر ہے اور جمہور کے نزدیک جانور کو بالاتفاق قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کو کھانا جائز ہے۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے۔

(۶) ایسی لڑکی سے زنا کیا ہو جس کے ساتھ عادتاً وطی ہو سکتی ہو اگر بہت چھوٹی لڑکی سے زنا کیا ہے تو اس پر حد نہیں ہے نابالغ لڑکی پر حد نہیں ہوتی۔

(۷) زنا کرنے میں کوئی شبہ نہ ہو اگر اس نے کسی اجنبی عورت کو یہ گمان کیا کہ وہ اس کی بیوی یا باندی ہے' اور زنا کر لیا تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر حد ہے' جس عقد نکاح کے جواز یا عدم جواز میں اختلاف ہو اس نکاح کے بعد وطی کرنے پر حد نہیں ہے' مثلاً بغیر ولی یا بغیر گواہوں کے نکاح ہو' اور جو نکاح بالاتفاق ناجائز ہے جیسے محارم سے نکاح یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس نکاح کے بعد وطی کرنے پر حد نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک حد ہے۔

(۸) اس کو زنا کی حرمت کا علم ہو اگر وہ جہل کا دعویٰ کرے اور اس سے جہل متصور ہو تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔

(۹) عورت غیر حربی ہو اگر وہ حربیہ ہے تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔

(۱۰) عورت زندہ ہو اگر وہ مردہ ہے تو اس سے وطی کرنے پر جمہور کے نزدیک حد نہیں ہے اور فقہاء مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس پر حد ہے۔

(۱۱) مرد کا حشفہ (آلہ تناسل کا سر) عورت کی قُبل (اندام نہانی) میں غائب ہو جائے اگر عورت کی دُبر میں وطی کر لے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے' اسی طرح لواطت (اِغلام) پر بھی حد نہیں ہے' اگر اجنبی عورت کے پیٹ یا رانوں سے لذت حاصل کی تو اس پر بھی تعزیر ہے۔

(۱۲) زنا دارالاسلام میں کیا جائے' دارالکفر یا دارالحرب میں زنا کرنے پر حد نہیں ہے' کیونکہ قاضی اسلام کو وہاں حد جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ (الفقہ الاسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ)

احصان کی تحقیق

فقہاء اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور اگر وہ غیر محصن ہے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اس لیے احصان کا معنی سمجھنا ضروری ہے۔

سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

احصان کا اصل میں معنی ہے منع کرنا' عورت اسلام' پاکدامنی' حریت اور نکاح سے محصنہ ہوتی ہے' جوہری نے ثعلب سے نقل کیا ہے ہر پاک دامن عورت محصنہ ہے اور ہر شادی شدہ عورت محصنہ ہے۔ حاملہ عورت کو بھی محصنہ کہتے ہیں کیونکہ حمل نے اس کو دخول سے ممنوع کر دیا۔ مرد جب شادی شدہ ہو تو محصن ہے۔ حضرت ابن مسعود نے "فاذا احصن فان اتین بفاحشة" کی تفسیر میں کہا باندی کا احصان اس کا مسلمان ہونا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا باندی کا احصان اس کا شادی شدہ ہونا ہے۔ زجاج نے محصنین غیر مسافحین کی تفسیر میں کہا مرد کا احصان اس کا شادی شدہ ہونا اور پاک دامن (غیر زانی) ہونا ہے اور فرج کا احصان' زنا سے رُکنا ہے' اور احصنت فرجها کا معنی پاکدامن رہنا اور زنا سے باز رہنا ہے اور والمحصنت من النساء کا معنی شادی شدہ خواتین ہے۔ (تاج العروس ج۹ص ۱۷۹' ۱۳۰۶ھ)

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں جو احصان رجم میں معتبر ہے اس کی سات شرائط ہیں:

(۱) عقل (۲) بلوغ (۳) حریت (۴) اسلام (۵) نکاح صحیح (۶) خاوند اور بیوی دونوں کا ان صفات پر ہونا (۷) نکاح صحیح کے بعد خاوند کا بیوی سے وطی کرنا لہٰذا بچہ' مجنون' غلام' کا فر نکاح فاسد' عدم وطی اور زوجین کے ان صفات پر نہ ہونے سے احصان ثابت نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج ۷ص ۳۸-۳۷- مطبوعہ کراچی ۱۴۰۰ھ)

زنا کی ممانعت' اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق قرآن مجید کی آیات

لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ○ (بنی اسرائیل:۳۲)

اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ' بے شک وہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (النور:۲)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو' اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے' اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو' اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ○ (الفرقان:۶۹-۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے' اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ سخت عذاب کا سامنا کرے گا ○ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دُگنا کر دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ذلت والے عذاب میں رہے گا ○

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ

اے نبی جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں ان چیزوں پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں

أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (الممتحنہ:۱۲)

کریں گی نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جس کو وہ خود اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور نہ کسی نیک کام میں آپ کی حکم عدولی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیں اوران کے لیے استغفار کریں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

زنا کی ممانعت' مذمت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق احادیث اور آثار

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اُٹھالیا جائے گا' جہل برقرار رہے گا' شراب پی جائے گی اور زنا کا ظہور ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۰۴۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۲۰۸۰۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث:۱۱۹۰)

(۲) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے سامنے سے گزرتی ہے تاکہ لوگوں کو اس کی خوشبو آئے وہ عورت زانیہ ہے۔ (یعنی وہ عورت لوگوں کے دلوں میں زنا کی تحریک پیدا کرتی ہے) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۷۳' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۷۸۶' مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث:۵۵۷' مسند البزار رقم الحدیث:۱۵۵۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۴۴۲۴' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۶' سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۴۶)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں سے اللہ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا' بوڑھا زانی' جھوٹا بادشاہ (سردار یا حاکم) اور متکبر فقیر۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۷۱۳۸' شعب الایمان رقم الحدیث:۵۳۰۵)

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے۔ جن تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں: ایک شخص لوگوں کے پاس جا کر سوال کرے' اس کا سوال ان کے ساتھ کسی رشتہ داری کی بناء پر نہ ہو' اور وہ لوگ اس کو منع کر دیں' پھر ایک شخص ان کے پیچھے سے جائے اور چپکے سے اس کو دے دے' اور اس کے عطیہ کو اللہ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو' یا وہ شخص جس کو اس نے عطیہ دیا تھا اور وہ لوگ جو رات کو سفر کریں حتیٰ کہ نیند ان کو بہت زیادہ مرغوب ہو جائے پھر وہ ٹھہر جائیں اور اپنے سر رکھ کر سو جائیں پھر ان میں سے ایک شخص بیدار ہو کر نماز میں قیام کرے اور میری حمد وثنا کرے اور میری آیات کی تلاوت کرے' اور وہ شخص جو کسی لشکر میں ہو اس کا دشمن سے مقابلہ ہو وہ لشکر شکست کھا جائے اور وہ شخص آگے بڑھ کر حملہ کرے حتیٰ کہ وہ شخص شہید ہو جائے یا فتح یاب ہو' اور جن تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں: بوڑھا زانی' متکبر فقیر اور مالدار ظالم۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۶۸' سنن النسائی رقم الحدیث:۱۶۱۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۲۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۸۹' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۲۴۵۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۳۳۴۹' المستدرک ج ۲ ص ۱۱۳)

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا...... اس موقع پر

آپ نے فرمایا سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے۔ پس جب تم ان نشانیوں کو دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اللہ اکبر کہو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو پھر فرمایا: اے امت محمد اللہ کی قسم! کسی شخص کو اللہ سے زیادہ اس پر غیرت نہیں آتی کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے۔ اے امت محمد! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ضرور کم ہنسو اور تم ضرور زیادہ روؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۴۴، صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۰۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۱۷۷، سنن النسائی رقم الحدیث:۱۴۷۱، ۱۴۷۴)

(۶) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کیا تم میں سے کسی شخص نے خواب دیکھا ہے؟ پھر کوئی شخص جو اللہ چاہتا وہ خواب بیان کرتا۔ ایک دن صبح کے وقت آپ نے فرمایا بے شک آج رات (خواب میں) دو فرشتے آئے اور وہ مجھے اٹھا کر لے گئے انہوں نے مجھ سے کہا آپ چلیے میں ان کے ساتھ چلتا رہا۔۔۔ میں نے دیکھا کہ ننگے مرد اور ننگی عورتیں ایک تنور کی مثل میں تھے اس کا بالائی حصہ تنگ تھا اور نچلا حصہ کشادہ تھا اور اس کے نیچے سے آگ جل رہی تھی جب آگ کے شعلے بلند ہوتے تو وہ لوگ اوپر اٹھ جاتے اور جب آگ کم ہوتی تو وہ نیچے گر جاتے۔۔۔ فرشتوں نے بتایا وہ زانی مرد اور زانی عورتیں تھیں۔ الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۰۴۷، ۱۳۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۷۵، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۹۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۷۶۵۸)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے زنا کیا یا شراب پی اللہ اس سے ایمان کو نکال لیتا ہے جیسے انسان اپنے سر سے قمیص کو اتارتا ہے۔

(المستدرک ج۱ ص۲۲، شعب الایمان رقم الحدیث:۵۳۶۴، الکبائر للذہبی ص۸۳-۶۲، الترغیب والترہیب للمنذری ج۳ ص۲۵۲، دارالحدیث قاہرہ)

(۸) حضرت ام المومنین میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت اس وقت تک اچھے حال میں رہے گی جب تک ان کی اولاد زنا کی کثرت سے نہ ہو اور جب ان کی اولاد زنا کی کثرت سے ہوگی تو عنقریب اللہ ان میں عام عذاب نازل فرمائے گا۔

(مسند احمد ج۶ ص۳۳۳، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۷۰۹۱، مجمع الزوائد ج۶ ص۲۵۷)

(۹) امام طبرانی نے حضرت شریک ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص زنا کرتا ہے اس سے ایمان نکل جاتا ہے پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث:۷۲۳۴، شعب الایمان رقم الحدیث:۵۳۶۴، مجمع الزوائد ج۱ ص۱۰۱، الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث:۳۵۲۹، مصنف نے کہا اس کی سند جید ہے ج۳ ص۲۸ کا صاحب ج۳ ص۳۳۹ قدیم)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی لٹیرا کسی شریف آدمی کو لوٹتا ہے اور لوگ اس کو نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۷، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۲۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۳۶، شعب الایمان رقم الحدیث:[illegible]، تاریخ دمشق الکبیر ج۲۷ ص۸۵۹، رقم الحدیث:[illegible]، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت کا ظہور ہوتا ہے اس قوم کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے اور جس قوم میں زنا بہ کثرت ہوتا ہے ان میں موت بہ کثرت ہوتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے ان سے رزق منقطع ہو جاتا ہے اور جو قوم ناحق فیصلے کرتی ہے ان میں خون ریزی زیادہ ہوتی ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے ان پر اللہ دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۶ الموطا رقم الحدیث: ۱۰۲۰ الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۱۱-۲۱۰ رقم الحدیث: ۲۰۰۹۰)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا تم اللہ کا شریک بناؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے اس نے پوچھا پھر کون سا ہے؟ فرمایا تم کھانے کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دو اس نے پوچھا پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو پھر اللہ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ○ (الفرقان: ۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہو اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا اس کو عذاب کا سامنا ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۶۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۱۰ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۱۳ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۹۸۷)

(۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم زنا سے بچتے رہو کیونکہ اس میں چار خصلتیں ہیں:

(۱) اس سے چہرے کی رونق چلی جاتی ہے۔
(۲) رزق منقطع ہو جاتا ہے۔
(۳) رحمان ناراض ہوتا ہے۔
(۴) اور دوزخ میں خلود ہوتا ہے۔ (یعنی بہت دیر تک رہنا)

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۰۹۲ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۴ اس کی سند میں عمرو بن جمیع متروک ہے)

(۱۴) حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عرب کی ہلاک ہونے والی عورتو! مجھے سب سے زیادہ تم پر زنا کا اور شہوت خفیہ (ریاکاری) کا خوف ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۲۲)

(۱۵) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے بوڑھا زانی امام کذاب اور متکبر فقیر۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۳۰۸ الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۴ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۱۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے گا تو دشمنوں کی حکومت ہو جائے گی اور جب کثرت کے ساتھ زنا کیا جائے گا تو لوگ بہ کثرت قید ہوں گے اور جب قوم لوط کا عمل بہ کثرت کیا جائے گا تو اللہ مخلوق کے اوپر سے اپنا ہاتھ اٹھائے گا پھر یہ پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتے

ہیں۔(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۵۲ا' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں عبدالخالق بن زید بن واقد ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۱۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کی طرف نہیں دیکھے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۳۹۶' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی ہے موسیٰ بن سہل اس کو میں نہیں جانتا اور اس کے باقی راوی ثقات ہیں)

(۱۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ معمر زانی اور متکبر فقیر کی طرف نہیں دیکھے گا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۱۹۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس کا ایک راوی ابن لہیعہ ہے اس کی حدیث حسن بھی ہوتی ہے اور ضعیف بھی' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۱۹) حضرت نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا متکبر مسکین' بوڑھا زانی اور اپنے عمل سے اللہ پر احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۶' حافظ الہیثمی نے کہا اس کے ایک راوی الصباح بن خالد کو میں نہیں جانتا اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۲۰) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا سات آسمان اور سات زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں اور زانیوں کی فروج کی بدبو سے اہل دوزخ کو بھی ایذا ہوگی۔(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۵۴۸' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۷' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۲۱) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدھی رات کو آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر ایک منادی نداء کرتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہو تو اس کی دعا قبول کی جائے' کوئی سائل ہو تو اس کو عطا کیا جائے' کوئی مصیبت زدہ ہو تو اس کی مصیبت دُور کر دی جائے پس ہر دعا کرنے والے مسلمان کی دعا قبول کر لی جائے گی سوا اس عورت کے جو پیسے لے کر زنا کراتی ہے اور سوا اس شخص کے جو ظالمانہ ٹیکس لیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۲' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۷۹۰' حافظ منذری نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' الترغیب والترہیب ج ا رقم الحدیث: ۱۱۶۳' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۸۸)

(۲۲) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زانیوں کے چہروں میں آگ بھڑک رہی ہوگی۔(الترغیب والترہیب ج ۳ رقم الحدیث: ۳۵۲۴' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵' اس کی سند پر اعتراض ہے)

(۲۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا فقر پیدا کرتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۱۸' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۲۵)

(۲۴) حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس دو شخص آئے ان دونوں نے مجھے میری بغلوں سے پکڑ کر اُٹھایا اور مجھے ایک سخت چڑھائی والے پہاڑ پر لے گئے' اور مجھ سے کہا اس پر چڑھیے میں نے کہا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا' انہوں نے کہا ہم آپ کے لیے چڑھنا آسان کر دیں گے' پھر میں چڑھا حتیٰ کہ میں اس پہاڑ کے وسط میں پہنچ گیا' ناگاہ میں نے بہت زور کی آوازیں سنیں۔میں نے پوچھا یہ کیسی آوازیں ہیں؟ انہوں نے کہا یہ دوزخ کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ہیں' (الی قولہ) ہم

چلتے رہے حتیٰ کہ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے بدن بہت پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آ رہی تھی میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ مقتولین کفار ہیں' وہ پھر مجھے آگے لے گئے وہاں ایسے لوگ تھے جن کے بدن بہت پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آ رہی تھی گویا کہ وہ پاخانے کی بدبو تھی میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورتیں ہیں: الحدیث

(صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۱۹۸۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۷۴۴۸' المستدرک ج۱ ص۴۳۰' الترغیب والترہیب ج۲ رقم الحدیث:۱۴۸۵)

(۲۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان نکل جاتا ہے گویا کہ وہ اس کے اوپر سائبان ہو اور جب وہ اس سے توبہ کرتا ہے تو اس کا ایمان لوٹ آتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۶۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۲۷' المستدرک ج۱ ص۲۲' سنن بیہقی ج۱ ص۵۳۶۶)

(۲۶) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ہم اکٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ سے ڈرو اور رشتہ داروں سے ملاپ رکھو' رشتہ داروں سے میل جول سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی ثواب نہیں ہے اور بغاوت سے (یا زنا سے) بچو کیونکہ اس سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی عذاب نہیں ہے' اور تم ماں باپ کی نافرمانی سے بچو کیونکہ ایک ہزار سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو آتی ہے اور ماں باپ کا نافرمان' رشتہ منقطع کرنے والا' بوڑھا زانی اور تکبر سے تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اس خوشبو کو نہیں پائے گا۔ کبریائی صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔(الترغیب والترہیب ج۳ رقم الحدیث:۳۰۱۹' مجمع الزوائد ج۵ ص۱۳۵)

(۲۷) راشد بن سعد المقرائی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جن کی کھال آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھی۔ میں نے کہا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لیے مزین ہوتے تھے' پھر میں ایک کنویں کے پاس سے گزرا جس سے سخت بدبو آ رہی تھی میں نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کرانے کے لیے خود کو مزین کرتی تھیں اور وہ کام کرتی تھیں جو ان کے لیے جائز نہ تھے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۶۷۵۰' الترغیب والترہیب رقم الحدیث:۳۵۴۰)

(۲۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عادتاً زنا کرنے والا بت پرست کی مثل ہے۔

(مساوی الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث:۴۷۷' الترغیب والترہیب رقم الحدیث:۳۵۴۱' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج۴۳ ص۱۷۳ رقم الحدیث:۹۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت'۱۴۲۱ھ)

حافظ منذری نے کہا صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ عادی شرابی بت پرست کی طرح اللہ سے ملاقات کرے گا اور اس میں شک نہیں کہ زنا شراب نوشی سے بڑا گناہ ہے۔(الترغیب والترہیب ج۳ ص۲۳۸' بیروت'۱۴۱۴ھ)

(۲۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بستی میں زنا اور سود کا ظہور ہو انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کر لیا۔(یہ حدیث صحیح ہے)

(المستدرک ج۲ ص۳۷' الترغیب والترہیب رقم الحدیث:۳۵۴۳' شعب الایمان رقم الحدیث:۵۴۱۷)

(۳۰) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں زنا اور سود کا ظہور ہوا انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب

کو حلال کر لیا۔ (مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۴۹۸۱ الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۴ ۲۷۷۰ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۱۸)

(۳۱) حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ تم زنا کے متعلق کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ حرام ہے اس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔ یہ قیامت تک کے لیے حرام ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا اگر کوئی شخص دس عورتوں سے زنا کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے (یعنی ان کی اس کی سزا اس سے کم ہے) کہ وہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۸ اس کے راوی ثقات ہیں الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۷)

(۳۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے گا اس کی طرف اللہ قیامت کے دن نہیں دیکھے گا اور نہ اس کو پاک کرے گا اور فرمائے گا دوزخ میں دوزخیوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

(مساوی الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث: ۴۸۵ مسند الفردوس الدیلمی رقم الحدیث: ۱۳۲۷ الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۸)

(۳۳) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر غائب ہو قیامت کے دن اللہ ایک اژدھے کو اس کے اوپر قادر کر دے گا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۲۷۸ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۲۲۷ الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۹ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۸)

(۳۴) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھتا ہے جس کا شوہر غائب ہو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کو قیامت کے اژدھوں میں سے کوئی سیاہ اژدھا بھنبھوڑ رہا ہو۔

(الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۵۰ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقات ہیں مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۸)

(۳۵) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجاہدین کی بیویوں کی حرمت جہاد پر نہ جانے والوں کے لیے ان کی ماؤں کی مثل ہے اور مجاہد جس شخص کے اوپر اپنی اہلیہ کو چھوڑ کر جائے اور وہ اس میں خیانت کرے تو اس کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد اس کی نیکیوں میں سے جس قدر چاہے گا لے لے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اس کی کوئی نیکی چھوڑ دے گا؟

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۹۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۹۶ سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۸۹)

(۳۶) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ساٹھ سال اپنے گرجے میں اللہ کی عبادت کی پھر بارش ہوئی اور زمین سرسبز ہو گئی۔ راہب نے اپنے گرجے سے باہر جھانکا اور سوچا کہ میں گرجے سے باہر نکل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں اور زیادہ نیکی حاصل کروں۔ وہ گرجے سے اترا اس کے ہاتھ میں ایک روٹی یا دو روٹیاں بھی تھیں جس وقت وہ باہر کھڑا تھا تو ایک عورت آ کر اس سے ملی وہ دونوں ایک دوسرے سے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ اس عابد نے اس سے اپنی خواہش پوری کر لی پھر اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی پھر وہ ایک گرم تالاب میں نہایا اس کے بعد ایک سائل آیا تو اس نے ان دو روٹیوں کی طرف اشارہ کیا پھر اس کی ساٹھ سال کی عبادت کا زنا کے گناہ کے ساتھ وزن کیا گیا تو گناہ کا پلڑہ بھاری نکلا پھر ان دو روٹیوں کی نیکی کا وزن کیا گیا تو نیکیوں کا پلڑہ بھاری نکلا سو اس کو بخش دیا گیا۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان ہے ساٹھ سال کی عبادت ایک زنا کے گناہ سے ضائع کر دی اور دو روٹیوں کو صدقہ کرنے کی نیکی سے اس کے گناہ کو بخش دیا' وہ جس گناہ پر چاہے پکڑ لیتا ہے اور جس نیکی کو چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔
(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۹' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۶' ۳۸۷۴' ۳۹۹۶)

(۳۷) شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم (سنگسار) کیا تو کہا میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رجم کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۲)

(۳۸) شیبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم (سنگسار) کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں' میں نے پوچھا سورۂ نور کے نزول سے پہلے یا اس کے بعد؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰۲)

اس سوال کا منشاء یہ ہے کہ اگر رجم سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے ہوا ہے تو ہوسکتا ہے کہ سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد وہ منسوخ ہو گیا ہو کیونکہ سورۂ نور میں زانیوں کو کوڑے مارنے کا حکم ہے اور اگر سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سو کوڑے مارنے کا حکم رجم کرنے کے منافی نہیں ہے یعنی کنوارے اگر زنا کریں تو ان کو سو کوڑے مارے جائیں اور اگر شادی شدہ زنا کریں تو ان کو رجم (سنگ سار) کیا جائے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ سورۂ نور کے نزول کے بعد رجم کیا گیا ہے کیونکہ سورۂ نور کے نزول کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کہ تین قول ہیں' ۴ ہجری' ۵ ہجری اور ۶ ہجری اور صحیح یہ ہے کہ سورۂ نور شعبان ۵ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور رجم اس کے بعد کیا گیا ہے کیونکہ رجم کے موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور وہ ۷ ہجری میں اسلام لائے تھے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ کے ساتھ ۹ ہجری میں مدینہ آئے تھے۔

(فتح الباری ج ۱۴ ص ۹۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

(۳۹) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ وہ زنا کر چکا ہے اور اس نے چار مرتبہ قسم کھا کر اپنے متعلق زنا کرنے کا اقرار کیا اور وہ شخص شادی شدہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم (پتھر مار مار کر ہلاک) کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۵۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۱۵۵' عالم الکتب بیروت)

(۴۰) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے حکم لو' مجھ سے حکم لو' اللہ نے زنا کرنے والیوں کی سزا کی راہ بیان فرما دی اگر کنواری کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو ان کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو' اور اگر شادی شدہ' شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو ان کو رجم (سنگسار) کر دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۹۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۶' ۴۴۱۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۴' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۵۰)

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے زانیہ عورتوں کے متعلق فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی سزا کی سبیل بیان فرمائے گا اس حدیث میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کی راہ بیان کر دی ہے اور اپنا وعدہ پورا فرما دیا ہے' سورۃ النساء کی وہ آیت یہ ہے:

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا o (النساء:۱۵)	تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان کے خلاف تم اپنوں میں سے چار گواہ طلب کرو پس اگر وہ شہادت دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو حتیٰ کہ موت ان کی زندگیاں پوری کر دے یا اللہ ان کی کوئی اور سزا مقرر فرما دے۔

سو جس سزا کے مقرر کرنے کا سورہ نساء میں ذکر کیا گیا تھا وہ کنواری عورت کو کوڑے مارنے اور شادی شدہ کو رجم کرنے کا حکم ہے۔ کوڑے مارنے کا حکم سورہ نور میں ہے اور رجم کرنے کا ذکر ان احادیث میں ہے' ہم نے رجم کے ثبوت میں ۵۳ احادیث مرفوعہ' ۴۰ آثار صحابہ اور ۵ فتاویٰ تابعین ذکر کیے ہیں' ان کی تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۸۱۶-۸۰۴ میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ اور یہ اس قدر کثیر احادیث اور آثار ہیں کہ یہ کہنا صحیح ہے کہ رجم کا حکم تواتر سے ثابت ہے۔

میں نے یہاں پر زنا کی ممانعت اور اس کی دنیاوی اور اُخروی سزا کے متعلق چالیس احادیث ذکر کی ہیں' احادیث تو ان کے علاوہ اور بھی ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس احادیث کی تبلیغ کرنے پر جو نوید سنائی ہے میں نے اس کے حصول کی امید میں چالیس احادیث ذکر کی ہیں' وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری اُمت کو ان کے دین سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں' اللہ اس کو اس حال میں اُٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۱۷۲۶' ۱۷۲۵' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر جز ۵۴ ص ۱۱۱' ۹۹' رقم الحدیث: ۱۱۸۲۸' ۱۱۸۳۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' المطالب العالیہ رقم الحدیث:۳۰۷۶' الجامع الصغیر رقم الحدیث:۸۶۳۷' حافظ سیوطی نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی رمز کی ہے' جمع الجوامع رقم الحدیث:۲۱۸۵۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۲۵۸)

یہ چالیس احادیث میں نے زنا سے ترہیب اور تخویف کی ذکر کی ہیں آخر میں' میں زنا سے بچنے کی ترغیب کے سلسلہ میں بھی ایک حدیث درج کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص کی نظر کسی عورت کے حسن کی طرف (بلاقصد) پڑ جائے پھر وہ اپنی نظر پھیر لے اللہ اس کے دل میں اس کی عبادت میں حلاوت اور لذت پیدا کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۵۴۳۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

زنا کی حد میں عورت کے ذکر کو مقدم کرنے کی توجیہ

قرآن مجید میں احکام بیان کرنے کا عام اسلوب یہ ہے کہ صرف مردوں پر کسی حکم کو فرض کیا جاتا ہے اور عورتیں اس حکم میں بالتبع داخل ہو جاتی ہیں لیکن اس آیت میں زنا کرنے والی عورتوں اور مردوں دونوں کا ذکر کیا گیا ہے نہ صرف یہ بلکہ عورتوں کے ذکر کو مقدم کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں زنا کا سبب اور اس کا محرک عورت ہوتی ہے' عورت سے جنسی لذت حاصل کرنے کے لیے مرد فعل زنا کا مرتکب ہوتا ہے اور

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ:۳۸)	چور مرد اور چور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو۔

اس آیت میں چور مرد کا ذکر چور عورت سے پہلے فرمایا کیونکہ اکثر و بیشتر اس فعل کا صدور مرد سے ہوتا ہے۔

کوڑے مارنے کے مسائل اور فقہی احکام

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس چیز کے ساتھ کوڑے لگائے جائیں گے وہ چابک ہو یا درخت کی شاخ اور وہ چابک یا شاخ متوسط ہو نہ بہت سخت ہو نہ بہت نرم ہو۔ حدیث میں ہے:

امام مالک' زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص نے اپنے اوپر زنا کا اعتراف کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارنے کے لیے ایک چابک منگوایا تو ایک ٹوٹا ہوا چابک لایا گیا' آپ نے فرمایا اس سے سخت لاؤ تو درخت کی ایک نئی شاخ لائی گئی جس کے پھل بھی نہیں اُتارے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا اس سے ذرا کم لاؤ' پھر ایک استعمال شدہ اور نرم شاخ لائی گئی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کوڑے مارنے کا حکم دیا' پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! اب وقت آ گیا ہے کہ تم اللہ کی حدود کے ارتکاب سے باز آ جاؤ اور جس شخص نے ان ناپاک کاموں میں سے کوئی کام کرلیا اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کے ستر کے ساتھ اپنا پردہ رکھے' کیونکہ جس کا جرم ہم پر ظاہر ہو گیا' ہم اس کے اوپر اللہ کی کتاب کو جاری کر دیں گے۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵۸۸' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص پر کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے اُتارے جائیں یا نہیں' امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا کہ اس کے کپڑے اور عورت کے کپڑے نہ اُتارے جائیں البتہ وہ کپڑے اُتار دیئے جائیں جو ضرب سے بچاتے ہوں۔ امام اوزاعی نے کہا مرد کے کپڑے اُتروانے میں امام کو اختیار ہے چاہے اس کے کپڑے اُتروائے چاہے نہیں۔ شعبی اور نخعی نے کپڑے اُتارنے سے منع کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اس اُمت میں کسی کے کپڑے اُتارنا جائز نہیں ہے۔ ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے جو کہا ہے کہ اس کے کپڑے اُتارے جائیں غالباً ان کی مراد یہ ہے کہ مرد کے ستر کے علاوہ اس کے کپڑے اُتار دیئے جائیں۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ حد جاری کرتے وقت انسان کے کن اعضاء پر کوڑے مارے جائیں؟ امام مالک نے کہا کہ حدود اور تعزیرات میں صرف پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا کہ چہرے اور نازک اعضاء کے سوا تمام جسم پر کوڑے مارے جائیں' سر پر مارنے میں اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا کہ سر کو بچایا جائے اور امام ابویوسف نے کہا کہ سر پر ضرب لگائی جائے' حضرت عمر اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ سر پر ضرب لگائی جائے' امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ھلال بن اُمیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو پیش کیا' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف کے کوڑے لگائے جائیں گے' اس نے کہا یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے اوپر کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ گواہوں کو تلاش کرنے جائے گا؟ آپ نے پھر یہی فرمایا کہ تم گواہوں کو پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف لگائی جائے گی' پھر لعان کے احکام نازل ہوئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۴۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۳۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۸۲۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۵۱)

کوڑوں کے ساتھ ایسی ضرب لگائی جائے' جس سے چوٹ لگے' درد ہو لیکن زخم نہ آئے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ تمام قسم کی حدود میں ضرب مساوی ہو اس سے کوئی زخم نہ پڑے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور امام

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے یہ کہا ہے کہ تعزیر میں سخت ضرب لگانی چاہیے' زنا کی ضرب شراب نوشی کی ضرب سے زیادہ شدید ہے اور شراب نوشی کی ضرب قذف (تہمت) کی ضرب سے زیادہ شدید ہے۔

پہلے شراب نوشی کی حد میں اختلاف تھا۔ عبدالرحمٰن بن ازھر بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوۂ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے' آپ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جو نشہ میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے کہا جو آپ کے پاس تھے' تمہارے ہاتھ میں جو چیز آئے اس سے اس کو مارو' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی اُٹھا کر اس پر ماری' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جو نشہ میں تھا' انہوں نے اس کو چالیس کوڑے مارے۔

ابن وبرہ کلبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا میں جب ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عثمان بن عفان' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت علی' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا حضرت خالد بن ولید نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے' انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ لوگ اب شراب بہت پینے لگے ہیں اور اس کی سزا کو معمولی سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا یہ کبار اصحاب تمہارے سامنے بیٹھے ہیں ان سے پوچھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہماری رائے یہ ہے کہ جب آدمی نشہ میں ہوتا ہے تو ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو لوگوں پر تہمت لگاتا ہے اور تہمت لگانے والے کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہیں۔ حضرت عمر نے مجھ سے کہا حضرت علی نے جو کہا ہے وہ حضرت خالد کو پہنچا دو پھر انہوں نے اسی (۸۰) کوڑے مارے اور حضرت عمر نے بھی اسی (۸۰) کوڑے مارے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ص ۱۵۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

زانی کو کوڑے مارنے کے بعد شہر بدر کرنے میں مذاہب فقہاء

اگر زانی مرد یا زانیہ عورت محصن نہ ہو تو قرآن مجید میں اس کی سزا سو کوڑے مارنا بیان فرمائی ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور: ۲)۔ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کے سو کوڑے مارو۔

بعض احادیث میں سو کوڑے مارنے کے علاوہ ایک سال کے لیے شہر بدر کرنے کا بھی حکم ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۱۴۳۰ میں ہے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا غیر شادی شدہ کے زنا کی حد میں سو کوڑوں کے علاوہ شہر بدر کرنا بھی داخل ہے یا نہیں؟

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کے زنا کرنے کی حد میں جمہور کا یہ نظریہ ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے شہر بدر بھی کیا جائے۔ خلفاء راشدین سے بھی یہی مروی ہے' حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے' فقہاء تابعین میں سے عطاء' طاؤس' ثوری' ابن ابی لیلیٰ اور ابوثور کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام احمد کا مذہب ہے' اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن یہ کہتے ہیں کہ شہر بدر کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان دونوں کو شہر بدر کرنا انہیں فتنہ میں ڈالنے کے لیے کافی ہے' اور ابن مسیب سے یہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب نوشی کی بناء پر خیبر میں جلاوطن کر دیا۔ وہ ہرقل کے پاس جا کر نصرانی ہو گیا تب حضرت عمر نے فرمایا: اس کے بعد میں کبھی کسی کو شہر بدر نہیں کروں گا۔ نیز اس لیے کہ اللہ

تعالیٰ نے صرف کوڑے لگانے کا حکم دیا ہے اگر شہر بدر کرنے کو واجب قرار دیا جائے تو نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی۔
(المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۳۰ دارالفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

زانی اور زانیہ کو شہر بدر کرنے میں فقہاء احناف کا موقف اور دلائل

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: غیر شادی شدہ کی حد میں کوڑوں اور شہر بدر کرنے کو جمع نہیں کیا جائے گا امام شافعی حد میں ان دونوں سزاؤں کو جمع کرتے ہیں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

البکر بالبکر جلد مأة وتغریب عام۔ کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کردو۔

(صحیح مسلم' سنن ابوداؤد' جامع ترمذی)

نیز اس سے زنا کا دروازہ بند ہو جائے گا' کیونکہ دوسرے شہر میں ان کے جان پہچان والے کم ہوں گے۔

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فاجلدوا پس کوڑے مارو' اللہ تعالیٰ نے کل سزا سو کوڑے بیان کی ہے اور اس کے علاوہ کنوارے شخص کی اور کوئی سزا بیان نہیں کی (پس اگر ایک سال شہر بدر کرنے کو زنا کی حد کا جز قرار دیا جائے تو اخبار آحاد سے نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی اور یہ جائز نہیں ہے' اس کے برخلاف شادی شدہ کو رجم کرنا اخبار آحاد سے نہیں بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ سے قرآن مجید کے عام کو خاص کرنا جائز ہے' اس لیے یہ کہا جائے گا کہ قرآن مجید میں الزانی سے مراد کنوارہ زانی ہے اور کوڑے مارنے کا حکم کنواروں کے بارے میں ہے اور شادی شدہ زانی کی سزا یعنی اس کو رجم کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے جیسا کہ عنقریب اس کی وضاحت کی جائے گی۔
(سعیدی غفرلہ)

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں: زانی کو شہر بدر کرنا زنا کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے کیونکہ اپنے شہر میں تو خاندان والوں سے حیاء آئے گی اور دوسرے شہر میں اس کو زنا کرنے سے کوئی حجاب نہیں ہوگا۔ نیز دوسرے شہر میں اس کے کھانے' پینے' رہائش' کپڑوں اور علاج معالجہ کی ضروریات کا کوئی کفیل نہیں ہوگا اس وجہ سے یہ خطرہ ہے کہ شہر بدر کی ہوئی عورتیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زنا کو کسب معاش بنالیں اور یہ زنا کی بدترین قسم ہے' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: فتنہ میں مبتلا کرنے کے لیے شہر بدر کرنا کافی ہے۔ اور جس حدیث میں کنوارے کی حد میں کوڑوں اور شہر بدر کرنے کو جمع کیا ہے وہ اسی طرح منسوخ ہے جس طرح اس حدیث کا وہ حصہ منسوخ ہے جس میں شادی شدہ کی حد میں رجم اور کوڑوں کو جمع کیا گیا ہے' کیونکہ پوری حدیث اس طرح ہے کنوارہ' کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کردو۔ اور شادی شدہ' شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور پتھروں سے رجم کردو۔
(صحیح مسلم' جامع ترمذی' سنن ابوداؤد)

علامہ ابوالحسن کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس حدیث میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنے کا حکم ہے اسی حدیث میں رجم کے ساتھ کوڑے مارنے کا بھی ذکر ہے اور جب جمہور فقہاء باوجود اس حدیث کے رجم کی سزا کے ساتھ کوڑے مارنے کا اضافہ نہیں کرتے تو کنوارے کی سزا میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنے کا اضافہ کیوں کرتے ہیں۔ یہ صراحتاً ترجیح بلا مرجح ہے بلکہ ترجیح بالمرجوح ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کی ذکر کردہ حد پر زیادتی لازم آتی ہے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی زیر بحث حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: شادی شدہ کی حد میں رجم کے ساتھ کوڑوں کو جمع کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا ان کو جمع کرنا واجب ہے پہلے کوڑے لگائے جائیں پھر رجم کیا جائے۔ حضرت علی' حسن بصری'

اسحاق بن راہویہ داؤد اہل ظاہر اور بعض اصحاب شافعی کا یہی قول ہے اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ صرف رجم کرنا واجب ہے۔ قاضی عیاض نے بعض محدثین سے نقل کیا ہے کہ جب شادی شدہ زانی بوڑھا ہو تو کوڑے لگا کر رجم کیا جائے اور اگر جوان ہو تو صرف رجم کیا جائے۔ یہ مذہب باطل اور بے اصل ہے۔ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ احادیث کثیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ کو صرف رجم کرنے پر اقتصار کیا جیسا کہ حضرت ماعز اور غامدیہ کے قصہ سے ظاہر ہے (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵ مطبوعہ نور محمد) نیز احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ کو صرف کوڑے مارے اور شہر بدر نہیں کیا اور کثیر آثار صحابہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب واضح کریں گے..... (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: ہاں! اگر امام کے نزدیک شہر بدر کرنے میں مصلحت ہو تو وہ جس قدر عرصہ مناسب سمجھے شہر بدر کر سکتا ہے' یہ تعزیر اور سیاست ہے کیونکہ بعض اوقات اس کا فائدہ ہوتا ہے اس لیے یہ امر امام کی رائے پر موقوف ہے اور بعض صحابہ سے جو شہر بدر کرنے کی روایت ہے وہ بھی تعزیر اور سیاست پر محمول ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۴۹۳-۴۹۲' مکتبہ امدادیہ ملتان)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات اور فقہاء احناف کے دلائل

ائمہ ثلاثہ نے شہر بدر کرنے کی جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ صرف تین صحابہ کی روایات ہیں حضرت عبادہ بن صامت' حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہم' اور جو روایت صرف تین صحابہ سے مروی ہو وہ خبر متواتر یا خبر مشہور نہیں ہے صرف خبر واحد ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ احادیث خبر مشہور ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غیر شادی شدہ زانی کو شہر بدر کیا یا شہر بدر کرنے کا حکم دیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل بطور حد کیا ہو بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے یہ فعل بطور تعزیر کیا ہو لہٰذا ان احادیث سے شہر بدر کرنے کا حد ہونا ثابت نہیں ہوا۔

غیر شادی شدہ زانی کو صرف کوڑے مارنے کے ثبوت میں احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے جس کا اس نے نام بھی لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے پاس کسی شخص کو بھیج کر اس سے اس کے متعلق پوچھا اس عورت نے زنا کرنے سے انکار کیا تو آپ نے اس شخص کو کوڑے مارے اور اس عورت کو چھوڑ دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۶' بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو بکر بن لیث کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے چار بار یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت سے زنا کیا ہے' آپ نے اس کو سو کوڑے لگائے پھر آپ نے فرمایا: اس عورت کے خلاف گواہ لاؤ' عورت نے کہا خدا کی قسم یا رسول اللہ! یہ شخص جھوٹا ہے' پھر آپ نے اس کو اسی کوڑے حد قذف لگائی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۷)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ اگر غیر شادی شدہ باندی زنا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا جب وہ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو' اور اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو اور اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو' پھر اس کو بیچ دو خواہ رسی کے ایک ٹکڑے کے عوض بیچنا پڑے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٨٢٧، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٧٠٣، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٤٤٩، سنن ترمذی رقم الحدیث: [illegible])

ان دونوں حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر محصن کو حد میں سو کوڑے مارے یا سو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا نہ شہر بدر کرنے کا حکم دیا اس لیے جن احادیث میں شہر بدر کرنے کا حکم ہے وہ سیاست پر محمول ہیں۔

رجم کی تحقیق

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شادی شدہ مسلمان مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی حد رجم ہے اور فقہاء اسلام میں سے کسی مستند شخص نے اس اجماع کی مخالفت نہیں کی۔ بعض خارجیوں نے اس اجماع کی اگر مخالفت کی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' البتہ ہمارے زمانہ میں منکرینِ حدیث کی ایک جماعت پیدا ہوئی جنہوں نے سنت کی حجیت کا انکار کیا اور مستشرقین نے اسلام کے خلاف جو کچھ زہر اُگلا اس کو انہوں نے قبول کر لیا۔ ان لوگوں نے جہاں اسلام کے اور بہت سے اجماعی اور مسلمہ عقائد کا انکار کیا ہے ان میں سے ایک رجم کا مسئلہ ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں زانی کی سزا صرف کوڑے مارنا ہے اور جن احادیث میں رجم کا ذکر ہے وہ اخبار آحاد ہیں اور خبر واحد سے قرآن مجید کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے۔

منکرین سنت کا یہ قول قطعاً باطل اور مردود ہے اوّل تو یہ غلط ہے کہ قرآن مجید میں رجم کا اصلاً ذکر نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں اشارتاً رجم کا ذکر موجود ہے جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب ہم واضح کریں گے اور ثانیاً یہ مفروضہ بھی غلط ہے کہ رجم کا حکم اخبار آحاد سے ثابت ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رجم کا حکم پچاس سے زیادہ صحابہ سے مروی ہے اور یہ احادیث معناً اخبار متواترہ ہیں جیسا کہ ہم انشاء اللہ اس پر تفصیلاً گفتگو کریں گے اور اخیر میں ہم منکرین سنت کے مشہور اور اہم اعتراضات کے جوابات ذکر کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

قرآن مجید سے رجم کا ثبوت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ: ٤٣)

اور وہ کیسے آپ کو منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے!

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ (جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر ٤٣٢٥ میں ہے) یہود زنا کرنے والوں سے یہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اگر وہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کا حکم دیں تو اس پر عمل کرنا اور اگر رجم کا حکم دیں تو ان سے دُور رہنا۔ علامہ ابن کثیر نے ان آیات کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ سنن ابوداؤد میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کا مقدمہ لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا' آپ نے فرمایا تم اپنے مذہب کے دو سب سے بڑے عالموں کو لاؤ وہ صوریا کے دو بیٹوں کو لائے آپ نے ان کو قسم دے کر پوچھا ان زنا کرنے والوں کا حکم تورات میں کیا لکھا ہے؟ انہوں نے کہا تورات میں ہے کہ جب چار آدمی یہ گواہی دیں کہ انہوں نے ان کو اس طرح زنا کرتے دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں جاتی ہے تو ان کو رجم کر دیا جائے' آپ نے فرمایا تم ان کو رجم کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا ہماری حکومت چلی گئی اور ہم قتل کو ناپسند کرتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کو بلایا اور چار آدمیوں نے آ کر یہ گواہی دی کہ انہوں نے اس طرح دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے تورات کے حکم کے مطابق انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۹-۶۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المراد هذا الامر الخاص وهو الرجم لانهم طلبوا الرخصة بالتحكيم. (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۳۶۲)

اس آیت میں حکم اللہ سے مراد بالخصوص رجم ہے کیونکہ یہودیوں نے رخصت حاصل کرنے کے لیے آپ کو حکم بنایا تھا۔

قرآن مجید اور احادیث میں جو یہ ذکر ہے کہ تورات میں حکم اللہ یعنی رجم موجود ہے' اس کی تفصیل تورات میں حسب ذیل ہے:

پر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے ٥ تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا ٥ (استثناء: ۲۲-۲۱)

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں ٥ لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنی ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا ٥

(استثناء: ۲۲-۲۴-۲۳)

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ تورات میں آج تک یہ آیت موجود ہے حالانکہ ہر دور میں تورات میں تحریف ہوتی رہی' بلکہ قدرت خداوندی دیکھئے کہ یہ آیت انجیل میں بھی موجود ہے' یوحنا کی انجیل میں ہے:

اور فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا ٥ اے استاد! یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے۔ توریت میں موسیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں۔ پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ ٥ انہوں نے اسے آزمانے کے لیے یہ کہا تا کہ اس پر الزام لگانے کا کوئی سبب نکالیں مگر یسوع جھک کر انگلی سے زمین پر لکھنے لگا ٥ جب وہ اس سے سوال کرتے ہی رہے تو اس نے سیدھے ہو کر ان سے کہا کہ جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کو پتھر مارے ٥ (یوحنا: باب ۸ آیت: ۸-۳)

تورات اور انجیل کے ان اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم پچھلی آسمانی کتابوں میں موجود تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اس وقت (نزول قرآن کے وقت) کی موجودہ کتابوں کا جو مصدق قرار دیا ہے وہ اسی حکم کے اعتبار سے ہے اور اللہ کی قدرت ہے کہ ہزار ہا تحریفات کے باوجود رجم کا یہ حکم تورات اور انجیل میں آج بھی موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زانی یہودیوں کے متعلق جو رجم کا فیصلہ فرمایا تھا اس کے متعلق سورۂ مائدہ میں جو آیات نازل ہوئی تھیں اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (المائدہ: ۴۸)

ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے درآں حالیکہ یہ ان آسمانی کتابوں کی مصدق اور نگہبان ہے جو اس کے سامنے ہیں سو آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے' اس سے دور ہو کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آسمانی کتابیں تورات اور انجیل موجود تھیں اور خود قرآن مجید ناطق اور شاہد ہے کہ ان کتابوں میں تحریف کی جا چکی ہے' ان کے باوجود قرآن مجید فرماتا ہے کہ قرآن ان کا مصدق اور نگہبان ہے اور جس چیز کا قرآن مجید مصدق ہے وہ رجم کا حکم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم اللہ قرار دیا ہے اور اسی کا قرآن مجید نگہبان ہے اور یہی وجہ ہے کہ آئے دن کی تحریفات کے باوجود تورات اور انجیل میں رجم کا حکم آج بھی موجود ہے اور یہ قرآن مجید کا معجزہ اور اس کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

رجم کی منسوخ التلاوت آیت

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

عن زربن حبیش قال قال لی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کاین تعد او کاین تقرء سورۃ الاحزاب قلت ثلث وسبعین آیۃ قال اقط لقد رایتھا وانما لتعدل سورۃ البقرۃ وان فیھا الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم. (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱)

زربن حبیش کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم سورہ احزاب میں کتنی آیات شمار کرتے ہو؟ میں نے کہا: تہتر (۷۳) آیتیں! حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا بس یہی؟ حالانکہ ہم دیکھتے تھے کہ یہ سورہ' سورۃ البقرہ کے برابر تھی اور اس میں یہ آیت تھی (ترجمہ) جب بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت زنا کرے تو ان کو ضرور رجم کر دو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب' حکمت والا ہے۔

''سورۂ احزاب ابتداءً سورۃ البقرہ کے برابر تھی' اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں اس کی بعض آیات کی تلاوت کو منسوخ کر دیا گیا' قرآن مجید میں ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ (البقرہ: ۱۰۶)

جس آیت کو ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ان سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

جیسا کہ آیت رجم کو منسوخ کر دیا گیا' بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سورت میں قرآن مجید کی آیات کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام تفسیر بھی لکھ لیتے تھے جس کو بعد میں حذف کر دیا۔

نیز امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

کثیر بن صلت کہتے ہیں کہ ہم مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ہم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے' حضرت زید نے کہا' یہ آیت ہم پڑھتے تھے جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کرو' مروان نے کہا ہم اس آیت کو قرآن مجید میں کیوں نہ داخل کر دیں؟ حضرت زید نے فرمایا نہیں! کیا تم نہیں دیکھتے کہ شادی شدہ جوان آدمیوں کو بھی رجم کیا جاتا ہے۔ حضرت زید نے کہا کہ صحابہ اس پر بحث کر رہے تھے اور اس وقت ہم میں حضرت عمر بن الخطاب بھی تھے۔ انہوں نے کہا اس مسئلہ میں میں تمہاری تسلی کروں گا اور کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس کا ذکر کروں گا اور جب آپ رجم کا ذکر کریں گے تو میں کہوں گا یا رسول اللہ! آیت رجم لکھوا دیجئے' حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا' جب آپ نے آیت رجم کا ذکر کیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! آیت رجم لکھوا دیجئے' آپ نے فرمایا مجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ آیت رجم کا حکم ثابت ہے اور اس کی تلاوت منسوخ ہے اور میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں

ہے۔(سنن کبریٰ ج۸ص۲۱۱ ملتان)

امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے رجم کا انکار کیا اس نے قرآن کا انکار کیا' حالانکہ اس کو گمان بھی نہیں ہوگا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے رسول آ چکے ہیں اور وہ ان بہت سی باتوں کو بیان کرتے ہیں جن کو تم چھپاتے تھے'' اور رجم کو بھی یہود چھپاتے تھے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو بیان نہیں کیا۔(المستدرک ج۴ص۳۵۹' مکہ مکرمہ)

کثیر بن صلت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما قرآن مجید کے نسخے لکھ رہے تھے' جب اس آیت پر پہنچے تو حضرت زید نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے کہ جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کرو۔ حضرت عمرو نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر عرض کیا: اس آیت کو لکھ دیجئے تو آپ نے اس بات کو ناپسند کیا' حضرت عمرو نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر شادی شدہ بوڑھا زنا کرے تو اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں اور رجم بھی کیا جاتا ہے' اور جب غیر شادی شدہ بوڑھا زنا کرے تو اس کو صرف کوڑے لگائے جاتے ہیں اور جب شادی شدہ شخص زنا کرے تو اس کو رجم کیا جاتا ہے' اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔(المستدرک ج۴ص۳۶۰' مکہ مکرمہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے متعدد طرق اور اسانید سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور انہوں نے اس کے منسوخ التلاوت ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس کے الفاظ میں اختلاف ہے بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں:

بما قضيا من اللذة. انہوں نے جو لذت حاصل کی ہے (اس وجہ سے رجم کرو)

نیز اس آیت کے الفاظ کے عموم پر عمل نہیں ہوتا کیونکہ مطلقاً بوڑھے شخص کو رجم نہیں کیا جاتا بلکہ اس بوڑھے شخص کو رجم کیا جاتا ہے جو شادی شدہ ہو اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں' جیسا کہ حضرت عمرو بن العاص نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔(فتح الباری ج۱۲ص۱۴۳' لاہور)

اس آیت کے منسوخ التلاوت ہونے پر ایک دفعہ ایک فاضل شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ حدیث میں ہے:

كلامي لا ينسخ كلام الله. (مشکوٰۃ ص۳۲) میرا کلام' کلام اللہ کو منسوخ نہیں کرتا

پھر حدیث سے یہ آیت کیسے منسوخ ہوگئی؟ میں نے اس کے جواب میں کہا کلام اللہ سے مراد قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کے الفاظ منضبط ہیں اور وہ الفاظ تواتر سے ثابت ہیں اور اس آیت کے الفاظ غیر منضبط ہیں اور ان الفاظ کا ثبوت تواتر سے نہیں ہے اس لیے یہ الفاظ قرآن مجید نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کے منسوخ التلاوت ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

آیت رجم کی بحث

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا: لوگو! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کا کہنا میرے لیے مقدر کر دیا گیا ہے' میں نہیں جانتا شاید میری موت میرے سامنے ہو' جو شخص میری بات کو سمجھ کر اسے یاد رکھے اسے چاہیے کہ جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہو وہاں تک میری بات لوگوں کو بتا دے اور جسے خوف ہو کہ اس بات کو نہ سمجھ سکے گا تو میں اسے اپنے اوپر جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دیتا وہ بات یہ ہے کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ

بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس میں رجم کی آیت بھی تھی' ہم نے وہ آیت پڑھی اور اسے سمجھا اور اسے یاد رکھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور حضور کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے خوف ہے کہ طویل زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہہ دے کہ خدا کی قسم اللہ کی کتاب میں ہم رجم کی آیت نہیں پاتے تو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں۔ اللہ کی کتاب میں رجم برحق ہے ہر اس آزاد مرد اور عورت پر جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا' بشرطیکہ شرعی گواہ قائم ہو جائیں یا (عورت کا) حمل ظاہر ہو جائے یا اقرار ہو۔

(بخاری شریف جلد ثانی ص ۱۰۰۹' صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵' مؤطا امام مالک ص ۶۸۵)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن مجید کی آیت الزانیۃ والزانی میں سو کوڑوں کی سزا کا ذکر آزاد غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے ہی ہے اور رجم کی سزا کا تعلق غیر شادی شدہ سے نہیں بلکہ وہ شادی شدہ کے لیے مخصوص ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ غیر شادی شدہ کی سزا قرآن پاک کے الفاظ میں صراحتاً مذکور ہے اور شادی شدہ کی سزا صراحتاً حدیث اور سنت نبوی میں وارد ہے اور ہم بارہا بتا چکے ہیں کہ وہ احادیث جن میں رجم کی سزا مذکور ہے وہ متواتر المعنی ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہیں جس طرح قرآن کی آیات وحی الٰہی ہیں اسی طرح سنت اور حدیث نبوی بھی وحی الٰہی ہے اور اسی بناء پر اس کا دلیل شرعی ہونا ہم قرآن مجید سے ثابت کر چکے ہیں' جو چیز قرآن سے ثابت ہو' اس سے جس حکم کا ثبوت ہو جائے وہ عین قرآن کے مطابق ہے' اسے خلاف قرآن کہنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

دیکھیے قبلہ اولیٰ کے قبلہ ہونے کا حکم قرآن میں وارد نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے' اسی طرح پانچ نمازیں' ان کی تعداد رکعات اور ادا کرنے کی ترتیب مثلاً نماز میں رکوع' سجود' قیام اور قعود اور ان سب ارکان کی ترتیب سب سنت نبوی سے ثابت ہے' اگر سنت اور حدیث کو نظرانداز کر کے صرف اقیموا الصلوٰۃ اور اتوا الزکوٰۃ کو سامنے رکھ لیا جائے تو نہ اقامت صلوٰۃ کے حکم پر عمل ہو سکتا ہے نہ ہی ایتاء زکوٰۃ کے فریضہ سے سبکدوش ہونا ممکن ہے اس لیے سنت اور حدیث کو لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا تاکہ قرآن کے معنی سمجھ میں آ جائیں اور مراد الٰہی کے مطابق احکام قرآنیہ پر عمل کرنا ممکن ہو۔

آیت رجم کا نزول اور اس کا منسوخ التلاوت ہونا احادیث صحیحہ کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود ہم نزول الفاظ اور نسخ تلاوت کے قطعی اور متواتر ہونے کا قول نہیں کرتے لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ رجم کے معنی تواتر اور قطعیت کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ: ۴۳)

اور اے رسول وہ یہودی کس طرح آپ کو اپنا حَکَم بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم پایا جاتا ہے۔

(مقالات کاظمی ج ۳ ص ۴۰۰-۳۹۹' مکتبہ فریدیہ ساہیوال' ۱۴۰۷ھ)

رجم کی احادیث متواترہ

رجم کی صحیح مرفوع متصل احادیث ترپن (۵۳) صحابہ سے مروی ہیں جن کو مسلّم اور مستند جلیل القدر محدثین نے اپنی تصانیف میں متعدد اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ ثقہ تابعین کی چودہ (۱۴) مرسل روایات ہیں چودہ (۱۴) آثار صحابہ اور پانچ (۵) فتاویٰ تابعین ہیں جن کو کبار محدثین نے اسانید کثیرہ کے ساتھ اپنی مصنفات میں درج کیا ہے یہ کل چھیاسی (۸۶) احادیث ہیں۔ ہم نے جن اعداد و شمار کا ذکر کیا ہے' یہ ان کتب احادیث سے حاصل کیے گئے ہیں جو ہمارے پاس موجود

اور دستیاب ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار کتب احادیث ہیں جو ہماری دسترس سے باہر ہیں اس لیے حتمی اور قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ رجم کے سلسلہ میں کتنی احادیث مرفوعہ' مرسلہ' آثار صحابہ اور فتاوی تابعین موجود ہیں۔ بہرحال ہم نے جو اعداد و شمار تتبع اور تلاش سے حاصل کیے ہیں ان کی بناء پر یہ اطمینان اور یقین ہو جاتا ہے کہ رجم کا ثبوت جن احادیث سے ہے وہ معناً متواتر ہیں اور اس عدد سے اس بات پر شرح صدر ہو جاتا ہے کہ یہ احادیث اس قوت میں ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی وضاحت کی جا سکتی ہے اور ان احادیث متواترہ کی بناء پر یہ قول صحیح اور برحق ہے کہ قرآن مجید میں جس زانیہ اور زانی کی سزا سو کوڑے مارنا بیان کی ہے اس سے آزاد اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) زانی اور زانیہ مراد ہیں رہے آزاد اور محصن (شادی شدہ) زانیہ اور زانی تو ان کی حد رجم کرنا ہے جیسا کہ احادیث متواترہ میں اس کا بیان ہے۔

منکرین رجم یہ شبہ وارد کرتے ہیں کہ سنت سے قرآن مجید کے عموم قطعی کی تخصیص کیسے کی جا سکتی ہے؟ اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ الزانیة والزانی میں عموم قطعی نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں باندیوں کے زنا کی سزا کے متعلق ہے:

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ یعنی باندیوں کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کا نصف ہے۔

(النساء: ٢٥)

یعنی باندیوں کی سزا پچاس کوڑے ہے' اس سے معلوم ہوا کہ آیت نور میں جو زانیوں کی سزا سو کوڑے بیان کی گئی ہے اس سے ہر زانی اور زانیہ مراد نہیں ہے بلکہ آزاد زانیہ اور زانی مراد ہے کیونکہ باندیوں کی سزا سورۂ نساء میں اس کی نصف بیان کی گئی ہے اور جب اس آیت میں خود قرآن مجید سے تخصیص ہو گئی تو اس کا عموم قطعی نہ رہا اور یہ ہر زانیہ اور زانی کو شامل نہیں ہے' اس لیے اگر سنت متواترہ سے اس میں تخصیص کی جائے اور اس بناء پر اس کو غیر شادی شدہ زانیوں کے ساتھ مختص قرار دیا جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے!

رہے آزاد اور شادی شدہ زانی تو ان کی سزا رجم ہے جیسا کہ احادیث متواترہ میں اس کا بیان ہے۔

ہم نے شرح صحیح مسلم میں رجم کی ٥٣ احادیث مرفوع بیان کی ہیں' ١٤ مرسل روایات بیان کی ہیں' ١٤ آثار صحابہ اور ٥ فتاوی تابعین کا ذکر کیا ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ٤ ص ٨١٦-٨٠٤)

حد زنا کے دیگر مباحث شرح صحیح مسلم ج ٤ ص ٨٤٠-٨١٦ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مؤمنوں پر اس (نکاح) کو حرام کر دیا گیا ہے ○ (النور: ٣)

زانیہ کے لیے صرف زانی سے نکاح کی اجازت کی احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اُم مہزول نامی ایک عورت سے نکاح کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی وہ عورت زنا کرتی تھی اور اس پر اُجرت لیتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے سامنے یہ آیت پڑھی: **الزانیة لاینکحها الازان او مشرک**. (النور: ٣)

(مسند احمد ج ٢ ص ١٥٩' قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ٦٤٨٠' ٧٠٩٩' ٧٠١٠' شیخ احمد محمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس کے راویوں کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ حاشیہ مسند احمد ج ٦ ص ٣٥-٣٤' دارالحدیث قاہرہ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ١٨١٩' حافظ الہیثمی نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ٧ ص ٧٤' سنن بیہقی ج ٧ ص ١٥٣' المستدرک ج ٢ ص ٣٩٦)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مرثد بن ابی مرثد ایک ایسا شخص تھا

جو مکہ سے قیدیوں کو لا کر انہیں مدینہ پہنچاتا تھا' مکہ میں ایک زانیہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا وہ مرثد کی دوست تھی' اس نے مکہ کے کسی قیدی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کو مدینہ پہنچائے گا' اس نے کہا میں مکہ گیا حتیٰ کہ ایک چاندنی رات میں' میں مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے سائے میں پہنچا پس عناق آ گئی۔ میں نے دیوار کے ساتھ کسی شخص کا سایا دیکھا تھا میں جب وہاں پہنچا تو میں نے اس کو پہچان لیا' اس نے کہا مرثد ہے؟ میں نے کہا مرثد ہوں' اس نے کہا خوش آمدید میرے پاس آؤ' میں اس رات اس کے پاس ٹھہرا۔ میں نے اس سے کہا اے عناق! اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے' اس عورت نے (مکہ کے لوگوں سے) کہا اے خیمے والو! یہ شخص تمہارے قیدیوں کو چھڑا کر لے جاتا ہے' سو آٹھ آدمیوں نے میرا پیچھا کیا میں الخندمہ (مکہ کا ایک پہاڑ) کی طرف گیا اور کسی غار میں گھس گیا وہ غار کے سر پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے وہاں پیشاب کیا اور ان کا پیشاب میرے سر پر پڑا' اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھ سے اندھا کر دیا' میں اپنے اس (قیدی) ساتھی کے پاس پلٹا وہ بہت بھاری جسم کا تھا حتیٰ کہ میں اذخر گھاس کے پاس پہنچا اور میں نے اس کی بیڑیاں کھولیں' پھر میں اس کو اُٹھا کر لے گیا اور وہ بھی میری مدد کرتا رہا' حتیٰ کہ میں اسے لے کر مدینہ پہنچ گیا' پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا میں عناق سے نکاح کر لوں؟ میں نے یہ سوال دو مرتبہ کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی: زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا' اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مؤمنوں پر اس (نکاح) کو حرام کر دیا گیا ہے۔ (النور:۳)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۲۸' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۵۳)

زانیہ سے مؤمن کے نکاح کی ممانعت کی توجیہات

سورۃ النور:۳' اور مذکور الصدر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان مرد زانیہ عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور کوئی مسلمان عورت زانی مرد سے نکاح نہیں کر سکتی' اس مسئلہ میں فقہاء کے مسالک حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ ممانعت عام نہیں ہے بلکہ اُم مھزول اور عناق کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ ابھی احادیث کے حوالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۲) ابوصالح نے کہا یہ ممانعت اہل الصفہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۳) حسن بصری نے کہا یہ ممانعت ہر زانی اور ہر زانیہ کے لیے عام نہیں ہے بلکہ اس زانی اور زانیہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کو حد میں کوڑے لگ چکے ہوں اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زانی کو کوڑے مارے جا چکے ہوں' وہ صرف اپنی مثل کے ساتھ نکاح کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۲' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۶۹۷)

(۴) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اکثر اور غالب زنا کرنے والے اپنی مثل زانیہ سے ہی نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہیں۔ کرخی نے کہا ہے کہ فاسق خبیث جو زنا کرتا ہے وہ کسی نیک خاتون سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتا' وہ اپنی مثل فاسقہ یا مشرکہ سے نکاح کرنے کو پسند کرتا ہے' اسی طرح فاسقہ خبیثہ عورت کسی نیک باشرع اور متقی مرد سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتی بلکہ اس سے متنفر ہوتی ہے (جیسا کہ اس دور میں آزاد اور فیشن ایبل الٹرا ماڈرن لڑکیاں کسی نمازی ڈاڑھی رکھنے والے

شخص سے نکاح کرنے سے نفرت کرتی ہیں) بلکہ وہ اپنے جیسے فاسق (آزاد فیشن زدہ) مرد سے نکاح کرنے کو پسند کرتی ہیں اور یہ حکم عام' اکثر اور غالب افراد کے اعتبار سے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نیک کام تو صرف پرہیز گار لوگ کرتے ہیں حالانکہ بعض اوقات فاسق لوگ بھی نیک کام کر لیتے ہیں' اسی طرح اس آیت کا محمل یہ ہے کہ زنا کرنے والا مرد اور زنا کرنے والی عورت صرف اپنے جیسے شخص سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں۔

زانیہ سے مؤمن کے نکاح کی ممانعت کا منسوخ ہونا

(۵) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

سورۃ النور: ۳' سورۃ النور: ۳۲ سے منسوخ ہے اور منسوخ کرنے والی آیت یہ ہے:

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ‌ؕ (النور: ۳۲) تم میں سے جو مرد اور عورت بے نکاح ہوں' ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا بھی۔

اس آیت میں مطلقاً بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں اور جن سے ان کا نکاح کیا جائے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں۔

ابوجعفر النحاس نے کہا یہ اکثر فقہاء اور اہل فتویٰ کا قول ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے زنا کیا ہو اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے علاوہ دوسرے شخص کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عمر' سالم' جابر بن زید' عطا' طاؤس' امام مالک بن انس اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے' امام شافعی نے کہا سعید بن مسیب کا قول صحیح ہے کہ یہ آیت ان شاء اللہ منسوخ ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا اور دونوں کو سو سو کوڑے مارے پھر ان کا ایک دوسرے کے ساتھ نکاح کر دیا اور ان کو ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا۔ حضرت عمر' ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا اوّل زنا ہے اور اس کا آخر نکاح ہے' اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے باغ سے پھل چوری کرے پھر اس کے مالک سے اس باغ کے پھل خرید لے' اس نے جو چوری کی تھی وہ حرام ہے اور جو مال خریدا ہے وہ حلال ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے اسی اثر سے استدلال کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۱۵۷-۱۵۶' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں ○ سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○ (النور: ۵-۴)

قذف کا لغوی معنی

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ قذف کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **قذف بالحجارة** کا معنی ہے پتھر پھینکنا اور **قذف المحصنة** کا معنی ہے پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا اور یہ مجاز ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ قذف کا معنی ہے گالی دینا' اور حدیث میں ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک کے ساتھ تہمت لگائی' اصل میں قذف کا معنی ہے پھینکنا پھر یہ لفظ گالی دینے اور زنا کی تہمت میں استعمال ہوا۔ (تاج العروس ج ۶ ص ۲۱۷' مصر)

قذف کا شرعی معنی

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ قذف کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قذف کا شرعی معنی ہے کسی محصن (مسلمان پاک دامن) کو زنا کی تہمت لگانا اور فتح القدیر میں ہے: اس پر اجماع ہے کہ حد کا تعلق اس کے ساتھ ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ''جو لوگ محصنات (مسلمان اور پاک دامن) عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور پھر اس پر چار مرد گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو'' اسی آیت میں لفظ رمی سے زنا کی تہمت مراد ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو دیگر گناہوں کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف واجب نہیں ہوگی بلکہ تعزیر واجب ہوگی' اور اس آیت میں جو چار گواہ نہ لانے کی شرط لگائی ہے اس سے زنا کی تہمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ صرف زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ ہر چند کہ اس آیت میں محصنات کا لفظ ہے جو مؤنث کا صیغہ ہے لیکن یہ حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور یہ بات نہیں ہے کہ صرف عورت کو زنا کی تہمت لگانے سے حد قذف واجب ہوتی ہے بلکہ مسلمان اور پاک دامن عورت یا مرد جس کو بھی زنا کی تہمت لگائی گئی اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ لائے جا سکیں تو تہمت لگانے والے پر حد قذف واجب ہوگی۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۳۰-۲۹' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۱ھ)

قرآن مجید کی روشنی میں قذف کا حکم

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (النور: ۴)

اور جو لوگ مسلمان پاک دامن عورتوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں پھر چار مرد گواہ نہ لائیں ان کو اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کو کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (النور: ۲۳)

بے شک جو لوگ پاک دامن بے خبر' مسلمان عورتوں کو (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔

احادیث کی روشنی میں قذف کا حکم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا' جادو کرنا' جس شخص کے قتل کو حق کے سوا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جنگ کے دن پیٹھ موڑنا اور پاک دامن مسلمان بے خبر عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۷۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۷۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۶۱)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میری برأت نازل ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور قرآن مجید کی تلاوت کی اور منبر سے اُترنے کے بعد آپ نے دو مردوں اور ایک عورت پر حد لگانے کا حکم دیا سو ان کو حد لگائی گئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۶۷)

عن محمد بن اسحاق بهذا الحديث قال فامر برجلين و امرأة ممن تکلم بالفاحشة حسان بن ثابت و مسطح بن اثاثه قال النفیلی و یقولون والمرأة حمنة بنت جحش.

محمد بن اسحاق نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور کہا جن دو مردوں اور ایک عورت نے تہمت لگائی تھی آپ نے ان کو حد قذف لگانے کا حکم دیا' حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ اور عورت حمنہ بنت جحش تھیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۵)

احصان کی شرائط میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی مکلف شخص محصن کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف واجب ہوتی ہے اور احصان کی پانچ شرائط ہیں:

(۱) عقل (۲) حریت (۳) اسلام (۴) زنا سے پاک دامن ہونا (۵) وہ شخص اتنا بڑا ہو کہ جماع کر سکتا ہو یا اس سے جماع کیا جا سکتا ہو۔

تمام متقدمین اور متاخرین علماء نے احصان میں ان شرائط کا اعتبار کیا ہے۔ البتہ داؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ غلام کو تہمت لگانے سے بھی حد واجب ہوگی۔ امام احمد سے بلوغ کے متعلق مختلف روایات منقول ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ شرط ہے' امام شافعی' ابوثور اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے کیونکہ بلوغ مکلف ہونے کی ایک شرط ہے اس لیے عقل کے مشابہ ہے اور اس لیے کہ بچہ کے زنا سے حد واجب نہیں ہوتی اس لیے اگر بچہ کسی کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد بھی نہیں ہونی چاہیے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بلوغ کی شرط نہیں ہے کیونکہ وہ آزاد' صاحب عقل اور پاک دامن ہے اور اس تہمت سے اس کو عار لاحق ہوتا ہے اور اس قول کا صدق ممکن ہے اس لیے وہ بڑے شخص کے مشابہ ہے یہ امام مالک اور اسحاق کا قول ہے' اس روایت کی بناء پر اس کو کم از کم اتنا بڑا ہونا چاہیے جو جماع کر سکتا ہو اور لڑکا کم از کم دس سال کا اور لڑکی نو سال کی ہو۔

(المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۹۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

احصان کی شرائط میں مذہب احناف

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

احصان یہ ہے کہ جس شخص کو تہمت لگائی گئی ہے وہ (۱) آزاد' (۲) عاقل' (۳) بالغ' (۴) مسلمان اور (۵) زنا کے فعل سے پاک دامن ہو۔ آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ قرآن مجید میں آزاد پر احصان کا اطلاق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ — ان لونڈیوں کی سزا آزاد عورتوں کی نصف ہے۔

(النساء: ۲۵)

اور عقل و بلوغ کی شرط اس لیے ہے کہ بچہ اور مجنون کو زنا کی تہمت سے عار لاحق نہیں ہوتا کیونکہ ان سے فعل زنا کا تحقق نہیں ہوتا اور اسلام کی شرط اس لیے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اشرک باللہ فلیس بمحصن. — جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ محصن نہیں ہے۔

(سنن دارقطنی)

اور زنا سے پاک دامن ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ جو پاک دامن نہ ہو اس کو عار لاحق نہیں ہوگا اور تہمت لگانے والا اس تہمت میں سچا ہوگا۔

کوڑے مارنے کے احکام

علامہ المرغینانی لکھتے ہیں: امام کو ایسے کوڑے کے ساتھ مارنے کا حکم دینا چاہیے جس میں گرہ یا پھل نہ ہوں (یعنی درخت کی ایسی شاخ سے مارا جائے جس میں گرہ نہ ہو اور نہ پھل ہوں) اور متوسط ضرب کے ساتھ مارنا چاہیے' کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوڑے مارنے لگے تو انہوں نے درخت کی شاخ سے پھل کاٹ دیئے' اور متوسط ضرب وہ ہوتی ہے کہ نہ تو اس سے چوٹ کا نشان پڑے اور نہ ایسی ضرب ہو جس سے بالکل تکلیف نہ ہو' کیونکہ پہلی صورت میں ہلاکت کا خدشہ ہے اور دوسری صورت میں کوڑے لگانے کا مقصد فوت ہو جائے گا' مجرم جس کے کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے اُتار لیے جائیں اور صرف چادر (تہبند) باقی رہے اور اس کے جسم کے متفرق اعضاء پر کوڑے مارے جائیں کیونکہ ایک جگہ کوڑے مارنے سے اس کی ہلاکت کا خدشہ ہے اور اس کے سر' چہرہ اور شرمگاہ پر کوڑے نہ مارے جائیں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد لگانے والے سے فرمایا اس کے چہرے اور شرمگاہ سے اجتناب کرو' تمام حدود میں مجرم کو کھڑا کر کے کوڑے مارے جائیں کیونکہ حضرت علی نے فرمایا: مردوں کو کھڑا کر کے کوڑے ماریں' کوڑے مارتے وقت کوڑے مارنے والا کوڑے کو اپنے سر سے اوپر نہ اُٹھائے۔ کوڑے مارے جانے میں مرد اور عورت کے مساوی احکام ہیں۔ البتہ عورت کے صرف فالتو کپڑے اُتارے جائیں گے سارے کپڑے اُتار کر یا صرف تہبند میں حد نہیں لگائی جائے گی اور اس کو بٹھا کر حد لگائی جائے گی۔ (ہدایہ اولین ص ۴۹۰-۴۸۹' ملتان)

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ کوڑے مارنے کے لیے درخت کی ایسی شاخ لی جائے جس میں کوئی گرہ ہو نہ کوئی پھل ہو' نہ وہ سوکھی ہوئی خشک شاخ ہو' اگر وہ خشک شاخ ہو تو اس کو چھیل کر نرم کر لیا جائے' کیونکہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم کیا جاتا تھا کہ درخت کی شاخ سے پھل کاٹ لیے جائیں پھر اس کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کے کوٹ کر نرم کیا جائے پھر اس سے کوڑے لگائے جاتے۔ علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ ایسی شاخ سے ضرب نہ لگائی جائے جس کی کوئی جانب خشک اور سوکھی ہوئی ہو کیونکہ اس سے زخم لگے گا یا نشان پڑ جائے گا اور نہ اس شاخ میں کوئی گرہ یا پھل ہو' کیونکہ امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے لائق حد جرم کیا ہے مجھ پر حد جاری کیجئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑا منگوایا تو ایک سخت ٹہنی لائی گئی جس میں پھل تھے آپ نے فرمایا اس سے کم لاؤ پھر ایک نرم شاخ لائی گئی آپ نے فرمایا اس سے کچھ زیادہ لاؤ' پھر ایک درمیانی شاخ لائی گئی۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے پھر آپ نے اس سے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ متوسط شاخ سے کوڑے لگائے جائیں۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۱۶-۱۵' سکھر)

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک آزاد' عاقل' بالغ' مسلمان اور پاک دامن مرد یا عورت پر کسی مکلف نے زنا کی تہمت لگائی اور اس پر چار گواہ نہیں پیش کیے تو اس پر اسی (۸۰) کوڑے حد لازم ہوگی۔

جس پر حد قذف لگ چکی ہو اس کی شہادت قبول کرنے میں اختلاف فقہاء

جو شخص کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے پھر اس پر چار گواہ نہ پیش کر سکے اس کے متعلق تین حکم بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ اس کو اسی (۸۰) کوڑے مارو' دوسرا یہ کہ ان کی شہادت کو کبھی قبول نہ کرو اور تیسرا یہ کہ وہی فاسق ہیں۔ اس کے بعد فرمایا سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

اس پر اجماع ہے کہ اس استثناء کا تعلق کوڑے مارنے کی سزا کے ساتھ نہیں ہے یعنی اگر کسی شخص نے تہمت لگانے کے بعد

اس تہمت سے رجوع کرلیا اور یہ کہا کہ میں نے جھوٹ بولا تھا تو اس کو پھر بھی اسی (۸۰) کوڑے مارے جائیں گے۔ البتہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس توبہ کے بعد اس کی شہادت قبول کی جائے گی یا نہیں۔ قاضی شریح' ابراہیم نخعی' حسن بصری' سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے اس کی توبہ اب بھی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور اس سے استثناء کا تعلق فسق سے ہے' یعنی توبہ کرنے کے بعد وہ فاسق نہیں ہیں۔

اور ائمہ ثلاثہ نے یہ کہا ہے کہ اس استثناء کا تعلق توبہ قبول نہ کرنے کے ساتھ ہے یعنی تہمت لگانے کے بعد اس نے توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو پھر اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۱۶۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ائمہ ثلاثہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ صحیح بخاری میں ہے:

حضرت ابوبکرہ' شبل بن معبد اور نافع نے حضرت مغیرہ بن شعبہ پر زنا کی تہمت لگائی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں کو اسی' اسی (۸۰'۸۰) کوڑے مارے کیونکہ یہ چار گواہ نہیں پیش کر سکے تھے۔ پھر فرمایا کہ جو ان میں سے توبہ کرلے گا اس کی شہادت قبول کرلی جائے گی۔ شبل اور نافع نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اپنے قول پر قائم رہے۔
(صحیح البخاری کتاب الشہادات)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زہری نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرہ' نافع اور شبل نے حضرت مغیرہ کے خلاف زنا کی شہادت دی اور زیاد ابن ابوسفیان نے ان کی شہادت کے خلاف شہادت دی' حضرت عمر نے ان تینوں کو کوڑے مارے اور فرمایا تم میں سے جس نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا اس کی شہادت قبول کرلی جائے گی۔ حضرت ابوبکرہ نے اپنی شہادت سے رجوع کرنے سے انکار کردیا۔

ان چاروں نے حضرت مغیرہ کو الرقطاء اُم جمیل بنت عمرو الھلالیہ کے پیٹ کے اوپر دیکھا' انہوں نے جا کر حضرت عمر سے شکایت کی حضرت عمر نے حضرت مغیرہ کو معزول کردیا اور ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ کو بصرہ کا گورنر بنادیا' اور حضرت مغیرہ کو حاضر کیا گیا' اوّل الذکر تینوں نے ان کے خلاف زنا کی شہادت دی اور زیاد بن ابوسفیان نے قطعی شہادت نہیں دی اور کہا میں نے بہت قبیح منظر دیکھا تھا اور میں نہیں جانتا کہ انہوں نے یہ فعل کیا تھا یا نہیں' تب حضرت عمر نے ان تینوں پر حدقذف جاری کی۔ حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے کہ زیاد نے کہا کہ میں نے ان دونوں کو ایک لحاف میں دیکھا میں نے ان کا زور زور سے سانس سنا اور اس کے بعد کیا ہوا اس کا مجھے پتہ نہیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۸۴-۵۸۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں' تو وہ ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ○ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ○ اور عورت سے حد زنا اس طرح دُور ہوسکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے ○ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا عذاب نازل ہو اگر وہ (خاوند) سچوں میں سے ہو ○ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا) اور بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بہت حکمت والا ہے ○ (النور: ۱۰-۶)

لعان کے متعلق احادیث

حضرت سہل بن سعد الساعدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر العجلانی حضرت عاصم بن عدی انصاری کے پاس گئے اور

مقرون ہوں' اور امام شافعی فرماتے ہیں یہ دو قسمیں ہیں جو لفظ شہادت کے ساتھ مؤکد ہوں' امام شافعی کے نزدیک اس میں قسم کی اہلیت شرط ہے اس لیے مسلمان اور اس کی کافر بیوی اور کافر اور کافرہ اور غلام اور اس کی بیوی میں بھی لعان ہو جاتا ہے' امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس میں شہادت کی اہلیت شرط ہے اس لیے لعان ایسے مسلمان' آزاد' عاقل' بالغ کے ساتھ خاص ہے جس پر حد قذف نہ لگائی گئی ہو۔ (عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۲۹۰)

لعان کی وجہ تسمیہ

مرد لعنت کے لفظ کہتا ہے اور عورت غضب کا لفظ کہتی ہے اور اس مسئلہ کا عنوان لعان بنایا گیا ہے جبکہ آیت میں لعنت اور غضب دونوں الفاظ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء مرد سے ہوتی ہے اور وہ لعنت کا لفظ کہتا ہے اور مرد کی جانب قوی ہے' نیز لعان کرنے نہ کرنے کا مدار مرد ہی پر ہوتا ہے' اور عورت کو غضب کے لفظ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کیونکہ مرد کی نسبت عورت کا جرم بڑا ہے مرد اگر جھوٹا ہو تو وہ حد قذف کا مستحق ہے اور اگر عورت جھوٹی ہو تو وہ سنگسار کی جانے کی مستحق ہے۔

(عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۲۹۰)

زانی کو از خود قتل کرنے کا حکم

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے اور یہ محقق ہو جائے کہ اس نے زنا کیا ہے اور وہ شخص اس سبب سے اس زانی کو قتل کر دے تو جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ اس پر قصاص لازم آئے گا الا یہ کہ وہ زنا کے ثبوت پر چار گواہ پیش کر دے یا مقتول کے ورثاء اس کے زنا کا اعتراف کر لیں۔ اور یہ شرط بھی ہے کہ وہ زانی شادی شدہ ہو' یہ دنیاوی ضابطہ ہے اور اگر وہ سچا ہے تو آخرت میں اس پر کوئی وبال نہیں ہوگا۔ بعض شوافع کا قول یہ ہے کہ جو شخص بھی سلطان کی اجازت کے بغیر کسی شادی شدہ زانی کو قتل کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۴۸۸' کراچی)

امام ابوحنیفہ کا قول جمہور کے موافق ہے' اگر دو شخص گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں آدمی کو زنا کے سبب سے قتل کیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائے گا اور امام احمد کے نزدیک اس پر قصاص نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۴۹' لاہور)

جمہور کی دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو حضرت سعد کے جواب میں فرمایا تلوار کافی گواہ ہے' پھر فرمایا نہیں! مجھے خدشہ ہے کہ پھر لوگ نشہ اور غیرت میں آ کر دھڑا دھڑ قتل کرنا شروع کر دیں گے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۰۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب سے قتل کرنے کی اجازت نہیں دی' البتہ جس پر چار گواہوں سے زنا ثابت ہو جائے اس کا معاملہ الگ ہے کیونکہ وہ مباح الدم ہے اس لیے اس صورت میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا' لیکن کسی شخص کو بھی قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے اور اس وجہ سے وہ مؤاخذہ کا مستحق ہوگا۔

لعان کے بعد تفریق میں مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ امام مالک' امام شافعی اور ان کے موافقین کا یہ نظریہ ہے کہ نفس لعان سے' لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے' امام مالک اور ان کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ عورت کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد تفریق ہو جاتی ہے اور امام شافعی اور ان کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ مرد کے لعان سے فارغ ہوتے ہی تفریق ہو جاتی ہے۔ سحنون مالکی کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری کا یہ قول ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد قاضی کے تفریق کرنے سے تفریق ہوتی ہے' اور امام احمد بن حنبل کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں' ایک

میں احناف کے ساتھ ہیں اور دوسرے میں شوافع کے۔ (عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۲۹۵ مصر)

علامہ ابوالحسن مرداوی حنبلی لکھتے ہیں کہ وجیز میں لکھا ہے کہ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے اور محرر' نظم' رعایتین' حاوی صغیر' فروع وغیرہ کتب حنابلہ میں اسی قول کو مقدم کیا ہے' اور امام احمد بن حنبل کا دوسرا قول یہ ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی جب تک کہ حاکم تفریق نہ کرے۔ خرقی (المغنی ابن قدامہ کا متن) کا یہی مختار ہے۔ قاضی' شریف' ابوالخطاب اور ابن البناء وغیرہم فقہاء حنابلہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے' ہدایہ' مذہب' مسبوک الذہب اور دوسری کتب حنابلہ میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور انتصار میں لکھا ہے کہ عام اصحاب حنابلہ کا بھی یہی مختار ہے۔ (الانصاف ج ۹ ص ۲۵۲-۲۵۱' بیروت)

فقہاء احناف کے نظریہ پر دلائل

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت درج کی جس میں پہلے لعان کا واقعہ درج ہے' حضرت ابن عمر نے لعان کی کارروائی بیان کرنے کے بعد فرمایا **ثم فرق بینھما**۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۴) ''پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی''۔ امام بخاری نے حضرت ابن عمر کی اس روایت کو سعید بن جبیر سے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۱) اور نافع سے بھی۔ نافع سے دو روایات ذکر کی ہیں ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن نافع ان ابن عمر اخبره ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرق بین رجل و امراته قذفها و احلفهما۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۳)

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والے مرد اور عورت کے درمیان تفریق کر دی۔

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعان کے بعد تفریق نہ فرماتے۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعہ لعان میں یہ بیان کیا ہے کہ لعان کے بعد حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: **کذبت علیھا یا رسول اللہ ان امسکتھا فطلقھا ثلاثا قبل ان یامره رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔** ''یا رسول اللہ! (لعان کے بعد) اگر اب میں اس کو اپنے نکاح میں رکھوں تو پھر میں جھوٹا قرار پاؤں گا' پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فرمانے سے پہلے ہی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں''۔ اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۲)

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی ورنہ حضرت عویمر اس کو تین طلاقیں نہ دیتے یا رسول اللہ فرماتے اب تین طلاقوں کی کیا ضرورت ہے تفریق تو ہو گئی۔

علامہ نووی کے اعتراضات کے جوابات

علامہ نووی نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اذھب فلا سبیل لک علیھا۔** ''جاؤ اب اس عورت پر تمہاری ملکیت نہیں ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کو رد کر دیا' یعنی اب تمہاری اس پر ملکیت نہیں ہے اس لیے طلاق واقع نہیں ہو گی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۹' کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی کی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شرح مسلم میں علامہ نووی کی اس عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر کے تین طلاقیں دینے کے بعد فرمایا "لا سبیل لک علیھا۔" اور یہ کہ یہ جملہ حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت میں موجود ہے' حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ جملہ حضرت ابن عمر کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد ہے: اللہ یعلم ان احد کما کاذب.

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۵۲-۴۵۱' لاہور)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس وضاحت سے یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "فلا سبیل لک علیھا" کا حضرت عویمر کی دی گئی تین طلاقوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے نہ یہ تین طلاقوں پر رد ہے' اس معاملہ میں علامہ نووی نے ایک کھلا ہوا مغالطہ کھایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لاسبیل لک علیھا" جس حدیث میں ہے وہ حسب ذیل ہے:

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے لعان کرنے والوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں سے فرمایا "تمہارا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے' تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور اس عورت پر اب تمہاری ملکیت نہیں ہے۔" (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۲)

اس حدیث سے نہ صرف یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لاسبیل لک علیھا" کا تعلق حضرت عویمر کے قصہ سے نہیں ہے بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ لعان کرنے والوں کے درمیان نفس لعان سے تفریق نہیں ہوئی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی ہے۔

نفس لعان سے تفریق نہ ہونے پر ایک واضح دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عویمر نے لعان کے بعد تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ اگر نفس لعان سے تفریق ہو جاتی تو آپ ان تین طلاقوں کو مسترد کر دیتے' امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن سھل بن سعد فی ھذا الخبر فطلقھا ثلث تطلیقات عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانفذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۰)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

علامہ نووی نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ دوسری روایت میں ہے: ففارقھا "حضرت عویمر اپنی بیوی سے علیحدہ ہو گئے"۔ لیکن یہ تین طلاقیں دینے کے بعد کا واقعہ ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ابن شہاب کی حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت سے ظاہر ہے۔ اس لیے اس روایت کا یہ لفظ بھی علامہ نووی اور شوافع کے مسلک کے لیے مفید نہیں ہے۔

(صحیح مسلم کتاب اللعان رقم حدیث الباب: ۳' رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۴۹۲' رقم الحدیث المسلسل: ۳۶۷۵)

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر کی بکثرت روایات مذکور ہیں۔ (رقم حدیث الباب: ۹'۸'۷) جن میں تصریح ہے کہ لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریق کی' اور یہ موقف احناف کی واضح دلیل ہیں اور فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے موقف پر کوئی حدیث نہیں ہے۔

لعان کی وجہ سے بچہ کے نسب کی نفی میں مذاہب فقہاء

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص نے لعان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۴)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء تابعین اور ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ لعان کے بعد بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیا جائیگا اور وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور باپ سے اس کا نسب منتفی ہوگا۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ عامر شعبی محمد بن ابی ذئب اور بعض اہل مدینہ نے اس مسئلہ میں جمہور سے اختلاف کیا ہے کیونکہ بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے بستر پر ہو اس لیے لعان کرنے والے شخص سے ہی نسب ثابت ہوگا' لیکن ان کے خلاف یہ حدیث جمہور کی قوی دلیل ہے اور اس قاعدہ میں اس حدیث سے تخصیص کی جائے گی۔ البتہ ایک اور اختلاف یہ ہے کہ ماں سے نسب اس وقت منتفی ہوگا جب بچہ پیدا ہوتے ہی یا زیادہ دن گزرنے سے پہلے مرد اس کا انکار کر دے' امام ابوحنیفہ نے دن مقرر نہیں کیے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں سات دن کے بعد انکار معتبر نہیں ہے۔ اور امام محمد فرماتے ہیں چالیس دن کے بعد انکار معتبر نہیں ہے۔ یعنی اس سے پہلے انکار کا شرعاً اعتبار ہوگا اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر بچہ پیدا ہوتے ہیں فوراً انکار کر دیا تو اس کا انکار شرعاً معتبر ہوگا ورنہ نہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۲' مصر)

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ

بے شک جن لوگوں نے (عائشہ صدیقہ پر) تہمت لگائی وہ تم میں سے ایک گروہ ہے' تم اس (تہمت) کو اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي

وہ (مآل کے اعتبار سے) تمہارے لیے بہتر ہے' اس گروہ میں سے ہر فرد کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور جس شخص نے

تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ

ان میں سے اس (تہمت) میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○ جب تم نے اس (تہمت) کو سنا تو مومن مردوں

الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾

اور مومن عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہیں کیا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے ○

لَّوْلَا جَاءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ

(تہمت لگانے والے) اس (تہمت) پر چار گواہ کیوں نہ لائے! پس جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی اللہ

عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي

کے نزدیک جھوٹے ہیں ○ اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾

کی رحمت نہ ہوتی تو تم نے جس (تہمت) کا چرچا کیا تھا اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا O

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ

جب تم یہ (تہمت) اپنی زبانوں سے نقل کرتے رہے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے رہے جس کا تمہیں

عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ

علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی O تم نے اس (تہمت) کو سنتے ہی

قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ

یہ کیوں نہ کہا ایسی بات کرنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے' اے اللہ! تو پاک ہے یہ بہت سنگین بہتان ہے O

عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾

اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دوبارہ ایسی بات کبھی بھی نہ کرنا اگر تم مومن ہو O

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان فرمارہا ہے اور اللہ بہت علم والا بہت حکمت والا ہے O بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ

يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ

ایمان والوں میں بے حیائی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں درد ناک عذاب ہے

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O اور اگر تم پر اللہ کا فضل

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع النصف ع ۱۰ ۸

اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ بہت شفیق اور بے حد مہربان ہے (تو تم پر عذاب آجاتا) O

مشکل الفاظ کے معانی

الافک: ہر وہ چیز جس کو اس کی اصل وضع سے پھیر دیا گیا ہو'وہ ہوائیں جو اپنے معمول کے خلاف الٹی چلتی ہیں؛ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (التوبہ: ۳۰) اللہ ان کو غارت کرے وہ اعتقاد برحق سے اعراض کرکے باطل کی طرف جارہے

ہیں' جب کسی پر تہمت لگائی جائے یا اس پر بہتان تراشا جائے تو اس میں بھی حق کے خلاف باطل بات کہی جاتی ہے اور صدق کو چھوڑ کر کذب کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اور سب سے بدترین تہمت وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے لگائی تھی۔ (المفردات: ج اص ۲۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

العصبة: ایک دوسرے کی حمایت کرنے والی جماعت' (المفردات ج ۲ ص ۴۳۷) اس کا اکثر اطلاق دس سے لے کر چالیس لوگوں کی جماعت پر ہوتا ہے' جن لوگوں نے تہمت لگائی تھی وہ عبداللہ بن ابی' زید بن رفاعہ' حسان بن ثابت' مسطح بن اثاثہ حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش' طلحہ بن عبید اللہ کی بیوی اور ان کے موافقین تھے۔

(تفسیر بیضاوی مع خفاجی ج ۷ ص ۲۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

النور: ۲۰-۱۱ کی مختصر تفسیر

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ (النور: ۱۱) جس شخص نے کسی بری اور بے حیائی کی بات کو پھیلانے میں جتنا حصہ لیا ہے اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا۔ **والذی تولی کبرہ منھم:** تہمت کو پھیلانے میں جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا' اور وہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں غزوہ بنو المصطلق سے واپسی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی اور اس تہمت کو مسلمانوں اور منافقین میں پھیلا دیا۔

لہ عذاب عظیم: عبداللہ بن ابی کو آخرت کے عذاب کے ساتھ خاص کر لیا گیا' اور جو مسلمان اس تہمت لگانے میں ملوث ہو گئے تھے مثلاً حضرت حسان' حضرت مسطح اور حضرت حمنہ ان کی تطہیر کے لیے ان پر دنیا میں حد قذف لگائی گئی۔ قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس کی پاداش میں عبداللہ بن ابی نفاق میں مشہور ہو گیا اور حضرت حسان نابینا ہو گئے اور ان کے دونوں ہاتھ سوکھ گئے اور حضرت مسطح بھی نابینا ہو گئے' لیکن علامہ خفاجی نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ (عنایت القاضی ج ۷ ص ۲۳)

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (النور: ۱۲) پہلے صیغہ غائب کے ساتھ مسلمانوں سے کلام فرمایا تھا' اور اب زیادہ زجر و توبیخ کرنے کے لیے صیغہ خطاب کے ساتھ کلام فرمایا' اور اس میں یہ خبر دی کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان' مسلمانوں کے ساتھ نیک گمان کریں اور ان پر طعن و تشنیع کرنے سے باز رہیں' اور جو لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان پر تہمت لگا رہے تھے ان کی تہمت کو دُور فرمایا۔

وقالوا ھذا افک مبین: یعنی مسلمانوں کو یہ چاہیے تھا کہ جب انہوں نے تہمت کی یہ خبر سنی تھی تو وہ فوراً کہتے کہ یہ کھلی ہوئی تہمت اور نرا بہتان ہے۔ عام مسلمان کے لیے بھی ایسا ہی کہنا چاہیے خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور تمام مسلمانوں کی ماں کے متعلق تو ضرور اور لازماً ایسا کہنا چاہیے تھا۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ (النور: ۱۳) اس آیت میں یہ اصول بیان فرما دیا کہ جب کوئی شخص کسی پر چار گواہ پیش کیے بغیر تہمت لگائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا ہے' اور چونکہ اس واقعہ میں عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین نے بغیر کسی گواہ کے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تہمت لگائی تھی اس لیے تہمت لگانے والے جھوٹے ہیں اور حضرت عائشہ کا دامن عفت بے غبار ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (النور: ۱۴) اللہ تعالیٰ نے تم کو انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں' اور ان میں سے یہ نعمتیں بھی ہیں کہ تم کو دنیا میں توبہ کرنے کی مہلت عطا فرمائی ہے اور آخرت میں نعمت یہ ہے کہ وہ اپنے کرم

سے تم کو معاف فرما دے گا' اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور وہ تم کو توبہ کی توفیق نہ دیتا تو تمہارے اس سنگین جرم کی بنا پر تم کو آخرت میں سخت عذاب ہوتا۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ (النور: ۱۵) تم محض ایک سنی سنائی بات کو نقل کر رہے تھے اور اس پر یقین اور وثوق حاصل کیے بغیر اس کو آگے پھیلا رہے تھے' ہر چند کہ تم اس کو معمولی بات سمجھ رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات تھی' کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا معاملہ تھا' یہ صرف اتنا جرم نہیں تھا کہ اسی کوڑے مارنے سے اس کی تلافی ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دنیا والوں کی نگاہوں میں معزز' محترم اور باوقار بنایا ہے اور اس کے حرم اور اس کی اہانت کرنا خود اس رسول کو لوگوں کی نگاہوں میں بے وقعت بنانا ہے' کیونکہ جس شخص کی اہلیہ پر ایسی تہمت ہو اس کی قدر و منزلت نہیں ہوتی' یہ صرف رسول کے مشن کو نقصان پہنچانا نہیں ہے بلکہ اللہ نے جس حکمت سے رسول کو مبعوث فرمایا ہے اس حکمت کو نقصان پہنچانا ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا (النور: ۱۸-۱۶) اس آیت میں پہلی آیت کی مزید تاکید فرمائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا معاملہ عام مسلمانوں کی بیویوں کی طرح نہیں ہے تمہارے ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ تم منافقوں سے اس خبر کو سنتے ہی کہہ دیتے سبحان اللہ! یہ تو بہت بڑا بہتان ہے' ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ اب جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فحاشی کی تہمت لگائے وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ قرآن مجید کا انکار ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ (النور: ۱۹) الفاحشۃ کا معنی بے حیائی اور بدکاری ہے اور بے حیائی کی جھوٹی خبر کی اشاعت بھی بے حیائی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو عذاب الیم کا باعث فرمایا ہے' نیز اس آیت میں فرمایا مسلمانوں میں فحاشی کو پھیلانے سے محبت کرنا بھی موجب عذاب ہے' اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر بھی عذاب ہوتا ہے' کفر اور نفاق بھی دل کا فعل ہے اور حسد' کینہ اور بخل بھی دل کے افعال ہیں' اور گناہ کا عزم صمیم کرنا بھی دل کا فعل ہے اور ان تمام افعال پر مواخذہ ہوتا ہے اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ گناہ کے عزم اور اس کی نیت پر مواخذہ نہیں ہوتا صرف گناہ کے عمل پر مواخذہ ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (النور: ۲۰) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بھی کہ اللہ بہت شفقت کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے تو اللہ کا عذاب تم کو اپنی گرفت میں لے لیتا کیونکہ تم نے بہت سنگین جرم کیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کی مفصل حدیث

عروہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج میں سے کسی کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی فرماتے' پس جس کا قرعہ نکل آتا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے' حضرت عائشہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ (غزوہ بنو مصطلق) میں ازواج کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی کی تو میرا قرعہ نکل آیا' سو میں حجاب (پردہ) کے احکام نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلی (ابو عبیدہ اور ایک جماعت نے کہا کہ پردہ کا حکم ذوالقعدہ' تین ہجری میں نازل ہوا' اور الدمیاطی نے کہا صحیح یہ ہے کہ پردہ کا حکم چار ہجری میں نازل ہوا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنو المصطلق کے لیے شعبان پانچ ہجری میں نکلے تھے اور اسی میں یہ تہمت والا واقعہ پیش آیا تھا۔ فتح الباری

ج ۹ ص ۳۹۹-۳۹۸ بیروت ۱۴۲۰ھ) مجھے ھودج (کجاوہ پالان) میں بٹھایا جاتا اور ھودج سے اتارا جاتا ہم روانہ ہوئے حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے فارغ ہوئے اور واپس لوٹے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات آپ نے کوچ کا حکم دیا' جب آپ نے کوچ کا حکم دیا تو میں قضاء حاجت کو گئی اور لشکر سے دور نکل گئی جب میں قضاء حاجت سے فارغ ہوگئی تو میں اپنے کجاوہ کی طرف بڑھی' اچانک مجھے معلوم ہوا کہ میرا سیپیوں کا ہار ٹوٹ کر گر گیا' میں نے وہ ہار تلاش کیا اور اس تلاش نے مجھے روک لیا' اور وہ لوگ جو میرے ھودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے انہوں نے ھودج کو اٹھا کر میرے اونٹ پر رکھ دیا' ان کا یہ گمان تھا کہ میں ھودج میں بیٹھی ہوئی ہوں' اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں ان پر گوشت چڑھا ہوا نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ بہت تھوڑا کھانا کھاتی تھیں' اس لیے جب لوگوں نے میرے ھودج کو اٹھایا تو وہ ان کو خلاف معمول نہیں لگا' اور میں اس وقت کم عمر لڑکی تھی' انہوں نے اونٹ کو اٹھایا اور روانہ ہو گئے' ادھر لشکر کے چلے جانے کے بعد مجھے ہار مل گیا میں اپنے پڑاؤ میں پہنچی وہاں پر کوئی بلانے والا تھا نہ جواب دینے والا' میں نے اس جگہ کا قصد کیا جہاں پر میں پہلے ٹھہری ہوئی تھی' میرا یہ گمان تھا کہ عنقریب وہ مجھے گم پائیں گے تو وہ واپس میری طرف آئیں گے' میں اس جگہ بیٹھی ہوئی تھی حتیٰ کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی اور میں سوگئی' اور حضرت صفوان بن المعطل السلمی الذکوانی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے تھے تا کہ لشکر کی کوئی چیز پیچھے رہ جائے تو وہ اس کو ساتھ لے آئیں وہ رات کو چلتے رہے حتیٰ کہ صبح کے وقت اس جگہ پہنچے جہاں میں سوئی ہوئی تھی' انہوں نے ایک سوئے ہوئے انسان کو دیکھا وہ میرے پاس آئے اور جب انہوں نے مجھے دیکھا تو مجھے پہچان لیا' پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا' جب انہوں نے مجھے پہچانا تو کہا انا للہ و انا الیہ راجعون یہ سن کر میں بیدار ہوگئی' میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا' اور اللہ کی قسم! انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور سوائے انا للہ و انا الیہ راجعون کہنے کے میں نے ان سے کوئی بات نہیں سنی حتیٰ کہ انہوں نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا' اور میں اس پر سوار ہوگئی' وہ اونٹنی کو کھینچتے ہوئے آگے آگے چلے' حتیٰ کہ ہم اس وقت لشکر کے پاس پہنچے جب وہ دوپہر کے وقت سائے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے' پس جو ہلاک ہوا وہ ہلاک ہوگیا' اور جس نے اس تہمت کو پھیلانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا تھا وہ عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا' ہم مدینہ میں پہنچے مدینہ پہنچنے کے بعد میں ایک ماہ تک بیمار رہی' اور لوگوں میں اس تہمت کا چرچا رہا' مجھے اس میں سے کسی بات کا پتا نہیں تھا اور میری بیماری میں جس چیز سے زیادہ اضافہ ہوتا تھا وہ یہ تھی کہ میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ توجہ نہیں دیکھتی تھی جیسی آپ بیماری کے ایام میں مجھ پر توجہ کیا کرتے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے اور پوچھتے تمہارا کیا حال ہے اور پھر واپس تشریف لے جاتے' اس سے مجھے رنج ہوتا تھا اور مجھے کسی خرابی کا پتا نہیں تھا' حتیٰ کہ ایک دن میں کمزوری کی حالت میں نکلی' میرے ساتھ مسطح کی ماں بھی میدان کی طرف گئیں' اور یہ میدان ہماری قضاء حاجت کی جگہ تھی' اور ہم صرف رات کے وقت ہی وہاں جاتے تھے' اس وقت تک ہمارے گھروں میں بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں تھے' اور ہمارا معمول عرب کے پہلے لوگوں کی طرح تھا ہم رفع حاجت کے لیے میدان میں جاتے تھے' اور گھروں میں بیت الخلاء بنانے سے ہمیں اذیت ہوتی تھی' حضرت مسطح کی ماں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں' میں اور وہ میدان میں گئے اور فراغت کے بعد جب ہم لوٹ رہے تھے تو مسطح کی ماں چادر میں الجھ کر لڑکھڑا گئیں' انہوں نے کہا مسطح ہلاک ہو جائے' میں نے ان سے کہا آپ نے بری بات کہی ہے کیا آپ ایسے شخص کو برا کہہ رہی ہیں جو مجاہدین بدر سے ہے' انہوں نے کہا کیا آپ نے نہیں سنا وہ کیا کہتا ہے! میں نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے' تب انہوں نے مجھے تہمت لگانے والوں کی بات سنائی' پھر میری بیماری کے اوپر مزید بیماری بڑھ گئی' حضرت عائشہ نے فرمایا جب میں اپنے گھر لوٹی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے' آپ نے سلام کیا اور پوچھا تمہارا کیا حال

ہے؟ میں نے کہا کیا آپ مجھے اپنے ماں باپ کے گھر جانے کی اجازت دیتے ہیں؟ حضرت عائشہ نے کہا میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر جا کر ان سے اس خبر کی تحقیق کروں گی' حضرت عائشہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی' میں اپنے ماں باپ کے پاس گئی' میں نے ماں سے پوچھا' اے امی جان! یہ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اے بیٹی! حوصلہ رکھو' کم ہی کوئی حسین عورت ہو گی جو اپنے شوہر کے نزدیک محبوب ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں مگر وہ اس پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں' میں نے کہا سبحان اللہ! کیا واقعی لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں! میرے آنسو تھمتے نہیں تھے اور میں نیند کو سرمہ نہیں بنا سکی' حتیٰ کہ مجھے روتے روتے صبح ہو گئی' ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا جب کہ وحی میں تاخیر ہو گئی تھی اور آپ ان سے اپنی اہلیہ کو الگ کرنے کے متعلق مشورہ کر رہے تھے' رہے حضرت اسامہ بن زید تو انہوں نے اس چیز کی طرف اشارہ کیا جس کا انہیں علم تھا کہ آپ کی اہلیہ اس تہمت سے بری ہیں' اور جس کا انہیں علم تھا کہ آپ کو اپنی اہلیہ سے کس قدر محبت ہے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کی اہلیہ کے متعلق سوا خیر اور نیکی کے اور کوئی بات نہیں جانتے' رہے حضرت علی بن ابی طالب تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی' اور حضرت عائشہ کے علاوہ اور بہت عورتیں ہیں' اور آپ ان کی باندی (نوکرانی) سے پوچھیں وہ آپ کو سچ سچ بتائیں گی' حضرت عائشہ نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا آپ نے فرمایا اے بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جو تم کو شک میں ڈالے؟ حضرت بریرہ نے کہا نہیں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے' میں نے اس سے زیادہ ان کی کوئی بات نہیں دیکھی کہ وہ کم عمر لڑکی ہیں' وہ آٹا گوندھتے گوندھتے سو جاتی ہیں' اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اس دن آپ نے عبداللہ بن ابی ابن سلول کی شکایت کی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے مسلمانو! اس شخص کے خلاف میری کون مدد کرے گا جس کی اذیت رسانی میرے گھر تک پہنچ گئی ہے' سو میں نے اپنی اہلیہ پر سوائے خیر کے اور کوئی چیز نہیں جانی اور جس شخص کا انہوں نے ذکر کیا ہے اس کے متعلق بھی میں نے سوائے خیر کے اور کوئی چیز نہیں جانی اور وہ میرے گھر میں صرف میرے ساتھ ہی گیا ہے' تب حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا اس معاملہ میں' میں آپ کی مدد کروں گا' اگر (قبیلہ) اوس میں سے کسی نے آپ کو ضرر پہنچایا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے بھائیوں میں سے (قبیلہ) خزرج میں سے کسی نے ضرر پہنچایا ہے تو آپ ان کے خلاف ہمیں حکم دیں ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے' پھر قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہو گئے اور اس سے پہلے وہ ایک نیک شخص تھے لیکن عصبیت نے ان کو بھڑکا دیا' انہوں نے حضرت سعد بن معاذ سے کہا اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے! تم اس کو قتل نہیں کر سکتے اور نہ تم اس کو قتل کرنے پر قادر ہو' پھر حضرت سعد بن معاذ کے عم زاد حضرت اُسید بن حضیر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ سے کہا اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے' ہم اس کو ضرور قتل کریں گے' تم منافق ہو اور منافقین کی طرف سے جھگڑ رہے ہو' پھر دونوں قبیلے اوس اور خزرج جوش میں آ گئے' حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا حالانکہ ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسلسل ٹھنڈا کرتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش ہو گئے' حضرت عائشہ نے کہا اس پورے دن میری آنکھوں سے آنسو نہیں رکے' اور میں نے نیند کو سرمہ نہیں بنایا' صبح کو میرے پاس میرے والدین بیٹھے ہوئے تھے' میں نے دو راتیں اور ایک دن رو رو کر گزارے تھے' میں نے نیند کو سرمہ نہیں بنایا تھا نہ میرے آنسو رکے تھے' میرے والدین یہ گمان کر رہے تھے کہ میرا رونا میرے جگر کو پاش پاش کر

دے گا' جس وقت میرے ماں باپ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی انصار کی ایک خاتون نے آنے کی اجازت طلب کی میں نے اس کو اجازت دی' وہ بھی میرے پاس بیٹھ کر رونے لگی' حضرت عائشہ نے کہا جس وقت ہم اسی کیفیت میں تھے' ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے' آپ سلام کر کے بیٹھ گئے' اور جب سے یہ تہمت لگائی گئی تھی آپ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے اور ایک ماہ تک آپ کی طرف سے میرے متعلق کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے تو آپ نے کلمہ شہادت پڑھا' پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! حمد وصلوٰۃ کے بعد' مجھے تمہارے متعلق ایسی ایسی بات پہنچی ہے اگر تم بری ہو تو عنقریب اللہ تمہاری برأت نازل کردے گا' اور اگر (بالفرض) تم گناہ کی مرتکب ہوگئی ہو' تو تم اللہ سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو' کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے پھر اللہ کی طرف توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے' حضرت عائشہ نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات ختم کر لی تو میرے آنسو خشک ہو گئے حتیٰ کہ میں نے ایک قطرہ بھی محسوس نہیں کیا' میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں' انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہوں! پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں! انہوں نے بھی کہا میں نہیں جانتی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہوں! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں نے کہا میں کم عمر لڑکی ہوں میں بہت زیادہ قرآن مجید نہیں پڑھتی بے شک اللہ کی قسم میں جانتی ہوں کہ تم نے یہ بات سن لی ہے اور یہ بات تمہارے دلوں میں جاگزین ہوگئی ہے' اور تم نے اس کی تصدیق کی ہے' پس اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں اس (تہمت) سے بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم اس کی تصدیق نہیں کرو گے اور اگر میں کسی (ناکردہ) کام کا اعتراف کر لوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس کام سے بری ہوں تو تم ضرور میری تصدیق کرو گے' اور اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کی مثال دیکھتی ہوں' انہوں نے فرمایا تھا:

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○ پس صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو (یوسف:۱۸) اس پر اللہ سے ہی مدد مطلوب ہے۔

حضرت عائشہ نے کہا پھر میں اس مجلس سے اُٹھ کر بستر پر جا کر لیٹ گئی' اس وقت مجھے یہ یقین تھا کہ میں بری ہوں' اور اللہ میری برأت کو ظاہر کر دے گا' لیکن اللہ کی قسم میں یہ گمان نہیں کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق وحی نازل فرمائے گا' اور میرے نزدیک میری حیثیت اس سے بہت کم تھی کہ میرے متعلق وحی نازل کی جائے جس کی تلاوت ہو' لیکن میرا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں ایسا خواب دکھا دے گا جس سے اللہ میری برأت ظاہر فرما دے گا' پس اللہ کی قسم ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھنے کا قصد نہیں کیا تھا' اور نہ گھر والوں میں سے کوئی نکلا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہوگئی' پھر جس طرح (نزول وحی کے وقت) آپ پر پسینہ آتا تھا اس طرح آپ پر پسینہ آ گیا' وہ بہت سخت سردی کا دن تھا پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے موتیوں کی طرح پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگے' ان آیات کے ثقل کی وجہ سے جو آپ پر نازل ہو رہی تھیں' پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیفیت منقطع ہوئی تو آپ ہنس رہے تھے' پھر جو پہلی بات آپ نے کہی وہ یہ تھی اے عائشہ! بے شک اللہ عزوجل نے تم کو بری کر دیا ہے' میری ماں نے کہا تم حضور کی طرف کھڑی ہو' میں نے کہا اللہ کی قسم میں حضور کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی' اور میں اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کی حمد نہیں کروں گی' پھر اللہ عزوجل نے یہ دس

آیتیں نازل فرمائیں ۱: اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ (النور: ۲۰-۱۱) جب اللہ عزوجل نے یہ دس آیتیں نازل فرمادیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا مسطح نے عائشہ کے متعلق جو کچھ کہا ہے میں اس کے بعد اس پر کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا' حضرت ابوبکر حضرت مسطح کو خرچ دیا کرتے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے جو صاحب فضل اور کشادہ دست ہیں وہ قرابت داروں' مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہ کرنے کی قسم نہ کھائیں ان کو چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں' کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو بخش دے' اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

یہ آیت سن کر حضرت ابوبکر نے بے ساختہ کہا کیوں نہیں! بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے بخش دے' پھر حضرت ابوبکر' حضرت مسطح پر اسی طرح خرچ کرنے لگے جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے اور حضرت ابوبکر نے کہا اللہ کی قسم میں مسطح پر اس خرچ کو کبھی بند نہیں کروں گا' حضرت عائشہ نے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش سے میرے متعلق پوچھتے تھے' اے زینب کیا تم کو اس کی کسی بات کا علم ہے یا تم نے کوئی بات دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ میں اپنے کانوں کی اور اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں' میں نے ان میں سوا خیر اور نیکی کے اور کوئی چیز نہیں دیکھی' حضرت عائشہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے یہی وہ تھیں جو مجھ سے فائق اور برتر رہنا چاہتی تھیں' پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے تقویٰ اور پرہیز گاری کی وجہ سے محفوظ رکھا اور ان کی بہن حضرت حمنہ بنت جحش ان کی حمایت میں لڑتی تھیں' پس وہ تہمت لگانے والوں کے ساتھ ہلاک ہوگئیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۵۰' ۲۶۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰' رقم الحدیث المسلسل: ۶۸۸۷' صفات المنافقین: ۵۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۴۷' ۱۹۷۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۸۲۱' عالم الکتب' مسند احمد ج ۶ ص ۶۰۔۵۹' قدیم' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۸۱۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۳۱' ۴۹۲۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۰۰' المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۱۵۱-۱۳' سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۰۱' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۷ ص ۲۳۱-۲۲۸' رقم الحدیث: ۶۳۸۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۂ نور کی ان دس آیات کی تفسیر اور اور اس حدیث کی تشریح میں ہم پہلے یہ بیان کریں گے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں وحی نازل ہونے سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس تہمت سے برأت کا علم تھا' اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بیان کریں گے' اس کے بعد اس حدیث سے مستنبط شدہ مسائل بیان کریں گے' پھر اس حدیث پر بعض علماء کے عقلی شبہات کا ازالہ کریں گے اور آخر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں احادیث و آثار بیان کریں گے **فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق.**

۱ امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ یہ اٹھارہ مسلسل آیات ہیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی تکذیب کی گئی ہے۔ حاکم نے الاکلیل میں اسی طرح روایت کیا ہے' یہ آیات ان الذین جاءوا سے شروع ہوتی ہیں اور رزق کریم پر ختم ہوتی ہیں۔ الزمخشری نے کہا کسی معصیت پر اتنی شدید تغلیظ نہیں کی گئی جتنی حضرت عائشہ پر تہمت لگانے پر کی گئی ہے کیونکہ اس میں وعید شدید ہے۔ عتاب بلیغ ہے اور زجر عنیف ہے اور اس تہمت کو بہت سنگین قرار دیا ہے اور مختلف طریقوں اور اسلوبوں سے اس کی مذمت کی گئی ہے اور ان میں سے ہر طریقہ اور ہر اسلوب اپنے باب میں کافی ہے بلکہ ان کی بت پرستوں سے زیادہ مذمت کی گئی ہے اور یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ہے۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۴۱۹' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

سفر میں بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی میں مذاہب

اس حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں کسی زوجہ کو ساتھ لے جانے کے لیے ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے تھے' علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور جمہور علماء کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بیویوں کو سفر میں لے جانے کے لیے قرعہ اندازی کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث صحیحہ مشہورہ موجود ہیں' علامہ ابوعبید نے کہا کہ حضرت یونس' حضرت زکریا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' تین انبیاء علیہم السلام نے اس پر عمل کیا ہے' علامہ ابن منذر نے کہا اس کے عمل پر بہ منزلہ اجماع ہے' امام ابوحنیفہ کے مشہور مذہب میں یہ باطل ہے' اور امام ابوحنیفہ سے اس کی اجازت بھی منقول ہے' امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر علماء نے یہ کہا ہے کہ شوہر بغیر قرعہ اندازی کے اپنی جس بیوی کو چاہے سفر میں ساتھ لے جا سکتا ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک اس کے لیے سفر میں زیادہ مفید ہو اور دوسری بیوی گھر کے کام کاج اور گھر کی حفاظت میں زیادہ ماہر ہو' امام مالک سے بھی ایک یہی روایت ہے' علامہ ابن منذر نے کہا کہ قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے' لیکن ہم نے احادیث پر عمل کیا ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۶۴' مطبوعہ کراچی)

مذہب احناف کی وضاحت علامہ عینی کے حوالہ سے آ رہی ہے۔

نزول وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا حضرت عائشہ کی برأت کے متعلق علم' اور شبہات کے جوابات

اس حدیث میں ایک بحث یہ ہے کہ آیا نزول وحی سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اور برأت کا علم تھا یا نہیں؟ سو اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نزول وحی سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا یقیناً علم تھا' کیونکہ جب اس مسئلہ پر بحث ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فو اللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا ولقد ذکروا رجلا ما علمت علیہ الا خیرا۔

بہ خدا مجھے اپنی اہلیہ میں پاکیزگی کے سوا اور کسی چیز کا علم نہیں ہے' اور انہوں نے جس شخص کے ساتھ تہمت لگائی ہے مجھے اس کے متعلق بھی صرف پاکیزگی کا علم ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰)

باقی رہا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت ام المؤمنین کی پاکیزگی کا علم تھا تو آپ نے حضرت عائشہ کی طرف توجہ کم کیوں کر دی تھی' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا حضرت ام المؤمنین کی طرف توجہ کم کرنا لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا' بلکہ اس تہمت کے بعد آپ کی غیرت کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہ کی برأت کا اعلان نہ ہو جائے اس وقت تک آپ توجہ کم رکھیں تاکہ کسی دشمن اسلام کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں تھی۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر آپ کو حضرت ام المؤمنین کی برأت کا پہلے سے علم تھا تو آپ نے اس مسئلہ میں اصحاب سے استصواب کیوں کیا اور حضرت بریرہ سے حضرت عائشہ کے چال چلن کے متعلق استفسار کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب اس لیے کیا تھا کہ کسی دشمن اسلام کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو کہ دیکھو جب ان کے اپنے اہل پر تہمت لگی تو انہوں نے اس کے متعلق کوئی تحقیق اور تفتیش نہیں کی' آپ نے اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی اور تفتیش کے تمام تقاضوں کو پورا کیا' حضرت عائشہ کی سوکن (حضرت زینب بنت جحش) حضرت عائشہ کی خادمہ بریرہ اور دیگر قریبی ذرائع سے حضرت عائشہ کے چال چلن کے متعلق استفسار کیا حتیٰ کہ سب نے حضرت ام المؤمنین کی برأت اور پاکیزگی کا اظہار کیا اور سب نے بہ یک زبان کہا کہ ہم حضرت عائشہ کے متعلق پاکیزگی کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی پاکیزگی کا علم تھا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ کیوں فرمایا اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اتمام حجت کے لیے تھا اور اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر بفرض محال تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلو' قرآن مجید میں اس قسم کی بہ کثرت مثالیں ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ (یونس:۹۴)

تو اگر آپ کو (بالفرض) اس چیز کے متعلق شک ہو جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے سوال کیجیے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام سے عہد لینے کے بعد فرماتا ہے:

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (آل عمران:۸۲)

پھر جو کوئی اس کے بعد (بالفرض) اس عہد سے پھر گیا تو وہی لوگ نافرمان ہوں گے۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ○ (زخرف:۸۱)

آپ فرمائیے! اگر (بہ فرض محال) رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرتا۔

سو اسی اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بالفرض تم سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلو! اور یہ تحقیق اور تفتیش کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے فرمایا تھا' اور اس ارشاد میں امت کے لیے نمونہ رکھنا تھا کہ اپنے اہل کی رعایت سے تحقیق میں کوئی کمی نہ کی جائے اور یہ تعلیم دینی تھی کہ اگر کسی شخص کی بیوی سے غلطی ہو جائے تو وہ اس کو توبہ کی تلقین کرے اور یہ مسئلہ بتلانا تھا کہ جس شخص سے یہ غلطی سرزد ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے جواب میں یہ کہا تھا کہ "تم لوگوں نے یہ بات سنی ہے اور تمہارے دلوں میں یہ بات قرار پکڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے اگر میں تم سے کہوں کہ میں بے گناہ ہوں تو تم ہرگز میری تصدیق نہ کرو گے" اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی پاکدامنی کا علم نہیں تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ معاذ اللہ! اس خطاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روئے سخن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں تھا' اس قول میں اگرچہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا لیکن یہ خطاب ان لوگوں کے لیے تھا جو مسلمان ہونے کے باوجود منافقین کے بہکانے سے تہمت لگانے میں مبتلا ہو گئے تھے۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی برأت اور پاکیزگی کا علم تھا تو آپ اس قدر پریشان اور غمگین کیوں رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غم اور صدمہ کی وجہ یہی تو تھی کہ بے گناہ پر تہمت لگی ہے' نیز زیادہ غم اور پریشانی کا سبب یہ تھا کہ بعض مسلمان بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تھے' ایسے میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازخود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا اعلان کرتے تو یہ خدشہ تھا کہ وہ مسلمان آپ کے متعلق یہ بدگمانی کرتے کہ آپ اپنے اہل کی رعایت فرما رہے ہیں اور آپ کے متعلق بدگمانی کر کے کافر ہو جاتے۔

کسی نبی کی زوجہ نے کبھی بدکاری نہیں کی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا علم تھا اس پر ایک قوی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی۔ تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نبی کی زوجہ کی پاک دامنی کا علم ہے تو اپنی زوجہ مطہرہ کی پاک دامنی کا علم کیسے نہیں ہوگا!

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن الضحاک مابغت امراۃ نبی قط. ضحاک بیان کرتے ہیں کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۷۱۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ ھ بیان کرتے ہیں:

قال ابن عباس مابغت امرأۃ نبی قط. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی۔

(الوسیط ج ۴ ص ۳۲۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام الحسین بن مسعود الفراء بغوی المتوفی ۵۱۶ ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۳۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(الکشاف ج ۴ ص ۵۷۶ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر المتوفی ۵۷۱ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اشرس خراسانی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کی بیوی نے کبھی بھی زنا نہیں کیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳ ص ۲۴۴ رقم الحدیث: ۱۱۷۲۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام ابن جریر اور حافظ ابن عساکر کے حوالوں سے امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ ھ امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸' علامہ خازن متوفی ۷۲۵ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ' شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی اپنی تفاسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(زادالمسیر ج ۸ ص ۳۱۵' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۷۵' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۸۶' لباب التاویل ج ۴ ص ۲۸۸' البحر المحیط ج ۱۰ ص ۲۱۵' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۳۳' الدرالمنثور ج ۸ ص ۲۲۸' فتح القدیر ج ۵ ص ۳۴۱' روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۴۱ فتح البیان ۱۴ ص ۲۲۱' طبع جدید)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۶۸' مطبوعہ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابن منذر اور امام ابن عساکر اور دیگر ائمہ نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی" تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زوجہ مطہرہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی اور اس تہمت سے برأت کے متعلق کیسے علم نہیں ہوگا!

حضرت عائشہ کی برأت پر علماء اہل سنت کے دلائل

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ کا نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونا اس فاحشہ کے ارتکاب سے مانع ہے' کیونکہ انبیاء علیہم السلام کفار کو

دین حق کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اس لیے واجب ہے کہ ان میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جو لوگوں کو ان سے متنفر کرے' اور جس شخص کی بیوی بدکار ہو اس سے لوگ بہت نفرت کرتے ہیں' اگر یہ سوال ہو کہ نبی کی بیوی کا کافرہ ہونا کیوں جائز ہے جیسا کہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں کافرہ تھیں اور جب ان کا کافرہ ہونا جائز ہے تو فاجرہ ہونا کیوں جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کے نزدیک کفر موجب نفرت نہیں ہے اور بیوی کا فاجرہ ہونا ان کے نزدیک بھی موجب نفرت ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے حضرت عائشہ کا یہ حال معروف تھا کہ وہ فحش کاموں کے اسباب اور محرکات سے بہت دور اور بالکل محفوظ تھیں اور جس شخصیت کا یہ حال معروف ہو اس کے ساتھ حسن ظن کرنا واجب تھا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس فاحشہ کی تہمت لگانے والے منافقین اور ان کے متبعین تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ دروغ گو دشمن کی اڑائی ہوئی بات بے بنیاد ہوتی ہے' ان قرائن سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس تہمت کا جھوٹا ہونا آپ کو نزول وحی سے پہلے ہی معلوم تھا۔

تہمت لگانے والوں میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول' زید بن رفاعہ' حسان بن ثابت' مسطح بن اثاثہ' حمنہ بنت جحش اور ان کے موافقین تھے۔

علامہ ابوالبرکات نسفی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے منافقین کے جھوٹ کا یقین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ آپ کے جسم پر مکھی بیٹھے' کیونکہ مکھی نجاست پر بیٹھ کر نجاست سے آلودہ ہوتی ہے' تو جب اللہ تعالیٰ نے اتنی معمولی نجاست والی چیز کے مس سے آپ کو محفوظ رکھا ہے تو آپ کو اس فاحشہ کے ساتھ متلوث ہونے والی عورت سے کیسے محفوظ نہیں رکھے گا' حضرت عثمان نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سائے کو زمین پر پڑنے سے محفوظ رکھا ہے تا کہ کسی انسان کا اس سائے پر قدم نہ پڑے تو جب کسی شخص کے لیے آپ کے سائے پر قدم رکھنا ممکن نہیں ہے تو کسی شخص کے لیے آپ کی زوجہ کی عزت کو پامال کرنا کس طرح ممکن ہو گا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جبریل کو بھیج کر آپ کو یہ خبر دی کہ آپ کے نعلین میں گھناؤنی چیز ہے اور آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنے پیر سے وہ جوتی اتار دیں تا کہ آپ کے پیر میں وہ گھن والی چیز نہ لگے تو اگر بالفرض آپ کی زوجہ اس فاحشہ سے متلوث ہو گئی ہوتیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے الگ ہونے کا حکم ضرور دیتا' اور حضرت ابوایوب انصاری نے اپنی بیوی سے کہا کیا تم کو اس چیز کی خبر ہے؟ ان کی بیوی نے کہا یہ بتاؤ اگر تم حضرت صفوان بن معطل کی جگہ ہوتے تو کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کے ساتھ کسی فاحشہ کا ارادہ کر سکتے تھے؟ انہوں نے کہا ہرگز نہیں! انہوں نے کہا کہ اگر میں حضرت عائشہ کی جگہ ہوتی تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کا ارادہ نہ کرتی اور حضرت عائشہ مجھ سے افضل ہیں اور حضرت صفوان تم سے افضل ہیں تو ان کے متعلق اس فاحشہ کا تصور کیسے ہو سکتا ہے۔ (مدارک التنزیل ج ۳ ص ۳۴۳)

حضرت عائشہ کی برأت پر علماء شیعہ کے دلائل

شیعہ مفسرین میں سے شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی متوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

فالاية دالة على كذب من قذف عائشة وافك عليها. یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے حضرت عائشہ پر تہمت لگائی وہ جھوٹا ہے۔

(التبیان ج ۳ ص ۳۴۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۳ھ)

شیخ فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں:

ایشاننند دروغ گویان در ظاهرو باطن چـه اگـر گـواه آور دنـدے در ظـاهر در حکم کاذب نبودندے امادر باطن کاذب بودندے زیرا کـه ایـں صـورت در ازواج انبیـاء ممتنع است وچون گواه نیا وردند در ظاهر نیز کاذبند.

(منہج الصادقین ج ۶ ص ۲۸۳-۲۸۲' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران)

یہ تہمت لگانے والے ظاہر اور باطن میں جھوٹے تھے' کیونکہ اگر وہ گواہ پیش کر دیتے تو ظاہر میں تو جھوٹے نہ ہوتے لیکن باطن میں جھوٹے ہوتے' کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے لیے یہ صورت ممتنع ہے اور جب وہ گواہ پیش نہیں کر سکے تو باطن کی طرح ظاہر میں بھی جھوٹے ہوئے۔

نیز شیخ کاشانی لکھتے ہیں:

چـه فـجـور زوجات پیغمبر صلی الله علیه وسلم موجب تنفیر مرد مانست از آنحضرت و انبیـاء مبعـوث شـده انـدبـکفـار بجهت آنکـه ایشـانـرا دعـوت کـنـنـد بدین خدا پـس واجب اسـت کـه مـنـتـفـی بـاشد از ایشـان چیزے کـه مـوجـب تـنفیر کفار باشدو کشخیمت از اعظم متـنفر انست به خلاف کفر که نزد ایشان منفر نبـو داز ایـں جهت واجب است که ازواج انبیاء از فـجـور مصون باشند ولازم نیست که از کفر بری باشندے. (منہج الصادقین ج ۶ ص ۲۸۴)

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے فاحشہ کا صدور لوگوں کی حضور سے نفرت کا موجب ہے' اور انبیاء علیہم السلام کفار کی طرف اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ ان کو اللہ کے دین کی دعوت دیں' اس لیے واجب ہے کہ وہ ان چیزوں سے محفوظ رہیں جو کفار کے تنفر کا موجب ہو' اور بدکاری سب سے زیادہ تنفر کا موجب ہے' اس کے برخلاف کفر ان کے نزدیک تنفر کا موجب نہیں ہے' اس لیے واجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج اس فاحشہ سے محفوظ ہوں' اور یہ لازم نہیں ہے کہ وہ کفر سے بری ہوں۔

شیخ طبرسی لکھتے ہیں:

لان الله تـعـالـی یـبـری عـائـشـه ویـا جرهـا بـصـبـرهـا واحتسـابهـا ویـلزم اصحاب الافـک مـاالسـتـحـقـوه بالاثم الذی ارتکبو ها فی امرها.

(مجمع البیان ج ۷ ص ۲۰۶)

کیونکہ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ کو بری کر دے گا اور ان کو ان کے صبر کرنے پر اجر عطا فرمائے گا اور تہمت لگانے والوں کو وہ سزا ملے گی جس کے وہ مستحق ہوئے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ان آیات میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہت بڑی فضیلت ہے' اگر تم تمام قرآن کو کھنگال کر دیکھو تو تمہیں علم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی معصیت پر اتنی سخت وعید نازل نہیں فرمائی جتنی حضرت عائشہ کی تہمت پر وعید نازل فرمائی ہے اور جتنی سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میرے کچھ ایسے خصوصی فضائل ہیں جو اور کسی میں نہیں ہیں' البتہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم بنت عمران کو عطا فرمائیں وہ مستثنیٰ ہیں اور میں یہ نہیں کہتی کہ میں ان

اوصاف کی وجہ سے دیگر ازواجِ مطہرات پر فخر کرتی ہوں' پوچھا گیا وہ کیا ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: فرشتہ میری صورت لے کر نازل ہوا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سال کی عمر میں مجھ سے نکاح کیا نو سال کی عمر میں میری رخصتی ہوئی' میرے علاوہ اور کسی کنواری عورت کا حضور سے نکاح نہیں ہوا' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بستر پر تھی تو آپ پر وحی نازل ہوئی' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھی' میرے متعلق قرآن مجید میں (دس) آیات نازل ہوئیں' میرے سوا ازواجِ مطہرات میں سے کسی نے بھی حضرت جبریل کو نہیں دیکھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے حجرے میں وصال ہوا' میرے اور فرشتے کے سوا اور کوئی آپ کے قریب نہیں تھا۔

(روح المعانی جز ۱۸ص ۱۹۵۔ ۱۹۴' دار الفکر' ۱۴۱۷ھ)

امام رازی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے چار شخصوں کی برأت بیان کی' حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ایک شاہد کی زبان سے بیان کی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہود نے ایک مکروہ بیماری کی نسبت کر دی تو ان کی برأت ایک پتھر نے بیان کی' حضرت مریم کی برأت ان کے بیٹے نے بیان کی اور حضرت عائشہ کی برأت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دس آیات میں بیان کی جن کی قیامت تک تلاوت ہوتی رہے گی' روایت ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت ابن عباس نے آنے کی اجازت طلب کی' حضرت عائشہ نے فرمایا اب وہ آئے گا اور میری تعریف کرے گا' حضرت ابن الزبیر نے حضرت ابن عباس کو یہ بتایا' حضرت ابن عباس نے کہا جب تک ام المؤمنین مجھ کو اجازت نہیں دیں گی' میں نہیں آؤں گا' حضرت عائشہ نے اجازت دے دی' حضرت ابن عباس آئے تو حضرت عائشہ نے کہا میں دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں' حضرت ابن عباس نے کہا اے ام المؤمنین آپ کو دوزخ کے عذاب سے کیا خطرہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوزخ کے عذاب سے پناہ دے دی ہے' اور آپ کی برأت کے متعلق قرآن مجید میں آیات نازل کی ہیں جن کی مسجدوں میں تلاوت کی جاتی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو طیب قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طیبات' طیبین کے لیے ہیں اور طیبون' طیبات کے لیے ہیں اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم طیب کے سوا کسی چیز سے محبت نہیں کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب سے تیمم کا حکم نازل کیا اور فرمایا صعید "پاک مٹی" سے وضو کرو' (نیز آپ کی وجہ سے حد قذف مقرر ہوئی) روایت ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت زینب نے اپنی اپنی فضیلت بیان کی' حضرت زینب نے فرمایا میں وہ ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے نکاح کیا اور حضرت عائشہ نے فرمایا میں وہ ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے برأت بیان کی' جب ابن المعطل نے مجھے سواری پر سوار کیا' حضرت زینب نے پوچھا آپ نے سوار ہوتے وقت کیا کہا تھا' حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے کہا تھا: حسبی اللہ و نعم الوکیل حضرت زینب نے کہا یہی مؤمنوں کی نشانی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۵۳' دار احیاء التراث العربی' ۱۴۱۵ھ)

حدیث افک سے استنباط شدہ مسائل

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں اس حدیث سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) اس طویل حدیث کے متعدد قطعات کو راویوں نے بیان کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کی تقطیع کرنا جائز ہے' اور اس کے جواز پر اجماع ہے۔

(۲) ازواج کو سفر میں لے جانے کے لیے قرعہ اندازی کرنے کا جواز۔

(۳) خواتین کے غزوات میں شریک ہونے کا جواز۔
(۴) خواتین کے اونٹ پر سوار ہونے اور کجاوہ میں بیٹھنے کا جواز۔
(۵) سفر میں مردوں کا خواتین کی خدمت کرنے کا جواز۔
(۶) لشکر کی روانگی کا امیر کے حکم پر موقوف ہونا۔
(۷) بیوی کا قضاء حاجت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر جنگل میں جانے کا جواز۔
(۸) خواتین کے لیے سفر میں ہار پہننے کا جواز۔
(۹) غیر محرم کا عورت کو کجاوہ میں بٹھانے کا جواز اور یہ کہ غیر محرم سفر میں عورت کے ساتھ بلاضرورت بات نہ کرے۔
(۱۰) عورتوں کے کم کھانے کا استحسان تا کہ جسم پر گوشت کی تہیں نہ چڑھیں۔
(۱۱) بعض آدمیوں کو لشکر کے پیچھے رکھنا تا کہ اگر کوئی شخص لشکر سے بچھڑ جائے تو وہ اس کو لشکر کے ساتھ لاحق کر دے۔
(۱۲) غمگین کی مدد کرنا' جو قافلہ سے بچھڑ گیا ہو اس کو قافلہ سے لاحق کرنا اور صاحب اقتدار کی تکریم کرنا جیسا کہ حضرت صفوان نے کیا۔
(۱۳) خواتین کے ساتھ حسن ادب کے ساتھ پیش آنا خصوصاً جنگل کی تنہائی میں' جیسا کہ حضرت صفوان نے از خود بغیر کہے سنے اونٹ کو بٹھایا اور اونٹ کے پیچھے پیچھے چلے۔
(۱۴) ایثار کا بیان کیونکہ حضرت صفوان خود پیدل چلے اور حضرت عائشہ کو سوار کرایا۔
(۱۵) دین اور دنیا کی کسی بھی مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کا استحباب۔
(۱۶) اجنبی شخص خواہ صالح ہو یا نہ ہو اس سے چہرہ کے پردہ کا بیان' کیونکہ حضرت عائشہ نے حضرت صفوان کو دیکھ کر اپنی چادر میں چہرہ چھپالیا۔
(۱۷) بغیر طلب کے قسم کھانے کا بیان۔
(۱۸) کسی شخص نے کسی پر تہمت لگائی ہو تو اس کا اس شخص سے ذکر نہ کرنے کا استحباب' کیونکہ ایک ماہ تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس تہمت کے متعلق نہیں بتایا گیا۔
(۱۹) خاوند کا بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اور لطف کے ساتھ پیش آنا
(۲۰) جب بیوی کے متعلق کوئی تہمت سنی جائے تو اس سے لطف میں کمی کرنا' تا کہ بیوی اس کی وجہ دریافت کرے اور سبب پر مطلع ہونے کے بعد اس کا ازالہ کرے۔
(۲۱) مریض سے اس کا حال پوچھنے کا استحباب۔
(۲۲) عورت جب جنگل میں قضاء حاجت کے لیے جائے تو رفاقت کے لیے اپنے ساتھ کسی خاتون کو لے جائے۔
(۲۳) اگر کسی شخص کا کوئی عزیز یا رشتہ دار کسی معزز شخص کو اذیت دے تو اس کو برا جاننا جس طرح حضرت مسطح کی ماں نے مسطح کی تہمت لگانے کو برا جانا۔
(۲۴) اہل بدر کی فضیلت اور ان کی طرف سے دفاع کرنا جیسا کہ حضرت عائشہ نے حضرت مسطح کی طرف سے دفاع کیا۔
(۲۵) اہل بدر کی مغفرت کا اعلان اس بات کو مستلزم نہیں کہ بعد میں وہ گناہ کریں گے اور ان کو دنیاوی سزا نہیں ملے گی' کیونکہ حضرت مسطح نے تہمت لگائی اور ان پر حد قذف جاری ہوئی' البتہ ان کو موت سے پہلے توبہ کی توفیق دی جائے گی اور خاتمہ

ایمان پر ہوگا۔
(۲۶) کسی قانون کا مؤثر بہ ماضی ہونا' کیونکہ حدقذف کا حکم نازل ہونے سے پہلے جنہوں نے تہمت لگائی تھی ان پر بھی حد جاری کی گئی۔
(۲۷) بیوی کا اپنے میکے جانے کے لیے خاوند سے اجازت طلب کرنا۔
(۲۸) تعجب کے موقع پر سبحان اللہ کہنا۔
(۲۹) کسی شخص کا اپنے خانگی امور میں اپنے احباب اور عزیزوں سے مشورہ کرنا۔
(۳۰) کسی تہمت کے متعلق تحقیق اور تفتیش کرنا اور کسی کے احوال معلوم کرنا' البتہ بلاضرورت تجسس کرنا منع ہے۔
(۳۱) کسی پیش آمدہ حادثہ کے متعلق امام کا لوگوں سے خطاب کرنا۔
(۳۲) اگر کسی شخص کی طرف سے مسلمانوں کے امیر کو اذیت پہنچی ہو تو اس کی مسلمانوں سے شکایت کرنا۔
(۳۳) حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے فضائل جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور حضرت عائشہ کے بیان سے ظاہر ہوئے۔
(۳۴) حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کی فضیلت۔
(۳۵) فتنہ کو بند کرنا' لوگوں کے جوش اور غضب کو ٹھنڈا کرنا اور لڑائی جھگڑے کو بند کرانا۔
(۳۶) توبہ پر برانگیختہ کرنا اور توبہ کی قبولیت۔
(۳۷) بڑوں کی موجودگی میں چھوٹوں کا بڑوں کی طرف کلام کو مفوض کرنا' چنانچہ حضرت عائشہ نے اپنے والدین سے کہا کہ وہ حضور سے بات کریں۔
(۳۸) قرآن مجید کی آیات سے استشہاد کرنا۔
(۳۹) جس شخص کو کوئی تازہ نعمت ملی ہو یا اس سے کوئی مصیبت دور ہوئی ہو اس کو مبارک باد دینا۔
(۴۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت سے برأت' قطعی برأت ہے جو قرآن مجید میں منصوص ہے' سو جو انسان اس میں شک کرے گا وہ العیاذ باللہ کافر ہو جائے گا' حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی زوجہ نے کبھی بدکاری نہیں کی' اور یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔
(۴۱) جب کوئی تازہ نعمت ملے تو اس پر فوراً شکر ادا کرنا' جس طرح حضرت عائشہ نے برأت کی آیات نازل ہونے کے بعد اللہ کا شکر ادا کیا۔
(۴۲) ولا یاتل اولوا الفضل. میں حضرت ابوبکر کی فضیلت کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو صاحب فضل فرمایا۔
(۴۳) رشتہ دار اگرچہ بدسلوکی کریں پھر بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا' جیسا کہ حضرت ابوبکر کو حضرت مسطح کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہوا۔
(۴۴) لوگوں کی بدسلوکی کو معاف کرنا اور درگزر کرنے کا بیان۔
(۴۵) نیکی کے راستہ میں صدقہ اور خیرات کرنے سے استحباب۔
(۴۶) اگر کوئی شخص نیکی نہ کرنے کی قسم کھالے تو مستحب یہ ہے کہ وہ نیکی کرے اور قسم کا کفارہ دے' جس طرح حضرت ابوبکر نے کیا۔

(۴۷) حضرت ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت۔
(۴۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلق کی عظمت کیونکہ حضرت حسان کے تہمت لگانے کے باوجود حضرت عائشہ ان کی طرف سے مدافعت کرتی تھیں۔
(۴۹) مسلمانوں کا اپنے امیر کے اہل کی عزت و حرمت کے لیے غضب ناک ہونا' جس طرح حضرت سعد بن معاذ اور دیگر صحابہ غضب میں آئے۔
(۵۰) متعصب کو سب کرنے کا جواز جیسا کہ حضرت اُسید بن حضیر نے حضرت سعد بن عبادہ سے کہا تم منافق ہو اور منافقوں کی طرف سے لڑ رہے ہو اور اس سے ان کی مراد نفاق حقیقی نہیں تھا۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۶۸-۳۶۷' کراچی)
علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:
(۱) علامہ نووی نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ سفر کے لیے ازواج میں قرعہ اندازی کرنا باطل ہے اور ان سے اجازت کی بھی حکایت ہے اور علامہ ابن منذر وغیرہ نے کہا کہ قیاس کا تقاضا قرعہ اندازی کو ترک کرنا ہے لیکن ہم نے احادیث پر عمل کیا ہے۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب قرعہ اندازی کو باطل کرنا نہیں ہے' اور امام ابوحنیفہ نے یہ نہیں کہا بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ قیاس قرعہ اندازی کے خلاف ہے کیونکہ اس میں بیوی کے ساتھ لے جانے کو قرعہ پر معلق کرنا ہے اور یہ قمار ہے اس سے بیوی کے ساتھ جانے کا استحقاق ثابت نہیں ہوتا لیکن ہم نے احادیث کی بنا پر اس قیاس کو ترک کر دیا' اور اس تعامل کی وجہ سے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک بغیر کسی اختلاف کے عمل ہوتا آیا ہے' اور یہ احادیث اس پر محمول ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کی خوشنودی کے لیے ایسا کیا' اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضر میں بھی ازواجِ مطہرات کی باری میں مساوات واجب نہیں تھی' اور قدوری میں یہ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے یہ روایت ہے کہ سفر میں ازواج کا کوئی حق نہیں اور خاوند کی مرضی ہے وہ جس زوجہ کو چاہے سفر میں لے جائے اور علامہ اقطع نے اس کی شرح میں یہ لکھا کیونکہ خاوند پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ان میں سے ایک معین کو سفر میں اپنے ساتھ لے جائے اور اولیٰ اور مستحب یہ ہے کہ ان کی خوشنودی کے لیے ان کے درمیان قرعہ اندازی کرے۔
(۲) عورتوں کا کسی ایک کو نیک قرار دینا جائز ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ اور حضرت اُم المؤمنین زینب رضی اللہ عنہما سے حضرت عائشہ کے متعلق پوچھا اور انہوں نے حضرت عائشہ کی فضیلت اور دین داری میں ان کے کمال کو بیان کیا' امام ابوحنیفہ نے اسی حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ بعض عورتوں کا بعض دوسری عورتوں کو نیک قرار دینا اور ان کو تعدیل کرنا جائز ہے۔
(۳) جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی اہلیہ یا آپ کی عزت کے متعلق ایذاء دے اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہا کہ اگر یہ شخص اوس میں سے ہے تو ہم اس کو قتل کر دیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد نہیں کیا' اور علامہ ابنُ بطال نے یہ کہا کہ اسی طرح جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس چیز کے ساتھ سب کرے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بری کر دیا اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا کیونکہ وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہا ہے' علامہ مہلب نے کہا میرا نظریہ یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے جس زوجہ پر بھی زنا کی تہمت لگائی جائے گی اس تہمت لگانے والے کو قتل کر دیا جائے گا۔

(۴) صبر جمیل کی دنیا اور آخرت میں تعریف اور تحسین ہے۔
(۵) جس شخص پر حد لگانے سے اُمت میں تفرقہ اور انتشار کا خدشہ ہو اس پر حد نہ لگائی جائے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن سلول پر حد نہیں لگائی۔
(۶) کسی باطل چیز کا اعتراف کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ حضرت عائشہ نے کہا اگر میں اس گناہ کا اعتراف کرلوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں تو تم میری تصدیق کرو گے۔
(۷) وحی کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نہیں تھا' کیونکہ اس موقع پر ایک ماہ تک آپ پر وحی نہیں کی گئی' اور یہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔
(۸) عورتوں کا سونے' چاندی' موتی اور سیپوں کے زیورات پہننا جائز ہے۔
(۹) کسی گم شدہ چیز کو تلاش کرنا' جس طرح حضرت عائشہ نے اپنے ہار کو تلاش کیا' اور مال کو ضائع ہونے سے بچانا جائز ہے۔
(۱۰) کسی شخص کے متعلق جو خبر گشت کر رہی ہو اس کے متعلق تحقیق کرنا کہ آیا اس سے پہلے بھی اس نے ایسا کام کیا تھا یا نہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ' حضرت اسامہ اور حضرت زینب وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تنہائی کے معمولات اور دیگر افعال کے متعلق سوالات کیے اور یہ کہ حکم ظاہری افعال پر لگایا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری جز ۱۳ ص ۲۳۶-۲۳۴' مصر' ۱۳۴۸ھ)

حضرت عائشہ کا یہ کہنا کہ ''میں حضور کے لیے قیام نہیں کروں گی میں صرف اللہ کی حمد کروں گی''

جب حضرت عائشہ کی برأت کے متعلق آیات نازل ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ کی حمد کرو' اللہ نے تمہاری برأت کر دی ہے اور حضرت عائشہ کی والدہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے کھڑی ہو تو حضرت عائشہ نے کہا بہ خدا میں ان کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی اور میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گی۔

علامہ بدرالدین عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ کا یہ کلام بہ منزلہ عتاب تھا' کیونکہ مسلمانوں نے آپ کے معاملہ میں شک کیا حالانکہ ان کو حضرت عائشہ کی نیک چلنی اور پاکیزہ سیرت کا بہ خوبی علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ ظالموں نے آپ پر جو بغیر کسی حجت اور دلیل کے جھوٹی تہمت لگائی ہے آپ کا دامن اس سے بری ہے۔ (علامہ عینی نے یہ عبارت علامہ نووی سے نقل کی ہے) (عمدۃ القاری جز ۱۳ ص ۱۳۴)

اس عبات کے بعد علامہ نووی لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ نے کہا میں صرف اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کی حمد کروں گی جس نے میری برأت کو نازل کیا اور مجھ پر غیر متوقع انعام کیا' جیسا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا تھا میں اپنے آپ کو اس سے بہت کم تر خیال کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق ایسی وحی نازل کرے جس کی تلاوت کی جائے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۶۶' کراچی)

حضرت عائشہ نے جو فرمایا میں حضور کے سامنے کھڑی نہیں ہوں گی اور میں صرف اپنے رب کی حمد کروں گی' اس کلام کے متعلق یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم سے انکار کیا' معاذ اللہ! یا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض تھیں جیسا کہ علامہ نووی اور علامہ عینی نے حضرت عائشہ کے اس کلام کو عتاب پر محمول کیا ہے' بلکہ حضرت عائشہ کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو عظیم احسان کیا ہے اور ان کو نعمت غیر مترقبہ عطا فرمائی ہے تو اس نعمت اور احسان پر سب سے پہلے صرف اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد کرنی چاہیے ورنہ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور

آپ کے شکر کا کیسے انکار کر سکتی ہیں جبکہ یہ عظیم نعمت آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہی ملی تھی' اس لیے آپ کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ میں سب سے پہلے آپ کی تعظیم اور آپ کا شکر نہیں بلکہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کا شکر ادا کروں گی۔!

حدیث افک پر بعض معاصرین کے اعتراضات

بعض معاصرین (قاضی عبدالدائم) نے حدیث مذکور پر آٹھ عقلی اعتراضات کیے ہیں اختصار کی وجہ سے ہم نے ان اعتراضات کا خلاصہ ان ہی کی کتاب سے نقل کیا ہے' اس کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی توفیق سے ان اعتراضات کے نمبروار جواب عرض کریں گے۔

خدارا' بتائیے کہ میں اس روایت کو کیسے صحیح تسلیم کرلوں !!!؟

(۱) وہ روایت' جس میں رسول اللہ کی زبانی صدیقہء کائنات کو اِنْ کُنْتِ اَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ اور قارفت سے مخاطب کیا گیا ہو۔

(۲) وہ روایت جس کے مطابق رسول اللہ اپنی اس انتہائی چہیتی بیوی کو طلاق دینے کے بارے میں مشورہ کرنے لگے ہوں۔

(۳) وہ روایت جس میں حضرت علی کی طرف ایسا مشورہ منسوب کیا گیا ہو' جس کا باب مدینۃ العلم سے تصور بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔

(۴) وہ روایت جس کی رو سے رسول اللہ' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ام رومان رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ کے گناہگار ہونے کا یقین ہو۔

(۵) وہ روایت جس میں منافقین کی الزام تراشی کو ام رومان رضی اللہ عنہا نے خواہ مخواہ دیگر ازواجِ مطہرات کے سر منڈھ دیا ہو۔

(۶) وہ روایت جس میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ جیسے عندلیب باغ رسالت کو قذف صدیقہ جیسے مکروہ عمل میں ملوث کیا گیا ہو۔

(۷) وہ روایت جس میں اکابرین صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک دوسرے کو جھوٹا اور منافق کہتے دکھایا گیا ہو۔

(۸) وہ روایت جس میں سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور ان کے پورے قبیلے خزرج کو رئیس المنافقین کا حامی ظاہر کیا گیا ہو۔

کیا ایسی روایت بھی صحیح اور قابل تسلیم ہو سکتی ہے؟

اس روایت کے کرتا دھرتا ابن شہاب زہری ہیں' جنہوں نے مختلف راویوں کے بیانات کو جوڑ جاڑ کر یہ ملغوبہ تیار کیا ہے' بعد میں اور لوگ بھی اس کو بیان کرنے لگ گئے۔ زہری صاحب کی اس روایت پر ہم کم از کم الفاظ میں جو تبصرہ کر سکتے ہیں' وہ قرآنی الفاظ میں یہی ہے کہ:

ھٰذا افک مبین. یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ اور افتراء ہے۔

(سیدالوریٰ ج ۲ ص ۸۷-۸۶' مطبوعہ برائٹ بکس لاہور' ۱۹۹۷ء)

اعتراضات مذکورہ کے جوابات

(۱) پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا اگر تم سے

گناہ سرزد ہوگیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرو' حالانکہ اسی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ دوران تفتیش نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اللہ کی قسم میں اپنی اہلیہ پر سوائے خیر اور نیکی کے اور کوئی چیز نہیں جانتا اور یہ تعارض بھی ہے اور معاذ اللہ حضرت عائشہ کے متعلق سوء ظن بھی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشاد اتمام حجت کے لیے تھا اور دشمنان اسلام کا منہ بند کرنے کے لیے تھا کہ دیکھو جب ان کی اپنی بیوی پر تہمت لگی تو اس کی انہوں نے کتنی رعایت کی' اور اس ارشاد کا محمل یہ ہے کہ اگر بہ فرض محال تم سے یہ گناہ سرزد ہوگیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلو اور اس کی قرآن مجید میں بھی کئی مثالیں ہیں۔

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۔(یونس:۹۴)

سو اگر آپ کو (بہ فرض محال) اس کتاب میں شک ہو جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے سوال کریں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ آپ کو قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے اور منزل من اللہ ہونے میں شک تھا اور اس شک کے ازالہ کے لیے آپ کو یہ تلقین کی گئی کہ آپ اپنے اطمینان کے لیے اہل کتاب سے معلومات کریں' اور چونکہ اس آیت سے آپ کا قرآن میں شک کرنا ظاہر ہوتا ہے اور اپنے اطمینان کے لیے یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف رجوع کرنے کا پتا چلتا ہے تو کیا اس بناء پر اس آیت کو بھی ترک کر دیا جائے گا اور اس آیت کو بھی افک مبین اور کھلا ہوا جھوٹ قرار دیا جائے گا! واضح رہے کہ قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے میں شک کرنا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی میں شک کرنے کی بہ نسبت زیادہ سنگین اور زیادہ خطرناک ہے' اور اگر اس آیت میں یہ توجیہ کی جائے کہ اس کا معنی ہے اگر بہ فرض محال اس کتاب میں شک ہو تو ایسی توجیہ اس حدیث میں کیوں نہیں ہوسکتی کہ اے عائشہ اگر بہ فرض محال تم سے گناہ سرزد ہوگیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرلو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کرلیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے' اور اس میں اُمت کو یہ تعلیم دینی مقصود تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو اس قبیح فعل سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے اور اس فعل کے ارتکاب پر انہیں دہرے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اس کے باوجود جب حضرت عائشہ سے یہ فرمایا کہ اگر تم سے بالفرض اس کام کا صدور ہوگیا ہے تو تم توبہ کرلو' اللہ توبہ قبول فرمائے گا' تو اگر اُمت کے کسی فرد سے یہ گناہ ہو جائے تو اس کو زیادہ پریشان اور مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کا گناہ ازواجِ مطہرات کے گناہ کی بہ نسبت آدھا ہے تو جب ان کا گناہ توبہ سے معاف ہو جائے گا تو اس کا گناہ بہ طریق اولیٰ معاف ہوجائے گا۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ اپنی چہیتی بیوی کو طلاق دینے کے لیے مشورہ کرنے لگے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ مشورہ کرنا بھی دشمنان اسلام کا منہ بند کرنے کے لیے تھا کہ جب نبی کی اپنی بیوی پر الزام لگا تو اس کی کوئی تفتیش اور تحقیق نہیں کی اور جانب داری سے کام لیا اور آپ کا یہ مشورہ اس لیے تھا کہ آپ کی حرم محترم کے متعلق آپ کے اصحاب کی آراء ظاہر ہو جائیں اور ان کے اذہان صاف ہو جائیں۔

(۳) تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسا مشورہ منسوب کیا ہے' جس کا آپ سے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا' اس کا جواب یہ ہے کہ مشورہ اسی لیے کیا جاتا ہے کہ مختلف آراء ظاہر ہوں' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسی مخلوق بنانے والا ہے جو زمین میں فساد کرے گی اور خون ریزی کرے گی' فرشتوں نے بعض فساق یا سرکش جنوں پر تمام اولاد آدم کو قیاس کرلیا ان کا یہ قیاس اور اجتہاد درست نہ تھا لیکن اس سے فرشتوں کے علم اور ان کے مقام پر کوئی اثر نہیں پڑا' اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قیاس اور اجتہاد یہ تھا کہ

ہر چند کہ حضرت عائشہ اس تہمت سے بری ہیں اور آپ سے یہ ناپاک کام متصور بھی نہیں ہے لیکن آپ پر یہ لازم اور ضروری تو نہیں ہے کہ آپ ایسی عورت کو نکاح میں رکھیں جس پر زنا کا الزام لگ چکا ہو خواہ وہ الزام جھوٹا ہو ان کے سوا اور بہت عورتیں ہیں جیسے فرشتوں نے کہا تھا ایسی مخلوق کو خلیفہ بنانے کی کیا ضرورت ہے تیری تسبیح اور تقدیس کرنے کے لیے بہت فرشتے ہیں فرشتوں کا جواب صحیح تھا نہ حضرت علی کا جواب صحیح تھا لیکن اس جواب سے نہ فرشتوں کے علم اور ان کے مقام پر کوئی زد پڑی نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم اور مرتبہ پر کوئی زد پڑی' اور فرشتوں کے اس جواب کی وجہ سے اس آیت کا انکار ہوگا نہ حضرت علی کے اس جواب کی وجہ سے اس حدیث کا انکار ہوگا نہ یہ آیت واجب الرد ہوگی نہ یہ حدیث واجب الرد ہوگی۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیادہ سے زیادہ اجتہادی غلطی ہے' اور وہ باعث ملامت نہیں جیسے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے کلمہ پڑھنے کے باوجود ایک شخص کو اس گمان سے قتل کر دیا تھا کہ اس نے جان کے خوف سے کلمہ پڑھا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۸۷۲' صحیح مسلم: ۹۶)

(۴) چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ اس حدیث کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' صدیق اکبر' اور ام رومان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گنہ گار ہونے کا یقین تھا' معاصر مذکور نے یہ بالکل غلط لکھا ہے اور حدیث پر صریح افتراء اور بہتان ہے اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا معنی یہ ہو کہ ان نفوس قدسیہ کو حضرت عائشہ کے گنہ گار ہونے کا یقین تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً فرمایا: مجھے اپنے اہل پر سوا نیکی کے اور کسی چیز کا علم نہیں' اور یہ جو آپ نے فرمایا تھا اگر تم سے گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ سے توبہ کرو اس کا مطلب ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ذکر کر چکے ہیں اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت ام رومان سے جب حضرت عائشہ نے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیں تو انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں علم نہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہیں اس کا یہ معنی کیسے ہو گیا کہ ہمیں تمہارے گناہ گار ہونے کا علم اور یقین ہے۔

(۵) پانچواں اعتراض یہ ہے کہ وہ روایت جس میں منافقین کی الزام تراشی کو ام رومان نے خواہ مخواہ دیگر ازواج مطہرات کے سر منڈھ دیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی تو آپ نے یہ کہا تھا کہ حضرت ام رومان کو حضرت عائشہ کے گناہ گار ہونے کا یقین تھا اور ایک سطر بعد آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ حضرت ام رومان نے منافقین کے اس الزام کو حضرت عائشہ کی حمایت میں دیگر ازواج کے سر منڈھ دیا' جب حضرت ام رومان کو حضرت عائشہ کے گناہ گار ہونے کا یقین تھا تو انہوں نے آپ کے قول کے مطابق اس الزام کو دیگر ازواج مطہرات کی طرف کیوں منسوب کیا یہ آپ کے کلام میں کھلا ہوا تعارض ہے' اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت ام رومان نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا حدیث میں اس طرح ہے کہ میں نے اپنی ماں سے پوچھا اے امی جان! یہ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اے بیٹی! حوصلہ رکھو کم ہی کوئی حسین عورت ہوگی جو اپنے شوہر کے نزدیک محبوب ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں مگر وہ اس پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں' حضرت ام رومان نے عام رواج کے مطابق یہ بات کہی تھی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ تہمت دیگر ازواج مطہرات نے لگائی تھی یا ان کے ایما پر لگائی گئی تھی' یہ بھی اس حدیث پر صریح افتراء اور بہتان ہے۔

(۶) وہ روایت جس میں حضرت حسان جیسے عندلیب باغ رسالت کو قذف صدیقہ جیسے مکروہ عمل میں ملوث کیا گیا ہو' اس اعتراض کے جواب میں ہم پوچھتے ہیں کہ کیا چوری کرنا مکروہ عمل نہیں؟ کیا شراب پینا مکروہ عمل نہیں ہے! کیا زنا کرنا مکروہ عمل نہیں!! بنو مخزوم کی ایک معزز عورت فاطمہ بنت اسود نے چوری کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۴۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۹۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۹۰۲) نعیمان یا ابن النعیمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا وہ نشہ میں تھے ان کو درخت کی شاخوں اور جوتوں سے مارا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۷۵) عبداللہ نام کا ایک شخص تھا

جس کا لقب حمار تھا انہوں نے شراب پی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوڑے (درخت کی شاخیں) مارے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۰) بنو اسلم کے ایک شادی شدہ شخص نے آپ کے سامنے زنا کا اعتراف کیا تو آپ کے حکم سے اس کو رجم کر دیا گیا' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۱۵۵) حضرت ماعز نے آپ کے سامنے آ کر زنا کا اعتراف کیا تو آپ کے حکم سے ان کو رجم کر دیا گیا' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۲۴) ایک کنوارے شخص نے ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کیا تو آپ کے حکم سے اس کنوارے کو سو کوڑے لگائے گئے اور اس عورت کو رجم کر دیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۴۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۴۹)

یہ نفوس قدسیہ جن پر چوری' شراب نوشی اور زنا کی حد جاری کی گئی' یہ سب صحابہ کرام تھے ان پر تطہیر کے لیے حد جاری کی گئی اور اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمام نیک اعمال کے لیے اُسوۂ حسنہ اور نمونہ ہے اگر یہ حضرات ان جرائم کے مرتکب نہ ہوتے تو آپ کی زندگی میں حد جاری کرنے کا نمونہ نہ ہوتا اور آپ کی زندگی میں تمام احکام شرعیہ کے نفاذ کا نمونہ نہ ہوتا' سو جس طرح ان حضرات صحابہ پر یہ حدود جاری کی گئیں اسی طرح حضرت حسان' حضرت مسطح اور حضرت حمنہ پر حد قذف جاری کی گئی اور اس حد کے جاری ہونے سے ان کی تطہیر ہو گئی اور اس سے ان کے مرتبہ اور مقام میں کوئی کمی نہیں آئی' یہ تمام صحابہ آسمان ہدایت کے ستارے ہیں ان کے لیے جنت اور اللہ کی رضا کی بشارت ہے۔ ان کا ایک کلو جو صدقہ کرنا بھی بعد والوں کے احد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے اور بعد کے تمام اخیار اُمت ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچتے۔

(۷) ساتواں اعتراض یہ ہے کہ وہ روایت جس میں اکابرین صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک دوسرے کو جھوٹا اور منافق کہتے ہوئے دکھایا گیا ہو'اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام عظیم مکارم اخلاق کے باوجود انسان تھے اور کبھی کبھی وہ بشری تقاضے سے مغلوب ہو کر جذبات کے دھارے میں بہہ جاتے تھے لیکن جب ان کو سمجھایا جاتا تو وہ پھر باہم شیر و شکر ہو جاتے تھے اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ (الحجرات: ۹)

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو' پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو تم سب اس زیادتی کرنے والی جماعت سے قتال کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پس اگر وہ رجوع کر لے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو بے شک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

امام احمد' امام بخاری' امام مسلم' امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے چلیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار ہو کر اس کے پاس گئے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی گئے وہ شور والی زمین تھی' جب آپ اس کی طرف پہنچے تو اس نے کہا ایک طرف ہٹو اللہ کی قسم تمہارے دراز گوش کی بدبو مجھے اذیت پہنچا رہی ہے' پس انصار میں سے ایک شخص نے کہا اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دراز گوش کی بو تیری بدبو سے اچھی ہے' اس سے عبداللہ بن ابی اور اس کی قوم کے لوگ غضبناک ہو گئے پھر دونوں طرف سے اصحاب غصہ میں آ گئے اور انہوں نے ایک

دوسرے کو درخت کی ٹہنیوں' ہاتھوں اور جوتوں سے مارنا شروع کر دیا تب یہ آیت نازل ہوئی' اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرو۔

کیا اب معاصر موصوف اس آیت کا بھی انکار کر دیں گے کیونکہ اس میں صحابہ کرام کے آپس میں لڑنے کا ذکر ہے' ایک فریق عبداللہ بن ابی کا حامی تھا اور دوسرا مخالف تھا۔

حافظ سیوطی نے اس آیت کا دوسرا شان نزول اس طرح ذکر کیا ہے:

امام سعید بن منصور' امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے ابی مالک سے روایت کیا ہے کہ دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے ایک قوم ایک فریق کی حمایت میں تھی اور دوسری قوم دوسرے فریق کی حمایت میں تھی وہ ہاتھوں اور جوتیوں کے ساتھ لڑ رہے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔

نیز امام سیوطی نے امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر کی سند سے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ وہ آپس میں لاٹھیوں کے ساتھ لڑ پڑے تو یہ آیت نازل ہوئی' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ آپس میں لاٹھیوں اور جوتیوں کے ساتھ لڑ پڑے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدرالمنثور ج ۷ ص ۵۶۱-۵۶۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس آیت کے متعدد شان نزول ہیں لیکن ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ صحابہ کرام کے دو فریق عصبیت کی بناء پر ایک دوسرے سے لڑے اور ہاتھا پائی اور جوتم پیزار کی نوبت آ گئی تو یہ آیت نازل ہوئی' اور اس سے قطعی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ عصبیت کی بناء پر صحابہ کرام کا لڑنا ایسی نرالی اور انوکھی چیز نہیں ہے جس کی بناء پر حدیث صحیح کا انکار کیا جائے نیز ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کرام آپس میں نہ لڑتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان صلح نہ کراتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے حکم پر عمل کیسے کرتے' اور آپ کی زندگی میں دو لڑنے والے فریقوں کے درمیان صلح کرانے کا اسوہ کیسے متحقق ہوتا' مانا کہ دو فریقوں کا عصبیت کی بناء پر ایک دوسرے سے لڑنا خطاء ہے لیکن صحابہ کرام کی خطائیں ابرار کی نیکیوں سے بھی افضل ہیں' ان کی ان خطاؤں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صلح کرانے کا اسوہ پایا گیا' سو کسی شخص کو ان کی خطاؤں پر طعن نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس بناء پر کسی صحیح حدیث کا انکار کرنا چاہیے کیونکہ ان کی خطائیں بھی تکمیل دین کا ذریعہ ہیں۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت بھی نہیں کی تھی۔

(۸) آٹھواں اور آخری اعتراض یہ ہے کہ وہ روایت جس میں سعد بن عبادہ جیسے جلیل القدر صحابی اور ان کے پورے قبیلہ خزرج کو رئیس المنافقین (عبداللہ بن ابی) کا حامی ظاہر کیا گیا ہو۔ اس اعتراض کا جواب وہی ہے جو اعتراض نمبر ۲ کے جواب میں آ گیا ہے اسی کو پھر پڑھ لیں۔

ہمارے مخلص اور محب دوست مولانا محمد ابراہیم فیضی نے مجھے ان اعتراضات کی طرف متوجہ کیا تھا' میں چونکہ چھتیس سال سے حدیث کی خدمت کر رہا ہوں اس لیے منکرین حدیث کی طرف سے کسی حدیث کا انکار اور اس پر اعتراض میرے علم میں آتا ہے تو میں اپنی پوری علمی توانائی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی حمایت اور اس کا دفاع کرتا ہوں کیونکہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے شدید محبت اور جذباتی وابستگی ہے اور میں نے اپنی زندگی احادیث رسول کی خدمت کے لیے وقف کی ہوئی ہے۔

معاصر موصوف نے امام ابن شہاب زہری کو مفتری' کذاب اور بہتان تراش قرار دیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے عام طور پر منکرین حدیث ان کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں کیونکہ انہوں نے حدیث کی بہت خدمت کی ہے' وہ علم اصول حدیث

کے واضح ہیں اور تابعین میں سب سے زیادہ احادیث ان ہی کے پاس تھیں اس لیے ہم اس جلیل القدر حدیث کے امام کا سطور ذیل میں مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں:

ابن شہاب الزہری کون تھے! کیا تھے! کیسے تھے!

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ ابن شہاب زہری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

الزہری کا نام ہے: محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب بن زہرہ' ان کی کنیت ابوبکر ہے۔

ابراہیم بن سعد نے اپنے والد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (وصال کے) بعد جتنی احادیث ابن شہاب زہری نے جمع کی ہیں کسی نے جمع نہیں کیں۔ امام مالک بن انس نے کہا میں نے مدینہ میں صرف ایک فقیہ محدث پایا ہے' پوچھا وہ کون ہے؟ فرمایا ابن شہاب الزہری' ایوب نے کہا میں نے الزہری سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا' پوچھا حسن بصری کو بھی نہیں؟ کہا میں نے ابن شہاب الزہری سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا۔

محمد بن عمر نے کہا الزہری اٹھاون ہجری میں حضرت معاویہ کی خلافت کے آخری ایام میں پیدا ہوئے' اور ایک سو چوبیس ہجری میں بیمار ہو کر فوت ہو گئے' انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کو عام شاہراہ پر دفن کر دیا جائے' علماء نے کہا زہری ثقہ تھے ان کے پاس بہت احادیث تھیں اور بہت علم تھا وہ جامع فقیہ تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۵ص ۳۵۷-۳۴۸ ملخصاً' رقم: ۱۰۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

الزہری نے حضرت سہل بن سعد' حضرت انس بن مالک اور حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہم سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے صالح بن کیسان' یحییٰ بن سعید' عکرمہ بن خالد' منصور اور قتادہ وغیرہم نے احادیث روایت کی ہیں' ایوب نے کہا میں نے الزہری سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا' ابراہیم بن سعد نے اپنے والد سے روایت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (وصال کے) بعد میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے اس قدر احادیث جمع کی ہوں۔

(التاریخ الکبیر ج ۱ص ۲۲۳-۲۲۲ ملخصاً رقم: ۶۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی التوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

ابوبکر بن منجویہ نے کہا زہری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دس اصحاب کی زیارت کی تھی' وہ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے حافظ تھے' اور احادیث کے متون کو سب سے عمدہ بیان کرتے تھے اور وہ فاضل فقیہ تھے' سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے روایت کیا میں نے الزہری سے بڑھ کر صریح حدیث بیان کرنے والا کوئی نہیں دیکھا' وہ درھم اور دینار کو اونٹ کی مینگنیوں سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے' معمر نے کہا الزہری اپنے میدان میں سب سے فائق تھے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۷ص ۲۳۰-۲۲۰ ملخصاً رقم: ۶۱۹۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

الزہری ائمہ اعلام میں سے ایک تھے وہ حجاز اور شام کے عالم تھے' لیث نے کہا ابن شہاب کہتے تھے میں نے اپنے دل میں جس حدیث کو بھی امانت رکھا میں اس کو کبھی نہیں بھولا' امام نسائی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے والی احادیث چار ہیں: (۱) الزہری از علی بن حسین از علی از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲) الزہری از عبید اللہ از ابن عباس (۳) ایوب از محمد از عبیدہ از علی (۴) منصور از ابراہیم از علقمہ از ابن مسعود اور سب سے صریح حدیث الزہری روایت کرتے تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۷' ۳۸۵' رقم: ۶۵۸۵ ملخصا دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اب ہم اس بحث کے آخر میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں احادیث کو بیان کرنا چاہتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں احادیث اور آثار

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! یہ جبریل ہیں جو تم کو سلام کہہ رہے ہیں' میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' آپ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں جس کو میں نہیں دیکھ سکتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۴۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۹۶)

(۲) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں بہت کامل گزرے ہیں اور عورتوں میں صرف مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ کامل ہیں اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر اس طرح ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۸۱۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۳۵۶)

گوشت کے بنے ہوئے سالن میں روٹی کے ٹکڑے توڑ کر بھگو لیے جائیں تو اس کو ثرید کہتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل دنیا اور اہل جنت کے کھانوں کا سردار گوشت ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۵) خلاصہ یہ ہے کہ گوشت کا سالن یعنی ثرید تمام کھانوں کا سردار ہے اسی طرح حضرت عائشہ دنیا اور جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں کیونکہ ایمان والیوں کی دونوں سردار ہیں۔

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۸۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۶۹۲)

(۴) قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا آپ تو ان کے پاس جارہی ہیں جو بہت سچے ہیں' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۶۴۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۹۶)

(۵) حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کو کوفہ بھیجا تا کہ وہ وہاں کے لوگوں کو اپنی مدد کے لیے تیار کریں تو حضرت عمار نے انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: مجھے خوب معلوم ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا اور آخرت میں زوجہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمائش میں ڈالا ہے کہ تم حضرت علی کی اتباع کرتے ہو یا حضرت عائشہ کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۵۲۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۶۴۶)

(۶) عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریۃً ہار لیا' وہ گم ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تلاش کرنے کے لیے اپنے اصحاب کو روانہ کیا' پھر نماز کا وقت آ گیا اور (پانی نہ ہونے کی وجہ سے) انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی' جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے آپ سے اس چیز کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی' تب حضرت اُسید بن حضیر نے کہا اللہ آپ کو (حضرت عائشہ کو) جزاء خیر دے آپ پر جب بھی کوئی آفت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس سے نجات کی راہ نکال دی اور مسلمانوں کے لیے اس میں برکت رکھ دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰' السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۲۹۹)

(۷) عروہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں تھے تو باری باری اپنی ازواج کے پاس جاتے' اور فرماتے: میں کل کس کے ہاں ہوں گا میں کل کس کے ہاں ہوں گا؟ آپ حضرت عائشہ کے حجرے میں جانے پر حریص تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا جب میری باری آئی تو آپ پر سکون ہو گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۴)

(۸) عروہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیے اور تحفے پیش کرنے کے لیے اس دن کے انتظار میں رہتے تھے جب آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہوں' حضرت عائشہ نے کہا پس میری سہیلیاں (سوکنیں) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جمع ہوئیں اور انہوں نے کہا اے ام سلمہ! اللہ کی قسم! مسلمان اپنے ہدیے بھیجنے کے لیے حضرت عائشہ کی باری کا انتظار کرتے ہیں اور ہم بھی اسی طرح اچھائی چاہتے ہیں جس طرح حضرت عائشہ اچھائی چاہتی ہیں پس تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہو کہ آپ لوگوں کو یہ حکم دیں کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں یا جس زوجہ کی باری میں ہوں وہ آپ کو ہدیے پیش کریں' حضرت ام سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا وہ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر مجھ سے منہ پھیر لیا' جب آپ میری طرف مڑے تو میں نے دوبارہ یہی عرض کیا' آپ نے پھر مجھ سے منہ پھیر لیا' جب میں نے تیسری بار یہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے متعلق اذیت نہ پہنچاؤ' بے شک تم میں سے کسی زوجہ کے بستر پر میری طرف وحی نازل نہیں ہوئی سوائے عائشہ کے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۱' ۲۴۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۵۱' ۳۹۴۴)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایذاء پہنچانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا ہے۔

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا تم مجھے مسلسل تین راتیں خواب میں دکھائی گئیں' میرے پاس ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں تمہاری تصویر لے کر آیا' وہ یہ کہتا تھا یہ تمہاری زوجہ ہے' میں نے تمہارے چہرے کو کھولا تو وہ تم تھیں' پھر میں یہ کہتا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو سچا کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۳۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۹۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۶۴۳)

(۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں خوب جانتا ہوں جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو' حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے پوچھا آپ کو اس کا کیسے پتا چلتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو رب محمد کی قسم! اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو رب ابراہیم کی قسم! حضرت عائشہ نے کہا جی ہاں! اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں صرف آپ کے نام کو چھوڑتی

ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۳۹)

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گڑیوں سے کھیلتی تھیں وہ کہتی ہیں کہ میرے پاس میری سہیلیاں آتی تھیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر شرم یا خوف سے چھپ جاتی تھیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو میرے پاس بھیج دیتے تھے پھر وہ آ کر میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۸۰۲)

(۱۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا' انہوں نے آپ سے اجازت طلب کی اس وقت آپ میرے ساتھ میرے بستر پر لیٹے ہوئے تھے' آپ نے ان کو اجازت دی' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی ازواج نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے وہ آپ سے ابوقحافہ کی بیٹی (حضرت عائشہ) کے معاملہ میں انصاف کا سوال کرتی ہیں' میں خاموش رہی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے میری بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے میں محبت کرتا ہوں! حضرت فاطمہ نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر اس سے محبت کرو' حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تو وہ اٹھ کر چلی گئیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس جا کر ان کو خبر دی' کہ انہوں نے کیا کہا تھا اور اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا' پھر ازواج نے ان سے کہا آپ نے تو ہمارا کوئی کام نہیں کیا' آپ دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ آپ کی ازواج آپ کو ابوقحافہ کی بیٹی کے معاملہ میں انصاف کرنے کی قسم دیتی ہیں' حضرت فاطمہ نے کہا اللہ کی قسم میں اس معاملہ میں اب آپ سے بالکل بات نہیں کروں گی' حضرت عائشہ نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے آپ کی زوجہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو آپ کے پاس بھیجا اور یہ وہ تھیں جو باقی ازواج میں سے خود کو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک برتر سمجھتی تھیں' اور میں نے نیکی اور پرہیزگاری میں حضرت زینب کی مثل کوئی عورت نہیں دیکھی' اور نہ ان سے بڑھ کر سچی' صلہ رحم کرنے والی' صدقہ وخیرات کرنے والی اور تواضع اور انکسار کرنے والی اور اللہ کی عبادت کرنے والی' ماسوا اس کے کہ ان کی زبان میں تیزی تھی' وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کے بستر پر اسی حالت میں تھے جس حالت میں حضرت فاطمہ نے ان کو دیکھا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! بے شک آپ کی ازواج نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے وہ آپ سے ابوقحافہ کی بیٹی کے معاملہ میں انصاف کرنے کا سوال کرتی ہیں' پھر انہوں نے میری طرف رخ کیا اور مجھ سے لمبی اور تیز گفتگو کی' اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی نظروں کی طرف دیکھ رہی تھی' آیا آپ مجھے جواب دینے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں' پھر ابھی حضرت زینب وہیں تھی کہ میں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بدلہ لینے کو ناپسند نہیں کریں گے' پھر جب میں نے جواب دینے شروع کیے تو حضرت زینب وہاں نہیں ٹھہر سکیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: آخر ابوبکر کی بیٹی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۴۴)

(۱۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجسس سے پوچھتے تھے کہ آج کہاں رہوں گا؟ اور میں کل کہاں رہوں گا؟ حضرت عائشہ کی باری کو آپ دیر میں گمان کر رہے تھے' جس دن اللہ نے آپ کی روح قبض کی

اس وقت آپ میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۳)

(۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وفات سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے' میں نے کان لگا کر سنا تو آپ فرمار ہے تھے: اے اللہ مجھے بخش دے' اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۷۱۰۵)

(۱۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں ہمیشہ یہ سنا کرتی تھی کہ نبی اس وقت تک ہرگز فوت نہیں ہوتا جب تک کہ اسے دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار نہ دیا جائے' سو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرض الموت میں یہ سنا اس وقت آپ بھاری آواز سے یہ فرمار ہے تھے:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ط ○ (النساء: ۶۹)

ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔

اس وقت میں نے یہ گمان کیا کہ اب آپ کو اختیار دے دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ۶۱۷۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۰۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲۰)

(۱۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تندرست تھے تو یہ فرمار ہے تھے' کسی نبی کی اس وقت تک روح نہیں قبض کی گئی جب تک کہ اس کو جنت میں اس کا ٹھکانا دکھا نہیں دیا گیا' پھر اس کو (موت کا) اختیار دیا جاتا ہے' حضرت عائشہ نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض الموت طاری ہوا تو آپ کا سر میرے زانو پر تھا' آپ پر ایک ساعت غشی طاری ہوئی پھر آپ کو ہوش آ گیا پھر آپ کی نظر چھت کی طرف جا لگی' پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ! الرفیق الاعلیٰ. حضرت عائشہ نے کہا پھر میں نے دل میں سوچا اب آپ ہمیں اختیار نہیں کریں گے' حضرت عائشہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری بات کی وہ یہی تھی اللھم! الرفیق الاعلیٰ! (یعنی اے اللہ! مجھے اعلیٰ علیین میں انبیاء کی رفاقت عطا فرمانا)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ۶۱۸۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۰۵)

(۱۷) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں کبھی بھی کوئی مسئلہ مشکل پیش نہیں آیا مگر ہمیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا علمی حل مل جاتا تھا۔(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۸۳' المستدرک ج ۴ ص ۱۱ قدیم)

(۱۸) حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح اللسان کسی کو نہیں پایا۔

(۱۹) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات السلاسل کے لشکر کا امیر بنایا' جب میں واپس آیا تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا عائشہ' میں نے پوچھا اور مردوں میں! آپ نے فرمایا: ان کے والد' میں نے پوچھا پھر کون محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا عمر' پھر آپ نے کئی آدمیوں کے نام لیے پھر میں اس خوف سے خاموش رہا کہ میرا نام سب کے آخر میں آئے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۵۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۸۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۱۱۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۸۴' عالم الکتب' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۸۵' سنن بیہقی ج ۱۰ص ۲۳۳' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۸۶۹' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۳ص ۱۰۹' رقم الحدیث: ۶۰۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' الطبقات الکبریٰ ج ۸ص ۵۳)

(۲۰) عمرو بن غالب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا کہا تو انہوں نے اس سے کہا تم دفع ہو جاؤ اس حال میں کہ تمہاری صورت خراب ہو اور تم پر کتے بھونک رہے ہوں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ کو اذیت پہنچا رہے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۸' الطبقات الکبریٰ ج ۸ص ۵۲' طبع جدید' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴۶ ص ۳۱۴' ۳۱۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

(۲۱) حضرت انس رضی اللہ علیہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ! پوچھا مردوں میں؟ آپ نے فرمایا: ان کے باپ!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۰۷)

(۲۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو انعامات فرمائے ہیں ان میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں فوت ہوئے اور میری باری میں فوت ہوئے اور میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے' اور آپ کی وفات کے وقت اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب دہن اور آپ کے لعاب دہن کو جمع کر دیا' عبدالرحمان بن ابوبکر مسواک ہاتھ میں لیے ہوئے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ آپ ان کی طرف دیکھ رہے ہیں' میں نے جان لیا کہ آپ مسواک کو پسند کر رہے ہیں میں نے پوچھا کہ آیا میں آپ کے لیے یہ مسواک لوں؟ آپ نے سر کے اشارہ سے ہاں فرمایا' میں نے ان سے مسواک لے کر (اور اس کے سر کو کاٹ کر) آپ کو دی آپ کو وہ سخت لگی' میں نے پوچھا آیا میں اس کو آپ کے لیے نرم کر دوں؟ آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا ہاں! پھر میں نے اس کو (اپنے منہ میں چبا کر) نرم کر دیا' آپ پانی کے ڈونگے میں ہاتھ ڈال کر اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے لا الٰہ الا اللہ' بے شک موت کی سختیاں ہیں پھر آپ نے اپنا ہاتھ کھڑا کر کے فرمایا: الرفیق الاعلیٰ میں' حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ جھک گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۴۴۳' مختصر تاریخ دمشق ج ۲ص ۳۷۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۷۸۴)

(۲۳) مسروق بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے جبریل علیہ السلام کو اپنے اس حجرہ میں کھڑے ہوئے دیکھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی میں باتیں کر رہے تھے' جب آپ حجرہ میں داخل ہوئے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ کون تھے؟ آپ نے پوچھا تم نے ان کو کس کے مشابہ پایا؟ میں نے کہا دحیہ کلبی کے' آپ نے فرمایا تم نے خیر کثیر کو دیکھا ہے' یہ جبریل علیہ السلام تھے' وہ بہت تھوڑی دیر ٹھہرے تھے' حتیٰ کہ آپ نے فرمایا یہ جبریل ہیں تم کو سلام کہہ رہے ہیں میں نے کہا وعلیہ السلام' داخل ہونے والے کو اللہ تعالیٰ نیک جزا دے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۶ص ۹۵ مسند احمد ج ۶ص ۱۴۶' ۷۴' المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۸۲)

(۲۴) ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کے ایام میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

حاضر ہونے کی اجازت طلب کی' حضرت عائشہ نے اجازت نہیں دی' پھر آپ کے بھتیجوں نے کہا آپ ان کو اجازت دے دیں وہ آپ کے نیک بیٹوں میں سے ہیں' حضرت عائشہ نے کہا ان کی تعریف وتوصیف کو چھوڑو' وہ مسلسل ان کو اجازت دینے کے لیے اصرار کرتے رہے' حتیٰ کہ آپ نے اجازت دے دی' جب وہ آ گئے تو حضرت ابن عباس نے کہا آپ کا نام ام المؤمنین ہے تو آپ مجھ پر شفقت کریں' آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی آپ کا یہ نام تھا' اور آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سب سے زیادہ محبوب تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی چیز سے محبت کرتے تھے جو پاکیزہ ہو اور آپ اور آپ کے دوستوں کے درمیان صرف آپ کی حیات حجاب اور مانع ہے' لیلۃ الابواء میں آپ کا ہار گر کر گم ہو گیا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں آپ کے اور مسلمانوں کے لیے خیر رکھ دی' سو اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمادی اور آپ کی برأت میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں' اور مسلمانوں کی تمام مساجد میں دن اور رات کے اوقات میں ان آیات کی تلاوت کی جاتی ہے' آپ نے فرمایا: اے ابن عباس! میری تعریف اور توصیف کو چھوڑو میں یہ چاہتی ہوں کہ کاش میں بھولی بسری ہوتی۔

(مسند احمد ج ۱ص ۲۲۰' حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۴۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۰۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۷۸۳' المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۸۶' الطبقات الکبریٰ ج ۸ص ۶۰-۵۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

(۲۵) عبدالرحمان بن ضحاک بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن صفوان اور ایک اور شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے' حضرت عائشہ نے ان میں سے کسی ایک سے کہا: اے فلاں! کیا حفصہ کی حدیث تم کو معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں اے ام المؤمنین! عبداللہ بن صفوان نے کہا اے اُم المؤمنین! حفصہ کی حدیث کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: مریم بنت عمران کے علاوہ مجھ سے پہلے کسی عورت کو نو اوصاف نہیں دیئے گئے' اور اللہ کی قسم میں اپنی سوکنوں پر فخر کرنے کے لیے یہ بات نہیں کہہ رہی' عبداللہ بن صفوان نے کہا: اے اُم المؤمنین! وہ نو اوصاف کیا ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا:

(۱) فرشتہ میری تصویر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مجھ سے نکاح کیا جب میری عمر سات سال تھی۔ (۳) نو سال کی عمر میں میری آپ کی طرف رخصتی کی گئی۔ (۴) آپ کے نکاح میں صرف میں کنواری خاتون تھی (۵) میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لحاف میں ہوتے تھے' پھر بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ (۶) میرے متعلق قرآن مجید کی ایسی آیات نازل ہوئیں کہ اگر وہ آیات نازل نہ ہوتیں تو اُمت ہلاک ہو جاتی (مثلاً تیمم اور حد قذف کی مشروعیت) (۷) میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور میرے علاوہ آپ کی ازواج میں سے اور کسی نے حضرت جبریل کو نہیں دیکھا۔ (۸) میرے حجرے میں آپ کی روح قبض کی گئی۔ (۹) جس وقت آپ کی روح قبض کی گئی تو میرے اور فرشتے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ یہ حدیث صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۴ص ۱۹۱ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۹۰' جدید' الطبقات الکبریٰ ج ۸ص ۵۱)

(۲۶) عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ ام المؤمنین سے زیادہ کسی کو حلال' حرام' علم شعر اور طب کا جاننے والا نہیں دیکھا۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۹۳' سیر النبلاء ج ۲ص ۱۸۲)

(۲۷) زہری بیان کرتے ہیں اگر تمام لوگوں کا علم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا علم جمع کیا جائے تب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان سب سے زیادہ ہے۔ (یہ حدیث صحیح ہے مجمع الزوائد ج ۹ص ۲۴۳' المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۹۴)

(۲۸) مسلم بیان کرتے ہیں کہ مسروق سے پوچھا گیا کیا حضرت عائشہ کو فرائض کا بہت اچھا علم تھا؟ انہوں نے کہا اس ذات کی

قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے میں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے اصحاب کو حضرت عائشہ سے فرائض (علم وراثت) کے متعلق سوال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۵۹' الطبقات الکبریٰ ج ۸ص ۵۳-۵۲' المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۹۶)

(۲۹) احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عمر بن الخطاب' حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے خطبات سنے ہیں اور آج تک بعد کے خلفاء کے خطبات سنے ہیں میں نے کسی مخلوق کے منہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح عظیم اور حسین کلام نہیں سنا۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۹۲)

(۳۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی ازواج میں سے کون کون جنت میں ہوں گی؟ فرمایا تم بھی ان ہی میں سے ہو۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۳ص ۹۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۹۶' المستدرک رقم الحدیث: ۶۸۰۳)

(۳۱) عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے حضرت عائشہ نے وہ تمام درہم تقسیم کر دیئے حتیٰ کہ ان میں سے ایک درہم بھی باقی نہیں بچا۔ حضرت بریرہ نے کہا آپ روزے سے ہیں آپ نے ایک درہم کیوں نہ بچا لیا' میں اس کا آپ کے لیے گوشت خرید لیتی! فرمایا: اگر تم پہلے یاد دلاتیں تو میں ایسا کر لیتی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۴۷)

(۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے والدین حضرت ابوبکر اور حضرت ام رومان رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہماری خواہش ہے کہ آپ عائشہ کے لیے دعا کریں جس کو ہم بھی سنیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! عائشہ بنت ابی بکر صدیق کی مغفرت فرما ایسی مغفرت جو ظاہر اور باطن امور میں واجب ہو' حضرت عائشہ کے والدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے حسن پر متعجب ہوئے' آپ نے فرمایا تم اس دعا پر تعجب کر رہے ہو' میری یہ دعا ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ کے وحدہ لاشریک ہونے اور میرے رسول اللہ ہونے کی گواہی دیتا ہو۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۱۱' المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۹۸)

(۳۳) عروہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ جس حجرے میں حضرت عمر اپنے دو صاحبوں کے ساتھ مدفون ہیں میں حضرت عمر سے حیاء کی وجہ سے اس حجرے میں بہت اچھی طرح کپڑے لپیٹ کر جاتی تھی' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۸۱)

(۳۴) قیس بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دل میں یہ سوچتی تھیں کہ ان کو ان کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے حادثات ہوئے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا مجھے دیگر ازواج کے ساتھ دفن کر دینا (دوسری روایات میں ہے تاکہ مجھے دوسری ازواج سے برتر نہ سمجھا جائے) پھر آپ کو بقیع میں دفن کر دیا گیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۶۷۷۷)

(۳۵) عمرۃ بنت عبدالرحمٰن بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے دسویں سال میں ہجرت سے تین سال پہلے مجھ سے نکاح کیا اس وقت میری عمر چھ سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ربیع الاول پیر کے دن ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور ہجرت کے آٹھ مہینے بعد میری رخصتی ہو گئی اور جس دن مجھے آپ کے پاس پیش کیا گیا اس دن میری عمر نو سال تھی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۲۱' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۲۶۶' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۹۷)

حافظ ابن عساکر نے حضرت عائشہ کے نکاح کی پوری تفصیل بیان کی ہے کہ حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد حضرت خولہ بنت حکیم نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ چاہیں تو بیوہ سے نکاح کرلیں اور چاہیں تو کنواری سے نکاح کرلیں' آپ نے پوچھا بیوہ کون ہے اور کنواری کون ہے' انہوں نے کہا بیوہ حضرت سودہ بنت زمعہ ہیں اور کنواری حضرت عائشہ بنت ابوبکر ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ ان دونوں سے میرا ذکر کرو' جب حضرت خولہ نے حضرت ابوبکر سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا وہ تو آپ کی بھتیجی ہے' آپ نے فرمایا وہ میرے نسبی بھائی نہیں ہیں میرے دینی بھائی ہیں' پھر آپ کا حضرت عائشہ سے نکاح ہوگیا۔ اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی اور حضرت سودہ بنت زمعہ سے بھی نکاح ہوگیا اور جب حضرت عائشہ کی عمر نو سال کی ہوئی تو ان کی رخصتی ہوگئی۔

(تاریخ دمشق الکبیر ملخصاً' ج ۳ ص ۱۰۸-۱۰۷' رقم الحدیث: ۶۰۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

(۳۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت سودہ بنت زمعہ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو ھبہ کردی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کی باری کے دن بھی حضرت عائشہ کے پاس رہتے تھے اور حضرت سودہ کی باری کے دن بھی۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۵۰' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۱۰۸' ۱۴۲۱ھ)

(۳۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں گڑیوں سے کھیل رہی تھی' آپ نے پوچھا اے عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا گھوڑا ہے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

(۳۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور کہا میں تمہارے سامنے ایک چیز پیش کرتا ہوں تم اس میں عجلت نہ کرنا حتیٰ کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلینا حالانکہ آپ کو خوب معلوم تھا کہ میرے والدین آپ سے علیحدگی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ میں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے تو آپ نے یہ آیات پڑھیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۲۹-۲۸)

اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں سامان نفع دے کر اچھائی کے ساتھ رخصت کردوں ۝ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

حضرت عائشہ نے کہا آپ کس چیز میں مجھے اپنے والدین سے مشورہ کرنے کا حکم دے رہے ہیں! بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں' پھر باقی ازواج مطہرات نے بھی میری طرح جواب دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۶' ۴۷۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۶۳۷' الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۵۴)

(۳۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سات ایسی صفات عطا کی ہیں جو حضرت مریم بنت عمران کے سوا دنیا کی کسی عورت کو عطا نہیں کیں اور میں یہ بات دیگر ازواج پر اپنا فخر ظاہر کرنے کے لیے نہیں کہہ رہی' عبداللہ بن صفوان نے کہا اے ام المؤمنین وہ کیا صفات ہیں آپ نے فرمایا: (۱) فرشتہ میری تصویر لے کر نازل ہوا۔ (۲) سات

سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا اور نو سال کی عمر میں میری رخصتی ہوئی اور میرے سوا آپ کی کوئی کنواری بیوی نہیں تھی۔ (۳) میں آپ کے ساتھ بستر میں ہوتی تھی اس وقت بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ (۴) میں سب لوگوں سے زیادہ آپ کو محبوب تھی اور میں اس شخص کی بیٹی تھی جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھا۔ (۵) اور میرے متعلق قرآن مجید میں ان امور میں آیات نازل ہوئیں جن میں اُمت ہلاک ہو رہی تھی۔ (۶) میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور میرے علاوہ اور کسی زوجہ نے جبریل کو نہیں دیکھا۔ (۷) میرے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی اس وقت میرے اور فرشتے کے علاوہ اور کوئی آپ کے قریب نہیں تھا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۱، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۱) (جن روایات میں چھ سال کی عمر میں نکاح کا ذکر ہے وہ راجح ہیں)

(۴۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سترہ رمضان اٹھاون ہجری کو منگل کے دن وتر پڑھنے کے بعد وصال فرما گئیں۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، سالم نے کہا جتنے مسلمان آپ کی نماز جنازہ میں تھے اس سے پہلے اتنے مسلمان کسی کی نماز جنازہ میں نہ تھے، آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا، آپ کی عمر چھیاسٹھ سال تھی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۶۲، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۳ ص ۱۱۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ، الاصابہ ج ۸ ص ۲۳۵، رقم: ۱۱۴۶۱، مطبوعہ ۱۴۱۵ھ، اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۸۹، رقم: ۷۰۹۳، بیروت، ۱۴۱۵ھ، الاستیعاب ج ۴ ص ۴۳۹-۴۳۸، رقم: ۳۴۶۳، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

میں نے شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کی متعدد ابحاث میں مختلف دینی عنوانات پر چالیس احادیث جمع کی ہیں اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں بھی چالیس احادیث جمع کی ہیں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مجھے حضرت ام المؤمنین سے بہت زیادہ عقیدت اور محبت ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص دین سے متعلق چالیس احادیث اُمت تک پہنچائے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن زمرہ فقہاء میں اٹھائے جانے اور اپنی شفاعت عطا کرنے کی نوید سنائی ہے میں ہرگز اس اعزاز کا مستحق نہیں ہوں، بس اللہ کے کرم، سرکار کی شفاعت اور ام المؤمنین کی عنایت سے صرف میرے گناہوں کی مغفرت ہو جائے اور مجھے اخروی عذاب سے نجات مل جائے تو یہی میرے لیے بہت بڑا انعام، اکرام اور اعزاز ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ

اے ایمان والو! شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو، اور جو شخص شیطان کے

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ

قدم بہ قدم چلے گا، تو وہ بے شک بے حیائی اور برائی (کے کاموں) کا حکم دے گا، اور اگر تم پر اللہ کا

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ

فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کسی کا بھی باطن کبھی بھی پاک اور صاف نہ ہوتا لیکن اللہ جس کو

يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ

چاہتا ہے اس کا باطن پاک اور صاف کر دیتا ہے، اور اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے ○ اور تم میں سے اصحاب فضل

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

اور اربابِ وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ

والوں کو کچھ نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت

لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O بے شک جو لوگ پاک دامن بے خبر ایمان والی عورتوں پر

الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ

(بدکاری کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے، اور ان کے لیے بہت

عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

بڑا عذاب ہے O جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَ

کہ وہ دنیا میں کیا کرتے رہے تھے O اس دن اللہ حق اور انصاف کے ساتھ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا، اور

يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ

وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے حقائق کو منکشف کرنے والا O بری باتیں برے لوگوں کے لیے ہیں

وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ

اور برے لوگ بری باتوں کے لیے ہیں اور اچھی باتیں اچھے لوگوں کے لیے ہیں اور اچھے لوگ اچھی باتوں کے

لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰۗىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ

لیے ہیں، وہ (اچھے لوگ) ان تہمتوں سے بری ہیں جو لوگ ان پر لگاتے ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور

رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع ۳ ع ۶ ۹

عزت کی روزی ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو' اور جو شخص شیطان کے قدم بہ قدم چلے گا تو وہ بے شک بے حیائی اور برائی (کے کاموں) کا حکم دے گا' اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کسی کا بھی باطن کبھی بھی پاک اور صاف نہ ہوتا' لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اس کا باطن پاک اور صاف کر دیتا ہے' اور اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے O (النور:۲۱)

الفحشاء' المنکر اور التزکیہ کے معانی

خطوات: خطوۃ کی جمع ہے اس کا معنی ہے چلتے وقت دو قدموں کا درمیانی فاصلہ' اور اس سے مراد ہے سیرت اور طریقہ' اور اس آیت کا معنی ہے شیطان کے طریقہ کی اتباع نہ کرو اور جو لوگ کسی پاک دامن مسلمان خاتون پر بدکاری کی تہمت لگا رہے ہوں اس کو کان لگا کر نہ سنو' اور مسلمانوں میں کسی بے حیائی کی بات کو نہ پھیلاؤ' الفحشاء کا معنی ہے بے حیائی کی بات جو بہت قبیح ہو' اور منکر اس برے کام کو کہتے ہیں جس سے لوگ متنفر ہوتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہوں۔

علامہ ابن الاثیر الجزری نے لکھا ہے کہ الفحش اور الفحشاء ہر اس معصیت اور گناہ کو کہتے ہیں جس کا قبح بہت زیادہ ہو اس کا اکثر اطلاق زنا پر کیا جاتا ہے اور ہر قبیح قول یا فعل کو فاحشہ کہا جاتا ہے' حدیث میں ہے اللہ ہر فاحش اور متفحش سے بغض رکھتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹)

فاحش کا معنی ہے جو شخص برے کام کرے اور بری باتیں کرے اور متفحش کا معنی ہے جو شخص تکلفاً اور قصداً برے کام اور بری باتیں کرے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۳۷۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

المنکر' المعروف کی ضد ہے' قرآن مجید اور احادیث میں منکر کا بہ کثرت ذکر ہے اور یہ ہر وہ کام اور ہر وہ فعل ہے جو شرعاً معیوب اور قبیح ہو' یا جس کام کو شریعت نے مکروہ یا حرام قرار دیا ہو۔ (النہایہ ج ۵ ص ۱۰۱ مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کے طریقہ اور اس کے راستے سے دور رہنے کا حکم دیا اور جن مسلمانوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت میں حصہ لینے کے بعد اس سے رجوع کر لیا' توبہ کر لی اور ان پر حد قذف جاری ہو گئی' اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تھی کہ حضرت عائشہ پر تہمت لگانے سے ان کے دلوں میں جو گناہ کا میل اور کچیل آ گیا تھا اور ان کے قلوب پر جو معصیت کی ظلمت اور تاریکی چھا گئی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کی توفیق دے کر ان کے دلوں سے معصیت کی اس کدورت اور زنگ کو دور کر دیا اور ان کے باطن کو پاک اور صاف کر دیا۔

تزکیہ کا لفظ زکوۃ سے بنا ہے' زکوۃ کا معنی ہے طہارت' کسی چیز کا بڑھنا اور برکت' قرآن مجید اور احادیث میں تزکیہ کا لفظ بہت آیا ہے' تزکیہ کا معنی کسی چیز کو پاک اور صاف کرنا ہے کوئی شخص اپنی تعریف' توصیف اور حمد و ثناء کرے یا خودستائی کرے اس کو بھی تزکیہ کہتے ہیں۔ (النہایہ: ج ۲ ص ۲۷۸' بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ . (النساء:۴۹)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود اپنی تعریف و توصیف کرتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے اسے قابل تعریف بنا دیتا ہے۔

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى O (النجم:۳۲)

تم خودستائی نہ کرو' اللہ اس کو خوب جانتا ہے جو متقی ہے۔

علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے تزکیہ کے معنی ہیں اللہ نے اس کی اصلاح کر دی

اور اس کو پاک اور صاف کر دیا' اور نفس کی زکوۃ اور طہارت کا معنی یہ ہے کہ انسان دنیا میں تعریف و تحسین کا اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ہو گیا' تزکیہ کے لفظ کی نسبت کبھی بندہ کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ (الشمس:۹) جس نے اپنا تزکیہ کرلیا وہ کامیاب ہو گیا۔

اور کبھی تزکیہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ تزکیہ کا فاعل حقیقی ہے جیسے:

لٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ۔ (النور:۲۱) اللہ جس کو چاہتا ہے اس کا تزکیہ فرماتا ہے۔

اور کبھی تزکیہ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے کیونکہ آپ بندوں کے لیے صفاء باطن میں واسطہ اور وسیلہ ہیں جیسے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا آپ ان کے مالوں سے صدقہ لیجیے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک کریں اور ان کے باطن کو صاف کریں۔ (التوبہ:۱۰۳)

انسان اگر خود اپنا تزکیہ کرے تو اس کی دو قسمیں ہیں اگر وہ ایسے کام کرے جس سے دوسرے اس کی تعریف کریں تو یہ تزکیہ محمود ہے اور اگر وہ خود زبان سے اپنی تعریف کرے تو یہ تزکیہ مذموم ہے۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۶۵-۱۶۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جب انسان اپنے گناہوں پر نادم ہو اور خوف خدا سے روئے تو اس کے دل سے گناہوں کی تاریکی چھٹ جاتی ہے سو اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ کو یہ تزکیہ حاصل ہوتا تھا اور اب مشائخ کرام کے فیضان اور علماء کے مواعظ سے اور خلوت گزینی سے اس نوع کا تزکیہ حاصل ہوتا ہے اور انسان کا باطن صاف ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت سے برأت اور فضیلت میں یہ گیارھویں آیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم میں اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے۔ ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں' کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝ (النور:۲۲)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افضل اُمت ہونے پر دلائل اور نکات

یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' ان کے خالہ زاد بھائی مسطح نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں حصہ لیا تھا اور جب حضرت عائشہ کی برأت نازل ہوئی اور مسطح کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو حضرت ابوبکر کو بہت رنج ہوا' کیونکہ مسطح یتیم تھے اور ان کی حضرت ابوبکر نے پرورش کی تھی' سو انہوں نے کہا میں اب مسطح پر بالکل خرچ نہیں کروں گا' مسطح نے معافی مانگی اور معذرت کی لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سخت غم و غصہ میں تھے وہ دوبارہ مسطح کے اخراجات بحال کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تب یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کیوں نہیں! میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرما دے اور میں اب مسطح پر پہلے سے زیادہ خرچ کروں گا۔

(جامع البیان جز ۱۸ ص ۱۳۷-۱۳۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یہ آیت حسب ذیل وجوہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے:

(۱) تواتر سے ثابت ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۲) اس آیت میں حضرت ابوبکر کو اولو الفضل والسعة (اصحاب فضل اور ارباب وسعت) فرمایا ہے۔

(۳) اولوا الفضل والسعة جمع کا صیغہ ہے اور جب واحد شخص پر جمع کا اطلاق کیا جائے تو اس کی تعظیم کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فضل کو مطلق فرمایا اور اس کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر فاضل علی الاطلاق تھے اور آپ میں ہر اعتبار اور ہر جہت سے فضیلت تھی۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولوا الفضل منکم یعنی جو تم سب میں سے صاحب فضیلت ہیں' اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ حضرت ابوبکر کی صفت مخصوصہ ہے۔

(۶) فضل کا معنی ہے زیادہ یعنی حضرت ابوبکر تمام مؤمنوں سے زیادہ اللہ کی عبادت کرنے والے تھے۔

(۷) اور فرمایا جو تم سب سے زیادہ صاحب وسعت ہیں یعنی حضرت ابوبکر سب سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے والے تھے' وہ عبادت بھی سب سے زیادہ کرتے تھے اور مسلمانوں پر شفقت بھی سب سے زیادہ کرتے تھے اور خالق کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت کرنے کے سب سے زیادہ جامع تھے' اور وہ صدیقین کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے اور اس آیت کے مصداق تھے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ — بے شک اللہ متقین اور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(النحل: ۱۲۸)

(۸) صاحب وسعت اسی وقت لائق تعریف ہوتا ہے جب وہ فیاض اور جواد ہو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ (کنزالعمال رقم الحدیث: ۴۴۱۵۵) اس کی صراحت کے ساتھ تائید اور تقویت ان آثار میں ہے۔

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو بردہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابوالھلال العتکی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اس اُمت میں اس کے نبی کے بعد کون سب سے افضل ہے؟ حضرت علی نے کہا حضرت ابوبکر' اس نے کہا ابوبکر' فرمایا ہاں! پوچھا پھر کون ہے فرمایا عمر' پھر اس نے جلدی سے کہا پھر امیر المؤمنین آپ ہیں فرمایا نہیں!

عبدالرحمان بن الاصبہانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت علی نے منبر پر چڑھ کر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابوبکر اور عمر ہیں اور اگر میں چاہوں تو تیسرے کا نام بھی لوں۔

(الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۳۲۰' امام ابن عساکر نے اس حدیث کو قابل اطمینان قرار دیا' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ابومخلد مازنی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو ہم نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں اور جب حضرت ابوبکر فوت ہوئے تو ہم نے جان لیا کہ حضرت ابوبکر کے بعد سب سے افضل حضرت عمر ہیں اور جب حضرت عمر فوت ہوئے تو ہم نے جان لیا کہ حضرت عمر کے بعد سب سے افضل ایک شخص ہیں اور ان کا نام نہیں لیا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری اُمت میں سب سے بہتر ابوبکر اور عمر ہیں۔ (اس کی سند مرسل ہے' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۱۷۷۹' کنزالعمال رقم الحدیث: ۳۶۱۱۵)

(تاریخ دمشق الکبیر جز ۳۲ ص ۲۴۸-۲۴۷' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

مشہور شیعہ محقق عالم ابوعمرو محمد بن عبدالعزیز الکشی بیان کرتے ہیں:

ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا مجھ کو سفیان ثوری نے محمد بن المنکدر سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ میں منبر پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا: اگر میرے پاس ایسا شخص لایا گیا جو مجھے ابوبکر اور عمر پر فضیلت دیتا ہو تو میں اس کو ضرور وہ سزا دوں گا جو مفتری (کذاب) کو سزا دی جاتی ہے' ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا ہمیں مزید حدیث بیان کریں تو سفیان نے جعفر سے روایت کیا کہ ابوبکر اور عمر سے محبت رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے۔

(رجال الکشی ص ۳۳۸' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات' کربلا)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا اور جس نے سب سے پہلے میری تصدیق کی وہی قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کرے گا وہی صدیق اکبر ہے اور وہی فاروق ہے جو میرے بعد حق اور باطل میں فرق کرے گا۔

(رجال الکشی ص ۲۹' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات' کربلا)

امام بخاری نے حضرت الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کی طرف مبعوث کیا' تو تم سب نے (مجھ سے) کہا تم نے جھوٹ بولا' اور ابوبکر نے کہا آپ نے سچ فرمایا اور اپنی جان اور مال سے میری غم گساری کی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۶۱)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر ایمان لائے اور الکشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ جو مجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا وہی صدیق اکبر ہے تو حضرت ابوبکر ہی صدیق اکبر ہیں۔

(۹) حضرت ابوبکر کے فیاض اور جواد ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے اسلام لانے کے بعد حضرت عثمان بن عفان' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم کو اسلام کی تبلیغ کی اور یہ سب ان کی کوشش سے مسلمان ہوئے' اور ان کی یہ فیاضی اسلام کی تعلیم دینے میں' دین کی ہدایت دینے میں اور اسلام کی راہ میں اپنا مال و دولت خرچ کرنے کے لیے تھی اور ان سب نے اسلام کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اور یہ سب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ کی وجہ سے ہوا' اور حدیث میں ہے:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کی ابتداء کی اس کو اس نیکی کا اجر ملے گا اور اس کے بعد اس نیکی پر عمل کرنے والوں کی نیکیوں کا بھی اجر ملے گا اور ان کی نیکیوں کے اجروں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳)

سو ان تمام صحابہ کی جود و سخا بھی اس حدیث کے اعتبار سے حضرت ابوبکر کی جود و سخا میں داخل ہیں اور یہ بھی حضرت ابوبکر کے اولو الفضل والسعۃ ہونے کی وجہ سے ہے۔

(۱۰) اس آیت میں حضرت ابوبکر سے فرمایا ہے: انہیں چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں اور عفو کرنا تقویٰ کا قرینہ ہے اور جس شخص کا عفو جتنا قوی ہوگا اس کا تقویٰ اتنا قوی ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر بہت متقی تھے بلکہ سب سے زیادہ متقی تھے کیونکہ جب حضرت ابوبکر نے بہت گراں اور غیر معمولی قیمت سے حضرت بلال کو امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کیا اور مشرکین نے یہ طعنہ دیا کہ ضرور بلال نے ابوبکر کے ساتھ کوئی نیکی کی ہوگی جس کے صلہ میں انہوں نے اس بھاری قیمت سے بلال کو خرید کر آزاد کر دیا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۚ — اور عنقریب اس شخص کو جہنم سے دور رکھا جائے گا جو سب

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ (الیل: ۲۱-۱۷)

سے زیادہ متقی ہے ۝ جو پاکیزگی کے حصول کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے ۝ اس پر کسی شخص کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں ہے جس کا صلہ دیا جائے ۝ اس کا یہ مال خرچ کرنا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضاجوئی کے لیے ہے ۝ اور وہ عنقریب (اس کا رب) راضی ہوگا ۝

اس آیت میں حضرت ابوبکر کو سب سے زیادہ متقی فرمایا ہے اور قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات: ۱۳)

اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

لہٰذا سورۂ نور کی اس آیت میں جو حضرت ابوبکر کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابوبکر سب سے زیادہ متقی اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت اور بزرگی والے ہیں۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: فاعف عنهم و اصفح۔ (المائدہ: ۱۳) ان کو معاف کردیں اور درگزر کریں اور حضرت ابوبکر کے متعلق اس آیت میں فرمایا و لیعفوا و لیصفحوا۔ یعنی وہ معاف کردیں اور درگزر کریں اور اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر معاملہ میں ثانی اثنین ہیں حتیٰ کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے میں بھی اور تمام اخلاق اور اوصاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر ہیں۔

(۱۲) نیز اس آیت میں فرمایا: ان کو چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں' کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کردے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کی مغفرت کو اس پر معلق فرمایا ہے کہ وہ حضرت مسطح کو معاف کردیں اور جب حضرت ابوبکر نے حضرت مسطح کو معاف کردیا تو حضرت ابوبکر کی مغفرت حاصل ہوگئی اور یہ آیت حضرت ابوبکر کی مغفرت کی قطعی دلیل ہے اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ حضرت ابوبکر کی امامت اور خلافت برحق تھی کیونکہ اگر ان کی امامت اور خلافت برحق نہ ہوتی تو وہ مغفور نہ ہوتے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الا تحبون ان یغفر اللہ لکم ' کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کردے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت کو ماضی یا مستقبل کے کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں کیا' اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مطلق مغفور ہیں اور مطلقاً مغفور ہونے کے اس وصف میں حضرت ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرع' عکس اور پرتو ہیں کیونکہ آپ بھی مطلق مغفور ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ۔ (الفتح: ۲-۱)

بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی تا کہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرمادے۔

اس آیت میں حضرت ابوبکر کی افضلیت کے جو دلائل ہیں وہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی موجب فضیلت ہیں کیونکہ باپ کی فضیلت اولاد کے لیے باعث افتخار ہوتی ہے' اور ان فضائل کا سبب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس تہمت سے بری ہونا ہے سو یہ آیت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل کے سلسلہ میں منسلک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ پاک دامن بے خبر ایمان والی عورتوں پر (بدکاری کی) تہمت لگاتے ہیں' ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ۝ جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں' اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے رہے تھے ۝ اس دن اللہ حق اور انصاف کے ساتھ ان کو پورا پورا بدلہ

دے گا اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے حقائق کو منکشف کرنے والا O (النور: ۲۵-۲۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں منافقوں کی اخروی سزا

مذکور الصدر تین آیات بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت سے برأت اور آپ کی فضیلت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں اور ہمارے نزدیک یہی تفسیر راجح ہے اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ عام مسلمان عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانے کے سلسلے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں' ہمارے نزدیک یہ تفسیر اس لیے مرجوح ہے کہ عام مسلمان عورتوں پر تہمت لگانے کے متعلق حکم النور: ۵-۴ میں نازل ہو چکا ہے ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کر سکیں' تو تم ان کو اسی کوڑے مارو' اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں O سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں' تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

اس لیے زیر تفسیر آیات کا تعلق حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی سزا کے سلسلے میں اور اسی کے سیاق میں ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ عام مسلمان عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا کم ہے' اسی کوڑوں کی سزا ہے' پھر جب وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان کی مغفرت ہو جائے گی' اور ام المؤمنین زوجہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بدکاری کی تہمت لگانا کوئی معمولی اور سرسری جرم نہیں ہے کہ اسی شاخیں مارنے سے اس کی اصلاح ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں تین آیتیں نازل فرمائیں ایک یہ کہ اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جائے گی' دوسری سزا یہ کہ قیامت کے دن اس کی زبان اور اس کے ہاتھ اور پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتا رہا تھا اور اس کو اس طرح رسوا کیا جائے گا' تیسری سزا یہ کہ قیامت کے دن اس کو پورا پورا عذاب دیا جائے گا' اور یہ بہت سخت سزا ہے اور یہ سزا اس کو دی جائے گی جس کا جرم بہت سنگین ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا عام عورتوں پر تہمت لگانے کی طرح ہرگز نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ O (النور: ۱۶)

جب تم یہ تہمت اپنی زبانوں سے نقل کرتے رہے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے رہے' جس کا تمہیں علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی۔

تم حضرت ام المؤمنین کی شان میں یہ بات کہتے رہے اور اس کو معمولی بات سمجھتے رہے اور کسی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کی حرمت عام عورتوں کی طرح نہیں ہوتی چہ جائیکہ نبی امی' خاتم الانبیاء اور سید المرسلین کی زوجہ کی حرمت' اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین جرم ہے کہ اس کے نبی اور رسول کی زوجہ کے متعلق ایسی بات کی جائے' اللہ سبحانہ اس پر سخت غضب فرماتا ہے حاشا وکلا وہ انبیاء میں سے کسی نبی کی زوجہ کے متعلق ایسی بات مقدر نہیں فرماتا' اور جب کسی بھی نبی کی زوجہ کے متعلق یہ ممکن نہیں تو سید ولد آدم علی الاطلاق کی زوجہ اور سیدہ نساء الانبیاء کے متعلق یہ کیسے ممکن ہے! اس لیے فرمایا تم اس کو معمولی بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ سنگین بات تھی' سو جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا عام عورتوں پر تہمت لگانے کی مثل نہیں ہے تو اس جرم کی سزا عام جرائم کی سزا کی مثل کس طرح ہو سکتی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اس سزا کی شدت کو بیان فرمایا' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک بندہ کوئی بات بے پرواہی سے کہہ دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا

کا باعث ہوتی ہے اور اس بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کر دیتا ہے اور ایک بندہ بے پرواہی سے کوئی بات کہہ دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی موجب ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ جہنم میں گرتا چلا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۴۲۸۳)

اس آیت میں جس وعید کا ذکر کیا گیا ہے وہ عبداللہ بن ابی اور دیگر ان منافقین کے لیے ہے جنہوں نے اس تہمت کو پھیلایا تھا' اور جو مسلمان اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اس تہمت لگانے میں شامل ہو گئے تھے وہ اس وعید میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان کا مقصد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کی توہین کرنا اور آپ کو اذیت پہنچانا نہیں تھا' ان پر حد قذف جاری کی گئی وہ صدق دل سے تائب ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' ہاں جو مسلمان اب حضرت ام المؤمنین پر تہمت لگائے گا وہ مرتد ہو جائے گا' کیونکہ اب آپ پر تہمت لگانا قرآن مجید کا انکار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بری باتیں برے لوگوں کے لیے ہیں اور برے لوگ بری باتوں کے لیے ہیں' اور اچھی باتیں اچھے لوگوں کے لیے ہیں اور اچھے لوگ اچھی باتوں کے لیے ہیں' وہ (اچھے لوگ) ان تہمتوں سے بری ہیں جو لوگ ان پر لگاتے ہیں' ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے ○ (النور: ۲۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے جنت کی بشارت

النور: ۱۱ سے لے کر النور: ۲۶ تک سولہ آیتیں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں کی لگائی ہوئی تہمت کی برأت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں اور یہ اس سلسلہ کی آخری آیت ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' ضحاک' سعید بن جبیر' قتادہ' عطاء وغیرہم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عائشہ صدیقہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منافقین کی تہمت سے برأت کے متعلق نازل ہوئی ہے' اور اس کا معنی ہے بری باتیں برے لوگوں کے لیے ہیں اور برے لوگوں کے لیے بری باتیں ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۰۶' ۱۹۶۰۵' ۱۹۶۰۴' ۱۹۶۰۱' ۱۹۵۹۷' ۱۹۵۹۵)

مجاہد نے کہا اس میں فرمایا وہ لوگ اس تہمت سے بری ہیں اس سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہما ہیں ہر چند کہ یہ دو افراد ہیں اور ان کے لیے تثنیہ کے بجائے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے' جیسے فان کان له اخوة. (النساء: ۱۱) میں اخوة سے مراد اخوان ہیں' یعنی جمع کے صیغہ سے دو فرد مراد ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۰۸)

اور ابن زید نے کہا اس آیت کا معنی ہے خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں یہ آیت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی ہے جب ان پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس تہمت سے بری کر دیا اور عبداللہ بن ابی خبیث مرد تھا اس کے لائق خبیث عورت تھی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طیب اور پاک تھے اور آپ کے لائق طیبہ اور پاک عورت تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا طیبہ تھیں اور وہی آپ کی شان کے لائق تھیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۰۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یہ دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر میں الخبیثات سے مراد بری باتیں ہیں اور دوسری تفسیر میں الخبیثات سے مراد بری عورتیں ہیں' امام ابن جریر طبری نے پہلی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ (جامع البیان جز ۱۸ ص ۱۴۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالقاسم طبرانی نے ان دونوں تفسیروں کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' سعید بن جبیر' زید بن اسلم' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' ضحاک' مجاہد وغیرہم سے روایت کیا ہے:

(المعجم الکبیر ج ۲۳ رقم الحدیث: ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام محمد بن ادریس ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ، امام علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ، امام الحسین بن محمد بغوی متوفی ۵۱۶ھ، امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ، امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، علامہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے پہلی تفسیر کو ترجیح دی ہے، یعنی الخبیثات سے مراد بری باتیں اور الطیبات سے مراد اچھی باتیں ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۵۶۴، الوسیط ج ۳ ص ۳۱۴، معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۸۴، زاد المسیر ج ۶ ص ۲۶، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۵۵، الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۱۹۵، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۰۷)

ہم نے اس ترجمہ کو اختیار کیا ہے جو راجح تفسیر کے مطابق ہے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے اس کی تفسیر میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد متوفی ۳۶۰ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مغفرت سے مراد دنیا میں گناہوں سے محفوظ رہنا اور آخرت میں بخشش ہے اور رزق کریم سے مراد جنت کا رزق اور ثواب عظیم ہے، سعید بن جبیر اور قتادہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۳ رقم الحدیث: ۲۵۹، ۲۵۴، ۲۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے قتادہ سے اس تفسیر کو نقل کیا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۰۹)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سینہ سے لگایا اور وہ جنت میں آپ کی زوجہ ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۳۴۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی مکۃ المکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

اگر یہ کہا جائے کہ اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری برأت کے متعلق قرآن مجید کی آیات نازل فرمائے گا لیکن اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا خواب دکھا دے گا جس سے میری برأت ظاہر ہو جائے گی، ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھنے کا قصد نہیں کیا تھا کہ میری برأت میں سورہ نور کی دس آیتیں نازل فرما دیں۔ (النور: ۲۰-۱۱) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۵۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰)

اور یہاں آپ نے یہ لکھا ہے کہ سورہ نور کی سولہ آیتیں (النور: ۲۶-۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نازل ہوئی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ دس آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے گھر اس معاملہ میں گفتگو کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے، جن کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر فرمایا ہے اور بقیہ چھ آیتیں بعد میں نازل ہوئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یہ کل سولہ آیات ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو

وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ

اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو O

لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ

اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے اور اگر تم

قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا

عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ

خوب جاننے والا ہے O اور اگر تم ایسے گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارا سامان

فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ

ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے ہو O آپ

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ

مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے

اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ

بہت پاکیزہ ہے' بے شک اللہ ان کاموں کی خبر رکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو O اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے

يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص

کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں'

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ

اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں' یا اپنے باپ دادا پر' یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر'

بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ

یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا

بَنِیٓ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِیٓ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ

اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر، یا اپنی خواتین پر یا اپنی مملوکہ

أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِى الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ

باندیوں(نوکرانیوں) پر یا اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا ان لڑکوں

الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ

پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں اور اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان

بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوٓا إِلَى

کے پاؤں کی وہ زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے رکھتی ہیں اور اے مسلمانو!تم سب

اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ وَأَنكِحُوا

اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ ○ اور تم اپنے بے نکاح

الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا

مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو، اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا، اگر وہ فقیر ہیں تو

فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾ وَ

اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا' اور اللہ وسعت والا بہت جاننے والا ہے ○ اور

لْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن

جو لوگ نکاح کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے وہ اپنی پاکیزگی برقرار رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے

فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

انہیں غنی کر دے، اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں ان کو مکاتب

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ

کر دو اگر تمہارے علم میں ان کی بہتری ہو اور تم ان کو اللہ کے اس مال میں

اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ

سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے' اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو

تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِھْهُّنَّ فَاِنَّ

تاکہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ طلب کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس کے

اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ

جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور بے شک ہم نے

اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً

تم لوگوں کی طرف واضح آیتیں نازل فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بیان فرمائیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں' اور ہم نے

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

متقین کے لیے نصیحت نازل کی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو' جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے' اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے ○ (النور: ۲۸-۲۷)

بغیر اجازت گھروں میں داخلہ کی اور دیگر آداب کے متعلق احادیث اور آثار

اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر یہ کرم فرمایا کہ ان کے دلوں میں رہنے کے لیے گھر بنانے کا خیال القا کیا' اور یہ کہ وہ اپنے گھروں کو لوگوں سے مستور رکھیں اور ان کو اپنے گھروں میں رہائش کا سامان فراہم کرنے کی توفیق دی اور ایسے احکام شرعیہ نافذ کیے کہ کوئی شخص دوسرے کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو تا کہ اس کی مستور خواتین اور اس کا قیمتی ساز و سامان اور اس کی پوشیدہ چیزیں اور مخفی خزانے دوسروں سے محفوظ رہ سکیں۔

اس آیت میں تستانسوا کا لفظ ہے اس کا لغوی معنی ہے حتیٰ کہ تم مانوس ہو جاؤ' اور اس آیت میں یہ لفظ تستاذنوا کے معنی میں ہے کیوں کہ جب کوئی شخص اجازت لینے کے بعد کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہے تو وہ گھر والوں سے مانوس ہو جاتا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت نے کہا یارسول اللہ! میں اپنے گھر میں اس حال میں ہوتی ہوں کہ اس حال میں میں یہ نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے دیکھے خواہ میرا والد ہو یا میرا بیٹا ہو اور ہمارے گھر میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں اور میں ایسے حال میں ہوتی ہوں تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۲۰)

عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ جب تمہارے بچے بالغ ہو جائیں تو وہ اجازت طلب کریں' ابن جریج نے کہا میں نے عطاء سے پوچھا کیا کسی شخص پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی ماں اور محارم کے پاس جانے کے لیے بھی اجازت طلب کرے' انہوں نے کہا ہاں! عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا کوئی شخص اپنی ماں کے پاس جاتے وقت بھی اجازت طلب کرے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا میرے علاوہ اس کا اور کوئی خدمت گار نہیں ہے' کیا میں پھر بھی داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کروں؟ آپ نے اس سے پوچھا کیا تم اس کو برہنہ دیکھنا پسند کرو گے' اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا پھر تم اس سے اجازت لے کر داخل ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۲۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خوف زدہ حالت میں آئے انہوں نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ اجازت طلب کی' مجھے اجازت نہیں دی گئی تو میں واپس آ گیا' حضرت عمر نے کہا تم کیوں چلے گئے تھے! میں نے کہا میں نے تین مرتبہ اجازت طلب کی تھی مجھے اجازت نہیں دی گئی تو میں واپس چلا گیا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے' حضرت عمر نے کہا اللہ کی قسم تم ضرور اس حدیث پر کوئی گواہی پیش کرو گے' پس کیا تم میں سے کوئی شخص ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہو؟ حضرت ابی بن کعب نے کہا اللہ کی قسم! مسلمانوں میں سے سب سے کم عمر شخص اس حدیث کی شہادت دے گا' حضرت ابوسعید خدری نے کہا میں سب سے کم عمر تھا میں ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور میں نے حضرت عمر کو خبر دی کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا۔

صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۰۶' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۴۲۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۸۴۰' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۶۳۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۱۰)

تین دفعہ سلام کرنے کا اس لیے حکم دیا ہے کہ جب تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد گھر والا اندر آنے کے لیے نہ کہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر والا اس کو بلانا نہیں چاہتا یا ممکن ہے اس کو کوئی ایسا عذر ہو جس کی وجہ سے وہ سلام کا جواب نہ دے سکے اور اس کو نہ بلا سکے۔ ربعی بیان کرتے ہیں کہ بنو عامر کے ایک شخص نے بتایا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں آنے کی اجازت طلب کی اور یہ کہا کہ کیا میں اندر آ جاؤں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا جاؤ' اس کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ' اور اس سے کہو کہ یوں کہے: السلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اس شخص نے یہ سن کر کہا: السلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دی اور وہ داخل ہو گیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۷۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

قیس بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ملاقات کے لیے آئے' اور آپ نے فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بہت آہستہ سے جواب دیا' قیس کہتے ہیں میں نے حضرت سعد سے پوچھا کیا آپ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہیں دیتے! انہوں نے کہا رہنے دو وہ ہم کو زیادہ دفعہ سلام کریں گے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ حضرت سعد نے پھر بہت آہستہ جواب دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ گئے اور سعد آپ کے پیچھے گئے' اور کہا یا رسول اللہ! میں نے آپ کا سلام سن لیا تھا اور آپ کو قصداً آہستہ جواب دیا تھا تا کہ آپ زیادہ بار سلام کریں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ چلے گئے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۵' بیروت ۱۴۱۴ھ)

جب کوئی شخص کسی کا دروازہ کھٹکھٹائے اور پوچھا جائے کہ کون ہے؟ تو یہ نہ کہے کہ میں ہوں بلکہ اپنا نام بتائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے قرض کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا پس میں نے دروازہ کھٹکھٹایا' آپ نے فرمایا کون ہے؟ میں نے کہا میں ہوں' آپ نے فرمایا میں' میں! گویا آپ نے اس جواب کو مکروہ قرار دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۳۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۴۱۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ حضرت عمر بن الخطاب کے پاس گئے اور کہا السلام علیکم یہ عبداللہ بن قیس ہیں! حضرت عمر نے اجازت نہیں دی' انہوں نے دوبارہ کہا السلام علیکم یہ ابوموسیٰ ہے' پھر کہا السلام علیکم یہ الاشعری ہے! پھر واپس چلے گئے' حضرت عمر نے کہا ان کو میرے پاس واپس لاؤ' ان کو واپس لایا گیا' وہ آ گئے' پوچھا اے ابو موسیٰ! تم کیوں واپس چلے گئے؟ ہم کام میں مشغول تھے' انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تم تین مرتبہ اجازت طلب کرو' اگر اجازت مل جائے تو فبہا ورنہ واپس چلے جاؤ' حضرت عمر نے کہا تم اس حدیث پر گواہ پیش کرو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث بلاتکرار: ۲۱۵۳' الرقم المسلسل: ۵۵۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۱)

اگر کسی کے گھر کا دروازہ بند ہو تو اس کی جھریوں سے جھانکنا ممنوع ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص بغیر اجازت کے تمہارے گھر میں جھانکے اور تم لاٹھی سے اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۰۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۸۶۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۱۱)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر گھر کا دروازہ بند ہو تو اس کی جھریوں سے اندر جھانکنا ممنوع ہے اور اگر گھر والے نے جھانکنے والے کی آنکھ تیر یا کسی لکڑی سے پھوڑ دی تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے' فقہاء مالکیہ نے اس صورت میں قصاص لازم کیا ہے اور کہا ہے کہ جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں ہے' اور اس حدیث کو انہوں نے تغلیظ اور ترہیب پر محمول کیا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ معصیت کو معصیت سے دفع کرنا جائز نہیں ہے' جمہور نے اس کے جواب میں کہا کسی کے گھر میں جھانکنا معصیت ہے اور جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنا معصیت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے' جیسے کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کے لیے اس پر حملہ کرے تو مدافعت میں اس کو قتل کرنا جائز ہے اور معصیت نہیں ہے' اور یہ بات معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں جھانک کر کسی کی بیوی یا بیٹی کا چہرہ دیکھے تو وہ اس پر سخت مشتعل ہوتا ہے' ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے مباشرت کر رہا ہو یا وہ یا اس کی بیوی برہنہ ہو اس لیے جھانکنے والا اس سزا کا مستحق ہے' اور اگر گھر والے کی اپنی تقصیر ہو کہ اس نے دروازہ بند نہیں کیا' کھلا چھوڑ دیا پھر کسی نے ان کی طرف دیکھا تو پھر اس کی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں اور اگر اس نے کھلے ہوئے دروازے سے قصداً دیکھا تو اس میں دو قول ہیں صحیح یہ ہے کہ اب بھی دیکھنے والے کی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں ہے

اور اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت سے دوسروں کے گھروں میں جھانکے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔(فتح الباری ج ۱۴ ص ۲۳۹-۲۳۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنے کی اجازت اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب وہ قصداً جھانکے اور اگر اس کی اتفاقاً نظر پڑ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس حدیث سے ان فقہاء نے استدلال کیا ہے جو اس صورت میں آنکھ پھوڑنے پر قصاص لازم نہیں کرتے اور اس کے خون کو ضائع قرار دیتے ہیں اور اس حدیث میں اس کا جواز ہے اور کسی ہلکی چیز سے اس کو مارنا چاہیے ایک قول یہ ہے کہ یہ حدیث تہدید (دھمکانے) اور تغلیظ پر محمول ہے اس میں اختلاف ہے کہ آیا خبردار کرنے سے پہلے آنکھ پھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ پھر بھی جائز ہے۔(عمدۃ القاری جز ۲۲ ص ۲۳۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم ایسے گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارا سامان ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو یا جس کو تم چھپاتے ہو O(النور: ۲۹)

بیوت غیر مسکونہ (غیر رہائشی) عمارات کی تعیین

جب بغیر اجازت کے گھروں میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی گئی تو مسلمانوں کو یہ مشکل پیش آئی کہ مدینہ سے مکہ کے راستے میں اور دوسرے راستوں میں رفاہ عام کے لیے مکان بنے ہوئے تھے جن میں لوگ عارضی قیام کرتے تھے اس طرح وہاں دکانیں سرائے ہوٹل سبیل اور بیت الخلاء وغیرہ بنے ہوتے تھے جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا تھا نہ وہ شخصی ملکیت ہوتے تھے اور ان میں بغیر اجازت داخلہ کی ممانعت میں عام مسافروں اور مسلمانوں کے لیے بڑی دشواری تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے آسانی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام عبدالرحمان جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے بیوت غیر مسکونہ (غیر رہائشی مکانات) کے مصداق میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا اس سے مراد سرائے بیت الخلاء اور گودام وغیرہ ہیں جن میں ساز و سامان رکھا جاتا ہے۔

(۲) عطاء نے کہا اس سے مراد ویران مکان کھنڈرات اور بیت الخلاء ہیں۔

(۳) محمد بن حنفیہ نے کہا اس سے مراد مکہ کے مکان ہیں کیونکہ وہ وقف عام ہیں ان کا کوئی مالک نہیں (یہ صرف امام مالک کا مذہب ہے جمہور کے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے۔ الحج: ۲۵ میں ہم اس پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں)

(۴) ابن زید نے کہا اس سے مراد تاجروں کی دکانیں ہیں جو راستوں میں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔

(۵) ابن جریج نے کہا اس سے مراد تمام غیر رہائشی مکانات ہیں کیونکہ داخل ہونے کے لیے اجازت کی شرط مکان میں رہنے والوں کے اعتبار سے ہے اور جب وہاں کوئی رہنے والا نہ ہو تو پھر یہ شرط بھی نہیں ہے۔

(زادالمسیر ج ۶ ص ۲۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اس آیت کے عموم سے معلوم ہوا جو عمارتیں کسی خاص شخص یا قوم کی ذاتی ملکیت نہ ہوں اور وہاں عام افراد کو آنے جانے کی ممانعت نہ ہو اور وہاں ٹھہرنے اور ان کو استعمال کرنے کی عام اجازت ہو جیسے ہوٹل مسافر خانے سرائے اسٹیشن اور ہوائی اڈے کی عمارت مسجدیں خانقاہیں دینی مدارس ہسپتال ڈاک خانے اور اس طرح کی دوسری عمارتیں اور جس جگہ داخلہ کی پابندی ہو وہاں داخل ہونے کی جو شرائط مقرر کی گئی ہوں ان کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے' بے شک اللہ ان کاموں کی خبر رکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو O (النور: ۳۰)

مردوں کو نیچی نگاہ رکھنے کے متعلق احادیث

اس سورت کے شروع میں زنا سے ممانعت فرمائی ہے اور زنا کا پہلا محرک اور سبب اجنبی عورتوں کو دیکھنا ہے اس لیے اس آیت میں مردوں کو اجنبی عورتوں کے دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ سعید بن ابی الحسن نے حسن بصری سے پوچھا کہ عجمی عورتیں اپنے سینوں اور سروں کو کھلا رکھتی ہیں؟ انہوں نے کہا تم اپنی آنکھوں کو ان سے دور رکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں۔ (النور: ۳۰)

زہری نے کہا جن نابالغ لڑکیوں پر شہوت آئے ان کے جسم کے کسی حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ وہ کم عمر ہوں۔

(صحیح البخاری کتاب الاستیذان' باب: ۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کے پچھلے حصے پر اپنے پیچھے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو بٹھا لیا' اور حضرت فضل بن عباس بہت خوب صورت تھے' یہ دس ذوالحجہ کا دن تھا لوگ آپ سے مسائل پوچھ رہے تھے' اور آپ ان کو جواب دے رہے تھے' قبیلہ خثعم کی ایک حسین عورت آئی وہ بھی آپ سے سوال کر رہی تھی' حضرت فضل کو اس عورت کی خوب صورتی اچھی لگی وہ اس کی طرف دیکھنے لگے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر حضرت فضل کو اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا' آپ نے حضرت فضل کی ٹھوڑی اپنے ہاتھ سے پکڑی اور ان کا چہرہ اس عورت کی طرف سے دوسری جانب پھیر دیا' اس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ معلوم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے اور اس کا باپ بہت بوڑھا ہے وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا' آیا وہ اس کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۴۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۶۲۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم راستوں میں بیٹھنے سے بچو' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! راستوں میں بیٹھنے کے سوا تو ہمارا گزارا نہیں ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: اگر تمہارا راستوں میں بیٹھنا ضروری ہے تو پھر تم راستوں کا حق ادا کرو' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! راستوں کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نظر نیچی رکھنا' راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا' سلام کا جواب دینا' نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کا زنا سے حصہ لکھ دیا ہے' جس کو وہ لامحالہ پائے گا پس آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے' اور زبان کا زنا بات کرنا ہے' نفس تمنا کرتا اور خواہش کرتا ہے اور اس کی شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۵۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق سوال کیا' آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں فوراً نظر ہٹا لوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۴۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۲۴، مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۸، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۶۴۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۵۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵۷۱، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۴۰۳، المستدرک ج ۲ ص ۳۹۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۰-۸۹)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو' کیونکہ تمہارے لیے پہلی نظر معاف ہے' دوسری نہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۴۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۲۴، مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۱، المستدرک ج ۲ ص ۱۹۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۰)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بھی کسی عورت کی طرف پہلی نظر ڈال کر نظر نیچی کر لیتا ہے اللہ اس کے لیے ایسی عبادت پیدا کر دیتا ہے جس میں حلاوت ہوتی ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۸۴۲، شعب الایمان' رقم الحدیث: ۵۴۳۱، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۶۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن ہو جاؤ میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں' جب تم میں سے کوئی شخص بات کرے تو جھوٹ نہ بولے اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی نہ کرے' اور جب امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کرے اور اپنی نظریں نیچی رکھو' اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو' اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۰۱۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۰۱ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جس شخص نے اللہ کے خوف کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا اللہ عزوجل اس کے دل میں ایمان کی حلاوت پیدا کر دے گا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کا اخراج نہیں کیا۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۷۹۴۵ اس کی سند ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر آنکھ رو رہی ہوگی سوا اس آنکھ کے جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر جھک گئی اور سوا اس آنکھ کے جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی اور سوا اس آنکھ کے جس سے اللہ کے خوف سے آنسو کا ایک ننھا سا قطرہ بھی نکلا۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۴۷۵۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۳۵۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں' اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں' یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی خواتین پر یا اپنی مملوکہ باندیوں (نوکرانیوں) پر یا اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں اور اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان کے پاؤں کی وہ زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے رکھتی ہیں' اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ O (النور: ۳۱)

عورتوں کو نگاہ نیچی رکھنے کے متعلق احادیث

اس سورت کو اللہ تعالیٰ نے زنا کی حرمت اور ممانعت سے شروع فرمایا ہے اور زنا کا مقدمہ یہ ہے مرد اجنبی عورت کی طرف

دیکھے اور عورت اجنبی مرد کی طرف دیکھے اس سے پہلی آیت میں مردوں کو اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے اور اس آیت میں عورتوں کو اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے اس ممانعت کے سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ اور آپ کی دوسری زوجہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمیں حجاب میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں اس سے حجاب میں چلی جاؤ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ نابینا نہیں ہے یہ تو ہم کو نہیں دیکھ سکے گا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم اس کو نہیں دیکھ رہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۱۲ مسند احمد ج ٦ ص ۲۹٦ مسند ابویعلی رقم الحدیث: ٦۹۲۲ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵۷۵ المعجم الکبیر ج ۲۳ رقم الحدیث: ٦۷۸٬۹۵٦ سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۱)

اس حدیث کے بظاہر معارض اور خلاف یہ حدیث ہے:

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوعمرو بن حفص نے ان کو طلاق بائن دے دی اور وہ غائب تھے پھر انہوں نے اپنے وکیل کے ہاتھ کچھ جو بھیجے وہ اس وکیل پر ناراض ہوئیں اس وکیل نے کہا اللہ کی قسم! ہم پر تمہاری کوئی چیز واجب نہیں ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو حضرت فاطمہ بنت قیس نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرمایا اس پر تمہارا نفقہ واجب نہیں ہے پھر آپ نے ان کو حضرت ام شریک کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا پھر آپ نے فرمایا وہ ایسی عورت ہے کہ اس کے پاس میرے اصحاب کا جمگھٹا لگا رہتا ہے تم ابن ام مکتوم کے پاس عدت گزارو وہ نابینا شخص ہے تم اپنے کپڑے رکھ سکو گی اور جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا حضرت فاطمہ بنت قیس نے کہا جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ سے ذکر کیا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابوجہم دونوں نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہے ابوجہم تو وہ تو کندھے سے اپنی لاٹھی اتارتے ہی نہیں اور رہے معاویہ تو وہ مفلس ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو تو میں نے ان کو ناپسند کیا (کیونکہ یہ آزاد تھیں اور وہ غلام زادے تھے) آپ نے فرمایا تم اسامہ سے نکاح کرلو میں نے ان سے نکاح کرلیا تو اللہ نے اس نکاح میں خیر رکھ دی اور مجھ پر رشک کیا جاتا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۴ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۴٦ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۳۵۲)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦۷٦ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کی زیارت کرتے تھے اور ان کی نیکی کی وجہ سے بہ کثرت ان کے پاس آتے جاتے تھے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رائے تھی کہ اگر حضرت فاطمہ بنت قیس نے ان کے گھر عدت گزاری تو ان کو حرج ہوگا کیونکہ ان کو آنے جانے والوں سے پردہ کرنے میں مشکل ہو گی اس لیے ان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ حضرت ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزاریں کیونکہ ایک تو وہ ان کو دیکھ نہیں سکیں گے دوسرے ان کے گھر آنے جانے والے نہیں ہیں اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا جائز ہے لیکن یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ جس طرح قرآن مجید نے مردوں کو اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا ہے اور حضرت ام سلمہ کی حدیث میں بھی ہے کہ آپ نے حضرت ابن ام مکتوم کے آنے پر فرمایا تھا تم دونوں تو اندھی نہیں ہو اور

حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو ابن ام مکتوم کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کے گھر میں اپنی طرف دیگر مردوں کے دیکھنے سے مامون رہیں گی اور قرآن مجید کے حکم کے مطابق ان کو وہاں بھی حضرت ابن ام مکتوم کے سامنے نظریں نیچی رکھنے کا حکم ہوگا البتہ حضرت ام شریک کی بہ نسبت ان کے گھر میں ان کے لیے عدت گزارنا آسان ہوگا۔

(شرح مسلم مع مسلم ج ۶ ص ۳۰۴۶ ' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے: اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں' زینت دو قسم کی ہے' ایک ظاہری زینت ہے وہ عورتوں کا لباس ہے اور ایک مخفی زینت ہے وہ عورتوں کے زیورات ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۴۴)

سوا اس کے جو خود ظاہر ہو' سعید بن جبیر اور عطاء نے کہا اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زینت ظاہرہ چہرہ اور آنکھ کا سرمہ ہے اور ہاتھوں کی مہندی ہے اور انگوٹھی ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو گھر میں آنے جانے والوں پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۵۵' ۱۹۶۵۳' ۱۹۶۵۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہجرت کرنے والی خواتین پر رحم فرمائے جب یہ آیت نازل ہوئی: **ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن** تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کیے اور ان سے اپنے سینوں کو ڈھانپ لیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۶۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اپنی زیبائش صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں عورتوں کے ان محارم وغیرہ کا ذکر کیا ہے جن پر زیبائش کو ظاہر کیا جا سکتا ہے' اس زیبائش سے مراد زیورات وغیرہ ہیں اور رہے عورتوں کے بال تو ان کو ان کے شوہروں کے سوا اور کسی کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۶۹)

جن محارم وغیرہ کے سامنے عورت اپنی زیبائش کو ظاہر کر سکتی ہے اس میں اپنی خواتین اور اپنی مملوکہ باندیوں کا بھی ذکر فرمایا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ غیر مسلم عورتوں کے سامنے عورت کے لیے اپنی زیبائش کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

ابن جریج نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اس سے مراد مسلم خواتین ہیں اور کسی مسلم خاتون کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی باطنی زینت کسی مشرکہ کو دکھائے سوائے اس صورت کے کہ وہ اس کی باندی ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۷۱)

اور فرمایا: اور اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو: اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جن کا مقصد صرف کھانا پینا ہو اور ان کو عورتوں کی بالکل خواہش نہ ہو اور جس نوکر یا خادم کو عورتوں کی طرف رغبت ہو اس کو گھروں میں عورتوں کے پاس نہ جانے دیا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس ایک مخنث آتا جاتا تھا اور گھر والوں کو یہ گمان تھا کہ اس کو عورتوں کی خواہش نہیں ہے' ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور وہ آپ کی ازواج کے پاس بیٹھا ہوا تھا' وہ ایک عورت کی تعریف کر رہا تھا کہ وہ اتنی موٹی ہے کہ اس کے جسم پر سلوٹیں پڑتی ہیں جب وہ آتی ہے تو اس کے جسم پر چار سلوٹیں پڑتی ہیں اور جب وہ جاتی ہے تو اس کے جسم پر آٹھ سلوٹیں پڑتی ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ ان تمام چیزوں کو سمجھتا ہے' یہ تمہارے پاس نہ آیا کرے' پھر ازواج مطہرات اس سے پردہ کرنے لگیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۰۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۲۴۷)

حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا اس سے مراد مخنث ہے' ابن المنذر نے کلبی سے روایت کیا کہ اس سے مراد خصی اور عنین (نامرد) ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۱۸۵' ۱۸۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس کے بعد فرمایا: اور اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان کے پاؤں کی وہ زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے رکھتی ہیں۔

یعنی کوئی عورت فرش پر زور زور سے پیر مار کر اس طرح نہ چلے کہ اس سے اس کی پازیب کی آواز گھر سے باہر سنائی دے۔ جس عورت نے خوشی سے یا اتراتے ہوئے ایسا کیا تو اس کا یہ عمل مکروہ ہے اور اگر اس نے مردوں کو دکھانے' سنانے اور ان کو لبھانے کے لیے ایسا کیا تو اس کا عمل مذموم اور حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو' اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا' اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا بہت جاننے والا ہے ○ (النور: ۳۲)

ایامیٰ کا معنی

اس سورت کے زیادہ تر احکام زنا اور اس کے دواعی اور محرکات کے سدباب اور عفت اور پاکیزگی اور پاک دامنی سے متعلق ہیں اور نکاح کرنا زنا کے سدباب کا ایک بہت قوی ذریعہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں جو بے نکاح مرد اور عورتیں ہوں ان کا نکاح بھی کرو اور تمہارے خادموں اور خادماؤں میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح بھی کر دو۔

ایامیٰ ایم کی جمع ہے' ایم اصل میں اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ عورت کنواری ہو یا بیوہ' ابوعبید نے کہا ہے کہ ہر چند کہ ایم کا لفظ مرد اور عورت دونوں کے لیے ہے لیکن اس کا غالب استعمال عورتوں کے لیے ہوتا ہے' بہر حال اس آیت میں ایامیٰ کا معنی ہے بے نکاح مرد اور بے نکاح عورتیں۔

عبدالنبی نام رکھنے کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے: **والصلحین من عبادکم وامائکم** یعنی تم اپنے نیک بے نکاح غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دو' اس آیت میں عبد کی اضافت مخلوق کی طرف کی ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ عبدالنبی نام رکھنا جائز ہے' اور یہاں عبد کا معنی غلام ہے اور جب عبداللہ کہا جاتا ہے تو وہاں عبد کا معنی بندہ ہوتا ہے' عربی میں غلام کو عبد کہا جاتا ہے اور اردو میں عبد بہ معنی بندہ لیا جاتا ہے لہٰذا عبدالنبی اور عبدالرسول نام رکھنا جائز ہے شرک نہیں ہے' شیخ اشرف علی تھانوی نے کفر اور شرک کی باتوں کے تحت لکھا ہے: علی بخش' حسین بخش' عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا (بہشتی زیور ج ۱ ص ۳۵' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور) ظاہر ہے قرآن مجید کی اس نص قطعی کے مقابلہ میں تھانوی صاحب کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ تاہم چونکہ ہمارے عرف میں عبد کا اطلاق صرف بندے پر کیا جاتا ہے غلام پر نہیں کیا جاتا' اس لیے عبدالنبی کے بجائے غلام نبی نام رکھنا چاہیے' علامہ شامی نے عبدالنبی نام رکھنے کو ممنوع لکھا ہے' (ردالمحتار ج ۵ ص ۲۶۹' استنبول)' اس کی مفصل تحقیق ہم اس سے پہلے تبیان القرآن ج ۱ ص ۱۸۷ میں کر چکے ہیں۔

نکاح کا لغوی اور اصطلاحی معنی

قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

لغت میں نکاح کا معنی جمع کرنا اور ملانا ہے اور شریعت میں نکاح اس عقد کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے کسی عورت کے جسم سے فائدہ اٹھانے کا مالک بنایا جاتا ہے۔ اگر کسی انسان کی شہوت معتدل ہو تو نکاح کرنا سنت ہے اور اگر کسی انسان پر شہوت بہت غالب ہو تو اس پر نکاح کرنا واجب ہے اور جب اس کو اپنے نفس پر ظلم کا خدشہ ہو (یعنی وہ سخت گیر آدمی ہے اور بیوی پر ظلم کرے گا) تو پھر اس کا نکاح کرنا مکروہ ہے اور اگر وہ جماع کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس کا نکاح کرنا حرام ہے۔

جو نکاح بغیر تشہیر کے خفیہ کیا جائے اس کو نکاح السّر کہتے ہیں اگر کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے یہ دس روپے لو میں اس کے عوض دس دن تم سے جماع کروں گا تو اس کو نکاح المتعہ یا النکاح الموقت کہتے ہیں یہ نکاح باطل اور حرام ہے اگر کوئی شخص کسی کی بہن سے نکاح کرے اور مہر کے بجائے یہ مقرر کرے کہ وہ دوسرا شخص اس کی بہن سے نکاح کرلے تو اس کو نکاح الشغار کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے اور فریقین کو مہر مثل دینا لازم ہوگا' اور اگر کوئی شخص فریقین میں سے کسی ایک سے یا دونوں سے اجازت لیے بغیر کسی مرد اور عورت کا معروف طریقہ سے نکاح کردے تو یہ نکاح الفضولی کہا جاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب فریقین اس نکاح کو برقرار رکھیں تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہو جاتا ہے۔

(دستور العلماء ج ۳ ص ۲۹۰-۲۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی التوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ایمان اور نکاح کے سوا کوئی اور ایسی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر اب تک مشروع رہی ہو' اور فقہاء کے نزدیک نکاح اس عقد کو کہتے ہیں جس سے مرد کا عورت کے جسم سے فائدہ حاصل کرنا حلال ہو جائے جب کہ کوئی شرعی مانع نہ ہو' عورت کی قید سے مرد' خنثیٰ مشکل' اور جنّیہ خارج ہو گئے اور مانع شرعی کی قید سے محارم خارج ہو گئے۔ البتہ حسن نے جنّیہ سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے' نکاح کا لفظ جماع کرنے میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے' نکاح فریقین میں سے کسی ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہو جاتا ہے' اور اس میں دو آزاد مسلمان مکلف گواہوں کا حاضر ہونا شرط ہے جو ایجاب اور قبول کرنے والوں کا کلام معاً سن رہے ہوں خواہ وہ فاسق ہوں' یا مردود الشہادۃ ہوں یا نابینا ہوں۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۴ ص ۷۶' ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

مجلس نکاح میں دو گواہوں کے معاً سننے کی قید سے واضح ہو گیا کہ ٹیلی فون پر نکاح کرنا جائز نہیں ہے' نیز اگر دو ٹیلی فون سیٹ رکھ لیے جائیں اور دو آدمی معاً ایجاب و قبول کو ان دو ٹیلی فون سے معاً سن رہے ہوں تب بھی یہ جائز نہیں ہے کیونکہ عرف اور قانون میں ٹیلی فون پر بات سننے والے کو گواہ نہیں قرار دیا جاتا سو شرعاً بھی ان کو گواہ نہیں قرار دیا جائے گا' لہٰذا ٹیلی فون پر نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

نکاح کی فضیلت میں احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے' کیونکہ نکاح نظر کو نیچے رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے' اور جو نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے' کیونکہ روزے شہوت کو کم کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۰۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے پاکیزہ حالت میں ملاقات کرے اسے چاہیے کہ وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۶۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۵' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کے تقویٰ کے بعد مومن کی سب سے بڑی خیر یہ ہے کہ اس کی نیک بیوی ہو' اگر وہ اس کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے' اگر وہ اس کی طرف دیکھے

تو وہ اس کو خوش کرے اور اگر وہ اس کے اوپر کوئی قسم کھائے تو وہ اس کو پورا کرے اور اگر وہ کہیں چلا جائے تو وہ اپنی ذات اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کی سعادت (نیک بختی) سے تین چیزیں ہیں نیک بیوی' آرام دہ مکان اور آرام دہ سواری' اور ابن آدم کی شقاوت (بدبختی) سے تین چیزیں ہیں' بری بیوی' بے آرام مکان اور بری سواری۔ (مسند احمد ج ۱ص ۱۶۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۲۱' المستدرک ج ۲ص ۱۴۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ نے نکاح کرلیا تو اس کا نصف ایمان کامل ہوگیا اب اس کو چاہیے کہ باقی نصف میں اللہ سے ڈرتا رہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۸۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے از راہ کرم تین شخصوں کی مدد اپنے ذمہ لے لی ہے' اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا' وہ مکاتب جو اپنا بدل کتابت ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو (جس غلام کو اس کا مالک یہ کہہ دے تم اتنی رقم ادا کردو تو آزاد ہو اس کو مکاتب کہتے ہیں اور اس رقم کو بدل کتابت کہتے ہیں) اور وہ شخص جو پاک دامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۵۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۱۸' مسند احمد ج ۲ص ۲۵۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۱۹' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۰)

ابونجیح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خوش حال ہو اور نکاح کی طاقت رکھتا ہو پھر بھی نکاح نہ کرے وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ص ۳۶۶' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۹۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۸۲' ۵۴۸۱' مجمع الزوائد ج ۴ص ۲۵۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجروں میں چند مسلمان آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق دریافت کیا' جب انہیں آپ کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اس عبادت کو کم خیال کیا اور انہوں نے کہا کہاں ہم کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک اللہ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کام بخش دیئے ہیں ان میں سے ایک نے کہا رہا میں' تو میں ہمیشہ تمام رات نماز پڑھتا رہوں گا' اور دوسرے نے کہا میں ساری عمر مسلسل روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ ترک نہیں کروں گا' اور تیسرے نے کہا میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح' اس طرح کہا تھا' اور میں بے شک اللہ کی قسم تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں' لیکن میں (نفلی) روزہ رکھتا ہوں' اور (نفلی) روزہ چھوڑتا بھی ہوں' اور (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں' اور عورتوں سے نکاح کرتا ہوں' سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۰۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سے اس کے جمال' اس کے مال' اس کے اخلاق اور اس کی دینداری کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے' تم اس کی دین داری اور اس کے اخلاق کے سبب کو لازم کر لو۔ (مسند احمد ج ۳ص ۸۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۱۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۴۰۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۲۶' المستدرک ج ۲ص ۱۶۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے اس کی عزت کی وجہ سے

نکاح کرے گا اللہ اس شخص کی ذلت میں اضافہ کرے گا' اور جو شخص کسی عورت سے اس کے مال کی وجہ سے نکاح کرے گا اللہ عزوجل اس کے فقر میں اضافہ کرے گا' اور جو شخص کسی عورت سے اس کے منصب کی وجہ سے نکاح کرے گا' اللہ عزوجل اس کی پستی میں اضافہ کرے گا' اور جو شخص کسی عورت سے اس وجہ سے نکاح کرے گا کہ اس کی نظر نیچی رہے' یا اس کی شرم گاہ گناہ سے بچی رہے' یا رشتہ جوڑنے کے لیے نکاح کرے گا' اللہ اس شخص کو اس نکاح میں برکت دے گا اور اس عورت کو بھی اس نکاح میں برکت دے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۲۷' الترغیب والترھیب للمنذری رقم الحدث: ۲۸۷۲' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۴)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایک عزت والی مال دار اور منصب والی عورت مل رہی ہے لیکن اس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی کیا میں اس سے نکاح کرلوں؟ آپ نے اس کو منع کیا وہ پھر آیا تو آپ نے اس کو پھر منع کیا' پھر وہ تیسری بار آیا تو آپ نے فرمایا محبت کرنے والی اور بچے دینے والی عورت سے نکاح کرو' کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۲۷' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۲)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں' ختنہ کرنا' عطر لگانا' مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۰' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۳۹۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۰۸۵' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۳۵۴۹)

نکاح کے شرعی حکم میں مذاہبِ فقہاء

امام شافعی نے کہا نکاح کرنا کھانے پینے کی طرح مباح ہے' امام مالک نے کہا نکاح کرنا مستحب ہے' امام ابوحنیفہ نے کہا غلبہ شہوت کے وقت نکاح کرنا واجب ہے' عام حالات میں سنت ہے اور اگر ظلم اور جور کا خدشہ ہو تو پھر نکاح کرنا مکروہ ہے۔

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں: نکاح کرنے کے شرعی حکم میں تین مذاہب ہیں:

(۱) جس شخص کو یہ خطرہ ہے کہ اگر اس نے نکاح نہیں کیا تو وہ گناہ میں مبتلا ہو جائے گا تو عام فقہاء کے نزدیک اس پر نکاح کرنا واجب ہے کیونکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کو گناہوں سے دور رکھے۔

(۲) جس شخص میں شہوت ہو اس کے باوجود اس کو اطمینان ہو کہ وہ گناہ میں مبتلا نہیں ہوگا اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے اور نفلی عبادات میں مشغول رہنے سے اس کا نکاح کرنا افضل ہے' اور یہ اصحاب رائے (فقہاء احناف) اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ظاہر قول اور ان کا فعل ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میری زندگی کے صرف دس دن باقی رہ جائیں اور مجھے معلوم ہو جائے کہ میں آخری دن فوت ہو جاؤں گا اور مجھے ان ایام میں نکاح کرنے کی طاقت ہو تو میں فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے نکاح کروں گا' حضرت عمر نے ابوالزوائد سے کہا نکاح نہ کرنے کی صرف دو وجہیں ہیں تم میں طاقت نہیں یا تم گناہ کرتے ہو' المروزی کی روایت ہے امام احمد نے کہا مجرد رہنا اسلام سے نہیں ہے اور جس نے تم کو نکاح نہ کرنے کی دعوت دی اس نے تم کو غیر اسلام کی دعوت دی' اور امام شافعی نے کہا نکاح کرنے سے عبادت کے لیے فارغ رہنا افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نکاح نہ کرنے کی وجہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف کی اور فرمایا:

سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا (آل عمران: ۳۹) وہ سردار اور نفس پر ضبط (کنٹرول) کرنے والے تھے۔

الحصور اس شخص کو کہتے ہیں جو عورتوں کی طرف میلان نہ کرے' اگر نکاح کرنا افضل ہوتا تو نکاح نہ کرنے کی وجہ سے

اللہ تعالیٰ ان کی تعریف نہ فرماتا' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ (آل عمران: ١٤)

عورتوں کی طرف شہوت اور بیٹوں کی محبت لوگوں کے لیے خوش نما بنا دی گئی ہے۔

اگر نکاح کرنا افضل ہوتا تو اس آیت میں عورتوں کی طرف شہوت اور بیٹوں کی محبت کو بطور مذمت نہ ذکر کیا جاتا' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (الانفال: ٢٨)

اور یقین رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض فتنہ ہیں اور یہ بھی یقین رکھو کہ اللہ کے پاس بہت عظیم اجر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ (التغابن: ١٤)

اے ایمان والو! بے شک تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں' سو ان سے خبردار رہو۔

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب بعض مسلمانوں نے بیوی اور بچوں کی محبت میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہیں کی حالانکہ اس وقت ہجرت کرنے کا بہت مؤکد حکم تھا پھر انہوں نے کافی عرصہ کے بعد ہجرت کی۔ اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ لوگ بیوی اور بچوں کی محبت میں عبادات سے غافل ہو جاتے ہیں اور فرائض کو ترک کر دیتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (المنافقون: ٩)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جنہوں نے ایسا کیا سو وہ بہت ہی نقصان اٹھانے والے لوگ ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○ (الحدید: ٢٠)

اور یقین رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور خوش نمائی ہے اور ایک دوسرے پر فخر اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر سبقت ہے اس کی مثل اس بارش کی طرح ہے جس کا زمین میں فصل کو اگانا کسانوں کو اچھا لگتا ہے' پھر جب وہ کھیتی خشک ہو تو تم اس کو زرد رنگ کی دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب اور (اگر کوئی آزمائش میں پورا اترا تو) اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

اگر کوئی شخص آزمائش میں پورا نہ اترا تو مال اور اولاد میں سبقت سے دنیا میں بربادی اور آخرت میں عذاب کا سامنا ہوگا' اس لیے سلامتی اور امن اسی میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس پر ضبط کر سکتا ہو تو وہ نکاح کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت میں مصروف رہے' نیز نکاح' خرید و فروخت کی طرح ایک عقد معاوضہ ہے اس لیے نکاح کرنے سے عبادت میں مشغول رہنا افضل ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اور اس پر برانگیختہ کیا ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور روزے ترک بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں' پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے' اور صحیح

بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی خصی ہونے کی درخواست کو مسترد کر دیا اور اگر آپ اجازت دے دیتے تو ہم سب خصی ہو جاتے۔

(۳) جس شخص میں شہوت نہ ہو خواہ اس میں شہوت پیدا نہ کی گئی ہو جیسے نامرد ہوتا ہے یا اس میں شہوت تو ہو لیکن بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے وہ شہوت ختم ہو گئی ہو اس میں دو قول ہیں' ایک یہ کہ اس کے لیے بھی نکاح کرنا مستحب ہے جیسا کہ عمومی دلائل کا تقاضا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عبادت میں مشغول رہے کیونکہ وہ نکاح کے حقوق ادا نہیں کر سکتا۔

(المغنی ج ۷ ص ۵۔ ۴ ملخصا مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ نکاح کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے وہ اپنی پاکیزگی برقرار رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں ان کو مکاتب کر دو اگر تمہارے علم میں ان کی بہتری ہو' اور تم ان کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے' اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تاکہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ طلب کرو' اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس کے جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور بے شک ہم نے تم لوگوں کی طرف واضح آیتیں نازل فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں' اور ہم نے متقین کے لیے نصیحت نازل کی ہے O (النور: ۳۴۔ ۳۳)

جو شخص مجرد ہو وہ اپنی پاکیزگی برقرار رکھے

اس آیت میں ان مسلمانوں سے خطاب ہے جو اپنے معاملات کے خود مالک ہوں اور ان کے کاموں کی لگام کسی اور کے ہاتھ میں نہ ہو کیونکہ جس کے معاملات کسی اور کے اختیار میں ہوں وہ اپنے معاملات میں خود تصرف نہیں کر سکتا جیسے نابالغ یا کم عقل کے تصرفات پر ان کا سرپرست پابندی لگا دیتا ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اپنی پاکیزگی برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے' جب کہ ان کے لیے نکاح کرنا مشکل ہو زیادہ تر نکاح کرنا مشکل اس وقت ہوتا ہے جب انسان کے پاس نکاح کرنے کی گنجائش نہ ہو' اس لیے فرمایا: کہ ایسے لوگ اپنی پاکیزگی قائم رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے' اور ان کے لیے ایسے اسباب اور وسائل مہیا کر دے جن سے وہ آسانی کے ساتھ نکاح کر سکیں۔

جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ نکاح کرے اور اگر وہ نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ بدکاری نہ کرے اور اپنی عفت کو برقرار رکھے' اگر اس پر شہوت کا غلبہ ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنے سے شہوت کا زور ٹوٹتا ہے' اس آیت میں نکاح کی طاقت نہ رکھنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے صرف یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اوپر کنٹرول رکھے اور ضبط نفس کرے اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں بتائی' اگر کوئی اور جواز کی صورت ہوتی تو وہ بتا دیتا اس سے معلوم ہوا کہ متعہ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ استمناء کرنا جائز ہے' البتہ امام احمد نے استمناء کو جائز کہا ہے اور فقہاء احناف نے بھی کہا ہے کہ جب کسی شخص کو زنا کا خطرہ ہو وہ کم تر برائی کے درجہ میں استمناء کر لے۔

نیز اس آیت میں فرمایا تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں ان کو مکاتب کر دو اگر تمہارے علم میں ان کی بہتری ہو' اور تم ان کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے۔

غلاموں اور باندیوں کے بعض احکام

اسلام نے غلامی کو بتدریج ختم کیا ہے' غلام کو آزاد کرنے پر دوزخ سے نجات کی بشارت دی' قتل خطاء' ظہار' قسم توڑنے

روزہ توڑنے کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا' غلام کو مکاتب کرنا بھی غلامی کو ختم کرنے کی ایک صورت ہے ایک شخص اپنے غلام سے یہ کہتا ہے کہ تم مثلاً پانچ ہزار روپے مجھے لاکر دو تو تم آزاد ہو اس فعل کو مکاتبت کہتے ہیں اور اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں' اب اس غلام کے ذمہ یہ ہے کہ وہ محنت مزدوری کرے اور اپنے آقا کو وہ رقم لا دے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی مد میں ایک یہ شق بھی رکھی ہے کہ غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں زکوٰۃ ادا کر دی جائے اور مسلم معاشرہ میں مسلمان اپنے ایک غلام بھائی کو غلامی سے آزاد کرانے کے لیے رقم خرچ کریں' اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اس مال کو غلام آزاد کرانے میں خرچ کرو۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تا کہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ طلب کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس کے جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت کے شان نزول میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بعض انصار کی ایک باندی تھی مسیکہ اس نے کہا میرا مالک مجھے زنا کرنے پر مجبور کرتا ہے' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۷۴۱' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۵۲۲' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۷)

زہری بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں قریش کا ایک شخص قید ہو گیا یہ قیدی عبداللہ بن ابی ابن سلول کے گھر میں تھا اور عبداللہ بن ابی کی ایک معاذہ نام کی باندی تھی' وہ قیدی اس سے زنا کرنا چاہتا تھا' وہ باندی مسلمان تھی وہ اسلام کے احکام کی وجہ سے منع کرتی تھی اور ابن ابی اس کو مارتا تھا اور اس کام پر مجبور کرتا تھا' کیونکہ اسے امید تھی کہ وہ باندی اس قیدی سے حاملہ ہو جائے گی اور ابن ابی اس قیدی سے اس بچہ کا فدیہ طلب کریگا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر امام عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۴۱' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کی باندی زمانہ جاہلیت میں زنا کراتی تھی' جب اسلام نے زنا کو حرام کر دیا تو ابن ابی نے اس سے کہا کیا تم اب زنا نہیں کراؤ گی اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں اب کبھی زنا نہیں کروں گی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۷۴۷' مسند البزار ج ۷ ص ۸۳)

اس آیت میں فرمایا ہے اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ پاک دامن نہ رہنا چاہیں تو پھر تم ان کو بدکاری پر مجبور کر سکتے ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال ان پر ہوگا جو مفہوم مخالف کے قائل ہوں' رہے ہم احناف تو ہم مفہوم مخالف کے قائل نہیں ہیں' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ جو فرمایا ہے اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ یہ قید بیان واقع کے لیے ہے' کیونکہ صورت واقعیہ یہی تھی کہ بعض مسلمان باندیاں زنا سے بچنا چاہتی تھیں اور ان کے منافق مالکان اجرت کے لالچ میں ان کو بدکاری پر مجبور کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ جب تمہاری باندیاں زنا سے بچنا چاہتی ہیں تو تم ان کو زنا پر مجبور نہ کرو' تیسرا جواب یہ ہے کہ جبر کی صورت اسی وقت متحقق ہوگی جب باندیاں بدکاری سے بچنا چاہتی ہوں اور جب وہ خود بدکاری کی طرف مائل ہوں اور شوق سے بدکاری کرتی ہوں تو پھر انہیں بدکاری پر مجبور کرنے کی کیا ضرورت ہے' اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جب وہ پاک دامنی کا ارادہ نہ کریں تو پھر ان کو بدکاری پر مجبور کرنا جائز ہے' کیونکہ جب وہ پاک دامنی کا ارادہ نہیں کرتیں تو پھر ان کو بدکاری پر مجبور کرنے کی کب ضرورت ہوگی النور: ۳۴ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے تم لوگوں کی

طرف واضح آیتیں نازل فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہم نے متقین کے لیے نصیحت نازل کی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: (۱) قرآن مجید کی آیات واضح، روشن اور مفصل ہیں۔ (۲) اس میں تم سے پہلے لوگوں کی مثالیں ہیں یعنی جس طرح تورات اور انجیل میں حدود قائم کرنے کے احکام تھے اسی طرح قرآن میں بھی ہیں۔ (۳) اس میں متقین کے لئے نصیحت ہے ہر چند کہ قرآن مجید کی نصیحت تمام انسانوں کے لیے ہے لیکن چونکہ قرآن کی نصیحت سے صرف متقین ہی فائدہ حاصل کرتے ہیں اس لیے خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا

اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسے طاق کی طرح ہے جس میں

مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ

چراغ ہو، وہ چراغ یک فانوس میں ہو، وہ فانوس ایک روشن ستارے کی مانند ہو

يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ

وہ چراغ برکت والے زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے، وہ (درخت) نہ مشرقی ہے نہ مغربی

يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ

عنقریب اس کا تیل خود ہی بھڑک اٹھے گا خواہ اسے آگ نہ چھوئے، وہ نور بالائے نور ہے،

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ

اللہ جسے چاہے اپنے نور تک ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۵﴾ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ

اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ جن گھروں کے بلند کیے جانے اور

يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ

ان میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے، ان میں صبح اور شام اس کی تسبیح کرتے ہیں ○ وہ مرد

لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ

جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر، اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے

الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹ پلٹ جائیں گے اور آنکھیں O

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ

تاکہ اللہ ان کو ان کے بہترین کاموں کی جزا دے' اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ عطا فرمائے' اور اللہ جس کو

مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ

چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے O اور کافروں کے اعمال ہموار زمین میں چمکتی ہوئی ریت کی

بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا

مثل ہیں جس کو پیاسا دور سے پانی گمان کرتا ہے' حتیٰ کہ جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں پاتا

وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾

اور وہ اللہ کو اپنے قریب پاتا ہے جو اس کو اس کا پورا حساب چکا دیتا ہے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے O

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ

یا (ان کے اعمال) گہرے سمندر کی تاریکیوں کی مثل ہیں جن کو موج بالائے موج ڈھانپے ہوئے ہے'

فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ

اس کی بعض تاریکیاں بعض سے زیادہ ہیں' جب کوئی اپنا ہاتھ نکالے

لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ

تو اس کو دیکھ نہ سکے اور جس کے لیے اللہ نور نہ بنائے تو اس کے لیے

مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ ع

کوئی نور نہیں ہے O

ع ۵ (۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے' اس کے نور کی مثال ایسے طاق کی طرح ہے جس میں چراغ ہو' وہ چراغ ایک فانوس میں ہو' وہ فانوس ایک روشن ستارے کی مانند ہو' وہ چراغ برکت والے زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو' وہ (درخت) نہ مشرقی ہے نہ مغربی' عنقریب اس کا تیل خود ہی بھڑک اُٹھے گا' خواہ اسے آگ نہ چھوئے' وہ نور بالائے نور ہے' اللہ

جسے چاہے اپنے نور تک ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے○ (النور: ۳۵)

نور کا لغوی اور اصطلاحی معنی

امام محمد بن ابوبکر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ ھ نے لکھا ہے نور کا معنی ہے ضیاء (روشنی)۔

(مختار الصحاح ص ۳۹۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

نور اس کیفیت کو کہتے ہیں جس کا آنکھیں سب سے پہلے ادراک کرتی ہیں پھر اس کیفیت کے واسطے سے باقی دکھائی دینے والی چیزوں کا ادراک کرتی ہیں۔ (یعنی جو کیفیت خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کے لیے مظہر ہو)

(التعریفات ص ۱۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

نور اس کیفیت کو کہتے ہیں جو سورج، چاند اور چراغ وغیرہ سے زمین اور دیواروں پر فائض ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۷۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ پر نور کے اطلاق کی توجیہات

امام رازی فرماتے ہیں نور چونکہ ایک کیفیت حادثہ کو کہتے ہیں اس لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ (الانعام: ۱) اللہ نے ظلمات (اندھیروں) اور نور (روشنی) کو پیدا کیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نور مجعول اور مخلوق ہے اور اللہ خالق نور ہے خود نور نہیں ہے کیونکہ نور مخلوق ہے اور چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر نور کا اطلاق فرمایا ہے اس لیے علماء نے اس میں حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) نور ظہور اور ہدایت کا سبب ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (البقرہ: ۲۵۷) اللہ مومنوں کا کارساز ہے وہ ان کو ظلمات سے نور کی طرف نکال لاتا ہے۔

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ (الشوریٰ: ۵۲) لیکن ہم نے اس (کتاب) کو نور بنایا ہم اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں نور کا اطلاق ہدایت پر کیا گیا ہے تو **الله نور السموت والارض** کا معنی ہے یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کے نور والا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آسمانوں والوں اور زمینوں والوں کو اللہ تعالیٰ سے ہی ہدایت حاصل ہوتی ہے یعنی وہی ان کا ھادی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اکثرین کا یہی قول ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے آسمانوں اور زمینوں کا مدبر ہے جیسے بہت بڑے عالم کے لیے کہا جاتا ہے وہ شہر کا نور ہے کیونکہ وہ شہر والوں کی عمدہ تدبیر کرتا ہے تو وہ ان کے لیے بہ منزلہ نور ہوتا ہے جس سے ان کو شہر کے معاملات میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا ناظم ہے کیونکہ اس نے انتہائی حسین ترتیب سے ان کا نظام قائم کیا ہوا ہے۔
(۴) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو منور کرنے والا ہے اس کا ایک محمل یہ ہے کہ وہ آسمانوں کو ملائکہ سے منور کرتا ہے اور زمین کو انبیاء سے اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو سورج' چاند اور ستاروں سے منور کرتا ہے' اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ اس نے آسمان کو سورج' چاند اور ستاروں سے مزین کیا ہے اور زمین کو انبیاء اور علماء سے مزین کیا ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابی بن کعب' حسن بصری اور ابو العالیہ سے منقول ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

احادیث میں اللہ پر نور کا اطلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر نور کا اطلاق فرمایا ہے:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے:
اللھم لک الحمد انت نور السموت والارض. اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے تو آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۵۵)
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا' کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔
(صحیح مسلم الایمان: ۲۹۱' رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۷۸' الرقم المسلسل: ۴۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۲)
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نور کو دیکھا۔
(صحیح مسلم الایمان: ۲۹۲' رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۷۸' الرقم المسلسل: ۴۳۷)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ فرماتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پر بھی نور کا اطلاق فرمایا ہے:
وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ○ (النساء: ۱۷۴) ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا ہے۔
اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نور کا اطلاق فرمایا ہے:
قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○ (المائدہ: ۱۵) بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آ گیا نور اور روشن کتاب۔

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں فرمایا کمشکوۃ فیھا مصباح وہ ایک طاق کی مثل ہے جس میں چراغ ہو۔ مشکاۃ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی طاق ہے' اب سے پچاس ساٹھ سال پہلے تک مکانوں میں کمرے کی دیوار کے عمق اور گہرائی میں محراب نما ایک خانہ یا شیلف بنایا جاتا تھا جس میں استعمال کی اشیاء رکھی جاتی تھیں اس کے دروازے نہیں بنائے جاتے تھے شہروں کی نئی نسل اس سے ناواقف ہے گاؤں اور دیہاتوں میں اب بھی اس طرز کے مکان ہوں گے۔ مصباح کا معنی ہے روشنی کا آلہ صبح اسی سے ماخوذ ہے' اس کا معنی چراغ ہے۔

المصباح فی زجاجة: زجاجہ کا معنی ہے شیشے کا فانوس وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔
کانها کوکب دری: گویا کہ وہ ایک چمکتا ہوا روشن ستارہ ہے یعنی وہ چراغ روشن ہونے میں ایک روشن ستارہ کی طرح ہے۔
یوقد من شجرة مبارکة زیتونة: وہ چراغ برکت والے زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے۔ زیتون وہ درخت ہے جو دنیا میں سب سے پہلے اُگایا گیا اور یہی درخت طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے اُگا۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقامات پر اُگایا گیا ہے اور ارضِ مقدسہ میں اس کے لیے ستر انبیاء علیہم السلام نے برکت کی دعا کی۔
حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کو جسم پر لگاؤ کیونکہ وہ مبارک درخت سے نکلتا ہے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث ١٨٥١ المعجم الکبیر ج ١٩ رقم الحدیث: ٩٩٦ المستدرک رقم الحدیث: ٣٥٥٦ سنن الدارمی رقم الحدیث: ٢٠٥٨ شرح السنۃ رقم الحدیث: ٢٨٧٠)

لاشرقية ولا غربية: وہ (درخت) نہ مشرقی ہے نہ مغربی یعنی وہ درخت نہ مشرق کے ساتھ مختص ہے کہ اس کو شرقیہ کہا جائے اور نہ مغرب کے ساتھ مختص ہے کہ اس کو غربیہ کہا جائے، حسن بصری نے کہا یہ درخت دنیا کے درختوں میں سے نہیں ہے کیونکہ دنیا کا جو بھی درخت ہوگا وہ یا مشرقی ہوگا یا مغربی ہوگا بلکہ یہ جنت کا درخت ہے اور ثعلبی نے کہا قرآن مجید نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ دنیا کا درخت ہے کیونکہ قرآن مجید نے فرمایا وہ زیتون کا درخت ہے۔ ابن زید نے کہا وہ ملک شام کا درخت ہے کیونکہ شام کے درخت نہ شرقی ہوتے ہیں نہ غربی اور شام کے درخت سب سے افضل درخت ہیں کیونکہ وہ برکت والی زمین ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ درخت دوسرے گھنے درختوں کے درمیان ہوتا ہے لہٰذا اس کو دھوپ نہیں پہنچتی اس لیے فرمایا کہ وہ نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ درخت بلند پہاڑوں اور صحراؤں میں ہوتا ہے۔

آپ پر قرآن نہ بھی نازل ہوتا تب بھی آپ کی نبوت عالم میں آشکارا ہو جاتی

نیز اس آیت میں فرمایا: عنقریب اس کا تیل خود ہی بھڑک اُٹھے گا خواہ اسے آگ نہ چھوئے وہ نور بالائے نور ہے اللہ جسے چاہے اپنے نور تک ہدایت دیتا ہے۔
امام محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ ھ فرماتے ہیں:
اس آیت میں مشکاة سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ ہے اور الزجاجة سے مراد آپ کا قلب ہے اور مصباح سے مراد دین کے اصول اور فروع کی وہ معرفت ہے جو آپ کے دل میں ہے اور شجرہ مبارکہ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ ان کی اولاد سے ہیں اور ان کی ملت کی اتباع کا آپ کو حکم دیا گیا ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت میں فرمایا نہ وہ شرقی ہیں اور نہ غربی ہیں کیونکہ آپ عیسائیوں کی طرح مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نہ یہود کی طرح مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے بلکہ آپ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔
اللہ تعالیٰ نے اس چراغ کے تیل کی صفت میں فرمایا وہ عنقریب بھڑک اُٹھے گا اور روشن ہو جائے گا خواہ اس کو آگ نے نہ چھوا ہو کعب احبار نے کہا اس تیل سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے اور آپ اپنے صفاء جوہر اور اپنی مقدس ذات میں اس قدر کامل تھے کہ اگر آپ پر وحی نازل نہ بھی ہوتی تب بھی آپ میں یہی کمالات ہوتے آپ اسی طرح نیکی کی ہدایت دیتے اور آپ کی یہی پاکیزہ صفات ہوتیں اور آپ پر قرآن نہ بھی نازل ہوتا تب بھی آپ کی نبوت لوگوں پر آشکارا ہو جاتی اور

پ پر قرآن مجید کا نازل ہونا نور علیٰ نور ہے اور نور بالائے نور ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۹۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۵۹۷ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت ۱۴۱۷ھ)
امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ علامہ شہاب لدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس طرح تفسیر کی ہے۔
(زاد المسیر ج ۶ ص ۴۴ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۴۴ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۲۲ روح المعانی جز ۱۸ ص ۲۴۳)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن گھروں کے بلند کیے جانے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں صبح اور شام اس کی تسبیح کی جاتی ہے○ (النور: ۳۶)

مساجد کی تعمیر' مساجد میں ذکر اور تسبیح اور مساجد کے آداب کے متعلق احادیث

یہ آیت اس سے پہلی آیت کے ساتھ مربوط ہے اور پہلی آیت میں جس طاق کا ذکر فرمایا ہے کہ اس میں ایک فانوس ہے جس میں ایک روشن چراغ ہے اب یہ فرمایا ہے کہ وہ طاق کہاں ہے' وہ طاق ان گھروں میں ہے جن کو بلند کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے جہاں صبح اور شام اللہ کی تسبیح کی جاتی ہے' ان گھروں سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور جمہور کے نزدیک ان گھروں سے مراد مساجد ہیں' اور مجاہد نے کہا ان گھروں سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجرے ہیں اور حسن بصری نے کہا اس سے مراد بیت المقدس ہے۔
(زاد المسیر ج ۶ ص ۴۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)
اب ہم مساجد کے بلند کیے جانے اور اس میں اللہ کا ذکر کیے جانے کے متعلق چند احادیث پیش کر رہے ہیں۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد کچی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی' اور اس کی چھت شاخوں کی تھی اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی عمارت میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ حضرت عمر نے اس میں اضافہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی بنیادوں پر اینٹوں اور درخت کی شاخوں سے اس کو بنایا اور لکڑی کے ستون لگائے' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں بہت تبدیلی کی اور اس میں بہت اضافہ کیا اس کی دیواریں نقشین پتھروں اور چونے سے بنائیں اور اس کے ستون بھی منقش پتھروں کے بنائے اور ساگوان کی لکڑی سے اس کی چھت بنائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۱۳۹)
عبیداللہ الخولانی بیان کرتے ہیں جب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بہ کثرت اعتراض کیے کہ آپ نے اتنی بڑی اور حسین وجمیل مسجد کیوں بنائی ہے؟ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کی رضا جوئی کے لیے مسجد کو بنایا اللہ جنت میں اس کی مثل اس کا گھر بنا دے گا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۳۶)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر میں اکیلے نماز پڑھنے اور بازار میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اجر پچیس درجہ زیادہ ہوتا ہے' کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں آتا ہے اور اس کا ارادہ صرف نماز پڑھنے کا ہوتا ہے تو اس کے ہر قدم پر اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے' اور جب وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے تو جتنے وقت وہ نماز کے لیے مسجد میں ٹھہرا رہتا ہے اس کا وہ وقت نماز میں ہی شمار کیا جاتا ہے اور جب تک وہ نماز کی جگہ میں بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس

کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اے اللہ! اس پر رحم فرما جب تک وہ اپنا وضو نہیں توڑتا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۴۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۴۴۳' عالم الکتب بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغات کے پاس سے گزرو تو ان میں چر لیا کرو' میں نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا مساجد' میں نے پوچھا یا رسول اللہ! ان میں چرنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر.
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۰۹' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۴۳۳۵)

مساجد میں پانچ وقت نماز پڑھی جاتی ہے اور ان نمازوں میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی تسبیح پڑھی جاتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک اعرابی (دیہاتی) آیا اور وہ کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کو ڈانٹا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پیشاب منقطع نہ کرو' اس کو چھوڑ دو۔ صحابہ نے اس کو چھوڑ دیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر اس سے فرمایا ان مساجد میں پیشاب کرنا اور گندگی ڈالنا جائز نہیں ہے' یہ مساجد تو اللہ عزوجل کے ذکر' نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا تو وہ پانی کا ڈول لے کر آیا اور اس پیشاب پر بہا دیا۔ (صحیح مسلم الطہارۃ: ۱۰۰' رقم الحدیث بلا تکرار ۲۸۵' الرقم المسلسل ۶۴۸)

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کو' پاگلوں کو' شریروں کو' اپنی خرید و فروخت کو اور اپنے جھگڑوں کو اور اپنی بلند آوازوں کو اور اپنی حدود کے نفاذ کو اور اپنی تلواروں کے سونتنے کو اپنی مسجدوں سے دور رکھو' اور اپنی مسجدوں کے دروازوں پر وضو کرنے کی ٹونٹیاں بناؤ اور ان میں گرم پانی ڈالو۔ (یعنی سردیوں میں)
(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۵۰' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۷۲۶' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۷۳' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹ پلٹ جائیں گے اور آنکھیں O تاکہ اللہ ان کو ان کے بہترین کاموں کی جزا دے اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ عطا فرمائے اور اللہ جس کو چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے O
(النور: ۳۸-۳۷)

ان لوگوں کا مصداق اور اجر جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل نہیں کرتی

امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. (النور: ۳۷) کی تفسیر میں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے زمین میں سفر کرتے ہیں۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۶۴۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار میں تھے' نماز کی اقامت کہی گئی تو مسلمانوں نے اپنی دکانیں بند کر دیں اور مسجد میں چلے گئے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا ان ہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: رجال لاتلهيهم تجارة...... (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۶۴۷)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس راستہ پر کھڑے ہو کر چیزیں فروخت کرتا تھا اور ہر روز تین سو

دینار نفع کماتا تھا' اور ہر روز مسجد میں جا کر نماز پڑھتا تھا' لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ یہ (نفع) حلال نہیں ہے لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ میں اس آیت میں داخل ہوں رجال لاتلھیھم..... (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۶۴۹)

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں سالم بن عبداللہ کے ساتھ تھا' اور ہم مسجد میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے' ہم مدینہ کے بازار سے گزرے' مسلمانوں نے اپنا سامان ڈھانپ دیا اور مسجد میں چلے گئے سالم نے ان کے سامان کی طرف دیکھا جس کے پاس کوئی شخص نہیں تھا پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ..... پھر کہا یہی لوگ اس آیت کے مصداق ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۶۵۱)

عطا بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق وہ مسلمان ہیں جن کو اللہ کے حقوق اور اس کے فرائض کی ان کے اوقات میں ادائیگی کو ان کی خرید و فروخت منع نہیں کرتی تھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۶۵۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حسن بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا کرے گا عنقریب اہل محشر جان لیں گے کہ کون اللہ کے کرم کے زیادہ لائق ہے پھر وہ کہے گا وہ لوگ کہاں ہیں جو اپنے پہلوؤں کو اپنے بستروں سے دُور رکھتے تھے اور خوف اور طمع سے اپنے رب کو پکارتے تھے اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے تھے۔ (السجدۃ: ۱۶) پھر وہ لوگ کھڑے ہوں گے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آئیں گے' منادی پھر کہے گا عنقریب اہل محشر جان لیں گے کہ کون کرم کا زیادہ اہل ہے وہ لوگ کہاں ہیں جن کو ان کی تجارت اور ان کی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی تھی۔ (النور: ۳۷) پھر وہ لوگ کھڑے ہوں گے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آئیں گے' منادی پھر ندا کرے گا عنقریب اہل محشر جان لیں گے کہ کرم کے کون زیادہ لائق ہے' وہ لوگ کہاں ہیں جو ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے تھے' پھر وہ کھڑے ہوں گے' اور پھر باقی لوگوں سے حساب لینا شروع کر دیا جائے گا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

قیامت کے دن دلوں اور آنکھوں کے اُلٹ پلٹ جانے کا معنی

فرمایا وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اُلٹ پلٹ جائیں گے اور آنکھیں۔

قیامت کے دن کے ہول اور اس کی دہشت سے دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ جائیں گی اس سے مراد کفار کے دل اور ان کی آنکھیں ہیں' ان کے دل اپنی جگہ سے نکل کر حلق میں آ جائیں گے' وہ واپس اپنی جگہ جا سکیں گے نہ حلق سے باہر نکل سکیں گے' اور آنکھوں کے پلٹنے کا معنی یہ ہے کہ پہلے ان کی سرگیں آنکھیں تھیں اور قیامت کے دن ان کی آنکھیں نیلی ہو جائیں گی۔ ایک قول یہ ہے کہ دلوں کے اُلٹ پلٹ جانے کا معنی یہ ہے کہ نجات کی طمع اور ہلاکت کے خوف سے ان کے دل مضطرب ہوں گے' اور آنکھیں مضطرب ہوں گی کہ کس جانب سے ان کے اعمال نامے دیئے جائیں گے اور کس طرف سے ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ دلوں کے اُلٹ پلٹ جانے کا معنی یہ ہے کہ ایک بار آگ ان کو جھلسا دے گی' پھر جلا دے گی پھر ان کو دوسرے دلوں سے بدل دیا جائے گا اور یہ عمل یونہی ہوتا رہے گا۔

عبادت میں غفلت نہ کرنے والوں کا اجر

اس کے بعد فرمایا تاکہ اللہ ان کو ان کے بہترین کاموں کی جزا دے۔ اس آیت میں نیک کاموں کی جزا کا ذکر فرمایا ہے اور برے کاموں کی سزا کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ قیامت کے دن جزا اور سزا دونوں ہوں گی' اس کی دو وجہیں ہیں ایک وجہ یہ ہے تاکہ مسلمانوں کو نیک کاموں کی ترغیب دی جائے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان مسلمانوں کا ذکر ہے جو گناہِ کبیرہ سے اجتناب کریں گے اور ان کے صغیرہ گناہ کبائر سے اجتناب کی وجہ سے معاف کر دیئے جائیں گے۔ نیز فرمایا اللہ اپنے فضل سے

ان کے اجر کو زیادہ کر دے گا اس کا ایک محمل یہ ہے کہ ایک نیکی کا دس گنا پھر سات سو گنا اجر عطا فرمائے گا اور جس کے لیے چاہے گا اس کو بھی دُگنا کر دے گا' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ان کے استحقاق کے بغیر ان کو اجر عطا فرمائے گا اس کے بعد فرمایا اور اللہ جس کو چاہے بے حساب اجر عطا فرمائے گا یعنی جو شخص گن گن کر نیکیاں کرے گا اس کو گن گن کر اجر دے گا اور جو بغیر گنے اور شمار کیے نیکیاں کرے گا اس کو بے حساب اور بے شمار اجر عطا فرمائے گا۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قباء کو بنانے کا حکم دیا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے آ کر کہا یارسول اللہ! قد افلح من بنی المساجد (جس نے مسجدیں بنائیں وہ کامیاب ہو گیا؟) آپ نے فرمایا: ہاں اے ابن رواحہ! انہوں نے کہا وصلی فیھا قائما وقاعدا (اور اس نے ان میں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نماز پڑھی؟) آپ نے فرمایا: ہاں اے ابن رواحہ! انہوں نے کہا ولم یبت للہ الا ساجدا (اور اس نے سجدوں کے بغیر کوئی رات نہیں گزاری) آپ نے فرمایا: ہاں اے ابن رواحہ! اور اپنے مسجع اور موزون کلام پیش کرنے سے رُک جاؤ کیونکہ بندے کو طلاقت لسان (روانی سے بولنے اور چرب زبانی) سے بری اور کوئی چیز نہیں دی گئی۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۱۰۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں کے اعمال ہموار زمین میں چمکتی ہوئی ریت کی مثل ہیں جس کو پیاسا دُور سے پانی گمان کرتا ہے' حتیٰ کہ جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں پاتا اور وہ اللہ کو اپنے قریب پاتا ہے جو اس کو اس کا پورا حساب چکا دیتا ہے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے O (النور: ۳۹)

سراب اور القیعۃ کا معنی اور شانِ نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اعمال کی مثال بیان فرمائی تھی اور اس آیت میں کافروں کے اعمال کی مثال بیان فرمائی ہے' مقاتل نے کہا یہ آیت شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے متعلق نازل ہوئی ہے اس نے دین کی طلب میں رہبانیت اختیار کی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو وہ کافر ہو گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۶۲)

ابن قتیبہ نے کہا دوپہر کے وقت ریگستان میں چمکتی ہوئی ریت پانی کی طرح نظر آتی ہے اس کو سراب کہتے ہیں' الزجاج نے کہا القیعۃ قاع کی جمع ہے جیسے جیرۃ جار کی جمع ہے اور القیعۃ اور القاع ایسی ہموار زمین کو کہتے ہیں جس میں کوئی روئیدگی اور سبزہ نہ ہو۔ پس جو شخص ایسے کسی ریگستان میں سفر کرتا ہے تو اس کو دُور سے چمکتی ہوئی ریت پانی معلوم ہوتی ہے اور جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہاں کوئی پانی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ کے ہاں ان کو نفع پہنچائیں گے لیکن جب وہ آخرت میں پہنچیں گے تو ان کے اعمال ان کو کوئی نفع نہیں دے سکیں گے بلکہ اس کے برعکس ان کے اعمال ان کے لیے باعثِ عذاب ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا (ان کے اعمال) گہرے سمندر کی تاریکیوں کی مثل ہیں جن کو موج بالائے موج ڈھانپے ہوئے ہے' اس کی بعض تاریکیاں بعض سے زیادہ ہیں' جب کوئی اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو دیکھ نہ سکے اور جس کے لیے اللہ نور نہ بنائے تو اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے O (النور: ۴۰)

کفار کے اعمال سراب کی طرح دھوکا ہیں یا سمندر کی تاریکی کی طرح بے فیض ہیں

یہ کفار کے اعمال کی دوسری مثال ہے یعنی کفار کے اعمال یا سراب کی طرح ایک دھوکا ہیں یا سمندر کی گہرائی کی تاریکیوں کی مثل ہیں جن میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ الجرجانی نے کہا پہلی آیت میں کفار کے اعمال کی مثال ہے اور دوسری آیت میں کفار کے عقائد کی مثال ہے۔

اللجة: بہت گہرے پانی کو کہتے ہیں جس کی گہرائی کا اندازہ نہ کیا جاسکے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اس کی بعض تاریکیاں بعض سے زیادہ ہیں اس سے مراد بادلوں کی تاریکی رات کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی ہے سو جو شخص ان تاریکیوں کے اندر ہو اس کا پتہ نہیں چل سکتا کہ وہ کون ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بہت زیادہ تاریکی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ تاریکیوں سے مراد کفار کے اعمال ہیں اور سمندر کی گہرائی سے مراد کفار کے قلوب ہیں اور موج بالائے موج سے مراد وہ جہالت شکوک اور اندھیرے ہیں جو کفار کے دلوں پر چھائے ہوئے ہیں اور بادلوں سے مراد ان کے دلوں کا زنگ ہے اور وہ مہر ہے جو ان کے دلوں پر لگا دی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر نے بیان کیا کہ جس طرح جو شخص سمندر کے گہرے پانی کے اندھیروں میں ہو اس کو ہاتھ سے ہاتھ سجھائی نہیں دیتا اسی طرح کافر اپنے دل سے نور ایمان کا ادراک نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد فرمایا اور جس کے لیے اللہ نور نہ بنائے اس کے لیے کوئی نور نہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ دین نہ بنائے اس کے لیے کوئی دین نہیں اور جس شخص کے پاس ایسا نور نہ ہو جس سے وہ قیامت کے دن چل سکے تو وہ جنت کی ہدایت نہیں پائے گا۔ الزجاج نے کہا یہ آیت دنیا پر محمول ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہدایت نہ دے وہ ہدایت نہیں پائے گا۔

مقاتل بن سلیمان نے کہا یہ آیت عتبہ بن ربیعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ زمانۂ جاہلیت میں دین کی تلاش میں تھا اور ٹاٹ کے کپڑے پہنتا تھا اس کے باوجود اس نے اسلام کا کفر کیا۔ الماوردی نے کہا یہ آیت شیبہ بن ربیعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ زمانۂ جاہلیت میں رہبانیت کرتا تھا موٹے کپڑے پہنتا تھا اور دین کو تلاش کرتا تھا اس کے باوجود اس نے اسلام کا کفر کیا علامہ قرطبی نے کہا یہ دونوں کفر پر مرے ہوسکتا ہے کہ اس آیت سے یہ دونوں مراد ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن جحش کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ اسلام لائے اور سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر وہ اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی ہوگئے۔

ثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے مجھے نور سے پیدا کیا اور ابوبکر کو میرے نور سے پیدا کیا اور عمر اور عائشہ کو ابوبکر کے نور سے پیدا کیا اور میری اُمت کے مومن مردوں کو عمر کے نور سے پیدا کیا اور میری اُمت کی عورتوں کو عائشہ کے نور سے پیدا کیا۔ پس جو شخص مجھ سے محبت نہ کرے اور ابوبکر عمر اور عائشہ سے محبت نہ کرے اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس سند سے مروی ہے: مقبری از ابومعشر از الہیثم بن جمیل از ابوشعیب سوسی از احمد بن یوسف المسیحی از ابوہریرہ۔

ابونعیم نے کہا یہ سند باطل ہے اور ابومعشر اور الہیثم متروک ہیں علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا یہ جھوٹ ہے ان

تینوں میں سے کسی ایک نے بھی یہ حدیث بیان نہیں کی اور میرے نزدیک یہ آفت المسیحی کی طرف سے ہے۔
(تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ج۱ ص ۲۲۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند موضوع ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے اور صف بہ صف اڑنے والے (پرندے) بے شک

صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا

اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں' ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے' اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو

يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ

کچھ وہ کرتے ہیں O اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت ہے اور اللہ ہی کی طرف

الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ

لوٹنا ہے O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے' پھر ان کو (باہم) جوڑ دیتا ہے' پھر

يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ

ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے' پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان سے بارش ہوتی ہے' اور اللہ آسمان

السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ

کی طرف سے پہاڑوں سے اولے نازل فرماتا ہے سو وہ جس پر چاہے ان اولوں کو برسا دیتا ہے اور

يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ ؕ

جس سے چاہے ان کو پھیر دیتا ہے' قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی لے جائے O

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

اور اللہ دن اور رات کو ادل بدل کرتا رہتا ہے' بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے O

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ

اور اللہ نے زمین پر چلنے والے تمام جان داروں کو پانی سے پیدا کیا ہے' سو ان میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں'

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ

اور ان میں سے بعض دو ٹانگوں پر چلتے ہیں، اور ان میں سے بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں،

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ

اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ بے شک

اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ

ہم نے واضح بیان کرنے والی آیتیں نازل فرمائی ہیں، اور اللہ جس کو چاہے سیدھے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ

راستے پر لگا دیتا ہے ○اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی، پھر

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اس کے باوجود ان میں سے ایک فریق پیٹھ پھیر لیتا ہے اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں ○

وَاِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور جب انہیں اللہ اوراس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں تو اس وقت ان میں سے

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ ؕ

ایک فریق اعراض کرنے والا ہوتا ہے ○اوراگر ان کے حق میں فیصلہ ہوتو وہ آپ کی طرف فرماں برداری کرتے ہوئے چلے آتے ہیں○

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ

آیا ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ شک میں ہیں یا وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول

ع ۶ ۱۰ ۱۲ النصف عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

(معاذ اللہ) ان پر ظلم کریں گے، بلکہ وہ خود ہی ظلم کرنے والے ہیں○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے اور صف بہ صف اُڑنے والے (پرندے) بے شک اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں۔ ہرایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں○ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے○ (النور: ۴۲-۴۱)

''کیا آپ نے نہیں دیکھا!'' اس سے مراد استفہام تقریری ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب کے انوار اور کفار اور جاہلوں کے قلوب کی ظلمات کا بیان فرمایا تھا اور اب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت اور توحید کے دلائل بیان فرمارہا ہے۔ اس آیت کے شروع میں فرمایا کیا آپ نے نہیں دیکھا! اس سے مراد ہے کیا آپ کو نہیں معلوم؟ کیونکہ اس کے بعد تمام آسمانوں والوں اور زمینوں والوں اور پرندوں کی تسبیح کا ذکر فرمایا ہے اور اس تسبیح کو جاننے کا تعلق دیکھنے اور حواس سے نہیں ہے بلکہ عقل اور علم سے ہے' اور ہر چند کہ اس آیت میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس سے مراد تمام انسان ہیں' اور یہ استفہام تقریری ہے اور کیا آپ کو معلوم نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے اور صف بہ صف اُڑنے والے (پرندے) اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں' ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔

جانداروں اور بے جانوں کی تسبیح

تسبیح سے مراد یہ ہے کہ ہر مخلوق اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا خالق ہر قسم کے نقص اور عیب سے منزہ اور پاک ہے اور ہر قسم کے حسن اور کمال سے متصف ہے اور یہ دلالت زبانِ حال سے بھی ہے اور زبانِ قال سے بھی ہے' زبانِ حال سے دلالت اس طرح ہے کہ ہر مخلوق تغیر پذیر ہے اور کسی چیز کا متغیر ہونا اس کے حادث اور ممکن ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس کا حادث اور ممکن ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کا موجد اور خالق حدوث اور امکان کے نقص وعیب سے پاک ہے کیونکہ اگر وہ بھی حادث اور ممکن ہوتا تو وہ بھی ان کی مثل ہوتا ان کا خالق نہ ہوتا' اس طرح ہر مخلوق زبانِ حال سے اپنے خالق کی تسبیح اور حمد کرتی ہے اور فرشتے اور مومنین زبانِ حال کے علاوہ زبانِ قال سے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتے ہیں۔

حیوانات کے ادراک پر علم کے اطلاق کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے' اس آیت میں علم کا لفظ ہے اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں حیوانات کے ادراک پر بھی علم کا اطلاق ہے حالانکہ عرف اور لغت میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہیں کیا جاتا اور قرآن مجید لغت عربی میں نازل ہوا ہے اس لیے بہ ظاہر حیوانات کے ادراکات پر علم کا اطلاق موجب اشکال ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں مجازات بھی ہیں اور یہاں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق مجازاً ہے' اس کے علاوہ دیگر جواب یہ ہیں کہ ہر چیز کے صلاۃ اور تسبیح کا علم تو صرف ذوی العقول کو ہے لیکن ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دے کر سب کے متعلق فرمادیا کہ ان کو اپنی صلاۃ وتسبیح کا علم ہے۔ لہٰذا یہ اطلاق باب تغلیب سے ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ کل قد علم کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے' یعنی کل قد علم اللہ صلاتہ وتسبیحہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی صلاۃ وتسبیح کا علم ہے۔ علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا کہ یہ جائز ہے کہ اس کا معنی ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی صلاۃ وتسبیح کا علم ہے' یعنی اس کو ہر نمازی کی نماز اور تسبیح کرنے والے کی تسبیح کا علم ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۶۶)

اب ہم علم کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی تحقیق کرتے ہیں کہ متکلمین کی اصطلاح میں علم ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے اور عرف اور لغت میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

علم کی تعریف

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ ھ لکھتے ہیں:

العلم صفة يتجلى بها المذكور لمن قامت هي به. علم ایک ایسی صفت ہے جس کے سبب سے وہ چیز منکشف اور واضح ہو جاتی ہے جس انسان (یا فرشتہ) کے ساتھ وہ صفت قائم ہو۔

یعنی وہ چیز ایسی ہو جس کا ذکر کیا جا سکے اور اس کو تعبیر کیا جا سکے خواہ وہ چیز موجود ہو یا معدوم ہو' یہ تعریف حواس کے ادراک اور عقل کے ادراکات کو شامل ہے۔ خواہ عقل کے ادراکات' تصورات ہوں یا تصدیقات ہوں اور تصدیقات خواہ یقینیہ ہوں یا غیر یقینیہ ہوں' لیکن اس تعریف میں انکشاف کو مکمل انکشاف پر محمول کرنا چاہیے جو ظن کو شامل نہیں ہے' کیونکہ علم ان کے نزدیک ظن کا مقابل ہے' اور جب اس تعریف میں انکشاف کو انکشاف تام پر محمول کریں گے تو پھر علم کی تعریف سے تصورات اور ظن خارج ہو جائیں گے اور صرف جزم باقی رہے گا۔ (شرح عقائد ص ۱۰' مطبوعہ کراچی)

تخییل' تکذیب' شک' وہم اور ظن کی تعریفات

اگر امر واحد یا امور متعددہ کا تصور بغیر نسبت خبریہ کے کیا جائے تو ان کو تصور محض کہتے ہیں اور اگر امور متعددہ کا تصور نسبت خبریہ کے ساتھ کیا جائے اور ذہن اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو اس کو تخییل کہتے ہیں جیسے ہم چلتے پھرتے لوگوں کی باتیں سنیں کہ فلاں آدمی مر گیا' جس کو ہم جانتے نہ ہوں' اور اگر اس خبر کی طرف ہمارا ذہن متوجہ ہو اور حالت انکاری پیدا ہو تو اس کو تکذیب کہتے ہیں جیسے ہم کسی عیسائی سے سنیں کہ حضرت عیسیٰ (نعوذ باللہ) خدا کے بیٹے ہیں' اور اگر ہم کوئی خبر سنیں اور اس خبر کے اثبات یا نفی میں ہمارا ذہن متردد ہو اور نفی اور اثبات کی دونوں جانبیں مساوی ہوں تو اس کو شک کہتے ہیں جیسے ہمارے کسی عزیز کے متعلق دو آدمی خبر دیں' ایک بتائے کہ وہ مر گیا اور دوسرا بتائے وہ نہیں مرا اور دونوں ہمارے نزدیک صادق القول ہوں' اور اگر ایک شخص کہے کہ وہ نہیں مرا اور وہ ہمارے نزدیک بہت سچا ہو اور دوسرا شخص کہے کہ وہ مر گیا ہے اور وہ ہمارے نزدیک جھوٹا ہو تو ہمارے نزدیک اس خبر کی راجح جانب یہ ہے کہ وہ نہیں مرا اور مرجوح جانب یہ ہے کہ وہ مر گیا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس جھوٹے شخص نے اس بار سچ بولا ہو تو اس خبر کی راجح جانب کو ظن کو کہتے ہیں اور مرجوح جانب کو وہم کہتے ہیں اور تخییل' تکذیب' شک اور وہم یہ سب تصورات ہیں اور ظن تصدیق کی پہلی قسم ہے اور علامہ تفتازانی کے نزدیک یہ سب علم کی تعریف سے خارج ہیں۔

پھر اگر خبر کی مرجوح جانب بھی زائل ہو جائے مثلاً بہت سچے آدمی کہیں کہ وہ شخص نہیں مرا تو پھر اس خبر کو جزم کہتے ہیں۔

تقلید مخطی' جہل مرکب' تقلید مصیب' علم الیقین' عین الیقین اور حق الیقین کی تعریفات

اگر تصدیق اور جزم واقع کے مطابق نہ ہو اور تشکیک مشکک سے زائل ہو جائے تو اس کو تقلید مخطی کہتے ہیں جیسے امام شافعی کے مقلدین کو یہ جزم ہے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن جب ان پر ایسی احادیث پیش کی جائیں جن سے واضح ہو جائے کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو ان کا جزم زائل ہو جائے گا' اگر جزم واقع کے غیر مطابق ہو اور تشکیک مشکک یا دلائل سے زائل نہ ہو تو اس کو جہل مرکب کہتے ہیں جیسے ابوجہل کو جزم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں ہیں اور قرآن مجید اللہ کا کلام نہیں ہے اور سینکڑوں معجزات دیکھنے کے باوجود اس کا یہ جہل زائل نہیں ہوا' اس کو جہل مرکب اس لیے کہتے ہیں کہ اس شخص میں دو جہالتیں ہیں وہ شخص واقع سے بھی جاہل ہوتا ہے اور اپنی جہالت سے بھی جاہل ہوتا ہے اور جاہل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو عالم سمجھتا ہے جہل مرکب کی تعریف اس شعر میں ہے:

ہر آنکس کہ نداند وبداند کہ بداند	ہر وہ شخص جو کسی چیز کو جانتا نہ ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ وہ اس چیز کو
در جہل مرکب ابدالآباد بماند	جانتا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہل مرکب میں رہے گا۔

اگر کسی شخص کا جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے زائل ہو جائے تو اس کو تقلید مصیب کہتے ہیں جیسے امام اعظم کے مقلدین کو یہ جزم ہے کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اب اگر شافعی عالم اس کے سامنے ایسی احادیث صحیحہ پیش کرے جن سے واضح ہو جائے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو اس کا جزم زائل ہو جائے گا' اور اگر جزم واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو تو پھر اس کو یقین کہتے ہیں جیسے مسلمان کو جزم ہے کہ اللہ ایک ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری نبی ہیں اب اگر کوئی شخص اس کے خلاف لاکھ دلائل پیش کرے لیکن مسلمان کا اس پر جو جزم ہے اور اس کی جو تصدیق ہے وہ زائل نہیں ہوگی۔ پھر اگر یہ یقین کسی خبر متواتر سے سن کر حاصل ہوا ہے تو اس کو علم الیقین کہتے ہیں جیسے ہمیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقین ہے' اور اگر مشاہدہ سے وہ یقین حاصل ہو تو اس کو عین الیقین کہتے ہیں جیسے صحابہ کرام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقین تھا' اور اگر تجربہ سے یہ یقین حاصل ہو تو اس کو حق الیقین کہتے ہیں جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی نبوت پر یقین تھا۔

اس تعریف کے اعتبار سے تقلید مخطی' جہل مرکب' تقلید مصیب' علم الیقین' عین الیقین اور حق الیقین یہ سب تصدیق کی اقسام ہیں اور علم کے افراد ہیں' بعض علماء ظن کو بھی علم کی تعریف میں شامل کرتے ہیں اس اعتبار سے علم کی سات قسمیں ہیں ورنہ ظن کے بغیر علم کی چھ قسمیں ہیں۔

علم کا ذوی العقول کے ساتھ مختص ہونا اور حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہ کیا جانا

علامہ تفتازانی نے علم کی تعریف میں ''من'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور من ذوی العقول کے لیے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حیوانات کا ادراک علم نہیں ہے نیز حیوانات صرف حواس سے ادراک کرتے ہیں اور علم عقل سے ادراک کرنے کو کہتے ہیں' حواس سے ادراک کرنے کو شعور کہتے ہیں اور عقل سے ادراک کرنے کو علم کہتے ہیں' انسان حواس سے جو ادراک کرتا ہے وہ بھی دراصل عقل سے ادراک کرتا ہے اور حواس اس کے آلات ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث میں جو حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق آیا ہے وہ دراصل اطلاق مجازی ہے مگر اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ علم کا ذوی العقول کے ساتھ مختص ہونا یہ تو آپ کی اصطلاح کے اعتبار سے ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی اصطلاح کے تابع تو نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید عرب کی لغت اور عرف پر نازل ہوا ہے اور عرب کی لغت اور عرف میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہیں ہوتا۔

علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۷۰ھ شرح عقائد کی شرح میں لکھتے ہیں:

فیشمل ادراک الحواس لکن عده علما یخالف العرف واللغة فان البهائم لیست من اولی العلم فیهما.	حواس کے ادراک کو علم میں شامل کرنا عرف اور لغت کے خلاف ہے کیونکہ عرف اور لغت میں حیوانات ذوی العلوم میں سے نہیں ہیں۔

(حاشیۃ الخیالی علی شرح العقائد ص ۳۲' مطبع یوسفی لکھنؤ)

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ خیالی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

حیوانات کے ادراک حسی اور غیر حیوانوں (ذوی العقول) کے ادراک حسی میں یہ فرق کرنا ممکن نہیں ہے کہ عقل والوں کے ادراک حسی کو علم کہا جائے اور حیوانات کے ادراک حسی کو علم نہ کہا جائے جیسا کہ علامہ تفتازانی نے علم کی تعریف میں ''من''

کے لفظ کو لا کر اشارہ کیا ہے کیونکہ یہ محض اصطلاح ہے اور خانہ زاد قید ہے' یہ اعتراض علامہ خیالی نے اپنے منہیہ میں کیا ہے' لیکن اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حیوانات سے علم غیر احساسی (یعنی عقل کے ادراک) کی نفی کی گئی ہے اور رہا علم احساسی تو وہ حیوانات کے لیے ثابت ہے (کیونکہ وہ اپنے حواس خمسہ سے ادراک کرتے ہیں) لہٰذا اگر حیوانات کے لیے علم احساسی کو ثابت کیا جائے تو وہ عرف اور لغت کے خلاف نہیں ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ علم کی تعریف جو حواس کے ادراک کو شامل ہے اس سے مراد ہے عقل کا حواس کے ذریعہ ادراک کرنا نہ کہ نفس احساس' کیونکہ متکلمین نے تصریح کی ہے کہ مدرک صرف عقل ہے اور عنقریب کتاب میں آئے گا کہ حواس تو صرف ادراک کے آلات ہیں اس لیے حیوانات جو حواس کے ذریعہ ادراک کرتے ہیں اس کو علم نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ اپنی عقل سے حواس کے ذریعہ ادراک نہیں کرتے' اور عرف اور لغت میں علم ذوی العقول کے ادراک ہی کے ساتھ مختص ہے۔ (حاشیۃ عبدالحکیم علی الخیالی ص ۱۵۲' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' ۱۳۹۷ھ)

پرندوں اور حیوانوں کی معرفت اور علم کے شواہد

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور حشرات الارض کو ایسے لطیف اعمال کا الہام کیا ہے جن کو وجود میں لانے اور بہ روئے کار لانے سے اکثر عقلاء عاجز ہیں' اور جب ایسا ہو سکتا ہے تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور حیوانوں کو اپنی معرفت کا الہام کر دیا ہو' اور ان کو دعا کرنے' تسبیح پڑھنے اور نماز پڑھنے کا الہام کر دیا ہو یا ان کو ان چیزوں کا علم عطا فرما دیا ہو' ہم دیکھتے ہیں کہ مکڑی مختلف حیلوں اور ہتھکنڈوں سے مکھیوں اور مچھروں کو اپنے جالے میں پھنسا لیتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ شہد کی مکھی مسدس شکل میں شہد کا چھتا بنا لیتی ہے اور اس کو ایسی کاری گری سے بناتی ہے کہ ماہر انجینئر بھی اس کی صنعت کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں' پھر شہد کی مکھیوں کی ایک ملکہ ہوتی ہے جو اپنی ریاست کا نظام چلاتی ہے اور تمام مکھیاں اس کے احکام کے تابع ہوتی ہیں' اور ہم دیکھتے ہیں کہ سارس اپنی موافق ہوا اور موسم کو طلب کرنے کے لیے عالم کی ایک طرف سے دوسری طرف پرواز کر جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ یورپ کے سرد موسم میں افریقہ کے گرم علاقوں کی طرف پرواز کر جاتا ہے' اور یوں وہ اپنے موافق موسم کی تلاش میں ایک براعظم سے دوسرے براعظم کی طرف سفر کرتا ہے' اسی طرح جو درندے دوسرے حیوانوں کا شکار کرتے ہیں' وہ بھی بہت عیاری سے اپنا شکار حاصل کرتے ہیں۔ ہم جنگلوں میں دیکھتے ہیں کہ بعض پرندے تنکوں سے اپنے گھونسلے بناتے ہیں وہ گھونسلے کئی کئی منزلوں کے ہوتے ہیں ان میں اوپر نیچے خانے بنے ہوتے ہیں جو کمروں کے قائم مقام ہوتے ہیں وہ تنکے چن چن کر ان کو موڑ توڑ کر انتہائی باریکی اور فنکاری سے اپنے گھونسلے بناتے ہیں' ان کو دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پرندوں اور حیوانوں کو ضرور ان کاموں کی معرفت اور عقل عطا فرمائی ہے کیونکہ اگر ان میں ان کاموں کے لیے عقل اور معرفت نہ ہو تو صرف حواس خمسہ سے ان کاموں کو انجام نہیں دیا جا سکتا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۰۳۔۴۰۲' ملخصاً وموضحاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا انسان نماز پڑھتا ہے اور باقی مخلوق تسبیح پڑھتی ہے۔ امام ابن جریر نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہر نمازی کو اپنی نماز کا علم ہے اور ہر تسبیح پڑھنے والے کو اپنی تسبیح کا علم ہے۔ (جامع البیان جز ۱۸ ص ۲۰۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ . (النمل:۱۶) (سلیمان نے کہا) اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔

اور ہدہد نے سلیمان سے کہا:

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ . (النمل:۲۳) میں نے دیکھا ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر قسم کی چیزوں سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے۔

اور جب پرندے باتیں کر سکتے ہیں اور دور دراز کی خبریں پہنچا سکتے ہیں تو وہ اللہ کی تسبیح بھی کر سکتے ہیں اور نماز بھی پڑھ سکتے ہیں۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

تسبیح دو قسم کی ہے ایک تسبیح قول اور نطق کے ساتھ ہے اور دوسری دلالت اور خلق کے ساتھ ہے سو جو تسبیح دلالت اور خلق کے ساتھ ہے وہ ہر مخلوق کرتی ہے پھر ایک تسبیح حیوانات کے ساتھ خاص ہے اور ایک تسبیح عقلاء کے ساتھ خاص ہے پھر اس تسبیح کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تسبیح بصیرت کے ساتھ ہے اور دوسری تسبیح بغیر عرفان اور بصیرت کے ہوتی ہے اوّل الذکر مقبول ہے اور ثانی الذکر مردود ہے۔ (لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۷۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

جمادات نباتات اور حیوانات کے علم پر قرآن مجید سے دلائل

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ . (البقرہ:۷۴) اور بے شک بعض پتھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں امام الحسین بن مسعود الفرا البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پتھر تو جمادات کے قبیل سے ہیں جو کسی بات کو سمجھتے نہیں ہیں وہ کیسے ڈریں گے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ ان میں فہم اور ادراک پیدا کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے الہام کرنے سے وہ ڈریں گے اور اہل السنت والجماعت کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقلاء کے علاوہ جمادات اور تمام حیوانات کو بھی علم عطا فرمایا ہے جس علم پر ان کے سوا اور کوئی واقف نہیں ہے لہٰذا جمادات نباتات اور حیوانات (اپنے حال کے موافق) نماز بھی پڑھتے ہیں تسبیح بھی پڑھتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے بھی ہیں۔ جیسے اس آیت میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ . (بنی اسرائیل:۴۴) ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ . (النور:۴۱) اور صف بہ صف اڑنے والے (پرندے) ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔

اور اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ . (الحج:۱۸) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ ہی کے لیے وہ سب سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور سورج اور چاند۔

پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان آیات پر ایمان رکھیں اور ان کی حقیقت کا علم اللہ سبحانہ کے سپرد کر دیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات' نباتات اور حیوانات کو بغیر عقل کے علم عطا فرمایا ہے۔

(معالم التنزیل ج۱ ص۱۳۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

جمادات' نباتات اور حیوانات کے علم کے ثبوت میں احادیث

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو اعلانِ نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کرتا تھا' میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۶۲۴' مسند الطیالسی رقم الحدیث:۱۹۰۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۱ ص۴۶۴' سنن الدارمی رقم الحدیث:۲۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۴۸۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۲۰۲۸' ۱۹۶۱' ۱۹۰۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث:۲۰۳۳' المعجم الصغیر رقم الحدیث:۱۶۷' شرح السنۃ رقم الحدیث:۳۷۰۹' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج۴ ص۲۴۴' رقم الحدیث:۱۱۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' دلائل النبوۃ للبیہقی ج۲ ص۱۵۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے احد پہاڑ ظاہر ہوا تو آپ نے فرمایا: احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۸۲-۱۴۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۳۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۰۷۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۴ ص۵۳۹' مسند احمد ج۵ ص۴۲۵-۴۲۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۲۳۱۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۵۰۳-۶۵۰۱' السنن الکبریٰ للبیہقی ج۴ ص۱۲۲' دلائل النبوۃ للبیہقی ج۵ ص۲۳۹-۲۳۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی' پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے فرمایا: ایک شخص ایک گائے لے کر جا رہا تھا' جب وہ تھک گیا تو وہ گائے پر سوار ہو گیا اور اس کو مارا۔ گائے نے کہا میں اس لیے نہیں پیدا کی گئی' میں صرف زمین میں ہل چلانے کے لیے پیدا کی گئی ہوں تو لوگوں نے کہا سبحان اللہ! کیا گائے باتیں کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکر اور عمر اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس وقت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر وہاں موجود نہیں تھے' اور آپ نے فرمایا: ایک آدمی اپنی بکریوں کو لے کر جا رہا تھا' اچانک بھیڑیے نے ان میں سے ایک بکری پر حملہ کیا' اس کے مالک نے بھیڑیے سے اس بکری کو چھڑا لیا تو بھیڑیے نے کہا درندوں کے دن اس بھیڑیے کا کون رکھوالا ہوگا؟ یعنی قیامت کے دن ان بکریوں کا میرے سوا کوئی رکھوالا نہیں ہوگا' لوگوں نے کہا سبحان اللہ کیا بھیڑیا باتیں کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس پر میں ایمان لاتا ہوں' اور ابوبکر اور عمر اور وہ دونوں اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۳۲۴' ۳۴۷۱' ۳۶۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۸۸' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۶۷۷' ۳۶۹۵' سنن ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث:۲۳۵۴' مسند الحمیدی رقم الحدیث:۱۰۵۴' مسند احمد ج۲ ص۲۴۶-۲۴۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۴۸۶' ۶۴۸۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم حرا (پہاڑ) پر تھے' اس کی چٹان ہلنے لگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پُرسکون ہو جا' تجھ پر صرف نبی ہے یا صدیق یا شہید ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۶۹۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۲۰۷)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے اطراف میں جا

رہے تھے' مکہ کے پہاڑوں اور درختوں کے درمیان' آپ کسی درخت اور پہاڑ سے نہیں گزرتے تھے مگر وہ کہتا تھا السلام علیک یارسول اللہ!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱' المستدرک ج ۲ ص ۶۲۰' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث ۲۸۹' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴ ص ۲۴۴' رقم الحدیث: ۱۱۳۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تو ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگاتے تھے وہ ستون کھجور کا تنا تھا' جب آپ کے لیے منبر بنایا گیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے تو وہ ستون پریشان ہو گیا اور جس طرح اونٹنی روتی ہے اس طرح رویا حتیٰ کہ اہل مسجد نے اس کی آواز سنی' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے اور اس ستون کو گلے لگایا پھر وہ پُرسکون ہو گیا۔

(شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۱۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۵' ۳۵۸۴' ۹۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۲۵۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۸۶-۴۸۵' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۵' ۲۹۳' ۲۰۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۰۸' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۰۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۵۶۰' ۵۵۶)

ان تمام احادیث میں پتھروں' درختوں اور حیوانوں کے بولنے' کلام کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنے کا ثبوت ہے اور جب یہ بول سکتے ہیں اور سلام عرض کر سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی پڑھ سکتے ہیں بلکہ احادیث صحیحہ میں صراحۃً طعام اور کنکریوں کے تسبیح پڑھنے کا بیان ہے۔

کنکریوں' طعام اور پرندوں کی تسبیح کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم معجزات کو برکت شمار کرتے تھے اور تم ان کو ڈرانے والی اشیاء خیال کرتے ہو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے' (ناگاہ) پانی کم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا (جس قدر پانی بھی ہے) وہ لے آؤ' ہم ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے' آپ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا: اللہ کی برکت والے مبارک اور پاک کرنے والے پانی کی طرف آؤ' اور بے شک میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی جاری ہو رہا تھا اور جس وقت کھانا کھایا جاتا تھا تو ہم کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۹' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۳۷۲' مسند احمد ج ۱ ص ۴۶۰' رقم الحدیث: ۴۳۹۳' عالم الکتب' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۱۲' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۶۳)

سوید بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مسجد میں اکیلا بیٹھے ہوئے دیکھا' میں نے اس کو غنیمت جانا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے ان کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا میں حضرت عثمان کے متعلق کلمہ حق کے سوا اور کچھ نہیں کہتا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس موقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر کچھ حاصل کروں' ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا' میں آپ کے پیچھے گیا' آپ ایک جگہ بیٹھ گئے میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ نے پوچھا اے ابوذر! تم کس لیے آئے ہو؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کے لیے! پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔ آپ نے پوچھا: اے ابوبکر تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کے لیے' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ حضرت ابوبکر کی دائیں جانب بیٹھ گئے' آپ نے پوچھا اے عمر! تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے بھی کہا اللہ اور اس

کے رسول کے لیے' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور وہ حضرت عمر کی دائیں جانب بیٹھ گئے آپ نے پوچھا: اے عثمان! تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کے لیے!

حضرت ابوذر نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات یا نو کنکریاں لیں وہ آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کے بھنبھنانے کی آواز سنی' پھر آپ نے ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں' پھر آپ نے ان کنکریوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں' حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کے بھنبھنانے کی آواز سنی' پھر حضرت ابوبکر نے ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں' پھر آپ نے حضرت عمر کے ہاتھ میں ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کے بھنبھنانے کی آواز سنی' پھر حضرت عمر نے ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں' پھر آپ نے ان کنکریوں کو حضرت عثمان کے ہاتھ میں رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں' حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کے بھنبھنانے کی آواز سنی' انہوں نے پھر ان کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۱۴' ۲۴۱۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۲۶۵' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام بزار نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے' ایک سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور دوسری سند کے بعض راویوں میں ضعف ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۱۰۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۶۵-۶۴)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری میں ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور طعام کی تسبیح سنتے تھے۔ (رقم الحدیث: ۳۵۷۹) اس حدیث کا ایک شاہد امام بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۶۳' الشفاء ج ۱ ص ۳۳۰-۲۲۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ) اور قاضی عیاض نے جعفر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے تو حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک طباق میں انار اور انگور لے کر آئے اور وہ طعام تسبیح کر رہا تھا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۲۳۰) اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی' پھر حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۱۴' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۲۶۵)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ہر چند کہ یہ احادیث اخبار احاد ہیں لیکن ان کا مجموعہ قطعیت کا فائدہ دیتا ہے۔ البتہ کنکریوں کی تسبیح والی حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

ہم نے حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ کے حوالے سے لکھا ہے کہ کنکریوں کی تسبیح والی حدیث کی ایک سند ضعیف ہے اور دوسری سند کے راوی ثقہ ہیں' غالباً حافظ ابن حجر نے امام بزار کی ضعیف سند کے اعتبار کی وجہ سے لکھا ہے اور دوسری سند ان کے پیش نظر نہیں تھی۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے کنکریوں اور طعام کی تسبیح کی مذکور الصدر احادیث بھی ذکر کی اور ان کے علاوہ مزید احادیث بھی بیان کی ہیں' وہ یہ ہیں:

امام ابونعیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضر موت کے سرداروں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ان میں اشعث بن قیس بھی تھے' انہوں نے کہا ہم نے آپ کے لیے دل میں ایک چیز چھپائی ہے بتائیے وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ معاملہ تو کاہنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے' انہوں نے کہا پھر ہم کیسے

یقین کریں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی میں کنکریاں لیں اور فرمایا یہ کنکریاں گواہی دیں گی کہ میں اللہ کا رسول ہوں' تب ان کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

امام ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثرید کا طعام (گوشت کے سالن میں بھگوئے ہوئے روٹی کے ٹکڑے) لایا گیا' آپ نے فرمایا یہ طعام تسبیح کر رہا ہے۔ صحابہ نے کہا یارسول اللہ آپ اس کی تسبیح سمجھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا اس پیالہ کو قریب رکھو' اس نے اس کو قریب رکھا' اس نے کہا ہاں! یا رسول اللہ! یہ طعام تسبیح کر رہا ہے' پھر آپ نے وہ پیالہ دوسرے شخص کے قریب رکھا اس نے بھی اسی طرح کہا ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! آپ یہ سب کو سنا دیں! آپ نے فرمایا اگر اس نے کسی شخص کے پاس تسبیح نہیں پڑھی تو تم سمجھو گے اس کے کسی گناہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

امام ابوالشیخ نے خیثمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ دیگچی میں کھانا پکا رہے تھے' کچھ طعام ان کے چہرے پر گرا تو وہ تسبیح کرنے لگا۔

امام بیہقی اور امام ابونعیم نے قیس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء اور حضرت سلمان ایک پیالے سے کھانا کھا رہے تھے تو اس پیالہ کا طعام تسبیح کرنے لگا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۶۳)

(الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲۶-۱۲۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنواسرائیل: ۴۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ شب معراج حضرت جبریل علیہ السلام' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان سے مسجد اقصیٰ تک لے گئے' حضرت جبریل آپ کی دائیں طرف تھے اور حضرت میکائیل بائیں طرف تھے۔ وہاں سے وہ آپ کو ساتوں آسمانوں تک لے گئے' پھر آپ واپس آئے آپ نے فرمایا میں نے بلند آسمانوں میں یہ تسبیح سنی: بلند آسمان اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے خوف سے اس کی تسبیح کرتے ہیں' وہ بلند اور برتر سبحان ہے۔

امام احمد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنیوں اور سواریوں پر سواروں کو دیکھ کر فرمایا سلامتی کے ساتھ سواریوں پر سوار ہو اور ان کو سلامتی کے ساتھ چھوڑ دو' اور راستوں اور بازاروں میں اپنی سواریوں کو باتیں کرنے کی کرسیاں نہ بناؤ۔ سنو! بہت سی سواریاں اپنے سواروں سے زیادہ اللہ کا ذکر کرتی ہیں' اور ان سے عمدہ اور افضل ہوتی ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۹ طبع قدیم' اس کی روایت میں امام احمد منفرد ہیں اور اس کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۵۶۶' دارالحدیث قاہرہ)

امام نسائی اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کو قتل کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا اس کا بولنا تسبیح ہے۔

(سنن نسائی اور سنن کبریٰ میں یہ حدیث نہیں' اس حدیث کو امام سیوطی نے امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ درمنثور ج ۵ ص ۲۵۶' البتہ امام نسائی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چیونٹی نے کسی نبی کو کاٹ لیا' تو انہوں نے چیونٹیوں کی پوری بستی کو

...انے کا حکم دیا تب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ آپ کو صرف ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اور آپ نے اللہ کی تسبیح کرنے والی پوری مخلوق کو ہلاک کر ڈالا (السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۸۷۰)

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی طیالسی جبہ پہنے ہوئے تھا جس کے ریشمی کف اور ریشمی بٹن تھے' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا تمہارے پیغمبر کا یہ ارادہ ہے کہ وہ چرواہوں کو سرفراز کرے اور سرداروں کو سرنگوں کرے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے اور اس کا جبہ کھینچتے ہوئے فرمایا: کیا میں تجھ کو جانوروں (کی کھال) کا لباس پہنے ہوئے نہیں دیکھ رہا! پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور فرمایا میں تمہیں بہ طور وصیت کے دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں' میں تم کو اللہ کا شریک قرار دینے اور تکبر سے منع کرتا ہوں' اور تم کو لا الہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں' کیونکہ اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان میں ہے' ان کو اگر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الہ الا اللہ کو رکھا جائے تو وہ پلڑہ جھک جائے گا' اور اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو ایک حلقہ بنا دیا جائے اور ان پر لا الہ الا اللہ کو رکھ دیا جائے تو وہ ان کو پاش پاش کر دے گا اور میرا دوسرا حکم یہ ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا کرو' کیونکہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کے سبب سے ہر ایک کو رزق دیا جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۵ طبع قدیم' احمد شاکر نے کہا اس کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۸۳' دارالحدیث قاہرہ ۱۴۱۵ھ' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۲۰)

حسن بصری یہ کہتے تھے کہ جب درخت سرسبز ہوتا ہے تو وہ تسبیح کرتا ہے اور جب وہ کاٹ دیا جاتا ہے اور سوکھ کر لکڑی ہو جاتا ہے تو اس کی تسبیح منقطع ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے کسی باغ سے گزرے' آپ نے وہاں دو ایسے انسانوں کی آوازیں سنیں جن کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ان کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے اور کسی ایسی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا دشوار ہو' پھر فرمایا کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا' پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا' آپ سے عرض کیا گیا آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تک شاخیں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲) (تفسیر ابن کثیر ج ۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علم کی تعریف میں خلاصہ مبحث

النور: ۴۱ میں ہے ہر ایک کو اپنی صلاۃ اور تسبیح کا علم ہے' ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ متکلمین اور حکماء کی اصطلاح کے مطابق علم ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے اور عرف اور لغت میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق نہیں کیا جاتا اور قرآن مجید چونکہ لغت عرب کے موافق نازل ہوا ہے اس لیے اس میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق مجازاً ہے اور قرآن مجید کی آیات اور بہ کثرت احادیث سے ثابت ہے کہ جمادات' نباتات اور حیوانات تسبیح کرتے ہیں اور ان پر علم کا اطلاق بھی قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اس لیے تحقیق یہ ہے کہ جس علم کا عقل سے ادراک ہوتا ہے وہ ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے اور اللہ تعالیٰ نے جمادات' نباتات اور حیوانات میں بغیر عقل کے علم پیدا فرمایا۔ النور: ۴۱ کے علاوہ جمادات' نباتات اور حیوانات کے لیے علم کے ثبوت میں یہ احادیث ہیں:

حضرت یعلی بن مرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن شیء الا یعلم انی رسول الله الا کفرة اوفسقة الجن والانس.　　ہر چیز کو یہ علم ہے کہ میں رسول اللہ ہوں صرف سوائے کافر جن اور انس کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ص ۲۶۲ البدایہ والنہایہ ج ۴ص ۵۳۴ طبع جدید جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۸۸۰۴ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۲۱۵۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۲۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہ لیس شیء بین السماء والارض الا یعلم انی رسول الله الا عاصی الجن والانس.　　آسمان اور زمین کے درمیان ہر چیز کو یہ علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے نافرمان جن اور انس کے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۵۲ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۱۶۴)

حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مابین لابتیها احد الا یعلم انی نبی الا کفرة الجن والانس.　　مدینہ کے دو پتھریلے کناروں کے درمیان ہر چیز کو علم ہے کہ میں نبی ہوں سوائے کافر جنات اور انسانوں کے۔

(اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کے بعض راوی ضعیف ہیں مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۱۵۴)

خلاصہ یہ ہے کہ ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول قرآن اور سنت میں ہر ایک کے ادراک پر علم کا اطلاق ہے البتہ اصطلاحاً علم ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے' میرے زمانہ تعلیم میں غالباً ۱۹۶۰ء میں ہمارے دو بزرگوں شیخ الحدیث علامہ سردار احمد صاحب لائل پوری قدس سرہ اور محدث اعظم حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی ملتانی نور اللہ مرقدہ کے درمیان اس میں مباحثہ ہوا تھا اوّل الذکر حضرت کا یہ رجحان تھا کہ قرآن مجید اور احادیث میں حیوانات کے ادراک پر علم کا اطلاق ہے اور ثانی الذکر کی تحقیق یہ تھی کہ یہ اطلاق مجازی ہے اور حقیقتاً اور اصطلاحاً علم ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے۔ میں اس وقت ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا' مجھے معلوم نہیں ان حضرات کے کیا دلائل تھے' لیکن یہ معلوم تھا کہ اوّل الذکر حضرت صاحب اسی آیت یعنی النور: ۴۱ سے استدلال کرتے تھے اور ثانی الذکر بزرگ شرح عقائد میں مذکور علم کی تعریف سے استدلال کرتے تھے اور اس آیت میں علم کے اطلاق کو اطلاق مجازی قرار دیتے تھے' اب چونکہ زیر تفسیر یہ آیت آ گئی ہے تو میں نے اپنی بساط کے مطابق علم کی تحقیق کی ہے' اگر یہ برحق ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے ورنہ میری فکر کی خطا اور مطالعہ کی کمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے' پھر ان کو (باہم) جوڑ دیتا ہے' پھر ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے' پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان سے بارش ہوتی ہے اور اللہ آسمان کی طرف سے اولے نازل فرماتا ہے سو وہ جس پر چاہے ان اولوں کو برسا دیتا ہے اور جس سے چاہے ان اولوں کو پھیر دیتا ہے' قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی کو لے جائے ٥ اور اللہ دن اور رات کو ادل بدل کرتا رہتا ہے' بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے ٥ (النور: ۴۴-۴۳)

مشکل الفاظ کے معانی

یزجی: کسی چیز کو نرمی اور سہولت سے چلانا' اسی سے ماخوذ ہے مزجاۃ اس کا معنی ہے قلیل' حقیر اور بے قدر چیز' اسی

ہے بضل مزجیٰ ہنکایا ہوا' یعنی حقیر اور بے قدر آدمی۔

ثم یؤلف بینہ ثم یجعلہ رکاما: پھر بعض بادلوں کو بعض بادلوں کے ساتھ ملاتا ہے اور ان کے ٹکڑے جوڑ کر ایک بادل بنا دیتا ہے' پھر ان بادلوں کو اوپر تلے رکھ کر تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔

الودق: بارش

من خلالہ: خلال' خلل کی جمع ہے جیسے جبال' جبل کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے بادلوں کے اوپر تلے جمع ہونے سے بادل درمیان سے پھٹ جاتے ہیں پھر ان کے شگافوں اور مخارج سے بارش نازل ہوتی ہے۔

ینزل من السماء: السماء سے مراد بادل ہیں' یعنی بادلوں سے اولے نازل ہوتے ہیں السماء کا معنی ہے بلند چیز' ہر وہ چیز جو تم سے بلند ہے وہ السماء ہے۔

البرد: برد کا معنی ہے ٹھنڈک اور اس سے مراد اولے ہیں' مشہور یہ ہے کہ جب بخارات اوپر چلے جاتے ہیں اور حرارت سے تحلیل نہیں ہوتے تو وہ سخت ٹھنڈک والی ہوا کے طبقہ میں پہنچ جاتے ہیں جہاں پر درجہ حرارت منفی پچاس درجہ سینٹی گریڈ سے بھی زیادہ ہوتا ہے' وہاں پر وہ بخارات منجمد ہو کر بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں' پھر اگر وہاں زیادہ ٹھنڈک نہ ہو تو وہ بادل قطرہ قطرہ ہو کر گرنے لگتے ہیں اور یوں بارش ہوتی ہے' اور اگر ٹھنڈک اجزاء بخاریہ کے مجتمع ہونے سے پہلے پہنچ جائے تو پھر برف باری ہو جاتی ہے اور اگر اجزاء بخاریہ کے مجتمع ہونے کے بعد ٹھنڈک پہنچے تو پھر ژالہ باری ہوتی ہے اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے تابع ہیں۔

سنا برقہ: بادلوں میں جو بجلی ہوتی ہے اس کی چمک' برق' برقۃ کی جمع ہے۔

یذھب بالابصار: بجلی کی چمک کی تیزی سے دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور بعض اوقات بینائی زائل ہو جاتی ہے' اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال پر دلیل ہے کہ وہ ایک ضد سے دوسری ضد پیدا کر دیتا ہے اور سخت ٹھنڈے طبقہ میں آگ پیدا کر دیتا ہے۔

یقلب اللہ اللیل والنھار: اللہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کو لاتا ہے' کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں داخل کر دیتا ہے اور کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں داخل کر دیتا ہے' اور کبھی ان کے موسم کو سرد کر دیتا ہے اور کبھی ان کے موسم کو گرم کر دیتا ہے۔

ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار: یعنی دن اور رات کے اس توارد میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر نشانیاں ہیں' جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کامل ہونے اور ہر چیز کو اس کے علم کے محیط ہونے اور اس کے احکام کے نافذ ہونے اور تمام نظام کائنات کے اس کی قدرت اور مشیت کے تابع ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا ہے' سو ان میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں' اور ان میں سے بعض دو ٹانگوں پر چلتے ہیں' اور ان میں سے بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں' اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے' اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ بے شک ہم نے واضح بیان کرنے والی آیتیں نازل فرمائی ہیں اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے ○ (النور: ۴۶-۴۵)

مخلوقات کے تنوع سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال

زمین پر چلنے والے جاندار کو دابہ کہتے ہیں اور عرف میں اس کا استعمال چار ٹانگوں والے جاندار پر ہوتا ہے' اس آیت میں

فرمایا ہے: زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا ہے اس سے مراد مخصوص پانی ہے یعنی نطفہ اس میں تغلیباً کل جانوروں پر تمام جانوروں کا حکم لگا دیا ہے کیونکہ بعض حیوانات نطفہ سے نہیں پیدا ہوتے جنات اور ملائکہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں کیونکہ جنات آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی سے پیدا کیے گئے حضرت حوا حضرت آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نفخ جبریل سے پیدا کیے گئے۔

سو ان میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں جیسے سانپ اور حشرات الارض۔

اور ان میں سے بعض دو ٹانگوں پر چلتے ہیں: جیسے انسان اور پرندے۔

اور ان میں سے بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں: جیسے چرندے درندے اور چوپائے اور جن کی ٹانگیں چار سے زیادہ ہوتی ہیں جیسے مکڑیاں وہ بھی ان ہی میں مندرج ہیں۔

اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے: یعنی اللہ تعالیٰ مختلف صورت اور شکل اور مختلف اعضاء اور حرکات اور افعال اور مختلف خواص کی مخلوقات پیدا فرماتا ہے حالانکہ ان سب کو ایک ہی عنصر سے پیدا فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور اس کی صفت کے کمال پر دلالت کرتا ہے۔

اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے: آسمان اور زمین میں کوئی چیز اس کو عاجز کرنے والی نہیں ہے جو چیز وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتی ہے اور جو چیز وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی۔

اور فرمایا: بے شک ہم نے واضح بیان کرنے والی آیتیں نازل فرمائی ہیں اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔

یعنی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جو واحد خالق پر تفصیل اور وضاحت سے دلالت کرتی ہیں جو اس تمام نظام کائنات کو صرف اپنی تدبیر سے چلا رہا ہے ان آیتوں میں دنیا اور دین کی رشد اور فلاح کا وضاحت سے بیان ہے اور برے کاموں سے نفس کی آلودگی کی تطہیر کی اور نیک کاموں سے نفس کو مزین کرنے کی مکمل ہدایت ہے پھر جو شخص نیکی اور صلاحیت کو اپنانے اور ایمان اور تقویٰ کے حصول کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں یہ اوصاف پیدا فرما دیتا ہے اور جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ برائی پیدا فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی پھر اس کے باوجود ان میں سے ایک فریق پیٹھ پھیر لیتا ہے اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں ○ اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں تو اس وقت ان میں سے ایک فریق اعراض کرنے والا ہوتا ہے ○ اور اگر ان کے حق میں فیصلہ ہو تو وہ آپ کی طرف فرمانبرداری کرتے ہوئے چلے آتے ہیں ○ آیا ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ شک میں ہیں یا وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول (معاذ اللہ) ان پر ظلم کریں گے بلکہ وہ خود ہی ظلم کرنے والے ہیں ○ (النور: ۵۰-۴۷)

فیصلہ کے لیے قاضی کے بلانے پر جانے کا وجوب

بشر نام کا ایک منافق تھا جس کا ایک یہودی سے زمین کے متعلق جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرائیں منافق کا موقف باطل تھا اس نے انکار کیا اور کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر ظلم کرتے ہیں ہم کعب بن اشرف سے فیصلہ کراتے ہیں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی ایک قول یہ ہے کہ مغیرہ بن وائل اور حضرت علی بن ابی طالب

اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان زمین اور پانی میں تنازع تھا' مغیرہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ نہیں کراؤں گا
وہ مجھ سے بغض رکھتے ہیں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور جب ان کا موقف درست اور حق ہوتو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے فیصلہ کرانے کے لیے آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آ جاتے ہیں کیونکہ ان کو یہ معلوم تھا کہ آپ حق کے مطابق فیصلہ
فرماتے ہیں اور فرمایا یہ لوگ ظالم ہیں کیونکہ یہ حق سے اعراض کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جب حاکم کسی شخص کو فیصلہ کرنے کے لیے بلائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ حاکم کے پاس
جائے۔

حسن بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو اس کے فریق مخالف نے کسی مسلمان حاکم کے پاس فیصلہ کرانے کے
لیے بلایا اور وہ نہیں گیا تو وہ ظالم ہے اور اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۷ ص ۲۷۳' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۹۸)

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴' مطبوعہ ۱۴۲۰ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۷۲' الدرالمنثور ج ۶ ص ۱۹۶)

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ

اور جب مومنوں کو بلایا جائے تاکہ اللہ اور اس کا رسول ان کے درمیان

بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥١

فیصلہ کریں تو ان کو یہی کہنا چاہیے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی' اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ○

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں تو

هُمُ الْفَائِزُونَ ۝٥٢ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ

وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ○ اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں کہ اگر آپ انہیں (جہاد کے لیے) نکلنے کا حکم

لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَا تُقْسِمُوا ۖ طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا

دیں تو وہ ضرور نکلیں گے آپ کہیے تم قسمیں نہ کھاؤ۔ (تمہاری) اطاعت معلوم ہے' بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر

تَعْمَلُونَ ۝٥٣ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا

رکھنے والا ہے ○ آپ کہیے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو' پس اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمہ وہی ہے

فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ

جو ان پر لازم کیا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہی ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے' اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے'

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور رسول کے ذمہ تو صرف احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے O اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان

مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ ان کو ضرور بہ ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ

کو خلافت عطا کی تھی' اور ضرور بہ ضرور ان کے اس دین کو محکم اور مضبوط کر دے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند فرمالیا ہے'

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ

اور ضرور بہ ضرور ان کے خوف کی کیفیت کو امن سے بدل دے گا' وہ لوگ جو میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی کو

شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيْمُوا

شریک نہیں کرتے' اور جن لوگوں نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں O اور نماز قائم کرو

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے O

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ

کافروں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ زمین میں ہمیں عاجز کرنے والے ہیں' ان کا ٹھکانا

النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ع ۷ ۱۳

دوزخ ہے اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب مومنوں کو بلایا جائے تاکہ اللہ اور اس کا رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان کو یہی کہنا چاہیے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں O اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں O

(النور: ۵۲-۵۱)

کتاب' سنت اور حکام مسلمین کی اطاعت کی تاکید

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مہاجرین

انصار کی اطاعت کی خبر دی ہے کہ خواہ اللہ کی کتاب میں یا رسول اللہ کی سنت میں ایسا حکم ہو جو طبیعت پر دشوار اور ناگوار ہو تب بھی مومنوں کا یہی کہنا ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور اگر یہ منافقین بھی مخلص مومن ہوتے تو وہ بھی اسی طرح کرتے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ص ۲۷۳)

امام بغوی نے فرمایا یہ آیت بہ طریق خبر نہیں ہے کہ مومن اس طرح کہتے ہیں' بلکہ اس آیت میں شریعت نے اس کی تعلیم دی ہے کہ مومنوں کو اس طرح کہنا چاہیے۔ (معالم التنزیل ج ۳ص ۴۲۴' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے اور وہ انصار کے نقباء میں سے ایک تھے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم سنانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بھانجے جنادہ بن ابی امیہ کو بلایا اور فرمایا کیا میں تم کو اس کی خبر نہ دوں کہ تمہارے کیا فرائض ہیں اور تمہارے کیا حقوق ہیں! انہوں نے کہا کیوں نہیں! حضرت عبادہ نے فرمایا تم پر امیر کا حکم سننا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے خواہ تم تنگی میں ہو یا فراخی میں اور خواہ تم خوش ہو یا ناخوش۔ اور خواہ تم پر کسی کو ترجیح دی جائے۔ اور تم پر لازم ہے کہ تم اپنی زبان کو عدل کے ساتھ قائم رکھو اور تم امیر کی مخالفت نہ کرو' سوا اس صورت کے کہ وہ تم کو اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کا حکم دے۔ اگر وہ تم کو کتاب اللہ کے خلاف کرنے کا حکم دے تو تم کتاب اللہ کی پیروی کرنا' اور انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسلام صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے اور خیر صرف جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے میں ہے اور خیر خواہی صرف اللہ' اس کے رسول' خلیفہ اور عام مسلمانوں کے لیے ہے' اور ہم سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسلام کا دستہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے' اور نماز کو قائم کرنا ہے اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے اور جس شخص کو اللہ نے مسلمانوں کا حاکم بنایا ہے اس کی اطاعت کرنا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۷۴۵' ج ۸ص ۲۶۲۴-۲۶۲۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

جوامع الکلم کی مثال

اسلم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ مسجد نبوی میں کھڑے ہوئے تھے کہ روم کا ایک دہقانی ان کے پاس آ کر کلمہ شہادت پڑھنے لگا' حضرت عمر نے اس سے پوچھا تم یہ کلمہ کیوں پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا میں اللہ کے لیے اسلام لایا ہوں' حضرت عمر نے پوچھا آیا اس کا کوئی خاص سبب ہے؟ اس نے کہا ہاں! میں نے تورات' انجیل اور دیگر انبیاء کے صحائف پڑھے ہیں' میں نے ایک قیدی سے قرآن مجید کی ایک آیت سنی جو تمام کتب متقدمہ کی تعلیمات اور احکام کی جامع ہے تب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام ہے' حضرت عمر نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے تو اس نے یہ آیت پڑھی من یطع اللہ (جس نے فرائض میں اللہ کی اطاعت کی) ورسولہ (اور سنتوں میں اس کے رسول کی اطاعت کی) ویخش اللہ (اور وہ گزری ہوئی عمر کے گناہوں کو یاد کر کے اللہ سے ڈرا) ویتقہ (اور بقیہ عمر میں اللہ کی نافرمانی سے بچا) فاولئک ھم الفائزون (تو یہی لوگ کامیاب ہیں' دوزخ سے نجات پائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے) حضرت عمر نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جوامع الکلم (ایسا کلام جس کے الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ ہوں) عطا کیے گئے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ص ۲۷۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں کہ اگر آپ انہیں (جہاد کے لیے) نکلنے کا حکم

دیں گے تو وہ ضرور نکلیں گے' آپ کہیے کہ تم قسمیں نہ کھاؤ' (تمہاری) اطاعت معلوم ہے' بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے ۝ آپ کہیے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو' پس اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمہ وہی ہے جو ان پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ وہی ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے' اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے ۝ (النور: ۵۴-۵۳)

منافقین کی قسموں کا غیر معتبر ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ دوبارہ منافقین کے ذکر کی طرف متوجہ ہوا' کیونکہ جب انہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ناپسند کرتے ہیں اور ناگوار سمجھتے ہیں تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا اللہ کی قسم اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم اپنے گھروں سے اور اپنی بیویوں کے پاس سے نکل جائیں تو ہم ضرور اپنے گھروں سے نکل جائیں گے' اور اگر آپ ہمیں جہاد کا حکم دیں گے تو ہم جہاد کریں گے۔

آپ کہیے کہ تم قسمیں نہ کھاؤ' اس کے بعد فرمایا طاعة معروفة اس کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ تمہاری اطاعت تو ہمیں معلوم ہے اور وہ مشہور ہے کہ تم کیسی اطاعت کرتے ہو' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تمہیں قسمیں کھانے کے بجائے اخلاص کے ساتھ اطاعت کرنی چاہیے۔ مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہاری اطاعت تو معروف ہے اور وہ محض جھوٹ ہے۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے کہ تم زبان سے اطاعت کرنے کی قسمیں کھاتے ہو اور عمل سے اپنی قسموں کی مخالفت کرتے ہو۔

آپ کہیے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر تم پھر گئے یعنی اگر تم اللہ اور رسول کی اطاعت سے پھر گئے تو رسول کے ذمہ وہ کام ہیں جن کا ان کو مکلف کیا گیا ہے' یعنی انہیں احکامِ شرعیہ کی تبلیغ عام کرنے کا حکم دیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ کام ہیں جن کا تم کو مکلف کیا گیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو سننا اور ان پر عمل کرنا اور اگر تم نے ان احکام پر عمل کر لیا تو تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے اور رسول پر تو تبلیغ کر کے دین کے احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

کتب سابقہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وھب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے نبی حضرت شعیا علیہ السلام کی طرف وحی کی آپ بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑے ہو کر وعظ کریں میں جو چاہوں گا آپ کی زبان سے نکلواؤں گا' پھر آپ سے اللہ تعالیٰ نے یہ کہلوایا: اے آسمان سن! اے زمین خاموش رہ! اللہ تعالیٰ ایک امر کی تدبیر کرنے والا ہے جس کو وہ پورا کرنے والا ہے وہ جنگلوں کو آباد کرنا' ویرانوں کو بسانا اور صحراؤں کو سرسبز کرنا چاہتا ہے۔ وہ فقیروں کو غنی کر دے گا' چرواہوں کو سلطان بنا دے گا' ان پڑھ لوگوں میں سے ایک امی کو نبی بنا کر بھیجے گا جو بدگو ہوگا' نہ بداخلاق ہوگا' نہ بازاروں میں شور کرنے والا ہوگا' وہ مسکین صفت اور متواضع ہوگا' اس کے دامن کی ہوا سے وہ چراغ بھی نہیں بجھ سکے گا جس کے پاس سے وہ گزرے گا' اگر وہ سوکھے بانس پر پیر رکھ کر چلے تو اس کی چرچراہٹ بھی کسی کے کان میں نہیں پہنچے گی' میں اس کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجوں گا' اس کی زبان صادق ہوگی' اس کے سبب سے اندھی آنکھیں روشن ہو جائیں گی' اس کے باعث بہرے کان سننے لگیں گے' اس کی برکت سے بند دل کھل جائیں گے' میں ہر نیک کام سے اس کو سنواروں گا' اور ہر خلق کریم سے اس کو سرفراز کروں گا' اس کا لباس سکینہ ہوگی' نیکی اس کا وطیرہ ہوگی' تقویٰ اس کا ضمیر ہوگا' حکمت اس کی گفتگو ہوگی' صدق و وفا اس کی طبیعت ہوگی' عفو و درگزر کرنا اور لوگوں کی بھلائی چاہنا

اس کی خصلت ہوگی' حق اس کی شریعت ہوگی' عدل اس کی سیرت ہوگی' ہدایت اس کی امام ہوگی' اسلام اس کی علت ہوگی' اس کا نام احمد ہوگا' میں اس کے ذریعہ سے گم راہی کے بعد ہدایت پھیلا دوں گا' جہالت کے اندھیروں کے بعد علم کا نور پھیل جائے گا' اس کی وجہ سے پستی کے بعد بلندی ہوگی' نقص کمال سے بدل جائے گا' فقر تونگری سے بدل جائے گا' اس کی وجہ سے ایک دوسرے سے کٹے ہوئے لوگ مل جائیں گے' فرقت کے بعد اُلفت ہوگی' انفصال کے بعد اتصال ہوگا' اختلاف کے بعد اتفاق ہوگا' متفرق دل اور مختلف خواہشیں متحد ہو جائیں گی' میں اس کی اُمت کو تمام اُمتوں سے افضل قرار دوں گا جو لوگوں کے لیے نفع بخش ہوگی' نیک کام کرنے کا حکم دے گی اور برے کاموں سے روکے گی اس کی اُمت کے لوگ موحد' مومن اور مخلص ہوں گے' اللہ کے جتنے رسول اللہ کے پاس سے جو کچھ لائے ہیں وہ ان سب پر ایمان لائیں گے اور کسی کا انکار نہیں کریں گے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۲۶' رقم الحدیث: ۱۴۷۵۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۳۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ ان کو ضرور بہ ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا' جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی' اور ضرور بہ ضرور ان کے اس دین کو محکم اور مضبوط کر دے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند فرمالیا ہے' اور ضرور بہ ضرور ان کے خوف کی کیفیت کو امن سے بدل دے گا' وہ لوگ جو میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور جن لوگوں نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں O (النور: ۵۵)

النور: ۵۵ کا شانِ نزول

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اس آیت کے شانِ نزول میں اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی بیان کرتے ہیں کہ جب حدیبیہ میں مشرکین نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے منع کر دیا تو اللہ عزوجل نے ان سے وعدہ فرمایا کہ وہ ان کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۷۵۹)

ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں سے خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۷۶۰)

مقاتل بن حیان بیان کرتے ہیں کہ بعض مسلمانوں نے کہا اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں کب فتح عطا فرمائے گا' اور ہمیں کب زمین میں امن نصیب ہوگا' اور ہم سے کب مصائب دُور ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' اور اس آیت کے مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۷۶۱)

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ اس آیت کے شانِ نزول میں روایت کرتے ہیں:

الربیع بن انس ابوالعالیہ سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے بعد دس سال تک' آپ خود اور آپ کے اصحاب بھی خوف کی حالت میں رہے کبھی چھپ کر اور کبھی ظاہراً اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے' پھر آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا' اور وہاں بھی مسلمان خوف زدہ تھے وہ ہتھیاروں کے پہرے میں صبح اور شام گزارتے تھے' پھر آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ ہم پر امن اور سلامتی کا دن کب آئے گا؟ جب ہم اپنے ہتھیار رکھ سکیں گے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوڑے عرصہ کے بعد ہی تم میں سے کوئی شخص اپنی جماعت میں بغیر ہتھیاروں کے پیر

پھیلا کر بیٹھ سکے گا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی...... پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جزیرہ عرب پر غلبہ عطا فرمایا اور مسلمانوں نے اپنے ہتھیار اُتار دیئے اور امن اور چین سے رہنے لگے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی روح قبض کر لی' پھر مسلمان حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور تک امن سے رہے حتیٰ کہ پھر وہ فتنوں میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دشمنوں کا خوف داخل کر دیا۔ انہوں نے اپنے نیک اعمال کو برے اعمال سے بدلا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نعمتوں کو مصائب سے بدل دیا۔

(اسباب نزول القرآن رقم الحدیث: ۶۴۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن حمید اور امام ابن ابی حاتم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے' الدر المنثور ج ۶ ص ۱۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ میں آئے' اور انصار نے ان کو جگہ دی' اور عرب ان پر تیر مارتے تھے' اور وہ کوئی رات ہتھیاروں کے بغیر نہیں گزارتے تھے اور ہر صبح ہتھیاروں کے ساتھ کرتے تھے' تو انہوں نے کہا کیا ہم کوئی رات امن اور اطمینان سے گزاریں گے جس میں ہمیں اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۰۱' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۱۲' جدید' اسباب نزول القرآن رقم الحدیث: ۶۴۷' الدر المنثور ج ۶ ص ۱۹۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۴۱)

تنگ دستی کے بعد مسلمانوں کی خوشحالی

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص نے آ کر فاقہ کی شکایت کی' پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے راستے میں ڈاکوؤں کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اے عدی! کیا تم نے حیرہ کو دیکھا ہے؟ (حیرہ کوفہ سے تین میل دُور ایک شہر ہے' جس کو آج کل نجف کہتے ہیں یہ ریاست حیرہ کا پایہ تخت رہا ہے' نیز فارس کے ایک گاؤں اور نیشاپور کے ایک محلہ کو بھی حیرہ کہتے ہیں) میں نے کہا میں نے اس کو نہیں دیکھا لیکن میں نے اس کی خبر سنی ہے' آپ نے فرمایا اگر تمہاری عمر طویل ہوئی تو تم ایک سفر کرنے والی خاتون کو دیکھو گے وہ حیرہ سے سفر کر کے آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوگا' میں نے دل میں کہا: پھر قبیلہ طے کے ان ڈاکوؤں کا کیا ہوگا جنہوں نے ہر جگہ فساد برپا کر رکھا ہے! اور فرمایا اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرو گے' میں نے پوچھا کسریٰ بن ہرمز! فرمایا! کسریٰ بن ہرمز' اور اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو تم مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر اس تلاش میں نکلو گے کہ کوئی اس کو قبول کرلے اور تم کو قبول کرنے والا کوئی شخص نہیں ملے گا' اور تم میں سے کوئی شخص ضرور اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تمہاری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا تھا جس نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ شخص کہے گا کیوں نہیں! پھر فرمائے گا کیا میں نے تم کو مال نہیں دیا تھا اور تم کو فضیلت نہیں دی تھی؟ وہ کہے گا کیوں نہیں! پھر وہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اس کو صرف جہنم نظر آئے گا' پھر وہ اپنی بائیں جانب دیکھے گا تو اس کو صرف جہنم نظر آئے گا۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دوزخ کی آگ سے بچو! خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کر کے' اور جس کو کھجور کا ایک ٹکڑا بھی نہ ملے تو وہ کسی سے کوئی اچھی بات کہہ دے' اور اس کے ذریعہ دوزخ سے بچے۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ پھر میں نے ایک خاتون کو دیکھا جو حیرہ سے سفر کر کے آئی اور اس نے کعبہ کا طواف کیا اور وہ راستہ میں صرف اللہ سے ڈرتی تھی' اور میں ان مسلمانوں میں سے تھا

جنھوں نے کسریٰ کے خزانوں کو فتح کیا تھا اور اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو تم ضرور دیکھو گے کہ تم مٹھی بھر سونا لے کر نکلو گے اور اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣۵٩۵ مسند احمد ج ۴ ص ٣٧٨-٣٧٧ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٦٧٩ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ٣۴٢ صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠١۴ سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٢١۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٨۴٣)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ زمین پر کوئی پتھروں کا یا مٹی کا مکان باقی نہیں بچے گا اور نہ کوئی خیمہ رہے گا مگر اللہ اس میں کلمہ اسلام کو داخل کر دے گا' کسی غالب کو غلبہ دے کر یا کسی ذلیل کو پست کر کے' جو غالب ہوں گے ان کو اہل اسلام سے کر دے گا اور جو کمزور ہوں گے ان کو مسلمان کے تابع کر دے گا۔ (مسند احمد ج ٦ ص ۴ المستدرک ج ۴ ص ۴٣٠)

نواب قنوجی کا آیت استخلاف کو خلفاء راشدین کے ساتھ مخصوص نہ قرار دینا

نواب صدیق بن حسن بن علی قنوجی متوفی ١٣٠٧ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام اُمت کو زمین میں خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت صحابہ کے ساتھ خاص ہے' اور اس اختصاص پر کوئی دلیل نہیں ہے' کیونکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی صفات صحابہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ اس اُمت کے ہر اس فرد کے لیے اس خلافت کا حصول ممکن ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتا ہو' اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہو' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو مومنین اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ خلفاء بنا دے گا اور وہ زمین میں اس طرح تصرف کریں گے جس طرح بادشاہ اپنی سلطنتوں میں تصرف کرتے ہیں اور ان علماء کا قول بہت بعید ہے جنھوں نے کہا یہ آیت خلفاء اربعہ (حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم) یا مہاجرین کے ساتھ مخصوص ہے' کیونکہ عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے اور خصوصیت سبب یا خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (فتح البیان ج ۴ ص ٦١٢ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١۴٢٠ھ)

بعض آیات میں عموم الفاظ کے بجائے خصوصیت مورد کا اعتبار کیا جانا

نواب قنوجی کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے' ہر چند کہ قاعدہ یہی ہے کہ اگر آیت کے الفاظ میں عموم ہو اور اس کا مورد اور سبب خاص ہو تو الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے اور خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہوتا' لیکن اگر دلائل سے یہ ثابت ہو کہ کسی آیت میں الفاظ کا عموم مراد نہیں ہو سکتا تو پھر وہاں خصوصیت مورد اور سبب ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور سورۃ النور: ۵۵ کی یہ آیت بھی اسی طرح ہے' ہم پہلے اس قاعدہ سے استثناء کی چند نظائر پیش کریں گے اور پھر اس پر دلائل پیش کریں کہ سورۃ النور: ۵۵ میں عموم الفاظ کا اعتبار نہیں ہو سکتا بلکہ یہاں خصوصیت مورد ہی کا اعتبار ہے اور یہ آیت خلفاء راشدین ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (آل عمران: ١٨٨)

ان لوگوں کے متعلق گمان نہ کرو جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں' اور جو یہ چاہتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انھوں نے نہیں کیے' ان کے متعلق یہ گمان مت کرو کہ ان کو عذاب سے نجات ہو جائے گی' ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کے الفاظ کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر اس شخص کو عذاب ہوگا جو اپنے کیے ہوئے کاموں پر خوش ہوتا ہے' اور یہ

چیز تو ہر شخص میں پائی جاتی ہے' پھر تو کوئی شخص بھی عذاب سے نہیں بچ سکے گا۔ اس لیے یہ آیت یہود کے ساتھ خاص ہے۔
حدیث میں ہے:
علقمہ بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ مروان نے اپنے دربان سے کہا اے ابورافع! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ اگر ہر اس شخص کو عذاب ہو جو اپنے کام پر خوش ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ ان کاموں پر اس کی تعریف کی جائے جو اس نے نہیں کیے تو پھر تو ہم سب کو عذاب دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ہے؟ یہ آیت تو صرف یہود کے متعلق ہے' جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور ان سے آپ نے کسی چیز کے متعلق پوچھا جس کو انہوں نے چھپالیا' اور آپ کو اس چیز کے علاوہ کسی اور چیز کی خبر دی' اس کے باوجود وہ اس بات کے خواہش مند رہے کہ آپ کے سوال کے جواب میں جو کچھ انہوں نے بتایا ہے اس پر ان کی تعریف بھی کی جائے' اور اصل حقیقت کو چھپا کر وہ بہت خوش ہوئے' پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وہ آیتیں پڑھیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۱۴' المستدرک ج ۲ ص ۲۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید کی جو دو آیتیں پڑھی تھیں' وہ یہ ہیں:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (آل عمران: ۱۸۸۔۱۸۷)

اور جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اس کو ضرور لوگوں سے بیان کرو گے اور اس کو نہیں چھپاؤ گے تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت کر دیا سو کیسا برا ہے ان کا یہ فروخت کرنا ۝ ان لوگوں کے متعلق گمان نہ کرو جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں' اور جو یہ چاہتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے' ان کے متعلق یہ گمان مت کرو کہ ان کو عذاب سے نجات ہو جائے گی ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۝

خود نواب قنوجی نے بھی اس آیت کی مورد کے ساتھ تخصیص پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مذکور الصدر حدیث سے استدلال کیا ہے۔ نیز انہوں نے اس حدیث سے بھی اس آیت کی مورد کے ساتھ تخصیص پر استدلال کیا ہے:
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں منافقین پیچھے رہ جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھنے پر خوش ہوتے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آتے تو اپنے نہ جانے پر عذر پیش کرتے اور یہ چاہتے کہ جو کام انہوں نے نہیں کیے ان پر ان کی تعریف کی جائے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ ...... (آل عمران: ۱۸۸)
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۷)
نیز نواب قنوجی لکھتے ہیں یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت فنحاص' الیسع اور ان کے امثال کے متعلق نازل ہوئی ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (فتح البیان ج ۱ ص ۴۷۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)
عموم الفاظ کے باوجود مورد کے ساتھ تخصیص کی دیگر مثالیں درج ذیل ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (الحجرات:۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں نواب قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ رکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ رکھ لیا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اور اس آیت کا معنی اس طرح ہے جس طرح خازن نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے پہلے کوئی بات کہو نہ کوئی کام کرو' اور علامہ بیضاوی نے کہا اللہ اور رسول کے حکم کرنے سے پہلے کوئی بات یقینی طور پر نہ کہو۔

(فتح البیان ج۶ ص ۳۷۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ اس آیت کا حکم عہد رسالت کے ساتھ خاص ہے اور الفاظ کا عموم معتبر نہیں ہے۔

دوسری مثال یہ آیت ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (الحجرات:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو' اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے ۝

اس آیت میں بھی الفاظ عام ہیں اور مورد خاص ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتے وقت' آپ کی آواز سے آواز اونچی ہونا آپ کی حیات مبارکہ میں ہی متصور ہے۔

نواب قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنی آوازوں کو اس حد تک بلند نہ کرو کہ وہ آپ کی آواز سے اونچی ہو جائیں۔

(فتح البیان ج۶ ص ۱۷۱' ۳۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

الحجرات: ۵-۱ کی آیات اسی نوع کی ہیں ان میں الفاظ کا عموم ہے اور مورد عہد رسالت کے ساتھ خاص ہے۔

آیت استخلاف کے خلفاء راشدین کے ساتھ مخصوص ہونے پر دلائل

علماء اہل سنت نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کے برحق ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بنایا اور ان کی امانت پر راضی رہا' اور وہ اس دین پر تھے جس سے اللہ تعالیٰ راضی تھا' کیونکہ آج تک کوئی شخص فضیلت میں ان سے بڑھ کر نہیں ہے' اور نہ کوئی شخص آج تک فضائل میں ان کے ہم پلہ ہے۔ ان کے خلیفہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شام' عراق' خراسان اور افریقہ کے شہروں پر اقتدار عطا فرمایا' ان کے دور میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت ہوئی اور اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر دنیا کے بہت سے علاقوں میں پھیل گیا۔ انہوں نے اللہ کی حدود کو جاری کیا' احکام شرعیہ کو نافذ کیا' قرآن مجید کو جمع کیا' احادیث کو محفوظ اور مدوّن کیا' قرآن اور سنت پر عمل کرایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلافت تیس سال تک رہے گی اس کے بعد ملوکیت آجائے

گی اور یہ تیس سال خلفاء راشدین کے دور تک پورے ہو گئے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت دو سال تک رہی' حضرت عمر کی خلافت دس سال تک رہی' حضرت عثمان کی خلافت بارہ سال تک رہی اور حضرت علی کی خلافت چھ سال تک رہی اور یوں مدت خلافت کے تیس سال پورے ہو گئے' ہم نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے' وہ یہ ہے:

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت میں خلافت تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد ملوکیت (بادشاہت) آجائے گی۔ سعید بن جمہان نے کہا مجھ سے حضرت سفینہ نے کہا حضرت ابوبکر کی خلافت اور حضرت عمر کی خلافت اور حضرت عثمان کی خلافت اور حضرت علی کی خلافت کو گنو' ہم نے ان کا میزان کیا تو وہ تیس سال تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۴۶' ۴۶۴۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۶۶۵۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۳۰۶' ۱۳۰۲' ۶۴۴۲' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۲۳۷' المستدرک ج ۳ ص ۷۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۴۱' ۳۴۲' شرح السنۃ رقم الحدیث:۳۸۶۵' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۱۸۳' رقم الحدیث:۱۰۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت خلفاء راشدین کی خلافت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے' کیونکہ جو مومنین صالحین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے ان سے اللہ تعالیٰ نے زمین میں خلافت عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ ان کو ضرور بہ ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور ضرور بہ ضرور ان کے اس دین کو محکم اور مضبوط کر دے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند فرما لیا ہے اور ضرور بہ ضرور ان کے خوف کی کیفیت کو امن سے بدل دے گا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ یہ وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پورا ہونا تھا' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ آپ کی وفات کے بعد ہی مقرر کیا جانا تھا' اور یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہونا تھا کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں' اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ خلیفہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ایام حکومت میں ہی مقرر کیا گیا ہے' کیونکہ ان ہی ایام میں فتوح عظیمہ ہوئی ہیں اور زمین پر اقتدار حاصل ہوا ہے اور دین کا غلبہ ہوا ہے اور امن برپا ہوا ہے' اور یہ چیزیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حاصل نہیں ہوئیں کیونکہ آپ اپنے پورے دورِ حکومت میں مسلمانوں میں سے اپنے مخالفین کے ساتھ جنگ میں مشغول رہے اور آپ کو کفار کے خلاف جنگ کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں ان خلفاء کی خلافت کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔

دلائل مذکورہ پر اعتراضات کے جوابات

اس تقریر پر چند اعتراضات ہیں ہم ان اعتراضات کو مع ان کے جوابات کے پیش کر رہے ہیں:

(۱) اس آیت کے ظاہر معنی پر عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مومن صالح کو خلیفہ بنا دیا جائے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں "منکم" میں من تبعیضیہ موجود ہے یعنی تم میں سے بعض کو خلیفہ بنایا جائے گا۔

(۲) لیستخلفنھم کا یہ معنی نہیں کہ وہ تم کو خلیفہ بنائے گا اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تم کو زمین میں ٹھہرنے اور رہنے کی جگہ دے گا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کو زمین میں بسایا تھا اور آباد کیا تھا' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ پہلے لوگوں کو بھی زمین میں بسایا تھا ان کو زمین کی خلافت نہیں دی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خلیفہ بنانے کا معنی لوگوں کو زمین میں بسانا اور

آباد کرنا ہوتو یہ معنی تو تمام مخلوق کے لیے حاصل ہے پھر اس میں مومنین صالحین کی کیا خصوصیت ہے اور ان کو بشارت دینے کی کیا وجہ ہے۔

(۳) اگر یہ مان لیا جائے کہ اس سے مراد زمین میں خلیفہ بنانا ہے تو اس سے یہ کب لازم ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بنانا ہے' کیونکہ تمہارا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا اور حضرت علی نے فرمایا تھا میں تم کو اس طرح چھوڑ دیتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں چھوڑ دیا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معین کر کے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا تاہم آپ نے خلافت کے ایسے اوصاف بیان کر دیئے تھے جو ان پر صادق آتے ہیں اور آپ نے ایسے اشارات کیے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کی تعیین کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے بہ اصرار اور بہ تاکید ایام علالت میں حضرت ابوبکر کو نمازوں کا امام بنانے کا حکم دیا' اور ایام علالت میں حضرت ابوبکر نے سترہ نمازیں پڑھائیں' اور آپ نے دو بار حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۳۸۵' سنن کبریٰ ج ۳ص ۸۳) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۸۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام مرض میں مجھ سے فرمایا: میرے لیے اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تا کہ میں ایک مکتوب لکھ دوں' کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہے گا ''میں ہی ہوں اور کوئی نہیں ہے'' اور اللہ اور مومنین ابوبکر کے غیر کا انکار کر دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۸۷) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خاتون آئیں اور آپ سے کچھ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا پھر آنا' اس نے کہا یارسول اللہ! یہ بتلائیں کہ اگر میں آپ کو پھر نہ پاؤں تو؟ اس کا مطلب تھا اگر آپ فوت ہو جائیں تو؟ آپ نے فرمایا پھر تم ابوبکر کے پاس آنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۵۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۸۶) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذات السلاسل کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا' میں جب واپس پہنچا تو میں نے پوچھا آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ! پوچھا مردوں میں؟ فرمایا اس کا باپ! پوچھا پھر کون ہے؟ فرمایا عمر! پھر آپ نے کئی لوگوں کے نام گنوائے تو میں اس خیال سے خاموش رہا کہ شاید میرا نام سب کے آخر میں آئے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۳۵۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۸۴) محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت علی) سے پوچھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا ابوبکر' میں نے کہا پھر کون ہے؟ فرمایا عمر' مجھے خوف ہوا کہ اب آپ حضرت عثمان کا نام لیں گے میں نے کہا پھر آپ ہیں؟ فرمایا میں تو صرف مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں! (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۷۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان (بھی چڑھے) وہ پہاڑ ان کی وجہ سے ہلنے لگا آپ نے اس پر اپنا پیر مارا اور فرمایا ''اے احد ساکن ہو جا'' تجھ پر صرف ایک نبی ہے' ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۸۶)

(۴) یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اس آیت میں حضرت علی کو خلیفہ بنانے کی بشارت ہو کیونکہ کبھی واحد کو بھی تعظیماً جمع کے ساتھ تعبیر کر لیا جاتا ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں مومنین صالحین سے حضرت علی مراد ہوں! اس کا جواب یہ ہے کہ جمع کو واحد پر محمول کرنا مجاز اور خلاف اصل ہے۔

(۵) اگر جمع سے واحد سے زیادہ ہی مراد ہوں تو اس سے بارہ امام کیوں نہیں مراد ہو سکتے! اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو عہد رسالت میں موجود تھے' اور بارہ امام اس وقت موجود نہ تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن سے خلافت کا وعدہ کیا ہے ان کو قوت اور شوکت اور فرمانروائی عطا فرمانے کا بھی وعدہ کیا ہے اور ان بارہ اماموں میں سے آخری دس کو تو بہر حال اپنے اپنے زمانوں میں قوت' شوکت اور فرمانروائی حاصل نہ تھی۔

آیتِ استخلاف سے صرف حضرت علی' بارہ امام' یا امام مہدی کے مراد نہ ہونے پر دلائل

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے بہ کثرت علماء نے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے برحق ہونے پر استدلال کیا ہے' کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کو خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جو آپ کے زمانہ میں موجود تھے اور ان کے دین کو اقتدار عطا کرنے کا اور دشمنوں سے ان کو امن عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے وعدہ کا پورا نہ ہونا محال ہے' اور یہ مجموعہ (خلافت' دین کا اقتدار اور دشمنوں سے امن) صرف خلفاء اربعہ کے عہد میں حاصل ہوا ہے۔ سو ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنانے سے برحق خلیفہ تھا' اور اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے زمانہ کے تمام حاضرین کو خلیفہ بنا دیا جاتا بلکہ خلافت ان حاضرین میں منعقد ہوئی تھی (جیسے کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے اندلس کو فتح کیا تھا' اور مسلمانوں نے تین براعظموں پر حکومت کی تھی' اور مسلمانوں نے انگریزوں سے آزادی حاصل کی تھی) اس لیے اس آیت میں خطاب کا عام ہونا اور مَن کا بیانیہ ہونا صرف ان چار کے خلیفہ ہونے کے منافی نہیں ہے' اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں فتنوں اور شورشوں کا برپا ہونا بھی امن کی بشارت کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں جس امن کی بشارت دی گئی ہے اس سے مراد دشمنانِ دین اور کفار سے امن ہے اور حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانوں میں جو فتنے اُٹھے تھے' وہ مسلمانوں کی بغاوت کی وجہ سے تھے وہ محض اندرونی خلفشار تھا' بیرونی خطرہ نہیں تھا۔

امام رازی اور بعض دیگر علماء اہل سنت نے اس آیت سے شیعہ کے خلاف صرف خلفاء ثلاثہ کی خلافت پر دلیل قائم کی ہے کیونکہ شیعہ ان تینوں کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور انہوں نے اس آیت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت کے برحق ہونے پر استدلال نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت شیعہ کے نزدیک مسلم ہے اور دونوں فریقوں کے نزدیک حضرت علی کی خلافت کے دلائل بہت زیادہ ہیں' اس لیے انہوں نے کہا کہ عہد رسالت میں مومنین صالحین کی جو جماعت حاضر تھی اس سے اللہ تعالیٰ نے خلافت' اقتدار اور امن عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اور یہ وعدہ صرف ان تین خلفاء کے زمانہ میں پورا ہوا۔ امام مہدی اس آیت کے نزول کے زمانہ میں قطعاً اور بالاجماع موجود نہ تھے' اس لیے اس آیت کو ان کے ساتھ وعدہ پر محمول نہیں کیا جا سکتا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر چند کہ اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے لیکن ان کے زمانہ میں دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کماحقہ نہیں ہو سکی اور اسلامی فتوحات اور دین کو مزید اقتدار حاصل نہیں ہوا' بلکہ کتب شیعہ میں یہ تصریح ہے حضرت علی اور ان کے حامی شیعہ اپنے دین کو چھپا کر رکھتے تھے اور بہ طور تقیہ مخالفین کے دین کو ظاہر کرتے تھے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کامل امن حاصل نہیں ہوا تھا۔

شام' مصر اور مغرب کے مسلمان حضرت علی کی خلافت کا مطلقاً انکار کرتے تھے اور ان کے احکام کو قبول نہیں کرتے تھے اور شیعہ کے زعم کے مطابق وہ کافر تھے' اور حضرت علی کے لشکر کی اکثریت ان مسلمانوں سے ڈرتی تھی اور ان سے بہت زیادہ محتاط رہتی تھی' اس وجہ سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا صحیح نہیں ہے' کیونکہ شیعہ کے اصول کے

مطابق جمع کے افراد کم از کم تین ہیں اور جمع کا واحد پر اطلاق ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اس وجہ سے بھی صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا صحیح نہیں ہے اور بارہ اماموں میں سے بقیہ امام بعد میں پیدا ہوئے لہٰذا وہ اس آیت کی مراد نہیں ہو سکتے' کیونکہ ان کو زمین میں اقتدار حاصل نہیں ہوا تھا' نہ ان کے پسندیدہ دین کا رواج ہوا تھا اور نہ ان کو دشمنوں کے خوف اور خطرہ سے امن اور اطمینان حاصل ہوا تھا' بلکہ وہ علماء شیعہ کی تصریح کے مطابق دین کے دشمنوں سے خوف زدہ رہتے تھے اور تقیہ کرتے تھے' اور اس پر شیعہ علماء کا اجماع ہے' سو اس سے لازم آیا کہ خلفاء ثلاثہ ہی اس آیت کے مصداق ہیں۔ لہٰذا ان کی خلافت برحق ہے اور یہی مطلوب ہے۔ (روح المعانی جز ۱۸ ص ۳۰۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت علی کی خلافت کا برحق ہونا خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے برحق ہونے پر موقوف ہے

امام رازی اور علامہ آلوسی نے جو آیت استخلاف کی تقریر کی ہے اس میں لکھا ہے کہ اس آیت سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا برحق ہونا ثابت ہے اور صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اس آیت سے ثابت نہیں ہے۔ انہوں نے روافض اور شیعہ کا رد کرنے کے لیے ایسا کہا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت ثابت نہیں ہے صرف حضرت علی' بارہ اماموں یا حضرت مہدی کی خلافت ثابت ہے جیسا کہ عنقریب کتب شیعہ کے حوالوں سے آئے گا' اور اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت' خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی فرع ہے اور جب خلفاء ثلاثہ کی خلافت صحیح اور ثابت ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی صحت بھی ثابت ہوگی اس کے لیے الگ دلائل دینے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ حسب ذیل احادیث اور آثار سے ظاہر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس خلافت کا ان لوگوں سے زیادہ کوئی حق دار نہیں ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت راضی تھے پھر انہوں نے یہ نام لیے: حضرت علی' حضرت عثمان' حضرت زبیر' حضرت طلحہ' حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰۰' الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۴۵' جدید' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴۱ ص ۱۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابن عساکر متعدد اسانید سے روایت کرتے ہیں کہ دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہیں ہوا' آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے لیکن اس کو تین شخصوں تک محدود کر دینا چاہیے اور جو اپنے خیال میں جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے۔ حضرت زبیر نے حضرت علی کا نام لیا' حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا نام لیا' حضرت طلحہ نے حضرت عثمان کا نام لیا' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا میں اپنے حق کو چھوڑتا ہوں' اب خلافت صرف دو آدمیوں میں منحصر ہے اور ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سنت شیخین کی پابندی کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی' اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے الگ الگ حضرت عثمان اور حضرت علی سے کہا کہ آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں' ان کی رضامندی کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور دیگر صحابہ مسجد میں جمع ہوئے' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ایک مؤثر تقریر کے بعد حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی' پھر حضرت علی نے بیعت کی پھر تمام مسلمانوں نے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

(تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴۱ ص ۱۲۸۔ ۱۲۴' ملخصاً' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۴۶۔ ۴۴' ملخصاً' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس حوالے سے واضح ہو گیا کہ تمام صحابہ کا اس پر اجماع تھا کہ حضرت عثمان یا حضرت علی میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنایا جائے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے لیے معین ہو گئے اور آپ کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی فرع ہے۔

آیت استخلاف سے شیعہ مفسرین کا حضرت علی' بارہ اماموں اور امام مہدی کی خلافت پر استدلال

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں خلیفہ بنانے سے مراد امارت اور خلافت عطا کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد گزرے ہوئے لوگوں کی طرح ان کو زمین میں باقی رکھنا ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا۔

(فاطر:۳۹)

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ . (الاعراف:۱۲۹) (موسیٰ نے) کہا اللہ بہت جلد تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور ان کی بجائے تم کو اس زمین میں آباد کر دے گا۔

پس اس آیت میں جس استخلاف اور اقتدار عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی حاصل تھا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا آپ کے پیغام اور آپ کے دین کو غلبہ عطا فرمایا' اور اسلام کو پھیلا دیا تو یہ وعدہ پورا ہو گیا' اور ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں آپ کے دین کو سربلند نہیں کیا' حتیٰ کہ بعد میں آنے والوں نے اس کام کی تلافی کی' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس اقتدار عطا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد ملکوں اور شہروں کو فتح کرنا نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ کے دین کو ابھی تک غلبہ اور اقتدار حاصل نہیں ہوا' کیونکہ بہت سارے ممالک ابھی تک فتح نہیں ہوئے اور کفار کے قبضہ میں ہیں' اور اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ (حضرت) معاویہ اور بنوامیہ کی امامت بھی برحق ہو اور ان کا اقتدار (حضرت) ابوبکر اور (حضرت) عمر سے زیادہ وسیع ہو' کیونکہ انہوں نے ان سے زیادہ ملکوں کو فتح کیا ہے۔

اور اگر ہم یہ مان لیں کہ اس آیت میں استخلاف سے مراد خلیفہ اور امام بنانا ہے تو لازم آئے گا کہ ان کی (حضرت ابوبکر وغیرہ کی) خلافت منصوص ہو حالانکہ ہمارے مخالفین کا مذہب یہ ہے کہ کسی کی خلافت منصوص نہیں ہے اور اگر وہ اس آیت سے ان کی امامت کی صحت پر استدلال کریں تو لازم آئے گا کہ وہ بغیر آیت کے ان کی امامت پر استدلال کریں اور ان کو خلفاء رسول قرار دیں حتیٰ کہ یہ آیت ان کو شامل ہو۔

اگر وہ یہ کہیں کہ مفسرین نے ان کی خلافت کا ذکر کیا ہے تو ہم کہیں گے کہ تمام مفسرین نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ مجاہد نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد اُمتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے' اور حضرت ابن عباس وغیرہ نے بھی تقریباً یہی کہا ہے۔

اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد مہدی علیہ السلام ہیں' کیونکہ وہ ڈر اور خوف کے بعد ظاہر ہوں گے اور مغلوب ہونے کے بعد غالب ہوں گے۔ لہٰذا اہل سنت کی تفسیر کے مطابق اس پر اجماع نہ ہوا' ہم کسی ایک تفسیر پر طعن نہیں کر رہے' ہماری مراد یہ ہے کہ اس آیت میں خلافت اور امامت پر دلالت نہیں ہے' اور اگر ایسا ہوتا تو اس کے اختیار کرنے پر دلائل کی ضرورت نہ پڑتی' اور پھر خلفاء ثلاثہ کی خلافت منصوص ہوتی اور یہ اکثر علماء کا مذہب نہیں ہے۔

(التبیان فی تفسیر القرآن ج ۷ ص ۴۵۷-۴۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

الشیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی المتوفی فی القرن السادس (۶۰۰ھ) لکھتے ہیں:

العیاشی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن الحسین علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھا اور فرمایا اللہ کی قسم اس سے مراد ہمارے شیعہ اہل بیت ہیں' ہم میں سے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ یہ خلافت دے گا' اور وہ اس اُمت کے مہدی ہیں' جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر دنیا کی بقاء میں سے صرف ایک دن رہ جائے تو اللہ اس دن کو طویل کر دے گا حتیٰ کہ میری اولاد سے ایک شخص والی ہوگا اور وہ اس دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ پہلے یہ دنیا ظلم اور ناانصافی سے بھری ہوئی تھی' اور ابوجعفر عبداللہ علیہ السلام سے بھی اسی کی مثل مروی ہے' لہٰذا اس آیت میں مومنین صالحین سے مراد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے اہل بیت صلوات الرحمان ہیں' اور یہ آیت ان کے لیے خلافت' شہروں پر اقتدار اور مہدی کی آمد کے وقت ان سے خوف کے زائل ہونے کی بشارت کو متضمن ہے اور اس خلافت سے مراد یہ ہے کہ جس طرح حضرت آدم' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو خلیفہ بنایا گیا تھا اسی طرح ان کو خلیفہ بنایا جائے گا' اس پر عترت طاہرہ کا اجماع ہے اور ان کا اجماع حجت ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم میں ثقلین (دو وزنی چیزیں) چھوڑ کر جارہا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسری میری عترت میری اہل بیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گی حتیٰ کہ میرے پاس حوض پر آئیں گی۔ نیز زمین پر اقتدار عطا کرنے کو کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ ماضی میں اہل بیت کو یہ اقتدار حاصل نہیں ہوا' سو اس اقتدار کا انتظار ہے' کیونکہ اللہ عزاسمہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (مجمع البیان ج ۷ ص ۲۴۰' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۶ھ)

سید محمد حسین الطباطبائی لکھتے ہیں:

اس آیت میں جس خلافت' زمین پر اقتدار اور خوف کے بعد امن کی بشارت دی گئی ہے وہ ابھی تک حاصل نہیں ہوئی' وہ اس وقت حاصل ہوگی جب حضرت مہدی کا ظہور ہوگا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر اس آیت کی کیا توجیہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وعدہ مستقبل میں ضرور پورا ہوگا ہر چند کہ ابھی تک پورا نہیں اور اس کی نظیر یہ آیات ہیں:

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے لوگوں کو بھیج دیا) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں۔ (بنواسرائیل: ۷)

کیونکہ جن یہودیوں سے وعدہ کیا گیا تھا وہ اس وعدہ کے پورے ہونے کے وقت تک زندہ نہیں رہے تھے' اسی طرح اس آیت میں جن مومنین صالحین سے خلافت عطا کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی اس وقت تک زندہ نہیں رہیں گے جب حضرت مہدی کا ظہور ہوگا اور ان کو خلافت' زمین پر اقتدار اور خوف کے بعد امن عطا کر کے اس وعدہ کو پورا کیا جائے گا۔

اسی طرح ذوالقرنین نے دیوار بنانے کے بعد کہا:

قَالَ هٰذَا رَحۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّىۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّىۡ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعۡدُ رَبِّىۡ حَقًّا ؕ (ذوالقرنین نے کہا) یہ صرف میرے رب کی رحمت ہے' پس جب میرے رب کا وعدہ پورا ہوگا تو وہ اس کو زمین بوس کر دے گا' اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔ (الکہف: ۹۸)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع کے متعلق وعدہ فرمایا:

ثَقُلَتۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ لَا تَاۡتِيۡكُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً ؕ وہ آسمانوں اور زمینوں میں بڑا بھاری حادثہ ہے وہ تمہارے پاس صرف اچانک ہی آئے گی۔ (الاعراف: ۱۸۷)

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین صالحین سے ایک وعدہ فرمایا جس کو اس آیت کے زمانہ نزول نے نہیں پایا اور نہ اب تک مومنین صالحین کی کسی جماعت نے اس وعدہ کو پایا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے' اور حق یہ ہے کہ وعدہ اسی زمانہ کے مومنین کی جماعت میں پورا ہوگا جب امام مہدی کا ظہور ہوگا (الی ان قال) اور رہا یہ کہ اس آیت کو خلفاء راشدین' یا خلفاء ثلاثہ یا خصوصاً حضرت علی علیہ السلام پر منطبق کیا جائے تو اس کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

(المیزان فی تفسیر القرآن ج ۱۵ص ۱۶۷-۱۶۸' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران' ۱۳۹۷ھ)

شیعہ علماء کی مبسوط اور موخر تفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اس آیت کے مصداق میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے:

(۱) بعض نے کہا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن صحابہ نے زمین میں اقتدار حاصل کیا تھا' یہ آیت ان کے متعلق ہے۔

(۲) بعض نے کہا اس میں پہلے چار خلفاء کی حکومت کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) ایک جماعت نے کہا اس میں مہدی علیہ السلام کی حکومت کی طرف اشارہ ہے' جن کی حکومت میں تمام مشرق و مغرب ان کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

(۴) اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے تمام مسلمان اس آیت میں شامل ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مہدی علیہ السلام جن کے متعلق شیعہ اور سنی متفق ہیں کہ وہ تمام دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیں گے جبکہ وہ پہلے ظلم اور ناانصافی سے بھری ہوگی وہ اس آیت کے مصداق کامل ہیں۔ (تفسیر نمونہ ج ۱۴ص ۵۳۰' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ)

علماء شیعہ کی تفسیروں پر مصنف کا تبصرہ

شیخ الطائفہ الطوسی نے اس پر زور دیا ہے کہ اس آیت میں خلیفہ بنانے سے مراد ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو آباد کرنا ہے' لیکن اگر یہی معنی مراد ہو تو پھر اس میں مومنین صالحین کی کیا خصوصیت رہ جاتی ہے' کیونکہ کافروں کی بھی ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو زمین میں آباد کیا گیا۔ نیز اس آیت کو مومنین صالحین کے لیے انعام اور بشارت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اور محض زمین پر آباد کرنے میں ان کے لیے کیا انعام اور کیا بشارت ہے' ان کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت سے خلفاء ثلاثہ کو مراد لینے پر تمام صحابہ کا اجماع نہیں ہے' کیونکہ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا اس آیت سے مراد تمام اُمت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر صحابہ اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے کہ اس آیت کا مصداق خلفاء ثلاثہ ہیں اور حضرت ابن عباس اور مجاہد کا اختلاف ہمیں مضر نہیں ہے' کیونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ اور تمام مفسرین کسی ایک تفسیر پر متفق ہوں۔

شیخ طبرسی اور شیخ طباطبائی نے اس پر زور دیا ہے کہ اس آیت کا مصداق امام مہدی ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ دو وجہ سے غلط ہے ایک اس وجہ سے کہ اس آیت میں خلافت' زمین پر اقتدار اور امن عطا کرنے کا وعدہ ان مومنین صالحین سے کیا گیا ہے جو عہد رسالت میں حاضر اور موجود تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (النور: ۵۵) اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے۔

اور امام مہدی تو ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ مومنوں کی جماعت سے کیا ہے اور خلفاء ثلاثہ پر جمع کا اطلاق صحیح ہے اور امام مہدی ایک فرد ہیں ان پر جمع کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔

تفسیر نمونہ میں امام مہدی کو قطعی طور پر اس آیت کا مصداق قرار نہیں دیا بہر حال اس آیت سے امام مہدی کو مراد لینے کا وہی جواب ہے جو ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ نیز تفسیر نمونہ میں اس قول کو بھی برقرار رکھا ہے کہ اس آیت سے چار خلفاء کی طرف اشارہ ہے۔

اس اُمت کی پہلی اجتماعی ناشکری قتل عثمان ہے

اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جن لوگوں نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

امام الحسین بن مسعود الفراالبغوی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

ومن کفر بعد ذلک میں کفر سے مراد کفران نعمت ہے اور اس سے کفر باللہ مراد نہیں ہے اور فاسقوں سے مراد اللہ کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ مفسرین نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے اس نعمت کا کفر کیا وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا' جب انہوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جو امن کی نعمت عطا کی تھی' وہ واپس لے لی اور ان پر خوف مسلط کر دیا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے اور خوں ریزی میں مشغول ہو گئے' حالانکہ ان سے پہلے وہ بھائی بھائی تھے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۲۷' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

حمید بن بلال کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تھے اس وقت سے آج تک فرشتے تمہارے مدینہ کا احاطہ کیے ہوئے ہیں' پس اللہ کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو وہ فرشتے لوٹ جائیں گے اور پھر کبھی نہیں آئیں گے۔ پس اللہ کی قسم تم میں سے جو شخص بھی ان کو قتل کرے گا وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا ہاتھ سوکھا ہوا (شل' مفلوج) ہوگا۔ بے شک اللہ کی تلوار تم سے اب تک میان میں رکھی ہوئی ہے اور اللہ کی قسم اگر تم نے ان کو قتل کر دیا تو اللہ اپنی تلوار کو میان سے نکال لے گا پھر کبھی اس تلوار کو میان میں نہیں رکھے گا یا کہا قیامت تک میان میں نہیں رکھے گا' اور جب بھی کسی نبی کو قتل کیا گیا تو اس کے بدلہ میں ستر ہزار افراد قتل کیے گئے' اور جب بھی کسی خلیفہ کو قتل کیا گیا تو اس کے بدلہ ۳۵ ہزار نفوس قتل کیے گئے۔ (اس کی سند ضعیف ہے)

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۹۶۳' مکتب اسلامی' رقم الحدیث: ۲۱۱۲۹' دارالکتب العلمیہ بیروت' معالم التنزیل رقم الحدیث: ۱۵۳۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے بعد کسی کو باندھ کر قتل نہیں کیا جائے گا' ماسوا قاتل عثمان کے۔ تم اس کو قتل کر دو گے اگر تم نے اس کو ذبح نہیں کیا تو تم کو بکریوں کی طرح ذبح کیے جانے کی بشارت ہو۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۱ ص ۲۹۴' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ ھ' الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۵۴۴' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ کی تلوار اس وقت تک میان میں رہے گی جب تک کہ عثمان زندہ رہیں گے اور جب عثمان کو قتل کر دیا جائے گا تو وہ تلوار میان سے باہر نکل آئے گی پھر قیامت تک وہ تلوار میان میں داخل نہیں ہوگی۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۱ ص ۲۹۴' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۸۹۶)

حافظ السیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے اس حدیث کی سند موضوع ہے اس کی آفت عمرو بن قائد ہے اور اس کا شیخ ابن عدی بھی کذاب ہے حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی نکارت ظاہر ہے۔(میزان الاعتدال رقم:۶۴۳۱)

(اللآلی المصنوعہ ج ا ص ۲۹۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

حکمران دنیاوی امور کے منتظم ہیں اور علماء دینی امور کے

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری نیشاپوری متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ کا وعدہ برحق ہے اور اس کا کلام صادق ہے اور یہ آیت خلفاء اربعہ کی خلافت کی صحت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ ان کے دور سے لے کر آج تک کوئی شخص ان سے زیادہ افضل نہیں ہے۔ان کی امامت قطعی ہے ان کا دین اللہ کی طرف سے پسندیدہ ہے ان کو خوف کے بعد امن حاصل ہوا۔انہوں نے مسلمانوں کے داخلی اور خارجی معاملات کو عمدگی کے ساتھ طے کیا اور اسلام کا دفاع کیا۔

اس آیت میں ان ائمہ دین کی طرف اشارہ ہے جو ارکان ملت ہیں اسلام کے ستون ہیں اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں کیونکہ مسلمانوں کے معاملات میں ظالم حاکموں کی وجہ سے فساد آیا تھا جن کا نصب العین صرف دنیاوی اقتدار تھا رہے دین کی حفاظت کرنے والے تو وہ ائمہ دین اور علماء ہیں اور ان کی حسب ذیل اقسام ہیں:

(۱) علماء کا ایک گروہ وہ ہے جنہوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا اور اس کی اشاعت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آثار کو محفوظ اور مدون کیا یہ علماء بہ منزلہ خزانہ ہیں۔

(۲) علماء کا دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے اصول دین اور عقائد کی حفاظت کی اور بدعقیدہ معاندین اور اہل بدعت کا قرآن و سنت کے واضح دلائل سے رد کیا یہ علماء اسلام کے بہادر مجاہد ہیں۔

(۳) علماء کا تیسرا گروہ وہ فقہاء اور مجتہدین ہیں جو پیش آمدہ دینی مسائل اور معاملات میں عوام کی رہ نمائی کرتے ہیں اور کتاب وسنت اور اقوال مجتہدین سے فتاویٰ جاری کرتے ہیں۔ یہ علماء ملک کی قوت نافذہ کے قائم مقام ہیں اور اس دور کی اصطلاح کے مطابق حسب مراتب ججوں کے عہدوں پر فائز ہیں۔

(۴) علماء کا چوتھا گروہ وہ ہے جو لوگوں کو بیعت کرتے ہیں ان کو گناہوں سے توبہ کراتے ہیں ان کو نیک اعمال کی تلقین کرتے ہیں ان کو اوراد و وظائف کی تعلیم دیتے ہیں ان کے دلوں سے معصیت کا زنگ اور میل کچیل اُتار کر ان کا باطن صاف کرتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور محبت کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ یہ بادشاہ کے خواص اور مجلس سلطان کے مقربین کے منزلہ میں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سلاطین اور حکمران مسلمانوں کے دنیاوی امور کے منتظم ہوتے ہیں اور علماء مسلمانوں کے دینی امور کے منتظم ہوتے ہیں۔ یہ تقسیم بعد کے سلاطین اور حکمرانوں کے اعتبار سے ہے رہے خلفاء راشدین تو وہ مسلمانوں کے دنیاوی امور کے بھی وکیل تھے اور ان کے دینی امور کے بھی کفیل تھے۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۷۴-۳۷۳ ملخصاً وموضحاً مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے O (النور:۵۶)

نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تفسیر البقرۃ:۴۳ میں گزر چکی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تا کہ

تم پر رحم کیا جائے اس کی تفسیر آل عمران: ۱۳۲ میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کافروں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ زمین میں ہمیں عاجز کرنے والے ہیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے O (النور: ۵۷)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم! آپ کافروں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ ہماری گرفت سے باہر نکل سکتے ہیں اور جب ہم ان کو عذاب دینا چاہیں تو ہم سے بھاگ سکتے ہیں۔

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الدمیاطی متوفی ۱۱۱۷ھ لکھتے ہیں:

ابن عامر' حمزہ اور ادریس نے لاتحسبن کو غائب کے صیغہ کے ساتھ لایحسبن پڑھا ہے' یعنی کوئی گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ وہ کفار زمین میں ہمیں عاجز کرنے والے ہیں اور ہم ان کو اپنے عذاب میں نہیں پکڑ سکیں گے یا وہ کفار یہ گمان نہ کریں کہ وہ ہم کو عاجز کرنے والے ہیں۔ (اتحاف فضلاء البشر فی القراءات الاربعۃ عشر ص ۴۱۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ

اے ایمان والو! تمہارے مملوک غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو (گھروں میں داخل ہونے کے لیے) تین

لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ

اوقات میں اجازت طلب کرنی چاہیے' نماز فجر سے پہلے

وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ

اور ظہر کے وقت جب تم اپنے (فالتو) کپڑے اتار دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد' یہ تین اوقات

الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ

تمہارے پردے کے ہیں' ان تین اوقات کے بعد (بلا اجازت آنے میں) نہ تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر

بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

کوئی گناہ ہے' وہ تمہارے ہاں ایک دوسرے کے پاس گھروں میں آنے جانے والے ہیں' اللہ اسی طرح

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ

اپنی آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے' اور اللہ خوب علم والا' بے حد حکمت والا ہے O اور جب تمہارے لڑکے سن بلوغت کو

الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ

پہنچ جائیں تو ان کو بھی اجازت طلب کر کے آنا چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے مرد اجازت طلب کرتے ہیں' اللہ اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٩﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ

اپنی آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے اور اللہ خوب علم والا' بے حد حکمت والا ہے O اور وہ بوڑھی عورتیں

النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ

جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ

يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ ۗ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ

اپنے حجاب کے کپڑے اتار رکھیں جب کہ وہ اپنا بناؤ سنگھار دکھانے والی نہ ہوں' اور اگر وہ اس سے بھی احتیاط کریں

خَيْرٌ لَّهُنَّ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٦٠﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا

تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے O نابینا پر کوئی حرج نہیں اور نہ

عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ

لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ

اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ

تم اپنے گھروں سے کھاؤ' یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے

اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ

یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے

اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا

یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے

مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۗ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا

جن کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں یا اپنے دوست کے گھر سے' اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب

جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۗ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ

مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ' پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کرو'

تِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

اللہ سے اچھی دعا کرو کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو اللہ اسی طرح تمہارے لیے

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ لو O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تمہارے مملوک غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو (گھروں میں داخل ہونے کے لیے) تین اوقات میں اجازت طلب کرنی چاہیے' نماز فجر سے پہلے' اور ظہر کے وقت جب تم اپنے (فالتو) کپڑے اُتار دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں' ان تین اوقات کے بعد (بلا اجازت آنے میں) نہ تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے' وہ تمہارے ہاں ایک دوسرے کے پاس گھروں میں آنے جانے والے ہیں' اللہ اسی طرح اپنی آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے اور اللہ خوب علم والا' بے حد حکمت والا ہے O (النور: ۵۸)

تین اوقات میں گھر میں دخول کے لیے نوکروں اور نابالغ لڑکوں کو اجازت لینے کا حکم

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو آدمیوں نے اس آیت کے متعلق سوال کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے پردے کے ان تین اوقات میں اجازت طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ ستر کرنے والا ہے اور ستر کو پسند کرتا ہے' لوگوں کے گھروں کے دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے' اور نہ ان کے گھروں پر حجاب ہوتا تھا' بسا اوقات اچانک اس کے گھر میں اس کا خادم یا اس کا بیٹا یا اس کی لے پالک بیٹی آ جاتی اور وہ اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ مشغول ہوتا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ ان اوقات میں اجازت طلب کر کے گھر میں داخل ہوں' پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر وسعت اور کشادگی کر دی اور انہوں نے اپنے گھروں میں پردے ڈال لیے اور لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ان کا پردے ڈال دینا کافی ہے اور اب اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۴۷۸۷)

موسیٰ بن ابی عائشہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے شعبی سے اس آیت کے متعلق سوال کیا' انہوں نے کہا یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی لیکن لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۴۷۹۰)

حسن بصری نے کہا جب کوئی شخص اپنے خادم کو رات میں اپنے پاس ٹھہرائے تو وہ اس کی طرف سے اجازت ہے اور اگر وہ اس کو رات میں اپنے پاس نہیں ٹھہراتا تو وہ ان تین اوقات میں اجازت طلب کر کے اندر آئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۴۷۹۱)

مقاتل بن حیان اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری اور اس کی بیوی اسماء بنت مرشد دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا' اور لوگ ان سے اجازت لیے بغیر ان کے گھر میں داخل ہو گئے تو حضرت اسماء نے کہا یا رسول اللہ! یہ کتنی بری بات ہے! کہ ایک عورت اور اس کا خاوند ایک کپڑا اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا خادم بغیر اجازت لیے ہوئے گھر میں داخل ہو جاتا ہے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۴۷۹۵)

سدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان اوقات میں اپنی ازواج سے جماع کرنے کو پسند

کرتے تھے' پھر وہ غسل کر کے نماز پڑھنے کے لیے جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو یہ حکم دیا کہ ان اوقات میں بغیر اجازت کے گھروں میں داخل نہ ہوں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۷۹۶)

اجازت مذکورہ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے یا باقی ہے

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے اس آیت کے منسوخ ہونے نہ ہونے کے متعلق حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) ابن المسیب اور ابن جبیر نے کہا یہ آیت منسوخ ہے۔

(۲) ابوقلابہ نے کہا یہ حکم مستحب ہے واجب نہیں ہے' ان کی مصلحت کے اعتبار سے یہ حکم دیا گیا تھا۔

(۳) ابوعبدالرحمٰن اسلمی نے کہا اس حکم کی مخاطب خواتین ہیں۔

(۴) حضرت ابن عمر نے کہا اس حکم کے مخاطب مرد ہیں۔

(۵) یہ حکم پہلے واجب تھا کیونکہ پہلے گھروں کے نہ کواڑ تھے نہ دروازے' اور اگر پھر ایسے گھر ہوں تو یہ حکم پھر واجب ہوگا۔

(۶) قاسم' جابر بن زید' شعبی اور اکثر اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ یہ حکم واجب اور ثابت ہے' مردوں اور عورتوں دونوں پر۔

اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ جب لوگوں کے گھروں میں دروازے اور پردے نہیں تھے اس وقت اس آیت کے حکم پر عمل کرنا واجب تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر وسعت عطا کر دی تو اب اس حکم پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی طرح فرماتے تھے جیسا کہ ہم نے تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۷۸۷ کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۱۹۲)

اس آیت میں جو ثلاث مرات فرمایا ہے اس کا معنی تین اوقات ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر وقت میں تین مرتبہ اجازت لینا ضروری ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج۱۲ص۲۸۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تمہارے لڑکے سن بلوغت کو پہنچ جائیں تو ان کو بھی اجازت طلب کر کے آنا چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے مرد اجازت طلب کرتے ہیں اللہ اسی طرح اپنی آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے اور اللہ خوب علم والا بے حد حکمت والا ہے O (النور:۵۹)

بالغ لڑکوں کو گھر میں داخل ہونے کے لیے ہر وقت اجازت طلب کرنا ضروری ہے

جب آزاد لڑکے بالغ ہو جائیں تو وہ گھر میں داخل ہونے کے لیے ہر وقت اجازت طلب کریں۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب آزاد لڑکا بالغ ہو جائے تو وہ کسی شخص اور اس کی بیوی کے ہاں کسی بھی وقت بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور جس طرح اور مرد گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرتے ہیں وہ بھی اجازت طلب کرے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۱۹)

سعید بن جبیر نے کہا جب وہ اپنے باپ دادا کے گھر جائیں تو اجازت طلب کریں' خواہ وہ مذکورہ تین اوقات ہوں یا دن اور رات کا کوئی بھی وقت ہو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۲۲)

سعید بن جبیر نے کہا جس طرح کسی شخص کے بڑے بیٹے اور دیگر رشتہ دار اجازت طلب کرتے ہیں اسی طرح بالغ لڑکے بھی اجازت طلب کریں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۲۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے حجاب کے کپڑے اُتار کر رکھیں جب کہ وہ اپنا بناؤ سنگھار دکھانے والی نہ ہوں اور اگر وہ اس سے بھی احتیاط کریں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے O (النور:۶۰)

بوڑھی عورتوں کے حجاب کی وضاحت

القواعد سے مراد ایسی بوڑھی عورتیں ہیں جو آنے جانے اور معمول کے مطابق کام کاج کرنے سے عاجز ہو کر بیٹھ جائیں' ان کا حیض آنا بند ہو جائے اور ان سے بچے پیدا نہ ہو سکیں' یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ ربیعہ نے کہا القواعد سے مراد ایسی بوڑھی عورتیں ہیں کہ جب تم ان کو دیکھو تو ان کے بڑھاپے کی وجہ سے تم کو گھن آئے۔

فرمایا: ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے حجاب کے کپڑے اُتار کر رکھیں۔

فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح سے مایوس ہو چکی ہیں اگر ان کے سر کے بال کھلے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے' اس بناء پر ان کا دوپٹہ اُتار کر رکھنا جائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ستر اور حجاب میں فرق ہے' عورت کا پورا جسم سوا چہرے' ہاتھوں اور پیروں کے واجب الستر ہے اور اس کے سر کے بالوں کا بھی ستر واجب ہے اور چہرے' ہاتھوں اور پیروں کو چادر سے ڈھانپنا حجاب ہے' اس لیے بوڑھی عورت کے لیے چادر کو اُتارنا اور چہرے' ہاتھوں اور پیروں کو کھولنا جائز ہے لیکن سر کے بالوں کو ڈھانپنا واجب ہے۔ بوڑھی عورت ستر میں جوان عورت کی مثل ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ گھر میں قمیص پہنے اور دوپٹہ اوڑھے اور اوپر اوڑھنے والی چادر اُتار سکتی ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۴۴)

فرمایا: غیر متبرجات بزینة: تبرج کا معنی ہے کسی چیز کو ظاہر کرنا اور دکھانا یعنی ان کی زینت اور بناؤ سنگھار کے دکھائی دینے میں کوئی حجاب نہ ہو' اس طرح وہ خود کو نہ دکھائیں۔

ام الضیاء بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی' میں نے عرض کیا اے ام المومنین! آپ بالوں کو رنگنے' کپڑوں کو رنگنے' کانوں میں بالیاں پہننے' پازیب پہننے' سونے کی انگوٹھی پہننے اور باریک کپڑوں کے پہننے کے بارے میں کیا فرماتی ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت یہ سب چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں لیکن تمہارے اس بناؤ سنگھار کو غیر محرم نہ دیکھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۴۹)

سعید بن جبیر نے کہا وہ اپنی چادر اُتار کر گھر سے نہ نکلے جس سے اس کی زینت دکھائی دے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۵۱)

مقاتل بن حیان نے کہا اس کے لیے اوپر اوڑھنے والی چادر اُتار کر گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے جس سے اس کے گلے کا ہار' کانوں کی بالیاں اور دیگر زیورات دکھائی دیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۴۸۵۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نابینا پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں یا اپنے دوست کے گھر سے' اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ' پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کرو' اللہ سے ملی دعا کرو کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو۔ اللہ اسی طرح تمہارے لیے آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ

لو ○(النور:٦١)

بیماروں اور معذوروں کے ساتھ مل کر کھانے کی اجازت کے اسباب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ. اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ۔

(البقرۃ:١٨٨)

تو مسلمانوں نے بیماروں' اپاہجوں' اندھوں اور لنگڑوں کے ساتھ کھانے میں حرج سمجھا اور انہوں نے کہا ہمارا سب سے افضل مال تو کھانا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ناحق مال کھانے سے منع فرمایا ہے' اور اندھا کھاتے وقت یہ نہیں دیکھ سکتا کہ پلیٹ میں اچھا طعام کس جگہ ہے' (مثلاً بوٹیاں یا انڈے کس جگہ رکھے ہیں) اور لنگڑا پوری طرح بیٹھنے پر قادر نہیں ہے' اور وہ صحیح طرح نہیں کھا سکتا' اور بیمار آدمی کمزوری کی وجہ سے اچھی طرح نہیں کھا سکتا' اس لیے وہ ان معذوروں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج سمجھنے لگے' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اگر تم اندھوں' بیماروں اور لنگڑوں کے ساتھ کھانا کھاؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث:١٩٨٧٢' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١٤٨٥٨' معالم التنزیل ج ٣ ص ٤٣٠' الدر المنثور ج ٦ ص ٢٠٥)

سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہما نے کہا کہ لنگڑے' اندھے اور بیمار' تندرستوں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج سمجھتے تھے' کیونکہ لوگوں کو ان سے گھن آتی تھی اور وہ ان کے ساتھ کھانا کھانے میں کراہت محسوس کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ اندھا بعض اوقات زیادہ کھا جاتا ہے اور لنگڑا زیادہ جگہ گھیر کر بیٹھتا ہے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان رقم الحدیث:١٩٨٧٣' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١٤٨٦١' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:٢٤٥٢٩' معالم التنزیل ج ٣ ص ٤٣٠' الدر المنثور ج ٦ ص ٢٠٦)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنے ساتھ کھانے کے پیالہ میں شریک کیا اور فرمایا بسم اللہ پڑھ کر اللہ پر توکل اور اعتماد کر کے کھاؤ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:٢٤٥٢٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٦ھ)

حضرت یحییٰ بن جعدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاہ رنگ کا چیچک کا مریض آیا جس کی کھال چھلی ہوئی تھی' وہ جس شخص کے پاس بھی بیٹھتا وہ اس کو اٹھا دیتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:٢٤٥٢٧)

سعید بن مسیب نے کہا مسلمان جب کسی غزوہ میں جاتے تو بیماروں اور اپاہجوں کو اپنے گھروں میں چھوڑ جاتے تھے اور اپنے گھروں کی چابیاں انہیں دے دیتے تھے اور وہ لوگ کہتے تھے کہ ہمارے لیے ان کے گھروں سے کھانا پینا حلال نہیں ہے' اور اس میں حرج سمجھتے تھے وہ کہتے تھے جب کہ وہ لوگ غائب ہیں تو ہمیں ان کے گھروں سے کھانا پینا جائز نہیں ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث:١٩٨٧٦' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١٤٨٦٤' مسند البزار رقم الحدیث:٢٢٤١' معالم التنزیل ج ٣ ص ٤٣٠' الدر المنثور ج ٦ ص ٢٠٦-٢٠٥)

اولاد کے گھروں کو اپنا گھر فرمانا

اس آیت میں فرمایا ہے اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ۔ اس کی تفسیر میں ایک یہ قول ہے کہ تم اپنی

دوں کے گھروں سے یا اپنی بیویوں کے گھروں سے کھاؤ تو اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:
عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یارسول اللہ! میرے پاس مال بھی ہے اور اولاد بھی ہے اور میرے والد کو میرے مال کی ضرورت ہے! آپ نے فرمایا تم خود اور تمہارا مال تمہارے والد کی ملکیت ہے اور بے شک تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی سے ہے سو تم اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۲ مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۹ شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۵۸ تحفۃ الاخیار بترتیب شرح مشکل الآثار رقم الحدیث: ۵۰۴۳)

امام طحاوی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ بیٹے کا مال باپ کا مال ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بیٹا باپ کے قول سے خارج نہ ہو۔ ابوجعفر محمد بن العباس کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی عمران سے پوچھا اس حدیث کا کیا معنی ہے: ''تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے'' انہوں نے کہا یہ حضرت ابوبکر کے اس جواب کی مثل ہے یارسول اللہ! میں خود اور میرا مال آپ کی ملکیت ہے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا نفع مجھے ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔ (تحفۃ الاخیار بترتیب شرح مشکل الآثار ج ۷ ص ۱۳۹ دار بلنسیہ ریاض: ۱۴۲۰ھ)

وکیلوں کے لیے اپنے مؤکلوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت

نیز فرمایا: یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد کسی شخص کا وکیل اور اس کا قیم (کارمختار' منتظم' منیجر) ہے' جو اس کی زمین اور اس کے مویشیوں کی دیکھ بھال اور ان کا انتظام کرتا ہو اور اس کی طرف سے اس کے امور اور معاملات کا ذمہ دار اور جواب دہ ہو' اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ اس کی زمین کے پھلوں سے کھائے اور اس کے مویشیوں کا دودھ پیے۔
عکرمہ نے کہا جب کوئی شخص کسی کی چابیوں کا مالک ہو تو وہ اس کا خازن ہے تو وہ اس کی چیزوں سے تھوڑی سی چیز کھا سکتا ہے۔
سدی نے کہا ایک شخص دوسرے شخص کو اپنے طعام وغیرہ میں متصرف بنا دیتا ہے وہ اس میں سے کچھ کھائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۸۸۲-۱۹۸۷۹ معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرنے میں رغبت رکھتے تھے' وہ اپنے گھروں کی چابیاں اپنے وکیلوں اور کفیلوں کو دے دیتے تھے' اور یہ کہہ کر دیتے تھے کہ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو وہ تم کھالینا ہم نے تمہارے لیے اپنی چیزیں حلال کر دی ہیں' اور وکیل یہ کہتے تھے کہ ہمارے لیے ان چیزوں کا کھانا جائز نہیں ہے۔ انہوں نے خوشی سے ہمیں اجازت نہیں دی' ہم ان کے مال کے امین ہیں' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۷۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

امام عبد بن حمید اپنی سند کے ساتھ ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ اہل علم نے کہا کہ یہ آیت مسلمان امینوں کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد پر جانے میں رغبت کرتے تھے' اور اپنی چابیاں اپنے امینوں کو دے دیتے تھے اور ان سے یہ کہتے تھے کہ ہم نے تمہارے لیے اپنے گھروں کی کھانے پینے کی چیزیں حلال کر دی ہیں' اور جن امینوں کو چابیاں دی تھیں وہ یہ کہتے تھے کہ ہر چند کہ انہوں نے اپنے گھروں کی چیزیں حلال کر دی ہیں لیکن ہم پر ان کی چیزیں

حلال نہیں ہیں۔ ہم تو صرف ان کی چیزوں کے محافظ اور امین ہیں' وہ اس موقف پر قائم رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی' پھر وہ خوشی سے ان چیزوں کو کھانے لگے۔ (الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۰۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اپنے دوستوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت خواہ مل کر یا الگ الگ

اور فرمایا: یا اپنے دوست کے گھر سے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔

حسن اور قتادہ کی یہ رائے تھی کہ ایک شخص اپنے دوست کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہو سکتا ہے اور اس کی عمدہ اور لذیذ چیزوں کو کھا سکتا ہے' خواہ اس کا دوست گھر میں موجود نہ ہو لیکن اس کو وہاں سے چیزیں اٹھا کر لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔

قتادہ' ضحاک اور ابن جریج نے کہا یہ آیت بنولیث بن عمرو کے متعلق نازل ہوئی ہے جو بنو کنانہ کے قبیلہ کا تھا' ان کا ایک شخص تنہا کھانا نہیں کھاتا تھا حتیٰ کہ کوئی مہمان بھی اس کے ساتھ کھانا کھائے۔ بسا اوقات وہ شخص اپنے سامنے کھانا رکھ کر صبح سے شام تک بیٹھا رہتا تھا اور بعض اوقات اس کے پاس دودھ دینے والی اونٹنیاں ہوتی تھیں اور وہ اس وقت تک ان کا دودھ نہیں پیتا تھا حتیٰ کہ کوئی شخص اس کے ساتھ دودھ پینے والا آجاتا۔ پس جب شام تک کوئی نہیں آتا تھا تو وہ انتظار کر کے کھالیتا تھا۔

عکرمہ اور ابوصالح نے کہا یہ آیت انصار کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی ہے' جب ان کے پاس کوئی مہمان آتا تو وہ اس مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے' تو ان کو اجازت دی گئی کہ وہ جس طرح چاہیں کھالیں تنہا یا کسی کے ساتھ مل کر۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۸۸' ۱۴۸۸۳' جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۸۸۹' معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۲-۴۳۱' الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۰۷-۲۰۶)

گھر میں دخول کے وقت گھر والوں کو سلام کرنا

اس آیت کے آخر میں فرمایا: پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کرو' اللہ سے اچھی دعا کرو کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا گھروں سے مراد مسجد ہے' جب تم مسجد میں داخل ہو تو کہا کرو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصلحین.

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۸۹۰' الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۰۸)

زہری اور قتادہ نے کہا جب تم اپنے گھر داخل ہو تو کہو سلام علیکم۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۸۹۱' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۱۶' دارالکتب العلمیہ بیروت' مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۳۸۷' کتب اسلامی)

ابن جریج نے کہا عطا بن ابی رباح سے سوال کیا گیا کیا کسی شخص پر یہ حق ہے کہ جب وہ اپنے گھر جائے تو گھر والوں کو سلام کرے؟ انہوں نے کہا ہاں! (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۸۹۲)

ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطا سے پوچھا آیا کسی شخص پر واجب ہے کہ جب وہ گھر سے نکلے تو گھر والوں کو سلام کرے؟ عطا نے کہا میں اس کو واجب نہیں جانتا نہ کسی نے مجھ سے کہا یہ واجب ہے لیکن میرے نزدیک یہ مستحب ہے' اور میں سوائے بھول کے اس کو ترک نہیں کرتا۔ ابن جریج نے کہا میں نے عطا سے پوچھا اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو؟ انہوں نے کہا سلام کرو

والسلام علی النبی ورحمة الله وبرکاته السلام علینا وعلی عبادالله الصلحین' السلام علی اهل البیت ورحمة الله. (جامع البیان رقم الحدیث:۱۹۸۹۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے گھروں میں داخل ہوتو اپنے گھر والوں کو سلام کرو' اور جب تم کھانا کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو' اور جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہونے کے وقت سلام کرتا ہے اور اپنے طعام پر بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے اس گھر میں نہ تمہارے رات گزارنے کا ٹھکانہ ہے اور نہ رات کا کھانا ہے' اور جب تم میں سے کوئی شخص سلام نہیں کرتا اور نہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے تمہیں رات کا ٹھکانا اور کھانا مل گیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۰۲' قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۱۵' کنز العمال ج ۱۵ ص ۳۹۹)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن قشیری متوفی ۴۶۵ ھ لکھتے ہیں:

مسلمان کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ اپنے گھر میں داخل ہوتو اللہ کی طرف سے اپنے اوپر سلام بھیجے' یعنی اللہ کی طرف سے اپنے لیے امان اور سلامتی کو طلب کرے تاکہ وہ اللہ کی رضا کے خلاف کوئی اقدام کرنے سے باز رہے' کیونکہ مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ کی پناہ میں آنے سے سستی کرے تاکہ اس کے اوپر ہمیشہ اللہ سبحانہ کی عصمت اور حفاظت سایہ فگن رہے اور وہ کسی شرعی مکروہ کام کو کرنے سے بچا رہے۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۷۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ

مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقۃً ایمان رکھتے ہیں' اور جب وہ کسی مجتمع ہونے والی

عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

مہم میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے' بے شک جو لوگ

يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا

آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں' پس جب وہ اپنے کسی

اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ

کام کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں' اور ان کے لیے اللہ سے

لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۲ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ

مغفرت طلب کریں' بے شک اللہ بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ

بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ

قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو‘ بے شک اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تمہارے درمیان سے کسی کی

مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ

آڑ میں چپکے سے نکل جاتے ہیں‘ سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچ

فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۳ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے ○ سنو بے شک اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ

اور جو کچھ زمینوں میں ہے‘ اللہ کو خوب علم ہے تم جس حال میں ہو‘ اور جس دن وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۶۴ ع ۹ ۱۵

تو وہ ان کے کیے ہوئے سب کاموں کی خبر دے گا‘ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی مجتمع ہونے والی مہم میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے‘ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں‘ وہی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیں‘ اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں‘ بے شک اللہ بہت بخشنے والا‘ بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (النور: ۶۲)

امر جامع (مجتمع ہونے والی مہم) کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے جب وہ کسی امر جامع میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں:

امر جامع سے مراد جہاد کا لشکر ہے‘ یا پانچ وقت کی نماز ہے یا نمازِ جمعہ ہے یا نمازِ عید ہے یا کسی اہم کام کے لیے مشورہ کرنے کی مجلس ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر خطبہ دے رہے ہوتے اور اس وقت کوئی شخص اپنے کسی کام یا کسی ضرورت کی بناء پر مسجد سے جانا چاہتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو جاتا‘ آپ اس کو دیکھ کر جان لیتے کہ یہ اجازت لینے کے لیے کھڑا ہوا ہے‘ پھر آپ ان میں سے جس کو چاہتے اجازت دے دیتے۔

مجاہد نے کہا جمعہ کے خطبہ میں امام ہاتھ کے اشارہ سے اجازت دے دے‘ اہل علم نے کہا اسی طرح ہر وہ مہم جس میں مسلمان امام کے ساتھ جمع ہوں اس میں مسلمان امام کی اجازت کے بغیر اس مجلس سے نہ نکلیں‘ اور جب کوئی شخص اجازت طلب کرے تو امام کو اختیار ہے وہ چاہے تو اجازت دے اور چاہے تو اجازت نہ دے اور اجازت لینا اس وقت ضروری ہے جب کو

کوئی مانع پیش نہ آئے' مثلاً اگر مسجد کے اجتماع میں عورت کو حیض آ جائے یا کسی شخص کو احتلام ہو جائے تو وہ اجازت طلب کیے بغیر بھی جا سکتا ہے۔ (جامع البیان جز ۱۸ ص ۲۲۴-۲۲۳ 'تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۵۴-۲۶۵۲ 'معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۳-۴۳۲)

پیری اور مریدی کے آداب

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ ھ لکھتے ہیں:

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ صحیح العقیدہ عالم باعمل متبع شریعت کے ہاتھ پر بیعت ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳ 'صحیح البخاری کتاب العلم باب: ۱۰ 'کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۶۷۹ 'التاریخ الکبیر للبخاری ج ۸ ص ۲۱۸ 'الکاف الشاف للعسقلانی رقم الحدیث: ۱۴۴) اور مریدین ایسے عالم کے سامنے ایسے ہیں جیسے اُمت نبی کے سامنے ہوتی ہے (کیونکہ حدیث میں ہے جس نے متقی عالم کی اقتداء میں نماز پڑھی اس نے گویا نبی کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ علامہ شامی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی تخریج نہیں مل سکی۔ رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۸) پس مرید کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کی اجازت کے بغیر سانس بھی نہ لے' اور جس نے ایسے شیخ کی مخالفت کی وہ صدق کی بو بھی نہیں پا سکے گا' اور اگر اس سے کوئی مخالفت سرزد ہو جائے تو وہ اس سے معذرت کرے اور جب مرید شیخ سے معذرت کرے تو شیخ پر واجب ہے کہ وہ اس کی تقصیر معاف کر دے' کیونکہ مریدین شیخ کی اولاد کے قائم مقام ہیں شیخ پر واجب ہے کہ وہ اپنے احوال اور واردات سے اپنے مریدین پر توجہ کرے۔ (واضح رہے کہ جو بے علم ہو یا متبحر عالم نہ ہو اس کا مرید ہونا جائز نہیں ہے)

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۷۶-۳۷۵ ملخصاً و موضحاً 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۲۰ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ بے شک اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تمہارے درمیان سے کسی کی آڑ میں چپکے سے نکل جاتے ہیں' سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے ○ (النور: ۶۳)

مشکل الفاظ کے معانی

یتسللون: اس کا مصدر تسلل ہے اور اس کا مادہ سل ہے اس کا معنی ہے تلوار سونتنا' اور تسلل کا معنی ہے چپکے سے سرک جانا یا کھسک جانا۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۱۲ 'مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ '۱۴۱۸ ھ)

لواذا: یہ لفظ لاوذ کا مصدر ہے' اس کا معنی ہے باہم ایک دوسرے کی آڑ لینا اور پناہ لینا۔ اس آیت کا معنی ہے کہ منافقین باہم ایک دوسرے کی آڑ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے یکے بعد دیگرے چپکے سے سرک جاتے ہیں یا کھسک جاتے ہیں۔ اسی مصدر سے ملاذ بنا ہے جس کا معنی ہے جائے پناہ۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۸۸ 'مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ '۱۴۱۸ ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تاکید

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعظیم سے خطاب کرو' اور آپ کی خدمت میں ادب کو ملحوظ رکھو اور آپ کی خدمت میں تعظیم اور توقیر کو لازم رکھو' دارین کی سعادت آپ کی سنت کی اتباع کرنے میں ہے' اور دونوں جہانوں کی بدبختی آپ کی سنت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ہے' اور آپ کی سنت کی مخالفت کرنے کی سب سے کم اور ہلکی سزا یہ ہے کہ انسان اللہ کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر اس کے لیے آپ کی سنت کی اتباع کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور اس کے دل سے فلاح دارین کے حصول کی خواہش ساقط ہو جاتی ہے۔ (لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۷۶ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۲۰ ھ)

امام ابوالحسین بن مسعود الفرا البغوی التوفی ۵۱۶ھ دعاء الرسول کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم اس سے بچو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو کر تمہارے خلاف دعا کریں کیونکہ آپ کی ناراضگی کی دعا تمہارے لیے مصائب کے نزول کا موجب ہے اور آپ کی دعائے ضرر کسی دوسرے کی بددعا کی طرح نہیں ہے' اور مجاہد اور قتادہ نے کہا آپ کو آپ کا نام لے کر نہ بلاؤ جیسے تم ایک دوسرے کو نام لے کر بلاتے ہو' یا محمد یا ابن عبداللہ نہ کہو لیکن آپ کو تعظیم اور تکریم سے بلاؤ اور نرمی اور تواضع کے ساتھ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کہو۔

اور آپ کی مجلس سے کسی کی آڑ لے کر چپکے سے نہ کھسک جاؤ۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت غزوۂ خندق کے موقع پر نازل ہوئی کیونکہ منافقین خندق کھودتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بچا کر چپکے سے کھسک لیتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لواذا کی تفسیر میں فرمایا: منافقین کسی کی اوٹ یا آڑ میں نکل جاتے تھے' کیونکہ منافقین پر جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سننا بہت دشوار تھا تو وہ کسی صحابی کی اوٹ میں چھپ کر مسجد سے نکل جاتے تھے' اس کا معنی اجازت کے بغیر چلے جانا بھی ہے' مجاہد نے کہا اگر تم بغیر اجازت کے چلے گئے تو تم کو دردناک عذاب ہوگا' خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۳' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

لاتجعلوا دعاء الرسول کے تین محامل

لاتجعلوا دعاء الرسول کے مفسرین نے تین محامل بیان کیے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء ضرر کو اپنی دعا پر قیاس نہ کرو' اس صورت میں دعا کی رسول کی طرف اضافت الی الفاعل ہے' دوسرا محمل یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عامیانہ انداز میں نام لے کر نہ بلاؤ اس صورت میں دعا کی رسول کی طرف اضافت الی المفعول ہے اور تیسرا محمل یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تم کو بلائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو اپنے بلانے کی مثل نہ قرار دو' کیونکہ تمہارے بلانے پر کسی کا جانا فرض نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر جانا فرض ہے۔ اس صورت میں بھی دعا کی رسول کی طرف اضافت الی الفاعل ہے۔

اوّل الذکر دو تفسیریں ان مفسرین نے کی ہیں:

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہارے خلاف دعا واجب القبول ہے تم اس سے بچو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۹۱۱' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۹۲۴' النکت والعیون ج ۴ ص ۱۲۸)

مجاہد نے کہا آپ کو یا محمد کہہ کر نہ بلاؤ۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۹۱۲' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۴۹۲۶' النکت والعیون للماوردی ج ۴ ص ۱۲۸)

یہ دو تفسیریں حسب ذیل کتب تفاسیر میں بھی ہیں:

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۲۵' تفسیر الجامع لاحکام القرآن جز ۱۲ ص ۲۹۸' تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۹۳' الوسیط ج ۳ ص ۳۳۱' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۳۹' الدر المنثور ج ۶ ص ۲۱۱' روح المعانی جز ۱۸ ص ۳۲۹' البحر المحیط ج ۸ ص ۷۵' الکشاف ج ۳ ص ۲۶۵' فتح القدیر ج ۴ ص ۸۷' فتح البیان ج ۴ ص ۶۲۵' تفسیر الخازن ج ۳ ص ۳۶۵' تفسیر المدارک علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۳۶۵)

ثانی الذکر تفسیر حسب ذیل مفسرین نے کی ہے:

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر تاخیر سے جانے سے منع فرمایا ہے جیسے ایک دوسرے کے بلانے پر تاخیر سے چلے جاتے ہیں۔ (النکت والعیون ج ۴ ص ۱۲۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو اپنے بلانے پر قیاس نہ کرو۔

(الکشاف ج ۳ ص ۲۶۵ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

مبرد اور قفال کا مختار یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کے حکم کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو کیونکہ آپ کے بلانے پر جانا فرض لازم ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا: سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۲۵ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ ھ)

درج ذیل کتابوں میں بھی یہ تفسیر ہے:

(البحر المحیط ج ۸ ص ۷۵ تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۹۳ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۲۵۹ الکازرونی علی البیضاوی ج ۴ ص ۲۰۳ تفسیر ابوسعود ج ۴ ص ۴۸۸ فتح القدیر ج ۴ ص ۷۸ روح المعانی جز ۱۸ ص ۳۲۹ تفسیر مدارک علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۳۶۵)

نداء یا محمد پر اعتراض کے جوابات

مجاہد اور قتادہ کی تفسیر سے یہ گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر نہ بلاؤ اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ کو یارسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر بلاؤ۔ اس بناء پر بعض علماء نے لکھا ہے کہ یا محمد کہہ کر آپ کو نداء نہیں کرنی چاہیے یارسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر ندا کرنی چاہیے بلکہ جن احادیث میں آپ نے یا محمد کہنے کی تلقین کی ہے وہاں بھی یارسول اللہ کہنا چاہیے کیونکہ جب آپ کا رب آپ کو یا محمد کہہ کر نہیں پکارتا تو ہم غلاموں کی کیا مجال کہ ہم آپ کو آپ کا نام لے کر پکاریں اور ترک ادب کا ارتکاب کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہد اور قتادہ کی تفسیر میں یا محمد کہہ کر بلانے سے منع کیا ہے یا محمد کہہ کر آپ کو نداء کرنے سے منع نہیں کیا' اور ہم یا محمد کہہ کر نداء کے قائل ہیں کیونکہ نداء میں اس کو متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے جس کو نداء کی جارہی ہے اس کو بلانا مقصود نہیں ہوتا جیسے ہم یا اللہ کہتے ہیں تو اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کو بلانا نہیں ہوتا بلکہ اس کی ذات کو اپنی اور اپنے حال کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے' اسی طرح جب ہم یا محمد کہتے ہیں تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور آپ کو بلانا مقصود نہیں ہوتا' اور مجاہد اور قتادہ کی تفسیر میں یا محمد کہہ کر آپ کو بلانے سے منع فرمایا ہے اور آپ کو متوجہ کرنے سے منع نہیں فرمایا۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ لفظ محمد کے دو لحاظ ہیں ایک اعتبار سے یہ آپ کا عَلَم اور نام ہے اور اس اعتبار سے آپ کو نداء کرنی منع ہے یعنی آپ کا نام لے کر آپ کو بلانا منع ہے اور دوسرے اعتبار سے یہ آپ کی صفت ہے کیونکہ محمد کا معنی ہے جس کی بے حد حمد اور تعریف کی گئی ہو اور اس اعتبار سے آپ کو نداء کرنا اور آپ کو بلانا جائز ہے' اور مستند علماء نے ان دو لحاظوں کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ ھ لکھتے ہیں:

ویقال احمد فھو محمد کما یقال: علم فھو معلم وھذا علم وصفة اجتمع فیه الامران فی حقه صلی اللہ علیه وسلم.

کہا جاتا ہے اس کی حمد کی گئی تو وہ محمد ہے جس طرح کہا جاتا ہے اس نے تعلیم دی تو وہ معلم ہے لہٰذا یہ (لفظ محمد) علم (نام) بھی ہے اور صفت بھی اور آپ کے حق میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں۔

(جلاء الافہام ص ۹۲' فیصل آباد)

نیز علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

والوصفیة فیھما لاتنافی العلمیة وان معناھما مقصود. (جلاء الافہام ص ۱۱۳' فیصل آباد)

محمد اور احمد میں وصفیت علمیت (نام ہونے) کے منافی نہیں ہے اور ان دونوں معنوں کا قصد کیا جاتا ہے۔

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اوقصد به المعنی الوصفی دون المعنی العلمی. (مرقات ج ا ص ۵۱' ملتان' ۱۳۹۰ھ)

جب حضرت جبرائیل نے آپ کو یا محمد کہا تو اس لفظ محمد کے وصفی معنی کا ارادہ کیا اور علمی (نام کے) مراد کا ارادہ نہیں کیا۔

شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی ملا علی قاری کے حوالے سے اس جواب کا ذکر کیا ہے۔

لفظ محمد سے آپ کا علم اور نام ہی مقصود ہو' لیکن آپ کو بلانا مقصود نہ ہو صرف اظہار محبت اور ذوق وشوق سے محض آپ کے نام کا نعرہ لگانا مقصود ہو' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

احادیث' آثار' علماء متقدمین اور علماء دیوبند سے نداء یا محمد کا ثبوت

امام مسلم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں' اس میں ہے:

فصعد الرجال والنساء فوق البیوت وتفرق الغلمان والخدم فی الطریق ینادون یامحمد یارسول اللہ یامحمد یا رسول اللہ.

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۹' کراچی)

(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو) مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے اور وہ نعرے لگا رہے تھے یا محمد' یارسول اللہ' یا محمد یارسول اللہ۔

حافظ ابن کثیر' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے احوال میں لکھتے ہیں:

وکان شعارھم یومئذ یامحمداہ.

اس زمانہ میں مسلمانوں کا شعار یا محمداہ کہنا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۴' قدیم)

حافظ ابن اثیر نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۴۶' بیروت)

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں:

یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ نداء غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جاوے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسر وحرمان میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز مقصود نہ اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات واشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی ذاتہ نہ شرک نہ معصیت۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۶۸' کراچی)

اور آپ نے دعائے حاجت میں جو یہ کہنے کی تعلیم فرمائی ہے: یامحمد انی توجھت بک الی ربی "اے محمد (صلی

یک وسلم) میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں' اس میں بھی یا محمد کے لفظ سے آپ کو بلانا مقصود نہیں ہے بلکہ آپ کو اپنی طرف متوجہ کرانا مقصود ہے' امام مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' کہ حضرت جبرائیل نے یک اعرابی کی شکل میں حاضر ہو کر آپ سے کہا:

یامحمد اخبرنی عن الاسلام. (صحیح مسلم ج ا ص ۲۷' کراچی)

اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) مجھے اسلام کے متعلق بتائیے۔

اس میں بھی یا محمد کے لفظ سے آپ کو بلانا مقصود نہیں تھا آپ کو متوجہ کرنا مقصود تھا اور قرآن مجید میں نام کے ساتھ بلانے کی ممانعت ہے' مطلقاً نداء کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

یا محمد کہنے کے جواز کی تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات کسی کے نام کے ساتھ نداء بلانے کے لیے کی جاتی ہے نہ متوجہ کرنے کے لیے بلکہ محض اس کا ذکر کرنے اور اس کو یاد کرنے کے لیے' اس کے نام کے ساتھ نداء کرتے ہیں جیسے کوئی شخص یا اللہ یا اللہ کا وظیفہ کرتا ہے اور اس کے جواز پر واضح دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبدالرحمن بن سعد قال: خدرت رجل ابن عمر فقال له رجل: اذکر احب الناس الیک فقال یامحمد.

عبدالرحمٰن بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پیر سن ہو گیا' ان سے ایک شخص نے کہا: جو تم کو سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو اس کو یاد کرو انہوں نے کہا یا محمد۔

(الادب المفرد ص ۲۵۰' مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)

اللہ تعالیٰ کا یا محمد فرمانا

امام بخاری' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے معراج کی ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس میں ہے:

فقال الجبار یامحمد قال لبیک وسعدیک قال انه لایبدل القول لدی کما فرضت علیک فی ام الکتاب فکل حسنة بعشرا مثالها فهی خمسون فی ام الکتاب وهی خمس علیک. (صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۱۲۱' کراچی)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا محمد! آپ نے کہا میں حاضر ہوں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی' میں نے جس طرح آپ پر ام الکتاب میں (نمازیں) فرض کی ہیں' تو ہر نیکی دس گنی ہے' لہٰذا ام الکتاب میں پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔

امام مسلم' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث معراج روایت کرتے ہیں' اس میں ہے:

فلم ارجع بین ربی وبین موسی علیه السلام حتی قال یامحمد انهن خمس صلوات کل یوم ولیلة. (صحیح مسلم ج ا ص ۹۱' کراچی)

میں اپنے رب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان مسلسل آتا جاتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا محمد! ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔

امام ترمذی' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں' اس میں ہے:

فاذا بربی تبارک وتعالی فی احسن صورة فقال یامحمد قلت ربی لبیک قال فیم یختصم الملاء الاعلی. الحدیث قال ابو عیسی

اچانک میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر

هـذا حـديث صحيح سالت محمد بن اسماعيل عن هذا الحديث فقال هذا صحيح.
رہے ہیں؟ الحدیث۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔
(جامع ترمذی ص۴۶۶' کراچی)

نیز امام ترمذی حضرت ابن عباس سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں' اس میں ہے:

قـال اتـانـی ربـی فـی احسن صورة فقال یامحمد قلت لبیک ربی وسعدیک. الحدیث.
میں نے (خواب میں) اپنے رب کو حسین ترین صورت میں دیکھا میرے رب نے کہا یا محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں۔
(جامع ترمذی ص۴۶۶' کراچی)

یہ دونوں حدیثیں جامع ترمذی کے قدیم نسخوں کے متن میں درج ہیں' نور محمد نے اپنے ایڈیشن میں ان حدیثوں کو حاشیہ میں نسخہ کے عنوان سے درج کیا ہے۔ تحفۃ الاحوذی میں بھی یہ حدیثیں ترمذی کے متن میں درج ہیں۔

امام احمد نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے' اس میں ہے:

اتـانی ربی عزوجل اللیلة فی احسن صورة احسبه یعنی فی النور فقال یامحمد تدری فیما یختصم الملاء الاعلی. الحدیث
ایک رات کو یعنی خواب میں میرے پاس میرا رب عزوجل حسین ترین صورت میں آیا اور فرمایا یا محمد! کیا آپ (از خود) جانتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟
(مسند احمد ج۱ص ۳۶۸' بیروت)

امام احمد' عبدالرحمٰن بن عائش کی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں' اس میں ہے:

اتـانی ربی عزوجل اللیلة فی احسن صورة قال یا محمد. (مسند احمد ج۴ص۶۶' بیروت)
آج رات میرے پاس میرا رب عزوجل بہترین صورت میں آیا اور فرمایا: یا محمد۔

امام بخاری' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے شفاعت کی ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس میں ہے:

فیـقـال یـامحمد ارفع راسک وقل یسمع لک وسل تعطه واشفع تشفع.
پھر کہا جائے گا یا محمد! اپنا سر اُٹھائیے' کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور مانگیے آپ کو دیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔
(صحیح البخاری ج۲ص ۱۱۱۸' کراچی)

اس حدیث کو امام مسلم اور امام ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔
(صحیح مسلم ج۱ص ۱۰۹' سنن ابن ماجہ ص۳۲۹' مسند احمد ج۱ص ۱۹۸)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصریحات سے نداء یا محمد کا جواز

ہم نے پہلے وہ احادیث ذکر کیں جن میں حضرت جبریل' حضرت عبداللہ بن عمر اور عام صحابہ کرام نے یا محمد کہا اس کے بعد ہم نے صحاح ستہ کے حوالوں سے وہ احادیث ذکر کیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو یا محمد فرمایا ہے۔ اس لیے اب یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کا مالک اور مولیٰ ہونے کے باوجود آپ کو یا محمد کے ساتھ نداء نہیں کرتا تو ہم غلاموں کی کیا مجال کہ آپ کو یا محمد کے ساتھ نداء کریں۔ اعلیٰ حضرت نے بہ کثرت احادیث پیش کی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے' دیگر انبیاء نے اور فرشتوں نے آپ کو یا محمد کے ساتھ نداء کی ہے اب ہم وہ نقول پیش کر رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

احمد و بیہقی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی سئل عنھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی قولہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا فقال ھی الشفاعۃ اور شفاعت کی حدیثیں خود متواتر و مشہور اور صحاح وغیرہ میں مروی و مسطور جن کی بعض انشاء اللہ تعالیٰ ہیکلِ دوم میں مذکور ہوں گی' اس دن آدم صفی اللہ سے عیسیٰ کلمۃ اللہ تک سب انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نفسی نفسی فرمائیں گے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انا لھا انا لھا ''میں ہوں شفاعت کے لیے' میں ہوں شفاعت کے لیے'' انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین سب ساکت ہوں گے اور وہ متکلم سب سر بہ گریباں وہ ساجد و قائم سب محلِ خوف میں وہ آمن و ناعم سب اپنی فکر میں' انہیں فکرِ عوالم' سب زیرِ حکومت وہ مالک و حاکم بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کریں گے' ان کا رب انہیں فرمائے گا یامحمد ارفع راسک وقل تسمع وسل تعطہ واشفع تشفع ''اے محمد اپنا سر اُٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہے'' اس وقت اوّلین و آخرین میں حضور کی حمد و ثنا کا غلغلہ پڑ جائے گا اور دوست دشمن موافق مخالف ہر شخص حضور کی افضلیت کبریٰ و سیادتِ عظمیٰ پر ایمان لائے گا والحمدللہ رب العلمین۔ (تجلی الیقین ص ۳۵-۳۴ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور ۱۴۰۱ھ)

ابنِ عساکر و خطیبِ بغدادی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی' حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لما اسری بی قربنی ربی حتی کان بینی وبینہ کقاب قوسین او ادنی وقال لی یامحمد ھل غمک ان جعلتک اخر النبیین قلت لا ربا(ب). قال فھل غم امتک ان جعلتھم اخر الامم قلت لا (یارب) قال اخبر امتک انی جعلتھم اخر الامم لافضح الامم عندھم ولا افضحھم عندالامم ''شبِ اسرا مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اس میں دو کمانوں بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہا' رب نے مجھ سے فرمایا' اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا تجھے کچھ برا معلوم ہوا کہ میں نے تجھے سب انبیاء سے متاخر کیا' عرض کی نہیں اے رب میرے! فرمایا کیا تیری اُمت کو غم ہوا کہ میں نے انہیں سب اُمتوں سے پیچھے کیا' میں نے عرض کی نہیں اے میرے رب! فرمایا اپنی امت کو خبر دے کہ میں نے انہیں سب امتوں سے اس لیے پیچھے کیا کہ اور اُمتوں کو ان کے سامنے رسوا کروں اور انہیں کسی کے سامنے رسوا نہ کروں''

(تجلی الیقین ص ۴۵' حامد اینڈ کمپنی لاہور)

ان دونوں حدیثوں میں اللہ عزوجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر نداء فرمائے گا لہٰذا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور کا مالک و مولیٰ ہو کر آپ کو یا محمد کے ساتھ ندا نہیں فرمائی تو ہم غلاموں کے لیے کب جائز ہوگا کہ آپ کو یا محمد کہہ کر پکاریں اور ترکِ ادب کے مرتکب ہوں!

حدیث موقوف مفصل مطول احمد و بخاری و مسلم و ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور بخاری و مسلم و ابن ماجہ نے انس اور ترمذی و ابن خزیمہ نے ابوسعید خدری اور احمد و بزار' و ابن حبان و ابویعلیٰ نے صدیق اکبر اور احمد و ابویعلیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرفوعاً الیٰ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عبداللہ بن مبارک و ابن ابی شیبہ و ابن ابی عاصم و طبرانی نے بہ سند صحیح سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً روایت کی' ان سب کے الفاظ جدا جدا نقل کرنے میں طول کثیر ہے لہٰذا میں ان کے منتظم لفظوں کو ایک منتظم سلسلہ میں یکجا کر کے اس جان فزا قصہ کی تلخیص کرتا ہوں' وباللہ التوفیق (الی قولہ)

مطلوب بلند عزت ملجاء عاجزاں ماوائے بے کساں مولائے دو جہاں حضور پُرنور محمد رسول اللہ شفیع یوم النشور افضل صلوات اللہ و اکمل تسلیمات اللہ و ازکی تحیات اللہ و انمی برکات اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وعیالہ میں حاضر آئے اور بہ ہزاراں ہزار نالہائے زار و دلِ بے قرار و چشمِ اشکبار یوں عرض کرتے ہیں:

یامحمد ویانبی اللہ انت الذی فتح اللہ بک وجئت فی ھذا الیوم امنا انت رسول اللہ وخاتم الانبیاء اشفع لنا الیٰ ربک فلیقض بیننا الاترئ الیٰ مانحن فیہ الاتریٰ ماقد بلغنا ''اے محمد! اے اللہ کے نبی! آپ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتحیاب کیا اور آج آپ آمن و مطمئن تشریف لائے' حضور اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کہ ہمارا فیصلہ فرمادے' حضور نگاہ تو کریں ہم کس درد میں ہیں' حضور ملاحظہ تو فرمائیں ہم کس حال کو پہنچے ہیں۔ (تجلی الیقین ص ۶۷-۶۷ ملخصاً' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

اس حدیث میں جو متعدد کتب حدیث سے نقل ہے یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اُمتی آپ کو یا محمد کے الفاظ سے نداء کریں گے سو اگر آپ کو یا محمد سے نداء کرنا موجب ترک ادب ہوتا تو آپ کے تمام اُمتی قیامت کے دن طلب شفاعت کے وقت آپ کو یا محمد کہہ کر نداء نہ کرتے' بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر ندا کرتے!

امام ابوزکریا یحییٰ بن عائذ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قصۂ ولادتِ اقدس میں فرماتی ہیں مجھے تین شخص نظر آئے' گویا آفتاب ان کے چہروں سے طلوع کرتا ہے ان میں ایک نے حضور کو اُٹھا کر ایک ساعت تک حضور کو اپنے پروں میں چھپایا اور گوشِ اقدس میں کچھ کہا کہ میری سمجھ میں نہ آیا' اتنی بات میں نے بھی سنی کہ عرض کرتا ہے ابشر یامحمد فما بقی لنبی علم الاوقد اعطیتہ فانت اکثرھم علما واشجعھم قلبامعک مفاتیح النصر قد البست الخوف والرعب لایسمع احد بذکرک الاوجل فوادہ وخاف قلبہ وان لم یرک یاخلیفۃ اللہ ''اے محمد! مژدہ ہو کہ کسی نبی کا کوئی علم باقی نہ رہا جو حضور کو نہ ملا ہو تو حضور ان سب سے علم میں زائد اور شجاعت میں فائق ہیں جو نصرت کی کنجیاں حضور کے ساتھ ہیں' حضور کو رعب دبدبہ کا جامہ پہنایا ہے' جو حضور کا نام پاک سنے گا اس کا جی ڈر جائے گا اور دل سہم جائے گا اگرچہ حضور کو دیکھا نہ ہو' اے اللہ کے نائب!'' ابن عباس فرماتے ہیں کان ذلک رضوان خازن الجنان ''یہ رضوان داروغہ جنت تھے'' علیہ الصلوۃ والسلام. (تجلی الیقین ص ۸۲-۸۱' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ معزز فرشتے جنت کے داروغہ رضوان نے آپ کو یا محمد کے ساتھ نداء فرمائی۔

شب اسراء حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت فرمانا حدیث ابوہریرہ وحدیث انس وحدیث ابن عباس وحدیث ابن مسعود وحدیث ابی لیلیٰ وحدیث ابوسعید وحدیث ام ہانی وحدیث ام المومنین صدیقہ وحدیث ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم واثر کعب احبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہوا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مسلم میں ہے' حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے کو جماعتِ انبیاء میں دیکھا' موسیٰ و عیسیٰ وابراہیم علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو نماز پڑھتے پایا فحانت الصلوۃ فامتھم ''پھر نماز کا وقت آیا میں نے ان سب کی امامت کی۔'' انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسائی کی روایت میں ہے جمع لی الانبیاء فقدمنی جبریل حین امتھم ''میرے لیے انبیاء جمع کیے گئے' جبریل نے مجھے آگے کیا' میں نے امامت فرمائی۔'' ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے فلم البث الا یسیرا حتی اجتمع ناس کثیر ثم اذن مؤذن واقیمت الصلوۃ فقمنا صفوفا ننتظر من یؤمنا فاخذ بیدی جبریل فقدمنی فصلیت بھم فلما انصرفت قال جبریل یامحمد اتدری من صلی خلفک قلت لاقال صلی خلفک کل نبی بعثہ اللہ ''مجھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ بہت لوگ جمع ہو گئے مؤذن نے اذان کہی اور نماز برپا ہوئی' ہم سب صف باندھے منتظر تھے کہ کون امام ہوتا ہے' جبریل نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کیا' میں نے نماز پڑھائی' سلام پھیرا تو جبریل نے عرض کی' حضور نے جانا یہ کس کس نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی؟ فرمایا نہ' عرض کی ہر نبی کہ خدا نے بھیجا حضور کے پیچھے نماز میں

تھا طبرانی وبیہقی وابن جریر وابن مردویہ کی روایت موقوفہ میں ہے ثم بعث له ادم فمن دونه من الانبیاء فامهم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ''حضور کے لیے آدم اوران کے بعد جتنے نبی ہوئے سب اُٹھائے گئے' حضور نے ان کی امامت فرمائی' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' (تجلی الیقین ص ۸۴-۸۳' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور ۱۴۰۱)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر نداء فرمائی اگر یہ کلمہ موجب توہین اور موجب ترک ادب ہوتا تو حضرت جبریل آپ کو یا محمد کہہ کر ندا نہ کرتے بلکہ یارسول اللہ کہہ کر نداء کرتے!

اعلیٰ حضرت نے حدیث کی جتنی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں ان میں سے کسی کی صفحہ وار تخریج نہیں فرمائی اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قدیم علماء میں اس طرح تخریج کا رواج نہ تھا' دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر کتب اس وقت تک چھپی نہ تھیں خصوصاً امام ابن عساکر' امام ابن ابی عاصم' امام ابن ابی حاتم اور امام ابویعلیٰ وغیرہ کی کتابیں' غالباً یہ تمام حوالے اعلیٰ حضرت نے حافظ سیوطی کی الخصائص الکبریٰ سے چن چن کر نقل فرمائے ہیں اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا عام اسلوب یہی ہے۔ رہا یہ کہنا کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یا محمد کہنے کی تلقین فرمائی ہو اس میں بھی یا محمد کے بجائے یارسول اللہ کہنا چاہیے سو یہ ہماری سمجھ سے ماورا ہے۔ ہمارا مقصد صرف اتنا تھا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی تصریحات سے نداء یا محمد کا جواز ثابت کیا جائے' الحمدللہ ہم نے احادیث' آثار' علماء اسلاف' علماء دیوبند اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصریحات سے ندائے یا محمد کا جواز ثابت کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سنو بے شک اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے' اللہ کو خوب علم ہے تم جس حال میں ہو' اور جس دن وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ ان کے کیے ہوئے سب کاموں کی خبر دے گا' اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ (النور: ۶۴)

اللہ تعالیٰ کے خالق اور مستحق عبادت ہونے پر دلیل

الوہیت کا مدار دو چیزوں پر ہے' علم پر اور قدرت پر۔ ضروری ہے کہ خدا کو اپنی تمام مخلوق کا علم ہو' اگر اس کو علم نہ ہو تو اس کو پتا نہیں چلے گا کہ اس کی مخلوق اس کے احکام پر عمل کر رہی ہے یا نہیں کر رہی' اور اگر اس کو اپنی پوری مخلوق کا علم ہو اور ان پر قدرت نہ ہو تو اس کی مخلوق میں سے جو اس کی نافرمانی کرے تو وہ ان سے مواخذہ اور ان پر گرفت نہیں کر سکتا' اس لیے مخلوق کی فرماں برداری کرنے پر ان کو جزا اور انعام دینے کے لیے اور ان کی نافرمانی کرنے پر ان کو سزا اور عذاب دینے کے لیے ضروری ہے کہ تمام مخلوق کا علم بھی ہو اور ان پر قدرت بھی ہو۔ اس آیت کے پہلے جز میں فرمایا کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت میں ہے' اس میں تمام مخلوق پر قدرت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے جز میں فرمایا اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' اس میں تمام مخلوق کے علم کی تصریح ہے' اور جس کو تمام کائنات پر قدرت ہو اور جس کو تمام کائنات کا علم ہو وہی اس لائق ہے کہ اس کو تمام کائنات کا خدا' خالق' مدبر اور سب کی عبادتوں کا مستحق قرار دیا جائے اور تسلیم کیا جائے اور اسی کی خدائی پر ایمان لایا جائے۔

سورۃ النور کے اختتامی کلمات

سورۃ النور کی تفسیر ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ/ ۱۷ ستمبر ۲۰۰۱ء کو بہ روز اتوار شروع کی تھی اور آج ۱۸ شعبان ۱۴۲۲ھ/ ۵ نومبر ۲۰۰۱ء بہ روز پیر' ایک ماہ اٹھارہ دن بعد ختم ہوگئی فالحمدلله رب العلمین علی ذالک۔

الہٰ العالمین جس طرح آپ نے اس کام کو یہاں تک پہنچا دیا ہے' محض اپنے کرم اور فضل سے اس کو مکمل بھی کرا دینا اور جس طرح اپنی عنایت سے اس کام کو شروع کرنے کی توفیق دی ہے اس کام کو تمام و کمال تک بھی پہنچا دینا۔
شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کو حاسدین اور معاندین کے شر سے محفوظ رکھنا اور ان کو تا قیام قیامت موثر' مفید اور فیض آفریں رکھنا' میری' میرے والدین' میرے اعزہ' اقارب' احباب اور معاونین' ان کے ناشر' مصحح' کاتب' کمپوزر اور جلد ساز کی مغفرت فرمانا' دنیا اور آخرت میں عزت اور سرفرازی عطا فرمانا اور لوگوں کی نگاہوں میں شرم سار نہ کرنا' صرف اپنا محتاج رکھنا' اور دنیا میں کسی کا محتاج نہ کرنا' صحت' عافیت' ایمان اور اعمالِ صالحہ سے تا دم مرگ قائم رکھنا' گناہوں سے بچائے رکھنا' مرنے سے پہلے اپنے محبوب و مکرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عطا فرمانا اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت عطا فرمانا' میں ان دعاؤں کی استجابت کے لائق تو نہیں لیکن آپ کا عفو اور کرم بہت وسیع ہے سو مجھے مایوس اور شرمندہ نہ فرمانا۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين' امام المرسلين اوّل الشافعين والمشفعين وعلى آله الطيبين الطاهرين واصحابه الكاملين الراشدين وازواجه امهات المومنين' واولياء امته وعلماء ملته من المحدثين والمفسرين والفقهاء والمجتهدين وسائر المسلمين اجمعين.

سُورَةُ الْفُرْقَانِ

(۲۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الفرقان

سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الفرقان ہے اور اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس سورت کی ابتدا میں الفرقان کا ذکر ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۞ (الفرقان:۱)

وہ برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر بہ تدریج الفرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہوں ۞

عہد رسالت میں بھی اس سورت کو سورۃ الفرقان کہا جاتا تھا:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان پڑھتے ہوئے سنا' میں نے غور سے ان کی تلاوت سنی' وہ اس میں بہت سے ایسے حروف پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے' قریب تھا کہ میں نماز میں ہی ان پر حملہ کر دیتا لیکن میں نے ان کے سلام پھیرنے تک صبر کیا' پھر میں نے ان کو ان کی چادر سے پکڑ کر کھینچا اور کہا میں نے تم کو نماز میں جس طرح سورت پڑھتے ہوئے سنا تھا اس طرح تم کو کس نے سورت سکھائی تھی؟ انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سورت سکھائی ہے۔ میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو' کیونکہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت تمہاری قرأت کے علاوہ دوسری طرح سکھائی ہے' پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا' اور میں نے کہا میں نے ان کو سورۃ الفرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا ہے جن حروف پر آپ نے مجھے یہ سورت نہیں سکھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو چھوڑ دو' پھر فرمایا: اے ہشام! تم پڑھو! انہوں نے اس سورت کو اسی طرح پڑھا جس طرح میں نے ان سے اس سورت کو پڑھتے ہوئے سنا تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے' پھر فرمایا: اے عمر تم پڑھو۔ پس میں نے وہ سورت اسی طرح پڑھی جس طرح آپ نے مجھے وہ سورت پڑھائی تھی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے' تم کو جو حروف آسان لگیں تم ان پر پڑھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۹۲-۲۴۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۳۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

قرآن مجید کے سات حروف پر نازل ہونے کی تحقیق

اس حدیث میں یہ وارد ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ یہاں سات حروف کی تشریح کر دیں:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

سات حروف میں قرآن مجید کو نازل کرنے کی حکمت یہ تھی کہ پڑھنے والے کے لیے آسانی ہو اور پڑھنے والا ایک لفظ کی جگہ اس کے مترادف کو پڑھ سکے خواہ یہ سات حروف ایک ہی لغت سے ہوں کیونکہ حضرت ہشام اور حضرت عمر دونوں کی ایک لغت تھی اور وہ لغت قریش تھی' اس پر حافظ ابن عبدالبر نے متنبہ کیا ہے انہوں نے کہا سات حروف سے مراد یہ ہے کہ لغت قریش کے سات مترادفات تک قرآن مجید کو پڑھا جا سکتا ہے اور اکثر اہل علم کا یہی مختار ہے۔

ابوعبید اور دوسروں نے یہ کہا کہ سات حروف سے مراد سات لغات ہیں' ابن عطیہ کا بھی یہی مختار ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عرب کی لغات تو سات سے زیادہ ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ سات فصیح لغات مراد ہیں' اور ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید سات لغات پر نازل ہوا ہے۔ ان میں سے پانچ لغات یہ ہیں: عجز ہوازن' سعد بن بکر' جشیم بن بکر' نصر بن معاویہ اور ثقیف اور بقیہ دو کعب قریش اور کعب خزاعہ ہیں۔ ابوحاتم سجستانی نے کہا سات لغات یہ ہیں: قریش' ھذیل' تیم الرباب' الازد' ربیعہ' ہوازن اور سعد بن بکر' اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ہم نے ہر نبی کو اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا ہے۔

(ابراہیم: ۴)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ تمام لغات قریش کے قبائل کی ہوں' ابوعلی ہوازی نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

ابوعبید نے کہا سات لغات پر قرآن مجید نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید کا ہر لفظ سات لغات پر پڑھا جائے گا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ سات لغات متفرق طور پر پائی جاتی ہیں۔ پس بعض الفاظ لغت قریش پر ہیں اور بعض الفاظ لغت ھذیل پر ہیں اور بعض الفاظ لغت ہوازن پر ہیں اور بعض الفاظ لغت یمن پر ہیں اور بعض الفاظ دوسری لغات پر ہیں۔

امام ابن قتیبہ وغیرہ نے یہ کہا کہ قرآن مجید کے سات حروف پر نازل ہونے کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کو سات مختلف قراءتوں اور سات مختلف طریقوں سے پڑھا گیا اور یہ قرءات ایک دوسرے سے متغائر ہیں' ان کی حسب ذیل مثالیں ہیں:

(۱) لفظ کی حرکت متغیر ہو جائے اور اس کا معنی اور اس کی صورت متغیر نہ ہو جیسے وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ۔ (البقرہ: ۲۸۲) اس کو "ر" کی پیش کے ساتھ ولا یضارُّ کاتب ولا شہید بھی پڑھا گیا ہے لیکن اس لفظ کے معنی اور اس کی صورت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔

(۲) لفظ کا صیغہ متغیر ہو جائے جیسے رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا (سبا: ۱۹) میں باعد امر کا صیغہ ہے اس کو بعد ماضی کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

(۳) نقطہ کو ترک کرنے سے تغیر ہو جیسے وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا (البقرہ: ۲۵۹) اس کو ننشرھا بھی پڑھا گیا ہے۔

(۴) ایک لفظ کو اس کے قریب المخرج لفظ کے ساتھ بدلنے سے تغیر ہو جیسے وَّطَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ (الواقعہ: ۲۹) کو طلع منضود بھی پڑھا گیا ہے۔

(۵) مقدم لفظ کو مؤخر کر دینے سے تغیر ہو جیسے وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ (ق: ۱۹) کو جاء ت سکرۃ الحق بالموت بھی پڑھا گیا ہے۔

(۶) آیت میں کسی لفظ کو زیادہ کرنے یا کم کر دینے سے تغیر ہو کم کرنے کی مثال یہ آیت ہے: وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰىۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰىۙ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰٓى O (الیل: ۳-۱) اس کو اس طرح بھی پڑھا گیا ہے: والیل اذا یغشی O والنھار اذا تجلی O والذکر و الانثی O اور زیادتی کی مثال یہ آیت ہے: وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَۙ (الشعراء: ۲۱۴) اس کے ساتھ ان الفاظ کو زیادہ کر کے پڑھا گیا ہے: و رھطک منھم المخلصین O

(۷) کسی لفظ کے دوسرے مترادف لفظ کے ساتھ تبدیل کر دینے سے تغیر ہو جیسے كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِؕ (القارعۃ: ۵) کو الصوف المنفوش بھی پڑھا گیا ہے۔

یہ مستحسن وجہ ہے لیکن قاسم بن ثابت نے اس کو مستبعد قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا اس طرح قرآن مجید کو پڑھنے کی رخصت اس وقت تھی جب قرآن مجید کو لکھا نہیں جاتا تھا اور اس کا رسم الخط متعین نہیں ہوا تھا اور اس وقت پڑھنے والے حروف کو صرف ان کے مخارج سے پہچانتے تھے اور ننشزھا اور ننشرھا کو لکھنے کی صورت بھی ملتی جلتی ہے اور ان کے معنی بھی متقارب ہیں اس لیے ننشزھا کی جگہ ننشرھا پڑھ لیا جاتا تھا لیکن اب چونکہ قرآن مجید کا رسم الخط متعین ہو گیا ہے اس لیے اب اس طرح پڑھنا جائز نہیں ہے۔ تاہم حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان سے اختلاف کیا ہے انہوں نے کہا اس سے ابن قتیبہ کا موقف کمزور نہیں ہوتا' اور یہ چیزیں صرف استقرار سے معلوم ہیں یعنی ان پر دوسری مثالوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

امام بغوی نے شرح السنۃ میں کہا ہے کہ وہ مصحف جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں معین ہو چکا تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق تمام مصاحف کو لکھنے کا حکم دیا اور تمام لوگوں کو اس پر مجتمع کیا اور اس کے ماسوا تمام مصاحف کو ختم کرا دیا تاکہ اختلاف کا مادہ بالکل باقی نہ رہے۔ لہٰذا اب جس مصحف کا خط اس مصحف عثمانی کے خلاف ہو وہ منسوخ اور مرفوع کے حکم میں ہے اور اب اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا اب کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مصحف عثمانی کے خلاف لکھے یا پڑھے (اور اب تمام دنیا میں اسی مصحف کا رواج ہے اور یہی تواتر سے ثابت ہے اور یہی قرآن ہے اور اس کے ماسوا قرآن نہیں ہے) حافظ عسقلانی نے اس کے بعد بہت طویل بحث لکھی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ امام بغوی نے جو کچھ لکھا ہے وہی راجح اور معتمد ہے کیونکہ امام بغوی فقیہ' محدث اور مقری ہیں۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۹-۳۲' ملخصاً' ملتقطاً و موضحاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابوبکر الباقلانی نے یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ سات حروف وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر اور مشہور ہوئے اور اُمت نے ان کو منضبط کر لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور جماعت صحابہ نے ان کو مصحف میں ثابت رکھا' اور ان کے صحیح ہونے کی خبر دی اور ان میں سے ان حروف کو حذف کر دیا جو متواتر نہیں تھے اور کبھی ان حروف کے معانی مختلف ہوتے ہیں اور کبھی الفاظ' اور یہ حروف آپس میں متعارض اور منافی نہیں ہیں۔

امام طحاوی نے ذکر کیا کہ ان سات حروف پر پڑھنا صرف ابتداء اسلام میں تھا کیونکہ عرب کے تمام قبائل کو ایک لغت پر

مجتمع کرنے میں مشقت تھی' اس ضرورت کی بناء پر ان کو اپنی اپنی لغت پر پڑھنے کی اجازت دی گئی اور جب اسلام بہت کمیل گیا اور کتاب کی اشاعت ہوگئی اور ضرورت نہ رہی تو پھر صرف ایک قرأت رہ گئی۔

ابوعبید اللہ بن ابی صفرہ نے کہا یہ سات قرءات وہ ہیں جو ان سات حروف میں سے ایک حرف (لغت) پر ہیں جن کا حدیث میں ذکر ہے اور یہ وہی حرف ہے جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف میں جمع کیا ہے۔

امام مازری نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ ان سات حروف سے مراد سات مختلف معانی ہیں جیسے احکام امثال اور قصص وغیرہ تو اس کا یہ قول غلط ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشارہ کیا ہے کہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنا جائز ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ ایک آیت کو اس جیسی دوسری آیت سے بدل کر پڑھنا حرام ہے اور جس نے کہا کہ غفور رحیم کو سمیع بصیر سے بدل کر پڑھنا جائز ہے اس کا قول بھی فاسد ہے کیونکہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کو متغیر کر کے پڑھنا حرام ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۳۶۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ہم یہ بیان کر رہے تھے کہ عہد رسالت میں اس سورت کو سورۃ الفرقان کہا جاتا تھا اس سلسلہ میں ایک اور حدیث یہ ہے:

حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی پھر آپ نے سورہ فرقان پڑھی' اور ایک آیت آپ سے رہ گئی' سلام پھیرنے کے بعد آپ نے فرمایا کیا قوم میں اُبی ہے؟ حضرت ابی بن کعب نے کہا میں یہاں ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کیا میں نے ایک آیت چھوڑ نہیں دی؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا پھر تم نے مجھے لقمہ کیوں نہیں دیا؟ حضرت اُبی نے عرض کیا: میں سمجھا یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ آپ نے فرمایا نہیں وہ مجھ سے رہ گئی تھی۔

(المعجم الاوسط ج ۷ ص ۲۱۲' رقم الحدیث: ۶۴۰۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۲۱۶' الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۱۴' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۷۰-۶۹)

سورۃ الفرقان کا زمانۂ نزول

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

ابن الفرس نے کہا ہے کہ جمہور کے نزدیک سورۃ الفرقان مکی ہے اور الضحاک نے کہا کہ یہ مدنی ہے۔

(الاتقان ج ۱ ص ۶۵' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے تین آیات مستثنیٰ ہیں وہ یہ ہیں: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ (الی قولہ تعالی) وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ (الفرقان: ۷۰-۶۸' روح المعانی جز ۱۸ ص ۳۳۷)

لیکن یہ روایت صحیح نہیں جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

قاسم بن ابی بزہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سعید بن جبیر سے سوال کیا کہ جس شخص نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کیا' کیا اس کی توبہ ہوسکتی ہے پھر میں نے ان کے سامنے سورۃ الفرقان کی یہ آیت پڑھی: ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق' سعید بن جبیر نے کہا میں نے حضرت ابن عباس کے سامنے یہ آیت پڑھی تھی جس طرح تم نے میرے سامنے یہ آیت پڑھی ہے۔ انہوں نے کہا یہ آیت مکی ہے اس کو مدنی آیت نے منسوخ کر دیا جو سورۃ النساء میں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۶۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۸۶۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۲ (بیالیس) ہے' یہ سورۂ یٰسٓ کے بعد اور سورۂ فاطر سے پہلے نازل ہوئی اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۵ (پچیس) ہے۔

امام ابن جریر اور امام رازی نے ضحاک بن مزاحم اور مقاتل بن سلیمان کی یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ سورت' سورۃ النساء سے آٹھ سال پہلے اُتری تھی' اس حساب سے بھی اس کا زمانۂ نزول دور متوسط قرار پاتا ہے۔

(ابن جریر جلد ۱۹ ص ۲۸-۳۰' تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۳۵۸' طبع قدیم)

سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی باہمی مناسبت

سورۃ النور اس مضمون پر ختم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور سورۃ الفرقان کی ابتدا بھی اسی مضمون سے ہوئی ہے۔

سورۃ النور کی آخری آیت ہے:

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (النور:۶۴)

سنو بے شک آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔

سورہ نور کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو واجب کیا تھا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (النور:۶۳)

سو جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس سے ڈرنا چاہیے کہ انہیں کوئی آفت پہنچ جائے یا ان کو دردناک عذاب پہنچے۔

اور سورہ نور کی ابتداء میں اس آسمانی دستور کا ذکر فرمایا جس کی اطاعت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دیتے ہیں:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ○ (الفرقان:۱)

وہ برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر بہ تدریج الفرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہوں ○

اور سورۃ الفرقان کی ابتدا میں ہے:

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ . (الفرقان:۲)

وہ ذات جس کی سلطنت میں تمام آسمان اور تمام زمینیں ہیں۔

سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر تین قسم کے دلائل قائم فرمائے' آسمان اور زمین کی تخلیق اور ان کے احوال اور آثار سے استدلال فرمایا۔ (النور:۴۲) اور بارش' برف باری اور ژالہ باری سے استدلال فرمایا۔ (النور:۴۳) اور حیوانات کے احوال اور آثار سے استدلال فرمایا۔ (النور:۴۵) اور سورۃ الفرقان میں سایوں کو پھیلانے' دن اور رات کے تواتر اور تعاقب' برسانے والی ہواؤں' بارشوں کے نازل فرمانے اور حیوانات کے پیدا کرنے سے اپنی توحید اور تخلیق پر استدلال فرمایا۔ نیز انسانوں کے پیدا کرنے' کھاری اور میٹھے پانیوں کے ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط نہ ہونے' آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے' عرش پر مستوی ہونے' آسمانوں میں بروج بنانے' سورج اور چاند کو پیدا کرنے اور اس نوع کے دیگر امور کی تخلیق سے اپنی توحید' اپنے مدبر اور حاکم ہونے پر استدلال فرمایا۔ (الفرقان:۴۵-۶۱) اور ان دونوں سورتوں میں کافروں کے اعمال کا بے حقیقت ہونا

بیان فرمایا ہے۔

سورۃ النور میں فرمایا:

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ (النور:۳۹)

اور کافروں کے اعمال ہموار زمین میں اس چمکتی ہوئی ریت کی مثل ہیں جس کو پیاسا شخص پانی گمان کرتا ہے۔

اور سورۃ الفرقان میں فرمایا:

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ○ (الفرقان:۲۳)

اور کافروں نے (اپنے زعم میں) جو بھی (نیک) عمل کیے تھے ہم نے ان کو فضاء میں بکھرے ہوئے غبار کے باریک ذرات بنادیا۔

سورۃ النور کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فیصلے کرنے اور اپنی حاکمیت کی شان کا ذکر فرمایا:

وَیَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ (النور:۶۴)

اور جس دن لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے سو اس دن وہ ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا۔

اور سورۃ الفرقان کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت اور اپنی سلطنت کی شان اور اپنی حمد و ثنا بیان فرمائی ہے:

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ○ (الفرقان:۲)

وہ ذات جس کی سلطنت میں تمام آسمان اور تمام زمینیں ہیں جس نے کوئی اولاد نہیں بنائی' جس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ایک مقرر کردہ اندازے پر رکھا۔

اور یوں سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی ابتدا اور انتہا میں معنوی اتصال ہے اور ان دونوں کے درمیان مضامین میں گہری مناسبت ہے' دونوں کے درمیانی مضامین میں توحید کے دلائل ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تاکید ہے اور کافروں کے اعمال کی بے مائیگی اور ان کا رائیگاں ہونا بیان فرمایا ہے۔

سورۃ الفرقان کے مشمولات

☆ اس سورت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی تمجید بیان کی گئی ہے اور اس کی اوّلیت اور وحدانیت کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

☆ قرآن مجید کی جلالت شان کو بیان فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو تمام لوگوں کے لیے وجہ احسان قرار دیا ہے۔

☆ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں' آپ پر قرآن مجید نازل کیا گیا ہے' اور آپ کی نبوت کے صدق کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ آپ گزشتہ رسولوں کے طریقہ پر ہیں اور آپ کا دین کی تبلیغ کرنا دنیا کمانے کی وجہ سے نہیں ہے۔

☆ مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے کو بیان کیا گیا ہے' نیکو کاروں کو آخرت میں ثواب کی بشارت دی گئی ہے اور بدکاروں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور مشرکین کو یہ بتایا ہے کہ آخرت میں ان کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے زعم میں جو نیک کام کیے تھے وہ آخرت میں رائیگاں چلے گئے۔ انہوں نے چونکہ شرک کیا تھا اور رسولوں کی تکذیب کی تھی اس لیے آخرت میں ندامت کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔

☆ اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور صرف اسی کے خالق اور مدبر ہونے پر دلائل قائم کیے گئے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو یا اس کا کوئی شریک ہو اور بتوں کی الوہیت کو باطل کیا گیا ہے' ان کے زعم میں فرشتے اللہ کی بیٹیاں تھیں اس کو بھی باطل کیا گیا ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعوت اور ارشاد میں اور کافروں کا مقابلہ کرنے میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ہے۔

☆ آپ کو صبر وضبط پر قائم رکھنے کے لیے یہ بتایا ہے کہ حضرت موسیٰ کی قوم' حضرت نوح کی قوم' عاد اور ثمود' اصحاب الرس اور حضرت لوط کی قوم نے بھی اپنے نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا تھا اور دل آزار باتیں کی تھیں' سو آپ اپنی قوم کی تکذیب اور ان کی دل آزار باتوں سے نہ گھبرائیں۔

☆ جو مومنین اللہ پر توکل کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں سختیوں کو برداشت کرتے ہیں' ان کی تعریف اور ستائش کی ہے' ان کے محاسن اخلاق ان کی خوبیوں اور نیک عادتوں کی مدح کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ مکذبین پر عنقریب عذاب نازل ہونے والا ہے۔

سورۃ الفرقان کے اس مختصر تعارف کے بعد ہم اب اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر کو شروع کرتے ہیں الٰہ العلمین! اس تفسیر میں مجھ سے وہی کچھ لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو چیز غلط اور باطل ہو اس کا کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کے خوف کے بغیر رد اور ابطال کرا دینا' اسرار قرآن اور اس کے نکات مجھ پر کھول دینا' اس تفسیر کے دوران مجھے ایمان اور اعمال صالحہ پر برقرار رکھنا معاندین اور حاسدین کے شر سے محفوظ رکھنا' اس تفسیر کو تا قیام قیامت مقبول عام مفید اور فیض آفرین رکھنا' اور اس خدمت کو محض اپنی رضا کے لیے برقرار رکھنا۔ آمین یارب العلمین بجاہ حبیبک سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الغر المحجلین سید الشافعین والمشفعین صلوات اللہ علیہ وتسلیماتہ علیہ وعلی آلہ الطاهرین واصحابہ الراشدین وازواجہ الطاهرات امهات المومنین واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' بلاک نمبر ۱۵
فیڈرل بی ایریا' کراچی' ۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

(۲۵) سورة الفرقان مكية (۴۲)   بسم الله الرحمن الرحيم   اٰياتها ۷۷ رکوعاتها ۶

سورۃ الفرقان مکی ہے   اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے   اس کی ستتر آیات چھ رکوع ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝١

وہ برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر بہ تدریج الفرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لیے (عذاب سے)

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ

ڈرانے والے ہوں ۝ وہ ذات جس کی سلطنت میں تمام آسمان اور تمام زمینیں ہیں' اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کی

لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝٢

سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے' اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ایک مقرر کردہ اندازے پر رکھا ۝

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا

اور لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود قرار دے لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ

يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً

وہ اپنے لیے کسی ضرر اور نفع کے مالک ہیں اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے

وَّلَا نُشُوْرًا ۝٣ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨ افْتَرٰىهُ وَ

اور نہ مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کے ۝ اور کافروں نے کہا یہ قرآن تو صرف من گھڑت بات ہے جس کو اس

اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝٤ ۚ وَقَالُوْٓا

(رسول) نے گھڑ لیا ہے' اور اس پر دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے' سو ان کافروں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا ۝ اور

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝٥

انہوں نے کہا یہ گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس (رسول) نے لکھوا لیا جو اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں ۝

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ

آپ کہیے کہ اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے' بے شک

معانقة ۱۰ عند المتأخرين ۱۲

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ

بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور کافروں نے کہا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے

وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ

اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (عذاب سے)

نَذِيْرًا ﴿۷﴾ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ

ڈرانے والا ہوتا! O یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ

مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾

کھاتا اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک جادو کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو O

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

بھلا آپ دیکھیے انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں گھڑ رکھی ہیں پس وہ گمراہی میں مبتلا ہو گئے اب وہ کسی طرح ہدایت

ع ۱ ۹ ۱۶ سَبِيْلًا ﴿۹﴾ ع

پر نہیں آ سکتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ کے معانی

مفسرین نے اس سورت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حسب ذیل معانی بیان کیے ہیں:

(۱) اس ذات کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کی عظمت ہر چیز کو محیط ہے اور جس کا علم ہر چیز کو شامل ہے وہ رحمٰن ہے جس کے فرقان کی نعمت تمام مومنوں اور کافروں کو عام ہے وہ رحیم ہے جس نے اپنی رضا کا لباس اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا پہنا دیا۔

(۲) اللہ کے نام سے جس کے نام کی جلالت پر اس کے افعال کی جلالت شاہد ہے اور اس کے جمال کا افضال ناطق ہے اس کی ذات اور صفات پر اس کی آیات دلالت کرتی ہیں۔

(۳) اللہ کے نام سے جس کے نام کی عزت اس کے افعال کی قدرت سے پہچانی گئی اس کے فضل اور اس کی نصرت سے اس کے نام کا کریم ہونا معلوم ہوا۔

(۴) اللہ کے نام سے جس کے نام کی عزت کو عقلاء نے اس کے افعال کی دلالت سے پہچانا اس کے جمال کے لطف اور اس کے جلال کے کشف سے اس کی سخاوت کو پہچانا۔

(۵) اللہ کے نام سے جو عزیز ہے جو اس سے دعا کرتا ہے وہ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے جو اس پر توکل کرے وہ اس کو کافی ہے کرتا ہے' جو اس سے شکایت کرے وہ اس کی شکایت کو زائل کرتا ہے' جو اس سے سوال کرے وہ اس کو عطا کرتا ہے اور عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر بہ تدریج الفرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہوں ○ (الفرقان: ۱)

تبارک' الفرقان' النذیر اور العلمین کے معانی

تبارک: فراء نے کہا تبارک وتقدس دونوں کا معنی واحد ہے۔ یعنی عظمت والا' زجاج نے کہا اس کا معنی ہے برکت والا اور برکت کا معنی ہے ہر قسم کی خیر کی کثرت۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی عطا زیادہ اور بہت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا انعام دائم اور ثابت ہے' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں لفظ مبارک کو شامل کرنے میں اختلاف ہے۔

الفرقان: اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر آسمانی کتاب ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ. بالتحقیق ہم نے موسیٰ اور ہارون کو الفرقان عطا کیا۔

(الانبیاء: ۴۸)

قرآن مجید کو الفرقان فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حق اور باطل اور مومن اور کافر میں فرق کرنے والا ہے' اور اس میں حلال اور حرام کاموں کا فرق کیا گیا ہے۔

النذیر: جو دنیا کی ہلاکت اور آخرت کے عذاب سے ڈرانے والا ہو۔

للعلمین: اس سے مراد انسانوں اور جنات کا عالم ہے' کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور ان کو عذاب سے ڈرانے والے تھے' اور آپ خاتم الانبیاء ہیں حضرت نوح طوفان کے بعد سب انسانوں کے رسول تھے اور آپ سب انسانوں اور جنات کی طرف رسول ہیں۔ آپ کے علاوہ اور کسی نبی کی رسالت میں عموم اور شمول نہیں ہے' بلکہ حق یہ ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں۔ حدیث میں ہے:

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے' تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور آلۂ تیمم بنا دیا' سو میری اُمت میں سے جو شخص جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے وہیں نماز پڑھ لے' اور میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا' اور مجھے شفاعت عطا کی گئی اور پہلے نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ امام مسلم کی روایت میں ہے مجھے ہر گورے اور کالے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۲' تحفۃ الاخیار شرح مشکل الآثار رقم الحدیث: ۴۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے چھ وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے' مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے' اور رعب سے میری مدد کی گئی اور غنیمتوں کو میرے لیے حلال کر دیا گیا' اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کو ختم کر دیا گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۷، مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۱۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۳۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۷۲، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا، اور (پہلے) انبیاء اس وقت تک نماز نہیں پڑھتے تھے جب تک کہ محراب میں نہ پہنچ جائیں، اور ایک ماہ کی مسافت سے میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے، میرے سامنے مشرکین ہوتے ہیں تو اللہ ان کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیتا ہے، اور پہلے نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام جنات اور انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا، اور پہلے نبی خمس کو الگ نکال کر رکھ دیتے تھے پھر آگ اس کو آ کر کھا جاتی تھی اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خمس کو اپنی اُمت کے فقراء میں تقسیم کر دوں، اور کسی نبی نے اپنی دی گئی شفاعت کو باقی نہیں رکھا اور میں نے اپنی شفاعت کو اپنی اُمت کے لیے مؤخر کر رکھا ہے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۴۲، دار الفکر، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۰، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۰۸۵، ۱۱۰۴۷، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۹۴۷)

حضرت یعلیٰ بن مرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن شیء الا یعلم انی رسول اللہ الاکفرۃ اوفسقۃ فی الجن والانس۔ (۱)	ہر چیز یہ جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے جنات اور انسانوں میں سے کافروں اور فاسقوں کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ذات جس کی سلطنت میں تمام آسمان اور تمام زمینیں ہیں، اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے، اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو مقرر کردہ اندازہ پر رکھا ○ (الفرقان: ۲)

اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت کی تمہید

ان آیتوں سے مقصود عامۃ المسلمین کو اللہ سبحانہ کی اس قدرت شاملہ سے ڈرانا ہے جو اس کے علم محیط کو مستلزم ہے جس علم کی وسعت پر قرآن کریم سے دلالت کرائی گئی ہے جو اس کو مستلزم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجد اور خالق نہیں ہے سو وہی حق ہے اور اس کا ماسوا باطل ہے۔ اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ عزوجل نے یہ بتایا وہ برکت والا ہے جس نے اپنے عبد مکرم پر فرقان کو نازل فرمایا جو حق اور باطل میں فرق کرنے والا ہے اور منافقین جو کچھ چھپاتے ہیں اور اپنے مکر اور کفر کو باطن میں رکھتے ہیں اس پر مطلع کرنے والا ہے تاکہ وہ عبد مکرم تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہو جائیں اور وہ مسلمانوں کو منافقین کی سازشوں سے خبردار کریں۔

فرقان کا اجمالی طور پر ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل شروع فرمائی اور اس تفصیل کو ترتیب سے شروع فرمایا پہلے اللہ سبحانہ کے اوصاف شروع کیے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی سلطنت ہے وہ جس کو چاہتا ہے رسول بنا کر بھیج دیتا ہے، اس لیے آسمانوں اور زمینوں میں اس نے جس کو بھی رسول بنا کر بھیجا کسی کو اس کا انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس نے اپنی کوئی اولاد نہیں بنائی جو اس کے رسول پر اپنی برتری جتائے اور نہ اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے جو اس کے رسول پر کوئی اعتراض کرے، اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر چیز اس کی مخلوق ہے اور جب سب اس کی مخلوق ہیں تو مخلوق میں

(۱) عوام میں یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہے کل شیء یعرفنی انی رسول اللہ لیکن یہ الفاظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہیں۔

سے کون اس کی اولاد یا اس کا شریک ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے' پھر اس نے ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک انداز سے بنایا اور جو چیز جس مرتبہ کے لائق تھی اور جس چیز میں جیسی استعداد تھی اس چیز کو اسی مرتبہ اور اسی وصف پر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود قرار دے لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ وہ اپنے لیے کسی نفع اور ضرر کے مالک ہیں اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ مرنے کے بعد زندہ جانے کے O (الفرقان: ۳)

شرک کی پستی

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت میں یہ علم رکھا تھا کہ ان کا کوئی خالق ہے اور زمین و آسمان کی ہر چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان تمام مخلوقات سے ماورا ہے کیونکہ وہ اگر ان ہی کی جنس سے ہوتا تو ان کی طرح مخلوق ہوتا ان کا خالق نہ ہوتا اور تمام مخلوق کا ایک نمط اور ایک نہج پر ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا خالق بھی ایک ہے' اور اس تمام کائنات کا نظم واحد پر قائم رہنا یہ بتاتا ہے کہ اس کائنات کا خالق اور ناظم بھی واحد ہے' لیکن بیشتر لوگوں نے اس مشاہدہ سے صحیح رہنمائی حاصل نہیں کی اور بھٹک گئے اور بہت کمتر اور اسفل چیزوں کو اپنا خالق اور معبود مان لیا اللہ تعالیٰ نے دون کا لفظ فرمایا جس کا معنی بہت پست اور بہت اسفل ہے یعنی اللہ کی شان جس قدر بلند اور برتر ہے یہ بت اتنے ہی پست اور اسفل ہیں جن کو ان لوگوں نے اپنا خالق اور اپنا خدا مان لیا' جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے جو خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ اپنے لیے بھی کسی ضرر اور نفع کے مالک نہیں ہیں تو وہ اپنی پرستش کرنے والوں کو کب کسی ضرر سے بچا سکتے ہیں یا کب کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں' اور نہ موت' نہ حیات اور نہ مر کر دوبارہ اُٹھنے پر قادر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا یہ قرآن تو صرف من گھڑت بات ہے جس کو اس رسول نے گھڑ لیا ہے' اور اس پر دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے' سو ان کافروں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا O اور انہوں نے کہا یہ گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس (رسول) نے لکھوا لیا جو اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں O (الفرقان: ۵-۴)

مشرکین کا یہ اعتراض کہ یہ قرآن اہل کتاب کے تعاون سے بنا لیا گیا ہے

یہ مشرکین کا قول ہے' مقاتل نے کہا یہ نضر بن حارث کا قول ہے' کہ اس قرآن کو اس رسول نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اور دوسروں نے اس گھڑنے پر اس کی مدد کی ہے۔ مجاہد نے کہا دوسروں سے مراد یہود ہیں۔ مقاتل نے کہا انہوں نے حویطب کے آزاد کردہ غلام عداس کی طرف اشارہ کیا تھا' اور عامر بن حضرمی کے غلام یسار کی طرف اور عامر کے ایک اور آزاد کردہ غلام جبر کی طرف یہ تینوں اہل کتاب میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو ان کافروں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا۔

اور انہوں نے کہا یہ گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں' ہم اس کی تفسیر الانعام: ۲۵ میں بیان کر چکے ہیں۔ مفسرین نے کہا اس قول کا قائل نضر بن حارث تھا۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۷۳-۷۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے' بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الفرقان: ۶)

مشرکین کے اعتراض مذکور کا جواب

یعنی اے رسولِ مکرم! آپ یہ کہیے کہ اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو عالم الغیب ہے۔ سو مجھے کسی

ضرورت نہیں ہے اور اگر یہ قرآن اہل کتاب کی کتابوں سے ماخوذ ہوتا تو اس میں ان کی کتابوں سے زیادہ تفصیل نہ ہوتی' اور یہ ان کی کتابوں کے احکام کا ناسخ نہ ہوتا' اور اس میں یہ بیان نہ کیا جاتا کہ گزشتہ کتابوں میں تحریف کر دی گئی ہے' اور اگر یہ قرآن ان کتابوں سے ماخوذ ہوتا تو پھر مشرکین اور منکرین کے لیے اس قرآن کی نظیر بنانا بہت آسان ہوتا وہ بھی اہل کتاب کی معاونت سے اس جیسی کتاب بنا لیتے جب کہ وہ بار بار تقاضوں کے باوجود اس کی کسی ایک چھوٹی سی سورت کی مثل بھی بنا کر نہ لا سکے اور چودہ صدیاں گزرنے کے بعد اب تک بھی کوئی کسی ایک سورت تو کجا ایک آیت کی مثل بھی بنا کر نہ لا سکا۔ سو واضح ہو گیا کہ مشرکین کا یہ کہنا غلط ہے کہ ہمارے رسول نے اس قرآن کو اہل کتاب کے تعاون سے بنا لیا ہے۔

اور فرمایا وہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے یعنی مسلمانوں کے لیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (عذاب سے) ڈرانے والا ہوتا! ○ یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا! اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک جادو کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو ○ بھلا آپ دیکھیے انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں گھڑ رکھی ہیں' پس وہ گمراہی میں مبتلا ہو گئے اب وہ کسی طرح ہدایت پر نہیں آ سکتے ○ (الفرقان: ۹-۷)

پیغام حق نہ سنانے پر کفار کا آپ کو مال اور حکومت کی پیش کش کرنا

امام ابن اسحاق' امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عتبہ' شیبہ (ربیعہ کے دو بیٹے) ابوسفیان بن حرب' النضر بن الحارث' ابوالبختری' الاسود بن المطلب' زمعۃ بن الاسود' الولید بن المغیرہ' ابوجہل بن ھشام' عبداللہ بن امیہ' امیہ بن خلف' العاص بن وائل اور نبیہ بن الحجاج' سب جمع ہوئے اور بعض نے بعض سے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس کسی کو بھیجو اور ان سے بات کرو' پھر انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ کی قوم کے معزز لوگ جمع ہو کر آپ سے بات کرنے کے لیے آئے ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے آپ سے کہا ہم آپ کے پاس حجت قائم کرنے کے لیے آئے ہیں اگر آپ نے نبوت اور نزولِ وحی کا دعویٰ مال جمع کرنے کے لیے کیا ہے تو ہم آپ کو مال اکٹھا کر کے دے دیتے ہیں اور اگر آپ نے سرداری کی طلب میں یہ دعویٰ کیا ہے تو ہم آپ کو سردار مان لیتے ہیں' اور اگر آپ نے سلطنت کی طلب میں یہ دعویٰ کیا ہے تو ہم آپ کو اس ملک کا حاکم مان لیتے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے جتنی پیش کشیں کی ہیں' مجھے ان سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں تمہارے پاس مال طلب کرنے آیا ہوں نہ سرداری کی طلب میں' اور نہ تم پر حکومت کی طلب میں' لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں (ایمان لانے پر ثواب کی) بشارت دوں اور (کفر کرنے پر تمہیں عذاب سے) ڈراؤں۔ پس میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کر دی' سو اگر تم نے میرے پیغام کو قبول کر لیا تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہارے اجر کا حصہ ہے اور اگر تم نے میرے پیغام کو رد کر دیا تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صبر کروں گا حتیٰ کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔

انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تم نے ہماری پیش کش کو قبول نہیں کیا تو تم اپنے رب سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ کو نازل کرے جو تمہارے پیغام کی تصدیق کرے اور پھر ہمیں بتائے' اور اللہ سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے لیے باغات بنا دے اور تمہارے لیے سونے اور چاندی کے محلات بنا دے جو تمہیں فکر معاش سے مستغنی کر دیں' کیونکہ

تم تلاشِ معاش میں ہماری طرح بازاروں میں چلتے ہو' تا کہ ہم تمہاری فضیلت اور تمہارے رب کے نزدیک تمہاری قدر و منزلت کو جان لیں اور یہ کہ تم واقعی اللہ کے رسول ہو۔ آپ نے فرمایا میں تمہاری فرمائش پوری نہیں کروں گا اور نہ اللہ سے ان چیزوں کا سوال کروں گا۔ (الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۱۶' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت '۱۴۲۱ھ)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ بازاروں میں چلتے ہیں!

مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ تجارت اور کسب معاش کے لیے بازاروں میں چلتے ہیں' ان کا یہ اعتراض بالکل لغو تھا' کیونکہ تجارت اور کسب معاش کے لیے بازاروں میں جانا مباح ہے۔ نیز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسبِ معاش کے لیے بازاروں میں گئے تو اُمت کے لیے کسب معاش کے لیے بازاروں میں جانے کا نمونہ فراہم ہوگیا اور تجارت کرنا سنت اور باعث ثواب ہوگیا۔ قابلِ اعتراض چیز بازاروں میں شور کرنا اور بدکلامی کرنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں سے پاک اور منزہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا: اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد' مبشر اور اَن پڑھ قوم کی پناہ بنا کر بھیجا ہے آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ وہ نہ درشت کلام ہیں نہ بدزبان ہیں' نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں لیکن معاف کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں' اور اللہ آپ کی روح اس وقت تک ہرگز قبض نہیں فرمائے گا جب تک آپ کی وجہ سے ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہ کر دے' بایں طور کہ وہ کہیں لا الٰہ الا اللہ' وہ آپ کے سبب سے اندھی آنکھوں کو بینا کر دے گا' اور بہرے کانوں کو کھول دے گا اور دلوں کے غلاف اُتار دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۳۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۰۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۲۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۰۰)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں تجارت کے لیے گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی جانا شروع کیا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بازاروں کی خرید و فروخت مشغول رکھتی تھی اور ہمارے انصاری بھائیوں کو کھیتی باڑی مشغول رکھتی تھی اور ابوہریرہ بھوکے پیٹ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لازماً رہتا تھا اور ان احادیث کے سماع میں حاضر رہتا تھا جن سے وہ حاضر نہیں ہوتے تھے اور ان چیزوں کو یاد رکھتا تھا جن کو وہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۵۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۶۶)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ کے پاس سونے چاندی کے محلات کیوں نہیں اور آپ کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں؟

مشرکین مکہ نے آپ کی نبوت پر دوسرا اعتراض یہ کیا تھا کہ آپ فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں اگر آپ سچے نبی ہیں تو اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے سونے اور چاندی کے محلات بنا دے جن میں آپ رہیں اور آپ کے پاس انگوروں اور پھلوں کے باغات ہوں جن سے آپ کھائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سونے اور چاندی کے محلات اور عیش و عشرت کی زندگی کی پیش کش کی تھی لیکن آپ نے اس کے مقابلہ میں فقر و فاقہ کی زندگی کو اختیار فرمایا۔ نیز آپ کو فرشتہ بننے کا اختیار دیا گیا لیکن آپ نے عبد رہنے کو ترجیح دی۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے یہ پیش کش کی کہ میرے لیے مکہ کی سرزمین کو سونے کا بنا دے سو میں نے کہا نہیں اے میرے رب! میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ پس جب میں بھوکا ہوں گا تو تیری طرف فریاد کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب میرا پیٹ بھرا ہوگا تو تیری حمد کروں گا اور تیرا شکرادا کروں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۹۳۹' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴ ص ۹۳' رقم الحدیث: ۹۶۴' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں' میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کا نیفہ کعبہ کے برابر تھا' اس نے کہا آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے اگر آپ چاہیں تو نبی اور عبد رہیں اور اگر آپ چاہیں تو نبی اور فرشتہ ہو جائیں۔ میں نے جبریل کی طرف دیکھا انہوں نے اشارہ کیا کہ آپ تواضع اختیار کریں تو میں نے کہا نبی اور عبد' اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح عبد کھاتا ہے۔ اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح عبد بیٹھتا ہے۔(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۲۰' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس انصار کی ایک عورت آئی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر ایک چادر دیکھی تو اس نے میرے پاس ایک بستر بھیج دیا جس میں اُون بھرا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور پوچھا اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے بتایا یارسول اللہ! میرے پاس فلانہ انصاریہ آئی تھی اس نے آپ کے بستر پر صرف ایک چادر دیکھی تو اس نے یہ بستر بھیج دیا۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ! اس کو واپس کر دو' اللہ کی قسم! اگر میں چاہتا تو اللہ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دیتا۔

(دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۴۵' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴ ص ۴۷' رقم الحدیث: ۹۴۲' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۴۳۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک جادو کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو۔ بھلا آپ دیکھیے انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں گھڑ رکھی ہیں' پس وہ گمراہی میں مبتلا ہو گئے اب وہ کسی طرح ہدایت پر نہیں آ سکتے۔

یہ قول مشرکین کا ہے جو انہوں نے مسلمانوں سے کہا تھا' اس کی مکمل تفسیر اور آپ پر جادو کیے جانے کی تحقیق ہم بنی اسرائیل: ۴۷ میں کر چکے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ

وہ برکت والا ہے جو اگر چاہے تو آپ کے لیے (ان کے کہے ہوئے) باغات سے بہتر بنا دے

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰

ایسے باغات جن کے نیچے سے دریا جاری ہوں اور آپ کے لیے محل بنا دے O

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ

بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جس نے قیامت کو جھٹلایا ہم نے اس کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ

سَعِيْرًا ﴿١١﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا

تیار کر رکھی ہے ○ جب وہ (آگ) ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ اس کی غصہ سے بھرنے اور دھاڑنے

وَّزَفِيْرًا ﴿١٢﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا

کی آوازیں سنیں گے ○ اور جب ان کو زنجیروں سے جکڑ کر (دوزخ کی) تنگ جگہ میں جھونکا جائے گا تو وہاں وہ موت

هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿١٣﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا

کو پکاریں گے ○ آج تم ایک موت کو نہ پکارو بہت سی موتوں

ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿١٤﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ

کو پکارو ○ آپ کہیے آیا یہ (دوزخ) اچھی ہے یا دائمی جنت جس کا متقین

وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿١٥﴾ لَهُمْ فِيْهَا

سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ ان کی جزا اور ٹھکانا ہے ○ اس (جنت) میں ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے

مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿١٦﴾

جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے جس کا (اس کے کرم کی بناء پر) سوال کیا جائے گا ○

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ

اور جس دن ان (کافروں) کو جمع کیا جائے گا اور ان کو جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے پھر وہ ان (معبودوں) سے

ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ؕ ﴿١٧﴾

فرمائے گا آیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے؟ ○

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ

وہ کہیں گے تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، ہمیں یہ لائق نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر اوروں کو

مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ج

مددگار بناتے لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوش حالی عطا فرمائی حتیٰ کہ انہوں نے نصیحت کو بھلا دیا' اور یہ لوگ

وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ۝۱۸ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ لا فَمَا

تھے ہی ہلاک ہونے والے O سو (اے مشرکو!) تمہارے معبودوں نے تمہاری کہی ہوئی باتوں کی تکذیب کر دی' پس

تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ج وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ

اب تم نہ عذاب کو دور کر سکتے ہو نہ اپنی مدد کر سکتے ہو' اور تم میں سے جس نے بھی ظلم کیا ہے ہم اس کو بہت بڑا عذاب

عَذَابًا كَبِيْرًا ۝۱۹ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ

چکھائیں گے O اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ

اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ط وَجَعَلْنَا

سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے اور ہم نے تم میں سے بعض کو

بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ط اَتَصْبِرُوْنَ ج وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝۲۰ ع

دوسرے بعض کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے' کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے O

ع ۲ / ۱۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ برکت والا ہے جو اگر چاہے تو آپ کے لیے (ان کے کہے ہوئے) باغات سے بہتر بنا دے' ایسے باغات جن کے نیچے سے دریا جاری ہوں اور آپ کے لیے محل بنا دے O (الفرقان: ۱۰)

باغات اور محلات کے طعنہ کا جواب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان مشرکین نے آپ کے لیے جن باغات اور محلات کا ذکر کیا ہے' اللہ اگر چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہتر باغات بنا دے جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہوں اور آپ کے لیے محلات بنا دے۔

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

خیثمہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ہم آپ کو روئے زمین کے تمام خزانے اور اس کی چابیاں عطا فرمائیں گے جو ہم نے آپ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کیں' اس سے اللہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی' آپ نے عرض کیا اے اللہ میرے لیے ان چیزوں کو آخرت میں جمع کر دے۔

قتادہ نے کہا مشرکین نے آپ سے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے اگر ہم چاہیں تو آپ کو اس سے بہتر خزانے اور باغات عطا کر دیں' ایسے باغات جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں۔

محمد بن اسحاق نے کہا کفار نے جو کہا تھا کہ آپ بازاروں میں چلتے ہیں اور کسب معاش کرتے ہیں جس طرح عام لوگ

کرتے ہیں' اللہ نے فرمایا اگر ہم چاہیں تو آپ کو اس سے بہتر چیزیں عطا کر دیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۶۶' مکہ مکرمہ مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۷۹۱' دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جس نے قیامت کو جھٹلایا ہم نے اس کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ○ جب وہ (آگ) ان کو دُور سے دیکھے گی تو وہ اس کی غصہ سے بھرنے اور دھاڑنے کے آوازیں سنیں گے ○ اور جب ان کو زنجیروں سے جکڑ کر (دوزخ کی) تنگ جگہ میں جھونکا جائے گا' تو وہاں وہ موت کو پکاریں گے ○ آج تم ایک موت کو نہ پکارو' بہت سی موتوں کو پکارو ○ (الفرقان: ۱۴-۱۱)

دوزخ کی آنکھوں' کانوں اور زبان کے متعلق احادیث

سعیر کے معنی بھڑکتی ہوئی آگ ہے اور سعید بن جبیر نے کہا یہ جہنم کی ایک وادی ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۹۹۸)

الفرقان: ۱۲ میں فرمایا جب وہ آگ ان کو دُور سے دیکھے گی' اس آیت میں دوزخ کے دیکھنے کا ذکر ہے۔ حدیث میں بھی اس کی تائید ہے:

خالد بن دریک ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری طرف وہ بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی اور جس نے اپنے آپ کو اپنے والدین کے غیر کی طرف منسوب کیا اور جس نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے غیر کی طرف منسوب کیا وہ جہنم کی دو آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانا بنا لے۔ آپ سے عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا جہنم کی دو آنکھیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب وہ آگ ان کو دُور سے دیکھے گی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۹۹۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ اپنی گردن باہر نکالے گی' اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گی' دو کان ہوں گے جن سے وہ سنے گی' اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ کلام کرے گی اور وہ کہے گی میرے سپرد تین (قسم کے) شخص کیے گئے ہیں' ہر متکبر معاند' ہر وہ شخص جو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرے اور تصویریں بنانے والے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۷۴' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۶' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۳۶۵)

تغیظ اور زفیر کے معنی

تغیظ کے معنی ہیں' غصہ میں آنا' جھنجھلانا' اظہار غیظ وغضب کرنا۔

زفیر کے معنی ہیں چلانا' زفیر کا اصل معنی ہے اس قدر تیز سانس لینا جس سے پسلیاں پھولنے لگیں' اور شہیق کا معنی ہے سانس کو سینہ کی طرف لوٹانا' یا زفیر کا معنی ہے سانس کو کھینچ کر سینے سے نکالنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' زفیر بلند آواز ہے اور شہیق پست آواز ہے' ضحاک اور مقاتل نے کہا زفیر گدھے کی پہلی آواز ہے اور شہیق اس کی آخری آواز ہے۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ زفیر حلق میں ہوتی ہے اور شہیق پیٹ میں۔ (تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۷۱' ۳' دار الکتب العربیہ پشاور)

اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ لوگ قیامت کے دن دوزخ میں کافروں کے رونے اور چلانے کی آوازیں سنیں گے اور صحیح یہ ہے کہ وہ دوزخ ہی کی غصہ میں دھاڑنے اور چنگھاڑنے کی آوازیں سنیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو دوزخ کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جائے گا تو دوزخ اس طرح چلائے گی جس طرح خچر گھاس اور جو کو دیکھ کر چلاتا ہے۔ یہ آواز سن کر ہر شخص ڈر جائے گا۔

عبید بن عمیر لیثی نے اس کی تفسیر میں کہا جہنم اس طرح دھاڑ رہی ہوگی کہ ہر فرشتہ اور ہر نبی اس کی آواز سن کر خوف سے گر جائے گا اور اس کے کندھے خوف سے کپکپا رہے ہوں گے۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے کہیں گے: اے میرے رب آج کے دن میں تجھ سے صرف اپنے لیے سوال کرتا ہوں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۶۸ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

کفار کا جہنم میں جھونکا جانا اور ان کا موت کی دعا کرنا

الفرقان: ۱۳ میں فرمایا: اور جب ان کو زنجیروں سے جکڑ کر (دوزخ کی) تنگ جگہ میں جھونکا جائے گا تو وہاں وہ موت کو پکاریں گے۔

یحییٰ بن اسید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ان کو اس طرح زبردستی دوزخ میں جھونکا جائے گا جس طرح کیل کو دیوار میں ٹھونک دیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا کفار اس طرح دوزخ میں پیوست ہوں گے جس طرح نیزے کا پھل نیزے میں پیوست ہوتا ہے۔

ضحاک نے کہا وہ اپنی ہلاکت کی دعا کریں گے اور کہیں گے ہائے ہلاکت ہائے ہلاکت۔

الفرقان: ۱۴ میں فرمایا: آج تم ایک موت کو نہ پکارو' بہت سی موتوں کو پکارو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے آگ کا حلہ (ایک قسم کی دو چادریں) ابلیس کو پہنایا جائے گا' وہ اس کو اپنی بھوؤں پر رکھے گا' اور اس کو اپنے پیچھے سے گھسیٹے گا اور چلائے گا ہائے میری ہلاکت! اور اس کی ذریت اس کے پیچھے ہوگی' اور کہے گی ہائے ہماری ہلاکت! اس وقت کہا جائے گا آج تم ایک موت کی دعا نہ کرو' بہت سی موتوں کی دعا کرو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۶۹-۲۶۶۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے' آیا یہ دوزخ اچھی ہے یا دائمی جنت جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کی جزا اور ٹھکانا ہے ○ اس (جنت) میں ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے' جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے جس کا (اس کے کرم کی بناء پر) سوال کیا جائے گا ○ (الفرقان: ۱۶-۱۵)

آیا دوزخ میں کوئی اچھائی ہے؟

آیت: ۱۵ میں فرمایا: آیا یہ دوزخ خیر ہے یا دائمی جنت؟ خیر کا معنی ہے زیادہ اچھی' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں بھی فی نفسہٖ اچھائی ہے لیکن جنت زیادہ اچھی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خیر یہاں پر اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے بلکہ صفت مشبہ کے معنی میں ہے یعنی دوزخ اچھی ہے یا دائمی جنت! اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کفار کے علم اور ان کے اعتقاد کے موافق کلام فرمایا ہے کیونکہ کفار دوزخ میں جھونک دیئے جانے والے کام کرتے تھے گویا وہ سمجھتے تھے کہ دوزخ میں بھی اچھائی ہے اس لیے فرمایا کہ بتاؤ دوزخ زیادہ اچھی ہے یا دائمی جنت۔

اس آیت میں فرمایا ہے دائمی جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے' متقین کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ کفر اور شرک کو ترک کر دیں اور متوسط درجہ یہ ہے کہ وہ گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ کو ترک کر دیں اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ ہر خلاف سنت' مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کام کو ترک کر دیں۔

جنت میں ہر چاہی ہوئی چیز کے ملنے کا محمل

آیت: ۱۶ میں فرمایا: اس (جنت) میں ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے۔
کعب احبار نے کہا جو شخص ساری زندگی شراب پیتا رہا وہ آخرت میں شراب نہیں پیے گا خواہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ عطاء نے اعتراض کیا اے ابواسحاق اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے اس میں ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے؟ کعب نے کہا وہ شراب کو بھول جائے گا اور وہ اس کو یاد نہیں آئے گی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۰۱۷)
اس سے معلوم ہوا کہ ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے اپنے عموم پر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ کسی باطل یا محال چیز کو چاہیں تو وہ ان کو نہیں ملے گی مثلاً وہ لواطت کو چاہیں یا وہ چاہیں کہ ان کا نبی سے بلند درجہ ہو تو وہ ان کو نہیں ملے گا بلکہ حق یہ ہے کہ ایسی باطل خواہشیں جنت میں ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوں گی کیونکہ ان باطل خواہشوں کا منبع اور مصدر شیطان ہے اور وہ جنت میں نہیں ہوگا تو ایسی باطل خواہشیں بھی دلوں میں پیدا نہیں ہوں گی۔
منصور بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا آیا جنت میں اولاد ہوگی؟ فرمایا: ہاں اگر وہ چاہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۰۱۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی بناء پر اس سے سوال کرنا

نیز اس آیت میں فرمایا: یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے جس کا (اس کے کرم کی بناء پر) سوال کیا جائے گا۔
حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا یعنی تم اس چیز کا سوال کرو جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے۔
القرظی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کریں گے:

رَبَّنَا وَاَدۡخِلۡهُمۡ جَنّٰتِ عَدۡنِ ِالَّتِیۡ وَعَدۡتَّهُمۡ وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّیّٰتِهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ۝ (المومن: ۸)

اے ہمارے رب تو ان کو ہمیشگی کی جنتوں میں داخل کر دے جس کا تو نے ان سے (از راہِ کرم) وعدہ فرمایا ہے اور ان کے باپ دادا، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جس نے نیک کام کیے ہیں۔ بے شک تو بہت غالب، بے حد حکمت والا ہے۔

اور ابوحازم یہ کہتے تھے کہ قیامت کے دن مومنین یہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہم کو جن کاموں کا حکم دیا تھا وہ ہم نے کر لیے اب تو اس کو پورا فرما جس کا تو نے ہم سے (از راہِ کرم) وعدہ فرمایا تھا۔
عبدالرحمٰن بن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: مانگنے والوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ سے اس کے وعدہ کو طلب کیا تو جب انہوں نے سوال کیا اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ ان کو عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے زمین میں بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے رزق کو مقرر کر دیا تھا پھر اس رزق کو مانگنے والوں کی روزی بنا دیا، پھر ان کے سوال کرنے کے وقت کو اس کی عطا کے لیے مقرر فرما دیا، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

وَجَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَبٰرَكَ فِیۡهَا وَقَدَّرَ فِیۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا فِیۡۤ اَرۡبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ (حم السجدۃ: ۱۰)

اور اس نے زمین کے اوپر پہاڑ نصب کر دیے اور اس میں برکت رکھ دی اور اس میں رہنے والوں کی روزی بھی صرف چار دن میں مقرر کر کے رکھ دی، مانگنے والوں کے لیے برابر برابر۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۷۱، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

بندوں نے اللہ تعالیٰ کی جو عبادت کی ہے اس عبادت کی بناء پر ان کے سوال کا کوئی جواز نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ

...ل کرنے والے مومنوں سے جواز راہ فضل وکرم اجر وثواب اور جنت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس وعدہ کی بناء پر
...توں نے اللہ تعالیٰ سے مومنوں کے لیے سوال کیا' اور رسولوں نے اور مومنوں نے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح: ۲۹)

ایمان والوں اور ان میں سے نیک عمل کرنے والوں سے اللہ نے مغفرت کا اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (آل عمران: ۱۹۴)

اے ہمارے رب! ہمیں وہ اجر عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں روز قیامت شرمندہ نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ان (کافروں) کو جمع کیا جائے گا اور ان کو جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے' پھر (اللہ) ان (معبودوں) سے فرمائے گا آیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے؟ ۝ وہ کہیں گے تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے' ہمیں یہ لائق نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر اوروں کو مددگار بناتے لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوش حالی عطا فرمائی حتیٰ کہ انہوں نے نصیحت کو بھلا دیا اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے ۝ سو (اے مشرکو!) تمہارے معبودوں نے تمہاری کہی ہوئی باتوں کی تکذیب کر دی پس اب تم نہ عذاب کو دُور کر سکتے ہو نہ اپنی مدد کر سکتے ہو اور تم میں سے جس نے بھی ظلم کیا ہے ہم اس کو بہت بڑا عذاب چکھائیں گے ۝ (الفرقان: ۱۹-۱۷)

نعمتوں کی بہتات کی وجہ سے لوگوں کا کفر اور شرک کرنا

قتادہ نے کہا اس دن سے مراد یوم قیامت ہے۔
حضرت ابن عباس نے فرمایا ہر چیز کا حشر کیا جائے گا حتیٰ کہ مکھی کا بھی حشر کیا جائے گا۔
مجاہد نے کہا جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے اس سے مراد حضرت عیسیٰ' حضرت عزیر اور فرشتے ہیں۔
یا یہ خود گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ مقاتل بن حیان نے کہا انہوں نے سیدھے راستہ کی تلاش میں خطا کی۔
کفار کے معبودوں نے کفار کا رد کرتے ہوئے کہا: ہمیں یہ لائق نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر اوروں کو اولیاء بناتے۔
اولیاء کی تفسیر میں سدی نے کہا ولی وہ ہے جس کو اللہ اپنا دوست بنا لے اور وہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرے۔
فرمایا: لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوش حالی عطا فرمائی تھی۔ یعنی دنیا میں ان کو صحت' لمبی زندگی اور کشادگی اور فراخی عطا فرمائی حتیٰ کہ انہوں نے نصیحت کو بھلا دیا یعنی انہوں نے تجھے یاد کرنا چھوڑ دیا' اور تکبر میں آ کر تیرے ساتھ شرک کیا' اور ہمارے حکم کے بغیر ہماری عبادت کی۔ ذکر کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد وہ کتابیں اور صحائف ہیں جو رسل علیہم السلام پر نازل کیے گئے جن پر انہوں نے عمل کرنے کو ترک کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا شکر ادا نہیں کیا۔
فرمایا: اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ حمص والوں کے پاس گئے اور فرمایا اے اہل حمص! آؤ اپنے بھائی کے پاس تاکہ وہ تمہیں نصیحت کرے جب وہ ان کے گرد جمع ہو گئے تو فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم حیا نہیں کرتے! تم وہ مکان بناتے ہو جن میں تم رہتے نہیں ہو' اور تم اس طعام کو جمع کرتے ہو جس کو تم کھاتے نہیں ہو اور تم ان چیزوں کی امید رکھتے ہو جن کو تم پا نہیں سکتے! بے شک تم سے پہلے لوگوں نے مضبوط گھر بنائے' اور غلام جمع کیے اور لمبی امیدیں رکھیں' پھر وہ سب لوگ ہلاک ہو گئے ان کی امیدیں دھوکا بن گئیں اور ان کے گھر قبرستان بن گئے۔

بوراً کے معنی اور شرک کی مذمت

بوراً کے معنی ہیں ہلاک ہونے والے۔ خالی جس میں کوئی چیز نہ ہو۔ بوادی الارض کا معنی ہے بے کار زمین جس میں کوئی خیر اور کوئی فائدہ نہ ہو۔ شہر بن خوشب نے کہا بوار کا معنی ہے فاسد اور کھوٹی چیز' جب کوئی سودا بک نہ سکے تو کہتے ہیں بارت السلعة۔

فرمایا: تمہارے معبودوں نے تمہاری تکذیب کر دی' یہ اللہ تعالیٰ اس وقت فرمائے گا جب مشرکین کے معبود ان سے برأت کا اظہار کر دیں گے۔

ابو عبید نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے معبود تم کو اس حق سے ہٹانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے جس کی طرف اللہ نے تمہیں ہدایت دی تھی' اور نہ تم پر نازل ہونے والے عذاب کو تم سے دُور کر کے تمہاری مدد کر سکتے تھے کیونکہ انہوں نے تمہاری تکذیب کر دی تھی۔

حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم میں سے جس نے بھی ظلم کیا ہے ہم اس کو بہت بڑا عذاب چکھائیں گے' اس کا معنی ہے تم میں سے جس شخص نے شرک کیا پھر وہ اسی شرک پر مر گیا ہم اس کو آخرت میں بہت سخت عذاب دیں گے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۷۳-۲۶۷۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۳-۱۲)

الفریابی' ابن ابی شیبہ' عبد بن حمید اور ابن المنذر اس آیت کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جو لوگ حضرت عیسیٰ' حضرت عزیر اور فرشتوں کی عبادت کرتے تھے جب قیامت کے دن یہ انبیاء اور فرشتے ان لوگوں کی تکذیب کر دیں گے اور کہیں گے اے اللہ! تو شرک کیے جانے سے پاک ہے تو ہمارا مالک اور معبود ہے تو اللہ تعالیٰ ان مشرکوں سے فرمائے گا جن کی تم عبادت کرتے تھے وہ نہ تم سے عذاب دُور کر سکتے ہیں اور نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے بہتر آسمانی کتابیں پڑھی ہیں اور کسی کتاب نے قرآن مجید سے زیادہ ظلم پر مذمت نہیں کی' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس اُمت کا فتنہ ظلم میں ہوگا' اور دوسری امتوں کی زیادہ مذمت شرک اور بت پرستی کی وجہ سے کی گئی ہے۔

امام عبدالرزاق اور ابن جریر نے حسن بصری اور ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۲۲۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے' کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے O (الفرقان: ۲۰)

رزق اور دیگر مقاصد کے حصول کے لیے اسباب اور وسائل کو تلاش کر کے اختیار کرنا

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عار دلائی اور کہا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں سب سے ان کے زمانہ کے مشرکوں نے یہی کہا تھا کہ تم کیسے رسول ہو جو کھانا کھاتے ہو اور بازاروں میں چلتے ہو۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

انبیاء سابقین علیہم السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بازاروں میں چلنا تجارت اور صنعت کے ذریعہ طلب معاش

ے لیے ہوتا تھا۔

قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ (الانبیاء:۸۰) اور ہم نے اس کو زرہ بنانے کا طریقہ سکھایا تا کہ وہ زرہ جنگ میں تمہاری حفاظت کرے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے بنا دیا گیا ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے بنا دیا گیا ہے' اور جس نے میرے حکم کی مخالفت کی اس کے لیے ذلت اور حقارت بنا دی گئی ہے' اور جس شخص نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی اس کا شمار اسی قوم سے ہوگا۔

(صحیح البخاری کتاب الجہاد' باب:۸۸' ماقیل فی الرماح' مسند احمد ج ۲ ص ۵۰' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۹۳۹۴' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۴۹' احمد محمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حاشیہ' مسند احمد رقم الحدیث:۵۱۱۴' دار الحدیث قاہرہ)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہتھیاروں کے ساتھ دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد کرنے سے میدانِ جنگ میں ان کا چھوڑا ہوا مال' اسباب' اور ہتھیار وغیرہ مسلمانوں کو بہ طور مالِ غنیمت حاصل ہوتے ہیں اور وہ بھی مسلمانوں کے حصولِ رزق کا ایک ذریعہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ (الانفال:۶۹) پس تم نے جو کچھ حلال اور پاکیزہ مالِ غنیمت حاصل کیا ہے اس سے کھاؤ۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مالِ غنیمت کے حصول کے علاوہ تجارت اور صنعت وحرفت کے ذریعہ بھی رزق حاصل کرتے تھے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے کہا کہ میری قوم کو معلوم ہے کہ میری صنعت اور حرفت میرے اہل وعیال کی کفالت سے عاجز نہیں ہے اور اب میں مسلمانوں کی خلافت اور حکومت کے ساتھ مشغول ہو گیا ہوں۔ پس اب ابوبکر کے اہل وعیال اس مال سے کھائیں گے (یعنی بیت المال کے وظیفے سے) اور میں مسلمانوں کے لیے کام کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰۷۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کام کاج اور محنت مزدوری کرتے تھے اور ان کے جسم سے بو آتی تھی تو ان سے کہا گیا کہ اگر تم غسل کر لیا کرو (تو بہتر ہے)

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰۷۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۵۲)

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے افضل اور بہتر کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۱۳۸' مسند احمد رقم الحدیث:۱۷۲۲۲' عالم الکتب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی کمر پر لکڑیوں کا گٹھا لاد کر لائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے وہ اس کو دے یا اس کو منع کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۶ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۵۸۴ مسند احمد رقم الحدیث: ...)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو کسی چیز کو خریدتا ہے یا فروخت کرتا ہے یا کسی سے تقاضا کرتا ہے تو نرمی سے کام لیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۰۳)

ترک اسباب پر صوفیاء کے دلائل اور ان کے جوابات اور توکل کا صحیح مفہوم

بعض صوفیاء کسبِ معاش اور حصولِ رزق کے اسباب اختیار کرنے کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ پر توکل کرنے کے خلاف ہے' اگر انسان اللہ پر کامل توکل کرے تو ان اسباب کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ ان کو رزق عطا فرمائے گا' قرآن مجید میں ہے:

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ○ (الذاریات: ۲۲)

اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس رزق سے مراد بالاجماع بارش کا نازل فرمانا ہے کیونکہ آسمان سے عادتاً روٹیاں نہیں برستیں اور اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرماتا ہے تاکہ تم اس سے اپنے کھیتوں اور باغات کو سیراب کرسکو اور ظاہر ہے کہ کھیت اور باغات انسان کی محنت اور کسب سے وجود میں آتے ہیں' اس کی تائید میں حسب ذیل آیات ہیں:

وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ط (المومن: ۱۳)

وہی تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل فرماتا ہے۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ○ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ○ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ط كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ○ (ق: ۱۱-۹)

اور ہم نے آسمانوں سے برکت والا پانی نازل فرمایا اور اس سے باغات اور کھیتوں میں کٹائی کیے جانے والے غلے پیدا کیے ○ اور کھجوروں کے بلند درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں ○ بندوں کے رزق کے لیے اور ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کردیا' اسی طرح (مردوں کا قبروں سے) نکلنا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام سے مقابلہ کے لئے سامانِ حرب اور سواریوں کو تیار رکھنے کا حکم دیا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ تم توکل کرکے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ۔ ارشاد فرمایا:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ج (الانفال: ۶۰)

تم دشمنوں سے مقابلہ کے لیے مقدور بھر اسلحہ اور گھوڑے (سواریاں) تیار رکھو تاکہ تم ان سے اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی۔

اسی طرح حضرت مریم سے فرمایا:

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ○ (مریم: ۲۵)

اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ' یہ تمہارے اوپر تروتازہ پکی کھجوریں گرادے گا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ حضرت مریم کے ہلائے بغیر ان کے اوپر تروتازہ کھجوریں گرا دیتا لیکن ان کو یہ حکم دیا کہ وہ کھجور کے تنے کو ہلائیں کیونکہ حصولِ رزق کی جدوجہد کے لیے جو کام حضرت مریم کرسکتی تھیں' وہ ان کو کرنا ہوگا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ . (الشعراء: ۶۳) اپنی لاٹھی سمندر پر ماریے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری تو سمندر پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند ہو گیا اور درمیان میں خشکی کے بارہ حصے بن گئے' جب اللہ تعالیٰ نے سمندر میں خشکی کے بارہ راستے بنا دیے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر میں لاٹھی مارنے کا حکم کیوں دیا؟ یہ اس لیے کہ سمندر میں خشکی کے بارہ راستے بنانے پر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام قادر نہ تھے لیکن سمندر میں لاٹھی تو مار سکتے تھے اس لیے جو کام وہ کر سکتے تھے اس کے کرنے کا انہیں حکم دیا اور جو کام وہ نہیں کر سکتے تھے' وہ اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔ اس سے بھی واضح ہو گیا کہ اپنے مقصود کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے بلکہ قرآن مجید اور احادیث کی یہ تعلیم اور تلقین ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے اسباب اور وسائل کو حاصل کیا جائے اور پھر نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے اور اسباب اور وسائل کو ترک کرنا توکل نہیں ہے۔ کچھ لوگ سفر خرچ کے بغیر حج کے لیے جاتے تھے اور راستہ میں مانگ تانگ کر کام چلاتے تھے تو ان کو سفر خرچ لے کر سفر کرنے کی ہدایت کی گئی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ . (البقرہ: ۱۹۷) اور سفر خرچ ساتھ لے کر سفر کرو' بہترین سفر خرچ سوال سے بچنا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو باندھ کر توکل کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۹۰' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۹۲)

جو صوفی لوگ محنت اور کسب کرنے کے خلاف ہیں وہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے' وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۴' مسند احمد ج ۱ ص ۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۶۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۰' المستدرک ج ۴ ص ۳۱۸' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۶۹' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۱۰۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے' کیونکہ پرندوں کو بھی کسب اور محنت کے بغیر رزق نہیں ملتا' ایسے نہیں ہوتا کہ وہ کسی درخت پر یا گھاس پر بیٹھ جائیں اور آسمان سے ان کے اوپر دانے گرنے لگیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین کے گوشوں میں رزق طلب کرو۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۲۹۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۹۳۰۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ نبوت سے پہلے کئی کئی دن غارِ حرا میں جا کر تنہائی میں عبادت کرتے تھے اور اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے تھے پھر جب وہ چیزیں ختم ہو جاتیں تو دوبارہ گھر جا کر کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۵)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۹۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۹۱' مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۵)

اور حضرت انس رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال' مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے

سر پر خود تھا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۹۳' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۵'
النسائی رقم الحدیث: ۲۸۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۰۵)

دیکھئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانا لے کر غار حرا جاتے تھے' اور زرہ اور خود پہن کر جہاد کے لیے جاتے تھے اور آپ سید المتوکلین ہیں' اس کے باوجود اسباب اور وسائل کو ترک نہیں کرتے تھے۔ سو کسی مقصد کے حصول کے لیے اس کے اسباب اور وسائل کو ترک کرنا آپ کی تعلیم' آپ کی سیرت اور آپ کی ہدایت کے خلاف ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے O

اہل نعمت کی اہل مصیبت سے شکر میں اور اہل مصیبت کی اہل نعمت سے صبر میں آزمائش

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابورافع الزرقی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! آپ ہمارے غلاموں کے متعلق کیا فرماتے ہیں اور وہ لوگ مسلمان ہیں ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہم ان کو مارتے پیٹتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے گناہوں اور تمہارے ان کو مارنے کا وزن کیا جائے گا اگر تمہاری مار ان کے گناہوں سے زیادہ ہوگی تو تمہاری گرفت کی جائے گی۔ مسلمانوں نے کہا آپ یہ بتائیں کہ ہم نے جو ان کو سب وشتم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان کے گناہوں اور تم نے جو ان کو ایذا پہنچائی ہے اس کا وزن کیا جائے گا' اگر تمہاری ان کو پہنچائی ہوئی ایذا زیادہ ہوئی تو تمہاری نیکیاں ان کو دی جائیں گی۔ اس شخص نے کہا میں نے ان سے بڑا دشمن تو کوئی نہیں سنا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے۔ کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے۔ (الفرقان: ۲۰) پھر اس شخص نے کہا یارسول اللہ! یہ بتائیں اگر میں اپنی اولاد کو ماروں تو پھر؟ آپ نے فرمایا اگر تم اپنی اولاد کو مارو تو اس میں تم سے کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ کوئی تہمت ہے' اور تم یہ گوارا نہیں کرو گے کہ تم پیٹ بھر کر کھاؤ اور تمہاری اولاد بھوکی رہے اور تم کپڑے پہنو اور تمہاری اولاد ننگی رہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۰۴۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: فقیر کہے گا اگر اللہ مجھے فلاں شخص کی مثل غنی بنا دیتا اور بیمار کہے گا کہ اگر اللہ مجھے فلاں شخص کی مثل صحت مند بنا دیتا۔ (یہی بعض کی بعض سے آزمائش ہے) (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۰۴۷)

امام محمد بن اسحاق نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یعنی اللہ فرماتا ہے میں نے تم سے بعض کو مصائب میں مبتلا کر دیا تا کہ تم دوسروں کی باتیں سن کر صبر کرو' اور ان کی مخالفت کو برداشت کرو' اور تم ہدایت پر عمل کرو بغیر اس کے کہ میں تم کو دنیا عطا کروں اور اگر میں چاہتا تو میں اپنے رسولوں کے ساتھ دنیا رکھ دیتا اور وہ مخالفت نہ کرتے' لیکن میں نے یہ ارادہ کیا کہ تمہاری وجہ سے بندوں کو آزمائش میں ڈالوں اور تمہیں ان کی وجہ سے آزمائش میں ڈالوں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۰۵۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور جس پر فضیلت دی ہے اس کو صبر کرنے کا اور تقدیر پر راضی رہنے کا حکم

ہے اور جس کو فضیلت دی ہے اس کو اس فضل اور نعمت پر شکر کرنے کا حکم دیا ہے' اور ایک قوم کو مصائب کے ساتھ خاص کر لیا اور ان کو اہل مصائب کے لیے آزمائش بنا دیا اور دوسری قوم کو عافیت اور آسائش کے ساتھ خاص کر لیا' اور ایک قوم کو بیماریوں اور دردوں کے ساتھ خاص کر لیا۔ پس جس کو نعمتیں دی ہیں اس کا کوئی کمال نہیں اور جس کو آزمائش میں ڈالا ہے اس کا کوئی نقص اور عیب نہیں۔ کسی پر اس کے جرم کی وجہ سے مصائب نہیں آتے بلکہ اللہ کے حکم کی وجہ سے آتے ہیں اور کسی پر نعمتیں اس کے استحقاق اور اس کی کارکردگی کی وجہ سے نہیں ہوتیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ہوتی ہیں اور اس کے ارادہ کی وجہ سے ہوتی ہیں ان کی عبادتوں کی وجہ سے نہیں ہیں' اور مصائب اس کے اختیار کی وجہ سے ہیں ان کے برے اخلاق کی وجہ سے نہیں ہیں۔

پھر فرمایا: کیا تم صبر کرو گے؟ یہ استفہام حکم کے معنی میں ہے یعنی صبر کرو۔ پس جس کو توفیق ہوگی وہ صبر اور شکر کرے گا' اور جس کو توفیق نہیں ہوگی وہ انکار کرے گا اور کفر کرے گا۔ (لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۸۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

الجزء ۱۹

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

اور جو لوگ ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے' انہوں نے کہا ہم پر فرشتے کیوں نہیں

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا

نازل کیے گئے یا ہم نے اپنے رب کو دیکھ لیا ہوتا' انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا اور بہت بڑی

كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ

سرکشی کی O جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن ان مجرموں کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی وہ کہیں گے

وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ

(کاش ہمارے درمیان) کوئی رکاوٹ والا حجاب ہوتا O انہوں نے (اپنے زعم میں) جس قدر (نیک) کام کیے تھے ہم ان

فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ

کی طرف قصد کریں گے اور ان کو فضا میں بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرے بنا دیں گے O اس دن جنت والوں

مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ

کا بہترین ٹھکانا ہوگا اور نہایت عمدہ خواب گاہ ہوگی O اور جس دن آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں

وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ

کی جماعتیں نازل کی جائیں گی O اس دن برحق سلطنت صرف رحمٰن کی ہوگی' اور وہ

كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى

دن کافروں پر سخت دشوار ہو گا ○ اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے

يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى

کاٹے گا (اور) کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کر لیا ہوتا! ○ ہائے افسوس!

لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ

کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا! ○ اس نے تو میرے پاس نصیحت آنے کے بعد

اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ

مجھ کو گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہے ○ اور رسول کہیں گے

الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَ

اے میرے رب بے شک میری قوم (میں سے کافروں) نے اس قرآن کو متروک بنا لیا تھا ○ اور

كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى

ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لیے مجرمین میں سے دشمن بنا دیے ہیں' اور آپ کا رب

بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ

آپ کو ہدایت دینے اور آپ کی مدد کرنے کے لیے کافی ہے ○ اور کافروں نے کہا یہ پورا قرآن ایک ہی دفعہ

عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ معٌ عند المتقدمین ۱۲

کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (ہم نے) اسی طرح (تدریجاً نازل کیا ہے) تاکہ اس سے آپ کے دل کو مضبوط

فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ

کریں اور ہم نے اس کو وقفہ وقفہ سے تلاوت فرمایا ہے ○ اور یہ آپ کے پاس جو بھی مثال (یا اعتراض) لائیں

بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى

گے ہم اس کی برحق اور عمدہ توجیہ بیان کریں گے ○ جو لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹ کر لائے جائیں

۳ ع ۱۴ ۱ جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۳۴ ع

گے ان کا بہت برا ٹھکانا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ سیدھے راستے سے بھٹکنے والے ہوں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے' انہوں نے کہا ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے' یا ہم نے اپنے رب کو دیکھ لیا ہوتا' انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا اور بہت بڑی سرکشی کی ○ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے' اس دن ان مجرموں کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی وہ کہیں گے (کاش ہمارے درمیان) کوئی رکاوٹ والا حجاب ہوتا ○

(الفرقان: ۲۲-۲۱)

ایمان لانے کو فرشتوں کے نزول اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر معلق کرنے کا جواب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو مشرکین ہماری ملاقات سے خوف زدہ نہیں ہیں اور ہمارے عذاب سے نہیں ڈرتے انہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جو ہمیں یہ خبر دیتے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) برحق نبی ہیں اور وہ جو پیغام ہمارے پاس لے کر آئے ہیں وہ سچا ہے' یا ہم اپنے رب کو خود دیکھ لیں تو وہ ہمیں خود اس بات کی خبر دے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا ہے اور تکبر کیا ہے اور اپنے اس قول میں وہ تکبر کی حد سے پھر بڑھ گئے ہیں۔ اس آیت میں **عتو** کا لفظ ہے۔ **عتو** کا معنی ہے زمین میں اپنے آپ کو بلند اور برتر سمجھنا' شدید کفر اور سخت ظلم۔

ان کا تکبر اور ان کی سرکشی یہ تھی کہ انہوں نے فرشتوں کو دنیا میں دیکھنے کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ فرشتے صرف موت کے وقت دکھائی دیں گے یا نزولِ عذاب کے وقت' اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا حالانکہ کوئی آنکھ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتی ہے نہ اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے ہوئے معجزات کو اور اس قرآن کو کافی نہیں سمجھا جس کی نظیر لانے سے تمام انسان اور جن عاجز رہے' تو پھر فرشتوں کو دیکھ لینا ان کے لیے کیسے کافی ہو سکتا تھا' جب کہ وہ فرشتوں اور شیاطین کے درمیان تمیز اور فرق نہیں کر سکتے' اور یہ جاننے کے لیے کہ دکھائی دینے والی چیز فرشتہ ہے شیطان نہیں ہے پھر ایک معجزہ کی ضرورت ہوگی اور معجزات کو ثبوت کے لیے انہوں نے کافی نہیں سمجھا تھا۔ علاوہ ازیں انسان بہ حیثیت انسان' فرشتہ کو بہ حیثیت فرشتہ نہیں دیکھ سکتا۔ سوا اس صورت کے کہ فرشتہ انسانی پیکر اور انسانی شکل میں آئے اور جب فرشتہ انسانی شکل میں آ کر ان سے بات کرے گا تو وہ پھر اس کو فرشتہ نہیں مانیں گے۔

حجرا محجورا کے دو محمل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان مجرموں کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ فرشتوں کو کوئی شخص موت سے پہلے نہیں دیکھ سکتا' موت کے وقت فرشتے مومنوں کو جنت کی بشارت دیں گے اور کافروں پر لوہے کے گرز مار کر ان کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکالیں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کہیں گے **حجرا محجورا** اس کی دو تفسیریں ہیں یا تو فرشتے کافروں کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکالتے وقت ان سے کہیں گے **حجرا محجورا** یا اس وقت کافر حسرت اور یاس سے کہیں گے **حجرا محجورا**۔

حجر کے اصل معنی ہیں منع کرنا اور روک دینا۔ جس طرح قاضی کسی پر اس کی بے وقوفی اور کم عمری کی وجہ سے پابندی لگا دیتا

ہے اور اس کو اس کے مال میں تصرف کرنے سے روک دیتا ہے تو کہا جاتا ہے حجر القاضی علی فلان' قاضی نے فلاں شخص کو تصرف کرنے سے روک دیا ہے۔ اسی مفہوم میں خانہ کعبہ کے اس حصے (حطیم) کو حجر کہا جاتا ہے جس کو قریش مکہ نے وسائل کی کمی کی وجہ سے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا' اسی وجہ سے حطیم کے اندر سے طواف کرنا منع ہے یعنی اس پر حجر اور پابندی ہے اور حطیم کے باہر سے خانہ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے' اور عقل کو بھی اسی وجہ سے حجر کہا جاتا ہے کیونکہ عقل بھی انسانوں کو ان کاموں سے روکتی ہے جو اس کے حق میں نقصان دہ ہیں۔ پس اگر یہ قول فرشتوں کا ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا تمہارے لیے وہ چیزیں ممنوع ہیں اور حرام ہیں اور تم ان چیزوں سے محروم ہو جن کی بشارت مومنوں کو دی جاتی ہے' اور اگر یہ قول کافروں کا ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب کافر موت کے وقت فرشتوں کو گرز مارتے ہوئے دیکھیں گے تو کہیں گے کاش ہمارے اور فرشتوں کے درمیان کوئی رکاوٹ اور حجاب ہوتا' اور ہم فرشتوں کو نہ دیکھ سکتے۔

امام بغوی نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا' یہ قول فرشتوں کا ہے اور ابن جریج اور مجاہد نے کہا یہ قول کافروں کا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے (اپنے زعم میں) جس قدر (نیک) کام کیے تھے ہم ان کی طرف قصد کریں گے' اور ان کو فضا میں بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرّے بنا دیں گے O اس دن جنت والوں کا بہترین ٹھکانا ہوگا اور نہایت عمدہ خواب گاہ ہوگی O (الفرقان: ۲۴-۲۳)

هباءً منثورا کا معنی

الازہری نے کہا سورج کی شعاعیں جو کھڑکی یا روشن دان سے کمرے میں داخل ہوتی ہیں وہ شعاعیں غبار کے منتشر ذرات کے مشابہ ہوتی ہیں' ان کو الھباء کہتے ہیں اور منثورا کے معنی ہیں بکھری ہوئی اور منتشر چیز' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار نے اپنے زعم میں جو نیک اعمال کیے تھے وہ آخرت میں ریزہ ریزہ کر کے ضائع کر دیے جائیں گے اور وہ فضا میں بکھرے ہوئے سورج کی شعاعوں کے باریک ذرات کی طرح ہو جائیں گے کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی صالح عمل مقبول نہیں ہوتا۔

هباء منثورا کی تفسیر میں ایک وہ قول ہے جس کو ہم نے الازہری کے حوالے سے نقل کیا ہے یعنی روشن دان سے داخل ہونے والی شعاعوں میں غبار کی مانند باریک ذرات' اس کے علاوہ دیگر اقوال حسب ذیل ہیں:

ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے گرد و غبار۔ قتادہ نے کہا آندھیاں جو درخت کے پتے اور کوڑا کرکٹ اُڑاتی ہیں۔ معلیٰ بن عبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے راکھ۔

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگ آئیں گے جن کے پاس تہامہ کے پہاڑوں جتنی نیکیاں ہوں گی حتیٰ کہ جب ان کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو هباء منثورا کر دے گا' پھر ان کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ سالم نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! یہ بتائیں کہ وہ کیسے لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ نماز پڑھتے ہوں گے' روزے رکھتے ہوں گے' نیند سے بیدار ہو کر رات کو قیام کرتے ہوں گے' لیکن جب ان کے اوپر کوئی حرام چیز پیش کی جائے گی تو وہ اس پر اُچھل پڑیں گے (گرم جوشی سے اس کو قبول کریں گے) اللہ تعالیٰ ان کے ان نیک اعمال کو ضائع فرما دے گا۔

(الدر المنثور ج ۵ ص ۲۲۵-۲۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیکیاں صرف کفر اور ارتداد سے ضائع کی جاتی ہیں اس لیے اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ وہ حرام چیزوں اور حرام کاموں کو حلال اور حلال سمجھیں گے اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

قیامت کا دن جو پچاس ہزار سال کا ہوگا وہ مومنوں پر کتنا طویل ہوگا!

اس آیت میں فرمایا ہے اہل جنت کا بہت اچھا مقیل ہوگا۔ مقیل کا معنی ہے قیلولہ کی جگہ اور دوپہر کے بعد آرام کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں۔ الازہری نے کہا دوپہر کو آرام کرنا قیلولہ ہے خواہ نیند نہ ہو کیونکہ جنت میں نیند نہیں ہوگی۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہل جنت پر قیامت کا دن صرف اتنی دیر گزرے گا جتنی دیر صبح سے دوپہر تک اور قیلولہ کے وقت تک ہوتی ہے' پھر وہ جنت میں اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے جائیں گے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا قیامت کا آدھا دن اس وقت تک گزرے گا حتیٰ کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے۔

روایت ہے کہ قیامت کے دن کی مقدار کم کر کے مومنوں پر صرف اتنی کر دی جائے گی جتنی مقدار عصر کے وقت سے غروب آفتاب تک ہوتی ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ سعید الصواف سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ قیامت کے دن مومنوں کا فیصلہ اتنی دیر میں کر دیا جائے گا جتنی دیر عصر سے غروب آفتاب تک ہوتی ہے' پھر وہ جنت کے باغات میں جا کر قیلولہ کریں گے حتیٰ کہ تمام لوگ حساب سے فارغ ہو جائیں گے اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے: اصحاب الجنة یومئذ خیر مستقرا و احسن مقیلاo (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۹۸۰' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۴۸)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

قاسم بن اصبغ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ o اس دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہے۔ (السجدۃ: ۵)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے مومن سے اس دن میں تخفیف کی جائے گی حتیٰ کہ اس کو فرض نماز پڑھنے میں دنیا میں جتنا وقت لگتا تھا اس پر وہ دن اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قیامت کا دن کافر پر پچاس ہزار سال کی مقدار میں گزرے گا۔

(شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۳۲۴' دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام احمد' امام ابو یعلیٰ' امام ابن حبان اور امام بیہقی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کی مقدار کے برابر ہوگا سو یہ کس قدر طویل دن ہوگا! آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے مومن پر یہ دن اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا جتنے وقت میں وہ دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۷۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۹۰' شعب الایمان ج ۱ ص ۳۲۴' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷' البدور السافرۃ رقم الحدیث: ۳۸۴' ص ۱۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کا دن مومنین پر اتنے وقت میں گزرے گا جتنا وقت ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۸۴ 'شعب الایمان ج ۱ ص ۳۲۳ 'البدور السافرة رقم الحدیث: ۲۸۵ ص ۱۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب العلمین کے سامنے لوگ اس دن کے نصف تک کھڑے ہوں گے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ مومنوں کے لیے وہ دن اتنا آسان گزرے گا جتنا وقت آفتاب کے غروب کی طرف مائل ہونے سے لے کر آفتاب کے غروب ہونے تک لگتا ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۰۲۵ 'صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۸۵ 'مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷ 'البدور السافرة رقم الحدیث: ۲۸۶ ص ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائے گا' اور فرشتوں کی جماعتیں نازل کی جائیں گی O اس دن برحق سلطنت صرف رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر سخت دشوار ہوگا O اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا (اور) کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کرلیا ہوتا! O ہائے افسوس کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا! O اس نے تو میرے پاس نصیحت آنے کے بعد مجھ کو گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہے O

(الفرقان: ۲۹-۲۵)

قیامت کے احوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پہلے آسمانِ دنیا پھٹے گا' اور آسمان والے فرشتے زمین پر نازل ہوں گے' ان کی تعداد زمین کے جن اور انس سے زیادہ ہوگی' پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اور اس کے فرشتے نازل ہوں گے ان کی تعداد آسمانِ دنیا کے فرشتوں سے زیادہ ہوگی اور جن وانس سے' پھر اسی طرح آسمان پھٹتے رہیں گے حتیٰ کہ ساتواں آسمان پھٹے گا' ہر بعد میں پھٹنے والے آسمان کے فرشتے اس سے پہلے پھٹنے والے آسمان کے فرشتوں سے زیادہ ہوں گے' پھر کروبیین (فرشتوں کے سردار جو مقربین ہیں) نازل ہوں گے' پھر حاملین عرش نازل ہوں گے۔

فرمایا: اس دن برحق سلطنت صرف رحمٰن کی ہوگی' حضرت ابن عباس نے فرمایا اس دن رحمٰن کے سوا اور کسی کی سلطنت نہیں ہوگی۔

فرمایا وہ دن کافروں پر سخت دشوار ہوگا: یہ خطاب اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دن مومنوں پر دشوار نہیں ہوگا' جیسا کہ ابھی متعدد احادیث کے حوالوں سے گزر چکا ہے کہ قیامت کا دن مسلمانوں پر اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا جتنے وقت میں وہ دنیا میں فرض نماز پڑھتے تھے۔

عقبہ بن ابی معیط کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنا اور اس کی دنیا اور آخرت میں سزا

فرمایا اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا: اس ظالم سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہے۔

مقسم اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں' کہ عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کی آپس میں ملاقات ہوئی' وہ دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے' ایک نے دوسرے سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئے ہو اور تم نے ان کا پیغام سنا ہے' اور اللہ کی قسم میں تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک کہ تم ان کے چہرے پر تھوکو اور ان کی تکذیب کرو۔ پس اللہ نے اس کو اس پر قادر نہیں کیا اور عقبہ بن ابی معیط جنگِ بدر میں قتل کر دیا گیا اور رہا ابی بن خلف اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ احد میں خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا۔ امام عبدالرزاق نے زہری سے روایت کیا

جنگ بدر کے دن عقبہ بن ابی معیط کو قید کر لیا گیا وہ قیدیوں میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیں۔ عقبہ نے کہا یا محمد! کیا مجھے ان قیدیوں کے درمیان قتل کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا تمہارے کفر اور فجور کی وجہ سے اور اللہ اور اس کے رسول کے سامنے سرکشی کرنے کی وجہ سے' پھر حضرت علی نے اس کی گردن اُڑا دی اور رہا امیہ بن حلف تو اس نے کہا تھا کہ میں محمد کو قتل کروں گا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا بلکہ ان شاء اللہ میں اس کو قتل کروں گا پھر جنگِ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیا۔ ملخصاً۔

اور ان ہی دونوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا (اور) کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کر لیا ہوتا!

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۹۹۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۲۴۲' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ' ج ۵ ص ۳۵۵' مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

بعض روایات میں ہے کہ اللہ کے دشمن عقبہ بن ابی معیط لعنہ اللہ نے آپ کے چہرۂ انور پر تھوک دیا تھا اور آپ سے برأت کا اظہار کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بہت رنج ہوا تب اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل کیں کہ عنقریب وہ قیامت کے دن اپنی اس حرکت پر نادم ہوگا اور غم وغصہ سے اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول کا راستہ اختیار کر لیا ہوتا!

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۱۰۳' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۴۰۱' اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۶۵۷' الوسیط ج ۳ ص ۳۳۹)

ضحاک نے بیان کیا جب اس دشمنِ خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر تھوکا تو وہ تھوک پلٹ کر اس کے چہرے پر گرا جس سے اس کے دونوں رخسار جل گئے اور ان پر اس کے نشان پڑ گئے اور مرتے دَم تک وہ نشان اس کے چہرے پر رہے۔

عطاء نے کہا وہ قیامت کے دن اپنے دونوں ہاتھوں کو کاٹ کر کھائے گا حتیٰ کہ کہنیوں تک کو کھا جائے گا' پھر دوبارہ اس کے ہاتھ پیدا ہو جائیں گے اور وہ ان کو پھر کاٹ کر کھا جائے گا اور اسی طرح ہوتا رہے گا' اور اس نے دنیا میں جو کفر کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی اس پر افسوس اور حسرت سے اپنے ہاتھوں کو کاٹتا رہے گا' اور یہ کہتا رہے گا' ہائے افسوس کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کر لیا ہوتا یعنی کاش میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کر لی ہوتی اور ان کے ساتھ ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔

پھر فرمایا: (وہ قیامت کے دن کہے گا) ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو (یعنی امیہ بن خلف کو) دوست نہ بنایا ہوتا! اس کے بعد فرمایا: (وہ کہے گا) اس نے تو میرے پاس نصیحت آنے کے بعد مجھ کو گمراہ کر دیا' یعنی میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید لے کر آ چکے تھے۔ اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہے' شیطان سے مراد انسانوں اور جنات میں سے ہر وہ شخص مراد ہے جو متکبر' معاند اور سرکش ہو' اور ہر وہ شخص جو اللہ کے راستہ سے روکے وہ شیطان ہے۔ ان دو آیتوں کا حکم ہر ایسے دو دوستوں کے حق میں عام ہے جو اللہ عزوجل کی معصیت پر مجتمع اور متفق ہو جائیں۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴۳-۴۴۲' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

کیسے شخص کو دوست بنایا جائے

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک ہم نشیں (دوست) اور برے ہم نشیں کی مثال اس طرح ہے جیسے مشک والا ہو اور لوہار کی بھٹی میں پھونک مارنے والا ہو۔ مشک والا یا تو تم کو مشک کا حلیہ دے گا یا تم اس سے مشک خرید لو گے ورنہ تم کو اس سے پاکیزہ خوشبو تو بہرحال آئے گی اور لوہار کی بھٹی والا تو تمہارے کپڑے جلائے گا ورنہ تم کو اس سے بہرحال ناگوار بو تو آئے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٥٣٤ صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٦٢٨ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٥٦١ مسند احمد ج ٤ ص ٤٠٥-٤٠٤)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کے سوا اور کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ' اور متقی (اللہ سے ڈرنے والے) کے سوا اور کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٨٣٢' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٩٥' مسند احمد ج ٣ ص ٣٨' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٥٥٤' ٥٥٥' المستدرک ج ٤ ص ١٢٨)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص اپنے دوستوں کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس شخص کو اپنا دوست بنا رہا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٨٣٣' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٧٨' مسند احمد ج ٢ ص ٣٣٤' مسند الطیالسی رقم الحدیث: ٢١٠٧' المستدرک ج ٤ ص ١٧١' شرح السنۃ رقم الحدیث: ٣٣٨٠)

امام ابوبکر بزار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یارسول اللہ! ہمارے لیے کون سا ہم نشین زیادہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا جس کو دیکھنے سے تمہیں اللہ یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ ہو۔

مالک بن دینار نے کہا اگر تم نیک مسلمانوں کے ساتھ پتھر اٹھاؤ تو وہ بدکار لوگوں کے ساتھ کھانے پینے سے بہتر ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١٣ ص ٢٧' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

قیامت کے دن کافر' کافروں کو دوست بنانے پر نادم ہوگا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان' نیک مسلمانوں کو دوست بنانے پر خوش ہوں گے۔ کافر کو اس کا دوست گمراہ کرکے ہلاکت میں ڈال دے گا اس لیے وہ قیامت کے دن غمگین اور حسرت زدہ ہوگا اور مسلمان کو اس کا نیک مسلمان دوست نیک کاموں کی طرف رہ نمائی کرے گا اور اس پر وہ آخرت میں خوش ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رسول کہیں گے اے میرے رب! بے شک میری قوم (میں سے کافروں) نے اس قرآن کو متروک بنا لیا تھا O اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لیے مجرمین میں سے دشمن بنا دیئے ہیں' اور آپ کا رب آپ کو ہدایت دینے اور آپ کی مدد کرنے کے لیے کافی ہے O (الفرقان: ٣١-٣٠)

مھجور کا معنی

مھجور کا لفظ ھجر سے بنا ہے اور ھجر کا ایک معنی ترک کرنا ہے اور مھجور کا معنی متروک ہے اور ھجر کا دوسرا معنی ھذیان اور فضول بکواس ہے' پہلے معنی کے لحاظ سے قیامت کے دن رسول یہ کہیں گے کہ کافروں نے قرآن مجید کو متروک بنا لیا تھا' وہ اس سے اعراض کرتے تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تھے اور اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے تھے۔

اور مھجور کا دوسرا معنی ھذیان اور فضول باتیں ہیں یعنی کافر قرآن مجید کو فضول باتیں اور ھذیان قرار دیتے تھے' وہ یہ زعم کرتے تھے کہ قرآن مجید شعر و شاعری اور سحر کا نتیجہ ہے' یہ مجاہد کا قول ہے۔ اور اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے دن سیدنا

صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے مشرکین کی اپنے رب سے شکایت کریں گے کہ انہوں نے قرآن مجید کو فضول اور مہمل کلام قرار دیا تھا تو اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دینے کے لیے فرمائے گا: اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لیے مجرمین میں سے دشمن بنا دیئے ہیں۔

مقاتل نے اس کی تفسیر میں کہا: آپ ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ آپ سے پہلے نبیوں کو بھی اپنی قوموں کی طرف سے اسی قسم کی باتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا' سو جس طرح انہوں نے اپنے مخالفوں کی دل آزار باتوں پر صبر کیا تھا آپ بھی ان کی باتوں پر صبر کریں' آپ کا رب آپ کو ہدایت دینے اور آپ کی مدد کرنے کے لیے کافی ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ص ۴۴۵'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت'۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا یہ پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (ہم نے) اسی طرح (تدریجاً نازل کیا ہے) تاکہ اس سے آپ کے دل کو مضبوط کریں' اور ہم نے اس کو وقفہ وقفہ سے تلاوت فرمایا ہے ○ اور یہ آپ کے پاس جو بھی مثال (یا اعتراض) لائیں گے ہم اس کی برحق اور عمدہ توجیہ بیان کریں گے ○ (الفرقان: ۳۳-۳۲)

قرآن مجید کو تدریجاً نازل کرنے کی وجوہ

مشرکین کا اعتراض یہ تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مکمل تورات یکبارگی نازل ہوئی اور حضرت داؤد علیہ السلام پر مکمل زبور یکبارگی نازل ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مکمل انجیل یکبارگی نازل ہوئی اسی طرح آپ پر مکمل قرآن یکبارگی کیوں نہیں نازل ہوا اور تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۳ (تیئس) سال میں قرآن مجید کا نزول کیوں مکمل کیا گیا' اگر آپ بھی ان کی طرح نبی اور رسول ہیں تو آپ کے ساتھ ان نبیوں اور رسولوں کا سا معاملہ کیوں نہیں کیا گیا؟ ان آیتوں میں ان کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) انبیاء سابقین لکھنے اور لکھے ہوئے کو پڑھنے والے تھے اس لیے ان پر مکمل کتابیں نازل کر دی گئیں کہ وہ اس میں سے حسب ضرورت آیات نکال کر پڑھتے رہیں گے اس کے برخلاف آپ اُمی تھے آپ نے کسی سے لکھنا اور لکھے ہوئے کو پڑھنا نہیں سیکھا تھا' آپ کے لیے اس قرآن کو محفوظ رکھنے کی صرف یہ صورت تھی کہ آپ اس کو زبانی یاد کر لیں اس لیے قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تاکہ آپ کے لیے اس کو یاد کرنا آسان ہو۔ واضح رہے کہ ابتداء میں آپ لکھتے پڑھتے نہیں تھے بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنا اور پڑھنا سکھا دیا اور متعدد احادیث صحیحہ میں ہے کہ آپ نے بعد میں لکھا بھی اور پڑھا بھی۔ اس کی تفصیل الاعراف: ۱۵۷ میں گزر چکی ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ناسخ اور منسوخ آیتیں ہیں مثلاً پہلے بیوہ کی عدت ایک سال مقرر فرمائی' پھر یہ عدت چار ماہ دس دن قرار دی' پہلے کفار کی زیادتیوں کو درگزر کرنے کا حکم دیا' پھر ان سے قتال اور جہاد کرنے کا حکم دیا' پہلے ایک مسلمان کو دس کافروں سے لڑنے کا حکم دیا پھر تخفیف کر دی اور ایک مسلمان کو دو کافروں سے لڑنے کا مکلف فرمایا۔ بعض احکام پہلے مشکل تھے' پھر آسان کر دیئے جیسے یہ مثالیں ہیں' اور بعض احکام پہلے آسان تھے پھر ان کو بہ تدریج سخت کیا گیا جیسے شراب نوشی کو بہ تدریج حرام فرمایا اور یہ تمام امور اسی وقت ہو سکتے تھے جب قرآن مجید کو بہ تدریج نازل کیا جاتا۔

(۳) بعض آیتیں مسلمانوں کے سوالات کے جواب میں نازل کی گئیں مثلاً مسلمانوں نے عورت کے حیض کے ایام میں اس سے جماع کرنے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا حیض ایک نجس چیز ہے' ان ایام میں عورتوں سے دُور رہو۔ اسی طرح مسلمانوں نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا اس میں لوگوں کے لیے اوقات اور حج کے وقت کی علامات اور تعینات ہیں اور اس کی مثل اور بہت آیات ہیں۔

(۴) اسی طرح مشرکین کے سوالات اور ان کے اعتراضات کے جوابات ہیں مثلاً وہ قیامت کے وقت کے متعلق سوال کرتے تھے مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں سوالات کرتے تھے دوزخ میں درخت زقوم پر اعتراض کرتے تھے مکھی اور مکڑی کے ذکر پر اعتراض کرتے تھے۔

(۵) اسی طرح یہودیوں کے سوالات کے جوابات میں آیات نازل ہوئیں۔ انہوں نے اصحاب کہف کی تعداد روح کی ماہیت اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تو اس کے جواب میں آیات نازل ہوئیں۔

(۶) بعض اوقات خبیث اور ملعون کفار آپ کی شان میں اہانت آمیز باتیں کرتے تو ان کے رد میں آیات نازل ہوتیں مثلاً ولید بن مغیرہ نے آپ کو مجنون کہا' عاص بن وائل نے آپ کو ابتر کہا' کسی نے آپ کو شاعر کہا' کسی نے آپ کو ساحر کہا' کسی نے آپ کو سحر زدہ کہا تو ان کے رد اور ان کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں۔

(۷) آپ کے اصحاب کی شان میں منافقین نے بدگوئی کی اور ان کو سفیہ اور بے وقوف کہا تو ان کے رد میں آیات نازل ہوئیں۔

(۸) کسی نے آپ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق سوال کیا تو اس کے جواب میں پوری سورۂ یوسف نازل ہوگئی۔

(۹) بعض اوقات صحابہ کرام کو کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آتا تو اس کی وضاحت کے لیے آیات نازل ہو جاتیں۔ مثلاً صحابہ نے پوچھا ہم اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ بعض دفعہ پوچھا کس پر خرچ کریں تو اس کے بیان کے لیے آیات نازل ہوئیں۔

(۱۰) بعض اوقات جزوی واقعات کے سلسلہ میں آیات نازل ہوئیں۔ مثلاً یہود نے کہا آپ پر جبریل وحی لاتا ہے وہ تو ہمارا دشمن ہے اور جب حضرت ابوبکر نے ان سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے کہا پھر تو اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' اور کہا اللہ کے ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں تو ان کے رد اور ان کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح جب ایک منافق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہیں مانا اور حضرت عمر نے اس کو قتل کر دیا تو حضرت عمر کی تائید میں آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح اور بہت جزوی واقعات ہیں جن کی وجہ سے آیات نازل ہوئیں۔ یہ جزوی واقعات اور کفار' یہود اور منافقین کے سوالات اور ان کے اعتراضات اسی طرح مسلمانوں کے سوالات بہ تدریج پیش آتے رہتے تھے اسی لیے ضروری تھا کہ ان کے حل اور ان کے جوابات کے سلسلہ میں آیات بھی بہ تدریج نازل ہوتی رہیں اور بہ یک وقت کئی کئی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ مثلاً حضرت یوسف کے قصہ کے متعلق یا یاجوج ماجوج کے متعلق ایک سورت یا کسی سورت کی آیات نازل ہو رہی ہیں پھر کسی نے کسی اور چیز کے متعلق سوال یا اعتراض کر دیا تو کسی اور سورت میں اس کے متعلق آیات نازل ہوگئیں یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب نزول کے اعتبار سے نہیں ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اگر قرآن مجید یکبارگی مکمل نازل ہوتا تو یہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

(۱۱) گیارھویں وجہ یہ ہے کہ جب قرآن مجید ۲۳ (تئیس) سال تک لگاتار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا تو حضرت جبریل علیہ السلام کو بار بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا موقع ملتا رہا۔

(۱۲) بارھویں وجہ یہ ہے کہ جس نبی پر جس جگہ اللہ کی کتاب نازل ہوئی اس جگہ کو مہبط وحی الٰہی بننے کا شرف حاصل ہوا دوسرے نبیوں کی وجہ سے کسی ایک جگہ کو یہ شرف حاصل ہوا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سرزمین عرب

بہ کثرت مقامات کو یہ شرف حاصل ہوا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے جو مرتبہ کوہِ طور کو حاصل ہوا تھا وہ مکہ اور مدینہ کے ریگ زاروں' پہاڑوں' میدانوں' سواریوں حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر کو بھی وہ مرتبہ اور مقام حاصل ہوا کیونکہ کئی مرتبہ حضرت عائشہ کے بستر پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹ کر لائے جائیں گے ان کا بہت برا ٹھکانا ہوگا' اور وہ سب سے زیادہ سیدھے راستے سے بھٹکنے والے ہوں گے O (الفرقان:۳۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! قیامت کے دن کافر کا منہ کے بل کس طرح حشر کیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس ذات نے ان کو پیروں کے بل چلایا ہے وہ ذات ان کو منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۵۱۴۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو

وَزِيْرًا ۚۖ ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ

وزیر بنا دیا O پس ہم نے فرمایا تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے پھر ہم نے ان

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ؕ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ

کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا O اور نوح کی قوم کے کافروں نے جب رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور

جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۚۖ ﴿۳۷﴾

ہم نے ان کو لوگوں کے لیے (عبرت کی) نشانی بنا دیا' اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ

اور عاد اور ثمود اور کنویں والوں اور ان کے درمیان بہت سی قوموں

كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ز وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾

کے لیے O اور ہم نے ہر ایک کے لیے مثالیں بیان فرمائی ہیں' پھر ہم نے ہر ایک کو تباہ و برباد کر دیا O

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ

اور یہ (کفار) اس بستی پر آ چکے ہیں جس پر پتھروں کی بارش ہو چکی ہے' کیا انہوں

يَكُونُوا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿٤٠﴾ وَإِذَا

نے اس بستی کو نہیں دیکھا' بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی امید ہی نہیں رکھتے O اور یہ

رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ

لوگ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ نے

رَسُولًا ﴿٤١﴾ إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا

رسول بنا کر بھیجا ہے O بے شک یہ ہم کو ہمارے معبودوں سے بہکانے لگے تھے اگر ہم ان کی پرستش پر ثابت

عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ

قدم نہ رہتے' اور وہ جب عذاب کو دیکھیں گے تو عنقریب جان لیں گے کہ کون سیدھے راستہ سے زیادہ

سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ۚ أَفَأَنْتَ تَكُونُ

بھٹکا ہوا ہے O کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے کیا آپ اس کی

عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ

حمایت کر سکتے ہیں O یا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں'

إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾ ع ۴

یہ تو صرف چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو وزیر بنا دیا O پس ہم نے فرمایا تم ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے' پھر ہم نے ان کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا O

(الفرقان: ۳۶-۳۵)

فرعون کی طرف صرف حضرت موسیٰ کو جانے کا حکم دیا تھا یا ان کے بھائی ہارون کو بھی؟

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ اس کتاب سے مراد تورات ہے' اور ان کے ہم راہ ان کے بھائی ہارون کو وزیر بنا دیا' وزیر سے مراد معین اور مددگار ہے۔ پس ہم نے فرمایا تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے ان لوگوں سے مراد فرعون' ھامان اور قبط ہیں۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون دونوں کو قبطیوں کی طرف جانے کا حکم دیا ہے اور النّٰزٰعٰت: ۱۷ اور طٰہٰ: ۲۴ میں صرف حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ جب

اور ایک کو قوم فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا تھا تو جائز ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی طرف جانے کی نسبت کر دی جائے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے صرف حضرت موسیٰ کو جانے کا حکم دیا ہو لیکن جب حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ میرے اہل میں سے میرے بھائی کو میرا وزیر بنا دے (طٰہٰ: ۲۹) تو پھر دونوں کو قوم فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نوح کی قوم کے کافروں نے جب رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور ہم نے ان کو لوگوں کے لیے (عبرت کی) نشانی بنا دیا' اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے○ (الفرقان: ۳۷)

حضرت نوح کی قوم نے صرف حضرت نوح کی تکذیب کی تھی پھر یہ کیوں فرمایا کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی؟

اس آیت میں فرمایا ہے اور نوح کی قوم کے کافروں نے رسولوں کی تکذیب کی حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے صرف حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی کیونکہ اس وقت میں حضرت نوح علیہ السلام کے سوا اور کوئی رسول نہیں تھا' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو توحید' رسالت' قیامت' مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے' جزاء اور سزا اور باقی ان تمام احکام شرعیہ کی تعلیم اور تبلیغ کے لیے بھیجا تھا جن کی تعلیم اور تبلیغ کے لیے ان کے بعد تمام رسولوں کو بھیجا گیا تھا۔ لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب دراصل ان کے بعد آنے والے تمام رسولوں کی تکذیب تھی' اس لیے فرمایا اور نوح کی قوم کے کافروں نے جب رسولوں کی تکذیب کی۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے ایک رسول کی تکذیب کی اس نے گویا تمام رسولوں کی تکذیب کی' کیونکہ رسولوں پر ایمان لانے میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس لیے کہ ہر نبی باقی تمام نبیوں کی تصدیق کرتا ہے۔ لہٰذا جس نے کسی ایک نبی کی تکذیب کی تو اس نے ان تمام نبیوں کی تکذیب کر دی جن کی اس نبی نے تصدیق کی تھی۔

ہم نے ان کو غرق کر دیا' ان کو غرق کرنے کی پوری تفصیل سورۂ ھود میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور عاد اور ثمود اور کنویں والوں اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کے لیے○ (الفرقان: ۳۸)

الرّس کا معنی

اس آیت میں عاد' ثمود' اصحاب الرس اور ان کے درمیان کی قوموں کا عطف قوم نوح پر ہے یعنی آپ قوم نوح کو یاد کیجئے اور عاد' ثمود' اصحاب الرس اور ان کی درمیانی قوموں کو یاد کیجئے' یا اس کا معنی ہے ہم نے قوم نوح کو غرق کر دیا اور ان کے لیے آخرت میں عذاب تیار کر رکھا ہے' اسی طرح ہم نے عاد اور ثمود اور اصحاب الرس اور ان کی درمیانی قوموں پر عذاب نازل کر کے ان کو نیست و نابود کر دیا اور آخرت میں ان کے لیے عذاب تیار کر رکھا ہے۔

الرس کلام عرب میں اس کنویں کو کہتے ہیں جس کے گرد منڈیر نہ ہو' یعنی معادن کے کنویں۔ صحاح جوہری میں مرقوم ہے کہ الرس اس کنویں کا نام تھا جو قوم ثمود کے بقیہ لوگوں کا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ الرس بنو اسد کے پانی اور ان کے باغات کا نام ہے۔ امام قشیری نے ذکر کیا ہے کہ پہاڑوں پر جو تہ بہ تہ برف جم جاتی ہے اس کو الرس کہتے ہیں اور الرس کا معروف معنی وہ ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ابو عبیدہ نے ذکر کیا ہے کہ الرس وہ کنواں ہے جس کے گرد منڈیر نہ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کنواں آذر بائیجان میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کنواں یمامہ میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ انطاکیہ میں ہے۔ اس کا معنی ہے دھنسا دینا' لوگوں نے اپنے نبی کو اس میں دھنسا دیا تھا اس لیے اس کنویں کو الرس کہتے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۹۰)

اصحاب الرّس کی تفسیر اور ان کے مصداق کے متعلق متعدد اقوال

اصحاب الرّس کے مصداق میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت علی علیہ السلام نے کہا اصحاب الرس ایک قوم ہے جو درخت کی عبادت کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہوذا ابن یعقوب کی اولاد سے ان کی طرف ایک نبی بھیجا' انہوں نے ایک کنواں کھود کر اس نبی کو اس کنویں میں گرا دیا' اس کی پاداش میں ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا گیا۔

(۲) سعید بن جبیر نے کہا یہ وہ قوم ہے جس کے نبی کا نام حنظلہ بن صفوان تھا' انہوں نے اپنے نبی کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(۳) وھب بن منبہ نے کہا یہ قوم ایک کنویں کے پاس رہتی تھی' یہ لوگ اس کنویں سے پانی لیتے تھے' اور ان کے مویشی بھی تھے۔ یہ لوگ بتوں کی عبادت کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت شعیب کو بھیجا مگر یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے' تو یہ کنواں منہدم ہو گیا (ڈھے گیا) اور ان لوگوں کو اور ان کے گھروں کو اس کنویں میں دھنسا دیا گیا۔

(۴) سدی نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حبیب النجار کو قتل کر کے اپنے کنویں میں ڈال دیا تھا' ان ہی کے متعلق یہ آیت ہے: یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ○ (یٰسٓ: ۲۰)

(۵) ابن السائب نے کہا یہ وہ قوم ہے جو اپنے نبی کو قتل کر کے کھا گئی تھی اور یہ وہ قوم ہے جس کی عورتوں نے سب سے پہلے جادو کیا تھا۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۹۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی نے اصحاب الرس کی تفسیر میں بہت زیادہ اقوال نقل کیے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۳۲) مگر ہم نے جتنے اقوال ذکر کر دیئے ہیں' وہ کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ہر ایک کے لیے مثالیں بیان فرمائی ہیں پھر ہم نے ہر ایک کو تباہ و برباد کر دیا ○ (الفرقان: ۳۹)

زجاج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ہر قوم کو توحید و رسالت کے دلائل سنائے' اور ایمان نہ لانے پر ان کو عذاب کی وعید سنائی اور ان پر اپنی حجت تمام کر دی اس کے باوجود جب وہ ایمان نہیں لائے تو ہم نے ان پر عذاب نازل کر کے ان کو ملیا میٹ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ (کفار) اس بستی پر آ چکے ہیں جس پر پتھروں کی بارش ہو چکی ہے' کیا انہوں اس بستی کو نہیں دیکھا بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی امید ہی نہیں رکھتے ○ (الفرقان: ۴۰)

ان کافروں سے مراد مشرکین مکہ ہیں' اور بستی سے مراد قوم لوط کی بستی ہے جن کی بدفعلیوں کی وجہ سے ان کے اوپر آسمان سے پتھر برسائے گئے تھے' کفار جب مختلف علاقوں کے سفر پر جاتے تو اس بستی میں عذاب نازل ہونے کے آثار دیکھتے تھے' حضرت ابن عباس نے فرمایا جب کفار قریش شام کی طرف تجارتی سفر میں جاتے تھے تو قوم لوط کے شہروں سے گزرتے تھے' اس کے باوجود وہ عذاب کے آثار دیکھ کر بھی عبرت نہیں پکڑتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ لوگ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے ○ بے شک یہ ہم کو ہمارے معبودوں سے بہکانے لگے تھے اگر ہم ان (بتوں) کی پرستش پر ثابت قدم نہ رہتے اور وہ جب عذاب کو دیکھیں گے تو عنقریب جان لیں گے کہ کون سیدھے راستہ سے زیادہ بھٹکا ہوا ہے ○ (الفرقان: ...)

...ن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اُڑانا اور آپ کو اذیت پہنچانا

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن ادریس بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیغام کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا: اے قریش کی جماعت! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ گمان ہے کہ دوزخ کے صرف ۱۹ فرشتے تم سب کو دوزخ میں قید کر کے تم کو عذاب دیں گے حالانکہ تم اتنی بڑی تعداد اور اتنی زیادہ کثرت میں ہو۔ کیا ان میں سے ایک شخص تم میں سے سو آدمیوں کو عاجز کر دے گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ○ (المدثر: ۳۱)

اور ہم نے دوزخ کے پہرے دار صرف فرشتے مقرر کیے ہیں اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور قوی ہو جائے اور اہل کتاب اور مومنین شک نہ کریں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور کفار یہ کہیں گے کہ اس تعداد (انیس فرشتے) کو بیان کرنے سے اللہ کیا ارادہ فرماتا ہے اسی طرح اللہ جس میں چاہتا ہے گمراہی پیدا کر دیتا ہے اور جس میں چاہتا ہے ہدایت پیدا کر دیتا ہے اور آپ کے رب کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ قرآن تو انسانوں کے لیے صرف نصیحت ہے ○

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۱۹۶ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کی کتنی زیادہ عداوت دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا ایک دن قریش کے سردار حطیم کعبہ میں جمع تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے کہنے لگے ہم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس شخص سے زیادہ کسی اور پر صبر کیا ہو یہ ہمارے جوانوں اور بوڑھوں کو گمراہ قرار دیتا ہے ہمارے دین کی مذمت کرتا ہے ہماری جماعت میں تفرقہ ڈالتا ہے ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ہم اتنی بڑی زیادتی پر صبر کرتے ہیں وہ اسی طرح کی باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے آپ نے آ کر حجر اسود کی تعظیم کی پھر بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے جب آپ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے آپ جب دوسرا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے اور انہوں نے حسب سابق اشارے کیے تو آپ ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اے قریش کی جماعت! کیا تم سن رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے میں تمہارے پاس قربانی کے احکام لے کر آیا ہوں وہ لوگ اس طرح غور سے آپ کی بات سن رہے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا اے ابوالقاسم! آپ کامیابی کے ساتھ واپس جائیں۔ اللہ کی قسم میں جاہل نہیں ہوں! دوسرے روز وہ پھر حطیم میں جمع ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا انہوں نے ایک دوسرے سے کہا تم نے اس شخص کا ذکر کیا اور ان باتوں کا جو اس نے تم سے کہیں اور ان باتوں کا جو تم نے اس سے کہیں حتیٰ کہ جب انہوں نے وہ باتیں شروع کیں جو تم کو ناگوار ہیں تو تم نے ان کو چھوڑ دیا۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے

آئے، وہ سب چھلانگیں لگا کر آپ کے پاس گئے اور آپ کو گھیر لیا اور آپ سے کہنے لگے آپ ہی وہ شخص ہیں جو اس طرح اس طرح کہتے ہیں، اور وہ سب باتیں کہیں جو آپ نے ان کے باطل خداؤں اور باطل دین کی مذمت میں کہیں تھیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! میں نے ہی یہ باتیں کہی ہیں، پھر میں نے دیکھا ایک شخص نے آپ کی چادر پکڑ کر آپ کو گھسیٹا اور حضرت ابو بکر صدیق اس شخص کے پاس کھڑے تھے اور اس وقت ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، انہوں نے کہا تم پر افسوس ہو! تم ایک شخص کو صرف اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر وہ لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ یہ قریش کا سب سے سخت سلوک تھا جو میں نے آپ کے ساتھ دیکھا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۱۹۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے! کیا آپ اس کی حمایت کر سکتے ہیں O (الفرقان: ۴۳)

اپنی خواہش کے پرستاروں کے مصادیق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص بڑے عرصہ تک ایک سفید پتھر کی عبادت کرتا رہا پھر اس کو ایک اور پتھر اس سے زیادہ خوب صورت مل گیا تو وہ پہلے پتھر کو چھوڑ کر اس پتھر کی عبادت کرنے لگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری تفسیر اس طرح منقول ہے کہ اس سے مراد کافر ہے جو بغیر کسی دلیل کے اور بغیر اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے کسی چیز کو اپنا معبود قرار دے کر اس کی پرستش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ علم کے باوجود اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔

حسن بصری نے کہا اس سے مراد منافق ہے وہ اپنی خواہش کو نصب کر دیتا ہے اور اپنی ہر خواہش کی پیروی کرتا ہے۔

قتادہ نے بیان کیا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو ہر اس چیز پر سوار ہو جاتا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے اور جس کام کو چاہتا ہے، وہ کام کر لیتا ہے اور اللہ کا ڈر اور تقویٰ اس کو کسی ناجائز کام کے ارتکاب سے نہیں روکتا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۷۰۰-۲۶۹۹ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں پر متعجب کرایا ہے جو زبان سے یہ اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق اور رازق ہے، اس کے باوجود وہ بغیر کسی دلیل کے پتھروں سے تراشیدہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ پھر فرمایا کیا آپ ایسے شخص کی حفاظت اور کفالت کر سکتے ہیں اور اس کو کفر سے ایمان کی طرف اور برائی سے نیکی کی طرف لا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں! یہ تو صرف چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم راہ ہیں O (الفرقان: ۴۴)

کفار سے سننے اور عقل کی نفی کی توجیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ کفار ہدایت کو قبول کرنے کی غرض سے سنتے ہیں اور نہ اس کو بصیرت سے دیکھتے ہیں اور نہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۲۰۵)

یعنی یہ کفار ان لوگوں کے قائم مقام ہیں جن کے پاس نہ عقل ہے نہ کان ہیں، جب انہوں نے سننے سے اس کی غرض کو پورا نہیں کیا اور دیکھنے سے اس کی غرض کو پورا نہیں کیا اور غور و فکر سے اس کی غرض کو پورا نہیں کیا تو گویا وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ سوچ و بچار کرتے ہیں۔ ان کو کان اس لیے دیئے تھے کہ وہ قبول کرنے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنتے

محبت سے آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتے آپ کی نبوت کے دلائل میں غور وفکر کرتے اور جب انہوں نے اس غرض کو پورا نہیں کیا تو وہ اللہ کے نزدیک سننے والے ہیں نہ دیکھنے والے ہیں نہ غور وفکر کرنے والے ہیں۔

کفار کا چوپایوں سے زیادہ گم راہ ہونا

پھر فرمایا یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم راہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کافروں کی مثال تو اونٹ' گدھے اور بکری کی طرح ہے' کیونکہ اگر تم ان چوپایوں سے کوئی بات کہو تو وہ صرف تمہاری آوازیں سنیں گے اور وہ یہ بالکل نہیں سمجھ سکیں گے کہ تم ان سے کیا کہہ رہے ہو' اسی طرح جب تم کفار سے کوئی نیکی کی بات کہو یا جب تم ان کو کسی برائی سے روکو اور ان کو نصیحت کرو تو وہ نہیں سمجھیں گے کہ تم کیا کہہ رہے ہو وہ صرف تمہاری آوازیں سنیں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۲۰۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

کافروں کو چوپایوں سے زیادہ گم راہ قرار دیا ہے' کیونکہ چوپایوں سے حساب لیا جائے گا نہ ان کو عذاب دیا جائے گا۔ مقاتل نے کہا چوپائے اپنے مالکوں کو پہچانتے ہیں اور اپنے مالکوں کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں اور یہ کفار اپنے رب کو نہیں پہچانتے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کو رزق دیا ہے اور اس کی اطاعت نہیں کرتے' اور ایک قول یہ بھی ہے کہ چوپایوں کو ہر چند کہ توحید اور رسالت کا صحیح ادراک نہیں ہے لیکن وہ توحید اور رسالت کے باطل ہونے کا اعتقاد بھی نہیں رکھتے اس لیے یہ کفار چوپایوں سے زیادہ گم راہ ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ چوپائے اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں اس کے برخلاف یہ کفار اس میں سے کچھ بھی نہیں کرتے بلکہ اللہ کو سجدہ کرنے پر اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے پتھر کے بتوں کو سجدہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اس لیے یہ چوپایوں سے زیادہ گم راہ ہیں۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری نیشاپوری الشافعی المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

یہ کفار ان چوپایوں کی طرح ہیں جن کی کوشش کھانے' پینے اور قضاء شہوت کے سوا اور کسی چیز کے لیے نہیں ہوتی' سو جس شخص نے صرف اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے جدوجہد کی وہ ان چوپایوں کی مثل ہے' اور اللہ سبحانہ نے فرشتوں کو پیدا کیا اور ان کی جبلت میں عقل رکھی اور چوپایوں کو پیدا کیا اور ان کی جبلت میں صرف ان کے حیوانی تقاضے رکھے' اور بنو آدم کو پیدا کیا اور ان کی جبلت میں یہ دونوں چیزیں رکھیں یعنی عقل اور حیوانی تقاضے۔ پس جس نے اپنی خواہشات کو اپنی عقل پر ترجیح دی وہ چوپایوں سے بدتر ہے اور جس نے اپنی عقل کو اپنی خواہشات پر ترجیح دی وہ فرشتوں سے افضل ہے اور یہی مشائخ کا قول ہے۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۸۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ

کیا آپ نے اپنے رب کی (قدرت کی) طرف نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سائے کو پھیلا دیا وہ اگر چاہتا تو اس کو ٹھیرا

جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴٦﴾

ہوا کر دیتا' پھر ہم نے سورج کو اس کے اوپر علامت بنا دیاO پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیاO

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ

اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے ساتر اور حجاب بنایا اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو

النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿٤٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ

اٹھنے اور کام کرنے کے لیے بنایاO اور وہی ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے

رَحْمَتِهٖ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿٤٨﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً

اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیاO تا کہ ہم اس پانی سے مردہ شہر کو

مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ أَنْعَامًا وَّأَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿٤٩﴾ وَلَقَدْ

زندہ کریں اور وہ پانی اپنے پیدا کیے ہوئے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلائیںO اور بے شک ہم نے اس پانی کو

صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَأَبٰٓى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾

ان کے درمیان گردش دی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں لیکن اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا اور ہر رویہ کا انکار کر دیاO

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾ ۖ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک عذاب سے ڈرانے والا بھیج دیتےO سو آپ کافروں کی پیروی نہ کریں اور

جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا

اس قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کریںO اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا کر جاری کر دیئے یہ

عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

نہایت شیریں ہے اور یہ کھاری (اور) کڑوا ہے اور ان کے درمیان ایک (قدرتی) حجاب

وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا

اور روکی ہوئی آڑ ہےO اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اس

فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿٥٤﴾ وَيَعْبُدُوْنَ

کے لیے نسب اور سسرال کا رشتہ بنایا اور آپ کا رب قدرت والا ہےO اور وہ اللہ کو چھوڑ کر

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ

ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور کافر اپنے رب کی مخالفت کرنے پر

عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝٥٥ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝٥٦

کمربستہ رہتا ہے O اور ہم نے آپ کو صرف ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے O

قُلْ مَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ

آپ کہیے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف

اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝٥٧ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ

راستہ کو اختیار کر لے O اور آپ اس پر توکل کیجئے جو زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور

سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۝٥٨ۚۙ الَّذِيْ

اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لیے کافی ہے O جس نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا' پھر

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْــَٔـلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝٥٩ وَاِذَا

وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا' وہی رحمٰن ہے آپ اس کے متعلق کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ لیں O اور جب

قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ ۚ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ

ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو (تو) وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے ؟

اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝٦٠ السجدة

کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں' اس (حکم) نے ان کو اور متنفر کر دیا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے اپنے رب کی (قدرت کی) طرف نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سائے کو پھیلا دیا' وہ اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا ہوا کر دیتا' پھر ہم نے سورج کو اس کے اوپر علامت بنا دیا O پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا O (الفرقان: ۴۶-۴۵)

ظل اور فی کا معنی

ظل سورج کی روشنی اور دھوپ کی ضد ہے اور یہ فی سے عام ہے ظل اللیل اور ظل الجنۃ (رات کا سایا اور باغ کا سایا) کہا جاتا ہے' اور ہر وہ جگہ جہاں دھوپ نہ پہنچے اس کو ظل (سایا) کہا جاتا ہے اور فی صرف اسی جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں سے دھوپ اور سورج کی روشنی آ کر زائل ہو جائے اور کسی عزت دار چیز کو بھی ظل کہا جاتا ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۰۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اس سے مراد طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک کا وقت ہے اس وقت ایسا سایا ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پھیلایا ہوا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت دھوپ نہیں ہوتی' ایک وہ وقت ہے جب مکمل تاریکی ہوتی ہے یہ رات کا وقت ہے اور ایک وہ وقت ہے جب مکمل روشنی اور دھوپ ہوتی ہے یہ دن کا وقت ہے' اور ایک سائے کا وقت ہے جس میں سورج کی دھوپ اور رات کے اندھیرے کی درمیانی کیفیت ہوتی ہے اور یہ سائے کا وقت ہے' اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سائے کو دائمی کر دیتا اور سورج کبھی طلوع نہ ہوتا اور دن کی روشنی حاصل نہ ہوتی اور لوگ تلاش روزگار کے لیے کوئی کام نہ کر سکتے۔

پھر اللہ آہستہ آہستہ سائے کو بہ تدریج اپنی طرف کھینچ لیتا ہے' یعنی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے تمام روئے زمین پر سایا پھیلا ہوا ہوتا ہے' پھر جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو سایہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگتا ہے اور جب سورج بالکل سروں پر پہنچ جاتا ہے اور مکمل دھوپ پھیل جاتی ہے تو سایہ نہ ہونے کے برابر ہو جاتا ہے' پھر جب سورج مغرب کی طرف جھکنے لگتا ہے تو پھر سائے نمودار ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور سائے کی نمود اور اس کے گھٹنے' بڑھنے اور ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے سورج کو علامت اور دلیل بنا دیا ہے○ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے ساتر اور حجاب بنا دیا اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو اٹھنے اور کام کرنے کے لیے بنایا○ (الفرقان: ۴۷)

کفر کے اندھیروں کا ختم ہونا اور ایمان کے سورج کا طلوع ہونا

رات کو لباس فرمایا کیونکہ جس طرح لباس بدن کو چھپاتا ہے اسی طرح رات کے اندھیرے چیزوں کو چھپا لیتے ہیں' اور نیند کو سُبات فرمایا' سُبات کے معنی راحت ہیں' کیونکہ رات کو لوگ کام کاج اور محنت مزدوری کرنے کو چھوڑ دیتے ہیں اور رات کو صرف آرام کرتے ہیں جس سے ان کو آرام اور راحت ملتی ہے' نیند سے پہلے انسان کے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں' سب سے پہلے اس کے کان کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور اس کو نیند آ جاتی ہے' اس کے تھکے ہوئے اعصاب کو آرام ملتا ہے اور جب وہ سو کر اُٹھتا ہے تو بالکل تر و تازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دن کی روشنی کام کاج کرنے کے لیے بنائی اور رات کا اندھیرا سونے اور آرام کرنے کے لیے بنایا' اگر مسلسل دن ہوتا تو انسان آرام نہ کر سکتا اور اگر مسلسل رات ہوتی تو انسانوں کو اپنی روزی حاصل کرنے کے لیے کوئی ذریعہ نہ ملتا۔ پس سبحان ہے وہ ذات جس نے دن بھی بنایا اور رات بھی بنائی۔

اس آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ روئے زمین پر اس وقت جو کفر اور شرک کا سایا پھیلا ہوا ہے وہ کوئی دائمی اور مستقل چیز نہیں ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا ہے' بہ ظاہر جہالت کا یہ سایا دُور دُور تک پھیلا ہوا نظر آ رہا ہے مگر جیسے آفتاب نبوت اوپر چڑھے گا جہالت کا یہ سایا سمٹتا چلا جائے گا جس طرح اس ساری کائنات میں سایا فوراً ہی معدوم نہیں ہوتا بہ تدریج کم ہو کر ختم ہوتا ہے اسی طرح روحانی دنیا میں بھی آفتاب نبوت کا عروج بتدریج ہوگا اور گمراہی کے سائے کا زوال

رفتہ رفتہ بتدریج کم ہو کر ختم ہو گا' اسی طرح رات اور دن کے ذکر فرمانے میں بھی یہ اشارہ ہے کہ جہالت اور گمراہی کے اندھیروں کی رات اب ختم ہو چکی ہے اور علم اور ہدایت کا سورج اب طلوع ہو چکا ہے اور عنقریب کفر کی یلغار ختم ہو گی اور ایمان والوں کا غلبہ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے' اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیاO (الفرقان:۴۸)

طہور کا معنی اور اس کا مصداق

طہور اس پانی کو کہتے' ہیں جو فی نفسہٖ پاک ہو اور نجس اشیاء کو پاک کرنے والا ہو' اس آیت سے معلوم ہوا کہ بارش کا پانی طاہر اور مطہر ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ . (الانفال:۱۱) وہی ہے جس نے آسمان سے تم پر پانی نازل کیا تا کہ تم کو پاک کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے' اگر ہم اس پانی سے وضو کرلیں تو پھر ہم پیاسے رہ جائیں گے! تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرلیا کریں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندر کا پانی طہور (پاک کرنے والا) ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۱۳۱' مسند احمد ج ۲ص ۲۳۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۷۳۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۲۴۳' المستدرک ج ۱ص ۱۴۰' سنن بیہقی ج ۱ص ۳' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۸۱)

بعض علماء نے یہ کہا کہ طہور اس پانی کو کہتے ہیں جس سے طہارت کا عمل بار بار حاصل ہو' جس طرح صبور اس شخص کو کہتے ہیں جو بار بار صبر کرے اور شکور اس شخص کو کہتے ہیں جو بار بار شکر کرے' اور یہ امام مالک کا قول ہے حتیٰ کہ ان کے نزدیک جس پانی سے ایک بار وضو کرلیا گیا ہو اس پانی سے بھی وضو کرنا جائز ہے اور جمہور کے نزدیک وہ پانی مستعمل ہے وہ اگرچہ فی نفسہٖ پاک ہے لیکن اس سے پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی۔

کسی نجس چیز کے گرنے سے اگر پانی میں نجاست کی بُو' اس کا رنگ یا اس کا ذائقہ آ جائے تو وہ پانی طہور نہیں رہے گا

اگر پانی میں ایسی کوئی چیز گر جائے جس سے پانی کا ذائقہ' یا اس کا رنگ یا اس کی بو متغیر ہو جائے' اگر وہ ایسی چیز ہے جس سے پانی کو محفوظ رکھنا بہت مشکل ہے جیسے کیچڑ' مٹی اور درختوں کے پتے تو اس پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے' جیسے اگر کسی جگہ پانی کافی عرصہ تک ٹھہرا رہے تو اس کے اوصاف متغیر ہو جاتے ہیں اس طرح اگر پانی میں کوئی ایسی چیز گر جائے جو پانی میں سرایت اور حلول نہ کرے مثلاً تیل وغیرہ تو خواہ اس کی بو اور مزہ تبدیل ہو جائے پھر بھی اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

اور اگر پانی میں کوئی پاک چیز گر جائے اور اس سے پانی کے اوصاف (رنگ' بو اور مزہ) تبدیل نہ ہوں تو پانی کا طہور ہونا باقی رہے گا' خواہ پانی قلیل ہو یا کثیر' اور اگر پانی کی مقدار دہ در دہ سے کم ہو اور اس میں کوئی نجس چیز گر جائے تو وہ پانی نجس ہو جائے گا' اور اگر پانی کی مقدار دہ در دہ سے زیادہ ہو یا وہ پانی جاری ہو تو اس پانی میں نجاست کے گرنے سے پانی نجس نہیں ہو گا اور طہور ہی رہے گا' جب تک کہ پانی کا رنگ یا بو یا مزہ تبدیل نہ ہو جائے۔

دہ دردہ کی مقدار میں پانی کا طہور ہونا

کثیر پانی کی مقدار فقہاء احناف کے نزدیک دہ دردہ ہے یعنی وہ تالاب جس کی لمبائی اور چوڑائی دس دس ہاتھ ہو ملا علی
بن سلطان محمد القاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اگر پانی جاری ہو یا دہ دردہ ہو۔ (یعنی دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا' ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ وہ
پندرہ فٹ لمبا اور پندرہ فٹ چوڑا ہو اور اس کی کم از کم اتنی گہرائی ہو کہ چلو بھر پانی لیا جائے تو زمین خالی نہ ہو) تو اس پانی میں
نجاست کے گرنے سے وہ پانی نجس نہیں ہوگا اور طہور ہی رہے گا۔

عامۃ المشائخ کا یہی قول ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے جیسا کہ ابواللیث نے کہا ہے' اور شرح الوقایہ میں مذکور ہے کہ ہم نے
دہ دردہ کا اعتبار اس لیے کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کنواں کھودا اس کی حریم چالیس ہاتھ ہے پس ہر جانب
سے اس کی حریم دس ہاتھ ہوگی' اور کوئی دوسرا شخص کنواں کھودے تو وہ اس کے چاروں طرف سے دس ہاتھ چھوڑ کر دوسرا کنواں
کھودے گا' اور اسی حدیث سے دہ دردہ کی مقدار کا تعین کیا گیا ہے۔ (شرح النقایہ ج ۱ ص ۴۴' مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی)

قلتین کی مقدار میں پانی کا طہور ہونا

اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک کثیر پانی کی مقدار قُلتین ہے یعنی دو گھڑوں کی مقدار یا اس سے زیادہ پانی ہو۔

ابومحمد الحسین بن مسعود الفرا البغوی شافعی متوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

اور اگر پانی کی مقدار قلتان (دو گھڑے) یا اس سے زیادہ ہو تو وہ نجاست کے گرنے کے باوجود طہور ہے اور اس سے وضو
کرنا جائز ہے' اور قلتان کی مقدار پانچ مشک ہے اور اس کا وزن پانچ سو رطل ہے (یعنی ڈھائی سو لیٹر) اور اس کی دلیل یہ
حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے متعلق سوال کیا گیا جو
جنگل کی زمین میں ہوتا ہے' اور جس پانی سے چوپائے اور درندے آکر پیتے رہتے ہیں' آپ نے فرمایا جب پانی قُلتین
(دو گھڑوں) کی مقدار ہو تو وہ حامل نجاست نہیں ہوتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۱۷' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱
ص ۱۴۴' سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۱۹' المستدرک ج ۱ ص ۱۳۳' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۶۱)

امام بغوی فرماتے ہیں: یہ امام شافعی' امام احمد' اسحاق اور محدثین کی ایک جماعت کا قول ہے جب پانی اس مقدار کو پہنچ
جائے تو اس میں نجاست کے گرنے سے وہ نجس نہیں ہوگا جب تک کہ اس کے تین اوصاف میں سے کوئی ایک وصف متغیر نہ ہو
جائے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۴۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری قُلتین کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کو حفاظ کی ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے' ان میں حافظ ابن عبدالبر ہیں' قاضی اسماعیل بن اسحاق ہیں
اور ابوبکر بن العربی ہیں اور مالکی علماء ہیں' امام بیہقی نے کہا یہ حدیث قوی نہیں ہے' امام غزالی اور الرویانی نے اس کو ترک کر دیا
حالانکہ وہ امام شافعی کی بہت زیادہ اتباع کرتے ہیں' اور امام بخاری کے استاذ علی بن المدینی نے کہا قُلتین کی حدیث ثابت نہیں
ہے اس لیے کہ جب زمزم کے کنویں میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن الزبیر نے حکم
دیا کہ زمزم کا تمام پانی نکالا جائے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ اس سے استدلال کرتے (کیونکہ زمزم کے کنویں کا پانی

...دو گھڑوں کی مقدار سے تو بہر حال بہت زیادہ تھا) اور بقیہ صحابہ اور تابعین اس سے استدلال کرتے اس سے معلوم ہوا کہ یہ ...دیث شاذ ہے اور کسی مخصوص حادثہ کے متعلق ہے' اور اس حدیث کو اس حدیث کی طرح رد کر دیا جائے گا جس طرح آگ سے ...ی ہوئی چیز کو کھانے پینے سے وضو ٹوٹنے کی حدیث کو رد کر دیا گیا ہے۔

پھر امام ابوداؤد نے بھی قلتین کی حدیث کو رد کر دیا ہے' کیونکہ اس حدیث کی سند اور متن مضطرب ہے۔ ایک روایت میں ...ہے اس پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔ ایک روایت میں ہے وہ پانی حامل نجاست نہیں ہے' امام بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ...ہے' ایک روایت میں ہے جب پانی دو قلہ یا تین قلہ (دو یا تین گھڑے) کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی' ...یک روایت میں ہے کہ جب پانی چالیس قلہ کی مقدار کو پہنچ جائے تو وہ حامل خبث نہیں ہوتا' اور اس حدیث کو امام الدارقطنی نے ...ضعیف کہا ہے اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ایک جماعت نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ جب پانی ...چالیس قلہ کی مقدار کو پہنچ جائے تو وہ نجس نہیں ہوتا' اور ایک روایت میں ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی اور ایک روایت میں ہے ...وہ پانی حامل خبث نہیں ہے' اور امام الدارقطنی نے کہا متعدد لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے چالیس ڈول کو روایت کیا ...ہے اور بعض نے چالیس غربال (چھلنی' دف) کو روایت کیا ہے اور یہ اضطراب ضعف کو واجب کرتا ہے' اس لفظی اضطراب کے ...علاوہ اس کے معنی میں بھی اضطراب ہے' کیونکہ وہ پانی حامل خبث نہیں ہے اس کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ وہ پانی نجاست کو ...اٹھانے یا برداشت کرنے سے ضعیف ہے اس لیے پانی نجس ہو جائے گا' نیز قلہ کا لفظ ان معنوں میں مشترک ہے' گھڑا' مشک ...اور پہاڑ کی چوٹی' نیز ابن جریج نے کہا ہے کہ یہ حدیث جب پانی دو قلہ کی مقدار ہو تو وہ حامل خبث نہیں ہے' منقطع ہے' کیونکہ ...اس کی سند مجہول ہے' اور امام ابن عدی نے حضرت ابن عمر سے ایک حدیث روایت کی جب پانی کی مقدار قلال ہجر سے دو قلہ ہو ...تو اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی' اور اس کی مقدار دو فرق بیان کی گئی ہے اور ایک فرق آٹھ کلو گرام کا ہے۔ (مجمل اللغۃ) اور ابن ...جریج نے کہا قلال ہجر نو مشک کے برابر ہیں یا ڈھائی مشک کے برابر ہیں' یہ اس کا خلاصہ ہے جس کو امام ابن ہمام نے ذکر کیا ...ہے۔ (شرح النقایہ ج ۱ ص ۴۶' مطبوعہ ایچ-ایم-سعید کمپنی' کراچی)

...جاری پانی کا طہور ہونا

ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو پانی جاری ہو وہ بھی طہور ہے سوا اس کے کہ اس کے رنگ' بو اور مزے میں سے کوئی ایک وصف ...تبدیل ہو جائے' اس کی ایک دلیل یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے پانی کے متعلق فرمایا وہ طہور ہے اور دوسری دلیل یہ ...حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا یا رسول اللہ! آیا ہم ...بیر بضاعہ سے وضو کر لیا کریں اور بیر بضاعہ وہ کنواں تھا جس میں حیض کے کپڑے' کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں ڈال دی ...جاتی تھیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی طہور ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۷-۶۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۵' سنن للبیہقی ج ۱ ص ۴۰۵' سنن الدارقطنی ج ۱ ...ص ۳۰' مسند احمد ج ۳ ص ۱۵)

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ بیر بضاعہ میں پانی جاری تھا اور وقوع نجاست سے جب تک اس میں نجاست کی بو' اس کا ...رنگ یا اس کا مزہ نہ آ جائے وہ پانی طہور ہے۔

...تعالیٰ کا ارشاد ہے: تا کہ ہم اس پانی سے مردہ شہر کو زندہ کریں اور وہ پانی اپنے پیدا کیے ہوئے بہت سے چوپایوں اور

انسانوں کو پلائیں O اور بے شک ہم نے اس پانی کو ان کے درمیان گردش دی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں لیکن اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا اور ہر رویہ کا انکار کر دیا O (الفرقان: ٥٠-٤٩)

مختلف علاقوں میں بارش نازل فرمانے کے متعلق احادیث

امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم متوفی ٣٢٧ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل آسمان سے پانی کا جو بھی قطرہ نازل کرتا ہے اس سے زمین میں کوئی سبزہ پیدا ہوتا ہے یا سمندر میں کوئی موتی پیدا ہوتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٥٢٤٣)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہر آنے والے سال میں گزشتہ سال سے زیادہ بارش ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ بارش کو اپنے بندوں پر مختلف علاقوں میں گردش دیتا رہتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٥٢٤٧)

قتادہ الفرقان: ٥٠ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں بے شک اللہ عزوجل نے اس رزق کو اپنے بندوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور وہ اس رزق کو بندوں کے درمیان گردش میں لاتا رہتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٥٢٥٠)

بارش کے نظام میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلیل

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے اس عمل کو بار بار دہرایا ہے اور مختلف علاقوں میں اس عمل کو جاری کیا ہے' اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہم نے مختلف علاقوں میں بارش کو نازل کیا ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے بارش نازل کرنے کے ذکر کو قرآن مجید میں مختلف سورتوں میں بار بار ذکر فرمایا ہے تا کہ اگر لوگ غور کریں تو ان پر منکشف ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف علاقوں میں پانی کی بہم رسانی کے لئے جو بارش کا انتظام کیا ہوا ہے یہ انتظام ہی اللہ تعالیٰ کے واحد رب العالمین ہونے کی دلیل ہے' چونکہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے اور اس نے تمام جہان والوں کو رزق پہنچانا ہے اس لیے وہ صرف ایک علاقے میں بارش نازل نہیں کرتا بلکہ وقفہ وقفہ سے تمام علاقوں میں بارش نازل فرماتا ہے' پھر اس میں بھی یہ حکمت کارفرما ہے جن علاقوں کی زمین میں جس جنس کی پیداوار کی صلاحیت ہوتی ہے اور اس کو جتنی بارش کی ضرورت ہوتی ہے وہاں پر اتنی بارش نازل فرماتا ہے' پھر بارش کے ذکر میں حشر و نشر پر بھی دلیل ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال جب بارشیں ہوتی ہیں تو اسی زمین سے برساتی مینڈک اور دوسرے برساتی حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں پھر بارشیں ختم ہونے کے کچھ عرصہ بعد وہ اسی زمین میں مرکھپ جاتے ہیں اور دوسرے سال بارشوں کے موسم میں پھر پیدا ہو جاتے ہیں' اور موت کے بعد حیات' اور حیات کے بعد موت کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ ان برساتی جانوروں کو ہر موسم میں موت کے بعد زندہ کرتا رہتا ہے اسی طرح وہ انسانوں کو بھی موت کے بعد زندہ فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک عذاب سے ڈرانے والا بھیج دیتے O سو آپ کافروں کی پیروی نہ کریں اور اس قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کریں O (الفرقان: ٥٢-٥١)

جہاد کبیر کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی اور ہر شہر میں ایک رسول بھیج دیتے جو ان کو کفر اور نافرمانی کرنے پر اللہ کے عذاب سے ڈراتا' جیسا کہ ہم نے مختلف علاقوں میں بارشیں نازل کی ہیں اور مادی رزق کی فراہمی کے متعدد ذرائع بنا دیے ہیں' اسی طرح ہم چاہتے تو روحانی رزق کے بھی متعدد وسائل بنا دیتے اور آپ سے تبلیغ دین کی مشقت کا بوجھ کم کر دیتے لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ آپ کو تمام جہانوں کے لئے نذیر بنایا اور جس طرح ایک آفتاب تمام کائنات کو روشن کرنے کے

ں ہے اسی طرح صرف آپ کی تنہا ذات تمام جہانوں کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔
اور یہ جو فرمایا کہ آپ اس قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کریں اس کا ایک محمل یہ ہے کہ آپ قرآن سے ان کے سامنے دلائل پیش کریں یا اسلام کی حقانیت پر ان کے سامنے دلائل پیش کریں' بعض علماء نے کہا تلوار سے ان کے خلاف جہاد کریں' لیکن یہ معنی بعید ہے' کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور جہاد مدینہ میں شروع ہوا تھا۔
جہاد کبیر کا معنی یہ ہے کہ تبلیغ دین کے لیے مسلمان اپنی تمام توانائیوں اور تمام مساعی کو بروئے کار لے آئیں اور اسلام کو سربلند کرنے کے لیے تمام ذرائع اور وسائل کو داؤ پر لگا دیں اور جس جس محاذ اور مورچے پر دشمن کی طاقتیں کام کر رہی ہوں اپنی تمام قوتوں کو وہاں صرف کر دیں اور جان و مال' زبان و قلم اور اسلحہ اور مادی آلات کے ساتھ کفار کے خلاف جہاد کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا کر جاری کر دیئے یہ نہایت شیریں اور یہ کھاری (اور) کڑوا ہے' اور ان کے درمیان ایک (قدرتی) حجاب اور ایک روکی ہوئی آڑ ہے O (الفرقان: ۵۳)

مَرَجَ اور حجرا محجورا کا معنی

مرج کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا اور اس کا معنی ہے دو چیزوں کے درمیان تخلیہ کرنا' مرج البحرین کا معنی ہے دو سمندروں کے درمیان تخلیہ کرنا' ثعلب نے کہا مرج کا معنی ہے جاری کر دیا اور مرج البحرین کا معنی ہے دو سمندروں کو جاری کر دیا' اور حجرا محجورا کا معنی ہے ان دو سمندروں کے درمیان ایک ستر اور حجاب رکھ دیا' جو ان دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے اور مختلط ہونے سے مانع ہے' البرزخ کا معنی ہے حاجز اور الحجر کا معنی ہے مانع۔
حسن بصری نے کہا اس سے مراد بحر فارس اور بحر روم ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)
سمندر میں کھارے اور میٹھے پانی کا اجتماع عموماً ایسے مقامات پر ہوتا ہے جہاں سمندر میں دریا کا پانی آ کر گرتا ہے۔ ایک جگہ دریا کا میٹھا پانی ہوتا ہے اور اس سے متصل سمندر کا کھاری پانی ہوتا ہے اور یہ دونوں پانی ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتے' اسی طرح سمندر کے بعض مقامات پر میٹھے پانی کے چشمے ہیں وہاں بھی یہ صورت ہے کہ سمندر میں ایک مقام پر کھاری پانی ہے اور دوسرے مقام پر میٹھا پانی ہے یہ دونوں پانی متصل ہیں اور ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا' پھر اس کے لیے نسب اور سسرال کا رشتہ بنایا اور آپ کا رب قدرت والا ہے O (الفرقان: ۵۴)

پانی اور بشر کی تفسیر

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس پانی سے مراد وہ پانی ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو گوندھ کر ان کا خمیر تیار کیا گیا تھا تاکہ وہ پانی بشر کی اصل اور اس کا مادہ ہو اور وہ پانی مٹی سے مل کر مختلف شکلوں کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت رکھ سکے' اس بنا پر اس پانی سے مراد معروف پانی ہے اور بشر سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں' اور بشر پر تنوین تعظیم کی ہے اور ''من'' ابتدائیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی سے ایک عظیم بشر کی خلقت کی ابتداء کی۔
اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ پانی سے مراد نطفہ ہے اور بشر سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔
اس کے بعد فرمایا: پھر اس کے لیے نسب اور صہر (سسرال) کا رشتہ بنایا۔ یعنی انسان کی دو قسمیں کر دیں' ایک قسم وہ مرد ہیں جن کی طرف ان کو منسوب کیا جاتا ہے مثلاً انسان کے آباء اور دوسری قسم اس کے اصہار ہیں جن سے عورتوں کی وجہ سے رشتے قائم ہوتے ہیں جیسے اس کی بیوی کا باپ یا اس کی بیوی کی ماں وغیرہ۔

نسب کا معنی اور اس کی تحقیق

علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

نسب کا رشتہ انسان کے باپ کی طرف سے قائم ہوتا ہے۔ (لسان العرب ج ۱ص ۷۵۵' مطبوعہ نشر ادب الحوزة ایران' ۱۴۰۵ھ)

ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

بچہ کا اپنی ماں سے نسب ہر حال میں ثابت ہوتا ہے خواہ ولادت شرعی ہو یا غیر شرعی ہو' اور اس کا اپنے باپ سے نسب اسی وقت ثابت ہوتا ہے' جب اس کا بچہ کی ماں سے نکاح ثابت ہو خواہ نکاح صحیح ہو یا نکاح فاسد ہو' یا اس عورت کے ساتھ وطی بالشبہ ہو یا وہ اس بچہ کے ساتھ نسب کا اقرار کرے' زمانہ جاہلیت میں زنا کے سبب سے جو نسب ثابت ہو جاتا تھا اس کو اسلام نے باطل کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کے لیے کنکر پتھر ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۰۷' مسند احمد ج ۲ص ۲۰۷) اور زنا اثبات نسب کی صلاحیت نہیں رکھتا اور زانی صرف رجم کیے جانے کا مستحق ہے۔

ظاہر حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بچہ باپ کے ساتھ اس وقت لاحق کیا جائے گا جب اس کا اپنی بیوی کے ساتھ وطی کرنا ممکن ہو خواہ وہ نکاح صحیح ہو یا نکاح فاسد ہو یہ جمہور کی رائے ہے' اور امام ابوحنیفہ کی یہ رائے ہے کہ محض عقد نکاح سے بھی نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ صرف وطی کا ظن بھی ثبوت نسب کے لیے کافی ہے۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ص ۶۷۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

نکاح فاسد میں دخول کرنا عدت اور ثبوت نسب کا موجب ہے' نیز لکھتے ہیں:

امام محمد کے نزدیک ثبوت نسب کے لیے ضروری ہے کہ بچہ کی ولادت وقت دخول کے چھ ماہ بعد سے شمار کی جائے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وقت عقد سے چھ ماہ بعد کا اعتبار ہے کیونکہ عقد کو دخول کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور مشائخ نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ (ردالمحتار ج ۵ص ۱۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ علاء الدین الحصکفی نے الموطوءة بالشبهة کاعطف المنکوحة نکاحا فاسدا پر کیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں بھی نسب ثابت ہو جائے گا' جیسا کہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے لکھا ہے۔

صہر کا معنی اور اس کی تحقیق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

خلیل نے کہا ہے کہ بیوی کے اہل بیت کو صہر کہتے ہیں' مثلاً بیوی کا باپ' اس طرح بیوی کی ماں وغیرہ یہ سب اصہار ہیں۔

(المفردات ج ۲ص ۳۷۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت ربیعہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

لقد نلت صهر رسول الله علیه وسلم فمانفسناه علیک.

آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سسر ہیں' سو ہم خود کو آپ پر ترجیح نہیں دیتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۸۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۰۹)

علامہ المبارک بن محمد ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

صہر اور نسب میں فرق یہ ہے کہ نسب کا رجوع آباء کی جہت سے ولادت قریبہ کی طرف ہوتا ہے (یعنی باپ کی طرف) اور صہر وہ رشتہ ہے جو تزویج اور نکاح کی وجہ سے وجود میں آتا ہے۔ (یعنی سسرالی رشتے)۔

(النہایہ ج ۳ ص ۵۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اصہار (سسرالی رشتہ داروں) کے مصادیق

سسرالی رشتہ داروں کی چار قسمیں ہیں:

(۱) بیویوں کی سگی مائیں اور دادیاں۔

(۲) بیوی کی سابق شوہر سے بیٹیاں اور ان بیٹیوں کی اولاد خواہ وہ بیٹی موجودہ شوہر کے زیر پرورش ہو یا نہ ہو۔

(۳) بیٹے اور پوتے کی بیوی اور نواسے کی بیوی خواہ بیٹے نے بیوی کے ساتھ جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو البتہ منہ بولے بیٹے کی بیوی حرام نہیں ہے۔

(۴) سگے باپ دادا کی بیویاں یہ وہ محرمات صہریہ ہیں جو کسی شخص پر دائماً حرام ہوتی ہیں۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۴ مطبوعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۴ھ)

نکاح سے حرمت مصاہرت کا متفق علیہ ہونا اور زنا سے حرمت مصاہرت کا مختلف فیہ ہونا

نکاح کے ذریعہ جو صہر اور سسرالی رشتہ کی عورتیں ہوتی ہیں ان کے حرام ہونے پر تمام فقہاء اور ائمہ کا اتفاق ہے خواہ نکاح صحیح ہو یا نکاح فاسد ہو مثلاً بیوی کی ماں بیوی کے سابق شوہر کی بیٹی یا بیٹے کی بیوی یا باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) اور زنا کے ذریعہ جو یہ رشتہ وجود میں آتے ہیں ان کے حرام ہونے میں اختلاف ہے مثلاً مزنیہ (جس عورت سے زنا کیا گیا ہو) کی ماں اور مزنیہ کی بیٹی امام احمد اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک زانی پر مزنیہ کی ماں اور بیٹی دونوں سے نکاح کرنا حرام ہے اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا زانی پر مزنیہ کی ماں اور اس کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام نہیں ہے۔

زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہونے پر فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے دلائل اور ان کے جوابات

امام مالک اور امام شافعی زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہونے پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ‌ۚ (النساء: ۲۳)

اور تمہاری ان عورتوں کی بیٹیاں (تم پر حرام ہیں) جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

اس آیت میں ان بیویوں کی بیٹیوں کو حرام فرمایا ہے جن بیویوں سے صحبت کی جا چکی ہو اور بیوی نکاح سے وجود میں آتی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی عورت کی بیٹی سے نکاح حرام ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس عورت سے نکاح کر کے اس کے ساتھ صحبت کی گئی ہو اور جس عورت سے زنا کیا گیا ہو اس کی بیٹی سے نکاح کرنا اس آیت کی رو سے حرام نہیں ہے لہٰذا زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوئی۔

فقہاء احناف اس دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ آیت ان کے موید نہیں ہے بلکہ ان کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جن عورتوں سے تم دخول (صحبت) کر چکے ہو ان کی بیٹیاں تم پر حرام ہیں اور اس دخول کو مطلقاً ذکر فرمایا ہے دخول بالنکاح نہیں فرمایا اور یہ دخول اس سے عام ہے کہ نکاح کے بعد ان عورتوں کے ساتھ دخول کیا ہو یا نکاح سے پہلے زنا کے ذریعہ ان عورتوں کے ساتھ دخول کیا ہو اور دخول کا لفظ حلال اور حرام دونوں پر واقع ہوتا ہے۔ سو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نکاح کے بعد ان عورتوں کے ساتھ دخول کیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نکاح سے پہلے ان عورتوں کے ساتھ دخول کیا ہو لہٰذا احتیاط کا

تقاضا یہی ہے کہ جس عورت سے زنا کیا گیا ہو اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کو بھی حرام قرار دیا جائے کیونکہ اس آیت کے عموم میں وہ بھی داخل ہے' نیز جب حلال اور حرام ہونے کے دلائل مساوی ہوں تو حرام کو ترجیح دی جاتی ہے۔

فقہاء شافعیہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص حرام طریقہ سے کسی عورت کا پیچھا کرتا ہے پھر اس کی بیٹی سے نکاح کرتا ہے یا کسی کی بیٹی کا حرام طریقہ سے پیچھا کرتا ہے پھر اس کی ماں سے نکاح کرتا ہے' آپ نے فرمایا کوئی حرام کام کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا۔

(سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۶۷' رقم الحدیث: ۳۶۳۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا پھر اس سے یا اس کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا' آپ نے فرمایا کوئی حرام کام کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا' صرف اس چیز کو حرام کرتا ہے جو پہلے نکاح سے ہو۔ (اس حدیث کا صحیح محمل عنقریب مصنف عبدالرزاق: ۱۲۸۱۳' دار الکتب العلمیہ میں بیان ہوگا) (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۶۳۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

فقہاء مالکیہ اور شافعیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حرمت مصاہرت صرف نکاح سے ہوتی ہے زنا سے نہیں ہوتی' فقہاء احناف نے اس حدیث کے حسب ذیل جواب دیے ہیں:

(۱) یہ دونوں حدیثیں سخت ضعیف ہیں' ان دونوں حدیثوں کی سند میں عثمان بن عبدالرحمٰن وقاصی ہے اور وہ متروک راوی ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ جس حدیث کا راوی متروک ہو اس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس کے متعلق لکھا کہ یہ متروک ہے۔

(تاریخ کبیر ج ۶ ص ۷۷' رقم: ۸۳۴۱' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ اس حدیث کی سند پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ حدیث حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے اس کی سند میں عثمان بن عبدالرحمان وقاصی ہے' یحییٰ بن معین نے اس کے متعلق کہا وہ کذاب ہے' امام بخاری' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے کہا وہ کچھ بھی نہیں' یہ حدیث حضرت ابن عمر سے بھی مروی ہے اس کی سند میں اسحاق بن ابی فروہ ہے اور وہ متروک ہے اور یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے وہ بھی ضعیف ہے' امام احمد نے اس کے متعلق کہا کہ یہ عراق کے بعض قصہ گو لوگوں کا کلام ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۱۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

(۲) شدید ضعیف ہونے کے علاوہ یہ حدیث قرآن مجید سے متصادم ہے جس سے ثابت ہے کہ زنا سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جاتی ہے۔

امام شافعی کا یہ اعتراض کہ زنا گناہ ہے اور صہر کی نعمت کے حصول کا سبب نہیں بن سکتا!

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جائے گی اور امام شافعی نے کہا زنا حرمت مصاہرت کو واجب نہیں کرتا کیونکہ حرمت مصاہرت ایک نعمت ہے اور وہ ممنوع کام کے ارتکاب سے حاصل نہیں ہوگی' اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وطی اولاد کے واسطہ سے جزئیت کا سبب ہے حتیٰ کہ اولاد کی نسبت ماں باپ میں سے ہر ایک کی طرف ہوتی ہے' پس عورت کے اصول اور فروع مرد کے اصول اور فروع کی طرح ہوتے ہیں اور مرد کے اصول اور فروع عورت کے

اصول وفروع کی طرح ہوتے ہیں اور بغیر ضرورت کے جز سے نفع حاصل کرنا حرام ہے' لہٰذا جب مرد اور عورت ایک دوسرے کا جز ہو گئے تو مرد کا عورت سے وطی کرنا حرام ہو گیا مگر اولاد کی ضرورت کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور زنا سے اولاد کے حصول کی غرض نہیں ہوتی۔ (ہدایہ اولین ص ۳۰۹' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ مرغینانی کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ زنا کرنے سے جو اولاد ہوئی تو اس کے سبب سے زانی اور مزنیہ دونوں ایک شخص کی طرح ہو گئے اور مزنیہ کے ماں باپ گویا زانی کے ماں باپ ہو گئے اور مزنیہ کی بیٹی زانی کی بیٹی ہو گئی اور جس طرح کسی شخص کے لیے اپنی ماں یا اپنی بیٹی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح زانی کے لیے مزنیہ کی ماں یا اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے' رہا یہ اعتراض کہ جب وطی سے واطی اور موطوءہ ایک شخص کی طرح ہو جاتے ہیں تو پھر کسی شخص کے لیے اپنی بیوی سے وطی کرنا بھی ناجائز ہونا چاہیے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے اور وہ ضرورت ہے اولاد کی طلب' جیسا کہ حضرت آدم کے اپنے نفس سے حضرت حوا پیدا ہوئیں پھر اولاد کی طلب کی ضرورت سے ان کے ساتھ جماع کرنا جائز قرار دیا گیا اور یہ ضرورت نکاح سے پوری ہو جاتی ہے' اس لیے زنا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ علامہ مرغینانی کے جواب سے زنا سے حرمت مصاہرت پر ایک عقلی دلیل حاصل ہوتی ہے لیکن یہ امام شافعی کے اصل اعتراض کا جواب نہیں ہے۔ امام شافعی کا اصل اعتراض یہ ہے کہ مصاہرت ایک نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہ طور امتنان اور احسان کے فرمایا ہے: اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اس کے لیے نسب اور صہر (سسرال کے رشتے) کو بنایا۔ اور صہر اس لیے بھی نعمت ہے کہ اس سے اجنبی لوگ رشتہ دار بن جاتے ہیں۔ انسان جس لڑکی سے نکاح کرتا ہے اس کا باپ پہلے اجنبی تھا اب وہ اس کا سسر بن جاتا ہے اور اس کی ماں اس کی ساس بن جاتی ہے اور صہر کے یہ رشتے نکاح سے حاصل ہوتے ہیں زنا سے حاصل نہیں ہوتے۔ نکاح سے صہر کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ زنا سے یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے نکاح کی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے اور زنا کی مذمت کی جاتی ہے۔ نکاح کو سنت اور کار ثواب قرار دیا جاتا ہے جب کہ زنا پر سو کوڑے مارے جاتے ہیں یا رجم کیا جاتا ہے' اور اگر زنا بھی نکاح کی طرح صہر کی نعمت کے حصول کا سبب ہوتا تو جس طرح نکاح کی کثرت مطلوب ہوتی ہے زنا کی کثرت بھی مطلوب ہوتی' جب کہ زنا کی ممانعت مطلوب ہے' نیز جب کوئی شخص اپنی بیٹی کا کسی انسان سے نکاح کرتا ہے تو وہ انسان اس شخص کا داماد بن جاتا ہے اور اس انسان کا باپ اس کا سمدھی بن جاتا ہے اور وہ شخص اپنے داماد پر شفقت کرتا اور سمدھی کی تعظیم اور تکریم کرتا ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ صہر ایک نعمت ہے' اور اگر ایک انسان کسی شخص کی بیٹی سے زنا کرے تو وہ شخص اس انسان پر شفقت نہیں کرتا بلکہ اس کو دشمن اور مبغوض جانتا ہے اور اس کو قتل کرنے کے درپے رہتا ہے اور آئے دن ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ صہر کی نعمت نکاح سے حاصل ہوتی ہے زنا سے یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی' نکاح سے دو خاندانوں میں ملاپ اور اتصال ہوتا ہے اور زنا سے دو خاندانوں میں بغض' عناد اور انفصال ہوتا ہے' لہٰذا زنا حرمت مصاہرت کا سبب نہیں ہوگا کیونکہ زنا سے مصاہرت (سسرالی رشتہ) ہی حاصل نہیں ہوتی تو حرمت مصاہرت کیسے حاصل ہوگی۔

امام شافعی کا یہ اعتراض بہت قوی ہے اور اس کا عقلی دلائل سے جواب نہیں دیا جا سکتا' ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے اس لیے قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں ہم اس عقلی اعتراض کو ترک کرتے ہیں۔

زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں فقہاء احناف اور فقہاء حنبلیہ کے دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ۔(النساء:۲۲) ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں۔

نکاح کا اصل معنی جماع کرنا ہے' امام لغت خلیل بن احمد فراھیدی لکھتے ہیں:

نکح: وھو البضع ویجری نکح ایضا مجری التزویج. نکاح کا معنی جماع کرنا ہے اور یہ عقد کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

(کتاب العین ج ۳ ص ۱۸۳۷' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ)

لہٰذا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا دخول اور جماع کر چکے ہیں تم ان کے ساتھ دخول اور جماع نہ کرو' خواہ تمہارے باپ دادا نے ان کے ساتھ زنا کی صورت میں دخول کیا ہو یا عقد نکاح کی صورت میں' نیز اس آیت میں نکاح سے مراد مطلقاً دخول ہے۔ خواہ عقد نکاح سے ہو یا زنا سے' اس پر دلیل یہ آیت ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (النساء:۲۲) اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں یہ بے حیائی کا کام ہے' اور بغض کا سبب ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔

اس آیت میں بھی نکاح سے مراد عقد نکاح نہیں ہے بلکہ دخول اور جماع ہے کیونکہ بے حیائی' بغض کا سبب اور بہت برا طریقہ عقد نکاح کرنا نہیں ہے بلکہ زنا کرنا ہے یعنی تمہارے باپ دادا جن عورتوں سے دخول اور جماع کر چکے ہیں خواہ بہ صورت نکاح' خواہ بہ صورت زنا' تم ان سے نکاح نہ کرو' اور یہ آیت بھی اس باب میں نص صریح ہے کہ باپ کی مزنیہ سے نکاح کرنا ممنوع اور حرام ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔

نیز اگر کوئی شخص اپنے باپ کی مدخولہ اور مزنیہ سے نکاح کرے گا تو یہ فعل قطع رحم کا موجب ہوگا کیونکہ اس کا باپ جب اس مزنیہ سے الگ ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اس فعل پر نادم ہو اور اس عورت سے نکاح کرنا چاہے' اور جب اس کا بیٹا اس عورت سے نکاح کر چکا ہوگا تو اس سے اس کے باپ کے دل میں بیٹے کے خلاف بغض اور حسد پیدا ہوگا اور یہ قطع رحم کا موجب ہے اور قطع رحم حرام ہے' اور یہ حرام اس وجہ سے لازم آیا کہ اس نے باپ کی مزنیہ سے نکاح کر لیا لہٰذا باپ کی مزنیہ سے نکاح کرنا حرام ہوگا' پس اس سے واضح ہو گیا کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔

زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں حسب ذیل احادیث اور آثار ہیں:

زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں احادیث اور آثار

امام شافعی سے دوسرا اختلاف اس امر میں ہے کہ جس شخص نے کسی عورت کو شہوت سے مس کر لیا یا شہوت سے اس کی فرج کو دیکھا تو اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی بھی اس شخص پر حرام ہو جاتی ہیں (شہوت کا معنی یہ ہے کہ اس کے دل میں اس سے وطی کرنے کی خواہش ہو اور یہ ایک مخفی امر ہے جو اس کے بتانے سے ہی معلوم ہو سکتا ہے) امام شافعی کے نزدیک مس کرنے اور فرج کی طرف دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ وطی اور دخول نہیں ہیں' یہی وجہ ہے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور نہ اس سے احرام فاسد ہوتا ہے اور نہ اس سے غسل واجب ہوتا ہے' اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عورت کو مس کرنا اور اس کی فرج

کی طرف دیکھنا اس سے وطی کرنے کا قوی داعی سبب اور محرک ہے اس لیے موضع احتیاط میں اس کو وطی کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ہم جو زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں احادیث اور آثار پیش کر رہے ہیں ان سے جس طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے اس طرح ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو مس کرنے یا اس کی فرج کی طرف دیکھنے سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوھانی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی عورت کی فرج کی طرف دیکھا اس شخص کے لیے اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی حلال نہیں ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۶۲۲۹ ج ۳ ص ۴۶۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ نے کہا جو شخص اپنی بیوی کی ماں سے زنا کرے اس پر اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۶۲۲۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو کسی عورت اور اس کی بیٹی کی فرج کی طرف دیکھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۶۲۲۸)

عطاء نے بیان کیا کہ جو شخص کسی عورت سے زنا کرے اس پر اس کی بیٹی حرام ہو جاتی ہے اور اگر بیٹی سے زنا کرے تو اس پر اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۶۲۳۱)

ابراہیم نخعی سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے ایک عورت سے زنا کیا اور اب وہ شخص اس کی ماں سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو انہوں نے کہا وہ اس کی ماں سے نکاح نہیں کر سکتا۔(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۶۲۳۲)

ابراہیم نخعی نے کہا جب کوئی شخص کسی عورت کو شہوت کے ساتھ مس کرے تو اس کی ماں کے ساتھ نکاح کرے نہ اس کی بیٹی کے ساتھ۔(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۶۲۳۴)

مجاہد اور عطاء نے کہا جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس عورت سے نکاح کرنا اس کے لیے حلال ہے اور اس کی کسی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لیے حلال نہیں ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۶۲۳۵)

امام عبدالرزاق بن ھمام متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کسی عورت سے زنا کرتا ہے آیا وہ اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! وہ اس کی ماں کی فرج پر مطلع ہو چکا ہے ان سے کہا گیا کیا نہیں کہا جاتا کہ حرام کام کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا! انہوں نے کہا یہ باندی کے متعلق ہے ایک شخص کسی باندی کے ساتھ زنا کرتا ہے پھر اس کو خرید لیتا ہے یا کسی آزاد عورت کے ساتھ زنا کرتا ہے پھر اس سے نکاح کر لیتا ہے پس اس کے پہلے زنا کرنے کی وجہ سے اس سے نکاح کرنا حرام نہیں ہوتا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۲۸۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث:۱۲۷۶۱ ج ۷ ص ۱۹۷ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

ابن جریج نے کہا میں نے عطاء سے سنا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی سے زنا کیا تو اس پر وہ دونوں حرام ہو جائیں گی۔(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۲۸۱۴ دار الکتب العلمیہ مصنف ج ۷ ص ۱۹۸ مکتب اسلامی)

شعبی حسن قتادہ اور طاؤس نے کہا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی ماں سے زنا کرے یا اس کی بیٹی سے زنا کرے تو وہ دونوں

اس پر حرام ہو جائیں گی۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۸۱۷'۱۲۸۱۶'۱۲۸۱۵' دارالکتب العلمیہ' مصنف ج ۷ ص ۱۹۸' کتب اسلامی)

عروہ بن الزبیر سے پوچھا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے زنا کرتا ہے آیا وہ اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے' انہوں نے کہا نہیں! (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۸۱۸' دارالکتب العلمیہ' مصنف ج ۷ ص ۱۹۸' کتب اسلامی)

یحییٰ بن یعمر نے شعبی سے کہا کوئی حرام کام کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا' شعبی نے کہا کیوں نہیں کرتا' اگر تم خمر (انگور کی شراب) کو پانی میں ڈالو تو اس پانی کا پینا حرام ہو گا' حسن بصری نے بھی شعبی کی طرح جواب دیا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۸۲۲' دارالکتب العلمیہ مصنف ج ۷ ص ۱۹۹' کتب اسلامی)

شعبی نے کہا کہ حضرت عبداللہ نے کہا جب بھی حلال اور حرام جمع ہوتے ہیں تو حرام کو حلال پر غلبہ ہوتا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۸۲۶' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۷۷۲' ج ۷ ص ۱۹۹' کتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو وہ عورت اس شخص کے باپ اور بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے اور اس شخص کے اوپر اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جاتی ہے جس طرح نکاح حلال اور نکاح بالشبہ میں اسی طرح حرمت ہوتی ہے' امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے اور حضرت عمران بن حصین سے بھی اسی طرح مروی ہے' اور حسن بصری' عطا' مجاہد' شعبی' ابراہیم نخعی' ثوری' اسحاق اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) کا بھی یہی قول ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء: ۲۲) اور اس آیت میں نکاح سے مراد وطی ہے' نیز فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا (النساء: ۲۲) اور یہ تغلیظ عقد نکاح میں نہیں ہو سکتی سو یہ تغلیظ وطی اور زنا میں ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ اس شخص کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھتا جو کسی عورت اور اس کی بیٹی کی فرج کی طرف دیکھے' اور آپ نے فرمایا جو کسی عورت اور اس کی بیٹی کی فرج کی طرف دیکھے وہ ملعون ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۷ ص ۹۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں' اور کافر اپنے رب کی مخالفت پر کمر بستہ رہتا ہے ○ (الفرقان: ۵۵)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور اپنی قدرت کے کمال کا بیان فرمایا اور یہ بتایا کہ اس کی نعمتوں کے باوجود کافروں کا اپنے کفر پر اصرار کرنا کس قدر تعجب خیز ہے وہ ان پتھروں کی عبادت کرتے ہیں جو کسی کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ کسی ضرر کو دور کر سکتے ہیں' اور فرمایا کافر اپنے رب کی مخالفت پر کمر بستہ رہتا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں کافر سے مراد ابوجہل لعنہ اللہ ہے' جو بتوں کی عبادت پر اپنے چیلوں کو ابھارتا ہے۔ عکرمہ نے کہا اس سے مراد ابلیس ہے جو اللہ تعالیٰ کی عداوت پر کمر بستہ رہتا ہے۔ حسن بصری نے کہا اس سے مراد شیطان ہے جو لوگوں کی گناہوں پر اعانت کرتا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر اپنے رب کے سامنے ذلیل اور عاجز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ کو صرف ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ (الفرقان: ۵۶)

یعنی ہم نے آپ کو کافروں کا حمایتی بنا کر بھیجا ہے اور نہ ان کو جبراً مسلمان کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' مگر یہ کہ جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف راستہ کو اختیار کرلے O (الفرقان: ۵۷)

یعنی میں نے تم کو جو قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ہے میں اس پر کسی دنیاوی اجر کا طالب نہیں ہوں' ہاں اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا چاہے تو وہ خرچ کرسکتا ہے' یا اگر کوئی شخص میرے طریقہ کی اتباع کر کے دین اور دنیا کی بھلائی حاصل کرنا چاہے تو وہ کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس پر توکل کیجیے جو زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لیے کافی ہے O (الفرقان: ۵۸)

توکل کے متعلق مفصل بحث ہم آل عمران: ۱۵۹' تبیان القرآن ج ۲ ص ۴۳۹۔۴۳۱ میں بیان کرچکے ہیں اور حمد کا معنی الفاتحہ: ۱ میں اور تسبیح کا معنی بنی اسرائیل: ۱ میں بیان کرچکے ہیں ان کی تفسیر وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا' پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا وہی رحمان ہے' آپ اس کے متعلق کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ لیں O (الفرقان: ۵۹)

اس آیت میں بہ ظاہر آپ سے خطاب ہے اور اس سے آپ کا غیر مراد ہے کیونکہ آپ تو اس کے مصدق تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے اور وہ عرش پر جلوہ فرما ہے' اور اس آیت کا معنی ہے اے انسان! علم کی طلب میں میرے علاوہ اور کسی کی طرف رجوع نہ کرنا۔ اور یہ جو فرمایا ہے وہ عرش پر جلوہ فرما ہے' اس کی تفسیر کے لیے الاعراف: ۵۴' التوبہ: ۱۲۹' یونس: ۳' الرعد: ۲ اور طٰہٰ: ۵ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو (تو) وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں! اس (حکم) نے ان کو اور متنفر کردیا O (الفرقان: ۶۰)

کفار یہ کہتے تھے کہ ہم رحمٰن یمامہ کے سوا اور کسی کو نہیں پہچانتے' اور اس سے ان کی مراد مسیلمہ کذاب تھی۔

یہ آیت سجدہ ہے' رحمٰن اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے' زمانہ جاہلیت میں کفار اللہ تعالیٰ کو اس نام سے نہیں پہچانتے تھے' صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوایا تو مشرکین مکہ نے کہا ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ آپ باسمک اللھم لکھیں۔ اس آیت میں بھی کفار کا رحمٰن کے نام سے بھڑکنے اور سجدہ کرنے سے گریز کا ذکر ہے۔

الاعراف: ۲۱۶ میں ہم نے آیات سجدہ کی تعداد اور اس میں ائمہ کا اختلاف ذکر کیا ہے اور الرعد: ۱۵ میں ہم نے سجدہ کے فضائل بیان کیے ہیں' ان کی تفسیر وہاں ملاحظہ فرمائیں اور الفرقان: ۶۰ کی یہ آیت سجدہ' ساتویں آیت سجدہ ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا

وہ برکت والا ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں (سورج کو) چراغ

وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ

اور روشن چاند بنایا O اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا یہ

أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ

اس کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرے O اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر

يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُونَ قَالُوا

آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل بحث کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں

سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِينَ

بس سلام ہو O اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں O اور وہ لوگ جو کہتے

يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا

ہیں اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو پھیر دے، بے شک دوزخ کا عذاب

كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِينَ

چمٹنے والا ہے O بے شک وہ ٹھیرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے O اور وہ لوگ

إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ

جب خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی پر

قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا

ہوتا ہے O اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی

يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ

ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں

وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ

اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا O قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب دیا

الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ

جائے گا اور وہ اس میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا O سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا

عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

اور اس نے نیک اعمال کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى

بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور جس نے توبہ کی اور نیک عمل کیے تو بے شک وہ اللہ کی طرف

اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا

سچی توبہ کرتا ہے ○ اور وہ لوگ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ کسی بے ہودہ کام کے

بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ

پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں ○ اور جب ان لوگوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کی

يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا

جائے تو وہ ان آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے ○ اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب!

هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا

ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں

لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ

متقین کا امام بنا دے ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزا میں جنت کی بلند عمارات دی جائیں گی اور وہاں ان

فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۙ ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾

کو دعا اور سلام پیش کیا جائے گا ○ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے وہ ٹھہرنے اور رہنے کی عمدہ جگہ ہے ○

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ

آپ کہیے کہ اگر تم میرے رب کی عبادت نہ کرو تو اس کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے، پھر بے شک تم نے اس کو جھٹلایا تو اس کا

ع ۴/۱۴ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ ع

عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ برکت والا ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں (سورج کو) چراغ اور روشن چاند بنایاO (الفرقان: ۶۱)

بروج کے لغوی اور عرفی معنی

حسن' مجاہد اور قتادہ نے کہا بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں ان کو بروج اس لیے فرمایا کہ یہ بہت ظاہر ہیں اور برج کا معنی ظہور ہے۔

عطیہ العوفی نے کہا برج کا معنی قلعہ اور محل ہے جس میں پہرے دار ہوں جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ (النساء: ۷۸) اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اس سے مراد وہ بارہ برج ہیں جو سات کواکب سیارہ کی منازل ہیں وہ بارہ برج یہ ہیں: الحمل (بھیڑ کا بچہ)' الثور (بیل)' الجوزا (وہ سیاہ بکری جس کے وسط میں سفیدی ہو) السرطان (کیکڑا) الاسد (شیر) السنبلہ (گندم کا خوشہ) المیزان (ترازو) العقرب (بچھو) القوس (کمان) الجدی (بکری کا بچہ) الدلو (ڈول) الحوت (مچھلی)۔

الحمل اور العقرب مریخ کی منزل ہے' الثور اور المیزان زہرہ کی منزل ہے' الجوزا اور السنبلہ عطارد کی منزل ہے' السرطان قمر کی منزل ہے' الاسد شمس کی منزل ہے' القوس اور الحوت مشتری کی منزل ہے' الجدی اور الدلو زحل کی منزل ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اگر ثوابت ستاروں کے اجتماع سے مینڈھے کی شکل بن جائے تو اس کو برج حمل کہتے ہیں اور اگر ثوابت ستاروں کے اجتماع سے شیر کی شکل بن جائے تو اس کو برج اسد کہتے ہیں اور اگر ان ستاروں کے اجتماع سے ترازو کی شکل بن جائے تو اس کو برج المیزان کہتے ہیں علیٰ ھذا القیاس۔ (قائد اللغات ص ۱۷۹' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی' لاہور)

الحجر: ۱۶ میں ہم نے بروج کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا' یہ اس کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرےO (الفرقان: ۶۲)

رات کی کوئی عبادت قضا ہو جائے تو اس کو دن میں ادا کر لیا جائے اسی طرح بالعکس

خلفۃ کا ایک معنی ہے ایک دوسرے کے خلاف' یعنی دن کو روشن اور سفید بنایا اور رات کو تاریک اور سیاہ بنایا' اور خلفۃ کا دوسرا معنی ہے کسی کے بعد آنے والی چیز' سو رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کے بعد آنے والا ہے۔

فرمایا یہ اس کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرے۔ یعنی جو شخص رات اور دن کے تعاقب اور توارد میں غور و فکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کا آنے کا یہ سلسلہ فضول اور عبث نہیں بنایا اور وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں میں غور و فکر کرے اور ان نعمتوں کا شکر ادا کرے بایں طور کہ دن کے وقت میں جائز اور حلال طریقوں سے کسب معاش کرے اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی روزی کا انتظام کرے' اور دن اور رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ نے اس پر جو نمازیں فرض کی ہیں اور ان کے علاوہ جن عبادتوں کا مکلف کیا ہے ان کو ادا کرے۔

خلفۃ کا ایک معنی بدل بھی ہے یعنی رات اور دن میں سے ہر ایک کو دوسرے کا بدل بنایا ہے' یعنی رات کو وہ جو عبادت کرتا ہے اگر وہ کسی وجہ سے رہ گئی اس کو دن میں ادا کرے اور دن میں جو عبادت کرتا ہے وہ کسی وجہ سے رہ گئی تو اس کو رات میں

ادا کرے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے رات کے معمول کے وظیفہ کو پڑھے بغیر سو گیا یا کسی اور معمول کی عبادت کو ادا کیے بغیر سو گیا وہ اس کو فجر اور ظہر کے درمیان پڑھ لے یا ادا کرے تو اس کے لیے لکھا جائے گا کہ اس نے رات میں ہی اس کو پڑھا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۸۱ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۷۸۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۳ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۴۶۲)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیات اور علم کی نعمت عطا فرمائی ہے اور اس میں نیند اور بھوک و پیاس کی آفت رکھی سو اس شخص پر بڑا افسوس ہے جس نے اپنی ساری زندگی یا زندگی کا بیشتر حصہ سونے کھانے پینے اور جماع کی فانی لذتوں میں بسر کر دیا اور ان فانی لذتوں کو کم کر کے رات اور دن کے کچھ اوقات کو عبادت کی باقی رہنے والی لذتوں میں صرف نہیں کیا رات کی نیند کو ترک کر کے اس وقت کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اور اس وقت نماز میں قیام کرنے پر صرف کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قرآن اور حدیث سے رات کو اٹھ کر عبادت کرنے کی فضیلت

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ؕ ۝ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ۝ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ (الذریٰت: ۱۸ـ۱۵)

بے شک متقی لوگ جنتوں اور چشموں میں ہوں گے ○ وہ ان نعمتوں کو لے رہے ہوں گے جو ان کے رب نے انہیں عطا فرمائی ہیں۔ وہ اس سے پہلے (دنیا میں) نیکی کرنے والے تھے ○ وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے ○ اور رات کے آخری حصہ میں بہ وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے ○

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؗ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ (السجدہ: ۱۶)

ان کی کروٹیں ان کے بستروں سے الگ رہتی ہیں وہ اپنے رب کی خوف اور امید کے ساتھ عبادت کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا میں سفر کرتے ہوئے آپ کے بہت قریب ہو گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور مجھ کو دوزخ سے دور کر دے آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے بہت عظیم چیز کے متعلق سوال کیا ہے اور یہ چیز اسی پر آسان ہو گی جس کے لیے اللہ اس کو آسان کر دے گا تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم رکھو اور زکوۃ ادا کرتے رہو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو پھر فرمایا: کیا میں تم کو خیر کے دروازوں کی رہنمائی نہ کروں؟ روزہ ڈھال ہے اور صدقہ اس طرح گناہوں کو مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آدھی رات کو اٹھ کر آدمی کا نماز پڑھنا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدۃ: ۱۶) پھر فرمایا کیا میں تم کو تمام کاموں کے سردار اور ستون اور ان کے بلند کوہان کی خبر نہ دوں! میں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تمام کاموں کا سردار اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے پھر فرمایا کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جس پر ان تمام چیزوں کا

دارومدار ہے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا نبی اللہ! آپ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا اس کو قابو میں رکھو میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہم جو کچھ باتیں کرتے ہیں کیا ان پر ہماری گرفت کی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: اے معاذ! تم پر تمہاری ماں روئے! جو چیز لوگوں کو دوزخ میں منہ کے بل یا نتھنوں کے بل گرائے گی وہ ان کی زبانوں کی کاٹی ہوئی فصل ہی تو ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۶' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۰۳' کتب اسلامی' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۳' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۲۶۶)

ہم نے اس حدیث کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس میں یہ تصریح ہے کہ آدھی رات کو اٹھ کر عبادت کرنا دوزخ کی آگ کے ٹھنڈی ہونے کا سبب ہے اور رات کو اٹھ کر عبادت کرنے کی فضیلت میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو ہر رات اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا کی طرف (اپنی شان کے مطابق) نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے میں بادشاہ ہوں' کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں! کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کو بخش دوں' پھر اللہ تعالیٰ یونہی صدا لگا تا رہتا ہے حتیٰ کہ فجر روشن ہو جاتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۴۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۲)

امام ابوالقاسم قشیری المتوفی ۴۶۵ ھ نے لکھا ہے کہ تمام اوقات ایک جنس کے باب ہیں اور بعض اوقات کو دوسرے بعض پر اس اعتبار سے فضیلت ہے کہ بعض اوقات میں عبادت کرنا زیادہ افضل ہے اور اس میں زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۳۹۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل بحث کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں بس سلام ہو O (الفرقان: ۶۳)

زمین پر وقار کے ساتھ چلنے اور جاہلوں سے بحث نہ کرنے کا حکم

دنیا کے تمام انسان رحمٰن کے بندے ہیں' اور اس آیت میں بندوں کی رحمان کی طرف اضافت تخصیص اور تشریف کے لیے ہے' یعنی وہ رحمان کے بہت خاص اور بہت شرف والے بندے ہیں جو زمین پر آہستگی اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں' اتراتے ہوئے' اکڑتے ہوئے اور تکبر کرتے ہوئے نہیں چلتے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ (لقمان: ۱۸) اور لوگوں سے اپنا چہرہ نہ پھیر اور زمین میں اکڑتا ہوا نہ چل۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو تم وقار کے ساتھ چلو' کیونکہ بھاگنے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۷۱)

حسن بصری نے کہا وہ علماء اور حکما ہیں' اور محمد بن الحنفیہ نے کہا وہ اصحاب وقار اور عزت دار لوگ ہیں وہ جاہلانہ بات نہیں کرتے اور اگر کوئی ان سے جاہلانہ بات کرے تو وہ بردباری اور تحمل سے سن لیتے ہیں اور پلٹ کر جاہلانہ جواب نہیں دیتے اور ھَوْن کا لغوی معنی نرمی اور ملائمت ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اگر ان سے کوئی جاہلانہ بات کرے تو وہ کہتے ہیں سلاماً' سلاماً کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ وہ درست کہتے ہیں پلٹ کر جاہلانہ جواب نہیں دیتے۔ دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ ان کو حقیقۃً سلام کر کے ان کے پاس سے چلے جاتے ہیں۔ مجاہد نے کہا وہ صحیح بات کہتے ہیں اور مقاتل بن حیان نے کہا وہ ایسا جواب دیتے ہیں جس میں وہ گناہ سے سلامت اور محفوظ رہتے ہیں۔

حسن بصری نے کہا اگر کوئی شخص ان سے جاہلانہ بات کرے تو وہ اس کو تحمل سے سنتے ہیں اور جاہلانہ جواب نہیں دیتے اور اس سے معروف سلام مراد نہیں ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ آیت مشرکین سے قتال کرنے کے حکم سے پہلے کی ہے' کفار کے ساتھ جو احکام مخصوص تھے اب وہ منسوخ ہو گئے۔ پہلے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا' بعد میں ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا' علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ پہلے بھی مسلمانوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ کفار کو سلام کریں بلکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان کی زیادتیوں سے صرف نظر کریں اور درگزر کریں اور اچھے طریقہ سے ان کو چھوڑ دیں اور کنارہ کشی اختیار کریں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی مجلسوں میں جاتے تھے اور ان کو سلام کرتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے اور معارضت نہیں کرتے تھے اور اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی مسلمان جاہلانہ باتیں کرے تو اس کو سلام علیک کہنا جائز ہے۔

اور ہم سورہ مریم کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ کفار کو سلام کرنے میں مسلمانوں کا اختلاف ہے پس اس آیت کو منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے' اور حسن بصری سے ایک اور قول یہ منقول ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم سے کوئی جاہلانہ بات کرے تو اس کو سلام کرو' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ مومنین کی صفات میں بیان فرماتا ہے:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ○ (القصص: ۵۵)

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں' تم پر سلام ہو ہم جاہلوں سے (بحث کرنا) نہیں چاہتے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۶۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں ○ (الفرقان: ۶۴)

فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا تمام رات قیام کرنے کی مثل ہے

اس آیت کا معنی ہے اور جو لوگ اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے رات کو نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے اپنے رب کی رضا کے لیے عشاء کی نماز کے بعد دو یا دو سے زیادہ رکعات نماز پڑھی وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۵)

قتادہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اس رات سے اپنا حصہ لو خواہ دو رکعت' خواہ چار رکعت۔

حسن بصری نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو رات کو نماز میں قیام کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور اللہ کے خوف سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۷۲۳)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو یہ آدھی رات کے قیام کے برابر ہے اور جس شخص نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو وہ پوری

رات کے قیام کی مثل ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۶ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۵۵ 'سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱ 'مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۰۹ 'مسند احمد ج ۱ ص ۵۸ 'صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۵۸ 'مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۴ 'سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۶۱-۶۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو پھیر دے بے شک دوزخ کا عذاب چمٹنے والا ہے ○ بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے ○ (الفرقان ۶۶-۶۵)

غراما کا معنی

یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے باوجود اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈرتے ہوں گے اور اپنے سجدوں میں اور اپنے قیام میں یہ دعا کریں گے کہ ہمارے رب ہم سے دوزخ کا عذاب پھیر دے' بے شک دوزخ کا عذاب چمٹنے والا ہے۔

اس آیت میں دوزخ کے عذاب کو غرام فرمایا ہے۔ غرام کے معنی ہیں شدت اور سختی سے مطالبہ کرنا' قرض خواہ اور قرض دار دونوں کو غریم کہتے ہیں' دوزخ کے عذاب کو غرام فرمایا کیونکہ وہ عذاب مجرموں کے ساتھ لازم اور دائم رہے گا اور ان سے بالکل جدا نہیں ہوگا۔ قرض خواہ کو بھی اس لیے غریم کہتے ہیں کہ وہ مقروض سے چمٹا رہتا ہے اور ہر وقت اپنے قرض کا مطالبہ کرتا رہتا ہے۔ حسن نے کہا ہر قرض خواہ اپنے مقروض سے جدا ہو جاتا ہے سوا جہنم کے غریم کے' زجاج نے کہا غرام کا معنی ہے بہت شدید عذاب' ابن زید نے کہا الغرام کا معنی ہے شر۔ ابوعبیدہ نے کہا الغرام کا معنی ہے ہلاکت' محمد بن کعب نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں جو نعمتیں دی تھیں قیامت کے دن ان سے ان نعمتوں کی قیمت طلب کرے گا جس کو وہ ادا نہیں کر سکیں گے پھر ان نعمتوں کے عوض ان کو دوزخ میں داخل فرمادے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو وہ نہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی پر ہوتا ہے ○ (الفرقان: ۶۷)

اسراف کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ کام جس میں انسان حد سے تجاوز کرے اسراف ہے' اگرچہ اس کا مشہور اطلاق حد سے زیادہ خرچ کرنے پر ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا (النساء: ۶) اور یتیموں کے مال کو جلد جلد اور فضول خرچ کر کے ہڑپ نہ کرو۔

کبھی مقدار کے لحاظ سے زیادہ خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں اور کبھی کیفیت کے لحاظ سے خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں اسی لیے سفیان نے کہا اگر تم اللہ کی معصیت میں بہت کم بھی خرچ کرو تو وہ اسراف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖٓ إِذَآ أَثْمَرَ وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ (الانعام: ۱۴۱) (جب درخت پھل دیں) تو ان کے پھلوں سے کھاؤ اور ان پھلوں میں فقراء کا جو حق واجب ہے (عشر) وہ ان کی کٹائی کے دن دیا کرو' اور حد سے تجاوز نہ کرو' بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو ناپسند فرماتا ہے۔

اس آیت کا معنی ہے صدقہ و خیرات کرنے اور عشر ادا کرنے میں بھی حد سے تجاوز مت کرو' ایسا نہ ہو کہ آج تم حد سے

...مال صدقہ کردو اور کل تم خود ضرورت مند ہو جاؤ' اس کا تعلق حکام سے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی صدقات کی وصول یابی میں ...سے تجاوز نہ کریں' اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کھانے پینے میں حد سے تجاوز نہ کرو' کیونکہ بسیار خوری انسان کی صحت کے ...بہت مضر ہے اور بہت سی بیماریوں کی موجب ہے جن میں بہت نمایاں بدہضمی ہے اور شوگر' بلڈ پریشر' السر اور یرقان' پیلیا ...یار خوری کے دیرپا اثرات ہیں۔ غرض اسراف کسی چیز میں بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ اپنے اوپر خرچ کرنے میں' دوسروں پر خرچ ...کرنے میں اور نہ کھانے پینے میں۔ قوم لوط کو بھی مسرفین فرمایا کیونکہ وہ عورت کی اندام نہانی سے تجاوز کر کے مردوں کی پشت ...میں دخول کرتے تھے اور بے ریش لڑکوں سے ہم جنس پرستی کرتے تھے اور یہ عمل خواہ ایک بار بھی کیا جائے تو یہ اسراف ہے' ...حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے انہوں نے کہا ہم گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ...یعنی قوم لوط کی طرف:

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ (الذٰریٰت: ۳۳-۳۴)

تاکہ ہم ان پر مٹی کے کنکر برسائیں جو آپ کے رب کی طرف سے مسرفین کے لیے نشان زدہ ہیں۔

اسی طرح قصاص لینے میں بھی اسراف سے منع فرمایا:

فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ (بنی اسرائیل: ۳۳) بہ طور قصاص قتل کرنے میں اسراف نہ کیا جائے یعنی قصاص میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے اور قاتل کے بجائے کسی اور کو قتل نہ کیا جائے جیسے زمانہ جاہلیت میں قاتل کے بجائے اس کے قبیلہ کے زیادہ معزز آدمی کو قتل کر دیا جاتا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی بھی معاملہ میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۰۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اقتار کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

القتر کا معنی ہے خرچ میں کمی کرنا اور یہ اسراف کا مقابل ہے' اور یہ دونوں مذموم ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ (الفرقان: ۶۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں' اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی پر ہوتا ہے۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۰)

اور انسان فطرۃً تنگ دل ہے۔

یعنی انسان کی جبلت میں بخل ہے۔ طلاق دینے کے بعد مطلقہ کو متاع میں جو کپڑے دیے جاتے ہیں ان کے متعلق فرمایا:

مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ (البقرہ: ۲۳۶)

مطلقہ عورتوں کو متاع دو خوشحال شخص اپنے اندازے سے اور تنگ دست شخص اپنی حیثیت کے مطابق۔

قتر کے اصل معنی ہیں کسی جلی ہوئی لکڑی کا اٹھتا ہوا دھواں۔ کنجوس شخص بھی کسی شخص کو اصل چیز دینے کے بجائے اس کا دھواں دے کر اس کو ٹالنا چاہتا ہے۔ قترۃ کا معنی ہے دھوئیں کی طرح غبار نما بدرونقی جو چہرے پر چھا جاتی ہے' قرآن مجید میں ہے۔

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ (عبس: ۴۰-۴۱)

اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ۝ جن پر دھوئیں کے مشابہ سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۰۸ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

ان لوگوں کا مصداق جو فضول خرچ اور بخل نہیں کرتے تھے

خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ خرچ کرنا ممنوع ہو وہاں خرچ کرنا اسراف ہے اور جس جگہ خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں خرچ نہ کرنا قتر اور بخل ہے' اور جس جگہ جتنا خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں اتنا خرچ کرنا میانہ روی ہے۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں' اسراف اور اقتار کے دو معنی ہیں:

(۱) خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے' اور جتنا خرچ کرنا ضروری ہو اتنا بھی خرچ نہ کرنا اقتار ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا کسی آدمی کے اسراف کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر وہ چیز کھالے جس کو کھانے کے لیے اس کا دل چاہے۔

(۲) اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا خواہ قلیل ہو وہ اسراف ہے اور اللہ کے حق کو ادا کرنے سے منع کرنا اقتار ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' قتادہ اور ابن جریج وغیرہم کا قول ہے۔

(زادالمسیر ج ۶ ص ۱۰۳' ۱۰۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

یزید بن ابی حبیب نے کہا اس آیت کے مصداق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو حصول لذت کے لیے کھانا نہیں کھاتے تھے اور نہ حصول جمال کے لیے لباس پہنتے تھے بلکہ وہ صرف اتنی مقدار میں کھانا کھاتے تھے جس سے ان کی بھوک دور ہو جائے اور جس کھانے سے ان کو اتنی توانائی حاصل ہو جائے جس سے وہ اپنے رب کی عبادت کر سکیں' اور وہ اتنے کپڑے پہنتے تھے جس سے ان کی شرم گاہ چھپ جائے اور وہ لباس ان کو سردی اور گرمی سے بچا سکے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اسلام میں اچھے کھانوں اور اچھے لباس پر پابندی نہیں ہے

صحابہ کرام کا یہ عمل ان کے زہد اور تقویٰ کی وجہ سے تھا' یا یہ اس دور کی بات ہے جب مسلمانوں پر تنگ دستی کا دور تھا لیکن جب فتوحات کی کثرت کی وجہ سے مسلمانوں پر خوش حالی کا دور آیا تو وہ کھانے پینے کی چیزوں میں اور لباس میں عمدہ اور اچھی چیزوں کو اختیار کرتے تھے' اور اسلام میں اس کی ممانعت نہیں ہے اور ہر شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی آمدنی کے لحاظ سے میانہ روی برقرار رکھتے ہوئے کشادگی اور فراخی کے ساتھ زندگی گزارے۔

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا وہ روزے سے تھے' انہوں نے کہا حضرت مصعب بن عمیر شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے افضل تھے' ان کو صرف ایک چادر میں کفنا دیا گیا جس سے ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پیر کھل جاتے تھے اور اگر ان کے پیر ڈھانپے جاتے تو ان کا سر کھل جاتا تھا' اور حضرت حمزہ شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے افضل تھے' پھر ہمارے لیے دنیا اتنی کشادہ کر دی گئی جتنی کشادہ کر دی گئی اور دنیا سے ہمیں اتنا کچھ دیا گیا جو دیا گیا اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ ہمیں ہماری نیکیاں دنیا میں ہی مل گئی ہیں پھر وہ رونے لگے حتیٰ کہ کھانا ترک کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۵' مطبوعہ دار ارقم' بیروت)

اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام پر ابتداء اسلام میں تنگ دستی کا دور تھا بعد میں فتوحات کی کثرت اور مال غنیمت کی بہتات سے اللہ تعالیٰ نے انہیں غنی کر دیا تھا اور وہ کشادگی سے زندگی گزارتے تھے اور اسلام میں کشادگی سے زندگی گزارنا ممنوع نہیں ہے۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ | کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس

...مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ (الطلاق: ۷)
پر اس کے رزق میں تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے وہ اسی میں سے حسب حیثیت خرچ کرے۔

وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ (البقرہ: ۲۳۶)
اور مطلقہ عورتوں کو متاع میں کپڑے دو' فراخ دست اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی گنجائش کے مطابق' دستور اور رواج کے اعتبار سے۔

ان آیتوں میں امیر لوگوں کو فراخی کے ساتھ کھانے اور کپڑوں میں خرچ کرنے کی تلقین کی گئی ہے' اور اچھے کپڑے پہننے اور اچھے جوتے پہننے کی اسلام میں اجازت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا' ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے خوبصورت ہوں اور اس کے جوتے عمدہ ہوں آپ نے فرمایا اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے' تکبر حق بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۹)

ابوالاحوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! میرے پاس ہر قسم کا مال ہے' آپ نے پوچھا کس قسم کا مال ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ دیے ہیں اور بکریاں اور گھوڑے اور غلام' آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تم پر نظر آنا چاہیے۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ نے وسعت دی ہے تو وسعت کو اختیار کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۲۵۰' عالم الکتب بیروت)

میانہ روی کی اسلام میں تاکید

قرآن مجید کی ان آیات اور ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی نعمت عطا کی ہے اس کے کھانے پینے' لباس اور رہن سہن میں وہ نعمت نظر آنی چاہیے اور تونگری کے باوجود فقیروں اور تنگ دستوں کی طرح رہنا اسلام میں مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے' البتہ اپنی چادر سے زیادہ پیر پھیلانا اور قرض لے کر امارت جتانا' اور شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں بے جا خرچ کرنا اور نمود و نمائش کرنا یہ اسلام میں ممنوع ہے۔ اس لیے نہ قرض لے کر اللے تللے کیے جائیں اور نہ مال و دولت کے باوجود تنگ دستی سے زندگی گزاری جائے اور بلاوجہ تقشف کیا جائے بلکہ اقتصاد اور میانہ روی سے زندگی گزاری جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میانہ روی سے کام لیا وہ تنگ دست نہیں ہوگا۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۴۲۶۹' دارالفکر' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۱۱۸' الفتح الربانی ج ۱۹ ص ۱۸' داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دولت مندی میں میانہ روی کتنی اچھی ہے' اور تنگ دستی میں میانہ روی کتنی اچھی ہے اور عبادت میں میانہ روی کتنی اچھی ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ٣٦٠٤ 'مجمع الزوائد رقم الحدیث: ...)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مکہ میں گئے آپ روزے سے تھے اور آپ کو روزہ سخت لگ رہا تھا ہم نے آپ کے لیے اونٹنی سے دودھ دوہا اور اس میں شہد ملایا اور افطار کے وقت آپ کو پیش کیا آپ نے فرمایا: اللہ تم کو عزت دے جس طرح تم نے میری عزت کی ہے یا کوئی اور دعا دی' پھر فرمایا: جس نے میانہ روی رکھی اللہ اس کو غنی کر دے گا' اور جس نے فضول خرچ کیا اللہ اس کو تنگ دست کر دے گا' اور جس نے تواضع کی اللہ اس کو سربلند کر دے گا اور جس نے تکبر کیا اللہ اس کو ہلاک کر دے گا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ٣٦٠٥ 'مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٧٨٥١)

خوش حال لوگوں کے لیے اچھا کھانا اور اچھا پہننا جائز ہے لیکن ان پر لازم ہے کہ وہ اس میں غرباء کا بھی خیال رکھیں اور اپنے طعام اور لباس میں سے اتنی مقدار غرباء کے لیے ضرور نکالیں جتنی نسبت سے زکوٰۃ نکالی جاتی ہے اور جب وہ اپنے کپڑوں اور دیگر اشیاء میں سے غریبوں کو دیتے رہیں گے تو امید ہے کہ کھانے اور پہننے کی کشادگی اور فراخ دستی میں ان سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ھوازن قشیری متوفی ٤٦٥ ھ لکھتے ہیں:

اسراف یہ ہے کہ تم اپنی خواہش پوری کرنے میں اور نفس کا حصہ ادا کرنے میں خرچ کرو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جتنا بھی خرچ کرو اس میں اسراف نہیں ہے' اور اقتار یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے خرچ کرنے کے بجائے جمع کر کے رکھو' اور نفس کی خواہشات کا گلا گھونٹنے کے لیے اور اتباع شہوات کو کچلنے کے لیے خرچ کرنے پر جو اپنے نفس پر پابندی لگائی جائے وہ اقتار نہیں ہے۔ (لطائف الاشارات ج ٢ ص ٣٩٣ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢٠ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ ایسے کسی شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے' اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا ○ قیامت کے دن ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا ○ سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (الفرقان: ٧٠-٦٨)

حضرت وحشی کا قبولِ اسلام

امام ابن جریر متوفی ٣١٠ ھ اس آیت کے شان نزول میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کچھ مشرکین نے بہت زیادہ قتل کیے پھر وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا آپ ہمیں جس دین کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بہت عمدہ ہے' کاش آپ ہمیں یہ بتا دیں کہ ہم نے اس سے پہلے جو برے اعمال کیے ہیں ان کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے تب یہ آیات نازل ہوئیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ٢٠١٢٢ 'معالم التنزیل ج ٣ ص ٤٥٦)

حافظ سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ٣٦٠ ھ اور حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ٥٧٠ ھ اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں' اور امام عبد الرحمان ابن جوزی متوفی ٥٩٧ ھ اور حافظ الہیثمی متوفی ٨٠٧ ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے اور امام ابن جریر متوفی ٣١٠ ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ٣٢٧ ھ نے بھی اپنی سندوں کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کی پوری تفصیل امام طبرانی' امام ابن عساکر اور امام ابن جوزی کی روایات میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بلایا اور اس کو اسلام کی دعوت دی' اس نے کہا یا محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ مجھے اپنے دین کی کس طرح دعوت دے رہے ہیں حالانکہ آپ نے یہ کہا ہے کہ جس نے شرک کیا یا ناحق قتل کیا یا زنا کیا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا۔ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا (الفرقان: ۶۹-۶۸) اور میں یہ تمام کام کر چکا ہوں کیا آپ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی: سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (الفرقان: ۷۰) وحشی نے کہا یا محمد! یہ بہت سخت شرط ہے شاید میں اس توبہ پر قائم نہ رہ سکوں اور مجھ سے پھر کوئی گناہ ہو جائے تب آپ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ. (النساء: ۴۸)	بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے وہ چاہے گا بخش دے گا۔

پھر وحشی نے کہا یا محمد! اس میں فرمایا ہے جس کے لیے اللہ چاہے گا سو میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت ہو سکے گی یا نہیں کیا اس کے سوا اور کوئی صورت ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (الزمر: ۵۳)	آپ کہیے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو' بے شک اللہ تمہارے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ لاریب وہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

تب وحشی نے کہا یہ وہی ہے جو میں چاہتا تھا پھر وہ مسلمان ہو گئے' اور لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم سے وہ گناہ سرزد ہو جائیں جو وحشی سے سرزد ہوئے ہیں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آیت تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۵۸' رقم الحدیث: ۱۱۴۸۰' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳۳ ص ۳۱۶' رقم الحدیث: ۱۴۱۴۸' زاد المسیر ج ۶ ص ۱۰۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۰۱' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۱۳۹' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۴۱۷)

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا اندازہ کیجیے جو آپ کے محبوب چچا کا قاتل تھا اس کو کس کوشش سے مسلمان کیا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ سب سے بڑا گناہ شرک کرنا ہے اس کے بعد کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا ہے اور اس کے بعد بڑا گناہ زنا کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک قرار دے کر اس کی عبادت کرو حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے' اس نے پوچھا پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا تم اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا! اس نے پوچھا پھر کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ فرمایا تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ پھر اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے الفرقان: ۶۸ کو نازل فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۴۷۶' صحیح

ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۱۵' مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۴)

اللہ تعالیٰ کا گناہوں کے بدلہ میں نیکیاں عطا فرمانا

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کرم فرمائے تو نہ صرف یہ کہ وہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے بلکہ گناہوں کے بدلہ میں نیکیاں عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو جانتا ہوں جس کو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا۔ اس کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہوں کو مخفی رکھا جائے گا' اس سے کہا جائے گا تو نے فلاں فلاں دن یہ یہ کام کیے تھے' وہ ان گناہوں کا اقرار کرے گا اور انکار نہیں کرے گا اور وہ دل میں اپنے بڑے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا' پھر کہا جائے گا اس کو اس کے ہر گناہ کے بدلے میں نیکی دے دو' تب وہ کہے گا اے میرے رب! میرے تو اور بڑے بڑے گناہ ہیں جن کو میں یہاں پر نہیں دیکھ رہا' حضرت ابوذر نے کہا میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۷۵' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۷۰-۱۶۹)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو! اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیکی کر لو وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۴' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۷۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے توبہ کی اور نیک عمل کیے تو بے شک وہ اللہ کی طرف سچی توبہ کرتا ہے○ (الفرقان: ۷۱)

دوبار توبہ کرنے والوں کے ذکر کا فائدہ

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے جس نے توبہ کی وہ اللہ کی طرف توبہ کرتا ہے بہ ظاہر یہ غیر محصل معنی ہے' اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا یہ معنی ہے: اہل مکہ میں سے جو شخص ایمان لے آیا اور اس نے ہجرت کر لی اور اس نے قتل کیا نہ زنا کیا بلکہ نیک کام کیے اور فرائض کو ادا کیا تو ان کی اللہ کی طرف سچی توبہ ہے' یعنی میں نے ان کو' ان لوگوں پر فضیلت دی ہے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کیا اور حرام کاموں کو حلال قرار دیا' قفال نے کہا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت ان لوگوں کے متعلق ہو جنہوں نے مشرکین میں سے توبہ کی ہو اور دوسری آیت ان لوگوں کے متعلق ہو جنہوں نے مسلمانوں میں سے توبہ کی ہو اور توبہ کرنے کے بعد نیک عمل کیے ہوں کیونکہ وہ بھی توبہ کرنے والوں کے حکم میں ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جس نے زبان سے توبہ کی اور توبہ کو پختہ کرنے کے لیے نیک عمل نہیں کیے تو اس کی توبہ نفع آور نہیں ہوگی' بلکہ جو توبہ کرے اور اس کے بعد نیک عمل کرے تو وہ اپنی توبہ کو اعمال صالحہ سے پختہ کر دیتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۷۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ کسی بے ہودہ کام کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں○ (الفرقان: ۷۲)

زور اور لغو کا معنی

الضحاک اور اکثر مفسرین نے کہا الـزور سے مراد شرک ہے اور علی بن ابی طلحہ نے کہا اس سے مراد جھوٹی گواہی ہے' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جھوٹی گواہی دینے والے کو چالیس کوڑے مارتے تھے' اور اس کا منہ کالا کر دیتے تھے اور اس کو بازار میں گشت کراتے تھے' ابن جریج نے کہا الزور سے مراد جھوٹ ہے۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد مشرکین کی عیدیں ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ماتم کی مجلس ہے' قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے وہ اہل باطل کی باطل پر موافقت نہیں کرتے' اور محمد بن حنفیہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لھو (کھیل کود) اور غنا (موسیقی) کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا غنا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے' زور کا اصل معنی ہے کسی چیز کی صفت کے خلاف اس کی تعریف و تحسین کرنا پس زور باطل کو ملمع کاری کر کے اس کے حق ہونے کا وہم پیدا کرنا ہے اور فرمایا جب وہ کسی بے ہودہ کام کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

مقاتل نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ کفار کا سب و شتم سنتے ہیں اور ان کی اذیت رسانی کا سامنا کرتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں' حسن بصری نے کہا ہر قسم کا گناہ لغو ہے' یعنی جب وہ بے ہودہ اور باطل کاموں کی مجلس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ اعراض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان لوگوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کی جائے تو وہ ان آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے ○ (الفرقان: ۷۳)

قرآن مجید کو غفلت اور بے پرواہی سے سننے کی مذمت

اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) ان کے سامنے جب قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ آخرت اور حشر کے دن کو یاد کرتے ہیں اور قرآن کریم کو غفلت سے نہیں سنتے۔

(۲) وہ کفار کی طرح قرآن سے اعراض کرتے ہوئے بہرے اور اندھے ہو کر قرآن کریم کو نہیں سنتے۔

(۳) جب ان کے سامنے اللہ کی آیات کو تلاوت کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں اور ان آیات پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔

(۴) ایسا نہیں ہوتا کہ قرآن مجید سننے کے باوجود وہ پہلی حالت اور اسی کیفیت میں بیٹھے رہیں اور ان پر قرآن کریم کی تلاوت کا کوئی اثر نہیں ہوا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقین کا امام بنا دے ○ (الفرقان: ۷۴)

مال اور اولاد میں کثرت کی دعا کا جواز

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اولاد کے حصول کی دعا کرنی جائز ہے جیسا کہ ان آیات میں بھی ہے:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اے رب مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔

(آل عمران: ۳۸)

فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۝ (مریم: ۵) پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما۔

اس آیت میں اولاد کے لیے ذریات کا لفظ لایا گیا ہے' ذریت اصل میں چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں' لیکن عرف میں چھوٹے اور بڑے سب بچوں کے لیے ذریت کا لفظ مستعمل ہوتا ہے' ذریت کا لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے' ذریت کا لفظ ذرء سے مشتق ہے' جس کا معنی پیدا کرنا اور پھیلانا ہے' یا یہ لفظ "ذر" سے بنا ہے' جس کا معنی بکھیرنا ہے۔

قرۃ اعین میں قرۃ کا لفظ قرار سے بنا ہے قرت عینک کا معنی ہے تمہاری آنکھ برقرار رہے۔ یا قر سے بنا ہے' جس کا معنی ٹھنڈک ہے قرت عینک کا معنی ہے تمہاری آنکھ ٹھنڈی رہے۔ غم کے وقت گرم آنسو نکلتے ہیں اور خوشی کے وقت ٹھنڈے آنسو نکلتے ہیں' عرب کہتے ہیں اللہ دشمن کی آنکھیں گرم کردے اور دوست کی آنکھیں ٹھنڈی کردے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا (حضرت انس کی والدہ) کے گھر گئے' وہ آپ کے لیے کھجوریں اور گھی لے کر آئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھی کو اپنے مشکیزہ میں اور کھجوروں کو اپنے برتن میں لوٹا دو' کیونکہ میں روزے سے ہوں' پھر آپ نے گھر کے ایک گوشے میں کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھی اور حضرت ام سلیم اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا کی' حضرت ام سلیم نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک خاص اولاد ہے! آپ نے پوچھا وہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا آپ کا خادم انس' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا اور آخرت کی ہر خیر کی حضرت انس کے لیے دعا کی اور فرمایا: اے اللہ! اس کو مال اور اولاد عطا فرما اور ان میں اس کو برکت دے! حضرت انس نے کہا میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں' اور جب حجاج بصرہ میں آیا تو میری پشت سے ایک سو بیس بیٹے دفن ہو چکے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۸۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۷۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کے مال اور اولاد میں کثرت اور برکت کی دعا فرمائی اس سے حضرت انس کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ اس حدیث میں ہے کہ حضرت انس نے اپنے ایک سو بیس بیٹے دفن کیے اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت انس نے فرمایا میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد کا عدد ایک سو سے زائد ہے' اس حدیث کے دیگر فوائد میں سے یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے شناساؤں کی ملاقات کے لیے ان کے گھر جانا اور گھر والوں کا اس کو ہدیے میں ماحضر پیش کرنا مستحب ہے' اور اگر آنے والا کسی شرعی عذر کی وجہ سے اس کے ہدیے کو قبول نہ کر سکے تو اس کو اپنا عذر بتا دے تا کہ وہ رنجیدہ نہ ہو' اور جب ہدیہ پیش کرنے والا اس کو واپس اپنے پاس رکھ لے تو یہ ہبہ کر کے واپس لینے کے حکم میں اور مکروہ نہیں ہے' اور کھانے پینے کی چیزوں کو حفاظت سے رکھنا چاہیے' جس طرح آپ نے گھی اور کھجوروں کو دوبارہ اپنے اپنے برتنوں میں رکھنے کا حکم دیا' اور جب کوئی شخص اپنے عذر کی وجہ سے کسی کی دعوت قبول نہ کرے تو اس کے حق میں دعا کر کے اس کی تلافی کر دے' اور نماز پڑھنے کے بعد دعا کرنا مشروع ہے' اور کسی حاجت کو پوری کرنے سے پہلے نماز پڑھنی چاہیے' اور نماز میں دنیا اور آخرت کی خیر طلب کرنی چاہیے اور مال اور اولاد میں کثرت کی دعا اخروی خیر کے منافی نہیں ہے' اور یہ کہ دنیا کے مال میں کمی' قناعت اور زہد کی فضیلت علی العموم نہیں ہے۔ اگر تمام لوگ زاہد اور قانع ہو جائیں تو اسلام کے بہت سے احکام پر عمل نہیں ہو سکیں گے' پھر زکوٰۃ نہیں دی جا سکے گی نہ فطرانہ ادا ہو گا نہ حج اور قربانی ہو گی نہ صدقات اور خیرات ادا کیے جائیں گے' اور مالی عبادات ادا کرنے کا کوئی محل نہیں رہے گا اس لیے بعض لوگوں کے اعتبار سے زہد اور قناعت افضل ہے اور بعض لوگوں کے اعتبار سے مال میں کثرت افضل ہے' اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اور امیر کو عوام کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ان سے ملاقات کے لیے ان کے گھر میں جانا چاہیے' خواہ گھر والا گھر میں موجود نہ ہو کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم کے گھر گئے

ہے تو ان کے شوہر حضرت ابوطلحہ ان کے گھر میں موجود نہیں تھے اور یہ کہ اپنے نفس کے اوپر اپنی اولاد کو ترجیح دینی چاہیے کیونکہ حضرت ام سلیم نے یہ چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بیٹے حضرت انس کے لیے دعا کریں اور یہ کہ حضرت انس کے زیادہ بیٹوں کا فوت ہو جانا ان کی اولاد میں برکت کے منافی نہیں ہے کیونکہ جب وہ اولاد کی موت پر صبر کریں گے تو اس سے ان کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوگا اور یہ اخروی خیر ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمتوں کو بیان کرنا چاہیے جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے مال اور اولاد کی کثرت کو بیان فرمایا اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں کیونکہ ایک نادر امر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وہ مال اور اولاد کی کثرت ہے اور ان کے جس باغ کے لیے دعا کی وہ سال میں دو بار پھل دیتا تھا اور کسی باغ کی یہ صفت نہیں تھی۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ان کا باغ سال میں دو بار پھل دیتا تھا اور اس سے مشک کی خوشبو آتی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ مدینہ میں رہے اور متعدد جہادوں میں شرکت کی پھر بصرہ میں رہائش اختیار کر لی پھر ۹۰ یا ۹۱ ھ میں ننانوے سال کی عمر گزار کر بصرہ میں ہی فوت ہو گئے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اٹھارہ غزوات میں شرکت کی تھی ثابت بنانی نے کہا حضرت انس بن مالک نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے ایک بال ہے اس کو میری زبان کے نیچے رکھ دو پس میں نے اس موئے مبارک کو ان کی زبان کے نیچے رکھ دیا پس ان کو دفن کر دیا گیا اور وہ بال ان کی زبان کے نیچے تھا۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۲۷۶، رقم: ۲۷۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اپنی اولاد کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک دنیا میں مطلوب ہے یا آخرت میں

رحمان کے بندوں کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنی بیویوں سے اپنی ایسی اولاد کے حصول کی دعا کرتے ہیں جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو یعنی ان کی اولاد ایسی ہو جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتے ہوئے دیکھیں جس سے ان کی دنیا اور آخرت میں آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ ان کی اولاد بہت حسین و جمیل ہو اور بہت مالدار اور دنیاوی فنون میں طاق ہو بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ ان کی اولاد ایسی ہو جو اللہ تعالیٰ کی بہت فرماں بردار اور بہت عبادت گزار ہو۔

امام احمد اور امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ فترت اور زمانہ جاہلیت میں جس قدر نبی مبعوث فرمائے ہیں ان سب سے بری حالت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔ اس زمانہ میں لوگوں کے نزدیک بتوں کی پرستش سے افضل کوئی دین نہیں تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرقان (قرآن مجید) کو لے کر آئے جس نے حق اور باطل میں اور والد اور اولاد میں تفریق کر دی حتیٰ کہ ایک شخص اپنی اولاد اپنے والد اور اپنے بھائی کو کافر سمجھنے لگا اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں لگے ہوئے قفل کو اسلام سے کھول دیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اگر ان کی اولاد کفر کے حال میں مر گئی تو وہ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور جب ان کو یہ یقین ہو کہ ان کی اولاد اور ان کے دوست دوزخ میں داخل ہوں گے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوں گی اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۲۹۸، دار احیاء التراث العربی، جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۱۶۶، الدر المنثور ج ۶ ص ۲۵۷)

کثیر بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا کہ اے ابو سعید! اس آنکھوں کی ٹھنڈک کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے یا آخرت کے ساتھ؟ انہوں نے کہا نہیں اللہ کی قسم! مسلمان شخص کی آنکھوں کی ٹھنڈک صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو خود کو اور اپنے دوست کو اللہ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہوئے دیکھے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۲۸۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

متقین کا امام بننے کی دعا کریں یا ان کا مقتدی بننے کی

رحمٰن کے مقرب بندوں نے اس دعا کے آخر میں کہا: اور ہمیں متقین کا امام بنا دے۔

حضرت ابن عباس نے کہا یعنی ہمیں ائمۃ التقویٰ بنا دے اور متقی لوگ ہماری اقتداء کریں۔

مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے ہمیں ایسا امام بنا دے کہ ہم اپنے سے پہلے متقی مسلمانوں کی اتباع کریں اور ہم اپنے بعد والوں کے امام ہو جائیں۔ امام ابن جریر نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو متقی مسلمان تیری نافرمانی سے اجتناب کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں ہمیں ان کا امام بنا دے وہ نیک کاموں میں ہماری اقتداء کریں' کیونکہ انہوں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا ہے کہ ان کو متقی لوگوں کا امام بنا دے یہ سوال نہیں کیا کہ متقی لوگوں کو ان کا امام بنا دے۔

(جامع البیان جز ۱۹ ص ۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام قشیری نے کہا امامت دعا سے حاصل ہوتی ہے دعویٰ سے حاصل نہیں ہوتی۔ یعنی امامت اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کی تائید اور اس کے احسان سے حاصل ہوتی ہے اور کوئی شخص اپنے امام ہونے کا دعویٰ کرے اس سے امامت حاصل نہیں ہوتی' حضرت عمر دعا کرتے تھے: اے اللہ ہمیں ائمہ متقین سے بنا دے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دعا کرتے تھے اے اللہ! ہمیں ائمہ ہدیٰ بنا دے' مکحول دعا کرتے تھے اے اللہ ہمیں متقین کا امام بنا دے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے اس آیت اور ان آثار میں یہ دلیل ہے کہ دین میں ریاست اور امامت کو طلب کرنے کی دعا کرنا مستحب ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۸۰-۷۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ رحمٰن کے مقبول بندوں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مکحول ایسے متقی اور پاک بازوں کے لیے متقین کا امام بننے کی دعا کرنا مستحب ہے' اور مجھ ایسے ناکارہ خلائق اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے کم ہمت اور کم عمل لوگوں کو یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں متقین کا محب' متبع اور مقتدی بنائے رکھے اور متقین کی اقتداء پر ہی خاتمہ کر دے۔

احب الصالحین ولست منھم	میں خود نیک تو نہیں ہوں لیکن نیکوں سے محبت کرتا ہوں'
لعل اللہ یرزقنی صلاحا	تاکہ اللہ مجھے بھی نیکی عطا فرما دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزا میں جنت کی بلند عمارات دی جائیں گی اور وہاں ان کو دعا اور سلام پیش کیا جائے گا ○ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے وہ ٹھہرنے اور رہنے کی عمدہ جگہ ہے ○ (الفرقان: ۷۶-۷۵)

رحمان کے مقبول بندوں کی جزاء

یعنی رحمٰن کے یہ مقبول بندے جنت میں بلند درجے کو حاصل کریں گے' غرفہ بلند و بالا عمارت کو کہتے ہیں' دنیا کی کسی بلند ترین عمارت کو دیکھ کر بھی جنت کے پر شکوہ محلات کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ان کو یہ بلند درجات ان کے صبر کرنے کی وجہ سے حاصل ہوں گے' اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے اور اس کی عبادت میں مشقت

...است کرنے میں جو صبر کیا تھا' اور یا مشرکین کی پہنچائی ہوئی اذیتوں کو برداشت کرنے میں جو صبر کیا تھا' یا اپنی نفسانی خواہشوں اور شہوات کے تقاضوں کو روکنے میں جو صبر کیا تھا' اس صبر کی جزاء میں ان کو جنت کے بالا خانے دیے جائیں گے اور جنت میں فرشتے ان کو سلام کریں گے۔ یا وہ خود ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا ان کا رب ان کو سلام بھیجے گا' اور ایک قول یہ ہے کہ سلام سے مراد یہ ہے کہ وہ آفات اور مصائب سے سلامت رہیں گے اور وہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے' وہ ٹھہرنے اور رہنے کی عمدہ جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے اگر تم میرے رب کی عبادت نہ کرو تو اس کو تمہاری کوئی پروا نہیں ہے' پھر بے شک تم نے اس کو جھٹلایا تو اس کا عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گاO (الفرقان: ۷۷)

رحمٰن کے مردود بندوں کی سزا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو یہ خبر دی ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے اور تم نے اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ کو نہ پکارا' اور تم مسلسل اس کی تکذیب کرتے رہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو بھی تمہاری کوئی پروا نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اگر انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کریں تو پھر ان میں اور جانوروں' درختوں اور پتھروں میں کیا فرق ہے۔

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اھل مکہ کی طرف رسول بھیج کر انہیں اپنی توحید اور اپنی عبادت کی دعوت دی اور انہوں نے اس رسول کی تکذیب کی اور اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہا' اب یہ تکذیب ان کو لازم رہے گی اور ان کو توبہ کی توفیق نہیں دی جائے گی حتیٰ کہ ان کو ان کے اعمال کی سزا دی جائے۔ ابن جریج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو ہمیشہ عذاب ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے مراد وہ عذاب ہے جو اہل مکہ کو جنگ بدر کے دن دیا گیا ان کے ستر افراد کو قتل کیا گیا اور ستر افراد کو قید کیا گیا اور اس عذاب کے ساتھ آخرت کا عذاب بھی اس کے ساتھ متصل اور لازم ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ہی بندوں کی طرف توجہ اور التفات فرماتا ہے جو اس کی عبادت کرتے ہیں' اس سے دعا کرتے ہیں اور اس کو پکارتے ہیں' اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں اس کے آگے سر اطاعت خم کرتے ہیں اور اسی کے سامنے اپنی جبین نیاز جھکاتے ہیں' اور اس کے نام کی مالا جپتے ہیں اور جو اس کو یاد نہیں کرتے' نہ اس کو پکارتے ہیں نہ اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں' بھلا اس بے نیاز ذات کو ایسے لاتعلق رہنے والوں' منحرف اور سرکش لوگوں کی طرف التفات اور توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے!

سورۃ الفرقان کے اختتامی کلمات

سورۃ الفرقان ۲۰ شعبان ۱۴۲۲ھ / ۷ نومبر ۲۰۰۱ء بروز بدھ کو شروع کی تھی اور آج آٹھ رمضان ۱۴۲۲ھ / ۲۵ نومبر ۲۰۰۱ء بروز اتوار کو بعد نماز ظہر اس کی تفسیر ختم ہوگئی اس طرح صرف اٹھارہ روز میں سورۃ الفرقان کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ فالحمدلله رب العالمین.

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا اور بے انداز شکر ہے اور اس کا بے حد کرم ہے کہ اس نے اس ناکارہ' کم علم' کم فہم اور کم سواد شخص کو یہ حوصلہ اور یہ ہمت عطا فرمائی کہ اس نے گوناگوں عوارض اور مسائل کے باوجود قرآن مجید کی تفسیر کے اس سفر کو جاری رکھا اور اس کام کے تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دیا۔ بعض مخالفین اور معاندین کی تحریریں میرے علم میں آتی رہتی ہیں لیکن میں ان کے جواب اور جواب الجواب اور پھر اس کے جواب کے چکر میں پڑ کر اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتا' ان میں جو کوئی معقول شبہ ہوتا ہے اس کا

جواب میری بعد کی کسی تحریر میں مناسب مقام پر آ جاتا ہے' افسوس اور رنج کا مقام یہ ہے کہ ہمارے ہاں کسی سنجیدہ انداز سے تنقید نہیں کی جاتی بلکہ تنقید کرنے والوں کی تحریر میں جارحیت اور سب وشتم اور بدگمانی اور اتہام اور الزام تراشی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے' ایک اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں مسلک کے اجارہ دار وہی لوگ ہیں جنہوں نے کوئی علمی اور تحقیقی کام نہیں کیا جو اپنے عوام کا سرمایہ صرف نمود ونمائش اور غیر تعمیری کاموں میں صرف کرتے ہیں' لیکن حوصلہ افزاء بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا دائرہ اب سمٹتا جارہا ہے اور جیسے جیسے علم اور آگہی کی روشنی پھیلتی جارہی ہے ایسے لوگ گمنامی کے غار میں گرتے جارہے ہیں' اور آنے والا دوران ہی کا ہے جن کے پاس اسلام کی تعلیمات کے متعلق ٹھوس مواد اور قابل ذکر اور لائق شمار علمی لٹریچر ہوگا۔

اس تفسیر کی تحریر کے دوران کچھ حقائق سامنے آتے رہتے ہیں جس کی وضاحت کے لیے اور ان امور میں اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لیے میں سورت کے اختتامی کلمات میں کچھ لکھ دیتا ہوں۔ اب میری عمر چونسٹھ سال کی ہو چکی ہے' کچھ عمر کے تقاضے سے کمزوری ہے' کچھ مختلف بیماریوں کی وجہ سے ناتوانی ہے' کون جانے کب رشتہ حیات منقطع ہو جائے' یہ کام مکمل ہو سکے یا نہ ہو سکے' بہرحال جب تک رمق حیات باقی ہے میں ان شاء اللہ العزیز تفسیر لکھنے کے اس سفر کو جاری رکھوں گا' اللہ تعالیٰ نے ہی اس تفسیر کو شروع کرانے کی توفیق دی تھی اور وہی اس کو مکمل کرانے والا ہے!

آخر میں یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے' اور تا قیامت اس کو مقبول اور اثر آفرین رکھے اور محض اپنے فضل سے اور اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شفاعت سے میری لغزشوں اور خطاؤں کو معاف فرمادے اور میری اس کتاب کے ناشر' اس کے مصحح اور اس کے کمپوزر اور دیگر معاونین کی مغفرت فرمائے' اور ہم سب کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا' عذاب اور پریشانی سے محفوظ رکھے اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت اور سعادت عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبک سیدنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین قائد الغر المحجلین شفیع المذنبین وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الراشدین وازواجہ امھات المومنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وسائر امتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ

(۲۶)

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الشعرآء

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الشعراء ہے اور اس لفظ کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ○ (الشعراء:۲۲۴) اور شعراء کی پیروی وہ لوگ کرتے ہیں جو گم راہ ہوں۔

اس سورت میں مکہ کے ان کفار کا رد فرمایا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے الشعراء کا لفظ قرآن مجید میں صرف ایک بار آیا ہے اور اس کا اسی سورت میں ذکر ہے۔

اس سورت کا نام طسم بھی ہے لیکن زیادہ مشہور الشعراء ہے۔ احادیث اور آثار میں ان دونوں ناموں کا ذکر ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سورہ (طسم) الشعراء مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

النحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سورۃ الشعراء مکہ میں نازل ہوئی ہے سوائے آخری پانچ آیتوں کے ان ہی میں سے والشعراء یتبعھم الغاون بھی ہے یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۲۶۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید کے نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۷ ہے یہ سورت سورہ نمل سے پہلے اور سورہ واقعہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورۃ الفرقان سے سورۃ الشعرآء کی مناسبت

سورۃ الفرقان اور سورۃ الشعراء دونوں سورتوں کی ابتداء قرآن مجید کی تعظیم سے ہوئی ہے سورۃ الفرقان کی ابتداء میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ (الفرقان:۱) وہ بہت برکت والا ہے جس نے الفرقان (قرآن مجید) کو اپنے عبد (مکرم) پر نازل کیا۔

اور سورۃ الشعراء کی ابتداء میں ہے:

طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ○ (الشعراء:۲-۱) طاسین میم ○ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں

اور سورۃ الفرقان کی انتہاء کافروں کی مذمت اور مومنوں کی مدح پر ہوئی ہے اور اسی طرح سورۃ الشعراء میں بھی ہے' سورۃ الفرقان کی آخری آیات میں مومنوں کے متعلق فرمایا:

أُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا. (الفرقان: ۷۵)

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزاء میں جنت کی بلند عمارات دی جائیں گی۔

اور کافروں کے متعلق فرمایا:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ○ (الفرقان: ۷۷)

آپ کہیے اگر تم میرے رب کی عبادت نہ کرو تو اس کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے' پھر بے شک تم نے اس کو جھٹلایا تو اس کا عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا۔

اور سورۃ الشعراء میں کافروں کی مذمت اور مومنوں کی مدح کے متعلق فرمایا:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ○ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○ (الشعراء: ۲۲۷-۲۲۴)

اور شعراء کی پیروی وہ لوگ کرتے ہیں جو گم راہ ہیں ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شعراء ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں ○ اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے ○ سوا ان (شعراء) کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کیا' اور ظلم سہنے کے بعد بدلہ لیا' اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹتے ہیں ○

سورۃ الفرقان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا اجمالی طور پر ذکر کیا گیا تھا' اور اس سورت میں ان کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے' اس کے علاوہ سورۃ الفرقان میں حضرت نوح' عاد' ثمود اور اصحاب الرس کا بھی اجمالی طور پر ذکر کیا گیا تھا اور اس سورت میں ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے' ان کے علاوہ بعض دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کا بھی اس سورت میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

سورۃ الشعرآء کے مقاصد اور مسائل

(۱) اس سورت میں قرآن مجید کی تعظیم اور تکریم بیان کی گئی ہے' اس کی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ چیلنج کیا گیا اور یہ بتایا گیا ہے اس کی نظیر کوئی نہیں لا سکتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کو جو قرآن مجید کی دعوت دیتے تھے اور وہ اس سے اعراض کرتے تھے اور جواب میں دل آزار باتیں کہتے تھے۔ ان پر آپ کو تسلی دی گئی ہے۔

(۲) کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائشی معجزات طلب کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا آپ ان کی ہٹ دھرمی اور فضول اعتراضات سے ملول اور پریشان نہ ہوں' آپ سے پہلے جو رسول بھیجے گئے ان کے زمانہ میں بھی مشرکین ان پر ایسے ہی اعتراضات کرتے تھے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی سرگزشت آیت: ۶۸-۱۰ میں بیان کی گئی ہے۔ ۱۰۴-۶۹ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پیش کرنے کا ذکر ہے' اس کے ضمن میں مشرکین کے انجام کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۲۲-۱۰۵ میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم کی طرف سے جو جواب دیا گیا اس کا اور ان کے انجام کا ذکر ہے' ۱۴۰-۱۲۳ میں حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد کو جو دعوت دی تھی اور ان کی قوم نے جو متکبرانہ جواب دیا تھا اور اس کے نتیجہ میں

جو ان پر عذاب نازل ہوا اس کا ذکر فرمایا ہے ۱۵۹-۱۴۱ میں حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم ثمود کا جواب اور ان کے انجام کا ذکر ہے ۱۷۵-۱۶۰ میں حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم کے جواب اور اس کے انجام کا ذکر ہے۔ ۱۹۱-۱۷۶ میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم مدین کے جواب اور ان کے انجام کا ذکر ہے اور ۲۲۷-۱۹۲ تک ان مقاصد کا ذکر فرمایا جن کے لیے بہ طور تمہید انبیاء سابقین کا ذکر فرمایا ہے۔

(۴) یہ فرمایا ہے کہ تم پچھلی قوموں کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نشانی اور معجزہ کو طلب کر رہے ہو کیا تمہارے لیے اس قرآن کی صورت میں جو نشانی اور معجزہ ہے وہ کافی نہیں ہے۔

(۵) یہ بتایا ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی وحی ہے اور کفار کا اس کو جنات اور کاہنوں کا کلام قرار دینا یا اس کو محض شعر و شاعری قرار دینا باطل ہے۔

سورۃ الشعرآء کی فضیلت

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پر عمل کرو' اس کے حلال کو حلال قرار دو اور اس کے حرام کو حرام قرار دو' اس کی اقتداء کرو اور اس کی کسی چیز کا انکار نہ کرو' اور اس کی آیات متشابہات کو اللہ کی طرف لوٹا دو اور میرے بعد جو علماء راسخین ہیں ان کی طرف' اور تورات اور انجیل اور زبور پر ایمان لاؤ' اور ان مصاحف پر جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیے گئے' اور قرآن اور اس کی سورتیں تم پر وسعت کریں گی کیونکہ یہ شفاعت کرنے والا ہے اور اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ سنو! اس کی ہر آیت قیامت کے دن نور ہو گی' اور مجھے ذکر اول سے سورۃ البقرہ دی گئی ہے اور مجھے طٰہٰ اور طواسین (وہ سورتیں جن کے شروع میں طٰسٓمٓ ہے) اور الحوامیم (وہ سورتیں جن کے شروع میں حٰمٓ ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی الواح سے دی گئیں اور فاتحۃ الکتاب مجھے عرش کے نیچے سے دی گئی۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۶۸ قدیم' المستدرک جدید رقم: ۲۰۸۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۴۷۸)

علامہ ذہبی نے اس حدیث کی سند پر تعقب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں عبید اللہ ہے امام احمد نے کہا ہے کہ اس کی حدیث کو ترک کر دو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تورات کے بدلہ میں السبع الطوال (شروع کی سات لمبی سورتیں) عطا فرمائیں۔ اور انجیل کی جگہ مئین (جن سورتوں میں سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہوں) عطا فرمائیں اور الزبور کی جگہ الطواسین عطا فرمائیں اور الحوامیم اور الطواسین کی وجہ سے مجھ کو فضیلت دی مجھ سے پہلے ان کو کسی نبی نے نہیں پڑھا۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۲۶۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۸۱)

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ الشعراء کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتا ہوں' الٰہ العالمین مجھے اس سورت کے ترجمہ میں غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھنا حق بات کو مجھ پر آشکار کرنا اور اس کی اتباع عطا فرمانا اور باطل سے بھی مجھے آگاہ کرنا اور اس سے اجتناب عطا فرمانا۔ آمین!

بجاہ حبیبک الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ / ۲۷ نومبر ۲۰۰۱ء

موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

(۲۶) سُورَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ (۴۷) رکوعاتها ۱۱ آیاتها ۲۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الشعراء مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس کی دو سو ستائیس آیات گیارہ رکوع ہیں

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ

طاسین میم O یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں O (اے رسول مکرم!) شاید آپ اس غم میں جان دے دیں گے

اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ

کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں O اگر ہم چاہتے تو ان کے اوپر آسمان سے ایسی نشانی نازل

اٰیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ ﴿۴﴾ وَ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ

کر دیتے جس سے ان کی گردنیں ہمیشہ جھکی رہتیں O اور جب بھی ان کے پاس رحمٰن کی طرف

مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ

سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے یہ اس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں O سو انہوں نے

كَذَّبُوْا فَسَیَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾ اَوَ لَمْ

تکذیب کی پس ان کے پاس عنقریب اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے O کیا انہوں

یَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ ﴿۷﴾

نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہر قسم کے عمدہ جوڑے پیدا کیے ہیں O

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸﴾ وَ اِنَّ

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں O بے شک

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۹﴾ ع

آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب بہت رحم فرمانے والا ہے O

منزل ۵ — ع ۱ ۹ ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بسم الله الرحمن الرحیم

اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو اپنے کلام کی بلندی اور اپنی شان کی عظمت پر خود دلالت کرتا ہے' وہ رحمٰن ہے جو نافرمانی
معصیت کرنے والوں پر گرفت کرنے اور ان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا' اور رحیم ہے جو اس سے محبت کرنے والوں

...وں کو ان کاموں کی توفیق سے زندہ رکھتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طاسین میم O یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں O (الشعراء: ۲-۱)

طسمّ کے محامل

علی بن طلحہ الوالبی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ طسمّ قسم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' قتادہ نے کہا یہ قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' مجاہد نے کہا یہ اس سورت کا اسم ہے' محمد بن کعب قرظی نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی بلندی' اپنی قوت اور اپنی سلطنت کی قسم کھائی ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۶۲-۲۶۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

الکتاب المبین کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں' اس کا معنی یہ ہے: یہ سورت' اس روشن کتاب کی آیتوں کا مجموعہ ہے۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس سورت کے مخاطب کفار مکہ ہیں تو اس سورت کی آیات ان کے لیے ان احکام کو کیسے بیان کرنے والی ہوں گی جن پر عمل کرنا ان کے لیے لازم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قرآن کی کسی ایک سورت کی نظیر لانے کا ان کو چیلنج دیا گیا اور جب وہ ایک بڑے عرصہ تک اس کی کسی ایک سورت کی بھی نظیر لانے سے عاجز رہے تو یہ واضح ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت ثابت ہوگئی اور چونکہ یہ کلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اس لیے آپ کی رسالت بھی ثابت ہوگئی' اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید کے بیان کیے ہوئے تمام احکام پر ایمان لائے اور ان پر عمل کرے۔

الکتاب المبین کا معنی ہے واضح اور روشن بیان کرنے والی کتاب' قرآن مجید نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور ان کو ماننے کا حکم دیا ہے اور شیطان اور بتوں کو ماننے اور ان کی عبادت کرنے سے منع فرمایا ہے' اور اس حکم کو قرآن مجید نے وضاحت سے آسان اور سادہ دلائل کے ساتھ بیان کر دیا ہے' اسی طرح نماز پڑھنے' روزہ رکھنے' زکوٰۃ ادا کرنے حسب استطاعت حج کرنے اور جہاد کرنے کا حکم دیا ہے' والدین' رشتہ داروں' پڑوسیوں اور عام مسلمانوں کے ساتھ نیکی اور خیر خواہی کرنے کا حکم دیا ہے' عفت اور پاک دامنی کا حکم دیا ہے' شراب پینے' جوا کھیلنے' سود کھانے' چوری' ڈاکا' زنا' لوگوں کی حق تلفی کرنے اور ناجائز مال کھانے سے منع فرمایا ہے' یہ احکام اس کتاب میں بہت آسان اور سادہ طریقے سے بیان کر دیے ہیں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کتاب میں کیا احکام ہیں کس کام کے کرنے کا حکم دیا ہے اور کس کام کے کرنے سے منع کیا ہے' اور اس کتاب نے جو احکام دیے ہیں ان کے معقول' درست اور قابل عمل ہونے کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور یہ احکام ایسے نہیں ہیں کہ ان کو شعر و شاعری' جنات کی بتائی ہوئی جھوٹی سچی باتیں یا جادو کہا جا سکے' یہ انسان کے عمل کرنے کے لیے کھلے کھلے احکام ہیں' ان میں کوئی پہیلی یا بجھارت نہیں ہے' اور ہر انصاف پسند شخص یہ تسلیم کرے گا اور مانے گا کہ دنیا اور آخرت کی فلاح اور کامیابی ان ہی احکام پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے تو اب اس بات کی صداقت میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) شاید آپ اس غم میں جان دے دیں گے کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں O (الشعراء: ۳)

کفار کے ایمان نہ لانے سے شدت غم میں گھلنے سے آپ کو منع فرمانا

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: باخع کا معنی ہے شدت غم سے اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا۔ اگر کوئی شخص انتہائی ناگواری کے ساتھ کسی چیز کو مان لے یا اس کا اقرار کرلے تو اس کو بھی باخع کہتے ہیں۔ اس آیت میں آپ کو اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ آپ کفار کے ایمان نہ لانے پر غم اور افسوس کرنا چھوڑ دیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۴۸ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اس مضمون کی مزید آیات حسب ذیل ہیں:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ (الکہف: ۶)

پس اگر یہ لوگ (کفار مکہ) اس قرآن پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے۔

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ (فاطر: ۸)

پس ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں آپ اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

کفار مکہ کے ایمان نہ لانے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج اور قلق ہوتا تھا' ان آیتوں میں اس کا اظہار کیا گیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ایمان لانے کے لیے بہت کوشش کرتے تھے' ان کے گھروں پر جا جا کر دستک دیتے اور ان کو ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے' وہ آپ کے پیچھے خاک اڑاتے تھے' آوازے کستے تھے' آپ کو مجنون اور دیوانہ کہتے تھے' طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے لیکن ان میں سے کوئی چیز آپ کو ایمان کی دعوت دینے سے نہیں روکتی تھی۔ آپ مسلسل کوشش کرتے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے تھے تو آپ کو بہت سخت رنج اور قلق ہوتا تھا اور بعض اوقات آپ کی حالت دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ آپ شدت غم سے ان کے پیچھے جان ہار جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفقت اور محبت سے فرمایا کہ ان کے ایمان نہ لانے سے آپ اس قدر غم نہ کریں' ان کو مومن بنانا آپ کے ذمہ نہیں لگایا گیا۔ آپ کے ذمہ صرف ان تک پیغام پہنچانا ہے سو آپ نے اللہ کا نام ان تک بہت خوش اسلوبی اور جاں فشانی سے پہنچا دیا ہے' اب اگر وہ ایمان نہیں لائے تو یہ ان کا نصیب اور مقدر ہے' آپ نے اپنا مشن پورا کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر ہم چاہتے تو ان کے اوپر آسمان سے ایسی نشانی نازل کر دیتے جس سے ان کی گردنیں ہمیشہ جھکی رہتیں ○ (الشعراء: ۴)

اختیاری ایمان اور اختیاری اطاعت کا مطلوب ہونا اور جبری ایمان اور جبری اطاعت کا نامطلوب ہونا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت پر متعدد معجزات اور نشانیاں دکھائیں اور سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید پیش کیا مگر انہوں نے ان نشانیوں کو قبول نہیں کیا اور فرمائشی معجزات طلب کرتے رہے مثلاً وہ کہتے تھے کہ آپ آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کریں' یا آپ کا سونے کا کوئی گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں! اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اس قسم کی نشانیاں نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہے' وہ چاہتا تو آسمان کے اوپر سے کوئی ایسی نشانی نازل کر دیتا جس سے اضطراری طور پر ان کی گردنیں جھک جاتیں اور یہ جبراً مسلمان ہو جاتے لیکن ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ وہ فرماتا ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○

اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب ایمان لے آتے' کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے حتیٰ کہ وہ

(یونس:۹۹) مؤمن ہو جائیں!

لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ اس قسم کا جبری ایمان اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی مصلحت کے خلاف ہے' پھر اللہ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ لوگوں کو جبراً مومن بنائے' وہ انہیں ابتداءً مومن پیدا کر سکتا ہے وہ چاہتا تو لوگوں کو فرشتوں کی طرح بنا دیتا ان میں اختیار اور ارادہ نہ رکھتا وہ اضطراری طور پر اس کی عبادت کرتے رہتے لیکن وہ چاہتا تھا ایک ایسی مخلوق بنائے جس میں خیر اور شر کی دونوں قوتیں ہوں' اس لیے اس نے ہدایت دینے کے لیے نبی پیدا کیے اور گمراہ کرنے کے لیے شیطان کو پیدا کیا' اور انسان کے اندر بھی دو قوتیں رکھ دیں ایک وہ قوت ہے جو اس کو نیکی کی طرف ابھارتی ہے اور ایک وہ طاقت ہے جو اس کو برائی کی طرف ابھارتی ہے۔ پھر دنیا میں ایسی چیزیں پیدا کیں جن میں سے بعض نیکی کی اور بعض برائی کی ترغیب دیتی ہیں اور انسان کو عقل اور شعور دے دیا' اور اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلالت کرنے والی نشانیاں رکھ دیں اور خود انسان کے اندر بھی اس کی ذات کی معرفت کی نشانیاں پیدا کر دیں' اور ان نشانیوں کی طرف متوجہ کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور علماء ربانیین کو پیدا کیا اور انسان کو اختیار اور ارادہ دیا تا کہ وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے نبی کی ہدایت کو قبول کرے اور علماء ربانیین کی رہنمائی سے اسلام کو قبول کرے یا اس کائنات کی نشانیوں سے یا خود اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اس کا عرفان حاصل کرے' اور قبول حق کے راستہ سے منحرف کرنے کے لیے جو شیطانی قوتیں اس کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں اور عبادت و ریاضت سے روکنے کے لیے دنیاوی لذتوں اور شہوتوں کی ترغیبات سامنے آئیں ان سب کو آہنی ارادہ سے رد کر دے اور اپنے اختیار اور پختہ عزم سے ایمان پر قائم رہے اور اعمال صالحہ پر جما رہے' سو ایسا ایمان اور ایسے اعمال صالحہ اس کو مطلوب ہیں ان ہی پر انعام و اکرام عطا کرنے کے لیے اس نے جنت بنائی ہے اور ان سے اعراض اور ان کا انکار کرنے والوں کے لیے اس نے دوزخ بنائی ہے یعنی اختیاری اطاعت یا اختیاری معصیت کے لیے اس نے جزاء اور سزاء کا سلسلہ قائم کیا ہے' ورنہ جبری اطاعت پر کسی انعام کی ضرورت تھی نہ کسی سزا کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب بھی ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آئی ہے یہ اس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں ○ سو انہوں نے تکذیب کی پس ان کے پاس اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○

(الشعراء:۶-۵)

کفار کا بہ تدریج سرکشی میں بڑھنا

یعنی اے رسول مکرم! آپ ان مشرکین کے پاس جو بھی ایسی نشانی لے کر آتے ہیں جو آپ کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت کرتی ہے اور اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو دلائل قدرت پھیلائے ہوئے ہیں ان کو یاد دلانے اور ان کی طرف متوجہ کرنے کے لیے آپ جو بھی اقدام کرتے ہیں یہ اس کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کو جھٹلاتے ہیں اور اس سے اعراض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور آپ کے ارشادات میں غور و فکر نہیں کرتے۔

اور اے نبی مکرم چونکہ انہوں نے اللہ کی آیتوں سے اور آپ کے لائے ہوئے پیغام سے اعراض اور اس کا انکار کیا ہے تو ان کے پاس عنقریب اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جن کا یہ انکار کرتے تھے اور ان سے اعراض کرتے تھے' اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید ہے کہ ان کے کفر اور ان کی سرکشی کی وجہ سے عنقریب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔

ان آیتوں میں پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی یہ صفت بیان کی کہ وہ اعراض کرتے ہیں' پھر یہ صفت بیان کی کہ وہ تکذیب کرتے ہیں پھر یہ صفت بیان کی کہ وہ مذاق اڑاتے ہیں' اور ان میں ہر بعد والی صفت پہلی صفت سے زیادہ قبیح اور اللہ تعالیٰ کی

ناراضگی کا موجب ہے اور جو شخص گم راہی اور بدبختی میں آگے بڑھتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے پہلے وہ حق اور صدق سے اعراض کرتا ہے پھر صراحت کے ساتھ اس کی تکذیب کرتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے پھر اس کی تکذیب بڑھتی رہتی ہے اور حق کے ساتھ اس کی مخالفت زیادہ ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ حق کا مذاق اڑانے پر تل جاتا ہے اور کفار مکہ نے اپنے کفر میں یہی روش اختیار کی پہلے انہوں نے آپ کی دعوت سے اعراض کیا اور پیٹھ موڑی پھر آپ کی دعوت کو جھٹلایا اور کھل کر مخالفت کی پھر سرعام آپ کا مذاق اڑایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہر قسم کے عمدہ جوڑے پیدا کیے ہیں O بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں O بے شک آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب بہت رحم فرمانے والا ہے O (الشعراء: ۹-۷)

زوج کریم کا معنی

اس آیت میں فرمایا: کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہر قسم کے عمدہ جوڑے پیدا کیے ہیں۔ زوج سے مراد زمین کی پیداوار کے جوڑے ہیں اور کریم ہر اس چیز کی صفت ہے جو اپنی جنس اور اپنے باب میں پسندیدہ ہو اور قابل تعریف ہو اور زمین میں جو زوج کریم ہے اس سے مراد زمین کی وہ پیداوار ہے جس کے منافع بہت زیادہ ہوں کیونکہ زمین کی پیداوار دو قسم کی ہیں ایک وہ ہیں جو نفع آور ہوں اور دوسری قسم وہ ہیں جو نقصان دہ ہوں کھجور کا جو درخت اچھا اور زیادہ پھل دے اس کو عرب نخلة کریمة کہتے ہیں اس طرح جو اونٹنی زیادہ دودھ دے اس کو وہ ناقة کریمة کہتے ہیں۔ شعبی نے کہا لوگ بھی زمین کی پیداوار سے ہیں جو جنت میں داخل ہوگا وہ کریم ہے اور جو دوزخ میں داخل ہوگا وہ لئیم ہے یعنی ملامت کیا ہوا۔

زوج کریم کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اس سے مراد زمین کی ہر قسم کی پیداوار ہے خواہ وہ فائدہ مند ہو یا نقصان دہ اور اس کی صفت کریم اس لیے بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی چیز پیدا کی ہے اس میں کوئی نہ کوئی فائدہ رکھا ہے۔ زمین کی بعض پیداوار ہمیں بہ ظاہر نقصان دہ معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ان میں بھی فوائد ہوتے ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں ہوتی۔

پھر بتایا کہ زمین کی اس پیداوار میں ضرور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت کی نشانی ہے یعنی جو اس میں غور و فکر کرے اور ان میں سے اکثر اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں کیونکہ وہ اپنی عقل سلیم سے کام نہیں لیتے اور ان میں صحیح غور و فکر نہیں کرتے۔

اس کے بعد فرمایا: آپ کا رب ہی بہت غالب اور بہت رحم فرمانے والا ہے اس میں عزیز یعنی غالب کے لفظ کو رحیم پر مقدم فرمایا کیونکہ اگر پہلے رحیم کے لفظ کو ذکر فرماتا تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ وہ لوگوں پر اس لیے رحم فرماتا ہے کہ وہ کافروں اور فاسقوں کو سزا دینے سے قاصر اور عاجز ہے اس لیے پہلے غالب کا ذکر فرمایا کہ وہ غالب اور قاہر ہے اس کے باوجود وہ اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار مکہ کا کفر اور سرکشی اس کی مقتضی ہے کہ ان پر فوراً عذاب نازل کر دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس عذاب کو موخر کر دیا ہے تا کہ ان میں سے جو ایمان لانا چاہیں وہ ایمان لاسکیں۔

وَاِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰﴾ قَوْمَ

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا کی کہ آپ ظالم قوم کے پاس جائیے O جو کہ فرعون

فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿١١﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿١٢﴾ ۭ

کی قوم ہے' کیا وہ ڈرتے نہیں ہیں ○ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے خدشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے ○

وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿١٣﴾

اور میرا دل تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان (روانی سے) نہیں چل رہی سو تو ہارون کی طرف (بھی) وحی بھیج دے ○

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿١٤﴾ ۚ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا

اور ان کا مجھ پر ایک قصور کا الزام ہے سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ○ فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہوگا! سو تم دونوں ہماری

بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿١٥﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ

نشانیاں لے کر جاؤ' بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں (ہر بات) سننے والے ○ لہٰذا تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو ہم

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ ۙ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿١٧﴾ ۭ قَالَ

دونوں رب العلمین کے رسول (بھیجے ہوئے) ہیں ○ کہ تو بنو اسرائیل کو ہمارے ساتھ روانہ کر دے ○ فرعون نے کہا

اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿١٨﴾ ۙ

کیا ہم نے بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی' اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس نہیں بسر کیے تھے ○

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ قَالَ

اور تم نے وہ کام کیے جو تم نے کیے اور تم ناشکروں میں سے تھے ○ موسیٰ نے کہا

فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿٢٠﴾ ۭ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا

میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا ○ سو جب مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا تو

خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢١﴾

میں تمہارے پاس سے چلا گیا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا ○

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿٢٢﴾ ۭ قَالَ

اور کیا تو مجھ پر یہی احسان جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے! ○ فرعون نے کہا

فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

رب العلمین کی کیا تعریف ہے ؟ ○ موسیٰ نے کہا وہ آسمانوں اور زمینوں

وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا

اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو تو! ○ فرعون نے اپنے گرد بیٹھنے والوں سے کہا

تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ

کیا تم غور سے سن رہے ہو! ○ (موسیٰ نے) کہا وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے ○ فرعون نے کہا

اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ

(اے لوگو!) بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور مجنون ہے ○ موسیٰ نے (پھر) کہا

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَ

وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو ○ فرعون نے کہا:

لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾

اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کر دوں گا ○

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ

موسیٰ نے کہا خواہ میں تمہارے پاس کوئی روشن چیز بھی لے آؤں! ○ فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو وہ

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿٣٢﴾

چیز لے آؤ! ○ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکایک کھلم کھلا اژدہا بن گیا ○

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ ع

اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لیے چمکتا ہوا بن گیا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا کی کہ آپ ظالم قوم کے پاس جائیے ○ جو کہ فرعون کی قوم ہے کیا وہ ڈرتے نہیں ہیں! ○ موسیٰ نے کہا اے میرے رب! مجھے خدشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے ○ اور میرا دل تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان (روانی سے) نہیں چل رہی' سو تو ہارون کی طرف (بھی) وحی بھیج دے ○ اور ان کا مجھ پر ایک

مور کا الزام ہے سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ○ (الشعراء: ۱۴-۱۰)

گزشتہ رسولوں کے واقعات سنا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں بیان کیا گیا ہے وہ سورتیں یہ ہیں: البقرۃ' الاعراف' یونس' ہود' طٰہٰ' الشعراء' النمل' القصص' المومن' السجدۃ اور النازعات وغیرہ اور ان سورتوں میں مختلف اسالیب کے ساتھ اس قصہ کو مختلف حکمتوں سے بیان فرمایا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے معرکہ کو یہاں اس طور سے بیان فرمایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے سخت رنج اور تکلیف ہوتی تھی کہ آپ نے بار بار کفار قریش کے سامنے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر قرآن کریم میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ ان کو سنائے اور اپنے رسول ہونے پر علمی' عقلی اور حسی نشانیاں اور معجزات پیش کیے اور اس پیغام کو قبول نہ کرنے کی صورت میں عذاب الٰہی سے متعدد بار ڈرایا لیکن کفار قریش پر اس پیہم تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا' وہ بدستور اپنے انکار پر جمے رہے اور آپ کی مخالفت پر ڈٹے رہے' اس صورت حال سے آپ کو اس قدر رنج ہوتا تھا کہ لگتا تھا کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں گھل گھل کر اپنی جان دے دیں گے' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں کہ آپ کو پیغام حق سنانے کی راہ میں کفار کی مخالفت کا جو سامنا کرنا پڑ رہا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے' پھر حضرت موسیٰ' حضرت ابراہیم' حضرت نوح' حضرت ھود' حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے واقعات سنائے اور یہ بتایا کہ ان رسولوں نے جب پیغام حق سنایا تو ان کو کتنی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس کے باوجود ان رسولوں کی امتوں سے بہت کم افراد ایمان لائے اور اکثر لوگ اپنے انکار اور تکذیب پر ڈٹے رہے' سو اگر آپ کی قوم کے اکثر افراد بھی آپ کی مخالفت کر رہے ہیں اور آپ پر ایمان نہیں لا رہے تو اس پر رنج اور افسوس نہ کریں۔

سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنانے کی حکمت

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے انبیاء سابقین میں سے سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ بیان فرمایا ہے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی وجوہ سے مناسبت ہے' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نہایت موزوں ہے کیونکہ متعدد وجوہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالف' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین سے زیادہ قوی تھے' زیادہ اثر ورسوخ والے تھے' اور حضرت موسیٰ کو نقصان پہنچانے پر قادر تھے' حتیٰ کہ ان کے خوف کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی جس طرح آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی' اور جیسے آپ کے متعدد معجزات دیکھنے کے باوجود کفار مکہ ایمان نہیں لائے ایسے ہی حضرت موسیٰ کے متعدد معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود فرعون اور اس کی قوم کے قبطی ایمان نہیں لائے اور جس طرح فرعون کی قوم کو سمندر میں غرق کر دیا' اور حضرت موسیٰ کو کامیاب اور سرخ رو فرمایا' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے متعدد غزوات میں کفار مکہ کو ذلیل وخوار کیا اور آپ کو فتح اور نصرت عطا فرمائی اور بالآخر پورا مکہ بلکہ پورا جزیرہ عرب آپ کے تابع اور آپ کا مطیع ہو گیا' اس لیے آپ ان وقتی مخالفتوں سے نہ گھبرائیں بالآخر کامیابی اور غلبہ آپ ہی کو حاصل ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کا زیادہ قوی ہونا

ہم نے یہ لکھا ہے کہ کئی وجوہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالف' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین سے زیادہ قوی تھے کیونکہ فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور اس کی قوم اس کو بادشاہ سے بڑھ کر خدا مانتی تھی۔ اس کے برخلاف آپ کے مخالف کفار مکہ

تھے جو مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے مکہ کا کوئی بادشاہ اور فرماں روا نہ تھا' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ بنو ہاشم تھا بہت معزز قبیلہ تھا' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق بنو اسرائیل سے تھا اور بنو اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم نے غلام بنایا تھا' اور بنو اسرائیل مصر میں محکومی اور پس ماندگی کی زندگی گزار رہے تھے' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے برسر اقتدار قوم کے ایک فرد کو قتل کر دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے انتقام اور ظلم سے بچنے کے لیے مدین ہجرت کر گئے تھے ایسے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام نبوت پر فائز کیا اور فرعون کے دربار میں جانے کا حکم دیا۔ یہ بہت کٹھن اور جاں گداز حالات تھے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وقت کے ایک بادشاہ کے خلاف پیغام حق سنانے اور فرعون کے دعویٰ ربوبیت کے خلاف اللہ تعالیٰ کی توحید کا نعرہ بلند کیا۔ حضرت موسیٰ کی زبردست مخالفت کی گئی لیکن آپ توحید کا پیغام سنانے سے دست کش نہ ہوئے اور بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام تر بے سروسامانی کے باوجود کامیاب ہوئے اور فرعون اپنے جاہ وحشم کے باوجود ناکام رہا۔ سو آپ بھی کفار مکہ کی مخالفت سے نہ گھبرائیں اور ان کی دل آزار باتوں سے ملول خاطر نہ ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعون کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ عطا فرمایا تھا اس طرح آپ کو بھی کفار مکہ کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمائے گا۔

حضرت ہارون کے لیے رسالت کا سوال کرنے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جا کر پیغام حق سنانے کا حکم دیا اور ان کے متعلق فرمایا کیا وہ ڈرتے نہیں ہیں! یعنی فرعون اور اس کی قوم کے حال پر تعجب کرنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت اور آخرت میں اس کے عذاب سے کس قدر بے خوف ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ندا اور اس کے کلام کو سنا' امام ابوالحسن اشعری کے مذہب کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کو سنا جو آواز اور الفاظ کی مشابہت سے منزہ ہے اور ابومنصور ماتریدی کے مذہب کے مطابق اللہ تعالیٰ کا وہ کلام سنا جو آواز اور الفاظ کی جنس سے تھا۔

حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! مجھے خدشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے اور میرا دل تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان (روانی سے) نہیں چل رہی سو تو ہارون کی طرف (بھی) وحی بھیج دے' اور ان کا مجھ پر ایک قصور کا الزام ہے سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے' یعنی حضرت موسیٰ نے یہ کہا کہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے جھوٹا قرار دیں گے اس سے مجھے رنج اور افسوس ہوگا اور آپ کا پیغام پہنچانے کے لیے جس روانی سے بات کرنی چاہیے وہ مجھے حاصل نہیں ہے۔ میرے بھائی ہارون میری بہ نسبت زیادہ فصیح اللسان ہیں سو آپ ان کو بھی منصب نبوت عطا فرمائیں۔ سورۂ طٰہٰ میں اس مضمون کو اس طرح فرمایا تھا:

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۙ هٰرُوْنَ اَخِي ۙ — اور میرے اہل میں سے میرا ایک وزیر (مددگار) بنا دے ○

اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۙ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ○ — میرے بھائی ہارون کو ○ اور ان سے تو میری کمر کو مضبوط کر دے ○ اور ان کو میرا شریک کار بنا دے۔

(طٰہٰ: ۳۲-۲۹)

حضرت موسیٰ نے اپنے بجائے حضرت ہارون کی رسالت کا سوال کیا تھا یا اپنی مدد کے لیے؟

سورۂ طٰہٰ اور سورۃ الشعراء میں بہ ظاہر تعارض ہے' کیونکہ سورۃ الشعراء: ۱۳ کا یہ معنی ہے کہ تو رسالت کو حضرت ہارون کے ذمہ لگا دے یعنی ان کو رسول بنا دے اور سورۂ طٰہٰ: ۳۰ کا یہ معنی ہے: کہ حضرت ہارون کو میرا مددگار بنا دے' اسی طرح سورۂ قصص میں فرمایا:

وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ — اور میرا بھائی ہارون جو مجھ سے زیادہ فصیح زبان والا ہے تو

رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ○ اس کو بھی مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دے کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ (القصص:۳۴) وہ مجھے جھٹلائیں گے۔

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس تعارض کے جواب میں لکھتے ہیں:

سورۃ الشعراء:۱۳ کا یہ معنی ہے کہ تو جبریل کو میرے بھائی کے پاس وحی دے کر بھیج دے تاکہ وہ میری مدد اور معاونت کریں' اور اس آیت میں صراحۃً یہ نہیں فرمایا تاکہ وہ میری مدد کریں' جیسا کہ سورۃ طٰہٰ: ۳۰ اور سورۃ القصص: ۳۴ میں فرمایا ہے کیونکہ ان سورتوں میں صراحۃً رسالت کا ذکر کردینے سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ درخواست کی تھی کہ ان کی مدد کے لیے حضرت ہارون کو رسول بنا دیا جائے اس لیے سورۃ الشعراء: ۱۳ کا یہ معنی نہیں ہے کہ تو میرے بجائے حضرت ہارون کو رسول بنا دے' اور جب ایک جگہ کسی سبب اور علت کا ذکر کر دیا جائے تو دوسری جگہ اس کو حذف کرنا جائز ہے اور اس حذف پر قرینہ دوسری جگہ اس سبب کا ذکر ہوتا ہے کلام عرب میں اس کی بہت نظائر ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ص ۸۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس تعارض کو دور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ممکن ہے کہ ابتداءً حضرت موسیٰ کی درخواست یہی رہی ہو کہ آپ کے بجائے حضرت ہارون کو اس منصب پر مامور کیا جائے اور بعد میں آپ نے محسوس کیا ہو کہ مرضی الٰہی آپ ہی کو مامور کرنے کی ہے تو پھر یہ درخواست کی ہو کہ انہیں آپ کا وزیر اور مددگار بنایا جائے' یہ شبہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ ان کو وزیر بنانے کی درخواست نہیں کررہے ہیں بلکہ یہ عرض کررہے ہیں کہ فارسل الی ھارون آپ ہارون کی طرف رسالت بھیجیں' اور سورہ طٰہٰ میں یہ گزارش کرتے ہیں کہ میرے لیے میرے خاندان میں سے ایک وزیر مقرر فرما دیجئے' میرے بھائی ہارون کو' نیز سورہ قصص میں وہ یہ عرض کرتے ہیں کہ میرے بھائی مجھ سے زیادہ زبان آور ہیں لہٰذا آپ انہیں مددگار کے طور پر میرے ساتھ بھیجئے تاکہ وہ میری تصدیق کریں' اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً یہ موخر الذکر دونوں درخواستیں بعد کی تھیں اور پہلی بات وہی تھی جو حضرت موسیٰ سے اس سورے میں نقل ہوئی ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۳ص ۴۸۲' مطبوعہ لاہور' مارچ ۱۹۸۳)

ہمارے نزدیک سید ابوالاعلیٰ مودودی کا جواب صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس جواب سے یہ لازم آتا ہے کہ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے وہ دعا کی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے خلاف تھی اللہ تعالیٰ انہیں نبی بنانا چاہتا تھا اور وہ نبی بننا نہیں چاہتے تھے اور انہوں نے یہ کہا کہ تو میرے بجائے میرے بھائی ہارون کو نبی بنا دے' ثانیاً اس لیے کہ اس جواب کی بنا محض امکان' مفروضے اور اٹکل پچو پر ہے کسی تاریخی واقعہ کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ پہلے فلاں واقعہ ہوا اور پھر فلاں واقعہ ہوا بغیر تاریخی شہادت کے صحیح نہیں ہے' اور ثالثاً اس لیے کہ سورۃ طٰہٰ کا نزول کے اعتبار سے نمبر ۴۵ ہے اور سورۃ الشعراء کا نزول کے اعتبار سے نمبر ۴۷ ہے (التحریر والتنویر لابن عاشور) نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پہلے سورہ طٰہٰ نازل ہوئی پھر الواقعہ اور اس کے بعد سورۃ الشعراء نازل ہوئی (روح المعانی جز ۱۹ص ۱۰۶) پہلے اللہ تعالیٰ نے سورہ طٰہٰ نازل کی اور اس میں بتا دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کو اس لیے رسول بنانے کی دعا کی تاکہ وہ ان کے وزیر اور مددگار ہوں اور اس کے بعد سورۃ الشعراء نازل کی جس میں اس دعا کے سبب کو حذف کر دیا کیونکہ پہلے اس کا ذکر فرما چکا تھا۔ اس لیے وہی جواب صحیح ہے جس کا علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت موسیٰ کی طرف ذنب کی نسبت کی توجیہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اسرائیلی اور ایک قبطی میں لڑائی ہو رہی تھی' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی کو بچانے کے لیے قبطی کو تادیباً ایک گھونسا مار دیا تھا وہ شخص اتفاقاً گھونسا لگنے سے مر گیا' حضرت موسیٰ نے اس کو قتل کرنے کے ارادہ سے اس کو گھونسا نہیں مارا تھا نہ عادۃً کوئی شخص ایک گھونسے سے مرتا ہے۔ بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ قوم فرعون کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی ہے اور وہ اس قبطی کے انتقام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو وہ مصر کو چھوڑ کر مدین کی طرف چلے گئے' آٹھ دس سال بعد اچانک اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جائیں اور انہیں اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیں اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خطرہ ہوا کہ ان لوگوں نے تو ان کے خلاف ایک قبطی کو قتل کرنے کے سلسلہ میں پہلے ہی ایک الزام قائم کیا ہوا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں توحید کا پیغام سنانے سے پہلے وہ ان سے اس قتل کے سلسلہ میں باز پرس کرنا شروع کر دیں اور ان سے بدلہ لینے کے لیے ان کو قتل کرنے کی کارروائی شروع کر دیں۔

منکرین عصمت نبوت اس مقام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود گناہ کرنے کا اعتراف کیا ہے ولهم علی ذنب ان کا مجھ پر ایک گناہ ہے' اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ سرزد ہوتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کا محمل یہ ہے کہ ان کے زعم میں میرا ایک گناہ ہے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ فی الواقع میں نے گناہ کیا ہے' رہا یہ کہ کیا قتل کرنا گناہ نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو قصداً قتل نہیں کیا تھا' آپ نے اس کو تادیباً ایک گھونسا مارا تھا اور وہ قضاء الٰہی سے مر گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا: ہرگز ایسا نہیں ہوگا! سو تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ' بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں (ہر بات) سننے والے ○ لہٰذا تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو ہم دونوں رب العالمین کے رسول (بھیجے ہوئے) ہیں ○ کہ تو بنو اسرائیل کو ہمارے ساتھ روانہ کر دے ○ فرعون نے کہا کیا ہم نے بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس بسر نہیں کیے تھے ○ اور تم نے وہ کام کیے جو تم نے کیے اور تم ناشکروں میں سے تھے ○ موسیٰ نے کہا میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا ○ سو جب مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا تو میں تمہارے پاس سے چلا گیا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا ○ اور کیا تو مجھ پر یہی احسان جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے ○ (الشعراء: ۲۲-۱۵)

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ناشکری کا الزام لگانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کا سوال کیا تھا' ایک یہ کہ ان سے فرعون کے شر کو دور کر دیا جائے اور دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ حضرت ہارون کو بھی رسول بنا دیا جائے' اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے سوال کو یہ فرما کر پورا کیا ہرگز ایسا نہیں ہوگا' یعنی فرعون تمہارے خلاف کوئی شرارت نہیں کر سکے گا' اور دوسرے سوال کو یہ فرما کر پورا کیا لہٰذا تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں رب العالمین کے رسول ہیں۔

جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون فرعون کے دربار میں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے کے لیے گئے' امام رازی نے کہا وہ ایک سال تک دروازے پر منتظر رہے اور ان کو دربار میں جانے کی اجازت نہیں ملی' حتیٰ کہ دربان نے کہا کہ دربار کے باہر ایک شخص کھڑا ہوا ہے جس کا زعم یہ ہے کہ وہ رب العالمین کا رسول ہے۔ فرعون نے کہا اس کو بلاؤ' ہو سکتا ہے کہ ہم اس سے دل لگی

کریں' جب ان دونوں نے پیغام حق سنایا تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا' اس نے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی نعمتیں گنوائیں' پھر اپنے زعم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناشکری اور احسان ناسپاسی کا ذکر کیا۔ اپنی نعمتیں گنواتے ہوئے یہ کہا کیا ہم نے بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس بسر نہیں کیے تھے' اور اس نے اپنے خیال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو ناشکری بیان کی وہ یہ تھی اور تم نے وہ کام کیے جو تم نے کیے' اور تم ناشکروں میں سے تھے۔ فرعون نے کہا تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس بسر نہیں کیے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تیس سال رہے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ سال کی عمر میں قبطی کو گھونسا مارا تھا' اس کے بعد وہاں سے ہجرت کر گئے تھے اور صحیح مدت کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے۔

فرعون نے کہا اور تم ناشکروں میں سے تھے' اس قول کے کئی محمل ہیں' ایک محمل یہ ہے کہ جس وقت تم نے اس قبطی کو قتل کیا اس وقت تم میرے احسانات کو فراموش کرنے والے تھے' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم ان لوگوں میں سے تھے جن کی عادت کفران نعمت ہے' اور جس شخص کی یہ عادت ہو اس سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ اپنے ولی نعمت کے خواص کو قتل کر ڈالے' اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ تم فرعون اور اس کی ربوبیت کا کفر کرنے والے تھے یا ان لوگوں میں سے تھے جو فرعون اور اس کی ربوبیت کا کفر کرنے والے تھے۔

حضرت موسیٰ کا ناشکری کے الزام کا جواب دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے اعتراض یا اس کے الزام کے جواب میں فرمایا: میں نے یہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا' یعنی اس وقت مجھ پر وحی نہیں آتی تھی اور اس وقت مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میرے اس فعل کا کیا انجام ہوگا' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہ طور تادیب اس کو ایک گھونسا مارا تھا اور آپ کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ ایک گھونسے سے مر جائے گا' اور جو شخص کسی پر ظلم اور زیادتی کر رہا ہو اس کو تادیباً مار کر دوسرے شخص کو ظلم سے بچانا مستحسن کام ہے' بلکہ بعض اوقات یہ واجب ہو جاتا ہے' وہ قبطی اس اسرائیلی پر ظلم اور زیادتی کر رہا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو گھونسا مار کر اسرائیلی کو اس کے ظلم سے بچایا' مگر وہ قبطی اس ضرب سے مر گیا' ان کا قصد اس کو قتل کرنا نہیں تھا نہ ان کے پاس کوئی آلہ قتل تھا۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وضاحت فرمائی کہ انہوں نے عمداً فرعون کے احسانات کا کفر کرنے کے لیے اس قبطی کو قتل نہیں کیا تھا' اس لیے فرعون کا حضرت موسیٰ کو ناشکروں میں سے قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے فرمایا: سو جب مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا تو میں تمہارے پاس سے چلا گیا' اس قول سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی جب میں نے اس قبطی کو گھونسا مارا تھا اس وقت میں اس سے بے خبر تھا کہ میرا یہ گھونسا جان لیوا ثابت ہوگا' میرا یہ فعل زیادہ سے زیادہ سہو کے حکم میں تھا اور میں اس فعل کی وجہ سے مصر سے نکل جانے کا مستحق نہ تھا۔ اس کے باوجود جب میں نے سنا کہ تمہارے درباری مجھے قتل کرنے کی سازش کر رہے ہیں تو پھر میں مصر چھوڑ کر مدین کی طرف چلا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وضاحت سے یہ بتایا کہ نہ میں نے کوئی ناشکری کی اور نہ تمہارا مجھ پر کوئی احسان ہے بلکہ درحقیقت تم نے میرے ساتھ بدسلوکی کی کیونکہ جو فعل مجھ سے سہواً سرزد ہوا تم نے اس کی وجہ سے میرے قتل کا منصوبہ بنایا۔

علم کے کمال کے بعد منصب نبوت عطا فرمانا

اس کے بعد فرمایا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطلب

یہ تھا کہ تم نے تو میرے ساتھ بدسلوکی کی لیکن میرے رب نے مجھ پر احسان فرمایا بایں طور کہ مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا۔

اس آیت میں حکم سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں' ابن سائب نے کہا اس سے مراد نبوت ہے' اور مقاتل نے کہا اس سے مراد فہم اور علم ہے۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۱۲۰) امام رازی نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد فہم اور علم ہے' کیونکہ نبوت کا ذکر تو اس کے بعد اس قول میں مذکور ہے اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا اور معطوف' معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے' پس حکم سے مراد علم اور فہم ہے' اور علم میں عقل اور رائے بھی داخل ہے اور اگر علم سے مراد توحید کا علم لیا جائے تو وہ زیادہ قریب ہے' کیونکہ اس وقت تک کسی کو منصبِ نبوت پر فائز کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کی عقل' رائے اور توحید کا علم کامل نہ ہو جائے۔

فرعون کے اس احسان کا جواب کہ اس نے حضرت موسیٰ کی پرورش کی تھی

فرعون نے حضرت موسیٰ پر یہ احسان جتایا تھا: کیا ہم نے بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی' اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس بسر نہیں کیے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا اور کیا تو مجھ پر یہی احسان جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب کی حسب ذیل تقریریں ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس کے ہاتھوں میں تربیت اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے بنو اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا' گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا اگر تو ہم پر اور ہمارے آباء واجداد پر یہ ظلم نہ کرتا کہ بنو اسرائیل کو غلام بناتا اور ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا' تو میں تیری پرورش کرنے سے مستغنی ہوتا' سو تیری پرورش مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے۔

(۲) تو نے میری پرورش ضرور کی تھی لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا تھا' تو تیری پرورش کا احسان اس ظلم کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔

(۳) حسن بصری نے کہا اس کی تقریر یہ ہے کہ تو نے بنو اسرائیل کو غلام بنایا اور ان کے مال ومتاع پر قبضہ کر لیا اور میری پرورش کے لیے تو نے اسی مال کو خرچ کیا تو اس میں تیرا مجھ پر کیا احسان ہے۔

(۴) میری جن لوگوں نے پرورش کی ہے' وہ وہی لوگ ہیں جن کو تو نے غلام بنا رکھا تھا' تو تیرا مجھ پر کیا احسان ہے! کیونکہ میری پرورش میری ماں نے کی تھی اور ان لوگوں نے جن کو تو نے غلام بنا رکھا تھا' تو نے میرے ساتھ یہی کیا تھا کہ مجھ کو قتل نہیں کیا تھا اور کسی شخص کا کسی کو قتل نہ کرنا اس پر احسان نہیں ہے۔

(۵) تیرا یہ دعویٰ ہے کہ بنو اسرائیل تیرے غلام ہیں اور مولیٰ اپنے غلاموں کے کھانے پینے اور ان کی ضروریات پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اس کی ذمہ داری اور اس کا فرض ہے تو اس میں تیرا مجھ پر کیا احسان ہے۔

کافر اگر کسی کے ساتھ نیکی کرے تو آیا وہ شکر کا مستحق ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر کافر کسی شخص کے ساتھ کوئی نیکی یا حسن سلوک کرے تو اس کے کفر کے باوجود اس کی وہ نیکی باقی رہے گی یا اس کے کفر کی وجہ سے وہ نیکی زائل ہو جائے گی۔ بعض علماء نے کہا کہ کافر لوگوں کے ساتھ جو نیکی کرتا ہے وہ لوگوں سے اس نیکی پر شکر کا مستحق نہیں ہوتا' بلکہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کی توہین کی جائے اور وہ اپنی نیکی کی وجہ سے اس کا مستحق ہو کہ اس کا شکر ادا کیا جائے' اور شکر کا معنی یہ ہے کہ انعام کرنے والے کی تعظیم کی جائے

اور وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس کا مستحق ہوگا کہ اس کی توہین کی جائے تو لازم آئے گا کہ وہ تعظیم کا بھی مستحق ہو اور توہین کا بھی مستحق ہو اور استحقاق میں دو ضدوں کا جمع کرنا محال ہے اور بعض دوسرے علماء نے یہ کہا کہ کفر کی وجہ سے کسی نعمت پر کافر کے شکر کا استحقاق باطل نہیں ہوتا' بلکہ کفر کی وجہ سے اس نعمت پر دنیا میں تعریف اور تحسین اور آخرت میں اس نعمت پر اجر وثواب باطل ہو جاتا ہے' اور قرآن مجید کی اس آیت سے اس دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے' نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ماں باپ مشرک بھی ہوں تو اسلام میں ان کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ (العنکبوت: ۸)

اور ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وصیت کی ہے ہاں! اگر وہ یہ کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ اس کو شریک کرلو جس کا تم کو علم نہیں ہے تو تم ان کا کہنا نہ مانو۔

اور اس مسئلہ میں حسب ذیل احادیث بھی ہیں:

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ نے اپنی بیٹی اسماء بنت ابی بکر کے پاس کوئی ھدیہ بھیجا۔ حضرت ابوبکر نے قتیلہ کو زمانہ جاہلیت میں طلاق دے دی تھی۔ انہوں نے اپنے ہدیہ میں پنیر اور گھی بھیجا۔ حضرت اسماء نے ان کے ھدیہ کو قبول کرنے اور ان کے گھر میں آنے سے انکار کر دیا' پھر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ معلوم کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ان کو گھر میں آنے دے اور ان کے ہدیہ کو قبول کرے' اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ (الممتحنہ: ۸)

جن لوگوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ ان کے ساتھ تمہیں نیکی کرنے اور ان کے ساتھ انصاف پر مبنی سلوک کرنے سے منع نہیں فرماتا۔

مسند احمد ج ۴ ص ۴' مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۵' ۳۴۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۸۷۴)

حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ مدینہ میں ہم سے ملنے کے لئے ہماری والدہ آئیں وہ مشرکہ تھیں یہ وہ زمانہ تھا جب قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صلح تھی' ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری والدہ رغبت سے ہمارے پاس آتی ہے' کیا ہم اس کے ساتھ صلہ رحم کریں' آپ نے فرمایا: ہاں! اس کے ساتھ صلہ رحم کرو۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۸۷۳' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۴۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون نے کہا رب العالمین کی کیا تعریف ہے؟○ موسیٰ نے کہا وہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے' اگر تم یقین کرنے والے ہو تو!○ فرعون نے اپنے گرد بیٹھنے والوں سے کہا کیا تم غور سے سن رہے ہو!○ (موسیٰ نے) کہا وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے○ فرعون نے کہا: (اے لوگو!) بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور مجنون ہے○ موسیٰ نے (پھر) کہا وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو○ فرعون نے کہا: اے موسیٰ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کر دوں گا○ موسیٰ نے کہا خواہ میں تمہارے پاس کوئی روشن چیز بھی لے آؤں!○ فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو وہ چیز لے آؤ○ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکایک کھلم کھلا اژدہا بن گیا○ اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لیے چمکتا ہوا بن گیا○ (الشعراء: ۳۳-۲۳)

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے متعلق حضرت موسیٰ اور فرعون کا مباحثہ

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی پرورش کا احسان رکھنا چاہتا تھا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دلائل سے ثابت کر دیا کہ ان کی پرورش میں اس کا کوئی احسان نہیں ہے تو اس نے بات کا رخ موڑنے کے لیے کہا بتاؤ رب العالمین کی کیا تعریف ہے' کیونکہ وہ خود اپنے لیے رب ہونے کا مدعی تھا' جب کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے تو تعریف میں اس چیز کے اجزاء اور اس کی جنس اور فصل بیان کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اجزاء اور جنس اور فصل سے پاک ہے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات کے ساتھ تعریف کی جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آتیں' کیونکہ تعریف سے بھی مقصد ہوتا ہے کہ جس چیز کی تعریف کی جائے وہ دوسروں سے مکمل طور پر ممتاز ہو جائے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تعریف میں فرمایا وہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے' اور یہ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز حادث اور فانی ہے۔ کوئی چیز بھی پہلے موجود نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئی' خود فرعون بھی پہلے موجود نہ تھا سو وہ بھی حادث ہے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کی یہ شان نہیں کہ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہو' اس کائنات میں نظم اور ضبط کا تسلسل اور ہر چیز کا ان گنت حکمتوں پر مبنی ہونا زبانِ حال سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے اور وہ ممکن اور حادث نہیں ہے ورنہ وہ ان ہی کی طرح ہوتا لہٰذا وہ واجب اور قدیم ہے۔

چونکہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا تھا کہ بتاؤ رب العالمین کیا ہے؟ یعنی اس کی ماہیت کیا ہے؟ اور حضرت موسیٰ نے اس کے جواب میں رب العالمین کی وہ صفات بیان کیں جن میں وہ یکتا اور منفرد ہے جن سے وہ دوسروں سے ممتاز ہے تو فرعون نے اپنے درباریوں کی طرف رخ کر کے کہا کیا تم غور سے سن رہے ہو؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے رب العالمین کی ماہیت اور حقیقت پوچھی تھی اور یہ اس کی صفات بیان کر رہے ہیں! اس جاہل کو یہ پتا نہیں تھا کہ ماہیت اس چیز کی ہوتی ہے جس کے اجزاء ہوں اور جنس اور فصل ہو اور اللہ تعالیٰ جنس اور فصل سے اور اجزاءِ حقیقیہ سے پاک اور منزہ ہے' اجزاء کسی مرکب چیز کے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ واحد ہے' جو اجزاء سے بنا ہو وہ حادث ہوتا ہے اور اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور کسی کا محتاج نہیں ہے سب اس کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف صرف ان صفات سے کی جا سکتی ہے جن صفات میں وہ منفرد ہے اور سب سے ممتاز ہے' سو وہ تعریف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے' پھر مزید وضاحت کے لیے حضرت موسیٰ نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے' اس قول سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بتایا کہ تو بھی حادث اور مخلوق ہے اور تیرے باپ دادا بھی حادث اور مخلوق تھے' کیونکہ تیرے وجود سے پہلے تیرا عدم تھا اور تیرے باپ دادا کے وجود سے پہلے ان کا عدم تھا اور جس کے وجود سے پہلے اس کا عدم ہو وہ حادث ہوتا ہے سو تو بھی حادث اور مخلوق ہے اور تیرے باپ دادا بھی حادث اور مخلوق تھے اور جو حادث اور مخلوق ہو وہ خدا ہو سکتا ہے نہ خالق ہو سکتا ہے۔ خدا اور خالق وہ ہے جس نے تجھ کو اور تیرے باپ دادا کو پیدا کیا۔ حضرت موسیٰ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی عام صفات سے استدلال کیا تھا اب اس کی خاص صفات سے استدلال کیا' کیونکہ انسان آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کے احوال کی بہ نسبت اپنے اور اپنے باپ دادا کے احوال بہتر طریقہ سے پہچانتا ہے' فرعون حضرت موسیٰ کی اس دلیل کا بھی حسب سابق کوئی جواب نہ دے سکا تو جھنجھلا کر یہ کہنے لگا (اے لوگو!) بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور مجنون ہے○ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اور اسلوب سے رب العالمین کی تعریف کی اور کہا وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے' اگر تم عقل

رکھتے ہو۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رب العالمین وہ ہے جو سورج اور چاند ستاروں کو ایک مقرر وقت اور ایک مقرر جہت سے طلوع کرتا ہے اور ایک مقرر وقت اور مقرر جہت میں غروب کرتا ہے جو اس کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے' جب تو نہ تھا تب بھی سورج اسی طرح طلوع اور غروب ہوتا تھا اور جب تیرے باپ دادا نہ تھے تب بھی یہ نظام کائنات اسی طرح چل رہا تھا' سو اس کائنات کا رب تو ہے نہ تیرے باپ دادا۔ اس کائنات کا رب وہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔فرعون جب حضرت موسیٰ کے دلائل سے عاجز آ گیا تو دھمکیاں دینے پر اتر آیا اور اس نے کہا:

آیا فرعون موحد تھا' مشرک تھا یا دہریہ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فرعون نے کہا: اے موسیٰ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کردوں گا۔

دنیا میں یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ جب کوئی ظالم اور جابر شخص دلائل کا جواب دینے سے عاجز ہو جاتا ہے تو پھر وہ ظلم اور جبر کرنے اور دھمکیاں دینے پر اتر آتا ہے' فرعون نے بھی جب یہ دیکھا کہ وہ حضرت موسیٰ کے دلائل کا جواب نہیں دے سکتا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکیاں دینی شروع کردیں اور کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تم کو قید خانے میں ڈال دوں گا۔

قرآن مجید کی بعض آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا تھا اور اپنے رب ہونے کا دعویٰ دار تھا اور بعض آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ مانتا تھا کہ اس کائنات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے' پہلے ہم وہ آیات پیش کر رہے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی الوہیت اور ربوبیت کا مدعی تھا:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ (القصص: ۳۸)

فرعون نے کہا اے قوم کے سردارو! میں اپنے سوا تمہارا کوئی اور معبود نہیں جانتا!

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۖ ○ (النّٰزعٰت: ۲۴)

پھر (فرعون نے) کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ○ (الشعراء: ۲۹)

(فرعون نے) کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دیا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کردوں گا۔

اور درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو مانتا تھا۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۱۰۲)

(موسیٰ نے) کہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ معجزات آسمانوں اور زمینوں کے رب نے ہی نازل کیے ہیں اور اے فرعون میں گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک کیا ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول برحق تھا اور اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کو یقین تھا کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ رسالت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ○ (الزخرف: ۵۳)

(اگر یہ نبی ہیں تو) ان کے اوپر سونے کے کنگن کیوں نہیں گرائے گئے یا ان کے ساتھ صف بہ صف فرشتے ہی آ جاتے۔

یعنی فرعون کے نزدیک حضرت موسیٰ کے اللہ کے رسول ہونے کے دعویٰ کے صادق ہونے کا معیار یہ تھا کہ فرشتے ان کے

رسول اللہ ہونے کی تصدیق کرتے 'اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتا تھا۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے چھوڑ دے گا تا کہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں۔ (الاعراف: ۱۲۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قبطیوں کے نزدیک فرعون کئی خداؤں کی پرستش کرتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ستاروں کی پرستش کرتا ہو یا بتوں کی پرستش کرتا ہو اور وہ یہ بھی مانتا ہو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا کوئی رب ہے' اور چونکہ وہ مصر کا مطلق العنان بادشاہ تھا تو اس بادشاہی کے غرور میں وہ اپنی رعایا سے سجدہ کراتا ہو اور اپنے آپ کو خدا کہلواتا ہو۔

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

شاید کہ فرعون دھریہ تھا یا اس کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص کسی علاقہ کا بادشاہ ہو جائے' یا اپنی طاقت اور اپنے زور سے کسی علاقہ پر قبضہ کر لے وہ اس علاقے کے لوگوں کی عبادت کا مستحق ہوتا ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۱۷۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے لکھا ہے:

فرعون کسی صانع اور پیدا کرنے والے کو نہیں مانتا تھا بلکہ وہ پیدا کرنے والے کا بالکلیہ منکر تھا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۶۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

سورۃ الاعراف: ۱۲۷ میں فرعون کے خداؤں کا ذکر ہے اور سورۃ الزخرف: ۱۵۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں پر یقین رکھتا تھا' اور بنی اسرائیل: ۱۰۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون اس کو مانتا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کا کوئی رب ہے' ان آیات کی روشنی میں حافظ ابن کثیر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فرعون صانع اور پیدا کرنے والے کا منکر تھا۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا فرعون کو یہ علم تھا کہ اس جہان کا کوئی رب ہے اور وہ اللہ عزوجل ہے یا اس کو یہ علم نہیں تھا' بعض نے کہا اس کو یہ علم تھا کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے فرمایا تھا' تو خوب جانتا ہے کہ یہ معجزات آسمانوں اور زمینوں کے رب نے ہی نازل کیے ہیں (بنی اسرائیل: ۱۰۲) اور بعض نے یہ کہا کہ چونکہ اس نے حضرت موسیٰ سے یہ سوال کیا تھا کہ رب العالمین کی کیا تعریف ہے؟ (الشعراء: ۲۳) اس سے معلوم ہوا کہ وہ رب العالمین کے وجود کا معترف تھا' اور اس نے جو اپنی قوم سے یہ کہا تھا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں (النزعٰت: ۲۴) یہ اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے کہا تھا کیونکہ وہ اپنی قوم کو بہت حقیر سمجھتا تھا' اور یہ اس کا اعتقاد نہیں تھا اور وہ یہ کیسے اعتقاد کرسکتا تھا کہ وہ اس جہان کا رب ہے' حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ پہلے موجود نہیں تھا پھر موجود ہوا' اور اس جہان پر ہزاروں برس گزر چکے تھے جب اس کا وجود نہیں تھا اور بعد میں بھی اس کے قبضہ میں صرف مصر کا ملک تھا' اور بعض علماء نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جاہل تھا اس کے باوجود وہ اپنے دل میں یہ اعتقاد نہیں رکھتا تھا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا خالق ہے بلکہ وہ دہریہ تھا اور پیدا کرنے والے کا منکر تھا' اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ افلاک واجب الوجود ہیں' اور تمام حوادث افلاک کی حرکات سے وجود میں آتے ہیں' اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص زمین کے کسی علاقے کا مالک ہو جائے یا کسی علاقے پر اپنی طاقت سے قبضہ کر لے وہ اس علاقے کے لوگوں کی عبادت کا مستحق ہو جاتا ہے اور وہ ان کا رب ہوتا ہے' اس لیے اس نے الوہیت اور ربوبیت کو اپنے ساتھ خاص کر لیا

اور کہا کہ ''مجھے اپنے سوا تمہارے کسی اور معبود کا علم نہیں ہے۔ (القصص: ۳۸) اور بعض علماء نے یہ کہا کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کا یہ اعتقاد ہے کہ رب سبحانہ کا بعض ذوات میں حلول ہے اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ خود اس میں بھی رب سبحانہ کا حلول ہے اسی لیے وہ اپنے آپ کو اللہ کہتا تھا' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنی الوہیت کا بھی مدعی تھا اور دوسروں کی الوہیت کا بھی مدعی تھا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے چھوڑ دے گا تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں (الاعراف: ۱۲۷) اور یہ تمام اقوال بعید ہیں۔

اور جس چیز پر میرا ظن غالب ہے اور جو اکثر آیتوں کا تقاضا ہے وہ یہ ہے کہ فرعون اللہ عزوجل کو پہچانتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ وہی اس جہان کا خالق ہے مگر اس کی حکومت کا غرور اس پر غالب آ گیا اس لیے اس نے اپنے علم اور اپنے اعتقاد کے خلاف اپنی قوم کے سامنے اظہار کیا اور اس کے ملک میں جن لوگوں پر جہالت کا غلبہ تھا اور جن کی عقل ناقص تھی انہوں نے اس قول پر یقین کر لیا اور یہ بعید نہیں ہے کہ کچھ لوگ ایسی خرافات پر یقین کر لیں اور یہ نہ جان سکیں کہ یہ باتیں بدیہیات کے خلاف ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۱۱۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کے واجب' قدیم اور واحد ہونے کے دلائل کی مزید وضاحت

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ رب العالمین کی کیا تعریف ہے' اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم بالذات ہے اور جو واجب اور قدیم ہو اس کی حقیقت کا ادراک کرنا کسی انسان کے لیے محال ہے' اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اس کی صفات مختصہ سے کی کہ وہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے' فرعون نے یہ سن کر حضرت موسیٰ کا مذاق اڑایا اور اپنے اہل دربار سے کہا کیا تم غور سے سن رہے ہو! اس کا مطلب یہ تھا کہ دیکھو میں رب العالمین کی تعریف اور ماہیت پوچھ رہا ہوں اور یہ اس کی صفات کو بیان کر رہے ہیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کی جہالت کو دیکھا تو اسلوب تبدیل کیا پہلے اللہ تعالیٰ کی عام صفات سے استدلال کیا تھا اب اس کی خاص صفت سے استدلال کیا کہ وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے' کیونکہ انسان تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کی بہ نسبت اپنے آپ کو اور اپنے باپ دادا کو اور ان کے احوال کو بہتر طور پر جانتا ہے' اس کو معلوم تھا کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے نہ تھا اور تمام دنیا اسی طرح تھی' انسان پیدا ہو رہے تھے' پروان چڑھ رہے تھے' اور مر رہے تھے' تمام حیوانوں اور تمام درختوں کا یہی حال تھا' سارا نظام اسی طرح چل رہا تھا' جب کہ وہ اپنی پیدائش کے ابتدائی مراحل میں ایک مکھی بھی نہیں اڑا سکتا تھا' پھر اللہ تعالیٰ اس کو پرورش کرتا رہا' سن بلوغ اور پھر ادھیڑ عمر تک پہنچایا' اس کے باپ دادا مر گئے وہ ان کے بعد تخت نشین ہو گیا اور وہ بھی ایک دن مر جائے گا اور یہ نظام یونہی چلتا رہے گا تو وہ اس کائنات اور اس کے نظام کا خالق کیسے ہو سکتا ہے! وہ جب بیدار ہوتا ہے تب بھی اس دنیا کا نظام چلتا رہتا ہے اور جب وہ سو جاتا ہے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے پھر بھی یہ نظام اسی طرح چلتا رہتا ہے تو وہ اس دنیا کا پیدا کرنے والا اور اس کے نظام کا خالق نہیں ہو سکتا اس کا خالق ضرور ایسا ہے جو پیدا ہونے' مرنے' سونے' جاگنے اور دیگر تغیرات سے منزہ ہو جو واجب اور قدیم ہو اور ہر چیز سے مستغنی ہو اور واحد ہو' کیونکہ واجب اور قدیم میں تعدد نہیں ہو سکتا' نیز آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں اور خود فرعون اور اس کے باپ دادا کے احوال کو دیکھو۔ ان کے نظام میں وحدت ہے سورج ہمیشہ ایک سمت سے نکلتا ہے اور ایک سمت میں غروب ہوتا ہے' یہی حال چاند اور ستاروں کا ہے' درختوں' حیوانوں' انسانوں اور خود اپنے اور اپنے باپ دادا میں غور کر و ان کے پیدا

ہونے، پرورش پانے اور مرنے میں غور کرو کیا سب کچھ نہج واحد اور طریقہ واحدہ پر نہیں ہے؟ اگر اس نظام کے متعدد ناظم ہوتے تو پھر بھی ان میں اسی طرح یکسانیت ہو سکتی تھی! تو ضرور ان کا خالق واحد ہے وہ واجب بھی ہے قدیم بھی ہے اور واحد بھی ہے۔ فرعون اس معقول دلیل کا جواب نہ دے سکا تو اس نے کہا (اے لوگو!) بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور مجنون (دیوانہ) ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے بھی آسان دلیل پیش کی کہ وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو یعنی اگر تم عقل رکھتے ہو تو بتاؤ کہ اگر فرعون اپنے رب ہونے کے دعویٰ میں سچا ہے تو وہ سورج، چاند اور ستاروں کے طلوع اور غروب میں کوئی تغیر کر سکتا ہے کیا وہ سورج کو چاند کی جگہ سے اور چاند کو سورج کی جگہ سے طلوع کر سکتا ہے؟ کیا وہ دن اور رات کے توارد میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے، مثلاً دن ایک گھنٹہ کا یا ایک ہفتہ کا ہو جائے یا رات میں ایسی کمی بیشی ہو جائے، کیا وہ زرعی پیداوار کے نظام کو بدل سکتا ہے مثلاً زمین سے غلہ پیدا ہونے کے بجائے آسمان سے غلہ برسنے لگے، آسمان سے بارش نازل ہونے کے بجائے ہر جگہ زمین سے پانی ابلنے لگے کیا وہ انسانوں اور حیوانوں کے طبعی تقاضوں کو بدل سکتا ہے کہ ان سے بھوک، پیاس اور جنسی خواہشات کو ختم کر دے، اور جب وہ یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تو کیوں نہیں مان لیتا کہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب وہ نہیں ہے بلکہ کوئی اور ذات ہے جس نے مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا نظام بنایا ہے جس کے بنائے ہوئے نظام میں ابتداء آفرینش سے لے کر آج تک ذرہ برابر تبدیلی نہیں ہوئی اور فرق نہیں ہوا وہ واجب، قدیم اور واحد ہے، وہی آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے، وہی تیرے اور تجھ سے پہلے تیرے باپ دادا کا رب ہے اور وہی مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے۔ فرعون جب حضرت موسیٰ کے ان دلائل کا جواب نہ دے سکا تو دھمکیوں پر اتر آیا اور کہنے لگا اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دیا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

مباحثہ میں اشتعال میں نہ آنا اور مخاطب کی فہم کے لحاظ سے دلائل کے اسالیب کو تبدیل کرنا

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مباحثہ میں بہت بدتمیزی اور بدزبانی کی، پہلے ان کا مذاق اڑایا اور اہل دربار سے کہا ان کی باتیں سن رہے ہو، پھر کہا یہ شخص ضرور مجنون ہے، پھر کہا میں تم کو ضرور قیدیوں میں شامل کر لوں گا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی کسی بدزبانی کا بدکلامی سے جواب نہیں دیا، بلکہ تحمل، وقار، سنجیدگی اور شائستگی کے ساتھ اپنے موقف پر دلائل پیش فرماتے رہے، اس سے معلوم ہوا کہ مباحثہ میں فریق مخالف کی بدزبانی سے طیش میں نہیں آنا چاہیے بلکہ تحمل اور وقار کے ساتھ بحث جاری رکھنی چاہیے اور یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مباحثہ میں جب فریق مخالف ایک طریقہ سے بات نہ سمجھ سکے تو اسلوب بدل کر دلائل پیش کرنا چاہئیں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مباحثہ میں مختلف انداز اور اطوار سے دلائل پیش فرماتے رہے۔

فرعون نے یہ دھمکی دی کہ میں تم کو ضرور قیدیوں میں شامل کر لوں گا اور یہ نہیں کہا کہ میں تم کو ضرور قید کر لوں گا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ وہ قیدیوں سے کس طرح کا سلوک کرتا ہے کیونکہ وہ جس کو قید کرتا تھا اس کو نہایت گہرے اور اندھے کنویں میں ڈال دیتا تھا، جس کو وہاں کچھ دکھائی دیتا تھا نہ سنائی دیتا تھا، اور یہ قتل کرنے کی بہ نسبت زیادہ شدید سزا تھی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

موسیٰ نے کہا: خواہ میں تمہارے پاس کوئی روشن چیز بھی لے آؤں! ○ فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو وہ چیز لے آؤ ○ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکایک کھلم کھلا اژدہا بن گیا ○ اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لیے چمکتا ہوا بن گیا ○

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل پیش کرنا تھا اور اسی پر مباحثہ ہو رہا تھا پھر انہوں نے اس بحث کے اخیر میں اپنی نبوت اور رسالت پر معجزات کیوں پیش کرنے شروع کر دیئے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طریقہ سے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید ہی ثابت کر رہے تھے کیونکہ جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے صادق اور برحق رسول ہیں تو پھر ان کا یہ دعویٰ بھی ثابت ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام جہانوں کا رب ہے اور وہ واجب' قدیم اور واحد ہے۔

اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدت پر جو دلائل پیش کیے تھے وہ علمی اور عقلی تھے جن کے متعلق یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ وہ فرعون کے درباریوں اور عوام کی سمجھ میں نہ آئیں اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب اسلوب بدل کر حسی دلائل پیش کیے جن کا سب لوگ مشاہدہ کر رہے تھے' کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک لاٹھی کو زمین پر ڈالا اور وہ لاٹھی کھلم کھلا اژدہا بن گئی' دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ اژدہا ایک میل لمبا تھا' وہ فرعون کی طرف لپکا اور اس کے جبڑوں میں فرعون کا سر آیا چاہتا تھا اور وہ کہنے لگا: اے موسیٰ! آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں پھر فرعون نے گھبرا کر اور خوف زدہ ہو کر کہا: اے موسیٰ! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں تم اس اژدہے کو پکڑ لو حضرت موسیٰ نے اس اژدہے پر ہاتھ ڈالا تو وہ پھر اسی طرح لاٹھی بن گیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۲۱۵)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا معجزہ دکھایا اور اپنی بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ سورج کی شعاؤں کی طرح روشن تھا اور لوگوں کی نگاہیں اس سے خیرہ ہو رہی تھیں اور جب دوبارہ بغل میں ہاتھ ڈالا تو وہ پھر پہلے کی طرح ہو گیا اور لوگوں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کا مشاہدہ کیا اور اس کے مقابلہ میں فرعون کا عاجز ہونا دیکھا تو ان کے سامنے یہ بات آ گئی کہ حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں اور ان کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ تمام جہانوں کا رب صرف اللہ ہے جو واجب' قدیم اور واحد ہے' ماننا نہ ماننا الگ بات ہے۔

ثعبان' حیۃ اور جآن کے معانی

ایک اور بحث اس باب میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کا جو عصا اژدہا بن گیا تھا اس کو اس آیت: (الشعراء: ۳۲) میں ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ فرمایا ہے اور ایک جگہ فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی (طٰہٰ: ۲۰) فرمایا ہے کہ اچانک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا اور تیسری جگہ فرمایا: تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ (القصص: ۳۱) گویا کہ وہ لہراتا ہوا سانپ ہے۔ جآن اس سانپ کو کہتے ہیں جو صغر کی طرف مائل ہو' اور ثعبان اس سانپ کو کہتے ہیں جو کبر کی طرف مائل ہو' اور الحیۃ سانپ کا اسم جنس ہے' وہ سانپ جب بہت بڑی شکل اختیار کرتا تو اس کو ثعبان (اژدہے) سے تعبیر فرمایا' اور جب اس سے چھوٹی شکل اختیار کرتا تو اس کو جآن سے تعبیر فرمایا۔ ثعبان کے لغوی معنی ہیں اژدہا' حیۃ کے معنی ہیں سانپ' اور سانپ کے لہراتے ہوئے پھن کو جآن کہتے ہیں۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ

فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہا بے شک یہ ضرور کوئی ماہر جادوگر ہے O یہ اپنے جادو کے ذریعہ تم کو

مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ

تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے' سو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ O انہوں نے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو ٹھیراؤ

أَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٣٦﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾

اور (مختلف) شہروں میں جادوگروں کو اکٹھا کرنے والوں کو بھیج دو O جو تمہارے پاس ہر بڑے ماہر جادوگر کو لے کر آئیں O

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ

سو ایک مقرر دن کے وعدہ پر تمام جادوگر اکٹھے کیے گئے O اور عوام سے کہا گیا

أَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾

آیا تم بھی اکٹھے ہو گے ؟ O اگر وہ غالب آ گئے تو شاید ہم ان جادوگروں ہی کی پیروی کریں O

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا

سو جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہم کو

نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾

انعام ملے گا؟ O فرعون نے کہا ہاں اس صورت میں تم میرے خواص اور مقربین سے ہو جاؤ گے O

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى أَلْقُوْا مَا أَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ

موسیٰ نے ان سے کہا تم ان چیزوں کو ڈالو جن کو تم ڈالنے والے ہو O تو انہوں نے اپنی رسیاں

وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَأَلْقٰى

اور اپنی لاٹھیاں ڈالیں اور کہا فرعون کی عزت کی قسم! یقیناً ہم ہی غالب ہیں O پس

مُوْسٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ

موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ ان کی شعبدہ بازیوں کو نگلنے لگا O سو اسی وقت تمام جادوگر

سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْا آمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾

سجدے میں گر گئے O انہوں نے کہا ہم رب العٰلمین پر ایمان لے آئے O جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے O

قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ

فرعون نے کہا تم مجھ سے اجازت لینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے! یقیناً وہی تمہارا وہ بڑا ماہر جادوگر ہے جس نے تمہیں

السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ ۚ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ

جادو سکھایا ہے' سو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا' میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو (ہر ایک کی)

خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٩﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا

مخالف جانب سے کاٹ ڈالوں گا' اور میں ضرور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا O انہوں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں' ہم اپنے رب

مُنْقَلِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ

کی طرف لوٹنے والے ہیں O بے شک ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو بخش دے کیونکہ ہم سب سے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾ ع ط

ع ٣ ١٨ ٧

پہلے ایمان لانے والے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہا بے شک یہ ضرور کوئی ماہر جادوگر ہے O یہ اپنے جادو کے ذریعہ تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے سو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو! O انہوں نے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو ٹھہراؤ اور (مختلف) شہروں میں جادوگروں کو اکٹھا کرنے والوں کو بھیج دو! O جو تمہارے پاس ہر بڑے جادوگر کو لے کر آئیں O (الشعراء: ٣٧-٣٤)

فرعون کا حضرت موسیٰ سے مرعوبیت اور ان کے برحق ہونے کے تاثر کو زائل کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھرے دربار میں لاٹھی کو اژدہا بنا دیا جس کے خوف سے فرعون کا پیشاب خطا ہو گیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا کا واسطہ دے کر فریاد کی کہ مجھ کو اس سے بچاؤ تو تمام دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہیبت چھا گئی اور یہ واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں' اور فرعون کو بھی یہ اندازہ ہو گیا کہ اہل دربار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے متاثر ہو گئے ہیں تو اس نے اہل دربار کے اس تاثر کو زائل کرنے کے لیے تین باتیں کہیں ایک یہ کہ یہ شخص حق پر نہیں ہے بلکہ یہ کوئی بہت بڑا اور ماہر جادوگر ہے اور اس نے جو کچھ دکھایا ہے وہ جادو کا کرشمہ ہے' دوسری بات یہ کہی کہ یہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکالنا چاہتا ہے یہ اس لیے کہا کہ اہل دربار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا دشمن خیال کریں اور ان سے متنفر ہوں اور تیسری بات ان کی دل جوئی کے لیے کہی کہ اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ان باتوں سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل دربار کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برحق ہونے کا جو تاثر پیدا ہو گیا ہے وہ زائل ہو جائے' اور ان سے مشورہ طلب کیا تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ فرعون ان کو اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھ رہا ہے اور ان کے دلوں میں اگر فرعون سے دوری پیدا ہوئی ہے تو وہ اپنائیت کے جذبہ میں ڈھل جائے۔ اہل دربار فرعون کی ان باتوں سے رام ہو گئے اور انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ ملک کے تمام شہروں سے جادوگروں کو اکٹھا کیا جائے' ان کا خیال یہ تھا کہ جب بہت سارے جادوگر مل کر اکیلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کریں گے تو حضرت موسیٰ مغلوب ہو جائیں گے اور ان کے عیش و آرام کے دن اسی طرح گزرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوایک مقرر دن کے وعدہ پر تمام جادوگر اکٹھے کیے گئے ○ اور عوام سے کہا گیا کہ آیا تم بھی اکٹھے ہوگے؟ ○ اگر وہ غالب آ گئے تو شاید ہم ان جادوگروں ہی کی پیروی کریں! ○ سو جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہم کو انعام ملے گا ○ فرعون نے کہا ہاں! اس صورت میں تم میرے خواص اور مقربین میں سے ہو جاؤ گے ○ (الشعراء: ۳۸-۴۲)

فرعون اور اس کے حواریوں کی اپنی کامیابی کے متعلق خوش فہمی

مقرر دن سے مراد ہے ان کی زینت (جشن) کا دن، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ سال کی پہلی تاریخ تھی اور وہ ان کی عید کا دن تھا اور وہی یوم نیروز ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۶۶، داراحیاء التراث العربی بیروت)

اور مقابلہ کا وقت دن روشن ہونے کے بعد طے ہوا تھا۔

مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ○ (طٰہٰ: ۵۹) تمہارے ساتھ زینت (جشن) کے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ جب دن روشن ہو جائے تو سب لوگ جمع ہو جائیں۔

فرعون کے اہل دربار نے اس مقابلہ کو موخر کرنے کا مشورہ دیا تھا تاکہ تمام جادوگر جمع ہو جائیں، اور سب لوگوں کے سامنے یہ مقابلہ ہو۔ فرعون نے ان کے اس مشورہ کو مان لیا اس کا خیال تھا کہ سب جادوگر مل کر اکیلے حضرت موسیٰ پر غالب آ جائیں گے اور سب کے سامنے حضرت موسیٰ کو شکست ہو جائے گی اور اس کی خدائی برقرار رہے گی، اور وہ یہ بھول گیا کہ حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر اس پر کیسی ہیبت طاری ہوئی تھی اور اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے کیونکہ اپنی خدائی کو ثابت کرنے کی محبت نے اس کو ہر خطرہ سے غافل کر دیا تھا:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کی محبت تم کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۰، مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۴، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۹۰۸، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۱۷)

پھر اس نے یہ ارادہ کیا کہ ان کی عید کے دن یہ مقابلہ منعقد کیا جائے تاکہ تمام لوگ حضرت موسیٰ کی اس کے زعم میں شکست کا مشاہدہ کر لیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل کا غلبہ تمام لوگوں کے سامنے ظاہر ہو، اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خاص کرم تھا کہ خود فرعون نے ایسی بات کہی جو حضرت موسیٰ کے موافق اور ان کی منشاء کے مطابق تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر وہ غالب آ گئے تو شاید ہم ان جادوگروں ہی کی پیروی کریں۔ بہ ظاہر سیاق کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بھی اعلان کرنے والوں نے کہی تھی۔ کیونکہ بھرے دربار میں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اور اس کے مقابلہ میں فرعون کی پسپائی دیکھی تھی وہ فرعون کی خدائی کے عقیدہ سے متزلزل ہو گئے تھے یہی حال ان عوام کا تھا جن تک اس واقعہ کی خبر پہنچی تھی اس لیے اعلان کرنے والوں نے کہا اگر جادوگر موسیٰ پر غالب آئے تو شاید ہم جادوگروں کی اتباع میں فرعون کی خدائی کے عقیدہ پر برقرار رہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرعون اور اس کے حواریوں نے حضرت موسیٰ پر طنز کرتے ہوئے کہا ہو اگر یہ اور ہارون غالب آ گئے تو شاید ہم ان کی اتباع کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے ان سے کہا تم ان چیزوں کو ڈالو جن کو تم ڈالنے والے ہو ○ تو انہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈالیں اور کہا فرعون کی عزت کی قسم! یقیناً ہم ہی غالب ہیں ○ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ ان کی شعبدہ بازیوں کو نگلنے لگا ○ تو اسی وقت تمام جادوگر سجدہ میں گر گئے ○ انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ○ (الشعراء: ۴۸-۴۳)

اس کی توجیہات کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو پہلے لاٹھیاں اور رسیاں ڈالنے کا حکم دیا

جب حضرت موسیٰ اور جادوگر مقابلہ کے لیے جمع ہوئے تو ضروری تھا کہ مقابلہ کی ابتدا دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک کرتا' جادوگروں نے تواضع کی اور کہا اے موسیٰ یا آپ پہلے ڈالیں یا ہم پہلے ڈالنے والے بن جائیں۔ (طٰہٰ: ۶۵) جب انہوں نے تواضع کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی تواضع سے کام لیا اور فرمایا: تم ان چیزوں کو ڈالو جن کو تم ڈالنے والے ہو۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جادوگروں کا لاٹھیوں اور رسیوں کو ڈالنا' جادو تھا اور کفر تھا' تو حضرت موسیٰ کے لیے کس طرح جائز ہو گیا کہ وہ ان کو جادو کرنے اور کفر کرنے کا حکم دیں' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ وہ ایمان لے آئیں اور ان کا ایمان لانا اس پر موقوف تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں اور مقابلہ میں شکست کھا کر حق کا اعتراف کرلیں' اس لیے امام رازی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم کی تاویل یہ کی ہے کہ اگر تم برحق ہو تو ڈالو جو ڈالنا چاہتے ہو' اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اس قرآن کی کسی سورت کو مثل بنا کر لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (البقرہ: ۲۳) اس کا ایک اور جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ظاہر کیا کہ ان کے نزدیک ان کے جادو کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور حضرت موسیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے' سو وہ جو کرنا چاہتے ہیں وہ کریں' ایک اور جواب یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی اپنا عصا ڈال دیتے تو تمام جادوگر اور عوام اس سے خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتے اور یہ مقابلہ منعقد نہ ہوتا اور نہ حضرت موسیٰ کا جادوگروں پر غلبہ ظاہر ہوتا اور نہ جادوگروں کے ایمان لانے کا واقعہ ہوتا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ پہلے جادوگر اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم ان چیزوں کو ڈالو جن کو تم ڈالنے والے ہو۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کا ممنوع ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا' تو انہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈالیں اور کہا فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی غالب ہیں۔ جادوگروں نے یہ قسم اس لیے کھائی تھی کہ ان کو اپنے اوپر مکمل بھروسا تھا اور ان کو پختہ یقین تھا کہ اس مقابلہ میں وہی کامیاب ہوں گے' کیونکہ وہ اپنی طرف سے جادو کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے' انہوں نے فرعون کی قسم کھائی' یہ قسم افعال جاہلیت میں سے ہے اسلام میں غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے باپ دادا اور اپنی ماؤں کی قسمیں نہ کھاؤ اور نہ ان کی قسم کھاؤ جن کو اللہ کا شریک قرار دیا گیا ہے اور اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ اور تم صرف سچی قسمیں کھاؤ۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۴۸)

غیر اللہ کی قسم کھانے کی مکمل تحقیق تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۳۰-۸۲۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض مفسرین نے کہا جادوگروں نے یہ دیکھا کہ ان کے پاس لاٹھیاں اور رسیاں بہت زیادہ ہیں اس کے برخلاف حضرت موسیٰ کے پاس صرف ایک لاٹھی ہے اس لیے ان کو یقین تھا کہ ان ہی کو غلبہ ہوگا اور انہوں نے یہ نہیں جانا کہ بعض اوقات کم تعداد میں حق پرست زیادہ تعداد میں مخالفین پر غالب آ جاتے ہیں جیسے ایک ماچس کی تیلی جلاؤ یا ایک بلب روشن کرو تو وہ پورے کمرے کے اندھیرے کو ختم کر دیتا ہے۔

سانپوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوف زدہ ہونے کی توجیہات

سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کے جادو کے اثر

سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں بھاگ رہی ہیں تو موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا' ہم نے فرمایا تم خوف نہ کرو بے شک تم ہی غالب اور برتر رہو گے۔ (طٰہٰ: ۶۸-۶۶)

انسان کی طبیعت میں جو سانپوں سے توحش اور تنفر رکھا گیا ہے اس کے اثر سے حضرت موسیٰ خوف زدہ ہو گئے تھے' اور اس خوف کا تعلق وہم سے تھا' دل سے نہیں تھا' اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سحر کے ضرر کو اپنے قہر کا لباس پہنا دیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے قہر سے خوف زدہ ہوئے تھے نہ ان مصنوعی' جعلی اور وہمی سانپوں سے۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابو منصور ماتریدی نے التاویلات النجمیہ میں لکھا ہے انسان کی جبلت میں خوف بشریت ہے خواہ وہ نبی ہو' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل سے اس خوف کو نکال لے' اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا آپ نہ ڈریں آپ ہی اعلیٰ ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کا اس سے اعلیٰ درجہ ہے کہ آپ خالق کے بجائے مخلوق سے ڈریں' اور اس کی ایک اور تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ مخلوق سے نہیں خالق سے خوف زدہ ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ ان کا عصا اژدہا بن کر جادوگروں کے جادو کو نگل گیا ہے لہٰذا ان کو معلوم ہو گیا کہ ان کا عصا اللہ تعالیٰ کی صفت قہر کا مظہر ہو گیا ہے سو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفت قہر سے ڈرے تھے نہ کہ لاٹھی اور اژدہے سے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ نہ ڈریں آپ ہی اعلیٰ ہیں' یعنی آپ کا درجہ ہمارے نزدیک اس لاٹھی سے اعلیٰ ہے کیونکہ اس لاٹھی کو آپ نے اپنے لیے بنایا ہے اور آپ میرے رسول اور میرے کلیم ہیں اور آپ کو میں نے اپنے لیے بنایا ہے' اور اگر یہ لاٹھی میری صفت قہر کی مظہر ہے تو آپ میری صفت لطف کے بھی مظہر ہیں اور میری صفت قہر کے بھی مظہر ہیں۔

(روح البیان ج ۵ ص ۴۸۰-۴۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بعض علماء کا سحر کو صرف تخیل اور مسمریزم قرار دینا اور واقع میں اس کی حقیقت کا انکار کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اس وقت تمام جادوگر سجدہ میں گر گئے۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ہر فن میں تبحر اور مہارت حاصل کرنا مفید اور سود مند ہوتا ہے' کیونکہ ان جادوگروں نے جادو میں تبحر اور مہارت کی وجہ سے یہ پہچان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو لاٹھی کو اژدہا بنا دیا ہے یہ جادو نہیں ہے' بلکہ معجزہ ہے کیونکہ جادو صرف شعبدہ بازی' ملمع کاری' ہاتھ کی صفائی اور نظر بندی ہے' اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَسَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (الاعراف: ۱۱۶) انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر سحر کر دیا یعنی نظر بندی کر دی۔ اگر واقع میں جادو کے ذریعہ ایک چیز کی حقیقت کا دوسری چیز کی حقیقت سے بدل جانا ممکن ہوتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدہا بن جانا بھی جادو کے قبیل سے قرار دیتے اور اس کو معجزہ نہ قرار دیتے جو جادو کے دائرہ سے خارج ہے' اور اس کا مشاہدہ کر کے سجدہ میں نہ جا گرتے اور ایمان کی دولت سے سرفراز نہ ہوتے۔ علامہ شعرانی متوفی ۹۷۳ھ نے ابن العربی سے نقل کیا کہ سَحَر کا لفظ وقت سَحَر سے ماخوذ ہے اور سحر کے وقت میں ضوء اور ظلمت اور روشنی اور اندھیرا اختلط ہوتے ہیں اس وقت نہ مکمل رات ہوتی ہے کیونکہ صبح کی روشنی ہوتی ہے اور نہ مکمل دن ہوتا ہے کیونکہ سورج طلوع نہیں ہوتا' اسی طرح جادوگر جو کارروائی کرتے ہیں وہ واقع میں باطل محض ہوتی ہے اور جو کچھ آنکھوں کو دکھاتے ہیں وہ واقع میں موجود نہیں ہوتا اس کا وجود صرف دیکھنے والوں کی آنکھوں میں ہوتا ہے' علامہ شعرانی نے اس کلام کو نقل کرنے کے بعد کہا یہ بہت نفیس کلام ہے ہم نے اس کی مثل کبھی نہیں سنی۔ (الکبریت الاحمر ص ۱۸-۱۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ) (روح البیان ج ۶ ص ۳۵۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

اسی طرح امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے لکھا ہے:
الاعراف: ۱۱۶ سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ سحر اور جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ محض شعبدہ بازی اور نظر بندی ہے' قاضی نے کہا اگر سحر برحق ہوتا تو وہ ان کے دلوں پر سحر کرتے نہ کہ ان کی آنکھوں پر' اس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے ان کو عجیب وغریب امر دکھائے جب کہ واقع میں ایسا نہ تھا' علامہ واحدی نے کہا بلکہ انہوں نے ان کی آنکھوں پر سحر کر دیا یعنی ان کی آنکھوں کو صحیح ادراک کرنے سے پلٹ دیا' اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے لاٹھیوں اور رسیوں کو کھوکھلا کر کے ان کے اندر پارہ رکھ دیا تھا اور سورج کی گرمی سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں حرکت کرنے لگیں جس سے دیکھنے والوں نے یہ سمجھا کہ سانپ رینگ رہے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۴۵' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے:
جادوگروں نے اس چیز کا خیال ڈالا جو حقیقت کے خلاف تھا۔
علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ ھ نے لکھا ہے اس سے سحر کا باطل کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ وہ نصوص سے ثابت ہے اس لیے اس عبارت کو ترک کرنا اولیٰ تھا۔ (عنایت القاضی ج ۴ ص ۳۴۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے:
خدائی نشان سے حقیقی تغیر واقع ہوتا ہے اور جادو محض نظر اور نفس کو متاثر کر کے اشیاء میں ایک خاص طرح کا تغیر محسوس کراتا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۶۸' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' فروری ۱۹۸۲ ھ)

اسی طرح شیخ امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:
جادو خواہ کتنا ہی بڑا ہو لیکن اس سے کسی شے کی حقیقت و ماہیت نہیں بدلتی۔ بس دیکھنے والوں کی آنکھوں اور ان کی قوت متخیلہ پر اس کا اثر پڑتا ہے جس سے آدمی ایک شے کو اس شکل میں دیکھنے لگتا ہے جس شکل میں ساحر اس کو دکھانا چاہتا ہے۔
(تدبر قرآن ج ۳ ص ۳۴۶' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن' ۱۴۰۹ ھ)

یہ تمام اقوال صحیح نہیں ہیں' جادو کی کئی اقسام ہیں اور ایک قسم وہ ہے جس سے کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم جادو کی تعریف اور اس کی اقسام ذکر کریں گے اور جادو کا واقع میں موثر ہونا دلائل سے واضح کریں گے۔ رہا یہ اعتراض کہ الاعراف: ۱۱۶ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون کے جادوگروں نے تخییل اور نظر بندی کی تھی اور واقع میں لاٹھیوں کو سانپ نہیں بنایا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون کے جادوگروں کا عمل یہی تھا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جادو کے ذریعے سے اشیاء کی حقیقت نہیں بدلتی' اب ہم سحر کی تعریف سحر اور کرامت میں فرق' سحر کے وقوع پر دلائل اور سحر پر اعتراضات کے جوابات اور سحر کی اقسام بیان کر رہے ہیں۔

سحر کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ ھ سحر کا لغوی معنی لکھتے ہیں:
ہر وہ فعل جس کا ماخذ غامض اور دقیق ہو اور اس کا سبب مخفی ہو اس کو سحر کہتے ہیں۔
(القاموس المحیط ج ۲ ص ۶۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ ھ لکھتے ہیں:
انسان اس وقت تک سحر میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی شر (فسق وفجور) کے ساتھ مناسبت نہ ہو۔ اہل

سنت کا مذہب یہ ہے کہ سحر کی حقیقت ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب انسان جادو کے مخصوص کلمات بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عادت ہے وہ اس وقت غیر معمولی امور پیدا کر دیتا ہے یا وہ ایسے بعض اجسام یا قوی امتزاج سے چیزیں بناتا ہے جن کو ساحر ہی جانتا ہے کیونکہ بعض زہر قاتل ہوتے ہیں اور بعض زہریلی اشیاء بیمار کر دیتی ہیں یا نقصان پہنچاتی ہیں۔
(مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۴۷ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱۴۱۵ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

سحر کا اطلاق چند معانی پر کیا جاتا ہے۔

(۱) دھوکا دہی نظر بندی (مسمریزم یا ہپناٹائز کرنا) قرآن مجید میں ہے:

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ. (الاعراف:۱۱۶) فرعون کے جادوگروں نے لوگوں کی نظر بندی کر دی (ان کو ہپناٹائز کر دیا)۔

(۲) شیطان کے تقرب اور اس کی مدد سے اپنا مقصد پورا کرنا قرآن مجید میں ہے:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ. (البقرۃ:۱۰۲) لیکن شیاطین نے کفر کیا وہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے۔

(۳) سحر اس فعل کا نام ہے جس کی قوت اور تاثیر سے اشیاء کی صورتیں اور حقیقتیں بدل جاتی ہیں سو ساحر انسان کو گدھا بنا دیتا ہے۔ محصلین کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (یہ علامہ راغب کی اپنی رائے ہے جمہور کی رائے اس کے خلاف ہے)

(۴) جس کا سمجھنا بہت غامض اور دقیق ہو قرآن مجید میں ہے:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ. (سبا:۴۳) یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے۔

یعنی اس کلام کا سمجھنا بہت غامض اور دقیق ہے۔

سَحَر اور سحرۃ اس وقت کو کہتے ہیں جب رات کی ظلمت دن کی ضوء اور روشنی سے مختلط ہوتی ہے۔ (اسی طرح سحر کی حقیقت بھی مبہم اور مشتبہ ہوتی ہے۔) (المفردات ج ۱ ص ۲۹۹-۲۹۸ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

سحر سے مراد وہ کام ہے جس کو حاصل کرنے میں شیطان سے مدد حاصل کی جاتی ہے اور وہی انسان اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے جو شر اور نفس کے خبث میں شیطان کے مناسب ہو کیونکہ کسی سے تعاون حاصل کرنے میں یہ شرط ہے کہ دونوں میں مناسبت ہو اور اسی قید سے ساحر نبی اور ولی سے ممتاز ہو جاتا ہے اور بعض حیرت ناک اور تعجب خیز کام جو شعبدہ بازی سے آلات دوائیوں اور ہاتھ کی صفائی اور کرتبوں سے کیے جاتے ہیں وہ مذموم نہیں ہیں ان کو مجازاً سحر کہا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ ان کا ماخذ غامض اور دقیق ہوتا ہے اور ان کا سبب مخفی ہوتا ہے۔ (انوار التنزیل مع عنایت القاضی ج ۲ ص ۳۴۷ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

سحر وہ غیر معمولی اور خلاف عادت کام ہے جس کو حاصل کرنے میں برے کام کر کے شیطان کے تقرب سے مدد حاصل کی جاتی ہے خواہ وہ برے کام زبان سے کیے جائیں جیسے وہ منتر جن میں شرکیہ الفاظ ہوں اور شیطان کی تعریف کی جائے یا وہ برے کام دیگر اعضاء سے کیے جائیں جیسے ستاروں کی عبادت کرنا اور کسی کا نقصان کرنا اور دیگر فسق و فجور کے کام یا وہ برے کام

اعتقاد سے کیے جائیں مثلاً ان کاموں کو اچھا اعتقاد کرنا جن سے شیطان کا تقرب اور اس کی محبت حاصل ہوتی ہے' اور وہی شخص سحر کر سکتا ہے جو شر اور نفس کی خباثت میں شیطان کے مناسب ہو' کیونکہ تعاون اور مدد کے لیے مناسبت شرط ہے' پس جس طرح سے فرشتے صرف نیک انسانوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور ان ہی پر فیضان کرتے ہیں جو دائمی عبادت کرنے اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں فرشتوں کے مشابہ ہوں' اسی طرح شیاطین بھی ان ہی فساق اور فجار کے ساتھ تعاون کرتے ہیں جو قول' فعل اور اعتقاد کی خباثت اور نجاست میں شیاطین کے مشابہ ہوں اور ہماری اس تعریف سے ساحر نبی اور ولی سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی جز ۱ص ۵۳۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سحر اور کرامت میں فرق

علامہ عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری نے سحر اور کرامت میں حسب ذیل وجوہ سے فرق بیان کیا ہے:

(۱) سحر خبیث اور فاسق شخص سے ظاہر ہوتا ہے اور کرامت اس نیک مسلمان سے ظاہر ہوتی ہے جو دائماً عبادت کرتا ہو اور برے کاموں سے بچتا ہو۔

(۲) سحر چند مخصوص برے کاموں کا نام ہے' اور کرامت کے مخصوص اعمال نہیں ہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور دائماً شریعت کی اتباع سے ظاہر ہوتی ہے۔

(۳) سحر صرف تعلیم اور تعلم سے حاصل ہوتا ہے اور کرامت اس طرح نہیں ہے بلکہ کرامت وہبی ہوتی ہے اور محض اللہ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے۔

(۴) سحر طلب کرنے والوں کے مطالب کے موافق نہیں ہوتا بلکہ معین اور محدود مطالب کے ساتھ مخصوص ہے اور کرامت طلب کرنے والوں کے مطالب کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور اس کے مخصوص مطالب نہیں ہیں۔

(۵) سحر مخصوص وقتوں' مخصوص جگہوں اور مخصوص شرائط سے ہوتا ہے' اور کرامت کے لیے کسی وقت' کسی جگہ اور کوئی شرط ضروری نہیں ہے۔

(۶) ساحر کو کبھی دوسرا ساحر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے چیلنج کرتا ہے اور کرامت میں ایک ولی دوسرے ولی کو چیلنج نہیں کرتا۔

(۷) سحر بغیر کوشش اور سخت جدوجہد کے حاصل نہیں ہوتا' اور کرامت خواہ ہزار بار حاصل ہو اس کے لیے کوئی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔

(۸) ساحر فاسقوں کے کام کرتا ہے اور ناپاک رہتا ہے' بعض اوقات غسل جنابت بھی نہیں کرتا' استنجاء نہیں کرتا' ناپاک کپڑے نہیں دھوتا' کیونکہ ناپاکی اور نجاست کی جادو کے ظہور میں بہت تاثیر ہوتی ہے یہ اس کی ظاہری نجاست ہے اور اس کی باطنی نجاست کفر ہے اس کے برخلاف ولی کا ظاہر اور باطن پاک اور صاف ہوتا ہے۔

(۹) ساحر خلاف شرع کاموں کا حکم دیتا ہے اور ولی شریعت کے موافق کاموں کا حکم دیتا ہے۔

ہم نے سحر اور کرامت میں جو فرق بیان کیے ہیں ان ہی سے سحر اور معجزہ میں بھی فرق معلوم ہو جاتا ہے۔

(دستور العلماء ج ۲ص ۱۲۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سحر کے واقع ہونے کے دلائل

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

سحر ایک خلاف عادت کام ہے جو کسی شریر اور فاسق شخص سے اعمال مخصوصہ کے ذریعہ صادر ہوتا ہے' اور یہ اہل حق کے نزدیک عقلاً جائز ہے اور قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ (البقرہ:١٠٢)

لیکن شیاطین نے کفر کیا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور وہ علم جو ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر بابل میں نازل کیا گیا اور وہ (فرشتے) کسی کو اس وقت تک وہ علم نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں' سو تم کفر نہ کرو' پس لوگ ان سے وہ علم سیکھتے جس کے ذریعہ وہ خاوند اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دیتے' اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے۔

اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ جادو حقیقۃً ثابت ہے اور وہ محض نظر بندی اور ملمع کاری نہیں ہے اور موثر اور خالق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ (الفلق:٤)

(اور میں) گرہ (باندھ کر ان) میں پھونکنے والیوں کے شر سے (بھی پناہ مانگتا ہوں)

اس آیت میں جادوگروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ جادوگر منتر پڑھ پڑھ کر پھونک مارتے ہیں اور گرہ باندھتے جاتے ہیں عموماً جس پر جادو کرنا ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے یہ عمل کیا جاتا ہے۔ اگر جادو ایک ثابت شدہ حقیقت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے پناہ مانگنے کا کیوں حکم دیتا۔

اور جمہور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ الفلق اس وقت نازل ہوئی جب لبید بن اعصم یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا حتیٰ کہ آپ تین دن بیمار رہے۔

اس طرح روایت ہے کہ ایک باندی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جادو کیا' اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر جادو کیا گیا پھر لوہا گرم کر کے ان کے ہاتھ پر داغ لگایا گیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر جادو کرنا ممکن ہوتا تو کفار تمام انبیاء اور صالحین پر جادو کر دیتے تاکہ ان کو ملک عظیم حاصل ہوتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنا کس طرح صحیح ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ (المائدہ:٦٧) — اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ (طٰہٰ:٦٩) — اور ساحر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوگا۔

اور کافر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ عیب لگاتے تھے کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے' حالانکہ یہ قطعی بات ہے کہ وہ جھوٹے تھے۔

ہم پہلے اعتراض کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ جادو ہر دور اور زمانے میں نہیں پایا گیا اور نہ ہر خطہ اور ہر جگہ میں پایا گیا ہے۔

ہم دوسرے اعتراض کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محفوظ ہیں کہ لوگ ان کو ہلاک کر دیں یا آپ کی نبوت میں خلل ڈالیں' اور اس بات سے محفوظ نہیں ہیں کہ لوگ آپ کو ضرر پہنچائیں یا آپ کے جسم میں کوئی تکلیف پہنچائیں' اور کفار نے جو کہا تھا کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ آپ مجنون ہیں اور جادو سے آپ کی عقل زائل کر دی گئی ہے کیونکہ آپ نے ان کے دین کو ترک کر دیا تھا۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى ٥(طٰہٰ:٦٦) موسیٰ کو یہ خیال آنے لگا کہ ان کے جادو کے زور سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں دوڑ رہی ہیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے' وہ محض تخییل اور ملمع کاری ہے۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ ہوسکتا ہے کہ ان کا سحر ہی تخییل (مسمریزم) ہو اور ان کے سحر کا مسمریزم ہونا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ فی نفسہٖ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۸۱-۷۹' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی' ایران' ۱۴۰۹ھ)

یہ علامہ تفتازانی کی عبارت ہے ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کی روایت صحیح نہیں ہے' اس کی تحقیق بنی اسرائیل: ۴۷ میں گزر چکی ہے۔

سحر کی اقسام اور اس کے وقوع میں مذاہب

علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں' سحر کی حسب ذیل اقسام ہیں:

(۱) ستارہ پرستوں' افلاک پرستوں اور ان کو فاعل مختار ماننے والوں کا سحر۔

(۲) اصحاب الاوہام اور اصحاب نفوس قویہ کا سحر۔

(۳) ارواح ارضیہ مثلاً جنات سے استعانت کرنے والوں کا سحر۔

(۴) تخییلات' آنکھوں پر اثر ڈالنا کیونکہ آنکھ مشاہدہ میں خطا کرتی ہے' کشتی میں سوار شخص کو کنارے پر کھڑے ہوئے درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بارش میں برسنے والے قطرات خطوط دکھائی دیتے ہیں (اس کو مسمریزم بھی کہا جاسکتا ہے)

(۵) عجیب وغریب کام جو مختلف شعبدوں سے ظاہر ہوتے ہیں' ان کے اسباب مخفی ہوتے ہیں جن کا عام لوگوں کو پتا نہیں چلتا۔

(۶) ایسی دواؤں سے جادو کرنا جو حواس کو معطل اور عقل کو زائل کردیتی ہیں۔

(۷) کسی کے دل کو تابع کرلینا وہ یہ ہے کہ انسان یہ دعویٰ کرے کہ اس کو اسم اعظم معلوم ہے اور جن اس کا تابع ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے' پس جو شخص ناسمجھ ہوگا وہ اس کے دعویٰ کو سچا گمان کرے گا اور وہ مرعوب اور خوفزدہ ہو جائے گا' پھر جادوگر اس پر قادر ہوگا کہ اس میں جو فعل چاہے وہ کرے۔

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ ساحر کے ہاتھ سے ایسے خلاف عادت کاموں کا ظہور ہوتا ہے جو عام انسانوں کی طاقت میں نہیں ہوتے وہ لوگوں کو بیمار کردیتے ہیں۔ شوہر اور اس کی بیوی میں تفریق کردیتے ہیں' عقل کو زائل کردیتے ہیں۔ اعضا کو ٹیڑھا کردیتے ہیں' علماء نے کہا ہے کہ ساحر سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کو اس قدر پتلا کرلے کہ وہ سرکنڈے پر کھڑا ہو جائے' باریک دھاگے پر چلنے لگے' ہوا میں اڑنے لگے' پانی پر چلنے لگے اور کتے پر سواری کرے اور سحر ان کاموں کی علت ہے نہ موجب ہے' ان کاموں کو سحر کے وقت اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جیسا کہ وہ کھانے اور پینے کے بعد انسان کے اندر سیری پیدا کرتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۴۶-۴۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اور معتزلہ نے سحر کی پہلی تین قسموں کا انکار کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ان قسموں کے معتقد کو کافر قرار دیا ہے' اور رہے اہل سنت تو انہوں نے سحر کی تمام اقسام کو جائز قرار دیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ ساحر کو اس پر قدرت ہوتی ہے کہ وہ ہوا میں

اڑے اور انسان کو گدھا بنا دے اور گدھے کو انسان بنا دے اور اس کے علاوہ دیگر شعبدوں پر بھی اس کو قدرت ہوتی ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' جب ساحر کلمات معینہ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو پیدا کر دیتا ہے اور اس پر یہ آیت دلیل ہے:

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ اور جادوگر اللہ کے اذن کے بغیر اپنے جادو سے کسی کو نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں۔ (البقرہ: ۱۰۲)

(الزواجر ج ۲ ص ۱۴۷۔۱۴۷ ملخصاً' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے اس عبارت کو نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۰۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۶ھ)

علماء دیوبند بھی جمہور اہل سنت کی طرح اللہ تعالیٰ کے اذن سے جادو کے مؤثر ہونے کے قائل ہیں۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ الاعراف: ۱۱۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان آیات سے ظاہر ہوا کہ ساحرین فرعون نے اس وقت جو شعبدہ دکھلایا تھا اس میں فی الواقع قلب ماہیت نہیں ہوا بلکہ وہ محض تخییل اور نظر بندی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اقسام سحر اسی میں منحصر ہوں' شاید انہوں نے یہ گمان کیا ہو کہ ہم اتنی ہی کارروائی سے موسیٰ علیہ السلام کو دبا لیں گے اور کچھ گنجائش ملتی تو ممکن تھا کہ اس سحر عظیم سے بھی بڑا کوئی سحر اعظم دکھاتے مگر اعجاز موسوی نے سحر کو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کن شکست دے دی' آگے موقع ہی نہ رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔

(حاشیہ عثمانی بر ترجمہ شیخ محمود حسن دیوبندی ص ۲۱۸' مطبوعہ سعودی عربیہ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ الاعراف: ۱۱۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا جادو ایک قسم کی نظر بندی تھی اور تخییل تھی جس سے دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ یہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہے ہیں حالانکہ وہ واقع میں اسی طرح لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں۔ سانپ نہیں بنے تھے یہ ایک قسم کا مسمریزم تھا جس کا اثر انسانی خیال اور نظر کو مغلوب کر دیتا ہے۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سحر صرف اسی قسم میں منحصر ہے سحر کے ذریعہ انقلاب ماہیت نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی شرعی یا عقلی دلیل اس کی نفی پر قائم نہیں ہے بلکہ سحر کی مختلف اقسام واقعات سے ثابت ہیں۔ کہیں تو صرف ہاتھ کی چالاکی ہوتی ہے جس کے ذریعہ دیکھنے والوں کو مغالطہ لگ جاتا ہے' کہیں صرف تخییل اور نظر بندی ہوتی ہے جیسے مسمریزم ہے اور اگر کہیں قلب ماہیت بھی ہو جاتا ہو کہ انسان کا پتھر بن جائے تو یہ بھی کسی شرعی یا عقلی دلیل کے خلاف نہیں ہے۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۳۱' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۴۱۴ھ)

سحر اور ساحر کا شرعی حکم ہم نے الاعراف: ۱۱۶ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے' اسی طرح سحر کے سیکھنے اور سکھانے کا شرعی حکم بھی ہم نے وہاں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ (تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۶۰-۲۵۹)

فرعون کے ساحروں کا ایمان لانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ○ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ○

رب العالمین کے بعد انہوں نے کہا جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے' اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ صرف یہ کہتے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے تو یہ خدشہ تھا کہ فرعون یہ کہتا کہ یہ مجھ پر ایمان لائے ہیں اس لیے انہوں نے وضاحت سے کہا ہم

رب العالمین پر ایمان لائے ہیں جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔غور کا مقام ہے کہ صبح کو وہ کافر جادوگر تھے اور شام کو وہ مومن اور شہید تھے۔اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کسی عمل سے دھوکا نہ کھائے' ہوسکتا ہے اس وقت وہ جو نیک عمل کر رہا ہے بعد میں اس کو میسر نہ ہوں' اصل بات یہ ہے کہ خاتمہ ایمان پر ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون نے کہا تم مجھ سے اجازت لینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے! یقیناً وہی تمہارا وہ بڑا ماہر جادوگر ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے' عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا' میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو (ہر ایک کی) مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا' اور ضرور میں تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گاO انہوں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں' ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیںO بے شک ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو بخش دے' کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیںO (الشعراء: ۵۱-۴۹)

فرعون کا اپنے عوام کو حضرت موسیٰ سے متنفر کرنے کے لیے جادوگروں پر الزام تراشی کرنا

فرعون نے جب یہ دیکھا کہ تمام جادوگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر ایمان لے آئے تو اس نے سوچا کہ اب لوگ یہی کہیں گے کہ جادوگروں کی اتنی بڑی اکثریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی ہے تو ضرور اس کی وجہ یہ ہے کہ جادوگروں پر یہ منکشف ہوگیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت برحق ہے' اور انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ اس تمام کائنات کا صرف ایک خدا ہے اور اس کے علاوہ فرعون' افلاک' سیارے اور اس کائنات کی ہر چیز اللہ بلند و برتر کی مخلوق ہے سو ان کا یہ کہنا بھی برحق ہے' اس لیے فرعون نے سوچا کہ اب کسی طریقہ سے عوام کو حضرت موسیٰ اور ان جادوگروں سے متنفر اور برگشتہ کرنا چاہیے ورنہ مصر میں اس کی خدائی کا بھرم قائم نہیں رہے گا اور اس کی الوہیت کا طلسم ٹوٹ جائے گا سو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں سے عوام کو متنفر کرنے کے لیے حسب ذیل نکات اٹھائے۔

(۱) اس نے جادوگروں سے کہا تم میری اجازت سے پہلے (حضرت) موسیٰ پر ایمان لے آئے۔اس قول سے اس نے یہ وہم ڈالا کہ اس قدر سرعت کے ساتھ تمہارا (حضرت) موسیٰ پر ایمان لانا یہ بتاتا ہے کہ تم پہلے سے ان کی طرف مائل تھے' اور اس بات میں جادوگروں پر یہ تہمت لگائی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے جادو کے مقابلہ میں اپنے مکمل فن اور مہارت کا اظہار نہیں کیا اور عمداً جلدی شکست کھا گئے۔

(۲) پھر کہا یقیناً وہی تمہارا بڑا ماہر جادوگر ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔اس قول میں اس نے جادوگروں پر یہ الزام لگایا کہ درحقیقت تم موسیٰ ہی کے شاگرد ہو اور تمہاری آپس میں یہ سازش اور ملی بھگت تھی کہ معمولی مقابلہ کر کے تم ہار جاؤ' اس لیے تمہارا یہ مقابلہ دراصل نورا کشتی تھی ورنہ ان جادوگروں کے پاس بھی ایسی قوت تھی جیسی موسیٰ کے پاس ہے' اس طرح اس نے عوام کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی کے تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کی۔

(۳) پھر اس نے کہا عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔اپنے اس قول سے اس نے ساحروں کو شدید وعید سنائی اور بہت بڑی دھمکی دی۔

(۴) نیز فرعون نے کہا میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو (ہر ایک کی) مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا یعنی سیدھا ہاتھ اور الٹا پیر اور میں ضرور تم سب کو صلیب (سولی) پر لٹکا دوں گا۔

صلیب کا معنی

صلیب کا معنی ہے چوبی (لسان العرب ج ا ص ۵۲۸) اور تصلیب کا معنی ہے کسی شخص کے دونوں ہاتھوں کو T کی شکل میں

پھیلا کر اس کو لٹکا دینا' روایت ہے کہ فرعون نے ان کو درختوں کے تنوں پر لٹکا دیا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے (روح البیان ج ۵ ص داراحیاء التراث العربی بیروت) نیز لکھا ہے کہ قتل کے لیے انسان کو لٹکا دینا' ایک قول ہے اس کی پشت کو لکڑی پر باندھ دینا اس ایک لمبے عرصہ تک ان کو اس لکڑی کے ساتھ باندھے رکھا تھا اور فرعون وہ پہلا شخص تھا جس نے کسی کو سولی پر چڑھایا تھا۔ (روح البیان ج ۵ ص ۲۸۴-۲۸۳) نیز اُردو کی لغات میں مرقوم ہے: سولی کا معنی ہے ایک چوبی (لکڑی کا) آلہ جس میں مجرموں کو ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھونک کر لٹکا دیتے تھے' (فیروز اللغات اُردو ص ۸۲۱) صلیب اس شکل + کی لکڑی جس پر عیسائیوں کو لٹکا کر ہلاک کرتے تھے (فیروز اللغات ص ۸۶۵) امام رازی نے لکھا ہے کہ کسی شخص کو ہلاک کرنے کے لیے اس سے قوی اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

اہل معرفت پر مصائب کا آسان ہونا' اور مصائب برداشت کرنے پر انہیں مراتب سے نوازنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جادوگروں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں! ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

جادوگروں نے جو فرعون سے کہا ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اتنے مستغرق ہو چکے تھے کہ وہ ہر حادثہ اور ہر مصیبت میں اللہ سے واصل ہونے اور اس کی ذات کا ارادہ کرتے تھے' وہ ثواب کی رغبت میں ایمان لائے تھے اور نہ عذاب کے خوف سے' ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا اور اس کی معرفت کے انوار میں ڈوب جانا تھا۔

(۲) انہوں نے کہا ہماری خواہش یہ ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو بخش دے' اس کا محمل یہ ہے کہ ایمان لانے سے پہلے جو انہوں نے کفر کیا تھا اور جادو کیا تھا ان گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے۔

(۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے قرب کے کتنے بڑے مرتبہ پر کیوں نہ پہنچ جائے' وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنے سے مستغنی نہیں ہوتا' اور انسان کو کبھی اپنی نیکیوں سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے اور چاہے وہ کتنا پہنچا ہوا بزرگ اور عبادت گزار کیوں نہ ہو اس کو اپنے آپ کو قصوروار قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرنی چاہیے' کوئی بھی شخص قرب الٰہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بڑھ کر تو نہیں انہوں نے بھی یہ دعا کی تھی:

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ○ اور جس چیز کی میں امید کرتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن (الشعراء:۸۲) میری (اجتہادی یا بہ ظاہر) خطاؤں کو بخش دے گا۔

فرعون نے ایمان لانے والے جادوگروں کو سولی پر چڑھا کر شہید کر دیا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو حق کا اظہار کرنا چاہیے اور ظالموں کے ظلم اور ان کی دھمکیوں کی پرواہ نہ کر کے کلمہ حق سنا دینا چاہیے۔ جیسا کہ ان ایمان لانے والے جادوگروں نے کیا۔ ابن عطا نے کہا جو شخص حق کا مشاہدہ کر لیتا ہے اس پر حق کی راہ میں ہر مصیبت اور ہر بلا آسان ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے' اور حضرت اسماء بنت عمیس ان کے قریب تھیں۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا' پھر آپ نے فرمایا: اے اسماء! یہ جعفر بن ابی طالب تھے جو حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام کے ساتھ تھے' وہ یہاں سے گزرے تو انہوں نے مجھ کو سلام کیا۔ میں نے ان کے سلام کا جواب دیا' اور جعفر نے بتایا کہ ان کا فلاں' فلاں دن مشرکین سے مقابلہ ہوا تو میرے جسم کے سامنے کے

حصہ میں تہتر زخم اور گھاؤ لگے۔ پھر میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے جھنڈا پکڑ لیا میرا وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا تو میں نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا پکڑ لیا پھر میرا وہ ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے ان دو ہاتھوں کے بدلے میں یہ دو پر عطا فرمائے جن کے ساتھ میں حضرت جبریل اور میکائیل کے ساتھ جنت میں اڑتا ہوں اور جہاں چاہتا ہوں اتر جاتا ہوں اور جنت کے پھلوں سے جو چاہتا ہوں کھاتا ہوں حضرت اسماء نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر کو جو خیر عطا کی ہے وہ ان کو مبارک ہو لیکن مجھے خوف ہے کہ لوگ اس خبر میں میری تصدیق نہیں کریں گے تو یا رسول اللہ! آپ منبر پر چڑھ کر لوگوں کو یہ خبر سنا دیجیے سو آپ منبر پر چڑھے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کے بعد فرمایا: اے لوگو! جعفر بن ابی طالب جبریل اور میکائیل کے ساتھ گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دو ہاتھوں کے بدلے میں ان کو دو پر عطا فرمائے جن کے ساتھ وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں انہوں نے مجھے سلام کیا اور یہ بتایا کہ ان کا معاملہ کس طرح ہوا جب ان کا مشرکوں سے مقابلہ ہوا تھا اس دن کے بعد سے مسلمانوں میں یہ مشہور ہو گیا اور ان کا نام جعفر طیار پڑ گیا کہ وہ جنت میں اڑنے والے ہیں۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۹۳۲ مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۱۵ھ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۹۲۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۶-۲۷۵)

شیخ اکبر قدس سرہ نے کہا کہ ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت اور رسالت عطا فرمائی اور آپ نے اسلام کی تبلیغ فرمائی اس طرح جب ولی کامل شریعت محمدیہ پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سینہ کو کھول دیتا ہے اور اس کے دل میں قرآن کے معانی اور اس کے اسرار کو القاء کرتا ہے اور اس کی زبان سے وہی بات جاری فرماتا ہے جو حق اور صواب ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس سے مخلوق کی ہدایت کا کام لیتا ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت عطا کیا گیا تھا۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۵۴ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

شیخ اکبر قدس سرہ کے اس کلام کا محمل یہ ہے کہ مسلمان کو جن احکام شرعیہ کا علم ہے جب وہ ان پر عمل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سینہ میں انوار معرفت ڈال دیتا ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ان احکام شرعیہ پر عمل کیا جن کا اس کو علم تھا تو اللہ اس کو ان علوم کا وارث کر دیتا ہے جن کو وہ نہیں جانتا۔

(حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۴۳۲۰ ج ۱۰ ص ۱۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۴۰۳ کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۶۵ رقم الحدیث: ۲۵۴۲)

جادوگروں کا اول المومنین ہونا

اس کے بعد فرمایا: کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

ان کے اول المومنین ہونے کی توجیہ یہ ہے کہ اس میدان میں جو لوگ حاضر ہوئے تھے ان میں وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جادوگروں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے یا فرعون کی رعایا میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے یا اس زمانہ کے لوگوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے۔ اور فی الواقع حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سب سے پہلے ایمان لانے والے وہی تھے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝٥٢ فَاَرْسَلَ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ میرے بندوں کو راتوں رات نکال کر لے جائیں کیونکہ آپ سب کا پیچھا کیا

فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝٥٣ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ

جائے گا ○ پھر فرعون نے جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دیا ○ کہ بے شک یہ جماعت (بنی اسرائیل) بہت

قَلِيْلُوْنَ ۝٥٤ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۝٥٥ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ۝٥٦

کم تعداد میں ہے ○ اور بے شک وہ ضرور ہم کو غضب میں لانے والے ہیں ○ اور بے شک ہم لوگ ان سے محتاط ہیں ○

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝٥٧ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝٥٨

سو ہم نے ان (فرعونیوں) کو (ان کے) باغات اور چشموں سے نکال باہر کیا ○ اور (ان کے) خزانوں اور عمدہ مسکنوں سے ○

كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝٥٩ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝٦٠

یہ واقعہ اسی طرح ہوا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنایا ○ سو دن کے روشن ہوتے ہی فرعونیوں نے ان کا پیچھا کیا ○

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝٦١ قَالَ

پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو اصحاب موسیٰ نے کہا ہم یقیناً پکڑ لیے گئے ○ موسیٰ نے کہا

كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ۝٦٢ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ

ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے جو یقیناً میری رہ نمائی فرمائے گا ○ تو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ

بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝٦٣ وَ

اپنا عصا سمندر پر ماریں' تو یکایک سمندر پھٹ گیا پس (اس کا) ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا ○ اور

اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝٦٤ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝٦٥

دوسروں کو اس جگہ ہم قریب لے آئے ○ اور موسیٰ کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو ہم نے نجات دے دی ○

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝٦٦ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا ○ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر

ع ۴ / ۱۴ / ۸

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾ ع

ایمان لانے والے نہ تھے O اور بے شک آپ کا رب ہی بہت غالب بہت رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ میرے بندوں کو راتوں رات نکال کر لے جائیں کیونکہ آپ سب کا پیچھا کیا جائے گا O پھر فرعون نے جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دیا O کہ بے شک یہ جماعت (بنی اسرائیل) بہت کم تعداد میں ہے O اور بے شک وہ ضرور ہم کو غضب میں لانے والے ہیں O اور بے شک ہم لوگ ان سے محتاط ہیں O سو ہم نے ان (فرعونیوں) کو (ان کے) باغات اور چشموں سے نکال باہر کیا O اور (ان کے) خزانوں اور عمدہ مسکنوں سے O

(الشعراء: ۵۸-۵۲)

بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی اور فرعون کا تعاقب

اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ جو لوگ اس کے بھیجے ہوئے نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے نبیوں کی تصدیق اور تعظیم کرتے ہیں' ان کو نجات عطا فرماتا ہے اور جو کافر اس کے رسولوں کی تکذیب اور توہین کرتے ہیں ان کو ہلاک کر دیتا ہے تو اس سنت الٰہیہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو نجات عطا فرمائی' اور اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کا بیان فرمایا ہے' اور الشعراء: ۵۲ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ راتوں رات میرے بندوں کو مصر سے نکال کر لے جائیں' اور بنی اسرائیل چونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو ماننے والے تھے اس لیے ان کو فرمایا ''میرے بندوں'' اور یہ بتایا کہ آپ سب کا پیچھا کیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو بحر قلزم (عرب اور افریقہ کا درمیانی سمندر) کی طرف نکال کر لے جائیں' وہاں آپ کے اوپر جو میرے احکام پہنچیں آپ ان پر عمل کریں' یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب آپ متعدد سال مصر میں فرعونیوں کے درمیان ٹھہر چکے تھے' اور ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کی مسلسل دعوت دیتے رہے تھے' اور ان کے سامنے معجزات پیش کرتے رہے تھے' لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ تکبر اور سرکشی سے آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرتے رہے' بنی اسرائیل نے اپنی کسی تقریب میں شرکت کے لیے قبطیوں سے زیورات عاریۃً لیے ہوئے تھے' نیز فرعونیوں نے اپنے کام کاج اور خدمت کے لیے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنایا ہوا تھا' اس لیے حضرت موسیٰ نے بتایا کہ جب ان کو پتا چلے گا کہ تم مصر سے جا رہے ہو تو وہ تمہارا تعاقب کریں گے۔

شرذمہ اور حذرون کے معنی

صبح کو جب فرعون اٹھا اور اس کو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل راتوں رات مصر سے نکل رہے ہیں تو اس نے ان کے تعاقب کا ارادہ کیا اور اس نے مختلف شہروں میں اپنے ہرکارے بھیجے کہ بنی اسرائیل ہاتھ سے جا رہے ہیں لہٰذا ان کو پکڑنے کی فوراً کوشش کی جائے' مفسرین نے لکھا ہے کہ بنو اسرائیل کی کل تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی اور فرعون کا لشکر دگنا تگنا یا اس سے بھی زائد تھا' کیونکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے متعلق کہا یہ شرذمہ قلیلہ ہے' یعنی بہت کم تعداد کی جماعت ہے' اس نے کہا ان کا بھاگنا ہمارے لیے سخت غیظ و غضب کا باعث ہے اس لیے ان کی سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں بہت محتاط اور مستعد ہونے کی ضرورت ہے۔ الشعراء: ۵۶ میں حذرون ہے' بعض قرأت میں حاذرون ہے' حذر کا معنی دشمن کے شر سے خائف اور خبردار رہنا' زجاج نے کہا اس کا معنی ہے مستعد اور بیدار دماغ' فراء نے کہا اس کا معنی ہے خوف کے سبب سے کسی چیز سے اجتناب

کرنا' پرہیز کرنا اور احتیاط کرنا' جیسے ذیابیطس کا مریض میٹھی اور نشاستہ دار چیزوں سے پرہیز کرتا ہے تاکہ شوگر نہ بڑھے اور ہائی بلڈ پریشر کا مریض فالج اور دماغ کی شریان پھٹنے کے خطرے سے نمک سے پرہیز کرتا ہے اور جس کا کلسٹرول بڑھا ہوا ہو وہ چکنائی سے پرہیز کرتا ہے' واضح رہے کہ چکنائی کی زیادتی سے کمر کا درد بھی زیادہ ہوتا ہے۔ غرض فرعون نے کہا ہم حٰذرون ہیں یعنی ہمیں احتیاط کرنی چاہیے اور مستعد رہنا چاہیے اور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ان کا پیچھا کرنا چاہیے۔ باغات سے مراد وہ درخت ہیں جو دریائے نیل کے دونوں کناروں پر اگے ہوئے تھے اور چشموں سے مراد دریائے نیل سے نکلنے والی نہریں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ واقعہ اسی طرح ہوا' اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنایاo سو دن کے روشن ہوتے ہی فرعونیوں نے ان کا پیچھا کیاo پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو اصحاب موسیٰ نے کہا ہم یقیناً پکڑ لیے گئےo موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے جو یقیناً میری رہنمائی فرمائے گاo (الشعراء: ۶۲-۵۹)

بنی اسرائیل کو کس سرزمین کا وارث بنایا گیا تھا؟

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو فرعونیوں کی کس چیز کا وارث بنایا تھا؟ بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا اس سے پہلے آیتوں میں ذکر ہے' یعنی باغات' چشمے' خزانے اور عمدہ رہائشی مکان' حسن بصری وغیرہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کرنے کے بعد بنو اسرائیل کو مصر میں آباد کر دیا' ایک قول یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے قبطیوں سے عاریتاً زیورات لیے تھے جن کو وہ مصر سے جاتے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے اس وراثت سے وہ زیورات مراد ہیں' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' قوم فرعون کو دی ہوئی نعمتوں کے وارث بنانے کا ذکر اس آیت میں بھی ہے۔

وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ. (الدخان: ۲۸) ہم نے ان کا وارث کسی دوسری قوم کو بنایا۔

سورۃ الدخان کی اس آیت میں ہر چند کہ قوم کا لفظ عام ہے لیکن جب سورۃ الشعراء میں بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی تصریح آ گئی ہے تو سورۃ الدخان میں قوم سے مراد بنی اسرائیل ہی ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

پہلی دو آیتوں کا معنی یہ ہے کہ دن چڑھنے کے بعد فرعون اور اس کی قوم نے بنو اسرائیل کا تعاقب کیا لیکن ہم نے ان کو سمندر میں غرق کر دیا اور بنو اسرائیل کو ان کے شہروں کا وارث کر دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۹۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

واضح رہے کہ فرعون کے شہروں سے مراد سرزمین مصر کے شہر ہیں سو علامہ قرطبی کی تفسیر کا معنی یہ ہوا کہ بنو اسرائیل کو مصر کے شہروں کا وارث بنا دیا لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے' کیونکہ خود قرآن مجید میں تصریح ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا' اور ان کے انکار کرنے کے بعد ان کو چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا' اس کے بعد وہ ارض مقدسہ میں داخل ہوئے' جہاں پر بیت المقدس ہے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بھی ارض مقدسہ میں ہی ہے' چنانچہ صحیح حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کو موت کے وقت ارض مقدسہ کے اتنا قریب کر دے جتنا ایک پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے' حضرت ابو ہریرہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو تم کو راستے کی ایک جانب سرخ ریت کے ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ کی قبر دکھاتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۸۹)

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اور حافظ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح

میں لکھتے ہیں:

ابن التین نے کہا ارض مقدسہ شام ہے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے قریب دفن ہونے کا سوال کیا تھا کیونکہ بیت المقدس ارض مقدسہ میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارض مقدسہ کے قریب دفن ہونے کی اس لیے دعا کی تھی کہ ان کا مطلوب ان انبیاء علیہم السلام کا قرب تھا جو بیت المقدس میں مدفون تھے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں داخل ہونے سے روک دیا تھا' اور ان کو چالیس سال تک میدان تیہ میں چھوڑ دیا' حتیٰ کہ ان کو موت نے فنا کر دیا۔ پس ارض مقدسہ میں حضرت یوشع کے ساتھ صرف ان کی اولاد داخل ہوسکی تھی اور ان لوگوں میں سے کوئی بھی ارض مقدسہ میں داخل نہیں ہوسکا تھا جنہوں نے پہلے ارض مقدسہ میں داخل ہونے سے انکار کیا تھا' اور ارض مقدسہ کے فتح ہونے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہوئے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے' اور چونکہ جبارین کا ارض مقدسہ پر غلبہ تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا موقع نہیں مل سکا' اس لیے انہوں نے چاہا کہ وہ ارض مقدسہ کے قرب میں مدفون ہو جائیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۵۶۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ' عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۴۹' ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر ۱۳۴۹ھ) اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ بنو اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد مصر میں نہیں گئے بلکہ چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکتے رہے۔ اس کے بعد ارض مقدسہ میں گئے جہاں بیت المقدس ہے اور وہ فلسطین میں ہے نہ کہ مصر میں' سو علامہ قرطبی اور بعض دیگر مفسرین کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون کے شہروں کا وارث کر دیا تھا' بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس آیت کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کے بعد فلسطین کا وارث کر دیا تھا۔

امام عبد الرزاق' امام عبد بن حمید' امام ابن المنذر' امام ابن عساکر اور امام ابن ابی حاتم نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو جس سرزمین کا وارث کیا تھا اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ (الاعراف: ۱۳۷)

اور جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں۔

اور جس سرزمین میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں وہ شام ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت دے! مسلمانوں نے کہا اور ہمارے نجد میں' آپ نے دعا کی اے اللہ ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت دے' مسلمانوں نے کہا اور ہمارے نجد میں' آپ نے فرمایا وہاں زلزلے آئیں گے اور فتنے نمودار ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۵۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۵۶۴۲)

امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ' امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سندوں کے ساتھ حسن بصری اور قتادہ سے روایت کیا ہے کہ الاعراف: ۱۳۷ میں جس سرزمین کا ذکر ہے اس سے مراد شام ہے۔

(تفسیر امام عبد الرزاق ج ۱ ص ۳۲۱' جامع البیان جز ۹ ص ۵۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۵۱)

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو سلام الاسود نے کہا شام میں برکت دگنی چوگنی ہوتی ہے۔

مکحول نے ایک شخص سے کہا تم شام میں کیوں نہیں رہتے وہاں برکت دگنی چوگنی ہوتی ہے۔

یحییٰ بن یحییٰ نے کہا مجھ سے عبید بن یعلیٰ نے کہا وہ بیت المقدس کے رہنے والے تھے وہ اس وقت عسقلان میں تھے اور فلسطین سے دمشق میں آ گئے تھے۔ انہوں نے کہا شام کی تمام برکتیں دمشق میں ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱ص ۱۸۵ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ جلال الدین السیوطی نے امام ابوالشیخ سے روایت کیا ہے کہ اس سرزمین سے مراد فلسطین ہے۔

(درمنثور ج ۳ص ۴۷۵ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

بہرحال ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ جس سرزمین کا بنواسرائیل کو وارث بنایا گیا وہ مصر نہیں ہے بلکہ وہ فلسطین ہے کیونکہ الاعراف: ۱۳۷ میں فرمایا ہم نے بنی اسرائیل کو اس زمین کا وارث بنایا ہے جس کے اردگرد برکتیں ہیں اور بنی اسرائیل: ۱ میں فرمایا ہے: مسجد اقصیٰ کے اردگرد برکتیں ہیں اور مسجد اقصیٰ ارض مقدسہ میں ہے اور وہ فلسطین میں ہے۔ ہم نے الاعراف: ۱۳۷ میں بھی اس سرزمین کے متعلق متعدد اقوال نقل کیے ہیں جس کا بنواسرائیل کو وارث بنایا گیا تھا لیکن ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ اس سرزمین سے مراد فلسطین ہے۔ فلسطین کبھی شام کا ایک صوبہ تھا لیکن آج کل یہ ایک الگ ملک ہے جس کا بیشتر حصہ اسرائیل کے تحت ہے اور کچھ اردن کا حصہ ہے اور مسجد اقصیٰ اسی حصہ میں بیت المقدس کے شہر میں ہے احادیث میں جو شام کو برکت والا شہر قرار دیا ہے وہ بنواسرائیل کو فلسطین کا وارث بنانے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ پہلے فلسطین شام ہی کا ایک صوبہ تھا۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

اس کے بعد فرمایا: موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے۔

حضرت موسیٰ نے از خود کہا میرے ساتھ میرا رب ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اللہ مع الذین اتقوا (الاعراف: ۱۲۹) بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو متقی ہیں۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سید المتقین ہیں سو اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ سب سے زیادہ ہے۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے پہلے اپنا ذکر کیا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ (الشعراء: ۶۲) اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ کا ذکر کیا پھر اپنا اور کہا: اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (التوبۃ: ۴۰) بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ان دونوں مقاموں میں کتنا فرق ہے حضرت موسیٰ کی نظر پہلے اپنی طرف ہے اور پھر اللہ کی طرف ہے اور آپ کی نظر پہلے اللہ کی طرف ہے پھر اپنی طرف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا سمندر پر ماریں تو یکایک سمندر پھٹ گیا پس (اس کا) ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا ○ اور دوسرے کو اس جگہ ہم قریب لے آئے ○ اور موسیٰ کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو ہم نے نجات دے دی ○ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا ○ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ○ اور بے شک آپ کا رب ہی بہت غالب اور بہت رحم فرمانے والا ہے ○ (الشعراء: ۶۸-۶۳)

سمندر پر عصا مارنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا مارا تو اس سے سمندر میں بارہ راستے بن گئے اور بلاشبہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عظیم معجزہ ہے امام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ سمندر پر پہنچے تو آپ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ سمندر میں اتر جائیں تو حضرت یوشع بن نون کے سوا

سب نے انکار کر دیا' انہوں نے اپنی سواری پر ضرب لگائی اور سمندر میں اتر گئے اور دوسرے پار پہنچ کر واپس آ گئے' بنو اسرائیل نے سمندر میں اترنے سے انکار کر دیا' پھر حضرت موسیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ پھٹ جائے اس نے کہا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا' تب آپ سے کہا گیا کہ آپ سمندر پر اپنا عصا ماریے' تب سمندر پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے' اور بنی اسرائیل کا ہر قبیلہ ایک راستے سے گزرنے لگا' ان بارہ راستوں کو ممتاز کرنے کے لیے ان کے درمیان دیواریں تھیں اور ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی مانند الگ تھا' تو بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا ہمیں اپنے قبیلہ والوں کا حال معلوم نہیں کہ آیا وہ زندہ ہیں یا مر گئے' تو اللہ تعالیٰ نے ان دیواروں کے درمیان کھڑکیاں اور روشن دان بنا دیئے' وہ سمندر پار کرتے ہوئے ان کھڑکیوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے' اور عطا ابن السائب سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل اور آل فرعون کے درمیان حضرت جبریل کھڑے ہوئے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ تمہاری پیچھے والی جماعت اگلی جماعت سے مل جائے' اور قبطیوں سے کہتے تھے کہ تم آ کر ان سے مل جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا مارا اور اس کے نتیجے میں جو اثرات ظاہر ہوئے اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حسب ذیل وجوہ سے معجزات ہیں:

(۱) لاٹھی مارنے سے سمندر کے پانی کا پھٹ جانا فی نفسہٖ معجزہ ہے۔

(۲) اس پانی کا متعدد اطراف سے خشک ہو کر پہاڑ کی طرح بلند ہو جانا اور بارہ دیواریں بن جانا بھی معجزہ ہے۔

(۳) بعض روایات میں ہے کہ جب فرعون حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کا تعاقب کر رہا تھا اور وہ ان کے قریب پہنچنے والا تھا تو اس زور کی آندھی آئی کہ مکمل اندھیرا چھا گیا اور راستہ کا پتا نہ چلنے کی وجہ سے اس کو رکنا پڑا اور اس وقفہ میں بنو اسرائیل بحر قلزم کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔

(۴) پانی کی خشک شدہ بارہ دیواروں میں اس طرح کھڑکیاں اور روشن دان بن جانا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں یہ بھی معجزہ ہے۔

(۵) پانی میں بنے ہوئے ان خشک راستوں کا اس وقت تک باقی رہنا کہ بنو اسرائیل سمندر کو عبور کر لیں اور جب فرعون اور اس کا لشکر ان راستوں پر پہنچا تو ان خشک راستوں کا مٹ کر پھر پانی بن جانا اور عین سمندر کے وسط میں فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہو جانا یہ الگ معجزہ ہے۔

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور دوسروں کو ہم قریب لے آئے یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کے قریب لے آئے' فرعون کا حضرت موسیٰ کو ہلاک کرنے کے لیے ان کا تعاقب کرنا کفر ہے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو ہم نے قریب کیا' سو آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف کفر کی نسبت ہو گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون اور اس کے لشکر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب پہنچنا اس کی ہلاکت اور سزا کا سبب تھا سو آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف کفر کی نسبت نہیں ہے بلکہ کفر کی سزا دینے کی نسبت ہے۔

فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والوں کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے۔ یعنی فرعون کی قوم میں سے کیونکہ فرعون کی قوم میں سے صرف چند افراد ایمان لائے تھے' ایک آل فرعون سے مومن تھا جس کا نام حزقیل تھا' دوسری اس کی بیٹی آسیہ تھی جو فرعون کی بیوی تھی اور تیسری مریم نام کی ایک بوڑھی عورت تھی جس نے حضرت یوسف

علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۱۲۷ مطبوعہ بیروت ۱۴۰۷ھ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۰۱)

حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مہمان نوازی کی اور اس سے فرمایا کہ اپنی کوئی حاجت بیان کرو' اس نے کہا مجھے سواری کے لیے اونٹنی چاہیے اور دودھ پینے کے لیے بکریاں چاہییں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو بنو اسرائیل کی بڑھیا سے بھی کم ہمت نکلا! آپ کے اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ بنی اسرائیل کی بڑھیا کا کیا قصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ نے اپنے ساتھ بنو اسرائیل کو لے جانے کا ارادہ کیا تو ان کو راستہ نہیں ملا۔ حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل سے پوچھا اس کا کیا سبب ہے؟ تو بنی اسرائیل کے علماء نے کہا جب یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم مصر سے اس وقت تک نہ نکلیں جب تک یوسف علیہ السلام کی نعش کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں' حضرت موسیٰ نے پوچھا تم میں سے حضرت یوسف کی قبر کا پتا کس کو معلوم ہے' بنی اسرائیل کے علماء نے کہا ان کی قبر کا پتا صرف بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا کو معلوم ہے' حضرت موسیٰ نے اس کو بلایا اور فرمایا تم حضرت یوسف کی قبر کی رہنمائی کرو۔ اس نے کہا میں اس وقت تک ان کی قبر کا پتا آپ کو نہیں بتاؤں گی جب تک کہ آپ میری فرمائش نہ پوری کریں' حضرت موسیٰ نے پوچھا تمہاری فرمائش کیا ہے؟ اس نے کہا میری فرمائش یہ ہے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ آپ کے درجہ میں رہوں۔ حضرت موسیٰ نے اس کی فرمائش کو ناپسند کیا۔ حتیٰ کہ آپ کو وحی سے بتایا گیا کہ اس کی فرمائش پوری کردیں' آپ نے اس کی فرمائش پوری کرنے کا وعدہ کرلیا' وہ ان کو سمندر کی ایک کھاڑی کی طرف لے گئی اور کہا اس جگہ سے پانی ہٹاؤ' وہاں سے پانی ہٹایا تو اس نے کہا اس جگہ کھدائی کرو۔ جب وہاں سے کھدائی کی تو حضرت یوسف کی نعش مل گئی اور جب انہوں نے حضرت یوسف کی نعش کو نکال لیا تو پھر گمشدہ راستہ ان پر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا۔

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۰۵-۴۰۴' طبع قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۲۳' طبع جدید' صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۵۰۱)

تبیان القرآن ج ۵ ص ۸۷۲-۸۷۰ میں اس مضمون کی دیگر احادیث متعدد حوالوں کے ساتھ ذکر کی ہیں' اور اس حدیث کے فوائد اور اس سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے' اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے' کیونکہ آپ نے کفار مکہ کو بہت معجزات دکھائے اور ان کے ایمان کی بہت کوشش کی اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے' اس وجہ سے آپ کو بہت رنج اور قلق ہوتا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بتایا کہ یہ آپ کے ساتھ کوئی نیا معاملہ نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو بہت معجزات دکھائے وہ ایسے معجزات تھے جن سے عقل بہت حیران اور مبہوت ہو جاتی ہے اس کے باوجود فرعون کی قوم سے صرف تین نفر ایمان لائے اور اکثر ایمان نہیں لائے سو اگر آپ پر بھی کفار مکہ ایمان نہیں لاتے تو آپ اس پر زیادہ ملول خاطر نہ ہوں۔

حضرت موسیٰ فرعون اور بنی اسرائیل کا مفصل قصہ الاعراف: ۱۴۵-۱۰۳ میں بیان کیا گیا ہے اور وہاں ہم نے اس کی سیر حاصل تفسیر کی ہے۔ سو ان آیات کی تفسیر میں سورۃ الاعراف کی ان آیتوں کی تفسیر کو بھی پڑھ لیا جائے۔

وقف لازم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا

اور ان کے سامنے ابراہیم کی خبر (بھی) پڑھیے O جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اس کی قوم سے کہا تم کس

تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾

کی عبادت کرتے ہو؟ O انہوں نے کہا ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لیے جم کر بیٹھے رہتے ہیں O

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ

ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ O یا وہ تمہیں نفع اور نقصان بھی

يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ

پہنچاتے ہیں O انہوں نے کہا (نہیں!) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا O ابراہیم نے کہا

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾

اچھا یہ بتاؤ کہ تم کن کی عبادت کرتے رہے تھے؟ O تم اور تمہارے باپ دادا؟ O

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ

بے شک وہ (سب) میرے دشمن ہیں (کوئی برحق معبود نہیں) سوا رب العٰلمین کے O جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی

يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ

مجھے ہدایت دیتا ہے O اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے O اور جب میں بیمار پڑتا ہوں

فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْۤ اَطْمَعُ

تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے O وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ فرمائے گا O اور جس سے مجھے امید ہے کہ

اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا

وہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرما دے گا O اے میرے رب! مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما

وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملا دے O اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ O

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے ○ اور میرے (عرفی) باپ کو بخش دے بے شک وہ

الضَّآلِّيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ

گمراہوں میں سے تھا○ اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا○ جس دن نہ مال نفع دے گا

وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ

اور نہ اولاد ○ سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا ○ اور متقین کے لیے جنت

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا

قریب کر دی جائے گی○ اور گمراہوں کے لیے دوزخ کو ظاہر کیا جائے گا○ اور ان سے کہا جائے گا وہ کہاں ہیں

كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ

جن کی تم عبادت کرتے تھے؟○ اللہ کو چھوڑ کر' کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں

يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ

یا وہ تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں؟○ پھر وہ اور تمام گمراہ لوگ دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیے جائیں گے○ اور ابلیس کا سارا

اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ

لشکر بھی○ وہ دوزخ میں (ایک دوسرے سے) لڑتے ہوئے کہیں گے○ اللہ کی قسم! بے شک ہم ضرور کھلی ہوئی گمراہی

مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾

میں تھے○ جب کہ (اے بتو) ہم تم کو رب العلمین کے مساوی قرار دیتے تھے○ اور ہمیں صرف مجرموں نے گمراہ کر دیا○

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً

سو ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے ○ اور نہ کوئی سچا دوست ○ اگر کاش ہمیں دنیا میں دوبارہ

فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

لوٹنا ہوتا تو ہم پکے مومن بن جاتے ○ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر

مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

ایمان لانے والے نہ تھے O بے شک آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب' بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے سامنے ابراہیم کی خبر بھی پڑھیے O جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اس کی قوم سے کہا تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ O انہوں نے کہا ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لیے جم کر بیٹھے رہتے ہیں O ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ O یا وہ تمہیں نفع اور نقصان پہنچاتے ہیں O انہوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا O ابراہیم نے کہا اچھا یہ بتاؤ! تم کن کی عبادت کرتے ہو؟ O تم اور تمہارے باپ دادا O بے شک وہ سب میرے دشمن ہیں' (کوئی برحق معبود نہیں) سوا رب العالمین کے O

(الشعراء: ۷۷-۶۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

اس سورت میں جو انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کیے گئے ہیں ان میں سے یہ دوسرا قصہ ہے جس میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے اور ان واقعات کا جو انہیں اپنی قوم کو تبلیغ کرنے کے سلسلے میں پیش آئے۔

اس سورت کی ابتداء میں یہ ذکر فرمایا تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ میں بے انتہا کوشش کرنے کے باوجود کفار مکہ کے ایمان نہ لانے سے بے حد رنج اور صدمہ ہوتا تھا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ O لگتا ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں آپ اپنی جان دے دیں گے۔ (الشعراء: ۳)

تو اس سورت میں آپ کی تسلی دینے کے لیے پہلے حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئی سالوں تک فرعون کو تبلیغ کی اور بڑے بڑے معجزات دکھائے' اس کے باوجود فرعون کی قوم سے صرف تین نفر مسلمان ہوئے' تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہو کہ آپ کے ساتھ جو سانحہ پیش آیا ہے وہ کوئی نیا نہیں ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس صدمہ سے دوچار ہو چکے ہیں' پھر آپ کی مزید تسلی کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا کہ تبلیغ دین کے خاطر خواہ اثرات مرتب نہ ہونے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ان حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ انہوں نے اپنے عرفی باپ آزر کو اور اپنی قوم کو بتوں کی عبادت کرنے پر دوزخ کے عذاب سے ڈرایا لیکن ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائے' ان آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان ہی تبلیغی کاوشوں کا بیان فرمایا ہے۔ الشعراء: ۶۹ میں فرمایا: اور ان کے سامنے ابراہیم کی خبر بھی تلاوت کیجیے: تلاوت کا معنی ہے ایک کے بعد دوسرے جملے کو پے بہ پے پڑھنا' اور قرأت کا معنی ہے مطلقاً پڑھنا۔

قوم کا معنی اور مصداق

الشعراء: ۷۰ میں فرمایا: جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اس کی قوم سے کہا تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ عرفی باپ سے مراد آزر ہیں' یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے اور عرب کے عرف میں چچا پر بھی باپ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا جیسا کہ ہم الانعام: ۷۴ میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں' دیکھیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۳۵۹-۳۵۴)

قوم کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: قوم اصل میں صرف مردوں کی جماعت کو

کہتے ہیں جس میں عورتیں نہ ہوں' قرآن مجید میں جب عموماً قوم کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے مردوں اور عورتوں دونوں کا
ارادہ کیا جاتا ہے اور قوم کی حقیقت صرف مردوں کے لیے ہے قرآن مجید میں ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ. (النساء:۳۴) مرد عورتوں پر قوام (حاکم یا منتظم) ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۴۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

قوم کا لفظ صرف مردوں کے لیے ہے اس کا ثبوت اس آیت میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ. (الحجرات:۱۱)

اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے' ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں' اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

اس آیت میں قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہے کہ اس آیت میں قوم سے مراد مرد ہیں۔ لیکن قرآن مجید میں بالعموم قوم کا لفظ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے آیا ہے جیسے ہر نبی نے کہا یا قوم اس سے مردوں اور عورتوں کی جماعت مراد ہے' قوم کا لفظ اسم جمع ہے اس کے لیے مذکر اور مونث دونوں قسم کے صیغے لائے جاتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ (الانعام:۶۶) اور كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ﹰالْمُرْسَلِیْنَ (الشعراء:۱۰۵) اس کی جمع اقوام آتی ہے۔

امام ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

لفظ قوم' قام کا مصدر ہے' پھر اس کا غالب اطلاق مردوں پر ہے نہ کہ عورتوں پر' حدیث میں ہے:

ان نسانی الشیطان شیئا من صلوتی فلیسبح القوم ولیصفق النساء.

اگر شیطان مجھے نماز میں سے کچھ بھلا دے تو قوم کو سبحان اللہ کہنا چاہیے اور عورتوں کو تالی بجانا چاہیے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۹۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۵۴۱)

اس حدیث میں قوم سے مراد مرد ہیں کیونکہ قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے کہ مرد عورتوں کے قوام ہیں' کیونکہ عورتوں کے معاملات کا مرد انتظام کرتے ہیں' عورتیں انتظام نہیں کرتیں۔

علامہ محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

قوم کا معنی ہے مردوں اور عورتوں دونوں کی جماعت' کیونکہ ہر آدمی کی قوم اس کا گروہ اور اس کا خاندان ہے یا یہ لفظ مردوں کے ساتھ خاص ہے اور عورتوں کو شامل نہیں ہے کیونکہ الحجرات:۱۱ میں قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر ہے' اسی طرح سنن ابوداؤد: ۹۴۱ میں بھی قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر ہے' اگر قوم کا لفظ عورتوں کو بھی شامل ہوتا تو پھر قوم کو ذکر کرنے کے بعد عورتوں کو الگ سے ذکر نہ کیا جاتا' ابوالعباس سے مروی ہے النفر' القوم اور الرهط' یہ سب اسم جمع ہیں اور اسی لفظ سے ان کا واحد نہیں آتا' اور بسا اوقات اس کے معنی میں تبعاً عورتیں بھی داخل ہو جاتی ہیں' (جوہری) کیونکہ ہر نبی کی قوم مرد اور عورتیں دونوں ہیں۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۳۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اُردو کی لغت میں قوم کا معنی اس طرح لکھا ہے: آدمیوں کا گروہ' فرقہ' خاندان' نسل' ذات

(فیروز اللغات ص ۹۶۵ فیروز سنز لاہور)

ہماری تحقیق یہ ہے کہ قوم کا معنی ہر نبی کی امت دعوت ہے' یعنی جن لوگوں کی طرف سے کسی نبی کو مبعوث کیا گیا کیونکہ نبی نے اپنی امت کو یا قوم کہہ کر خطاب کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ (البقرہ:۵۴)

اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط (الاعراف:۵۹)

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ط قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط. (الاعراف:۶۵)

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہود کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو' تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا م قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط. (الاعراف:۷۳)

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ o (الاعراف:۸۰)

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ط قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط. (الاعراف:۸۵)

اور ہم نے قوم مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ان آیات سے واضح ہوگیا کہ قرآن مجید نے ہر نبی کی امت کو اس کی قوم فرمایا ہے' سو تمام یہودی ایک قوم ہیں' تمام عیسائی ایک قوم ہیں اور تمام مسلمان ایک قوم ہیں' ان میں سید' مغل اور پٹھان الگ الگ قومیں نہیں ہیں بلکہ تمام مسلمان ایک قوم ہیں' اسی طرح تمام کلمہ گو اور تمام اہل اسلام ایک قوم ہیں' ان میں تفریق کرنا' لغت اور اطلاقات قرآن کے اعتبار سے درست نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت ایک قوم ہے۔

شیخ حسین احمد مدنی متوفی ۱۹۵۷ء اور علامہ محمد اقبال متوفی ۱۹۳۸ء کے درمیان یہ بحث تھی کہ قوم وطن سے بنتی ہے یا قوم دین سے بنتی ہے' شیخ حسین احمد مدنی یہ کہتے تھے کہ قوم وطن سے بنتی ہے اور ایک ملک میں رہنے والے ایک قوم ہیں لہٰذا ہندو اور مسلمان چونکہ ایک ملک میں رہتے ہیں اس لیے وہ سب ایک قوم ہیں لہٰذا انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ملک کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے۔ تمام کانگریسی اور نیشنلسٹ علماء کا یہی موقف تھا یہ لوگ پاکستان کا مطالبہ کرنے کے خلاف تھے اور علامہ محمد اقبال کا نظریہ یہ تھا کہ قوم دین سے بنتی ہے اگر قوم وطن سے بنتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہ کرتے۔ آپ نے دین اسلام کی خاطر اپنا وطن چھوڑ دیا۔ اور جب قوم دین سے بنتی ہے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کا دین الگ الگ ہے لہٰذا یہ ایک قوم نہیں بلکہ الگ الگ قومیں ہیں۔ علامہ اقبال کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں

(بانگ درا ص ۱۲۹' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور' ۱۹۹۸ء)

ان کی یہ رباعی بھی بہت مشہور ہے:

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است
بہ مصطفیٰ بہ خویش رساں کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

(ارمغان حجاز حصہ اُردو ص ۴۹' کلیات اقبال ص ۳۳۶)

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

عجم کو ابھی تک دین کے اسرار کا پتا نہیں چل سکا
ورنہ دیوبند سے حسین احمد کا ظاہر ہونا کس قدر تعجب انگیز ہے
وہ بر سر منبر یہ کہتے ہیں کہ قوم وطن سے بنتی ہے
وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے کس قدر بے خبر ہیں
اپنے آپ کو مصطفیٰ تک پہنچاؤ کہ وہی سراپا دین ہیں
اور اگر تم ان تک نہ پہنچ سکو تو یہ سراسر بولہبی ہے

صنم کا معنی

الشعراء: ۷۱ میں ہے: انہوں نے کہا ہم اصنام کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لیے دن بھر معتکف رہتے ہیں۔
اصنام' صنم کی جمع ہے' صنم کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:
صنم اس مجسمہ کو کہتے ہیں جو چاندی یا پیتل یا لکڑی سے بنایا گیا ہو۔ کفار اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی عبادت کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ (الانعام: ۷۴)
اور جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟

بعض حکماء نے کہا ہر وہ چیز جس کی اللہ کو چھوڑ کر پرستش کی جائے وہ صنم ہے' بلکہ ہر وہ چیز جس کی مشغولیت اللہ سے غافل کردے وہ صنم ہے' اس معنی پر یہ آیت محمول ہے:

وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؕ (ابراہیم: ۳۵)
مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے دور رکھ۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جس قدر قوی معرفت تھی اور آپ اللہ کی حکمتوں پر جتنا مطلع تھے' اس کے پیش نظر یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ کو یہ خطرہ ہوتا کہ آپ ان بتوں کی عبادت کریں گے جن کی آپ کی قوم

عبادت کرتی تھی' پس گویا کہ آپ نے یہ دعا کی کہ مجھے ان چیزوں میں مشغول ہونے سے باز رکھ جو مجھے تجھ سے غافل کر دیں۔
(المفردات ج ۲ ص ۶۷۳' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

انہوں نے کہا ہم دن بھر ان کے لیے معتکف رہتے ہیں۔

العکوف کا معنی ہے کسی چیز کی تعظیم کی نیت سے اس کی طرف متوجہ ہونا اور اس کے پاس لازم رہنا' اور شریعت میں اعتکاف کا معنی ہے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے اپنے آپ کو مسجد میں ٹھہرا لینا' کفار بتوں کی تعظیم کے لیے بتوں کے پاس جم کر بیٹھ جاتے تھے۔

نظل' ظل سے بنا ہے' اس کا معنی ہے دن بھر کسی کام میں مصروف رہنا' وہ جو بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ دن کے ساتھ خاص نہیں تھی بلکہ وہ دن رات ان کی عبادت میں مشغول رہتے تھے اس لیے اس کا معنی ہے ہم ہمیشہ ان کے پاس ٹھہرے اور جمے رہتے ہیں' جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم کس کی عبادت کرتے ہو تو انہوں نے بڑے فخر سے بتایا کہ ہم بتوں کی عبادت پر جمے رہتے ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ کے بطن سے غار میں پیدا ہوئے تھے' جب وہ بڑے ہوئے تو غار سے نکلے اور شہر میں داخل ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ یہ جان سکیں کہ شہر والے کس دین پر ہیں۔ اسی طرح عقل مند لوگوں کو چاہیے کہ جب وہ کسی نئے شہر میں داخل ہوں تو وہاں کے لوگوں کا مذہب معلوم کریں' اگر ان کا مذہب صحیح ہو تو ان کی موافقت کریں اور اگر ان کا مذہب باطل ہو تو ان کا رد کریں' جب حضرت ابراہیم نے شہر والوں سے پوچھا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لیے دن بھر معتکف رہتے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم نے ان کا رد کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا: (روح البیان ج ۶ ص ۳۶۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بتوں کی عبادت کا رد فرمانا

الشعراء: ۷۳-۷۲ میں فرمایا: ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا وہ تمہیں نفع اور نقصان بھی پہنچاتے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جو شخص اپنے غیر کی عبادت کرتا ہے اس کا غالب حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات اور حاجات کا اپنے معبود سے سوال کرتا ہے تاکہ اس کا معبود جب اس کے سوال کو سنے تو جان لے کہ اس کی کیا ضروریات ہیں پھر اس کو نفع پہنچائے یا اس سے ضرر کو دور کرے' اور جب حال یہ ہے کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے اور نہ ان کو تمہاری ضروریات اور حاجات کا علم ہوتا ہے پھر وہ کیسے تمہاری حاجت روائی کریں گے یا تم کو نفع پہنچائیں گے یا کس طرح تم سے ضرر کو دور کر سکیں گے' اور جب وہ تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں تو تم سے ضرر اور نقصان کو دور کر سکتے ہیں تو پھر ایسے گونگے' بہرے اور کسی کام نہ آسکنے والے پتھر کے بے جان مجسموں کی عبادت کو تم کس وجہ سے جائز قرار دیتے ہو۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ قوی دلیل قائم کی تو ان کے عرفی باپ اور ان کی قوم سے کوئی بات نہ بن سکی جس سے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت کا توڑ کر سکتے اور بتوں کی عبادت پر ان کے اعتراض کو دور کر سکتے تب انہوں نے یہ کہا:

فرمایا: انہوں نے کہا (نہیں!) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے ○ ابراہیم نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ تم کن کی عبادت کرتے رہے تھے؟ ○ تم اور تمہارے باپ دادا؟ ○ بے شک وہ (سب) میرے دشمن ہیں۔ کوئی برحق معبود

نہیں سوا رب العالمین کے!○ (الشعراء: ۷۷-۷۴)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے پاس بتوں کی عبادت کرنے پر سوائے اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کے اور کوئی سند نہیں تھی' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دلائل کے مقابلہ میں محض تقلید سودمند نہیں ہے اور تقلید کرنا باطل ہے مگر عقائد میں تقلید کرنا ممنوع ہے اور مسائل شرعیہ فرعیہ میں تقلید کرنا جائز ہے' اور عوام جو خود براہ راست کتاب وسنت سے مسائل اخذ نہیں کر سکتے ان پر علماء اور اہل فتویٰ کی تقلید کرنا واجب ہے۔

بتوں کو دشمن فرمانے کی توجیہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو دشمن فرمایا حالانکہ دشمن ہونا تو کسی جاندار اور صاحب عقل کی صفت ہے جو کسی کا کچھ بگاڑ سکے کسی کو ضرر اور نقصان پہنچا سکے۔ بے جان پتھر کسی کا کیا بگاڑ سکتے ہیں اور کسی کو کیا ضرر پہنچا سکتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ○ (مریم: ۸۲)

ہرگز نہیں! (بت کافروں کے لیے ہرگز باعث عزت نہیں ہوں گے) وہ عنقریب کفار کی عبادت کرنے کا انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف اور دشمن ہو جائیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ کفار دنیا میں جن بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو زندہ کر دے گا حتیٰ کہ وہ کفار کو اس کی عبادت کرنے پر ڈانٹیں گے اور ان کی عبادت سے اپنی برأت اور بیزاری کا اظہار کریں گے اس اعتبار سے یہ بت آخرت میں کفار کے دشمن بن جائیں گے۔ اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر دشمن کا اطلاق فرمایا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جب کفار نے ان بتوں کی تعظیم اور ان کی عبادت کی اور ان سے نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے کی امید رکھی تو کفار نے اپنے اعتقاد میں ان کو زندہ اور عقل والا قرار دے دیا اور جب واقع میں ان بتوں نے کفار کو دنیا میں نفع پہنچایا نہ آخرت میں' اور دنیا میں ان سے ضرر دور کیا نہ آخرت میں تو انجام کار وہ بت کفار کے دشمن ثابت ہوئے کہ کفار کی اتنی تعظیم اور عبادت کے باوجود دنیا اور آخرت میں ان کے کسی کام نہ آسکے۔

بتوں کو کفار کا دشمن کہنے کے بجائے اپنا دشمن کہنے کی توجیہ

ایک اور اعتراض اس مقام پر یہ ہوتا ہے کہ کلام کے سیاق وسباق سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہ ظاہر یہ کہنا چاہیے تھا کہ وہ بت ان کفار کے یا اپنی عبادت کرنے والوں کے دشمن ہیں حالانکہ انہوں نے یہ کہا کہ وہ میرے دشمن ہیں۔ اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تعریضاً کہا ہے یعنی حقیقت میں وہ کفار کے دشمن تھے لیکن فرمایا کہ وہ میرے دشمن ہیں تعریض اس کو کہتے ہیں کہ صراحۃً ایک شخص کی طرف اسناد کیا جائے اور اشارہ دوسرے کی طرف ہو۔

اس کا مفصل جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو کفار کی جگہ پر رکھ کر غور کیا کہ اگر میں بہ فرض محال ان بتوں کی عبادت کرتا اور وہ دنیا اور آخرت میں مجھے نقصان پہنچاتے تو میں ان کو اپنا دشمن قرار دیتا اور ان کی عبادت کرنے سے اجتناب کر لیتا اور اس کی عبادت کرتا جو مجھے دنیا اور آخرت میں نفع پہنچاتا اور ضرر سے بچاتا اور وہ صرف رب العالمین ہے' تو میں ان کو وہ نصیحت کرتا جو نصیحت میں اپنے نفس کے ساتھ کرتا سو اگر وہ غور کریں گے تو انہیں یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت ابراہیم ان کو وہ نصیحت کر رہے ہیں جو نصیحت وہ اپنے آپ کو کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے O اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے O اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے O وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ فرمائے گا O اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (ظاہری) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرما دے گا O اے میرے رب! مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملا دے O اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ O اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے O اور میرے (عرفی) باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا O اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کریں O جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد O سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا O (الشعراء: ۸۹-۷۸)

پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر کرنا پھر اس کی پرورش کی نعمت کا ذکر کرنا

اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معبودان باطلہ سے اپنے نفس کو مستثنیٰ فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی وہ صفات بیان فرمائی تھیں جن کی وجہ سے وہ عبادت کا مستحق ہے' اور یہ بتایا تھا کہ بت نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ نفع اور ضرر پہنچانے کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے' سو ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان مطالب اور ان مقاصد کا ذکر فرمایا جن کا حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ سے سوال فرمایا تھا' ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنی چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے ہدایت دیتا ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر کیا پھر اس کے بعد ہدایت دینے کی نعمت کا ذکر کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے موافق ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى O (الاعلیٰ: ۳-۱)

اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجیے جو سب سے بلند ہے O جس نے پیدا کیا پھر درست کیا O اور جس نے اندازہ مقرر فرمایا پھر ہدایت دی۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ پہلے انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا پھر ہدایت دی' اس اسلوب پر حضرت ابراہیم نے پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا پھر اس کے ہدایت دینے کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام تمام دنیاوی اور دینی نعمتوں اور منافع کو شامل ہے۔ خلق کرنے میں دنیا کی تمام نعمتوں کا ذکر آ گیا اور ہدایت دینے میں دین کی تمام نعمتوں کا ذکر آ گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیدا کرنے کی صفت کا صیغہ ماضی سے ذکر کیا اور ہدایت دینے کی صفت کا مضارع کے صیغہ سے ذکر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ماضی میں دفعۃً واحدۃً پیدا کر دیا اور اس کو دنیا اور دین کی بھلائیوں اور نیکیوں کی طرف ہر لحظہ اور ہر لمحہ ہدایت دے رہا ہے اور مستقبل میں دیتا رہے گا۔

کھلانے پلانے کی نعمت میں لپٹی ہوئی بے شمار نعمتیں

اس کے بعد فرمایا: اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے (الشعراء: ۷۹) اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے بعد حضرت ابراہیم نے اس کی پرورش کی نعمت کا ذکر کیا' کھلانے اور پلانے کی نعمت کے دامن میں وہ تمام نعمتیں لپٹی اور سمٹی ہوئی ہیں جن پر کھانا اور پینا موقوف ہے مثلاً وہ طعام اور مشروب کا مالک ہوگا تو کھائے اور پیے گا' اگر وہ طعام اور مشروب کا مالک ہو لیکن کوئی دشمن اس کو

کھانے پینے نہ دے تو وہ کھا پی نہیں سکتا' طعام کا مالک بھی ہو' کوئی منع کرنے والا بھی نہ ہو لیکن کسی مرض کی وجہ سے کھا نہ سکے مثلاً اس کے منہ میں زخم ہوں' یا اس کے منہ میں کینسر ہوں تو وہ کھا پی نہیں سکتا' سو اس کی کتنی بڑی نعمت ہے اس نے کھانے کے لیے زمین میں اناج اور پھل پیدا کیے' آسمان سے پانی نازل کیا' زمین میں روئیدگی کی صلاحیت رکھی' سورج کی حرارت سے اناج اور پھلوں کو پکایا' ہواؤں سے دانے اور بھوسے کو الگ کیا' پھر رزق کے حصول کے لیے انسان کو صحت اور قوت کے اسباب فراہم کیے' کھانے پینے کے وقت کسی مانع سے محفوظ رکھا' کھانے پینے کے لیے منہ کو مرض سے محفوظ رکھا اس غذا کو ہضم کرنے کے لیے اور اس کو جسم کا جزو بنانے کے لیے' معدہ' جگر' آنتوں اور دیگر اندرونی اعضاء کو امراض سے سلامت رکھا' صحیح وسالم ہاتھ بنائے کہ نوالہ ہاتھوں سے منہ تک لے جاسکے' اگر وہ ٹنڈا ہوتا' اس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوتے تو وہ کیسے کھاتا اور پیتا اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے' پھر اس نے کھانے اور پینے کے لیے اناج اور پھلوں کی متعدد اجناس پیدا کیں گندم' جو اور مکئی ہے' چنا ہے' چاول ہے اور مختلف اقسام کے پھل ہیں اگر کسی کے مزاج اور صحت کے گندم موافق نہیں تو وہ جو اور مکئی کھالے وہ بھی موافق نہیں تو وہ بیسن کی روٹی کھالے' وہ بھی راس نہیں آتا تو چاول کھالے اور جس کو اناج کی کوئی قسم موافق نہیں آتی وہ پھل کھالے' گوشت کھانے کے لیے طرح طرح کے حیوانات پیدا کیے' غریب آدمی مرغ اور بکری کا گوشت نہیں کھاسکتا وہ گائے کا گوشت کھالے جس کو گائے کا گوشت نقصان دیتا ہو وہ بکری کا گوشت کھالے' مرغ کھالے' مچھلی کھالے' سبزیاں کھالے' دالیں کھالے' اس نے امیر اور غریب ہر طبقہ کے لیے' صحت اور مرض کے اعتبار سے ہر قسم کے انسانوں کے لیے غذا کی اجناس فراہم کیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے بعد اس کی پرورش کرنے کی اس عظیم اور ہمہ گیر نعمت کا ذکر فرمایا: اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور پینے کے اسرار

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کے کھلانے اور پلانے کا ذکر کیا ہے فرمایا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وصال کے روزے (سحر وافطار کے بغیر مسلسل روزے) نہ رکھو' صحابہ نے کہا آپ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں! آپ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں' بے شک میں کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں' یا فرمایا میں اپنے رب کے پاس رات کو ہوتا ہوں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۷۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۷۷۰' عالم الکتب' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۷۱۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۵۷۴)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ نے فرمایا: میں تمہاری مثل نہیں ہوں بے شک مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۲۶۶)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جس کھانے اور پینے کا ذکر ہے اس کی تشریح میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حسی کھانا ہے جو منہ سے کھایا جاتا ہے' دنیاوی کھانے کے اعتبار سے آپ نے وصال کے روزے رکھے تھے اور یہ کھانا آپ کو جنت سے لا کر کھلایا اور پلایا جاتا تھا' اور اس کی تشریح میں دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو معرفت کی غذا کھلاتا تھا اور آپ کے قلب پر دعا اور مناجات' خضوع' خشوع اور سوز و گداز کی لذت کا فیضان کرتا تھا اور آپ کی آنکھوں کو اپنے قرب کی ٹھنڈک عطا کرتا تھا اور اپنی محبت کی راحت عطا کرتا تھا اور اپنے روح پرور جمال سے آپ کی روح کو شادکام اور نفس کو تازگی عطا فرماتا تھا۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے کے محتاج نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ وصال کے روزے رکھنے اور مسلسل کھانے پینے کو ترک کرنے کی وجہ سے آپ کی جسمانی حالت میں کوئی ضعف اور تغیر رونما نہیں ہوا۔ آپ بہ ظاہر صرف اس لیے کھاتے پیتے تھے کہ آپ کی ضعیف امت کے لیے کھانا پینا سنت ہو جائے اور ان کو کھانے پینے کے آداب اور طریقہ کا علم ہو جائے اور جن چیزوں کو آپ کھانے پینے کے لیے اختیار کریں ان چیزوں کا کھانا پینا کار ثواب ہو جائے اور ان چیزوں کا دوسری چیزوں پر مرتبہ بڑھ جائے۔

بعض روایات میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے تو یہ بھوک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ یہ اس لیے تھا کہ آپ کمال لطافت کی وجہ سے عالم ملکوت سے واصل نہ ہو جائیں' بلکہ آپ مخلوق کی رشد و ہدایت اور لوگوں کی رہنمائی کے لیے اسی عالم ناسوت میں برقرار رہیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی امت کی تعلیم مقصود ہو کہ اگر ان کو کچھ کھانے پینے کے لیے نہ ملے اور بھوک کی شدت ہو تو وہ پیٹ پر پتھر باندھ لیں' اور جس طرح کھانا پینا ان کے لیے سنت ہے اور آپ نے انہیں کھانے پینے کے آداب بتائے اسی طرح بھوکا رہنا بھی ان کے لیے سنت ہو جائے اور اس کے آداب بھی انہیں معلوم ہو جائیں۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے کپڑا اٹھا کر اپنے پیٹوں پر باندھے ہوئے پتھر دکھائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو پتھر دکھائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۱' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱' تہذیب الکمال ج ۱۲ ص ۱۷۱)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

شیخ آفندی قدس سرہ نے کہا ہے کہ آپ کی امت کے بعض افراد سے منقول ہے کہ وہ کئی کئی سال بغیر کھائے پیے گزار دیتے تھے کیونکہ ان کو عالم قدس سے واصل ہونے کی شدید قوت تھی اور وہ بشری حجابات سے مجرد ہو چکے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ان سے بہت اولیٰ اور اقویٰ ہیں۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۶۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

عام لوگوں کی بیماری کے اسباب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (ابراہیم نے کہا) اور جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔ (الشعراء: ۸۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور جب میں بیمار ہوتا ہوں' یہ نہیں کہا جب وہ مجھے بیمار کرتا ہے' کیونکہ صحت اس وقت قائم رہتی ہے جب جسم کی تمام اخلاط اعتدال پر رہیں اور جب بعض اخلاط بعض پر غالب ہو جائیں یا کھانے پینے میں بے اعتدالی کی وجہ سے ان میں تنافر اور تعفن پیدا ہو جائے تو انسان میں مرض پیدا ہو جاتا ہے' مثلاً زیادہ میٹھی اور نشاستہ دار چیزوں کے کھانے' آرام طلبی اور جفاکشی نہ کرنے کی وجہ سے شوگر ہو جاتی ہے۔ بسیار خوری کی وجہ سے بدہضمی اور معدہ کا ضعف ہو جاتا ہے اور معدہ کے منہ پر ورم آ جاتا ہے' زیادہ تیزابی' ترش اور مرچیں اور مصالحہ دار چٹ پٹی اشیاء کھانے کی وجہ سے معدہ کا السر ہو جاتا ہے۔ تمباکو کھانے اور سگریٹ نوشی کی وجہ سے عموماً گلا خراب ہو جاتا ہے' کھانسی ہو جاتی ہے' خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں اور ہائی بلڈ پریشر ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں فالج ہو جاتا ہے اور بعض اوقات دماغ کی رگ پھٹ جاتی ہے' زیادہ سگریٹ نوشی (چین سموکنگ) سے جگر کا سائز کم ہو جاتا ہے اور سروس ہو جاتا ہے' اور مرغن اشیاء زیادہ کھانے' تن آسانی اور محنت کے کام نہ کرنے کی وجہ سے انسان عارضہ قلب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کولیسٹرول بڑھنے کی وجہ سے کمر کا درد ہو جاتا ہے' اور زیادہ گوشت کھانے کی وجہ سے آخر عمر میں پروسٹیٹ گلینڈ کا حجم زیادہ ہو جاتا ہے اور پیشاب کرنے میں تکلیف ہوتی ہے' اور زیادہ گرم اشیاء اور انڈے اور چاول زیادہ مقدار میں کھانے کی وجہ سے گردوں کا درد ہو جاتا ہے اور پتھری ہو جاتی ہے۔ ٹماٹر

کے بیج اور پالک زیادہ کھانے کی وجہ سے پتے میں پتھری ہو جاتی ہے' جنسی بے اعتدالی اور بے راہ روی کے نتیجہ میں آتشک سوزاک ایسے امراض ہو جاتے ہیں۔ ہم جنس پرستی سے ایڈز کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ شراب نوشی کی کثرت سے کینسر ہو جاتا ہے' اوران اخلاق سوز حرکات کی وجہ سے آدمی کا سکون غارت ہو جاتا ہے' راتوں کو نیند نہیں آتی' جس کے نتیجہ میں پہلے انسومنیا پھر مالیخولیا ہو جاتا ہے پھر لوگوں کو سکون بخش اور خواب آور گولیاں لینی پڑتی ہیں۔ بعض لوگ پیتھوڈین کے انجکشن لگواتے ہیں اور بعض چرس اور ہیروئن کی پناہ لیتے ہیں اور پھر انسان دن بہ دن تباہی کے غار میں گرتا چلا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر بیماری' مرض اور مصیبت انسان کی اپنی آوردہ اور پیدا کردہ ہے جب انسان اسلام کے احکام اور فطرت کے اصولوں سے روگردانی کرتا ہے تو وہ امراض اور مصائب کا شکار ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ○ (الشوریٰ: ۳۰)

تم پر جو مصائب آتے ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا بدلہ ہے اور بہت سی باتوں کو تو اللہ درگزر فرما لیتا ہے۔

جو انسان فطرت سے بغاوت نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے وہ ان مہلک بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوتے اور امن اور سکون کے ساتھ زندگی گزار دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الانعام: ۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا ان ہی کے لیے امن اور سلامتی ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

غرض یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہا کہ بیمار میں ہوتا ہوں اور یہ نہیں کہا کہ اللہ مجھے بیمار کرتا ہے کیونکہ اللہ نے تو انسان کو صحیح سالم بدن دیا تھا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے اس قول سے یہ تنبیہ فرمائی کہ انسان بے اعتدالی اور بے راہ روی سے خود اپنے آپ کو بیمار کر لیتا ہے۔

نبی علیہ السلام اور نیک لوگوں کی بیماری کے اسباب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے نیک لوگ بھی بعض اوقات بیمار ہو جاتے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام سخت بیمار ہوئے' حضرت ابراہیم نے اپنی بیماری کا ذکر کیا' حضرت موسیٰ نے اپنی تھکاوٹ کا ذکر کیا خود ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے' سر میں درد ہوا اور آپ کو عام لوگوں کی بہ نسبت دگنا بخار آتا تھا' کیا ان حضرات کی بیماری بھی خود پیدا کردہ تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی بیماری کے متعلق کوئی بد باطن شخص ہی ایسا فاسد گمان کر سکتا ہے ان پر جو بیماریاں آتی ہیں وہ اللہ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہیں اور ان کے اجر و ثواب میں اضافہ کا سبب ہیں' اور امت کے لیے تعلیم ہے تاکہ دوا اور علاج کرنا ان کی سنت ہو جائے' بیمار کی خدمت کرنے اور بیمار کی عیادت کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ مکمل ہو جائے اور امت کو معلوم ہو جائے کہ بیماری کی حالت میں نماز اور دوسری عبادات کس طرح ادا کی جائیں' اور یہ معلوم ہو کہ اگر مرض بہت بڑھ جائے اور تکلیف زیادہ ہو تو صبر اور سکون سے کام لیا جائے۔ بے قراری' آہ و زاری اور شکوہ و شکایت اور واویلا نہ کیا جائے۔ ہم نے عام لوگوں کی بیماری کے اسباب بیان کیے ہیں کہ ان کے امراض بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی بیماری ان کے حق میں امتحان بلکہ انعام ہوتی ہے۔

اب بجا طور پر یہ سوال ہوگا کہ جب انبیاء علیہم السلام خود اپنی بیماری کا سبب نہیں ہوتے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیوں فرمایا میں بیمار ہوتا ہوں اور وہ شفاء دیتا ہے اس کا جواب آئندہ سطور میں آ رہا ہے۔ (ان شاء اللہ)

عیب کی نسبت اپنی طرف اور حُسن کی نسبت اللہ کی طرف کرنا

ادب اور تواضع کا تقاضا یہ ہے کہ ہر حُسن اور کمال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور عیب اور نقص کی نسبت اپنے نفس کی طرف کی جائے جیسا کہ قرآن مجید کی تعلیم ہے:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ. (النساء:۷۹)

(اے انسان!) تجھے جو اچھائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھے جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جب کشتی کو توڑا اور اس میں نقص اور عیب ڈالا تو اس کی نسبت اپنی طرف کی اور کہا:

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا. (الکہف:۷۹)

رہی کشتی تو وہ ان مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے سو میں نے اس میں عیب ڈالنے کا ارادہ کیا۔

اور جب یتیم بچوں کا خزانہ محفوظ کرنے کے لیے اس ٹوٹی ہوئی دیوار کو جوڑا جس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا تو کہا:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا (الکہف:۸۲)

رہی دیوار تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ اس دیوار کے نیچے دفن ہے۔ ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ یہ دونوں یتیم بچے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔

ظاہر میں کشتی توڑنا اور دیوار جوڑنا دونوں حضرت خضر علیہ السلام کے کام تھے اور حقیقت میں یہ دونوں کام اللہ کے فعل تھے لیکن حضرت خضر نے ادب کو ملحوظ رکھ کر توڑنے کی نسبت اپنی طرف کی اور جوڑنے کی نسبت اللہ کی طرف کی۔

اور اسی نہج پر یہ آیت ہے: جنات نے کہا:

اَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (الجن:۱۰)

ہم نہیں جانتے کہ (آسمانوں کو محفوظ کر کے) زمین والوں کے ساتھ کسی شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی (ہدایت) کا ارادہ کیا ہے۔

جنات نے جب شر کا ذکر کیا تو اس کے فاعل کو مجہول رکھا اور جب بھلائی اور ہدایت کا ذکر کیا تو اس کو ان کے رب کا ارادہ کہا۔

میں بیمار ہوتا ہوں اور شفاء وہ دیتا ہے۔ بیماری نقص اور عیب ہے اس کی اپنی طرف نسبت کی اور شفاء دینا حُسن اور کمال ہے تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور یہی حُسن ادب کا مقتضیٰ ہے۔

مرض اور شفاء کے متعلق عارفین کے اقوال

علامہ اسماعیل حقی حنفی بروسوی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: جب میں گناہ کر کے بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے توبہ سے شفاء دے دیتا ہے' اور شبلی رحمہ اللہ نے کہا کہ بیماری غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے ہوتی ہے اور شفاء اللہ عزوجل کی تجلیات کے مشاہدہ سے ہوتی ہے' اور بحر میں لکھا ہے کہ بیماری دنیا کے ساتھ تعلق رکھنے سے ہوتی ہے اور شفاء دنیا سے قطع تعلق سے ہوتی ہے اور یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک پر جذب کی کیفیت مستحکم ہوتی ہے تو وہ تمام مخلوق سے تعلق منقطع کر کے صرف ایک اللہ کا ہو جاتا

بعض صوفیا علاج سے منع کرتے ہیں اور اس کو توکل اور تسلیم و رضا کے خلاف قرار دیتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ اللہ بندہ کو جس حال میں رکھے اس حال میں راضی رہنا چاہیے اور دوا اور علاج نہیں کرنا چاہیے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے ورنہ بندہ کو دعا بھی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ دعا میں بندہ اپنے حال میں تغیر کو طلب کرتا ہے' اور یہ قرآن مجید کی بہت سی آیتوں کے خلاف ہے' اور بیماری میں علاج نہ کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بھی خلاف ہے اور آپ کے احکام کے بھی خلاف ہے۔

اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ کے اصحاب اس طرح بیٹھے ہوئے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہوں۔ میں نے سلام کیا پھر بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر سے دیہاتی آرہے تھے انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ کیا ہم دواؤں سے علاج کیا کریں؟ آپ نے فرمایا دوا استعمال کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کے علاج کے لیے دوا بھی پیدا کی ہے' سوا ایک بیماری کے' وہ بڑھاپا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۳۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی علاج کیا ہے اور اس زمانہ میں علاج کے جو طریقے معروف تھے ان پر عمل فرمایا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حجرے میں داخل ہوئے اور آپ کا درد بہت شدید ہو گیا۔ آپ نے فرمایا مجھ پر ایسی سات مشکوں کا پانی انڈیلو جن کا منہ کھولا نہ گیا ہو۔ شاید میں لوگوں کو وصیت کروں' آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ٹب میں بٹھا دیا گیا' پھر ہم نے آپ کے اوپر مشکوں سے پانی انڈیلنا شروع کیا حتیٰ کہ آپ نے ہماری طرف اشارہ کر کے فرمایا بس کرو' پھر آپ لوگوں کی طرف چلے گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۰۸۴)

جدید طبی تحقیق بھی یہی ہے کہ جب بہت تیز بخار ہو تو مریض کو برف سے ٹھنڈک پہنچائی جائے۔

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تھے تو کس دوا سے آپ کا علاج کیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا اب اس چیز کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں بچا۔ حضرت علی ڈھال میں پانی لے کر آتے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے چہرے سے خون کو دھو کر صاف کرتی تھیں' پھر ایک چٹائی جلائی گئی اور اس کی راکھ سے آپ کے زخم کو بھر دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوائی (رگ کٹوا کر خون نکلوانا) اور رگ کاٹنے والے کو اس کی اجرت دی' اور ناک میں دوا ڈلوائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۰۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیماریوں کا علاج بھی بتایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۱۵)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بخار جہنم کی گرمی کی شدت سے ہے' اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۱۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی بہت سی بیماریوں کے لیے دوائیں تجویز فرمائی ہیں جن کی تفصیل کتب صحاح ستہ میں ہے۔

پرہیز کے متعلق احادیث

بعض لوگ پرہیز کے بھی بہت مخالف ہیں اور پرہیز خود کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں' میں نے بہت سے شوگر کے مریضوں کو مٹھائی کھاتے ہوئے دیکھا وہ کہتے ہیں صاحب! میٹھی اور نشاستہ والی چیزوں کو نہ کھانا کفران نعمت ہے' ہم اللہ کی نعمتوں کو ترک نہیں کر سکتے۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو پرہیز کرایا ہے۔

ام المنذر بنت قیس الانصاریہ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے' اور حضرت علی پر نقاہت اور کمزوری تھی۔ ہمارے ہاں کچی کھجوروں کا خوشہ لٹکا ہوا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس میں سے کھجوریں کھانے لگے۔ حضرت علی بھی کھڑے ہو کر کھانے لگے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے' یہ کھجوریں نہ کھاؤ کیونکہ تم کمزور ہو' حتیٰ کہ حضرت علی رک گئے' میں نے جو اور چقندر کا سالن بنایا ہوا تھا' میں آپ کے پاس وہ لے کر آئی' آپ نے فرمایا اے علی! اس میں سے کھاؤ یہ تمہارے لیے فائدہ مند ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۲)

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص استقاء کے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۶' مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۳' المعجم الکبیر ج ۱۹' رقم الحدیث: ۷' المستدرک ج ۴ ص ۲۰۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۴۴۸)

حضرت محمود بن لبید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل اپنے بندہ کو دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم اپنے مریض کو (نقصان دہ) کھانے اور پینے کی چیزوں سے پرہیز کراتے ہو۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۴۵۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے حق میں موت کا نعمت ہونا

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ فرمائے گاO (الشعراء: ۸۱)

یعنی دنیا میں جب میری اجل (مدت حیات) پوری ہو جائے گی تو وہ میری روح قبض فرمائے گا' پھر دوبارہ مجھے زندہ فرمائے گا' تاکہ مجھے میرے اعمال کی جزاء عطا فرمائے' موت دینے اور روح قبض کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کہ ارباب کمال کے لیے موت بھی نعمت ہے کیونکہ دنیا کے رنج والم سے خلاصی اور حیات ابدیہ کے حصول کے لیے موت وسیلہ ہے۔

امام ثعلبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے عدل سے موت دے گا اور اپنے فضل سے زندہ فرمائے گا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ موت سے مراد جہل اور معصیت ہے' اور زندہ کرنے سے مراد علم اور اطاعت ہے۔ یا مارنے سے مراد گناہ میں مبتلا کرنا ہے اور زندہ کرنے سے مراد گناہوں سے بچانا ہے یا مارنے سے مراد اللہ تعالیٰ سے دوری ہے اور زندہ کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ سے وصال ہے۔

حقائق سلمی میں لکھا ہوا ہے کہ مارنے سے مراد ہے کسی شخص کو انانیت میں مبتلا کرنا' اور زندہ کرنے سے مراد ہے اس کو ہدایت عطا کرنا۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۶۶-۳۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ نے لکھا ہے اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) جو مجھے اپنے خوف سے مارتا ہے اور اپنی امید سے زندہ کرتا ہے۔

(۲) جو مجھے طمع سے مارتا ہے اور قناعت سے زندہ کرتا ہے۔

ان کے علاوہ اور وہ اقوال ذکر کیے ہیں جن کو ہم روح البیان کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۱۰۴ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خطا کا ذکر کر کے مغفرت طلب کی' اس کی توجیہات

اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرما دے گاO (الشعراء: ۸۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں یوں کہا مجھے امید ہے کہ وہ معاف فرمائے گا' یوں نہیں کہا میری خطاؤں کو معاف فرما دے۔ اس کی وجہ ادب ہے اور یہ بتانا ہے کہ بندہ کو خوف اور امید کے درمیان رہنا چاہیے' اور اللہ تعالیٰ کے کرم پر متنبہ فرمانا ہے' کیونکہ کریم سے جب کوئی امید رکھی جائے تو وہ اس کو پورا کر دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مغفور اور معصوم ہیں پھر انہوں نے اپنی خطا کا کیوں ذکر کیا اور ان کی مغفرت کیوں طلب کی اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ظاہری خطاؤں پر معافی طلب کی' مفسرین نے کہا ہے کہ ظاہری خطاؤں سے مراد وہ تین باتیں ہیں جو بہ ظاہر جھوٹ تھیں لیکن حقیقت میں جھوٹ نہ تھیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے ان کے بتوں کو خود توڑ دیا اور جب قوم نے اس کے متعلق پوچھا تو حضرت ابراہیم نے کہا:

بَلْ فَعَلَهٗ ۚ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا. (الانبیاء: ۶۳) بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے۔

یہ بہ ظاہر جھوٹ تھا حقیقت میں جھوٹ نہ تھا کیونکہ حضرت ابراہیم کا منشا یہ تھا کہ اس بڑے بت کی پرستش کو باطل کرنے اور اس کو ذلیل و خوار کرنے اور اس کے عجز کو ظاہر کرنے کے سبب سے میں نے اس کو توڑ ڈالا' کیونکہ اگر یہ واقعی خدا ہوتا تو مجھے ان بتوں کے توڑنے سے روک دیتا اور جب یہ ان بتوں کو ضرر پہنچنے سے نہیں بچا سکا تو معلوم ہوا کہ یہ خدا نہیں ہے اور اس کی پرستش کرنا جائز نہیں ہے۔ پس ان کا یہ کلام بہ ظاہر جھوٹ تھا حقیقت میں جھوٹ نہ تھا۔

دوسری بات یہ تھی کہ جب قوم ان کو میلے میں لے جانے کے لیے آئی تو انہوں نے کہا:

اِنِّيْ سَقِيْمٌ. (الصّٰفّٰت: ۸۹) میں بیمار ہوں۔

حالانکہ حضرت ابراہیم بیمار نہ تھے' حضرت ابراہیم نے بہ ظاہر یہ کہا تھا کہ میں بیمار ہوں لیکن ان کی مراد یہ تھی کہ میری قوم روحانی بیمار ہے کہ وہ گمراہی اور بت پرستی میں ڈوبی ہوئی ہے آپ نے بیماری کا صراحۃً اسناد اپنی طرف کیا لیکن اشارۃً آپ کا اسناد اپنی قوم کی طرف تھا سو یہ کلام بہ طور تعریض ہے بہ ظاہر یہ جھوٹ ہے لیکن حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے۔

اور تیسری بات یہ تھی کہ حضرت سارہ آپ کی بیوی تھیں لیکن جب ظالم بادشاہ کے کارندوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے کہا یہ میری بہن ہے آپ کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۸۴' ۳۳۵۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱)

آپ کا یہ کلام بھی بہ ظاہر جھوٹ تھا حقیقت میں جھوٹ نہیں تھا۔

آپ کی یہ تینوں باتیں تبلیغی مقاصد سے تھیں اور برحق تھیں لیکن چونکہ ان کا ظاہر جھوٹ تھا اس لیے آپ نے اپنے بلند

مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے ان کو بھی خطا قرار دیا اور یہ طمع کی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کی اس ظاہری خطا کو بھی معاف فرما دے' اور ہر چند کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معصوم اور مغفور تھے لیکن آپ نے اپنی عبودیت اور بندگی کا اظہار کرنے کے لیے اس پر معافی طلب کی۔

(۲) حضرت ابراہیم نے اپنی باتوں کو خطا قرار دے کر ان پر معافی چاہی اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اس کے سامنے اپنی خطا کا اعتراف اور اقرار کر کے اس سے مغفرت طلب کرے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابن جدعان رشتہ داروں سے میل جول رکھتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا یہ عمل اس کو نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا! اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے میرے رب میری خطا کو قیامت کے دن بخش دینا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۴' المستدرک ج ۲ ص ۴۰۵' قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۳۵۲۴' صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۹)

ابن جدعان کافر تھا' اور اس نے قیامت کا اقرار نہیں کیا تھا' کیونکہ جو قیامت کا اقرار کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی خطا کی مغفرت کا طالب ہوتا ہے اور منکر قیامت کو اس کا عمل نفع نہیں دیتا۔ اس کا پورا نام عبداللہ بن جدعان تھا۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عم زاد تھا' یہ ابتداء میں فقیر تھا' پھر اس کو خزانہ مل گیا تو یہ غنی ہو گیا یہ اس خزانے سے نیکی کے کاموں میں خرچ کرتا تھا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ اپنی خطا کا ذکر کرے اور اللہ سے اس کی مغفرت طلب کرے' تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے اس کا پسندیدہ عمل کیا اور اپنی (ظاہری) خطا کا ذکر کر کے اس سے مغفرت طلب کی۔

(۳) اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ گناہوں سے اجتناب کریں اور ڈریں اور اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی مغفرت کو طلب کریں اور طلب مغفرت میں ان کی اقتداء کریں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے امام ہو جائیں' جس طرح عباد الرحمٰن نے یہ دعا کی تھی:

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا. (الفرقان: ۷۴) اور ہم کو متقین (اللہ سے ڈرنے والوں) کا امام بنا دے۔

(۴) مغفرت کی دعا کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقبولانِ بارگاہِ الوہیت کے نزدیک گناہ کا حکم رکھتی ہیں' اور وہ اپنے انتہائی بلند مرتبہ کے پیش نظر عام نیکیوں کو بھی گناہ قرار دیتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خطا سے ہماری طرح کے گناہ مراد نہیں ہیں' بلکہ نیک لوگوں کی نیکیاں مراد ہیں جو ان کے نزدیک گناہ کا حکم رکھتی ہیں۔

(۵) اس کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم جس مرتبہ کے نبی تھے اور اللہ کے پسندیدہ بندے تھے اس کا تقاضا یہ تھا کہ ان کی ہر ساعت اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر میں گزرے لیکن بشری تقاضوں سے وہ سوتے بھی تھے' کھاتے پیتے بھی تھے' قضاء حاجت اور طہارت بھی کرتے تھے۔ لوگوں سے تبلیغی امور میں باتیں بھی کرتے تھے' اپنی زوجہ کے حقوق بھی ادا کرتے تھے۔ حصول رزق کے لیے کسب معاش بھی کرتے تھے' ہر چند کہ یہ امور بھی فی نفسہا عبادت ہیں اور نیکی میں شمار ہوتے ہیں' لیکن ان امور میں مشغولیت کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کر سکتے تھے تو آپ اپنی بلند نظر کے اعتبار سے اس کو بھی خطا قرار

دیتے اور اس پر بھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے کہ میری اس تقصیر طاعت پر قیامت کے دن مجھے معاف کر دینا۔

(۶) طلب مغفرت کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ (ابراہیم: ۳۴) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

اور ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے' اور جس زبان سے وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا وہ بھی نعمت ہے پھر اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہوگا اور یوں عمر تمام ہو جائے گی اور اس کی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہ ہو سکے گا' تو غیر متناہی نعمتوں کا شکر کیسے ادا ہوگا پس انسان کی قدرت اور استطاعت میں یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا کر سکے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس فطری تقصیر پر اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن مغفرت طلب کی۔

مؤخر الذکر دونوں وجہوں کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ذنب کے اطلاق کی بحث میں ذکر کیا ہے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

یعنی اللہ عزوجل نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر جو نعمتیں فرمائیں ان کے شکر میں جس قدر کمی واقع ہوئی اس کے لیے استغفار فرمائیے' کہاں کمی اور کہاں غفلت نعمہائے الٰہیہ ہر فرد پر بے شمار حقیقتاً غیر متناہی بالفعل ہیں کما حققہ المفتی ابن السعود فی ارشاد العقل السلیم' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها اگر اللہ کی نعمتیں گننا چاہو نہ گن سکو گے۔ جب اس کی نعمتوں کو کوئی گن نہیں سکتا تو ہر نعمت کا کون شکر ادا کر سکتا ہے تو ہر نعمت کا پورا شکر کون ادا کر سکتا ہے۔

از دست وزباں کہ برآید کز عہدۂ شکرش بدر آید

شکر میں ایسی کمی ہرگز بمعنی معروف نہیں بلکہ لازمہ بشریت ہے نعمائے الٰہیہ ہر وقت ہر لحہ ہر آن ہر لحہ میں متزاید ہیں خصوصاً خاصوں پر خصوصاً ان پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے سونے میں مشغولی ضرور اگرچہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہی ہیں مگر اصل عبادات سے تو ایک درجہ کم ہیں اس کمی کو تقصیر اور اس تقصیر کو ذنب فرمایا گیا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۵' مطبوعہ دار العلوم امجدیہ' کراچی)

(۷) اس کا ساتواں جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعلیم دین اور تکمیل دین کے لیے جو بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام کیے ان کو خطا سے تعبیر فرمایا اور خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی کا ارتکاب گناہ نہیں ہوتا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے تصریح کی ہے کہ خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی گناہ نہیں ہوتا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلاف اولیٰ ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے' اور گناہ میں مبتلا کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہوتا تو بیان جواز کے کیا معنی! پھر یہ (مکروہ تنزیہی) اباحت کے ساتھ مجتمع ہوتا ہے جیسا کہ اشربہ ردالمحتار میں ابوالسعود سے ہے اور معصیت اباحت کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی ہے۔ پھر علماء اس کی تعبیر نفی باس سے کرتے ہیں اور گناہ سے بڑھ کر کون باس عظیم ہوگا اور اس لیے کہ گناہ گار بنانے والی چیز واجب الترک ہے اور جس چیز کا ترک واجب ہو اس کا فعل حرام کے قریب ہوگا' اور یہی معنی کراہت تحریم کے ہیں اور اس لیے بھی کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ مکروہ تنزیہی کے فاعل پر بالکل گناہ نہ ہوگا' جیسا کہ تلویح میں ہے اس

کے ساتھ ہی ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ چھوٹے سے چھوٹے جرم پر سزا دے سکتا ہے بحمد اللہ تعالیٰ یہ سات دلائل ہیں جن سے معلوم ہوا کہ بعض ابناء زمانہ نے رسالہ شرب الدخان میں مکروہ تنزیہی کو صغائر سے بتا کر فاحش غلطی اور خطاء عظیم کی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۳۵۰ (طبع جدید) مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور اپریل ۱۹۹۶ء)

اعلیٰ حضرت نے تلویح کا جو حوالہ دیا ہے اس کی عبارت یہ ہے:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ مکروہ تنزیہی کی تعریف میں لکھتے ہیں:

انه لا یعاقب فاعله لکن یثاب تارکه ادنی ثواب. مکروہ تنزیہی کے مرتکب کو عذاب نہیں ہوگا لیکن اس کے ترک کرنے والے کو ادنیٰ درجہ کا ثواب ہوگا۔

(توضیح تلویح ص ۲۳ مطبوعہ مطبع نور محمد اصح المطابع کراچی)

ہم نے جو ساتواں جواب دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس خطا کا ذکر کیا ہے اس سے مراد مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ کا ارتکاب ہے اس جواب علامہ القونوی نے بھی ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس آیت میں خطا کو ترک اولیٰ پر محمول کیا جائے اور انبیاء کے حق میں ترک اولیٰ جائز ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۱۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ذنب کے اطلاق کی بحث میں یہ جواب دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

جتنا قرب زائد اسی قدر احکام کی شدت زیادہ ہے جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔

بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سن لے گا' جو برتاؤ گوارہ کرے گا۔ ہرگز شہریوں سے پسند نہیں کرے گا' شہریوں میں بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے' اس لیے وارد ہوا حسنات الابرار سیئات المقربین نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷' (طبع قدیم) مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرے لیے میری خطا معاف فرما اس کی توجیہات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں فرمایا میرے لیے میری خطا کو بخش دے گا۔ اس مقام پر میرے لیے کیوں فرمایا اس کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(۱) جب باپ اپنے بیٹے کو معاف کرتا ہے یا مالک اپنے نوکر کو یا خاوند اپنی بیوی کو معاف کرتا ہے تو عموماً وہ حصول ثواب کے لیے معاف کر دیتا ہے یا عذاب سے بچنے کے لیے یا دنیا میں اپنے حلم اور صبر کی تعریف اور تحسین کے لیے یا پھر اس لیے کہ اس قصور وار کے معافی مانگنے سے اس کا دل پگھل جاتا ہے تو اپنے دل سے اس رقت کو زائل کرنے کے لیے معاف کرتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ جو قصور وار بندہ کو معاف فرماتا ہے تو اس کا مقصود کسی چیز کو حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کسی چیز کو زائل کرنا' اللہ سبحانہ جب کسی قصور وار بندے کو معاف فرماتا ہے تو صرف اور صرف اس بندے کی وجہ سے معاف فرماتا ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور جس چیز کی میں امید رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن میرے لیے میری خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کی کہ اس نے مجھے پیدا کیا پھر یہ کہا کہ مجھے امید ہے کہ وہ میرے لیے میری خطا کو معاف فرما دے گا' اس میں یہ بتایا کہ جب اس نے مجھے پیدا کیا تو پیدا ہونے سے پہلے مجھے پیدا ہونے کی خواہش تھی نہ پیدا ہونے کی احتیاج تھی تو اس نے مجھے پیدا کر دیا اور پیدا ہونے کے بعد جب کہ مجھے مغفرت کی خواہش بھی ہے اور مغفرت کی احتیاج بھی ہے تو اب میں اس بات کے زیادہ لائق ہوں کہ تو مجھے معاف فرما دے۔

(۳) بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جا رہا تھا تو ان کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر کہا آپ کو کوئی حاجت ہو تو مجھ سے بیان کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بحر توحید میں اس قدر زیادہ مستغرق تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی واسطے اور وسیلہ کی طرف نظر نہیں کرتے تھے گویا کہ انہوں نے کہا میں صرف تیرا بندہ ہوں اور محض تیرا بندہ ہونے کی وجہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں اور صرف تیرا محتاج ہوں اور صرف تجھ سے رابطہ رکھتا ہوں تو صرف میرے لیے میری خطا کو معاف کر دے' نہ یہ کہ تو کسی شفاعت کرنے والے کی وجہ سے مجھے معاف فرما۔

دوسرے نبیوں کو مانگنے سے عطا فرمانا اور ہمارے نبی کو بے مانگے عطا فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ٥ (طٰہٰ: ۲۵) — اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ٥ (الانشراح: ۱) — کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اَرِنِيٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۔ (الاعراف: ۱۴۳) — اے میرے رب مجھے اپنی ذات دکھا میں تیری طرف دیکھوں گا۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ ۔ (الفرقان: ۴۵) — کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ٥ (الشعراء: ۸۷) — جس دن لوگوں کو (محشر میں) جمع کیا جائے گا مجھے شرمندہ نہ کرنا۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ (التحریم: ۸) — جس دن اللہ نہ اس عظیم نبی کو شرمندہ کرے گا اور نہ اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو۔

اور زیر تفسیر آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے:

وَالَّذِيٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِي خَطِيٓئَتِي يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ (الشعراء: ۸۲) — اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرما دے گا۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ (الفتح: ۲-۱)	بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی ۝ تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما دے اور آپ پر اپنی نعمت مکمل کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔

ذنب کا ترجمہ گناہ کرنے کے متعلق مصنف کا موقف

بعض اکابر علماء نے اس آیت میں ذنب کا ترجمہ گناہ کر دیا ہے:

شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

ہر آئینہ ماحکم کردیم برائے تو بفتح ظاہر عاقبت فتح آنست کہ بیامرزد ترا خدا آنچہ کہ سابق گزشت از گناہ تو وآنچہ پس ماندہ۔

شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ لکھتے ہیں:

تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر تا کہ بخشے واسطے تیرے خدا جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں تیرے سے اور جو کچھ پیچھے ہوا۔

شاہ عبدالقادر متوفی ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے والد ماجد شاہ نقی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ لکھتے ہیں:

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ اور پورا کرے تجھ پر اپنا احسان۔

(انوار جمال مصطفیٰ ص ۷۱ مطبوعہ شبیر برادرز اُردو بازار لاہور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کے نسبت کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

پس مے آیند عیسی را پس مے گوید عیسی من نیستم اهل ایں کار ولیکن بیائید محمدرا صلی اللہ علیہ وسلم کہ بندہ ایست کہ آمر زیدہ است مر اورا ہر چہ پیش گزشتہ از گنا ہان وے وہرچہ پس آمدہ۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۳۸۶ مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو)

علامہ فضل حق خیر آبادی متوفی ۱۸۶۱ء اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پس بیایند برعیسی علیہ السلام پس بگوید برائے شفاعت نیستم لیکن برشما لازم است کہ بروید بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او بندہ ایست کہ آمر زیدہ است خدائے تعالیٰ مراورا ازگناہان پیشین وپسیں او۔ (تحقیق الفتویٰ ص ۳۲۱-۳۲۰، مکتبہ قادریہ لاہور۔ ۱۳۹۹ھ)

اور مولانا غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں اس پوزیشن میں نہیں کہ تمہاری شفاعت کروں، تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔

(تفہیم البخاری ج ۱۰ ص ۴۸، الجدہ پرنٹرز)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی ایک کتاب میں محمد: ۱۹ کے ترجمہ میں اسی طرح ترجمہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

قال الرضا یہ بھی ابوالشیخ نے روایت کی اور خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات' مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لیے۔

(ذیل المدعا لاحسن الوعاء (فضائل دعا) ص ۲۶' مطبوعہ ضیاء الدین پبلی کیشنز' کراچی)

امام بغوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کا ذکر عار دلانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے انعامات کے اظہار کے لیے فرمایا' نیز یہ بتانے کے لیے کہ کوئی شخص اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ (معالم التنزیل)

امام احمد رضا بریلوی اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ذنوب انبیاء علیہم السلام سے مراد صورت گناہ ہے ورنہ حقیقت گناہ سے انبیاء کرام علیہم السلام نہایت دور اور منزہ و مبرا ہیں۔ (تعلیقات رضا ص ۲۵' مطبوعہ رضا اکیڈمی' بمبئی' ۱۴۱۸ھ)

اس عبارت میں امام احمد رضا فاضل بریلوی نے انبیاء علیہم السلام کی زلات پر صورت گناہ کا اطلاق فرمایا ہے۔ ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی زلات پر خصوصاً سید الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ ظاہر خلاف اولیٰ افعال پر حقیقۃً یا صورۃً گناہ کا اطلاق کرنا غیر مستحسن ہے' اس لیے کہ علماء تو جانتے ہیں کہ یہ اطلاق سہو' خلاف اولیٰ یا حسنات الابرار سیئات المقربین کے اعتبار سے ہے' لیکن جب اُردو خواں عوام ذنب کا ترجمہ گناہ پڑھیں گے تو وہ ان باریکیوں تک نہیں پہنچ سکیں گے وہ تو صاف اور سیدھے سادے طور پر یہی سمجھیں گے کہ نبی سے بھی گناہ صادر ہوتے رہتے ہیں اور جب عام لوگوں کے ذہنوں میں نبی کے لیے بھی گناہ ثابت ہو جائیں تو انہیں نیکی پر کیسے آمادہ کیا جاسکے گا' اسی طرح جب مستشرقین اور غیر مسلم معترضین کے ہاتھوں میں یہ تراجم پہنچیں گے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ گار ثابت کرنے کے لیے ان مسلم علماء کے تراجم اور ان کی عبارات کافی نہیں ہوں گی!

ہماری رائے یہ ہے کہ ان اکابر علماء کی توجہ اس پہلو کی طرف مبذول نہیں ہوئی ورنہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گناہ یا صورۃً گناہ کا لفظ نہ لکھتے اور یقیناً ان اکابر علماء کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت اور محبت اور تعظیم و تکریم بہت زیادہ تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا پہلا مطلوب اور حکم کا معنی

سابقہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور اس کے بعد اپنے مطالب کے حصول کے لیے دعا کی' اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے مطلوب کی دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنی چاہیے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں اپنے مطالب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اے میرے رب مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیکو کاروں کے ساتھ ملا دے۔

حکم سے مراد علم شریعت ہے یا ایسا علم جس کے ذریعہ وہ زمین میں اللہ کی خلافت قائم کر سکیں اور مخلوق کی رہنمائی کر سکیں' اور یہ کہ وہ علم کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوں کیونکہ جس شخص کو کسی چیز کا علم نہ ہو یا وہ علم کے تقاضوں پر عامل نہ ہو اس کو حکیم نہیں کہا جاتا اور نہ اس کے علم کو حکم اور حکمت کہا جاتا ہے۔ نیز فرمایا اور مجھے نیکو کاروں کے ساتھ ملا دے' یعنی مجھے ایسے علوم اور ایسے اعمال اور اخلاق کی توفیق دے جو مجھے عبادت و ریاضت میں ایسے کاملین اور راسخین کے گروہ میں شامل کر دیں جو تمام صغائر اور کبائر گناہوں سے منزہ ہوں یا جنت میں مجھے ان کے ساتھ مجتمع کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمالی چنانچہ ان کے متعلق فرمایا:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (البقرہ:۱۳۰)

اور بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں (بھی) برگزیدہ کیا بے شک وہ آخرت میں نیکوکاروں میں سے ہیں۔

اور یہ اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مطالب میں سے پہلا مطلوب ہے۔

بعد والوں کی ثناء کے حصول کی دعا کی توجیہات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا میں اپنے دوسرے مطلوب کے لیے فرمایا: اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ' ان کی اس دعا کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی آیت میں اخروی کمال کے حصول کی دعا کی تھی اور اس آیت میں کمال دنیا کے حصول کے لیے دعا کی اس دعا میں یہ طلب کیا کہ تمام دنیا کے لوگ ان کی مدح اور ثنا کریں اور ان کی تعظیم وتکریم کریں۔

(۲) اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم کو ایسی عزت اور فضیلت عطا فرمائے جس کا اثر قیامت تک باقی رہے' اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی کیونکہ یہود' عیسائی اور مسلمان سب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم اور تکریم کرتے ہیں۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول عام عطا فرمائے اور تمام لوگوں کی زبانوں پر ان کے لیے ذکر خیر جاری ہو' اور زبانوں پر ذکر خیر کو اس لیے طلب کیا کہ لوگوں کا اپنی زبانوں سے آپ کا ذکر خیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آپ سے محبت کرتے ہیں اور لوگوں کا آپ سے محبت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے میں فلاں (بندے) سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو' پھر جبریل اس سے محبت کرتے ہیں پھر جبریل آسمان میں ندا کرتے ہیں کہ بے شک اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو' تو آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں' پھر زمین والوں میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۴۰/۳۲۰۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۱ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۶۸۵ عالم الکتب' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۷' ج ۳ ص ۴۱۳ طبع قدیم)

(۴) جب لوگ اپنی زبانوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ کا ذکر کریں گے تو ان فضائل اور کمالات کو سن کر دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی ان اوصاف سے متصف ہونے اور ان اخلاق سے متخلق ہونے کی رغبت ہوگی۔

(۵) اس دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غرض یہ تھی کہ آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ان کی اولاد سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمائے جس کا اس آیت میں بھی ذکر ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (البقرہ:۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج دے جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کے باطن کو پاک اور صاف کرے بے شک تو بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے اور میں عنقریب تمہیں اپنی ابتداء کی خبر دوں گا میں ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو اس نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا ان سے ایک نور نکلا جس نے ان کے لیے شام کے محلات روشن کر دیئے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۸-۱۲۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۹۳' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۲۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۳۵' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۷۵۹)

جنت کی دعا کا مطلوب ہونا اور شہر مدینہ سے جنت کا زیادہ محبوب ہونا

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی: اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے O (الشعراء: ۸۵)

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تیسرا مطلوب ہے' اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کی سعادت کے حصول کی دعا کی تھی اور اس آیت میں آخرت کی سعادت کے حصول کی دعا کی ہے۔

جس شخص کو اپنے کسی مورث (رشتہ دار) کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ مل جائے اس کو وارث کہتے ہیں۔ اس آیت میں جنتیوں کو جنت کا وارث فرمایا ہے کیونکہ جو مومن نیک عمل کرتا ہے اس کو اس کے کسی استحقاق کے بغیر محض اللہ کے فضل سے جنت مل جاتی ہے جس طرح کسی وارث کو بغیر کسی استحقاق کے محض اپنے رشتہ دار کی موت سے اس کا ترکہ مل جاتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت کے حصول کی دعا کرنا حضرت ابراہیم کی سنت ہے اور اس دعا کو ترک کرنا تکبر ہے' بعض غالی اور ان پڑھ صوفی یہ کہتے ہیں کہ ہمیں جنت نہیں چاہیے ہمیں تو مولیٰ کی رضا چاہیے' بعض کہتے ہیں کہ ہمیں جنت نہیں مدینہ نہیں چاہیے' یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ قرآن مجید کی بہ کثرت آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی طرف رغبت دلائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت الفردوس کے سوال کرنے کا حکم دیا ہے۔ سو جنت کے حصول کی دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول راضی ہوں گے اور اس کا سوال نہ کرنے یا جنت کی تنقیص کرنے سے اللہ اور اس کے رسول ناراض ہوں گے۔ سو اللہ کی رضا جنت کی دعا کرنے میں ہے نہ کہ جنت کی دعا کو ترک کرنے میں' باقی رہا مدینہ کا مطلوب ہونا سو اس کی طلب برحق ہے اور اللہ کی رضا کا مطلوب ہونا بھی برحق ہے لیکن یہ اس کو کب مستلزم ہے کہ پھر جنت کو طلب نہ کیا جائے اور اس کے حصول کی دعا نہ کی جائے۔ نیز جس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے' اور مدینہ صرف اس لیے محبوب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکن کا شہر ہے اور آپ کا اصل مسکن تو دنیا اور آخرت میں جنت ہی ہے' سو شہر مدینہ کی نسبت وہ جگہ زیادہ محبوب ہونی چاہیے جو آپ کا اصل مسکن ہے اور وہ جنت ہے لہٰذا شہر مدینہ کی بہ نسبت جنت زیادہ محبوب ہونی چاہیے کیونکہ آپ اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے اور یہ واضح ہے کہ پورا شہر مدینہ جنت نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم کی آزر کے لیے دعا کی توجیہات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چوتھی دعا یہ کی: اور میرے (عرفی) باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا O (الشعراء: ۸۶)

اس دعا پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عرفی باپ آزر کافر تھا' اور کافر کے لیے مغفرت کی دعا کرنی جائز

نہیں ہے' بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مغفرت ایمان لانے پر موقوف ہے۔ اس لیے زندہ کافروں اور مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنا دراصل ان کے ایمان لانے کی دعا کرنا ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ آزر کے لیے مغفرت کی دعا کر کے حقیقت میں یہ دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق عطا فرمائے' لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس تاویل سے تو ہر زندہ مشرک اور کافر کے لیے مغفرت کی دعا کی جا سکتی ہے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آزر نے حضرت ابراہیم سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا' حضرت ابراہیم نے اس کے وعدہ پر اعتماد کر کے اس کے لیے مغفرت کی دعا کی تھی اور جب وہ اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ (التوبہ: ۱۱۴)

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے ان سے کر لیا' اور جب ابراہیم پر یہ منکشف ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے' بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے۔

امام رازی نے اس کا ایک یہ جواب دیا ہے کہ آزر باطنی طور پر حضرت ابراہیم کے دین پر تھا اور ظاہراً نمرود کے دین پر تھا کیونکہ وہ اس سے ڈرتا تھا' تو حضرت ابراہیم نے اس اعتبار سے اس کے لیے دعا کی ہے اور جب حضرت ابراہیم پر یہ ظاہر ہوا کہ واقعہ اس کے خلاف ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۱۷' داراحیاء التراث العربی بیروت)

اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ حقیقتاً حضرت ابراہیم پر ایمان لا چکا تھا اور نمرود کے ڈر اور خوف سے اس پر ایمان کا اظہار کرتا تھا اور حضرت ابراہیم پر اس کا خلاف کیسے ظاہر ہوا' اس مفروضہ پر کوئی دلیل نہیں ہے' اس لیے صحیح جواب وہی ہے جو التوبہ: ۱۱۴ سے ظاہر ہوتا ہے۔

قیامت کے دن حضرت ابراہیم کی آزر سے ملاقات کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ کو قیامت کے دن اس حال میں دیکھیں گے کہ اس کا چہرہ غبار سے آلودہ ہو گا اور اس پر سیاہی چھائی ہوئی ہو گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۶۸' مطبوعہ دارارقم' بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے (عرفی) باپ سے ملاقات ہو گی تو حضرت ابراہیم کہیں گے کہ اے میرے رب تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن شرمندہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۶۹' مطبوعہ دارارقم' بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ آزر سے ملیں گے آزر کے چہرے پر سیاہی اور گرد و غبار ہو گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم میری نافرمانی نہ کرو' اس کے (عرفی) باپ کہیں گے آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا' حضرت ابراہیم (اللہ تعالیٰ سے) عرض کریں گے: اے میرے رب تو نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تو قیامت کے دن مجھے شرمندہ نہیں کرے گا' اور اس سے بڑی میری اور کیا شرمندگی ہو گی کہ میرا باپ (تیری رحمت سے) بہت دور ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے' پھر کہا جائے گا اے ابراہیم دیکھو! تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے؟ حضرت ابراہیم دیکھیں گے تو وہ گندگی میں لتھڑا ہوا زیادہ بالوں والا نر بجو ہوگا (یعنی آزر کو مسخ کر کے بجو بنا دیا جائے گا) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۰' مطبوعہ دار ارقم' بیروت)

قیامت کے دن آزر کی شفاعت کرنے پر اشکال اور اس کے جوابات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پھر اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کو بجو کی شکل میں مسخ کرنے کی حکمت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اس سے متنفر ہوں' اور چونکہ اس کی صورت حضرت ابراہیم کے مشابہ تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ اس صورت کے حامل کو دوزخ میں ڈالا جائے اس لیے اس کی صورت کو مسخ کر کے زیادہ بالوں والے نر بجو کی شکل بنا دی اور اس لیے کہ حضرت ابراہیم نے نہایت نرمی اور عاجزی سے اس کو ایمان لانے کی طرف ترغیب دی' مگر اس نے تکبر کیا اور کفر پر اصرار کیا' اس لیے قیامت کے دن اس کو ذلت میں مبتلا کیا گیا اور اس کو مسخ کر کے بجو بنا دیا گیا۔

محدث اسماعیلی نے اس حدیث کی صحت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کا کیوں سوال کیا' علاوہ ازیں قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس کی مغفرت کے لیے سوال کرنا اس آیت کے بھی خلاف ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝ (التوبہ: ۱۱۴)

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا' جب ان پر یہ منکشف ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے' بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بردبار تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم نے کس وقت اس سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں ہی اس سے بے زاری کا اظہار کیا تھا جب وہ حالت شرک میں مر گیا تھا' یہ قول امام ابن جریر نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' ایک روایت میں ہے جب وہ مر گیا تو انہوں نے اس کے لیے استغفار نہیں کیا۔ ایک اور روایت میں ہے جب تک وہ زندہ رہا' حضرت ابراہیم اس کے لیے استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو پھر انہوں نے اس کے لیے استغفار کو ترک کر دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے قیامت کے دن بیزار ہوئے جب اس کی شکل مسخ کر دی گئی اور وہ اس سے مایوس ہو گئے' یہ قول بھی امام ابن جریر نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے' سعید بن جبیر نے کہا قیامت کے دن حضرت ابراہیم اس کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے اے میرے رب! میرا والد' میرا والد' جب تیسری بار اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہیں گے تو اس کی طرف ان کی نظر پڑے گی تو وہ بجو ہوگا' پھر وہ اس سے بے زار ہو جائیں گے' اور ان دونوں قولوں میں اس طرح سے تطبیق ہو سکتی ہے کہ جب وہ دنیا میں شرک پر مر گیا تو حضرت ابراہیم اس سے بیزار ہو گئے' پھر جب قیامت کے دن اس کو دیکھا تو ان پر پھر نرمی اور شفقت غالب آ گئی اور انہوں نے اس کی مغفرت کا سوال کیا' پھر جب اس کو مسخ شدہ بجو کی شکل میں دیکھا تو پھر اس سے دائمی طور پر بیزار ہو گئے' دوسری تطبیق یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ یقین نہیں تھا کہ وہ کفر پر مرا ہے' کیونکہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ دل میں ایمان لایا ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے ایمان پر مطلع نہ ہوئے ہوں' اس لیے قیامت کے دن اس کی

سفارش کی حتیٰ کہ قیامت کے دن جب ان کو یقین ہو گیا کہ یہ کفر پر مرا تھا تو اس سے بے زار ہو گئے۔

آزر کو دوزخ میں ڈالنے پر خلف وعد اور خلف وعید کے اعتراض کا جواب

علامہ کرمانی نے یہ اعتراض کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے عرفی باپ کو دوزخ میں ڈال دیا تو ان کو رسوا کر دیا کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیته (آل عمران: ١٩٢) "اے ہمارے رب! بے شک تو نے جس کو دوزخ میں ڈالا اس کو رسوا کر دیا" اور باپ کی رسوائی بیٹے کی رسوائی ہے۔ پس خلف وعد لازم آ گیا اور یہ محال ہے اور اگر اس کو دوزخ میں نہیں ڈالا تو خلف وعید لازم آ گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان اللہ حرمهما علی الکافرین (الاعراف: ٥٠) "اللہ نے جنت کے پانی اور جنت کے رزق کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔" اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آزر کو اس کی اصل صورت میں دوزخ میں ڈالا گیا ہوتا تو حضرت ابراہیم کے لیے باعث رسوائی تھا' اور جب وہ بڑے بالوں والے نر بجو کی شکل میں دوزخ میں ڈالا گیا تو آزر رسوا ہوا نہ حضرت ابراہیم' لہٰذا خلف وعد لازم آیا نہ خلف وعید' دوسرا جواب یہ ہے کہ آزر کے دوزخ میں ڈالے جانے سے حضرت ابراہیم اس وقت رسوا ہوتے جب انہوں نے اس کے لیے دعا کی ہوتی اور اس کے باوجود اس کو دوزخ میں ڈال دیا جاتا اور جب انہوں نے اس کے لیے دعا نہیں کی اور وہ اس سے بیزار ہو گئے تو پھر وہ رسوا یا شرمندہ نہیں ہوئے اور کوئی خرابی یعنی خلف وعد یا خلف وعید لازم نہیں آیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ٤٤٩-٤٤٨' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤٢٠ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے آزر کی جو سفارش کی اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو نہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے اس عہد کے خلاف نہیں کرے گا پھر انہوں نے کیوں آزر کی سفارش کی؟ اس کا یہ جواب ہے کہ جب انہوں نے آزر کو دیکھا تو ان پر شفقت اور رحمت غالب آ گئی اور وہ اس کے لیے سوال کیے بغیر نہ رہ سکے۔ (التوشیح علی الجامع الصحیح ج ٤ ص ٢٥٠' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢٠ھ)

وضو کے بعد حضرت ابراہیم کی اس دعا کو پڑھنے کا ثواب

امام ابن ابی الدنیا اور امام ابن مردویہ نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ فرض نماز کے لیے وضو کرے اور پورا پورا وضو کرے پھر اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے ارادہ کے لیے نکلے اور نکلتے وقت یہ پڑھے بسم اللہ الذی خلقنی فهو یهدین (اللہ کے نام سے جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی ہدایت دیتا ہے) تو اللہ اس کو صحیح بات کی ہدایت دے گا' اور امام ابن مردویہ کی روایت میں ہے اس کو صحیح کاموں کی ہدایت دے گا' پھر پڑھے والذی هو یطعمنی ویسقین (جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے طعام سے کھلائے گا اور جنت کے مشروب سے پلائے گا' پھر پڑھے: واذا مرضت فهو یشفین (اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفاء دیتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دیتا ہے اور اس کی بیماری کو اس کے لیے کفارہ بنا دیتا ہے' پھر پڑھے والذی یمیتنی ثم یحیین (اور جو میری روح قبض کرے گا' پھر مجھ کو زندہ کرے گا) تو اللہ تعالیٰ اس کو نیک بختوں کی حیات کے ساتھ زندہ کرے گا اور اس کو شہداء کی موت کے ساتھ موت دے گا' پھر پڑھے والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین (اور جس سے مجھے یہ امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا) تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام خطاؤں کو بخش دے گا خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں' پھر پڑھے رب هب لی حکما والحقنی بالصلحین (اے میرے رب مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے) تو اللہ اس کو صحیح فیصلہ کی قوت عطا فرماتا ہے اور اس کو گزرے

ہوئے یا موجودہ نیک لوگوں کے ساتھ ملا دیتا ہے' پھر پڑھے واجعل لی لسان صدق فی الاخرین (اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ) تو ایک سفید ورق میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں صادقین میں سے ہے' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو سچ بولنے کی توفیق دیتا ہے' اس کے بعد پڑھے واجعلنی من ورثة جنة النعیم (اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محلات بنا دیتا ہے' اور حسن بصری اس کے بعد یہ دعا بھی پڑھتے تھے واغفر لوالدی کما ربیانی صغیرا (میرے ماں باپ کو بخش دے جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی) (الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۷۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس دعا کو نقل کیا ہے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۶۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ' روح المعانی جز ۱۹' ص ۱۴۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قیامت کے دن پردہ رکھنے کی دعا کی تلقین

حضرت ابراہیم نے پانچویں دعا یہ کی کہ: اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے' مجھے شرمندہ نہ کرنا (الشعراء: ۸۷) یعنی مجھ سے ایسے جو کام سرزد ہو گئے جو خلاف اولیٰ تھے ان پر مجھے عتاب نہ فرمانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر عتاب نہیں فرمائے گا اور ان کو شرمندہ نہیں کرے گا اس کے باوجود انہوں نے اظہار عبودیت کے لیے یہ دعا کی اور دوسروں کو اس دعا کی ترغیب دینے کے لیے۔

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ○ (یٰسین: ۵۹) اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔

اس دن کافر' مومن سے اور گنہگار اطاعت گزار سے الگ کر کے کھڑے کر دیے جائیں گے۔ اس دن بدکاروں کو نیکوں سے الگ کر دیا جائے گا اس دنیا میں تو سب لوگ مل جل کر رہتے ہیں' ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن پیر بدکاروں کی صف میں ہو اور مرید نیکوکاروں کی صف میں ہو' اور استاذ بدکاروں کی صف میں ہو اور شاگرد نیکوں کی صف میں کھڑا ہو' جن لوگوں کو دنیا میں عقیدت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا جب قیامت کے دن وہ بدکاروں کی صف میں کھڑے ہوں گے تو ان کی شرمندگی کا کیا عالم ہو گا وہ ان سے آنکھ نہیں ملا سکیں گے۔ الٰہ العلمین ہمیں اس دن کی شرمندگی اور رسوائی سے بچانا جس طرح دنیا میں ہم پر پردہ رکھا ہے آخرت میں بھی پردہ رکھنا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمیں اسی دعا کی تلقین فرمائی ہے۔

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسروں کو تلقین کرنے کے لیے یہ دعا کی کہ جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں مجھے شرمندہ نہ کرنا یعنی میرا پردہ رکھنا اور میرے عیوب اور خطائیں لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا' اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کی تعلیم کے لیے یہ دعا کی ہے کہ میرے عیوب اور خطاؤں پر پردہ رکھنا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور شام ان دعاؤں کو ترک نہیں کرتے تھے:

اللھم انی اسئلک العافیة فی الدنیا والاخرہ' اللھم انی اسئلک العفو والعافیة فی دینی ودنیای واھلی ومالی' اللھم استر عوراتی وآمن روعاتی' اللھم احفظنی من بین یدی ومن

اے اللہ میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں' اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین اور دنیا میں اور اپنے اہل اور مال میں عافیت کا سوال کرتا ہوں' اے اللہ! میرے عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں سے مجھے خوف ہے' ان سے مجھے محفوظ رکھ' اے

خلفي وعن يميني وعن شمالي ومن فوقي واعوذبک بعظمتک ان اغتال من تحتي قال يعني الخسف.

اللہ! میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اور میرے اوپر (کے شر) سے مجھ کو محفوظ رکھ اور اس سے میں تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اپنے نیچے سے کسی شر میں مبتلا کیا جاؤں' حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا آپ کی مراد تھی زمین میں دھنسنے سے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۱' عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۵۶۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۴۰' ۲۳۹' ج ۱۵ ص ۱۸۰' الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۲۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۵۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۹۹۷)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتۃً بھی مسلمانوں کو پردہ رکھنے کی دعا کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب خوف سے ہمارے کلیجے منہ کو آنے لگیں تو کوئی ایسی چیز ہے؟ کہ ہم پڑھ لیا کریں۔ آپ نے فرمایا ہاں! تم یہ دعا کیا کرو:

اللهم استر عوراتنا وامن روعاتنا.

اے اللہ ہمارے عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں کا ہمیں خوف ہے ان سے ہم کو محفوظ رکھ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مونہوں پر سخت آندھی بھیجی' پھر اللہ عزوجل نے اس آندھی کے ذریعہ ان کو شکست دے دی۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۰۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۱۴)

آخرت میں مسلمانوں کے مال کی نفع رسانی

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد ○ سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا ○ (الشعراء: ۸۹-۸۸)

یعنی مسلمانوں کے علاوہ اس دن کسی کا مال اس کو نفع نہیں دے گا خواہ وہ اس مال کو نیکی اور اچھائی کے راستوں میں خرچ کرتا رہا ہو' اور نہ اس کی اولاد اس کو نفع دے گی خواہ اس کی اولاد نیک' پرہیزگار اور عبادت گزار ہو۔

اس آیت کا محمل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان نہ لایا تو اس کا مال اس کی اولاد اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکیں گے یا وہ اپنے مال اور اپنی اولاد کا فدیہ دے کر اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا' ورنہ مومن جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہے وہ مال اس کو آخرت کے عذاب سے بچاتا ہے۔

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيْرٌ ○ (البقرہ: ۲۷۱)

اگر تم علی الاعلان صدقہ اور خیرات کرو تو وہ بھی اچھا ہے' اور اگر تم چھپا کر فقراء کو صدقہ دو تو وہ بھی اچھا ہے' اللہ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ

اور تم جو بھی اچھی چیز اللہ کی راہ میں دو گے تو اس کا فائدہ تمہارے لیے ہے' اور تم صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرو

إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ٥ (البقرہ: ۲۷۲) گے اور تم جو بھی اچھی چیز اللہ کی راہ میں دو گے تم کو اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تمہارے اجر میں کمی نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح مال کی نفع رسانی کے متعلق احادیث ہیں:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے دوزخ کی آگ سے بچو خواہ کھجور کے ٹکڑے کو صدقہ کرنے سے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۱۷ 'سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۵ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۸۴۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سے صدقہ کرنے کا سب سے زیادہ اجر ہوتا ہے' آپ نے فرمایا تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور تم کفایت سے خرچ کرنا چاہتے ہو اور تم کو فقر کا ڈر ہو اور تم کو خوش حالی کی امید ہو' اور صدقہ کرنے میں ڈھیل نہ دیتے رہو حتیٰ کہ تمہاری جان حلقوم تک پہنچ جائے اور تم کہو یہ چیز فلاں کے لیے ہے اور یہ چیز فلاں کے لیے ہے اور اب تو وہ فلاں کی ہو ہی گئی ہے (تمہارے مرنے کے بعد بہ طور وراثت)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۱۹ 'صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۰۳۲ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۶۵ 'سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۱۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت اپنے گھر کے طعام کو خرچ کرے جب کہ اس کو ضائع کرنے والی نہ ہو تو اس کو اس کا اجر ملتا ہے جو کچھ وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتی ہے' اور اس کے خاوند کو بھی اس مال کے کمانے کا اجر ملتا ہے' اور اس مال کے رکھنے والے کو بھی اس کا اجر ملتا ہے اور بعض کو اجر عطا کرنے سے دوسرے بعض کا اجر کم نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۲۵ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۲۴ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۸۵ 'سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۷۲ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۴ 'السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے کہ صدقہ دینے کے بعد اس کے پاس بہ قدر ضرورت مال باقی رہے (یعنی سارا مال صدقہ میں نہ دے دے) اور پہلے ان پر خرچ کرے جس کی کفالت اس کے ذمہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۲۶ 'مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۷۷)

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ فتن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تم میں سے کس کو سب سے زیادہ یاد ہے؟ میں نے کہا مجھے یاد ہے جس طرح آپ نے فرمایا تھا' حضرت عمر نے کہا بے شک تم اس کی صلاحیت رکھتے ہو' تو بتاؤ آپ نے کیا فرمایا تھا؟ میں نے کہا آپ نے فرمایا تھا کوئی شخص اپنی بیوی' اپنی اولاد اور اپنے پڑوسی کی وجہ سے جس فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے' تو اس کی نماز' اس کا صدقہ اور خیرات کرنا' اس کا نیک باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا' ان کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۵ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۴)

آخرت میں مسلمانوں کی اولاد کی نفع رسانی

آخرت میں اولاد کی نفع رسانی کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو تین کے سوا اس کے باقی اعمال منقطع ہو جاتے ہیں (۱) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہے (۳) اس کی نیک اولاد جو

اس کے لیے دعا کرتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۵۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں سے جس کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں' اللہ تعالیٰ ان بچوں پر رحمت کرنے کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل فرما دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۳۷' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۲)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خواتین نے یہ عرض کیا کہ ہمیں وعظ کرنے کے لیے آپ ایک دن مقرر فرما دیجیے' تو آپ نے ان کو وعظ فرمایا' اور یہ فرمایا کہ جس عورت کے بھی تین بچے فوت ہو جائیں وہ اس کے لیے دوزخ سے حجاب ہو جائیں گے ایک عورت نے کہا اور اگر دو ہوں تو! آپ نے فرمایا دو بھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۹۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا مسلمان نہیں ہوگا جس کے تین بچے فوت ہو جائیں اور وہ دوزخ میں داخل ہو مگر قسم کو پورا کرنے کے لیے۔ امام بخاری نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ (مریم: ۷۱) اور تم میں سے ہر شخص دوزخ پر وارد ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ناتمام (کچے) بچے کے ماں باپ کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا تو وہ اپنے رب سے جھگڑا کرے گا' تب اس سے کہا جائے گا اے ناتمام بچے اپنے رب سے جھگڑنے والے اپنے ماں باپ کو جنت میں داخل کر دے' تو وہ اپنے ماں باپ کو اپنی ناف سے باندھ کر گھسیٹے گا حتیٰ کہ ان کو جنت میں داخل کر دے گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۶۸)

ابن ماجہ کی سند میں مندل بن علی العنزی نام کا راوی ضعیف ہے۔

قلب سلیم کی تعریف' اس کی علامات اور اس کا مصداق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا○ (الشعراء: ۸۹)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انما اموالکم و اولادکم فتنة (التغابن: ۱۵) تمہارے اموال اور اولاد محض فتنہ ہیں۔ سو جو شخص اموال اور اولاد کے فتنہ سے سلامت رہا وہ قیامت کے دن شرمندگی سے سلامت رہے گا۔ اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

کفار یہ کہتے تھے کہ ہمارے اموال اور ہماری اولاد بہت زیادہ ہیں اور وہ اپنے اموال اور اولاد کی کثرت پر فخر کرتے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ ان کے اموال اور ان کی اولاد قیامت کے دن ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے' کیونکہ دنیا میں ان کے دل کفر اور شرک اور فسق و فجور سے سلامت نہیں رہے اور رہے مسلمان تو ان کو ان کے اموال کا صدقہ اور خیرات کرنا نفع دے گا' اور مسلمانوں کو ان کی اولاد بھی نفع دے گی کیونکہ مسلمان شخص کا بیٹا اگر اس سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ اس کے لیے ذخیرہ اور اجر بن جاتا ہے' اور اگر مسلمان کے بعد اس کا بیٹا فوت ہو تو وہ اس کے لیے دعاء خیر کرتا ہے اور اس کے نیک اعمال کا ثواب اس کو پہنچتا ہے اور اس کی شفاعت متوقع ہوتی ہے۔

قلب سلیم کا مصداق یہ ہے کہ اس کا قلب جہل اور اخلاق رذیلہ سے سلامت رہے کیونکہ جس طرح بدن کی صحت کا

سلامت رہنا اس کے مزاج کے معتدل ہونے پر موقوف ہے اور بدن کا مریض ہونا اس کے مزاج کے غیر معتدل ہونے سے عبارت ہے اسی طرح قلب کا سلامت رہنا علم اور اخلاق فاضلہ کے حصول اور جہل اور اخلاق رذیلہ سے خالی ہونے پر موقوف ہے۔

اس آیت میں یوں نہیں فرمایا سوا اس شخص کے جو اللہ کے پاس ایمان اور اسلام کے ساتھ حاضر ہوا' بلکہ فرمایا جو اس کے پاس قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوا کیونکہ ایمان وہی لاتا ہے جس کا قلب سلامت ہو اور جس کا قلب بیمار ہو وہ ایمان سے محروم رہتا ہے' اسی طرح اعمال صالحہ بھی قلب کی سلامتی پر موقوف ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام (بھی) ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں' جس کو اکثر لوگ نہیں جانتے' پس جو شخص مشتبہات سے اجتناب کرتا ہے وہ اپنے دین اور اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہے' اور جو شخص مشتبہات سے پرہیز نہیں کرتا' وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو شاہی چراگاہ کے نزدیک بکریاں چراتا ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ اس کی بکریاں اس شاہی چراگاہ سے چرلیں' سنو! ہر بادشاہ کی خاص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی خاص چراگاہ اس کی حدود ہیں' سنو! جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے' وہ درست ہو تو پورا جسم درست رہتا ہے اور وہ فاسد ہو تو پورا جسم فاسد ہو جاتا ہے' سنو وہ دل ہے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۰۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۵۵۸' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۵۳۴)

قلب سلیم کی علامات یہ ہیں (۱) اس قلب میں خوف خدا ہو (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب سے زیادہ ہو۔ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب' آپ کے قرابت دار' اولیاء اللہ اور علماء دین کی محبت ہو۔ (۴) دنیا سے دلچسپی کم اور آخرت کی طرف رغبت زیادہ ہو (۵) بے حیائی کے کاموں اور دیگر گناہوں سے نفرت ہو (۶) کینہ' حسد اور بغض سے خالی ہو (۷) عبادات سے محبت ہو (۸) ہر مسلمان کی خیر خواہی کا جذبہ ہو (۹) ایثار اور اخلاص ہو (۱۰) جب کسی شخص کے ساتھ نیکی کرے تو اس سے بدلہ کی توقع نہ کرے۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ قلب سلیم کی تعریف میں لکھتے ہیں:

سلیم اس شخص کو کہتے ہیں جو سانپ یا بچھو سے ڈسا ہوا ہو' سو قلب سلیم والا وہ شخص ہے جو خوف خدا سے ڈسا ہوا ہو' یعنی جس طرح سانپ یا بچھو سے ڈسا ہوا شخص بے چین' مضطرب اور بے کل رہتا ہے وہ بھی خوف خدا سے بے کل اور بے چین رہے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ پہلے گم راہی سے سلامت ہو' پھر بدعت سے' پھر غفلت سے پھر غیبت سے' پھر دنیاوی عیش و آرام اور دنیاوی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے یہ تمام چیزیں آفتیں ہیں اکابران سے سلامت رہتے ہیں اور اصاغران کی آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ قلب سلیم وہ ہے جو اپنے نفس کی محبت اور اس کی طرف توجہ اور ارادہ سے بھی سلامت ہو۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۴۰۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور متقین کے لیے جنت قریب کر دی جائے گی O اور گمراہوں کے لیے دوزخ کو ظاہر کیا جائے گا O اور ان سے کہا جائے گا وہ کہاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے O اللہ کو چھوڑ کر کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں؟ O پھر وہ اور تمام گمراہ لوگ' دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیے جائیں گے O اور ابلیس کا (سارا) لشکر بھی O وہ دوزخ

میں لڑتے ہوئے کہیں گے ○ اللہ کی قسم! بے شک ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ○ جب کہ (اے بتو!) ہم تم کو رب العالمین کے مساوی قرار دیتے تھے ○ اور ہمیں صرف مجرموں نے گم راہ کر دیا ○ سو ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے ○ اور نہ کوئی سچا دوست ○ اگر کاش دنیا میں ہمیں دوبارہ لوٹنا ہوتا تو ہم پکے مومن بن جاتے ○ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ○ بے شک آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

(الشعراء: ۱۰۴-۹۰)

جنت اور دوزخ کی صفات

ازلفت کا معنی ہے قریب کر دی گئی حالانکہ جنت ابھی قریب نہیں کی گئی قیامت کے دن قریب کی جائے گی' اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کا تحقق اور وقوع مستقبل میں یقینی ہو اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے' کیونکہ ماضی میں جو کام ہو چکا اس کا متحقق ہونا بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت ہوتا ہے۔

اور متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر اور شرک سے مجتنب ہوں اور وہ مسلمان جو کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہوں' اور متقین کا اعلیٰ درجہ وہ مسلمان ہیں جو گناہ صغیرہ' خلاف سنت اور خلاف اولیٰ سے بھی مجتنب ہوں۔ الشعراء: ۹۰ میں جنت کا ذکر ہے اور الشعراء: ۹۱ میں دوزخ کا ذکر ہے اور جنت اور دوزخ کے متعلق یہ حدیثیں ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت اور دوزخ میں بحث ہوئی۔ دوزخ نے کہا مجھے متکبر اور جابر لوگ دیے گئے ہیں جنت نے کہا میرے لیے کیا ہے مجھ میں تو کمزور ردی اور پس ماندہ لوگ داخل ہوں گے' اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تم میری رحمت ہو' میں اپنے بندوں میں سے جس پر رحم کرنا چاہوں گا تمہارے ساتھ اس پر رحم کروں گا' اور دوزخ سے فرمایا تم میرا عذاب ہو' میں اپنے بندوں میں سے جس کو عذاب دینا چاہوں گا تمہارے ساتھ اس کو عذاب دوں گا' اور تم میں سے ہر ایک کے لیے بھرنا اور پر کرنا ہے' رہی دوزخ تو وہ اس وقت تک پر نہیں ہوگی جب تک کہ اللہ اس میں اپنا پیر نہیں رکھ دے گا' پھر وہ کہے گی: بس! بس! بس! اس وقت بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ سے مل جائے گا' پس اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا' رہی جنت تو اللہ اس کے لیے ایک مخلوق پیدا کرے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۶' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۶۹۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا تو جبریل سے فرمایا: جاؤ جنت کی طرف دیکھو' وہ گئے اور انہوں نے جنت کی طرف دیکھا اور جنتیوں کے لیے اس میں جو نعمتیں رکھی ہیں ان کو دیکھا پھر وہ آئے اور انہوں نے کہا: اے میرے رب! تیری عزت اور جلال کی قسم! جو شخص بھی جنت کے متعلق سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہوگا' پھر جنت کے اوپر مصائب اور مشقتیں ڈال دی گئیں' پھر جبریل سے فرمایا: اے جبریل اب جاؤ اور جنت کی طرف دیکھو' انہوں نے جا کر جنت کو دیکھا' پھر آئے اور کہا اے میرے رب تیری عزت اور جلال کی قسم! مجھے خدشہ ہے کہ اب تو اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا اور فرمایا: اے جبریل! جاؤ دوزخ کی طرف دیکھو' جبریل گئے اور انہوں نے دوزخ کو دیکھا پھر کہا: اے میرے رب تیری عزت کی قسم! دوزخ کو سن کر تو کوئی شخص بھی اس میں داخل نہیں ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر شہوتیں ڈال دیں' پھر فرمایا: اے جبریل جاؤ دوزخ کی طرف دیکھو' وہ گئے اور انہوں نے دوزخ کو دیکھ کر کہا: اے میرے رب تیری عزت کی قسم! اب تو کوئی شخص بھی اس میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۷۲' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۶۹۸)

جنت اور دوزخ کس جگہ پر واقع ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جہنم غاوین کے لیے ظاہر کی گئی ہے' غاوین سے مراد کافر اور مشرک ہیں۔ کفار کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ان پر دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا' تا کہ دوزخ کا خوف اور غم ان پر طاری ہو جائے' اسی طرح جنتیوں کو بھی پہلے جنت دکھا دی جائے گی تا کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ان پر فرح اور سرور کی کیفیت طاری ہو جائے۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جنت کے متعلق فرمایا اس کو قریب کر دیا گیا ہے اور دوزخ کے متعلق فرمایا اس کو ظاہر کیا گیا ہے یعنی اس کو دکھایا گیا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ جنت اہل محشر کے قریب ہوگی اور دوزخ کو دور سے دکھایا جائے گا' ابن کمال نے یہ کہا ہے کہ جنت کی جگہ ارض محشر سے بہت دور ہے اس لیے فرمایا اس کو متقین کے قریب کر دیا گیا اور دوزخ کی جگہ ارض محشر کے قریب ہے اس لیے فرمایا اس کو ظاہر کیا گیا' ایک قول یہ ہے کہ یہ مشہور قول پر مبنی ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور دوزخ زمین میں ہے' اور قیامت کے دن جب زمین کو پھیلایا جائے گا تو اس کی گولائی کو ختم کر کے اس کو پھیلا دیا جائے گا' کیونکہ قرب اور بعد کا معاملہ اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے۔

اور یہ امر واضح رہے کہ جنت کا آسمان میں ہونا ان امور میں سے ہے جن پر اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے اور اس میں ان کا کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے' لیکن دوزخ کے زمین کے نیچے ہونے میں توقف ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اتمام الدرایہ میں کہا ہے کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور دوزخ کے متعلق ہم توقف کرتے ہیں۔ دوزخ کس جگہ پر ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' اس باب میں مجھے کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس پر مجھے اعتماد ہو اور ایک قول یہ ہے کہ دوزخ زمین کے نیچے ہے۔ علامہ سیوطی کا کلام ختم ہوا۔

زمین کو پھیلا کر اس کی گولائی کو ختم کر دینا یہ بعض کا قول ہے۔ امام قرطبی نے التذکرہ میں بہ کثرت احادیث کو نقل کرنے کے بعد یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک اور زمین کو پیدا کرے گا جو چاندی کی ہوگی اور سفید ہوگی جس پر کوئی ناحق خون بہایا گیا ہوگا نہ کوئی ظلم کیا گیا ہوگا' اور ارض محشر سے دوزخ کے قریب ہونے اور جنت کے بعید ہونے کے متعلق اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ پل صراط کو عبور کرنے کے بعد جنت تک رسائی ہوگی اور وہ پل صراط دوزخ کی پشت پر رکھا ہوا ہے جیسا کہ اس کی احادیث میں تصریح ہے' پس پہلے دوزخ تک پہنچنا ہوگا پھر پل صراط کو عبور کرنے کے بعد جنت تک رسائی ہوگی اور یہ دوزخ کے قریب ہونے اور جنت کے بعید ہونے میں واضح ہے' پھر اس آیت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت کو اس کی اصل جگہ سے ارض محشر کے قریب منتقل کیا جائے گا کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے اور جنت متقین کے قریب کر دی گئی اور احادیث میں جنت کو منتقل کرنے کا ذکر نہیں ہے' ہاں احادیث میں دوزخ کو نقل کرنے کا ذکر ہے' کیونکہ التذکرہ میں ہے' امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس دن دوزخ کو لایا جائے گا اس کے ساتھ ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دوزخ کو اس کی اصل جگہ سے لایا جائے گا۔

بہر حال اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قیامت کے دن جنت کو متقین کے لیے ارض محشر کے قریب لایا جائے گا اور دوزخ کو دکھایا جائے گا۔ اور علامہ قرطبی نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ دوزخ کی پشت پر پل صراط کو بچھا دیا جائے گا سو پہلے دوزخ سے گزر ہوگا اور پھر جنت تک رسائی ہوگی۔ (روح المعانی جز ۱۹ ص ۱۵۲-۱۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جنت آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے' اور اس سے جنت کی چار نہریں نکلتی ہیں' اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے' پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۳۱' صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۴۲۳' مسند احمد ج۵ ص۳۱۶)

اور دوزخ کے متعلق کسی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ کہاں پر ہے۔

مشرکین' ان کے باطل معبودوں اور ان کی عبادت کی ترغیب دینے والوں کی دوزخ میں حالت زار

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان سے کہا جائے گا وہ کہاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے؟ O اللہ کو چھوڑ کر' کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا وہ تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں؟ O (الشعراء: ۹۳-۹۲)

یعنی جب تم دنیا میں تھے تو کس کی دائماً عبادت کرتے تھے؟ تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جن کے متعلق تمہارا یہ زعم تھا کہ اس میدان حشر میں تمہاری شفاعت کریں گے' تم جس دوزخ کو اور اس میں عذاب کو دیکھ رہے ہو کیا وہ تم سے اس عذاب کو دور کر سکتے ہیں' یہ سوال ان سے جواب طلب کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان کی زجر و توبیخ اور ان کی ڈانٹ ڈپٹ کے لیے تھا۔ اس لیے فرمایا:

پھر وہ اور تمام گمراہ لوگ دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیئے جائیں گے O اور ابلیس کا سارا لشکر بھی O (الشعراء: ۹۵-۹۴)

اس آیت میں کبکبوا کا لفظ ہے' کب کا معنی ہے کسی چیز کو منہ کے بل گرا دینا' اور اکب کا معنی ہے کسی چیز کو اوندھے منہ اس کے کام پر گرا دینا' کبکبۃ کا معنی ہے کسی چیز کو لڑھکا کر کسی گڑھے یا غار میں گرا دینا' اور کبکبوا فیھا کا معنی ہے ان کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۴۳' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

زجاج نے کہا ہے کہ کبکبۃ کا معنی ہے کسی کو بار بار اوندھے منہ گرانا' یعنی ان کو بار بار دوزخ میں اوندھے منہ گرایا جائے گا حتیٰ کہ وہ دوزخ کی گہرائی میں پہنچ جائیں گے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ان کو اور غاوون کو دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیا جائے گا۔ اس آیت کے کئی محمل ہیں:

(۱) ان سے مراد ہے مشرکین عرب اور غاوون سے مراد ہے عام مشرکین۔

(۲) ان سے مراد ہے پیروی کرنے والے مشرکین اور غاوون سے مراد ہے' وہ سردار جن کی عام مشرکین پیروی کرتے تھے۔

(۳) ان سے مراد وہ بت ہیں جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے اور غاوون سے مراد وہ مشرکین ہیں جنہوں نے ان بتوں کی عبادت کی تھی' سو پہلے بتوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا' اس کے بعد ان کی پرستش کرنے والوں کو تاکہ بتوں کی پرستش کرنے والے اول میں ہی ان سے مایوس ہو جائیں کہ جن کی شفاعت کی ہمیں توقع تھی کہ وہ ہماری شفاعت کر کے ہم کو دوزخ کے عذاب سے چھڑا لیں گے وہ تو خود اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے گئے ہیں' ہم کو کیا چھڑائیں گے!

نیز فرمایا اور ابلیس کا سارا لشکر بھی۔ ابلیس کے سارے لشکر سے مراد جن اور انس میں سے اس کے پیروکار ہیں' اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد شیاطین ہیں' کیونکہ شیاطین نے ہی مشرکین کو بتوں کی عبادت کرنے پر اکسایا تھا' اور اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین جن کے بہکانے اور ورغلانے میں آ کر بتوں کی عبادت کرتے تھے آج وہ بہکانے والے' وہ بت اور ان کی پرستش کرنے والے سب دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہیں۔

دوزخ میں مشرکین اور بتوں کا ایک دوسرے کو مطعون کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دوزخ میں (ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے) کہیں گے ○ اللہ کی قسم! بے شک ہم ضرور کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ○ جب کہ (اے بتو!) ہم تم کو رب العالمین کے مساوی قرار دیتے تھے ○ اور ہمیں صرف مجرموں نے گمراہ کر دیا ○ (الشعراء: ۹۹-۹۶)

سابقہ آیتوں سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے والے مشرکین ان کے معبود بت اور اس عبادت کی ترغیب دینے والے شیاطین سب جہنم میں اوندھے منہ گرا دیے گئے پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ اس کے جواب میں فرمایا پھر وہ سب آپس میں لڑنے لگے:

اور بتوں کی پرستش کرنے والوں نے بتوں سے کہا بے شک ہم ضرور کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جب ہم تمہاری عبادت کرتے تھے اس طرح وہ بت پرستی پر اپنی ندامت کا اظہار اور بتوں کی عبادت کرنے میں اپنی رائے کی غلطی کا اعتراف کریں گے اور ہدایت کو اختیار نہ کرنے پر اپنی حسرت کا اظہار کریں گے اور اس دن بتوں سے اظہار برأت کرنا اور ان کی مذمت کرنا ان کے لیے سودمند نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ○ (الزخرف: ۳۹)

اور جب کہ تم ظلم کر چکے ہو تو یہ بات تم کو ہرگز نفع نہیں دے گی کہ تم سب عذاب میں مشترک ہو۔

اس وقت مشرک کہیں گے کہ ہمیں صرف مجرموں نے گمراہ کر دیا تھا۔ اس آیت میں مجرموں سے مراد کون ہیں اس میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) کیونکہ اس سے پہلے مشرکین کا بتوں اور شیاطین سے جھگڑے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرموں سے مراد وہی بت اور شیاطین ہیں۔

(۲) اس سے مراد ان کے بڑے بڑے سردار ہیں جن کی وہ عقائد میں پیروی کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے:

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ (الاحزاب: ۶۷)

اور وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے بڑوں اور اپنے سرداروں کا کہنا مانا تو انہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔

(۳) اس سے مراد ان کے اگلے باپ دادا ہیں۔

(۴) اس سے مراد وہ جن اور انس ہیں جنہوں نے ان کو بتوں کی عبادت کرنے پر اکسایا۔

(۵) ابن جریج نے کہا اس سے مراد ابلیس ہے اور قابیل ہے جس نے سب سے پہلے قتل کیا تھا اور معصیت کی بنیاد رکھی تھی۔

اس دن مشرکین حیران ہوں گے کہ اپنے کفر اور شرک کا سبب کس کو قرار دیں کبھی وہ اس کا سبب ابلیس کو قرار دیں گے کبھی اگلے باپ دادا کو اور کبھی اپنے بڑوں اور سرداروں کو اور کبھی اپنے دوسرے دوستوں کو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مشرکین آپس میں لڑ رہے ہوں اور کہہ رہے ہوں کہ تم میری گمراہی کا سبب ہو اور اگر تم نہ ہوتے تو میں مومن ہوتا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو گویائی عطا فرمائے اور وہ بت ان سے کہیں کہ ہم تو جمادات تھے اور ہر قسم کے گناہوں سے بری تھے تم نے ہم کو اپنا معبود بنالیا اور ہم کو اس ہلاکت میں مبتلا کر دیا۔

صدیق اور حمیم کا معنی

اس کے بعد مشرکین کہیں گے: سو ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے O اور نہ کوئی سچا دوست O (الشعراء:۱۰۱-۱۰۰)

جب مشرکین اور کفار یہ دیکھیں گے کہ انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ مومنوں کی شفاعت کررہے ہیں اور ان کو دوزخ اور عذاب سے نجات دلا رہے ہیں تو اس وقت وہ حسرت اور افسوس سے کہیں گے کہ ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی سچا دوست ہے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

صدیق کا معنی ہے دوست‘ اس کی جمع اصدقاء ہے‘ علامہ راغب نے کہا ہے کہ صداقۃ کا معنی ہے دوستی میں صدق اعتقاد‘ اور یہ صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۶۵‘ مکہ مکرمہ) حمیم کا معنی ہے نہایت گرم پانی اور گہرا دوست‘ اصل میں حمیم سخت گرم پانی کو کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے اس قریبی دوست کو بھی حمیم کہا جاتا ہے جو اپنے دوست کی حمایت میں گرم ہو جائے‘ اگر حمیم گرم پانی کے معنی میں ہو تو اس کی جمع حمائم ہے اور اگر گہرے دوست کے معنی میں ہو تو اس کی جمع احماء ہے۔ حمیم بہ معنی گرم پانی اس آیت میں ہے:

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا. (محمد:۱۵) — اور (کافروں کو دوزخ میں) گرم پانی پلایا جائے گا۔

اور دوست کے معنی میں اس آیت میں ہے:

وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا O (المعارج:۱۰) — اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گا۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۷۲‘ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ‘ ۱۴۱۸ھ)

مومنوں کی مغفرت اور اس پر کفار کی حسرت کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ قیامت کے دن پل صراط سے گزریں گے‘ اور صراط ایک پھسلواں جگہ ہے۔ لوگ اس سے پھسل کر دوزخ کی آگ میں گریں گے اور دوزخ کی آگ ان کو پکڑ لے گی‘ اور جس طرح برف باری کے ایام میں برف گرتی ہے اسی طرح دوزخ کی آگ ان پر گرے گی‘ اور وہ بہت زور سے چنگھاڑ رہی ہوگی‘ وہ اسی حال میں ہوں گے کہ ان کے پاس رحمان کی جانب سے ایک ندا آئے گی: اے میرے بندو! تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو خوب جانتا ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے تھے‘ پھر وہ ان کو ایسی آواز کے ساتھ جواب دے گا کہ تمام مخلوق میں سے کسی نے ایسی آواز نہیں سنی ہوگی‘ اے میرے بندو! مجھ پر حق ہے کہ میں آج تم کو اپنے سوا کسی کے سپرد نہ کروں۔ میں نے تم کو معاف کردیا اور تم سے راضی ہوگیا‘ پھر اس وقت ملائکہ شفاعت کے لیے کھڑے ہوں گے‘ پس لوگ اس جگہ سے نجات حاصل کریں گے اور جو لوگ ان کے نیچے دوزخ میں ہوں گے وہ کہیں گے کیا وجہ ہے کہ ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی سچا دوست‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر ان کو اور غاوون (بتوں) کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ان سے کہا جائے گا اب تم آخر دن تک دوزخ میں رہو۔

امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

بے شک میری امت کو قیامت کے دن جمع کیا جائے گا۔ جب وہ ارض محشر میں کھڑے ہوں گے تو اللہ کی طرف سے ایک منادی آئے گا' اور ندا کرے گا جن لوگوں نے ناحق خون بہایا ہے وہ الگ کھڑے ہو جائیں' وہ دوسروں سے الگ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے' ان کے پاس خون بہ رہا ہوگا' ان کو بلانے والا ان سے کہے گا اس خون کو ان کے جسموں میں لوٹاؤ' پھر ان سے کہے گا دوزخ کی طرف اکٹھے ہو جاؤ' پھر جس وقت ان کو دوزخ کی طرف گھسیٹ کر لایا جائے گا' ایک منادی ندا کرے گا یہ لوگ الا الٰہ الا اللہ پڑھتے تھے' پھر ان کو ایک جگہ کھڑا کیا جائے گا جہاں وہ دوزخ کی تپش محسوس کریں گے' حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حساب سے فراغت ہو جائے گی' پھر ان کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ ان کو' ان کے متبوعین کو اور ابلیس کو اور اس کے لشکر کو۔

امام ابوالشیخ' امام ابن مردویہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! آیا کوئی ایسا دن ہوگا جس میں ہمیں اللہ تعالیٰ سے کوئی مستغنی نہیں کر سکے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں تین مقامات پر' میزان کے پاس' نور اور ظلمت کے پاس۔ اور پل صراط کے پاس' جس کو اللہ سلامت رکھنا چاہے گا اس کو پل صراط سے گزار دے گا' اور جس کو چاہے گا اس کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دے گا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ! پل صراط کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک راستہ ہے' جو استرے کی مثل ہے' لوگ اس سے گزریں گے اور ملائکہ دائیں بائیں صف باندھے کھڑے ہوں گے' اس پر درخت سعدان کے کانٹوں کی طرح آنکڑے (ہک) ہوں گے اور وہ فرشتے دعا کر رہے ہوں گے' اے رب! سلامت رکھ' سلامت رکھ اور ان کے دل خالی اور اڑے ہوئے ہوں گے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا اس کو سلامت رکھے گا اور جس کو چاہے گا اوندھے منہ دوزخ میں گرا دے گا۔

(الدرالمنثور ج ۶ ص ۲۷۹-۲۷۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

مومنوں کے دوستوں کا قیامت کے دن کام آنا اور کفار کا اس نعمت سے محروم ہونا

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی جنت میں یہ کہے گا کہ میرا فلاں دوست کہاں ہے؟ اور اس کا وہ دوست دوزخ میں ہوگا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے دوست کو جنت میں بھیج دو' پھر جو لوگ دوزخ میں باقی ہوں گے وہ کہیں گے' ہمیں کیا ہوا کہ ہمارے لیے شفاعت کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی سچا دوست ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۷۲' الوسیط ج ۳ ص ۳۵۷)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں یہ روایت ہے کہ قیامت کے دن ایک بندے کا حساب لیا جائے گا اس کی نیکیاں اور برائیاں بالکل برابر ہوں گی' اور اس کو صرف ایک نیکی کی ضرورت ہوگی' جس سے وہ اپنے قرض خواہوں کو راضی کر دے' اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اے میرے بندے تیری صرف ایک نیکی رہ گئی ہے اگر وہ ہوتی تو میں تجھے جنت میں داخل کر دیتا' تم دیکھو اور لوگوں میں تلاش کرو شاید کوئی شخص تم کو ایک نیکی دے دے' وہ آ کر میدان حشر کی صفوں میں تلاش کرے گا' اپنے باپ' اپنی ماں اور اپنے دوستوں میں سے ہر ایک سے کہے گا' ان میں سے کوئی بھی اس کو ایک نیکی نہیں دے گا' اور ان میں سے ہر ایک یہ کہے گا آج ہم خود نیکیوں میں سے کسی ایک نیکی تک کے محتاج ہیں' پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اے میرے بندے! کیا تیرا کوئی وفادار دوست نہیں ہے؟ پھر اس بندے کو اپنا ایک وفادار دوست یاد آئے گا' وہ اس کے پاس جا کر اس سے ایک نیکی کا سوال کرے گا'

وہ اس کو ایک نیکی دے دے گا' وہ پھر اسی جگہ اپنے رب کو اس نیکی کے ملنے کی خبر دے گا' اللہ فرمائے گا میں نے اس نیکی کو تجھ سے قبول کرلیا' اور اس کے حق سے کسی چیز کی کمی نہیں کی' میں نے اس کو بھی بخش دیا اور تمہیں بھی بخش دیا۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ کے نزدیک دوستی کا بہت بڑا اعتبار ہے۔

حسن نے کہا زیادہ سے زیادہ مسلمانوں سے دوستی رکھو کیونکہ قیامت کے دن ان کی شفاعت ہوگی۔

حسن بصری نے کہا جب بھی کوئی جماعت اللہ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھتی ہے تو ان میں کوئی جنتی بندہ ہوتا ہے جو ان کی شفاعت کرتا ہے' اور مومنین ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شفاعت کرنے والے ہیں اور ان کی شفاعت قبول کی جانے والی ہے۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۷۳-۳۷۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ اسماعیل حقی نے جو روایت ذکر کی ہے مجھے اس کی تائید حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملی۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

کعب احبار نے بیان کیا دو آدمی دنیا میں دوست تھے' قیامت کے دن ان میں سے ایک دوسرے کے پاس سے گذرا' جس کو دوزخ کی طرف گھسیٹ کر لایا جا رہا تھا' پس اس کا بھائی اس سے کہے گا' اللہ کی قسم! تمہاری نجات کے لیے صرف ایک نیکی کی ضرورت ہے! اے میرے بھائی تم وہ نیکی لے لو تم کو اس عذاب سے نجات مل جائے گی اور میں اور تم دونوں اصحاب الاعراف سے ہو جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں داخل کرنے کا حکم دے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۱۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یہ حدیث اسرائیلیات میں سے ہے۔

ان روایات سے یہ معلوم ہو گیا کہ مومنوں کے دوست آخرت میں ان کے کام آئیں گے اور کفار اس نعمت سے محروم ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝ (الزخرف: ۶۷)

اس دن سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے۔

اس دن جب کفار دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی شفاعت انبیاء' ملائکہ اور ان کے دنیا کے دوست کر رہے ہیں تو اس وقت وہ حسرت سے کہیں گے' ہماری شفاعت کرنے والا کوئی نہیں ہے اور نہ ہمارا کوئی وفادار دوست ہے' اور جن کو ہم دنیا میں اپنا دوست اور نجات دہندہ سمجھتے تھے آج وہ خود عذاب میں گرفتار ہیں اور نجات کے طالب ہیں اور جن بتوں کو ہم خدا سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے وہ سب ہم سے پہلے جہنم میں جا گرے ہیں۔

مصائب میں گھر کر انسان کا اللہ کی طرف رجوع کرنا اور مصائب دور ہونے کے بعد پھر غافل ہو جانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (پھر مشرکین کہیں گے) اگر کاش ہمیں دنیا میں دوبارہ لوٹنا ہوتا تو ہم پکے مومن بن جاتے ۝ (الشعراء: ۱۰۲)

ان کا یہ کلام افسوس اور حسرت کے اظہار کے لیے ہے' اور اگر ان کو دنیا میں لوٹا دیا جاتا تو وہ ضرور دوبارہ ان کاموں کو کرتے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا' کیونکہ جو بندہ ایمان پر کفر کو اختیار کرے اور اللہ اس میں گمراہی کو پیدا کر دے اس کو پھر کوئی ہدایت نہیں دے سکتا' خواہ ان کو دنیا میں بار بار لوٹایا جائے کیا دنیا میں ایسا نہیں ہوتا کہ ایک شخص کے گناہوں کی شامت اعمال سے اس پر کوئی مصیبت آ جاتی ہے وہ گڑگڑا کر اللہ سے دعا کرتا ہے کہ اس بار اس کو معاف کر دے وہ دوبارہ ایسے برے کام نہیں

کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے اور جب وہ مصیبت دور ہو جاتی ہے تو وہ اس گرفت کو بھول جاتا ہے پھر حسب سابق برائیوں میں مشغول ہو جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوا إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ (الزمر: ۸)

اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے دعا کرتا ہے' پھر جب وہ اپنے پاس سے اس کو نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کر رہا تھا۔

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ○ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ○ (الانعام: ۶۴-۶۳)

آپ کہیے وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے نجات دیتا ہے' (جب) تم اس کو گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو اگر تو ہم کو ان تاریکیوں سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو ان تاریکیوں سے اور ہر غم سے نجات دیتا ہے' پھر تم شرک کرنے لگتے ہو ○

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ○ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (یونس: ۲۳-۲۲)

وہی ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں (محو سفر) ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ لوگوں کو لے کر جا رہی ہوں' اور لوگ ان سے خوش ہو رہے ہوں' تو (اچانک) ان کشتیوں پر تیز آندھی آئے اور (سمندر کی) موجیں ہر طرف سے ان کو گھیر لیں اور لوگ یہ یقین کر لیں کہ وہ (طوفان میں) پھنس چکے ہیں' اس وقت وہ دین میں مخلص ہو کر اس سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچا لیا تو ہم ضرور تیرا شکر بجا لانے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ پھر جب اللہ نے انہیں بچا لیا تو پھر وہ یکایک زمین میں ناحق بغاوت (فساد) کرنے لگتے ہیں' اے لوگو! تمہاری بغاوت صرف تمہارے لیے ہی (مضر) ہے۔ دنیا کی زندگی کا کچھ فائدہ (اٹھا لو) پھر تم نے ہماری ہی طرف لوٹنا ہے' پھر ہم تمہیں ان کاموں کی خبر دیں گے جو تم کرتے تھے۔

سو جس طرح ناشکرے انسان اور کفار مصائب میں گھر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مصائب دور ہو جانے کے بعد پھر اس سے منحرف ہو جاتے ہیں اور اپنی روش پر لوٹ جاتے ہیں' اسی طرح کفار قیامت کے دن دوزخ کا عذاب دیکھ کر یہ کہیں گے کہ اگر ہمیں پھر ایک بار دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم شرک نہیں کریں گے لیکن اللہ کو خوب علم ہے کہ اگر ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا گیا تو یہ پھر اسی طرح شرک کریں گے اور قیامت کے اس عذاب کو بھول جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا رحیم ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ○

(الشعراء)

یعنی حضرت ابراہیم اور ان کی قوم کا جو قصہ ذکر کیا گیا ہے اس میں ان لوگوں کو غور وفکر کرنا چاہیے اور عبرت حاصل کرنا چاہیے جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ جان لیں کہ جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ آخرت میں ان کے کسی کام نہ آسکیں گے ان کو کسی ضرر سے نہیں بچا سکیں گے اور نہ ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں گے اور وہ بالآخر ان سے بیزار ہو جائیں گے تو کیوں نہ دنیا میں ہی ان کی عبادت کرنے سے بری ہو جائیں اور شرک کو ترک کر دیں اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں' خصوصاً اہل مکہ کو اس میں غور کرنا چاہیے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ملت ابراہیم پر ہیں۔ اور حضرت ابراہیم کی قوم کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے' جس طرح ابتداءً اہل مکہ میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے تھے۔ روایت ہے کہ اہل بابل میں سے حضرت ابراہیم پر صرف حضرت لوط اور نمرود کی بیٹی ایمان لائی تھی۔ (روح البیان ج۶ ص ۳۷۳)

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب' بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الشعراء: ۱۰۴)

اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے جب چاہے منکرین اور مشرکین پر عذاب بھیج کر ان کو نیست ونابود کر سکتا ہے' اور بہت رحیم ہے کہ وہ عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا اور مشرکین کو رجوع کرنے اور توبہ کرنے کی مہلت دیتا ہے اور جو اس کی بارگاہ میں توبہ کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت واسعہ سے قریش کو ایمان لانے کی مہلت دی یا یہ کہ ان کی اولاد میں سے کوئی ایمان لے آئے۔

انسان کا نفس اس کو برائی کا حکم کرتا ہے اس لیے وہ اس کو کفر کا حکم دیتا ہے اور کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے نفس امارہ کی مخالفت کر کے ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں اس لیے فرمایا ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ رحیم ہے وہ اپنی رحمت سے ان لوگوں کو اپنی راہ دکھاتا ہے جو اس کی طرف پہنچنے کے لیے کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں' ہر چند کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کے کرم سے حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے لیے ہدایت کے اسباب کو حاصل کرنا ضروری ہے اور انسان اس دنیا میں ہی اللہ کی نافرمانی کرنے پر اپنے نفس کو ملامت کرے اور گناہوں پر توبہ کرے اور ان کا تدارک اور تلافی کرے بجائے اس کے کہ قیامت کے دن کفار کی طرح اپنے برے اعمال پر کف افسوس ملے اور پچھتائے اور یہ تمنا کرے کہ کاش اس کو ایک اور نیکی کرنے کا موقع دیا جائے اور پھر دنیا میں بھیج دیا جائے' سو وہ اس دنیا میں ہی اپنے برے کاموں پر خود کو ملامت کرے اور توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے اور اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور بہت رحیم ہے' اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے قارئین کو غور سے سننے والا اور عبرت حاصل کرنے والا بنائے' اپنی خامیوں کی اصلاح کرنے والا' توبہ کرنے والا اور نیک عمل کرنے والا بنائے۔ ہدایت پر مستقیم رکھے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے اور دنیا' قبر' حشر اور آخرت کے تمام مراحل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت' آپ کی شفاعت اور آپ کے قرب سے متمتع فرمائے۔ (آمین)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ

نوح کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان کے ہم قبیلہ

نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

نوح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ سے ڈرو

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

اور میری اطاعت کرو ○ اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف

عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا

رب العٰلمین پر ہے ○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ ان کی قوم نے کہا

اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا

کیا ہم آپ پر ایمان لے آئیں حالانکہ آپ کی پیروی پسماندہ لوگوں نے کی ہے ○ نوح نے کہا ان کے کاموں

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾

کو جاننے سے مجھے کیا سروکار ہے ○ ان کا حساب تو صرف میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں کچھ شعور ہو ○

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوْا

اور میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں ○ اور میں تو صاف طور پر (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں ○ (ان کی

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ

قوم نے کہا) اے نوح! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو سنگسار کر دیا گیا ○ (نوح نے) عرض

النصف

اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ

کیا: اے میرے رب! میری قوم نے میری تکذیب کر دی ○ پس تو میرے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے اور مجھے اور

وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي

ان لوگوں کو نجات دے دے جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں ○ پس ہم نے ان کو نجات دے دی اور ان لوگوں کو جو

الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

بھری ہوئی کشتی میں ان کے ساتھ تھے ○ بعد ازاں باقی تمام لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا ○ بے شک اس میں

لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ○ بے شک آپ کا رب ضرور بہت غالب

ع ۶ ۱۸ ۱۰

الرَّحِیْمُ ع ﴿۱۲۲﴾

بہت رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نوح کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان کے ہم قبیلہ نوح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں اس (تبلیغ دین) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O (الشعراء: ۱۱۰-۱۰۵)

ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے

یہ اس سورت میں انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ہے اور یہ تیسرا قصہ ہے۔ اس سے پہلے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے قصے بتائے تھے اور یہ بتایا تھا کہ ان کی قوم ان کا پیغام سن کر کیسی بدتمیزی اور گستاخی کے ساتھ پیش آئی اور ان کے معجزات دیکھنے اور ان کے دلائل سننے کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی پر جمی رہی اور ایمان نہ لائی۔ سو اگر آپ کی قوم بھی آپ کے پیغام کی تکذیب کرتی ہے اور ایمان نہیں لاتی اور ضد اور عناد سے کام لیتے ہوئے اپنے آباؤ اجداد کی تقلید پر جمی رہتی ہے تو آپ غم اور افسوس نہ کریں تمام نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ایسا ہوتا آیا ہے۔

فرمایا: نوح کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (الشعراء: ۱۰۵) اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے صرف حضرت نوح کی تکذیب کی تھی تو یہ ایک رسول کی تکذیب ہوئی تمام رسولوں کی تکذیب تو نہ ہوئی' پھر یہ کیوں فرمایا انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی' اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے ایک رسول کی تکذیب کی اس نے تمام رسولوں کی تکذیب کی کیونکہ تمام رسولوں کا پیغام ایک ہوتا ہے وہ سب اللہ کو واحد ماننے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ کا شریک بنانے سے منع کرتے ہیں' اور اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہیں' برے کاموں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں کی ترغیب دیتے ہیں اور اللہ کے نہ ماننے پر عذاب سے ڈراتے ہیں اور اس کے ماننے پر آخرت میں ثواب کی بشارت دیتے ہیں۔ تمام رسولوں کا یہی مشن ہوتا ہے اس لیے جس نے ایک رسول کا انکار کیا اس نے گویا سب رسولوں کا انکار کر دیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ تمام رسولوں کی رسالت کے اثبات کا طریقہ ایک ہے۔ سب رسول دلائل اور معجزات سے اپنی نبوت اور رسالت کو ثابت کرتے ہیں اور اپنی سابقہ پاکیزہ حیات اور اپنے صدق اور امانت کو اپنی رسالت کی دلیل قرار دیتے ہیں' سو جس نے کسی ایک رسول کا انکار کیا تو اس نے سب رسولوں کا انکار کر دیا کیونکہ سب رسولوں کی رسالت کے اثبات کا طریقہ واحد ہے' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر رسول تمام رسولوں کی تصدیق کرنے کا حکم دیتا ہے تو جس نے کسی ایک رسول کی تکذیب کی تو اس نے تمام رسولوں کی تکذیب کر دی' اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ المرسلین میں الف لام جنس کا ہے اور جنس کا الف لام جمعیت کے معنی کو باطل کر دیتا ہے اور اس آیت کا معنی ہے انہوں نے جنس رسالت کی تکذیب کر دی' پانچواں جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے عقائد دھریوں اور برہمنوں کی طرح ہوں اور وہ نبوت کو بالکل نہ مانتے ہوں۔

حضرت نوح کو بھائی کہنے کی توجیہ اور ان کی نبوت پر دلیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ان کے ہم قبیلہ نوح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ (الشعراء: ۱۰۶) اس آیت

...ہیں اذقال لھم اخوھم نوح ...... جب ان کے بھائی نوح نے کہا' ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کے نسباً بھائی تھے نہ دینی بھائی تھے تو یہاں بھائی سے مراد یہ ہے کہ ان کے قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ ان کا بھائی اس لیے کہا کہ ان کی قوم ان سے متنفر نہ ہو' کہ وہ کوئی اجنبی شخص ہیں بلکہ وہ ان ہی کی قوم کے ایک فرد ہیں' ان ہی کی جنس سے ہیں اور ان ہی کی زبان بولنے والے ہیں اور جن احکام پر عمل کرنے کی وہ دعوت دے رہے ہیں ان پر عمل کرنا کوئی مشکل نہیں ہے' کیونکہ وہ خود بھی ان احکام پر عمل کر رہے ہیں۔ بعض علماء نے اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کو بھائی کہنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ ہم نے اس پر مفصل بحث ھود: ۵۰ میں کردی ہے' دیکھیے تبیان القرآن ج ۵ ص ۵۶۷-۵۶۳)

حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے دلائل کے مقابلہ میں اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کو ترجیح دے رہے تھے۔

اس کے بعد حضرت نوح نے کہا: بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ (الشعراء: ۱۰۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو وحی نازل کی ہے وہ میرے پاس امانت ہے' میں اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا اور جوں کی توں وحی اور اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیتا ہوں' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں امانت دار مشہور تھے جس طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے اپنی قوم میں الصادق الامین کے لقب سے مشہور تھے' اس قول سے حضرت نوح علیہ السلام یہ دلیل قائم کرنا چاہتے تھے کہ جب میں لوگوں کی امانت میں کوئی خیانت نہیں کرتا تو اللہ کے معاملہ میں کیسے خیانت کر سکتا ہوں کہ اس نے مجھے نبی نہ بنایا ہو اور مجھ پر وحی نازل نہ کی ہو اور میں کہوں اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے اور مجھ پر وحی نازل کی ہے' سو جس طرح اس آیت سے حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس آیت سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد حضرت نوح نے فرمایا: سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (الشعراء: ۱۰۸)

یعنی جب میرا رسول ہونا دلیل سے ثابت ہو گیا تو پھر تم میری اطاعت کرو' اور اللہ کے عذاب سے ڈرو' کیونکہ اگر تم میری اطاعت نہیں کرو گے تو تم پر اللہ عذاب نازل فرمائے گا' لہٰذا تم میرے کہنے سے اللہ کو واحد مانو' اور شرک اور بت پرستی کو ترک کردو۔

مواعظ اور خطابات پر اجرت لینے کا جواز

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا (حضرت نوح نے کہا): اور میں اس (تبلیغ دین) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے۔ (الشعراء: ۱۰۹)

یعنی میں نے اپنی کسی ضرورت یا لالچ کی بنا پر نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور تم تک دین کے احکام پہنچانے میں جو میں مشقت اٹھا رہا ہوں اس پر میں تم سے کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں بلکہ اس محنت اور مشقت پر میں صرف اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طالب ہوں۔

بعض علماء نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ تبلیغ دین میں جو مشقت ہوتی ہے اس پر لوگوں سے معاوضہ لینا اور نذرانے وصول کرنا جائز نہیں ہے' چنانچہ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

جو شخص اللہ کے لیے عمل کرتا ہے وہ اس کا اجر غیر اللہ سے طلب نہ کرے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ علماء جو انبیاء کے وارث ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے آداب کے ساتھ متصف ہوں' اور وہ علوم کی اشاعت اور تبلیغ میں لوگوں سے کچھ طلب نہ کریں اور

اپنی تعلیم، تدریس، وعظ اور خطابات سے کوئی نفع حاصل نہ کریں کیونکہ جو علماء اپنے مواعظ اور خطابات کا سننے والے مسلمانوں سے کوئی نذرانہ لیتے ہیں تو ان کے مواعظ سننے والوں کو کوئی برکت حاصل نہیں ہوتی اور نہ علماء کو وعظ سنا کر نذرانے لینے اور معمولی دنیاوی معاوضہ کے بدلہ میں دین فروخت کرنے سے کوئی برکت حاصل ہوگی۔

(روح البیان ج ٦ ص ٣٧٥-٣٧٤ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤٢١ھ)

ہر چند کہ علامہ اسماعیل حقی نے قرآن اور حدیث کی اجرت لینے میں صرف برکت کی نفی کی ہے جواز کی نفی نہیں کی، تاہم ہمارے نزدیک برکت کی نفی بھی صحیح نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی اجرت لینے کی اجازت دی ہے اور اکابر صحابہ کرام دینی خدمات کا معاوضہ لیتے رہے ہیں تو اس معاوضہ کو بے برکت اور بے فیض کہنا کس طرح صحیح ہوگا!

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

ان احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله.

جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٧٣٧، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

امام محمد بن سعد متوفی ٢٣٠ھ اپنی سند کے ساتھ عطاء بن السائب سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا تو وہ صبح کو کپڑوں کی ایک گٹھڑی لے کر فروخت کرنے کے لیے بازار گئے۔ ان کی حضرت عمر اور ابو عبیدہ بن جراح سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا: اے خلیفہ رسول! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا بازار! ان دونوں نے کہا آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ مسلمانوں کے خلیفہ بن چکے ہیں، حضرت ابوبکر نے کہا پھر میں اپنے اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ ان دونوں نے کہا آپ چلیے ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کرتے ہیں، پھر انہوں نے حضرت ابوبکر کے لیے ہر روز آدھی بکری اور سر اور پیٹ ڈھانپنے کا لباس مقرر کیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ٣ ص ١٨٤ مطبوعہ دار صادر بیروت، الطبقات الکبریٰ ج ٣ ص ١٣٧ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا میں نے اپنے لیے بیت المال کو یتیم کے درجہ میں قرار دیا ہے جو مستغنی ہو وہ اجتناب کرے اور جو ضرورت مند ہو وہ کھالے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ٣ ص ٢٧٦ مطبوعہ دار صادر بیروت، الطبقات الکبریٰ ج ٣ ص ٢٠٩ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور جن روایات میں قرآن اور حدیث کی تعلیم پر اجرت لینے سے منع کیا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں، اس کی مکمل تفصیل شرح صحیح مسلم ج ٧ ص ١٠٧١-١٠٣٥ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے دوبارہ کہا: سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (الشعراء: ١١٠)

اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دوبارہ یہ کلام فرمایا، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے انہوں نے کہا تھا بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں اس کے بعد فرمایا: سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو یعنی جب میری رسالت ثابت ہوگئی تو تم میری اطاعت کرو ورنہ تم اللہ کے عذاب کے مستحق ہوگے، اور دوسری بار جب فرمایا میں اس تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، تو دوبارہ فرمایا سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو یعنی جب یہ واضح ہوگیا کہ میرا تمہیں دین پہنچانا محض اخلاص سے ہے اور میں تم سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لے رہا تو تم پر میری اطاعت کرنا واجب ہے، خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے دو مرتبہ اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا۔ دونوں حکموں کے دو مختلف سبب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی قوم نے کہا کیا ہم آپ پر ایمان لے آئیں حالانکہ آپ کی پیروی پس ماندہ لوگوں نے کی ہے O نوح نے کہا ان کے کاموں کو جاننے سے مجھے کیا سروکار ہے O ان کا حساب تو صرف میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں کچھ شعور ہو O اور میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں O اور میں تو صاف طور پر (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں O

(الشعراء: ۱۱۵-۱۱۱)

جن نیک لوگوں کو معاشرہ میں پست اور بے وقعت سمجھا جاتا ہے اللہ کے نزدیک وہی عزت والے ہیں

یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا ہم کیسے آپ پر ایمان لائیں حالانکہ جو لوگ آپ کی پیروی کر رہے ہیں وہ بہت پس ماندہ ہیں' ان کے پاس مال و دولت ہے نہ معاشرہ میں کوئی نمایاں حیثیت ہے' جب آپ کے ساتھ نچلے درجہ کے لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں تو ہم آپ کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے' قرآن مجید میں ان کے لیے ارذلون کا لفظ ہے اور یہ ارذل کی جمع ہے' اور رذالت کا معنی ہے خست اور گھٹیا پن' جن سے نفرت کی جائے۔ ان کی قوم کا مطلب یہ تھا کہ آپ کی پیروی نہایت بے وقعت لوگوں نے کی ہے جن کا کوئی وزن اور شمار نہیں ہے کیونکہ یہ کم عقل لوگ ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے یہ جوتیاں گانٹھنے والے اور حجامت کرنے والے لوگ ہیں ان کو کیا خبر کہ کس کی عبادت کرنی چاہیے اور کس کی نہیں' ان کے نزدیک عزت اور وجاہت والے لوگ وہ تھے جن کے پاس مال و دولت ہو معاشرہ میں ان کا اونچا مقام ہو' اور وہ لوگ اس بات سے جاہل تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں کی مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں ہے' کیونکہ اصل نعمت تو آخرت کی نعمت ہے اور یہ نعمت اللہ تعالیٰ کے خوف' اس کی اطاعت اور اس کے نبی کی محبت اور اس کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے سو عزت اور وجاہت والا وہی ہے جو اس نعمت سے سرفراز ہو اور ارذل اور پس ماندہ وہ ہے جو اس نعمت سے محروم ہو' اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کفار قریش آپ کے اصحاب کو ارذل اور گھٹیا کہتے تھے' اور ہر زمانے میں انبیاء علیہم السلام کے پیروکاروں کو متکبر لوگ ارذل اور گھٹیا کہتے رہے ہیں' اور انبیاء علیہم السلام کے زیادہ تر پیروکار وہی ہوتے ہیں جن کو معاشرے میں کم حیثیت' بے وقعت اور گھٹیا سمجھا جاتا ہے' اسی طرح اولیاء اللہ جو انبیاء علیہم السلام کے علوم کے وارث ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی معاشرہ کے اسی طبقہ سے ہوتا ہے جس کو پس ماندہ کہا جاتا ہے' اور بہت کم مالدار لوگوں اور دنیاوی سرداروں کو ولایت کی دولت نصیب ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ (الحجرات: ۱۳) اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور متقی ہے۔

آج ہمارے معاشرہ میں زیادہ عزت والا اس کو سمجھا جاتا ہے جو سرمایہ دار ہو' وزیر ہو' بینک یا کسی اور ادارہ میں بہت بڑا افسر ہو خواہ اس کی دولت' اسمگلنگ' جعلی اشیاء بنانے' سودی کاروبار' نشہ آور اشیاء کی فروخت اور رشوت سے حاصل ہوئی ہو' جو شخص جتنا زیادہ حرام ذرائع سے روزی حاصل کرنے والا ہو وہ اتنا بڑا عزت دار ہے' اور جو زمین کھودنے والا' سڑکیں اور مکان بنانے والا مزدور ہو' محنت مشقت سے دیواروں پر رنگ کرنے والا رنگریز ہو' جوتی کی مرمت کرنے والا موچی ہو جو اپنی محنت مشقت سے رزق حلال کھاتا ہو اس کو نچلے درجہ کا اور گھٹیا ذات کا سمجھا جاتا ہے اور اس کو اشراف میں شمار نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ بڑے بڑے نامور علماء اور فقہاء اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کو ان کے ان ہی پیشوں سے پکارا جاتا تھا۔ امام بزاز کپڑا بیچتے تھے' بزاز کپڑا بیچنے والے کو کہتے ہیں۔ امام خصاف جوتیوں کی مرمت کرتے تھے' خصاف جوتی مرمت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ امام حداد لوہار تھے' حداد لوہار کو کہتے ہیں۔ امام غزالی کپڑا بنتے تھے اس کو غزالی کہتے ہیں۔ علامہ قدوری مٹی کی ہنڈیا بناتے

تھے اس کو قدوری کہتے ہیں جس کو لوگ کمہار کہتے ہیں۔ آج ان پیشوں کو گھٹیا اور باعث عار سمجھا جاتا ہے اور یہ فقہاء ان پیشوں سے مشہور ہیں اور ان پر فخر کرتے تھے اور اللہ کے نزدیک یہی لوگ عزت والے ہیں۔

احکام شرعیہ ظاہر پر مبنی ہیں اور باطن اللہ کے سپرد ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نوح نے کہا ان کے کاموں کو جاننے سے مجھے کیا سروکار؟ (الشعراء: ۱۱۲) ان کی قوم نے کہا تھا کہ یہ لوگ غور و فکر اور بصیرت سے ایمان نہیں لائے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا مجھے ان کے پیشوں سے کوئی سروکار نہیں ہے انہوں نے میرے سامنے اللہ کا شریک قرار دینے سے توبہ کی اور اللہ کی وحدانیت کا اعتراف اور اقرار کیا میرے لیے یہ کافی ہے اور کہا: ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں کچھ شعور ہو۔ (الشعراء: ۱۱۳)

یعنی ان کے دل میں اخلاص ہے یا نفاق ہے یہ جاننا اور یہ فیصلہ کرنا میرا منصب نہیں ان کے باطن اور ان کے دل کی تفتیش کرنا میرا کام نہیں ہے' میرا کام صرف ظاہر پر حکم لگانا ہے اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں حتیٰ کہ وہ یہ گواہی دیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور جب وہ ایسا کرلیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے ماسوا حق اسلام کے' (اور اگر انہوں نے کوئی جرم مخفی رکھا) تو اس کا حساب کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۰۸۷ عالم الکتب)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا اللہ سے ڈریئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر افسوس ہے اگر میں اللہ سے نہیں ڈروں گا تو پھر کون اللہ سے ڈرے گا' پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر چل دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اس شخص کی گردن نہ اڑا دوں! آپ نے فرمایا: نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہو! حضرت خالد نے کہا کتنے نماز پڑھنے والے ہیں وہ زبان سے جو کچھ پڑھتے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہوتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کو چیر کر دیکھوں اور نہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے باطن کی تفتیش کروں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۸)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب غزوہ تبوک میں آپ کے ساتھ نہ جانے والے اسی (۸۰) سے زیادہ منافقوں نے آپ کے سامنے جھوٹے بہانے کر کے عذر پیش کیے تو:

فقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علانیتھم وبایعھم واستغفرلھم ووکل سرائرھم الی اللہ. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۹)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کیے ہوئے بہانوں کو قبول کرلیا اور ان کو بیعت کرلیا اور ان کے لیے استغفار کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کے دروازہ کے باہر لوگوں کے لڑنے کی آواز سنی' آپ حجرے سے باہر نکل کر ان کے پاس گئے اور فرمایا میں صرف بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) اور بے شک میرے پاس دو لڑنے والے فریق آتے ہیں' پس ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی فریق اپنے موقف کو زیادہ چرب زبانی کے ساتھ پیش کرے اور میں (ظاہر کے اعتبار سے) یہ گمان کروں کہ وہ سچا ہے۔ پس (بالفرض) میں اس کے متعلق کسی مسلمان کے حق

فیصلہ کردوں تو دراصل وہ آگ کا ٹکڑا ہے' خواہ وہ اس کو لے یا اس کو ترک کردے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۵۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۸۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۳۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۴۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۱۷)

عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وحی کی وجہ سے لوگوں پر گرفت ہوتی تھی اور اب وحی منقطع ہو چکی ہے اور اب ہم تمہاری صرف اس چیز پر گرفت کریں گے جو تمہارے عمل سے ظاہر ہوگی' سو جو شخص ہمارے سامنے کسی خیر اور نیکی کو ظاہر کرے گا ہم اس کو مامون رکھیں گے اور اس کو مقرب بنائیں گے' اور اس کے باطن کی کوئی چیز ہمارے سپرد نہیں ہے اس کے باطن کا اللہ حساب لے گا' اور جس نے ہمارے سامنے کسی برے کام کو ظاہر کیا تو ہم اس کو امن نہیں دیں گے اور اس کی تصدیق نہیں کریں گے خواہ وہ یہ کہے کہ اس کا باطن نیک ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۴۱' مطبوعہ دار ارقم بیروت)

امام عبدالبر نے تمہید میں لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ دنیا کے احکام ظاہر پر مبنی ہیں اور باطنی معاملات اللہ کے سپرد ہیں۔ (المقاصد الحسنہ فی الاحادیث المشتہرہ ج ۱ ص ۱۲۲-۱۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

امیر کافروں کی خوشنودی کے لیے غریب مسلمانوں کو نہ اٹھایا جائے

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے متکبرین سے کہا: اور میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں ○ اور میں تو صاف طور پر (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں ○ (الشعراء: ۱۱۵-۱۱۴)

اس آیت سے التزامی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے متکبرین نے ان سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لائیں تو ان بے وقعت اور گھٹیا لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیں کیونکہ ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔ ان کے ساتھ بیٹھنے میں ہماری توہین ہے' تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں ان کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ میں تو صرف اللہ کا رسول ہوں جسے مکلفین کو ڈرانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے' اور کفر اور شرک اور گناہوں سے منع کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے' خواہ وہ امیروں سے ہو یا غریبوں سے' سو امیروں کو قریب کرنے کے لیے غریب مسلمانوں کو دھتکارنا میرے لیے کب مناسب ہے بلکہ جس نے میرے پیغام کو قبول کرلیا وہی میرے قریب ہے اور جس نے میرے پیغام کو رد کر دیا وہ مجھ سے بعید ہے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کفار قریش کے متکبرین نے اسی طرح کہا تھا:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چند نفوس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ان لوگوں کو اپنے پاس سے دھتکار دیں' یہ ہم پر (برابری کی) جرأت نہ کریں' حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا: میں تھا اور ایک مسلمان ھذیل سے تھا' اور بلال تھے اور دو مسلمان اور تھے جن کا میں نام نہیں لے رہا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وہ آیا جو اللہ نے چاہا اور آپ نے اپنے دل سے کوئی بات کی تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الانعام: ۵۲)

اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجیے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں' در اں حالیکہ وہ اس کی رضا طلب کرتے رہتے ہیں' ان کا حساب بالکل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سرِ مو ان کے ذمہ نہیں ہے۔ پس اگر (بالفرض) آپ

نے ان کو دور کر دیا تو آپ غیر منصفوں سے ہو جائیں گے۔

اس آیت کی مکمل تفصیل اور تحقیق کے لیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۴۸۹-۴۸۵ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ان کی قوم نے کہا) اے نوح! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو سنگسار کر دیا گیا O (نوح نے) عرض کیا: اے میرے رب! میری قوم نے میری تکذیب کر دی O پس تو میرے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے اور مجھے اور ان لوگوں کو نجات دے دے جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں O پس ہم نے ان کو نجات دے دی اور ان لوگوں کو جو بھری ہوئی کشتی میں ان کے ساتھ تھے O بعد ازاں باقی تمام لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا O بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O بے شک آپ کا رب ضرور بہت غالب اور بہت رحم فرمانے والا ہے O (الشعراء: ۱۲۲-۱۱۶)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے خلاف دعا کی توجیہ

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے متکبرین حضرت نوح علیہ السلام کے دلائل کا جواب نہ دے سکے تو انہوں نے حضرت نوح کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں جیسا کہ ہر وہ شخص کرتا ہے جو دلائل سے عاجز ہو اور لاجواب ہو جائے' انہوں نے یہ دھمکی دی کہ اگر وہ اپنی تبلیغ سے باز نہ آئے تو وہ حضرت نوح کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے' تب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنی قوم کے متکبرین کے خلاف دعا کی: اے میرے رب میری قوم نے میری تکذیب کر دی' پس تو میرے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے۔ اس سے حضرت نوح کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یہ خبر دے رہے ہیں کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کر دی ہے کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشھادۃ ہے۔ لیکن ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ قوم کے خلاف دعا کرنے کا اپنی طرف سے عذر پیش کریں کہ وہ اپنی قوم کے خلاف اس لیے دعا نہیں کر رہے کہ قوم نے ان کی تکذیب کی ہے اور ان کو ایذاء پہنچائی ہے بلکہ وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اے اللہ! میں صرف تیری اور تیرے دین کی وجہ سے ان کے خلاف دعا کر رہا ہوں کیونکہ انہوں نے تیری وحی اور تیری رسالت کی تکذیب کی ہے۔

حضرت نوح نے دعا کی: تو میرے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے' اس سے حضرت نوح کی مراد یہ تھی کہ تو ان کے اوپر عذاب نازل فرما' کیونکہ اس کے بعد حضرت نوح نے یہ دعا کی: اور مجھے اور ان لوگوں کو نجات دے دے جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس ہم نے ان کو نجات دے دی اور ان لوگوں کو جو بھری ہوئی کشتی میں ان کے ساتھ تھے' بعد ازاں باقی لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا۔

اس آیت میں الفلک المشحون کا لفظ ہے' الفلک کا معنی ہے کشتی اور المشحون کا معنی ہے بھری ہوئی۔ وہ کشتی انسانوں اور جانوروں سے بھری ہوئی تھی' اس کشتی میں ہر قسم کے حیوان تھے اور کھانے پینے اور برتنے کی وہ تمام چیزیں تھیں جن کا تعلق ضروریات زندگی سے ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تمام روئے زمین کے لوگوں کے لیے رسول بنایا تھا اور یہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا اور حضرت نوح کے متبعین کے سوا روئے زمین کے تمام لوگوں کو غرق کر دیا تھا اسی لیے فرمایا ہے ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا تھا ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا یعنی فرعونیوں کو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر جو طوفان آیا تھا اس کی تفصیل ہم ھود: ۴۸-۳۷

بیان کر چکے ہیں اس کو جاننے کے لیے سورہ ھود کی ان آیات کا مطالعہ فرمائیں۔

الشعراء: ۱۲۲ میں فرمایا بے شک آپ کا رب ضرور غالب ہے یعنی وہ جن کافروں کو عذاب دینے کا ارادہ کرے ان پر ضرور غالب ہے اور بہت رحم فرمانے والا ہے یعنی جو توبہ کرے اس پر رحم فرماتا ہے یا عذاب کو موخر کر کے کافروں پر بھی اس دنیا میں رحم فرماتا ہے۔

قصہ نوح کے بعض اسرار

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں اس آیت کا مکرر ذکر فرمایا: بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے (الشعراء: ۱۲۱) اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ایمان والے کم لوگ تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے اکثر لوگ اللہ کے نزدیک اسفل اور ارذل ہیں اور جو لوگ اللہ کے نزدیک معظم اور مکرم ہوں وہ بہت کم ہیں اور اللہ کے نزدیک معظم اور مکرم وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور متقی اور پرہیز گار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات: ۱۳) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔

اور بے شک آپ کا رب عزیز اور غالب ہے تو جو اللہ کے نزدیک ارذل' اسفل اور نیچ لوگ ہیں وہ اس کی طرف ہدایت نہیں پاتے' اور وہ بہت رحم فرمانے والا ہے تو جو اس کے نزدیک معزز اور مکرم ہیں وہ اپنی رحمت سے ان کو اپنی طرف ہدایت دینے کے لیے چن لیتا ہے۔

ان آیات میں حضرت نوح سے انسان کے قلب کی طرف اشارہ ہے اور ان کی قوم سے نفس اور اس کی صفات کی طرف اشارہ ہے اور مومنین سے انسان کے جسم اور اس کے اعضاء کی طرف اشارہ ہے' کیونکہ انسان کا جسم اور اس کا قلب اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر احکام شرعیہ پر عمل کرتے ہیں' اور بھری ہوئی کشتی سے شریعت کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام' اوامر اور نواہی' اور مواعظ' اسرار اور حقائق اور معانی سے بھری ہوئی ہے' جو شریعت کی اس کشتی میں سوار ہو جاتا ہے وہ نجات پا جاتا ہے۔

اور جو شریعت کی اس کشتی میں سوار نہیں ہوتا وہ مذموم اور برے اخلاق' دنیا کے مال و دولت' دنیاوی عزت' زینت اور نفس کی شہوات کے طوفان کے غلبہ میں غرق ہو جاتا ہے' اور ہر کشتی کو چلانے کے لیے کسی ملاح کی ضرورت ہوتی ہے اور شریعت کی اس کشتی کو چلانے والے علماء راسخین ہیں جو علم شریعت میں ماہر ہوں اور علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوں۔

ہمارے اس دور میں لوگ مروجہ پیروں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ان ہی کو نجات دہندہ سمجھتے ہیں لیکن ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ اس دور کے اکثر پیر اور گدی نشین شریعت سے ناواقف اور بے بہرہ ہیں ان کو خود احکام شرعیہ کا علم نہیں ہوتا تو وہ اپنے مریدوں کی کس طرح رہنمائی کریں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ اور ایسے لوگوں کے متعلق یہ پیش گوئی فرمائی ہے:

جاہل پیروں کی بیعت کا حرام ہونا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے بے شک اللہ بندوں (کے سینوں) سے علم نہیں نکالے گا لیکن علماء کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں بچے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے' ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے جواب دیں گے سو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۲ سنن للنسائی رقم الحدیث: ۵۶۰۷)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں:

صوفیائے کرام فرماتے ہیں صوفی بے علم مسخرہ شیطان است وہ جانتا ہی نہیں شیطان اپنی باگ ڈور پر لگا لیتا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا: المتعبد بغیر فقه کالحمار فی الطاحون بغیر فقہ کے عابد بننے والا (عابد نہ فرمایا بلکہ عابد بننے والا فرمایا یعنی بغیر فقہ کے عبادت ہو ہی نہیں سکتی) عابد بنتا ہے وہ ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا کہ محنت شاقہ کرے اور حاصل کچھ نہیں۔ ایک صاحب اولیائے کرام میں سے تھے قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارھم انہوں نے ایک صاحب ریاضت ومجاہدہ کا شہرہ سنا ان کے بڑے بڑے دعاوی سننے میں آئے ان کو بلایا اور فرمایا یہ کیا دعوے ہیں جو میں نے سنے' عرض کی مجھے دیدار الٰہی روز ہوتا ہے۔ ان آنکھوں سے سمندر پر خدا کا عرش بچھتا ہے اور اس پر خدا جلوہ فرما ہوتا ہے اب اگر ان کو علم ہوتا تو پہلے ہی سمجھ لیتے کہ دیدار الٰہی دنیا میں بحالت بیداری ان آنکھوں سے محال ہے سوائے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور حضور کو بھی فوق السموات والعرش دیدار ہوا۔ دنیا نام ہے سماوات وارض کا۔ خیر ان بزرگ نے ایک عالم صاحب کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ وہ حدیث پڑھو جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے۔ انہوں نے عرض کی بے شک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ان ابلیس یضع عرشه علی البحر. شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے انہوں نے جب یہ سنا تو سمجھے کہ اب تک میں شیطان کو خدا سمجھتا رہا اسی کی عبادت کرتا رہا' اسی کو سجدے کرتا رہا' کپڑے پھاڑے اور جنگل کو چلے گئے پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ سیدی ابوالحسن جوسقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہیں حضرت سیدی ابوالحسن بن ہیتی رضی اللہ عنہ کے اور آپ خلیفہ ہیں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آپ نے اپنے ایک مرید کو رمضان شریف میں چلے بٹھایا۔ ایک دن انہوں نے رونا شروع کیا آپ تشریف لائے اور فرمایا کیوں روتے ہو۔ عرض کیا حضرت شب قدر میری نظروں میں ہے۔ شجر وحجر اور دیوار ودر سجدہ میں ہیں نور پھیلا ہوا ہے۔ میں سجدہ کرنا چاہتا ہوں ایک لوہے کی سلاخ حلق سے سینے تک ہے جس سے میں سجدہ نہیں کر سکتا اس وجہ سے روتا ہوں۔ فرمایا اے فرزند وہ سلاخ نہیں وہ تیر ہے جو میں نے تیرے سینے میں رکھا ہے اور یہ سب شیطان کا کرشمہ ہے' شب قدر وغیرہ کچھ نہیں۔ عرض کی حضور میری تشفی کے لیے کوئی دلیل ارشاد ہو۔ فرمایا اچھا دونوں ہاتھ پھیلا کر تدریجاً سمیٹو' سمیٹنا شروع کیا' جتنا سمٹتے تھے اتنی ہی روشنی مبدل بہ ظلمت ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ دونوں ہاتھ مل گئے بالکل اندھیرا ہو گیا۔ آپ کے ہاتھوں میں سے شور وغل ہونے لگا۔ حضرت مجھے چھوڑیے میں جاتا ہوں۔ تب ان مرید کی تشفی ہوئی (پھر فرمایا) بغیر علم کے صوفی کو شیطان کچے تاگے کی لگام ڈالتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے بعد نماز عصر شیاطین سمندر پر جمع ہوتے ہیں ابلیس کا تخت بچھتا ہے۔ شیاطین کی کارگزاری پیش ہوتی ہے' کوئی کہتا ہے اس نے اتنی شرابیں پلائیں' کوئی کہتا ہے اس نے اتنے زنا کرائے' سب کی سنیں۔ کسی نے کہا اس نے آج فلاں طالب کو پڑھنے سے باز رکھا۔ سنتے ہی تخت پر سے اچھل پڑا اور اس کو گلے سے لگا لیا اور کہا انت انت تو نے کام کیا اور شیاطین یہ کیفیت دیکھ کر جل گئے کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے کام کیے ان کو کچھ نہ کہا اور اس کو اتنی شاباش دی۔ ابلیس بولا تمہیں نہیں معلوم کہ جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدقہ ہے۔ اگر علم ہوتا تو وہ گناہ نہ کرتے۔ بتاؤ وہ کون سی جگہ ہے جہاں سب سے بڑا عابد رہتا ہے مگر وہ عالم نہیں

اور وہاں ایک عالم بھی رہتا ہو۔ انہوں نے ایک مقام کا نام لیا۔ صبح کو قبل طلوع آفتاب شیاطین کو لیے ہوئے اس مقام پر پہنچا اور شیاطین مخفی رہے اور یہ انسان کی شکل بن کر رستہ پر کھڑا ہو گیا۔ عابد صاحب تہجد کی نماز کے بعد فجر کے واسطے مسجد کی طرف تشریف لائے۔ راستہ میں ابلیس کھڑا ہی تھا' السلام علیکم' وعلیکم السلام حضرت مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے عابد صاحب نے فرمایا جلد پوچھو مجھے نماز کو جانا ہے۔ اس نے اپنی جیب سے ایک شیشی نکال کر پوچھا اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان سماوات وارض کو اس چھوٹی سی شیشی میں داخل کر دے۔ عابد صاحب نے سوچا اور کہا' کہاں آسمان وزمین اور کہاں یہ چھوٹی سی شیشی۔ بولا بس یہی پوچھنا تھا تشریف لے جایئے اور شیاطین سے کہا دیکھو اس کی راہ ماردی' اس کو اللہ کی قدرت پر ہی ایمان نہیں عبادت کس کام کی۔ طلوع آفتاب کے قریب عالم صاحب جلدی کرتے ہوئے تشریف لائے اس نے کہا السلام علیکم' وعلیکم السلام مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ انہوں نے فرمایا جلدی پوچھو نماز کا وقت کم ہے۔ اس نے وہی سوال کیا۔ عالم نے کہا: ملعون تو ابلیس معلوم ہوتا ہے ارے وہ قادر ہے کہ یہ شیشی تو بہت بڑی ہے ایک سوئی کے ناکے کے اندر اگر چاہے تو کروڑوں آسمان وزمین داخل کر دے۔ ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ عالم صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد ابلیس شیاطین سے بولا' دیکھو یہ علم ہی کی برکت ہے۔ (ملفوظات ص ۲۷۱-۲۶۹' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی' لاہور)

اسی کتاب میں اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد بھی مذکور ہے:

عرض: جاہل پیر فقیر کا مرید ہونا شیطان کا مرید ہونا ہے۔ ارشاد: بلاشبہ (ملفوظات ص ۲۲۴' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی' لاہور)

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

قوم عاد نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان سے ان کے ہم قوم ہود نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے O

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ

بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس

عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ

(تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العلمین پر ہے O کیا تم ہر

بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

اونچی جگہ پر لہو ولعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو؟ O اور تم اس توقع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے O

وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَ

اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور

اتَّقُوا الَّذِيٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٣٣﴾

اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو O اس نے تمہاری چوپایوں اور بیٹوں سے مدد کی O

وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٣٤﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣٥﴾

اور باغوں سے اور چشموں سے O بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے O

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾ اِنْ

انہوں نے کہا ہمارے لیے برابر ہے کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں O یہ

هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے O اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا O سو انہوں نے ہود کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

ہلاک کر دیا' بے شک اس میں ضرور نشانی ہے' اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O بے شک آپ کا رب

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾

ع ١٨ / ١١

ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قوم عاد نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان سے ان کے ہم قوم ھود نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اُجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے O (الشعراء: ١٢٧-١٢٣)

قوم عاد کا مختصر تعارف

حضرت موسیٰ' حضرت ابراہیم' اور حضرت نوح علیہم السلام کے بعد یہ چوتھا قصہ حضرت ھود علیہ السلام کا ہے۔ عاد' قوم عاد کے جد اعلیٰ کا نام ہے' مقاتل نے کہا ہے کہ عاد اور ثمود ایک دوسرے عم زاد بھائی تھے' عاد حضرت ھود علیہ السلام کی قوم تھی اور ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی' عاد اور ثمود دونوں کی ہلاکتوں کے درمیان پانچ سو سال کا عرصہ تھا' بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ عاد اور ثمود دونوں بھائی تھے اور ارم بن سام بن نوح کی اولاد سے تھے' عاد اور اس کے فرزندوں کا مسکن یمن میں تھا اور ثمود اور اس کے فرزندوں کا مسکن حجاز اور شام کے درمیان میں تھا۔ ان سب کی زبان اور لغت عربی تھی' یہ سب ختم ہو گئے اب ان کی نسل باقی نہیں ہے۔ (روح البیان ج٦ ص ٣٧٨' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤٢١ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ٧٧٤ھ لکھتے ہیں:

حضرت ھود علیہ السلام کے قبیلہ کا نام عاد بن عوص بن سام بن نوح تھا' یہ عرب تھے اور احقاف میں رہتے تھے' یہ پہاڑوں

کے درمیان ریگستان ہے یہ جگہ یمن میں عمان اور حضر موت کے درمیان ہے یہ لوگ مضبوط ستونوں والے خیموں میں رہتے تھے صحیح ابن حبان میں انبیاء اور مرسلین کے ذکر میں ایک طویل حدیث مروی ہے اس میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے ابوذر! چار نبی عرب ہیں: ہود صالح شعیب اور تمہارے نبی (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۱) ایک قول یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے عربی زبان میں کلام کیا ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم ہیں اور یہ قول حق کے زیادہ قریب ہے مقصود یہ ہے کہ اس عاد سے مراد عاد اولیٰ ہے یہ وہ پہلی قوم ہے جس نے طوفان نوح کے بعد بت پرستی کی ان کے تین بت تھے صد صمود ا اور ھر۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۸۹-۱۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)
اس رکوع میں ۱۲۷-۱۲۳ تک کی آیات وہی ہیں جو اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں گذر چکی ہیں۔ ان کی دوبارہ تفسیر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے ان کو وہیں دیکھ لیا جائے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ہود نے کہا) کیا تم ہر اونچی جگہ پر لھو ولعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو؟○ اور اس توقع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے!○ اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ (الشعراء: ۱۳۱-۱۲۸)

قوم عاد کے عبث لھو ولعب کے متعلق اقوال

اس آیت میں ریع کا لفظ ہے ریع کا معنی ہے ٹیلا ہر وہ اونچی جگہ جو دور سے نظر آئے (المفردات ج ۲ ص ۲۷۴)
اور اس میں تعبثون کا لفظ ہے۔ یہ عبث سے بنا ہے اس کا معنی ہے کھیل کود اور بے کار کام میں مشغول ہونا۔ جس کام کی کوئی غرض صحیح نہ ہو اس کو عبث کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۶) اور اس میں آیۃ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے علامت نشانی اور یادگار۔ قوم عاد ہر اونچی جگہ پر جو ایک یادگار تعمیر کرتے تھے اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:
(۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ اونچی جگہ پر مکان بناتے تھے جس میں وہ رہائش کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اس لیے اس کو عبث فرمایا۔
(۲) سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا وہ عمارت بنا کر اس کے اوپر برج بناتے تھے اور اس برج میں کبوتر رکھتے تھے۔
(۳) ضحاک نے وہ بلند جگہ پر ایک عمارت بناتے اور اس میں کھڑے ہو کر آنے جانے والوں کو دیکھتے اور ان کا مذاق اڑاتے۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۱۳۶-۱۳۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)
ان اقوال کے علاوہ امام رازی نے دو قول اور ذکر کیے ہیں:
(۴) وہ اونچی جگہوں پر عمارتیں بناتے تا کہ اس سے ان کا غنی اور خوشحال ہونا ظاہر ہو اور وہ ان عمارتوں پر فخر کرتے تھے۔ اس لیے ان کے اس کام کو عبث فرمایا۔
(۵) وہ لوگ جب سفر پر جاتے تھے تو اپنا راستہ تلاش کرنے میں ستاروں سے رہ نمائی حاصل کرتے تھے اور انہوں نے اس کے لیے راستوں میں بلند علامتیں اور نشانیاں بنا دی تھیں حالانکہ ان کو اس کی ضرورت نہ تھی وہ ستاروں سے رہ نمائی حاصل کرتے تھے۔
ہم نے امام راغب سے نقل کیا ہے کہ عبث کا معنی ہے جس کام کی کوئی صحیح غرض نہ ہو اسی طرح لہو کا معنی ہے وہ چیز یا وہ کام جو انسان کو اس کے مقصود مشن اور اہم کام سے غافل کر دے وہ لہو ہے۔ (المفردات: ج ۲ ص ۵۸۶)
مفسرین نے قوم عاد کے عبث کاموں اور لہو ولعب میں چھتوں پر کبوتروں کے کابک بنانے اور کبوتر بازی کا بھی ذکر کیا

ہے' ہم پہلے لہو ولعب اور کبوتر بازی کے متعلق احادیث ذکر کریں گے۔ پھر لہو ولعب کی تعریف' جائز کھیلوں کی شرح' کھیلوں کے نقصانات' فقہی جزئیات اور دیگر مناسب امور بیان کریں گے۔

لہو ولعب اور کبوتر بازی کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتا ہے تیر کا بنانے والا جو اس کے بنانے میں خیر اور ثواب کی نیت رکھتا ہو' تیر پھینکنے والا اور اس کی امداد کرنے والا' تم تیر اندازی کرو اور سواری کرو' اور تیر اندازی کرنا سواری کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ہر وہ چیز جس سے مسلمان لہو کرتا ہے (کھیلتا ہے) وہ باطل ہے (بے فائدہ اور لغو کام ہے) ماسوا اس کا کمان سے تیر پھینکنا' اور اپنے گھوڑے کو تربیت دینا۔ اور اپنی بیوی سے دل لگی کرنا کیونکہ یہ برحق کام ہیں۔

سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۱۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۱۱' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۵۲۲' ۲۱۰۱۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۴۹' ج ۹ ص ۲۲' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸-۱۴۴' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۴۱۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۴۲' المستدرک ج ۲ ص ۹۵' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۱۸' ۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج غروب ہونے کے بعد تم اپنے مویشیوں اور بچوں کو باہر نہ نکالو' حتیٰ کہ عشاء کی سیاہی غائب ہو جائے' کیونکہ سورج غروب ہونے کے بعد شیاطین کھیلتے رہتے ہیں حتیٰ کہ عشاء کی سیاہی غائب ہو جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۱۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۰۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۶)

حضرت یزید بن سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی کوئی چیز مذاق سے لے نہ سنجیدگی سے یا دل لگی اور کھیل کے طور پر لے نہ سنجیدگی سے اور جس شخص نے اپنے بھائی کی لاٹھی لی ہے وہ اس کو واپس کر دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۰۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۶۰' المعجم الکبیر ج ۲ رقم الحدیث: ۶۳۰' المستدرک ج ۳ ص ۶۳۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۹۲' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۵۷۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دو سے ہوں نہ دو مجھ سے ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۰۲' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۱۵)

علامہ ابن اثیر الجزری نے کہا دو کا معنی ہے لھو ولعب یعنی میں کھیلنے کودنے والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ کھیل کود میرا شغل ہے (النہایہ ج ۲ ص ۱۰۳-۱۰۲) ابو محمد یحییٰ بن محمد نے کہا دو کا معنی ہے باطل (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۵)

حضرت شرید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے کسی چڑیا کو بے فائدہ (بغیر کھانے کی غرض کے) قتل کیا وہ قیامت کے دن اللہ عزوجل سے فریاد کرے گی کہ فلاں شخص نے مجھے عبث قتل کیا اور مجھے کسی فائدہ کے لیے قتل نہیں کیا۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۵۷' ۴۳۶۰)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ نے کہا جو شخص کسی کھیل کے مہروں (مثلاً لوڈو کی گوٹوں) کے ساتھ کھیلا اس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۲' المستدرک ج ۱ ص ۵۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۱۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۳۸)

حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نردشیر (چوسر یا شطرنج کے مہروں) کے ساتھ کھیلا پس گویا کہ اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگ لیا۔ (کیرم' اسنوکر' اور لوڈو وغیرہ

[ما]ں میں داخل ہیں) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۶۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۳۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا (جیسے کتوں ریچھ مینڈھوں اور مرغوں کو لڑایا جاتا ہے۔)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۶۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۹، ۱۷۰۸ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۰۹ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۴۳ الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۹۲ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۲)

حضرت معاویہ بن بہز رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اس شخص کے لیے ہلاکت ہو جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے اس کے لیے ہلاکت ہو پھر اس کے لیے ہلاکت ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۹۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۵ مسند احمد ج ۵ ص ۷، ۲ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۰۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کبوتر کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا جس سے وہ کھیل رہا تھا تو آپ نے فرمایا شیطان شیطان کا پیچھا کر رہا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۴۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۶۵ مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۵ الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۳۰۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۷۴ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۱۳، ۱۹)

محدثین کے نزدیک لہو کی تعریف

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

جس کام میں انسان اس قدر مشغول ہو جائے کہ اس کام کے علاوہ دوسرے کاموں سے غافل ہو جائے تو اس کام کو لھو و لعب کہتے ہیں۔ (النہایہ ج ۴ ص ۲۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ لہو باطل ہے جس کی مشغولیت انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دے۔

علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

مطلقاً کسی فعل میں مشغول ہونا خواہ اس فعل کی اجازت ہو یا وہ فعل ممنوع ہو لہو ہے مثلاً کوئی شخص نفل نماز میں مشغول ہو یا تلاوت میں مشغول ہو یا ذکر میں یا قرآن کے معانی کے اندر غور و فکر کرنے میں حتیٰ کہ فرض نماز کا وقت عمداً نکل جائے تو وہ بھی لہو ہے اور جب مرغوب اشیاء میں اشتغال کا یہ حکم ہے تو اس سے کم درجہ کی چیزوں میں اشتغال کا کیا حال ہوگا۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۷، ۳۶۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کام میں اشتغال اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل نہ کرے تو وہ لہو نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۷۴ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ ھ لکھتے ہیں:

جس طرح تیر اندازی اور گھوڑے کو تربیت دینے میں اشتغال لہو باطل نہیں ہے بلکہ برحق امور میں سے ہے اسی طرح ہر وہ کام جو حق میں معاونت کرتا ہو خواہ علم ہو یا عمل جبکہ وہ امور مباحہ میں سے ہو تو اس میں اشتغال لہو باطل نہیں ہے اور برحق امور میں سے ہے جیسا کہ کسی شخص کا گھوڑوں اور اونٹوں میں بغیر شرط باندھے مقابلہ کرانا یا کسی شخص کا بدن کی قوت بحال رکھنے یا

قوت حاصل کرنے کے لیے دوڑنا' بھاگنا (اور دوسری ورزشیں کرنا) یا دماغ کی تازگی کے لیے آلات موسیقی کے بغیر حمد و نعت اور حکیمانہ اشعار سننا۔ (مرقات ج ۷ ص ۳۱۸' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

جسمانی صحت کے حصول کے لیے جائز کھیلوں اور ورزشوں کا جواز

جسمانی ورزش اور باہمی دلچسپی کے لیے جو کھیل کھیلے جاتے ہیں ان کے کھیلنے سے اگر کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہوتا ہو اور کوئی عبادت ضائع نہ ہوتی ہو تو ان کا کھیلنا جائز ہے' مثلاً بعض کھیل ایسے ہیں جن میں کھلاڑی گھٹنوں سے اونچا نیکر پہنتے ہیں' بعض کھیل ایسے ہیں جو صبح سے شام تک جاری رہتے ہیں اور ظہر کی نماز کا وقت کھیل کے دوران آ کر نکل جاتا ہے اور کھلاڑی اور کھیل دیکھنے والے نماز کا کوئی خیال نہیں کرتے کھانے اور چائے کا وقفہ کیا جاتا ہے لیکن نماز کا کوئی وقفہ نہیں ہوتا! بعض دفعہ کسی کھیل میں ہار جیت پر کوئی شرط رکھی جاتی ہے' یہ سب امور ناجائز ہیں۔

انسان کی صحت اور جسم کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے کھیل اور ورزش دونوں بہت ضروری ہیں' بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا اس کی وجہ سے ان لوگوں کی توند نکل آتی ہے اور خون میں کولیسٹرول کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ لوگ ذیابیطس (خون میں شکر کا ہونا) ہائی بلڈ پریشر' دل کی بیماریوں' معدہ کا ضعف اور گیس کا شکار ہو جاتے ہیں' ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظان صحت کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اسلام میں مختلف کھیلوں اور ورزشوں کی بھی مناسب حد تک حوصلہ افزائی کی گئی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑ سواری کا مقابلہ کرایا' پیدل دوڑ کا مقابلہ کرایا' آپ نے خود بہ نفس نفیس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ لیا۔ اسی طرح آپ نے کشتی بھی کی۔

جسم کو چاق و چوبند اور صحت کو قائم رکھنے کے لیے جو کھیل کھیلے جائیں اور جسمانی ورزشیں کی جائیں ان میں یہ نیت ہونی چاہیے کہ ایک صحت مند اور طاقت ور جسم' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر زیادہ اچھی طرح عمل کر سکتا ہے اور حقوق العباد کی ادائیگی اور خلق خدا کی خدمت تندرست اور توانا جسم سے بہتر طور پر کی جا سکتی ہے' اس لیے اچھی صحت اور طاقت کے حصول کے لیے مناسب کھیلوں اور ورزشوں میں حصہ لینا چاہیے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

بغیر کسی عوض کی شرط کے مقابلہ میں حصہ لینا مطلقاً جائز ہے اور نہ اس میں کسی معین جنس کے مقابلہ کی قید ہے خواہ پیادہ دوڑ کا مقابلہ ہو' کشتیوں کا ہو یا پرندوں' خچروں' گدھوں اور ہاتھیوں یا نیزوں کا مقابلہ ہو' اسی طرح کشتی لڑنا بھی جائز ہے اور طاقت آزمائی کے لیے پتھر اٹھانا بھی جائز ہے' کیونکہ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے دوڑ میں مقابلہ کیا ہے' حضرت سلمہ بن اکوع نے ایک انصاری سے دوڑ میں مقابلہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ سے کشتی لڑی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے پاس سے گذرے جو پتھر اٹھا کر طاقت آزمائی کر رہے تھے' آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۶۸)

ان تمام احادیث اور آثار میں اس کا ثبوت ہے کہ صحت اور قوت کو برقرار رکھنے کے لیے صحت مند کھیلوں اور جسمانی ورزشوں کو اختیار کرنا چاہیے اور ان کھیلوں میں دل چسپی پیدا کرنے کے لیے مقابلہ منعقد کرانا بھی جائز ہے البتہ کسی بھی مقابلہ پر ہار جیت کی شرط رکھنا ناجائز ہے۔ ان احادیث کی تفصیل کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۶۴۲ - ۶۳۸ اور تبیان القرآن ج ۳ ص ۳۰۹-۳۰۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

لہو باطل (غیر شرعی شغل) کے نقصانات

(۱) لہو باطل سے بندہ اور اللہ کے درمیان بہ تدریج ربط کم ہوتا جاتا ہے اور بندہ کو اس کا شعور نہیں ہوتا۔
(۲) لہو باطل سے بندہ شیطان کے پھندوں میں پھنستا چلا جاتا ہے اور رحمٰن سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔
(۳) لہو باطل کی تمام انواع اور اقسام' مکروہ تنزیہی ہیں یا مکروہ تحریمی ہیں یا حرام ہیں' مثلاً فلم' آرٹ اور شوبز۔
(۴) اس میں ناجائز طریقہ سے مال خرچ ہوتا ہے' اور انسان دیکھتے دیکھتے امارت سے افلاس کے گڑھے میں جا گرتا ہے جیسے ریس' جوئے اور سٹے میں عموماً ایسا ہوتا ہے اور لکھ پتی اور کروڑ پتی انسانوں کا دیوالیہ نکل جاتا ہے۔
(۵) مسلمان کا بلا فائدہ وقت ضائع ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے غافل ہو جاتا ہے اور تارک فرائض ہو جاتا ہے۔
(۶) بعض اوقات کھیلوں میں ہار جیت میں اختلاف اور نزاع پیدا ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں کینہ' حسد' اور بغض پیدا ہوتا ہے اور کئی مرتبہ لڑائی اور جدال اور قتال کی نوبت آ جاتی ہے۔
(۷) انسان کی شہرت اور عزت داغ دار ہو جاتی ہے' کتنے کھلاڑی جو لوگوں کے آئیڈیل اور ہیرو تھے سٹہ کھیلنے کی وجہ سے ذلیل و خوار اور قابل نفرت ہو گئے ہیں اس کی بہت مثالیں ہیں۔
(۸) اس سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے اور شیطان کھیلنے والے کے دل میں نفاق' سازشوں اور دھوکا دہی کو مزین کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو پکا فریبی' چالباز' اور منافق بنا دیتا ہے۔
(۹) دنیا میں اس کی شخصیت گمراہ اور حقیر ہو جاتی ہے' اور آخرت میں وہ دردناک عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔
(۱۰) کھیلوں میں جیت کے لیے ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرنے کی وجہ سے اور ناجائز پیسہ حاصل کرنے کے سبب سے انسان اپنے سینکڑوں دشمن بنالیتا ہے۔

لہو باطل اور کبوتر بازی کے متعلق فقہاء کی تصریحات

علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

جو شخص کبوتروں سے کھیلتا ہو اور کبوتر اڑاتا ہو اس کی گواہی جائز نہیں ہے' کیونکہ اس میں شدت غفلت ہے' ظاہر یہ ہے کہ وہ شخص عام طور پر کبوتر بازی میں مشغول رہتا ہو اور دوسرے امور کی طرف کم توجہ دیتا ہو' پھر وہ شخص لھو ولعب پر اصرار کرنے والا ہو' حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں کھیلنے کودنے والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ کھیل کود میرا شغل ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۰۲)

اور کبوتر باز کا غالب حال یہ ہے کہ وہ چھتوں پر گھومتا پھرتا ہے اور لوگوں کی خواتین کو تاڑتا ہے اور یہ فسق ہے اور جو شخص اپنے گھر میں کابک میں کبوتروں کو رکھے تاکہ ان سے انس اور محبت کرے اور ان کو عادۃً اڑاتا نہ ہو تو وہ شخص نیک ہے اور اس کی شہادت مقبول ہوگی کیونکہ گھروں میں کبوتروں کو بند رکھنا مباح ہے' لوگ کبوتروں کے لیے برج بناتے ہیں اور اس کو کسی نے منع نہیں کیا۔ اور جو شخص گانے گاتا ہو اور اس پر مجمع لگاتا ہو اس کی گواہی جائز نہیں ہے' اسی طرح نوحہ کرنے والی عورت کی بھی گواہی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کے فسق پر اصرار کرتے ہیں' اور نیک لوگوں کے نزدیک ان کی عزت اور وقار نہیں ہے' اور ان سے ساز بجانا اور جھوٹ بولنا بعید نہیں ہے۔ اس لیے ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

(المبسوط ج ۱۶ ص ۱۵۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جن کاموں سے انسان فاسق ہو جاتا ہے اور اس کی شہادت قابل قبول نہیں ہوتی

علامہ حسن بن منصور اوز جندی متوفی ۵۹۲ ھ لکھتے ہیں:

جو شخص کبوتروں کے ساتھ کھیلتا ہو اور ان کو اڑاتا ہو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی' کیونکہ ان کے ساتھ اس کی مشغولیت زیادہ ہوگی اور اس کی غفلت شدید ہوگی' اور اس سے یہ خطرہ ہے کہ اس کی نظر مسلمانوں کی خواتین پر پڑے گی' لیکن اگر وہ کبوتر کو انس کے لیے اپنے گھر میں بند رکھے اور اس کو اڑائے نہیں تو پھر اس کی گواہی کو قبول کرنا جائز ہے' کیونکہ جس کے پاس کبوتروں کا برج (چھت پر گنبد) ہو تو وہ فاسق نہیں ہوتا' اور جو شخص شرط لگا کر شطرنج کھیلے (یعنی اگر وہ ہار گیا تو وہ اتنی رقم دے گا) یا کسی اور چیز کے ساتھ جوا کھیلے تو اس کی گواہی قبول کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ جوا کھیلنا گناہ کبیرہ ہے' اور اگر بغیر شرط اور جوئے کے شطرنج کھیلے تو اگر وہ دائماً شطرنج کھیلتا ہو حتیٰ کہ وہ کھیل اس کو نمازوں سے غافل کر دے یا وہ کھیل کے دوران جھوٹی قسمیں کھائے تو اس کی گواہی کو قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص تھوڑی مقدار میں کوئی کھیل کھیلے جو اس کو فرائض سے غافل نہ کرے تو اس کی عدالت (گواہی دینے کی اہلیت) ساقط نہیں ہوگی۔ اور بیوی اور تیر کمان اور گھوڑے کے ساتھ کھیلنے سے اس وقت تک عدالت ساقط نہیں ہوگی جب تک کہ یہ مشغولیت اس کو فرائض سے غافل نہ کر دے' اور اگر آلات لھو سے کھیلنا اس کے فرائض سے مانع نہ ہو لیکن لوگوں کے نزدیک وہ کھیل مذموم ہو جیسے مزامیر اور طنابیر (بانسریاں اور ستار) اور اگر وہ لوگوں کے نزدیک مذموم نہ ہوں' جیسے گا گا کر اونٹوں کو ہانکنے والے' جیسے سرکنڈے کی بانسری بجانا' اس سے اس کی عدالت باطل نہیں ہوگی ماسوا اس کے کہ وہ بہت زیادہ گائے بجائے اور لوگ اس کی دھن پر رقص کریں اور اصل (امام محمد کی مبسوط) میں مذکور ہے کہ جو شخص گا گا کر مجمع لگاتا ہو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے کیونکہ وہ معصیت کا اظہار کر رہا ہے' اس طرح جو شخص شرابیوں کی مجلس میں بیٹھے خواہ وہ شراب نہ پیے اور اس کو نشہ نہ آئے' اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی' اور نوحہ کرنے والوں مردوں اور عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی' اور نہ ان لوگوں کی جو سود خوری میں مشہور اور معروف ہوں' اور جو نیک شخص فحش اشعار پڑھے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی کیونکہ وہ دوسروں کے اشعار نقل کرتا ہے' اور جو شخص ترنم سے اشعار پڑھے اس کی عدالت بھی ساقط نہیں ہوگی' اور جو شخص فرائض واجب ہونے کے بعد ان کو تاخیر سے ادا کرے تو اگر ان فرائض کا وقت معین ہے جیسے نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج تو امام محمد کی روایت کے مطابق اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی' اور امام محمد بن مقاتل نے اسی پر فتویٰ دیا ہے' اور بعض علماء نے کہا اگر اس نے زکوٰۃ اور حج کو بغیر عذر کے مؤخر کر دیا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی' اور فقیہ ابواللیث نے اسی پر فتویٰ دیا ہے' امام ابو یوسف نے امالی میں لکھا ہے کہ حج فوراً واجب ہوتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ کی تاخیر سے اس کی عدالت باطل نہیں ہوگی۔ اور جس شخص نے جمعہ سے اعراض کرتے ہوئے بغیر عذر کے تین مسلسل جمعہ نہیں پڑھے تو وہ فاسق ہے اور اس کی عدالت ساقط ہوگئی۔ یہ شمس الائمہ سرخسی کا قول ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ جس شخص نے ایک جمعہ بھی بلا عذر ترک کر دیا اس کا یہی حکم ہے اور شمس الائمہ حلوانی کا اسی پر فتویٰ ہے' اور اگر اس نے کسی عذر یا مرض یا بعد مسافت کی وجہ سے یا کسی تاویل سے جمعہ کو ترک کیا' مثلاً اس کے نزدیک امام فاسق ہے یا گمراہ ہے تو پھر اس کا یہ حکم نہیں ہے' اور اگر کسی نماز کی جماعت کو ترک کیا اور اس کو گناہ نہیں جانا' جیسا کہ عوام کرتے ہیں تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی' اور اگر اس نے کسی تاویل سے باجماعت نماز نہیں پڑھی مثلاً اس کے نزدیک امام فاسق ہے یا گمراہ ہے تو پھر اس کا یہ حکم نہیں ہے۔ اور جو شخص جھوٹ بولنے میں مشہور ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی' اور جو شخص اپنی اولاد کو اپنی بیوی کو اور پڑوسیوں کو گالیاں دیتا ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی ایک قول یہ ہے کہ اگر عادۃً ایسا کرتا ہو تو اس کی عدالت ساقط ہوگی اور اگر کبھی کبھی ایسا کرتا ہو تو عدالت ساقط نہیں ہوگی' اور جو شخص

شلوار پہن کر بازار میں چلتا ہو یا راستہ میں کھاتا ہو تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی کیونکہ یہ افعال حیا اور آداب کے خلاف ہیں اور جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو گالیاں دیتا ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی' فاسق جب توبہ کرلے تو اس کی شہادت اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگی جب تک کہ اتنا عرصہ نہ گذر جائے جس میں اس کی توبہ کا اثر ظاہر ہو جائے۔

(فتاویٰ قاضی خاں علی هامش الهندیہ ج ۲ ص ۴۶۰' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی التوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

مخنث کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور نہ نوحہ کرنے والی کی اور نہ گانے والی کی کیونکہ یہ دونوں حرام کی مرتکب ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور گانے والی کی آوازوں (کو سننے) سے منع فرمایا ہے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۸ مسند احمد ج ۳ ص ۶۵) اور نہ اس شخص کی شہادت قبول ہوگی جو دائماً سرور حاصل کرنے کے لیے شراب پیتا ہو' اور نہ اس شخص کی جو پرندے اڑاتا ہو' کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور نہ اس شخص کی جو مجمع لگا کر گاتا ہو کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے (بہ شرطیکہ ان اشعار میں کسی زندہ اور معین مرد یا عورت کے محاسن بیان کیے ہوں یا شراب نوشی کی ترغیب کا مضمون ہو یا کسی مسلمان یا ذمی کی ہجو ہو یا اس میں نوحہ ہو فتح القدیر ج ۷ ص ۳۸۴-۳۸۳ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ) اور نہ اس شخص کی گواہی قبول ہوگی جو کسی ایسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے جس پر حد واجب ہو اور نہ اس شخص کی جو شطرنج میں اشتغال کی وجہ سے نماز ترک کر دے' اور نہ اس کی جو سود کھانے میں مشہور ہو' اور نہ اس شخص کی جو راستہ میں پیشاب کرتا ہو یا کھاتا پیتا ہو اور نہ اس شخص کی جو اصحاب رسول کو سب وشتم کرے اور نہ رافضیوں کی۔ (ھدایہ اخیرین ص ۱۶۳-۱۶۲ ملخصاً' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے قاضی خاں اور فتح القدیر کی ذکر کردہ تمام صورتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے' طوالت کی وجہ سے ہم ان کی عبارت کو ترک کر رہے ہیں جو دیکھنا چاہتا ہو اصل کتاب میں دیکھ لے۔

(ردالمحتار ج ۱۱ ص ۱۸۴-۱۷۱' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہمارے زمانہ کے بناوٹی صوفیاء کا سماع' رقص اور دھمال کرنا

الیتیمہ میں مذکور ہے کہ شمس الائمہ الحلوانی سے پوچھا گیا کہ جو لوگ اپنے آپ کو صوفیہ کہتے ہیں وہ مخصوص قسم کا لباس پہنتے ہیں اور لھو اور رقص میں مشغول رہتے ہیں' اور اپنے لیے معرفت کے ایک مرتبہ کے مدعی ہوتے ہیں تو علامہ الحلوانی نے کہا ان لوگوں نے اللہ پر جھوٹ اور بہتان باندھا' ان سے پوچھا اگر وہ غیر شرعی کام کریں تو کیا ان کو شہر بدر کیا جائے گا؟ تاکہ عام لوگوں پر ان کے فتنہ کا اثر نہ ہو تو انہوں نے کہا تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا اور خبیث کو طیب سے الگ کرنا ضروری ہے' اسی طرح تاتارخانیہ میں مذکور ہے' سماع اور اشعار کا تکرار اور رقص جس کو ہمارے زمانہ کے بناوٹی صوفی کرتے ہیں حرام ہے اس کا قصد کرنا اور اس کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے' وہ اور غنا (گانا) اور مزامیر (ساز) برابر ہیں۔ ان کو بناوٹی صوفیوں نے جائز کہا ہے۔ اور متقدم مشائخ کے افعال سے استدلال کرتے ہیں۔ الحلوانی نے کہا میرے نزدیک متقدمین مشائخ کے افعال ایسے نہیں تھے۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں ایسا شعر پڑھا جاتا تھا جو ان کے حال کے موافق ہوتا تھا' تو جس کا دل نرم ہوتا تھا اس کے دل پر غشی طاری ہو جاتی تھی۔ وہ غیر اختیاری طور پر کھڑا ہو جاتا تھا اور اس سے اس کے ارادہ اور اختیار کے بغیر کچھ حرکات صادر ہوتی تھیں' ان کے جواز کے متعلق کچھ استبعاد نہیں ہے اور ان افعال پر گرفت نہیں ہوگی' اور ان مشائخ کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جائے گا کہ وہ اس قسم کے افعال کرتے تھے جس قسم کے افعال ہمارے زمانے کے فاسقین کرتے ہیں' اور جن لوگوں کو احکام شرع کا کوئی علم نہیں ہے' استدلال صرف دین دار لوگوں کے افعال سے کیا جاتا ہے' اسی طرح جواہر الفتاویٰ میں مذکور ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ شادی کے علاوہ دیگر مواقع پر فسق کے بغیر عورتیں ڈھول بجائیں تو کیا آپ اسے مکروہ کہتے ہیں' انہوں نے کہا میں اس کو مکروہ نہیں کہتا لیکن جس گانے میں لعب فاحش (بہت زیادہ ساز) ہوں میں اس کو مکروہ کہتا ہوں' عید کے دن دف بجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۲' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہر لہو یعنی عبث اور لعب (لغو اور فضول کام) مکروہ ہے اس عبارت کا اطلاق نفس فعل کو بھی شامل ہے اور اس کے سننے کو بھی' مثلاً رقص کرنا' مذاق اڑانا' تالی بجانا' ستار' سارنگی اور وائلن کے تار بجانا' ہارمونیم اور بانسری بجانا' جھانجھن بجانا اور بگل اور نرسنگھا بجانا (پیانو' گیٹار اور آرکسٹرا بھی اسی حکم میں ہے) یہ تمام افعال مکروہ ہیں کیونکہ یہ افعال کفار کے مشابہ ہیں' اور ڈھول اور بانسری وغیرہ کی آواز سننا حرام ہے اور اگر کسی نے اچانک سن لیا تو وہ معذور ہوگا اور اس پر واجب ہے کہ وہ نہ سننے کی کوشش کرے۔ (ردالمحتار ج ۹ ص ۴۸۲-۴۸۱' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

آلاتِ لھو بذاتہا حرام نہیں ہیں (کیونکہ قیامت کے صور پر متنبہ کرنے کے لیے بگل بجانا جائز ہے' اسی طرح عید اور شادی کے مواقع پر دف بجانا جائز ہے۔ سعیدی غفرلہ) بلکہ لھو ولعب کے قصد سے ناجائز ہیں' خواہ ان کو سننے والا ہو یا ان کو بجانے والا ہو' کیا تم نہیں دیکھتے کہ اختلاف نیت اور اختلاف مقاصد سے یہ آلات موسیقی کبھی حلال ہوتے ہیں اور کبھی حرام اور اس قول میں ہمارے سادات صوفیہ کی دلیل ہے جو سماع سے ان ہی امور کا قصد کرتے تھے جن کا ان ہی کو علم تھا' لہٰذا معترض ان پر انکار کرنے میں جلدی نہ کرے تاکہ ان کی برکتوں سے محروم نہ ہو کیونکہ وہ ہمارے بہترین سردار ہیں اللہ تعالیٰ ان کی امداد سے ہماری مدد فرمائے' اور ان کی نیک دعاؤں اور برکتوں کو ہم تک پہنچائے۔ اس تمام بحث کو میں نے ملتقیٰ کے حواشی میں لکھا ہے۔ حسن بصری سے مروی ہے کہ شادی کے مواقع پر دف بجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ رمضان میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے کے لیے طبل بجانا بھی حمام کے بگل بجانے کی طرح جائز ہے۔

(ردالمحتار ج ۹ ص ۴۲۷-۴۲۶' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے قرآن مجید پڑھتے وقت' جنازہ میں' وعظ میں اور جہاد میں آواز بلند کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے تو تمہارا اس غنا (گانے) کے متعلق کیا گمان ہے جس کو یہ لوگ وجد کہتے ہیں۔

(ملتقی الابحر ج ۴ ص ۲۱۹' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کی شرح میں علامہ محمد بن محمد الحصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جس غنا کو یہ لوگ وجد اور محبت کہتے ہیں یہ مکروہ ہے اس کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے۔ الجواہر میں مذکور ہے ہمارے زمانہ میں بناوٹی صوفی جو کچھ کرتے ہیں وہ حرام ہے' اس کا قصد کرنا اور ان کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے' اور ان سے پہلے لوگوں نے یہ کام نہیں کیے' اسی طرح جو منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار سنے ہیں وہ غنا کی اباحت پر دلالت نہیں کرتا' وہ اشعار حکمت اور وعظ پر مبنی تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تواجد کی حدیث صحیح نہیں ہے' اور نصر ابادی سماع کرتے تھے ان کو ملامت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ سماع غیبت کرنے سے بہتر ہے ان سے کہا گیا ھیہات! بلکہ سماع کی لغزش غیبت سے بدتر

سری سقطی نے کہا وجد کرنے کی شرط یہ ہے کہ وجد کرنے والا حالت وجد میں اس حد پر ہو کہ اگر اس کے چہرے پر تلوار ماری جائے تو اس کو درد کا احساس نہ ہو۔ البتہ تنہائی میں بیٹھ کر گنگنانا اور شادی اور دعوت کے موقع پر اشعار پڑھنا جائز ہے۔
(الدر المنتقیٰ فی شرح الملتقیٰ ج ۴ ص ۲۰۰-۲۱۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

پرندوں اور جانوروں کو پالنے کے متعلق احادیث

ہم نے اس بحث میں یہ بیان کیا ہے کہ کبوتروں اور دوسرے پرندوں کو اڑانا مکروہ تحریمی ہے اور اس مقصد کے بغیر ان کو پالنا اور گھروں میں کابکوں میں بند کر کے رکھنا جائز ہے اسی سیاق میں ہم دوسرے جانوروں کو گھروں میں پالنے اور موذی جانوروں پرندوں اور حشرات الارض کو مارنے کا شرعی حکم بھی بیان کرنا چاہتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مل جل کر رہتے تھے حتیٰ کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے تھے یا ابا عمیر مافعل النغیر (اے ابوعمیر نغیر نے کیا کیا) نغیر کے ساتھ ابوعمیر کھیلتے تھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۰۳-۶۱۲۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۴ مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۰ سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۰۳ دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۱۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵۰)

قاضی عیاض نے کہا نغیر سرخ رنگ کا چڑیا کے برابر ایک پرندہ ہے۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کھیتوں کی حفاظت مویشیوں کی حفاظت یا شکار کی ضرورت کے سوا کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔ (صحیح مسلم کتاب المساقاۃ: ۵۶ الرقم المسلسل: ۳۹۵۳)

موذی جانوروں اور حشرات الارض کو قتل کرنے کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانوروں میں سے پانچ کل کے کل فاسق ہیں۔ ان کو حرم میں (بھی) قتل کر دیا جائے: کوا، چیل، بچھو، چوہا، کاٹنے والا کتا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۸۲۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۹۸ سنن النسائی رقم الحدیث ۲۸۲۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۰۸۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے۔ اس وقت آپ پر سورۃ المرسلات نازل ہوئی۔ آپ اس کو تلاوت کر رہے تھے اور میں آپ کے منہ سے سن کر اس کو یاد کر رہا تھا اور آپ کا منہ اس کی تلاوت سے مرطوب تھا اچانک ہمارے اوپر ایک سانپ گر پڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو قتل کر دو، ہم اس کی طرف جھپٹے تو وہ بھاگ گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارے شر سے بچ گیا جس طرح تم اس کے شر سے بچ گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۳۰ مسند احمد رقم الحدیث: ۴۰۶۸ دار ارقم بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وزغ (گرگٹ یا چھپکلی) کے لیے فرمایا: یہ فویسق (چھوٹا فاسق) ہے اور میں نے نہیں سنا کہ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۸۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۲۳۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۲۳۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے وزغ (گرگٹ یا چھپکلی) کو پہلی ضرب میں قتل کر دیا اس کے لیے اتنی اور اتنی نیکیاں ہیں اور جس نے اس کو دوسری ضرب میں قتل کیا اس کے لیے اتنی اور اتنی نیکیاں ہیں پہلی سے کم اور جس نے اس کو تیسری ضرب میں قتل کیا اس کے لیے اتنی اور اتنی نیکیاں ہیں دوسری سے کم۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۴۰ الرقم المسلسل: ۵۷۲۸)

پرندوں اور جانوروں کو پالنے اور موذی جانوروں کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء کی عبارات

علامہ محمد بن محمد ابن البزاز الکردری متوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

مختار یہ ہے کہ چیونٹی جب اذیت پہنچانے کی ابتداء کرے تو اس کو ہلاک کرنا جائز ہے' ورنہ اس کو ہلاک کرنا مکروہ ہے' اور اس کو پانی میں ڈالنا مطلقاً مکروہ ہے' جوں کو ہلاک کرنا مکروہ نہیں ہے اس کو اور بچھو کو آگ میں جلانا مکروہ ہے' ٹڈیوں کو ہلاک کرنا جائز ہے' بلی جب ایذاء پہنچائے تو اس کو ہلاک کرنا مکروہ ہے اس کو چھری سے ذبح کردیا جائے' جس بستی میں کتے ہوں اور بستی والوں کو ان کتوں سے ضرر پہنچے تو بستی والے کتوں کے مالکوں سے کہیں کہ ان کتوں کو قتل کردیں' اور اگر وہ انکار کریں تو حاکم شہر ان کو قتل کرنے کا حکم دے' گھروں میں کتوں کو چوروں اور دشمنوں سے حفاظت یا شکار کے سوا نہ رکھا جائے' اسی طرح شیر اور چیتے اور باقی درندوں کو' اگر کوئی کتا راستہ سے گذرنے والوں کو کاٹتا ہو اور اگر کوئی شخص کاٹنے کے بعد اس کو قتل کردے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے اور اگر کاٹنے سے پہلے اس کو قتل کرے گا تو اس پر تاوان ہے اور ریشم کے کیڑوں کو پالنا بھی جائز ہے۔

(فتاویٰ بزازیہ علی ھامش الھندیہ ج ۶ ص ۳۷۰' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ مصر' ۱۳۱۰ھ)

ان مسائل کو فتاویٰ عالمگیری میں زیادہ تفصیل سے لکھا ہوا ہے۔

متعدد منزلہ بلڈنگیں اور خوبصورت عمارات' پلازہ اور شاپنگ سنٹر بنانے کا شرعی حکم

پھر فرمایا: اور تم اس توقع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے! ٥ (الشعراء: ۱۲۹)

یعنی ان کے ظاہر حال سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان مکانوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں' اس کی مذمت اس لیے فرمائی ہے کہ ان کا یہ فعل اسراف تھا' یا اس میں اظہار تکبر تھا' اس کی مذمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی دلچسپیوں میں منہمک ہو کر اللہ تعالیٰ سے اور مرنے سے غافل ہو گئے تھے' یہ بھول گئے تھے کہ یہ دنیا تو سرائے فانی ہے یہاں سے آگے گذر جانا ہے یہ دائمی قیام گاہ نہیں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے ایک بلند گنبد بنا ہوا دیکھا' آپ نے فرمایا یہ کس کا ہے؟ آپ کے اصحاب نے بتایا یہ انصار کے فلاں شخص کا ہے' آپ سن کر خاموش رہے اور اس کو دل میں رکھ لیا' حتیٰ کہ وہ گنبد بنانے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجلس میں آیا' آپ نے اس سے اعراض فرمایا' اس نے کئی بار سلام کیا اور آپ کے اعراض فرمانے کو دیکھا' اس نے آپ کے اصحاب سے (آپ کے توجہ نہ کرنے کی) شکایت کی۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں' صحابہ نے اس کو بتایا کہ آپ باہر گئے تھے اور آپ نے تمہارا بنایا ہوا گنبد دیکھا تھا' وہ شخص اسی وقت لوٹ گیا اور اس نے اس گنبد کو منہدم کردیا' حتیٰ کہ اس عمارت کو پیوند زمین کردیا' پھر ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ کو وہ گنبد نظر نہیں آیا' آپ نے پوچھا اس گنبد کا کیا ہوا؟' صحابہ نے کہا اس نے ہم سے آپ کے عدم التفات کی شکایت کی تھی' ہم نے اس کو آپ کی ناپسندیدگی کی خبر دی تو اس نے اس گنبد کو گرادیا آپ نے فرمایا سنو ہر عمارت اس کے بنانے والے پر وبال ہے' سوا اس عمارت کے جس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہ ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس حدیث کا یہ منشاء نہیں ہے کہ مضبوط' خوبصورت' کثیر المنزلہ اور بلند عمارات کے بنانے کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت موجود ہے کہ جس قدر اور جتنی عمارت کی ضرورت ہو اس کو

بنانا جائز ہے اور بلاضرورت بنانا جائز نہیں ہے۔ اس زمانہ میں مدینہ منورہ چھوٹا سا شہر تھا اس کی بہت قلیل اور مختصر آبادی تھی اس لیے اس دور کے مسلمانوں کے لیے چھوٹے چھوٹے مکان ان کی ضروریات کے لیے کافی تھے۔ اب آبادی بہت بڑھ گئی ہے' بڑے بڑے شہروں میں بڑی بڑی رہائشی اسکیمیں بنائی گئی ہیں' کئی کئی منزلہ پلازے ہیں' پھر بھی وہ رہائشی ضروریات کے لیے ناکافی ہیں۔ کتنی جگہوں پر ایک ایک فلیٹ میں کئی کئی خاندان رہتے ہیں' ہمارا شہر کراچی تقریباً دوسو مربع کلومیٹر کے رقبہ پر مشتمل ہے اور اس میں ایک کروڑ سے زیادہ افراد رہتے ہیں۔ کچے مکان اور جھونپڑیاں' اس دور کے موسمی حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا پختہ مکان بنانا اس دور کی ضرورت ہے' اور کم جگہ کو زیادہ افراد کی رہائش کے قابل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں کثیر المنزلہ عمارات بنائی جائیں جو بہ کثرت فلیٹس پر مشتمل ہوں تب اس دور کی بڑھتی ہوئی آبادی کی کھپت ہو سکتی ہے' اس لیے مضبوط' مستحکم اور بلند و بالا عمارات کو بنانا اور وہاں کے رہنے والوں کے لیے وہیں شاپنگ سنٹر بنانا' اسی طرح بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم کے لیے ان ہی علاقوں میں وسیع و عریض اسکول اور کالج بنانا' بیماروں کے لیے اسی مناسبت سے ایسے ہی وسیع و عریض اور بلند و بالا ہسپتال بنانا' تجارتی مارکیٹیں بنانا اور اس نوع کی دیگر تعمیرات کرنا اس دور کی ضرورت ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ تعمیرات میں حسن کو شامل کرنا' اور خوبصورت بنگلے اور کوٹھیاں بنانا بھی اسلام کے خلاف نہیں ہے بلکہ اسلام کے ساتھ ہم آہنگ ہے اس کو سمجھنے کے لیے اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا' ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں' اس کے جوتے اچھے ہوں! آپ نے فرمایا اللہ جمیل اور حسین ہے وہ جمال اور حسن سے محبت کرتا ہے' تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم ایمان: ۱۴۷' رقم بلا تکرار ۹۱' الرقم المسلسل ۲۵۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۹)

اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ انسان کا اپنی وسعت کے مطابق اچھے کپڑے پہننا' اچھے جوتے پہننا اور خوبصورت مکان بنانا اسلام میں پسندیدہ ہے' لہٰذا مضبوط' مستحکم' بلند و بالا اور حسین و جمیل عمارات بنانا' اسلام کے عین مطابق ہیں' اسلام کے خلاف نہیں ہیں۔

اس کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد (نبوی) کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی' اور اس کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی ہوئی تھی' اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں توسیع کی اور اضافہ کیا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی بنیادوں پر اینٹوں اور شاخوں سے مسجد کو وسیع بنایا اور اس کے ستون دوبارہ لکڑیوں کے بنائے' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی تعمیر میں تبدیلی اور توسیع کی' اس کی دیواریں نقشین پتھروں اور چونے سے بنائیں اس کے ستون بھی نقشین پتھروں سے بنائے اور اس کی چھت ساگوان کی لکڑی سے بنائی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۱۳۹' عالم الکتب بیروت)

اس حدیث سے اس امر پر وافر روشنی پڑتی ہے کہ ہر دور کے تقاضوں کے اعتبار سے عمارات کی تعمیر کے طور اور طریقے

بدلتے رہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ کی آبادی کم تھی تو اس وقت کی ضرورت کے لیے ایک چھوٹی سی کچی مسجد کافی تھی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آبادی بڑھ گئی اور دوسرے صوبوں سے بھی نومسلم لوگوں نے مدینہ منورہ کا رخ کیا تو حضرت عمر نے مسجد نبوی کی توسیع بھی کی اور اس کی دیواروں اور ستونوں کو پختہ بھی کیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آبادی مزید بڑھی اور فن تعمیر میں جدید تقاضے در آنے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی عمارت کو بھی تعمیر کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور مسجد نبوی کی عمارت کے حسن میں بھی اضافہ کیا' نقشین پتھروں سے اس کی دیواریں بنائیں اور ساگوان کی قیمتی لکڑی سے اس کی چھت بنائی' اور یوں جیسے جیسے اسلام کا رقبہ وسیع ہوتا گیا اور مسلمانوں کی دنیا میں تعداد بڑھتی گئی اور دوسری قوموں کی آمیزش سے علوم وفنون میں اور زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی ہوتی گئی۔ تو جدید تقاضوں کے مطابق فن تعمیر میں بھی توسیع اور ترقی ہوتی گئی' پہلے تیروں' تلواروں اور نیزوں سے جنگ ہوتی تھی پھر بندوقوں' توپوں اور ٹینکوں کا دور آیا' اس کے بعد جنگی طیاروں' آب دوزوں اور بموں کا دور آیا اور اب دور مار میزائلوں اور ایٹمی ہتھیاروں کا دور ہے جس طرح اب میزائلوں اور ایٹمی ہتھیاروں کا تیروں اور تلواروں سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اب تمدنی زندگی میں کچے مکانوں اور جھونپڑیوں سے گذارہ نہیں ہوسکتا' ہمیں اسلامی قواعد وضوابط اور اسلامی ہدایات کی روشنی میں بدلتے ہوئے عالمی حالات اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اور زمانہ کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر چلنا چاہیے جب ہم خچروں اور بیل گاڑیوں پر سفر کرنے کے بجائے ٹرینوں اور طیاروں میں سفر کرتے ہیں اور چراغ اور موم بتی کو جلانے کے بجائے بجلی کے قمقموں کو روشن کرتے ہیں تو ہمیں دیگر ثقافتی اور تمدنی معاملات میں بھی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونا چاہیے۔

کسی کو تادیب اور سرزنش کے لیے زیادہ سزا نہ دی جائے اور دس ڈنڈیوں سے زیادہ نہ مارا جائے

اس کے بعد فرمایا: اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو ○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ (الشعراء: ۱۳۰-۱۳۱)

یعنی جب تم کسی کو گرفتار کرتے ہو تو اس کو سزا دینے کے لیے کوڑے مارتے ہو یا تلوار سے قتل کرتے ہو اور جس طرح کسی ظالم اور جابر شخص کے دل میں کوئی نرمی ہوتی ہے نہ ترس ہوتا ہے اسی طرح تمہارا معاملہ ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کو ادب سکھانے کے لیے اس کو معمولی سرزنش کرے تو یہ درست ہے' یا کسی ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینے کے لیے بہ قدر ظلم اس کو سزا دے تو یہ جائز ہے اور قصاص اور بدلہ لینا بھی جائز ہے لیکن اس میں بھی حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ ماں باپ اور استاد بچوں کو سزا دینے کے لیے ان کو ربڑ کے پائپوں اور ڈنڈوں سے بہت سخت مارتے ہیں اور ان کے منہ پر طمانچہ یا تھپڑ مارتے ہیں اسلام میں منہ پر طمانچہ یا تھپڑ مارنا جائز نہیں ہے' اور کسی بچے یا بڑے کو سزا دینے کے لیے دس ڈنڈیوں سے زیادہ مارنا جائز نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص چہرے پر نہ مارے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۶۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۴۸۲' مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بیوی کا خاوند پر کیا حق

آپ نے فرمایا جو وہ خود کھاتا ہے وہی اس کو کھلائے' جو وہ خود پہنتا ہے وہی اس کو پہنائے چہرے پر مارے نہ اس کو بدنما کرے اور اس کو صرف گھر میں چھوڑے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۵۰' مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۷)

اسی طرح حدود کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی سزائیں دی ہیں اس سے زیادہ کسی کو تادیب یا سرزنش کرنے کے لیے سزا نہ دی جائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی بیوی کے اوپر لاٹھی نہ اٹھاؤ اور ان کے معاملات میں اللہ سے ڈرو۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث:۱۱۴' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۰۶)

اسد بن وداعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جزی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میری بیوی میری نافرمانی کرتی ہے میں اس کو کس چیز سے سزا دوں؟ آپ نے فرمایا تم اس کو معاف کردو' جب اس نے دوسری یا تیسری بار پوچھا تو آپ نے فرمایا اگر تم اس کو سزا دو تو اس کو بہ قدر قصور سزا دو اور اس کے چہرے پر مارنے سے اجتناب کرو۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث:۲۱۳۰' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۰۶)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو دس کوڑوں (درخت کی ٹہنیوں یا ڈنڈیوں) سے زیادہ نہ مارا جائے۔ ماسوا اللہ تعالیٰ کی حدود کے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۸۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۰۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۴۹۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۶۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۶۰۱' سنن دارمی رقم الحدیث:۱۷۶۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۳۶۷۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۴۴۵۲' المستدرک ج ۴ ص ۳۵۱' مسند احمد ج ۴ ص ۴۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۲۷' شرح السنہ رقم الحدیث:۲۶۰۹' المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث:۵۱۶'۵۱۵)

ربیع بن سبرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سات سال کی عمر میں بچے کو نماز سکھاؤ اور دس سال کی عمر میں اس کو مار کر نماز پڑھاؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۴۰۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۹۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۷' مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۴' المستدرک ج ۱ ص ۲۰۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۴)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو (زندہ) آگ میں جلا دیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر میں اس موقع پر ہوتا تو ان لوگوں کو آگ میں نہ جلاتا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دو' اور میں ان کو قتل کر دیتا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۰۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۳۵۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۵۳۵)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام (نوکر) کو مار رہا تھا' تو میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی! اے ابو مسعود! یہ جان لو! کہ جتنا تم اس پر قادر ہو اس سے کہیں زیادہ اللہ کو تم پر قدرت ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے' آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو تم کو دوزخ کی آگ جلاتی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۱۵۹' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۴۸' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۷۹۵۹' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۹' المعجم الکبیر ج ۱۷ رقم الحدیث:۶۸۳' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۱۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۰' شرح السنہ رقم الحدیث:۲۴۱۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ نے فرمایا: ہر روز ستر بار!۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۶۴' مسند احمد ج ۲ص ۹۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۷۶۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ...)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے پس وہ اللہ کو یاد کرے تو تم اس سے اپنے ہاتھ اٹھالو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۴۴۳' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۳۳۳ ...)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخی کے جرم سے درگزر کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ سخی کی لغزش سے اپنا ہاتھ اٹھالیتا ہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۳۲۱' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۰۶۹۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معزز اور باوقار لوگوں کی لغزشوں کو معاف کردو۔ (مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۰۹۶۵)

علامہ محمد بن عبدالواحد' ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

تعزیر دینے پر صحابہ کا اجماع ہے' تعزیر کا معنی ہے برے کاموں پر ملامت اور سرزنش کرنا تاکہ کوئی شخص اس برائی کا عادی اور خوگر نہ ہوجائے اور پہلی بار سے بڑھ کر برائی اور بے حیائی کے کام نہ کرنے لگے' اس لیے برے کام پر سرزنش کرنا واجب ہے۔ علامہ تمرتاشی نے ذکر کیا ہے کہ علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ تعزیر میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے' بلکہ یہ سزا قاضی کی صواب دید پر موقوف ہے' کیونکہ اس سے مقصد زجر و توبیخ اور سرزنش کرنا ہے' اور لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض لوگ صرف ڈانٹ ڈپٹ سن کر اصلاح کرلیتے ہیں' اور بعض لوگ ایک آدھ تھپڑ یا ایک آدھ ڈنڈی سے سدھر جاتے ہیں اور بعض لوگوں کو قید خانے میں ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

الشافی میں مذکور ہے کہ تعزیر کے کئی مراتب ہیں' امراء اور اشراف کو صرف قاضی کے پاس لے جانے اور مقدمہ کرنے کی دھمکی کافی ہوتی ہے' اوسط درجہ کے لوگوں کو قید میں ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نچلے درجے کے لوگوں کو قید اور مار دونوں کی ضرورت پڑتی ہے' امام ابویوسف سے منقول ہے کہ سلطان مالی جرمانہ بھی کرسکتا ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک مالی جرمانہ عائد کرنا جائز نہیں ہے' اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ اگر قاضی یا والی مناسب سمجھتے تو مالی جرمانہ کرسکتا ہے' جو آدمی جماعت میں حاضر نہیں ہوتا اس پر مشائخ نے مالی جرمانہ کرنے کا امام ابویوسف کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۳۳۰-۳۲۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قید کرنے اور مالی جرمانے کی سزائیں

علامہ علاء الدین ابوالحسن علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی لکھتے ہیں:

امام ابویوسف کے مذہب میں مالی جرمانے کی سزا دینا جائز ہے' امام مالک کا بھی یہی قول ہے' اور جن علماء نے یہ کہا کہ مالی سزا منسوخ ہوگئی ہے ان کا قول غلط ہے۔

تعزیر کی کم از کم سزا تین ڈنڈیاں ہیں اور زیادہ سے زیادہ انتالیس ڈنڈیاں یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے' اور امام شافعی کے نزدیک تعزیر بہرحال چالیس ڈنڈیوں سے کم ہو' اور امام احمد بن حنبل نے ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے اور کہا کہ تعزیر میں دس ڈنڈیوں سے زیادہ نہ ماری جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر نے کسی کو قید کیا ہے یا نہیں اس میں آثار مختلف ہیں۔ بعض نے ذکر کیا ہے ان کا کوئی قید خانہ نہیں تھا اور نہ انہوں نے کسی کو قید کیا ہے۔ اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قتل کے الزام میں قید کر لیا تھا۔ اس حدیث کو امام عبدالرزاق اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک الزام میں دن کے کچھ وقت قید میں رکھا پھر رہا کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قید کیا ہے' ہر چند کہ اس کے لیے کوئی قید خانہ بنا ہوا نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حطیئة نام کے ایک آدمی کو ہجو کرنے کی بنا پر قید خانے میں ڈال دیا تھا' اور صابی بن الحارث نام کا ایک شخص بنوتمیم کے چوروں میں سے ایک تھا اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قید خانہ میں ڈال دیا تھا جو وہیں مرگیا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں قید خانہ بنایا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی قید خانہ بنایا تھا۔ (معین الحکام ص ۱۹۵' ملخصاً مطبوعہ مطبعۃ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۹۳ھ)

اگر بروقت حکام سے رابطہ نہ ہو سکے تو مسلمان ازخود ظلم اور برائی کو مٹائے

نیز علامہ کمال الدین ابن ہمام لکھتے ہیں:

علامہ تمرتاشی نے لکھا ہے کہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اللہ کا نائب ہو کر کسی جرم پر تعزیر لگائے' امام ابوجعفر ھندوانی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کسی مرد کو عورت کے ساتھ دیکھے تو کیا اس کے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا اگر اس کو یہ یقین ہو کہ یہ شخص صرف ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے زنا سے باز آ جائے گا تو وہ اس کو کسی ہتھیار سے مارے' اور اس کو قتل نہ کرے' اور اگر اس کو یہ یقین ہو کہ وہ اس کو قتل کرنے کے سوا باز نہیں آئے گا تو اس کے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے' اور اگر عورت خوشی سے اس سے زنا کرا رہی ہو تو اس کو قتل کرنا بھی جائز ہے' اور اس میں یہ تصریح ہے کہ ہر انسان کو تعزیر جاری کرنے کا اختیار ہے خواہ وہ محتسب (عامل یا حاکم) نہ ہو۔ منتقی میں اس کی تصریح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برائی کو اپنے ہاتھ سے مٹانے کے باب سے ہے' اور شارع علیہ السلام نے ہر شخص کو اس کا اختیار دیا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس شخص نے کسی برائی کو دیکھا وہ اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو پھر زبان سے اس کا رد کرے اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو پھر دل سے اس کو برا جانے اور یہ سب سے کمزور درجہ کا ایمان ہے۔

(صحیح مسلم' ایمان: ۷۸' الرقم بلا تکرار: ۴۹' الرقم المسلسل: ۱۷۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۴۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۰۹' مسند احمد ج ۳ ص ۲۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۹۰)

البتہ حدود کو حکام کے سوا اور کوئی جاری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ تعزیر جو کسی بندے کے حق کی وجہ سے واجب ہو' مثلاً قذف (زنا کی تہمت) وغیرہ کیونکہ اس کا پہلے حاکم کے سامنے دعویٰ کیا جائے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا' ہاں اگر دونوں فریق کسی شخص کو حاکم بنالیں تو پھر اس کو تعزیر لگانے کا اختیار ہوگا۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۳۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن ہمام نے برائی کو مٹانے کے وجوب کے سلسلہ میں زنا کی مثال دی ہے میری رائے میں یہ مثال صحیح نہیں ہے کیونکہ زنا چھپ کر کیا جاتا ہے' اور اس حدیث کا تعلق اس برائی سے ہے جو علی الاعلان کی جارہی ہو' نیز اگر کوئی چھاپا مار کر زانیوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے تو عادۃً ایسا نہیں ہوتا کہ وہ چھاپا مارنے والوں سے یہ کہیں کہ نہیں ہم ضرور زنا جاری رکھیں گے اور منع کرنے بلکہ قتل کے بغیر باز نہ آئیں بلکہ جب ان کو عین موقع پر پکڑ لیا جائے تو وہ خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور ان پر مجرمانہ

خاموشی چھا جاتی ہے' اور ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان کو رسوائی سے بچایا جائے اور ان کی اس برائی اور جرم پر پردہ ڈالا جائے۔ البتہ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ کسی مجلس میں بیٹھ کر لوگ کھلے عام شراب پی رہے ہوں یا جوا کھیل رہے ہوں یا برسرِ عام سودی کاروبار کر رہے ہوں' ایسا سود جو بالکل کھلا ہوا ہو اور اس میں کوئی اشتباہ نہ ہو' آج کل بینکوں میں جو سودی کاروبار ہوتا ہے وہ P.L.S کی تاویل سے ہوتا ہے جو باطن میں تو سود ہے لیکن اس کا ظاہر سود نہیں ہے مضاربت ہے' یا کوئی شخص کھلا کسی پر ظلم کر رہا ہو یا کسی کو قتل کر رہا ہو تو جو مسلمان ان برائیوں میں سے کسی برائی کو دیکھے اس پر اس برائی کو حسبِ مقدور زائل کرنا اور مٹانا واجب ہے۔

ملکی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے اس لیے جب کہیں کھلے عام برائی یا ظلم ہو رہا ہو تو دیکھنے والے کو چاہیے کہ فوراً ایمرجنسی نمبروں پر ٹیلی فون کر کے متعلقہ محکمہ کو مطلع کرے' پھر اگر وہ دیکھے کہ پولیس بروقت نہیں پہنچی اور وہ اس ظلم اور برائی کو اپنی طاقت سے مٹا سکتا ہے تو پھر وہ اس برائی اور ظلم کو مٹائے اور اگر وہ اس مہم کے دوران مارا گیا تو وہ شہید ہوگا۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی فرضیت

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر مفصل لکھا ہے: قرآن مجید میں ہے:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (المائدہ: ۷۹-۷۸)

بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی ہے' کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ۝ وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جن کو وہ کرتے تھے' وہ یقیناً بہت برے کام کرتے تھے ۝

ان آیات کا تقاضا یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض ہے اور اس کے حسب ذیل مراتب ہیں:

پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اگر طاقت ہو تو برائی کو ہاتھ سے روکے' اور اگر برائی کو ہاتھ سے روکنے میں اس کی جان کو خطرہ ہو تو زبان سے برائی کا انکار کرے' اور اگر زبان سے برائی کو روکنے میں بھی جان کا خطرہ ہو تو دل سے اس برائی کا انکار کرے' حضرت عبداللہ بن جریر بجلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جس قوم میں کثرت سے گناہ کیا جائے اور ان کو گناہ سے روکا نہ جائے تو اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل کرتا ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنو اسرائیل پر جو پہلا نقصان داخل ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص کسی شخص سے ملاقات کر کے کہتا اے شخص! اللہ سے ڈرو اور اس کام کو چھوڑ دو' کیونکہ یہ کام تمہارے لیے جائز نہیں ہے' پھر اگلے دن جب اس سے ملتا تو اس کو منع نہ کرتا' اس کے ساتھ کھاتا پیتا اور اٹھتا بیٹھتا' جب انہوں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک دوسرے کے موافق کر دیئے' اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ کی زبانوں سے ان پر لعنت بھیجی' پھر فرمایا خدا کی قسم تم ضرور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اور ظلم کرنے والوں کے ہاتھ پکڑ لینا اور تم اس کو حق کی طرف موڑ دینا' اور اس کو حق پر مجبور کرنا' امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص کسی کو برائی سے روکے تو پھر برے کام کرنے والے کے ساتھ بیٹھ کر نہ کھائے اور نہ پیے۔

ناگزیر حالات کے سوا نیکی کے حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ترک نہ کیا جائے

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْؕ. (المائدہ:۱۰۵)

اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

حضرت ابوبکر نے ایک خطبہ میں اس آیت کو تلاوت کر کے فرمایا تم اس آیت کا غلط مطلب لیتے ہو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ کسی ظلم کرنے والے کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل فرمائے' ابوامیہ شعبانی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابوثعلبہ خشنی سے اس آیت کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تھا' آپ نے فرمایا تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے اور خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے' دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے' اس وقت تم صرف اپنی جان کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو' کیونکہ تمہارے بعد صبر کے ایام ہیں' ان ایام میں صبر کرنا انگارے پکڑنے کے مترادف ہے اس وقت میں ایک عمل کرنے والے کو پچاس عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا۔

اگر برائی اور ظلم کو روکنا ناگزیر ہو تو مسلمان ازخود کارروائی کریں

یہ حدیث اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دو حال ہیں ایک حال وہ ہے جس میں برائی کو بدلنا اور اس کو مٹانا ممکن ہو' اس حال میں جس شخص کے لیے برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانا ممکن ہو اس پر اس برائی کو مٹانا فرض ہے' اور اس کی کئی صورتیں ہیں' ایک صورت یہ ہے کہ وہ برائی کو تلوار سے مٹائے مثلاً ایک شخص اس کو یا کسی اور شخص کو قتل کرنے کا قصد کرے' یا اس کا مال لوٹنے کا قصد کرے' یا اس کی بیوی سے زنا کرنے کا قصد کرے' اور اس کو یقین ہو کہ زبانی منع کرنے سے وہ باز نہیں آئے گا یا بغیر ہتھیار کے اس سے جنگ کی (مثلاً تھپڑ یا مکا مارا) تب بھی باز نہیں آئے گا تب اس پر لازم ہے کہ اس کو قتل کر دے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے" اور جو شخص برائی کر رہا ہے اگر اس کو قتل کیے بغیر اس برائی کو مٹانا ممکن نہ ہو تو اس کو قتل کرنا اس پر فرض ہے' اور اگر اس کو ظن غالب ہو کہ بغیر ہتھیار کے بھی اس برائی کو مٹانا ممکن ہے (مثلاً تھپڑ اور مکے مارنے سے) تو پھر اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے' اور اگر اس کو یہ گمان ہو کہ اب اگر اس کو بغیر ہتھیار کے مارا یا زبان سے منع کیا تو یہ باز آ جائے گا لیکن بعد میں اتنی سزا سے باز نہیں آئے گا اور اس کو قتل کیے بغیر یہ برائی نہیں مٹ سکے گی تو پھر اس کو قتل کرنا لازم ہے۔

(کسی بھی شخص کے لیے قانونی طور پر ازخود کارروائی کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر وہ یہ دیکھے کہ جتنی دیر میں وہ سرکاری حکام سے رابطہ کرے گا اتنی دیر میں کسی بے قصور کو ظلماً قتل کر دیا جائے گا' یا کسی گھر میں ڈاکا پڑ جائے گا' یا کسی شریف آدمی کی عزت لٹ جائے گی اور وہ مسلمان شخص اپنی قوت سے اس برائی یا ظلم کو روک سکتا ہو تو اس پر اس برائی کو مٹانا اور اس ظلم کو روکنا شرعاً فرض ہے اور اگر اس مہم کے دوران اس کی جان چلی گئی تو وہ شہید ہوگا۔ سعیدی غفرلہ)

ابن رستم نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے کسی کا سامان چھین لیا تو تمہارے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے حتیٰ کہ تم اس کا سامان چھڑا لو' اور اس آدمی کو واپس کر دو' اسی طرح امام ابوحنیفہ نے فرمایا جو چور مکانوں میں نقب لگا رہا ہو تمہارے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے' اور جو آدمی تمہارا دانت توڑنا چاہتا ہو (مدافعت میں) تمہارا اس کو قتل کرنا جائز ہے' بہ شرطیکہ تم ایسی جگہ

پر ہو جہاں لوگ تمہاری مدد کو نہ پہنچیں' اور ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ جو جماعت زیادتی کرے اس سے اس وقت تک جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔ (الحجرات: ۹)

اسی طرح حدیث میں ہے: "تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے مٹائے۔" اس لیے جب کوئی شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے خواہ برائی کرنے والے کو قتل کرنا پڑے اور اگر وہ زبان سے منع کرنے سے باز آ جائے تو اس کو زبان سے منع کرے' یہ حکم ہر اس برائی کے لیے ہے جو علی الاعلان کی جا رہی ہو اور اس پر اصرار کیا جا رہا ہو' مثلاً کوئی شخص بھتہ اور جبری ٹیکس وصول کرے' اور جب ہاتھ سے برائی کو مٹانا اور زبان سے منع کرنا دونوں میں اس کی جان کو خطرہ ہو تو اس کے لیے سکوت جائز ہے اور اس وقت اس پر لازم ہے کہ اس برائی سے اور ان برائی کرنے والوں سے الگ ہو جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (المائدہ: ۱۰۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جب تک تمہاری بات کو قبول کیا جائے تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو' اور جب تمہاری بات کو قبول نہ کیا جائے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو' اسی طرح حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے' خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے' دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو اور لوگوں کی فکر کرنا چھوڑ دو' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قبول نہ کریں اور اپنی خواہشات اور آراء کی پیروی کریں تو پھر تمہارے لیے ان کو چھوڑنے کی گنجائش ہے اور تم اپنی فکر کرو اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو' اور جب لوگوں کا یہ حال ہو تو پھر آپ نے برائی پر ٹوکنے کو ترک کرنا مباح کر دیا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے خود نیک ہونا ضروری نہیں ہے

علامہ ابوبکر رازی فرماتے ہیں قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے اور جب بعض لوگ اس فرض کو ادا کر لیں تو پھر یہ باقیوں سے ساقط ہو جاتا ہے' اور اس فرض کی ادائیگی میں نیک اور بد کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی ایک فرض کو ترک کر دے تو اس کی وجہ سے باقی فرائض اس سے ساقط نہیں ہوتے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے تو اس سے روزہ اور دیگر عبادات کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی' اسی طرح جو شخص تمام نیکیاں نہ کرے اور کسی برائی سے نہ رکے تو اس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صحابہ کی ایک جماعت حاضر ہوئی' انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر ہم تمام نیکیوں پر عمل کر لیں حتیٰ کہ کوئی نیکی باقی نہ بچے مگر ہم نے اس پر عمل کر لیا ہو' اور تمام برائیوں سے بچیں حتیٰ کہ کوئی برائی نہ بچے مگر ہم اس سے رک چکے ہوں تو کیا اس وقت ہمارے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا نیکیوں کا حکم دو' خواہ تم نے تمام نیکیوں پر عمل نہ کیا ہو اور برائی سے روکو خواہ تم برائی سے نہ رکتے ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی کو باقی تمام فرائض کی ادائیگی کے مساوی قرار دیا ہے' جس طرح بعض واجبات میں تقصیر کے باوجود دیگر فرائض کا ادا کرنا ساقط نہیں

...ی طرح بعض واجبات میں تقصیر کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔

ہتھیاروں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فتنہ کہنے کا بطلان

علماء امت میں سے صرف ایک جاہل قوم نے یہ کہا ہے کہ باغی جماعت سے قتال نہ کیا جائے اور ہتھیاروں کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کیا جائے' انہوں نے کہا جب امر بالمعروف اور نہی المنکر میں ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پڑے تو یہ فتنہ ہے' حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ ۔ جو جماعت بغاوت کرے اس سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔ (الحجرات: ۹)

ان لوگوں نے یہ کہا کہ سلطان کے ظلم اور جور پر انکار نہ کیا جائے' البتہ سلطان کا غیر اگر برائی کرے تو اس کو قول سے منع کیا جائے اور بغیر ہتھیار کے ہاتھ سے منع کیا جائے یہ لوگ بدترین امت ہیں' امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم سلطان یا ظالم امیر کے سامنے کلمہ حق کہا جائے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ شخص جس نے ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور اس کی پاداش میں اس کو قتل کر دیا گیا۔

کسی شخص سے محبت کی وجہ سے امر بالمعروف کو ترک نہ کیا جائے

کسی شخص سے دوستی اور محبت کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہیں کرنا چاہیے' نہ کسی شخص کے نزدیک قدر و منزلت بڑھانے اور اس سے کوئی فائدہ طلب کرنے کے لیے مداہنت (بے جا نرمی اور دنیاوی مفاد کے لیے نہی عن المنکر کو ترک کرنا) کرنی چاہیے۔ کیونکہ کسی شخص سے دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے اور اس کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو آخرت کی فلاح کی ہدایت دی جائے اور اس کو آخرت کے عذاب سے بچایا جائے اور کسی انسان کا سچا دوست وہی ہے جو اس کے لیے آخرت کی بھلائی کی سعی کرے' اور اگر وہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں تقصیر کر رہا ہو تو اسے ان فرائض کی ادائیگی کا حکم دے اور اگر وہ کسی برائی کا ارتکاب کر رہا ہو تو اس کو برائی سے روکے۔

امر بالمعروف میں ملائمت کو اختیار کیا جائے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی اور ملائمت کو اختیار کرنا چاہیے تاکہ وہ مؤثر ہو' امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو تنہائی میں نصیحت کی اس نے خیر خواہی کی' اور جس نے کسی شخص کو لوگوں کے سامنے نصیحت کی اور ملامت کی اس نے اس کو شرمندہ اور رسوا کیا۔

اگر کسی برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانے سے ملکی قوانین کو اپنے ہاتھوں میں لینا لازم نہیں آتا تو اس برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹایا جائے ورنہ زبان سے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے' اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اس برائی کو دل سے ناپسند کرے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکام اور ارباب اقتدار پر لازم ہے کہ وہ برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹائیں' مثلاً قاتل کو قصاص میں قتل کریں اور چور کا ہاتھ کاٹیں' زانی کو کوڑے لگائیں یا رجم کریں اسی طرح دیگر حدود الٰہیہ جاری کریں۔ اور علماء پر لازم ہے کہ وہ زبان سے برائی کی مذمت کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں' اور عوام کو چاہیے کہ وہ ہر برائی کو دل سے

برا جانیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے ظلم اور زیادتی ہو وہ اس کو حسب مقدور مٹانے کی کوشش کرے جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۴-۳۰ ملخصاً مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو O اس نے تمہاری چوپایوں اور بیٹوں سے مدد کی O اور باغوں سے اور چشموں سے O بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے O انہوں نے کہا ہمارے لیے برابر ہے کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں O یہ صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے O اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا O سو انہوں نے ھود کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا' بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والا ہے O (الشعراء: ۱۴۰-۱۳۲)

قوم ھود کا تکبر اور اس کا ہلاک ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ہر اونچی جگہ پر لھو ولعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو؟ O اور اس توقع پر مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے O اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو۔ (الشعراء: ۱۳۰-۱۲۸)

اور ان تین باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اونچی جگہ پر مکان بنانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بلندی اور بڑائی کو پسند کرتے تھے' اور مضبوط مکان بنانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دنیا کے دلدادہ تھے اور اس میں زیادہ سے زیادہ عرصہ رہنا چاہتے تھے' بلکہ دوام چاہتے تھے اور ان کا شدت سے پکڑنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جابر اور شدید بننا چاہتے تھے اور یہ تینوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں یعنی تکبر' دوام اور جبر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بندگی کی حدود سے نکل کر ربوبیت کے مدعی تھے' اس لیے فرمایا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو پھر ان کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے احسانات گنوانے کے لیے فرمایا: اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو O اس نے تمہاری چوپایوں اور بیٹوں سے مدد کی O اور باغوں سے اور چشموں سے O پہلے ان کے سامنے ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات گنوائے تاکہ ان کو اپنی ناسپاسی اور ناشکری پر ندامت ہو' پھر ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرانے کے لیے فرمایا: بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے O کیونکہ انسان یا تو کسی کے انعام اور اکرام کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے یا اس کے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے' حضرت ھود علیہ السلام کے اس حکیمانہ خطاب کے جواب میں انہوں نے کہا: ہمارے لیے برابر ہے کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں' یہ صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے O ان کی مراد یہ تھی کہ آپ خواہ ہمیں وعظ اور نصیحت کریں یا نہ کریں ہم آپ کی بات ماننے والے نہیں ہیں' پھر انہوں نے اپنے موقف پر یہ دلیل قائم کی کہ ہم جس دین اور جس طریقہ پر قائم ہیں یہ ہم سے پہلے لوگوں کا دین اور ان کا طریقہ ہے۔ ہم ان ہی کی تقلید کر رہے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی لوگ اسی طرح زندہ تھے اور مر جاتے تھے ہم بھی اسی طرح جیتے اور مرتے رہیں گے' یا اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح پہلے لوگ اپنی طرف سے من گھڑت باتیں کرتے تھے آپ بھی اسی طرح من گھڑت باتیں کر رہے ہیں' پھر انہوں نے اپنے آپ کو اطمینان اور تسلی دلاتے ہوئے خود فریبی سے کہا اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اور انہوں نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور حشر اور حساب وکتاب کا انکار کر دیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو انہوں نے ھود کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا' اللہ تعالیٰ نے ایک تند و تیز ہوا بھیجی جس نے حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیا' ہوا بہت لطیف چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس لطیف اور ضعیف چیز کو

ذریعہ اتنی زبردست قوم کو ہلاک کردیا اور بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا' جس طرح نمرود جیسے ظالم اور جابر بادشاہ کو ایک حقیر مچھر سے ہلاک کردیا۔ سو انسان کو چاہیے کہ اپنی طاقت پر گھمنڈ نہ کرے اور اس عزیز اور غالب سے ڈرتا رہے' جو قادر و قیوم ہے' جس کو کسی کی بڑائی اور تکبر پسند نہیں ہے وہی حقیقت میں جبار اور متکبر ہے اور اس کے سوا کوئی جبار نہیں ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا

ثمود نے رسولوں کی تکذیب کی ○ جب ان سے ان کے ہم قبیلہ صالح نے کہا کیا

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

تم نہیں ڈرتے؟ ○ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ○ سو تم اللہ سے ڈرو اور

اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی

میری اطاعت کرو ○ اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر صرف

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ

رب العالمین پر ہے ○ کیا تم یہاں کی چیزوں میں امن کے ساتھ رہتے رہو گے؟ ○ باغوں میں اور

عُیُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

چشموں میں ○ کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے خوشے نرم ہیں ○ اور تم خوشی سے اتراتے ہوئے پہاڑوں

بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾

کو تراش کر گھر بناتے ہو ○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو ○

الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ

جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے ○ انہوں نے کہا تم

اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰیَةٍ

صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا ہوا ہے ○ تم صرف ہماری مثل بشر ہو' اگر تم سچوں میں سے ہو

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ

(اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ ○ صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے' ایک دن اس کے (پانی) پینے کا ہے

شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ

اور ایک مقررہ دن تمہارے (پانی) پینے کا ہےO تم اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرنا' ورنہ بڑے دن کا عذاب

عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ

تم کو پکڑ لے گاO پھر بھی انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پس وہ پچھتائےO سو ان کو عذاب نے پکڑ لیا' بے شک اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

ضرور نشانی ہے' اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھےO بے شک آپ کا رب ہی ضرور

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ ع ۸ ۱۹ ۱۲

غالب ہے' بہت رحم فرمانے والاO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثمود نے رسولوں کی تکذیب کیO جب ان سے ان کے ہم قبیلہ صالح نے کہا کیا تم نہیں ڈرتےO بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوںO سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کروO اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہےO (الشعراء: ۱۴۵-۱۴۱)

قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجنا

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے پانچواں قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے قبیلہ کا نام ثمود تھا' ان کا جد اعلیٰ ثمود بن عبید بن عوص بن عاد بن ارم بن سام بن نوح تھا۔ ان کی قوم نے حضرت صالح کی تکذیب کی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے رسولوں کی تکذیب کی کیونکہ کسی ایک رسول کی تکذیب کرنا تمام رسولوں کی تکذیب کے مترادف ہے۔ تمام رسولوں کا ایک ہی مشن ہوتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں' جب ان سے ان کے ہم قبیلہ صالح نے کہا' قرآن مجید میں ہے جب ان کے بھائی صالح نے کہا' حضرت صالح ان کے دینی بھائی نہ تھے کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کفر' گناہ کبیرہ' صغیرہ اور ہر قسم کے قابل ملامت کاموں سے مبرا اور منزہ ہوتے ہیں' حضرت صالح علیہ السلام نے کہا میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں تاکہ ان کی امانت اور دیانت کی وجہ سے ان کی قوم ان کی رسالت کی تصدیق کرے' حضرت صالح علیہ السلام کا نسب یہ ہے: صالح بن عبید بن آصف بن کاشح بن حاذر بن ثمود (روح البیان ج ۶ ص ۳۸۲)

انہوں نے کہا تم کو معلوم ہے کہ میں امانت دار ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ سے ڈرتا ہوں اور اس کی اطاعت کرتا ہوں' سو میں تم سے بھی کہتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو' میں جو تم کو نصیحت کر رہا ہوں سو وہ کسی دنیاوی منفعت کی وجہ سے نہیں کر رہا' میں اپنے اجر کو صرف اللہ عزوجل سے طلب کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت صالح نے کہا) کیا تم یہاں کی چیزوں میں امن کے ساتھ رہتے رہو گے!O باغوں میں اور چشموں میںO کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے خوشے نرم ہیںO اور تم خوشی سے اتراتے ہوئے پہاڑوں کو تراش

کر گھر بناتے ہو○ سوتم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ (الشعراء: ۱۵۰-۱۴۶)

مشکل الفاظ کے معانی

طلع: خوشہ گچھا' گابھا' کھجور کے درخت کا پہلا شگوفہ جو باہر نکلتا ہے اس کو طلع کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ○ (ق:۱۰) اور کھجور کے بلند درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔

مٹھی بھر کھجوروں کو کہتے ہیں قوس طلاع الکف۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۹۸)

هضیم: کمزور' پتلی اور نرم چیز کو ہضیم کہتے ہیں' اس کے معنی توڑنے اور کچلنے کے بھی ہیں' معدہ جو طعام کو کچلتا اور پیستا ہے اس کو بھی اسی اعتبار سے ہضم کرنا کہتے ہیں اور جو چیز نرم ہو وہ جلدی ہضم ہو جاتی ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۷۰۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

تنحتون: نحت کا معنی ہے تراشنا' تنحتون: تم تراشتے ہو۔

فارهین: فرہ اگر یہ کَرُم کے باب سے ہو تو اس کا معنی ہے عقل والا ہونا کسی کام کا ماہر ہونا' اور اگر یہ سمع کے باب سے ہو تو اس کا معنی ہے اترانا' مٹک کر چلنا' تکبر اور غرور کرنا' یہاں معنی ہے خوشی سے اتراتے ہوئے' تکبر کرتے ہوئے' یا اس کا معنی ہے تم بڑی مہارت سے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۹۰' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

جسمانی اور روحانی لذتیں

ان آیات کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم ھود کے اوپر عقلی اور معنوی لذات غالب تھیں کیونکہ وہ سربلندی کو' ہمیشہ باقی رہنے کو' انفرادیت کو اور تکبر کو پسند کرتی تھی' اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر حسی اور ظاہری لذات غالب تھیں کیونکہ وہ کھانے پینے کی چیزوں کو اور اچھی رہائش کو پسند کرتی تھی اور یہ اھل دنیا کی لذتوں میں سے لذتیں ہیں' اور آخرت کی لذتیں ان تمام لذتوں سے بالاتر ہیں' یہ علوم اور معارف کی قلبی اور روحانی لذتیں ہیں' اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر و فکر کی لذتیں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور وارفتگی اور آپ کی اطاعت اور اتباع کی لذتیں ہیں' جن میں ہر وقت یہ جی چاہتا ہے کہ انسان آپ کی سنتوں میں جذب ہو جائے اور آپ کے پیکر میں ڈھل جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو○ جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے○ انہوں نے کہا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا ہوا ہے○ تم صرف ہماری مثل بشر ہو' اگر تم سچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ○ (الشعراء: ۱۵۴-۱۵۱)

فساد اور شر کی دو قسمیں

حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تم حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو' یعنی جو لوگ دنیاوی لذتوں سے بہرہ اندوز ہونے میں اور ان کی طلب میں حد سے بڑھ چکے ہیں جن کو صرف کھانے پینے اور جنسی خواہش پوری کرنے کی ہی طلب ہوتی ہے اور اسی میں مصروف رہتے ہیں' اور ان کو اس کا کوئی خیال نہیں آتا کہ اگر زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور جنسی عمل کرنا ہی ہو تو پھر انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے۔ یہ لوگ اپنی ان خواہشوں کو ہر جائز اور ناجائز طریقے سے پورا کرتے ہیں اور حلال اور حرام کا کوئی فرق نہیں کرتے' اگر اپنی سفلی اور حیوانی خواہش کی تکمیل کے لیے چھیننا اور جھپٹنا پڑے اور اس سے بڑھ کر لڑنا' جھگڑنا' قتل اور خون ریزی کرنا پڑے تو یہ اس سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس طرح وہ زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے؟ اگر یہ کہا جائے کہ جب یہ فرما دیا تھا کہ وہ زمین میں فساد کرتے ہیں تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ اصلاح

نہیں کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات فساد میں کسی نیکی اور خیر کا بھی پہلو ہوتا ہے' جیسے کوئی آدمی رشوت لیتا ہے' لیکن وہ رشوت لے کر حق دار کو اس کا حق دے دیتا ہے' رشوت لینا اگرچہ ناجائز کام ہے لیکن حق دار کو اس کا حق دلوا دینا بہر حال نیکی ہے ہمارے دفاتر میں ایسا عموماً ہوتا ہے' کسی شخص کے بقایاجات محکمہ میں پھنسے ہوئے ہیں اس کی فائل متعلقہ افسر کے پاس دستخط کے لیے نہیں بھیجی جارہی یا کسی ٹھیکیدار کے بل پھنسے ہوئے ہیں اور کلرک اس کے بل پیش نہیں کرتا' پھر رشوت لے کر یہ کام کر دیتا ہے' بہر حال یہ ناجائز کام ہے لیکن اس میں نیکی اور خیر کا پہلو بھی ہے۔ لیکن اگر کوئی افسر رشوت لے کر کسی بے قصور کو سزا دلوا دے یا کوئی کلرک رشوت لے کر کسی حقدار کا حق اپنے کسی عزیز کو دلوا دے اور حقدار کو محروم کر دے تو یہ ایسا ناجائز کام ہے جس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے' سو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے افراد ایسا فساد کرتے تھے جس میں اصلاح نیکی اور خیر کا کوئی پہلو نہیں ہوتا تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام سے دلیل کا مطالبہ

حضرت صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے یہ کہا کہ تم حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو' جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے تو ان کی قوم نے جواب دیا: تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا ہوا ہے ○ مسحر اس شخص کو کہتے ہیں جس پر بہت زیادہ جادو کیا گیا ہو حتیٰ کہ اس کی عقل بالکل مغلوب ہو جائے' اور مسحر اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس کے پیٹ کے اوپر کا حصہ بھرا ہوا ہو۔ یعنی تم ان لوگوں میں سے ہو جن کا کام صرف کھانا پینا ہوتا ہے۔

پھر انہوں نے کہا تم صرف ہماری مثل بشر ہو' ان کا مطلب یہ تھا کہ تم تو ہماری طرح ہو تم نبی کس طرح ہو سکتے ہو؟ ان کا یہ قول اسی طرح تھا جس طرح کفار ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہوتے تو فرشتوں کی جنس سے ہوتے' اور اس قول کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم تو ہماری مثل بشر ہو پھر تمہیں اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل پیش کرنی چاہیے تھی حضرت صالح علیہ السلام نے کہا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے' ایک دن اس کے (پانی) پینے کا ہے اور ایک (مقررہ) دن تمہارے پانی پینے کا ہے ○ تم اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرنا' ورنہ بڑے دن کا عذاب تم کو پکڑ لے گا ○ پھر بھی انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پس وہ پچھتائے ○ سو ان کو عذاب نے پکڑ لیا' بے شک اس میں ضرور نشانی ہے' اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ○ بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے' بہت رحم فرمانے والا ہے ○ (الشعراء: ۱۵۹-۱۵۵)

حضرت صالح کا چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھانا

روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس چٹان سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے اور وہ فوراً ایک بچہ جن دے۔ حضرت صالح علیہ السلام بیٹھ کر ان کے اس مطالبہ پر غور کرنے لگے' تب ان سے حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر کہا: آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ اس پتھر سے اونٹنی نکال دے تو اس چٹان سے ایک اونٹنی نکلی اور ان کے سامنے آ کر بیٹھ گئی اور فوراً اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۲۵' جز ۱۹ ص ۱۷۱-۱۷۰)

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے ہوئے تھے' تو آپ نے مقام حجر میں پہنچ کر فرمایا اے لوگو! اپنے نبی سے دلائل اور معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو یہ قوم صالح ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی نشانی بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اونٹنی بھیج دی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:۱۵۸۶۶)

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا: اگر تم سچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم اس پہاڑ کی طرف جاؤ' تو وہ پہاڑ اچانک حاملہ عورت کی طرح پھول گیا پھر وہ پہاڑ پھٹ گیا اور اس کے وسط سے اونٹنی نکلی' حضرت صالح نے ان سے فرمایا یہ اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے' اس کو اللہ کی زمین میں چرنے چگنے کے لیے چھوڑ دو۔ (رقم الحدیث: ۱۵۸۶۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اونٹنی بھیجی وہ اپنی باری پر ان کے راستے سے اپنا پانی پیتی تھی۔ اور جتنا وہ لوگ اس کے ناغہ کے دن پانی پیتے تھے اس سے اس دن اتنا دودھ دوہ لیتے تھے۔ پھر وہ لوٹ جاتی تھی۔ (رقم الحدیث:۱۵۸۶۸)

امام محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو اونٹنی بہ طور نشانی نکالی تھی وہ قوم ثمود کی زمین میں درختوں کو چرتی تھی اور پانی پیتی تھی' حضرت صالح نے ان سے کہا یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نشانی ہے' اس کو اللہ کی زمین میں چرنے دو' اور اس کو کوئی نقصان نہ پہنچانا ورنہ تم پر بڑے دن کا عذاب آئے گا۔ (رقم الحدیث:۱۵۸۷۳)

حضرت عبداللہ بن زمعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قوم ثمود کے قبیلہ میں ابوزمعہ کی شکل کی طرح کا ایک شخص تھا' وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے اٹھا۔ (رقم الحدیث: ۱۵۸۷۵)

قوم ثمود کا اونٹنی کو قتل کرنا اور ان کا عذاب سے ہلاک ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر بھی انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پس وہ پچھتائے۔ (الشعراء:۱۵۷)

اس آیت میں ہے فعقروھا. عقر کا معنی ہے کونچیں کاٹنا' پاؤں کے جو پٹھے پیچھے کی طرف ایڑی کے پاس ہوتے ہیں ان کو کونچیں کہتے ہیں' عرب میں یہ دستور تھا کہ جب اونٹ کو ذبح کرنا مقصود ہوتا تھا تو پہلے اس کی کونچیں کاٹتے تھے تاکہ وہ بھاگ نہ جائے' پھر اس کو نحر کرتے تھے یعنی اس کو کھڑا کر کے اس کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مارتے تھے یا ذبح کر دیتے تھے۔

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ وہ اس اونٹنی کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے' اور قدار اس کے راستے میں ایک چٹان کی جڑ میں چھپا بیٹھا تھا' اور مصدع دوسری جڑ میں چھپا ہوا تھا' وہ اونٹنی مصدع کے پاس سے گذری' اس نے تاک کر اس کو تیر مارا' وہ تیر اس کی پنڈلی کے گوشت میں جا کر پیوست ہو گیا' پھر قدار نے اس پر تلوار سے وار کیا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں' وہ اونٹنی گر پڑی وہ چیخ چیخ کر اپنے بچے کو خبردار کر رہی تھی۔ پھر انہوں نے اس کے سینہ کے بالائی حصے پر وار کر کے اس کو نحر کر دیا' اور اس کا بچہ چیختا ہوا پہاڑوں میں گم ہو گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کے پاس آئے تو دیکھا اونٹنی قتل کی جا چکی تھی' وہ رونے لگے اور کہنے لگے تم نے اللہ کی حرمت کو پامال کر دیا' اب تم کو اللہ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی بشارت ہو!

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۵۸۷۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اپنے رب کی نافرمانی کی' اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ وعید سنائی کہ وہ اپنے گھر میں تین دن تک عیش کر لیں' یہ اللہ تعالیٰ کی وعید تھی جو جھوٹی نہیں تھی' پھر ایک زبردست چنگھاڑ آئی اور زمین کے مشارق اور مغارب میں جس قدر لوگ تھے وہ سب ہلاک کر دیے گئے' سوا ایک شخص کے جو اللہ کے حرم میں تھا اس کو اللہ کے حرم نے عذاب سے بچا لیا۔ آپ

سے پوچھا گیا: یارسول اللہ وہ کون شخص تھا آپ نے فرمایا وہ ابورغال تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۸۷۹)

ابن عطا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس اونٹنی کو ذبح کر دیا تو حضرت صالح نے ان سے فرمایا تم پر عذاب آنے والا ہے' انہوں نے پوچھا اس عذاب کی کیا علامت ہے؟ حضرت صالح نے فرمایا اس کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے' پھر پہلے دن جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے' اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اے فلاں شخص تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہو گیا؟ اور جب دوسرا دن ہوا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اے فلاں شخص! تمہارا چہرہ زرد کیوں ہو گیا؟۔ اور تیسرے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے' پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ تمہارا چہرہ سیاہ کیوں ہو گیا؟ حتیٰ کہ ان کو عذاب کا یقین ہو گیا پھر انہوں نے خوشبو لگائی' کفن پہنے اور اپنے گھروں میں ٹھہر گئے۔ پھر حضرت جبریل نے ایک چیخ ماری جس سے ان کے جسموں سے ان کی روحیں نکل گئیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۸۸۰)

حضرت صالح علیہ السلام پر بالغ ہونے کے بعد وحی نازل ہوئی اور ان کو حضرت ھود علیہ السلام کے ایک سو سال بعد مبعوث کیا گیا تھا' اور وہ دو سو بیس سال زندہ رہے۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۸۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قوم ثمود کے نادم ہونے کے باوجود ان پر عذاب آنے کی توجیہ

الشعراء: ۱۵۷ میں فرمایا ہے: انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں' پھر وہ پچھتائے اور نادم ہوئے' اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ جب وہ نادم ہو گئے تھے تو پھر ان پر عذاب کیوں نازل کیا گیا؟ اس کے دو جواب ہیں ایک جواب یہ ہے کہ ان کی ندامت توبہ کرنے والوں کی ندامت نہ تھی بلکہ وہ ڈرنے والوں اور خوف زدہ لوگوں کی ندامت تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ان کی ندامت توبہ کرنے والوں کی ندامت بھی ہو تو وہ اس وقت نادم ہوئے جب ان کا نادم ہونا سود مند نہ تھا' کیونکہ عذاب کا مشاہدہ اور معائنہ کرنے سے پہلے توبہ مفید ہوتی ہے اور انہوں نے عذاب کا مشاہدہ اور معائنہ کرنے کے بعد توبہ کی تھی' قرآن مجید میں ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (النساء: ۱۸)

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کر لی' اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو حالت کفر میں مرجاتے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۝

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قوم عاد کے سواروں اور پیادوں نے عدن سے لے کر عمان تک کے علاقے کو بھرا ہوا تھا' انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا' تو ان کی وراثت کو میری ان دو جوتیوں کے بدلہ میں بھی کون خریدے گا۔ پھر وہ خود کہتے کہ کوئی نہیں خریدے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۸۸۲)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ان کی ندامت سے ان کو اس لیے فائدہ نہیں ہوا کیونکہ انہوں نے ندامت کے باوجود توبہ نہیں کی' بلکہ جب ان کو عذاب کا

چین ہو گیا تو پھر حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے انہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے' ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ وہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر نادم نہیں تھے بلکہ اس پر نادم تھے کہ انہوں نے اونٹنی کے ساتھ ہی اس کے بچہ کو بھی کیوں قتل نہیں کر دیا اور اس کو نکل کر بھاگنے کا موقع کیوں دیا' لیکن یہ جواب بعید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O (الشعراء: ۱۵۸)

قوم عاد میں سے مردوں اور عورتوں کو ملا کر دو ہزار آٹھ سو افراد ایمان لائے تھے' ایک قول یہ ہے کہ چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے' کعب احبار نے کہا حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے بارہ ہزار قبیلے تھے' اور ہر قبیلہ میں عورتوں اور بچوں کے سوا بارہ ہزار مرد تھے' اور قوم عاد ان سے چھ گنا زیادہ تھی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۲۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور اس کے قہر و غلبہ کے آثار اور تقاضے

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے' بہت رحم فرمانے والا O (الشعراء: ۱۵۹)

آپ کا رب ہی غالب ہے' یعنی قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی جو تکذیب کی تھی' ان کا انتقام لینے کے لیے وہ بہت غالب ہے' پس اس نے ان کو عذاب میں مبتلا کر کے نیست و نابود کر دیا' اس لیے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہیے تاکہ وہ بھی اسی عذاب میں نہ گرفتار ہو جائیں جس عذاب میں پچھلی تکذیب کرنے والی اقوام ہلاک ہو گئی تھیں۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ بہت رحم فرمانے والا ہے' کہ وہ بغیر استحقاق کے عذاب نازل نہیں کرتا' اور استحقاق ثابت ہونے کے بعد بھی توبہ کا موقع فراہم کرنے کے لیے ڈھیل دیتا رہتا ہے۔

یہ قرآن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اس میں انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے قصص بیان کیے گئے تاکہ ہم ان واقعات سے عبرت حاصل کریں' سو جس نے اس قرآن کو چھوڑ دیا اور اس کے احکام پر عمل نہیں کیا اس کو کل آخرت کے دن افسوس اور ندامت ہوگی جب اس کو عذاب کا سامنا ہوگا' سو انسان کو چاہیے کہ وہ ان مثالوں سے عبرت حاصل کرے اور ایمان لانے اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے کو اپنے لیے باعث عار نہ بنائے اور نار کو اختیار نہ کرے۔

جو شخص بہ غور سننے والا ہو اور اس کا دل گداز ہو وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی طرف متوجہ اور راغب ہوگا' اور اللہ عزوجل کے جلال اور قہر سے خوف زدہ ہوگا' اور دن اور رات کے اکثر اوقات میں اللہ جل شانہ کو یاد کرے گا اور خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرے گا۔

حکایت ہے کہ دوران سفر شبلی قدس سرہ نے ایک نوجوان کو دیکھا جو اللہ کا بہت ذکر کر رہا تھا' اور وہ اللہ اللہ کہہ رہا تھا' شبلی نے کہا بغیر علم کے تمہیں اللہ اللہ کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا' کیونکہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین بھی اللہ کو مانتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ . اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے۔ (الزخرف: ۸۷)

اس نوجوان نے پھر دس مرتبہ اللہ اللہ کہا اور بے ہوش ہو کر گر گیا اور اس حالت میں اس کی جان نکل گئی' شبلی نے آ کر دیکھا تو اس کا سینہ پھٹ چکا تھا اور اس کے جگر پر اللہ کا لفظ نقش تھا' پھر ایک منادی نے ندا کی اے شبلی! یہ محبین میں سے تھا' اور محبین بہت کم ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے عارفین کے دلوں کو پیدا کیا اور ان کو معرفت اور یقین سے بھر دیا اور ان کی روح میں ذکر حق داخل کر دیا' جس طرح غافلوں کے دلوں میں نسیان کو پیدا کر دیا اور ان کو ایسے کاموں پر اصرار کرنے میں رہنے دیا جس کی

وجہ سے وہ جسمانی اور روحانی عذاب میں مبتلا رہتے ہیں' اوّل الذکر قلوب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار ہیں اور ثانی الذکر قلوب اللہ تعالیٰ کے قہر اور غلبہ کے آثار ہیں' پس اللہ کی طرف وہی ہدایت پاتے ہیں جو اس کے قرب اور وصال کے اہل ہوتے ہیں؛ اور وہی لوگ اس کی راہ سے بھٹکتے ہیں جو اس کے قہر اور غضب کے مستحق ہوتے ہیں تو اس کریم اور رحیم سے ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اس بڑے دن کے عذاب سے محفوظ رکھے جس دن کوئی مال نفع دے گا نہ اولاد کسی کام آئے گی مگر وہ شخص جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر گیا ہو۔ (روح البیان ج ٦ ص ٢٨٦-٢٨٥ 'ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤٢١ھ)

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ

لوط کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان سے ان کے ہم قوم لوط نے کہا

أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

کیا تم نہیں ڈرتے؟ O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ سے ڈرو

وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ

اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ

رب العلمین پر ہے O کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو! O اور تمہارے رب نے

مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا

تمہارے لیے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو! بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو O انہوں

لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ

نے کہا اے لوط! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو بستی سے نکال دیا گیا ہے O لوط نے کہا میں تمہارے

مِنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ

کام کی وجہ سے تم سے سخت ناراض ہوں O اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کی بدکاریوں سے نجات دے دے O سو ہم نے ان

أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَ

کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دے دی O سوا ایک بوڑھی عورت کے جو باقی رہنے والوں میں سے تھی O پھر ہم نے دوسروں کو

اَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيَةً ؕ

ہلاک کر دیا O اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی' سو جن لوگوں کو عذاب سے ڈرایا جا چکا تھا ان پر کیسی بری بارش تھی O بے شک

وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ

اس میں ضرور نشانی ہے' اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے

الرَّحِيۡمُ ﴿۱۷۵﴾ ع

بہت رحم فرمانے والا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوط کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان سے ان کے ہم قوم لوط نے کہا: کیا تم نہیں ڈرتے؟ O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے O کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو! O اور تمہارے رب نے تمہارے لیے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے' اس کو چھوڑ دیتے ہو! بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو O (الشعراء: ۱۶۶-۱۶۰)

حضرت لوط علیہ السلام کی اہل سدوم کی طرف بعثت

انبیاء علیہم السلام کے بیان کیے ہوئے قصص میں سے یہ چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سے مراد اہل سدوم اور ان کے متبعین ہیں۔ انہوں نے حضرت لوط' حضرت ابراہیم اور ان سے پہلے تمام نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کی تھی' الشعراء ۱۶۱' میں حضرت لوط کو اس قوم کا بھائی فرمایا ہے یہاں بھائی کا معنی ہم قبیلہ نہیں ہے' جیسا کہ بعض مترجمین نے لکھا ہے کیونکہ حضرت لوط باہر سے اس علاقہ میں آئے تھے' ان کا تعلق ان کے نسب سے تھا نہ ان کے وطن سے تھا' یہاں پر بھائی کا اطلاق صرف مشفق کے معنی میں کیا گیا ہے کیونکہ بھائی' بھائی پر شفیق اور مہربان ہوتا اور حضرت لوط علیہ السلام بھی اس قوم پر مشفق اور مہربان تھے۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن' ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کا نام ہے لوط بن هاران بن تارخ' هاران حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بھائی تھے' اور حضرت لوط' حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے۔

حسان بن عطیہ نے بیان کیا ہے کہ نبط (عراقیوں کی ایک قوم) کے بادشاہ نے حضرت لوط اور ان کے اہل پر حملہ کر کے ان کو قید کر لیا۔ پھر حضرت ابراہیم نے حضرت لوط کو چھڑانے کے لیے اس سے جنگ کی' اور حضرت لوط اور ان کے اہل کو چھڑا لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دس نبیوں کے سوا تمام انبیاء حضرت یعقوب کی نسل سے ہیں: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت اسماعیل' حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب' حضرت لوط' حضرت ھود' حضرت شعیب' حضرت صالح اور حضرت نوح علیہم السلام۔ (اس پر یہ اشکال ہوگا کہ ان میں کئی انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں ہے)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت لوط علیہ السلام کے بعد جس نے اپنے

اہل وعیال کے ساتھ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی وہ عثمان (بن عفان) ہیں۔
(تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳ ص ۲۳۷ مطبوعہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو رسول بنانے کے بعد حضرت سارہ کا جو واقعہ حضرت ھاجر کے ساتھ ہوا اس کے بعد حضرت سارہ کے دل میں اولاد کی خواہش ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو ارض مقدسہ کی طرف بھیجا اور حضرت لوط علیہ السلام کو المؤتفکات (الٹی ہوئی بستیوں) کی طرف بھیجا' اور حضرت لوط علیہ السلام کی چار بستیاں تھیں۔ سدوم' اموراز' عاموراء اور صبویراء اور ہر بستی میں ایک لاکھ جنگجو تھے' اور ان کی کل تعداد چار لاکھ تھی' اور ان کا سب سے بڑا شہر سدوم تھا' حضرت لوط علیہ السلام اس بستی میں مبعوث کیے گئے تھے اور یہ شہر بھی المؤتفکات میں سے تھا' یہ شام اور فلسطین کے شہروں سے ایک دن کی مسافت پر تھا' حضرت ابراہیم خلیل الرحمان حضرت لوط بن حاران کے چچا تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط کی قوم کو نصیحت کرتے تھے۔ ان کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے ڈھیل دی ہوئی تھی۔ انہوں نے شرم وحیاء کے حجاب پھاڑ دیے تھے اور حرام کاری شروع کر دی تھی۔ اور بہت بڑی بے حیائی کا ارتکاب کرتے تھے' حضرت ابراہیم دراز گوش پر سوار ہو کر قوم لوط کے پاس گئے اور ان کو نصیحت کی' انہوں نے اس نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا' اس کے بعد وہ سدوم کی طرف جاتے اور اس کو دیکھ کر کہتے: اے سدوم اب اللہ کی طرف سے تیرا کون سا دن ہے؟ میں تمہیں ان کاموں سے منع کرتا ہوں تا کہ تم اللہ کے عذاب کے مستحق نہ بنو۔ الحدیث

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳ ص ۲۳۸-۲۳۶' (ملخصاً) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ عبدالرحمان بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام اپنے عم محترم حضرت ابراہیم پر ایمان لائے تھے اور ان کی اتباع کرتے تھے' اور انہوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی' پھر وہ مصر چلے گئے' اس کے بعد پھر لوٹ کر شام کی طرف آئے پھر حضرت ابراہیم فلسطین میں ٹھہر گئے' اور حضرت لوط اردن چلے گئے' اس وقت حضرت ابراہیم کی نصف عمر گذر چکی تھی تب اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کو اھل سدوم کی طرف رسول بنا کر بھیج دیا' اھل سدوم کافر تھے اور مردم پرستی میں مبتلا تھے' اور حضرت لوط علیہ السلام ان کو کفر اور بے حیائی کے کاموں سے روکتے تھے اور منع کرتے تھے۔ (المنتظم ج ۱ ص ۱۰۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جنسی اعضاء اور جنسی عمل کا ذکر اشارہ اور کنایہ سے کرنے کی تلقین

اس کے بعد ذکر ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اھل سدوم سے کہا: کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو! (الشعراء: ۱۶۵)

اس سے مراد یہ ہے کہ تم مردوں سے اپنی جنسی خواہش پوری کرتے ہو' جنسی خواہش پوری کرنے کو کنایۃً آنے سے تعبیر فرمایا ہے جس طرح اس آیت میں ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۚ — تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں' تم اپنی کھیتیوں میں جس طرح سے چاہو آؤ۔ (البقرہ: ۲۲۳)

یہاں بھی کھیتیوں سے مراد اپنی بیویوں سے جماع کرنا ہے جس کو کنایۃً کھیتیوں میں آنے سے تعبیر فرمایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جنسی خواہش پوری کرنے کو الفاظ میں بیان کرنا ہو تو کھلے کھلے لفظوں میں ذکر کرنے کے بجائے' اشارے اور کنائے میں اس کا ذکر کرنا چاہیے اور شرم وحیاء اور حجاب کو قائم رکھنا چاہیے۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ تم اولاد آدم میں سے مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو حالانکہ ان کے شہر میں عورتیں بہت زیادہ تھیں' ہم سورۃ الاعراف میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ ابلیس نے ان کو اس خبیث عمل کی تعلیم دی تھی' اور وہ اس شہر میں آنے والے مسافروں کو پکڑ کر ان کے ساتھ یہ خبیث عمل کیا کرتے تھے۔

عورتوں سے عمل معکوس کرنے کی ممانعت

اس کے بعد فرمایا: اور تمہارے رب نے تمہارے لیے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو!

(الشعراء:۱۶۶)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اشارہ اور کنایہ سے کلام فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے جس عضو کو اس مقصد کے لیے بنایا ہے وہ اس عضو کی بجائے اس کے پچھلے عضو میں دخول کرتے تھے اور عمل معکوس کرتے تھے۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا تم عورتوں کی قبل (اندام نہانی) کو چھوڑ کر مردوں اور عورتوں کی پشت میں دخول کرتے ہو (جامع البیان رقم الحدیث:۲۰۳۲۳' دارالفکر بیروت' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۵۸۸۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ) علامہ قمولی' علامہ قرطبی' علامہ اسماعیل حقی اور علامہ آلوسی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے۔

احادیث میں بھی عورتوں کے ساتھ عمل معکوس کرنے کی مذمت کی گئی ہے:

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوصخرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم لوط مردوں کے ساتھ یہ عمل کرنے سے چالیس سال پہلے عورتوں کے ساتھ یہ عمل کرتی تھی۔

طاؤس سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص عورت کی سرین (پچھلی جانب) میں یہ عمل کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا یہ اس کا کفر ہے۔ قوم لوط نے اس عمل کی ابتداء کی تھی پہلے وہ عورتوں کے ساتھ یہ عمل کرتے تھے' پھر مرد مردوں کے ساتھ یہ عمل کرنے لگے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳ ص ۲۳۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں کرتا جو اپنی بیوی کی پچھلی جانب میں جماع کرتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۱۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۹۲۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۲۰۹۵۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۵۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۲' سنن دارمی رقم الحدیث:۱۱۴۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۹۸' شرح السنۃ رقم الحدیث:۲۲۹۶)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا بے شک اللہ حق بات سے حیا نہیں فرماتا تم عورتوں کی پچھلی جانب میں دخول نہ کرو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۹۲۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۵۳' مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۳' سنن الدارمی رقم الحدیث:۱۱۴۸' ۲۲۱۹' المنتقیٰ لابن جارود رقم الحدیث:۷۲۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۴۱۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس مرد کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرماتا جو کسی مرد یا عورت کی دبر (مقعد' سرین) میں دخول کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۱۶۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۲۳۷۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۴۲۰۳' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۱۳۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی ریح (ہوا)

خارج ہوتو وہ وضو کرے اور تم عورتوں کی پچھلی جانب میں نہ آؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:١١٦٦ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:٢٣٧٨' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:٤٢٠٣' الکامل لابن عدی ج ٣ ص ١٤٣٠)

عملِ قوم لوط کی سزا

اس کے بعد حضرت لوط نے فرمایا بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرتے ہو یعنی یوں تو تمام معاملات میں حد سے تجاوز کرتے ہو اور خصوصیت کے ساتھ جنسی عمل میں حد سے تجاوز کرتے ہو۔

عمل قوم لوط کی سزا میں اختلاف ہے' امام ابوحنیفہ نے فرمایا اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس پر حد نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا فاعل اور مفعول دونوں کو رجم (سنگسار' پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا) کرنا واجب ہے' خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ' اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اس کی وہی سزا ہے جو زنا کی ہے' ان کے نزدیک یہ فعل عین زنا تو نہیں مگر زنا کے مشابہ ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے الاعراف: ٨٠ میں بیان کر دی ہے' دیکھیے تبیان القرآن ج ٤ ص ٢١٩ - ٢١٧' اور اس فعل کی قدرتی سزا یہ ہے کہ قوم لوط کا عمل کرنے والا ایڈز کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان کے خون میں جو سفید خلیے ہوتے ہیں وہ کسی بھی بیماری کے خلاف مزاحمت اور مدافعت کرتے ہیں ایڈز کی بیماری میں یہ سفید خلیے ختم ہو جاتے ہیں اور انسان کے جسم میں بیماریوں کے خلاف جو مدافعت کا طبعی نظام ہے وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ پھر انسان کو جو بھی بیماری ہو وہ ختم نہیں ہوتی اور اس کا ہر مرض لا علاج ہوتا ہے ابھی تک ایڈز کا صحیح علاج دریافت نہیں ہو سکا۔

قوم لوط کی بری خصلتیں

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر متوفی ٥٧١ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین خصلتوں کے سوا قوم لوط کی تمام خصلتیں مٹ چکی ہیں' تلواروں کے غلاف کو گھسیٹنا' ناخنوں کو رنگنا اور شرمگاہ ننگی کرنا۔ (تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث:١١٧٢٣)

حضرت ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی' کبوتروں سے کھیلنا' غلیل بازی کرنا' سیٹیاں بجانا' مجلس میں کنکر پھینکنا' سر کے بال سیدھے سنوارنا' دنداسہ لگانا' چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا' اچکنوں کو بند کرنا' مردوں سے خواہش پوری کرنا اور دائماً شراب پینا' اور یہ امت ایک اور برائی کا اضافہ کرے گی۔ عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غلیل بازی' سیٹی بجانا' کنکر پھینکنا اور دنداسہ چبانا قوم لوط کے برے اخلاق میں سے ہیں۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے ہلاک کی گئی اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی' مرد' مردوں سے جنسی عمل کرتے تھے۔ غلیل سے نشانہ لگاتے تھے' مجلس میں کنکر پھینکتے تھے' کبوتر بازی کرتے تھے' دف بجاتے تھے' خمر (انگور کی شراب) پیتے تھے' داڑھی کاٹتے تھے' مونچھیں لمبی رکھتے تھے' سیٹی بجاتے تھے' تالی پیٹتے تھے' ریشم پہنتے تھے اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی۔ عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث:١١٧٢٤)

حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا:

وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَؕ (العنکبوت:٢٩) تم اپنی عام مجلسوں میں برے کام کرتے ہو۔

میں نے پوچھا یہ بتائیے وہ کیا برا کام کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا وہ راستہ میں جانے والوں کو کنکر مارتے تھے' اور ان کا مذاق

اڑاتے تھے (تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۷۲۵) (تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳ ص ۲۴۸-۲۴۷ ملتقطاً مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا اے لوط! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو بستی سے نکال دیا گیا ہے o لوط نے کہا میں تمہارے کام کی وجہ سے سخت ناراض ہوں o اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کی بدکاریوں سے نجات دے دے o سو ہم نے ان کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دے دی o سوا ایک بوڑھی عورت کے جو باقی رہنے والوں میں سے تھی o پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا o اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی سو جن لوگوں کو عذاب سے ڈرایا جا چکا تھا ان پر وہ کیسی بری بارش تھی o بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے o اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والا o (الشعراء: ۱۷۵-۱۶۷)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی زبان درازی اور عذاب کا مستحق ہونا

حضرت لوط علیہ السلام نے اہل سدوم کو ان کے برے اور سخت بے حیائی کے کاموں سے منع کیا تھا اور ان کو اس پر آخرت کے عذاب سے ڈرایا تھا' انہوں نے اس کے جواب میں حضرت لوط سے کہا کہ اگر آپ ہم کو منع کرنے سے باز نہ آئے تو ہم آپ کا بہت برا حال کر کے ان شہروں سے آپ کو نکال دیں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے کہا میں تمہارے ان برے کاموں کی وجہ سے تم سے سخت ناراض ہوں' اس آیت میں ناراض کے لیے القالین کا لفظ ہے' یہ قالی کی جمع ہے' اس کا معنی ہے بیزار ہونے والا' سخت نفرت کرنے والا' چھوڑنے والا' قلت الناقۃ براکبھا اونٹنی نے اپنے سوار کو گرا دیا یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص نفرت اور بے زاری سے کسی چیز کو پھینک دے' قلی کا معنی پکانا اور بھوننا بھی ہے۔ شوربے والے سالن کو القلیہ کہتے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کے ساتھ رہنے کو ناپسند کیا اور ان کے قرب سے نجات حاصل کرنے میں رغبت کی اس لئے انہوں نے اللہ عزوجل سے یہ دعا کی: اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کی بدکاریوں سے نجات دے دے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا: سو ہم نے ان کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دے دی o یعنی ان کو اور ان کے گھر والوں کو عذاب نازل ہونے سے پہلے ان کے گھروں سے نکال لیا ماسوا ایک بوڑھی عورت کے جس کا نام والھہ تھا یہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی اور ان پر ایمان نہیں لائی تھی' حضرت لوط علیہ السلام کی منکوحہ ہونے کے اعتبار سے اس کو آپ کے اہل میں شامل رکھا گیا۔ اس آیت میں اس کے لیے عجوز کا لفظ ہے۔ عجوز عاجز کا اسم مبالغہ ہے' اس کا معنی ہے بہت زیادہ عاجز' چونکہ بوڑھی عورت کام کاج سے بہت زیادہ عاجز ہوتی ہے' اس لیے اس کو عجوز کہا جاتا ہے' غابرین کے معنی ہے باقی رہنے والے اس کو ان لوگوں میں باقی رکھا گیا جن کو عذاب دیا گیا تھا' کیونکہ یہ بھی قوم کی طرف مائل تھی اور ان کے افعال پر راضی تھی' آسمان سے برسنے والے پتھر اس پر بھی لگے۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ نہیں گئی تھی اور ان لوگوں کے ساتھ باقی رہ گئی تھی جن پر عذاب آیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق قرآن مجید میں ایک اور جگہ ذکر ہے:

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت اور اس کا عذاب

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ

اللہ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے' یہ دونوں ہمارے نیک بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں' پھر ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت

الدّٰخِلِيْنَ ۝ (التحریم:۱۰) کی پس وہ دونوں نیک بندے ان سے اللہ کے عذاب کو بالکل نہ کر سکے اور ان (عورتوں) سے کہا جائے گا اے عورتو! تم دونوں بھی دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

اس آیت میں حضرت لوط اور حضرت نوح کی بیویوں کی خیانت کا ذکر کیا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

امام ابوالقاسم علی بن حسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان عورتوں نے زنا نہیں کیا تھا لیکن حضرت نوح کی بیوی لوگوں کو جا کر یہ بتاتی تھی کہ حضرت نوح مجنوں اور دیوانے ہیں اور حضرت لوط کی بیوی لوگوں کو جا کر بتا دیتی تھی کہ آج حضرت لوط کے پاس مہمان آئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اپنے گھر کی چھت پر چڑھی اس نے اپنے کپڑے سے اشارہ کیا تو فاسق لوگ اس کے پاس بھاگتے ہوئے آئے اور اس سے پوچھا تمہارے پاس کوئی خبر ہے؟ اس نے کہا ہاں! بے شک اللہ کی قسم ہمارے پاس ایسے حسین وجمیل مہمان آئے ہیں اور ان سے ایسی اچھی خوشبو آرہی ہے میں نے ایسے لوگ ساری زندگی نہیں دیکھے۔

اشرف خراسانی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث:۱۱۷۷۲ ج ۵۳ ص ۲۴۵-۲۴۴ ملتقطاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے وہ اس وقت کوئی کام کر رہے تھے انہوں نے کہا ہم آج رات آپ کے پاس مہمان رہیں گے۔ حضرت لوط ان کو ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔ حضرت لوط نے راستہ میں ان کی طرف مڑ کر فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ اس بستی کے لوگ کس طرح کے کام کرتے ہیں! تمام روئے زمین میں ان سے زیادہ برے کام کرنے والا اور کوئی نہیں ہے حضرت لوط نے یہ بات ان سے تین بار کہی اور ان فرشتوں سے یہ کہا گیا تھا کہ ان کو اس وقت تک عذاب نہ دیں جب تک کہ تین بار ان کے خلاف شہادت نہ حاصل کر لیں۔ جب وہ فرشتے حضرت لوط کے گھر داخل ہوئے تو وہ کافرہ بوڑھی اپنی قوم کے پاس گئی اور ان کو حضرت لوط کے گھر کے دروازے پر لے آئی ایک فرشتہ اٹھا اور اس نے پوری قوت کے ساتھ دروازہ کو بند کر دیا۔ حضرت جبریل نے ان کو عذاب دینے کے لیے اپنے رب سے اجازت طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کو اجازت دے دی پھر حضرت جبریل نے ان کے اوپر اپنا پر مارا جس سے وہ اندھے ہو گئے اور انہوں نے بہت بری حالت میں رات گذاری پھر فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا:

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ (ھود:۸۱)

فرشتوں نے کہا: اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے آپ رات کے ایک حصے میں اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیں بے شک اس کو (بھی) وہی (عذاب) پہنچنے والا ہے جو انہیں پہنچے گا۔

قتادہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اس بوڑھی عورت نے ایک آواز سنی تو اس نے اس آواز کی طرف مڑ کر دیکھا

...ایک پتھر آ کر لگا وہ اس وقت اپنی قوم سے الگ جگہ پر تھی۔ قتادہ نے کہا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت جبریل نے اس بستی کو درمیان سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کو آسمان کی طرف لے کر چڑھے حتیٰ کہ آسمان والوں نے اس بستی کے کتوں کی آوازیں سنیں پھر حضرت جبریل نے اس بستی کو پلٹ دیا اس کے اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دیا' پھر ان پر لگاتار پتھر برسائے' قتادہ نے کہا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ان کی تعداد چار لاکھ تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۳ ص ۲۴۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حدود کے نفاذ کا رحمت ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اس میں ضرور نشانی ہے (الشعراء: ۱۷۴) یعنی قوم لوط کو جو عذاب دیا گیا اس میں بعد والی نسلوں کے لیے عبرت کا سامان ہے تاکہ وہ اس قسم کی بدکاری اور ایسے قبیح فعل کے ارتکاب سے باز رہیں تاکہ ان پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو قوم لوط پر آیا تھا' پھر فرمایا اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے۔

اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے سوا اور کوئی مومن نہیں تھا' حضرت لوط علیہ السلام مومن تھے اور ان کی دو بیٹیاں اور ان کے داماد مومن تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۲۴' روح البیان ج ۶ ص ۳۸۹)

پھر فرمایا بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے کہ وہ اپنے اور اپنے رسول کے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے' اور بہت رحم فرمانے والا ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور اولیاء کی مدد فرماتا ہے' اور کفار پر بھی بغیر تنبیہ کے عذاب نازل نہیں فرماتا اور ان کو ایمان لانے اور اصلاح کرنے کی مہلت دیتا ہے۔ اور عذاب کے مستحقین کو عذاب دینا بھی صالحین کے اوپر اس کی رحمت کا کمال ہے' کیونکہ جس کے کسی عضو میں ناسور ہو جائے تو اس عضو کو کاٹ دینا ہی پورے جسم کی صلاح کا ضامن ہے اور یہ جہان بھی ایک جسم کی طرح ہے اور کفار اس جہان میں اس عضو کی طرح ہیں جس میں ناسور ہو تو ان کفار کو عذاب سے ہلاک کر دینے میں پورے جہان کی سلامتی ہے' اور اگر قہر اور غلبہ میں کوئی فائدہ نہ ہوتا تو حدود کو مشروع نہ کیا جاتا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فصلوں کی زرخیزی اور زرعی پیداوار کی بہتات سے زیادہ نفع حدود کے قائم کرنے میں ہے' کیونکہ اگر نفاذ حدود کے ذریعہ معاصی' فواحش اور جرائم کی روک تھام نہ کی جائے اور منکرات اور فواحش بڑھ جائیں تو پھر زمین میں پانی کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔ فصلیں ویران ہو جاتی ہیں اور رزق میں کمی ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! جب تم پانچ چیزوں میں مبتلا ہو تو ان کو پانے سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ جب کسی قوم میں بے حیائی ظاہر ہو اور وہ اس کو کھلم کھلا کرنے لگیں تو ان میں طاعون پھیل جاتا ہے اور وہ ان امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہوئے نیک لوگوں میں نہیں تھے' اور جو قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی ہے وہ قحط سالی' شدید محنت اور مشقت اور بادشاہ کے ظلم میں مبتلا ہو جاتی ہے' اور جو لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ دینے سے منع کرتے ہیں' ان سے آسمان کی بارش روک دی جاتی ہے اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش نہ ہوتی' اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول سے کیے ہوئے عہد کو توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے اوپر اغیار کو مسلط کر دیتا ہے سو ان کی ساری پونجی کو وہ اغیار لوٹ کر لے جاتے ہیں' اور جب تک مسلمانوں کے ائمہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے اور اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کو اختیار نہیں کریں گے' تو اللہ ان کو آپس کی جنگوں میں مبتلا کر دے گا۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں خالد بن یزید ضعیف راوی ہے لیکن اس کا مضمون صحیح ہے اور دیگر احادیث اس کی موید ہیں۔) (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۹' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۳۳-۳۳۴)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت ضرور خمر (انگور

کی شراب) کا نام بدل کر اس کو پیتی رہے گی اور اس کے سروں پر آلات موسیقی بجتے رہیں گے اور گانے والیاں گاتی رہیں گی حتیٰ کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بندر اور خنزیر بنا دے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۹۵' ج ۱۰ ص ۲۲۱)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت پندرہ (قسم کے) کام کرے گی تو اس پر بلائیں اور مصائب نازل ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ وہ کون سے کام ہیں؟ آپ نے فرمایا جب مال غنیمت کو (ذاتی) دولت بنالیا جائے گا' اور امانت کو مال غنیمت سمجھ لیا جائے گا' اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے گا' اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا' اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا' اور اپنے دوست کے ساتھ نیکی کرے گا اور اپنے باپ کے ساتھ بدی کرے گا' اور مساجد میں شور کیا جائے گا' اور رذیل آدمی کو قوم کا سردار بنا دیا جائے گا' اور کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے گی' اور خمر (انگور کی شراب) پی جائے گی' اور ریشم پہنا جائے گا' اور اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہیں گے تو ان کاموں کے وقت سرخ آندھیوں اور زمین میں دھنسائے جانے اور مسخ کیے جانے کا انتظار کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۰' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۳۸۶)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے لیے زمین میں دھنسنا اور مسخ کیے جانا اور آسمان سے پتھروں کا برسنا بھی ہوگا' ایک مسلمان نے آپ سے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کب ہوگا آپ نے فرمایا جب گانے والیوں اور موسیقی کا ظہور ہوگا اور خمر (انگور کی شراب) پی جائے گی۔ (اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے) (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر میں صرف نیکی سے اضافہ ہوتا ہے۔ اور تقدیر (معلق) کو صرف دعا ٹالتی ہے اور انسان گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۲)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ فواحش' منکرات اور جرائم کے ارتکاب سے بلائیں' اور مصائب آتے ہیں' زمین میں دھنسنے' مسخ کیے جانے اور رزق سے محرومی کے عذاب نازل ہوتے ہیں' اس لیے حدود اور تعزیرات کو مشروع کیا گیا تاکہ ان کے ڈر اور خوف سے لوگ جرائم سے باز رہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی سے بچے رہیں' اس لیے جرائم پر سزا دینا اور حدود کا نافذ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا:

جو شخص ایسی جگہ میں رہے جہاں کوئی قاہر سلطان نہ ہو اور عادل قاضی نہ ہو اور طبیب عالم نہ ہو اور دکانیں اور بازار نہ ہوں اور جاری دریا نہ ہو اس نے اپنے نفس کو اپنے اھل کو' اپنے مال کو اور اپنی اولاد کو ضائع کر دیا۔ پس عقل والے پر لازم ہے کہ وہ اپنی سفلی خواہش سے احتراز کرے' اور اپنی بری عادات کو ترک کرے اور تمام حالات میں نرمی کے ساتھ اپنے نفس امارہ سے جہاد کرے۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۸۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا

اصحاب الایکہ (سرسبز جنگل والوں) نے رسولوں کی تکذیب کی ○ جب ان سے شعیب نے کہا کیا تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَآ

نہیں ڈرتے! O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں

اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا

تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف رب العلمین پر ہے O پیمانہ پورا

الْكَیْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾

بھر کر دو اور کم تولنے والوں میں سے نہ بن جاؤ O اور صحیح ترازو سے تول کر دیا کرو O

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾

اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو O

وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ

اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے لوگوں کی جبلت (سرشت) کو پیدا کیا ہے O انہوں نے کہا

الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾

تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے O اور تم صرف ہماری مثل بشر ہو اور بے شک ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں

فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ

سے گمان کرتے ہیں O اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو O شعیب نے کہا

رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ

میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو O سو انہوں نے شعیب کی تکذیب کر دی تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب

اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ۭ وَمَا كَانَ

نے پکڑ لیا' بے شک وہ بہت بھاری دن کا عذاب تھا O بے شک اس میں ضرور نشانی ہے' اور ان میں سے

ع اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۹۱﴾

اکثر ایمان لانے والے نہ تھے O اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے' بہت رحم فرمانے والا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اصحاب الایکہ (سرسبز جنگل والوں) نے رسولوں کی تکذیب کی O جب ان سے شعیب نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے! O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا' میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے O (الشعراء: ۱۸۰-۱۷۶)

حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے۔

حافظ علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ ھ نے حضرت شعیب کا نام اس طرح لکھا ہے:

شعیب بن یوبب بن عنقاء بن مدین۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۵ ص ۴۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

حافظ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

ان کا نام شعیب بن عینا بن ندیب بن مدین بن ابراہیم ہے' اکثر مؤرخین نے اسی طرح لکھا ہے' اور بعض نے یہ کہا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہیں' بلکہ یہ ان بعض لوگوں میں سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے لیکن یہ حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں ان کو دو امتوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ اھل مدین اور اصحاب الایکہ' مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کا گھر تھا اور ایکہ کا علاقہ مدین کے پیچھے تھا۔

علماء نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بیس سال کی عمر میں مدین کی طرف مبعوث کیا' یہ قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی تھی۔ حضرت شعیب نے ان کو توحید کی دعوت دی۔ اور ان کو ناپ اور تول میں کمی کرنے سے منع کیا' حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو بہترین جواب دیتے تھے اس لیے ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا' جب اھل مدین کی سرکشی بہت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی کا عذاب بھیجا' وہ گرمی سے گھبرا کر اپنے گھروں کو چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گئے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ایک بادل بھیجا جس نے سورج سے ان کے اوپر سایہ کر لیا۔ اس سے ان کو ٹھنڈک اور لذت حاصل ہوئی' پھر ان میں سے بعض نے بعض کو بلایا حتیٰ کہ سب اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے اوپر ایک آگ بھیجی جس نے ان سب کو جلا ڈالا اور یہی یوم الظلہ (سائبان کے دن) کا عذاب ہے۔

پھر حضرت شعیب نے باقی عمر اصحاب الایکہ کے ساتھ گذاری اور ان کو اللہ سبحانہ کا پیغام سناتے رہے' اور ان کو اللہ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے رہے۔ لیکن ان کی دعوت کا اثر ان پر برعکس ہوا۔ ان کی سرکشی اور گمراہی بڑھتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی گرمی مسلط کر دی' اور یہ ہو سکتا ہے کہ دو امتوں پر ایک جیسا عذاب آیا ہو۔

قتادہ نے یہ کہا ہے کہ اھل مدین کو ایک چنگھاڑ نے ہلاک کر دیا تھا' اور اصحاب الایکہ پر سات دن تک مسلسل سخت گرمی مسلط کی گئی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک آگ بھیجی جو ان کو کھا گئی اور یہی یوم الظلۃ کا عذاب ہے۔

(المنتظم ج ۱ ص ۲۱۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ حضرت شعیب کا نام شعیب یثرون بن ضیعون بن عنقا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم ہے' ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام شعیب بن میکیل ہے اور وہ مدین کی اولاد سے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد سے نہیں ہیں وہ ان بعض لوگوں کی اولاد سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ شام

کی طرف ہجرت کی تھی' لیکن وہ حضرت لوط کے نواسے ہیں' اور حضرت لوط کی بیٹی حضرت شعیب کی نانی تھیں' حضرت شعیب نابینا تھے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے' حضرت شعیب کی قوم نے ان سے کہا:

قالوا یشعیب ما نفقه کثیرا مما تقول و انا لنرک فینا ضعیفا (ھود:۹۱)

انہوں نے کہا اے شعیب! ہم آپ کی اکثر باتوں کو نہیں سمجھتے' اور بے شک ہم آپ کو اپنے درمیان بہت کمزور پاتے ہیں۔

(میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے حضرت شعیب علیہ السلام کے نابینا ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے' کیونکہ ان کی قوم کا منشاء یہ تھا کہ آپ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے اس سے ان کے نابینا ہونے پر روشنی نہیں پڑتی۔ سعیدی غفرلہ)

حضرت شعیب علیہ السلام اس قوم کو کفر سے اور ناپ اور تول میں کمی کرنے سے ڈراتے تھے' اور جب اس قوم پر کوئی اثر نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر یوم الظلۃ کا عذاب نازل کر دیا۔ (اس کی تفصیل امام ابن جوزی کی عبارت میں گزر چکی ہے) اور قتادہ نے کہا ہے کہ حضرت شعیب کو دو امتوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ اہل مدین کی طرف اور اصحاب الایکہ کی طرف' اصحاب الایکہ گھنے جنگلوں میں رہنے والے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب دینے کا ارادہ کیا تو ان کو سخت گرمی میں مبتلا کر دیا۔ پھر ان پر ایک بادل چھا گیا وہ سب اس کے سائے میں جمع ہو گئے کیونکہ اس میں ان کو ٹھنڈک اور راحت ملی پھر اچانک اس بادل سے ان پر آگ برسنی شروع ہو گئی اور وہ سب جل کر خاکستر ہو گئے' اور یہی عذاب یوم الظلۃ ہے۔ اور رہے اہل مدین تو وہ مدین بن ابراہیم الخلیل کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک زلزلہ اور اس کی چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا تھا۔

بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت شعیب کی قوم نے اللہ کی حد کو معطل کر دیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں توسیع کر دی' انہوں نے پھر حد کو معطل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ان کے رزق میں توسیع کر دی۔ پھر یونہی بار بار ہوتا رہا' حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر ایسی گرمی مسلط کر دی جو ان کی برداشت سے باہر تھی' ان کو کہیں سایہ میسر تھا نہ ٹھنڈا پانی مہیا تھا' پھر ان میں سے کسی نے آ کر کہا کہ اس نے ایک جگہ بادل کا سایہ دیکھا ہے وہ سب اس کے ساتھ جا کر وہاں جمع ہو گئے' اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ سے بھر دیا اور ان پر آگ برسنے لگی اور یہی یوم الظلۃ (سائبان والے دن) کا عذاب ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۸۹-۸۸' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۰ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اہل مدین' مدین نام کے اس شہر میں رہتے تھے جو حجاز کی اس جانب آباد تھا جہاں اس کی سرحد شام سے ملتی ہے اس کے قریب بحیرہ قوم لوط تھا' (یہ شہر خلیج عقبہ کے شرقی اور غربی ساحلوں پر آباد تھا' اور یہ سارا علاقہ مدین کہلاتا تھا اور اس علاقے کے مرکزی شہر کا نام بھی مدین تھا' اس شہر میں جو قبیلہ آباد تھا اس کا نام بھی مدین تھا)

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ حدیث درج کی ہے:

اے ابوذر! چار نبی عرب سے ہیں: ھود' صالح' شعیب اور تمہارے نبی۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۱)

اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے' اور گذرنے والوں کو خوف زدہ کرتے تھے۔ اور الایکہ کی عبادت کرتے تھے' اور ایکہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے' اور وہ لوگوں کے ساتھ بہت بدمعاملہ تھے۔ ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے۔ کسی سے کچھ لینا ہوتا تو زیادہ لیتے تھے اور دینا ہوتا تھا تو کم دیتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت شعیب کو اپنا رسول بنا کر بھیجا حضرت شعیب نے ان کو حکم دیا کہ تم صرف ایک اللہ کو معبود مانو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور ان کو ان کے برے کاموں سے منع کیا اور ان سے فرمایا کہ لوگوں کے مالوں میں کمی کرنا چھوڑ دو' راستے سے گذرنے والوں کو

پریشان نہ کرو ڈاکے نہ ڈالو ان میں سے بعض حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور اکثر نے کفر کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خوف ناک عذاب بھیجا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس قوم کو جو معجزات دکھائے تھے اور اپنی نبوت اور رسالت پر جو معجزات پیش کیے تھے' وہ ہم تک نہیں پہنچے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۶۷-۲۶۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام اللہ کی محبت میں اس قدر روئے کہ نابینا ہو گئے' پھر اللہ نے ان کی بینائی لوٹا دی اور ان کی طرف یہ وحی کی کہ اے شعیب! تم کس وجہ سے روتے ہو؟ آیا جنت کے اشتیاق میں روتے ہو یا دوزخ کے خوف سے! حضرت شعیب نے کہا: اے میرے معبود اور اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ میں جنت کے شوق میں روتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے! لیکن میں نے اپنے دل میں تیری محبت کو باندھ لیا ہے۔ پس جب میں تیری طرف دیکھتا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ تو کیا کر رہا ہے' پس اللہ نے وحی کی کہ اے شعیب! اگر یہ برحق ہے تو اے شعیب تم کو میری ملاقات مبارک ہو' اسی لیے میں نے اپنے کلیم موسیٰ بن عمران کو تمہارا خادم بنایا ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۵۲۶۲' ج ۲۵ ص ۵۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد حرام میں صرف دو قبریں ہیں ان کے سوا اور کوئی قبر نہیں ہے۔ حضرت اسماعیل اور حضرت شعیب علیہما السلام کی قبریں ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر حطیم میں ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر حجر اسود کے بالمقابل ہے۔ وھب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مکہ میں فوت ہوئے اور ان کی قبریں دار الندوہ اور باب بنی سہم کے درمیان کعبہ کی غربی جانب میں ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۵ ص ۵۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت شعیب کا مقام بعثت

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ؕ۝ (الحجر: ۷۹) اور لوط کی قوم اور مدین دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھیں۔

جو شاہراہ حجاز کے قافلوں کو شام' فلسطین' یمن' بلکہ مصر تک لے جاتی تھی اور بحر قلزم کے مشرقی کنارے سے ہو کر گزرتی تھی قرآن مجید اسی کو امام مبین فرماتا ہے۔ یہ شاہراہ قریشی قافلوں کے لیے بہت متعارف اور تجارتی سڑک تھی۔ مدین کا قبیلہ بحر قلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے شمال مغرب میں شمال کے متصل حجاز کا آخری حصہ تھا۔

بعض متاخرین لکھتے ہیں:

مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا۔ مگر جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا' یہ ایک بڑی تجارت پیشہ قوم تھی۔ قدیم زمانہ میں جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے یمن سے مکہ اور ینبوع ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی اور ایک دوسری تجارتی شاہراہ جو عراق سے مصر کی طرف جاتی تھی' اس کے عین چوراہے پر اس قوم کی بستیاں واقع تھیں۔ اسی بناء پر عرب کا بچہ بچہ مدین سے واقف تھا اور اس کے مٹ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت برقرار رہی' کیونکہ عربوں کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن اس کے آثار قدیمہ کے درمیان سے گزرتے تھے۔

اہل مدین اور اصحاب الایکہ

عکرمہ نے کہا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو دو مرتبہ نہیں بھیجا گیا۔ ان کو ایک مرتبہ مدین کی طرف بھیجا گیا پھر اس قوم کی نافرمانی کی بناء پر اس کو ایک زبردست گرج دار آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری دفعہ ان کو اصحاب الایکہ (سرسبز جھاڑیوں والے علاقے کے رہنے والوں) کی طرف بھیجا گیا جن کو سائبان والے عذاب نے پکڑ لیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا (ہرچند کہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے لیکن اس حدیث کی بنا پر یہی قول راجح ہے کہ یہ دو الگ الگ امتیں ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو اصحاب الرس (اندھے کنوئیں والے الفرقان: ۳۸) فرمایا ہے اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ان دونوں سے مراد ایک قوم ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۰ ص ۳۰۹-۳۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کی تحقیق یہ ہے کہ اصحاب الایکہ اور مدین دونوں سے مراد ایک ہی قوم ہے۔ ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

مدین اس قوم کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی اسی نسل سے تھے اور قوم مدین جس علاقہ میں آباد تھی' وہ سرسبز جھاڑیوں پر مشتمل تھا اس لیے اس کو اصحاب الایکہ بھی کہا گیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس علاقہ میں ایکہ نام کا ایک درخت تھا اور مدین اس درخت کی پرستش کرتے تھے اس لیے ان کو اصحاب الایکہ کہا گیا۔ بہرحال مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ الگ الگ قومیں ہیں یا یہ دونوں ایک قوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت شعیب نے فرمایا) پیمانہ پورا بھر کر دو اور کم تولنے والوں میں سے نہ بن جاؤ O اور صحیح ترازو سے تول کر دیا کرو O اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو O اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے' اور تم سے پہلے لوگوں کی جبلت (سرشت) کو پیدا کیا O انہوں نے کہا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے O اور تم صرف ہماری مثل بشر ہو اور بے شک ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں O اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو O شعیب نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو O سو انہوں نے شعیب کی تکذیب کر دی تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا' بے شک وہ بہت بھاری دن کا عذاب تھا O بے شک اس میں ضرور نشانی ہے' اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے O اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے' بہت رحم فرمانے والا O (الشعراء: ۱۹۱-۱۸۱)

قسطاس کا لغوی اور اصطلاحی معنی

الشعراء: ۱۸۱ میں قسطاس کا لفظ ہے۔ اس لیے ہم قسطاس کا لغوی اور اصطلاحی معنی' اس کے متعلق احادیث اس کے فوائد اور دیگر امور بیان کر رہے ہیں۔ قسطاس کا معنی میزان اور ترازو ہے اور اس کو عدالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۲۲) یہ لفظ رومی ہے جس کو عربی میں ڈھالا گیا ہے' اور قسط کا معنی ہے عدل اور انصاف کے ساتھ کسی چیز کا حصہ' قرآن مجید میں ہے:

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ط (یونس:۴) تا کہ اللہ ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ اجر دے۔

جب انسان کسی کا حصہ دوسرے کو دے دے تو اس کو بھی قسط کہتے ہیں اور یہ ظلم کے معنی میں ہے اور قاسطون کا معنی ہے ظلم کرنے والے قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ٥ (الجن:۱۵) رہے ظلم کرنے والے تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۲۲-۵۲۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے المقسط یعنی عادل قسط یقسط ضرب یضرب کے باب سے ہو تو اس کا معنی ہے ظلم کرنا اور جب یہ باب افعال سے ہو تو اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے اور اس کا معنی ظلم کو دور کرنا اور عدل کرنا ہے۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور نہ سونا اس کی شان کے لائق ہے وہ قسط یعنی میزان کو جھکاتا ہے اور اس کو اوپر اٹھاتا ہے یعنی بندوں کے جو اعمال اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ان میں سے نیک اعمال کے پلڑے کو وہ جھکاتا ہے اور برے اعمال کے پلڑے کو وہ اوپر اٹھا دیتا ہے اور اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ وہ میزان میں بندوں کے رزق کو زیادہ کر کے اس کے پلڑے کو جھکا دیتا ہے اور ان کے رزق کے پلڑے کو رزق میں کمی کر کے اوپر اٹھا دیتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے ناکثین اور قاسطین اور مارقین سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ناکثین کا معنی ہے عہد شکنی کرنے والے اس سے مراد اھل جمل ہیں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر والے کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی خلاف ورزی کی اور قاسطون کا معنی ہے ظلم کرنے والے اس سے مراد اھل صفین ہیں یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر والے کیونکہ انہوں نے خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور ان کے خلاف بغاوت کی اور مارقون کا معنی ہے خارج ہونے والے اور اس سے مراد خوارج ہیں کیونکہ وہ دین سے اس طرح نکل گئے تھے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے اقسط فی حکمه کا معنی ہے فلاں شخص نے عدل سے فیصلہ کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ٥ (الحجرات:۹) اور عدل کرو بے شک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اور قسط کا معنی ہے ظلم کرنا اور قاسطون کا معنی ہے ظلم کرنے والے اور حق سے تجاوز کرنے والے۔

(لسان العرب ج ۷ ص ۳۷۸ مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ ایران ۱۴۰۵ھ)

علامہ مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ نے کہا ہے کہ قسط کا معنی ہے عدل سے کسی چیز کا حصہ کرنا (التوقیف علی مہمات التعریف ص ۲۷۱) اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ قسط کا معنی ہے معاملات میں عدل کرنا۔

قسطاس (عدل کرنے) کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقسطین (عدل کرنے والے) اللہ کے پاس نور کے منبروں پر رحمٰن کی دائیں جانب بیٹھے ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں جو لوگ اپنے گھر والوں اور جن پر ان کو حاکم بنایا گیا ان میں عدل سے فیصلے کریں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۷)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بوڑھے مسلمان اور جو شخص حامل قرآن ہو اور اس میں غلو نہ کرتا ہو اور اس کے ساتھ جفا نہ کرتا ہو اور صاحب اقتدار کی تکریم کرنا اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالانے کے حکم میں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۸۴۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے جس میں قریش کی ایک جماعت تھی آپ نے اس گھر کے دروازے کی چوکھٹ کو پکڑ کر فرمایا کیا اس گھر میں صرف قرشی ہیں؟ آپ سے کہا گیا اس میں فلاں شخص ہمارا بھانجا بھی ہے آپ نے فرمایا کسی قوم کا بھانجا بھی اسی کی قوم میں شمار ہوتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: یہ خلافت اس وقت تک قریش میں رہے گی جب تک ان سے رحم طلب کیا جائے تو یہ رحم کرتے رہیں۔ اور جب تک یہ انصاف سے فیصلے کرتے رہیں اور یہ عدل سے تقسیم کرتے رہیں اور ان میں سے جو شخص اس طرح نہیں کرے گا اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اس کا کوئی فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۶ اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا کی بقا میں صرف ایک دن رہ جائے گا تو اللہ اس دن کو ضرور طویل کردے گا حتیٰ کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو اس دن بھیجے گا جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور جس کے والد کا نام میرے والد کے نام کے موافق ہوگا وہ زمین کو عدل اور انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح زمین پہلے ظلم اور بے انصافی سے بھری ہوئی تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۲۸۲ سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۳۱ مسند احمد ج ۳ ص ۲۸-۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے وہ عدل و انصاف سے فیصلے کریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کردیں گے اور جزیہ کو موقوف کردیں گے اور مال و دولت کو اتنا تقسیم کریں گے کہ پھر اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۲۲۲ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۵۵)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ اس پر گواہ ہو جائیں کہ میں نے نعمان کو اپنے مال سے اتنی اتنی چیزیں ہبہ کردی ہیں۔ آپ نے پوچھا تم نے جتنی چیزیں نعمان کو دی ہیں کیا اپنے باقی بیٹوں کو بھی اتنی چیزیں دی ہیں انہوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا پھر تم اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بناؤ پھر آپ نے فرمایا کیا تم کو اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ تمہارے تمام بیٹے تمہارے ساتھ نیکی کرنے میں برابر ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر تم بھی ان کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔ ایک اور روایت میں ہے آپ نے فرمایا مجھ کو گواہ نہ بناؤ کیونکہ میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۶۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۲۳ سنن النسائی رقم الحدیث:۳۶۸۱)

قسطاس (عدل کرنے) کے متعلق آثار

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ عراق والوں میں سے کوئی شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں آپ کے پاس ایک ایسے کام کے لیے آیا ہوں جس کا کوئی سر ہے نہ کوئی دم ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا ہمارے علاقے میں جھوٹی گواہیاں دینے کا بہت رواج ہوگیا ہے حضرت عمر نے پوچھا کیا واقعی ایسا ہوا ہے؟ اس نے کہا

ہاں! حضرت عمر نے کہا اللہ کی قسم! عدل کے بغیر اسلام میں کوئی شخص خوشحال نہیں ہو سکتا۔

(مؤطا امام مالک الشہادات: ۴ رقم الحدیث: ۱۴۶۵ دار المعرفۃ بیروت '۱۴۲۰ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مثالیں بیان کی ہیں اور تمہارے لیے ایک قول کو بار بار دہرایا ہے' تا کہ دل زندہ ہوں' کیونکہ دل سینوں میں مردہ ہیں جب تک اللہ ان کو زندہ نہ کرے' جس نے کسی چیز کا علم حاصل کیا اس کو اس سے نفع پہنچانا چاہیے' بے شک عدل کی کچھ علامتیں ہیں اور عدل کی کچھ خوشخبریاں ہیں۔ عدل کی علامتیں یہ ہیں: حیاء' سخاوت' آسانی اور نرمی' اور عدل کے لیے خوشخبری رحمت ہے' اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک دروازہ بنایا ہے' اور ہر دروازے کی ایک چابی بنائی ہے' پس عدل کا دروازہ اعتبار ہے' اور اس کی چابی زہد ہے' اور اس کا اعتبار مال بھیج کر موت کو یاد کرنا اور اس کی تیاری کرنا ہے' اور زہد ہر اس شخص سے حق وصول کرتا ہے جس پر کسی کا حق ہو اور جس شخص کو بہ قدر ضرورت چیزیں مل جائیں ان پر قناعت کرتا ہے اور اگر اس کو بہ قدر ضرورت چیزیں کافی نہ ہوں تو اس کو کوئی چیز مستغنی نہیں کر سکتی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۴۰' مطبوعہ دار الریان القاہرہ' ۱۴۰۸ھ)

خرشہ بن الحر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس شہادت دی' حضرت عمر نے کہا میں تم کو نہیں پہچانتا' اور اگر میں تم کو نہیں پہچانتا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' تم اس شخص کو لے کر آؤ جو تم کو پہچانتا ہو' قوم میں سے ایک شخص نے کہا میں اس کو پہچانتا ہوں۔ حضرت عمر نے پوچھا تم کس وجہ سے اس کو پہچانتے ہو؟ اس نے کہا عدل اور فضل سے' حضرت عمر نے پوچھا کیا وہ تمہارا قریب ترین پڑوسی ہے' تم جس کو دن رات دیکھتے ہو اور اس کے گھر سے نکلنے اور گھر میں داخل ہونے سے واقف ہو؟ اس نے کہا نہیں! حضرت عمر نے پوچھا کیا تمہارا اس سے کبھی روپے پیسے کا لین دین ہوا ہے جس سے معاملات میں اس کی خدا خوفی پر استدلال کیا جا سکے؟ اس نے کہا نہیں! حضرت عمر نے پوچھا کیا یہ شخص کبھی سفر میں تمہارا رفیق رہا ہے جس سے اس کے مکارم اخلاق پر استدلال کیا جا سکے؟ اس نے کہا نہیں! حضرت عمر نے کہا پھر تم اس شخص کو نہیں پہچانتے۔ پھر گواہی دینے والے شخص سے فرمایا تم اس شخص کو لے کر آؤ' جو تم کو پہچانتا ہو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۲۶-۱۲۵' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

عدل کے متعلق اقوال علماء

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے فرمایا:

بندہ کا عدل میں حصہ بالکل ظاہر ہوتا ہے اس میں کوئی خفا نہیں ہے' عدل کے لیے اس کے نفس کی صفات میں سے اس کے لیے جو پہلی چیز واجب ہے وہ یہ ہے کہ اس کی شہوت اور اس کا غضب اس کی عقل اور اس کے دین کے تابع ہوں' کیونکہ اگر اس نے اپنی عقل کو اپنی شہوت اور اپنے غضب کے تابع کر دیا تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اور عدل کے لیے دوسری چیز یہ واجب ہے کہ وہ تمام معاملات میں حدود شرع کی رعایت کرے' اور ہر عضو میں اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے ہر عضو کو شریعت کے اذن کے مطابق استعمال کرے اور اپنے اھل وعیال میں اس کا عدل یہ ہے کہ ان کے جائز حقوق کو ادا کرے اور اگر وہ حکومت کے کسی منصب پر فائز ہے تو اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے تمام فرائض کو دیانت داری سے ادا کرے۔

(المقصد الاسنیٰ فی شرح معانی اسماء اللہ الحسنیٰ ص ۱۰۱-۹۸' ملخصاً' مطبوعہ قبرص' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابن ہمام نے فرمایا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کرنا عدل ہے' نہ کہ محض اپنی رائے سے۔
عبدالرحمان بن ناصر الدین سعدی نے کہا حقوق واجبہ کو خرچ کرنا اور مستحقین میں برابر برابر حقوق تقسیم کرنا عدل ہے۔

ابن حزم نے کہا نفس کے حقوق ادا کرنا اور اس سے دوسروں کے حقوق حاصل کرنا عدل ہے۔

علامہ شریف جرجانی نے کہا افراط اور تفریط کے درمیان امر متوسط عدل ہے' اور جو کام دین میں منع ہوں ان سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر قائم رہنا عدل ہے۔

عدل عقلی اور عدل شرعی

عقلاً عدل یہ ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ نیکی کرے تم بھی اس کے ساتھ نیکی کرو اور جو شخص تم سے برائی اور تکلیف کو دور کرے تم بھی اس سے برائی اور تکلیف کو دور کرو' اور شرعاً عدل یہ ہے کہ کسی شخص سے برابر برابر سلوک کرنا' اگر وہ نیکی کرے تو اس کے ساتھ نیکی کی جائے اور اگر وہ برائی کرے تو اس کے ساتھ اتنی ہی برائی کی جائے۔قرآن مجید میں عدل کا ذکر ہے' حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں سے کہا:

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ○ (ھود:۳۸)	اگر تم ہم پر ہنس رہے ہو تو ایک دن ہم بھی تم پر ہنسیں گے جس طرح تم ہم پر ہنس رہے ہو۔
هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ○ (الرحمٰن:۶۰)	نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے۔
فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ . (البقرہ:۱۹۴)	جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی زیادتی کرو جتنی اس نے زیادتی کی ہے۔
جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا . (الشوریٰ:۴۰)	برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے۔

عدل اور احسان

عدل اور احسان میں فرق یہ ہے کہ عدل مساوات کا نام ہے کسی نے جس قدر نیکی کی ہو اس کے ساتھ اسی قدر نیکی کی جائے یا جس نے جس قدر زیادتی کی ہو اس کے ساتھ اسی قدر زیادتی کی جائے تو یہ عدل ہے' اور احسان یہ ہے کہ کسی کی نیکی کا اس سے زیادہ نیکی کے ساتھ بدلہ دیا جائے یا کسی کی زیادتی کے بدلہ میں اس سے کم زیادتی کی جائے' یا اس کی زیادتی کو معاف کر دیا جائے' یا اس کی زیادتی کے جواب میں اس کے ساتھ نیکی کی جائے' قرض کی رقم اتنی ہی ادا کی جائے تو عدل ہے اس سے زیادہ ادا کی جائے تو احسان ہے' بہ شرطیکہ قرض خواہ کا مطالبہ نہ ہو' کسی کے جرم پر اس کو سزا دینا عدل ہے اور اس کو معاف کر دینا احسان ہے' اسی طرح مجرم کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی احسان ہے' قصاص لینا عدل ہے اور خون بہا یا دیت لینا احسان ہے اور دیت کو ساقط کر دینا یہ اس سے بھی بڑا احسان ہے۔

عدل اور احسان کے متعلق یہ آیتیں ہیں:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ (الشوریٰ:۳۹)	اور جب ان پر زیادتی کی جائے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں۔
وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الشوریٰ:۴۰)	اور برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ پر ہے' بے شک اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○	اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ہمت کے

کاموں سے ہےo (الشوریٰ:۴۳)

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚo (آل عمران:۱۳۴) اور غصہ کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

احسان کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطرتاً بدگو تھے نہ تکلفاً' اور نہ بازاروں میں شور کرتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگذر کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۸' مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۰۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۵)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی میں نے آگے بڑھ کر آپ سے مصافحہ کیا پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے افضل عمل بتایئے آپ نے فرمایا: اے عقبہ جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو' جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو' اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸' طبع قدیم' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد ج ۱۳ ص ۳۳۳' دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' تہذیب تاریخ دمشق ج ۳ ص ۶۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۹۲۹)

عدل اور انصاف کے فوائد

(۱) عدل کرنے والا دنیا اور آخرت میں امن سے رہتا ہے اس کی دنیا میں تعریف و تحسین ہوتی ہے اور آخرت میں اجر و ثواب ملتا ہے۔

(۲) عدل و انصاف کرنے کی وجہ سے اس کی حکومت اور سلطنت کو استحکام حاصل ہوتا ہے' اور دشمن کے حملہ کے وقت عوام اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔

(۳) عادل حکمران سے مخلوق راضی رہتی ہے اور ان کی رضا کی وجہ سے اس سے اللہ بھی راضی رہتا ہے۔

(۴) عدل و انصاف کرنے والا پہلے اپنے اعضاء کے ساتھ عدل کرتا ہے اور ان کو گناہوں سے بچاتا ہے' اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ عدل کرتا ہے اور ان کو برائی سے اجتناب کرنے اور نیکی کی تلقین کرتا ہے' اور پھر عام مسلمانوں اور معاشرہ میں نیکی کا حکم دیتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔

(۵) عدل اور انصاف سوشلزم' کمیونزم اور کیپٹلزم کا راستہ روکتے ہیں اور اسلامی نظام معیشت کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

(۶) عدل اور انصاف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی سیرت کی اتباع حاصل ہوتی ہے' اور اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

(۷) عدل اور انصاف لوگوں کے حقوق اور ان کی امانتوں کی حفاظت کا ضامن ہے اور اس سے معاشرہ میں بے چینی نہیں پھیلتی۔

(۸) عدل و انصاف قائم کرنا لا الٰہ الا اللہ کی شہادت میں اخلاص کی علامت ہے۔

(۹) عدل و انصاف کرنے والے کو قیامت کے دن نور کا لباس پہنایا جائے گا۔

(۱۰) عدل و انصاف کرنے والا قیامت کے دن اللہ کی لعنت سے' فرشتوں کی لعنت سے اور لوگوں کی لعنت سے محفوظ رہے گا۔

...دو قسمیں

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو۔ (الشعراء: ۱۸۳)
اس آیت میں تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ پہلے ان کو خصوصیت کے ساتھ ناپ اور تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں ان کو مطلقاً لوگوں کے مالوں میں کمی کرنے سے منع فرمایا۔ خواہ وہ کمی چوری کے ذریعہ کی جائے یا ڈاکے کے ذریعہ یا ناپ اور تول میں کمی کے ذریعہ' اور ان کو زمین میں قتل و غارت گری کرنے سے بھی منع فرمایا۔ اس آیت میں عثی کے بعد فساد کا ذکر فرمایا اور ان دونوں لفظوں کے معنی ہیں فساد کرنا اور حد سے تجاوز کرنا' اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی کام صورۃً فساد ہوتا ہے لیکن حقیقتہً فساد نہیں ہوتا۔ جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے مسکینوں کی کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا۔ یا جیسے انہوں نے ایک لڑکے کو قتل کر دیا تھا یہ کام بہ ظاہر فساد تھے حقیقت میں اصلاح تھے۔ یا جیسے جراح یا سرجن سرجری کرتا ہے اور کسی عضو کو کاٹ ڈالتا ہے' بہ ظاہر یہ اعضاء کو کاٹنا ہے لیکن اس میں جسم کی فلاح اور اصلاح ہوتی ہے۔ اس طرح بعض کام صورۃً اور ظاہراً فساد ہوتے ہیں اور در حقیقت وہ اصلاح اور فلاح ہوتے ہیں۔ اس لیے یہاں عثـــی کے بعد فساد کا ذکر فرمایا کہ تم اس طرح کا فساد نہ کرو جس میں حد سے تجاوز ہو اور اس میں اصلاح اور فلاح کا کوئی پہلو نہ ہو۔

جبلّت کا معنی

الشـــعــراء: ۱۸۴ میں فرمایا: اس ذات سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کی جبلت (سرشت) کو پیدا کیا۔

الجبلة: جبلت کا معنی ہے کسی انسان کا فطری اور پیدائشی وصف' جبلـه الـلـه علی کذا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرشت میں ایسا وصف رکھ دیا ہے جس کو وہ ترک نہیں کر سکتا۔ جیسے کوئی انسان فطرۃً سخی ہو یا فطرۃً حیادار ہو۔ اور انسان کی فطرت بدل نہیں سکتی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے جبلـه الله علی الکرم' اللہ تعالیٰ نے کرم اور شرافت اس کی فطرت میں رکھی ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (الشعراء: ۱۸۴) اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کی جبلت کو پیدا کیا۔

یعنی کافروں کے جو اوصاف ہیں وہ فطری اور جبلی ہیں' تکبر' عناد اور ہٹ دھرمی ان کی سرشت میں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۔ (الاسراء: ۸۴) ہر شخص اپنی فطرت اور سرشت کے مطابق عمل کرتا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۱۳' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں: طبیعت' خصلت اور عادت میں فرق ہے:

طبیعت' خصلت' خُلق اور عادت کا فرق

الطبع: اس لفظ کی اصل یہ ہے طبع السیف تلوار کو ڈھالا گیا' یعنی لوہے سے اس کی مخصوص صورت بنائی گئی اسی طرح دراہم اور دینار کو مخصوص صورتوں میں جو ڈھالا جاتا ہے اس کو بھی طبع کہتے ہیں' اسی طرح انسان کو جس سرشت پر بنایا جائے اس کو طبیعت اور غریزہ کہتے ہیں غرز کا معنی ہے گاڑنا اور ٹھونکنا' گویا اس وصف کو اس میں گاڑ دیا گیا ہے' اور طبیعت اور غریزہ انسان کی

اس قوت کو کہتے ہیں جس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا۔ اس کو جبلّت' فطرت اور شیمہ بھی کہتے ہیں الشامہ کے معنی تل ہیں اور شیمہ اس خصلت کو کہتے ہیں جو انسان کے اندر تل کی طرح پیوست ہو۔ جیسے کوئی انسان جبلّی طور پر سخی ہو یا بخیل ہو۔

السجیة: سجیہ انسان کی پختہ عادت کو کہتے ہیں۔

خلق: خَلق (خ پر زبر) انسان کی جسمانی ساخت کو کہتے ہیں' اس کی شکل وصورت وغیرہ جس کا آنکھوں سے ادراک کیا جاتا ہے' اور خُلق (خ پر پیش) انسان کی ان قوتوں کو کہا جاتا ہے جن کا بصیرت سے ادراک کیا جاتا ہے اور ان کو غور وفکر سے معلوم کیا جاتا ہے' مثلاً کسی شخص کے حسن و جمال کا ادراک بصر سے ہوتا ہے اس کو خلق کہتے ہیں اور اس کی شرافت اور نجابت کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے اس کو خلق کہتے ہیں' اور بعض اوقات قوت غریزہ پر بھی خلق کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ان احادیث میں ہے:

جبلّت کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چار چیزوں سے فراغت ہو چکی ہے' خَلق سے' خُلق سے' رزق سے اور مدت حیات سے اور کوئی شخص کسی سے زیادہ کسب کرنے والا نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۹۵۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں عیسیٰ بن المسیب ہے' اس کی حاکم اور دار قطنی نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف کہا ہے' اور اس کے باقی راوی ایک سند کے ساتھ ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۹۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابن آدم کی چار چیزوں سے فراغت ہو چکی ہے' خَلق اور خُلق اور رزق اور اجل (مدت حیات) سے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۵۸۳۰' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں عیسیٰ بن میتب البجلی ہے اور یہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے اور حاکم اور دار قطنی نے اس کی توثیق کی ہے اور دوسروں نے اس کو ضعیف کہا ہے۔)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل کی باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کرنا' اور جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کا خُلق (جبلّت) بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق نہ کرنا وہ شخص اسی سرشت کی طرف لوٹ جائے گا جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۳' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۴۷۲' دار الحدیث قاہرہ' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن زہری کا حضرت ابو الدرداء سے سماع نہیں ہے' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۹۶)

عبداللہ بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ لوگوں نے ایک شخص کے خُلق (جبلّت) کا ذکر کیا' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر تم کسی شخص کا سر کاٹ دو تو پھر کیا اس کو جوڑ سکتے ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں! حضرت ابن مسعود نے پھر فرمایا اگر تم اس کا ہاتھ کاٹ دو تو؟ لوگوں نے کہا نہیں! حضرت ابن مسعود نے فرمایا اور اگر تم اس کا پیر کاٹ دو تو؟ لوگوں نے کہا نہیں' حضرت ابن مسعود نے فرمایا بے شک تم کسی شخص کے خُلق (جبلّت) کو اس وقت تک نہیں بدل سکتے جب تک کہ تم اس کے خَلق (اعضاء اور شکل وصورت) کو نہ بدل دو' پھر حضرت ابن مسعود نے اس حدیث کو سنایا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۸۸۴' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

خُلق کا زیادہ تر اطلاق جبلت پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان ایک کام کرتا ہے اور دوسرا کام نہیں کرتا جیسے ایک شخص غضب کرنے والا ہوتا ہے کیونکہ اس کے مزاج میں تندی اور تیزی ہوتی ہے اسی وجہ سے ہر شخص اس خُلق کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جو اس کی اصل خلقت اور فطرت میں ہوتا ہے جیسے شیر شجاعت کے ساتھ مخصوص ہے' اور خرگوش یا بکری بزدلی کے ساتھ اور لومڑی مکاری کے ساتھ' اور کبھی خلق کا اطلاق اوصاف مکتسبہ پر بھی کیا جاتا ہے' انسان بعض کاموں کو کرنے کا عادی اور خوگر ہو جاتا ہے اور گویا کہ وہ کام اس کی فطرت ثانیہ بن جاتے ہیں' جیسا کہ حسن اخلاق کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں:

حسنِ اخلاق کے متعلق احادیث

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو' اور جب تم کسی گناہ کے بعد کوئی نیک کام کر لو گے تو وہ اس گناہ کو مٹا دے گا' اور لوگوں کے ساتھ حسن خُلق کے ساتھ پیش آؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۴)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے سامنے اس کے بندوں میں سے ایک ایسے بندہ کو پیش کیا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ اس نے کہا اے میرے رب! تو نے مجھے اپنا مال عطا کیا تھا' اور میں لوگوں سے خرید و فروخت کرتا تھا' اور میرا خُلق (طریقہ) یہ تھا کہ میں لوگوں سے درگزر کرتا تھا' میں امیر آدمی کے لیے آسانی کرتا تھا اور غریب آدمی کو مہلت دیتا تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری بہ نسبت درگذر کرنے کا زیادہ مستحق ہوں' (پھر فرشتوں سے فرمایا) میرے اس بندے سے درگذر کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنین میں سے سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کا خلق سب سے اچھا ہے' اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کا اپنی بیویوں کے ساتھ خلق سب سے بہتر ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۶۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۲' ۲۵۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۱۱' المستدرک ج ۱ ص ۳)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت کے وسط میں اس شخص کے گھر کا ضامن ہوں جو اپنا موقف برحق ہونے کے باوجود جھگڑے کو ترک کر دے اور اس شخص کے لیے جنت کے وسط میں گھر کا ضامن ہوں کہ وہ خواہ مذاق کر رہا ہو' جھوٹ نہ بولے اور اس شخص کے لیے جنت کے سب سے بلند درجہ میں گھر کا ضامن ہوں جس کا خُلق سب سے اچھا ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۰۰' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۶۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے روزہ دار شب زندہ دار کا اجر و ثواب پالیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۸' المستدرک ج ۱ ص ۶۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۹۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں صالح (نیک) اخلاق کو پورا کر دوں۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۱' المستدرک ج ۲ ص ۶۱۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ میری مجلس کے قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے' اور میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ میری مجلس سے دور وہ لوگ ہوں گے جو تکلف سے

زیادہ باتیں کرتے ہوں گے اور فصاحت و بلاغت بگھارتے ہوں گے اور اپنے فضائل کا اظہار کر کے تکبر کرتے ہوں گے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۹۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کس چیز کی وجہ سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ڈر اور حسن خُلق کی وجہ سے اور آپ سے پوچھا گیا کہ کس چیز کی وجہ سے زیادہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا' منہ اور شرم گاہ کی وجہ سے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۱' الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۸۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۷۶' المستدرک ج ۴ ص ۳۲۴' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۴۹۷)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (مجھ کو رخصت کرتے وقت) جب میرا پاؤں رکاب میں تھا تو سب سے آخر میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی' اس میں فرمایا: اے معاذ بن جبل لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ (مؤطا امام مالک ج ۲ ص ۴۰۳' رقم الحدیث: ۱۶۷۱' مطبوعہ دار المعرفت بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن مومن کے میزان میں حسن خلق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ بے حیائی اور بری باتوں کے کرنے والے سے بغض رکھتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق سب سے اچھا تھا' ایک دن آپ نے مجھے کسی کام سے بھیجا' میں نے کہا اللہ کی قسم! میں نہیں جاؤں گا۔ حالانکہ میرے دل میں یہ تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں گے تو میں چلا جاؤں گا۔ حضرت انس نے کہا میں چلا گیا حتیٰ کہ میں بچوں کے پاس سے گذرا جو بازار میں کھیل رہے تھے' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے آ کر مجھے گدی سے پکڑا۔ میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے' آپ نے فرمایا: اے انیس وہاں جاؤ جہاں جانے کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے' میں نے کہا: جی ہاں! یا رسول اللہ! میں جا رہا ہوں۔ حضرت انس نے کہا: اللہ کی قسم! میں سات سال یا نو سال آپ کی خدمت میں رہا' مجھے علم نہیں کہ آپ نے کسی کام کے متعلق یہ فرمایا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا کسی کام کے متعلق یہ فرمایا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۳)

وہ افعال جو حسن اخلاق کا مصداق ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی (دیہاتی) نے مسجد میں پیشاب کر دیا لوگ اس کو مارنے کے لیے جھپٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' اور اس کے پیشاب کے اوپر ایک یا دو ڈول پانی بہا دو کیونکہ تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو' مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا السام علیکم (تم پر موت آئے) حضرت عائشہ نے کہا تم پر موت آئے' اور تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ کا غضب ہو۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ رک جاؤ' تم نرمی کو لازم رکھو اور تم موجب عار باتوں اور بدکلامی سے اجتناب کرو۔ حضرت عائشہ نے کہا کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا تھا' آپ نے فرمایا میں نے ان کی بات ان پر لوٹا دی تھی اور ان کے متعلق میری دعا قبول ہوگی اور میرے متعلق ان کی دعا قبول نہیں ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی وہاں لے جاتی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۰۷۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو وہ بھی آپ کے ساتھ واپس آ گئے' ایک وادی جس میں بہت زیادہ درخت تھے وہاں سب کو نیند آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہر گئے' اور لوگ منتشر ہو کر درختوں کے سائے میں آرام کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے' اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی' اور ہم لوگ سو گئے۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بلا رہے تھے' اور اس وقت وہ اعرابی آپ کے پاس کھڑا ہوا تھا' آپ نے فرمایا جس وقت میں سویا ہوا تھا تو اس اعرابی نے مجھ پر تلوار سونت لی' میں بیدار ہوا تو وہ برہنہ تلوار لیے ہوئے کھڑا تھا اس نے کہا تمہیں مجھ سے کون بچائے گا! میں نے تین بار کہا: اللہ! آپ نے اس کو سزا نہیں دی اور بیٹھ گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۹۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۴۳)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر لے کر آئی' سہل نے کہا تم کو معلوم ہے کہ وہ کیسی چادر تھی اس کے دونوں کناروں پر بیل بوٹے کڑھے ہوئے تھے' اس عورت نے کہا یا رسول اللہ میں آپ کو یہ چادر پہناؤں گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر لے لی اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ آپ نے اس چادر کو پہن لیا' صحابہ میں سے ایک شخص نے اس چادر کو دیکھا اس نے کہا یا رسول اللہ یہ چادر کتنی خوبصورت ہے! آپ یہ چادر مجھے دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا: اچھا! جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے تو آپ کے اصحاب نے اس شخص کو ملامت کی اور کہا تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔ جب تم کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے یہ چادر لی ہے' پھر تم نے آپ سے اس چادر کا سوال کر لیا اور تم کو معلوم ہے کہ آپ سے کسی چیز کا سوال کیا جائے تو آپ منع نہیں فرماتے۔ اس شخص نے کہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کو پہن لیا تو میں اس چادر میں برکت کی توقع رکھتا تھا' تاکہ میں اس چادر میں کفن دیا جاؤں' پھر وہ اس کا کفن ہو گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۰۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ کے پاس الاقرع بن حابس تمیمی بھی بیٹھا ہوا تھا' اس نے کہا میرے دس بیٹے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا جو شخص کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۹۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۱۸)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی سائل آتا یا آپ سے کوئی حاجت طلب کی جاتی تو آپ فرماتے تم (اس کی) سفارش کرو' تم کو اجر دیا جائے گا اور اللہ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۲۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گویا کہ میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا' آپ نبیوں میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے' ان کی قوم نے ان کو زدوکوب کیا اور ان کا چہرہ خون آلود کر دیا' اور وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے دعا کر رہے تھے کہ اے میرے رب! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۹۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث'۱۷۹۲)

اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام

کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ آپ گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے اور جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۰۳۹'سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۴۸۹'مسند احمد رقم الحدیث:۲۵۴۶۱)

عمرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے۔ انہوں نے کہا آپ بشر میں سے ایک بشر تھے۔ کپڑے صاف کر لیتے تھے۔ بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور اپنے کام کرتے تھے۔

(شمائل ترمذی رقم الحدیث:۳۴۳'صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۵۶۷۸'حلیۃ الاولیاء ج۸ص۳۳۱'دلائل النبوۃ للبیہقی ج۱ص۳۲۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی مرمت کر لیتے تھے' اور اپنے کپڑے سی لیتے تھے۔ اور گھر میں اس طرح کام کرتے تھے جس طرح تم میں سے کوئی شخص کام کرتا ہے۔

(مسند احمد ج۶ص۱۰۶'سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۴۸۹'مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۲۰۴۹۲'مصنف ابویعلیٰ رقم الحدیث'۴۶۵۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا' آپ کے اوپر ایک نجرانی چادر تھی جس کے کنارے سخت موٹے تھے ایک اعرابی نے اس چادر کو پکڑ کر سختی کے ساتھ کھینچا میں نے دیکھا کہ اس چادر کو سختی کے ساتھ کھینچنے کی وجہ سے آپ کے کندھے پر نشان پڑ گئے تھے' پھر اس اعرابی نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا' آپ ہنسے پھر آپ نے اس کو کچھ عطا کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۰۸۸'صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی' اگر آپ کو کوئی چیز پسند ہوتی تو آپ اس کو کھا لیتے ورنہ اس کو چھوڑ دیتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۵۶۳'صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۰۶۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ کسی بیوی کو نہ کسی خادم کو سوا اس کے کہ آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے' اور جب بھی کسی شخص نے آپ کو تکلیف پہنچائی تو آپ نے اس سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ کی حرمات اور اس کی حدود کو کسی نے پامال کیا تو آپ اللہ عزوجل کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۲۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی دو کاموں کے درمیان اختیار نہیں دیا گیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے اس کام کو اختیار کرتے جو آسان ہوتا۔ بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اور اگر کوئی کام گناہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اس کام سے دور ہوتے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز میں بھی کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا ماسوا اس کے کہ اللہ کی حدود کو توڑا جائے تو پھر آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۱۲۶'صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۲۸'سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۹۴'سنن الترمذی رقم الحدیث'۲۴۹۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ پر جنگ اُحد سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آیا تھا' آپ نے فرمایا میں نے تمہاری قوم کی طرف سے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں' وہ اٹھائی ہیں' اور سب سے زیادہ تکلیف یوم عقبہ (جس دن آپ نے طائف کی گھاٹیوں میں جا کر تبلیغ کی تھی) کو اٹھائی تھی' اس دن میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یا لیل بن عبد کلال پر پیش کیا میں جو کچھ چاہتا تھا اس نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا' پھر میں انتہائی افسردگی کے ساتھ چل پڑا' میں اس وقت قرن الثعالب میں تھا اور میرا غم ابھی دور نہیں ہوا تھا' میں نے سر اوپر اٹھایا تو ایک بادل نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا تو وہاں پر حضرت جبریل تھے انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا

بے شک اللہ نے سن لیا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو کیا پیغام سنایا اور انہوں نے آپ کو کیا جواب دیا' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے' تا کہ آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں' پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا' پھر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ جو چاہیں! اگر آپ چاہیں تو میں ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالوں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۰۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۴۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مشرکین کے خلاف دعا کیجیے۔ آپ نے فرمایا مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹۹' الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۲۷' شرح السنۃ ج ۱۳ ص ۲۴۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ کبھی کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان کے ساتھ اپنا منہ لگایا ہو اور آپ نے اس کے پاس سے اپنا سر ہٹا لیا ہو' حتیٰ کہ وہ خود اپنا سر ہٹاتا تھا اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے آپ کا ہاتھ پکڑا ہو اور آپ نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا ہو حتیٰ کہ وہ خود اپنا ہاتھ چھڑاتا تھا' اور امام ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر آپ سے مصافحہ کرتا تو آپ اس سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے حتیٰ کہ وہ خود آپ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیتا تھا' اور آپ کسی شخص سے اپنا چہرہ نہیں پھیرتے تھے حتیٰ کہ وہ شخص خود اپنا چہرہ پھیر لیتا تھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی حاجت پیش کی۔ آپ نے فرمایا: اے ام فلاں! تم مدینہ کی گلیوں میں سے کسی گلی میں بھی بیٹھ جاؤ میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں گا۔ اس عورت نے ایسا ہی کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس بیٹھ گئے حتیٰ کہ اس کی حاجت پوری کر دی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۹' مسند احمد ج ۳ ص ۹۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۷۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی عیادت کرتے تھے۔ جنازہ کے ساتھ جاتے تھے' خادم کی دعوت کو قبول کر لیتے تھے' اور دراز گوش پر سوار ہو جاتے تھے' میں نے خود جنگ خیبر کے دن دیکھا آپ دراز گوش پر سوار تھے اس کی لگام خشک گھاس کی تھی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش کی ننگی پشت پر سوار ہوتے تھے' اور مملوک (خادم) کی دعوت کو قبول فرما لیتے تھے' اور زمین پر سوتے تھے اور زمین پر بیٹھ جاتے تھے' اور زمین پر (بیٹھ کر) کھاتے تھے' اور فرماتے تھے اگر مجھے بکری کے ایک پائے کو کھانے کی بھی دعوت دی گئی تو میں چلا جاؤں گا' اور اگر مجھے بکری کی ایک دستی کی بھی دعوت دی گئی تو میں اس کو قبول کر لوں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۳۸' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۷۴' اس حدیث کی سند میں رواد بن الجراح اور حسن بن عمارہ ضعیف راوی ہیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مزاح بھی کرتا ہوں لیکن میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔ (مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی یا آپ وعظ فرماتے تو میں کہتے کہ اب آپ لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں گے اور جب آپ سے یہ کیفیت دور ہو جاتی تو میں دیکھتا کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ کشادہ رو سب سے زیادہ خوش طبع اور سب سے زیادہ حسین لگتے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۷۷ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۲)

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں کنواری لڑکی کے چہرے سے زیادہ شرم و حیاء ہوتی تھی اور جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی تو ہم آپ کے چہرے سے جان لیتے تھے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۰۶ حافظ الہیثمی نے کہا امام طبرانی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے ان میں سے ایک سند صحیح ہے مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میرے اوپر آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر نازل نہیں ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی پر نازل ہوگا' اور وہ اسرافیل ہیں' اور ان کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام بھی تھے' انہوں نے کہا السلام علیک یا محمد! میں آپ کے پاس آپ کے رب کا پیغام لانے والا ہوں' مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کو یہ اختیار دوں کہ آپ چاہیں تو نبی اور عبد رہیں' اور اگر آپ چاہیں تو نبی اور بادشاہ ہو جائیں' میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا' انہوں نے تواضع کرنے کا اشارہ کیا' پس اس وقت نبی علیہ السلام نے کہا اگر میں نبی بادشاہ کہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۳۰۹' اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے' اور اس کی سند میں یحییٰ بن عبد اللہ البابلتی' ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۱۱)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا کپکپا رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تم آرام اور اطمینان سے کھڑے رہو' کیونکہ میں بادشاہ نہیں ہوں میں قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت سکھا کر کھاتی تھی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۲۸۲' المستدرک ج ۳ ص ۴۶۶' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدھی رات کے وقت بھی جو کی روٹی کھانے کے لیے بلاتا تھا تو آپ چلے جاتے تھے۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۴۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۷۱' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۲۱)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ چار زانو پر بیٹھے ہوئے تھے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۴۹۸' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں محمد بن عثمان القرشی ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۴۲۳۰)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کی طرف گیا آپ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا' میں آپ کی جوتی کو ٹھیک کرنے لگا آپ نے میرے ہاتھ سے جوتی لے لی اور فرمایا یہ خود پسندی اور خود کو دوسرے پر ترجیح دینا ہے اور میں خود پسندی کو پسند نہیں کرتا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۶۸' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۳۲)

خصلت اور عادت کا معنی اور آیا عادت کا بدلنا ممکن ہے یا نہیں؟

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عادت کا لفظ عـاد یعود سے بنا ہے' آدمی جب کسی فعل کو بار بار کرتا ہے یا کسی فعل کو بار بار قبول کرتا ہے تو اس کو عادت کہتے ہیں' عادت مخلوق کا فعل ہے اور سجیت اور جبلّت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے' یہ انسان کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ اپنی سجیت اور جبلّت کے خلاف کوئی کام کرے کیونکہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کو تبدیل نہیں کرسکتا' لیکن بعض اوقات عادت اس قدر قوی اور پختہ ہو جاتی ہے کہ وہ سجیت اور جبلّت کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور پھر اس کو طبیعت ثانیہ کہتے ہیں۔

ہم نے پہلے بتا دیا ہے کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی خلقت کو تبدیل نہیں کرسکتا' اس لیے انسان کی سرشت اور جبلّت اگر نیک ہے تو وہ نیک رہے گی اور اگر بد ہے تو وہ بد رہے گی' حدیث میں ہے: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حسین شکل دی اور نیک فطرت دی اس کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۷۷) اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خَلق (شکل وصورت) اور خُلق (سجیت اور جبلّت) سے فارغ ہو چکا ہے اور خالق کے فعل کو تبدیل کرنا مخلوق کی طاقت میں نہیں ہے۔

(الذریعہ ص ۱۱۵-۱۱۴' مطبوعہ منشورات الرضی ایران' ۱۴۱۴ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

بعض لوگوں کا یہ زعم ہے کہ اخلاق میں تغیر اور تبدل نہیں ہوسکتا' اور اس پر دو دلیلیں ہیں ایک یہ ہے کہ: خُلق باطن کی صورت ہے جیسا کہ خَلق ظاہر کی صورت ہے' اور انسان ظاہر کی صورت کو نہیں بدل سکتا' مثلاً جس کا قد چھوٹا ہو وہ اپنا قد بڑا نہیں کرسکتا' اور جس کا قد بڑا ہو وہ اپنا قد چھوٹا نہیں کرسکتا اور جس کی شکل وصورت قبیح ہو وہ اپنی شکل وصورت حسین نہیں بنا سکتا' پس جس طرح وہ اپنی ظاہری صورت کو تبدیل نہیں کرسکتا اسی طرح وہ اپنی باطنی صورت کو بھی تبدیل نہیں کرسکتا' اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حسن اخلاق تب حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنی شہوت اور غضب کو منقطع کرے اور شہوت اور غضب تب منقطع ہوگا جب انسان کی طبیعت اور اس کا مزاج بدل جائے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ لوگ طویل مجاہدہ اور کڑی ریاضت کرنے کے باوجود بھی شہوت اور غضب کو منقطع نہیں کر پاتے لہٰذا اپنے اخلاق کو تبدیل کرنے کی کوشش محض عبث اور تضییع اوقات ہے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اگر اخلاق تغیر اور تبدل کو قبول نہ کرسکیں تو وعظ اور نصیحت اور تادیب اور وصیت سب باطل ہو جائیں گی اور قرآن اور حدیث میں جو نیک کام کرنے کی تلقین اور ترغیب کی گئی ہے وہ سب عبث ہو جائیں گی حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حسنوا اخلاقکم اپنے اخلاق حسین بناؤ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو' اللہ سے ڈرتے رہو' اور لوگوں کے ساتھ اچھے اور نیک اخلاق کے ساتھ پیش آؤ' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۴' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۷۸)

اگر خلق کو تبدیل کرنا ممکن نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم کیوں دیتے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ جانوروں کی طبیعت اور خلق میں تغیر ہو جاتا ہے جنگلی جانوروں کی طبیعت میں انسانوں سے وحشت ہے وہ ان سے گھبرا کر دور بھاگتے ہیں لیکن انسان ان کو مانوس کر لیتا ہے' شیر' ہاتھی' ریچھ اور بندروں کو سدھا لیتا ہے۔ کتے کی طبیعت میں گوشت کھانے کی حرص ہے لیکن انسان تعلیم اور تادیب سے شکاری کتے کی فطرت اور طبیعت بدل دیتا ہے وہ مالک کے لیے شکار کرتا ہے اور خود نہیں کھاتا تو جب جانوروں کی طبیعت بدل جاتی ہے تو انسان کی طبیعت کیوں نہیں بدل سکتی۔

(احیاء العلوم ج ۳ ص ۵۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی یا آپ وعظ فرماتے تو ہم دل میں کہتے کہ اب آپ لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں گے اور جب آپ سے یہ کیفیت دور ہو جاتی تو میں دیکھتا کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ کشادہ رو سب سے زیادہ خوش طبع اور سب سے زیادہ حسین لگتے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۷۷، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۲)

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں کنواری لڑکی کے چہرے سے زیادہ شرم و حیاء ہوتی تھی اور جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی تو ہم آپ کے چہرے سے جان لیتے تھے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۰۶، حافظ الہیثمی نے کہا امام طبرانی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے ان میں سے ایک سند صحیح ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میرے اوپر آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر نازل نہیں ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی پر نازل ہوگا، اور وہ اسرافیل ہیں، اور ان کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام بھی تھے، انہوں نے کہا السلام علیک یا محمد! میں آپ کے پاس آپ کے رب کا پیغام لانے والا ہوں، مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کو یہ اختیار دوں کہ آپ چاہیں تو نبی اور عبد رہیں، اور اگر آپ چاہیں تو نبی اور بادشاہ ہو جائیں، میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا، انہوں نے تواضع کرنے کا اشارہ کیا، پس اس وقت نبی علیہ السلام نے کہا اگر میں نبی بادشاہ کہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۳۰۹، اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں یحییٰ بن عبد اللہ البابلتی ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۱۱)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا کپکپا رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تم آرام اور اطمینان سے کھڑے رہو، کیونکہ میں بادشاہ نہیں ہوں میں قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت سکھا کر کھاتی تھی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۲۸۲، المستدرک ج ۲ ص ۴۶۶، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدھی رات کے وقت بھی جو کی روٹی کھانے کے لیے بلاتا تھا تو آپ چلے جاتے تھے۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۴۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۷۱، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۲۱)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ چار زانو پر بیٹھے ہوئے تھے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۴۹۸، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں محمد بن عثمان القرشی ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۴۲۳۰)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کی طرف گیا آپ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا، میں آپ کی جوتی کو ٹھیک کرنے لگا آپ نے میرے ہاتھ سے جوتی لے لی اور فرمایا یہ خود پسندی اور خود کو دوسرے پر ترجیح دینا ہے اور میں خود پسندی کو پسند نہیں کرتا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۶۸، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۳۲)

خصلت اور عادت کا معنی اور آیا عادت کا بدلنا ممکن ہے یا نہیں؟

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

عادت کا لفظ عـاد یعود سے بنا ہے' آدمی جب کسی فعل کو بار بار کرتا ہے یا کسی فعل کو بار بار قبول کرتا ہے تو اس کو عادت کہتے ہیں' عادت مخلوق کا فعل ہے اور سجیت اور جبلّت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے' یہ انسان کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ اپنی سجیت اور جبلت کے خلاف کوئی کام کرے کیونکہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کو تبدیل نہیں کر سکتا' لیکن بعض اوقات عادت اس قدر قوی اور پختہ ہو جاتی ہے کہ وہ سجیت اور جبلّت کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور پھر اس کو طبیعت ثانیہ کہتے ہیں۔

ہم نے پہلے بتا دیا ہے کو کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی خلقت کو تبدیل نہیں کر سکتا' اس لیے انسان کی سرشت اور جبلّت اگر نیک ہے تو وہ نیک رہے گی اور اگر بد ہے تو وہ بد رہے گی' حدیث میں ہے: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حسین شکل دی اور نیک فطرت دی اس کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ (کشف الخفاء ج ۱ص ۱۷۷) اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خَلق (شکل وصورت) اور خُلق (سجیت اور جبلّت) سے فارغ ہو چکا ہے اور خالق کے فعل کو تبدیل کرنا مخلوق کی طاقت میں نہیں ہے۔

(الذریعہ ص ۱۱۵-۱۱۴' مطبوعہ منشورات الرضی ایران' ۱۴۱۴ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

بعض لوگوں کا یہ زعم ہے کہ اخلاق میں تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا' اور اس پر دو دلیلیں ہیں ایک یہ ہے کہ: خُلق باطن کی صورت ہے جیسا کہ خَلق ظاہر کی صورت ہے' اور انسان ظاہر کی صورت کو نہیں بدل سکتا' مثلاً جس کا قد چھوٹا ہو وہ اپنا قد بڑا نہیں کر سکتا' اور جس کا قد بڑا ہو وہ اپنا قد چھوٹا نہیں کر سکتا اور جس کی شکل وصورت قبیح ہو وہ اپنی شکل وصورت حسین نہیں بنا سکتا' پس جس طرح وہ اپنی ظاہری صورت کو تبدیل نہیں کر سکتا اسی طرح وہ اپنی باطنی صورت کو بھی تبدیل نہیں کر سکتا' اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حسن اخلاق تب حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنی شہوت اور غضب کو منقطع کرے اور شہوت اور غضب تب منقطع ہوگا جب انسان کی طبیعت اور اس کا مزاج بدل جائے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ لوگ طویل مجاہدہ اور کڑی ریاضت کرنے کے باوجود بھی شہوت اور غضب کو منقطع نہیں کر پاتے لہٰذا اپنے اخلاق کو تبدیل کرنے کی کوشش محض عبث اور تضییع اوقات ہے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اگر اخلاق تغیر اور تبدل کو قبول نہ کر سکیں تو وعظ اور نصیحت اور تادیب اور وصیت سب باطل ہو جائیں گی اور قرآن اور حدیث میں جو نیک کام کرنے کی تلقین اور ترغیب کی گئی ہے وہ سب عبث ہو جائیں گی حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حسنوا اخلاقکم اپنے اخلاق حسین بناؤ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو' اللہ سے ڈرتے رہو' اور لوگوں کے ساتھ اچھے اور نیک اخلاق کے ساتھ پیش آؤ' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ص ۱۵۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴' المستدرک ج ۱ص ۵۴' حلیۃ الاولیاء ج ۴ص ۳۷۸)

اگر خُلق کو تبدیل کرنا ممکن نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم کیوں دیتے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ جانوروں کی طبیعت اور خُلق میں تغیر ہو جاتا ہے جنگلی جانوروں کی طبیعت میں انسانوں سے وحشت ہے وہ ان سے گھبرا کر دور بھاگتے ہیں لیکن انسان ان کو مانوس کر لیتا ہے' شیر' ہاتھی' ریچھ اور بندروں کو سدھا لیتا ہے۔ کتے کی طبیعت میں گوشت کھانے کی حرص ہے لیکن انسان تعلیم اور تادیب سے شکاری کتے کی فطرت اور طبیعت بدل دیتا ہے وہ مالک کے لیے شکار کرتا ہے اور خود نہیں کھاتا تو جب جانوروں کی طبیعت بدل جاتی ہے تو انسان کی طبیعت کیوں نہیں بدل سکتی۔

(احیاء العلوم ج ۳ص ۵۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

لوگوں کی جبلتیں مختلف ہوتی ہیں' بعض لوگوں کی جبلت کسی چیز کو جلدی قبول کرتی ہے اور بعض لوگوں کی جبلت کسی چیز کو دیر سے قبول کرتی ہے' اور بعض لوگوں کی جبلت متوسط ہوتی ہے' اور ہر ایک میں کسی اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے خواہ وہ صلاحیت بہت کم ہو' اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ خلق اور جبلت میں بالکل تغیر نہیں ہو سکتا' ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ قوت ختم نہیں ہو سکتی مثلاً کسی شخص کی جبلت میں برے کاموں کی قوت ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ سرے سے وہ قوت ختم ہو جائے اور اس کے بجائے اس میں نیکی کی قوت ہو جائے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وعظ اور نصیحت سے اس کی برائی کی قوت میں کمی ہو جائے اور یہ صحیح ہے کیونکہ کھجور کی گٹھلی میں کھجور کو پیدا کرنے کی طاقت ہے اس کی پیداوار میں کمی تو ہو سکتی ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کھجور کی گٹھلی سے سیب پیدا ہو جائے' اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ خلق اور جبلت میں تغیر اور تبدل ہو سکتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان میں نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیت ہے' فرض کیجیے کہ اس کی جبلت میں بدی ہے' تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس بدی کو بروئے کار لائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس بدی کو بروئے کار نہ لائے' اسی طرح فرض کریں کہ اس کی جبلت میں نیکی ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس نیکی کو بروئے کار لائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قوت سے اس نیکی کو بروئے کار نہ لائے' کسی شخص کے پاس کھجور کی گٹھلی ہو تو وہ چاہے تو اس سے کھجور کا درخت اگائے اور چاہے تو اس کو یونہی چھوڑ دے حتیٰ کہ وہ گل سڑ جائے' اور یہ قول بھی صحیح ہے۔

(الذریعہ ص ۱۱۶ مطبوعہ منشورات الرضی ایران' ۱۴۱۴ھ)

اصحاب الایکہ کا اپنے انکار پر اصرار اور ان پر عذاب کا نزول

اس کے بعد فرمایا: انہوں نے کہا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے O (الشعراء: ۱۸۵)

یعنی جن لوگوں پر پہلے جادو کیا گیا تھا' تم بھی ان ہی میں سے ہو۔ پھر کہا اور تم صرف ہماری طرح بشر ہو اور ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں O (الشعراء: ۱۸۶) ان کا گمان یہ تھا کہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرشتہ ہو اور جب کہ تم فرشتہ نہیں ہو تو تمہارا رسالت کا دعویٰ جھوٹا ہے' اس کے بعد انہوں نے کہا: اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو O (الشعراء: ۱۸۷) انہوں نے یہ بات حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کرتے ہوئے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہی۔

شعیب نے کہا! میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو O (الشعراء: ۱۸۸) یعنی تم جو کفر کرتے ہو اور انواع واقسام کے گناہ کرتے ہو ان کو میرا رب خوب جانتا ہے اور اس کفر کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق ہو اور وہ عذاب اپنے مقرر وقت پر ضرور آئے گا۔

روایت ہے کہ جب اصحاب الایکہ اپنے انکار اور تکبر میں حد سے گزر گئے تو اللہ سبحانہ نے ان پر سات مسلسل سخت گرمی کے دن بھیج دیئے حتیٰ کہ ان کے کنویں میں پانی جوش سے ابلنے لگا' اور ان کے لیے سخت گرمی کے باعث سانس لینا دشوار ہو گیا' اور ان سب نے جنگلوں کا رخ کیا اور درختوں کے نیچے لیٹ گئے' یکا یک ایک سیاہ رنگ کا ابر ظاہر ہوا اور اس کے نیچے ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ وہ سب ایک دوسرے کو آوازیں دے کر اس ابر کے نیچے جمع ہو گئے اور جب تمام لوگ اس بادل کے نیچے اکٹھے ہو گئے تو اچانک اس ابر سے آگ برسنے لگی' اور اس نے ان سب لوگوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سو انہوں نے شعیب کی تکذیب کر دی تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا' بے شک وہ بہت بھاری دن کا عذاب تھا O (الشعراء: ۱۸۹) یعنی انہوں نے اپنے شبہات کے زائل ہونے اور حضرت شعیب علیہ السلام کے دلائل واضح ہونے کے باوجود اپنی تکذیب پر اصرار کیا تو ان کو یوم الظلہ کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا' الظلۃ سایا کرنے والے بادل کو

کہتے ہیں اور سائبان کو بھی کہتے ہیں' انہوں نے یہی کہا تھا کہ ان کے اوپر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دیا جائے گو یا وہ آسمان کی جانب سے کسی عذاب کے نازل ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے' تو ان پر آسمان کی طرف سے ہی عذاب نازل کر دیا گیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو دو امتوں کی طرف بھیجا گیا تھا اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ' اصحاب مدین کو چنگھاڑ اور زلزلہ کے عذاب سے ہلاک کیا گیا اور اصحاب الایکہ کو یوم الظلة کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔اس کے بعد فرمایا:

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھےO(الشعراء:۱۹۰)

یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کا جو قصہ ذکر کیا گیا ہے اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانی ہے اور اکثر اصحاب الایکہ ایمان لانے والے نہ تھے' بلکہ کل اصحاب الایکہ ایمان لانے والے نہ تھے کیونکہ ان میں سے کسی شخص کا بھی ایمان لانا منقول نہیں ہے (علامہ اسماعیل حقی کا یہ لکھنا قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت کے خلاف ہے) اس کے برخلاف اصحاب مدین میں سے ایک جماعت ایمان لے آئی تھی۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۹۲) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ دونوں امتوں میں سے نو سو نفر حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۲۷)

اس کے بعد فرمایا:

اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والاO(الشعراء:۱۹۱)

آپ کا رب غالب ہے یعنی ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے غلبہ کے آثار سے یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرماتا ہے۔

سورۃ الشعراء میں انبیاء علیہم السلام کے قصص کی تنقیح

سورۃ الشعراء میں انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے سات قصے بیان کیے گئے ہیں اور حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ ان میں آخری قصہ ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش تکذیب کرتے تھے ان کو بتایا کہ جس قوم نے بھی اپنے نبی کی تکذیب کی اس پر آسمانی عذاب نازل ہوا سو قریش کو بھی اس عذاب سے ڈرنا چاہیے اور آپ کی تکذیب کو ترک کر دینا چاہیے اور ان واقعات میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر قریش آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ غم اور افسوس نہ کریں ہر زمانہ میں ہر نبی کے ساتھ اس طرح ہوتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ان سات نبیوں کے قصص بیان فرمائے۔ سات سے کم یا سات سے زیادہ نبیوں کے واقعات کیوں بیان نہیں فرمائے اور ان سات مخصوص نبیوں کی کیا وجہ تخصیص ہے اور کیا وجہ ترجیح ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ہم پر یہ وجہ تخصیص اور ترجیح منکشف نہیں ہو سکی۔ نیز ان انبیاء میں سے پہلے حضرت موسیٰ کا پھر حضرت ابراہیم کا' پھر حضرت نوح کا' پھر حضرت ہود کا' پھر حضرت صالح کا' پھر حضرت لوط کا' اور پھر آخر میں حضرت شعیب علیہم السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی ترتیب اس طرح نہیں ہے پہلے حضرت نوح علیہ السلام ہیں پھر حضرت ہود ہیں' پھر حضرت صالح ہیں' پھر حضرت ابراہیم ہیں پھر حضرت لوط ہیں' پھر حضرت شعیب ہیں اور پھر حضرت موسیٰ علیہم السلام ہیں۔ سو ان کے واقعات کو اس ترتیب کے ساتھ بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہے۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہم پر اس کی حکمت اور اس کی وجہ منکشف نہیں ہو سکی۔

مستقبل میں عذاب سے نجات کا مدار

سورۃ الشعراء میں گذرے ہوئے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے ذکر سے مستقبل کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ کفر اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر عذاب ہوتا ہے' اس لیے دل کو کفر اور گناہوں کے ارادہ اور گناہوں کی لذت اور محبت سے خالی کرنا

ضروری ہے اور دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق اور ان پر ایمان کا حصول ضروری ہے اور دل میں اللہ تعالیٰ کی اطا
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا جذبہ لازمی ہے اور انسان پر واجب ہے کہ وہ ان چیزوں اور ان تعلقا
سے کنارہ کش رہے جو اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور ان کی اطاعت کی راہ میں مزاحم ہوتی ہیں۔ اس پر اخلاص اور نجا
موقوف ہے اور یہ چیز اس وقت حاصل ہوگی جب وہ تمام احکام شریعت پر عمل کرے گا اور ہر قسم کے گناہوں سے بچے گا' اور وعظ
ونصیحت اور خیر خواہی کی باتوں کو قبول کرے گا اور کسی صاحب دل اور صاحب نظر کی مجلس میں بیٹھے گا اور اس کے سلوک اور
وظائف پر عمل کرے گا پس جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر' آپ کے اصحاب کے طریقہ پر اور ائمہ مجتہدین کے
ارشادات' ان کے اخلاق اور ان کے زہد وتقویٰ پر عمل کرے گا' اور ہمیشہ شب بیداری اور تہجد گذاری کرے گا اور تمام ماموراتِ
شرعیہ پر دائماً عمل کرے گا' اور تمام ممنوعات شرعیہ سے لازماً مجتنب رہے گا' اور اپنے آپ کو تسلیم ورضا کے قالب میں اس طرح
ڈھال لے گا کہ اس پر جب بھی مصیبت بلاء اور مرض کا نزول ہو تو وہ اس سے گھبرائے گا نہیں اور جب بھی اس پر تنگی رزق اور
حوادث روزگار کا ورود ہو تو وہ اس سے تنگ نہ ہو' اور دنیا کے مناصب اور دنیا کی لذتوں اور رنگینیوں کے چھن جانے سے اس کو
احساس محرومی نہ ہو بلکہ فرحت اور خوشی ہو تو اس وقت اس کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی
محبت اور اس کی رحمت کے یہ آثار ہیں کہ اس کے دل میں اللہ کے حکم کی تعظیم ہو' اور اس کے تمام اعضا ساری زندگی اس کے حکم
پر عمل پیرا رہیں' اور اگر اس کا حال اس کے برعکس ہو تو اس کو جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہے اور اس پر غضبناک
ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو تو اللہ تعالیٰ قاہر اور غالب ہے اور اپنا انتقام لینے پر ہر طرح سے قادر ہے' اللہ تعالیٰ ہم سب کو
اپنی رحمت کے سائے میں رکھے اور اپنے قہر وغضب اور اپنے انتقام سے اپنی پناہ میں رکھے (آمین)

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى

اور بے شک یہ (قرآن) رب العلمین کی نازل فرمائی ہوئی کتاب ہے ۝ جس کو الروح الامین (جبریل) لے کر نازل ہوئے ہیں ۝ آپ

قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ

کے قلب کے اوپر تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں ۝ صاف صاف عربی زبان میں ۝ اور بے شک

لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾

اس قرآن کا ذکر پہلی کتابوں میں (بھی) ہے ۝ کیا ان (کفار مکہ) کے لیے یہ کافی نشانی نہیں ہے کہ اس (قرآن) کو علماء بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں ۝

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

اور اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے ۝ پھر وہ اس (قرآن) کو ان کے سامنے پڑھتا تب بھی وہ اس پر ایمان نہ لاتے ۝

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى

اسی طرح ہم نے منکروں کے دلوں میں ان کے انکار کو داخل کر دیا ہے ۝ وہ اس وقت تک اس پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ

يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾ فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُولُوا

کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں O ان پر اچانک وہ عذاب آئے گا اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوگا O اس وقت وہ یہ کہیں

هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾ أَفَرَأَيْتَ إِن

گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی؟ O کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں؟ O اچھا یہ بتایئے کہ اگر ہم ان کو

مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم

کئی سالوں کی مہلت دے بھی دیں O پھر اس کے بعد ان پر وہی عذاب آ جائے جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا O تو وہ سامان ان کے کس

مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿٢٠٨﴾

کام آئے گا جس سے فائدہ اٹھانے کی ان کو مہلت دی گئی تھی! O ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا اس کے لیے عذاب سے ڈرانے والے

ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا

(بھیجے گئے) تھے O ان کو یاد کرانے کے لیے اور ہم (ان پر) ظلم کرنے والے نہ تھے O اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں نازل ہوئے O اور

يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا

نہ وہ اس کے لائق ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں O بے شک وہ (فرشتوں کا کلام) سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں O سو

تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿٢١٣﴾ وَأَنذِرْ

(اے مخاطب!) تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کر ورنہ تو بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائے گا O اور آپ

عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب سے) ڈرایئے O اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت

الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾

کے بازو جھکا کر رکھیے O پھر بھی اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیے میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں O

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ وَ

اور بہت غالب اور بے حد رحم کرنے والے پر توکل کیجیے O جو آپ کو آپ کے قیام کے وقت دیکھتا ہے O اور

مع ۹ عند المتقدمین ۲

تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿٢١٩﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٢٠﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ

سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو○ بے شک وہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے○ کیا میں تمہیں ان کی

عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُّلْقُوْنَ

خبر دوں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں○ وہ ہر تہمت باندھنے والے گنہگار پر نازل ہوتے ہیں○ وہ سنی سنائی

السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾ اَلَمْ تَرَ

باتیں پہنچاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں○ اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں○ کیا آپ نے نہیں دیکھا

اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿٢٢٥﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٦﴾ اِلَّا

کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں○ اور بے شک وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے○ سوا ان

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ

لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' اور انہوں نے اللہ کو بہت زیادہ یاد کیا اور انہوں نے اپنے مظلوم

بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿٢٢٧﴾ ع ١١ ١٦ ١٥

ہونے کے بعد بدلہ لیا' اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کیسی لوٹنے کی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کی نازل فرمائی ہوئی کتاب ہے○ جس کو الروح الامین (جبریل) لے کر نازل ہوئے ہیں○ آپ کے قلب کے اوپر تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہوجائیں○ صاف صاف عربی زبان میں○ اور بے شک اس قرآن کا ذکر پہلی کتابوں میں (بھی) ہے○ (الشعراء: ١٩٦-١٩٢)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے احوال اور ان کی نبوت کے دلائل ذکر فرمائے تھے اور ان کی قوموں نے جو ان کی نبوت کا انکار کیا تھا اور اس انکار کے نتیجہ میں ان پر جو اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا اس کا ذکر فرمایا تھا' اور اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل ذکر فرمائے ہیں' کیونکہ ان آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے قصص اور ان کے واقعات بیان فرمائے' جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قصص اور واقعات کو کسی سے نہیں سنا تھا کیونکہ قریش مکہ جانتے تھے کہ آپ اہل علم اور اہل تاریخ کی مجلس میں نہیں بیٹھے تھے اس کے باوجود آپ نے ان کے واقعات بالکل درست بیان فرمادیے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام واقعات سے آپ کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا۔ اور آپ پر وحی کا نزول آپ کی نبوت کی دلیل ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے یہ واقعات سابقہ کتابوں میں مذکور ہیں اور آپ نے سابقہ کتابیں نہیں پڑھی تھیں کیونکہ آپ اُمی تھے اس کے باوجود آپ نے یہ واقعات اسی تفصیل کے ساتھ بیان فرمادیے اور

بھی ہو سکتا تھا جب آپ پر وحی نازل ہو اور نزول وحی آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

حضرت جبریل کو الروح الامین فرمانے کی وجہ

اس آیت میں قرآن مجید کو اتارنے کے لیے تنزیل کا لفظ استعمال فرمایا ہے' اور بعض آیات میں انزال کا لفظ ذکر فرمایا ہے' تنزیل کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا اور انزال عام ہے دفعۃً نازل کرنا' یا تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا' نیز تفعیل کا وزن کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن مجید تیئس سال میں متعدد بار نازل ہوا ہے' اور اس کے ساتھ رب العالمین کا ذکر فرمایا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی تنزیل مخلوق کی تربیت اور اس کی پرورش کے لیے ہوئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا جس کو الروح الامین (جبریل) نے نازل کیا ہے۔ (الشعراء: ۱۹۳)

حضرت جبریل کو امین فرمایا کیونکہ وحی کی امانت ان کے سپرد کی گئی تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک وحی کو پہنچائیں' اور ان کو روح اس لیے فرمایا کہ وہ مکلفین کے دلوں کی زندگی کا سبب ہیں جس طرح روح بدن کی زندگی کا سبب ہوتی ہے' کیونکہ دل علم اور معرفت کے نور سے زندہ ہوتے ہیں اور بے علمی اور جہالت سے مردہ ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مردہ فرمایا:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى. (النمل: ۸۰) بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے۔

کفار اس لیے مردہ تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے نور سے خالی تھے اور اس کی ذات اور صفات کو کما حقہ نہیں پہچانتے تھے' پس حضرت جبریل کو الروح فرمانے کی یہ وجہ ہے کہ وہ وحی لانے پر مامور ہیں اور وحی سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت ہوتی ہے اور اس معرفت سے دل زندہ ہوتے ہیں اور روح زندگی کا سبب ہے اس لیے حضرت جبریل کو الروح فرمایا۔

حضرت جبریل کو الروح فرمانے کی دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت جبریل کا جسم لطیف ہے اور روحانی ہے اسی طرح فرشتے بھی روحانی ہیں وہ روح سے پیدا کیے گئے ہیں اور وہ ہوا کی طرح لطیف ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے اجسام لطیفہ ہیں اور وہ اپنی لطافت کی وجہ سے روح کے حکم میں ہیں۔ اس لیے ان کو ارواح قرار دیا گیا اور حضرت جبریل کی لطافت باقی فرشتوں سے بہت زیادہ ہے کیونکہ حضرت جبریل کی تمام فرشتوں پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح نبی کی اپنی امت پر فضیلت ہوتی ہے سو غایت لطافت کی وجہ سے ان کو الروح فرمایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر قرآن مجید کو نازل کرنے کی کیفیت

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو الفاظ عربیہ کا لباس پہنایا اور ان الفاظ عربیہ کو حضرت جبریل پر نازل فرمایا اور ان کو ان الفاظ پر امین بنایا تاکہ وہ اس کے حقائق میں تصرف نہ کریں پھر حضرت جبریل نے ان الفاظ کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرمایا جیسا کہ فرمایا:

آپ کے قلب کے اوپر تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیںO (الشعراء: ۱۹۴)

یعنی اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم' جبریل نے اس قرآن کی آپ کے سامنے تلاوت کی حتیٰ کہ آپ نے اس کو اپنے دل میں یاد کر لیا' کیونکہ دل ہی کسی چیز کو یاد رکھنے اور اس کے ثبوت کا محل ہے اور وحی اور الہام کا معدن اور منبع ہے اور انسان کے جسم میں صرف دل ہی خطاب اور فیض کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اللہ کے کلام کو اپنے دل میں جذب کرنے اور اس کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت تمام انبیاء میں سے اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی تھی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى. (الاعلیٰ: ۶) ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ (اس کو) نہیں بھولیں گے۔

اور باقی انبیاء کی کتابیں الواح (تختیوں) اور صحائف کی صورتوں میں نازل کی گئی تھیں ان کے دلوں پر نازل نہیں تھیں' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اس وقت نازل کی گئی جب آپ کو وحی کی سخت پیاس تھی پھر وہ وحی آپ کی فہم اور آپ کی سماعت میں آ گئی اور یہ بلندی سے پستی کی طرف نزول ہے اور خواص کا مرتبہ ہے کیونکہ عوام پہلے کسی کلام کو سنتے ہیں پھر ان کی فہم میں آتا ہے پھر اس کے بعد وہ اس کو دل میں یاد رکھتے ہیں اور یہ پستی سے بلندی کی جانب ترقی ہے اور یہ مریدین اور اہل سلوک کا درجہ ہے' سو خواص اور عوام میں کس قدر فرق ہے۔

الفتاویٰ النوریہ میں مرقوم ہے کہ السید سے سوال کیا گیا کہ حضرت جبریل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار نازل ہوئے تو انہوں نے جواب دیا کہ مشہور قول یہ ہے کہ وہ آپ پر چوبیس ہزار بار نازل ہوئے۔ اور مشکوٰۃ الانوار میں مذکور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل ستائیس ہزار بار نازل ہوئے اور باقی انبیاء علیہم السلام پر تین ہزار بار سے زیادہ نازل نہیں ہوئے۔ (روح البیان ج ٦ ص ٣٩٤)

نیز فرمایا تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ ہر چند کہ آپ نیک اعمال پر ثواب کی بشارت دینے والے بھی ہیں اور برے اعمال پر اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے بھی ہیں۔ لیکن اس آیت میں صرف عذاب سے ڈرانے کا ذکر کیا ہے کیونکہ ثواب کے حصول کی بہ نسبت عذاب سے بچنا زیادہ اہم اور اس پر مقدم ہے۔ رذائل سے خالی ہونا فضائل سے متصف ہونے پر مقدم ہوتا ہے جیسے بیمار اور کمزور آدمی پہلے بیماری کو دور کرتا ہے پھر قوت بخش غذائیں کھاتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے قرآن مجید کے علاوہ دیگر احکام کے متعلق بھی آپ پر وحی نازل کی ہے

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو الروح الامین نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ اس کا رزق مکمل نہ ہو جائے خواہ اس میں تاخیر ہو۔

امام ابن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ کام جو تم کو جنت کے قریب کرے گا اور دوزخ سے دور کرے گا میں تم کو اس کا حکم دے چکا ہوں اور ہر وہ کام جو تم کو دوزخ کے قریب اور جنت سے دور کرے گا میں تم کو اس کام سے منع کر چکا ہوں' اور بے شک الروح الامین نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ جب تک کوئی شخص اپنے رزق کو مکمل نہیں کر لے گا اس کو موت نہیں آئے گی پس تم اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقہ سے طلب کرو اور حصول رزق کی تاخیر تم کو اللہ کی معصیت پر نہ ابھارے کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ٣٤٣٢١' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٦ ھ)

(الدر المنثور ج ٦ ص ٢٨٩' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤٢١ ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں آپ کے قلب سے مراد آپ کی روح ہے اور قلب کا روح پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید کو آپ کی روح پر نازل کیا گیا ہے کیونکہ روح ہی مدرک اور مکلف ہے نہ کہ جسد' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو جہتیں تھیں آپ کی ایک جہت ملکی تھی اور اس جہت سے آپ فیض قبول کرتے تھے اور آپ کی دوسری جہت بشری تھی

اوراس جہت سے آپ مخلوق کو فیض دیتے تھے' اس لیے قرآن مجید کو آپ کی روح پر نازل کیا گیا کیونکہ آپ کی روح ہی صفات ملکیہ سے متصف ہے جن صفات کی وجہ سے آپ الروح الامین سے فیض (روحی) کو قبول کرتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۹ص ۱۸۲'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

حضرت جبریل الفاظ قرآنیہ کو لے کر نازل ہوتے تھے' اس سے پہلے قرآن مجید لوح محفوظ سے بیت العزت کی طرف نازل ہوا۔ یا جب جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید کو نازل کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ اس کو لوح سے محفوظ کر لیتے تھے یا ان کی طرف قرآن مجید کی وحی کی جاتی اور وہ اس کو لے کر نازل ہو جاتے' یا جیسا کہ بعض متقدین نے کہا ہے کہ حضرت جبریل اللہ سبحانہ سے قرآن مجید سنتے پھر بغیر کسی تغیر کے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر القا کرتے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کے معانی نازل کرتے تھے پھر آپ معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کرتے تھے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: بلسان عربی مبین (الشعراء: ۱۹۵) جبریل نے اس قرآن کو صاف صاف عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اگر ایسا ہوتا تو پھر وحی متلو اور وحی غیر متلو میں اور قرآن اور حدیث میں کوئی فرق نہ رہتا۔

اسی طرح بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ الروح الامین سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہو کیونکہ آپ کی روح انتہائی مقدس اور فی نفسہا اس قدر کامل تھی کہ وہ خود بغیر کسی واسطے کے معانی کا ادراک کرتی تھی۔ یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ الروح الامین سے مراد حضرت جبریل ہیں اور قرآن مجید میں تصریح ہے کہ قرآن مجید آپ پر حضرت جبریل نے نازل کیا ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ. (البقرہ: ۹۷)

آپ کہیے جو شخص جبریل کا دشمن ہے (وہ اپنے غیظ میں جل جائے) کیونکہ جبریل نے اس قرآن کو آپ کے قلب پر اللہ کے اذن سے نازل کیا ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت جبریل پر معانی القاء کیے گئے اور انہوں نے ان معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کیا یہ قول بھی صحیح نہیں ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ بھی اللہ عزوجل نے نازل کیے ہیں اور ان میں حضرت جبریل کا کوئی دخل نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ (یوسف: ۲)

بے شک ہم نے اس قرآن عربی کو نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کو جبریل سے سنتے تھے اور اپنی خداداد قوتوں سے اس کو یاد کر لیتے تھے اور یہ اس طرح نہیں تھا جس طرح عام بشر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنتے تھے اور پھر اس کو یاد کر لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے نزول کے وقت آپ پر سخت دہشت طاری ہوتی تھی اور شدید سردی میں بھی آپ کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے نمودار ہو جاتے تھے حتیٰ کہ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی اور کبھی یہ گمان کیا جاتا کہ آپ اونگھ رہے ہیں۔

حضرت الحارث بن ھشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی کبھی مجھ پر وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے' اور وہ مجھ پر

بہت سخت ہوتی ہے' پس وحی مجھ سے منقطع ہوتی ہے اور میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں' اور کبھی میرے پاس فرشتہ آدمی کی شکل میں آتا ہے' پس وہ مجھ سے کلام کرتا رہتا ہے اور میں اس کے کلام کو یاد کرتا رہتا ہوں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے انتہائی سرد دن میں دیکھا کہ آپ سے جب وحی کا نزول منقطع ہوا تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۷۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۱۵۷)

اور اسی کے موافق صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرماتے' اچانک آپ اونگھنے لگے' پھر آپ نے سر اٹھایا تو آپ مسکرا رہے تھے' ہم نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے' پھر آپ نے پڑھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم. انا اعطیناک الکوثر O فصل لربک وانحر O ان شانئک ھو الابتر O

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۷۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث' ۹۰۴)

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ آپ پر تمام قرآن مجید بیداری میں نازل ہوا ہے۔ اب ان پر یہ اشکال ہوا کہ یہ سورت الکوثر تو آپ پر اونگھنے کی حالت میں نازل ہوئی ہے پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ دراصل پہلے آپ پر یہ سورت بیداری میں نازل ہوئی تھی پھر دوبارہ آپ پر یہ سورت اونگھ یا نیند میں نازل ہوئی۔ ہمارے نزدیک اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے قرآن کریم کو یاد کرتے تھے اور آپ کی نیند قرآن مجید کو یاد کرنے سے مانع نہیں تھی کیونکہ حدیث صحیح میں ہے:

قالت عائشة فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشة! ان عینی تنامان ولا ینام قلبی.

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳)

علامہ اصفہانی نے اپنی تفسیر کے شروع میں کہا ہے کہ اھل السنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نازل کیا گیا ہے اور انزال کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اس کا معنی ہے قرأت کا اظہار کرنا اور بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا جبریل علیہ السلام پر انزال کیا اور وہ اس وقت آسمان میں تھے' اور ان کو قرأت کی تعلیم دی۔ پھر حضرت جبریل نے نیچے زمین پر اتر کر اس کو پہنچایا اور اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صورت بشریہ سے خالی ہو کر صورت ملکیہ کی طرف منتقل ہو جائیں' اور جبریل علیہ السلام سے وحی کو وصول کر لیں' اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حضرت جبریل اپنی صورت اصلیہ سے خالی ہو کر صورت بشریہ میں منتقل ہو جائیں اور دونوں میں سے پہلی صورت زیادہ دشوار ہے' اور علامہ الطیبی نے کہا ہو سکتا ہے کہ آپ پر نزول قرآن اس طرح ہوا ہو کہ فرشتہ روحانی طور پر قرآن مجید کو حاصل کرے' یا لوح محفوظ سے قرآن مجید کو یاد کر لے پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کر دے۔

اور علامہ القطب نے کشاف کے حواشی میں لکھا ہے کہ انزال کا معنی ہے کسی چیز کو بلندی سے نیچے کی طرف حرکت دینا' اور یہ معنی کلام میں متحقق نہیں ہو سکتا' سو یہ معنی مجازی میں مستعمل ہے' پس جس شخص کے نزدیک قرآن مجید ایک معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے تو پھر انزال کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کلمات اور حروف کو پیدا کرے جو اس معنی پر دلالت کریں

اوران کولوح محفوظ میں ثابت فرمادے۔اور جس شخص کے نزدیک قرآن مجید وہ الفاظ ہیں جو اس معنی پر دلالت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے تو پھر قرآن مجید کے انزال کا معنی یہ ہے کہ وہ محض ان الفاظ کو لوح محفوظ میں ثابت فرمادے۔اور یہ معنی انزال کے مجازی معنی کے مناسب ہے۔

پھر اس آیت کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ الروح الامین نے تمام قرآن مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب شریف پر نازل کیا ہے اور یہ اس حدیث کے منافی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں لے جایا گیا تو اس کی انتہاء سدرۃ المنتہیٰ پر تھی اور وہ چھٹے آسمان میں ہے۔زمین سے جو چیزیں اوپر چڑھتی ہیں ان کی انتہاء اسی پر ہوتی ہے پس ان کو کھینچ لیا جاتا ہے اور اوپر سے جو چیزیں نیچے اترتی ہیں ان کی انتہا بھی اسی پر ہوتی ہے پس ان کو کھینچ لیا جاتا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں دی گئیں۔آپ کو پانچ نمازیں دی گئیں اور آپ کو سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں دی گئیں اور آپ کی امت میں سے جس نے شرک نہ کیا ہو اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۳' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۷۶' سنن النسائی رقم الحدیث:۴۵۱)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ پر آپ کو سورہ بقرہ کی آخری آیتیں دی گئیں اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ ہوسکتا ہے کہ سورۃ البقرہ کی آخری آیات دوبارہ حضرت جبریل کی وساطت سے نازل کی گئی ہوں' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ سورۃ الشعراء کی زیر تفسیر آیت میں جو فرمایا ہے کہ اس قرآن کو الروح الامین نے نازل کیا ہے' اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ تمام قرآن مجید کو الروح الامین نے نازل کیا ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کے اکثر اور غالب حصے کو جبریل امین نے نازل کیا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان میں ہے اور اکثر احادیث میں یہ ہے کہ وہ ساتویں آسمان میں ہے اور اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے اور پورا درخت ساتویں آسمان میں ہے۔(السدرۃ کا معنی ہے بیری کا درخت)

اس آیت کی جو یہ توجیہ کی گئی ہے کہ حضرت جبریل نے قرآن مجید کی اکثر آیات نازل کی ہیں اس کی تائید میں یہ کہا گیا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات حضرت اسرافیل علیہ السلام نے نازل کی ہیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے' لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ بات بالکل ثابت نہیں ہے' اتقان میں مذکور ہے کہ امام احمد نے اپنی تاریخ میں از داؤد بن ابی ھند از شعبی روایت کیا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی گئی' اور آپ کی نبوت کے ابتدائی تین سال میں حضرت اسرافیل آپ کے ساتھ رہے وہ آپ کو مختلف چیزوں اور باتوں کی تعلیم دیتے تھے اور حضرت اسرافیل کی زبان سے آپ پر قرآن مجید نازل نہیں ہوا' اور پھر جب تین سال گذر گئے تو پھر آپ کی نبوت کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام مقارن ہوئے' پھر ان کی زبان سے دس سال تک آپ پر قرآن مجید نازل ہوتا رہا' یہ حدیث اس بات کے صریح مخالف ہے کہ آپ پر حضرت اسرافیل نے بھی وحی نازل کی ہے' اور یہ حدیث اس کے بھی مخالف ہے کہ اول امر سے لے کر آخر تک آپ پر حضرت جبریل علیہ السلام وحی نازل کرتے رہے ہیں' اور یہی صحیح ہے' ہاں قرآن مجید کے علاوہ دیگر امور میں حضرت جبریل کے علاوہ دوسرے فرشتوں نے بھی آپ پر وحی نازل کی ہے اور کئی مرتبہ قرآن مجید کے نزول کی تقویت کے لیے حضرت جبریل کے ساتھ دوسرے فرشتے بھی نازل ہوتے تھے۔

بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر چند کہ قرآن مجید کو حضرت جبریل ہی نازل کرتے تھے لیکن وہ ہمیشہ آپ کے قلب پر قرآن مجید کو نازل نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کے قلب پر قرآن مجید کو نازل کرنا' اکثر اور اغلب کے اعتبار سے ہے کیونکہ شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ کے چودھویں باب میں لکھا ہے کہ جو فرشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آتا تھا اس کی دو قسمیں ہیں کبھی وہ آپ کے قلب پر وحی نازل کرتا تھا اور کبھی وہ آپ کے پاس جسمانی صورت میں آتا تھا اور جو وحی لے کر آتا تھا اس کو آپ کے کان میں القاء کر دیتا جس کو آپ سنتے تھے اور کبھی وہ اس کو آپ کی بصر پر القا کر دیتا جس کو آپ دیکھتے تھے اور آپ کو دیکھنے سے جو وحی حاصل ہوتی تھی وہ اس کے بالکل مساوی تھی جو آپ کو سننے سے حاصل ہوتی تھی' لیکن یہ صحیح نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ قرآن مجید ہمیشہ حضرت جبریل نے آپ کے قلب پر نازل کیا ہے' البتہ بعض دیگر امور کے متعلق آپ پر وحی مذکورہ دوسرے طریقہ سے بھی نازل ہو جاتی تھی جیسا کہ احادیث میں ہے بعض اوقات فرشتہ آپ کے پاس جسمانی شکل میں بھی آتا تھا۔ (روح المعانی جز ۱۹ ص ۱۸۸-۱۸۲ ملخصاً' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قرآن مجید کے عربی زبان میں ہونے کی تحقیق اور غیر عربی الفاظ کا جواب

اس کے بعد فرمایا: صاف صاف عربی زبان میں O (الشعراء: ۱۹۵)

یعنی قرآن مجید کو ایسی صاف صاف عربی زبان میں نازل کیا گیا جس میں الفاظ کی اپنے معانی پر دلالت بالکل واضح تھی اور اس میں کوئی خفاء اور اشتباہ نہ تھا تاکہ عرب کے رہنے والے اور قریش مکہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم اس کلام کو سن کر کیا کریں جس کو ہم سمجھ ہی نہیں سکتے' اس آیت سے عربی زبان کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا ہے کسی اور زبان میں نازل نہیں کیا۔ اسی وجہ سے اھل جنت کے لیے عربی زبان کو اختیار کیا گیا ہے اور اہل نار کے لیے عجمی زبان کو' سفیان نے کہا قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے سے پہلے لوگ سریانی زبان میں کلام کریں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد عربی زبان میں کلام کریں گے۔

امام عبدالرحمان بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن بریدہ روایت کرتے ہیں کہ لسان عربی سے مراد لسان جرھم ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۴۷)

مجاہد نے کہا قرآن مجید لسان قریش پر نازل ہوا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۴۸)

یحییٰ ابن الضریس بیان کرتے ہیں کہ میں نے سفیان الثوری کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عربی زبان کے سوا اور کسی زبان میں وحی نازل نہیں ہوئی' پھر ہر نبی نے اس کا ترجمہ اپنی قوم کی زبان میں کیا اور قیامت کے دن لوگوں کی زبان سریانی ہو گی اور جو جنت میں داخل ہو گا وہ عربی زبان میں کلام کرے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۵۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کا صاف صاف عربی زبان میں ہونا کس طرح درست ہو گا' جب کہ اس میں دوسری لغات بھی ہیں مثلاً اس میں سجیل کا لفظ ہے جس کا معنی پتھر اور کیچڑ ہے اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں صُر کا لفظ ہے فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ (البقرہ: ۲۶۰) یعنی ان کو کاٹ کر ان کے ٹکڑے کر دو اور یہ رومی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ہے وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ (ص: ۳) اور نہ ہی وہ وقت بھاگنے کا تھا' یہ سریانی زبان کا لفظ ہے' اور کفلین کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں دو حصے' اور یہ حبشی زبان کا لفظ ہے' اور تنور کا لفظ ہے' جس میں روٹی پکائی جاتی ہے اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عرب ان الفاظ کو استعمال کرتے ہیں اور ان کو اپنے عرف اور محاورہ میں پہچانتے ہیں' اس لیے یہ الفاظ عربی زبان کے حکم میں ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ لغات متداخلہ میں سے ہوں یہ الفاظ دوسری زبانوں میں بھی مستعمل

ہوں اور عربی زبان میں بھی مستعمل ہوں۔

عربی زبان کی فضیلت

فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے کہ عربی زبان کو تمام زبانوں پر فضیلت ہے پس جس شخص نے عربی زبان خود سیکھی یا کسی دوسرے کو سکھائی تو اس کو اجر ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔

(روح البیان ج ٦ ص ٣٩٥ 'بیروت' ١٤٢١ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش کی محبت ایمان ہے اور جس نے عربوں سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ٦٤' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی الہیثم بن جماز متروک ہے مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٦٤٢)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین وجہوں سے عربوں سے محبت رکھو' کیونکہ میں عربی ہوں اور قرآن عربی ہے اور اہل جنت کا کلام عربی ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١١٤٤١' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں العلاء بن عمر الحنفی ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث ١٦٦٠٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی پر وحی عربی زبان میں نازل کی پھر بعد میں وہ نبی اس وحی کو اپنی قوم کی زبان میں بیان فرماتا۔

(امام ابو القاسم طبرانی متوفی ٣٦٠ھ فرماتے ہیں اس حدیث کو زہری سے صرف سلیمان بن ارقم نے روایت کیا ہے اور عباس بن الفضل اس میں متفرد ہے۔ المعجم الاوسط ج ٣ ص ٢٩٥ رقم الحدیث: ٤٦٣٥' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢٠ھ اور حافظ الہیثمی نے کہا سلیمان بن ارقم ضعیف راوی ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٦٦٠٣)

عربی زبان کی تاریخ

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی زبان عربی تھی' جب انہوں نے شجر ممنوع سے کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو ان سے سلب کر لیا پھر وہ سریانی زبان میں کلام کرنے لگے' پھر جب انہوں نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے وہ زبان ان کو لوٹا دی' سریانی زبان ارض سوریہ کی طرف منسوب ہے اور یہ ایک جزیرہ کی زبان ہے' حضرت نوح علیہ السلام کی زبان اور غرق سے پہلے ان کی قوم کی بھی یہی زبان تھی' اور وہ عربی زبان کے مشابہ تھی لیکن اس میں تحریف ہو چکی تھی' اور ان کی کشتی میں سوار لوگوں کی بھی ایک کے سوا یہی زبان تھی۔

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام کو یہ عربی زبان الہام کی گئی تھی۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے' ذہبی نے کہا مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(المستدرک ج ٢ ص ٣٤٤' طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ٣٣١٥' طبع جدید' کنز العمال رقم الحدیث: ٣٢٢١١)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی: قرانا عربیا لقوم یعلمون (فصلت: ٣) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ زبان الہام کی گئی تھی۔ یہ حدیث

صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۳۹ طبع قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۴۱ طبع جدید)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لسان عربی سے مراد جرہم کی لسان ہے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے ذہبی نے بھی کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۳۹ المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۴۲ المکتبۃ العصریہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

محمد بن سلام نے از یونس از ابو عمرو روایت کیا کہ تمام عرب حضرت اسماعیل کی اولاد ہیں سوائے حمیر اور جرہم کی بقایا نسل کے اور حافظ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ عرب میں وہ بھی ہیں جو حضرت اسماعیل کی اولاد نہیں ہیں' جیسے عاد اور ثمود' اور طسم اور جدیس اور امیم اور جرہم اور عمالیق اور ان کے علاوہ دوسری امتیں جو حضرت خلیل علیہ السلام سے پہلے تھیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور ان کے زمانہ میں حجاز کے عرب ان کی اولاد سے تھے' اور یمن کے عرب حمیر ہیں اور مشہور یہ ہے کہ وہ قحطان سے ہیں اور ان کا نام مہزم ہے اور وہ ابن ھود ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ قحطان حضرت ھود ہیں اور امام ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ یمن کے عرب حضرت اسماعیل کی اولاد ہیں' اور مطلقاً لغت عرب ان سے پہلے ہے اور یہ ان لغات میں سے ایک ہے جن کا حضرت آدم علیہ السلام کو علم تھا اور وہ اس زبان میں اور دوسری زبانوں میں کلام کرتے تھے' اور وہ زیادہ تر سریانی زبان بولتے تھے اور بعض مؤرخین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ عربی زبان ہی سب سے پہلی زبان ہے اور باقی زبانیں اس کے بعد حادث ہوئی ہیں توقیفاً یا اصطلاحاً۔ اور عربی لغت کے اولین لغت ہونے پر انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وہ عربی زبان میں ہے' لیکن یہ دلیل کمزور ہے' اور عربی زبان سب سے افضل زبان ہے حتیٰ کہ امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ جو شخص عربی اچھی طرح بول سکتا ہو اس کے لیے بلا ضرورت کوئی اور زبان بولنا مکروہ ہے۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۶۰ - ۲۵۸ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

سابقہ آسمانی کتابوں میں قرآن مجید کے مذکور ہونے کے محامل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک اس (قرآن) کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی ہے ○ (الشعراء: ۱۹۶)

اس آیت میں کتابوں کے لیے زُبُر کا لفظ ہے اور زُبُر کا لفظ جمع ہے اور اس کا واحد زبور ہے جیسے رُسُل کا لفظ رسول کی جمع ہے۔ یعنی سابقہ آسمانی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو اس نبی پر نازل فرمائے گا جو آخر زمانہ میں مبعوث ہوگا' اور اس آیت کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انبیاء سابقین کی کتابوں میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور آپ کے فضائل ہیں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

الَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ ۫

جو لوگ اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ہے۔

(الاعراف: ۱۵۷)

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے مضامین اور معانی اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں بھی مذکور ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات اور صفات کا بیان اور دیگر مواعظ اور قصص سابقہ کتب میں بھی مذکور ہیں' ماسوا ان امور کے جن کا تعلق صرف اس امت کے ساتھ ہے' جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی مذمت اور حد قذف' اور جیسے حضرت زید بن حارثہ کی بیوی کی طلاق کے بعد ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا واقعہ اور

بتانا کہ منہ بولے بیٹے پر وہ احکام لاگو نہیں ہوتے جو حقیقی بیٹے کے احکام ہیں اور جیسے اس واقعہ کا حکم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج کی رضا کے لیے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی تھی' اسی طرح کی اور دوسری آیات جن کا تعلق خصوصیت سے آپ کے ساتھ ہے یا آپ کی امت کے ساتھ ہے۔

آیا قرآن مجید کو غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید کو فارسی' ترکی' ہندی اور دوسری زبانوں میں بھی پڑھنا جائز ہے' کیونکہ سابقہ آسمانی کتابیں عربی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں مثلاً عبرانی یا سریانی زبان میں تھیں اور ان زبانوں میں قرآن مجید کی آیات یا اس کے مضامین مذکور تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو غیر عربی زبان میں پڑھنا جائز ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ امام اعظم نے صرف فارسی زبان میں قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی ہے' کیونکہ عربی زبان کے بعد سب سے افضل زبان فارسی ہے' کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ اھل جنت کی زبان عربی اور فارسی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ فارسی زبان میں اس وقت قرآن مجید پڑھنا جائز ہے جب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ثناء ہو جیسے سورۃ الاخلاص اور جب اس میں کوئی اور مضمون ہو تو پھر قرآن مجید کو فارسی میں پڑھنا جائز نہیں ہے' اور امام اعظم سے ایک اور روایت یہ ہے کہ جب نمازی عربی میں قرآن کریم پڑھنے سے عاجز ہو تو پھر اس کے لیے فارسی میں قرآن مجید پڑھنا جائز ہے' اور جس مضمون کو اس نے پڑھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا اس کی تنزیہ ہو' لیکن جب پڑھنے والا عربی اچھی طرح پڑھ سکتا ہو اور وہ غیر نماز میں پڑھے یا نماز میں پڑھے تو اس کے لئے غیر عربیہ میں قرآن کریم پڑھنا جائز نہیں ہے' یا وہ عربی میں پڑھنے سے عاجز ہو لیکن جس مضمون کو وہ پڑھ رہا ہو وہ امر یا نہی ہو تو پھر اس کے لیے غیر عربیہ میں پڑھنا جائز نہیں ہے' اور ذکر کیا گیا ہے کہ یہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے' اور پہلے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس قول کی مخالفت کی تھی پھر انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا اور ثقہ محققین کی ایک جماعت سے صحت کے ساتھ منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے مطلقاً غیر عربیہ میں قرآن پڑھنے کی اجازت سے رجوع کر لیا' اور علامہ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس مسئلہ کی تحقیق میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام یہ رکھا ہے **النعمة القدسیه فی احکام قراءة القرآن**' اسی طرح اس میں فارسی میں قرآن مجید لکھنے کی بھی تحقیق کی ہے' اور امام ابوحنیفہ کا اس مسئلہ میں رجوع اس لیے ہے کہ سورۃ الشعراء کی آیت: ۱۹۶ سے اس مسئلہ پر استدلال کرنا ضعیف ہے۔ (روح المعانی جز ۱۹ص ۱۸۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

غیر عربی میں قرآن مجید پڑھنے کی مزید تحقیق

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ اور اس کے شارح علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اور نماز کو بغیر عربی زبان کے شروع کرنا صحیح ہے خواہ کوئی زبان ہو اور علامہ البردعی نے فارسی زبان کی تخصیص کی ہے کیونکہ اس کی فضیلت حدیث میں ہے: اھل جنت کی زبان عربی اور فارسی فصیح ہے' (ملا علی قاری نے کہا یہ حدیث موضوع ہے' الاسرار المرفوعۃ رقم: ۳۵۸' اسی طرح امام ابن جوزی اور حافظ سیوطی نے کہا ہے' الموضوعات ج ۲ ص ۴۱' اللآلی المصنوعۃ ج ۱ ص ۴۴۲) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ شرط عائد کی کہ وہ عربی میں پڑھنے سے عاجز ہو' اور خطبہ اور نماز کے تمام اذکار میں بھی یہی اختلاف ہے کہ ان کو غیر عربی میں پڑھنا کراہت تنزیہ کے ساتھ صحیح ہے۔ اور اگر وہ عربی میں قرآن پڑھنے سے عاجز ہے تو اس کا نماز میں غیر عربی میں قرأت کرنا اجماعاً جائز ہے۔ قرأت میں عجز کی قید لگائی ہے' کیونکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے

صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا' اور اسی پر فتویٰ ہے' میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے نماز کے شروع کرنے کا حکم بھی نماز میں قرأت کرنے کی مثل لکھا ہے لیکن سلف نے اس طرح نہیں کہا اور نہ اس قول کی تقویت میں کوئی سند ہے' بلکہ تاتارخانیہ میں نماز کے شروع کرنے کو تلبیہ کی مثل کہا ہے پس ظاہر یہ ہے کہ صاحبین نے امام ابوحنیفہ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے نہ کہ امام اعظم نے ان کے قول کی طرف رجوع کیا ہے اس کو یاد رکھنا کیونکہ اکثر فقہاء پر یہ چیز مخفی ہے حتیٰ کہ علامہ شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ پر بھی ان کی تمام کتابوں میں۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۲-۱۶۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ نماز میں عربی میں قرأت کرنا شرط ہے ہاں اگر کوئی عاجز ہو تو وہ فارسی میں قرأت کرسکتا ہے' پہلے امام ابوحنیفہ بغیر عجز کے بھی فارسی میں قرأت کرنے کو جائز کہتے تھے' پھر انہوں نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا' کیونکہ نماز میں قرآن کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور قرآن کی تعریف ہے وہ الفاظ عربیہ جو منظم ہیں اور نازل شدہ ہیں اور مصاحف میں مکتوب ہیں۔ اور ہماری طرف نقل متواتر سے نقل کیے گئے ہیں' اور جو عجمی زبان میں پڑھا گیا ہو یا لکھا گیا ہو اس کو مجازاً قرآن کہا جاتا ہے' اسی لیے اس سے قرآن کے نام کی نفی کرنا صحیح ہے۔ اس دلیل کی قوت کی وجہ سے امام اعظم نے ان کے قول کی طرف رجوع کرلیا اور فارسی میں نماز شروع کرنے کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی دلیل قوی ہے کیونکہ نماز کو شروع کرنے سے مطلوب ذکر اور تعظیم ہے اور یہ کسی بھی لفظ سے اور کسی بھی زبان سے حاصل ہوجاتا ہے خواہ وہ عربی اچھی طرح پڑھ سکتا ہو یا نہیں اس لیے غیر عربی میں بلاعذر نماز شروع کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

اگر اس نے نماز میں فارسی میں قرآن پڑھا یا تورات یا انجیل پڑھی اگر اس نے قصہ پڑھا ہے تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر پڑھا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر اس نے عربی میں قرأت پر قدرت کے باوجود فارسی میں قرآن پڑھا یا تورات پڑھی تو اگر اس نے قصہ پڑھا ہے تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی اور فتح القدیر میں مذکور ہے کہ اگر اس نے فارسی میں قرآن کے کسی قصہ یا امر یا نہی کو پڑھا تو محض اس کے پڑھنے سے اس کی نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ اس وقت وہ اس قرآن کے ساتھ کلام کررہا ہے جو غیر قرآن ہے۔ اس کے برخلاف اگر اس نے فارسی میں قرآن مجید کا وہ حصہ پڑھا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے یا اس کی شرک اور ولد وغیرہ سے تنزیہ ہے تو اس صورت میں اس کی نماز اس وقت فاسد ہوگی جب وہ اسی پڑھنے پر اقتصار کرے اور عربی میں قرأت نہ کرے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

آیا ترجمۂ قرآن پر قرآن مجید کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں

کشف الاسرار میں مذکور ہے کہ اگر قرآن کا مصداق وہ ہے جس کو بہ طور معجزہ نازل کیا گیا ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ترجمہ قرآن' قرآن نہیں ہے اور اگر قرآن مجید کا مصداق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پھر اس کی قرأت ممکن ہی نہیں ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید کا مصداق وہ معنی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے تعبیر کیا جائے خواہ وہ کسی لغت میں ہو تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ ناموں کا اختلاف لغات کے اختلاف

سے ہوتا ہے اور جس طرح قرآن مجید کا نام تورات نہیں رکھا جاسکتا اسی طرح تورات کا نام قرآن مجید نہیں رکھا جاسکتا۔ پس ناموں کے اختلاف میں ان کی عبارات اور الفاظ کی خصوصیت کا دخل ہے اور ایسا نہیں ہے کہ ان کے نام اس معنی کے اشتراک کی وجہ سے ہیں اور اس میں بحث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ (حٰم السجدۃ:۴۴) اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں بناتے تو یہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں۔

یہ آیت اس معنی کو مستلزم ہے کہ اگر یہ قرآن عجمی زبان میں ہوتا تب بھی اس کا نام قرآن ہی ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبارت اور الفاظ کی خصوصیت کا اس کا نام قرآن رکھنے میں کوئی دخل نہیں ہے اور حق یہ ہے کہ اگر قرآن کا لفظ نکرہ ہو تو پھر اس کا لغوی معنی سے منقول ہونا ثابت نہیں ہے اور اگر قرآن کا لفظ معرفہ ہو یعنی القرآن تو پھر اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے الفاظ اور اس کی عبارت عربی ہو اور یہی عرف شرعی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اس کا نام رکھنے میں اس کے الفاظ اور اس کی عبارت کی خصوصیت کا دخل ہے' اور جو آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں قرآن مجید کا پڑھنا فرض ہے وہ یہ ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ (المزمل:۲۰) جتنا قرآن پڑھنا تمہارے لیے آسان ہے تم اتنا ہی قرآن پڑھو۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا نام قرآن رکھنا جائز نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۱۹ص ۱۹۰-۱۸۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ان (کفار مکہ) کے لیے یہ کافی نشانی نہیں ہے کہ اس (قرآن) کو علماء بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں ○ اور اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے ○ پھر وہ اس (قرآن) کو ان کے سامنے پڑھتا تب بھی وہ اس پر ایمان نہ لاتے ○ (الشعراء: ۱۹۹-۱۹۷)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

الشعراء: ۱۹۷ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق اور اس کے ثبوت پر دوسری دلیل قائم کی ہے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ علماء بنی اسرائیل کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لے آئی تھی' اور انہوں نے یہ نشاندہی کی کہ تورات اور انجیل کی فلاں فلاں آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور آپ کی نعت بیان کی گئی ہے' اور مشرکین مکہ یہود کے پاس جاتے رہتے تھے اور ان کو یہ واقعہ معلوم تھا' اور اس واقعہ میں آپ کی نبوت کے صدق پر واضح دلالت ہے' کیونکہ آسمانی کتابوں کا آپ کی نبوت پر متفق ہونا آپ کی نبوت کے صدق پر قطعی دلیل ہے۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام' علماء بنی اسرائیل میں سے تھے' اور ان میں سب سے افضل مانے جاتے تھے' وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کے اوپر ایمان لے آئے تھے' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: کیا ان (کفار مکہ) کے لیے یہ کافی نشانی نہیں ہے کہ اس (قرآن) کو علماء بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں ○ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۳۴۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۵۹)

امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطیہ نے کہا یہ بنی اسرائیل کے پانچ علماء تھے: حضرت اسد' حضرت اسید' حضرت ابن یامین' حضرت ثعلبہ اور حضرت عبداللہ بن سلام۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم' رقم الحدیث: ۱۵۹۵۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

قتادہ نے کہا اس آیت سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں جو تورات اور انجیل میں یہ لکھا ہوا پاتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۵۷)

قرآن مجید میں جو لفظ علماء ہے یہ ہر اس شخص کو شامل ہے جس کو یہود و نصاریٰ کی کتابوں کا علم ہو خواہ وہ اسلام لایا ہو یا اسلام نہ لایا ہو اور اھل کتاب کی شہادت مشرکین پر اس لیے حجت ہے کہ وہ اپنے دینی معاملات میں اھل کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے کیونکہ ان کے متعلق ان کا ظن غالب یہ تھا کہ ان کو دین کا علم ہے۔

اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ یہ قرآن اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے اور اس کا ذکر سابقہ آسمانی کتابوں میں ہے کیا اس پر ایمان لانے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام' حضرت سلمان فارسی اور حضرت عدی بن ابی حاتم' یہود و نصاریٰ کے ثقہ اور معتمد علماء میں سے ہیں اور وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں' اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے' روایت ہے کہ اھل مکہ نے مدینہ کے یہودیوں کے پاس ایک وفد بھیجا اور ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی بعثت کے متعلق سوال کیا' تو علماء یہود نے کہا وہ اس زمانہ کے نبی ہیں اور ہم کو تورات میں ان کی نعت اور صفت معلوم ہے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۹۶' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس کے بعد فرمایا: اور اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے ○ پھر وہ اس (قرآن) کو ان کے سامنے پڑھتا تب بھی وہ اس پر ایمان نہ لاتے ○ (الشعراء: ۱۹۹-۱۹۸)

کفار مکہ کا عناد اور ہٹ دھرمی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان دو دلیلوں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صادق ہونا بیان کر دیا اس کے بعد یہ فرمایا کہ ان کفار اور معاندین کے لیے دلائل اور براھین سود مند نہیں ہیں' کیونکہ ہم نے یہ قرآن اس شخص پر نازل کیا ہے جو ان کا ہم زبان ہے اور ان کی طرح عربی بولتا ہے' جس کی زبان اور اس کے کلام کو یہ سنتے اور سمجھتے ہیں اور جانتے اور پہچانتے ہیں اور یہ کلام معجز ہے اور اس کا معارضہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور مزید یہ کہ سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی اس کی پیش گوئی اور بشارت موجود ہے' اس کے باوجود مکہ کے کفار اس پر ایمان نہیں لائے اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا انکار کیا' وہ اس کو کبھی شعر کہتے ہیں' کبھی جادو کہتے ہیں اور کبھی گزشتہ لوگوں کے قصے کہانیاں قرار دیتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ محض خیالی باتیں اور من گھڑت اقوال ہیں تو اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے جو عربی زبان اچھی طرح بولنے والا نہ ہوتا تب بھی یہ اس کا کفر کرتے اور اپنے انکار اور کفر پر اس کے عجمی ہونے کو دلیل اور عذر بنا لیتے اور کہتے اس عجمی شخص پر ایمان لانا ہمارے لیے باعث عار ہے اور تکبر کی وجہ سے اس پر ایمان نہ لاتے' حالانکہ ایک عجمی شخص کا ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کرنا جس کی نظیر لانے سے تمام دنیاء عرب عاجز تھی اپنے معجز ہونے میں بہت زیادہ واضح اور جلی تھا لیکن یہ لوگ محض تکبر کی وجہ سے اس پر ایمان نہ لاتے۔

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مطیع نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یحییٰ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں کو عجم یعنی گونگا فرماتے تھے۔

مجاہد نے کہا جس طرح عجم کے حیوانوں پر قرآن مجید پڑھا جائے تو وہ اس پر ایمان نہ لاتے' اسی طرح یہ کفار بھی قرآن مجید پر ایمان نہیں لا رہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۸۲۱' ۲۸۲۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی طرح ہم نے منکروں کے دلوں میں انکار کو داخل کر دیا ہے ○ وہ اس وقت تک اس پر ایمان

نہیں لائیں گے حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں 0 ان پر اچانک وہ عذاب آئے گا اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہو گا 0 اس وقت وہ یہ کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی؟ 0 کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں؟ 0 اچھا یہ بتایئے کہ اگر ہم ان کو کئی سالوں کی مہلت دے بھی دیں 0 پھر اس کے بعد ان پر وہی عذاب آ جائے جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا 0 تو وہ سامان ان کے کس کام آئے گا جس سے فائدہ اٹھانے کی ان کو مہلت دی گئی تھی! 0 ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا اس کے لیے عذاب سے ڈرانے والے (بھیجے گئے) تھے 0 ان کو یاد کرانے کے لیے' اور ہم (ان پر) ظلم کرنے والے نہ تھے 0 اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں نازل ہوئے 0 اور نہ وہ اس کے لائق ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں 0 بے شک وہ (فرشتوں کا کلام) سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں 0 (الشعراء: ۲۱۲-۲۰۰)

کفار کی ہٹ دھرمیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

ان آیتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے اور دلائل اور معجزات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو آپ غم اور افسوس نہ کریں ان کے تکبر اور عناد کی سزا دینے کے لیے ہم نے ان کے دلوں میں کفر اور عناد کو داخل کر دیا ہے اور جب ہم نے ان کے دلوں میں انکار کو داخل کر دیا ہے تو پھر ان کو مومن بنانے کے لیے ان پر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی' اب ان پر اسی وقت اثر ہو گا جب یہ اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیں گے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اسی طرح ہم نے منکروں کے دل میں شرک کو داخل کر دیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۸۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

عکرمہ نے کہا اس کا معنی ہے ہم نے ان کے دلوں میں سخت دلی کو داخل کر دیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۹۰)

حضرت انس نے کہا **قلوب المجرمین** سے مراد ہے **قلوب المشرکین** اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا **قلوب المجرمین** سے مراد ہے **قلوب الکفار**۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۵۹۱' ۱۵۵۹۲)

قتادہ نے کہا جب انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ ڈال دیا کہ وہ اس پر ایمان نہ لائیں' سدی نے کہا وہ اس پیغام پر ایمان نہیں لائیں گے جس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن زید نے کہا ان کے کفر اور شرک پر اصرار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں گمراہی کو پیدا کر دیا اور ان کو ایمان لانے سے روک دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۹۵' ۱۵۹۹۴)

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے ہم نے اسی طرح مشرکین قریش کے دلوں میں قرآن کو داخل کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے اس کے معانی کو اور اس کے معجزہ ہونے کو پہچان لیا پھر بھی وہ اپنے عناد' ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس پر ایمان نہ لائے۔

اس کے بعد فرمایا: وہ اس پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ وہ اس دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں 0 (الشعراء: ۲۰۱)

اس عذاب کو دیکھنے کے بعد وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا ان کو نفع نہیں دے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ان پر اچانک وہ عذاب آئے گا اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہو گا 0 (الشعراء: ۲۰۲)

ان پر وہ عذاب یا دنیا میں اچانک آئے گا یعنی وہ دنیا میں اپنی رنگ رلیوں اور کفر اور شرک میں مگن ہوں گے اور اسی حالت میں اچانک ان پر وہ عذاب آ جائے گا یا آخرت میں بغیر کسی تیاری کے اچانک ان پر وہ عذاب آ جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: اس وقت وہ یہ کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی؟o (الشعراء: ۲۰۳)

اللہ کے عذاب کو جلد طلب کرنے کی مذمت

یعنی اس عذاب میں کچھ تاخیر کر دی جائے تاکہ ہم ایمان لے آئیں اور نبیوں کی تصدیق کریں۔

اور جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے کہا آپ کب تک ہم کو عذاب سے ڈراتے رہیں گے! اور جس عذاب سے آپ ڈرا رہے ہیں وہ کب آئے گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا:

کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں؟o (الشعراء: ۲۰۴)

کبھی وہ کفار یوں کہتے تھے:

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ o (الانفال: ۳۲)

اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی آپ ہی کی طرف سے (منزل) ہے تو پھر تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا تو ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں نے کہا تھا:

قَالُوا يٰنُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ o (ھود: ۳۲)

انہوں نے کہا اے نوح تم نے ہم سے بحث کی ہے اور بہت زیادہ بحث کی ہے سو اب تم جس عذاب سے ہم کو ڈرا رہے ہو وہ لے ہی آؤ اگر تم سچوں میں سے ہو۔

اور جب ان پر عذاب نازل کیا جاتا تو ان کا حال یہ ہوتا تھا کہ وہ اس سے پناہ مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کو اس دردناک عذاب سے کچھ مہلت دی جائے اور ہم سے اس عذاب کو مؤخر کر دیا جائے اور ان کی ان دونوں باتوں میں کس قدر تنافی اور تضاد ہے وہ بالکل واضح ہے۔ اور امام ابو منصور ماتریدی نے التاویلات النجمیہ میں کہا ہے ان کا عذاب کو طلب کرنا اور عذاب کی دعا مانگنا دراصل یہ بھی ان پر ہمارے عذاب کی علامات میں سے ہے۔

امام عبدالرحمن بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی عیادت کی جو کمزور ہو کر بالکل چوزہ ہو چکا تھا آپ نے اس سے پوچھا کیا تم اللہ سے کسی چیز کی دعا کرتے تھے یا اس سے کوئی سوال کرتے تھے؟ اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا تھا: اے اللہ! اگر تو مجھے آخرت میں کوئی عذاب دینا چاہتا ہے تو مجھے وہ عذاب دنیا میں ہی دے دے! آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! تم آخرت کے عذاب کی طاقت نہیں رکھتے تم نے یہ دعا کیوں نہیں کی: اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما' اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا' پھر آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی تو اس کو شفاء ہو گئی۔

اس فانی زندگی پر مغرور نہ ہونے کی تلقین

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا یہ بتایئے کہ اگر ہم ان کو کئی سالوں کی مہلت دے بھی دیں o پھر اس کے بعد بھی ان پر وہی عذاب آ جائے جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا o تو وہ سامان ان کے کس کام آئے گا جس سے فائدہ اٹھانے کی ان کو مہلت دی گئی تھی! o (الشعراء: ۲۰۷-۲۰۵)

الشعراء: ۲۰۵ کے دو معنی کیے گئے ہیں ایک معنی یہ ہے کہ انہوں نے مدت العمر جو عیش و عشرت اور ناز و نعم کا سامان جمع کیا

تھا تو وہ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے جب ان پر اچانک عذاب آ گیا' اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے جوان کی مدت عمر تک ان سے عذاب کو مؤخر کر دیا' اور ان کو ان کی زندگی خوشحالی کے ساتھ گذارنے کے لیے ساز و سامان عطا کیا اس سے انہوں نے کیا فائدہ اٹھایا کیونکہ انہوں نے اپنے شرک سے توبہ نہیں کی' تو عذاب کی اس تاخیر نے ان کو ناکامی اور نامرادی کے سوا اور کیا دیا! اور ان کو کیا نفع پہنچایا بلکہ جوں جوں ان کی عمر زیادہ ہوئی انہوں نے زیادہ کفر کیا اور بت پرستی کی اور دیگر بڑے بڑے گناہ بھی' جس کی وجہ سے وہ اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوئے اور اگر ان کی عمر میں یہ اضافہ نہ کیا جاتا تو وہ یہ گناہ نہ کرتے اور زیادہ عذاب کے مستحق نہ ہوتے تو اس ڈھیل دینے اور عذاب کو مؤخر کرنے سے بجائے فائدہ کے ان کو الٹا نقصان ہوا۔

یزید بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک ہر جمعہ کو اپنے خطبہ میں یہ ضرور کہتے تھے کہ اھل دنیا' دنیا میں خوف اور پریشانی کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں' اور ان کو کسی گھر میں امن اور چین حاصل نہیں ہوگا حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ جائے گا اور وہ اسی حال میں ہوں گے' اسی طرح ان کی نعمتیں اور ان کے عیش و آرام کا سامان بھی باقی نہیں رہے گا اور وہ اچانک ٹوٹ پڑنے والے مصائب سے مامون نہیں ہوں گے اور ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں رہے گی جس سے وہ مسرور ہو سکیں پھر وہ ان آیتوں کی تلاوت کرتے' ترجمہ: اچھا یہ بتایئے کہ اگر ہم ان کو کئی سالوں کی مہلت دے بھی دیں ○ پھر اس کے بعد ان پر وہ عذاب آ جائے جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا ○ تو وہ سامان ان کے کس کام آئے گا جس سے فائدہ اٹھانے کی ان کو مہلت دی گئی تھی۔

عبدالرحمان بن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اس سے مراد کفار ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۹۹' ۱۵۹۹۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہر صبح جب اپنے تخت پر بیٹھتے تھے تو وعظ اور نصیحت کے لیے اس آیت کو پڑھتے تھے۔

یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ کہتے تھے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ غافل وہ شخص ہے جو اپنی فانی زندگی پر مغرور رہا' اپنی پسندیدہ چیزوں کی لذتوں میں کھویا رہا اور اپنی عادتوں کے مطابق زندگی گذارتا رہا۔

ھارون رشید نے ایک شخص کو قید کر لیا اس قیدی نے اپنے محافظ سے کہا: امیر المؤمنین سے کہنا تمہارا ہر دن جو تمہاری نعمتوں اور لذتوں میں گذر رہا ہے وہ میری قید اور مشقت کے ایام کو کم کر رہا ہے' اور موت عنقریب آنے والی ہے' پل صراط پر ہماری ملاقات ہوگی جہاں حکم کرنے والا صرف اللہ ہوگا' ھارون رشید نے جب یہ پیغام سنا تو وہ بیہوش ہو کر گر گیا اور جب ہوش میں آیا تو اس نے اس قیدی کو رہا کرنے کا حکم دیا۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۹۸-۳۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جرم کے بغیر بھی عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے

اس کے بعد فرمایا: ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا اس کے لیے عذاب سے ڈرانے والے (بھیجے گئے) تھے ○ ان کو یاد کرانے کے لیے اور ہم ان پر ظلم کرنے والے نہ تھے ○ (الشعراء: ۲۰۹-۲۰۸)

اس آیت میں جمع کے صیغے کے ساتھ منذرون فرمایا ہے اور اس سے مراد ہر بستی میں بھیجے جانے والے نبی اور ان کے متبعین ہیں جو لوگوں کو عذاب سے ڈرانے میں اپنے نبی کی مدد کرتے تھے' پھر فرمایا ان کو یاد کرانے کے لیے' یعنی ان کو وعظ اور نصیحت سنانے کے لیے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لیے' اور فرمایا اور ہم ان پر ظلم کرنے والے نہ تھے یعنی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی ایسے شخص کو ہلاک کر دیا جس نے ظلم نہ کیا ہو' اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر ہم کسی بستی کو اس میں ڈرانے والوں کو بھیجنے سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا' جب کہ ہم کسی بستی کو اس وقت ہلاک کرتے ہیں اور اس وقت اس پر عذاب بھیجتے ہیں

جب ہم اس بستی میں عذاب سے ڈرانے والوں کو بھیج دیں اور وہ لوگ پھر بھی کفر و شرک اور برے کاموں کو نہ چھوڑیں۔ ہر چند کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی ڈرانے والے کو نہ بھیجے اور اس کے بغیر کسی بستی پر عذاب بھیج کر اس کو ہلاک کر دے تو یہ بھی اس کا ظلم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا مالک ہے اور مالک اپنی مملوک میں جو چاہے تصرف کرے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے اور یہ اس کا ظلم نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ظلم سے اپنی کمال نزاھت اور براءت کو ظاہر کرنے کے لیے اس طرح فرمایا' اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

ابن الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا میرے دل میں تقدیر کے متعلق ایک شبہ پیدا ہو گیا ہے' آپ مجھے کوئی حدیث سنایئے تاکہ اللہ تعالیٰ میرے دل سے اس شبہ کو نکال دے' انہوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں کو اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی ان پر رحمت ان کے اعمال سے زیادہ بہتر ہے' اور اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کردو' تو اللہ اس کو اس وقت تک قبول نہیں فرمائے گا حتیٰ کہ تم تقدیر پر ایمان لے آؤ۔ اور تم یہ یقین رکھو کہ جو مصیبت تم کو پہنچی ہے وہ تم سے ٹلنے والی نہیں تھی' اور جو چیز تم سے ٹل گئی وہ تم کو پہنچنے والی نہ تھی' اور اگر تم اس کے خلاف عقیدہ پر مرے تو تم دوزخ میں داخل ہو جاؤ گے' ابن الدیلمی نے کہا پھر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا' پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا' پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح حدیث روایت کی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۲۷' الشریعہ للآجری ص ۱۸۷' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۹۴۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۰۴)

انسان کو خیر اور شر کا اختیار عطا فرمانا

امام ابومنصور ماتریدی نے التاویلات النجمیہ میں کہا ہے کہ اس آیت میں جس قریہ (بستی) کا ذکر ہے اس قریہ سے مراد انسان کا جسم ہے اور قریہ میں رہنے والوں سے مراد نفس' قلب اور روح ہے' اور ان کو ہلاک کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی یعنی اس کے احکام اور اس کی ممنوعات کے تقاضوں پر عمل کرنے کو ترک کر دیتے ہیں' اس کے دیے ہوئے حکم کو بجا نہیں لاتے اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس کو ترک نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان انسانوں کے دلوں میں اور ان کی روحوں میں جو نیکی کی صلاحیت پیدا کی ہے اس کو اللہ تعالیٰ ضائع کر دیتا ہے' اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ بستی والوں کو اس بستی میں ڈرانے والوں کو بھیجنے کے بعد اس بستی کو ہلاک کرتا ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ انسان کے دل میں نیکی کا الہام کرتا ہے اور اس کے ضمیر میں برائی پر ملامت کرنے کو پیدا کرتا ہے' اور اس کا دل اور اس کا ضمیر اس کو برائی پر جھنجھوڑتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام یاد دلاتے ہیں اور جب وہ اپنے ضمیر کی آواز پر کان نہیں دھرتا اور مسلسل ایسا ہی کرتا ہے تو پھر اس کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور پھر اس سے کوئی آواز نہیں آتی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں جو نیکی کی صلاحیت رکھی تھی وہ فاسد اور ضائع ہو جاتی ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۙ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ (الشمس: ۸-۷)

قسم ہے نفس کی اور اس کو درست بنانے کی ۝ پھر نفس کو بدکاری کی اور اس سے بچنے کی سمجھ دینے کی۔

اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ عَيۡنَيۡنِ ۙ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَيۡنِ ۙ وَ هَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ ۚ فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَةَ ۫ ۖ وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ ؕ فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَةٍ ۙ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ۙ اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ؕ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَةِ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا هُمۡ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ؕ عَلَیۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَةٌ ۠

(البلد: ۲۰-۸)

کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں○ اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں بنائے)○ ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے○ سو وہ (خیر کی) گھاٹی (راہ) میں داخل نہیں ہوا○ اور وہ کیا سمجھا کہ (خیر کی) گھاٹی (راہ) کیا ہے!○ کسی (لونڈی یا غلام) کی گردن کو آزاد کرنا○ بھوک والے دن کھانا کھلانا○ کسی یتیم رشتہ دار کو○ یا خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو○ پھر وہ کامل مومنین میں سے ہو جاتا جو ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں○ یہی لوگ دائیں طرف والے (نیک بخت) ہیں○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا وہ بائیں طرف والے (بدبخت) ہیں○ ان پر چاروں طرف سے گھری ہوئی آگ ہوگی۔

اور فرمایا: ہم ان پر ظلم کرنے والے نہ تھے' کہ عذاب کو عذاب کی جگہ پر نہ رکھتے یا رحمت کو رحمت کی جگہ نہ رکھتے' یا غیر مستحق کو عذاب دیتے یا کفار' مرتدین اور منافقین کو ثواب عطا فرماتے' اور صحیح یہ ہے کہ نیک لوگوں کو ثواب عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور بدکاروں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

اس پر دلائل کہ شیاطین قرآن کو نازل نہیں کر سکتے

اس کے بعد فرمایا: اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں نازل ہوئے○ اور نہ وہ اس کے لائق ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں○ بے شک وہ (فرشتوں کا کلام) سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں○ (الشعراء: ۲۱۲-۲۱۰)

یعنی اس قرآن کو شیاطین نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں کیا' بلکہ اس کو آپ پر الروح الامین نے نازل کیا ہے' اور نہ شیاطین کے لیے یہ لائق ہے کہ وہ اس کو آپ پر نازل کریں اور نہ وہ اس کی صلاحیت اور استطاعت رکھتے ہیں کیونکہ آسمان کی جس جگہ سے قرآن مجید نازل ہوتا ہے وہ وہاں تک پہنچ نہیں سکتے اور شیاطین کو قرآن سننے کی جگہ تک پہنچنے سے معزول کر دیا گیا ہے وہ وہاں تک پہنچنے کی کوشش کریں تو ان پر آگ کے گولے پھینکے جاتے ہیں۔

مقاتل نے کہا کہ مشرکین قریش یہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کاہن ہیں' ان کے پاس کوئی جن ہے جس کا وہ کلام سنتے ہیں اور پھر اس کلام کو نقل کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے' اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں ہر کاہن کے ساتھ کوئی جن ہوتا تھا جو آسمان کے دروازوں پر جا کر فرشتوں کی باتیں سنتا تھا' اور سچی اور جھوٹی باتیں اس کاہن کے کانوں میں ڈال دیتا تھا' اور پھر کاہن وہ باتیں مشرکوں کو بتاتا تھا' اس وجہ سے مشرکین نے یہ گمان کیا کہ قرآن مجید کی وحی بھی اسی جنس سے ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹا قرار دیا اور فرمایا: اس قرآن کو شیاطین نے نازل نہیں کیا بلکہ اس کو الروح الامین نے نازل کیا ہے' اور نہ ان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ آسمان سے قرآن کو سن کر اس کو نازل کر سکیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد ان کا آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جانا ممنوع ہو گیا کیونکہ ان کے اوپر آگ کے گولے مارے جاتے ہیں۔

شیاطین فرشتوں کا کلام نہیں سن سکتے اس کی توجیہ اور بحث ونظر

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ شیاطین فرشتوں کا کلام سننے سے اس لیے معزول ہیں کہ فرشتوں اور شیاطین کی صفات میں کوئی مشارکت نہیں ہے' اور شیاطین میں انوار حق کے فیضان کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور ان کے اندر علوم ربانیہ اور معارف نورانیہ کی صورتیں مرتسم اور نقش نہیں ہو سکتیں' شیاطین کے نفوس خبیثہ' ظلمانیہ اور شریرہ ہیں' وہ صرف اسی چیز کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو از قبیل فنون شر ہو اور اس میں بالکل خیر نہ ہو اور قرآن مجید تو حقائق اور مغیبات پر مشتمل ہے ماسوا ملائکہ اور کوئی اس کو آسمانوں سے قبول نہیں کر سکتا۔

ان آیات میں یہ اشارہ ہے کہ شیاطین میں قرآن مجید کو نازل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ اس کو برداشت کرنے کی قوت ہے' اور نہ اس کو سمجھنے کی وسعت ہے' کیونکہ وہ آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور قرآن مجید نور قدیم ہے اور آگ نور قدیم کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی' کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب دوزخ کی آگ کے پاس سے مومن کا گذر ہوتا ہے تو وہ کہتی ہے:

جزیا مومن فقد اطفأ نورک لھبی — اے مومن جلدی سے گذر جا کیونکہ تیرا نور میرے شعلے کو بجھا رہا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۵۸' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں سلیم بن منصور بن عمار ضعیف راوی ہے مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۴۳۶)

اور جب آگ حاملین قرآن کو برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتی اور ان سے کلام سننے کی استطاعت نہیں رکھتی تو آگ سے بنے ہوئے شیاطین قرآن مجید کو نازل کرنے کی کب طاقت رکھتے ہیں' اور اگر وہ اس کلام کو سن بھی لیں تو وہ اس کو سمجھنے سے محروم ہیں اور اس کلام کی فہم ہی اس پر عمل کرنے کا سبب بنتی ہے اور اسی وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہوئے ہیں۔

اس تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین فرشتوں کے کلام کو بالکل نہیں سن سکتے اور وہ قرآن مجید کو مطلق نہیں سن سکتے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے وہ آسمانوں پر جا کر فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے' ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اب وہ جب آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں تو فرشتے ان پر آگ کے گولے پھینک کر ان کو وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ (الجن: ۹-۸)

اور ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو ہم نے اس کو سخت محافظوں اور سخت آگ کے شعلوں سے بھرا ہوا پایا ۝ اور ہم پہلے باتیں سننے کے لیے آسمان میں (جگہ جگہ) بیٹھ جایا کرتے تھے اور اب جو بھی کان لگا کر سنتا ہے وہ اپنے تعاقب اور گھات میں آگ کے شعلے کو پاتا ہے۔

اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ جن اور شیاطین قرآن مجید کو نہیں سن سکتے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ (الجن: ۱)

آپ کہیے کہ مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (یہ قرآن) سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے۔

بعض اکابرین نے کہا ہے کہ شیاطین فرشتوں کا کلام سننے سے محروم ہیں کیونکہ ان کے کانوں' ان کی آنکھوں اور ان کے دلوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں' وہ قرآن مجید کو سننے سے غافل ہیں اور حقیقت میں سننے والا وہ ہوتا ہے جس

اس قلبی، عقلی، غیبی اور روحی سماعت ہو وہ ہر لمحہ کائنات کی تمام حرکات اور آوازوں میں حق سبحانہ کے خطاب کو سنتا ہے جس سے اس کی روح کو سرور اور ذوق و شوق حاصل ہوتا ہے پس جس شخص کو اللہ کے کلام کی فہم حاصل ہو جائے اور وہ شریعت' حقیقت اور اللہ کی امانت کا بار اٹھانے کی صلاحیت حاصل کر لے اس کو آفرین ہو اور مبارک ہو اور اس کے علاوہ جو لوگ اس مرتبہ سے معزول ہیں ان پر افسوس' اور حسرت ہے' سوا ے سننے والو! اللہ کے کلام کو سمجھو اور اس کی حقیقت کو پانے کی کوشش کرو کیونکہ علم حقیقت میں وہ ہے جو سینوں میں ہے نہ وہ جو محض ظن اور اندازوں سے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو (اے مخاطب!) تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کر ورنہ تو بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائے گا○ اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب سے) ڈرایئے○ اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکا کر رکھیے○ پھر بھی اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیے میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں○ اور بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والے پر توکل کیجئے○ جو آپ کو قیام کے وقت دیکھتا ہے○ اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو○ بے شک وہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے○ کیا میں تمہیں ان کی خبر دوں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں○ وہ ہر تہمت باندھنے والے گنہگار پر نازل ہوتے ہیں○ وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں○ (الشعراء: ۲۲۳-۲۱۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر اللہ کی عبادت سے ممانعت کی توجیہ

الشعراء: ۲۱۳' میں فرمایا سو تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کر ورنہ تو بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائے گا۔

اس آیت میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے' لیکن درحقیقت یہ خطاب آپ کے متبعین اور آپ کی امت کی طرف متوجہ ہے' کیونکہ آپ تو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد شرک اور ہر قسم کے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے معصوم ہیں خواہ ان گناہوں کا صدور سہواً ہو یا عمداً صورۃً ہو یا حقیقتاً' اس لیے اس آیت میں تعریضاً خطاب ہے صراحۃً آپ کی طرف نسبت کی گئی ہے اور مراد آپ کی امت ہے اور اس پیرایہ خطاب میں یہ تنبیہ کرنا ہے کہ اگر بہ فرض محال آپ نے بھی اللہ کے غیر کی عبادت کی تو آپ بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں گے تو ماوشما اور عام لوگوں کی کیا حیثیت ہے کہ اگر انہوں نے غیر اللہ کی عبادت کی تو وہ کیونکر اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بچ سکیں گے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ حقیقت میں آپ کے غیر سے خطاب ہے کیونکہ حکیم کا یہ اسلوب اور طریقہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی قوم سے خطاب کو مؤکد کرنا چاہتا ہے تو ظاہر میں اس خطاب کو اس قوم کے رئیس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے ہر چند کہ اس خطاب سے مقصود اس رئیس کے متبعین ہوتے ہیں اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ غیر اللہ کی عبادت سے اجتناب کرنے میں آپ کی امت آپ کی پیروی اور آپ کی اتباع کرے اور اس میں بھی ان کو آپ کی اقتداء کرنے کا شرف حاصل ہو اس وجہ سے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف آپ کو خطاب فرمایا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو اللہ تعالیٰ اور قرآن مجید کا کفر کرتے تھے' کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو ورنہ تم بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جاؤ گے' اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر اللہ کی عبادت نہیں کر سکتے

کیونکہ آپ معصوم اور مختار ہیں لیکن آپ کو بھی غیر اللہ کی عبادت سے ممانعت کے ساتھ خطاب کیا گیا کیونکہ اس سے مقصود آپ کا غیر ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت کے بعد فرمایا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ (الشعراء: ٢١٤) اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرایئے۔

تا کہ آپ کے رشتہ دار آپ کے نسب اور آپ کی قرابت پر تکیہ کر کے نیک عمل اور برے کام سے اجتناب کو ترک نہ کریں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١٣ ص ١٣١ مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ)

عشیرۃ کا معنی اور صلہ رحم میں الاقرب فالا قرب کی ترجیح

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرایئے۔ (الشعراء: ٢١٤)

یعنی آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اس عذاب سے ڈرایئے جو شرک کرنے اور کبیرہ گناہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اس آیت میں قریبی رشتہ داروں کے لیے عشیرۃ کا لفظ ہے اور عشیرہ کا لفظ عشرہ سے بنا ہے اور عشرہ (دس کا عدد) عدد کامل ہے اس لیے یہ لفظ کسی شخص کے ان رشتہ داروں کی جماعت کا نام بن گیا جو کثیر تعداد میں ہوں خواہ وہ اس کے قریب ہوں یا اس کے معاون ہوں۔ (المفردات ج ٢ ص ٤٣٦ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ١٤١٨ھ)

اس آیت میں قریبی رشتہ داروں سے مراد بنو ہاشم ہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے میں ان سے ابتداء کرنا اسی طرح اولیٰ ہے جس طرح نیکی اور صلہ رحم میں ان سے ابتداء کرنا اولیٰ ہے۔ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحم کرنے کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میری نیکی اور صلہ رحم کا کون زیادہ مستحق ہے آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے پوچھا پھر کون فرمایا تمہارا باپ! ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا: تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہارا باپ پھر تمہارے زیادہ قریب زیادہ قریب!۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٩٧١ صحیح مسلم رقم الحدیث ٢٥٤٨ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٧٠٦ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٤٩١١)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی انسان کی سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے پیٹھ پھیرنے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ نیکی کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٥٢ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٤٩١٧)

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو اس کو اس میں بھی صدقہ کا اجر ملتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٥ صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٠٢ سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٩٦٥ سنن النسائی رقم الحدیث: ٢٥٤٥ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٩٢٠٥)

جس طرح قریب کے رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم ہے اور قریب کے رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرنے اور صلہ رحم کرنے کا حکم ہے اسی طرح جو کفار قریب ہوں ان کے خلاف پہلے جہاد کرنے کا حکم ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ اے ایمان والو! ان کفار سے جہاد کرو جو تمہارے قریب

الْكُفَّارِ . (التوبۃ: ۱۲۳) ہیں۔

اس آیت میں کفار سے جہاد کرنے کا اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ الاول فالاول اور الاقرب فالا قرب کے موافق کفار کے خلاف جہاد کیا جائے' جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جزیرہ عرب کے مشرکین سے قتال کیا' جب آپ مکہ' طائف' یمامہ' حجر' خیبر' یمن اور حضر موت وغیرہ کے خلاف جہاد سے فارغ ہو گئے تو پھر آپ نے اهل کتاب سے جہاد کا آغاز کیا' اور نو ہجری میں عیسائیوں سے جہاد کرنے کے لیے تبوک تشریف لے گئے جو جزیرہ عرب کے قریب ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفاء راشدین نے روم کے عیسائیوں سے قتال کیا' اور پھر ایران کے مجوسیوں کے خلاف جہاد کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے قرابت داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی' وانـذر عشيـرتک الاقـربيـن (الشعراء: ۲۱۴) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر چڑھے' اور آپ نے بلند آواز سے فرمایا: یـاصبا حاہ (دشمن کے حملہ کے وقت ان الفاظ سے تنبیہ کی جاتی تھی' ان کے کفر و شرک کی وجہ سے آپ کو ان پر عذاب کا خطرہ تھا اس لیے آپ نے ان الفاظ کے ساتھ تنبیہ کر کے قوم کو آواز دی) تو مکہ کے سب لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے' آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ دشمن کا ایک بڑا لشکر اس پہاڑ کے پیچھے کھڑا ہے تو کیا تم سب میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا ہم نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا اس لیے ہم آپ کی تصدیق کریں گے' آپ نے فرمایا تو میں تم کو اس بات سے ڈرا رہا ہوں کہ تمہارے سامنے بہت سخت عذاب ہے' تب ابولہب نے کہا تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا تم نے ہم کو صرف اس لیے جمع کیا تھا! پھر وہ کھڑا ہو گیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: تبت یدا ابی لهب و تب (تبت: ۱) ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا''۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۸۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۵۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۸۲-۱۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء: ۲۱۴) تو آپ نے فرمایا:

اے قریش کی جماعت! اپنی جانوں کو خرید لو (عذاب سے بچاؤ) میں تم کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتا! (یعنی اگر تم اپنے کفر اور شرک پر قائم رہے تو میں تم کو عذاب سے ذرہ برابر بھی نہیں بچا سکتا) اے بنو عبد مناف! میں تم کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتا! اے صفیہ! رسول اللہ کی پھوپھی! میں تم کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتا! اے فاطمہ! بنت محمد! میرے مال سے جس چیز کا چاہے سوال کرو میں تم سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۷۱' ۲۷۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۴۷' ۳۶۴۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۴۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۴' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۳)

ایک اور حدیث کا متن اس طرح ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وانـذر عشيـرتک الاقربين (الشعراء: ۲۱۴) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ہر عام اور خاص کو بلایا جب وہ سب جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنی کعب بن لوی! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ' اے بنی مرہ بن کعب! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ

سے بچاؤ' اے بنی عبد شمس! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ! اے بنی عبد مناف! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ! اے بنی ہاشم! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ! اے بنو عبدالمطلب! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ' اے فاطمہ! تم اپنی جان کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ' البتہ میرا تمہارے ساتھ رحم کا رشتہ ہے اور میں عنقریب اس کی تراوٹ تم کو پہنچاؤں گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۴۴' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۳۷۷)

رحم کی تراوٹ سے فائدہ پہنچانا

صحیح مسلم کی حدیث کے آخر میں ہے میرا تمہارے ساتھ رحم کا رشتہ ہے میں عنقریب اس کی تراوٹ تم کو پہنچاؤں گا' اس جملہ کی شرح میں قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ ھ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی المتوفی ۶۵۶ ھ' علامہ نووی متوفی ۶۷۶ ھ' علامہ سنوسی متوفی ۸۹۵ ھ اور جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے لکھا ہے کہ رحم کو آگ کی حرارت سے تشبیہ دی گئی ہے جس کو پانی سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے یعنی میں تمہارے ساتھ صلہ رحم کروں گا اور تم کو فائدہ پہنچاؤں گا' مومنوں کو اکرام کروں گا اور کافروں کو ہدایت دوں گا۔

(اکمال المعلم وفوائد مسلم ج ۱ ص ۵۹۳-۵۹۲' المفہم ج ۷ ص ۳۸۴' مکمل اکمال الاکمال ج ۱ ص ۶۲۳' صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ ص ۱۰۸۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' الدیباج ج ۲ ص ۲۶۷)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے:

اگر اللہ تمہیں عذاب دینا چاہے تو میں تم سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکتا' اور اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند کہ مسلمانوں کو اپنی شفاعت سے نفع پہنچائیں گے' کیونکہ آپ شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی لیکن آپ نے یہاں مطلق نفع رسانی سے منع فرمایا تا کہ انہیں عذاب سے ڈرائیں کہ وہ صرف شفاعت پر تکیہ نہ کر لیں اور ان کو آخرت کے لیے کوشش کی ترغیب دیں اور فرمایا میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے۔ میں عنقریب صلہ رحم کروں گا' یعنی میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ قرابت کی وجہ سے نیکی اور احسان کروں گا۔

(المرقات ج ۱۰' ص ۱۰۵' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ ھ لکھتے ہیں:

اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ مجھ پر تمہارے رحم اور قرابت کا حق ہے میں اس کی تری سے اس کو تر کروں گا اور صلہ احسان کا پانی چھڑکوں گا۔ اس حدیث میں بہت زیادہ مبالغہ کے ساتھ ڈرایا گیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اس امت کے گنہ گاروں کے لیے بھی ہوگی چہ جائیکہ اپنے اقرباء اور خویشان کے لیے' اور احادیث سے ان کے حق میں شفاعت ثابت ہے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا خوف باقی ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴' ص ۲۷۲-۲۷۱' مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر خاص و عام کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا

حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا: سنو! میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ان چیزوں کی تعلیم دوں جو تم کو معلوم نہیں اور اللہ تعالیٰ نے آج مجھے ان چیزوں کا علم دیا ہے' (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) میں نے اپنے بندے کو جو کچھ مال دیا ہے وہ حلال ہے' میں نے اپنے تمام بندوں کو اس حال میں پیدا کیا کہ وہ باطل سے دور رہنے والے تھے' بے شک ان کے پاس شیطان آئے اور ان کو دین سے پھیر دیا' اور

چیزیں میں نے ان پر حلال کی تھیں' وہ انہوں نے ان پر حرام کر دیں' اور ان کو میرے ساتھ شرک کرنے کا حکم دیا جب کہ میں نے اس شرک پر کوئی دلیل نازل نہیں کی' اور بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا' اور اہل کتاب کے چند باقی ماندہ لوگوں کے سوا تمام عرب اور عجم کے لوگوں سے ناراض ہوا' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تم کو آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور تمہارے سبب سے (دوسروں کی) آزمائش کے لیے' میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی جس کو پانی نہیں دھو سکتا' تم اس کو نیند اور بیداری میں پڑھو گے' اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے قریش کے جلانے کا حکم دیا میں نے کہا اے میرے رب! وہ تو میرا سر پھاڑ دیں گے' اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چھوڑ دیں گے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو اس طرح نکال دو جس طرح انہوں نے تم کو نکالا ہے' تم ان سے جہاد کرو ہم تمہاری مدد کریں گے' تم خرچ کرو' ہم تم پر خرچ کریں گے' تم ایک لشکر بھیجو ہم اس سے پانچ گنا لشکر بھیجیں گے' اپنے اطاعت گذاروں کو لے کر اپنے نافرمانوں کے ساتھ جنگ کرو' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تین قسم کے لوگ جنتی ہیں' سلطان عادل جو نیکی کی توفیق دیا گیا ہو اور صدقہ کرنے والا ہو' جو شخص رحم دل ہو اور اپنے تمام قرابت داروں اور عام مسلمانوں کے لیے رقیق القلب ہو' اور جو شخص پاک دامن ہو اور عیال دار ہونے کے باوجود سوال کرنے سے گریز کرتا ہو' اور پانچ قسم کے لوگ دوزخی ہیں' وہ ضعیف لوگ جن کے پاس عقل نہ ہو جو تمہارے ماتحت ہوں اور اپنے اہل اور مال کے لیے کوئی سعی نہ کریں' وہ خائن جس کی طمع پوشیدہ نہ ہو جو معمولی سی چیز میں بھی خیانت کرے' وہ دھوکہ باز جو ہر صبح اور ہر شام کو تمہارے ساتھ' تمہارے اہل اور تمہارے مال کے ساتھ دھوکہ کرے' اور اللہ تعالیٰ نے بخل یا جھوٹ' بدخو اور فحش کلام کرنے والے کا بھی ذکر کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۰۸۸' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۶' ۱۶۲' المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۹۹۴' ۹۸۷' سنن کبریٰ ج ۹ ص ۶۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اقربین کی دعوت کر کے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اپنی سند کے ساتھ امام احمد سے روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی **وانذر عشیرتک الاقربین** (الشعراء: ۲۱۴) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اھل بیت کو جمع کیا سو تیس نفر جمع ہو گئے' انہوں نے طعام کھایا اور مشروب پیا' آپ نے ان سے فرمایا تم میں سے جو بھی میرے دین اور میرے وعدوں کو پورا کرنے کا ضامن ہو گا' وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا' اور میرے اھل میں میرا جانشین ہو گا' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! آپ تو سمندر ہیں آپ کے ساتھ کون کھڑا ہو سکتا ہے؟ حضرت علی نے کہا آپ نے پھر یہ کلام اپنے اھل بیت پر پیش کیا تو حضرت علی نے کہا میں!

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۶-۳۸۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۱' رقم الحدیث: ۸۸۳' عالم الکتب بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبدالمطلب کی دعوت کی انہوں نے اونٹ کا گوشت کھایا اور پانی پیا' وہ سب کھا پی کر سیر ہو گئے اور وہ طعام اسی طرح باقی بچا رہا گویا کہ کسی نے اس کو چھوا ہے نہ پانی پیا ہے پھر آپ نے شہد منگایا ان سب نے اس کو پیا حتیٰ کہ وہ سب سیر ہو گئے' اور وہ شہد اسی طرح بچا رہا گویا اس کو کسی نے نہیں چھوا۔ آپ نے فرمایا اے بنو عبدالمطلب مجھے خصوصیت کے ساتھ تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہے اور عموم کے ساتھ عام لوگوں کی طرف' بے شک تم لوگوں نے میری نبوت پر ابھی ابھی یہ دلیل دیکھ لی ہے (کھانا کھائے جانے کے بعد اس کا جوں کا توں باقی رہنا) تم میں سے کون میرے ہاتھ پر بیعت کرے گا کہ وہ میرا بھائی اور میرا صاحب ہو جائے' حضرت علی نے کہا یہ سن کر کوئی شخص بھی آپ کی طرف کھڑا نہیں ہوا' پھر میں آپ کی طرف کھڑا ہوا اور میں قوم میں سب سے چھوٹا تھا' آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ

پھر آپ نے یہ سوال تین بار دھرایا' ہر مرتبہ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوتا اور آپ فرماتے بیٹھ جاؤ حتیٰ کہ تیسری بار آپ نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا یعنی مجھے بیعت کر لیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۷۱' مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۰۲)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایا ایک مرتبہ کوہ صفا پر چڑھ کر ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور ایک بار آپ نے سب کی دعوت کی اور ان کو ایمان نہ لانے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا' ان احادیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں کسی کے کام نہیں آ سکتے جب آپ اپنے قریبی رشتہ داروں سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتے تو کسی اور سے اللہ کے عذاب کو کیسے دور کر سکیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث کا محمل یہ ہے کہ آپ کے رشتہ داروں میں سے جو آپ پر ایمان نہیں لایا اور موت تک کفر اور شرک پر قائم رہا آپ اس کی شفاعت نہیں فرمائیں گے اور اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کریں گے لیکن جو آپ پر ایمان لے آیا اور اس سے عمل میں کچھ تقصیر ہوگئی تو آپ ایسے عام مسلمانوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے تو اپنے خواص اور اقربین کی شفاعت کیوں نہیں فرمائیں گے' اس کے ثبوت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

اہل بیت اور اپنے دیگر قرابت داروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخرت میں نفع پہنچانا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر فرما رہے تھے: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت آپ کی قوم کو نفع نہیں پہنچائے گی' بیشک میری قرابت دنیا اور آخرت میں مجھ سے ملی ہوئی ہے اور اے لوگو! جب تم حوض پر آؤ گے تو میں حوض پر تمہارا پیشوا ہوں گا۔ (الحدیث)

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۸' دارالفکر طبع قدیم' اس حدیث کی سند حسن ہے' مسند احمد ج ۱۰' رقم الحدیث: ۱۱۰۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی امت میں سے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا' پھر جو ان سے زیادہ قریب ہوں' اور پھر جو ان سے قریب ہوں' پھر انصار کی شفاعت کروں گا' پھر ان کی جو مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میری اتباع کی' پھر اہل یمن کی' پھر باقی عرب کی' پھر اعاجم کی۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲' رقم الحدیث: ۱۳۵۵۰' الکامل لابن عدی ج ۲' ص ۷۹۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۴۵' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۸۱' ۳۸۰' الفردوس بماثور الخطاب' رقم الحدیث ۲۹' اس حدیث کی سند میں حفص بن ابی داؤد متروک ہے اور لیث بن سلیم ضعیف ہے اللآلی المصنوعہ ج ۲' ص ۳۷۴)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میرے اہل بیت میں سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا فرما دیا۔

(الفردوس بماثور الخطاب ۳۴۰۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ نہ تمہیں عذاب دے گا اور نہ تمہاری اولاد کو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱' رقم الحدیث: ۱۱۶۸۵' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے میرے رب نے میرے اہل

بیت کے متعلق یہ وعدہ کیا ہے کہ ان میں سے جس نے توحید کا اقرار کیا میں ان کو عذاب نہیں دوں گا۔

(المستدرک ج ۳ ص ۱۵۰ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۷۰۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۵۶)

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی پھر حضرت علی نے صفہ میں عقیل حضرت حسین اور حضرت عباس سے حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کرنے کے متعلق مشورہ لیا۔ پھر حضرت علی نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہر سبب (نکاح) اور نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا سوا میرے سبب اور نسب کے۔

(المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲ المعجم الکبیر ج ۳ رقم الحدیث: ۲۶۳۳، ۲۶۳۴، ۲۶۳۵ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۳۵۴ السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۱۱۴ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۲۵۸ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۱، ۲۷۲ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۳۰۹)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میں اپنی امت میں سے جس عورت کے ساتھ بھی نکاح کروں اور میں اپنی امت میں سے جس شخص کو بھی نکاح کا رشتہ دوں میرے ساتھ جنت میں ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۷۵۸ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷ المستدرک ج ۳ ص ۱۳۷ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۰۱۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۴۷ اسی سے متقارب روایت حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی مروی ہے المعجم الاوسط ج ۴ رقم الحدیث: ۳۸۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا میں جس کو بھی نکاح کا رشتہ دوں اور جس سے بھی نکاح کروں وہ اہل جنت سے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۴۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی میرے اہل بیت کے ساتھ کوئی نیکی کی تو میں قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا۔ (کامل ابن عدی ج ۵ ص ۱۸۸۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۵۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے عبدالمطلب کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی نیکی کی اور اس نے اس کو دنیا میں اس کا صلہ نہیں دیا تو کل جب وہ مجھ سے ملاقات کرے گا تو مجھ پر اس نیکی کا صلہ دینا واجب ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۲ رقم الحدیث: ۱۴۶۹ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۷۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۵۳)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ابو طالب کو کوئی نفع پہنچایا وہ آپ کی مدافعت کرتا تھا اور آپ کی وجہ سے غضب ناک ہوتا تھا' آپ نے فرمایا ہاں! اب وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳، ۶۲۰۸، ۶۵۷۲ صحیح مسلم ایمان ۳۵۷ (۲۰۹) ۵۰۰ مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۶ رقم الحدیث: ۱۷۶۳ جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۸۳۳)

نفع رسانی کی بظاہر نفی کی روایات کی توجیہ

موخر الذکر پانچ حدیثوں کے علاوہ باقی مذکور الصدر تمام احادیث کو علامہ سید محمد امین ابن عابد بن شامی نے بھی بیان کیا ہے (رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۴۰۵) ان احادیث کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ہم نے جو یہ احادیث ذکر کی ہیں ان کے یہ بات ... نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک کو بھی اللہ سے مطلقاً نفع

یا نقصان پہنچانے کے مالک نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس بات کا مالک بنائے گا کہ آپ اپنے اقارب کو نفع پہنچائیں بلکہ آپ شفاعت عامہ اور شفاعت خاصہ کے ذریعہ تمام امت کو نفع پہنچائیں گے' سو آپ صرف اسی چیز کے مالک ہوں گے جس کو آپ کا مولیٰ عزوجل مالک کرے گا' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے: میں تم کو اللہ کے عذاب سے بالکل مستغنی نہیں کروں گا' اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے یہ عزت اور مقام نہیں دے گا یا جب تک مجھے منصب شفاعت نہیں دے گا یا جب تک میری وجہ سے مغفرت کرنے کا مرتبہ مجھے نہیں دے گا' اس وقت تک میں تم کو اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑاؤں گا۔ اور چونکہ یہ مقام اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا تھا اور نیک اعمال پر برانگیختہ کرنے کا تھا اس لیے آپ نے یہ قیود ذکر نہیں فرمائیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے رحم کے حق کی طرف اشارہ بھی فرمایا کہ میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے اور میں عنقریب اس کی تراوٹ تمہیں پہنچاؤں گا' یعنی تم کو نفع پہنچاؤں گا اور یہ احادیث میں تطبیق کا بہت عمدہ طریقہ ہے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قیامت کے دن میرے اولیاء' متقی ہوں گے (الادب المفرد) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا ولی اللہ ہے اور صالح مؤمنین ہیں۔ (صحیح مسلم الایمان: ۳۶۶ (۲۱۵) ۵۰۸' مسند احمد ج ۴' ص ۲۰۳' مسند ابوعوانہ ج ۱' رقم الحدیث: ۹۶) سو یہ احادیث آپ کے رحم اور اقارب کو نفع پہنچانے کے خلاف نہیں ہیں' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص نے اپنے عمل میں دیر کر دی تو اس کا نسب اس پر سبقت نہیں کرے گا۔

(صحیح مسلم الذکر ۳۸' (۶۲۹۹) ۲۶۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۴۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۸۴۷)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے عمل کو مؤخر کر دیا' اس کا نسب اس کو بلند درجات تک پہنچانے میں جلدی نہیں کرے گا۔ اس لیے یہ حدیث نجات کے منافی نہیں ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا باب بہت وسیع ہے' اور یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حدود کی پامالی پر بہت غیور ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبد ہیں اور وہ صرف اسی چیز کے مالک ہیں جس کا آپ کے مولیٰ نے آپ کو مالک بنادیا ہے اور آپ کی وہی خواہش پوری ہوتی ہے جس کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ (رسائل ابن عابدین ج ۱' ص ۷-۶' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ)

اس پر دلیل کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفع اور ضرر کی نفی ذاتی نفع اور ضرر پر محمول ہے

عباس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ بے شک مجھے علم ہے کہ تو ایک پتھر ہے' نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۹۷' ۱۶۱۰' صحیح مسلم الحج ۲۴۸ا (۱۲۷۰) ۳۰۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۷۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۶۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۹۳۷' الموطا رقم الحدیث: ۸۳۵' مسند احمد ج ۱ ص ۱۶' طبع قدیم' رقم الحدیث: ۹۹ طبع جدید دار الفکر بیروت)

تمام شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ جو لوگ ثواب کی نیت سے اور اخلاص کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں حجر اسود ان کے حق میں گواہی دے گا اور جو لوگ دکھاوے اور ریاکاری کے لیے حجر اسود کو بوسہ دیں گے حجر اسود ان کے خلاف گواہی دے گا سو حجر اسود نفع بھی پہنچائے گا اور ضرر بھی' اور حضرت عمر نے حجر اسود کو مخاطب کر کے جو یہ کہا کہ تو ایک پتھر ہے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان تو اس کا معنی یہ ہے کہ تو بالذات نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتا اور بالعرض نفع اور ضرر پہنچاتا ہے (فتح الباری' عمدۃ القاری' شرح النواوی' فیض الباری' فتح الملہم وغیرہا) سو جس طرح حجر اسود سے نفع اور ضرر کی نفی ذاتی پر محمول ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نفع اور ضرر کی نفی ذاتی پر محمول ہے' اور جس طرح حجر اسود اللہ کی عطا سے نفع اور ضرر

پہنچاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی عطا سے نفع اور ضرر پہنچاتے ہیں۔

نسب پر اعتماد کرنے کے بجائے عمل کی کوشش کی جائے

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ٣٣٥ھ التاویلات النجمیہ میں لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وانذر عشیرتک الاقربین اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ○ (المومنون:١٠١) پس جب اس دن (صور پھونک دیا جائے گا) تو نہ آپس کے رشتے ہوں گے نہ آپس میں سوال کرنا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن ہر نسب منقطع ہو جائے گا ماسوا میرے نسب کے (المستدرک ج ٣ ص ١٤٢) پس آپ کا نسب ایمان اور تقویٰ ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: ہر مومن متقی میری آل ہے (المعجم الصغیر ج ا ص ١١٥) نیز آپ نے فرمایا: سنو آل ابی فلاں میرے اولیاء نہیں ہیں میرا ولی اللہ ہے اور صالح المومنین ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢١٥) اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس کا دل نور ایمان سے روشن ہو اوہ اپنے رشتہ داروں کے چراغ سے روشن نہیں ہوا خواہ وہ رشتہ دار اس کا والد ہو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اولیاء اللہ کی اقتداء میں یہی رمز ہے' یہی وجہ ہے کہ انسان خود کھانا کھائے تو اس کا پیٹ بھرتا ہے اور اس کے والد کے کھانے سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا' سو آپ نے اپنے رشتہ داروں کو اس بات سے ڈرایا اگر ان میں اصل ایمان نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت انہیں کوئی نفع نہیں دے گی اور نہ ان کے حق میں شفاعت قبول کی جائے گی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا:

خطا کاروں کے لیے استغفار اور منکروں سے برأت

اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکا کر رکھیے ○ (الشعراء: ٢١٥)

اس آیت میں بازو کے لیے جناح کا لفظ ہے' جناح کے معنی ہیں بازو اور پرندہ کا پر' کسی چیز کے پہلو اور جانب کو بھی جناح کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ . (الانعام: ٣٨) اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دو پروں کے ساتھ اڑتا ہو۔

جناحا السفینۃ کا معنی ہے کشتی کی دو جانبیں اور جناحا العسکر کا معنی ہے لشکر کی دو طرفیں۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ . (طٰہٰ: ٢٢) اور اپنا ہاتھ اپنے پہلو کے ساتھ ملائیے۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ . (بنی اسرائیل: ٢٤) اور ماں باپ پر رحمت کے لیے تواضع کا بازو جھکائے رکھنا۔

اس آیت میں جناح کے لفظ میں استعارہ ہے کیونکہ ذلت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ذلت ہے جو انسان کا مرتبہ پست کرتی ہے جیسے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنا' اور دوسری وہ ذلت ہے جو انسان کا مرتبہ بلند کرتی ہے جیسے اللہ کے سامنے سر جھکانا' یہاں جناح کے لفظ میں استعارہ ہے کیونکہ ماں باپ کے سامنے ذلت اختیار کرنے سے انسان کا مرتبہ بلند ہوتا ہے' انسان جب ماں باپ پر رحم کرنے کے لیے ذلت اور عاجزی اختیار کرے گا تو یہ ذلت اس کو اڑا کر اللہ کی بارگاہ میں لے جائے گی اور اس کا مرتبہ اللہ کے نزدیک بلند کر دے گی۔

اور زیر تفسیر آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ مومنوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں اور ان کو عفو اور درگذر کے دامن میں چھپالیں' ان کی تقصیرات سے صرف نظر کریں اور ان کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئیں ان کی خطاؤں کو معاف کریں

اور ان کے لیے استغفار اور شفاعت کریں۔ اس کے بعد فرمایا:

پھر بھی اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیے کہ میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں۔ (الشعراء:۲۱۶)

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ کے بعض اقارب نے آپ کی مخالفت اور عداوت کا دروازہ کھول دیا اور آپ پر طعن و تشنیع کی زبان دراز کر دی اور آپ کی اطاعت اور اتباع کرنے سے انکار کر دیا' پھر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے غالب اور رحیم ہونے کا معنی

اور بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والے پر توکل کیجیے (الشعراء:۲۱۷)

بہت غالب سے مراد یہ ہے کہ جو اپنے محبت کرنے والے کو رسوا نہیں کرتا اور عداوت کرنے والے کو سر بلند نہیں کرتا اور وہ اپنے دشمنوں کو سرنگوں اور مغلوب کرنے پر قادر ہے' اور بے حد رحم فرمانے والے سے مراد یہ ہے جو اس پر بھروسہ کرے اور اپنے معاملات اس کے سپرد کر دے وہ اس کو ناکام اور نامراد نہیں کرتا جو اپنے چاہنے والوں اور اپنے دوستوں کو فتح اور نصرت سے نوازتا ہے' اور توکل کرنے سے مراد یہ ہے کہ تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور اس کے ماسوا سے اعراض کرے اور ایسا شخص وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے خواص اور کاملین میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان کے متبعین میں سے بنا دے۔

توکل کی تحقیق

توکل کا معنی ہے کسی چیز کے حصول کے اسباب فراہم کر کے اس کے حصول کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اونٹنی کو باندھ کر توکل کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۱۷ حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۹۰' المسند الجامع رقم الحدیث:۱۵۹۲)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بہت سے علماء نے توکل کی یہ تعریف کی ہے کہ انسان جس کام کا مالک ہو اور اس کے نفع اور ضرر پر قادر ہو اس کام کو اللہ پر چھوڑ دے یہ توکل ہے' اور بعض علماء نے یہ کہا کہ انسان پر کوئی ایسی مصیبت ٹوٹ پڑے جس کو وہ اللہ کی نافرمانی کر کے دور کر سکتا ہو اور وہ اللہ کی نافرمانی کر کے اس مصیبت کو دور نہ کرے تو یہ توکل ہے' مثلاً وہ جھوٹی گواہی پیش کر کے کسی الزام سے بچ سکتا ہو لیکن وہ اللہ پر بھروسہ کر کے ایسا نہ کرے تو یہ توکل ہے اور بعض علماء نے کہا یہ توکل کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔

بعض عارفین سے منقول ہے کہ اللہ پر توکل کرنے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) انسان کسی چیز کے سبب کو حاصل کر کے اس کو طلب کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اس چیز سے مخلوق کو نفع پہنچائے گا۔

(۲) انسان کسی چیز کے حصول کے اسباب سے صرف نظر کرے نہ اس چیز کو طلب کرے نہ اس چیز کی حرص کرے اور اپنے آپ کو فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں مشغول رکھے۔

(۳) انسان کسی چیز کو طلب نہ کرے اور اس کے حصول کے لیے کوئی کوشش نہ کرے' اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو مہمل نہیں چھوڑا بلکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے اور اس کی تقدیر سے فارغ ہو چکا ہے اور اس نے ہر چیز کے حصول کو ایک وقت مقرر کے لیے مقدر کر دیا ہے پس متوکل وہ شخص ہے جس نے غور و فکر کرنے اور اشیاء کے اسباب کو تلاش کرنے سے اپنے نفس کو آرام اور راحت کے ساتھ رکھا ہوا ہے اور وہ اس کا منتظر ہے کہ تقدیر سے اس کے لیے کیا چیز ظاہر ہوتی ہے' اور اس کو یہ یقین ہے کہ طلب کرنے سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا' اور توکل اس کو منع نہیں کرے گا' اور جب وہ اپنے آپ کو

اسباب کی غلامی سے نکال لے گا اور وہ اپنے توکل میں اللہ تعالیٰ کے حق کے سوا اور کسی چیز کا لحاظ نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر مہم میں کافی ہوگا۔ (روح المعانی جز ١٩ص ٢٠٦ - ٢٠٥' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٧ھ)

حق توکل کا معنی

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ بھوکے صبح کرتے ہیں اور شام کو شکم سیر لوٹتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٣٤٤' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤١٦٤)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی التوفی ٧٤٣ھ لکھتے ہیں:

حق توکل کا معنی یہ ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کام کو کرنے والا نہیں ہے اور مخلوق میں سے جو چیز بھی موجود ہے اس کو وہی رزق دیتا ہے وہی عطا کرتا ہے' وہی منع کرتا ہے وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے' وہی غنی کرتا ہے اور وہی فقیر کرتا ہے' اور جو چیز بھی موجود ہے اس کا وجود اللہ تعالیٰ سے ہی ہے' پھر وہ اچھے طریقہ سے اپنے مطلوب کی طلب میں کوشش کرے' اس کو پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے' کیونکہ پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں پھر وہ اپنی روزی اور رزق کو تلاش کرتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

امام ابو حامد غزالی نے کہا ہے کہ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ توکل کا معنی ہے بدن سے کسب اور کوشش کو ترک کرنا اور دل سے تدبیر کو ترک کرنا اور انسان زمین پر اس طرح پڑا رہے جیسے زمین پر کوئی کپڑے کا ٹکڑا پڑا ہو یا گوشت کی بوٹی پڑی ہو اور یہ جاہلوں کا گمان ہے' اور ایسا توکل کرنا شریعت میں حرام ہے' اور شریعت نے توکل کرنے والوں کی تعریف کی ہے تو جو شخص حرام کام کرے گا وہ کیسے تعریف اور تحسین کا مستحق ہوگا اور توکل کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنے عمل کو بروئے کار لائے اور سعی اور جدو جہد کرے۔ (الکاشف عن حقائق السنن ج ٦ ص ٢٦٣-٢٦٢' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ١٤١٣ھ)

آیا اسباب کو ترک کرنا توکل میں داخل ہے یا نہیں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار نفر بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغ لگواتے ہوں گے نہ دم کرتے ہوں گے اور نہ بدفالی نکالتے ہوں گے اور صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٤٧٢' صحیح مسلم' کتاب الایمان ٣٧١' رقم بلا تکرار ٢١٨' الرقم المسلسل ٥١٣)

علامہ یحیٰی بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام عبد اللہ المازری نے کہا اس حدیث سے استدلال کر کے بعض علماء نے کہا کہ دوا اور علاج کرنا مکروہ ہے اور جمہور علماء اس کے خلاف ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ کثرت احادیث میں دواؤں کے اور کھانے پینے کے فوائد بیان کیے ہیں اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دواؤں سے علاج کیا ہے اور آپ کے دوا کرنے اور دم کرنے سے شفاء کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہ کثرت احادیث منقول ہیں اور احادیث صحیحہ میں ہے کہ بعض صحابہ نے بچھو کے کاٹے ہوئے پر دم کرنے کی اجرت لی' اور جب یہ چیزیں ثابت ہیں تو پھر اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ حق توکل کے منافی وہ لوگ ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوائیں اپنی طبیعت سے نفع دیتی ہیں اور وہ شفا کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض نہیں کرتے۔

قاضی عیاض نے کہا اکثر شارحین حدیث نے اس تاویل کو اختیار کیا ہے لیکن یہ تاویل درست نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان لوگوں کی زائد فضیلت کا ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے' اور اگر یہ تاویل درست ہوتی تو پھر یہ لوگ اس فضیلت کے ساتھ مخصوص نہ ہوتے کیونکہ تمام مومنوں کا یہی عقیدہ ہے اور جس کا عقیدہ اس کے خلاف ہو وہ کافر ہے' اور علماء اور اصحاب المعانی نے اس مسئلہ میں کلام کیا ہے اور علامہ ابوسلیمان خطابی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ پر توکل کرتے ہوئے اور اس کی تقدیر اور اس کی نازل کی ہوئی بیماری پر راضی رہتے ہوئے علاج اور دم کرانے اور دیگر اسباب کو ترک کر دیتے ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا یہ مؤمنین کاملین کے بلند درجات میں سے ہے اور بہت علماء کا یہ مذہب ہے۔ قاضی عیاض نے کہا یہ اس حدیث کا ظاہر معنی ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ داغ لگوانے' دم کرانے اور طب کی باقی انواع میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ سب حق توکل کے منافی ہیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث کا ظاہر معنی وہی ہے جس کو علامہ خطابی نے اختیار کیا ہے اور حق توکل کرنے والے وہی لوگ ہیں جو اسباب کو ترک کر دیں اور رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کرنا تو وہ بیان جواز کے لیے ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو داغ لگوانے سے منع بھی فرمایا ہے۔ (پہلے زمانہ میں درد کی جگہ پر لوہے کو گرم کر کے داغ لگا دیتے تھے اور یہ بھی علاج کی ایک قسم ہے)۔

توکل کی حقیقت میں متقدمین اور متاخرین علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ توکل کے اسم کا وہ ہر شخص مستحق ہے جس کے دل میں غیر اللہ کا خوف بالکل نہ ہو اس کو کسی درندہ کا خوف ہو نہ کسی دشمن کا حتیٰ کہ وہ اللہ کی ضمانت پر اعتماد کرتے ہوئے رزق کے طلب کرنے کو بھی چھوڑ دے۔

اور ایک جماعت نے کہا توکل کی تعریف یہ ہے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور یہ یقین رکھنا کہ اس کی تقدیر نافذ ہوگی اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سعی اور جدوجہد کرنے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا خصوصاً کھانے پینے میں اور دشمنوں سے حفاظت کے معاملہ میں جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ سنت ہے۔

قاضی عیاض نے کہا اول الذکر بعض متصوفہ اور اصحاب علم القلوب والاشارات کا مذہب ہے اور ثانی الذکر عامۃ الفقہاء کا مذہب ہے' اور صوفیاء میں سے محققین نے توکل کی تعریف میں یہ کہا ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے لیکن جب انسان صرف اسباب پر قناعت کرے اور مطمئن ہو جائے تو یہ توکل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کی حکمت کے مطابق اسباب کو اختیار کرے اور اس کا یہ یقین ہو کہ یہ اسباب کسی نفع کے حصول یا ضرر کو دفع کرنے میں مستقل اور موثر نہیں ہیں اور نفع اور ضرر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہی ظاہر ہوگا۔ یہ تمام کلام قاضی عیاض کا ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۶۰۴-۶۰۱' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ' صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ ص ۱۱۰۰-۱۰۹۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

توکل کی تعریف میں صوفیا کے اقوال

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا متوکل کی تین علامتیں ہیں وہ خود سے سوال نہیں کرتا' کسی کی دی ہوئی چیز کو رد نہیں کرتا اور کسی کی دی ہوئی چیز کو جمع نہیں کرتا۔

بایزید سے پوچھا گیا کہ توکل کی کیا تعریف ہے؟ انہوں نے پوچھا تمہارے نزدیک توکل کی کیا تعریف ہے؟ سائل نے

کہا ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ اگر تمہارے دائیں اور بائیں درندے اور اژدھے ہوں تو تمہارے دل میں خوف نہ پیدا ہو' بایزید نے کہا ہاں یہ بھی درست ہے لیکن اگر اہل جنت کو جنت میں ثواب ہورہا ہو اور اہل دوزخ کو دوزخ میں عذاب ہورہا ہو اور تم ان میں تمیز کررہے ہو تو تم متوکلین میں سے نکل جاؤ گے۔

سہل بن عبداللہ نے کہا توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہو جس طرح مردہ غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

امام قشیری فرماتے ہیں کہ توکل کا محل قلب ہے اور اس کی ظاہری حرکت قلب کے توکل کے منافی نہ ہو' اور اس کے نزدیک تقدیر اللہ کی طرف سے ہو' اگر کوئی چیز مشکل ہو تو اللہ کی تقدیر سے ہے اور اگر کوئی چیز آسان ہے تو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہے' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹنی پر سوار ہو کر آیا اور آپ سے پوچھا کہ اونٹنی کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں یا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اونٹنی کو باندھ کر توکل کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۴۴۴)

ابراہیم خواص بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دیہات میں جارہے تھے کہ انہوں نے ایک آواز سنی' انہوں نے مڑ کر دیکھا تو ایک اعرابی جارہا تھا اس نے کہا اے ابراہیم! ہمارے نزدیک توکل یہ ہے کہ جب تم کسی شہر میں جاؤ تو شہر والوں سے تمہاری یہ امید نہ ہو کہ وہ تمہیں کھانا کھلائیں گے بلکہ اللہ پر توکل ہو۔ ابوتراب نخشبی نے کہا کہ توکل یہ ہے کہ تم اپنے بدن کو عبادت میں مشغول رکھو اور اپنے دل کو اللہ کی یاد میں مستغرق رکھو اور قدر ضروری پر مطمئن رہو۔ اگر تم کو کچھ دیا جائے تو شکر کرو اور نہ دیا جائے تو صبر کرو۔

حمدون قصار سے توکل کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے کہا اگر تمہارے پاس دس ہزار روپے ہوں اور تم پر ایک روپے کا قرض ہو تو تم موت سے بے خوف نہ ہو' ہوسکتا ہے کہ تم پر وہ قرض رہ جائے اور تمہارے اوپر دس ہزار روپے قرض ہو اور تمہارے پاس اس کی ادائیگی کے لیے رقم نہ ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہو کہ وہ تمہارے قرض کی کی ادائیگی کی سبیل کردے گا۔

استاذ ابوعلی دقاق یہ کہتے تھے کہ متوکل کے تین درجات ہیں: التوکل' پھر تسلیم' پھر تفویض' اللہ کے وعدہ پر مطمئن ہونا توکل ہے' اور اس کے علم پر قناعت کرنا تسلیم ہے اور اس کے حکم پر راضی رہنا تفویض ہے' توکل ابتداء ہے' تسلیم متوسط ہے اور تفویض انتہاء ہے' نیز استاذ ابوعلی دقاق کہتے تھے کہ توکل مومنین کی صفت ہے' تسلیم اولیاء کی صفت ہے اور تفویض موحدین کی صفت ہے' یا توکل عوام کی صفت ہے اور تسلیم خواص کی صفت ہے اور تفویض خواص الخواص کی صفت ہے' نیز وہ کہتے تھے کہ توکل عام انبیاء کی صفت ہے اور تسلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے اور تفویض ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔

(الرسالۃ القشیریہ ص ۲۰۴-۲۰۰' ملخصاً و ملتقطاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب کی عبادات کی تفتیش کرنا

اس کے بعد فرمایا: جو آپ کو قیام کے وقت دیکھتا ہے ○ اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو ○ (الشعراء: ۲۱۹-۲۱۸)

ان دو آیتوں کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر پہلے تہجد کی نماز واجب تھی پھر بعد میں قیام اللیل منسوخ ہوگیا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کو تہجد کے لیے قیام فرماتے پھر اپنے اصحاب کے گھروں میں دیکھتے کہ آیا وہ تہجد کی فرضیت منسوخ ہونے کے بعد قیام اللیل کو ترک کرچکے ہیں یا نفلی طور پر پڑھ رہے

ہیں' کیونکہ آپ کو یہ پسند تھا کہ آپ کے اصحاب عبادت میں کوشش کرتے رہیں' پھر جب آپ ان کے گھروں میں دیکھتے تو ان کے قرآن پڑھنے کی آوازیں آ رہی ہوتی تھیں سو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم آپ کو اس وقت دیکھتے ہیں جب آپ آدھی رات کو خود نماز میں قیام کرتے ہیں اور ہم آپ کو اس وقت بھی دیکھتے ہیں جب آپ سجدہ کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کی تفتیش کے لیے گھومتے ہیں۔

تہجد کی نماز کی فضیلت اور اہمیت

اس سے تہجد کی نماز کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور اس کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے مہینہ کے بعد اللہ کے مہینہ محرم کے روزے سب سے افضل ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل تہجد کی نماز ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۲۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۳' ۱۶۱۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۴۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جب کوئی شخص سوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے' اور ہر گرہ میں یہ باندھتا ہے کہ تمہاری رات بہت لمبی ہے سو جاؤ' اگر وہ بیدار ہو اور اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر وضو کرے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور اگر نماز پڑھ لے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے' پھر وہ ترو تازگی اور پاکیزگی کے ساتھ صبح کرتا ہے ورنہ نحوست اور سستی کے ساتھ صبح کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۶)

عبداللہ بن ابی قیس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رات کے قیام کو ترک نہ کرو' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے قیام کو ترک نہیں کرتے تھے اور جب آپ بیمار ہوتے یا تھکے ہوئے ہوتے تو بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب درد یا کسی اور وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز قضا ہو جاتی تو آپ دن میں بارہ رکعت پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم' صلوٰۃ المسافرین: ۱۴۰' الرقم المسلسل ۱۷۱۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۴۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۷۹۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات میں ایک ایسی ساعت ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان شخص اللہ تعالیٰ سے اس ساعت میں سوال کرے گا' خواہ وہ دنیا کی کسی خیر کا سوال کرے یا آخرت کی' تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ عطا کر دے گا' اور یہ عطا پوری رات رہتی ہے۔

(صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین: ۱۶۶' رقم بلاتکرار: ۷۵۷' الرقم المسلسل: ۱۷۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں' کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کر دوں؟ صحیح مسلم کی دوسری روایت (رقم المسلسل ۱۷۴۲) میں ہے وہ فجر روشن ہونے تک یونہی فرماتا رہتا ہے' ترمذی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴' ۴۷۳۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جورات کو بیدار ہو کر نماز پڑھے اور اپنی اہلیہ کو بیدار کرے کہ وہ نماز پڑھے' اگر وہ اٹھنے سے انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی چھڑکے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جورات کو اٹھ کر نماز پڑھے' اور اپنے شوہر کو بیدار کرے تاکہ وہ نماز پڑھے اگر وہ اٹھنے سے انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی چھڑکے۔

(مسند احمد ج ۲ص ۴۳۹' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۹۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۴۸' الفتح الربانی رقم الحدیث: ۹۹۸' امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ابو مالک اشعری سے روایت کیا ہے' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۵۸۰' حافظ زین نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد ج ۹ص ۲۶۷' دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' حافظ الہیثمی نے کہا امام طبرانی کی سند ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۲ص ۲۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسے عمل کی خبر دیجیے کہ جب میں اسے کرلوں تو جنت میں داخل ہو جاؤں' آپ نے فرمایا تم بلند آواز سے سلام کرو' کھانا کھلاؤ' رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو رات کو اٹھ کر نماز پڑھو' پھر سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۴' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۴۶۰' الفتح الربانی رقم الحدیث: ۹۹۹' مسند احمد ج ۲ص ۲۹۳' قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۳۴۹' دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' احمد عبدالرحمان البناء نے کہا اس حدیث کو امام ترمذی' امام ابن حبان اور امام حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے' بلوغ الامانی جز ۴ص ۲۳۴)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ تہجد کی نماز کس وقت پڑھنا افضل ہے؟ آپ نے فرمایا بقیہ رات کے درمیان یا آدھی رات میں' اور اس کو پڑھنے والے کم ہیں۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۴۴۷' الفتح الربانی رقم الحدیث: ۱۰۰۰' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد ج ۱۶ص ۲۱' دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' احمد عبدالرحمان نے کہا اس حدیث کی سند جید ہے بلوغ الامانی جز ۴ص ۲۳۵)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر قیام کرتے تھے کہ آپ کے پیر مبارک سوج جاتے تھے' آپ سے کہا گیا (حضرت عائشہ کی روایت میں ہے یا رسول اللہ آپ اس قدر کوشش کیوں کرتے ہیں حالانکہ) اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت فرمادی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں!۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۶' ۴۸۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۹' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۵۰۰' مسند احمد ج ۴ص ۲۵۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۱۱۴' دارالحدیث قاہرہ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۹۳' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۷۵۹' الفتح الربانی رقم الحدیث: ۱۰۰۶)

انبیاء علیہم السلام کے ذنوب کی توجیہ اور بندہ کے شکر اور اللہ کے شکر کا معنی

احمد عبدالرحمان البناء' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید اور حدیث میں جو بعض انبیاء علیہم السلام کے بعض ذنوب کا ذکر وارد ہوا ہے' جیسے:

وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ○ (طٰہٰ: ۱۲۱) اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ (جنت کی رہائش سے) بے راہ ہو گئے۔

اور اس قسم کی دوسری آیات ہیں' سو ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم قرآن اور سنت کے علاوہ ان کی طرف ذنوب کی نسبت کریں اور ہم پر لازم ہے کہ ہم ان آیات کی تاویل ترک اولیٰ سے کریں' اور ان کے ان افعال کو ذنوب سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ ان کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ترک اولیٰ بھی ذنب کے حکم میں ہے جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہیں' اسی وجہ سے جب بعض صحابہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ عبادت کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت کردی گئی ہے جیسا کہ سورۃ الفتح میں ہے' نیز اس آیت میں بعد کے ذنوب کی بھی مغفرت کا ذکر ہے حالانکہ بعد کے افعال کا تو ابھی آپ سے صدور بھی نہیں ہوا تھا اور جو کام ابھی ہوا ہی نہ ہو اس کو ذنب نہیں کہا جاتا' اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے مقصود ہے کہ آپ کو آخرت کے شدت خوف سے مامون رکھا جائے اور آپ کو تسلی دی جائے' کیونکہ آپ نے فرمایا مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے اور میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰) سو اس آیت سے مراد یہ ہے کہ بہ فرض محال اگر آپ سے کوئی گناہ واقع بھی ہوتا تو وہ بخشا ہوا ہوتا اور آپ کے ذنب کو فرض کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقع بھی ہوا ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا اس حدیث کا معنی یہ ہے کیا میں اپنی تہجد کی نماز کو ترک کردوں' پھر میں زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہیں رہوں گا اور اس کا معنی یہ ہے کہ بہ طور شکر تہجد کی نماز پڑھنے سے مغفرت حاصل ہوتی ہے تو میں تہجد کی نماز کو کیسے ترک کرسکتا ہوں!' قاضی عیاض نے کہا شکر کا معنی ہے محسن کے احسان کو جاننا اور اس کو بیان کرنا اور نیک کام کو شکر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ نیک کام احسان کرنے والے کی حمد و ثنا کو متضمن ہوتا ہے' اور بندہ کے شکر کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کرے' اس کی حمد و ثنا کرے اور اس کی عبادت دائماً کرے' اور اللہ کے شکر کا معنی یہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کی عبادات کی جزا دے اور ان کو دگنا چوگنا اجر عطا فرمائے اور اللہ سبحانہ کے اسماء میں سے جو شکور اور شاکر ہے اس کا یہی معنی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو جو بہت شدید خوف ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا علم ہوتا ہے اور ان کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے استحقاق کے بغیر ان کو یہ نعمتیں عطا کی ہیں اس لیے وہ اس کی عبادت کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں تاکہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کا شکر ادا کرسکیں' ورنہ اس کا کماحقہ شکر کوئی ادا نہیں کرسکتا۔

(بلوغ الامانی (شرح مسند احمد بن حنبل) ج ۲۴ ص ۲۳۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں مذکور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنب کا ترجمہ گناہ کرنے کی تحقیق

جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت ہو تو بعض علماء نے ذنب کا ترجمہ گناہ کردیا ہے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے والد گرامی مولانا شاہ نقی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ سورۃ الفتح: ۲-۱ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

ہم نے فیصلہ کردیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ اور پورا کرے تجھ پر اپنا احسان اور چلادے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے تجھ کو خدا زبردست مدد۔ (انوار جمال مصطفیٰ ص ۷۱' مطبوعہ شبیر برادرز' لاہور)

اور زیر بحث حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں آپ نے اس قدر عبادت کی کہ پائے مبارک سوج گئے لوگوں نے کہا آپ تکلیف اس قدر کیوں اٹھاتے ہیں کہ خدا نے آپ کو اگلی پچھلی خطا معاف کی فرمایا افلا اکون عبدا شکوراً۔

(سرور القلوب بذکر المحبوب ص ۲۲۸ مطبوعہ شبیر برادرز اردو بازار لاہور)

اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اور خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے۔ (ذیل المدعا لاحسن الوعاء (فضائل دعا) ص ۲۶ مطبوعہ ضیاء الدین پبلی کیشنز کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت معالم التنزیل کے حواشی میں تحریر فرماتے ہیں:

ذنوب انبیاء علیہم السلام سے مراد صورت گناہ ہے ورنہ حقیقۃً گناہ سے انبیاء کرام علیہم السلام دور اور منزہ و مبرا ہیں۔

(تعلیقات رضا ص ۲۵ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی ۱۴۱۸ھ)

مولانا غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ ایک حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں اس پوزیشن میں نہیں کہ تمہاری شفاعت کروں تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔

(تفہیم البخاری ج ۱ ص ۴۸ الجدہ پرنٹرز)

ہمارے نزدیک ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے سہواً اور عمداً حقیقتاً اور صورۃً معصوم ہیں۔ قرآن مجید میں آپ کے افعال پر جو ذنب کا اطلاق کیا گیا ہے وہ بہ ظاہر خلاف اولیٰ کے معنی میں ہے اور حقیقت میں آپ کا ہر کام اولیٰ ہے ہمارے بعض اکابرین نے ذنب کا ترجمہ گناہ کر دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ ان بزرگوں کا علمی تسامح ہے کیونکہ جب اردو خواں لوگ ذنب کا ترجمہ گناہ پڑھیں گے اور نبی کے افعال پر گناہ کا اطلاق دیکھیں گے تو ان کے ذہن مشوش ہوں گے وہ ذنب کی تاویلات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکیں گے کہ یہاں آپ کے افعال پر ذنب کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ نبی سے بھی گناہ صادر ہو جاتا ہے اور جب عام لوگوں کے ذہنوں میں نبی کے لیے بھی گناہ ثابت ہو جائیں تو انہیں نیکی پر کس طرح آمادہ کیا جا سکے گا اسی طرح جب مستشرقین اور غیر مسلم معترضین کے ہاتھوں میں یہ تراجم پہنچیں گے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) گنہگار ثابت کرنے کے لیے ان تراجم کو پیش کریں گے بعض لوگوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ (الفتح: ۱۰) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

کیا اس ترجمہ سے عام لوگوں کے ذہن مشوش نہیں ہوں گے اور ان کے ذہنوں میں اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کا وہم پیدا نہیں ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے پر تو امت مسلمہ کا اتفاق ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید میں ید (ہاتھ) وجہ (چہرہ) اور اعین (آنکھیں) کے جو الفاظ ہیں ان سے کیا مراد ہے اس میں متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے متقدمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ہاتھ چہرہ اور آنکھیں ہیں لیکن وہ جسمانیت سے پاک ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثل نہیں ہے اس کی یہ صفات اس کی شان کے لائق ہیں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں:

اللہ کی کوئی ضد (ممانع اور مخالف) نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی ند (مشابہ) ہے اور نہ اس کی کوئی مثل ہے اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو چہرہ ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے وہ اس کی بلا کیف صفات ہیں اور یہ نہ کہا جائے کہ ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس قول میں اس کی صفات کو باطل کرنا ہے اور یہ

قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت بلا کیف ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا اس کی صفات میں سے صفات بلا کیف ہیں۔ (الفقہ الاکبر مع شرحہ لعلی القاری ص ۳۷-۳۶' مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۵ھ)

اور متاخرین نے ان صفات کی تاویلات کی ہیں:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

مخالفین اسلام نے قرآن اور حدیث کی ان نصوص سے استدلال کیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور جسمیت ثابت ہوتی ہے اور اس کی صورت اور اس کے اعضاء ثابت ہوتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہات پر دلائل قائم ہیں اس لیے ان نصوص کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کرنا واجب ہے جیسا کہ سلف صالحین کا طریقہ ہے کہ وہ زیادہ سلامتی والے طریقہ کو پسند کرتے ہیں یا ان نصوص کی تاویلات صحیحہ کی جائیں جیسا کہ متاخرین علماء کا مختار ہے تاکہ جاہلوں کے اعتراضات کو دور کیا جاسکے' اور کمزور مسلمانوں کو اسلام پر برقرار رکھا جاسکے۔ (شرح العقائد النسفی ص ۳۴ ملخصاً' مطبوعہ کراچی)

ان تاویلات کی مثال حسب ذیل ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۔ (البقرہ: ۱۱۵) تم جہاں کہیں بھی (قبلہ کی طرف) منہ کرو' تو وہیں اللہ کا چہرہ ہے۔

یعنی وہیں اللہ تمہاری طرف متوجہ ہے یا وہیں اللہ کی ذات ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے:

حضرت محمد ابن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو وہ چہرے پر مارنے سے اجتناب کرے' کیونکہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

(صحیح مسلم البر والصلۃ: ۱۱۵' رقم الحدیث بلاتکرار: ۲۶۱۲' الرقم المسلسل: ۶۵۳۲' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۴' تاریخ دمشق الکبیر ج ۷ ص ۲۷۷' رقم الحدیث: ۱۹۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ شمس الدین خیالی متوفی ۸۷۰ھ نے لکھا ہے اس حدیث میں صورت سے مراد اس کی صفت ہے یعنی علم اور قدرت میں سے کسی صفت پر حضرت آدم کو پیدا کیا' اسی طرح قرآن مجید میں ید اللہ (الفتح: ۱۰) ہے اس سے مراد اللہ کی قدرت ہے۔

(حاشیۃ الخیالی علی شرح العقائد ص ۷۴' مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ)

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن مجید میں جو ذنب کا لفظ ہے اس کا ترجمہ گناہ کرنے میں اور ید اللہ کا ترجمہ اللہ کا ہاتھ کرنے میں بہت فرق ہے کیونکہ تمام اہل اسلام کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور جب ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے گا تو عام مسلمانوں کے ذہن مشوش ہوں گے اس کے برخلاف جب ید اللہ کا ترجمہ اللہ کے ہاتھ کیا جائے گا تو اس سے کسی مسلمان کو تشویش نہیں ہوگی کیونکہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے اللہ کے ہاتھ کا معنی یہ ہے کہ اس کے شایان شان ہاتھ ہے جس کی مخلوق میں کوئی مثل نہیں ہے اور یہ معنی امام ابوحنیفہ اور دیگر متقدمین کے نزدیک ہے اور متاخرین کے نزدیک اس کا معنی اللہ کی قدرت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت قیام اور ساجدین میں دیکھنے کے دیگر محامل

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۹-۲۱۸) جو آپ کو قیام کے وقت دیکھتا ہے ۝ اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو ۝

اس آیت کی تفسیر میں دیگر محامل یہ ہیں:

(۲) جب آپ مسلمانوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے قیام' رکوع' سجود اور قعود میں تصرف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو مسلمانوں کے ساتھ قیام کرتے ہوئے اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ (تفسیر عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۱۴۰)

(۳) مقاتل وغیرہ نے کہا اللہ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ تنہا نماز پڑھتے ہیں اور جب آپ مسلمانوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ مجاہد نے کہا اللہ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کی نظر نمازیوں میں گردش کرتی ہے کیونکہ آپ پس پشت بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۳۸۵' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۰۳۰' معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں سامنے متوجہ رہتا ہوں! پس اللہ کی قسم! مجھ پر نہ تمہارا خشوع مخفی ہوتا ہے اور نہ تمہارا رکوع مخفی ہوتا ہے اور بے شک میں تم کو اپنے پس پشت بھی ضرور دیکھتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۲' مسند ابو عوانہ ج ۲ ص ۱۳۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۴۸۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۷۵-۷۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۴) ضحاک نے کہا جب آپ اپنے بستر سے کھڑے ہوتے ہیں یا اپنی مجلس سے کھڑے ہوتے ہیں' تو وہ آپ کو دیکھتا ہے' قتادہ نے کہا جو آپ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے تمام حالات میں دیکھتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۸۲۸)

(۵) اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ دینی معاملات اور دینی مہمات کو سر کرنے کے لیے قیام کرتے ہیں یا سجدہ کرنے والوں میں تصرف کرتے ہیں۔

(۶) ساجدین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور جس طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کار نبوت کو سرانجام دینے میں قیام کرتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو تبلیغی امور میں قیام کرتے ہوئے دیکھتا رہتا ہے۔ (جامع البیان' رقم الحدیث: ۲۰۳۹۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے ثبوت میں احادیث

اس آیت کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ ساجدین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں ایک نبی سے دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہو رہے تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہا تھا اور اس تفسیر میں اس پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام مومن تھے اس تفسیر کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں منقلب ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کے تمام آباء

کرام انبیاء تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے آباء کرام میں انبیاء علیہم السلام بھی تھے)

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۰۲۹ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

اس حدیث کو امام ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اور امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے بھی روایت کیا ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۱ رقم الحدیث: ۱۷ الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وتقلبک فی الساجدین کی تفسیر میں فرماتے ہیں آپ نے فرمایا میں ایک نبی کی پشت سے دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ میں نبی ہوگیا۔ (یعنی آپ کے آباء کرام میں انبیاء علیہم السلام بھی تھے)

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۰۲۱ مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۴۲ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۱۳۴۷ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بزار نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور ان کی سندوں کے تمام راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں سوائے شعیب بن بشر کے اور وہ بھی ثقہ ہے تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۲۲۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۹۳۶۰، ۸۸۴۳ دار الحدیث قاہرہ مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۷ طبع قدیم مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۳۹ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۰۵)

قرن کا معنی ہے کسی ایک زمانے کے تمام لوگوں کا ایک طبقہ بعض علماء نے اس زمانے کی تحدید سو سال کے ساتھ کی ہے بعض نے ستر سال کے ساتھ کی ہے اور صحیح یہ ہے کہ جب کسی ایک زمانہ کے تمام لوگ ہلاک ہو جائیں اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہے تو وہ زمانہ ایک قرن ہے۔ (التوشیح ج ۳ ص ۳۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے حضرت ابراہیم کی اولاد سے حضرت اسماعیل کو چن لیا اور حضرت اسماعیل کی اولاد سے بنو کنانہ کو چن لیا اور بنو کنانہ سے قریش کو چن لیا اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم سے مجھے چن لیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵ الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸ مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۷ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۰۱، ۱۴۱۸ھ)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کے دو حصے کیے اور مجھے ان میں سے سب سے اچھے حصے میں رکھا۔ پھر اس نصف کے تین حصے کیے اور مجھے اس تیسرے حصہ میں رکھا جو سب سے خیر اچھا اور سب افضل تھا پھر لوگوں میں سے عرب کو چن لیا پھر عرب میں سے قریش کو چن لیا پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا پھر بنو ہاشم میں سے حضرت عبدالمطلب کو چن لیا پھر حضرت عبدالمطلب کی اولاد میں سے مجھ کو چن لیا (اس حدیث میں خیر کا لفظ ہے اور مومن اور کافر میں مومن خیر ہے سو آپ کے تمام آباء مومن ہیں)

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۳۰۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۱۲۲)

یہ حدیث آپ کے تمام آباء کے ایمان پر عمومی اور حضرت عبدالمطلب کے ایمان پر خصوصی دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ پر میرے باپ فدا ہوں! جب حضرت آدم جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا: میں حضرت آدم کی پشت میں تھا اور جب

مجھے کشتی میں سوار کرایا گیا تو میں اپنے باپ حضرت نوح کی پشت میں تھا۔ اور جب مجھے (آگ میں) پھینکا گیا تو میں حضرت ابراہیم کی پشت میں تھا' میرے والدین کبھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے' اور اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ معزز پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا' میری صفت مھدی ہے' اور جب بھی دو شاخیں ملیں میں سب سے خیر (اچھی) شاخوں میں تھا' اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا میثاق اور اسلام کا عہد لیا' اور تورات اور انجیل میں میرا ذکر پھیلایا اور ہر نبی نے میری صفت بیان کی اور زمین میرے نور سے چمک اٹھی اور بادل میرے چہرے سے برستا ہے اور مجھے اپنی کتاب کا علم دیا اور آسمانوں میں میرے شرف کو زیادہ کیا اور اپنے ناموں میں سے میرا نام بنایا پس عرش والا محمود ہے اور میں محمد ہوں' الحدیث۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے قریش اللہ عزوجل کے سامنے ایک نور تھے' یہ نور تسبیح کرتا تھا' اور فرشتے اس کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے' جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو یہ نور ان کی پشت میں رکھ دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس اللہ نے حضرت آدم کی پشت میں اس نور کو زمین کی طرف اتارا' پھر کشتی میں یہ نور حضرت نوح کی پشت میں رکھ دیا گیا اور حضرت ابراہیم کی پشت میں یہ نور آگ میں ڈالا گیا' اور اللہ مجھے ہمیشہ مکرم پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا' حتیٰ کہ مجھے میرے ان والدین سے نکالا جو کبھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں اور بدکاری سے نہیں پیدا کیا گیا۔ حضرت آدم سے لے کر حتیٰ کہ میں اپنی والدہ سے پیدا ہوا اور مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کسی چیز نے نہیں چھوا۔ (المطالب العالیہ ج ۴ ص ۱۷۷' رقم الحدیث: ۴۲۵۷' ۴۲۵۶' مکہ مکرمہ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث کا ذکر کیا ہے۔

امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! جب حضرت آدم جنت میں تھے اس وقت آپ کہاں تھے؟ آپ مسکرائے حتیٰ کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں' پھر آپ نے فرمایا: میں ان کی پشت میں تھا' ان کو زمین پر اتارا گیا اس وقت بھی میں ان کی پشت میں تھا' میں اپنے باپ حضرت نوح کی پشت میں کشتی میں سوار ہوا' اور اپنے باپ ابراہیم کی پشت میں مجھے آگ میں ڈالا گیا' اور میرے ماں باپ کبھی ایک دوسرے کے ساتھ بدکاری میں جمع نہیں ہوئے' اور اللہ مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل کرتا رہا' جب کہ وہ صاف اور مہذب تھے' جب بھی دو شاخیں باہم ملیں تو میں ان سے بہتر شاخوں میں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا میثاق لیا اور مجھ کو اسلام کی ہدایت دی' اور تورات اور انجیل میں میرا ذکر بیان کیا۔ اور میری تمام صفات کو مشرق اور مغرب میں بیان کر دیا' اور مجھ کو اپنی کتاب کا علم دیا' اور اپنے اسماء میں میرا ذکر بلند کیا' اور اپنے اسماء میں سے میرا اسم بنایا' سو عرش والا محمود ہے اور میں محمد ہوں' اور مجھے حوض کے نزدیک کیا اور مجھے کوثر عطا کیا' اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور مجھے اپنی امت کے سب سے بہتر قرن میں نکالا' اور میری امت بہت حمد کرنے والی ہے اور نیکی کا حکم دینے والی ہے اور برائی سے روکنے والی ہے۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۲۹۹ - ۲۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شاھین التوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجون پر بہت افسردگی اور غم کی حالت میں اترے اور جب تک آپ کے رب عزوجل نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے رہے' پھر آپ وہاں سے بہت خوش خوش واپس ہوئے' میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ مقام حجون پر بہت افسردگی کے عالم میں اترے تھے' پھر آپ بہت خوش خوش واپس ہوئے آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کردیا' وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو لوٹا دیا۔ (الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث: ۶۳۰' ص ۲۸۴' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ السہیلی التوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:
قاضی ابوعمران احمد بن ابی الحسن نے ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں چند مجہول راوی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ اپنے والدین کو زندہ کردے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان کو زندہ کردیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لے آئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کردی۔

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی رحمت اور قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہیں کہ وہ آپ کو جس وصف سے چاہے اپنے فضل سے خاص کرے اور اپنے کرم سے آپ کو جس نعمت سے چاہے نواز دے۔ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم (الروض الانف ج ا ص ۲۹۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

والدین کریمین کے ایمان پر امام فخر الدین رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
انبیاء علیہم السلام کے آباء کافر نہ تھے' اس کے متعدد دلائل ہیں:
پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۹-۲۱۸) کہا گیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کی روح ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہو رہی تھی' سو اسی تقدیر پر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مسلمان تھے' اور اس وقت یہ قطعی طور پر ثابت ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر نہ تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وتقلبک فی السجدین کی اور بھی تفسیریں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے اصحاب کے گھروں میں تفتیش کرتے تھے کہ وہ اپنے گھروں میں کیا کر رہے ہیں کیونکہ آپ کو اس پر شدید حرص تھی کہ وہ اس کے بعد بھی رات کو عبادت کرتے رہیں آپ نے دیکھا کہ ان کے گھروں سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ اس اعتبار سے وتقلبک فی الساجدین کا معنی ہے کہ اللہ آپ کے قیام کو دیکھتا ہے اور ساجدین میں آپ کے طواف کرنے اور گھومنے کو دیکھتا ہے' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جب آپ لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے' اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آپ کا حال مخفی نہیں ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور ساجدین کے دینی مسائل اور معاملات میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے اور اس کا چوتھا معنی ہے جب آپ اپنی نظر کو حرکت دے کر اپنے پیچھے سے نمازیوں کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے اپنا اپنا رکوع اور سجود پورا پورا کیا کرو کیونکہ میں تم کو اپنے پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔

پس ہر چند کہ اس آیت میں ان چاروں تفسیروں کا بھی احتمال ہے' مگر ہم نے جس تفسیر کا ذکر کیا ہے اس کا بھی اس تفسیر میں احتمال ہے اور ہر تفسیر کے متعلق احادیث وارد ہیں اور ان تفسیروں کے درمیان کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے' پس اس آیت کو ان تمام تفسیروں پر محمول کرنا واجب ہے' اور جب یہ صحیح ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بت پرستوں میں سے نہ تھے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مشرک نہ تھے اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما المشرکون نجس (التوبۃ: ۲۸) مشرکین نجس کے سوا اور کچھ نہیں' یعنی پاک بالکل نہیں پس اس سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہیں ہے۔ (اسرار التنزیل وانوار التاویل ص ۲۶۸-۲۶۷' مطبوعہ دار الکتب والوثائق بغداد عراق' ۱۹۹۰ء)

والدین کریمین کے ایمان پر علامہ قرطبی کے دلائل

حافظ ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجون پر بہت افسردگی اور غم کی حالت میں اترے اور جب تک آپ کے رب عزوجل نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے' پھر آپ وہاں سے بہت خوش خوش واپس ہوئے' میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ مقام حجون پر بہت افسردگی کے عالم میں اترے تھے' پھر آپ بہت خوش خوش واپس ہوئے' آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو لوٹا دیا۔ (الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث: ۶۳۰' ص ۲۸۴' مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ابوبکر احمد بن علی الخطیب نے کتاب ''السابق واللاحق'' میں اور ابوحفص عمر بن شاہین نے ''الناسخ والمنسوخ'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا حج ہمارے ساتھ کیا۔ آپ میرے ساتھ الحجون گھاٹی میں گذرے' اس وقت آپ رو رہے تھے اور غمگین تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی' آپ وہاں اترے اور فرمایا: اے حمیرا ٹھہر جاؤ' میں اونٹ کی ایک جانب ٹیک لگا کر بیٹھ گئی' آپ کافی دیر وہاں ٹھہرے رہے' پھر خوشی خوشی مسکراتے ہوئے واپس آئے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں! آپ یہاں پر غم اور افسردگی کی کیفیت میں اترے تھے' حتیٰ کہ یا رسول اللہ! آپ کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی' پھر آپ اس حال میں میرے پاس واپس آئے کہ آپ خوشی خوشی مسکرا رہے تھے۔ یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا میں اپنی ماں آمنہ کی قبر کے پاس سے گذرا میں نے اپنے رب اللہ سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو زندہ کر دے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا' تو وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان کی موت کو پھر لوٹا دیا۔ یہ خطیب کی عبارت ہے' اور علامہ سہیلی نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں مجہول راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد اور والدہ دونوں کو زندہ کیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لائے۔ اس حدیث کے معارض وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا' علامہ قرطبی فرماتے ہیں الحمد للہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے' کیونکہ آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کے لیے استغفار کرنے سے منع کرنے کا واقعہ پہلے کا ہے اور آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنے کا واقعہ بعد کا ہے' کیونکہ حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ والدہ کو زندہ کرنے کا واقعہ حجۃ الوداع کے موقع کا ہے اس طرح امام ابن شاہین نے الناسخ والمنسوخ میں اس کو ناسخ قرار دیا ہے (رقم الحدیث: ۶۳۰) اور استغفار کی اجازت نہ دینے کو منسوخ قرار دیا ہے (رقم الحدیث: ۶... ص ۲۸۳) اسی طرح صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا دوزخ میں! جب وہ واپس جانے لگا تو آپ نے فرمایا: میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۸)

بہ ظاہر یہ حدیث والدین کو زندہ کرنے کی حدیث کے معارض ہے لیکن اس حدیث میں میرے باپ سے مراد میرا چچا ہے یعنی ابو طالب پھر کوئی اعتراض نہیں ہے ایک اور اعتراض یہ ہے کہ والدین کو زندہ کرنے کے بیان والی حدیث موضوع ہے قرآن مجید اور اجماع کے مخالف ہے کیونکہ جو کفر پر مرا اس کی حیات لوٹانے کے بعد اس کے ایمان لانے سے اس کو کوئی نفع نہیں ہوگا بلکہ اگر وہ موت کے فرشتوں کو دیکھنے کے وقت بھی ایمان لے آئے تو اس کو ایمان لانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا چہ جائیکہ زندہ کیے جانے کے بعد اس کے ایمان لانے سے اس کو کوئی فائدہ ہوا!

قرآن مجید میں ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ○ (النساء: ۱۸)

اور ان لوگوں کی توبہ (مقبول) نہیں ہے جو (مسلسل) گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی ایک کو موت آئے تو وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کرلی اور نہ ان لوگوں کی توبہ (مقبول) ہے جو کفر کی حالت میں مرجاتے ہیں۔

اور کتب تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے ماں باپ نے کیا کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ○ (البقرہ: ۱۱۹)

اور آپ سے دوزخیوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

یہ روایت محمد بن کعب قرظی اور ابو عاصم سے منقول ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۵۹، ۱۵۵۸)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حافظ ابوالخطاب عمر بن دحیہ نے کہا ہے کہ یہ استدلال مخدوش ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور خصائص آپ کے وصال تک متواتر اور مسلسل ثابت ہوتے رہے ہیں لہٰذا آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا بھی آپ کے ان خصائص میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرف کیا ہے۔

نیز آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا عقلاً اور شرعاً ممتنع نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ کیا گیا اور اس نے اپنے قاتل کی خبر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا اور جب یہ امور ثابت ہیں تو آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنے اور پھر ان کے ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے؟ جب کہ اس میں آپ کی زیادہ کرامت اور فضیلت ہے اور جب کہ اس مسئلہ میں حدیث بھی وارد ہے۔

اور معترض نے جو یہ کہا ہے کہ جو شخص کفر پر مرجائے اس کی توبہ مفید نہیں ہوتی تو اس کا یہ اعتراض اس حدیث سے مردود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورج کو غروب ہونے کے بعد لوٹا دیا تھا امام طحاوی نے کہا یہ حدیث ثابت ہے

اگر سورج کا لوٹایا جانا مفید نہ ہوتا تو اس کو نہ لوٹایا جاتا' پس اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کرنا ان کے ایمان لانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کے لیے مفید تھا اور بے شک ظاہر قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ اور ان کے اسلام کو قبول کر لیا تھا حالانکہ وہ عذاب کی علامات نمودار ہونے کے بعد ایمان لائے تھے اور اس کے بعد انہوں نے توبہ کی تھی' اور سورۃ البقرہ: ۱۱۹ کا جواب یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کے زندہ کیے جانے اور ان کے ایمان لانے سے پہلے فرمایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے غیب کو زیادہ جاننے والا ہے۔

(التذکرۃ ج ۱ص ۳۷-۳۵' موضحاً' مطبوعہ دارالبخاری' ۱۴۱۷ھ)

علامہ قرطبی کے دلائل بہت قوی ہیں البتہ انہوں نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کے ہاتھ پر مردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا سو یہ ثابت نہیں ہے۔

والدین کریمین کے ایمان پر علامہ سہیلی کے دلائل

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں ہے۔ جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں'' (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳) اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق ایسی کوئی بات کہیں اور آپ کو ایذاء پہنچائیں کیونکہ آپ نے فرمایا ہے مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔ وہ حدیث یہ ہے:

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

عمرو بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے تو لوگ جمع ہو کر کہنے لگے: یہ ابوجہل کا بیٹا ہے' یہ ابوجہل کا بیٹا ہے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔

(تاریخ دمشق الکبیر جز ۴۳ص ۱۹۵-۱۹۴' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۴۱۷)

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ○ (الاحزاب: ۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں' ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اس نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور حضرت عکرمہ کے والد کو کافر کہنا حضرت عکرمہ کے لیے باعث اذیت ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر کہنا آپ کے لیے کس قدر باعث ایذاء ہوگا! اس کے بعد علامہ سہیلی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیے جانے کے متعلق دو حدیثیں لکھی ہیں جن کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت اس سے عاجز نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اھل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ کو جس چیز کے ساتھ چاہے خاص کرے۔

(الروض الانف ج ۱ص ۲۹۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

والدین کریمین کے ایمان پر علامہ ابی مالکی کے دلائل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں' جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو آپ نے فرمایا میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دلجوئی کی وجہ سے فرمایا تھا تا کہ اس شخص کو تسلی ہو' (اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں باپ کا اطلاق چچا پر ہو اور اس سے مراد ابو

طالب ہوں) اس کے بعد علامہ ابی مالکی نے علامہ سہیلی کا پورا کلام ذکر کیا ہے' جس کو ہم نقل کر چکے ہیں' اس کے بعد علامہ ابی مالکی نے علامہ نووی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کے والدین اہل فترت میں سے تھے اور اہل فترت پر عذاب نہیں ہو گا کیونکہ اہل فترت ان دو رسولوں کے درمیان کے لوگوں کو کہتے ہیں جن کی طرف پہلے رسول کو بھیجا نہ گیا ہو اور دوسرے رسول کو انہوں نے پایا نہ ہو' جیسے وہ عرب جن کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث نہیں کیے گئے اور نہ انہوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہو' اور اس تعریف کے اعتبار سے فترت ہر ان لوگوں کو شامل ہے جو دو رسولوں کے درمیان ہوں' جیسے حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کے لوگ' اور حضرت نوح اور حضرت ھود علیہما السلام کے درمیان کے لوگ' اور ان کے درمیان آٹھ سو سال ہیں' اور حضرت صالح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کے لوگ اور ان کے درمیان چھ سو تیس سال ہیں' لیکن فقہاء جب فترت میں کلام کرتے ہیں تو اس سے مراد ان لوگوں کو لیتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کے لوگ ہیں۔

(اکمال اکمال المعلم ج۱ص ۶۱۷-۶۱۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابی مالکی کی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا زندہ کیا جانا اور ان کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا نہ بھی تسلیم کیا جائے' پھر بھی آپ اہل فترت میں سے ہیں اور العیاذ باللہ اہل دوزخ میں سے نہیں ہیں۔

نیز علامہ ابی نے لکھا ہے کہ اہل فترت کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ہے جنہوں نے شرک کیا اور دوسری قسم وہ ہے جنہوں نے شرک کیا اور دین میں تبدیلی کی اور اپنی طرف سے چیزوں کو حلال اور حرام کیا ان دونوں قسم کے اہل فترت کو عذاب ہو گا اور تیسری قسم کے اہل فترت وہ ہیں جنہوں نے نہ شرک کیا نہ کسی نبی کی شریعت میں تغیر اور تبدل کیا اور نہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کیا اور نہ کسی دین کو اختراع کیا' وہ ساری عمر غفلت اور جاہلیت میں رہے' ان کو بالکل عذاب نہیں ہو گا' اور آپ کے والدین کریمین اہل فترت کی اسی تیسری قسم میں سے تھے۔ (اکمال اکمال المعلم ج۱ص ۶۲۱-۶۲۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

والدین کریمین کے ایمان کے ثبوت میں حافظ سیوطی کے رسائل

متقدمین کی کتب حدیث میں' احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۳ھ کی مسند احمد بن حنبل ہے اس میں ۲۸۱۹۹' کل مرفوعہ وموقوفہ احادیث ہیں (مطبوعہ عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ) اور متاخرین کی کتب حدیث میں احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی جمع الجوامع ہے اس میں ۲۹۰۲۵ احادیث مرفوعہ ہیں' ۱۵۳۰۳ آثار صحابہ ہیں' ۱۲۵۷' احادیث موضوعہ وضعیفہ ہیں اور اس میں درج شدہ کل احادیث کی تعداد ۴۵۵۸۵ ہے (مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ) اور مطبوعہ کتب حدیث میں یہ احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ ہے' اور حدیث کی سب سے زیادہ خدمت بھی حافظ سیوطی نے کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا رنگ بھی سب سے زیادہ ان کی تصانیف میں جھلکتا ہے' اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر انعام بھی بہت زیادہ ہے' علامہ عبدالوہاب الشعرانی المتوفی ۹۷۳ھ نے لکھا ہے کہ حافظ سیوطی کو بیداری میں' پچھتر بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے۔

(المیزان الکبریٰ ج۱ص ۵۵-۵۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے' ان کے ایمان لانے اور ان کے غیر معذب اور جنتی ہونے کے متعلق حافظ سیوطی کے حسب ذیل رسائل ہیں:

(١) المقامة السندسیه فی النسبة المصطفویه' مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن' ١٣١٦ھ
(٢) تنزیه الانبیاء عن تشبیه الاغبیاء' مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ' حیدرآباد دکن' ١٣١٦ھ
(٣) السبیل الجلیة فی الآباء العلیة' مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ' حیدرآباد دکن' ١٣١٦ھ
(٤) مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ' مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ' حیدرآباد دکن' ١٣١٦ھ
(٥) نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین' مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ' حیدرآباد دکن' ١٣١٦ھ
(٦) الدرج المنیفه فی الآباء الشریفه' مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ' حیدرآباد دکن' ١٣١٦ھ
(٧) التعظیم والمنة فی ان ابوی رسول الله فی الجنة' مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ' حیدرآباد دکن' ١٣١٦ھ

المقامة السندسیة فی النسبة المصطفویة کا خلاصہ

(آپ کے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا)

یہ اس موضوع پر حافظ سیوطی کا پہلا رسالہ ہے اور اس کے بیس صفحات ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک عظیم خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی عظمت اور شان ظاہر کرنے کے لیے آپ کے نسب کو طاہر رکھا ہے' اور آپ کے آباء کو ہر قسم کے میل کی آلودگی سے محفوظ رکھا ہے اور آپ کے آباء واجداد میں سے ہر اب اور جد کو ان کے زمانہ کا سب سے بہتر فرد بنایا ہے' جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: میں ہر زمانہ میں بنو آدم کے سب سے افضل لوگوں سے بھیجا گیا ہوں حتیٰ کہ جس زمانہ میں' میں ہوں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بہ اعتبار نسب کے تم سب سے افضل ہوں اور بہ اعتبار سسرال اور خاندانی شرافت اور محاسن کے بھی تم سب سے افضل ہوں' اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا' جب بھی دو شاخیں آپس میں ملیں تو میں سب سے بہتر شاخ میں ہوتا تھا تو میں خود بھی تم سے افضل ہوں اور میرے باپ بھی تم سے افضل ہیں۔

تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس نبی کو بھی جو معجزہ دیا گیا یا جو خصوصیت دی گئی اس کی مثل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور دی گئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا گیا کہ وہ قبر کے مردوں کو زندہ کرتے تھے' پس ضروری ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اس کی مثل ہو' ہرچند کہ بکری کے گوشت نے آپ سے کلام کر کے کہا مجھ میں زہر ملا ہوا ہے' اور کھجور کے تنے نے بھی آپ سے کلام کیا اور یہ بھی مردوں کو زندہ کرنے کی مثالیں ہیں' لیکن اس کی قریب ترین مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے والدین کو زندہ کیا' اور وہ آپ پر ایمان لائے۔

آپ کے والدین کا اھل فترت سے ہونا اور غیر معذب ہونا

اور آپ کے والدین اھل فترت میں سے ہیں اور اھل فترت کے متعلق صحیح اور حسن احادیث وارد ہیں اور ان کے غیر معذب ہونے کے ثبوت میں قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل: ١٥)

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ○ (طٰہٰ: ١٣٤)

اور اگر ہم اس سے پہلے انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ یقیناً یہ کہہ دیتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیری

علامہ سہیلی کی عبارت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو دوزخی کہنا آپ کے لیے باعث ایذاء ہے اور آپ کو ایذاء پہنچانا کفر ہے' علامہ سہیلی کی پوری عبارت اور اس حدیث کی توجیہ ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔

السبیل الجلیة فی الاباء العلیه کا خلاصہ

یہ اس موضوع پر تیسرا رسالہ ہے' رسالہ ۱۷ صفحات مشتمل ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے نجات یافتہ اور جنتی ہونے کے سلسلہ میں دلائل کے چار سُبُل (طریقے) بیان کیے ہیں:

آپ کے والدین کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی سو وہ غیر معذب ہیں

پہلی سبیل (پہلا طریقہ) یہ ہے کہ آپ کے والدین کو زمانہ جاہلیت میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور امام غزالی نے مستصفی میں' اور امام رازی نے محصول میں اور قاضی ابوبکر الباقلانی نے تقریب میں اور متعدد دائمہ اصول نے اپنی کتابوں میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ جس کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ مکلف نہیں ہے اور یہ اصول اس آیت سے مستنبط ہے:

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ○ (الانعام: ۱۳۱) یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو کفر کی وجہ سے ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب کہ اس بستی والے غافل ہوں۔

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ایسا شخص نجات یافتہ ہے' اور چونکہ آپ کے والدین بھی اسلام کی دعوت سے غافل تھے سو وہ نجات یافتہ ہیں۔

آپ کے والدین اصحابِ فترت سے ہیں اس لیے وہ نجات یافتہ ہیں

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین اصحاب فترت میں سے ہیں اور اصحاب فترت کے متعلق متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن ان کا امتحان لیا جائے گا اور جو امتحان میں کامیاب ہوگا اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا' امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے تین مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل فترت کو اور کم عقل کو اور بہرے اور گونگے اور بوڑھوں کو جمع فرمائے گا' جنہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا پھر ان کی طرف ایک رسول بھیجے گا جو ان سے کہے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ' وہ کہیں گے کیوں؟ ہمارے پاس تو کوئی رسول نہیں آیا تھا! آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر وہ اس میں داخل ہو جاتے تو وہ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جاتی' پھر ان کی طرف ایک رسول بھیجے گا' پھر جس کے متعلق اللہ چاہے گا وہ اس رسول کی اطاعت کرے گا' پھر حضرت ابوہریرہ نے کہا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۱۵) ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں' جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۷۲۲' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۲۱۳' الجامع الاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۰۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ نے اس آیت سے یہ سمجھا تھا کہ اس آیت میں رسول سے مراد عام ہے' خواہ وہ رسول دنیا میں بھیجا جائے یا قیامت کے دن' جب اہل فترت سے کہے گا دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

حافظ ابن حجر نے کہا آپ کے والدین کے متعلق گمان یہ ہے کہ وہ سب زمانہ فترت میں فوت ہو گئے تھے اور قیامت کے دن جب ان سے بہ طور امتحان کہا جائے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ تو وہ اس امتحان میں کامیاب ہوں گے اور قیامت کے

دن رسول کی اطاعت کر کے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور وہ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی' اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو یہ توفیق دے گا کہ وہ قیامت کے دن رسول کی اطاعت کریں گے۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابوسعد نے ''شرف نبوت'' میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ میرے اھل بیت میں سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ کرنا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا' اور امام ابن جریر نے **ولسوف یعطیک ربک فترضی** کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں سے یہ ہے کہ آپ کے اھل بیت میں سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ کیا جائے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۵۳) اور ان میں سے بعض احادیث بعض کو مضبوط کرتی ہیں کیونکہ حدیث ضعیف جب متعدد اسانید سے مروی ہو تو اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے' حافظ سیوطی کا منشاء یہ ہے کہ ان احادیث کی بناء پر والدین کریمین بغیر امتحان کے جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ وہ بھی آپ کے اھل بیت سے ہیں اور اصحاب فترت کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دوزخ سے نجات ہوگی۔

آپ کے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا اور اس کے مخالف احادیث کی تاویل

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا حتیٰ کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور اس طریقہ کی طرف اکثر ائمہ دین اور حفاظ حدیث نے میلان کیا ہے۔ اس حدیث کا علامہ السہیلی نے الروض الانف میں ذکر کیا ہے' ابن جوزی نے اس کو موضوع کہا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ موضوع نہیں ضعیف ہے' اور بہت ائمہ اور حفاظ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف کی وہ قسم ہے جس کا فضائل اور مناقب میں ذکر کرنا جائز ہے' ان حفاظ میں سے حافظ ابوبکر خطیب بغدادی ہیں' ابوالقاسم بن عساکر' حافظ ابن شاہین' حافظ سہیلی' امام قرطبی' محب الدین طبری' علامہ ناصر الدین اور فتح الدین وغیرہ ہیں۔

اور جب ان طریقوں سے ثابت ہو گیا کہ آپ کے والدین نجات یافتہ اور جنتی ہیں تو جو احادیث ان کے خلاف ہیں وہ ان سے پہلے کی ہیں جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ مشرکین کے بچے دوزخ میں ہیں پھر یہ آیت نازل ہوگئی:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ — اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(بنواسرائیل: ۱۵)

تو اب اس آیت پر عقیدہ ہوگا نہ کہ پہلی احادیث پر تو جن احادیث سے والدین کریمین کا جنتی ہونا ثابت ہے ان پر عقیدہ ہوگا نہ کہ ان کی مخالف احادیث پر۔

آپ کے والدین ملت ابراہیم پر تھے

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ: آپ کے والدین کریمین ملت ابراہیم پر تھے' جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جاہلیت میں تھے اور ان کی مثل دوسرے' ابن الجوزی نے ''التلقیح'' میں اس عنوان کا ایک باب قائم کیا ہے ''وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں بت پرستی سے کنارہ کش رہے تھے'' ان میں ایک جماعت کا ذکر کیا ہے جن میں زید مذکور بھی ہیں اور قس بن ساعدہ ہیں اور ورقہ بن نوفل ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرھم ہیں' سو آپ کے والدین بھی اسی جماعت میں سے ہیں' اس طریقہ کی طرف امام فخر الدین رازی نے میلان کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء توحید پر قائم ہیں' اور اپنی تفسیر صغیر اسرار التنزیل میں اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۙ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ (الشعراء: ۲۱۹-۲۱۸) میں انہوں نے

اس کو بیان کیا ہے' (ہم اس کو باحوالہ بیان کر چکے ہیں' سعیدی غفرلہ)

امام رازی کے موقف پر مجھے عام دلائل بھی حاصل ہوئے اور خاص دلائل بھی' عام دلائل دو مقدموں سے مرکب ہیں اول مقدمہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ کے اجداد میں سے ہر جد اپنے زمانہ میں سب سے خیر اور افضل تھے' کیونکہ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ میں قرناً فقرناً بنو آدم کے خیر قرون (ہر زمانہ کے سب سے بہترین لوگوں) سے مبعوث ہوا ہوں حتیٰ کہ جس زمانہ کے لوگوں میں' میں ہوں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۷) دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق اور مسند احمد کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ روئے زمین کبھی سات یا اس سے زیادہ مسلمانوں سے کبھی خالی نہیں رہی۔ ورنہ زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۱۶۲ جدید' ج ۵ ص ۹۶ قدیم) اور مومن اور مشرک میں مومن خیر ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر زمانہ کے بہترین لوگوں سے ہیں اور اس زمانہ میں مومن بھی ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ کے والدین مومن ہوں۔

اور دلیل خاص یہ ہے کہ امام محمد بن سعد نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء مومن تھے۔

مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ (مسلک اوّل آپ کے والدین کا اصحاب فترت سے ہونا)

اس موضوع پر یہ چوتھا رسالہ ہے اور یہ سب سے ضخیم رسالہ ہے' اس کے چھپن (۵۶) صفحات ہیں۔

مسلک اول یہ ہے کہ آپ کے والدین آپ کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے اور جو لوگ بعثت سے پہلے فوت ہو گئے اور ان کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ نجات یافتہ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (بنو اسرائیل: ۱۵) اس پر مفصل دلائل گذر چکے ہیں' اور یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس مسلک کے اعتبار سے آپ کے والدین نجات یافتہ ہیں۔ حافظ سیوطی نے ۱۵ صفحات تک اس مسلک پر دلائل پیش کیے ہیں۔

مسلک ثانی آپ کے والدین کا دین ابراہیم پر ہونا

آپ کے والدین سے شرک بالکل ثابت نہیں بلکہ وہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے جیسا کہ عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرھم تھے اس کی تفصیل امام رازی نے اسرار التنزیل میں الشعراء: ۱۹-۱۸ میں کی ہے۔

آپ کے تمام آباء کے مومن ہونے کے متعلق احادیث

احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک آپ کے تمام آباء مومن تھے اور اس پر یہ دلیل ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہر زمانہ میں اولادِ آدم کے بہترین لوگوں میں مبعوث کیا گیا ہوں حتیٰ کہ اس زمانے کے بہترین لوگوں میں سے جس میں' میں ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۷)

اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی لوگوں میں دو فرقے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہتر فرقہ میں رکھا' پس مجھے اپنے والدین سے اس حال میں نکالا گیا کہ مجھے زمانہ جاہلیت کی کوئی چیز نہیں پہنچی تھی اور میں نکاح سے نکالا گیا ہوں' اور حضرت آدم سے لے کر میرے ماں باپ تک میں زنا سے نہیں نکالا گیا پس میں خود اور میرے آباء واجداد تم سب سے خیر اور افضل ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۴' حافظ ابن کثیر نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن اس کے بہت شواہد ہیں پھر حافظ ابن کثیر نے ان شواہد

ذکر کیا البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۷۸ دار الفکر ۱۴۱۸ھ تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۲۹ رقم الحدیث: ۵۵۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ماں باپ کبھی زنا پر جمع نہیں ہوئے اور اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا جو صاف اور مہذب تھے اور جب بھی دو شاخیں ملیں میں ان میں سے افضل اور بہتر شاخوں میں تھا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۵۷ رقم الحدیث: ۱۵ الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۹۳)

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل سے کنانہ کو اختیار کیا اور کنانہ کی اولاد سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵)

امام المحب الطبری نے ذخائر العقبیٰ میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب میں بہترین مضر ہیں اور مضر میں بہترین بنو عبد مناف ہیں اور بنو عبد مناف میں بہترین بنو ہاشم ہیں اور بنو ہاشم میں بہترین بنو عبد المطلب ہیں اور اللہ کی قسم اللہ نے تخلیق آدم سے لے کر جب بھی دو گروہ پیدا کیے تو مجھے ان میں سب سے بہتر میں رکھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں سے اوپر والے آسمانوں کو فضیلت دی اور ان میں جس مخلوق کو چاہا رکھا اور سات زمینوں کو پیدا کیا اور ان میں اوپر والی زمین کو فضیلت دی اور اس میں جس مخلوق کو چاہا رکھا، مخلوق کو پیدا کیا تو اس میں بنو آدم کو سب مخلوق پر فضیلت دی اور بنو آدم میں سے عرب کو چن لیا اور عرب میں سے مضر کو چن لیا۔ اور مضر میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور مجھے بنو ہاشم میں سے چن لیا پس میں بہترین لوگوں میں سے بہترین لوگوں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں سو جس نے عربوں سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۵۹-۵۸ رقم الحدیث: ۱۸ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۶۵ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۵ المستدرک ج ۴ ص ۷۳ قدیم دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۲-۱۷۱ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۱۱ دار الفکر ۱۴۱۸ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہوں۔ جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے مجھے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے سب سے بہتر گروہ میں رکھا۔ پس میرا اپنے ماں باپ سے ظہور ہوا تو مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاریوں میں سے کسی چیز نے نہیں چھوا تھا اور میں نکاح کے ذریعہ پیدا ہوا اور میں بدکاری کے ذریعہ پیدا نہیں ہوا حتیٰ کہ حضرت آدم سے لے کر میں اپنے ماں باپ تک پہنچا پس میں بھی تم سے خیر اور بہتر ہوں اور میرے باپ بھی تم سب سے خیر اور افضل ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۵-۱۷۴ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۰۸ تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۳۰-۲۹ رقم الحدیث: ۵۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا میں نے زمین کے تمام مشارق اور مغارب کو کھنگالا تو میں نے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کسی کو نہیں پایا۔

تیسری آیت یہ ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی۔ (ابراہیم: ۴۰)

امام ابن المنذر نے ابن جریج سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر تھے اور اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

حضرت عبدالمطلب کے ایمان کی بحث

سعید بن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، آپ نے دیکھا وہاں ابوجہل بن ھشام اور عبداللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے کہا اے میرے چچا! آپ لا الہ الا اللہ پڑھیے یہ وہ کلمہ ہے جس کی وجہ سے میں اللہ کے پاس آپ کے حق میں شہادت دوں گا، تو ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کرو گے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اس کے سامنے یہ کلمہ پیش کرتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے، حتیٰ کہ ابوطالب نے آخر میں ان سے کہا وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے اور اس نے لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! اللہ کی قسم! میں ضرور تمہارے لیے استغفار کرتا رہوں گا جب تک اللہ مجھے تمہارے لیے استغفار سے منع نہ کر دے پھر سورۃ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ○ (التوبۃ: ۱۱۳)

نبی اور مومنوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں، اس کے بعد جب ان پر ان کا دوزخی ہونا ظاہر ہو جائے۔

یہ حدیث حضرت عبدالمطلب کے مومن ہونے کے منافی ہے، کیونکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ ابوطالب نے وفات کے وقت کہا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے اور لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔

حافظ سیوطی نے اس کے معارضہ میں یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر آباء پر فخر کرنے سے منع فرمایا ہے اس کے باوجود آپ نے عبدالمطلب کے بیٹے ہونے پر فخر فرمایا ہے، اس سے واضح ہوا کہ عبدالمطلب کافر نہیں تھے، مومن تھے۔ (محصلہ مسالک الحنفاء ص ۳۳)

کافر آباء پر فخر کرنے سے ممانعت کی احادیث یہ ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل کے دو آدمیوں نے اپنے نسب کا ذکر کیا، ان میں سے ایک کافر تھا اور دوسرا مسلمان تھا، پس کافر نے اپنے نو آباء واجداد کا ذکر کیا، اور مسلمان نے کہا میں فلاں بن فلاں ہوں، اور ان کے ماسوا (کافر باپ دادا) سے بری ہوں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور ان دونوں کو آواز دے کر فرمایا: اے اپنے باپ دادا کی طرف نسبت کرنے والو! تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہے، پھر فرمایا: اے کافر! تو نے اپنے تو کافر باپ دادا کی طرف نسبت کا ذکر کیا اور تو ان میں کا دسواں دوزخ میں ہے، اور تو اے مسلم! تو نے صرف اپنے دو مسلم آباء پر اقتصار کیا اور ان کے ماسوا سے براءت کا اظہار کیا سو تو اھل اسلام سے ہے اور ان کے ماسوا سے بری ہے۔ (شعب الایمان ج ۴ ص ۲۸۸، رقم الحدیث: ۵۱۳۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ان باپ دادا پر فخر نہ کرو جو زمانہ جاہلیت میں مرچکے ہیں کیونکہ اگر اس کی ناک میں سیاہ کیڑا رینگتا رہے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے ان باپ دادا پر فخر کرے جو زمانہ جاہلیت میں مرچکے ہیں۔ (شعب الایمان ج۴ص ۲۸۶ رقم الحدیث: ۵۱۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے عیوب کو اور (جاہلیت کے) باپ دادا پر فخر کرنے کی خصلت کو دور کردیا ہے تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے مومن متقی ہے اور فاجر شقی ہے لوگ ان پر فخر کرنے سے باز آجائیں وہ جہنم کے کوئلوں میں سے کوئلہ ہیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سیاہ کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں گے۔ (شعب الایمان ج۴ص ۲۸۶ رقم الحدیث: ۵۱۲۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالمطلب کے نسب پر فخر کیا اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا: کیا تم غزوہ حنین کے دن بھاگ گئے تھے انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری لیکن آپ کے اصحاب سے کچھ نوجوان نکلے جو بے سروسامان تھے ان کے پاس کسی قسم کا سامان نہیں تھا وہ البتہ میدان چھوڑ گئے تھے ان کا ہوازن اور بنونصر کے بہترین تیراندازوں سے مقابلہ ہوا وہ اس قدر ماہر تیرانداز تھے کہ ان کا کوئی تیر بہ مشکل خطا ہوتا تھا اس وقت مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے آپ سفید خچر پر سوار تھے اور آپ کے عم زاد حضرت ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اس خچر کو ہنکا رہے تھے آپ نے سواری سے اتر کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کی پھر یہ شعر پڑھا:

انا النبی لا کذب — میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے

انا ابن عبدالمطلب — میں (حضرت) عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۸۸ سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۰۵ مسند احمد ج۱ ص ۲۶۴ سنن للبیہقی ج۹ص ۱۵۵ حلیۃ الاولیاء ج۷ص ۱۳۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۲۰۶ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۸۹۵ مجمع الزوائد ج۱ص ۲۸۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج۸ص ۵۲۷)

جس حدیث سے مخالفین نے استدلال کیا ہے وہ بھی صحیح بخاری کی روایت ہے اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری کی روایت ہے لیکن یہ حدیث اس پر راجح ہے اولاً اس لیے کہ وہ سعید بن میسب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اور سعید بن میسب تابعی ہیں اس لیے وہ حدیث مرسل ہے اور یہ حدیث حضرت براء بن عازب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اور وہ صحابی ہیں سو یہ حدیث متصل ہے ثانیاً اس حدیث میں ابوجہل عبداللہ بن ابی امیہ اور ابوطالب کے اقوال سے استدلال کیا گیا ہے اور وہ کفار تھے اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے استدلال ہے ثالثاً اس حدیث میں یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ ابوجہل وغیرہ کے نزدیک عبدالمطلب کا دین توحید کے خلاف تھا لیکن نفس الامر اور واقع میں ان کا دین توحید کے خلاف نہیں تھا اور اس تاویل پر قرینہ وہ دلائل ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ آپ کے تمام آباء مومن ہیں۔ یہ جوابات اس ناکارہ کے ذہن میں آئے ورنہ حافظ سیوطی نے فرمایا: ملت عبدالمطلب سے استدلال کر کے ابوجہل کا ابوطالب کو ایمان سے منع کرنا ایک قوی مصادم ہے اور اس حدیث کی کوئی قریب تاویل نہیں ہے۔ سو عبدالمطلب کے ایمان میں توقف کرنا چاہیے۔ (مسالک الحنفاء ص ۳۴)

نیز ایک حدیث میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جس کے تلووں کے نیچے آگ کے دو انگارے رکھے جائیں گے جن سے ان کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۶۱ 'صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۳ 'سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۰۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ والوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کے والدین دوزخ میں نہیں ہیں' کیونکہ اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ان کا عذاب ابوطالب سے بھی کم ہوتا کیونکہ ابوطالب کی بہ نسبت ان کا نسب آپ سے زیادہ قریب ہے' اوران کا عذر بھی زیادہ ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ایمان پیش کیا اور نہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان پیش کرنے پر انکار کیا' اس کے برخلاف ابوطالب نے آپ کی بعثت کا زمانہ پایا۔ آپ نے ان پر اسلام پیش کیا اور انہوں نے انکار کیا' اس کے باوجود ان کو سب سے کم عذاب ہوگا تو پھر والدین کریمین کو تو بالکل عذاب نہیں ہوگا۔ (مسالک الحنفاء ص ۴۸-۴۷)

نیز والدین کریمین کے ایمان کے سلسلہ میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر میں اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو پاتا اور میں عشاء کی نماز میں ہوتا اور اس میں سورہ فاتحہ پڑھی جا چکی ہوتی اور ان میں سے کوئی ایک مجھے یا محمد کہہ کر پکارتا تو میں لبیک کہہ کر ان کی پکار کا جواب دیتا۔

(شعب الایمان ج ۶ ص ۱۹۵ رقم الحدیث: ۷۸۸۱' امام بیہقی نے کہا اس کی سند میں یاسین بن معاذ ضعیف راوی ہے)

اسی حدیث کو حافظ سیوطی نے شعب الایمان کے حوالے سے مسالک الحنفاء ص ۵۶ پر درج کیا ہے اور اسی صفحہ پر مسالک الحنفاء ختم ہوگیا۔

نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین کا خلاصہ
(والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث کی تقویت اور ترجیح کی وجوہ)

یہ اس موضوع پر پانچواں رسالہ ہے' یہ رسالہ اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ حافظ ابن شاہین اور حافظ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ نے والدین کریمین کو ان کی قبروں میں زندہ کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی جو احادیث روایت کی ہیں ان کی سندوں پر جو موضوع اور مجہول ہونے کے اعتراضات ہوتے ہیں اس رسالہ میں حافظ سیوطی نے ان اعتراضات کے جوابات دیے ہیں اور اس حدیث کی ترجیح اور تقویت کی وجوہ بیان کی ہیں' حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے متعلق متعدد رسائل تحریر کیے ہیں اور یہ بیان کیا ہے کہ اس سلسلہ میں علماء کے کیا مسالک ہیں اور ان مسالک پر ان کے کیا دلائل ہیں اور جو احادیث بہ ظاہر اس کے خلاف ہیں ان کے کیا جوابات ہیں اور آپ کے والدین کے ایمان کو اختیار کرنے کی میرے نزدیک حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین معاذ اللہ کافر یا مشرک تھے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوگا اور آپ کو ایذاء پہنچانا حرام ہے قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ　　بے شک جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچا

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا ○ ہیں' ان پر اللہ دنیا میں اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اس نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (الاحزاب: ۵۷)

قاضی ابوبکر بن العربی مالکی سے کسی نے پوچھا جو شخص یہ کہے کہ آپ کے آباء دوزخ میں ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے کہا وہ شخص ملعون ہے اور مذکور الصدر آیت سے استدلال کیا' اور قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے کاتب نے آپ کے والدین کو کافر کہا تو انہوں نے اس کو معزول کر دیا۔

(۲) جب یہ بیان کیا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مومن اور جنتی ہیں تو اس سے مومنین خوش ہوں گے' اور جس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہو اس میں مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے امام کے قول کو ترک کر کے دوسرے امام کے قول پر عمل کریں' جیسے فقہاء احناف مفقود الخبر کے مسئلہ میں امام مالک کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں' حالانکہ وہ صرف اپنی سہولت کے لیے ایسا کرتے ہیں تو جو شخص ان علماء کا معتقد ہو جو والدین کریمین کے ایمان کے قائل نہیں ہیں تو ان کے لیے زیادہ لائق ہے کہ وہ اس مسئلہ میں ان علماء کی پیروی کریں جو والدین کریمین کے ایمان کے قائل ہیں کیونکہ اول الذکر صورت میں وہ اپنے نفس کی سہولت کے لیے دوسرے ائمہ کے مذہب کی طرف منتقل ہوں گے اور ثانی الذکر صورت میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی تعظیم اور آپ کی فرحت اور سرور کے لیے دوسرے علماء کے مذہب کی طرف منتقل ہوں گے' اور اس میں آپ کے شرف اور فضیلت اور آپ کے معجزہ اور آپ کی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے' اور آپ کے والدین کے ایمان کو ماننے میں کوئی نقصان نہیں ہے' اور نہ کسی کا حق ضائع ہوتا ہے اور نہ کسی کے ذمہ کوئی چیز واجب ہوتی ہے' اس کے برخلاف جب وہ آپ کے والدین کے کفر کا قائل ہوگا تو اس میں آپ کے والدین کی اہانت ہے اور آپ کو ایذاء پہنچانا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کو ماننا آپ کے تقرب کا ذریعہ ہے' آپ کی رضا اور آپ کی شفاعت کے حصول کا ذریعہ ہے' اور اس کے ثبوت کے دلائل کو تلاش کرنے کی مشقت اجر عظیم کے حصول کا سبب ہے۔

والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث کی سند کی تحقیق

حافظ ابن شاہین متوفی ۳۸۵ھ نے آپ کی والدہ کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کی حدیث اس سند کے ساتھ روایت کی ہے:

محمد بن الحسن بن زیاد' ابوعروہ محمد بن یحییٰ الزھری' عبد الوھاب بن موسیٰ الزھری' عبد الرحمان بن ابی الزناد' ھشام بن عروہ از عروہ از عائشہ (الناسخ والمنسوخ ص ۲۸۴)

امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے اور کہا ہے کہ محمد بن یحییٰ النقاش غیر ثقہ ہے اور محمد بن یحییٰ مجہول ہے' حافظ سیوطی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ علامہ ذہبی نے محمد بن یحییٰ کا میزان اور المغنی میں ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ محمد بن یحییٰ کے متعلق امام دارقطنی نے کہا ہے کہ وہ مجہول ہے اور الازدی نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے' پس وہ ضعیف راوی ہے اور اس کا موضوع کے تحت درج کرنا صحیح نہیں ہے' اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں امام ابن جوزی کا کلام ذکر کرنے کے بعد کہا محمد بن یحییٰ کو مجہول کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ وہ معروف ہے' تاریخ مصر میں اس کا عمدہ ذکر ہے' اس میں مذکور ہے کہ محمد بن یحییٰ بن محمد بن عبد العزیز بن عبد الرحمن بن عوف ابو عبد اللہ ہے' اس کا لقب ابو غزیہ ہے' وہ مدنی ہے اور مصر میں آ کر رہنے لگا' اور وہ اس کی کنیتیں ہیں' اس سے اسحاق بن ابراہیم الکلابی اور زکریا بن یحییٰ البلوی اور سھل بن سوادۃ الغافقی اور محمد بن

عبداللہ بن حکیم اور محمد بن فیروز نے روایت کی ہے اور وہ دس محرم ۲۵۸ ہجری میں فوت ہو گیا۔
اور رہا محمد بن یحییٰ اگر یہ نقاش ہے جیسا کہ ابن جوزی نے ذکر کیا ہے تو یہ قرأت کے علماء اور ائمہ تفسیر میں سے ہے لہ
ذہبی نے کہا وہ اپنے زمانہ میں قراء کا استاذ تھا اور ضعف کے باوجود اس کی تعریف کی ہے۔
حافظ سیوطی نے اس حدیث کے روایت کی تعدیل میں طویل بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں موضوع نہیں ہیں اور فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف کا اعتبار کیا جاتا ہے پھر حافظ سیوطی نے بہت سی ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے جن کو ابن الجوزی نے موضوع کہا ہے اور وہ واقع میں صحیح، حسن یا ضعیف ہیں۔

الدرج المنیفه فی الأباء الشریفه کا خلاصہ

اس موضوع پر یہ چھٹا رسالہ ہے اور یہ رسالہ ۱۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں احادیث اور آثار کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کے والدین آخرت میں نجات یافتہ ہیں اور اس کے تین طریقے ہیں پہلا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور انہوں نے آپ کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا اور آپ اصحاب فترت سے ہیں پھر قرآن اور حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ اصحاب فترت غیر معذب ہیں ان دلائل کا ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔
دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے' اس کی تفصیل بھی گذر چکی ہے۔ محب طبری نے کتاب ذخائر العقبیٰ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سبیعہ بنت ابی لہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! لوگ مجھے یہ کہتے ہیں کہ تم دوزخ کی لکڑیوں کے گٹھے والے کی بیٹی ہو' اس سے آپ ناراض ہوئے اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میرے قرابت داروں کو اذیت پہنچاتے ہیں' جس نے میرے قرابت داروں کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی۔ اور اس طرح کے آثار بہت ہیں۔
اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین ملت ابراہیم پر ہیں۔ اس کی تفصیل بھی کئی مرتبہ گذر چکی ہے۔ حافظ سیوطی کے ان تمام رسائل میں احادیث' آثار اور دلائل کا تکرار بہت زیادہ ہے اور ہم نے بلاتکرار خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں:
امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے بت پرستی کی ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں کیا تم نے نہیں سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش سے محفوظ رکھنا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد اس دعا میں کیوں داخل نہیں ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے خصوصیت کے ساتھ مکہ میں پیدا ہونے والی اولاد کے لیے یہ دعا کی تھی' (اس روایت کا یہ جملہ محل اشکال ہے) اور حضرت عبدالمطلب میں علماء کا اختلاف ہے اور ان کے متعلق احسن قول یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی' شہرستانی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ نور کا ظہور ہوا تھا' اور اس نور کی برکت سے ان کو اپنے بیٹے کی نذر الہام کی گئی تھی اور اسی نور کی برکت سے انہوں نے ابرہہ سے کہا تھا کہ اس بیت کا رب ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا اور اسی نور کی برکت سے وہ اپنی اولاد کو برے کاموں سے منع کرتے تھے اور نیک کاموں کا حکم دیتے تھے' وہ اپنی وصیت میں یہ کہتے تھے کہ دنیا سے کوئی ظالم اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک کہ اس سے اس کے ظلم کا بدلہ نہ لے لیا جائے' ان سے کہا گیا کہ کئی ظالم ظلم کا بدلہ لیے جانے سے پہلے دنیا سے چلے جاتے ہیں تو انہوں

...نے سوچ کر کہا اللہ کی قسم اس جہان کے بعد ایک اور جہان ہے جہاں نیک شخص کو اس کی نیکیوں کی جزا دی جائے گی اور برے شخص کو اس کی برائیوں پر سزا دی جائے گی' اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ان کو اسلام کا صحیح پیغام نہیں پہنچا تھا' کیونکہ اگر ان تک صحیح دین پہنچا ہوتا تو وہ بغیر غور وفکر کیے ہوئے جنت اور دوزخ کی خبر اور رسولوں کا پیغام پہنچا دیتے' حضرت عبدالمطلب کے متعلق ایک قول ابن سید الناس کا ہے ان کی سیرت میں ہے کہ ان کو بھی زندہ کیا گیا اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے لیکن اس قول کو صرف شیعہ نے اختیار کیا ہے۔ امام رازی یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب ملت ابراہیم پر تھے۔ (الدرج المنیفہ ص ۱۴)

التعظیم والمنه في ان ابوی رسول الله في الجنة کا خلاصه

(والدین کریمین کو قبر میں زندہ کرنے کے متعلق پہلی حدیث)

اس موضوع پر یہ حافظ سیوطی کا ساتواں رسالہ ہے اور اس کے ۴۹ صفحات ہیں۔ اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کے والدین جنت میں ہیں' اس رسالہ میں حافظ سیوطی نے زیادہ تر بحث اس حدیث سے کی ہے جس کو امام ابن شاہین متوفی ۳۸۵ھ نے ان دو حدیثوں کے لیے ناسخ قرار دیا ہے جو بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان لانے کے خلاف ہیں۔ پہلے ہم امام ابن شاہین کی ذکر کردہ منسوخ اور ناسخ احادیث کو بیان کریں گے پھر اس کے بعد باقی ابحاث کا ذکر کریں گے۔

امام ابن شاہین اپنی پوری سند کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو آپ ایک قبر کے پاس آ کر بیٹھ گئے لوگ بھی آپ کے پاس آ کر بیٹھ گئے پھر آپ روتے ہوئے کھڑے ہوئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں میں سب سے زیادہ جرأت والے تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپ کو کس چیز نے رلایا' آپ نے فرمایا یہ میری والدہ کی قبر ہے' میں نے اپنے رب عزوجل سے اس کی زیارت کا سوال کیا تو مجھے اس کی اجازت دی گئی' پھر میں نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کا سوال کیا تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی پس اپنی والدہ کو یاد کر کے رو رہا ہوں اور اس دن سے زیادہ آپ کو روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

(الناسخ المنسوخ ص ۲۸۳' رقم الحدیث: ۶۲۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

نیز امام ابن شاہین اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ملیکہ کے دو بیٹے آئے اور کہا یا رسول اللہ! ہماری والدہ مہمانوں کی ضیافت کرتی تھیں اور وہ زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئی تھیں سو ہماری والدہ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں دوزخ میں ہے' وہ دونوں کھڑے ہو گئے اور ان کو اس خبر سے بہت رنج ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلایا پھر فرمایا سنو! میری ماں بھی تم دونوں کی ماں کے ساتھ ہے' ایک منافق نے کہا جس طرح ملیکہ کے دونوں بیٹے اپنی ماں سے عذاب کو دور نہیں کر سکتے یہ بھی اپنی ماں سے عذاب کو دور نہیں کر سکتے' پھر انصار کے ایک جوان نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے والدین کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے ان کے متعلق سوال نہیں کیا تا کہ وہ مجھے ان کے متعلق جواب عطا فرماتا۔ امام ابن شاہین نے کہا یہ حدیث' حدیث سابق کے خلاف ہے' کیونکہ اس میں والدہ کے لیے استغفار کی اجازت کے سوال کا ذکر ہے اور اس میں ہے کہ میں نے ان کے متعلق سوال نہیں کیا۔

(الناسخ والمنسوخ ص ۲۸۴' رقم الحدیث: ۶۳۰' مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۹-۳۹۸' رقم الحدیث: ۳۷۸۶' عالم الکتب' مسند البزار ج ۱ ص ۲۵۱' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۸۱-۸۰' رقم الحدیث: ۱۰۰۱۷' المستدرک ج ۲ ص ۳۶۵-۳۶۴' قدیم' رقم الحدیث: ۳۳۸۵' جدید' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۶۲)

پھر امام ابن شاہین نے ان دونوں حدیثوں کی ناسخ حدیث کو اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے:

حدثنا محمد بن الحسن بن زیاد نا احمد بن یحییٰ نا ابو عروہ محمد بن یحییٰ الزھری نا عبدالوھاب بن موسیٰ الزھری از عبدالرحمان بن ابی الزناد از ھشام بن عروہ از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجون پر افسردہ اور غمزدہ اترے جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے رہے پھر آپ خوشی خوشی لوٹے' میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ مقام حجون پر غمزدہ اترے تھے پھر جب تک اللہ نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے پھر آپ خوشی خوشی لوٹے آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری ماں کو زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی۔

(الناسخ والمنسوخ ص ۲۸۵-۲۸۴' رقم الحدیث: ۶۳۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس حدیث کے متن پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات

علامہ عبدالرحمن بن علی بن الجوزی التوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

بے شک یہ حدیث موضوع ہے اور جس شخص نے اس حدیث کو وضع کیا ہے وہ بہت کم فہم اور بے علم ہے' کیونکہ اگر اس کو علم ہوتا تو وہ جان لیتا کہ جو شخص کفر کی حالت میں مر گیا اس کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد ایمان نفع نہیں دیتا بلکہ اگر وہ موت کے وقت عذاب کو دیکھ لے پھر بھی اس کو ایمان نفع نہیں دیتا' اور اس حدیث کو رد کرنے کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے:

وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○ (البقرہ: ۲۱۷)

تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور وہ کفر کی حالت میں مر جائے تو ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جاتے ہیں اور وہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(علامہ ابن جوزی کا اس آیت سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ والدین کریمین مرتد تھے نہ کافر' ان سے کفر اور شرک بالکل ثابت نہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے تھے وہ ملت ابراہیم پر تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اصحاب فترت تھے اور اصحاب فترت غیر معذب ہیں' اس کے بعد علامہ ابن جوزی اس حدیث کے رد پر دوسری دلیل لکھتے ہیں:) یہ حدیث' اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی والدہ کے لیے استغفار کروں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی' علامہ قرطبی نے اس کے جواب میں فرمایا ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ استغفار سے منع کرنے کا واقعہ پہلے کا ہے اور والدین کو زندہ کرنے کا واقعہ بعد کا ہے' اور رہا یہ کہ موت کے بعد ایمان لانا غیر مفید ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوتی:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ○ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ○ (البقرہ: ۱۶۳-۱۶۲)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالت کفر میں مر گئے ان پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے' وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے' ان سے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

اس کے باوجود صحیح حدیث میں ہے کہ موت کے بعد ابولہب کے عذاب میں تخفیف کی گئی (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۰۱' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۸۷)' اسی طرح ابو طالب کے عذاب میں بھی تخفیف کی گئی' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹) سو جس طرح آپ کی خصوصیت کی وجہ سے ابولہب اور ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کی گئی ہے اسی طرح آپ کی

خصوصیت کی وجہ سے آپ کے والدین کریمین کو موت کے بعد زندہ کر کے انہیں آپ کے اوپر ایمان لانے کے ساتھ مشرف کیا گیا' جب کہ ابولہب اور ابوطالب کی بہ نسبت آپ کے والدین کریمین کی آپ کے ساتھ قرابت بہت زیادہ ہے۔

اس حدیث کی سند پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات

اس کے بعد علامہ ابن الجوزی نے اس حدیث کی سند پر یہ اعتراض کیے ہیں:

محمد بن حسن بن زیاد نقاش ثقہ نہیں ہے' اور احمد بن یحییٰ اور محمد بن یحییٰ دونوں مجہول ہیں اور ہمارے شیخ ابوالفضل بن ناصر نے کہا یہ حدیث موضوع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام الابواء میں فوت ہوئیں تھیں اور وہیں پر دفن ہوئی ہیں اور ان کی قبر مقام حجون میں نہیں ہے۔

(کتاب الموضوعات ج ۱ ص ۲۸۴-۲۸۳' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

میں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ بنت وھب موحدہ تھیں اور وہ ملت ابراہیم خلیل اللہ پر تھیں' اور انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بتوں کی عبادت نہیں کی جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی طرح دوسرے لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں بتوں کی عبادت نہیں کی تھی' اور ان کو زندہ کرنے کے متعلق جو حدیث ہے وہ موضوع نہیں ہے جیسا کہ بعض حفاظ کا ادعا ہے۔

محمد بن حسن بن زیاد نقاش پر ابن جوزی کی جرح کا جواب حافظ ذہبی سے

علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

محمد بن حسن بن محمد بن زیاد' ابوبکر نقاش' استاذ القراء اور مفسر ہیں' وہ ضعیف راوی ہیں' ابوعمر الدانی نے ان کی تحسین کی ہے برقانی نے کہا ان کی حدیث منکر ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۶ ص ۱۱۵' رقم: ۷۴۱۰-۷۲۸۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ ذہبی نے محمد بن حسن بن محمد بن زیاد کو ضعیف راوی کہا ہے' وضاع نہیں کہا اور نہ اس کی روایت کو موضوع کہا ہے انہوں نے کہا ان کی روایت منکر ہے۔ منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جو حدیث صحیح کے خلاف ہو۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت آمنہ کی قبر مقام الابواء میں ہے اور اس حدیث میں ہے کہ ان کی قبر مقام حجون میں ہے سو یہ روایت حدیث صحیح کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر قرار پائی اور حدیث منکر ضعیف کی اقسام میں سے ہے' اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے' موضوع نہیں ہے اور حدیث ضعیف فضائل اور مناقب میں معتبر ہوتی ہے۔

محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ پر جرح کا جواب حافظ ذہبی اور حافظ عسقلانی سے

علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

محمد بن یحییٰ ابوغزیہ المدنی موسیٰ بن وردان سے روایت کرتے ہیں' الدارقطنی نے کہا یہ متروک ہیں اور الازدی نے کہا ضعیف ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۶ ص ۳۶۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ ذہبی نے یہی لکھا ہے کہ محمد بن یحییٰ ضعیف راوی ہیں' اور ہم نے بھی ان کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان کے متعلق یہی کچھ لکھا ہے۔

(لسان المیزان ج ۵ ص ۴۲۰' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ دونوں مجہول ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رہے محمد بن یحییٰ تو وہ مجہول نہیں ہیں بلکہ وہ معروف ہیں ابوسعید بن یونس نے تاریخ مصر میں ان کا عمدہ تذکرہ لکھا ہے امام دار قطنی نے ان پر وضع کی تہمت لگائی ہے اور وہ ابوغزیہ محمد بن یحییٰ الزہری ہیں اپنے مقام پر ان کا ذکر آئے گا اور رہے احمد بن یحییٰ تو اس سند کے سب سے قریب احمد بن یحییٰ بن زکیر ہیں اور وہ مصری ہیں۔ اور ابن الجوزی نے اپنے شیخ محمد بن ناصر سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ کیونکہ حضرت آمنہ کی قبر ابواء میں ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے اور اس ابوغزیہ نے یہ کہا کہ وہ الحجون میں ہے اور مجھے ابوغزیہ کی اس حدیث کا حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ایک اور شاہد ملا ہے۔

(لسان المیزان ج ۴ ص ۹۲-۹۱ مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت ۱۳۹۰ھ)

حافظ عسقلانی کی اس عبارت سے واضح ہوگیا علامہ ابن جوزی کا محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ کو مجہول کہنا صحیح نہیں ہے وہ معروف ہیں اور ابن جوزی اور ان کے استاذ محمد بن ناصر کا اس حدیث کو موضوع کہنا غلط ہے یہ حدیث ضعیف ہے اور فضائل میں معتبر ہے نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام ابن عساکر نے حضرت عائشہ کی اس حدیث کو اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے:

الحسین بن علی بن محمد بن اسحاق المجلسی حدثنا ابو طالب عمر بن الربیع الخشاب حدثنا علی بن ایوب الکعبی حدثنا محمد بن یحییٰ الزہری ابو غزیہ حدثنی مالک عن ابی الزناد عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ. امام ابن عساکر نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔

(لسان المیزان ج ۴ ص ۳۰۵ مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت ۱۳۹۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ یہ حدیث صرف امام ابن شاہین کی سند سے مروی نہیں ہے امام ابن عساکر کی سند سے بھی مروی ہے اور امام ابن عساکر نے اس حدیث کو منکر کہا ہے اور منکر ضعیف کی اقسام سے ہے اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں اور اس کی سند کا ضعیف ہونا ہمیں مضر نہیں ہے فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

والدین کریمین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کی حدیث میں حفاظ حدیث کا اختلاف

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ والدین کریمین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کے متعلق جو حدیث ہے بعض ائمہ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور بعض ائمہ نے اس کو فقط ضعیف کہا ہے جن ائمہ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے ان میں امام دار قطنی امام جوزقانی امام ابن ناصر علامہ ابن جوزی اور علامہ ابن دحیہ ہیں اور جن حفاظ حدیث نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث فقط ضعیف ہے اور موضوع نہیں ہے ان میں حافظ ابن شاہین خطیب بغدادی حافظ ابن عساکر علامہ سہیلی علامہ ابوعبداللہ قرطبی ان کے استاذ علامہ ابوالعباس قرطبی محب طبری ابن سید الناس علامہ ابی مالکی علامہ سنوسی مالکی وغیرہم ہیں امام ابن شاہین نے اس حدیث کو اس حدیث کے لیے ناسخ قرار دیا ہے جس میں حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دی ہے اور ان کے لیے استغفار سے منع کیا ہے اگر ان کے نزدیک یہ حدیث موضوع ہوتی تو وہ اس سے منسوخ ہونے پر استدلال نہ کرتے۔ اور جن وجوہات کی بناء پر بعض حفاظ حدیث نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے جب ہم نے ان پر غور کیا تو وہ تمام وجوہ غیر موثر ثابت ہوئیں جیسا کہ ہم علامہ ابن جوزی کے دلائل کا تجزیہ کر کے واضح کر چکے ہیں اس مسئلہ میں متاخرین میں سے حافظ شمس الدین بن ناصر الدین

محدث دمشق نے بھی میری موافقت کی ہے انہوں نے اپنی کتاب مورد الصادی فی مولد الهادی میں یہ اشعار لکھے ہیں۔
(ان اشعار کا اردو میں خلاصہ یہ ہے:) اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضل بالائے فضل کی بنا پر آپ کو حیات عطا کی اور آپ کی والدہ اور آپ کے والد کو آپ پر ایمان لانے کے لیے زندہ کیا' پس وہ زندہ کیے جانے کے بعد آپ پر اسلام لائے اور اللہ اس پر قادر ہے ہر چند کہ اس مسئلہ کے اثبات میں حدیث ضعیف ہے۔ (التعظیم والمنۃ ص ۱۷ مطبوعہ حیدرآباد دکن' ۱۳۱۷ھ)

اصحابِ کہف کو زندہ کیے جانے سے والدین کریمین کو زندہ کیے جانے پر استدلال

اس سے پہلے امام ابن شاہین کی روایت سے یہ گذر چکا ہے کہ آپ نے ملیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا تمہاری ماں میری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ حدیث والدین کریمین کے زندہ کیے جانے اور ان کے ایمان لانے کے خلاف ہے۔ حافظ سیوطی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ آپ کے والدین کے زندہ کیے جانے اور ان کے ایمان لانے سے پہلے کا واقعہ ہے' نیز اس حدیث میں ہے کہ جب آپ سے ایک انصاری نے پوچھا کہ آپ کے والدین کہاں ہیں تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے ان کے متعلق سوال نہیں کیا تاکہ وہ مجھے ان کے متعلق جواب عطا فرماتا' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک یہ جائز تھا کہ جب آپ اپنے رب سے اپنے والدین کی مغفرت کے متعلق سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو یہ جواب عطا فرمائے گا' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے اصحاب کے نزدیک آپ کے والدین کی مغفرت ممکن تھی اور آپ کی خصوصیات میں سے تھی جبھی انہوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا۔

امام ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عباس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ ابو طالب کے متعلق کیا امید رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اپنے رب سے ہر خیر کی توقع رکھتا ہوں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۵۸۷)

جب آپ کی ابو طالب کے متعلق یہ توقع تھی حالانکہ اس نے آپ کی نبوت کا زمانہ پایا اور آپ نے اس پر اسلام کو پیش کیا اور اس نے انکار کر دیا تو آپ کے والدین جنہوں نے آپ کے زمانہ نبوت کو نہیں پایا ان کے متعلق آپ کا ان کی مغفرت کی دعا کرنا زیادہ متوقع ہے۔ (التعظیم والمنۃ ص ۷-۶)

والدین کریمین کو زندہ کیے جانے کی اور اس کے خلاف احادیث میں تطبیق

حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ والدین کریمین کے ایمان لانے پر مجھے واضح دلیل یہ ملی ہے کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اصحاب الکھف امام مہدی کے مددگار ہوں گے' امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اصحاب کہف اپنی موت کے بعد پھر زندہ کیے جائیں گے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے ایک عمر لکھ دی ہو پھر ان کی عمر پوری ہونے سے پہلے ان کی روحوں کو قبض کر لیا ہو پھر ان کو وفات کے بعد زندہ کر کے بقیہ زندگی عطا فرمائی ہو اور وہ اس زندگی میں آپ پر ایمان لے آئے ہوں پھر ان کی زندگی پوری ہونے کے بعد پھر ان پر وفات طاری کر دی ہو جیسا کہ اصحاب کہف کے ساتھ ہوا اور دو موتوں کے درمیان جو ان کو حیات عطا فرمائی یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے ہو۔

حافظ فتح الدین ابن سید الناس نے اپنی سیرت میں امام ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب' اور حضرت آمنہ بنت وھب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین اسلام لائے' اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے' اور آپ کے جد کریم حضرت عبدالمطلب کے متعلق بھی ایسی ہی روایت ہے' اور یہ امام احمد کی اس روایت کے

خلاف ہے کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا تمہاری ماں دوزخ میں ہے' پھر جب اس نے پوچھا کہ آپ کے گذرے ہوئے والے کہاں ہیں تو آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری ماں میری ماں کے ساتھ ہو' ان روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تدریجاً کمالات اور فضائل عطا کیے جاتے تھے' ہوسکتا ہے کہ پہلے آپ کے والدین کو یہ مقام حاصل نہ ہو اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کر کے یہ مقام عطا فرمایا ہو۔ (تاہم صحیح یہ ہے کہ آپ کے والدین غیر معذب تھے کیونکہ وہ اہل فترت میں سے تھے) (التعظیم والمنہ ص ۹-۸)

حضرت آمنہ کے موحدہ ہونے پر دلیل

حافظ ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ام سلمہ بنت رہم کی ماں سے روایت کیا ہے کہ جس بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ فوت ہوئیں اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پانچ سال تھی' تو حضرت آمنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر چند اشعار کہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

فانت مبعوث الی الانام — من عندذی الجلال والاکرام

آپ لوگوں کی طرف مبعوث ہونے والے ہیں۔ — رب ذوالجلال والاکرام کی جانب سے

دین ابیک ابر ابراھام — فاللہ انھاک عن الاصنام

اپنے نیک باپ ابراہیم کے دین پر ہیں — پس اللہ نے آپ کو بت پرستی سے منع کیا ہے۔

(التعظیم والمنہ ص ۱۸' مطبوعہ حیدرآباد دکن' ۱۳۱۷ھ)

جب حضرت آمنہ مومنہ تھیں تو آپ کو ان کے لیے استغفار کی اجازت کیوں نہیں ملی اور آپ نے ان کو دوزخی کیوں فرمایا!

حافظ سیوطی فرماتے ہیں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت آمنہ کے موحدہ ہونے کا قول کیونکر درست ہوسکتا ہے' جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے استغفار کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور آپ نے ملیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشاد پہلے کا واقعہ ہے جب آپ کی طرف یہ وحی نہیں کی گئی تھی کہ آپ کے والدین اہل جنت سے ہیں' اس کی نظیر یہ ہے کہ آپ نے پہلے تبع کے متعلق فرمایا تھا میں نہیں جانتا وہ مومن تھا یا نہیں (الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث: ۶۳۱) پھر اس کے متعلق فرمایا تبع کو برا نہ کہو وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ (الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث: ۶۳۲' ۶۳۳) آپ نے ان کے متعلق پہلے سوال نہیں کیا تھا اور جاہلیت کے لوگوں کے متعلق عام قاعدہ ہے کہ وہ دوزخی ہیں اس اعتبار سے آپ نے فرمایا میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے اور بعد میں آپ کو بذریعہ وحی ان کے جنتی ہونے کے متعلق بتایا گیا' اور آپ کو آپ کی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہیں دی گئی تھی اس سے ان کا کفر لازم نہیں آتا اس کی نظیر یہ ہے کہ پہلے جو مسلمان مقروض مرجاتا تھا آپ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے' کیونکہ آپ کے استغفار کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی فی الفور مغفرت ہو جائے اور مقروض کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے' اسی طرح آپ کی والدہ کو بھی برزخ میں جنت سے روک لیا گیا تھا' اس کی وجہ کفر کے علاوہ دوسرے امور تھے' اس وجہ سے پہلے آپ کو ان کے لیے استغفار کی اجازت نہیں تھی حتیٰ کہ بعد میں آپ کو ان کے لیے استغفار کی اجازت دے دی' اور ان دونوں حدیثوں کا یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ حضرت آمنہ موحدہ تھیں لیکن ابھی تک ان کو قیامت اور مرنے کے بعد اٹھنے کا علم نہیں تھا اور نہ اس پر ایمان تھا' اور یہ اسلام کا بہت بڑا اصول ہے' پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تھا حتیٰ کہ وہ قیامت اور رسول اللہ صلی

ہ علیہ وسلم کی شریعت کے تمام اصول اور مبادی پر ایمان لائیں' اس لیے ان کے زندہ کرنے کے معاملہ کو حجۃ الوداع تک مؤخر کیا گیا حتیٰ کہ شریعت مکمل ہوگئی اور یہ آیت نازل ہوگئی الیوم اکملت لکم دینکم' پھر حضرت آمنہ کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ کی مکمل شریعت پر ایمان لائیں۔ (التعظیم والمنۃ ص ۲۱-۲۰' مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن' ۱۳۱۷ھ)

تمام انبیاء کی امہات کے ایمان سے حضرت آمنہ کے ایمان پر استدلال

حافظ سیوطی فرماتے ہیں میں نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امہات پر غور کیا تو وہ سب مومنات ہیں تو ضروری ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بھی مومنہ ہوں' اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم ہیں اور وہ نص قرآن سے صدیقہ ہیں۔

وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ. (المائدہ: ۷۵) اور عیسیٰ کی ماں صدیقہ ہیں۔

اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ سارہ ہیں ان کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے' فرشتوں نے ان سے کہا:

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ. (ھود: ۷۳) کیا آپ اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہی ہیں! اے اس گھر کے لوگو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔

اور حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون کی ماں کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰى. (القصص: ۷) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی۔

اور حضرت شیث کی ماں حضرت حواء ام البشر ہیں۔ اور احادیث اور آثار میں وارد ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجر مومنہ تھیں۔ اور حضرت یعقوب اور ان کی اولاد کی ماں مومنہ تھیں' اور حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت شمویل' حضرت شمعون' حضرت ذوالکفل علیہم السلام کی والدہ مومنہ تھیں اور بعض مفسرین نے تصریح کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی والدہ مومنہ تھیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے دعا کی رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ (نوح: ۲۸) حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت نوح سے حضرت آدم تک ان کے آباء میں سے کسی نے کفر نہیں کیا۔

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دس کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام بنو اسرائیل سے تھے' حضرت نوح' حضرت صالح' حضرت ھود' حضرت لوط' حضرت شعیب' حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب اور حضرت محمد علیہ وعلیہم السلام' ان سب کے آباء مومن تھے ان میں سے کوئی کافر نہ تھا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا پس جس نے ان کے ساتھ کفر کیا اس نے کفر کیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۷ ص ۱۲۱' ج ۵۳ ص ۲۳۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

پس بنو اسرائیل کے تمام انبیاء کی مائیں مومنات ہیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد امتوں میں کسی کو مبعوث نہیں کیا گیا' اور رہے دس انبیاء تو حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی ماں کا ایمان ثابت ہے' اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی ماں کے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ دونوں نے اپنے والدین کی مغفرت کی دعا کی ہے' اب حضرت ھود' حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب کی ماؤں کا ذکر رہ گیا اور ان کے ایمان کا ثبوت کسی نقل یا دلیل کا محتاج ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ بھی مومنات ہیں' اور جب سب انبیاء علیہم السلام کی مائیں مومنات ہیں تو سید الانبیاء اور افضل الانبیاء کی ماں مومنہ کیوں نہیں ہوں گی! (التعظیم والمنۃ ص ۲۲-۲۱' دائرۃ المعارف النظامیہ' حیدر آباد دکن' ۱۳۱۷ھ)

ابولہب کے عذاب میں تخفیف سے حضرت آمنہ کے غیر معذب ہونے پر استدلال

حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ مرنے کے بعد ابولہب کو خواب میں دیکھا گیا تو اس نے کہا میں نے تمہارے بعد کوئی خیر نہیں دیکھی سوا اس کے' کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اس انگلی سے پلایا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۰۱' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۸۷) اور ثویبہ ابولہب کی باندی تھی' ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا' اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا' اور اس وجہ سے ابولہب کو دوزخ کے عذاب سے تخفیف ملی اور اس کی انگلی سے اس کو پلایا گیا' حالانکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عداوت رکھتا تھا' اور آپ کو اس سے سخت تکلیفیں پہنچی ہیں اور اس کے عذاب سے صرف اس وجہ سے تخفیف کی گئی کہ اس نے ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا تو تمہارا اس خاتون کے متعلق کیا گمان ہے جنہوں نے نو مہینے آپ کو پیٹ میں رکھا' کئی دنوں تک اپنا دودھ پلایا اور کئی سال آپ کی پرورش کی اور وہ آپ کی ماں تھیں!

(التعظیم والمنۃ ص ۲۳' مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ' دکن' ۱۳۱۷ھ)

ابوین کریمین کے معذب ہونے کی احادیث کے منسوخ ہونے کی نظائر اور اطفال مشرکین کے ایمان سے استدلال

امام ابن عبدالبر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے آباء کے ساتھ ہوں گے' پھر میں نے آپ سے اس کے بعد سوال کیا تو آپ نے فرمایا اللہ ہی کو علم ہے وہ کیسے اعمال کرنے والے تھے' پھر میں نے اسلام کے مستحکم ہونے کے بعد آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ (الانعام: ۱۶۴) کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

آپ نے فرمایا وہ فطرت (اسلام) پر ہیں اور وہ جنت میں ہیں۔

(الاستذکار ج ۸ ص ۴۰۱' رقم الحدیث: ۲۰۹۹' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۲۱۳' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کے بچوں کے متعلق پہلے آپ نے فرمایا تھا وہ دوزخی ہیں' اس کے بعد جب فرمایا کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا اور وہ جنتی ہیں۔ تو اس سے وہ پہلی احادیث منسوخ ہو گئیں' اس طرح والدین کریمین کے متعلق جو پہلے فرمایا تھا وہ دوزخی ہیں وہ حجۃ الوداع کے موقع پر انہیں زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کی حدیث سے منسوخ ہو گئیں۔

(التعظیم والمنۃ ص ۲۵-۲۴' مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ' مطبوعہ حیدر آباد دکن' ۱۳۱۷ھ)

اطفال مشرکین کے متعلق مزید احادیث یہ ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم کو دوزخ میں ان کی چیخ و پکار سناؤں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۸' الاستذکار رقم الحدیث: ۲۰۹۹' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔ وہ کیا کرنے والے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۵۰

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مومنین کی اولاد کہاں ہوگی؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے آباء کے ساتھ ہوں گے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! بلاعمل؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے وہ کیا عمل کرنے والے تھے اور میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اور مشرکین کی اولاد! فرمایا: اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے وہ کیا کرنے والے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۲)

الاسود بن سریع بیان کرتے ہیں آپ سے پوچھا گیا یارسول اللہ! جنت میں کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نبی جنت میں ہوں گے اور شہید جنت میں ہوں گے اور بچے جنت میں ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ اضافہ ہے اور جس کو زندہ درگور کیا گیا وہ جنت میں ہوگا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۳۸ المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۲۴۶۸ مسند البزار رقم الحدیث: ۲۱۶۸ الاستذکار رقم الحدیث: ۱۲۰۹۸ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۱۹)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب اور اس کی تعبیر کے سلسلہ میں ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے وہ طویل شخص جو باغ میں تھا وہ حضرت ابراہیم تھے اور ان کے گرد جو بچے تھے وہ فطرت پر پیدا ہوئے تھے آپ سے پوچھا گیا یارسول اللہ مشرکین کی اولاد بھی؟ آپ نے فرمایا مشرکین کی اولاد بھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۵ السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۸)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مشرکین کے بچے جنت میں ہوں گے اور وہ احادیث جو اس کے خلاف ہیں وہ اس سے پہلے کی ہیں اور وہ اس حدیث سے منسوخ ہوگئیں۔

زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیم پر قائم رہنے والے دوسرے لوگ

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں: امام بزار نے اور امام حاکم نے سند کی صحت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ورقہ بن نوفل کو برا نہ کہو کیونکہ میں نے اس کے لیے ایک جنت یا دو جنتیں دیکھی ہیں۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۷۵۱، ۲۷۵۰ المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۱۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۴۰۶)

امام بزار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق سوال کیا' آپ سے کہا گیا یارسول اللہ! وہ زمانہ جاہلیت میں قبلہ کی طرف منہ کرتا تھا' اور کہتا تھا میرا دین ابراہیم کا دین ہے اور میرا خدا ابراہیم کا خدا ہے اور سجدہ کرتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا اس ایک امت میں حشر کیا جائے گا جو میرے اور عیسیٰ بن مریم کے درمیان ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۱ ص ۳۶۲' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۱۳' رقم الحدیث: ۴۶۷۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۸۶۰)

امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قس بن ساعدہ عکاظ کے بازار میں اپنی قوم کو خطبہ دے رہے تھے انہوں نے اپنے خطبہ میں مکہ کی طرف اشارہ کر کے کہا اس طرف سے تمہارے پاس حق آئے گا' اور کہا وہ لوی بن غالب کے نسب سے ایک شخص ہوگا جو تمہیں کلمہ اخلاص اور ابدی نجات اور نعمتوں کی دعوت دے گا' تم اس کی دعوت قبول کرنا' اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو میں ان کی دعوت کو قبول کرنے میں سبقت کرتا۔

امام ابونعیم نے عمرو بن عبسہ سلمی سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا مجھے یقین ہے کہ میری قوم باطل پر ہے اور وہ پتھروں کی عبادت کرتے ہیں۔

امام خرائطی اور امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ اوس بن حارثہ دعوت حق کا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کرتے تھے اور انہوں نے اپنی اولاد کو اس کی وصیت کی تھی۔

حضرت غالب بن ابجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا اللہ قس پر رحم فرمائے (المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۶۵ رقم الحدیث: ۶۶۳) نیز آپ نے فرمایا وہ ہمارے باپ اسماعیل بن ابراہیم کے دین پر تھے۔ یہ سب لوگ زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیم پر تھے اور موحد تھے اور یہ سب غیر معذب اور جنتی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بھی اس طرح ہیں۔ (التعظیم والمنۃ ص ۴۵-۴۴ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۷ھ)

حافظ سیوطی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے اثبات میں جو سات رسائل لکھے ہیں ان کی تلخیص یہاں پر ختم ہوگئی۔

والدین کریمین کے ایمان کی نفی پر ملا علی قاری کے دلائل

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی' آپ خود بھی روئے اور آپ نے اپنے گرد کے مسلمانوں کو بھی رُلایا' اور فرمایا میں نے اپنی والدہ کے استغفار کے لیے اپنے رب سے اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی پھر میں نے یہ اجازت طلب کی کہ میں ان کی قبر کی زیارت کروں تو مجھے اس کی اجازت دے دی گئی' سو تم قبروں کی زیارت کیا کرو' یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔

(صحیح مسلم' الجنائز: ۱۰۵' رقم الحدیث بلا تکرار ۹۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۵۷۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۴۳' الترغیب ج ۴ ص ۳۵۷' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۷۶۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۸۶)

امام ابن جوزی نے کتاب الوفا میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد (رضی اللہ عنہ) کی وفات کے بعد اپنی والدہ (حضرت) آمنہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس رہے جب آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو وہ آپ کو اپنے ماموؤں کے پاس بنی عدی بن النجار کے پاس مدینہ میں لے گئیں۔ آپ ان کی زیارت کے لیے گئیں۔ پھر آپ مکہ روانہ ہوئیں' جب آپ مقام الابواء پر پہنچیں تو آپ فوت ہوگئیں آپ کی قبر وہیں پر ہے' ایک قول یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو مقام الابواء میں آپ کی قبر کی زیارت کی' پھر آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تھی تو مجھے اجازت دے دی' اور میں نے ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ. (التوبۃ: ۱۱۳) نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں۔

علامہ ابن حجر مکی نے بہت عجیب بات کہی کہ شاید حضرت آمنہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ دینے کی حکمت یہ تھی کہ آپ پر نعمت کو مکمل کیا جائے کہ اس واقعہ کے بعد آپ کے لیے حضرت آمنہ کو زندہ کیا' تاکہ آپ پر ایمان لا کر حضرت آمنہ اکابر مومنین سے ہو جائیں' یا ان کے زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے تک ان کے لیے استغفار کی اجازت کو مؤخر کیا تاکہ وہ اس وقت استغفار کامل کی مستحق ہو جائیں۔ (علامہ ابن حجر مکی کی عبارت ختم ہوئی) اس عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ وہ ایمان لانے سے پہلے مطلقاً استغفار کی مستحق نہیں تھیں۔ پھر جمہور کا موقف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر پر مرے

سند) اور جو احادیث ان کے متعلق وارد ہیں ان میں صحیح ترین حدیث یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے' اور علامہ ابن حجر کا یہ کہنا کہ آپ کے والدین کو زندہ کرنے کی حدیث صحیح ہے' اور جن علماء نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ان میں امام قرطبی ہیں' اور الحافظ محمد بن ناصر الدین ہیں' سو اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث اس کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ وہ صحیح مسلم کی اس حدیث کے معارض ہو سکے' علاوہ ازیں حفاظ نے اس حدیث کی سند پر طعن کیا ہے' اور ان کے ایمان لانے کے جواز سے یہ چیز مانع ہے کہ موت کے بعد ایمان لانا اجماعاً غیر مقبول ہے' جیسا کہ اس پر کتاب اور سنت میں دلائل ہیں' اور مکلف سے جو ایمان مطلوب ہے وہ ایمان غیبی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ. (الانعام: ۲۸)　　اور اگر ان (کافروں) کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے تو وہ پھر دنیا میں وہی کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ کے والدین اھل فترت میں سے تھے (یعنی اس دور کے لوگوں میں سے تھے جس کے لیے کسی نبی کی بعثت نہیں تھی اور وہ کسی حکم شرعی کے مکلف نہیں تھے) اور اھل فترت پر عذاب نہیں ہوتا' سو صحیح مسلم کی اس حدیث سے ان کا بھی رد ہو جاتا ہے۔ حافظ سیوطی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے متعلق تین رسالے لکھے ہیں اور ان میں جانبین کے دلائل کا ذکر کیا ہے۔ جو اس مسئلہ کی تفصیل جاننا چاہتا ہو اس کو ان رسائل کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(مرقات ج ۴ ص ۱۱۳' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

ہم کو حافظ سیوطی کے سات رسائل دستیاب ہوئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان پر دلائل دے گئے ہیں سابقہ اوراق میں ہم نے ان کا ترجمہ اور خلاصہ پیش کیا ہے۔

ملا علی قاری کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

ملا علی قاری کی نصیحت کے مطابق نہ صرف ہم نے ان رسائل کا مطالعہ کیا بلکہ ان رسائل کا خلاصہ عام قارئین کے لیے بھی پیش کر دیا' کیونکہ عام مسلمان تو الگ رہے خواص اور علماء کی دسترس میں بھی یہ رسائل نہیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کی نفی پر ملا علی قاری اور دیگر منکرین کی قوی ترین دلیل صحیح مسلم کی حدیث ۱۰۵ ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت مانگی تو آپ کو اس کی اجازت نہیں دی گئی اور آپ نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو آپ کو اس کی اجازت دی گئی۔

ہم اس کا جواب ذکر کر چکے ہیں کہ استغفار کی اجازت نہ دینے کا واقعہ پہلے کا ہے' اور آپ کے والدین کا زندہ کیا جانا اور ان کا ایمان لانا بعد کا واقعہ ہے' جو حجۃ الوداع کے موقع کا ہے اور اسی وجہ سے امام ابن شاہین اور دیگر ائمہ اور محققین نے اس حدیث کو صحیح مسلم کی حدیث کے لیے ناسخ قرار دیا ہے' ثانیاً ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ کو اپنی والدہ کے لیے استغفار سے اس لیے منع فرمایا کہ اگر غیر معصوم کے لیے استغفار کیا جائے تو اس کے متعلق گناہ کا وہم ہوتا ہے تو آپ کو حضرت آمنہ کے لیے استغفار کی اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ وہ گنہگار تھیں اس لیے آپ نے ان کے لیے استغفار کیا اور یہ وجہ نہیں کہ وہ معاذ اللہ مشرکہ تھیں' کیونکہ قبل از بعثت ان کا شرک بالکل ثابت نہیں وہ اصحاب فترت میں سے تھیں بلکہ وہ ملت ابراہیم پر تھیں' اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم کی حدیث میں بھی آپ کے ایمان پر دلیل ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کو حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دی گئی اور کافروں کی قبر کی زیارت کی آپ کو اجازت نہیں ہے بلکہ ان کی قبروں پر کھڑے ہونے کی بھی آپ کو اجازت نہیں ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ (التوبۃ:۸۴)

اور ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں' انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور فسق کی حالت میں مر گئے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا معاذ اللہ کافرہ نہیں تھیں ورنہ ان کی قبر پر کھڑے ہونے کی اور ان کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت نہ دی جاتی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اگر حضرت آمنہ پہلے ہی مومنہ تھیں تو پھر حجۃ الوداع کے موقع پر ان کو قبر میں زندہ کرنے کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پہلے صرف توحید پر ایمان لائی تھیں اور زندہ کیے جانے کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی مکمل شریعت پر ایمان لائیں۔

ملا علی قاری نے یہ تو لکھا ہے کہ مسلم کی اس حدیث سے ان لوگوں کا بھی رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ اہل فترت سے تھیں' ہم پوچھتے ہیں کیا حضرت آمنہ اہل فترت سے نہیں تھیں! کیا انہوں نے کسی نبی کی بعثت کا زمانہ پایا تھا! اور جب انہوں نے کسی نبی کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا تو ان کو معذب ماننا کیا قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف نہیں ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل:۱۵)

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ ہم رسول بھیج دیں۔

اور علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ اصحاب فترت غیر مکلف اور غیر معذب ہیں۔

ملا علی قاری کے افکار پر ان کے استاذ ابن حجر مکی کا تبصرہ

علامہ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں:

اسانید ضعیفہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد اور آپ کی والدہ کو زندہ کر دیا۔ اور وہ دونوں آپ پر ایمان لائے' اور امام رازی کا مختار یہ ہے کہ آپ کے والدین نے ملت ابراہیم پر وفات پائی' اور ان کو زندہ کرنا تاکہ وہ آپ پر ایمان لائیں اس لیے تھا کہ ان کو یہ کرامت بھی حاصل ہو' اور محقق جلال الدین سیوطی نے ان کے ایمان کے اثبات میں چھ رسالے لکھے ہیں۔ ملا علی قاری نے ایک رسالہ میں ان کا کفر ثابت کیا ہے۔ پھر ان کے استاذ علامہ ابن حجر مکی نے خواب میں دیکھا کہ ملا علی قاری چھت سے گر پڑے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی' اور کہا گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی توہین کی سزا ہے' پھر جس طرح انہوں نے خواب دیکھا تھا ویسا ہی ہو گیا' جو اس مسئلہ پر بصیرت حاصل کرنا چاہے وہ علامہ سیوطی کے رسائل کا مطالعہ کرے۔ (نبراس ص ۵۲۶' شاہ عبدالحق اکیڈمی بندیال' ۱۳۹۷ھ)

ملا علی قاری پر علامہ آلوسی کا تبصرہ

اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۙ○ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ○ (الشعراء:۲۱۹-۲۱۸)

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مومنین کی پشتوں میں منتقل ہوتے رہے ہیں اور اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان پر استدلال کیا گیا ہے اور بہ کثرت اجلہ اہل سنت کا یہی مذہب ہے' اور مجھے اس شخص کے اوپر کفر کا خطرہ ہے جو والدین کریمین کو کافر کہتا ہے' ملا علی قاری اور ان جیسے لوگوں کی ناک کو خاک میں لتھیڑتے ہوئے۔ لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ یہ آیت اس مذہب پر دلیل قطعی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے ایسا دیکھنا مراد ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور عارفین کے نزدیک اللہ تعالیٰ موجود اور معدوم خارجی دونوں کو دیکھتا ہے اس لیے یہ نہ کہا جائے کہ جب آپ

ساجدین کی پشتوں میں اپنے وجود خارجی کے ساتھ نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کو کیسے دیکھتا تھا! اور انہوں نے کہا کہ معدوم کو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی مثال ایسے ہے جیسے ہم خواب میں قیامت وغیرہ کو دیکھیں (میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی کوئی مثال نہیں ہے' سعیدی غفرلہ) اور بہ کثرت علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا تعلق معدوم کے ساتھ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جو آپ کو ساجدین کی پشتوں میں دیکھ رہا تھا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔

(روح المعانی جز ۱۹ص ۲۱۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ والدین کریمین کے ایمان پر حافظ سیوطی کے تین رسائل ہیں' علامہ عبد العزیز پرھاروی نے لکھا ہے کہ چھ رسائل ہیں لیکن درحقیقت یہ سات رسائل ہیں جن کا خلاصہ ہم نے یہاں ذکر کر دیا ہے اس کے خلاصہ میں ہم نے مکرر دلائل اور مکرر عبارت کو حذف کر دیا ہے اور دوراز کار ابحاث بھی حذف کر دی ہیں۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث اس تفسیر میں تین جگہ پر کی ہے پہلی بار البقرہ: ۱۱۹ میں یہ بحث کی ہے' یہ بحث تبیان القرآن ج ۱ص ۵۴۳-۵۴۰ میں ہے' اور دوسری بار الانعام: ۷۵' میں یہ بحث کی ہے یہ بحث تبیان القرآن ج ۳ص ۵۷۴-۵۵۳ میں ہے اور تیسری مرتبہ یہاں (الشعراء: ۲۱۹) میں یہ بحث کی ہے۔ اور یہاں پر سب سے زیادہ مفصل اور مدلل گفتگو کی ہے' نبراس کے محشی نے لکھا ہے کہ ملا علی قاری نے مرنے سے پہلے والدین کریمین کے ایمان کے انکار سے رجوع کر لیا تھا' اس مسئلہ میں جن لوگوں کو بھی لغزش ہوئی ان سب کے متعلق ہم یہی حسن ظن رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین

اب ہم اس سورت کی بقیہ آیتوں کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:

وہ دلائل اور وجوہات جن کی بناء پر قرآن مجید شیطان کا نازل کیا ہوا نہیں ہے

الشعراء: ۱۹۲' میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کی نازل فرمائی ہوئی کتاب ہے○ مشرکین مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اس کتاب کے نزول کو تو روک نہیں سکتے تھے' تو انہوں نے لوگوں کو اس کتاب سے برگشتہ اور متنفر کرنے کے لیے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ کتاب شیاطین کی نازل کی ہوئی ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نازل نہیں ہوئے○ اور نہ وہ اس کے لائق ہیں○ اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں○ بے شک وہ (فرشتوں کا کلام) سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں○ (الشعراء: ۲۱۴-۲۱۰) جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کے مضامین سنے تھے اور وہ شیاطین کی باتوں اور ان کے وسوسوں سے بھی واقف تھے' وہ واضح طور پر جانتے تھے کہ قرآن شیطانوں کا نازل کیا ہوا نہیں ہو سکتا' شیاطین تو شر اور برائی کو پھیلاتے ہیں وہ تو ہر غلط اور ناجائز طریقہ سے زبان' پیٹ اور شرمگاہ کے تقاضوں کو پورا کرنے پر ابھارتے ہیں اور قرآن خیر اور نیکی کو فروغ دیتا ہے اور ہر قسم کے غلط اور ناجائز کاموں سے روکتا ہے اور عفت' پاکیزگی اور پاک دامنی کی تعلیم دیتا ہے' شیطان شرک کا داعی ہے' قرآن توحید کا پیغام دیتا ہے' شیطان کہتا ہے بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست اس دنیا کی رنگینیوں اور لذتوں سے جتنا فائدہ اٹھا سکتے ہو اٹھا لو کہ اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں ہے' اور قرآن یہ کہتا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جس میں تمہیں اس زندگی میں کیے ہوئے تمام کاموں کا حساب دینا ہوگا اور اس حساب کے نتیجہ میں تمہاری اچھی یا بری ثواب اور نعمتوں کی یا عذاب اور مصیبتوں کی دائمی زندگی ہوگی' سو مضامین قرآن اور وساوس شیاطین میں آسمان و زمین سے زیادہ کا فرق ہے تو قرآن شیاطین کا نازل کیا ہوا کیسے ہو سکتا ہے! پھر بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی سیرت کی شیاطین کی تعلیم اور تلقین سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے

ان پر شیاطین کیسے نازل ہو سکتے ہیں' آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ: آپ اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کریں اگر بہ فرض محال آپ نے ایسا کیا تو آپ بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں گے O اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی (اللہ کے عذاب سے) ڈرایئے O اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکا کر رکھیے O پھر بھی اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیے کہ میں تمہارے کاموں سے بے زار ہوں O اور بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والے پر توکل کیجئے O جو آپ کو (آپ کی نمازوں میں) قیام کے وقت دیکھتا ہے O اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو O بے شک وہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے O (الشعراء: ۲۲۰-۲۱۳)

سو جس شخص کی پوری زندگی ان احکام پر عمل سے عبارت ہو' جس کی سیرت خدا خوفی اور نیک چلنی ہو' جو اپنوں اور بے گانوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہو جو راتوں کو اٹھ کر نمازوں میں قیام کرتا ہو اور اپنے اصحاب کو بھی شب زندہ داری اور تہجد گذاری کی تلقین کرتا ہو اس پر شیاطین کیسے نازل ہو سکتے ہیں' ان کی شیطانی کاموں کے ساتھ کیا مشابہت اور کیا مناسبت ہے' پھر بتایا کہ شیطان کس قسم کے لوگوں پر نازل ہوتے ہیں فرمایا: کیا میں تمہیں ان کی خبر دوں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں O وہ ہر تہمت باندھنے والے گناہ گار پر نازل ہوتے ہیں O وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں O اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں O (الشعراء: ۲۲۶-۲۲۲)

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ شیاطین کس قسم کے بدکار' گنہگار اور بدکار لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ پاک طینت اور پاک دامن لوگوں پر نازل نہیں ہوتے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو صاف اور شفاف ہے اور پاکیزہ زندگی ہے تو شیاطین آپ پر کیسے نازل ہو سکتے ہیں اور نہ قرآن مجید کے مضامین شیاطین کا موضوع ہیں' کفار مکہ کا یہ کہنا ہر اعتبار سے باطل اور غلط ہے کہ اس قرآن مجید کو شیاطین نے نازل کیا ہے قرآن مجید تو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی نشانیاں بیان کی ہیں جن پر شیطان اُترتے ہیں' کہ وہ تہمت باندھنے والے گنہگار ہیں' وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں اور جھوٹے ہیں' اور شاعروں کی پیروی گم راہ لوگ کرتے ہیں اور شاعر ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں' اب ہم ان اوصاف کے معانی اور ان کے متعلق احادیث پیش کریں گے فنقول و باللہ التوفیق!

افاک اور اثیم کے معنی

الشعراء: ۲۲۲-۲۲۱ میں فرمایا: کیا میں تم کو ان کی خبر دوں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں' وہ ہر افاک اثیم پر نازل ہوتے ہیں۔

افاک کا لفظ افک سے بنا ہے' علامہ راغب اصفہانی افک کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جس کا منہ اس کی اصل جانب سے پھیر دیا گیا ہو اس کو افک کہتے ہیں' جھوٹ اور بہتان میں بھی کسی چیز کو اس کی اصل صورت سے پھیر دیا جاتا ہے اس لئے اس کو افک کہتے ہیں' وہ ہوائیں جو مخالف جانب اور الٹی چل رہی ہوں ان کو موتفکہ کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى O (النجم: ۵۳)
اور (قوم لوط کی) اوندھے منہ گری ہوئی بستیوں کو اٹھا کر پھینک دیا۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ O (الحاقہ: ۹)
فرعون اور اس سے پہلے لوگ اور جن کی بستیاں الٹا دی گئی تھیں انہوں نے بھی خطائیں کیں۔

اور افاک مبالغہ کا صیغہ ہے جو شخص بہت زیادہ بہتان تراشتا ہو اور جھوٹ بولتا ہو اس کو افاک کہتے ہیں۔
(المفردات ج ۱ ص ۲۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)
اثم ان افعال کو کہتے ہیں جو ثواب سے مانع ہوں جو افعال گناہِ کبیرہ ہوں ان کو بھی اثم کہا جاتا ہے۔ اثم کا مقابل بر ہے (نیکی) حدیث میں ہے البر وہ کام ہے جس پر دل مطمئن ہو اور الاثم وہ کام ہے جو تمہارے دل میں خلش اور کھٹک پیدا کرے۔
(مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۸-۲۲۷ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۵۳۳) اثم کا لفظ عدوان سے زیادہ عام ہے۔
المفردات ج ۱ ص ۱۲-۱۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

کاہن کا معنی' کاہن کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

قتادہ نے کہا اس آیت میں افاک اثیم سے مراد کاہن ہیں۔
علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ کاہن کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو زمانہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبر دیتا ہے اور معرفت اسرار کا مدعی ہوتا ہے' شق اور سطیح نام کے عرب میں کاہن تھے' بعض کاہنوں کا یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے تابع جنات ہوتے ہیں' جو ان کو غیب کی خبریں آ کر بتاتے ہیں' اور بعض کاہنوں کا یہ زعم ہوتا ہے کہ جو شخص ان سے سوال کرتا ہے وہ اس کے فعل یا اس کے حال سے اس کے متعلق ہونے والے مستقبل کے امور کو جان لیتے ہیں' ان کو عراف کہتے ہیں ان کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ کسی چوری ہو جانے والی چیز یا کسی گمشدہ چیز کو جان لیتے ہیں۔ حدیث میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی' یا جس شخص نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کیا' یا جس شخص نے اپنی بیوی سے اس کی سرین میں جماع (عمل معکوس) کیا وہ اس دین سے بری ہو گیا جو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳۹)
یہ حدیث کاہن عراف اور نجومی سب کو شامل ہے۔ (النہایہ ج ۴ ص ۱۸۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)
حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت' فاحشہ کی اجرت اور کاہن کی مٹھائی سے منع فرمایا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۶۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۴۲۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۸۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۵۹)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: یہ کوئی چیز نہیں ہے' لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ بعض اوقات ہمیں کوئی بات بتاتے ہیں اور وہ سچ نکلتی ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچی بات وہ ہے جو ان کے پاس جن پہنچاتا ہے' جن ان کے کان میں وہ بات ڈال دیتا ہے' جس کے ساتھ وہ کئی جھوٹ ملا دیتے ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۶۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۷۷' عالم الکتب' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۳۶)

کاہنوں کی اقسام

امام مازری نے یہ کہا ہے کہ کاہن وہ لوگ ہیں جن کے متعلق مشرکین یہ زعم رکھتے تھے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں

کوئی چیز ڈالی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ غیب کو جان لیتے ہیں اور جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرے اس کو شارح علیہ السلام کاذب قرار دیا ہے اور اس کی تصدیق سے منع فرمایا ہے۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں کاہنوں کی چار قسمیں ہیں:

(۱) کاہن کے پاس کوئی نیک انسان ہو جو جن کا دوست ہو اور وہ جن اس کو بتائے کہ اس نے آسمان سے کون سی خبر چرا کر سنی ہے اور یہ قسم اس وقت سے باطل ہو گئی جب سے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے' جنات نے کہا:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ (الجن: ۹-۸)

اور ہم نے آسمان کو چھو کر دیکھا تو اسے شدید محافظوں اور سخت شعلوں سے بھرا ہوا پایا ۝ اور ہم اس سے پہلے باتیں سننے کے لیے آسمان پر مختلف جگہوں پر بیٹھ جایا کرتے تھے' پس اب جو بھی چپکے سے سننا چاہتا ہے تو وہ ایک شعلہ اپنے تعاقب میں پاتا ہے۔

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۰-۷)

اور (ہم نے آسمان کو) ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا ہے ۝ وہ عالم بالا کی باتوں کو کان لگا کر نہیں سن سکتے' ان کو ہر جانب سے مارا جاتا ہے ۝ دور بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ۝ مگر جو ایک آدھ بات اچک لے تو فوراً اس کے تعاقب میں دہکتا ہوا شعلہ چل پڑتا ہے۔

(۲) جنات زمین کے اطراف میں گھوم پھر کر قریب اور بعید کے حالات کا مشاہدہ کر کے اپنے دوستوں کو اس کی خبریں پہنچا دیتے ہیں۔

(۳) وہ تخمین اور اندازوں سے اور الکل پچو سے غیب کی خبریں بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ بعض لوگوں میں ایسی قوت دراکہ رکھتا ہے جس سے وہ مستقبل کے امور کے متعلق قیاس اور اندازے سے باتیں بتاتے ہیں جو کبھی اتفاقاً سچ نکلتی ہیں اور اکثر جھوٹ ہوتی ہیں۔

(۴) کاہن کی ایک قسم عراف ہے' یہ وہ شخص ہے جو علامات' اسباب اور مقدمات سے ان کے نتائج اور مسببات پر استدلال کر کے آئندہ کی باتیں بتاتا ہے اور امور مستقبلہ کی معرفت کا دعویٰ کرتا ہے' یہ لوگ ستاروں اور دیگر اسباب سے استفادہ کرتے ہیں' علامہ ھروی نے کہا عراف نجومی کو کہتے ہیں جو غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہے' حالانکہ غیب کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

نجومیوں سے سوال کرنے کی ممانعت

نافع بعض ازواج مطہرات سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص کسی عراف کے پاس جا کر اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کرے اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۰)

جہاں تک نمازوں کے قبول نہ ہونے کا تعلق ہے' تو اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ نیکیاں صرف کفر سے باطل ہوتی ہیں اور یہاں نمازیں قبول نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نمازوں سے راضی نہیں ہوتا اور ان کا اجر زیادہ نہیں کرتا' ورنہ اس سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اور اس کے ذمہ نمازیں نہیں رہتیں۔ باقی یہ کہ اس حدیث میں ہے کہ اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں تو اس طرح اور بھی احادیث ہیں' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس نے شراب پی اس

کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں (سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۸۶۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مونچھیں کم کرنے ناخن تراشنے بغل کے بال نوچنے اور زیر ناف بال صاف کرنے میں ہمارے لئے چالیس روز کی حد مقرر کی گئی ہے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۰۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۵۸ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص (نطفہ کی صورت میں) چالیس دن اپنی ماں کے پیٹ میں جمع رہتا ہے پھر وہ علقہ (جما ہوا خون) بن جاتا ہے پھر چالیس روز بعد وہ مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) بن جاتا ہے پھر چالیس روز بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۶) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے میں چالیس روز کی کوئی خصوصیت ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۱۵۴-۱۵۲ دارالوفا بیروت ۱۴۱۹ھ)

شہاب ثاقب کے متعلق حدیث اور اس کی تشریح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک انصاری نوجوان نے مجھے بتایا کہ ایک رات ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ پھینکا گیا جس سے روشنی ہوگئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: جب اس طرح کا ستارہ پھینکا جائے تو تم اس کو زمانہ جاہلیت میں کیا کہتے تھے؟ آپ کے اصحاب نے کہا اس کی حقیقت کو اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ ہم یہ کہتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا آج رات کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان ستاروں کو کسی کی موت کی وجہ سے پھینکا جاتا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش سبحان اللہ کہتے ہیں پھر ان کے قریب کے آسمان والے سبحان اللہ کہتے ہیں حتیٰ کہ آسمان دنیا تک ان کے سبحان اللہ کہنے کی آواز پہنچتی ہے پھر حاملین عرش کے قریب والے فرشتے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فیصلہ کیا تو وہ ان کو اس کی خبر دیتے ہیں پھر بعض آسمان والے دوسرے بعض کو اس کی خبر دیتے ہیں حتیٰ کہ آسمان دنیا تک اس کی خبر پہنچ جاتی ہے پھر جنات یہ خبر کان لگا کر سنتے ہیں اور اپنے دوستوں تک پہنچا دیتے ہیں پھر جو خبر بعینہٖ وہی ہو وہ برحق ہے لیکن جنات اس میں کچھ الٹ پلٹ کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے کچھ ملا دیتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۴ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۷۲)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حاملین عرش اللہ تعالیٰ کے سب سے مقرب فرشتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے علم غیب کو اور مستقبل میں ہونے والے امور کو سب سے پہلے ان پر منکشف فرماتا ہے پھر ان کے واسطے سے باقی آسمانوں کے فرشتوں کو درجہ بہ درجہ مطلع فرماتا ہے۔

امام مازری نے کہا رہا علم نجوم تو بہ کثرت فلاسفہ نے یہ کہا ہے کہ ہر فلک اپنے ماتحت افلاک میں تاثیر کرتا ہے حتیٰ کہ آسمان دنیا تمام حیوانات میں معدنیات میں اور نباتات میں تاثیر کرتا ہے اور اس تاثیر میں اللہ عزوجل کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہ قول اسلام سے خروج ہے۔

اور جس نے یہ کہا کہ ہر چیز میں فاعل اور موثر صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بعض چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی طبعی قوتیں رکھی ہیں جو تاثیر کرتی ہیں جیسے آگ میں جلانے کی تاثیر رکھی ہے اور سورج کی حرارت میں نباتات کو تیار کرنے کی تاثیر رکھی ہے اس طرح بعض دواؤں میں بعض بیماریوں سے شفاء کی تاثیر رکھی ہے اور زہر میں ہلاکت کی تاثیر رکھی ہے۔ اسی طرح بعض ستاروں کا جب کسی برج میں اتصال یا انفصال ہوتا ہے تو اس سے بعض تاثیرات صادر ہوتی ہیں تو اس سے یہ کہا جائے گا یہ ستاروں کی

تاثیر نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ یہ چیز بعض امور مستقبلہ کے لیے علامات ہیں جیسے گہرے اور گھنے بادلوں کا بارش کی علامت ہے۔ ستاروں کی تاثیر کی نفی کے متعلق بھی احادیث وارد ہیں۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۱۶۲-۱۵۹ ملخصا 'مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

قاضی عیاض مالکی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے۔

ستاروں کی تاثیر کی نفی کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی اور آسمان پر رات کی بارش کے آثار تھے' جب آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا: صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میرے بندوں نے صبح کی بعض مجھ پر ایمان لانے والے تھے اور بعض کفر کرنے والے تھے' جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان لانے والے تھے اور ستاروں کا کفر کرنے والے تھے اور جنہوں نے کہا فلاں' فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے وہ میرا کفر کرنے والے تھے اور ستاروں پر ایمان لانے والے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۲۵)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

یہ احادیث تغلیظ پر محمول ہیں' کیونکہ عرب یہ گمان کرتے تھے کہ بارش ستاروں کی تاثیر سے ہوتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں گردانتے تھے' لیکن جو شخص بارش نازل کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے اور ستاروں کو علامات قرار دے جیسے رات اور دن اوقات کی علامات ہیں تو اس میں گنجائش ہے' جیسے حضرت ابوہریرہ نے کہا ہمیں اللہ نے پانی پلایا ہے اور ستاروں نے پانی نہیں پلایا' اور جو شخص ستاروں کو موثر مانے وہ کافر ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۳۳۱ 'مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی' علامہ خفاجی اور علامہ آلوسی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(البحر المحیط ج ۱۰ ص ۹۴' عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۸۳' روح المعانی جز ۲۷ ص ۲۳۹)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے بارش کو نازل کرنے میں ستاروں کو موثر حقیقی جانا اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے اور جس شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ بارش اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوئی ہے اور ستارے بارش نازل ہونے کی علامت اور اس کا وقت ہیں اور اس کو وہ سبب عادی جانتا ہو جیسا کہ وہ یوں کہے کہ فلاں وقت ہم پر بارش نازل ہوئی ہے تو یہ کفر نہیں ہے تاہم یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس قسم کا کلام کافر اور دہریے کرتے ہیں اور یہ زمانہ جاہلیت کے اقوال کے مشابہ ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۶۸۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ربیع نے کہا اللہ کی قسم! اللہ نے کسی ستارے میں کسی کی زندگی رکھی ہے نہ کسی کی موت اور نہ کسی کا رزق' نجومی اللہ پر جھوٹ اور بہتان باندھتے ہیں اور ستاروں کو علت قرار دیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۶۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن (نجومی) کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی یا جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کی یا جس شخص نے اپنی عورت کی پچھلی طرف مباشرت کی وہ اس دین سے بری ہو گیا جو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳۹)

علم نجوم کا لغوی معنی

ان احادیث میں چونکہ ستاروں کی تاثیر کا ذکر آ گیا ہے اس لئے ہم یہاں علم نجوم اور علم جفر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور ان کا شرعی حکم بیان کرنا چاہتے ہیں، علم نجوم کا لغوی معنی یہ ہے:

سیاروں کی تاثیرات یعنی سعادت ونحوست اور واقعات آئندہ کی حسب گردش پیش گوئی یا معاملاتِ تقدیر اور اچھے برے موسم کی خبر دینے کا علم۔ (اُردو لغت ج ۱۳ ص ۵۱۹، اردو لغت بورڈ کراچی، جون ۱۹۹۱ء)

علم نجوم کے اصول اور مبادی

علم نجوم کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ عالم تحت القمر یا ارسطاطالیسی ''عالم الکون و الفساد'' میں جتنی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ان سب کا اجرام سماوی کے مخصوص طبائع اور حرکات سے قریبی تعلق ہے۔ انسان، جو عالم اصغر ہونے کی حیثیت سے پورے عالم اکبر کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے، بالخصوص ستاروں کی تاثیرات کے تابع ہے، اس میں خواہ ہم بطلمیوس کی پیروی میں واضح طور پر اس عملی نظریے کو تسلیم کریں کہ اجرام فلکی سے نکلی ہوئی شعاعوں سے ایسی قوتیں یا اثرات خارج ہوتے ہیں جو معمول (قابل) کی طبیعت کو عامل (فاعل) کی طبیعت کے مطابق بنا دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ہم خیال ہونے کی غرض سے اجرام سماوی کو آئندہ ہونے والے واقعات کا اصل فاعل نہ مانتے ہوئے محض ان واقعات کی نشانیاں (دلائل) تصور کریں۔ ستاروں کا اثر ان کی انفرادی نوعیت پر، نیز زمین یا دوسرے ستاروں کے لحاظ سے ان کے مقام پر منحصر ہے، لہٰذا عالم کون وفساد کے واقعات اور انسانی زندگی کے نشیب وفراز ہمیشہ لاتعداد اور نہایت متنوع بلکہ متناقض سماوی اثرات کے نہایت ہی پیچیدہ اور متغیرہ امتزاج کے تابع ہوتے ہیں۔ ان اثرات کو جاننا اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ نظر میں رکھ کر دیکھنا منجم کا محنت طلب کام ہے۔

آخر میں جغرافیائی عنصر کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ چونکہ روئے زمین کی ہر اقلیم ایک خاص برج اور ایک خاص سیارے کی تاثیر کے تابع ہے، لہٰذا مختلف ملکوں کے افراد کے لیے افلاک کی حالت سے ایک ہی جیسی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔

نجومی کا یہ ''ساز وسامان'' ایک خاص وضع قطع کا ہے۔ اس کا استعمال بھی اس سے کچھ کم پیچیدہ نہیں۔ مسلمان منجمین کا فن تین بڑے نظاموں میں محدود قرار دیا جا سکتا ہے: (۱) نظام مسائل (استفسارات یا سوالات) جس کی غرض وغایت ایسے سوالوں کا جواب دینا ہے جو روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق ہوں، یعنی جب سائل کسی غیر حاضر شخص کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے، یا اسے کسی چور کا سراغ لگانا مقصود ہو، یا کسی کھوئی ہوئی چیز کا پانا مطلوب ہو۔ یہ نجوم کا سب سے زیادہ آسان اور عام شعبہ ہے (۲) نظام اختیارات (Electiones) یعنی کسی نہ کسی کام کے سرانجام دینے کا بعد وقت۔ اس وقت کے تعین کے لیے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ چاند اس وقت کس برج میں ہے۔ جو احکامی ہندی طریقوں کو ترجیح دیتے ہیں وہ بارہ برجوں کے بجائے چاند کی ۲۸ منزلوں کا شمار کرتے ہیں۔ (۳) نظام سہام الموالید (Genethliological System)، یا مسلم مصنفین کی اصطلاح میں جس نظام کی بنیاد تحاویل السنین (Revolutiones Annorum) پر ہے، یعنی ان اصطلاحی یا وضعی سالوں یا ان کے حصوں پر جو کسی فرد کی پیدائش، یا کسی حکومت، فرقے، یا مذہب یا کسی شہر کی تاسیس وغیرہ سے شروع کر کے اب تک گذر چکے ہوں یا گذرے ہوئے سمجھے جائیں۔ اس نظام کا بنیادی اصول دوسرے نظاموں سے مختلف ہے اور وہ یہ کہ ٹھیک پیدائش کے وقت کرۂ سماوی کی خاص صورتحال اٹل طور پر نوزائیدہ کی قسمت کی ہمیشہ کے لیے حد بندی کر

دیتی ہے اور اس کے بعد اس کی زندگی بنیادی طور پر کرۂ سماوی کی آئندہ پیش آنے والی تبدیلیوں سے متاثر نہیں ہوتی۔ یہ بطلمیوس کا نظام ہے، جس میں اختیارات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے اور جو کچھ ہے اس کی حیثیت مضمرات کی ہے۔ اس کے ہاں نظام مسائل کے لیے ایک لفظ تک نہیں' نیز اس نظام میں دوسرے دو نظاموں کی نسبت فنی دقتیں زیادہ ہیں۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۱-۱۴' ص ۳۰۷-۳۰۵ ملخصاً' دانش گاہ پنجاب لاہور)

علم نجوم کا اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم

علامہ مصطفیٰ آفندی بن عبداللہ آفندی قسطنطنی المتوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں:

یہ ان قواعد کا علم ہے جس سے تشکلات فلکیہ یعنی افلاک اور کواکب کی اوضاع مخصوصہ مثلاً مقارنت' اور مقابلت' وغیرہ سے دنیا کے حوادث ان کے مرنے اور جینے' بننے اور بگڑنے اور دیگر احوال کی معرفت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ستاروں پر ایمان لایا وہ کافر ہو گیا لیکن اس کا محمل یہ ہے کہ جب نجومی کا اعتقاد یہ ہو کہ ستارے عالم کی تدبیر میں مستقل ہیں۔

علم نجوم کی توجیہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہو کہ بعض حوادث بعض دوسرے حوادث کا سبب ہوں' لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ سیارے نحوست (اور اسی طرح سعادت) کے لیے عادۃً اسباب اور علت ہیں' نہ اس پر کوئی حسی دلیل ہے نہ سمعی اور نہ عقلی' حسی دلیل کا نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے اور عقلی دلیل اس لئے نہیں ہے کہ سیاروں کے متعلق ان کے اقوال متضاد ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عناصر سے مرکب نہیں ہیں بلکہ ان کی طبیعت خامسہ ہے پھر کہتے ہیں کہ زحل سرد خشک ہے اور مشتری گرم تر ہے اس طرح انہوں نے عناصر کے خواص کو کواکب کے لیے ثابت کیا۔ اور شرعاً اس لئے صحیح نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ستاروں کے کاہن کے پاس گیا یا عراف کے پاس گیا یا منجم کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

دیگر احادیث اس طرح ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص عراف یا ساحر یا کاہن کے پاس گیا' اس سے سوال کیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۴۰۸' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن یا عراف کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۳۲' عالم الکتب)

خصوصیت کے ساتھ نجومیوں کے متعلق یہ حدیث ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ستاروں کے علم سے اقتباس کیا اس نے جادو سے اقتباس کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۰۰' دار الفکر)

کشاف اصطلاحات الفنون میں مذکور ہے کہ اس علم کا موضوع ستارے ہیں اس حیثیت سے کہ ستاروں سے اس جہان کے احوال اور مسائل معلوم ہوں' جیسے ان کا یہ قول ہے کہ جب سورج اس مخصوص جگہ پر ہو تو وہ اس جہان میں فلاں چیز کے پیدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اصحاب علم نجوم کا یہ زعم ہے کہ وہ سیاروں کی قوتوں کی معرفت سے اس جہان کی چیزوں کو پیدا ہونے سے پہلے جان لیتے ہیں۔

علم نجوم کے بطلان پر یہ دلیل کافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے خود کسی ترکیب' کسی صنعت اور کسی طریقہ سے غیب کا علم حاصل کیا نہ امت کو اس کی تعلیم دی' انبیاء علیہم السلام کو صرف وحی سے اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم غیب حاصل ہوتا تھا۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۳۱-۱۹۳۰' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ طہران' ۱۳۷۸ھ)

علم نجوم کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء (امام غزالی' امام بخاری' علامہ طیبی' ملا علی قاری' علامہ شامی امام احمد رضا' علامہ امجد علی' مفتی احمد یار خاں' مفتی وقار الدین اور شیخ ابن تیمیہ وغیرھم کی آراء)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ فرماتے ہیں:

علم نجوم کے احکام کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسباب سے حوادث پر استدلال کرتے ہیں لیکن شریعت میں یہ علم مذموم ہے حدیث میں ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میرے اصحاب کا ذکر کیا جائے تو بحث نہ کرو' اور جب ستاروں کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو اور جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو رک جاؤ۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۴۲۷' یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۴۴۸' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۰۸' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۲۳' ۲۰۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنے بعد اپنی امت پر پانچ چیزوں کا خطرہ ہے۔ تقدیر کی تکذیب کرنا اور ستاروں کی تصدیق کرنا۔ (ابو یعلیٰ نے صرف دو کا ذکر کیا ہے)

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۳۵' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۳' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۹۲۶)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر تین چیزوں کا خطرہ ہے ستاروں سے بارش کو طلب کرنا' سلطان کا ظلم کرنا اور تقدیر کی تکذیب کرنا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۹۰' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۷۲۴' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ اس کی سند میں یزید رقاشی ضعیف ہے باقی راوی ثقہ ہیں)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آخر زمانہ میں مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ ستارے ہیں' تقدیر کو جھٹلانا ہے اور سلطان کا ظلم کرنا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۱۱۳' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۲' اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے اور باقی راوی ثقہ ہیں)

امام غزالی فرماتے ہیں نجوم کے احکام محض ظن' تخمین اور اندازوں پر مبنی ہیں' اور ان کے متعلق کوئی شخص یقین یا ظن غالب سے کوئی حکم نہیں لگا سکتا' لہٰذا اس پر حکم لگانا جہل پر حکم لگانا ہے' سو نجوم کے احکام اس لئے مذموم ہیں کہ یہ جہل ہیں نہ اس حیثیت سے کہ یہ علم ہیں' یہ علم حضرت ادریس علیہ السلام کا معجزہ تھا (دراصل وہ علم رمل تھا یعنی لکیروں سے زائچہ بنانے کا علم وہ نجوم کا علم نہیں تھا) اب یہ علم مٹ چکا ہے' اور کبھی کبھار نجومی کی جو بات سچ نکلتی ہے وہ بہت نادر ہے اور محض اتفاق ہے' کیونکہ وہ کبھی بعض اسباب پر مطلع ہو جاتا ہے اور ان اسباب کے بعد مسبب اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب بہت ساری شروط پائی جائیں جن کے

حقائق پر مطلع ہونا بشر کی قدرت میں نہیں ہے' جیسے انسان کبھی بادل دیکھ کر بارش کا گمان کرتا ہے حالانکہ بارش کے اور بھی اسباب ہوتے ہیں جن پر وہ مطلع نہیں ہوتا' اور جس طرح ہواؤں کا رخ دیکھ کر ملاح کشتی کو سلامتی سے لے جانے کا گمان کرتا ہے حالانکہ سلامتی کے اور بھی اسباب ہیں جن پر وہ مطلع نہیں ہوتا اور اس کا اندازہ کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط۔

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ. (الملک: ۵) بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے مزین فرمایا ہے۔

قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین کاموں کے لیے پیدا فرمایا ہے' ان ستاروں کو آسمان کی زینت بنایا اور ان کو شیاطین پر رجم کرنے کے لیے بنایا اور ان کو راستوں کی ہدایت کی علامات بنایا' اور جس نے ان ستاروں کا کوئی اور مقصد قرار دیا اس نے خطا کی اور اپنا حصہ ضائع کیا اور جس چیز کا علم نہیں تھا اس میں تکلف کیا۔ رزین نے یہ اضافہ کیا ہے کہ انبیاء اور فرشتے اس علم سے عاجز نہ تھے۔ (کتاب بدء الخلق' باب: ۳' مشکوۃ رقم الحدیث: ۴۶۰۲)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام قشیری نے نجومیوں کے مذاہب تفصیل سے ذکر کر کے ان کو باطل کیا ہے' اور لکھا ہے کہ نجومیوں کا صحت کے قریب ترین قول یہ ہے کہ ان حوادث کو ابتداءً اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے پیدا فرماتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ وہ ان حوادث کو اس وقت پیدا فرماتا ہے جب یہ سیارے بروج مخصوصہ میں ہوتے ہیں' اور یہ سیارے اپنی رفتار' اپنے اتصال اور اپنی شعاؤں کے گرنے میں مختلف ہوتے ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عادت جاریہ ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ نر اور مادہ کے اختلاط کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے اور کھانے کے بعد پیٹ بھر جاتا ہے' علامہ قشیری نے کہا یہ چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں جائز ہے لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے' بلکہ اس کے خلاف پر دلیل ہے کیونکہ جو کام بہ طور عادت جاریہ ہو' اس میں استمرار ہوتا ہے اور کم از کم درجہ یہ ہے کہ اس میں تکرار ہوتا ہے اور ان کے نزدیک ایک وقت ایک مخصوص طریقہ سے بار بار نہیں ہوتا' کیونکہ ایک سال میں سورج کسی برج کے ایک درجہ میں ہوگا تو دوسرے سال اس برج کے اس درجہ میں نہیں ہوگا' اور قرائن' مقابلات اور کواکب کی طرف نظر کے اعتبار سے احکام مختلف ہوتے رہتے ہیں۔

(شرح الطیبی ج ۸ ص ۳۳۶-۳۳۵' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۳ھ)

ستاروں کی تاثیرات دائمی یا اکثری نہیں ہیں اس کو آسان اور عام فہم طریقہ سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کسی خاص صفت کے ساتھ کسی ستارے کا کسی مخصوص برج میں ہونا برکت یا نحوست یا فائدہ یا نقصان کا موجب ہے تو ہمیشہ یا اکثر اوقات میں اس ساعت میں برکت یا نحوست یا فائدہ یا نقصان کے اثرات ہونے چاہئیں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا' اگر بارش کا ہونا' طوفانوں کا اٹھنا اور زلزلوں کا آنا ستاروں کے کسی مخصوص برج میں ہونے کی وجہ سے ہو تو جب بھی وہ ستارہ اس مخصوص برج میں ہو تو یہ آثار صادر ہونے چاہئیں' یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ سعادت' نحوست' اور نفع اور نقصان کے آثار جن اوقات میں مرتب ہوتے ہیں ان مخصوص اوقات میں ان کا ترتب دائمی یا اکثری نہیں ہے اور مسبب کا دائمی اور اکثری نہ ہونا سبب کے دائمی اور اکثری نہ ہونے کی دلیل ہے' اس سے یہ واضح ہو گیا کہ جن اوقات میں ستارے مخصوص برج میں ہوتے ہیں ان اوقات میں دائمی یا اکثری طور پر ان مخصوص حوادث کا صدور نہیں ہوتا اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہے کہ جب یہ

ستارے مخصوص برج میں مخصوص صفت کے ساتھ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان مخصوص حوادث کو صادر کر دیتا ہے لہٰذا ستاروں کا مخصوص برج میں ہونا نہ حوادث کے صدور کی علت ہے نہ ان کے صدور کا دائمی یا اکثری سبب ہے۔

امام عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الخطیب تبریزی المتوفی ۷۴۱ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کی ذکر کی ہوئی چیز کے سوا کسی اور چیز کے لیے ستاروں کا علم حاصل کیا اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا' نجومی کاہن ہے اور کاہن جادوگر ہے اور جادوگر کافر ہے۔اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے۔(مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۶۰۴)

اللہ کی ذکر کی ہوئی چیزوں سے مراد ستاروں سے آسمان کی زینت ان کا رجوم شیاطین (شہاب ثاقب) ہونا اور ان سے راستوں کی ہدایت حاصل کرنا ہے۔ سو جس شخص نے ان کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے ستاروں کا علم حاصل کیا (مثلاً غیب جاننے کے لیے اور آئندہ کی پیش گوئی کے لیے) تو اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس کاہن اور نجومی دونوں کافر ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ پانچ سال تک اپنے بندوں سے بارش کو روک لے اس کے بعد بارش نازل فرمائے تو لوگوں میں سے کافروں کی ایک جماعت یہ کہے گی کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی ہے۔(سنن النسائی رقم الحدیث:۱۵۲۶' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۴۶۰۵)

ملا علی قاری لکھتے ہیں: اب ان کافروں سے یہ کہا جائے گا کہ پانچ سال تک وہ ستارہ کہاں تھا جس کی وجہ سے ایک سال میں سینکڑوں بار بارشیں ہوتی تھیں' اس سے معلوم ہوا کہ ستارے دائمی سبب ہیں نہ اکثری سبب ہیں اور نہ بارش کے لیے ان کا مخصوص برج میں ہونا سبب ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے اور نہ بارش کی علامت ہے' یہ سب کفار کی بے دلیل باتیں اور خرافات ہیں۔(مرقات المفاتیح ج ۹ ص ۲۲' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

سید محمد امین ابن عابد بن شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ علاء الدین الحصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے علم نجوم اور علم رمل وغیرہ کو حرام کہا ہے۔(درمختار ج ۱ ص ۱۲۳ ملخصاً)

علامہ شامی فرماتے ہیں علم نجوم کی تعریف ہے: حوادث سفلیہ پر تشکلات فلکیہ سے استدلال کی معرفت جس علم سے حاصل ہو وہ علم نجوم ہے۔

صاحب ہدایہ نے مختارات نوازل میں لکھا ہے کہ فی نفسہٖ علم نجوم اچھا علم ہے مذموم نہیں ہے' ایک علم حسابی ہے اور یہ برحق ہے۔قرآن مجید میں ہے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ (الرحمٰن:۵) سورج اور چاند مقررہ حساب سے (گردش کر رہے) ہیں۔

یعنی ان کی رفتار اور ان کا گردش کرنا حساب سے ہے' اور اس کی دوسری قسم استدلال ہے' یعنی وہ ستاروں کی رفتار اور افلاک کی حرکت سے اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر پر استدلال کرتے ہیں' اور یہ جائز ہے جیسے طبیب نبض کی رفتار سے صحت اور مرض پر استدلال کرتا ہے' اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر پر استدلال نہ کرے بلکہ خود غیب جاننے کا دعویٰ کرے تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا' پھر اگر علم نجوم سے صرف نمازوں کے اوقات اور قبلہ کی سمت پر استدلال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔الخ'

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اتنی مقدار سے زائد علم نجوم حاصل کرنے میں حرج ہے' بلکہ الفصول میں مذکور ہے کہ مطلقاً علم نجوم کو

حاصل کرنا حرام ہے جیسا کہ درمختار میں ہے اور اس سے مراد علم نجوم کی وہ قسم ہے جس میں ستاروں کی رفتار اور حرکت افلاک سے اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر استدلال کیا جاتا ہے اسی وجہ سے احیاء العلوم میں مذکور ہے کہ فی نفسہ علم نجوم مذموم نہیں ہے اور حضرت عمر نے فرمایا ستاروں سے وہ علم حاصل کرو جس سے تم بحر وبر میں راستوں کی ہدایت حاصل کر سکو پھر رک جاؤ' حضرت عمر نے اس کے ماسوا کو تین وجوہ سے منع فرمایا ہے: (۱) یہ علم اکثر مخلوق کے لیے مضر ہے' کیونکہ عوام جب یہ علم سیکھیں گے تو وہ ستاروں کو موثر اعتقاد کریں گے۔ (۲) ستاروں کے احکام محض اندازوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ (۳) اس علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے' کیونکہ جو چیز مقدر کر دی گئی ہے وہ بہر حال ہونی ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

علم رمل وہ علم ہے جو قواعد سے لکیروں اور نقطوں کی مختلف اشکال پر مبنی ہے' اور ان شکلوں سے مستقبل میں پیش ہونے والے امور معلوم ہو جاتے ہیں اور تم کو معلوم ہے کہ یہ علم حرام قطعی ہے' اس کی اصل حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور یہ شریعت منسوخ ہو چکی ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ اس علم کا سیکھنا اور سکھانا حرام قطعی ہے' کیونکہ اس سے عوام کو یہ وہم ہوگا کہ اس علم کا جاننے والا غیب کے علم میں اللہ کا شریک ہے (فتاویٰ حدیثیہ ص ١٦٠' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٩ھ)

نیز علامہ شامی فرماتے ہیں حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی یا جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت کی یا جس شخص نے اپنی بیوی کی پچھلی طرف میں مباشرت کی تو وہ اس دین سے بری ہو گیا جو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٩٠٤' سنن الترمذی رقم الحدیث: ١٣٥' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٦٣٩) اس حدیث میں کاہن کا لفظ عراف اور منجم دونوں کو شامل ہے اور عرب ہر اس شخص کو کاہن کہتے تھے جو علم دقیق کا حامل ہو اور بعض عرب منجم اور طبیب کو بھی کاہن کہتے تھے۔

(رد المحتار ج ١ ص ١٢٦' ١٢٢-١٢٣' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٩ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ١٣٤٠ھ قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

نجوم کے دو ٹکڑے ہیں علم وفن تاثیر اول کی طرف تو قرآن عظیم میں ارشاد ہے: الشمس والقمر بحسبان ○ والشمس تجری لمستقر لها ذلک تقدیر العزیز العلیم ○ والقمر قدرنه منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم○ لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النهار وکل فی فلک یسبحون ○ وجعلنا اللیل والنهار ایتین فمحونا ایة اللیل وجعلنا ایة النهار مبصرة لتبتغوا فضلا من ربکم ولتعلموا عدد السنین والحساب وکل شیء فصلنه تفصیلا ○ والسماء ذات البروج ○ تبارک الذی جعل فی السماء بروجا ○ فلااقسم بالخنس ○ الجوار الکنس○ ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحنک فقنا عذاب النار ○ الم ترالیٰ ربک کیف مدالظل ولو شاء لجعله ساکنا ثم جعلنا الشمس علیه دلیلا○ ثم قبضنه الینا قبضا یسیرا ○ الی غیر ذلک من ایات کثیرة اور اس کا فن تاثیر باطل ہے تدبیر عالم سے کواکب کے متعلق کچھ نہیں کیا گیا نہ ان کے لیے کوئی تاثیر ہے غایت درجہ فلکیہ مثل حرکات نبض علامات ہیں کما قال اللہ تعالی وعلمت وبالنجم هم یهتدون نبض کا اختلاف اعتدال سے طبیعت کے انحراف پر دلیل ہوتا ہے مگر وہ انحراف اس کا اثر نہیں بلکہ یہ اختلاف اس کے سبب سے ہے اس علامت ہی کی وجہ سے کبھی اس کی طرف اکابر نے نظر فرمائی ہے فنظر نظرة فی النجوم فقال انی سقیم. زمانہ قحط میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ باران کے لیے دعا کرو اور منزل قمر کا لحاظ کر لو امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے منقول ہے لاتسافروا والقمر فی العقرب اگرچہ

علماء نے اس کی یہ تاویل فرمائی ہے کہ عقرب ایک منزل تھی اور قمر ایک راہزن کا نام تھا کہ اس منزل میں تھا۔ علم تکسیر علم جفر سے جدا دوسرا فن ہے اگر چہ جفر میں بھی تکسیر کا کام پڑتا ہے یہ بھی اکابر سے منقول ہے۔ امام حجۃ الاسلام غزالی و امام فخر الدین رازی و شیخ اکبر محی الدین ابن عربی و شیخ ابو العباس یونی و شاہ محمد غوث گوالیاری وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اس فن کے مصنف و مجتہد گذرے ہیں اس میں شرف قمر وغیرہ ساعات کا لحاظ اگر اسی علامت کے طور پر ہو جس کی طرف ارشاد فاروقی نے اشارہ فرمایا تو لا باس بہ ہے اور پابندی اوہام منجمین کے طور پر ہو تو ناجائز ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم و آباؤ کم ماانزل اللہ بھامن سلطن ان الحکم الا للہ امر ان لاتعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لایعلمون ٥ طلسم و نیرنجات سراسر ناجائز ہیں نیرنج تو شعبدہ ہے اور شعبدہ حرام کما فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار اور طلسم تصاویر سے خالی نہیں اور تصویر حرام اشد الناس عذابا یوم القیمۃ من قتل نبیا او قتلہ نبی والمصورون ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاوی رضویہ ج ۲-۱۰، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی، ۱۴۱۲ھ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

باقی ستارے رہے تو یہ بات بعید نہیں ہے کہ ان کی بھی کچھ اصل ہو کیونکہ شرع نے صرف ان کے اندر مشغول رہنے سے نہی فرمائی ہے۔ ان کی حقیقت کی نفی بالکلیہ نہیں کی ہے اور اسی طرح سلف صالح سے ان چیزوں میں مشغول نہ ہونا اور مشتغلین کی مذمت اور ان تاثیرات کا قبول نہ کرنا تو برابر چلا آیا ہے مگر ان سے ان چیزوں کا معدوم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں ان میں سے بعض اشیاء ایسی ہیں جو یقین کے درجہ میں بدیہات اولی کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں مثلاً شمس و قمر کے حالات مختلف ہونے سے فصلوں کا مختلف ہونا وعلیٰ ہذا القیاس، اور بعض باتیں فکر یا تجربہ یا رسد سے ثابت ہوتی ہیں جس طرح تجربہ وغیرہ سے سونٹھ کی حرارت اور کافور کی برودت ثابت ہوتی ہے اور غالباً ان کی تاثیر دو طریقے سے ہوتی ہے ایک طریقہ تو طبیعت کے قریب قریب ہے یعنی جس طرح ہر نوع کے لیے طبائع مختلف ہوتی ہیں جو اسی نوع کے ساتھ مختص ہوا کرتی ہیں یعنی حرارت و برودت اور رطوبت اور یبوست اور امراض کے دفع کرنے میں انہیں طبائع سے کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح افلاک اور کواکب کے لیے بھی طبائع خاص اور جدا جدا خواص ہیں مثلاً آفتاب کے لیے حرارت اور چاند کے لیے رطوبت اور جب ان کواکب کا اپنے اپنے محل میں گذر ہوتا ہے، زمین پر ان کی قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ دیکھو کہ عورتوں کے لیے جو عادات اور اخلاق مخصوص ہیں ان کا منشاء عورتوں کی طبیعت ہی ہوا کرتی ہے اگر چہ اس کا ادراک ظاہر طور پر نہ ہو سکے اور مرد کے ساتھ جو اوصاف مختص ہیں مثلاً جرأت آواز کا بھاری ہونا اس کا منشا بھی اس کی کیفیت مزاجی ہوا کرتی ہے پس تم اس بات سے انکار مت کرو کہ جس طرح ان طبائع خفیہ کا اثر ہوتا ہے اسی طرح زہرہ اور مریخ وغیرہ کے قویٰ زمین میں حلول کر کے اپنا اثر ظاہر کریں اور دوسرا طریقہ قوت روحانیہ اور طبیعت کے باہم ترکیب کے قریب قریب ہے۔ اس کی مثال ہے کہ جس طرح جنین کے اندر ماں اور باپ کی طرف سے قوت نفسانی حاصل ہوتی ہے اور آسمان و زمین کے ساتھ ان عناصر ثلاثہ کا حال ایسا ہی ہے جو ماں باپ کے ساتھ جنین کا حال ہوا کرتا ہے پس یہی قوت جہان کو اولاً صورت حیوانیہ بعد ازاں صورت انسانیہ کے قبول کرنے کے قابل بناتی ہے اور اتصالات فلکی کے اعتبار سے ان قویٰ کا حلول کئی طرح پر ہوتا ہے اور ہر قسم کے خواص مختلف ہوتے ہیں جب کچھ لوگوں نے اس کے اندر غور کرنا شروع کیا تو ان ستاروں کا علم یعنی علم نجوم حاصل ہو گیا، اور اس کے ذریعہ سے آئندہ واقعات ان کو معلوم ہونے لگے مگر جب مقتضائے الٰہی اس کے خلاف مقرر ہو جاتی ہے تو ستاروں کی قوت ایک دوسری صورت میں جو اسی صورت کے قریب ہوتی ہے متصور ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے اور کواکب کے خواص کا نظام بھی قائم رہتا ہے اور شروع میں اس نکتہ کو

اس طرح پر تعبیر کیا جاتا ہے کہ کواکب کے خواص میں لزوم عقلی نہیں ہے بلکہ عادت الٰہی اس طرح جاری ہے اور خاص بمنزلہ امارات اور علامت کے ہیں مگر جب کثرت سے لوگوں کو اس علم میں توغل ہو گیا اور ہمہ تن اس میں مشغول ہو گئے تو اس واسطے اس میں کفر اور خدا تعالیٰ پر ایمان کے قائم نہ رہنے کا احتمال پیدا ہوا' کیونکہ جو شخص اس علم میں مشغول ہو رہا ہے وہ تہ دل سے کیونکر یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے یہ مینہ برسا ہے بلکہ وہ تو خواہ مخواہ یہی کہے گا کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے برسا ہے لہٰذا یہ امر اس کو اس ایمان سے جو نجات کا دارومدار ہے ضرور مانع ہوگا اور اگر کسی شخص کو اس علم سے ناواقفیت ہے تو اس کی یہ ناواقفیت کچھ مضر نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ خود تمام عالم کا مقتضائے حکمت کے موافق انتظام کرتا ہے خواہ کوئی اس سے واقف ہو یا نہ ہو۔ پس ضرور ہوا کہ شرع میں ایسا علم نیست و نابود کر دیا جائے اور لوگوں کو اس کے سیکھنے سے ممانعت کی جائے اور یہ بات ظاہر کر دی جائے کہ جس نے نجوم سیکھا اس نے جادو کا ایک شعبہ حاصل کیا جس قدر زیادہ سیکھے اسی قدر اس کا وبال ہوگا۔ اس کا حال توریت و انجیل کا سا حال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے ساتھ نہایت تشدد کیا ہے جو ان کے دیکھنے کا قصد کرے کیونکہ ان دونوں میں تحریف ہو گئی ہے اور ان کے دیکھنے میں احتمال ہے کہ آدمی ان کو دیکھ کر قرآن عظیم کی فرمانبرداری ترک کر دے اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرمائی یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہماری رائے ہے اور ہمارے تفحص کا نتیجہ ہے۔ پس اگر سنت سے اس کے خلاف کچھ ثابت ہو تو جو سنت سے ثابت ہو وہی بات ٹھیک ہے۔ (ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹۵' مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ' لاہور)

صدر الشریعۃ مولانا محمد امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۷۶ھ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قمر در عقرب' یعنی چاند جب برج عقرب میں ہوتا ہے تو سفر کرنے کو برا جانتے ہیں اور نجومی اسے منحوس بتاتے ہیں اور جب برج اسد میں ہوتا ہے تو کپڑے قطع کرانے اور سلوانے کو برا جانتے ہیں ایسی باتوں کو ہرگز نہ مانا جائے' یہ باتیں خلاف شرع اور نجومیوں کے ڈھکوسلے ہیں۔

نجوم کی اس قسم کی باتیں جن میں ستاروں کی تاثیرات بتائی جاتی ہیں کہ فلاں ستارہ طلوع کرے گا تو فلاں بات ہوگی یہ بھی خلاف شرع ہے اس طرح نچھتروں کا حساب کہ فلاں نچھتر سے بارش ہوگی یہ بھی غلط ہے حدیث میں اس پر سختی سے انکار فرمایا۔ (بہار شریعت حصہ ۱۶' ص ۱۵۹' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' ۱۴۱۶ھ)

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی فلاں تارہ فلاں برج میں پہنچا لہٰذا بارش ہوئی اس کی تاثیر سے بادل اور برسایا کہنا حرام ہے بلکہ بعض معانی سے کفر ہے' خیال رہے کہ ستاروں کو فاعل مدبر ماننا کفر ہے انہیں بارش کی علامت ماننا اگرچہ کفر نہیں ہے مگر یہ کہنا بہت برا ہے کہ فلاں تارے سے یہ بارش ہوئی کہ اس میں کفار کے عقیدے کا اظہار ہے۔ (اس سے پہلے ص ۲۷۰ پر لکھا ہے:) بہرحال نجومیوں سے غیب کی خبریں پوچھنا بدترین گناہ ہے۔ (مرأت المناجیح ج ۶ ص ۲۷۴' مطبوعہ گجرات)

مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی متوفی ۱۹۹۳ء رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نجومی اور کاہن وغیرہ سے تو سوال کرنے کی بھی ممانعت ہے' صحیح مسلم میں ہے: جو کاہن (نجومی) کے پاس آئے اور اس سے کچھ دریافت کرے اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں' حضرت ربیع سے ایک روایت ہے کہ قسم اللہ کی اللہ تعالیٰ نے کسی ستارے میں کسی کی زندگی نہیں رکھی' نہ ہی اس کا رزق اور نہ ہی اس کی موت اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور وہ ستاروں کو علت قرار دیتے ہیں (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطب والرقی' باب الکہانۃ' فصل ثالث) مشکوٰۃ میں ایک اور حدیث ہے' حضرت سعد

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' جس کسی نے علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھا جو اللہ تعالیٰ نے نہیں بیان فرمایا' پس تحقیق اس نے ایک حصہ جادو کا حاصل کیا نجومی کاہن ہے اور کاہن جادوگر ہے اور جادوگر کافر ہے۔ (مشکوٰۃ حوالہ بالا) غرض علم نجوم اور علم رمل سیکھنا ناجائز ہے اور زائچہ بنوانا بھی ناجائز ہے۔ (وقار الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۴۴-۴۴۳ ملخصاً 'مطبوعہ بزم وقار الدین کراچی' ۱۴۲۱ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح نجومی ہیں اور ان کے علم کا مبنیٰ یہ ہے کہ حرکات علویہ حوادث کے حدوث کا سبب ہیں اور سبب کا علم مسبب کے علم کو واجب کرتا ہے ان لوگوں کو کسی چیز کے ایک سبب کا پتا چل جاتا ہے لیکن اس چیز کے باقی اسباب' اس کی تمام شروط اور تمام موانع کا علم نہیں ہوتا' مثلاً ان کو یہ علم ہوتا ہے کہ اگر گرمیوں میں سورج سر پر پہنچ جائے تو فلاں علاقے میں انگور منقیٰ بن جائیں گے' لیکن ہوسکتا ہے اس علاقہ میں انگور پیدا نہ ہوئے ہوں یا بارش اور ژالہ باری سے انگور پکنے سے پہلے ہی ضائع ہو گئے ہوں' لہٰذا صرف اس بات کے علم سے کہ گرمیوں میں سورج کی حرارت سے انگور منقیٰ بن جاتے ہیں یہ پیش گوئی نہیں کی جاسکتی کہ کسی علاقے میں فلاں مہینے میں انگور منقیٰ بن گئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا جس شخص نے عراف کے پاس جاکر کسی چیز کا سوال کیا اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۰) اور عراف کا لفظ کاہن' نجومی اور رمال سب کو شامل ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۵ ص ۱۰۶ 'مطبوعہ دار الجیل' الریاض' ۱۴۱۸ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

پھر ان نجومیوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو یہ اس کے نام کا ستارہ معلوم کرتے اور بچہ کا وہ نام رکھتے جو اس ستارے پر دلالت کرتا' پھر وہ بچہ جب بڑا ہو جاتا تو پھر وہ اس ستارے کے احوال سے اس بچے کے احوال کو معلوم کرتے' اور ان کے اختیارات یہ ہوتے تھے کہ اگر انہوں نے کسی سفر پر جانا ہوتا تو اگر چاند کسی مبارک برج میں ہوتا جو ان کے نزدیک سرطان ہے تو وہ سفر پر جاتے اور اگر چاند کسی منحوس برج میں ہوتا اور وہ ان کے نزدیک عقرب ہے تو پھر وہ سفر پر نہ جاتے۔

جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خوارج سے قتال کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو ان کے پاس ایک نجومی آیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! آپ سفر نہ کریں کیونکہ چاند برج عقرب میں ہے' کیونکہ اگر آپ نے اس حال میں سفر کیا جبکہ چاند برج عقرب میں ہے تو آپ کے اصحاب کو شکست ہو جائے گی۔ حضرت علی نے فرمایا بلکہ میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے سفر کروں گا' اور تمہاری تکذیب کروں گا' سو انہوں نے سفر کیا اور ان کا وہ سفر بابرکت رہا' حتیٰ کہ بہت سے خوارج مارے گئے' اور یہ ان کی بہت بڑی مہم تھی' کیونکہ حضرت علی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے خوارج سے قتال کیا تھا۔ اور یہ جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اس حال میں سفر نہ کرو کہ قمر (برج) عقرب میں ہو تو اس پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ محض جھوٹ ہے۔

اور بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ علم نجوم حضرت ادریس علیہ السلام کا فن ہے' تو اول تو یہ قول بلاعلم ہے' کیونکہ اس قسم کی بات بغیر نقل صحیح کے معلوم نہیں ہوسکتی' اور اس قسم کی کوئی نقل صحیح ثابت نہیں ہے' ثانیاً اگر اس قسم کی کوئی پیش گوئی حضرت ادریس سے ثابت ہو تو وہ ان کا معجزہ ہوگا اور یہ وہ علم ہوگا جو ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہوگا اور وہ علوم نبوت سے ہے' اور نجومی اپنے تجربہ اور قیاس سے پیش گوئی کرتے ہیں نہ کہ حضرت ادریس علیہ السلام کی دی ہوئی خبر سے' ثالثاً نجومیوں کی پیش گوئیاں بہ کثرت جھوٹ ہوتی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی خبریں جھوٹ سے معصوم ہوتی ہیں۔ رابعاً ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے خبر دی ہے کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں تحریف کر دی ہے اور اس میں جھوٹ ملا دیا ہے' اور ان کی تصدیق کرنے سے منع

فرمایا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تمہیں اہل کتاب کوئی خبر دیں تو تم نہ اس کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو بلکہ یوں کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا' ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے' ہم اسی پر ایمان لاتے ہیں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۸۵) سو جب ہم کو اہل کتاب کی آسمانی کتابوں کی تصدیق سے منع کر دیا تو ہم اس چیز کی تصدیق کیسے کر سکتے ہیں' جس کو بغیر کسی ثبوت کے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

جن ستاروں کو نجومیوں نے منحوس اور مبارک کہا ہے' اگر آپ اس کا الٹ کر دیں اور مثلاً جب قمر برج سرطان میں ہو تو اس کو منحوس کہیں اور جب وہ برج عقرب میں ہو تو اس کو مبارک کہیں اور اس بنیاد پر پیش گوئی کریں تب بھی بعض اوقات یہ پیش گوئی صحیح ہو گی اور بعض اوقات یہ پیش گوئی غلط ہو گی جس طرح ان کے مفروضات کی بنیاد پر بھی ان کی پیش گوئی صحیح ہوتی ہے اور کبھی ان کی پیش گوئی غلط ہوتی ہے بلکہ زیادہ تر غلط ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جس بنیاد پر پیش گوئی کرتے ہیں وہ بنیاد محض ان کی من گھڑت اور خود ساختہ ہے اس کی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے اور یہ محض اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۵ ص ۱۱۱-۱۰۹ ملخصاً' مطبوعہ دار الجیل ریاض ۱۴۱۸ھ)

یہ تو شیخ ابن تیمیہ کے زمانے کے نجومیوں پر تبصرہ ہے اور ہمارے زمانہ میں جو نجومی ہیں ان کو تو یہ بھی پتا نہیں ہوتا کہ برج کس چیز کا نام ہے اور کون سا ستارہ کس برج میں کب ہوتا ہے اور اس کو جاننے کا کیا ذریعہ ہے' اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ کون سا ستارہ مبارک ہے اور کون سا منحوس ہے' اور کس شخص کا کون سا ستارہ ہے اس کا علم کس ماخذ سے ہوا۔

اخبارات میں شائع ہونے والی نجومیوں کی پیش گوئیوں اور غیب کی خبروں پر مصنف کا تبصرہ

علم نجوم کی بحث میں ہم وہ احادیث نقل کر چکے ہیں جن میں نجومیوں سے سوال کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اخبارات میں ہر ہفتہ اس عنوان سے ایک مضمون شائع ہوتا ہے کہ "یہ ہفتہ کیسا رہے گا" اور اس مضمون میں اس ہفتہ کے متعلق غیب کی خبریں بتائی جاتی ہیں۔ چند خبریں ملاحظہ فرمائیں۔

(حمل ۲۱ مارچ تا ۲۱ اپریل)

دوستوں پر اندھا اعتماد نقصان دہ ثابت ہو گا محتاط رہیں۔ مالی سلسلہ میں دوسرے سے وابستہ توقعات پوری ہو سکیں گی۔ آمدنی و اخراجات کا تناسب یکساں رہے گا۔ بیرون ملک سفر اختیار کرنے کے سلسلے میں مایوسی لاحق ہو سکتی ہے۔ موسمی اثرات یا غذائی بدپرہیزی کے باعث صحت خراب ہونے کا احتمال ہے۔ اس ہفتہ کا موافق عدد ۷ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی تاریخ پیدائش ۲۱ مارچ سے ۲۱ اپریل کے درمیان ہے ان کا برج حمل ہے' اور اس ہفتہ یعنی ۱۰ فروری ۲۰۰۲ء سے ۱۷ فروری تک برج حمل کی یہ تاثیرات رہیں گی۔

(قوس ۲۳ نومبر تا ۲۲ دسمبر)

کاروباری پوزیشن غیر مستحکم رہے گی۔ آمدنی میں کمی کا احتمال ہے جبکہ اخراجات میں اضافہ ہو گا۔ بھائیوں کے ساتھ تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔ گھریلو ماحول بہتر رہے گا' رہائش گاہ کی تبدیلی عمل میں آنے کا امکان ہے۔ پرائز بانڈ یا کسی اور انعامی سکیم کے ذریعہ کثیر رقم ہاتھ آ سکتی ہے۔ اس ہفتہ موافق عدد ۱ ہے۔

اس کا بھی یہ مطلب ہے کہ جن لوگوں کی تاریخ پیدائش ۲۳ نومبر تا ۲۲ دسمبر ہے ان کا برج قوس ہے اور اس ہفتہ (۱۰ فروری تا ۱۷ فروری) برج قوس کی یہ تاثیرات رہیں گی۔ (روزنامہ جنگ سنڈے میگزین ۱۰ فروری ۲۰۰۲ء)

علماء نجوم ستاروں کی تاثیرات کے قائل ہیں بروج کی تاثیرات کے قائل نہیں ہیں' جو ستارے سیارے ہیں وہ یہ ہیں ق

زحل عطارد شمس، مشتری، مریخ اور زہرہ ان کے نزدیک سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک سیارہ ہے، آٹھویں آسمان میں ثوابت ہیں۔ یہ وہ ستارے ہیں جو حرکت نہیں کرتے۔ ان ستاروں کے اجتماع سے مختلف شکلیں بن جاتی ہیں مثلاً ترازو یا شیر کی شکلیں، یہ شکلیں نویں آسمان میں رصدگاہوں کے اندر نظر آتی ہیں۔ اگر شیر کی شکل بن جائے تو اس کو برج اسد اور ترازو کی شکل بن جائے تو اس کو برج میزان اور بچھو کی شکل بن جائے تو اس کو برج عقرب کہتے ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس ان بروج کو سیاروں کی منازل بھی کہتے ہیں، علماء نجوم ان سیارگان کی تاثیرات کے قائل ہیں۔ بروج کی تاثیرات کے قائل نہیں ہیں اور ''یہ ہفتہ کیسا رہے گا'' کے تحت لکھنے والوں نے اپنی کم علمی یا بے علمی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ بروج کی تاثیرات ہوتی ہیں۔ انہوں نے کسی لغت میں بروج کے نام پڑھ لئے اور اپنی طرف سے مختلف فرضی باتیں گھڑ کر ہر برج کی طرف ہفتہ کے لیے تاثیرات منسوب کر دیں۔ ان کی یہ تمام پیش گوئیاں اور غیب کے دعوے جھوٹ ہیں۔ اللہ تعالیٰ غیب کا علم وحی کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتا ہے اور غیب کی صداقت قطعی ہے اور الہام کے ذریعہ اولیاء کاملین کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے اور اس کی صداقت ظنی ہے اور اسی نوع سے فراست کا علم ہے۔ بروج اور سیاروں کے ذریعے علم غیب اور مستقبل کی باتوں کے حصول کا کتاب و سنت میں ثبوت نہیں ہے بلکہ احادیث میں ستاروں کو موثر ماننے سے منع فرمایا ہے اور اس کو کفر قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (لقمان: ۳۴)

بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ بے شک اللہ ہی تمام باتوں کو جاننے والا ہے اور تمام چیزوں کی خبر رکھنے والا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علماء نجوم سے مستقبل کی باتوں کو اور غیب کو معلوم کرنا جائز نہیں اور جو شخص غیب کی باتیں بتائے اور غیب جاننے کا مدعی ہو اس کی تصدیق کفر ہے۔

علم نجوم کی تحقیق سے فارغ ہونے کے بعد ہم علم جفر کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

جفر کا لغوی معنی

علم الجفر ایک علم ہے جس میں اسرار حروف سے بحث ہوتی ہے اور اس کے ماہرین کا دعویٰ ہے کہ وہ اس کی مدد سے آئندہ حالات و واقعات کا پتا لگا سکتے ہیں۔ (المنجد ص ۹۴ مطبوعہ ایران ۱۳۷۹ھ، منجد اردو ص ۱۵۶ مطبوعہ کراچی)

غیب کے حالات معلوم کرنے کا علم۔ (قائد اللغات مطبوعہ لاہور)

ایک علم جس سے غیب کا حال بتایا جاتا ہے۔ حضرت امام جعفر سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔

(فیروز اللغات ص ۴۶۲ مطبوعہ لاہور)

جفر کا اصطلاحی معنی

علامہ مصطفیٰ آفندی بن عبداللہ آفندی قسطنطنی الشہیر بالکاتب الچلپی المتوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں:

علم الجفر والجامعۃ اس علم کو کہتے ہیں جو لوح محفوظ اور تقدیر کا اجمالی علم ہے جو ماکان و مایکون کے تمام کلی اور جزی امور کو شامل ہے اور جفر قضاء و قدر کی اس لوح کو کہتے ہیں جو عقل کل ہے، اور الجامعہ تقدیر کی اس لوح کو کہتے ہیں جو نفس کل ہے۔

ایک جماعت نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جفر کی جلد میں اٹھائیس حروف تہجی لکھے، مخصوص طریقوں اور

معین شرطوں کے ساتھ الفاظ مخصوصہ سے اس چیز کو معلوم کیا جا سکتا ہے جو قضاء اور قدر کی لوح میں ہے' یہ وہ علم ہے جو اہل بیت میں بہ طور وراثت منتقل ہوا ہے' اور ان میں جو اہل بیت کی طرف منسوب ہیں' اور وہ مشائخ کاملین جنہوں نے اس علم کو ان سے حاصل کیا ہے اور یہ حضرات اس علم کو دوسروں سے مکمل طور سے مخفی رکھتے تھے' ایک قول یہ ہے کہ مہدی منتظر کے سوا کوئی شخص اس کتاب سے واقف نہیں ہو سکتا' یہ علم انبیاء سابقین کی کتابوں میں تھا' جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہم گروہ انبیاء تمہارے پاس نازل شدہ عبارات کو پیش کرتے ہیں' اور اس کی تاویل میرے بعد تمہارے پاس فارقلیط لائیں گے' ابن طلحہ نے کہا کہ جفر اور جامعہ دو عظیم کتابیں ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ان میں سے ایک کا ذکر کیا' اور دوسری وہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راز رکھا' اور اس کو مدون کرنے کا حکم دیا جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متفرق طریقہ سے لکھا جو اونٹ کی کھال پر لکھی ہوئی تھی۔ یہ حضرت آدم سے منقول تھی۔ اس میں تمام اولین اور آخرین کے واقعات تھے' لوگ اس کے بنانے میں مختلف ہیں۔ امام جعفر صادق اس کو تکسیر صغیر سے کسر کرتے ہیں اور بعض علماء نے اس کا نام الباب الکبیر بالجفر الکبیر رکھا ہے اور الصغیر بالجفر الصغیر رکھا ہے اور بعض اس کو تکسیر متوسط سے بناتے ہیں اور یہی اولیٰ ہے اور اسی پر الخافیۃ القمریہ والشمسیہ کا مدار ہے۔ (کشف الظنون ج ۱ص ۵۹۲-۵۹۱' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ تہران' ۱۳۸۷ھ)

علم جفر کا تفصیلی تعارف

جفر: (ایک عددی علم' جس کی مدد سے واقعات' خصوصاً آنے والے واقعات یا ان کی اطلاع حاصل کی جاتی ہے۔ باطنی روایت بعض خاص حلقوں میں بڑی مقبول ہوئی ......)

خلافت کے لیے بعض حلقوں کی سرتوڑ کوشش کے دوران میں' جو ابتدا ہی سے باہمی اختلافات سے کمزور ہو گئے تھے اور بالخصوص المتوکل کے عہد خلافت میں سخت جبر و تشدد کا شکار بنے رہے' ۲۳۷ھ/۸۵۱ء میں ایک کشفی اور القائی ادب کا آغاز ہوا۔ یہ ادب مختلف شکلوں میں منظر عام پر آیا' جس پر بحیثیت مجموعی جفر کے اسم کا عام اطلاق ہوتا ہے۔ اکثر اس کے ساتھ اسم ''جامعۃ'' یا صفت ''جامع'' کا بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کی نوعیت القائی اور مخفی طور پر کشفی ہے اور مؤخر الذکر صورت میں اس کا خلاصہ ایک جدول ہے جس میں جفر سے قضاء اور جامعۃ سے قدر مراد ہے۔ حاجی خلیفہ (۳: ۶۰۳ بعد) کا بیان ہے کہ ''یہ قضاء وقدر کی لوح پر (نوشتہ) علم کا خلاصہ ہے اور اس میں کلی اور جزوی طور پر وہ تمام امور شامل ہیں جو پیش آ چکے ہیں یا آئندہ پیش آنے والے ہیں۔ ''جفر' عقل کل پر اور ''جامعۃ'' روح کل پر حاوی ہے' لہٰذا جفر کا رجحان مافوق الفطرت اور کائناتی پیمانے پر رؤیت عالم کی طرف ہے۔ اپنی ابتدائی صورت میں الہامی نوعیت کے ایک ایسے علم باطنی سے ہٹ کر جو ائمہ یعنی حضرت علیؓ کے وارثوں اور جانشینوں سے مخصوص تھا' اب یہ پیش گوئی کے ایک ایسے طریق کار سے منسوب ہونے لگا جس تک ہر حسب ونسب کے معقول آدمی خصوصاً صوفیہ حضرات کی رسائی ہو سکے (دیکھیے علم الحروف) کثیر التعداد مصنفوں نے اس طریق کار کے ارتقا میں حصہ لیا۔ ان میں چار جلیل القدر نام قابل ذکر ہیں: (۱) محی الدین ابو العباس البونی (م ۶۲۲ھ/۱۲۲۵ء) نے اپنی تصنیف شمس المعارف میں' جس کے تین منقح ومہذب متن ہیں: الاصغر' الاوسط اور الاکبر: موخر الذکر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء تا ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں قاہرہ سے چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک چھوٹی سی کتاب' جو جفر الامام علی بن ابی طالب یا الدرا لمنظم ...... کے نام سے مشہور ہے اور ابن العربی سے منسوب ہے (قب مخطوطہ لائپزگ' عدد ۸۳۳' ورق ۱ و (مخطوطہ) پیرس' عدد ۲۶۴۶ و Aleppo-Sbath' ۵۷ و ۳۹۰)' محض شمس المعارف کے تینتیسویں اور چونتیسویں پیراگراف پر مشتمل ہے (قب Hartmann: Eine arab......Apokalypse' ص ۱۰۹ بعد): (۲) محی

الدین ابن العربی (م ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء): مفتاح الجفر الجامع (مخطوطہ استانبول' حمیدیہ' اسمٰعیل افندی' عدد ۲۸۰' مخطوطہ پیرس' عدد ۲۳۶۹' ورق ۱۴ وغیرہ): (۳) ابن طلحۃ العدوی الراجی (م ۶۵۲ھ/۱۲۵۴ء): اسی عنوان سے یا بعنوان الـدر الـمـنـظـم فـی الســـر الاعــظــم (مخطوطہ پیرس' عدد ۱۶۶۳/۴: مخطوطہ استانبول' عموجہ حسین پاشا' عدد ۳۳۸ و سرائے احمد ثالث' عدد ۳۵۰۷ وغیرہ): (۴) عبدالرحمٰن البسطامی (م ۸۵۸ھ/۱۴۵۴ء) انہیں عنوانوں سے (مخطوطہ As' عدد ۲۸۱۲/۳: مخطوطہ Vatican' عدد V.۱۲۵۴: قب نکلسن Nicholson' در JRAS' ۱۸۹۹ء' ص ۹۰۷)

ان میں اور بہت سی ایسی دیگر تصانیف میں قابل عمل طریق کار میں بڑی الجھن درپیش ہوتی ہے۔ مبہم فکر کی کئی دوسری صورتوں کے بے جوڑ عناصر کا اس میں اضافہ کر دیا گیا ہے' مثلاً حروف ابجد اور اسماے حسنٰی کے مخفی خصائص: حساب الجمل: کسی ایسے نام کی عددی قدر کا اظہار جسے پوشیدہ رکھنا مقصود ہو: کسی لفظ کے حروف کی ترتیب کا ردوبدل تاکہ کوئی دوسرا لفظ بن جائے: الـکسـر و البسط' یعنی کسی متبرک نام کے حروف ترکیبی کا مطلوب کے نام کے حروف کے ساتھ جوڑنا: قاعدہ اتبش کے مطابق (جس میں تطابق حروف کی ایک جدول بنی ہوتی ہے جس میں عبرانی ابجد کا پہلا حرف آخری حرف کے مطابق ہوتا ہے' دوسرا ماقبل آخر کے وقس علی ھذا) کے مطابق کسی لفظ کے ایک حرف کی جگہ کوئی دوسرا حرف لانا: کسی جملے کے الفاظ کے حروف اول کو ملا کر ایک نیا لفظ بنانا: دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ وہ تمام طریقے جو زمانہ قدیم سے باطنی عقائد کی ترجمانی کرتے رہے ہیں۔

(قب Histoire del, ecriture: J. G. Fevrier پیرس ۱۹۴۸ء' ضمیمہ ۳' ص ۵۸۸ تا ۵۹۱)

حروف کی عددی قدروں پر ایسی قیاس آرائیوں کو بعض اہل تصوف نے بھی بڑی اہمیت دی ہے جن میں نہ صرف متبرک ناموں کے حروف ترکیبی کو بلکہ سورۂ فاتحہ میں نہ پائے جانے والے سات حروف تہجی کو بھی خاص تقدس کا درجہ دیا جاتا رہا ہے۔ فرقۂ حروفیہ کے ہاں تو فلاطونی اور یہودیوں کی قدیم باطنی روایات بعض صوفیہ کرام کے قیل وقال سے مل کر ایک ایسا مبہم و پراسرار علم ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں کہ بقول حاجی خلیفہ (۲: ۶۰۳) ''اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے اہل صرف مہدی آخر الزمان ہوں گے۔'' طریق عمل کی یہ بوقلمونی طرق تقسیم میں اختلاف و تباین کے باعث اور بھی پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض مصنف طویل ترتیب حروف تہجی (الف' باء' تاء' ثاء وغیرہ) اور بعض ابجدی ترتیب (الف' باء' جیم وغیرہ) کی پیروی کرتے ہیں۔ پہلا طریقہ ''الجفر الکبیر'' کہلاتا ہے اور اس میں ایک ہزار مادے ہیں اور دوسرا طریق ''الجفر الصغیر'' کے نام سے موسوم ہے اور یہ صرف سات سو مادوں پر مشتمل ہے۔ ایک اور ''الجفر المتوسط'' بھی ہے' جو حروف شمسی اور حروف قمری پر علیحدہ علیحدہ مبنی ہے۔ مصنفین نے اس آخری طریقے کو ترجیح دی ہے اور یہی عام طور پر تعویذوں وغیرہ میں مستعمل ہے۔

(حاجی خلیفہ' محل مذکور)

حروف کے اس عددی اور خفی پہلو کے ساتھ ساتھ' جو اپنی فنی اور مصنوعی نوعیت کی وجہ سے جفر کو زائچۃ (رک بان) کی سطح پر لے آتا ہے' ان کے نجومی پہلو کو واضح کرنا بھی ضروری ہے۔ بقول ابن خلدون (مقدمۃ' ۲: ۱۹۱)' ۲: ۲۱۸' قب ص ۱۸۴ وطبع Rosenthal' ص ۲۰۹) شیعیوں نے یعقوب بن اسحٰق الکندی (م بعد از ۲۵۶ھ/۸۷۰ء) کی احکام النجوم پر مبنی پیش گوئیوں پر مشتمل ایک کتاب کو جفر کا نام دے رکھا تھا۔ یہ غالباً وہی کتاب ہے جس کا ذکر ابن الندیم نے بعنوان الاستـــدلال بالکسوفات علی الحوادث کیا ہے (فہرست' ص ۲۵۹: قب الرسالۃ فی القضاء: علی الکسوف' مخطوطۂ اسکوریال Escurial' عدد ۱۹۱۳' ورق ۴: مخطوطۂ AS' عدد ۴۸۳۲' ورق ۲۷' تفصیل کے لیے قب Memoires sur les Carmathes: De Goeje' بار دوم' لائڈن ۱۸۸۶ء' ص ۱۱۷ بعد) یہ کتاب' جس میں الکندی نے کسوفات کی بناء پر

عباسی خلافت کے خاتمے تک اس کے عروج وزوال کے متعلق پیش گوئی کی ہے'ابن خلدون کے زمانے میں موجود تھی
خیال تھا کہ یہ عباسیوں کے اس کتب خانے کے ساتھ ہی ضائع ہوگئی ہوگی جسے ہلاکو نے فتح بغداد اور آخری خلیفہ (المستعصم) کے قتل کے بعد دریائے دجلہ کی نذر کردیا تھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک حصہ الجفر الصغیر کے نام سے مغرب جا پہنچا' جہاں بنو عبدالمؤمن کے حکمران حسب منشا اسے اپنے تصرف میں لے آئے ہوں گے۔

باب العرافة والزجر والفراسة علی مذهب الفرس (طبع Inostranzev 'سینٹ پیٹرزبرگ ۱۹۰۷ء'ص ۳) کی رو سے' جو الجاحظ سے غلط طور پر منسوب کی جاتی ہے' جفر کا یہ نجومی پہلو ہندی الاصل ہے۔اس میں لکھا ہے کہ الجفر سال بھر کے مبارک اور نامبارک دنوں' ہواؤں کے رخ' قمری منازل کے ظہور اور ڈھلنے کا علم ہے..... کتاب موسوم بہ الجفر سال بھر کی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے' جو موسموں اور قمری منازل کی رو سے مرتب کی گئی ہیں۔سات قمری منازل کا ہر مجموعہ' جو ربع سال پر مشتمل ہے' ''جفر'' کہلاتا ہے۔ایرانی اس سے بارشوں' ہواؤں' سفروں اور لڑائیوں وغیرہ کے شگون لیتے ہیں۔خسروان ایران اور ان کی قوم نے یہ تمام علوم ہندوستان سے سیکھے.....''

جفر کا آخری اور اہم ترین پہلو کشفی یا القائی ہے۔صحیح معنوں میں اس کا اصلی پہلو یہی تھا جس نے بنوامیہ کے عہد میں اچھی خاصی ترقی کرلی تھی اور جسے بنوعباس کے دور حکومت میں غیبی علم کی کتابوں کی صورت میں' جو کتب الحدثان کے نام سے مشہور تھیں (قب Carmathes: DeGoeja 'ص ۱۱۵ بعد' حوالے) بڑی وسعت حاصل ہوئی۔ان قیاس آرائیوں کا آغاز کتاب دانیال سے ہوا۔حضرت دانیال سے منسوب پیش گوئیوں کی کتابیں ۶۱ھ/ ۶۸۰ء میں مصر میں پڑھی جانے لگی تھیں۔(الطبری'۲: ۳۹۹) (اردو دائرۃ المعارف ج ۷ ص ۳۱۲-۳۱۰'مطبوعہ دانش گاہ پنجاب'لاہور)

جفر: غیبی حالات سے آگاہ ہونے کا علم' وہ علم جن میں حروف واعداد کے ذریعہ سے غیبی حالات دریافت کرتے ہیں۔
مذہباً شیعہ ہیں مگر مطالب قرآن بیان فرماتے ہیں تو لوگ حیران رہ جاتے ہیں اس کے علاوہ علم جفر میں کمال رکھتے ہیں (اقبال نامہ ج ۲ ص ۱۷۶) قدیم کتابوں میں کیمیا' نیرنجات' علم جفر' رمل اور قصص واخبار کو بھی فنون میں شامل کیا گیا ہے۔

(اردو لغت ج ۱۳ ص ۵۱۱'مطبوعہ اردو لغت بورڈ کراچی'۱۹۹۱ء)

علم جفر کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء (اعلیٰ حضرت' مولانا وقار الدین اور شیخ ابن تیمیہ کی آراء)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ' قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:
جفر بے شک نہایت نفیس جائز فن ہے حضرات اہل بیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا علم ہے امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنے خواص پر اس کا اظہار فرمایا اور سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے معرض کتاب میں لائے۔ کتاب مستطاب جفر جامع تصنیف فرمائی۔علامہ سید شریف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مواقف میں فرماتے ہیں امام جعفر صادق جفر جامع میں ماکان ومایکون تحریر فرمادیا' سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الدر المکنون والجوہر المصون میں اس علم شریف کا سلسلہ سیدنا آدم وسیدنا شیث وغیرہما انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے قائم کیا اور اس کے طرق واوضاع اور اوزان میں بہت غیوب کی خبریں دیں۔عارف باللہ سیدی امام عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے ایک رسالہ اس کے جواز میں لکھا اس کا انکار نہ کرے گا مگر ناواقف یا گمراہ متعسف (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰-۲ ص ۱۳۶'مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)
نیز اعلیٰ حضرات علم جفر کے متعلق فرماتے ہیں:
علم جفر کی تعریف سناتے وقت حضور نے ارشاد فرمایا: آپ نے علم زایرجہ کی تعریف نہ لکھی۔یہ علم جفر ہی کا ایک شعبہ

ہے۔ اس میں جواب منظوم عربی زبان بحر طویل اور حروف ل کی روی سے آتا ہے اور جب تک جواب پورا نہیں ہوتا مقطع نہیں آتا جس کو صاحب علم کی اجازت نہیں ہوتی نہیں آتا میں نے اجازت حاصل کرنا چاہی اس میں کچھ پڑھا جاتا ہے۔ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لاتے ہیں۔ اگر اجازت عطا ہوئی حکم مل گیا ورنہ نہیں میں نے تین روز پڑھا' تیسرے روز خواب میں دیکھا کہ ایک وسیع میدان ہے اور اس میں ایک بڑا پختہ کنواں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور چھ صحابہ کرام بھی حاضر ہیں جن میں سے میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچانا۔ اس کنویں میں سے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پانی بھر رہے ہیں اس میں سے ایک بڑا تختہ نکالا کہ عرض میں ڈیڑھ گز اور طول میں دو گز ہوگا اور اس پر سبز کپڑا چڑھا ہوا تھا جس کے وسط میں سفید روشن بہت جلی قلم سے ا ھ ذ اسی شکل میں لکھے ہوئے تھے جس سے میں نے یہ مطلب نکالا کہ اس کا حاصل کرنا ہذیان فرمایا جاتا ہے۔ اس سے بقاعدہ جفر اذن نکل سکتا تھا۔ ھ کو بطور صدر مؤخر آخر میں رکھا۔ اس کے عدد پانچ ہیں اب وہ اپنی جگہ سے ترقی کرکے دوسرے مرتبہ میں آ گئی اور پانچ کا دوسرا مرتبہ پانچ دہائی ہے یعنی پچاس جس کا حرف نون ہے یوں اذن سمجھا تا مگر میں نے اس طرف التفات نہ کیا اور لفظ کو ظاہر پر رکھ کر اس فن کو چھوڑ دیا کہ اھذ کے معنی ہیں فضول بک۔ (ملفوظات حصہ اول ص ۹۴' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

مولانا وقار الدین رضوی متوفی ۱۹۹۳ء لکھتے ہیں: علم جفر صحیح ہے مگر اس کے جوابات صرف علم پڑھ لینے سے نہیں نکلتے بلکہ اس کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اجازت لینی پڑتی ہے' اگر اجازت مل جاتی ہے تو جوابات صحیح برآمد ہوتے ہیں اور اگر اجازت نہیں ملتی تو جوابات بھی صحیح برآمد نہیں ہوتے۔ (وقار الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۳۴' مطبوعہ بزم وقار الدین کراچی' ۱۴۲۱ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت جعفر کی طرف جفر کو منسوب کیا گیا ہے اور یہ سب جھوٹ ہے اور اس پر اہل علم کا اتفاق ہے' اور امام جعفر کی طرف رسائل اخوان الصفا بھی منسوب کیے گئے ہیں اور یہ بھی جھوٹ ہے کیونکہ یہ رسائل امام جعفر کی وفات کے دو سو سال سے زیادہ بعد تصنیف کیے گئے ہیں۔ ان کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی ہے اور یہ رسائل چوتھی صدی ہجری کے درمیان میں بنو بویہ کے عہد میں تصنیف کیے گئے ہیں۔ ان کو قاہرہ میں ایک جماعت نے تصنیف کیا تھا جن کا زعم تھا کہ انہوں نے شریعت اور فلسفہ میں تطبیق دی ہے' سو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے وہ اصحاب جنہوں نے ان سے علم حاصل کیا ہے جیسے امام مالک بن انس' سفیان بن عیینہ اور دیگر ائمہ اسلام وہ ان جھوٹی باتوں سے بری ہیں۔ اسی طرح شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے امام جعفر صادق سے کچھ باتیں نقل کی ہیں وہ بھی محض جھوٹ ہیں۔ اسی طرح رافضیوں نے بہت سے مذاہب باطلہ امام جعفر کی طرف منسوب کر دیئے ہیں جن کا جھوٹ ہونا بالکل بدیہی ہے۔

جس شخص نے رفض کی ابتداء کی تھی وہ منافق زندیق تھا اس کا نام عبداللہ بن سبا تھا اس نے اس قسم کی خرافات وضع کر کے مسلمانوں کے دین کو فاسد کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۵ ص ۱۱۴-۱۱۳' مطبوعہ دار الجیل ریاض' ۱۴۱۸ھ)

نیز شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

یہ امور یہود' نصاریٰ' مشرکین' صابئین کے فلسفیوں اور نجومیوں میں پائے جاتے ہیں' جو ایسے امور باطلہ پر مشتمل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

نیز شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ نجومی حوادث ارضیہ پر احوال فلکیہ سے استدلال کرتے ہیں اور یہ صفت کتاب' سنت اور

اجماع امت سے حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے علم نجوم کا کوئی حصہ حاصل کیا اس نے جادو کے علم کا حصہ حاصل کیا (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٩٠٧) اور حضرت معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری قوم کاہنوں کے پاس جاتی ہے' آپ نے فرمایا ان کے پاس نہ جاؤ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٥٦٧) اور کاہن کے معنی میں نجومی بھی داخل ہے۔

(فتاوی ابن تیمیہ ج ٣٥ ص ١١٧-١١٦' ١١٢' مطبوعہ دار الجیل ریاض' ١٣١٨ھ)

نجومی رمال (ہاتھ کی لکیروں سے غیب جاننے کے مدعی) اور علم جفر کے مدعی یہ سب غیب جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور لوگ ان سے غیب کے متعلق سوال کرتے ہیں حالانکہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' یا جس کو اللہ وحی کے ذریعہ امور غیب پر مطلع فرماتا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے جو اس کے رسول ہیں' اور یا وہ اولیاء کاملین ہیں جس کو اللہ بہ ذریعہ الہام امور غیب پر مطلع فرماتا ہے' اور ان کے سوا اور کسی کو غیب کا علم نہیں اور جو شخص ستاروں' ہاتھ کی لکیروں' زائچوں' یا علم جفر کے ذریعہ غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے' اللہ کی کتاب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور علماء سلف کا اجماع اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ ہم ان کی جہالت' گمراہ کن روش اور ان کے شر اور فساد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو قرآن اور سنت کی تعلیمات پر قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ (آمین)

علم جفر کی بنیاد پر اخبارات اور رسائل میں غیب کی خبروں اور پیش گوئیوں پر مصنف کا تبصرہ

ہم علم جفر کی تعریف میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس علم کے اسرار سے اسی شخص کو واقفیت حاصل ہوتی ہے جس کو کسی واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت حاصل ہو' اور بعض کے نزدیک سوائے امام مہدی کے کسی اور پر یہ علم منکشف نہیں ہوگا' بہر حال اگر کسی پر یہ علم منکشف ہو بھی تو اس کی حیثیت کشف اور کرامت سے زیادہ نہیں ہے' اور جو شخص علم جفر کی بنیاد پر کوئی پیش گوئی کرے اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ظنی ہے' اور جو ظنی الثبوت ہو وہ قطعی الثبوت کے معارض نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کی نصوص صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو اپنے غیب پر مطلع نہیں فرماتا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ (آل عمران: ١٧٩)

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (الجن: ٢٧-٢٦)

(اللہ) عالم الغیب ہے سو وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا ماسوا ان کے جن سے وہ راضی ہے اور وہ اس کے (سب) رسول ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے یہ واضح ہو گیا کہ عام لوگوں کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو غیب پر مطلع فرمائے یا ان پر غیب کا اظہار فرمائے اور یہ دونوں آیتیں نصوص قطعیہ سے ہیں۔ اب کوئی شخص علم جفر کے جاننے کا دعویٰ کر کے غیب کی خبریں بیان کرے تو اس کا یہ دعویٰ قطعاً مردود ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رسائل میں اور اخبارات میں ہر ہفتہ لوگوں کے غیب سے متعلق سوالات اور علم جفر کی بنیاد پر ان کے جوابات چھپتے ہیں۔ ہمارے سامنے ١٠ فروری ٢٠٠٢ء کا روزنامہ جنگ کا سنڈے میگزین ہے۔ اس میں جلی عنوان ہے علم جفر' اور کوئی محمد احمد شاہ بخت ابدالی صاحب ہیں جنہوں نے لوگوں کے جوابات دیئے ہیں اور یہ سوال و جواب غیب کی خبروں پر مبنی ہیں۔ ہم چند سوالات اور ان کے جوابات ذکر کر رہے ہیں ان جوابات میں وظائف کا بھی

ذکر ہے لیکن چونکہ وظائف کے ہم قائل ہیں اور ان کو رد کرنا ہمارا موضوع نہیں ہے اس لئے ہم نے ان کا ذکر حذف کر دیا ہے:

اسماعیل لاہور

س: ہمارے گھر کے حالات گزشتہ کئی برسوں سے خراب ہیں' کاروبار نہ ہونے کے برابر ہے۔ گھر میں آپس میں اختلافات بہت ہیں۔ بیماری تو جانے کا نام ہی نہیں لیتی۔ آپ بتائیں کیا وجہ ہے؟

ج: بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے کاموں اور کاروبار و آمدنی میں رکاوٹیں' گھریلو لڑائی جھگڑے اور آپس میں اختلافات اور الجھنیں اور پریشانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

مبین احمد سیالکوٹ

س: کاروبار نفع کے بجائے نقصان میں جا رہا ہے' ہر وقت پریشان رہتا ہوں' حالات کب تک بہتر ہوں گے؟

ج: بدعملیات کی وجہ سے کاروبار و آمدن میں رکاوٹیں' نقصان' گھریلو الجھنیں اور پریشانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ آپ اس کا اتار اور بندش کرائیں۔ ان شاء اللہ اس کے بعد حالات بہتر ہو جائیں گے۔

عبدالقیوم کراچی

س: میں طویل عرصے سے پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔ یہ پریشانیاں کب ختم ہوں گی اور ان تمام پریشانیوں کی وجہ کیا ہے؟

ج: نحوست سیارگان کے اثرات کی وجہ سے کاموں اور کاروبار و آمدنی و ملازمت میں رکاوٹیں' ذہنی الجھنیں اور پریشانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ یہ نحوست ۲۰۰۲ء کے آخر میں دور ہو رہی ہے جس کے بعد ہی تمام پروگراموں کی تکمیل کا سلسلہ شروع ہو گا۔

کمال احمد حیدر آباد

س: مستقل روزگار کب تک ملے گا؟ نہ ملنے کی کیا وجہ ہے؟

ج: آپ پر نحوست سیارگان کے اثرات ہیں' جس کی وجہ سے کاروبار و آمدنی و ملازمت ملنے میں رکاوٹیں ہیں' ذہنی دباؤ اور مزاج میں چڑچڑاپن ہو رہا ہے۔ یہ نحوست سیارگان ۲۰۰۲ء میں دور ہو رہی ہے' اس کے بعد ہی مستقل روزگار کا امکان ہے۔

(آپ پوچھیں ہم بتائیں' سنڈے میگزین ص ۲۹' روزنامہ جنگ)

کسی مخلوق سے غیب کے متعلق سوال کرنا اور کسی مخلوق کا غیب کے متعلق پوچھے گئے سوالات کا جواب دینا اسلام میں جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید اور سنت صحیحہ میں اس کا جواز اور گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے جو شخص مسلمان ہے اور قرآن اور سنت پر اس کا صحیح ایمان ہے اس کو یہ سلسلہ ترک کر دینا چاہیے۔ علم جفر ویسے ہی نظری اور پیچیدہ ہے اور اس کے قائلین کے نزدیک بھی اس سے ہر شخص استفادہ نہیں کر سکتا۔ اس کا ثبوت محض بعض صوفیاء کی بعض مبہم اور مشکل عبارات سے ہے اور ہم قرآن' سنت اور اجماع پر اعتقاد رکھنے اور ان پر عمل کرنے کے پابند ہیں' اور جب قرآن اور سنت میں یہ واضح تصریح ہے کہ عام لوگوں کو غیب کا علم نہیں دیا جاتا تو ہمیں عام لوگوں سے غیب کے متعلق سوال نہیں کرنے چاہئیں اور نہ عام لوگوں کو غیب کی باتیں بتانے کی جرأت کرنی چاہیے' یہ درست ہے کہ اولیاء اللہ کو الہام کے ذریعہ غیب کا علم دیا جاتا ہے لیکن اولیاء اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ اولیاء اللہ نحوست سیارگان کے اثرات کے قائل نہیں ہوتے۔ اسلام میں کوئی چیز نحس اور نامبارک نہیں ہے' اور بدفالی نکالنا اسلام میں منع ہے اور جو شخص سیاروں کی تاثیرات کا قائل ہو وہ ولی اللہ تو کیا ہو گا' مسلمان بھی نہیں ہے۔

حساب و کتاب اور سائنسی آلات کے ذریعہ پیش گوئیوں کا شرعی حکم

رہا حساب کتاب کے ذریعہ اور آلات کی مدد سے پیش گوئی کرنا یہ ہمارے نزدیک جائز ہے جیسے چاند گرہن اور سورج

(۱) چاند کی عمر ۲۰ گھنٹے سے کم ہو۔

(۲) چاند کی بلندی جب ۸ء۷ ڈگری سے کم ہو۔

(۳) غروب آفتاب اور ماہتاب کے درمیان وقت ۳۵ منٹ سے کم ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں ○ اور بے شک وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے ○ (الشعراء: ۲۲۶-۲۲۴)

شعر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور شعر کی تاریخ

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

شعر کا معنی معروف اور مشہور ہے اور اس کی جمع اشعار ہے' شعر اصل میں بال کو کہتے ہیں' اور بال بہت باریک ہوتا ہے' اور اشعار میں بھی بہت دقیق اور باریک مضمون ہوتا ہے اس لئے ان کو شعر اور شاعری کہتے ہیں۔ شعر کا عرفی معنی ہے' وہ کلام جو موزون اور مقفیٰ ہو' قرآن مجید میں بعض سورتیں موزون اور مقفیٰ ہیں تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ○ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ (اللہب: ۱۱۱) اسی طرح یہ سورۃ ہے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○ (الکوثر: ۱۰۸) اسی طرح اور سورتیں بھی ہیں' اور بعض سورتوں کی بعض آیات کے آخری الفاظ بھی ایک وزن پر ہوتے ہیں اس وجہ سے' کفار مکہ قرآن مجید کو شعر اور آپ کو شاعر کہتے تھے' لیکن ظاہر ہے کہ سارا قرآن مجید کلام موزون اور کلام مقفیٰ مسجع نہیں ہے' اور نہ اس سے ان کا کوئی مقصد پورا ہوتا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے' اور عرب شعر کو جھوٹ سے اور شاعر کو جھوٹے سے تعبیر کرتے تھے حتیٰ کہ وہ جھوٹے کلام کو اشعار کہا کرتے تھے اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے شعراء کے متعلق فرمایا کہ ان کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں' اور کیونکہ اشعار جھوٹے کلام پر مشتمل ہوتے ہیں اس وجہ سے عرب کہتے ہیں کہ سب سے اچھا شاعر وہ ہے جو سب سے بڑا جھوٹا ہو۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۴۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ ھ لکھتے ہیں:

لغت میں شعر کا معنی علم ہے اور اصطلاح میں اس کلام کو شعر کہتے ہیں جس میں قصداً کلام کے آخری الفاظ کو ایک وزن اور ایک قافیہ پر لایا گیا ہو اور اگر کسی کلام کا آخر بغیر قصد کے ایک وزن پر ہو تو اس کو شعر نہیں کہا جاتا۔ اس لحاظ سے یہ آیت شعر نہیں ہو گی۔ اَلَّذِىْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۭ (الانشراح: ۴-۳) یہ کلام بھی مقفیٰ اور موزوں ہے لیکن یہ شعر نہیں ہے کیونکہ اس آیت کے آخری الفاظ کو قصداً ایک وزن پر نہیں لایا گیا' اسی طرح دوسری آیات بھی جو موزون اور مقفیٰ ہیں وہ اشعار نہیں ہیں' کیونکہ ان کو موزون اور مقفیٰ لانے کا مقصد نہیں کیا گیا اور منطقیوں کی اصطلاح میں شعر اس کلام کو کہتے ہیں جو خیالی باتوں سے بنایا جائے اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی کو کسی چیز پر راغب کیا جائے یا کسی کو کسی چیز سے متنفر کیا جائے۔

(التعریفات ص ۹۲-۹۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

لغت میں شعر کا معنی جاننا ہے' اور اصطلاح میں اس کلام کو شعر کہتے ہیں جس میں کلمات کو ایک وزن پر لانے کا قصد کیا گیا ہو' اس تعریف کے اعتبار سے قرآن مجید شعر نہیں ہے' مؤرخین نے کہا ہے کہ سب سے پہلا شعر حضرت آدم علیہ السلام نے کہا تھا' جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تھا تو انہوں نے اس کے غم میں یہ اشعار کہے:

تغيرت البلاد ومن عليها فوجه الارض مغبر قبيح
تغير كل ذی طعم ولون وقل بشاشة الوجه المليح
وهابيل اذاق الموت فانی عليک اليوم محزون قريح

(تمام شہراور ان کے رہنے والے متغیر ہو گئے' زمین کا چہرہ غبارآلود اور خراب ہو گیا' ہر ذائقہ والی اور رنگ دار چیز متغیر ہو گئی اور چہروں کی بشاشت اور ملاحت کم ہو گئی۔اے ہابیل تو نے موت کا ذائقہ چکھ لیا اور تجھ پر میری طبیعت غمزدہ اور ملول ہے۔)

قاسم بن سلام بغدادی نے کہا سب سے پہلا شعر حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں میں سے یعرب بن قحطان نے کہا اور فارسی میں سب سے پہلا شعر بہرام گور نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے مدح اور تعریف میں قصائد کی بنیاد رکھی وہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں خراسان' بخارا اور ہرات کے سلطان احمد بن نوح السامانی کا درباری تھا اس کا نام رودکی تھا۔(دستور العلماء ج ۲ص ۱۵۸-۱۵۷'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

نیک لوگوں کی پیروی کرنے سے آپ کی نبوت کے برحق ہونے پر استدلال

کفار قریش قرآن مجید کو شعر وشاعری کہا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں ہیں اور قرآن مجید شعر نہیں ہے کیونکہ شعراء کی پیروی تو جاہل اور گمراہ لوگ کرتے ہیں اور ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جاہل اور گمراہ نہیں ہیں بلکہ وہ تو ہدایت یافتہ نیک' باکردار' اصحاب فہم وفراست ہیں' اور کفار کے شعراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ہجو کرتے تھے اور اسلام کی مذمت کرتے تھے' اور جاہل عرب ان کی پیروی کرتے تھے اور ان کی کی ہوئی ہجو اور مذمت کو یاد کر لیتے تھے' اور اپنی مجلس میں ان اشعار کو دہراتے تھے اور ہنستے تھے۔

کفار قریش جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے اور قرآن مجید کو شعر کہتے تھے' ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ قرآن مجید کلام موزون اور مقفٰی ہے بلکہ ان کے نزدیک اشعار میں خیالی باتیں اور جھوٹی باتیں ہوتی ہیں اور ان کے نزدیک جنت اور دوزخ کے مناظر محض افسانے اور خیالی باتیں تھیں اور مرنے کے بعد اٹھنے کا قصہ بھی جھوٹ تھا' قیامت' حساب وکتاب' اور عذاب وثواب کی کیفیات ان کے نزدیک صرف خیالی باتیں اور جھوٹ تھیں اس وجہ سے وہ قرآن مجید کو شعر وشاعری اور جھوٹ سمجھتے تھے' اور چونکہ شعر وشاعری جھوٹ اور خیالی باتیں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں' کیونکہ شاعر کو اگر اپنے ممدوح سے انعام واکرام کی طمع ہو تو وہ اپنے ممدوح کی مدح اور تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتا ہے خواہ اس کا ممدوح کتنا ہی برا اور بے کار شخص ہو اور اگر وہ کسی شخص سے بغض رکھتا ہو تو وہ اس میں زمانے بھر کے کیڑے نکالے گا خواہ وہ کتنا ہی نیک اور اچھا شخص ہو۔

شعراء کا ہر وادی میں بھٹکتے پھرنا

نیز فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں یعنی وہ ہر قسم کی صنف میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ وہ اشعار میں کسی کی مدح کرتے ہیں کسی کی مذمت کرتے ہیں' کسی کی ہجو کرتے ہیں' ان کے اشعار میں بے حیائی کی باتیں ہوتی ہیں' گالی گلوچ' لعن طعن' افتراء اور بہتان' تکبر اور فخر کا اظہار' حسد' دکھاوا' فضیلت اور دناءت کا بیان' تذلیل' توہین' اخلاق رذیلہ اور انساب میں طعن اور دوسری چیزیں ہوتی ہیں۔بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں' ان میں شجاعت اور سخاوت کی ترغیب ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صحابہ کرام اور اہل بیت کی منقبت بھی ہوتی ہے۔غرض یہ کہ شعراء ہر وادی میں گشت کرتے ہیں ان کے کلام میں اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں اور بری باتیں بھی ہوتی ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شعر کلام ہے' اس کا اچھا کلام اچھا ہے اور برا کلام برا ہے۔

(سنن دار قطنی ج ۴ص ۱۵۵' کتاب المکاتب' باب خبر الواحد یوجب العمل رقم:۳)

پھر فرمایا: اور بے شک وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔

یعنی وہ اپنے اشعار میں سخاوت کی ترغیب دیتے ہیں اور بخل کی مذمت کرتے ہیں حالانکہ وہ خود سخاوت نہیں کرتے اور بہت کنجوسی کرتے ہیں' وہ پاکیزگی اور پاکبازی کی تعریف اور تحسین کرتے ہیں اور خود بے حیائی کے کام کرتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں نعت خوان زیادہ تر ایسے ہی ہیں اور نعت گو شعراء کا بھی یہی حال ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت میں نعتیں کہتے ہیں اور داڑھیاں منڈاتے ہیں اور فرض نمازیں نہیں پڑھتے۔ ڈاکٹر اقبال نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت میں بہت نظمیں کہیں لیکن وہ برطانیہ' فرانس' جرمنی اور اسپین گئے لیکن حرمین شریفین نہیں گئے!

اشعار کی مذمت میں احادیث اور ان کا محمل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ اشعار سے بھر جائے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۵۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۵۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۹' مسند احمد ج ۲ص ۳۵۵' ۲۸۸' سنن کبریٰ بیہقی ج ۱۰ص ۲۴۴' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر سنے جاتے تھے' حضرت عائشہ نے فرمایا اشعار آپ کے نزدیک مبغوض ترین تھے۔

(مسند احمد ج ۶ص ۱۳۴' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۲۹۷)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے عشاء کے بعد شعر پڑھا اس کی اس رات کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۶۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ص ۲۳۹' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں قزعۃ بن سوید باہلی ہے' ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے اور دوسروں نے اس کو ضعیف کہا ہے اور باقی راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۳۱۶)

یہ احادیث ان شاعروں پر محمول ہیں جو پیشہ ور شاعر ہوں جن کو اگر مال اور پیسہ دیا جائے تو وہ لوگوں کی تعریف اور تحسین میں اشعار کہیں اور اگر ان کو مال اور پیسہ نہ دیا تو وہ لوگوں کی ہجو اور مذمت کریں' یا وہ اشعار ملحدانہ ہوں' ان میں اللہ تعالیٰ کا کفر ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' قرآن مجید' آپ کے اصحاب اور آپ کے اہل بیت کے خلاف مضامین ہوں' یا وہ اشعار بے حیائی کے مضامین پر مشتمل ہوں ان میں خوبصورت عورتوں' بے ریش لڑکوں' شراب اور فحش کاموں کی ترغیب ہو' اور وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہوں' ان احادیث میں ایسے ہی اشعار کی مذمت فرمائی ہے' اور اس آیت میں جو فرمایا ہے اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ اس آیت میں بھی شعراء سے ایسے ہی شعراء مراد ہیں۔ رہے وہ شعراء جو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہتے ہیں' آپ کے اصحاب اور اہل بیت کی منقبت کہتے ہیں اور اسلام اور قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق اشعار کہتے ہیں تو وہ اس آیت اور ان احادیث کا مصداق نہیں ہیں ان کا استثناء اس کے بعد والی آیت میں آ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور انہوں نے اللہ کو بہت زیادہ

یا اور انہوں نے اپنے مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لیا' اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کیسی لوٹنے کی جگہ لوٹ جاتے ہیں O (الشعراء: ۲۲۷)

سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لینے کے لیے کفار کی ہجو کرنا

اس آیت میں مومنین صالحین کے اشعار کا استثناء ہے کیونکہ ان کے اشعار اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی حمد وثناء' اس کی اعت کی ترغیب' حکمت اور نصیحت' دنیا سے اعراض اور آخرت کی ترغیب پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان کا شعر وشاعری میں شتغال اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے مانع نہیں ہوتا۔

اور فرمایا: انہوں نے اپنے ظلم کا بدلہ لیا' اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار نے اپنے اشعار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اور پ کی مذمت کی تھی تو انہوں نے بھی اس کے بدلہ میں مشرکین کی ہجو اور مذمت کی تھی جیسے حضرت حسان بن ثابت' حضرت کعب بن مالک اور حضرت عبداللہ بن رواحہ وغیرہم کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا دفاع کرتے تھے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھتے تھے وہ اس منبر پر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرتے تھے' یا انہوں نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کرتے تھے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جب تک حسان فضائل بیان کرتے ہیں یا آپ کی موافقت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ روح القدس سے حسان کی تائید فرماتا رہتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۵' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۵۹۱' المستدرک ج ۳ ص ۴۸۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۴۰۸' مسند احمد ج ۶ ص ۷۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ قریظہ کے دن حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مشرکین کی ہجو کرو کیونکہ جبریل تمہارے ساتھ ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۸۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۲۵' عالم الکتب بیروت)

حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے شعر کے متعلق وہ آیتیں نازل کی ہیں جو نازل کی ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک مومن اپنی تلوار اور زبان کے ساتھ جہاد کرتا ہے' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' ان کے خلاف شعر پڑھ کر تم ان کو تیروں کی طرح زخمی کرتے ہو۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۵۰۰' مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۸۶' المعجم الکبیر ج ۱۹' رقم الحدیث: ۱۵۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کے خلاف اپنے مالوں' اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۰۹۶' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۴' المستدرک ج ۲ ص ۸۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۱۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے لیے مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت

عبداللہ بن رواحہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے یہ اشعار پڑھتے ہوئے جا رہے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ اليوم نضربکم على تنزيله

ضربا يزيل الهام عن مقيله ويذهل الخليل عن خليله

(کفار کے بیٹوں کو آپ کے راستہ سے ہٹا دو' قرآن مجید کے حکم کے مطابق آج ہم کفار پر اس طرح وار کریں گے کہ ان کے سرتن سے الگ ہو جائیں گے اور ان کا دوست اپنے دوست کو بھول جائے گا۔)

حضرت عمر نے کہا اے ابن رواحہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر پڑھ رہے ہو! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! اس کو چھوڑ دو! یہ شعر ان کے دلوں میں تیر سے زیادہ اثر کرتے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۷' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۸۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۴۴۰' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۹۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۸' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۹۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو' کیونکہ ان پر اپنی ہجو تیروں کی بوچھاڑ سے زیادہ شاق گذرتی ہے' پھر آپ نے حضرت ابن رواحہ کی طرف پیغام بھیجا کہ کفار قریش کی ہجو کرو' انہوں نے کفار قریش کی ہجو کی' وہ آپ کو پسند نہیں آئی' پھر آپ نے حضرت کعب بن مالک کی طرف پیغام بھیجا' پھر حسان بن ثابت کی طرف پیغام بھیجا' جب حضرت حسان آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا اب وقت آ گیا ہے آپ نے اس شیر کی طرف پیغام بھیجا ہے جو اپنی دم سے مارتا ہے' پھر اپنی زبان نکال کر اس کو ہلانے لگے' پھر کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے' میں ان کو اپنی زبان سے اس طرح چیر پھاڑ کر رکھ دوں گا جس طرح چمڑے کو پھاڑتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جلدی نہ کرو' کیونکہ ابوبکر قریش کے نسب کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اور ان میں میرا نسب بھی ہے' تاکہ ابوبکر میرا نسب ان سے الگ کر دیں' حضرت حسان حضرت ابوبکر کے پاس گئے' پھر لوٹ آئے اور کہا یا رسول اللہ! آپ کا نسب الگ کر دیا گیا ہے' اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے' میں آپ کو ان سے اس طرح نکال لوں گا جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تک تم اللہ اور رسول کی طرف سے جواب دیتے رہتے ہو روح القدس تمہاری تائید کرتا رہتا ہے' نیز حضرت عائشہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے' حسان نے کفار قریش کی ہجو کر کے مسلمانوں کی شفاء دی (یعنی ان کا دل ٹھنڈا کر دیا) اور کفار کے دلوں کو بیمار کر دیا' حضرت حسان کے وہ اشعار یہ ہیں:

(۱) هجوت محمداً فاجبت عنه — تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی تو میں نے حضور کی طرف

وعند الله فی ذاک الجزاء — سے جواب دیا اور اس کی اصل جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔

(۲) هجوت محمدا برا حنیفا — تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی جو نیک ہیں اور ادیان

رسول الله شیمته الوفاء — باطلہ سے اعراض کرنے والے ہیں' وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خصلت وفا کرنا ہے۔

(۳) فان ابی و والدتی وعرضی — بلاشبہ میرے ماں باپ اور میری عزت' تم سے محمد صلی اللہ

لعرض محمد منکم وقاء — علیہ وسلم کی عزت بچانے کے لیے قربان ہے۔

(۴) ثکلت بنیتی ان لم تروها — میں خود پر گریہ کروں (یعنی مر جاؤں) اگر تم گھوڑوں کو نہ

تثير النقع من كنفي كدآء	کداء کی طرف گرد اڑاتے نہ دیکھو۔
(۵) يبارين الاعنة مصعدات على اكتافها الاسل الظمآء	وہ گھوڑے جو تمہاری طرف دوڑتے ہیں ان کے کندھوں پر پیاسے نیزے ہیں۔
(۶) تظل جيادنا متمطرات تلطمهن بالخمر النساء	ہمارے گھوڑے دوڑتے ہوئے آئیں گئے اور ان کی تھوتھنیوں کو عورتیں دوپٹوں سے صاف کریں گی۔
(۷) فان اعرضتموا عنا اعتمرنا وكان الفتح وانكشف الغطاء	اگر تم ہم سے روگردانی کرو تو ہم عمرہ کر لیں گے پردہ اٹھ جائے گا اور فتح حاصل ہو جائے گی۔
(۸) والا فاصبرو الضراب يوم يعز الله فيه من يشاء	ورنہ اس دن کا انتظار کرو جس دن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا عزت دے گا۔
(۹) وقال الله قد ارسلت عبدا يقول الحق ليس به خفاء	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ایک بندہ کو رسول بنایا ہے جو حق کہتا ہے اور اس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔
(۱۰) وقال الله قد يسرت جندا هم الانصار عرضتها اللقاء	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ایک لشکر بنایا ہے جو انصار ہیں اور ان کا مقصد صرف دشمن کا مقابلہ کرنا ہے۔
(۱۱) يلاقي كل يوم من معد سباب اوقتال او هجاء	وہ لشکر ہر روز مذمت جنگ یا ہجو کرنے کے لیے تیار ہے۔
(۱۲) فمن يهجو رسول الله منكم ويمدحه وينصره سوآء	پس تم میں سے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرے تعریف کرے یا آپ کی مدد کرے سب برابر ہے۔
(۱۳) وجبريل رسول الله فينا وروح القدس ليس له كفاء	ہم میں اللہ کے رسول جبریل موجود ہیں وہ روح القدس ہیں جن کا کوئی کفو نہیں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹۰ دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۵۱-۵۰ معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۸۸-۴۸۷ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۴۲)

اشعار کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید کی بات کی ہے:

الا كل شيء ماخلا الله باطل — سنو اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۴۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۵۶)

حضرت عمرو بن الشرید رضی اللہ عنہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں میں ایک دن ایک سواری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا: کیا تمہیں امیہ بن الصلت کا کوئی شعر یاد ہے؟ میں نے کہا جی ہاں آپ نے فرمایا: سناؤ میں نے ایک شعر سنایا آپ نے فرمایا اور سناؤ حتیٰ کہ میں نے آپ کو ایک سو اشعار سنائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شعر کے بعد فرماتے تھے اور سناؤ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۵۵ شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۸۲ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۰۹ مصنف ابن ابی

شیبہ ج ۸ص ۶۹۲' مسند احمد ج ۴ص ۳۸۹ - ۳۸۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۲۳۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ص ۲۳۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۳۹۰ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۸)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بعض غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی زخمی ہوگئی تو آپ نے فرمایا:

ھل انت الا اصبع دمیت	وفی سبیل اللہ مالقیت
تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہوئی ہے۔	اور تو نے اللہ کی راہ ہی میں تکلیف اٹھائی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۶' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۷۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مدافعت کرتے رہتے ہو جبریل تمہاری تائید کرتے رہتے ہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسان نے ان کی ہجو کی تو خود بھی شفاء پائی اور مسلمانوں کو بھی شفاء دی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹۰' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۴۷۹۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق کے دن مٹی پلٹ رہے تھے آپ کا شکم مبارک غبار آلود ہو رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے:

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا	ولا تصدقنا ولا صلینا
اللہ کی قسم اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ہدایت نہ پاتے	نہ ہم صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے
فانزلن سکینۃ علینا	واثبت الاقدام ان لاقینا
سو ہم پر سکون نازل فرما	اور اگر ہمارا دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ
ان الاولی قد بغوا علینا	اذا ارادوا فتنۃ ابینا
بے شک پہلے لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی	جب وہ فتنہ ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے

آپ بار بار ابینا ابینا فرماتے اور آواز بلند فرماتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار خندق کھودتے وقت مٹی ڈال رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

نحن الذین بایعوا محمدا	علی الجھاد ما بقینا ابدا
ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر	جب تک زندہ رہیں جہاد کی بیعت کی ہے

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۵)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض اشعار حکمت آمیز ہوتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۴۵)

حافظ ابن عبدالبر' حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں ان کے پاس جنات آتے تھے اور باتیں بتاتے تھے اور ان کو ان کے جن نے تین راتیں مسلسل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی پھر حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار سنائے جن میں سے بعض یہ ہیں:

سُورَةُ النَّمْلِ

(۲۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ النمل

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ النمل ہے کیونکہ اس سورت کی درج ذیل آیت میں النمل کا ذکر ہے:

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (النمل: ۱۸)

حتیٰ کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ' کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالے اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہو۔

علامہ ابن عطیہ' علامہ قرطبی اور علامہ سیوطی وغیرہم نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے' نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر اڑتالیس (۴۸) ہے۔ یہ سورۃ الشعراء کے بعد اور سورۃ القصص سے پہلے نازل ہوئی ہے' اہل مدینہ اور اہل مکہ کے نزدیک اس کی پچانوے (۹۵) آیتیں ہیں' اور اہل شام' بصرہ اور کوفہ کے نزدیک اس کی چورانوے (۹۴) آیات ہیں' ہمارے مصاحف میں اس کی ترانوے (۹۳) آیات لکھی ہوئی ہیں۔ آیات کا یہ اختلاف ان کے شمار کے اعتبار سے ہے۔

سورۃ النمل اور سورۃ الشعراء کی باہمی مناسبت

اس سورت کی اس سے پہلے والی سورۃ الشعراء سے حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے۔

(۱) اس سے پہلے والی سورۃ میں بھی انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کئے گئے تھے لیکن اس میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ نہیں تھا اس میں ان کا قصہ بھی ہے' سو یہ سورۃ' سابقہ سورۃ کا تتمہ ہے۔

(۲) سابقہ سورۃ میں جن انبیاء علیہم السلام کے قصص اجمالی طور پر بیان کئے گئے تھے اس سورۃ میں ان کے قصص تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سات سے چودہ نمبر آیت تک ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ پینتالیس سے ترپن نمبر آیت تک ہے اور حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ چون سے اٹھاون نمبر آیت تک ہے۔

(۳) سورۃ الشعراء کی ابتداء میں بھی قرآن مجید کا وصف بیان فرمایا تھا' تلک ایت الکتاب المبین' اور اس سورۃ کی ابتداء میں بھی قرآن کریم کا وصف بیان فرمایا ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝

(۴) ان دونوں سورتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کفار کی ایذاء رسانیوں سے گھبرائیں نہیں اور نہ پریشان ہوں۔

سورت النمل کے مضامین اور مقاصد

(۱) اس سورۃ کی ابتداء سورۃ البقرہ کی طرح ہے اس میں فرمایا ہے کہ قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے اور یہ مومنین کے لیے

رحمت ہے جو نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کو آخرت میں دردناک عذاب ہوگا۔

(۲) حضرت موسیٰ کی سرگزشت کا ابتدائی حصہ بیان فرمایا ہے کہ ان کو نو واضح معجزات کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا لیکن وہ ان پر ایمان نہیں لایا۔

(۳) حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے واقعات بیان فرمائے ہیں' ان کو نعمتیں عطا فرمائیں اور ان کے شکر گزار ہونے کا امتحان لیا۔

(۴) حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ میں بتایا کہ جن لوگوں نے ان کی نافرمانی کی وہ بالآخر عذاب کا شکار ہوئے اور انہوں نے جو اپنے لئے بلند' مضبوط اور مستحکم مکان بنائے تھے' ان کے کھنڈرات آج بھی تبوک کی راہ گزاروں میں موجود ہیں۔

(۵) قوم لوط کے واقعات کی طرف اشارہ ہے' حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی بداخلاقیوں اور بدفعلیوں کی اصلاح کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے کوئی اثر قبول نہیں کیا اور ان پر بھی عبرتناک عذاب آ گیا۔

(۶) اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی توحید پر دلائل بیان فرمائے کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں اور بحر و بر کو پیدا کیا' اور انسان کو یہ الہام کیا کہ وہ زمین کے خزانوں سے فائدہ اٹھائے اور اس کو جنگلوں اور سمندروں کے راستوں میں ہدایت دی اور اس کو بہت کثیر روزی دی' اور بتایا کہ قیامت اچانک آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور دن اور رات کے بار بار آنے سے بھی اپنی توحید پر استدلال فرمایا۔

(۷) سورۃ کے اخیر میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا' اور بتایا کہ قرب قیامت میں زمین سے ایک جانور نکلے گا (دآبۃ الارض) اور جب صور پھونک دیا جائے گا تو چند نفوس کے سوا تمام آسمانوں اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے اور پہاڑ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے' نیز سورۃ کے اخیر میں یہ بتایا ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں بعض نیکوکار ہیں اور بعض بدکار ہیں' اور ہر شخص کو اپنے اعمال کے اعتبار سے اچھی یا بری جزا ملے گی' اور مشرکین پر لازم ہے کہ وہ صرف اللہ عزوجل کی عبادت کریں اور بتوں کی عبادت کو ترک کردیں' اور قرآن مجید نے جس دستور حیات کی ہدایت دی ہے اس پر عمل کریں' اور جس نے ان احکام پر عمل کیا اس کا اپنا فائدہ ہے اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا تو اس میں صرف اس کا اپنا نقصان ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں جو امور بیان کئے گئے ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی تصدیق کرے اور اپنی زندگی گزارنے کے لیے قرآن کریم کو چراغ ہدایت مان لے۔

سورۃ النمل کے اس تعارف اور اس تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل اور اعتماد کرتے ہوئے اس سورۃ کے ترجمہ اور اس کی تفسیر کو اس دعا کے ساتھ شروع کرتا ہوں کہ اے اللہ! مجھ پر حقائق کی حقانیت واضح فرمانا اور مجھے ان کی اتباع نصیب فرمانا اور مجھ پر امور باطلہ کے بطلان کو منکشف فرمانا اور مجھے ان سے مجتنب اور دور رکھنا۔ (آمین)

نا کارہ خلائق
غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی
۱۳ ذوالحج' ۱۴۲۲ھ/ ۲۸ فروری' ۲۰۰۲ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

(۲۷) سورۃ النمل مکیۃ (۴۸)   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   آیاتھا ۹۳ رکوعاتھا ۷

سورۃ النمل مکی ہے   اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے   اس کی ترانوے آیات اور سات رکوع ہیں

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۲﴾

طاسین یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○ یہ ان ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے ○

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر

هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ

یقین رکھتے ہیں ○ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ہم نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نما بنا

اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۭ﴿۴﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْعَذَابِ

دیا ہے پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے

وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ

اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں ○ اور بے شک آپ کو بے انتہا حکمت اور علم والے کی طرف

لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿۶﴾ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ

سے قرآن سکھایا جا رہا ہے ○ جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا بے شک میں نے آگ دیکھی ہے،

سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۷﴾

میں تمہارے پاس ابھی کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی سلگتا ہوا انگارہ تاکہ تم حرارت حاصل کرو ○

فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ

پھر جب وہ اس جگہ پہنچے تو ان کی ندا کی گئی کہ جو آگ (کی تجلی) میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے وہ برکت والا ہے،

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸﴾ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ

اور اللہ سبحان ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ○ اے موسیٰ! سنو بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں بہت غالب

الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ وَأَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا

بڑی حکمت والا O اور اپنا عصا ڈال دیجئے' پھر جب انہوں نے اس کو اس طرح لہراتا ہوا دیکھا گویا کہ وہ سانپ ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر چل

وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ﴿١٠﴾

دیئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا' (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے موسیٰ! ڈریئے مت' بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے O

إِلَّا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١﴾

سوا اس کے جس نے ظلم کیا پھر اس نے برائی کے بعد کوئی نیکی کی تو بے شک میں بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہوں O

وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۖ فِي

اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں تو وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا' آپ نو

تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٢﴾

نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جایئے' بے شک وہ نافرمانوں کا گروہ ہے O

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوا

سو جب ان کے پاس ہماری بصیرت افروز نشانیاں آ گئیں تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے O انہوں نے ظلم اور

بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تکبر کی وجہ سے ان نشانیوں کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل ان (نشانیوں کی صداقت) کا اعتراف کر چکے تھے' پس دیکھئے ان

الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾ ع ١٤/١٦

فتنہ پرور لوگوں کا کیسا انجام ہوا O

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے معانی

اللہ کے نام سے شروع' اس کا نام عزیز ہے' گنہ گار اپنی سزا میں تخفیف کے لیے اس کے نام کا قصد کرتا ہے' تو اس کا گناہ معاف کر دیا جاتا ہے' اس کا نام کریم ہے' عبادت گزار اپنی عبادت کے اجر میں اضافہ کے لیے اس کا قصد کرتا ہے تو اس کے اجر میں اضافہ کر دیا جاتا ہے' اس کا نام جلیل ہے' ولی عزت و کرامت کی طلب کے لیے اس کا قصد کرتا ہے تو اس کا قصد پورا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طاسین' یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں O (النمل: ۱)

طاسین کے اسرار

مفسرین نے کہا ہے کہ طاسین کی ط سے یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کے دل طیب ہیں' اور سین سے اس سر (راز) کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں ہے۔ نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ اپنے طالبین کی طلب کی قسم کھاتا ہے کہ ان کے دل اس کے ماسوا کی طلب سے سلامت ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ طا سے اس کے قدس کی طہارت کی طرف اشارہ ہے' اور سین سے اس کی سناء (روشنی یا بلندی) کی طرف اشارہ ہے' گویا کہ وہ اپنے قدس کی طہارت اور اپنی عزت کی بلندی کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ میں اپنے لطف کے کسی امیدوار کی امید کو ضائع اور نامراد نہیں کروں گا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طا سے اس کے فضل اور سین سے اس کی سناء (بلندی) کی طرف اشارہ ہے۔

امام قشیری متوفی ۴۶۵ھ نے لکھا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ میری پاکیزگی کی وجہ سے میرے اولیاء کے قلوب طیب ہو گئے' اور میرے جمال کے مشاہدہ کی وجہ سے میرے اصفیاء کے اسرار چھپ گئے' میرا ارادہ کرنے والوں کی طلب میرے لطف کے مقابل ہے اور نیک اعمال کرنے والوں کے اعمال میری رحمت کے مشکور ہیں۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۴۰۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اس سورۃ کو قرآن اور کتاب مبین فرمانے کی وجہ

تلک کے لفظ سے اس سورۃ کی آیات کی طرف اشارہ ہے اور کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے' جس میں تمام ما کان و ما یکون کا بیان ہے' اور ملائکہ اس کو پڑھ کر مستقبل میں ہونے والے امور کا بیان کرتے ہیں۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ تلک کے لفظ سے اس عظیم الشان سورۃ کی طرف اشارہ ہے' اور آیات قرآن سے مراد تمام قرآن کی آیتیں ہیں یا اس سورۃ کی آیتیں ہیں' اس قرآن کو کتاب مبین فرمایا ہے' مبین کا معنی ہے مظہر' یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور اس کے احکام کو' آخرت کے احوال کو جن میں نیکوں کا ثواب اور بروں کا عذاب ہے' اور سابقہ انبیاء اور گزشتہ امتوں کے واقعات کو ظاہر کرنے والی ہے۔

اس سورۃ کو قرآن بھی فرمایا اور کتاب بھی' قرآن کا لفظ قرأت سے بنا ہے جس کا معنی پڑھنا ہے اور کتاب کا لفظ کتب سے بنا ہے جس کا معنی لکھنا ہے' اس کو قرآن اس لئے فرمایا کہ اس کو سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے اور کتاب اس لئے فرمایا کہ اس کو سب سے زیادہ لکھا جاتا ہے' اور قرآن کے لفظ کو کتاب کے لفظ پر اس لئے مقدم فرمایا کہ پہلے اس کو پڑھا جاتا تھا پھر اس کو لکھا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ ان ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے ٥ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں ٥ (النمل: ۳-۲)

ہدایت اور بشارت کو مومنوں کے ساتھ مخصوص کرنے کی توجیہات

اس کتاب کی صفت میں بیان فرمایا کہ یہ ہدایت اور خوشخبری ہے' بظاہر یوں فرمانا چاہیے تھا کہ یہ ہدایت دینے والی اور خوشخبری دینے والی ہے لیکن اس پیرایہ میں مبالغہ ہے جیسے ہم کسی عالم کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے کہیں کہ وہ شخص تو خود علم ہے یا کسی کی سخاوت کی تعریف کرتے ہوئے کہیں کہ وہ شخص تو سراپا سخاوت ہے' اس طرز پر فرمایا یہ کتاب مومنوں کے لیے سراسر ہدایت اور بشارت ہے۔

اس آیت میں ہدایت کو مومنوں کے ساتھ مخصوص کر دیا حالانکہ یہ کتاب تو تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے' اس کا جواب ہے کہ اس آیت میں ہدایت کے ساتھ بشارت کا بھی ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کتاب بشارت تو صرف مومنوں کے لیے ہے کیونکہ کافروں کے کام تو بہرحال قابل بشارت نہیں ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کتاب کی آیتوں سے فائدہ تو صرف مومنوں نے اٹھایا ہے۔ اس لیے مآل کار یہ کتاب صرف مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ○ (النزعت: ۴۵)　　آپ تو صرف ان کو ڈرانے والے ہیں جو قیامت سے ڈرتے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ہدایت کو مومنوں کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد ہے ہدایت میں زیادتی' یعنی زیادہ ہدایت مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں ہے:

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ (مریم: ۷۶)　　اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو اللہ تعالیٰ زیادہ کر دیتا ہے۔

اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ اس ہدایت سے مراد دنیا کی ہدایت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد آخرت میں مومنوں کو جنت کا راستہ دکھانا ہے' اور ظاہر ہے کہ یہ ہدایت مومنوں کے ساتھ ہی خاص ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ○ (النساء: ۱۷۵)　　رہے وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس (کے دامن رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو وہ ان کو عنقریب اپنی رحمت میں اور اپنے فضل میں داخل فرمائے گا اور ان کو اپنی طرف صراط مستقیم کی ہدایت دے گا۔

اس کا پانچواں جواب یہ ہے کہ اس ہدایت سے مراد ہے کامل ہدایت کہ انسانی حیات کے ہر شعبہ میں اور زندگی میں پیش آنے والے ہر ہر موڑ اور ہر ہر مرحلہ پر انسان کو ہدایت مل جائے اور ہر ہر قدم پر انسان کو صحیح اور غلط کا ادراک حاصل ہو جائے اور کسی بھی معاملہ میں وہ اللہ کی طرف سے ہدایت سے محروم نہ ہو' اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے جو خبریں لائے ان کی تصدیق کرے اور جو احکام لائے ان کو مانے اور تصدیق کرے' اور پانچوں وقت کی نماز پڑھ کر اور جب مالک نصاب ہو تو زکوٰۃ ادا کر کے ایمان کے تقاضے کو پورا کرے' اور خصوصیت کے ساتھ آخرت پر یقین رکھے۔

اس سوال کا جواب کہ ایمان والوں کے ذکر کے بعد آخرت پر یقین رکھنے والوں کا ذکر کیوں فرمایا

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے گا' پانچوں وقت کی نماز پڑھے گا اور زکوٰۃ ادا کرے گا' وہ لامحالہ آخرت پر بھی یقین رکھتا ہو گا' پھر ایمان' نماز اور زکوٰۃ کے بعد آخرت پر یقین رکھنے کا کیوں ذکر فرمایا! اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے شرف کے تین مراتب ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اس کو مبدءِ فیاض کا علم ہو اور اس پر ایمان ہو' اور آخری مرتبہ یہ ہے کہ اس کو معاد اور آخرت کا علم ہو اور اس پر ایمان ہو اور متوسط مرتبہ یہ ہے کہ وہ ان دونوں مرتبوں کے ثبوت اور تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرے' اور ان احکام میں اہم حکم یہ ہے کہ وہ اپنی جان اور مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرے' نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے' اور جو ان احکام پر پابندی سے عمل کرے گا وہ باقی احکام پر بھی پابندی سے عمل کرے گا۔ اس لیے اس آیت میں پہلے انسان کے شرف اور کمال کے پہلے مرتبہ کا ذکر فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

ایمان لانا ہے' پھر متوسط مرتبہ کا ذکر کیا اور وہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے اور اس کے بعد آخری مرتبہ کا ذکر کیا اور وہ آخرت پر یقین رکھنا ہے۔

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے' جیسے تنزل الملائکۃ والروح (القدر: ۴) میں عام فرشتوں کے ذکر کے بعد خصوصیت کی بنا پر حضرت جبریل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح مومنین کا لفظ عام ہے یعنی جو لوگ اللہ کی ذات صفات' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں' اس کی تقدیر اور عقیدہ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں' پھر عقیدہ آخرت کی خصوصیت کی وجہ سے اس کا الگ بھی ذکر فرمایا کہ وہ مسلمان آخرت پر یقین رکھتے ہوں۔

اور اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ آخرت اور حشر ونشر کے متعلق لوگ دو قسم کے ہیں' ایک وہ ہیں جن کو آخرت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر' حساب وکتاب اور جزا اور سزا پر یقین ہے' اور وہ عذاب کے خوف' ثواب کے شوق اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نماز پڑھتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور باقی احکام پر عمل کرتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا آخرت پر پورا یقین نہیں ہے' اور برے کاموں سے بچنے اور نیک کاموں کے کرنے کے لیے ان کے اندر سے کوئی تحریک نہیں اٹھتی۔ وہ لوگوں کی دیکھا دیکھی رسمی طور پر نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اور ان کے دلوں میں یقین کی کیفیت نہیں ہوتی اور دراصل یہ لوگ قرآن مجید کی ہدایت پر عمل کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی قرآن مجید کی بشارت کا مصداق ہیں۔

اس سوال کا چوتھا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ جو مومنین نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آخرت پر حق الیقین اور کامل ایمان ان ہی مومنوں کا ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ کو جمع کرنے والے ہیں کیونکہ آخرت کا خوف ہی ان کو شہوت اور غضب کے غلبہ کے وقت گناہوں سے باز رکھتا ہے' اور جب سخت سردی کے موسم میں نرم اور گرم بستروں سے نکل کر فجر کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانا دشوار ہو اور جب مال کی تنگی کے خوف سے زکوٰۃ کا ادا کرنا نفس پر دشوار ہو تو اس وقت صرف آخرت کا خوف ہی مسلمانوں کو سردی میں بستروں سے اٹھاتا ہے اور مال میں کمی کے خطرہ کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی پر اکساتا ہے' سو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ نفس پر دشواری کے باوجود نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں دراصل وہی مسلمان آخرت پر کامل یقین رکھنے والے ہیں۔

زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی پھر مکی سورۃ میں اس کے ذکر کی توجیہ

اس جگہ ایک اور اعتراض یہ ہوتا ہے کہ سورۃ النمل مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں دو ہجری میں رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے فرض ہوئی ہے' (ردالمحتار ج ۳ ص ۱۵۶' داراحیاء التراث العربی بیروت) سو اس آیت میں نماز کے بعد زکوٰۃ کے ذکر کی کیا توجیہ ہوگی' بعض علماء نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں زکوٰۃ سے اس کا معروف معنی مراد نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ سے مراد تزکیہ نفس اور نفس کی برائی اور بے حیائی کے کاموں سے پاکیزگی اور طہارت ہے اور نیک کاموں اور مکارم اخلاق سے نفس کو مزین کرنا مراد ہے' مگر اس جواب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ جب بھی نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے مراد زکوٰۃ معروف ہوتی ہے یعنی جو شخص مالک نصاب ہو وہ سال گزرنے کے بعد اس مال کا چالیسواں حصہ ادا کرے' اس لیے اس سوال کے جواب میں یہ کہنا مناسب ہے کہ نفس زکوٰۃ' یعنی اللہ کی راہ میں مطلقاً مال خرچ کرنا' اتنی قدر مکہ میں ہی فرض ہو گئی تھی اور زکوٰۃ کی تمام تفصیلات اور اس کی شرائط اور مختلف اجناس کے مختلف نصابوں کا تعین مدینہ منورہ میں ہجرت کے دوسرے سال میں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نما بنا دیا ہے پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں ٥ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں ٥ (النمل: ۵-۴)

جب کفریہ کاموں کو اللہ تعالیٰ نے مزین فرمایا ہے تو پھر ان کی مذمت کیوں کی جاتی ہے؟

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ مومنوں اور کافروں کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے' کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس سے پہلی آیت میں مومنوں کا ذکر فرمایا تھا کہ یہ (قرآن) ان ایمان والوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے' جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں ٥ اور اس آیت میں کافروں کا ذکر فرمایا ہے کہ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے' ہم نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نما بنا دیا ہے پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں ٥ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اس آیت کے ظاہر پر دو اعتراض ہوتے ہیں' ایک اعتراض تو یہ ہے کہ جب کافروں کے کاموں کو اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے لیے خوش نما بنا دیا اور مزین کر دیا ہے تو پھر اگر کافروں نے وہ کام کر لیے تو پھر ان کو ملامت اور ان کی مذمت کیوں کی جا رہی ہے اور ان کو ان کاموں پر عذاب کی وعید کیوں سنائی جا رہی ہے' اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ان کے کاموں کو مزین کرنے کی اپنی طرف نسبت کی ہے' اور دوسری آیتوں میں ان کاموں کو مزین کرنے کی شیطان کی طرف نسبت کی ہے قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (الانفال: ۴۸)
اور جب شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو مزین کر دیا۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ (الانعام: ۴۳)
سو ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ عاجزی کرتے اور گڑگڑاتے لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ٥ (الحجر: ۳۹)
(شیطان نے) کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو مجھے بھی قسم ہے کہ میں ان کے لیے ضرور زمین میں گناہوں کو مزین کر دوں گا' اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور بندوں کے اعمال کا بھی وہی خالق ہے' اور بندہ جس عمل کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے اس عمل کو پیدا کر دیتا ہے' سو جب کافروں نے شرک' کفر اور دیگر برے اعمال کو اچھا جانا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہوں میں ان کفریہ اعمال کا حسن پیدا کر دیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب کفار نے تسلسل اور تواتر کے ساتھ کفر اور شرک کیا اور نبیوں اور رسولوں کی تکذیب' تنقیص اور تضحیک کی اور آخرت کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے بہ طور سزا ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان اعمال قبیحہ کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا۔

معتزلہ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دراصل ان کاموں کو ان کے لیے شیطان نے مزین کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کاموں کی نسبت مجازاً ہے' اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ان کفریہ اور قبیح افعال پر چونکہ فوراً گرفت نہیں کی اور بڑے عرصہ تک ان کو ان کے کفر کے باوجود ڈھیل دیتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس مہلت دینے کو مجازاً اس طرح تعبیر فرمایا کہ اس نے ان

لیے ان کاموں کو مزین کر دیا۔
حسن بصری نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نیک کاموں کو مزین فرمایا تھا لیکن انہوں نے اپنے کفر کی وجہ سے ان نیک کاموں کو نہیں کیا' لیکن یہ جواب درست نہیں اول تو اس لیے کہ یہ معنی سیاق اور سباق کے مناسب نہیں ہے۔ دوسرے اس لیے کہ قرآن مجید میں تزیین کا اطلاق زیادہ تر برے کاموں کے لیے آیا ہے' جیسے کہ ان آیات میں ہے:

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ (البقرہ: ۲۱۲) کافروں کے لیے دنیا کی زندگی مزین کر دی گئی ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۤؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ (الانعام: ۱۳۷) اسی طرح مشرکین کے باطل معبودوں نے مشرکین کے لیے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مزین کر دیا ہے تا کہ وہ ان کو ہلاک کر دیں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت کی تصدیق نہیں کرتے' ہم نے برے کاموں کو ان کے لیے پسندیدہ بنا دیا ہے گویا کہ وہ ان کی طبیعت کا مقتضیٰ بن گئے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں ہے:
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کا احاطہ تکلیف دہ چیزوں نے کیا ہوا ہے اور دوزخ کا احاطہ پسندیدہ چیزوں نے کیا ہوا ہے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۹' مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۴۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۲۷۵)
اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان افعال کو مزین کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بہ اعتبار تخلیق کے ہے اور شیطان کی طرف اس کی نسبت بہ اعتبار کسب اور اس کے ارادہ کے ہے۔
پھر فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے۔ یعنی دنیا میں ان کو قتل کیا جائے گا اور گرفتار کیا جائے گا جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا' اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں' کیونکہ انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خریدا تو وہ دوزخ کے عذاب کی نجات سے محروم ہو گئے' اور جنت اور اس کی نعمتوں کے نہ ملنے کا نقصان اٹھایا۔

دوزخ سے پناہ مانگنے اور جنت کے حصول کی دعا کرنے کے متعلق آیات اور احادیث

بعض علماء نے کہا ہے کہ دنیا والے آخرت کے خسارے میں رہتے ہیں اور آخرت والے مولیٰ کی خسارے میں رہتے ہیں اور جو دنیا اور آخرت کسی کی طرف التفات نہ کرے وہ اپنے مولیٰ کو پا لیتا ہے۔
(روح البیان ج ۶ ص ۴۱۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی دنیا سے ترک تعلق کر لے اور اس کے دل میں دوزخ کے عذاب کا خوف اور جنت کی نعمتوں کا شوق نہ ہو اور وہ دنیا اور آخرت سے بے پرواہ ہو جائے' اور دنیا کی کسی ذمہ داری کو پورا نہ کرے اور جنگلوں اور غاروں میں جا کر اللہ اللہ کرتا رہے' یہ رہبانیت ہے اور اسلام میں ممنوع ہے اور آخرت سے بے پرواہ ہونا قرآن مجید کی بہ کثرت آیات اور بہت احادیث کے انکار اور ان کی توہین کو مستلزم ہے' انبیاء علیہم السلام دنیا کی چیزوں میں مشغول رہے ہیں وہ کھاتے پیتے تھے' نکاح کرتے تھے' ازواج کے حقوق ادا کرتے تھے' رزق حلال کے حصول کے لیے کسب اور جدوجہد کرتے تھے' دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتے تھے اور جنت کے حصول کی دعا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت کثرت سے کرتے ہیں: اے اللہ! ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی اور خیر عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۰۴، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۳۹)

اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کے متعلق ذکر فرمایا ہے وہ یہ دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ (الفرقان: ۶۵)

اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور کردے، کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔

اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جنت کی طلب کی دعا کی:

وَاجْعَلْنِي مِن وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝ (الشعراء: ۸۵)

اور مجھ کو نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر سے، عذاب جہنم سے اور فتنہ دجال سے پناہ طلب کرتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد: ۱۳۳، رقم الحدیث بلاتکرار ۵۸۸، الرقم المسلسل: ۱۳۰۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۵۱۷)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی کی ہے:

اللھم انی اعوذ بک من الکسل و الھرم والمغرم والماثم اللھم ان اعوذ بک من النار وفتنۃ النار. الحدیث

اے اللہ! میں سستی، بڑھاپے، قرض اور گناہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اے اللہ! میں دوزخ کی آگ اور دوزخ کی آگ کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۷۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۸۵، عالم الکتب، مسند احمد ج ۶ ص ۵۷، المستدرک ج ۱ ص ۵۴۱، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۳۱، مکتب اسلامی، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۷۸)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب جنت کی دعا تعلیم دی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس دعا کی تعلیم دی:

اللھم انی اسئلک الجنۃ وما قرب الیھا من قول او عمل واعوذبک من النار وما قرب الیھا من قول او عمل.

اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور ان باتوں اور ان کاموں کا جو جنت کے قریب کردیں، اور میں تجھ سے دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں اور ان باتوں اور ان کاموں سے جو دوزخ کے قریب کردیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۴۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۶۴، مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۳۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۵۳۳، عالم الکتب بیروت، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۹۰۰، دار الحدیث قاہرہ، الادب المفرد للبخاری رقم الحدیث: ۶۳۹، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۴۷۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۶۹، المستدرک ج ۱ ص ۵۲۲-۵۲۱، کتاب الدعا رقم الحدیث: ۱۳۴۷)

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند دعائیں روایت کی ہیں ان میں یہ دو دعائیں بھی ہیں اور ان

دعاؤں میں آپ نے خود جنت کی طلب کی ہے۔

اللھم ونجنی من النار ومغفرۃ اللیل والنھار والمنزل الصالح من الجنۃ آمین' اللھم انی اسئلک خلاصا من النار سالما وادخلنی الجنۃ. آمین

اے اللہ! مجھے دوزخ کی آگ سے نجات دے' اور رات اور دن کی مغفرت عطا فرما اور جنت کا عمدہ درجہ عطا فرما' (آمین) اے اللہ! میں تجھ سے سلامتی کے ساتھ دوزخ سے چھٹکارے کا سوال کرتا ہوں' اور مجھ کو جنت میں داخل فرما دے (آمین)

(المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۱۷۔۳۱۶' رقم الحدیث: ۷۱۷' المعجم الاوسط ج ۴ ص ۳۵۴۔۳۵۳' رقم الحدیث: ۶۲۱۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ' حافظ الہیثمی نے کہا المعجم الکبیر کی ایک سند کے راوی اور المعجم الاوسط کے راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۷)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر جنت کے شوق اور دوزخ کے خوف سے عبادت کی جائے گی تو وہ اللہ کے لیے نہیں ہوگی یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کے لیے ایمان لانے اور جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ یُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۝ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۝ (الصف: ۱۳-۱۰)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں اس تجارت پر رہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے ٥ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو ٥ اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' اور ان پاکیزہ گھروں میں جو جناتِ عدن میں ہوں گے' یہ بہت بڑی کامیابی ہے ٥ اور تمہیں ایک اور نعمت بھی عطا فرمائے گا جس کو تم پسند کرتے ہو' اور وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح و کامرانی ہے' اور ایمان والوں کو بشارت دے دیجیے ٥

اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط. (التوبۃ: ۱۱۱)

بے شک اللہ نے مومنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔

جنت کی تعریف اور تحسین اور جنت کے مطلوب ہونے پر قرآن اور حدیث میں تصریحات

ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ انسان صرف دوزخ کے خوف اور جنت کے شوق سے عبادت کرے اور اللہ کی رضا کے لیے عبادت نہ کرے۔ بے شک بندے کے لیے سب سے بڑا انعام اللہ تعالیٰ کی رضا ہے' ہم صرف ان لوگوں کا رد کر رہے ہیں جو دوزخ کے خوف اور جنت کے شوق سے عبادت کرنے کی مذمت کرتے ہیں اور جنت کی طلب سے منع کرتے ہیں اور جنت کی تنقیص اور تحقیر کرتے ہیں' جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:

عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ ـــ کہ سب جنتیں ہیں نثارِ مدینہ

طیبہ کے ہوتے خلد بریں کیا کروں حسن ـــ مجھ کو یہی پسند ہے مجھ کو یہی عزیز

سیر گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر — سوئے جنت کون جائے در تمہارا چھوڑ کر
ایسے جلوے پر کروں میں لاکھ حوروں کو نثار — کیا غرض کیوں جاؤں جنت کو مدینہ چھوڑ کر

تیری میری چاہ میں زاہد بس اتنا فرق ہے — تجھ کو جنت چاہیے مجھ کو مدینہ چاہیے

سینکڑوں جنتیں قربان ہوئی جاتی ہیں — مرتبہ دیکھو مدینہ کے بیابانوں کا

تری جنت تری حوریں مبارک ہوں تجھے زاہد — ہمیں تو راس آئی ہے گدائی کوئے جاناں کی

کعبہ ہو یا کہ عرش بریں ہو کہ خلد ہو — سب آ کے جھومتے ہیں مدینہ کے سامنے

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں مدینہ کو چھوڑ کر ہی جنت میں تشریف لے جائیں گے' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں' کیونکہ حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مابین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة — میرے حجرے اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۹۶' ۱۱۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۱' ۱۳۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۱۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۹۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶' سنن بیہقی ج ۵ ص ۲۴۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۲۴۳' کتب اسلامی' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۹۰' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۹-۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۹۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۸۳۵)

اس حدیث سے واضح ہوگیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے' دنیا اور آخرت میں آپ کا گھر جنت میں ہے' اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کے گھر سے بھی محبت ہوتی ہے' اور محبوب کے گھر کی بہت تعریف اور توصیف کی جاتی ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دعویدار جنت کی تنقیص کیوں کرتے ہیں' جبکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بے حد تعریف و توصیف کی ہے اور اس کی طرف رغبت دلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِیْ جَنّٰتِ
النَّعِیْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝
عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِئِیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ ۝ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ
وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ
مَّعِیْنٍ ۝ لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا یُنْزِفُوْنَ ۝ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا
یَتَخَیَّرُوْنَ ۝ وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ۝ وَحُوْرٌ عِیْنٌ ۝

اور آگے بڑھنے والے' آگے (ہی) بڑھنے والے ہیں ۝
وہی (اللہ کے) مقرب ہیں ۝ (وہ) نعمتوں والی جنتوں میں ہیں ۝
بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا ۝ اور تھوڑے سے لوگ بعد والوں
میں سے ہوں گے ۝ وہ زریں تختوں پر ۝ ایک دوسرے کے سامنے
مسند آراء ہوں گے ۝ ان کے پاس ہمیشہ رہنے والے لڑکے آتے
جاتے رہیں گے ۝ جنتی شراب سے بھرے ہوئے پیالے' جگ

كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ○ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۗ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۗ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۗ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۗ (الواقعہ: ۴۰-۱۰)

جام لے کر ○ جس سے نہ ان کے سر میں درد ہوگا اور نہ ان کی عقل خراب ہوگی ○ اور ان پھلوں کو لے کر جن کو وہ پسند کریں گے ○ اور ان کی پسند کے پرندوں کا گوشت لے کر ○ اور (ان جنتوں میں) بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی ○ جو چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں ○ یہ ان کے (نیک) اعمال کی جزاء ہے ○ وہ جنتوں میں کوئی گناہ کی اور بے کار بات نہیں کہیں گے ○ مگر ہر طرف سے سلام سلام کی آواز آئے گی ○ اور دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے ○ وہ بغیر کانٹوں کے بیر کے درختوں میں ہوں گے ○ اور تہ بہ تہ کیلوں میں ○ اور لمبے لمبے سایوں میں ○ اور بہتے ہوئے پانی میں ○ اور بہ کثرت پھلوں میں ○ جو نہ کبھی ختم ہوں گے نہ ان سے روکا جائے گا ○ اور (وہ) اونچے اونچے بستروں میں ہوں گے ○ ہم نے ان حوروں کو خصوصیت سے بنایا ہے ○ پس ہم نے ان کو کنواریاں بنایا ہے ○ محبت کی جانے والیاں اور ہم عمر ○ (وہ) دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں ○ بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا ○ اور بڑا گروہ بعد والوں میں سے ہوگا ○

جنت کے فضائل اور محاسن میں احادیث بھی بہ کثرت مروی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ان نعمتوں کو تیار کر رکھا ہے' جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے' نہ کسی کان نے سنا ہے' اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے' اور اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (السجدۃ: ۱۷)

کوئی نفس نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چھپا رکھا ہے (یہ) ان کے نیک کاموں کی جزاء ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں سوار سو سال تک چلتا رہے پھر بھی اس کا سایہ ختم نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۷۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پہلا گروہ جنت میں داخل ہوگا ان کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی اور جو لوگ ان کے بعد داخل ہوں گے وہ آسمان کے ایک حسین اور چمکدار ستارے کی طرح روشن ہوں گے' ان سب کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے' ان میں آپس میں نہ بغض ہوگا نہ حسد۔ ہر شخص کے لیے بڑی آنکھوں والی حوروں میں سے دو بیویاں ہوں گی' ان کی پنڈلیوں کا گودا کھال اور ہڈیوں کے پار سے نظر آ رہا ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۳۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۸۳)

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں چابک کی جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۱)

اب جب یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بہت تعریف اور تحسین فرمائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب جس جگہ آرام فرما ہیں وہ بھی جنت ہے اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے اور اول و آخر آپ کا گھر جنت ہے تو پھر جنت کی تحقیر کرنا اور مدینہ منورہ سے اس کا تقابل کر کے جنت کو مدینہ سے کم بتانا اور جنت کے مقابلہ میں مدینہ منورہ کو افضل اور اپنا مطلوب قرار دینا' قرآن اور حدیث کی ان صریح نصوص کثیرہ کا انکار یا پھر ان سے بے علمی پر مبنی ہے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کو جنت نہیں مدینہ چاہیے اور جو لوگ جنت کی طلب کو اپنی شان اور اپنے مقام کے خلاف سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ دوزخ سے نجات کی طلب کرنا اور جنت کے حصول کی طلب کرنا نقصان اور خسارہ ہے۔ اصل چیز مولیٰ کی رضا کو طلب کرنا ہے ان کا اس قسم کی آیات اور احادیث پر کیسے ایمان ہوگا!

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تحسین فرمائی جو یہ دعا کرتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آل عمران: ۱۶)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے' سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ (الفرقان: ۶۵)

اور جو لوگ (راتوں کو اٹھ کر) یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو دور کر دے' بے شک دوزخ کا عذاب چمٹنے والا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبک من فتنة النار وعذاب النار.

اے اللہ! میں تجھ سے دوزخ کے فتنہ اور دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۸)

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۳)

اور تم اپنے رب کی مغفرت کی طرف دوڑو اور اس جنت کی طرف دوڑو' جس کا عرض آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے' جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے' اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اس زمین میں بیٹھا رہے جس میں وہ پیدا کیا گیا' صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو یہ خوش خبری نہ سنائیں! آپ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں' اللہ نے ان کو فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے' اور ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے' پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو' وہ جنت کا وسط ہے اور سب سے بلند درجہ ہے' اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کے دریا جاری ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۰۰)

اللہ کی رضا کا بہت بڑا درجہ ہے

انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس نیت سے کرنی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور بندگی کا یہی تقاضا ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کی اطاعت کرے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے عبادت کرنے پر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے تو اگر وہ اخروی ثواب اور جنت کے حصول کی امید پر اور اس غرض سے عبادت کرے تو یہ بھی صحیح ہے بلکہ مستحسن ہے کیونکہ اس میں آخرت کی تصدیق ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور اس کی بشارت پر ایمان کا اظہار ہے لیکن اس سے بھی افضل مقام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی رضا کی طلب کے لیے اس کی عبادت کرے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (البقرہ: ۲۰۷)

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنے آپ کو فروخت کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربانی فرمانے والا ہے۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (النساء: ۱۱۴)

ان (منافقوں) کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہے ہاں جس نے صدقہ دینے کا حکم دیا یا کسی نیکی کا یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا اور جس نے یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیا تو عنقریب ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (التوبہ: ۷۲)

اللہ نے ان ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے سے دریا جاری ہوتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور پاکیزہ مکانوں کا جو دائمی جنتوں میں ہیں اور اللہ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جنات اور مساکن طیبہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ان سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ کہیں گے لبیک اے ہمارے رب ہم تیری اطاعت کے لیے حاضر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے: ہم کیوں نہیں راضی ہوں گے تو نے ہمیں اتنا کچھ عطا فرمایا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں کسی کو عطا نہیں فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم کو اس سے افضل چیز عطا فرماؤں گا۔ وہ عرض کریں گے: اس سے افضل چیز اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تم پر اپنی رضا حلال کر دی ہے میں اب تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۸، صحیح مسلم الحدیث: ۲۸۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۴)

اللہ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے بندہ کو جب یہ علم ہو جائے کہ اس کا مولیٰ اس سے راضی ہے تو اس کو ہر نعمت سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جیسا کہ اس کو جسمانی آرام اور آسائش حاصل ہو لیکن اس کو یہ علم ہو کہ اس کا مولیٰ اس سے ناراض ہے تو تمام عیش اور آرام مکدر ہو جاتا ہے اور اس کو پھولوں کی سیج بھی کانٹوں کی طرح چبھتی ہے اور جب اس کو اپنے مولیٰ اور محبوب کی

رضا کا علم ہو تو جسمانی تکالیف اور بھوک و پیاس کا بھی احساس نہیں ہوتا چہ جائیکہ جسمانی نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ اس کو پتا ہو کہ اس کا مالک اور مولیٰ اور محبوب بھی اس سے راضی ہے تو اس کی خوشی اور راحت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

حسن بصری نے کہا: اللہ ں رضا سے ان کے دلوں میں جو لذت اور خوشی حاصل ہوتی ہے وہ جنت کی تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے اور ان کی آنکھیں سب سے زیادہ اس نعمت سے ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ زمخشری نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے' اس میں مقربین کے درجات کی طرف اشارہ ہے ہر چند کہ تمام جنتی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتے ہیں لیکن ان کے درجات مختلف ہوتے ہیں' ہر فلاح اور سعادت کا سبب اللہ کی رضا ہے۔

(البحر المحیط ج ۵ ص ۴۶۲-۴۶۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کی رضا اس وقت حاصل ہوگی جب اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا۔ آپ نے فرمایا: تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو' اگر تم سے ہو سکے تو طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے کی نمازوں (فجر اور عصر کی نمازوں) سے عاجز نہ ہونا' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ○ (ق: ۳۹) طلوع شمس سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے اور غروب سے پہلے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل جنت' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: تم کوئی اور چیز چاہتے ہو جو میں تم کو عطا فرماؤں! وہ عرض کریں گے: کیا تو نے ہمارا چہرہ سفید نہیں کیا! کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا!! کیا تو نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی!!! آپ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ حجاب منکشف کر دے گا' اور اہل جنت کو ایسی کوئی چیز نہیں عطا کی گئی ہوگی جو ان کو اپنے رب عزوجل کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۹۶۳' ۱۸۹۵۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! اپنے علم غیب سے اور مخلوق پر اپنی قدرت سے مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہو اور مجھے اس وقت وفات دینا جب تیرے علم میں میرے لیے وفات بہتر ہو' اے اللہ! میں تجھ سے غیب میں (جب کوئی دیکھ نہ رہا ہو) اور شہادت میں (لوگوں کے سامنے) تیرے خوف کا سوال کرتا ہوں' اور میں رضا اور غضب میں کلمہ حق کہنے کا سوال کرتا ہوں' اور فقر اور غنا میں میانہ روی کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے ختم نہ ہونے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں' اور زائل نہ ہونے والی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سوال کرتا ہوں' اور تقدیر واقع ہونے کے بعد اس پر راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں اور موت کے بعد ٹھنڈی زندگی کا سوال کرتا ہوں اور تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کا اور تجھ سے ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں جو بغیر کسی ضرر اور گمراہ کرنے والے فتنہ کے حاصل ہو' اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت کے ساتھ مزین کر اور ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت دے

والا بنا دے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ١٣٠٤' مسند احمد ج ۴' ص ٢٦٤)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دیدار کرنے اور اس کی ملاقات کے شوق کے حصول کی دعا کی ہے۔

ابو یزید نے کہا: اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ اگر اللہ جنت میں اپنے چہرے کو حجاب میں کرے تو وہ جنت میں اس طرح فریاد کریں گے جس طرح دوزخی دوزخ میں فریاد کرتے ہیں۔

بعض حکایات میں ہے کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ معروف کرخی کے متعلق کہا گیا کہ یہ معروف کرخی ہیں' جب یہ دنیا سے گئے تو اللہ کی طرف مشتاق تھے تو اللہ عزوجل نے اپنا دیدار ان کے لیے مباح کر دیا۔

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جو لوگ مجھ سے روگردانی کیے ہوئے ہیں کاش وہ جانتے کہ مجھ کو ان کا کتنا انتظار ہے اور ان کے لیے کیسی نرمی ہے اور ان کے گناہ ترک کرنے کا مجھ کو کتنا شوق ہے تو وہ میرے اشتیاق میں مر جاتے اور میری محبت میں ان کی رگیں کٹ جاتیں' اے داؤد! یہ تو مجھ سے روگردانی کرنے والوں کے لیے میرا ارادہ ہے تو جو میری طرف بڑھنے والے ہیں ان کے متعلق میرا ارادہ کیسا ہوگا!

استاذ ابو علی الدقاق یہ کہتے تھے: حضرت شعیب علیہ السلام روئے حتیٰ کہ نابینا ہو گئے' پھر اللہ عزوجل نے ان کی بینائی لوٹا دی' وہ پھر روئے حتیٰ کہ نابینا ہو گئے' اللہ عزوجل نے پھر ان کی بینائی لوٹا دی' وہ پھر روئے حتیٰ کہ نابینا ہو گئے' پھر اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی اگر تمہارا یہ رونا جنت کے لیے ہے تو میں تمہارے لیے جنت مباح کر دیتا ہوں' اور اگر تمہارا یہ رونا دوزخ کی وجہ سے ہے تو میں تمہیں دوزخ سے پناہ دے دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: نہیں بلکہ میں تجھ سے ملاقات کے شوق میں رو رہا ہوں۔ اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی: اسی وجہ سے میں نے اپنے نبی اور اپنے کلیم کو دس سال تمہاری خدمت میں رکھا۔

اور کہا گیا ہے کہ جو اللہ کی طرف مشتاق ہو اس کی طرف ہر چیز مشتاق ہوتی ہے' اور حدیث میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے: علی' عمار اور سلمان۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٨٢٣' تاریخ دمشق ج ۵' ص ٢٥٩) (رسالہ قشیریہ ص ٣٦١-٣٥٩ ملخصاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٨ھ)

جنت کی تخفیف نہ کی جائے

مذکورۃ الصدر احادیث اور اقوال صوفیہ کا یہ تقاضا ہے کہ عذاب نار سے نجات اور جنت کی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا ہے اور یہ بالکل برحق ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عذاب نار سے نجات اور جنت کو کوئی معمولی نعمت ہے اور جنت کی تخفیف کی جائے یا العیاذ باللہ جنت کی تحقیر کی جائے' بعض لوگ اللہ کی رضا کو بنیاد بنا کر جنت کی تخفیف اور تنقیص کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں جنت نہیں چاہیے' ہمیں اللہ کی رضا چاہیے اور یہ نہیں جانتے کہ اللہ کی رضا اس کا حکم ماننے سے حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے جنت کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے' اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اللہ کی رضا بھی جنت میں حاصل ہوگی اور اس کا دیدار بھی جنت میں ہوگا' اور بعض لوگ مدینہ منورہ کی محبت کو بنیاد بنا کر جنت کی توہین کرتے ہیں اور ان کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بہت زیادہ جنت کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور تمام نبیوں اور رسولوں نے دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی ہے اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تلقین کی ہے کہ ہم عذاب نار سے پناہ مانگیں اور جنت الفردوس کے حصول کی دعا کریں اور یہ ذہن میں رکھیں کہ اللہ کی رضا اور اس کا دیدار بھی ہمیں جنت میں ہی حاصل ہوگا' اس لیے بھی جنت مقصود ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی قیام گاہ بھی

جنت ہے اور محبوب کا دیار اور اس کا گھر بھی محبوب ہوتا ہے۔ اس لیے بھی جنت ہمیں مطلوب اور محبوب ہونی چاہیے۔ اے اللہ! ہمیں دوزخ کے اور ہر قسم کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھ اور ہمیں جنت الفردوس عطا فرما' ہم سے راضی ہو جا اور ہمیں اپنا دیدار عطا فرما! بے شک تیری رضا اور تیرا دیدار سب سے بڑی نعمت ہے سو ہم سے وہ کام کرا جن سے تو راضی ہو! اور ان کاموں سے بچا جن سے تو ناراض ہو۔ آمین یا رب العلمین بحرمة نبیک سیدنا محمد خاتم النبیین' قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی آله الطاهرین واصحابه الراشدین وعلی اولیاء امته وعلماء ملته وسائر المؤمنین والمسلمین اجمعین.

اس سورة کے قصص انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا بے شک میں نے آگ دیکھی ہے' میں تمہارے پاس ابھی کوئی خبر لاتا ہوں' یا کوئی سلگتا ہوا انگارہ' تا کہ تم حرارت حاصل کرو○ پھر جب وہ اس جگہ پہنچے تو ان کو ندا کی گئی کہ جو آگ (کی تجلی) میں ہے' اور جو اس کے آس پاس ہے وہ برکت والا ہے' اور اللہ سبحان ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے○ (النمل: ٨۔٧)

اھل کا معنی

النمل: ٧ میں فرمایا: جب موسیٰ نے اپنے اہل سے فرمایا' علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کے ہم نسب ہوں' ہم دین ہوں' ہم پیشہ ہوں' یا اس کے گھر میں یا اس کے شہر میں رہنے والے ہوں' اصل میں کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایک گھر میں رہتے ہوں' کسی شخص کی بیوی کو بھی اس کے اہل سے تعبیر کیا جاتا ہے' ایک دین کے ماننے والوں کو بھی اہل کہا جاتا ہے' جیسے اہل اسلام کہا جاتا ہے' اور چونکہ شریعت نے اکثر احکام میں مسلم اور کافر کے درمیان نسب کا رشتہ منقطع کر دیا ہے اس لیے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا:

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ — یہ (آپ کا بیٹا) آپ کے اہل سے نہیں ہے اس کے نیک اعمال نہیں ہیں۔ (ھود: ٤٦)

جب کوئی شخص شادی کرے تو کہا جاتا ہے تاھل' وہ اہل والا ہو گیا۔ (المفردات ج ا ص ٣٧)

ابن ملک نے شرح المشارق میں لکھا ہے: اہل کی تفسیر' بیوی' اولاد' نوکروں' دوستوں اور رشتہ داروں سے کی جاتی ہے یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی اپنے بچوں اور اپنے خدام سے فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ کو دیکھنا

اللہ تعالیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو بزرگی دی اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ان کو اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا' اور ان کو بڑے بڑے معجزے عطا فرمائے' اور ان کو فرعون اور اس کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا لیکن انہوں نے تکبر کیا اور آپ پر ایمان نہیں لائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے اور اپنی بیوی کو ساتھ لے گئے۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ ان کا نام صفورا تھا' اس سفر میں آپ راستہ بھول گئے اور رات آ گئی' یہ سردیوں کا موسم تھا' آپ کو دور سے آگ کا شعلہ نظر آیا۔ آپ نے اپنے اہل سے فرمایا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں نے آگ کا شعلہ دیکھا ہے' قرآن مجید میں انست کا لفظ ہے 'انست' کا لفظ انس سے بنا ہے جس کا معنی ظہور ہے' انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر ہوتا ہے اور جنات اس کے مقابلہ میں مخفی اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں' جس طرح انس کا معنی ظہور ہے اسی طرح جن کا معنی مخفی ہونا ہے۔ انسان ظاہر ہے

نور دکھائی دیتا ہے اور جن مخفی ہے اور دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت موسیٰ کو آگ کا ایک شعلہ سا دکھائی دیا۔ انہوں نے کہا میں اس روشنی کے پاس جاتا ہوں' ممکن ہے اس روشنی سے راستہ کی سمت معلوم ہو جائے یا میں وہاں سے آگ کا کوئی سلگتا ہوا انگارہ لے آؤں جس سے تم لوگ سردی کی اس یخ بستہ رات میں حرارت حاصل کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں جو آگ دیکھی وہ اصل میں کیا چیز تھی

النمل: ۸ میں فرمایا: ان کو ندا کی گئی جو آگ (کی تجلی) میں ہے اور اس کے پاس ہے وہ برکت والا ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ انہوں نے فرمایا رب العٰلمین کا نور درخت میں تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۴۲۵)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کے علاوہ اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں وہ کہتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ جو آگ میں ہے اس سے مراد اللہ کا نور ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اس سے مراد فرشتے ہیں' یہ قتادہ اور زجاج کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کلام سے ندا کی جس کو انہوں نے اس مبارک سرزمین میں ایک درخت سے سنا۔ پس وہ درخت اللہ تعالیٰ کے کلام کا محل تھا اور اللہ تعالیٰ کلام کرنے والا تھا بایں طور کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا فعل تھا نہ کہ درخت کا' اور یہ درخت آگ میں تھا اور اس کے آس پاس فرشتے تھے اس لیے فرمایا اس کو برکت دی گئی جو آگ میں تھا اور جو اس کے آس پاس تھے۔ یہ جبائی کا قول ہے' چوتھا قول یہ ہے کہ جو آگ میں ہے اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ آگ کے قریب تھے' اور جو اس کے پاس ہے اس سے مراد فرشتے ہیں' اور یہ قول زیادہ قریب ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کے قریب ہو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس میں ہے' پانچواں قول صاحب کشاف کا ہے کہ جس کو برکت دی گئی ہے یہ وہ مبارک سرزمین ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (القصص: ۳۰)

پس جب موسیٰ وہاں پہنچے تو اس برکت والی زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت سے ان کو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں اللہ رب العٰلمین ہوں۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس' حسن بصری اور محمد بن کعب نے کہا وہ آگ اللہ عزوجل کا نور ہے' اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک عظیم نور کو دیکھا اور اس کو آگ گمان کیا' اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اپنی آیات اور اپنے کلام کو آگ سے ظاہر فرمایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت اور کسی سمت میں تھا جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ط (الزخرف: ۸۴)

وہ ذات جو آسمان میں عبادت کا مستحق ہے اور زمین میں عبادت کا مستحق ہے۔

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کے لیے ظرف اور محل ہیں' اسی طرح اس آگ میں اللہ تعالیٰ کے ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ آگ اللہ تعالیٰ کے لیے ظرف اور محل ہے' لیکن ہر فعل میں اللہ تعالیٰ کا ظہور ہوتا ہے جس سے فاعل کا علم ہوتا ہے' اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ جس کو آگ میں برکت دی گئی وہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کی قدرت ہے۔

دلالت کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کو جہت' جانب اور جگہ میں ہونے سے منزہ مانتے ہیں اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ کے کلام کو بھی جہت اور جگہ سے پاک مانتے ہیں اور حضرت موسیٰ کو یہ کلام درخت کی کسی جانب سے نہیں بلکہ درخت کی ہر جانب سے سنائی دے رہا تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت موسیٰ نے بغیر حروف اور آواز کے اور بغیر کسی سمت کے یہ کلام کیسے سن لیا؟ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ جس طرح بغیر کسی رنگ کے اور بغیر کسی جہت میں ہونے کے اللہ تعالیٰ کی ذات دکھائی دے سکتی ہے اسی طرح بغیر کسی آواز کے اور بغیر کسی جہت میں ہونے کے اللہ تعالیٰ کا کلام سنائی دے سکتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ بغیر کسی جسم کے یا جوہر اور عرض کے اللہ تعالیٰ کی ذات کس طرح متحقق ہے' اور بغیر کسب اور حصول کے اس کا علم کس طرح متحقق ہے' اور بغیر صلابت کے اس کی قدرت کس طرح ہے اور کسی چیز کے شوق اور آرزو کے بغیر اس کا ارادہ کیسے ہے' اور بغیر آواز' الفاظ اور حروف کے وہ کلام کیسے کرتا ہے' اور کسی چیز کے مقابل ہوئے بغیر وہ دیکھتا کیسے ہے۔ زمان اور مکان اور وقت اور جگہ کے بغیر وہ کیوں کر ہے۔

اور اگر یہ سوال ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام کیسے سن لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے ہر طرف اور ہر جہت سے یہ کلام سنا ان کو یہ آواز اوپر' نیچے' دائیں' بائیں' آگے اور پیچھے ہر جانب سے آ رہی تھی اور ان کا ہر عضو یہ کلام سن رہا تھا۔ ان کا پورا جسم مجسم سماعت ہو گیا تھا اور آخرت میں بھی مومنوں کی یہی صفت ہو گی اور کاملین اور واصلین کے لیے دنیا بھی آخرت کے حکم میں ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ نے درخت سے آواز سن کر کیسے یقین کر لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس باب میں امام رازی کی تحقیق

فرمایا: سنو! بات یہی ہے کہ میں ہی اللہ ہوں' بہت غالب' بڑی حکمت والا (النمل: ۹)

یہ اس کی تمہید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کے ہاتھ پر ایک عظیم معجزہ ظاہر کرنے والا ہے اور وہ ایسی چیزوں کو ظہور میں لانے پر قادر ہے جو انسان کی فکر اور اس کے وہم سے بھی بہت دور ہوتی ہیں' جیسے لاٹھی کا اژدھا بن جانا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب حضرت موسیٰ کو یہ آواز آئی کہ میں ہی اللہ ہوں تو انہوں نے کیسے یہ یقین کر لیا کہ یہ اللہ کا ارشاد ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ یہ ابلیس یا کسی جن نے یہ آواز دی ہو! اس کے جواب میں امام رازی لکھتے ہیں: اہل سنت کے نزدیک اس سوال کے دو جواب ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کلام سنا جو آواز اور حروف کی مشابہت سے منزہ اور پاک تھا' تو انہوں نے بداہۃً جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۲) ائمہ ماوراء النہر (دریائے آمو کے پار' وسطی ایشیا کی ریاستوں' مثلاً بلخ' بخارا' تاشقند' سمرقند' تاجکستان' ازبکستان' قازقستان اور ترکمانستان کے اکابر علماء) کا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے آواز سنی تو انہوں نے حسب ذیل وجوہ سے یہ جان لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

(۱) جب انہوں نے دیکھا کہ ایک درخت سے اور آگ سے آواز آ رہی ہے تو انہوں نے جان لیا کہ اس پر اللہ کے سوا اور کوئی قادر نہیں ہو سکتا تو یہ ضرور اللہ کا کلام ہے' لیکن یہ وجہ ضعیف ہے کیونکہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ شیطان آگ میں

درخت میں داخل ہو گیا تھا اور اس نے حضرت موسیٰ کو آواز دی تھی۔
(ب) وہ آواز اس قدر عظیم تھی کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ معجزہ ہے اور یہ ضرور اللہ کا کلام ہے۔ یہ وجہ بھی ضعیف ہے کیونکہ ہمیں فرشتوں اور جنات اور شیاطین کی آوازوں کا اندازہ اور علم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی کی آواز اس قدر عظیم ہو آخر حضرت جبریل کی ایک چیخ سے بستیاں الٹ جاتی تھیں۔
(ج) اس ندا کے ساتھ کوئی معجزہ بھی تھا جس سے حضرت موسیٰ کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے' اور ایک ہرے بھرے اور سرسبز درخت میں سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے نکل رہے تھے اس کے باوجود وہ درخت جوں کا توں اور صحیح وسالم تھا' اور ذرا بھی نہیں جلا اور یہ بھی معجزہ تھا اور اس یقین کے لیے کافی تھا' کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی کیسے جان لیتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے' اس باب میں مصنف کی تحقیق

ہمارے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی قوت ادراک عطا کی ہے جس کی وجہ سے ہم پہچان لیتے ہیں کہ یہ انسان کی آواز ہے یہ کسی چرندے کی آواز ہے' یہ کسی درندہ کی آواز ہے اور یہ کسی پرندہ کی آواز ہے' پھر انسانوں کی آواز میں بھی ہم جان لیتے ہیں یہ فلاں انسان کی آواز ہے اور یہ فلاں انسان کی آواز ہے۔ اسی طرح چرندوں میں بھی ہم کو معلوم ہوتا ہے یہ گائے کی آواز ہے' یہ بکرے کی آواز ہے' اسی طرح درندوں اور پرندوں میں بھی ہم کو ان کا باہمی امتیاز معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو صرف عالم شہادت اور ظاہر کی آوازوں کے ادراک کی قوت دی ہے اور انبیاء علیہم السلام کو اس سے زائد عالم غیب اور باطن کے ادراک کی قوت عطا کی ہے وہ فرشتوں کے کلام کو سنتے ہیں۔ جنات کے کلام کو سنتے ہیں' شیاطین کے کلام کو سنتے ہیں اور ان کے کلام کے باہمی فرق کو پہچانتے ہیں اس لیے جب ان کے پاس پہلی بار فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو ان کو اس میں بالکل تردد نہیں ہوتا کہ یہ فرشتہ کا کلام ہے جس طرح ہمیں کسی انسان کا کلام سن کر اس کے انسان کے کلام ہونے میں بالکل شک نہیں ہوتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔

اسی سے ملتی جلتی بات سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے بھی کہی ہے۔

سورۂ قصص میں ہے کہ ندا ایک درخت سے آرہی تھی فی البقعة المبارکة من الشجرة اس سے جو صورت معاملہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ وادی کے کنارے ایک خطے میں آگ سی لگی ہوئی تھی' مگر نہ کچھ جل رہا تھا نہ کوئی دھواں اٹھ رہا تھا اور اس آگ کے اندر ایک ہرا بھرا درخت کھڑا تھا جس پر سے یکا یک یہ ندا آنی شروع ہوئی۔

یہ ایک عجیب معاملہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پیش آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی مرتبہ نبوت سے سرفراز کیے گئے تو غار حرا کی تنہائی میں یکا یک ایک فرشتہ آیا اور اس نے اللہ کا پیغام پہنچانا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰ کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی کہ ایک شخص سفر کرتا ہوا ایک جگہ ٹھہرا ہے' دور سے آگ دیکھ کر راستہ پوچھنے یا انگارا چننے کی غرض سے آتا ہے اور یکلخت اللہ رب العالمین کی ہر قیاس و گمان سے بالا ذات اس سے مخاطب ہو جاتی ہے۔ ان مواقع پر درحقیقت ایک ایسی غیر معمولی کیفیت خارج میں بھی اور انبیاء علیہم السلام کے نفس میں بھی موجود ہوتی ہے جس کی بنا پر انہیں اس امر کا یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ کسی جن یا شیطان یا خود ان کے اپنے ذہن کا کوئی کرشمہ نہیں ہے' نہ ان کے حواس کوئی دھوکا کھا رہے ہیں' بلکہ فی الواقع یہ خداوند عالم یا اس کا فرشتہ ہی ہے جو ان سے ہمکلام ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۵۵۸' مطبوعہ ترجمان القرآن' لاہور ۱۹۸۳ء)

اس عبارت میں سید مودودی نے یہ تصریح کر دی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس میں ایک ایسی غیر معمولی قوت ہے جس سے انہیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ فی الواقع یہ خداوند عالم یا اس کا فرشتہ ہی ہے جوان سے ہم کلام ہے' اور اسی چیز کو سلف اور ہم یوں تعبیر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عقل اور نطق کے علاوہ ایک اور قوت مدرکہ عطا فرماتا ہے جس سے وہ غیب ادراک کر لیتے ہیں۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

ووراء العقل طور اخر تنفتح فيه عين اخرى يبصر بها الغيب وما سيكون في الغيب واموراً اخر العقل معزول عنها كعزل قوة التمييز عن ادراك المعقولات وكعزل قوة الحس عن مدركات التمييز وكما ان المميز لو عرضت عليه مدركات العقل لا باها واستبعدها فكذلك بعض العقلاء ابوا مدركات النبوة واستبعدوها' وذلك عين الجهل۔

اور عقل کے ماوراء ایک اور عالم ہے جس میں ادراک کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے جس سے انسان غیب کا ادراک کرتا ہے اور مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ اور بہت سے امور کو جان لیتا ہے' جن تک عقل کی رسائی نہیں ہے۔ جیسے قوت تمیز' معقولات کا ادراک نہیں کر سکتی اور جس طرح حواس قوت تمیز کے مدرکات نہیں پا سکتے۔ (اسی طرح عقل' قوت ادراک غیب کے مدرکات کو نہیں پا سکتی) اور جس طرح صاحب تمیز کے سامنے عقل کے مدرکات پیش کیے جائیں تو وہ ان کو بعید سمجھ کر ان کا انکار کرتا ہے اسی طرح بعض عقل والوں کے سامنے نبوت کے مدرکات پیش کیے گئے تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا اور یہ خالص جہالت ہے۔

امام غزالی نے اس عبارت میں یہ واضح کر دیا ہے کہ جس طرح حواس کے بعد تمیز کا مرتبہ ہے اور تمیز کے بعد عقل کا مرتبہ ہے' اسی طرح عقل کے بعد نبوت کا مرتبہ ہے اور جس طرح قوت عقلیہ سے معقولات کا ادراک ہوتا ہے اسی طرح نبوت کی قوت سے مغیبات کا ادراک ہوتا ہے اور جس طرح عام حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے حواس کی قوت عطا کی ہے اور انسان کو اس سے ایک زائد قوت عطا کی ہے اور وہ عقل اور تمیز ہے اسی طرح نبی کو اللہ تعالیٰ نے ان قوتوں سے زائد ایک قوت عطا کی ہے جس قوت سے وہ غیب کا ادراک کرتا ہے اور جس طرح انسان عالم محسوسات میں ظاہری چیزوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے' حیوانات اور انسانوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے اسی طرح نبی غیب کی مخفی چیزوں کو دیکھتا ہے فرشتوں اور جنات کو دیکھتا ہے ان کی آوازیں سنتا ہے اور ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی اپنی حقیقت میں عام بشر اور انسان سے ممتاز ہوتا ہے اور جس طرح انسان عام حیوانوں سے خاص ہے نبی عام انسانوں سے خاص ہوتا ہے۔

(المنقذ من الضلال ص ۵۴' مطبوعہ ھیئۃ الاوقاف لاہور' ۱۹۷۱ء)

نبی کو ابتداء نبوت میں اپنے نبی ہونے کا علم ہوتا ہے یا نہیں' اس باب میں سید مودودی کا نظریہ اور اس پر مصنف کا تبصرہ

تفہیم القرآن میں سید مودودی نے یہ تصریح کی ہے کہ جب نبی کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو اس کو اس کے فرشتہ ہونے اور وحی کے کلام الٰہی ہونے کا یقین ہوتا ہے اور اس پر شرح صدر ہوتا ہے لیکن ان کی آخری کتاب سیرت سرور عالم ہے اور اس میں انہوں نے اس کے خلاف لکھا ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب غار حرا کی تنہائی میں فرشتہ آیا اور آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اور نزول وحی کی اس روایت

تجزیہ کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

نزول وحی کی کیفیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک اس صورت حال سے سابقہ پیش آیا تھا۔ آپ کو اس سے پہلے کبھی یہ گمان بھی نہ گزرا تھا کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں۔ نہ اس کی کوئی خواہش آپ کے دل کے کسی گوشے میں موجود تھی۔ نہ اس کے لیے کوئی تیاری آپ پہلے سے کر رہے تھے اور نہ اس کے متوقع تھے کہ ایک فرشتہ اوپر سے پیغام لے کر آئے گا۔ آپ خلوت میں بیٹھ بیٹھ کر مراقبہ اور عبادت ضرور فرماتے تھے لیکن نبی بنائے جانے کا کوئی تصور آپ کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔ اس حالت میں جب یکا یک غار حرا کی اس تنہائی میں فرشتہ آیا تو آپ کے اوپر اس پہلے عظیم اور غیر معمولی تجربے سے وہی گھبراہٹ طاری ہوئی جو لامحالہ ایسے حالات میں ایک بشر پر طاری ہونی چاہیے قطع نظر اس سے کہ وہ کیسا ہی عظیم الشان بشر ہو۔ یہ گھبراہٹ بسیط نہیں بلکہ مرکب نوعیت کی تھی۔ طرح طرح کے سوالات حضور کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے جنہوں نے طبع مبارک کو سخت خلجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ کیا واقعی میں نبی ہی بنایا گیا ہوں؟ کہیں مجھے کسی سخت آزمائش میں تو نہیں ڈال دیا گیا۔ یہ بار عظیم آخر میں کیسے اٹھاؤں گا؟

اس عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے سید مودودی نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

بے نظیر شخصیت کے مالک ہونے پر بھی وہ ذات عجب وخود پسندی سے اس درجہ خالی تھی کہ جب آپ نبوت کے منصب عظیم پر یکا یک مامور کر دیئے گئے اس وقت بھی کافی دیر تک آپ کو یہ اطمینان نہ ہوتا تھا کہ دنیا کے کروڑوں انسانوں میں سے تنہا ایک میں ہی اس قابل ہوں کہ اس منصب کے لیے رب کائنات کی نگاہ انتخاب میرے اوپر پڑے۔

اور اپنی عبارت کا تسلسل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ بار عظیم آخر میں کیسے اٹھاؤں گا؟ لوگوں سے کیسے کہوں کہ میں تمہاری طرف نبی مقرر ہوا ہوں؟ لوگ میری بات کیسے مان لیں گے؟ آج تک جس معاشرے میں عزت کے ساتھ رہا ہوں۔ اب اسی معاشرے کے لوگ میرا انداق اڑائیں گے اور مجھے دیوانہ کہیں گے اس جاہلیت کے ماحول سے آخر میں کیسے لڑسکوں گا؟ غرض اس طرح کے نہ معلوم کتنے سوالات ہوں گے جو آپ کو پریشان کر رہے ہوں گے۔

اسی وجہ سے جب آپ گھر پہنچے تو کانپ رہے تھے۔ جاتے ہی فرمایا کہ ''مجھے اڑھا دو' مجھے اڑھا دو'' گھر والوں نے آپ کو اڑھا دیا۔ کچھ دیر کے بعد جب ذرا دل ٹھہرا تو سیدہ خدیجہ کو سارا واقعہ سنایا اور فرمایا:

لقد خشیت علی نفسی ''مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔''

(سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۱۳۶' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور' ۱۹۸۹ء)

اس عبارت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے وحی لانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا معاملہ یا مبعوث ہونے کا علم تو الگ رہا' سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں کے نازل ہونے کے بعد بھی حضور کو جبریل کا علم ہوا نہ وحی اور قرآن کا نہ اپنے نبی اور صاحب کتاب ہونے کا!

سوال یہ ہے کہ جب حضور کی نبوت کی پہلی بنیاد ہی شک پر رکھی گئی تو بعد میں جا کر کون سی ایسی نئی چیز سامنے آئی تھی جس کے سبب سے یہ شک یقین سے بدل گیا جو جبریل پہلی بار وحی لے کر آیا وہی جبریل اخیر وقت تک وحی لاتا رہا جس قسم کے کلام کو اس نے پہلی بار پیش کیا اسی قسم کا کلام اخیر وقت تک پیش کرتا رہا' کوئی نئی چیز اس دوران رونما نہیں ہوئی۔ وہی حضور تھے' وہی جبریل اور وہی قرآن! پھر کیا سبب ہے کہ پہلی پانچ آیتوں کا قرآن ہونا حضور کے نزدیک مشکوک ہو اور باقی آیتوں کا قرآن

روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹ المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲...)

شیخ اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی نشر الطیب کی ابتداء میں یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے وصف نبوت بلکہ ختم نبوت کا مرتبہ حاصل ہو چکا تھا' البتہ نبوت کا ظہور حضور کی جسمانی پیدائش کے چالیس سال بعد ہوا ہے۔

شیخ تھانوی لکھتے ہیں:

اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس وقت (عالم ارواح میں۔ سعیدی غفرلہ) ختم نبوت کے ثبوت کے بلکہ خود نبوت ہی کے ثبوت کے کیا معنی کیونکہ نبوت آپ کو چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی اور چونکہ آپ سب انبیاء کے بعد میں مبعوث ہوئے' اس لیے ختم نبوت کا حکم کیا گیا' سو یہ وصف تو خود تاخر کو مقتضی ہے' جواب یہ ہے کہ یہ تاخر مرتبہ ظہور میں ہے' مرتبہ ثبوت میں نہیں جیسے کسی کو تحصیل داری کا عہدہ آج مل جائے اور تنخواہ بھی آج ہی سے چڑھنے لگے مگر ظہور ہو گا کسی تحصیل میں بھیجے جانے کے بعد۔ ۱۲

(نشر الطیب ص ۷)

اس بحث کے اخیر میں ہم بڑے رنج اور کرب کے ساتھ ابتدائے وحی کی حدیث کی تشریح میں نبوت کے بارے سید مودودی کی یہ عبارت پیش کر رہے ہیں:

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے نبی بننے کی فکر میں ہوتے' اپنے متعلق یہ سوچ رہے ہوتے کہ مجھ جیسے آدمی کو نبی ہونا چاہیے' اور اس انتظار میں مراقبے کر کر کے اپنے ذہن پر زور ڈال رہے ہوتے کہ کب کوئی فرشتہ آتا ہے اور میرے پاس پیغام لاتا ہے' تو غار حرا والا معاملہ پیش آتے ہی آپ خوشی سے اچھل پڑتے اور بڑے دم دعوے کے ساتھ پہاڑ سے اتر کر سیدھے اپنی قوم کے سامنے پہنچتے اور اپنی نبوت کا اعلان کر دیتے لیکن اس کے برعکس یہاں حالت یہ ہے کہ جو کچھ دیکھا تھا اس پر ششدر رہ جاتے ہیں' کانپتے اور لرزتے ہوئے گھر پہنچتے ہیں' لحاف اوڑھ کر لیٹ جاتے ہیں' ذرا دل ٹھہرتا ہے تو بیوی کو چپکے سے بتاتے ہیں کہ آج غار حرا کی تنہائی میں مجھ پر یہ حادثہ گزرا ہے' معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے' مجھے اپنی جان کی خیر نظر نہیں آتی۔ یہ کیفیت نبوت کے کسی امیدوار کی کیفیت سے کس قدر مختلف ہے؟

پھر بیوی سے بڑھ کر شوہر کی زندگی' اس کے حالات اور اس کے خیالات کو کون جان سکتا ہے؟ اگر ان کے تجربے میں پہلے سے یہ بات آتی ہوئی ہوتی کہ میاں نبوت کے امیدوار ہیں اور ہر وقت فرشتے کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں تو ان کا جواب ہرگز وہ نہ ہوتا جو حضرت خدیجہ نے دیا۔ وہ کہتیں کہ میاں گھبراتے کیوں ہو' جس چیز کی مدتوں سے تمنا تھی وہ مل گئی' چلو اب پیری کی دکان چمکاؤ' میں بھی نذرانے سنبھالنے کی تیاری کرتی ہوں۔ (سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۱۳۷' ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

نبی بنائے جانے کا پہلے علم ہو یا نہ ہو' اس عبارت کے مطابق سید ابو الاعلیٰ کے نزدیک نبوت تو بہرحال پیری کی دکان چمکانے اور نذرانے سنبھالنے سے عبارت ہے۔ العیاذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنا عصا ڈال دیجیے۔ پھر جب انہوں نے اس کو اس طرح لہراتا ہوا دیکھا گویا کہ وہ سانپ ہے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا' (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے موسیٰ! ڈریے مت' بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے O

(النمل: ۱۰)

جان اور ثعبان کے معانی اوران میں تطبیق

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور جس کا سہارا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنا عصا (زمین پر) ڈال دیجیے! اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ندا سنتا ہے اور اس کے جمال کے انوار کا مشاہدہ کرتا ہے' اسے ہر اس چیز کو پھینک دینا چاہیے جس کا وہ اللہ کے سوا سہارا لیتا ہو اور اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کے فضل و کرم کے سوا اور کسی چیز کا سہارا نہ لے۔

اس آیت میں جان کا لفظ فرمایا ہے جس کا معنی سانپ ہے' اور ایک اور سورۃ میں ثعبان فرمایا ہے جس کا معنی اژدھا ہے:

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ○ (الاعراف: ۱۰۷' الشعراء: ۳۲) سو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا پس اچانک وہ صاف صاف اژدھا تھا۔

ایک اور جگہ فرمایا ہے:

فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ○ (طٰہٰ: ۲۰) سو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو یکا یک وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔

حیۃ اور جان کے معنی سانپ ہیں وہ چونکہ تیزی سے حرکت کرتا ہوا پھر رہا تھا اس لیے اس کو حیہ اور جان فرمایا اور الاعراف اور الشعراء میں اس کو ثعبان فرمایا کیونکہ جسامت میں وہ اژدھے کے برابر تھا' دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ عصا ظاہری طور پر اس وادی میں سانپ کی صورت بن گیا اور فرعون کے دربار میں اس کو خوف زدہ کرنے کے لیے اژدھے کی صورت بن گیا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ کے سوا کسی چیز پر تکیہ اور اعتماد کرتا ہے' وہ تکیہ اور سہارا درحقیقت اس کے حق میں سانپ اور اژدھا ہوتا ہے۔

رسولوں کے ڈرنے یا نہ ڈرنے کی تحقیق

پھر جب حضرت موسیٰ نے اس عصا کو اس طرح لہراتے ہوئے دیکھا گویا وہ سانپ ہے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) اے موسیٰ! ڈریے مت' بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے۔

اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ آپ میرے غیر سے مت ڈریے اور دوسرا یہ ہے کہ آپ مطلقاً مت ڈریے۔

پھر فرمایا: بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے۔

بہ ظاہر اس کا معنی یہ ہے کہ رسول مطلقاً نہیں ڈرتے لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ جب ان پر وحی کی جائے اور اللہ تعالیٰ ان سے خطاب فرما رہا ہو اس وقت وہ نہیں ڈرتے' کیونکہ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مطالعہ میں منہمک اور مستغرق ہوتے ہیں۔ اس لیے اس وقت وہ کسی سے نہیں ڈرتے' اور باقی اوقات میں وہ اللہ سبحانہ سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آخرت میں انجام بہ خیر ہوگا اس لیے وہ سوء عاقبت (برے انجام) سے نہیں ڈرتے۔

انبیاء علیہم السلام کا اللہ سے ڈرنا

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی ظاہر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی آخرت کے خوف سے دنیا میں ڈرتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (الاعراف: ۹۹) کیا پس وہ اللہ کی گرفت اور عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ اللہ کی گرفت اور عذاب سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں

جو نقصان اٹھانے والے ہوں۔

اور ایک اور آیت میں ہے:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ (فاطر: ۲۸) اللہ کے بندوں میں سے صرف وہی اللہ سے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

اور اللہ کی ذات اور صفات اور احکام شرعیہ کے سب سے زیادہ علم والے انبیاء علیہم السلام ہیں تو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے بھی انبیاء علیہم السلام ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے نمازیوں کی تعریف اور تحسین کرتے ہوئے ان کے اوصاف بیان فرمائے:

وَالَّذِیۡنَ یُصَدِّقُوۡنَ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ۞ وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّہِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ۞ اِنَّ عَذَابَ رَبِّہِمۡ غَیۡرُ مَاۡمُوۡنٍ ۞ (المعارج: ۲۸-۲۶) اور وہ حساب کے دن پر یقین رکھتے ہیں ۞ اور وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں ۞ بے شک ان کے رب کا عذاب' بے خوف ہونے کی چیز نہیں ہے ۞

اور ان اوصاف کے ساتھ کامل متصف انبیاء علیہم السلام ہیں لہٰذا وہ سب سے زیادہ اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔

اسی طرح بعض احادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ سے ڈرنا

شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: اے ام المومنین! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ اکثر اوقات میں کیا دعا فرماتے تھے' حضرت ام المومنین نے فرمایا' آپ اکثر اوقات یہ دعا کیا کرتے تھے:

یا مقلب القلوب! ثبت قلبی علی دینک اے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

پھر آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! ہر آدمی کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہے' پس وہ جس کے دل کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور جس کے دل کو چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے پھر راوی نے اس آیت کی تلاوت کی۔

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ہَدَیۡتَنَا (آل عمران: ۸) اے ہمارے رب! تو ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۹' ج ۱۱ ص ۳۷' مسند احمد ج ۶ ص ۳۱۵'۳۰۱' ۲۹۴' السنۃ لابن ابی العاصم رقم الحدیث: ۲۳۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۱۹' ۶۹۸۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۷۴' ۷۷۵)

آپ کا دنیا میں کثرت سے یہ دعا کرنا اللہ تعالیٰ کے خوف کی بنا پر تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں کو کسی چیز کا حکم دیتے تو ایسی چیز کا حکم دیتے جس کو وہ (ہمیشہ) کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک ہم آپ کی مثل نہیں ہیں' بے شک اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں کی مغفرت فرما دی ہے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے غضب کے آثار معلوم ہوئے' پھر آپ نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب

زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کوئی مسئلہ معلوم کر رہا تھا اور میں بھی دروازے کی جھری کے پاس کھڑی ہو کر سن رہی تھی اس نے کہا: یارسول اللہ فجر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے اور میں جنبی ہوتا ہوں' کیا میں اس حالت میں روزہ رکھ سکتا ہوں؟ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر بھی نماز کا وقت آ پہنچتا ہے اور میں حالت جنابت میں ہوتا ہوں اور میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔ اس شخص نے کہا آپ ہماری مثل تو نہیں ہیں؟ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر سب خلاف اولیٰ کام معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم: میں یہ امید رکھتا ہوں کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور میں تم سب سے زیادہ ان کاموں کو جانتا ہوں جن سے بچنا چاہیے۔

(صحیح مسلم الصوم: ۷۹، رقم الحدیث بلاتکرار: ۱۱۱، الرقم المسلسل: ۲۵۵۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۸۹)

ان احادیث میں یہ واضح تصریح ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے' اور آپ تمام نبیوں سے افضل اور مکرم ہیں اور جب آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے تو باقی انبیاء علیہم السلام تو بہ طریق اولیٰ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے۔

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں۔

امام اشعری کے نزدیک انبیاء علیہم السلام آخرت کے برے انجام سے نہیں ڈرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آخرت کے عذاب سے مامون ہونے کی خبر دے دی ہے اگر وہ پھر بھی آخرت کے برے انجام سے خائف ہوں تو لازم آئے گا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین نہیں ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۲۲۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام اشعری کا یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ہم احادیث صریحہ صحیحہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے ڈرتے تھے' نیز خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے اور جنت کی بشارت اس کو مستلزم ہے کہ وہ آخرت کے برے انجام اور دوزخ کے عذاب سے مامون ہوں پھر بھی یہ صحابہ کرام اللہ سے ڈرتے رہتے تھے اور آخرت کے عذاب سے فکر مند رہتے تھے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو آپ کے لیے کما کر لاتا تھا۔ ایک رات وہ آپ کے لیے طعام لے کر آیا' آپ نے اس میں سے کچھ کھا لیا۔ غلام نے کہا کیا وجہ ہے کہ آپ ہر رات مجھ سے سوال کرتے تھے کہ یہ کہاں سے لائے ہو' آج آپ نے سوال نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: میں بھوک کی شدت کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا تم یہ کہاں سے لائے ہو؟ اس نے کہا میں زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا اور میں نے منتر پڑھ کر ان کا علاج کیا تھا' انہوں نے مجھ سے معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا' آج جب میرا وہاں سے گزر ہوا تو وہاں شادی تھی تو انہوں نے اس میں سے مجھے یہ طعام دیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: افسوس! تم نے مجھے ہلاک کر دیا۔ پھر حضرت ابوبکر اپنے حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے لگے' اور چونکہ خالی پیٹ میں وہ لقمہ کھایا گیا تھا' وہ نکل نہیں رہا تھا' ان سے کہا گیا کہ بغیر پانی پئے یہ لقمہ نہیں نکلے گا' پھر پانی کا پیالہ منگایا گیا' حضرت ابوبکر پانی پیتے رہے اور اس لقمہ کو نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان سے کہا گیا کہ اللہ آپ پر رحم کرے' آپ نے اس ایک لقمہ کی وجہ سے اتنی مشقت اٹھائی۔ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جسم کا جو حصہ مال حرام سے بنا ہے وہ دوزخ کا زیادہ مستحق ہے' پس مجھے یہ خوف

ہوا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ اس لقمہ سے بن جائے گا۔

(صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۱۱ ' مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۶۵ ' بیروت ' ۱۴۱۸ھ اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۲۶ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۹۶ ' کنز العمال رقم الحدیث: ۹۲۵۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! اگر میں چاہوں تو سب سے زیادہ ملائم لباس پہنوں اور سب سے لذیذ کھانا کھاؤں اور سب سے اچھی زندگی گزاروں لیکن میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ان کے کاموں پر ملامت کی اور فرمایا:

اذھبتم طیبتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا　　تم اپنی عمدہ لذیذ چیزیں اپنی دینوی زندگی میں لے چکے اور تم نے ان سے (خوب) فائدہ اٹھالیا۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۱۷ طبع جدید)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو تین صفوں تک ان کے رونے کی آواز پہنچتی تھی۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۳۴ طبع جدید)

داؤد بن علی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا: اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی ضائع ہو گئی تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے متعلق سوال کرے گا۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۴۱ صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۲۸)

یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آسمان سے ایک منادی یہ ندا کرے کہ: اے لوگو! تم سب کے سب جنت میں داخل ہو جاؤ ' سوا ایک شخص کے ' تو مجھے ڈر ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا اور اگر منادی یہ ندا کرے کہ: اے لوگو! تم سب کے سب دوزخ میں داخل ہو جاؤ سوا ایک شخص کے تو مجھے امید ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا۔ (حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر تا حیات لگا تار روزے رکھتے رہے۔

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر آدھی رات کے وقت نماز پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔

(صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۲۹)

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبداللہ بن عمر! ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ عمر بن الخطاب آپ کو سلام عرض کرتا ہے ' اور ان سے یہ سوال کرو کہ میں اپنے صاحبوں (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر) کے ساتھ دفن کر دیا جاؤں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: میں اپنے لیے اس جگہ دفن ہونے کا ارادہ رکھتی تھی ' لیکن آج میں عمر کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ جب حضرت ابن عمر واپس آئے تو حضرت عمر نے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا اے امیر المومنین! انہوں نے آپ کو اجازت دے دی۔ حضرت عمر نے کہا میرے نزدیک اس جگہ مدفون ہونے سے زیادہ اور کوئی اہم چیز نہیں تھی ' جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے جنازہ کو ام المومنین کے پاس لے جانا ' ان کو سلام عرض کرنا پھر کہنا عمر بن الخطاب آپ سے اجازت طلب کرتا ہے ' اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے دفن کر دینا ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ پھر فرمایا میرے نزدیک اس خلافت کا ان مسلمانوں سے زیادہ کوئی اور مستحق نہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت راضی تھے۔ پس میرے بعد جس کو بھی خلیفہ بنا دیا جائے تم سب اس کے احکام کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا ' پھر حضرت عمر نے یہ نام لیے: حضرت عثمان ' حضرت علی ' حضرت طلحہ ' حضرت زبیر ' حضرت

عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ اس وقت انصار کا ایک نوجوان آیا اور کہا اے امیر المومنین! آپ کو اللہ کی طرف سے خوشخبری ہو آپ کو معلوم ہے کہ آپ اسلام لانے میں مقدم ہیں' پھر آپ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے عدل کیا' پھر ان تمام (خوبیوں) کے بعد آپ کو شہادت ملی۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! کاش کہ یہ سب برابر سرابر ہو جائے' مجھے عذاب ہو نہ ثواب ہو الحدیث۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث:۱۳۹۲)

حضرت عبداللہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب کو دیکھا' انہوں نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: کاش! میں یہ تنکا ہوتا' کاش میں پیدا نہ کیا جاتا' کاش میری ماں مجھے نہ جنتی' کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا'' کاش میں بھولا بسرا ہوتا۔ (صفوۃ الصفوۃ ج۱ص ۱۲۸)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا

شرحبیل بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لوگوں کو امیروں والا کھانا کھلاتے تھے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو سرکہ اور زیتون کے تیل سے روٹی کھاتے تھے۔ (کتاب الزہد لاحمد' ص ۱۶۰' صفوۃ الصفوۃ ج۱ص ۱۳۷)

حضرت عثمان کے آزاد شدہ غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر اس قدر روتے ہیں' تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قبر آخرت کی منازل میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ جو اس منزل سے نجات پا گیا' اس کے لیے اس کے بعد کی منازل زیادہ آسان ہیں اور اگر اس سے نجات نہیں ہوئی تو بعد کی منازل زیادہ دشوار ہیں۔

(کتاب الزہد لاحمد ص ۱۶۰' حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۸۶' سنن الترمذی' رقم الحدیث: ۲۳۰۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۲۶۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا

مجمع بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال کا سارا مال تقسیم کرنے کا حکم دیتے' پھر اس میں جھاڑو دے کر اس کو دھو ڈالتے پھر اس میں نماز پڑھتے اور یہ امید رکھتے کہ قیامت کے دن یہ بیت المال گواہی دے گا کہ انہوں نے بیت المال کے مال کو مسلمانوں سے روکا نہیں۔ (کتاب الزہد لاحمد ص ۱۶۳' صفوۃ الصفوۃ ج۱ص ۱۴۲)

حبہ بن جوین بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس فالودہ لایا گیا اور ان کے سامنے رکھا گیا تو حضرت علی نے فرمایا: تیری بہت اچھی خوشبو ہے اور بہت اچھا رنگ ہے اور بہت اچھا ذائقہ ہے لیکن مجھے یہ ناپسند ہے کہ مجھے تجھے کھانے کی عادت پڑ جائے۔ (کتاب الزہد لاحمد ص ۱۶۵)

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت علی کی شہادت کے بعد خطبہ دیا کہ تمہارے پاس سے ایک امین شخص چلا گیا' پہلوں میں اس جیسا کوئی امین تھا اور نہ بعد میں کوئی ان جیسا ہوگا' بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جہاد کے لیے بھیجتے تھے اور ان کو جھنڈا عطا فرماتے اور وہ ہمیشہ فتح و کامرانی کے ساتھ لوٹتے تھے۔ انہوں نے اپنے ترکہ میں کوئی سونا' چاندی نہیں چھوڑا سوا سات سو درہم کے جو انہوں نے مستحقین میں تقسیم کرنے کے لیے رکھے ہوئے تھے اور ان کے اہل کے لیے کوئی خادم نہیں تھا۔

(کتاب الزہد لاحمد ص ۱۶۶)

یزید بن محجن بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' آپ نے اپنی تلوار منگا کر اس کو میان سے نکالا پھر فرمایا: اس تلوار کو کون خریدے گا' بخدا! اگر میرے پاس لباس کو خریدنے کے لیے پیسے ہوتے تو میں اس کو نہ فروخت کرتا۔

(کتاب الزہد لاحمد ص ۱۶۴ حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۲۵۸ الریاض النضرۃ ج ۳ ص)

ہارون بن عنزہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علی بن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ایک چادر میں کپکپا رہے تھے۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! اللہ نے آپ کے لیے اور آپ کے اہل کے لیے بھی اس بیت المال میں حصہ رکھا ہے اور آپ نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہے! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہارے مال میں سے کچھ کم نہیں کرنا چاہتا میرے پاس صرف میری یہ چادر ہے جو میں مدینہ سے لایا تھا۔ (صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۴۳)

عصمت کی تحقیق

بعض علماء نے یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام اس لیے نہیں ڈرتے کہ وہ معصوم ہیں کیونکہ جب ان سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا تو پھر ان کو گناہوں پر عذاب سے ڈر بھی نہیں ہوگا۔ یہ دلیل اولاً اس لیے صحیح نہیں کہ فرشتے بھی معصوم ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید میں فرشتوں کے متعلق ہے:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۲۸)

اور فرشتے اس کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے اللہ راضی ہو اور وہ اس کے رعب اور جلال سے ڈرنے والے ہیں۔

ثانیاً یہ بات اس لیے بھی غلط ہے کہ کسی شخص کے معصوم ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا۔ عصمت کی تعریف یہ ہے:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ نہ پیدا کرے' اسی کے قریب یہ تعریف ہے: عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو نیک کاموں پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔ اس کے باوجود کہ بندہ کو اختیار ہوتا ہے' تاکہ بندہ کا مکلف ہونا صحیح رہے' اس لیے شیخ ابو منصور ماتریدی نے فرمایا عصمت مکلف ہونے کو زائل نہیں کرتی۔ ان تعریفوں سے ان لوگوں (شیعہ اور بعض معتزلہ) کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ عصمت نفس انسان یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے گناہوں کا صدور محال ہو جاتا ہے' کیونکہ اگر کسی انسان سے گناہ کا صدور محال ہو تو اس کو مکلف کرنا صحیح ہوگا نہ اس کو اجر و ثواب دینا صحیح ہوگا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۰۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے بھی عصمت کی اس تعریف سے اتفاق کیا ہے۔ (نبراس ص ۵۳۲' مطبوعہ لاہور' ۱۳۹۷ ھ)

علامہ شمس الدین خیالی متوفی ۸۷۰ ھ عصمت کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

هي ملكة اجتناب المعاصي مع التمكن فيها.

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کے ملکہ (مہارت) کو عصمت کہتے ہیں۔

(حاشیۃ الخیالی ص ۱۴۶' مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنو)

علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ ھ نے علامہ مناوی سے عصمت کی یہی تعریف نقل کی ہے اور علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ ھ نے بھی یہی تعریف لکھی ہے۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۹۹' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ ھ' التعریفات ص ۶۵' مطبوعہ مصر' ۱۳۰۶ ھ)

شیعہ اور معتزلہ نے عصمت کی یہ تعریف کی ہے' شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے لیے کوئی برا کام کرنا ممکن نہیں ہے' نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد' صغیرہ نہ کبیرہ۔

(التبیان ج ۱ ص ۱۹' دار احیاء التراث العربی بیروت)

لیکن شیعہ کی یہ تعریف اس لیے غلط ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ناممکن اور محال ہو تو پھر ان کو گناہوں کے ترک کرنے کا مکلف کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ مکلف اس چیز کا کیا جاتا ہے جس کا کرنا یا نہ کرنا بندہ کی قدرت اور اس کے اختیار میں ہو اس پر بعض لوگوں نے یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام صرف امر کے مکلف ہوتے ہیں نہی کے مکلف نہیں ہوتے' میں کہتا ہوں کہ جب آپ نے ان کو امر کا مکلف مان لیا تو یہ مان لیا کہ امر پر عمل کرنا یا نہ کرنا ان کے اختیار میں ہے اور جب یہ مان لیا تو آپ نے ان کی گناہوں پر قدرت مان لی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم پر عمل نہ کرنا گناہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور عقلاً ممتنع اور محال نہیں ہے ہاں شرعاً ممتنع ہے یعنی انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور عادۃً محال ہے کیونکہ نصوص قطعیہ سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ نہیں کرتے' صغیرہ نہ کبیرہ' اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت اور ان کی اتباع کو واجب قرار دیا ہے اگر وہ گناہ کرتے تو ان کی اطاعت اور اتباع واجب نہ ہوتی اس لیے شرعاً ان کا گناہ کرنا ممتنع ہے' اور عقلاً ان کا گناہ کرنا ممتنع نہیں ہے کیونکہ وہ مکلف ہیں۔ ان کے نیک کاموں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف اور تحسین فرمائی ہے اور ان سے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے اختیار سے نیک کام کیے ہوں اور اپنے اختیار سے برے کاموں کو ترک کیا ہو۔

رسولوں کے اللہ سے نہ ڈرنے کا محمل

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر کتاب وسنت سے اور عقل سلیم سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کی گرفت اور پکڑ سے بے خوف نہیں ہیں اور ہر چند کہ ان سے گناہوں کا صدور شرعاً ممتنع ہے لیکن عقلاً ان سے گناہوں کا صدور محال نہیں ہے' بلکہ ان سے گناہوں کا صدور ان ممکنات میں سے ہے جن ممکنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق صحیح ہے۔ سو انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ سب اللہ تعالیٰ سے خائف ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو فرمایا:

اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ○ (النمل: ۱۰) بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے دلوں میں یہ علم پیدا کر دیا ہے کہ جس عذاب سے وہ ڈرتے رہتے ہیں وہ عذاب ان کو کسی وقت بھی نہیں دیا جائے گا' ہر چند کہ وہ عذاب فی نفسہٖ ممکن بالذات ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو عذاب نہیں دے گا اور اس نے اپنے رسولوں سے نجات کا وعدہ فرما لیا ہے' اللہ کے رسول' اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے وعدہ کی وجہ سے عذاب سے نہیں ڈرتے اور اس عذاب کے ممکن بالذات ہونے کی بنا پر اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۴۷' ۲۴۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

جب رسولوں کو معجزہ ظاہر کرنے کا حکم دیا جائے اس وقت وہ کسی سے نہیں ڈرتے' اور جہاں تک اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا تعلق ہے تو وہ اللہ عزوجل سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو منصور ماتریدی نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ماسوا سے مامون اور محفوظ رکھتا ہے اور اس سے فرماتا ہے تم میرے غیر سے مت ڈرو' تم میری پناہ میں ہو جو میری پناہ میں ہو وہ میرے غیر سے نہیں ڈرتا۔

علامہ ابو محمد روز بہان بن ابی نصر البقلی الشیرازی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: آپ اژدھے سے نہ ڈریں کیونکہ آپ نے جو کچھ دیکھا ہے وہ میری عظمت کا ظہور ہے اور مجھ سے خطاب کے وقت میری عظمت اور جلال کے مشاہدہ سے رسول نہیں ڈرتے' کیونکہ وہ میری ربوبیت کے اسرار کو جانتے ہیں۔ (عرائس البیان ج ۲ ص ۱۱۰ 'مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو گھونسا مار کر ہلاک کر دینا آیا گناہ تھا یا نہیں!

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا تھا اور وہ قضاء الٰہی سے مر گیا تھا' اور فرعونیوں نے یہ سمجھا تھا کہ حضرت موسیٰ نے ظلماً ایک شخص کو ہلاک کر دیا ہے اس لیے وہ انتقاماً آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے' اس وجہ سے آپ مصر چھوڑ کر مدین چلے گئے تھے اور دس سال سے زیادہ عرصہ گزار کر پھر مصر لوٹ رہے تھے' اس لیے اس موقع پر آپ کو اس قبطی کے ہلاک ہونے کا واقعہ یاد آیا تو اللہ تعالیٰ نے تعریضاً فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوا اس کے جس نے ظلم کیا' پھر اس نے برائی کے بعد کوئی نیکی کی تو بے شک میں بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہوں ○ (النمل: ۱۱)

قبطی کے قتل کو ظلم فرمانے کی تحقیق

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے جن افعال کو قرآن مجید میں ظلم فرمایا ہے اس سے مراد ترک افضل ہے یا گناہ صغیرہ۔ (صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم کا کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا۔ صغیرہ نہ کبیرہ' نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد' سہواً نہ عمداً) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لطیف پیرایہ میں تعریض کرنا مقصود ہو' حسن بصری نے کہا خدا کی قسم! حضرت موسیٰ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے قبطی کو قتل کر کے ظلم کیا تھا' پھر انہوں نے اس ظلم کو نیکی سے تبدیل کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ (القصص: ۱۶)

اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو تو مجھ کو معاف فرما پس اللہ نے ان کو معاف فرما دیا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۴ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے حسن بصری کا جو قول نقل کیا ہے' وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو ارادۃً قتل نہیں کیا تھا اور نہ عادۃً کوئی شخص ایک گھونسے سے ہلاک ہو جاتا ہے' حضرت موسیٰ نے اس قبطی کو تادیباً گھونسا مارا تھا وہ شخص قضاء الٰہی سے مر گیا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فعل قتل عمد تھا' نہ ظلم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کو ظلم کہنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں غایت تواضع اور انتہائی عجز و انکسار کا اظہار ہے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا ربنا ظلمنا فرمانا' بھی ادب اور تواضع کے لیے تھا اور اس تعلیم کے لیے تھا کہ ان سے اگر کوئی فعل اجتہادی خطا کی بنا پر بھی صادر ہو جائے تو وہ اس کو بھی ظلم اور ذنب قرار دیتے ہیں' حالانکہ عام مسلمانوں کو بھی اجتہادی خطا پر اجر ملتا ہے اور اس کو ظلم اور گناہ نہیں کہا جاتا تو ان کی اجتہادی خطاء کو ظلم کہنا کس طرح جائز ہو گا! اور اس میں ہمارے لیے یہ تعلیم ہے کہ انبیاء علیہم السلام اجتہادی خطا پر اس قدر اظہار ندامت اور توبہ اور استغفار کرتے ہیں تو ہمیں اپنی عمداً خطاؤں پر کس قدر زیادہ توبہ اور استغفار کرنا چاہیے۔

عوام اور خواص کے معاصی کا فرق

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اس مقام پر لکھتے ہیں:

الفتوحات المکیہ میں مذکور ہے کہ خواص کے معاصی عوام کے معاصی کی طرح نہیں ہیں' کیونکہ عوام کے معاصی ان کی شہوت طبعیہ کی وجہ سے ہوتے ہیں اور خواص کے معاصی تاویل میں خطا کی وجہ سے ہوتے ہیں اور اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی عارف باللہ میں گناہ پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے نزدیک کسی تاویل سے اس فعل کو مزین کر دیتا ہے۔ کیونکہ عارف کی معرفت اس کو بغیر تاویل کے گناہ کے ارتکاب سے باز رکھتی ہے' کیونکہ عارف باللہ کبھی کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتا' پھر جب وہ کسی تاویل سے اس فعل کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس پر منکشف ہوتا ہے کہ اس کی وہ تاویل صحیح نہیں تھی' اور درحقیقت اس فعل کا ارتکاب جائز نہیں تھا' جیسا کہ شجر ممنوع سے کھانے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام نے یہ تاویل کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خاص درخت سے کھانے سے منع فرمایا تھا اگر میں اس نوع کے کسی اور درخت سے اس کا پھل کھا لوں تو یہ جائز ہے اور ممنوع نہیں ہے' اور بعد میں ان پر یہ منکشف ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوع کے تمام درختوں سے کھانے سے منع فرمایا تھا' یا انہوں نے یہ تاویل کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا منع فرمانا تنزیہاً تھا اور بعد میں ان پر منکشف ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا منع فرمانا تحریماً تھا اس لیے انہوں نے بعد میں اس پر توبہ کی اور استغفار کیا اور تاویل میں شبہ کی وجہ سے ان کا یہ فعل گناہ نہیں تھا' جیسے ایک وقت میں کوئی مفتی یا مجتہد یہ سمجھے کہ غیر مسلم بینک سے سود کھانا جائز ہے یا قوالی سننا جائز ہے یا وڈیو بنوانا اور تصویر کھنچوانا جائز ہے اور بعد میں اس پر یہ منکشف ہو کہ یہ تمام امور ناجائز اور گناہ ہیں تو جب اس نے اپنے دلائل کی بنا پر یہ کام کیے تھے تو ان پر مواخذہ نہیں ہو گا خواہ اس کے دلائل غلط ہوں اور خطا پر مبنی ہوں' ہاں اپنے فکر کی غلطی پر مطلع ہونے کے بعد اگر ان کاموں کو کرے گا تو پھر گناہ ہو گا' اس سے معلوم ہوا کہ کسی بندہ کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی تاویل کے یا بغیر کسی فعل کی خوشنمائی کے یا بغیر غفلت یا نسیان کے عمداً کوئی گناہ کرے' حضرت بایزید بسطامی سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص جو عارف باللہ ہو' اور اہل کشف میں سے ہو آیا وہ اللہ تعالیٰ کی کوئی معصیت کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! یہ اللہ کی تقدیر سے ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے وہ ہو کر رہتی ہے' اور جب کسی عارف باللہ سے کوئی قصور ہو جائے تو وہ قصور کسی تاویل کی بنا پر ہو گا یا تزیین کی بنا پر' اور تزیین کا معنی یہ ہے کہ اس کے نفس نے اس کے لیے اس فعل کو خوشنما بنا دیا اور اس فعل کے ارتکاب کے وقت وہ اس بات سے غافل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل سے منع کیا ہے' یا اس کی نگاہوں سے اس وقت وہ عذاب اوجھل ہو گیا جو عذاب اس فعل پر مرتب ہونا تھا۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۱۶' ملخصاً وموضحاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں تو وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا۔ آپ نو نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جائیے بے شک وہ نافرمانوں کا گروہ ہے ○ سو جب ان کے پاس ہماری بصیرت افروز نشانیاں آ گئیں تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ○ انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان نشانیوں کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل ان (نشانیوں کی صداقت) کا اعتراف کر چکے تھے۔ پس دیکھیے ان فتنہ پرور لوگوں کا کیسا انجام ہوا ○ (النمل: ۱۴-۱۲)

عصا کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیگر معجزات

برص کے داغ بھی بہت زیادہ سفید ہوتے ہیں مگر ان کو عیب شمار کیا جاتا ہے' اس لیے واضح فرمایا کہ آپ کا ہاتھ بغل میں ڈالنے کے بعد ہر چند کہ بہت سفید ہو کر نکلے گا' مگر وہ برص کی طرح عیب دار نہیں ہو گا۔

اس کے بعد بتایا کہ آپ کی لاٹھی کا ڈالنے کے بعد اژدھا بن جانا اور بغل میں ڈالنے کے بعد آپ کے ہاتھ کا روشن سفید ہو جانا' آپ کو دی جانے والی نو نشانیوں اور آپ کے نو معجزات میں سے ہے' باقی سات نشانیاں یہ ہیں' فرعونیوں پر قحط کے سالوں کا مسلط کیا جانا' پھلوں کا کم ہونا' ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک' خون اور طوفان۔

پھر بتایا کہ آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ فاسق تھے یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کی حدود سے نکل کر کفر اور بدکاریوں میں داخل ہو چکے تھے' فسق کا معنی ہے خروج۔

پھر بتایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کھلی کھلی نشانیاں دکھائیں تو انہوں نے ان نشانیوں کا انکار کیا اور کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

پھر بتایا کہ انہوں نے اپنی زبانوں سے ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید کی نشانی قرار دینے سے انکار کیا۔

جحود کا معنی ہے کسی چیز کو پہچاننے کے باوجود ہٹ دھرمی سے اس کا انکار کرنا' حالانکہ ان کے دل یہ مانتے تھے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید کی پکی نشانی ہیں۔

ابواللیث نے کہا ان کے دلوں میں ان نشانیوں کے سچی ہونے کا اس لیے یقین تھا کہ جب بھی ان پر کوئی عذاب آتا مثلاً ان کا گھر خون سے بھر جاتا ان کے پانی کے برتنوں میں پانی کی جگہ خون ہوتا تو پھر وہ حضرت موسیٰ سے فریاد کرتے کہ اس عذاب کو ان سے دور کر دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے تو وہ عذاب ان سے دور ہو جاتا۔ اس سے ان کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا یقین ہو جاتا' اس طرح جب ان پر قحط سالی آتی یا ان کے گھر مینڈکوں اور ٹڈیوں سے بھر جاتے تو اس عذاب سے نجات کے لیے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتے تھے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور آپ کی دعا سے ہی ان سے یہ مصیبت ٹلے گی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کو اس عذاب سے نجات مل جاتی لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور ان کے پیغام کا مسلسل انکار کیے جاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص اور قمیص میں بٹن لگانے کی تحقیق

النمل: ۱۲ میں فرمایا' اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں۔

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

جیب کے معنی ہیں گریبان' اہل تفسیر نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھلے ہوئے گریبان کی قمیص پہنے ہوئے تھے اس میں نہ آستین تھی نہ گھنڈیاں (بٹن) تھیں' سو انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالا۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان کے بٹن کھلے ہوئے ہوتے تھے:

معاویہ بن قرۃ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ میں مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' پس ہم نے آپ سے بیعت کی اس وقت آپ کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے' پھر میں نے اپنا ہاتھ آپ کی قمیص کے گریبان میں ڈالا اور میں نے مہر نبوت کو چھوا' عروہ کہتے ہیں کہ میں نے جب بھی معاویہ اور ان کے بیٹے کو دیکھا تو ان کی قمیصوں کے بٹن کھلے ہوئے ہوتے تھے' خواہ سردی ہو یا گرمی اور وہ کبھی بھی اپنی قمیصوں کے بٹن نہیں لگاتے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۸۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۸' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۵۷' مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۴)

قمیص کے بٹن لگانے کے متعلق بھی احادیث ہیں:

حضرت زید بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث روایت کی اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو بلایا اور فرمایا:

اے عثمان قریب ہو! اے عثمان قریب ہو! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسلسل قریب ہونے کے لیے فرماتے رہے' حتیٰ کہ انہوں نے اپنے زانو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو کے ساتھ ملا لیے' پھر آپ نے ان کی طرف دیکھا' پھر آسمان کی طرف دیکھا پھر تین بار فرمایا: سبحان اللہ العظیم پھر حضرت عثمان کی طرف دیکھا تو ان کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ان کے بٹن بند کر دیئے' پھر فرمایا اپنی چادر کو دہرا کر کے اپنے سینہ پر باندھ لو۔ الحدیث (المعجم الکبیر ج ۵ ص ۲۲۱-۲۲۰' رقم الحدیث: ۵۱۴۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ان کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے' ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۴۱' مطبوعہ دار المامون للتراث' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

امام ابو الشیخ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قمیص نہیں بنائی جس میں گھنڈی (بٹن) ہو۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۷ ص ۲۹۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین پہنچے تک ہوتی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۶۵' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۵۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۱۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص سوتی تھی۔ اس کی لمبائی کم تھی اور اس کی آستین چھوٹی تھی۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۷' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۵۵' بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قمیص پہنتے تھے جو ٹخنوں سے اوپر ہوتی تھی اور اس کی آستینیں انگلیوں تک ہوتی تھیں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۷ ص ۲۹۴' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا:

اور حضور کے کرتہ شریف میں گھنڈی لگی تھی یا بٹن اور کرتہ شریف میں چاک کھلے تھے یا نہیں؟ گھنڈی آپ کے کرتہ مبارک میں سامنے تھی یا ادھر ادھر تھی؟

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

کرتے مبارک میں بٹن ثابت ہیں' چاک دونوں طرف تھے' صحیح مسلم شریف میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: وفرجیھا مکفوفین بالدیباج گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲/۱۰ ص ۹۳-۹۲' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے سوال کیا گیا:

حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرتہ شریف کتنا نیچا تھا اور گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا یا دائیں بائیں اور چاک مبارک کھلی تھی یا دوختہ اور بٹن لگے تھے' یا گھنڈی۔ الخ

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

قمیص مبارک نیم ساق تک تھا۔ مواہب شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص اور چادر کی لمبائی پنڈلی کے نصف تک تھی' اور کم طول بھی وارد ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص سوتی اس کی لمبائی اور آستینیں چھوٹی تھیں' گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا' دامن کے چاک کھلے ہونا ثابت ہے کہ ان پر کپڑے کی گوٹ تھی اور گوٹ کھلے ہوئے چاکوں پر لگاتے ہیں' اس زمانے میں گھنڈی' تکمے ہوتے تھے جن کو زر و عروہ کہتے ہیں بٹن ثابت نہیں نہ ان میں کوئی حرج۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰/۱ ص ۱۰۴، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۴۱۲ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کا گریبان کھلا ہوا ہوتا تھا اور اس میں گھنڈی یا بٹن لگے ہوئے نہیں ہوتے تھے اور آپ نے اسی طرح نماز پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی معمول تھا' سنن ابوداؤد' سنن ترمذی اور طبقات ابن سعد میں اسی طرح ہے' البتہ امام طبرانی نے حضرت زید بن ابی اوفی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان کے کسی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے تو آپ نے ان کو بند کر دیا' اس زمانہ میں سیپ' پلاسٹک یا اسٹیل کے بٹن نہیں ہوتے تھے۔ کپڑے کی بٹن نما ابھری ہوئی گول سی چیز ہوتی تھی جس کو کاج کے سوراخ میں ڈال دیتے تھے' اس کو عربی میں زر اور اردو میں گھنڈی کہتے ہیں' ہم نے اس کا ترجمہ بٹن کیا ہے۔

ہر چند کہ نماز اور غیر نماز میں گریبان کا کھلا رکھنا سنت ہے' لیکن چونکہ آپ نے حضرت عثمان کے گریبان کے بٹن بند کر دیئے تھے اس لیے نماز میں قمیص کے بٹن بند کر لینے چاہئیں اور یہ بھی آپ کی سنت ہے۔

دو آیتوں میں تعارض کا جواب

اس سورۃ میں فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا . (النمل: ۱۳) پس جب ان کے پاس ہماری نشانیاں آ گئیں۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا . (القصص: ۳۶) پس جب موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے آئے۔

سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ کی طرف نشانیاں لانے کا اسناد کیا ہے اور سورۃ النمل میں نشانیوں کی طرف آنے کا اسناد کیا ہے۔ النمل میں نشانیوں کی طرف آنے کا اسناد حقیقت ہے اور القصص میں مجاز ہے' اور بعض مفسرین نے اس کے برعکس کہا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ القصص میں فرعون کے دربار میں معجزات پیش کرنے کا سیاق ہے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ان معجزات کے لانے کی نسبت کی ہے اور سورۃ النمل میں اس طرح نہیں ہے' اس لیے اصل کے اعتبار سے فرمایا جب ان کے پاس نشانیاں آ گئیں۔

کفار اور مشرکین کو تنبیہ

اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کے متعلق بتایا کہ انہوں نے کھلے کھلے اور روشن معجزات دیکھنے کے باوجود ظلم اور تکبر کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا' اس میں کفار مکہ کو تنبیہ کرنا ہے کیونکہ وہ بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن معجزات دیکھنے کے باوجود ظلم اور تکبر کی بنا پر آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا سو جو فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر چکا ہے اس کے لیے کفار مکہ کو ہلاک کرنا کیا مشکل ہے۔ اس لیے عقل والوں کو چاہیے کہ قوم فرعون کے حال سے نصیحت حاصل کریں اور ان کاموں کو ترک کر دیں جن کاموں کی وجہ سے قوم فرعون کو عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک

دیا گیا تھا' اور ظلم اور تکبر کو چھوڑ کر عدل اور تواضع کو اختیار کریں اور نفس کے تقاضوں پر عمل کرنے کے بجائے ضمیر کی پکار پر لبیک کہیں۔

اور اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے فیض کو قبول کرنے کی فطری صلاحیت اور استعداد کو ضائع کر دیا اور وہ چوپایوں اور درندوں کے پست گڑھے میں گر گئے ان کا انجام یہ ہے کہ وہ آخرت میں شیاطین کے ساتھ دوزخ کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرے۔ اللہ کے قرب اور اس کی معرفت کی بلندی میں چڑھنا مشکل ہوتا ہے اور نفس کی پستی میں اترنا آسان ہوتا ہے جیسے کسی پتھر کو آپ اوپر اچھالیں تو اپنی طبیعت کے تقاضے کے خلاف اس کے لیے اوپر جانا مشکل ہوتا ہے اور اپنے طبعی تقاضے کے موافق نیچے آنا اس کے لیے آسان ہوگا' سو یہی حال کافروں کا ہے وہ شرک اور کفر کے خوگر اور عادی ہو چکے ہیں اور کفر ان کی طبیعت ثانیہ بن چکا ہے لہٰذا ان کے لیے کفر اور شرک کو چھوڑ کر اسلام اور توحید کی طرف آنا مشکل ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ

اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو عظیم علم عطا کیا تھا' اور ان دونوں نے کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو

فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ

اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ○ اور سلیمان داؤد کے

دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا

وارث ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز

مِنْ كُلِّ شَىْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ

سے عطا کیا گیا ہے' اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے ○ اور سلیمان کے لیے

لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

جنات اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے اور ہر ایک کو الگ الگ منقسم کیا گیا ○

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ

حتیٰ کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے

ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا

بلوں میں گھس جاؤ' کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ

يَشْعُرُوْنَ ﴿١٨﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ

ڈالے ○ اس کی بات سے سلیمان مسکرا کر ہنس دیے اور دعا کی اے میرے رب!

اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ

تو نے مجھے اور میرے والدین کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ

اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جن سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل

الصّٰلِحِیْنَ ﴿١٩﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ

کر لے ○ اور انہوں نے پرندوں کی تفتیش کی تو کہا کیا وجہ ہے کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھ رہا!

اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِیْنَ ﴿٢٠﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ

یا وہ غیر حاضروں میں سے ہے ○ میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا

لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ

یا اس کو ضرور ذبح کر دوں گا ورنہ وہ اس کی صاف صاف وجہ بیان کرے ○ وہ (ہد ہد) کچھ دیر بعد آ کر بولا

فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿٢٢﴾

میں نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں ○

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا

میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا

عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ

بہت بڑا تخت ہے ○ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں

دُوْنِ اللّٰهِ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ

اور شیطان نے ان کے لیے ان کے (ان) کاموں کو خوش نما بنا دیا ہے سو ان کو

السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ

اللہ کے راستے سے روک دیا ہے پس وہ ہدایت نہیں پا رہے ○ یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے' جو آسمانوں

الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿٢٥﴾

اور زمینوں کی چیزوں کو باہر لاتا ہے' اور وہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو اور جن کو تم ظاہر کرتے ہو ○

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٦﴾ السجدة قَالَ سَنَنْظُرُ

(السجدہ ۷)

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہی عرش عظیم کا مالک ہے ○ سلیمان نے کہا ہم دیکھتے ہیں

اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا

کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو ○ میرا یہ مکتوب لے جاؤ اور اسے

فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ

ان کے پاس ڈال دو' پھر ان سے پشت پھیر لو اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں ○ (ملکہ سبا نے) کہا

يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ

اے میرے سردارو! بے شک میرے پاس ایک معزز مکتوب پہنچایا گیا ہے ○ بے شک وہ مکتوب سلیمان کی جانب سے ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ

اور بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ یہ کہ تم میرے مقابلہ

مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ع

ع ۱۷/۲ ۱۲

میں سر نہ اٹھاؤ اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو عظیم علم عطا کیا تھا' اور ان دونوں نے کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ○ (النمل: ۱۵)

اس سورۃ میں انبیاء علیہم السلام کے قصص میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا دوسرا قصہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا تھا' اور اس آیت سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ شروع فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے قصص تورات میں مذکور ہیں اور قریش مکہ کو معلوم تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات اور انجیل نہیں پڑھیں اور نہ آپ علماء اہل کتاب

کی مجلس یا ان کے مدرسہ میں رہے ہیں۔اس کے باوجود آپ انبیاء سابقین کے متعلق وہ چیزیں بیان فرماتے ہیں جن کی تصدیق ان کی کتابوں میں تھی اور اس سے یہ یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ آپ کو ان انبیاء سابقین کے متعلق ان باتوں کا اللہ تعالیٰ کی وحی سے حاصل ہوا ہے' اور یہ آیتیں آپ کی بنائی ہوئی نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی آیتیں ہیں' اور سورتوں میں اللہ تعالیٰ بار بار ان انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرماتا ہے تاکہ اس کلام کے وحی الٰہی ہونے پر بار بار تنبیہ ہوتی رہے اور قریش کو بار بار یاد دہانی ہوتی رہے اور سننے والوں کے دلوں میں اور ان کے دماغوں میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل تازہ ہوتے رہیں۔ہم اس آیت کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی سوانح بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق.

حضرت داؤد علیہ السلام کا نام ونسب اور ان کا جالوت کو قتل کرنا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر التوفی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

آپ کا نام: داؤد بن ایشا بن عوبد بن ناعر بن سلمون بن نحشون بن عوینادب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہوذا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا نام داؤد بن زکریا بن بشوی ہے۔علیہ السلام

آپ اللہ کے نبی اور اس کی زمین میں اس کے خلیفہ ہیں اور اہل بیت المقدس سے ہیں۔روایت ہے کہ آپ دمشق کی جانب سے آئے تھے اور آپ نے مرج الصفر میں قصر ام حکیم کے پاس جالوت کو قتل کیا تھا۔

سعید بن عبدالعزیز نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے:

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ۔ (البقرہ: ۲۴۹)

جب طالوت لشکر لے کر روانہ ہوئے تو انہوں نے کہا بے شک اللہ تم کو ایک دریا کے سبب سے آزمائش میں مبتلا کرنے والا ہے۔سو جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے' اور جس نے اس میں سے پانی نہیں پیا وہ میرے طریقہ صحیحہ پر ہے۔

یہ وہ دریا ہے جو ام حکیم بنت الحارث بن ہشام کے پل کے پاس ہے اور سعید بن عبدالعزیز نے کہا میں نے سنا ہے یہ وہ دریا ہے جس میں حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے غسل کیا تھا۔

متعدد اسانید کے ساتھ وہب بن منبہ سے روایت کیا کہ حضرت داؤد کے چار بھائی تھے' اور ان کے والد بہت بوڑھے تھے۔حضرت داؤد کے بھائی جالوت سے لڑنے کے لیے طالوت کے لشکر میں شامل ہو گئے اور ان کے والد گھر میں رہ گئے' اور انہوں نے حضرت داؤد کو بکریاں چرانے کے لیے روک لیا' اس وقت لوگ جالوت سے لڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔

حسن نے بیان کیا کہ حضرت داؤد کا قد چھوٹا تھا' نیلی آنکھیں تھیں اور سر کے بال کم تھے' اور ان کا دل پاک اور صاف تھا' جس وقت وہ بکریاں چرا رہے تھے انہوں نے ایک ندا سنی: اے داؤد! تم تو جالوت کو قتل کرنے والے ہو تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اپنی بکریاں اپنے رب عزوجل کی امان میں چھوڑ دو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ جا ملو' کیونکہ طالوت نے کہا ہے کہ جو جالوت کو قتل کرے گا وہ اس کو اپنا نصف مال دے دے گا' اور اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دے گا۔پھر حضرت داؤد نے اپنی بکریاں اپنے رب کی امان میں چھوڑیں اور روانہ ہو گئے اور اپنے والد سے یہ کہا میں اپنے بھائیوں کو دیکھنے جا رہا ہوں کہ ان کا کیا حال ہے' ان کو اصل واقعہ بتانا پسند نہیں کیا۔

حضرت داؤد اپنے بھائیوں کے لیے زاد راہ لے کر روانہ ہوئے' ان کے ساتھ ان کا عصا تھا' اور ان کا توبرا تھا اور پتھر پھینکنے کا آلہ تھا' جس سے وہ درندوں کو اپنی بکریوں سے دور رکھنے کے لیے پتھر مارتے تھے۔ سفر کے دوران ایک پتھر نے ان کو آواز دی: اے داؤد! مجھے اٹھا کر رکھ لو میں تمہارے لیے جالوت کو قتل کر دوں گا۔ حضرت داؤد نے پوچھا تم کون ہو تو اس نے کہا میں وہ پتھر ہوں جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلاں فلاں کو ہلاک کر دیا تھا' اور میں اللہ کے اذن سے جالوت کو قتل کر دوں گا' حضرت داؤد نے اس پتھر کو اٹھا کر اپنے توبرے میں رکھ لیا۔ حضرت داؤد پھر چل پڑے پھر وہ ایک اور پتھر کے پاس سے گزرے اس نے بھی کہا اے داؤد! مجھے بھی اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیجئے' حضرت داؤد نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں حضرت اسحاق کا وہ پتھر ہوں جس سے انہوں نے فلاں فلاں کو قتل کر دیا تھا اور میں اسی طرح اللہ کے اذن سے جالوت کو بھی قتل کر دوں گا' حضرت جالوت نے اس پتھر کو بھی اٹھا کر اپنے توبرے میں رکھ لیا' حضرت داؤد پھر چل پڑے پھر وہ ایک اور پتھر کے پاس سے گزرے اس نے بھی کہا اے داؤد! مجھے بھی اُٹھا کر اپنے پاس رکھ لیجئے' حضرت داؤد نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں حضرت یعقوب کا پتھر ہوں' میں اللہ عزوجل کے اذن سے جالوت کو قتل کر دوں گا۔ حضرت داؤد نے پوچھا تم اس کو کس طرح قتل کرو گے؟ اس نے کہا میں آندھی سے مدد لوں گا وہ مجھے اس کے خود پر مار دے گی میں اس کی پیشانی کے اندر گھس کر اس کو قتل کر دوں گا۔ حضرت داؤد نے اس کو بھی اٹھا کر اپنے توبرے میں رکھ لیا۔

وہب بن منبہ نے کہا کہ حضرت داؤد آگے بڑھے تو انہوں نے تینوں پتھروں کو جوڑ کر ایک پتھر بنا لیا پھر اس کو اپنے گوپھیا (پتھر مارنے کا آلہ اس کو فلاخن بھی کہتے ہیں) میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے فرمایا میرے بندے داؤد کی نصرت اور مدد کرو' پھر حضرت داؤد نے آگے بڑھ کر نعرہ تکبیر لگایا۔ فرشتوں' حاملین عرش اور جنات اور انسانوں کے سوا سب مخلوق نے اس نعرہ کا جواب دیا۔ جالوت اور اس کے لشکر نے جب اس نعرہ کا جواب سنا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو ان کے مقابلہ پر جمع کر دیا ہے۔ پھر زبردست آندھی آئی جس سے اندھیرا چھا گیا اور جالوت کا خود گر گیا اور حضرت داؤد نے اس پتھر کو گوپھیے میں ڈال کر تاک کے اس کی پیشانی پر مارا تو وہ تینوں پتھر الگ الگ جا کر لگے ایک پتھر اس کی پیشانی میں گھس گیا اور اس کو ہلاک کر کے زمین پر گرا دیا۔ دوسرا پتھر جالوت کے دائیں جانب کے لشکریوں میں گھس گیا اور ان کو شکست دے دی' اور تیسرا پتھر بائیں جانب کے لشکریوں میں گھس گیا اور ان کو شکست دے دی اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے اوپر پہاڑ آ گرے ہیں ان میں افراتفری مچ گئی اور بھگدڑ میں انہوں نے ایک دوسرے کو کچل ڈالا۔ وہ ایک دوسرے کو روندتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بری طرح بھاگے اور بہت سارے لشکری ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فتح عطا فرمائی اور طالوت فتح اور کامرانی کے ساتھ بنی اسرائیل کے ساتھ واپس ہوا۔ طالوت نے حسب وعدہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اپنی بیٹی کا عقد کر دیا اور ان کو اپنا نصف مال دے دیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج۱۹ص ۶۰-۵۸ ملخصاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ' البدایہ والنہایہ ج۱ص ۴۵۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی بعثت اور ان کی سیرت کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر التوفی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

بشر بن حزن النصری بیان کرتے ہیں کہ اونٹوں والوں اور بکریوں والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دوسرے پر فخر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد کو مبعوث کیا گیا (نبوت دے کر بھیجا گیا) حالانکہ وہ بکریاں چراتے تھے اور حضرت موسیٰ کو بھیجا گیا اور وہ بکریاں چراتے تھے' اور مجھے مبعوث کیا گیا اور میں اس وقت محلہ اجیاد والوں کی

بکریاں چراتا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۴' تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۴۴۴۳' ج ۱۹ ص ۶۰' مطبوعہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رمضان کی دوسری تاریخ کو صحیفے نازل کیے گئے' حضرت داؤد علیہ السلام پر چھ رمضان کو زبور نازل کی گئی اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیس رمضان کو فرقان نازل کیا گیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۴۱۳۸' ج ۱۹ ص ۶۱' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حق یہ ہے کہ لقمان نبی نہ تھے لیکن وہ ثابت قدم بندے تھے' بہت زیادہ غور وفکر کرتے تھے' لوگوں کے ساتھ نیک گمان رکھتے تھے' وہ اللہ سے محبت کرتے تھے' اللہ ان سے محبت کرتا تھا اور اللہ ان کے لیے حکمت کا ضامن ہو گیا تھا' ایک دن وہ دوپہر کو سوئے ہوئے تھے کہ ان کے پاس ندا آئی۔ اے لقمان! تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دے' تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو گے' لقمان نے بیدار ہو کر اس ندا کے جواب میں کہا اگر میرا رب مجھے اختیار دے گا تو میں قبول کرلوں گا' کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اگر اللہ نے ایسا کر دیا تو وہ میری مدد کرے گا اور مجھے تعلیم دے گا اور میری حفاظت کرے گا اور اگر میرے رب نے مجھے اختیار دیا تو میں عافیت کو قبول کروں گا اور امتحان کو قبول نہیں کروں گا' فرشتوں نے آواز سے کہا اور وہ ان کو نہیں دیکھ رہے تھے اے لقمان! کس وجہ سے؟ لقمان نے کہا کیونکہ حاکم سب سے زیادہ سختی اور مشکل میں ہوتا ہے اس کو ہر طرف سے ظلم گھیر لیتا ہے۔ اس کی مدد کی جائے تو وہ نجات پالیتا ہے' اگر وہ خطا کرے تو جنت کے راستہ سے خطا کرتا ہے' اور دنیا کی سرداری سے بہتر ہے کہ وہ دنیا میں ذلت سے ہو' اور جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے تو دنیا اس کو فتنہ میں ڈال دیتی ہے اور وہ آخرت میں اجر نہیں پا سکتا۔ فرشتوں کو ان کے حسن کلام سے تعجب ہوا وہ سو گئے پھر ان کو حکمت سے بھر دیا گیا' اور انہوں نے بیدار ہو کر حکمت سے کلام کیا۔ پھر حضرت داؤد کو ندا کی گئی تو انہوں نے خلافت اور حکومت کو قبول کر لیا اور انہوں نے لقمان کی طرح کوئی شرط نہیں عائد کی' اور انہوں نے کئی بار فیصلہ کرنے میں خطا کی' اور ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا سے درگزر کیا اور ان کو معاف کر دیا اور لقمان ان کو اپنی حکمت اور اپنے علم سے مشورے دیتے تھے۔ حضرت داؤد نے ان سے کہا اے لقمان! تمہارے لیے خوشی ہو کیونکہ تم کو حکمت دی گئی اور تم کو امتحان سے بچا لیا گیا' اور حضرت داؤد کو خلافت دی گئی اور ان کو امتحان اور آزمائش میں ڈال دیا گیا۔ (لقمان نے حکمت کو طلب کیا' اور حضرت داؤد علیہ السلام نے خلافت اور حکومت کو طلب کیا' اس سے لقمان کی حضرت داؤد پر فضیلت ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ لقمان نے آسان اور بغیر خطرہ اور آزمائش کی راہ پر چلنے کی راہ کو اختیار کیا اور حضرت داؤد نے پرخطر اور آزمائش والی راہ پر سفر کرنے کو اختیار کیا اور کمال اس کا ہے جو پرخطر راہ سے سلامتی کے ساتھ گزر جائے نہ اس کا جو پرامن راستے سے گزرے' گویا حضرت داؤد نے عزیمت کو اختیار کیا اور لقمان نے رخصت کو اور فضیلت عزیمت پر عمل کرنے میں ہے نہ کہ رخصت پر عمل کرنے میں)

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۶۲' رقم الحدیث: ۴۱۳۹' تنزیہ الشریعۃ ج ۱ ص ۲۳۴)

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد یہ دعا کرتے تھے اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور جو تجھ سے محبت کرتا ہے اس کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھ تک تیری محبت کو پہنچا دے۔ اے اللہ! تو اپنی محبت کو میرے نزدیک میرے نفس اور میرے اہل اور ٹھنڈے

سے زیادہ محبوب بنا دے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۶۲' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۴۹۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین روزے حضرت داؤد کے روزے ہیں وہ نصف دہر کے روزے رکھتے تھے (وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے) اور بہترین نماز حضرت داؤد کی نماز ہے۔ وہ رات کے نصف اول میں سوتے تھے اور رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھتے تھے حتیٰ کہ جب رات کا چھٹا حصہ رہ جاتا تو پھر سو جاتے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۶۳ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۵۲' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد کے اوپر (زبور کا) پڑھنا آسان کر دیا گیا تھا' وہ سواری کو تیار کرنے کا حکم دیتے اور سواری کے روانہ ہونے سے پہلے پڑھنا ختم کر لیتے تھے اور وہ صرف اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

دوسری روایت میں سواری پر زین ڈالنے کے حکم کا ذکر ہے اور سواری پر زین ڈالے جانے سے پہلے پڑھنا ختم کر لیتے تھے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۶۵-۶۴' رقم الحدیث: ۴۱۴۱-۴۱۴۰' مصابیح البغوی ج ۱ ص ۲۸۸' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۵۷)

ثابت بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت داؤد نے رات اور دن کے اوقات کو اپنے اہل پر تقسیم کر رکھا تھا اور رات اور دن کے اوقات میں سے جب بھی کوئی وقت ہو تو حضرت داؤد کی آل میں سے کوئی نہ کوئی شخص اس وقت نماز پڑھ رہا ہوتا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ (سبا: ۱۳) اے آل داؤد! شکر ادا کرو' میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے کم ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۶۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام کے شکر کی ادائیگی کا طریقہ

المغیرۃ بن عتیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد نے عرض کیا: اے میرے رب! کیا آج رات تیری مخلوق میں سے کسی نے بھی مجھ سے زیادہ تیرا ذکر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: ہاں! مینڈک نے' اور پھر ان پر یہ آیت نازل فرمائی: اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ (سبا: ۱۳) حضرت داؤد نے عرض کیا: اے میرے رب! میں کیوں کر تیرا شکر ادا کر سکتا ہوں؟ حالانکہ تو مجھ پر مسلسل انعام فرماتا ہے پھر کہا: اے میرے رب! میں کس طرح تیرا شکر ادا کر سکتا ہوں؟ حالانکہ تو مجھ کو نعمت عطا فرماتا' پھر اس نعمت پر شکر کی ادائیگی کو بھی تو عطا فرماتا ہے' پھر ایک نعمت کے اوپر اور نعمت کو زیادہ فرماتا ہے پس اے میرے رب! نعمت بھی تیری طرف سے ہے اور شکر بھی تیری طرف سے ہے' تو پھر میں کیوں کر تیرا شکر ادا کر سکتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! اب تم نے مجھے اس طرح پہچان لیا جس طرح مجھے پہچاننے کا حق ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۷۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سعید مقبری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤد نے عرض کیا: اے میرے رب! تو نے مجھے بہت زیادہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں سو تو مجھے اس پر رہنمائی کر' کہ میں تیرا بہت زیادہ شکر ادا کروں۔ فرمایا تم مجھے بہت زیادہ یاد کرو' جب تم نے مجھے یاد کر لیا تو تم نے میرا شکر ادا کر لیا' اور جب تم نے مجھے بھلا دیا تو تم نے میری ناشکری کی۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۷۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابوالجلد بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں تیرا شکر کیوں کر ادا کر سکتا ہوں کیونکہ تیرے شکر کی ادائیگی بھی تو تیری ہی دی ہوئی نعمت ہے' تب ان کے پاس وحی آئی کہ اے داؤد! کیا تم کو یہ علم نہیں کہ تم تک جو بھی نعمت پہنچتی ہے وہ مجھ سے پہنچتی ہے' حضرت داؤد نے کہا کیوں نہیں اے میرے رب! فرمایا پس میں تیری طرف سے اس شکر پر راضی ہوں۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۷۱' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۶۱)

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد کو اس قدر حسین آواز دی گئی تھی کہ اس قدر حسین آواز اور کسی کو نہیں دی گئی تھی' حتیٰ کہ پرندے اور وحشی جانور آپ کے پاس آ کر بیٹھ جاتے تھے اور یونہی بھوکے پیاسے مر جاتے تھے اور دریاؤں کی روانی رک جاتی تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۷۲' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۵۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ مزامیر' برابط اور صنوج (بانسریاں' سارنگیاں اور جھانجھنیں) کی ابتداء حضرت داؤد کی آواز سے ہوئی ہے' وہ اس قدر حسین آواز کے ساتھ زبور پڑھتے تھے کہ اس سے پہلے کانوں نے اتنی حسین آواز نہیں سنی تھی' جن' انسان' پرندے اور چرندے ان کی آواز سننے کے لیے بیٹھ جاتے تھے یہاں تک کہ بعض بھوکے مر جاتے تھے' حتیٰ کہ ایک دن ابلیس خوف زدہ ہو کر باہر نکلا کیونکہ اس نے دیکھا کہ انسان اور چوپائے حضرت داؤد کی قرأت کے حسن سے بہت متاثر اور بہت مانوس ہو رہے ہیں اس نے اپنے سرداروں کو بلایا اور کہا تمہارے ہوتے ہوئے یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا تم جو چاہتے ہو ہمیں اس کا حکم دو' اس نے کہا ان کو زبور کے سننے سے صرف ایسی چیز روک سکتی ہے جس کی آواز کا حسن داؤد کی آواز کے مشابہ ہو' تب انہوں نے مزامیر' برابط اور صنوج وغیرہ آلات غنا بنائے' جب گمراہ لوگوں اور جنات نے ان آوازوں کو سنا تو وہ ان سازوں کی آوازوں کی طرف منتقل ہو گئے اور اسی طرح چوپائے اور پرندے بھی' اور حضرت داؤد بنو اسرائیل میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام بیان کرتے رہے' وہ نبی' حکیم' عابد اور مجتہد تھے اور تمام نبیوں سے زیادہ عبادت میں کوشش کرتے تھے اور بہت روتے تھے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۷۳' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اما بعد کہا اور قرآن مجید میں جو **فصل الخطاب** ہے (ص: ۲۰) اس سے مراد یہی اما بعد کے کلمات ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۷۳' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعائیں

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہر صبح اور شام کو تین بار یہ کلمات پڑھتے تھے: اے اللہ! مجھے ہر اس مصیبت سے محفوظ رکھ جو تو نے آج رات آسمان سے زمین کی طرف نازل کی ہے۔ اے اللہ! مجھے ہر اس اچھائی سے حصہ عطا فرما جو تو نے آج رات آسمان سے زمین کی طرف نازل کی ہے۔

سعید نے بیان کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک دعا یہ تھی: اے اللہ! مجھے اتنی زیادہ چیزیں نہ دینا کہ میں سرکشی کروں اور نہ اتنی کم دینا کہ میں بھول جاؤں' کیونکہ جو چیز کم ہو اور کافی ہو وہ ان زیادہ چیزوں سے بہتر ہے جو بے پرواہ کر دیں۔ اے اللہ! مجھے ہر دن روزی عطا فرما' اور جب تو دیکھے کہ میں ذکر کرنے والوں کی مجلس کو چھوڑ کر تکبر کرنے والوں کی مجلس میں جا رہا ہوں تو میری ٹانگوں کو توڑ دے' کیونکہ یہ بھی تیری مجھ پر ایک نعمت ہے جس سے تو مجھ پر احسان کرے گا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۷۶' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

عطاء بن ابی مروان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ کعب اس ذات کی قسم کھا کر کہتے تھے جس نے حضرت موسیٰ کے لیے سمندر کو چیر دیا تھا' ہم نے تورات میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ داؤد نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! میرے دین کو درست رکھ جس کو تو نے میری حفاظت بنایا ہے اور میری دنیا کو درست رکھ جس کو تو نے میرا روزگار بنایا ہے' اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں' اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! جس چیز کو تو عطا کرے اسے کوئی چھیننے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو واپس لے لے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور تیرے مقابلہ میں کسی کی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے نہ کسی کا بخت نہ کسی کا نسب۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو ان کو چھینک آئی تو انہوں نے کہا الحمد للہ' سو انہوں نے اللہ کے اذن سے اس کی حمد کی' ان سے ان کے رب نے کہا اے آدم! آپ پر اللہ رحم کرے' ان فرشتوں کی طرف جائیے' ان کی ایک جماعت کی طرف جو بیٹھی ہوئی ہے' اور کہیے السلام علیکم! انہوں نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ' حضرت آدم پھر اپنے رب کی طرف لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ آپ کا سلام ہے اور آپ کی اولاد کا آپس میں سلام ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا درآں حالیکہ اس کی دونوں مٹھیاں بند تھیں' ان میں جس مٹھی کو چاہو اختیار کر لو' انہوں نے کہا میں اپنے رب کا دایاں ہاتھ اختیار کرتا ہوں اور میرے رب کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں' دایاں ہاتھ مبارک ہے' پھر اس ہاتھ کو کھولا تو اس میں حضرت آدم اور ان کی اولاد تھی۔ حضرت آدم نے پوچھا اے میرے رب! یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے! پھر اس میں ہر انسان کی عمر اس کی آنکھوں کے آگے لکھی ہوئی تھی' ان میں ایک شخص ایسا تھا جو سب سے زیادہ روشن تھا' حضرت آدم نے پوچھا: اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے میں نے اس کی عمر چالیس سال لکھی ہے۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! میں اپنی عمر میں سے اس کو ساٹھ سال دیتا ہوں' فرمایا اس کا تمہیں اختیار ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا حضرت آدم کو جنت میں رکھا' پھر ان کو جنت سے اتار کر زمین پر لایا' حضرت آدم اپنی عمر گنتے رہتے تھے' پس جب ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا تو ان سے حضرت آدم نے کہا تم جلدی آ گئے ہو میری عمر تو ایک ہزار سال لکھی گئی تھی۔ فرشتہ نے کہا کیوں نہیں! لیکن آپ اپنے بیٹے داؤد کو اپنی عمر میں سے ساٹھ سال دے چکے ہیں۔ حضرت آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کیا اور حضرت آدم بھول گئے سو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۸' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۲۰۶' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۲۱۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۶۷' المستدرک ج ۱ ص ۶۴' ج ۴ ص ۲۶۳' الاسماء والصفات ج ۲ ص ۵۶)

امام ابوالکرم محمد بن محمد شیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت داؤد فوت ہو گئے تو ان کے ملک' ان کے علم اور ان کی نبوت کے حضرت سلیمان وارث ہوئے اور ان کے انیس (۱۹) بیٹے تھے پس ان کو چھوڑ کر حضرت سلیمان' حضرت داؤد کے وارث ہوئے' اور جب حضرت داؤد فوت ہوئے تو ان کی عمر ایک سو سال تھی' یہ صحت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے' اور ان کی حکومت کی مدت چالیس سال تھی۔ حضرت داؤد کی عمر کے متعلق مؤرخین کی متعدد متعارض روایات ہیں لیکن ہمارے نزدیک راجح وہی روایت ہے جو سنن ترمذی میں ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۱۲۸' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۰ھ)

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی التوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق جو احادیث ہم نے پہلے ذکر کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا تو انہوں نے اپنی اولاد میں ایک روشن چہرے والا دیکھا' پوچھا: اے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ آپ کا بیٹا داؤد ہے۔ پوچھا اے رب! اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال' کہا اے رب اس کی عمر زیادہ کر دے۔ فرمایا نہیں' البتہ تم اپنی عمر میں سے کچھ اس کو دے دو' اور حضرت آدم کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ انہوں نے حضرت داؤد کی عمر میں چالیس سال زیادہ کر دیئے' پس جب حضرت آدم کی عمر پوری ہوگئی تو ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا۔ حضرت آدم نے کہا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں' اور حضرت آدم یہ بھول گئے کہ انہوں نے یہ چالیس سال حضرت داؤد کو دے دیئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے ایک ہزار سال اور حضرت داؤد کے ایک سو سال پورے کر دیئے' اس حدیث کو امام احمد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اور امام ابن خزیمہ نے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن جریر نے کہا کہ حضرت داؤد کی عمر ستتر (۷۷) سال تھی' ان کا یہ قول غلط اور مردود ہے اور انہوں نے کہا کہ ان کی حکومت کی مدت چالیس سال تھی اور ان کی یہ نقل مقبول ہے کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسی تصریح نہیں ہے جو اس کے منافی ہو یا اس کی مقتضی ہو۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۶۴-۲۶۳ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہم اس سے پہلے سنن ترمذی (رقم: ۳۳۶۸) سے نقل کر چکے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر چالیس سال تھی اور حضرت آدم نے ان کی عمر میں جو ساٹھ سال کا اضافہ کیا تھا وہ واپس لے لیا' اور سنن ترمذی میں یہ نہیں ہے کہ ان کی عمر ساٹھ سال تھی' حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی عمر میں چالیس سال کا اضافہ کیا پھر بھول گئے اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر سو سال کر دی۔ یہ روایت مسند احمد وغیرہ میں ہے۔ حافظ ابن کثیر کا اس حدیث کو ترمذی کے حوالے سے بیان کرنا غلط ہے' ہم ترمذی کا مکمل متن بیان کر چکے ہیں اور اب مسند احمد کا مکمل متن بیان کر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے جس نے (کسی بات کا) انکار کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ عزوجل نے جب ان کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور ان کی اولاد کو نکالا۔ پھر حضرت آدم کی اولاد ان کو دکھائی۔ انہوں نے اپنی اولاد میں ایک شخص کو دیکھا جس کا چہرہ بہت روشن تھا۔ انہوں نے پوچھا اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے۔ پوچھا اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا! ساٹھ سال۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! اس کی عمر زیادہ کر دے' فرمایا نہیں! ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنی عمر میں سے (کچھ سال دے کر) اس کی عمر زیادہ کر دو' تو حضرت آدم نے اپنی عمر میں سے اس کی عمر میں چالیس سال کا اضافہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھا اور اس پر فرشتوں کو گواہ بنا دیا' پھر جب حضرت آدم کی روح کو قبض کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت آدم نے کہا ابھی تو میری عمر میں سے چالیس سال باقی ہیں' تو ان سے کہا گیا کہ آپ اپنی عمر کے یہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو دے چکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس آدم علیہ السلام نے اس بات کا انکار کر دیا۔ تب اللہ عزوجل نے وہ لکھا ہوا وثیقہ نکالا اور حضرت آدم علیہ السلام کے خلاف گواہ پیش کیے پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے سو سال پورے کر دیئے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے بھی ایک ہزار سال پورے کر دیئے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۲-۲۵۱' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲ ص ۱۶۵' رقم الحدیث: ۱۲۹۲۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۷۱۰)

یہ حدیث سنن ترمذی (رقم الحدیث: ۳۳۶۸) کی روایت کے تین وجہ سے خلاف ہے' اول اس وجہ سے کہ سنن ترمذی میں ہے

کہ حضرت داؤد کی عمر چالیس سال تھی اور اس روایت میں ہے کہ ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔ ثانی اس لیے کہ سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت آدم نے اپنی عمر میں سے حضرت داؤد کو ساٹھ سال دیئے اور اس روایت میں ہے کہ حضرت آدم نے حضرت داؤد کو اپنی عمر میں سے چالیس سال دیئے' اور ثالث اس وجہ سے کہ اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد کی عمر کے سو سال پورے کر دیئے گئے اور یہ اضافہ سنن ترمذی میں نہیں ہے' اور سنن ترمذی صحاح ستہ کی کتاب ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور یہ حدیث تین وجہ سے اس کے خلاف ہے۔ سو یہ حدیث منکر ہے۔ علاوہ ازیں محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اس حدیث کو حماد بن سلمہ سے علی بن زید نے روایت کیا ہے اور اس کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ علی بن زید کے متعلق لکھتے ہیں:

ابن سعد نے کہا یہ نابینا پیدا ہوا تھا' یہ بہت احادیث بیان کرتا تھا' اور اس میں ضعف ہے اس سے استدلال نہیں کیا جاتا' صالح بن احمد نے کہا یہ قوی نہیں ہے' امام احمد نے کہا یہ لیس بشیء ہے' امام احمد اور یحییٰ بن معین نے کہا یہ ضعیف ہے' دارمی نے کہا یہ قوی نہیں ہے' امام ابن ابی خیثمہ نے یحییٰ سے نقل کیا کہ یہ ہر شے میں ضعیف ہے اور اس کی روایت اس پائے کی نہیں' دوری نے کہا یہ حجت نہیں۔ الخ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۵-۲۷۴' رقم: ۴۹۰۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا مختار یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب رقم: ۴۷۵۰' نیز دیکھیے تہذیب الکمال رقم: ۴۰۷۰' التاریخ الکبیر ج ۶ رقم ۲۳۸۹' الجرح والتعدیل ج ۶ رقم: ۱۰۲۱' المیزان ج ۳ رقم: ۵۸۴۴)

حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں علی بن زید ہے اور اس کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۰۶)

مسند ابو یعلی کے محقق نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (مسند ابو یعلی ج ۵ ص ۱۰۱)

خلاصہ یہ ہے کہ سنن ترمذی میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد کی عمر چالیس سال تھی اور مسند احمد' المعجم الکبیر اور مسند ابو یعلی میں مذکور ہے کہ ان کی عمر سو سال تھی لیکن ان کتابوں کی سند ضعیف ہے اور حافظ ابن کثیر نے ترمذی کی صحیح روایت کے مقابلہ میں ان کتابوں کی روایت پر اعتماد کیا ہے بلکہ ان کتابوں کی روایت کو بھی ترمذی کی طرف منسوب کر دیا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ تحقیق کے سلسلہ میں حافظ ابن کثیر کی بہت شہرت ہے لیکن اس مقام پر حافظ ابن کثیر کو سخت لغزش ہوئی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات

حافظ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام میں غیرت بہت زیادہ تھی' جب وہ گھر سے باہر جاتے تو دروازوں کو بند کر کے تالا لگا دیتے تھے' اور ان کے واپس آنے تک ان کے گھر میں کوئی نہیں داخل ہوتا تھا۔ ایک دن وہ حسب معمول دروازہ بند کر کے گئے' ان کی اہلیہ گھر کی طرف دیکھ رہی تھی' ایک شخص گھر کے وسط میں کھڑا ہوا تھا' ان کی اہلیہ نے کہا: حضرت داؤد کہیں گے یہ آدمی گھر میں کیسے آ گیا؟ گھر تو بند ہے اللہ کی قسم! ہم تو حضرت داؤد سے شرمندہ ہوں گے۔ پھر حضرت داؤد آ گئے اور وہ شخص اسی طرح گھر کے وسط میں کھڑا ہوا تھا۔ حضرت داؤد نے اس شخص سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا میں وہ شخص ہوں جو بادشاہوں سے ڈرتا ہے اور نہ کوئی حجاب اس کا راستہ روک سکتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا پھر تم ضرور موت کے فرشتہ ہو۔ اللہ کے حکم پر تمہیں خوش آمدید ہو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ان کی روح قبض کر لی گئی' پھر جب ان کو غسل دیا گیا اور ان کے امور سے فراغت ہو گئی تو دھوپ نکل آئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے کہا کہ حضرت داؤد پر سایہ کرو' تو پرندوں نے اپنے پر پھیلا لیے حتیٰ کہ زمین پر اندھیرا

چھا گیا' پھر حضرت سلیمان نے پرندوں سے کہا کہ اپنے پر سمیٹ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بازو پھیلا کر سمیٹ کر دکھایا کہ کس طرح پرندوں نے اپنے بازو پھیلائے تھے اور سمیٹے تھے۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۹۴۳۲' دارالفکر)

حافظ ابن کثیر نے حسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سو سال کی عمر میں فوت ہوئے' اور ان کو بدھ کے دن اچانک موت آئی' اور ابوالسکن الہجری نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اچانک فوت ہوئے' حضرت داؤد اچانک فوت ہوئے اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان اچانک فوت ہوئے۔ اس کو حافظ ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۸ ص ۱۴۰) امام ابن اثیر متوفی ۶۳۰ ھ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت داؤد کی عمر سو سال تھی اور یہ حدیث صحیح میں ہے ان کی حکومت کی مدت چالیس سال تھی اور ان کے انیس بیٹے تھے اور صرف حضرت سلیمان ان کے وارث ہوئے۔ (الکامل لابن اثیر ج ۱ ص ۱۴۸)

بعض لوگوں سے روایت ہے کہ جس وقت ملک الموت آیا اس وقت حضرت داؤد محراب (چوبارہ) سے اتر رہے تھے۔ حضرت داؤد نے کہا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں محراب سے اتر جاؤں یا محراب کی طرف چڑھ جاؤں۔ ملک الموت نے کہا اے اللہ کے نبی! سال اور مہینے پورے ہو چکے ہیں۔ پھر حضرت داؤد وہیں سیڑھی کے ایک ڈنڈے پر سجدہ میں گر گئے اور سجدہ کی حالت میں ملک الموت نے آپ کی روح قبض کر لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۸ ص ۱۴۰) (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۶۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

مختصر تاریخ دمشق علامہ ابن منظور متوفی ۷۱۱ ھ نے مرتب کی ہے جس میں انہوں نے تاریخ دمشق الکبیر کی تلخیص کی ہے' مگر مذکور الصدر روایات تاریخ دمشق الکبیر میں نہیں ہیں' اور غالباً حافظ ابن کثیر کے سامنے اصل تاریخ دمشق نہیں تھی کیونکہ یہ کتاب تو ابھی چند سال پہلے چھپی ہے' ہم نے دونوں کتابوں کا تقابل کیا ہے۔ علامہ ابن منظور نے اس مختصر میں کئی روایات اپنی طرف سے بھی داخل کر دی ہیں جو اصل کتاب میں نہیں ہیں۔ (امام ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر نے حضرت داؤد کی عمر سو سال لکھی ہے لیکن سنن ترمذی میں تصریح ہے کہ ان کی عمر چالیس سال تھی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام ونسب اور انبیاء مبعوثین کی ترتیب

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی ۵۷۱ ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام ونسب اس طرح ہے: سلیمان بن داؤد بن ایشی بن عوید بن ناعر بن سلمون بن نخشون بن عمیناذب بن ارم بن خصرون بن فارص بن یھوذا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ابوالربیع نبی اللہ بن نبی اللہ (علیہم السلام)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام بھی دمشق میں آئے تھے۔

سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت ادریس تھے' پھر حضرت نوح' پھر حضرت ابراہیم' پھر حضرت اسماعیل' پھر حضرت اسحاق' پھر حضرت یعقوب' پھر حضرت یوسف' پھر حضرت لوط۔ (اس پر یہ اشکال ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے) پھر حضرت ہود' پھر حضرت صالح' پھر حضرت شعیب' پھر حضرت موسیٰ' پھر حضرت ہارون' پھر حضرت الیاس' پھر حضرت الیسع' پھر حضرت یونس' پھر حضرت ایوب' پھر حضرت داؤد' پھر حضرت سلیمان' پھر حضرت زکریا' پھر حضرت یحییٰ' پھر حضرت عیسیٰ ابن مریم' پھر سیدنا حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم کو مبعوث کیا گیا۔ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۱۶۵' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی ان آیات میں ہے: البقرہ ۱۰۲' النساء: ۱۶۳' الانعام: ۸۴' الانبیاء:

۲۸۔النمل: ۲۴-۱۵ سبا: ۱۲ ص: ۴۰-۳۰

البقرۃ' النساء' الانعام اور الانبیاء کی تفسیر گزر چکی ہے۔ النمل: ۲۴-۱۵ کی تفسیر ان شاء اللہ عنقریب اس رکوع میں آ رہی ہے۔ اس لیے ہم یہاں پر ص: ۴۰-۳۰ کا ذکر کر رہے ہیں جن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّیۡۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَیَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۝ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِی الْاَصْفَادِ ۝ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ (ص: ۴۰-۳۰)

اور ہم نے داؤد کو سلیمان (نام کا بیٹا) عطا فرمایا۔ وہ کیا ہی اچھے بندے تھے' بے شک وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے ۝ جب ان کے سامنے شام کے وقت تیز رفتار عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے ۝ سو انہوں نے کہا میں اس خیر (گھوڑوں) کی محبت میں اپنے رب کی یاد سے غافل رہا' حتیٰ کہ سورج پردہ (مغرب) میں چھپ گیا ۝ ان گھوڑوں کو (دوبارہ) میرے سامنے لاؤ پھر ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا ۝ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر جسم ڈال دیا' پھر انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا ۝ انہوں نے دعا کی اے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے علاوہ کسی اور کے لائق نہ ہو' بے شک تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے ۝ سو ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے ان کو نرمی سے لے جاتی تھی ۝ اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع فرمان کر دیا جو ہر قسم کی عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تھے ۝ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے ۝ یہ ہماری عطا ہے خواہ آپ (ان کو) کسی پر احسان کر کے دے دیں' یا اپنے پاس روک لیں! آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگا ۝ بے شک اس کا ہمارے پاس (بہت) قرب ہے اور اس کے لیے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے ۝

جہاد کے گھوڑوں کے معائنہ کی مشغولیت کی وجہ سے حضرت سلیمان کی عصر کی نماز کا قضا ہونا

امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ جب گھوڑوں کے معائنہ میں مشغولیت کی وجہ سے حضرت سلیمان کی عصر کی نماز قضا ہو گئی تو انہوں نے اس کے غم و غصہ میں تمام گھوڑوں کو تلوار سے کاٹ ڈالا۔ (تاریخ دمشق ج ۲۴ ص ۱۷۳)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں:

اکثر متقدمین مفسرین نے یہ کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کو دیکھنے کے شوق میں اس قدر مشغول ہوئے حتیٰ کہ عصر کی نماز کا وقت نکل گیا اور سورج غروب ہو گیا' اس کو حضرت علی بن ابی طالب نے روایت کیا ہے' اور حتمی بات یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بغیر عذر کے عمداً نماز کو ترک نہیں کیا تھا' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں جہاد اور اسباب جہاد کے حصول کے لیے نماز کو موخر یا قضا کر دینا جائز تھا اور گھوڑے بھی اسباب جہاد میں سے ہیں اس لیے وہ گھوڑوں

کے معائنہ میں اس قدر مشغول ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور جب وہ اس پر متوجہ ہوئے کہ ان کے اس اشتغال کی وجہ سے عصر کی نماز کا وقت نکل گیا تو انہوں نے دوبارہ گھوڑوں کو بلوایا اور ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلواریں مار کر ان کو قتل کر دیا اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر چمکارنے کے لیے ہاتھ پھیرا اور پھر ان کے درمیان گھڑ دوڑ کا مقابلہ کرایا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ غزوہ خندق کے دن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز موخر کر دی تھی کیونکہ یہ پہلے مشروع اور جائز تھا کہ جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے نماز کو موخر کر دیا جائے بعد میں صلوٰۃ خوف کا حکم نازل ہوا اور پھر جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے نماز کا موخر کرنا منسوخ ہو گیا' اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن عصر کی نماز کو عمداً موخر نہیں کیا تھا بلکہ جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے آپ بھول گئے تھے۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بھی گھوڑوں کے معائنہ کی وجہ سے عصر کی نماز پڑھنا بھول گئے تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج۱ص ۲۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے آئے' حضرت عائشہ کے طاقچہ پر ایک پردہ تھا۔ ہوا سے پردہ اڑا تو اس میں حضرت عائشہ کی گڑیاں رکھی ہوئی نظر آئیں۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اے عائشہ! حضرت عائشہ نے کہا یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپ نے دیکھا ان گڑیوں کے درمیان ایک گھوڑا رکھا ہوا تھا جس کے پر بنے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا ان گڑیوں کے درمیان میں کیا رکھا ہوا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا یہ گھوڑا ہے! آپ نے پوچھا اس کے اوپر کیا بنا ہوا ہے؟ کہا وہ اس کے دو پر ہیں' آپ نے فرمایا کیا گھوڑے کے پر ہوتے ہیں؟ حضرت عائشہ نے کہا کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پروں والے گھوڑے تھے! حضرت عائشہ نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ میں نے آپ کی داڑھیں دیکھیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۳۲)

(البدایہ والنہایہ ج۱ص ۲۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد

ص: ۳۴ میں ہے: اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر جسم ڈال دیا پھر انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد نبی اللہ نے کہا میں آج رات ستر ازواج کے پاس جاؤں گا ان میں سے ہر ایک سے ایک لڑکا پیدا ہو گا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا' ان کے ساتھی یا کسی فرشتے نے کہا کہیے ان شاء اللہ' وہ بھول گئے اور نہ کہا' پھر ان کی ازواج میں سے صرف ایک کے ہاں ادھورا لڑکا پیدا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ ان شاء اللہ کہتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی! اور ان کا مقصد پورا ہو جاتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۳۷' عالم الکتب' تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۱۸۶' رقم الحدیث: ۵۱۲۱' ۵۱۲۰' ۵۱۱۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد کے بیان میں مضطرب روایات میں تطبیق

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد میں اضطراب ہے۔ بعض روایات میں ساٹھ ازواج کا ذکر ہے بعض میں ستر کا بعض میں نوے کا اور صحیح مسلم کے علاوہ صحیح بخاری میں ننانوے اور سو ازواج کا بھی ذکر ہے۔ علامہ نووی نے اس کے

جواب میں لکھا ہے کہ عدد میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا اور عدد قلیل کے ذکر سے عدد کثیر کی نفی نہیں ہوتی۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۴۹ مطبوعہ کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی کے جواب کو مسترد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ بہت سے علماء کے نزدیک عدد میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان کی ساٹھ ازواج تھیں اور باقی باندیاں تھیں اور جن روایات میں ساٹھ سے زیادہ ازواج کا ذکر ہے ان میں مجازاً باندیوں پر بھی ازواج کا اطلاق کیا گیا ہے یا اس کے برعکس ساٹھ باندیاں تھیں اور باقی ازواج تھیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں ازواج نوے سے زیادہ اور سو سے کم تھیں' جس روایت میں نوے کا ذکر ہے اس میں کسر کو حذف کر دیا اور جس روایت میں سو کا ذکر ہے اس میں کسر کو پورا کر دیا اور ساٹھ اور ستر کے ذکر سے کثرت میں مبالغہ مراد ہے کیونکہ عرب کثرت میں مبالغہ کے لیے ساٹھ اور ستر کا عدد ذکر کرتے ہیں' اور وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک ہزار عورتیں تھیں جن میں سے تین سو ازواج تھیں اور سات سو باندیاں تھیں۔ امام حاکم نے مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ محمد بن کعب سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان کے پاس ایک ہزار شیشے کے لکڑی پر جڑے ہوئے گھر تھے' تین سو ازواج کے تھے اور سات سو باندیوں کے۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۶۷' ۴۶۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ازواج کے عدد میں اختلاف راویوں کے تصرف کا نتیجہ ہے' ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا عدد بیان کیا جو کثرت پر دلالت کرتا ہو اور ہر راوی نے اپنی سمجھ کے اعتبار سے اس کی دوسرے سے مختلف تعبیر کر دی اور اس سے اصل حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' کیونکہ ان کے نزدیک ازواج کے عدد کو محفوظ اور منضبط رکھنے کے ساتھ کوئی دینی اور دنیوی غرض متعلق نہیں تھی۔

حضرت سلیمان سے متعلق ایک حدیث صحیح پر سید مودودی کے اعتراض کے جوابات

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے ایک رات میں ساٹھ ازواج سے جماع کرنے کو عقلاً مستبعد قرار دے کر ان احادیث ہی کا انکار کر دیا! لکھتے ہیں:

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ حضرت سلیمان نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا مگر یہ بات کہتے ہوئے انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئیں اور ان سے بھی ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا جسے دائی نے لا کر حضرت سلیمان کی کرسی پر ڈال دیا۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور اسے بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے۔ خود بخاری میں مختلف مقامات پر یہ روایت جن طریقوں سے نقل کی گئی ہے ان میں سے کسی میں بیویوں کی تعداد ساٹھ بیان کی گئی ہے' کسی میں ۷۰' کسی میں ۹۰' کسی میں ۹۹ اور کسی میں ۱۰۰' جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا' لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے بلکہ آپ نے غالباً یہود کی یاوہ گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر اسے بطور مثال بیان فرمایا ہوگا' اور سامع کو یہ غلطی لاحق ہوگئی کہ اس بات کو حضور خود بطور واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ ایسی روایات کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے' ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ سکتا ہے کہ جاڑے کی طویل ترین رات میں بھی عشاء اور فجر کے درمیان دس گیارہ

گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ اگر بیویوں کی کم سے کم تعداد ساٹھ ہی مان لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس رات بغیر دم لیے فی گھنٹہ چھ بیویوں کے حساب سے مسلسل دس گھنٹے یا 11 گھنٹے مباشرت کرتے چلے گئے' کیا یہ عملاً ممکن بھی ہے؟ اور کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ حضور نے یہ بات واقعے کے طور پر بیان کی ہوگی؟

(تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۳۷ مطبوعہ لاہور' ۱۹۷۷ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جس انداز سے اس حدیث صحیح کو مسترد کیا ہے اس میں ان کا اسلوب نگارش غلام احمد پرویز اور ڈاکٹر غلام جیلانی سے چنداں مختلف نہیں ہے حدیث کی جانچ اور پرکھ کا اصول محدثین اور مجتہدین کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی سند صحیح ہو اور اس کا متن قرآن مجید' سنت مشہورہ اور عقل صریح کے خلاف نہ ہو بایں طور کہ وہ کسی محال عقلی کو مستلزم نہ ہو' اور اگر ہر شخص کی عقل کو حدیث کی صحت اور عدم صحت کے لیے ترازو مان لیا جائے تو دین کے اکثر اور بیشتر احکام سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس حدیث پر جو اعتراض کیا ہے اس کے جواب میں پہلی گزارش یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد میں یہ فرض کر لینا صحیح نہیں ہے کہ وہ قطعی طور پر ساٹھ ہی تھیں' کیونکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ ذکر کیا جس کو راویوں نے اپنی اپنی فہم کے مطابق ساٹھ' ستر یا نوے سے تعبیر کر لیا۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ اگر بارہ گھنٹے کی رات فرض کی جائے اور ساٹھ ازواج ہوں تو ایک گھنٹہ میں پانچ کا حساب آتا ہے اور یہ چنداں مستبعد نہیں ہے' تیسری گزارش یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے افعال مبارکہ کو عام آدمیوں کے افعال پر قیاس کر لینا ہی گمراہی کا اولین سبب ہے' کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ایک ولی (آصف بن برخیا) نے تین ماہ کی مسافت سے تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے لا کر حاضر کر دیا اور جب سلیمان علیہ السلام کا ایک خاص امتی تین ماہ کے کام کو پلک جھپکنے سے پہلے کر سکتا ہے تو خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت اور اختیار کا کیا عالم ہوگا! سید ابوالاعلیٰ مودودی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کارکردگی کے لیے گھنٹوں اور منٹوں کا جو ٹائم ٹیبل بنایا ہے اس کے اعتبار سے کسی نبی کا معجزہ ثابت ہو سکتا ہے اور نہ کسی ولی کی کرامت!!

حضرت سلیمان علیہ السلام کی اجتہاد میں اصابت رائے

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۔ (الانبیاء: ۷۸-۷۹)

(حضرت) داؤد اور (حضرت) سلیمان (علیہما السلام) جب اس کھیت کا فیصلہ کرنے لگے جس کی فصل کو ایک قوم کی بکریوں نے رات میں روند ڈالا تھا' ان کا فیصلہ ہمارے سامنے تھا' ہم نے (حضرت) سلیمان کو اس فیصلہ کی فہم دے دی تھی اور ہم نے دونوں کو حکومت دی تھی اور علم عطا فرمایا تھا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص کے کھیت میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں آگھسیں اور کھیت کا نقصان کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دیکھ کر بکریوں کی قیمت اس مالیت کے برابر ہے جس کا کھیت والے نے نقصان اٹھایا تھا یہ فیصلہ کیا بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ کھیت والا اپنے پاس بکریاں رکھے اور ان سے فائدہ اٹھائے اور بکریوں والے

کھیت کو دوبارہ اصل حالت پر لانے کے لیے کھیتی باڑی کریں اور جب کھیت پہلی حالت پر واپس آ جائے تو بکریاں ان کے مالکوں کو لوٹا دیں اور کھیت والے اپنا کھیت لے لیں۔ اس میں دونوں کا نقصان نہ ہوگا۔ حضرت داؤد نے یہ فیصلہ سن کر حضرت سلیمان کی تحسین فرمائی اور اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ فقہی اصطلاح میں حضرت داؤد نے حضرت سلیمان کے استحسان کے مقابلہ میں اپنے قیاس سے رجوع فرمالیا۔

اس آیت سے معلوم ہو کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اصول شرع کے مطابق اپنی رائے دینا اجتہاد ہے اور کبھی ایک مسئلہ میں اجتہاد سے دو حل معلوم ہوتے ہیں۔ ایک حل ظاہر اور دوسرا خفی ہوتا ہے۔ ظاہر کو قیاس اور خفی کو استحسان کہتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اجتہاد کی دوسری مثال اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو عورتیں اپنے اپنے بچے کو ساتھ لے کر جا رہی تھیں' اتنے میں بھیڑیا آ کر ان میں سے ایک کے بچے کو لے گیا' ایک عورت نے دوسری سے کہا بھیڑیا تمہارے بچہ کو لے گیا ہے' دوسری نے کہا نہیں' تمہارے بچہ کو لے گیا ہے وہ دونوں حضرت داؤد کے پاس اپنا مقدمہ لے کر گئیں' انہوں نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا' پھر وہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس گئیں اور ان کو ماجرا سنایا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا چھری لاؤ میں اس بچہ کے دو ٹکڑے کر کے تم دونوں کو دے دیتا ہوں' چھوٹی نے کہا نہیں' اللہ تم پر رحم کرے وہ اسی کا بچہ ہے' پھر حضرت سلیمان نے چھوٹی کے حق میں اس بچہ کا فیصلہ کر دیا۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا بخدا! (چھری کے لیے) سکین کا لفظ میں نے اسی دن سنا ہے۔ ہم اس سے پہلے ''مدیہ'' کہتے تھے۔

(صحیح مسلم الاقضیہ: ۲۰' رقم الحدیث بلاتکرار ۱۷۲۰' الرقم المسلسل: ۴۴۱۵' تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۲۰۰ رقم الحدیث: ۵۱۳۳)

اس حدیث میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس بچے کا بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا' اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت داؤد نے کس قرینہ کی بنا پر بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت داؤد کے خیال میں وہ بچہ بڑی عورت کے مشابہ ہو اور اس مشابہت کی بنا پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہو' یا بچہ بڑی عورت کے ہاتھ میں دیکھ کر یہ فیصلہ کر دیا ہو۔

حضرت سلیمان کا واقعاتی شہادت سے استدلال

حضرت سلیمان نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان دونوں سے کہا کہ میں چھری سے اس بچے کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں تاکہ یہ دیکھیں کہ یہ فیصلہ کس پر دشوار ہوتا ہے اور جس عورت پر بچے کے دو ٹکڑے کرنے کا فیصلہ شاق ہوگا وہی عورت حقیقت میں بچہ کی ماں ہوگی اور جب بڑی عورت بچے کے ٹکڑے کرنے پر راضی ہو گئی اور چھوٹی عورت نے بچے کی جان بچانے کے لیے کہا کہ نہیں' یہ اسی کا بچہ ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ بچہ حقیقت میں چھوٹی عورت کا ہے اور انہوں نے چھوٹی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ درحقیقت اس مسئلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے واقعاتی شہادت اور قرینہ خارجیہ سے استدلال کیا ہے کیونکہ یہاں اور گواہی نہیں تھی اور علماء نے کہا ہے کہ حکام کو اس قسم کے معاملات میں واقعاتی شہادتوں سے استدلال کرنا چاہیے۔

ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے کب اختلاف کر سکتا ہے؟

ایک سوال یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے بعد اسی مقدمہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیوں فیصلہ

کیا' اوران کے فیصلہ کو کیوں تبدیل کیا' حالانکہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے فیصلہ کو تبدیل نہیں کرتا؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام کو اس فیصلہ پر یقین نہیں تھا۔

(۲) یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فتویٰ تھا' فیصلہ نہیں تھا۔

(۳) ہوسکتا ہے کہ ان کی شریعت میں یہ جائز ہو کہ جب دوسرے حاکم کے پاس مقدمہ پہنچے تو وہ پہلے حاکم کے خلاف فیصلہ کر دے۔

(۴) حضرت سلیمان نے جب حیلہ سے یہ معلوم کرلیا کہ بچہ چھوٹی عورت کا ہے تو انہوں نے بڑی عورت سے اقرار کرالیا اور اقرار حجت ملزمہ ہے' کیونکہ جب اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے خلاف خود ہی اقرار کرلیا کہ حق چھوٹی عورت کا ہے تو اب حضرت سلیمان پر فیصلہ تبدیل کرنے کا اعتراض نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد سے اختلاف کرنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اجتہاد کرتے ہیں اور بعض اوقات انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطا بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ اس مسئلہ میں حضرت داؤد علیہ السلام سے اجتہادی خطا ہوگئی' لیکن وہ اجتہادی خطا پر برقرار نہیں رہتے اللہ تعالیٰ ان پر حق واضح کر دیتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسا ملک عطا فرمانا جو دوسروں کو نہ دیا گیا ہو

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان نے بیت المقدس بنالیا تو اپنے رب عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان میں سے دو چیزیں عطا فرما دیں اور ہمیں امید ہے کہ تیسری چیز ہمیں مل جائے گی۔ انہوں نے سوال کیا کہ وہ ایسا فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے موافق ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عطا فرما دیا' اور انہوں نے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا ملک عطا فرمائے جو ان کے بعد اور کسی کے سزاوار نہ ہو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ان کو عطا فرما دیا' اور انہوں نے یہ سوال کیا کہ جو بھی اپنے گھر سے اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آئے اور اس کا ارادہ صرف اس مسجد میں نماز پڑھنا ہو تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے جیسے وہ اپنی ماں کے بطن سے ابھی پیدا ہوا ہو' ہمیں امید ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کر دی ہے۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۰۸' مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۶۶۵۵' دارالفکر' تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۲۱۱' رقم الحدیث: ۵۱۳۵)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر فرمانا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ (ص: ۳۵)

اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو' بے شک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کو قبول کر کے فرمایا:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ (ص: ۳۶)

سو ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا' وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے ان کو نرمی سے لے جاتی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب محض اللہ کی رضا کے لیے اپنے شوق کے باوجود گھوڑوں کے ساتھ دلچسپی لینے اور ان

مشغولیت کو ترک کر دیا اور ایک تفسیر کے مطابق گھوڑوں کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے لیے سواری بنا دیا جو گھوڑوں کی رفتار سے کہیں زیادہ تیز تھی' حضرت سلیمان کے پاس لکڑی کا ایک بہت بڑا تخت تھا' اس کے علاوہ ان کی ضرورت کی تمام چیزیں ان کے پاس موجود تھیں' ان کے پاس مکان' محل' خیمے اور ساز و سامان تھا' گھوڑے تھے' انسان اور جن ان کے خدمت گار تھے۔ حیوانات اور پرندے ان کے تابع تھے' اور ہر قسم کی خوبصورت چیزیں ان کے پاس مہیا تھیں' جب وہ کسی سفر پر جانے کا قصد کرتے' کسی سے ملاقات کے لیے' کسی علاقہ میں جہاد کرنے کے لیے یا کسی دشمن پر حملہ کرنے کے لیے' خواہ وہ کسی ملک میں جانے کا قصد کرتے' تو ضرورت کی ساری چیزیں' انواع و اقسام کا ساز و سامان اور خدام' سب اس تخت پر آ جاتے' پھر آپ ہوا کو حکم دیتے وہ اس تخت کے نیچے داخل ہو کر اس تخت کو اوپر اٹھا لیتی۔ پھر جب وہ تخت زمین سے کافی بلندی پر چلا جاتا تو آپ نے جہاں جانا ہوتا ہوا آپ کو بہت تیزی اور سرعت کے ساتھ وہاں پہنچا دیتی۔ آپ صبح کے وقت بیت المقدس سے سفر کرتے اور ہوا آپ کو ایک ماہ کی مسافت کے فاصلہ پر پہنچا دیتی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ (سبا: ۱۲)

اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا کہ وہ صبح کی سیر میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی اور شام کی سیر میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی' اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا (تا کہ تانبے کی دھات سے وہ جو چاہیں بنائیں)

بے شک یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بہت عظیم معجزہ تھا' ہوا ان کو صبح کے وقت میں ایک ماہ کی مسافت پر لے جاتی تھی' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ عظیم معجزہ عطا فرمایا کیونکہ حضرت سلیمان کو تخت پر بیٹھ کر جانا پڑتا تھا اور ہمارے نبی جہاں جانا چاہتے تھے وہ جگہ خود آپ کے سامنے آ جاتی تھی۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا ومغاربھا.

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

رہا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اغراض اور مقاصد کے لیے سفر بھی کیے ہیں اور آپ متعدد علاقوں میں گئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام علاقے آپ کو دکھا دیئے تھے' آپ کا سفر کرنا اور مختلف علاقوں میں جانا محض اس لیے تھا کہ سفر کرنا اور مختلف علاقوں میں جانا ہمارے لیے سنت اور کار ثواب ہو جائے اور اس باب میں آپ کا اسوہ اور نمونہ فراہم ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؕ ۝ (الاحزاب: ۲۱)

بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے عمدہ نمونہ ہے' ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرتا ہے۔

حضرت سلیمان کے لیے جنات کو مسخر کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝ (ص: ۳۷)

اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع فرمان کر دیا جو ہر قسم عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تھے۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ (سبا: ۱۲)

اور بعض جنات بھی ان کے رب کے حکم سے ان کے سامنے ان کے فرمان کے موافق کام کرتے تھے' اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا' ہم اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مسخر کر دیا تھا وہ جو کام چاہتے تھے ان سے کرا لیتے تھے' وہ ان کی اطاعت سے انحراف نہیں کرتے تھے' اگر وہ سرمو بھی ان کی حکم عدولی کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو سخت عذاب میں جتلا کر دیتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ رات ایک بہت بڑا جن (نماز میں) مجھ پر حملہ آور ہوا تا کہ میری نماز توڑ دے' اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قدرت دے دی' میں نے اس کو پکڑ لیا' اور میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں' پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ (ص: ۳۵)

اے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا فرما' جو میرے علاوہ کسی اور کے لائق نہ ہو۔

تو میں نے اس (بہت بڑے جن) کو ناکام اور نامراد لوٹا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۲۳' ۴۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۴۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۴۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۴' ۷۹۶۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۱۸۹' رقم الحدیث: ۵۱۲۲' مطبوعہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے' ہم نے نماز میں آپ کو تین بار یہ دعا کرتے ہوئے سنا: ''میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اور تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں' اور آپ نے (نماز میں) اس طرح ہاتھ بڑھایا جیسے کسی چیز کو پکڑ رہے ہوں' جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو نماز میں ایک دعا کرتے ہوئے سنا ہم نے اس سے پہلے نماز میں آپ سے وہ دعا نہیں سنی' اور ہم نے آپ کو نماز میں اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے دیکھا' آپ نے فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس نماز میں میرے چہرے پر آگ کا ایک گولا مارنے کے لیے آیا' میں نے تین بار کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں' پھر میں نے کہا میں تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں' وہ تین بار پیچھے نہیں ہٹا' پھر میں نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا' اللہ کی قسم! اگر ہمارے بھائی سلیمان نے دعا نہ کی ہوتی تو وہ صبح کو زنجیروں سے جکڑا ہوا ہوتا اور اہل مدینہ کے بچے اس سے کھیل رہے ہوتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور میں آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا' آپ نے قرأت کی تو آپ پر قرأت مشتبہ ہو گئی' جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کاش تم مجھے ابلیس کے ساتھ دیکھتے میں اپنے ہاتھ سے اس کا گلا گھونٹنے لگا اور اس وقت تک اس کا گلا گھونٹتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کے لعاب کی ٹھنڈک اپنی ان دو انگلیوں اور ان کے ساتھ انگوٹھے میں محسوس کی اور اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو یہ صبح کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیل رہے ہوتے' پھر

تم میں سے جو شخص اس کی استطاعت رکھتا ہو کہ اس کے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو وہ ایسا کرے (یعنی صف اول میں نماز پڑھے) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۹۹ مسند احمد ج ۴ رقم الحدیث: ۱۱۷۸۰ دار الفکر بیروت)

اس حدیث پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّهُ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط ۔ بے شک شیطان اور اس کا لشکر تم کو اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اس کو نہیں دیکھتے۔ (الاعراف: ۲۷)

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ عام لوگ شیطان اور اس کی ذریات کو نہیں دیکھ سکتے' پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ تم اس کو مسجد کے کسی ستون کے ساتھ بندھا ہوا دیکھتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غالب احوال اور عام اوقات میں ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اہل مدینہ کے دیکھنے کا فرمایا ہے وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہے اور وجہ استثناء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اس حدیث پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تو یہ دعا کی تھی کہ اے رب! مجھے ایسا ملک عطا فرما جو کسی اور کے لائق نہ ہو اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس بہت بڑے جن کو باندھنے اور اس کو بھگانے پر قدرت تھی تو آپ کی بھی جنات پر سلطنت ثابت ہوگئی اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت نہ رہی!

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جنات پر سلطنت یہ تھی کہ وہ ان سے ہر قسم کی خدمت لینے اور کام پر لگانے پر قادر تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اتنی مقدار پر قادر تھے کہ اس کو باندھ دیتے یا اس کو بھگا دیتے' لہٰذا جن پر آپ کے اس تصرف سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمومی سلطنت اور ان کے ساتھ اختصاص میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جنات پر وہ قوت عطا کر دی تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا کی تھی اس کے باوجود آپ نے اس جن کو نہیں باندھا تا کہ جنات پر تصرف کرنے کی حضرت سلیمان علیہ السلام کی انفرادیت اور خصوصیت باقی رہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۳۵' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا کی تھی کہ مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کو سزاوار نہ ہو یعنی وہ سلطنت صرف آپ میں منحصر ہو اس دعا میں حصر سے مراد حصر حقیقی نہیں تھا حصر اضافی تھا یعنی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی نبی یا ولی یا کسی بھی شخص کو جنات پر ایسی ہمہ گیر سلطنت حاصل نہیں تھی اور یہ حصر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کے اعتبار سے ہے' اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں' سید خلق ہیں اور قائد المرسلین ہیں' اور تمام نبیوں اور رسولوں کے کمالات اور ان کے معجزات کے جامع ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی نبی کو کوئی سلطنت اور کمال حاصل ہو اور وہ آپ کو حاصل نہ ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نبوت یا کوئی اور نعمت ہو جس کو بھی جو چیز ملتی ہے وہ آپ ہی کے وسیلہ سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مطلقاً عطا فرماتا ہے اور آپ مطلقاً تقسیم کرتے ہیں ابتداء آفرینش عالم سے جس فرد کو جو چیز ملتی ہے وہ آپ ہی کی تقسیم سے ملتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے معمولات اور ان کے احوال وکوائف کے متعلق احادیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت سلیمان کی انگوٹھی میں نقش تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ.

(جامع البیان جز ٢٣ص ١٧٩، مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ، تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ٥١١٥، ج ٢٣ص ١٨٢ مطبوعہ بیروت ١٤٢١ھ)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی انگوٹھی کا نگینہ آسمانی تھا ان کی طرف وہ نگینہ گرایا گیا تو انہوں نے اس کو اٹھا کر اپنی انگوٹھی میں رکھ لیا اس پر یہ عبارت نقش تھی:

انا اللہ لا الہ الا انا محمد عبدی و رسولی۔ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے محمد میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ٢٤ص ١٨٢، رقم الحدیث: ٥١١٦، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤٢١ھ)

سلامان بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داؤد کو کتنا بڑا ملک عطا کیا تھا پھر بھی وہ اللہ کے خوف کی وجہ سے آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھاتے تھے حتیٰ کہ ان کی روح قبض کر لی گئی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ٢٤ص ١٩٦، رقم الحدیث: ٥١٢٤، مطبوعہ بیروت ١٤٢١ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہ ملک عطا کیا جو عطا کیا تو انہوں نے اللہ عزوجل کے خوف کی وجہ سے آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھائی۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ٥١٢٥، کنز العمال رقم الحدیث: ٣٢٣٣٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے دیکھا کہ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو ملک عطا فرمایا تو اس ملک اور سلطنت نے ان میں اللہ کے خوف کے سوا اور کسی چیز کو زیادہ نہیں کیا اور وہ اپنے رب عزوجل کے خوف کی وجہ سے آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھاتے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ٢٤ص ١٩٧، رقم الحدیث: ٥١٢٦، حلیۃ الاولیاء ج ١٠ص ١٢٨)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام کو مال، ملک اور علم کے درمیان (کسی ایک کے انتخاب کا) اختیار دیا گیا تو حضرت سلیمان نے علم کو اختیار کر لیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ٢٤ص ١٩٧، رقم الحدیث: ٥١٢٧، کنز العمال رقم الحدیث: ٢٨٧٨٣)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ نے حضرت سلیمان سے کہا اے بیٹے! رات کو زیادہ نہ سویا کرو کیونکہ جو رات کو زیادہ سوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ وہ فقیر ہو۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ٢٤ص ١٩٨، رقم الحدیث: ٥١٢٨، المعجم الصغیر ج ١ص ١٢١)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ پہلے شخص جن کے لیے حمام (نہانے کے لیے گرم پانی) بنایا گیا وہ حضرت سلیمان بن داؤد ہیں جب وہ حمام میں داخل ہوئے اور اس کی گرمی محسوس کی تو کہا اوہ! اللہ کے عذاب سے۔ (تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ٥١٣١، ٥١٣٠، ٥١٢٩، مجمع الزوائد ج ٨ص ٢٠٧، الضعفاء للعقیلی ج ١ص ٦٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی بارش کی دعا مانگنے کے لیے لوگوں کو لے کر گئے اچانک دیکھا کہ ان میں ایک چیونٹی بھی آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے ہوئے تھی تو اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس آجاؤ کیونکہ اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ٢٤ص ٢٠٧، رقم الحدیث: ٥١٣٤، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤٢١ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ (سبا: ۱۴)

پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم بھیج دیا تو سوائے گھن کے کیڑے (دیمک) کے کسی نے ان کی موت پر رہنمائی نہیں کی جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا پس جب وہ (سلیمان) گر پڑے تو اس وقت جنات نے جان لیا کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو وہ اس ذلت والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان جب بھی نماز پڑھتے تھے تو ان کے سامنے ایک درخت اگ جاتا تھا' وہ اس سے دریافت کرتے کہ تیرا نام کیا ہے تو وہ بتاتا کہ میرا فلاں فلاں نام ہے' پھر وہ اس سے پوچھتے کہ تو کس لیے ہے؟ تو وہ بتاتا کہ میں اس فائدہ کے لیے پیدا کیا گیا ہوں' اگر وہ درخت کسی دوا کے لیے پیدا کیا گیا ہوتا تو وہ انہیں بتا دیتا کہ میں اس مرض کی دوا کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔ ایک دن حضرت سلیمان نے نماز پڑھی اور ایک درخت ان کے سامنے اگ گیا' حضرت سلیمان نے اس درخت سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا میرا نام الخرنوب ہے' یا الخروب کہا' پوچھا تم کس لیے ہو؟ اس نے کہا میں اس گھر کو ویران کرنے کے لیے ہوں۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! جنات کو میری موت سے اندھا کر دے' حتیٰ کہ انسانوں کو یہ گمان نہ ہو کہ جنات غیب کو جانتے ہیں۔ پھر حضرت سلیمان نے ایک عصا تراشا اور اس پر ٹیک لگا کر پورا ایک سال کھڑے رہے' اور جنات کو یہ پتا نہ تھا کہ حضرت سلیمان پر موت آ چکی ہے' پھر دیمک نے اس عصا کو کھا لیا اور وہ عصا ٹوٹ کر گر گیا' اور حضرت سلیمان بھی گر گئے' تب جنات کو معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان فوت ہو چکے ہیں' تو انہوں اس دیمک کا شکر ادا کیا اور انہوں نے اندازہ کیا کہ وہ دیمک ایک سال سے اس عصا کو کھا رہی تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۲۱۲' رقم الحدیث: ۵۱۳۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حسن بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کو بنانے سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت سلیمان مسجد میں داخل ہوئے اس وقت ان کی آنکھوں کے سامنے قبلہ کی جانب ایک سرسبز درخت تھا' جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو درخت کہنے لگا: کیا آپ مجھ سے یہ نہیں معلوم کریں گے کہ میں کون ہوں' حضرت سلیمان نے فرمایا' تم کون ہو؟ اس نے کہا میں فلاں فلاں درخت ہوں اور فلاں فلاں بیماری کی مجھ میں دوا ہے۔ حضرت سلیمان نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا۔ اگلے دن پھر اسی کی مثل درخت اگا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں درخت ہوں اور فلاں فلاں بیماری کی مجھ میں دوا ہے۔ حضرت سلیمان نے اس درخت کو بھی کاٹنے کا حکم دیا' پھر ہر روز جب وہ مسجد میں داخل ہوتے تو ان کے سامنے ایک درخت اگا ہوا ہوتا' وہ اس کا نام اور اس کا فائدہ معلوم کرتے اور اس کو کٹوا دیتے اور ایک کتاب میں ان درختوں کے نام اور ان کے فوائد لکھ لیتے۔ جب وہ طب کی ایک کتاب مرتب کر چکے تو ایک دن وہ مسجد میں آئے اور نماز کے بعد پھر اپنے سامنے ایک درخت دیکھا' اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں الخرنوب ہوں' حضرت سلیمان نے پوچھا الخرنوب کس لیے ہوتا ہے؟ اس نے کہا الخرنوب جس گھر میں پیدا ہوتا ہے وہ گھر بہت جلد ویران ہو جاتا ہے۔ حضرت سلیمان نے کہا اب مجھے علم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کو کھنڈر بنانے کا اور اس سلطنت کو ختم کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ پھر حضرت سلیمان نے اس درخت سے ایک عصا بنا لیا اور اس پر ٹیک لگانے

لگے اور اسی عصا کو دیمک نے کھا لیا تھا۔

حضرت سلیمان ہر سال چالیس روز خصوصی عبادت کرتے تھے اور کئی کئی روز تک اپنے حجرے سے لوگوں سے ملنے کے لیے باہر نہیں آتے تھے' اور ان ایام کو پورا کرتے تھے جن ایام میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تھا اور جن ایام میں حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول کی تھی۔ وہ موٹے کپڑے پہنتے تھے' اور روزے رکھتے تھے اور اپنی محراب میں قیام کرتے تھے اور دو آدمیوں کے درمیان صف میں کھڑے ہوتے تھے' اور بعض اوقات اپنے عصا پر ٹیک لگاتے تھے اور وصال کے روزے رکھتے تھے اور جب وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی اور ان کا ملک ان کو لوٹا دیا تو انہوں نے عبادت میں زیادہ کوشش کی پھر ہر سال اسی (۸۰) دن خصوصی عبادت کرتے تھے' پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کرنے کا ارادہ کیا تو وہ محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور اپنے عصا پر ٹیک لگائی' اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو بھیجا اور اس نے ان کی روح اسی حالت میں قبض کر لی اور وہ اسی طرح ایک سال تک ٹیک لگائے رہے' لوگ اسی (۸۰) دن تک ان کا انتظار کرتے رہے اور آپ حجرے سے باہر نہیں آئے۔ لوگوں نے کہا وہ عبادت کرنے میں بہت کوشش کر رہے ہیں۔ پہلے وہ چالیس روز تک عبادت کرتے تھے' پھر انہوں نے اس کی میعاد زیادہ کی اور اسی (۸۰) روز تک عبادت کرنے لگے' اور لگتا ہے کہ اب وہ اسی (۸۰) دن سے بھی زیادہ عبادت کر رہے ہیں اور ان کی موت کا کسی کو علم نہیں ہوا' جنات کو نہ انسانوں کو اور جنات اور شیاطین مختلف قسموں کے کاموں میں مصروف تھے اور ان میں سے کسی کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا علم نہیں ہوا' حتیٰ کہ جس عصا پر وہ ٹیک لگائے ہوئے تھے اس عصا پر اللہ تعالیٰ نے دیمک کو مسلط کر دیا' دیمک اس عصا کو کھا گئی وہ ٹوٹ کر گر پڑا اور اس کے ساتھ حضرت سلیمان بھی گر پڑے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ (سبا: ۱۴)

پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم بھیج دیا تو سوائے گھن کے کیڑے (دیمک) کے کسی نے ان کی موت پر رہنمائی نہیں کی جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا' پس جب (وہ) سلیمان گر پڑے تو اس وقت جنات نے جان لیا کہ اگر وہ غیب جاننے والے ہوتے تو اس ذلت والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔

الزہری وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام باون سال زندہ رہے اور ان کی حکومت چالیس سال رہی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کی حکومت بیس سال رہی واللہ اعلم بالصواب!

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۴ ص ۲۱۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۸۳ - ۴۸۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابن اثیر نے بھی حضرت سلیمان کی وفات کا واقعہ اسی طرح لکھا ہے اور انہوں نے حضرت سلیمان کی عمر ترپن (۵۳) سال لکھی ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۱۳۷ - ۱۳۶' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۰ھ)

امام بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت سات سو سال چھ ماہ رہی۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو عظیم علم عطا کیا تھا' اور ان دونوں نے کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ۝ (النمل: ۱۵)

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے عظیم علم کے مصداق کے متعلق مفسرین کے اقوال

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو عظیم علم عطا فرمایا اس کے مصداق میں علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا اس سے مراد فہم ہے (۲) اس سے مراد صنعت کیمیا ہے اور یہ قول شاذ ہے (۳) اس سے مراد مقدمات کے فیصلے کرنے کا علم ہے (۴) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت' عقائد صحیحہ اور احکام شرعیہ کا علم ہے (۵) اس سے مراد پرندوں کی بولیاں ہیں (۶) اس سے مراد بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۱۹۸' مطبوعہ مؤسستہ الکتب الثقافیہ' بیروت)

یوں تو علم کی یہ تمام اقسام اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں لیکن سب سے عظیم نعمت جس پر شکر کرنا حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی شان اور ان کے حال کے موافق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات' اس کے متعلق ضروری عقائد اور احکام شرعیہ کا علم ہے۔

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات افراد کو سات قسم کا علم عطا فرمایا ہے۔ (۱) حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے اسماء کا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے وہ فرشتوں کی تعظیم اور ان کے سجدہ کے مستحق قرار پائے (۲) حضرت خضر علیہ السلام کو تکوینی امور اور غیب کا علم عطا فرمایا جس کی بنا پر ان کو حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع ایسے تلمیذ میسر ہوئے (۳) حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے ان کی اپنے والدین سے ملاقات ہوئی' ان کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اور ان کو مصر کی بادشاہی حاصل ہوئی (۴) حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے سے زرہ بننے کا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے ان کو ریاست اور درجات عظیمہ حاصل ہوئے (۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیوں کا علم عطا فرمایا اور یہ علم ملک سبا کی ملکہ بلقیس اور اس کو مومن بنانے اور اس کو اپنا مطیع کرنے کا وسیلہ بنا (۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو طب اور حکمت اور تورات اور انجیل کا علم عطا فرمایا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی والدہ سے بدکاری کی تہمت کو دور کیا اور بہت سے بنی اسرائیل ان کی نبوت پر ایمان لائے (۷) ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ماکان و مایکون اور کتاب وحکمت کا علم عطا فرمایا اور سب سے زیادہ اپنی ذات وصفات کی معرفت عطا فرمائی' جس کی وجہ سے آپ پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہیں اور آپ کی شریعت تمام شرائع سابقہ کی ناسخ ہے۔

علم کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کا علم' اس نے پھر دوبارہ آ کر وہی سوال کیا' آپ نے اس کو وہی جواب دیا' اس نے کہا یارسول اللہ! میں نے تو آپ سے صرف عمل کے متعلق سوال کیا ہے' آپ نے فرمایا عمل کم ہو یا زیادہ اس کے ساتھ تمہیں علم نفع دے گا اور جہل تم کو نفع نہیں دے گا خواہ اس کے ساتھ عمل کم ہو یا زیادہ۔

(نوادرالاصول ج ۴ ص ۱۰۱' مطبوعہ دارالجیل بیروت' ۱۴۱۲ھ' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۲۴۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۶۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۷۳۱' اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اس سے استدلال صحیح ہے۔)

علامہ عبدالرؤف المناوی المتوفی ۱۰۰۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان پر اللہ تعالیٰ کی معرفت واجب ہے' اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم افضل الاعمال ہے اور اشرف العلوم ہے'

کیونکہ جب تک صانع (اس دنیا کو بنانے والا) عالم اور قادر کا علم نہ ہو جو رسولوں کو بھیجنے والا ہے اور کتابوں کو نازل کرنے والا ہے اس وقت تک علم فقہ کا تصور ہوگا نہ علم حدیث کا نہ علم تفسیر کا' پس تمام علوم اس علم اصول پر موقوف ہیں اور یہ علم تمام علوم کا رئیس ہے' پس اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا علم' مکلف کے اوپر سب سے پہلا واجب ہے اور مقصود لذاتہ ہے لیکن اس معرفت سے اللہ تعالیٰ کی حقیقت کا علم مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کسی بشر کو معلوم نہیں ہے' اور نہ اس سے یہ مراد ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے' کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف آخرت میں دکھائی دے گا' اور دنیا میں بیداری میں اس کا دیدار ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوا اور خواب میں چند اکابر اولیاء اور علماء کو اس کا دیدار حاصل ہوا ہے' بلکہ ہم صرف اس کے مکلف ہیں کہ ہمیں دلائل سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا علم ہو اور ہم کو یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا چیزیں واجب ہیں اور کیا چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں' مثلاً علم اور قدرت اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہیں اور جہل اور عجز اس کے لیے محال ہیں' اسی طرح صدق اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے اور کذب اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے' صفات کمال اور حسن اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے اور عیب اور نقص اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔

سائل نے آپ سے عمل کے متعلق سوال کیا تھا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے جواب میں علم کا ذکر فرمایا' آپ نے فرمایا سب سے افضل عمل اللہ کا علم ہے' اس نے کہا میں نے تو عمل کے متعلق سوال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: بے شک علم تمہیں نفع دے گا خواہ اس کے ساتھ عمل کم ہو یا زیادہ کیونکہ عبادت علم پر موقوف ہے' پس اہم مطلوب اور اعظم مقصود اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ بعض علماء نے کہا عقلمند شخص کو چاہیے کہ اس علم کو حاصل کرے جو اس کے ساتھ برزخ میں بھی رہے نہ کہ وہ علم جو موت کے بعد اس سے الگ اور زائل ہو جائے' اور اس علم کو حاصل کرے جو اس کے ساتھ آخرت میں منتقل ہو اور آخرت میں صرف وہ علم اس کے ساتھ منتقل ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے بتائے ہوئے احکام شرعیہ کا علم ہوگا' نیز آپ نے فرمایا کہ جہل تمہیں نفع نہیں دے گا خواہ اس کے ساتھ عمل کم ہو یا زیادہ' جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے جاہل ہو اور اس کو احکام شرعیہ کا علم نہ ہو تو اس کا کوئی عقیدہ صحیح ہوگا نہ عمل۔

(فیض القدیر ج ۲ ص ۱۱۷۱-۱۱۷۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

جہل کی مذمت

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

جو شخص بغیر علم کے عبادت کرتا ہے وہ چکی کے گدھے کی طرح ہے وہ اس کے گرد گھومتا رہتا ہے اور مسافت کو قطع نہیں کرتا۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ بعض لوگ تفسیر حدیث پڑھے بغیر بے خواندہ' بے اجازت اساتذہ برسر بازار ومسجد وغیرہ بہ طور وعظ ونصائح کے بیان کرتے ہیں' حالانکہ مطلب ومعنی میں کچھ مس نہیں فقط اردو کی کتابیں دیکھ کے کہتے ہیں' یہ کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

حرام ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس نے بغیر علم کے قرآن مجید کے متعلق کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ یہ حدیث امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱/۱۰ص ۱۸۸'مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

زید جاہل کا اپنے آپ کو مولوی صاحب کہنا دونا گناہ ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہوا قال اللہ عزوجل لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب ولھم عذاب الیم ہرگز نہ جانیو تو انہیں جو اتراتے ہیں اپنے کام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کیے جائیں اس بات سے جو انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ جانیو انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور ان کے لیے دکھ کی مار ہے۔ معالم شریف میں عکرمہ تابعی شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول: یفرحون باضلالھم الناس وبنسبۃ الناس ایاھم الی العلم ولیسوا باھل العلم خوش ہوتے ہیں لوگوں کو بہکانے پر اور اس پر کہ لوگ انہیں مولوی کہیں حالانکہ مولوی نہیں۔ جاہل کی وعظ گوئی بھی گناہ ہے۔ وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یا شریعت کا مسئلہ اور جاہل کو ان میں کسی چیز کا بیان جائز نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے رواہ الترمذی وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما' احادیث میں اسے صحیح و غلط و ثابت و موضوع کی تمیز نہ ہوگی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ رواہ البخاری فی صحیحہ عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالی عنہ. اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا بے علم مسئلہ بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا رواہ الائمۃ احمد والشیخان والترمذی وابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنھما' دوسری حدیث میں آیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض جو بے علم فتویٰ دے اسے آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کریں رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ یونہی جاہل کا پیر بننا لوگوں کو مرید کرنا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا' چھوٹا منہ بڑی بات ہے' پیر ہادی ہوتا ہے اور جاہل کی نسبت ابھی حدیثوں سے گزرا کہ ہدایت نہیں کرسکتا نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ سے' کہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔ زید کا مشرکین کی مدح و ستائش علی الاعلان خصوصاً منبر ذکر شریف پر بیان کرنا خصوصاً انہیں مسلمانوں پر ترجیح دینا سخت ناپسند رب العزۃ جل وعلا ہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلذلک العرش جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے رب جل وعلا غضب فرماتا اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ وابویعلی والبیھقی فی السنن وانس بن مالک وابن عدی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما اس بیان سے تمام مراتب مسؤلہ سائلین کا جواب ہوگیا زید پر لازم کہ توبہ کرے اللہ عزوجل توفیق دینے والا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱/۱۰ص ۹۶'مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اس موضوع پر مزید تحریر فرماتے ہیں:

جاہل عالم کی فضیلت کو کسی طرح نہیں پہنچ سکتا جبکہ وہ عالم عالم دین ہو قال اللہ تعالیٰ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے علم والے اور بے علم۔ جاہل بوجہ جہل اپنی عبادت میں سو گناہ کر لیتا ہے۔ اور مصیبت یہ کہ انہیں گناہ بھی نہیں جانتا اور عالم دین اپنے گناہ میں بھی وہ حصہ خوف و ندامت کا رکھتا ہے کہ اسے جلد

نجات بخشتا ہے ولہٰذا حدیث میں ارشاد ہوا کہ عالم کا ہاتھ رب العزت کے دست قدرت میں ہے اگر وہ لغزش بھی کرے تو اللہ تعالیٰ جب چاہے اسے اٹھا لے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۲/۱۰ ص ۲۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۴۱۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں:

(پھر فرمایا) صوفیائے کرام فرماتے ہیں صوفی بے علم مسخرہ شیطان است وہ جانتا ہی نہیں شیطان اپنی باگ ڈور پر لگا لیتا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا المتعبد بغیر فقه کالحمار فی الطاحون بغیر فقہ کے عابد بننے والا (عابد نہ فرمایا بلکہ عابد بننے والا فرمایا یعنی بغیر فقہ کے عبادت ہو ہی نہیں سکتی) عابد بنتا ہے وہ ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا کہ محنت شاقہ کرے اور حاصل کچھ نہیں۔ ایک صاحب اولیائے کرام میں سے تھے قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارھم انہوں نے ایک صاحب ریاضت ومجاہدہ کا شہرہ سنا ان کے بڑے بڑے دعاوی سننے میں آئے ان کو بلایا اور فرمایا یہ کیا دعوے ہیں جو میں نے سنے' عرض کی مجھے دیدار الٰہی روز ہوتا ہے۔ ان آنکھوں سے سمندر پر خدا کا عرش بچھتا ہے اور اس پر خدا جلوہ فرما ہوتا ہے اب اگر ان کو علم ہوتا تو پہلے ہی سمجھ لیتے کہ دیدار الٰہی دنیا میں بحالت بیداری ان آنکھوں سے محال ہے سوائے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضور کو بھی فوق السموت والعرش دیدار ہوا۔ دنیا نام ہے سماوات وارض کا۔ خیر ان بزرگ نے ایک عالم صاحب کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ وہ حدیث پڑھو جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے۔ انہوں نے عرض کی بے شک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان ابلیس یضع عرشه علی البحر شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے۔ انہوں نے جب یہ سنا تو سمجھے کہ اب تک میں شیطان کو خدا سمجھتا رہا اسی کی عبادت کرتا رہا' اسی کو سجدے کرتا رہا' کپڑے پھاڑے اور جنگل کو چلے گئے پھر ان کا پتا نہ چلا۔ سیدی ابوالحسن جوسقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' خلیفہ ہیں حضرت سیدی ابوالحسن علی بن ہیتی رضی اللہ عنہ کے اور آپ خلیفہ ہیں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے آپ نے اپنے ایک مرید کو رمضان شریف میں چلے بٹھایا۔ ایک دن انہوں نے رونا شروع کیا آپ تشریف لائے اور فرمایا کیوں روتے ہو؟ عرض کیا حضرت شب قدر میری نظروں میں ہے' شجر وحجر اور دیوار و در سجدہ میں ہیں نور پھیلا ہوا ہے۔ میں سجدہ کرنا چاہتا ہوں ایک لوہے کی سلاخ حلق سے سینے تک ہے جس سے میں سجدہ نہیں کرسکتا اس وجہ سے روتا ہوں۔ فرمایا اے فرزند وہ سلاخ نہیں وہ تیر ہے جو میں نے تیرے سینے میں رکھا ہے اور یہ سب شیطان کا کرشمہ ہے شب قدر وغیرہ کچھ نہیں۔ عرض کی حضور میری تشفی کے لیے کوئی دلیل ارشاد ہو۔ فرمایا اچھا دونوں ہاتھ پھیلا کر تدریجاً سمیٹو۔ سمیٹنا شروع کیا' جتنا سمیٹتے تھے اتنی ہی روشنی مبدل بہ ظلمت ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ دونوں ہاتھ مل گئے بالکل اندھیرا ہو گیا۔ آپ کے ہاتھوں میں سے شور وغل ہونے لگا حضرت مجھے چھوڑیئے میں جاتا ہوں۔ تب ان مرید کی تشفی ہوئی (پھر فرمایا) بغیر علم کے صوفی کو شیطان کچے تاگے کی لگام ڈالتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے بعد نماز عصر شیاطین سمندر پر جمع ہوتے ہیں ابلیس کا تخت بچھتا ہے' شیاطین کی کارگزاری پیش ہوتی ہے' کوئی کہتا ہے اس نے اتنی شرابیں پلائیں' کوئی کہتا ہے اس نے اتنے زنا کرائے سب کی سنیں۔ کسی نے کہا اس نے آج فلاں طالب کو پڑھنے سے باز رکھا۔ سنتے ہی تخت پر سے اچھل پڑا اور اس کو گلے سے لگا لیا اور کہا انت انت تو نے کام کیا' اور شیاطین یہ کیفیت دیکھ کر جل گئے کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے کام کیے ان کو کچھ نہ کہا اور اس کو اتنی شاباش دی۔ ابلیس بولا تمہیں نہیں معلوم جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدقہ ہے۔ اگر علم ہوتا تو وہ گناہ نہ کرتے۔ بتاؤ وہ کونسی جگہ ہے جہاں سب سے بڑا عابد رہتا ہے مگر وہ عالم نہیں اور وہاں ایک عالم بھی رہتا ہو۔ انہوں نے ایک مقام کا نام لیا۔ صبح کو قبل طلوع آفتاب شیاطین کو لیے ہوئے اس مقام پر پہنچا اور شیاطین مخفی رہے اور یہ انسان کی شکل بن کر رستہ پر کھڑا ہو گیا۔ عابد صاحب تہجد کی نماز کے بعد فجر کے واسطے مسجد کی طرف تشریف لائے

راستہ میں ابلیس کھڑا ہی تھا' السلام علیکم' وعلیکم السلام حضرت مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے عابد صاحب نے فرمایا جلد پوچھو مجھے نماز کو جانا ہے۔ اس نے اپنی جیب سے ایک شیشی نکال کر پوچھا اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان سماوات وارض کو اس چھوٹی سی شیشی میں داخل کر دے۔ عابد صاحب نے سوچا اور کہا کہاں آسمان وزمین اور کہاں یہ چھوٹی سی شیشی۔ بولا بس یہی پوچھنا تھا تشریف لے جایئے اور شیاطین سے کہا دیکھو اس کی راہ ماردی' اس کو اللہ کی قدرت پر ہی ایمان نہیں عبادت کس کام کی۔ طلوع آفتاب کے قریب عالم صاحب جلدی کرتے ہوئے تشریف لائے اس نے کہا السلام علیکم' وعلیکم السلام مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ انہوں نے فرمایا جلدی پوچھو نماز کا وقت کم ہے۔ اس نے وہی سوال کیا۔ فرمایا ملعون تو ابلیس معلوم ہوتا ہے ارے وہ قادر ہے کہ یہ شیشی تو بہت بڑی ہے ایک سوئی کے ناکے کے اندر اگر چاہے تو کروڑوں آسمان وزمین داخل کر دے۔ ان اللہ علی کل شیء قدیر عالم صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد شیاطین سے بولا' دیکھو یہ علم ہی کی برکت ہے۔

(ملفوظات حصہ سوم ص ٢٦٩-٢٧١' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

اپنے آپ کو عالم کہنے یا جنتی کہنے کی تحقیق

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا جس شخص نے کہا کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے اور جس شخص نے کہا میں جاہل ہوں وہ بھی جاہل ہے اور جس شخص نے کہا میں جنت میں ہوں' وہ دوزخ میں ہے اور جس نے کہا میں دوزخ میں ہوں وہ بھی دوزخ میں ہے۔

(المعجم الصغیر ج ١ ص ١٢٠' رقم الحدیث: ٦٠١٧' احیاء العلوم ج ١ ص ١٢٠' حافظ الہیثمی متوفی ٨٠٧ء نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن ابی عطاء الثقفی ہے اس کو امام احمد نے ضعیف قرار دیا' اور کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے' اور امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے اس کے باوجود یہ یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یا کسی صحابی کا اثر نہیں ہے بلکہ تابعی کا قول ہے اور یہ حدیث مقطوع ہے۔ مجمع الزوائد ج ١ ص ١٨٦)

ہر چند کہ یہ قول ضعیف ہے' علامہ سیوطی نے اس کو باطل اور موضوع قرار دیا ہے تاہم اپنے آپ کو یا کسی اور کو بغیر کسی قطعی دلیل کے جنتی یا دوزخی کہنا جائز نہیں ہے' جنت اور دوزخ میں ہونے کا علم بغیر وحی کے نہیں ہو سکتا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی منقطع ہو چکی ہے لہٰذا کوئی شخص اپنے یا کسی اور کے متعلق اپنی عقل سے قطعی طور پر شرعاً یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی ہے' حدیث صحیح میں ہے:

حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب انصار نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں رکھنے کے لیے قرعہ اندازی کی تو حضرت عثمان بن مظعون کو رکھنے کے لیے ہمارے نام قرعہ نکلا' پس حضرت عثمان بن مظعون ہمارے گھر میں رہے' وہ بیمار ہو گئے تو ہم نے ان کا علاج کیا حتیٰ کہ جب وہ فوت ہو گئے تو ہم نے ان کو ان کے کپڑوں میں لپیٹ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے تو میں نے کہا اے ابو السائب! تم پر اللہ کی رحمت ہو' میری تمہارے متعلق شہادت ہے کہ تم کو اللہ نے عزت دی ہے تو مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو کس نے بتایا کہ ان کو اللہ نے عزت دی ہے! میں نے کہا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' یا رسول اللہ! میں اپنی عقل سے نہیں جانتی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے عثمان تو اللہ کی قسم ان کے پاس یقین آ چکا ہے' اور میں ان کے لیے نیک توقع رکھتا ہوں اور اللہ کی قسم! میں از خود' اپنی عقل سے نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا (یعنی میں بغیر وحی کے نہیں جانتا اور وحی کے ذریعہ مجھے اپنے جنتی ہونے اور دوسرے مسلمانوں کے جنتی ہونے کا علم الیقین ہے۔) حضرت ام العلاء کہتی ہیں پس اللہ کی قسم میں نے اس کے بعد کبھی کسی کی ایسی تعریف اور ستائش نہیں کی (کہ فلاں شخص جنتی ہے) اور مجھے اپنے اس قول نے غمزدہ کیا۔ حضرت ام العلاء کہتی ہیں کہ پھر میں سو گئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمان کے لیے ایک چشمہ جاری ہے' میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ خواب سنایا تو آپ نے فرمایا یہ چشمہ ان کا عمل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۰۰۴)

اس سے پہلے ہم نے علم کے متعلق یحییٰ بن ابی کثیر کا قول نقل کیا تھا لیکن اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۷ ص ۴۳۳ رقم الحدیث: ۶۸۴۲ مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۱۵ھ)

امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے قرآن مجید میں ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ (یوسف: ۵۵) میں بہت حفاظت کرنے والا اور بہت جاننے والا ہوں۔ اسی طرح حضرت علی حضرت ابن مسعود حضرت معاویہ اور حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں عالم ہوں۔ حافظ سیوطی نے متعدد شواہد اور دلائل سے اس حدیث کے متن اور سند کو باطل قرار دیا ہے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۹-۷ مطبوعہ لائل پور)

من عرف نفسه فقد عرف ربه کے حدیث ہونے کی تحقیق

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا:

من عرف نفسه فقد عرف ربه. جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

عرف عام میں یہ قول بہ طور حدیث کے مشہور ہے اس لیے ہم یہاں یہ تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ آیا یہ حدیث ہے یا نہیں!

علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی التوفی ۹۰۲ھ اس قول کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔ یہ یحییٰ بن معاذ الرازی کا قول ہے علامہ نووی نے کہا یہ ثابت نہیں ہے اس کی تاویل میں یہ کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے نفس کے حادث ہونے کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کے قدیم ہونے کو پہچان لیا اور جس نے اپنے نفس کے فانی ہونے کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کے باقی ہونے کو پہچان لیا۔

(المقاصد الحسنہ ص ۴۱۶ رقم الحدیث: ۱۱۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

حافظ جلال الدین السیوطی التوفی ۹۱۱ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا یہ غیر ثابت ہے ابن السمعانی نے کہا یہ یحییٰ بن معاذ الرازی کے کلام سے ہے۔

(الدرر المنتثرہ ص ۲۵۸ رقم الحدیث: ۴۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد طاہر بن علی پٹنی الہندی التوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه ثابت نہیں ہے ابن تیمیہ نے کہا یہ موضوع ہے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح اس نے کہا ہے مقاصد میں مذکور ہے یہ حدیث مرفوع نہیں ہے یہ یحییٰ بن معاذ کا قول ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ نے کہا یہ موضوع ہے السمعانی نے کہا یہ حدیث مرفوع نہیں ہے اس کے متعلق حکایت کی جاتی ہے کہ یہ یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے ورنہ اس کا معنی ثابت ہے اس کا معنی یہ

ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کے جہل کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کے علم کو پہچان لیا' اور جس نے اپنے نفس کی فنا کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی بقا کو پہچان لیا' اور جس نے اپنے نفس کے ضعف اور عجز کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی قوت اور قدرت کو پہچان لیا۔ (الاسرار المرفوعۃ ص ۲۳۸' رقم الحدیث: ۹۳۷' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۰۵ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ نے کہا یہ موضوع ہے اور اس سے پہلے علامہ نووی نے کہا یہ ثابت نہیں ہے' ابو المظفر بن السمعانی نے القواطع میں کہا یہ حدیث مرفوع نہیں ہے' اس قول کو یحییٰ بن معاذ الرازی سے نقل کیا جاتا ہے' ابن الفرس نے علامہ نووی کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا لیکن صوفیہ کی کتابیں اس قول سے بھری ہوئی ہیں وہ اس کو بہ طور حدیث لکھتے ہیں جیسے شیخ محی الدین بن عربی وغیرہ اور ہمارے شیخ حجازی جو الجامع الصغیر کے شارح ہیں' انہوں نے کہا شیخ محی الدین بن عربی کا بھی حفاظ میں شمار کیا جاتا ہے' اور بعض اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ شیخ محی الدین بن عربی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ہر چند کہ بہ طریق روایت ثابت نہیں ہے لیکن ہمارے نزدیک بہ طریق کشف یہ حدیث صحیح ہے' علامہ سیوطی نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے: **القول الاشبہ فی حدیث من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** اور علامہ ماوردی کی کتاب ''**ادب الدین و الدنیا**'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ اپنے رب کو پہچاننے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ اپنے نفس کو پہچاننے والا ہے۔

(کشف الخفاء و مزیل الالباس ج ۲ ص ۲۶۲' رقم الحدیث: ۲۵۳۲' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے معانی اور محامل

علامہ العجلونی نے حافظ سیوطی کے جس رسالہ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:

علامہ نووی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کے ضعف اور اللہ کی طرف محتاج ہونے کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی قوت' ربوبیت' کمال مطلق اور صفات علیہ کو پہچان لیا۔ شیخ تاج الدین نے لطائف المنن میں کہا کہ شیخ ابو العباس المرسی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دو تاویلیں ہیں۔ (۱) جس شخص نے اپنے نفس کی ذلت' عجز اور افتقار کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی عزت' قدرت اور غنا کو پہچان لیا پس پہلے اپنے نفس کی معرفت ہو گی پھر اپنے رب کی معرفت ہو گی (۲) جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچان چکا ہے' پس پہلا سالکین کا حال ہے اور دوسرا مجذوبین کا حال ہے۔ ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم نے مخلوق کے ساتھ معاملات میں اپنے نفس کی صفات کو پہچان لیا کہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو کہ تمہارے افعال پر اعتراض کیا جائے اور تمہارے کاموں کی مذمت کی جائے تو تم بھی اللہ کی قضا اور قدر پر اعتراض نہ کرو اور تقدیر پر راضی ہو جاؤ اور اللہ کے ساتھ وہی معاملہ کرو جس کو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

شیخ عز الدین نے کہا مجھ پر اس حدیث کا راز ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اس روح لطیف کو اس جسم کثیف میں رکھا ہے' اور اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ربانیت پر کئی وجہ سے دلائل ہیں:

(۱) یہ ہیکل انسانی ایک مدبر اور محرک کا محتاج ہے اور اس کا مدبر اور محرک اس کی روح ہے' اس سے ہم نے جان لیا کہ اس جہان کا بھی مدبر اور محرک ہونا ضروری ہے۔

(۲) جب اس ہیکل انسانی کا مدبر واحد ہے اور وہ اس کی روح ہے تو ہم نے جان لیا کہ اس جہان کا مدبر بھی واحد ہے: جیسا

کہ قرآن مجید میں ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ (الانبیاء: ۲۲)

اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا عبادت کے مستحق ہوتے تو آسمان اور زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۴۲)

آپ کہیے اگر اللہ کے ساتھ اور بھی عبادت کے مستحق ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ اب تک ضرور مالک عرش کی راہ ڈھونڈ چکے ہوتے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ (المؤمنون: ۹۱)

اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا' نہ اس کے ساتھ کوئی اور عبادت کا مستحق ہے' ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور ہر معبود دوسرے پر غالب ہونے کی کوشش کرتا اللہ ان اوصاف سے پاک ہے جو یہ اس کے لیے بیان کرتے ہیں۔

(۳) جبکہ یہ جسم صرف روح کے ارادہ اور اس کی تحریک سے حرکت کرتا ہے تو ہم نے جان لیا کہ اس جہان کا بھی کوئی محرک ہے جس کے ارادہ اور اس کی قضا اور اس کی تقدیر سے اس جہان کا نظام چل رہا ہے۔

(۴) جبکہ اس جسم کی کوئی چیز روح کے علم اور اس کے شعور کے بغیر حرکت نہیں کرتی تو ہم نے جان لیا کہ اس جہان کی ہر حرکت کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے خواہ وہ چیز زمین میں ہو یا آسمان میں۔

(۵) جبکہ روح جسم کے سب سے زیادہ قریب ہے تو ہم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ بھی اس جہان کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

(۶) روح اس جسم کے موجود ہونے سے پہلے بھی تھی اور اس جسم کے معدوم ہونے کے بعد بھی رہے گی تو ہم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ اس جہان کو پیدا کرنے سے پہلے بھی تھا اور اس جہان کے فنا ہونے کے بعد بھی رہے گا۔

(۷) روح اس جسم میں کس کیفیت سے ہے اس کا کسی کو علم نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی کیفیت سے پاک اور برتر اور منزہ ہے۔

(۸) روح جسم میں ہر جگہ موجود ہے' لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ جسم میں کس جگہ ہے اور کس کیفیت سے ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اس جہان میں ہر جگہ موجود ہے لیکن وہ زمان' مکان اور کیفیت سے منزہ ہے۔

(۹) جس طرح روح جسم میں ہے لیکن وہ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی اور نہ اس کی کوئی مثال اور صورت ہے اسی طرح اللہ اس جہان میں ہے لیکن آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور نہ اس کی کوئی مثال اور صورت ہے۔

(۱۰) جبکہ جسم میں روح ہے لیکن اس کا حواس خمسہ سے ادراک نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ اس جہان میں ہے لیکن اس کا حواس خمسہ سے ادراک نہیں ہوتا۔

یہی معنی اس حدیث کا ہے جس نے اپنے نفس کو ان وجوہ سے پہچان لیا اس نے ان وجوہ سے اپنے رب کو پہچان لیا۔

اس حدیث کی تفسیر ایک اور طریقہ سے بھی ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کی صفات کو پہچان لیا تو وہ جان لے گا کہ اس کے رب کی صفات اس کی صفات کے برعکس ہیں' مثلاً جس نے جان لیا کہ اس کا نفس فانی ہے تو وہ جان لے گا کہ اس کا رب باقی ہے' اور جس نے جان لیا کہ اس کا نفس جفا کرنے والا اور خطا کرنے والا ہے تو وہ جان لے گا کہ اس کا رب وفا کرنے والا اور عطا کرنے والا ہے' اور جس طرح کوئی شخص اپنے نفس (روح) کی حقیقت کو نہیں جان سکتا اسی طرح وہ اپنے رب کی حقیقت

کو نہیں جان سکتا گویا کہ اس حدیث میں ایک محال کو دوسرے محال پر معلق کیا ہے پس وہ روح جو تمہارے جسم کے اندر ہے جب تم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے تو اپنے رب کی حقیقت کو کیسے جان سکتے ہو۔

علامہ قونوی نے شرح التعرف میں اس کو مزید وضاحت سے لکھا ہے کہ اس حدیث میں محال کو محال پر معلق کیا ہے کیونکہ روح کی حقیقت کی معرفت محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے **قل الروح من امر ربی** (بنی اسرائیل: ۸۵) آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے' علماء نے روح کی تعریف میں ستر سے زیادہ اقوال ذکر کیے ہیں اور کسی ایک تعریف پر ان کا اتفاق نہیں ہے تو اس حدیث میں اس پر تنبیہ کی ہے کہ جب تم روح کی حقیقت کا ادراک کرنے سے عاجز ہو جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور وہ تمہارے سب سے زیادہ قریب ہے تو پھر تم اپنے خالق کی حقیقت کا ادراک کیسے کر سکتے ہو' سو اس لیے فرمایا جس نے اپنے نفس کی حقیقت کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی حقیقت کو پہچان لیا یعنی جس طرح اپنے نفس کی حقیقت کو پہچاننا محال ہے اسی طرح اپنے رب کی حقیقت کو پہچاننا محال ہے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۴۱ - ۲۳۸' مطبوعہ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ' لائل پور)

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو عظیم علم عطا فرمایا اس کا شکر ادا کرتے ہوئے ان دونوں نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (النمل: ۱۵) تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

کسی شخص کا اپنے قلب' اپنے فعل یا اپنے قول سے منعم کی تعظیم کا اظہار کرنا اس کا شکر کہلاتا ہے' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نے اپنے اس قول سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی اور ان کا اس قول سے اللہ کی تعظیم کرنا دل سے اللہ کی تعظیم کرنے اور اپنے افعال سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کو بھی مستلزم ہے اور یہی کامل شکر ہے۔ دل سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے کا معنی یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کمالیہ کا اعتقاد ہو اور زبان سے اس کی تعظیم کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کی جائے اور اس کی نعمتوں کا ذکر کیا جائے اور افعال سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے کا معنی یہ ہے کہ جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ کام کیے جائیں اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان سے باز رہا جائے۔

شکر کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس قدر نعمتیں عطا کی ہیں ان تمام نعمتوں کو ان مقاصد میں صرف کیا جائے جن مقاصد کے لیے وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں مثلاً زبان اس لیے دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ثناء کرے' عام مسلمانوں کی خیر خواہی کرے' نیک اور اچھی باتیں کرے اگر وہ اس طرح کرے گا تو وہ زبان کا شکر ادا کرے گا۔ اگر وہ خاموش رہے گا اور اس طرح کا کلام نہیں کرے گا تو وہ زبان کی ناشکری کرے گا اور اگر وہ زبان سے بدکلامی کرے گا' مسلمانوں کی دل آزاری کرے گا' ظالمانہ احکام جاری کرے گا' دین کو نقصان پہنچانے کی باتیں کرے گا تو وہ زبان کا کفر کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں نعمت علم کی خصوصیت

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے کہا اللہ نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے' یہ نہیں کہا کہ اس نے اپنے سب بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے اگر چہ ان کو بہت لوگوں سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے' اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تواضع اور انکسار کو اختیار کیا' کیونکہ جب کوئی شخص یہ کہے گا کہ مجھے سب سے زیادہ علم دیا گیا ہے تو اس

میں ایک گونہ افتخار اور تعلّی کا پہلو نکلتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کبر اور بڑائی کے شائبہ سے بھی دور رہتے ہیں۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے انواع واقسام کی بے شمار نعمتیں عطا فرمائی تھیں' حضرت داؤد علیہ السلام کو جالوت پر فتح عطا فرمائی' ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا' ان کو حسن صوت عطا فرمایا' زبور عطا فرمائی' لوہے کو ان کے ہاتھ پر نرم کر دیا اور بہت نعمتیں عطا فرمائیں' اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی' پرندوں کی بولیاں سکھائیں' حکومت عطا فرمائی' جنات کو ان کے تابع کر دیا اور کثیر انعامات کیے لیکن انہوں نے نعمتوں کا شکر ادا کرتے وقت جس نعمت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا وہ علم کی نعمت ہے۔

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطلقاً علم کی نعمت عطا کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے' لیکن ایسا نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم باقی علوم سے اشرف اور اعلیٰ ہے' اس کے بعد احکام شرعیہ کا علم ہے' اور یہ علوم دیگر مومنین کو بھی حاصل ہیں لیکن ہر ایک کا علم اپنے درجہ اور مقام کے اعتبار سے ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کے علم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق ہوتے ہیں' ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوتا اور ان کا دل کسی آن اور کسی لحہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے' اور کہنے لگے اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے' اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے ○ (النمل:۱۶)

وراثت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

امام لغت خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

الایراث: الابقاء للشئی کسی چیز کو باقی رکھنا' یورث ای یبقی میراثا کسی چیز کو بہ طور میراث باقی رکھنا' کہا جاتا ہے اور ثه العشق هما عشق نے اس کو غم کا وارث بنا دیا' اور ثه الحمی ضعفا بخار نے اس کو کمزوری کا وارث بنا دیا۔

(کتاب العین ج ۳ ص ۱۹۴۲' مطبوعہ ایران' ۱۴۱۴ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الوارث اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اس کا معنی ہے باقی اور دائم' وانت خیر الوارثین الانبیاء:۸۹' یعنی تمام مخلوق کے فنا ہونے کے بعد تو باقی رہنے والا ہے' کہا جاتا ہے ورثت فلانا مالا میں فلاں کے مال کا وارث ہوا' قرآن مجید میں ہے:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۔ (مریم:۶-۵)

تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما جو میرا (بھی) وارث ہو اور یعقوب کی آل کا (بھی) وارث ہو۔

ابن سیدہ نے یہ کہا کہ وہ ان کا اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث ہو اور یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ حضرت زکریا کو یہ خوف تھا کہ ان کے رشتہ دار ان کے مال کے وارث ہو جائیں گے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم گروہ انبیاء مورث نہیں بنائے جاتے' ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا وہ صدقہ ہے' اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: وورث سلیمان داود (النمل:۱۶) اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے' الزجاج نے کہا وہ ان کے ملک اور ان کی نبوت کے وارث ہوئے' روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے' ان میں سے صرف حضرت سلیمان ان کی نبوت اور ان کے ملک کے وارث ہوئے اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے:

اللهم متعنی بسمعی وبصری واجعلها الوارث منی. اے اللہ میرے کانوں اور میری آنکھوں سے مجھ کو نفع دے اور ان کو میرا وارث بنادے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۲۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۸)

ابن شمیل نے کہا اس کا معنی ہے میرے کانوں اور میری آنکھوں کو تاحیات صحیح اور سلامت رکھ اور ایک قول یہ ہے کہ جب بڑھاپے میں قوئ نفسانیہ مضمحل ہو جاتے ہیں تو میری سماعت اور بصارت کو باقی رکھنا پس سماعت اور بصارت تمام قوتوں کے بعد باقی رہیں اور ان کی وارث ہو جائیں۔ (لسان العرب ج ۲ ص ۲۰۱-۱۹۹ ملخصاً، مطبوعہ نشر ادب الحوذۃ ایران ۱۴۰۵ھ)

علامہ الحسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

وراثت کی تعریف یہ ہے:

انتقال قنیة الیک عن غیرک من غیر عقد ولا مایجری العقد. غیر کی کمائی کا تمہاری طرف بغیر کسی عقد یا قائم مقام عقد کے تمہاری طرف منتقل ہونا۔

اسی وجہ سے میت کی جو کمائی وارثوں کی طرف منتقل ہوتی ہے اس کو میراث کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اثبتوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث ابیکم. تم اپنے مشاعر (میدان عرفات) پر ثابت قدم رہو کیونکہ تم اپنے باپ ابراہیم کے وارث ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۱۹، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۱، المستدرک ج ۱ ص ۴۶)

قرآن مجید میں ہے وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ (مریم: ۶) یعنی وہ نبوت، علم اور فضیلت کا وارث ہوگا نہ کہ مال کا، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے نزدیک مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے حتیٰ کہ وہ اس میں رغبت کریں، وہ بہت کم مال جمع کرتے ہیں اور اس کے مالک ہوتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم گروہ انبیاء مورث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو چھوڑا وہ صدقہ ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۳) اور آپ کا ارشاد ہے: علماء انبیاء کے وارث ہیں (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳، مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی وارث فرمایا ہے کیونکہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی ہیں وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران: ۱۸۰) "اللہ ہی کے لیے تمام آسمانوں اور زمینوں کی میراث ہے" اور کوئی شخص جب کسی سے علم کا استفادہ کرے تو کہا جاتا ہے میں اس سے وارث ہوا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَرِثُوا الْكِتٰبَ (الاعراف: ۱۶۹) "بعد کے لوگوں نے ان سے کتاب کو حاصل کیا" وَرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (الشوریٰ: ۱۴) "بے شک جو لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے" ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (فاطر: ۳۲) "پھر ہم نے ان لوگوں کو الکتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا" کیونکہ وراثت حقیقیہ یہ ہے کہ انسان کو کوئی ایسی چیز حاصل ہو جس میں اس کے ذمہ نہ کوئی معاوضہ ہو نہ اس میں اس کا کوئی محاسبہ ہو اور جو اس طریقہ سے اس دنیا کو حاصل کرے گا اس سے نہ کوئی حساب لیا جائے گا نہ اس کو کوئی سزا دی جائے گی بلکہ اس کے لیے اس میں معافی اور درگزر ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے: قیامت کے دن اس شخص پر حساب آسان ہوگا جو دنیا میں اپنا حساب کرے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۵۹) (المفردات ج ۲ ص ۶۷۳-۶۷۲ ملخصاً، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ وراثت کا لغوی معنی ہے کسی کا کسی کے بعد باقی رہنا، اور اصطلاحی معنی ہے کسی چیز کا ایک شخص سے

دوسرے شخص کی طرف منتقل ہونا' خواہ مال کا انتقال ہو یا ملک کا یا علم اور نبوت کا انتقال ہو یا فضائل اور محاسن کا' اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں ان تمام معانی کے اعتبار سے وراثت کا استعمال کیا گیا ہے۔

اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کسی کو مال کا وارث نہیں بناتے کیونکہ انبیاء کے نزدیک مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ وہ مال کو جمع کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام علم کا وارث کرتے ہیں اور ان کی جو اولاد ان کی وارث ہوتی ہے' وہ علم اور نبوت میں ان کی وارث ہوتی ہے' اور اہل تشیع کے نزدیک چونکہ حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوڑے ہوئے باغ فدک کی وارثہ تھیں اس لیے وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام مال جمع کرتے ہیں اور مال کا وارث بناتے ہیں' اس لیے سنی مفسرین کے نزدیک وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل: ۱۶) کا معنی ہے حضرت سلیمان حضرت داؤد علیہ السلام کے علم' ملک اور نبوت کے وارث ہوئے اور شیعہ مفسرین کے نزدیک اس کا معنی ہے حضرت سلیمان حضرت داؤد علیہ السلام کے مال کے وارث ہوئے۔ سو ہم اس آیت کی تفسیر پہلے سنی مفسرین سے نقل کریں گے پھر شیعہ مفسرین سے نقل کریں گے پھر اس مسئلہ میں سنی ائمہ کی اور شیعہ ائمہ کی روایات احادیث پیش کریں گے پھر اخیر میں شیعہ مفسرین کے دلائل کے جوابات کا ذکر کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق

سنی مفسرین کے نزدیک حضرت سلیمان' حضرت داؤد کی نبوت اور علم کے وارث تھے نہ کہ مال کے

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی کس چیز کے وارث ہوئے' اس کے متعلق علامہ علی بن محمد ماوردی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں تین قول ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا حضرت سلیمان' حضرت داؤد کی نبوت اور ان کے ملک کے وارث ہوئے' کلبی نے کہا حضرت داؤد کے انیس بیٹے تھے' اور صرف حضرت سلیمان کو ان کی وراثت کے ساتھ خاص کیا گیا کیونکہ یہ نبوت اور ملک کی وراثت تھی اگر یہ مال کی وراثت ہوتی تو اس وراثت میں ان کی تمام اولاد برابر کی شریک ہوتی۔

(۲) ربیع نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی جنات اور ہواؤں کو مسخر کر دیا گیا تھا۔

(۳) ضحاک نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی زندگی میں حضرت سلیمان کو بنی اسرائیل پر خلیفہ بنا دیا تھا' اور اس وراثت سے مراد ان کی یہی ولایت ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ علماء دین میں انبیاء کے قائم مقام ہیں۔

امام الحسین بن مسعود بغوی المتوفی ۵۱۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان حضرت داؤد کی نبوت' ان کے علم اور ان کے ملک کے وارث ہوئے' نہ کہ ان کی باقی اولاد' حضرت داؤد کے انیس بیٹے تھے' حضرت سلیمان کو حضرت داؤد کا ملک عطا کیا گیا اور ہواؤں اور جنات کی تسخیر ان کو زیادہ دی گئی' مقاتل نے کہا حضرت سلیمان کا ملک حضرت داؤد کے ملک سے زیادہ تھا اور وہ ان سے اچھا فیصلہ کرنے والے تھے۔ حضرت داؤد' حضرت سلیمان سے زیادہ عبادت گزار تھے اور حضرت سلیمان ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ اس میں علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے وہ فرماتے ہیں:

اگر یہاں مال کی وراثت مراد ہوتی تو پھر اس کے بعد یایھا الناس علمنا منطق الطیر کا کوئی فائدہ نہ تھا اور جب اس سے مراد نبوت اور ملک کی وراثت ہو تو یہ کلام عمدہ ہے کیونکہ پرندوں کی بولی کا سکھانا بھی علوم نبوت کے ساتھ مربوط اور متصل ہو گا جبکہ مال کے وارث کا پرندوں کی بولی کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے اسی طرح واوتینا من کل شیء ''ہمیں ہر چیز سے دیا گیا'' یہ بھی ملک کی وراثت کے ساتھ مربوط ہو گا اور مال کے وارث کا اس کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے اسی طرح اس کے بعد فرمایا ان ھذا لھو الفضل المبین ''اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے'' اس فضل کا تعلق بھی علم اور نبوت کی وراثت سے ظاہر ہے اور مال کے وارث کا فضیلت والا ہونا ظاہر نہیں ہے کیونکہ مال کا وارث تو کامل شخص بھی ہوتا ہے اور ناقص بھی' نیک بھی اور بدکار بھی' اسی طرح اس کے بعد جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا ذکر کیا گیا اس کا ربط اور تعلق بھی اسی صورت میں ظاہر ہو گا جب اس وراثت سے مراد علم' نبوت اور ملک کی وراثت ہو نہ کہ مال کی وراثت مراد ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمٰن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ' علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ' حافظ ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ' ان سب نے یہی لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام' علم' نبوت اور ملک میں حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے' کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے اور مال کی وراثت میں یہ سب برابر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے شریک تھے' اور اس آیت میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کا وارث قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت' ان کے علم اور ان کے ملک کے وارث تھے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۱۵۹' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۵۳' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۹۴' دار الفکر' ۱۴۱۸ھ' روح البیان ج ۶ ص ۴۲۰' دار احیاء التراث العربی' ۱۴۲۱ھ' روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۵۵' دار الفکر' ۱۴۱۷ھ)

شیعہ مفسرین کے نزدیک حضرت سلیمان' حضرت داؤد کے مال کے وارث تھے نہ کہ نبوت اور علم کے

شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے' اب اس میں اختلاف ہے کہ وہ کس چیز کے وارث ہوئے' ہمارے اصحاب نے کہا کہ وہ مال اور علم کے وارث ہوئے اور ہمارے مخالفین نے کہا وہ علم کے وارث ہوئے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' ہم گروہ انبیاء مورث نہیں بنائے جاتے' اور میراث کی حقیقت یہ ہے کہ گزرنے والے کی موت کے بعد اس کا ترکہ اس کے رشتہ داروں میں سے کسی دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دیا جائے اور اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ اعیان (ٹھوس مادی چیزوں مثلاً مال و دولت' زمین اور ساز و سامان وغیرہ) کو منتقل کیا جائے اور میراث کا لفظ جب علم کے معنی میں استعمال کیا جائے گا تو وہ مجاز ہو گا اور انہوں نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن کے عام کو خاص کرنا جائز ہے اور نہ اس کو منسوخ کرنا جائز ہے' اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت داؤد کے انیس بیٹے تھے اور ان میں سے صرف حضرت سلیمان کو وارث بنایا گیا اگر اس آیت میں مال کی وراثت مراد ہوتی تو اس میں تمام بیٹے شریک ہوتے نہ کہ صرف حضرت سلیمان' اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیز بھی خبر واحد سے ثابت ہے سو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

(التبیان فی تفسیر القرآن ج ۸ ص ۸۳-۸۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

شیعہ مفسرین کے دلائل کے جوابات

شیخ طوسی کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ میراث کا لفظ عام ہے اور اہل سنت نے اس کو علم' نبوت اور ملک کی وراثت کے ساتھ خاص کر لیا ہے' اور قرآن مجید کے عام کو خاص کرنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل علماء شیعہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ انہوں نے اس وراثت کو مال کے ساتھ خاص کر لیا ہے جبکہ وراثت عام ہے خواہ اس سے مال کا انتقال ہو یا علم' نبوت اور فضائل کا انتقال ہو' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب مخصص عقل یا عرف ہو تو عام کی تخصیص جائز ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ (الانبیاء: ۳۵) ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے۔

اس آیت کے عموم میں اللہ تعالیٰ شامل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر موت کا آنا محال ہے' اور اس کا مخصص عقل ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا:

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ (النمل: ۱۶) اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ٹینک' طیارے اور میزائل نہیں عطا کیے گئے تھے' اس کے لیے یہاں پر ''ہر چیز'' سے مراد ان کے زمانہ کی تمام چیزیں ہیں اور اس کا مخصص عرف ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا:

اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ‎(البقرہ: ۴۷) بے شک میں نے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

اور ظاہر ہے بنی اسرائیل کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر فضیلت نہیں دی گئی تھی' سو یہاں بھی عرف اور عقل اس کا مخصص ہے اور مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی گئی تھی۔

اسی طرح قرآن مجید میں یہ آیت ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ (المائدہ: ۵۵)

تمہارا ولی صرف اللہ اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اس آیت میں تمام ایمان والوں کو مسلمانوں کا ولی فرمایا ہے' لیکن علماء شیعہ نے اس آیت کو حضرت علی کی ولایت اور امامت کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ خود شیخ طوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کی امامت بلافصل پر واضح دلیل ہے۔

(التبیان ج ۲ ص ۵۵۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

چھٹی صدی کے علماء شیعہ میں سے شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی نے بھی یہی لکھا ہے نیز انہوں نے لکھا ہے:

یہ آیت اس پر نص صریح ہے کہ ایمان والوں سے مراد حضرت علی ہیں اور یہ آیت ان کی امامت پر نص ہے اور اس آیت سے عموم مراد نہیں ہے اور یہ آیت حضرت علی کے ساتھ خاص ہے۔ (مجمع البیان ج ۳ ص ۳۲۶' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۶ھ)

اسی طرح السید محمد حسین الطباطبائی متوفی ۱۲۹۳ھ نے لکھا ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (المائدہ: ۵۵) اور فان حزب الله هم الغلبون (المائدہ: ۱۵۶) یہ دونوں آیتیں عام نہیں ہیں' یہ دونوں آیتیں حضرت علی کے ساتھ خاص ہیں اور یہ چیز سنی اور شیعہ کی بہ کثرت روایات سے ثابت ہے۔

(المیزان ج ۶ ص ۵' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران' ۱۳۶۲ھ)

حالانکہ ان دونوں آیتوں میں الـذیـن امـنـوا اور حزب اللہ کے الفاظ عام ہیں لیکن علماء شیعہ نے روایات کی بنا پر ان کو خاص کرلیا ہے'اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ. (المائدۃ:٦٧)

اے رسول! آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے (بالفرض) ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا' اور اللہ آپ کو لوگوں (کے ضرر) سے بچائے گا۔

اس آیت میں لفظ ''ما'' عام ہے یعنی جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا یعنی تمام احکام شرعیہ اور تمام خبریں آپ پر امت کو پہنچانی ضروری ہیں لیکن علماء شیعہ نے اس آیت کو حضرت علی کی خلافت کے ساتھ خاص کرلیا ہے۔

شیخ طوسی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ وہ حضرت علی کو خلیفہ بنائیں' اور آپ اس سے ڈرتے تھے کہ آپ کے اصحاب پر یہ دشوار ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی تاکہ آپ بہادری سے اللہ کا یہ حکم سنائیں۔

(التبیان ج ۳ ص ۵۸۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ طبرسی لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ حضرت علی کے متعلق تبلیغ کریں سو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر کہا میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں' اے اللہ! جو علی سے محبت رکھے اس سے محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے عداوت رکھ' اور حضرت ابو جعفر اور حضرت ابو عبد اللہ سے مشہور روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ وہ حضرت علی کو خلیفہ بنائیں۔

(مجمع البیان ج ۴ ص ۳۴۴' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۶ھ)

ان آیات میں قرآن مجید کے لفظ عام کو خاص کرنے کے باوجود شیخ طبرسی اور شیخ طباطبائی نے وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (النمل:١٦) کی تفسیر میں لکھا ہے اس سے مراد حضرت سلیمان کو مال کا وارث بنانا ہے اور علم اور نبوت کا وارث بنانا مراد نہیں ہے۔

(مجمع البیان ج ۷ ص ۳۳۴' المیزان ج ۱۵ ص ۳۸۲' مطبوعہ طہران' ۱۳۶۲ھ)

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی بہ کثرت آیات میں کتاب کا وارث بنانے کا ذکر ہے اور وہاں مال کا وارث بنانے کو مراد نہیں لیا جاسکتا:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ (الاعراف:١٦٩)

پھر ان کے بعد ایسے لوگ جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث ہوئے۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ (فاطر:٣٢)

پھر ہم نے ان لوگوں کو الکتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا تھا۔

وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ. (المومن:٥٣)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔

إِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ○ (الشوریٰ:١٤)

بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا وہ اس کی طرف سے زبردست شک میں ہیں۔

علم کا وارث بنانے اور مال کا وارث نہ بنانے کے ثبوت میں روایات ائمہ اہل سنت

ایک طویل حدیث میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہم مورث نہیں بنائے جاتے ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۶۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۱۱۵۷۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۸۲)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص علم کو طلب کرنے کے لیے کسی راستہ پر جاتا ہے اللہ اس کو جنت کے راستہ کی طرف لے جاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر رکھتے ہیں اور تمام آسمانوں اور زمینوں کی چیزیں عالم کے لیے مغفرت طلب کرتی ہیں حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی' اور عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے' بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نہ دینار کا وارث کرتے ہیں نہ درہم کا وہ صرف علم کا وارث کرتے ہیں سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصہ کو حاصل کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۸' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۲۳' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۲۹)

علم کا وارث بنانے اور مال کا وارث نہ بنانے کے ثبوت میں روایاتِ ائمہ شیعہ

شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی الرازی المتوفی ۳۲۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو البختری بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں' کیونکہ انبیاء نہ درہم کا وارث کرتے ہیں نہ دینار کا' وہ اپنی احادیث میں سے احادیث کا وارث کرتے ہیں' پس جس شخص نے ان سے کسی چیز کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصہ کو حاصل کیا۔ الحدیث۔ (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۳۲' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۸۸ھ)

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ علم میں وراثت ہوتی ہے' اور جب بھی کوئی عالم فوت ہوتا ہے تو وہ علم میں اپنا جیسا چھوڑ جاتا ہے۔ (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۲' مطبوعہ ایران' ۱۳۸۸ھ)

ابو جعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک روئے زمین پر سب سے پہلے وصی ھبۃ اللہ بن آدم تھے اور جو نبی بھی گزرے ان کا ایک وصی ہوتا تھا' اور تمام انبیاء ایک لاکھ بیس ہزار تھے' ان میں سے پانچ اولو العزم نبی تھے' نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اور بے شک علی بن ابی طالب (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے اللہ تعالیٰ کا عطیہ تھے۔ وہ تمام اولیاء کے علم کے وارث ہوئے' اور اپنے سے پہلوں کے علم کے وارث ہوئے' اور بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے سے پہلے انبیاء اور مرسلین کے علم کے وارث تھے۔

(الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۴' دار الکتب الاسلامیہ' ایران ۱۳۸۸ھ)

المفضل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کہا کہ بے شک سلیمان داؤد کے وارث ہوئے' اور بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سلیمان کے وارث ہوئے اور ہم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وارث ہیں اور بے شک ہمارے پاس تورات' انجیل اور زبور کا علم ہے۔ الحدیث (الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۵-۲۲۴' ایران)

ابو بصیر بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک داؤد انبیاء علیہم السلام کے علم کے وارث تھے' اور بے

شک سلیمان داؤد کے وارث تھے' اور بے شک (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان کے وارث تھے اور بے شک ہم (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں اور بے شک ہمارے پاس حضرت ابراہیم کے صحائف ہیں اور حضرت موسیٰ کی الواح ہیں۔
(الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۴' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۸۸ھ)

ان تمام دلائل سے آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام علم کا وارث بناتے ہیں مال کا وارث نہیں بناتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام' حضرت داؤد علیہ السلام کے علم' ان کے فضائل' ان کے ملک اور ان کی نبوت کے وارث تھے' اور اس آیت میں اسی وراثت کا ذکر ہے' ان کے مال کی وراثت کا ذکر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے' اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے ○ (النمل: ۱۶)

تحدیث نعمت (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرنا)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا فخر اور تکبر کی وجہ سے نہ تھا' بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار اور اس کی تشہیر کے لیے تھا' اور آپ نے اپنے معجزات کا ذکر کیا تاکہ آپ لوگوں کو اپنے ان معجزات کی وجہ سے اپنی نبوت کی تصدیق کی دعوت دیں' بعض علماء نے کہا آپ نے لوگوں کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا کیا نعمتیں دی ہیں تاکہ مومنوں کا اس پر زیادہ ایمان ہو اور منکروں کے خلاف حجت قائم ہو' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ○ (الضحیٰ: ۱۱) اور آپ بہر حال اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتے رہیے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر اور اظہار فرمایا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ حجرے سے باہر آئے اور ان کے قریب پہنچ کر ان کی باتیں سننے لگے' ان میں سے بعض نے کہا تعجب ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا' دوسرے نے کہا اس سے زیادہ تعجب اس پر ہے کہ حضرت موسیٰ کو اپنا کلیم بنایا' ایک اور نے کہا حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں' اور دوسرے نے کہا حضرت آدم صفی اللہ ہیں' آپ نے ان کے پاس آ کر ان کو سلام کیا اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں اور تمہارے تعجب کو سنا کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں' وہ اسی طرح ہیں' اور موسیٰ نجی اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں' اور عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں وہ اسی طرح ہیں اور آدم صفی اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں' اور سنو! میں حبیب اللہ ہوں اور فخر نہیں! اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور فخر نہیں! اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت قیامت کے دن سب سے پہلے قبول کی جائے گی' اور فخر نہیں' اور میں سب سے پہلے جنت کے دروازوں کو کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ میرے لیے (ان کو) کھول دے گا اور مجھ کو اس میں داخل کر دے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور فخر نہیں اور میں اولین اور آخرین میں سب سے مکرم ہوں اور فخر نہیں۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۸' المسند الجامع رقم الحدیث: ۷۰۰۹)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جمع کے صیغہ کے ساتھ کہا ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے سلاطین اور حکام اپنے آپ کو جمع کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اس میں تکبر اور تجبر نہ تھا' دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان کا ارادہ یہ تھا کہ ان کو اور حضرت داؤد علیہ السلام دونوں کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے' کیونکہ امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے

ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام دو دن جانوروں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے اور ایک دن انسانوں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے' ایک دن ایک گائے نے آ کر ان کے دروازے کے حلقہ میں اپنا سینگ رکھا پھر اس طرح بولی جس طرح ماں اپنے بچہ سے بولتی ہے اس نے کہا جب میں جوان تھی تو یہ مجھ سے بچے نکلواتے تھے اور مجھ سے اپنے کام لیتے تھے اب جب میں بوڑھی ہوگئی ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنا چاہتے ہیں! پھر حضرت داؤد نے کہا اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور اس کو ذبح نہ کرو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۶۱۸۹)

نطق اور منطق کا لغوی اور اصطلاحی معنی

امام لغت خلیل بن احمد الفراھیدی المتوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

الناطق کے معنی ہیں فصاحت اور بلاغت سے بولنے والا' الکتاب الناطق کے معنی ہیں واضح کتاب' ہر چیز کے کلام کو منطق کہتے ہیں' کمر کے باندھنے کے پٹکے یا پٹی کو منطق' انطاق یا منطقہ کہتے ہیں۔

(کتاب العین ج ۳ ص ۱۸۰۷' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ)

امام ابوالقاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں۔

نطق کا معنی ہے وہ الگ الگ اور متمیز آوازیں جن کو انسان ظاہر اور صادر کرتا ہے اور کان ان کو سنتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ٥ (الصافات:۹۲) تم کو کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں!

نطق کا اطلاق اور استعمال صرف انسان کے لیے کیا جاتا ہے اور دوسروں کے لیے بالتبع کیا جاتا ہے' الناطق اور الصامت' الناطق سے مراد ہے جس کی آواز ہو اور الصامت سے مراد ہے جس کی آواز نہ ہو' حیوانات کو مطلقاً ناطق نہیں کہا جاتا' منطقی اس قوت کو نطق کہتے ہیں جس سے کلام صادر ہوتا ہے' نیز وہ معقولات کے ادراک کرنے والے کو ناطق کہتے ہیں اور وہ انسان کی تعریف حیوان ناطق کرتے ہیں یعنی ایسا جاندار جو غور و فکر کرتا ہو اور بولتا ہو' ان کے نزدیک نطق دو معنوں میں مشترک ہے' وہ قوت انسانیہ جس سے کلام صادر ہوتا ہے اور وہ کلام جو آواز سے صادر اور ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ٥ (الانبیاء:۶۵) آپ کو معلوم ہے کہ یہ (بت) بولتے نہیں ہیں۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ بت بولنے والوں اور عقل والوں کی جنس سے نہیں ہیں اور قرآن مجید میں ہے:

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (النمل:۱۶) ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔

اس آیت میں پرندوں کی آوازوں کو اس اعتبار سے نطق فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان ان آوازوں سے ان کی مراد کو سمجھتے تھے سو جس آواز سے کوئی شخص کسی معنی کو سمجھے خواہ وہ بولنے اور باتیں کرنے والا نہ ہو اس آواز کو نطق اور منطق اور اس آواز والے کو ناطق کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے' قیامت کے دن کہا جائے گا:

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ط (الجاثیۃ:۲۹) یہ ہے ہماری کتاب (صحیفہ اعمال) جو تمہارے سامنے سچ سچ بول رہی ہے (تمہارے اعمال کو ظاہر کر رہی ہے۔)

کتاب بھی ناطق ہے لیکن اس کے نطق کا آنکھیں ادراک کرتی ہیں' جیسے کلام بھی کتاب ہے لیکن اس کا ادراک قوت

سامعہ کرتی ہے۔ (المفردات ج ٢ ص ٦٤٢-٦٤١' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ١٤١٨ھ)

طیر کے معانی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ٥٠٢ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ جانور جو ہوا میں اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہو اس کو طائر کہتے ہیں اور اس کی جمع طیر ہے' جیسے راکب کی جمع رکب ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ. (الانعام: ٣٨) اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے پرندوں کے ساتھ اڑتا ہو۔

عرب پرندوں کو اڑا کر فال نکالتے تھے اگر پرندہ دائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس سے نیک شگون لیتے تھے اور اگر وہ بائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس سے برا شگون لیتے تھے' اس کو کہتے تھے تطیر فلاں' پھر تطیر کے لفظ کا غالب استعمال بدشگونی میں ہونے لگا' قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ (الاعراف: ١٣١) اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچتی تو وہ (قوم فرعون) اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست کہتے۔

طائر کا اطلاق اعمال نامہ پر بھی کیا گیا ہے جیسے گلے کا ہار گلے کے ساتھ چمٹا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کا اعمال نامہ انسان کے گلے کے ساتھ چمٹا ہوا ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ (بنی اسرائیل: ١٣) ہر انسان کے گلے میں اس کا اعمال نامہ لازم کر دیا گیا ہے۔

گرد و غبار کی طرح چاروں طرف پھیل جانے والی چیز کو مستطیر کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ○ (الدھر: ٧) جو لوگ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے۔

(المفردات ج ٢ ص ٤٠٤-٤٠٣' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ١٤١٨ھ)

چیونٹیوں اور بعض پرندوں کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چیونٹی نے انبیاء (سابقین) میں سے کسی نبی کے کاٹا' تو ان کے حکم سے چیونٹیوں کی بستی کو جلا دیا گیا' اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی کی ایک چیونٹی نے آپ کو کاٹا تھا تو آپ نے چیونٹیوں کی پوری نسل کو ہلاک کر دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٥٢٦٦' صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٠١٩' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٢٤١' سنن نسائی رقم الحدیث: ٤٣٦٩' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٢٢٥)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چیونٹی' شہد کی مکھی' ہدہد اور لٹورا (موٹے سر سفید اور سبز پیٹھ کا ایک پرندہ جو چھوٹے پرندوں کا شکار کرتا ہے' حدیث میں اس کے لیے صرد کا لفظ ہے' اگر یہ جانور ضرر پہنچائیں تو ضرر سے بچنے کے لیے ان کو مارنا جائز ہے اور محض ان کو ایذا پہنچانے کے لیے ان کو مارنا جائز نہیں ہے۔) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٥٢٦٧' مسند احمد رقم الحدیث: ٣٠٦٧' دار الفکر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے جاتے تو دور

جاتے تھے' ایک دن آپ کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھے اور آپ نے دونوں موزے اتار دیئے آپ نے ایک موزہ پہنا تھا کہ ایک پرندہ آ کر دوسرے موزے کو اٹھا کر لے گیا' پھر وہ بلندی پر جا کر فضا میں چکر لگانے لگا تو اس میں سے سیاہ رنگ کا موذی سانپ نکلا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کرامت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مکرم کیا ہے۔ اے اللہ! میں زمین پر دو پیروں کے ساتھ چلنے والوں کے شر سے اور پیٹ کے بل رینگنے والوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۳۰۰' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۲۷' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۹' سبل الہدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۱۵)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے' آپ کسی کام سے گئے تو ہم نے ایک پرندہ دیکھا جس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے' ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا وہ پرندہ آ کر تڑپنے لگا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ نے فرمایا: اس پرندہ کو اس کے بچے کی وجہ سے کس نے پریشان کیا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کرو۔ پھر آپ نے دیکھا کہ ہم نے چیونٹیوں کی ایک بستی کو جلا دیا تھا' آپ نے پوچھا ان کو کس نے جلایا ہے؟ ہم نے کہا ہم نے! آپ نے فرمایا آگ کے رب کے سوا کسی کے لیے آگ سے عذاب دینا جائز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۶۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مل جل کر رہتے تھے' حتیٰ کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے تھے' اے ابوعمیر اس نغیر (بلبل) نے کیا کیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۹)

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید مرغ میرا دوست ہے اور اللہ کے دشمنوں کا دشمن ہے' اپنے مالک کے گھر کی سات گھروں تک حفاظت کرتا ہے۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۲۹۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۷۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۱۹۸' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۲۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سفید مرغ جس کی کلغی شاخ در شاخ ہو میرا دوست ہے اور میرے دوست کا دوست ہے جبریل اس کے گھر کی اور اس کے پڑوس کے سولہ گھروں کی حفاظت کرتا ہے۔ چار دائیں' چار بائیں' چار آگے اور چار پیچھے۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۲۹۴' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۱ ص ۱۲۷' کنز العمال رقم الحدیث ۳۵۲۷۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۱۹۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مرغ نماز کی اذان دیتا ہے' جس نے سفید مرغ رکھا اس کی تین چیزوں سے حفاظت کی جائے گی۔ ہر شیطان کے شر سے' جادوگر سے اور کاہن سے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۱۷۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۲۹۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۱۹۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۸۸)

مرغ کے متعلق ان تینوں احادیث کی اسانید ضعیف ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کبوتروں کو اپنے گھروں میں رکھو کیونکہ یہ جنات کو تمہارے بچوں سے دور رکھتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۹۱' اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مریم بنت عمران نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو ایسا رزق کھلائے جس میں گوشت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹڈی کھلائی۔ حضرت مریم نے دعا کی اے اللہ! اس کو بغیر دودھ پیے زندہ رکھ۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۵۸' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۴۱' رقم الحدیث: ۷۶۳۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۷۸۳۷' ج ۳ ص ۱۳۷' کنز العمال رقم

الحدیث: ۳۵۲۹۳ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں یزید النفیسی کو میں نہیں پہچانتا اس کے باقی راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزوں کو پہننے کے لیے منگایا۔ آپ نے ایک موزہ پہنا تھا کہ ایک کوا آیا وہ دوسرا موزہ اٹھا کر لے گیا اس نے (اوپر جا کر) اس موزہ کو پھینکا تو اس میں سے ایک سانپ نکلا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ موزوں کو جھاڑے بغیر نہ پہنے۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۶۲۰ ٬ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں ج ۵ ص ۱۴۰ ٬ الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۹ ٬ سبل الھدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۲۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمانہ میں ایک پرندہ پیدا کیا جس کو العنقاء کہا جاتا تھا ٬ حجاز کے شہروں میں اس کی نسل بہت زیادہ ہو گئی وہ بچوں کو جھپٹ کر لے جاتا تھا لوگوں نے اس زمانہ کے نبی حضرت خالد بن سنان سے اس کی شکایت کی یہ حضرت عیسیٰ کے بعد بنی عبس سے ظاہر ہوئے تھے ٬ انہوں نے اس کے خلاف دعا کی تو اس کی نسل منقطع ہو گئی۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۷۳۴ ٬ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۹۶) (یہ حدیث معلل ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں کیا گیا۔)

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا پرندوں کی باتیں سمجھنا

شیخ ابومحمد روزبہان بن ابی النصر البقلی الشیرازی المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

پرندوں اور وحشی جانوروں کی آوازیں اور کائنات کی حرکتیں یہ سب اللہ سبحانہ کے انبیاء اور مرسلین اور عارفین اور صدیقین اور محبین کے لیے خطابات ہیں جن کو وہ اپنے مقامات اور احوال کے اعتبار سے سمجھتے ہیں۔ پس انبیاء اور مرسلین محض پرندوں کی بولیوں سے ان کے معانی اور مطلب کو سمجھ لیتے ہیں اور اس چیز کا ولی کے لیے واقع ہونا بھی ممکن ہے ٬ لیکن اکثر اولیاء پرندوں کی آوازوں سے ان چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں جو ان کے احوال کے مطابق ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں الہام کرتا ہے ٬ نہ یہ کہ وہ ان کی لغات کو بعینہٖ جانتے ہیں۔

ابوعثمان المغربی نے کہا جو شخص تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہے وہ اس سے ہر چیز سمجھتا ہے ٬ اور ہر چیز سے اس کو سمجھتا ہے سو اس کو پرندوں کی آوازوں سے اور دروازوں کی چرچراہٹ سے بھی اللہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جیسے عام لوگوں کو طبل کی آواز سے قافلہ کی روانگی کا علم ہو جاتا ہے ٬ اسی طرح اللہ تعالیٰ اہل حضور اور خواص کو پرندوں اور وحشی جانوروں کی آوازوں سے معانی اور مطالب پر مطلع فرماتا ہے۔

مقاتل نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس سے ایک پرندہ بولتا ہوا گزرا ٬ انہوں نے اہل مجلس سے کہا کیا تم جانتے ہو کہ یہ پرندہ جو ابھی گزرا تھا اس نے کیا کہا ہے؟ لوگوں نے کہا آپ ہی بہتر جانتے ہیں ٬ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا اس پرندہ نے کہا ہے: اے بنی اسرائیل کے بادشاہ! آپ پر سلام ہو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت عطا فرمائی ہے اور آپ کو اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا ہے ٬ میں اپنے بچوں کے پاس جا رہا ہوں ٬ پھر دوبارہ آپ کے پاس سے گزروں گا ٬ آپ نے فرمایا وہ دوبارہ گزرے گا تم اس کا انتظار کرو ٬ کافی دیر انتظار کے بعد وہ پھر دوبارہ گزرا اس نے آپ کو سلام کیا اور بتایا کہ وہ اپنے بچوں کو کھلا پلا کر آیا ہے۔ اس قسم کی امثال حضرت سلیمان علیہ السلام سے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت معروف ہیں۔ (عرائس البیان ج ۲ ص ۱۱۲-۱۱۱ ٬ مطبوعہ المطبع العالی المنشی نولکشور)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حیوانوں کا باتیں کرنا اور آپ کی تعظیم کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اس وقت قبیلہ بنی سلیم کا ایک اعرابی آیا' اس نے ایک گوہ شکار کر کے اپنی آستین میں رکھی ہوئی تھی وہ اس کو اپنے گھر پکانے کے لیے لے کر جا رہا تھا تاکہ اس کو کھائے' اس نے جو مسلمانوں کی جماعت کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس کو بتایا گیا کہ یہ نبی ہیں! وہ لوگوں کو چیرتا ہوا مجلس میں آیا اور کہنے لگا لات اور عزیٰ کی قسم' میرے نزدیک آپ سے زیادہ مبغوض اور کوئی نہیں ہے' اور اگر میری قوم مجھے جلد باز نہ کہتی تو میں آپ کو جلد قتل کر کے ہر سرخ وسفید کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے میں اس کو قتل کر دوں! آپ نے فرمایا اے عمر! کیا تم نہیں جانتے کہ بردبار شخص ہی نبی ہوتا ہے؟ پھر آپ نے اس اعرابی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: تمہیں اس بات کی طرف کسی نے برانگیختہ کیا؟ اس نے کہا لات اور عزیٰ کی قسم! میں آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ یہ گوہ آپ پر ایمان نہ لے آئے! اور آستین سے وہ گوہ نکال کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھینک دی! آپ نے گوہ سے پوچھا تم کس کی عبادت کرتی ہو؟ اس نے کہا: جس کا آسمان میں عرش ہے اور زمین میں اس کی سلطنت ہے' سمندر میں اس کا راستہ ہے اور جنت میں اس کی رحمت ہے' اور دوزخ میں اس کی سزا ہے۔ آپ نے پوچھا اے گوہ! میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ رب العالمین کے رسول ہیں! اور خاتم النبیین ہیں' جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے آپ کی تکذیب کی وہ ناکام ہو گیا' اس اعرابی نے کہا جس وقت میں آپ کے پاس آیا تھا تو میرے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی مبغوض نہیں تھا' اور اب آپ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہے اور آج آپ میرے نزدیک میرے والد سے' میری آنکھوں سے اور میری جان سے بڑھ کر محبوب ہیں' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ سے بڑھ کر کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۷-۳۶' ملخصاً' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۷۸-۳۷۷' رقم الحدیث: ۲۷۵' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۲۶۰-۲۵۹' البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۵۴۵-۵۴۴' المعجم الصغیر للطبرانی رقم الحدیث: ۹۴۸' المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث: ۵۹۹۳' مکتبۃ المعارف ریاض' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۹۹۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۰۸۶' الوفاء ص ۳۴۲-۳۴۱' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۸-۱۰۷' دار الکتب العلمیہ' سبل الہدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۲۱-۵۲۰)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہرنی کے پاس سے گزرے جو ایک خیمہ میں بندھی ہوئی تھی' اس نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے کھول دیجیے تاکہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلا آؤں' میں پھر واپس آ جاؤں گی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو ایک قوم نے شکار کیا ہے اور اس نے اس کو باندھا ہوا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہرنی سے حلف لیا اور اس کو کھول دیا' تھوڑی دیر بعد وہ واپس آ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باندھ دیا' تھوڑی دیر بعد خیمہ والے آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو مجھے ہبہ کر دو' انہوں نے آپ کو ہبہ کر دیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھول دیا۔

ایک اور روایت حضرت زید بن ارقم سے ہے اس کے آخر میں ہے' حضرت زید بن ارقم نے کہا: پس میں نے دیکھا وہ جنگل میں اونچی آواز سے یہ کہتی ہوئی جا رہی تھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۵-۳۴' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۷۶-۳۷۵' رقم الحدیث: ۲۷۴' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ ص ۲۵۸-۲۵۷' البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۵۴۳-۵۴۲' المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۳۱' الوفاء ص ۳۴۱-۳۴۰' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۰۸۷' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۱' سبل

الہدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۲۰-۵۱۹)

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گردن بڑھا کر بڑبڑا رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اونٹ کے مالک کو بلاؤ' جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ میں ان کے ہاں پیدا ہوا انہوں نے مجھ سے خوب کام لیا' اب جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنا چاہتے ہیں اور آپ نے فرمایا:

مامن شیء فیھا الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ الجن و الانس. اس دنیا میں ہر چیز کو یہ علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوا فاسق جن اور انس کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲-۲۶۱' البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص ۵۳۴' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۱۵۹' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۸۱-۳۸۰' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۹۵-۹۴' مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۲' سبل الہدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۱۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اونٹ نے آ کر آپ کو سجدہ کیا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۸۱' رقم الحدیث: ۲۷۸' مسند احمد ج ۶ ص ۷۶' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۱۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے' آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور انصار تھے' باغ میں ایک بکری تھی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا' حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! اس بکری کی بہ نسبت ہم آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ مستحق ہیں' آپ نے فرمایا میری امت میں سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو سجدہ کرے' اور اگر کسی کے لیے کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۷۹' رقم الحدیث: ۲۷۶' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۰' سبل الہدیٰ والرشاد ج ۹ ص ۵۱۶)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے پاس سے گزرے اس کی چوٹی پر بیٹھا ہوا ایک بلبل چہچہا رہا تھا اور اپنی دم ہلا رہا تھا' آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا وہ کہہ رہا ہے' میں نے آدھے پھل کھا لیے اور دنیا میں زیادتی ہے' اور ایک فاختہ بولنے لگی تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہی ہے کہ کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی' اور مور بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے' اور ہد ہد بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے: اے گنہگارو! اللہ سے استغفار کرو' اور طیطوی (ایک پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا: یہ کہہ رہا ہے کہ ہر زندہ مرنے والا ہے اور ہر نئی چیز پرانی ہونے والی ہے' اور خطاف (لمبے بازو اور چھوٹے پاؤں والا سیاہ پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ نیکیاں بھیجو آخرت میں ان کو پاؤ گے اور رخمۃ (سیاہ رنگ کا گدھ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ **سبحان رب الاعلی مل ء سمائہ وارضہ** (رب اعلیٰ کی تسبیح آسمان اور زمین کی پہنائی کے برابر) اور قمری بولی تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہی ہے کہ **سبحان رب الاعلیٰ** اور چیل بولی تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے' اور القطاۃ (ایک پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ جو خاموش رہا وہ سلامت رہا' اور طوطا بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ دنیا اور دنیا کی فکر کرنے والے کے لیے ہلاکت ہو' اور مرغ بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ اے غافلو! اللہ کا ذکر کرو' اور سفید گدھ بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ اے آدم! تو جب تک چاہتا ہے زندہ رہ بالآخر تجھے موت آئے گی' اور عقاب بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ لوگوں سے دور رہنے میں انس ہے' اور مینڈک بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ سبحان ربی القدوس' اور چنڈول (کلغی والا پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ محمد

اور آل محمد سے بغض رکھنے والے پر لعنت فرما' اور زرزور (ایک پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے ہر نئے دن کا رزق طلب کرتا ہوں' اور تیتر بولا تو آپ نے فرمایا: یہ کہہ رہا ہے الرحمٰن علی العرش استوی.

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۵۷-۲۵۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس روایت کا امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے ذکر کیا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ص ۴۹۲-۴۹۳ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانچ یا چھ اونٹنیاں قربانی کے لیے لائی گئیں' ان میں سے ہر اونٹنی آپ کے قریب ہونے لگی کہ آپ اس سے ذبح کی ابتداء کریں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۵)

ایسے ہی موقع کے لیے کسی نے یہ شعر کہا ہے:

ہمہ آھوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف — بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

جنگل کے تمام ہرن اپنی اپنی ہتھیلیوں پر اپنے اپنے سر لیے پھر رہے ہیں' اس امید پر کہ وہ کسی روز شکار کرنے کے لیے آئیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کی ہر چیز دی جانے کا محمل

اس کے بعد فرمایا اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے۔

اصل میں کل کا لفظ احاطہ افراد کے لیے آتا ہے اور اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے یہ کہا ہمیں دنیا کی ہر چیز دی گئی ہے۔ لیکن یہاں حقیقت مراد نہیں ہے کیونکہ جس وقت انہوں نے یہ فرمایا تھا اس وقت تو ان کے پاس تخت بلقیس بھی نہیں تھا اور کل مجازاً اکثر چیزوں کے لیے آتا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بہت زیادہ چیزیں دی گئی تھیں' ان کو ملک' سلطنت' نبوت' کتاب' ہوائیں' جنات اور شیاطین کی تسخیر دی گئی تھی۔ پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا تھا' تانبا' پیتل اور بہت معدنیات دے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دنیا اور آخرت کی جس چیز کا بھی ارادہ کرتے تھے وہ انہیں مل جاتی تھی' ایک قول یہ ہے کہ انہیں اپنے ملک کی حفاظت کے لیے جو چیز درکار ہوتی وہ انہیں میسر ہو جاتی تھی۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۵۸' دارالفکر' ۱۴۱۷ھ)

سلطان کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلطان زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے' اللہ کے بندوں میں سے ہر مظلوم اس کی پناہ میں آتا ہے' اگر وہ عدل کرے تو اس کو ثواب ہوگا اور اس کی رعایا پر اس کا شکر ادا کرنا لازم ہے اور اگر وہ ظلم کرے تو اس کو عذاب ہوگا اور اس کی رعیت پر صبر کرنا لازم ہوگا اور جب حکام سے جنگ کی جاتی ہے تو آسمان سے قحط نازل ہوتا ہے اور جب زکوٰۃ روک لی جاتی ہے تو مویشی ہلاک ہو جاتے ہیں اور جب زنا کا غلبہ ہوتا ہے تو فقر اور ذلت کا ظہور ہوتا ہے اور جب ذمیوں سے بدعہدی کی جاتی ہے تو کفار کا مسلمانوں پر غلبہ ہو جاتا ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۵۹۰' حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی سعید بن سنان' متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلطان زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے

پس جو شخص اس کے ساتھ خیر خواہی کرے اور اس کو دعا دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو اس کو دھوکا دے اور اس کو بد دعا دے وہ گمراہ ہوگا۔ (کتاب الضعفاء الکبیر ج ۳ ص ۴۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا جس نے سلطان کی امامت کا انکار کیا وہ زندیق ہے اور جس کو سلطان نے بلایا اور وہ حاضر نہیں ہوا وہ زندیق ہے اور جو اس کے پاس بغیر بلائے گیا وہ جاہل ہے اور سہل سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو انہوں نے کہا سلطان ان سے کہا گیا کہ ہماری رائے تو یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے برا سلطان ہے انہوں نے کہا ایسا نہ کہو اللہ تعالیٰ ہر روز دو بار نظر رحمت فرماتا ہے ایک نظر مسلمانوں کے اموال کی سلامتی کی طرف ہوتی ہے اور ایک نظر ان کے جسموں اور بدنوں کی سلامتی کی طرف ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ سلطان کے صحیفہ اعمال کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے۔ (احیاء العلوم مع اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۷۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۴ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو نعمتیں عطا کی تھیں اور بہت بڑی سلطنت دی تھی اس کا شکر ادا کرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا اظہار شکر کے لیے تھا نہ کہ اپنی بڑائی اور فخر کے اظہار کے لیے جیسے اس حدیث میں ہے: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں ہے اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور فخر نہیں ہے اور اس دن جو بھی نبی ہوگا آدم ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور وہ سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے مجھ سے زمین (قبر) پھٹے گی اور فخر نہیں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۵)

امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں: مقاتل نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت اور ملک دیا گیا اور ان کے لیے جنات ہواؤں اور شیاطین کو مسخر کیا گیا روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمین کے تمام مشارق اور مغارب کی حکومت دی گئی اور انہوں نے سات سو سال اور چھ ماہ حکومت کی اور وہ دنیا کے تمام جنات انسانوں مویشیوں پرندوں اور درندوں کے مالک تھے اور وہ ہر جانور کی بولی جانتے تھے اور ان کے زمانہ میں بہت عجیب و غریب کام ہوئے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر اور ان کی حکومت کی مدت کے متعلق اس کے مخالف اقوال بھی ہیں اور ان کی حقیقی عمر اور موت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سلیمان کے لیے جنات اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے اور ہر ایک کو الگ الگ منقسم کیا گیا O (النمل: ۱۷)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اور ان کا لشکر

امام عبدالرحمن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنا تخت رکھتے تھے اور اس کی دائیں اور بائیں جانب کرسیاں رکھتے تھے۔ پہلے انسانوں کو بیٹھنے کی اجازت دیتے پھر جنات کو بیٹھنے کی اجازت دیتے جو انسانوں کے پیچھے بیٹھتے تھے۔ پھر شیاطین کو بیٹھنے کی اجازت دیتے جو جنات کے پیچھے بیٹھتے تھے پھر ہوا کو حکم دیتے وہ ان سب کو اٹھا کر لے جاتی اور پرندے ان کے اوپر سایہ کرتے اور ہوا ان کے تخت اور ان کی کرسیوں کو اڑا کر لے جاتی وہ صبح کے وقت بھی ایک ماہ کی

مسافت کی سیر کرتے اور شام کو بھی ایک ماہ کی مسافت کی سیر کرتے۔ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو ملک کا وارث کیا اور ان کو نبوت عطا فرمائی۔ حضرت سلیمان نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا ملک عطا کرے جو ان کے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی۔ سو ان کے لیے انسانوں، جنوں، پرندوں اور ہواؤں کو مسخر کر دیا، حضرت سلیمان کے گھنے بال تھے، روشن چہرہ تھا اور وہ سفید کپڑے پہنتے تھے، جب وہ اپنے گھر سے اپنی مجلس کی طرف جاتے تو ان کے اوپر پرندے اڑتے تھے، اور جب تک وہ اپنے تخت پر بیٹھ نہیں جاتے تو انسان اور جن ان کے لیے کھڑے رہتے تھے وہ بہت جنگ جو شخص تھے بہت کم فارغ بیٹھتے تھے، روئے زمین میں ان کو جب بھی کسی کی سلطنت کا پتا چلتا وہ اس پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیتے تھے، (یہ روایت بھی محل اشکال ہے) وہ جب کسی ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے تو لشکر کو اپنا تخت اٹھانے کا حکم دیتے ان کے لشکر میں انسان اور مویشی اور انواع و اقسام کے ہتھیار ہوتے تھے وہ ہوا کو حکم دیتے تو وہ ان کے تخت کو اس ملک میں پہنچا دیتی تھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۸۵۶، ۲۸۵۵، رقم الحدیث: ۱۶۱۹۲-۱۶۱۹۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی جگہ ایک سو فرسخ میں تھی، پچیس فرسخ جگہ انسانوں کے لیے تھی، پچیس فرسخ جگہ جنات کے لیے تھی، پچیس فرسخ جگہ پرندوں کے لیے تھی اور پچیس فرسخ جگہ وحشی جانوروں کے لیے تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تختوں پر ایک ہزار شیشہ کے گھر بنے ہوئے تھے، جن میں ان کی تین سو منکوحہ بیویاں تھیں اور سات سو باندیاں تھیں، جنات نے ان کے لیے سونے کے تاروں اور ریشم کے گدے بنائے ہوئے تھے، وہ ان گدوں کے وسط میں سونے کے منبر پر بیٹھتے تھے اور علماء چاندی کی کرسیوں پر بیٹھتے تھے، اور ان کے گرد عام لوگ ہوتے تھے اور عام لوگوں کے گرد جنات اور شیاطین ہوتے تھے، اور پرندے اپنے پروں سے ان پر سایہ کرتے تھے حتیٰ کہ ان پر بالکل دھوپ نہیں پڑتی تھے اور صبح کی ہوا ان گدوں کو اٹھا کر ایک ماہ کی مسافت پر لے جاتی تھی، ان چیزوں کی تفصیل صحت نقل کا تقاضا کرتی ہے، ان کا ملک بہت بڑا تھا، جو تمام روئے زمین کو محیط تھا، اور تمام آبادیاں ان کی مطیع تھیں، اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جو تمام روئے زمین کے مالک تھے، ان میں سے دو مسلمان تھے، حضرت سلیمان اور حضرت ذوالقرنین اور دو کافر تھے بخت نصر اور نمرود (یہ روایت بھی محل اشکال ہے) حضرت سلیمان کے لشکر میں جن، انسان، پرندے اور وحشی جانور جمع کیے جاتے تھے، جب حضرت سلیمان کسی سفر پر یا کسی مہم پر جاتے تھے تو تمام لشکر آپ کے ساتھ جاتا تھا۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۲۱۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اس روایت کو امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ، علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اور علامہ اسماعیل حقی حنفی ۱۱۳۷ھ نے بھی بیان کیا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۹۴، الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۵۶، روح البیان جز ۶ ص ۴۲۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے ○ اس کی بات سے سلیمان مسکرا کر ہنس دیئے اور دعا کی اے میرے رب! تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں، مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جس سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے ○ (النمل: ۱۹-۱۸)

وادی کا معنی

اس آیت میں وادی کا لفظ ہے، قرآن مجید میں ہے انک بالواد المقدس (طٰہٰ: ۱۲) آپ مقدس وادی میں ہیں۔

اصل میں وادی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے پانی بہہ کر آ رہا ہو، اسی وجہ سے دو پہاڑیوں کے درمیان جو گھاٹی یا راستہ ہو

ہے اس کو وادی کہا جاتا ہے اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ○ (الشعراء: ۲۲۵) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ (شعراء) ہر وادی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

یعنی وہ کلام کے ہر قسم کے اسلوب میں طبع آزمائی کرتے پھرتے ہیں کبھی کسی کی مدح کرتے ہیں' کبھی ہجو کرتے ہیں کبھی جدل کہتے ہیں کبھی غزل کہتے ہیں (جدل سے مراد ہے جنگ پر ابھارنے والے اشعار' اور غزل سے مراد ہے محبوب کے متعلق اشعار) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو کان لابن آدم وادیان من ذهب لا بتغی الیهما ثالثا. اگر ابن آدم کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کو تلاش کرے گی۔

(صحیح مسلم الزکاۃ: ۱۱۷' رقم الحدیث: ۱۰۴۸' بیروت' ۱۴۱۷ھ' المفردات ج ۲ ص ۶۷۱)

نملۃ کا معنی

نیز اس آیت میں ہے: قالت نملة یایها النمل (النمل: ۱۸)

نملۃ کا معنی ہے چیونٹی' پہلو میں چیونٹی کی شکل کے مشابہ ایک پھنسی ہو جاتی ہے اس کو بھی نملۃ کہتے ہیں' جس طرح چیونٹی آہستہ آہستہ جسم پر رینگتی ہے اور کاٹتی ہے اسی طرح چغلی کی تکلیف بھی انسان کو آہستہ آہستہ ڈنک مارتی رہتی ہے' اور چغلی کرنے والے کو نمال اور نمام کہتے ہیں اور انملۃ انگلی کی پور کو کہتے ہیں اس کو جمع انامل ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۵۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن ابوبکر رازی متوفی ۶۶۰ ھ نے لکھا ہے: نملۃ واحد ہے اور النمل جمع ہے۔

(مختار الصحاح ص ۳۹۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ' الصحاح للجوہری ج ۵ ص ۱۸۳۶)

جس چیونٹی نے حضرت سلیمان کے لشکر سے ڈرایا تھا وہ مذکر تھی یا مؤنث

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

یہ چیونٹی لنگڑی تھی' اس کے دو بازو تھے' یہ چیونٹیوں کی ملکہ تھی' تورات میں لکھا ہے کہ اس کا نام منذرہ یا طاحیہ یا جرمیٰ تھا' اور بعض صحائف میں لکھا ہے کہ اس کا نام اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا' حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام اس کو پہچانتے تھے' چونکہ یہ باتیں کرتی تھی اس لیے اس کا نام رکھا گیا ورنہ چیونٹیوں کے نام نہیں رکھے جاتے' اور نملۃ مؤنث حقیقی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے قالت نملة اور فعل کے ساتھ تا اس وقت لائی جاتی ہے جب اس کا فاعل مؤنث حقیقی ہو' کیونکہ نملۃ کا مذکر اور مؤنث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے' پس جب اس کو ممیز اور ممتاز کرنے کا ارادہ کیا جائے گا تو کسی ممیز خارجی کی ضرورت ہوگی مثلاً کہا جائے گا مذکر نملۃ اور مؤنث نملۃ' اسی طرح حمامۃ اور یمامۃ کے الفاظ ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ قتادہ کوفہ میں گئے تو لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا جو پوچھنا چاہو پوچھو' اس وقت امام ابوحنیفہ کم عمر لڑکے تھے' انہوں نے لوگوں سے کہا ان سے پوچھو کہ جس چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کلام کیا تھا وہ مذکر تھی یا مؤنث؟ لوگوں نے سوال کیا تو قتادہ خاموش ہو گئے اور ان کو کوئی جواب نہ آیا' تب امام ابوحنیفہ نے کہا وہ مؤنث تھی' ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا قرآن سے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قالت نملة اگر وہ چیونٹی مذکر ہوتی تو اللہ تعالیٰ فرماتا قال نملة اس کی وجہ یہ ہے کہ حمامۃ (کبوتر) اور شاۃ (بکری) کی طرح' نملۃ کا اطلاق

بھی مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے اور ان کو ممیز اور ممتاز کرنے کے لیے مذکر یا مؤنث کی ضمیریں لائی جاتی ہیں مثلاً کہا جاتا ہے ھو شاۃ (وہ بکرا ہے) یا ھی شاۃ (وہ بکری ہے) اور جو نفسہ مذکر ہو اور اس میں لفظی تانیث ہو اس کے لیے مؤنث فعل یا مؤنث ضمیر نہیں لائی جاتی' مثلاً یہ نہیں کہا جاتا کہ قالت طلحۃ یا قالت حمزۃ' سو اگر یہ چیونٹی مذکر ہوتی اور اس میں صرف لفظی تانیث ہوتی تو قال نملۃ کہا جاتا اور قالت نملۃ نہ فرمایا جاتا اور قالت نملۃ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ یہ چیونٹی مؤنث تھی۔ (روح البیان ج ۶ ص ۴۲۸-۴۲۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قتادہ اور امام اعظم کا یہ قصہ ان کتابوں میں بھی ہے: الکشاف ج ۳ ص ۳۶۱' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۸' شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۳۸۵- قتادہ بن دعامہ سدوسی تابعی ہیں۔ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کی ہیں اور یہ بدیل بن میسرہ العقیلی کے معاصر ہیں۔ صحاح ستہ کے تمام مصنفین ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ امام محمد بن سعد نے ان کو اہل بصرہ کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ بکر بن عبداللہ المزنی نے کہا وہ اپنے زمانہ کے سب سے قوی حافظ تھے' ابوعوانہ نے کہا میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں تیس سال سے فتوے دے رہا ہوں لیکن میں نے کوئی فتویٰ اپنی رائے سے نہیں لکھا یہ ستاون سال کی عمر میں واسط کے طاعون میں فوت ہو گئے تھی۔ ان کا سن وفات ۱۱۷ھ ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۵ ص ۲۲۳-۲۲۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

فعل (قالت) کے مؤنث ہونے کی وجہ سے نملۃ مؤنث ہو (جیسا کہ امام اعظم کی تقریر میں ہے) نحویوں کا کلام اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ خبر دینے کے سوا نملۃ کا مؤنث ہونا معلوم نہیں ہو سکتا' اور علامہ زمخشری نے النملۃ کو الحمامۃ اور الشاۃ کے ساتھ جو تشبیہ دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے درمیان ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان دونوں کا مذکر اور مؤنث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے' اور ان میں ایک فرق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ الحمامۃ اور الشاۃ کے مذکر اور مؤنث میں صفت کے ساتھ تمیز حاصل ہو جاتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے مذکر حمامۃ اور مؤنث حمامۃ اور ضمیروں سے ان کو متمیز نہیں کیا جاتا مثلاً یوں کہا جاتا ھو حمامۃ اور ھی حمامۃ اور نملۃ اور قملۃ میں مذکر اور مؤنث کی تمیز صرف خبر کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے' اور اس کا حکم وہ ہے جو ذوالعقول میں سے مؤنث بالتاء کا حکم ہوتا ہے جیسے المرأۃ یا غیر ذوی العقول میں سے مؤنث بالتاء کا حکم ہوتا ہے (اس لیے اس کے ساتھ مؤنث کے صیغے لائے جاتے ہیں) ہاں اگر فعل اور فاعل کے درمیان فصل ہو جائے تو پھر جائز ہے کہ فعل کے ساتھ تانیث کی علامت لائی جائے یا نہ لائی جائے جیسا کہ نحویوں نے علم مؤنث کا حکم بیان کیا ہے۔

(البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ سلیمان الجمل المتوفی ۱۲۰۴ھ لکھتے ہیں:

زمخشری نے جو امام ابوحنیفہ کا قول نقل کیا ہے' شیخ نے اس کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ قالت کے ساتھ تاء تانیث کا لگنا اس کی دلیل نہیں ہے کہ نملۃ مؤنث ہے' بلکہ نملۃ مذکر کے ساتھ بھی قالت کہنا درست ہے' کیونکہ نملۃ میں مذکر اور مؤنث کی تمیز فعل کی تذکیر اور تانیث سے نہیں ہوتی بلکہ خبر سے حاصل ہوتی ہے۔ (سمین)

(حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۰۶-۳۰۵' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مصر)

علامہ احمد بن محمد الصاوی المالکی المتوفی ۱۲۴۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے استدلال پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ فعل (قالت) کے ساتھ تا کا لاحق ہونا نملۃ کے مؤنث ہونے

دلالت نہیں کرتا' کیونکہ نملۃ میں تا وحدت کے لیے ہے تانیث کے لیے نہیں ہے' لہٰذا امام ابوحنیفہ کی دلیل مفید ظن ہے نہ کہ مفید تحقیق۔ (حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۴۸۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نواب صدیق بن حسن بن علی قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ نے' امام اعظم اور قتادہ بن دعامہ کا مکالمہ نقل کر کے اس پر علامہ ابوالحیان اندلسی کی بحث لکھی ہے' پھر کہا ہے کہ یہ جھوٹا قصہ ہے' اس طرح اس چیونٹی کے نام کے متعلق جو اقوال نقل کیے گئے ہیں ان کو بھی جھوٹا قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان ابحاث میں مشغول ہونا بے فائدہ ہے۔

(فتح البیان ج ۵ ص ۱۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ابن المنیر نے کہا اگر یہ قصہ واقعی ثابت ہو تو مجھے امام ابوحنیفہ پر تعجب ہوگا' اس لیے کہ نملۃ کا حمامۃ اور شاۃ کی طرح مذکر اور مؤنث پر اطلاق کیا جاتا ہے' کیونکہ یہ اسم جنس ہے اس لیے مذکر نملہ اور مؤنث نملہ کہا جاتا ہے جیسے مذکر حمامۃ اور مذکر شاۃ اور مؤنث حمامہ اور مؤنث شاۃ کہا جاتا ہے پس یہ لفظاً مؤنث ہے اور اس کا معنی اس کے لفظ کی وجہ سے مؤنث بھی ہوسکتا ہے خواہ اس کا اطلاق مذکر پر ہو' بلکہ وہی فصیح اور مستعمل ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یضحی بعوراء ولا عمیاء ولا عجفاء. کانی بکری' اندھی بکری اور بہت لاغر بکری کی قربانی نہ کی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤنث بکریوں کی یہ صفات بیان کی ہیں' جبکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ نہ ایسی بکریوں کی قربانی کی جائے نہ ایسے بکروں کی' لہٰذا قرآن مجید میں جو قالت نملۃ ہے اس میں تانیث لفظی کی رعایت کرتے ہوئے قالت فرمایا ہے اور معنی کے اعتبار سے وہ چیونٹی مذکر بھی ہوسکتی ہے اور مؤنث بھی' پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس چیونٹی کے مذکر یا مؤنث ہونے کا سوال کیا ہو اور قتادہ بن دعامہ سدوسی جیسے عظیم عالم کو ساکت کر دیا ہو' اور حق کے مشابہ بات یہ ہے کہ یہ قصہ صحیح نہیں ہے۔

ابن حاجب نے امام اعظم کے استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نملۃ کے ساتھ مؤنث فعل قالت لانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نملۃ مؤنث ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مذکر چیونٹی کا نام نملۃ رکھ دیا ہو اور اس میں تا لفظاً تانیث کے لیے ہو اور اس صورت میں تانیث لفظی کی وجہ سے فعل مؤنث لایا گیا ہو جیسے جاءت الظلمۃ میں ہے' بعض احناف نے امام اعظم کی طرف سے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اس طرح پھر جاءت طلحۃ کہنا بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بھی تانیث لفظی ہے اور یہ مذکر کا نام ہے' لیکن اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ اسماء اعلام کی تانیث کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ ان میں لفظ کا نہیں صرف معنی کا اعتبار ہوتا ہے اور طلحۃ اسماء اعلام میں سے ہے۔ لیکن ابن حاجب کا یہ اعتراض اس لیے مدفوع ہے کہ انہوں نے خود اپنی کتاب کے شروع میں لکھا ہے کہ جب مؤنث لفظی کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو شرط یہ ہے کہ وہ مؤنث لفظی تین حرف سے زائد ہو اور نملۃ کا مادہ نمل تین حرف سے زائد نہیں ہے۔

(میں کہتا ہوں کہ ابن حاجب نے مطلقاً مذکر کا نام رکھنے کی یہ شرط بیان نہیں کی بلکہ غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے یہ شرط رکھی ہے اسی لیے انہوں نے کہا ہے کہ قدم مؤنث لفظی ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں نر جاندار نہیں ہے لیکن جب کسی مذکر کا نام قدم رکھ دیا جائے تو وہ منصرف رہے گا اس لیے کہ قدم تین حرف سے زائد نہیں ہے۔ لہٰذا ابن حاجب کا اعتراض صحیح ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ آلوسی مزید لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب تم شاۃ اور بقرۃ سے مذکر کا ارادہ کرو تو کہتے ہو ھذا شاۃ اور ھذا بقرۃ یعنی جب بکرا اور بیل مراد ہو اور جب اس سے مؤنث کا ارادہ کرو تو کہتے ہو ھذہ شاۃ اور ھذہ بقرۃ' علامہ طیبی نے بھی اس جواب کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح وہی ہے جو امام ابوحنیفہ نے کہا ہے۔

الکشف میں مذکور ہے کہ نملۃ میں تا وحدت کے لیے ہے سو یہ مؤنث لفظی کے حکم میں ہے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ نملۃ سے مراد مذکر بھی ہو سکتا ہے اور اس کے ساتھ جو مؤنث فعل (قالت) لایا گیا ہے ہو سکتا ہے اس وجہ سے ہو کہ نملۃ سے مراد مؤنث حقیقی ہو یا وہ مذکر ہو اور فعل مؤنث اس وجہ سے لایا گیا ہو کہ تاء وحدت لفظاً مؤنث کے مشابہ ہے یا جمعیت کے قصد کی وجہ سے فعل مؤنث لایا گیا ہے یعنی نملۃ سے مراد نمل کی جماعت ہو' اور جب تانیث اور شبہ تانیث کا معنی باقی نہ رہے تو پھر اس کے فعل کے ساتھ علامت تانیث لانے کی کوئی وجہ نہیں رہے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ نملۃ کے ساتھ مؤنث فعل (قالت) لانے کا لازماً مطلب یہ نہیں ہے کہ نملۃ مؤنث ہے کیونکہ نملۃ سے مراد مذکر چیونٹی بھی مراد ہو سکتی ہے اور اس صورت میں فعل کا مؤنث ہونا تانیث لفظی کی وجہ سے ہو گا اور یا اس وجہ سے کہ نملۃ میں تا وحدت کے لیے ہے اور قالت مؤنث کا صیغہ اس لیے ہے کہ تاء وحدت تانیث کے مشابہ ہے اور یا اس لیے کہ اس سے جماعت نمل مراد ہے' اور محتاط قول یہ ہے کہ یہ حکایت صحیح نہیں ہے' کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو تو تم پہچانتے ہو خواہ وہ اس وقت نوعمر لڑکے تھے' اور قتادہ بن دعامہ سدوسی کے متعلق علم رجال کے ماہرین کا اجماع ہے کہ وہ عربی زبان پر خوب بصیرت رکھنے والے تھے' اس لیے ان کے متعلق جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کا ان سے صادر ہونا مکمل بعید ہے۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۶۵-۲۶۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا اور ان کے اصحاب کا محفوظ ہونا

اس چیونٹی نے کہا' اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ' کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی سڑک پر جا رہا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو ٹریفک کے حادثات سے بچانے کے لیے پیچھے سے آنے والے تیز رفتار رش کی زد میں آنے سے محفوظ رکھے اور اس کے لیے ہر ممکن تدبیر کو اختیار کرے' کیونکہ ابھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر تین میل دور تھا تو چیونٹیوں کی ملکہ نے چیونٹیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے بلوں میں گھس جائیں۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۹)

امام رازی کا یہ قول چیونٹیوں کے بارے میں درست ہے لیکن اس آیت کا انسانوں پر اطلاق کرنا درست نہیں ہے' بلکہ پیچھے سے آنے والی گاڑیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی حد رفتار کو قابو میں رکھیں اور ڈرائیور اس قدر تیز رفتاری سے گاڑیاں نہ چلائیں کہ وہ بے قابو ہو کر آگے جانے والے کسی شخص کو ٹکر مار کر ہلاک کر دیں اور جس شخص کی تیز رفتار گاڑی کی زد میں آ کر کوئی مسلمان ہلاک ہو گیا تو اس کو اس ہلاک ہونے والے مسلمان کے ورثاء کو دیت ادا کرنی ہو گی اور کفارے میں دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے ہوں گے جیسا کہ النساء: 92 کا تقاضا ہے۔

اس آیت سے جو دوسرا مسئلہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور ان کے اصحاب محفوظ ہیں کیونکہ اس چیونٹی نے یہ کہا: کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیونٹی کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے اصحاب دانستہ اور عمداً چیونٹیوں کے پاؤں تلے نہیں روندیں گے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ

خبری میں وہ ان کے پاؤں تلے کچلی جائیں اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے اصحاب عمداً چیونٹیوں پر بھی ظلم نہیں کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے نفسوں پر کیسے ظلم کریں گے اور نبی کے اصحاب مسلمانوں پر کیسے ظلم کریں گے' اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اور ان کے اصحاب ظلم اور کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہیں' اور معصوم اور محفوظ میں یہ فرق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بری ہونے پر قطعی دلائل قائم ہیں اور ان کے اصحاب کے کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہونے پر ظنی دلائل قائم ہیں' اور اگر ان کے اصحاب سے بشری تقاضے سے کوئی کبیرہ سرزد ہو جاتا تو وہ اس پر توبہ کر لیتے تھے' صحابہ کرام سے صغائر سرزد ہو جاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا مدینہ کے ایک کنارے میں' میں ایک عورت کے ساتھ بغل گیر ہوا' اور میں نے مباشرت کے سوا اس سے سب کچھ کر لیا اور اب میں حاضر ہوں' آپ میرے متعلق جو چاہیں فیصلہ فرمائیں۔ حضرت عمر نے کہا اللہ تعالیٰ نے تم پر پردہ رکھا تھا' کاش تم بھی اپنا پردہ رکھتے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کوئی جواب نہیں دیا' وہ شخص اٹھ کر چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی بھیج کر اس شخص کو بلوایا پھر آپ نے اس کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ○ (ھود: ۱۱۴)	دن کے دونوں کناروں میں نماز پڑھیے اور رات کے قریب بھی' بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں' یہ نصیحت ہے' نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے۔

مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا: کیا یہ حکم اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم کی روایت میں ہے اس شخص نے اس عورت کا صرف بوسہ لیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۸۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۸' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۸۲۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۴۹' ۴۴۵' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۱۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۷۳۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۳۴۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۴۱)

اسی طرح بعض صحابہ کرام سے کبائر بھی صادر ہوئے جن پر حدود جاری ہوئیں:

حضرت نعیمان یا ابن النعیمان نشے میں پکڑے گئے اور ان پر شراب کی حد جاری ہوئی' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۷۴)

حضرت عبداللہ (ان کا لقب حمار تھا) بار بار شراب پیتے تھے اور اس پر حد لگائی جاتی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۰)

قریش کی ایک معزز خاتون نے چوری کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۸)

حضرت علی نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک خاتون کو رجم کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۲)

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ شادی شدہ شخص تھے' ان سے زنا کا فعل سرزد ہو گیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر چار مرتبہ زنا کا اعتراف کیا تو آپ نے ان کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۹)

حضرت حسان بن ثابت' حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا فعل سرزد ہو گیا تو ان پر حد قذف جاری کی گئی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۵)

ان صحابہ سے کبائر سرزد ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے وفات سے پہلے ان کو توبہ کی توفیق دے دی' ان پر حدود جاری کی گئیں اور انہوں نے توبہ کر لی سو وہ گناہوں سے پاک ہو گئے' ان کے علاوہ اور جن صحابہ سے کبائر کا صدور ہوا ان پر بھی حد جاری کی گئی اور انہوں نے توبہ کر لی اور اگر ان جرائم پر حد نہیں تھی اور انہوں نے ویسے ہی توبہ کر لی تو وہ پاک اور صاف ہو گئے' غرض یہ کہ بعض صحابہ سے بشری تقاضے سے کبیرہ سرزد ہوئے ان پر حد جاری کی گئی یا انہوں نے توبہ کر لی اور وہ ان گناہوں سے پاک اور صاف ہو گئے' اور ان صحابہ کے گناہ بھی درجہ میں ہماری نیکیوں سے بڑھ کر ہیں کیونکہ ان کے گناہوں کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں حد جاری ہونے کا اسوہ اور نمونہ متحقق ہوا' اور اسی وجہ سے کئی آیات نازل ہوئیں اور بہت سے شرعی احکام اور مسائل معلوم ہوئے۔

مسافت بعیدہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا چیونٹی کو کیسے شعور ہوا اور آپ نے اس کا کلام کیسے سن لیا

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب چیونٹیوں کی ملکہ نے کہا: اے چیونٹیو اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے' تو حضرت سلیمان نے ان کی یہ بات سن لی' اور اللہ کی مخلوق میں سے جو بھی کوئی بات کرتی تھی تو ہوا اس بات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کانوں میں پہنچا دیتی تھی۔

مقاتل نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات کو تین میل کی مسافت سے سن لیا تھا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تو تخت پر تھا اور ہوا ان کو اڑا کر لے جا رہی تھی' اور جب وہ فضا میں تھے تو ان سے چیونٹیوں کو روندنا کس طرح متصور ہو سکتا تھا حتیٰ کہ چیونٹیوں کی ملکہ کو ان سے ڈرانے کی ضرورت پیش آتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر ہوا میں پرواز کر رہے تھے اور ان کا لشکر سواروں اور پیادوں پر مشتمل تھا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کے مسخر کرنے سے پہلے پیش آیا ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام وادی نمل میں پہنچے تو آپ نے اپنے لشکر کو روک لیا حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو گئیں۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس چیونٹی کا کلام حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا' جیسے گوہ اور بکری کے گوشت کا کلام کرنا ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا' مقاتل نے کہا حضرت سلیمان نے تین میل کی مسافت سے چیونٹی کا کلام سن لیا تھا' اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ چیونٹی کو بھی اتنے فاصلے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کے آنے کا پتا چل گیا تھا۔ حضرت سلیمان کا اتنے فاصلہ سے چیونٹی کی بات کو سن لینا بعید نہیں ہے' کیونکہ جیسا کہ آثار میں ہے ہوا نے ان تک یہ بات پہنچا دی تھی' یا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قوت قدسیہ عطا کی تھی جس سے انہوں نے یہ بات سن لی تھی' لیکن چیونٹی کا اتنی مسافت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو محسوس کر لینا بعید ہے اور عربوں میں مشہور ہے کہ چچڑی بھی دور دراز سے محسوس کر لیتی ہے' اور تم کو معلوم ہے کہ اس خبر کی صحت کا انکار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' ایک قول یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کوئی آواز مطلقاً نہیں سنی تھی۔ چیونٹی کے دل میں جو بات تھی اللہ تعالیٰ نے اس کا ان کے دل میں الہام کر دیا تھا۔

اس بحث کے آخر میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں: تم کو معلوم ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں ان تاویلات کی کوئی ضرورت نہیں

ہے اور جو شخص چیونٹی کے احوال میں غور و فکر کرے گا اس کے نزدیک چیونٹی کے لیے نفس ناطقہ ہونا بعید نہیں ہے' کیونکہ وہ سردیوں کے لیے گرمیوں میں اپنی خوراک کا ذخیرہ جمع کر لیتی ہے' اور شیخ اشراف نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ تمام حیوانات کے لیے نفس ناطقہ ثابت ہے' اس لیے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ جائز ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس چیونٹی میں نطق پیدا کر دیا تھا اور باقی چیونٹیوں میں عقل اور فہم پیدا کر دی تھی' اور آج کل چیونٹیوں میں ایسا نہیں ہوتا۔

پھر ظاہر یہ ہے کہ یہ سمجھنا چاہیے کہ چیونٹی کو جو علم ہوا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ آ رہے ہیں' اس کا اللہ عزوجل نے اس کو الہام کیا تھا' جیسے اس گوہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہو گیا تھا اور اس نے کلام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دی' اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ چیونٹی اپنی جسامت میں عام چیونٹیوں کی طرح تھی۔

بعض روایات میں ہے کہ وہ چیونٹی لنگڑی تھی اور اس کا نام طاخیہ یا جرمی تھا' علامہ ابوالحیان اندلسی نے البحر المحیط میں اس کا رد کیا ہے اور کہا اس چیونٹی کا یہ نام کس نے رکھا' اور نام رکھنا تو بنو آدم کے ساتھ مختص ہے' علامہ آلوسی ان سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں جب حیوانات کے لیے نفوس ناطقہ ثابت ہیں تو پھر ان کے نام بھی ہو سکتے ہیں' اور یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ان ناموں سے پکارتے ہوں' لیکن ان ناموں کے الفاظ ہمارے ناموں کے الفاظ کی طرح نہیں ہوں گے بلکہ وہ ان کی مخصوص آوازیں ہوں گی جن مخصوص آوازوں سے وہ اپنے مفاہیم اور مطالب سمجھتے ہوں گے' اس کی مثال یہ ہے کہ ہم جو غیر مانوس اور اجنبی زبان سنتے ہیں وہ ہمیں جانوروں کی بولیاں معلوم ہوتی ہیں (مثلاً ہم چینی' جاپانی یا بلتستانی زبان میں لوگوں کو باتیں کرتے سنیں) تو وہ ہمیں محض چڑیوں کی چوں چوں معلوم ہوتی ہیں لیکن جب کوئی مترجم ہمیں ان کا ترجمہ کر کے سنائے اور ہمیں ان کا مفہوم معلوم ہو جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بامعنی الفاظ ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۶۴-۲۶۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

تبسم' ضحک اور قہقہہ کے معانی اور وجوہ استعمال

اس کے بعد فرمایا: اس کی بات سے سلیمان مسکرا کر ہنس دیئے۔

اس آیت میں تبسم اور ضحک کے الفاظ ہیں' تبسم کا معنی ہے مسکرانا جبکہ اس میں دانت ظاہر نہ ہوں اور ضحک کا معنی ہے انسان اس طرح مسکرائے جس سے سامنے کے دانت ظاہر ہوں' اس وجہ سے سامنے کے دانتوں کو ضواحک کہتے ہیں۔ ضحک اور قہقہہ میں یہ فرق ہے کہ ضحک میں ہنسی کی آواز سنائی نہیں دیتی اور قہقہہ میں ہنسی کی آواز دوسرے سن لیتے ہیں۔

ضحک (ہنسنا) کبھی خوشی کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی تعجب کی وجہ سے اور کبھی دوسروں کا مذاق اڑانے کے لیے' خوشی کی وجہ سے ضحک کے اطلاق کی مثال قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ (التوبہ: ۸۲)

اپنے کاموں کے نتیجہ میں ان کو چاہیے کہ وہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ۔

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ○ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ○ (عبس: ۳۹-۳۸)

اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ○ جو ہنستے ہوئے خوش و خرم ہوں گے۔

تعجب کی وجہ سے ضحک کے اطلاق کی مثال یہ آیتیں ہیں:

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا

ابراہیم کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں سو وہ ہنسنے لگیں تو ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت

بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ○ (ھود: ۷۲-۷۱) دی ○ اس نے کہا اے ہے! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور میرا یہ شوہر بھی بوڑھا ہے' بے شک یہ بہت عجیب بات ہے۔

اور مذاق اڑانے کے لیے ضحک کے اطلاق کی مثال یہ آیات ہیں:

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِیًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِیْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ○ (المومنون: ۱۱۰) سو (اے کافرو!) تم ان (نیک بندوں) کا مذاق ہی اڑاتے رہے' حتیٰ کہ ان چیزوں نے تم کو میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان پر ہنستے ہی رہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَكُوْنَ ○ (المطففین: ۲۹) بے شک کفار' مومنوں پر ہنسا کرتے تھے۔

فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ یَضْحَكُوْنَ ○ (المطففین: ۳۴) سو آج مومنین ان کافروں پر ہنسیں گے۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۸۱' ملخصاً' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکرانے اور ہنسنے کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے منہ کا اندرونی حصہ حلق تک نظر آئے آپ صرف مسکرایا کرتے تھے۔ (یعنی اکثر اوقات)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۹۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۸' مسند احمد ج ۶ ص ۶۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۵۹۵)

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۶۴۱' مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۱' ۱۹۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۵۹۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں اس شخص کو ضرور جانتا ہوں جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اور میں اس شخص کو ضرور جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا' ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا اس کے سامنے اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس سے اس کے بڑے بڑے گناہ چھپائے جائیں گے' اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن یہ کام کیا تھا؟ وہ اقرار کرے گا اور کسی گناہ کا انکار نہیں کرے گا' اور وہ اپنے بڑے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا' پھر کہا جائے گا اس کے ہر گناہ کے بدلہ میں اس کو نیکی دے دو' وہ کہے گا میرے تو اور بھی گناہ ہیں جن کو میں اس وقت یہاں نہیں دیکھ رہا' حضرت ابوذر نے کہا پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر ہنستے ہوئے دیکھا کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں۔

(صحیح مسلم الایمان: ۱۹۰' رقم الحدیث: ۳۱۵-۳۱۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۵' ۱۷۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۹۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۳۶۰)

اس حدیث میں جو فرمایا ہے جو شخص سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اس سے مراد ہے جو شخص گناہ گار مسلمانوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا ورنہ علی الاطلاق سب سے پہلے جنت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوں گے اور جو شخص سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا یہ وہ شخص ہے جس کا حضرت ابن مسعود کی روایت (بخاری: ۶۵۷۱) میں ذکر

آ رہا ہے' اور اس حدیث میں جو اس کو دوزخ میں سب سے آخر میں نکالے جانے والے کا ذکر ہے یہ صرف ترمذی میں ہے اور یہ امام ترمذی کا تسامح ہے' ورنہ صحیح مسلم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ (جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۱)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اوجھل نہیں ہوئے اور آپ جب بھی مجھے دیکھتے تھے ہنستے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۳۶-۳۰۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۷۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۲۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۰۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۲۱۹' شرح السنۃ: ۳۳۴۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جس کو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا' وہ سرین کے بل گھسٹتا ہوا دوزخ سے نکلے گا' اس سے کہا جائے گا جا جنت میں داخل ہو جا' وہ جنت میں داخل ہونے کے لیے جائے گا' تو دیکھے گا کہ سب نے اپنے اپنے ٹھکانے بنا لیے ہیں' اس سے کہا جائے گا کیا تم کو وہ وقت یاد ہے جب تم دوزخ میں تھے؟ وہ کہے گا جی ہاں! پھر اس سے کہا جائے گا تمنا کرو پس وہ تمنا کرے گا' پھر اس سے کہا جائے گا جو تم نے تمنا کی ہے وہ بھی اور اس سے دنیا کا دس گنا زائد لے لو وہ کہے گا کیا تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو حالانکہ تم فرشتے ہو! حضرت عبداللہ نے کہا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ہنسے کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۷۱' ۷۵۱۱' صحیح مسلم الایمان: ۱۸۶' رقم الحدیث: ۳۰۹' ۳۰۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۹' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹' ۳۷۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۱۳۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۳۳۹' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۱۴' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۳۵۶)

علی بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس موقع پر حاضر تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوار ہونے کے لیے ان کے پاس سواری لائی گئی جب انہوں نے اپنا پیر رکاب میں رکھا تو کہا بسم اللہ' اور جب سواری کی پشت پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تو کہا الحمد للہ' پھر کہا: سبحان الذی سخرلنا هذا و ما کناله مقرنین و انا الی ربنا لمنقلبون (الزخرف: ۱۳) پھر تین دفعہ کہا الحمد للہ اور تین دفعہ کہا اللہ اکبر' سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت' پھر ہنسے' میں نے ان سے پوچھا آپ کس وجہ سے ہنسے ہیں اے امیر المومنین؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح میں نے کیا ہے' پھر آپ ہنسے' میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کس وجہ سے ہنسے ہیں؟ آپ نے فرمایا' بے شک تمہارا رب اپنے بندے سے اس وقت خوش ہوتا ہے جب وہ دعا کرتا ہے رب اغفرلی ذنوبی ''اے میرے رب میرے گناہ بخش دے'' کیونکہ بندے کو یقین ہوتا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی اس کے گناہوں کو نہیں بخشے گا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۰۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۴۶' مسند احمد ج ۱ ص ۹۷' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۴۸۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۲۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۸۰' کتاب الدعاء للطبرانی رقم الحدیث: ۷۸۱-۷۸۷' المستدرک ج ۲ ص ۹۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۵۲' الاسماء والصفات ص ۱۷۱' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۳۴۳-۱۳۴۲)

انسان کے والدین کی نعمتوں کا بھی اس کے حق میں نعمت ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور (سلیمان نے) دعا کی اے میرے رب! تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں' مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جس سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔ (النمل: ۱۹)

وزع کا معنی ہے تقسیم کرنا اور اوزعنی کا معنی ہے میری قسمت میں کر دے' مجھے توفیق عطا فرما' مجھے قائم رکھ اور مجھے الہام فرما۔ (المفردات ج ٢ ص ٦٧٦)

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کا کلام سنا اور اپنے لشکر کو دیکھا تو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یہ دعا کی کہ مجھے شکر ادا کرنے پر قائم رکھ اور اس پر جما دے' حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا نعمت وحشیہ ہے اور بھاگ جانے والی ہے اس کو ادائیگی شکر کے ساتھ باندھ کر رکھو۔ (رسائل ابن ابی الدنیا شکر: ١٣) حضرت سلیمان کو علم' نبوت' ملک' عدل اور پرندوں کے کلام کی فہم کی نعمت عطا کی تھی' اور ان کے والد حضرت داؤد کو نبوت' پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کی فہم اور لوہے سے زرہ بننے کی نعمت عطا کی تھی۔ حضرت سلیمان نے اپنی نعمتوں کے ساتھ اپنے والد کی نعمتوں کا بھی شکر ادا کیا کیونکہ انسان کے والد کی نعمتیں بھی اس کے حق میں نعمتیں ہوتی ہیں اس لیے انہوں نے اپنی اور اپنے والد کی دونوں کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور یہ دعا کی کہ تو اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل کر لے۔ صالح بندوں سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور وہ لوگ جو انبیاء علیہم السلام کے متبعین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ حکم دیا تھا:

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ○ (السبا: ١٣)

اے آلِ داؤد (ان نعمتوں کا) شکر ادا کرو' اور میرے بندوں میں سے شکر ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔

سو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس حکم پر عمل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

ادائیگی شکر کا طریقہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو کہا مجھے ان (نعمتوں) کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اس سے ان کی مراد دل اور زبان سے شکر ادا کرنا ہے اور انہوں نے جو فرمایا اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ اس سے مراد جسم کے باقی اعضاء ظاہرہ سے شکر ادا کرنا ہے' تاکہ شکر کامل ہو جائے' کیونکہ شکر کا معنی ہے دل' زبان اور اعضاء ظاہرہ سے نعمت دینے والے کی تعظیم کرنا' بعض علماء نے کہا حضرت سلیمان نے اپنی دعا میں پہلے ایک خاص چیز کا سوال کیا کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں' پھر عام چیز کا سوال کیا کہ وہ نیک عمل کریں' پھر اعمال صالحہ کے ساتھ یہ قید بھی لگائی کہ وہ ایسے اعمالِ صالحہ ہوں' جن سے تو راضی ہو اور رضا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعمالِ صالحہ کو قبول فرمائے' کیونکہ اعمال صالحہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول بھی فرمائے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ (المائدۃ: ٢٧)

اور ان کو آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ حق کے ساتھ سنائیں جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں کی گئی۔

ہابیل اور قابیل دونوں نے قربانی کی تھی۔ ہابیل کی قربانی قبول کر لی گئی اور قابیل کی قربانی قبول نہیں کی گئی' حالانکہ دونوں کے عمل صالح تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نیک عمل کرنے کے بعد اس کے قبول ہونے کی دعا کرتے تھے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (البقرہ: ١٢٧)

اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور دیواریں بلند کر رہے تھے (تو یہ دعا کرتے تھے) اے ہمارے رب

تو ہم سے (اس عمل کو) قبول فرما' بے شک تو ہی بہت سننے والا'
سب کچھ جاننے والا ہے۔

حضرت سلیمان کا اپنے جد کریم کی اتباع میں جنت اور بعد از وفات ثناء جمیل کی دعا کرنا

علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے کہا حضرت سلیمان نے دعا میں جو یہ کہا اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے اس کا معنی ہے مجھے اہل جنت سے کر دے (الکشاف ج ۳ ص ۳۶۲' دار احیاء التراث العربی ۱۴۱۷ھ) اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے کہا یہاں مفعول مقدر ہے یعنی اپنی رحمت سے مجھے جنت میں داخل کر دے' اور ان دونوں توجیہات کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے جب دعا میں یہ کہا کہ مجھے اعمال صالحہ کی توفیق دے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل کر لے' کیونکہ جو اعمال صالحہ کرے گا وہ صالح بندہ ہی ہوگا۔ اس کا علامہ زمخشری نے یہ جواب دیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے اہل جنت سے کر دے تاکہ اس آیت میں تکرار لازم نہ آئے' اور جب اعمال صالحہ کی طلب کے بعد جنت کی طلب کی تو گویا اعمال صالحہ پر دوام کو طلب کیا کیونکہ صرف اعمال صالحہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اعمال صالحہ دائمی بھی ہوں۔

نیز اعمال صالحہ کے بعد جنت کی دعا کر کے یہ بتایا کہ کسی شخص کا اعمال صالحہ سے متصف ہونا اس کے جنتی ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور نہ جنتی ہونے کے لیے کافی ہے کیونکہ جنت تو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا' آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں! آپ نے فرمایا: اور نہ مجھے' سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۸۱۶' الرقم المسلسل: ۶۹۸۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۴' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۵۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۴۰۸٬۵۳۱۵' اتحاف ج ۹ ص ۹۶)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا میں کہا اپنی رحمت سے مجھے داخل کر دے اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے' قرآن مجید کی بعض آیتوں میں ہے اور ثموھا بما کنتم تعملون (الاعراف: ۴۳' الزخرف: ۷۲) تمہیں اپنے عملوں کی وجہ سے جنتوں کا وارث بنایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں دخول کا ظاہری سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو تو انسان نیک عمل نہیں کر سکتا۔ ان آیات میں دخول جنت کے ظاہری سبب کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا میں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں دخول جنت کے حقیقی سبب کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دخول جنت کی دعا کی ہے اس میں اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر عمل کیا ہے کیونکہ آپ نے بھی دخول جنت کی دعا کی تھی:

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۝ اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے۔
(الشعراء: ۸۵)

نیز حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا کی ہے'' مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما دے'' یعنی جب ان نیک بندوں کا ذکر کیا جائے تو میرا بھی ذکر کیا جائے' گویا مجھے ایسے اعمال صالحہ عطا فرما کہ ان اعمال صالحہ کی بنا پر بعد کے

لوگ میرا شمار صالحین میں کریں کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر عمل صالح کرنے والے کا شمار صالحین میں کیا جائے' ہزاروں لوگ نیک عمل کرتے ہیں لیکن ان کا شمار صالحین میں نہیں کیا جاتا۔ مقصد یہ تھا کہ بعد میں بھی آپ کی ثناء جمیل اور تحسین ہوتی رہے اور اس دعا میں بھی آپ نے اپنے جد کریم کی اتباع کی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم نے اپنی دعا میں کہا تھا:

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○ اور میرا ذکر خیر بعد کے لوگوں میں بھی باقی رکھ۔

(الشعراء: ۸۴)

انبیاء علیہم السلام اپنے صالح ہونے کی دعا کیوں کرتے تھے

ایک اعتراض یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درجات اولیاء اور صالحین کے درجات سے بلند ہوتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صالحین کے زمرہ اور ان کی جماعت میں دخول کی دعا کرتے تھے' حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی:

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○ مجھے اسلام پر وفات دینا اور صالحین کے ساتھ ملا دینا

(یوسف: ۱۰۱)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی یہ دعا کی:

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ○ اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل فرما لے۔

(النمل: ۱۹)

علامہ القونوی متوفی ۷۲۷ھ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ صالح کامل وہ شخص ہے جو نہ معصیت کرے اور نہ معصیت کا ''ھم'' کرے' (ھم سے مراد ہے عزم سے کم درجہ کا ارادہ جس میں غالب جانب فعل کرنے کی ہو اور مغلوب جانب فعل نہ کرنے کی ہو) اور یہ بہت بلند درجہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے بھی اسی جواب کا ذکر کیا ہے۔

(البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۲' روح البیان ج ۶ ص ۴۳۱)

اس جواب پر یہ اعتراض نہ کیا جائے انبیاء علیہم السلام نے جو صلاح کامل کے بلند درجہ کی دعا کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ درجہ حاصل نہیں تھا' کیونکہ اس دعا سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو یہ درجہ حاصل نہ ہو جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دعا کی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (الفاتحہ: ۵) ''ہم کو سیدھے راستہ پر چلا'' حالانکہ آپ سیدھے راستہ پر ہی چل رہے تھے تو اس دعا سے مقصود صراط مستقیم پر دوام اور ثبات کو طلب کرنا ہے یا اس میں مزید ترقی کو طلب کرنا ہے' اسی طرح جب انبیاء علیہم السلام صلاح کامل کو طلب کرتے ہیں تو ان کا مقصود صلاح کامل کے درجہ میں دوام اور ثبات کو طلب کرنا ہوتا ہے اور اس میں مزید ترقی کو طلب کرنا ہوتا ہے' اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جو اولیاء اور صالحین ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے صلاح کامل کے درجہ پر فائز نہیں ہوتے بلکہ اس سے کم درجہ پر ہوتے ہیں' یعنی وہ بالعموم معصیت تو نہیں کرتے لیکن معصیت کے ''ھم'' سے محفوظ اور مامون نہیں ہوتے' سو انبیاء علیہم السلام نے صلاح کامل کے درجہ کی دعا کی ہے اور یہ دیگر اولیاء اور صالحین کی صالحیت سے بلند درجہ ہے جس کو علامہ القونوی وغیرہ نے صلاح کامل سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس اعتراض کے جواب میں کہا ہے کہ ہر چند کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ اولیاء اور صالحین سے بہت بلند ہوتا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام نے جو یہ دعا کی کہ ہم کو صالحین کی جماعت میں داخل کر دے تو یہ ان کی تواضع اور ان کا انکسار ہے۔ (عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۲۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے یہ کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے دعا میں کہا: تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جن سے تو راضی ہے' دعا کے اس حصہ میں یہ طلب کیا کہ مجھے حقوق اللہ کی ادائیگی کی توفیق دے اور جب کہا مجھے اپنی رحمت سے صالح بندوں میں داخل کر دے تو یہ طلب کیا کہ مجھے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی توفیق دے' کیونکہ صالحیت دونوں حقوق کی ادائیگی سے حاصل ہوتی ہے' سو یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ (روح المعانی ج ۱۱ ص ۲۷۱' موضحاً' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شیخ اور امام یا امیر کی معرفت اور اس کی بیعت اور اطاعت کا ضروری ہونا

صوفیاء کرام نے کہا ہے کہ جو شخص ہوائے عشق کے پرندوں میں سے ہوگا وہی پرندوں کی زبانوں کو سمجھے گا' اور جو شخص اپنے وقت کے سلیمان کو نہیں دیکھے گا وہ ان آوازوں کے معانی کو کیسے سمجھ سکے گا اور سلیمان سے مراد مرشد کامل ہے جس کے ہاتھ میں حقیقت کی انگوٹھی ہوتی ہے جس سے وہ دلوں کی مملکتوں کی حفاظت کرتا ہے اور غیوب کے اسرار پر مطلع ہوتا ہے' پھر ہر چیز اس کی خوشی یا ناخوشی سے اطاعت کرتی ہے جو ناخوشی سے اطاعت کرتے ہیں وہ بہ منزلہ شیاطین ہیں' پس مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ امام عصر کی معرفت حاصل کرے اور وہ اس کی بیعت اور اطاعت کرے اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کرتے تھے اور میں آپ سے شر کے متعلق سوال کرتا تھا' مبادا میں کسی شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں شر میں تھے' پھر اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اس خیر کو لے آیا' آیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا' ہاں! میں نے پوچھا آیا اس شر کے بعد پھر خیر ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! لیکن اس خیر میں کچھ کدورت ہوگی' میں نے عرض کیا وہ کدورت کیسی ہوگی؟ آپ نے فرمایا لوگ میری سنت کی اتباع نہیں کریں گے اور میری ہدایت کے خلاف عمل کریں گے' ان میں اچھی اور بری دونوں باتیں ہوں گی' میں نے پوچھا آیا اس خیر کے بعد پھر کوئی شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کچھ لوگ دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے' اور لوگوں کو بلائیں گے جو ان کے پاس چلا جائے گا وہ اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں ان لوگوں کے اوصاف بیان کیجئے' آپ نے فرمایا ان لوگوں کا رنگ ہماری طرح ہوگا' اور وہ ہماری زبانوں میں بات کریں گے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں ان کا زمانہ پاؤں تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تم مسلمانوں کے امام اور ان کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا' میں نے عرض کیا اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت اور ان کا امام نہ ہو؟ آپ نے فرمایا تم ان تمام فرقوں سے الگ رہنا خواہ تم کو تا حیات درختوں کی جڑیں چبانی پڑیں' اور اسی حال میں تمہیں موت آ جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (حاکم کی) اطاعت سے نکل جائے اور جماعت کو چھوڑ دے' تو وہ جاہلیت کی موت مرا اور جو شخص اندھی تقلید میں کسی کے جھنڈے تلے جنگ کرے یا کسی عصبیت کی بنا پر غضبناک ہو یا عصبیت کی دعوت دے یا عصبیت کی خاطر جنگ کرے اور مارا جائے' تو وہ شخص جاہلیت کی موت مرے گا' اور جس شخص نے میری امت کے خلاف خروج کیا اور اچھوں اور بروں سب کو قتل کیا' کسی مومن کا لحاظ کیا نہ کسی سے کیا ہوا عہد پورا کیا وہ میرے دین پر نہیں ہے اور نہ اس سے میرا کوئی تعلق ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۴۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۵۷۹)

نافع بیان کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں جب واقعہ حرہ ہوا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما'

عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے۔ ابن مطیع نے کہا حضرت ابوعبدالرحمٰن (یہ حضرت ابن عمر کی کنیت تھی) کے لیے غالیچہ بچھاؤ حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں تمہارے پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا میں تمہارے پاس صرف اس لیے آیا ہوں کہ تم کو ایک حدیث سناؤں جس کو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے (امام کی) اطاعت سے ہاتھ نکال لیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے حق میں کوئی حجت نہیں ہو گی اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تھی وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

(صحیح مسلم الامارۃ: ۵۸ رقم الحدیث بلاتکرار: ۱۸۵۱ الرقم المسلسل: ۴۷۱۱)

حضرت عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اس کے اوپر کسی امام کی اطاعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۶ مسند البزار رقم الحدیث: ۱۶۳۶ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۲۰۱ المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۳۸۸ ۳۳۴ المستدرک ج ۱ ص ۷۷ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۳۱۱۴ ۲۳۱۱۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۴۸۶۱)

نیز حدیث میں ہے جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانتا تھا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ للالبانی رقم الحدیث: ۳۵۰)

نوٹ: یہ حدیث مجھ کو کسی مستند حدیث کی کتاب میں نہیں ملی البتہ بعض مفسرین اور متکلمین نے اس کو بغیر کسی سند اور حوالے کے ذکر کیا ہے اور شیخ البانی نے اس کو احادیث ضعیفہ میں مندرج کیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا میں ہمارے لیے تنبیہ اور نصیحت

حضرت سلیمان علیہ السلام نے شکر کی ادائیگی اور صالحیت پر قائم رہنے کی دعا کی اور آخر میں اپنے آباء کرام کے طریقہ کے مطابق جنت میں دخول کی دعا کی اور یہ دعائیں ان کے معصوم ہونے کے منافی نہیں ہیں بلکہ اس پر تنبیہ کرنے کے لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اُمت کے لیے یہ ہدایت ہے کہ وہ احسن طریقہ سے شریعت کی اتباع کرتی رہے اور طریقت کے پسندیدہ حال پر قائم رہے تاکہ حقیقت کے بلند مقام پر فائز ہو حرام اور مکروہ کاموں سے حتی الوسع مجتنب رہے اور فرائض واجبات سنن اور مستحبات پر ہمیشہ عامل رہے یہ شریعت کی پابندی ہے مشائخ کے بتائے ہوئے معمولات یا پھر نفلی عبادات کو انجام دیتا رہے یہ طریقت پر عمل کرنا ہے اور اپنے دل میں معصیت کے زنگ کو لگنے نہ دے اور ہر قسم کے برے افکار سے اپنے دل و دماغ کو صاف اور پاک رکھے حتیٰ کہ اس کا آئینہ دل صیقل ہو جائے اور الوہی تجلیات کے منعکس اور منطبع ہونے کے قابل ہو جائے یہ حقیقت ہے اور جو شخص شریعت پر عمل نہیں کرتا اور اپنے باطن کو پاک اور صاف نہیں کرتا وہ ہلاک ہو جاتا ہے ہم اللہ سبحانہ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے پسندیدہ اعمال اور مرغوب احوال کی توفیق دے اور ہم کو زہد اور تقویٰ اور دیگر مستحسن امور سے مزین کر دے بے شک وہی ہماری دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے پرندوں کی تفتیش کی تو کہا کیا وجہ ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا! یا وہ غیر حاضروں میں سے ہے○ میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا یا اس کو ضرور ذبح کر دوں گا ورنہ وہ اس کی صاف صاف وجہ بیان کرے○ وہ (ہدہد) کچھ دیر بعد آ کر بولا میں نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں○ میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس

بہت بڑا تخت ہے O (النمل: ۲۳-۲۰)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی گمشدگی کے متعلق جو سوال کیا تھا اس کی وجوہ

اس آیت میں ہے: تفقد الطیر' تفقد کے معنی ہیں گمشدہ چیز کو تلاش کرنا اور فقد کا معنی ہے گم ہو جانا۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۹۵ 'مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حضرت سلیمان نے پرندوں میں سے ہدہد کو گم پایا تو فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا؟ بہ ظاہر یوں کہنا چاہیے تھا کہ ہدہد کو کیا ہوا وہ کیوں نظر نہیں آ رہا؟ لیکن یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بہت مہذب اور شائستہ طریقہ گفتگو ہے کہ تقصیر کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے تمام پرندوں کی تفتیش کی جیسا کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کا طریقہ ہے کہ وہ تمام رعایا اور عوام کی تفتیش کرتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان کے پاس ہر صنف سے ایک پرندہ آتا تھا تو اس روز ہدہد نہیں آیا' ایک قول یہ ہے کہ دھوپ میں پرندے ان پر سایہ کرتے تھے' اور ہدہد دائیں طرف سے ان پر سایہ کرتا تھا' حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب دھوپ لگی تو انہوں نے ہدہد کی جگہ پر دیکھا تو ان کو ہدہد نظر نہیں آیا' حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سفر کے دوران ایسی جگہ ٹھہرے جہاں پر پانی نہیں تھا' اور ہدہد زمین کے ظاہر اور باطن کو دیکھتا تھا اور حضرت سلیمان کو اس کی خبر دیتا تھا' پھر جن زمین سے اس چیز کو نکال لیتے تھے جیسے بکری سے کھال اتار لی جاتی ہے' جب حضرت سلیمان جنگل میں اس جگہ ٹھہرے اور انہیں پانی کی ضرورت پڑی تو ان کو ہدہد کا خیال آیا کہ وہ زمین کو دیکھ کر بتائے کہ اس کے اندر پانی ہے یا نہیں تا کہ جنات سے پانی نکلوایا جا سکے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو پرندوں کی تفتیش کی اس میں یہ دلیل ہے کہ حاکم کو رعایا کے احوال کی تفتیش کرنی چاہیے تا کہ وہ عوام کی ضروریات کو پورا کر سکے' حضرت عمر نے فرمایا اگر دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کو بھی بھیڑیا اٹھا کر لے گیا تو عمر سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(میں کہتا ہوں کہ جب چھوٹے چھوٹے شہر ہوتے تھے اور ان میں انسانوں کی آبادیاں بہت کم ہوتی تھیں اس وقت حاکموں کو رعایا کے احوال کی تفتیش کی ضرورت ہوتی تھی' اب تو وسیع آبادیوں پر مشتمل بہت بڑے بڑے شہر ہیں جہاں لاکھوں اور کروڑوں انسان رہتے ہیں' اب اخبارات' ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ لوگوں کے احوال معلوم ہوتے رہتے ہیں اور فرداً فرداً لوگوں کے احوال معلوم کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔)

پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا' اس سے یہ مفہوم نکلتا تھا کہ وہ حاضر ہے لیکن کسی چیز کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ منکشف ہوا کہ وہ غائب ہے اس لیے انہوں نے کلام سابق سے اعراض کر کے فرمایا: یا وہ غیر حاضروں میں سے ہے۔

اور کشاف میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت المقدس کی تعمیر کو مکمل کر چکے تو حج کے لیے تیار ہوئے' پھر وہ حرم میں گئے' اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہاں رہے' پھر یمن کی طرف روانہ ہونے کا قصد کیا پھر ایک دن صبح کے وقت مکہ سے نکلے اور زوال کے وقت صنعاء میں پہنچے اور یہ فاصلہ ایک ماہ کی مسافت پر تھا' انہوں نے ایک خوبصورت اور سرسبز زمین دیکھی' جو ان کو اچھی لگی وہ وہاں پر کچھ کھانے پینے اور نماز پڑھنے کے لیے ٹھہرے' اس جگہ ان کو پانی نہیں ملا اور ہدہد ان کو آ کر

بتاتا تھا کہ اس جگہ پانی ہے یا نہیں! پھر جس جگہ ہد ہد پانی کی نشاندہی کرتا وہاں سے جنات پانی نکال کر دیتے تھے اس حضرت سلیمان نے ہد ہد کی طرف توجہ کی تو وہ نظر نہیں آیا' لہٰذا فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھ رہا یا وہ غیر حاضروں میں سے ہے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۴-۲۲۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دینا

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے کہ جب حج کے موقع پر حضرت سلیمان حرم شریف میں پہنچے تو آپ نے اپنے سرداروں سے کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں سے نبی عربی کا ظہور ہوگا اور ان کی ایسی ایسی صفات ہوں گی' ان کے اعداء کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی' ایک ماہ کی مسافت سے ان کے دشمنوں پر ان کا رعب طاری کر دیا جائے گا' اور اللہ کا پیغام سنانے میں انہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں ہوگا' سرداروں نے پوچھا' یا نبی اللہ! وہ کون سے دین پر ہوں گے؟ فرمایا وہ دین حنیفہ (ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والا دین) پر ہوں گے' اس کے لیے خوشی ہو جو ان کا زمانہ پائے اور ان پر ایمان لائے' سرداروں نے پوچھا ہمارے اور ان کے ظہور کے درمیان کتنی مدت باقی ہے؟ آپ نے فرمایا' تقریباً ایک ہزار سال ہیں' سو ہر حاضر کو چاہیے کہ وہ ہر غائب تک یہ خبر پہنچا دے' کیونکہ وہ تمام انبیاء کے سردار ہیں اور تمام رسولوں کے خاتم ہیں' پھر انہوں نے یمن کی طرف روانگی کا قصد کیا اور ایک ماہ کی مسافت کو صبح سے زوال تک طے کر کے ایک سرسبز وادی میں پہنچے اس جگہ ان کو پانی نہیں ملا اور پھر ان کو ہد ہد کی تلاش ہوئی۔

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۷۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ' معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۷)

تقدیر کا تدبیر پر غالب آنا

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے ہد ہد کی کیوں خصوصیت سے تفتیش کی تھی' حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام ایک ایسی جگہ ٹھہرے جہاں ان کو پانی نہیں ملا' اور ہد ہد انجینئر تھا انہوں نے اس سے یہ پوچھنے کا ارادہ کیا کہ کس جگہ زمین کے اندر پانی ہے؟ تو اس کو گم پایا' میں نے کہا وہ کیسے انجینئر ہوگا حالانکہ بچے زمین میں دھاگے کا ایک پھندا بنا کر دبا دیتے ہیں اور اس پھندے میں اس کی گردن پھنس جاتی ہے اور وہ اس کو شکار کر لیتے ہیں (ان کا مطلب یہ تھا کہ جب ہد ہد کو زمین کی سطح کے پاس ہی چھپا ہوا پھندا نظر نہیں آتا تو زمین کی گہرائی میں چھپا ہوا پانی اس کو کیسے نظر آ جاتا ہے؟) حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب تقدیر آتی ہے تو آنکھیں کام نہیں کرتیں ایک اور روایت میں فرمایا جب تقدیر کا لکھا پورا ہونا ہوتا ہے تو انسان اپنی احتیاط سے غافل ہو جاتا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۸۵۹' رقم الحدیث: ۱۶۲۱۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

تربیت دینے اور ادب سکھانے کے لیے جانوروں کو مارنے اور سزا دینے کا جواز

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا اس کو ضرور ذبح کر دوں گا ورنہ وہ اس کی صاف صاف وجہ بیان کرے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو ہد ہد کو سزا دینے کی وعید سنائی اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہد ہد ایک جانور اور پرندہ تھا اور جانور کسی چیز کا مکلف نہیں ہوتا تو پھر ہد ہد کی غیر حاضری پر اس کو سزا کی وعید سنانے کی کیا توجیہ ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سزا بہ طور تادیب ہے اور جانوروں کو سدھانے اور ان کو تربیت دینے کے لیے بھی سزا دی جاتی ہے' بچے بھی غیر مکلف

ہیں لیکن ان کو تربیت دینے کے لیے مناسب حد تک مار لگائی جاتی ہے حدیث میں ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے بچے سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو مارو اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۶ ۴۹۵ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۴۱۳۲ مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۰ رقم الحدیث: ۶۶۸۹ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۲۹ حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۳۶)

امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں تمام پرندے دیگر حیوانات اور جنات اور شیاطین جو ان کے لیے مسخر کیے گئے تھے وہ سب حضرت سلیمان کا حکم ماننے کے مکلف تھے اور ان کے احکام ان کے احوال کے مناسب تھے ان میں فہم اور ادراک تھا اور جس طرح انسان اوامر اور نواہی کو قبول کرتے ہیں وہ بھی اوامر اور نواہی کو قبول کرتے تھے اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حافظ جلال الدین سیوطی نے الاکلیل میں لکھا ہے کہ حیوانات اور بہائم جب چلنے یا دوڑنے میں سستی کریں یا جو کام ان کو سکھایا گیا ہے اس میں غفلت اور غلطی کریں تو ان کو مارنا جائز ہے اور پرندوں کے پر اکھاڑنا بھی جائز ہے کیونکہ اس سزا سے مراد ہدہد کے پر اکھاڑنا تھا اور علامہ ابن العربی نے یہ کہا ہے کہ سزا بہ قدر جرم دینی چاہیے نہ کہ بہ قدر جسم نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پرندے ان کے احکام کے مکلف تھے تب ہی ہدہد کی غیر حاضری پر اس کے لیے سزا کی وعید سنائی۔

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۷۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

ہدہد کی سزا کے متعلق متعدد اقوال

ہدہد کی سزا کے متعلق حسب ذیل چھ اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد پر اکھاڑنا ہے۔ (۲) عبداللہ بن شداد نے کہا اس سے مراد اس کے پر اکھاڑنا اور اس کو دھوپ میں رکھنا ہے۔ (۳) ضحاک نے کہا اس سے مراد اس کے پیر باندھ کر اس کو دھوپ میں چھوڑ دینا ہے۔ (۴) مقاتل بن حیان نے کہا اس سے مراد اس پر تیل مل کر اس کو دھوپ میں چھوڑ دینا ہے۔ (۵) ثعلبی نے کہا اس سے مراد اس کو پنجرے میں بند کرنا ہے۔ (۶) ثعلبی کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی مانوس چیزوں کو اس سے دور کر دیا جائے۔ (زادالمسیر ج ۶ ص ۱۶۴ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

عربی قواعد کے خلاف قرآن مجید کی کتابت کی تحقیق

حضرت سلیمان نے فرمایا تھا میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا یا اس کو ضرور ذبح کر دوں گا' ذبح کرنے کے متعلق قرآن مجید میں اس طرح لکھا ہے لا اذبحنہ اس تحریر پر یہ اعتراض ہے کہ لا کے بعد جو الف لکھا ہوا ہے یہ قواعد کے خلاف ہے قواعد کے موافق اس طرح لکھا ہوا ہونا چاہیے تھا لا ذبحنہ۔

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں:

عربوں کی کتابت اس زمانے کے بدوؤں کی کتابت سے ملتی جلتی تھی بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی کتابت سے آج کل کے بدوؤں کی کتابت اچھی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ شہری تمدن سے اور شہروں اور حکومتوں کے اختلاط سے بہت قریب ہیں۔ مضر تو

بدویت میں ڈوبے ہوئے تھے اور یمن عراق شام اور مصر کے لوگ تمدن سے بہت دور تھے۔ اسی لیے شروع اسلام میں عربی خط استحکام خوبصورتی اور عمدگی کی حد تک نہیں پہنچا تھا بلکہ درمیانی درجہ تک بھی نہیں پہنچا تھا کیونکہ عرب بدویت و وحشت سے قریب اور صنعتوں سے دور تھے اسی لیے مصحف شریف کی رسم کتابت میں جو کچھ پیش آنا تھا پیش آیا۔ صحابہ کرام نے اپنے رسم الخط میں مصحف کو لکھا ان کی عمدگی میں استحکام نہ تھا چنانچہ اکثر جگہ ان کا رسم الخط معروف رسم الخط کے خلاف ہے۔ پھر بھی رسم الخط تابعین نے تبرک کے طور پر رہنے دیا' کیونکہ یہ صحابہ کا خط تھا جو امت میں بہترین لوگ اور وحی کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے والے تھے۔ جیسے آج کل تبرک کے طور پر کسی عالم یا ولی کا خط بحال رہنے دیا جاتا ہے' اور اس کے رسم الخط کی پیروی کی جاتی ہے۔ خواہ وہ صحیح ہو یا غلط۔ صحابہ کا تو پھر بھی بہت اونچا درجہ ہے' چنانچہ ان کا رسم الخط قرآن پاک میں باقی رکھا گیا اور خاص خاص مقامات پر علماء نے ان کے مخصوص خط کی نشاندہی فرمائی۔

بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ صنعت خط میں صحابہ کے زمانہ میں استحکام تھا' اور موجودہ رسم الخط کی جہاں کہیں مخالفت پائی جاتی ہے' اس کی کوئی خاص وجہ ہے جیسے ''لا اذبحنه'' میں الف کی زیادتی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فعل ذبح کا وقوع نہیں ہوا تھا اور بايید میں یا کی زیادتی سے اللہ کی کمال قدرت کی طرف اشارہ ہے۔ غرضیکہ جہاں کسی حرف کی زیادتی ہے اس میں کوئی نہ کوئی تنبیہ مقصود ہے۔ آپ اس قسم کی رائے کی طرف توجہ بھی نہ دیں کہ اس رائے کی کوئی اصل نہیں اور محض ہٹ دھرمی ہے۔ لوگوں کو اس توجیہ پر صحابہ کی شان میں نقص کو اچھا نہ سمجھنے نے آمادہ کیا کہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ انہیں اچھی طرح سے لکھنا بھی نہیں آتا تھا۔ ان کے زعم میں وہ اس نقص سے بری تھے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ لکھنا کمال کی نشانی ہے اور اس میں نقص صحابہ کی شان کے نقص کو لازم ہے اس لیے تحریر میں نقص سے صحابہ کو بری کرنے کے لیے وہ کہتے ہیں کہ ان کی تحریر بالکل صحیح ہے۔ اصول رسم الخط کے خلاف نہیں اور جہاں اصول رسم الخط کے خلاف لازم آتا ہے وہاں تاویلیں کر لیتے ہیں حالانکہ یہ گمان ہی صحیح نہیں۔ یاد رکھیے کہ صحابہ کے حق میں لکھنا کمال نہیں کیونکہ کتابت بھی دیگر شہری صنعتوں کی طرح روزی کمانے کی ایک صنعت ہے جیسا کہ گزشتہ اوراق میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے اور صنعتوں کا کمال مطلق کمال کی بہ نسبت اضافی ہے کیونکہ ان کی کمی کا اثر نہ تو بالذات دین پر پڑتا ہے نہ عادتوں پر بلکہ اسباب معاش پر پڑتا ہے اور تمدنی تعاون پر بھی' کیونکہ کتابت اظہار خیالات کا ایک قوی ذریعہ ہے۔

غور کیجئے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقام کے بلند ہونے کی وجہ سے آپ کو عملی صنعتوں سے اور آبادی و معاش کے اسباب سے محفوظ رہنا ہی مناسب تھا' لیکن ہمارے حق میں امی رہنا کمال نہیں کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو دنیا سے کٹ کر اپنے رب سے لو لگائے ہوئے تھے اور ہم دینوی زندگی کے لیے باہمی تعاون کرتے ہیں جیسا کہ تمام صنعتوں کا حال ہے حتیٰ کہ اصطلاحی علوم کا بھی کیونکہ آپ کے حق میں ان سب سے بچنا ہی کمال ہے ہمارے حق میں نہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون ج ۱ص ۴۱۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن خلدون کا یہ کہنا کہ لا اذبحنه میں الف کا زیادہ لکھنا اس پر محمول ہے کہ صحابہ کرام کو عربی لکھنے کے فن میں مہارت نہیں تھی بہت بعید ہے' بعض لوگوں نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس میں الف اس لیے زیادہ کیا ہے تاکہ اس پر تنبیہ ہو کہ ہدہد کو ذبح نہیں کیا گیا تھا یہ توجیہ بھی صحیح نہیں ہے ورنہ لا عذبنه میں بھی الف کو زیادہ کرتے کیونکہ ہدہد کو عذاب بھی نہیں دیا گیا تھا' اور علامہ ابن خلدون نے جو یہ کہا ہے کہ مصحف صحابہ کرام نے اپنے خطوط میں لکھا جن کی عمدگی میں استحکام نہ تھا' اگر اس

سے ان کی مراد یہ ہے کہ ان کا خط خوب صورت نہیں تھا تو یہ ان کے حق میں کوئی نقص نہیں' اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ان کا خط عربی قواعد کے مطابق نہ تھا یعنی عربی قواعد میں جہاں وصل کر کے لکھنا چاہیے اور جہاں فصل کر کے لکھنا چاہیے اور جہاں جس چیز کو لکھنا چاہیے اور جہاں جس چیز کو ترک کرنا چاہیے اور صحابہ نے اس کی رعایت نہیں کی تو یہ محل بحث ہے' اور ظاہر یہ ہے کہ جن صحابہ نے قرآن مجید کو لکھا ہے وہ رسم الخط کو اچھی طرح جاننے والے تھے کہ کہاں کسی حرف کو لکھنا چاہیے اور کسی حرف کو ترک کرنا چاہیے اور کہاں کس لفظ کو ملا کر لکھنا چاہیے اور کہاں کس لفظ کو ملائے بغیر لکھنا چاہیے' لیکن انہوں نے بعض مقامات پر کسی حکمت کی اور کسی نکتہ کی بنا پر ان قواعد کی مخالفت کی ہے' صحابہ میں سے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم فن کتابت میں مشہور تھے اور ان کی شہرت ان کے عمدہ لکھنے ہی کی وجہ سے تھی' سو جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ اکابر اور دیگر صحابہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کہاں الف لکھنا چاہیے اور کہاں نہیں' اسی طرح جن دوسرے مقامات میں انہوں نے قواعد خط کی مخالفت کی ہے تو ان کو اصل قواعد کا علم نہیں تھا' اس کا یہ قول ادب اور انصاف کے خلاف ہے۔

اسی طرح جو شخص بعد کے ان تابعین وغیرہم کے متعلق یہ کہتا ہے کہ وہ اس پر مطلع تو ہو گئے تھے کہ صحابہ کرام نے ان مقامات پر قوانین خط کی مخالفت کی ہے لیکن انہوں نے صحابہ کرام کے خط کو تبرکاً اسی طرح رہنے دیا اور اس کی اصلاح نہیں کی اس کا قول بھی ادب اور انصاف سے دور ہے' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام نے جن لوگوں سے لکھنا سیکھا تھا انہوں نے ان کو اسی طرح بتایا تھا سو یہ صحابہ کا قصور نہیں ہے بلکہ ان کو سکھانے والے کا قصور ہے' یہ جواب بھی اگرچہ پہلے جواب کی مثل ہے لیکن اس میں پہلے جواب کی طرح بے ادبی نہیں ہے۔ (روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۷۶-۲۷۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد طاہر ابن عاشور لکھتے ہیں:

لا اذبحنه میں لا کے بعد الف بھی لکھا گیا ہے' کیونکہ مسلمانوں کا اعتماد قرآن مجید کے پڑھنے میں حفظ پر ہے کتابت پر نہیں ہے کیونکہ مصاحف کو اس وقت تک نہیں لکھا گیا جب تک کہ ان کو بیس سے زیادہ مرتبہ پڑھ نہیں لیا گیا' اور مصحف کے رسم الخط میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو بعد میں بنائے گئے رسم الخط کے قواعد کے مخالف ہیں کیونکہ ابتداء اسلام میں رسم الخط کے قواعد منضبط نہیں ہوئے تھے اور عرب کا اعتماد اپنے حافظوں پر تھا۔ (التحریر والتنویر ج ۱۹ ص ۲۴۸-۲۴۷' مطبوعہ تیونس)

لا اذبحنه کے علاوہ قرآن میں اور بھی کافی الفاظ ایسے ہیں جو رسم الخط کے قواعد کے خلاف لکھے ہوئے اس لیے ہم ذیل میں ان الفاظ کی فہرس پیش کر رہے ہیں۔

قواعد رسم الخط کے خلاف مصحف میں مذکور الفاظ کی فہرس

نمبر	لفظ	صفحہ	سطر	سورۃ	آیت	پارہ	رکوع
۱	اَفَائِنْ مَّاتَ	۱۰۲	۸	سورہ آل عمران	۱۴۴	۴	۶
۲	لَاِ الَی اللہِ	۱۰۶	۶	سورہ آل عمران	۱۵۸	۴	۸
۳	تَبُوْءَا	۱۶۸	۱۱	سورہ مائدہ	۲۹	۶	۹
۴	مَلَائِہٖ	۲۴۵	۱۱	سورہ اعراف	۱۰۳	۹	۳
۵	لَا اَوْضَعُوْا	۲۹۲	۲	سورۂ توبہ	۴۷	۱۰	۱۲
۶	مَلَائِہٖ	۳۲۶	۴	سورۂ یونس	۷۵	۱۱	۱۲

۷	مَلَائِهِمْ	۳۲۷	۴	سورۂ یونس	۸۳	۱۱	[illegible]
۸	ثَمُوْدَا	۳۴۴	۵	سورۂ ھود	۶۸	۱۲	۶
۹	مَلَائِهٖ	۳۴۹	۳	سورۂ ھود	۹۷	۱۲	۹
۱۰	لِتَتْلُوَا	۳۷۹	۱۲	سورۂ رعد	۳۰	۱۳	۱۰
۱۱	لَنْ نَدْعُوَا	۴۴۲	۴	سورۂ کھف	۱۴	۱۵	۱۴
۱۲	لِشَایْءٍ	۴۴۴	۸	سورۂ کھف	۲۳	۱۵	۱۶
۱۳	لٰکِنَّا	۴۴۷	۳	سورۂ کھف	۳۸	۱۵	۱۷
۱۴	اَفَائِنْ مِّتَّ	۴۸۷	۷	سورۂ انبیاء	۳۴	۱۷	۳
۱۵	مَلَائِهٖ	۵۱۸	۲	سورۂ مومنون	۴۶	۱۸	۳
۱۶	ثَمُوْدَا	۵۴۵	۲	سورۂ فرقان	۳۸	۱۹	۲
۱۷	لَااَذْبَحَنَّهٗ	۵۶۷	۱۱	سورۂ نمل	۲۱	۱۹	۱۷
۱۸	مَلَائِهٖ	۵۸۴	۷	سورۂ قصص	۳۲	۲۰	۷
۱۹	ثَمُوْدَا	۶۰۱	۷	سورۂ عنکبوت	۳۸	۲۰	۱۶
۲۰	لِیَرْبُوَا	۶۱۲	۱۰	سورۂ روم	۳۹	۲۱	۷
۲۱	لَا اِلَی الْجَحِیْمِ	۶۷۳	۵	سورۂ صآفات	۶۸	۲۳	۶
۲۲	مَلَائِهٖ	۷۳۹	۲	سورۂ زخرف	۴۶	۲۵	۱۱
۲۳	لِیَبْلُوَا	۷۶۰	۱۱	سورۂ محمد	۴	۲۶	۵
۲۴	وَنَبْلُوَا	۷۶۴	۱۲	سورۂ محمد	۳۱	۲۶	۸
۲۵	ثَمُوْدَا	۷۹۲	۳	سورۂ النجم	۵۱	۲۷	۷
۲۶	سَلٰسِلَا	۸۶۸	۶	سورۂ دھر	۴	۲۹	۱۹
۲۷	کَانَتْ قَوَارِیْرَا	۸۶۹	۵	سورۂ دھر	۱۵	۲۹	۱۹
۲۸	قَوَارِیْرَا	۸۶۹	۵	سورۂ دھر	۱۶	۲۹	۱۹

(القرآن الحکیم مع ترجمہ البیان مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان)

قواعد رسم الخط کی مخالفت کے جوابات کی تنقیح

(۱) علامہ ابن خلدون نے یہ جواب دیا ہے کہ جن صحابہ نے مصحف کو لکھا وہ رسم الخط کے جاننے والے نہ تھے' اور بعد کے جاننے والوں نے ان الفاظ کی اصلاح نہیں کی اور ان کو تبرکاً اور ادباً اسی طرح رہنے دیا۔

(۲) علامہ آلوسی نے یہ جواب دیا ہے کہ صحابہ کرام ان قواعد کے جاننے والے تھے' لیکن ان کی یہ مخالفت کسی حکمت اور کسی نکتہ پر مبنی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہم اس حکمت پر مطلع ہوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام نے جن لوگوں سے لکھنا سیکھا تھا انہوں نے ان کو یہ قواعد پوری طرح نہیں سکھائے اس لیے قصور سکھانے والوں کا ہے نہ کہ صحابہ کرام کا۔

(۳) صحابہ کرام کے مصحف میں لکھنے کے بعد یہ قواعد بنائے گئے ہیں اور بعد میں بنائے گئے قواعد کی اتباع کرنا صحابہ کرام پر

لازم نہ تھا۔

مصحف کریم کا خط بھی تواتر سے ثابت ہے اور موجودہ خط پر امت کا اجماع ہے اس لیے اس خط میں ردوبدل کرنا جائز نہیں اور جو آیات مصحف میں جس طرح لکھی ہوئی ہیں ان کو اسی طرح لکھا جائے گا۔

یہ آیات جو لکھنے کے قواعد کے خلاف مصحف میں لکھی ہوئی ہیں اس مخالفت میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید ترمیم' تحریف اور ردوبدل سے محفوظ ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف کو لکھوایا تھا آج بھی مصحف اسی طرح لکھا ہوا ہے' حتیٰ کہ اس وقت جو الفاظ رسم الخط کے قواعد کے خلاف لکھے ہوئے تھے۔ وہ آج بھی اسی طرح لکھے ہوئے ہیں' ورنہ یہ ممکن تھا کہ جب بعد میں رسم الخط کے قواعد مرتب اور مدون کیے گئے تو قرآن مجید میں جو الفاظ ان قواعد کے خلاف لکھے گئے تھے ان کی اصلاح کر کے ان کو بدل دیا جاتا' لیکن ایسا نہیں کیا گیا اور تمام امت نے قرآن مجید کے خط کو اسی حال پر باقی رکھا جس حال میں حضرت عثمان نے اس کو رکھا تھا' اور یہ اس بات کی بہت واضح اور بین اور بہت قوی دلیل ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف اور ردوبدل سے محفوظ ہے نہ اس کے رسم الخط اور لکھنے میں کوئی ترمیم ہوئی اور نہ اس کی تلاوت میں۔ (البتہ برصغیر کے بعض مصاحف میں ناخواندہ عجمیوں کی سہولت کے لیے رسم الخط میں کچھ ناگزیر تبدیلی کر دی گئی ہے)۔

ہد ہد کا ملک سبا کی سیر کر کے حضرت سلیمان کی خدمت میں آنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ (ہد ہد) کچھ دیر بعد آ کر بولا' میں نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا۔ (النمل: ۲۳)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت سلیمان علیہ السلام حج کرنے کے بعد حرم شریف سے واپس آئے تو زوال کے وقت یمن کے مقام صنعاء میں پہنچے' یہ جگہ حرم سے ایک ماہ کی مسافت پر تھی ان کو وہ جگہ اچھی لگی۔ انہوں نے کھانے اور نماز پڑھنے کے لیے وہاں اترنے کا قصد کیا' جب وہ تخت سے اس جگہ اتر گئے تو ہد ہد نے دل میں کہا حضرت سلیمان تو اس جگہ کی سیر میں مشغول ہیں' میں اڑ کر فضا میں گھومتا ہوں' اس نے دائیں بائیں دیکھا تو اس کو بلقیس کا باغ نظر آیا' وہ اس کے سبزہ اور پھولوں کی طرف مائل ہوا' وہ اس باغ میں اتر گیا' وہاں بھی اس نے ایک ہد ہد کو دیکھا۔ حضرت سلیمان کے ہد ہد کا نام یعفور تھا اور یمن کے ہد ہد کا نام یعفیر تھا' پس یمن کے یعفیر نے حضرت سلیمان کے یعفور سے کہا تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا میں اپنے بادشاہ سلیمان بن داؤد کے ساتھ یمن میں آیا ہوں' اس نے پوچھا سلیمان کون ہیں؟ اس نے کہا وہ جن اور انس' اور شیاطین اور پرندوں اور وحشی جانوروں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں؟ پھر اس سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا میں اس ملک کا رہنے والا ہوں! یعفور نے پوچھا اس ملک کا بادشاہ کون ہے؟ اس نے کہا ایک عورت ہے جس کا نام بلقیس ہے' اور بے شک تمہارا مالک بہت بڑا بادشاہ ہے لیکن بلقیس کا ملک بھی اس سے کم نہیں ہے' وہ پورے یمن کی ملکہ ہے' اور اس کے ماتحت بارہ ہزار سردار ہیں اور ہر سردار کے تحت ایک لاکھ جنگجو ہیں کیا تم میرے ساتھ چلو گے تاکہ میں تمہیں اس کا ملک دکھاؤں؟ یعفور نے کہا مجھے خدشہ ہے کہ سلیمان کو جب پانی کی ضرورت ہوگی تو وہ مجھے تلاش کریں گے' کیونکہ میں ان کو پانی کی طرف رہنمائی کرتا ہوں' یمانی ہد ہد نے کہا جب تم اپنے بادشاہ کے پاس اس ملک کی خبر لے کر جاؤ گے تو وہ خوش ہوگا' پھر یعفور اس کے ساتھ چلا گیا اور بلقیس اور اس کے ملک کو دیکھا' پھر ہد ہد عصر کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا' ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام نماز کے وقت تخت سے اترے اس جگہ پانی نہیں تھا' آپ نے انسان' جنات اور شیاطین سے پانی کے متعلق سوال کیا تو

ان کو معلوم نہیں تھا' پھر آپ نے پرندوں کی تفتیش کی تو ہد ہد کو غیر حاضر پایا' آپ نے پرندوں کے تلاش کرنے والے کو بلایا وہ گدھ تھا اس سے ہد ہد کے متعلق سوال کیا' اس نے کہا اللہ آپ کے ملک کو سلامت رکھے مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام غضبناک ہوئے اور فرمایا میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر دوں گا' پھر پرندوں کے سردار عقاب کو بلایا' اور اس سے کہا ابھی ہد ہد کو لا کر حاضر کرو' عقاب ہوا میں بلند ہوا اور دائیں بائیں نظر ڈالی تو ہد ہد یمن کی طرف سے آ رہا تھا' عقاب اس پر حملہ کرنے کے لیے جھپٹا تو ہد ہد نے اس کو قسم دی کہ اس ذات کی قسم جس نے تجھ کو مجھ پر قدرت دی ہے مجھ پر حملہ نہ کر! عقاب نے اس کو چھوڑ دیا اور کہا تجھ پر افسوس ہے تجھ پر تیری ماں روئے' اللہ کے نبی نے یہ قسم کھائی ہے کہ وہ تجھ کو ضرور سزا دے گا یا ضرور ذبح کر دے گا' ہد ہد نے پوچھا آیا اللہ کے نبی نے قسم کے ساتھ کوئی استثناء بھی کیا ہے یا نہیں' تو اس کو بتایا کہ حضرت سلیمان نے کہا ہے کہ ورنہ وہ اس کی (یعنی اپنی غیر حاضری کی) صاف صاف وجہ بیان کرے' ہد ہد نے کہا اب میری نجات ہو جائے گی' پھر عقاب اور ہد ہد حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت سلیمان اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے' عقاب نے کہا میں نے ہد ہد کو حاضر کر دیا ہے۔ ہد ہد نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور اپنی دم اور پر جھکا دیئے' حضرت سلیمان نے اس سے پوچھا: تم کہاں تھے؟ میں تم کو سخت سزا دوں گا! ہد ہد نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ وہ وقت یاد کیجیے جب آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے' حضرت سلیمان یہ سن کر کانپنے لگے اور اس کو معاف کر دیا' پھر اس سے تاخیر کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا: میں نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں' میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس قصہ کو علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ' علامہ ابو الحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی بیان کیا ہے۔

(الکشاف ج ۳ ص ۳۶۳' زاد المسیر ج ۶ ص ۱۶۴' البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۴' روح البیان ج ۶ ص ۴۳۳' روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۷۷)

ہد ہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جو اپنے علم کا اظہار کیا اس کی علامہ زمخشری کی طرف سے توجیہ

ہد ہد نے کہا میں نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں۔

علامہ ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ہد ہد کو اس کلام کا الہام کیا تھا جو اس نے حضرت سلیمان کے روبرو کیا' کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت' حکمت' علوم وافرہ اور بہ کثرت معلومات کے احاطہ کی فضیلت دی گئی ہے اس کے باوجود ان کی آزمائش کے لیے ان کو اس کا علم نہیں دیا گیا اور ایک ادنیٰ اور کمزور ترین مخلوق نے ان چیزوں کے علم کا احاطہ کر لیا جن کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم نے احاطہ نہیں کیا تھا' اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعام تھا تا کہ وہ باوجود اپنے عظیم علوم کے منکسر اور متواضع رہیں اور ان کے دل میں اپنے علوم کی برتری اور تفاخر کا معمولی سا شائبہ بھی پیدا نہ ہو' اور کسی چیز کے علم کے احاطہ کا معنی یہ ہے کہ اس کی تمام جہات معلوم ہوں اور اس کا کوئی گوشہ مخفی نہ رہے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں رافضیوں کے اس قول کا بطلان ہے کہ امام سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی اور اس کے زمانہ میں اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہوتا۔

(الکشاف ج ۳ ص ۳۶۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس تقریر کا خلاصہ لکھا ہے اور علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ نے بعینہ یہی لکھا ہے۔

علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ نے بھی اس کا خلاصہ لکھا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۵۰، البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۵، تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۲۳۶)

علامہ زمخشری کی توجیہ کا رد اور اس کی صحیح توجیہ

ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم کی نفی کی اور یہ بہ ظاہر ہدہد کی اللہ کے نبی کے سامنے جسارت اور بے ادبی ہے، علامہ زمخشری اور ان کے متبعین نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ ہدہد کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اس قول کا الہام اس لیے کیا تھا تاکہ حضرت سلیمان اپنے عظیم علوم پر فخر نہ کریں، لیکن دیگر مفسرین نے اس توجیہ سے اختلاف کیا ہے۔

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی الحنفی التوفی ۹۸۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہدہد نے جو کہا تھا کہ میں نے اس چیز کا احاطہ کرلیا ہے، جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا، اور احاطہ کا معنی ہے کسی چیز کی جمیع جہات سے معرفت ہو، اس سے ہدہد کی یہ مراد نہیں تھی کہ اس نے ان حقائق علوم اور دقائق معارف کا احاطہ کرلیا ہے جو علماء اور حکماء کا خاصہ ہے حتیٰ کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اس کا یہ کہنا دائرہ ادب سے تعدی اور اپنی حد سے تجاوز ہو اور اس کا یہ کلام بے باکی اور گستاخی پر محمول کیا جائے، اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے اس علم کی جو نفی کی تھی اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے ادبی اور توہین قرار دیا جائے، اور پھر اس کی یہ توجیہ کی جائے کہ ہدہد نے جو کچھ کہا وہ اللہ تعالیٰ کے الہام سے کہا تھا تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت، حکمت، علوم کثیرہ اور معلومات وافرہ کے احاطہ کی جو فضیلت دی گئی ہے اس کی وجہ سے ان کو تفاخر نہ ہو اور ان کو اس پر تنبیہ ہو کہ اللہ کی ادنیٰ اور ضعیف ترین مخلوق نے بھی اس چیز کے علم کا احاطہ کرلیا جس کا حضرت سلیمان کے علم نے احاطہ نہیں کیا تاکہ حضرت سلیمان متواضع اور منکسر رہیں، بلکہ ہدہد کا اپنے اس قول سے یہ ارادہ تھا کہ ہدہد نے جس ملک سبا کو دیکھا ہے اس کو دیکھنا ان امور میں سے نہیں ہے جس کا احاطہ کرنا کوئی فضیلت ہو اور نہ اس سے غافل ہونا کوئی نقص ہے کیونکہ ملک سبا کا احاطہ کرنا تو صرف اس کے دیکھنے اور مشاہدہ کرنے پر موقوف ہے اور اس کے ادراک میں عقل والے اور بے عقل سب برابر ہیں اور ہدہد کو یہ معلوم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک سبا کا مشاہدہ نہیں کیا اور نہ انہوں نے کسی اور سے اس کی خبر سنی ہے۔ اس لیے ہدہد نے اس طریقہ سے یہ بات کہی تاکہ حضرت سلیمان کو ملک سبا کو دیکھنے کا شوق ہو اور وہ اس کے غائب رہنے کا عذر اس لیے قبول کرلیں کہ وہ ان کو ایک نئی چیز دکھانے اور اس کی طرف راغب کرنے کے لیے غیر حاضر رہا تھا۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۵ ص ۸۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ملک سبا کو نہ دیکھنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان میں کسی کمی کا موجب نہیں ہے کیونکہ جو علم نبوت میں نافع اور مفید نہ ہو وہ انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا کی ہے:

اعوذبک من علم لا ینفع (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۲۲، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۲) "جو علم غیر نافع ہو میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں" بعض علماء نے یہ کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صنعاء میں پہنچ چکے تھے اور وہاں سے ملک سبا صرف

تین دن کی مسافت یا تین فرسخ کے فاصلہ پر تھا اس کے باوجود کسی مصلحت اور حکمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ملک سبا آپ سے مخفی رکھا جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کی جگہ مخفی رکھی تھی۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۳۴ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی علامہ زمخشری وغیرہم کی توجیہ کا اسی دلیل سے رد کیا جو علامہ ابن سعود نے بیان کی ہے کہ ملک سبا کو دیکھنے میں کوئی فضیلت نہیں تھی' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو تواضع اور انکسار پر راغب کرنے کے لیے ہدہد کا یہ قول کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس سے متصل پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر فرمایا ہے: اے میرے رب! تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور تو مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جس سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔ (النمل:۱۹)

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۷۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

انبیاء علیہم السلام کے علم غیب کے متعلق علامہ قرطبی کا نظریہ

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

یعنی مجھے اس چیز کا علم ہو گیا جس کا آپ کو علم نہیں ہے' اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء کو غیب کا علم ہوتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۶۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو کل غیوب کا علم ہوتا ہے اور ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی' سالبہ جزئیہ موجبہ کلیہ کی نقیض ہوتی ہے اور جب حضرت سلیمان کو بعض غیوب کا علم نہیں تھا تو معلوم ہوا کہ ان کو کل غیوب کا علم نہیں تھا' کیونکہ علامہ قرطبی اس کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ جتنا چاہے غیب کا علم عطا فرماتا ہے۔

الجن: ۲۷-۲۶ کی تفسیر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اولیٰ یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب کو صرف اس پر ظاہر فرماتا ہے جس کو وہ نبوت کے لیے چن لیتا ہے' پھر وہ اس کو جس قدر چاہتا ہے غیب پر مطلع فرماتا ہے تاکہ یہ علم غیب اس کی نبوت پر دلالت کرے۔

علماء رحمہم اللہ نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے عالم الغیب ہونے سے اپنی مدح فرمائی اور علم غیب کو اپنے ساتھ خاص کر لیا تو اس میں یہ دلیل تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کا استثناء کر لیا جن کو اس نے اپنی رسالت کے لیے چن لیا اور بذریعہ وحی ان کو غیب عطا فرمایا اور اس علم غیب کو ان کے لیے معجزہ اور ان کی نبوت کے صدق کی دلیل بنایا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۷-۲۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ملک سبا کی تحقیق

ہدہد نے کہا میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی یقینی خبر لایا ہوں۔

سبا یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے' اس قبیلہ کے سب سے بڑے شخص کا نام سبا تھا' اس کا پورا نام سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا' یہ بھی کہا ہے کہ اس کا نام عبد الشمس تھا' اور اس کا لقب سبا تھا کیونکہ وہ سب سے پہلے قید کیا گیا تھا (سبا کا معنی قید کرنا ہے) پھر مآرب نامی شہر کا نام سبا رکھ دیا' سبا اور صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ سبا وہ پہلا شخص ہے جس نے یمن کے بادشاہوں میں سے تاج پہنا تھا' اس کے دس بیٹے تھے ان میں سے چھ یمن میں رہے اور

شام میں اور امام راغب نے لکھا ہے کہ سبا ایک شہر کا نام ہے جس کے رہنے والے مختلف جگہوں میں پھیل گئے تھے۔
(المفردات ج ۱ص ۲۹۵) (روح البیان ج ٦ ص ۴۳۴ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)
سبا یمن کا ایک علاقہ ہے جو صنعاء اور حضر موت کے درمیان ہے اس کا مرکزی شہر مآرب تھا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی شاخ آباد تھی۔ (معجم البلدان (اردو) ص ۱۸۲ مطبوعہ لاہور)

ملکہ سبا کا تعارف

ہد ہد نے کہا میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور جس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے۔
امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفرا البغوی المتوفی ۵۱٦ھ لکھتے ہیں:
اس عورت کا نام بلقیس بن شراحیل تھا یہ یعرب بن قحطان کی نسل سے تھی اس کا باپ عظیم الشان بادشاہ تھا یہ تمام یمن کا مالک تھا اس نے اردگرد کے بادشاہوں سے کہا تم میں سے کوئی میرا کفو نہیں ہے اور ان کے ہاں شادی کرنے سے انکار کر دیا پھر انہوں نے ایک جنیہ (جن عورت) سے اس کا نکاح کر دیا اس کا نام ریحانہ بنت السکن تھا پھر اس سے بلقیس پیدا ہوئی۔
حدیث میں ہے کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے ایک جن ہے جب بلقیس کے والد فوت ہو گئے تو اس کے علاوہ اس کا اور کوئی وارث نہیں تھا بلقیس نے حکمرانی کی خواہش کی اکثر سرداروں نے اس کو ملکہ مان لیا بعض نے مخالفت کی لیکن بلقیس ان پر غالب آ گئی۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۹ - ۴۹۸ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)
امام علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے بلقیس کی مزید تفصیل لکھی ہے:
یہ ملکہ سبا ہے اس نے نو سال یمن پر حکومت کی پھر حضرت سلیمان کی طرف سے یہ یمن پر خلیفہ ہو گئی اور ان کی طرف سے مزید چار سال حکومت کی۔
مسلمہ بن عبداللہ بن ربعی نے بیان کیا کہ جب بلقیس مسلمان ہو گئی تو اس سے حضرت سلیمان بن داؤد نے نکاح کر لیا اور بعلبک اس کو مہر میں دیا۔ (بعلبک ایک قدیم شہر ہے جو دمشق سے تین دن کی مسافت پر ہے معجم البلدان (عربی) ج ۱ص ۴۵۴)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے ایک جن ہے۔
حسن بصری سے ملکہ سبا کے متعلق پوچھا گیا اور لوگوں نے کہا اس کے ماں باپ میں سے ایک جن ہے تو انہوں نے کہا انسان اور جن کے درمیان ولادت نہیں ہوتی۔ (تاریخ دمشق ج ۷۳ ص ۵۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

آیا جن اور انسان کا نکاح عقلاً ممکن ہے یا نہیں؟

ہم نے ذکر کیا ہے کہ انسان اور جنیہ کے ملاپ کے نتیجہ میں بلقیس پیدا ہوئی اور اس سلسلہ میں امام ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ سے حدیث بھی روایت کی ہے حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱ص ۴۷۰ دارالفکر ۱۴۱۸ھ) اس مقام پر دو بحثیں ہیں ایک یہ کہ انسان اور جنیہ کے ملاپ سے تولید ہونا عقلاً ممکن ہے یا نہیں دوسری بحث یہ ہے کہ انسان اور جنیہ کے درمیان نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے ہم پہلے اس تولید کے عقلی امکان کا جائزہ لے رہے ہیں:
قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی الحنفی المتوفی ۷٦۹ھ لکھتے ہیں:
ہم کہتے ہیں کہ انسان کا جنیہ سے اور جن کا انسان عورت سے نکاح کرنا ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا:

امام ابن جریر نے امام احمد اور امام اسحاق سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے ساتھ نکاح سے منع فرمایا ہے' اور فقہاء احناف کی تصانیف میں سے فتاوی سراجیہ میں لکھا ہوا ہے کہ انسان اور جن کے درمیان اختلاف جنس کی وجہ سے نکاح جائز نہیں ہے۔

اور ہمارے ائمہ شافعیہ میں سے شیخ الاسلام البارزی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان قرار دیا ہے کہ اس نے ہمارے نفسوں سے ہماری بیویاں بنائی ہیں (النحل: ٧٢) اور ابن العماد نے شرح الوجیز میں اس نکاح کو جائز کہا ہے اور اعمش نے کہا ہے کہ ایک جنی نے ہم سے شادی کی' میں نے اس سے پوچھا کہ تم کو کون سا کھانا پسند ہے اس نے کہا چاول' ہم اس شادی میں گئے' میں نے دیکھا کہ چاول دسترخوان سے اٹھ رہے تھے' اور کھانے والے نظر نہیں آ رہے تھے' میں نے اس سے پوچھا کیا تمہارے اندر بھی گمراہ فرقے ہوتے ہیں؟ اس نے کہا ہاں! میں نے پوچھا پھر رافضیوں کا تمہارے ہاں کیا حکم ہے؟ اس نے کہا وہ سب سے بدتر فرقہ ہے۔ (الفتاوی الحدیثیہ ص ٩٨-٩٧' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٩ھ)

بلقیس کی حکمرانی سے عورت کی حکمرانی پر استدلال کا جواب

بعض علماء نے بلقیس کی حکمرانی سے عورت کی حکمرانی کے جواز پر استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے' کیونکہ جس دور میں بلقیس حکمران تھی اس وقت وہ کافرہ تھی اور کافروں پر اس کی حکومت تھی جیسا کہ عنقریب قرآن مجید کی آیات سے واضح ہو جائے گا اور کافروں کا کوئی قول اور فعل حجت نہیں ہوتا ثانیاً اس لیے کہ ہمارے لیے حجت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور آپ نے عورت کی حکمرانی کی مذمت فرمائی ہے جیسا کہ ہم عنقریب اس سلسلہ میں احادیث پیش کریں گے۔

عورت کے وزیراعظم ہونے کے جواز کے دلائل اور ان کے جوابات

ہمارے ملک میں ١٩٨٨ھ اور ١٩٩٢ھ میں دو مرتبہ ایک عورت کو ملک کا وزیراعظم بنایا جا چکا ہے اور جو لوگ عورت کو ملک کا سربراہ بنانے کو جائز کہتے ہیں ان کا اولین استدلال ملکہ سبا کی حکومت سے ہے اس کا جواب ہم نے بیان کر دیا۔

دوسرا استدلال اس سے ہے کہ جنگ جمل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سربراہی میں لڑی گئی' استاذ العلماء ملک المدرسین قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

اب بندہ اس امر پر چند دلائل مزید پیش کرتا ہے کہ بعض امور میں عورت سربراہ ہو سکتی ہے:

دلیل اوّل: جنگ جمل حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کی سربراہی میں لڑی گئی اور اس جنگ میں عائشہ صدیقہ سربراہ لشکر تھیں اور ہزاروں فوجیوں نے اپنی ماں کے قدموں میں جانیں قربان کر دیں ان میں صحابہ بھی تھے بلکہ بعض صحابہ عشرۂ مبشرہ سے تھے۔ (عورت کی حکمرانی ص ٤١-٤٠)

یہ استدلال درست نہیں ہے' حضرت عائشہ نے اس جنگ میں جو قیادت کی تھی انہوں نے اس سے رجوع فرما لیا تھا لہٰذا اب ان کے اس فعل سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب وقرن فی بیوتکن (الاحزاب: ٣٣) ''تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو'' کی تلاوت کرتیں تو اس قدر روتیں کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ٨ ص ٨١' مطبوعہ دار صادر بیروت' ١٣٨٨ھ)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت عائشہ اپنے بصرہ کے سفر اور جنگ جمل میں حاضری سے کلی طور پر نادم ہوئیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج ٢ ص ١٧٧' بیروت' ١٤٠٢ھ)

حافظ زیلعی ابن عبدالبر کے حوالے سے لکھتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرمایا تم

مجھے اس سفر میں جانے سے کیوں منع نہیں کیا؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ایک صاحب (یعنی حضرت ابن الزبیر) کی رائے آپ کی رائے پر غالب آ چکی تھی۔ (نصب الرایہ ج ۴ ص ۷۰ مطبوعہ ہند ۱۳۵۷ھ)

امام حاکم نیشاپوری قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دل میں سوچتی تھیں کہ انہیں ان کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے اب مجھے آپ کی دوسری ازواج کے ساتھ بقیع میں دفن کر دینا' چنانچہ آپ کو بقیع میں دفن کر دیا گیا' امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۶' مکہ مکرمہ)

حافظ ذہبی ان کے اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں: بدعت سے حضرت عائشہ کی مراد ان کا جنگ جمل میں جانا تھا' وہ اپنے اس فعل پر کلی طور پر نادم ہوئیں اور انہوں نے اس پر توبہ کر لی اگرچہ ان کا یہ اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور ان کی نیت نیک تھی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۹۳' بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اجتہاد سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کے قصد سے گھر سے نکلی تھیں لیکن بعد میں انہوں نے اپنے اس فعل کو بدعت اور خطا قرار دیا اور اس پر اس قدر نادم ہوئیں کہ روضہ رسول میں حضور کے جوار میں دفن ہونے سے بھی آپ کو شرم آئی اور تاحیات اس فعل پر ندامت سے آنسو بہاتی رہیں' لہٰذا حضرت عائشہ کے بصرہ کے سفر سے عورتوں کے گھروں سے نکلنے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے' عورت کی سربراہی کا تو اس واقعہ میں کوئی ذکر ہی نہیں ہے' نہ آپ سربراہی کی مدعیہ تھیں' نہ جنگ میں پیشوائی کر رہی تھیں' جنگ جمل تو ایک اتفاقی حادثہ تھا جو قاتلین عثمان کی سازش کے نتیجہ میں واقع ہوا جیسا کہ علامہ آلوسی نے وقرن فی بیوتکن کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

استاذ العلماء قدس سرہ العزیز نے اس مسئلہ پر دوسری دلیل یہ قائم کی ہے:

دلیل دوم: فقہ میں مصرح ہے کہ عورت قاضیہ ہو سکتی ہے اور قاضی بھی ان لوگوں کے لیے جن کا وہ قاضی ہے سربراہ ہوتا ہے اور وہ لوگ اپنے امور قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ (عورت کی حکمرانی ص ۴۱)

فقہاء ثلاثہ تو مطلقاً عورت کی سربراہی اور امامت کو ناجائز کہتے ہیں البتہ فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ جن امور میں عورت کی شہادت قبول کی جائے گی ان امور میں عورت کی قضا بھی قبول کی جائے گی اس کا شافی جواب فقہاء احناف کے مذہب کے عنوان میں ان شاء اللہ العزیز بیان کریں گے۔

ہر چند کہ استاذ العلماء قدس سرہ العزیز نے ان دلیلوں سے عورت کی امامت اور خلافت یا ملک کی سربراہی پر استدلال نہیں فرمایا بلکہ انتظامیہ کی سربراہ پر استدلال فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں:

یہ کہنا کہ عورت مطلقاً سربراہ نہیں بن سکتی بالکل باطل اور غلط ہے کیونکہ وہ سربراہ جو عورت نہیں ہو سکتی اس کی تین تعریفیں گزر چکی ہیں اور یہ تینوں تعریفیں صدر مملکت پر صادق آتی ہیں وزیر اعظم پر صادق نہیں آتیں تو خلاصہ یہ ہے کہ عورت صرف صدر مملکت نہیں ہو سکتی اور وزیر اعظم ہو سکتی ہے۔ (عورت کی حکمرانی ص ۴۰)

امامت اور خلافت کی تین تعریفیں اور ان پر بحث و نظر

حضرت استاذ العلماء قدس سرہ العزیز نے امامت کی جن تین تعریفوں کا حوالہ دیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) درمختار سے تعریف نقل فرماتے ہیں: خلاصہ تعریف یہ ہوا کہ امامت میں لوگوں پر تصرف عام کا استحقاق ہوتا ہے۔

(عورت کی حکمرانی ص ۲۵) (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۰ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۲) مواقف اور شرح مواقف سے نقل فرمایا: ایک شخص کے لیے دنیاوی امور میں ریاست اور سرداری عام حاصل ہو کوئی دینی اور دنیاوی شعبہ اس کی ریاست سے خارج نہ ہو۔ (الی قولہ) اس تعریف سے یہ واضح ہو گیا کہ شرعی امام صرف ایک ہوتا ہے۔ امام متعدد نہیں ہو سکتے۔ تعریف اول اور دوم تقریباً ایک جیسی ہیں۔ (عورت کی حکمرانی ص ۲۷-۲۶ ملخصاً)

(شرح مواقف ج ۸ ص ۳۴۵ 'مطبوعہ ایران' ۱۳۲۵ھ)

اس کے بعد شرح مواقف سے ہی تیسری تعریف نقل فرماتے ہیں:

(۳) خلاصہ تعریف سوم یہ ہے کہ امامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا نام ہے' اور یہ خلافت اقامت دین میں ہے اور ملت کے مجموعہ کی حفاظت میں ہے اور اس کی اتباع (اطاعت) تمام امت پر واجب ہوتی ہے اس آخری قید سے قاضی اور مجتہد خارج ہو گئے کیونکہ قاضی اور مجتہد کی اتباع (اطاعت) ساری امت پر واجب نہیں بلکہ قاضی کی اتباع (اطاعت) صرف اس حلقہ کے لوگوں پر ہے جس حلقہ کا وہ قاضی ہے یا ان لوگوں پر ہے جن کا مقدمہ اور کیس قاضی کے پاس ہے' اسی طرح مجتہد کی اتباع (اطاعت) صرف اس کے مقلدین پر واجب ہے' اس تعریف پر وہ اعتراض نہیں ہوتا جو تعریف اول و دوم پر ہوتا ہے کہ ہر دو تعریف نبوت پر بھی صادق آتی ہیں حالانکہ امامت اور نبوت دو متغائر چیزیں ہیں۔ (شرح مواقف ج ۸ ص ۳۴۵ 'مطبوعہ ایران' ۱۳۲۵ھ)

اس تعریف پر اعتراض اس لیے نہیں ہوتا کہ نبوت کسی رسول کی خلافت نہیں ہے بلکہ نبوت شریعت مطہرہ کی بعثت ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ عورت امام اور حاکم نہیں ہو سکتی اس سے مراد وہ حکومت اور امامت ہے جس کی تین تعریفیں ذکر کی گئی ہیں اس کے سوا بعض صورتوں میں عورت حاکم ہو سکتی ہے جیسے قاضی یا ملک کے کسی حصہ کی حکومت' البتہ عورت جس طرح امامت کبریٰ کی اہل نہیں ہے امامت صغریٰ کی بھی اہل نہیں ہے۔ یعنی نماز کی امامت کی بھی اہل نہیں ہے' اب دیکھنا یہ ہے کہ امامت کی یہ مذکورہ تین تعریفیں صرف صدر پر صادق آتی ہیں یا صرف وزیر اعظم پر یا ہر ایک پر یا ہر دو کے مجموعہ پر' تو بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ تعریفیں صرف اور صرف صدر پر صادق آتی ہیں کیونکہ تینوں تعریفوں کا خلاصہ یہ ہے کہ امام کے لیے ضروری ہے کہ تمام لوگوں پر اس کا تصرف عام ہو اور تمام لوگوں پر اس کی اتباع (اطاعت) واجب ہو اور یہ امر صرف صدر مملکت پر صادق آتا ہے۔

(عورت کی حکمرانی ص ۲۸-۲۷)

حضرت استاذ العلماء قدس سرہ العزیز نے یہ تینوں تعریفیں امامت کبریٰ کی کی ہیں اور امام وہ ہے جس کی اطاعت تمام امت پر واجب ہو جیسا کہ خود استاذ العلماء نے فرمایا ہے اور امام اور خلیفہ تمام عالم اسلام کا سربراہ ہوتا ہے اور صدر مملکت صرف کسی ایک ملک کا سربراہ ہوتا ہے اس لیے یہ تعریفیں صدر مملکت پر صادق نہیں آتیں بلکہ یہ امام اور خلیفہ ہی کی تعریفیں ہیں۔

آیا اس دور میں مسلمانوں پر خلیفہ کو مقرر کرنا واجب ہے یا نہیں؟

علامہ تفتازانی' علامہ خیالی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے یہ بیان کیا ہے کہ امت پر تمام عالم اسلام میں ایک خلیفہ مقرر کرنا اس وقت واجب ہے جب ان کی قدرت اور اختیار میں ایک خلیفہ کو مقرر کرنا ممکن ہو اور خلفاء راشدین کے بعد جب غلبہ اور جور سے مروانی حکومت پر قابض ہو گئے تو اس وقت خلیفہ کو نصب کرنا مسلمانوں کی قدرت اور اختیار میں نہیں تھا' اس لیے یہ ان پر واجب نہیں رہا۔ اسی طرح بنو امیہ میں سے عمر بن عبدالعزیز اور بنو عباس میں سے مہدی عباسی خلیفہ تھے لیکن ان کے بعد غلبہ اور جور سے ملوک اور سلاطین حکمران بن گئے اور اس وقت بھی ایک خلیفہ کو مقرر کرنا مسلمانوں کی قدرت میں نہیں تھا' اس لیے

مسلمانوں پر ایک خلیفہ مقرر کرنا واجب نہ رہا' علیٰ ہذا القیاس اب براعظم ایشیا اور افریقہ میں مسلمانوں کے انچاس ملک ہیں اور بیشتر ممالک کے درمیان بحری' بری اور فضائی رابطے کم ہیں' اکثر ممالک اسلامیہ میں مغربی طرز کی جمہوری حکومت ہے' بعض ممالک میں ملوک اور سلاطین کی حکومت ہے اور بعض جگہ فوجی حکومت ہے اور اب مسلمانوں کی قدرت اور اختیار میں یہ نہیں ہے کہ دنیا میں ان تمام ممالک کے حکمرانوں کو معزول کر کے ان تمام ممالک اسلامیہ میں ایک حکومت قائم کر دیں اور کسی ایک ملک میں مرکزی خلافت بنا کر تمام ممالک کو اس ملک کے صوبے بنا دیں اور ان ممالک اسلامیہ کی ایک فوج ہو' ایک کرنسی ہو اور تمام ملکوں میں حکمرانوں کا تقرر خلیفہ کے حکم سے ہو اور تمام ملکوں میں اس ایک خلیفہ کا خطبہ پڑھا جائے **لایکلف اللہ نفسا الاوسعھا** ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی قوت اور طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا' اس لیے اب مسلمانوں پر خلیفہ کا مقرر کرنا واجب نہیں ہے اور دنیا کے جن جن علاقوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں' وہاں کے مسلمانوں پر غیر معصیت میں ان حکمرانوں کی اطاعت لازم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر صرف امیر کا مقرر کرنا واجب ہے اور اسلامی حکومت جہاں پر جس شکل میں بھی قائم ہو صحیح ہے اور مسلمانوں پر اپنے اپنے امیر کی اطاعت کرنا واجب ہے' ہاں اگر امیر خلاف شرع حکم دے تو اس میں اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی' البتہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایک اسلامی بلاک بنائیں اور اسلامی ممالک کی ایک فیڈریشن قائم کر لیں اور اس کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے اگر مسلمانوں کا ایک اسلامی بلاک بن گیا یا ایک فیڈریشن قائم ہو گئی تو یہ نظام خلافت اسلام کے قریب تر ہو گا۔

عورت کو مردوں کے کسی بھی ادارہ کی سربراہ بنانے کی ممانعت

مجوزین یہ کہتے ہیں کہ عورت کو ریاست کا سربراہ یعنی صدر مملکت بنانا تو جائز نہیں ہے' لیکن انتظامیہ کا سربراہ یعنی وزیراعظم بنانا جائز ہے' اور قرآن مجید' احادیث صحیحہ اور فقہاء امت کی تصریحات کے اعتبار سے عورتوں کو مردوں کے کسی بھی ادارہ کا سربراہ بنانا جائز نہیں ہے' کیونکہ جب عورت مردوں کے کسی ادارہ کی سربراہ ہو گی تو لازماً عورت گھر سے نکلے گی اور عرف اور عادت یہ ہے کہ ایسی عورت گھر سے بے حجاب نکلتی ہے' اور عورت اور مرد لازماً ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے اور ایک دوسرے سے باتیں کریں گے اور عرف اور معمول یہ ہے کہ عورت لوچ دار آواز میں باتیں کرتی ہے اور بلند آواز سے تقریر کرتی ہے حالانکہ عورت کے لیے یہ تمام امور شریعت میں ممنوع ہیں۔ ہم پہلے قرآن اور سنت سے عورت کے بے پردہ گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت پر دلائل پیش کریں گے' پھر پردہ کے لزوم اور ایک دوسرے کو دیکھنے اور ایک دوسرے سے باتیں کرنے کی ممانعت پر دلائل پیش کریں گے پھر عورت کی سربراہی کی ممانعت پر قرآن اور سنت سے دلائل پیش کریں گے اور آخر میں اس کی ممانعت پر مذاہب اربعہ کے فقہاء کی تصریحات پیش کریں گے۔

عورت کے گھر سے باہر بے پردہ نکلنے کے متعلق قرآن اور سنت کی تصریحات

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ. (الاحزاب: ۳۳) اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور پرانی جاہلیت کی طرح بے پردہ نہ پھرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت واجب الستر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے' وہ اپنے رب کی رحمت کے اس وقت زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کی کوٹھری میں ہو۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۴۸۱' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راویوں کی توثیق کی گئی ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں

کے پاس سے گزرے تا کہ انہیں اس کی خوشبو آئے وہ زانیہ ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۴۱ مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۶)

آج کل عرف اور معمول یہ ہے کہ جو خواتین بے پردہ گھر سے باہر نکلتی ہیں وہ خوشبو لگا کر باہر نکلتی ہیں۔

پردہ کے لزوم کے متعلق قرآن اور سنت کی تصریحات

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ (الاحزاب: ۵۳)

اور جب تم نبی کی ازواج (مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو' یہ تمہارے اور ان کے لیے پاکیزگی کا سبب ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ○ (الاحزاب: ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ (آنچل' پلو یا گھونگٹ) اپنے چہروں پر لٹکائے رہیں' یہ پردہ ان کی اس شناخت کے لیے بہت قریب ہے (کہ یہ پاکدامن آزاد عورتیں ہیں آوارہ گرد باندیاں نہیں ہیں) سو ان کو ایذا نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت (سراپا) واجب الستر ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۷۳' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۲۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ اور حضرت میمونہ حاضر تھیں' اسی اثنا میں حضرت ابن اُم مکتوم آ گئے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حجاب کے احکام نازل ہو چکے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پردہ کرو' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہے' ہم کو دیکھے گا نہ پہچانے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو' کیا تم اس کو نہیں دیکھتیں؟ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۴۱۱۲' مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۲۲۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۲۲)

اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی ممانعت کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ

آپ مسلمان مردوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے پاکیزہ طریقہ ہے' بلاشبہ اللہ ان کے سب کاموں سے باخبر ہے ○ اور آپ مسلمان عورتوں سے فرما دیجیے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگھار کو ظاہر نہ کریں سوا اس چیز کے جو ان سے خود ظاہر ہو اور اپنے سروں پر اوڑھے ہوئے دوپٹوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زیبائش صرف ان لوگوں کے سامنے ظاہر کریں: شوہر

...ن الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ ...نِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ ...زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ ...تُفْلِحُوْنَ ○ (النور:٣١:٣٠)

شوہروں کے باپ' اپنے بیٹے' شوہروں کے بیٹے' اپنے بھائی' بھتیجے بھانجے' مسلمان عورتیں' باندیاں' ایسے نوکر جنہیں عورتوں کی خواہش نہ ہو اور وہ لڑکے جو عورتوں کی شرم کی باتوں پر مطلع نہیں ہوتے' اور وہ اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان کی اس زینت کا لوگوں کو علم ہو جائے جس کو وہ چھپا کر رکھتی ہیں اور اے مسلمانو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم سب فلاح کو پہنچ جاؤ۔

قال ابوهريرة عن النبی صلی الله علیه ...وسلم قال ان الله کتب علی ابن ادم حظه من ...الزناء ادرک ذلک لا محالة فزنی العین النظر ...وزنی اللسان النطق والنفس تمنی وتشتهی ...والفرج یصدق ذلک ویکذبه.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم پر ان کی زنا کاری کا حصہ لکھ دیا ہے' جس کو وہ لامحالہ پائیں گے' آنکھوں کا زنا دیکھنا' زبان کا زنا بولنا ہے' نفس تمنا کرتا ہے اور شہوت کرتا ہے اور اس کی شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٦٢٤٣' صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٦٥٧' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٢١٥٢)

...مردوں سے عورتوں کے کلام کی ممانعت

شرعی ضرورت کے بغیر عورت کا اجنبی مردوں سے کلام کرنا ممنوع ہے' اگر نماز میں امام بھول جائے تو اس کو متنبہ کرنے ...کے لیے مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتوں کو سبحان اللہ کہنے سے بھی منع فرمایا ہے وہ تالی بجا کر امام کو متنبہ کریں حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تالی بجائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:١٢٠٣' صحیح مسلم رقم الحدیث:٤٢٢' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٩٣٩' سنن النسائی رقم الحدیث:١٢٠٨' سنن ابن ماجہ رقم ...یث:١٠٣٤)

...ورت کو سربراہ مملکت بنانے کی ممانعت پر قرآن اور سنت سے استدلال

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ ...عَلٰى بَعْضٍ. (النساء:٣٤)

مرد عورتوں پر قوام (نگران یا حاکم) ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک فریق کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

قوام کا معنی ہے کسی چیز کی رعایت اور حفاظت کرنا (المفردات ج ٢ ص ٥٣٨) اس کا معنی کفالت کرنا اور خرچ اٹھانا بھی ہے۔

(لسان العرب ج ١٢ ص ٥٠٣' تاج العروس ج ٩ ص ٣٥)

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کے غلبہ اور حاکمیت کی دو وجہیں بیان کی ہیں' پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ...فریق کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر طبعاً اور شرعاً متعدد وجوہ سے فضیلت عطا کی ہے' طبعاً ...لت اس طرح دی ہے کہ عقل و دانش اور قوت و طاقت کے اعتبار سے چند مستثنیات سے قطع نظر مرد عورتوں سے افضل ...تے ہیں' اسی وجہ سے علم اور حکمت اور شجاعت اور بہادری کے کارناموں کا زیادہ ظہور مردوں سے ہوتا ہے اور شرعاً فضیلت یہ ...ہ انبیاء اور رسل مردوں سے مبعوث ہوئے ہیں اور حکومت' خلافت' نماز کی امامت' جہاد کی امارت' اذان' خطبہ' اعتکاف اور ...قصاص میں شہادت یہ تمام احکام بالاتفاق مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور وراثت اور دیت میں مرد کا حصہ عورت سے

دوگنا ہے' طلاق دینے' رجوع کرنے اور متعدد عورتوں سے نکاح کرنے کا حق بھی مردوں کو دیا ہے' ان تمام وجوہ سے مردوں کی عورتوں پر برتری اور فضیلت واضح ہے۔ اور عورتوں پر مردوں کی حاکیت کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ وبما انفقوا من اموالھم "اس وجہ سے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں" کیونکہ مرد عورت کو مہر دیتا ہے اور اس کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۷۱-۷۰ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

الرجال قوامون کا معنی یہ ہے کہ جس طرح حاکم رعایا پر اپنے احکام نافذ کرتا ہے' اسی طرح مرد عورتوں پر احکام نافذ کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے' کیونکہ نبوت' رسالت' حکومت' امامت' اذان' اقامت' خطبات اور تکبیرات تشریق وغیرہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (روح المعانی جز ۵ ص ۲۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مذاہب اربعہ کے مفسرین کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے' ہر چند کہ یہ آیت براہ راست خانگی امور سے متعلق ہے لیکن اول تو اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس آیت کو خانگی امور کے ساتھ خاص کرتا ہو' ثانیاً جب اللہ تعالیٰ نے ایک گھر کی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی تو پورے ملک کی ذمہ داری اس پر کیسے ڈالی جا سکتی ہے؟ اس لیے اول تو اپنے عموم کی بناء پر یہ آیت عبارۃ النص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو ملک کا حاکم یا سربراہ نہیں بنایا جا سکتا اور ثانیاً دلالۃ النص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو ملک کا بلکہ کسی شعبہ کا بھی سربراہ نہیں بنایا جا سکتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا قوام یعنی نگران اور کفیل بنایا ہے اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ملک کا سربراہ اور حاکم ملک کے مردوں اور عورتوں سمیت تمام عوام کا قوام یعنی نگراں اور کفیل ہوتا ہے پس اگر عورت کو ملک کا سربراہ اور حاکم بنا دیا جائے تو وہ عورت ملک کے تمام مردوں کی نگراں اور کفیل ہو گی اور یہ چیز صراحۃً قرآن مجید کے خلاف ہے' اسی طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں سے افضل قرار دیا ہے اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ حاکم محکوم سے منصب حکومت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے' سو اگر عورت کو ملک کا سربراہ اور حاکم بنا دیا جائے تو اسے اپنے شوہر سمیت سب مردوں پر افضلیت حاصل ہو گی' اور یہ سراسر قرآن مجید کے خلاف ہے' لہٰذا اگر عورت کو ملک کا سربراہ بنایا جائے خواہ ریاست کی سربراہ ہو یا انتظامیہ کی تو ان دو وجہوں سے قرآن مجید کی مخالفت لازم آئے گی!

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو حکمران بنا لیا ہے تو آپ نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے عورت کو اپنا امیر بنا لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۹۹' ۴۴۲۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۶۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۴۰۳' مسند احمد ج ۵ ص ۴۳' المستدرک ج ۳ ص ۱۱۸' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۴۸۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۹۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے حکام نیک ہوں گے' اور تمہارے مالدار لوگ سخی ہوں گے اور تمہارے باہمی معاملات مشورے سے ہوں گے تو تمہارے لیے زمین کے اوپر کا حصہ نچلے حصہ سے بہتر ہو گا اور جب تمہارے حاکم بدکردار ہوں گے اور تمہارے مالدار بخیل ہوں گے اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں گے تو تمہارے لیے زمین کے نیچے کا حصہ زمین کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہو گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۶۶' المسند الجامع رقم الحدیث: ۹۷۹

عورت پورے ملک کی سربراہ ہو یا مردوں کے کسی ایک ادارہ کی سربراہ ہو تو بہر حال عورت مردوں پر مقدم ہوگی حالانکہ حدیث میں حکم یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں سے مؤخر رکھا جائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورتوں کو مؤخر رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤخر رکھا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۱۱۶ قدیم ۵۱۲۹ جدید المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۴۸۴ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۴)

عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء مالکیہ کی تصریحات

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ کسریٰ کے مرنے کے بعد جب اس کی قوم نے اس کی بیٹی کو اپنا حاکم بنالیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ قوم فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے معاملات کا حاکم عورت کو بنا دیا۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام ابن جریر طبری سے یہ منقول ہے کہ عورت کو قاضی بنانا جائز ہے ان سے یہ نقل صحیح نہیں ہے (کیونکہ اس آیت النمل: ۲۳ کی تفسیر میں انہوں نے اس مسئلہ میں کچھ نہیں لکھا' اگر ان کے نزدیک عورت کو قاضی بنانا جائز ہوتا تو اس مقام پر اپنا مختار لکھ دیتے) اسی طرح امام ابوحنیفہ سے یہ منقول ہے کہ جس معاملہ میں عورت کی گواہی جائز ہے اس معاملہ میں عورت کی قضا بھی جائز ہے' اگر یہ قول ثابت ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک انفرادی معاملہ میں عورت کو فریقین حاکم بنالیں تو یہ جائز ہے نہ یہ کہ عورت کو بہ طور عموم حاکم بنانا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابن جریر سے حسن ظن بھی یہی ہے۔

ابن طرار شیخ الشافعیہ نے یہ اعتراض کیا کہ قاضی سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ گواہوں کے بیانات کو سنے اور فریقین کے درمیان فیصلہ کرے اور یہ کام جس طرح مرد کر سکتا ہے عورت بھی کر سکتی ہے' قاضی ابوبکر بن الطیب مالکی اشعری نے اس کے جواب میں کہا کہ خلیفہ اور حاکم سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ سرحدوں کی حفاظت کرے' ملک کے داخلی معاملات کا انتظام کرے' قوم کو متحد رکھے' زکوٰۃ اور خراج کو وصول کر کے مستحقین پر خرچ کرے اور ان کاموں کو عورت اس طرح انجام نہیں دے سکتی جس طرح ان کاموں کو مرد انجام دیتے ہیں۔

قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے مؤقف پر کوئی قوی دلیل نہیں لا سکے' خلیفہ اور حاکم مجلس میں بیٹھ کر ملک کے داخلی اور خارجی' انتظامی امور انجام دیتا ہے' اور عورت عام مجالس میں نہیں بیٹھ سکتی اور نہ مردوں کے ساتھ مل جل کر کوئی کام کر سکتی ہے (کیونکہ شرعاً وہ ستر اور حجاب کی پابند ہے) کیونکہ جوان عورت کو دیکھنا اور اس سے کلام کرنا حرام ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۸۳-۴۸۲' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت' ۱۴۰۸ ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے بھی یہ عبارت نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۷۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء شافعیہ کی تصریحات

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

اس پر اتفاق ہے کہ عورت خلیفہ اور قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ جہاد کرنے کے لیے امام کو باہر نکلنے کی ضرورت ہوتی ہے' اور مسلمانوں کے امور کے انتظام کے لیے بھی اس کو باہر نکلنا پڑتا ہے اور قاضی کو بھی مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے

باہر نکلنا پڑتا ہے اور عورت کے لیے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے کیونکہ عورت واجب الستر ہے اور وہ اپنی طبعی ضعف سے اکثر کاموں کو انجام دینے سے عاجز ہے اور اس لیے کہ عورت ناقص ہے اور خلافت اور قضا کامل ولایت کے منصب ہیں اس لیے اس منصب کو کامل مرد ہی انجام دے سکتے ہیں۔

(شرح السنۃ ج ۱۰ ص ۷۷ رقم الحدیث: ۲۴۸۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی شافعی نے کہا ہے کہ عورت خلافت اور قضا کی اہلیت نہیں رکھتی یہی جمہور فقہاء کا مسلک ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کی تصریحات

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

قاضی کے لیے مرد ہونا شرط ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنا حاکم عورت کو بنا دیا' نیز قاضی عدالت میں مردوں کے سامنے بیٹھتا ہے اور اس کی رائے' عقل اور ذہانت کا کامل ہونا ضروری ہے اور عورت ناقص العقل اور قلیل الرائے ہے اور مردوں کی مجلس میں حاضر ہونے کی اہل نہیں ہے' اور جب تک اس کے ساتھ مرد نہ ہو اس کی شہادت مقبول نہیں ہے خواہ اس کے ساتھ ہزار عورتیں ہوں۔ اللہ نے ان کے نسیان کی تصریح فرمائی ہے:

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ (البقرۃ: ۲۸۲) کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) بھول جائے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے۔

اور عورت امامت عظمیٰ (خلافت) کی صلاحیت نہیں رکھتی اور نہ شہروں میں حاکم (گورنر) بننے کی صلاحیت رکھتی ہے' اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ خلفاء راشدین میں سے کسی نے کسی عورت کو کسی شہر کا حاکم بنایا اور نہ کسی عورت کو منصب قضا سونپا اور اگر یہ جائز ہوتا تو ہر زمانہ میں عورت خلیفہ' گورنر یا قاضی بنی ہوتی۔

(المغنی ج ۱۰ ص ۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ' الکافی ج ۴ ص ۲۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

عقلمند شخص کو عورتوں کی اطاعت سے گریز کرنا چاہیے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑا فتنہ کوئی نہیں چھوڑا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۰)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنے معاملات کا حاکم عورتوں کو بنا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۲۵' ۷۰۹۹)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آ کر آپ کو خبر دی کہ ایک قوم نے اپنا حاکم عورت کو بنا لیا' آپ نے یہ سن کر تین بار فرمایا جب مرد عورتوں کی اطاعت کریں گے تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۴۵' المستدرک ج ۴ ص ۲۹۱' حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد رقم: ۲۰۳۳۴ طبع قاہرہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا میں نے تم

زیادہ کوئی ناقصات عقل اور (ناقصات) دین نہیں دیکھیں جو کسی ہوشیار مرد کی عقل کو ضائع کرنے والی ہوں! عورتوں نے پوچھا یارسول اللہ ہمارے دین کا نقصان کیا ہے اور ہماری عقل کا نقصان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف کی مثل نہیں ہے انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورتوں کی عقل کا نقصان ہے! کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے! انہوں نے کہا کیوں نہیں! فرمایا یہ ان کے دین کا نقصان ہے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۴۳۴، السنن الکبریٰ ج ۱ص ۳۰۸، مسند احمد ج ۱ص ۳۶۳، المستدرک ج ۲ص ۱۹۰، مشکوۃ رقم الحدیث: ۱۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۰۷۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۰۰۰، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۱۰۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ص ۵۲۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۶، الشریعۃ للآجری رقم الحدیث: ۱۱۰، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۷)

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۵ص ۱۷۳، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ منصور بن یونس بھوتی حنبلی متوفی ۱۰۵۱ھ لکھتے ہیں:

قاضی کا مرد ہونا ضروری ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنے معاملات کا حاکم عورت کو بنالیا اور اس لیے کہ عورت ناقص العقل اور قلیل الرائے ہے، مردوں کی محفل میں حاضر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ (کشاف القناع ج ۶ص ۲۷۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حدود اور قصاص کے سوا عورتوں کی قضاء کے جواز کے متعلق فقہاء احناف کا موقف

علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

عورت کو حدود اور قصاص کے سوا ہر چیز میں قاضی بنانا جائز ہے اس کا اعتبار عورت کی شہادت پر کیا گیا ہے اور اس کی وجہ گزر چکی ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۱۴۱، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد متوفی ۸۶۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ائمہ ثلاثہ نے کہا ہے کہ عورت کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ عورت مردوں کے نزاعی معاملات میں حاضر ہونے کی اہلیت نہیں رکھتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم نے عورت کو اپنے معاملات میں حاکم بنایا وہ فلاح نہیں پا سکتی، مصنف نے کہا اس کی قضا کے جواز کی وجہ گزر چکی ہے اور وہ یہ ہے کہ مصنف نے قضا کی بحث میں کہا ہے کہ قضا بھی شہادت کی طرح باب ولایت سے ہے اور عورت شہادت کی اہل ہے اس لیے وہ ولایت کی اہل ہے۔

(فتح القدیر ج ۷ص ۲۷۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

مصنف نے کتاب ادب القاضی کے شروع میں کہا ہے کہ قضا کا حکم شہادت کے حکم سے مستفاد ہوتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک ولایت (تصرف) کے باب سے ہے، پس ہر وہ شخص جو شہادت دینے کا اہل ہے وہ قاضی بننے کا اہل ہے اور جو چیزیں شہادت دینے کی شرائط ہیں وہ قضا (فیصلہ) کرنے کی شرائط ہیں۔ (ہدایہ اخیرین ص ۱۳۳) اور عورت حدود اور قصاص کے سوا باقی معاملات میں شہادت دینے کی اہل ہے، سو وہ حدود اور قصاص کے سوا باقی معاملات میں قاضی بننے کی بھی اہل ہے۔

(العنایہ مع فتح القدیر ج ۷ص ۲۷۹، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بھی اس عبارت کی اسی طرح شرح کی ہے۔(البنایہ ج ۸ ص ۵۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

قاضی کے لیے مرد ہونے کی شرط نہیں ہے کیونکہ عورت بھی فی الجملہ شہادت دینے کی اہل ہے مگر وہ حدود اور قصاص میں شہادت نہیں دے سکتی اور قضا کی اہلیت شہادت کی اہلیت پر موقوف ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۹ ص ۸۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حدود اور قصاص کے ماسوا میں عورت کی قضا کا جواز اس کو مستلزم نہیں کہ اس کو دیوانی عدالت کا قاضی بنا دیا جائے

فقہاء احناف نے جو یہ کہا ہے کہ حدود اور قصاص (فوجداری مقدمات) کے سوا باقی معاملات (دیوانی مقدمات) میں عورت قاضی بن سکتی ہے اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک عورت امام خلیفہ اور سربراہ مملکت بھی بن سکتی ہے سو اس جگہ اس پر غور کرنا چاہیے کہ عورت دیوانی معاملات میں اکیلی گواہی نہیں دے سکتی بلکہ ایک عورت بھی گواہی نہیں دے سکتی صرف دو عورتیں مل کر ایک مرد کے ساتھ گواہی دے سکتی ہے: علامہ مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں:

زنا کے سوا باقی حدود اور قصاص میں دو مردوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واستشھدوا شھیدین من رجالکم (البقرہ: ۲۸۲) دو مردوں کو گواہ بناؤ اور ان میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی (کیونکہ زہری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور حضرت ابوبکر اور عمر اور ان کے بعد سے یہ سنت جاری ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی نہیں ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۷۹) اور ان کے علاوہ دیگر حقوق میں دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی خواہ ان حقوق کا تعلق مال سے ہو یا معاملات سے جیسے نکاح طلاق وکالت اور وصیت وغیرہ (مثلاً عتاق اور نسب) (ہدایہ اخیرین ص ۱۵۵ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

صرف ایک شخص کا بہ طور قاضی تقرر کیا جاتا ہے اور دیوانی معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی جائز نہیں ہے اس لیے دیوانی معاملات میں بھی عورت کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس کو سربراہ مملکت بنانا جائز ہو ہاں بعض امور میں صرف ایک عورت کی گواہی جائز ہے سو اس صورت میں اس کی قضا بھی جائز ہے اور وہ صورت یہ ہے:

ولادت میں بکارت میں اور خواتین کے دیگر ان عیوب میں جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے ان امور میں ایک عورت کی شہادت بھی قبول کی جائے گی۔ حضرت ابن عمر نے کہا تنہا عورتوں کی شہادت دینا جائز نہیں ہے ماسوا ان صورتوں کے جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۱)

(ہدایہ اخیرین ص ۱۵۵ مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان المبسوط للسرخسی ج ۱۶ ص ۱۰۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

ہدایہ اور مبسوط کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ صرف ایک عورت کی قضا صرف ولادت اور بکارت ایسے امور میں جائز ہے جیسے دائی یا لیڈی ڈاکٹر بتائے کہ یہ عورت کنواری ہے یا نہیں یا اس کو حمل ہے یا نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مخصوص معاملہ میں جب اس کی تحقیق کی ضرورت ہو مثلاً کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس عورت کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا تو لیڈی ڈاکٹر معائنہ کر کے بتا دے کہ واقعی اس کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے یا یہ ہنوز کنواری ہے اور اس کی بکارت قائم ہے اور جزوی معاملہ میں عورت کی قضا اور اس کے قول کے حجت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت کو عمومی طور پر عدالت میں قاضی لگا دیا جائے یا اس کو سربراہ مملکت بنا دیا جائے یہ فقہاء احناف پر بہتان عظیم ہے اب ہم علامہ علائی اور علامہ شامی کی عبارات سے یہ واضح کر رہے

ہیں کہ عورت کے لیے امامت کبریٰ جائز نہیں ہے یعنی اس کو مسلمانوں کا امام خلیفہ یا سربراہ مملکت بنانا جائز نہیں ہے۔

عورت کو سربراہ مملکت بنانے کے عدم جواز کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

لوگوں پر عام تصرف کے استحقاق کو امامت کبریٰ کہتے ہیں اور امام کو مقرر کرنا سب سے اہم واجبات میں سے ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان ہو آزاد ہو مرد ہو عاقل بالغ ہو صاحب قدرت ہو قریشی ہو اس کا ہاشمی ہونا یا علوی ہونا یا معصوم ہونا شرط نہیں ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

خلیفہ اور سربراہ مملکت کے لیے مرد ہونے کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ ان کے احوال ستر اور حجاب پر مبنی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس کی بادشاہ عورت ہو۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ شامی فرماتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عورت کو امام کے منصب پر مقرر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی اہل نہیں ہے اور نہ اس کو امام کے قائم مقام مقرر کرنا جائز ہے۔ (رد المحتار ج ۸ ص ۱۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۸ھ)

عورت کی سربراہی کے متعلق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۶۹۰-۶۸۲ میں مفصل بحث کی ہے اور تبیان القرآن ج ۳ ص ۶۵۸-۶۵۶ میں بھی اس پر لکھا ہے لیکن اس مقام پر سب سے زیادہ لکھا ہے۔

تخت بلقیس کی صفت

نیز ہدہد نے کہا اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے یعنی اس دور میں بادشاہوں کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی تھی وہ سب اشیاء اس کے پاس موجود تھیں۔

اور ہدہد نے کہا اس کا بہت بڑا تخت ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ قیمتی اور خوبصورت تخت تھا وہ سونے کا بنا ہوا تھا اور اس کے پائے جواہر اور موتیوں کے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۴۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے زہیر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ وہ سونے کا تخت تھا اور اس کے اوپر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے اس کا طول اسی (۸۰) ہاتھ کا اور عرض چالیس (۴۰) ہاتھ کا تھا وہ سات منزلہ تخت تھا اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ظاہر یہ ہے کہ عرش سے مراد تخت ہے ہدہد نے اس کو بہت عظیم اس لیے کہا کہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک میں اتنا بڑا اور اتنا خوبصورت تخت نہیں دیکھا تھا یا اور بادشاہوں کے پاس ایسا تخت نہیں دیکھا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام ہر چند کہ بہت بڑے بادشاہ تھے لیکن ان کے پاس بھی اتنا عظیم الشان تخت نہیں تھا ہدہد نے اس تخت کی اس قدر تعریف اور توصیف اس لیے کی کہ حضرت سلیمان اس کی باتوں کی طرف متوجہ ہوں اور ان کو یہ خیال آئے کہ ہدہد جو غیر حاضر رہا تھا وہ یونہی وقت ضائع کرنے کے لیے نہیں گیا تھا بلکہ بہت قیمتی معلومات حاصل کر کے آیا ہے۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ہدہد نے کہا) میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کر رہے ہیں' اور شیطان نے ان کے لیے (ان) کاموں کو خوشنما بنا دیا ہے' سو ان کو اللہ کے راستے سے روک دیا ہے پس وہ ہدایت نہیں پائیں گے ○ یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کو باہر لاتا ہے' اور وہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جس کو تم چھپاتے ہو اور جن کو تم ظاہر کرتے ہو ○ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے ○ (النمل: ۲۶-۲۴)

ہدہد کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ بلقیس کی قوم اللہ کی عبادت کرنے کے بجائے سورج کی پرستش کرتی ہے' اور شیطان نے ان کے برے کاموں کو ان کی نظر میں اچھا بنا دیا ہے یعنی سورج کی پرستش اور ان کے دیگر کفریہ کاموں اور معاصی کو' اور ان کو صحیح طریقہ سے روک دیا ہے۔

ان لا یسجدوا کی متعدد نحوی ترکیبیں اور تراجم

النمل: ۲۵ میں ہے ان لا یسجدوا' اس کی مختلف نحوی تراکیب ہیں اس لیے اس کے تراجم بھی مختلف ہیں۔ شیخ سعدی متوفی ۶۹۱ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: راہ نمے یابند تا سجدہ کنند' مرخدائے را' شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کا ترجمہ کیا ہے: راہ نمے یابند بسوئے آنکہ سجدہ کنند آں خدائے را' شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے' نہیں راہ پاتے یہ کہ سجدہ کریں واسطے اللہ کے' شاہ عبدالقادر محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے' راہ نہیں پاتے کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو' اعلیٰ حضرت متوفی ۱۳۴۰ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ کو' علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ نے لکھا ہے (شیطان نے انہیں روک دیا) تا کہ وہ سجدہ نہ کریں۔

ان لا یسجدوا میں لام تعلیلیہ محذوف ہے اصل میں لئلا یسجدوا یعنی شیطان نے بلقیس کی قوم کو کفریہ کاموں میں اس لیے ملوث کیا تا کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں' یا شیطان نے ان کے برے کاموں کو ان کی نظر میں اس لیے اچھا بنایا' یا ان کو سیدھے راستہ سے اس لیے روکا تا کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں۔

ان لا یسجدوا کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اس میں لا (حرف نفی) زائدہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان نے ان کو اللہ کے لیے سجدہ کرنے سے روک دیا۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ لئلا میں بھی لا (حرف نفی) زائد ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ . (الحدید: ۲۹) تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ ان کو اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں ہے۔

ان لایسجدوا کی تیسری تقریر یہ ہے کہ اس سے پہلے الی مقدر ہے اور یہ جار مجرور لایھتدون کے متعلق ہے اور اس صورت میں بھی لا زائد ہے اور اس کا یہ معنی ہے: پس وہ اللہ کو سجدہ کرنے کی طرف ہدایت نہیں پائیں گے۔

ان لا یسجدوا کی ترکیب کی چوتھی تقریر یہ ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور اس کا معنی ہے ان کا طریقہ اور ان کی عادت یہ تھی کہ وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے تھے۔

ان لا یسجدوا کی نحوی ترکیب کی پانچویں تقریر یہ ہے کہ ان لا (الا) حرف تنبیہ ہے' گویا ہدہد بلقیس کی قوم کو مخاطبین کے قائم مقام کر کے کہہ رہا ہے کہ تم اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں سے اللہ تعالیٰ نے نیا کلام شروع کیا

ہو کہ یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کو باہر لاتا ہے' یا یہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا کلام شروع ہوا یعنی ہد ہد کا کلام سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی قوم کے متعلق تبصرہ فرمایا یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کو باہر لاتا ہے۔

(روح المعانی ج ۱۹ص ۲۸۵-۲۸۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

تخت بلقیس اور عرش الٰہی دونوں کے عظیم ہونے کا فرق

النمل: ۲۶ میں ہد ہد کا قول ہے یا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

اس سے پہلے ہد ہد نے بلقیس کے عرش (تخت) کو عظیم کہا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے عرش کو عظیم کہا ہے' دونوں عرشوں کے عظیم ہونے میں فرق ہے' بلقیس کا تخت دنیاوی بادشاہوں کے تختوں کے اعتبار سے عظیم تھا' اور اللہ تعالیٰ کا عرش کائنات کے تمام تختوں کے اعتبار سے عظیم ہے' نہیں بلکہ وہ تمام زمینوں اور آسمانوں سے بڑا ہے۔

امام ابن جریر نے اور امام ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور امام ابن مردویہ نے اور امام بیہقی نے الاسماء والصفات میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر! سات زمینیں اور سات آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے جنگل کی زمین میں انگوٹھی گری ہوئی ہو اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسے ہے جیسے انگوٹھی کی فضیلت جنگل پر ہے۔

خطیب بغدادی' امام فریابی' امام عبد بن حمید' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم' امام طبرانی' امام ابوالشیخ' امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کرسی قدموں کی جگہ ہے اور عرش کی عظمت اور مقدار کا کوئی شخص اندازہ نہیں کرسکتا۔ (الدر المنثور ج ۲ص ۱۸-۱۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام ابوالشیخ نے اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کرسی پیر رکھنے کی جگہ ہے اور وہ چرر چرر کرتی ہے جس طرح پالان چرر چرر کرتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا یہ بہ طور استعارہ ہے اور اللہ تعالیٰ تشبیہ سے پاک ہے' اس کی وضاحت میں امام ابن جریر نے ضحاک کا یہ قول درج کیا ہے کہ کرسی وہ چیز ہے جس کو تخت کے نیچے رکھا جاتا ہے' بادشاہ تخت پر بیٹھ کر اس پر اپنے پیر رکھتے ہیں۔

(الدر المنثور ج ۲ص ۱۸-۱۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت سلیمان نے) کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو ○ میرا یہ مکتوب لے جاؤ اور اسے ان کے پاس ڈال دو' پھر ان سے پشت پھیر لو اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں ○ ملکہ سبا نے کہا اے میرے سردارو! بے شک میرے پاس ایک معزز مکتوب پہنچایا گیا ہے ○ بے شک وہ مکتوب سلیمان کی جانب سے ہے اور بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ یہ کہ تم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھاؤ اور مسلمان ہو کر میرے پاس آجاؤ ○ (النمل: ۳۱-۲۷)

خبر واحد اور خبر متواتر وغیرہ کی تعریفیں اور ان کے احکام

یہ آیات ایک سوال کے جواب میں ہیں' سوال یہ ہے کہ جب ہد ہد نے اپنی پوری بات سنا دی تو حضرت سلیمان نے کیا فرمایا' اس کے جواب میں حضرت سلیمان نے فرمایا: ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو' حضرت سلیمان

کے اس فرمان میں یہ دلیل ہے کہ خبر واحد صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے' خبر واحد وہ ہے جو متواتر کے مقابلہ میں ہو، متواتر اسے کہتے ہیں کہ ابتداء سے آخر تک ہر دور میں اس کے بیان کرنے والے اتنے زیادہ ہوں کہ وہ عقل کے نزدیک جھوٹ پر متفق نہ ہو سکیں' اور جو خبر اس درجہ تک نہ پہنچی ہو وہ خبر واحد ہے خواہ وہ خبر مشہور ہو خبر عزیز ہو یا خبر غریب ہو' خبر مشہور وہ ہے جس کے بیان کرنے والے پہلے دور میں تو اتنے زیادہ نہ ہوں کہ ان کا اتفاق جھوٹ پر نہ ہو سکے لیکن بعد میں اس کے بیان کرنے والے اتنے زیادہ ہوں' اور خبر عزیز وہ ہے جس کے سلسلہ سند میں کسی جگہ صرف دو راوی ہوں اور خبر غریب وہ ہے جس کے سلسلہ سند میں کسی جگہ صرف ایک راوی ہو۔

حضرت سلیمان کے اس قول میں یہ دلیل بھی ہے کہ ہر چند کہ خبر واحد صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے' تاہم خبر واحد سننے کے بعد اس کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جاتا' بلکہ اس کی تفتیش کی جائے گی کہ دیگر دلائل اور قرائن سے اس کا صدق متعین ہوتا ہے یا کذب' اگر اس کا صدق ثابت ہو جائے تو اس خبر کو صادق قرار دیا جائے گا اور اگر اس کا کذب ثابت ہو جائے تو اس کو کاذب قرار دیا جائے گا۔ خبر متواتر مفید یقین ہوتی ہے اور خبر واحد مفید ظن ہوتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب میں پہلے اپنا نام لکھنا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب میں پہلے اللہ کا نام لکھنا

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی جانب ایک مکتوب لکھا: یہ مکتوب اللہ کے بندے سلیمان کی طرف سے ہے' بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے' پھر انہوں نے اس کے اوپر مہر لگائی جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا اور ہد ہد کو وہ خط دے دیا' پھر دھاگے سے باندھ کر وہ خط ہد ہد کے گلے میں لٹکا دیا اور ہد ہد سے کہا یہ خط بلقیس تک پہنچا دو۔

حضرت سلیمان کے مکتوب میں انہوں نے پہلے اپنا نام لکھا ہے کہ یہ سلیمان کی جانب سے ہے اور پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی جانب مکتوب لکھا تو اس میں لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم' اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے روم کے بادشاہ ہرقل کی طرف۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۰۶۴)

اس میں خط کے اخیر میں مہر لگانے کا بھی ذکر ہے اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب لکھا یا مکتوب لکھنے کا ارادہ کیا' آپ سے کہا گیا کہ وہ لوگ صرف اسی مکتوب کو پڑھتے ہیں جس پر مہر لگی ہوئی ہو' سو آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنالی جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقش تھا' گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۸۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۴۰)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر بادشاہوں کی طرف مکاتیب

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد سے فرمایا میرا یہ مکتوب لے جاؤ اور اسے ان کے پاس ڈال دو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ ہد ہد کو مکتوب دے کر بھیجا حالانکہ آپ کے زیر تصرف اور آپ کے ماتحت بہت قوی جن بھی تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ہد ہد کے صدق کا امتحان لینا چاہتے تھے آیا وہ بلقیس اور اس کے ملک کی

[کو پیغام] دینے میں صادق ہے یا نہیں اور اگر وہ جھوٹا ثابت ہو تو اس کو سزا دینے میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے امیر اور امام کو کافر حکمرانوں کی طرف تبلیغ اسلام کے لیے مکاتیب لکھنے [چا]ہئیں' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد کافر بادشاہوں کی طرف مکاتیب لکھے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کی طرف مکتوب لکھا اور نجاشی کی طرف لکھا اور [ہ]ر جبار کی طرف مکتوب لکھا اور اس کو اسلام کی دعوت دی' اور یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ [پ]ڑھائی تھی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۷۴' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۷۱۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۸۴۷)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم ہرقل کی طرف جو مکتوب روانہ کیا اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ' یہ مکتوب محمد رسول اللہ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام ہے' جو ہدایت کا پیروکار [ہ]ے اس کو سلام ہو اس کے بعد واضح ہو کہ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں' اسلام قبول کر لو' سلامتی کے ساتھ رہو گے' اللہ تعالیٰ تم کو دگنا اجر عطا فرمائے گا' اور اگر تم نے اعراض کیا تو تمہارے پیروکاروں کا بھی تم پر گناہ ہوگا:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران:۶۴)

آپ کہیے! اے اہل کتاب اس بات کو قبول کر لو' جو ہمارے اور تمہارے درمیان اتفاقی ہے یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور اللہ کے ساتھ اور کسی کو شریک نہیں بنائیں گے اور ہم میں سے کوئی بھی کسی کو اس کے سوا عبادت کا مستحق نہیں قرار دے گا' اگر وہ اس سے اعراض کریں تو آپ کہیے کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۱۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۷۱۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۰۶۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی طرف جو مکتوب لکھا تھا اس میں اس کو یہ حکم دیا تھا تم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھاؤ اور تابع ہو کر میرے پاس آجاؤ اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ حکم دیا تھا کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو' اسلام قبول کر لو' سلامت رہو گے اور تم کو دگنا اجر ملے گا! حضرت سلیمان نے مکتوب کو اپنے نام سے شروع کیا اور ہمارے نبی نے اپنے مکتوب کو اللہ کے نام سے شروع کیا سو کتنا فرق ہے دونوں مکتوبوں میں!

ہدہد کا بلقیس کو مکتوب پہنچانا

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مکتوب لکھ کر اس پر مشک لگا کر اس کو بند کیا پھر اس پر مہر لگائی اور وہ خط ہدہد کو دے دیا جب وہ خط لے کر اس کے محل میں پہنچا تو وہ سوئی ہوئی تھی' اس نے دروازے بند کر کے چابیاں اپنے سرہانے رکھی ہوئی تھیں' ہدہد روشن دان سے کمرے میں داخل ہوا اور وہ مکتوب اس کے سینہ کے اوپر پھینک دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہدہد نے چونچ مار کر اس کو جگایا تو وہ گھبرا کر اٹھ گئی' جب اس نے خط پر مہر لگی ہوئی دیکھی تو وہ کانپنے لگی۔ بلقیس عربی پڑھی ہوئی تھی اس نے مہر توڑ کر خط نکال کر پڑھ لیا۔ (روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۹۰-۲۸۹)

خط پڑھنے کے بعد بلقیس نے اپنے درباریوں سے اس خط کے متعلق مشورہ کیا: ملکہ سبا نے کہا اے میرے سردارو! بے شک میرے پاس معزز مکتوب پہنچایا گیا ہے' بے شک وہ مکتوب سلیمان کی جانب سے ہے اور بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے

(شروع کیا گیا ہے) جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

نبی کے ادب سے ایمان پانا اور نبی کی بے ادبی سے ایمان سے محروم ہونا اور دنیا اور آخرت کی ذلت

بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مکتوب کو کریم اور معزز کہا اور ان کے مکتوب کی تکریم کی' اور نبی کی تکریم کرنے کی برکت سے اسلام اس کے دل میں داخل ہوا جیسے فرعون کے جادوگروں نے مقابلہ کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکریم کی اور ان سے کہا اے موسیٰ! آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں تو نبی کے ادب اور احترام کرنے کی برکت سے ان کو ایمان لانا نصیب ہوا' اس کے برخلاف جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کی طرف مکتوب روانہ کیا تو اس نے اس مکتوب کی بے ادبی کی سو وہ ایمان سے محروم ہوا اس کو قتل کر دیا گیا اور اس کی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی اور اس کو دنیا اور آخرت کا خسارہ ہوا' حدیث میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنا مکتوب دے کر بھیجا کہ وہ یہ مکتوب بحرین کے حاکم کو دے' حاکم بحرین نے وہ مکتوب کسریٰ کو دے دیا' جب اس نے اس مکتوب کو پڑھا تو اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی کہ ان کے بھی پورے پورے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴' ۲۹۳۹' ۴۴۲۴' ۷۲۶۴)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کتاب المغازی میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے ہاتھ مکتوب بھیجا تھا وہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی تھے' اور بحرین کے جس حاکم کے نام خط بھیجا تھا اس کا نام منذر بن ساوی تھا اور بحرین بصرہ اور عمان دو شہر ہیں' ان کو بحرین اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی بستیوں کی جانب ایک خلیج ہے (یعنی سمندر کا ایک ٹکڑا) اور ہجر کی بستیاں اس کے اور سمندر کے دس فرسخ کے فاصلہ پر ہیں گویا یہ شہر خلیج اور سمندر کے درمیان ہیں۔

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے لکھا ہے: خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک چھوٹی سی ریاست جس کا رقبہ اندازاً ڈھائی سو مربع میل ہے اور ۱۹۷۲ء میں اس کی آبادی دو لاکھ کے قریب تھی۔ یہ بحرین ہے۔ معجم البلدان اردو: ۶۱)

کسریٰ فارس کے بادشاہوں کا لقب ہے جیسے قیصر روم کے بادشاہوں کا لقب ہے اور جس کسریٰ نے آپ کا مکتوب مبارک پھاڑا تھا اس کا نام پرویز بن ھرمز بن انوشروان تھا۔ اس کسریٰ پر اس کا بیٹا شرویہ مسلط ہو گیا اور اس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ امام ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ جب کسریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب کو پھاڑ دیا اس نے یمن میں اپنے گورنر بازان کو لکھا کہ وہ حجاز کے اس شخص کے پاس دو آدمیوں کو اس شخص کی تفتیش کے لیے بھیجے اور وہ حالات معلوم کر کے میرے پاس آئیں۔ بازان نے دو آدمی آپ کے پاس بھیجے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بازان کا مکتوب دیا' آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ خوف سے کپکپانے لگے۔ آپ نے فرمایا اپنے سردار کو بتا دینا کہ میرے رب نے اس کے رب کسریٰ کو آج رات چند گھنٹے پہلے قتل کر دیا ہے' یہ دس جمادی الاولیٰ سات ہجری کی رات تھی' بازان نے بھی کہا تھا اگر یہ سچے نبی ہیں تو ان کی کہی ہوئی بات پوری ہو جائے گی۔

(عمدۃ القاری جز ۲ ص ۲۹-۲۸' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ ھ)

پرویز نام کا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ تھا اس لیے مسلمان اپنے بچوں کا نام پرویز نہیں رکھتے۔

حضرت سلیمان نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے پہلے اپنا نام کیوں لکھا

ملکہ سبا نے اپنے دربار کے سرداروں اور دیگر ارکان مملکت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب پڑھ کر سناتے ہوئے کہا:

بے شک وہ مکتوب سلیمان کی جانب سے ہے اور بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (النمل: ۲۹)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنا ذکر کیا پھر اللہ کا نام ذکر کیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لکھا' اس کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہی اپنے نام کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پر مقدم کیا ہو' تاکہ مکتوب کے شروع میں اللہ کا نام بلقیس کے ہاتھوں بے ادبی سے محفوظ رہے کیونکہ اس وقت بلقیس کافرہ تھی' تاکہ ظاہر میں مکتوب کا عنوان حضرت سلیمان کا نام ہو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں مکتوب کا عنوان اللہ کا نام ہو' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مکتوب میں پہلے بسم اللہ لکھی ہوئی ہو اور بلقیس نے مکتوب پڑھتے وقت پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پڑھ کر لوگوں کو یہ بتایا ہو کہ یہ مکتوب کس کی جانب سے آیا ہے۔

علامہ ابوبکر بن العربی نے کہا ہے کہ رسل متقدمین جب کسی کی طرف کوئی مکتوب لکھتے تھے تو اپنے نام کو پہلے لکھتے تھے اور یوں لکھتے تھے یہ فلاں کی طرف سے فلاں کے نام ہے اور ابواللیث نے (کتاب البستان) میں لکھا ہے کہ اگر لکھنے والا شروع میں مکتوب الیہ کا نام لکھ دے تو یہ جائز ہے' کیونکہ امت کا اس کے جواز پر اجماع ہے اور انہوں نے اس پر عمل کیا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ مکتوب میں صرف اتنا ہی لکھا ہوا تھا جتنا قرآن مجید میں مذکور ہے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مکتوب عربی میں ہو کیونکہ بادشاہوں کے پاس مترجمین ہوتے ہیں جو ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عربی زبان میں مکتوب لکھا تھا کیونکہ بلقیس عربوں کی نسل سے تھی' انبیاء علیہم السلام طویل مکتوب نہیں لکھتے تھے' چند جملوں پر مشتمل ضرورت کے مطابق لکھتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے مکتوب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا تھا۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۲۳۵-۲۳۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتیب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا کب شروع کیا؟

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مکاتیب کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لکھنا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ یہ اس آیت کے نزول کے بعد ہے' اور یہ کہا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مکتوب کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا' امام عبدالرزاق وغیرہ نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ اہل جاہلیت باسمک اللھم لکھتے تھے' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ (ھود: ۴۱) پھر آپ نے بسم اللہ لکھا' پھر یہ آیت نازل ہوئی: اُدْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ (بنواسرائیل: ۱۱۰) تب آپ نے لکھا: بسم اللہ الرحمٰن' پھر یہ آیت نازل ہوئی' اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (النمل: ۳۰) تب آپ نے لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی کون سی آیت نازل ہوئی' اس میں کئی اقوال ہیں' صحیح یہ ہے کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ (العلق: ۱) سب سے پہلے نازل ہوئی' دوسرا قول ہے يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (المدثر: ۱) تیسرا قول ہے سورۃ الفاتحہ' چوتھا قول ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم' پھر حافظ سیوطی نے کہا میرے نزدیک یہ کوئی الگ قول نہیں ہے کیونکہ ہر سورت کے نزول سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی' لہٰذا جو آیت علی الاطلاق سب سے پہلے نازل ہوئی ہے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔

اور یہ بات ہمارے موقف کو تقویت دیتی ہے' اللہ کی کتاب بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوتی ہے اور یہی آیت سب سے پہلے نازل ہوئی ہے' لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء نبوت میں ہی بسم اللہ الرحمن الرحیم کا علم ہو گیا تھا' اس لیے صحیح یہ ہے آپ ابتداء سے ہی مکاتیب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھواتے تھے اور جس شخص نے یہ کہا کہ آپ کو ابتداء نبوت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا علم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو یہ بھی علم ہو گیا ہو کہ مکاتیب کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا مشروع ہے تو وہ شخص ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ اور مقام سے جاہل ہے۔ (روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۹۲-۲۹۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

آیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا یا اپنی بادشاہت تسلیم کرنے کا؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مکتوب میں لکھا تھا: تم میرے مقابلہ میں سرنہ اٹھاؤ اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ (النمل: ۳۱) بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں جو مسلمین کا لفظ ہے اس سے مراد مومنین ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ اسلام اور ایمان مترادف ہیں اور بعض مفسرین نے کہا اسلام کا لغوی معنی مراد ہے' یعنی استسلام اور ظاہری اطاعت۔

انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے کسی قوم کو اللہ کی توحید ماننے اور اس کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اس کے نمائندے اور اس کے سفیر اور پیغام بر ہیں اور اپنی رسالت اور نبوت پر دلائل اور معجزات پیش کرتے ہیں اور اس پیغام کے قبول نہ کرنے پر انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

اور بادشاہوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی علاقہ کو اپنا تابع کرنے کے لیے اس کو اس پر حملہ کرنے کی دھمکی دیتے ہیں اور اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے اس سے خراج وصول کرتے ہیں اور خراج ادا نہ کرنے کی صورت میں اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔

اگر اس آیت میں مسلمین کے لفظ سے مومنین کا ارادہ کیا جائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ارشاد انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کے مناسب ہے' اور اگر اس آیت میں مسلمین کے لفظ سے استسلام اور اطاعت ظاہرہ اور مغلوب اور مقہور ہونے کا ارادہ کیا جائے تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ارشاد بادشاہوں کے طریقہ کے مناسب ہے۔

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں مسلمین سے مومنین ہی مراد ہے' باقی رہا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی نبوت پر کوئی معجزہ تو نہیں پیش کیا اس کا جواب یہ ہے کہ ہدہد کو مکتوب دے کر بھیجنا اور ہدہد کا بلقیس کو مکتوب پہنچانا خود ایک عظیم معجزہ ہے' اور رہا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو توحید اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی دعوت نہیں دی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو اسلام اور ایمان لانے کا اسی لیے حکم دیا تھا کہ وہ اور اس کی قوم سورج کو پرستش کرتی تھی اور ایمان لانے کا یہی معنی تھا کہ وہ شرک اور آتش پرستی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا

(ملکہ بلقیس نے) کہا اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو' میں اس وقت تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتی

حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ

جب تک کہ تم (مشورہ کے ساتھ) حاضر نہ ہو O انہوں نے کہا ہم بہت طاقت والے اور سخت جنگ جو ہیں

وَالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِىْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ

اور فیصلہ کرنے کا آپ کو اختیار ہے آپ سوچ کر بتایئے آپ کیا حکم دیتی ہیں ○ اس نے کہا بادشاہ جب

اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَ

کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو اجاڑ دیتے ہیں اور اس کے معززین کو رسوا کر دیتے ہیں' اور

كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنِّىْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ

وہ (بھی) ایسا ہی کریں گے ○ اور بے شک میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں پھر دیکھوں گی کہ

يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫

سفیر کیا جواب لاتے ہیں ○ پھر جب وہ (سفیر ہدیہ لے کر) سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کیا تم مال کے ساتھ میری

فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾

مدد کر رہے ہو' سو اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے بلکہ اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش ہوتے رہو! ○

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ

ان کے پاس واپس جاؤ (اور انہیں بتادو) کہ ہم ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ ان پر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں

اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا

طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو ذلیل اور رسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے ○ سلیمان نے کہا اے سردارو! تم میں کون

قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣٨﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ

ان کے اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے؟ ○ ایک بہت بڑے جن نے کہا میں آپ کے

بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اَمِيْنٌ ﴿٣٩﴾

مجلس برخواست کرنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کر دوں گا اور میں اس پر ضرور قادر اور امین ہوں ○

قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ

جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو

يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ

آپ کے پاس حاضر کر دوں گا' سو جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا

هَٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي ۖ لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَنْ

یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ وہ میرا عمل ظاہر کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری' اور جو

شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ

شکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ ہی کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے پروا

كَرِيمٌ ﴿٤٠﴾ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ

بزرگ ہے ○ سلیمان نے حکم دیا کہ اس تخت میں کچھ تغیر کر دو تاکہ ہم آزمائیں کہ آیا وہ اس کو پہچاننے کی راہ پاتی ہے یا ان

مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٤١﴾ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا

لوگوں میں سے ہے جو راہ نہیں پاتے ○ جب بلقیس آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا اس کا

عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ

تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا گویا کہ یہ وہی ہے' اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور

كُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ

ہم اطاعت گزار ہو چکے تھے ○ اور اس کو (اطاعت سے) اس چیز نے روکا تھا جس کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی

إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٤٣﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ

بے شک وہ کافروں میں سے تھی ○ اس سے کہا گیا اس محل میں داخل ہو جا' سو جب اس نے

فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ

اس (شیشے کے فرش) کو دیکھا تو اس نے اس کو گہرا پانی گمان کیا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا' سلیمان

صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي

نے کہا بے شک یہ شیشے سے بنا ہوا چکنا محل ہے' بلقیس نے کہا اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا'

ع ۳ (۳) ۱۸

وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

میں سلیمان کے ساتھ اللہ پر ایمان لے آئی جو رب العلمین ہے 0

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ملکہ بلقیس نے) کہا' اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو' میں اس وقت تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرسکتی جب تک کہ تم (مشورہ کے ساتھ) حاضر نہ ہو 0 انہوں نے کہا ہم بہت طاقت والے اور سخت جنگ جو ہیں' اور فیصلہ کرنے کا آپ کو اختیار ہے' آپ سوچ کر بتایئے کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں! 0 اس نے کہا بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور اس کے معززین کو رسوا کر دیتے ہیں اور وہ (بھی) ایسا ہی کریں گے 0 (النمل: ۳۴-۳۲)

مشورہ کی اہمیت

ہد ہد حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب لے کر بلقیس کے پاس غیر معمولی طریقہ سے پہنچا تھا' اس کو پڑھ کر بلقیس بہت مرعوب اور سخت دہشت زدہ ہوگئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا تم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھانا اور میرے اطاعت گزار ہو کر میرے پاس حاضر ہو جانا' اب دو صورتیں تھیں یا تو بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلاف مقابلہ کے لیے تیار ہوتی یا اللہ پر ایمان لا کر ان کی مطیع ہو کر ان کے پاس حاضر ہو جاتی' وہ دیکھ چکی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پرندوں پر بھی حکومت تھی سو ایسے غیر معمولی حکمران سے مقابلہ کرنے سے وہ خوفزدہ تھی اس لیے اس نے اپنے دربار کے سرداروں سے مشورہ لیا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے کو حرف آخر نہ سمجھے اور کسی اہم پیش آمدہ معاملہ میں اپنے دوستوں اور خیر خواہوں سے مشورہ لے۔ اس آیت میں مشورہ کے جواز کی دلیل ہے قرآن مجید میں ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ج (آل عمران: ۱۵۹)	اور (اہم) معاملات میں ان سے مشورہ لیجیے۔
وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص (الشوریٰ: ۳۸)	اور ان کے معاملات باہمی مشوروں سے ہوتے ہیں۔

بلقیس کے سرداروں کا مشورہ یہ تھا کہ اگر حضرت سلیمان نے ہم پر حملہ کیا تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے ہم آسانی سے شکست کھانے والے نہیں ہیں' اور اپنی رائے پیش کر کے انہوں نے فیصلہ کا اختیار بلقیس کو دے دیا۔

بلقیس نے کہا جب بادشاہ کسی ملک پر حملہ کرتے ہیں تو اس کو تباہ اور برباد کر دیتے ہیں اور اس شہر کے حاکموں کو اپنا قیدی بنا لیتے ہیں یا ان کو قتل کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بلقیس نے کہا) اور بے شک میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں پھر دیکھوں گی کہ سفیر کیا جواب لاتے ہیں 0 پھر جب وہ (سفیر ہدیہ لے کر) سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا تم مال کے ساتھ میری مدد کر رہے ہو' سو اللہ نے جو کچھ مجھے دیا وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا' بلکہ اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش ہوتے رہو! 0 ان کے پاس واپس جاؤ (اور انہیں بتا دو کہ) ہم ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ ان پر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو ذلیل اور رسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے 0 (النمل: ۳۷-۳۵)

ایک دوسرے کو ہدیہ دینے کے جواز اور استحسان کے متعلق احادیث

بلقیس نے کہا میں عنقریب حضرت سلیمان کے پاس ایک ہدیہ بھیجوں گی اور دیکھوں گی ان کی طرف سے کیا جواب آتا ہے' ہوسکتا ہے کہ وہ ہماری طرف سے ہدیہ کو قبول کرلیں اور ہم پر حملہ کرنے سے باز آجائیں' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ہم پر ہر

سال کچھ مال کی ادائیگی بطور خراج مقرر کر دیں اور ہم اس کو مان لیں' اور وہ ہم سے جنگ اور قتال کو چھوڑ دیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے کہا تھا کہ بلقیس نے کہا تھا کہ اگر انہوں نے ہدیہ قبول کر لیا تو پھر وہ بادشاہ ہیں پھر تم ان سے جنگ کرنا اور اگر انہوں نے ہدیہ کو قبول نہیں کیا تو پھر وہ نبی ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت میں ہدیہ کا ذکر ہے' سو ہم اس مقام پر ہدیہ پیش کرنے اور ہدیہ کو قبول کرنے کے متعلق احادیث ذکر کرنا چاہتے ہیں:

عطاء بن ابی مسلم عبداللہ الخراسانی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے سے مصافحہ کرو اس سے کینہ دور ہوگا' ایک دوسرے کو ہدیے دو اس سے ایک دوسرے سے محبت کرو گے اور بغض دور ہوگا۔

(المؤطا حسن الخلق: ۱۶' رقم الحدیث المسلسل: ۱۷۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے کو ہدیہ دو کیونکہ ہدیہ ایک دوسرے کے سینہ سے کینہ کو نکال دیتا ہے اور کوئی عورت اپنی پڑوس کے ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے خواہ وہ بکری کے کھر کا ٹکڑا ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۰' مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۵' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے بکری کے ایک ہاتھ یا اس کے ایک کھر کی دعوت دی جائے تو میں اس کو قبول کرلوں گا اگر اس کا ایک ہاتھ یا کھر مجھے ہدیہ میں دیا جائے تو میں اس کو قبول کرلوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۶۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۲۱۵' عالم الکتب بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی۔ وہ ایک ایسے شہر میں داخل ہوئے جس میں ظالم بادشاہ تھا' اس بادشاہ نے کہا سارہ کو آجر (ہاجر) دے دو' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زہر آلود بکری ہدیہ کی گئی۔ ابوحمید نے کہا ایلہ کے بادشاہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید خچر اور چادر ہدیہ کی' اور آپ نے اس کو اس کے شہر کی حکمرانی پر بحال کر دیا۔ (کیونکہ اس نے جزیہ دینا منظور کر لیا تھا)

(صحیح بخاری باب قبول الہدیۃ من المشرکین)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دبیز ریشم کا جبہ ہدیہ کیا گیا' لوگوں کو اس پر تعجب ہوا' آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے' جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۱۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۳۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۱۸۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دومہ (تبوک کے نزدیک ایک جگہ) کے ایک عیسائی نے آپ کو (مذکور الصدر) ہدیہ کیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۶۹' السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۶۱۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے لیے آپ کو اس دن ہدیہ پیش کرتے تھے جس دن آپ حضرت عائشہ کے گھر ہوتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۵۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے اور اس کے بدلہ میں ہدیہ عطا فرماتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۳)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرچ کرو اور گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ بھی

کو گن گن کر دے گا اور لوگوں کو دینے سے ہاتھ نہ روکو ورنہ اللہ بھی تم سے ہاتھ روک لے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۵۹۱ صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۹ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۴۹۳۱)

حضرت الصعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنگلی گدھا ہدیہ کیا' اس وقت آپ مقام الابواء یا ودان میں تھے۔آپ نے اس کو واپس کر دیا' جب آپ نے اس کے چہرے پر نا گواری کے آثار دیکھے تو آپ نے فرمایا ہم نے اس کو صرف اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم مُحرم ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۸۲۵ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۹۳ سنن الترمذی رقم الحدیث:۸۴۹ سنن النسائی رقم الحدیث:۲۸۱۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۰۹۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اگر کسی عذر کی وجہ سے ہدیہ قبول نہ کرے تو عذر بیان کر دے' نیز اگر کسی مُحرم کو کھلانے کے قصد سے غیر مُحرم شکار کرے تو محرم کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں اور اگر غیر مُحرم نے مطلق شکار کیا ہو تو پھر مُحرم کے لیے اس کو کھانا جائز ہے۔

بلقیس کے بھیجے ہوئے ہدیہ کی تفصیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب وہ (سفیر ہدیہ لے کر) سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کیا تم مال کے ساتھ میری مدد کر رہے ہو!

بلقیس نے حضرت سلیمان کے پاس ہدیہ میں کیا چیزیں بھیجی تھیں اس کے متعلق متعدد روایات ہیں:

حافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ بلقیس نے کہا میں ایک ہدیہ بھیج کر ان کو اپنے ملک سے دور کرتی ہوں سو اس نے سونے کی ایک اینٹ کو ریشم میں لپیٹ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۶۳۲۹)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ اس نے ان کے پاس غلام اور باندیاں روانہ کیں اور غلاموں کو باندیوں کا لباس پہنا دیا اور باندیوں کو غلاموں کا لباس پہنا دیا۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۶۳۳۰)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ اس نے اسی (۸۰) غلام اور باندیاں روانہ کیں' اور سب کے سر مونڈ دیئے اور کہا اگر وہ غلام اور باندیوں کو ایک دوسرے سے متمیز نہیں کر سکے تو وہ نبی نہیں ہیں اور اگر انہوں نے ان کو ایک دوسرے سے متمیز کر لیا تو پھر وہ نبی ہیں' حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو وضو کرنے کا حکم دیا۔غلاموں نے کہنیوں سے ہتھیلیوں تک دھویا اور باندیوں نے ہتھیلیوں سے کہنیوں تک دھویا۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا یہ باندیاں اور وہ غلام ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۶۳۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بلقیس نے ہدیہ روانہ کیا اور کہا اگر انہوں نے اس ہدیہ کو قبول کر لیا تو وہ بادشاہ ہیں میں ان سے جنگ کروں گی اور اگر انہوں نے اس ہدیہ کو مسترد کر دیا تو وہ نبی ہیں میں ان کی پیروی کروں گی۔جب بلقیس کے سفیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے قریب پہنچے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا کہ وہ ان کے محل میں ایک ہزار سونے کی اینٹوں اور ایک ہزار چاندی کی اینٹوں کا فرش بچھا دیں' جب ان کے سفیروں نے سونے اور چاندی کا محل دیکھا تو وہ جو سونے کی ایک اینٹ ریشم میں لپیٹ کر تحفہ میں دینے کے لیے لائے تھے وہ ان کو بہت حقیر لگی اور کہنے لگے اب ہم سونے کی ایک اینٹ کو ہدیہ میں دے کر کیا کریں گے ان کا تو پورا محل ہی سونے اور چاندی کا بنا ہوا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:

حافظ عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے ان روایات کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے بھیجے ہوئے تحائف کی طرف بالکل توجہ نہیں کی اور فرمایا کیا تم مال کے ساتھ میرا مقابلہ کر رہے ہو میں تم کو تمہارے ملک میں شرک کے حال پر نہیں چھوڑوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ملک' مال اور لشکر عطا کیے ہیں وہ تمہارے سونے اور چاندی سے بہت افضل ہیں' اپنے ان تحفوں پر تم ہی خوشی مناؤ میں تم سے اسلام یا تلوار کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کروں گا۔ ان کے پاس واپس جاؤ اور انہیں بتا دو کہ ہم ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ ان پر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو ذلیل اور رسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ جب بلقیس کے سفیر بلقیس کے ہدیے لے کر واپس اس کے ملک پہنچے اور انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا جواب اس کو سنایا تو بلقیس اور اس کی قوم نے سر اطاعت جھکا دیا' اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ اطاعت گزار ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی' جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ بلقیس اپنے لشکر کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے ان کے پاس آ رہی ہے تو وہ اس سے خوش ہوئے اور انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سلیمان نے کہا: اے سردارو! تم میں سے کون ان کے اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے؟ O ایک بہت بڑے جن نے کہا میں آپ کے مجلس برخاست کرنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کر دوں گا' اور میں اس پر ضرور قادر اور امین ہوں O جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کر دوں گا سو جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تا کہ وہ میرا عمل ظاہر کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری' اور جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ ہی کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے پرواہ بزرگ ہے O (النمل: ۴۰-۳۸)

بلقیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں روانہ ہونا

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے پہلے ایک عبارت مقدر ہے' یعنی بلقیس کا سفیر واپس بلقیس کے پاس گیا اور بتایا کہ حضرت سلیمان نے اس پر حملہ کرنے کی قسم کھالی ہے' تب بلقیس نے اطاعت شعاری کی نیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری کی اور اس کو یقین ہو گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور وہ ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ روایت ہے کہ اس نے شہر سے نکلتے وقت اپنے تخت کو محفوظ کر دیا' اس کے ہاں سات کمرے تھے ہر کمرے کے پیچھے ایک کمرہ تھا۔ اس نے ساتویں کمرے میں تخت کو بند کر دیا اور کمرے میں قفل ڈال دیا' بلکہ ساتوں کمروں میں تالے لگائے اور اس کی حفاظت کے لیے چوکیدار مقرر کر دیئے' پھر اپنے خدام اور متبعین کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہی ہوں تا کہ آپ کے احکام کو سمجھوں اور جس دین کی آپ مجھے دعوت دے رہے ہیں اس میں غور کروں۔

تخت بلقیس منگوانے کی وجوہات

عبداللہ بن شداد نے کہا جب بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک سے ایک فرسخ (تین شرعی میل جو ساڑھے چار انگریزی میل کے برابر ہیں) کے فاصلہ پر رہ گئی تو حضرت سلیمان نے اپنے اہل دربار سے کہا: اے سردارو! تم میں سے کون ان کے اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کے پہنچنے سے پہلے جو اس کا تخت منگوانا چاہتے تھے اس سے آپ کا مقصود کیا تھا' اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن زید سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب وغریب اور حیرت انگیز کاموں پر قدرت عطا کی ہے تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ قدرت ان کی نبوت پر دلالت کرے اور یہ جو فرمایا کہ ان کے پہنچنے سے پہلے وہ تخت لایا جائے تا کہ اس سے خلاف عادت کام پر اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ظاہر ہو اور ان کی نبوت پر دلیل قائم ہو اور بلقیس جب یہاں پہنچے تو پہنچتے ہی پہلی ساعت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ پر مطلع ہو جائے۔

امام ابن جریر طبری نے کہا کہ آپ نے تخت اس لیے منگوایا کہ آپ ہدہد کی خبر کے صدق کی آزمائش اور امتحان لیں کیونکہ اس نے کہا تھا کہ اس کا تخت عظیم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے وہ تخت اس لیے منگوایا تھا کہ آپ اس تخت میں کچھ تغیر اور تبدل کر دیں پھر بلقیس کی عقل کا امتحان لیں کہ وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے حربی کے مال پر اس کی رضا کے بغیر قبضہ کرنا چاہا تھا اور آپ یہ اقدام اللہ تعالیٰ کی وحی سے کر رہے تھے اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا' ورنہ شرائع سابقہ میں تو مال غنیمت کو بھی لینا حلال نہ تھا اور یہ تو مال غنیمت بھی نہ تھا' جو بات دل کو زیادہ لگتی ہے وہ یہی ہے کہ آپ بلقیس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنا معجزہ دکھانے کے لیے اور اس میں تغیر اور تبدل کر کے اس کا امتحان لینے کے لیے اس کے پہنچنے سے پہلے اس کا تخت منگوا رہے تھے۔ (روح المعانی جز ١٩ص ٣٠١-٣٠٠' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

عفریت کا معنی

اس آیت میں ہے عفریت من الجن نے کہا' عفریت کا معنی ہے بہت بڑا جن' قوی ہیکل دیو' علامہ راغب اصفہانی نے کہا جنات میں سے عفریت اس کو کہتے ہیں جو موذی اور خبیث ہو' جیسے بہت بدکار اور سازشی انسان کو شیطان کہا جاتا ہے اسی طرح بہت خبیث جن کو عفریت کہا جاتا ہے (المفردات ج ٢ ص ٤٤١) امام ابن جریر نے کہا عفریت کا معنی سرکش اور قوی ہے اور اس جن کا نام کوزن تھا۔ (جامع البیان جز ١٩ص ١٩٧) علامہ آلوسی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس کا نام صخر تھا۔

عفریت من الجن کی پیشکش کہ وہ دربار برخواست ہونے سے پہلے تخت کو حاضر کر دے گا

حافظ ابن کثیر متوفی ٧٧٤ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا اس عفریت من الجن نے کہا میں آپ کی مجلس برخواست کرنے سے پہلے اس تخت کو لا کر حاضر کر دوں گا۔ مجاہد' سدی اور دیگر مفسرین نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرنے اور دیگر کارروائی کے لیے صبح کے اول وقت سے لے کر زوال تک بیٹھتے تھے۔ اس جن نے کہا میں اس تخت کے لانے پر قوی ہوں اور اس میں جو قیمتی ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں ان پر میں امین ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میں اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتا ہوں' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس تخت کو اس لیے منگوانا چاہتے تھے کہ اس سے یہ ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی عظیم سلطنت عطا کی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان لشکروں کو مسخر کر دیا جن کو ان سے پہلے کسی اور کے لیے مسخر نہیں کیا تھا اور نہ ان کے بعد کسی اور کے لیے ایسی سلطنت فرماں روائی ہو گی اور تا کہ آپ کی یہ سلطنت بلقیس کے سامنے آپ کی نبوت پر دلیل اور معجزہ ہو کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے اور بلقیس یمن کے شہر صنعا میں تھی اور ان کے درمیان بہت فاصلہ تھا اور وہ تخت نو کوٹھڑیوں میں سے نویں کوٹھڑی میں تالوں میں بند

تھا اور اس کے گرد محافظ اور چوکیدار مستعد بیٹھے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان کے دربار کی نشست زیادہ سے زیادہ تین چار گھنٹے کی ہو گی اور بیت المقدس سبا کے پایہ تخت مآرب کا فاصلہ پرندہ کی اڑان سے بھی کم از کم ڈیڑھ ہزار میل کا تھا' اتنے فاصلہ سے ایک ملکہ کا عظیم الشان تخت اتنی کم مدت میں اٹھا لانا کسی انسان کا کام نہیں ہو سکتا تھا خواہ وہ عمالقہ میں سے کتنا ہی موٹا تازہ آدمی کیوں نہ ہو' یہ کام تو آج کل کا جٹ طیارہ بھی انجام دینے پر قادر نہیں ہے۔ مسئلہ اتنا ہی نہیں ہے کہ تخت کہیں جنگل میں رکھا ہوا اور اسے اٹھا لایا جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ تخت ایک ملکہ کے محل میں تھا جس پر یقیناً پہرہ دار متعین ہوں گے اور وہ ملکہ کی غیر موجودگی میں ضرور محفوظ جگہ رکھا گیا ہو گا۔ انسان جا کر اٹھا لانا چاہتا تو اس کے ساتھ ایک چھاپہ مار دستہ ہونا چاہیے تھا کہ لڑ بھڑ کر اسے پہرہ داروں سے چھین لائے یہ سب کچھ آخر دربار برخاست ہونے سے پہلے کیسے ہو سکتا تھا اس چیز کا اگر تصور کیا جا سکتا ہے تو ایک حقیقی جن ہی کے بارے میں کیا جا سکتا ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۵۷۶' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور مارچ ۱۹۸۳ء)

حضرت سلیمان کے ولی کا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو حاضر کر دینا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کر دوں گا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

وہ شخص بہر حال جن کی نوع میں سے نہ تھا' اور بعید نہیں کہ وہ کوئی انسان ہی ہو' اس کے پاس کوئی غیر معمولی علم تھا' اور وہ اللہ کی کسی کتاب الکتاب سے ماخوذ تھا۔ جن اپنے وجود کی طاقت سے اس تخت کو چند گھنٹوں میں اٹھا لانے کا دعویٰ کر رہا تھا یہ شخص علم کی طاقت سے اس کو ایک لحظہ میں اٹھا لایا۔

اس دیو ہیکل جن کے دعوے کی طرح اس شخص کا دعویٰ صرف دعویٰ ہی نہ رہا بلکہ فی الواقع جس وقت اس نے دعویٰ کیا اسی وقت ایک ہی لحظہ میں وہ تخت حضرت سلیمان کے سامنے رکھا نظر آیا۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۵۷۷' مطبوعہ لاہور' ۱۹۸۳ء)

جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس کا مصداق کون تھا

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس' یزید بن رومان' حسن بصری اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ شخص آصف بن برخیا بن شمعیا بن منکیل تھا وہ بنی اسرائیل میں سے تھا' مشہور قول کے مطابق وہ حضرت سلیمان کا وزیر تھا۔ مجمع البیان میں مذکور ہے کہ وہ ان کا وزیر تھا اور ان کا بھانجا تھا اور ان کا سچا خیر خواہ تھا اس کو اسم اعظم کا علم تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کا کاتب (سیکریٹری) تھا۔

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۳۰۲' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۷ھ)

اس شخص کے متعلق دیگر اقوال یہ ہیں: علامہ علی بن محمد ماوردی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں۔

(۱) یہ وہ فرشتہ تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے ملک کو طاقت دی۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جو جن اور انس پر مشتمل تھا یہ اس کا کوئی فرد تھا۔

(۳) یہ خود حضرت سلیمان تھے اور انہوں نے عفریت من الجن سے فرمایا تھا۔ میں اس تخت کو تیری پلک جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں۔ (امام رازی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔)

(۴) یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور انسان تھا' اور اس میں پھر پانچ قول ہیں۔ (ا) قتادہ نے کہا اس کا نام ملیخا تھا (ب) مجاہد نے کہا اس کا نام اسطوم تھا (ج) ابن رومان نے کہا وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوست تھا اور اس کا نام آصف بن برخیا تھا (د) زہیر نے کہا اس کا نام ذوالنور تھا وہ مصری تھا (ہ) ابن لھیعہ نے کہا وہ خضر تھے۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۲۱۳' دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ وہ شخص آصف بن برخیا تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب (سیکریٹری) تھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۸۸۵' رقم الحدیث: ۱۶۳۷۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ آصف بن برخیا تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۹۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ' علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' حافظ ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ' علامہ ابراہیم بن عمر البقاعی التوفی ۸۲۵ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی التوفی ۹۵۱ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سلیمان الجمل التوفی ۱۲۰۴ھ' علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۴۱ھ' علامہ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' غیر مقلد مفسر صدیق بن حسن قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ' صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ' شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ' مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ کی بھی یہی تحقیق ہے اور ان حضرات نے اسی کو صحیح قول قرار دیا ہے۔ ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(مدارک التنزیل علی ھامش الخازن ج ۳ ص ۴۱۲' پشاور' البحر المحیط ج ۸ ص ۲۴۰' بیروت' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۰' بیروت' نظم الدرر ج ۵ ص ۴۲۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' جلالین ص ۳۸۰' بیروت' حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۳۹۸' بیروت' روح البیان ج ۶ ص ۴۴۸' بیروت' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۱۵' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۴۹۹' بیروت' فتح القدیر ج ۴ ص ۱۸۴' بیروت' روح المعانی جز ۱۹ ص ۳۰۲' فتح البیان ج ۵ ص ۱۳۷' بیروت' خزائن العرفان علی کنز الایمان ص ۶۰۸' کراچی' تفسیر عثمانی ص ۵۰۶' معارف القرآن ج ۶ ص ۵۸۵' کراچی)

تخت بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر کرنے کی کیفیت

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک نے کہا کہ بلقیس یمن میں تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے اور تفاسیر میں ہے کہ وہ تخت جس جگہ تھا وہ جگہ پھٹ گئی اور تخت وہاں سے نکل کر حضرت سلیمان کے سامنے نکل آیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۹۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ عماد الدین عمر بن اسماعیل بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ آصف بن برخیاء نے حضرت سلیمان سے کہا آپ یمن کی طرف دیکھئے جہاں آپ کا مطلوب عرش ہے پھر اللہ سے دعا کی تو وہ عرش زمین میں گھس کر غائب ہو گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے نکل آیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی التوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس طرح ہماری شریعت میں اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی آنکھ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ اور پیر ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کی صفات کا مظہر ہو کر تصرف کرتا ہے اس طرح آصف بن برخیا نے بھی اس تخت پر تصرف کیا۔

(نظم الدرر ج ۵ ص ۴۲۷-۴۲۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب نے کہا اپنی نظر اٹھائیے انہوں نے نظر اٹھائی پھر نظر لوٹائی تو تخت سامنے موجود تھا۔ (الدرالمنثور ج ۶ ص ۳۱۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ السید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شیخ اکبر قدس سرہ نے کہا ہے کہ آصف نے عین عرش میں تصرف کیا تھا اس نے اس جگہ اس عرش کو معدوم کر دیا اور حضرت سلیمان کے سامنے موجود کر دیا کیونکہ مرد کامل کا قول اللہ تعالیٰ کے لفظ "کُن" کی طرح ہوتا ہے۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۳۰۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت "کُن" کے مظاہر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت "کُن" کا مظہر بنایا۔ آپ نے کئی چیزوں کے متعلق فرمایا "ہو" سو وہ ہو گئیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ ایک سفید ہیئت والا شخص ریگستان سے آ رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کن اباخیثمہ "تو ابوخیثمہ ہو جا" تو وہ ابوخیثمہ ہو گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۹ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۴۱۹ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۳ دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۲۳-۲۲۶)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

حق کے مشابہ یہ ہے کہ "کُن" یہاں پر تحقیق اور وجود کے لیے ہے یعنی تو تحقیقی طور پر ابوخیثمہ ہو جا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۲۷۸ مطبوعہ دارالوفاء ۱۴۱۹ھ)

علامہ نووی نے لکھا ہے تو جو کوئی بھی ہے حقیقتاً ابوخیثمہ ہو جا۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۱ ص ۶۹۱۰ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

اسی طرح امام حاکم نیشاپوری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق فرمایا کن اباذر "تو ابوذر ہو جا" سو وہ شخص ابوذر ہو گیا۔

(المستدرک ج ۳ ص ۵۱-۵۰ قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۴۳۷۳ جدید کنز العمال ج ۱۱ ص ۶۶۸ دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۲۲ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آ کر بیٹھتا تھا اور جب آپ بات کرتے تو وہ آپ کو چڑانے کے لیے اپنا منہ بگاڑ لیتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کن کذلک "تم اسی طرح ہو جاؤ" پھر ہمیشہ اس کا منہ بگڑا رہا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔

(دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۳۹' المستدرک ج ۲ ص ۲۶۱' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۲۴۱ جدید' الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۷۲-۱۷۱' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۶۸' طبع جدید)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے' آپ باہر نکلے تو ہم آپ کے ساتھ چلنے لگے آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے کوئی شخص بازار میں تلقین نہ کرے اور مہاجر دیہاتی سے بیع نہ کرے اور جو شخص ایسی گائے یا اونٹنی خریدے جس کے تھن باندھ کر اس کا دودھ روکا ہوا تھا اس کو اختیار ہے وہ چاہے تو اس کو واپس کر دے اور جتنا دودھ پیا ہے اس کا دگنا گندم بھی ساتھ دے۔ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ کی نقل اتار رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذلک فکن ''تو اسی طرح ہو جا'' وہ شخص بے ہوش کر گر گیا اس شخص کو اس کے گھر اٹھا کر لے جایا گیا۔ وہ دو ماہ بے ہوش رہا اس کو جب بھی ہوش آتا تو اس کا منہ اسی طرح بگڑا ہوا ہوتا جس طرح نقل کے وقت تھا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۴۰-۲۳۹)

ولی اور اس کی کرامت کی تعریفیں اور کرامت کے وقوع پر دلائل

اس آیت کے سیاق میں یہ بات آ گئی ہے کہ آصف بن برخیا اللہ تعالیٰ کے ولی تھے' اور انہوں نے تخت بلقیس کو مسافت بعیدہ سے پلک جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔ اس آیت سے ہمارے علماء نے کرامت کو ثابت کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اولیاء اللہ سے کرامت ثابت ہوتی ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں' ولی اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا حسب امکان عارف ہو' اور اللہ تعالیٰ کی دائماً عبادت کرتا ہو اور ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور لذات اور شہوات میں انہماک اور استغراق سے اعراض کرتا ہو اور کرامت کی یہ تعریف ہے کہ ولی سے کوئی ایسا کام صادر ہو جو خرق عادت (خلاف معمول) ہو اور اس کے ساتھ دعویٰ نبوت مقارن اور متصل نہ ہو' پس جو خرق عادت اس شخص سے صادر ہو جو مومن اور صالح نہ ہو اس کو استدراج کہتے ہیں اور جو خرق عادت مومن اور صالح سے صادر ہو اور اس کے ساتھ دعویٰ نبوت بھی مقارن اور متصل ہو اس کو معجزہ کہتے ہیں' اور کرامت کے حق ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اس قسم کے خرق عادت افعال صحابہ کرام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں خصوصاً ان میں خرق عادت کی قدر مشترک تواتر سے ثابت ہے اگرچہ الگ الگ وہ افعال خبر واحد سے ثابت ہیں' نیز قرآن مجید میں ذکر ہے کہ حضرت مریم کے پاس بے موسمی پھل آتے تھے' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب نے تخت بلقیس کو لا کر حاضر کیا۔

نیز لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب آصف بن برخیاء نے مسافت بعیدہ سے پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس لا کر حاضر کر دیا اور حضرت مریم کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۗ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ (آل عمران: ۳۷)

جب بھی زکریا ان کے حجرے میں جاتے تو ان کے پاس (بے موسمی) رزق پاتے' وہ پوچھتے اے مریم! تمہارے پاس یہ (بے موسمی) رزق کہاں سے آیا تو وہ کہتیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے۔

اسی طرح بہ کثرت اولیاء سے پانی پر چلنا منقول ہے اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور لقمان سرخسی سے ہوا میں اڑنا منقول ہے اور حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما نے پتھر کی تسبیح کو سنا' اور اصحاب کہف کے کتے نے اصحاب کہف سے کلام کیا' اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص گائے کو لے جا رہا تھا پھر وہ اس پر سوار ہو گیا تو گائے نے

اس کی طرف مڑ کر دیکھ کر کہا میں اس کے لیے نہیں پیدا کی گئی میں تو کھیت میں ہل چلانے کے لیے پیدا کی گئی ہوں' لوگوں نے کہا سبحان اللہ گائے نے کلام کیا! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس پر ایمان لایا' اسی طرح روایت ہے کہ حضرت عمر نے مدینہ میں منبر پر کہا اور ان کا لشکر اس وقت نہاوند (ایران میں ہمدان اور کرمان کے درمیان ایک مشہور شہر) میں تھا۔ انہوں نے لشکر کے امیر سے کہا اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا' پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا' کیونکہ جس جگہ وہ تھے وہاں دشمن کا خطرہ تھا اور اتنی دور سے حضرت ساریہ کا یہ کلام سننا ان کی کرامت ہے' اسی طرح حضرت خالد بن ولید نے زہر پی لیا اور ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا' اور حضرت عمر کے خط ڈالنے سے دریائے نیل جاری ہو گیا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۰۶-۱۰۵' مطبوعہ کراچی)

علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد ج ۵ ص ۹۷-۷۲' میں ولی کی تعریف' کرامت' اس کے وقوع پر دلائل اور مخالفین کے شبہات کے جوابات میں زیادہ بحث کی ہے۔ طوالت کی وجہ سے ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا' جو اس کو پڑھنا چاہے وہاں پڑھ لے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سلیمان نے حکم دیا کہ اس تخت میں کچھ تغیر کر دو تا کہ ہم آزمائیں کہ آیا وہ اس کو پہچاننے کی راہ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو راہ نہیں پاتے ○ جب بلقیس آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا اس کا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا گویا کہ یہ وہی ہے' اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم اطاعت گزار ہو چکے تھے ○ اور اس کو (اطاعت سے) اس چیز نے روکا تھا جس کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی' بے شک وہ کافروں میں سے تھی ○ اس سے کہا گیا اس محل میں داخل ہو جا' سو جب اس نے اس (شیشے کے فرش) کو دیکھا تو اس نے اس کو گہرا پانی گمان کیا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا۔ سلیمان نے کہا بے شک یہ شیشے سے بنا ہوا چکنا محل ہے' بلقیس نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا' میں سلیمان کے ساتھ اللہ پر ایمان لے آئی جو رب العلمین ہے ○ (النمل ۴۴-۴۱)

بلقیس کے ایمان لانے کی تفصیل

مفسرین نے لکھا ہے کہ جنات کو یہ معلوم تھا کہ بلقیس کی ماں جنیہ تھی اس لیے وہ جنات کے راز ہائے دروں سے واقف ہے ان کو خدشہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو پسند کر لیا اور اس کے ساتھ نکاح کر لیا تو وہ ان کے تمام راز حضرت سلیمان کو بتادے گی اس لیے انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلقیس سے متنفر کرنے کے لیے کہا تھا اس کی عقل بہت کم ہے۔ سو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی آزمائش کے لیے حکم دیا کہ اس تخت میں کچھ ردوبدل کر دو تا کہ اس کی عقل کا امتحان ہو وہ اپنے تخت کو پہچان پاتی ہے یا نہیں۔

بلقیس نے اس تخت کو دیکھ کر پہچان لیا اور کہا گویا کہ یہ وہی ہے' اور گویا کہ اس لیے کہا کہ اس میں کچھ ردوبدل ہو چکا تھا اور وہ سمجھ گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل کا امتحان لینے کے لیے اور اپنی نبوت پر معجزہ پیش کرنے کے لیے میرے پہنچنے سے پہلے اس تخت کو یہاں منگوا لیا ہے اور ہم تو یہاں پہنچنے سے پہلے ہی ان کی نبوت کا اعتراف کر کے اطاعت پذیر ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اس کی سورج پرستی نے باز رکھا تھا' کیونکہ انسان جب کسی کام میں مشغول ہوتا ہے تو وہ کام اس کو اپنی ضد سے باز رکھتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کی محبت تم کو (اس کے ماسوا سے) اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۰)

بلقیس جب اس محل کے قریب پہنچی تو اس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ (الصرح کا معنی ہے بلند عمارت اور خالص چیز) بلقیس نے دیکھا کہ اس محل میں سورج چمک رہا ہے اور اس میں مچھلیاں تیر رہی ہیں تو اس نے سمجھا کہ محل کے صحن میں پانی بھرا ہوا ہے تو اس نے اپنے پائینچے پنڈلیوں سے اوپر اٹھا لیے تا کہ اس کا لباس بھیگ نہ جائے۔ حضرت سلیمان نے فرمایا بے شک یہ شیشے سے بنا ہوا چکنا محل ہے یعنی جس کو وہ پانی گمان کر رہی ہے وہ شیشے کا فرش ہے اس کے نیچے پانی بھرا ہوا ہے جو شیشے میں سے نظر آ رہا ہے اس لیے تم کو اس سے بچنے کے لیے پائینچے اوپر اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ **ممرد** کا مادہ مرد ہے اس کا معنی ہے چکنا' جس لڑکے کی داڑھی نہ آئی ہو اس کو امرد کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی چکنا ہوتا ہے' جس درخت کے پتے نہ ہوں تو اس کو شجرۃ مرداء کہتے ہیں اور **من قواریر** کا معنی ہے شیشوں سے اور **صرح ممرد من قواریر** کا معنی ہے یہ چکنا محل ہے جو شیشوں سے بنا ہوا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعدد معجزات دیکھ کر بلقیس ان کی نبوت پر ایمان لے آئی' اور ان کا جو پیغام تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو' اس کو مان لیا اور اس کو اپنی سابقہ زندگی پر تاسف اور ملال ہوا کہ اس نے سورج کی پرستش کرنے میں اپنی عمر ضائع کی اس لیے اس نے کہا کہ بے شک میں نے سورج کی پرستش کر کے اپنی عمر ضائع کی اور اب میں حضرت سلیمان کے ساتھ اللہ پر ایمان لے آئی ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے' گویا اب بلقیس پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی تھی کہ اب تک وہ سورج کی پرستش کرتی رہی تھی اور سورج تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے جو واحد لاشریک ہے۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے خود نکاح کر لیا تھا' یا اس کا نکاح کسی اور سے کر دیا تھا۔

بلقیس کے نکاح کے بیان

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عون بن عبداللہ بن عتبہ نے اپنے والد سے سوال کیا' آیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا سے نکاح کر لیا تھا؟ یا نہیں' انہوں نے کہا مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ اس نے کہا میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العلمین پر ایمان لائی ہوں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۴۴۹' ج ۹ ص ۲۸۹۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ جب بلقیس ایمان لے آئی تو حضرت سلیمان نے فرمایا تم اپنی قوم میں سے کسی مرد کو پسند کر لو میں اس کے ساتھ تمہارا نکاح کر دوں۔ اس نے کہا میری قوم میں تو سب میرے ماتحت اور غلام ہیں میں ان کی ملکہ رہ چکی ہوں' میں ان کے ساتھ کیسے شادی کر سکتی ہوں! حضرت سلیمان نے فرمایا اسلام میں نکاح کرنا ضروری ہے تم اسلام کے حلال کو حرام نہیں کر سکتیں۔ اس نے کہا اگر یہ ضروری ہے تو ہمدان کے بادشاہ ذوتبع سے میرا نکاح کر دیں۔ حضرت سلیمان نے اس کا ذوتبع سے نکاح کر کے اس کو یمن واپس بھیج دیا اور ذوتبع یمن پر مسلط ہو گیا' جب تک حضرت سلیمان علیہ السلام اس دنیا میں زندہ رہے ذوتبع کے ملک کی جنات حفاظت کرتے رہے' ان کے بعد بلقیس اور ذوتبع کی حکومت بھی ختم ہوگئی۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ

اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قبیلہ صالح کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو

فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ

تو وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے ○ صالح نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم بھلائی کی طلب سے

بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ج لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

پہلے برائی کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو؟ تم اللہ سے گناہوں کی بخشش کیوں طلب نہیں کرتے تاکہ تم

تُرْحَمُونَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَن مَّعَكَ ط قَالَ

پر رحم کیا جائے ○ انہوں نے کہا ہم آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بدشگون (منحوس) خیال کرتے ہیں، صالح نے کہا

طَائِرُكُمْ عِندَ اللَّهِ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ

تمہاری بدشگونی (نحوست) اللہ کے ہاں ہے بلکہ تم فتنہ میں مبتلا ہو ○ اور (ثمود کے) شہر میں

تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۴۸﴾ قَالُوا

نو شخص تھے جو زمین میں فساد پھیلا رہے تھے، اور اصلاح نہیں کرتے تھے ○ انہوں نے کہا سب آپس میں قسمیں

تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا

کھا کر اللہ سے یہ عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو صالح اور ان کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے، پھر ان کے وارث سے ہم یہ

مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا

کہیں گے کہ ہم ان کے گھر والوں کے قتل کے موقع پر حاضر ہی نہ تھے اور بے شک ہم سچے ہیں ○ اور انہوں نے خفیہ سازش کی اور ہم

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۰﴾ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ لا أَنَّا

نے خفیہ تدبیر کی اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوا ○ سو آپ دیکھیے کہ ان کی سازش کا کیسا انجام ہوا، ہم نے ان کو اور ان کی

دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا

ساری قوم کو ہلاک کر دیا ○ پس یہ ہیں ان کے گھر جو ان کے ظلم کرنے

ظَلَمُوا ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۵۲﴾ وَأَنجَيْنَا

کی وجہ سے گرے پڑے ہیں، بے شک اس (واقعہ) میں اہل علم کے لیے ضرور نشانی ہے ○ اور ہم نے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٣﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ

ایمان والوں اور متقی لوگوں کو نجات دے دی O اور لوط (کو یاد کیجئے جب انہوں) نے اپنی قوم سے کہا

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ

کیا تم دیکھنے کے باوجود بے حیائی کرتے ہو! O کیا تم نفسانی خواہش پوری کرنے

الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

کے لیے ضرور عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو بلکہ تم

تَجْهَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ

جاہل لوگ ہو O سو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا: انہوں نے کہا آل لوط کو

لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ

شہر بدر کر دو' یہ بہت پاکباز بن رہے ہیں O سو ہم نے لوط کی بیوی کے سوا ان کو اور ان کے گھر

اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

والوں کو نجات دے دی ہم نے اس کو ان (لوگوں) میں مقدر کر دیا تھا جو عذاب میں رہ جانے والے تھے O اور

مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٥٨﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى ع ۴ ۱۹

ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی تو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا ان پر وہ کیسی بری بارش تھی O آپ کہیے کہ سب تعریفیں اللہ ہی

عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ ءٰٓاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾

کے لیے ہیں' اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو' کیا اللہ اچھا ہے یا وہ (بت) جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں! O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے O صالح نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم بھلائی سے پہلے برائی کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو! تم اللہ سے گناہوں کی بخشش کیوں طلب نہیں کرتے! تا کہ تم پر رحم کیا جائے O انہوں نے کہا ہم آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بدشگون (منحوس) خیال کرتے ہیں' صالح نے کہا تمہاری بدشگونی (نحوست) اللہ کے ہاں ہے' بلکہ تم فتنہ میں مبتلا ہو O اور (ثمود کے) شہر میں نو شخص تھے جو فساد پھیلا رہے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے O (النمل: ۴۸-۴۵)

اس سورت میں حضرت صالح علیہ السلام کا تیسرا قصہ

الاعراف: ۸۳-۸۰ اور ھود: ۶۸-۶۱ میں حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے' تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۱۳ میں ہم نے اس قصہ پر ان عنوانات کے تحت روشنی ڈالی ہے' قوم ثمود کی اجمالی تاریخ' حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اور قوم ثمود کی طرف ان کی بعثت' قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کرنا اور معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لانا' اور ان پر عذاب کا نازل ہونا' قوم ثمود کی سرکشی اور ان پر عذاب نازل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات' اونٹنی کا قاتل ایک شخص تھا یا پوری قوم ثمود' اونٹنی کے معجزہ ہونے کی وجوہات' قوم ثمود کے عذاب کی مختلف تعبیریں اور ان میں وجہ تطبیق' قوم ثمود کے متعلق احادیث اور آثار۔

حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا تعارف

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کا نام ثمود ہے۔ قوم عاد کی ہلاکت کے وقت جو ایمان والے حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ عذاب سے بچ گئے تھے یہ قوم ان ہی کی نسل سے ہے اس کو عاد ثانیہ بھی کہا جاتا ہے۔

یہ قوم مقام الحجر میں رہتی تھی حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے وہ سب الحجر ہے' آج کل یہ جگہ فج الناقہ کے نام سے مشہور ہے۔

النمل: ۴۵ میں فرمایا ہے دو فریق جھگڑنے لگے' مجاہد نے کہا ان میں سے ایک فریق مومن تھا اور دوسرا فریق کافر تھا۔

ان کے جھگڑے کا ذکر اس آیت میں ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○

(الاعراف: ۷۶-۷۵)

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے ان کمزور لوگوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے' کیا تمہیں اس پر یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے مبعوث کیے گئے ہیں' انہوں نے کہا وہ جس پیغام کے ساتھ بھیجے گئے ہیں ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں○ متکبرین نے کہا تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: تم بھلائی سے پہلے برائی کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو! (النمل: ۴۶)

یعنی رحمت سے پہلے عذاب کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو! اللہ پر ایمان لانا باعث ثواب ہے تم اس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا کفر اور انکار کر رہے ہو جو باعث عذاب ہے۔ اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ متکبر کافروں نے ہٹ دھرمی اور عناد سے کہا تم ہمیں کفر پر جس عذاب سے ڈراتے ہو وہ عذاب لا کر دکھاؤ' اس پر حضرت صالح نے ان سے کہا تم اللہ کی رحمت اور اس کے عفو کے بجائے اس کے عذاب کو کیوں جلد طلب کر رہے ہو!

نحوست اور بدشگونی کی تحقیق

کافروں نے کہا ہم آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بدشگون (منحوس) خیال کرتے ہیں۔ (النمل: ۴۷)
بدشگونی سے مراد نحوست ہے۔ کسی انسان کی عقل کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ کسی چیز سے بدشگونی لے اور اس کو منحوس سمجھے۔ بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ گائے کا ڈکرانا اور کوے کا کائیں کائیں کرنا نحوست ہے اور بعض الو کو منحوس کہتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ عرب بھی بدشگونی کے قائل تھے وہ کوئی کام کرنے سے پہلے پرندے کو اڑاتے اگر وہ ان کی دائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس کام کو مبارک سمجھتے اور اگر وہ پرندہ ان کی بائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس کام کو منحوس یعنی نامبارک اور بے برکت سمجھتے۔

قطن بن قبیصہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمل (لکیریں کھینچ کر غیب کا حال معلوم کرنا) اور بدشگونی لینا اور فال نکالنے کے لیے پرندے کو اڑانا شیطانی اعمال سے ہیں۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۹۰۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا بدشگونی لینا شرک ہے اور ہم میں سے اکثر لوگ اس میں مبتلا ہیں سو ان کے جن کو اللہ محفوظ رکھے لیکن بدشگونی لینا توکل کو ختم کر دیتا ہے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۵۳۸)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے تھے' جب آپ کسی شخص کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے اگر اس کا نام آپ کو اچھا لگتا تو آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوتے اور اگر آپ کو اس کا نام پسند نہ آتا تو آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوتے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۹۲۰)

حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں رہنے دو۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۰۱۹، دار الحدیث قاہرہ' المستدرک ج ۴ ص ۲۳۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۴۷) یعنی پرندوں کو اڑا کر ان سے شگون نہ لو طیر کا معنی ہے اڑنا' اور چونکہ پرندوں کو اڑا کر لوگ شگون لیتے تھے اس لیے بدشگونی کو تطیر کہتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: صالح نے کہا تمہاری بدشگونی (نحوست) اللہ کے ہاں ہے۔

حضرت صالح کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس شر اور مصیبت کو تم نحوست قرار دے رہے ہو وہ تمہاری تقدیر میں پہلے سے لکھی ہوئی ہے اور تمہاری تقدیر میں وہ مصیبت تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے لکھی گئی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ تم جس چیز کو بدشگونی اور مصیبت کہہ رہے ہو وہ تمہاری اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔

اونٹنی کو قتل کرنے والے نو آدمیوں کے نام

اس کے بعد فرمایا: اور (ثمود کے) شہر میں نو شخص تھے جو فساد پھیلا رہے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ (النمل: ۴۸)

حضرت صالح علیہ السلام کے شہر سے مراد حجر ہے۔ مدینہ اور شام کے درمیان جو بستیاں اور قصبات ہیں ان کو حجر کہتے ہیں یہ جگہ قوم ثمود کا وطن تھی' یہ لوگ پہاڑوں کو اندر سے کھود کھود کر اپنے گھر بناتے تھے ان کو اثالث کہا جاتا ہے' ان ہی پہاڑوں میں پانی کا وہ چشمہ بھی تھا جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی' نیز حطیم کو بھی حجر کہا جاتا ہے۔ حطیم اس جگہ کو کہتے ہیں جس کو حضرت ابراہیم نے تو کعبہ میں شامل کیا تھا لیکن قریش نے چھوڑ دیا۔

یہ نو شخص وہ تھے جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں۔ ایڑی کے اوپر جو پاؤں کے پیچھے

ہوتے ہیں ان کو کونچیں کہتے ہیں ان نو شخصوں کے ناموں کا ذکر اس روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ان کے نام یہ تھے رعمی' رعیم' ہریم' دوار' صواب' ریاب' مسطع' مصداع اور ان کا سردار قدار بن سالف تھا اس نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۶۴۶۶ ج ۹ ص ۲۹۰۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا سب آپس میں قسمیں کھا کر اللہ سے یہ عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو صالح اور ان کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے پھر ان کے وارث سے ہم یہ کہیں گے کہ ہم ان کے گھر والوں کے قتل کے موقع پر حاضر ہی نہ تھے اور بے شک ہم سچے ہیں O اور انہوں نے خفیہ سازش کی اور ہم نے خفیہ تدبیر کی اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوا O (النمل: ۵۰-۴۹)

حضرت صالح کے مخالفین کی سازش کو اللہ تعالیٰ کا ناکام بنانا

اس اونٹنی کی کونچیں کاٹنے اور ان پر عذاب کی تفصیل امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے:

امام محمد بن اسحاق نے کہا کہ ان نو آدمیوں نے مل کر اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں پھر انہوں نے کہا چلو مل کر صالح کو قتل کر دیں' اگر وہ سچے ہیں تو ان کے عذاب آنے سے پہلے ہم ان کو ہلاک کر چکے ہوں گے اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم ان کو ان کی اونٹنی کی طرح ان کے انجام تک پہنچا دیں گے۔ وہ شب خون مارنے کے لیے رات کو حضرت صالح کے گھر پہنچے' فرشتوں نے پتھر مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا' جب وہ وقت مقرر پر اپنے ساتھیوں کے پاس نہیں پہنچے تو ان کے ساتھی ان کو تلاش کرتے ہوئے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر گئے' وہاں دیکھا کہ وہ خون میں لت پت پڑے تھے اور پتھروں سے ان کو کچل دیا گیا تھا۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے پوچھا کیا آپ نے ان کو قتل کیا ہے اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا' تو حضرت صالح کے قبیلہ کے لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہتھیار نکال لیے اور کہا تم ان کو قتل نہیں کر سکتے' انہوں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تم پر تین دن میں عذاب آئے گا' اگر یہ سچے ہیں تو تم اپنے رب کو زیادہ غضب میں نہ لاؤ' اور اگر یہ (بالفرض) جھوٹے ہیں تو پھر تم تین دن کے بعد جو چاہے کر لینا اور پھر ان نو آدمیوں کے حمایتی واپس چلے گئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۶۴۶۸' ج ۹ ص ۲۹۰۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ دیکھیے کہ ان کی سازش کا کیا انجام ہوا' ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر دیا O پس یہ ہیں ان کے گھر جو ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے گرے پڑے ہیں بے شک اس واقعے میں اہل علم کے لیے ضرور نشانی ہے O اور ہم نے ایمان والوں کو اور متقی لوگوں کو نجات دے دی O (النمل: ۵۳-۵۱)

قوم ثمود کے ہلاک ہونے کی کیفیت

النمل: ۵۱ میں قوم ثمود کی ہلاکت کا بیان فرمایا ہے' مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت جبریل نے ایک زبردست چیخ ماری تھی جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ نو افراد فرشتوں کے پتھر مارنے سے ہلاک ہوئے تھے اور باقی کفار کو حضرت جبریل کی چیخ سے یا زلزلہ سے ہلاک کر دیا۔

النمل: ۵۲ میں فرمایا: پس یہ ہیں ان کے گھر جو ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے گرے پڑے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے: بیوت خاویہ ان کے گھر جو گرے ہوئے ہیں علامہ راغب اصفہانی خاویہ کا معنی لکھتے ہیں:

خاویہ خوی سے بنا ہے اس کا معنی ہے خالی ہونا اور کھوکھلا ہونا۔ عرب کہتے ہیں **خوی بطنه من الطعام** اس کا پیٹ کھانے سے خالی ہے' اور جب کوئی گھر خالی ہو تو کہا جاتا ہے **خوی الدار**' قوم ثمود کے مکان بھی اجڑے پڑے تھے' مکینوں سے خالی تھے اس لیے فرمایا **تلک بیوتھم خاویة**. (المفردات ج ۱ ص ۲۱۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

بعض عارفین نے کہا ہے کہ اس آیت میں بیوت سے مراد قوم ثمود کے قلوب ہیں یعنی ان کے دل اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی یاد سے خالی تھے' جس طرح گھر لوگوں کے رہنے سے آباد ہوتے ہیں اور لوگوں کے نہ رہنے سے ویران ہو جاتے ہیں' اس طرح دل بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے آباد ہوتے ہیں اور جب دلوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی معرفت نہ ہو تو وہ ویران ہو جاتے ہیں۔

حضرت صالح اور ان کے متبعین کا الحجر سے نکل جانا

النمل: ۵۳ میں فرمایا' اور ہم نے ایمان والوں کو اور متقی لوگوں کو نجات دے دی۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام پر چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے' اور باقی لوگ عذاب سے ہلاک ہو گئے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا تم پر تین دن بعد عذاب آئے گا' پہلے دن ان کے بدنوں پر چنے کے برابر سرخ دانے نکل آئے۔ دوسرے دن ان کا رنگ پیلا ہو گیا اور تیسرے دن ان کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ انہوں نے بدھ کے دن اونٹنی کو ذبح کیا تھا اور تین دن بعد اتوار کو حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ سے وہ ہلاک ہو گئے۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنے متبعین کے ساتھ حضرموت کی طرف نکل گئے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام جیسے اس شہر میں داخل ہوئے اسی وقت ان پر موت آ گئی اس لیے اس شہر کا نام حضرموت پڑ گیا۔ حضرموت کا معنی ہے حاضر ہوا اور مر گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرموت قحطان کے ایک بیٹے کا نام ہے جو اس علاقہ میں آباد ہو گیا تھا۔ یہ یمن سے مشرق کی طرف ایک وسیع علاقہ ہے جس میں بیسیوں بستیاں اور شہر ہیں' شہروں میں مشہور تریم اور شام ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی علاقہ میں مدفون ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ومعجم البلدان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور لوط (کو یاد کیجیے جب انہوں) نے اپنی قوم سے کہا کیا تم دیکھنے کے باوجود بے حیائی کرتے ہو!○ کیا تم نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے ضرور عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو بلکہ تم جاہل لوگ ہو!○ سو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا: انہوں نے کہا آل لوط کو شہر بدر کر دو' یہ بہت پاکباز بن رہے ہیں○ سو ہم نے لوط کی بیوی کے سوا ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی' ہم نے اس کو ان (لوگوں) میں مقدر کر دیا تھا جو عذاب میں رہ جانے والے تھے○ اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی تو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا ان پر وہ کیسی بری بارش تھی○ (النمل: ۵۸-۵۴)

اس سورت میں حضرت لوط علیہ السلام کا چوتھا قصہ

الاعراف: ۸۴-۸۰' اور ہود: ۸۲-۷۷ میں حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے گزر چکا ہے' ہم نے تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۱۹-۲۱۴' میں ان عنوانات کے تحت روشنی ڈالی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا شجرہ نسب' حضرت لوط علیہ السلام کا مقام بعثت' حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں فرشتوں کا حسین اور نوخیز لڑکوں کی شکل میں مہمان ہونا' قوم لوط میں ہم جنس پرستی کی ابتداء' حضرت لوط کی بیوی کی خیانت اور قوم لوط کی بری عادتیں' عمل قوم لوط کی عقلی قباحتیں' قرآن مجید میں عمل قوم لوط کی مذمت' احادیث میں عمل قوم لوط کی مذمت اور سزا کا بیان' عمل قوم لوط کی سزا میں مذاہب فقہاء' قوم لوط پر عذاب کی کیفیت۔

قوم لوط کو بے حیائی کے کاموں پر بصیرت رکھنے والا بھی فرمایا اور جاہل بھی اس کی توجیہ

النمل: ۵۴ میں فرمایا: اور لوط (کو یاد کیجیے جب انہوں) نے اپنی قوم سے کہا کیا تم دیکھنے کے باوجود بے حیائی کرتے ہو!

اس آیت میں دیکھنے کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ تم ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے یہ بے حیائی کے کام کرتے ہو جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَ تَأْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ (العنکبوت:۲۹) کیا تم مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو اور (ڈاکہ ڈال کر لوگوں کے) راستے بند کرتے ہو اور اپنی عام مجلسوں میں بے حیائی اور بدفعلی کرتے ہو؟

وہ اس شرمناک کام کو لوگوں سے چھپ کر نہیں کرتے تھے' بلکہ برسر مجلس اس بے حیائی کے کام کو کرتے تھے۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم کو یہ بصیرت ہے اور تم کو اس کا علم ہے کہ یہ ایسی بے حیائی کا کام ہے کہ تم سے پہلے اس کو کسی نے نہیں کیا' اور اللہ تعالیٰ نے مردوں کو مردوں سے لذت کے حصول کے لیے نہیں پیدا کیا بلکہ مردوں کی شہوت برآری کے لیے عورتوں کو پیدا کیا ہے۔ اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ تم سے پہلے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی تم ان کے عذاب کے آثار دیکھ چکے ہو جیسے قوم ثمود اور قوم عاد پر عذاب کے آثار ہیں۔

اس کے بعد فرمایا بلکہ تم جاہل لوگ ہو'اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت کے پہلے حصہ میں یہ فرمایا ہے کہ تم دیکھتے ہو یعنی تم کو بصیرت ہے اور اس کا معنی ہے تم علم والے ہو اور دوسرے حصہ میں فرمایا تم جاہل ہو' تو وہ عالم بھی ہوں اور جاہل بھی ہوں' یہ کیسے ہو سکتا ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو یہ علم تھا کہ یہ بے حیائی کا کام ہے اس کے باوجود وہ علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے تھے اور جاہلوں کی طرح بے حیائی کے کام کرتے تھے! دوسرا جواب یہ ہے کہ تم اس برے کام کی سزا اور آخرت میں اس پر مرتب ہونے والے عذاب سے جاہل ہو اگرچہ تم کو اس کام کی برائی کا علم ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جہالت سے مراد یہ ہے کہ تم جاہلوں کی سی ضد اور ہٹ دھرمی کر رہے ہو' خلاصہ یہ ہے کہ ہرچند کہ تم کو اس کام کی برائی کا علم ہے لیکن علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے یا تو اس کام کے انجام سے جاہل ہو' یا علم کے باوجود جاہلوں کی طرح ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہو۔

النمل: ۵۵ میں فرمایا: سو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا: انہوں نے کہا آل لوط کو شہر بدر کر دو' یہ بہت پاکباز بن رہے ہیں! بہت پاکباز بن رہے ہیں کا معنی یہ ہے کہ ان کو منع کرنے والے' مردوں سے ہم جنس پرستی سے احتراز کر رہے ہیں' گویا انہوں نے نیک لوگوں کی اس بات پر مذمت کی۔

قوم لوط پر زمین کو پلٹ دینا

اس کے بعد فرمایا سو ہم نے لوط کی بیوی کے سوا ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی۔ (النمل: ۵۸-۵۷)

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ کے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئے تو وہ یہ سمجھے کہ یہ ان کے مہمان ہیں وہ فرشتے بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے۔ انہوں نے اپنے اور اپنی بیٹیوں کے درمیان ان لڑکوں کو بٹھا دیا' قوم کو پتہ چلا کہ حضرت لوط کے پاس بے ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔ حضرت لوط نے فرمایا تم میری (قوم کی) بیٹیوں سے نکاح کر لو یہ تمہارے لیے پاکیزہ ہیں۔ ان کی قوم نے کہا تم کو معلوم ہے ہماری خواہش کیا ہے' تب حضرت لوط علیہ السلام نے کہا کاش میرے پاس کوئی مضبوط جتھا ہوتا جو مجھے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لیتا۔ تب حضرت جبریل نے مڑ کر حضرت لوط سے کہا آپ پریشان نہ ہوں ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ ہم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے' جب وہ لوگ بہ زور گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ پھر وہ ایک دوسرے پر گرتے ہوئے واپس بھاگے اور کہنے لگے ہم بہت بڑے جادوگر کے پاس سے آ رہے ہیں ہماری بینائی جاتی رہی آدھی رات کے وقت شہر لوٹے اور اسی وقت اس زمین کو اوپر اٹھا لیا گیا اور ان پر آسمان سے لگاتار پتھر برسائے گئے

زمین کو بلندی سے پلٹ کو اوندھا کر دیا گیا۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۴۹۳-۱۶۴۹۲' ج ۹ ص ۲۹۰۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

فعل قوم لوط کی سزا اور اس کی دینی اور دنیاوی خرابیاں

قوم لوط کو پتھر مار مار کر ہلاک کیا گیا اس بنا پر امام مالک فرماتے ہیں کہ جو لوگ یہ فعل کریں ان کی حد یہ ہے کہ ان کو رجم کر دیا جائے۔ امام احمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی حد زنا کی طرح ہے اگر شادی شدہ یہ فعل کریں تو ان کو رجم کر دیا جائے اور اگر غیر شادی شدہ یہ فعل کریں تو ان کو سو کوڑے مارے جائیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے بھی اس کی حد کو زنا کی حد کے ساتھ لاحق کیا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں اس میں تعزیر ہے' ان پر دیوار گرا کر ان کو ہلاک کر دیا جائے یا ان کو قتل کر دیا جائے یا کوئی اور عبرتناک سزا دی جائے۔

قوم لوط کی زمین کو بلندی سے گرا کر اوندھا کر دیا گیا' کیونکہ وہ بھی اس فعل کے وقت مفعول کو اوندھا کر دیتے تھے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ عورت کی بہ نسبت بے ریش لڑکا زیادہ خطرناک اور زیادہ فتنہ ہے' کیونکہ اگر کوئی شخص کسی عورت پر فریفتہ ہو جائے تو وہ اس سے نکاح کر کے جائز طریقے سے اپنی خواہش پوری کر سکتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی لڑکے پر عاشق ہو تو گناہ کے سوا خواہش پوری کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے' نیز اس فعل سے ایڈز کی بیماری ہو جاتی ہے اور ایڈز میں خون کے اندر سفید خلیے مر جاتے ہیں اور بیماری کے خلاف خون میں سفید خلیے ہی مدافعت کرتے ہیں' پھر جس شخص کو ایڈز کی بیماری ہو اسے کسی بیماری سے نجات نہیں ملتی کیونکہ اس پر جس مرض کا بھی حملہ ہو اس کے اندر اس بیماری کا توڑ کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی وہ عمر بھر اس بیماری میں مبتلا رہتا ہے' فرض کیجیے اس کو شوگر ہے تو عمر بھر اس کی شوگر کنٹرول نہیں ہو گی' بلڈ پریشر ہائی ہے تو وہ نارمل نہیں ہو گا' اور وہ تادم مرگ یونہی رہے گا' ایڈز کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ایمان نہیں لائی تھی اس لیے اس کو بھی دیگر کافروں کے ساتھ عذاب میں مبتلا کیا گیا' یہاں پر ہم نے اس قصہ کو اجمال اور اختصار سے لکھا ہے اور اس کی تفصیل سورۃ الاعراف میں کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو' کیا اللہ اچھا ہے یا وہ جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں O (النمل: ۵۹)

ہر اہم کام کی ابتداء بسم اللہ' الحمد للہ اور صلوٰۃ وسلام سے کرنے میں قرآن' حدیث اور سلف صالحین کی اتباع ہے

اس آیت کا سابقہ آیات سے اس وجہ سے ارتباط ہے' کہ آپ اس لیے اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے کافروں اور بدکاروں کو ہلاک کر دیا اور اس کے ان پسندیدہ بندوں پر سلام بھیجیے جن کو اس نے رسول بنا کر بھیجا اور ان کو کافروں کے عذاب سے نجات دی۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ یہ الگ مستقل کلام ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء علیہم السلام کے احوال سنائے کہ ان کی قوموں پر ان کے کفر کی وجہ سے عذاب نازل کیا گیا اور آپ کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب سے محفوظ رکھا اور فرمادیا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ (الانفال: ۳۳) اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل فرمائے۔

سو آپ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت عطا فرمائی' اور انبیاء سابقین علیہم السلام پر

سلام بھیجئے جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں مشقت برداشت کر کے اور تکلیفیں اٹھا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور رسالت انجام دیا۔

اس کے بعد جو آیات آ رہی ہیں (۶۵-۶۰) ان میں توحید پر دلائل دیئے گئے ہیں اور اس کے بعد (۷۲-۶۶) کی آیتوں میں موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر دلائل دیئے گئے ہیں۔ اب آپ سے فرمایا کہ توحید اور بعث بعد الموت کے دلائل کو بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کیجیے اور اس کے نبیوں پر اور ان کے بعد آنے والے نیک اور پسندیدہ بندوں پر سلام بھیجیے اور اس میں مقبولان بارگاہ رب العزت کے ادب اور احترام کی تعلیم ہے اور اللہ تعالیٰ اور انبیاء اور صالحین کے ذکر سے برکت اور رحمت حاصل کرنے کی تلقین ہے' اور ان کے مرتبہ اور مقام پر تنبیہ ہے کہ اصل مضامین کو شروع کرنے سے پہلے ان پر سلام بھیجنے سے ابتداء کی جاتی ہے اور سامعین کے دلوں اور دماغوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ یہ بہت اہم پیغام ہے جس کو سنانے سے پہلے اللہ کی حمد کی جا رہی ہے اور اس کے رسولوں اور پسندیدہ بندوں پر سلام بھیجا جا رہا ہے اور تواتر اور تسلسل سے علماء' خطباء اور واعظین کا یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے خطاب اور تقریر سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے رسولوں پر سلام بھیجتے ہیں بلکہ اپنی کتابوں کے شروع میں بھی پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں اور اس کے رسولوں پر سلام بھیجتے ہیں اس کے بعد کتاب کے مضامین شروع کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث بھی ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ عظیم الشان کام جس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع نہیں کیا وہ منقطع ہو جاتا ہے' وہ ناقص رہتا ہے اور قلیل البرکۃ ہوتا ہے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۷۶۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۹۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۸۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو حافظ عبدالقادر الرہاوی نے الاربعین میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔

(نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار ج ۳ ص ۲۷۷' مطبوعہ دار ابن کثیر' دمشق' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ عظیم الشان کام جس کو الحمد سے نہ شروع کیا جائے وہ ناقص اور قلیل البرکۃ ہے۔

امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے ہر وہ کلام جس کو اللہ کی حمد سے نہ شروع کیا جائے وہ ناقص اور قلیل البرکۃ ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۰' مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۹' عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۴۹۴-۴۹۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۹۹۳' ۵۷۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۸۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۷۶۰' سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۲۲۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۰۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی متعدد اسانید بیان کی ہیں۔

(نتائج الافکار ج ۳ ص ۲۸۱-۲۸۰' مطبوعہ دار ابن کثیر' دمشق' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عظیم الشان کام کی ابتداء اللہ کی حمد اور مجھ پر صلوٰۃ سے نہ کی جائے وہ ناقص' ناتمام اور برکت سے کلیۃً محروم ہے۔ اس کو عبدالقادر رہاوی نے الاربعین میں ذکر کیا ہے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۷۶۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۲۸۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۱۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو دارقطنی کی کتاب العلل اور امام نسائی کی عمل الیوم واللیلۃ کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔ (نتائج الافکار ج ۳ ص ۲۸۲' دار ابن کثیر' دمشق' ۱۴۲۱ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ کفار کے خود ساختہ معبودوں میں بھی کوئی اچھائی ہے

اس کے بعد فرمایا: کیا اللہ اچھا ہے یا وہ بت جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں!

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں خیر کا لفظ ہے اور خیر کا معنی ہے بہتر اور زیادہ اچھا اور اب معنی اس طرح ہوگا کہ کیا اللہ زیادہ اچھا ہے یا کفار کے خود ساختہ شرکاء گویا کفار کے خود ساختہ شرکاء بھی اچھے ہیں لیکن اللہ زیادہ اچھا ہے حالانکہ کفار کے خود ساختہ شرکاء میں کوئی اچھائی نہیں ہے۔

علامہ قرطبی نے فرمایا یہاں خیر کا معنی اسم تفصیل کا نہیں ہے یعنی اس کا ترجمہ زیادہ اچھا اور بہتر نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے اچھا یعنی اللہ اچھا ہے یا کفار کے خود ساختہ شرکاء اور اگر یہ اسم تفضیل کے معنی میں ہو تو پھر اس کا معنی ہوگا کیا اللہ کی عبادت کا ثواب بہتر ہے یا اس کا شریک بنانے کا عذاب۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مشرکین کے اعتقاد کے اعتبار سے خطاب کیا گیا ہے کیونکہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ بتوں کی عبادت کرنے میں بھی اچھائی اور بہتری ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کی تلاوت کرتے تھے تو فرماتے تھے:

بل الله خير وابقى واجل و اكرم — بلکہ اللہ ہی اچھا ہے اور باقی رہنے والا ہے اور زیادہ بزرگی والا اور زیادہ مکرم ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١٣ ص ٢٠٤ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ ھ تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت میں مشرکین کو زجر و توبیخ ہے انہوں نے اللہ کی عبادت کے اوپر بتوں کی عبادت کو ترجیح دی تھی اور جب کوئی صاحب عقل ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دیتا ہے تو زیادہ خیر اور زیادہ نفع کی وجہ سے ترجیح دیتا ہے تو اس لیے ان کی گمراہی بے عقلی اور جہالت پر تنبیہ کرنے کے لیے فرمایا کہ تم جو اللہ کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ خداؤں کی عبادت کر رہے ہو تو کیا تمہارے زعم میں ان کی عبادت کرنے میں اللہ کی عبادت کرنے کی بہ نسبت زیادہ نفع اور زیادہ خیر ہے۔

(تفسیر کبیر ج ٨ ص ٥٦٢ دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤١٥ ھ)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ

(بھلا بتاؤ تو سہی) آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمانوں سے

السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ

پانی کس نے اتارا! تو ہم نے اس سے بارونق باغات اگائے! تم میں یہ طاقت نہ تھی کہ تم

اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ ﴿٦٠﴾

ان (باغات) کے درخت اگاتے' کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے؟ (نہیں) بلکہ تم راہ راست سے تجاوز کر رہے ہو O

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا

(بتاؤ!) کس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں دریا رواں دواں کر دیئے اور زمین کو برقرار

رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ

رکھنے کے لیے مضبوط پہاڑ بنا دیئے اور دو سمندروں کے درمیان آڑ پیدا کر دی' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (نہیں)

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ

بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے!O (بتاؤ!) جب بے قرار اس کو پکارتا ہے تو اس کی دعا کو کون قبول کرتا ہے اور

يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ

کون تکلیف کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین پر پہلوں کا قائم مقام بناتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے!

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

تم لوگ بہت کم نصیحت کو قبول کرتے ہو!O (بتاؤ) وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے!

وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ

اور وہ کون ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے!

تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ

اللہ ان سے بہت بلند ہے جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیںO (بتاؤ!) وہ کون ہے جو ابتداءً مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اس کو

مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ قُلْ

دوبارہ پیدا کرے گا' اور وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! آپ کہیے

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي

اگر تم سچے ہو تو تم اپنی دلیل لاؤO آپ کہیے کہ آسمانوں میں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ

زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (ازخود) غیب نہیں جانتا اور نہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان کو کب

يُبْعَثُوْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ قف بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ

اٹھایا جائے گاO کیا ان کو آخرت کا پورا علم حاصل ہو گیا؟ (نہیں) بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں

ع ۵/۸ ۱

مِّنۡهَا ۡ بَلۡ هُمۡ مِّنۡهَا عَمُوۡنَ ۝۶۶

ہیں بلکہ وہ آخرت کے متعلق اندھے (بالکل جاہل) ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (بھلا بتاؤ تو سہی) آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمانوں سے پانی کس نے اتارا؟ تو ہم نے اس سے بارونق باغات اگائے! تم میں یہ طاقت نہ تھی کہ تم ان (باغات) کے درخت اگاتے' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (نہیں) بلکہ تم راہ راست سے تجاوز کر رہے ہو! O (النمل: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کا اپنی توحید پر دلائل بیان فرمانا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: کیا اللہ اچھا ہے یا وہ (بت) جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں' اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ دلائل سے بیان فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اچھا ہے وہی تم کو پیدا کرنے والا ہے' اور پیدا کرنے کے بعد تمہاری زندگی قائم رکھنے کے لیے انواع واقسام کی نعمتیں عطا کرنے والا بھی وہی ہے' اسی نے تم پر آسمانوں سے اپنی نعمتیں نازل فرمائیں جو تمہاری روزی اور بقائے حیات کا سبب بنیں اور اس نے تمہارے رہنے کے لیے زمین بنائی اور اس میں نعمتیں رکھیں' وہی تمہاری ضروریات کو پوری کرتا ہے اور تمہاری دعاؤں کو سنتا ہے' وہی بحر و بر میں تمہارے کام آتا ہے' وہی تمہیں مرنے کے بعد زندہ کرے گا' بتاؤ یہ تمام نعمتیں تم کو کس نے عطا کی ہیں' صرف اس ایک اللہ نے یا اس کے ساتھ اور بھی کوئی شریک ہیں؟ اور کوئی کیسے شریک ہو سکتے ہیں کیونکہ جن چیزوں کو تم اللہ کا شریک قرار دے رہے ہو جب ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں تھی تب بھی اللہ تم پر ان نعمتوں کی بارش کر رہا تھا تو پھر وہی واحد لاشریک ہے' وہی عبادت کا مستحق ہے تو تم اس کو چھوڑ کر اوروں کی پرستش اور پوجا پاٹ کیوں کرتے ہو!

پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر آسمانوں سے استدلال کیا پھر زمین سے' پھر دعاؤں کو قبول کرنے سے پھر بحر و بر میں کام آنے سے اور پھر موت کے بعد زندہ کرنے اور حشر میں اٹھانے سے۔

آسمانوں اور زمینوں کی نعمتیں عطا کرنے سے توحید پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے النمل: ۶۰ میں یہ بتایا کہ وہی آسمانوں سے پانی نازل فرماتا ہے اور وہی اس پانی کے ذریعہ زمین میں تمہارا رزق اور روزی پیدا کرتا ہے' وہی لہلہاتے ہوئے سرسبز کھیت اور رنگارنگ پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے خوبصورت باغات کو پیدا کرتا ہے' پھر یہ بتایا کہ تم یہ گمان نہ کر لینا کہ تم زمین میں ہل چلاتے ہو' اس میں بیج ڈالتے ہو' زمین میں پانی دیتے ہو تو اس سے غلہ اور پھل اگ آتے ہیں۔ بتاؤ اگر اللہ زمین ہی کو پیدا نہ کرتا تو تم کہاں ہوتے! وہ زمین پیدا کر دیتا لیکن تمام زمین سخت اور پتھریلی ہوتی تو تم زمین میں کس طرح ہل چلاتے' اس نے بیج پیدا کیے تو زمین میں تم بیج بوتے ہو اگر وہ بیج ہی نہ پیدا کرتا تو تم کیا کر لیتے! تم زمین میں پانی دیتے ہو یہ پانی دریاؤں سے' نہروں سے' کنوؤں سے اور چشموں سے حاصل کرتے ہو اور ان میں یہ پانی بارش سے حاصل ہوتا ہے اگر وہ آسمانوں سے بارش نازل نہ فرماتا تو دریا سوکھ جاتے' کنوئیں خشک ہو جاتے تو پھر تم زمین کو سیراب کرنے کے لیے پانی کہاں سے لاتے!

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَصۡبَحَ مَآؤُکُمۡ غَوۡرًا فَمَنۡ یَّاۡتِیۡکُمۡ بِمَآءٍ مَّعِیۡنٍ O (الملک: ۳۰)

آپ کہیے! بھلا یہ بتاؤ اگر تمہارا پانی زمین میں دھنس جائے تو وہ کون ہے جو تمہارے لیے صاف پانی لا کر دے گا۔

پھر تمہارا کام اتنا ہی تو ہے کہ تم ہل چلا کر زمین میں بیج دبا دیتے ہو اور زمین میں پانی دیتے رہتے ہو لیکن بیج کو پھاڑ کر اس میں سے پودا کون نکالتا ہے اور اس نرم و نازک پودے میں اتنی طاقت کون پیدا کرتا ہے کہ وہ زمین کا سینہ چاک کر کے باہر نکل آتا ہے' سورج کی دھوپ مہیا کر کے غلہ کون پکاتا ہے' چاند کی کرنوں سے اس میں ذائقہ کون پیدا کرتا ہے' پودوں کی تر و تازگی کے لیے ہوائیں کون چلاتا ہے' شبنم سے ان کا منہ کون دھلاتا ہے! کیا اس سب کی طاقت تم میں ہے یا کسی بھی انسان میں ہے یا ان میں ہے جن کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے! جب یہ چیزیں نہ تھیں تب بھی آسمان اور زمین تھے' آسمان سے پانی برستا تھا اور زمین سے روئیدگی ہوتی تھی' اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون تھا جو اس نظام کو جاری رکھے ہوئے تھا اور جب اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور یہ سارا نظام اسی طرح چل رہا تھا تو تم کیوں نہیں مان لیتے کہ اس کائنات کو بنانے والا اور اس کو چلانے والا وہی واحد لاشریک ہے اور وہی تمہاری اور سب کی عبادات کا مستحق ہے۔

تصویر بنانے کے شرعی حکم کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم میں یہ طاقت نہ تھی کہ تم یہ درخت پیدا کرتے' علامہ قرطبی اور بعض دیگر علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ تصویر بنانا جائز نہیں ہے۔ خواہ اس میں روح ہو یا نہ ہو' یہ مجاہد کا قول ہے (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۰۵) کیونکہ انسان کو کسی بھی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں ہے' اس لیے کسی چیز کی بھی تصویر بنانا اس کے لیے جائز نہیں ہے' خواہ وہ جاندار ہو یا غیر جاندار' ان کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے:

جاندار کی تصویر بنانے کی تحریم اور ممانعت کے متعلق احادیث

مسلم بن یسار بیان کرتے ہیں کہ ہم مسروق کے ساتھ یسار بن نمیر کے گھر میں گئے۔ انہوں نے گھر کے ایک چبوترے میں مجسمے رکھے ہوئے دیکھے۔ مسروق نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے کہ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۶۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۹۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۵۵۸' عالم الکتب' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ ان تصویروں کو بناتے ہیں قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا جن کو تم نے بنایا تھا ان میں جان ڈالو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۸)

ابو زرعہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کے ایک گھر میں گیا۔ حضرت ابو ہریرہ نے اس گھر کے بلند حصہ میں کچھ تصویریں بنی ہوئی دیکھیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا' جو میری مخلوق کی مثل بناتا ہے ان کو چاہیے کہ وہ ایک دانہ کو پیدا کریں' یا جوار کو پیدا کریں۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک گدا خریدا جس میں تصاویر بنی ہوئی تھیں' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر کھڑے رہے اور اندر داخل نہیں ہوئے' پس میں نے کہا میں اس گناہ سے اللہ کی طرف توبہ کرتی ہوں جو میں نے کیا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس گناہ سے توبہ کرتی ہوں جو میں نے کیا ہے۔ (صحیح مسلم التصاویر: ۹۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۵۵) آپ نے فرمایا یہ کیسا گدا ہے' میں نے کہا تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور

ٹیک لگائیں! آپ نے فرمایا ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا' اور ان سے کہا جائے گا ان میں جان ڈالو جن کو تم نے بنایا تھا' اور آپ نے فرمایا فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس گھر میں تصویر ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۵۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دنیا میں تصویر بنائی اس کو قیامت کے دن اس کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس تصویر میں روح پھونکے اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۵۸)

چونکہ ان احادیث میں مطلقاً تصاویر بنانے پر آخرت میں عذاب کی وعید ہے خواہ وہ جاندار کی تصویر ہو یا غیر جاندار کی اس وجہ سے مجاہد نے یہ کہا تصاویر بنانا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

بے جان چیزوں کی تصویر بنانے کے جواز کی حدیث

جمہور فقہاء کا یہ موقف ہے کہ بے جان چیزوں کی تصویر بنانا جائز ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

سعید بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں ایک انسان ہوں اور میرے روزی کمانے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ میں یہ تصویریں بناتا ہوں' حضرت ابن عباس نے کہا میں تم کو صرف وہ حدیث سناؤں گا جس کو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے کوئی تصویر بنائی اللہ اس کو اس وقت تک عذاب دیتا رہے گا' حتیٰ کہ وہ اس میں روح پھونک دے اور وہ اس میں کبھی بھی روح نہیں پھونک سکے گا۔ اس شخص نے بڑے زور سے سانس لیا اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اگر تیرے لیے تصویر بنانے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے تو پھر اس درخت کی تصویر بنا اور ہر اس چیز کی تصویر بنا جس میں روح نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۵۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۷۸۵)

تصویر بنانے کے حکم میں فقہاء شافعیہ اور مالکیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ فرماتے ہیں:

جاندار اور ذی روح چیزوں کی تصویر بنانے کی احادیث میں تحریم کی تصریح ہے اور یہ حرمت مغلظہ ہے' اور درخت اور بے جان چیزوں کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے' مجاہد کے سوا جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ بے جان چیزوں کی تصویر بنانے میں بھی تو تخلیق کی مشابہت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی صنعت تخلیق کی مشابہت کے قصد سے تصویر بنائے گا یہ وعیدیں اس شخص کے متعلق ہیں اور جو شخص اپنے متعلق یہ اعتقاد رکھے گا وہ کافر ہو جائے گا اور اسی کو سب سے زیادہ عذاب ہوگا اور کفر کی وجہ سے اس کا عذاب اور زیادہ ہوگا۔ اسی طرح عذاب کی یہ سخت وعیدیں اس شخص کے لیے ہیں جو اس لیے تصویر بنائے کہ اس تصویر کی عبادت کی جائے' جیسے کفار بت تراش کر بناتے تھے اور جو شخص تصویر' اللہ کی صنعت تخلیق کے ساتھ مشابہت کے قصد سے بنائے نہ اس لیے تصویر بنائے کہ اس کی عبادت کی جائے تو وہ فاسق ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اور جس طرح باقی کبیرہ گناہوں کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں قرار دیا جاتا اسی طرح اس کو بھی کافر نہیں قرار دیا جائے۔ (صحیح مسلم بہ شرح نواوی ج ۹ ص ۵۷۴۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ نووی شافعی نے قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ ھ کی جو عبارت نقل کی ہے اس کا حوالہ یہ ہے:

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ ص ۶۲۸ مطبوعہ دارالوفاء بیروت)

تصویر بنانے کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

اگر گھر میں قبلہ کی جانب ایسی تصاویر (یا مجسمے) ہوں جن کے سر کٹے ہوئے ہوں تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ تصویر سر کے ساتھ ہوتی ہے اور سر کٹنے سے وہ تصویر نہیں رہتی' کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کپڑا ہدیہ کیا گیا جس میں ایک پرندے کی تصویر تھی' صبح کو صحابہ نے دیکھا اس کا سر مٹا دیا گیا تھا' اور روایت ہے کہ حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کی اجازت طلب کی' آپ نے اجازت دے دی' حضرت جبریل نے کہا میں کیسے آ سکتا ہوں جبکہ گھر میں ایک ایسا پردہ ہے جس پر گھوڑوں اور مردوں کی تصویریں ہیں' آپ یا تو ان تصویروں کے سر کاٹ دیں' یا ان پردوں کے بچھانے والے گدے بنا دیں' نیز سر کاٹ دینے کے بعد تصویر درخت کی طرح ہو جاتی ہے' اور یہ مکروہ نہیں ہے' مکروہ' جاندار کی تصویر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو تصویر بنانے سے منع کیا۔ اس نے کہا میرے کمانے کا یہی طریقہ ہے پھر میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا اگر تصویر بنانے کے سوا تمہارے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے تو درختوں کی تصویر بنایا کرو' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص نے کسی جاندار کی تصویر بنائی اس کو قیامت کے دن اس میں روح پھونکنے کے لیے کہا جائے گا اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔

اگر تصویر کا سر کٹا ہوا نہ ہو تو پھر اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے' کیونکہ اس میں تصویر کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ مشابہت ہے' لیکن یہ اس وقت ہے جب تصویر بڑی ہو اور دیکھنے والوں کو دور سے نظر آتی ہو' اگر تصویر چھوٹی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں کیونکہ تصویروں کی عبادت کرنے والے بہت چھوٹی تصویر کی عبادت نہیں کرتے' کیونکہ حضرت ابوموسیٰ کی انگوٹھی پر دو مکھیوں کی تصویریں تھیں اور حضرت دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی ملی تو اس کے نگینوں پر دو شیروں کی تصویریں تھیں اور ان شیروں کے درمیان ایک آدمی کی تصویر تھی جس کو وہ شیر چاٹ رہے تھے' یا اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم سے پہلی شریعت میں تصویر حلال تھی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ (سبا: ۱۳) حضرت سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ (جن) ان کے لیے بنا دیتے تھے۔ اونچے قلعے اور مجسمے' تصویر جس طرح قبلہ کی جانب مکروہ ہے اسی طرح چھت پر یا قبلہ کی دائیں یا بائیں جانب بھی مکروہ ہے' کیونکہ حدیث میں ہے: ''جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے'' اس لیے نماز کی جگہوں کو تصویر سے منزہ کرنا واجب ہے' ہاں اگر نمازی کے پیچھے تصویر ہو تو اس میں کم درجہ کی کراہت ہے' کیونکہ اس موقع پر تصویر کی تعظیم یا تصویر کی عبادت سے مشابہت نہیں ہے' اسی طرح اگر تصویر زمین یا تہبند یا پردوں پر ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے' بستر پر تصویر مکروہ ہے لیکن ایسے بستر پر سونے یا بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ بستر کو روندا جاتا ہے اور اس میں تصویر کی تعظیم نہیں ہے' گدے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ حضرت جبریل نے کہا تھا کہ آپ اس کا گدا بنا لیں جس کو روندا جائے' اگر نمازی بستر پر نماز پڑھے اور اس کی پیشانی کی جگہ یا اس کے سامنے تصویر ہو تو یہ مکروہ ہے' کیونکہ اس میں تصویر کی تعظیم ہے اور اگر اس کے قدموں کی جگہ تصویر ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اب تصویر کی تعظیم نہیں ہے۔

(المبسوط ج ۱ ص ۲۱۱-۲۱۰' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ بدرالدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان تصویروں کے بنانے والے کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا'' یہ تصویر کے عمو

پر دلالت کرتی ہے خواہ وہ تصویر مجسم ہو یا نہ ہو' خواہ وہ تصویر کسی چیز میں کھود کر بنائی جائے یا نقش سے بنائی جائے' جس چیز پر بھی تصویر کا اطلاق ہو گا وہ حرام ہے۔ (عمدۃ القاری جز ۲۲ ص ۷۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

تصویر اور فوٹو گراف کے متعلق علماء ازہر کا نظریہ

ڈاکٹر احمد شرباصی لکھتے ہیں:

ہم یہ بات بداہتہً سمجھتے ہیں کہ فوٹو گراف کی تصاویر' تحریم کے حکم میں داخل نہیں ہیں' کیونکہ یہ ہاتھ سے بنائی ہوئی تصاویر نہیں ہیں' اور نہ ان کا کوئی جسم ہوتا ہے' ان تصاویر میں صرف عکس اور ظل کو ایک کاغذ پر مقید کر دیا جاتا ہے اور چھوٹی لڑکیوں کے لیے گڑیوں کو حرام نہیں کیا گیا اور صورتوں کے وہ مجسمے حرام نہیں ہیں جن کی علم طب یا تعلیم میں ضرورت ہوتی ہے اور وہ تصاویر جن کو تعظیم یا تکریم کے لیے نہ بنایا جائے حرام نہیں ہیں' کیونکہ تصاویر کی تحریم کی بنیاد بت سازی اور بت پرستی کا راستہ بند کرنا ہے۔ (یسئلونک فی الدین والحیاۃ ج ۱ ص ۶۳۲' مطبوعہ دار الجیل بیروت)

نیز علماء ازہر نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:

ہمارا مختار یہ ہے کہ جس تصویر کا کوئی جسم نہ ہو اس کے بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے' اسی طرح جو تصویر کپڑے' دیوار یا کاغذ پر بنائی جائے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور بے جان چیزوں کی تصویر بنانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' اسی طرح آج کل کیمرے سے کھینچی جانے والی مروّجہ تصاویر بھی جائز ہیں خواہ وہ تصویریں جاندار کی ہوں یا بے جان کی' جبکہ وہ تصویریں کسی علمی مقصد پر مبنی ہوں جس سے عام معاشرہ کو فائدہ ہو اور ان تصاویر کی تعظیم' تکریم اور عبادت کا شبہ نہ ہو تو پھر وہ تصویریں بے جان چیزوں کی تصویروں کے حکم میں ہیں اور وہ شرعاً جائز ہیں۔ (الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ' مطبوعہ قاہرہ مصر' ۱۴۰۲ھ)

تصویر اور فوٹو گراف کے متعلق مصنف کا موقف

میرے نزدیک علماء ازہر کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کہ کیمرے کی بنائی ہوئی تمام تصاویر اس لیے جائز ہیں کہ وہ ہاتھ سے نہیں بنائی جاتیں اور یہ کہ کیمرے کے ذریعہ صرف عکس کو مقید کر لیا جاتا ہے' دیکھیے پہلے شراب ہاتھ سے بنائی جاتی تھی اب مشینی عمل کے ذریعہ شراب بنائی جاتی ہے تو کیا اس فرق سے اب شراب جائز ہو جائے گی' پہلے ہاتھوں کی تراش خراش سے مجسمے بنائے جاتے تھے اب مشینوں کے ذریعہ پلاسٹک اور دوسری اجناس کے مجسمے ڈھال لیے جاتے ہیں تو کیا اب وہ جائز ہو جائیں گے؟

فوٹو کے متعلق اسلام کا منشاء یہ ہے کہ کسی بھی جاندار کی صورت اور شبیہ کو مستقل طور پر محفوظ کر لینا جائز نہیں ہے' کیونکہ ہمیشہ جانداروں کی تصویریں شرک اور فتنہ کی موجب بنتی رہی ہیں' اب بھی ہندوستان اور بعض دوسرے ممالک میں تصویروں اور بتوں کی پوجا ہوتی ہے' ہندوستان میں گاندھی کی تصویر کی تعظیم اور تکریم ہوتی ہے' روس میں سٹالن کی تصویر کی تعظیم کی جاتی ہے' پاکستان کے تمام دفاتر' اسمبلیوں اور سفارت خانوں میں بڑے سائز کی قائداعظم کی تصویر تعظیماً اونچی جگہ پر آویزاں کی جاتی ہے' اس لیے اصل فتنہ صورت کے محفوظ کرنے میں ہے' خواہ صورت کو سنگ تراشی سے محفوظ کیا جائے' قلم کاری سے یا فوٹو گرافی سے' جس طریقہ سے بھی تصویر کو حاصل اور محفوظ کر لیا جائے گا اس سے حاصل شدہ تصویر ناجائز اور حرام ہو گی' اور بت تراشی' مصوری اور فوٹو گرافری میں جواز اور عدم جواز کا فرق کرنا صحیح نہیں ہے۔

تصویر کی حرمت کا اصل منشاء غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت ہے' اگر لوگ فوٹو گراف کی تعظیم اور عبادت شروع کر دیں تو کیا وہ تعظیم اور عبادت ناجائز نہیں ہو گی؟ جبکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بڑے بڑے قومی لیڈروں اور پیروں کے فوٹوؤں کی ہر ملک میں بالفعل تعظیم کی جاتی ہے اور غیر اللہ کی عبادت کا منشاء صورت اور شبیہ ہے' خواہ وہ سنگ تراشی سے حاصل ہو' قلم کاری سے

یا فوٹوگرافی سے اس لیے جس طرح پتھر کا مجسمہ بنانا اور قلم اور برش سے تصویر بنانا حرام ہے اسی طرح کیمرے سے فوٹو بنانا بھی حرام (یعنی مکروہ تحریمی) ہے۔

ویڈیو اور ٹی وی کی تصاویر کا شرعی حکم

بعض علماء اہل سنت نے یہ کہا ہے کہ آئینے اور ٹی وی کے ناپائیدار عکوس کو حقیقی معنوں میں تصویر تمثال مجسمہ اسٹیچو وغیرہ کہنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ پائیدار ہونے سے پہلے عکس صرف عکس ہی رہتا ہے تصویر نہیں بنتا اور جب اسے کسی طرح سے پائیدار کر لیا جائے تو وہی عکس تصویر بن جاتا ہے موجودہ معروف اور متعارف آئینہ بالکلیہ انسانی صنعت گری ہے لہٰذا اس میں بھی عکوس کے ظہور میں قطعی طور پر عمل انسانی کا دخل ہے اس لیے اگرچہ ٹی وی کے آئینہ پر عکوس کے ظہور میں عمل انسانی دخیل ہے تب اس کا حکم آئینہ کے حکم کی طرح ہی ہونا چاہیے کیونکہ غیر قار و ناپائیدار ہونے میں دونوں بالکل ایک طرح ہیں۔

اس تحقیق کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ویڈیو اور ٹی وی کے استعمال کرنے کا معاملہ آئینوں کے استعمال کرنے کی طرح ہے جس طرح آئینہ کے اندر ہر اس چیز کو دیکھا جا سکتا ہے جس کا دیکھنا سننا اس کے بغیر بھی جائز ہو۔ رہ گئے وہ امور جن کا دیکھنا سننا ناجائز و حرام ہو وڈیو اور ٹی۔ وی کے ذریعہ بھی ان کا سننا اور دیکھنا ناجائز و حرام ہے غیر محرم مرد و زن کا عام میل جول شرعاً حرام ہے اور فلموں میں بھی دکھایا جاتا ہے اس لیے یہ فلمیں سینما میں دیکھی جائیں یا وی سی آر کے ذریعہ ٹی وی پر بہر حال حرام ہیں۔ (یہ کلام ختم ہوا)

ہمارے نزدیک ٹی وی کی اسکرین کا آئینہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے اول اس لیے کہ اگر مثلاً چار شخص آئینے کے سامنے مختلف جہات میں کھڑے ہوں کوئی دائیں جانب ہو کوئی بائیں جانب ہو کوئی بالکل سیدھا کھڑا ہو کوئی کسی اور زاویہ سے ترچھا کھڑا ہو تو سب کو بہ یک وقت آئینہ میں مختلف عکوس نظر آئیں گے اس کے برخلاف اگر ٹی وی کی اسکرین کو بہ یک وقت چار یا چار سے زائد اشخاص مختلف جہات سے دیکھ رہے ہوں تو ان کو ایک ہی منظر دکھائی دے گا اور یہ وہی منظر ہو گا جو ویڈیو ٹیپ پر ریکارڈ شدہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وی سی آر کے مخصوص بٹن کے ذریعہ کسی تصویر کو ساکن کر دیا جائے اور ٹھہرا لیا جائے تو اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا بہر حال ویڈیو کے مجوزین کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ جبکہ آئینہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ناجائز یا مکروہ نہیں ہے اس لیے ہمارے نزدیک ٹی وی کی اسکرین آئینہ کی مثل نہیں ہے اور اس کو آئینہ پر قیاس کر کے جائز قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

ٹی۔ وی کی تصاویر ہر چند کہ عام فوٹوگراف یا قلمی تصاویر کی طرح تو نہیں ہیں تاہم یہ تصویر کی جدید شکل ہیں۔ ٹی وی کی تصویر کو متحرک بھی دکھایا جاتا ہے اور غیر متحرک بھی تصویر خواہ مجسمہ کی شکل میں ہو یا قلمی ہو یا فوٹوگراف ہو یا ویڈیو کی ریز کے ذریعہ دکھائی دے ان سب میں ایک چیز مشترک ہے وہ ہے جاندار کی صورت کا دکھائی دینا۔ غیر ترقی یافتہ زمانہ میں جاندار کی صورت کو پتھروں سے تراش کر مجسمہ کی شکل میں یا کپڑے یا کاغذ پر نقش کر کے وجود میں لایا جاتا تھا پھر ترقی یافتہ زمانہ میں کیمرے کے ذریعہ فوٹوگراف کی شکل میں وجود میں لایا گیا اب اور زیادہ ترقی ہوئی تو اس کو ریز کی شکل میں متحرک اور غیر متحرک ہر دو طرح سے وجود میں لایا گیا بہر حال ہر صورت میں ویڈیو کی وہ تصاویر جن میں ریز کے ذریعہ جاندار کی صورتوں کو وجود میں لایا جائے خواہ وہ متحرک ہوں یا غیر متحرک ہوں وہ اسی طرح ناجائز اور حرام ہیں جیسے پتھر کاغذ یا کپڑے پر نقش شدہ تصاویر ناجائز اور حرام ہیں جیسے موسیقی صرف اس لیے حرام نہیں ہے کہ وہ طبلہ سارنگی اور بانسری کے ذریعہ بجا کر آواز بنائی جاتی ہے اگر یہ

آواز ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ سنائی دے فلم یا ویڈیو ٹیپ کے فیتے کے ذریعہ سنائی دے وہ بہر حال موسیقی کی آواز ہے جو سنائی دے رہی ہے اسی طرح جاندار کی صورت خواہ کسی ذریعہ سے دکھائی دے وہ بہر حال صورت گری ہے اور ناجائز اور حرام ہے' میں نے اس مسئلہ کو اسی طرح سمجھا ہے اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر یہ غلط ہے تو میری فکر کی نارسائی ہے۔

جو علماء دلائل کی بناء پر فوٹو اور ٹی وی کی تصاویر کے جواز کے قائل ہیں ان پر لعن طعن نہیں کرنی چاہیے

فوٹو گراف میں بعض علماء اہلسنت یہ کہتے ہیں کہ گدے پر چھپی ہوئی تصویر کی اجازت ہے اور جب کپڑے پر تصویر کا نقش جائز ہے تو کاغذ پر بھی جائز ہے اور مصری علماء بھی اس کو جائز کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں ہے اسی طرح آئینہ پر قیاس کر کے بعض علماء ٹی وی کی تصاویر کو بھی جائز کہتے ہیں ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں ہے لیکن جس مسئلہ میں ہمارے علماء کا اختلاف ہو تو اس میں تشدید نہیں کرنی چاہیے جیسے قوالی' سیاہ خضاب' چلتی ٹرین پر نماز پڑھنے اور لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانے کا معاملہ ہے کیونکہ دلائل میں تعارض تخفیف کا موجب ہوتا ہے مثلاً بعض احادیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیشاب سے بچو کیونکہ اسی وجہ سے زیادہ تر عذاب قبر ہوتا ہے۔ (سنن دارقطنی ج ا ص ۱۲۸' المستدرک ج ا ص ۱۸۳) اس حدیث کا تقاضا ہے کہ پیشاب مطلقاً نجاست غلیظہ ہو' اور بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عرینہ کے لوگوں کو اونٹنیوں کا پیشاب بطور علاج پلایا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۱) اس حدیث کا تقاضا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب نجس نہ ہو' اور یہی امام احمد کا مسلک ہے' سو دلائل میں اس تعارض کی وجہ سے جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کے پیشاب کو نجاست خفیفہ قرار دیا گیا۔ (فتح القدیر ج ا ص ۲۰۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ) اسی طرح بلی کے جھوٹے کا حکم ہے' بعض احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلی درندہ ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷' المستدرک ج ا ص ۱۸۳' سنن دارقطنی ج ا ص ۶۳) اس حدیث کا تقاضا ہے کہ بلی کا جھوٹا حرام ہو اور بعض احادیث میں ہے کہ جس برتن سے بلی نے پانی پیا تھا اس برتن کے پانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ نے وضو کیا (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸' سنن دارقطنی ج ا ص ۶۹) اس حدیث کا تقاضا ہے کہ بلی کا جھوٹا پاک ہو اور دلائل میں اس تعارض کی بنا پر بلی کے جھوٹے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ (فتح القدیر ج ا ص ۱۱۵)

اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ ہر چند کہ فوٹو گراف اور ویڈیو کی تصاویر ہمارے نزدیک جائز نہیں ہیں لیکن چونکہ اس میں دلائل متعارض ہیں اور علماء کا اختلاف ہے اس لیے اس میں بہت زیادہ سختی اور تشدید نہیں کرنی چاہیے اور جو علماء اس میں مبتلا ہیں ان پر لعن طعن نہیں کرنی چاہیے اور ان کو ہدف ملامت نہیں بنانا چاہیے کیونکہ دلیل خواہ کمزور ہو وہ تخفیف کا تقاضا کرتی ہے۔ دیکھیے محرمات سے نکاح کرنا حرام ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا جو شخص اپنی ماں یا بہن سے نکاح کر کے وطی کر لے اس پر حد نہیں ہوگی تعزیر ہوگی۔ اس کو تعزیراً قتل کر دیا جائے گا لیکن اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو رجم نہیں کیا جائے گا کیونکہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں اور یہاں پر یہ شبہ ہے کہ ہم سے پہلی شریعت میں بھائی بہن کے درمیان نکاح جائز تھا' ہر چند کہ یہ شبہ ضعیف ہے لیکن اس کا اعتبار کر کے حد ساقط کر دی گئی۔ (ہدایہ اولین ص ۵۱۶' فتح القدیر والعنایہ ج ۵ ص ۲۴۶) اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ فوٹو گراف اور ویڈیو کی تصویر کے جواز کے دلائل ضعیف ہیں لیکن وہ تخفیف کا تقاضا کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے دلائل کی وجہ سے اس میں مبتلا ہیں ان پر لعن طعن نہیں کرنی چاہیے اور عام لوگوں کو اس سے بہر حال منع کرنا چاہیے۔

ضرورت کی بناء پر پاسپورٹ سائز کے فوٹو گراف کی رخصت

تاہم بعض تمدنی' عمرانی اور معاشی امور کے لیے فوٹو ناگزیر ہے' مثلاً شناختی کارڈ' پاسپورٹ' ویزا' ڈومی سائل' امتحانی فارم' ڈرائیونگ لائسنس اور اس نوع کے دوسرے امور میں فوٹو کی لازمی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ اور اس کے رسول نے دین میں تنگی

نہیں رکھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: ۷۸) اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں تنگی نہیں کی۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ: ۱۸۵) اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور مشکل کا ارادہ نہیں کرتا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

احب الدين الى الله الحنيفية السمحة (صحیح البخاری باب: ۲۹) اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین وہ ہے جو حق ہو اور آسان اور سہل ہو۔

عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال ان الدين يسر (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے۔

عن انس بن مالک يقول قال رسول الله صلی الله عليه وسلم يسروا ولا تعسروا. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۳۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر آسانی کرو اور ان کو مشکل میں نہ ڈالو۔

اسلام میں جاندار چیزوں کی تصاویر بنانے کی ممانعت ہے اور بے جان چیزوں کی تصویر بنانے کی اجازت ہے۔ اس لیے انسان کی صرف سینے تک کی تصویر بنانا جائز ہے کیونکہ کوئی انسان بغیر پیٹ کے زندہ نہیں رہ سکتا' اور جن تمدنی اور معاشی امور میں تصویر کی ضرورت پڑتی ہے (مثلاً شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ) ان میں اس قسم کی آدھی تصویر ہی کی ضرورت ہوتی ہے' اس لیے اس قسم کی ضروریات میں بغیر پیٹ کے سینہ تک کی آدھی تصویر کھنچوانا جائز ہے' البتہ بلاضرورت شوقیہ فوٹو گرافی مکروہ ہے' اور تعظیم وتکریم کے لیے فوٹو کھینچانا ناجائز اور حرام ہے۔

ہم نے جو آدھی تصویر کو جائز کہا ہے اس کی اصل حدیث یہ ہے:

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة قال استاذن جبريل عليه السلام على النبی صلی الله عليه وسلم فقال ادخل فقال كيف ادخل وفي بيتک ستر فيه تصاوير فاما ان تقطع رءوسها اوتجعل بساطا يوطا فانا معشر الملائكة لا تدخل بيتا فيه تصاوير. (سنن نسائی ج ۲ ص ۲۶۱' طبع کراچی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی آپ نے فرمایا آجاؤ! انہوں نے کہا میں کیسے آؤں درآں حالیکہ آپ کے گھر میں ایک پردہ ہے جس میں تصویریں ہیں' پس یا تو آپ ان تصویروں کے سر کاٹ دیں یا اس پردہ کو پیروں تلے روندی جانے والی چادر بنا دیں کیونکہ ہم گروہ ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصاویر ہوں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

فاما لو كانت ممتهنة اوغير ممتهنة لكنها غيرت من هيئتها اما قطعها من نصفها اوبقطع اور اگر تصویر کو ذلت کے ساتھ رکھا جائے یا بغیر ذلت کے رکھا جائے لیکن اس کی ہیئت کو متغیر کر دیا جائے یا تو وہ تصویر آدھی

راسها فلا امتناع (فتح الباری ج ۱۰ص ۳۹۲ لاہور ۱۴۰۱ھ) کاٹ دی جائے یا اس کا سر کاٹ دیا جائے تو پھر کوئی امتناع نہیں ہے۔

نیز علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

علامہ ابن عربی (مالکی) نے کہا ہے کہ تصویر بنانے کے حکم میں خلاصہ یہ ہے کہ جسم والی تصویر بنانا تو بالا جماع حرام ہے' اور اگر تصویر مرتسم یا مرقوم ہو (یا مطبوع ہو) تو اس میں چار قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ مطلقاً جائز ہے جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تصویر کپڑے پر بنی ہوئی ہو اس کا حکم مستثنیٰ ہے (صحیح بخاری ج ۲ص ۸۸۱) دوسرا قول یہ ہے کہ تصویر بنانا مطلقاً ممنوع ہے حتیٰ کہ قلم سے بنائی ہوئی تصویر بھی ممنوع ہے' تیسرا قول یہ ہے کہ اگر تصویر میں مکمل ہیئت اور شکل ہو تو حرام ہے اور اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے یا اس کے اجزاء متفرق ہوں تو پھر جائز ہے' علامہ ابن عربی نے کہا یہ قول زیادہ صحیح ہے' چوتھا یہ ہے کہ اگر تصویر کو نیچے بچھایا جائے اور ذلت کے ساتھ رکھا جائے تو پھر جائز ہے اور اگر تصویر کو لٹکایا جائے تو پھر نا جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ص ۳۹۱ لاہور ۱۴۰۱ھ)

مصر کے بعض علماء لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جاندار کا فوٹو گراف اگر بڑا ہو اور اس میں اس کے تمام اعضاء مکمل ہوں تو اس کا بنانا مکروہ تحریمی ہے' اور اگر فوٹو گراف چھوٹا ہو جس میں غور سے دیکھے بغیر اعضاء کی تفصیل معلوم نہ ہو سکے' یا فوٹو تو بڑا ہو لیکن اس میں وہ اعضاء نہ ہوں جن کے بغیر حیات ناگزیر ہے تو اس فوٹو گراف کا بنانا مکروہ نہیں ہے۔

(الفتاویٰ الاسلامیہ ج ۴ص ۱۲۸۰ مصر ۱۴۰۱ھ)

علامہ نور اللہ بصیر پوری (فقیہ العصر) لکھتے ہیں:

حج کے لیے عازم حج کے پورے جسم کا فوٹو ضروری نہیں بلکہ چہرے یا قدرے زائد کا فوٹو حکومت نے مصالح انتظامیہ کے لیے ضروری قرار دیا ہے' چنانچہ عموماً پاسپورٹوں پر ایسے ہی فوٹو چسپاں کیے جاتے ہیں جو نصف سینہ تک کے ہوتے ہیں حالانکہ انسان نصف سینہ یا سینہ کے نیچے سے کاٹ دیا جائے تو زندہ نہیں رہ سکتا' لہٰذا یہ فوٹو ایسے جسم کا فوٹو ہوگا جو شجر و حجر کی طرح بے جان ہے۔ (الی قولہ) بہر حال ان ارشادات کی روشنی میں حج فرض وغیرہ کے لیے' ایسے فوٹو کی اجازت ہے جو جسم کے ایسے حصہ کا ہو جو صرف اتنا ہی زندہ نہ رہ سکتا ہو' (الی قولہ) ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ بلا ضرورت فوٹو نہ کھنچوائے جائیں۔

(الفتاویٰ النوریہ ج ۲ص ۱۷۱-۱۶۹ لاہور ۱۴۰۸ھ)

احادیث صحیحہ اور عبارات فقہاء کی روشنی میں یہ امر واضح ہو گیا کہ تمدنی' معاشی' عمرانی اور شرعی ضروریات کے لیے آدھی تصویر کھنچوانا جائز ہے اور بلا ضرورت محض شوقیہ فوٹو گرافی ایک مکروہ عمل ہے اور کسی کی تعظیم اور تکریم کے لیے فوٹو کھینچنا ناجائز اور حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بتاؤ!) کس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں دریا رواں دواں کر دیئے اور زمین کو برقرار رکھنے کے لیے مضبوط پہاڑ بنا دیئے اور دو سمندروں کے درمیان آڑ پیدا کر دی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے! O (النمل: ۶۱)

زمین کی خصوصیات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال

زمین کے جائے قرار ہونے کی وجوہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھیلا کر ہموار کر دیا اور اس میں لوگوں کی سکونت سہل

اور آسمان بنادی اور زمین کو سختی اور نرمی کے درمیان متوسط اور معتدل بنایا اگر وہ پتھر کی طرح سخت ہوتی تو اس پر انسان کا چلنا مشکل ہوتا اور اگر وہ پانی کی طرح نرم ہوتی تو انسان اس میں گھس کر نیچے چلا جاتا اور ڈوب جاتا' اور اس میں سورج کی شعاؤں کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھی ورنہ ٹھنڈک کی زیادتی سے اس پر جانداروں کا رہنا مشکل ہو جاتا' سورج کے گرد زمین کی گردش کو اس کیفیت سے رکھا کہ عام لوگوں کو اس کی گردش محسوس نہیں ہوتی۔

اور فرمایا زمین کے گرد دریا رواں دواں کر دیئے' زمین سے پانی کئی صورتوں میں نکلتا ہے' بعض سیال جاری چشمے ہیں' زمین کے اندر جو بخارات چلتے رہتے ہیں کسی جگہ وہ بخارات جمع ہو جاتے ہیں اور اپنی قوت سے زمین کو پھاڑ کر نکل آتے ہیں' اور بعض چشمے جاری نہیں ہوتے کیونکہ جن بخارات کی وجہ سے وہ چشمے وجود میں آتے ہیں وہ اتنے قوی نہیں ہوتے اور ندیوں اور نالوں اور دریاؤں کے پانی ہیں اور کنوؤں کے پانی ہیں۔

رواسی راسیۃ کی جمع ہے' اس کا استعمال پہاڑوں کے لیے ہوتا ہے۔

اور فرمایا: اور دو سمندروں کے درمیان آڑ پیدا کر دی' اس سے مقصود یہ ہے تاکہ میٹھا پانی کھارے پانی سے مختلط نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ انسان کے دل میں بھی دو سمندر ہیں ایک حکمت اور ایمان کا سمندر اور دوسرا سرکشی اور شہوت کا سمندر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو سمندروں کے درمیان بھی ایک رکاوٹ قائم کر دی اور ایک سمندر دوسرے سمندر سے فاسد نہیں ہوتا' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ اس نے دو سمندر جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں' ان کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔ (الرحمٰن: ٢٠-١٩)

دو سمندروں سے مراد ایک کھارے پانی کا سمندر ہے اور ایک میٹھے پانی کا دریا ہے' یا اس سے مراد یہ ہے کہ سمندر میں دو قسم کی لہریں ہیں' ایک میٹھے پانی کی اور ایک کھارے پانی کی' اور ہر ایک لہر دوسری لہر سے ممتاز اور ممیز رہتی ہے' تیسری صورت یہ ہے کہ سمندر میں بعض جگہوں پر اوپر کھارا پانی ہوتا ہے اور اس کی تہ میں نیچے میٹھا پانی ہوتا ہے' چوتھی صورت یہ ہے کہ بعض مقامات پر دریا کا میٹھا پانی سمندر میں جا گرتا ہے اور میلوں تک یہ دونوں پانی ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے مختلط نہیں ہوتے۔

یہ نعمتیں اور زمین میں یہ خصوصیات کس نے پیدا کی ہیں' تم حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی پرستش کرتے ہو' ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی زمین میں اور سمندروں میں یہ خصوصیات تھیں۔ درختوں میں پتھروں میں آگ میں ان میں سے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ زمین کو اور سمندروں کو یہ خصوصیات دے سکے' نہ سورج اور چاند میں یہ طاقت ہے کیونکہ سورج اور چاند زمین کے جس حصہ سے غروب ہو جاتے ہیں اس غروب سے زمین کے اس حصہ کی خصوصیات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ پھر بتاؤ کہ زمین میں یہ خصوصیات کس نے پیدا کی ہیں' اور ان کے پیدا کرنے کا کون دعویدار ہے؟ پھر کیوں نہیں مان لیتے کہ اللہ ہی ان کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان کو قائم رکھنے والا ہے اور وہی سب کی عبادتوں کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بتاؤ!) جب بے قرار اس کو پکارتا ہے تو اس کی دعا کو کون قبول کرتا ہے اور کون تکلیف کو دور کرتا ہے! اور تم کو زمین پر پہلوں کا قائم مقام بناتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! تم لوگ بہت کم نصیحت کو قبول کرتے ہو! ۝ (النمل: ٦٢)

مضطر (بے قرار) کے مصداق کے متعلق اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مضطر (بے قرار) وہ شخص ہے جس کو کسی چیز کی سخت ضرورت ہو اور وہ اس کی

طلب کی وجہ سے مشقت میں مبتلا ہو! سدی نے کہا مضطر وہ شخص ہے جو کسی مصیبت کو دور کر سکتا ہو اور نہ کسی راحت کو حاصل کر سکتا ہو۔ ذوالنون نے کہا مضطر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب سے رشتے منقطع کر چکا ہو۔ ابوجعفر اور ابوعثمان نیشاپوری نے کہا مضطر وہ شخص ہے جو دیوالیہ ہو چکا ہو' سہل بن عبداللہ نے کہا مضطر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اس کے پاس دعا کے قبول ہونے کے لیے پیشگی عبادت کا کوئی وسیلہ نہ ہو۔ ایک شخص مالک بن دینار کے پاس آیا اور کہا میں آپ سے اللہ کے لیے سوال کرتا ہوں' آپ میرے لیے دعا کریں میں مضطر ہوں' انہوں نے کہا جب تم مضطر ہو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو وہ مضطر کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

مضطر (بے قرار) کی دعا

عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ نے اپنے والد سے کہا میں ہر روز صبح و شام تین تین بار آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنتا ہوں۔ اے اللہ! میرے بدن کو عافیت سے رکھ' اے اللہ! میرے کانوں کو عافیت سے رکھ' اے اللہ! میری آنکھوں کو عافیت سے رکھ' تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے تو میں آپ کی سنت پر عمل کرنا پسند کرتا ہوں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس دعا میں کہا: اے اللہ! میں کفر اور فقر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اور کہا حضور صبح اور شام تین تین بار یہ دعا کرتے تھے اور میں آپ کی سنت پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہوں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کرب میں مبتلا (بے قرار) کی دعا یہ ہے: اے اللہ میں تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں تو مجھے پلک جھپکنے کے لیے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر اور تو میرے تمام کاموں کو درست کر دے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۴۵۲)

قرآن اور حدیث سے اس پر استدلال کہ مضطر اور مصیبت زدہ کی دعا قبول ہوتی ہے خواہ وہ مومن ہو یا کافر

جب کوئی شخص کرب میں مبتلا ہو' مضطر اور بے قرار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے خواہ وہ شخص مومن ہو یا کافر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ. (یونس: ۲۳-۲۲)

حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں (محو سفر) ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ لوگوں کو لے کر جا رہی ہوں اور لوگ ان سے خوش ہو رہے ہوں تو (اچانک) ان کشتیوں پر تیز آندھی آئے اور (سمندر کی) موجیں ہر طرف سے ان کو گھیر لیں اور لوگ یہ یقین کر لیں کہ وہ (طوفان میں) پھنس چکے ہیں اس وقت وہ اخلاص سے عبادت کرتے ہوئے اس سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچا لیا تو ہم ضرور تیرا شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ○ پھر جب اللہ نے انہیں بچا لیا تو وہ پھر یکایک زمین میں ناحق بغاوت (فساد) کرنے لگتے ہیں۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ○ (العنکبوت: ٦٥)

پس جب یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اخلاص سے عبادت کرتے ہوئے اللہ ہی کو پکارتے ہیں پھر جب وہ ان کو (طوفان سے) نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔

سو جو مضطر اور بے قرار اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرتا ہے وہ اس کی دعا قبول فرما لیتا ہے۔

اسی طرح احادیث میں مطلقاً مظلوم کی دعا قبول کرنے کا ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ تین (قسم کی) دعائیں قبول ہوتی ہیں' مظلوم کی دعا اور مسافر کی دعا اور باپ کی دعا اس کی اولاد کے لیے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ١٥٣٦' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١٠ص ٤٢٩' مسند احمد ج ٢ص ٢٥٨' سنن ترمذی رقم الحدیث: 1905' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٣٨٦٢' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٢٦٩٩' شرح السنۃ رقم الحدیث: ١٣٩٤)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجتے وقت چند ہدایات دیں اور آخر میں فرمایا اور مظلوم کی دعا سے بچنا کیونکہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٤٩٦' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ١٥٨٤' سنن النسائی رقم الحدیث: ٦٢٥' ٢٤٣٥' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٧٨٣)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مظلوم کی دعا سے بچو' کیونکہ اس کی دعا بادلوں کے اوپر اٹھائی جاتی ہے' اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں تمہاری ضرور مدد کروں گا' خواہ کچھ وقت گزرنے کے بعد۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٣٧١٨' المستدرک ج ١ص ٢٩' قدیم المستدرک رقم الحدیث: ٨١' یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٢٤٠٩' ٢٤٠٨' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٢٤٤٦' ١٩٧٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٧٥٢' مسند احمد ج ٢ص ٤٤٥' ٣٠٥' مجمع الزوائد ج ١٠ص ١٥٢' متن حدیث کے الفاظ متقارب ہیں)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مظلوم کی دعا سے بچو خواہ وہ کافر ہو کیونکہ اس کی دعا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

(مسند احمد ج ٣ص ١٥٣' اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو عبداللہ الاسدی ہے حافظ المنذری نے کہا ہے میں اس کو نہیں پہچانتا' الترغیب والترہیب ج ٣ص ١٨٨' حافظ الہیثمی نے بھی کہا میں اس کو نہیں پہچانتا' مجمع الزوائد ج ١٠ص ١٥٢' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد ج ١٠ص ٤٩٥' رقم الحدیث: ١٢٤٨٨' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ١٤١٦ھ)

مظلوم' مسافر اور والد کی دعا جلد قبول فرمانے کی حکمت

اللہ تعالیٰ مظلوم کے اخلاص کی وجہ سے اس کی دعا کو قبول فرما لیتا ہے اور یہ ضرورت کی بنا پر اس کے کرم کا تقاضا ہے' اور اس کے اخلاص کو قبول کر لینا ہے خواہ وہ کافر ہو' اسی طرح اگر وہ شخص اپنے دین میں سب سے بڑا فاجر ہو تو جب وہ گڑگڑا کر اخلاص کے ساتھ دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرمائے گا کیونکہ کسی کا کفر یا فجور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے عموم اور شمول سے مانع نہیں ہے اور مظلوم کی دعا کے قبول ہونے کا معنی یہ ہے' اللہ تعالیٰ ظالم کے خلاف اس کی مدد فرماتا ہے یا ظالم سے اس کا بدلہ لیتا ہے یا ظالم پر اس سے بڑے ظالم کو مسلط کر دیتا ہے جو اس ظالم پر ظلم کرتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (الانعام: ۱۲۹) اسی طرح ہم بعض ظالموں کو ان کے اعمال کی وجہ سے بعض دوسرے ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں۔

اس طرح ایک ظالم دوسرے ظالم کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دیتا ہے اور ہم ایک ظالم کا انتقام دوسرے ظالم سے لے لیتے ہیں جس طرح جب جرمنوں کا ظلم اور ان کی بربریت حد سے بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے امریکا' روس اور برطانیہ کو اس پر مسلط کر دیا۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے مظلوم کی دعا سے بچو کیونکہ اس کی دعا بادلوں کے اوپر اٹھائی جاتی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مظلوم کی دعا کے لیے فرشتوں کو مقرر فرما دیا ہے وہ اس کی دعا کو بادلوں کے اوپر اٹھا کر لے جاتے ہیں' پھر وہاں سے اس کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور آسمان دعا کا قبلہ ہے تاکہ اس کو تمام فرشتے دیکھ لیں' اور دعا کو اوپر لے جانے سے فرشتوں کی مدد کا اظہار ہوتا ہے اور اس دعا کی قبولیت میں ان کی شفاعت حاصل ہوتی ہے' اور مظلوم کی دعا کو جلد قبول کرنے سے لوگوں کو اللہ کی ناراضگی' اس کی معصیت اور اس کے حکم کی مخالفت کرنے سے ڈرانا مقصود ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور ظلم کو تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے' اے میرے بندو! سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو! الحدیث۔ (صحیح مسلم' البر والصلہ: ۵۵' رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۵۷۷' الرقم المسلسل: ۶۴۵۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' ۱۴۱۷ھ)

پس مظلوم مضطر اور مکروب ہے اور اپنا بدلہ لینے کے لیے بے قرار ہے' اور مسافر بھی اسی کے قریب ہے کیونکہ وہ اپنے اہل اور وطن سے جدا ہے' دوستوں اور مددگاروں سے دور ہے' اور دوران سفر اجنبی لوگوں کے درمیان رہنے کی وجہ سے اس کا کوئی موافق اور مددگار نہیں ہے' اس لیے وہ بھی مکروب اور مضطر ہے اور اس کی دعا بھی اللہ تعالیٰ از راہِ کرم جلد قبول فرماتا ہے' اسی طرح جب والد اپنی اولاد کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ بھی اپنی اولاد کے لیے بے قرار اور مضطر ہوتا ہے اور اولاد کی تکلیف سے اس کے باپ کو اذیت پہنچتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ' مظلوم اور مسافر کی طرح اس کی دعا کو بھی جلد قبول فرما لیتا ہے۔

مضطر اور مکروب کی فریاد رسی سے توحید پر استدلال

نیز اس آیت میں فرمایا: اور کون ظلم کو دور کرتا ہے' یعنی مخلوق سے ضرر اور ظلم کو کون دور کرتا ہے' اور فرمایا اور تم کو زمین پر پہلوں کا قائم مقام بناتا ہے' یعنی ایک قوم مر جاتی ہے اور اس کی جگہ دوسری قوم آ جاتی ہے اور وہ تمہاری اولاد کو تمہارا قائم مقام بنا دیتا ہے' اگر پہلے لوگ مر کر بعد والوں کے لیے جگہ خالی نہ کرتے تو بعد والوں کے لیے زمین تنگ ہو جاتی۔

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا تو جس طرح اللہ نے اپنی عبادت اور توحید کا پیغام دے کر رسول بھیجے ہیں تو وہ دوسرا معبود بھی اپنا پیغام بھیجتا' اپنے رسولوں پر معجزات نازل کرتا' وہ بھی آسمانی کتابیں نازل کرتا' اور جب ایسا نہیں ہوا تو مان لو کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی واحد لاشریک ہے' وہی ستائش اور عبادت کا مستحق ہے' اس کے سوا اور کوئی اس کائنات کا پیدا کرنے والا نہیں ہے۔

ہر صاحب عقل اس بات کو تسلیم کرے گا کہ ستائش اور عبادت کا وہی مستحق ہے جو مصائب دور کرے' دکھ اور پریشانی میں کام آئے' اور جب اللہ تعالیٰ کے سوا مصائب کو کوئی دور نہیں کرتا' مشکلات کو اس کے سوا کوئی حل نہیں کرتا تو اس کے سوا عبادت کا بھی کوئی مستحق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بتاؤ!) وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنی

رحمت سے پہلے ہی خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! اللہ ان سے بہت بلند ہے جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں O (بتاؤ!) وہ کون ہے جو ابتداءً مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! آپ کہیے اگر تم سچے ہو تو تم اپنی دلیل لاؤ O (النمل: ۶۴-۶۳)

حشر ونشر کا ثبوت اور شرک کا ابطال

خشکی اور سمندروں کے اندھیروں سے مراد یہ ہے کہ جب انسان رات کے اندھیروں میں خشکی یا سمندروں کا سفر کرے تو اس وقت اس کو ستاروں سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور بارش ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ایسی ہوائیں بھیج دیتا ہے جن سے بارش کا پتا چل جاتا ہے ہر چند کہ اب ایسے آلات اور اسباب ایجاد ہو چکے ہیں جن سے ان ہواؤں کے بغیر بھی علم ہو جاتا ہے کہ بارش کب متوقع ہے اور کب متوقع نہیں ہے لیکن یہ اسباب اور آلات بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں اور ان آلات اور اسباب سے کام لینے کی عقل بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اور یہ مشرکین پتھر کے جن بے جان بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں کیا ان بتوں میں یہ طاقت ہے کہ وہ ان ہواؤں کو بھیج سکیں یا ایسے اسباب اور آلات پیدا کر سکیں۔

مشرکین یہ مانتے تھے کہ سارے جہان کا خالق اور رازق اللہ تعالیٰ ہے لیکن وہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیے جانے کو نہیں مانتے تھے اللہ تعالیٰ ان پر حجت قائم فرماتا ہے کہ جس نے اس کائنات کو ابتداءً پیدا کیا وہ اس کو دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتا سو اللہ تعالیٰ نے ہی ابتداءً پیدا کیا اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا وہی پیدا کرتا ہے اور وہی رزق دیتا ہے اور اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے یہ سارا جہان پیدا کیا ہے یا اس کے سوا کسی اور نے کسی بھی چیز کو پیدا کیا ہے تو تم اس پر دلیل لاؤ اور اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور کے ساتھ مل کر یا اس کے تعاون سے اس کائنات کو پیدا کیا ہے تو تم اس پر دلیل قائم کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (ازخود) غیب نہیں جانتا اور نہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا O کیا ان کو آخرت کا پورا علم حاصل ہو گیا؟ (نہیں!) بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں ہیں بلکہ وہ آخرت کے متعلق اندھے (بالکل جاہل) ہیں O (النمل: ۶۶-۶۵)

بل ادرک علمهم في الاخرة کے معانی

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر دلائل قائم کیے تھے کہ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور مخلوق کو اپنے وجود اور بقا میں جن چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے کمال علم کو بیان فرما رہا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں ازخود غیب کو صرف وہی جانتا ہے۔

اگر کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی ازخود غیب کو جاننے والا ہے اور اس وجہ سے وہ عبادت کا مستحق ہے تو اس کی یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے۔ جب آسمان والوں میں سے بھی کوئی ازخود غیب کو نہیں جانتا تو زمین والے ازخود غیب کو کس طرح جان سکتے ہیں۔

دوسری آیت میں فرمایا ہے بل ادرک علمهم في الاخرة' ادارک اصل میں تدارک تھا جو صرف ایک قانون کی وجہ سے ادارک ہو گیا' کیا ان کو آخرت کا پورا علم حاصل ہو گیا؟ اس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے آخرت کے متعلق ان کا علم غائب ہو گیا اور وہ اس کو نہ سمجھ سکے' بعض نے کہا اس کا معنی ہے آخرت کے متعلق وہ شکوک اور شبہات میں مبتلا ہیں' کبھی وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو بہت بعید کہتے تھے اور اس پر حیرت کا اظہار کرتے تھے

اور کبھی آخرت کا صاف انکار کر دیتے تھے' خلاصہ یہ ہے کہ آخرت کے متعلق ان کا علم الجھا ہوا تھا' اور بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آخرت کے معاملہ میں ان کا علم آخرت میں کامل ہو جائے گا لیکن اس وقت یہ سود مند نہیں ہوگا۔

علم غیب کی تحقیق

ان دو آیتوں کی اختصار کے ساتھ تفسیر کرنے کے بعد ہم علم غیب پر بحث کرنا چاہتے ہیں ہر چند کہ ہم الاعراف اور النحل میں اس پر سیر حاصل بحث کر چکے ہیں لیکن چونکہ ہمارے دور کے بعض مفسرین نے النمل: ٦٥ میں بھی اس پر گفتگو کی ہے تو ہم بھی یہاں اختصار کے ساتھ علم غیب کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اس آیت میں غیب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے پہلے ہم اس کو پیش کریں گے' پھر اس پر تبصرہ کریں گے' پھر غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث پیش کریں گے پھر جمہور علماء اور مخالفین کی عبارات سے ان آیات کا محمل بیان کریں گے جن سے بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی ہوتی ہے اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی اور علم ماکان و ما یکون پر قرآن اور حدیث سے ایک دلیل بیان کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مفتی محمد شفیع کا نظریہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٩ھ لکھتے ہیں:

اسی بنا پر یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اور جس قدر چاہے اپنی معلومات کا کوئی گوشہ کھول دے' اور کسی غیب یا بعض غیوب کو اس پر روشن کر دے' لیکن علم غیب بحیثیت مجموعی کسی کو نصیب نہیں اور عالم الغیب ہونے کی صفت صرف اللہ رب العلمین کے لیے مخصوص ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں' انہیں کوئی نہیں جانتا اس کے سوا'' (الانعام آیت: ٥٩) اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ ''اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرنے والا ہے' اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحم میں کیا (پرورش پا رہا) ہے اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا' اور کسی متنفس کو خبر نہیں ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آئے گی'' (لقمان' آیت ٣٤) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ ''وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے' اور اس کے علم میں سے کسی چیز پر بھی وہ احاطہ نہیں کر سکتے الا یہ کہ وہ جس چیز کا چاہے انہیں علم دے'' (البقرۃ' آیت ٢٥٥)

قرآن مجید مخلوقات کے لیے علم غیب کی اس عام اور مطلق نفی پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ خاص طور پر انبیاء علیہم السلام' اور خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس امر کی صاف صاف تصریح کرتا ہے کہ وہ عالم الغیب نہیں ہیں اور ان کو غیب کا صرف اتنا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے جو رسالت کی خدمت انجام دینے کے لیے درکار تھا۔ سورہ انعام آیت ٥٠' الاعراف آیت ١٨٧' التوبہ' آیت ١٠١' ھود' آیت ٣١' احزاب' آیت ٦٣' الاحقاف آیت ٩' التحریم' آیت ٣' اور الجن آیات ٢٦ تا ٢٨ اس معاملہ میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں چھوڑتیں۔

قرآن کی یہ تمام تصریحات زیر بحث آیت کی تائید و تشریح کرتی ہیں جن کے بعد اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ کوئی دوسرا بھی جمیع ماکان و مایکون کا علم رکھتا ہے' قطعاً ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے۔ شیخین' ترمذی' نسائی' امام احمد' ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے صحیح سندوں کے ساتھ حضرت عائشہ کا یہ قول نقل کیا

ہے کہ من زعم انہ (ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم) یعلم مایکون فی غد فقد اعظم علی اللہ الفریۃ واللہ یقول قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ یعنی "جس نے دعویٰ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کل کیا ہونے والا ہے اس نے اللہ پر سخت جھوٹ کا الزام لگایا' کیونکہ اللہ تو فرماتا ہے اسے نبی تم کہہ دو کہ غیب کا علم اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کو بھی نہیں ہے۔'' ابن المنذر حضرت عبداللہ بن عباس کے مشہور شاگرد عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ''اے محمد! قیامت کب آئے گی؟ اور ہمارے علاقے میں قحط برپا ہے' بارش کب ہوگی؟ اور میری بیوی حاملہ ہے' وہ لڑکا جنے گی یا لڑکی؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں نے آج کیا کمایا ہے' کل میں کیا کماؤں گا؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں کہاں پیدا ہوا ہوں' مروں گا کہاں؟'' ان سوالات کے جواب میں سورہ لقمان کی وہ آیت حضور نے سنائی جو اوپر ہم نے نقل کی ہے ان اللہ عندہ علم الساعۃ. پھر بخاری و مسلم اور دوسری کتب حدیث کی وہ مشہور روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جس میں ذکر ہے کہ صحابہ کے مجمع میں حضرت جبریلؑ نے انسانی شکل میں آکر حضورؐ سے جو سوالات کیے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور نے جواب دیا ما المسئول عنھا باعلم من السائل (جس سے پوچھا جارہا ہے وہ خود پوچھنے والے سے زیادہ اس بارے میں کوئی علم نہیں رکھتا) پھر فرمایا یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں' اور یہی مذکورہ بالا آیت حضور نے تلاوت فرمائی۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۵۹۸-۵۹۷' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور' ۱۹۸۳ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ لکھنا درست ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں' کیونکہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے غیر پر جائز نہیں ہے' ہر چند کہ آپ کو بے شمار علوم غیبیہ دیئے گئے لیکن آپ پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں ہے جیسا کہ آپ عزیز اور جلیل ہیں اس کے باوجود محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ عرف میں عزوجل کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

اور سید مودودی کا یہ لکھنا درست نہیں ہے کہ آپ کو غیب یا علم غیب نہیں دیا گیا' البقرہ: ۳ میں متقین کی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔ الذین یؤمنون بالغیب' یعنی متقین وہ ہیں جن کا غیب پر ایمان ہے اور ایمان تصدیق بالقلب کو کہتے ہیں اور تصدیق علم کی اعلیٰ قسم ہے اس کا مطلب ہے ہر متقی کو غیب کا علم ہوتا ہے' کیونکہ ہر متقی اللہ تعالیٰ کی' فرشتوں کی' اور جنت اور دوزخ کی تصدیق کرتا ہے اور اس کو ان کا علم ہوتا ہے اور یہ سب امور غیب سے ہیں' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر متقی کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر متقی ہیں اس لیے آپ کو سب سے زیادہ علم غیب ہے' اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی علم غیب نہیں ہے' اس آیت کا اور دیگر آیات کا انکار ہے' ہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی از خود غیب کا علم نہیں ہے' یا کسی کو بھی تمام غیوب کا علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نبیوں اور رسولوں کو فرشتوں کے واسطے سے غیوب پر مطلع فرماتا ہے یا براہ راست ان کو وحی کے ذریعہ غیب پر مطلع فرماتا ہے اور اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ الہام کے ذریعہ غیب پر مطلع فرماتا ہے اور عام مومنین کو نبیوں اور رسولوں کے خبر دینے سے غیب کا علم ہوتا ہے اور ہر شخص کو حسب حیثیت اور بلحاظ مرتبہ غیب کا علم دیا جاتا ہے اور کائنات میں سب سے زیادہ غیب کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتاتے ہیں وہ حقیقتاً علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو انبیاء کو دی

گئی ہیں جس کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔
(معارف القرآن ج ۲ ص ۲۴۸ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۱۴ھ)

ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی خبریں بتائی گئی ہیں اس سے ان کو علم غیب حاصل نہیں ہوا کیونکہ شرح عقائد اور دیگر علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں خبر صادق حواس سلیمہ اور عقل اور وحی بھی خبر صادق ہے تو جب انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے غیب کی خبریں دیں تو ان کو علم غیب حاصل ہو گیا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وحی سے علم غیب حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم محیط یا علم ذاتی نہیں ہے۔

آل عمران: ۱۷۹ کی تفسیر میں شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو بلاواسطہ کسی یقینی غیب کی اطلاع نہیں دی جاتی انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے مگر جس قدر خدا چاہے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے کہا ہے جو چیز بتا دی گئی وہ غیب نہ رہی اس لیے مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متقین کو بتانے کے بعد ان کے علم پر یؤمنون بالغیب میں علم کا اطلاق کیا ہے کیونکہ ایمان بالغیب تصدیق بالغیب ہے اور تصدیق بالغیب علم بالغیب ہے اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ کسی چیز کے علم کے بغیر اس چیز پر ایمان نہیں ہو سکتا اس لیے غیب کے علم کے بغیر اس پر ایمان نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ نے متقین کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے اور ان کو رسولوں کے واسطے سے غیب کی خبر دینے کے بعد ہی ان کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ متقین کو جو مثلاً جنت اور دوزخ اور فرشتوں کا علم ہے اس کو علم غیب اس لیے فرمایا ہے کہ جن کو ان چیزوں کا علم نہیں ہے ان کے اعتبار سے وہ غیب کا علم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ (الزمر: ۴۶ الحشر: ۲۲ التغابن: ۱۸ الجمعۃ: ۸) فرمایا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی غیب نہیں ہے اس کا یہی معنی ہے کہ دوسروں سے جو چیز غیب ہے اللہ تعالیٰ اس کا عالم ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبر حاصل ہے غیب کا علم نہیں ہے مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں اسی طرح کسی رسول و نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ کشف و الہام جو غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا تو وہ غیب کی حدود سے نکل گیا اس کو قرآن میں غیب کے بجائے انباء الغیب کہا گیا ہے جیسا کہ متعدد آیات میں مذکور ہے تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک۔ (معارف القرآن ج ۳ ص ۳۴۷ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء)

مفتی صاحب کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ جب غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا تو وہ غیب کی حدود سے نکل گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود متقین کے علم پر یؤمنون بالغیب میں علم غیب کا اطلاق فرمایا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غیب کی خبر کا حصول اور چیز ہے اور علم غیب اور چیز ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خبر صادق علم کا ذریعہ اور سبب ہے جس چیز کی خبر حاصل ہو گئی اس چیز کا علم ہو گیا علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے لکھا ہے کہ مخلوق کے لیے علم کے تین اسباب ہیں حواس سلیمہ عقل اور خبر صادق (شرح عقائد ص ۱۰ کراچی) سو جب غیب کی خبر دی گئی تو غیب کا علم دے دیا گیا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی میں جو آیات اور احادیث پیش کی ہیں ان سب کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو از خود غیب کا علم نہیں ہے یا علم محیط نہیں ہے تاکہ ان آیات اور احادیث کا ان آیات اور احادیث سے تعارض لازم نہ آئے جن میں نبیوں اور رسولوں کو علم غیب عطا فرمانے کی تصریح کی گئی جن کو ان شاء اللہ العزیز ہم

عنقریب پیش کریں گے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق درست نہیں اور آپ کو علم غیب حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہ کہنے کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصریح

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

علم غیب عطا ہونا اور لفظ عالم الغیب کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگر چہ بندہ مومن کی نسبت صریح لفظ علم الغیب وارد ہے کما فی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح للملا علی القاری بلکہ خود حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہے کان یعلم علم الغیب مگر ہماری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے کشاف میں ہے المرادبہ الخفی الذی لا ینفذ فیه ابتداء الاعلم اللطیف الخبیر ولهذالایجوز ان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب و ماکان و مایکون کے عالم ہیں مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قطعاً عزت و جلالت والے ہیں تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز و جلیل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں بلکہ اللہ عزوجل و محمد صلی اللہ علیہ وسلم' غرض صدق وصورت معنی کو جواز اطلاق لفظ لازم نہیں نہ منع اطلاق لفظ کو نفی صحت معنی' امام ابن المنیر اسکندری کتاب الانتصاف میں فرماتے ہیں کم من معتقد لایطلق القول به خشیة ایهام غیره ممالایجوز اعتقاده فلاربط بین الاعتقاد والاطلاق یہ سب اس صورت میں ہے کہ مقید بقید اطلاق اطلاق کیا جائے یا بلا قید علی الاطلاق مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطا کی تصریح کر دی جائے تو وہ محذور نہیں کہ ایہام زائل اور مراد حاصل۔ علامہ سید شریف قدس سرہ حواشی کشاف میں فرماتے ہیں وانما لم یجز الاطلاق فی غیره تعالی لانه یتبادر منه تعلق علم به ابتداء فیکون ماقضا و اما اذا قید و قیل اعلمه الله تعالی الغیب او اطلعه علیه فلا محذور فیه یعنی یوں نہیں کہنا چاہیے کہ آپ کو علم غیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آپ کو علم غیب دیا گیا' یا آپ غیب پر مطلع ہیں پھر کوئی حرج نہیں ہے)

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۸۱' مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

علم جبکہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی خبر کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے' اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمتہ اللہ علیہ نے کر دی ہے' اور یہ یقیناً حق ہے کہ کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (ملفوظات ج ۳ ص ۳۴' مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے ثبوت میں اعلیٰ حضرت کے دلائل

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ماکان و مایکون کا علم دیا اور جب یہ علم قرآن عظیم کے تبیانا لکل شیء ہونے نے دیا اور بر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے نہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول جمیع قرآن عظیم سے پہلے اگر بعض کی نسبت ارشاد ہو لم نقصص علیک ہرگز احاطہ علم مصطفوی کا نافی نہیں مخالفین جو کچھ پیش کرتے ہیں سب انہیں اقسام کے ہیں ہاں ہاں تمام نجدیہ دہلوی گنگوہی جنگلی کو ہی سب کو دعوت عام ہے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت

ایک حدیث متواتر یقینی الافادہ لائیں جس سے صریح ثابت ہو کہ تمام نزول قرآن کے بعد بھی ما کان و ما یکون سے فلاں امر حضور پر مخفی رہا اگر ایسا نص نہ لاسکو اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے تو جان لو کہ اللہ راہ نہیں دیتا دغا بازوں کے مکر کو اھ ملخص۔ اس کے بعد بھی ایسے وقائع پیش کرنا کیسی شدید بے حیائی ہے بلاشبہ عمرو کا قول صحیح ہے جمیع ما کان و ما یکون جملہ مندرجات لوح محفوظ کا علم محیط حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کریم کے سمندروں سے ایک لہر ہے جیسا کہ علامہ علی قاری کی زبدہ شرح بردہ میں مصرح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۸۲ مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ کراچی)

اعلیٰ حضرت نے ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ کی جس عبارت کا ذکر فرمایا ہے اس کا حوالہ یہ ہے: (الزبدۃ العمدۃ شرح البردۃ ص ۱۱۶ مطبوعہ خیر پور سندھ ۱۴۰۶ھ)

غیب کا لغوی معنی

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الغیب کا معنی ہے: ہر وہ چیز جو تم سے غائب ہو امام ابو اسحاق نے یؤمنون بالغیب کی تفسیر میں کہا وہ ہر اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ان سے غائب ہے اور اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے جیسے مرنے کے بعد جی اٹھنا' جنت اور دوزخ' اور جو چیز ان سے غائب ہے اور اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہ غیب ہے' نیز غیب اس کو کہتے ہیں جو آنکھوں سے پوشیدہ ہے' خواہ وہ دل میں ہو' کہا جاتا ہے کہ میں نے وراء غیب سے آواز سنی یعنی اس جگہ سے سنی جس کو میں نہیں دیکھ رہا۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۶۵۴' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جو آنکھوں سے غائب ہو وہ غیب ہے عام ازیں کہ وہ دل میں ہو یا نہ ہو۔

(مجمع بحار الانوار ج ۴' ص ۸۲' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان' المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۵ھ)

غیب کا اصطلاحی معنی

قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

غیب سے مراد وہ مخفی امر ہے جس کا نہ حواس (خمسہ) ادراک کر سکیں اور نہ ہی اس کی بداہت عقل تقاضا کرے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس کے علم کی کوئی دلیل (ذریعہ) نہ ہو' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ (الانعام: ۵۹) اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں' ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور دوسری قسم وہ ہے جس کے علم کے حصول کا کوئی ذریعہ ہو (خواہ عقلی دلیل سے اس کا علم ہو خواہ خبر سے) جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور قیامت اور اس کے احوال کا علم۔ (انوار التنزیل مع الکازرونی ج ۱ ص ۱۱۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

علامہ محی الدین شیخ زادہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غیب کی دوسری قسم میں جو قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ جس کے علم پر کوئی دلیل ہو اس سے مراد ہے وہ دلیل عقلی ہو یا نقلی ہو' کیونکہ اللہ عزوجل اور اس کی صفات پر عقلی دلائل قائم ہیں (اور ان کو عقل سے جانا جا سکتا ہے) اور قیامت اور اس کے احوال پر دلائل نقلیہ قائم ہیں (اور ان کو قرآن اور احادیث سے جانا جا سکتا ہے) اور یہ دونوں قسمیں غیب ہیں' اور غیب کی اس دوسری قسم کو انسان ان دلائل سے جان سکتا ہے' اور وہ غیب جس کا علم اللہ سبحانہ کے ساتھ مختص ہے وہ غیب کی قسم اول ہے اور سورۃ

الانعام کی اس آیت کریمہ میں وہی مراد ہے۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب دیئے جانے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (آل عمران: ۱۷۹)

اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ تم کو غیب پر مطلع کردے لیکن (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) اللہ چن لیتا ہے جسے چاہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ (آل عمران: ۴۴)

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۔ (الجن: ۲۷-۲۶)

(اللہ) عالم الغیب ہے سو وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا ماسوا ان کے جن سے وہ راضی ہے اور وہ اس کے (سب) رسول ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق احادیث

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر غیوب پر مطلع فرمایا گیا تھا اس باب میں احادیث کا ایک سمندر ہے جس کی گہرائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اور آپ کا یہ معجزہ ان معجزات میں سے ہے جو ہم کو یقینی طور معلوم ہیں' کیونکہ وہ احادیث معنیً متواتر ہیں اور ان کے راوی بہت زیادہ ہیں اور ان احادیث کے معانی غیب کی اطلاع پر متفق ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

(الشفاء ج ۱ ص ۳۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

(۱) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو امور پیش ہونے والے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب امور بیان کر دیئے جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا' اور میرے ان اصحاب کو ان کا علم ہے' ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں' جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴' صحیح مسلم الجنۃ ۲۳ (۲۸۹۱) ۷۱۳۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۵' جامع الاصول ج ۱۱ رقم الحدیث: ۸۸۸۲)

(۲) حضرت ابو زید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے' پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی' آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی' پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' پھر آپ نے ہمیں ماکان ومایکون (جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے) کی خبریں دیں' پس ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔

(صحیح مسلم الجنۃ: ۲۶ (۲۸۹۲) ۷۱۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۲۹' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۹۲' جامع الاصول ج ۱۱ رقم الحدیث: ۸۸۸۵' الاحاد والمثانی ج ۴ رقم الحدیث: ۲۱۸۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۱۳)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں مخلوق کی

ابتداء سے خبریں دینی شروع کیں' حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے' جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲' امام احمد نے اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے' مسند احمد ج ۱۴' رقم الحدیث: ۱۸۱۴۰' طبع دار الحدیث' قاہرہ)

امام ترمذی نے کہا اس باب میں حضرت حذیفہ' حضرت ابو مریم' حضرت زید بن اخطب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ سے احادیث مروی ہیں انہوں نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قیامت تک تمام ہونے والے امور بیان کر دیئے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں چھوڑا کہ فضا میں جو بھی اپنے پروں سے اڑنے والا پرندہ تھا آپ نے ہمیں اس سے متعلق علم کا ذکر کیا۔

(مسند احمد ج ۵' ص ۱۵۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۵۸' مطبوعہ قاہرہ' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۶۴۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۴۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۸' ص ۲۶۴' مسند ابو یعلیٰ' رقم الحدیث: ۵۱۰۹)

ائمہ حدیث نے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ان کے دشمنوں پر غلبہ کی خبر دی اور مکہ مکرمہ' بیت المقدس' یمن' شام اور عراق کی فتوحات کی خبریں دیں اور امن کی خبر دی اور یہ کہ کل خیبر حضرت علی کے ہاتھوں سے فتح ہوگا' اور آپ کی امت پر دنیا کی جو فتوحات کی جائیں گی اور وہ قیصر و کسریٰ کے خزانے تقسیم کریں گے' اور ان کے درمیان جو فتنے پیدا ہوں گے' اور امت میں جو اختلاف پیدا ہوگا اور وہ پچھلی امتوں کے طریقے پر چلیں گے' اور کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں ختم ہو جائیں گی اور پھر ان کی حکومت قائم نہیں ہوگی اور یہ کہ روئے زمین کو آپ کے لیے لپیٹ دیا گیا ہے اور آپ نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا ہے اور یہ کہ آپ کی امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا اور آپ نے بنو امیہ اور حضرت معاویہ کی حکومت کی خبر دی اور اہل بیت کی آزمائش اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی' حضرت معاویہ اور حضرت علی کی لڑائی کی خبر دی' حضرت عمار کی شہادت کی خبر دی' آپ کے اہل بیت میں سب سے پہلے حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر دی' اور یہ کہ آپ کے بعد صرف تیس سال تک خلافت رہے گی' اور پھر بادشاہت ہو جائے گی۔ تیس دجالوں کے خروج کی خبر دی' قریش کے ہاتھوں امت کی ہلاکت کی خبر دی' قدریہ اور رافضیہ کے ظہور کی خبر دی' ابناء فارس کے دین حاصل کرنے کی خبر دی' اپنی گمشدہ اونٹنی کی خبر دی' جنگ بدر میں کافر کس جگہ گر کر مریں گے یہ خبر دی' حضرت حسن کے صلح کرانے کی خبر دی' حضرت سعد کی حیات کے متعلق خبر دی اور یہ خبر دی کہ آپ کی ازواج میں سے جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہوں گے وہ آپ سے سب سے پہلے واصل ہوگی۔ حضرت زید بن صوحان کے ہاتھ کے متعلق پیش گوئی کی' سراقہ کے لیے سونے کے کنگنوں کی خبر دی اور بہت باتوں کی خبر دی۔

(۵) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا ہے' سو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا' اور میری امت کی حکومت عنقریب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کہ زمین میرے لیے سکیڑ دی گئی تھی اور مجھے سرخ اور سفید دو خزانے دیئے گئے ہیں۔ (الحدیث)

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶' ص ۵۲۷' صحیح مسلم الفتن ۱۹ (۲۸۸۹) ۷۱۲۵' ۷۱۲۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

النمل: ٦٥' میں اللہ کے غیر سے علم غیب کی نفی کا محمل

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

شاید کہ حق بات یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے جس علم کی نفی کی گئی ہے یہ وہ علم ہے جو ذاتی ہو یعنی بلاواسطہ اور کیونکہ تمام آسمانوں اور زمینوں والے ممکن بالذات ہیں اس لیے ان میں سے کسی کا علم بالذات اور بلاواسطہ ہو ہی نہیں سکتا اور خواص کو جو علم غیب حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے افاضہ (فیضان) کرنے سے حاصل ہوتا ہے' اس لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کو بالذات اور بلاواسطہ غیب کا علم ہے اور یہ کہنا کفر ہے' البتہ یہ کہا جائے گا کہ ان پر غیب ظاہر کیا گیا یا ان کو غیب پر مطلع کیا گیا تا کہ معلوم ہو کہ ان کو غیب کا علم اللہ کے عطا کرنے سے ہے' کیونکہ قرآن مجید کی آیات میں معروف صیغہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا۔ اس لیے معروف صیغے کے ساتھ خواص کے لیے غیب کا علم ثابت نہ کیا جائے اور یوں نہ کہا جائے کہ خواص غیب جانتے ہیں تا کہ قرآن مجید کی ظاہری آیات سے تعارض لازم نہ آئے' بلکہ یوں کہا جائے کہ خواص کو غیب کا علم دیا گیا ہے یا وہ غیب پر مطلع کیے گئے ہیں اور مجہول صیغوں کے ساتھ ان کے لیے علم غیب کو ثابت کیا جائے۔ (روح المعانی جز ٢٠ ص ١٨' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٤١٧ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ١٣٦٤ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ کو تو بے بتلائے سب معلوم ہے اور کسی کو بے بتلائے کچھ بھی معلوم نہیں۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ١٣٦٩ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

شروع پارہ سے یہاں تک کہ حق تعالیٰ کی قدرت تامہ' رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان تھا یعنی جب وہ ان صفات وشئون میں متفرد ہے تو الوہیت ومعبودیت میں بھی متفرد ہونا چاہیے۔ آیت حاضرہ میں اس کی الوہیت پر دوسری حیثیت سے استدلال کیا جا رہا ہے یعنی معبود وہ ہوگا جو قدرت تامہ کے ساتھ علم کامل ومحیط بھی رکھتا ہو اور یہ وہ صفت ہے جو زمین وآسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں' اُسی رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کی مستحق اکیلی اس کی ذات ہوئی۔ (تنبیہ) کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں' نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہو سکتا ہے اور نہ مفاتیح غیب (غیب کی کنجیاں جن کا ذکر سورہ انعام میں گزر چکا) اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں۔ ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا' یا غیب کی خبر دے دی لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن وسنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر ''عالم الغیب '' یا ''فلان یعلم الغیب '' کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف مُوہم ہوتے ہیں۔ اسی لیے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں۔ گو لغۃً صحیح ہوں جیسے کسی کا یہ کہنا کہ ان اللہ لا یعلم الغیب (اللہ کو غیب کا علم نہیں) گو اس کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہے ہی نہیں' سخت ناروا اور سوءِ ادب ہے۔ یا کسی کا حق سے موت اور فتنہ سے اولاد اور رحمت سے بارش مراد لے کر یہ الفاظ کہنا ''انی اکرہ الحق واحب الفتنة وافر من الرحمة'' (میں حق کو برا سمجھتا ہوں اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے بھاگتا ہوں) سخت مکروہ اور قبیح ہے' حالانکہ باعتبار نیت ومراد کے قبیح نہ تھا۔ اسی طرح فلان عالم الغیب وغیرہ الفاظ کو سمجھ لو اور واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون وتخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرائن ودلائل سے حاصل کیا جائے بلکہ جس کے لیے کوئی دلیل وقرینہ موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔ سورہ انعام واعراف میں اس کے متعلق کسی قدر لکھا جا چکا ہے۔ وہاں مراجعت کر

لی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی کی ایک دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (النساء: ۱۱۳) اور آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ کے اوپر بہت بڑا فضل ہے۔

منکرین کہتے ہیں کہ ''ما'' سے مراد احکام شرعیہ ہیں یعنی جو احکام شرعیہ آپ کو معلوم نہ تھے ان کا علم آپ کو دے دیا نہ کہ تمام چیزوں کا علم دے دیا' ہم کہتے ہیں کہ اس آیت میں ''ما'' کا لفظ ہے اور اصول فقہ کی کتابوں میں تصریح ہے کہ ''ما'' کی وضع عموم کے لیے ہے اور اس کا عموم قطعی ہے لہٰذا اس آیت کی اس مطلوب پر قطعی دلالت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا گیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے' اور منکرین علم نبوت جن احادیث سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ کو فلاں چیز کا علم نہیں تھا وہ سب اخبار آحاد ہیں اور اخبار احاد ظنی ہوتی ہیں اور ظنی چیز قطعی دلیل کے معارض نہیں ہوسکتی' اور اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی ثابت کرنے میں ہم منفرد نہیں ہے بلکہ دیگر علماء متقدمین نے بھی اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی ثابت کیا ہے۔ علامہ محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ آپ کو روح کا علم حاصل تھا وہ لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم نہیں تھا' میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں اور سید خلق ہیں اور آپ کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو' اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان قرار دیتے ہوئے فرمایا: وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما۔ (عمدۃ القاری جز ۲ ص ۲۰۱' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر ۱۳۴۸ھ)

منکرین اس دلیل پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ کو تمام چیزوں کا علم ہو گیا تھا تو چاہیے تھا کہ اس آیت کے بعد باقی قرآن نازل نہ ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید صرف احکام شرعیہ کی تعلیم کے لیے نازل نہیں ہوا' دیکھیے نماز مکہ میں فرض ہوئی ہے اور آیت وضو (المائدہ: ۶) مدینہ میں نازل ہوئی ہے' حالانکہ نماز مکہ میں فرض ہوئی تھی اور بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی' اس سے معلوم ہوا کہ وضو کا علم آپ کو پہلے تھا اور آیت وضو' کسی اور حکمت کی وجہ سے بعد میں نازل ہوئی ہے۔ نیز علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے:

علامہ عبدالوہاب شعرانی نے الفتوحات المکیہ سے نقل کر کے الکبریت الاحمر میں لکھا ہے کہ جبریل علیہ السلام کے نازل کرنے سے پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجمالی طور پر قرآن کا علم دے دیا گیا تھا۔

(روح المعانی ج ۲۵ ص ۸۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ آپ کو تمام چیزوں کا علم دے دیا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کو تمام مخلوق کا علم دے دیا گیا تھا اور یہ علم متناہی ہے' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ کو اللہ کا کل علم حاصل تھا' اور آپ کا علم اللہ کے مساوی ہو گیا تھا' تمام مخلوق کا علم تو بہت دور کی بات ہے ایک ذرہ کے علم میں بھی آپ کے علم اور اللہ کے علم میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔

منکرین علم نبوت کا ایک اور اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۵۱) اور رسول تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور تم ان چیزوں کا علم دیتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

منکرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں بھی لفظ ''ما'' ہے اور اگر اس کی وضع عموم کے لیے ہے تو پھر یہاں بھی عموم مراد ہونا چاہیے اس سے لازم آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بھی ان تمام چیزوں کا علم دے دیا ہو جن کا ان کو پہلے علم نہیں تھا' حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے اور اگر یہاں ''ما'' عموم کے لیے نہیں ہے خصوص کے لیے ہے اور اس سے مراد ہے کہ صحابہ کو جن احکام شرعیہ کا علم نہیں تھا وہ احکام شرعیہ ان کو سکھا دیئے تو پھر **علمک مالم تکن تعلم** (النساء: ۱۱۳) میں بھی وہی لفظ ''ما'' ہے وہاں بھی خصوص مراد ہونا چاہیے' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ احکام شرعیہ سکھا دیئے جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اصول کی کتابوں میں تصریح ہے کہ ''ما'' کی اصل وضع اور حقیقت عموم کے لیے ہے اور جب تک حقیقت محال نہ ہو حقیقت ہی کا ارادہ کیا جاتا ہے' اور جب حقیقت محال ہو تو پھر مجاز کا ارادہ کیا جاتا ہے' **علمک مالم تکن تعلم** میں حقیقت کا ارادہ کرنا محال نہیں ہے کہ آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے خواہ وہ احکام شرعیہ ہوں یا ماضی' حال اور مستقبل کے حالات اور واقعات ہوں جس کو **ما کان و مایکون** کا علم کہا جاتا ہے' اور صحابہ کو ایسا عام علم دینا ثابت نہیں ہے۔ اس لیے **یعلمکم مالم تکونوا تعلمون** میں حقیقت کا ارادہ کرنا محال ہے وہاں اس کو خصوص پر محمول کیا جائے گا یعنی صحابہ کو جن احکام شرعیہ کا علم نہیں تھا وہ ان کو سکھا دیئے۔

اور اگر منکرین اس پر اصرار کریں کہ جب **یعلمکم مالم تکونوا تعلمون** میں ''ما'' کو مجاز پر محمول کیا ہے اور اس سے خصوص کا ارادہ کیا ہے تو پھر **علمک مالم تکن تعلم** میں بھی اس کو مجاز پر محمول کیا جائے اور اس سے خصوص کا ارادہ کیا جائے' گویا جب ایک جگہ ''ما'' خصوص کے لیے آ گیا تو پھر ہر جگہ اس سے خصوص کا ارادہ کیا جائے تو پھر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (النساء: ۱۲۶) میں بھی ''ما'' خصوص کے لیے ہوگا اور اس سے لازم آئے گا کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں نہ ہوں' بلکہ بعض یا اکثر چیزیں اس کی ملک میں ہوں۔

منکرین کا یہ اعتراض ایسا ہی ہے جیسے مرزائیہ کہتے ہیں کہ **لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب** میں ''لا'' نفی کمال کے لیے ہے یعنی سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی' نفی جنس کے لیے نہیں ہے تاکہ یہ معنی ہو سورہ فاتحہ کے بغیر بالکل نماز نہیں ہوتی اسی طرح **لاصلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد** میں بھی ''لا'' نفی کمال کے لیے ہے یعنی مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے بغیر کامل نہیں ہوتی ''لا'' نفی جنس کے لیے نہیں ہے تاکہ یہ معنی ہو مسجد کے بغیر بالکل نماز نہیں ہوتی' تو پھر **لا نبی بعدی** میں بھی ''لا'' نفی کمال کے لیے ہونا چاہیے' یعنی میرے بعد کوئی کامل نبی نہیں ہوگا' یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا' اس وقت منکرین بھی مرزائیہ کو یہی جواب دیتے ہیں کہ ''لا'' کی وضع نفی جنس کے لیے ہے جہاں پر کسی قرینہ کی وجہ سے حقیقت یعنی نفی جنس محال ہو وہاں پر مجازاً نفی کمال کا ارادہ کیا جائے گا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ''لا'' سے ہر جگہ نفی کمال اور مجاز کا ارادہ کیا جائے اور حقیقت متروک ہو جائے ورنہ **لا الہ الا اللہ** کا معنی ہوگا کہ اللہ کے سوا کوئی کامل معبود نہیں ہے اور **لاریب فیہ** کا معنی ہوگا قرآن میں کوئی کامل شک نہیں ہے' پس **لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب** اور **لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد** میں ایک مانع کی وجہ سے حقیقت کا ارادہ نہیں کیا گیا اور ''لا'' کو نفی کمال پر محمول کیا گیا اور **لا نبی بعدی** میں ''لا'' اپنی اصل کے مطابق نفی جنس کے لیے ہے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم منکرین سے کہتے ہیں کہ **یعلمکم مالم تکونوا تعلمون** میں بھی ما عموم کے

لیے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو بھی تمام احکام شرعیہ اور تمام ما کان و ما یکون کی خبریں دے دی تھیں لیکن ان کو وہ تمام باتیں یاد نہیں رہیں اور اس جواب پر دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

عن عمرو قال قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتى دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذلک من حفظه ونسيه من نسيه.

(صحیح البخاری ج۱ص۴۵۳' کراچی' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲' بیروت)

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ نے ابتداء خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں' حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں' جس شخص نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے اس کو بھلا دیا۔

عن حذيفة قال لقد خطبنا النبي صلى الله عليه وسلم خطبة ماترک فيها شيئا الى قيام الساعة الاذكره علمه من علمه وجهله من جهله الحديث.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرما دیئے جس شخص نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

(صحیح البخاری ج۲ص ۹۷۷' مطبوعہ کراچی' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴' بیروت' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۹۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰)

عن ابي زيد قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر و صعدالمنبر فخطبنا حتى حضرت الظهر فنزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى حضرت العصر ثم نزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتى غربت الشمس فاخبرنابما كان وما هو كائن فاعلمنا احفظنا.

حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا پھر منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ نے منبر پر چڑھ کر ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں تمام ما کان و ما یکون کی خبریں دیں سو جو ہم میں زیادہ حافظہ والا تھا اس کو ان کا زیادہ علم تھا۔

(صحیح مسلم ج۲ص ۳۹۰' کراچی' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۹۲' مسند احمد ج ۵ص ۳۴۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۲۷۶' عالم الکتب' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۷۸۶' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

عن ابي سعيد الخدري قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما صلوة العصر بنهار ثم قام خطيبافلم يدع شيئا يكون الى قيام الساعة الااخبرنا به حفظه من حفظه و نسيه من نسيه.الحديث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے قیامت تک ہونے والے ہر واقعہ اور ہر چیز کی ہمیں خبر دے دی' جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۲' مسند احمد ج ۳ص ۷۰' ۶۱' ۱۹' ۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۰'۲۸۷۳' مسند ابو یعلیٰ

رقم الحدیث: ۱۱۰۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۹۱' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۱۷)

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ فرماتے ہیں:

جس چیز پر ایمان رکھنا واجب ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے منتقل نہیں ہوئے' جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مغیبات کا علم نہیں دے دیا جو آپ کو دنیا اور آخرت میں حاصل ہوئے۔ آپ ان تمام غیوب کو اس طرح یقین کی آنکھ سے جانتے ہیں جس طرح وہ ہیں' جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میرے لیے تمام دنیا کو اٹھا لیا گیا اور میں اس کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ (یہ حدیث اس طرح ہے) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو اٹھا لیا' میں دنیا کو اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اپنی ان ہتھیلیوں کو دیکھ رہا ہوں' اللہ تعالیٰ نے ان کو میرے لیے اس طرح روشن کر دیا جس طرح مجھ سے پہلے نبیوں کے لیے روشن کیا تھا' اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۷۵۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۱۰' ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے' لیکن فضائل اور مناقب میں احادیث ضعیفہ معتبر ہوتی ہیں) اسی طرح احادیث متواترہ میں ہے کہ آپ نے جنت اور دوزخ اور جو کچھ ان میں ہے اس کو دیکھا لیکن آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ بعض چیزوں کو مخفی رکھیں۔ (حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۲ ص ۳۳۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا

اور کافروں نے کہا جب ہم اور ہمارے باپ دادا (مرکر) مٹی ہو جائیں گے (تو) کیا ہم کو (قبروں سے) ضرور نکالا جائے گا O

لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ

بے شک اس سے پہلے بھی ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے یہ

قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي

وعدہ کیا گیا تھا یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں O آپ کہیے کہ تم

الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾

زمین میں سفر کرو پھر دیکھو کہ مجرموں کا کیسا انجام ہوا O

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

آپ ان کے متعلق غم نہ کریں اور ان کی سازشوں سے تنگ دل نہ ہوں O

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ

اور یہ (کافر) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو O آپ کہیے

عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہ جس چیز کو تم جلد طلب کر رہے ہو' ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ لگ چکی ہو ○

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

اور بے شک آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے' لیکن اکثر لوگ

يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا

شکر ادا نہیں کرتے ○ اور بے شک آپ کا رب ان چیزوں کو ضرور جانتا ہے جن کو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں

يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ

اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں ○ اور آسمان اور زمین میں جو چیز بھی چھپی ہوئی ہے وہ روشن کتاب

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْۤ

(لوح محفوظ) میں (لکھی ہوئی) ہے ○ بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے

اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ

ان بہ کثرت چیزوں کو بیان فرما دیتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ○ اور بے شک

لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ

یہ (قرآن) مومنین کے لیے ضرور ہدایت اور رحمت ہے ○ بے شک آپ کا رب اپنے

بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ

حکم سے ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور وہ بہت غالب' بہت علم والا ہے ○ سو آپ اللہ

عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ

پر بھروسہ کیجئے' بے شک آپ کھلے ہوئے حق پر ہیں ○ بے شک آپ مردوں

الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾

کو نہیں سناتے اور نہ آپ بہروں کو (اپنی) پکار سناتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں ○

[illegible]

[illegible] کا قیامت صغریٰ ہونا

[illegible]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں [illegible]

[illegible] اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو اور ہر وقت [illegible]

[illegible] قیامت قائم ہو گئی۔ [illegible]

امام ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے کہ جو شخص مر گیا اس کی قیامت [illegible]

[illegible] انسان جس وقت مرتا ہے وہ دنیا میں اس کا آخری اور آخرت میں اس کا پہلا [illegible] اور فرمایا آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے [illegible]

[illegible] عذاب کا ایک حصہ پالیں گے جس کی ان کو وعید سنائی گئی تھی۔ [illegible] اور قیامت کے منکرین [illegible]

[illegible] تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ اس نے دنیا میں ان سے عذاب کو مؤخر کر دیا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے [illegible]

[illegible] ان کی پرلے درجہ کی جہالت ہے۔ نیز فرمایا [illegible] اگر پانچ منٹ کے لیے اللہ تعالیٰ ہواؤں کو روک لے تو سب کا دم گھٹ جائے [illegible]

[illegible] ہیں وہ ان پر غور نہیں کرتے [illegible] بول و براز بند ہو جائے تو ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگیں [illegible]

[illegible] سے حلق میں کانٹے پڑ جائیں [illegible]

[illegible] استغفار کریں اور ہر لحظہ اس کا شکر ادا کریں۔

[illegible] مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ سینہ صاف رکھیں

اور فرمایا: آپ کا رب اس کو ضرور جانتا ہے جس کو یہ دل میں چھپاتے ہیں' اس آیت میں تُکِنُّ کا لفظ ہے اس کا مصدر [illegible] اکنان ہے اور اس کا مادہ کن ہے اور اس کا معنی ہے کسی چیز کو دل میں چھپانا' یہ لوگ عذاب میں عجلت کی طلب کو ظاہر کرتے تھے [illegible] اور اپنے برے کاموں کو چھپاتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بے شک آپ کا رب ان چیزوں کو ضرور جانتا ہے [illegible]

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (ازخود) ہدایت دینے والے ہیں' آپ صرف ان لوگوں کو

مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ

سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی مسلمان ہیں O اور جب ان پر ہمارا قول

عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ

واقع ہو جائے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دآبۃ الارض) نکالیں گے جو ان سے کلام

اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۱۶/۲

کرے گا' بے شک لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کافروں نے کہا جب ہم اور ہمارے باپ دادا (مرکر) مٹی ہو جائیں گے (تو) کیا ہم کو (قبروں سے) ضرور نکالا جائے گا O بے شک اس سے پہلے بھی ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے یہ وعدہ کیا گیا تھا' یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں O آپ کہیے کہ تم زمین میں سفر کرو پھر دیکھو کہ مجرموں کا کیسا انجام ہوا O آپ ان کے متعلق غم نہ کریں اور ان کی سازشوں سے تنگ دل نہ ہوں O (النمل: ۷۰-۶۷)

کفار کی باتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات اور اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر دلائل بیان فرمائے تھے' تا کہ دنیا میں اس پر ایمان لایا جائے اور نیک عمل کر کے اپنی آخرت کو سنوارا جائے' اس سے پہلی آیت میں یہ بھی بیان فرمایا تھا کہ کفار مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے قائل نہ تھے' ان کا شبہ یہ تھا کہ جب ہم مرنے کے بعد قبر میں گل سڑ جائیں گے اور ہمارا جسم مٹی ہو کر مٹی میں مل جائے گا اور ہواؤں سے ہماری مٹی کے ذرات دوسروں کی مٹی کے ذرات سے مخلط ہو جائیں گے تو ہمارے ذرات کو دوسروں کے ذرات سے کیسے ممیز اور ممتاز کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں اس کا جواب دیا تھا کہ یہ کام اس پر مشکل ہے جو پوشیدہ چیزوں کو نہ جانتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے سو تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

اساطیر' اسطور کی جمع ہے' اس کا معنی ہے لکھی ہوئی چند سطریں' اور اس سے مراد ہے من گھڑت اور جھوٹی باتیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۰۶)

ان مکذبین سے کہیے کہ جو لوگ اللہ کے عذاب کا انکار کرتے تھے ان کے شہروں اور بستیوں میں سفر کر کے دیکھو' شام' حجاز اور یمن کے علاقوں کو دیکھو' عاد اور ثمود کے شہروں کو دیکھو' ان کی اُلٹی ہوئی بستیوں کو دیکھو۔

فرمایا آپ ان کے متعلق غم نہ کریں' اس پر یہ اعتراض ہے کہ رنج اور غم وہ نفسانی کیفیات ہیں جن پر انسان کا اختیار نہیں ہے' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غم کرنے سے کیسے منع فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں غم کے اسباب کو اختیار کرنے

منع فرمایا ہے یعنی آپ ان کے کفر اور انکار پر اصرار کو خاطر میں نہ لائیں تا کہ آپ کو ان کے ایمان نہ لانے سے غم ہو اور ان کی سازشوں کی طرف توجہ نہ کریں یہ آپ کو ہلاک کرنے کی سازشیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے ہلاک کرنے سے بچانے والا ہے اور اگر یہ لوگوں کو ایمان لانے سے روکنے کے لیے سازشیں کرتے ہیں تو آپ اس کی بھی فکر نہ کریں آپ سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ آپ کی تبلیغ سے کتنے لوگ اسلام لائے' آپ کے ذمہ صرف اللہ تعالیٰ کے پیغام اور اس کے دین اور اس کی شریعت کو پہنچانا ہے اور لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ (کافر) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو ○ آپ کہیے کہ جس چیز کو تم جلد طلب کر رہے ہو' ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ لگ چکی ہے ○ اور بے شک آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے' لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ○ اور بے شک آپ کا رب ان چیزوں کو ضرور جانتا ہے جس کو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں ○ اور آسمان اور زمین میں جو چیز چھپی ہوئی ہے وہ روشن کتاب (لوحِ محفوظ) میں (لکھی ہوئی) ہے ○

(النمل: ۷۵-۷۱)

موت کا قیامتِ صغریٰ ہونا

کفار یہ کہتے تھے کہ تم نے جس عذاب کی وعید سنائی ہے وہ عذاب کب آئے گا؟ آپ کہیے کہ وہ عذاب تمہارے قریب آ پہنچا ہے' اور وہ عذاب تمہارے لیے بہ منزلہ ردیف ہے' ردیف اس شخص کو کہتے ہیں جو سواری پر سوار کے پیچھے بیٹھتا ہے' یعنی جس طرح ردیف سوار کے قریب ہوتا ہے وہ عذاب تمہارے قریب آ پہنچا ہے' پھر اس عذاب کی ایک قسط تو جنگِ بدر میں شکست کی صورت میں ان کو ملے گی' اور اس کی دوسری قسط ان کو موت کے بعد ملے گی۔ حدیث یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو اسی وقت اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے' سو تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو اور ہر وقت اس سے استغفار کرتے رہو۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۱۱۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۵۸۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۷۴۸)

امام ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے کہ جو شخص مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۶۸' اتحاف ج ۹ ص ۱۱)

کیونکہ انسان جس وقت مرتا ہے وہ دنیا میں اس کا آخری اور آخرت میں اس کا پہلا زمانہ ہوتا ہے' اس لیے کفار مرتے ہی اس عذاب کا ایک حصہ پالیں گے جس کی ان کو وعید سنائی گئی تھی۔ اور فرمایا آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور کفار پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ اس نے دنیا میں ان سے عذاب کو مؤخر کر دیا ہے' اور قیامت کے منکرین جو عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں یہ ان کی پرلے درجہ کی جہالت ہے۔ نیز فرمایا لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو اَن گنت نعمتیں دی ہیں وہ ان پر غور نہیں کرتے اگر پانچ منٹ کے لیے اللہ تعالیٰ ہواؤں کو روک لے تو سب کا دَم گھٹ جائے' پانی نہ ملے تو پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ جائیں' بول و براز بند ہو جائے تو ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگیں' سو ہم پر لازم ہے کہ ہر آن استغفار کریں اور ہر لحظہ اس کا شکر ادا کریں۔

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ سینہ صاف رکھیں

اور فرمایا: آپ کا رب اس کو ضرور جانتا ہے جس کو یہ دل میں چھپاتے ہیں' اس آیت میں تُکِنُّ کا لفظ ہے اس کا مصدر اکنان ہے اور اس کا مادہ کن ہے اور اس کا معنی ہے کسی چیز کو دل میں چھپانا' یہ لوگ عذاب میں عجلت کی طلب کو ظاہر کرتے تھے' اور اپنے برے کاموں کو چھپاتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بے شک آپ کا رب ان چیزوں کو ضرور جانتا ہے جن کو یہ اپنے

دلوں میں چھپاتے ہیں اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔
نیز فرمایا: اور آسمان اور زمین میں جو چیز بھی چھپی ہوئی ہے وہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔
اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اب اس پر دلیل قائم فرمائی ہے کہ آسمان اور زمین میں جو چیز بھی چھپی ہوئی ہے وہ اس کے علم میں ہے۔
عموماً لوگوں کے دلوں میں دوسرے لوگوں کے خلاف حسد' کینہ اور عداوت چھپی ہوئی ہوتی ہے سو مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے دل کو حسد' کینہ اور عداوت سے پاک اور صاف رکھے' کسی کی چغلی کرے نہ کسی کی غیبت کرے نہ کسی کے متعلق بدگمانی کرے' مسلمان کی عزت اس کی جان کی طرح قیمتی ہے' اس لیے پس پشت کسی کا عیب بیان کر کے اس کو رسوا کرنا اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے' اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ لایعنی باتوں سے اپنے سینہ کو صاف رکھے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص میرے اصحاب کی کوئی بات مجھے نہ پہنچائے کیونکہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں تمہارے پاس اس حال میں آؤں کہ میرا سینہ صاف ہو۔ الحدیث
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۶۰' مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۵' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۵۷۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۶)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے ان بہ کثرت چیزوں کو بیان فرما دیتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں O اور بے شک یہ (قرآن) مومنین کے لیے ضرور ہدایت اور رحمت ہے O بے شک آپ کا رب اپنے حکم سے ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور وہ بہت غالب' بہت علم والا ہے O سو آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے' بے شک آپ کھلے ہوئے حق پر ہیں O بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ آپ بہروں کو سناتے ہیں' جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں O اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گم راہی سے (ازخود) ہدایت دینے والے ہیں' آپ صرف ان لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی مسلمان ہیں O (النمل: ۸۱-۷۶)

یہودیوں کا اختلاف کن امور میں تھا

یہ قرآن جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے' ان بہ کثرت باتوں کے درمیان محاکمہ کر دیتا ہے' جن میں بنی اسرائیل اپنی جہالت کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں' جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کے متعلق ان کا اختلاف ہے اور اس میں ان کا اختلاف ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ جسموں کو زندہ کر کے اکٹھا کیا جائے گا یا صرف روحوں کو جمع کیا جائے گا' اور جنت اور دوزخ کی صفات کے بارے میں ان کا اختلاف ہے اور اس میں ان کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے یا نہیں ہے' اسی طرح اور بہت چیزوں میں ان کا اختلاف ہے' وہ ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں' اگر وہ انصاف سے کام لیتے اور قرآن مجید کو مان لیتے' اسلام کو قبول کر لیتے تو وہ دائمی عذاب سے سلامت رہتے۔ (النمل: ۷۶)
اور بے شک یہ قرآن ضرور مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے' یہاں مومنین سے مراد عام ہے خواہ وہ بنی اسرائیل کے مومنین ہوں یا کسی اور دین پر ایمان رکھنے والے ہوں' لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں ہے' قرآن مجید کی ہدایت تو تمام لوگوں کے لیے ہے لیکن اس آیت میں مومنین کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کیونکہ قرآن مجید کی ہدایت سے صرف وہی مستفید ہوتے ہیں۔ (النمل: ۷۷)
بے شک آپ کا رب ان اختلاف کرنے والے بنو اسرائیل کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا' اور وہ برحق فیصلہ کرنے والا ہے' اور وہ غالب ہے اس کے فیصلہ کو کوئی مسترد نہیں کر سکتا اور وہ عالم ہے اس کو فریقین کے مقدمہ کی تمام

جزئیات کا علم ہے' اور کوئی پہلو اس سے مخفی نہیں ہے۔ (النمل: ۷۸)

سو آپ اللہ پر بھروسہ کیجیے اور ان کی دشمنی اور مخالفت کی پرواہ نہ کیجیے' توکل کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا' اور اس کے ماسوا سے امید نہ رکھنا اور ان سے اعراض کرنا' اللہ پر توکل کرنے کے بعد دل کو سکون مل جاتا ہے اور مصیبت اور پریشانی کے نازل ہونے پر بھی اس کا اطمینان ختم نہیں ہوتا' پھر اللہ تعالیٰ نے توکل کی وجہ بیان فرمائی کہ آپ کا موقف برحق ہے اور آپ نے اس کو دلائل سے واشگاف کر دیا ہے اور آپ اللہ عزوجل کی حفاظت اور اس کی نصرت کے سائے میں ہیں۔ (النمل: ۷۹)

سماع موتیٰ کے ثبوت میں احادیث اور آثار

بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے۔ (النمل: ۸۰) اس آیت میں کفار کو مردہ فرمایا ہے کیونکہ جس طرح مردوں سے کسی کام کے کرنے کی امید نہیں ہوتی اسی طرح ان کے ایمان لانے کی امید بھی منقطع ہو چکی ہے اور جس طرح مردے کسی چیز سے نفع نہیں اُٹھا سکتے اسی طرح یہ کفار بھی آپ کے وعظ اور تبلیغ سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا رہے' اور چونکہ ان کی گستاخیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر کفر کی مہر لگائی جا چکی ہے تو آپ خواہ کتنی تبلیغ کریں ان میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا' کفار لوگوں کی باتیں سنتے تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو بہرا فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو قوت سماعت عطا کی تھی اس سے مقصود یہ تھا کہ وہ اللہ کے دین کی باتوں کو سنتے اور ان کو مان کر ان پر عمل کرتے اور جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو پھر وہ اللہ کے نزدیک مردہ ہیں خواہ وہ دنیا جہان کی باتیں سنتے رہیں۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک قبر میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں' اور اس آیت میں مردوں کے سننے کی نفی نہیں کی بلکہ مردوں کو سنانے کی نفی کی ہے' نیز اس آیت میں مردوں سے مراد وہ نہیں ہیں جن کے جسم مردہ ہوں بلکہ اس آیت میں مردوں سے مراد وہ ہیں جن کے دل مردہ ہوں' نیز آیت میں مردوں سے مراد وہ نہیں ہیں جو حقیقتاً مردہ ہوں بلکہ اس آیت میں زندہ کافروں کو تشبیہاً اور مجازاً مردہ فرمایا ہے اور ہم جو کہتے ہیں کہ قبر میں مردے سنتے ہیں اس سے مراد حقیقتاً مردے ہیں نہ کہ وہ جو حقیقتاً زندہ ہوں اور مجازاً مردہ ہوں۔

مردوں کے سننے کے متعلق ان احادیث میں واضح تصریح ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز کو سنتا ہے' اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر کہتے ہیں کہ تم اس شخص (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہتے تھے' جو شخص یہ کہے گا کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' تو اس سے کہا جائے گا دیکھو تمہارا ٹھکانا دوزخ میں تھا' اللہ نے تمہارے اس ٹھکانے کو جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۱۸' المستدرک ج ۱ ص ۳۷۹' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۴۰۳' جدید' مسند البزار رقم الحدیث: ۸۷۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۷۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اس شخص کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا پھر اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے' اور جب وہ ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس کو وہ نہیں پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۱۷' رقم الحدیث: ۹۲۹۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

بشر بن منصور بیان کرتے ہیں کہ طاعون کے زمانہ میں ایک شخص جبان کے پاس آتا جاتا تھا اور جنازوں کی نماز پڑھتا تھا' اور شام کو قبرستان کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتا تھا' اللہ تعالیٰ تمہاری وحشت کو دور کردے اور آخرت کے سفر میں تم پر رحم فرمائے اور تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے' اور اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں کو قبول فرمائے' اس شخص نے کہا ایک شام میں گھر چلا گیا اور قبرستان نہیں جا سکا' اس رات میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت لوگ میرے پاس آئے' میں نے کہا آپ لوگ کون ہیں اور آپ کو کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا ہم قبروں والے ہیں' میں نے پوچھا آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟ انہوں نے کہا تم ہر روز گھر جانے سے پہلے ہمیں ہدیہ پیش کرتے تھے' میں نے پوچھا وہ کیا ہدیہ تھا' انہوں نے کہا وہ دعائیں تھیں جو تم ہمارے لیے کرتے تھے' اس شخص نے کہا میں پھر دعا کروں گا' اس کے بعد میں نے ان دعاؤں کو ترک نہیں کیا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۲۹۸' ج ۷ص ۱۷' بیروت)

بشار بن غالب بیان کرتے ہیں کہ میں رابعہ عدویہ کے لیے بہت دعا کرتا تھا' ایک دن میں نے ان کو خواب میں دیکھا' انہوں نے مجھ سے کہا: اے بشار! تمہارے ہدیے ہمارے پاس نور کے طباقوں (تھالیوں) میں ریشمی رومالوں سے ڈھکے ہوئے آتے ہیں' میں نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا جب مردوں کے لیے دعا کی جائے اور وہ دعا قبول ہو جائے تو اس دعا کو طباق میں رکھ کر ریشمی رومال سے ڈھانپ کر وہ طباق اس مردے کو پیش کیا جاتا ہے' جس مردے کے لیے دعا کی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے یہ تمہارے لیے فلاں شخص کا ہدیہ ہے۔ (شعب الایمان ج ۷ص ۱۸-۱۷' رقم الحدیث: ۹۲۹۹' طبع بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو تین دن تک چھوڑے رکھا' پھر آپ ان کے پاس گئے اور ان پر کھڑے ہو کر ان کو ندا کی اور فرمایا: اے ابوجہل بن ھشام! اے اُمیہ بن خلف! اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا نہیں پالیا' کیونکہ میں نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پالیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر کہا یا رسول اللہ! یہ کیسے سنیں گے' اور کس طرح جواب دیں گے حالانکہ یہ مردہ ہیں' آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! تم میری بات کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو' لیکن یہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں' پھر آپ کے حکم سے ان کو گھسیٹ کر بدر کے کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ (صحیح مسلم' صفت اہل الجنۃ: ۷۷' رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۸۷۴' الرقم المسلسل: ۷۰۹۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مردوں کے سننے کا انکار کیا ہے اور اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (النمل: ۸۰) اور وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ (فاطر: ۲۲) سے استدلال کیا ہے' اور ان آیتوں اور اس حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مردے کسی وقت اور کسی حال میں نہ سنیں اور دوسرے وقت اور دوسرے حال میں سن لیں' کیونکہ عام کی تخصیص کرنا جائز ہے' خصوصاً جب مخصص پایا جائے اور یہاں پر مخصص ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب لوگ مردے کو دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۸) اور جب فرشتے قبر میں آ کر مردے سے سوال کرتے ہیں اور وہ ان کو جواب دیتا ہے تو اس کا کسی نے انکار نہیں کیا' اور امام عبدالبر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی اپنے اس مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (الاستذکار رقم الحدیث: ۱۸۵۸) اس حدیث کو ابو محمد عبدالحق نے صحیح قرار دیا ہے۔ (التذکرہ ج ۱ص ۲۲۷' مطبوعہ دار البخاری مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ)

، میں کہتا ہوں کہ ان آیتوں میں سنانے کی نفی ہے سننے کی نفی نہیں ہے اس لیے ان آیتوں کا اس حدیث سے تعارض نہیں ہے۔

نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوزید نے کہا یارسول اللہ! میرا راستہ قبرستان کے پاس سے ہے آیا جب میں ان کے پاس سے گزروں تو ان سے کوئی بات کرلوں؟ آپ نے فرمایا تم کہو السلام علیکم اهل القبور من المسلمین انتم لنا سلفا ونحن لکم تبعا وانا ان شاء الله بکم لاحقون. (اے مسلمان قبر والو! تم پر سلام ہو تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم بعد میں آنے والے ہیں اور ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں) ابوزید نے کہا: یارسول اللہ! آیا وہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ سنتے ہیں! لیکن تم کو جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (حافظ سیوطی نے کہا یعنی وہ ایسا جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے جس کو تم عادتاً سن سکو)

(کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۳ ص ۱۹ رقم: ۱۵۷۳، احوال القبور لابن رجب ص ۱۴۱، شرح الصدور ص ۲۰۳)

حضرت عمر بن الخطاب نے ایک قبر والے سے کلام کیا تو اس نے آپ کے کلام کا جواب دیا اس سے معلوم ہوا کہ قبر والوں کے سلام کا جواب عادتاً سنائی نہیں دیتا لیکن کوئی شخص خلاف عادت بہ طور کرامت ان کا کلام سن سکتا ہے جیسے حضرت عمر نے سنا، حضرت عمر کی حدیث یہ ہے:

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر دمشقی متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

یحییٰ بن ایوب الخزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا جس نے مسجد کو لازم کرلیا تھا، حضرت عمر اس سے بہت خوش تھے، اس کا ایک بوڑھا باپ تھا، وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا، اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا وہ اس پر فریفتہ ہوگئی تھی، وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہو جاتی تھی، ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا، جب وہ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو وہ بھی داخل ہوگئی، اس نوجوان نے اللہ کو یاد کرنا شروع کیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوگئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا، اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اُٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں۔ اس کے گھر والے اسے اُٹھا کر گھر میں لے گئے، کافی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا۔ اس کے باپ نے پوچھا اے بیٹے تمہیں کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا خیر ہے، باپ نے پھر پوچھا تو اس نے پورا واقعہ سنایا۔ باپ نے پوچھا اے بیٹے تم نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے اس آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی اور پھر بے ہوش ہو کر گر گیا گھر والوں نے اس کو ہلایا جلایا لیکن وہ مر چکا تھا۔ انہوں نے اس کو غسل دیا اور لے جا کر دفن کر دیا، صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی۔ صبح کو حضرت عمر اس کے والد کے پاس تعزیت کے لیے آئے اور فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ اس کے باپ نے کہا رات کا وقت تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو، پھر حضرت عمر اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے، حضرت عمر نے کہا اے نوجوان! جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس

کے لیے دو جنتیں ہیں؟ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دوبار دو جنتیں عطا فرمائی ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۸ ص ۳۰۷، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ، تفسیر ابن کثیر الاعراف: ۲۰۱، ج ۲ ص ۳۱۵ دارالفکر ۱۴۱۹ھ، شرح الصدور ص ۲۱۳، بیروت ۱۴۰۴ھ، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۳۴)

حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو اختصاراً روایت کیا ہے:

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک نوجوان نے عبادت اور مسجد کو لازم کرلیا تھا' ایک عورت اس پر عاشق ہوگئی' وہ اس کے پاس خلوت میں آئی اور اس سے باتیں کیں اس کے دل میں بھی اس کے متعلق خیال آیا' پھر اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگیا۔ اس کا چچا آیا اور اس کو اٹھا کرلے گیا جب اس کو ہوش آیا تو اس نے کہا اے چچا! حضرت عمر کے پاس جائیں ان سے میرا اسلام کہیں اور پوچھیں کہ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کی کیا جزا ہے؟ اس کا چچا حضرت عمر کے پاس گیا' اس نوجوان نے پھر چیخ ماری اور جاں بحق ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا تمہارے لیے دو جنتیں ہیں' تمہارے لیے دو جنتیں ہیں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۳۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۶۵، روح المعانی جز ۲۷ ص ۱۱۶، الدرالمنثور ج ۷ ص ۶۲۴، داراحیاء التراث العربی بیروت)

سماع موتیٰ پر ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۴۶- ۴۳۷ میں بھی لکھا ہے' لیکن سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ ہم نے یہ بحث تبیان القرآن ج ۴ ص ۵۸۹-۵۷۶ میں کی ہے اور اتنی مفصل اور مدلل بحث اس موضوع پر اور کہیں نہیں ملے گی' اور قدر ضروری بحث ہم نے یہاں بھی کی ہے اور سماع موتیٰ کے ثبوت میں احادیث اور آثار پیش کیے ہیں۔

جس کے ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا وہی دولت ایمان سے مشرف ہوگا

اس کے بعد فرمایا: اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (از خود) ہدایت دینے والے ہیں۔

ہدایت کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے' اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت پیدا کردی ہے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے ہدایت حاصل کرلیتا ہے' اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت پیدا نہیں کی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بسیار کوشش کے باوجود اسلام نہیں لاتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں' آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے کہا نہیں یا رسول اللہ! البتہ اگر آپ ہمیں بتا دیں! آپ کے دائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی آپ نے اس کے متعلق فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے' اس میں اہل جنت کے اسماء ہیں اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں' پھر آخر میں (جمع کرکے) سب کا میزان (ٹوٹل) کردیا گیا ہے۔ اس میں اب کبھی اضافہ ہوگا اور نہ کبھی کمی ہوگی' پھر آپ کے بائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی آپ نے اس کے متعلق فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں دوزخ والوں کے اسماء ہیں اور ان کے آباء و اجداد اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں' پھر ان کے آخر میں (جمع کرکے) سب کا میزان کردیا گیا' اس میں نہ کبھی کوئی اضافہ ہوگا اور نہ کبھی کوئی کمی ہوگی' آپ کے اصحاب نے کہا یا رسول اللہ! جب سب کچھ پہلے لکھا جاچکا ہے تو اب عمل کس چیز میں کریں! آپ نے فرمایا: تم ٹھیک ٹھیک کام کرتے رہو' کیونکہ جنت والے کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر کیا جائے گا' خواہ وہ (زندگی بھر) کوئی عمل کرتا

رہے' اور دوزخ والے کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر کیا جائے گا' خواہ وہ (زندگی بھر) کوئی عمل کرتا رہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو جھاڑا اور ان کتابوں کو ایک طرف رکھ دیا' پھر فرمایا: تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ہے۔ ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۱۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۷)

ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ فلاں شخص دوزخی ہے' تو وہ خواہ کتنے ہی نیک عمل کیوں نہ کرے وہ دوزخ میں جانے سے نہیں بچ سکتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ کون شخص خاتمہ کے وقت اہل جنت کے عمل کرے گا اور کون شخص خاتمہ کے وقت اہل دوزخ کے عمل کرے گا تو اس نے وہی کچھ لکھا ہے جو بندوں نے کرنا تھا' اس کو ازل میں علم تھا کہ کون شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے ایمان لائے گا اور کون آپ کی ہدایت کے باوجود ایمان نہیں لائے گا اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے نام الگ الگ کتابوں میں لکھ دیئے' اور اس آیت میں بھی یہی فرمایا ہے: اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (از خود) ہدایت دینے والے ہیں' آپ صرف ان لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ (النمل:۸۱) ہر چند کہ آپ تمام لوگوں کو قرآن مجید کی آیات اور ہدایت کا وعظ سناتے ہیں لیکن آپ کے وعظ کو چونکہ صرف مسلمان ہی قبول کرتے ہیں اور وہی اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا آپ صرف ان لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہی مسلمان ہیں' اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ یہ ایمان لائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اہل جنت کی کتاب میں لکھ دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہمارا قول واقع ہو جائے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دآبۃ الارض) نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا' بے شک لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے ۝ (النمل:۸۲)

اللہ تعالیٰ کے قول واقع ہونے کی تفسیر میں اقوال

اس آیت میں فرمایا ہے اور جب ان پر ہمارا قول واقع ہو جائے گا' اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے جب ان پر ہمارا غضب واقع ہو جائے گا' مجاہد نے کہا اس کا معنی ہے جب ان کے متعلق ہمارا یہ قول ثابت ہو جائے گا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم نے کہا جب لوگ نیکی کا حکم نہیں دیں گے اور برائی سے نہیں روکیں گے تو ان پر اللہ کا غضب واجب ہو جائے گا' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا علماء کے فوت ہونے' علم کے ختم ہو جانے اور قرآن کے اُٹھ جانے سے اللہ کا قول واقع ہو جائے گا۔ لوگوں نے کہا ہو سکتا ہے یہ مصاحف اُٹھا لیے جائیں' لیکن انسانوں کے دلوں سے قرآن مجید کو کس طرح نکالا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا وہ زمانہ جاہلیت کے قصہ کہانیوں اور اشعار میں کھو جائیں گے اور قرآن مجید کو بھول جائیں گے اور اس وقت ان پر اللہ کا قول واقع ہو جائے گا۔

امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: اس بیت اللہ کی بہ کثرت زیارت کیا کرو اس سے پہلے کہ اس کو اُٹھا لیا جائے اور لوگ اس کی جگہ کو بھول جائیں اور قرآن مجید کی بہ کثرت تلاوت کیا کرو اس سے پہلے کہ اس کو اُٹھا لیا جائے۔ الحدیث

بعض علماء نے کہا کہ قول واقع ہونے سے مراد یہ آیت ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ	اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت یافتہ بنا دیتے لیکن میرا
الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝	یہ قول حق (سچا) ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو ضرور بہ ضرور

(السجدۃ:۱۳) جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا۔

پس قول کا واقع ہونا ان لوگوں پر عذاب کا واجب کرنا ہے' اور جب وہ اس حد کو پہنچ جائیں گے کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور ان کے ہاں کوئی مومن پیدا نہیں ہوگا تو پھر ان پر قیامت آ جائے گی۔

ابوالعالیہ نے کہا یہ آیت اس آیت کے معنی میں ہے:

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۚ

اور نوح کی طرف یہ وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں' ان کے علاوہ اب اور کوئی ایمان نہیں لائے گا سو آپ ان کے کاموں پر رنجیدہ نہ ہوں۔ (ھود:۳۶)

النحاس نے کہا یہ بہترین جواب ہے کیونکہ لوگوں کی آزمائش کی جاتی ہے اور ان پر عذاب کو مؤخر کر دیا جاتا ہے کیوں کہ ان میں مومنین اور صالحین بھی ہوتے ہیں اور ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ یہ عنقریب ایمان لائیں گے اور توبہ کر لیں گے' اس لیے لوگوں کو مہلت دی جاتی رہی اور ہم کو جزیہ لینے کا حکم دیا گیا اور جب یہ معنی زائل ہو جائے گا تو پھر ان پر قول واجب ہو جائے گا اور وہ قوم نوح کی مثل ہو جائیں گے' اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے بے شک لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ایمان لانے والے نہیں رہیں گے تو اللہ تعالیٰ کا قول واقع ہو جائے گا اور قیامت آ جائے گی۔

دآبۃ الارض کی صورت اور اس کے محل خروج کے متعلق احادیث' آثار اور مفسرین کے اقوال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دآبۃ الارض) نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تین چیزوں کا ظہور ہو جائے گا تو کسی ایسے شخص کے لیے ایمان لانا مفید نہیں ہوگا جو پہلے ایمان نہ لایا یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو' سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' دجال اور دآبۃ الارض۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۵۸' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۰۷۲)

اس حدیث میں بھی دآبۃ الارض کا ذکر ہے۔

اس جانور (دآبۃ الارض) کی تعیین اور اس کی صفت میں اختلاف ہے' اور اس میں کہ یہ جانور کہاں سے نکلے گا۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں اس سلسلہ میں پہلا قول یہ ہے کہ یہ جانور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا بچہ ہے اور یہی سب سے صحیح قول ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳ص ۲۱۷)

حدیث میں ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانور (دآبۃ الارض) کا ذکر فرمایا آپ نے فرمایا اس کے دہر میں تین مرتبہ خروج ہوں گے۔ وہ ایک جنگل کی انتہا سے نکلے گا اور اس کا ذکر ایک شہر یعنی مکہ میں داخل نہیں ہوگا' پھر وہ ایک لمبے عرصے تک چھپا رہے گا' پھر وہ دوسری بار نکلے گا اور اس کا ذکر جنگل میں پھیل جائے گا اور اس کا ذکر شہر یعنی مکہ میں بھی داخل ہو جائے گا پھر لوگ اس مسجد میں ہوں گے جس کی عزت اور حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مساجد میں سب سے زیادہ ہے یعنی مسجد حرام میں' اس وقت وہ لوگ صرف اس بات سے خوف زدہ ہوں گے کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان وہ اونٹنی کا بچہ بلبلا رہا ہوگا' اور اپنے سر سے مٹی جھاڑ رہا ہوگا' پھر کچھ لوگ اس کو دیکھ کر منتشر ہو جائیں گے اور

مومنین کی ایک جماعت اپنی جگہ ثابت رہے گی اور وہ یہ جان لیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے سو وہ اونٹنی کا بچہ ان سے ابتدا کرے گا اور ان کے چہروں کو روشن کر دے گا' حتیٰ کہ ان کے چہرے روشن ستارے کی مانند ہو جائیں گے' وہ زمین میں پھرے گا کوئی شخص اس کو پکڑ نہیں سکے گا اور کوئی شخص اس سے بھاگ کر نجات نہیں پا سکے گا' حتیٰ کہ کوئی شخص اس سے بچنے کے لیے نماز کی پناہ لے گا تو وہ اس کے پیچھے سے آ کر کہے گا' اے فلاں! اب تو نماز پڑھ رہا ہے' پھر وہ اس کے سامنے سے آ کر اس کے چہرے پر نشان لگا دے گا' پھر چلا جائے گا' لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوں گے' مومن کافر سے کہہ رہا ہوگا اے کافر میرا حق ادا کر۔ (سنن ابوداؤد والطیالسی رقم الحدیث: ۱۰۶۹' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۱۲)

ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کے جسم پر بالوں کے روئیں ہوں گے' اس کی چار ٹانگیں ہوں گی اور وہ ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ جساسہ ہے' اور حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ وہ انسانوں کی شکل پر ہوگا' اس کا اوپر کا دھڑ بادلوں میں ہوگا' اور نچلا دھڑ زمین پر ہوگا۔

ایک روایت ہے کہ وہ تمام حیوانوں کی شکلوں کا جامع ہوگا۔

الماوردی اور الثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن الزبیر نے فرمایا اس کا سر بیل کا سا ہوگا اور آنکھیں خنزیر کی سی ہوں گی' کان ہاتھی کی طرح ہوں گے' اس کے سینگھ بارہ سنگھے کی طرح ہوں گے اور اس کی گردن شتر مرغ کی طرح ہوگی' اس کا سینہ شیر کی طرح ہوگا' اور اس کا رنگ چیتے کی طرح ہوگا' اس کی کوکھ بلی کی طرح ہوگی اور دُم مینڈھے کی طرح ہوگی اور اس کی ٹانگیں اونٹ کی طرح ہوں گی اور اس کے ہر جوڑ کے درمیان بارہ ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔ وہ مومن کے چہرہ کو حضرت موسیٰ کے عصا سے سفید کر دے گا اور کافر کے چہرہ کو حضرت سلیمان کی انگوٹھی سے سیاہ کر دے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۵۹۷' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۱۳' النکت والعیون للماوردی ج ۴ ص ۲۲۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دآبۃ (الارض) زمین سے نکلے گا' اس کے پاس حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی ہوگی اور حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا عصا ہوگا' وہ مومن کے چہرے پر عصا مار کر اس کو روشن کر دے گا' اور کافر کی ناک کی چونچ پر انگوٹھی سے نشان لگا دے گا' حتیٰ کہ گھروں سے نکل کر لوگ اس کے گرد جمع ہوں گے وہ کہے گا یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۶۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۷' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۵)

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مکہ کے قریب ایک جنگل میں لے گئے' وہاں ایک خشک زمین تھی جس کے گرد ریت تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جگہ سے دآبۃ الارض نکلے گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۶۷' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۷' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۱۲)

حضرت علی بن ابی طالب سے دآبۃ الارض کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم اس کی دُم بھی ہوگی اور اس کی داڑھی بھی ہوگی۔ ہر چند کہ حضرت علی نے تصریح نہیں کی مگر اس میں اشارہ ہے کہ وہ انسانوں میں سے ہوگا۔

(الماوردی ج ۶ ص ۲۲۶)

علامہ الماوردی متوفی ۴۵۰ھ نے کہا جس زمین سے وہ نکلے گا اس کے متعلق چار قول ہیں: حضرت ابن عباس نے فرمایا:

(۱) وہ تہامہ کی بعض وادیوں سے نکلے گا۔

(۲) حضرت ابن عمر نے فرمایا وہ اجیاد کی گھاٹیوں میں ایک چٹان سے نکلے گا۔

(۳) حضرت ابن مسعود نے کہا وہ صفا سے نکلے گا۔

(۴) ابن منبہ نے کہا وہ بحر سدوم سے نکلے گا۔ (النکت والعیون ج ۴ ص ۲۲۷ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں:

بعض متاخرین مفسرین نے کہا ہے کہ دآبۃ الارض انسان ہوگا وہ باتیں کرے گا' اور کفار اور اہل بدعت سے مناظرہ اور مجادلہ کر کے ان کو ساکت کر دے گا' سو جس نے ہلاک ہونا ہوگا وہ دلائل سے آگاہ ہو کر ہلاک ہوگا اور جس نے حق پر قائم رہنا ہوگا وہ دلائل سے آگاہ ہو کر حق پر قائم رہے گا' ہمارے استاذ امام ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی المتوفی ٦٥٦ ھ نے کہا ہے کہ دآبۃ الارض کی صورت کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ جس نے کہا ہے کہ دآبۃ الارض انسان ہوگا اس کا قول قرآن مجید کے ان الفاظ کے قریب ہے ''وہ باتیں کرے گا'' لیکن اس بناء پر اس دآبۃ الارض میں کوئی خارق (خلاف) عادت چیز نہیں ہوگی' اور نہ وہ اس دن نشانیوں میں سے ہوگا جن کا حدیث میں ذکر ہے کیونکہ کفار اور اہل بدعت سے مناظرہ کرنے والے اور ان کو ساکت کرنے والے انسان تو بہت ہیں سو وہ کوئی خاص چیز نہیں ہوگا اور اس کا قیامت کی دس نشانیوں میں ذکر کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوگی' پھر ایسے فاضل' کامل اور مناظر انسان کو دآبۃ الارض کہنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوگی اور ایسے فاضل مناظر کو دآبۃ الارض (زمین کا جانور) کہنا فصحاء کی عادت کے خلاف ہے اور تعظیم علماء اور دستور عقلاء کے منافی ہے۔ (المفہم ج ۷ ص ۲۴۲) اس لیے دآبۃ الارض کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم اس سے پہلے مفسرین سے نقل کر چکے ہیں اور جس تفسیر کا حدیث میں ذکر ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۱۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ ھ لکھتے ہیں:

دآبۃ الارض کی ماہیت میں' اس کی شکل میں' اس کے نکلنے کی جگہ میں' اس کی تعداد میں' اس کی مقدار میں اور یہ کہ وہ لوگوں کے ساتھ کیا کرے گا اس میں بہت اختلاف ہے اور یہ اقوال آپس میں متعارض ہیں اور بعض اقوال بعض کی تکذیب کرتے ہیں اس لیے ہم نے اس کے ذکر کو ترک کر دیا کیونکہ اس کے ذکر کرنے میں اوراق کو سیاہ کرنا ہے اور وقت کو ضائع کرنا ہے۔

(البحر المحیط ج ۸ ص ۲۷۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابوالحیان اندلسی کا یہ کلام برحق ہے اور میں نے جو اس سلسلہ میں اقوال نقل کیے ہیں' وہ صرف اس لیے کہ جس کو دآبۃ الارض کے متعلق تفصیل کو جاننے کا تجسس اور شوق ہو اس کی تسکین ہو سکے' پھر دآبۃ الارض کے متعلق جو احادیث ہیں' ان میں سنن ترمذی کی حدیث اقرب الی القبول ہے اور وہ یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دآبۃ الارض نکلے گا اس کے پاس حضرت سلیمان کی انگوٹھی ہوگی اور حضرت موسیٰ کا عصا ہوگا' عصا سے مومن کا چہرہ روشن کرے گا' اور انگوٹھی سے کافر کی ناک پر مہر لگائے گا' حتیٰ کہ گھروں سے لوگ اس کے گرد جمع ہوں گے' وہ کہے گا سنو یہ مومن ہے اور سنو یہ کافر ہے۔ الحدیث۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۷' سنن ابوداؤد والطیالسی رقم الحدیث: ۲۵۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۶۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۵' ۴۹۱' المستدرک ج ۴ ص ۴۸۵)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ دآبۃ الارض کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چار پاؤں والا بہت عجیب و غریب

جانور ہے' یہ نوع انسان میں سے اصلاً نہیں ہے' اللہ تعالیٰ آخر زمانہ میں اس کو زمین سے نکالے گا اور زمین سے نکالنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ توالد کے طریقہ سے نہیں نکلے گا بلکہ اس طرح نکلے گا جس طرح زمین سے حشرات الارض نکلتے ہیں اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۳۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد فرمایا: جوان سے کلام کرے گا' بے شک لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اس آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دآبۃ الارض لوگوں سے یہ کہے گا کہ لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے تھے' وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو ہماری نشانیاں اس اعتبار سے کہے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کر رہا ہے' اور یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دآبۃ الارض لوگوں سے کلام کرے گا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے' وہ کہے گا سنو یہ مومن ہے' سنو یہ کافر ہے' اور یہ جو فرمایا ہے' بے شک لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے تھے یہ ابتداءً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' یعنی چونکہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرب قیامت میں زمین سے ایک عجیب و غریب جانور نکالا جو لوگوں سے باتیں کرتا تھا' یہ ایک واضح اور کھلی ہوئی نشانی تھی لیکن قرب قیامت میں اس نشانی کو دیکھ کر ایمان لانا اب مفید نہیں ہوگا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے ایک گروہ کو الگ کر لیں گے جو ہماری آیتوں کی

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝۸۳ حَتّٰٓى إِذَا جَآءُوْ قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ

تکذیب کرتے تھے ○ حتیٰ کہ جب وہ آ جائیں گے تو (اللہ) فرمائے گا کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا

وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸۴ وَوَقَعَ

حالانکہ تم نے اپنے علم سے ان کا احاطہ نہیں کیا تھا اگر یہ بات نہیں تو پھر تم کیا کرتے رہے تھے؟ ○ اور ان کے ظلم کرنے کی

الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝۸۵ أَلَمْ يَرَوْا

وجہ سے ان پر قول (عذاب) واقع ہو چکا' سو اب وہ کچھ نہیں بولیں گے ○ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ

أَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ إِنَّ فِيْ

ہم نے رات ان کے آرام کرنے کے لیے بنائی اور دن کو ہم نے (کام کرنے کے لیے) روشن بنایا' بے شک اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۸۶ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ

ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ○ اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا

فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ

تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے، ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے

اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا

اور سب اس کے سامنے عاجزی سے حاضر ہوں گے ○ اور (اے مخاطب!) تو اس دن پہاڑوں کو اپنی جگہ جما ہوا

جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ

گمان کرے گا حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے، یہ اللہ کی صنعت ہے جس نے

اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ مَنْ جَآءَ

ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے، بے شک وہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○ جو شخص نیکی

بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ

لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس (نیکی) سے اچھی جزا ہے، اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے

اٰمِنُوْنَ ﴿٨٩﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي

مامون ہوں گے ○ اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے تو ان کو منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا

النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ

جائے گا، اور تم کو ان ہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے ○ مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ

اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ

میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اس کو حرم بنا دیا ہے اور اسی کی ملکیت میں ہر

شَيْءٍ ز وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩١﴾ لا وَاَنْ

چیز ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں ○ اور یہ کہ میں

اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ

قرآن کی تلاوت کروں، سو جس نے ہدایت قبول کی تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت قبول کی اور جو گمراہی پر

وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ

ڈٹا رہا ہے تو آپ کہہ دیں کہ میں تو صرف عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہوں O اور آپ کہیے کہ تمام تعریفیں

لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا

اللہ ہی کے لیے ہیں' عنقریب تمہیں وہ اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان لو گے' اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں

تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

ہے جو تم کر رہے ہو O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے ان لوگوں کے ایک گروہ کو الگ کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے O حتیٰ کہ جب وہ آ جائیں گے تو (اللہ) فرمائے گا' کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا؟ حالانکہ تم نے اپنے علم سے ان کا احاطہ نہیں کیا تھا اگر یہ بات نہیں تو پھر تم کیا کرتے رہے تھے؟ O ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے ان پر قول (عذاب) واقع ہو چکا سو اب وہ کچھ نہیں بولیں گے O (النمل: ۸۵-۸۳)

حشر کے دن کفار کے کفر و شرک پر زجر و توبیخ

اس آیت میں ہے ویوم نحشر من کل امة فوجا. حشر کا معنی ہے جمع کرنا' اور اس آیت میں اس سے مراد ہے سب لوگوں کو محشر میں جمع کرنے کے بعد کفار کو عذاب کے لیے جمع کرنا' اُمت لوگوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں' جس کی طرف کسی رسول کو بھیجا جائے' پھر اُمت کی دو قسمیں ہیں' اُمت دعوت اور اُمت اجابت' اُمت دعوت اس کو کہتے ہیں جس جماعت کو اللہ کا رسول' اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے' اور اُمت اجابت اس جماعت کو کہتے ہیں جو رسول کے لیے دیئے ہوئے پیغام کو قبول کر لے اور رسول پر ایمان لے آئے' اور فوج اس جماعت کو کہتے ہیں جو تیزی سے کسی طرف پیش قدمی کر رہی ہو۔

اس آیت کا معنی ہے: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم اپنی قوم کو وہ وقت یاد دلایئے جب ہم تمام انبیاء کی اُمتوں میں سے ان گروہوں کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے یوزعون کا معنی ہے ان کو جمع کیا جائے گا' یا ان کو روک لیا جائے گا' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فوج سے مراد اس گروہ کے رئیس ہوں' یعنی ہر اُمت کے لوگوں میں سے ان کے رئیسوں اور سرداروں کو روک لیا جائے گا حتیٰ کہ عوام آ کر ان سے مل جائیں مثلاً فرعون' نمرود اور ابی بن خلف کو روک لیا جائے گا حتیٰ کہ ان کے متبعین آ کر ان کے ساتھ مل جائیں' پھر ان سب کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔

حتیٰ کہ جب وہ آ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا؟ یعنی میں نے اپنے رسولوں پر جو آیتیں نازل کی تھیں تم نے ان کی تکذیب کی تھی یا میں نے اپنی توحید پر جو دلائل قائم کیے تھے تم نے ان کا انکار کیا تھا' حالانکہ تم نے دلائل کے ساتھ ان آیات کے باطل ہونے کو نہیں جانا تھا بلکہ تم نے بغیر دلائل کے جہالت سے ان آیتوں کا انکار کیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمائے گا جب تم نے ان آیتوں پر بحث و تمحیص نہیں کی اور ان پر غور و فکر نہیں کیا تو تم کیا کرتے رہے تھے؟

اور جب ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے یعنی ان کے شرک کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب واقع ہو جائے گا تو وہ کوئی بات

نہیں کر سکیں گے' کیونکہ ان کے پاس اپنے شرک اور دیگر برے اعمال پر کوئی عذر ہوگا نہ کوئی دلیل ہوگی' اور اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اس لیے وہ کوئی بات نہیں کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے رات ان کے آرام کے لیے بنائی' اور دن کو ہم نے (کام کرنے کے لیے) روشن بنایا' بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں○ اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے اور سب اس کے سامنے عاجزی سے حاضر ہوں گے○ (النمل: ۸۷-۸۶)

دن اور رات کے تعاقب میں توحید' رسالت اور حشر کی دلیل

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے کیسی حکمت بالغہ سے رات اور دن کو بنایا' رات کو اس لیے بنایا کہ وہ کام کاج کی مشقت کی وجہ سے اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو آرام پہنچائیں' اور دن کو بنایا تا کہ وہ رات کو آرام کرنے کے بعد پھر تازہ دَم ہو کر دن کی روشنی میں حصولِ رزق کے لیے جدوجہد کریں' جو لوگ اللہ پر ایمان لانے والے ہیں وہ اس میں اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رات کو دن سے' اور دن کو رات سے بدل دیتا ہے اور نور کو ظلمت میں اور ظلمت کو نور میں ڈھال دیتا ہے' اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کا علم اور قدرت ہر چیز کو محیط ہو اور جس کا علم ہر چیز کو شامل ہو اور جس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہو وہی اس کائنات کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد ہے اس کے شریک اور معاون نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ واحد نہ ہوتا تو دن اور رات کے تواتر اور تسلسل میں یہ یکسانیت اور نظم و ضبط نہ ہوتا کہ ہمیشہ گرمیوں میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور سردیوں میں ہمیشہ دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہوتی ہیں۔

اور یہ آیت لوگوں کو مارنے کے بعد زندہ کرنے اور حشر و نشر پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ جو ذات اس پر قادر ہے کہ دن کے نور کو ظلمت اور رات کی ظلمت کو نور سے بدل دے وہ حیات کو موت سے اور موت کو حیات سے بدلنے پر بھی قادر ہے۔

اور یہ آیت نبوت پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے منافع کے لیے دن کے بعد رات کو اور رات کے بعد دن کو لاتا ہے اور نبیوں اور رسولوں کو احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے مخلوق کی طرف بھیجنے میں بھی مخلوق کے منافع ہیں' دن اور رات کے تواردمیں مخلوق کا صرف دنیا میں نفع ہے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے میں دنیا میں بھی نفع ہوتا ہے اور آخرت میں بھی نفع ہوتا ہے' سو یہ آیت توحید' آخرت اور رسالت تینوں اصولی مباحث کے اثبات کے لیے کافی ہے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں' حالانکہ اس میں تو تمام مخلوق کے لیے نشانیاں ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ اس آیت میں تمام مخلوق کے لیے نشانیاں ہیں لیکن ان نشانیوں سے فائدہ صرف ایمان لانے والے حاصل کرتے ہیں اس لیے فرمایا اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

صور کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے صور پھونکنے کا ذکر فرمایا ہے۔

صور کا لغوی معنی ہے نرسنگھا' بگل' بوق' سینگھ کی وضع کی کوئی چیز جس میں پھونک مار کر پھونکا جا سکے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

یہ سینگھ کی طرح کی کوئی چیز ہے جس میں پھونک ماری جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس پھونک کو صورتوں اور روحوں کو ان کے

اجسام میں منتقل ہونے کا سبب بنا دے گا' ایک روایت میں ہے کہ صور میں تمام انسانوں کی صورتیں ہیں۔
(المفردات ج ۲ ص ۳۷۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:
صور ایک سینگھ ہے جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام مردوں کو محشر کی طرف جمع کرنے کے لیے پھونک ماریں گے۔
(النہایہ ج ۳ ص ۵۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' شرح الطیبی ج ۱۰ ص ۱۴۸)
ملا علی قاری نے لکھا ہے یہ تعریف دوسری بار صور پھونکنے کے اعتبار سے ہے' کیونکہ پہلی بار صور پھونکنے سے تمام لوگ مر جائیں گے۔ (مرقات المفاتیح ج ۱۰ ص ۲۴۱' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان: ۱۳۹۰ھ)

صور اور صور پھونکنے کے متعلق احادیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں زندگی سے کیسے لطف حاصل کروں' جب کہ صور والے فرشتے نے صور کو منہ میں رکھا ہوا ہے اور اس نے اپنے کان لگائے ہوئے ہیں' اور اپنی پیشانی ٹیڑھی کی ہوئی ہے' اور وہ منتظر ہے کہ اس کو کب صور پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۱' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۴' مسند احمد ج ۳ ص ۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۸۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۲۳' المستدرک ج ۴ ص ۵۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صور ایک سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۲' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۸)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صور والے فرشتے کا ذکر کیا گیا' آپ نے فرمایا اس کے دائیں طرف جبریل ہے اور اس کے بائیں طرف میکائیل ہے۔ (مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۵۳۰)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ایام میں سب سے افضل یوم جمعہ ہے' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی دن ان کی روح قبض کی گئی' اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن سب مر جائیں گے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۰۸۵' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۵۷۲' المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸)

کتنی بار صور پھونکا جائے گا

اس میں اختلاف ہے کہ صور کتنی مرتبہ پھونکا جائے گا' چار مرتبہ' تین مرتبہ یا دو مرتبہ' زیادہ تر محققین علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ صور میں صرف دو مرتبہ پھونکا جائے گا' پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو سب مر جائیں گے اور دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو جائیں گے اور حسب ذیل احادیث میں اس پر دلیل ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا' لوگوں نے کہا اے ابو ہریرہ چالیس دن؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا' لوگوں نے کہا چالیس ماہ! انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا' لوگوں نے کہا چالیس سال! انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا' پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے لوگ اس طرح اُگیں گے جس طرح سبزہ اُگتا ہے' حضرت ابو ہریرہ نے کہا ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی اور وہ دُم کی ہڈی کا سرا ہے اور قیامت کے دن اسی سے انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۱۴' ۴۹۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۵۹)

امام ابن ابی داؤد نے کتاب البعث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صور میں پھونکا جائے گا اور صور سینگھ کی شکل پر ہے تو جو لوگ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں' وہ سب مر جائیں گے اور دو مرتبہ پھونکنے کے درمیان چالیس سال ہیں' پھر ان چالیس سال میں اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا' تو لوگ زمین سے اس طرح اُگنے لگیں گے جس طرح سبزہ اُگتا ہے۔ الحدیث (کتاب البعث لابن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۲' البدور السافرۃ ص ۸۷)

شیخ ابن حزم نے کہا صور چار مرتبہ پھونکا جائے گا' حافظ ابن حجر عسقلانی اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابن حزم نے یہ زعم کیا کہ چار مرتبہ صور پھونکا جائے گا' پہلی مرتبہ لوگوں کو مارنے کے لیے صور پھونکا جائے گا اور اس صور کی آواز سن کر زمین پر ہر زندہ شخص مر جائے گا' دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو ہر مردہ زندہ ہو جائے گا' لوگ اپنی قبروں سے نکل آئیں گے اور حساب کے لیے جمع ہوں گے' اور تیسری بار صور پھونکا جائے گا تو لوگ اس کو سن کر بے ہوش ہو جائیں گے' مریں گے نہیں اور چوتھی بار صور پھونکا جائے گا تو لوگ اس بے ہوشی سے ہوش میں آ جائیں گے۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابن حزم نے جو چار مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر کیا ہے۔ یہ واضح نہیں ہے بلکہ صور صرف دو مرتبہ پھونکا جائے گا' اور ان دونوں کے درمیان سننے والوں کے اعتبار سے تغایر ہے' پہلی بار جب صور پھونکا جائے گا تو اس سے ہر زندہ شخص مر جائے گا' اور جن کو اللہ تعالیٰ نے موت سے مستثنیٰ کر لیا ہے وہ صرف بے ہوش ہو جائیں گے اور جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو جو مر گئے تھے' وہ زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش ہوئے تھے' وہ ہوش میں آ جائیں گے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۹-۱۰۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی ابن حزم کا قول رد کر کے یہ لکھا ہے کہ صرف دو بار صور پھونکا جائے گا۔

(البدور السافرۃ ص ۹۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

تین بار صور پھونکنے کے دلائل اور ان کے جوابات

حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی التوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت اسرافیل علیہ السلام اپنے رب کے حکم سے تین مرتبہ صور پھونکیں گے پہلی بار صور پھونکیں گے تو لوگ گھبرا جائیں گے اس کو **نفخة الفزع** کہتے ہیں' اور دوسری بار صور پھونکیں گے تو لوگ مر جائیں گے اس کو **نفخة الصعق** کہتے ہیں اور تیسری بار صور پھونکیں گے تو مرے ہوئے لوگ زندہ ہو جائیں گے' اس کو **نفخة البعث** کہتے ہیں۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۹ ص ۱۹۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

نفخات (صور پھونکنے) کی تعداد میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ تین نفخات ہیں۔ ان میں سے ایک **نفخة الفزع** ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ○ (النمل: ۸۷)	اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔

اور دوسرا **نفخة الصعق** ہے جس کو سن کر سب مر جائیں گے اور تیسرا **نفخة البعث** ہے جس کو سن کر سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے' ان دونوں کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ (الزمر: ٦٨)

اور صور پھونک دیا جائے گا تو تمام آسمانوں اور زمینوں والے مر جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے' پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ صرف دو بار صور پھونکا جائے گا' اور نفخة الفزع اور نفخة الصعق دونوں ایک ہیں' اس لیے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہو گا یعنی پہلے لوگ صور کی آواز سن کر گھبرا جائیں گے پھر فوراً مر جائیں گے' اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم کی احادیث سے یہی ثابت ہے کہ صور دو بار پھونکا جائے گا نہ کہ تین بار اور یہی قول صحیح ہے۔ (التذکرہ ج ۱ ص ۲۸۷-۲۸۶' مطبوعہ دار البخاری' مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ ابو عبداللہ قرطبی تین بار صور پھونکنے کی حدیث لکھ کر اس پر تبصرہ کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں کو بنانے سے فارغ ہو گیا تو اس نے صور کو پیدا کیا' اور یہ صور حضرت اسرافیل کو دے دیا' انہوں نے اس صور کو اپنے منہ میں رکھا ہوا ہے اور وہ اپنی آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں' اور اس کے منتظر ہیں کہ ان کو کب صور پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صور کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سینگ (کی مثل) ہے' اور اللہ کی قسم! وہ بہت بڑا ہے اس کی گولائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جتنی ہے' وہ اس میں تین مرتبہ پھونک ماریں گے' پہلی مرتبہ (نفخة الفزع) پھونک ماریں گے تو لوگ گھبرا جائیں گے' اور دوسری مرتبہ (نفخة الصعق) پھونک ماریں گے تو لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور تیسری مرتبہ (نفخة البعث) پھونک ماریں گے تو سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ الحدیث

(جامع البیان رقم الحدیث ۲۰۶۳۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۶۶۴۷)

اس حدیث کا علی بن معبد' طبری اور ثعلبی وغیرہم نے ذکر کیا ہے' اور میں نے اس کا کتاب التذکرہ (ج ۱ ص ۳۰۲-۳۰۱' دار البخاری' المدینۃ المنورہ) میں ذکر کیا ہے اور وہاں میں نے اس حدیث پر کلام کیا ہے: (وہ کلام یہ ہے امام ابو محمد عبدالحق نے کتاب العاقبۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے اور صحیح نہیں ہے' طبری نے اس کا سورۂ یٰسین کی تفسیر میں ذکر کیا ہے) اور صحیح یہ ہے کہ صور دو بار پھونکا جائے گا' تین بار نہیں پھونکا جائے گا' اور یہ کہ نفخة الفزع' نفخة الصعق کی طرف راجع ہے' کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کو لازم ہیں' یعنی صور پھونکے جانے کے بعد پہلے لوگ گھبرائیں گے پھر مر جائیں گے' یا نفخة الفزع' نفخة البعث کی طرف راجع ہے یعنی دوسری بار صور پھونکے جانے کے بعد لوگ زندہ کیے جائیں گے اور گھبرا کر اٹھیں گے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ○ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ○ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ○ (یٰسین ۵۳-۵۱)

اور صور پھونک دیا جائے گا تو اسی وقت وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف بھاگنے لگیں گے ○ وہ کہیں گے ہائے ہائے ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا' یہی وہ چیز ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا ○ وہ (صور کی آواز) صرف ایک چیخ ہے کہ یکایک وہ سارے ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے ○

یہ تکبیر امام قشیری نے کی ہے' اور اس فزع (گھبراہٹ) کے متعلق دو قول ہیں' انہیں اللہ کی طرف بلایا جائے گا اور وہ گھبرا

کر بہت جلد حاضر ہوں گے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب ان کو قبر سے اُٹھایا جائے گا تو وہ بہت گھبرائے ہوئے ہوں گے۔

دو بار صور پھونکنے کے دلائل

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی صحیح حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ صور صرف دو بار پھونکا جائے گا' حضرت ابوہریرہ کی حدیث یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس (سال) کا وقفہ ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۱۴'۴۹۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۵۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۴۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے قرب قیامت کے احوال بیان کرتے ہوئے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پھر دنیا میں برے لوگ باقی رہ جائیں گے' جو چڑیوں کی طرح جلد باز' بے عقل اور درندہ صفت ہوں گے' وہ کسی نیک بات کو اچھا سمجھیں گے اور نہ بری بات کو برا' ان کے پاس شیطان کسی بھیس میں آئے گا' اور کہے گا کیا تم میری بات نہیں مانتے؟ وہ کہیں گے تم کیا حکم دیتے ہو' وہ ان کو بتوں کی پرستش کا حکم دے گا وہ اسی (بت پرستی) میں مصروف کار ہوں گے' ان کا رزق اچھا ہوگا اور ان کی زندگی عیش و عشرت سے ہوگی' پھر صور پھونک دیا جائے گا جو شخص بھی اس کو سنے گا وہ ایک طرف گردن جھکا کر اس کی طرف کان لگائے گا' اور دوسری طرف سے گردن اُٹھالے گا' جو شخص سب سے پہلے اس کی آواز کو سنے گا' وہ اپنے اونٹوں کا حوض درست کر رہا ہوگا' وہ مر جائے گا اور دوسرے لوگ بھی مر جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش نازل فرمائے گا' جس سے لوگوں کے جسم اُگنے لگیں گے' پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا پھر لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے' پھر کہا جائے گا اے لوگو! اپنے رب کے پاس آؤ۔ الحدیث

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۴۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۶۲۹' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۶' المستدرک ج ۴ ص ۵۵۰-۵۴۳)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ (النمل:۸۷)

اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ (الزمر:۶۸)

اور صور پھونک دیا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے مر جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح نفخة الفزع سے بعض افراد کا استثناء کیا ہے اسی طرح نفخة الصعق سے بھی بعض افراد کا استثناء کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں آیتوں سے ایک ہی صور پھونکنا مراد ہے اور اس صور کی آواز سن کر لوگ گھبرا کر مر جائیں گے اور پھر بعد میں جو صور پھونکا جائے گا اس کی آواز سن کر لوگ قبروں سے نکل پڑیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صرف دو بار صور پھونکا جائے گا اور ابن المبارک نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں پھونکوں کے درمیان چالیس سال ہیں' صور کی پہلی پھونک سے اللہ تعالیٰ ہر زندہ کو مار دے گا اور دوسری پھونک سے اللہ تعالیٰ ہر مردہ کو زندہ کر دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۱۴)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ يَقُولُونَ ءَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝ ءَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ (النزعت: ۱۳-۶)

جس دن کانپنے والی کانپے گی ○ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی ○ اس دن بہت دل دھڑک رہے ہوں گے ○ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی ○ وہ کہتے ہیں کیا ہم پہلی زندگی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے ○ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے ○ پھر تو یہ نقصان والا لوٹنا ہے ○ وہ صرف ایک ڈانٹ ڈپٹ ہے ○

ان آیتوں سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تین بار صور پھونکا جائے گا' (یعنی الراجفة سے مراد پہلا صور ہے' الرادفة سے مراد دوسرا صور ہے اور زجرة واحدة سے مراد تیسرا صور ہے) لیکن اس طرح نہیں ہے' زجرة واحدة سے مراد دوسرا صور ہے' جب لوگ اپنی قبروں سے نکلیں گے' حضرت ابن عباس' مجاہد' عطا اور ابن زید وغیرہم کا بھی یہی قول ہے' مجاہد نے کہا یہ دونوں دو چیخیں ہیں' پہلی چیخ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہر چیز کو فنا کر دے گی اور دوسری چیخ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہر چیز کو زندہ کر دے گی' عطا نے کہا الراجفة سے مراد قیامت ہے اور الرادفة سے مراد مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہی کو خوب علم ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۲۲-۲۲۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے الزمر: ۶۸ کی تفسیر میں دونوں قول ذکر کیے ہیں' دو بار صور پھونکنے کے اور تین بار صور پھونکنے کے لیکن دو بار صور پھونکنے کے قول کو مقدم کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۷۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے بھی الزمر: ۶۸ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک دو بار صور پھونکا جائے گا اور نفخة الفزع اور نفخة الصعق دونوں سے مراد واحد ہے۔ (البحر المحیط ج ۹ ص ۲۲۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کے نزدیک تین بار صور پھونکا جائے گا۔ پہلا نفخة الفزع ہے جس سے سب لوگ گھبرا جائیں گے اس کا ذکر النمل: ۸۷ میں ہے اور دوسرا نفخة الصعق ہے جس سے سب لوگ مر جائیں گے اور تیسرا نفخة البعث ہے جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے' ان دونوں نفخوں کا ذکر الزمر: ۶۸ میں ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۱۴' ج ۴ ص ۶۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

قاضی بیضاوی نے الزمر: ۶۸ کی تفسیر میں لکھا ہے' دو بار صور پھونکا جائے گا اور نفخه الفزع اور نفخة الصعق سے مراد واحد ہے۔ (تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۸ ص ۲۲۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ کا بھی یہی مختار ہے کہ دو بار صور پھونکا جائے گا۔

(روح المعانی جز ۲۰ ص ۳۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نفخة الصعق سے کون کون افراد مستثنیٰ ہیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق سوال کیا:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللّٰهُ ۚ (الزمر ۶۸)

اور صور میں پھونکا گیا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے ہلاک ہو گئے ماسوا ان کے جن کو اللہ نے چاہا۔

آپ نے سوال کیا کہ اللہ نے کن کو ہلاک کرنا نہیں چاہا۔ حضرت جبریل نے کہا وہ اللہ عزوجل کے شہداء ہیں۔

امام حاکم نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' اور امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (امام ذہبی نے بھی امام حاکم کی موافقت کی ہے)

(المستدرک ج ۲ ص ۲۵۳' قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۳۰۰۰' معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۱۸ رقم الحدیث: ۱۶۰۷' حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو مسند ابویعلیٰ کے حوالے سے ذکر کیا ہے' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۷' کنز العمال ج ۴ ص ۴۰۰-۳۹۹' رقم الحدیث: ۱۱۱۱۱) ہر چند کہ حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو مسند ابویعلیٰ کے حوالے سے ذکر کیا ہے لیکن مسند ابویعلیٰ میں یہ حدیث نہیں ہے۔

علامہ نجم الدین قمولی متوفی ۷۲۷ھ لکھتے ہیں' اس استثناء میں پانچ قول ہیں:

(۱) جب نفخة الصعق پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے مر جائیں گے' ماسوا حضرت جبرائیل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل کے' پھر اللہ تعالیٰ حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل کو بھی ہلاک کر دے گا' اور حضرت جبرائیل اور حضرت عزرائیل باقی رہ جائیں گے' پھر حضرت جبرائیل کو بھی ہلاک کر دے گا۔

(۲) اس سے مراد شہداء ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ۝ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ (آل عمران: ۱۶۹)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے تلواریں لٹکائے ہوئے ہیں۔

(کتاب البعث والنشور للبیہقی رقم الحدیث: ۶۷' ۶۶' البدور السافرۃ ص ۶' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۶۴۰' الدر المنثور ج ۶ ص ۳۴۳' دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس صعقہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کو (طور پر) بے ہوش کیا گیا تھا اس لیے ان کو دوبارہ بے ہوش نہیں کیا جائے گا۔

(۴) اس سے مراد بڑی آنکھوں والی حوریں' اور عرش اور کرسی کے ساکنین ہیں۔

(۵) قتادہ نے کہا اللہ ہی کو علم ہے کہ اس سے کون مستثنیٰ ہیں' قرآن اور حدیث میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس سے مراد کون ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۷۶ ۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ المستدرک' البعث والنشور اور معالم التنزیل وغیرھا کے حوالوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اس سے مراد شہداء ہیں اور ایک اور حدیث یہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفخ فی الصور فصعق من فی السموت ومن فی الارض الا من شاء الله کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تین کا استثناء فرمایا ہے' جبریل' میکائیل اور ملک الموت۔ الحدیث (کتاب البعث والنشور للبیہقی رقم الحدیث: ۶۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کن کن کا استثناء کیا گیا ہے' حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے اس سے مراد شہداء ہیں جن کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے' وہ دوبارہ زندہ کیے جانے تک بے ہوش رہیں گے' اور یہ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے تلواریں لٹکائے ہوئے ہیں۔ امام قشیری نے کہا ان میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل

ہیں کیونکہ ان کے پاس نبوت بھی ہے اور شہادت بھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ مقاتل نے کہا اس سے مراد جبریل' میکائیل' اسرافیل اور ملک الموت ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام مومنین ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد فرمایا ہے:

وَمَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۞ (النمل: ۸۹)

اور جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس (نیکی) سے اچھی جزا ہے اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس استثناء کی تعیین میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہے اور ان اقوال میں سے ہر قول کی گنجائش ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۲۳-۲۲۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

کیا حضرت موسیٰ کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوش میں آنا ان کی افضلیت کو مستلزم ہے؟

ان اقوال میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس آیت کے استثناء سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ وہ اس سے پہلے پہاڑ طور پر بے ہوش ہو گئے تھے' قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ (الاعراف: ۱۴۳)

سو جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے۔

اس استثناء کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ایک دوسرے سے جھگڑا کیا' ایک مسلمان تھا اور دوسرا یہودی تھا' مسلمان نے کہا اس ذات کی قسم جس نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی' یہودی نے کہا اس ذات کی قسم! جس نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی' مسلمان نے اپنا ہاتھ اٹھا کر یہودی کے چہرے پر ایک تھپڑ مارا' اس نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اس کے اور اس مسلمان کے درمیان کیا معاملہ ہوا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کو بلا کر اس سے واقعہ معلوم کیا' اس نے آپ کو بتایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حضرت موسیٰ پر فضیلت مت دو' کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے تو میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہوں گا۔ پس میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو پکڑے کھڑے ہوں گے۔ پس میں (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ بھی لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو گئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا وہ ان میں سے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرما لیا۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ہے پس میں (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ ان میں سے تھے جو بے ہوش ہو گئے تھے یا ان کا حساب پہلی بے ہوشی میں کر لیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۱۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۵۷۶' عالم الکتب' حضرت ابوسعید خدری کی روایت: صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۳۷)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ حلیمی نے کہا کہ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو تو پہلے ہی موت آ چکی ہے' لہٰذا ان کو نفخة الصعق کے استثناء میں داخل کرنا صحیح ہے' اسی طرح حاملین عرش' حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور ملک الموت اور جنت

کی حوروں کو استثناء میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ میں آسمانوں اور زمینوں والے ہیں اور یہ فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں یا عرش کے گرد صف باندھے کھڑے ہیں اور عرش اور جنت سات آسمانوں کے اوپر ہیں پھر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو نفخة البعث کے بعد دیکھا اور قرآن مجید میں جو استثناء ہے وہ نفخة الصعق سے ہے اس اشکال کے جواب میں ہمارے شیخ ابوالعباس احمد بن عمر مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو پہلے ہی موت آ چکی تھی اس لیے ان کو نفخة الصعق کے استثناء میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ موت عدم محض نہیں ہے بلکہ موت ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل ہونے اور مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں اور ان کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے اور وہ شاداں اور فرحاں ہیں اور جب شہداء زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام حیات کے زیادہ حق دار اور اولیٰ ہیں اور جب کہ حدیث صحیح میں ہے کہ زمین انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو نہیں کھاتی' اور شب معراج ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی اور آسمانوں میں بھی ان سے اور خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی' نیز سنن ابوداؤد میں ہے کہ جب کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا ہے تو اس کو جواب دینے کے لیے آپ میں روح موجود ہوتی ہے اس طرح کے اور بہت دلائل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے اگرچہ وہ موجود اور زندہ ہیں جیسا کہ فرشتے موجود ہیں لیکن ہم میں سے کوئی شخص عادتاً ان کو نہیں دیکھ سکتا' اور جب ثابت ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو جب نفخة الصعق صور میں پھونکا گیا تو تمام آسمانوں والوں اور زمینوں والوں پر صعق طاری ہو گیا ماسوا ان کے جن کو اللہ نے چاہا' لیکن غیر انبیاء علیہم السلام پر صعق طاری ہونے کا معنی یہ تھا کہ وہ مر گئے اور انبیاء علیہم السلام پر صعق طاری ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ بے ہوش ہو گئے اور جب دوسری بار نفخة البعث کا صور پھونکا گیا تو جو مر گئے تھے وہ زندہ ہو گئے' اور جو بے ہوش ہو گئے تھے' وہ ہوش میں آ گئے' اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا' سو تمام نبیوں سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئیں گے۔ سوائے حضرت موسیٰ کے ان کے متعلق تردد ہے' کیونکہ آپ نے ہوش میں آنے کے بعد ان کو عرش کی ایک جانب دیکھا اور فرمایا آیا وہ آپ سے پہلے ہوش میں آ گئے تھے یا وہ بے ہوش ہی نہیں ہوئے اور طور کی بے ہوشی میں ان کو محسوب کر لیا گیا۔ اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں عظیم فضیلت ہے' اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں' کیونکہ اوّل تو حضرت موسیٰ کا ہمارے نبی سے پہلے ہوش میں آنا امر مشکوک ہے ثانیاً برتقدیر تسلیم یہ فضیلت جزی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کلی حاصل ہے۔ (المفہم ج ۶ ص ۲۳۳-۲۳۲' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اپنے شیخ ابوالعباس قرطبی کی عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ ابوعبداللہ قرطبی لکھتے ہیں' طبری' علی بن معبد اور ثعلبی وغیرہم نے یہ احادیث وارد کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ حاملین عرش' حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور ملک الموت پر بھی موت طاری کر دے گا اور ان کو پھر زندہ کر دے گا' البتہ اہل جنت اور جنت پر موت طاری نہیں ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خلود کے لیے بنایا ہے اگرچہ وہ بھی موت اور ہلاکت کی صلاحیت کی حامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاکت کی صلاحیت رکھتی ہے' كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ . (القصص: ۸۸) (التذکرہ ج ۱ ص ۲۶۶-۲۶۴ ملخصاً' دار البخاری' مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ)

نفخة الصعق سے استثناء میں علامہ قرطبی کا آخری قول

علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۸ھ' علامہ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ' علامہ صادی مالکی متوفی ۱۲۴۱ھ' نواب صدیق بن حسن خان قنوجی وغیرہم نے لکھا ہے کہ اس استثناء میں حاملین عرش' ملائکہ مقربین' جنت کی حوریں' شہداء اور انبیاء علیہم السلام داخل ہیں۔

(حاشیۃ الشہاب علی البیضاوی ج ۸ ص ۲۲۶' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۳۱۔۳۳۰' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۵۱۳' فتح البیان ج ۵ ص ۱۶۰)

علامہ قرطبی نے علامہ حلیمی کے حوالے سے التذکرہ میں جو تقریر کی ہے اس کے اعتبار سے کوئی فرد بھی اس استثناء میں داخل نہیں ہے' جنت اور اہل جنت اس میں اس لیے داخل نہیں کہ وہ آسمانوں کے اوپر ہیں۔ حاملین عرش' ملائکہ مقربین اور ارواحِ شہداء بھی عرش کے گرد ہیں اور وہ بھی داخل نہیں کیونکہ یہ استثناء آسمانوں اور زمینوں والوں کے اعتبار سے ہے اور جنت اور عرش آسمانوں کے اوپر ہے' اور انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ نہیں کیونکہ نفخة الصعق کے وقت وہ بے ہوش ہو جائیں گے اور نفخة البعث کے وقت وہ ہوش میں آئیں گے پھر نفخة الصعق سے کون مستثنیٰ ہے؟ البتہ علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن' التذکرہ کے بعد لکھی ہے اور اس میں انہوں نے جمہور مفسرین کی طرح اہل جنت' حاملین عرش' ملائکہ مقربین' شہداء اور انبیاء علیہم السلام کو اس استثناء میں داخل کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اے مخاطب تو اس دن پہاڑوں کو اپنی جگہ جما ہوا گمان کرے گا' حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے' یہ اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے' بے شک وہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○ جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس (نیکی) سے اچھی جزا ہے' اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے ○ اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے تو ان کو منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا جائے گا' اور تم کو ان ہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے ○ (النمل: ۹۰-۸۸)

قیامت کے دن پہاڑوں کی ٹوٹ پھوٹ اور ریزہ ریزہ ہونے کی مختلف حالتیں

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے' اس دن پہاڑ اپنی جگہوں پر نہیں رہیں گے بلکہ بادلوں کی طرح چلیں گے اور اُڑیں گے اور یہ اللہ کی عظیم قدرت ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے' لیکن وہ ان مضبوط چیزوں کو بھی روئی کے گالوں کی طرح بنا کر اُڑا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن پہاڑوں کی کئی حالتیں بیان فرمائی ہیں' ایک حالت یہ ہے کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ چل رہے ہوں گے لیکن دیکھنے والوں کو وہ اپنی جگہ جمے ہوئے نظر آئیں گے اور جب کوئی بہت بڑی چیز تیزی سے حرکت کر رہی ہو تو دیکھنے والوں کو وہ ساکن معلوم ہوتی ہے' جیسے کوئی شخص بحری جہاز کے کیبن میں بیٹھا ہو تو اس کو وہ جہاز ساکن دکھائی دیتا ہے حالانکہ وہ تیزی سے سفر طے کر رہا ہوتا ہے' یا جس طرح زمین حرکت کر رہی ہے لیکن ہم کو زمین حرکت کرتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی' ہم اس کو اپنی جگہ ساکن دیکھتے ہیں۔

قیامت کے دن پہاڑوں کی دوسری حالت اس آیت میں بیان فرمائی ہے:

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ط ○ (النباء: ۲۰) اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ سراب (فریب نظر) ہو جائیں گے۔

سراب دھوپ میں چمکتی ہوئی ریت کو کہتے ہیں جو دُور سے پانی کی طرح معلوم ہوتی ہے اور حقیقت میں وہاں کچھ نہیں ہوتا' قیامت کے دن پہاڑ بھی دُور سے نظر آنے والی چیز کی طرح فریب نظر ہوں گے' حقیقت میں پہاڑوں کا وجود بالکل ختم ہو چکا ہوگا۔

قیامت کے دن پہاڑوں کی تیسری حالت اس طرح بیان فرمائی ہے:

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ (المعارج:۹-۸)
جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے۔

پہاڑوں کی مختلف حالتوں میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ پہلے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا جس طرح اس آیت میں فرمایا ہے: اور یہ چوتھی حالت ہے:

وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ (الحاقۃ:۱۴)
اور زمین اور پہاڑوں کو اُٹھالیا جائے گا اور ایک ہی ضرب سے ان کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔

اور ریزہ ریزہ ہو کر وہ پہاڑ دُھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ (القارعۃ:۵)
اور پہاڑ دُھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔

پانچویں حالت یہ ہے کہ ان کو گرد وغبار کی طرح اُڑا دیا جائے گا۔

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝ (الواقعہ:۵-۶)
اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے اور وہ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس بکھرے ہوئے غبار کو اُڑا دے گا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ (طٰہٰ:۱۰۵)
اور وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ ان کو میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا۔

اور آخر میں وہ معدوم ہو کر فریب نظر ہو جائیں گے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا سب سے بڑی نیکی ہونا

اس کے بعد فرمایا: اور جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس (نیکی) سے اچھی جزا ہے۔ (النمل:۸۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس نیکی سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۶۶۴۴)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا لا الٰہ الا اللہ نیکیوں میں سے ہے' آپ نے فرمایا یہ سب سے اچھی نیکیوں میں سے ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۶۶۴۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو' اللہ سے ڈرتے رہو اور برے کام کے بعد نیک کام کرو وہ اس برے کام کو مٹا دے گا' اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا سلوک کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' سنن الدارمی رقم الحدیث:۲۷۹۴' المستدرک ج ۱ ص ۵۴' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۷۸)

قتادہ نے کہا اس سے مراد ہے جس نے اخلاص کے ساتھ کلمہ توحید پڑھا' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام فرائض کو ادا

کرتا ہے۔
منابحی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ مرض الموت میں تھے' میں رونے لگا' انہوں نے کہا چپ کرو' تم کیوں روتے ہو؟ اللہ کی قسم اگر مجھ سے شہادت طلب کی گئی تو میں تمہارے حق میں شہادت دوں گا' اور اگر مجھے شفاعت دی گئی تو میں تمہارے حق میں شفاعت کروں گا' اور اگر میں تم کو نفع پہنچا سکا تو میں تم کو ضرور نفع پہنچاؤں گا' پھر انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی ایسی حدیث سنی جس میں تمہارا نفع تھا وہ میں نے تم سے بیان کردی ماسوا ایک حدیث کے' اور میں عنقریب تم سے آج وہ حدیث بیان کردوں گا' کیونکہ اب میری جان لبوں پر ہے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دی اللہ اس پر دوزخ کو حرام کردے گا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۳۸' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۲۰۲)
امام ترمذی فرماتے ہیں بعض اہل علم کے نزدیک اس حدیث کی یہ توجیہ ہے کہ اہل توحید عنقریب جنت میں داخل ہوں گے خواہ ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ میری اُمت کے ایک شخص کو منتخب کر کے الگ کھڑا کردے گا' پھر اس کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے' ہر رجسٹر حد نگاہ تک بڑا ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کیا تجھ کو ان میں سے کسی چیز کا انکار ہے؟ کیا میرے لکھنے والے محافظ فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا نہیں یارب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرا کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں یارب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے' آج تجھ پر بالکل ظلم نہیں ہوگا' پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا جائے گا جس پر لکھا ہوگا: اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تم میزان پر حاضر ہو' وہ کہے گا اے میرے رب! ان رجسٹروں کے سامنے کاغذ کے اس ٹکڑے کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر میزان کے ایک پلڑے میں اس کے گناہوں کے (ننانوے) رجسٹر رکھے جائیں گے اور دوسرے پلڑے میں وہ کاغذ کا ٹکڑا رکھا جائے گا پھر گناہوں کے رجسٹروں والا پلڑا ہلکا ہو جائے گا اور کاغذ کے پرزے والا پلڑا بھاری ہو جائے گا' سو اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز وزنی نہیں ہو سکتی۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۲۲۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۱-۲۱۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث:۴۷۲۲' المستدرک ج ۱ ص ۶' ۵۲۹ شرح السنۃ رقم الحدیث:۴۳۲۱' صحیح الترمذی للالبانی رقم الحدیث:۲۱۲۷' السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث:۱۳۵)

نیکی کا اجر نیک کام سے کیوں افضل ہے

فرمایا تو اس کے لیے اس (نیکی) سے اچھی جزا ہے۔ یعنی بندہ کے عمل سے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اجر و ثواب بہتر ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا بندہ کے فعل سے بہتر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بندہ ایک نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا دس گنا زیادہ اجر دیتا ہے' اور کبھی سات سو گنا اجر عطا فرماتا ہے' اور کبھی اس کو بھی دُگنا کر دیتا ہے' اور کبھی بے حساب اجر عطا فرماتا ہے' بندہ ایک ساعت میں ایمان لاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ اس کو دائمی اور ابدی اجر عطا فرماتا ہے۔
اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بندہ کی سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ اس کو اللہ کی معرفت ہو' اور آخرت میں جو اس کا

اجر ملے گا وہ جنت میں کھانے پینے کی چیزیں ہوں گی' تو اللہ کی معرفت سے کھانے پینے کی چیزیں کیسے بہتر ہو سکتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں بندہ نے جو اللہ کی معرفت حاصل کی اس کے صلہ میں اسے جنت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار حاصل ہوگا اور بلاشبہ یہ سب سے بڑی نعمت ہے' نیز بندہ نے جو نیک کام کیے وہ بندہ کا فعل ہے' اور اس کا آخرت میں جو اجر ملے گا وہ اللہ کا فعل ہے اور اللہ کا فعل بندہ کے فعل سے بڑھ کر ہے' اور بندہ نے جو نیک عمل کیا وہ فانی ہے اور اس کے عوض میں اس کو جنت ملے گی جو غیر فانی ہے' نیز جنت کے متعلق حدیث میں ہے:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں ایک چابک جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۹۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۱' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۵۸)

قیامت کے دن عام مسلمان کیسے بے خوف ہوں گے جب کہ انبیاء علیہم السلام بھی خوف زدہ ہوں گے

اس کے بعد فرمایا اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے۔ اس دن سے مراد ہے قیامت کا دن۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تو انبیاء علیہم السلام بھی خوف زدہ ہوں گے' جب لوگ ان کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے کسی اور کے پاس جاؤ' میں اپنے متعلق فکر مند ہوں' جب قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اس قدر پریشان ہوں گے تو عام مسلمان اس دن کیسے بے خوف ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے اوپر معاذ اللہ عذاب کا خوف نہیں ہوگا' وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات اور اس کی بے نیازی سے خوف زدہ ہوں گے اور جس کا جتنا بڑا مرتبہ ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

اس آیت میں مسلمانوں کے لیے یہ بشارت ہے کہ قیامت کے دن وہ دائمی عذاب سے مامون ہوں گے' رہا یہ کہ قیامت کے دن کی شدت اور اس کی ہولناکیوں کے مشاہدہ سے انسان کے دل پر جو ہیبت اور دہشت طاری ہوگی تو اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوگا۔ عام مسلمانوں پر زیادہ ہیبت اور دہشت طاری ہوگی اور خواص پر کم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی بازپرس اور گرفت کے خوف سے کوئی نفس بے فکر نہیں ہوگا۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (الاعراف: ۹۹) کیا یہ لوگ اللہ کی گرفت سے بے فکر ہو گئے ہیں سو اللہ کی گرفت سے صرف نقصان اٹھانے والے بے فکر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے تو ان کو ان کے منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ النمل: ۸۹ میں الحسنہ (نیکی) سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے اور النمل: ۹۰ میں السیئہ سے مراد شرک ہے۔ حضرت ابن عباس' مجاہد' عطا' قتادہ اور حسن بصری وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

(جامع البیان جز ۲۰ ص ۳۰-۲۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اس کو حرم بنا دیا ہے' اور اسی کی ملکیت میں ہر چیز ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں ○ اور یہ کہ میں قرآن کی

تلاوت کروں' سوجس نے ہدایت قبول کی تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت قبول کی اور جو گمراہی پر ڈٹا رہا تو آپ کہہ دیں کہ میں تو صرف عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہوں ٥ اور آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' عنقریب تمہیں وہ اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان لو گے' اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کر رہے ہو ٥
(النمل: ۹۳-۹۱)

شہر مکہ کی اہمیت اور خصوصیت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور اپنی توحید' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر دلائل بیان فرمائے' پھر اس کے بعد ان امور کو بیان فرمایا جو قیامت سے پہلے وقوع پذیر ہوں گے اور قیامت کی علامات اور اس کے وقوع کو بیان فرمایا' پھر آخرت کے احوال اور ثواب اور عذاب کو بیان فرمایا' اور اب سورت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کی اہمیت کو بیان فرمایا اور یہ بتایا کہ اے نبی مکرم آپ کہیے کہ مجھے ان چیزوں کا حکم دیا گیا ہے:

مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص رکھوں اور کسی کو اس کا شریک نہ قرار دوں' میں نے تم کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل بیان کر دیئے ہیں' تم ان دلائل کے تقاضوں سے اس کی توحید پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ میں بہر حال اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننے والا اور اس پر اصرار کرنے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان کی کہ وہ اس شہر کا رب ہے' اور اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور تمام شہروں میں سے اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کی طرف اپنی ربوبیت کی اضافت اس لیے کی ہے کہ ہونے کو تو میں تمام شہروں کا رب ہوں لیکن جس شہر کے رب ہونے پر مجھے ناز ہے' وہ شہر مکہ ہے' اسی شہر کی ایک جگہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا بیت قرار دیا ہے' یہی شہر اس کے محبوب نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد اور مسکن ہے اور یہی شہر مہبط وحی الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو حرم بنا دیا ہے' اس کو حرم فرمانے کی چند وجوہ ہیں' جو شخص حج کرنے کے لیے اس شہر میں آتا ہے اس پر حالتِ احرام میں کئی حلال کام حرام ہو جاتے ہیں وہ بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتا' خوشبو نہیں لگا سکتا' ازدواجی عمل نہیں کر سکتا اور اس طرح کے اور کئی کام اس پر حرام ہو جاتے ہیں' جو شخص اس شہر میں آ کر پناہ لے اس کو ایذاء پہنچانا حرام ہے' اس شہر کے درخت کاٹنا اور وحشی جانوروں کو پریشان کرنا حرام ہے' اس شہر میں قتال کرنا' مال لوٹنا' اور کسی کی عزت پامال کرنا خصوصیت کے ساتھ حرام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان فرمائی کہ ہر چیز اس کی ملکیت ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور جو کسی چیز کا خالق ہوتا ہے وہی اس چیز کا مالک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا حکم دیا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام احکام پر عمل کیا اور تمام اُمت کے لیے اپنے اعمال میں نمونہ فراہم کیا۔

اور فرمایا: آپ کہیے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اور اس کی تمام نعمتوں پر میں اس کی حمد کرتا ہوں' اور عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا تمہارے اپنے نفسوں میں بھی اور اس خارجی کائنات میں بھی' تو تم اس کی قدرت اور اس کی وحدانیت کے دلائل کو پہچان لو گے' یقین کرنے والوں کے لیے اس زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید پر نشانیاں ہیں اور خود ان کے اندر بھی ہیں اور آخر میں فرمایا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے اور اسی پر یہ سورت ختم ہوگئی۔

اجر ملے گا وہ جنت میں کھانے پینے کی چیزیں ہوں گی' تو اللہ کی معرفت سے کھانے پینے کی چیزیں کیسے بہتر ہو سکتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں بندہ نے جو اللہ کی معرفت حاصل کی اس کے صلہ میں اسے جنت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار حاصل ہوگا اور بلاشبہ یہ سب سے بڑی نعمت ہے' نیز بندہ نے جو نیک کام کیے وہ بندہ کا فعل ہے' اور اس کا آخرت میں جو اجر ملے گا وہ اللہ کا فعل ہے اور اللہ کا فعل بندہ کے فعل سے بڑھ کر ہے' اور بندہ نے جو نیک عمل کیا وہ فانی ہے اور اس کے عوض میں اس کو جنت ملے گی جو غیر فانی ہے' نیز جنت کے متعلق حدیث میں ہے:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں ایک چابک جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۹۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۱' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج۹ ص ۱۵۸)

قیامت کے دن عام مسلمان کیسے بے خوف ہوں گے جب کہ انبیاء علیہم السلام بھی خوف زدہ ہوں گے

اس کے بعد فرمایا اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے۔ اس دن سے مراد ہے قیامت کا دن۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تو انبیاء علیہم السلام بھی خوف زدہ ہوں گے' جب لوگ ان کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے کسی اور کے پاس جاؤ' میں اپنے متعلق فکر مند ہوں' جب قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اس قدر پریشان ہوں گے تو عام مسلمان اس دن کیسے بے خوف ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے اوپر معاذ اللہ عذاب کا خوف نہیں ہوگا' وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات اور اس کی بے نیازی سے خوف زدہ ہوں گے اور جس کا جتنا بڑا مرتبہ ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

اس آیت میں مسلمانوں کے لیے یہ بشارت ہے کہ قیامت کے دن وہ دائمی عذاب سے مامون ہوں گے' رہا یہ کہ قیامت کے دن کی شدت اور اس کی ہولناکیوں کے مشاہدہ سے انسان کے دل پر جو ہیبت اور دہشت طاری ہوگی تو اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوگا۔ عام مسلمانوں پر زیادہ ہیبت اور دہشت طاری ہوگی اور خواص پر کم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی باز پرس اور گرفت کے خوف سے کوئی نفس بے فکر نہیں ہوگا۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (الاعراف: ۹۹)

کیا یہ لوگ اللہ کی گرفت سے بے فکر ہو گئے ہیں سو اللہ کی گرفت سے صرف نقصان اٹھانے والے بے فکر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے تو ان کو ان کے منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ النمل: ۸۹ میں الحسنہ (نیکی) سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے اور النمل: ۹۰ میں السیئہ سے مراد شرک ہے۔ حضرت ابن عباس' مجاہد' عطا' قتادہ اور حسن بصری وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

(جامع البیان جز ۲۰ ص ۳۰-۲۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اس کو حرم بنا دیا ہے' اور اسی کی ملکیت میں ہر چیز ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں ○ اور یہ کہ میں قرآن کی

سُورَةُ الْقَصَصِ

(۲۸)

سورۃ النمل کا خاتمہ

سورۃ النمل کی تفسیر ۱۳ ذوالحج ۱۴۲۲ھ/ ۲۸ فروری ۲۰۰۲ء بہ روز جمعرات کو شروع کی گئی تھی اور الحمدللہ رب العلمین آج ۵ ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ/ ۱۸ مئی ۲۰۰۲ء بہ روز ہفتہ کو بعد نمازِ فجر یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔ اپریل کے مہینہ میں میں کافی بیمار رہا اور شدید کمر کے درد کا عارضہ رہا' اس وجہ سے یہ کام اپنے معمول کی رفتار سے نہیں ہو سکا' میں عموماً ایک ماہ میں نوے سے لے کر سو صفحات تک لکھ لیتا ہوں' لیکن اپریل کے ماہ میں صرف ۴۲ صفحات لکھ سکا' کمر کا درد کلسٹرول کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے' میں نے وہ تمام چیزیں ترک کر دی ہیں جن سے کلسٹرول بنتا ہے حتیٰ کہ سالن سے کھانا بھی چھوڑ دیا ہے' تینوں وقت بران بریڈ کے تین سلائس پھیکی چائے کے ساتھ لیتا ہوں۔ قارئین کرام سے دعا کا خواست گار ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان بیماریوں سے نجات عطا فرمائے اور ذہنی اور جسمانی توانائی عطا فرمائے کہ میں تبیان القرآن کی بقیہ جلدیں مکمل کرلوں اور جب تک زندہ رہوں' صحت برقرار رہے اور دین کا تبلیغی اور اشاعتی کام کرتا رہوں۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تفسیر تبیان القرآن کو مکمل کرا دے اس کی تصنیف میں مجھے نسیان' خطا اور لغزشوں سے محفوظ اور سلامت رکھے اور اس کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین سید المرسلین شفیع المذنبین وعلی آله الطیبین الطاهرین واصحابه الهادین المهدیین وازواجه الطاهرات امهات المومنین وعلی سائر المسلمین اجمعین.

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة القصص

سورت کا نام: اس سورت کا نام القصص ہے' اور یہ نام اس سورت کی اس آیت سے مقتبس ہے:

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (القصص: ۲۵)

پس جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان کو تمام قصہ سنایا تو انہوں نے کہا کچھ خوف نہ کریں' آپ ظالم لوگوں سے نجات حاصل کر چکے ہیں۔

ہر چند کہ القصص کا لفظ الاعراف: ۱۷۶' اور یوسف: ۳ میں آ چکا ہے' اور الکھف میں بھی قصصا کا لفظ ذکر کیا جا چکا ہے' لیکن جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی' جس چیز کا جو نام رکھا گیا ہے اس چیز میں اس نام کی مناسبت ہونی چاہیے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں وہ مناسبت پائی جائے تو وہاں وہ نام بھی ہو جیسے خمر (انگور کی شراب) کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے جب کہ کھجور کی شراب اور جو کی شراب اور اسی طرح بھنگ بھی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے لیکن ان کو خمر نہیں کہتے' اسی طرح قارورہ بوتل کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں کوئی سیال چیز قرار پذیر ہوتی ہے لیکن ہر اس چیز کو قارورہ نہیں کہتے جس میں کوئی سیال چیز قرار پذیر ہو ورنہ پیٹ کو بھی قارورہ کہا جاتا۔

اس سورت کا نام القصص اس لیے بھی رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عجیب وغریب قصہ بیان کیا ہے' ان کی ولادت سے لے کر ان کے رسول بنانے تک کے قصص اور واقعات نہایت تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں جو تینتالیس (۴۳) آیتوں پر محیط ہیں' جن سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر کس طرح لطف وکرم فرماتا ہے اور کفار اور منکرین کو کس طرح ذلیل اور رسوا کرتا ہے۔ نیز اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ایک شخص قارون کا بھی قصہ بیان کیا گیا ہے جو مال ودولت کی کثرت کی وجہ سے متکبر اور سرکش ہو گیا تھا' اور بالآخر اس کا برا انجام ہوا۔

القصص کی النمل سے مناسبت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس سے پہلے کی متصل دو سورتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ الشعراء میں ۶۸-۱۰ تک اور النمل میں ۱۴-۷ تک' لیکن جن چیزوں کو ان سورتوں میں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا تھا اس سورت میں ان کی تفصیل کر دی گئی ہے اس سورت میں یہ قصہ فرعون کے ظلم اور تکبر سے شروع کیا گیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا' اور اس کا یہی فعل اس واقعہ کا سبب بنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے کے بعد ان کو ایک صندوق میں رکھ کر اس صندوق کو دریا میں ڈال دیا تا کہ وہ ذبح ہونے سے بچ جائیں' پھر دریا کی موجوں نے اس صندوق کو فرعون کے محل میں

قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہیں' اللہ تعالیٰ آپ کی ہر مشکل مہم میں معاونت فرمائے گا۔

سورۃ القصص کی اغراض

☆ اس سورت کو طٰسٓمٓ سے شروع فرما کر اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ یہ کلام بھی ان ہی حروف سے مرکب ہے' جن حروف سے تم اپنا کلام مرکب کرتے ہو' اگر تمہارے دعویٰ کے مطابق یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے تو تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ' ورنہ اس حقیقت کا اعتراف کر لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے اپنے معظم اور مکرم بندہ پر نازل فرمایا ہے۔

☆ سورۃ الاعراف' سورۃ طٰہٰ اور دیگر سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے جن واقعات کو اختصار سے بیان فرمایا تھا' اس سورت میں ان کی تفصیل کر دی ہے اور اس سے مقصود وعظ اور نصیحت ہے' اور فرعون اور اس کی قوم پر ان کے تکبر اور بنی اسرائیل پر ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے جو عذاب آیا تھا اس سے عبرت اور سبق مہیا کرنا ہے۔

☆ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت فرمانا کوئی نئی بات نہیں ہے' بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے سنت رہی ہے کہ وہ ہر زمانہ میں ہر قوم کی طرف ایک رسول کو بھیجتا رہا ہے تاکہ لوگوں کو گم راہی اور بے راہ روی سے نکال کر ہدایت اور راہِ راست پر لایا جائے اسی سنت کے مطابق قریش کی طرف بھی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

☆ کفارِ مکہ کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ آپ نے بھی حضرت موسیٰ کی طرح لاٹھی کو اژدھا بنانے اور ید بیضاء کے معجزات کیوں نہیں پیش کیے۔

☆ فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ کے متواتر معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی تکذیب کی تو ان کو سمندر میں غرق کر دیا گیا اس سے قریش مکہ کو ڈرایا ہے کہ اگر انہوں نے بھی ہمارے رسول کی تکذیب کی روش کو نہ چھوڑا تو ان پر بھی اسی طرح کے عذاب کا خطرہ ہے۔

☆ بنی اسرائیل قبطیوں کے مقابلہ میں ایک کمزور قوم تھی' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قوم فرعون کے مقابلہ میں کامیاب اور غالب کر دیا' اس میں یہ اشارہ ہے کہ اسی طرح ابتدا میں جن کمزور مسلمانوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے' عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو صنادید قریش پر کامیابی اور غلبہ عطا فرمائے گا۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کئی سورتوں میں سننے کے بعد مسلمان یہ چاہتے تھے کہ ان کے سامنے تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کر دیا جائے۔

سورۃ القصص کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے سورۃ القصص کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے بار الٰہ! اس تفسیر میں حق اور صدق پر مجھے رہ نمائی عطا فرمانا' اور اس کی اتباع میرے لیے مقدر فرما دینا اور زیغ اور باطل کے بطلان کو مجھ پر منکشف فرمانا اور اس سے اجتناب اور اس کے رد کرنے کی مجھ کو سعادت عطا فرمانا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وقائد المرسلین وشفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث' دار العلوم نعیمیہ' کراچی-۳۸
۱۱ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ/۲۴ مئی ۲۰۰۲ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

پہنچا دیا پھر فرعون نے حضرت موسیٰ کی پرورش کی حتیٰ کہ وہ سن شباب تک پہنچ گئے' پھر قبطی کو تادیبا گھونسا مارنے کا واقعہ پیش آیا جس کے نتیجہ میں وہ قبطی مر گیا' اور حضرت موسیٰ کو یہ خطرہ ہوا کہ اب فرعون کی قوم ان پر قتل کا الزام عائد کر کے ان کو سزا دے گی' سو وہ مصر سے مدین کی طرف ہجرت کر گئے' اور وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے ان کا نکاح ہو گیا' پھر جب وہ مدین سے روانہ ہوئے تو راستہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت پر سرفراز فرما دیا' پھر اس کے بعد باقی واقعات پیش آئے۔

ایک اور وجہ سے سورۃ النمل اور سورۃ القصص میں یہ مناسبت ہے کہ سورۃ النمل میں حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں کو ہلاک کرنے کا قصہ اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے' اور سورۃ القصص میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

نیز سورۃ النمل کے آخر میں ان مشرکین کی مذمت فرمائی ہے جو قیامت کا انکار کرتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو نہیں مانتے تھے اور سورۃ القصص میں اس چیز پر زیادہ دلائل بیان فرمائے ہیں اور اس موقف کو زیادہ تفصیل اور زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

سورۃ القصص بھی سورۃ النمل کی طرح مکی ہے' تعداد نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۹ ہے' یہ سورۃ النحل کے بعد اور سورۃ بنی اسرائیل سے پہلے نازل ہوئی ہے' سورۃ الشعراء' سورۃ النمل اور سورۃ القصص تینوں کے افتتاحی حروف میں طا اور سین ہیں' سورۃ الشعراء میں ہے طٰسٓمٓ سورۃ النمل میں ہے طٰسٓ اور سورۃ القصص کے شروع میں طٰسٓمٓ ہے۔ یہ تینوں سورتیں نزول میں متوالی اور متعاقب ہیں اور ایک دوسرے کے بعد نازل ہوئی ہیں اور ان تینوں سورتوں کو الطواسین کہا جاتا ہے اور یہ تینوں سورتیں اس بات میں مشترک ہیں کہ ان سب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ القصص کے مشمولات

☆ سورۃ الشعراء' سورۃ النمل اور سورۃ القصص تینوں اس بات میں مشترک ہیں کہ ان میں عقائد کے اصول بیان کیے گئے ہیں توحید' رسالت اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے پر دلائل پیش کیے گئے ہیں اور ان کو انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔

☆ سورۃ النمل کی ابتدائی ۴۳ آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے لے کر ان کو تورات عطا کیے جانے تک کے تمام واقعات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

☆ النمل: ۵۷-۴۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے واقعات کی وحی فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس سے قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے برحق ہونے پر استدلال فرمایا ہے' کیونکہ قریش کو معلوم تھا کہ آپ اُمی ہیں اور آپ نے تورات کو نہیں پڑھا اور نہ آپ کا یہودیوں سے میل جول رہا ہے پھر آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کے یہ مفصل واقعات کس ذریعہ سے معلوم ہو گئے سو اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی ہو اور آپ پر وحی کا نازل ہونا قرآن مجید کے حق ہونے اور آپ کے دعویٰ نبوت میں صادق ہونے کی واضح دلیل ہے' آپ کو نبوت سے سرفراز فرما کر جس طرح آپ پر فضل فرمایا ہے' آپ کی قوم قریش پر بھی فضل فرمایا ہے کہ ان کے کفر اور شرک پر عذاب نازل فرمانے سے پہلے ان کو راہِ راست اور ہدایت کا موقع عطا فرمایا' اور کفار اور مشرکین کے شبہات کا ازالہ فرمایا ہے۔

☆ النمل: ۸۴-۷۶ میں قارون کا ذکر فرمایا ہے جس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ مال و دولت اس کو اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے ملا ہے۔ اللہ کا اس پر کوئی احسان نہیں ہے اس لیے وہ اپنے مال سے زکوٰۃ اور صدقات نکالنے سے منع کرتا تھا۔

☆ النمل: ۸۸-۸۵ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تلقین فرمائی کہ آپ کفار اور مشرکین کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں' اپنے موقف پر

إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۷ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ

لائیں گے اور (ہم) اس کو رسول بنانے والے ہیں ○ سو فرعون کے گھر والوں نے اس کو اٹھا لیا تاکہ

لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا

انجام کار وہ ان کا دشمن اور باعث غم ہو جائے' بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر جرم

خَاطِئِينَ ۸ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ۖ لَا

کرنے والے تھے ○ اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ (بچہ) میری اور تمہاری آنکھ کی ٹھنڈک ہے اس کو

تَقْتُلُوهُ ۖ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۹

قتل نہ کرنا' شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں اور یہ لوگ (مستقبل کا) شعور نہیں رکھتے تھے ○

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ۖ إِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْ

اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا' اگر ہم نے ان کے دل کو ڈھارس نہ دی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز

لَآ أَنْ رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۱۰

فاش کر دیتیں (ہم نے اس لیے ڈھارس دی) تاکہ وہ (اللہ کے وعدہ پر) اعتماد کرنے والوں میں سے ہو جائیں ○

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ ۖ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا

اور موسیٰ کی ماں نے ان کی بہن سے کہا تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ تو وہ اس کو دور' دور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا

يَشْعُرُونَ ۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ

شعور نہ ہوا ○ اور ہم نے اس (کے پہنچنے) سے پہلے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا سو وہ کہنے لگی

هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ

آیا میں تمہیں ایسا گھرانا بتاؤں جو تمہارے اس بچہ کی پرورش کرے اور وہ اس کے لیے خیر خواہ

نَاصِحُونَ ۱۲ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ

ہو ○ سو ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے

سورة القصص مكية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ القصص مکی ہے   اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے   اس کی اٹھاسی آیات نو رکوع ہیں

طٰسٓمٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ

طاسین میم ○ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○ ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کی برحق

مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ

خبریں ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں ○ بے شک فرعون (اپنے)

عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً

ملک میں سرکش تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا' وہ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور قرار دے کر

مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا' بے شک وہ فساد کرنے والوں

الْمُفْسِدِيْنَ ④ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا

میں سے تھا ○ اور ہم ان لوگوں پر احسان فرمانا چاہتے تھے جن کو (اس کے) ملک میں کمزور قرار دیا

فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤ وَنُمَكِّنَ

گیا تھا' اور ہم ان کو امام بنانا چاہتے تھے اور (ان کے ملک کا) وارث بنانا چاہتے تھے ○ اور ہم ان کو ان کے ملک کا

لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا

اقتدار عطا کرنا چاہتے تھے اور ہم فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو (بنی اسرائیل کے ہاتھوں) وہ انجام دکھانا چاہتے

كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا

تھے جس سے وہ خوف زدہ تھے ○ اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا کہ تم اس کو دودھ پلاؤ' اور جب تم کو

خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ

اس پر خطرہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا اور کسی قسم کا خوف اور غم نہ کرنا' بے شک ہم اس کو تمہارے پاس واپس

تلاوت کا معنی ہے آیتوں کو ایک دوسرے کے متصل بعد لگاتار پڑھنا' متتابع' متعاقب اور متوالی آیتوں کو پڑھنا' اس سے مراد تمام خبروں کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ عظیم خبریں ہیں جن سے ظاہر اور پوشیدہ باتوں کا علم ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ قوم فرعون سے کس طرح حساب لیا گیا اور ان کو کس طرح سزا دی گئی۔

مومنوں پر تلاوت کرنے کی تخصیص کی توجیہ

اسی آیت میں فرمایا ہے ہم ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں۔ اس سے مراد وہ مسلمان ہیں کہ جب بھی کسی واقعہ کے متعلق کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ ان آیتوں کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیب کی خبروں پر مطلع فرمایا ہے کیونکہ ان خبروں کو جاننے کے لیے آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی وحی کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا اور نبی وہی شخص ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کی برحق خبریں ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں' تو کیا ان آیتوں کی تلاوت کافروں کے لیے نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کافروں کے لیے بھی ان آیتوں کی تلاوت ہے لیکن مومنین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ انہوں نے ہی ان خبروں کو قبول کیا اور ان سے نفع اٹھایا جیسے قرآن مجید کی ہدایت تو تمام دنیا کے لوگوں کے لیے ہے لیکن چونکہ اس ہدایت سے نفع یاب ہونے والے صرف متقین تھے اس لیے فرمایا ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (البقرہ:۲) اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ان آیات کی تلاوت بالذات مومنین کے لیے ہے اور بالتبع ان کی تلاوت غیر مومنین کے لیے بھی ہے اس لیے اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ مومنین کا ذکر فرمایا جن کے لیے ان آیات کی بالذات تلاوت ہے۔

شیعاً کا معنی

بے شک فرعون (اپنے) ملک میں سرکش تھا۔ الآیۃ (القصص:۴) یعنی فرعون اپنے ملک میں اپنے آپ کو سب سے بڑا قرار دیتا تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا گروہوں کے لیے اس آیت میں شیعاً کا لفظ ہے۔ شیعاً شیعہ کی جمع ہے' شیعہ کا معنی تقویت ہے۔ جس سے انسان کو تقویت پہنچے اور کسی شخص کے گروہ سے بھی اس شخص کو تقویت پہنچتی ہے اس لیے گروہ کو شیعہ کہتے ہیں اور شیعہ کا معنی انتشار ہے جو چیز کسی چیز سے نکلے اور پھیلے اور چونکہ کسی شخص کا گروہ بھی اس سے نکلتا اور پھیلتا ہے اس لیے کسی شخص کے گروہ اور اس کے فرقہ کو شیعہ کہتے ہیں۔ آیت کے اس حصہ کا معنی یہ ہے کہ فرعون نے متعدد فرقے بنائے ہوئے تھے جو اس کی اطاعت کرتے تھے اور ان میں سے کسی کو اس کے حکم کے خلاف کرنے کی طاقت نہ تھی یا اس نے متعدد فرقے بنا دیئے تھے وہ سب اس کی خدمت کرتے تھے اور اس کو قوت پہنچاتے تھے یا اس نے ایسے متعدد گروہ بنا دیئے تھے جن میں سے بعض کو اس نے قوی قرار دیا تھا اور وہ قبطی تھے جو مصر کے قدیم باشندے تھے اور بعض کو اس نے ضعیف قرار دیا تھا اور یہ بنی اسرائیل تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ حکومت میں مصر میں آ کر آباد ہو گئے تھے' فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کا حکم دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ علامہ قونوی نے اس حکم کی حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کی وجوہ

(۱) ایک کاہن نے فرعون سے کہا کہ بنی اسرائیل کے ہاں آج رات کو ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کی وجہ سے تمہارا ملک جاتا رہے گا'

ع ۱

وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور وہ یقین کرلے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طاسین میم ۝ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ۝ ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کی برحق خبریں ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں ۝ بے شک فرعون (اپنے ملک میں) سرکش تھا' اور اس نے وہاں کے لوگوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا' وہ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور قرار دے کر ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا' اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا' بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا ۝ اور ہم ان لوگوں پر احسان فرمانا چاہتے تھے جن کو (اس کے) ملک میں کمزور قرار دیا گیا تھا' اور ہم ان کو امام بنانا چاہتے تھے اور (ان کے ملک کا) وارث بنانا چاہتے تھے ۝ اور ہم ان کو ان کے ملک کا اقتدار عطا کرنا چاہتے تھے' اور ہم فرعون اور ھامان اور ان کے لشکروں کو (بنی اسرائیل کے ہاتھوں) وہ انجام دکھانا چاہتے تھے جس سے وہ خوف زدہ تھے ۝ (القصص: ۶-۱)

طٰسٓمّٓ کا معنی

طٰسٓمّٓ (القصص: ۱) جس طرح اس سے پہلے بعض سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع کیا گیا ہے اسی طرح اس سورت کو بھی ان ہی وجوہ سے حروف مقطعات سے شروع کیا گیا ہے۔ نیز کہا گیا ہے کہ طا میں یہ اشارہ ہے کہ بنو اسرائیل کو فرعون کی طویل غلامی سے نجات ملنے اور اس کی غلامی سے ان کے طیب اور طاہر ہونے کا اس سورت میں ذکر ہے' اور سین میں یہ اشارہ ہے کہ اس سورت میں ان کو حاصل ہونے والی سمو (بلندی) اور سیادت کا ذکر ہے اور میم میں یہ اشارہ ہے کہ ان کو فرعون کے ملک مصر کے اقتدار عطا کیے جانے کا اس سورت میں ذکر ہے۔

سورۃ القصص کا خلاصہ

یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ (القصص: ۲) یعنی آپ کے قلب پر جو آیتیں نازل کی گئی ہیں یہ دنیا اور آخرت کی تمام مصلحتوں کی جامع ہیں اور ان میں احکام شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے' اور یہ سورت ان چیزوں کو بیان کرتی ہے جن میں بنو اسرائیل اختلاف کرتے تھے' اور اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے وہ حقائق اور دقائق بیان کیے گئے جن کو ان کے ماہرین میں سے بھی بہت کم لوگ جانتے تھے' یہ سورت بیان کرتی ہے کہ فرعون اور اس کی قوم سے کس طرح انتقام لیا گیا' اور قارون کو کس طرح سزا دی گئی' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنو اسرائیل پر کیا کیا انعام کیے گئے' اور اس سورت میں وہ تفصیلات بیان کی گئی ہیں' جو دوسری سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان نہیں کی گئیں۔ قرآن مجید کی حسب ذیل سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے:

البقرۃ' النساء' المائدۃ' الانعام' الاعراف' الانفال' یونس' ھود' ابراھیم' النحل' بنی اسرائیل' الکھف' مریم' طٰہٰ' الانبیاء' المومنون' الفرقان' الشعراء' النمل' القصص' العنکبوت' السجدۃ' الاحزاب' الصّٰفّٰت' المومن' الزخرف' الدخان' الجاثیۃ' الذّٰریات' القمر' الصف' الجمعۃ' التحریم' الحاقۃ' المزمل' النّٰزعٰت' الفجر۔ قرآن مجید کی کل ۵۱۴ آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے' اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت لاڈلے اور محبوب نبی ہیں۔

ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کی برحق خبریں ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں ۝ (القصص: ۳)

عباس نے فرمایا یعنی ان کو نیک کاموں میں پیشوا بنانا چاہتے تھے۔ مجاہد نے کہا ان کو نیکی اور خیر کا داعی اور ہادی بنانا چاہتے تھے اور قتادہ نے کہا ان کو حکم ران اور بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ اور یہ تفسیر زیادہ عام اور شامل ہے' کیونکہ بادشاہ بھی امام ہوتا ہے اور اس کی اقتداء کی جاتی ہے' اور ہم ان کو وارث بنانا چاہتے تھے یعنی وہ فرعون کے ملک اور اس کی سلطنت کے وارث ہوں اور قبطیوں کے مکانوں میں رہائش پذیر ہوں' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۳۷)

اور جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں' اور بنی اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا' اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بنائی ہوئی عمارتوں اور ان کی چڑھائی ہوئی بیلوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

فرعون کا اپنے خدشات کا شکار ہونا

فرمایا: اور ہم ان کو (ان کے) ملک کا اقتدار عطا کرنا چاہتے تھے۔ الآیہ: (القصص: ۶) یعنی ہم ملک شام اور ملک مصر کا اقتدار بنی اسرائیل کے سپرد کرنا چاہتے تھے' اور فرعون' ھامان اور ان کے لشکروں کو ان کے خواب کی وہ تعبیر دکھانا چاہتے تھے جس سے وہ خوف زدہ تھے' کیونکہ ان کو یہ خبر دی گئی تھی کہ ان کی ہلاکت بنی اسرائیل کے ایک شخص کے ہاتھوں سے واقع ہو گی۔ قتادہ نے کہا ان کو ڈرانے والا ایک نجومی تھا جس نے یہ کہا تھا کہ اس سال ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کے ہاتھوں اس کا ملک چلا جائے گا۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ علامہ ماوردی متوفی ۴۵۰ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ وغیرہم اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی نے بیان کیا کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور مصر کے گھروں تک پہنچ گئی اس نے قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھر چھوڑ دیئے۔ اس نے جادوگروں' کاہنوں' قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلایا اور ان سے اس خواب کی تعبیر پوچھی انہوں نے کہا جس شہر سے بنو اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے' اس شہر کے ایک شخص کے ہاتھوں سے مصر تباہ ہو جائے گا' تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو' اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو' اس کو چھوڑ دیا جائے اور قبطیوں سے کہا کہ تم اپنے نیچ کام بنی اسرائیل سے کرایا کرو۔ ادھر بنو اسرائیل کے بوڑھے جلد مر گئے' تب قبطیوں کے سردار فرعون کے پاس گئے اور کہا کہ بنی اسرائیل کے بڑے تو مر رہے ہیں اگر ان کے بیٹوں کو یونہی قتل کیا جاتا رہا تو پھر ہمارے بیٹوں کو یہ نیچ کام کرنے پڑیں گے' آپ ایسا کریں کہ ایک سال بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرائیں اور ایک سال ان کو چھوڑ دیں' اور جس سال بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کیا جاتا تھا اس سال حضرت موسیٰ کی والدہ حاملہ ہوئیں اور پھر حضرت موسیٰ پیدا ہوئے' اور مجاہد نے کہا جس سال بنو اسرائیل کے بیٹوں کو چھوڑتا تھا اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال ان کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے' اور حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سال بڑے تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۶۷۳' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۶۷۳-۱۶۶۷۲' النکت والعیون ج ۴ ص ۲۳۴' تفسیر ابن کثیر ج ۳

اس رات بارہ لڑکے پیدا ہوئے فرعون نے ان سب کو قتل کرا دیا' اور اکثر مفسرین کے نزدیک بنی اسرائیل اس عذاب میں کئی سال تک مبتلا رہے۔ وہب بن منبہ نے کہا قبطیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نوے ہزار بنی اسرائیل کو قتل کر دیا۔ بعض علماء نے کہا کہ فرعون کا یہ حکم اس کی حماقت کی دلیل تھا' کیونکہ اگر اس کاہن کی یہ پیش گوئی سچی تھی تو بنو اسرائیل کو قتل کرنے سے فرعون کے ملک کا زوال دُور نہیں ہو سکتا تھا اور فرعون بچ نہیں سکتا تھا' اور اگر اس کاہن کی پیش گوئی جھوٹی تھی تو بنو اسرائیل کو قتل کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ ہمارے نزدیک کاہنوں اور نجومیوں کی پیش گوئیاں باطل ہوتی ہیں اور ان پر یقین کرنا جائز نہیں ہے' اور ان کی پیش گوئیوں کو برحق ماننے کا یہ مطلب ہے کہ وہ غیب کی خبر دینے میں سچے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی شخص غیب کو نہیں جان سکتا۔ کاہن نبی ہوتے ہیں نہ ولی اس لیے ان کے غیب پر مطلع ہونے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ سو میں سے کوئی ایک آدھ بات ان کی اتفاقاً سچی نکلتی ہے اور اس سے ان کا غیب دان ہونا لازم نہیں آتا۔ فرعون کی حماقت واضح کرنے کے لیے جس اعتراض کا ذکر کیا گیا ہے اس قسم کا اعتراض تقدیر پر بھی کیا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کی تقدیر میں دوزخی ہونا لکھ دیا ہے تو پھر اس کے لیے نیکی کرنے کی کوششوں کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی کے متعلق دوزخی لکھا ہے جس کے متعلق اس کو ازل میں علم تھا کہ یہ شخص اپنے اختیار سے ایسے کام کرے گا جو اس کے دوزخی ہونے کا سبب ہوں گے۔

(۲) سدی نے کہا فرعون نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور مصر پر پھیل گئی اور اس آگ نے قبطیوں کو جلا ڈالا جو مصر کے اصل باشندے تھے اور بنی اسرائیل کو نہیں جلایا' اس نے اپنے درباریوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو اس کو بتایا گیا کہ جس شہر سے بنی اسرائیل آئے ہیں' اسی شہر والوں کی نسل سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں سے تمہاری مصر سے حکومت زائل ہو جائے گی اور تم بھی قتل کر دیئے جاؤ گے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے جو انبیاء تھے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے اور ان کے ہاتھوں فرعون کے ہلاک ہونے کی خبر دی تھی اور یہ خبر کسی واسطے سے فرعون تک پہنچ گئی تھی' اس لیے اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جائے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۷۸-۵۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز فرعون کے متعلق فرمایا: بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا' یعنی وہ جو بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرا رہا تھا وہ محض شر اور فساد تھا' اس میں خیر اور اصلاح کا کوئی پہلو نہ تھا' اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کو مسترد کرنے کی اس میں کوئی تاثیر نہ تھی۔

بنی اسرائیل کو امامت اور بادشاہت سے نوازنا

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ان لوگوں پر احسان فرمانا چاہتے تھے جن کو (اس کے) ملک میں کمزور قرار دیا گیا تھا۔ (القصص: ۵) یعنی فرعون بنی اسرائیل کو نچلے درجہ کی رعایا قرار دیتا تھا' جیسے بھارت میں برہمنوں کے مقابلہ میں اچھوتوں اور شودروں کو نچلی ذات کی مخلوق قرار دیا جاتا ہے اور پنجاب میں زمینداروں کے مقابلہ میں کسانوں کو اور سندھ میں وڈیروں کے مقابلہ میں ہاریوں کو نیچ اور کمی قرار دیا جاتا ہے اسی طرح مصر میں قبطیوں کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو کم تر مخلوق قرار دیا جاتا تھا' اسی طرح اب بھی بعض لوگ سادات کے مقابلہ میں غیر سادات کو کم تر قرار دیتے ہیں' وہ غیر سادات کی بیٹیوں کو رشتہ میں لینا تو جائز کہتے ہیں اور ان کو اپنی بیٹیوں کا رشتہ دینا ناجائز اور حرام کہتے ہیں۔

اور فرمایا: اور ہم ان کو امام بنانا چاہتے تھے اور (ان کے) ملک کا وارث بنانا چاہتے تھے۔ (القصص: ۵) حضرت ابن

خلاف جاسوسی کرنے‘ الا گونگا اور اندھا ہو گیا‘ ان کی والدہ کو عام عورتوں کی طرح حمل نہیں ہوا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے وضع حمل کا زمانہ قریب آ گیا‘ فرعون نے دائیوں کو بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کی نگرانی کے لیے مقرر کیا ہوا تھا‘ ان میں سے ایک دائی حضرت موسیٰ کی ماں کی سہیلی اور مخلص دوست تھی جب ان کو دردزہ کی سخت تکلیف ہوئی تو انہوں نے اپنی اس سہیلی کو بلوایا اور کہا تم دیکھ رہی ہو کہ مجھے کتنی تکلیف ہے‘ تمہاری محبت آج میرے کام آنی چاہیے‘ اس نے اپنی کارروائی کی حتیٰ کہ حضرت موسیٰ پیدا ہو گئے۔ حضرت موسیٰ کی آنکھوں میں جو نور تھا اس سے وہ دائی دہشت زدہ ہو گئی اور اس کا جوڑ جوڑ دہشت سے کانپنے لگا‘ اور اس کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت سما گئی‘ پھر اس نے حضرت موسیٰ کی ماں سے کہا جب تم نے مجھے بلایا تھا تو میرا ارادہ تھا کہ میں اس بچہ کو مار ڈالوں گی‘ لیکن تمہارے اس بیٹے سے مجھے اتنی شدید محبت ہو گئی کہ اتنی محبت مجھے کسی سے نہیں ہوئی تھی‘ تم اپنے بیٹے کی حفاظت کرنا کیونکہ اس کے بہت دشمن ہیں‘ جب دائی ان کے گھر سے نکلی تو فرعون کے بعض جاسوسوں نے اس کو دیکھ لیا‘ وہ حضرت موسیٰ کی ماں سے ملنے کے لیے ان کے گھر آئے‘ حضرت موسیٰ کی بہن نے کہا اے اماں! دروازہ پر سپاہی کھڑے ہوئے ہیں اور اس نے حضرت موسیٰ کو کپڑے میں لپیٹ کر جلتے ہوئے تنور میں رکھ دیا‘ اس وقت شدت خوف سے اس کی عقل خبط ہو چکی تھی‘ اور اس کو کچھ ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ جب سپاہی گھر میں داخل ہوئے تو تنور جل رہا تھا‘ انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کی ماں اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھیں‘ انہوں نے پوچھا یہ دائی تمہارے ہاں کیوں آئی تھی؟ اس نے کہا وہ میری محب اور دوست ہے وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئی تھی‘ سپاہی چلے گئے‘ پھر اس نے حضرت موسیٰ کی بہن سے پوچھا بچہ کہاں ہے؟ اس نے کہا مجھے پتہ نہیں! پھر تنور سے بچے کے رونے کی آواز آئی‘ وہ دوڑ کر تنور کی طرف گئی‘ اللہ تعالیٰ نے اس تنور کو حضرت موسیٰ پر ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا تھا‘ انہوں نے بچے کو اٹھا لیا‘ پھر جب حضرت موسیٰ کی ماں نے دیکھا کہ فرعون بچوں کی تلاشی لینے میں بہت سختی کر رہا ہے تو ان کو اپنے بیٹے کا خطرہ ہوا‘ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ بچے کو ایک تابوت میں رکھ کر اس تابوت کو دریائے نیل میں بہا دیں‘ وہ قوم فرعون کے ایک بڑھئی کے پاس گئیں اور اس سے ایک چھوٹا تابوت خریدا۔ بڑھئی نے پوچھا تم اس تابوت کا کیا کرو گی؟ انہوں نے کہا میں اس تابوت میں اپنے بیٹے کو چھپاؤں گی اور انہوں نے جھوٹ بولنے کو ناپسند کیا‘ جب وہ تابوت لے کر چلی گئیں‘ تو وہ بڑھئی فرعون کے ذبح کرنے والوں کے پاس گیا اور ارادہ کیا کہ ان کو حضرت موسیٰ کی ماں کی کارروائی کی خبر دے‘ جب اس نے بولنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی سلب کر لی‘ اور وہ کوئی بات نہ کر سکا‘ اور ہاتھوں سے اشارے کر کے بتانے لگا‘ ان لوگوں کو کچھ سمجھ نہ آیا انہوں نے اس کو پاگل سمجھ کر مار پیٹ کر نکال دیا‘ جب وہ بڑھئی اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی واپس کر دی‘ وہ بولنے لگا‘ وہ پھر دوبارہ ذبح کرنے والوں کے پاس گیا وہاں جا کر پھر اس کی گویائی سلب ہو گئی۔ اس نے پھر اشاروں سے بات کرنی چاہی انہوں نے پھر اس کو مار پیٹ کر نکال دیا‘ جب وہ دوسری بار مار کھا کر اپنے گھر پہنچا تو پھر اس کی گویائی واپس آ گئی‘ وہ پھر ذبح کرنے والوں کے پاس گیا تاکہ ان کو خبر دے‘ اس بار اس کی گویائی بھی جاتی رہی اور اس کی بینائی بھی جاتی رہی‘ اس کو نہ کچھ دکھائی دیا نہ بات کر سکا‘ وہ پھر تیسری بار مار کھا کر پلٹا‘ اس بار اس نے صدق دل سے عہد کیا کہ اگر اس بار اللہ نے اس کی گویائی اور بینائی واپس کر دی تو وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گا‘ اور جب تک زندہ رہے گا اس کو راز رکھے گا‘ اللہ تعالیٰ نے اس کے صدق نیت کو جان لیا اور اس کی گویائی اور بینائی واپس کر دی وہ اللہ کے لیے سجدہ شکر میں گر پڑا اور اس نے جان لیا کہ یہ واقعہ اللہ کی طرف سے تھا۔

ص ۳۱۸ الدر المنثور ج ۶ ص ۳۴۸ ' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۶۲ '۱۴۳ 'مطبوعہ بیروت '۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا کہ تم اس کو دودھ پلاؤ' اور جب تم کو اس پر خطرہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا اور کسی قسم کا خوف اور غم نہ کرنا' بے شک ہم اس کو تمہارے پاس لائیں گے اور (ہم) اس کو رسول بنانے والے ہیں O سو فرعون کے گھر والوں نے اس کو اٹھالیا تا کہ انجام کار وہ ان کا دشمن اور باعث غم ہو جائے' بے شک فرعون' اور ہامان اور ان کے لشکر جرم کرنے والے تھے O اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ (بچہ) میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' اس کو قتل نہ کرنا' شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں اور یہ لوگ (مستقبل کا) شعور نہیں رکھتے تھے O (القصص: ۹-۷)

حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کا معنی اور اس وحی کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اس کو دودھ پلاؤ اور جب تم کو اس پر خطرہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ان کے دل میں ڈال دی' اور یہ وحی نبوت نہیں تھی۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں کو کس وقت یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ کو دریا میں ڈال دیں آیا حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے اور ان کو دودھ پلانے کے فوراً بعد یا حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے کے چار ماہ بعد ان کو دریا میں ڈالنے کا حکم دیا گیا تھا۔

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ ان کے پیدا ہونے کے بعد چار ماہ تک وہ ان کو دودھ پلاتی رہیں' ابوبکر بن عبداللہ نے کہا ان کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ حضرت موسیٰ کے پیدا ہوتے ہی ان کو دریا میں ڈال دینا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ اور جب تم کو ان پر خطرہ ہو تو پھر تم ان کو دریا میں ڈال دینا۔ ان کی ماں نے ان کو ایک باغ میں رکھا ہوا تھا اور وہ ہر روز وہاں جا کر ان کو دودھ پلاتی تھیں' اور سدی نے کہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ان کی ماں نے ان کو دودھ پلایا' پھر ایک بڑھئی کو بلایا اور اس کو تابوت بنانے کا حکم دیا پھر وہ تابوت دریائے نیل میں ڈال دیا۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں ان اقوال میں اولیٰ قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی ماں کو دودھ پلانے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب ان کو فرعون اور اس کے لشکر سے خطرہ محسوس ہو تو ان کو دریا میں ڈال دیں اور یہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے کے چند ماہ بعد تک ان کو دودھ پلایا ہو پھر جب ان کو حضرت موسیٰ کی جان پر خطرہ محسوس ہوا تو انہوں نے ان کو دریا میں ڈال دیا۔ (جامع البیان ج ۲۰ ص ۳۸-۳۷ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ان پر خوف اور غم نہ کرنا' خوف اس پریشانی کو کہتے ہیں جس کے لاحق ہونے کا مستقبل میں خطرہ ہو اور غم اس حزن اور ملال کو کہتے ہیں جو ماضی کی کسی مصیبت اور نقصان کی وجہ سے ہو' گویا کہ فرمایا تم مستقبل میں فرعون کے ہاتھوں ان کی ہلاکت کا خطرہ محسوس نہ کرنا اور نہ اس وجہ سے پریشان ہونا' اور نہ ان کی جدائی میں تم غم گین ہونا' کیونکہ بے شک ہم ان کو تمہارے پاس لائیں گے' تا کہ تم ہی ان کو دودھ پلاؤ اور ہم ان کو اس سرکش قوم کی طرف رسول بنا کر مبعوث کریں گے' اور ان کے سبب سے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیں گے اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات عطا کریں گے۔

حضرت موسیٰ کی ولادت کے سلسلہ میں ارھاصات (اعلانِ نبوت سے پہلے کے خلاف عادت واقعات)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے واقعہ میں کئی خلاف عادت واقعات ہوئے ان کو آگ نے نہیں جلایا' ان کے

یا رخت ہے اور ان کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۶۸ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۷ھ)

حضرت موسیٰ کے فرعون کے گھر پہنچنے میں مزید ارہاصات

سو فرعون کے گھر والوں نے اس کو اٹھا لیا تا کہ انجام کار وہ ان کا دشمن اور باعث غم ہو جائے۔ الآیۃ (القصص: ۹-۸)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی التوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا ہے کہ اس زمانہ میں فرعون کی صرف ایک بیٹی تھی اور اس کے علاوہ اس کی اور کوئی اولاد نہیں تھی' اور فرعون کے نزدیک وہ سب سے زیادہ مکرم تھی اور فرعون کے پاس ہر روز اس کی تین فرمائشیں تھیں' اس لڑکی کو برص کی شدید بیماری تھی' فرعون نے اس کے علاج کے لیے تمام اطباء اور جادوگروں کو جمع کیا تھا' انہوں نے اس کے معاملہ میں غور کر کے کہا اے بادشاہ! تمہاری یہ بیٹی صرف دریا کی طرف سے تندرست ہو سکتی ہے اس دریا سے انسان کے مشابہ کوئی شخص ملے گا' اس کے لعاب دہن کو جب اس کے برص پر لگایا جائے گا تو یہ تندرست ہو جائے گی' اور یہ کام فلاں دن اور فلاں وقت میں طلوع آفتاب کے بعد ہوگا' جب وہ دن آیا (وہ پیر کا دن تھا) تو فرعون ایک مجلس میں دریائے نیل کے کنارے بیٹھ گیا' اس کے ساتھ اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی تھی' اور فرعون کی بیٹی بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہی تھیں اور ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھیں کہ دریا کی موجیں ایک تابوت کو لے آئیں فرعون نے کہا یہ دریا میں کوئی چیز ہے جو درخت کے ساتھ اٹک گئی ہے اس کو میرے پاس لاؤ' لوگ ہر طرف سے کشتیاں لے کر دوڑے حتیٰ کہ اس تابوت کو فرعون کے سامنے لا کر رکھ دیا' انہوں نے بڑی مشکل سے اس تابوت کو کھولا تو اس میں کم سن بچہ تھا' اس کی آنکھوں کے درمیان نور تھا' اور وہ اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہا تھا' اللہ تعالیٰ نے آسیہ اور فرعون کے دل میں اس کی محبت ڈال دی' جب اس بچہ کو تابوت سے نکالا تو جہاں اس کا لعاب دہن گرا تھا فرعون کی بیٹی نے اس کو اٹھا کر اپنے برص کے داغوں پر لگایا تو وہ تندرست ہو گئی' اس نے اس بچہ کو چوما اور اپنے سینہ سے لگایا' فرعون کی قوم کے گمراہ لوگوں نے کہا اے بادشاہ! ہمارا گمان ہے کہ یہی بنی اسرائیل کا وہ بچہ ہے جس سے ہم کو خطرہ تھا' انہوں نے اس کو آپ کے ڈر سے دریا میں ڈال دیا ہے' آپ اس کو قتل کر دیں' فرعون نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آسیہ نے کہا یہ بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا آپ اس کو قتل نہ کریں' ہو سکتا ہے کہ یہ ہم کو نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں اور وہ بے اولاد تھی' اس نے فرعون سے حضرت موسیٰ کو مانگ لیا اور فرعون نے اس کو دے دیا اور کہا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۲۴-۵۲۳ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۲۰ھ)

امام ابو القاسم علی ابن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے اس روایت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۱۷-۱۶ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۲۱ھ)

ان کے علاوہ امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ نظام الدین الحسن بن محمد متوفی ۷۲۸ھ' علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی التوفی ۹۵۱ھ' علامہ ابو السعود حنفی متوفی ۹۸۲ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سلیمان الجمل متوفی ۱۲۰۴ھ' علامہ احمد بن محمد الصاوی المالکی متوفی ۱۲۴۱ھ اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ وغیرہم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کا ذکر کیا ہے' ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۰' غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۵ ص ۳۲۹-۳۲۸' حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۴۳۱' تفسیر ابو السعود ج ۵ ص ۱۱۴-۱۱۳' روح البیان ج ۶ ص ۴۹۱' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۳۵' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۵۱۹' روح المعانی جز ۲۰ ص ۷۰-۶۹)

اور وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی ماں کو حمل ہو گیا تو انہوں نے اس کو لوگوں سے چھپایا کسی کے حاملہ ہونے کا کسی کو پتا نہیں چلا' اور چونکہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر احسان کرنا چاہتا تھا' تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو مستور رکھا اور جس سال حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تھے اس سال فرعون نے بنی اسرائیل کی عورتوں کی تفتیش کے لیے دائیوں کو بھیجا اور بہت سختی سے عورتوں کی تلاشی لی گئی' جتنی اس سے پہلے کبھی تلاشی نہیں لی گئی تھی' اور جب حضرت موسیٰ کی ماں کو حمل ہوا تو ان کا پیٹ پھولا اور نہ ان کا رنگ بدلا' تو دائیوں نے ان سے کچھ سروکار نہیں رکھا' اور جس رات حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو اس رات ان کے پاس کوئی دائی تھی نہ کوئی اور مددگار تھا' اور ان کی پیدائش پر ان کی بہن مریم کے سوا اور کوئی مطلع نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو الہام کیا کہ وہ ان کو دودھ پلاتی رہیں اور جب ان پر خطرہ محسوس کریں تو ان کو ایک تابوت میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیں' ان کی ماں ان کو گود میں تین ماہ تک دودھ پلاتی رہیں' وہ گود میں روتے تھے نہ کوئی حرکت کرتے تھے' اور جب ان کو حضرت موسیٰ پر خطرہ ہوا تو انہوں نے ان کو تابوت میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۲۳-۵۲۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے' ان کے علاوہ علامہ علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ' علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ' امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ نظام الدین الحسن بن محمد قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ' علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۴۱ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ وغیرہم مفسرین نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کا اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے' ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۱۶-۱۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' الوسیط ج ۳ ص ۳۹۰' الکشاف ج ۳ ص ۳۹۸' تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۰-۵۷۹' تفسیر البیضاوی علی حاشیۃ عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۲۸۰' غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۵ ص ۳۲۸' روح البیان ج ۶ ص ۴۹۱' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۳۵' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۵۱۸' روح المعانی جز ۲۰ ص ۶۹)

حضرت موسیٰ کی ماں کا نام

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ امام سہیلی نے کہا کہ حضرت موسیٰ کی ماں کا نام ایارخا تھا اور ایک قول ایارخت ہے' اور علامہ ثعلبی نے کہا ان کا نام لوحا بنت ہانذ بن لاوی بن یعقوب تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۳۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے لکھا ہے' ان کا نام یوحانذ بنت لاوی بن یعقوب تھا۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۲۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں کا نام اناحید تھا (تاریخ طبری ج ۱ ص ۲۷۱' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت' ۱۴۰۹ھ) امام ابوالکرم محمد بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ نے لکھا ہے حضرت موسیٰ کی ماں کا نام یوحانذ تھا۔ (الکامل ج ۱ ص ۹۵' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۰ھ) امام عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے کہ ان کی ماں کا نام یوخابذ تھا۔ (المنتظم ج ۱ ص ۲۱۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول ہے کہ ان کا نام محیانۃ بنت یصھر بن لاوی ہے' ایک قول ہے ان کا نام یوخابذ ہے ایک قول بارخا ہے ایک قول

نہیں تھا اور وہ مطمئن تھیں اور اس پر مزید قرینہ یہ ہے کہ ان کو خبر پہنچ گئی تھی کہ فرعون کی بیوی آسیہ نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا ہے اور فرعون نے حضرت موسیٰ کو انہیں ہبہ کر دیا ہے' اور یہ اس لیے تھا کہ ان کو اللہ کے وعدہ پر کامل وثوق اور اعتماد تھا۔
(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۲-۵۸۱' مطبوعہ دار احیاء التراث بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دوسری عورتوں کا دودھ نہ پینے کی وجوہ

اس کے بعد فرمایا اور ہم نے اس (کے پہنچنے) سے پہلے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا' سو وہ کہنے لگی آیا میں تمہیں ایسا گھرانا بتاؤں جو تمہارے اس بچہ کی پرورش کرے اور وہ اس کی خیر خواہ ہو O (القصص: ۱۲)

یعنی حضرت موسیٰ کی بہن کے پہنچنے سے پہلے یا حضرت موسیٰ کو ان کی ماں کی طرف لوٹانے سے پہلے' ہم نے ان پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا' اور ان پر ان کے دودھ کو حرام کرنے سے مراد شرعاً حرام کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان پر ان کا دودھ طبعاً ممتنع کر دیا تھا' اور باقی عورتوں کا دودھ پینے سے ان کو متنفر کر دیا تھا اور وہ بھوک لگنے اور دودھ کی طلب کے باوجود ان عورتوں کا دودھ نہیں پی رہے تھے' یعنی ان کو اپنی ماں کا دودھ پینے میں جو لذت آتی تھی ان عورتوں کا دودھ پینے میں وہ لذت نہیں آ رہی تھی' یا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تین ماہ تک اپنی ماں کا دودھ پی رہے تھے اور ان کی ماں کے جسم سے جو خوشبو آتی تھی وہ اس خوشبو سے مانوس ہو چکے تھے' اور ان کے دودھ کے ذائقہ کے عادی ہو چکے تھے اور جب دوسری عورتوں کے جسم سے وہ خوشبو نہیں آئی اور نہ ان کے دودھ کا وہ ذائقہ تھا تو انہوں نے دودھ کی طلب اور بھوک کے باوجود دوسری عورتوں کا دودھ نہیں پیا' یا اللہ تعالیٰ نے دوسری دودھ پلانے والی عورتوں کے دودھ میں ایسی کڑواہٹ پیدا کر دی کہ انہوں نے بھوک کے باوجود ان کا دودھ نہیں پیا۔

اس کے بعد فرمایا: سو ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور وہ یقین کر لے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے O (القصص: ۱۳)

اکثر لوگوں کے نہ جاننے کے محامل

اکثر لوگوں کے نہ جاننے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس زمانہ میں اور اس کے بعد بھی اکثر لوگ اس لیے نہیں جانتے تھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور و فکر کرنے سے اعراض کرتے تھے۔

(۲) ضحاک اور مقاتل نے کہا کہ اہل مصر کو یہ علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی ماں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ کو ان کی طرف لوٹا دیں گے۔

(۳) اس آیت میں اگرچہ یہ فرمایا ہے کہ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمانے والا ہے اور نہ جاننے کی نسبت لوگوں کی طرف کی ہے لیکن درحقیقت یہ حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف تعریض ہے صراحتاً نہ جاننے کی نسبت لوگوں کی طرف ہے اور مراد وہ ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ کے فرعون کے پاس پہنچنے کے بعد ان کو بہت غم ہوا تھا اور وہ حضرت موسیٰ کے متعلق بہت فکر مند تھیں جب کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کرنے کی وجہ سے ان کو مطمئن ہو جانا چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کو جلد ان سے ملا دے گا' لیکن بہرحال ماں کی مامتا بھی ایک طبعی چیز ہے اور وہ اپنے طبعی تقاضوں کو ختم کرنے پر قادر نہیں تھیں۔

(۴) اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ان کی طرف لوٹا دیا تاکہ ان کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے' حضرت موسیٰ

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
محمد بن قیس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر فرعون کہتا کہ یہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو حضرت موسیٰ دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو جاتے۔ امام بغوی کی روایت میں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی آسیہ کی طرح ہدایت دے دیتا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۶۹۴، معالم التنزیل رقم الحدیث: ۱۶۰۹، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۶۱۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا اگر ہم نے ان کے دل کو ڈھارس نہ دی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز فاش کر دیتیں (ہم نے اس لیے ڈھارس دی) تاکہ وہ (اللہ کے وعدہ پر) اعتماد کرنے والوں میں سے ہو جائیں ○ اور موسیٰ کی ماں نے ان کی بہن سے کہا تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ تو وہ اس کو دُور دُور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا شعور نہ ہوا ○ اور ہم نے اس (کے پہنچنے) سے پہلے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا سو وہ کہنے لگی آیا میں تمہیں ایسا گھرانا بتاؤں جو تمہارے اس بچہ کی پرورش کرے اور وہ اس کے لیے خیر خواہ ہو ○ سو ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور وہ یقین کر لے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ○ (القصص: ۱۳-۱۰)

حضرت موسیٰ کی ماں کے دل خالی ہونے کے محامل

فرمایا اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا۔ الآیۃ (القصص: ۱۱-۱۰) دل خالی ہونے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا ان کا دل حضرت موسیٰ کی فکر اور ان کے غم کے سوا ہر فکر اور غم سے خالی ہو گیا تھا۔

(۲) علامہ زمخشری نے کہا ان کا دل عقل سے خالی ہو گیا تھا کیونکہ جب انہوں نے سنا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے پاس پہنچ گئے ہیں تو ان پر اس قدر گھبراہٹ اور دہشت طاری ہوئی کہ ان کے ہوش و حواس اُڑ گئے اور ان کی عقل ماؤف ہو گئی اور اس نے کام کرنا چھوڑ دیا۔

(۳) امام محمد بن اسحاق نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کی طرف الہام کیا تھا کہ تم اس کو دریا میں ڈال دو اور تم خوف اور غم نہ کرنا ہم اس کو تمہاری طرف واپس لائیں گے ان کا دل اس الہام سے خالی ہو گیا اور شیطان نے ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ فرعون تمہارے بیٹے کو قتل کر دے گا' اور یہ خود تمہارا کیا دھرا ہے' اور جب ان کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت موسیٰ اب فرعون کے ہاتھوں میں ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا الہام بھول گیا' اور اس عظیم صدمہ کی وجہ سے ان کو اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ یاد نہ رہا۔

(۴) ابوعبیدہ نے کہا ان کا دل غم اور فکر سے خالی تھا کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کی حفاظت کرے گا اور فرعون ان کو قتل کرنے پر قادر نہ ہو سکے گا۔

(۵) ابن قتیبہ نے اس معنی پر اعتراض کیا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ کی ماں کا دل ہر غم اور فکر سے خالی تھا اور وہ حضرت موسیٰ کے متعلق مطمئن تھیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کیا توجیہ ہو گی کہ اگر ہم نے ان کے دل کو ڈھارس نہ دی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز فاش کر دیتیں' اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر کامل یقین تھا اس لیے وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں کہ لوگوں کو یہ بتا دیں کہ حضرت موسیٰ ان کے بیٹے ہیں جو فرعون کے گھر پہنچ گئے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس راز کے مخفی رکھنے پر ان کے دل کو مضبوط رکھا' اس سے واضح ہو گیا کہ ان کا دل حضرت موسیٰ کے متعلق

أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَٰذَا

وہاں انہوں نے دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا' یہ (ایک) ان کی قوم میں سے تھا اور یہ (دوسرا) ان

مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ

کے مخالفین میں سے تھا' سو جو ان کی قوم میں سے تھا اس نے موسیٰ سے اس کے خلاف مدد طلب کی جو ان کے مخالفوں میں سے تھا'

عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ

پس موسیٰ نے اس کو مکا مارا سو اس کو ہلاک کر دیا' موسیٰ نے کہا یہ کام شیطان کی طرف سے سرزد ہوا' بے شک شیطان دشمن

إِنَّهُ عَدُوٌّ مُضِلٌّ مُبِينٌ ﴿١٥﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي

ہے اور کھلا بہکانے والا ہے ○ موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی سو تو مجھے معاف فرما'

فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٦﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ

پس اللہ نے اس کو معاف کر دیا' بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! چونکہ

فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ﴿١٧﴾ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا

تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے سو اب میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا ○ پس موسیٰ نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں صبح

يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ

کی (کہ اب کیا ہوگا) پس اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی پھر ان کو مدد کے لیے پکار رہا تھا' موسیٰ نے

لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ﴿١٨﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ

اس سے کہا بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے ○ پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو پکڑنا چاہا

بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا ۙ قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا

جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے (غلط فہمی سے) کہا: اے موسیٰ! کیا آج تم مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل

قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا

تم نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا! تم تو صرف یہی چاہتے ہو کہ تم اس شہر میں زبردست (دادا گیر) بن

کو ان کی طرف واپس کرنے سے اصل مقصود ایک دینی غرض تھی اور وہ یہ تھی کہ فرعون کا منصوبہ ناکام ہو جائے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ اصل مقصود کیا تھا' اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰ کی ماں کا غم دور ہو جائے اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں' ان کا ذکر بالتبع تھا۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے اپنی ماں کے دودھ کو قبول کر لیا تو ہامان نے ان سے کہا تم ضرور اس بچہ کی ماں ہو' انہوں نے کہا نہیں! اس نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ اس بچہ نے تمہارے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ! میں صاف ستھری اور خوشبو لگانے والی عورت ہوں' اور میرا دودھ میٹھا ہے' یہی وجہ ہے کہ اس بچہ نے مجھے سونگھتے ہی میرے دودھ کو قبول کر لیا۔ فرعونیوں نے کہا تم نے سچ کہا ہے' پھر آل فرعون کے تمام لوگوں نے حضرت موسیٰ کی ماں کو سونے اور جواہر کے ہدیے اور تحائف دیئے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۳-۵۸۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

فرعون کی بیوی اور حضرت موسیٰ کی بہن کے فضائل اور جنت میں ان کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین میں چار خطوط کھینچے' پھر آپ نے فرمایا تم جانتے ہو یہ کیسے خطوط ہیں؟ مسلمانوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد ہیں' اور فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اور مریم ابنۃ عمران ہیں اور آسیہ بنت مزاحم ہیں جو فرعون کی بیوی ہیں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۹۲۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۷۲۲' المستدرک ج ۳ ص ۱۸۵' حافظ ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے' حافظ الہیثمی نے بھی کہا اس کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی عورتوں کی سردار مریم بنت عمران ہیں' پھر فاطمہ بنت محمد ہیں' پھر خدیجہ ہیں' پھر آسیہ ہیں فرعون کی بیوی۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۱۷۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۱۱۱' المستدرک ج ۴ ص ۳۳-۳۲' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۵۲۷۱)

حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے مریم بنت عمران' فرعون کی بیوی اور حضرت موسیٰ کی بہن سے میرا نکاح کر دیا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۴۸۵' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۵۲۴۷)

حافظ الہیثمی نے اس مضمون کی امام طبرانی سے دو اور حدیثیں نقل کی ہیں مگر دونوں کے متعلق لکھا ہے' ان میں ضعیف راوی ہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ

اور جب موسیٰ اپنی پوری قوت (جوانی) کو پہنچ گئے اور توانا ہو گئے' تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم اسی طرح

نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰى حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ

نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں ○ اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غافل تھے

بتانا تھا وہاں تک بتادیا۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عام طور پر انسان اٹھارہ سال سے تیس سال تک اشد ہوتا ہے اور اس کی قوت اور جسامت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور تیس سال سے چالیس کی عمر تک اسی حالت پر قائم رہتا ہے' اس کی جسامت اور قوت میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی' اور چالیس سال سے اس کی جسامت اور قوت میں کمی ہونا شروع ہوتی ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد برحق ہے' کیونکہ انسان کی عمر کی ابتدا سے اس میں نشوونما شروع ہوتی ہے' پھر وہ اسی حالت پر قائم رہتا ہے' پھر اس کے بعد اس کا جسم کم ہونا شروع ہوتا ہے' انسان کے جسم کی نشوونما بیس سال کی عمر تک ہوتی ہے اور بیس سال سے تیس سال کی عمر تک نشوونما بہت کم ہوتی ہے اور اس کی قوت میں بہ تدریج اضافہ ہوتا رہتا ہے اور تیس سال سے چالیس سال تک وہ اسی حالت پر قائم رہتا ہے اور چالیس سال سے ساٹھ سال کی عمر تک اس کی جسامت میں کمی ہوتی ہے لیکن یہ کمی غیر واضح اور خفی ہوتی ہے اور ساٹھ سال سے آخر عمر تک اس کے جسم میں واضح کمی ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سلیمان جمل نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کی عمر اس وقت تیس (۳۰) سال تھی' دس سال مدین میں رہے اور چالیس سال کی عمر میں ان کو نبوت عطا کی گئی۔ (جمل ج ۳ ص ۳۳۹)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ اشد کا معنی ہے حد قوت تک پہنچ جانا اور یہ حد شہروں' زمانوں اور احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے اسی وجہ سے لغت اور تفسیر کی کتابوں میں اس کی مختلف تعبیرات ہیں' اور اولیٰ یہ ہے کہ اشد کا معنی ہے بدن اور جسم کی قوت کا اپنے کمال کو پہنچنا اور نشوونما کا رُک جانا' اور استواء کا معنی ہے عقل کا اپنے کمال اور اعتدال کو پہنچ جانا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بغیر کسی حدیث کے اشد اور استواء کے لیے کسی عمر کا تعین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ چیز شہروں' زمانوں اور احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۷۸-۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس کی تحقیق کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے یا اس کو چالیس سال کی عمر میں نبوت دی جاتی ہے

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا جاتا ہے۔ (الکشاف ج ۳ ص ۴۰۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا ہے اور اس کی حکمت ظاہر ہے کیونکہ جب انسان چالیس سال کی عمر میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے غضب اور شہوت کی قوت کم ہونے لگتی ہے اور اس کی عقل بڑھنے لگتی ہے اور اس وقت انسان جسمانی اعتبار سے کامل ہو جاتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کرنے کے لیے اس عمر کو اختیار فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ ابوسعود متوفی ۹۸۲ھ نے بھی یہی لکھا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی جاتی ہے۔ (تفسیر البیضاوی مع الکازرونی ج ۴ ص ۲۸۶' تفسیر ابن السعود ج ۵ ص ۱۱۶)

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے:

مجھے یہ روایت نہیں ملی۔ (الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ج ۳ ص ۳۹۷)

فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ۝١٩ وَجَاءَ

جاؤ اور تم مصلحین میں سے نہیں بننا چاہتے ○ اور ایک مرد شہر کے آخری

رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَٰمُوسَىٰٓ إِنَّ الْمَلَأَ

کنارے سے دوڑتا ہوا آیا' اس نے کہا اے موسیٰ! بے شک (فرعون کے) سردار آپ کے قتل کا

يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّٰصِحِينَ ۝٢٠

مشورہ کر رہے ہیں سو آپ یہاں سے نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں○ سو موسیٰ اس شہر سے

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّٰلِمِينَ ۝٢١ ع ٨ ٥

ڈرتے ہوئے نکلے اس انتظار میں کہ اب کیا ہوگا! انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات دے دے○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ اپنی پوری قوت (جوانی) کو پہنچ گئے اور توانا ہو گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا' اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں○ اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غافل تھے اور وہاں انہوں نے دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا' یہ (ایک) ان کی قوم میں سے تھا' اور یہ (دوسرا) ان کے مخالفین میں سے تھا' سو جوان کی قوم میں سے تھا' اس نے موسیٰ سے اس کے خلاف مدد طلب کی جو ان کے مخالفوں میں سے تھا' پس موسیٰ نے اس کے مکا مارا سو اس کو ہلاک کر دیا۔ موسیٰ نے کہا یہ کام شیطان کی طرف سے سرزد ہوا' بے شک شیطان دشمن ہے اور کھلم کھلا بہکانے والا ہے○ موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی سو تو مجھے معاف فرما' پس اللہ نے اس کو معاف کر دیا۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا بے رحم فرمانے والا ہے○ موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے سو اب میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا○ (القصص: ١٧-١٤)

اشد اور استواء کے معنی کی تحقیق

امام رازی متوفی ٦٠٦ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بلغ اشدہ واستوی 'اس کی تفسیر میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے یعنی جب حضرت موسیٰ اپنے طبعی ارتقاء کے کمال کو پہنچ گئے اور ان کا مزاج معتدل ہو گیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان لفظوں کے معنی الگ الگ ہیں اور ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(١) اشد کا معنی ہے جسمانی اور بدنی قوت کا کمال اور استواء کا معنی ہے قوت عقلیہ کا کمال یعنی جب ان کا بدن اور ان کی عقل کامل ہو گئی۔

(٢) اشد کا معنی ہے ان کی قوت کا کمال اور استواء کا معنی ہے ان کی خلقت کا کمال' یعنی جب ان کی قوت اور ان کی تخلیق اپنے کمال کو پہنچ گئی۔

(٣) اشد کا معنی ہے وہ بلوغت کو پہنچ گئے اور استواء کا معنی ہے ان کی تخلیق کامل ہو گئی' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو جہاں تک

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ٥ (الجمعۃ: ۴) یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (کنزالایمان)

اور جو اسے کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب و ریاضت سے منصب نبوت تک پہنچ سکتا ہے کافر ہے۔

(بہار شریعت ج ا ص ۸ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۴۱۶ھ)

نیز علامہ امجد علی لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام شرک و کفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت و جہل وغیرہا صفات ذمیمہ سے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالا جماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمد صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔

(بہار شریعت ج ا ص ۸ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۴۱۶ھ)

عوام میں مشہور ہے کہ ہر نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے' یہ صحیح نہیں ہے' حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت دی گئی' حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں' حضرت عیسیٰ کو تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس (۴۰) سال کی عمر میں نبوت دی گئی' اور اکثر نبیوں کو چالیس (۴۰) سال کی عمر میں ہی نبوت دی گئی ہے' صدر الشریعۃ کی عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے' خصوصاً انہوں نے قبل نبوت اور بعد نبوت کی قید جو لگائی ہے۔

(تبیان القرآن ج ۳ ص ۶۴۸-۶۴۶' اور تبیان القرآن ج ا ص ۶۱۹-۶۱۸ کا بھی مطالعہ کریں)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تخلیق کائنات سے پہلے نبوت سے متصف ہونا

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی نبی ہیں بلکہ آپ کو پیدائش سے بھی پہلے نبی بنا دیا گیا تھا' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۰' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۸۵۶)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی کے خمیر میں تھے' اور میں عنقریب تم کو اپنی ابتدا کے متعلق بتاؤں گا (میں) حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا' ان کے لیے ایک نور نکلا جس سے ان کے لیے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

(شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۲۶' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷' المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۲۵۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۶۵' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ا ص ۹' البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۹۰' طبع جدید)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی الحنفی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ پوچھو کہ آیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ کسی اور کو بھی یہ مقام دیا گیا' باقی انبیاء صرف اپنی رسالت کے ایام محسوسہ میں ہی نبی تھے' اگر تم یہ پوچھو کہ آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں اس وقت بھی انسان تھا' یا اس وقت بھی موجود

علامہ احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا کی۔
وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا ۝ (مریم:۱۲) اور ہم نے اس کو بچپن میں نبوت عطا کی۔
اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور چالیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھایا گیا' اس لیے چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کرنے یا مبعوث کیے جانے کا حکم تغلیبی ہے۔ (یعنی یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اکثریہ ہے)
(عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۱۸۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:
بعض علماء نے کہا ہے کہ انبیاء کو مبعوث کرنے کے لیے چالیس سال کی عمر کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے' کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں نبی بنایا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں (جب ان کو کنوئیں میں گرایا گیا تھا) نبی بنایا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان پر یہ وحی کی گئی تھی:
وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (یوسف:۱۵) اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (گھبراؤ نہیں) عنقریب تم ان کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوگی۔
جمہور علماء کے نزدیک یہ وحی نبوت تھی' اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بالغ ہونے سے پہلے نبوت دی گئی۔
(روح البیان ج ۶ ص ۴۹۸ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی الحنفی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:
جن لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ نبوت کسبی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام اظہار رسالت سے پہلے یا تو مخلوق سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں یا پھر وہ عبادت کرتے ہیں اور ان میں وحی کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے تاکہ وہ اس حالت کی طرف لوٹ جائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر کی ہے' سو جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے مخلوق سے کنارہ کش تھے اور عبادت کرتے تھے پھر ان کو نبوت حاصل ہوئی وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو نبوت ان کے کسب سے حاصل ہوئی لیکن یہ ان کا وہم ہے اور ان کی نظر کی کوتاہی ہے' اور شیخ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ نے الفتوحات المکیہ کے باب: ۲۹۸ میں کہا ہے کہ جس نے یہ کہا ہے کہ نبوت کسب سے حاصل ہوتی ہے اس نے خطا کی' نبوت صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کے ساتھ مختص ہے۔ (الیواقیت والجواہر ص ۳۵۳-۳۵۲ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۸ھ)

صدر الشریعۃ علامہ امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:
نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ حاصل کر سکے' بلکہ محض عطائے الٰہی ہے کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے' ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزہ ہوتا ہے جو باعثِ نفرت ہو اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی عقل سے بدرجہا زائد ہے کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کی لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالته. (الانعام:۱۲۴) اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ ان کو نبوت دے جانے سے پہلے کا معاملہ تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۳۹)

حضرت موسیٰ کے شہر میں دخول کے وقت لوگوں کے غافل ہونے کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غافل تھے' اور وہاں انہوں نے دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دین اور ان کے آباء کے دین کا علم عطا فرمایا: تو انہوں نے جان لیا کہ فرعون اور اس کی قوم باطل پر ہیں۔ حضرت موسیٰ نے دین حق کا بیان کیا اور ان کے دین کی مذمت کی' اور یہ چیز مشہور ہو گئی' اور فرعونی ان کے مخالف ہو گئے' اور بنی اسرائیل کی ایک جماعت ان کا وعظ سنتی تھی اور ان کی اقتداء کرتی تھی' پھر فرعون کا خطرہ یہاں تک بڑھا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے شہر میں بہت محتاط ہو کر داخل ہوتے تھے' ایک مرتبہ وہ ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے جب شہر والے غافل تھے' اکثر مفسرین کے نزدیک وہ دوپہر کا وقت تھا اور اس وقت وہ لوگ قیلولہ (دوپہر کو نیند) کر رہے تھے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا مگر پہلی روایت اولیٰ ہے۔ آیت کی تفسیر میں ابن زید نے یہ کہا ہے کہ اس غفلت سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ لوگ نیند میں غافل تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت موسیٰ کے واقعہ اور ان کے ذکر سے غافل ہو چکے تھے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کم سن تھے تو انہوں نے فرعون کے سر پر لاٹھی ماری تھی اور اس کی ڈاڑھی نوچ لی تھی' تو فرعون نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا پھر کچھ انگارے لائے گئے' حضرت موسیٰ نے انگارے اُٹھا کر منہ میں ڈال لیے تھے جس سے ان کی زبان جل گئی تھی اسی وجہ سے ان کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی' تب فرعون نے کہا تھا اس کو قتل نہ کرو لیکن اس کو اس گھر سے اور اس شہر سے نکال دو۔ پس حضرت موسیٰ کو نکال دیا گیا اور وہ جوان ہونے تک اس شہر میں داخل نہیں ہوئے اور لوگ ان کا ذکر بھول بھال گئے۔

(جامع البیان جز ۲۰ ص ۵۴-۵۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عصمت انبیاء پر اعتراض کا جواب

حضرت موسیٰ جب جوان ہو گئے تو وہ ایک دن شہر میں جا رہے تھے' انہوں نے دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا' ایک بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا آل فرعون سے تھا۔ اسرائیلی نے فرعونی کے خلاف حضرت موسیٰ سے مدد طلب کی' حضرت موسیٰ نے غضب میں آ کر فرعونی کے ایک گھونسا مارا' ان کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا نہ تھا' لیکن وہ شخص مر گیا تب حضرت موسیٰ نے کہا یہ کام شیطان کی طرف سے سرزد ہوا۔

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اس فرعونی سے کہا اس اسرائیلی کو چھوڑ دو' اس فرعونی نے کہا اے موسیٰ! تم کو معلوم نہیں یہ ہمارے مالک فرعون کو برا کہتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا اے خبیث! تم نے جھوٹ بولا' بلکہ مالک صرف اللہ ہے اور فرعون اور اس کے کاموں پر لعنت ہو' جب فرعونی نے یہ بات سنی تو وہ اسرائیلی کو چھوڑ کر حضرت موسیٰ سے لڑنے لگا۔ حضرت موسیٰ نے اس کو ایک گھونسا مارا اور وہ قضاءً مر گیا۔

(تاریخ دمشق ج ۶۴ ص ۲۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جو لوگ عصمت انبیاء کے قائل نہیں ہیں وہ اس واقعہ کی وجہ سے عصمت انبیاء پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے خود اعتراف کیا کہ یہ شیطان کا عمل تھا اور انہوں نے اس پر استغفار کیا اور کہا اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اس فرعونی کو قتل کرنے کے ارادہ سے گھونسا نہیں مارا تھا' بلکہ تادیباً گھونسا مارا

تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے خصوصیت کے ساتھ نبوت کا ذکر یہ بتانے کے لیے فرمایا کہ آپ کو تمام انبیاء سے پہلے نبوت دی گئی' کیونکہ نبوت اسی وقت ملتی ہے جو اس کے لیے اللہ کے نزدیک وقت مقرر ہوتا ہے۔

نیز علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ میں لکھا ہے کہ تمام انبیاء اور مرسلین کے مدد طلب کرنے کی جگہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے کیونکہ آپ ہی قطب الاقطاب ہیں' اور آپ ہی تمام اوّلین اور آخرین لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں' اور آپ ہی ہر نبی اور ولی کی مدد کرنے والے ہیں خواہ ان کا ظہور آپ سے پہلے ہو جب آپ غیب میں تھے' یا آپ کے بعد ہو جب آپ عالم شہادت میں ظاہر ہو گئے اور یا جب آپ برزخ میں منتقل ہو چکے ہیں کیونکہ آپ کی رسالت کے انوار متقدمین اور متاخرین کے عالم سے کبھی منقطع نہیں ہوئے۔

اگر تم یہ کہو کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تو ان میں کس طرح تطبیق ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا معنی واحد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو پیدا کیا' اور اس حقیقت کو کبھی عقل سے تعبیر فرمایا اور کبھی نور سے۔ (الیواقیت والجواہر ص ۳۳۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وجود کا فیضان کرنے کے لیے تمام موجودات کے لیے وسیلہ ہیں' اور انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے تمام مخلوق پر جو فیضان ہوا ہے اس کے لیے بھی آپ وسیلہ ہیں کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے انوار کی شعاعیں ہیں اور آپ کے انوار کے عکوس ہیں اور آپ ہی النور الحق اور النبی المطلق ہیں اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے' اور جب انبیاء ارحام اور اصلاب کے حجاب میں تھے اس وقت بھی وہ آپ سے فیض لے رہے تھے اور اس وقت بھی جب وہ اس عالم میں ظاہر ہوئے اور اس وقت آپ حجاب میں تھے جیسے جب رات کو ستارے ظاہر ہوتے ہیں اور سورج ظاہر نہیں ہوتا لیکن وہ ستارے اسی کے فیض سے روشن ہوتے ہیں' اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اسی طرح جب آپ اس عالم میں جلوہ گر ہوئے تو تمام انبیاء چھپ گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف آپ کی شریعت باقی رہی۔ (روح المعانی جز ۱۵ ص ۱۸۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا الست بربکم تو سب سے پہلے آپ کی روح نے بلیٰ کہا۔

(روح المعانی جز ۹ ص ۱۶۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت موسیٰ کو حکم اور علم دینے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جب موسیٰ اپنی پوری قوت (جوانی) کو پہنچ گئے اور توانا ہو گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا۔ (القصص: ۱۴)

حکم اور علم کی تفسیر میں علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب ان کی عمر چالیس سال ہو گئی' اور حکم سے مراد ہے وہ حکمت جو ان کو نبوت سے پہلے دی گئی' اور علم سے مراد ہے دین کی فقہ' امام محمد بن اسحاق نے کہا ان کو ان کے دین اور ان کے آباء کے دین کا علم دیا گیا' اور بنی اسرائیل میں سے نو (۹) آدمی تھے جو ان کے احکام سنتے تھے اور ان کی اقتداء کرتے تھے اور ان کے پاس بیٹھتے تھے

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۔ (ھود: ۱۱۳) ظالموں کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تم کو بھی دوزخ کا عذاب پہنچے گا۔

اور اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مقدمہ میں ظلم کے ساتھ مدد کی یا ظلم کی مدد کی تو جب تک وہ اس سے رجوع نہیں کرے گا' وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۲۰' المستدرک ج ۴ ص ۹۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۲۹۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۴۹۴۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۴۷۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مقدمہ میں علم کے باوجود ظالم کی ظلم کے ساتھ مدد کی اس سے اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہو گیا۔

(تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۷۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۴۹۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی ظالم کی مدد کی کہ اس کے باطل موقف کو ثابت کرنے کے لیے کسی کا حق ضائع کر دے تو اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ بری ہو گا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۲۹۶' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۴۷۴' المستدرک ج ۴ ص ۱۰۰' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۷۰۵۲' جدید۔ تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۶ ص ۱۹۰ رقم الحدیث: ۱۲۲۹۰)

تاریخ دمشق کی روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ ہے:

اور جس نے مسلمانوں کے عہدہ پر کسی مسلمان کو مقرر کیا حالانکہ اس کو علم تھا کہ مسلمانوں میں اس سے بہتر شخص موجود ہے' جو اس سے زیادہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو جاننے والا ہے تو اس نے اللہ سے' اس کے رسول سے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ خیانت کی' اور جو شخص مسلمانوں کے کسی منصب پر فائز ہوا تو اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا جب تک کہ وہ مسلمانوں کے معاملات نہ نمٹائے اور ان کی ضروریات کو پورا نہ کرے' اور جس نے ایک درہم بھی سود کھایا اس کو چھتیس (۳۶) بار زنا کا گناہ ہو گا اور جس کا گوشت حرام سے بنا ہوا اس کے دوزخ زیادہ لائق ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی ظالم کی مدد کی اللہ اس ظالم کو اس پر مسلط کر دے گا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۲۹۵' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۴۷۲' ضعیف الجامع للالبانی رقم الحدیث: ۵۴۳۵)

حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم کے باوجود کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کرنے کے لیے گیا تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۷۰۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۹' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۹۱۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۶۷۵' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۰۵' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۰۳۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۴۹۵۵)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مظلوم کے ساتھ اس کا حق ثابت کرنے کے لیے گیا' اللہ اس دن اس کو ثابت قدم رکھے گا جس دن لوگوں کے قدم پھسل جائیں گے۔

تھا' اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور انہوں نے جو یہ فرمایا کہ یہ شیطان کا عمل تھا یہ بحسب ظاہر فرمایا یعنی ظاہر میں یہ شیطانی عمل تھا اگرچہ حقیقت میں ایسا نہ تھا' اور انہوں نے جو یہ دعا کی اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما تو یہ ان کی تواضع اور انکسار ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی تھی: ربنا ظلمنا انفسنا. (الاعراف: ۲۳)

حضرت موسیٰ کے اس قول کی توجیہات کہ ''میں مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا''

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے دعا میں عرض کیا: اے میرے رب چونکہ تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے سو اب میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ (القصص: ۱۷)

انعام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوان کو حکم اور علم عطا فرمایا تھا اور ان کو انبیاء سابقین کی سیرت اور ان کے طریقہ پر چلایا تھا' اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قتل کرنے کو معاف فرما دیا تھا کیونکہ یہ وحی کے نزول سے پہلے کا واقعہ تھا' اور اس وقت ان کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو معاف فرما دیا ہے۔ ثعلبی نے کہا حضرت موسیٰ کی مراد یہ تھی کہ چونکہ تو نے اس قتل کے بعد مجھ کو کوئی سزا نہیں دی' اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ چونکہ تو نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور مجھے استغفار کرنے کی توفیق عطا کی سو اس کے شکر میں' میں اب کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔

مجرموں کی مدد نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ میں اب فرعون کے ساتھ نہیں رہوں گا' کیونکہ حضرت موسیٰ ایک روایت کے مطابق فرعون کے ساتھ رہا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ ابن فرعون کہلاتے تھے۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ میں کسی شخص کی ایسی مدد نہیں کروں گا جو مجھے کسی جرم کے ارتکاب تک پہنچا دے' جیسے میں نے اس اسرائیلی کی مدد کی جس کے نتیجہ میں ایک فرعونی میرے ہاتھوں قتل ہو گیا جس کو قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا' اور میں مجرمین کے خلاف مسلمانوں کی مدد ترک نہیں کروں گا۔ اس تفسیر کے مطابق وہ اسرائیلی مومن تھا اور مومن کی مدد کرنا تمام شریعتوں میں واجب ہے۔

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ بعض روایات کے مطابق وہ اسرائیلی کافر تھا اور قرآن شریف میں جو یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی جماعت سے تھا' اس سے مراد دین میں موافقت نہیں ہے صرف نسب میں موافقت ہے' اسی بناء پر حضرت موسیٰ نادم ہوئے کیونکہ انہوں نے ایک کافر کی کافر کے خلاف مدد کی تھی۔ پس انہوں نے کہا میں آئندہ مجرمین یعنی کافرین کی مدد نہیں کروں گا لیکن ان کا یہ اقدام گناہ نہیں تھا کیونکہ وہ اسرائیلی مظلوم تھا اور مظلوم خواہ کافر ہو اس کی مدد کرنا مستحسن ہے' اور اس پر حضرت موسیٰ کا نادم ہونا محض ان کی تواضع اور انکسار ہے۔

اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کا یہ قول خبر نہیں ہے بلکہ دعا ہے اور اس کا معنی یہ ہے اے میرے رب! مجھے مجرموں کا مددگار نہ بنانا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۴۲' زاد المسیر ج ۶ ص ۲۰۹-۲۰۸)

قرآن مجید اور احادیث سے ظالم کی مدد کرنے کی ممانعت

اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا گیا ہے کہ ظالموں کی مدد کرنا جائز نہیں ہے۔ عطا نے کہا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ظالم کی مدد کرے نہ اس کو کچھ لکھ کر دے اور نہ اس کی مجلس میں بیٹھے اور اگر اس نے ان میں سے کوئی کام کیا تو وہ ظالموں کا مددگار ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

ایک روایت ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا' اس شخص کو یہ خبر پہنچ گئی تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آ کر بتا دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز۱۳ص ۲۴۵' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' الجامع لاحکام القرآن جز۱۳ص ۲۳۵' دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ

اور موسیٰ جب مدین کی جانب متوجہ ہوئے (تو) کہا عنقریب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھا

السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ

دے گا ○ اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا وہاں لوگوں کا ایک گروہ (اپنے

النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۟ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ

مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے اور ان سے الگ دو خواتین کو دیکھا جو (اپنے مویشیوں کو پانی پر جانے سے) روک رہی تھیں'

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٠ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ

موسیٰ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ (سب) چرواہے (پانی پلا کر) واپس

كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ

نہ چلے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں ○ پس موسیٰ نے ان کے مویشیوں کو پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف آ گئے' اور عرض کیا اے

اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى

میرے رب! بے شک میں اس اچھائی کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے ○ پھر ان دونوں میں سے ایک

اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ

شرماتی ہوئی آئی اور کہا بے شک میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے جو ہمارے مویشیوں کو پانی پلایا ہے اس کی جزا

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ڐ نَجَوْتَ مِنَ

دیں پس جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان کو سارا قصہ سنایا (تو) انہوں نے کہا آپ فکر نہ کریں آپ ظالم لوگوں سے

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ

نجات پا چکے ہیں ○ ان دونوں خواتین میں سے ایک نے کہا اے ابا جان! آپ ان کو اجرت پر رکھ لیجئے' بے شک آپ

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۷۰۵ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۳۳۱۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۹۰۳)

ظالموں کی مدد نہ کرنے کے متعلق اور بھی بہت احادیث اور آثار ہیں لیکن میں اختصار کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کر رہا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس موسیٰ نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں صبح کی (کہ اب کیا ہوگا) پس اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی' پھر ان کو مدد کے لیے پکار رہا تھا' موسیٰ نے اس سے کہا بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے O پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو پکڑنا چاہا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے (غلط فہمی سے) کہا: اے موسیٰ کیا تم آج مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو' جس طرح کل تم نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا! تم تو صرف یہی چاہتے ہو کہ تم اس شہر میں زبردست (دادا گیر) بن جاؤ اور تم مصلحین میں سے نہیں بننا چاہتے O (القصص: ۱۹-۱۸)

اپنی جماعت کے اسرائیلی کو کھلا ہوا گم راہ کہنے کی توجیہ

جب حضرت موسیٰ کے گھونسے سے وہ فرعونی ہلاک ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوف کی حالت میں اس دن کے بعد صبح کی' آپ کو یہ خدشہ تھا کہ اگر فرعون اور اس کے درباریوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کے ہاتھ سے وہ فرعونی مارا گیا ہے تو آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا' پس دوسرے دن آپ چھپتے ہوئے نکلے' اچانک آپ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی کل والا اسرائیلی جس نے گزشتہ کل آپ سے مدد طلب کی تھی' وہ پھر مدد کے لیے چلا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا تو کھلا ہوا گمراہ ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کا فرد تھا تو آپ نے اس کو کھلا ہوا گمراہ کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سخت بے وقوف اور احمق تھی' انہوں نے اس پر دلائل کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے اس کے باوجود انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا:

اِجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰـهًا كَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ ؕ ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دیں جیسا ان لوگوں کا خدا ہے۔

(الاعراف: ۱۳۸)

تو غوی مبین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ تم جاہل اور احمق ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص ہر روز کسی سے جھگڑا کرے وہ کھلا ہوا گم راہ ہی ہوگا۔

اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کو جبار (دادا گیر) کیوں کہا تھا

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مشترک دشمن کو پکڑنا چاہا تو اس اسرائیلی نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ حضرت موسیٰ اس کو پکڑ رہے ہیں اس لیے اس نے کہا آپ تو اس شہر میں جبار یعنی زور اور زبردستی کرنے والے' بننا چاہتے ہیں جس کو ہمارے عرف میں دادا گیر کہتے ہیں اور اس اسرائیلی کا حضرت موسیٰ کو جبار یعنی دادا گیر کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دراصل کافر تھا۔ جبار سے مراد وہ شخص ہے جو جس کو چاہے مارے پیٹے یا قتل کر دے اور جس پر جو چاہے ظلم کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایک مرد شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا' اس نے کہا اے موسیٰ! بے شک (فرعون کے) سردار آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں' سو آپ یہاں سے نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں O سو موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے اس انتظار میں کہ اب کیا ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات دے دے O (القصص: ۲۱-۲۰)

علامہ ثعلبی نے کہا کہ اس شخص کا نام حزقیل بن صبورا تھا' اور وہ آل فرعون میں سے مومن تھا' اور وہ فرعون کا عم زاد تھا۔ علامہ سہیلی نے کہا کہ اس کا نام طالوت تھا' قتادہ سے روایت ہے کہ وہ آل فرعون سے مومن تھا اور اس کا نام شمعون تھا' اور

لاؤ ان کو مدین کا راستہ معلوم نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو گھوڑے سوار کی صورت میں بھیجا اس نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ میرے ساتھ چلیں یوں حضرت موسیٰ کی یہ دعا قبول ہوئی کہ عنقریب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھا دے گا۔

حضرت موسیٰ ایک کنوئیں پر پہنچے وہاں پر بہت لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے' اور کنوئیں کی نچلی جانب دو لڑکیاں کھڑی تھیں جو اپنی بکریوں کو کنوئیں کی جانب سے روک رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ نے ان سے پوچھا تم اس طرح الگ کیوں کھڑی ہو؟ اور کیوں اپنی بکریوں کو روک رہی ہو؟ انہوں نے بتایا کہ وہ لوگوں کے ہجوم میں اور اتنے رش میں اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں' اور ہمارے والد بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں اگر وہ طاقت ور ہوتے تو خود آ کر جانوروں کو پانی پلا دیتے' اس لیے جب تک کہ سب چرواہے اپنی اپنی بکریوں کو پانی پلا کر نہ چلے جائیں' وہ پانی نہیں پلا سکتیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بکریوں کو کنوئیں سے پانی نکال کر پلایا پھر آ کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۲۶-۲۵' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا: اے میرے رب! میں اس اچھائی یا خیر کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تو نے میری طرف کھانے پینے کی چیزیں یا جو بھی نعمتیں نازل کی ہیں میں ان کا محتاج ہوں)۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ چونکہ ایک ہفتہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوئی طعام نہیں کھایا تھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے طعام کا سوال کیا تھا اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! تو نے میری طرف دین کی جو اچھائیاں نازل کی ہیں اور مجھ کو جو نیک لوگوں کی سیرت پر کاربند رکھا ہے میں اسی نعمت کا محتاج ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال کے مناسب یہی معنی ہے۔ خیر کا اطلاق کھانے پر' امور خیر پر' عبادات پر' قوت و طاقت پر اور مال پر کیا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا یہاں خیر کا اطلاق کھانے پر کیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ نے کھانے کی دعا کی تھی۔ (تاریخ دمشق ج ۶۴ ص ۳۶' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان دونوں میں سے ایک شرماتی ہوئی آئی اور کہا بے شک میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے جو ہمارے مویشیوں کو پانی پلایا ہے اس کی جزا دیں۔ پس جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان کو سارا قصہ سنایا (تو) انہوں نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں آپ ظالم لوگوں سے نجات پا چکے ہیں ○ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا اے ابا جان! آپ ان کو اُجرت پر رکھ لیجئے' بے شک آپ جس کو اُجرت پر رکھیں گے ان میں بہترین وہی ہے جو طاقت ور اور ایماندار ہو ○

(القصص: ۲۶-۲۵)

حضرت موسیٰ کا حضرت شعیب کے گھر جانا

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا نام لیا اور دوسری کا نام صفوریا (یا صفوراء) تھا' اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب تھے۔ علامہ قرطبی کی بھی یہی رائے ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے یثرون تھے' حضرت شعیب نابینا ہونے کے بعد فوت ہو گئے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے' اور ابوعبیدہ کا بھی یہی مختار ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ حضرت شعیب کا زمانہ حضرت موسیٰ کے زمانہ سے بہت پہلے کا ہے لیکن زیادہ تر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام ہی تھے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۹' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۴۹ دار الکتاب العربی ۱۴۲۰ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۲۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں کے ساتھ جو ایثار اور احسان کیا تھا' انہوں نے گھر جا کر اس کا ذکر اپنے بوڑھے

مِنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ

جس کو اجرت پر رکھیں گے ان میں بہترین وہی ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو O انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی

اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ

بیٹیوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کریں اور اگر آپ نے دس

عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَۚ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ

سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے (احسان) ہوگا' اور میں آپ کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا' آپ ان شاء اللہ!

شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ

مجھے نیک لوگوں میں سے پائیں گے O موسیٰ نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہے' میں نے ان دونوں میں سے

قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۲۸﴾ ع ۳

جس مدت کو بھی پورا کر دیا تو مجھ سے کوئی زیادتی نہیں ہو گی' اور ہمارے اس معاہدہ پر اللہ نگہبان ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ جب مدین کی جانب متوجہ ہوئے (تو) کہا عنقریب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھا دے گا O اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا وہاں لوگوں کا ایک گروہ (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے اور ان سے الگ دو خواتین کو دیکھا جو (اپنے مویشیوں کو پانی پر جانے سے) روک رہی تھیں O موسیٰ نے پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ (سب) چرواہے (پانی پلا کر) واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں O پس موسیٰ نے ان کے مویشیوں کو پانی پلایا' پھر سائے کی طرف آ گئے اور عرض کیا اے میرے رب! بے شک میں اس اچھائی کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے O (القصص: ۲۴-۲۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین پہنچنا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلانا

مدین ایک قبیلہ کا نام ہے' جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا' جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے' یوں اہل مدین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان نسبی تعلق بھی تھا۔ یہ قبیلہ خلیج عقبہ کے مشرقی اور مغربی ساحلوں پر آباد تھا' یہ سارا علاقہ مدین کہلاتا تھا اس علاقہ کا مرکزی شہر بھی مدین تھا اور یہی علاقہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مولد اور مسکن تھا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دن کی مسافت تھی' ابن جبیر نے کہا ہے کہ مدین کے ملک میں فرعون کے علاوہ کسی اور کی حکومت تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں سے خوف زدہ ہو کر اچانک مدین کی طرف چل پڑے تھے' پہلے سے ان کا کوئی منصوبہ نہ تھا' ان کے پاس سواری تھی نہ راستہ میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ وہ راستہ میں درختوں کے پتے کھا کر سفر کر رہے تھے' فرعون نے ان کی تلاش میں اپنے کارندے دوڑا دیئے تھے۔ اس نے کہا ان کو راستہ کی گھاٹیوں سے پکڑ

مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا جب آپ نے حضرت حفصہ کا رشتہ مجھے پیش کیا تھا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا تو آپ کو اس سے رنج پہنچا ہوگا؟ حضرت عمر نے کہا ہاں! حضرت ابوبکر نے کہا مجھے جواب دینے سے اس کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کا ذکر کیا تھا' اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاء کرنا نہیں چاہتا تھا' اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو ترک کیا ہوتا تو میں ان کو قبول کر لیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۲۲'۴۰۰۵)

امام بخاری نے اس حدیث کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ کسی شخص کا نیک لوگوں پر اپنی بہن یا بیٹی کا رشتہ پیش کرنا' اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے معاشرہ کا یہ رواج انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کے طریقہ کے خلاف ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے اجارہ (اُجرت پر کوئی کام کرانے) کا ثبوت

اس آیت میں ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اُجرت پر میرا کام کریں۔ (القصص: ۲۷)

ہمارے علماء نے اس آیت سے اجارہ (اُجرت دے کر کام کرانا' یا مزدوری کرانا) کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

شمس الائمہ ابوبکر محمد بن ابی سہل حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

کسی معین مال کے عوض' منفعت کے حصول کے عقد کو اجارہ کہتے ہیں۔

منافع کے عقد کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ جو بغیر عوض کے ہو' جیسے کسی چیز کو بہ طور عاریۃً لینا یا کوئی خدمت کرنے کی وصیت کر دے' اور دوسرا وہ عقد ہے جو کسی عوض کے ساتھ ہو اس کو اجارہ کہتے ہیں اس کا ثبوت کتاب اور سنت سے ہے' کتاب سے ثبوت کی اصل یہ آیت ہے:

عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ. (القصص: ۲۷)

اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اُجرت پر میرا کام کریں' اور اگر آپ نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے احسان ہوگا۔

اور جو چیز ہم سے پہلے کی شریعت سے ثابت ہو وہ بھی ہم پر لازم ہوتی ہے' بہ شرطیکہ اس کے فسخ یا منسوخ ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو' اور حدیث میں بھی اس کے ثبوت پر دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اُجرت دے دو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۴۳) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(المبسوط ج ۱۵ ص ۸۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سرخسی نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند ضعیف ہے حالانکہ اجارہ کے ثبوت میں صحیح سند کے ساتھ بھی حدیث ہے اور وہ یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں قیامت کے دن تین آدمیوں سے مخاصمت کروں گا' ایک وہ آدمی جس نے میری قسم کھا کر کوئی عہد کیا پھر اس عہد کو توڑ دیا' دوسرا وہ آدمی جو کسی آزاد شخص کو بیچ کر اس کی قیمت کھا گیا' تیسرا وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو اُجرت پر طلب کیا اس سے کام پورا لیا اور اس کو اُجرت نہیں دی۔

باپ سے کیا' جس سے انہوں نے بھی اس احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینا چاہا اور ان کو اپنے گھر بلایا۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ ان کے گھر پہنچے تو انہوں تے ان کو کھانا پیش کیا' حضرت موسیٰ نے کہا میں کھانا نہیں کھاؤں گا' میں نے یہ کام اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے' اور اگر تمام روئے زمین کو سونا بنا دیا جائے تو میں اس کے عوض بھی اللہ کی رضا کے لیے کیے ہوئے کام کو فروخت نہیں کروں گا۔ حضرت شعیب نے کہا یہ آپ کے پانی پلانے کا معاوضہ نہیں ہے لیکن مسافروں کو کھانا کھلانا اور مہمان نوازی کرنا ہمارے آباء واجداد کا طریقہ ہے' تب حضرت موسیٰ نے کھانا کھالیا۔

ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا اے ابا جان آپ ان کو اُجرت پر رکھ لیجیے بے شک آپ جس کو اُجرت پر رکھیں گے ان میں بہترین وہی ہے جو طاقت ور اور ایماندار ہو۔ حضرت شعیب نے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ طاقت ور اور ایماندار ہیں؟ اس پر انہوں نے کہا جس کنوئیں سے انہوں نے پانی پلایا تھا اس پر اتنا بھاری پتھر رکھا ہوتا ہے کہ دس آدمی مل کر اس پتھر کو اُٹھاتے ہیں لیکن انہوں نے اکیلے ہی اس پتھر کو اُٹھا لیا تھا۔ یہ ان کے طاقت ور ہونے کی دلیل ہے' اور ان کے ایمان دار اور متقی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ راستہ بتانے کے لیے میں ان کے آگے آگے چل رہی تھی' ہوا سے بار بار میری چادر اُڑ جاتی تھی تو انہوں نے کہا: تم پیچھے پیچھے چلو میں آگے آگے چلتا ہوں تا کہ میری نظر تمہارے جسم کے کسی حصہ پر نہ پڑے اور راستہ کی نشان دہی کے لیے پیچھے سے کوئی پتھر یا کنکری مار دیا کرو۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۸۴۳' ۱۶۸۵۳' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۲۸' داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کردوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اُجرت پر میرا کام کریں اور اگر آپ نے دس سال پورے کردیئے تو یہ آپ کی طرف سے (احسان) ہوگا' اور میں آپ کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا' آپ ان شاء اللہ! مجھے نیک لوگوں میں پائیں گے ○ موسیٰ نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہے' میں نے ان دونوں میں سے جس مدت کو بھی پورا کردیا تو مجھ سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور ہمارے اس معاہدہ پر اللہ نگہبان ہے ○ (القصص: ۲۸-۲۷)

لڑکی والوں کی طرف سے لڑکے کو نکاح کی پیش کش کرنے کا جواز اور استحسان

ہمارے معاشرہ میں لڑکی والوں کی طرف سے رشتہ کی پیش کش کو معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن مجید کی اس آیت میں تصریح ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی کسی ایک بیٹی کے ساتھ نکاح کی پیش کش کی' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایسا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما' حضرت خنیس بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں' جب وہ مدینہ میں فوت ہوگئے اور حضرت حفصہ بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو حضرت حفصہ کا رشتہ پیش کیا' حضرت عثمان نے کہا میں اس معاملہ پر غور کروں گا' چند دنوں بعد حضرت عمر نے پھر حضرت عثمان سے تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا' میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں' حضرت عمر نے کہا پھر میں نے حضرت ابوبکر سے کہا اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کا آپ سے نکاح کردوں' حضرت ابوبکر خاموش رہے اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا' حضرت عمر کہتے ہیں مجھے حضرت عثمان کی بہ نسبت حضرت ابوبکر سے زیادہ رنج پہنچا' پھر چند دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے لیے پیغام دیا تو میں نے آپ سے ان کا نکاح کردیا' بعد میں جب حضرت ابوبکر کی

کے مشورہ کے بغیر نہیں کیا جائے گا' اور کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا' مسلمانوں نے پوچھا وہ اجازت کیسے دے گی؟ آپ نے فرمایا وہ خاموش رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۱۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۶۷)

اس باب میں اور بھی بہت احادیث ہیں۔

خدمت اور کسی کام کو مہر قرار دینے پر امام مالک اور امام شافعی کا استدلال

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس شرط پر اپنی ایک بیٹی کا حضرت موسیٰ سے نکاح کر دیا کہ وہ آٹھ سال حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کریں اس سے معلوم ہوا کہ کوئی کام اور کسی چیز کی منفعت مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اجارہ کے عوض نکاح کرنا صحیح ہے' اس چیز کو ہماری شریعت نے بھی مقرر رکھا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی عورت کو قرآن مجید کی تعلیم دے اور اس کے عوض میں اس سے نکاح کرے تو یہ صحیح ہے۔ امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے اور امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک یہ جائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۵۲' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' جز ۱۳ ص ۲۴۴-۲۴۳' دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت نے آ کر کہا یا رسول اللہ! میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہے' سو آپ کی میرے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اس نے دوبارہ کھڑی ہو کر کہا کہ اس نے آپ کو اپنا نفس ہبہ کر دیا ہے' تو آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا' اس نے پھر تیسری بار کھڑی ہو کر کہا کہ اس نے آپ کو اپنا نفس ہبہ کر دیا ہے سو آپ کی اس کے بارہ میں کیا رائے ہے؟ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! آپ اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیجیے۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ جا کر تلاش کرو' خواہ وہ لوہے کا ایک چھلا ہو' وہ گیا اور تلاش کر کے واپس آ گیا اور کہا مجھے کوئی چیز نہیں ملی' نہ لوہے کا چھلا ملا۔ آپ نے پوچھا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے! آپ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت کے ساتھ کر دیا **بما معک من القرآن**' کیونکہ تمہیں قرآن یاد ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۴۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۱۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۱۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۳۳۸ عالم الکتب' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۲۷۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۹۳)

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک **بما معک من القرآن** میں "با" عوض کی ہے یعنی تم کو جو قرآن یاد ہے اس کے عوض میں' میں نے تمہارا نکاح اس کے ساتھ کر دیا' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ "با" سبب کے لیے ہے یعنی تم کو قرآن یاد ہے اس سبب سے میں نے تمہارا نکاح اس سے کر دیا اور یہ نکاح بغیر مہر کے ہوا اور ایسی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کے استدلال کے مفسرین احناف کی طرف سے جوابات

قرآن مجید کی اس آیت سے جو امام مالک اور امام شافعی نے استدلال کیا ہے اس کے جواب میں علامہ ابوبکر احمد بن علی

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۷، ۲۲۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۴۲، مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۸، المنتقی رقم الحدیث: ۵۷۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۳۹، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۷۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۲۱، ۱۴)

اجارہ کے ثبوت میں قرآن مجید کی اس آیت سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ پھر اگر (مطلقہ عورتیں) تمہارے کہنے سے دودھ پلائیں تو انہیں ان کی (مقررہ) اُجرت دے دو۔ (الطلاق: ۶)

اس سوال کا جواب کہ منکوحہ کے تعین کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا اور حضرت شعیب نے کسی ایک بیٹی کا تعین نہیں کیا تھا

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ معین نہیں کیا تھا کہ وہ اپنی کس بیٹی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر رہے ہیں اور نہ یہ معین کیا تھا کہ انہیں کتنی مدت تک ان کا کام کرنا ہوگا اور جب تک منکوحہ کا تعین نہ ہو نکاح صحیح نہیں ہوتا اور جب تک مدت کا تعین نہ ہو اجارہ صحیح نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ابتداء میں اجمالی طور پر پیش کش کی تھی اور بعد میں اس کو معین کر دیا۔ انہوں نے اپنی چھوٹی بیٹی صفوریا کا حضرت موسیٰ کے ساتھ نکاح کیا تھا اور مدت انہوں نے آٹھ سال مقرر کی تھی اور بعد میں دو سال کے اضافہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر چھوڑ دیا تھا۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ حضرت موسیٰ نے دو مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟ آپ نے فرمایا جو مدت زیادہ تھی، اور پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ نے دو عورتوں میں سے کون سی عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا؟ آپ نے فرمایا جوان میں چھوٹی تھی۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۴۴، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۸۱۵، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۰۸، المستدرک ج ۲ ص ۴۰۷، حافظ ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے تاریخ دمشق ج ۶۴ ص ۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہے

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی سے مشورہ کیے بغیر اس کا نکاح حضرت موسیٰ سے کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ ولی کو اختیار ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا جہاں چاہے نکاح کر دے اور عورت کا اس میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ باپ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی کنواری بالغہ بیٹی کا اس کے مشورہ کے بغیر جہاں چاہے نکاح کر دے۔ امام مالک نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اور یہ اس باب میں بہت قوی دلیل ہے۔ امام شافعی اور دوسرے علماء نے بھی اس مسئلہ میں امام مالک کی موافقت کی ہے اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ جب لڑکی بالغہ ہو جائے تو اس کی مرضی کے بغیر اس کا کوئی نکاح نہیں کر سکتا البتہ جب لڑکی نابالغ ہو تو اس کا باپ یا دادا اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے اور وہ نکاح لازم ہوگا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۵۰، دار الفکر ۱۴۱۵ھ، جز ۱۳ ص ۲۴۲-۲۴۱، دار الکتاب العربی ۱۴۲۰ھ)

امام مالک اور امام شافعی کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے ہم پر حجت نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کے خلاف ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے نکاح عورت کا نکاح اس

اس آیت میں عقد نکاح اور عقد اجارہ کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور ان دونوں نے اس کو واقع کرنے کا عزم کیا ہے اور ان کی شریعت میں عقد نکاح اور عقد اجارہ کے کیا ارکان اور شرائط تھے' ان کا ذکر نہیں کیا گیا' اور اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی کسی ایک بیٹی سے نکاح کی پیش کش کی نہ یہ کہ بالفعل ان کے ساتھ اپنی کسی بیٹی کا نکاح کر دیا' اور اس نکاح کو واقع کر دیا' اور جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت شعیب نے اپنی کسی بیٹی کا حضرت موسیٰ کے ساتھ نکاح کر دیا تھا انہوں نے بھی یقین کے ساتھ اس نکاح کو ان کی شریعت کے مطابق منعقد کرنے کی کیفیت نہیں بیان کی۔ ایک قول یہ ہے کہ کسی معین لڑکی (صفورا) کے ساتھ ایک معین مہر کے عوض یہ نکاح کر دیا گیا اور وہ مہر اس مذکورہ آٹھ سال اُجرت پر' کام کرنے کے علاوہ تھا' اور اس اُجرت کا ذکر باہمی معاہدہ کے طور پر کیا گیا ہے نہ کہ اس نکاح کو منعقد کرنے کے طریقہ پر' گویا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یوں کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا مہر معین کے عوض تمہارے ساتھ نکاح کر دوں جب کہ تم اُجرت مقررہ کے عوض آٹھ سال میرے پاس کام کرو' اب بتاؤ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ حضرت موسیٰ راضی ہو گئے اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک معین لڑکی کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ لہٰذا اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ لڑکی' کی تعیین کے بغیر اس کا نکاح صحیح نہیں ہے اور نہ یہ اعتراض ہوگا کہ اُجرت معین کیے بغیر اجارہ کا انعقاد صحیح نہیں ہے اور نہ یہ اعتراض ہوگا کہ اس آیت میں تو لڑکی کے باپ کے لیے خدمت کرنے کا ذکر ہے نہ کہ لڑکی کے لیے تو اس کو مہر قرار دینا صحیح نہیں ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ شریعتیں مختلف ہوتی ہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی شریعت میں غیر معین لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا صحیح ہو اور تعیین کا حق لڑکی کے ولی یا شوہر کو حاصل ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں لڑکی کے ولی کی خدمت کرنے کو لڑکی کا مہر قرار دینا درست ہو اور یہ دونوں چیزیں ہماری شریعت میں جائز نہیں ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۰۳' ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا جانا

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ وہ آٹھ سال اُجرت پر ان کے پاس کام کریں' یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ حضرت موسیٰ سے کیا کام لیں گے اور ان کو کیا اُجرت دیں گے' اسی طرح یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ وہ کس بیٹی کا کتنے مہر کے عوض حضرت موسیٰ کے ساتھ نکاح کریں گے۔

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا اجارہ اور عقد کے متعلق جو کلام ذکر کیا گیا اس میں اس چیز کا اجمالی بیان ہے جس کا ان دونوں نے عزم اور ارادہ کر لیا تھا اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ ان کی شریعت میں عقد اجارہ اور عقد نکاح کے کیا ارکان اور شرائط تھیں۔

روایت ہے کہ جب یہ عقد منعقد ہو گیا تو حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ گھر میں جائیں وہاں پر جو لاٹھیاں رکھی ہیں آپ ان سے کوئی لاٹھی لے لیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء علیہم السلام کی لاٹھیاں تھیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ لاٹھی اُٹھالی جو حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی تھی' جس کو وہ جنت سے لائے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا ہو چکے تھے' انہوں نے اس لاٹھی کو چھو کر دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی ہے' انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ کوئی اور لاٹھی لے لیں لیکن ہر بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں یہی لاٹھی آئی تو حضرت شعیب نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی عام شخص نہیں ہیں۔ (تفسیر ابوالسعود ج ۵ ص ۱۲۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

جصاص رازی حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے اس آیت سے منافع اور اجارہ کے عوض نکاح کے جواز پر استدلال کیا ہے اور اس آیت میں ان کے مدعا پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی خدمت کی شرط لگائی تھی نہ کہ اپنی بیٹی کی خدمت کے لیے' تو منفعت حضرت شعیب کو حاصل ہوئی نہ کہ ان کی بیٹی کو' اور ان کا مقصود یہ ہے کہ عورت کو جو منافع حاصل ہوں وہ اس کا مہر ہو سکتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص اس عورت کو قرآن کی تعلیم دے یا اس کی خدمت کرے اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے لیے منافع کے حصول کی شرط لگائی تھی انہوں نے کہا تھا علی ان تاجرنی ثمانی حجج اس شرط پر کہ تم میرے لیے آٹھ سال اُجرت پر کام کرو یہ نہیں کہا تھا علی ان تاجرھا ثمانی حجج کہ تم میری بیٹی کے لیے آٹھ سال اُجرت پر کام کرو' سو یہ نکاح بغیر مہر کے ہوا تھا' اور عورت کے ولی کے لیے ایک مدت معینہ تک منافع کے حصول کی شرط لگائی گئی تھی اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مہر کے ذکر کے بغیر نکاح صحیح ہے۔ (کیونکہ ان کی بیٹی کے مہر کا ذکر نہیں ہوا تھا) اور عورت کے ولی کے لیے منافع کے حصول کی شرط لگائی گئی تھی اور ایسی شرائط سے نکاح فاسد نہیں ہوتا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی شریعت میں عورت کے مہر کے بغیر نکاح جائز ہو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر مہر کے نکاح کو منسوخ کر دیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۴۸' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں:

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے نکاح کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آٹھ سال خدمت کرنے کی شرط لگائی تھی اس کی منفعت ان کے لیے تھی ان کی بیٹی کے لیے نہیں تھی' کیونکہ انہوں نے تاجرنی کہا تھا نہ کہ تاجرھا' اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح کا نکاح ان کی شریعت میں جائز ہو کہ اس میں ایک مدت مقررہ تک لڑکی کے ولی کے لیے منفعت کی شرط لگائی جائے۔ جس طرح ہماری شریعت میں یہ جائز ہے کہ ایک مدت مقررہ تک لڑکی کی بکریاں چرانے کی شرط لگائی جائے' اور عین المعانی میں لکھا ہے کہ پہلی شریعتوں میں یہ جائز تھا کہ لڑکی کے سرپرست کو مہر دیا جائے اور ہماری شریعت میں یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ — اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔

(النساء: ۴)

نیز امام مالک اور امام شافعی نے جو یہ کہا ہے کہ کوئی کام اور خدمت بھی مہر ہو سکتی ہے یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ہماری شریعت میں مہر کا مال متقوم ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ . (النساء: ۲۴) — اور محرمات کے سوا باقی عورتوں سے تمہارے لیے نکاح کرنا حلال کر دیا گیا ہے کہ تم اپنے مال کو بہ طور مہر دے کر ان سے نکاح کرو۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مہر ان عورتوں کو ادا کیا جائے نہ کہ ان کے سرپرستوں کو جیسا کہ فرمایا ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ . (النساء: ۴) — اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔

(روح البیان ج ۶ ص ۵۰۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں:

فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ

لوگ ہیں O موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بے شک میرے ہاتھ سے ان کا ایک آدمی قتل ہو گیا تھا سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ

يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ

مجھے قتل کر دیں گے O اور میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ روانی سے بولنے والے ہیں تو ان کو میری مدد کے لیے رسول

مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ

بنا دے وہ میری تصدیق کریں گے' کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے O فرمایا ہم

سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا

عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا کریں گے سو وہ

يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

آپ دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے' ہماری نشانیوں کے سبب سے آپ دونوں اور آپ کے متبعین غالب رہیں گے O

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

سو جب موسیٰ ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا یہ تو صرف ایک گھڑا ہوا (مصنوعی)

مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ

جادو ہے' اور ہم نے اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ میں ان باتوں کو نہیں سنا O اور موسیٰ نے

مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ

کہا میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور کس کے لیے اچھا

لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

اخروی انجام ہے' بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے O اور فرعون نے کہا

يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ

اے درباریو! میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا' اے ہامان میرے لیے کچھ

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

پھر جب موسیٰ نے (اجارہ کی) میعاد پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے (پہاڑ) طور کی جانب

نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا

ایک آگ دیکھی' انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا تم لوگ یہاں ٹھیرو' میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس کی کوئی خبر

بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا

لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں جس سے تم ہاتھ تاپو ○ پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے

نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ

تو انہیں اس وادی کے دائیں کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے ایک درخت

مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ لا

سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العٰلمین ہوں! ○

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۤنٌّ وَّلّٰی

اور یہ (بھی آواز آئی) کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں' پھر جب موسیٰ نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ پیٹھ

مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ قف اِنَّكَ مِنَ

پھیر کر چل دیئے اور واپس مڑ کر نہ دیکھا' (ہم نے کہا) اے موسیٰ آگے بڑھیے اور خوف زدہ نہ ہوں' بے شک آپ مامون رہنے

الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ

والوں میں سے ہیں ○ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیے وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا باہر

غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ ز وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ

نکلے گا' اور خوف (دور کرنے) کے لیے اپنے بازو اپنے ساتھ ملا لیں' پس آپ کے رب کی طرف سے

بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

یہ دو معجزے فرعون اور اس کے درباریوں کی جانب ہیں' بے شک وہ فاسق

رہنے والوں میں سے ہیںO آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیے وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا باہر نکلے گا اور خوف (دور کرنے) کے لیے اپنا بازو اپنے (سینہ کے) ساتھ ملالیں' پس آپ کے رب کی طرف سے یہ دو معجزے فرعون اور اس کے درباریوں کی جانب ہیں' بے شک وہ فاسق لوگ ہیںO (القصص: ۳۲-۲۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام اللہ سننے کی کیفیت

فرمایا اور جب موسیٰ نے (اجارہ کی) میعاد پوری کردی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ (القصص: ۲۹) ہم اس سے پہلے مسند البزار وغیرہ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ مدت پوری کی تھی یعنی دس سال' اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی چھوٹی بیٹی صفورا کا حضرت موسیٰ کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۷۵۴' ۱۳۷۵۳' ۱۳۷۵۲' ۱۳۷۵۱' ۱۳۷۵۰' ۱۳۷۴۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت موسیٰ اپنی اہلیہ کو لے کر مدین سے روانہ ہوئے' اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کو اختیار ہے وہ اپنی بیوی کو اس کے گھر سے جہاں چاہے لے جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ طور کی جانب ایک آگ دیکھی' ہم اس سے پہلے سورۂ طٰہٰ میں بیان کر چکے ہیں کہ وہ صحراء میں ایک اندھیری اور سرد رات تھی' سخت تیز ہوا چل رہی تھی' ان کی بکریاں ادھر ادھر منتشر ہوگئیں' پھر بارش بھی شروع ہوگئی ایسے میں ان کو دُور سے آگ نظر آئی' وہ اپنی منزل کا راستہ بھول چکے تھے' آگ دیکھ کر انہوں نے کہا میں اس کی روشنی میں راستہ کا پتا کر کے آتا ہوں' یا کچھ انگارے لے کر آتا ہوں جس سے ہاتھ تاپ کر تم سردی دُور کر سکو۔

پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس وادی کے کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے نداء کی گئی کہ اے موسیٰ! میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔ (القصص: ۳۰)

ان آیتوں کی تفصیل کے ساتھ تفسیر (طٰہٰ: ۱۰) اور (النمل: ۹) میں گزر چکی ہے' مختصر یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اس میں ہمارے دو مذہب ہیں:

(۱) امام ابو منصور ماتریدی اور ائمہ ماوراء النہر (دریاء آمو کے پار رہنے والے علماء یعنی وسط ایشیا کی ریاستوں مثلاً ازبکستان' تاشقند' ترکمانستان' آذربائی جان اور قازقستان وغیرہا کے اکابر علماء) کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ نہیں سنائی دیا' اور جو سنائی دیا وہ آواز اور حروف تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے درخت میں پیدا کر دیا تھا اور اسی آواز اور حروف کو حضرت موسیٰ نے سنا تھا۔

(۲) امام ابوالحسن اشعری کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم حرف اور آواز نہیں ہے اور اس کا سنائی دینا ممکن ہے جس طرح اللہ تعالیٰ جسم اور عرض نہیں ہے اور اس کا دکھائی دینا ممکن ہے پس جب وہ بغیر کسی رنگ کے دکھائی دے سکتا ہے تو بغیر آواز کے اس کا کلام سنا بھی جا سکتا ہے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام' اللہ تعالیٰ سے سنا تھا' درخت سے نہیں سنا تھا' اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ انی انا اللہ رب العلمین کا محل اگر درخت ہو تو لازم آئے گا کہ درخت نے یہ کہا ہو کہ وہ اللہ ہے۔

امام رازی نے فرمایا ایک روایت میں ہے کہ ابلیس نے حضرت موسیٰ سے پوچھا آپ نے یہ کیسے جان لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے؟ تو حضرت موسیٰ نے فرمایا میں نے یہ کلام اپنے جسم کے تمام اجزاء اور اعضاء سے سنا تھا۔

يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيۡنِ فَاجۡعَلۡ لِّىۡ صَرۡحًا لَّعَلِّىۡۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ

اینٹوں کو آگ سے پکاؤ پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر

مُوۡسٰى ۙ وَاِنِّىۡ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۳۸﴾ وَاسۡتَكۡبَرَ هُوَ

دیکھوں اور بے شک میں اس کو جھوٹوں میں سے گمان کر رہا ہوں O اور فرعون نے اور اس

وَجُنُوۡدُهٗ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اِلَيۡنَا لَا

کے لشکروں نے ناحق زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں

يُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذۡنٰهُ وَجُنُوۡدَهٗ فَنَبَذۡنٰهُمۡ فِى الۡيَمِّ ۚ

لوٹائے جائیں گے O سو ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا' پھر ہم نے ان سب کو دریا میں ڈال دیا'

فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً

سو دیکھیے ظالموں کا کیسا انجام ہوا O اور ہم نے ان کو (کافروں کا) امام بنا دیا

يَّدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۱﴾

جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی O

وَاَتۡبَعۡنٰهُمۡ فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا لَعۡنَةً ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ هُمۡ

اور ہم نے اس دنیا میں (بھی) ان کے پیچھے (اپنی) لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن وہ

مِّنَ الۡمَقۡبُوۡحِيۡنَ ﴿۴۲﴾ ع ۱۴/۴

بدحال لوگوں میں سے ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب موسیٰ نے (اجارہ کی) میعاد پوری کردی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے (پہاڑ) طور کی جانب ایک آگ دیکھی' انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا تم لوگ یہاں ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس کی کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں جس سے تم ہاتھ تاپوO پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس وادی کے کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے' ایک درخت سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العالمین ہوںO اور یہ (بھی آواز آئی) کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں' پھر جب موسیٰ نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور واپس مڑ کر نہ دیکھا' (ہم نے کہا) اے موسیٰ! آگے بڑھیے اور خوف زدہ نہ ہوں' بے شک آپ مامون

کتاب کے واسطے کے بغیر بھی سنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تجلی میں بھی سنا ہے' اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ کلیم اللہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ظہور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام آپ سے پہلے سنا ہے۔ تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلیم اللہ ہونا اور ان کے باقی تمام کمالات ان کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہی حاصل ہوئے ہیں۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ' اور امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کر لیا تو کوئی شخص ان کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا' کیونکہ ان کے چہرے کو نور نے ڈھانپ رکھا تھا' اس لیے انہوں نے زندگی بھر اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھی' ایک دن ان کی زوجہ نے کہا جب سے آپ نے اپنے رب سے کلام کیا ہے میں نے آپ کا چہرہ نہیں دیکھا' حضرت موسیٰ نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی تو ان کے چہرے سے سورج کی طرح شعاعیں نکل رہی تھیں' انہوں نے فوراً اپنے چہرے پر اپنے ہاتھ رکھ لیے اور اللہ کے لیے سجدہ میں گر گئیں اور کہا آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ مجھے جنت میں بھی آپ کی زوجہ بنائے' آپ نے فرمایا یہ تم کو حاصل ہو جائے گا بہ شرطیکہ تم میرے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرو' کیونکہ جنت میں عورت اپنے آخری شوہر کے پاس رہتی ہے۔

(الوسیط ج ۲ ص ۴۰۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ' معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۳۲-۲۳۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ' اور علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے نیز علامہ سیوطی نے بھی اختصار کے ساتھ اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر الخازن ج ۲ ص ۱۳۸' روح البیان ج ۳ ص ۳۰۶' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۲ ص ۱۸۹' حاشیۃ الصاوی ج ۲ ص ۷۰۸' الدر المنثور ج ۳ ص ۴۹۲)

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ عبدالرحمان بن معاویہ ابوالحویرث سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بعد حضرت موسیٰ کے چہرے پر رب العٰلمین کے نور کی چالیس دن تک یہ کیفیت تھی کہ جو بھی آپ کی طرف دیکھتا تھا وہ مر جاتا تھا۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۴۲' ۴۱' دار احیاء التراث العربی بیروت)

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بعد تین دن تک حضرت موسیٰ کے چہرے پر نور نظر آتا رہا اور جب سے آپ نے اپنے رب سے کلام کیا تھا' آپ نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہیں لگایا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۸۷' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

شب معراج ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا

علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا ہے یا نہیں؟ میں کہتا ہوں کہ جو احادیث صحیحہ تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں' ان میں یہ تصریح ہے کہ......

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان سے اوپر وہاں تک گئے جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے' حتیٰ کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور الجبار رب العزۃ آپ کے قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا پھر آپ اپنے رب سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہوئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جو وحی کی اس میں یہ وحی کی کہ آپ کی اُمت پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض ہیں' پھر آپ نیچے اُتر کر حضرت موسیٰ کے پاس پہنچے۔ حضرت موسیٰ نے آپ کو روک کر

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۹۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اپنے برگزیدہ فرشتوں کو اپنے کلام کے سننے کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ استاذ ابواسحاق نے کہا ہے کہ اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ میں ایک ایسی صفت پیدا کر دی تھی جس سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا اور اس کا ادراک کر لیا' اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف ہے کہ آپ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے یا نہیں؟ اور آیا جبریل نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے اس کے متعلق دو قول ہیں اور اس کے ثبوت کا ایک طریقہ تواتر سے نقل ہونا ہے اور یہ مفقود ہے۔

نیز علامہ قرطبی لکھتے ہیں عبداللہ بن سعد بن کلاب نے یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کو ان آوازوں سے سنا جن کو اللہ تعالیٰ نے بعض اجسام میں پیدا کر دیا تھا۔ ابوالمعالی نے کہا یہ قول مردود ہے' بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہ طور خلاف عادت اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' اور یہ ان کے ساتھ مخصوص ہے' اگر یہ بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضرت موسیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کا کوئی معنی نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنا کلام عزیز سنایا اور ان میں یہ علم پیدا کر دیا کہ انہوں نے جو سنا ہے وہ اللہ کا کلام ہے' اور جس نے ان کو ندا کی اور ان سے کلام کیا وہ اللہ رب العلمین ہے اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے اپنے رب کا کلام اپنے تمام اعضاء اور اجزاء سے سنا ہے اور میں نے اس کلام کو کسی ایک جہت سے نہیں سنا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۶۰-۲۵۹' دار الفکر: ۱۴۱۵ھ' جز ۱۳ ص ۲۵۲-۲۵۱' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام لفظی سنا تھا' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو درخت کے اندر بلا اتحاد اور حلول کے پیدا کر دیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو اسی طرح ہوا میں پیدا کر دیا تھا' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کلام کو اپنی دائیں جانب سے سنا تھا یا تمام جہات سے سنا تھا۔

(روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۱۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کہنے کی خصوصیت

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو خصوصیت کے ساتھ کلیم اللہ کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کو بغیر حرف اور آواز کے سنا' اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو آواز اور حروف کے واسطہ سے سنا تو پھر خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے کلام کو فرشتہ یا کتاب کی وساطت کے بغیر سنا' اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے یہ کلام اللہ تعالیٰ کی تجلی کے بعد سنا' تو پھر حضرت موسیٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ تجلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور کسی نبی کے لیے واقع نہیں ہوئی۔ باقی رہا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کیسے علم ہوا کہ یہ اللہ کا کلام ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں علم بدیہی پیدا کر دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا ان کو معجزہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے ایک ہرے بھرے درخت سے آگ نکلتی ہوئی دیکھی اور یہ امر خلاف عادت ہے اور اسی درخت سے بغیر کسی بولنے والے کے آواز آ رہی تھی اور یہ بھی امر خلاف عادت اور معجزہ ہے۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۱۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہر چند کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کو بغیر حرف اور آواز کے سنا ہے اور فرشتہ اور

ہے:

یٰمُوۡسٰۤی اِنِّی اصۡطَفَیۡتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیۡ وَ بِکَلَامِیۡ ۫ ۔ (الاعراف: ۱۴۴) اے موسیٰ! میں نے اپنی رسالت (اپنے پیغام) اور اپنے کلام سے تم کو لوگوں پر فضیلت دی ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے۔(شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۱۰ص ۵۱۰-۵۰۹' مطبوعہ مکتبۃ الرشید ریاض'۱۴۲۰ھ)

حضرت اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی بحث عنقریب قاضی عیاض اور علامہ نووی وغیرہم کی عبارات میں آ رہی ہے' اور علامہ ابن بطال کا الاعراف: ۱۴۴ سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کر کے ان کو تمام انسانوں پر فضیلت دی۔

انکار مذکور کے رد پر دلائل

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میں نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے آپ کو ان لوگوں پر فضیلت دی ہے جو آپ کے زمانہ میں موجود ہیں اور ہارون ہر چند کہ نبی ہیں لیکن ان کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے کلام نہیں کیا گیا اور نہ وہ صاحب شرع ہیں۔
(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۴ص ۳۶۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر کلام کی وجہ سے فضیلت دی ہے' یہ اس لیے کہا ہے کہ رسالت اور بلاواسطہ ہم کلام ہونے کی فضیلت تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی متحقق ہے سو اگر یہ قید نہ لگائی جائے تو لازم آئے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہوں حالانکہ آپ ہی افضل علی الاطلاق ہیں۔(عنایۃ القاضی ج ۴ص ۳۶۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے کیونکہ ان کو رسالت کے لیے چن لیا ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رسالت کے لیے چن لیا ہے۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی تمام انسانوں پر یہ فضیلت ہے کہ ان کو رسالت کے لیے بھی چن لیا ہے اور ان کو بلاواسطہ اپنا کلام سنایا ہے۔ حضرت موسیٰ کے سوا اور کسی انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہیں۔
(تفسیر کبیر ج ۵ص ۳۵۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے لیے بھی چن لیا ہے اور شب معراج آپ سے بلاواسطہ کلام بھی فرمایا ہے اور آپ پر اور آپ کی اُمت پر نمازوں کو فرض فرمایا اور یا محمد کہہ کر آپ سے خطاب فرمایا ہے' اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی ؕ (النجم: ۱۰) پس اللہ نے اپنے عبد مکرم کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی۔

اور آپ کو اس بلند مقام تک لے گیا جہاں آپ نے قلموں کے چلنے کی آواز سنی اور یہ چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ

پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ سے کیا عہد لیا ہے؟ آپ نے فرمایا میرے رب نے مجھ سے دن اور رات میں پچاس نمازوں کا عہد لیا ہے' حضرت موسیٰ نے کہا آپ کی اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی' واپس جائیے اور اپنی اور اپنی اُمت کی طرف سے کمی کی درخواست کیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کی طرف دیکھا گویا ان سے مشورہ طلب کر رہے ہیں' حضرت جبریل نے اشارہ کیا ہاں اگر آپ چاہتے ہیں تو جائیں' آپ پھر الجبار کی طرف گئے اور اپنے مقام پر کھڑے ہو کر عرض کیا' اے رب! ہم سے کچھ کمی کیجیے کیونکہ میری اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی' اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں' آپ پھر حضرت موسیٰ کی طرف لوٹے انہوں نے پھر آپ کو روک لیا' پھر حضرت موسیٰ آپ کو آپ کے رب کی طرف بھیجتے رہے' حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ نے پانچ نمازوں پر آپ کو پھر روک لیا' اور کہا اے محمد! میں اپنی قوم بنی اسرائیل کا اس سے کم پر تجربہ کر چکا ہوں وہ ان نمازوں کو پڑھنے سے کمزور پڑ گئے اور ان کو ترک کر دیا' آپ کی اُمت تو ان کے جسموں' ان کے دلوں' ان کے بدنوں' ان کی آنکھوں اور ان کے کانوں سے زیادہ کم زور ہے' آپ واپس جائیے اور اپنے رب سے اس میں بھی کمی کرائیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار جبریل کی طرف متوجہ ہو کر مشورہ لیتے تھے اور جبریل اس کو ناپسند نہیں کرتے تھے' وہ آپ کو پانچویں بار بھی لے گئے۔ آپ نے عرض کیا اے مرے رب! میری اُمت کے اجسام' ان کے قلوب' ان کے کان اور ان کے بدن کمزور ہیں سو ہم سے کچھ کمی کیجیے الجبار نے کہا: یا محمد! آپ نے عرض کیا لبیک وسعدیک' فرمایا میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی' میں نے آپ پر جس طرح لوحِ محفوظ میں فرض کیا ہے' سو ہر نیکی کا اجر دس گنا ہوگا پس لوحِ محفوظ میں یہ پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر یہ پانچ نمازیں ہیں' پھر آپ حضرت موسیٰ کے پاس آئے انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا ہم سے تخفیف کر دی گئی اور ہم کو ہر نیکی کا اجر دس گنا دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا میں اس سے کم پر بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں انہوں نے ان نمازوں کو ترک کر دیا تھا' آپ واپس جائیے اور اپنے رب سے کم کرائیے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے موسیٰ! اللہ کی قسم! اب مجھے بار بار اپنے رب کے پاس جانے سے حیا آتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۹' ۴۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹۹' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۹-۱۴۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۴۴۴' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۵۳۳' عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ' الفتح الربانی ج ۲۰ ص ۲۵۱-۲۴۸' دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ کے اللہ سے ہم کلام ہونے کی بناء پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ سے ہم کلام ہونے کا انکار

اس حدیث کی شرح میں علامہ علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال اندلسی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

شفاعت کی طویل حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے لیکن تم لوگ حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ وہ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا کی اور ان سے کلام فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۵۱۰) اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام میں سے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ہے' اس کے برخلاف اشاعرہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کلام فرمایا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ۝ (النجم: ۱۰) — سو وحی فرمائی اپنے عبد مکرم کی طرف جو وحی فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس استدلال کو رد کر دیا ہے اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد

باقی رکھا اور آپ کے پیروکار تمام انبیاء اور رسولوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہیں اور آپ کے بعد شرف اور فضیلت میں حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام ہیں پھر حضرت موسیٰ بن عمران کلیم الرحمان علیہ السلام ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابن بطال نے اس کا رد کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا ہے اور اس پر الاعراف: ۱۴۴ سے یہ دلیل قائم کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کر کے ان کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے اور ہم نے دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ حضرت موسیٰ سے کلام کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کو صرف اپنے زمانے کے انسانوں پر فضیلت دی ہے نہ کہ تمام انسانوں پر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی شب معراج کلام فرمایا ہے۔ اب ہم اس کے ثبوت میں مزید دلائل پیش کر رہے ہیں۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے پر دلائل

علامہ ابو الفضل عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی قائل تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور اس پر انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ (الشوریٰ: ۵۱)

کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بغیر وحی کے اللہ سے کلام کرے یا پردے کی اوٹ سے یا اللہ کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وہ وحی کرے بے شک اللہ بہت بلند ہے بہت حکمت والا ہے۔

اور بعض مشائخ نے اسی آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا اور اس سے بلاواسطہ اور بلا کسی فرشتے کے واسطے کے کلام کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا تین قسم پر ہے:

(۱) پردے کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰ نے کلام کیا۔

(۲) فرشتہ سے بذریعہ وحی جس طرح اکثر انبیاء علیہم السلام سے کلام کیا۔

(۳) بذریعہ وحی یعنی دل میں کوئی بات ڈال کر۔

اب کلام کرنے کی تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت باقی بچی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے بالمشاہدہ کلام کیا جائے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۵۳۱ مطبوعہ دار الوفاء بیروت ۱۴۱۹ھ)

قاضی عیاض کی اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے ان تین صورتوں کے علاوہ کلام کرنے کی نفی کی گئی ہے اور قاضی عیاض نے جو صورت ذکر کی ہے وہ ان تین صورتوں کے علاوہ ہے اور اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا یہ عام قاعدہ ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی خصوصیت کی بناء پر بے حجاب کلام فرمایا۔

علامہ ابو العباس احمد بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ شب معراج سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کیا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس جعفر بن محمد ابو الحسن اشعری اور متکلمین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر بہت زیادہ شرف اور فضیلت عطا فرمائی ہے' اس لیے اصل سوال کا صرف یہ جواب صحیح ہے کہ یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ. (الاعراف: ۱۴۴) کا معنی یہ ہے کہ اے موسیٰ! میں نے تم کو اپنی پیغمبری سے اور اپنی ہم کلامی سے تمہارے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان سے زیادہ بلند منصب والا اور ان سے زیادہ اشرف اور افضل اور کوئی انسان نہیں تھا' وہ صاحب شریعت ظاہرہ تھے اور ان کو تورات عطا کی' اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے جس طرح ان کی قوم کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی اور فرمایا: یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ○ (البقرۃ: ۴۷) اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تم کو (تمہارے زمانہ کے) تمام لوگوں پر فضیلت دی۔ (تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۳۸' مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد حنفی متوفی ۷۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اے موسیٰ! میں نے تم کو تمہارے زمانہ کے لوگوں پر اپنی رسالات سے تم کو تورات دے کر اور تم سے کلام کر کے فضیلت دی ہے۔ (مدارک التنزیل علی ھامش الخازن ج ۲ ص ۱۳۷' دارالکتب العربیہ پشاور)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ہر چند کہ اس آیت میں علی الناس (تمام لوگوں پر) لفظ عام ہے لیکن اس کا معنی خصوص ہے یعنی میں نے تم کو اپنی رسالت اور اپنے کلام سے تمہارے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی ہے' کیونکہ ان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے جنت میں کلام فرمایا اور ان کے بعد شب معراج ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمایا۔

(البحر المحیط ج ۵ ص ۱۶۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد مصطفیٰ حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے میں نے آپ کو آپ کے معاصرین پر اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے کیونکہ ہر چند کہ حضرت ہارون نبی تھے' لیکن ان کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے کلام نہیں فرمایا تھا اور نہ وہ صاحب شرع تھے۔

(تفسیر ابوالسعود ج ۳ ص ۴۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ' علامہ صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' علامہ محمد بن علی محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' سب نے یہی لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر یا ان کے معاصرین پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے۔

(تفسیر الجلالین ص ۱۶۸' دارالکتب العلمیہ بیروت' روح البیان ج ۳ ص ۳۰۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۲ ص ۱۸۸' قدیمی کتب خانہ کراچی' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۲ ص ۷۰۸' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ' فتح القدیر ج ۲ ص ۳۴۶' دارالوفاء بیروت' ۱۴۱۸ھ' روح المعانی جز ۹ ص ۸۲' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ عمر بن اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس نے ان کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اولاد آدم اور تمام اولین اور آخرین کے سردار ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مرتبہ کے ساتھ مختص کیا کہ آپ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنایا اور قیامت تک آپ کی شریعت کو

بے شک وہ فاسق لوگ ہیں۔ (القصص: ۳۲)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر آپ کو اپنے ہاتھ کی چمک اور شعاعوں سے خوف ہو تو اپنے ہاتھ کو پھر گریبان میں ڈال لیں وہ پھر اپنی پہلی حالت میں واپس آ جائے گا۔ عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس شخص کو کبھی کسی چیز سے خوف لاحق ہو اور وہ اپنے بازو کو اپنے ساتھ ملا لے تو اس کا خوف جاتا رہے گا۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۳۴ 'داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بے شک میرے ہاتھ سے ان کا ایک آدمی قتل ہو گیا تھا سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ○ اور میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ روانی سے بولنے والے ہیں تو ان کو میری مدد کے لیے رسول بنا دے وہ میری تصدیق کریں گے' کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے ○ فرمایا ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا کریں گے سو وہ آپ دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے' ہماری نشانیوں کے سبب سے آپ دونوں اور آپ کے متبعین غالب رہیں گے ○ (القصص: ۳۵-۳۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات سے تسلی دے کر فرعون کی طرف روانہ کرنا

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ کے ہاتھوں ایک فرعونی مارا جا چکا تھا' اور جب ان کو معلوم ہوا کہ اس وجہ سے فرعونی سردار ان کو قتل کرنے کی فکر میں ہیں تو حضرت موسیٰ مصر سے ہجرت کر کے مدین کی طرف چلے گئے تھے' اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ نے عرض کیا وہ لوگ تو میرے خون کے پیاسے ہیں' ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے قصاص میں قتل کر ڈالیں' پھر حضرت موسیٰ کو یاد آیا کہ جب بچپن میں انہوں نے فرعون کی ڈاڑھی نوچ لی تھی تو انہوں نے آزمائش کے لیے آپ کے سامنے ایک انگارہ اور ایک کھجور یا موتی رکھا تھا تو آپ نے انگارے کو منہ میں ڈال لیا تھا' جس کی وجہ سے آپ کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی اور آپ کو روانی سے بولنے میں دشواری ہوتی تھی' اس لیے آپ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں' اور میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے' ان سے میرا بازو مضبوط کر دے اور ان کو میرے کارِ تبلیغ میں میرا شریک بنا دے تاکہ میں آسانی سے فریضہ رسالت ادا کر سکوں' اور تیرے بندوں کو تیری عبادت کی طرف بلا سکوں' اس جگہ بھی یہی دعا نقل فرمائی ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میرے بھائی ہارون کو بھی میرے ساتھ رسول بنا دے تاکہ وہ میرے معاون اور میرے وزیر ہو جائیں۔ اس سے میرا بازو مضبوط ہو گا اور میرے دل کو تقویت ہو گی' کیونکہ دو آدمیوں کی بات ایک آدمی کی بہ نسبت زیادہ مؤثر ہوتی ہے' اور اگر میں نے تنہا فرعون اور اس کے حواریوں کو تبلیغ کی تو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی اس دعا کے جواب میں فرمایا: ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا کریں گے سو وہ آپ دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے' ایک اور جگہ ارشاد ہے:

قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ○ (طٰہٰ: ۳۶) اے موسیٰ! تمہارے تمام سوالات پورے کر دیے گئے ہیں۔

نیز فرمایا:

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِیًّا ○ (مریم: ۵۳) اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبوت عطا فرما دی۔

آپ سے کلام کیا ہے' اور ایک جماعت نے اس کی نفی کی ہے۔ (المفہم ج۱ ص۴۰۳' دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے الشوریٰ: ۵۱ سے ثابت کیا ہے کہ شب معراج آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا' اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے دیکھتے وقت کلام کیا ہو۔ پس ہو سکتا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر کلام کیا ہو۔

(۲) یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی صرف تین صورتیں ہیں' پردے کی اوٹ سے' فرشتے کے ذریعے اور وحی سے' ہو سکتا ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہو اور آپ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہوں۔

(۳) بعض علماء نے کہا ہے کہ وحی سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام بلا واسطہ ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج۱ ص۹۸۴-۹۸۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

درخت سے آنے والی آواز کی مختلف عبارات اور مقصود کا واحد ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے:

اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (القصص: ۳۰) بے شک میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔

اور طٰہٰ: ۱۴ میں فرمایا ہے:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ. بے شک میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو تم میری عبادت کرو۔

اور النمل: ۹ میں فرمایا ہے:

اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ بے شک بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں' بہت غالب' بہت حکمت والا۔

ہر چند کہ یہ مختلف عبارت ہیں لیکن ان سب سے مقصود ایک ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی توحید کو ثابت کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزے

اور یہ (بھی آواز آئی) کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں' پھر جب موسیٰ نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیئے' اور واپس مڑ کر نہ دیکھا (ہم نے کہا) اے موسیٰ آگے بڑھیے اور خوف زدہ نہ ہوں' بے شک آپ مامون رہنے والوں میں سے ہیں۔ (القصص: ۳۱)

وہب بن منبہ نے کہا حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ آپ جہاں تھے' وہیں لوٹ آئیں۔ حضرت موسیٰ واپس آئے اور اپنے جبہ کے پلو کو اپنے ہاتھ پر لپیٹ لیا' فرشتہ نے کہا یہ بتائیے اگر اللہ تعالیٰ آپ کو نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ کپڑا لپیٹنا آپ کو بچا سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا نہیں! لیکن میں کمزور ہوں' پھر انہوں نے اپنا ہاتھ کھول کر اس کو سانپ کے منہ میں ڈال دیا تو وہ پھر دوبارہ عصا بن گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۳ ص۲۵۲' دار الکتاب العربی ۱۴۲۰ھ)

اس کے بعد فرمایا: آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیے وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا باہر نکلے گا اور خوف (دور کرنے) کے لیے اپنا بازو اپنے ساتھ ملا لیں۔ پس آپ کے رب کی طرف سے یہ دو معجزے فرعون اور اس کے درباریوں کی جانب ہیں۔

باپ دادا کے زمانہ میں یہ نہیں سنا کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے' ہم تو یہی سنتے چلے آئے ہیں کہ اور خدا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خدائی میں شریک ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا میری اور تمہاری بہ نسبت اللہ تعالیٰ بہت زیادہ جاننے والا ہے کہ کون اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور وہ عنقریب میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا کہ انجام کار کس کو کامیابی نصیب ہوتی ہے اور بے شک ظالم لوگ یعنی اللہ کے شریک ٹھہرانے والے فلاح نہیں پاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون نے کہا اے درباریو! میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا' اے ہامان! میرے لیے کچھ اینٹوں کو آگ سے پکاؤ' پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تا کہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں' اور بے شک میں اس کو جھوٹوں میں سے گمان کر رہا ہوں ○ اور فرعون نے اور اس کے لشکر نے ناحق زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے ○ سو ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا' پھر ہم نے ان سب کو دریا میں ڈال دیا سو دیکھیے ظالموں کا کیسا انجام ہوا ○ اور ہم نے ان کو (کافروں کا) امام بنا دیا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی ○ اور ہم نے اس دنیا میں (بھی) ان کے پیچھے (اپنی) لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے ○ (القصص: ۴۲-۳۸)

فرعون کا کفر اور اس کی سرکشی اور اس کا عبرت ناک انجام

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے کفر اور اس کی سرکشی کا بیان فرمایا ہے کہ فرعون لعنہ اللہ نے اپنے لیے خدائی کا دعویٰ کیا تھا جیسا کہ فرمایا:

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ . (الزخرف: ۵۴)

وہ اپنی قوم کو کم عقل سمجھتا تھا (اس نے ان کو بہکایا) سو انہوں نے اس کی بات مان لی۔

اس نے اپنی قوم کو اپنی خدائی ماننے کی دعوت دی اور انہوں نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس کی خدائی کو مان لیا' اس لیے اس نے کہا اے درباریو! میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اس قول کی خبر دی:

فَحَشَرَ فَنَادٰى ○ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ○ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ○ (النزعٰت: ۲۵-۲۳)

پھر فرعون نے سب کو جمع کر کے اعلان کیا۔ پس کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ سو اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت کے عبرت ناک عذاب میں گرفتار کر لیا۔

یعنی جب فرعون نے سب لوگوں کو جمع کر کے ان میں اپنی الوہیت کا اعلان کیا تو سب نے اس کو اپنا معبود مان لیا اور اس کی اطاعت کی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا اور اس کو دنیا والوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا' فرعون کی دیدہ دلیری یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی کہا تھا کہ:

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ○ (الشعراء: ۲۹)

فرعون نے کہا اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو خدا قرار دیا تو میں تم کو قیدیوں میں ڈال دوں گا۔

پھر فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا: میرے لیے کچھ اینٹوں کو آگ سے پکاؤ پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تا کہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں' اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ○ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ

اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بلند قلعہ بناؤ تا کہ میں ان راستوں تک پہنچ سکوں۔ جو آسمانوں کے راستے

اسی لیے بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ کسی بھائی نے اپنے بھائی پر وہ احسان نہیں کیا جو حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی پر کیا' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی کو نبی بنا دیا اور ان کو حضرت موسیٰ کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؕ. (الاحزاب: ۶۹) اور وہ اللہ کے نزدیک عزت اور کرامت والے تھے۔

اور اس آیت میں آپ کی تسلی کے لیے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت قوی معجزات عطا کیے ہیں' سو ہمارے ان معجزات کی وجہ سے فرعون اور اس کے حواری آپ دونوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے' سو آپ بے خوف و خطر تبلیغ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر آیات میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ. (المائدہ: ۶۷)

اے رسول مکرم! جو کچھ بھی آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اپنے رب کے پیغام کو نہیں پہنچایا' اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ○ (الاحزاب: ۳۹)

(انبیاء سابقین) اللہ کے پیغامات کو پہنچاتے تھے اور وہ اس سے ڈرتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ہماری نشانیوں کی وجہ سے آپ دونوں اور آپ کے متبعین غالب رہیں گے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ. (المجادلہ: ۲۱) اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جب موسیٰ ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا یہ تو صرف ایک گھڑا ہوا (مصنوعی) جادو ہے' اور ہم نے اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ میں ان باتوں کو نہیں سنا ○ اور موسیٰ نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور کس کے لیے اچھا اُخروی انجام ہے' بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے ○ (القصص: ۳۷-۳۶)

حضرت موسیٰ کا فرعون کے دربار میں اللہ کا پیغام پہنچانا اور فرعون کا تکبر سے اس کو رد کر دینا

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف گئے اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے قوی معجزات اور مستحکم دلائل پیش کیے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے کی دعوت دی' جب فرعون اور اس کے درباریوں نے یہ پیغام سن لیا اور معجزات کا مشاہدہ کر لیا اور ان کو اپنے دلوں میں یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچانے والے ہیں' پھر بھی ان کے دلوں میں کفر راسخ ہو چکا تھا اور اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید پر وہ سالہا سال سے چلے آ رہے تھے اور فرعون لوگوں کے سامنے اپنی جھوٹی عزت اور رعب قائم رکھنا چاہتا تھا اس لیے اس نے حق کو ماننے اور قبول کرنے سے انکار کیا اور حضرت موسیٰ کو سچا مان لینے میں اپنی ہتک محسوس کی اس لیے اس نے تکبر اور سرکشی سے کہا یہ تو صرف مصنوعی اور بناوٹی جادو ہے اور ہم نے اپنے پہلے

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۹۱۴، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۹۲۱)

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے لکھا ہے کہ فرعون نے لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کیا تھا کہ وہ قلعہ بنائے گا لیکن اس نے بنایا نہیں تھا کیونکہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ وہ بلند سے بلند پہاڑ پر چڑھے پھر بھی اس کو آسمان اتنی ہی دور بلند نظر آتا ہے جتنا زمین سے بلندی پر نظر آتا ہے، سو ایسی حرکت تو کوئی فاتر العقل اور مجنون ہی کر سکتا ہے اور سدی بہت ضعیف راوی ہے، اس کی مذکور الصدر روایت صحیح نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۰۰-۵۹۹ ملخصاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا

اور ہم نے پہلے زمانہ کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب

الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً

دی جو لوگوں کے لیے بصیرت افروز تھی اور ہدایت اور رحمت

لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ

تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O اور آپ (طور کی) مغربی جانب نہ تھے جب

قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾

ہم نے موسیٰ کو پیغام پہنچانے کا حکم دیا تھا، اور نہ آپ اس وقت (ان کو) دیکھنے والوں میں سے تھے O

وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا

لیکن ہم نے بہت سی قومیں پیدا کیں سو ان پر طویل زمانہ گزر گیا، اور نہ آپ اہل مدین

فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

میں رہتے تھے کہ آپ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے، اور البتہ ہم ہی (آپ کو) رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں O

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

اور نہ آپ (پہاڑ) طور کی جانب تھے جب ہم نے ندا فرمائی تھی، لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

نے آپ کو غیب کی خبریں دیں) تاکہ آپ ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا

مُوْسٰى وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَا كَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ۝ (المومن: ۳۷-۳۶)

ہیں اور موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں اور بے شک میں اس کو جھوٹا گمان کرتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کے برے کام مزین کر دیئے گئے اور اس کو سیدھے راستے سے روک دیا گیا اور فرعون کی سازشیں ناکام ہوگئیں۔

اور یہ اس لیے کہ فرعون نے اس قدر بلند قلعہ بنایا تھا کہ اس سے بلند عمارت اس وقت تک نہیں بنائی گئی تھی' اور اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس دعوے کا رد کرے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا ہے جو تمام جہانوں کا خدا ہے جیسا کہ اس نے کہا تھا کہ میں موسیٰ کو جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں' اور اس نے کہا اے درباریو! میں اپنے سوا تمہارا اور کوئی خدا نہیں جانتا۔

فرمایا: اور فرعون نے اور اس کے لشکروں نے ناحق زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔

یعنی انہوں نے زمین میں فساد برپا کیا اور کمزور لوگوں پر ظلم کیا اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ نہ قیامت نے آنا ہے اور نہ حشر ہوگا۔

فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ (الفجر: ۱۴-۱۳)

آخر کار آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بے شک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے۔

اور اسی وجہ سے اس آیت میں فرمایا: سو ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا' پھر ہم نے ان سب کو دریا میں ڈال دیا۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہاں سمندر پر دریا کا اطلاق مجازاً ہے کیونکہ فرعون کو بحر قلزم میں غرق کیا گیا تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۶۵' دار الفکر)

یعنی ایک دن صبح کے وقت ہم نے ان سب کو سمندر میں غرق کر دیا اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا' اور فرمایا: سو دیکھیے ظالموں کا کیسا انجام ہوا' اور ہم نے ان کو (کافروں کا) امام بنا دیا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ یعنی جو لوگ خدا کے منکر ہیں اور دہریے ہیں' اور رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اور فرعون کے راستہ اور اس کے طور طریقہ پر چلتے ہیں' ہم نے فرعون کو ان کا پیشوا بنا دیا' اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی' اور اس کے فرشتوں نے ان پر لعنت کی اور رسولوں کے پیروکاروں اور مومنوں نے ان پر لعنت کی اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔

قتادہ نے کہا یہ آیت' اس آیت کی طرح ہے:

وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝ (هود: ۹۹)

ان پر اس دنیا میں بھی لعنت کی گئی اور آخرت میں بھی' اور ان کو کیسا برا انعام دیا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۲۸-۴۲۶ ملخصاً دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

فرعون نے خدا کو دیکھنے کے لیے بلند عمارت بنائی تھی یا نہیں

سدی نے روایت کیا ہے جب وہ بلند قلعہ بنا لیا گیا تو فرعون اس قلعہ پر چڑھا اور آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ تیر خون میں ڈوبے ہوئے واپس کر دیئے گئے تو فرعون نے کہا میں نے موسیٰ کے معبود کو قتل کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے پہلے زمانہ کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی' جو لوگوں کے لیے بصیرت افروز تھی' اور ہدایت اور رحمت تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں○ اور آپ (طور کی) مغربی جانب نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پیغام پہنچانے کا حکم دیا تھا' اور نہ آپ اس وقت (ان کو) دیکھنے والوں میں سے تھے○ لیکن ہم نے بہت سی قومیں پیدا کیں' سو ان پر طویل زمانہ گزر گیا' اور نہ آپ اہل مدین میں رہتے تھے کہ آپ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے' اور البتہ ہم ہی (آپ کو) رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں○ اور نہ آپ (اس وقت پہاڑ) طور کی جانب تھے' جب ہم نے موسیٰ کو ندا فرمائی تھی لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے آپ کو غیب کی خبریں دیں) تا کہ آپ ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں○ (القصص: ۴۶-۴۳)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

مذکور الصدر چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل قائم کی ہے اور قرآن مجید کا معجزہ اور کلام اللہ ہونا بیان فرمایا ہے' کیونکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کی ولادت سے لے کر فرعون کے غرق ہونے تک تمام احوال بیان فرمائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان کس طرح مکالمہ اور مناظرہ ہوا' کوہ طور پر آپ پر کس طرح وحی نازل کی گئی' یہ تمام چیزیں آپ نے بیان فرمائیں حالانکہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں موجود نہ تھے' اور آپ اُمی تھے آپ نے یہ واقعات تورات میں نہیں پڑھے' نہ آپ علماء اہل کتاب کی مجلس میں رہے' پھر آپ نے یہ غیب کی خبریں کیسے بیان کر دیں اس کی صرف یہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو ان خبروں پر مطلع فرمایا اور یہی آپ کے برحق رسول ہونے کی دلیل ہے۔

القصص: ۴۳ میں فرمایا ہے: ہم نے پہلے زمانہ کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی' اس سے مراد تورات ہے جس میں فرائض' حدود اور احکام ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں امام حاکم نیشاپوری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب سے تورات کو نازل کیا ہے اس نے سوا اس بستی کے جس کے لوگوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا تھا اس نے روئے زمین پر اور کسی قوم یا قرن یا اُمت پر آسمانی عذاب نہیں بھیجا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۰۸' قدیم' رقم الحدیث: ۳۵۴۴' جدید' مسند البز ار رقم الحدیث: ۲۲۴۸' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۸۸' کنز العمال ج ۲ ص ۴۳' الاحادیث الصحیحہ للالبانی ج ۵ ص ۳۲۶)

قرونِ اولیٰ (پہلے زمانہ کے لوگوں) سے مراد ہیں قوم نوح' قوم عاد اور قوم ثمود' ایک قول یہ ہے کہ فرعون کو غرق کرنے اور قارون کو زمین میں دھنسانے کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ کو کتاب دی۔

فرمایا: تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں یعنی بنو اسرائیل فرعون سے نجات پانے کی نعمت کو یاد کریں اور تورات کے احکام پر عمل کریں۔

اور آپ طور کی مغربی جانب نہ تھے' جب ہم نے موسیٰ کو پیغام پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ (القصص: ۴۴)

جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے امر اور نہی کا مکلف کیا تھا اور ان سے عہد لیا تھا آپ اس وقت شاہد نہ تھے یعنی اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے۔

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

نہیں آیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں O اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب بھی ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت

اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تا کہ ہم تیری آیتوں کی

اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ

پیروی کرتے اور ہم مومنوں سے ہو جاتے (تو ہم کوئی رسول نہ بھیجتے) O پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا

عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ

تو انہوں نے کہا ان کو ایسے معجزے کیوں نہیں دیئے جیسے معجزے موسیٰ کو دیئے تھے کیا اس سے پہلے

يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۚ

(کافروں نے) موسیٰ کے معجزوں کا کفر نہیں کیا تھا! انہوں نے کہا یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں

وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ

اور انہوں نے کہا بے شک ہم (ان میں سے) ہر ایک کا کفر کرنے والے ہیں O آپ کہیے کہ تم اللہ کی طرف سے کوئی ایسی

اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾

کتاب لے آؤ جو (بالفرض) ان دونوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو O

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ

پس اگر یہ آپ کی دعوت قبول نہ کریں تو جان لیجئے کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

اور اس سے زیادہ کون گم راہ ہو گا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں کی پیروی کرے بے شک

اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۵ ع ۸

اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O

الحسین بن مسعود متوفی ۵۱۶ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ وغیرہم نے بھی اس روایت کو اپنی اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے ان کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں: (جامع البیان جز ۲۰ ص ۱۰۱-۱۰۰' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۹۸۳' المستدرک ج ۲ ص ۴۰۸' معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۳۷' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۲۹)

اور فرمایا: لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ آپ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے وقت موجود نہیں تھے' اور نہ وہ واقعات کسی کتاب سے آپ پر پڑھے گئے تھے' لیکن ہم نے آپ کو مبعوث فرمایا اور آپ کی طرف ان واقعات کی وحی فرمائی یہ ہماری رحمت ہے۔ تاکہ آپ کو جن لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے آپ ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں' اور ان کے سامنے آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب بھی ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تاکہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ہم مومنوں سے ہو جاتے (تو ہم کوئی رسول نہ بھیجتے)○ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو انہوں نے کہا ان کو ایسے معجزے کیوں نہیں دیئے' جیسے معجزے موسیٰ کو دیئے تھے! کیا اس سے پہلے (کافروں نے) موسیٰ کے معجزوں کا کفر نہیں کیا تھا؟ انہوں نے کہا یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں' اور انہوں نے کہا بے شک ہم (ان میں سے) ہر ایک کا کفر کرنے والے ہیں○ (القصص: ۴۸-۴۷)

مشرکین کے شبہات کے جوابات

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ آپ پر غیب کی باتوں کی وحی فرمانا ہماری رحمت ہے تاکہ آپ کے دعویٰ نبوت پر دلیل قائم ہو' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو مکہ والوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تاکہ ان کے لیے ایمان نہ لانے کا کوئی عذر باقی نہ رہے اور جب قیامت کے دن ان کو عذاب دیا جائے تو وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول آیا ہی نہیں تھا' ہم کیسے ایمان لاتے' اور اس کی نظیر یہ آیتیں بھی ہیں:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ (النساء: ۱۶۵)

(اور ہم نے ثواب کی) خوشخبری دینے والے اور (عذاب سے) ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں کے لیے (ایمان نہ لانے کا) اللہ کے سامنے کوئی عذر نہ رہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ (المائدہ: ۱۹)

اے اہل کتاب بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا جو انقطاع رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکام شرعیہ) بیان کرتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی (ثواب کی) بشارت دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا نہیں آیا' لو تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ چکا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو انہوں نے کہا ان کو ایسے معجزے کیوں نہ دیئے جیسے معجزے موسیٰ کو دیئے تھے۔ (القصص: ۴۸)

مجاہد نے کہا یہود نے قریش سے کہا کہ تم (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرو کہ وہ ایسے معجزات لے کر آئیں جیسے معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ قریش سے یہ کہیں کہ وہ یہود کے پاس جا کر یہ کہیں

قرن کا معنی اور نبیوں اور رسولوں کی تعداد

فرمایا: لیکن ہم نے (موسیٰ کے بعد) بہت سے قرون پیدا کیے' سو ان پر طویل زمانہ گزر گیا۔ (القصص: ۴۵)

حضرت عبداللہ بن بسر بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ قرن کتنی مدت ہے؟ آپ نے فرمایا سو سال' اور زرارہ بن اوفیٰ سے ایک سو بیس سال کی روایت ہے' اور قتادہ سے ستر سال کی روایت ہے اور حسن بصری سے ساٹھ سال کی روایت ہے اور ابراہیم سے چالیس سال کی روایت ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۹۸۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ان باقی اقوال کی بہ نسبت قرن کی تعیین میں وہی مدت صحیح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا: البتہ ہم ہی (آپ کو) رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انبیاء کی کتنی تعداد ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار' ان میں سے جم غفیر رسول ہیں' تین سو پندرہ۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۹۴۳' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی فضیلت

اس کے بعد فرمایا اور نہ آپ (اس وقت پہاڑ) طور کی جانب تھے جب ہم نے نداء فرمائی تھی۔ (القصص: ۴۷)

یعنی جس طرح آپ اس وقت پہاڑ طور کی مغربی جانب نہ تھے جب ہم نے حضرت موسیٰ کو رسول بنا کر فرعون کی طرف بھیجا تھا' اسی طرح آپ اس وقت بھی پہاڑ طور کی جانب نہ تھے' جب حضرت موسیٰ ستر منتخب شدہ افراد کے ساتھ پہاڑ طور پر آئے تھے' اور جب ان ستر افراد کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو حضرت موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا' کیا تو ان بے وقوفوں کے فعل کی وجہ سے ہم سب کو ہلاک کر دے گا! یہ واقعہ محض تیری طرف سے ایک آزمائش ہے تو اس آزمائش کی وجہ سے جس کو چاہے گمراہی میں مبتلا کر دے اور جس کو چاہے ہدایت پر برقرار رکھے سو تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر معاف فرمانے والا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۵)

اس آیت کی دوسری تفسیر میں یہ روایات ہیں: امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آپ کی اُمت کو اس وقت نداء کی جب وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے' اے اُمت محمد! میں نے تمہارے دعا کرنے سے پہلے تمہاری دعاؤں کو قبول کر لیا اور تمہارے سوال کرنے سے پہلے تم کو عطا کر دیا اور تمہارے مغفرت طلب کرنے سے پہلے تم کو معاف فرما دیا' اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ نداء فرمائی تھی جب حضرت موسیٰ ستر افراد کو لے کر پہاڑ طور پر گئے تھے۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا ذکر کیا تو حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! مجھے ان کو دکھا' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ان کو نہیں دیکھ سکتے' اگر تم چاہو تو میں تم کو ان کی آواز سنا دوں' حضرت موسیٰ نے کہا کیوں نہیں اے میرے رب! تو اللہ سبحانہ نے پکارا اے اُمتِ محمد! تو انہوں نے اپنے آباء کی پشتوں سے جواب دیا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ان کی آواز سنا دی پھر فرمایا میں نے تمہارے دعا کرنے سے پہلے تمہاری دعاؤں کو قبول فرما لیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس کی روایت میں گزر چکا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۰۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ' امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ' امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ' امام

خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں' اور اس سے زیادہ کون گم راہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی کرے' بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O (القصص: ۵۰-۴۹)

یعنی اے مشرکو! اگر تم ان دونوں کتابوں تورات اور قرآن کا انکار کرتے ہو اور ان کو جادو کہتے ہو اور ان کو ہدایت دینے والی کتابیں نہیں مانتے تو پھر کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو اور اگر وہ آپ کے اس چیلنج کو قبول نہ کریں تو پھر اے نبی مکرم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جان لیجیے کہ یہ صرف اپنے دل کے خیالات اور آراء کی پیروی کرتے ہیں اور بغیر کسی دلیل کے شیطان کی تقلید کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥١﴾ اَلَّذِيْنَ

اور ہم لگا تار (اپنا) کلام لوگوں کے لیے بھیجتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O جن کو ہم نے

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں O اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿٥٣﴾

جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں' بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے' ہم اس سے پہلے ہی مسلمین اور اطاعت

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ

شعار ہو چکے ہیں O یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا دگنا اجر دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو

بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَاِذَا سَمِعُوا

اچھائی سے دور کرتے ہیں' اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں O اور جب وہ کوئی

اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز

بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ز لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿٥٥﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ

اعمال ہیں' تمہیں سلام ہو' ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے O بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو

اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ج وَهُوَ اَعْلَمُ

ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے' لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے' اور وہ ہدایت پانے والوں کو

کیا تم نے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار نہیں کیا تھا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ان کی مراد یہ تھی کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات ایک بار ہی مکمل نازل ہوگئی تھی اسی طرح آپ پر بھی قرآن مجید ایک بار ہی مکمل کیوں نہیں نازل ہوا اور جس طرح ان کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ دیا گیا تھا' آپ کو بھی ایسے معجزے کیوں نہیں دیئے گئے۔ نیز ان کے لیے سمندر کو چیر کر راستہ بنا دیا گیا' ان کی اُمت پر بادل کا سایہ کیا گیا' پتھر سے پانی نکالا گیا' ان پر من وسلویٰ نازل کیا تو آپ کے لیے ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے جن معجزات کو طلب کیا تھا وہ معجزات اثبات نبوت کے لیے لازم نہیں تھے' کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات ایک جیسے ہوں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ان پر ایک جیسی کتاب نازل ہو' کیونکہ اصلاح اور ہدایت کے لیے کتاب کا نازل کرنا ضروری ہے خواہ وہ کتاب ایک بار ہی مکمل نازل کر دی جائے یا تھوڑی تھوڑی حسب ضرورت نازل کی جائے' اور معجزات کا ایک جیسا ہونا بھی ضروری نہیں ہے کیونکہ ہر زمانہ کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں' اس لیے اس زمانہ کے تقاضوں کے اعتبار سے معجزات عطا کیے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ یہود جو مشرکین مکہ کو یہ اعتراض سکھا رہے ہیں کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ کہو کہ وہ ایسے معجزات دکھائیں جیسے معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیے تھے تو اے یہودیو! یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے آباؤ اجداد نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا کفر نہیں کیا تھا' اور ان کو جادوگر نہیں کہا تھا؟

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کیا یہودیوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو جادوگر نہیں کہا تھا' اور یہ کہ ہم ان میں سے ہر ایک کا کفر کرتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے انجیل اور قرآن دونوں کو جادو کہا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تورات اور قرآن دونوں کو جادو کہا' اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تورات اور انجیل دونوں کو جادو کہا۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس لفظ کو سحران (بغیر الف کے) پڑھا جائے اور اگر اس کو ساحران (الف کے ساتھ) پڑھا جائے تو حضرت ابن عباس اور حسن بصری نے کہا یہ مشرکین عرب کا قول ہے اور ان کی مراد یہ تھی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں جادوگر ہیں' اور سعید بن جبیر' مجاہد اور ابن زید نے کہا یہ ابتداء رسالت میں یہود کا قول ہے اور ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں جادوگر ہیں' اور یہ تفسیر پہلی آیت سے اس طرح مربوط ہے کہ ہر چند کہ یہود نبوت کے معترف تھے لیکن انہوں نے دین میں تحریف کر دی تھی اور کتاب میں بہت تغییر کر دی تھی اور وہ عذاب کے مستحق ہو چکے تھے' اس لیے ہم نے ان پر حجت قائم کرنے کے لیے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول بنا کر بھیجا تاکہ ان کا کوئی عذر باقی نہ رہے' اور قتادہ نے کہا یہ اس زمانہ کے یہودیوں کا قول ہے انہوں نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جادوگر ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو تورات لے کر آئے تھے' اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر تھا اور انجیل اور قرآن کا بھی ذکر تھا اور یہود نے ان کا انکار کیا اور کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہیں اور انجیل اور قرآن جادو ہیں اور جب یہود نے ان چیزوں کا کفر کیا جن کا تورات میں ذکر ہے تو کیا انہوں نے تورات کا کفر نہیں کیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۷۰-۲۶۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' جز ۱۳ ص ۲۶۱' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم اللہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو (بالفرض) ان دونوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو○ پس اگر یہ آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں تو جان لیجیے کہ یہ صرف اپنی

اطاعت شعار ہو چکے ہیں O یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا دُگنا اَجر دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو اچھائی سے دُور کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں O (القصص: ۵۴-۵۱)

ایک بار پورا قرآن نازل کرنے کے بجائے لگا تار آیتیں نازل کرنے کی حکمت

اس آیت میں وصلنا کا لفظ ہے اس کا مصدر ''توصیل'' ہے اس کا معنی ہے ہم نے لگا تار اور پے در پے بھیجا ''تواصل'' کا معنی ہے کسی کام کا مسلسل ہوتے رہنا۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے کہا اس آیت کا معنی ہے: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم ہم آپ کی قوم قریش اور بنی اسرائیل کے یہودیوں کے لیے مسلسل ماضی کی خبریں بھیجتے رہے اور جن قوموں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور اس کی پاداش میں ہم نے ان پر عذاب نازل کیا تھا ان کی خبریں سناتے رہے تا کہ یہ لوگ ان کی طرح اللہ کا کفر نہ کریں اور اس کے رسولوں کی تکذیب نہ کریں اور ان کے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ اگر ایک ہی بار پورا قرآن نازل کر دیا جاتا اور ان پر بار بار آیات نازل نہ ہوتیں تو ان کو نصیحت حاصل کرنے کے اتنے مواقع میسر نہ ہوتے۔

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہم ان کو دنیا میں آخرت کی خبریں پہنچاتے رہے ہم انہیں دنیا میں اس طرح آخرت کی خبریں پہنچاتے تھے اور اپنی نشانیاں دکھاتے تھے گویا کہ انہوں نے دنیا میں آخرت کا معائنہ اور مشاہدہ کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَۃِ ؕ (ھود: ۱۰۳) بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

اور بتایا کہ ہم عنقریب ان سے کیے ہوئے آخرت کے وعدہ کو پورا کریں گے جیسا کہ ہم نے انبیاء سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کیا اور ہم انبیاء اور ان کی قوموں کے درمیان فیصلہ کر دیں گے۔ (جامع البیان جز ۲۰ ص ۱۰۸-۱۰۷ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے کہا ہم نے قرآن مجید کی آیتوں کو مسلسل اور لگا تار نازل کیا ہے اور ان آیتوں میں وعد اور وعید ہے اور قصص اور عبر ہیں اور مواعظ اور نصائح ہیں تا کہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں اور فلاح پائیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ''لھم'' کی ضمیر قریش کی طرف راجع ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر یہود کی طرف راجع ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر دونوں کی طرف راجع ہے۔ اس آیت میں ان کا رد ہے جنہوں نے کہا تھا کہ آپ پر پورا قرآن ایک بار کیوں نازل نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مسلسل اور لگا تار قرآن نازل کرتے رہے تا کہ ان کے دل پر بار بار ضرب لگے اور یہ نصیحت حاصل کریں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۶۲ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۲۰ھ جز ۱۳ ص ۲۷۱ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

جن مومنین اہل کتاب کو دُگنا اَجر دیا جائے گا ان کے مصادیق

اس کے بعد فرمایا: جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی اور وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ (القصص: ۵۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۹۸۸ رقم الحدیث: ۱۶۹۷۸)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب بنی اسرائیل کی خبر دی ہے جو ابتداء میں قرآن مجید پر ایمان لے آئے تھے

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ

خوب جانتا ہے O اور انہوں نے کہا اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کر لیں تو ہم اپنے ملک سے

مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ

اچک لیے جائیں گے، کیا ہم نے ان کو حرم میں نہیں آباد کیا جو امن والا ہے، اس کی طرف ہمارے دیئے ہوئے

كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں، لیکن ان کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے O

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ

اور ہم نے بہت سی ان بستیوں کو ہلاک کر دیا جن کے رہنے والے اپنی خوشحالی پر اتراتے تھے سو یہ ان کے مکان ہیں

لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾

جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی ہے اور (انجام کار) ہم ہی وارث ہیں O

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا

اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کے مرکز میں کسی رسول نہ بھیج دے جو ان

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

پر ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا ہو اور ہم صرف ان ہی بستیوں کو ہلاک کرنے والے ہیں جن کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں O

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا

اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے تو وہ دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ

عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ع ۶ ۱۰

کے پاس (اجر) ہے وہ اچھا ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم لگاتار (اپنا) کلام لوگوں کے لیے بھیجتے رہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں O جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں O اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں، بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے، ہم اس سے پہلے ہی مسلمین اور

گا' ایک اہل کتاب سے وہ شخص جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا اور وہ غلام جو اللہ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا حق بھی ادا کرے اور وہ شخص جس کے پاس ایک باندی ہو' وہ اس کو ادب سکھائے تو اچھا ادب سکھائے' اور اس کو تعلیم دے تو اچھی تعلیم دے' پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اس کو دو اَجر ملیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۶)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ فرماتے ہیں جن تین شخصوں کے متعلق حدیث میں ہے کہ ان کو دُگنا اَجر ملے گا' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو دو مختلف جہتوں سے عمل کرنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے دونوں کی اطاعت کی' اس لیے وہ دُگنے اَجر کے مستحق ہوئے' سو جو شخص اہل کتاب سے تھا اس کو اپنے نبی کی طرف سے حکم دیا گیا تو اس نے اس کے حکم کی اطاعت کی' پھر اس کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم دیا گیا تو اس نے آپ کے حکم کی اطاعت کی تو اس کو دونوں ملتوں کا اَجر ملے گا' اور غلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی حکم دیا گیا اور اس کے مالک کی طرف سے بھی حکم دیا گیا سو اس نے دونوں کی اطاعت کی' اس لیے اس کو بھی دُگنا اَجر ملے گا اور جو شخص باندی کا مالک تھا اس نے باندی کی تربیت کر کے اس کو تربیت کے ساتھ زندہ کیا' پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا تو اس کو آزادی کے ساتھ زندہ کیا سو ان میں سے ہر ایک دو اَجروں کا امید وار ہے' اور جس نیکی کا مسلمانوں کو دس گنا اَجر ملتا ہے اور مسلمانوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کا ستائیس (۲۷) گنا اَجر ملتا ہے' اسی طرح حرم شریف میں نماز پڑھنے کا ایک لاکھ گنا اَجر ملتا ہے' سو ان تین شخصوں کو یہ تمام اجور عام مسلمانوں کی بہ نسبت دُگنے ملیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۶۴' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ' جز ۱۳ ص ۲۷۳-۲۷۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے کہ ان کو دُگنا اَجر اس لیے ملے گا کہ ایک مرتبہ وہ اپنی کتاب پر ایمان لائے اور ایک مرتبہ وہ قرآن پر ایمان لائے یا دُگنا اَجر اس لیے ملے گا کہ وہ دونوں دینوں پر ثابت قدم رہے یا ان کو دُگنا اَجر اس لیے ملے گا کہ وہ قرآن مجید کے نزول سے پہلے اور اس کے نزول کے بعد دو مرتبہ اس پر ایمان لائے یا ان کو دُگنا اَجر اس لیے ملے گا کہ انہوں نے دونوں دینوں کے مخالفین کی طرف سے اذیت اور تکلیف کو صبر کے ساتھ برداشت کیا اور مخالفین اور مشرکین کی طرف سے ان پر جو زیادتی ہوئی اور ان کے ساتھ جو برا سلوک کیا گیا اس کا انہوں نے نرمی سے اور نیک سلوک کے ساتھ جواب دیا۔

(روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۴۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو' اور برائی کے بعد نیکی کرو' وہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی' اور لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۵۱' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۱' المستدرک ج ۱ ص ۵۴' علامہ ذہبی نے تصحیح میں حاکم کی موافقت کی ہے)

مومنین اہل کتاب کے لیے دُگنے اَجر کی بشارت زمانہ رسالت کے ساتھ مخصوص ہے یا قیامت تک کے لیے عام ہے

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اہل تورات اور اہل انجیل میں سے اسلام لے آیا اس کو اس کا اَجر دو بار ملے گا' اس کے وہ حقوق ہیں جو ہمارے حقوق ہیں اور اس پر وہ فرائض ہیں جو ہمارے فرائض ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱۳۵' دار الحدیث قاہرہ' المعجم الکبیر ج ۷ ص ۲۲۵' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۳)

یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے یا قیامت تک کے اہل کتاب کے لیے عام ہے۔

جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور سلمان وغیرہما اور ان میں وہ علماء نصاریٰ بھی داخل ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور یہ چالیس افراد تھے ان میں سے بتیس (۳۲) افراد تو حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ حبشہ سے آئے تھے اور آٹھ (۸) افراد شام سے آئے تھے یہ لوگ نصاریٰ کے ائمہ تھے ان میں بحیراء الراہب ابرھہ اشرف عامر ایمن ادریس اور نافع تھے۔

علامہ الماوردی نے اسی طرح ان کے نام گنوائے ہیں۔ (النکت والعیون للماوردی ج ۴ ص ۲۵۷ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کے بعد جو آیت نازل ہوئی ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا دُگنا اَجر دیا جائے گا' کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو اچھائی سے دُور کرتے تھے۔ (القصص: ۵۴) یہ آیت بھی ان ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

قتادہ نے کہا حضرت عبداللہ بن سلام' حضرت تمیم داری' حضرت اجارود العبدی' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم اسلام لائے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت رفاعۃ القرظی سے روایت ہے کہ یہ آیت دس افراد کے متعلق نازل ہوئی ہے اور میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔

حضرت عروہ بن الزبیر نے کہا یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بارہ افراد بھیجے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر بیٹھ گئے' اس وقت ابوجہل اور اس کے ساتھی بھی ان کے قریب تھے' وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے' جب وہ آپ کے پاس سے اُٹھے تو ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے ان کا پیچھا کیا' اور کہا اللہ تعالیٰ تمہاری جماعت کو ناکام کرے اور تمہارے وفد کا برا حال کرے ہم نے تم سے زیادہ احمق اور جاہل سواروں کی جماعت نہیں دیکھی' انہوں نے کہا تمہیں سلام ہو' ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں۔

ابوالعالیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان لاچکے تھے اور جب ان پر قرآن مجید پڑھا گیا تو انہوں نے کہا ہم اس کی تصدیق کر چکے ہیں۔

القصص: ۵۳ میں ہے: اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاچکے ہیں بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے' ہم اس سے پہلے ہی مسلمین اور اطاعت شعار ہو چکے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کے نزول سے پہلے ہی اپنی کتابوں میں اس کی بشارت پڑھ کر اس پر ایمان لا چکے تھے۔ یا ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی اپنی کتابوں میں آپ کی بعثت کی بشارت پڑھ کر آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ یا اس کا معنی ہے ہم پہلے ہی موحد تھے' یا ہمارا پہلے ہی ایمان تھا کہ عنقریب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں گے اور آپ پر قرآن نازل ہوگا۔ اس آیت میں جو فرمایا ہے ہم پہلے ہی مسلمین تھے اس سے اسلام کا معروف اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہے یعنی ہم پہلے ہی اطاعت گزار اور اطاعت شعار تھے' اسلام کا معروف اصطلاحی معنی صرف دینِ اسلام ہے اور صرف مسلمانوں پر صادق آتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۶۳-۲۶۲' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ' جز ۱۳ ص ۲۷۲-۲۷۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جن لوگوں کو ان کے نیک اعمال کا دُگنا اَجر دیا جائے گا اس کی وجہ استحقاق

اس کے بعد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا دُگنا اَجر دیا جائے گا' کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو اچھائی سے دُور کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس سے نیکی کے کاموں میں خرچ کرتے تھے۔ (القصص: ۵۴)

اس آیت کی تائید اور تصدیق میں حسب ذیل احادیث ہیں:

ابو بردہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کو دُگنا اَجر ملے

(البقرہ:۲۰۸)

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور اپنی شریعت کے بعض احکام پر باقی رہے تھے' وہ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور انہوں نے اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اسلام کی شریعت میں مکمل داخل ہو جائیں اور تورات کے کسی حکم پر عمل نہ کریں کیونکہ وہ منسوخ ہو چکے ہیں' اور تورات کے بعض احکام پر عمل کر کے شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلیں۔ گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ اسلام کے تمام شرعی احکام میں مکمل داخل ہو جاؤ' اعتقاداً بھی اور عملاً بھی۔ اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے ان مومنین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو تورات کے بعض شرعی احکام پر عمل کرتے تھے۔ فرمایا کہ تم مکمل طور پر دین محمد میں داخل ہو جاؤ اور اس میں سے کسی چیز کو ترک نہ کرو اور اس میں یہ تصریح ہے کہ تورات کی شریعت کو اسلام نہیں کہا جاتا۔

لفظ مسلمین کے ہمارے نبی کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہونے کے ثبوت میں آیات

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا۔ (الحج:۷۸)

اور اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے' اسی نے تم کو فضیلت والا بنایا ہے اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی' اپنے باپ ابراہیم کی ملت کو (قائم رکھو) اسی نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے' (اللہ ہی نے یا ابراہیم نے) نزول قرآن سے پہلے بھی اور قرآن میں بھی۔

اس میں اختلاف ہے کہ ھو سماکم کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یا حضرت ابراہیم کی طرف' زیادہ تر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کرنے سے پہلے تورات اور انجیل میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس قرآن میں بھی تمہیں مسلمین فرمایا ہے' اور ائمہ سلف مفسرین صحابہ' تابعین اور تبع تابعین نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں' تورات اور انجیل میں تمام آسمانی کتابوں میں اس اُمت کو مسلمین فرمایا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ہی مسلمین کے نام کے ساتھ مخصوص ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے مسلمین کے نام کے ساتھ مخصوص ہونے پر دوسری دلیل یہ آیت ہے:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ۔ (البقرۃ:۱۲۸)

اے ہمارے رب! ہم دونوں کو مسلمین (اپنا اطاعت شعار) رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک اُمت کو مسلمہ (اپنا اطاعت شعار) رکھ۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اور اپنے بیٹے دونوں کے لیے اسلام پر قائم رہنے کی دعا کی ہے اور وہ دونوں نبی ہیں اور پھر اپنی اولاد کی اُمت کے لیے اسلام پر قائم رہنے اور مسلمان رہنے کی دعا کی ہے اور آپ کی اولاد کی اُمت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے کیونکہ اس آیت کے بعد حضرت ابراہیم نے ہمارے نبی کی بعثت کی دعا کی ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ۔ (البقرہ:۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما دے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا کی

قرآن مجید میں چونکہ "من قبلہ" کی قید ہے یعنی وہ اہل کتاب جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت یا قرآن مجید کے نزول سے پہلے اپنی کتابوں میں ہمارے نبی اور قرآن مجید کی بشارت کا پڑھ کر آپ پر یا قرآن مجید پر ایمان لا چکے تھے اور آپ کے ظہور کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا' سو دگنے اجر کی بشارت صرف ان کے لیے ہے قیامت تک کے تمام اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے لیے نہیں ہے۔ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے ان کو دگنے اجر دیئے جانے کی یہی وجہ لکھی ہے کہ یہ لوگ بعثت سے پہلے بھی ہمارے نبی پر ایمان لائے اور بعثت کے بعد بھی ہمارے نبی پر ایمان لائے اس وجہ سے ان کو دگنا اجر ملے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۰۷' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۷۴' تفسیر البیضاوی علی حاشیۃ الخفاجی ج ۷ ص ۳۰۸' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۶' روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۴۰-۱۳۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کی تحقیق کہ اسلام اور مسلمین کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین السیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اسلام کا اطلاق ہر دین حق پر ہوتا ہے یا اسلام کا اطلاق صرف شریعت محمدیہ پر ہوتا ہے' اسی طرح مسلمین کا اطلاق صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین پر ہوتا ہے یا ہر نبی کے متبعین پر ہوتا ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ اسلام کا لفظ ہمارے نبی کے دین کے ساتھ مخصوص ہے اور مسلمین کا لفظ ہمارے نبی کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے البتہ انبیاء سابقین پر بھی مسلمین کا اطلاق ہوتا ہے اور دوسرا قول جو تعمیم کا ہے' وہ مرجوح ہے۔ اس سلسلہ میں ہم پہلے راجح قول کی تائید میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث پیش کریں گے' پھر جن آیات سے مرجوح قول پر استدلال کیا گیا ہے' ان کے جوابات اور ان آیات کے صحیح محامل پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق.

لفظ اسلام کے ہمارے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہونے کے ثبوت میں آیات

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔ (المائدہ: ۳)

میں نے آج تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر میں راضی ہو گیا۔

اس آیت میں یہ بالکل واضح ہے کہ اسلام کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ساتھ خاص ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس سے اختصاص تو ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "لکم" کو جو "الاسلام" پر مقدم کیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے ہی اسلام کو پسند کیا ہے کیونکہ تقدیم ماحقہ التاخیر مفید حصر ہوتی ہے جیسا کہ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ. (البقرہ: ۴) میں ہے اس میں بھی علم کی تقدیم کا معنی ہے وہ متقین ہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں' اور اس میں اہل کتاب پر تعریض ہے کہ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی طرح وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ . (البقرہ: ۱۶۷) میں بھی "ھم" کی تقدیم سے یہ معنی مستفاد ہوتا ہے کہ صرف وہی یعنی کافر دوزخ سے نہیں خارج ہوں گے' اور ان کے علاوہ دوزخ سے خارج ہو جائیں گے اور وہ موحدین ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ساتھ اسلام کی خصوصیت کی دوسری دلیل یہ آیت ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۔ اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ میں تورات کے چند اجزاء دیکھ کر غضب ناک ہوئے ہیں تو انہوں نے فوراً کہا ہم اسلام کو دین مان کر راضی ہیں تا کہ وہ تورات کی شریعت کی اتباع سے بری ہو جائیں اور جب انہوں نے یہ کہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ دور ہو گیا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر صرف شریعتِ اسلام کے متبع ہیں اور شریعت توراۃ سے اعراض کرنے والے ہیں۔

مسلمین کے لقب سے صرف ہمارے نبی کے متبعین کے مخصوص ہونے کے ثبوت میں احادیث

امام ابن ابی شیبہ نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کسی شخص پر کوئی حق تھا' حضرت عمر نے کہا اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر پر فضیلت دی ہے میں تم سے جدا نہیں ہوں گا۔ یہودی نے کہا اللہ کی قسم! اللہ نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بشر پر فضیلت نہیں دی۔ حضرت عمر نے اس یہودی کے ایک تھپڑ مار دیا' اس یہودی نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ اے یہودی! آدم صفی اللہ ہیں' اور ابراہیم خلیل اللہ ہیں' اور موسیٰ نجی اللہ (اللہ سے ہم کلام ہونے والے) ہیں اور عیسیٰ روح اللہ ہیں اور میں حبیب اللہ ہوں' بلکہ اے یہودی! اللہ کے دو نام ایسے ہیں جو اس نے میری اُمت کے رکھے ہیں' اللہ کا نام السلام ہے اور اس نے میری اُمت کا نام مسلمین رکھا ہے اور اللہ کا نام المومن ہے اور اس نے میری اُمت کا نام مومنین رکھا ہے' بلکہ اے یہودی تم نے اس دن کو تلاش کیا جس کو ہمارے لیے ذخیرہ کیا گیا تھا (یعنی جمعہ) تمہارے لیے اس سے اگلا دن ہوا (ہفتہ) اور نصاریٰ کے لیے اس سے اگلا دن ہوا (اتوار) بلکہ اے یہودی تم اوّلین ہو اور ہم آخرین ہیں' (دنیا میں) اور سابقین ہیں قیامت کے دن' بلکہ تمام نبیوں کے لیے اس وقت تک جنت میں دخول حرام ہے جس تک کہ میں داخل نہ ہوں اور تمام اُمتوں پر اس میں دخول حرام ہے جب تک کہ میری اُمت اس میں داخل نہ ہو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۷۹۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۱۱' ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کی اُمت اسلام کے وصف کے ساتھ مخصوص ہے' اگر باقی اُمتیں بھی اس وصف میں شامل ہوتیں تو آپ کا اس وصف کو تفصیل کے موقع پر پیش کرنا درست نہ ہوتا۔

اس موقف پر دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

الحارث اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے زمانہ جاہلیت کی طرح چیخ و پکار کی وہ جہنم کے بیٹھنے والوں میں سے ہے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ خواہ وہ روزے رکھے اور نماز پڑھے؟ آپ نے فرمایا ہاں! تم اللہ کی اس پکار کے ساتھ پکارو جس کی وجہ سے اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے اور مومنین عباد اللہ ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۳' تاریخ کبیر للبخاری رقم الحدیث: ۲۳۹۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۳۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۰۲)

ان علماء کے دلائل جو اسلام اور مسلمین کے وصف کو تمام شرائع اور تمام اُمتوں کے لیے عام قرار دیتے ہیں اور ان کے جوابات

ان علماء کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۞ (الذّٰریٰت: ۳۶)

پس ہم نے تمام مومنوں کو اس بستی سے نکال لیا' سو ہم نے مسلمین کا وہاں پر صرف ایک ہی گھر پایا۔

ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دونوں دعاؤں کو قبول فرمایا۔ اہل مکہ میں نبی مبعوث فرمایا اور ان کی اُمت کو مسلمہ فرمایا' اور اس سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو مسلم فرمایا ہے۔

اس موقف پر تیسری دلیل یہ آیت ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۔ (المائدہ: ۴۴) بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا ہے اس میں ہدایت اور نور ہے اس کے ساتھ یہودیوں کے لیے وہ انبیاء فیصلے کرتے ہیں جو مسلم ہیں۔

اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اسلموا یعنی مسلم کی صفت کا ذکر کیا ہے اور ان کی اُمتوں کے ساتھ مسلم کا ذکر نہیں کیا بلکہ ان کو ھادوا یعنی یہودی کے عنوان سے ذکر کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ پچھلی اُمتوں کو قرآن مجید میں مسلم نہیں کہا گیا۔ اُمتوں میں سے مسلم صرف ہماری اُمت کو کہا گیا ہے' البتہ انبیاء سابقین کو مسلمین کہا گیا ہے۔

لفظ اسلام کے ہمارے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہونے کے ثبوت میں احادیث

امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیا کو وحی کی کہ میں نبی اُمی کو مبعوث کرنے والا ہوں' اس کی ولادت مکہ میں ہوگی اور اس کی ہجرت طیبہ میں ہوگی' وہ میرے (مکرم) بندے المتوکل المصطفیٰ ہیں' ان کی ملت اسلام ہے اور ان کا نام احمد ہے۔

(دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۳۳' ج ۱ ص ۴۷' دار النفائس)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اسلام صرف آپ کی ملت ہے اور آپ کے ساتھ مخصوص ہے' اس اثر کو قاضی عیاض نے شفاء میں بھی ذکر کیا ہے اور ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس اثر کو پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں اور اس کو سمجھتے نہیں ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے ساتھ مبعوث کیا گیا اور یہی ملت ابراہیم ہے اور ملتِ یہود اور ملت نصاریٰ' یہودیت اور نصرانیت ہے۔

اس موقف پر دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یارسول اللہ! میں اپنے قریظہ کے ایک بھائی کے پاس سے گزرا اس نے میرے لیے تورات کے چند ابواب لکھ دیئے کیا میں ان کو آپ کے سامنے پیش نہ کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پس حضرت عمر نے کہا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر راضی ہیں اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول مان کر راضی ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے غصہ کے آثار دُور ہو گئے اور آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر تم میں صبح کو حضرت موسیٰ علیہ السلام آئیں پھر تم ان کی پیروی کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے' تم اُمتوں میں سے میرا حصہ ہو اور میں نبیوں میں سے تمہارا حصہ ہوں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۶' طبع قدیم' حافظ زین نے لکھا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۲۵۱' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۵۲۵' عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۱۶۴' مکتب اسلامی: ۱۳۹۰ھ' رقم الحدیث: ۱۰۲۰۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۳)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تورات کی شریعت کو اسلام نہیں کہا جاتا' کیونکہ جب حضرت عمر نے یہ دیکھا کہ نبی صلی

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ (الاعراف: ۱۵۷) اور ان لوگوں پر جو مشکل احکام کے بوجھ اور طوق تھے ان کو (نبی اُمی) اُتارتے ہیں۔

حضرت محجن بن الادرع بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کو اس اُمت کے لیے آسانی پسند ہے اور مشکل ناپسند ہے۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۵۴۳، الاحادیث الصحیحہ رقم الحدیث: ۱۶۳۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۳۱، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۸۴۷)

اس وجہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے علاوہ اور کسی شریعت پر اسلام کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

(۲) اسلام اس شریعت کا نام ہے جو بہت فضیلت والی عبادات پر مشتمل ہے جیسے حج، وضو، غسل جنابت اور جہاد وغیرہ، اور یہ عبادات اس اُمت کے ساتھ مخصوص ہیں دوسری اُمتوں پر مشروع نہیں کی گئیں۔ البتہ دوسرے انبیاء پر یہ عبادات مشروع کی گئیں ہیں، جیسا کہ اس اثر میں ہے:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کی طرف زبور میں یہ وحی کی کہ اے داؤد! بے شک تمہارے بعد ایک نبی آئے گا اس کا نام احمد ہوگا، اس کی اُمت اُمت مرحومہ ہوگی اس کو میں ایسے ایسے نوافل عطا کروں گا، جیسے نوافل میں نے انبیاء (علیہم السلام) کو عطا کیے ہیں اور اس پر میں ایسی عبادات فرض کروں گا جیسی عبادات میں نے انبیاء پر فرض کی ہیں، حتیٰ کہ وہ لوگ قیامت کے دن میرے پاس آئیں گے اور ان کا نور انبیاء کے نور کی مثل ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ان پر فرض کیا ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے اس طرح طہارت حاصل کریں جس طرح میں نے انبیاء علیہم السلام پر طہارت کو فرض کیا ہے اور میں نے ان پر غسل جنابت کو اس طرح فرض کیا ہے جس طرح میں نے ان سے پہلے انبیاء پر غسل جنابت کو فرض کیا ہے اور میں نے ان کو حج کرنے کا اس طرح حکم دیا ہے جس طرح میں نے ان سے پہلے انبیاء پر حج کو فرض کیا تھا اور میں نے ان کو جہاد کرنے کا حکم دیا ہے جس طرح میں نے ان سے پہلے رسولوں کو جہاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ (دلائل النبوۃ ص ۳۸۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اسی وجہ سے اس اُمت کا نام مسلمین رکھا گیا ہے، جیسے انبیاء اور رُسل کا نام مسلمین رکھا گیا ہے، اور اس کے علاوہ اور کسی اُمت کا نام مسلمین نہیں رکھا گیا، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام ابویعلیٰ احمد بن علی متوفی ۳۰۷ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کے آٹھ (۸) حصے ہیں، ایک حصہ اسلام ہے، دوسرا حصہ نماز ہے، تیسرا حصہ زکوٰۃ ہے، چوتھا حصہ حج ہے، پانچواں حصہ جہاد ہے، چھٹا حصہ رمضان کے روزے ہیں، ساتواں حصہ نیکی کا حکم دینا ہے، آٹھواں حصہ برائی سے روکنا ہے اور وہ آدمی ناکام اور نامراد ہوگیا جس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ (مسند ابویعلیٰ ج ۱ ص ۴۰۰، رقم الحدیث: ۵۲۳، مطبوعہ دار المامون للتراث ۱۴۰۴ھ)

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اسلام کے تیس حصے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا ان کو کسی نے مکمل نہیں کیا۔

امام حاکم اور ذہبی دونوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۶۷، طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۳۷۵۳، طبع جدید، المکتبۃ العصریہ ۱۴۲۰ھ)

اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس دین کے ساتھ جس کو بھی مکلف کیا گیا حضرت ابراہیم کے سوا کسی نے اس کو کامل طریقہ سے پورا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے

وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت لوط علیہ السلام کے متبعین پر بھی مسلمین کا اطلاق کیا گیا ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء سابقین علیہم السلام پر بھی مسلمین کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس گھر میں حضرت لوط علیہ السلام تھے اور ان کی صاحبزادیاں تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام پر مسلم کا اطلاق اصالۃً اور بالذات تھا اور ان کی صاحبزادیوں پر بالتبع تھا' جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ استقلالاً اور بالذات بھیجی جاتی ہے اور آپ کی آل' اصحاب اور ازواج پر بالتبع بھیجی جاتی ہے۔
ان کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے کہا:

نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (البقرۃ: ۱۳۳)

آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے آباء و اجداد' ابراہیم' اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو واحد معبود ہے اور ہم اسی کے لیے مسلمین ہیں۔

اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو بھی مسلمین فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اُمتیوں پر بھی مسلم کا اطلاق ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ انبیاء سابقین علیہم السلام پر بھی مسلم کا اطلاق ہوتا ہے' اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ سب نبی تھے ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام تو اتفاقاً نبی تھے ان پر مسلم کا اطلاق اصالۃً ہے اور ان کے بھائیوں پر مسلم کا اطلاق بالتبع ہے۔

لفظ اسلام کو ہمارے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجوہات

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو اسلام کے ساتھ مخصوص کرنے کی کیا وجہ ہے تو اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:
(۱) اسلام اس شریعت کو کہا جاتا ہے جو آسان اور سہل ہو اور آسان اور سہل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہے کیونکہ اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے و رضیت لکم الاسلام دینا. اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دین وہ ہے جو آسان اور سہل ہو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین آسان ہے۔ (صحیح البخاری باب ۳۰) قرآن مجید میں ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ (الحج: ۷۸)

اور اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسلام میں وسعت رکھی ہے اور بنی اسرائیل اور یہود اور نصاریٰ کی شریعت میں جو مشکل احکام رکھے تھے اسلام میں ان کو اُٹھا لیا بلکہ سابقہ شرائع میں بہت دشوار اور سخت احکام تھے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ (البقرۃ: ۲۸۶)

اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔

اور سابقہ شرائع کے مشکل احکام کا بوجھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُتارا ہے:

وہ اس وقت یہودی یا عیسائی تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ مسلمین تھے۔
(الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۲۹-۱۱۵ ملخصاً وموضحاً ومخرجاً' مطبوعہ لائل پور پاکستان)

حافظ سیوطی نے اسلام کے لفظ کو ہمارے نبی کے دین اور مسلمین کے لفظ کو ہمارے نبی کے متبعین کے ساتھ مخصوص قرار دینے پر ایک رسالہ لکھا ہے' جس کا نام انہوں نے اتمام النعمة فی اختصاص الاسلام بھذہ الامة رکھا ہے اور اس کو الحاوی للفتاوی میں شامل کیا' اس رسالہ کے آخر میں القصص: ۵۳ پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دیا ہے' میں چونکہ اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا اس لیے میں نے یہاں اس مبحث کا ذکر کیا ہے۔

سید مودودی نے علامہ سیوطی کے جوابات کو بے وزن کہا ہے اس لیے اب ہم سید مودودی کی عبارت اور اس پر اپنا تبصرہ پیش کر رہے ہیں۔

سید مودودی کا علامہ سیوطی کے موقف کا رد کرنا اور اس پر مصنف کا تبصرہ

سید مودودی کے نزدیک اسلام کا لفظ تمام ادیان سابقہ کے لیے عام ہے اور مسلمین کا لفظ بھی تمام اُمتوں کو عام ہے اور القصص: ۵۳ اس موقف پر صریح دلیل ہے اور علامہ سیوطی نے جو القصص: ۵۳ کے جواب دیئے ہیں' ان کو رد کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں:

یہ قول اس بات کی صاف صراحت کر دیتا ہے کہ اسلام صرف اس دین کا نام نہیں ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اور ''مسلم'' کی اصطلاح کا اطلاق محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں تک محدود نہیں ہے' بلکہ ہمیشہ سے تمام انبیاء کا دین یہی اسلام تھا اور ہر زمانہ میں ان سب کے پیرو مسلمان ہی تھے۔ یہ مسلمان اگر کبھی کافر ہوئے تو صرف اس وقت جب کہ کسی بعد کے آنے والے نبی صادق کو ماننے سے انہوں نے انکار کیا۔ لیکن جو لوگ پہلے نبی کو مانتے تھے اور بعد کے آنے والے نبی پر بھی ایمان لے آئے ان کے اسلام میں کوئی انقطاع واقع نہیں ہوا۔ وہ جیسے مسلمان پہلے تھے ویسے ہی بعد میں رہے۔

تعجب ہے کہ بعض بڑے بڑے اہل علم بھی اس حقیقت کے ادراک سے عاجز رہ گئے ہیں حتیٰ کہ اس صریح آیت کو دیکھ کر بھی ان کا اطمینان نہ ہوا۔ علامہ سیوطی نے ایک مفصل رسالہ اس موضوع پر لکھا کہ مسلم کی اصطلاح صرف اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص ہے۔ پھر جب یہ آیت سامنے آئی تو خود فرماتے ہیں کہ میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ لیکن کہتے ہیں کہ میں نے پھر خدا سے دعا کی کہ اس معاملہ میں مجھے شرح صدر عطا کر دے۔ آخر کار اپنی رائے سے رجوع کرنے کے بجائے انہوں نے اس پر اصرار کیا اور اس آیت کی متعدد تاویلیں کر ڈالیں جو ایک سے ایک بڑھ کر بے وزن ہیں۔ مثلاً ان کی ایک تاویل یہ ہے کہ انا کنا من قبلہ مسلمین کے معنی ہیں ہم قرآن کے آنے سے پہلے ہی مسلم بن جانے کا عزم رکھتے تھے کیونکہ ہمیں اپنی کتابوں سے اس کے آنے کی خبر مل چکی تھی اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جب وہ آئے گا تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ اس فقرے میں مسلمین کے بعد لفظ بہ محذوف ہے' یعنی پہلے ہی سے ہم قرآن کو مانتے تھے کیونکہ اس کے آنے کی ہم توقع رکھتے تھے اور اس پر پیشگی ایمان لائے ہوئے تھے' اس لیے توراۃ وانجیل کو ماننے کی بناء پر نہیں بلکہ قرآن کو اس کے نزول سے پہلے برحق مان لینے کی بناء پر ہم مسلم تھے۔ تیسری تاویل یہ ہے کہ تقدیر الٰہی میں ہمارے لیے پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی آمد پر ہم اسلام قبول کر لیں گے اس لیے درحقیقت ہم پہلے ہی سے مسلم تھے۔ ان تاویلوں میں سے کسی کو دیکھ کر بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اللہ کے عطا کردہ شرح صدر کا اس میں کوئی اثر موجود ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۴۲' مطبوعہ لاہور' مارچ ۱۹۸۳ء)

فرمایا:

وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ○ (النجم: ۳۷) اور ابراہیم کے صحیفوں میں تھا جو پوری طرح احکام بجالائے۔

ان میں سے دس احکام التوبہ: ۱۱۲ میں ہیں اور دس احکام المومنون: ۱۰-۱ میں اور دس احکام الاحزاب: ۳۷ میں ہیں۔

(جامع البیان ج ا ص ۷۳۰، رقم الحدیث: ۱۵۷۸، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس سے معلوم ہوگیا کہ اسلام ان احکام کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ احکام صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت میں اور ملتِ ابراہیم میں ہیں اسی لیے آپ کو ملتِ ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

(۴) اسلام کے معنی کا مدار ماننے اور اطاعت کرنے پر ہے اور کسی اُمت نے اپنے نبی کو اس طرح نہیں مانا جس طرح ہماری اُمت نے اپنے نبی کو مانا ہے' اسی وجہ سے ان کا نام مسلمین رکھا گیا ہے' باقی اُمتیں اپنے نبیوں کی بہت نافرمانی کرتی تھیں جیسا کہ احادیث اور آثار سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے تم سے پہلی اُمتیں اس لیے ہلاک ہوگئیں کہ وہ اپنے نبیوں سے بہ کثرت سوالات کرتی تھیں اور اپنے نبیوں سے بہت اختلاف کرتی تھیں۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے دن کہا تھا ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا'' جائیں آپ اور آپ کا رب قتال کریں' ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں'' اللہ کی قسم اگر آپ ہم کو برک الغماد تک بھی لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ جائیں گے' اور ایک روایت میں ہے کہ اگر آپ سمندر میں جائیں تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں جائیں گے۔ اسی وجہ سے دوسری اُمتوں کے بجائے ہماری اُمت کا نام مسلمین رکھا گیا ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید میں بعض اہل کتاب کو بھی مسلمین کہا گیا ہے

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں جب میں اس مقالہ کو لکھ کر فارغ ہوگیا تو میں بستر پر سو گیا اور نیند میں مجھ پر اس آیت کے ساتھ اعتراض کیا گیا:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ○ (القصص: ۵۳-۵۲)

جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی' اور وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں ○ اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں۔ بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے' ہم اس سے پہلے ہی مسلمین تھے۔

اس آیت میں بہ ظاہر اہل کتاب کو مسلمین فرمایا ہے' میں اس آیت پر غور کرتا رہا مجھے کوئی جواب نہ سوجھا' پھر میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے دل میں اس آیت کا جواب القا فرمادے گا' سو جب میں بیدار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کے تین جواب ڈال دیئے' اور وہ درج ذیل ہیں:

(۱) اس آیت میں مسلمین کا لفظ ہے اور یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو مستقبل کے معنی میں ہے گویا کہ انہوں نے کہا ہمارا یہ عزم ہے کہ ہم اسلام قبول کریں گے' یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ماضی میں مسلمین تھے۔

(۲) ان کی مراد یہ تھی کہ ہم قرآن کی وجہ سے اسلام لانے والے ہیں نہ کہ تورات اور انجیل کی وجہ سے' اور اس میں ''بہ'' محذوف ہے۔

(۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک مسلمین تھے' کیونکہ اللہ کو علم تھا کہ وہ اسلام قبول کرنے والے ہیں تو ہر چند کہ

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۳۱ تا ۱۳۳)

میرے بچو! اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند کیا ہے لہٰذا تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی وفات کا وقت آیا؟ جبکہ اس نے اپنی اولاد سے پوچھا کس کی بندگی کرو گے تم میرے بعد؟ انہوں نے جواب دیا ہم بندگی کریں گے آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی، اس کو اکیلا معبود مان کر اور ہم اسی کے مسلم ہیں۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ . (آل عمران: ۶۷)

ابراہیم نہ یہودی تھا نہ نصرانی بلکہ وہ یکسو مسلم تھا۔

حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل خود دعا مانگتے ہیں:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ . (البقرہ: ۱۲۸)

اے ہمارے رب! ہم کو اپنا مسلم بنا اور ہماری نسل سے ایک اُمت پیدا کر جو تیری مسلم ہو۔

حضرت لوط کے قصے میں ارشاد ہوتا ہے:

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۚ ○ (الذاریات: ۳۶)

ہم نے قوم لوط کی بستی میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔

حضرت یوسف بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں:

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○ (یوسف: ۱۰۱)

مجھ کو مسلم ہونے کی حالت میں موت دے اور صالحوں کے ساتھ ملا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں:

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ○ (یونس: ۸۴)

اے میری قوم کے لوگو! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلم ہو۔

بنی اسرائیل کا اصل مذہب یہودیت نہیں بلکہ اسلام تھا' اس بات کو دوست اور دشمن سب جانتے تھے۔ چنانچہ فرعون سمندر میں ڈوبتے وقت آخری کلمہ جو کہتا ہے' وہ یہ ہے:

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (یونس: ۹۰)

میں مان گیا کہ کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلموں میں سے ہوں۔

تمام انبیاء بنی اسرائیل کا دین بھی یہی اسلام تھا:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا . (المائدہ: ۴۴)

ہم نے توراۃ نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی' اسی کے مطابق وہ نبی جو مسلم تھے ان لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے جو یہودی ہو گئے تھے۔

یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کا دین تھا' چنانچہ ملکۂ سبا ان پر ایمان لاتے ہوئے کہتی ہے:

تعجب ہے کہ سید مودودی نے علامہ سیوطی کے ذکر کردہ تینوں جوابات کو بے وزن کہا ہے' لیکن کسی ایک جواب کے بے وزن ہونے پر بھی کوئی دلیل قائم نہیں کی' اور ظاہر ہے بغیر دلیل کے جو دعویٰ کیا جائے اس کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ اس لیے دراصل سید مودودی کا علامہ سیوطی کے جوابات کو بے وزن کہنا بجائے خود بے وزن ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ علامہ سیوطی نے اپنے موقف پر قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث صحیحہ سے دلائل پیش کیے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ساتھ خاص ہے اور مسلمین کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے ساتھ خاص ہے۔ البتہ قرآن مجید میں انبیاء سابقین پر بھی مسلمین کا اطلاق کیا گیا ہے' سید مودودی نے ان آیات اور احادیث پر کوئی کلام نہیں کیا اور نہ ان آیات اور احادیث کا کوئی محمل بتایا۔

اور القصص: ۵۳ میں جو اہل کتاب پر مسلمین کا اطلاق ہے اور یہ بہ ظاہر علامہ سیوطی کے موقف کے خلاف ہے' پھر علامہ سیوطی نے اس کے جو تین جواب دیئے ہیں ان کے متعلق سید مودودی نے صرف اتنا کہہ دیا کہ یہ جوابات بے وزن ہیں' اور ان کے بے وزن ہونے پر کوئی دلیل نہیں دی' اور علمی اور تحقیقی موضوعات میں بغیر دلیل کے کسی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

اس کے بعد سید مودودی نے اس موقف پر دلائل قائم کیے ہیں کہ اسلام صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ساتھ خاص نہیں ہے اور نہ ہی مسلمین کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ قرآن صرف اسی ایک مقام پر نہیں بلکہ بیسیوں مقامات پر اس اصولی حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ اصل دین صرف ''اسلام'' (اللہ کی فرمانبرداری) ہے' اور خدا کی کائنات میں خدا کی مخلوق کے لیے اس کے سوا کوئی دوسرا دین ہو نہیں سکتا' اور آغاز آفرینش سے جو نبی بھی انسانوں کی ہدایت کے لیے آیا ہے وہ یہی دین لے کر آیا ہے' اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ خود مسلم رہے ہیں' اپنے پیروؤں کو انہوں نے مسلم ہی بن کر رہنے کی تاکید کی ہے' اور ان کے وہ سب متبعین جنہوں نے نبوت کے ذریعہ سے آئے ہوئے فرمانِ خداوندی کے آگے سرِ تسلیم خم کیا' ہر زمانے میں مسلم ہی تھے۔ اس سلسلہ میں مثال کے طور پر صرف چند آیات ملاحظہ ہوں:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ (آل عمران: ۱۹)

درحقیقت اللہ کے نزدیک تو دین صرف اسلام ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ (آل عمران: ۸۵)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (یونس: ۷۲)

میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلموں میں شامل ہو کر رہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ○

جبکہ اس کے رب نے اس سے کہا کہ مسلم (تابع فرمان) ہو جا' تو اس نے کہا میں مسلم ہو گیا رب العالمین کے لیے۔ اور اسی چیز کی وصیت کی ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے بھی' کہ اے

گزرتے تو ان کو سب وشتم کرتے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل کیا۔
زید بن اسلم اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہودی اپنے ہاتھوں سے تورات میں کچھ لکھ لیتے تھے پھر کہتے تھے کہ یہ آیت اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے تو جو اہل کتاب اسلام لانے کا عزم رکھتے تھے جب ان کے پاس سے گزرتے اور ان کی محرف آیات کو سنتے تو ان سے اعراض کرتے تھے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے' وہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے' کیونکہ انہوں نے کہا تھا اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ (القصص: ۵۳) ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو وہ پھر آپ پر ایمان لے آئے اور ان کے لیے دُگنا اَجر ہے کیونکہ انہوں نے پہلی بار صبر کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گئے۔
ضحاک اور مکحول نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جب وہ مشرکین سے شرکیہ کلمات سنتے تو ان سے اعراض کرتے۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۹۹۳-۲۹۹۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)
امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
مجاہد نے کہا بعض اہل کتاب مسلمان ہو گئے تو مشرکین ان کو ایذاء پہنچاتے تھے وہ ان سے درگزر کرتے ہوئے یہ کہتے تھے تمہیں سلام ہو' ہم جاہلوں سے اُلجھنا نہیں چاہتے۔
وہ ان سے اعراض کرتے تھے' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کی باتوں کو غور سے نہیں سنتے تھے' اور ان کو ملائمت سے یہ جواب دیتے تھے کہ تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں' یعنی ہم وہ عمل کرتے ہیں جو ہم کو پسند ہیں اور تم وہ عمل کرتے ہو جو تم کو پسند ہیں' سلام علیکم! یعنی ہماری طرف سے تم امن اور سلامتی میں ہو' ہم تم کو سب وشتم نہیں کریں گے' کیا کبھی تم نے ہم سے کوئی ناگوار یا ناشائستہ بات سنی ہے؟ ہم جاہلوں سے اُلجھنا اور جھگڑنا نہیں چاہتے۔
(جامع البیان جز ۲۰ ص ۱۱۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سلام کی دو قسمیں سلام متارکہ اور سلام تحیت' اور علامہ آلوسی کی غلط نقل اور اس کا رد

اس آیت میں فرمایا ہے تمہیں سلام ہو۔
علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے فرمایا یہ سلام متارکہ ہے' سلام تحیت نہیں ہے' یعنی یہ کسی کی تعظیم کرنے کے لیے سلام نہیں ہے' بلکہ اس سے تعلق منقطع کرنے کے لیے سلام ہے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۳۱۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)
علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے امام ابوبکر جصاص کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت سے کافروں کو ابتداءً سلام کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے حالانکہ امام ابوبکر جصاص نے اس نظریہ کا رد کیا ہے۔ ہم پہلے علامہ آلوسی کی عبارت نقل کریں گے اس کے بعد امام جصاص کی عبارت نقل کریں گے۔
علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:
اسلام لانے والے اہل کتاب نے جو یہودیوں کو سلام علیکم کہا یہ سلام تودیع ہے' سلام تحیت نہیں ہے' یا یہ سلام متارکہ ہے' جیسا کہ الفرقان: ۶۳ میں ہے' اور جو بھی ہو اس آیت میں کافر کو ابتداءً سلام کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے جیسا کہ جصاص نے کہا ہے' کیونکہ اس سلام سے غرض صرف متارکہ یا تودیع ہے۔ (روح المعانی ج ۲۰ ص ۱۴۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)
میں نے جب روح المعانی میں یہ پڑھا تو میں حیران ہوا کہ امام ابوبکر جصاص بہت بڑے حنفی عالم ہیں اور رتبہ اجتہاد کو پہنچتے ہیں' وہ صریح حدیث کے خلاف کیسے لکھ سکتے ہیں؟ پھر میں نے امام جصاص کی تفسیر کو دیکھا تو انہوں نے علامہ آلوسی کی نقل

اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (النمل: ۴۴)
میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین کی مسلم ہوگئی۔

اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کا دین تھا:

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ○ (المائدہ: ۱۱۱)
اور جبکہ میں نے حواریوں پر وحی کی کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم مسلم ہیں۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۴۸-۶۴۶ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

سید مودودی نے اپنے موقف پر جو متعدد آیات پیش کی ہیں یہ وہی آیات ہیں جن میں انبیاء سابقین کو مسلمین کہا گیا ہے اور اس کی علامہ سیوطی نے خود اپنے مضمون میں تصریح کی ہے کہ انبیاء سابقین کو بھی قرآن مجید میں مسلمین کہا گیا ہے لہٰذا ان کا پیش کرنا بے سود ہے اور سید مودودی نے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ (آل عمران: ۱۹) اور وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ (آل عمران: ۸۵) کو جو پیش کیا ہے تو ان آیتوں میں یہ نہیں بیان فرمایا کہ کس نبی کے دین کو اسلام فرمایا ہے؟ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ان آیتوں میں ہمارے نبی کے دین کو ہی اسلام فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید ہمارے نبی کے لائے ہوئے دین ہی کے متعلق نازل ہوا ہے۔ اس لیے یہ آیات علامہ سیوطی کے موقف کے خلاف نہیں ہیں۔ باقی رہا یونس: ۸۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے فرمانا ان کنتم مسلمین تو اس میں آپ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو اُمت مسلمہ نام سے یاد نہیں کیا' بلکہ اس آیت میں مسلمین کا لغوی معنی اطاعت کرنے والے مراد ہے' اسی طرح فرعون نے جو کہا وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (یونس: ۹۰) اس میں بھی لغوی معنی مراد ہے یعنی میں اطاعت کرنے والوں میں سے ہوں' اور ملکہ سبا نے جو کہا اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ (النمل: ۴۴) اس میں بھی لغوی معنی مراد ہے یعنی میں نے سلیمان کے ساتھ اطاعت کی' اسی طرح المائدہ: ۱۱۱ میں مسلمون کا لغوی معنی اطاعت کرنے والے مراد ہے۔ علامہ سیوطی کی تفسیر اور حدیث میں بہت خدمات ہیں انہوں نے پچھتر (۷۵) مرتبہ بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ سید مودودی نے جس جارحانہ انداز میں علامہ سیوطی پر تبصرہ کیا ہے' اس سے ہمیں بہت تکلیف پہنچی ہے۔

اس کے بعد اب ہم سورۃ القصص کی باقی آیتوں کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں' اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں' اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں' تمہیں سلام ہو' ہم جاہلوں سے اُلجھنا نہیں چاہتے ○ بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے' لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے ○ (القصص: ۵۶-۵۵)

کفار کی لغو اور بے ہودہ باتیں

اور وہ اہل کتاب جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اور قرآن مجید کے نزول سے پہلے یہ عزم رکھتے تھے کہ جب آپ کی بعثت ہوگی اور قرآن مجید نازل ہوگا تو وہ آپ پر اور قرآن کریم پر ایمان لے آئیں گے' جب یہودیوں سے کوئی بے ہودہ اور لغو بات سنتے ہیں تو ان سے اعراض کرتے ہیں اور سلام کر کے ان سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

مجاہد اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ جو یہودی اسلام لا چکے تھے جب ان کے پاس سے دوسرے یہودی

ابوطالب کے ایمان کے متعلق آیات اور احادیث

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے' لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔ (القصص: ۵۶)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۶۶' مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۲۰ ھ)

اس کے متعلق حدیث میں ہے:

سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' آپ نے ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ بن المغیرہ کو پایا۔ آپ نے فرمایا: اے چچا لا الٰہ الا اللہ کہیے' میں اس کلمہ کی وجہ سے اللہ کے پاس آپ کی شفاعت کروں گا' تو ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ نے کہا کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کرو گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مسلسل کلمہ توحید پیش کرتے رہے' اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے' حتیٰ کہ ابوطالب نے آخر میں یہ کہا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے اور لا الٰہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ. (التوبۃ: ۱۱۳)

نبی کے لیے اور مومنین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ. (القصص: ۵۶)

بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۷۲' ۱۳۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۳۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۰۷۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا آپ کہیے لا الٰہ الا اللہ قیامت کے دن اس کلمہ کی وجہ سے میں آپ کے حق میں شہادت دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اگر قریش مجھے عار نہ دلاتے اور یہ نہ کہتے کہ موت کی گھبراہٹ میں انہوں نے کلمہ توحید پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ (القصص: ۵۶)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۴-۴۴۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۷۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۳۴۵' ۳۴۴)

ابوطالب کے متعلق مفسرین اہل سنت کی تصریحات

علامہ نجم الدین احمد بن محمد قمولی متوفی ۷۲۷ ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے' کیونکہ ابوطالب نے اپنی موت کے وقت کہا اے بنوعبدمناف کی جماعت! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو' اور ان کی تصدیق کرو تم کو فلاح اور رشد و ہدایت حاصل ہوگی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے چچا! آپ لوگوں کو نصیحت کر رہے ہیں

کردہ عبارت کے بالکل خلاف اور اُلٹ لکھا ہوا ہے۔

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی التوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا کہ بعض اہل کتاب مسلمان ہو گئے ان کو مشرکین نے اذیت پہنچائی تو انہوں نے درگزر کیا اور کہا تم کو سلام ہو' ہم جاہلوں سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔

امام ابوبکر نے کہا یہ سلام متارکہ ہے' یہ سلام تحیت نہیں ہے۔ یہ آیت اس آیت کی مثل ہے: **واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما**۔ اور اس کی مثل ہے:

وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ○ (مریم: ۴۶) جا ایک لمبی مدت تک مجھ سے الگ رہ۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ (مریم: ۴۷) ابراہیم نے کہا' تم پر سلام ہو' میں اپنے رب سے تمہاری مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔

اور بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ گمان کیا ہے کہ کافر کو ابتداءً سلام کرنا جائز ہے' حالانکہ اس طرح نہیں ہے' کیونکہ سلام کے دو معنی ہیں ایک مسالمہ ہے یعنی کسی کو ترک کرنے اور اس کو چھوڑنے کے لیے سلام کرنا اور دوسرا سلام تحیت ہے یعنی کسی کی تعظیم کے لیے سلام کرنا' اور اس کے لیے امن اور سلامتی کی دعا کرنا' جیسے مسلمان ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے۔ (اس حدیث کی تخریج حسب ذیل ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان پر چھ نیکیاں ہیں:

(۱) جب اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے۔

(۲) جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے۔

(۳) جب اس کو چھینک آئے تو اس کی چھینک کا جواب دے۔ (جب وہ الحمد للہ کہے تو کہے یرحمک اللہ)

(۴) جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔

(۵) جب وہ مر جائے تو اس کے جنازہ میں جائے۔

(۶) اس کے لیے اسی چیز کو پسند کرے جس کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۳۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۵' مسند احمد ج ۱ ص ۸۹-۸۸' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۶۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۶' مسند البزار رقم الحدیث: ۸۵۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۵' سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث: ۷۳)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود و نصاریٰ کو ابتداءً سلام نہ کرو۔ (الحدیث) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۷' سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۲۰۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۰۲)

(احکام القرآن ج ۳ ص ۳۴۹' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ علامہ آلوسی نے امام جصاص کی طرف منسوب کر کے جو لکھا ہے کہ وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ کفار کو ابتداءً سلام کرنا جائز ہے' ان کی یہ نقل صحیح نہیں ہے۔

ابو طالب کے اسلام کا مسئلہ اختلافی ہے' اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ تمام مفسرین کا یا تمام مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ شیعہ اور بہت سے مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ ابو طالب مسلمان تھے' اور ان کا دعویٰ ہے کہ اس پر ائمہ اہل بیت کا اجماع ہے اور ابو طالب کے اکثر قصائد اس کی شہادت دیتے ہیں' اور جو اجماع مسلمین کا دعویٰ کرتے ہیں وہ شیعہ کے اختلاف کو قابل شمار نہیں سمجھتے اور نہ ان کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں' پھر ابو طالب کے اسلام نہ لانے کے قول پر بھی ابو طالب کو برا نہیں کہنا چاہیے اور ان کے متعلق فضول بحث نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے علویوں کو ایذاء پہنچتی ہے بلکہ یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچے' کیونکہ اس آیت سے بہر حال یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ابو طالب سے محبت تھی' اور صاحب عقل کو احتیاط لازم ہے۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۴۲-۱۴۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

صدر الا فاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی' پھر انہوں نے صحیح مسلم کی حدیث: ۲۵ کا ذکر کیا اور لکھا کہ ابو طالب نے کہا اگر مجھے قریش کے عار دینے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ایمان لا کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا پھر انہوں نے یہ شعر پڑھے:

ولقد علمت بان دین محمد　　　من خیر ادیان البریة دینا

میں یقین سے جانتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین تمام جہانوں کے دینوں سے بہتر ہے۔

لولا الملامة او حذار مسبة　　　لوجدتنی سمحا بذاک مبینا

اگر ملامت و بدگوئی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نہایت صفائی کے ساتھ اس دین کو قبول کرتا۔

اس کے بعد ابو طالب کا انتقال ہو گیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خزائن العرفان ص ۶۲۶' تاج کمپنی لاہور)

پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۹ھ لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور کے چچا ابو طالب کا آخری وقت آ پہنچا تو حضور نے جا کر کہا کہ چچا تم صرف اتنا کہہ دو کہ لا الہ الا اللہ' تا کہ میں اپنے رب سے تیری شفاعت کر سکوں' لیکن انہوں نے ایسا کہنے سے انکار کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات بھی مروی ہے کہ آخری وقت میں حضرت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے کان لگا کر سنا۔ حضور نے جب پوچھا کہ کیا کہہ رہے تھے تو آپ نے جواباً عرض کیا کہ وہی کہہ رہے تھے جس کا آپ نے ان سے مطالبہ فرمایا (سیرت ابن ہشام)

لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دیا جانا چاہیے کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے رہیں۔ اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

(ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۰۰' ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور' ۱۳۹۹ھ)

ابو طالب کے اسلام لانے کی روایت پر امام بیہقی اور علامہ ابی کا تبصرہ

پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس کی جو روایت نقل کی ہے اس کی سند منقطع ہے۔ امام بیہقی نے اس روایت کو

اور خود اس نصیحت پر عمل نہیں کر رہے! ابوطالب نے پوچھا: اے بھتیجے! تم کیا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ دنیا میں آپ کا آخری دن ہے آپ کلمہ توحید پڑھیے لا الہ الا اللہ میں اللہ کے پاس قیامت کے دن آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اے بھتیجے! میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ یہ موت سے گھبرا گیا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میرے بعد میری مذمت کی جائے گی تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا اور تم سے فراق کے وقت یہ کلمہ پڑھ لیتا' کیونکہ مجھے تمہاری خیر خواہی کی شدت کا علم ہے' لیکن میں عنقریب عبدالمطلب' ہاشم اور عبد مناف کی ملت پر مروں گا۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ابوطالب نے آپ کے جن اجداد' عبدالمطلب' ہاشم اور عبد مناف کا ذکر کیا ہے یہ سب موحد تھے اور ملتِ ابراہیم پر تھے ورنہ ان کا زمانہ فترت میں فوت ہونا یقینی ہے' اس کے برخلاف ابوطالب نے آپ کی شریعت کا زمانہ پایا اور ایمان نہیں لائے۔

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

ہم نے التوبۃ: ۱۱۳ میں اس آیت کا سبب نزول ذکر کر دیا ہے' پھر انہوں نے صحیح مسلم کی حدیث رقم: ۲۵ ذکر کی ہے' اور لکھا ہے کہ زجاج نے کہا ہے کہ القصص: ۵۶ کے متعلق مفسرین کا اجماع ہے کہ وہ ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۲۳۱' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ابوطالب پر موت کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اے میرے چچا! لا الہ الا اللہ پڑھیے میں اس کلمہ کی وجہ سے اللہ کے پاس آپ کی شفاعت کروں گا' تو ابوطالب نے کہا مجھے علم ہے کہ آپ سچے ہیں لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ ابوطالب موت سے گھبرا گیا۔

(تفسیر البیضاوی علی ہامش الخفاجی ج ۷ ص ۳۰۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت (القصص: ۵۶) ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس کی موت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس سے بات کی تھی' وہ مشہور ہے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۳۱۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابوطالب آپ کی مدافعت کرتا تھا اور آپ کی مدد کرتا تھا' اور آپ کی تعریف کرتا تھا اور آپ سے بہت زیادہ طبعی محبت کرتا تھا نہ کہ شرعی' جب اس کی موت کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایمان کی اور اسلام میں دخول کی دعوت دی' لیکن تقدیر غالب آ گئی اور وہ اپنے کفر پر مستمر اور برقرار رہا' اور اللہ ہی کے لیے حکمت تامہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۲' مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۹ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

بعض روایات میں آیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو اور آپ کے چچا کو زندہ کر دیا اور وہ سب آپ پر ایمان لے آئے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۵۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے چچا سے کس چیز کو دور کیا وہ آپ کی مدد کرتے تھے اور آپ کی خاطر غضبناک ہوتے تھے؟ آپ نے فرمایا وہ اب تھوڑی سی آگ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹)

اور میرے نزدیک ابو طالب کو برا کہنا سخت مذموم ہے، خصوصاً اس لیے کہ اس سے بعض علویین کو ایذاء پہنچتی ہے اور ہم کو اس سے منع کیا گیا ہے اور حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۳ ص ۱۹۵، رقم الحدیث: ۸۸۵۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی انسان کے اسلام کی اچھی صفات میں سے یہ ہے کہ وہ بے مقصد باتوں کو ترک کردے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۷۴۷، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۰۸۰)

(روح المعانی جز ۱۱ ص ۴۹-۴۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ابو طالب کے ایمان کے متعلق مفسرین شیعہ کی تصریحات

شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۴۶۰ھ القصص: ۵۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن اور قتادہ وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ آیت (القصص: ۵۶) ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور ابو عبد اللہ اور ابو جعفر سے مروی ہے کہ ابو طالب مسلمان تھے اور اسی پر امامیہ کا اجماع ہے اور ان کا اس میں اختلاف نہیں ہے اور ان کے اس پر دلائل قاطعہ ہیں، یہاں ان کے ذکر کا موقع نہیں ہے۔

(التبیان ج ۸ ص ۱۶۴، دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی (من علماء القرن السادس) الانعام: ۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابو طالب کے ایمان پر اہل بیت کا اجماع ہے اور ان کا اجماع حجت ہے کیونکہ وہ اس ثقلین میں سے ایک ہیں جن کے ساتھ تمسک کرنے کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، آپ نے فرمایا اگر تم ان کے ساتھ تمسک کرو گے تو گمراہ نہیں ہو گے، اور اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن اپنے والد ابو قحافہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے، وہ اسلام لے آئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس بوڑھے کو کیوں لے کر آئے، وہ نابینا تھے، میں خود ان کے پاس آ جاتا، حضرت ابو بکر نے کہا میرا ارادہ تھا اللہ تعالیٰ ان کو اجر عطا فرمائے گا، اور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے مجھے اپنے باپ کے اسلام لانے سے زیادہ خوشی ابو طالب کے اسلام لانے سے ہوئی تھی جس کے اسلام لانے سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔ اور ابو طالب کے وہ اقوال اور اشعار جن سے ان کے اسلام کا پتا چلتا ہے، بہت زیادہ ہیں، بعض اشعار یہ ہیں:

الم تعلموا انا وجدنا محمدا ۔۔۔ نبیا کموسیٰ خط فی اول الکتب

کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے محمد کو موسیٰ کی طرح نبی پایا ان کا ذکر پہلی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

الا ان احمد قد جاء ھم ۔۔۔ بحق ولم یاتھم بالکذب

سنو بے شک احمد ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور وہ جھوٹ نہیں لائے۔

(مجمع البیان جز ۴ ص ۴۴۵-۴۴۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۶ھ)

السید محمد حسین الطباطبائی القصص: ۵۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابو طالب کے ایمان کے متعلق ائمہ اہل بیت کی روایات مشہور ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور آپ کے دین

مسترد کر دیا ہے۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:
احادیث میں یہ تصریح ہے کہ ابو طالب کا خاتمہ شرک پر ہوا۔ سہیلی نے کہا ہے کہ میں نے مسعودی کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ ابو طالب کی موت ایمان پر ہوئی لیکن یہ قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث کی وجہ سے صحیح نہیں ہے جو اس باب میں مذکور ہیں (الروض الانف ج ۲ ص ۲۲۶) اور بعض سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عباس نے کہا میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا جس کا آپ نے حکم دیا' (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ج ۲ ص ۳۱) اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے نہیں سنا' اور عباس اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے' اس لیے ان کی شہادت معتبر نہیں ہے' امام بیہقی نے کہا اس کی سند منقطع ہے' نیز صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ اسلام لانے کے بعد حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو طالب کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۴۶)۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابو طالب دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصدق تھا تو کیا اس وجہ سے اس کو مومن کہا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے ایمان کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے۔
(اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۱۸۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ابو طالب کے اسلام لانے کی روایت پر علامہ آلوسی کا تبصرہ

امام ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں یہ لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو ان کی موت کے وقت کلمہ پڑھنے کی تلقین کی اور انہوں نے اس کو مسترد کر دیا تو عباس نے ان کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے انہوں نے ان کے ہونٹوں کے ساتھ کان لگائے پھر کہا اے بھتیجے! میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے جس کے پڑھنے کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے نہیں سنا' علماء شیعہ نے اس روایت سے ابو طالب کے اسلام پر استدلال کیا ہے اور ابو طالب کے ان اشعار سے استدلال کیا ہے جن میں انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ان کی حضور پر جو بہت زیادہ شفقت تھی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت تک مدد کرتے رہے' یہ بات ان کے گھر والوں سے مروی ہے اور ان کے متعلق ان کے گھر والے ہی زیادہ جانتے ہیں۔

شیعہ نے جو یہ دلیل قائم کی ہے اس پر تو رونے والی عورتیں بھی ہنس پڑیں گی' اور ابو طالب کے جو اشعار منقول ہیں اول تو ان کی سند منقطع ہے اور اس کے علاوہ ان اشعار میں توحید اور رسالت کی شہادت نہیں ہے اور ایمان کا مدار اس شہادت پر ہے' باقی رہا ان کی حضور پر شفقت اور ان کی نصرت تو ان کا کوئی منکر نہیں ہے اور ابو طالب کے ایمان پر جو شیعہ روایات ہیں تو وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

ہاں مومنین پر لازم ہے کہ وہ ابو طالب کے معاملہ کو اس طرح نہ قرار دیں جس طرح ابو جہل اور اس قسم کے باقی کافروں کے معاملہ کو قرار دیتے ہیں' کیونکہ ابو طالب کو ان پر فضیلت حاصل ہے' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے' احادیث میں ہے کہ ابو طالب کی ان نیکیوں کی وجہ سے ان کو آخرت میں نفع پہنچے گا تو دنیا میں ان کو کم از کم اتنا نفع تو پہنچنا چاہیے کہ ان پر عام کافروں کی طرح لعن طعن نہ کی جائے' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ کے سامنے آپ کے چچا کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو فائدہ پہنچے گا اور اس کو تھوڑی سے آگ میں رکھا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی اس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۷۳۰' عالم الکتب) ایک اور روایت میں ہے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے' جو ان پر ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا ہو' اور ہم صرف ان ہی بستیوں کو ہلاک کرنے والے ہیں جن کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں○ اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے تو وہ دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس (اجر) ہے وہ اچھا ہے' اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے' تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے○ (القصص: ۶۰-۵۷)

کفار کے اس شبہ کے تین جوابات کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو ہماری دنیاوی نعمتیں زائل ہو جائیں گی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے ایک عذر کو زائل کیا ہے' امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کفار قریش نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کر لیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لیے جائیں گے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۹۷۲) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس شبہ کا جواب دیا ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرزمین حرم کو امن والا بنا دیا ہے اور اس میں بہ کثرت رزق رکھا ہے' حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اعراض کرنے والے ہو' اور بتوں کی پرستش کی طرف رغبت کرنے والے ہو' پس اگر تم ایمان لے آ ؤ تو تم پر اللہ تعالیٰ کا کرم زیادہ متوقع ہوگا اور تمہیں مکہ سے نکالے جانے کا خطرہ نہیں رہے گا۔

اس کے بعد فرمایا اور ہم نے بہت سی ان بستیوں کو ہلاک کر دیا جس کے رہنے والے اپنی خوش حالی پر اتراتے تھے۔ (القصص: ۵۸)

اس آیت میں بھی کفار کے اسی شبہ کا دوسرا جواب دیا ہے انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں یہ خوف ہے کہ ہم ایمان لائے تو ہم سے یہ نعمتیں زائل ہو جائیں گی' اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ایمان لانے سے نعمتیں زائل نہیں ہوتیں بلکہ ایمان نہ لانے سے نعمتیں زائل ہوتی ہیں' پچھلی اُمتوں کے جو لوگ ہماری دی ہوئی خوش حالی پر اتراتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے ہم نے ان کی بستیاں ہلاک کر دیں۔

پھر فرمایا: سو یہ ان کے مکان ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی ہے' ان میں سکونت نہ ہونے کی یہ تفصیل ہے:

(۱) ان خالی مکانوں میں صرف مسافر یا راستہ سے گزرنے والے ایک یا دو دن رہتے تھے۔

(۲) ان مکانوں میں رہنے والوں کے گناہوں کی نحوست ان مکانوں میں سرایت کر گئی تھی اس سے ان مکانوں میں کوئی نہیں رہتا تھا۔

پھر جب ان مکانوں میں رہنے والے ہلاک ہو گئے تو پھر ان مکانوں کے ہم ہی وارث تھے۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کفار اپنی خوشحالی پر اتراتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو کفار کفر اور عناد میں مستغرق تھے ان کو کیوں نہیں ہلاک کیا؟ اس کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا:

اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے' جو ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہو۔ (القصص: ۵۹)

اس لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے کافروں پر ان کے کفر اور عناد کے باوجود ان پر عذاب نہیں بھیجا' حتیٰ کہ مکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ نے ان کے سامنے اللہ کے کلام کو پڑھا اور اللہ کا پیغام سنایا۔

پھر فرمایا: اور ہم ان ہی بستیوں کو ہلاک کرنے والے ہیں جن کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں۔

ہر چند کہ مکہ کے قریش بھی کفر شرک کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ عنقریب

کے برحق ہونے کے متعلق ان کے اشعار بہت زیادہ ہیں' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کم سن تھے تو انہوں نے ہی آپ کو پناہ دی تھی' اور بعثت کے بعد ہجرت سے پہلے انہوں نے ہی آپ کی حفاظت کی تھی اور مہاجرین اور انصار نے ہجرت کے بعد دس سال تک جو آپ کی نصرت اور حفاظت کی ہے اس کے برابر ہجرت سے پہلے دس سال تک ابوطالب نے آپ کی حفاظت کی۔

(المیزان ج ۱۶ ص ۵۷' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

شیخ طبرسی نے جو روایت پیش کی ہے اس کا کوئی حوالہ ذکر نہیں کیا' اور نہ ان اشعار کی کوئی سند ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت دینے اور ہدایت نہ دینے کے محامل

اس آیت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت دینے کی نفی کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ (القصص: ۵۶)

بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے' لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

اور دوسری آیت میں آپ کے ہدایت دینے کو ثابت فرمایا ہے:

اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (الشوریٰ: ۵۲)

بے شک آپ سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔

اور بہ ظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ہدایت دینے کے ثبوت کا معنی یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اسلام اور صراط مستقیم کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی نفی کا معنی یہ ہے کہ آپ کسی کو مسلمان نہیں بناتے اور اس کو صراط مستقیم کی توفیق نہیں دیتے' یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

(۲) نفی کا محمل یہ ہے کہ آپ کسی کے دل میں ہدایت پیدا نہیں کرتے اور ثبوت کا محمل یہ ہے کہ آپ اللہ کی پیدا کی ہوئی ہدایت کو نافذ کرتے ہیں۔

(۳) آپ خلقاً ہدایت نہیں دیتے اور کسباً ہدایت دیتے ہیں۔

(۴) آپ حقیقتاً ہدایت نہیں دیتے اور ظاہراً ہدایت دیتے ہیں۔

(۵) آپ وعظ اور تبلیغ کے ذریعہ ہدایت دیتے ہیں اور اس کا اثر اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔

(۶) آپ اراءة الطریق کرتے ہیں (راستہ دکھاتے ہیں) اور ایصال الی المطلوب اللہ تعالیٰ کرتا ہے' یعنی وہ مطلوب تک پہنچا دیتا ہے' دنیا میں مومن بنا دیتا ہے اور آخرت میں جنت عطا فرماتا ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اس کو علم ہے کس کا دل ہدایت قبول کرنے کے قابل ہے اور کس کے دل پر مہر لگی ہے لہٰذا کس کو ہدایت دینی ہے اور کس کو ہدایت نہیں دینی' اس کے برخلاف آپ عالم الغیب نہیں ہیں' آپ ہر ایک کو وعظ اور تبلیغ کریں گے خواہ اس کے دل پر مہر لگی ہو یا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کرلیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لیے جائیں گے' کیا ہم نے ان کو حرم میں نہیں آباد کیا جو امن والا ہے' اس کی طرف ہمارے دیے ہوئے ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں' لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ۝ اور ہم نے بہت سی ان بستیوں کو ہلاک کر دیا جن کے رہنے والے اپنی خوش حالی پر اتراتے تھے سو یہ ان کے مکان ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی ہے اور (انجام کار) ہم ہی وارث ہیں ۝ اور آپ

عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ

سے خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی پس وہ ایک دوسرے سے سوال تک نہ کر سکیں گے ○ سو جس نے توبہ

تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے پس عنقریب وہ کامیابوں میں سے ہو جائے گا ○

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۭ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۭ سُبْحٰنَ

اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے' اس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے' اللہ پاک ہے اور

اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ

ان چیزوں سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ○ اور آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى

چھپاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں ○ اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' دنیا اور آخرت

وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

میں اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ○ آپ کہیے یہ بتاؤ! اگر

اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ

اللہ تمہارے لیے قیامت تک کی مسلسل رات بنا دے تو اللہ کے سوا کوئی

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ

معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی لے کر آئے؟ کیا پس تم نہیں سنتے! ○ آپ کہیے

اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ

یہ بتاؤ اگر اللہ تمہارے لیے قیامت تک کا مسلسل دن بنا دے تو

الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا

اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہارے لیے رات لے کر آئے جس میں تم آرام کر سکو؟ کیا پس تم

ایمان لے آئیں گے اور اگر یہ خود ایمان نہ لائے تو ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایمان لے آئیں گے۔
اس کے بعد فرمایا: اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے تو وہ دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس اَجر ہے وہ اچھا ہے۔ (القصص: ٦٠)
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس شبہ کا تیسرا جواب دیا ہے کہ ہم ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ہمارے پاس جو دنیا کی نعمتیں ہیں کہیں وہ ہم سے چھن نہ جائیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دنیا کی جن نعمتوں کے زوال کے خوف سے ایمان نہیں لا رہے وہ دنیا کی زندگی کا عارضی سامان ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت میں جو اجر ہے وہ دائمی ہے اور وہی اچھا ہے۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ

کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا جس کو وہ حاصل کرنے والا ہے' اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیاوی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ

زندگی کی چیزیں دیں پھر وہ قیامت کے دن (مجرموں کے ساتھ) حاضر کیا جائے گا ○ اور جس دن

يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾

وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے؟ ○ وہ لوگ

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ

کہیں گے جن کے متعلق (عذاب کی) وعید ثابت ہو چکی ہے' اے ہمارے رب یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم

اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا

نے گمراہ کیا تھا ہم نے ان کو اس طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے' ہم ان سے بیزار ہو کر تیری طرف رجوع

يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ

کرتے ہیں' یہ صرف ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ○ اور ان سے کہا جائے گا' ان کو بلاؤ جن کو تم اللہ کا شریک کہتے تھے' تو وہ ان کو

يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾

پکاریں گے سو وہ ان کو کوئی جواب نہ دے سکیں گے اور وہ سب عذاب کو دیکھیں گے کاش وہ ہدایت پا لیتے ○

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ

اور جس دن وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ ○ تو اس دن ان

سوال تک نہ کرسکیں گے○ سو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے پس عنقریب وہ کامیابوں میں سے ہو جائے گا○ (القصص: ۶۷-۶۲)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا مشرکین سے بہ طور زجر و توبیخ کلام فرمانا

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو ندا کر کے یہ فرمائے گا جن کو تم اپنے زعم میں میرا شریک قرار دیتے تھے' اور یہ کہتے تھے کہ وہ آخرت میں تمہاری مدد کریں گے اور تمہاری شفاعت کریں گے' وہ اب کہاں ہیں؟ (القصص: ۶۲)

ان مشرکین کے سردار اور رئیس کہیں گے: اے ہمارے رب! ان لوگوں کو ہم نے شریک بنانے کی دعوت دی تھی' ان سے کہا جائے گا تم نے ان کو گم راہ کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہم نے ان کو اسی طرح بہ رضا و رغبت گم راہ کیا تھا جس طرح ہم خود اپنی مرضی سے گم راہ ہوئے تھے' ہم ان سے بیزار ہو کر تیری طرف رجوع کرتے ہیں' شیاطین اپنے پیروکاروں سے برأت کا ظہار کریں گے اور ان کے سردار پہلے لوگوں سے برأت کا اظہار کریں گے۔ (القصص: ۶۳)

اور کفار سے کہا جائے گا جن معبودوں کو تم نے اللہ کا شریک قرار دیا تھا اور جن کی تم نے پرستش کی تھی' اب ان کو مدد کے لیے پکارو تا کہ وہ تمہاری مدد کریں اور تم سے آخرت کے عذاب کو دور کریں' وہ ان کو پکاریں گے' تو وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے' وہ سب عذاب کو دیکھیں گے کاش وہ (دنیا میں) ہدایت پا لیتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ دنیا میں ہدایت پا لیتے تو وہ ہدایت ان کو آخرت میں فائدہ پہنچاتی اور ان سے عذاب کو دور کر دیتی۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ ہدایت یافتہ ہوتے تو دنیا میں بتوں کی عبادت نہ کرتے' ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب وہ آخرت میں عذاب کو دیکھیں گے تو یہ خواہش کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں ہدایت یافتہ ہوتے۔ (القصص: ۶۴)

اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جب تمہارے پاس انبیاء بھیجے گئے تھے اور انہوں نے اللہ کے پیغام پہنچائے تھے تو تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا' اس وقت ان سے خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی' مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس وقت کوئی عذر پیش نہیں کرسکیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے پاس رسول بھیج کر ان پر اپنی حجت تمام کر دی تھی اور وہ ایک دوسرے سے کسی عذر کو پوچھ بھی نہیں سکیں گے' اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے دن کی ان پر ایسی دہشت طاری ہوگی کہ نہ خود ان کے دماغوں میں کوئی عذر آئے گا نہ وہ کسی سے عذر پوچھ سکیں گے۔ (القصص: ۶۶) اور جو شخص شرک اور کفر سے توبہ کرلے گا' اور رسول کی تصدیق کرے گا اور اس پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا' فرائض کو پابندی کے ساتھ دائماً پڑھے گا اور نوافل کی کثرت کرے گا تو وہ یقیناً کامیاب لوگوں میں سے ہوگا' اللہ کے کلام میں عسٰی اور لعل وجوب اور تحقیق کے لیے ہوتا ہے۔ (القصص: ۶۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے' اس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے' اللہ پاک ہے اور ان چیزوں سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں○ اور آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں○ اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' دنیا اور آخرت میں اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں' اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے○ (القصص: ۷۰-۶۸)

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمالیا

اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے۔ (القصص: ۶۸)

تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنۡ رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ لِتَسۡکُنُوۡا

نہیں دیکھتے! O اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تاکہ تم اس (رات) میں

فِیۡهِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾ وَیَوۡمَ

آرام کرو اور اس (دن) میں اس کے فضل کو تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو O اور جس دن

یُنَادِیۡهِمۡ فَیَقُوۡلُ اَیۡنَ شُرَکَآءِیَ الَّذِیۡنَ کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۷۴﴾

وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے؟ O

وَنَزَعۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّةٍ شَهِیۡدًا فَقُلۡنَا هَاتُوۡا بُرۡهَانَکُمۡ

اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو الگ کر لیں گے، پھر ہم فرمائیں گے اپنی دلیل لاؤ

فَعَلِمُوۡۤا اَنَّ الۡحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۷۵﴾ ع ۱۵ / ۱۰

تب وہ جان لیں گے کہ حق اللہ ہی کے لیے ہے، اور جو کچھ وہ افتراء کرتے تھے وہ ان سے گم ہو جائے گا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا جس کو وہ حاصل کرنے والا ہے، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے، جس کو ہم نے دنیاوی زندگی کی چیزیں دیں، پھر وہ قیامت کے دن (مجرموں کے ساتھ) حاضر کیا جائے گا O (القصص: ۶۱)

مومن اور کافر کی دنیا اور آخرت میں تقابل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ابوجہل بن ہشام کے متعلق نازل ہوئی ہے، مجاہد نے کہا یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہیں اور محمد بن کعب نے کہا یہ آیت حمزہ اور حضرت علی اور ابوجہل اور عمارۃ بن الولید کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (جامع البیان جز ۲۰ ص ۱۱۹)

اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ہر مومن اور ہر کافر کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ کافروں کو دنیا میں بہت عیش و آرام اور وسعت دی گئی ہے، اور آخرت میں ان کے لیے دوزخ ہے اور ہر مومن اللہ تعالیٰ کے اَجر و ثواب کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے دنیا کے مصائب و آلام برداشت کرتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے جنت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے O وہ لوگ کہیں گے جن کے متعلق عذاب کی وعید ثابت ہو چکی ہے، اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے گم راہ کیا تھا، ہم نے ان کو اس طرح گم راہ کیا جس طرح ہم خود گم راہ ہوئے تھے، ہم ان سے بیزار ہو کر تیری طرف رجوع کرتے ہیں یہ صرف ہماری عبادت نہیں کرتے تھے O اور ان سے کہا جائے گا ان کو بلاؤ جن کو تم اللہ کا شریک کہتے تھے تو وہ ان کو پکاریں گے سو وہ ان کو کوئی جواب نہ دے سکیں گے اور وہ سب عذاب کو دیکھیں گے کاش وہ ہدایت پا لیتے O اور جس دن وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ O تو اس دن ان سے خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی، پس وہ ایک دوسرے سے

النضر بن انس اپنے دادا سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس جب تم کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرو تو اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ کرو پھر یہ غور کرو کہ تمہارا دل کس چیز کی طرف مائل ہوتا ہے سو بے شک خیر اسی میں ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی المتوفی ۳۶۴ھ ص ۲۱۱ رقم الحدیث: ۵۹۸ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں علماء نے کہا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے دل کو تمام تفکرات سے خالی کرے حتیٰ کہ وہ کسی چیز کی طرف مائل نہ ہو پھر دیکھے کہ اس کا دل اس کام کی طرف مائل ہوتا ہے اور جس طرف اس کا دل مائل ہو خیر اسی میں ہے۔ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۷۳ مطبوعہ دارالکتاب العربی ۱۴۲۰ھ جز ۱۳ ص ۲۸۲ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

استخارہ کا طریقہ

سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے الاذکار میں لکھا ہے کہ استخارہ کرنے کے لیے جو نماز پڑھے تو اس کی پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھے بعض سلف سے منقول ہے کہ پہلی رکعت میں وربک یخلق مایشاء و یختار یعلنون تک القصص: ۶۹-۶۸ بھی پڑھے اور دوسری رکعت میں ماکان لمؤمن ولامؤمنۃ (الاحزاب: ۳۶) بھی پڑھے بعض مشائخ سے یہ سنا گیا ہے کہ وہ دو رکعت نماز پڑھے اور حدیث میں جس دعا کی تعلیم دی گئی ہے وہ دعا پڑھے پھر باوضو قبلہ کی طرف منہ کر کے سو جائے پھر اگر اس کو خواب میں سفید رنگ کی یا ہرے رنگ کی کوئی چیز نظر آئے تو اس میں خیر ہے اور اگر سرخ یا سیاہ رنگ کی کوئی چیز نظر آئے تو اس میں کام میں شر ہے اس سے اجتناب کرے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۴۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

اگر پہلی بار استخارہ کرنے کے بعد اس کو کچھ نظر نہ آئے تو سات بار یہ عمل دہرائے اگر سات بار دہرانے کے باوجود اس کو کچھ نظر نہ آئے تو جس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر اس کا دل جم جائے اس کے موافق عمل کرے۔

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ القصص: ۶۹۔ سورۃ النمل میں یہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی مدح فرمائی ہے کہ وہ عالم الغیب والشھادۃ ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے دنیا اور آخرت میں اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں (القصص: ۷۰) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے واجب ہیں اور اللہ کے سوا اور کسی کا حکم واجب الاطاعت نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں یا اس آیت کا یہ معنی ہے کہ اولاً بالذات حکم دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے پھر جس کو اللہ تعالیٰ حکم دینے کا منصب عطا فرمائے۔

اولیاء اللہ کو مشکل کشا کہنے کو سید مودودی کا شرک قرار دینا اور اس کا جواب

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ ارشاد دراصل شرک کی تردید میں ہے۔ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے جو بے شمار معبود اپنے لیے بنا لیے ہیں اور ان کو اپنی طرف سے جو اوصاف مراتب اور مناصب سونپ رکھے ہیں اس پر اعتراض کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے پیدا کیے ہوئے انسانوں فرشتوں جنوں اور دوسرے بندوں میں سے ہم خود جس کو جیسے چاہتے ہیں اوصاف صلاحیتیں اور طاقتیں بخشتے ہیں اور جو کام جس سے لینا چاہتے ہیں لیتے ہیں۔ یہ اختیارات آخر ان مشرکین کو کیسے اور کہاں سے مل گئے کہ

حضرت واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو پسند کرلیا' اور کنانہ سے قریش کو پسند کرلیا اور قریش سے بنی ہاشم کو پسند کرلیا اور بنو ہاشم سے مجھے پسند کرلیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۴۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۴۲' المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۱۶۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۶۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے میرے اصحاب کو نبیوں اور رسولوں کے سوا تمام جہانوں میں سے پسند فرمالیا' اور میرے اصحاب میں سے چار کو پسند فرمالیا یعنی ابوبکر' عمر' عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) کو اور میری اُمت میں سے چار قرن پسند فرمالیے' پہلا' دوسرا' تیسرا اور چوتھا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۷۶۳' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۶۲)

استخارہ کے متعلق احادیث

فرمایا وہ جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ بندوں کو کسب کے سوا کسی چیز کا اختیار نہیں ہے' یعنی وہ جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس چیز کو پیدا کردیتا ہے۔

زمخشری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ کو اپنے افعال میں اختیار ہے وہ اپنے افعال کی حکمتوں کو خوب ہی جانتا ہے۔

بعض علماء نے کہا بندوں نے جب کوئی کام کرنا ہو تو اس وقت تک کوئی کام نہ کریں جب تک اس کام کے متعلق استخارہ نہ کرلیں' حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام کاموں میں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے' جس طرح ہمیں قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے' آپ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے تو وہ دو رکعت نفل نماز پڑھے' پھر یہ دعا کرے' اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت کو طلب کرتا ہوں' اور تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں' کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا' اور تو علام الغیوب ہے' اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور معاش میں اور میرے انجام کار میں میرے لیے بہتر ہے تو اس کام کو میرے لیے مقدر کردے اور اس کو میرے لیے آسان کردے اور میرے لیے اس میں برکت رکھ دے' اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور معاش میں اور میرے انجام کار میں برا ہے تو اس کو مجھ سے دور کردے اور مجھ کو اس سے دور کردے اور میرے لیے خیر کو مقدر کردے خواہ وہ کہیں ہو پھر مجھ سے راضی ہو جا' اور فرمایا کہ دعا کرنے والا اپنی حاجت اور اپنے کام کا ذکر کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۶۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۸۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۳' مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو یہ دعا کرتے اے اللہ! اس کام کو میرے لیے پسند فرما اور اس کو میرے لیے اختیار فرما۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۱۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۴' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۹۷' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۹۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۰۱۷)

(صحیح البخاری' کتاب استتابۃ المرتدین' باب: ۶)

اس تفسیر میں سید مودودی نے ایسا ہی کیا ہے۔ اس کی مکمل تفسیر اور تفصیل ہم نے النحل: ۱۱-۱۰ تبیان القرآن' ج ۶ ص ۳۹۳-۳۸۴ میں کی ہے۔ وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: یہ بتاؤ! اگر اللہ تمہارے لیے قیامت تک کی مسلسل رات بنا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی لے کر آئے' کیا پس تم نہیں سنتے! ○ آپ کہیے یہ بتاؤ اگر اللہ تمہارے لیے قیامت تک کا مسلسل دن بنا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لیے رات لے کر آئے جس میں تم آرام کر سکو! کیا پس تم نہیں دیکھتے! ○ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تا کہ تم اس (رات) میں آرام کرو اور اس (دن) میں اس کے فضل کو تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو ○ (القصص: ۷۳-۷۱)

اسباب معیشت کی نعمتیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے ان کے اسباب معیشت بیان فرمائے ہیں اس نے دن بنایا تا کہ اس کی روشنی میں انسان اپنی روزی حاصل کرے اور رات بنائی تا کہ تھکا ماندہ انسان اس میں آرام کرے اور دن میں سورج کی حرارت سے غلہ اور پھل پک جائیں اور رات کو چاند کی کرنوں سے ان میں ذائقہ پیدا ہو' اور فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم غیر اللہ کی عبادت کر کے کتنی بڑی غلطی کر رہے ہو اور تم کو خود یہ اقرار ہے کہ اگر وہ رات کے بعد دن نہ لائے یا دن کے بعد رات نہ لائے تو اس کے سوا اور کوئی دن کے بعد رات' یا رات کے بعد دن نہیں لا سکتا' ان سب نعمتوں میں غور کرو تا کہ تم ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے؟ ○ اور ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کو الگ کر لیں گے پھر ہم فرمائیں گے: اپنی دلیل لاؤ' تب وہ جان لیں گے کہ حق اللہ ہی کے لیے ہے' اور جو کچھ وہ افتراء کرتے تھے وہ ان سے گم ہو جائے گا ○ (القصص: ۷۵-۷۴)

ایک آیت کو دو بار ذکر فرمانے کی توجیہہ

اس آیت کو اس رکوع میں دوسری بار ذکر فرمایا ہے: القصص: ۶۲ میں بھی اس کا ذکر تھا اور اب القصص: ۷۵ میں بھی اس کا ذکر ہے کیونکہ قیامت کے دن کے احوال مختلف ہوں گے' جب پہلی بار ان کو ندا کر کے فرمائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے تو وہ اپنے بتوں کو پکاریں گے' وہ ان کو کوئی جواب نہیں دے سکیں گے' وہ اس پر حیران ہوں گے' پھر ان کو دوسری بار ان کی مزید زجر و توبیخ کرنے کے لیے ان کو پکارا جائے گا۔

یہ ندا اللہ تعالیٰ نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کفار سے کلام نہیں کرے گا قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ . (البقرۃ: ۱۷۴) اور اللہ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں فرمائے گا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ کو حکم دے گا وہ ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرے گا' اور مقام حساب میں ان کے خلاف حجت قائم کرے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں گے۔ (القصص: ۷۵)

مجاہد نے کہا شہید (گواہ) سے مراد نبی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○ (النساء: ۴۱) سو اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں گے' اور آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

اور ہر اُمت میں اس کا رسول شہید (گواہ) ہوتا ہے جو اس کے متعلق گواہی دیتا ہے' اور شہید کا معنی ہے حاضر' یعنی ہم ہر

میرے بندوں میں سے جس کو چاہیں مشکل کشا' جسے چاہیں گنج بخش اور جسے چاہیں فریادرس قرار دے لیں؟ جسے چاہیں بارش برسانے کا مختار' جسے چاہیں روزگار یا اولاد بخشنے والا' جسے چاہیں بیماری وصحت کا مالک بنا دیں؟ جسے چاہیں میری خدائی کے کسی حصے کا فرماں روا ٹھہرا لیں؟ اور میرے اختیارات میں سے جو کچھ جس کو چاہیں سونپ دیں؟ کوئی فرشتہ ہو یا جن یا نبی یا ولی' بہر حال جو بھی ہے ہمارا پیدا کیا ہوا ہے۔ جو کمالات بھی کسی کو ملے ہیں ہماری عطاو بخشش سے ملے ہیں۔ اور جو خدمت بھی ہم نے جس سے لینی چاہی ہے لی ہے۔ اس برگزیدگی کے یہ معنی آخر کیسے ہو گئے کہ یہ بندے بندگی کے مقام سے اٹھا کر خدائی کے مرتبے پر پہنچا دیے جائیں اور خدا کو چھوڑ کر ان کے آگے سر نیاز جھکا دیا جائے' ان کو مدد کے لیے پکارا جانے لگے' ان سے حاجتیں طلب کی جانے لگیں' انہیں قسمتوں کا بنانے اور بگاڑنے والا سمجھ لیا جائے' اور انہیں خدائی صفات واختیارات کا حامل قرار دیا جائے؟ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۵۸' لاہور' ۱۹۸۳ء)

اہل سنت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوث اعظم کہتے ہیں اور دیگر اولیاء کرام کو بھی غوث اور قطب کہتے ہیں اور غوث کے معنی ہیں فریادرس' اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کو مشکل کشا کہتے ہیں اور حضرت علی ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ المعروف داتا گنج بخش کو گنج بخش کہتے ہیں' سید مودودی نے اس عبارت میں ان (اہل سنت) کو مشرکین قرار دیا ہے' جبکہ اہلسنت ان اولیاء کرام کو غوث' مشکل کشا یا گنج بخش حقیقتاً اور بالذات نہیں کہتے۔ کسی شخص کو حقیقتاً اور بالذات مشکل کشا یا گنج بخش اعتقاد کرنا' یہ شرک ہے اور مجازاً یعنی اسناد مجاز عقلی کے طور پر ان کی طرف ان اوصاف کی نسبت کرنا شرک نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں اس کی نظائر موجود ہیں۔

حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا:

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ (مریم: ۱۹)

(جبریل نے) کہا میں تو صرف اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں اور آپ کو پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔

لڑکا یا بیٹا دینا اللہ کی صفت ہے لیکن جبریل نے اپنی طرف بیٹا دینے کی نسبت کی اور یہ اسناد مجازی ہے' اسی طرح اہل سنت بھی مجازاً اولیاء کرام کی طرف بیٹا دینے کی نسبت کرتے ہیں کیونکہ ان کی دعا سے بیٹا پیدا ہو جاتا ہے' اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (التوبہ: ۷۴)

اور ان (منافقین) کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے ان کو غنی اور دولت مند کر دیا۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دولت مند کرنے کی نسبت کی ہے اور یہ نسبت بھی مجاز عقلی ہے' اسی نہج پر اہل سنت بھی اولیاء کرام کو مشکل کشا' غوث اور گنج بخش مجازاً کہتے ہیں' کیونکہ وہ مسلمان ہیں' توحید کی گواہی دیتے ہیں اور تمام اولیاء کرام اور انبیاء کرام کو اللہ کی مخلوق مانتے ہیں اور یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ ان اوصاف کی نسبت اولیاء کرام کی طرف مجازاً کرتے ہیں' وہ بت پرست نہیں ہیں کہ ان کی طرف ان اوصاف کی نسبت حقیقتاً کریں' اور ظاہر ہے کہ سید مودودی تمام کہنے والوں کے دلوں کے حال پر متوجہ نہیں تھے کہ انہیں بغیر کسی قرینے کے معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ ان اولیاء کو حقیقتاً مشکل کشا اور غوث وغیرہ کہتے ہیں اس لیے ان کو علی الاطلاق مشرکین صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جو علیم بذات الصدور ہو اور دلوں کے حال جاننے کا دعویٰ رکھتا ہو اور حقیقت میں شرک بھی یہی ہے۔ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خوارج کو بدترین مخلوق شمار کرتے اور فرماتے کہ ان لوگوں نے ان آیات کو مومنوں پر چسپاں کر دیا جو کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا

قوم میں نکلا' جو لوگ دنیاوی زندگی کے شائق تھے انہوں نے کہا اے کاش! ہمارے پاس

مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

بھی اتنا (مال) ہوتا جتنا قارون کے پاس ہے بے شک وہ بڑے نصیب والا ہے O اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ

انہوں نے کہا تم پر افسوس ہے' جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کے لیے اللہ کا اجر بہت اچھا ہے

وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ فَمَا

اور یہ (نعمت) صرف صبر کرنے والوں کو ملتی ہے O سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پس اس کے

كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ وَمَا كَانَ مِنَ

پاس کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود اپنے

الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ

بچانے والوں میں سے ہو سکا O اور کل تک جو لوگ اس کے مقام تک پہنچنے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے

وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ

افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا

لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

ہے تنگ کر دیتا ہے اور اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہم بھی زمین میں دھنسا دیئے جاتے' افسوس ہم بھول گئے تھے کہ کافر

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

فلاح نہیں پاتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا پھر اس نے ان کے خلاف سر اٹھایا' اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقت ور جماعت کو تھکا دیتی تھیں' جب اس کی قوم نے اس سے کہا تم اتراؤ مت' بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا O اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو اور دنیا سے

اُمت کے سامنے اس کے رسول کو حاضر کریں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تم اپنا عذر پیش کرو کہ ایمان کیوں نہیں لائے' اس وقت ان کو یقین ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام نے جو پیغام پہنچایا تھا وہ برحق تھا اور وہ جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے تھے کہ اس کے ساتھ اور بھی معبود ہیں وہ سب ان کے دماغوں سے نکل جائیں گے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ

بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا' پھر اس نے ان کے خلاف سر اٹھایا' اور ہم نے اس کو

مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ

اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقت ور جماعت کو تھکا دیتی تھیں'

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾

جب اس کی قوم نے اس سے کہا تم اتراؤ مت' بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○

وَابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ

اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو' اور دنیا کے حصہ کو (بھی)

مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ

نہ بھولو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے' اور ملک میں

الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

سرکشی نہ کرو' بے شک اللہ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ

اس نے کہا یہ مال مجھے اس علم کی وجہ سے دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے' کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ اس سے پہلے

اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ

اللہ کتنی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ طاقت ور اور اس سے زیادہ

جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ

مال جمع کرنے والی تھیں اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا○ ایک دن وہ سج دھج کر اپنی

مجھے اس وجہ سے دیا ہے کہ اس کو معلوم تھا کہ میں اس مال کا مستحق ہوں' بعض علماء نے کہا کہ قارون علم کیمیا جانتا تھا جس سے وہ کیمیاوی طریقہ سے سونا بنالیتا تھا لیکن یہ علم فی نفسہٖ باطل ہے کیونکہ کسی چیز کی حقیقت کو بدلنے پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے' ہاں معجزہ اور کرامت کا الگ معاملہ ہے۔

اور یہ فرمایا ہے کہ مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اس کا محمل یہ ہے کہ ان سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا گناہ کیے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام کاموں کا علم ہے' البتہ ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے یہ گناہ کیوں کیے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا اس نے نہیں جانا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کتنی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا' اور قارون کو اس کے تکبر اور بے حساب مال ہونے کے باوجود اس کی زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایک دن وہ سج دھج کر اپنی قوم میں نکلا' جو لوگ دنیاوی زندگی کے شائق تھے انہوں نے کہا اے کاش ہمارے پاس بھی اتنا (مال) ہوتا جتنا قارون کے پاس ہے' بے شک وہ بڑے نصیب والا ہے ○ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا انہوں نے کہا کہ تم پر افسوس ہے' جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کے لیے اللہ کا اَجر بہت اچھا ہے' اور یہ (نعمت) صرف صبر کرنے والوں کو ملتی ہے ○ (القصص: ٨٠-٧٩)

قارون کا اپنے مال و دولت پر اِترانا اور اکڑنا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ایک دن قارون بہت شان و شوکت اور بہت کروفر سے نکلا' اس نے بہت قیمتی لباس پہنا' اور غلاموں اور باندیوں کے جلوس میں بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے اِتراتا ہوا اور اکڑتا ہوا باہر آیا' دنیا کے طلب گاروں نے جب اس کو دیکھا تو انہوں نے کہا اے کاش! ہمارے پاس بھی اتنا مال ہوتا' یہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور اس کی قسمت بہت اچھی ہے۔

علماء نے جب ان کی یہ باتیں سنیں تو وہ ان کو سمجھانے لگے کہ تم پر افسوس ہے! اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے لیے جو نیک اور عبادت گزار ہیں' آخرت میں اس سے کہیں اچھی جزا تیار کر رکھی ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھیں ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے' اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا کھٹکا گزرا ہے' اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ اُخۡفِیَ لَہُمۡ مِّنۡ قُرَّۃِ اَعۡیُنٍ ۚ سو کوئی نفس نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیزیں چھپا رکھی ہیں۔ (السجدۃ: ١٧)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٢٤٤' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٨٢٤' سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣١٩٧)

امام ابن جریر نے کہا جنت کی یہ نعمتیں ان ہی لوگوں کو ملیں گی جو دنیا کی محبت اور دنیا کے عیش و آرام کے نہ ملنے پر صبر کریں گے اور آخرت میں رغبت کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا' پس اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہوسکا ○ اور کل تک جو لوگ اس کے مقام تک پہنچنے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس

حصہ کو (بھی) نہ بھولو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اور ملک میں سرکشی نہ کرو' بے شک اللہ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتاO (القصص: ۷۷-۷۶)

قارون کا نام ونسب اور اس کے مال و دولت کی فراوانی

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی الشافعی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عم زاد تھا' قارون کا نام تھا قارون بن یصہب بن قاھث اور حضرت موسیٰ کا نام تھا موسیٰ بن عمران بن قاھث۔ المومن: ۲۴-۲۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ قارون بنی اسرائیل سے ہونے کے باوجود فرعون سے جاملا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلہ میں فرعون کے بعد وہ بھی ھامان کی طرح حضرت موسیٰ کے مخالفین میں سے تھا۔

قتادہ بن دعامہ نے کہا قارون تورات بہت خوش الحانی سے پڑھتا تھا' لیکن وہ دشمن خدا' سامری کی طرح منافق تھا' وہ اپنے مال کی کثرت کی وجہ سے سرکش اور متکبر ہوگیا تھا' شہر بن حوشب نے کہا وہ اپنی قوم کے سامنے بڑائی کے اظہار کے لیے اپنا لباس ایک بالشت لمبا رکھتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ طاقت ور لوگوں کی جماعت ان خزانوں کی چابیاں اٹھانے سے تھک جاتی تھی' جب وہ سوار ہو کر نکلتا تھا تو ستر خچروں کے اوپر اس کے خزانے کی چابیوں کو لادا جاتا تھا' اس کی قوم کے علماء نے کہا تم اِتراؤ مت' بے شک اللہ اِترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا' اور اللہ نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو اور دنیا کے حصہ کو (بھی) نہ بھولو۔

یعنی اس مال کو اللہ کی اطاعت میں اور اس کی راہ میں خرچ کرو' جس سے تم کو دنیا اور آخرت میں ثواب ملے گا' اور دنیا سے (بھی) اپنے نصیب کو نہ بھولو' اچھے کھانے پینے' لباس پہننے' مکان اور بیوی سے نکاح کے حصول میں اپنا مال خرچ کرو' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی' کہ تم دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو! انہوں نے کہا کیوں نہیں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو' روزہ بھی رکھو' اور روزہ کو ترک بھی کرو اور رات کو قیام بھی کرو اور نیند بھی کیا کرو' کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے' اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے' اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے (تو ہر حق دار کا حق ادا کرو)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۲۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۳۹۲)

اور جس طرح اللہ اپنی مخلوق پر احسان فرماتا ہے تم بھی لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو' اور تم اپنی توجہ اور ہمت کو سرکشی اور فساد کی طرف مبذول نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا یہ مال مجھے اس علم کی وجہ سے دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے' کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ اس سے پہلے اللہ کتنی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ طاقت ور اور اس سے زیادہ مال جمع کرنے والی تھیں اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گاO (القصص: ۷۸)

قارون کا اپنے مال کو عطیہ الٰہی قرار دینے کے بجائے اپنی قابلیت کا ثمرہ سمجھنا

علماء اور واعظین کی نصیحت کے جواب میں قارون نے کہا' مجھے تمہاری نصیحت کی ضرورت نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ مال

ویکان کا معنی اور اس کی ترکیب

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ویکان کا لفظ ہے یہ اصل میں ویلک اعلم انه تھا' یعنی تم پر افسوس ہے تم یہ سمجھو کہ پھر اس کو مخفف کر کے ویکان پڑھا گیا' اور قتادہ نے کہا اس کا معنی الم تر ہے یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا' اور یہ کسی بات کو مقرر کرنے کے لیے آتا ہے۔ اور اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا کہ تم پر افسوس ہے تم یہ سمجھو کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے کم کر دیتا ہے' یا اس کا معنی ہے کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے کم کر دیتا ہے۔ (جامع البیان جز ۲۰ ص ۱۴۷-۱۴۶ ملخصاً' دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

النحاس نے کہا کہ وی ندامت کے اظہار کے لیے ہے' اور الخلیل' سیبویہ اور کسائی نے کہا کہ جب لوگ کسی نکتہ پر متنبہ ہوں یا کسی کو متنبہ کریں تو وی کہتے ہیں اور جو شخص نادم ہو وہ اپنی ندامت کے اظہار کے لیے وی کہتا ہے اور یہ کـــان پر داخل ہوتا ہے جیسے ویک ان اللہ۔ الفرا نے کہا یہ کلمہ تقریر ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ الا کی طرح حرف تنبیہ ہے' بعض نے کہا یہ ویلک اعلم انه کے معنی میں ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ الم تر انه کے معنی میں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۲۸۲' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ جز ۱۳ ص ۲۹۲ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقدر کرتے ہیں جو زمین میں بڑا بننے کا ارادہ کرتے ہیں

فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ

نہ فساد کرنے کا اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے ○ اور جو

جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا

شخص نیکی کرے گا اسے اس کی نیکی سے اچھا اجر ملے گا اور جو شخص برائی کرے گا تو جنہوں نے

يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

برائی کی ہے ان کو صرف ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو انہوں نے کیے ہیں ○

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ

بے شک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ (مکہ مکرمہ) ضرور واپس لائے گا' آپ کہیے

کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہم بھی زمین میں دھنسا دیے جاتے' افسوس ہم بھول گئے تھے کہ کافر فلاح نہیں پاتے O (القصص: ۸۲-۸۱)

قارون کو زمین میں دھنسا دینا

اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا تھا کہ قارون بڑے ناز وانداز اور کروفر اور تبختر کے ساتھ چل رہا تھا اور زمین پر اترا اترا کر اور اکڑ اکڑ کر چلنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور وہ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسا دیتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ایک حلہ (ایک قسم کی دو چادریں) پہنے ہوئے جارہا تھا' جو اس کو اچھا لگ رہا تھا' اور وہ اس پر اتراتا ہوا چل رہا تھا اس نے اپنے سر کے بال لٹکائے ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اب وہ قیامت تک اسی طرح زمین میں دھنستا رہے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۸۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۰۵۳' عالم الکتب)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پچھلی اُمتوں میں ایک شخص غرور کے ساتھ اپنا تہبند گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ اسی طرح قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۹۰' دار ارقم بیروت)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پچھلی اُمتوں میں ایک شخص دو سبز چادریں پہنے ہوئے جارہا تھا اور ان میں اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا' اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو زمین نے اس کو پکڑ لیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا' اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۰' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۲۹۵' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

قارون کے ہلاک ہونے اور زمین میں دھنسنے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ وہ اپنے مال و دولت اور جاہ وحشم پر بہت فخر اور تکبر کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو زمین میں دھنسا دیتا ہے۔

قارون کی حضرت موسیٰ سے دشمنی اور حضرت موسیٰ کی اس کے خلاف دعا کرنے کی وجہ

اس کا دوسرا سبب مفسرین اور مورخین نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے خلاف دعا کی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ نے اس پر زکوٰۃ دینا لازم کر دیا تھا اس لیے وہ آپ کا دشمن ہو گیا تھا' ایک وجہ یہ ہے کہ وہ آپ پر حسد کرتا تھا اور کہتا تھا کہ آپ نبی ہیں اور ھارون امام ہیں میرے لیے کوئی منصب نہیں' پھر قارون نے ایک فاحشہ عورت کو رشوت دے کر اس پر تیار کیا کہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے ہوں تو وہ آپ سے کہے کہ تم وہی ہو نا جس نے میرے ساتھ فحش کام کیا تھا' حضرت موسیٰ یہ سن کر کانپ اٹھے اسی وقت دو رکعت نماز پڑھی اور اس عورت سے کہا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے سمندر میں تمہارے لیے خشک راستہ بنایا' جس نے تمہیں اور تمہاری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی تم سچا واقعہ بیان کرو' یہ سن کر اس عورت کا رنگ اڑ گیا اور اس نے لوگوں کے سامنے قارون کے رشوت دینے کا واقعہ بیان کر دیا' حضرت موسیٰ پھر سجدہ میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے قارون کی سزا طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے زمین کو آپ کے تابع کر دیا ہے' آپ نے زمین سے کہا تو قارون کو اور اس کے محل کو اور اس کے تمام مال و دولت کو نگل لے' سو زمین نے اس کو نگلنا شروع کیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا' اور بالآخر وہ اپنے جاہ وحشم کے ساتھ زمین میں دھنس گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۹ ملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۴ ص ۱۷' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ نے کہا زمین میں علو اور بڑائی چاہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ سلاطین اور بادشاہوں کے سامنے بڑا بننے کا ارادہ نہیں کرتے' مسلم البطین نے کہا علو سے مراد ناحق تکبر کرنا ہے' معاویۃ الاسود نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی شخص کی عزت اور وجاہت میں مناقشہ اور منازعت نہیں کرتے یعنی کسی شخص سے اس کی بڑائی چھیننے کا قصد نہیں کرتے' ضحاک نے کہا وہ ظلم نہیں کرتے یا حد سے تجاوز نہیں کرتے۔ حضرت علی نے فرمایا جو شخص یہ چاہے کہ اس کی جوتی کا تسمہ اس کے دوست کی جوتی کے تسمہ سے اچھا ہو تو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۰۲۳-۳۰۲۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت علی کے ارشاد کی توجیہ یہ ہے کہ وہ اپنے دوست پر اپنی بڑائی کے اظہار کے لیے اور اپنے دوست کو حقیر قرار دینے کے لیے یہ ارادہ نہ کرے کہ اس کی جوتی کا تسمہ اس کے دوست کی جوتی سے اچھا ہے کیونکہ سنن ابوداؤد میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا وہ خوب صورت تھا' اس نے کہا یا رسول اللہ حسن اور جمال میرے نزدیک پسندیدہ ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کس قدر حسن دیا گیا ہے حتیٰ کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص مجھ سے بڑھ جائے خواہ وہ جوتی کے تسمہ میں ہی مجھ سے بڑھے' آیا یہ تکبر ہے آپ نے فرمایا: نہیں' لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۲' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اس کے بعد فرمایا: جو شخص نیکی کرے گا اسے اس نیکی سے اچھا اجر ملے گا' سب سے بڑی نیکی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا ہے اور فرمایا جو شخص برائی کرے گا تو جنہوں نے برائی کی ہے ان کو صرف ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو انہوں نے کیے ہیں۔ سب سے بڑی برائی شرک کرنا ہے۔ اس کی پوری بحث النمل: ۸۹ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ (مکہ مکرمہ) ضرور واپس لائے گا' آپ کہیے کہ میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے اور اس کو جو کھلی گم راہی میں ہے○ اور آپ (کسی چیز سے) یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی' ماسوا اپنے رب کی رحمت کے' سو آپ کافروں کے ہرگز مددگار نہ بنیں○ اور وہ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے نہ روک دیں' اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل کی گئی ہیں' اور اپنے رب کی طرف (لوگوں کو) بلائیے اور آپ شرک کرنے والوں سے ہرگز نہ ہوں○ اور اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں' اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے' اسی کا حکم ہے' اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے○ (القصص: ۸۸-۸۵)

معاد کے متعلق مختلف اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوٹنے کی جگہ سے مراد جنت ہے' یعنی اللہ آپ کو جنت میں لے جائے گا' یہ ابوصالح کی روایت ہے اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد موت ہے اور حضرت ابوسعید خدری اور عکرمہ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے' حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۰۲۶-۳۰۲۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو اس بشارت پر ختم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو غالب کر کے مکہ کی طرف لوٹائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ معاد سے مراد جنت ہے لیکن راجح یہ ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

رَبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٨٥﴾

کہ میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے اور اس کو جو کھلی گمراہی میں ہے O

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

اور آپ (کسی چیز سے) یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی ماسوا آپ کے رب کی رحمت کے

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

سو آپ کافروں کے ہرگز مددگار نہ بنیں O اور وہ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے نہ روک دیں'

بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل کی گئیں ہیں' اور اپنے رب کی طرف (لوگوں کو) بلایئے اور آپ شرک کرنے والوں

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٨٧﴾ ج وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قف — وقف لازم

سے ہرگز نہ ہوں O اور اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں' اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں'

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ط لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٨﴾ ع — ع ٩ ١٢

اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے' اسی کا حکم ہے' اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقدر کرتے ہیں جو نہ زمین میں بڑا بننے کا ارادہ کرتے ہیں نہ فساد کرنے کا اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے O اور جو شخص نیکی کرے گا اسے اس نیکی سے اچھا اجر ملے گا' اور جو شخص برائی کرے گا تو جنہوں نے برائی کی ہے ان کو صرف ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو انہوں نے کیے ہیں O (القصص: ٨٤-٨٣)

علو اور فساد کے معنی

اس دار آخرت سے مراد جنت ہے' کلام عرب میں لفظ ''ھذا'' سے اس چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو محسوس اور مشاہد ہو یعنی وہ چیز آنکھوں سے دکھائی دیتی ہو اور جنت کو تو قرآن مجید کے مخاطبین نے آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا پھر یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ یہ آخرت کا گھر' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث میں جنت کی صفات کا اتنا زیادہ ذکر آچکا ہے کہ اب لوگوں کے لیے جنت دیکھی بھالی چیز ہے۔

فرمایا ہے ہم اس کو ان لوگوں کے لیے مقدر کرتے ہیں جو زمین میں بڑا بننے کا ارادہ نہیں کرتے یعنی زمین میں اپنا تسلط اور غلبہ نہیں چاہتے' اور نہ فساد کرنے کا ارادہ کرتے ہیں یعنی لوگوں پر ظلم اور جبر نہیں کرتے جیسے نمرود' اور فرعون وغیرہ نے ظلم اور سرکشی کی تھی' فساد کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ کسی کا مال ناحق چھین لینا فساد ہے اور اللہ کی نافرمانی کرنا بھی فساد ہے اور علو سے مراد تکبر ہے اور تکبر کی وجہ سے ایمان نہ لانا ہے۔

یہ دعا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے خصوصیت سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کی ہے اور یہ وہی دعا ہے جس کے متعلق آپ نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں۔

(جامع البیان جز ۱ ص ۷۷۳' تاریخ دمشق الکبیر ج ۱ ص ۱۳۱' رقم الحدیث: ۲۰۷' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۲۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۳۳)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے مجھ پر سلام عرض کیا کرتا تھا میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۶۴' مسند احمد ج ۵ ص ۸۹' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۴۶۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۸۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۹۰۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۰۳۳' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۰۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۳' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۰۹)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے بعض راستوں میں جا رہا تھا' آپ کے سامنے جو پہاڑ یا پتھر آتا تو وہ کہتا تھا **السلام علیکم یارسول اللہ.**

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۳-۱۵۲' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۱۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ پر نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۰)

ان تمام احادیث میں اس پر قوی دلیل ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنائے جانے سے پہلے اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے شدت سے اس کا انکار کیا ہے کہ آپ کو نبی بنائے جانے سے پہلے اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

یہ بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں پیش کی جا رہی ہے۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام بالکل بے خبر تھے کہ انہیں نبی بنایا جانے والا ہے اور ایک عظیم الشان مشن پر وہ مامور کیے جانے والے ہیں' ان کے حاشیۂ خیال میں بھی اس کا ارادہ یا خواہش تو درکنار اس کی توقع تک کبھی نہ گزری تھی بس یکایک راہ چلتے انہیں کھینچ بلایا گیا اور نبی بنا کر وہ حیرت انگیز کام ان سے لیا گیا جو ان کی سابق زندگی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا۔ ٹھیک ایسا ہی معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ مکہ کے لوگ خود جانتے تھے کہ غار حرا سے جس روز آپ نبوت کا پیغام لے کر اترے اس سے ایک دن پہلے تک آپ کی زندگی کیا تھی' آپ کے مشاغل کیا تھے' آپ کی بات چیت کیا تھی' آپ کی گفتگو کے موضوعات کیا تھے' آپ کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں کس نوعیت کی تھیں' یہ پوری زندگی صداقت' دیانت' امانت اور پاکبازی سے لبریز ضرور تھی۔ اس میں انتہائی شرافت' امن پسندی' پاس عہد' ادائے حقوق اور خدمت خلق کا رنگ بھی غیر معمولی شان کے ساتھ نمایاں تھا۔ مگر اس میں کوئی چیز ایسی موجود نہ تھی جس کی بنا پر کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال گزر سکتا ہو کہ یہ نیک بندہ کل نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھنے والا ہے۔ آپ سے قریب ترین ربط ضبط رکھنے والوں میں' آپ کے رشتہ داروں اور ہمسایوں اور دوستوں میں کوئی شخص یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ آپ پہلے سے نبی بننے کی تیاری کر رہے تھے۔ کسی نے ان مضامین اور مسائل اور موضوعات کے متعلق کبھی ایک لفظ تک آپ کی زبان سے نہ سنا تھا جو غار حراء کی اس انقلابی ساعت کے بعد یکایک آپ کی زبان پر جاری ہونے شروع ہو گئے۔ کسی نے آپ کو وہ مخصوص زبان اور وہ الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے نہ سنا تھا جو اچانک قرآن کی صورت میں لوگ آپ سے سننے

کفار مکہ نے آپ کے متعلق کہا تھا کہ معاذ اللہ آپ کھلی گمراہی میں ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: آپ ان سے کہیے کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے کون ہدایت یافتہ ہے اور کون کھلی گمراہی میں ہے۔

بعثت سے پہلے آپ کو نبی بنائے جانے کا علم تھا یا نہیں

اس کے بعد فرمایا اور آپ (کسی چیز سے) یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی ماسوا اپنے رب کی رحمت کے۔ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے' اکثر مفسرین نے الا رحمۃ من ربک کو استثناء منقطع قرار دیا ہے اور بعض نے اس کو استثناء متصل قرار دیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ لکھتے ہیں:

اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر یہ قرآن نازل کیا جائے گا' اور آپ کو گزشتہ قوموں کی خبریں اور گزشتہ حوادث معلوم ہو جائیں گے جن لوگوں اور واقعات کے سامنے آپ حاضر نہ تھے آپ نے ان کو اپنی قوم پر تلاوت کیا' مگر یہ کہ آپ کے رب نے آپ پر رحم فرمایا اور آپ پر یہ خبریں نازل کیں۔ یہ استثناء منقطع ہے۔

(جامع البیان جز ۲۰ ص ۱۵۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس استثناء کا متصل ہونا بھی جائز ہے یعنی آپ پر صرف آپ کے رب کی رحمت کی وجہ سے یہ کتاب نازل کی گئی ہے اور کسی وجہ سے یہ کتاب نازل نہیں کی گئی یا آپ پر رحمت کے سوا اور کسی حال میں یہ کتاب نازل نہیں کی گئی۔

(روح المعانی جز ۲۰ ص ۱۹۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس آیت کا اس طرح معنی کیا ہے: آپ یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے آپ پر رحم فرمائے گا اور آپ پر یہ انعام فرمائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مفتی احمد یار خان متوفی ۱۳۹۱ھ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ظاہری اسباب کے لحاظ سے آپ کو نبوت کی امید نہ تھی' صرف خدا کی رحمت سے' امید تو کیا' یقین تھا' کیونکہ آپ کو نبوت نہ تو حضرت ہارون کی طرح کسی کی دعا سے حاصل ہوئی' نہ حضرت یحییٰ و سلیمان علیہما السلام کی طرح بطور میراث ملی بلکہ صرف اللہ کی رحمت سے ملی لہٰذا اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ اپنی نبوت سے بے خبر تھے' آپ کو تو بچپن ہی سے شجر و حجر سلام کرتے تھے اور رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے' بحیرہ راہب نے بچپن میں ہی آپ کی نبوت کی خبر دے دی تھی' خود فرماتے ہیں: کنت نبیا و آدم لمنجدل فی طینتہ. (میں اس وقت بھی نبی تھا اور آدم ہنوز اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے)۔

(حاشیہ نور العرفان ص ۶۳۱' مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے کہ آپ کو کسی کی دعا سے نبوت ملی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے لیے نبوت کی دعا کی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ . (البقرہ: ۱۲۹) اے ہمارے رب ان (اہل مکہ) میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج دے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ لکھتے ہیں:

دین پر آ جائیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان کی کسی پیش کش کی طرف رجوع نہ کریں ورنہ وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تبلیغ سے روک دیں گے۔ اور آپ ثابت قدمی سے کفار اور مشرکین کو اللہ کے دین کی دعوت دیتے رہیں۔
اس کے بعد فرمایا: اور اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں' اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے' اسی کا حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ (القصص: ۸۸)

اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلائل

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی طلب اور آپ کے سوال کے بغیر آپ کو نبوت اور رسالت عطا فرمائی ہے اور آپ کو تمام رسولوں سے زیادہ افضل اور مکرم قرار دیا ہے تو آپ فریضہ رسالت بجالائیں اور اس فضل عظیم اور جلیل القدر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں' اور جس طرح آپ پہلے بھی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے تھے اسی طرح آئندہ بھی کرتے رہیں اور تا حیات اسی کی عبادت پر مستقیم رہیں' آپ سے جو یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ آپ سے یہ اندیشہ تھا کہ آپ کسی اور کی عبادت کریں گے' بلکہ اس میں بھی آپ کی اُمت کو تعریض ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ وہ کسی اور کی عبادت نہ کریں تو تم اس حکم کے کتنے زیادہ لائق ہو' نیز اس خطاب کا یہ مطلب ہے کہ آپ غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے کے طریقہ پر دائم اور مستمر رہیں اور اس آیت میں آپ کی اُمت کو بھی یہی حکم دینا مقصود ہے' اور کفار کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ یہ امید نہ رکھیں کہ زندگی میں کبھی ہمارے نبی تمہاری موافقت کرلیں گے کیونکہ ان کو ان کے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں' کیونکہ عبادت کا حقدار وہ ہوگا جس کی ذات واجب الوجود ہو جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے' اور اس کے سوا ہر چیز ممکن ہے اور ہلاک ہونے والی ہے اور جو چیز ممکن ہو وہ اپنے ہونے میں کسی اور کی طرف محتاج ہوگی اور جو اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہو وہ عبادت کا مستحق کب ہوسکتا ہے' پھر فرمایا: اسی کا حکم ہے' یہ اس کے مستحق عبادت ہونے کی دوسری دلیل ہے' جس کا حکم چلتا ہو اور جو حاکم علی الاطلاق ہو وہی عبادت کا مستحق ہوسکتا ہے' اور فرمایا: تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے' یہ اس کے مستحق عبادت ہونے کی تیسری دلیل ہے' تم نے زندگی میں جو بھی عمل کیے ہیں آخرت میں تم سے ان کی باز پرس ہوگی اور تمہارا اس کی طرف لوٹایا جانا اسی لیے ہوگا' تم سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے کس کی عبادت کی ہے اور یہ سوال اور باز پرس بھی وہی کرے گا اسی لیے عبادت کا مستحق بھی وہی ہے سو اسی کی عبادت کرو اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

اختتامی کلمات اور دعا

آج بہ روز جمعرات ۸ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ / ۲۰ جون ۲۰۰۲ء قبیل العصر سورۃ القصص کی تفسیر مکمل ہوگئی' الحمد للہ رب العلمین! اے بار الٰہ! جس طرح آپ نے قرآن مجید کی یہاں تک تفسیر مکمل کرائی ہے اور تبیان القرآن کی آٹھ جلدیں مکمل کرادی ہیں' اسی طرح آپ قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کروادیں۔
اس جلد کی ابتدا بہ روز اتوار ۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ / ۱۷ ستمبر ۲۰۰۱ء کو کی گئی تھی' اس طرح یہ جلد نو ماہ تین دن میں اختتام کو پہنچی۔
میرے تصنیف و تالیف کے کام میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھ دی ہے' ورنہ تدریس کی مصروفیات بھی ہیں' ملنے ملانے والے بھی آتے رہتے ہیں اور کمر کے درد کی وجہ سے زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتا' ایک گھنٹہ سے زیادہ ایک نشست میں بیٹھ کر کام نہیں کرسکتا' اس سب کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کام کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

لگے۔ کبھی آپ وعظ کہنے کھڑے نہ ہوئے تھے۔ الخ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۶۷ 'لاہور ۱۹۸۳)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس کو بہت طویل عبارت میں لکھا ہے۔ یہی عبارت انہوں نے سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۱۰۹-۱۰۸ 'ج ۲ ص ۱۳۸-۱۳۶ میں بھی لکھی ہے' ہم نے النمل: ۹ میں اس مکمل عبارت کو نقل کیا ہے اور اس پر سیر حاصل بحث کی ہے' جو قارئین اس عنوان کے تمام پہلوؤں کو تفصیل سے جاننا چاہتے ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے پہلے اپنے نبی ہونے کا علم تھا یا نہیں' ان کو النمل: ۹ کی تفسیر ضرور پڑھنی چاہیے۔ تاہم اس آیت سے یہ بہرحال معلوم ہو جاتا ہے کہ نبی کو یہ منصب بغیر کسی طلب وتمنا اور بغیر کسی انتظار وتوقع کے ملتا ہے خواہ اس کو پہلے سے علم ہو کہ اس کو نبی بنایا جائے گا اور مقام بعثت پر فائز کیا جائے گا۔

مشرکین کے مددگار بننے کی ممانعت کا محمل

اس کے بعد فرمایا: سو آپ کافروں کے ہرگز مددگار نہ بنیں' اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن اس خطاب کا رخ دراصل مکذبین قرآن کی طرف ہے' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی طرف جو پیغام نازل کیا اس کو بے کم وکاست لوگوں تک پہنچا دیجئے' اگر یہ مشرکین آپ پر دباؤ اور زور ڈال کر اس میں کچھ کمی یا ترمیم کرانا چاہیں تو آپ ان کے کہنے میں نہ آئیں' آپ اس پیغام میں کسی قسم کی نرمی یا تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں ہیں' اور کسی کی خاطر پیغام میں کچھ تبدیلی کرنا مداہنت ہے' اگر بہ فرض محال آپ نے اللہ کے پیغام میں کوئی نرمی یا تبدیلی کر دی تو یہ مداہنت ہوگی اور آپ مجرموں کے پشت پناہ اور مددگار بن جائیں گے' اور اس آیت کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے سرداروں کو یہ بتایا ہے کہ اگر وہ دل کے کسی گوشہ میں یہ امید اور یہ توقع رکھے ہوئے ہوں کہ وہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام اور توحید کے پیغام میں کچھ ردوبدل یا کمی بیشی کرا لیں گے تو وہ مایوس ہو جائیں' اللہ کے نبی اس معاملہ میں ان کی کسی قسم کی مدد کرنے والے نہیں ہیں۔ اس آیت کا یہ محمل بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں تعریض ہے بہ ظاہر مشرکین کی مدد نہ کرنے کا خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ کی اُمت ہے' یعنی آپ کی اُمت جب دنیا میں تبلیغ کے لیے اٹھے تو مشرکین کے دباؤ سے اللہ کے پیغام سنانے میں کوئی نرمی نہ کرے' اور نہ کسی قسم کی تحریص اور ترغیب سے متاثر ہو کر مداہنت کرے۔

اس آیت کی توجیہ کہ آپ ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں

اس کے بعد فرمایا: اور وہ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے نہ روک دیں' اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل کی گئی ہیں۔ (القصص: ۸۷)

یہ آیت بھی مذکور الصدر مضمون کی تاکید کے لیے نازل ہوئی ہے کہ خواہ یہ مشرکین اور مخالفین آپ کے خلاف کتنا ہی زور کیوں نہ لگائیں' یہ آپ کو اللہ کی آیتوں کو سنانے سے روکنے نہ پائیں' جو باتیں ان کو ناگوار ہیں آپ ان کو برملا کہیں جس چیز کو کہنے سے یہ منع کرتے ہیں آپ اس کو علی الاعلان اور برسر مجلس کہیں نیز فرمایا: اور اپنے رب کی طرف (لوگوں کو) بلایئے اور آپ شرک کرنے والوں سے ہرگز نہ ہوں۔

اس آیت میں بھی تعریض ہے خطاب آپ کو ہے اور سنایا آپ کی اُمت کو ہے' کہ آپ کی اُمت کسی موقع پر بھی شرک کو اختیار نہ کرے اور یہ بتایا ہے کہ اگر کسی نے مشرکین کی رعایت کی تو وہ مشرک ہو جائے گا کیونکہ جو شخص کسی کے دین اور اس کے طریقہ پر راضی ہو اس کا شمار بھی ان ہی میں سے ہوتا ہے۔

ضحاک نے کہا جب مشرکین نے یہ کہا کہ وہ آپ کو مال مہیا کریں گے اور آپ کی شادی کر دیں گے بشرطیکہ آپ ان کے

مآخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید
۲- تورات
۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی
۵- امام مالک بن انس اصبحی، متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۹ھ
۶- امام عبداللہ بن مبارک، متوفی ۱۸۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، متوفی ۱۸۳ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
۸- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد، کارخانہ تجارت کتب کراچی
۹- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ
۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ، کتاب الزہد، مکتبۃ الدار مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ
۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی، متوفی ۲۰۳ھ، مسند طیالسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۹۱ھ
۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، المسند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ
۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المغازی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۱۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، المصنف، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۵- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی، متوفی ۲۱۹ھ، المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی، مکی، متوفی ۲۲۷ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۷- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، المصنف، مطبوعہ ادارہ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۸- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، مسند ابن ابی شیبہ، مطبوعہ دار الوطن بیروت، ۱۴۱۸ھ
۱۹- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، المسند، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۰- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ شرح صحیح مسلم' تبیان القرآن کو تا قیام قیامت باقی اور اثر آفریں رکھے' اس کتاب سے مسلمانوں کو ہدایت حاصل ہو' اس کتاب کے پڑھنے سے ان کے دلوں میں خوف خدا اور محبت رسول زیادہ ہو' گناہوں سے بچنے کا محرک اور داعیہ پیدا ہو اور نیکیوں میں اضافہ کرنے کا ان کے دلوں میں جذبہ پیدا ہو' ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تاحیات صحت اور عافیت کے ساتھ اسلام پر قائم رکھے' اور ایمان پر خاتمہ فرمائے' سکرات موت کو آسان کردے تمام گناہوں کو معاف کردے دنیا اور آخرت کی تمام مشکلات' مصائب اور ہر قسم کے عذاب سے محفوظ اور مامون رکھے اور دارین کی سعادتیں' کامیابیاں اور کامرانیاں عطا فرمائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔

آمین یارب العالمین!

الحمدللہ رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الغر المحجلین شفیع المذنبین وعلی آله الطاهرین واصحابه الکاملین وعلی ازواجه امهات المؤمنین وعلی علماء ملته واولیاء امته وسائر امته اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۸ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ/ ۲۰ جون ۲۰۰۲ء

موبائل: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

۵۰- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری' متوفی ۳۶۰ھ' الشریعۃ' مطبوعہ مکتبہ دار السلام' ریاض' ۱۴۱۳ھ

۵۱- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم صغیر' مطبوعہ مکتبہ سلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۸ھ' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ

۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم اوسط' مطبوعہ مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۰۵ھ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ

۵۳- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' معجم کبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۵۴- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' مسند الشامیین' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۹ھ

۵۵- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی' المتوفی ۳۶۰ھ' کتاب الدعاء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ

۵۶- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی' متوفی ۳۶۴ھ' عمل الیوم واللیلۃ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت' ۱۴۰۸ھ

۵۷- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی' المتوفی ۳۶۵ھ' الکامل فی ضعفاء الرجال' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۵۸- امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ' الناسخ والمنسوخ من الحدیث' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۵۹- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ' متوفی ۳۹۶ھ' کتاب العظمۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت

۶۰- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری' متوفی ۴۰۵ھ' المستدرک' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' المکتبہ العصریہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۶۱- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' حلیۃ الاولیاء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۶۲- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی' متوفی ۴۳۰ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار النفائس' بیروت

۶۳- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان

۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الاسماء والصفات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' معرفۃ السنن والآثار' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۶۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' دلائل النبوۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۳ھ

۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب الآداب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ

۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' کتاب فضائل الاوقات' مطبوعہ مکتبہ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ

۶۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' شعب الایمان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ

۷۰- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' البعث والنشور' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ

۷۱- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی' متوفی ۴۶۳ھ' جامع بیان العلم وفضلہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷۲- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی' المتوفی ۵۰۹ھ' الفردوس بماثور الخطاب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ

۲۱- امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ 'سنن دارمی' مطبوعہ دارالکتاب العربی ۱۴۰۷ھ' دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۲- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ دارارقم بیروت۔
۲۳- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' خلق افعال العباد 'مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۱ھ
۲۴- مام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' الادب المفرد' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۱۲ھ
۲۵- امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری' متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ کرمہ' ۱۴۱۷ھ
۲۶- امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ' متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دارالجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۷- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۸- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' مراسیل ابوداؤد 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی
۲۹- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' سنن ترمذی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ' دارالجیل بیروت' ۱۹۹۸ء
۳۰- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' شمائل محمدیہ' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ
۳۱- امام علی بن عمر دار قطنی' متوفی ۲۸۵ھ سنن دار قطنی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۲- امام ابن ابی عاصم' متوفی ۲۸۷ھ' الاحاد والمثانی' مطبوعہ دارالرایہ' ریاض' ۱۴۱۱ھ
۳۳- امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار' متوفی ۲۹۲ھ' البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار 'مطبوعہ مؤسسۃ القرآن' بیروت
۳۴- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ۱۴۱۲ھ
۳۵- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' عمل الیوم واللیلہ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ
۳۶- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳' سنن کبریٰ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ
۳۷- امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی' متوفی ۳۰۷ھ' مسند الصحابہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۸- امام احمد بن علی المثنی التمیمی 'المتوفی ۳۰۷ھ' مسند ابویعلیٰ موصلی 'مطبوعہ دارالمامون التراث بیروت' ۱۴۰۴ھ
۳۹- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشا پوری' متوفی ۳۰۷ھ ' المنتقیٰ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ' متوفی ۳۱۱ھ صحیح ابن خزیمہ 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۵ھ
۴۱- امام ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی' متوفی ۳۱۲ھ' مسند عمر بن عبدالعزیز
۴۲- امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق' متوفی ۳۱۶ھ' مسند ابوعوانہ' مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ
۴۳- امام ابوعبداللہ محمد الحکیم الترمذی' المتوفی ۳۲۰ھ' نوادر الاصول 'مطبوعہ دارالریان التراث القاہرہ' ۱۴۰۸ھ
۴۴- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح مشکل الآثار 'مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۴۵- امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' تحفۃ الاخیار 'مطبوعہ دار بلنسیہ ریاض ۱۴۲۰ھ
۴۶- االامام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح معانی الآثار 'مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان لاہور' ۱۴۰۴ھ
۴۷- امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ' کتاب الضعفاء الکبیر 'دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۸- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی' متوفی ۳۲۷ھ' مکارم الاخلاق 'مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر' ۱۴۱۱ھ
۴۹- امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی' متوفی ۳۵۴ھ' الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان 'مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۷ھ

۹۸- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جمع الجوامع 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الخصائص الکبریٰ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ
۱۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الدرر المنتثرہ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۰۱- علامہ عبدالوہاب شعرانی' متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ 'مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ' مصر' ۱۳۰۳ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ
۱۰۲- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری' متوفی ۹۷۵ھ' کنز العمال 'مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۱۰۳- علامہ احمد عبدالرحمٰن البناء متوفی ۱۳۷۸ھ' الفتح الربانی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۴- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' متوفی ۶۸ھ' تنویر المقباس 'مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
۱۰۵- امام حسن بن عبداللہ البصری' المتوفی ۱۱۰ھ' تفسیر الحسن البصری 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
۱۰۶- امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' احکام القرآن 'مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۱۰ھ
۱۰۷- امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء متوفی ۲۰۷ھ' معانی القرآن 'مطبوعہ بیروت
۱۰۸- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' تفسیر القرآن العزیز 'مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت
۱۰۹- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی' متوفی ۳۰۷ھ' تفسیر قمی 'مطبوعہ دار الکتاب ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۰- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۱ھ' جامع البیان 'مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ' دار الفکر بیروت
۱۱۱- امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج' متوفی ۳۱۱ھ' اعراب القرآن 'مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۲- امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی' متوفی ۳۲۷ھ تفسیر القرآن العزیز 'مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ
۱۱۳- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی' متوفی ۳۷۰ھ' احکام القرآن 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ
۱۱۴- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی' متوفی ۳۷۵ھ' تفسیر سمرقندی 'مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
۱۱۵- شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی' متوفی ۳۸۵ھ' التبیان فی تفسیر القرآن 'مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۱۶- امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی' متوفی ۴۲۷ھ' تفسیر الثعلبی دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۱۷- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ' مشکل اعراب القرآن 'مطبوعہ انتشارات نور ایران' ۱۴۱۲ھ
۱۱۸- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی' متوفی ۴۵۰ھ' النکت والعیون 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۱۹- علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ' تفسیر القشیری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۱۲۰- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری' متوفی ۴۶۸ھ' الوسیط 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۲۱- امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی' المتوفی ۴۶۸ھ' اسباب نزول القرآن 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۲۲- امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ' تفسیر القرآن 'مطبوعہ دار الوطن' ریاض' ۱۴۱۸ھ
۱۲۳- امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی' المتوفی ۵۱۶ھ' معالم التنزیل' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۷۳- امام حسین بن مسعود بغوی' متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
۷۴- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تاریخ دمشق الکبیر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۷۵- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تہذیب تاریخ دمشق' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ
۷۶- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی' المعروف بابن الاثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' جامع الاصول' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۷۷- امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ' الاحادیث المختارہ' مطبوعہ مکتبہ النہضۃ الحدیثیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
۷۸- امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری' المتوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترہیب' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۴ھ
۷۹- امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرۃ فی امور الآخرہ' مطبوعہ دار البخاری' مدینہ منورہ
۸۰- حافظ شرف الدین عبد المومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ' المتجر الرابح' مطبوعہ دار خضر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۸۱- امام ولی الدین تبریزی' متوفی ۷۴۲ھ' مشکوٰۃ' مطبوعہ اصح المطابع دہلی' دار ارقم بیروت
۸۲- حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی' متوفی ۷۶۲ھ' نصب الرایہ' مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند' ۱۳۵۷ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۸۳- امام محمد بن عبد اللہ زرکشی' متوفی ۷۹۴ھ' اللآلی المنثورۃ' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۱۷ھ
۸۴- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ
۸۵- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۸۶- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' موارد الظمآن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۸۷- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی' المتوفی ۸۰۷ھ' تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیۃ' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
۸۸- امام محمد بن محمد جزری' متوفی ۸۳۳ھ' حصن حصین' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ
۸۹- امام ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' زوائد ابن ماجہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۹۰- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان' متوفی ۸۴۵ھ' الجواہر النقی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان
۹۱- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۸۴۸ھ' تلخیص المستدرک' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
۹۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' المطالب العالیہ' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
۹۳- امام عبد الرؤف بن علی المناوی' المتوفی ۱۰۳۱ھ' کنوز الحقائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۹۴- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الجامع الصغیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۲۰ھ
۹۵- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' مسند فاطمۃ الزہراء
۹۶- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جامع الاحادیث الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' البدور السافرہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' دار ابن حزم بیروت' ۱۴۱۴ھ

۱۴۹- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی' متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی' مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۵۰- شیخ فتح اللہ کاشانی' متوفی ۹۷۷ھ' منہج الصادقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
۱۵۱- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ' تفسیر ابوالسعود' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۵۲- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی' متوفی ۱۰۶۹ھ' عنایۃ القاضی' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۵۳- علامہ احمد جیون جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کریمی بمبئی
۱۵۴- علامہ اسماعیل حقی حنفی' متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵۵- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل' متوفی ۱۲۰۴ھ' الفتوحات الالہیہ' مطبوعہ المطبع البہیہ' مصر ۱۳۰۳ھ
۱۵۶- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' تفسیر صاوی' مطبوعہ داراحیاء الکتب العربیہ' مصر' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵۷- قاضی ثناء اللہ پانی پتی' متوفی ۱۲۲۵ھ' تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
۱۵۸- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۳۹ھ' تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
۱۵۹- شیخ محمد بن علی شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' دارالوفا بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۶۰- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی' متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۶۱- نواب صدیق حسن خان بھوپالی' متوفی ۱۳۰۷ھ' فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۰۱ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۲ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۱۶۲- علامہ محمد جمال الدین قاسمی' متوفی ۱۳۳۲ھ' تفسیر القاسمی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۱۶۳- علامہ محمد رشید رضا' متوفی ۱۳۵۴ھ' تفسیر المنار' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
۱۶۴- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری' متوفی ۱۳۵۹ھ' الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبہ الاسلامیہ ریاض
۱۶۵- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۴ھ' بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
۱۶۶- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' خزائن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۶۷- شیخ محمود الحسن دیوبندی' متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' حاشیۃ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۶۸- علامہ محمد طاہر بن عاشور' متوفی ۱۳۸۰ھ' التحریر والتنویر' مطبوعہ تونس
۱۶۹- سید محمد قطب شہید' متوفی ۱۳۸۵ھ' فی ظلال القرآن' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۸۶ھ
۱۷۰- مفتی احمد یار خان نعیمی' متوفی ۱۳۹۱ھ' نور العرفان' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ گجرات
۱۷۱- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ' معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ
۱۷۲- سید ابوالاعلیٰ مودودی' متوفی ۱۳۹۹ھ' تفہیم القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۷۳- علامہ سید احمد سعید کاظمی' متوفی ۱۴۰۶ھ' التبیان' مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان

داراحیاءالتراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ
۱۲۴- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۳۸ھ' الکشاف' مطبوعہ داراحیاءالتراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۲۵- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی' مالکی' متوفی ۵۴۳ھ' احکام القرآن' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
۱۲۶- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی' متوفی ۵۴۶ھ' المحرر الوجیز' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
۱۲۷- شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی' متوفی ۵۴۸ھ' مجمع البیان' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۲۸- علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی' متوفی ۵۹۷ھ' زادالمسیر' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت
۱۲۹- خواجہ عبداللہ انصاری من علماءالقرن السادس' کشف الاسرار وعدۃ الابرار' مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران
۱۳۰- امام فخرالدین محمد بن ضیاءالدین عمر رازی' متوفی ۶۰۶ھ' تفسیر کبیر' مطبوعہ داراحیاءالتراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۳۱- شیخ ابومحمد روز بہان بن ابوالنصر البقلی شیرازی متوفی ۶۰۶ھ' عرائس البیان فی حقائق القرآن' مطبع منشی نولکشور لکھنو
۱۳۲- علامہ محی الدین ابن عربی' متوفی ۶۳۸ھ' تفسیر القرآن الکریم' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۹۷۸ء
۱۳۳- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' الجامع لاحکام القرآن' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۳۴- قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی' متوفی ۶۸۵ھ' انوار التنزیل' مطبوعہ دارفراس للنشر والتوزیع مصر
۱۳۵- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی' متوفی ۷۱۰ھ' مدارک التنزیل' مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور
۱۳۶- علامہ علی بن محمد خازن شافعی' متوفی ۷۲۵ھ' لباب التاویل' مطبوعہ دارالکتب العربیہ' پشاور
۱۳۷- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی' متوفی ۷۲۸ھ' تفسیر نیشاپوری' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۳۸- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' التفسیر الکبیر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۹ھ
۱۳۹- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ' متوفی ۷۵۱ھ' بدائع التفسیر' مطبوعہ دارابن الجوزیہ مکہ مکرمہ
۱۴۰- علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی' متوفی ۷۵۴ھ' البحر المحیط' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ
۱۴۱- علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی' متوفی ۷۵۶ھ' الدر المصون' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۱۴۲- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ
۱۴۳- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی' متوفی ۸۶۰ھ' حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۴۴- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی' متوفی ۸۷۵ھ' تفسیر الثعالبی' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت
۱۴۵- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ' نظم الدرر' مطبوعہ دارالکتاب الاسلامی قاہرہ' ۱۴۱۳ھ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۴۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدر المنثور' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ' ایران' داراحیاءالتراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۴۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' جلالین' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۴۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' لباب النقول فی اسباب النزول' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۱۹۷- علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی' متوفی ۸۲۸ھ' اکمال اکمال المعلم' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۹۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' فتح الباری' مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور' دارالفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
۱۹۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار' دار ابن کثیر بیروت
۲۰۰- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی' متوفی ۸۵۵ھ' عمدۃ القاری' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ' دارالکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ
۲۰۱- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ' شرح سنن ابوداؤد' مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ
۲۰۲- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ' مکمل اکمال المعلم' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۰۳- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' ارشاد الساری' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۰۴- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' التوشیح علی الجامع الصحیح' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۰۵- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۲ھ
۲۰۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' تنویر الحوالک' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۰۷- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ' فیض القدیر' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ' مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۲۰۸- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ' شرح الشمائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۰۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' جمع الوسائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۱۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح مسند ابی حنیفہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ
۲۱۱- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' مرقات' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ' مکتبہ حقانیہ پشاور
۲۱۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' الحرز الثمین' مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ
۲۱۳ علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' الاسرار المرفوعۃ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ
۲۱۴- شیخ عبدالحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ' اشعۃ اللمعات' مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو
۲۱۵- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' تحفۃ الذاکرین' مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ
۲۱۶- شیخ عبدالرحمن مبارک پوری' متوفی ۱۳۲۵ھ' تحفۃ الاحوذی' مطبوعہ نشر السنہ ملتان' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۱۷- شیخ انور شاہ کشمیری' متوفی ۱۳۵۲ھ' فیض الباری' مطبوعہ مطبع حجازی مصر' ۱۳۵۷ھ
۲۱۸- شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' فتح الملہم' مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۱۹- شیخ محمد ادریس کاندھلوی' متوفی ۱۳۹۴ھ' التعلیق الصبیح' مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور
۲۲۰ مولانا محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ نزہۃ القاری مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور' ۱۴۲۱ھ

۱۷۴- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی' اضواء البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۷۵- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی' تفسیر المراغی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۱۷۶- آیت اللہ مکارم شیرازی' تفسیر نمونہ' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ
۱۷۷- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' ضیاء القرآن' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۷۸- شیخ امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۷۹- علامہ محمود صافی' اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ' مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۸۰- استاذ محی الدین درویش' اعراب القرآن وبیانہ' مطبوعہ دارابن کثیر بیروت
۱۸۱- ڈاکٹر وھبہ زحیلی' تفسیر منیر' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ
۱۸۲- سعیدی حوی' الاساس فی التفسیر' مطبوعہ دارالسلام

کتب علوم قرآن

۱۸۳- علامہ بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ' البرھان فی علوم القرآن' مطبوعہ دارالفکر بیروت
۱۸۴- علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الاتقان فی علوم القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۸۵- علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی' مناہل العرفان' مطبوعہ داراحیاء العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۸۶- علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۴۹ھ' شرح صحیح البخاری' مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ
۱۸۷- حافظ ابوعمروابن عبدالبر مالکی' متوفی ۴۶۳ھ' الاستذکار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۳ھ
۱۸۸- حافظ ابوعمروابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ' تمہید' مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور' ۱۴۰۴ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۸۹- علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی' متوفی ۴۷۴ھ' المنتقیٰ' مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر' ۱۳۳۲ھ
۱۹۰- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی' متوفی ۵۴۳ھ' عارضۃ الاحوذی' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۱۹۱- قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ' القبس فی شرح موطا ابن انس' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۹۲- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ' اکمال المعلم بفوائد مسلم' مطبوعہ دارالوفا بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۹۳- امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری' متوفی ۶۵۶ھ' مختصر سنن ابوداؤد' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت
۱۹۴- علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی' التوفی ۶۵۶ھ' المفہم' مطبوعہ دارابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۹۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' شرح مسلم' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ
۱۹۶- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی' متوفی ۷۴۳ھ' شرح الطیبی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' ۱۴۱۳ھ

۲۴۶- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ' ۱۴۱۵ھ
۲۴۷- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر
۲۴۸- لوئیس معلوف الیسوعی' المنجد' مطبوعہ المطبعہ الکاثولیکہ' بیروت' ۱۹۲۷ء
۲۴۹- شیخ غلام احمد پرویز' متوفی ۱۴۰۵ھ' لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۵۰- ابو نعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور
۲۵۱- قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری' دستور العلماء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ' سیرت و فضائل

۲۵۲- امام محمد بن اسحاق' متوفی ۱۵۱ھ' کتاب السیر والمغازی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۲۵۳- امام عبدالملک بن ہشام' متوفی ۲۱۳ھ' السیرۃ النبویہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۵۴- امام محمد بن سعد' متوفی ۲۳۰ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۵۵- علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی' المتوفی ۴۵۰ھ' اعلام النبوت' دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۰۸ھ
۲۵۶- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دار القلم بیروت
۲۵۷- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر' متوفی ۴۶۳ھ' الاستیعاب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۵۸- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی' متوفی ۵۴۴ھ' الشفاء' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۵۹- علامہ ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی' متوفی ۵۸۱ھ' الروض الانف' مکتبہ فاروقیہ ملتان
۲۶۰- علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی' متوفی ۵۹۷ھ' الوفاء' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۶۱- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' اسد الغابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۲- علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۳- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان' متوفی ۶۸۱ھ' وفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۶۴- علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی' متوفی ۷۴۶ھ' شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام' مطبوعہ کراچی
۲۶۵- شیخ ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ' المتوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۶۶- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی' متوفی ۷۷۴ھ' البدایہ والنہایہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۶۷- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ' تاریخ ابن خلدون' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۶۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی' متوفی ۸۵۲ھ' الاصابہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۹- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی' متوفی ۹۱۱ھ' وفاء الوفاء' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۱ھ
۲۷۰- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

کتب اسماء الرجال

۲۲۱ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' التاریخ الکبیر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ

۲۲۲- علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ' العلل المتناهیہ' مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد' ۱۴۰۱ھ

۲۲۳- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی' متوفی ۷۴۲ھ' تہذیب الکمال' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۲۴- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۲۲۵- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ سیر اعلام النبلاء' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ

۲۲۶- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۲۲۷- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تقریب التہذیب' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۲۲۸- علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی' متوفی ۹۰۲ھ' المقاصد الحسنہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۲۲۹- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' اللآ لی المصنوعہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۲۳۰- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' طبقات الحفاظ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۳۱- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ' الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ

۲۳۲- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' تذکرۃ الموضوعات' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۳۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ' موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی

۲۳۴- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی' متوفی ۱۱۶۲ھ' کشف الخفاء ومزیل الالباس' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق

۲۳۵- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' الفوائد المجموعہ' مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض

۲۳۶- علامہ عبدالرحمن بن محمد درویش متوفی ۱۲۷۶ھ' اسنی المطالب' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۳۷- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی' متوفی ۱۷۵ھ' کتاب العین' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ

۲۳۸- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ' الصحاح' مطبوعہ دارالعلم بیروت' ۱۴۰۴ھ

۲۳۹- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ' المفردات' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ

۲۴۰- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۸۳ھ' الفائق' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۲۴۱- علامہ محمد بن اثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۴۲- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالغفار رازی متوفی ۶۶۰ھ' مختار الصحاح' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ

۲۴۳- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

۲۴۴- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی' متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران

۲۴۵- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی' متوفی ۸۱۷ھ' القاموس المحیط' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

٢٩٧- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی' متوفی ٩٨٢ھ حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر' ١٢٨٧ھ
٢٩٨- علامہ حامد بن علی قونوی رومی' متوفی ٩٨٥ھ فتاویٰ حامدیہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ١٣١٠ھ
٢٩٩- امام سراج الدین عمر بن ابراہیم متوفی ١٠٠٥ھ النہر الفائق' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
٣٠٠- علامہ حسن بن عمار بن علی مصری متوفی ١٠٦٩ھ امداد الفتاح' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' موسسۃ التاریخ العربی بیروت' ١٤٢١ھ
٣٠١- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد' متوفی ١٠٧٨ھ' مجمع الانہر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٩ھ
٣٠٢- علامہ خیر الدین رملی' متوفی ١٠٨١ھ فتاویٰ خیریہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ' مصر' ١٣١٠ھ
٣٠٣- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی' متوفی ١٠٨٨ھ' الدر المختار' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
٣٠٤- علامہ سید احمد بن محمد حموی' متوفی ١٠٩٨ھ' غمز عیون البصائر' مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت' ١٤٠٧ھ
٣٠٥- ملا نظام الدین متوفی' ١١٦١ھ' فتاویٰ عالمگیری' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ١٣١٠ھ
٣٠٦- علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ١٢٣١ھ' حاشیۃ الطحطاوی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٨ھ
٣٠٧- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ١٢٥٢ھ منحۃ الخالق' مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر' ١٣١١ھ
٣٠٨- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ١٢٥٢ھ' تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ' مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کوئٹہ
٣٠٩- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ١٢٥٢ھ' رسائل ابن عابدین' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ١٣٩٦ھ
٣١٠- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ١٢٥٢ھ' رد المحتار' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤٠٧ھ' ١٤١٩ھ
٣١١- امام احمد رضا قادری' متوفی ١٣٤٠ھ' جد الممتار' مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
٣١٢- امام احمد رضا قادری' متوفی ١٣٤٠ھ' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
٣١٣- امام احمد رضا قادری' متوفی ١٣٤٠ھ' فتاویٰ افریقیہ' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
٣١٤- علامہ امجد علی' متوفی ١٣٧٦ھ' بہار شریعت' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
٣١٥- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ١٣٩٤ھ' اعلاء السنن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٨ھ
٣١٦- علامہ نور اللہ نعیمی' متوفی ١٤٠٣ھ' فتاویٰ نوریہ' مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور' ١٩٨٣ء

کتب فقہ شافعی

٣١٧- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ٢٠٤ھ' الام' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤٠٣ھ
٣١٨- علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی' متوفی ٤٥٠ھ' الحاوی الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٤ھ
٣١٩- علامہ ابواسحاق شیرازی' متوفی ٤٥٥ھ' المہذب' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ١٣٩٣ھ
٣٢٠- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ٦٧٦ھ' شرح المہذب' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤٢٣ھ
٣٢١- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ٦٧٦ھ' روضۃ الطالبین' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ١٤٠٥ھ
٣٢٢- علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ٩١١ھ' الحاوی للفتاویٰ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
٣٢٣- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ١٠٠٤ھ' نہایۃ المحتاج' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ١٤١٤ھ

۲۷۱- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی ۹۴۲ھ سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۲۷۲- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، متوفی ۹۷۴ھ الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ ۱۳۸۵ھ
۲۷۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ
۲۷۴- شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ مدارج النبوت، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۷۵- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی، متوفی ۱۰۶۹ھ نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ
۲۷۶- علامہ محمد عبد الباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ
۲۷۷- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ نشر الطیب، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۷۸- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ المبسوط، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ
۲۷۹- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۴۰۵ھ
۲۸۰- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری، متوفی ۵۴۲ھ خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور ۱۳۹۷ھ
۲۸۱- علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ - ایم - سعید اینڈ کمپنی ۱۴۰۰ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۲۸۲- علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی ۵۹۲ھ فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
۲۸۳- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
۲۸۴- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ تبیین الحقائق، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۲۱ھ
۲۸۵- علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی ۷۸۶ھ عنایہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ
۲۸۶- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۱ھ
۲۸۷- علامہ ابو بکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ الجوہرۃ المنیرہ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
۲۸۸- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی، متوفی ۸۲۷ھ فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
۲۸۹- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ بنایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ
۲۹۰- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ شرح العینی، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۲۹۱- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ
۲۹۲- علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۹۳- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر
۲۹۴- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۱۲ھ
۲۹۵- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور ۱۲۹۱ھ
۲۹۶- علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ

کتب عقائد وکلام

۳۴۷- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۵ھ

۳۴۸- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن محمد الانباری، التوفی ۵۷۷ھ، الداعی الی الاسلام، مطبوعہ دارالبشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ

۳۴۹- شیخ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، العقیدۃ الواسطیہ، مطبوعہ دارالسلام ریاض، ۱۴۱۴ھ

۳۵۰- علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۳۵۱- علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۵۲- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، شرح المواقف، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۵۳- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، مسایرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۵۴- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی، التوفی ۹۰۶ھ، مسامرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۵۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، التوفی ۱۰۱۴ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۷۵ھ

۳۵۶- علامہ محمد بن احمد السفارینی، التوفی ۱۱۸۸ھ، لوامع الانوار البہیہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۱۱ھ

۳۵۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۵۸- امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی، متوفی ۶۰۶ھ، المحصول، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

۳۵۹- علامہ علاءالدین عبدالعزیز بن احمد البخاری، التوفی ۷۳۰ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ دارالکتاب العربی، ۱۴۱۱ھ

۳۶۰- علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، توضیح وتلویح، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۶۱- علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، التحریر مع التیسیر، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض

۳۶۲- علامہ محب اللہ بہاری، متوفی ۱۱۱۹ھ، مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۳۶۳- علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، نورالانوار، مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی کراچی

۳۶۴- علامہ عبدالحق خیرآبادی، متوفی ۱۳۱۸ھ، شرح مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۶۵- شیخ ابوطالب محمد بن الحسن المکی التوفی ۳۸۶ھ، قوت القلوب، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۶۶- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دارالخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ

۳۶۷- امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی، متوفی ۵۹۷ھ، ذم الھویٰ، مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۲۳ھ

۳۶۸- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرہ، مطبوعہ دارالبخاریہ مدینہ منورہ، ۱۴۱۷ھ

۳۶۹- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ، قاعدہ جلیلہ، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر، ۱۳۷۳ھ

۳۲۴- علامہ ابوالضیاء علی بن علی شبراملسی' متوفی ۱۰۸۷ھ' حاشیہ ابوالضیاء علی نہایۃ المحتاج' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۲۵- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی' متوفی ۲۵۶ھ' المدونۃ الکبریٰ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۲۶- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی' متوفی ۵۹۵ھ' بدایۃ المجتہد' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۲۷- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی' متوفی ۷۶۷ھ' مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۲۸- علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی' المتوفی ۹۵۴ھ' مواہب الجلیل' مطبوعہ مکتبہ النجاح لیبیا
۳۲۹- علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی' المتوفی ۱۱۰۱ھ' الخرشی علی مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۳۰- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی' متوفی ۱۱۹۷ھ' الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۳۱- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی' متوفی ۱۲۱۹ھ' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۳۲- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' المغنی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ
۳۳۳- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' الکافی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۳۴- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' مجموعۃ الفتاویٰ' مطبوعہ ریاض' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۳۵- علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن مفلح مقدسی' متوفی ۷۶۳ھ' کتاب الفروع' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۳۶- علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی' متوفی ۸۸۵ھ' الانصاف' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۳۷- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ' کشاف القناع' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۳۸- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۳۹- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الاصول من الکافی' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۴۰- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الفروع من الکافی' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۴۱- شیخ ابومنصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس' الاحتجاج' مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت' ۱۴۰۳ھ
۳۴۲- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی' المتوفی ۶۷۹ھ' شرح نہج البلاغہ' مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۴۳- شیخ فاضل مقداد متوفی ۸۲۶ھ' کنز العرفان' مطبوعہ مکتب نوید اسلام-قم ۱۴۲۲ھ
۳۴۴- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حق الیقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران' ۱۳۴۷ھ
۳۴۵- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حیات القلوب' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۴۶- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' جلاء العیون' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

۳۷۰- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' الکبائر' مطبوعہ دار الغد العربی قاہرہ' مصر
۳۷۱- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' جلاء الافہام' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۷۲- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' اغاثۃ اللہفان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۳۷۳- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۷۴- علامہ عبداللہ بن اسعد یافعی' متوفی ۷۶۸ھ' روض الریاحین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۴ھ
۳۷۵- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' کتاب التعریفات' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۳۷۶- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' شرح الصدور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۴ھ
۳۷۷- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المیزان الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۷۸- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الیواقیت والجواہر' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۷۹- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الکبریت الاحمر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۸۰- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' لواقح الانوار القدسیہ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۸۱- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ
۳۸۲- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۸۳- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المنن الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۳۸۴- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ' الفتاویٰ الحدیثیہ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۸۵- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' اشرف الوسائل الی فہم الشمائل' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۸۶- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۳۸۷- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الزواجر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۸۸- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی' متوفی ۱۰۳۴ھ' مکتوبات امام ربانی' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' ۱۳۷۰ھ
۳۸۹- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' اتحاف سادۃ المتقین' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۱ھ
۳۹۰- شیخ رشید احمد گنگوہی' متوفی ۱۳۲۳ھ' فتاویٰ رشیدیہ کامل' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۳۹۱- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ' کشف الظنون' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران' ۱۳۷۸ھ
۳۹۲- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' الملفوظ' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور
۳۹۳- شیخ وحید الزمان' متوفی ۱۳۴۸ھ' ہدیۃ المہدی' مطبوعہ میور پریس دہلی' ۱۳۲۵ھ
۳۹۴- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی' متوفی ۱۳۵۰ھ' جواہر البحار' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۹۵- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۳۹۶- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' حفظ الایمان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۳۹۷- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی' نداء یارسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور' ۱۴۰۵ھ

حجازی صلی اللہ علیہ وسلم | نزاری صلی اللہ علیہ وسلم | صادق صلی اللہ علیہ وسلم | امین صلی اللہ علیہ وسلم | عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کلیم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | نجی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | صفی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم | حسیب صلی اللہ علیہ وسلم | مجیب صلی اللہ علیہ وسلم | شکور صلی اللہ علیہ وسلم | مقتصد صلی اللہ علیہ وسلم

رسول الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم | قوی صلی اللہ علیہ وسلم | حفی صلی اللہ علیہ وسلم | مامون صلی اللہ علیہ وسلم

معلوم صلی اللہ علیہ وسلم | حق صلی اللہ علیہ وسلم | مبین صلی اللہ علیہ وسلم | مطیع صلی اللہ علیہ وسلم | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اول صلی اللہ علیہ وسلم | آخر صلی اللہ علیہ وسلم | ظاہر صلی اللہ علیہ وسلم | باطن صلی اللہ علیہ وسلم

نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم | یتیم صلی اللہ علیہ وسلم | کریم صلی اللہ علیہ وسلم | حکیم صلی اللہ علیہ وسلم | خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم

سید صلی اللہ علیہ وسلم | سراج صلی اللہ علیہ وسلم | مبشر صلی اللہ علیہ وسلم | محرم صلی اللہ علیہ وسلم

مکرم صلی اللہ علیہ وسلم | منیر صلی اللہ علیہ وسلم | مذکر صلی اللہ علیہ وسلم | مطہر صلی اللہ علیہ وسلم | قریب صلی اللہ علیہ وسلم

خلیل صلی اللہ علیہ وسلم | مدعو صلی اللہ علیہ وسلم | جواد صلی اللہ علیہ وسلم | خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

عادل صلی اللہ علیہ وسلم | شہیر صلی اللہ علیہ وسلم | شہید صلی اللہ علیہ وسلم | رسول الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم | شفیع صلی اللہ علیہ وسلم

مومن صلی اللہ علیہ وسلم | مضری صلی اللہ علیہ وسلم | نبی التوبۃ صلی اللہ علیہ وسلم | حافظ صلی اللہ علیہ وسلم

کامل صلی اللہ علیہ وسلم | قریشی صلی اللہ علیہ وسلم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد ﷺ — احمد ﷺ

حامد — محمود — قاسم — عاقب

فاتح — شاہد — حاشر — رشید — مشہود

بشیر — نذیر — داعی — شافی

ہادی — ماحی — منجی — تہامی

ہاشمی — امی

نبی — ناہ

محمد

صلی اللہ علیہ وسلم

رسول — ابطحی

عزیز — حریص علیکم — رؤف — رحیم

طٰہٰ — مجتبیٰ — طٰسٓ — مرتضیٰ

حٰمٓ — مصطفیٰ — یٰسٓ — اولیٰ — مزمل

ولی — مدثر — متین — مصدق

طیب — ناصر — منصور — مصباح — امر